مَعدِنُ الحقائِق

شرح اُردو

کنزُ الدَّقائِق

مع جدید اضافات

مولانا محمد حنیف گنگوہی صاحب
فاضل دار العلوم دیوبند

دارُ الاشاعت کراچی

مَعدِنُ الحقائق

مَعدِنُ الحقائِق

شرح اردو

کنزُ الدّقَائق

مع جدید اضافات

جلد اوّل

مولانا محمد حنیف گنگوہی صاحب
فاضل دارالعلوم دیوبند

دارُالاشاعت
اردو بازار ایم اے جناح روڈ
کراچی پاکستان 2213768

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی
طباعت : ۲۰۰۳ء علمی گرافکس کراچی
ضخامت : 468 صفحات

﴿.........ملنے کے پتے.........﴾

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
بیت القرآن اردو بازار کراچی
ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ B-437 دیپ روڈ لسبیلہ کراچی
بیت الکتب بالمقابل اشرف المدارس گلشن اقبال کراچی
بیت العلوم 20 نابھہ روڈ لاہور

ادارہ اسلامیات موہن چوک اردو بازار کراچی
ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور
مکتبہ سید احمد شہیدؒ اردو بازار لاہور
مکتبہ امدادیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور

کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی

﴿انگلینڈ میں ملنے کے پتے﴾

Azhar Academy Ltd.
At Continenta (London) Ltd.
Cooks Road, London E15 2PW

Islamic Books Centre
[illegible]-121, Halli Well Road
Bolton BL 3NE, U.K.

فہرست مضامین مقدمہ معدن الحقائق شرح کنز الدقائق

دیباچہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انَّ ازهیٰ رَوضةٍ کلّلت تیجانُها لآ لی الغیث السَّجیم . واَبهیٰ حدیقةٍ روایحُ نشرِها اطیبُ من عرفِ النَّسیم ، حمدُه تعالیٰ الذی زین نحور هٰذه الامة المحمدیة ، بِعقودِ شریعته المرضیة ، واَرشدها بسراج العنایة الی مراقی الفلاح ، وبنور الایضاح الی امداد الفتّاح ، لا یُکتنهُ کُنهَهٗ فی البدایة والنهایة، وهو غایة کل بنایة ، واَعطَر من اَنفاس الرِّیاضِ باکرهَا الغمامُ ، واَنظر من حدایق الغیاض ، نَمتُ علیها ساجعات الحمام، صلوٰة الله وسلامه علیٰ سید نا محمد صاحب المعراج کاشف خزائن الاسرار ، الأتی بالدرراللَّوامع وغُررالافکار ، وعلیٰ اٰله واصحابه المتمسکین بشرعه وخطابه ، المتطهرین عن النقائص بتیمم مسح وجوههم بصعید بابه.

امابعد تفسیر وحدیث کے بعد علوم دینیہ میں علم فقہ کا جومقام ہے وہ اور کسی علم کو حاصل نہیں کیونکہ نجات اخروی وسعادت ابدی کا مدار شرعی اصول وضوابط کے مطابق زندگی بسر کرنے پر ہے جو علم فقہ کے بغیر ناممکن ہے، نیز صدہا کتب فقہیہ کے مابین کتاب کنزالدقائق مصنفہ ابوالبرکات حافظ الدین نسفی کا جو مقام ہے وہ بھی اہل علم پر مخفی نہیں، مگر یہ چونکہ نہایت مختصر اور غایت درجہ ادق کتاب ہے اس لئے ضرورت تھی کہ اردو زبان میں اسکی ایسی شرح کیجائے جس کے ذریعہ طلباء نفس مطالب کے ساتھ ساتھ تشریح مسائل سے بھی واقف ہوسکیں۔

میں گو اصطلاحی طور پر مصنف یا مؤلف نہیں مگر مجھے فطری طور پر قلم وقرطاس سے لگاؤ اور ابتداء ہی سے طلباء کی علمی خدمات انجام دہی کا غیر معمولی ذوق ہے حق سبحانہ وتعالیٰ کا ہزار ہا شکر ہے کہ ''نیل الامانی'' شرح مختصر المعانی اور ''تحفۃ الادب'' شرح نفحۃ العرب کی طرح میں اپنی یہ فقہی خدمت بھی پیش کرنیکی سعادت حاصل کررہاہوں......

گرقبول افتد زہے عز و شرف

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

(فاضل دارالعلوم دیوبند)

مقدمہ

مبادی علوم

ہر علم کے شروع کرنے سے پہلے چند چیزوں کا جاننا ضروری ہوتا ہے جن کو مبادی سے تعبیر کرتے ہیں، مبادی علوم امور عشرہ مشہورہ کہلاتے ہیں یعنی علم کی تعریف، تعیین موضوع، بیان، غرض وغایت، تصدیق بالفائدہ، تعارف واضع علم، بیان وجہ تسمیہ وغیرہ۔ ابن ذکری نے تحصیل المقاصد میں علوم عشرہ مذکورہ کو ان اشعار میں پیش کیا ہے۔

فاول الابواب فی المبادی ☆ وتلک عشرة علی المراد
الحد والموضوع ثم الواضع ☆ والاسم واستمداد حکم الشارع
تصور المسائل الفضیلة ☆ ونسبة فائدة جلیلة

خیر القرون اور تفقہ فی الدین

تاجدار مدینہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں دو قسم کے اصحاب تھے۔ ایک وہ جو ہمہ وقت حفظ حدیث اور اس کی روایت میں لگے رہتے تھے مثلاً حضرت ابوہریرہؓ انس بن مالکؓ وغیرہ، دوسرے وہ جو نصوص میں تدبر اور غور وفکر کر کے احکام جزئیہ نکالتے اور استنباط وتفقہ پر ہی پوری طرح صرف ہمت کرتے رہتے تھے۔ مثلاً حضرت علیؓ، عبداللہ بن عباسؓ وغیرہ یہ لوگ احادیث کو پورے تثبت وتحقیق اور مسلمہ قواعد شریعت پر جانچنے کے بعد معمول بہا بناتے تھے۔ جن میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا نام گرامی سرفہرست ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

خیر القرون کے مشاہیر اصحاب فضل وکمال اور کثیر الاحادیث ہونے کے ساتھ اجلہ فقہاء صحابہ میں سے ہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سر پر اپنا دست مبارک رکھ کر فرمایا تھا۔ "یرحمک اللّٰہ فانک علیم۔" "اللہ تجھ پر رحم فرمائے تو دنیا میں علم پھیلانے والا لڑکا ہے۔ آپ کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے عام اجازت تھی جب چاہو پردہ اٹھاؤ اور بلا روک ٹوک اندر چلے آؤ۔ حتی کہ صحابہ ان کو خاندان نبوت ہی کا ایک فرد سمجھنے لگے تھے۔ تکمیل علوم کے بعد حضورؐ نے اپنی حیات طیبہ ہی میں ان کو درس وتعلیم کی اجازت عطاء فرمادی تھی اور قرآن وحدیث تعلیم مسائل ہر ایک کے لئے صراحت سے صحابہ کو ارشاد فرمایا کہ ابن مسعودؓ سے حاصل کرو۔ ایک بار آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ابن مسعودؓ جن امور کو پسند کریں میں ان کو اپنی ساری امت کے لئے پسند کرتا ہوں اور جن امور کو وہ ناپسند کریں میں بھی انہیں ناپسند کرتا ہوں

(کنز العمال، اکمال خطیب)

علامہ ابن قیم نے "اعلام الموقعین" میں امام مسروق سے نقل کیا ہے کہ میں نے آنحضرت صلعم کے اصحاب میں علوم کا سرچشمہ چھ اصحاب کو پایا۔ علیؓ، ابن مسعودؓ، عمرؓ، زیدؓ، ابو الدرداءؓ، ابیؓ، اور ان چھ کے علم کے خزانہ حضرت علیؓ وابن مسعودؓ کو پایا۔ ان دونوں کا ابر علم یثرب کی پہاڑیوں سے اٹھا۔ اور کوفہ کی وادیوں میں برسا۔ ان دونوں آفتاب وماہتاب نے ریگستان کوفہ کے ذرہ ذرہ کو چمکا دیا۔ کوفہ میں آپ کے حلقۂ درس میں بیک وقت چار چار ہزار طلبہ شریک ہوتے تھے۔ جس وقت حضرت علیؓ کوفہ پہنچے۔ تو ابن مسعودؓ نے اپنے شاگردوں کو لے کر استقبال کیا، تمام میدان طلبہ سے بھر گیا۔ حضرت علیؓ نے فرط مسرت سے فرمایا۔ ابن مسعود! تم نے تو کوفہ کو علم وفقہ سے مالا مال کر دیا اور یہ شہر تمہاری وجہ سے علم کا مرکز ہوگیا، آخر میں آپ کوفہ سے مدینہ شریف چلے آئے تھے۔ وہیں آپ نے ۳۲ھ یا ۳۳ھ میں وفات پائی۔ علقمہ بن قیس، ابراہیم نخعی، حماد بن ابی سلیمان صرف تین واسطوں سے واضع علم فقہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے علمی خاندان کے مورث اعلیٰ حضرت عبداللہ بن مسعود ہی ہیں۔ رضی اللہ عنہ۔

حضرت علقمہ بن قیس

فقیہ عراق متوفی ۶۲ھ جلیل القدر تابعی ہیں۔ حضرت عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، سعدؓ، حذیفہؓ، اور دوسرے صحابہ کی زیارت سے مشرف اور ان کے علوم سے فیضیاب ہیں۔ علوم قرآن، تجوید، فقہ کا مکمل استفادہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے کیا فراغت کے بعد آپ نے مندرجہ ذیل الفاظ میں سند فضیلت علماء کی میں نے جو کچھ پڑھا اور جو مجھے آتا ہے وہ سب علقمہ پڑھ چکے اور ان کو آ گیا ہے جس طرح حضرت ابن مسعود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم، اعمال، اخلاق وعادات کا نمونہ تھے، اسی طرح ان امور میں علقمہ حضرت ابن مسعود کا نمونہ تھے۔ ابوالمثنی فرماتے ہیں کہ، جس نے عبداللہ بن مسعود کو نہ دیکھا ہو وہ علقمہ کو دیکھ لے ان دونوں میں کچھ فرق نہیں۔

حضرت ابراہیم نخعی

فقیہ عراق مولود ۵۰ھ متوفی ۹۶ھ فن حدیث کے امام ہیں اور چند صحابہ کی زیارت سے بھی مشرف ہیں کوفہ میں بعہدۂ افتاء ممتاز تھے اور حضرت علقمہ کے افضل ترین شاگرد تھے ان کی جگہ یہی مسند علم پر بیٹھے۔ ابن شعیب سے منقول ہے کہ بصرہ، کوفہ حجاز اور شام میں ابراہیم سے زیادہ کوئی عالم نہ تھا۔ ابوالمثنی فرماتے ہیں کہ علقمہ حضرت ابن مسعود کے فضل وکمال اور اعمال کا نمونہ ہیں اور ابراہیم نخعی تمام علوم میں علقمہ کا نمونہ ہیں۔

حضرت حماد بن ابی سلیمان

فقیہ عراق متوفی ۱۲۰ھ امام حدیث اور حضرت ابراہیم نخعی کے تمام شاگردوں میں افقہ ہیں اور تمام محدثین کا اتفاق ہے کہ ابراہیم نخعی کی حدیثوں کا حماد سے زیادہ کوئی واقف نہ تھا۔ چنانچہ ابراہیم کے بعد ان کی مسند تعلیم پر بھی یہی بیٹھائے گئے۔ اور فقیہ عراق مشہور ہوئے۔ حضرت انس اور کبار محدثین زید بن وہب، سعید بن جبیر، عکرمہ، سعید بن المسیب، حسن بصری اور علامہ شعبی وغیرہ سے روایت رکھتے ہیں عاصم، شعبہ، ثوری، حماد بن مسلمہ، مسعر بن کدام اور ہشام جیسے ائمہ فن ان کے شاگرد ہیں۔ بخاری ومسلم نے بھی ان سے روایت کی ہے اور سنن اربعہ میں تو ان کی روایات بکثرت موجود ہیں۔

واضع علم فقہ امام اعظم ابوحنیفہ

امام الائمہ، سراج الامۃ، سید الفقہاء والمجتہدین ابوحنیفہ نعمان بن ثابت بن مرزبان کوفی (رضی اللہ عنہ) آپ آباء واجداد روسا میں سے تھے۔ آپکا خاندان مالی اور اقتصادی اعتبار سے بھی اور جاہ وعزت کے لحاظ سے بھی نہایت مشہور خاندان تھا۔ ان کے والد ثابت جو اپنے زمانہ کے بہت بڑے تاجر تھے۔ حضرت علی کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے ان کے خاندان کے لئے دعاء فرمائی۔

تاریخ ولادت

سنہ ولادت میں اختلاف ہے۔ علامہ کوثری نے ۷۰ھ کو قرائن ودلائل سے ترجیح دی ہے۔ صاحب اکمال نے آپ کی ولادت ۸۰ھ میں مانی ہے اور امام مالک کی پیدائش ۹۵ھ میں اسکے باوجود امام مالک کے ذکر خیر کی وجہ تقدیم کے ذیل میں لکھتے ہیں۔ "وقد بدأنابذکرہ لانہ المقدم زماناً" فسبحان ربی لا یضل ولا ینسی۔

سکونت اور وطن عزیز

آپکا وطن عزیز کوفہ ہے جو حدیث کا سب سے بڑا مرکز تھا جس میں ہزاروں صحابہ مقیم رہے طبقات ابن سعد میں ایک ہزار سے زیادہ فقہاء کوفہ کا ذکر ہے جن میں ڈیڑھ سو صحابہ ہیں۔ کوفہ میں تین سو صحابہ تو بیعت الرضوان میں شریک ہونیوالے ہی تھے۔ اور ستر بدری تھے۔ آنحضرت صلعم کے بعد علوم نبوت کے تین مرکز تھے۔ مکہ، مدینہ، کوفہ، مکہ کے صدر مدرس حضرت ابن عباسؓ تھے۔ مدینہ کے حضرت ابن عمر اور زید بن ثابت اور کوفہ کے عبداللہ بن مسعودؓ

کوفہ میں چار ہزار سے زیادہ حضرت عبداللہ بن مسعود کے شاگرد اور آٹھ سو سے زیادہ حضرت ابو ہریرہ کے شاگرد تھے۔ امام صاحب نے اتنے بڑے علمی مرکز میں تعلیم و تربیت حاصل کی۔ اور علمائے حرمین شریفین سے بھی برابر استفادہ فرماتے رہے۔ اسی لئے آپکے شیوخ کی تعداد چار ہزار تک آئی ہے۔

امام اعظم اور بشارت حدیث

حافظ ابونعیم نے "حلیہ" میں شیرازی نے "القاب" میں طبرانی نے "معجم کبیر" میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث روایت کی ہے جس کی اصل صحیح بخاری و صحیح مسلم میں بھی ہے۔ مضمون حدیث کا یہ ہے کہ اگر علم ثریا پر بھی ہوگا تو کچھ لوگ ابنائے فارس کے اسکو ضرور حاصل کر لینگے۔ علامہ سیوطی حدیث کی تصحیح کے بعد فرماتے ہیں کہ امام صاحب کی فضیلت و منقبت میں اس حدیث کے ہوتے ہوئے کسی غیر معتمد حدیث کی ضرورت نہیں۔

تحصیل علم

امام صاحب نے صغر سنی میں معمولی تعلیم حاصل کی اور بڑے ہوکر تجارت میں لگ گئے۔ اسی اثناء میں ایک خواب دیکھا کہ "میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار شریف کو کھول رہا ہوں۔ اور آپکے جسد اطہر کو اپنے سینہ سے لگا رہا ہوں"۔ خواب سے لرزاں و ترساں بیدار ہوئے۔ کسی سے خواب بیان کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی مجبوراً ایک شخص کو بتا کر محمد بن سیرین کے پاس تعبیر کے لئے بھیجا۔ انہوں نے کہا کہ "جس شخص نے یہ خواب دیکھا ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی صحیح خدمت کریگا۔ اس سے آپ نہایت متاثر ہوئے اور تحصیل علم شروع کی۔ سب سے پہلے علم کلام کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس سے فراغت کے بعد فن حدیث کو شروع کیا اور حدیث اپنے دور کے مشاہیر محدثین اعرج، عطا بن ابی رباح، نافع، عاصم، علقمہ، عطیہ، یحیی بن سعید، ہشام بن عروہ وغیرہ سے کی، حافظ ابن حجر مکی نے "الخیرات الحسان" میں لکھا ہے کہ آپ نے چار ہزار اساتذہ سے حدیث حاصل کی۔ امام سیوطی نے تبییض الصحیفۃ، میں اور امام موفق اور امام کردری نے "مناقب" میں امام صاحب کے بہت سے شیوخ و اساتذہ کے نام مع نسب لکھے ہیں۔

تحصیل علم فقہ

جس طرح آپ کے اساتذۂ حدیث بے شمار ہیں اسی طرح علم فقہ بھی اپنے اپنے دور کے ہزاروں نامور فقہاء سالم بن عبداللہ سلیمان وغیرہ سے حاصل کیا ہے۔ لیکن آپ کا فقہی استفادہ زیادہ تر حماد بن ابی سلیمان فقیہ سے وابستہ ہے۔ آپ ان کی خدمت میں دس برس رہے ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت حماد امام صاحب کو اپنی جگہ بٹھا کر باہر گئے۔ امام صاحب لوگوں کے سوالات کے جوابات دیتے رہے جن میں وہ مسائل بھی آئے جو استاد سے نہ سنے تھے، واپسی پر وہ مسائل استاد کی خدمت میں پیش کئے جن کی تعداد ساٹھ تھی۔ استاد نے چالیس سے اتفاق کیا بیس سے اختلاف۔ امام صاحب نے قسم کھائی کہ ساری عمر حاضر رہونگا چنانچہ استاد کی وفات تک ساتھ رہے کل زمانہ رفاقت اٹھارہ سال ہوا۔ اس بے پناہ صحبت کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ آپ دربارہ فقہ اقلیم شہرت و عظمت کے تاجدار بن گئے۔ اور ۱۲۰ھ میں بعمر چالیس سال مسند اجتہاد پر رونق افروز ہو گئے۔

مدوّنِ شریعت وواضع فقہ

اسلامی علوم کی ابتداء اگرچہ اسلام کے ساتھ ساتھ ہوئی، اور نزول وحی کے زمانہ ہی سے عقائد، تفسیر، حدیث، فقہ کی تعلیم شروع ہو چکی تھی مگر چونکہ ایک خاص ترتیب و انداز کیساتھ زمانۂ نبوت و دور خلافت میں یہ علوم مدوّن نہ ہوئے تھے اور نہ ان کو فن کی حیثیت حاصل تھی اس لئے وہ کسی خاص شخص کی طرف منسوب نہ ہو سکے جب دوسری صدی ہجری میں تدوین و ترتیب شروع ہوئی تو جن حضرات نے جن خاص علوم کی نئے انداز و فکر کیساتھ ترتیب کی وہ ان کے مدوّن و بانی کہلائے۔ اسی مناسبت سے امام ابوحنیفہ کو فقہ کا بانی کہا جاتا ہے۔

مسند خوارزمی میں ہے کہ امام صاحب نے سب سے پہلے علم شریعت کو مدوّن کیا کیونکہ صحابہ و تابعین نے علم شریعت ابواب فقہ کی ترتیب پر کوئی تصنیف نہیں کی۔ ان کو اپنی یاد پر اطمینان تھا لیکن امام صاحب نے صحابہ و تابعین کے بلاد اسلامیہ میں منتشر ہونیکی وجہ سے علم شریعت کو

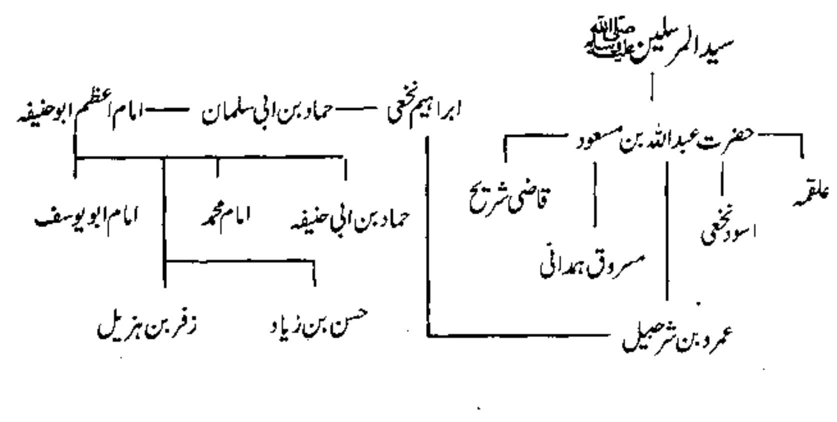
منتشر پایا۔ اور متاخرین کے سوءِ حفظ کا خیال کر کے تدوین شریعت کی ضرورت محسوس کی چنانچہ آپ نے اپنے ایک ہزار شاگردوں میں سے چالیس کو تدوین فقہ کے لئے منتخب کیا جو سب اپنے وقت کے بڑے بڑے مجتہد اور بعد کے اجلّہ محدثین کے شیخ الشیوخ تھے اور یہ چالیس حضرات تو وہ تھے جو باقاعدہ تدوین فقہ کے کام میں ذمہ دارانہ حصہ لیتے تھے۔

ان کے علاوہ دوسرے محدثین وفقہاء بھی اکثر اوقات حدیثی وفقہی بحثوں کو سنتے اور ان میں اپنے اپنے علم وصوابدید کے موافق کہنے سننے کا برابر حق رکھتے تھے۔ امام صاحب نے جس طرز پر تدوین فقہ کا کام کیا۔ یہ ایسا عظیم الشان تاریخی کارنامہ تھا جس کی نظیر غیر اسلامی تاریخوں میں بھی نہیں ملتی اور یہ درحقیقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی تعمیل تھی جو طبرانی نے اوسط میں حضرت علی سے روایت کیا ہے حضرت علی فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر کوئی ایسا امر پیش آئے جس میں امر و نہی منصوص نہ ملے تو ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ فرمایا: فقہاء وعابدین سے معلوم کرو اور کسی ایک کی رائے پر مت چلو۔

سلسلۃ الذھب

خلف بن ایوب کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ سے علم سرور انبیاء محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچا، آپ سے صحابہ کو اور صحابہ سے تابعین کو، تابعین سے امام ابوحنیفہ کو، شامی میں لکھا ہے کہ فقہاء نے تدوین فقہ کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے کہ فقہ کا کھیت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بویا۔ علقمہ نے اس کو سینچا، ابراہیم نخعی نے اس کو کاٹا۔ حماد نے اس کو مانڈا، یعنی اناج کو بھوسی سے الگ کیا، ابوحنیفہ نے اس کو پیسا، ابو یوسف نے اس کو گوندھا، محمد بن حسن شیبانی نے اس کی روٹیاں پکائیں اور باقی سب اسکے کھانیوالے ہیں۔ یعنی اجتہاد واستنباط کا طریقہ حضرت ابن مسعودؓ سے شروع ہوا، علقمہ نے اس کو تقویت پہنچائی ابراہیم نے اسکے فوائد متفرقہ کو جمع کیا، حماد نے فروع کو زیادہ کیا۔ امام اعظم نے اس کو کمال پر پہنچا کر تدوین فقہ کی مہم سر کی تقریباً ساڑھے بارہ لاکھ مسائل وجزئیات منقح کرا کر ابواب فقہ پر مرتب کرایا۔ پھر آپ ہی کے نقش قدم پر چل کر امام مالک، شافعی، احمد، ابو یوسف، محمد، زفر نے اصول تفریع مرتب کئے اور فقہ، اصول فقہ، اصول حدیث ورجال وغیرہ پر بہترین کتابیں وجود میں آئیں چنانچہ اصول فقہ حنفی میں سب سے پہلے امام ابو یوسف نے کتابیں لکھیں اور اصول فقہ شافعی میں سب سے پہلے امام شافعی نے کتاب لکھی۔ وقد نظمہ بعضھم

الفقه زرع ابن مسعود و علقمة ÷ حصاده ثم ابراهيم دواس
نعمان طاحنه يعقوب عاجنه ÷ محمد خابز والآ كل الناس



اخلاق و عادات

امام صاحب اخلاق و عادات کے اعتبار سے نہایت بلند پایہ، زہد و اتقاء میں بے مثل استقامت و استقلال میں بے نظیر، خلوص وللٰہیت میں لاثانی نہایت ذہین و زکی اور دقت نظر کے مالک تھے۔ اکثر اوقات خاموش رہتے اور جب کوئی سوال کرتا تو ایسا تشفی بخش جواب دیتے کہ کوئی پہلو تشنہ نہ رہتا، طبیعت میں آزادی فکر و بے نیازی و فیاضی کوٹ کوٹ کر بھر دی گئی تھی، حلم و عفو کی زندہ مثال اور حق گوئی میں اپنی نظیر آپ تھے۔

حلیہ مبارکہ

آپکا قد درمیانہ تھا نہ بہت کوتاہ نہ زیادہ دراز، آواز نہایت شیریں، ودلکش اور بلند تھی آنکھیں نرگسی چہرہ حسین، بدن معتدل اور نہایت موزوں، مزاج لطافت و نفاست پسند مگر خوف وخشیت ربانی سے بھرپور، کلام نہایت فصیح و بلیغ، قلب سوز و گداز سے معمور، دل اور سینہ انوار علوم نبوت کی عکس ریزیوں سے شمع جہاں افروز کی مانند روشن و تاباں۔

وصال پُر ملال

آپ نے ۱۵۰ھ میں وفات پائی اور بغداد میں خیزران کے مقبرہ میں مدفون ہوئے، سلطان الپ ارسلان سلجوقی نے ۴۵۹ھ میں آپ کی قبر پر ایک قبہ اور اس کے قریب ایک مدرسہ بنوادیا۔

خیر القرون میں حنفی مذہب کا دور و دراز تک نفوذ و شیوع

فقہ حنفی کی تدوین چونکہ کسی ایک شخص نے نہیں کی بلکہ کبار فقہاء کی ایک بہت بڑی جماعت نے کی ہے۔ نیز مذہب حنفی میں ہر زمانہ کی ضروریات اور جدید سے جدید ترقیات کے ساتھ چلنے کی پوری صلاحیت موجود ہے اسلئے ابتداء ہی سے اس کا نفوذ و شیوع۔ زمین کے گوشہ گوشہ تک ہوگیا، بغداد، مصر، روم، بلخ، بخارا، سمرقند، اصبہان، شیراز، آذربیجان، جرجان، زنجان، طوس، بسطام استرآباد، مرغینان، فرغانہ، وامغان، خوارزم، غزنہ، کرمان، ہند، سند، دکن، یمن، غرضیکہ کوئی جگہ اور کوئی گوشہ خالی نہیں جہاں حنفی مذہب نہ پہنچ گیا ہو۔ نواب صدیق حسن خان نے "ریاض المرتاض" میں سد سکندری کا حال بیان کرتے ہوئے "مسالک الممالک" کے حوالے سے لکھا ہے کہ خلیفہ واثق باللہ نے سد سکندری کا حال معلوم کرنا چاہا۔ چنانچہ اس نے ۲۲۸ھ میں برائے تفحص سلام نامی شخص کو جو چند زبانوں کا واقف تھا پچاس آدمیوں کے ساتھ سامان رسد دیکر روانہ کیا، یہ لوگ بلاد آرمینیہ، سامرہ ترخاں وغیرہ سے گذر کر ایسی زمین پر پہنچے۔ جہاں سے سخت بدبو نکلتی تھی پھر دو روز مزید چل کر ایسی سرزمین میں پہنچے جہاں ان کو پہاڑ نظر آیا وہاں ایک قلعہ بھی تھا جس میں کچھ لوگ بھی تھے مگر آس پاس آبادکاری کے نشانات نہ تھے۔ یہ لوگ ۲۷ منزل وہاں سے اور آگے بڑھے اور ایک قلعہ پر پہنچے جہاں سے ایک پہاڑ قریب تھا اور اس کی گھاٹیوں میں سد یاجوج ماجوج تھی۔ اگرچہ اس کے قریب بستیاں کم مگر صحرا اور متفرق مکانات بہت تھے۔ کہنا یہ ہے کہ سد مذکور کے محافظ جو اس جگہ تھے سب مسلمان تھے اور ان کا مذہب حنفی تھا زبان عربی و فارسی بولتے تھے۔

امام ابو یوسف

قاضی القضاۃ امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم بن حبیب بن سعد الانصاری البجلی۔ عام طور سے انکا سنہ ولادت ۱۱۳ھ بتایا جاتا ہے لیکن علامہ کوثری نے تاریخی دلائل سے ۹۳ھ قرار دیا ہے اس لحاظ سے آپ امام مالک سے دو سال بڑے تھے گھر کی مالی حالت کمزور تھی اس لئے ان کے والد کی خواہش تھی کہ یہ فکر معاش کریں اور کوئی پیشہ سیکھیں لیکن ان کا شوق امام صاحب کے حلقہ درس میں کھینچ لاتا۔ والد زبردستی واپس لے آتے۔ بالآخر امام صاحب ان کے خرچ کے بھی متکفل ہوگئے اور یہ معاش کی طرف سے مستغنی ہو کر تحصیل علم میں مشغول ہو گئے۔ یہاں تک کہ ایک زمانہ وہ آیا کہ استاد وقت ہوگئے ہلال بن یحییٰ کا قول ہے کہ آپ تفسیر، مغازی اور ایام عرب کے حافظ تھے لیکن زیادہ تر فقہ اور

قضاء میں مشہور ہوئے۔ چنانچہ ۱۶۶ھ میں خلیفہ مہدی نے ان کو قاضی بنایا اور ہارون رشید نے اپنے زمانہ خلافت میں ممالک اسلامیہ کا قاضی القضاۃ مقرر کر لیا وفات سے پہلے کہتے تھے کہ سترہ برس امام صاحب کی صحبت میں رہا سترہ برس دنیا کے کام میں رہ چکا۔ میرا گمان ہے کہ اب میری موت قریب ہے اس قول کے چھ ماہ بعد ۱۸۲ھ میں بعمر ۸۹ سال وفات پائی۔

امام محمد

ابوعبداللہ محمد بن حسن بن فرقد الشیبانی ان کا اصلی وطن دمشق کے قریب ایک گاؤں ہے جس کا نام ''حرستا'' تھا۔ ان کے والد یہیں کے رہنے والے تھے، یہ شامی لشکر میں ملازم تھے اسی سلسلہ میں کچھ مدت تک ''واسط'' میں قیام کرنا پڑا، یہیں ۱۳۲ھ میں امام محمد پیدا ہوئے۔ پھر والدین مستقل طور پر کوفہ منتقل ہو گئے تھے یہیں آپ کی تعلیم وتربیت ہوئی چودہ سال کی عمر میں امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر علم حاصل کیا۔ چار سال تک حاضر خدمت رہے مگر امام صاحب کا یہ اخیر دور تھا اسلئے امام صاحب کے انتقال کے بعد امام ابو یوسف سے تکمیل کی۔ اور بیس سال کی عمر میں درس دینا شروع کر دیا۔ آپ باتفاق اہل علم فقہ کے بلند پایہ امام ہونے کے ساتھ ساتھ تفسیر وحدیث کے ماہر اور لغت وادب کے نازش روزگار مسلم استاد تھے ترکہ سے تیس ہزار درہم یا دنانیر ملے تھے جن سے آدھے علم لغت وشعر کی تحصیل میں اور آدھے فقہ وحدیث کی تحصیل میں صرف کر دیے۔ آپ نے بعمر ۵۷ھ ستاون سال ۱۸۹ھ میں وفات پائی۔

امام زفر

ابو الہذیل زفر بن ہذیل بن قیس بن سلیم عنبری ۱۱۰ھ بمقام اصبہان پیدا ہوئے جہاں ان کے والد حاکم تھے شروع میں ان کو حدیث کا زائد شوق تھا بعد میں فقہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور بیس سال سے زائد امام صاحب کی خدمت میں رہے، امام ابو حنیفہ ان کے متعلق اقیس اصحابی فرمایا کرتے تھے شعبان ۱۵۸ھ میں بعمر اڑتالیس سال وفات پائی۔

فقہ کی لغوی تحقیق

"الفقه حقيقة" الشق و الفتح والفقية العالم الذى يشقّ الاحكام ويفتش عن حقائقها ويفتح ما استغلق منهافقہ کے لغوی معنی کسی شئی کو کھولنا اور واضح کرنا ہے فقیہ اس عالم کو کہتے ہیں جو احکام شرعیہ کو واضح کرے اور ان کی حقائق کا سراغ لگائے۔ اور مغلق و پیچیدہ مسائل کو واضح کرے (فائق للزمخشری) الفقه لغة العلم بالشئ ثم خصّ بعلم الشريعة فقہ کے لغوی معنی کسی چیز کو جاننا ہے پھر یہ علم شریعت کیساتھ خاص ہو گیا (درمختار) فقہ الشئی (س) فقہا افہمہ وفقہہ (ک) فقاہۃ ! علم و كان فقيها افقہہ (س) فقها ! کسی شئی کا جاننا اور سمجھنا، ففهه (ک) فقاہۃ: فقیہ ہونا۔ علم میں غالب ہونا ہے۔

(اقرب الموارد)

فقہ کے اصطلاحی معنی

علماء اصول فقہ کی اصطلاح میں علم فقہ کی مشہور تعریف یہ ہے" العلم بالا حكام الشرعية الفرعية المكتسب من ادلتها التفصيلية"

فقہ احکام شرعیہ فرعیہ کے اس علم کو کہتے ہیں جو احکام کی ادلہ مفصلہ سے حاصل ہو۔ احکام فرعی وہ ہیں جن کا تعلق عمل سے ہوتا ہے اور احکام اصلی وہ ہیں جن کا تعلق اعتقاد سے ہوتا ہے احکام کی ادلہ مفصلہ چار ہیں قرآن پاک، حدیث، اجماع، قیاس، تعریف میں ''احکام'' کی قید سے علم ذوات وصفات اور ''الشرعیۃ'' کی قید سے احکام عقلی جیسے اس بات کا علم کہ عالم حادث ہے۔ اور احکام حسی جیسے اس بات کا علم کہ آگ جلانیوالی ہے اور احکام اصطلاحی جیسے اس بات کا علم کہ فاعل مرفوع ہوتا ہے اور ''الفرعیۃ'' کی قید سے احکام اصلی (جن کی بحث علم عقائد میں ہوتی ہے) علم فقہ کی تعریف سے خارج ہو گئے اور مطلب یہ ہوا کہ احکام شرعیہ فرعیہ کا جو علم کتاب اللہ یا سنت رسولؐ یا اجماع امت یا قیاس صحیح سے حاصل ہو اس کو فقہ کہتے ہیں اصولیین کی اس تعریف سے معلوم ہوا کہ ان حضرات کے یہاں حقیقی فقیہ صرف مجتہد ہی ہو سکتا ہے نہ

کہ مقلد کیونکہ مقلد کے لئے دلائل سے استدلال کرنا ضروری نہیں اس پر جو فقیہ کا اطلاق ہوتا ہے وہ صرف مجازاً ہوتا ہے فقہاء کے یہاں صرف مسائل یاد رکھنے کو فقہ کہتے ہیں جس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ تین مسئلے یاد ہوں چنانچہ فقہا نے تصریح کی ہے کہ اگر کوئی شخص فقہاء کے لئے ثلث مال کی وصیت کرے تو اس میں وہ لوگ داخل ہوں گے جو شرعی مسائل میں نظر دقیق رکھتے ہوں. اور ان کو دلائل کے ساتھ جانتے ہوں اگر چہ وہ تین ہی مسئلے ہوں پس جس شخص کو بلا دلائل ہزار ہا مسئلے یاد ہوں وہ فقیہ نہ ہوگا تاوقتیکہ وہ مسائل کو دلائل کے ساتھ محفوظ کر لے۔

اہل حقیقت اور حضراتِ صوفیائے کرام کے یہاں فقہ علم وعمل کی جامعیت کا نام ہے حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ ''انما الفقیہ المعرض عن الدنیا الزاهد فی الآخرة البصیر بعیوب نفسه'' فقیہ وہی شخص ہے جو دنیا سے روگرداں ہو اور امور اخرویہ میں رغبت کرنیوالا ہو اور اپنے ذاتی عیوب کا دانا وبینا ہو یعنی عارف فقیہ کی عبادت بھی فقط خدا کے لئے ہوتی ہے نہ دوزخ کے خوف سے ہوتی ہے اور نہ بہشت کی طمع سے یہ لوگ جو بہشت کو مانگتے ہیں وہ تلذذ کے لئے نہیں بلکہ پروردگار کے دیدار کے لئے'' قال العارف۔

لیس قصدی من الجنان نعیما غیر انی اریدها لاراک

علم فقہ کا موضوع

ہر علم کا موضوع وہ ہوتا ہے جس کے عوارض ذاتیہ کے سبب وثبوت سے بحث کی جائے جیسے علم نحو کا موضوع کلمہ ہے کہ علم نحو کلمہ کے ان عوارض واحوال سے بحث کرتا ہے جو اس کو معرب ومبنی ہونے کی حیثیت سے پیش آتے ہیں، علم فقہ کا موضوع مکلّف آدمی کا فعل وعمل ہے جس کے احوال سے اس علم میں بحث ہوتی ہے۔ مثلاً اس کا صحیح ہونا، صحیح نہ ہونا، فرض ہونا، فرض نہ ہونا، حلال یا حرام ہونا، حلال یا حرام نہ ہونا وغیرہ مکلف سے مراد عاقل وبالغ ہے پس مجنون اور نابالغ بچہ کے افعال علم فقہ کے موضوع سے خارج ہیں، رہا ضمان تلف اور نفقہ زوجات وغیرہ سو اس کی ادائیگی کا خطاب ان کے اولیاء سے متعلق ہوتا ہے نہ کہ مجنون اور نابالغ سے اور نابالغ کی عبادت صوم وصلوٰۃ وغیرہ کا صحیح ہونا اور اس پر ثواب کا مرتب ہونا سو یہ عقلی چیز ہے جو از قبیل ربط احکام بالاسباب ہے یہی وجہ ہے کہ بچے ''اقیموا الصلوة اور فلیصمه'' کے مخاطب نہیں بچوں کو جو صوم وصلوٰۃ کا حکم کیا جاتا ہے وہ صرف اس لئے کیا جاتا ہے کہ بچے اس کے خوگر اور عادی ہو جائیں۔ اور بلوغ کے بعد اس کو ترک نہ کریں۔

علم فقہ کا مقصد

علم فقہ کا مقصد اور اسکی غرض وغایت سعادتِ دارین کی ظفریابی ہے۔ کہ فقیہ دنیا میں مخلوق خدا کو فائدہ پہنچا کر مراتب عالیہ حاصل کرتا ہے۔ اور آخرت میں جس کی چاہے گا شفاعت کریگا اور اپنے پروردگار کے دیدار سے مشرف ہوگا۔

علم فقہ کا ماخذ

علم فقہ کا ماخذ کتاب اللہ، سنتِ رسول، اجماع اور قیاس ہے، کتاب اللہ سے مراد کلام الٰہی (قرآن) ہے جو منجانب اللہ نبی آخر الزماں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے اور مکتوب بین الدفتین اور متواتر بین الامۃ ہے۔ سنت سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال اور آپ کی تقریرات ہیں۔ اور اقوالِ صحابہ تابع سنت ہیں۔ اجماع سے مراد اجماع صحابہ ہے (رضوان الله علیهم اجمعین) اور تعاملِ ناس تابع اجماع ہے۔ مثلاً کوئی شخص کفش دوز سے یہ کہے کہ میرے لئے دس روپے میں پندرہ روز کے اندر اندر اس قسم کا ایک جوتہ بنا دے تو یہ معاملہ سلم ہے (جو بیع کی ایک قسم ہے اور اس میں تعیینِ مدت ضروری ہے) لیکن اگر وہ مدت کو ذکر نہ کرے تو معاملہ استحساناً صحیح ہے کیونکہ لوگوں کا معاملہ یونہی جاری ہے۔ قیاس سے مراد وہ قیاس ہے جو کتاب اللہ یا سنت یا اجماع سے مستنبط ہو، قیاس مستنبط من الکتاب کی مثال حرمت لواطت کو بحالتِ حیض حرمتِ وطی پر قیاس کرنا ہے۔ جو قولِ باری۔

''قل هو اذًی فاعتزلوا النسآء فی المحیض''

سے ثابت ہے اور علت حرمت اذی (پلیدی) ہے، قیاس مستنبط من السُّنة کی مثال چنے کے ایک قفیز کو دو قفیزوں کے عوض بیچنے کی

حرمت پر قیاس کرتا ہے۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "الحنطة بالحنطة" مثلاً بمثلٍ والفضل "ربوا" سے ثابت ہے اور علت حرمت جنس وقدر ہے، قیاس مستنبط من الاجماع کی مثال حرمت مصاہرۃ میں وطی حلال پر وطی حرام کو قیاس کرنا ہے جیسے حرمت وطی ام مزنیہ کو حرمتِ وطی ام امۃ موطوءۃ پر قیاس کیا گیا ہے۔

علم فقہ کے متعلق شارع کا حکم

علم فقہ کا سیکھنا فرض عین بھی ہے اور فرض کفایہ بھی۔ اتنی معلومات حاصل کرنا کہ جن کی دین میں احتیاج واقع ہوتی ہے فرض عین ہے اور ہر شخص کے لئے ضروری ہے اور زائد از حاجت دوسروں کے نفع کے لئے حاصل کرنا فرض کفایہ ہے تاکہ دوسرے لوگ بھی مہالک ومحرمات سے بچیں، اور علم فقہ کی جمیع انواع طہارت، نماز، روزہ، زکوۃ، حج، نکاح، طلاق، عتاق وغیرہ کو معلوم کرنا اور ان میں تبحر پیدا کرنا مندوب ومستحب ہے، البتہ مالدار پر مسائل زکوۃ وحج اور نکاح کرنیوالے پر مسائل نکاح اور طلاق دینے والے پر مسائل طلاق سوداگر پر مسائل بیوع، کاشتکار پر شرعی مسائل کاشت غرضیکہ جو شخص جس چیز کا شغل رکھتا ہو اس پر اس کا علم حاصل کرنا بھی ضروری ہے۔ تاکہ اس میں ارتکاب حرام سے محفوظ رہ سکے۔

مسائل فقہ

ہر وہ جملہ جس کا موضوع فعل مکلف ہو اور اس کا محمول احکام خمسہ فرض، واجب، حرام، مکروہ اور مباح میں سے کوئی ایک ہو وہ علمِ فقہ کا مسئلہ ہے جیسے یہ فعل فرض ہے یا واجب ہے یا حرام ہے اھ۔

علم فقہ کی فضیلت

علم فقہ تفسیر وحدیث اور عقائد کے بعد جملہ علوم سے افضل ہے جس کی شہادت قرآن اور حدیث ہر دو میں موجود ہے حق سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے۔

"من یوت الحکمة فقد اوتی خیرا کثیرا"

جس کو حکمت عطا ہوئی اس کو خیر کثیر دیدی گئی ارباب تفسیر کے ایک گروہ زمخشری وغیرہ نے حکمت کی تفسیر علم شرائع سے کی ہے اور علم شرائع علم فقہ ہی ہے۔

" وقال تعالیٰ وما کان المؤمنون لینفروا کآفة فلولا نفر من کل فرقة منهم طآئفة لیتفقهوا فی الدین"

اور مسلمان ایسے تو نہیں کہ سارے کوچ کریں سو ہر فرقہ میں سے ان کا ایک حصہ کیوں نہ نکلا تاکہ دین میں سمجھ پیدا کریں۔ شیخ ابوحیان کے نزدیک یہ آیت جہاد کے لئے نہیں طلبِ علم کے بارے میں ہے جس میں احکام دینیہ کی سمجھ حاصل کرنیکی رغبت دلائی گئی ہے۔

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

"من یرد اللّٰہ به خیرا یفقهه فی الدین" (متفق علیہ)

جس کے واسطے اللہ تعالیٰ بھلائی چاہتے ہیں ان کو دین کی سمجھ عطاء کرتے ہیں۔

وقال صلی اللّٰہ علیه وسلم " فقیه واحد اشد علی الشیطان من الف عابد" (ترمذی عن ابن عباس)

ایک فقیہ عالم شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے۔ "وقال صلی اللّٰہ علیه وسلم کونوا دراة ولاتکونوا رواة " (النصیحۃ للخطیب البغدادی) سمجھدار بنو محض روایت کرنیوالے مت بنو۔ قال الشاعر

اذا ما اعتز ذوعلم بعلم فعلم الفقه اولی باعتزاز
فکم طیب تفوح ولا کمسک وکم طیر یطیر ولا کباز

جب کوئی صاحب علم کسی علم سے فخر کرے تو علم فقہ اولیٰ بالافتخار ہے بہت سی خوشبوئیں مہکتی ہیں لیکن مشک کی طرح نہیں اور بہت سے

پرندے اڑتے ہیں مگر باز کی طرح نہیں یعنی علم فقہ دیگر علوم کے مقابلہ میں ایسا ہی افضل ہے جیسے مشک دیگر خوشبوؤں کے مقابلہ میں۔ اور باز دیگر پرندوں کے مقابلہ میں۔ وقال آخر۔

وخیر علومٍ علم فقهٍ لانه ÷ یکون الی کل المعالی توسلاً

فان فقیهاً واحداً متورعا ÷ علی الف ذی زهد تفضل واعتلی

جملہ علوم سے بہتر علم فقہ ہے۔ کہ وہ تمام مراتب عالیہ کا وسیلہ ہے اس واسطے کہ ایک متقی فقیہ ہزار زاہدوں پر عالی قدر ہے وللآخر۔

الفقه افضل شیئ انت ذاخره ÷ من یدرس الفقه لم تدرس مفاخره

طبقاتِ فقہاء

فقہاء کے سات طبقے ہیں (۱)...... طبقہ مجتہد فی الشرع (جس کو بعض نے مجتہد مطلق سے تعبیر کیا ہے) اس طبقہ کے فقہاء اپنے اپنے مقرر کردہ قواعد وقوانین پر ادلہ اربعہ کے ساتھ احکام مستنبط کرتے ہیں اور فروع واصول میں کسی کی تقلید نہیں کرتے جیسے امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک امام شافعی، امام احمد، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ مزنی، شعبی وغیرہ۔ (۲)...... طبقہ مجتہد فی المذہب (جس کو بعض نے مجتہد منتسب سے تعبیر کیا ہے) اس طبقہ کے فقہاء اپنے اماموں کے وضع کردہ قواعد پر مسائل کا استنباط کرتے ہیں اور اصول وقواعد میں ان کا کوئی اختلاف نہیں ہوتا جیسے امام ابویوسف، محمد، زفر، حسن بن زیاد، حماد بن ابی حنیفہ ودیگر اصحاب امام اعظم احناف میں سے اور ابن الصلاح، ابن دقیق العید تقی الدین سبکی، تاج الدین سبکی، سراج بلقینی، ابن زملکان شوافع میں سے اور ابن عبدالبر، ابوبکر بن العربی مالکیوں میں سے (حنابلہ سے اس طبقہ میں کوئی نہیں گذرا۔ (۳)...... طبقہ مجتہد فی المسائل۔ اس طبقہ کے فقہاء کا منصب یہ ہے کہ جن مسائل میں صاحب مذہب سے کوئی نص صریح نہ ہو ان کے احکام کو صاحب مذہب کے مقرر کردہ قواعد وضوابط کے مطابق مستنبط کرتے ہیں جیسے امام طحاوی خصاف، کرخی، شمس الائمہ حلوانی، شمس الائمہ سرخسی، فخر الاسلام بزدوی وغیرہ (۴)...... طبقہ اصحاب تخریج اس طبقہ کے فقہاء کو فروع واصول میں گو کمال نظر ہوتا ہے مگر اجتہاد پر قادر نہیں ہوتے بلکہ ان کا کام صرف مجمل قول کی تفصیل اور محتمل امرین کی تعیین ہے جیسے ابوبکر رازی، قاضی خان وغیرہ۔ (۵)...... طبقہ اصحاب ترجیح اس طبقہ کے فقہاء کی کارگذاری یہ ہوتی ہے کہ صاحب مذہب سے جو مختلف روایتیں ہوں ان میں سے کون افضل ہے اور کون مفضول اس کو بتاتے ہیں کقولهم هذا اولیٰ هذا اصح روایة هذا اوفق بالناس، جیسے امام قدوری، صاحب ہدایہ وغیرہ۔ (۶)...... طبقہ قادر علی التمیز اس طبقہ کے فقہاء ظاہر مذہب، ظاہر الروایہ، روایات نادرہ میں امتیاز اور قوی وضعیف کو ممتاز کر لیتے ہیں اور بس جیسے صاحب کنز صاحب وقایہ، صاحب مختار، صاحب مجمع، شمس الائمہ کردری، جمال الدین حصیری وغیرہ اصحاب متون مصنفین۔

طبقات مسائل حنفی

مسائل حنفیہ کے تین طبقے ہیں۔ اول طبقہ میں وہ مسائل ہیں جو ظاہر الروایات سے ثابت ہیں طبقہ دوم میں وہ مسائل ہیں جو نوادرات سے ثابت ہیں طبقہ سوم میں وہ مسائل ہیں جو متاخرین مشائخ نے اصول حنفیہ کے متعلق حسب ضرورت آپ اجتہاد کر کے ثابت کئے ہیں جن کو فتاوٰی اور واقعات کہتے ہیں۔

طبقات مسائل مفتی بہا

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے "عقد الجید" میں مفتی بہا مسائل کی تین قسمیں کی ہیں اول قسم وہ ہے جو ظاہر الروایات سے ثابت ہوں ان کا حکم یہ ہے کہ فتوے بلا تامل قبول کئے جائیں۔ دوسری قسم وہ ہے جو ائمہ ثلاثہ سے بروایت شاذہ مروی ہیں اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اصول کے موافق ہوں تو قبول کئے جائیں ورنہ نہیں تیسری قسم متاخرین کی تخریج ہے کہ اس پر جمہور متفق ہیں پس ان کو اصول اور کلام سلف کے نظائر سے مطابق کیا جائے۔ اگر مطابق ہوں تو قبول کیا جائے ورنہ ترک کیا جائے۔ انتہی کلامہ

بعض امور مصطلحہ کی ضروری تشریح

(۱) ظاہر الروایات۔:

امام محمد کی وہ چھ کتابیں جن میں انہوں نے امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور اپنے متفق علیہ ومختلف فیہ سب مسائل لکھ دیئے یعنی مبسوط، زیادات، جامع صغیر، جامع کبیر، سیر صغیر، سیر کبیران کتابوں کو ظاہر الروایہ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ مصنف سے بروایت متواتر ومشہور ثابت ہوئی ہیں۔قلوب پران کتابوں کا اعتماد قائم ہے۔اوران کے مسائل کو عام طور پر علمائے حنفیہ نے تسلیم کیا ہے۔

(۲) نوادرات۔:

جوائمہ مجتہدین سے ظاہر الروایات کے سوااور کتابوں سے ثابت ہیں جیسے رقیات یعنی وہ مسائل جوامام محمد نے شہر رقہ میں جمع کئے تھےاور کیسانیات یعنی وہ مسائل جوامام محمد نے ابن عمر وسلیمان بن شعیب کیسانی کولکھوادیئے تھےاور ہارونیات جوامام محمد نے ہارون الرشید کے عہد میں جمع کئے تھےاور کتب امالی جوامام ابو یوسف سے منقول ہیں۔اسی طرح جرجانیات ونوادرابن رستم وغیرہ۔

(۳) نوازل وواقعات۔:

وہ مسائل جومتاخرین نے حسب ضرورت اجتہاد کر کے ثابت کئے ہیں جیسے نوازل سمرقندی۔یہ اس طبقہ میں فقیہ محقق ابواللیث سمرقندی نے سب سے پہلے کتاب تصنیف کی ہے اس کے بعد اس میں اور بہت سی کتابیں تصنیف ہوئیں۔مثلاً مجموع النوازل والواقعات للناطفی والصدرالشہید۔

(۴) قیاس۔:

لغت میں اندازہ کرنے کو کہتے ہیں۔ یقال" قس الفعل بالفعل" اصطلاح میں قیاس ایک حکم کو اشتراک علت کی وجہ سے دوسری جگہ ثابت کرنے کو کہتے ہیں۔یایوں کہو کہ" قیاس علت اور حکم میں فرع کو اصل کے ساتھ برابر کردینے کا نام ہے جس پر قیاس کیا جائے اس کو مقیس علیہ اوراصل کہتے ہیں اور جس چیز کو قیاس کیا جائے اس کو مقیس اور فرع کہتے ہیں اور جو چیز دونوں میں مشترک ہواس کو علت اور جواثر مرتب ہواس کو حکم کہتے ہیں۔

حجیت قیاس

قیاس کا حجت ہونا کتاب اللہ، سنت رسول۔اجماع امت تینوں سے ثابت ہے، حق سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے۔" فاعتبروا یا اولی الابصار "اے نگاہ والو! (کفار کے حال کو دیکھ کر) عبرت حاصل کرو اعتبار کے معنی قیاس کے ہیں، یقال اعتبرت الشیئ بالشیئ، جبکہ ایک کو دوسرے پر قیاس کیا جائے، گویا یوں فرمایا گیا کہ ان کے حال پر اپنے حال کو قیاس کرو۔اور قیاس عام ہے خواہ عذاب کا عذاب پر ہو یا فروع شرعیہ کا ان کے اصول پر ہو، امام ابوداؤد، ترمذی، دارمی نے روایت کیا ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل کو یمن میں قاضی بنا کر بھیجنا چاہا تو دریافت فرمایا: معاذ! کیونکر فیصلہ کرو گے؟ عرض کیا؛ کتاب اللہ سے آپ نے فرمایا! اگر کتاب اللہ میں نہ ملے عرض کیا: سنت رسول سے آپ نے فرمایا: اگر اس میں بھی نہ ملے، عرض کیا: اپنی رائے سے اجتہاد کرونگا۔اس پر آپ نے فرمایا:"الحمد للہ الذی وفق رسول رسول اللہ علی مایحب ویرضاہ" پس حضور صلعم کا تصویب فرمانا اور خدا کی تعریف کرنا دلیل صریح ہے کہ جب کوئی حکم کتاب اللہ وسنت رسول میں مصرح نہ ہو تو قیاس کرنا جائز ہے اگر قیاس حجت نہ ہوتا تو حضور بجائے تصویب کے انکار فرماتے۔اور بجائے شکر کے خدا سے

پناہ مانگتے۔ نیز سلف سے خلف تک جمہور مسلمین اس کو حجتِ شرعی کہتے آئے ہیں اور اہلِ اسلام کا اس کے دلیل شرعی ہونے پر اجماع ہے۔

شروط قیاس

صحتِ قیاس کے لئے چند شرطیں ہیں (۱)...... جس اصل پر فرع کو قیاس کیا جائے وہ کسی دوسری نص سے مخصوص الحکم نہ ہو یعنی دوسری نص سے مخصوص الحکم نہ ہو یعنی دوسری نص سے یہ ثابت نہ ہو کہ یہ حکم صرف اصل کے ساتھ مخصوص ہے جیسے تنہا حضرت خزیمہ کی گواہی پر آنحضرت صلعم کا فیصلہ فرما دینا حالانکہ گواہی کا نصاب دو عادل گواہ ہیں پس کسی دوسرے شخص کی تنہا گواہی کو خزیمہ کی گواہی پر قیاس کر کے معتبر قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ خصوصی شرف حضرت خزیمہ کے ساتھ مخصوص ہے۔

(۲)...... اصل حکم خلاف قیاس نہ ہو مثلاً رمضان میں بھول کر کھا لینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ حالانکہ مقتضائے قیاس یہ ہے کہ جس طرح بھول کر کلام کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اسی طرح روزہ بھی فاسد ہو جانا چاہئے۔ ایسے ہی تعداد رکعات، نصاب زکوٰۃ وغیرہ سب احکام خلاف قیاس ہیں ان پر دوسروں کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ (۳)...... فرع میں کوئی نص صریح نہ ہو، ورنہ نص کی موجودگی میں قیاس لا حاصل ہوگا کیونکہ قیاس اگر نص کے موافق ہوا تو بے سود ہوگا اور مخالف ہوا تو مردود ہوگا۔ (۴)...... جس علت کی وجہ سے اصل میں حکم موجود ہو وہ سمجھ میں آنیوالی ہو اور فرع اس کی نظیر ہو اور حکم بھی متعدی ہو (۵)...... فرع میں مقیس علیہ کا حکم متغیر نہ ہو کہ اگر حکم مطلق ہو تو فرع میں مقید ہو جائے اور مقید ہو تو مطلق ہو جائے۔ (۶)...... قیاس نص صحیح معمول بہ کے معارض و منافی نہ ہو کیونکہ قیاس ظنی ہوتا ہے اور ظنی قطعی کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

(۵) استحسان:-

درحقیقت قیاس ہی کی ایک نوع ہے جو ادلہ اربعہ میں داخل ہے اور کسی وجہ سے قیاس جلی کو ترک کر کے اس کو اختیار کیا جاتا ہے استحسان (قیاس خفی) اس دلیل کو کہتے ہیں جو قیاس جلی کے معارض ہو یعنی قیاس جلی ایک حکم کو چاہتا ہو اور اثر، اجماع ضرورت اور قیاس خفی اس کی ضد کو چاہتا ہو تو قیاس کو چھوڑ کر استحسان کی طرف رجوع کیا جائیگا۔ استحسان بالاثر جیسے بیع سلم کہ قیاس مقتضی عدم جواز ہے کیونکہ سلم میں معدوم کی بیع ہوتی ہے حالانکہ بیع کے لئے مبیع کا موجود و مملوک اور مقدور التسلیم ہونا ضروری ہے مگر اس قیاس کو قول نبی صلعم **من اسلف فی شیئ فلیسلف فی کیل معلوم ووزن معلوم الی اجل معلوم** "(صحیحین) کی وجہ سے ترک کر دیا گیا۔ استحسان بالاجماع۔ جیسے کوئی شخص کفش دوز سے کہے کہ میرے لئے اس قسم کا جوتہ اتنی قیمت کا بنا دے اور وہ مدت کو ذکر نہ کرے تو یہ از روئے قیاس ناجائز ہے لیکن تعاملِ ناس اور اجماع کی وجہ سے قیاس کو چھوڑ دیا گیا۔ استحسان بالضرورۃ جیسے طہارت ظروف کہ قیاس کی رو سے برتن ناپاک ہونے کے بعد پاک نہیں ہونا چاہئے کیونکہ برتن کو نچوڑنا ناممکن ہے لیکن ضرورت اور دفع حرج کی وجہ سے قیاس کو ترک کر دیا گیا۔ استحسان بالقیاس الخفی جیسے پھاڑنے والے پرندوں کا جھوٹا کہ از روئے قیاس نجس ہے۔ جیسے پھاڑنے والے درندوں کا جھوٹا ناپاک ہے۔ کیونکہ ان کا گوشت حرام ہے اور لعاب گوشت ہی سے پیدا ہوتا ہے لیکن قیاس خفی کی وجہ سے اس قیاس جلی کو ترک کر دیا گیا۔ قیاس خفی یہ ہے کہ پرندے اپنی چونچ سے کھاتے ہیں اور چونچ پاک ہڈی ہے۔ بخلاف درندوں کے کہ وہ اپنی زبان سے کھاتے ہیں پس ان کا ناپاک لعاب پانی کے ساتھ مخلوط ہو جاتا ہے۔

(۶) تعبیرات حضرات ائمہ

ائمہ اربعہ: امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد۔ ائمہ ثلاثہ: امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد۔ شیخین: امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف۔ طرفین: امام ابوحنیفہ، امام محمد۔ صاحبین: امام ابو یوسف، امام محمد۔

جواہر پارے

اس عنوان کے ذیل میں ہم وہ مسائل پیش کر رہے ہیں جن سے ائمہ ثلاثہ نے رجوع کیا ہے جو صدہا کتب فقہیہ سے پوری جانفشانی کے ساتھ نکالے گئے ہیں۔ جن کا حوالہ ہر مسئلہ کے آخر میں درج ہے۔

وہ مسائل جن میں امام اعظم سے رجوع ثابت ہے

(کتاب الطھارۃ)

(۱)...... مسح لحیہ کے سلسلہ میں امام صاحب سے چند روایتیں ہیں (۱) چوتھائی ڈاڑھی کا مسح کافی ہے۔ (۲) جو حصہ بشرہ سے ملانی ہے اس کا مسح کافی ہے۔ (۳) نہ اس سے مسح متعلق ہے نہ غسل۔ (۴) ڈاڑھی کا دھونا ضروری ہے۔ یہ آپکا آخری قول ہے۔ اور یہی صحیح ہے (فتح القدیر، بدائع الصنائع)

(۲)...... نبیذ تمر سے وضو کے متعلق آپ سے تین روایتیں ہیں (۱) نبیذ تمر سے وضو کرے اور تیمم نہ کرے۔ (جامع صغیر، زیادات)

(۲) وضو بھی کرے اور تیمم بھی، امام محمد اسی کے قائل ہیں۔ (۳) صرف تیمم کرے وضو نہ کرے۔ امام ابو یوسف اور ائمہ ثلاثہ کا قول یہی ہے اور اسی کی طرف امام صاحب نے رجوع کیا ہے (درمختار شامی۔ بدائع وغیرہ)

(۳)...... صاحبین کے یہاں فاقد الطہورین کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ نمازیوں کی طرح قیام وقعود، رکوع وسجود ادا کرے (قراءت وغیرہ نہ کرے، امام صاحب نے بھی اسی کی طرف رجوع کرلیا۔ (فیض، درمختار وغیرہ)

(۴)...... باب المسح علی الخفین

مسح جوربین کے بارے میں آپ کا پہلا قول عدم جواز کا ہے پھر آپ نے صاحبین کے قول کی طرف رجوع کرلیا۔ کہ اگر جوربین (پائتابے) سخت اور گاڑھے ہوں جن سے پانی نہ چھنتا ہو تو مسح جائز ہے۔ چنانچہ بدائع میں ہے کہ آپ نے اپنے مرض الموت میں جوربین پر مسح کر کیا اور اپنے تیمارداروں سے فرمایا کہ میں وہ فعل کر رہا ہوں جس سے لوگوں کو منع کرتا تھا اس سے لوگوں نے آپ کے رجوع پر استدلال کیا ہے۔ (ہدایہ، فتح القدیر، کفایہ، عنایہ، کافی، بدائع، شامی)

(۵)...... باب الحیض

امام شافعی کے یہاں حیض کی اکثر مدت پندرہ روز ہے امام صاحب بھی پہلے اسی کے قائل تھے، بعد میں آپ نے رجوع کرلیا اور فرمایا دس دن ہیں۔ (عنایہ)

(۶)...... حیض کے زمانہ میں جب طہر دو خونوں کے درمیان متخلل ہو تو امام صاحب سے ایک روایت کے لحاظ سے وہ دم متوالی کے حکم میں ہے لیکن آپ کا آخری قول یہ ہے کہ اگر طہر پندرہ روز سے کم ہو تو وہ فاصل نہ ہوگا بلکہ دم متوالی کے حکم میں ہوگا۔ امام ابو یوسف بھی اسی کے قائل ہیں۔ (ہدایہ، فتح القدیر، کفایہ)

(کتاب الصلوٰۃ)

(۷) فصل فی کیفیۃ ترکیب افعال الصلوٰۃ

اولاً آپ اس کے قائل تھے کہ فارسی زبان میں قرات قرآن جائز ہے۔ پھر آپ نے صاحبین کے قول کی طرف رجوع کرلیا کہ نماز کے اندر فارسی میں قرات قرآن جائز نہیں۔ (ہدایہ، عنایہ، کفایہ، فتح، درمختار، شامی)

(۸)...... امام صاحب کے نزدیک سجدہ کرتے وقت ناک پر اکتفاء کرنا جائز ہے۔ صاحبین کے نزدیک جائز نہیں۔ شرنبلالیہ میں برھان سے منقول ہے کہ امام صاحب نے صاحبین کے قول کی طرف رجوع کرلیا۔ (شامی)

(۹)...... باب الوتر والنوافل

وتر میں امام صاحب سے تین روایتیں ہیں۔ (۱) فرض ہے (رواہ حماد بن زید عنہ) (۲) سنت ہے (رواہ نوح بن ابی مریم المروزی فی الجامع عنہ) صاحبین اور امام شافعی بھی یہی فرماتے ہیں۔ (۳) واجب ہے (رواہ یوسف بن خالد) یہ آپکا قول ہے اور یہی صحیح ہے **محیط و فی الخانیہ هو الاصح وفی المبسوط هو الظاهر من مذهبه۔** (بدائع، شامی، فتح، عمدہ)

(۱۰)...... باب سجدۃ التلاوۃ

اگر کوئی شخص فارسی زبان میں آیت سجدہ تلاوت کرے اور کوئی دوسرا شخص سن لے اور اس کو بتادیا جائے کہ یہ سجدہ کی آیت ہے تو امام صاحب کے نزدیک سامع پر سجدہ واجب ہو جائیگا خواہ وہ یہ سمجھتا ہو کہ قرآن کی تلاوت کر رہا ہے یا نہ سمجھتا ہو۔ صاحبین کے نزدیک پہلی صورت میں سجدہ واجب ہوگا نہ کہ دوسری صورت میں نہر الفائق میں سراج سے منقول ہے کہ امام صاحب نے صاحبین کے قول کی طرف رجوع کرلیا۔ (شامی)

(۱۱)...... باب الجنائز

ایک شخص کی چند بیویاں ہیں اور ام ولد بھی ہے اس کا انتقال ہوگیا تو امام زفر اور امام شافعی کے نزدیک اسکی ام ولد اس کو غسل دے سکتی ہے امام صاحب بھی اولاً اسی کے قائل تھے بعد میں آپ نے رجوع کرلیا۔ (بدائع)

کتاب الزکوٰۃ

(۱۲)...... باب العاشر

اگر کوئی مضارب دوسو درہم لیکر عاشر کے پاس ہوکر گذرے تو اس سے عشر لیا جائیگا یہ آپکا پہلا قول ہے آخری قول یہ ہے کہ اس سے عشر نہیں لیا جائیگا صاحبین نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ (ہدایہ)

(۱۳)...... اسی طرح اگر عبد ماذون اتنی رقم لیکر گذرے تو اس سے بھی عشر نہیں لیا جائیگا۔ امام صاحب کا مرجوع الیہ قول یہی ہے چنانچہ کتب فقہیہ میں اسکی تصریح وتصحیح موجود ہے۔ (عنایہ، کفایہ اور ایضاح جامع صغیر للتمرتاشی، کافی)

(۱۴)...... باب الرکاز

زیبق کے متعلق آپکا پہلا قول یہ ہے کہ اس میں کچھ واجب نہیں (امام ابو یوسف کا بھی پہلا قول یہی ہے۔ آخری قول یہ ہے کہ اس میں خمس واجب ہے امام محمد نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ (ہدایہ، کفایہ، عنایہ)

(۱۵)...... باب المصرف

ایک عورت کو شوہر کے انتقال کی خبر ملی اس نے کسی دوسرے کیساتھ نکاح کرلیا اس سے اولاد ہوئی اس کے بعد اس کا شوہر اول آگیا تو امام صاحب کے نزدیک شوہر ثانی اولاد مذکورہ کو زکوٰۃ دے سکتا ہے مگر یہ آپکا پہلا قول ہے بعد میں آپنے رجوع کرلیا اور فرمایا کہ زکوۃ نہیں دے سکتا۔

(شامی عن الولوالجیہ)

كتاب الصَّوم

(۱۶)......اگر کوئی شخص جماع کرنے پر مجبور کردیا گیا اوراس نے جماع کرلیا تو امام صاحب کے پہلے قول کے لحاظ سے اس پر قضا اور کفارہ دونوں واجب ہیں آخری قول کے اعتبار سے کفارہ نہیں ہے۔ صاحبین بھی یہی فرماتے ہیں۔ (فتح القدیر)

كتاب الحج

(۱۷)......امام صاحب اولاً اسکے قائل تھے کہ نفلی حج سے صدقہ افضل ہے۔ بعد میں آپ نے رجوع کرلیا اور فرمایا کہ نفلی حج صدقہ سے افضل ہے۔ (درمختار، شامی)

كتاب الطلاق

(۱۸)......امام صاحب کے نزدیک طلاق کے صریح الفاظ، انت طالق، انت مطلقة، طلقتک سے صرف ایک طلاق واقع ہوتی ہے گو طلاق دہندہ ایک سے زیادہ کی نیت کرے ائمہ ثلاثہ اور امام زفر کے نزدیک جتنی طلاقوں کی نیت کریگا اتنی ہی واقع ہوجائیں گی۔ امام صاحب بھی پہلے یہی فرماتے تھے بعد میں آپ نے رجوع کرلیا۔ (فتح القدیر، شامی)

(۱۹)......باب الایلاء

ایلاء کی مدت چار ماہ ہے اس سے کم میں ایلاء نہیں ہوتا پہلے آپ اسکے قائل تھے کہ اس سے کم میں بھی ایلاء ہوجاتا ہے پھر اس سے رجوع کرلیا[۱]۔ (عنایہ، کفایہ، فتح القدیر)

(۲۰)......باب اللّعان

اگر شوہر بیوی سے یہ کہے کہ تیرا حمل مجھ سے نہیں ہے تو زوجین کے درمیان لعان نہ ہوگا۔ یہ آپ کا آخری قول ہے، امام زفر، احمد ثوری، حسن بصری، شعبی، ابن ابی لیلیٰ اور ابو ثور بھی اسی کے قائل ہیں صاحبین یہ فرماتے ہیں کہ اگر حمل کی نفی کے بعد چھ ماہ سے کم میں بچہ پیدا ہو تو لعان ہوگا یہی مالکؒ کا قول ہے، امام صاحب کا بھی پہلا قول یہی ہے۔ (ہدایہ، فتح القدیر)

(۲۱)......فصل فی الاحداد

شوہر اور بیوی دونوں سفر میں گئے اور سفر کے درمیان کسی شہر میں جاکر شوہر نے طلاق دیدی تو اگر عورت کیساتھ کوئی محرم ہو تب بھی وہ امام صاحب کے نزدیک عدت سے قبل اس شہر سے نہیں نکل سکتی، صاحبین کے یہاں اس کی اجازت ہے، امام صاحب بھی اولاً اسی کے قائل تھے بعد میں رجوع کرلیا۔ (فتح القدیر)

(۲۲)......باب ثبوت النسب

ایک عورت کو شوہر کے انتقال کی خبر ملی عورت نے کسی دوسرے کے ساتھ نکاح کرلیا اور اس سے اولاد ہوئی پھر اس کا پہلا شوہر آگیا تو امام صاحب کا پہلا قول یہ ہے کہ اولاد شوہر اول کی قرار دیجائے گی بعد میں آپ نے رجوع کرلیا اور فرمایا کہ اولاد شوہر ثانی کی ہوگی۔
(بحر، شامی، درمختار)

(۲۳)......باب النفقة

شخص غائب کا کسی دوسرے آدمی پر کچھ قرض ہے یا اس کا کچھ مال کسی کے پاس بطور امانت ہے اور اسکی عورت بینہ سے ثابت

---

(۱) بقول ابن عباس اذا الیٰ من امرأته شهرا او شهرين او ثلاثة مالم يبلغ الحد فليس بايلاء (ابن ابی شیبہ) ۱۲

کررہی ہے کہ میں فلاں غائب کی بیوی ہوں اور مدیون یا مودع زوجیت کا انکار کررہا ہے تو امام صاحب کے پہلے قول پر عورت کا بینہ مسموع ہوگا۔ اور مرجوع الیہ قول کے لحاظ سے بینہ مسموع نہ ہوگا صاحبین اسی کے قائل ہیں۔ (فتح، عنایہ)

(۲۴)......شوہر غائب کا کوئی مال موجود نہیں اسکی عورت نے بینہ قائم کیا کہ میں فلاں غائب کی بیوی ہوں اور قاضی سے درخواست کی کہ شوہر غائب پر میرا نفقہ مقرر کردیا جائے اور اس کے نام پر مجھے قرض لینے کی اجازت دیدی جائے تو امام صاحب کے قول کی رو سے قاضی اسکے نفقہ کا حکم کردیگا یہی امام زفر کا قول ہے۔ مگر امام صاحب نے اس سے رجوع کرلیا پس قاضی نفقہ کا حکم نہ کریگا کیونکہ یہ قضا علی الغائب ہے جو جائز نہیں، صاحبین نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ (فتح القدیر، عنایہ)

کتاب العتق

(۲۵)......ایک شخص نے اپنے غلام کے متعلق کہا کہ یہ میرا بیٹا ہے حالانکہ اسکے یہاں اس جیسا بیٹا پیدا نہیں ہوسکتا۔ تو امام صاحب کا پہلا قول یہ ہے کہ اس کلام سے غلام آزاد ہوجائے گا دوسرا قول یہ ہے کہ آزاد نہ ہوگا صاحبین اور امام شافعی بھی یہی فرماتے ہیں۔ (ہدایہ عنایہ)

(۲۶)......باب العتق علی جعل

ایک شخص نے اپنے غلام کو چار سالہ خدمت کی شرط پر آزاد کیا غلام نے قبول کرلیا۔ پھر آقا کا انتقال ہوگیا۔ تو امام صاحب کے پہلے قول میں غلام پر چار سالہ خدمت کی قیمت واجب ہوگی امام محمد نے اسی کو لیا ہے آخری قول یہ ہے کہ غلام کی قیمت واجب ہوگی اور وہ اپنے مال سے ادا کریگا امام ابو یوسف نے اسی کو اختیار کیا ہے (ہدایہ، فتح، عنایہ)

(کتاب الایمان)

(۲۷)......ایک شخص نے نذر کو کسی شرط پر معلق کیا اور وہ شرط پائی گئی تو ظاہر الروایہ کے لحاظ سے بعینہ نذر کو پورا کرنا ہوگا یہ آپ کا پہلا قول ہے۔ آخری قول میں تفصیل ہے اور وہ یہ کہ اگر شرط ایسی ہو جس کا حصول مطلوب ہو جیسے ان شفی اللہ مریضی فعلی کذا تو نذر کو پورا کرنا واجب ہوگا اور اگر شرط ایسی نہ ہو تو چاہے نذر پوری کرے چاہے قسم کا کفارہ دیدے (ہدایہ، فتح، شامی)

(۲۸)......باب الیمین فی الاکل والشرب

ایک شخص نے قسم کھائی کہ سری نہ کھاؤنگا تو یمین ہر اس سری پر محمول ہوگی جو تنور میں داخل کی جاتی ہو اور شہر میں فروخت ہوتی ہو۔ صاحبین کے نزدیک خاص کر بکری کی سری پر محمول ہوگی مگر امام صاحب نے اس سے رجوع کرلیا اور یہ اختلاف دراصل اختلاف زمانہ پر مبنی ہے، صاحبین کے زمانہ میں عرفاً بکری کی سری مراد ہوتی تھی۔ اور امام صاحب کے زمانہ میں عام مراد ہوتی تھی۔ (ہدایہ فتح القدیر وغیرہ)

(۲۹)......باب الیمین فی الطلاق والعتاق

ایک شخص نے اپنے باپ کو اپنے قسم کے کفارہ کی ادائیگی کی نیت سے خریدا تو امام صاحب کے نزدیک کفارہ ادا ہوجائیگا۔ ائمہ ثلاثہ اور امام زفر کے نزدیک ادا نہ ہوگا۔ امام صاحب بھی اولاً اسی کے قائل تھے۔ بعد میں آپ نے اس سے رجوع کرلیا۔ (فتح، عنایہ، شامی)

کتاب الحدود

(۳۰)...... باب الوطی الذی یوجب الحد والذی لا یحبہ

ایک شخص کو بادشاہ نے زنا کرنے پر مجبور کردیا اس نے زنا کرلیا تو امام صاحب کے نزدیک اس پر حد قائم نہ ہوگی۔ امام زفر اور امام احمد کے نزدیک اس کو حد لگائی جائے گی امام صاحب بھی اولاً اسی کے قائل تھے بعد میں آپ نے رجوع کرلیا۔

(ہدایہ، فتح، بدائع عنایہ، شامی)

(۳۱)...... باب الشہادۃ علی الزنا والرجوع عنہا

ایک شخص کے متعلق گواہوں نے گواہی دی کہ اس نے فلاں عورت کے ساتھ زنا کیا ہے اور وہ عورت موجود نہیں یا خود اس شخص نے کسی غائب عورت کے ساتھ زنا کرنے کا اقرار کرلیا تو باجماع ائمہ اربعہ اس پر حد زنا قائم ہوگی۔ امام صاحب اولا عدم وجوب حد کے قائل تھے۔ بعد[1] میں آپ نے وجوب حد کی جانب رجوع کرلیا۔ (نقلہ ابو اللیث عنہ)

(۳۲)...... باب حد القذف

ایک حربی کافر امن لیکر دار الاسلام میں داخل ہوا اور اس نے کسی مسلمان کو زنا کی تہمت لگائی تو امام صاحب کے پہلے قول کی رو سے اس پر حد قذف جاری نہ ہوگی۔ کیونکہ حد قذف میں حق اللہ غالب ہے مگر بعد میں آپ نے اس سے رجوع کرلیا پس اس پر حد قذف جاری ہوگی۔ ظاہر الروایہ یہی[2] ہے۔ (عنایہ، ہدایہ، شامی)

(کتاب السرقۃ)

(۳۳) فصل فی کیفیۃ القطع واثباتہ)

قطع ید کے لئے گواہوں کا بوقت قطع ید حاضر رہنا ضروری ہے۔ ورنہ قطع ید نہ ہوگا مگر یہ آپکا پہلا قول ہے بعد میں آپ نے رجوع کرلیا۔

(شامی)

(۳۴)...... دو شخصوں نے چوری کی اور ان میں سے ایک غائب ہوگیا اور دو گواہوں نے ان کی چوری پر گواہی دی تو ائمہ اربعہ اور صاحبین کے نزدیک دوسرے شخص کا جو موجود ہے ہاتھ کاٹا جائیگا۔ امام صاحب اولاً عدم قطع کے[3] قائل تھے بعد میں رجوع کرلیا۔

(ہدایہ فتح، شامی)۔

(۳۵) باب المرتدین

اگر سمجھدار بچہ مرتد ہوجائے (العیاذ باللہ) تو طرفین کے نزدیک اس کا ارتداد ارتداد بالغین کا سا ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک ارتداد صبی کا اعتبار نہیں۔ تاتارخانیہ میں ملتقی سے منقول ہے کہ امام صاحب نے امام ابو یوسف کے قول کی طرف رجوع کرلیا۔ (شامی)

---

[1] لاحتمال ان تحضر فتدعی مایسقط الحد من نکاح مثلاً ونحوہ ۱۲ عمہ لان فیہ حق العبد ایضاً وقد التزم ایفاء حقوق العباد ۱۲

[2] لان فیہ حق العبد ایضاً وقد التزم ایفاء حقوق العباد ۱۲

(۳) لانہ لوحضر ربما یدعی الشبہۃ والسرقۃ واحدۃ فتعمل فی حقہا ۱۲

(کتاب البیوع)

(۳۶) باب خیار الرؤیۃ

ایک شخص نے کوئی چیز بے دیکھے فروخت کردی تو امام صاحب اولاً عدم لزوم بیع کے قائل تھے بعد میں رجوع کرلیا پس بیع لازم ہوگی اور بائع کے لئے خیار رؤیت ثابت نہ[1] ہوگا۔ (ہدایہ، عنایہ، فتح، بدائع)

(کتاب الشہادۃ)

(۳۷) باب الرجوع عن الشہادۃ

اگر گواہ لوگ گواہی دینے کے بعد رجوع کرلیں تو امام صاحب کے نزدیک غیر کے حق میں ان کا رجوع کسی حالت میں بھی صحیح نہیں یہی صاحبین فرماتے ہیں پس گواہی کی وجہ سے جو فیصلہ ہو چکا ہو نہ وہ ٹوٹے گا اور نہ مال مقضی علیہ کو واپس کیا جائیگا لیکن آپ کا یہ قول مرجوع الیہ ہے اولاً آپ اس کے قائل تھے کہ رجوع کنندگان کے حالات کو دیکھا جائیگا۔ اگر ان کے حالات ادائیگی شہادت کے بعد پہلے سے بہتر ہوں تو ان کا رجوع کرنا خود ان کے حق میں بھی صحیح ہوگا اور غیروں کے حق میں بھی۔ اور اگر ان کے حالات پہلے ہی جیسے ہوں یا پہلے سے بھی ابتر ہوں تو ان کو سزا دی جائے گی۔ اور سابق فیصلہ کو برقرار رکھا جائے گا۔ (خلاصہ، شامی، فتح)

(کتاب الدعویٰ)

(۳۸) باب التحالف)

اگر بائع و مشتری ثمن اور مبیع ہر دو میں اختلاف کریں بائع کہے کہ میں نے تیرے ہاتھ یہ باندی ایک سو میں بیچی ہے اور مشتری کہے کہ یہ باندی اور اسکے ساتھ فلاں چیز پچاس میں بیچی ہے اور دونوں بینہ قائم کردیں تو ثمن کے بارے میں بائع کا بینہ معتبر ہوگا اور مبیع کے بارے میں مشتری کا، مگر یہ آپکا آخری قول ہے۔ پہلا قول یہ ہے کہ وہ دونوں مشتری کو ایک سو پچاس میں دلائی جائیں گی۔ (نتائج الافکار، عنایہ)

(۳۹) باب دعوی الرجلین

ایک دیوار پر دو شخصوں کی کڑیاں ہیں۔ ایک کی ایک یا دو کڑیاں ہیں اور دوسرے کی تین یا تین سے زائد۔ تو امام صاحب کے پہلے قول پر دیوار دونوں میں مشترک ہوگی۔ امام ابو یوسف اسی کے قائل ہیں۔ آخری قول میں دیوار تین کڑیوں والے کی ہے۔ (شامی)

(کتاب المضاربۃ)

(۴۰)...... ایک مضارب کے پاس دو ہزار درہم ہیں وہ رب المال سے کہتا ہے کہ تو نے مجھے ایک ہزار درہم دیئے تھے اور ایک ہزار کا مجھے نفع ہوا ہے رب المال کہتا ہے کہ میں نے تجھے دو ہزار درہم دیئے تھے تو امام صاحب کے نزدیک مضارب کا قول معتبر ہوگا۔ یہی صاحبین کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ اختلاف درحقیقت مقبوض کی مقدار میں اختلاف ہے اور اس صورت میں قابض کا قول معتبر ہوتا ہے خواہ وہ ضمین ہو یا امین ہو۔ امام صاحب کا یہ آخری قول ہے اور اولاً آپ اسکے قائل تھے کہ رب المال کا قول معتبر ہوگا یہی امام زفر کا قول ہے کیونکہ مضارب نفع میں شرکت کا مدعی ہے اور رب المال اس کا منکر ہے والقول قول المنکر۔ (ہدایہ، عنایہ، مجمع الانہر)

---

(۱) والدلیل قصۃ سیدنا عثمان بن عفانؓ۔

كتاب العارية

(۴۱)...... ایک شخص نے کوئی چیز عاریت پر لی اور معیر نے یہ شرط لگائی کہ اس کو فلاں شہر میں فلاں جگہ استعمال کرنا، مستعیر نے اسکے خلاف کیا اور متعین کردہ جگہ سے آگے بڑھ گیا اور واپسی سے پیشتر وہ چیز ہلاک ہو گئی تو تاوان دینا پڑے گا یہ آپ کا آخری قول ہے اولاً آپ عدم ضمان کے قائل تھے۔ (بدائع)

(كتاب الاجارة)

(۴۲) باب الاجر متی یستحق

ایک شخص نے مکہ تک جانے کے لئے ایک اونٹ کرایہ پر لیا یا ایک سال کے لئے زمین کرایہ پر لی تو اونٹ والا ہر مرحلہ پر اور زمین والا ہر دن اجرت کا مطالبہ کر سکتا ہے، کیونکہ ہر مرحلہ کی مسافت طے کرنا اور ہر دن نفع اٹھانا مقصود ہے۔ یہ آپ کا آخری قول ہے۔ اولاً آپ اس کے قائل تھے کہ انقضاء مدت وانتہائے سفر سے پیشتر مطالبہ کا حق[1] نہیں۔ (ہدایہ، عنایہ، شامی، بدائع، مجمع الانہر)

(۴۳) باب مایجوز من الاجارة وما یکون خلافا فیها

ایک شخص نے ایک معین جگہ تک جانے کے لئے یا بوجھ لادنے کے لئے کوئی سواری کرایہ پر لی پھر معین جگہ سے آگے بڑھ گیا تو آگے بڑھتے ہی سواری اسکے ضمان میں داخل ہو جائے گی، اگر وہ معین جگہ تک واپس آنے سے پہلے ہلاک ہو گئی تو کل قیمت کا تاوان دینا پڑے گا۔ لیکن اگر وہ معین جگہ تک پہنچ جائے اور پھر ہلاک ہو جائے تو ضمان سے بری ہو گا یا نہیں؟ امام صاحب کا پہلا قول یہ ہے کہ بری ہو جائے گا۔ امام زفر اور عیسیٰ بن ابان کا یہی قول ہے بعد میں آپ نے رجوع کر لیا اور فرمایا کہ جب تک وہ سواری صحیح سالم مالک کے حوالے نہ کر دے۔ (اس وقت تک بری نہ ہو گا۔ (بدائع)

(۴۴) باب الاجرة علی احد الشرطین

ایک شخص نے کوئی دکان کرایہ پر لی موجر نے کہا اگر تو نے اس پر لوہار کو بٹھایا تو اجرت دس درہم ہو گی اور خراز کو بٹھایا تو پانچ درہم، یا کسی نے معین جگہ تک جانے کے لئے کوئی گھوڑا کرایہ پر لیا اور کہا کہ اگر اس پر جو لادے تو اجرت اتنی ہو گی اور گیہوں لادے تو اتنی تو امام صاحب کے نزدیک اجارہ درست ہے صاحبین کے نزدیک صحیح نہیں۔ اولاً امام صاحب بھی اسی کے قائل تھے۔ بعد میں آپ نے رجوع کر لیا۔ (بدائع)

کتاب المکاتب

(۴۵)...... مالک و مکاتب میں بدل کتابت کی مقدار یا اس کی جنس میں اختلاف ہوا مالک نے کہا کہ میں نے دو ہزار پر مکاتبت کی تھی مکاتب نے کہا نہیں ہزار پر کی تھی یا مالک نے کہا کہ مکاتبت اشرفیوں پر ہوئی تھی مکاتب نے کہا نہیں درہموں پر ہوئی تھی تو امام صاحب کا پہلا قول یہ ہے کہ دونوں قسم کھائیں گے اور معاملہ کو رد کر دیں گے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ مکاتب کا قول معتبر ہو گا خواہ اس نے کچھ بدل کتابت ادا کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ لانہ المستحق علیہ۔ (بدائع، شامی)

---

[1] الان المعقود علیہ جملۃ المنافع فی المدۃ فلا یتوزع الاجر علی اجزائہا ۱۲

کتاب الماذون

(۴۶)......ایک شخص نے اپنے غلام کو کاروبار کی اجازت دیدی تھی، اس سلسلہ میں اسکے ذمہ اتنا قرض آپڑا کہ اس نے اسکی کمائی اور اسکی قیمت سب کو گھیر لیا تو جو مال اسکے پاس ہو آقا اس کا مالک نہ ہوگا۔ اور اگر اسکی کمائی میں کوئی غلام ہو اور وہ اس کو آزاد کردے تو آزاد نہ ہوگا۔ صاحبین کے نزدیک آقا اسکی کمائی کا مالک ہوگا اور غلام بھی آزاد ہو جائے گا۔ مگر اس کی قیمت دینی پڑے گی۔ اور عبد ماذون کا دین محیط نہ ہو تو بالاجماع غلام آزاد ہو جائے گا۔ یہ آپکا آخری قول ہے پہلا قول یہ ہے کہ نہ غلام آزاد ہوگا اور نہ آقا اسکی کمائی کا مالک ہوگا۔

(ہدایہ، کفایہ، شامی، تکملہ بحر)

(کتاب الشفعۃ)

(۴۷)......اگر کوئی گاؤں مع آراضی و مکانات فروخت کردیا گیا تو امام صاحب کا پہلا قول یہ ہے کہ ہر شفیع صرف اس حصہ کو لے سکتا ہے جو اس کی ملک سے متصل ہو۔ آخری قول یہ ہے کہ شفیع حق شفعہ کی وجہ سے کل کو لے سکتا ہے۔ (بدائع)

(کتاب الذبائح)

(۴۸)......امام صاحب کے نزدیک گھوڑے کا گوشت کھانا حرام ہے اور صاحبین کے نزدیک جائز بکراہت تنزیہہ۔ امام صاحب نے وفات سے تین یوم قبل صاحبین کے قول کی طرف رجوع کرلیا۔ (غایۃ الاوطار، مجمع الانہر)

(کتاب الکراھیۃ)

(۴۹) فصل فی الاستبراء

ایک شخص نے باندی فروخت کی اور مشتری کے قبضہ سے پہلے اقالہ کرلیا تو امام صاحب اولاً اسکے قائل تھے کہ بائع پر استبراء رحم واجب ہے پھر عدم وجوب کی طرف رجوع کرلیا جو صاحبین کا قول ہے (تکملہ بحر)

کتاب الجنایات

(۵۰)......امام ابو یوسفؒ نے امام صاحب سے روایت کی ہے کہ آزاد آدمی کے جس عضو کو تلف کر دینے سے دیت لازم آتی ہو اگر وہی عضو غلام کا تلف کردیا جائے تو اس میں قیمت واجب ہوگی۔ اور جس عضو میں نصف دیت واجب ہوتی ہو اس میں نصف قیمت واجب ہوگی۔ اس روایت کے عموم سے یہ معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص غلام کا کان کاٹ لے یا اس کی بھوؤں مونڈ دے، اور بال نہ اُگیں تو اس میں نصف قیمت واجب ہوگی، چنانچہ امام صاحب سے حسن کی روایت بھی یہی ہے مگر آپ نے وجوب حکومت عدل کی طرف رجوع کرلیا[1]۔

(بدائع)

(۵۱)......اگر باپ نے یا وصی نے بچہ کو تادیباً مارا اور بچہ مرگیا تو امام صاحب کے نزدیک دونوں پر ضمان آئے گا صاحبین فرماتے ہیں کہ اگر عرف وعادت کے مطابق مارا تو ضامن نہ ہوں گے امام صاحب نے اسی کی طرف رجوع کرلیا۔ (تتمہ درمختار، شامی)

کتاب الوصایا

(۵۲) ایک شخص نے وصیت کی کہ میرا غلام فروخت کر کے اس کا ثمن مساکین پر صدقہ کردیا جائے۔ وصی نے غلام فروخت کر کے ثمن پر قبضہ کیا اور وہ اسکے پاس سے ضائع ہوگیا پھر غلام مذکور کسی اور کا نکل آیا تو وصی ضامن ہوگا۔ لیکن وصی جتنا ضمان ادا کریگا وہ ترکہ سے

---

[1] قال محمد استفتح ابوحنیفہ ان یضمن فی اذن العبد نصف القیمۃ وہذا دلیل الرجوع ۱۲

وصول کرسکتا ہے یا نہیں؟ امام صاحب کا پہلا قول یہ ہے کہ ترکہ سے وصول نہیں کرسکتا۔ پھر آپ نے اس سے رجوع کرلیا اور فرمایا کہ وہ ترکہ سے وصول کرسکتا ہے۔ (ہدایہ)

(کتاب الفرائض)

(۵۳) باب ذوی الارحام

امام صاحب کا پہلا قول یہ ہے کہ جزء میت پر اصول میت مقدم ہیں لیکن آپ نے اس سے رجوع کرلیا پس اصول میت پر جزء میت مقدم ہوگا۔ (شامی)

(۵۴) فصل فی الحرقی والغرقی

کچھ لوگ آگ میں جل کر یا پانی میں ڈوب کر مر گئے اور ترتیب معلوم نہیں کہ پہلے کون مرا تو ان کا مال ان کے زندہ ورثہ کے درمیان تقسیم کردیا جائے گا اور ان میں سے کوئی ایک دوسرے کا وارث نہ ہوگا۔ یہ امام صاحب کا آخری قول ہے **وكان يقول اولا يرث بعضهم من بعض**۔ (شامی)

وہ مسائل جن میں امام صاحب سے کئی بار رجوع ثابت ہے۔

(کتاب الزکوٰۃ)

(۵۵) فصلان، حملان، عجاجیل کی زکوٰۃ میں آپ کا نظریہ یہ تھا کہ ان میں بھی وہی واجب ہے جو بڑوں میں واجب ہے۔ امام زفر اور امام مالک کا یہی قول ہے مگر آپ نے اس سے رجوع کرلیا۔ اور فرمایا کہ ان سب میں صرف ایک واجب ہے۔ یہی امام ابو یوسف کا قول ہے لیکن بعد میں اس سے بھی رجوع کرلیا اور فرمایا کہ ان میں کچھ واجب نہیں الا یہ کہ ان کے ساتھ بڑے جانور ہوں امام محمد نے اسی کو لیا ہے۔
(ہدایہ، فتح، عنایہ، کفایہ، بنایہ)

(کتاب الحدود)

(۵۶)...... اگر کسی کافر پر اس کے اسلام قبول کرنے سے پیشتر حد قذف جاری کی گئی تو اس کی شہادت مقبول ہوگی۔ اور اگر اسلام قبول کرنے کے بعد جاری ہوئی تو مقبول نہ ہوگی۔ یہ حکم تو متفق علیہ ہے لیکن اگر کچھ حد اسلام کے بعد جاری ہوئی تو اس میں اختلاف ہے۔ امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اگر نناوے کوڑے لگائے گئے اور ایک کوڑا اسلام کے بعد تو اس کی شہادت مقبول نہ ہوگی مگر یہ قول مرجوع عنہ ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ اگر اکثر حد اسلام کے بعد قائم ہوئی تو شہادت مقبول نہ ہوگی۔ کیونکہ اقل اکثر کا تابع ہوتا ہے مگر اس سے بھی آپ کا رجوع ثابت ہے، تیسرا قول یہ ہے کہ اگر وہ ایک کوڑے کے بعد اسلام لے آیا اور باقی کوڑے اس کے بعد لگائے گئے تو اس کی شہادت مقبول ہوگی۔
(کفایہ)

(کتاب الاقرار)

(۵۷)...... ایک غلام مجور تھا اس نے دس درہموں کی چوری کا اقرار کیا جو اس کے پاس بعینہ موجود ہیں۔ آقا نے اسکی تکذیب کی اور کہا: نہیں درہم میرے ہیں تو امام صاحب کے نزدیک اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا اور درہم مسروق منہ کو واپس دیئے جائیں گے۔ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ ہاتھ تو کاٹا جائے گا لیکن درہم آقا کو دیئے جائیں گے اور غلام آزادی کے بعد مسروق منہ کے لئے اتنی مقدار کا ضامن ہوگا اور امام طحاویؒ

نے اپنے استاذ ابن ابی عمران سے سماع نقل کیا ہے کہ یہ تینوں قول امام صاحب کے ہیں۔ پہلے قول کو امام محمد نے لیا جو مرجوع عنہ ہے۔ دوسرے قول کو امام ابو یوسفؒ نے لیا یہ بھی مرجوع عنہ ہے پس آپکا تیسرا قول برقرار رہا۔

(ہدایہ، عنایہ، بنایہ، فتح القدیر)

(کتاب الشفعۃ)

(۵۸)......مشتری نے بصفقۂ واحدہ ایک مکان مع ساز وسامان خرید لیا تو شفیع مکان مع ساز وسامان لے یا چھوڑ دے یہ آپکا پہلا قول ہے جو مرجوع عنہ ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ مکان وسامان میں سے کسی ایک کو لے لے۔ اس سے بھی آپ نے رجوع کر لیا۔ پس آخری قول یہ ہے کہ صرف مکان لے جس کا وہ شفیع ہے ذکرہ شمس الائمہ السرخسی فی شرحہ (تکملہ بحر)

وہ مسائل جن میں امام صاحب سے بنقول معتبرہ رجوع ثابت نہیں

(کتاب الطھارۃ)

(۱)......اگر خون کی قے ہو تو اس میں چند روایتیں ہیں۔ (۱) روایت معلی کہ ناقض وضو ہے قلیل ہو یا کثیر، جامد ہو یا سیال۔ (۲) روایت حسن کہ اگر سیال ہو تو ناقض ہے قلیل ہو یا کثیر اور جامد ہو تو ناقض نہیں جب تک کہ منہ بھر نہ ہو۔ (۳) روایت رستم کہ ناقض نہیں جب تک کہ منہ بھر نہ ہو، جامد ہو یا سیال، قلیل ہو یا کثیر، مشائخ نے اسی کی تصحیح کی ہے اور نمبر ۱، نمبر ۲ کو رجوع پر محمول کیا ہے۔ واللہ اعلم

(بدائع)

(۲)......مسح جبیرہ کی صفت میں اختلاف ہے بعض نے کہا ہے کہ امام صاحب کے نزدیک مستحب ہے اور صاحبین کے نزدیک واجب ہے اور بعض نے کہا ہے کہ امام صاحب کے نزدیک واجب ہے اور صاحبین کے نزدیک فرض ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اختلاف صرف مجروح میں ہے اور مکسور میں بالاتفاق واجب ہے اور بعض نے اختلاف کی نفی کی ہے امام قدوریؒ نے تجرید میں ذکر کیا ہے کہ امام صاحب کے مذہب سے صحیح یہ ہے کہ فرض نہیں ہے، صاحب خلاصہ نے صاحبین کے قول کی طرف امام صاحب کا رجوع نقل کیا ہے شرح مجمع، عیون اور شامی میں بھی یہی ہے، مگر علامہ ابن الہمام نے رجوع کی نفی کی ہے **فانہ قال لم یشتھر شھرۃ نقیضہ عنہ** (فتح القدیر)

کتاب الصلوٰۃ

(۳)......صاحبین کے نزدیک عصر کا وقت اس وقت ہوتا ہے جب ہر چیز کا سایہ سایۂ اصلی کے علاوہ ایک مثل ہو جائے اور امام صاحب کے نزدیک اسوقت ہوتا ہے جب سایہ دو چند ہو جائے۔ ظاہر الروایہ یہی ہے۔ عام اصحاب متون اور جمیع ارباب شروح نیز اکثر اصحاب فتاوٰی اور محققین احناف (صاحب بدائع، صاحب ہدایہ، صاحب فتح، صاحب بحر، صاحب تصحیح وغیرہ) کا اس پر اتفاق ہے بعض حضرات نے ذکر کیا ہے کہ امام صاحب نے صاحبین کے قول کی طرف رجوع کر لیا تھا۔ مفتی کفایت اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ کسی معتمد علیہ سند کے ساتھ امام صاحب سے رجوع ثابت نہیں اور صحیح قول وہی ہے جو ظاہر الروایہ ہے)۔

(۴)......امام صاحب کے نزدیک عشاء کا وقت شفق ابیض غائب ہونے کے بعد ہوتا ہے اور اسد بن عمرو کی روایت کے لحاظ سے شفق احمر غائب ہونے کے بعد ہوتا ہے جو صاحبین کا قول ہے لیکن ظاہر الروایہ پہلا قول ہے امام ابو المفاخر سدیدی نے شرح منظومہ میں صاحبین کے قول کی طرف رجوع ذکر کیا ہے مگر ابن الہمام صاحب بحر وغیرہ محققین نے اس کی تردید کی ہے اور کہا ہے کہ کسی معتبر قول سے رجوع ثابت نہیں۔ قال العلامہ قاسم فی تصحیح القدوری ان رجوعہ لم یثبت۔

(۵)...... امام کو چاہئے کہ دائیں طرف سلام پھیرتے وقت پہلے ملائکہ حفظہ کی نیت کرے پھر مردوں کی اور عورتوں کی۔ اصل میں یوں ہی مذکور ہے اور جامع صغیر میں حفظہ کو بعد میں ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے بعض مشائخ نے تو یہ سمجھا ہے کہ مسئلہ میں دونوں روائتیں ہیں اور بعض نے یہ خیال کیا ہے کہ اولاً امام صاحبؒ تفضیل ملائکہ کے قائل تھے بعد میں آپ نے رجوع کرلیا مگر یہ صحیح نہیں کیونکہ کسی شافی دلیل سے رجوع ثابت نہیں)۔

(۶)...... امام صاحب کے نزدیک مردہ کو غسل دیتے وقت استنجاء کرایا جائے۔ صاحبین کے نزدیک اسکی ضرورت نہیں۔ بعض حضرات نے کہا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب نے اس سے رجوع کرلیا کیونکہ ظاہر الروایہ میں اس سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ مگر رجوع پر کوئی قابلِ اعتماد دلیل موجود نہیں)۔

(کتاب الاجارۃ)

(۷)...... اگر مستاجر کے مارنے یا لگام کھینچنے سے سواری ہلاک ہوگئی تو امام صاحب کے نزدیک مستاجر پر کل قیمت کا تاوان لازم ہوگا۔ صاحبین اور ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ اگر اس نے عادت کے خلاف مار لگائی یا لگام کھینچی تو ضامن ہوگا ورنہ نہیں۔ غایۃ البیان میں بحوالہ تتمہ مذکور ہے کہ امام صاحب نے صاحبین کے قول کی طرف رجوع کرلیا۔ علامہ شامی فرماتے ہیں کہ رجوع ثابت نہیں قال لانّ مسئلۃ الدابۃ جری علیھا اصحاب المتون فلو ثبت رجوع الامام فیھا لما مشوا علی خلافہ لان مارجع عنہ المجتھدلم یکن مذھباً لہ)۔

(وہ مسائل جن میں امام ابو یوسفؒ سے رجوع ثابت ہے)

(کتاب الطہارۃ)

(۱)...... مسح لحیہ کے سلسلہ میں امام ابو یوسف کے کئی قول ہیں۔ اول یہ کہ اگر ڈاڑھی کے کسی حصہ پر بھی مسح نہ کیا تب بھی وضو ہوجائے گا دوم یہ کہ پوری ڈاڑھی کا استیعاب ضروری ہے۔ یہ دونوں قول مرجوع عنہ ہیں صحیح یہ ہے کہ کل کا دھونا ضروری ہے۔ (فتح القدیر، بدائع)۔

(۲)...... کنویں میں پھولا یا پھٹا جانور ملا اور یہ معلوم نہیں کہ کب گرا ہے تو امام صاحب کے نزدیک تین دن تین رات سے کنویں کو ناپاک کہا جائے گا۔ امام ابو یوسف بھی پہلے اسی کے قائل تھے بعد میں آپ نے رجوع کرلیا (حاشیہ کنز لمولینا محمد احسن)۔

(۳) باب التیمم

اولاً آپ اس کے قائل تھے کہ تیمم مٹی اور بالو کے ساتھ جائز ہے بعد میں آپ نے رجوع کرلیا اور فرمایا کہ صرف مٹی کے ساتھ جائز ہے اور کسی چیز سے جائز نہیں۔ (عنایہ، مبسوط، بدائع، فتح)

(کتاب الصلوٰۃ)

(۴) باب الاذان

طرفین کے نزدیک اذان قبل از وقت جائز نہیں۔ امام ابو یوسفؒ بھی پہلے اسی کے قائل تھے بعد میں آپ نے رجوع کرلیا۔ اور فرمایا کہ اگر فجر کی اذان شب کے نصف آخر میں کہی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں وبہ قال الشافعی (بدائع)

(۵) فصل فی کیفیۃ ترکیب افعال الصلوٰۃ

طرفین کے نزدیک نماز شروع کرتے وقت انی وجھت وجھی للذی الخ نہ پڑھے نہ تکبیر سے پہلے اور نہ اسکے بعد امام ابو یوسف بھی اولاً اسی کے قائل تھے بعد میں رجوع کرلیا اور فرمایا کہ تسبیح کے ساتھ یہ بھی ملالے (ہدایہ، بدائع)۔

(٦) باب الوتر والنوافل

ایک شخص نے چار رکعت نفل کی نیت کی اور شفع ثانی شروع کرنے سے پہلے نماز فاسد کردی تو اُخریین کی قضاء نہ کرے یہ آپ کا آخری قول ہے پہلا قول یہ تھا کہ اُخریین کی بھی قضاء لازم ہے (خلاصہ، ہدایہ، عنایہ، فتح، شامی)

(۷) باب صلوٰۃ الخوف

آپ کا پہلا قول یہ ہے کہ نماز خوف مطلقاً مشروع ہے جیسا کہ طرفین فرماتے ہیں بعد میں آپ نے رجوع کرلیا اور فرمایا کہ آنحضرت صلعم کی حیات طیبہ کے ساتھ خاص تھی (کفایہ، عنایہ، فتح القدیر، بدائع)

(کتاب الزکوٰۃ)

(۸)...... زید کا عمرو پر کچھ قرض ہے اور عمرو کو اس کا اقرار ہے اور قاضی نے عمرو کو مفلس قرار دے دیا تو امام صاحب کے نزدیک زید پر اس قرض کی زکوۃ واجب نہیں، صاحب ہدایہ نے امام ابو یوسف کو تحقق افلاس میں امام محمد کے ساتھ ذکر کیا ہے اور حکم زکوۃ میں امام صاحب کے ساتھ علامہ ابن الہمام نے بعض حضرات سے نقل کیا ہے کہ یہ امام ابو یوسف کا پہلا قول ہے آخری قول عدم وجوب زکوۃ کا ہے جیسا کہ امام محمد فرماتے ہیں۔ (فتح القدیر)

(۹) باب الرکاز

امام ابو یوسف اولاً زیبق میں خمس کے قائل تھے اس کے بعد فرمایا کہ اس میں کچھ واجب نہیں۔ (عنایہ، کفایہ، فتح)۔

(۱۰) باب المصرف

ایک شخص نے تحری کے ساتھ مصرف زکوۃ سمجھتے ہوئے کسی کو زکوٰۃ کی رقم دی پھر معلوم ہوا کہ وہ مالدار تھا تو طرفین کے نزدیک زکوٰۃ ادا ہوگئی۔ امام ابو یوسف کا بھی پہلا قول یہی ہے۔ بعد میں آپؒ نے رجوع کرلیا پس آپ کے یہاں اعادۂ زکوۃ واجب ہے (عنایہ)۔

کتاب الحج

(۱۱)...... عرفہ کے دن عرفات میں جو امام خطبہ دیتا ہے اس میں طرفین کے نزدیک اذان اس وقت ہونی چاہئے جب امام منبر پر پہنچ جائے جیسے جمعہ کے خطبہ میں ہوتی ہے ظاہر الروایہ میں امام ابو یوسف کا بھی یہی قول ہے، اولاً آپ اسکے قائل تھے اذان امام کے آنے سے پیشتر ہونی چاہئے۔ جب اذان ہو چکے تب امام منبر پر آئے اور خطبہ پڑھے (ہدایہ، فتح، بدائع)

کتاب النکاح

(۱۲)...... طرفین کے یہاں شطر عقد ماوراء مجلس پر موقوف نہیں ہوتا، امام ابو یوسف بھی اولاً اسی کے قائل تھے بعد میں موقوف ہونے کے قائل ہوگئے۔ (فتح القدیر، عنایہ)

(۱۳)...... ایک شخص نے کسی کو حکم کیا کہ کسی عورت سے میری شادی کردے اس نے ایک ہی عقد میں دو عورتوں سے شادی کردی تو طرفین کے نزدیک کوئی عورت لازم نہ ہوگی۔ امام ابو یوسف اولاً اسکے قائل تھے کہ غیر معین طور کسی ایک سے نکاح صحیح ہے شوہر کسی ایک کو معین کرلے گا بعد میں آپ نے طرفین کے قول کی طرف رجوع کرلیا۔ (فتح عنایہ کفایہ)۔

(۱۴)...... شوہر گواہوں کے پاس ایک خط لایا جو مہر زدہ تھا اور اس نے کہا کہ میرا یہ خط فلاں عورت کے نام ہے سو تم لوگ اس پر گواہ رہنا تو امام صاحب کے نزدیک یہ جائز نہ ہوگا جب تک کہ گواہوں کو یہ معلوم نہ ہو جائے کہ خط کا مضمون کیا ہے۔ امام ابو یوسف بھی اولاً اسی کے قائل تھے بعد میں آپ نے بلا شرط اعلام جائز مان لیا۔ (فتح القدیر)

(۱۵)......ایک عورت نے کسی کے متعلق دعویٰ کیا کہ اس نے مجھ سے شادی کی ہے اور بینہ سے ثابت کر دیا اور قاضی نے اس کو اس کی بیوی قرار دے دیا حالانکہ واقعۃً اس نے اس سے شادی نہیں کی تھی تو امام صاحب کے نزدیک وہ اس سے صحبت کر سکتا ہے۔ امام ابو یوسف بھی اولاً اسی کے قائل تھے بعد میں آپ نے عدم جواز کی طرف رجوع کر لیا۔ وبہ قال محمد والشافعی۔ (ہدایہ، فتح)

(۱۶) باب الاولیاء

اگر کسی چھوٹے بچے یا چھوٹی بچی کا نکاح باپ دادا کے علاوہ کسی اور نے کر دیا تو یہ طرفین کے نزدیک بعد البلوغ مختار ہوں گے چاہیں نکاح باقی رکھیں چاہیں فسخ کرالیں۔ امام ابو یوسف کا بھی پہلا قول یہی ہے پھر آپ نے اس سے رجوع کر لیا۔ پس یہاں ان کو فسخ نکاح کا اختیار نہ ہوگا (فتح القدیر)

(۱۷)......اگر ولی قریب غائب ہو اور غیبت منقطعہ ہو تو ولی بعید نکاح کرا سکتا ہے اب غیبت منقطعہ سے مراد کیا ہے؟ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اتنے فاصلہ پر ہونا غیبت منقطعہ ہے کہ وہاں قافلے سال بھر میں صرف ایک مرتبہ پہنچتے ہوں۔ امام زفر فرماتے ہیں کہ جابلقا[۱] سے جابلسا تک کا فاصلہ غیبت منقطعہ ہے امام ابو یوسف کا مرجوع الیہ قول یہی ہے (فتح القدیر)

(۱۸) باب المہر

ایک شخص نے کسی عورت سے شادی کی اور مہر متعین نہیں کیا پھر کسی مقدار کی تعیین پر دونوں راضی ہو گئے اور شوہر نے عورت سے صحبت کر لی یا اس کا انتقال ہو گیا تو عورت کو مقرر کردہ مہر ملے گا اور اگر دخول سے پیشتر طلاق ہو گئی تو عورت متعہ پائے گی، امام ابو یوسف کا پہلا قول یہ تھا کہ مقرر کردہ مقدار کا نصف ملے گا (ہدایہ، فتح)

(۱۹)...... شوہر نے عقد نکاح کے بعد بیوی کے مہر میں اضافہ کر دیا اور دخول سے پیشتر طلاق دیدی تو زائد مقدار ساقط ہو جائے گی امام ابو یوسف کا پہلا قول یہ ہے کہ اصل مہر کے ساتھ اس میں بھی تنصیف ہوگی۔ بعد میں آپنے اس سے رجوع کر لیا۔ (ہدایہ، فتح)

(۲۰)......ایک ذمی نے ذمیہ کے ساتھ معین شراب یا معین خنزیر کے عوض میں شادی کی پھر دونوں یا ان میں سے کوئی ایک مسلمان ہو گیا تو امام صاحب کے نزدیک عورت کو شراب اور خنزیر ملے گا اور اگر شراب یا خنزیر معین نہ ہو تو مہر مثل ملے گا۔ امام ابو یوسف کے یہاں پہلے قول کے لحاظ سے دونوں صورتوں میں قیمت دی جائے گی۔ یہی امام محمد کا قول ہے امام ابو یوسف کے دوسرے قول کے لحاظ سے دونوں صورتوں میں مہر مثل دیا جائے گا۔ ائمہ ثلاثہ بھی اسی کے قائل ہیں (ہدایہ، فتح)

(۲۱)......شوہر نے بیوی کے مہر مثل کے عوض میں کوئی شئے رہن رکھدی تو رہن رکھنا صحیح ہے۔ اب اگر وہ شئے ہلاک ہو جائے اور اس کی قیمت اتنی ہو جس سے اس کا مہر مثل پورا ادا ہو جاتا ہو تو عورت اپنا حق وصول کر چکی اور اگر شوہر نے قبل از دخول طلاق دی دیدے تو جو مقدار متعہ سے زائد ہو عورت اس کو واپس کرے گی اور اگر دخول سے پیشتر طلاق کے وقت شئے مرہون موجود ہو تو عورت متعہ وصول کرنے کے لئے اس کو روک نہیں سکتی۔ امام ابو یوسف کا یہ آخری قول ہے، پہلا قول یہ ہے کہ روک سکتی ہے جیسا کہ امام محمد فرماتے ہیں۔

(فتح القدیر)

(۲۲) باب نکاح الکافر

اگر کوئی مجوسی اپنی ذی رحم محرم ماں، بیٹی، بہن وغیرہ سے شادی کر لے تو مرافعت یا اسلام کے بغیر ان میں تفریق نہیں کی جائے گی۔ امام ابو یوسف کا پہلا قول یہ ہے کہ اگر قاضی کو اس کا علم ہو جائے تو وہ تفریق کر دے۔ (مبسوط، فتح)۔

---

[۱] یہ دونوں دو گاؤں ہیں ایک مشرق میں، دوسرا مغرب میں۔

(کتاب الطلاق)

(۲۳)......شوہر نے بیوی سے کہا: "انت طالق واحدة اولا" تو امام صاحب کے نزدیک طلاق واقع نہ ہوگی۔ امام ابو یوسف کا بھی آخری یہی قول ہے پہلے قول میں ایک طلاق رجعی ہوگی جیسا کہ امام محمد فرماتے ہیں بعد میں آپ نے اس سے رجوع کرلیا۔ (ہدایہ، درمختار، فتح، شامی)

(۲۴)...... بیوی نے ہجرت کی اور اس کی وجہ سے نکاح فسخ ہوا اس کے بعد شوہر نے ہجرت کی جبکہ بیوی عدت گذار رہی تھی، اور اس حالت میں شوہر نے اس کو طلاق دی تو صاحبین کے نزدیک طلاق واقع نہ ہوگی۔ مگر امام ابو یوسف کا آخری قول یہ ہے کہ طلاق ہوجائیگی۔ (فتح القدیر)

(۲۵)......ایک شخص کی مدخولہ بیوی کسی کی باندی تھی اس نے اس کو خرید کر آزاد کیا پھر عدت کے زمانہ میں اس کو طلاق دی۔ تو صاحبین کے نزدیک طلاق واقع نہ ہوگی۔ مگر امام ابو یوسف نے اس سے رجوع کرلیا پس ان کے یہاں طلاق واقع ہوجائے گی۔ (فتح القدیر) وفی الشرنبلالیہ عکس ذلک (شامی)۔

(۲۶)......بیوی نے شوہر سے کہا مجھے ایک ہزار کے عوض ایک طلاق دے دے۔ شوہر نے تین طلاقیں دے دیں۔ تو امام صاحب کے نزدیک عورت کے قبول کرنے پر موقوف ہونگی اور صاحبین کے نزدیک تینوں واقع ہوجائیں گی۔ ایک طلاق ایک ہزار کے عوض اور دو بلا عوض امام جصاص نے علامہ کرخی سے نقل کیا ہے کہ اس مسئلہ میں امام ابو یوسف نے امام صاحب کے قول کی طرف رجوع کرلیا (بدائع)

(۲۷) باب اللعان

ایک عورت کیساتھ شبہۃً وطی کرلی گئی پھر شوہر نے اس کو تہمت لگادی تو اس پر لعان واجب نہیں اور اگر کسی اجنبی نے تہمت لگائی تو اس پر حد واجب نہیں۔ امام ابو یوسف اولاً اسی کے قائل تھے بعد میں آپ نے رجوع کرلیا اور فرمایا کہ شوہر پر لعان اور اجنبی پر حد واجب ہوگی۔ (بدائع)۔

(۲۸) باب العدۃ

اگر اثنائے ماہ میں فرقت واقع ہو تو عورت عدت کیسے گزارے؟ امام صاحب فرماتے ہیں کہ پوری عدت ایام سے گزارے۔ عدت طلاق ہو تو نوے دن اور عدت وفات ہو تو ایک سوتیس دن امام محمد فرماتے ہیں کہ جس ماہ میں فرقت واقع ہوئی ہے اس ماہ میں ایام سے گزارے اور باقی مہینوں کی عدت چاندوں کے لحاظ سے اور پہلے مہینے کے ایام آخری مہینے کے ایام سے پورے کرلے۔ امام ابو یوسفؒ سے دو روایتیں ہیں۔ ایک امام صاحب کے قول کے مثل اور دوسری امام محمد کے قول کے مثل اور یہی آپ کا آخری قول ہے (بدائع)

(۲۹)......ایک شخص کے نکاح میں دو بیویاں تھیں ایک آزاد ایک باندی، شوہر نے اپنی تندرستی کے زمانہ میں ان سے کہا کہ تم میں سے ایک کو دو طلاقیں ہیں اس کے بعد باندی آزاد ہوگئی اور شوہر بیمار ہوگیا اور بیماری کی حالت میں اس نے باندی کو طلاق کے لئے معین کردیا تو امام محمد کے نزدیک طلاق رجعی ہوگی اور مطلقہ عورت وارث بھی ہوگی۔ امام ابو یوسف کا پہلا قول یہی ہے بعد میں آپ نے رجوع کرلیا اور فرمایا کہ اگر وہ شخص باندی پر طلاق واقع کرنے کو اختیار کرتا ہے تو شوہر ثانی کیساتھ نکاح کئے بغیر اس کے لئے وہ عورت حلال نہ ہوگی (بدائع)

لالان ہذا وطی یتعلق بہ ثبوت النسب ووجوب المہر فکان کالموجود فی النکاح فلا یزیل العفۃ عن الزنا ۱۲

(کتاب العتاق)

(۳۰)......ایک باندی دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہے جن میں سے ایک شریک کہتا ہے کہ باندی دوسرے کی ام ولد ہے اور وہ اس کا انکار کرتا ہے تو امام صاحب کے نزدیک باندی ایک روز منکر کی خدمت کریگی اور ایک روز توقف کرے گی۔ امام ابو یوسف پہلے اسکے قائل تھے کہ منکر شخص باندی سے اسکی نصف قیمت میں سعایت کرائے گا۔ اور باندی آزاد ہو جائے گی امام محمد کا یہی قول ہے پھر امام ابو یوسف نے امام صاحب کے قول کی طرف رجوع کر لیا۔ (فتح، شامی، بدائع)

(۳۱) باب الاستیلاد

ایک باندی دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہے ان میں سے یک دعویٰ کرتا ہے کہ دوسرے شریک نے اس کو مدبر کر دیا۔ دوسرا شریک اس کا منکر ہے تو امام صاحب کے نزدیک شاہد کو اختیار ہے چاہے وہ بھی مدبر بنادے اور چاہے مدبر نہ بنائے بہر دو صورت باندی ایک روز اس کی خدمت کرے گی۔ ایک روز منکر کی اور چاہے باندی سے اس کی نصف قیمت میں سعایت کرالے۔ امام ابو یوسف نے اولا اس کو ام ولد کے درجہ میں قرار دیا بعد میں رجوع کر لیا وقال توقف کما قال ابو حنیفة الا فی تبعیض التدبیر (بدائع)

(کتاب الایمان)

(۳۲) باب الیمین فی الدخول والسکنیٰ)

ایک آدمی نے قسم کھائی "لا آوی مع فلان اوفی مکان او دار اوبیت" پھر مکان میں ٹھہر گیا تو امام محمد کے نزدیک حانث ہو جائے گا ٹھہرنا کم ہو یا زائد، دن میں ہو یا رات میں اور اگر اس نے ایک دن یا اس سے زائد ٹھہرنے کی نیت کی تو اس کی نیت پر محمول ہوگا امام ابو یوسف کا بھی آخری قول یہی ہے پہلا قول یہ تھا کہ اگر رات کے اکثر حصہ میں ٹھہرے تو حانث ہوگا ورنہ نہیں (بدائع)

(۳۳) باب الیمین فی الطلاق والعتاق

ایک شخص نے طلاق کو شرط پر معلق کرتے ہوئے وسط کلام میں حرف نداء استعمال کیا اور کہا: انت طالق یازانیة ان دخلت الدار تو امام محمد کے نزدیک طلاق دخول دار پر معلق ہوگی اور اس شخص کو قاذف قرار دیا جائے گا اور لعان واجب ہوگا امام ابو یوسف بھی پہلے اسی کے قائل تھے بعد میں آپ نے رجوع کر لیا اور فرمایا کہ فی الحال طلاق واقع ہو جائے گی اور وہ قاذف نہ ہوگا پس لعان بھی واجب نہ ہوگا (بدائع)

(۳۴) باب الیمین فی البیع والشراء

ایک شخص نے قسم کھائی کہ اون نہ خریدوں گا پھر اس نے بھیڑ خریدی جس پر اون تھی تو حانث ہو جائے گا اور اگر یہ قسم کھائی کہ دودھ نہ خریدونگا۔ پھر بکری خریدی جس کے تھنوں میں دودھ تھا تو حانث نہ ہوگا۔ یہ امام ابو یوسف کا پہلا قول ہے بعد میں آپ نے رجوع کر لیا فسوّیٰ بینهما (بدائع)

(کتاب الحدود)

(۳۵)......جس شخص پر حد واجب ہو تو حد کے کوڑے اس کے پورے بدن پر لگائے جائیں گے بجز اس کے سر اور چہرے اور شرمگاہ کے، امام ابو یوسف بھی پہلے اسی کے قائل تھے بعد میں آپ نے رجوع کر لیا۔ اور فرمایا کہ سر پر بھی مارے جائیں گے۔ (ہدایہ، فتح)۔

(۳۶) باب الوطی الذی یوجب الحد والذی لا یوجبه

ایک حربی مستامن نے کسی مسلمان یا ذمی عورت کیساتھ زنا کیا تو امام صاحب کے نزدیک مسلمہ اور ذمیہ دونوں پر حد لازم ہوگی اور حربی پر

نہ ہوگی، امام ابو یوسف کا پہلا قول یہ ہے کہ کسی پر حد نہ ہوگی۔ یہی امام محمد کا قول ہے بعد میں آپ نے رجوع کر لیا اور فرمایا کہ سب پر حد لازم ہے۔ (ہدایہ، فتح)

(۳۷) باب القذف

امام ابو حنیفہ کے نزدیک حدود و قصاص میں کفیل نہیں لیا جائے گا امام ابو یوسف بھی پہلے اسی کے قائل تھے بعد میں آپ نے رجوع کر لیا اور فرمایا کہ کفیل لیا جائے گا امام محمد بھی یہی فرماتے ہیں ولھذا لا یحبس عند ھما فی دعوی حد القذف و القصاص. (فتح)

(کتاب السرقۃ)

(۳۸)..... اگر چور ایک مرتبہ چوری کا اقرار کر لے تو طرفین کے نزدیک اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا امام ابو یوسف اولاً یہ فرماتے تھے کہ کم از کم دو مرتبہ اقرار کرے تب ہاتھ کاٹا جائے بعد میں آپ نے طرفین کے قول کی طرف رجوع کر لیا (ہدایہ کفایہ، شامی)

(کتاب السیر والجھاد)

(۳۹) باب الغنائم وقسمتہا

اگر اہل حرب میں سے کوئی شخص دار الحرب میں مسلمان ہو جائے اور اس کی کچھ زمین ہو اور مسلمانوں کا دار الحرب پر قبضہ ہو جائے تو امام صاحب کے نزدیک اس کی زمین مال غنیمت میں داخل ہوگی امام ابو یوسف کا بھی آخری قول یہی ہے پہلا قول یہ تھا کہ اس کی زمین کا حکم دیگر اموال کا سا ہے یعنی زمین اسی کی رہے گی مال غنیمت میں داخل نہ ہوگی۔ امام محمد اسی کے قائل ہیں۔ (ہدایہ، عنایہ، فتح)

(کتاب الشرکۃ)

(۴۰)..... امام محمد کے نزدیک مروجہ پیسوں کے ساتھ شرکت جائز ہے امام ابو یوسف بھی پہلے اسی کے قائل تھے بعد میں آپ نے امام صاحب کے قول کی طرف رجوع کر لیا کہ شرکت صرف دراہم و دنانیر کے ساتھ جائز ہے پیسوں کے ساتھ جائز نہیں (فتح القدیر)

(کتاب البیوع)

(۴۱)..... ایک شخص نے دو چیزیں خریدیں جن میں سے ایک کم قیمت کی ہے اور ایک بیش قیمت۔ بائع نے بیش قیمت چیز کے ہلاک ہونے کا دعویٰ کیا اور مشتری نے کم قیمت والی کے ہلاک ہونے کا۔ امام ابو یوسف کا پہلا قول یہ ہے کہ دونوں سے قسم لی جائے گی اور جو قسم سے انکار کرے گا دوسرے کا دعویٰ لازم ہو جائے گا اور اگر دونوں قسم کھالیں تو دونوں میں سے ہر ایک کی نصف نصف قیمت لازم ہوگی پھر آپ نے امام محمد کے قول کی طرف رجوع کر لیا۔ کہ مشتری کا قول معتبر ہوگا اس کی قسم کے ساتھ۔ (بدائع)

(۴۲) باب البیع الفاسد

ایک شخص نے دو ہزار کے عوض میں ایک باندی فروخت کی جس کے گلے میں ایک ہزار روپیہ کی قیمت کا ہار تھا اور باندی کی قیمت بھی ہزار تھی اب خریدار نے ایک ہزار روپیہ نقد دیا تو یہ ہار کی قیمت ہوگی اسی طرح اگر کسی نے باندی دو ہزار میں اسی طرح خریدی کہ ایک ہزار نقد دے گا اور ایک ہزار ادھار تو ایک ہزار جو فی الحال دے گا وہ ہار کی قیمت ہوگی۔ اور گر کل ثمن ادھار ہو تو امام صاحب کے نزدیک باندی اور ہار دونوں کی بیع فاسد ہوگی۔ صاحبین کے یہاں صرف ہار کی بیع فاسد ہوگی مگر امام ابو یوسف نے امام صاحب کے قول کی طرف رجوع کر لیا۔ (مبسوط، فتح، عنایہ)

(۴۳)..... بائع نے مشتری سے کہا کہ میں اس ڈھیر سے یہ برتن بھر کر ایک درہم میں فروخت کرتا ہوں تو یہ جائز ہے اور اگر بیع سلم کی

صورت ہو تو جائز نہیں امام صاحب سے حسن کی روایت ہے کہ دونوں صورتوں میں بیع ناجائز ہے امام ابو یوسف اولاً عدم جواز کے قائل تھے بعد میں جواز کی طرف رجوع کر لیا۔ (بدائع)

(۴۴)......ایک شخص نے بطریق بیع فاسد ایک مکان فروخت کیا۔ مشتری نے اس میں عمارت بنالی یا درخت لگا لئے۔ تو امام صاحب کے نزدیک اس پر مکان کی قیمت واجب ہوگی۔ امام ابو یوسف کا بھی آخری قول یہی ہے پہلا قول یہ تھا کہ عمارت توڑ کر اور درخت اکھاڑ کر مکان واپس کر دیا جائے گا امام محمد بھی یہی فرماتے ہیں۔ (ہدایہ، ایضاح، کفایہ، عنایہ)

(۴۵) فصل فی التصرف فی المبیع والثمن قبل القبض

امام صاحب کے نزدیک قبضہ سے پہلے زمین فروخت کرنا جائز ہے امام ابو یوسف کا بھی آخری قول یہی ہے پہلے آپ عدمِ جواز کے قائل تھے امام محمدؒ امام شافعیؒ بھی عدمِ جواز کے قائل ہیں۔ (فتح)

(۴۶) باب الربوا

تر گیہوں کو تر گیہوں کے عوض میں یا خشک کے عوض اور پختہ کھجور کو پختہ یا خشک کے عوض میں اور انگور کو انگور یا کشمش کے عوض میں متماثلاً فروخت کرنا امام صاحب کے نزدیک جائز ہے امام ابو یوسف کا بھی آخری قول یہی ہے پہلا قول یہ ہے کہ جائز نہیں امام محمد بھی یہی فرماتے ہیں۔ (مبسوط، فتح)

(۴۷) فصل فی بیع الفضولی

ایک شخص نے دوسرے کی چیز اس کی اجازت کے بغیر فروخت کر دی اور مالک مر گیا تو اسکے ورثہ کی اجازت سے بیع جائز نہ ہوگی لیکن اگر مالک نے اپنی زندگی میں جائز کر دیا ہو اور بیع کا حال معلوم نہ ہو تو امام محمد کے نزدیک بیع جائز ہوگی امام ابو یوسف کا بھی پہلا قول یہی ہے بعد میں آپ نے رجوع کر لیا اور فرمایا کہ جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ بوقت اجازت مبیع قائم تھی اس وقت تک بیع صحیح نہ ہوگی (ہدایہ، عنایہ، فتح، بحر، شامی)

(۴۸)......ایک شخص نے کسی کے مکان کا صحن فروخت کر ڈالا اور مشتری نے اس کو اپنی بنا میں داخل کر لیا اس کے بعد بیچنے والے نے اقرار کیا کہ میں نے اس کو غصب کر کے فروخت کیا تھا تو امام صاحب کے نزدیک بائع اس کی قیمت کا ضامن نہ ہوگا امام محمد کے نزدیک ضامن ہوگا امام ابو یوسف کا بھی پہلا قول یہی ہے بعد میں آپ نے امام صاحب کے قول کی طرف رجوع کر لیا (ہدایہ، عنایہ، فتح مجمع الانہر، شامی)۔

(۴۹) باب السلم

اگر عاقدین سلم میں اختلاف کریں تو دونوں قسم کھائیں گے اور ابتداء مطلوب سے ہوگی، یہ امام ابو یوسف کا پہلا قول ہے مرجوع الیہ قول یہ ہے کہ پہلے طالب قسم کھائے گا امام محمد بھی یہی فرماتے ہیں۔ (فتح القدیر)

(کتاب الصرف)

(۵۰)......اگر قبضے سے پہلے چلتے پیسے بند ہو جائیں تو امام صاحب کے نزدیک وہی پیسے ملیں گے امام ابو یوسف بھی پہلے اسی کے قائل تھے بعد میں آپ نے رجوع کر لیا اور فرمایا کہ معاملہ کے دن ان کی جو قیمت تھی وہ ملے گی (ملتقی، بزازیہ، ذخیرہ، شامی)۔

(کتاب الکفالۃ)

(۵۱)......طرفین کے نزدیک کفالہ تنہا کفیل کے ذریعہ تام نہیں ہوتا بلکہ مکفول لہ کا قبول کرنا ضروری ہے کیونکہ ان کے یہاں ایجاب اور قبول دونوں رکن ہے۔ اولاً امام ابو یوسف بھی اسی کے قائل تھے بعد میں آپ نے رجوع کر لیا اور فرمایا کہ مکفول لہ کا قبول کرنا ضروری نہیں۔

صرف کفیل سے بھی تام ہو جائے گا۔ امام مالک، امام احمد، امام شافعی، کا بھی (ایک) قول یہی ہے (ہدایہ، کفایہ، فتح[1])۔

(۵۲)......ایک کفیل بالنفس نے کہا کہ اگر فلاں نے کل روپیہ ادا کیا تو مجھ پر ایک ہزار درہم ہیں (یعنی میں ادا کروں گا اور یہ قید نہیں لگائی کہ جو روپیہ اس کے ذمہ ہے وہ میں دوں گا۔ اب کل کا دن گذر گیا اور فلاں نے روپیہ ادا نہیں کیا بلکہ صاف کہدیا کہ میرے ذمہ کچھ ہے ہی نہیں لیکن طالب ایک ہزار کا مدعی ہے ادھر کفیل بھی اصیل پر روپیہ کے وجوب کا منکر ہو گیا تو امام صاحب کے نزدیک کفیل پر ایک ہزار درہم لازم ہوں گے۔ یہی امام ابو یوسف کا پہلا قول ہے آخری قول یہ ہے کہ کفیل پر کچھ واجب نہیں۔ (خلاصہ، فتح، شامی)

(۵۲) باب الاستحقاق

امام محمد کے نزدیک اثبات نتائج کے لئے مستحق کا حاضر ہونا شرط ہے۔ امام صاحب کے نزدیک شرط نہیں۔ امام ابو یوسف اولاً اسی کے قائل تھے بعد میں آپ نے امام محمد کے قول کی طرف رجوع کر لیا۔ (ذخیرہ، شامی)

(کتاب القضاء)

(۵۳)......قاضی کے لئے شاہد کو اس طرح تلقین کرنا کہ وہ شہادت سے متعلقہ امور کا علم حاصل کرلے مکروہ ہے کیونکہ اس میں احد الخصمین کی اعانت ہے۔ امام ابو یوسف بھی پہلے اسی کے قائل تھے بعد میں آپ نے اس سے رجوع کر لیا۔ اور تلقین شاہد کو مستحسن قرار دیا بشرطیکہ مظنہ تہمت نہ ہو (عنایہ)

(۵۴) باب کتاب القاضی الی القاضی

ایک قاضی دوسرے قاضی کے پاس جو خط بھیجے وہ دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی کے بغیر مقبول نہ ہوگا۔ پھر قاضی کے لئے ضروری ہے کہ وہ خط گواہوں کو پڑھ کر سنائے یا اس کے مضمون سے مطلع کرے اسکے بعد گواہوں کی موجودگی میں خط پر مہر لگا کر سربند کردے تاکہ کسی کو ترمیم و تنسیخ کا وہم پیدا نہ ہو۔ یہ سب چیزیں طرفین کے نزدیک شرط ہیں۔ امام ابو یوسف بھی پہلے اسی کے قائل تھے بعد میں آپ نے رجوع کر لیا اور فرمایا کہ صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ یہ فلاں قاضی کا خط ہے۔ (ہدایہ، عنایہ، فتح، بحر)۔

(۵۵)......امام صاحب کے یہاں اصل یہ ہے کہ قاضی ظاہراً جس چیز کی حلت کا فیصلہ کرے وہ باطناً بھی حلال ہوگی، اسی طرح جس چیز کی حرمت کا فیصلہ کرے وہ حرام ہوگی مثلاً ایک شخص نے عورت پر نکاح کا دعویٰ کیا اور عورت منکر ہے مگر اس شخص نے جھوٹے گواہوں سے نکاح ثابت کر دیا اور قاضی نے نکاح کا فیصلہ کر دیا تو امام صاحب کے نزدیک عورت اس شخص کو وطی کا موقع دے سکتی ہے اور وہ اس سے وطی کر سکتا ہے امام ابو یوسف بھی اولاً اسی کے قائل تھے بعد میں آپ نے رجوع کر لیا اور فرمایا کہ نہ عورت کے حق میں وطی حلال ہے نہ مرد کے حق میں امام محمد، امام زفر، امام شافعی بھی یہی فرماتے ہیں۔ (کفایہ، عنایہ)۔

(۵۶)......امام ابو یوسف اولاً اس کے قائل تھے کہ بینہ اور اقرار کے ذریعہ غائب کے خلاف فیصلہ نہیں کیا جائیگا بعد میں آپ نے اس سے رجوع کر لیا فیقضی فیہما جمیعاً (فتح القدیر)

---

[1] وفی البدائع ما یخالف ما فی الفتح والکفایہ ۱۲

(کتاب الشهادة)

(۵۷) ایک شخص نے کسی معاملہ میں گواہی دی حاکم نے خفیہ طور پر لوگوں سے اس کے حالات دریافت کئے تو سب نے اس کی تعدیل کی۔ اس کے بعد اس نے پھر کسی معاملہ میں گواہی دی تو اب دوبارہ تعدیل کی ضرورت نہیں۔ الّا یہ کہ دونوں شہادتوں کے درمیان طویل زمانہ گذر جائے۔ اب طویل وقفہ کی مدت امام محمد کے نزدیک ایک ماہ ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک ایک سال مگر یہ قول مرجوع عنہ ہے بعد میں آپ نے چھ ماہ کی مدت کو طویل وقفہ مانا ہے۔ (فتح القدیر)

(۵۸)..... نسب، موت، نکاح، دخول اور ولایت قاضی کے علاوہ دیگر امور میں شاہد کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ بے دیکھی چیز کے متعلق گواہی دے، امام ابو یوسف نے آخری قول میں ولاء کا بھی استثناء کیا ہے فالشهادة فيه بالتسامع مقبولة ايضاً۔ (ہدایہ، بدائع، فتح، عنایہ)

(کتاب الوكالة)

(۵۹) باب الوكالة بالخصومة والقبض

ایک وکیل بالخصومة نے قاضی کے روبرو اپنے موکل کے خلاف کسی چیز کا اقرار کیا تو اس کا اقرار صحیح ہوگا اور اگر قاضی کے علاوہ کسی اور کے سامنے اقرار کیا تو صحیح نہ ہوگا یہ طرفین کے نزدیک ہے، امام زفر اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں صحیح نہ ہوگا، امام ابو یوسف کا بھی پہلا قول یہی ہے بعد میں آپ نے دونوں میں اقرار کو صحیح مانا ہے۔ (ہدایہ، نتائج الافکار، مجمع الانہر)

(کتاب الدعویٰ)

(۶۰) باب التحالف

اگر بائع اور مشتری کے درمیان اختلاف ہو اور قسم کی ضرورت واقع ہو تو امام ابو یوسف کے نزدیک اولاً بائع سے قسم لی جائے گی۔ یہ آپ کا پہلا قول ہے اور امام شافعی بھی اسی کے قائل ہیں بعد میں آپ نے رجوع کر لیا اور فرمایا کہ پہلے مشتری سے قسم لے جائے گی امام محمد بھی یہی فرماتے ہیں۔ اور یہ ایک روایت امام صاحب سے بھی ہے۔ (ہدایہ عنایہ، نتائج الافکار، بحر، مجمع الانہر)

(۶۱) فصل فيمن لا يكون خصماً

مدعا علیہ نے کہا: میرے پاس یہ چیز فلاں غائب نے بطور امانت یا بطور رہن رکھی ہے یا میں نے اس سے غصب کی ہے یا اس نے مجھے اجرت پر دی ہے اور اس پر بینہ بھی قائم کر دیا تو اس کے اور مدعی کے درمیان خصومت نہ ہوگی مگر امام ابو یوسف نے اس سے رجوع کر لیا اور فرمایا کہ اگر وہ شخص نیک ہو تب تو خصومت نہ ہوگی اور اگر وہ مکاری میں مشہور ہو تو خصومت ہوگی (نتائج الافکار، ہدایہ، شامی)

(۶۲) باب ما يدعيه الرجلان

دو آدمیوں نے ایک چیز کی ملک اور تاریخ پر بینہ قائم کیا تو امام محمد کے نزدیک دونوں کیلئے فیصلہ ہوگا اور تاریخ کا اعتبار نہ ہوگا امام ابو یوسف بھی اسی کے قائل تھے بعد میں آپ نے امام صاحب کے قول کی طرف رجوع کر لیا کہ اس چیز کا حقدار سابق تاریخ والا ہوگا۔

(امالی، نتائج الافکار، عنایہ)

(کتاب الاقرار)

(۶۳) باب الاستثناء وما فی معناہ

ایک شخص نے اقرار کیا کہ مجھ پر فلاں شخص کے غلام کی قیمت کے ایک ہزار درہم ہیں جس پر میں نے قبضہ نہیں کیا اور اس نے غلام کو معین نہیں کیا۔ تو امام صاحب کے نزدیک مقر پر ایک ہزار درہم لازم ہو جائیں گے اور قبضہ کی نفی میں اس کی تصدیق نہ ہوگی خواہ وہ "لم اقبضہ" متصلاً کہے یا منفصلاً نیز مقرلہ غلام کی فروختگی میں اس کی تصدیق کرے یا تکذیب۔ امام ابو یوسف پہلے اس کے قائل تھے کہ اگر وہ "لم اقبضہ" متصلاً کہتا ہے تو تصدیق کی جائے گی ورنہ نہیں بعد میں آپ نے رجوع کر لیا۔ اور فرمایا کہ مقرلہ سے ایک ہزار درہم کا سبب دریافت کیا جائیگا۔ اگر اس میں وہ اس کی تصدیق کرے اور قبضہ میں تکذیب تو مقر کے قول کا اعتبار ہوگا۔ خواہ "لم اقبضہ" متصلاً کہے یا منفصلاً اور اگر وہ فروختگی میں اس کی تکذیب کرے اور کسی اور طریق سے ایک ہزار کا دعویٰ کرے تو متصلاً استثناء کرنے کی صورت میں اس کی تصدیق ہوگی اور منفصلاً استثناء کی صورت میں تصدیق نہ ہوگی۔ امام محمد کا یہی قول ہے (بدائع)

(۶۴)...... ایک شخص نے مقرلہ کو مجہول رکھتے ہوئے یوں اقرار کیا "لاحد ہذین علی کذا" تو اقرار صحیح ہے اب مقر سے قسم لے جائے گی اگر وہ قسم کھالے تو دونوں کے دعوؤں سے بری ہو جائے گا۔ اب اگر وہ دونوں صلح کرنا چاہیں اور مقر سے وہ شئے لینا چاہیں تو امام محمد کے نزدیک لے سکتے ہیں۔ امام ابو یوسف بھی پہلے اسی کے قائل تھے بعد میں آپ نے رجوع کر لیا **فلا یصح اصطلاحهما بعد الحلف عنده** ۔(شامی)

(کتاب الصلح)

(۶۵)...... ایک شخص نے اپنے حق کے عوض میں کسی ایسی شئے پر صلح کر لی جو وصف کے لحاظ سے اسکے حق کی بہ نسبت خوبتر ہے اور مقدار میں اس سے کمتر ہے مثلاً کسی شخص پر اس کے کم چلنے والے ہزار درہم تھے اس نے پانچ سو کھرے درہموں پر صلح کر لی تو طرفین کے نزدیک یہ صلح جائز نہیں۔ امام ابو یوسف پہلے جواز کے قائل تھے بعد میں آپ نے عدم جواز کی طرف رجوع کر لیا۔ (بدائع)

(۶۶)...... مودِع نے مودَع پر دعویٰ کیا کہ تو نے میری چیز خود ضائع کی ہے مودَع نے کہا کہ میں نے تجھ کو واپس کر دی تھی یا وہ خود ضائع ہوگئی اس کے بعد دونوں نے کسی چیز پر صلح کر لی تو امام صاحب کے نزدیک صلح جائز نہیں۔ امام ابو یوسف بھی پہلے اسی کے قائل تھے بعد میں آپ نے رجوع کر لیا اور فرمایا کہ صلح مذکور جائز ہے یہی امام محمد کا قول ہے۔ (خانیہ، شامی)

(کتاب المضاربۃ)

(۶۷) باب المضارب یضارب

ایک شخص کے پاس مضاربت کا مال تھا اس نے وہ مال کسی دوسرے کو مضاربت پر دیدیا۔ حالانکہ صاحب مال نے اس کو اجازت نہیں دی تھی تو وہ صرف مال دینے سے ضامن نہ ہوگا پھر جب تک کچھ نفع نہ ہو اس وقت تک مضارب ثانی کوئی تصرف نہ کرے گا۔ نفع حاصل ہونے کے بعد مضارب اول مال کا ضامن ہوگا۔ یہ امام صاحب سے حسن کی روایت ہے صاحبین فرماتے ہیں کہ جب مضارب ثانی کوئی تصرف کرے گا تو مضارب اول مال کا ضامن ہوگا نفع ہو یا نہ ہو ظاہر الروایہ یہی ہے مگر امام ابو یوسف نے اس سے رجوع کر لیا اور فرمایا کہ مضارب اول صرف مال دینے ہی سے ضامن ہوگا۔ امام زفر بھی اسی کے قائل ہیں۔ (عنایہ)

(کتاب الاجارة)

(۶۸)......ایک شخص نے مکہ تک جانے کے لئے اونٹ کرایہ پر لیا تو امام ابو یوسف کا پہلا قول یہ ہے کہ اجرت کا استحقاق پوری مسافت طے کرنے کے بعد ہوگا۔ آخری قول یہ ہے کہ جب ایک تہائی یا نصف راستہ طے کر لے تو اس کے حساب سے اجرت دیدے۔
(بدائع)

(۶۹)......موجر نے متاجر سے اجرت کے ذریعہ عقد صرف کر لیا بایں طور کہ اجرت میں دراہم پانے والا تھا اس نے دینار لے لئے تو امام ابو یوسف پہلے اس کے جواز کے قائل تھے جیسا کہ امام محمد فرماتے ہیں بعد میں آپ نے بطلان عقد کی طرف رجوع کر لیا (بدائع)

(کتاب المکاتب)

(۷۰) باب موت المکاتب و عجزه

مکاتب غلام نے کوئی جنایت کی اور اس پر اس کی کتابت کی حالت میں موجب جنایت کا فیصلہ بدل کتابت سے کر دیا گیا۔ پھر مکاتب بدل کتابت کی ادائیگی سے عاجز ہو گیا تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جنایت کا تاوان اس کے ذمہ دین ہوگا۔ اور اس سلسلہ میں اس کو فروخت کر دیا جائے گا امام ابو یوسف پہلے اس کے قائل تھے کہ اس پر قیمت واجب ہوگی اور فروخت نہیں کیا جائے گا یہی امام زفر کا قول ہے بعد میں آپ نے اس سے رجوع کر لیا۔ (ہدایہ، عنایہ، نتائج الافکار، مجمع الانہر)

(کتاب الوَلاءِ)

(۷۱)......اگر پہلے آقا کا انتقال ہو جائے پھر آزاد شدہ غلام مر جائے تو اس کی میراث لڑکوں کو ملے گی نہ کہ اس کی لڑکیوں کو نیز عورتوں کے لئے ولاء نہیں ہوتی (لا ما استثناہ فی الحدیث) مثلاً ایک عورت نے غلام آزاد کیا اور ایک لڑکا اور باپ چھوڑ کر مر گئی پھر آزاد شدہ غلام مر گیا تو طرفین کے نزدیک اس کی میراث صرف لڑکے کو ملے گی۔ امام ابو یوسف بھی پہلے اسی کے قائل تھے بعد میں آپ نے رجوع کر لیا اور فرمایا کہ چھٹا حصہ باپ کو ملے گا اور باقی بیٹے کو۔ (عنایہ)

(کتاب الحَجر)

(۷۲)......سفیہ وغیر رشید شخص نے اپنا غلام آزاد کیا تو صاحبین کے نزدیک عتق نافذ ہوگا اب امام محمد کے نزدیک غلام اپنی قیمت میں سعایت کریگا امام ابو یوسف پہلے اسی کے قائل تھے بعد میں آپ نے عدم سعایت کی طرف رجوع کر لیا۔ (تکملہ، بحر، مجمع الانہر)

(کتاب الغصب)

(۷۳)......ایک شخص نے کسی کی زمین غصب کر لی اور وہ اس کے قبضے میں رہتی ہوئی ہلاک ہو گئی تو امام صاحب کے نزدیک وہ ضامن نہ ہوگا۔ امام ابو یوسف پہلے وجوب ضمان کے قائل تھے۔ امام محمد اور امام شافعی بھی یہی فرماتے ہیں بعد میں آپ نے امام صاحب کے قول کی طرف رجوع کر لیا۔ (ہدایہ، عنایہ، نتائج الافکار، کافی، تکملہ، بحر، مجمع الانہر)

(۷۴)......ایک شخص نے کسی کا مکان غصب کیا اور اس میں رہنے لگا مکان منہدم ہو گیا لیکن اس کے رہنے یا اس کے کسی اور عمل سے منہدم نہیں ہوا تو امام صاحب کے نزدیک وہ ضامن نہ ہوگا۔ امام ابو یوسف کا بھی آخری قول یہی ہے۔ (عنایہ)

(کتاب الشفعۃ)

(۷۵) باب طلب الشفعۃ

طلب شفعہ کے وکیل نے مؤکل کے خلاف اقرار کیا اور کہا کہ مؤکل نے شفعہ طلب نہیں کیا تھا اگر اس نے یہ اقرار قاضی کی مجلس میں کیا ہو تب تو صحیح ہوگا۔ ورنہ صحیح نہ ہوگا یہ شرط طرفین کے نزدیک ہے۔ امام ابو یوسف بھی پہلے اسی کے قائل تھے۔ بعد میں آپنے علی الاطلاق صحت اقرار کی طرف رجوع کر لیا (شامی)۔

(۷۶)......ایک شخص نے کھجور کا باغ مع زمین خریدا اور اس کے قبضے میں رہتے ہوئے باغ میں پھل آیا مشتری نے پھل توڑ لیا تو اب اگر شفیع لینا چاہے تو کل ثمن کے ساتھ لے گا۔ یہ آپ کا آخری قول ہے پہلا قول یہ تھا کہ پھلوں کی قیمت ساقط ہو جائے گی۔

(تکملہ بحر)

(۷۷)......اگر کوئی زمین ثمن موجل کے ساتھ فروخت کی جائے تو طرفین کے نزدیک شفیع کو اختیار ہوگا چاہے ثمن حال کے ساتھ لے اور چاہے صبر کرلے یہاں تک کہ مدت گذر جائے اور مدت گذر جانے کے بعد لے لیکن اگر اس نے شفعہ طلب نہ کیا خاموش رہا تو حق شفعہ باطل ہو جائے گا۔ امام ابو یوسف کا بھی پہلا قول یہی ہے بعد میں آپ نے رجوع کر لیا اور فرمایا کہ مدت گذرنے کے بعد لے سکتا ہے گو اس نے فی الحال شفعہ طلب نہ کیا ہو۔ (ہدایہ، عنایہ، نتائج الافکار، تکملہ بحر)

(کتاب القسمۃ)

(۷۸) ایک زمین چند شریکوں کے درمیان مشترک تھی جو ان کے مطالبہ پر تقسیم کر دی گئی اس کے بعد شرکاء میں اختلاف ہوا مثلاً کسی نے کہا کہ مجھے میرا پورا حصہ نہیں ملا اور تقسیم کنندگان نے گواہی دی کہ ہر ایک اپنا پورا حصہ لے چکا تو امام صاحب کے نزدیک تقسیم کنندگان کی گواہی مقبول ہوگی امام محمد کے نزدیک مقبول نہ ہوگی۔ امام ابو یوسف بھی پہلے اسی کے قائل تھے بعد میں آپ نے امام صاحب کے قول کی طرف رجوع کر لیا (ہدایہ، مجمع الانہر، تکملہ بحر)

کتاب الذبائح

(۷۹)......ذبیحہ حلال ہونے کے لئے جن چار رگوں کا کاٹنا ضروری ہے اگر ان میں سے تین رگیں کاٹ دی گئیں تو امام صاحب کے نزدیک ذبیحہ حلال ہو جائے گا، امام ابو یوسف کا پہلا قول یہی ہے بعد میں آپ نے امام محمد کے قول کی طرف رجوع کر لیا۔ کہ حلقوم، مرئی اور احد الودجین کا کٹنا ضروری ہے۔ (ہدایہ، عنایہ، تکملہ بحر، مجمع الانہر)

(۸۰)......ایک شخص نے شکار کے سر پر مارا اور طولاً یا عرضاً اس کے دو ٹکڑے کر دیئے تو طرفین کے یہاں کل شکار کھایا جا سکتا ہے امام ابو یوسف کا بھی پہلا قول یہی ہے آخری قول یہ ہے کہ جو حصہ جدا ہو گیا ہو وہ نہ کھایا جائے۔ (بدائع)

کتاب الاشربۃ

(۸۱) نبیذ زبیب یعنی چھوارے کا جوشیدہ پانی جو جھاگ آور ہو۔ امام صاحب کے یہاں اس کا اتنی مقدار میں پینا حلال ہے جو نشہ آور نہ ہو۔ امام ابو یوسف کا بھی پہلا قول یہی ہے۔ آخری قول یہ ہے کہ اس کا پینا حلال نہیں۔ (عنایہ، کفایہ، فتح)

(کتاب الجنایات)

(۸۲) باب ما یحدث الرجل فی الطریق

ایک شخص نے کنواں کھودا اس میں کوئی گر کر مر گیا۔ اب کنواں کھودنے والے اور میت کے ورثہ میں اختلاف ہوا، کنواں کھودنے والے نے کہا کہ یہ اس میں قصداً گرا ہے ورثہ نے کہا بلا قصد گرا ہے تو امام ابو یوسف کے پہلے قول پر ورثہ کا قول معتبر ہوگا۔ اور مرجوع الیہ قول پر حافر بئر کا قول معتبر ہوگا۔ یہی امام محمد کا قول ہے۔ (بدائع)

(۸۳) **فصل** اگر کسی نے غلام کو خطاءً قتل کر دیا تو طرفین کے نزدیک اس پر غلام کی قیمت واجب ہوگی لیکن دس ہزار سے زائد نہ ہوگی بلکہ دس ہزار سے بھی دس درہم کم کئے جائیں گے امام ابو یوسف کا بھی پہلا قول یہی ہے آخری قول یہ ہے کہ قیمت واجب ہوگی، کم ہو یا زائد۔ (ہدایہ، عنایہ)

کتاب الفرائض

(۸۴)...... معتق کا انتقال ہوا اور اس نے اپنے آقا کا باپ اور آقا کا بیٹا چھوڑا تو طرفین کے نزدیک معتق کا کل مال آقا کے بیٹے کو ملے گا۔ امام ابو یوسف کا بھی پہلا قول یہی ہے۔ آخری قول یہ ہے کہ باپ کو سدس ملے گا اور باقی بیٹے کو (شامی)

وہ مسائل جن میں امام ابو یوسف نے استحسان سے قیاس کی طرف رجوع کیا ہے

(کتاب الصلوٰۃ)

(۸۵) باب سجدۃ التلاوۃ

اگر دو رکعتوں میں آیت سجدہ مکرر تلاوت کی تو از روئے استحسان ہر ایک کے لئے سجدہ لازم ہے امام ابو یوسف کا پہلا قول یہی ہے اور قیاس کے لحاظ سے صرف ایک سجدہ کافی ہے امام محمد اسی کے قائل ہیں۔ امام ابو یوسف نے بھی اسی کی طرف رجوع کر لیا۔

(کتاب الرھن)

(۸۶)...... جو چیز مہر مثل کے عوض میں رہن ہو وہ قیاس کی رو سے متعہ کے عوض میں رہن نہیں ہوتی، امام ابو یوسف کا آخری قول یہی ہے اور استحسان کے لحاظ سے وہ چیز متعہ کے عوض میں بھی رہن ہوتی ہے۔ امام ابو یوسف کا پہلا قول یہی ہے۔

(کتاب الجنایات)

(۸۷)...... ۳ غلام نے کوئی فیما دون النفس جنایت کی اور آقا نے فدیہ دینا منظور کر لیا۔ پھر مجنی علیہ مر گیا تو قیاس کے اعتبار سے آقا کو دوبارہ اختیار ملنا چاہئے۔ امام ابو یوسف کا آخری قول یہی ہے لیکن استحسان کے اعتبار سے آقا کو دوبارہ اختیار نہیں ہے امام ابو یوسف کا پہلا قول یہی ہے اور یہی امام محمد کا قول ہے۔

وہ مسائل جن میں امام ابو یوسف سے رجوع مرتین ثابت ہے
(کتاب النکاح)

(۸۸) باب الاولیاء

(۱) اگر کوئی آزاد عاقلہ بالغہ عورت بخوشی کسی کے ساتھ نکاح کرلے تو امام صاحب کے نزدیک نکاح ہو جائے گا۔ خواہ عورت باکرہ ہو یا ثیبہ، ظاہر المذہب یہی ہے اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ کفوء کے ساتھ جائز ہے غیر کفوء میں جائز نہیں۔ امام ابو یوسف سے تین روایتیں ہیں۔ اول یہ کہ اگر اس کا کوئی ولی ہو تو مطلقاً جائز نہیں۔ مگر آپ نے اس سے رجوع کرلیا۔ دوم یہ کہ کفوء میں جائز ہے۔ غیر کفوء میں جائز نہیں پھر اس سے بھی رجوع کرلیا۔ سوم یہ کہ علی الاطلاق جائز ہے یہ آپ کا آخری قول ہے۔ امام محمد سے بھی ظاہر الروایہ کی طرف رجوع ثابت ہے، فالحاصل ان الجواز ثابت علی الاطلاق بالاتفاق ہذا علی ماذکرہ السرخسی (فتح القدیر)۔

(کتاب الاشربۃ)

(۸۹) (۲) جو، گیہوں، شہد، جوار اور انجیر سے جو شرابیں تیار کی جاتی ہیں امام صاحب کے یہاں ان کا پینا جائز ہے کم ہوں یا زائد، پختہ ہوں یا خام، امام محمد کے یہاں حرام ہے۔ امام ابو یوسف بھی پہلے اسی کے قائل تھے بعد میں آپ نے رجوع کرلیا اور فرمایا کہ اگر وہ دس روز تک رہ سکتی ہوں اور خراب نہ ہوتی ہوں تو مکروہ ہے۔ مگر بعد میں آپ نے دس روز کی قید بھی ختم کردی اور امام صاحب کے قول کی طرف رجوع کرلیا (ہدایہ، بدائع)۔

وہ مسائل جن میں امام ابو یوسف سے بنقول معتبرہ رجوع ثابت نہیں
(کتاب النکاح)

(۱) باب المہر

ایک شخص نے کسی عورت سے معین غلام پر شادی کی بعد میں وہ آزاد نکلا تو طرفین کے نزدیک مہر مثل واجب ہوگا۔ اور امام ابو یوسف کے نزدیک غلام کی قیمت واجب ہوگی (ہدایہ)۔

حاکم نے ذکر کیا ہے کہ حر کی صورت میں امام ابو یوسف کا پہلا قول وہی ہے جو طرفین کا ہے۔ ابن الہمام کی تحقیق یہ ہے کہ اس میں ائمہ ثلاثہ کا کوئی اختلاف نہیں (فتح القدیر)

(کتاب البیوع)

(۲)...... ایک شخص نے کوئی چیز اس شرط پر خریدی کہ اگر تین دن تک ثمن نہ دے سکا تو بیع نہیں تو امام صاحب کے نزدیک بیع صحیح ہے اور اگر چار دن کی شرط لگائی تو صحیح نہیں۔ امام محمد کے نزدیک دونوں صورتوں میں صحیح ہے۔ امام ابو یوسف پہلے قول کے لحاظ سے امام صاحب کے ساتھ ہیں اور مرجوع الیہ قول کے لحاظ سے امام محمد کے ساتھ ہیں کذافی غایۃ البیان، شرح مجمع میں ہے کہ امام ابو یوسف سے دو روایتیں ہیں اصح یہ ہے کہ آپ امام صاحب کے ساتھ ہیں، صاحب ہدایہ نے بھی آپکو امام صاحب کے ساتھ ذکر کیا ہے وکثیر من المشائخ حکموا علی قولہ بالاضطراب (بحر، فتح)

(کتاب الوصایا)

(۳)......اگر وصی اپنا مال بچہ کے ہاتھ فروخت کرے یا بچہ سے مال خریدے تو امام صاحب کے نزدیک خرید وفروخت صحیح ہے بشرطیکہ اس میں بچہ کا نفع ہی نفع ہو، صاحبین کے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ اور ایک ضعیف روایت یہ ہے کہ امام ابو یوسف نے امام صاحب کے قول کی طرف رجوع کرلیا۔ (تکملہ بحر)

(کتاب الخنثیٰ)

(۴)......امام صاحب کے یہاں خنثیٰ کے لئے اقل النصیبین ہے۔ نہایہ اور کفایہ میں ہے کہ امام محمد امام صاحب کے ساتھ ہیں اور امام ابو یوسف کا بھی پہلا قول یہی ہے لیکن بعد میں آپ نے نصف النصیبین کی طرف رجوع کرلیا۔ علامہ شامی اور صاحب سراجیہ فرماتے ہیں کہ اس سلسلہ میں ائمہ ثلاثہ کا کوئی اختلاف نہیں بلکہ جو قول امام صاحب کا ہے وہی صاحبین کا ہے قال الشامی ''اعلم ان ہذا (ای نصف النصیبین) قول الشعبی ولما کان من اشیاخ ابی حنیفۃ ولہ فی ہذا الباب قول مبہم اختلف ابو یوسف ومحمد فی تخریجہ فلیس ہو قولا لہما اھ'' (شامی)

وہ مسائل جن میں امام محمد سے رجوع ثابت ہے

(کتاب الطہارۃ)

(۱)......امام محمد کے پہلے قول پر بڑا حوض وہ ہے جو دہ دردہ ہو مگر بعد آپ نے امام صاحب کے قول کی طرف رجوع کرلیا وقال لا اوقت فیہ شیئاً۔ (بحر الرائق)۔

(۲) باب الانجاس وتطہیرہا

اگر موزے پر جسم والی نجاست لگ جائے اور خشک ہوجائے تو رگڑ دینے سے موزہ پاک ہوجاتا ہے اور امام محمد کے نزدیک پاک نہیں ہوتا مگر جب آپ رَی پہنچے۔ اور عام راستے نجاست آلود پائے تو آپ نے رجوع کرلیا۔ بلکہ لید کے متعلق تو یہاں تک فرمایا کہ اس میں رگڑنے کی بھی ضرورت نہیں۔ (ہدایہ، نہایہ، محیط، فتح، عنایہ)

(کتاب الصلوٰۃ)

(۳) باب سجود السہو

اگر سری نماز میں اکثر فاتحہ کی قراءت بالجہر کی تو سجدۂ سہو واجب ہے۔ یہ آپکا پہلا قول ہے۔، مرجوع الیہ قول یہ ہے کہ اگر قراءت بالجہر بقدر ما یجوز بہ الصلوٰۃ کی تو سجدہ سہو واجب ہے ورنہ نہیں (عنایہ)۔

(کتاب النکاح)

(۴) باب الاولیاء والاکفاء

آزاد عاقلہ بالغہ عورت کا نکاح شیخین کے نزدیک ولی کے بغیر بھی منعقد ہوجاتا ہے ظاہر الروایہ یہی ہے امام محمد سے روایت ہے کہ ولی کی اجازت پر موقوف رہتا ہے مگر بعد میں آپ نے ظاہر الروایہ کی طرف رجوع کرلیا۔ (فتح)

(۵) باب المہر)

اگر شوہر صغیر ہو یا مجنون یا بے ہوش ہو یا میاں بیوی کے پاس شوہر کی باندی موجود ہو تو یہ خلوتِ صحیحہ سے مانع نہیں مگر امام محمد نے اس سے رجوع کرلیا۔ اور فرمایا کہ شوہر کا دیوانہ یا بے ہوش ہونا اور اس کی دوسری بیوی یا اس کی باندی کا وہاں موجود ہونا خلوتِ صحیحہ سے مانع ہے۔ (بدائع، فتح)

(کتاب الطلاق)

(۶) باب تعلیق الطلاق

ایک شخص نے طلاق کو معلق کرتے ہوئے وسط کلام میں حرف نداء استعمال کیا اور کہا۔ انت طالق یا زانیۃ ان دخلت الدار، تو امام محمد نے جامع میں ذکر کیا ہے کہ طلاق دخول دار پر معلق ہوگی اور وہ شخص قاذف نہ ہوگا اور نہ لعان واجب ہوگا۔ لیکن آپکا آخری قول یہ ہے کہ وہ شخص قاذف قرار دیا جائے گا اور لعان واجب ہوگا۔ (بدائع)

(۷) باب الرجعۃ

ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی پھر اس کے مقام براز کی طرف بنظر شہوت دیکھا تو امام محمد کے پہلے قول میں اس سے رجعت ثابت ہوجائیگی مگر بعد میں آپ نے امام صاحب کے قول کی طرف رجوع کرلیا کہ رجعت ثابت نہ ہوگی۔ (فتح، بدائع)

(۸) باب العدۃ

ایک شخص نے کہا: میں جس عورت سے نکاح کروں اسے طلاق ہے اس کے بعد اس نے نکاح کیا اور عورت پر طلاق پڑ گئی۔ پھر نکاح سے چھ ماہ بعد عورت کے بچہ ہوا تو نسب ثابت ہوجائے گا، امام زفر فرماتے ہیں کہ نسب ثابت نہ ہوگا پہلے امام محمد بھی اسی کے قائل تھے بعد میں آپ نے رجوع کرلیا۔ (بدائع)

(کتاب العتاق)

(۹) باب العبد الذی یعتق بعضہٗ

ایک شخص نے اپنی باندی سے کہا کہ اگر تو پہلا بچہ مذکر جنے تو تو آزاد ہے باندی کے ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوئی اور یہ معلوم نہیں کہ پہلے کون سا بچہ پیدا ہوا تو شیخین کے نزدیک نصف باندی اور نصف لڑکی آزاد ہوجائے گی اور لڑکا غلام رہے گا۔ امام محمد بھی پہلے اسی کے قائل تھے بعد میں آپ نے فرمایا کہ ان میں کسی کی آزادی کا فیصلہ نہ ہوگا۔ (فتح)

(کتاب الایمان)

(۱۰) باب الیمین فی الاکل والشرب واللبس والکلام

ایک شخص نے قسم کھائی کہ میں فلاں کے غلام یا اس کی بیوی یا اس کے دوست سے بات نہ کروں گا اس شخص نے غلام فروخت کردیا یا عورت کو طلاق بائن دیدی یا اس کا دوست دشمن ہوگیا اور حالف نے ان سے بات کرلی تو حانث نہ ہوگا۔ امام محمد کا پہلا قول یہ ہے کہ اگر طلاق کے بعد یا دشمن ہوجانے کے بعد فلاں کی عورت یا اس کے دوست سے بات کی تو حانث ہوجائے گا۔ بعد میں آپ نے امام صاحب کے قول کی طرف رجوع کرلیا۔ (فتح)

(کتاب الوکالۃ)

(۱۱) باب عزل الوکیل

اگر وکیل پر ایک دن رات تک دیوانگی طاری رہے تو ایک روایت پر شیخین کے نزدیک وہ وکالت سے معزول ہو جائے گا۔ امام محمد کے تین قول ہیں۔ (۱) جو اوپر مذکور ہوا۔ (۲) ایک ماہ تک دیوانہ رہے تو معزول ہو جائے گا۔ (۳) ایک سال تک دیوانہ رہے تب معزول ہوگا۔ یہ آپ کا آخری قول ہے۔ (ہدایہ، عنایہ، نتائج الافکار)

(کتاب الدعویٰ)

(۱۲) باب مایدعیہ الرجلان

دو آدمیوں نے ایک چیز کی ملک اور تاریخ پر بینہ قائم کیا تو شیخین کے نزدیک اس چیز کا حقدار سابق تاریخ والا ہوگا۔ امام محمد کا بھی پہلا قول یہی ہے آخری قول یہ ہے کہ دونوں کے لئے فیصلہ ہوگا اور تاریخ کا اعتبار نہ ہوگا۔ (نتائج)

(۱۳)...... ایک خارج شخص نے ملک مؤرخ پر بینہ قائم کیا اور قابض نے ثابت کیا کہ میں اس تاریخ سے پہلے ہی اس کا مالک ہو چکا ہوں تو شیخین کے نزدیک قابض کا بینہ مقبول ہوگا۔ امام محمد بھی پہلے اسی کے قائل تھے بعد میں آپ نے رجوع کر لیا۔ وقال لااقبل من ذی الید بینۃ (ہدایہ، عنایہ، نہایہ، نتائج الافکار، معراج)

(کتاب الاقرار)

(۱۴)...... بائع نے اولاً اقرار کیا کہ میں نے ثمن پر قبضہ کر لیا تھا بعد میں کہتا ہے کہ میں نے قبضہ نہیں کیا تھا یا اولا کسی شئے کی فروختگی کا اقرار کیا اس کے بعد کہتا ہے کہ میں نے جھوٹ بولا ہے یا کسی مقروض نے اقرار کیا کہ میں نے قرض پر قبضہ کرایا تھا اس کے بعد کہتا ہے میں نے جھوٹ بولا تھا تو امام ابو یوسف کے نزدیک ان سب صورتوں میں مقر کی تصدیق کی جائے گی۔ اور مقرلہ سے قسم لی جائے گی۔ طرفین کے نزدیک قسم نہیں لی جائے گی۔ مگر بعد میں امام محمد نے امام ابو یوسف کے قول کی طرف رجوع کر لیا۔ (بحر)

(کتاب الاجارۃ)

(۱۵) باب الاجر متی یستحق

اگر اجرت میں کوئی معین شئے ہو تو اس میں نفس عقد سے تملک ثابت نہیں ہوتا اور اگر اجرت دین ہو تو نفس عقد سے تملک ثابت ہو جاتا ہے یہ امام محمد کا پہلا قول ہے بعد میں آپ نے رجوع کر لیا اور فرمایا کہ استیفاء منفعت سے پیشتر اجرت کا استحقاق نہیں ہوتا اجرت عین ہو یا دین (نہایہ) حاشیہ چلپی)۔

(۱۶) باب ضمان الاجیر

ایک شخص نے گھی کی مشکیزہ منتقل کرنے کے لئے ایک حمال کو اجرت پر لیا اور حمال کے سر پر رکھنے کے لئے دونوں نے اٹھائی مشکیزہ ہاتھ سے چھوٹ گئی اور گھی گر گیا تو امام ابو یوسف کے نزدیک حمال ضامن نہ ہوگا اور اگر حمال اس کے گھر تک لے آیا اور دونوں نے مل کر سر سے اتاری اور پھر گھی گر گیا تو حمال ضامن ہوگا۔ امام محمد بھی پہلے اسی کے قائل تھے بعد میں آپ نے عدم ضمان کی طرف رجوع کر لیا۔

(بدائع، شامی)

(کتاب المزارعۃ)

(۱۷)......اگر عقد مزارعت میں عاقدین کی جانب سے تبن (بھوسہ) کے متعلق سکوت ہو تو امام ابو یوسف کے نزدیک عقد فاسد ہے۔ امام محمد کے نزدیک جائز۔ (اس صورت میں بھوسہ بیج والے کا ہوگا) مگر بعد میں آپ نے امام ابو یوسف کے قول کی طرف رجوع کرلیا۔ (بدائع)

(کتاب الکراھیۃ)

(۱۸) فصل فی الاستبراء

خرید کردہ باندی کے ساتھ وطی جائز ہونے کے لئے استبراء رحم ضروری ہے اگر باندی ذوات الحیض میں سے ہو تو استبراء رحم حیض کے ذریعہ سے ہوگا اور ذوات الاشہر میں سے ہو تو استبراء رحم مہینوں کے ذریعہ سے ہوگا اور اگر اس کا طہر ممتد ہو جائے تو امام محمد کا پہلا قول یہ ہے کہ دس دن چار ماہ انتظار کرے آخری قول یہ ہے کہ پانچ دن دو ماہ انتظار کرے۔ (شامی)

وہ مسائل جن میں امام محمد سے رجوع مرتین ثابت ہے۔

(۱۹)......قاضی نے ایک شخص سے کہا کہ میں نے فلاں شخص پر رجم یا قطع ید کا فیصلہ کردیا سو تو اس کو سنگسار کردے یا اسکا ہاتھ کاٹ دے، تو اس شخص کے لئے تعمیل کی گنجائش ہے یعنی وہ اس کا ہاتھ کاٹ سکتا ہے مگر امام محمد نے اس سے رجوع کرلیا۔ اور فرمایا کہ جب تک وہ شخص حجت ثبوت کا معائنہ نہ کرلے اس وقت تک اس کے لئے اقدام جائز نہیں۔ امام مالک بھی اسی کے قائل ہیں اور امام شافعی کا بھی ایک قول یہی ہے لیکن اس کے بعد پھر امام محمد نے شیخین کے قول کی طرف رجوع کرلیا۔ قال صاحب البحر لکن رایت بعد ذلک فی شرح ادب القضاء للصدر الشہید انہ صح رجوعہ الی قول ابی حنیفۃ وابی یوسف رواہ ہشام عنہ۔ (ہدایہ، عنایہ، فتح القدیر، بحر رائق، شامی)

(۲)......ایک شخص نے کسی ایسی چیز کا اقرار کیا جس سے اس کا رجوع کرنا صحیح نہیں جیسے بیع اور قرض وغیرہ اور ایک قاضی نے دوسرے قاضی کو اس کے اقرار کی خبر دی تو شیخین کے نزدیک قاضی کی خبر قبول کی جائے گی۔ امام محمد کا بھی پہلا قول یہی ہے لیکن آپ نے اس سے رجوع کرلیا اور فرمایا کہ جب تک قاضی کے ساتھ کوئی دوسرا شاہد گواہی نہ دے اس وقت تک قاضی کی خبر مقبول نہ ہوگی اس کے بعد پھر آپ نے شیخین کے قول کی طرف رجوع کرلیا۔ (شامی)

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

انمول موتی

صاحب کتاب نے اپنی اس مختصر میں دو باتوں کا خاص اہتمام کیا ہے اول یہ کہ اس میں بالا لتزام وہی مسائل ذکر کئے ہیں جو ائمہ احناف سے ظاہر الروایہ ہیں قال صاحب البحر فی ذیل مسئلة " فما کان ینبغی للمؤلف ذکرہ فی المتن لانہ موضوع لظاهر الروایة اھ" (بحرص نمبر ۷/۲۳۲)

دوم یہ کہ اس میں زیادہ تر ائمہ ثلاثہ کے وہی اقوال لئے ہیں جو مفتی بہا ہیں مگر کچھ مسائل ایسے بھی ہیں جو غیر ظاہر الروایہ اور غیر مفتی بہا ہیں) لیکن وہ کون کون سے مسائل ہیں جن کے متعلق حتمی طور پر یہ کہا جاسکے کہ یہ غیر ظاہر الروایہ ہیں اور یہ غیر مفتی بہا ہیں۔ یہ مسئلہ نہایت اہم اور دقت طلب ہے کیونکہ نہ اس کے متعلق کسی شرح میں تعرض ہے اور نہ حواشی میں اسکی نشاندہی ہے بجز چند مسائل کے جن کے متعلق ارباب حواشی نے مختلف مقامات میں کہا ہے کہ یہ غیر ظاہر الروائیہ یا غیر مفتی بہا ہیں۔ میں فن فقہ سے گوتہی مایہ ہوں اور میرا مطالعہ بھی نہایت محدود مطالعہ ہے تاہم میں نے اپنی وسعت کے مطابق بڑی کاوش اور نہایت عرق ریزی کے بعد صدہا کتب فقہیہ کے مطالعہ سے وہ مسائل ترتیب کے ساتھ مع حوالجات جمع کئے ہیں جو غیر ظاہر الروایہ یا غیر مفتی بہا ہیں بغرض افادہ ہدیہ ناظرین ہیں۔ لیکن یہ واضح رہے کہ مجھے اپنی کوتاہ نظر کا اعتراف ہے اس لئے یہ میری نظر آخری نظر قرار نہیں دی جاسکتی۔ بہت ممکن ہے کسی مسئلہ سے میری نظر چوک گئی ہو، پس معدودہ مسائل کے علاوہ جملہ مسائل کتاب کو مفتی بہا سمجھ کو معمول بہا خیال کر لینا زیبا نہیں بلکہ کسی جید عالم اور ماہر فن مفتی کی طرف مراجعت ضروری ہے۔

کنز الدقائق اور اس کے غیر ظاہر الروایہ مسائل
(کتاب الطہارۃ)

(۱) ومسح ربع راسه

الخ صفحہ نمبر ۱/۸۷ مسح راس میں چوتھائی سر کی مقدار غیر ظاہر الروایہ ہے۔ ظاہر الروایہ میں ہاتھ کی تین انگلیوں کی مقدار ہے۔

(عنایہ ص ۱/۱۱)

(۲) کالتسمیة

الخ ص ۱/۹۷ وضو کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا مسنون ہے یا مستحب؟ امام طحاوی اور دیگر متاخرین فقہاء کے نزدیک مختار یہ ہے کہ مسنون ہے لیکن صاحب ہدایہ نے استحباب کو ترجیح دی ہے بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہی ظاہر الروایہ ہے۔ (شامی ص ۱/۷۸)

(۳) لابعر فی ابل

الخ ۱/۹۲ کنویں میں ایک دومینگنی گر جانے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا مصنف نے اس کو مطلق رکھ کر یہ بتایا ہے کہ خشک ہو یا تر ٹوٹی ہو یا صحیح سالم بہر صورت یہی حکم ہے مگر یہ غیر ظاہر الروایہ ہے ظاہر الروایہ یہ ہے کہ رطب اور منکسر، لید اور گوبر مفسد ماء ہے۔

(فتح القدیر ص ۱/۹۹)

(۴) والعرق کالسور

الخ صفحہ ۱/۹۵ یعنی ہر جانور کے پسینہ کا وہی حکم ہے جو اس کے جھوٹے کا حکم۔ اس تعمیم سے گدھے کا پسینہ مشکوک ہوا کیونکہ بقول جمہور گدھے کا جھوٹا مشکوک ہے لیکن فتاوی قاضی خان میں ہے کہ ظاہر الروایہ کے لحاظ سے گدھے کا پسینہ پاک ہے۔

(شامی (ص ۱/۱۵۹)

(کتاب الصلوٰۃ)

(۵) باب سجود السہو) وہوالیہ اقرب

الخ ص ۱/۱۶۲ اگر کوئی شخص قعدۂ اولیٰ بھول جائے تو دیکھا جائے گا کہ وہ اقرب الی القعود ہے یا اقرب الی القیام۔ اگر اقرب الی القعود ہو تو اس کو بیٹھ جانا چاہئے اس صورت میں سجدۂ سہو نہ ہوگا اور اگر اقرب الی القیام ہو تو کھڑا ہو جانا چاہئے اس صورت میں سجدۂ سہو واجب ہوگا لیکن یہ غیر ظاہر الروایہ ہے ظاہر الروایہ یہ ہے کہ جب تک وہ سیدھا کھڑا نہ ہوا ہو تو بیٹھ جائے اور سیدھا کھڑا ہو گیا ہو تو نہ بیٹھے۔

(شامی ص ۱/۵۳۲)

(۶) باب صلوٰۃ المریض) والا اخرت

الخ ص ۱/۱۶۴ اگر بیمار آدمی اشارہ سے بھی عاجز ہو جائے تو اسکے ذمہ سے نماز ساقط نہ ہوگی ہاں مؤخر ہو جائے گی۔ ظاہر عبارت سے یہ معلوم ہوا کہ اگر عجز ایک دن رات سے زائد ہو تب بھی نماز ساقط نہ ہوگی ہاں مؤخر ہو جائے گی۔ لیکن یہ غیر ظاہر الروایہ ہے۔ ظاہر الروایہ یہ ہے کہ زائد ہونیکی صورت میں نماز ساقط ہو جائے گی، صاحب ہدایہ نے تجنیس میں اور قاضی خاں، صاحب محیط، شیخ الاسلام، فخر الاسلام وغیرہ نے اسی کو ترجیح دی ہے (شامی ص ۱/۵۴۳)

(۷) باب صلوۃ المسافر) بخلاف اہل الاخبیۃ

الخ ص ۱/۱۶۸ اگر اہل اخباء جنگل میں اقامت کی نیت کریں تو امام ابو یوسف سے روایت ہے کہ نیت صحیح ہے وہ مقیم ہو جائیں گے یہی صحیح ہے اور اسی پر فتویٰ ہے لیکن یہ غیر ظاہر الروایہ ہے ظاہر الروایہ کے لحاظ سے جنگل میں نیت اقامت صحیح نہیں۔

(فتح و عنایہ ص ۱/۳۹۸)

(۸) (باب صلوۃ الجمعۃ) والاذن العام

الخ ص ۱/۱۷۲ جمعہ کے لئے اذن عام کا شرط ہونا نوادرات میں سے ہے۔ ظاہر الروایہ میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ صاحب ہدایہ نے بھی یہ شرط ذکر نہیں کی۔ بحر ص ۲/۱۶۳، شامی ص ۱/۵۷۰)

(۹) باب الجنائز) بثناء بعد الاولیٰ

الخ ص ۱/۱۸۸ جنازہ کی نماز میں پہلی تکبیر کے بعد ثناء پڑھنا غیر ظاہر الروایہ ہے۔ ظاہر الروایہ میں الحمد پڑھنا بھی مذکور ہے۔ (عنایہ ص ۱/۴۵۹)

(کتاب الصوم)

(۱۰) باب مایفسد الصوم ومالایفسدہ) بدواء وصل الٰی جوفہٖ

الخ ص ۱/۲۲۳ اگر روزے دار نے دماغ کے زخم میں دوا لگائی اور وہ دماغ تک پہنچ گئی تو روزہ فاسد ہو جائے گا خواہ دوا خشک ہو یا تر، مگر یہ غیر ظاہر الروایہ ہے ظاہر الروایہ کے لحاظ سے خشک اور تر دوا میں فرق ہے واکثر المشائخ علی ان العبرۃ للوصول۔
(فتح ص ۲/۴/۷، عنایہ ۲/۲۳)

(۱۱) فصل فی العوارض) وللمتطوع بغیر عذرٍ

الخ ص ۱/۲۲۶ بلا عذر نفلی روزہ افطار کرنے کا جواز غیر ظاہر الروایہ میں ہے۔ ظاہر الروایہ میں بلا عذر افطار جائز نہیں۔
(فتح ۲/۸۶، بحر ص ۲/۳۰۹، مجمع الانہر ص ۱/۲۵۲)

(۱۲) باب الاعتکاف فی مسجد بصوم

الخ ص ۱/۲۲۹ بصوم سے شرط صحت اعتکاف کی طرف اشارہ ہے خواہ اعتکاف نفلی ہو یا واجب۔ یہ امام صاحب سے حسن کی روایت ہے۔ ظاہر الروایہ میں نفلی اعتکاف کے لئے روزہ شرط نہیں (فتح ص ۲/۱۰۷، عنایہ ص ۲/۱۰۹)

(کتاب النکاح)

(۱۳) فصل فی الاکفاء) وحرفۃ

الخ ص ۱/۲۸۹ کفاءت کے سلسلہ میں حرفت اور پیشہ کا اعتبار غیر ظاہر الروایہ میں ہے۔ ظاہر الروایہ میں اس کا اعتبار نہیں۔
(فتح القدیر ۲/۴۲۴)

(کتاب الطلاق)

(۱۴) باب النفقۃ) بقدر حالہما

الخ ص ۱/۳۶۹ شوہر پر بیوی کا نفقہ واجب ہے جس میں دونوں کی حالت کا اعتبار ہے یعنی دونوں مالدار ہوں تو مالداری کا نفقہ واجب ہوگا اور دونوں تنگدست ہوں تو ناداری کا نفقہ واجب ہوگا اور صرف شوہر یا صرف بیوی مالدار ہو تو درمیانی قسم کا نفقہ واجب ہوگا۔ لیکن ظاہر الروایہ میں صرف شوہر کا حال معتبر ہے۔ (فتح وعنایہ ص ۳/۳۲۲، شامی ص ۲/۴۱۱ وص ۲/۶۶۳)

(کتاب الایمان)

(۱۵) باب الیمین فی الاکل والشرب واللبس والکلام) حلف لایتکلم فقرأ القرآن

الخ ص ۱/۳۹۴ ایک شخص نے قسم کھائی کہ میں کلام نہ کروں گا پھر اس نے قرآن پاک کی تلاوت کی یا تسبیح پڑھی تو حانث نہ ہوگا خواہ نماز میں پڑھے یا نماز سے باہر پڑھے مگر یہ غیر ظاہر الروایہ ہے۔ ظاہر الروایہ یہ ہے کہ اگر نماز سے باہر پڑھے گا تو حانث ہو جائے گا۔
(درمختار وشامی ص ۳/۱۰۷)

(کتاب الحدود)

(۱۶)باب قطع الطریق)اوقطع الطریق لیلاً اونہاراً

الخ ص ۱/۴۳۱ اگر کوئی شخص رات میں راہزنی کرلے خواہ ہتھیار کے ساتھ ہو یا بلا ہتھیار ہو یا دن میں ہتھیار کیساتھ راہزنی کرے تو امام ابو یوسف کے نزدیک حد جاری ہوگی۔ مگر یہ غیر ظاہر الروایہ ہے ظاہر الروایہ میں حد جاری ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ راہزنی بقدر مسافت سفر یہ آبادی سے دور جنگل میں ہو۔ (شامی ص ۳/۲۱۹)

(کتاب السیر)

(۱۷)باب الغنائم وقسمتها)والفداء

الخ ص ۱/۴۳۶ قبل از تمامی جنگ مسلمان قیدیوں کے بدلہ میں کافر قیدیوں کو رہا کرنے کے جواز عدم جواز میں امام صاحب سے دوروایتیں ہیں۔ مصنف نے عدم جواز کولیا ہے. جو غیر ظاہر الروایہ ہے ظاہر الروایہ یہ ہے کہ فداء اسیر مسلم جائز ہے۔ سیر کبیر میں اسکی تصریح موجود ہے، صاحبین کا قول اور ائمہ ثلاثہ کا مذہب بھی یہی ہے۔

(غایۃ الاوطار ص ۲/۴۷۷ درالمنتقی ص ۱/۶۴۹ مجمع الانہر ص ۱/۶۴۹، فتح وعنایہ ۴/۳۰۶ ،شامی ۳/۲۳۶)

(۱۸)فصل فی الجزیہ)وراہب لایخالط

الخ س ۱/۴۵۰ راہب پر جزیہ کا نہ ہونا غیر ظاہر الروایہ ہے، ظاہر الروایہ میں جزیہ ہے جبکہ وہ عمل پر قادر ہو۔

(ہدایہ ص ۱/۵۷۶، غایۃ الاوطار ۲/۵۰۳ مجمع الانہر ص ۱/۶۸۰ ،شامی ۳/۲۷۷)

۱۹)باب المرتدین)وتحبس ثلاثة ایام

الخ ۱/۴۵۲ مصنف نے سہ روزہ حبس کو مطلق رکھ کے یہ بتایا ہے کہ تین روز کی مہلت دینا مستحب ہے خواہ مرتد طلب کرے یا نہ کرے یہ شیخین سے ایک روایت ہے۔ ظاہر الروایہ ہے کہ اگر وہ اسلام قبول نہ کرے تو فوراً قتل کر دیا جائے گا اور مہلت نہ دی جائے گی الا یہ کہ وہ مہلت طلب کرے، واذا استمهل فظاہر المبسوط الوجوب (فی الامہال) وعن الامام الاستحباب مطلقاً

(شامی ۴/۲۹۴، بحر ۵/۱۳۵، ہدایہ ص ۱/۵۸۰، مجمع الانہر ص ۱/۶۸۸)۔

(کتاب اللقطۃ)

(۲۰)وعرف الی ان علم

الخ ص ۱/۴۵۸ پڑی ہوئی چیز پانے کا مفتی بہ حکم تو یہی ہے کہ اتنے روز تک اعلان کرے جس میں غالب گمان ہو جائے کہ اب اس کا مالک اس کو تلاش نہ کرتا ہوگا، لیکن ظاہر الروایہ میں اس کی مدت ایک سال ہے خواہ وہ شئی کم ہو یا زائد

(بحر ص ۵/۱۲۴، فتح وعنایہ ص ۴/۴۲۵، شامی ص ۳/۳۲۹)

(کتاب المفقود)

(۲۱) وحکم بموتہ بعد تسعین سنۃ

الخ ص ۱/۲۶۰ ۹۰ سال کے بعد مفقود کی موت کا حکم لگانا گو مفتیٰ بہ ہے لیکن خلاف مذہب ہے ظاہر الروایہ یہ ہے کہ جب اس کے ہم عصر لوگ ختم ہو جائیں تب اس کی موت کا حکم لگایا جائے گا۔ (ہدایہ ص ۱/۶۰۲، شامی ص ۳/۳۴۱، مجمع الانہر ۱/۷۲۱)

(کتاب الشرکۃ)

(۲۲) بغیر النقدین والتبر

الخ ص ۱/۲۶۴ شرکت مفاوضہ وشرکت عنان دراہم ودنانیر، پکی چاندی، غیر مسکوک سونے اور مروجہ پیسوں کیساتھ صحیح ہے انکے علاوہ کیساتھ صحیح نہیں۔ لیکن جامع صغیر میں ہے کہ پکی چاندی اور غیر مسکوک سونے کے ساتھ بھی صحیح نہیں مبسوط میں ہے کہ ظاہر الروایہ یہی ہے۔ (ہدایہ ص، فتح وعنایہ ص ۵/۱۶)

(۲۳) وخلاف الجنس

الخ ص ۱/۲۶۴ مصنف نے شرکتِ عنان میں اسکی تصریح کی ہے کہ اگر راس المال مختلف الجنس ہو تو شرکت عنان صحیح ہے۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اگر شرکتِ مفاوضہ میں راس المال مختلف الجنس ہو تو شرکت صحیح نہ ہوگی مگر یہ شیخین سے ایک روایت ہے۔ ظاہر الروایہ یہ ہے کہ شرکت مفاوضہ بھی صحیح ہے بشرطیکہ دونوں کے مال قیمتاً برابر ہوں، کذا فی القہستانی (مجمع الانہر ص ۱/۷۳۰)

(کتاب البیوع)

۲۴) والزیادۃ فیہ

الخ ۲/۴۹ ثمن میں اضافہ کرنا جائز ہے۔ خواہ مبیع قائم ہو یا تہو۔ یہ امام صاحب سے حسن کی روایت ہے ظاہر الروایہ یہ ہے کہ ہلاکت مبیع کے بعد ثمن میں اضافہ کرنا جائز نہیں۔ (ہدایہ ۲/۶۰، مجمع ۲/۸۱، بحر ۶/۱۳۰، فتح وعنایہ ۵/۲۷۲، شامی ص ۴/۱۷۴)

(کتاب القضاء)

(۲۵) فصل فی الحبس) واذا ثبت الحق للمدعی

ص ۲/۱۰۱ جب مدعی کا حق ثابت ہو جائے تو قاضی مدعا علیہ کو اس کا حق دینے کا حکم کرے اگر وہ دیدے تو فبہا ورنہ اس کو قید کردے خواہ مدعی کا حق بذریعہ بینہ ثابت ہوا ہو یا بذریعہ اقرار، یہ ایک روایت ہے جس کو علامہ زیلعی نے مستحسن کہا ہے ظاہر الروایہ میں قدرے تفصیل ہے اور وہ یہ کہ اگر مدعی کا حق بینہ کے ذریعہ ثابت ہوا ہو تو قاضی فوراً قید کردے اور اگر اقرار سے ثابت ہوا ہو تو اسکو دینے کا حکم کرے اگر وہ دینے سے انکار کرے تو قید کرادے۔ ہذا ھو مختار الہدایہ والوقایہ والمجمع (درمختار وشامی ۴/۳۲۸)

(۲۶) والمہر المعجل

الخ ص ۲/۱۰۱ ادین مہر اور دین کفالہ کے عوض میں قید کرنا غیر ظاہر الروایہ ہے ظاہر الروایہ کے اعتبار سے ان کے عوض میں قید نہیں کیا جائے گا۔ کذا فی انفع المسائل عن المبسوط (شامی ص ۴/۳۳۰)

(۲۷) باب کتاب القاضی الی القاضی) ویکتب القاضی

الخ ص ۲/۱۰۳ اعیان منقولہ واعیان غیر منقولہ اور ہر اس حق میں ایک قاضی کا دوسرے قاضی کے پاس خط لکھنے کا جواز جو شبہ کی وجہ سے ساقط نہ ہو خلاف ظاہر الروایہ ہے۔ظاہر الروایہ کے لحاظ سے اعیان منقولہ میں خط لکھنا جائز نہیں۔
(بحر ص ۷/۱، مجمع الانہر ص ۲/۱۶۵، شامی ص ۴/۳۶۵)

(کتاب الوکالۃ)

(۲۸) باب الوکالۃ بالخصومۃ والقبض) لایملک القبض

الخ ص ۲/۱۵۴ تقاضے اور خصومت کے وکیل کا مالک قبض نہ ہونا امام زفر کے قول پر ہے۔ظاہر الروایہ یہ ہے کہ وہ قبضہ کا بھی مالک ہوتا ہے۔(ہدایہ ص ۲/۱۷۸، غایۃ الاوطار ص ۳/۳۴۷، بحر ص ۷/۱۹۴، مجمع الانہر ص ۲/۲۴۲، نتائج ص ۱/۹۸)

(کتاب الدعوٰی)

(۲۹) لا بطلاق وعتاقٍ الا اذا الحّ الخصم

الخ ۲/۱۶۵ مدعی کے اصرار پر طلاق وعتاق کی قسم لینا غیر ظاہر الروایہ بلکہ قول ضعیف پر مبنی ہے **فی البحر فماکان ینبغی للمؤلف ذکرہ فی المتن لانہ موضوع لظاھر الروایۃ مع انہ ضعیف ایضًا، وفی الخانیۃ وان ارادالمدعی تحلیفہ باالطلاق و العتاق فی ظاھر الروایۃ لایجبیہ الی ذالک لان التحلیف بالطلاق و العتاق حرام و منھم من جوزہٗ فی زماننا والصحیح مافی ظاھر الروایۃ اھ** (بحر ص ۷/۲۳۲، مجمع الانہر ص ۲/۲۵۹، نتائج الافکار ۱/۱۷۵)

(کتاب الاجارۃ)

(۳۰) باب الاجارۃ الفاسدۃ) وکل شھر سکن ساعۃً

الخ ۲/۲۴۸ اگر چند مہینوں کے لئے مکان کرایہ پر دیا اور کل مہینے بیان کر دیئے تو عقد صحیح ہے۔اب جس مہینے کے شروع میں مستاجر ایک ساعت ٹھہرے گا اس میں بھی عقد لازم ہو جائے گا پس موجر مستاجر کو اس مکان سے نہیں نکال سکتا مگر یہ غیر ظاہر الروایہ ہے ظاہر الروایہ یہ ہے کہ ہر ماہ کے شروع میں ایک دن رات تک اختیار ہوگا۔(ہدایہ ، نتائج الافکار وعنایہ ص ۷/۱۷۶، شامی ص ۵/۳۳)

(کتاب الاضحیۃ)

(۳۱) ومقطوع اکثر الاذن

الخ ۲/۳۲۸ مفتی بہ تو یہی ہے کہ اکثر عضو کٹا ہو تو قربانی نہیں مگر یہ غیر ظاہر الروایہ ہے ظاہر الروایہ یہ ہے کہ اگر تہائی سے زائد کٹا ہو تو جائز نہیں ورنہ جائز ہے۔(کذا فی البدائع (شامی ص ۵/۲۱۳)

(کتاب احیاءِ الموات)

(۳۲) ولا یجوز احیاء ما قرب من العامر

الخ ۲/۳۴۱ قرب کا اعتبار امام ابو یوسف کے قول پر مبنی ہے۔ظاہر الروایہ میں حقیقت انتفاع کا اعتبار ہے قریب ہو یا بعید۔یعنی اگر اہل قریہ اس سے نفع نہ اٹھاتے ہوں تو موات ہے ورنہ نہیں (غایۃ الاوطار ص ۴/۲۴۶، مجمع الانہر ۲/۵۵۷، شامی ص ۵/۲۸۷)

(کتاب الرھن)

(۳۳) باب الرہن یوضع علی ید عدل) اجر الوکیل علی بیعہ

الخ ص ۲/۳۶۵ اگر عقد رہن کے بعد وکالت کی شرط لگائی گئی اور راہن غائب ہو تو وکیل کو مرہون کے فروخت کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔قہستانی نے ذخیرہ سے نقل کیا ہے کہ یہی صحیح ہے۔زیلعی اور ذخیرہ وغیرہ میں بھی یہی ہے لیکن یہ غیر ظاہر الروایہ ہے،ظاہر الروایہ میں وکیل کو فروخت کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا،ذکرہ العلامۃ السرخسیؒ فی المبسوط۔

(مجمع الانہر ص ۲/۶۰۲،غایۃ الاوطار ۴/۲۹۱،عنایہ ص ۸/۲۲۲)

(کتاب الجنایات)

(۳۴) فصل فی الشجاج) ولا قصاص فی غیر الموضحۃ

الخ ص ۲/۳۹۳ موضحہ کے علاوہ باقی زخموں میں قصاص کا نہ ہونا حسن کی روایت ہے ظاہر الروایہ کے لحاظ سے حارصہ،دامعہ،دامیہ، باضعہ،متلاحمہ اور سمحاق میں بھی قصاص ہے۔بعض حضرات نے اسی کو اصح کہا ہے۔

(ہدایہ ص ۳۴۸،عنایہ ص ۸/۳۱۲،مجمع الانہر ودر المنتقی ص ۲/۶۴۲،غایۃ الاوطار ص ۴/۳۴۹)۔

(کتاب الوصایا)

(۳۵) من وقت الوصیۃ الخ

اگر کسی نے حمل کی یا حمل کے لئے وصیت کی تو وصیت صحیح ہے بشرطیکہ حمل وصیت کے وقت سے چھ ماہ سے کم ماہ میں پیدا ہو مگر یہ غیر ظاہر الروایہ ہے۔ظاہر الروایہ میں موصی کی موت سے چھ ماہ سے کم میں پیدا ہونا معتبر ہے۔کذا فی البدائع

(نتائج الافکار ص ۲/۴۳۶)

کنز الدقائق اور اس کے غیر مفتی بہا مسائل

(مسائل جلد اول)

(کتاب الطھارۃ)

(۱) ومباشرہ فاحشۃ

الخ ص ۱/۸۴ شیخین کے نزدیک مباشرۃ فاحشہ ناقض وضو ہے۔صاحب تحفہ نے اسی کی تصحیح کی ہے اور یہی متون میں مذکور ہے۔امام محمد صاحب کے یہاں ناقض وضو نہیں ہے تاوقتیکہ مذی وغیرہ خارج نہ ہو۔صاحب حقائق نے اس کی تصحیح کی ہے۔قال الشامیؒ فی شرح الشیخ اسماعیل عن شرح البرجندی واکثر الکتب متظافرۃ علی ان الصحیح المفتی بہ قول محمد

(شامی ص ۱/۱۰۳)

(۲) ونجسہا مذ ثلث

الخ ص ۹۴/۱ کنویں میں مرا ہوا جانور ملا اور یہ معلوم نہیں کہ کب گرا ہے سو اگر وہ پھولا یا پھٹا ہوا ہو تو تین دن تین رات سے کنوئیں کو ناپاک قرار دیا جائے گا۔ اور اگر پھولا یا پھٹا ہوا نہ ہو تو ایک دن ایک رات سے ناپاک کہا جائے گا۔ یہ حکم امام صاحب کے نزدیک ہے جو بتصریح صاحب بدائع مبنی بر استحسان ہے، برہان، نسفی، صدر الشریعۃ، موصلی نے اسی کو لائق اعتماد کہا ہے، لیکن صاحب جوہرہ نے کہا کہ فتوی صاحبین کے قول پر ہے کہ جب سے جانور کو دیکھا گیا ہے اسی وقت سے کنواں ناپاک مانا جائے گا، علامہ قاسم نے تصحیح قدوری میں فتاوی عتابی سے نقل کیا ہے کہ صاحبین ہی کا قول مختار ہے (شامی ۱۵۳/۱)

(۳) (باب التیمم) وخوف فوت صلوٰۃ جنازۃ

الخ ص ۱۰۰/۱ نماز جنازہ فوت ہونے کے اندیشہ سے تیمم جائز ہے خواہ ولی جنازہ وہی ہو یا کوئی اور ہو ظاہر الروایہ یہی ہے لیکن حضرت حسن کی روایت میں جواز تیمم اس وقت ہے جب ولی جنازہ کوئی اور ہو صاحب ہدایہ، خانیہ، کافی نے اسی کی تصحیح کی ہے۔

(فتح القدیر و عنایہ ص ۹۶/۱ وفی البرہان ان روایۃ الحسن ہہنا احسن اھ۔ شامی ص ۱۶۹/۱)۔

(۴) (باب المسح علی الخفین) ویمسح علی کل العصابۃ

الخ ۱۰۳/۱ مسح جبیرہ کے متعلق صاحب خلاصہ نے دو روایتیں ذکر کی ہیں۔ (۱) استیعاب شرط ہے (۲) اکثر پر مسح کافی ہے، فتوی اسی پر ہے، قال المصنف فی الکافی "ویکتفی بالمسح علی اکثر ھافی الصحیح" (بحر ص ۱۹۰/۱، مجمع الانہر ص ۵۱/۱)

کتاب الصلوٰۃ

(۵) وہو البیاض

الخ ۱۱۸/۱ امام صاحب کے نزدیک مغرب کا وقت شفق ابیض تک رہتا ہے اور صاحبین کے نزدیک شفق احمر تک، مجمع، نقایہ، وقایہ، درر، اصلاح، درر البحار، امداد، مواہب، برہان وغیرہ میں تصریح ہے کہ فتوی صاحبین کے قول پر ہے۔ (شامی ص ۲۵۲/۱)

(۶) (باب صفۃ الصلوٰۃ) وکرہ باحدہما

الخ ص ۱۳۶/۱ امام صاحب کے نزدیک سجدہ کرتے وقت ناک پر اکتفا جائز ہے مگر مکروہ ہے۔ صاحبین کے نزدیک جائز نہیں، مجمع، شروح مجمع، وقایہ، شروح وقایہ، جوہرہ، عینی، بحر، نہر وغیرہ میں ہے کہ فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔ (شامی ص ۳۵۰/۱)

(۷) (باب صلوٰۃ المریض) والا اخرت

الخ ص ۱۶۴/۱ اگر بیمار آدمی اشارہ سے بھی نماز ادا نہ کر سکے تو نماز ساقط نہ ہوگی البتہ مؤخر کر دی جائے گی خواہ عجز شب و روز سے زائد ہو یا کم، لیکن فتوی اس پر ہے کہ اگر عجز شب و روز سے زائد ہو تو نماز ساقط ہو جائے گی۔ (شامی ص ۵۳۳/۱)

(۸) (باب صلوٰۃ العیدین) وبن بعد فجر عرفۃ الی ثمان

الخ ص ۱۶۷/۱ امام صاحب کے نزدیک تکبیرات تشریق آٹھ نمازوں تک ہیں صاحبین کے نزدیک تیرھویں کی عصر تک ہیں اسی پر فتوی ہے۔ (درمختار و شامی ص ۵۸۸/۱)

(۹) (باب صلوٰۃ الاستسقاء) لاقلب رداء

الخ ص ۱۸۰/۱ امام محمد کے نزدیک نماز استسقاء میں قلب رداء ہے۔ علامہ شامی نے کہا ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے۔

(شامی ص ۵۹۲/۱، غایۃ الاوطار ص ۳۹۴/۱)

(کتاب الزکوٰۃ)

(۱۰) باب المصرف) وصح غیرہا

الخ ص ۱/۲۱۰ طرفین کے نزدیک ذمی کو زکوٰۃ کے علاوہ دیگر واجبات (صدقۂ فطر، طعام، کفارات وغیرہ کو دینا صحیح ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک صحیح نہیں۔ فتویٰ اسی پر ہے۔ (شامی ص ۲/۶۹ و ص ۲/۲۲۰)

(۱۱) باب صدقۃ الفطر) اوزبیب

الخ ص ۱/۱ امام صاحب کے نزدیک کشمش میں صدقہ فطر کی مقدار نصف صاع ہے اور صاحبین کے نزدیک ایک صاع ہے اسی پر فتویٰ ہے۔ (غایۃ الاوطار ص ۱/۴۸۹)

(کتاب الصوم)

(۱۲) والا فجمع عظیم

الخ ص ۱/۱۱۷ اگر مطلع صاف ہو تو ظاہر الروایہ کے لحاظ سے جماعت عظیمہ کی شہادت ضروری ہے لیکن امام صاحب سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ صرف دو آدمیوں کی شہادت کافی ہے۔ آج کل فتویٰ کے لئے یہی روایت متعین ہے۔ (شامی ۲/۹۵)

(۱۳) فصل وللمتطوع بغیر عذر فی روایۃ

الخ ص ۱/۲۲۶ کافی وغیرہ میں ہے کہ فتویٰ اس پر ہے کہ متطوع کے لئے بلا عذر افطار جائز نہیں۔ (فتح القدیر ص ۲/۸)

(کتاب الحج)

(۱۴) فصل) ضمن مرسلہ

الخ ص ۱/۲۶۲ ایک شخص نے شکار پکڑا اس کے بعد احرام باندھ لیا اور کسی دوسرے شخص نے اس کا شکار چھوڑ دیا تو امام صاحب کے نزدیک مرسل ضامن ہوگا۔ صاحبین کے نزدیک ضامن نہ ہوگا، صاحبین کا قول مبنی بر استحسان ہے۔ لہذا فتویٰ اسی پر ہونا چاہئے کیونکہ فتویٰ استحسان پر ہوتا ہے، بجز چند مسائل کے جو اس سے مستثنیٰ ہیں اور یہ ان میں سے نہیں ہے (کذا فی البحر (شامی ص ۲/۲۲۸)

(کتاب النکاح)

(۱۵) فصل فی المحرمات) ولہ وطی امرأۃ

الخ ص ۱/۲۸۴ حکم جواز وطی امام صاحب کے نزدیک ہے۔ صاحبین کے نزدیک اسکی گنجائش نہیں اسی پر فتویٰ ہے۔
(غایۃ الاوطار ص ۲/۲۲، بحر ۳/۱۱۶)

(۱۶) باب الاولیاء والاکفاء) نفذ نکاح حرۃ مکلفۃ بلا ولی

الخ ص ۱/۲۸۵ اگر آزاد عاقلہ بالغہ عورت بلا اجازت ولی نکاح کرے تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک علی الاطلاق جائز ہے۔ ظاہر المذہب یہی ہے لیکن حضرت حسن کی روایت یہ ہے کہ غیر کفوء میں جائز نہیں اسی پر فتویٰ ہے۔ بشرطیکہ اسکے ولی کو غیر کفوء کے ساتھ نکاح کرنے پر اعتراض نہ ہو۔ (درمختار و شامی ص ۲/۳۰۵)

(۱۷) والقول لہا ان اختلفا فی السکوت

الخ ص ۱/ ۲۸۸ زوجین میں اختلاف ہوا شوہر نے کہا کہ تو نکاح کی اطلاع پانے پر خاموش رہی تھی، بیوی نے کہا میں نے انکار کردیا تھا اور بینہ کسی کے پاس نہیں تو عورت کا قول معتبر ہوگا۔ امام صاحب کے یہاں بلا قسم اور صاحبین کے یہاں قسم کے ساتھ فتوی صاحبین کے قول پر ہے۔ (درمختار و شامی ص ۲/ ۳۱۱)

(۱۸) ولا بعد التزوج بغیبۃ الاقرب مسافۃ القصر

الخ ص ۱/ ۲۸۸ مقدار غیبت میں مختلف اقوال ہیں بعض میں مسافت قصر یہ پر فتوی ہے اور بعض میں اس پر کہ اگر ولی قریب اتنی دور ہو کہ اگر اس کی رائے حاصل کی جائے یا اس کے آنے کا انتظار کیا جائے تو کفوء فوت ہوجائے۔ صاحب بحر نے اسی کو ترجیح دی ہے (درمختار و شامی ص ۲/ ۳۲۴)

(۱۹) فصل فی الاکفاء) ودیانۃ

الخ ص ۱/ ۲۸۹ شیخین کے نزدیک دینداری میں بھی کفاءت کا اعتبار ہے۔ امام محمد کے نزدیک اس کا اعتبار نہیں الا یہ کہ لوگ اس سے ٹھٹھا کرتے ہوں، فتوی امام محمد کے قول پر ہے کذا فی التاتارخانیہ والمقدسی والمحیط۔ (فتح القدیر ص ۱/ ۴۲۳، شامی ص ۲/ ۳۲۸)

(۲۰) باب المہر) وتعلیم القرآن

الخ ص ۱/ ۲۹۲ فتح القدیر میں ہے کہ مفتی بہ قول پر تعلیم قرآن کا مہر ہونا صحیح ہے (غایۃ لاوطار ص ۲/ ۴۴)

(۲۱) فالقول لورثتہ

الخ ص ۱/ ۲۹۶ اگر زوجین کی موت کے بعد مہر کی مقدار میں اختلاف ہو تو امام صاحب کے نزدیک ورثہ زوج کا قول معتبر ہوگا اور اصل مہر میں اختلاف ہو تو منکر تسمیہ کا قول معتبر ہوگا۔ اور صاحبین کے نزدیک مہر مثل کا فیصلہ ہوگا فتوی اسی پر ہے۔
(بحر ص ۲/ ۱۹۷، در ص ۱/ ۳۴۸، غایۃ الاوطار ص ۲/ ۵۸)

(کتاب الطلاق)

(۲۲) باب تفویض الطلاق وقع الثلاث بلا نیۃ

الخ ص ۱/ ۳۲۴ یہ امام صاحب کے نزدیک ہے۔ صاحبین کے نزدیک ایک طلاق بائن ہوگی۔ مفتی بہ یہی ہے۔
(بحر ص ۳/ ۳۳۹، غایۃ الاوطار ص ۲/ ۱۳۰)

(۲۳) باب الایلاء) وکذب ان نوی الکذب

الخ ص ۱/ ۳۴۲ کسی نے اپنی بیوی سے کہا: انت علی حرام اور اس سے جھوٹ کا ارادہ کیا تو ظاہر الروایہ کے لحاظ سے اسکی تصدیق کی جائے گی لیکن فتوی اس پر ہے کہ قضاءً اس کی تصدیق نہ ہوگی۔ (فتح القدیر ص ۳/ ۱۹۷، درمختار و شامی ص ۲/ ۵۶۸)

(۲۴) باب الخلع) انت طالق وعلیک الف

الخ ص ۱/ ۳۴۴ امام صاحب کے نزدیک طلاق اور آزادی بلا بدل واقع ہوگی بیوی اور غلام قبول کرے یا نہ کرے، صاحبین کے نزدیک حکم یہ ہے کہ اگر انہوں نے قبول کرلیا تو طلاق اور آزادی واقع ہوگی اور مال بھی واجب ہوگا ورنہ نہیں، حاوی قدسی میں فتوی صاحبین کے قول پر ہے۔ (غایۃ الاوطار ص ۲/ ۱۸۳)

(۲۵) باب العنین) وقلن بکر خیرت

الخ ص ۱/۳۵۶ ظاہر الروایہ میں عورت کا اختیار مجلس پر موقوف نہیں مصنف نے اسی کو لیا ہے مگر فتوی اس پر ہے کہ اختیار مجلس پر موقوف رہے گا۔ کذا فی البحر والمحیط والواقعات۔ (شامی ص ۲/۶۱۲)

(۲۶) باب الحضانۃ) و بہا حتی تحیض

الخ ص ۱/۳۶۸ ماں اور دادی کے پاس لڑکی کا بلوغ تک رہنا ظاہر الروایہ ہے فتوی امام محمد کے قول پر ہے کہ جب وہ قابل شہوت ہو چلے تو باپ کی پرورش میں رہے۔

(غایۃ الاوطار ص ۲/۲۴۹، بحر ص ۴/۱۸۴، درر ص ۱/۴۱۲، مجمع الانہر ص ۱/۴۹۰، درمختار و شامی ص ۲/۶۹۸)

(۲۷) باب النفقۃ) ومریضۃ لم تزف

الخ ص ۱/۳۶۹ اگر عورت بیمار ہو اور ابھی شوہر کے گھر نہ آئی ہو تو اس کو نفقہ نہ ملے گا فتوی اس پر ہے کہ اگر عورت شوہر کی طلب پر خود کو نہ روکے تو نفقہ ملے گا خواہ شوہر کے گھر آئی ہو یا نہ آئی ہو۔ (شامی ص ۲/۶۶۵)

(۲۸) ولا تجبر امہ لترضع

الخ ص ۱/۳۷۲ ظاہر الروایہ کے لحاظ سے ماں کو دودھ پلانے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا گو دودھ پلانے کے لئے وہی متعین ہو بایں طور کہ اسکے علاوہ کوئی اور دودھ پلانے والی عورت نہ ملے یا بچہ کسی اور عورت کی پستان قبول نہ کرے لیکن فتوی اس پر ہے کہ متعین ہونے کی صورت میں دودھ پلانے پر مجبور کیا جائے گا کذافی الخانیہ والمجتبیٰ وفی فتح القدیر ھو الاصوب۔

(درمختار و شامیص ۲/۶۹۳)

(۲۹) والامۃ بیعہ

الخ ص ۱/۳۷۲ غلام کا نفقہ آقا پر واجب ہے۔ اگر وہ نہ دے تو غلام اپنی کمائی میں سے خرچ کرے اور اگر وہ کمانے سے عاجز ہو تو امام صاحب کے نزدیک قاضی آقا کو حکم کرے گا کہ غلام بیچ ڈال۔ صاحبین کے نزدیک حکم کی ضرورت نہیں بلکہ قاضی خود ہی فروخت کر دیگا، فتوی اسی پر ہے۔ (درمختار و شامی ۲/۷۰۶)

(کتاب العتاق)

(۳۰) باب العبد یعتق بعضہ) لا الوطی

الخ ص ۱/۳۷۸ دو باندیوں میں سے ایک کو غیر معین طور پر آزاد کیا پھر ایک سے وطی کی تو امام صاحب کے نزدیک یہ وطی عتق مبہم کا بیان ہے اور ان دونوں کے ساتھ وطی کرنا بھی حلال ہے۔ صاحبین کے نزدیک دوسری باندی آزاد ہو جائے گی اور اس کے ساتھ وطی کرنا جائز نہ ہوگا فتوی اسی پر ہے۔ کذافی الطحطاوی۔

(ہدایہ ۱/۴۴۵، بحر ص ۴/۲۷۰، مجمع الانہر ص ۱/۵۳۲، غایۃ الاوطار ص ۲/۳۰۶، شامی ص ۳/۲۴)

(۳۱) ولو شہدا انہ حر

الخ ص ۱/۳۷۸ دو آدمیوں نے گواہی دی کہ زید نے اپنی دو باندیوں میں سے ایک کو آزاد کر دیا تو گواہی عتق مبہم پر ہے جو امام صاحب

کے یہاں مسموع نہیں ہوتی۔ کیونکہ آپ کے نزدیک عتق مبہم محرم شرمگاہ نہیں ہے مگر فتوی صاحبین کے قول پر ہے۔ اس مقام میں امام صاحب کے قول پر فتوی دینا جائز نہیں۔ (غایۃ الاوطار ص ۲/ ۳۰۷)

(کتاب الایمان)

(۳۲) باب الیمین فی الدخول والخروج والاتیان وغیر ذلک) والواقف علی السطح داخل

الخ ص ۱/ ۳۹۰ یہ عربوں کے حق میں ہے اہل عجم کے عرف میں واقف سطح کو داخل دار نہیں کہتے لہذا حانث نہ ہوگا۔ فتوی اسی پر ہے۔

(غایۃ الاوطار ص ۲/ ۳۴۶، بحر ص ۴/ ۳۲۷، مجمع الانہر ص ۱/ ۵۵۸، شامی س ۳/ ۷۷)

(۳۳) باب الیمین فی الاکل والشرب واللبس والکلام) ولحم الخنزیر

الخ ص ۱/ ۳۹۲ خنزیر اور آدمی کے گوشت سے حانث ہونا کوفیوں کے عرف پر ہے۔ ہمارے یہاں ان کے کھانے سے حانث نہ ہوگا۔ اسی پر فتوی ہے۔

(فتح القدیر ص ۴/ ۴۸، حاشیہ عنایہ ص ۴/ ۴۷، بحر ص ۴/ ۳۴۸، مجمع الانہر ص ۱/ ۵۴۶، غایۃ الاوطار ص ۲/ ۳۵۷، درر ص ۲/ ۵۱)

(۳۴) لا العنب والرمان

الخ ص ۱/ ۳۹۲ امام صاحب کے نزدیک عنب و رمان اور رطب فواکہ میں داخل نہیں پس ان کے کھانے سے حانث نہ ہوگا فتوی اسی پر ہے۔ (شامی ص ۲/ ۹۷)

(۳۵) والادام ما یصطبغ

الخ ص ۱/ ۳۹۲ فتوی امام محمد کے قول پر ہے کہ سالن ہر وہ چیز ہے جس کے ساتھ روٹی کھائی جائے۔

(غایۃ الاوطار ص ۲/ ۳۶۰، بحر ص ۳/ ۳۵، مجمع الانہر ص ۱/ ۵۷۰، درر ص ۲/ ۵۱، شامی س ۳/ ۹۷)

(۳۶) ودہر مجمل

الخ ص ۱/ ۳۹۵ نکرہ ہونے کی صورت میں امام صاحب کے نزدیک لفظ دہر کی کوئی تحدید نہیں صاحبین کے نزدیک چھ ماہ پر محمول ہے۔ اسی پر فتوی ہے۔ (حاشیہ اعزاز ص ۱/ ۱۶۱)

(۳۷) باب الیمین فی البیع والشراء والتزوج والصلوۃ والصوم وغیرہا) قالت تزوجت

الخ ص ۱/ ۴۰۱ بیوی نے کہا تو نے فلاں عورت سے شادی کی ہے۔ شوہر نے جواب دیا۔ کل امراۃ لی طالق تو ظاہر الروایہ کے لحاظ سے محلفہ عورت کو طلاق ہوجائے گی۔ امام ابو یوسف سے روایت ہے کہ طلاق نہ ہوگی۔ علامہ سرخسی نے اسی کی تصحیح کی ہے۔ وفی جامع قاضی خان وبہ اخذ عامۃ مشائخنا، وفی شرح التلخیص قال البزدوی فی شرحہ ان الفتوی علیہ۔

(درمختار وشامی ص ۱/ ۱۲۷)

(کتاب الحدود)

(۳۸) باب الوطی الذی یوجب الحد والذی لا یوجبہ) وبالزنا بمستاجرۃ

الخ ص ۱/ ۴۱۱ عورت کو زنا کے لئے اجرت پر لیا تو حد واجب ہوگی یا نہیں؟ فتح القدیر میں وجوب کو ترجیح دی ہے۔

(مجمع الانہر ص ۱/ ۶۰۳، بحر ص ۵/ ۲۰، غایۃ الاوطار ص ۲/ ۴۱۶)

(۳۹) وبمحرم نکحھا

الخ ص ۱/۱۳۱ صاحبین کے نزدیک محرمہ عورت کیساتھ نکاح کر کے وطی کرنے سے حد واجب ہے۔ اسی پر فتوی ہے۔

(غایۃ الاوطار ص ۲/۴۶۵، مجمع الانہر ص ۱/۶۳۹، درمختار و شامی ص ۳/۴۱۹)

(کتاب السرقۃ)

(۴۰) باب قطع الطریق) او قطع الطریق لیلاً او نہاراً

الخ ص ۱/۴۳۱ اگر کوئی شخص رات میں راہزنی کرے خواہ ہتھیار کے ساتھ ہو یا بلا ہتھیار ہو یا دن میں ہتھیار کیساتھ راہزنی کرے تو امام ابو یوسف کے نزدیک حد جاری ہوگی۔ اسی پر فتوی ہے۔

(غایۃ الاوطار ص ۲/۴۶۵، مجمع الانہر ص ۱/۶۳۹، درمختار و شامی ص ۳/۴۱۹)

(کتاب الوقف)

(۴۱) والملک یزول بالقضاء

الخ ص ۱/۴۶۶ زوال ملک واقف کے لئے قضائے قاضی کی ضرورت امام صاحب کے یہاں ہے۔ صاحبین کے نزدیک اس کی ضرورت نہیں اسی پر فتوی ہے۔ وفی فتح القدیر انہ الحق۔

(بحر ص ۵/۲۱۰، غایۃ الاوطار ص ۲/۵۶۶، مجمع الانہر ص ۱/ص ۷۴۱، درمختار و شامی ص ۳/۳۶۹)

(۴۲) ولا یقسمہ بین مستحقی الوقف

الخ ص ۱/۴۶۶ امام محمد کے نزدیک وقف کی ٹوٹ پھوٹ مستحقین وقف کے درمیان تقسیم کرنا صحیح نہیں۔ امام ابو یوسف کے نزدیک صحیح ہے۔ قال الصدر الشھید والفتوی علی قول ابی یوسف ترغیباً للناس فی الوقف (غایۃ ص ۵/۵۶)

(۴۳) فصل) ومن بنی سقایۃ

الخ ص ۱/۴۶۸ اگر کوئی شخص پانی کی پاؤ یا خانقاہ یا مقبرہ وغیرہ بنائے تو جب تک حاکم وقت اس کا حکم نہ کرے اس وقت تک امام صاحب کے نزدیک ملک زائل نہ ہوگی پس وہ حکم حاکم سے پیشتر رجوع کر سکتا ہے مگر فتوی صاحبین کے قول پر ہے کہ زوال ملک کے لئے حکم حاکم ضروری نہیں پس وہ رجوع نہیں کر سکتا ہے۔ (فتح ص ۵/۶۷)

مسائل جلد ثانی

(کتاب البیوع)

(۴۴) ومن باع صبرۃ کل صاع

الخ ص ۲/۱۳ ایک شخص نے غلہ کا ڈھیر اس طرح بیچا کہ ہر صاع ایک درہم میں ہے تو امام صاحب کے نزدیک بیع صرف ایک صاع میں صحیح ہوگی باقی میں فاسد۔ اور اگر ایک تھان اس طرح بیچا کہ ہر گز ایک درہم میں ہے تو ایک گز میں بھی بیع جائز نہ ہوگی۔ صاحبین کے نزدیک

دونوں صورتوں میں بیع صحیح ہے۔ نہر الفائق میں عیون سے اور شرنبلالیہ میں بُرھان سے اور قہستانی میں محیط سے منقول ہے کہ فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔ (درمختار وشامی ص ۴/۳۱)

(۴۵) وفسد بیع عشرۃ اذرع

الخ ص ۲/۱۳ ایک شخص کا مکان سو گز ہے اس نے اس میں سے دس گز فروخت کیا تو امام صاحب کے نزدیک بیع ناجائز ہے۔ صاحبین کے نزدیک جائز ہے یہی صحیح ہے۔ (درمختار وشامی ص ۴/۳۴)

(۴۶) باب خیار الرویۃ) وظاہر الثوب

الخ ص ۲/۲۶ ہمارے ائمہ ثلاثہ کے یہاں لپیٹے ہوئے کپڑے اور مکان کے ظاہر کو دیکھ لینا کافی ہے۔ امام زفر کے یہاں کافی نہیں یہی مختار ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ (غایۃ ص ۳/۴۹، مجمع ص ۲/۳۶، درمختار وشامی ص ۴/۷۰)

(۴۷) باب خیار العیب) اوکان طعاما فاکلہ اوبعضہ

الخ ص ۲/۲۸ خلاصہ وغیرہ میں ہے کہ فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے کہ بقدر نقصان رجوع کر سکتا ہے۔

(غایۃ الاوطار ص ۳/۵۹، بحر ص ۶/۵۹، مجمع الانہر ص ۲/۴۷، فتح وعنایہ ص ۵/۱۶۳، درمختار وشامی ص ۴/۸۷)

(۴۸) باب البیع الفاسد) والنحل

الخ ص ۲/۳۵ شہد کی مکھی کی بیع کا ناجائز ہونا شیخین کے قول پر ہے۔ اور فتویٰ امام محمد کے قول پر ہے۔ کہ جائز ہے کذافی الذخیرہ والمحیط والنوازل (غایۃ الاوطار ص ۳/۷۹، بحر ص ۶/۸۵، مجمع الانہر ص ۲/۵۸)

(۴۹) باب التولیۃ والمرابحۃ) فان اتلف فعلم

الخ ص ۲/۴۷ کسی نے کپڑے کا ایک تھان ایک ہزار میں ادھار خرید ا اور بطریق مرابحہ گیارہ سو میں فروخت کیا۔ مشتری نے اس کو معیوب کر دیا۔ پھر معلوم ہوا کہ بائع نے ادھار خریدا تھا تو بقول فقیہ ابوجعفر فتویٰ کے لئے مختار یہ ہے کہ ادھار اور نقد کے لحاظ سے قیمت میں جو فرق ہو مشتری اتنی مقدار واپس لے لے۔ (بحر ص ۶/۱۲۵، مجمع الانہر ص ۲/۷۸، غایۃ الاوطار ص ۳/۱۱۲)

(۵۰) باب الربوا) ویستقرض الخبز

الخ ص ۲/۵۶ روٹی قرض لینے کے سلسلے میں مصنف نے امام ابو یوسف کا قول اختیار کیا ہے کہ وزن کے لحاظ سے لی جائے، عدد کے اعتبار سے نہ لی جائے۔ علامہ زیلعی نے اسی پر فتویٰ ذکر کیا ہے لیکن شرح مجمع میں ہے کہ فتویٰ امام محمد کے قول پر ہے کہ دونوں طرح صحیح ہے۔ اسی کو کمال الدین نے مستحسن جانا ہے اور اسی پر صاحب تنویر نے اعتماد ظاہر کیا ہے۔

(مجمع الانہر ص ۲/۸۹، بحر ۶/۱۴۷، غایۃ الاوطار ص ۳/۱۳۲، فتح القدیر ص ۵/۲۹۹، شامی ص ۴/۱۹۶)

(۵۱) باب السلم) واللحم

الخ ص ۲/۶۳ امام صاحب کے نزدیک گوشت میں بیع سلم صحیح نہیں، صاحبین کے نزدیک صحیح ہے، بشرطیکہ جنس، نوع، صفت، موضع، مقدار وغیرہ بیان کر دی جائے (بحر، شرح مجمع، مجمع، عیون، حقائق وغیرہ میں ہے کہ فتویٰ اسی پر ہے۔)۔

(بحر ص ۶/۱۷۲، غایۃ الاوطار ص ۳/۱۴۴، مجمع الانہر ص ۲/۹۹)

(۵۲) باب المتفرقات) وان قضی زیوفا

الخ ص ۲/۶۹ کھروں کے عوض کھوٹے درہموں سے حق کا ادا ہو جانا طرفین کے نزدیک ہے۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اسی جیسے کھوٹے دیکر اپنے کھرے واپس لے لے۔ کہا گیا ہے کہ فتوی اسی پر ہے۔

(بحر ص ۶/۱۹۲، مجمع الانہر ص ۲/۱۱۰، غایۃ الاوطار ص ۳/۱۵۶، شامی ص ۴/۴۶)

(کتاب الصرف)

(۵۳) قبل دفعہ بطل البیع

الخ ص ۲/۷۶ اگر ادائیگی سے پہلے دراہم مغشوشہ یا فلوس نافقہ کا رواج ختم ہو جائے تو امام صاحب کے نزدیک بیع باطل ہو جائے گی۔ صاحبین کے نزدیک باطل نہ ہوگی بلکہ ان کی قیمت واجب ہوگی۔ اب امام ابو یوسف کے نزدیک اس دن کی قیمت کا اعتبار ہوگا جس دن بیع ہوئی تھی اور امام محمد کے نزدیک اس دن کی قیمت کا جس دن ان کا رواج ختم ہوا ہے، ذخیرہ، خلاصہ، عینی، شرح کنز وغیرہ میں امام ابو یوسف کے قول پر فتوی ہے اور محیط، تتمہ حقائق میں امام محمد کے قول پر، بہر حال فتوی صاحبین کے قول پر ہے۔ نہ کہ امام صاحب کے قول پر۔

(غایۃ الاوطار ص ۳/۱۶۹، فتح وعنایہ ص ۵/۳۸۳، شامی ص ۴/۲۵، بحر ص ۶/۲۱۹)

(کتاب القضاء)

(۵۴) باب کتاب القاضی الی القاضی وغیرہ) وینفذ القضاء بشهادة الزور

الخ ص ۲/۱۰۵ جھوٹے گواہوں کے ذریعہ عقود وفسوخ میں قاضی کے فیصلہ کا ظاہراً اور باطناً نافذ ہونا امام صاحب کے نزدیک ہے، صاحبین امام زفر، ائمہ ثلاثہ، کے نزدیک صرف ظاہراً نافذ ہوگا۔ محیط، برہان، شرنبلالیہ، مجمع الانہر، در المنتقی، بحر وغیرہ میں ہے کہ فتوی صاحبین کے قول پر ہے (فتح القدیر ص ۵/۴۹۱، غایۃ الاوطار ص ۳/۲۳۷، بحر ص ۷/۱۶، مجمع الانہر ص ۲/۱۷۰، درمختار وشامی ص ۴/۳۴۷)

کتاب الشہادۃ

(۵۵) ولا یعمل شاہد

الخ ص ۲/۱۲۰ امام صاحب کے نزدیک شاہد اور قاضی اور راوی حدیث کو اپنے نوشتہ پر عمل کرنا جائز نہیں جب تک کہ اس کو واقعہ خوب محفوظ نہ ہو، صاحبین کے نزدیک جائز ہے پھر بعض نے کہا کہ امام محمد کے نزدیک تینوں کے لئے جائز ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک صرف قاضی اور راوی کے لئے جائز ہے شاہد کے لئے جائز نہیں۔ شمس الائمہ حلوانی فرماتے ہیں کہ فتوی امام محمد کے قول پر ہے، اجناس میں بھی ایسا ہی ہے اور بزازیہ میں بھی اسی پر جزم ویقین ظاہر کیا ہے وفی المبتغی من وجدخطه وعرفه ونسی الشهادة وسعه ان يشهداذاكان فی حرزه وبه ناخذاه وفی السراج "وماقاله هوالمعمول عليه" وفی المخ" وقولهما هوالصحيح" وفی الحقائق وعليه الفتوی وفی العيون والفتوی علی قولهما۔ بہر کیف امام صاحب کا قول غیر مفتی بہ ہے۔

(بحر ص ۷/۹۷، مجمع الانہر ص ۲/۱۹۲، شامی ص ۴/۳۶۸)۔

(کتاب الوکالۃ)

(۵۶) برضا الخصم

الخ ص ۲/۱۴۲ امام صاحب کے یہاں توکیل بالخصومۃ کے لزوم کے لئے خصم کی رضامندی ضروری ہے صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے

نزدیک ضروری نہیں، فقیہ ابواللیث کا فتوی صاحبین کے قول پر ہے اسی کو عتابی نے پسند کیا ہے اور اسی کی نہایہ میں تصحیح ہے، فتاوی قاضی خان میں ہے کہ شیخ ابوالقاسم صفار نے اسی کو لیا ہے خزانۃ المفتیین میں ہے کہ صاحبین کا قول مختار ہے۔

(بحر ص ۷/ ۱۰۸، نتائج الافکار ص ۱/ ۸، غایۃ الاوطار ص ۳/ ۳۲۷)۔

(کتاب الدعویٰ)

(۵۷) الا اذا الح الخصم

الخ ص ۲/ ۱۶۵ اگر مدعی طلاق یا عتاق کی قسم کھلانے پر اصرار کرے تب بھی اکثر مشائخ کے نزدیک ان کی قسم کھلانا جائز نہیں۔ قاضی خان نے اسی کی تصحیح کی ہے خزانۃ المفتیین اور منیۃ المفتی میں بھی ایسا ہی ہے۔ تاتارخانیہ میں ہے کہ فتوی عدم تحلیف پر ہے اور قول ضعیف یہ ہے کہ اصرار کی صورت میں گنجائش ہے۔ (مجمع الانہر ص ۲/ ۲۵۹، بحر ص ۷/ ۲۳۲، غایۃ الاوطار ص ۳/ ۳۷۱)۔

(کتاب الودیعۃ)

(۵۸) فان حفظہا بغیر ہم

الخ ص ۲/ ۲۱۵ مودع ودیعت کی حفاظت خود کرے یا اپنے اہل وعیال سے کرائے۔ اگر ان کے علاوہ کسی اور سے حفاظت کرائے اور ودیعت ضائع ہو جائے تو ضامن ہوگا لیکن امام محمد سے روایت ہے کہ اگر وہ ایسے شخص سے حفاظت کرائے جو اس کے مال کی حفاظت کرتا ہے جیسے اس کا وکیل شریک معاوضہ، شریک عنان تو ضامن نہ ہوگا، ابن ملک وغیرہ نے اسی پر فتوی دیا ہے۔

(درمختار و شامی ص ۴/ ۵۱۶)،

(کتاب الاجارۃ)

(۵۹) بعد الاقامۃ

الخ ص ۲/ ۲۳۳ امام صاحب کے نزدیک خشت ساز کی مزدوری اینٹیں کھڑی کر دینے کے بعد واجب ہو جاتی ہے۔ صاحبین کے نزدیک اس وقت واجب ہوتی ہے جب وہ تہ بتہ جما کر چٹا لگا دے۔ کہا گیا کہ فتوی صاحبین کے قول پر ہے۔ **کذافی مجمع الانهر، وبقولهما يفتی ذكره ابن الكمال معزيا للعيون۔**

(در المنتقی ص ۲/ ۳۷۳، مجمع الانہر ص ۲/ ۳۷۳، شامی ص ۵/ ۱۱)

(۶۰) باب مایجوز من الاجارۃ و مایکون خلافا فیہا) وبالضرب

الخ ص ۲/ ۲۳۶ اگر مستاجر کے مارنے یا لگام کھینچنے سے سواری ہلاک ہو جائے تو امام صاحب کے نزدیک مستاجر پر کل قیمت کا تاوان ہوگا۔ صاحبین اور ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ اگر اس نے عادت وعرف کے خلاف مارا یا لگام کھینچی تو ضامن ہوگا ورنہ نہیں۔ درمختار میں ہے کہ فتوی اسی پر ہے (درمختار)

(۶۱) الکل

الخ ص ۲/ ۲۳۶ مستاجر نے چوپایہ کرایہ پر لیا اور اس پر ایسا پالان لادا جو اس جیسے جانور پر نہیں لادا جاتا اور چوپایہ ہلاک ہو گیا۔ تو امام صاحب کے نزدیک کل قیمت کا تاوان لیا جائے گا۔ اور صاحبین کے نزدیک بقدر[1] ما زاد کا علامہ شرنبلالی نے نقل کیا ہے کہ فتوی صاحبین کے قول پر ہے۔ (شامی ص ۵/ ۲۶)

---

[1] اذا کان السرج یاخذ من ظہر الدابۃ قدر شبرین والاکاف قدر اربعۃ اشبار یضمن بحسابہ وقیل یعتبر بالوزن ۱۲

(۶۲) باب الاجارۃ الفاسدۃ) کل شہر سکن ساعۃ منہ

الخ ص ۲/۲۲۸ اگر چند ماہ کے لئے مکان کرایہ پر دیا اور کل مہینے بیان کر دیئے تو عقد صحیح ہے اور جس مہینہ میں مستاجر ایک ساعت ٹھہرے اس میں بھی اجارہ صحیح ہو جائے گا اب موجر اس کو مکان سے نہیں نکال سکتا۔ مگر فتوی اس پر ہے کہ ہر ماہ کے شروع میں ایک دن ایک رات تک اختیار ہوگا ظاہر الروایہ بھی یہی ہے۔ (درمختار و شامی ص ۵/۴۳)

(۶۳) باب اجارۃ العبد) والاجر و عدمہ

الخ ص ۲/۲۴۷ اگر مالک کہے کہ تو نے مفت کام کیا ہے اور اجیر کہے کہ اجرت پر کیا ہے تو امام صاحب کے نزدیک مالک کا قول معتبر ہوگا۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اگر ان میں اجرت کیساتھ معاملہ ہوتا رہا ہو تو اجرت واجب ہوگی ورنہ نہیں، امام محمد فرماتے ہیں کہ اگر کاریگر اجرت لینے میں مشہور ہو تو اجیر کا قول معتبر ہوگا ورنہ مالک کا نہایہ، کفایہ، غایہ، شرح شاہان، زیلعی، تبیین، تنویر وغیرہ میں ہے کہ فتوی امام محمد کے قول پر ہے۔ (حاشیہ عنایہ ص ۷/۲۱۹، مجمع ص ۲/۳۹۸)

(کتاب الحجر)

(۶۴) لا بسفہ

الخ ص ۲/۲۷۷ امام صاحب کے یہاں عاقل بالغ شخص بوجہ سفاہت محجور نہیں ہوتا۔ صاحبین کے نزدیک محجور ہوتا ہے۔ فتوی صاحبین کے قول پر ہے۔ (درمختار ص)

(۶۵) ودین

الخ ص ۲/۲۷۷ امام صاحب کے یہاں مدیون پر حجر نہیں۔ صاحبین کے نزدیک ہے اسی پر فتویٰ ہے۔
(غایۃ الاوطار ص ۴/۸۹، مجمع الانہر ص ۲/۴۴۳، تکملہ بحر ص ۸/۸۳)۔

(۶۶) ولم یبع عرضہ وعقارۃ

الخ ص ۲/۲۷۷ یہ امام صاحب کے نزدیک ہے۔ صاحبین کے نزدیک قاضی بسلسلہ دین مدیون کا سامان اور اس کی زمین فروخت کر سکتا ہے۔ اسی پر فتوی ہے (درمختار و شامی ص ۵/۹۸، مجمع الانہر ص ۲/۴۴۳، تکملہ بحر ص ۸/۸۳)۔

(کتاب الغصب)

(۶۷) فقیمۃ یوم الخصومۃ

الخ ص ۲/۲۸۱ ایک شخص نے کسی کی مثلی چیز غصب کر لی اور اس جیسی چیز کا ملنا ختم ہو گیا تو اس کی قیمت واجب ہوگی جس میں امام صاحب کے نزدیک خصومت کے دن کا اعتبار ہوگا، اور امام ابو یوسف کے نزدیک غصب کے دن کا اور امام محمد کے نزدیک اس دن کا جس دن وہ منقطع ہوئی ہے۔ فتوی امام محمد کے قول پر ہے۔ (شامی ص ۵/۱۲۰)

(۶۸) وملک فی یدہ لم یضمنہ

الخ ص ۲/۲۸۳ ایک شخص نے کسی کی زمین غصب کر لی اور وہ اس کے قبضہ میں رہتی ہوئی ضائع ہو گئی تو شیخین کے نزدیک وہ ضامن نہ

ہوگا۔امام محمد کے نزدیک ضامن ہوگا۔مسئلہ اوقاف میں فتوی امام محمد کے قول پر ہے۔قال الکمال، الفتوی علی ضمان العقار فی ثلاثۃ اشیاء ۱۵ (درمختار وشامی ص ۱۲۲/۵، غایۃ الاوطار ص ۱۰۶/۴، مجمع ص ۴۵۸/۲، تکملہ بحر ص ۱۱۱/۸)

(۶۹) فصل) ومن کسر معزفًا

الخ ص ۲۸۸/۲ اگر کوئی شخص کسی کے آلات لہو باجے وغیرہ توڑ دے تو امام صاحب کے نزدیک ضامن ہوگا صاحبین کے نزدیک ضامن نہ ہوگا۔فتوی صاحبین کے قول پر ہے۔کذافی البحر (شامی ص ۲۲۸/۲، تکملہ بحر ص ۱۲۵/۸، مجمع ص ۴۶۹/۲، غایہ ص ۱۱۸/۴)

(کتاب الشفعۃ)

(۷۰) باب طلب الشفعۃ والخصومۃ فیہا) ثم لاتسقط بالتاخیر

الخ ص ۲۹۴/۲ جب شفیع کو مکان یا زمین کی فروختگی کا علم ہو تو اس کو مجلس علم میں اس بات پر گواہ قائم کرنا ضروری ہے کہ میں اس کو لینا چاہتا ہوں پھر زمین یا مشتری یا بائع کے پاس گواہ بنائے پھر قاضی کے پاس۔اب اگر قاضی کے پاس طلب میں تاخیر ہوجائے تو امام صاحب کے نزدیک حق شفعہ ساقط نہ ہوگا ظاہر الروایہ یہی ہے امام محمد فرماتے ہیں کہ اگر ایک ماہ تک تاخیر کی تو حق شفعہ باطل ہوجائے گا علامہ عینی صاحب ہدایہ صاحب کافی نے کہا ہے کہ فتوی امام صاحب کے قول پر ہے اور شرنبلالیہ میں برھان سے منقول ہے کہ صاحب ذخیرہ، برھان، مغنی، قاضی خاں کی تصحیح ہدایہ سے اصح ہے اور آجکل فتوی امام محمد کے قول پر ہے منافع، محیط ذخیرہ، خلاصہ، منیۃ المفتی، مضمرات، مختارات، النوازل، وقایہ نقایہ، مغنی میں بھی یہی ہے کہ فتوی امام محمد کے قول پر ہے۔

(نتائج الافکار ص ۴۲۱/۲، مجمع الانہر ص ۴۷۵/۲، درمختار وشامی ص ۱۴۸/۵)

(۷۱) باب ماتبطل بہ الشفعۃ) ولا یکرہ الحیلۃ

الخ ص ۳۰۳/۲ حیلہ کی دوصورتیں ہیں ایک برائے اسقاط اور ایک برائے ثبوت، بعض کے نزدیک دونوں صورتیں جائز ہیں مصنف نے اسی کو لیا ہے لیکن درمختار وعنایہ اور تاتارخانیہ وغیرہ میں ہے کہ حیلہ برائے اسقاط بالاجماع مکروہ ہے اور حیلہ برائے دفع امام محمد کے نزدیک مکروہ ہے۔امام ابو یوسف کے نزدیک مکروہ نہیں۔باب شفعہ میں فتوی امام ابو یوسف کے قول پر ہے اور باب زکوۃ میں امام محمد کے قول پر (غایۃ الاوطار ص ۱۳۸/۴، مجمع ص ۴۸۶/۲)

(کتاب المزارعۃ)

(۷۲) فان شرطاہ علی العامل فسدت

الخ ص ۳۱۴/۲ اگر عامل پر زمین میں بیج ڈالنے، کھیتی کاٹنے، گاہنے اور اڑانے کی شرط لگائی تو ظاہر الروایہ کے لحاظ سے مزارعت فاسد ہے۔لیکن امام ابو یوسف سے روایت ہے کہ صحیح ہے اسی پر فتوی ہے وھو اختیار مشائخ بلخ، قال شمس الائمہ السرخسی ھذاھو الاصح (ہدایہ ص، غایۃ الاوطار ص ۱۵۸/۴، مجمع الانہر ص ۵۰۱/۲، تکملہ بحر ص ۱۶۳/۸)

(کتاب الذبائح)

(۷۳) فصل فیما یحل اکلہ ومالا یحل والخیل

الخ ص ۳۲۰/۲ امام صاحب کے نزدیک گھوڑے کا گوشت کھانا حلال نہیں صاحبین کے نزدیک جائز ہے مگر بکراہت تنزیہیہ، فتوی صاحبین کے قول پر ہے (درمختار وشامی ص ۲۰۰/۵)

(کتاب احیاء الموات)

(۷۴) ولا حریم للنہر

الخ ص ۲/ ۳۴۲ جو نہر کسی دوسرے کی ملک میں واقع ہو، امام صاحب کے نزدیک اس کا کوئی حریم نہیں صاحبین کے نزدیک بقدر ضرورت حریم ہے۔ یعنی اتنا کہ نہر کی مینڈھ پر چڑھ سکے اور اگر نہر مٹی سے پٹ جائے تو اس کے اندر سے مٹی نکال کر مینڈھ پر ڈالی جا سکے۔ پھر امام محمد کے نزدیک مینڈھ کا اندازہ بقدر عرض نہر ہے (ہر طرف سے) اور امام ابو یوسف کے نزدیک بقدر نصف بطن نہر، قہستانی میں کرمانی سے اور برجندی میں نوازل سے منقول ہے کہ فتوی امام ابو یوسف کے قول پر ہے، ہکذا فی الفتاوی الکبری۔

(مجمع الانہر ص ۲/ ۵۲۰ وص ۲/ ۵۶۱، غایۃ الاوطار ص ۴/ ۲۵۴۹، تکملہ بحر ص ۸/ ۲۱۲)

(کتاب الاشربۃ)

(۷۵) والحلال منہا اربعۃ

الخ ص ۲/ ۳۵۰ نبیذ تمر اور نبیذ زبیب (جب ان کو قدرے پکالیا جائے) اور خلیطین اور شہد، جو، جوار، گیہوں، انجیر کی نبیذ (پکائی جائے یا نہ پکائی جائے) شیخین کے نزدیک حلال ہے بشرطیکہ اتنی پئے جس سے نشہ ہونے کا گمان غالب نہ ہو، نیز پینا بھی بطریق لہو وطرب نہ ہو بلکہ ہضم طعام، حق تعالی کی طاعت پر قوت حاصل کرنا یا دوا کرنا مقصود ہو امام محمد اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مطلقاً حرام ہے خواہ کسی نوع سے ہو۔ نیز قلیل ہو یا کثیر، زیلعی، کفایہ، حموی، بزازیہ، شرح وہبانیہ، درمختار وغیرہ میں ہے کہ فتوی امام محمد کے قول پر ہے۔

(غایۃ الاوطار ص ۴/ ۲۶۰، مجمع وملتقی ص ۲/ ۵۷۲)

(کتاب الجنایات)

(۷۶) باب ما یحدث الرجل فی الطریق) ضمن ان کان فی غیر الصلوٰۃ

الخ ص ۲/ ۳۹۸ ایک شخص مسجد میں بیٹھا ہوا تھا کوئی آدمی اس سے الجھ کر گرا اور مر گیا تو امام صاحب کے نزدیک جالس ضامن نہ ہوگا اگر وہ نماز میں ہو ورنہ ضامن ہوگا۔ صاحبین کے نزدیک دونوں صورتوں میں ضامن نہ ہوگا۔ فتوی صاحبین کے قول پر ہے عینی شرح ہدایہ میں ہے "بہ اخذ مشائخنا" ذخیرہ میں ہے۔ "بقولھما یفتی" وفی الشرنبلالیہ معزیا للزیلعی عن الحلوانی" اکثر المشائخ اخذوا بقولھما وعلیہ الفتوی۔

(درمختار وشامی ص ۵/ ۳۹۴، غایۃ الاوطار ص ۴/ ۳۵۹)

(کتاب الفرائض)

(۷۷) لعدم الرد علیہما

الخ ص ۲/ ۴۵۵ ذوی الفروض کو ان کا حق دینے کے بعد جو مال بچ جائے اور کوئی عصبہ نہ ہو تو باقیماندہ مال زوجین کے علاوہ دیگر اصحاب فروض کو ان کے حصوں کے مطابق دیدیا جائے گا، قنیہ، زیلعی، نہایہ، مستصفے وغیرہ میں فتوی اس پر ہے کہ دیگر اصحاب فروض کی طرح زوجین کو بھی دیا جائے گا۔ (شامی ص ۵/ ۵۲۰)

وہ مسائل جن میں ہر دو قولوں پر فتوی منقول ہے

(کتاب الصلوۃ)

(۱) باب صفۃ الصلوۃ) وتطال اولی الفجر فقط

الخ ص ۱/۱۳۸ شیخین کے نزدیک ہر نماز کی جملہ رکعات میں مساوات ہونی چاہئے البتہ فجر کی پہلی رکعت کا بقدر ثلث یا بقدر نصف طویل ہونا مسنون ہے۔ امام محمد کے نزدیک ہر نماز میں یہی حکم ہے یہاں تک کہ تراویح میں بھی پہلی رکعت دوسری رکعت سے طویل ہونی چاہئے۔ معراج الدرایہ میں ہے کہ فتوی امام محمد کے قول پر ہے۔ مجتبی میں بھی ایسا ہی ہے تاتارخانیہ میں ہے کہ فتوی کے لئے یہی ماخوذ ہے خلاصہ میں ہے کہ یہی احب ہے ابن الہمام بھی اسی کی طرف مائل ہیں لیکن حلیہ میں ہے کہ شیخین کا قول پسندیدہ ہے اور اسی پر فتوی ہونا چاہئے بحرادر شرنبلالیہ میں بھی اسی کو برقرار رکھا ہے۔ واعتمد قولهما في الكنز والملتقى والمختار والهدايه۔

(شامی ص ۱/۳۸۰)

(کتاب الرضاع)

(۲) فی ثلاثین شهراً

الخ ص ۱/۳۰۶ امام صاحب کے نزدیک مدت رضاع اڑھائی سال ہے، اور صاحبین کے نزدیک دو سال۔ دونوں قولوں پر فتوی منقول ہے۔ (بحر ص ۳/۲۳۹، غایۃ الاوطار ص ۲/۸۱، مجمع الانہر ۱/۳۷۵، درمختار وشامی ص ۲/۴۱۲)

(کتاب الایمان)

(۳) باب الیمین فی الدخول والخروج والسکنی والاتیان وغیر ذلک) لایسکن ہذہ الدار

الخ ص ۱/۳۹۰ ایک شخص نے قسم کھائی کہ میں اس گھر میں نہ رہوں گا چنانچہ وہ وہاں سے منتقل ہو گیا لیکن اس نے اپنا ساز وسامان منتقل نہیں کیا یا کچھ منتقل کرلیا اور کچھ باقی رہ گیا تو امام صاحب کے نزدیک حانث ہو جائے گا۔ کیونکہ آپ کے نزدیک کل سامان منتقل کرنا ضروری ہے اگر ایک کیل بھی باقی رہ گئی تو حانث ہو جائے گا۔ امام محمد کے نزدیک اتنا سامان منتقل کر لینا کافی ہے۔ جو رہائش کے لئے ضروری ہو، امام ابو یوسف کے نزدیک اکثر سامان منتقل کر لینے کا اعتبار ہے فقیہ ابو اللیث نے امام صاحب کے قول کو ترجیح دی ہے اور صاحب ہدایہ نے امام محمد کے قول کو راجح کہا ہے اور بعض نے اسپر فتوی بھی نقل کیا ہے صاحب محیط صاحب فوائد ظہیریہ صاحب کافی نے تصریح کی ہے کہ فتوی امام ابو یوسف کے قول پر ہے۔ (درمختار وشامی ص ۳/۷۹)

(کتاب الکفالۃ)

(۴) وبلا قبول الطالب

الخ ص ۲/۸۶ طرفین کے نزدیک کفالت بدون قبولیت مکفول لہ صحیح نہیں، امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اگر مکفول لہ مجلس عقد کے بعد اطلاع ہونے پر جائز رکھے تو صحیح ہے درر بزازیہ تلخیص، الجامع الکبیر، بحر وغیرہ میں ہے کہ فتوی امام ابو یوسف کے قول پر ہے لیکن منح میں طرطوسی سے منقول ہے کہ فتوی طرفین کے قول پر ہے یہی انفع المسائل میں ہے شیخ قاسم نے تصحیح میں کہا ہے کہ محبوبی ونسفی وغیرہ کے نزدیک یہی مختار ہے۔ (درمختار وشامی ص ۴/۲۸۰، غایۃ الاوطار ص ۳/۱۸۶، مجمع الانہر ص ۲/۱۳۷)

(کتاب الشهادة)

(۵) ویسأل عن الشهود سرًّا وعلناً

الخ ص ۲/۱۱۸ صاحبین، امام شافعی، امام احمد کے نزدیک قاضی کے لئے خفیہ وظاہرہ ہر دو اعتبار سے شہود کی عدالت کے متعلق پوچھ گچھ کرنا ضروری ہے امام صاحب کے نزدیک غیر حدود وقصاص میں قاضی بدون طعن مدعا علیہ شہود کی ظاہری عدالت پر اکتفا کر سکتا ہے۔ ہدایہ، فتح، عنایہ، مجمع میں ہے کہ فتوے صاحبین کے قول پر ہے فی الاختیار انہ یسال سرا وعلانیۃ وعلیہ الفتوی لیکن صاحب بحر نے بحوالہ سراجیہ ذکر کیا ہے کہ صرف پوشیدہ طور پر پوچھ گچھ کرے اسی پر فتوی ہے مضمرات میں بھی اسی پر فتوی ہے قہستانی نے کہا کہ امام محمد سے مروی ہے کہ تزکیہ علانیہ تو فتنہ اور بلا ہے صاحب ہدایہ نے بھی چند سطر بعد یہی ذکر کیا ہے۔

(ہدایہ ص ۲/۱۴۱، فتح وعنایہ ص ۶/۱۳، مجمع الانہر ص ۲/۱۸۹، بحر ص ۷/۷۰)۔

(کتاب الوكالة)

(۶) باب الوكالة بالخصومة والقبض) لايملك القبض

الخ ص ۲/۱۵۴ تقاضے کے وکیل کا مالک قبض نہ ہونا امام زفر کے قول پر ہے۔ ہدایہ وغیرہ میں ہے کہ اسی پر فتوی ہے لیکن صاحب بحر نے فتاوی صغری سے نقل کیا ہے کہ اس میں عرف کا اعتبار ہے اگر کسی ایسے شہر میں ہو جہاں سوداگروں میں یہ رواج ہو کہ تقاضہ کرنیوالا ہی قابض ہوتا ہو تو وہ قبض دین کا مالک ہوگا ورنہ نہیں۔ منح الغفار میں سراجیہ سے قہستانی میں مضمرات سے منقول ہے کہ فتوی اسی پر ہے۔

(بحر ص ۷/۱۹۴، غایۃ الاوطار ص ۳/۳۴۷، درر ص ۲/۲۴۱، درمختار وشامی ص ۴/۴۲۱)

کتاب الدعوى)

(۷) وكفت ثلثة

الخ ص ۲/۱۵۸ طرفین کے نزدیک زمین کے دعوی میں حدود ثلثہ ذکر کر دینا کافی ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک دو کا ذکر بھی کافی ہے امام زفر کے نزدیک حد دوار بعہ ذکر کرنا ضروری ہے حموی میں ہے کہ فتوی اسی پر ہے لیکن علامہ شامی نے کہا ہے کہ فتوی امام زفر کے خلاف پر ہے وعبارتہ **فان المفتى به خلاف قول زفر فيها وهو قول ائمتنا الثلاثه وعليه المتون۔**

(غایۃ الاوطار ص ۳/۳۶۲، شامی)۔

(کتاب الاجارة)

(۸) باب ضمان الاجير) والمتاع في يده غير مضمون

الخ ص ۲/۲۴۴ اگر اجیر مشترک کے پاس سے سامان ضائع ہو جائے تو امام صاحب کے نزدیک ضامن نہ ہوگا۔ صاحبین کے نزدیک ضامن ہوگا۔ درمختار و قاضی خاں وغیرہ میں ہے کہ فتوی امام صاحب کے قول پر ہے فتح زیلعی نہایہ شامی وغیرہ میں ہے کہ فتوی صاحبین کے قول پر ہے بعض حضرات نے کہا ہے کہ نصف قیمت پر صلح کر لی جائے گی۔ (نتائج الافکار ص ۲/۲۰۱)

(کتاب الذبائح)

(۹) فصل فيما يحل اكله ومالا يحل) وذبح مالا يوكل يطهر لحمه وجلده

الخ ص ۲/۳۲۳ اگر غیر ماکول جانور ذبح کر لیا جائے تو جس طرح ذبح کرنے سے اس کی کھال پاک ہو جاتی ہے اسی طرح اس کا گوشت

بھی پاک ہو جاتا ہے صاحب کنز و درر نے اسی کو لیا ہے۔ اور صاحب ہدایہ، صاحب تحفہ، صاحب بدائع نے اسی کی تصحیح کی ہے فیض میں ہے کہ اسی پر فتوی ہے لیکن شراح ہدایہ وغیرہ کے نزدیک مختار یہ ہے کہ گوشت پاک نہ ہوگا۔ برھان میں بھی یہی ہے صاحب معراج نے کہا ہے کہ یہ محققین کا قول ہے در مختار میں ہے ہذا اصح ما یفتی بہ، تکملہ بحر میں ہے ہوا الصحیح۔ (شامی ص ۱/۱۴۳، تکملہ بحر ص ۸/۱۷۲)

ترجمہ صاحب کنز الدقائق

نام ونسب اور سکونت

عبداللہ نام، ابوالبرکات کنیت، والد کا نام احمد اور دادا کا نام محمود ہے۔ (نسف (بفتحتین) کے باشندے تھے جو ماوراء النہر میں بلاد سغد سے ایک شہر کا نام ہے اس نسبت سے انہیں نسفی کہتے ہیں آپ بڑے عابد و زاہد متقی امام کامل فقہ اصول میں یگانہ روزگار اور مشہور متون نگار مصنفین میں سے تھے۔

تحصیل علوم

امام نسفی نے بڑے جلیل القدر و بلند پایہ محدثین و فقہاء شمس الائمہ محمد بن عبدالستار کردری، حمید الدین ضریر، بدرالدین خواہر زادہ وغیرہم سے علوم کی تحصیل کی اور آپ سے علامہ سغناقی وغیرہ نے سماع کیا۔

صاحب جواہر کی غلطی

صاحب جواہر مضیہ نے حرف عین میں امام نسفی کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ حافظ۔ موصوف نے علم فقہ علامہ کردری سے حاصل کیا ہے۔ اور احمد بن عتابی سے زیادات کی روایت کی ہے ملا علی قاری نے بھی انہی کی پیروی کی ہے علامہ کفوی فرماتے ہیں کہ صاحب جواہر نے تصریح کی ہے کہ عتابی کی وفات ۵۸۶ھ میں ہوئی ہے اور امام نسفی کی وفات ۷۱۰ھ (یا ۷۱۱ھ) میں ہوئی ہے پس امام نسفی متوفی ۷۱۰ھ کی روایت علامہ عتابی متوفی ۵۸۶ھ سے کیسے صحیح ہو سکتی ہے۔

صاحب کنز کا فقہی مقام

ابن کمال پاشا نے آپ کو فقہاء کے چھٹے طبقے میں شمار کیا ہے جو روایات ضعیفہ کو قویہ سے تمیز کر سکتے ہیں بعض حضرات نے مجتہدین فی المذہب میں سے مانا ہے اور کہا ہے کہ جس طرح اجتہاد مطلق کا درجہ ائمہ اربعہ پر ختم ہو گیا ہے اسی طرح اجتہاد فی المذہب آپ پر ختم ہو گیا ہے، قائل مذکور نے اس پر تفریع کرتے ہوئے یہ بھی کہا ہے کہ امت پر ان میں سے کسی ایک کی تقلید واجب ہے۔ علامہ بحر العلوم نے شرح تحریر الاصول اور شرح مسلم الثبوت میں اس قول کو رد کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ ہرگز قابل اعتناء نہیں بلکہ یہ قول بلا شک و ریب رجماً بالغیب ہے۔

امام نسفی کے علمی کارنامے

امام نسفی بڑے بلند پایہ مصنفین میں سے ہیں بالخصوص متن نگاری تو انکی کلاہ افتخار کا طرۂ امتیاز ہے فروع میں متن [۱] وافی اور اس کی شرح [۲] کافی فقہ میں مشہور متن کنز الدقائق [۳]، اصول میں متداول و مقبول متن [۴] المنار اور اسکی شرح کشف الاسرار [۵]، مصفی [۶] شرح منظومہ نسفیہ، مستصفی [۷] شرح فقہ نافع، اعتماد [۸] شرح عمدہ، [۹] مدارک التنزیل وغیرہ آپکی علمی یادگار ہے۔

صاحب کشف الظنون نے شروح ہدایہ کے ذیل میں امام نسفی کی شرح ہدایہ کا بھی تذکرہ کیا ہے لیکن طبقات تقی الدین میں بخط ابن شحنہ مرقوم ہے کہ ''ان کی کوئی شرح ہدایہ معروف نہیں ہے'' علامہ اتقانی نے ''غایۃ البیان'' میں ذکر کیا ہے کہ امام نسفی نے چاہا تھا کہ ہدایہ کی شرح لکھوں لیکن جب ان کے ہم عصر عالم تاج الشریعہ نے یہ سنا اور فرمایا کہ ان کے لئے یہ زیبا نہیں تو امام نسفی نے اپنے اس ارادہ کو ختم کر دیا اور

ہدایہ کے مثل ایک کتاب تصنیف کی جس کا نام وافی ہے پھر اس کی شرح کی جس کا نام کافی ہے فکانہ شرح ہدایہ۔

کنز الدقائق کی جامعیت

بظاہر کنز وغیرہ متون کی کتابیں جو آجکل موٹے موٹے حروف اور طویل الذیل حواشی کیساتھ چھپی ہوئی ہیں دیکھنے والوں کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاید یہ کوئی بڑی کتاب ہے لیکن جن حروف میں آجکل اخبارات و جرائد یومیہ وغیرہ شائع ہوتے ہیں ان ہی حروف میں مثلاً کنز کو اگر لکھا جائے تو بلا مبالغہ کسی معمولی سی نوٹ بک میں پوری کتاب آسکتی ہے ان متون کی نوعیت میرے خیال میں ان یادداشتوں کی سی ہے جو لیکچر وغیرہ دینے کے لئے نوٹ کر لیتے ہیں اسلاف نے اسکی عجیب مشق بہم پہنچائی تھی، دس دس صفحات میں جس کی تفصیل آسکتی ہے اسی مضمون کو وہ سطر دو سطر میں اس طرح بند کر سکتے تھے کہ سارے مفصل مضمون پر وہ عبارت حاوی ہو سکتی تھی یہ ایک کمال تھا جسے اب نقص ٹھہرایا گیا ہے قضاء وافتاء کے کام کرنیوالے حضرات ان یادداشتوں کو زبانی یاد کر لیتے تھے نتیجہ یہ تھا کہ سارے ابواب اور مضمون کے عنوان انہیں محفوظ رہتے تھے۔

کنز الدقائق اور اس کی شروحات

یوں تو متن مذکور اپنی جامعیت اور ترتیب و تہذیب کے ساتھ ساتھ حسن اختصار کی وجہ سے یوم تصنیف سے لیکر آج تک ہمیشہ ہی ارباب قلم کا منظور نظر رہا ہے اور مختلف اہل علم حضرات: یلعی، عینی، حلبی، مقدسی، کرمانی وغیرہ نے اس پر قلم اٹھایا ہے۔ اور بیسیوں شروحات معرض وجود میں آچکی ہیں جن کی فہرست آخر میں درج ہے لیکن علامہ ابن نجیم مصری کی شرح، البحر الرائق، کشف مغلقات، توضیح معضلات اور تشریحات اور تفریعات میں اپنی نظیر آپ ہے ولنعم ما قال المنصور السلبسی

علی الکنز فی الفقه الشروح کثیرة	بحار تفید الطالبین لآلیا
ولکن بهذا البحر صارت سواقیا	ومن ورد البحر استقل السواقیا

مسامحات کنز

(۱) وغسل فمه وانفه بمیاه

الخ ص ۱/ ۹/ ۷ اسکے لحاظ سے وافی کی عبارت "غسل فمه بمیاه وانفه بمیاه" بہتر ہے کیونکہ مضمضہ واستنشاق ہر دو کے لئے نیا پانی لینے پر دال ہے۔ (بحر ص ۱/ ۲۲)

(۲) ویتوضؤ بماء السماء

الخ ص ۱/ ۱۸ اس کے بجائے یتطہر بہتر تھا تا کہ غسل جنابت وغیرہ کو بھی شامل ہو جاتا ہے۔ (حاشیہ اعزازیہ ص ۱۱)

(۳) یتطہر البدن

الخ ص ۱/ ۱۱۲ اسکے بجائے المتنجس بہتر تھا کہ ہر شئے نجس کو شامل ہو جاتا۔ (حاشیہ اعزازیہ ص ۲۳)

(۴) والقومة

الخ ص ۱/ ۱۳۰ الرفع منه، کے بعد "القومة" زائد ہے۔ کیونکہ رکوع سے اٹھنا ہی قومہ ہے۔ (بحر ص ۱/ ۳۲۱)

(۵) وعد الآی والتسبیح

انخ ص ۱/۱۵۲ ظاہر الروایہ کے لحاظ سے نماز میں آیتیں شمار کرنا مکروہ ہے صاحبین سے ایک روایت ہے کہ مکروہ نہیں مگر یہ اختلاف اس وقت ہے جب ہاتھ یا دھاگے وغیرہ کے ذریعہ سے ہو۔ اور اگر دل ہی دل میں شمار کرے تو بالاتفاق مکروہ نہیں۔ پس بالید یا بخیط وغیرہ کی ساتھ مقید کرنا ضروری ہے۔ (فتح وعنایہ ص ۱/۲۹۶)

(۶) والخطبۃ قبلہا

انخ ص ۱/۱۷۲ ای قبل صلوۃ الجمعۃ ، ولوقال" فیہ، ای فی وقت الظهر لکان اولی لانہ شرط حتی اوخطب قبلہ وصلی فیہ لم تصح (بحر ص ۲/۱۵۸)

(۷) وکرہ للمعذ ورو المسجون اداء الظہر بجماعۃ

انخ ص ۱/۱۷۴ للمعذور والمسجون کو حذف کر دینا بہتر تھا کیونکہ جمعہ کے روز ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنا علی الاطلاق مکروہ ہے۔ (بحر ص ۲/۱۶۶)

(۸) وصومہ احب

انخ ص ۱/۲۲۴ لوقال" وصومهما احب ان لم یعرهما" لکان اولی لشمولہ (بحر ص ۲/۳۰۴)

(۹) وکرہ تاخیرہ عن ایام النحر

انخ ص ۱/۲۴۸ لوقال وکرہ تاخیر هما" لکان اولی لیفید حکم الحلق کا لطواف (بحر ص ۲/۳۷۴)

(۱۰) غیر انہا تکشف وجہہا لا راسہا

انخ ص ۱/۲۴۹ کان الاولی ان یقول"غیر انہالاتکشف راسہا' ولایذکرالوجہ لانہالاتخالف الرجل فی الوجہ وانما تخالفہ فی الراس فیکون فی ذکرہ تطویل (بحر ص)

(۱۱) ولایشعر

انخ ص ۱/۲۵۴ علی الاطلاق اشعار کی نفی کرنا مناسب نہیں۔

(۱۲) ولاقران لمکی ولاتمتع

انخ ص ۱/۲۵۴ علی الاطلاق تمتع وقران کی نفی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اہل مکہ سے تمتع وقران صحیح نہیں حالانکہ اختلاف حلت میں ہے نہ کہ صحت میں۔

(۱۳) باب الحج عن الغیر

انخ ص ۱/۲۷۰ لفظ غیر پر الف لام داخل کرنا از روئے سماع غیر مستند ہے کیونکہ لفظ غیر بلزوم الاضافۃ ہوتا ہے فھو واقع علی غیر وجہ الصحۃ[۱] (مسہل، فتح، طحطاوی)

---

[۱] واجاب عنہ ابن العابدین فی ردالمحتار فارجع الیہ ۱۲

(۱۴) ویسقط المہر بقتل السید

الخ ص ۱/۲۹۸ سید کو مطلق رکھا ہے جو بالغ ونابالغ ہر دو کو شامل ہے حالانکہ اگر آقا نابالغ ہو تو راجح قول پر مہر ساقط نہیں ہوتا پس السید کیساتھ المکلف کی قید ضروری ہے۔ (غایۃ الاوطار ص ۲/۶۷، بحر ص ۳/۲۱۳، مجمع الانہر ص ۱/۳۶۶، درر ص ۱/۳۵۱)۔

(۱۵) لا بقتل الحرۃ نفسہا

الخ ص ۱/۲۹۸ یہ دو اعتبار سے محل گفتگو ہے اول یہ کہ یہاں الحرۃ کی قید ہے حالانکہ اگر باندی خود کو قتل کر لے تب بھی مہر ساقط نہیں ہوتا (ہو الصحیح کما فی الخانیۃ) دوم یہ کہ قتل کی نسبت حرۃ کی طرف کی ہے حالانکہ اگر حرہ کا کوئی وارث حرہ کو قتل کر دے تب بھی مہر ساقط نہیں ہوتا۔ (بحر ص ۳/۲۱۴، درر ص ۱/۳۵۱)

(۱۶) والمنکوحۃ تا الحیض للموت وغیرہ

الخ ص ۱/۳۶۰ ان کی عدت میں بھی وہی تفصیل ہے جو اس سے پہلے مذکور ہے مصنف نے سابق پر اعتماد کرتے ہوئے ذکر نہیں کی مگر ذکر کرنا بہتر تھا ایسے موقع پر اتنا اختصار کرنا درست نہیں جس سے مطلب ہی خبط ہو جائے۔

(۱۷) والمرئی منہا

الخ ص ۱/۳۶۰ اگر یہ قید نہ ہوتی تو کلام سب صورتوں کو شامل ہو جاتا۔ (بحر ص ۴/۱۵۶، غایۃ الاوطار ص ۲/۲۲۳)۔

(۱۸) الا بعذر

الخ ص ۱/۳۶۲ یہ استثناء سب کے بعد میں ہونا چاہئے تھا کیونکہ عذر کیوجہ سے سب چیزیں مباح ہیں۔

(۱۹) وصح التعریض

الخ ص ۱/۳۶۲ تعمیم صحیح نہیں کیونکہ مطلقہ سے تعریض بالاجماع جائز نہیں پس "معتدہ الوفات" کے ساتھ مقید کرنا ضروری تھا۔
(بحر ص ۴/۱۶۵، غایۃ الاوطار ص ۲/۲۳۰، مجمع الانہر ص ۱/۴۸، درر ص ۱/۴۰۴)

(۲۰) والمراہقۃ لاقل من تسعۃ

الخ اگر مراہقہ نو ماہ سے کم میں بچہ جنے تو ثبوت کے لئے تین شرطیں ہیں۔ (۱) مراہقہ مدخولہ ہو (۲) اس نے انقضاء عدت کا اقرار نہ کیا ہو (۳) اپنے حاملہ ہونیکا دعویٰ نہ کیا ہو مصنف نے ایک بھی شرط ذکر نہیں کی۔ ایسا اختصار کس کام کا جو مقصود میں خلل انداز ہو۔
(غایۃ الاوطار ص ۲/۲۳۵ وص ۳/۲۳۶، بحر ص ۴/۱۷۳)

(۲۱) ومحبوسۃ بدین

الخ ص ۱/۳۷۹ اگر بدین کی قید نہ ہوتی تو بہتر تھا کیونکہ اگر عورت قرض کیوجہ سے محبوس نہ ہو بلکہ ظلماً محبوس ہو تب بھی نفقہ واجب نہیں۔ کذا فی الذخیرۃ (در المنتقی ص ۱/۴۹۷، مجمع الانہر ص ۱/۴۹۷، بحر ص ۴/۱۹۷)۔

(۲۲) الا ان یاذن القاضی بالاستدانۃ

الخ ص ۱/۳۷۲ یہاں ایک قید ضروری ہے اور وہ یہ کہ حکم قرض ہو جانے کے بعد بالفعل قرض لے بھی لے۔ اگر بالفعل قرض نہ لیا اور اپنے پاس سے خرچ کیا تو رجوع کا حق نہ ہوگا۔ پس یہاں یوں کہنا چاہئے تھا "الا ان یستدین بامر قاضی"۔
(بحر ص ۴/۲۴۴، مجمع الانہر ص ۱/۵۱۲، غایۃ الاوطار ص ۲/۲۸۲)۔

(۲۳) ہو اثبات القوۃ

الخ ص ۱/۳۷۷ ۴ عتاق کی تعریف اثبات کیساتھ نامناسب ہے۔ کیونکہ عتق اور عتاق مصدر بمعنی وقوع حریت ہے اس لئے تعریف ثبوت قوت کیساتھ ہونی چاہئے ہاں جن نسخوں میں عنوان "کتاب الاعتاق" ہے ان کے لحاظ سے تعریف بجا ہے۔

(۲۴) والولد یتبع الام

الخ ص ۱/۳۷۷ ۳ لفظ ولد کے بجائے الحمل یا الجنین ہونا چاہئے کیونکہ ملک، حریت، رقیت وغیرہ اوصاف میں حمل تابع ہوتا ہے نہ کہ ولد یہاں تک کہ اگر ولادت کے بعد ماں کو آزاد کیا تو بچہ آزاد نہ ہوگا۔

(۲۵) من ملک ابنہ

الخ ۱/۳۷۲ ابن کی قید اتفاقی ہے نہ کہ احترازی کیونکہ ہر اس قریب کا یہی حکم ہے جو خریدنے سے آزاد ہو جائے پس اگر ابن کے بجائے قریبہ ہوتا تو بہتر تھا کہ کلام میں شمولیت آجاتی۔

(۲۶) انت حر بعد موت فلان

الخ ص ۱/۳۸۲ مصنف نے اس کو مدبر مقید کی صورتوں کیساتھ ذکر کیا ہے حالانکہ یہ مدبر نہیں نہ مطلق نہ مقید۔
(بحر ص ۴/۲۹۰، غایۃ الاوطار ص ۲/۳۱۸، مجمع الانہر ص ۱/۵۴۴)

(۲۷) ولو اسلمت ام ولد النصرانی

۳۸۴ اس میں دو خامیاں ہیں ایک یہ کہ عرض اسلام کی قید متروک ہے حالانکہ نصرانی کی ام ولد پر وجوب سعایت اسی صورت میں ہے کہ جب نصرانی اسلام قبول نہ کرے ورنہ وہ اسکی ام ولد ہے ہی دوسرے یہ کہ قیمت کو مطلق رکھا ہے۔ حالانکہ ثلث قیمت میں سعایت واجب ہے۔

(۲۸) من حرم ملکہ

الخ ص ۱/۳۸۸ اس کے بجائے من حرم شیئاً ہوتا تو بہتر تھا کیونکہ اعیان افعال، ملک ذاتی ملک غیر، حلال حرام سب کو شامل ہو جاتا۔

(۲۹) وریحہا موجود

الخ ص ۱/۴۱۶ ریحہا موجودۃ ہونا چاہئے کیونکہ ریح مونث سماعی ہے (غایت البیان، منح، باقانی)

(۳۰) وقتل اب مشرک

الخ ص ۱/۴۳۳ لو قال "وقتل اصلہ المشرک" لکان اولی لان ہذا الحکم لا یخص الاب (حاشیہ کنز نمبر ۱۴، ۱۸۴)

(۳۱) وحرم ردہم

الخ ص ۱/۴۳۶ کافر قیدیوں کو دار الحرب واپس کرنا یا تو بعوض ہوگا یا بلا عوض، اگر بالعوض ہو تو وہ فداء میں داخل ہے اور بلا عوض ہو تو وہ من میں داخل ہے۔ پس ردہم الی دار الحرب" کی ضرورت نہیں۔ (تامل)

(۳۲) ودینا

الخ ص ۱/۴۶۲ تصرفات میں مساوات کا ہونا دینی مساوات کو مستلزم ہے اس لئے لفظ دیناً بڑھانے کی ضرورت نہیں الا ان یقال انما صرح بما علم التزاما لمکان الاختلاف فیہ۔

(۳۳) لا اسہم

الخ ص ۲/۱۳ اسہام کی صورت میں بیع کا فاسد نہ ہونا اس وقت ہے جبکہ بائع نے گھر کے کل سہام بیان کر دیئے ہوں ورنہ بالاتفاق بیع فاسد ہے پس "وفسد بيع عشرة اذرع من مائة ذراع من دار لااسهم" ہونا چاہئے تھا لان اختصاره اداه الى الاجحاف۔

(۳۴) فان وطئها له ان يردها

الخ ص ۲/۲۰ زوجہ مذکورہ کو بلا قید ثیوبت ذکر کرنا صحیح نہیں۔ کیونکہ امام صاحب کے نزدیک واپسی کا جواز اس وقت ہے جب وہ ثیبہ ہو اگر باکرہ ہو تو امام صاحب کے نزدیک بھی واپس نہیں کر سکتا۔ لان الوطى ينقصها وليس له الرد بعد ما تعيب عنده۔

(۳۵) والا اخذ بشفعة

الخ ص ۲/۲۲ اس کے بجائے اگر طلب "الشفعه" "بها" کہتا تو بہتر تھا کیونکہ بیع طلب شفعہ ہی سے تمام ہو جاتی گو اس نے ابھی لیا نہ ہو۔ (کذا فی المعراج)

(۳۶) ولو شرط المشترى الخيار لغيره صح

الخ ص ۲/۲۲ اگر اسکے بجائے مصنف یوں کہتا "ولو شرط احد المتعاقدين الخيار الاجنبى صح" تو بہتر ہوتا۔ کیونکہ اجنبی کے لئے خیار کی شرط کرنا مشتری کیساتھ خاص نہیں بائع بھی شرط کر سکتا ہے وليخرج اشتراط احد هما الاخر فان قوله "لغيره" صادق بالبائع وليس بمراد۔

(۳۷) وداخل الدار الخ

الخ ص ۲/۲۶ مصنف نے رویت دار کے سلسلہ میں امام زفر کا قول اور رویت ثوب میں ائمہ ثلاثہ کا قول اختیار کیا ہے حالانکہ دونوں مسئلوں میں مختار قول امام زفر کا ہے فكان ينبغى له ان يختاره فى الثوب ايضا (بحر)

(۳۸) ومن اشترى ما راى خير ان تغير والالا

الخ ص ۲/۲۶ اسکے بجائے یوں کہنا چاہئے تھا "ومن اشترى ما رأى فلا خيار له الا اذا تغير" کیونکہ دیکھی ہوئی چیز خریدنے میں اصل عدم خیار ہے۔ (بحر ص ۳۶۶)

(۳۹) فى قدر المقبوض

الخ ص ۲/۳۰ اگر مصنف اس قید کو ذکر نہ کرتا تو بہتر تھا کیونکہ اختلاف مقدار مبیع میں ہو یا اسکی صفت میں یا تعیین میں بہر حال قابض ہی کا قول معتبر ہوتا ہے۔

(۴۰) لا المزروع

الخ ص ۲/۴۹ علی الاطلاق حرمت تصرف کی نفی کرنا صحیح نہیں اسواسطے کہ مبیع مزروع میں پیائش سے قبل تصرف کا جائز ہونا اس وقت ہے جب ہر گز کا نرخ جدا جدا بیان نہ کیا ہو ورنہ جائز نہیں۔ (زیلعی)

۱: ای بدار فیہا خیار الشرط ۱۲

(۴۱) لو مالحا

ا لخ ص ۲/۶۳ ملیح اور مملوح نمک آلود مچھلی کو کہتے ہیں اس کے لئے سمک مالح بھی بولتے ہیں مگر یہ غیر فصیح اور ردی لغت ہے۔ فی المغرب سمک ملیح ومملوح وھو القدید الذی فیہ الملح ولا یقال مالح الا فی لغۃ ردیئۃ۔ (بحر ۱۷۲/۶)

(۴۲) وبلا قبول الطالب

الخ ص ۲/۸۶ بالخصوص طالب کو مجلس عقد میں کفالت قبول کرنا کفالہ کے نافذ ہونے کے لئے شرط ہے اور مجلس ایجاب میں اصل قبول کا ہونا۔ شرط صحت ہے فلو حذف " الطالب " لکان اولی کما فعل فی الاصلاح ونبہ علیہ فی الایضاح۔
(بحر ص ۲۵۲/۶، مجمع ص ۱۳۷/۲)

(۴۳) اذا کان المقطوع

الخ ص ۲/۱۱۴ اس قید کی ضرورت نہیں کیونکہ اگر مقریوں کہے کہ اخذ مال یا قطع ید کا تحقق قبل از تقلید یا قاضی کے معزول ہونے کے بعد ہوا ہے تب بھی بقول صحیح قاضی ہی کا قول معتبر ہے۔
(ہدایہ ص ۱۳۷/۲، بحر ص ۵۹/۷، مجمع الانہر ص ۱۸۴/۲، غایۃ الاوطار ص ۲۶۸/۳)۔

(۴۴) وتعدیل الخصم لا یصح

الخ ص ۲/۱۱۸ اگر مدعا علیہ ان لوگوں میں سے ہو جن کی طرف تعدیل میں رجوع ہوتا ہے تو اسکی تعدیل صحیح ہے بزازیہ وغیرہ میں اسکی تصریح موجود ہے فکان ینبغی للمصنف ان یقیدہ بقولہ وتعدیل الخصم الذی لم یرجع الیہ فی التعدیل لا یصح کما قیدہ بہ صاحب المنح والتنویر۔ (مجمع الانہر ص ۱۹۰/۲)

(۴۵) مالم یشھد علیہ

الخ ص ۲/۱۱۸ لو قال مالم یشھد علیھا کما فی الھدایہ وغیرھا لکان اولی لمافی الخزانۃ لوقال اشھد علی بکذا اوشھد علی ماشھدت کان باطلا ولابدا ن یقول اشھد علی شھادتی" (بحر ص ۷۸/۷)۔

(۴۶) ادعی دارًا ارثًا

الخ ص ۱/۱۲۹ مصنف نے ارث کو ملک مقید کی مثال میں ذکر کیا حالانکہ ارث بقول مشہور ملک مطلق کی مانند ہے صاحب بحر نے فتح القدیر سے یہی نقل کیا ہے اور اسی پر بزازیہ اور خلاصہ میں جزم ویقین ہے (بحر ص ۱۱۶/۷، غایۃ الاوطار ص ۳۱۰/۲)۔

(۴۷) منذ شہر

الخ ص ۲/۱۳۱ اگر شاہدین نے زندہ شخص کے قبضہ یا اسکے تصرف کی گواہی دی تو گواہی مقبول نہیں خواہ انہوں نے یہ کہا ہو کہ ایک مہینہ یا ایک سال سے قبضہ تھا یا نہ کہا ہو پس منذ شہر کی قید نہ ہوتی تو بہتر تھا۔ (غایۃ الاوطار ص ۳۱۴/۳، بحر ص ۱۳۷/۷)

(۴۸) ولم یضمنا فی البیع

الخ ص ۲/۱۳۹ اسکے بجائے ولم یضمنا البیع والشراء الا ما نقص اوزاد" بہتر تھا کیونکہ اس میں وہ صورت بھی داخل ہوجاتی جس میں مشہود علیہ مشتری ہو کیونکہ اس صورت میں شہود پر اس قدر کا ضمان آئے گا جو قیمت سے زائد ہو۔ (بحر ص ۱۴۶/۷)

(۴۹) بکل مایعتقدہ بنفسہ

الخ ص۲/۱۴۲ اسکے بجائے "بکل مایباشرہ" بہتر تھا کہ عقد وغیرہ عقد (خصومت) سب کو شامل ہو جاتا فکان مستغنیاً عن افراد بعض الاشیاء (بحرص ۷/۱۰۷)

(۵۰) صح ان سمی ثمناً

الخ ص۲/۱۴۴ الو قال" ان بین نو عاً اوسمی ثمناً کان اولی لان الو کالۃ صحیحۃ ببیان النوع کعبد رومی حبشی وان لم یسم الثمن (بحر ۷/۱۶۸)

(۵۱) ردہ علی الآمر

الخ ص۲/۱۵۱ الوقال" فھوردعلی الموکل " لکان اولی لان الوکیل لایحتاج الی خصومۃ مع الموکل الااذاکان عیبًا یحدث مثلہ (بحرص ۷/۱۸۷)

(۵۲) وردو دیعتہ

الخ ص۲/۱۸۲ الوقال وردعین لکان اولی فانہ لافرق بین ردالودیعۃ والعاریۃ والمغصوب والبیع فاسدًا کما صرح بہ فی الخلاصہ (بحرص ۷/۹۱۹۱)

(۵۳) لوورث عبداً

الخ ص۲/۱۶۵ اسکے بجائے یوں کہنا بہتر تھا "لوادعی علی الوارث عیناً اودینا کہ یہ میت پر دعویٰ دین کو بھی شامل ہو جاتا۔ (بحرص ۷/۳۲۶)

(۵۴) اختلفا فی قدر الثمن

الخ ص۲/۱۶۷ الفظ قدر کو حذف کر دینا بہتر تھا کیونکہ جو حکم مقدار ثمن کے اختلاف میں ہے وہی حکم وصف وجنس کے اختلاف میں ہے کمافی الہدایہ۔ (بحرص ۷/۲۳۹، مجمع الانہر ص۲/۲۶۲)

(۵۵) ولم یرضیا

الخ ص۲/۱۶۷ اسکے بجائے یوں ہونا چاہئے تھا "ولم یرض واحد منھما بدعوی صاحبہ" کیونکہ تحالف کے لئے کسی ایک کی عدم رضا شرط ہے نہ کہ دونوں کی۔ (بحرص ۷/۲۳۹، مجمع ص۲/۲۶۳)

(۵۶) بمازاد علی قیمتہ

الخ ص۲/۱۹۸ قیمت سے زائد پر امام صاحب کے نزدیک صلح کا جائز ہونا اس وقت ہے جب قاضی نے قیمت دینے کا حکم نہ کیا ہو اس سے پہلے ہی صلح ہوگئی ہو ورنہ بالاجماع صلح جائز نہیں پس بمازاد علی قیمتہ کو "قبل قضاء القاضی" کیساتھ مقید کرنا چاہیئے۔
(ہدایہ ص۲/۲۳۳، مجمع الانہر ص۲/۳۱۳)

(۵۷) الصلح عما استحق

الخ ص۲/۲۰۱ کنز کے اکثر نسخوں میں یہی ہے لیکن یہ سہو ہے صحیح یوں ہے "الصلح علی مااستحق"۔ (حاشیہ اعزازیہ ص۴)

(۵۸) صح علیہ

الخ ص۲/۲۰۱ یہ اس وقت ہے جب مدیون نے دائن سے مخفی طور پر کہا ہو اگر اس نے علی الاعلان کہا کہ جب تک تو مہلت نہ دے گا یا کچھ معاف نہ کرے گا اس وقت تک میں تیرے دین کا اقرار نہ کروں گا تو مال فی الحال لیا جائے گا پس یوں کہنا چاہئے تھا ومن قال لاخر سرّ الاقر

(ہدایہ ص ۲/ ۱۳۷، مجمع ص ۲/ ۳۱۷)

(۵۹) فلاجرہ بحسابہ

الخ ص ۲/ ۲۴۳ یہ اس وقت جب اجیر کو اہل وعیال کے عدد پہلے معلوم ہوں ورنہ پوری اجرت ملے گی جیسا کہ ہدایہ برہان، درر تبیین اور عینی وغیرہ میں مصرح ہے فلو قیدہ بقولہ لو کونوا معلومین والا فکلّہ" لکان اولی اور خلاصہ وقہستانی میں ہے کہ اگر اجیر کو انکی شمار معلوم نہ ہو تو اجارہ ہی فاسد ہو جائے گا (مجمع الانہر ص ۲/ ۳۷۴، بحر ص ۷/ ۳۳۰)۔

(۶۰) دفعاللفساد

الخ ص ۲/ ۲۴۴ الاولی ان یقول رفعًا لان الدفع قبل العحقق والثبوت والرفع بعده وهو المناسب ههنا۔ (طحاوی)

(۶۱) کتاب المکاتب

الخ ص ۲/ ۲۵۱ مکاتب کے بجائے کتابۃ ہونا چاہئے تھا کیونکہ فقہ میں مکلّف کے افعال سے بحث ہوتی ہے اور فعل کتابتہ ہے نہ کہ مکاتب الاان یجعل المکاتب مصدرا میمیًا کمافی البرجندی (درر المنتقی ص ۲/ ۴۰۵)

(۶۲) وعزم ان وطی

الخ ص ۲/ ۲۵۱ لوقال" فعزل " لکان اولی انه تفریع علی مابین من خروج المکاتب من یدالمولی (تکملہ)

(۶۳) فیبطل تحریرہ

الخ ص ۲/ ۶۷۸ لوقال "فیتوقف تحریرہ" لکان اولی لان غایة تصرف فضولی. (تکملہ بحر ص ۸/ ۱۰۰)

(۶۴) وحمل الدابة

الخ ص ۲/ ۲۸۱ اس کے بجائے "تحمیل الدابۃ" ہونا چاہئے کیونکہ حمل دونوں مفعولوں کی طرف متعدی بنفسہ نہیں ہوتا بلکہ ایک کی طرف متعدی بنفسہ ہوتا ہے اور دوسرے کی طرف بواسطہ جر تقول حملت المتاع علی الدابۃ پس حمل مصدر کی اضافت متاع کی طرف صحیح ہے نہ کہ دابتہ کی طرف۔ فتقول حمل المتاع ولا تقول حمل الدابۃ ہاں اگر حمل مضعف ہو تو دونوں مفعولوں کی طرف متعدی بنفسہ ہو جاتا ہے تقول حملت المتاع الدابۃ اس وقت اسکے مصدر کی اضافت دابہ کی طرف صحیح ہوتی ہے تقول تحمیل الدبۃ (تکملہ فتح القدیر ص ۷/ ۳۶۳)

(۶۵) ولو برہنا

الخ ص ۲/ ۳۰۵ یہ عبارت جامع صغیر کی ہے اور دعوی الملک جو اس سے پہلے مذکور ہے قدوری کی روایت ہے دونوں کا تعلق دعوی ملک مطلق سے ہے پس مسئلہ مکرر ہوا جو مختصر کی شان کے خلاف ہے (تکملہ بحر، عینی شرح کنز، مجمع الانہر)

(۶۶) وجنایۃ علیہما وعلی مالھما ہدر

الخ ص ۲/ ۳۶۸ اگر مرہون غلام راہن یا مرتہن پر جنایت کرے تو جنایت رائگاں ہوگی لیکن یہ اس وقت ہے جب جنایت موجب قصاص نہ ہو ورنہ قصاص لیا جائے گا پس غیر موجب قصاص ہونے کی قید کا ہونا ضروری تھا۔

(مجمع درر ص ۲/ ۲۰۸، تکملہ بحر ص ۸/ ۱۷۲، غایہ ص ۴/ ۲۹۹، عنایہ ص ۸/ ۲۳۳)

فہرست شروحات وحواشی کتاب کنز الدقائق

۱۔البحر الرائق فی شرح کنز الدقائق	زین العابدین ابن ابراہیم بن محمد بن محمد بن بکر المعروف بابن نجیم المصری	۹۷۰ھ
۲۔تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق	فخر الدین ابو محمد عثمان بن علی الزیلعی	۷۴۳ھ
۳۔رمز الحقائق شرح کنز الدقائق	قاضی بدر الدین عینی	۸۵۵ھ
۴۔المطلب الفائق کنز الدقائق	علامہ بدرلدین محمد بن عبد الرحمٰن العیسی الدبدیری	
۵۔النہر الفائق شرح کنز الدقائق	سراج الدین عمر بن ابراہیم بن محمد بن محمد بن بکر	
۶۔المستخلص	ابراہیم بن محمد القاری الحنفی	
۷۔الفرائد فی حل المسائل والقواعد	مصطفٰی بن بالی المعروف ببالی زادہ	
۸۔ فتح مسالک الرمز فی شرح مناسک الکنز	عبد الرحمٰن عیسی العمری	
۹۔شرح کنز الدقائق	معین الدین الہروی المعروف بملا مسکین	
۱۰۔شرح کنز الدقائق	قاضی عبد البر بن محمد المعروف بابن الشحنہ الحلبی	۹۲۱ھ
۱۱۔شرح کنز الدقائق	الخطاب بن ابی القاسم القرہ حصاری	۷۳۰ھ
۱۲۔شرح کنز الدقائق	شمس الدین محمد بن علی القوج حصاری	
۱۳۔شرح کنز الدقائق	قاضی زین الدین عبد الرحیم بن محمود العینی	۸۶۴ھ
۱۴۔شرح کنز الدقائق	علی بن محمد الشہیر بابن غانم القدسی	۱۰۰۴ھ
۱۵۔شرح کنز الدقائق	شیخ قوام الدین ابو الفتوح مسعود بن ابراہیم الکرمانی	۷۴۸ھ
۱۶۔شرح کنز الدقائق	ابن سلطان قطب الدین ابو عبد اللہ محمد بن محمد بن عمر الصالحی	۹۸۷ھ
۱۷۔شرح کنز الدقائق	ابو حامد محمد بن احمد بن الضیاء المکی	۸۵۸ھ
۱۸۔حاشیہ کنز الدقائق	شیخ الادب مولانا محمد اعزاز علی بن محمد مزاج علی	۱۳۷۴ھ
۱۹حاشیہ کنز الدقائق	مولانا محمد احسن الصدیقی النانوتوی	۱۳۱۲ھ
۲۰۔احسن المسائل ترجمہ اردو کنز	مولانا محمد احسن الصدیقی النانوتوی	

صاحب کنز کی تاریخ وفات

امام نسفی کی تاریخ وفات میں شدید اختلاف ہے، شیخ قوام الدین اتقانی اور ملا علی قاری نے ۷۱۰ھ ذکر کی ہے۔ اور بعض حضرات نے ۷۰۱ھ علامہ قاسم بن قطلوبغا نے اپنے رسالہ "الامل فی بیان الوصل والفصل" میں ۷۱۰ھ کے بعد مانی ہے۔ شیخ حموی نے اپنی شرح میں ذکر کیا ہے کہ انکی وفات ماہ ربیع الاول ۷۱۱ھ میں جمعہ کی شب میں ہوتی ہے۔ علامہ اتقانی نے جائے وفات شہر "ایذج" بتایا ہے اور جائے دفن "الجلال" واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

تَمَّتِ المقدَّمَۃُ فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ وَالمِنَّۃ

محمد حنیف گنگوہی غفر لہ ولوالدیہ

فہرست مضامین کتاب معدن الحقائق شرح اردو کنز الدقائق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَعَزَّ الْعِلْمَ فِی الْاَعْصَارِ وَ اَعْلٰی حِزْبَهٗ وَ الْاَنْصَارِ

تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے عزت بخشی ہے علم دین کو ہر زمانہ میں اور رتبہ بلند کیا ہے گروہ اہل علم کا اور اس کے مددگاروں کا۔

قوله...... بسم الله الخ ماتن نے آغاز کتاب تسمیہ وتحمید ہر دو کیساتھ کیا ہے جس میں اقتداءِ قرآن کے ساتھ ساتھ اتباع حدیث بھی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے" کل امر ذی بال" اہ جس کام کی ابتداء بسم اللہ (اور ایک روایت میں ہے کہ (الحمدللہ) سے نہ کی گئی ہو وہ بے برکت ہوتا ہے، مدنی ابن مسعود، رہاوی نسائی، ابوداؤد، خطیب بغدادی نے روایت کی تخریج اور ابن ماجہ ابن حبان، ابن صلاح، ابوعوانہ وغیرہ محدثین نے اس کی تصحیح کی ہے اس لئے علماء کے نزدیک یہ معمول بہا ہے۔

قوله...... الحمد لله الخ حمد کے معنی ہیں ممدوح کی اختیاری خوبیوں کو زبان سے بیان کرنا خواہ نعمت کے مقابلہ میں ہو یا غیر نعمت کے اس میں الف لام جنس کے لئے بھی ہوسکتا ہے یعنی ماہیت وحقیقت حمد اللہ کیساتھ خاص ہے اور عہد کے لئے بھی ہوسکتا ہے یعنی وہ حمد جو اللہ نے اپنی ذات صفات کی کی ہے فی الحدیث"انت کما اثنیت علی نفسک" اور استغراق کے لئے بھی ہوسکتا ہے یعنی تمام محامد اللہ کیساتھ مختص ہیں بلاواسطہ ہوں یا بالواسطہ، صاحب کشاف نے پہلی صورت اختیار کی ہے کیونکہ مصادر پر داخل ہونے والے الف لام میں اصل جنسیت ہی ہے (مطول) صاب مجمع نے دوسری صورت کو ترجیح دی ہے کیونکہ اصول میں یہ بات طے شدہ ہے کہ عہد استغراق پر مقدم ہے، جمہور نے تیسری صورت کو پسند کیا ہے بہر سہ تقدیر عبارت اختصاص حمد پر دال ہے۔ سوال لفظ حمد صفت پر دال ہے اور لفظ اللہ ذات پر اور ذات طبعاً مقدم ہے لہذا ذکراً بھی مقدم کرنا چاہئے۔ جواب حمد کی تقدیم اہتمام مقام کی وجہ سے ہے کہ مقام مقام حمد ہے اور بلاغت مقتضی مقام کی رعایت ہی کا نام ہے۔

سوال تقدیم ظرف کی صورت مفید اختصاص ہے۔ جواب صاحب کشاف وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ الحمد للہ میں بھی اختصاص پر دلالت ہے۔ لفظ اللہ ذات واجب الوجود کا علم ہے اصل میں الہٰ تھا بمعنی مالوہ (معبود) جیسے کتاب بمعنی مکتوب (والتفصیل فی شرحنا نیل الامانی)

قوله...... اعز العلم الخ اس سے علم شرائع یعنی علم فقہ مراد ہے کیونکہ مقصود بالتالیف علم فقہ ہی ہے اور اعزاز علم سے مراد ہر عاقل کے قلب میں علم فقہ کی عظمت ووقعت پیدا کرنا ہے۔ اعصار عصر کی جمع ہے بمعنی زمانہ۔ اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ فعل مفتوح الفاء صحیح و ساکن العین کی جمع افعال کے وزن پر شاذ ہے۔ قیاس کی رو سے افعل کے وزن پر ہونی چاہئے۔ قال ابن مالک الفعل اسما صح عینا افعل" پھر مصنف نے اس کو کیوں اختیار کیا؟ جواب: جب جمع قلت محلی بلام استغراق ہو تو وہ جمع کثرت کے مساوی ہوتی ہے۔ (ذکرہ الحموی)

قوله...... واعلیٰ حزبه الخ اعلیٰ باب افعال کی ماضی ہے بلند کرنا۔ حزب: اصل میں قطعۂ شئی کو کہتے ہیں یہاں جماعت و گروہ مراد ہے ضمیر مجرور علم کی طرف راجع ہے۔ انصار خلاف قیاس ناصر کی جمع ہے۔ اس کی جمع فواعل کے وزن پر آنی چاہئے جیسے فارس و فوارس (وقد حققناہ فی نیل الامانی) شیخ حموی فرماتے ہیں کہ اس کو نصیر کی جمع ماننا بہتر ہے کیونکہ یہ یا تو صفت مشبہ ہے جو مقتضی ثبوت ہے یا صیغہ مبالغہ ہے جو مفید معنی کثرت ہے اور ناصران دونوں سے خالی ہے جملہ" واعلیٰ حزبہ اہ" میں آیت" یرفع الله الذین امنوا منکم والذین اوتوا العلم درجات کی طرف اشارہ ہے۔

وَالصَّلٰوةُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْمُخْتَصِّ بِهٰذَاالْفَضْلِ الْعَظِيْمِ وَعَلٰی اٰلِهِ الَّذِيْنَ فَازُوْامِنْهُ بِحَظٍّ جَسِيْمٍ

اور رحمت کاملہ نازل ہو اللہ کے رسول ﷺ پر جو مخصوص ہیں اس فضل عظیم کیساتھ اور آپ کی آل پر جو کامیاب ہوئی ہے اس کے بڑے حصہ کیساتھ

قوله...... والصلوة الخ اسکی نسبت جب اللہ کی طرف ہو تو بمعنی رحمت اور جب ملائکہ کی طرف ہو تو بمعنی استغفار اور جب مومنین کی طرف ہو تو بمعنی دعا ہوتا ہے گویا رحمت، استغفار، دعا ہر سہ صلوٰۃ کے افراد ہیں پس یہ معنی مشترک فیہ (تعظیم) کے لئے ہے نہ یہ کہ باوضاع متعددہ معانی متغایرہ کے لئے موضوع ہے۔ حاصل یہ ہے کہ لفظ صلوٰۃ مشترک معنوی ہے جیسے حیوان نہ کہ مشترک لفظی جیسے لفظ عین پس آیت ''ان اللّٰه و ملائكته اه'' پر جو یہ اشکال کیا جاتا ہے کہ اس میں مشترک لفظ کو باستعمال واحد اس کے دونوں معنی میں استعمال کیا گیا ہے یہ اشکال ختم ہو گیا۔

تنبیہ:...... ماتن نے صلوٰۃ کیساتھ سلام کو ذکر نہیں کیا۔ اس سے یہ بتانا ہے کہ ترک سلام مکروہ نہیں جیسا کہ بعض علماء کا خیال ہے اور بتقدیر تسلیم کراہت کا تعلق تلفظ سے ہے نہ کہ خط و کتابت سے و لعله اتی بهما تلفظا و اکتفیٰ بالصلوة کتابة

قوله...... علی رسوله الخ مشہور یہ ہے کہ رسول اور نبی میں عام خاص مطلق کی نسبت ہے یعنی ہر رسول نبی ہوتا ہے نہ کہ اس کا عکس لیکن تحقیق یہ ہے کہ نبی اور رسول میں عموم و خصوص من وجہ ہے، رسول کے لئے صاحب کتاب و شریعت جدیدہ ہونا ضروری ہے، لہذا رسول خاص ہے مگر چونکہ فرشتوں اور انسانوں میں سے نبی غیر نبی پر رسول کا اطلاق ہوا ہے۔ اس لئے رسول عام ہے برخلاف نبی کے کہ وہ صرف صاحب وحی انسانوں پر بولا جاتا ہے۔ اس لئے وہ خاص ہے۔ البتہ صاحب کتاب و غیر صاحب کتاب دونوں پر بولا جاتا ہے اس لحاظ سے عام ہے۔

قوله و علیٰ...... الخ ماتن نے اہل بیت پر درود بھیجتے ہوئے لفظ علیٰ کو ذکر کر کے شیعہ پر رد کیا ہے جو اس کو ناجائز سمجھتے ہیں۔ اور حدیث ''من فصل بيني و بين آلي بعلي لم ينل شفاعتي'' کے یہ معنی لیتے ہیں کہ جو شخص میرے اور میری آل کے درمیان لفظ علیٰ سے فصل کریگا، وہ شفاعت سے محروم رہے گا۔ رد کی وجہ یہ ہے کہ اول تو یہ حدیث موضوع ہے اور بتقدیر صحت اس کے معنی یہ ہیں کہ جو شخص آپ کے اور آپ کی آل کے درمیان حضرت علی کے ذریعہ فصل کرے گا اور ان کو نہ مانیگا وہ شفاعت سے محروم رہے گا۔

قوله...... اٰله الخ آل کی اصل اہل ہے ہاء کو ہمزہ سے بدلکر ہمزہ ثانیہ کو اجتماع ہمزتین کی بنا پر الف سے بدل دیا۔ سوال ہاء کو ہمزہ سے بدلنا صحیح نہیں۔ کیونکہ قلب و ابدال کا مقصد ثقیل کو خفیف کی طرف منتقل کرنا ہوتا ہے اور یہاں اس کا عکس ہو گیا کیونکہ ہمزہ ہاء کی نسبت ثقیل تر ہے جواب: ہاء کو ہمزہ کی جانب منتقل کرنے سے مقصود بالذات ہمزہ ثقیلہ نہیں بلکہ خفیف مطلق یعنی الف کی طرف منتقل کرنے کے لئے وسیلہ بنانا اس واسطے کہ ہاء کو ابتداءً الف سے بدلنا معہود نہیں بخلاف ہمزہ کے کہ اس کا الف سے بدلنا معہود ہے جیسے اراق، ماء کہ اصل میں ہراق، ماہ تھے۔ آل کی اصل جو اہل قرار دی گئی ہے اسکی دلیل یہ ہے کہ اسکی تصغیر اہیل آتی ہے۔

سوال: اہیل تو خود آل پر موقوف ہے کیونکہ وہ اسکی تصغیر ہے اور مصغر مکبر کی فرع ہوتی ہے پس آل اہیل پر موقوف ہوا اور اہیل آل پر اور یہی دور ہے جواب دور اس وقت لازم آتا جب توقف کی جہت متحد ہوتی اور یہاں ایسا نہیں ہے کیونکہ مصغر کا مکبر پر موقوف ہونا وجود و تحقیق کے اعتبار سے ہے اور مکبر کا مصغر پر موقوف ہونا حروف اصلیہ کی معرفت کی جہت سے ہے۔ پھر لفظ آل گو اپنی اصل اہل کے اعتبار سے عام ہے۔ مگر استعمال کے اعتبار سے اس میں دو تخصیصیں پیدا ہو گئیں اول یہ اسکی اضافت غیر عاقل کی جانب نہیں ہوتی یعنی آل اسلام اور آل مصر نہیں کہا جاتا بلکہ اہل اسلام اور اہل مصر کہتے ہیں دوم یہ کہ عاقل کی جانب بھی اس وقت اضافت ہوتی ہے جب اس کے لئے کوئی شرافت ہو خواہ دینی و دنیوی دونوں ہوں جیسے آل نبی یا صرف دنیوی جیسے آل فرعون:

محمد حنیف گنگوہی

قَالَ مَوْلَانَا الْحِبْرُ النِّحْرِيْرُ مُحْرِزُ قَصَبَاتِ السَّبْقِ فِي التَّقْرِيْرِ وَ التَّحْرِيْرِ عَلَمُ الْهُدٰى

کہا ہے مولانا نے جوایک عالم ، پختہ کار ، تقریر و تحریر میں سبقت لیجانیوالے ، ہدایت کے علم بردار،

عَلَّامَةُ الْوَرٰى مَالِكُ اَزِمَّةِ الْفُتْيَا مُظْهِرُ كَلِمَاتِ اللّٰهِ الْعُلْيَا كَشَّافُ الْحَقَائِقِ

مخلوق میں نہایت واقف کار، فتاویٰ کی باگ ڈوروں کے مالک، باری تعالیٰ کے کلمات عالیہ کے ظاہر کرنے والے حقیقتوں کو خوب کھولنے والے،

مُبَيِّنُ الدَّقَائِقِ سُلْطَانُ عُلَمَاءِ الشَّرْقِ وَالصِّيْنِ حَافِظُ الْحَقِّ وَالْمِلَّةِ وَالدِّيْنِ شَمْسُ الْاِسْلَامِ وَالْمُسْلِمِيْنَ

باریکیوں کونمایاں کرنے والے ، مشرق ومغرب کے علماء کے سرتاج ، ملت ومذہب کے محافظ

وَارِثُ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ اَبُوالْبَرَكَاتِ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اَحْمَدَبْنَ مَحْمُوْدِ النَّسَفِيُّ

اور انبیاء ومرسلین کے وارث ہیں جن کی کنیت ابوالبرکات اور نام عبداللہ ہے احمد بن محمود کے بیٹے اورنسف کے رہنے والے ہیں،

مَتَّعَ اللّٰهُ الْمُقْتَبِسِيْنَ بِدَوَامِ بَقَائِهٖ لَمَّا رَأَيْتُ الْهِمَمَ مَائِلَةً اِلَى الْمُخْتَصَرَاتِ

استفادہ کا موقع نصیب فرمائے خداوند تعالیٰ مستفید ین کوآپ کی درازی عمر کیساتھ کہ جب دیکھیں میں نے ہمتیں مائل مختصرات کی طرف

وَالطَّبَائِعَ رَاغِبَةً عَنِ الْمُطَوَّلَاتِ اَرَدْتُّ اَنْ اُلَخِّصَ الْوَافِيَ بِذِكْرِ مَا عَمَّ وُقُوْعُهٗ

اور طبیعتیں اعراض کرنے والیاں مطولات سے توخلاصہ کرنا چاہا میں نے کتاب وافی کاان مسائل کوذکر کرنیکے ساتھ جن کاوقوع عام

وَكَثُرَ وُجُوْدُهٗ لِتَتَكَثَّرَ فَائِدَتُهٗ وَتَتَوَفَّرَ عَائِدَتُهٗ فَشَرَعْتُ فِيْهِ

اور وجود بکثرت ہوتاہے تاکہ اس کافائدہ بڑھے اور نفع زائد ہو، پس شروع کردی میں نے اس کی تلخیص

بَعْدَ الْتِمَاسِ طَائِفَةٍ مِّنْ اَعْيَانِ الْاَفَاضِلِ وَاَفَاضِلِ الْاَعْيَانِ الَّذِيْنَ هُمْ بِمَنْزِلَةِ الْاِنْسَانِ لِلْعَيْنِ وَالْعَيْنِ لِلْاِنْسَانِ

اصحاب فضل وکمال علماء کی ایک جماعت کی درخواست پر جوشل پتلی کے ہیں آنکھ کے لئے اور آنکھ کی مانند ہیں انسان کے لئے

مَعَ مَابِيْ مِنَ الْعَوَائِقِ وَسَمَّيْتُهٗ بِكَنْزِ الدَّقَائِقِ

ان موانع ومشاغل کے ہوتے ہوئے جن میں میں پھنسا ہواتھا اور نام رکھ دیا میں نے اس کا کنزالدقائق

وَهُوَ وَاِنْ خَلَا عَنِ الْعُوَيْصَاتِ وَ الْمُعْضَلَاتِ فَقَدْ تَحَلّٰى بِمَسَائِلِ الْفَتَاوٰى وَالْوَاقِعَاتِ

اور یہ گو مشکل ودشوار مسائل سے خالی ہے مگر واقعات اور مفتی بہا مسائل سے مزین ہے

مُعْلِمًا بِتِلْكَ الْعَلَامَاتِ وَزِيَادَةِ الطَّاءِ لِلْاِطْلَاقَاتِ

درانحالیکہ نشاندہی کرنے والاہوں ان علامات کیساتھ۔اور اشارہ کرنے والاہوں طاء کی زیادتی کیساتھ اطلاقات کی طرف

وَاللّٰهُ الْمُوَفِّقُ لِلْاِتْمَامِ وَالْمُيَسِّرُ لِلْاِخْتِتَامِ

اللہ ہی توفیق دینے والاہے پورا کرنے کی اور وہی سہل کرنے والاہے اس کے اختتام کو

قولہ......قال مولانا الخ یہاں سے بدوام بقاۂ تک عبارت ماتن کے بعض تلامذہ کی ہے اصل مسودہ میں بقول ملامسکین یہ عبارت تھی۔''قال العبد الضعيف الفقير الى الله الودود ابو البركات عبدالله بن احمد بن محمود النسفي غفر الله له ولوالديه واحسن اليهما واليه''الحبر صالح عالم،نحریر حاذق وماہرجمع نحاریر،محرز احراز سے اسم فاعل ہے جمع کرنا،قصبات جمع قصبہ اس چھوٹے سے تیر کو کہتے ہیں جودوڑ کے میدان کی آخری جانب میں اس لئے گاڑا جاتا ہے کہ جوآگے بڑھے وہ لیجائے علم کوہ طویل سردار قوم،ازمہ جمع زمام جس سے کوئی چیز باندھی جائے باگ،نکیل،لگام،فتیا فتویٰ جمع فتاویٰ،حافظ اصطلاح میں اسکو کہتے ہیں جس کا علم ایک

لاکھ احادیث کو محیط ہو پھر حجۃ کا درجہ ہے وہ شخص جو تین لاکھ احادیث کا عالم ہو، اسکے بعد حاکم جس کو جمیع احادیث مرویہ متناسنداً متناً جرحاً تعدیلاً تاویلاً تاریخاً ہر حیثیت سے محفوظ ہوں۔ ملت اور دین ذاتاً متحد ہیں اعتباراً مختلف، شریعت بایں حیثیت کہ اسکی اطاعت ہوتی ہے دین کہلاتی ہے اور بایں حیثیت کہ وہ سب کو جمع کر دیتی ہے ملت کہلاتی ہے اور بایں حیثیت کہ وہ ہماری طرف راجع ہے مذہب کہلاتی ہے (قالہ الجرجانی) یہ بھی کہا گیا ہے کہ دین منسوب الی اللہ ہوتا ہے اور ملت واضع شریعت کی طرف منسوب ہوتی ہے اور مذہب مجتہد کی طرف وارث الانبیاء یہ بلحاظ قول نبی صلعم ''العلماء ورثۃ الانبیاء'' ہے النسفی شہر نسف (بکسر سین) کی طرف منسوب ہے۔ بوقت نسبت سین کو مفتوح بولتے ہیں جیسے صدف میں صدفی فتح کیساتھ بولتے ہیں۔ لمارأیت قال مولانا کا مقولہ ہے، الہمم جمع ہمت قصد وارادہ۔ اردت لما کا جواب ہے۔ الوافی: مصنف کی ایک کتاب ہے۔ جو بترتیب عجیب و بترکیب غریب ہدایہ، قدوری، منظومہ، زیادات، واقعات، جامع صغیر جامع کبیر فتاوی وغیرہ کے مسائل کثیرہ پر مشتمل ہے کنز الدقائق اسی کا اختصار ہے، فشرعت میں فاء عاطفہ اردت پر معطوف ہے۔ اعیان جمع عین خیار شئی، افاضل جمع افضل اضافت بمعنی لام ہے اور ''اعیان الافاضل وافاضل الاعیان'' میں صنعت عکس وتبدیل ہے۔ انسان آنکھ کی پتلی، العوائق موانع خلا خلواً خالی ہونا، عویصات جمع عوائص دشوار کام، المعضلات: جمع معضلۃ۔ نہایت مشکل مسئلہ اس سے مراد جامع صغیر یا جامع کبیر کے مسائل ہیں۔ معلماً بسکون عین۔ اعلم الشئی علامت لگانا۔ بتلک۔ ان علامات کی طرف اشارہ ہے جو وافی میں مذکور ہیں اور اسامی ائمہ سے ماخوذ ہیں یعنی 'ح' امام ابو حنیفہ کے لئے 'س' امام ابو یوسف کے لئے 'م' امام محمد کے لئے 'ز' امام زفر کے لئے 'ک' امام مالک کے لئے 'ف' امام شافعی کے لئے، یہی علامتیں کنز میں مذکور ہیں۔ بجز آنکہ صرف 'ط' سے مسائل مطلقہ کی طرف اشارہ ہے اور یہ علامت وافی میں نہیں ہے۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

كتاب الطهارة

فَرْضُ	الوضوءِ	غَسْلُ	وجهه
وضو کے فرض	(یہ ہیں)	نمازی کو اپنا	منہ دھونا

فرائض وضو کا بیان

توضیح اللغۃ:...... کتاب الطہارۃ مبتدا محذوف کی خبر ہے ای ہذا کتاب الطہارۃ۔ یا منصوب ہے ای ہاک کتاب الطہارۃ اوخذہ کتاب: لغۃ مصدر ہے بمعنی حروف جمع کرنا، یا فعال بمعنی مفعول ہے جیسے لباس بمعنی ملبوس بہر دو تقدیر بمعنی مجموع ہے اور اصطلاحاً مسائل کے اس مجموعہ کو کہتے ہیں جس کو مستقل مان لیا گیا ہو خواہ وہ فی نفسہ مستقل ہو جیسے کتاب اللقطہ یا مابعد کا تابع ہو جیسے کتاب الطہارۃ طہارۃ بفتح طاء مصدر ہے بمعنی نظافت اور بضم طاء حصول طہارت کے بعد باقی ماندہ پانی اور بکسر طاء آلہ طہارت فرض وہ حکم شرعی جس کا ثبوت دلیل قطعی سے ہو اس کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) فرض اعتقادی جس کا منکر کافر اور تارک فاسق و مستحق عقاب ہوتا ہے۔ (۲) فرض عملی جس کے بغیر عمل درست نہ ہو جیسے وتر کہ فائت وتر کی نماز فجر صحیح نہیں جبکہ اس کو یاد ہو کہ میں نے وتر کی نماز ادا نہیں کی۔

تشریح الفقہ: قولہ کتاب الطہارۃ الخ ماتن نے دینی ارکان عبادات، معاملات، حدود وغیرہ میں سے سب سے پہلے عبادت کو ذکر کیا ہے کیونکہ عبودیت کے معنی عبادت ہی سے متحقق ہوتے ہیں پھر جملہ عبادتوں میں نماز کو مقدم کیا ہے کیونکہ نماز تمام عبادتوں میں اہم ہے۔ قال النبی صلعم "الصلوۃ عماد الدین" اھ نماز دین کا ستون ہے جس نے اس کو قائم رکھا اس نے اپنا دین قائم رکھا اور جس نے اسے منہدم کر دیا اس نے اپنے دین کو منہدم کر دیا۔ اسکے بعد نماز پر اس کی شرط کو مقدم کیا ہے کیونکہ بلا شرط مشروط کا تحقق نہیں ہوتا پھر شروط میں سے طہارۃ کو مقدم کیا ہے کیونکہ نماز کی کنجی طہارت ہے جس کے بغیر نماز کی حلت واباحت حاصل نہیں ہو سکتی، قال النبی صلعم . مفتاح الصلوۃ الطہور۔

قولہ...... فرض الوضوء الخ طہارت کی دو قسمیں ہیں۔ صغریٰ (وضو) کبریٰ (غسل) ماتن نے وضو کو غسل پر مقدم کیا ہے کیونکہ آیت وضو اور تعلیم جبرئیل میں وضو ہی مقدم ہے۔ نیز بمقابلہ غسل وضو کی احتیاج بھی زیادہ ہوتی ہے، فرائض وضو چار ہیں۔ چہرہ کا اور دونوں ہاتھوں کا کہنیوں سمیت اور دونوں پاؤں کا ٹخنوں سمیت ایک مرتبہ دھونا اور چوتھائی سر کا اور ڈاڑھی کا مسح کرنا۔

وَهُوَ	مِنْ	قُصَاصِ	شَعْرِهٖ	اِلٰی	اَسْفَلِ	ذَقْنِهٖ	وَاِلٰی	شَحْمَتَیِ الْاُذُن
...ہ پیشانی کے	بالوں سے				ٹھوڑی کے نیچے تک ہے (طول میں)		اور دونوں کانوں کی لوتک ہے	(عرض میں)

...یَدَیْهِ	بِمِرْفَقَیْهِ	وَرِجْلَیْهِ	بِکَعْبَیْهِ	وَمَسْحُ	رُبْعِ رَاْسِهٖ	وَلِحْیَتِهٖ
...ور دونوں ہاتھوں کو	کہنیوں سمیت	اور دونوں پاؤں کو	ٹخنوں سمیت (دھونا)	اور	چوتھائی سر	اور ڈاڑھی کا مسح کرنا

توضیح اللغۃ:...... قصاص۔ سر کے بال نکلنے کی منتہا آگے سے ہو یا پیچھے سے یا اطراف سے ذقن ٹھوڑی جمع اذقان۔ شحمۃ الاذن کان کی لو، مرفق کہنی۔، رجل پاؤں، کعب ابھری ہوئی ہڈی یعنی ٹخنا، مسح پانی کا تر ہاتھ پھیرنا لحیۃ ڈاڑھی۔

تشریح الفقہ:...... قولہ وہو من قصاص الخ چہرہ کی حد لمبائی میں سر کے بالوں کی آخری حد ٹھوڑی کے نیچے تک ہے۔ اور چوڑائی ...ں ایک کان کی لو سے دوسرے کان کی لوتک ہے۔ مصنف کی عبارت "وهو من قصاص اهـ" کئی اعتبار سے مخدوش ہے۔ (۱) لمبائی

میں چہرہ کی حد قصاص شعر سے ذکر کی ہے۔ حالانکہ اصل حد سطح پیشانی کے آغاز سے ہے۔(۲) الی شحمتی الاذن، کا عطف ''الی اسفل ذقنہ'' پر ہے لہذا یہ اس کے حکم میں داخل ہوگا اور معنی یہ ہونگے کہ لمبائی میں چہرہ کی حد قصاص شعر سے ہے یہاں تک کہ وہ منتہی ہو ٹھوڑی کے نیچے تک اور منتہی ہو کانوں کی لو تک حالانکہ ایسا نہیں ہے۔(۳) الی شحمتی الاذن کے بجائے الی شحمتی الاذنین کہنا چاہئے تھا کیونکہ ایک کان میں دو لو نہیں ہوتیں بلکہ ہر ایک کان میں ایک لو ہوتی ہے۔(۴) اس تعریف سے یہ لازم آتا ہے کہ آنکھ ناک منہ کے اندر کے حصہ کا دھونا ضروری ہو حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

(۱)...... کا جواب یہ ہے کہ تعریف باعتبار غالب ہے اور (۲) کا جواب یہ ہے کہ عبارت میں حذف ہے ای وحدہ أفی العرض الی شحمتی الاذن اور (۳) کا جواب یہ ہے کہ اذن اسم جنس ہے جو قلیل وکثیر سب کو شامل ہوتا ہے پس شحمۃ کی اضافت تقدیراً دونوں کانوں کی طرف ہے اور (۴) کا جواب یہ ہے کہ اشیاء مذکورہ کا دھونا دفع حرج کی وجہ سے ساقط ہو گیا نیز جو لوگ وجہ کی تعریف ما یواجہ بہ الانسان کے ساتھ کرتے ہیں ان کے ہاں اشیاء مذکورہ چہرہ میں داخل ہی نہیں۔

قولہ......ویدیہ بمر فقیہ الخ چہرہ کی حد بندی سے فراغت کے بعد ہاتھ پاؤں کی تحدید ہے جس کا بیان یہ ہے کہ آیت'' وایدیکم الی المرافق'' اھ میں ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ہاتھ پاؤں کے دھونے میں کہنیاں اور ٹخنے داخل ہیں اور امام زفر کے نزدیک خارج۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ جب کسی چیز کی انتہا بیان کی جاتی ہے تو اس میں خود انتہا داخل نہیں ہوتی جیسے در بارہ صوم حق تعالیٰ کا ارشاد ہے، اتموا الصیام الی اللیل اس میں غایت یعنی رات مغیا یعنی روزہ میں بالاتفاق داخل نہیں۔ اسی طرح یہاں بھی کہنیاں اور ٹخنے ہاتھ پاؤں کے حکم میں داخل نہیں ہونے چاہئیں۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دونوں غایتوں میں فرق ہے لہذا ایک دوسرے پر قیاس کرنا صحیح نہیں کیونکہ ہاتھ پاؤں کا اطلاق پورے اعضاء پر ہوتا ہے۔ اگر یہ حد نہ بتائی جاتی تو بظاہر تمام اعضاء ہی مراد ہوتے۔ اس لئے یہاں الی اسقاطِ غایت کے لئے نہیں بلکہ اسقاط ماوراء غایت کے لئے ہے یعنی کہنیاں اور ٹخنے حکم غسل میں داخل ہیں اور ان سے باہر کا حصہ خارج بخلاف روزہ کے کہ اس کا اطلاق ایک گھڑی کھانے پینے جماع سے رکنے پر بھی ہو سکتا ہے اس لئے وہاں الیٰ مدِ حکم کے لئے ہے نہ کہ اسقاط کے لئے یعنی روزہ کا حکم صبح سے کھینچ کر شام تک لانا ہے اور رات کو اس حکم سے خارج کرنا ہے۔

قولہ و مسح ربع الخ چوتھائی سر کے مسح کا ضروری ہونا حضرت مغیرہ بن شعبہ کی حدیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلعم ایک قوم کی کوڑی پر تشریف لائے اور پیشاب سے فراغت کے بعد وضو کرتے ہوئے بقدر پیشانی سر پر اور دونوں موزوں پر مسح کیا (مسلم ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، طحاوی، دار قطنی بیہقی، طبرانی، احمد) یہ حدیث بلا اختلاف صحیح اور امام شافعی پر حجت ہے جو تین بالوں کے مسح کو کافی سمجھتے ہیں اور امام مالک پر جو تمام سر کے مسح کو فرض کہتے ہیں۔

وَسُنَّتُهٗ غَسْلُ يَدَيْهِ اِلَى رُسْغَيْهِ ابْتِدَآءً كَالتَّسْمِيَةِ وَالسِّوَاكُ وَغَسْلُ فَمِهٖ وَاَنْفِهٖ بِمِيَاهٍ

اور وضو کی سنتیں اپنے دونوں ہاتھوں کو دھونا ہے پہنچوں تک ابتداء جیسے بسم اللہ کہنا اور مسواک کرنا، منہ دھونا (یعنی کلی کرنا) اور ناک میں پانی دینا تین بار

سنن وضو کا بیان

توضیح اللغۃ:......رسغیہ رسغ کا تثنیہ ہے، گٹا، پہنچا، تسمیہ بسم اللہ پڑھنا فم، منہ، انف ناک، میاہ جمع ماء، پانی۔

تشریح الفقہ:......قولہ وسنتہ الخ لغت میں سنت کے معنی مطلق طریقہ اور عادت کے ہیں۔ اصطلاح میں اس کی مختلف تعریفیں ہیں۔ مگر سب مخدوش ہیں، غایۃ البیان میں ہے کہ ''سنت وہ فعل ہے جس کے کرنے میں ثواب ہو اور نہ کرنے پر عقاب ہو۔ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ یہ نفس سنت کی تعریف نہیں بلکہ تعریف بالحکم ہے شرح نقایہ میں ہے کہ سنت وہ ہے جو حضور صلعم کے قول یا فعل سے ثابت ہو اور واجب یا مستحب نہ ہو، اس تعریف پر سنت مباح کو بھی شامل ہوئی حالانکہ سنت اور شئی ہے اور مباح اور صاحب عنایہ فرماتے

ہیں کہ سنت دین اسلام کے جاری طریق کو کہتے ہیں، یہ تعریف فرض وواجب کو شامل ہے، اسی لئے کشف میں "من غیر افتراض ولا وجوب" کی قید لگائی گئی ہے، بہرکیف سنت کی تقریباً ہر تعریف محل کلام ہے پس بہتر یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ "سنت دین اسلام کے اس جاری طریق کو کہتے ہیں جس پر حضور نے واجب کئے بغیر عمل کیا ہو اب اگر آپ کا یہ عمل بطریق ہیشگی ہوا ہو تو سنت مؤکدہ ہے اور اگر کبھی کبھی ترک کے ساتھ ہوا ہو تو غیر مؤکدہ ہے۔

قولہ غسل الخ وضو میں تیرہ سنتیں ہیں۔(۱) ابتداءِ وضو میں دونوں ہاتھوں کو پہنچوں تک دھونا کیونکہ ہاتھ آلہ طہارت ہے لہذا سنت کی ابتدا اسی کی پاکی سے ہونی چاہئے مصنف نے اس غسل کو استیقاظ من النوم کیساتھ مقید نہیں کیا کیونکہ یہ خواب سے بیدار ہونیوالے کیساتھ خاص نہیں بلکہ ہر وضو کرنیوالے کے لئے سنت ہے۔(۲) وضو کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا۔ کیونکہ حضور صلعم کا ارشاد ہے کہ "بسم اللہ کے بغیر وضو نہیں ہوتا" (منشاءِ حدیث نفی فضیلت ہے) مگر تسمیہ سے مراد خاص کر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں ہے بلکہ مطلق ذکر مراد ہے محیط میں ہے کہ اگر لا الہ الا اللہ یا الحمد للہ یا اشہد ان لا الہ الا اللہ" کہہ لیا جائے تو سنت ادا ہو جائیگی۔ البتہ دبوسی نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو اور اکمل وخبازی نے بسم اللہ العظیم والحمد للہ علی دین الاسلام" کو افضل کہا ہے پھر صاحب ہدایہ نے آغاز وضو میں تسمیہ کو مستحب مانا اور اسی کو اصح کہا ہے، علامہ عینی فرماتے ہیں کہ اس کو مستحب کہنا کسی طرح صحیح ہوسکتا ہے جبکہ اس کی سنیت پر احادیث کثیرہ شاہد ہیں۔ اگر ان کے معارض کوئی دوسری حدیث نہ ہوتی تو ان کا اقتضاء تو وجوب ہوتا جیسا کہ علماء کی ایک جماعت اس طرف گئی بھی ہے لہذا اس کو سنت ہی کہنا صحیح ہے۔

قولہ...... والسواک الخ (۳) مسواک کرنا کیونکہ حضور نے اسکو پابندی کیساتھ کیا ہے نیز آپکا ارشاد ہے کہ "اگر مجھے امت کی تکلیف کا خیال نہ ہوتا تو ہر وضو کے لئے مسواک کا حکم دیتا (نسائی، ابن خزیمہ، مالک عن ابی ہریرہ) پھر مسواک کے مسنون ہونے میں تین قول ہیں۔(۱) مسواک سنت وضو ہے اکثر احناف اسی کے قائل ہیں۔(۲) سنت نماز ہے شوافع اسی کے قائل ہیں۔(۳) سنت دین ہے امام اعظم سے یہی منقول ہے۔

فائدہ:...... احادیث میں مسواک کے بڑے فضائل ہیں حضورؐ نے فرمایا ہے کہ مسواک کر کے ایک نماز کا ثواب بغیر مسواک ستر نمازوں کے ثواب کے برابر ہے۔(احمد، ابن خزیمہ، حاکم، دارقطنی، ابونعیم عن عائشہ) مسواک منہ کو صاف کرنیوالی اور اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے۔(نسائی، احمد، تعلیق بخاری)

قولہ...... وغسل فمہ الخ (۴) منہ کو دھونا (۵) ناک کو دھونا ہر بار نئے پانی کیساتھ اس سے مراد کلی کرنا اور ناک میں پانی دینا ہے مصنف نے مضمضہ اور استنشاق کے بجائے "وغسل فمہ وانفہ" کہا ہے جس میں اختصار مطلوب ہے۔ علامہ عینی نے کہا ہے کہ لفظ غسل میں استیعاب کی طرف اشارہ ہے ابن نجیم فرماتے ہیں کہ یہ چیز تو مضمضہ میں بھی موجود ہے فانہا اصطلاحاً استیعاب الماء جمیع الفم، کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کے دو طریقے ہیں۔(۱) تین مرتبہ کلی ہر دفعہ نئے پانی کے ساتھ کرے پھر اسی طرح ناک میں پانی دے (طبرانی عن کعب بن عمرو یمانی) احناف کے ہاں یہی افضل ہے اور بروایت ابویعلی وترمذی امام شافعی بھی اسی کو افضل کہتے ہیں۔(۲) ہر چلو پانی سے ایک ساتھ مضمضہ اور استنشاق کرے، بروایت امام مزنی امام شافعی کے نزدیک یہی افضل ہے پس ہر دو طریق کی سنیت وعدم سنیت میں اختلاف نہیں بلکہ افضلیت وعدم افضلیت میں اختلاف ہے۔

وَتَخْلِيْلُ لِحْيَتِهٖ وَاَصَابِعِهٖ وَتَثْلِيْثُ الْغَسْلِ وَالنِّيَّةُ وَمَسْحُ كُلِّ رَاْسِهٖ مَرَّةً

اور ڈاڑھی کا اور انگلیوں کا خلال کرنا اور (ہر عضو کو) تین بار دھونا اور نیت کرنا اور پورے سر کا ایک بار مسح کرنا

وَاُذُنَيْهِ بِمَآئِهٖ وَالتَّرْتِيْبُ الْمَنْصُوْصُ عَلَيْهِ وَالْوِلَاءُ

اور (سر کے بچے ہوئے پانی سے) دونوں کانوں کا مسح کرنا اور ترتیب منصوص کی رعایت رکھنا اور لگاتار دھونا۔

تشریح الفقہ:......قولہ و تخلیل لحیتہ الخ (٦) ڈاڑھی کا خلال کرنا، امام ابو یوسف اور امام شافعی اور ایک روایت میں امام محمد کے نزدیک اور اسی کو اصح کہا گیا ہے کیونکہ سترہ صحابہ کی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم نے خلال پر مواظبت فرمائی ہے نیز ابوداؤد میں حضرت انس سے روایت ہے کہ جب آپ وضو فرمایا کرتے تو ایک چلو پانی سے ڈاڑھی کا خلال کرلیا کرتے اور فرماتے میرے رب نے مجھے ایسا ہی حکم دیا ہے امام اعظم نے اس کو مستحب مانا ہے۔

تنبیہ:......ابوداؤد کی روایت سے گو بظاہر وجوب معلوم ہوتا ہے اور سعید بن جبیر اور عبدالحکم مالکی اسی کے قائل بھی ہیں مگر چونکہ آیت وضو سے ظاہر لحیہ کا دھونا فرض ثابت ہوا ہے خلال کا ثبوت خبر واحد سے ہے اس سے وجوب ثابت کرنے میں زیادتی علی الکتاب لازم آتی ہے اس لئے سنت قرار دینا انسب ہے۔

قولہ و اصابعہ الخ (٧) انگلیوں کا خلال کرنا کیونکہ حضور نے ارشاد فرمایا ہے کہ "اپنی انگلیوں کا خلال کیا کرو تا کہ ان میں جہنم کی آگ داخل نہ ہونے پائے (دارقطنی عن ابی ہریرہ) ہاتھ کی انگلیوں کے خلال کا طریقہ یہ ہے کہ ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ میں پنجہ کے طریق سے ڈالے اور پاؤں کی انگلیوں کے خلال کا طریقہ یہ ہے کہ بائیں ہاتھ کی کن انگلی کو داہنے پاؤں کی چھنگلی میں اول ڈالے اور ترتیب وار تمام انگلیوں میں خلال کرتا چلا جائے تا آنکہ بائیں پاؤں کی چھنگلیا پر ختم کردے۔

قولہ و تثلیث الخ (٨) ہر عضو کو تین دفعہ دھونا کیونکہ حضور صلعم نے وضو میں ایک ایک دفعہ اعضا کو دھوکر فرمایا کہ یہ ایسا وضو ہے کہ اسکے بغیر اللہ تعالیٰ نماز قبول نہیں فرمائیں گے اور دو دو مرتبہ اعضا کو دھوکر فرمایا کہ "اس وضو پر اللہ تعالیٰ دہرا اجر عطا فرمائیں گے۔ اور تین تین مرتبہ دھوکر فرمایا کہ "یہ میرا وضو ہے اور مجھ سے پہلے انبیاء کا وضو ہے اس سے جو کم و بیش کریگا وہ ظلم و تعدی کا مرتکب ہوگا۔ (دارقطنی، بیہقی، ابن ماجہ، طبرانی عن ابن عمر، ابن ماجہ عن ابی بن کعب، دارقطنی عن زید بن ثابت وابی ہریرہ والزیادۃ فی الاخیر عند ابی داؤد والنسائی وابن ماجہ عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ)

فائدہ:......اعضاء مغسولہ کا ایک ایک بار دھونا تو فرض ہے اور دوسری مرتبہ دھونا سنت ہے اور تیسری مرتبہ دھونا اکمل وضو ہے بعض حضرات دوسری دفعہ کو سنت اور تیسری دفعہ کو نفل اور بعض حضرات اس کا عکس کہتے ہیں۔ شیخ ابوبکر اسکاف تینوں دفعہ دھونے کو فرض کہتے ہیں۔

قولہ و نیتہ الخ (٩) نیت کرنا۔ نیت کا اطلاق لغۃ دل کے پختہ ارادہ پر آتا ہے اور شرعاً کسی کام میں اللہ کی طاعت یا تقرب کا ارادہ کرنے کو کہتے ہیں اب وضو میں کاہے کی نیت کرے؟ سوتبیین میں ہے کہ جو عبادت بغیر طہارت درست نہ ہو اس کی نیت کرنا یا حدث دور کرنے کی نیت کرنا مراد ہے، فتح القدیر میں ہے کہ وضو میں رفع حدث کی نیت کرنی چاہئے۔ پھر احناف، سفیان ثوری اور اوزاعی، اور حسن کے نزدیک وضو میں نیت کرنا سنت ہے اور امام شافعی، مالک، احمد، ربیعہ زہری، لیث، اسحاق، ابوثور، ابوعبید، داؤد ظاہری کے نزدیک فرض ہے کیونکہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا ہے "انما الا عمال بالنیات" تمام اعمال کا مدار نیت پر ہے ہم یہ کہتے ہیں کہ وضو میں دو جہتیں ہیں ایک اس کا مستقل عبادت ہونا۔ دوسرے اس کا ذریعہ اور وسیلۂ نماز ہونا وضو بایں حیثیت کہ وہ عبادت ہے بلا نیت درست نہیں یعنی متوضی کو بلا نیت عبادتِ وضو کا ثواب حاصل نہ ہوگا لیکن نماز کا ذریعہ ہونا اس پر موقوف نہیں بلکہ طہارت بلا نیت بھی حاصل ہو جائیگی کیونکہ پانی بذاتہ پاک کرنیوالی چیز ہے ارادہ ہو یا نہ۔ والتفصیل فی المطولات۔

قولہ و مسح کل راسہ الخ (١٠) پورے سر کا ایک بار مسح کرنا۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ جس طرح اعضاءِ وضو کو تین نئے پانیوں سے دھونا سنت ہے اسی طرح سر کا مسح بھی تین مرتبہ نئے پانیوں سے سنت ہوگا گویا سر کے مسح کو دوسرے اعضاء کے دھونے پر قیاس کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ ممسوح کا قیاس ممسوح پر ہونا چاہئے نہ کہ مغسول پر امام شافعی کی نقلی دلیل حضرت عثمان کی حدیث ہے کہ انہوں نے تین بار سر کا مسح کیا اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح وضو کرتے ہوئے دیکھا ہے (مسلم، ابوداؤد) ہماری دلیل یہ ہے

کہ حضرت انس نے وضو میں تین تین دفعہ اعضا دھوئے اور سر کا مسح صرف ایک بار کیا۔ اور فرمایا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو ہے (معجم اوسط طبرانی) اسی طرح عبداللہ بن زید کی حدیث ہے کہ حضور نے اپنے سر مبارک کا ایک بار مسح فرمایا۔ (صحیحین، سنن اربعہ)

قولہ واذنیہ الخ (۱۱) دونوں کانوں کا مسح کرنا سر کے بقیہ پانی کے ساتھ امام اعظم اور امام مالک کا یہی مذہب ہے اور بقول ترمذی اکثر علماء کا قول یہی ہے امام شافعی اور ابوثور کے یہاں علیحدہ پانی سے تین بار کانوں کا مسح کرنا مسنون ہے۔ ان کا مستدل عبداللہ بن زید کی روایت ہے کہ آنحضرت نے کانوں کے مسح کے لئے نیا پانی لیا۔ (بیہقی) احناف کی دلیل حضور کا ارشاد ہے کہ ''کانوں کا تعلق سر سے ہے جس سے مقصود بیان حکم ہے نہ طریق پیدائش، یہ حدیث متعدد طرق و اسانید کے ساتھ آٹھ صحابہ سے صحت کے طریقہ پر مروی ہے اس کے علاوہ ابن عباس کی روایت، ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم، ابن مندہ نے اور ربیع بنت معوذ کی حدیث ابوداؤد طبرانی نے اور حضرت عائشہؓ کی حدیث نسائی نے نقل کی ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ مسح الاذنین مع الراس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل تھا۔

قولہ والترتیب الخ (۱۲) اس ترتیب کے ساتھ وضو کرنا جس کی تصریح قرآن پاک میں ہے کہ پہلے چہرہ کے دھونے کا حکم پھر دونوں ہاتھوں کے دھونے کا پھر مسح کا اسکے بعد دونوں پاؤں کے دھونے کا پس اسی ترتیب کے ساتھ وضو کرنا مسنون ہے، زہری، ربیعہ، نخعی، مکحول، عطاء، مالک، اوزاعی، ثوری، لیث، احناف اور بقول علامہ بغوی اکثر علماء کا یہی قول ہے امام شافعی، احمد، اسحاق، ابوثور، قتادہ، ابوعبید کے یہاں ترتیب فرض ہے کیونکہ آیت وضو میں فاء تعقیب مع الوصل کیلئے ہے تو نماز کے ارادے اور منہ کے دھونے میں تعقیب اور ترتیب لفظ فاء کے ذریعہ ثابت ہوئی اور بقیہ اعضا کی ترتیب حرف واؤ سے مفہوم ہوئی۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ حرف واؤ باجماع اہل لغت مطلق جمع کے لئے ہے، پس فاء تعقیبیہ کا مطلب یہ ہوا کہ وضو کے ان جملہ اعضا کی تطہیر کا تحقق نماز کے ارادہ کے بعد ہونا چاہئے۔

قولہ والولاء الخ (۱۳) ولاء (بکسر واؤ) یعنی پے در پے وضو کرنا کہ ایک عضو خشک نہ ہونے پائے کہ دوسرا دھوڈالے بعض حضرات نے موالاۃ میں اعتدال ہوا، اعتدال بدن اور عدم عذر کی قید لگائی ہے پس اگر ہوا یا بدن کی گرمی سے اثنا وضو میں خشکی طاری ہوگئی یا اثناء میں پانی ختم ہونے کی وجہ سے پانی لینے گیا اور عضو خشک ہوگیا تو یہ پے در پے دھونے کی سنت کے ادا ہونے سے مانع نہیں، امام مالک کے نزدیک موالاۃ فرض ہے وہ حضرت عمر کے اثر سے استدلال کرتے ہیں کہ آپ نے ایک شخص کو دیکھا کہ جو وضو سے فارغ ہو چکا تھا اور اس کے پاؤں میں بقدر ناخن خشکی تھی۔ آپ نے اس کو وضو لوٹانے کے لئے فرمایا (ابن ابی شیبہ، عبدالرزاق، احمد) ہماری دلیل وہ ہے جس کو امام مالک نے موطا میں نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عمر بازار میں وضو کر رہے تھے اور سر کا مسح کر چکے تھے کہ آپکو جنازہ کے لئے مدعو کیا گیا۔ آپ مسجد میں تشریف لائے اور یہاں آ کر اپنے موزوں پر مسح کیا، امام نووی نے شرح مہذب میں اس اثر کی تصحیح کی ہے ۱۲۔

وَمُسْتَحَبُّهُ التَّيَامُنُ وَمَسْحُ رَقَبَتِهِ وَيَنْقُضُهُ خُرُوْجُ نَجِسٍ مِّنْهُ

اور وضو کے مستحبات داہنے سے شروع کرنا اور گردن کا مسح کرنا ہے اور توڑ دیتا ہے وضو کو نجاست کا نکلنا نمازی سے

وَقَيْءٌ مَلَأَ فَاهُ وَلَوْ مِرَّةً اَوْ عَلَقًا اَوْ طَعَامًا اَوْ مَاءً لَا بَلْغَمًا اَوْ دَمًا غَلَبَ عَلَيْهِ الْبُزَاقُ

اور منہ بھر قئے اگر چہ پت ہو یا جما ہوا خون ہو یا کھانا ہو یا پانی ہو نہ کہ بلغم یا ایسا خون جس پر تھوک غالب ہو۔

مستحبات وضو کا بیان

توضیح اللغۃ: ...... مستحب اصولیین کے یہاں مستحب، مندوب، ادب فضیلت سب ایک ہی چیز ہے فقہا کے نزدیک مستحب وہ ہے جس کو آنحضرت صلعم نے گاہے کیا ہوگا ہے ترک کیا ہو۔ اور مندوب وہ ہے جس کو آپ نے تعلیم جواز کی خاطر ایک دو بار کیا ہو لیکن اس تعریف میں یہ قصور ہے کہ جس فعل میں شارع نے ترغیب دی ہے اور خود نہیں کیا وہ اس سے خارج ہو جاتا ہے، تیامن دائیں طرف سے شروع کرنا، رقبہ، گردن۔ ینقضہ نقض کی اضافت جب اجسام کی طرف ہوتی ہے تو اجسام کے اجزائے تالیفیہ کو جدا کر دینا مقصود ہوتا ہے

اور جب اس کی اضافت معانی کی طرف کیجائے جیسے نقض وضو نقض عہد تو مراد یہ ہوتی ہے کہ جو فائدہ اس سے مقصود تھا وہ فوت ہو گیا مثلاً وضو کا فائدہ نماز کا مباح ہونا ہے وہ جاتا رہے۔ نجس بفتحتین اصطلاح میں عین نجاست کو کہتے ہیں اور بالکسر ناپاک کو کہتے ہیں لغۃً دونوں ایک ہی معنی میں مستعمل ہیں، ملاء بھر دینا، فاہ حالت نصبی میں ہے، مرۃ صفراء یا سوداء علق خون بستہ دم خون بزاق تھوک۔

تشریح الفقہ:.......قولہ و مستحبہ الخ وضو کے مستحبات میں سے یہ ہے کہ اعضا کو دھوتے وقت داہنی طرف سے شروع کرے۔ صحاح ستہ میں حضرت عائشہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر چیز میں داہنی طرف سے شروع کرنے کو پسند فرماتے تھے یہاں تک کہ طہارت میں اور جوتے پہننے میں اور کنگھا کرنے میں اور سب کاموں میں اور وضو کے مستحبات میں سے مسح رقبہ ہے، فتح القدیر میں ہے کہ دونوں ہاتھ کی پشت سے گردن کا مسح کرنا مستحب ہے، اور حلق کا مسح بدعت ہے اور وائل بن حجر وغیرہ کی حدیث میں ہے کہ آپ نے گردن کے ظاہری حصہ پر مسح فرمایا ہے۔

تنبیہ: متون میں تیامن اور مسح رقبہ صرف دو مستحبات کا ذکر ملتا ہے اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ مستحبات وضو صرف دو ہی ہیں صاحب درمختار نے پندرہ، ابن ہمام نے فتح القدیر میں بیس کے قریب اور صاحب خزائن الاسرار نے ساٹھ اور کچھ مستحبات گنائے ہیں۔

نواقض وضو کا بیان

قولہ وینقضہ الخ وضو کے بیان سے فراغت کے بعد نواقض وضو کا بیان ہے فرماتے ہیں کہ وضو کرنیوالے کے بدن سے کسی ناپاک چیز کا نکلنا وضو کو توڑ دیتا ہے اسی طرح منہ بھر کرقے کا ہونا بھی وضو کو توڑ دیتا ہے اگر چہ پت ہو یا جما ہوا خون ہو یا کھانا ہو یا پانی ہو لیکن اگر بلغم یا خون ایسا ہو جس پر تھوک غالب ہو تو یہ وضو کو نہیں توڑتا۔

قولہ لا بلغما الخ مصنف نے بلغم کی قی کو تعمیم کے ساتھ ذکر کیا ہے جو قے کی تمام صورتوں کو شامل ہے بلغم کی قے معدہ سے برآمد ہونیوالی ہو یا دماغ کی جانب سے اترنیوالی ہو، منہ بھر کر ہو یا کم ہو کھانے کے ساتھ مخلوط ہو یا نہ ہو کسی صورت میں بھی ناقض وضو نہیں (الا یہ کہ کھانا منہ بھر کر ہو) البتہ امام ابو یوسف کے نزدیک معدہ سے نکلنے والی منہ بھر کر بلغم کی قے ناقض وضو ہے۔

فائدہ: نواقض وضو تین طرح کے ہوتے ہیں، (۱) بدن سے خارج یا (۲) بدن میں داخل ہونے والی چیزیں (۳) انسانی احوال، اول کی دو صورتیں ہیں۔ یا صرف پیشاب پاخانہ کے مقام سے خارج ہونیوالی ہونگی یا کسی دوسرے حصہ بدن منہ زخم وغیرہ سے، بہر دو صورت ان کا خروج بطریق عادت ہو جیسے پیشاب، پاخانہ، تھوک۔ یا خلاف عادت ہو جیسے خون، پیپ، لہو، کیڑا وغیرہ، دوم کی بھی دو صورتیں ہیں۔ سبیلین سے داخل ہونگی جیسے حقنہ وغیرہ یا غیر سبیلین سے جیسے کھانا وغیرہ، سوم کی بھی دو صورتیں ہیں بطور عادت ہونگے جیسے سونا یا لا عادت جیسے قہقہ لگانا، عقل کا مغلوب ہونا۔

وَالسَّبَبُ	يَجْتَمِعُ	مُتَفَرِّقَهُ	وَنَوْمُ	مُضْطَجِعٍ	وَمُتَوَرِّكٍ	وَاِغْمَآءٌ	وَجُنُوْنٌ	وَّسُكْرَانٌ
اور سبب	جمع کر دیتا ہے	متفرق قئے کو	اور سونا	لیٹنے والے	اور سرین پر ٹیک لگانے والے کا	اور بیہوشی	اور دیوانگی	اور نشہ

وَقَهْقَهَةُ	مُصَلٍّ	بَالِغٍ	وَّلَوْ	عِنْدَ السَّلَامِ
اور	بالغ نمازی کا	کھلکھلانا	اگرچہ	سلام کے وقت ہو

توضیح اللغۃ: مضطجع کروٹ کے بل سونیوالا۔ متورک سرین پر سہارا دیکر سونیوالا، اغماء مدہوشی، جنون دیوانگی۔ سکر مستی، قہقہ کھلکھلا کر ہنسنا۔

تشریح الفقہ:.......قولہ والسبب الخ اور قے کا سبب یعنی جی کا متلانا کئی بار کی قئی کو جمع کر دیتا ہے یعنی اگر کسی نے بار بار تھوڑی تھوڑی قئی اس طرح کی کہ اگر سب کو جمع کیا جائے تو منہ بھر کی مقدار ہو جائے تو ایسی صورت میں دیکھا جائیگا کہ قئی کا سبب یعنی جی کا متلانا

متحد ہے یا مختلف اگر متحد ہو تو ناقض وضو ہے ورنہ ناقض وضو نہیں یہ تو امام محمد کے نزدیک ہے امام ابو یوسف اتحاد مجلس کا اعتبار کرتے ہیں کہ اگر تھوڑی تھوڑی قئی ایک ہی مجلس میں ہوئی تو ناقض وضو ہے ورنہ ناقض وضو نہیں ہے۔

فائدہ:

چند بار تھوڑی تھوڑی قے آنیکی چار صورتیں ہیں (۱) مجلس اور سبب قئی ہر دو متحد ہوں اس صورت میں قئے بالاتفاق ناقض وضو ہے (۲) ہر دو مختلف ہوں اس صورت میں بالاتفاق ناقض وضو نہیں ہے (۳) مجلس متحد ہو اور سبب مختلف۔ اس صورت میں امام ابو یوسف کے نزدیک ناقض وضو ہے اور امام محمد کے نزدیک غیر ناقض (۴) سبب متحد ہو اور مجلس مختلف اس صورت میں امام محمد کے نزدیک ناقض ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک غیر ناقض۔

قولہ ونوم مضطجع الخ اور کروٹ کے بل سونا یا کولہے (یا سرین) پر سہارا دیکر سونا بھی ناقض وضو ہے کیونکہ اس طرح سونے میں جوڑ بند ڈھیلے ہو جاتے ہیں اور عادۃً کسی چیز کے نکلنے کا احتمال رہتا ہے اور جو بات عادۃً ہو وہ یقینی سی ہی ہوتی ہے اصل دلیل اس بارے میں یہ حدیث ہے آپ نے فرمایا کروٹ کے بل سونے سے وضو جاتا رہتا ہے کیونکہ اس وقت جوڑ بند ڈھیلے پڑ جاتے ہیں (ابوداؤد، ترمذی مختصراً)

تنبیہ: اسرار و ایضاح میں متورک کی صورت یہ لکھی ہے کہ کولھے پر سہارا دیکر سو جائے۔ علامہ ابن نجیم نے بحر الرائق میں ذکر کیا ہے کہ لفظ تورک مشترک ہے اسکے ایک معنی تو یہ ہیں کہ ایک سرین یا ایک کہنی پر ٹیک لگا کر اس طرح سوئے کہ مخرج کھل جائے سونے کی یہ حالت ناقض وضو ہے اور مصنف کی مراد بھی یہی ہے دلیل ماعلل بہ فی الکافی دوسرے یہ کہ دونوں پاؤں ایک جانب نکالکر اس طرح سوئے کہ دونوں سرین زمین پر جمے رہیں یہ صورت ناقض وضو نہیں ہے (خلاصہ درمختار) اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ صاحب احسن المسائل نے ترجمہ میں جو یہ کہا ہے کہ ''دونوں سرین زمین پر ٹکا کر اور پاؤں داہنی طرف نکال کر سونا (بھی وضو کو توڑتا ہے) صحیح نہیں۔

فائدہ: سونے کی کل تیرہ حالتیں ہیں۔ (۱) کروٹ کے بل لیٹ کر۔ (۲) ایک سرین پر سہارا دیکر۔ (۳) تکیہ لگا کر، (۴) چہار زانو ہو کر۔ (۵) بیٹھ کر (۶) پاؤں پھیلا کر، (۷) منحنی ہو کر، (۸) کتے کی ہیئت پر، (۹) پیدل، (۱۰) سوار ہو کر، (۱۱) قیام یا (۱۲) رکوع یا (۱۳) سجود کی حالت میں سونا۔ پہلی تین حالتیں ناقض اور باقی غیر ناقض ہیں۔

قولہ واغماء الخ اور مدہوشی اور دیوانہ پن اور مست ہونا بھی ناقض وضو ہے کیونکہ ان حالتوں میں جوڑ بند کا ڈھیلا ہونا چت لیٹ کر سونے سے بھی زیادہ ہے لہٰذا یہ بطریق اولیٰ ناقض ہوگا، اغماء اور جنون دونوں بیماریاں ہیں جن سے قویٰ میں فتور اور ضعف پیدا ہو جاتا ہے فرق یہ ہے کہ جنون میں عقل بالکلیہ مسلوب ہو جاتی ہے اور اغماء میں بالکلیہ مسلوب نہیں ہوتی۔ بلکہ مغلوب ہو جاتی ہے سکر سے مراد وہ سرور ہے جو بعض مسکر اور نشہ آور چیزوں کے استعمال سے عقل پر غالب ہو جاتا ہے اس میں بھی عقل غالب نہیں ہوتی۔

قولہ وقہقہۃ الخ اور عاقل بالغ نمازی کا کھلکھلا کر ہنسنا بھی ناقض وضو ہے اگرچہ سلام پھیرنے کے وقت ہو۔ مصلیٰ میں صلوۃ سے مراد صلوۃ کاملہ ہے یعنی رکوع سجدہ والی نماز پس نماز جنازہ اور سجدہ تلاوت میں قہقہہ ناقض نہیں ہے۔ قہقہہ میں مقتضی قیاس تو یہی ہے کہ ناقض نہ ہو کیونکہ قہقہہ سے کوئی ناپاک چیز خارج نہیں ہوتی اسی وجہ سے امام شافعی، مالک، احمد نقض وضو کے قائل نہیں ہیں۔ مگر قہقہہ کے ناقض وضو ہونے میں چھ صحابہ سے مرفوعاً روایت ہے اس لئے احناف ترک قیاس پر مجبور ہیں حافظ طبرانی نے بواسطہ ابوالعالیہ حضرت ابو موسیٰ اشعری سے روایت کی ہے کہ حضور صلعم نماز پڑھا رہے تھے کہ ایک کم نظر آدمی اس گڑھے میں گر گیا جو مسجد میں تھا پس بہت سے آدمی ہنس پڑے تو حضور نے ہنسنے والوں کو فرمایا کہ وضو کر کے نماز کا اعادہ کریں۔

فائدہ: ہنسنے کی تین قسمیں ہیں (۱) قہقہہ اتنی آواز سے ہنسنا کہ خود بھی اور قریب کے لوگ بھی اسکی آواز سن لیں۔ (۲) ضحک جس کو خود سن سکے دوسرے لوگ نہ سن سکیں یہ ناقض وضو نہیں لیکن مبطل صلوۃ ہے۔ (۳) تبسم جس میں بالکل آواز نہ ہو بلکہ صرف دانت کھل جائیں یہ نہ ناقض وضو ہے اور نہ مبطل صلوٰۃ۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

وَمُبَاشَرَةٌ فَاحِشَةٌ لَاخُرُوْجُ دُوْدَةٍ مِّنْ جُرْحٍ وَمَسُّ ذَكَرٍ وَ امْرَأَةٍ

اور مباشرت فاحشہ، نہ کہ کیڑے کا نکلنا زخم سے اور چھونا پیشاب گاہ کو اور عورت کو۔

توضیح اللغۃ: مباشرۃ فاحشہ شرمگاہ کا انتشار کے ساتھ دوسری شرمگاہ سے بلا حائل مل جانا۔ دودۃ کیڑا، جرح زخم مس چھونا۔

تشریح الفقہ: قولہ و مباشرۃ الخ اور مباشرت فاحشہ یعنی ایسی کھلی مباشرت کہ کسی آڑ کے بغیر دونوں شرمگاہیں مل جائیں ناقض وضو ہے کیونکہ ایسی حالت میں عموماً مذی نکل ہی جاتی ہے اس لئے غالب کو احتیاطاً متحقق کے درجہ میں اتار کر متحقق کا حکم دیدیا گیا۔

قولہ لاخروج الخ خروج نجس پر معطوف ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے ای لاینقض الوضوخروج دودۃ، زخم سے کیڑے کا نکلنا ناقض وضو نہیں اولاً اس لئے کہ کیڑا جاندار ہے جو باعتبار اصل طاہر ہے اور غیر سبیلین سے طاہر شئی کا نکلنا ناقض نہیں رہی وہ نجاست جو کیڑے کے بدن سے ہوتی ہے سو وہ قلیل ہے اور غیر سبیلین سے قلیل نجاست کا خروج ناقض نہیں۔ ثانیاً اس لئے کہ زخم میں کیڑا گوشت سے پیدا ہوتا ہے پس کیڑے کا نکلنا ایسا ہی ہے جیسے گوشت کے ٹکڑے کا گر جانا کہ ناقض وضو نہیں۔ مصنف نے ''من جرح'' کی قید لگائی ہے اس واسطے کہ پیشاب یا پاخانہ کے مقام سے کیڑے کا نکلنا ناقض وضو ہے۔

قولہ ومس ذکر الخ عورت یا پیشاب گاہ کو چھونا ناقض وضو نہیں ہے صحابہ میں سے حضرت عمر، علی ابن مسعود، ابن عباس، عمار بن یاسر، زید بن ثابت، حذیفہ، عمران بن حسین، ابوالدرداء، سعید بن ابی وقاص اور تابعین میں سے حسن بصری، سعید بن المسیب اور فقہاء میں سفیان ثوری سب کی رائے یہی ہے امام مالک، شافعی، احمد نے باختلاف شرائط مس ذکر کو ناقض کہا ہے ان حضرات کی دلیل حضرت بسرہ بنت صفوان کی حدیث ہے۔ ''من مس ذکرا فلیتو ضأ'' پیشاب گاہ چھونے والے کو وضو کرنا چاہئے۔ (احمد، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، ترمذی) ہماری دلیل حضرت طلق بن علی کی حدیث ہے کہ آنحضرت سے دریافت کیا گیا کہ انسان نماز کے درمیان اپنی پیشاب گاہ کو چھولیتا ہے؟ آپ نے فرمایا ''ھل ھو الا بضعۃ منک'' وہ بھی تو بدن کا ایک ٹکڑا ہی ہے۔ (ابوداؤد، نسائی، ترمذی) یعنی جس طرح بدن کو ہاتھ لگانے سے وضو نہیں جاتا اسی طرح ذکر چھونے سے بھی نہیں جاتا۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے اس باب میں احسن شئی کہا ہے۔ رہا مس امرأۃ کا مسئلہ سو ہمارے نزدیک عورت کو چھونے سے بھی وضو نہیں جاتا خواہ شہوت کیساتھ چھوئے یا بلا شہوت، امام شافعی کے نزدیک یہ بھی ناقض ہے شہوت کیساتھ ہو یا بلا شہوت، قصداً ہو یا بلا قصد، وہ آیت ''او لامستم النساء'' سے استدلال کرتے ہیں مگر یہ استدلال صحیح نہیں کیونکہ لمس نساء جماع سے کنایہ ہے۔ عدم نقض وضو پر حضرت عائشہ کی حدیث کافی ہے فرماتی ہیں کہ جب میں رات کو سوتی ہوتی اور حجرہ چھوٹا ہونے کی وجہ سے آپ کی سجدہ گاہ پر میرے پاؤں ہوتے تو آپ سجدہ کرتے وقت مجھے دبا دیتے جس سے میں پاؤں سکیڑ لیتی۔ پھر جب آپ سجدہ سے فراغت کے بعد قیام فرماتے تو پاؤں پھیلا لیتی۔ ان دونوں گھروں میں چراغ بھی نہ تھے۔ (صحیحین)

وَفَرْضُ الْغُسْلِ غَسْلُ فَمِهٖ وَانْفِهٖ وَبَدَنِهٖ لَادَلْكُهٗ وَاِدْخَالُ الْمَآءِ دَاخِلَ الْجِلْدَةِ لِلْاَقْلَفِ

اور غسل کے فرض دھونا ہے منہ اور ناک کو اور بدن کو نہ کہ اس کو ملنا اور غیر مختون کو زائد چمڑے میں پانی پہنچانا

وَسُنَّتُهُ اَنْ يَّغْسِلَ يَدَيْهِ وَفَرْجِهِ وَيَزِيْلَ النَّجَاسَةَ ثُمَّ يَتَوَضَّأَ
اور غسل کی سنتیں یہ ہیں کہ دھوئے اپنے ہاتھوں کواور پیشاب گاہ کو اور نجاست کو اگر بدن پرہو پھر وضو کرے
ثُمَّ يُفِيْضُ الْمَآءَ عَلٰى سَآئِرِ بَدَنِهٖ ثَلٰثًا وَلاَ تَنْقُضُ ضَفِيْرَتَهَا اِنْ بَلَّ اَصْلُهَا
اس کے بعد پانی بہائے پورے بدن پر تین بار اور عورت اپنی چوٹی نہ کھولے اگر بالوں کی جڑ ترہوجائے
وَفُرِضَ عِنْدَ مَنِيٍّ ذِیْ دَفْقٍ وَشَهْوَةٍ عِنْدَ اِنْفِصَالِهٖ فَقَطْ
اور غسل فرض ہے کودنے والی منی کے نکلنے پر جبکہ وہ لذت کیساتھ جداہو
وَتَوَارِیْ حَشْفَةٍ فِیْ قُبُلٍ اَوْ دُبُرٍ عَلَيْهِمَا وَحَيْضٍ وَ نِفَاسٍ
اور سر ذکرکے چھپ جانےکےوقت پیشاب یا پاخانہ کے مقام میں دونوں پراور حیض ونفاس کے بند ہونے پر

غسل اور اسکے فرائض وسنن کا بیان

توضیح اللغۃ:......دلک رگڑنا،ملنا،اقلف غیرمختون،یفیض افاضۃ بہانا،ضفیرۃ چوٹی،گندھے ہوئے،بال،بل ترکرنا،ذی دفق اچھلنے والی، تواری چھپنا،حشفہ عضوتناسل کی سپاری،قبل عورت کی پیشاب گاہ،دبر پاخانہ کا مقام۔

تشریح الفقہ:......**قولہ وفرض الغسل** الخ غسل (واجب یعنی غسل جنابت، غسل حیض، غسل نفاس) کے فرائض تین ہیں۔(۱) منہ کا دھونا یعنی کلی کرنا۔(۲) ناک میں پانی دینا۔(۳) ایک مرتبہ تمام بدن کا دھونا اور بدن کوملنا اور غیرمختون کوعضو کے زائد چمڑے میں پانی داخل کرنا فرض نہیں۔

فائدہ: دراصل غسل میں فرض توصرف ایک ہی ہے یعنی بدن کے ہراس محل کا ایک بار دھونا جس کے دھونے میں کوئی مشقت نہ ہو اس میں کلی کرنا اورناک میں پانی دینا بھی داخل ہے لیکن چونکہ کلی کرنے اورناک میں پانی دینے میں امام شافعی کا اختلاف ہے کہ وہ ان کو سنت کہتے ہیں اس لئے مصنف نے الگ الگ ہرایک کی تصریح کردی۔

موجبات غسل کا بیان

قولہ و فرض الخ اور غسل فرض ہے اس منی سے جو اچھل کر نکلے۔اوراپنی جگہ سے جداہوتے وقت شہوت کے ساتھ جداہوخواہ منی مردکی ہویاعورت کی، بیداری میں نکلے یابحالت خواب اورامام شافعی کے نزدیک مطلقاً منی کا نکلنا باعث غسل ہے شہوت کے ساتھ نکلے یا بلاشہوت کیونکہ حضور کاارشاد ہے''الماء من الماء ''غسل منی سے واجب ہوتا ہے۔(مسلم،احمد،بزار) ہم یہ کہتے ہیں کہ آیت''وان کنتم جنبافاطھروا''حکم جنبی کوبھی شامل ہےاورلغت میں جنابت شہوت کے ساتھ منی کے نکلنے کو کہتے ہیں پس غسل کا وجوب بحالت جنابت ہوگا اور جنابت کا تحقق شہوت کیساتھ منی کے نکلنے سے ہوگا۔رہی حدیث سو یہ ظاہر ہے کہ وہ اپنے عموم پرنہیں ہے ورنہ مذی، ودی، پیشاب بھی اس میں داخل ہوجائیگا۔جس کا کوئی قائل نہیں بلکہ خاص پانی مراد ہےاوروہی ہے جو آیت اورلغت کی تائید سے سمجھ میں آرہا یعنی شہوت کیساتھ نکلنے والی منی نیز یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت ابن عباس کی رائے کے مطابق بقول امام ترمذی وطبرانی ''الماء من الماء'' کا حکم صرف حالت احتلام کے ساتھ مخصوص ہو۔یا یہ کہ حکم ابتدائے اسلام میں ہوبعدکومنسوخ ہوگیاہوچنانچہ تین احادیث میں صریح نسخ کا حکم وارد ہے۔(۱) ابی بن کعب کہتے ہیں کہ''الماء من الماء'' کی رخصت ابتدائے اسلام میں تھی (ابوداؤد،ترمذی،ابن ماجہ)(۲) حضرت

عائشہ فرماتی ہیں کہ فتح مکہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جماع بلا انزال سے خود غسل فرمایا اور دوسروں کو بھی غسل کا حکم فرمایا (ابن حبان)) (۳) رافع بن خدیج کہتے ہیں کہ پہلے تو آپ نے ''الماء من الماء'' کے لحاظ سے جماع بلا انزال کے بارے میں عدم غسل کا حکم دیا تھا اسکے بعد غسل کا حکم فرمایا، بحار بی نے اس روایت کی تحسین کی ہے۔

قولہ ذی دفق الخ علامہ ابن نجیم مصری نے ذکر کیا ہے کہ اس عبارت پر دو اعتراض پڑتے ہیں اول یہ کہ یہ عورت کی منی کو شامل نہیں کیونکہ یہاں دفق کی قید لگی ہوئی ہے اور عورت کی منی اچھل کر نہیں نکلتی بلکہ اس کی منی سینہ سے فرج کی طرف بلا دفق منتقل ہوتی ہے دوسرے یہ کہ عبارت میں تناقض ہے اس واسطے کہ دفق کی شرط لگانا یہ بتا رہا ہے کہ خروجِ منی شہوت کیساتھ ہوگا اور ''عند انفصالہ'' اس کی نفی کر رہا ہے۔ علامہ ابن عابدین نے ''منحۃ الخالق'' میں جواب کی کوشش کی ہے فرماتے ہیں کہ لفظ دفق گو عموماً متعدی استعمال ہوتا ہے مگر یہاں دفق بمعنی دفوق لازم ہے ای ذی دفق۔ اور ''عند انفصالہ'' ظرف ''فرض'' کے متعلق ہے جیسے ''عند منی'' فرض کے متعلق ہے پس اس وقت شہوت عند الانفصال یا عند الخروج ہونے کے ساتھ مقید نہ ہوئی۔ یا یہ کہا جائے کہ ظرف اول (عند منی) بتقدیر مضاف فرض کے متعلق ہے ای عند خروج منی۔ اور ظرف ثانی عند انفصالہ دفق کے متعلق ہے بہر دو تقدیر شہوت کو ذکر کرنا اس چیز کی تصریح ہے جس کا علم التزاماً ہوا ہے اس صورت سے عبارت عورت کی منی کو بھی شامل رہتی ہے اور شہوت کے ذکر کا مستدرک ہونا بھی لازم نہیں آتا۔ تأمل۔

تنبیہ: بضمن اعتراض جو یہ کہا گیا ہے کہ عورت کی منی اچھل کر نہیں نکلتی بعض حضرات اس سے متفق نہیں، چنانچہ غایۃ البیان، جامع الرموز، معالم التنزیل وغیرہ میں اسی کو اختیار کیا گیا کہ عورت کی منی بھی اچھل کر نکلتی ہے یہ اور بات ہے کہ وسعت محل کی بنا پر احساس نہیں ہوتا مولانا عبدالحیٔ لکھنوی نے ''السعایہ'' میں اس کو بسط کیساتھ ذکر کیا ہے۔

قولہ عند انفصالہ الخ صرف اپنے مستقر سے شہوت کیساتھ منی کے نکلنے کا اعتبار طرفین کے نزدیک ہے امام ابو یوسف کے نزدیک عضو سے ظاہر ہوتے وقت بھی شہوت کا ہونا ضروری ہے پس اگر انفصال کیوقت شہوت ہو اور عضو سے ظاہر ہوتے وقت شہوت باقی نہ رہے بلکہ ہیجان نفس سکون میں تبدیل ہو جائے تو طرفین کے نزدیک غسل واجب ہوگا اور امام ابو یوسف کے نزدیک شرط زائد نہ ہونیکی وجہ سے غسل واجب نہ ہوگا اس مسئلہ کی تین صورتیں ہیں۔ (۱) انفصال و ظہور دونوں حالتوں میں شہوت کا وجود نہ ہو۔ اس صورت میں بالاتفاق غسل واجب نہیں (۲) دونوں حالتوں میں شہوت موجود ہو اس صورت میں بالاتفاق غسل واجب ہوگا (۳) انفصال کے وقت شہوت ہو اور ظہور کے وقت نہ ہو۔ یہ صورت نزاعی ہے امام ابو یوسف کے نزدیک غسل واجب نہیں۔ طرفین کے نزدیک واجب ہے عدمِ وجوب مبنی بر قیاس ہے اور وجوب مبنی بر احتیاط۔

تنبیہ: فتاویٰ ظہیریہ میں ہے کہ تاج الشریعہ وغیرہ محققین نے جو طرفین کے مذہب کو متون میں ذکر کیا ہے وہی ظاہر اصح اور احوط ہے اس بارے میں درمختار کا قول (جو انہوں نے بحوالہ قہستانی و فتاوی تاتارخانیہ نوازل سے نقل کیا ہے کہ ''وبقول ابی یوسف ناخذ لانہ ایسر علی المسلمین'' قلت ولا سیمافی الشتاء والسفر) لائق التفات نہیں اور نہ اس پر فتوی دینا جائز ہے الا یہ کہ حرج اور ضرورت ہو۔

قولہ و تواری حشفۃ الخ اور پیشاب یا پاخانہ کے مقام پر حشفہ کے چھپ جانے سے فاعل و مفعول ہر دو پر غسل فرض ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب مرد عورت کی چار شاخوں (یعنی ہاتھ پیروں) کے درمیان بیٹھے۔ اور ایک ختان دوسرے ختان کو چھوئے (یعنی صحبت کرے) تو غسل واجب ہو جائیگا (بخاری، مسلم) امام مسلم کی روایت یہ بھی ہے کہ خواہ اس کو انزال بھی نہ ہوا ہو، اور حیض و نفاس کے منقطع ہونے پر بھی غسل فرض ہے۔ حیض و نفاس کے احکام مستقل طور پر آگے آ رہے ہیں۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

وَلاَ مَذِیٌ	وَوَدِیٌ	وَاحْتِلَامٍ	بِلاَبَلَلٍ
نہ کہ مذی اور	ودی کے نکلنے پر	اور بدون تری	احتلام ہونے پر۔

توضیح اللغۃ: .... مذ مِذی مذِیِ ایک قسم کا سفید اور پتلا مادہ ہوتا ہے جو ملاعبت یا بوسہ لینے کے وقت بلا دفق نکلتا ہے ودی منی کے مشابہ قدرے گاڑھا ایک مادہ ہے جو پیشاب کے بعد ایک آدھ قطرہ نکلتا ہے۔ احتلام بد خوابی بلل تری۔

تشریح الفقہ: ......**قولہ لامذی الخ** منی پر معطوف ہونے کی وجہ سے مجرور ہے ای لایفترض الغسل عند مذی اھ مذی اور ودی کے نکلنے پر غسل فرض نہیں بلکہ ان میں صرف وضو ہے حضرت علی کی مشہور روایت ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا ہے ہر مرد کو مذی آتی ہے سو اس کی وجہ سے عضو تناسل اور خصیے دھونے چاہئیں اور نماز جیسا وضو کرنا چاہئے۔ (طحاوی) اسحٰق بن راہویہ عن علی، ابوداؤد، احمد عن عبداللہ ابن سعد الانصاری طبرانی عن معقل بن یسار)۔ سوال ودی کیوجہ سے وضو واجب کرنے میں کیا فائدہ؟ جبکہ پیشاب کیوجہ سے وضو واجب ہو چکا (کیونکہ ودی کہتے ہی ہیں اس مادہ کو جو پیشاب کے بعد نکلے) جواب پیشاب کیوجہ سے وضو کا واجب ہونا اس کے منافی نہیں کہ اس کے بعد ودی کی وجہ سے وضو واجب ہو بلکہ وضو دونوں کیوجہ سے لازم ہے اس کی نظیر رعاف بعد البول یا بول بعد الرعاف ہے اگر کسی نے قسم کھائی کہ نکسیر سے وضو نہیں کرونگا اسکے بعد اس کو نکسیر آئی پھر اس نے پیشاب کیا یا اس کا عکس ہوا تو وضو دونوں سے ثابت ہوگا اور وہ شخص حانث ہو جائیگا۔ (۲) وجوب وضو کا فائدہ اس شخص کے بارے میں ظاہر ہوگا۔ جس کو سلسل البول کی بیماری ہو کہ اس کا وضو ودی سے ٹوٹے گا نہ کہ پیشاب سے (۳) جس شخص نے پیشاب کے بعد ودی سے پہلے وضو کر لیا پھر ودی نکلی تو ودی کی وجہ سے اس پر دوبارہ وضو کرنا لازم ہوگا (۴) ودی کی ایک تعریف یہ بھی ہے کہ جو پیشاب یا غسل جماعی کے بعد نکلے اس تعریف کی رو سے اعتراض ہی نہیں ہوتا۔

قولہ و احتلام الخ اور خواب میں صحبت کرنے سے غسل فرض نہیں ہے جبکہ وہ عضو پر رطوبت اور تری نہ دیکھے، بخاری اور مسلم میں حضرت ام سلمہ سے روایت ہے کہ ابوطلحہ کی بیوی حضرت ام سلیم حضورؐ کے پاس آئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ: مجھے احتلام ہوا ہے حق تعالیٰ حق سے شرم نہیں کرتا تو کیا عورت پر غسل ہے؟ جبکہ اسکو احتلام ہو۔ آپ نے فرمایا: ہاں جبکہ وہ پانی کو دیکھے یعنی منی نظر آئے۔

مسئلہ: ایک شخص خواب سے بیدار ہوا دیکھا کیا ہے کہ اسکے کپڑے پر رطوبت موجود ہے اور احتلام یاد نہیں اب وہ سوچتا ہے یہ مذی ہے یا منی ہے اس صورت میں وہ کیا کرے؟ سو یاد رکھنا چاہئے کہ اس مسئلہ کی چودہ صورتیں ہیں کیونکہ یا تو اس کو یقین ہوگا کہ وہ (۱) منی یا (۲) مذی یا (۳) ودی ہے یا (۴) اس کو شک ہوگا منی اور مذی میں یا (۵) منی اور ودی میں یا (۶) مذی اور ودی میں یا (۷) تینوں میں۔ ان ساتوں صورتوں میں سے ہر صورت کیساتھ احتلام یاد ہوگا یا نہ ہوگا۔ یہ کل چودہ صورتیں ہوئیں پس اگر منی ہونے کا یقین (۱) ہو خواہ احتلام یاد ہو یا (۲) نہ ہو یا مذی کا یقین ہو اور (۳) احتلام یاد ہو یا (۴) شک ہو منی اور مذی میں یا (۵) منی اور ودی میں یا (۶) مذی اور ودی میں یا (۷) تینوں میں اور سب میں احتلام یاد ہو تو بالاتفاق غسل واجب ہے اور اگر ودی کا یقین (۱) ہو احتلام یاد ہو یا (۲) نہ ہو یا (۳) شک ہو مذی اور ودی میں یا (۴) یقین ہو مذی کا اور احتلام یاد نہ ہو تو بالاتفاق غسل واجب نہیں اور اگر (۱) شک ہو منی اور مذی میں یا (۲) منی اور ودی میں اور احتلام یاد نہ ہو یا (۳) شک ہو تینوں میں اور احتلام یاد نہ ہو تو طرفین کے نزدیک غسل واجب ہے اور ابو یوسف کے نزدیک واجب نہیں۔ ان کل صورتوں کا حکم اس نقشہ سے معلوم کرو۔ نقشہ ص ۱۰۲ پہ درج ہے ۱۲،

نقشہ صور مختلفہ مسئلہ مستیقظ مع آراء ائمہ

شمار	صورت مسئلہ	حکم
۱	منی ہونے کا یقین ہو اور احتلام یاد ہو۔	بالاتفاق غسل واجب ہے۔
۲	منی ہونے کا یقین ہو اور احتلام یاد نہ ہو۔	بالاتفاق غسل واجب ہے۔
۳	مذی ہونے کا یقین ہو اور احتلام یاد ہو۔	بالاتفاق غسل واجب ہے۔
۴	منی اور مذی ہونے میں شک ہو اور احتلام یاد ہو۔	بالاتفاق غسل واجب ہے۔
۵	منی اور ودی ہونے میں شک ہو اور احتلام یاد ہو۔	بالاتفاق غسل واجب ہے۔
۶	مذی اور ودی ہونے میں شک ہو اور احتلام یاد ہو۔	بالاتفاق غسل واجب ہے۔
۷	مذی اور ودی اور منی میں شک ہو اور احتلام یاد ہو۔	بالاتفاق غسل واجب ہے۔
۸	ودی ہونیکا یقین ہو اور احتلام یاد ہو۔	بالاتفاق غسل واجب نہیں ہے۔
۹	ودی ہونے کا یقین ہو اور احتلام یاد نہ ہو۔	بالاتفاق غسل واجب نہیں ہے۔
۱۰	مذی ہونے کا یقینی ہو اور احتلام یاد نہ ہو۔	بالاتفاق غسل واجب نہیں ہے۔
۱۱	مذی اور ودی ہونے میں شک ہو اور احتلام یاد نہ ہو۔	بالاتفاق غسل واجب نہیں ہے۔
۱۲	مذی اور منی ہونے میں شک ہو اور احتلام یاد نہ ہو۔	طرفین کے نزدیک غسل واجب ہے امام ابو یوسف کے نزدیک واجب نہیں۔
۱۳	ودی اور منی ہونے میں شک ہو اور احتلام یاد نہ ہو۔	طرفین کے نزدیک غسل واجب ہے امام ابو یوسف کے نزدیک واجب نہیں
۱۴	ودی اور منی اور مذی ہونے میں شک ہو اور احتلام یاد نہ ہو۔	طرفین کے نزدیک غسل واجب ہے امام ابو یوسف کے نزدیک واجب نہیں۔

وَسُنَّ لِلْجُمُعَةِ وَالْعِيْدَيْنِ وَالْاِحْرَامِ وَعَرَفَةَ وَوَجَبَ لِلْمَيِّتِ

اور مسنون ہے جمعہ کے لئے اور عیدین کے لئے اور احرام کے لئے اور یوم عرفہ کے لئے اور ضروری ہے میت کے لئے

وَلِمَنْ اَسْلَمَ جُنُبًا وَاِلَّا ندب وَيَتَوَضَّأُ بِمَآءِ السَّمَآءِ وَالْعَيْنِ وَالْبَحْرِ

اور اس کے لئے جو ناپاکی کی حالت میں مسلمان ہوا ہو ورنہ مستحب ہے اور وضو کیا جا سکتا ہے بارش اور چشمہ اور دریا کے پانی سے

وَاِنْ غَيَّرَ طَاهِرٌ اَحَدَ اَوْصَافِهٖ اَوْ اَنْتَنَ بِالْمَكْثِ

اگرچہ بدل دے کوئی پاک چیز پانی کے ایک وصف کو یا بد بودار ہو جائے زیادہ دن ٹھہرنے کے باعث۔

غسل مسنون کا بیان

تشریح الفقہ :......**قولہ** وسن الخ جمعہ کے روز غسل کرنا جمہور علما کے نزدیک مسنون ہے صاحب ہدایہ نے نقل کیا ہے کہ امام مالک کے نزدیک واجب ہے کیونکہ حضور کا ارشاد ہے "جو شخص جمعہ میں آئے اس کو غسل کرنا چاہئے۔ (بخاری و مسلم، ترمذی، ابن ماجہ عن عمرؓ) نیز حضرت ابو سعید خدریؓ آنحضرت صلعم سے نقل کرتے ہیں کہ "غسل جمعہ ہر بالغ پر واجب ہے (بخاری مسلم عن ابی سعیدؓ بخاری مسلم طحاوی بزار عن ابی ہریرہ) ہماری دلیل حضور کا ارشاد ہے کہ جمعہ کے روز وضو کر لینا بھی کافی ہے لیکن غسل افضل ہے (ابو داؤد، ترمذی، نسائی، عن سمرۃ ابن ماجہ، بزار طبرانی، عن انس، بیہقی بزار، عن الخدری، بزار، ابن عدی عن ابی ہریرۃ ابن حمید، عبدالرزاق، ابن عدی، عن جابر طبرانی عن عبدالرحمٰن بن سمرہ، بیہقی عن ابن عباس) حدیث بالا سات صحابہ سے مروی ہے پس یا تو یہ کہا جائے کہ پہلی حدیث میں "فلیغتسل" امر سے مراد افضلیت ہے اور جن روایات میں وجوب کی تصریح ہے اس سے لغوی معنی مراد ہیں نہ کہ اصطلاحی یا یہ کہ وہ منسوخ

ہے جیسا کہ ابن عباس سے ابوداؤد کی ایک طویل روایت میں ہے۔

تنبیہ:

صاحب ہدایہ کا امام مالک کی طرف وجوبِ غسل کو منسوب کرنا غالبًا کسی غیر معتبر کتاب سے نقل ہے ورنہ خود علامہ ابن عبدالبر مالکی استدراک میں لکھتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ کسی نے غسلِ جمعہ کو واجب کہا ہو بجز فرقہ ظاہریہ کے اور ابن ذہب سے نقل کیا ہے کہ امام مالک سے غسل جمعہ کے واجب ہونے کو دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ سنت اور بھلائی کی بات ہے۔ عرض کیا گیا کہ حدیث میں تو واجب کہا گیا ہے فرمایا کہ یہ ضروری نہیں کہ جو بات حدیث میں آجائے وہ واجب ہی ہو نیز اشہب نے روایت کی ہے کہ امام مالک نے غسل جمعہ کو حسن کہا ہے نہ کہ واجب۔

قولہ والعیدین الخ اور عیدین کے لئے بھی غسل مسنون ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت ہے کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عیدین کے لئے غسل فرماتے تھے ابن ماجہ طبرانی) اور احرام باندھنے کے لئے بھی غسل مسنون ہے کیونکہ حضورؐ احرام باندھنے سے پہلے غسل فرماتے تھے (ترمذی، دارقطنی عن زید بن ثابت) اور وقوف عرفہ کے واسطے بھی غسل مسنون ہے۔ حضرت فاکہہ بن سعد صحابی فرماتے ہیں کہ "حضور صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر، یوم نحر اور یوم عرفہ میں غسل فرماتے تھے۔ (بزار)

قولہ ووجب الخ اور مسلمانوں پر مردے کو غسل دینا واجب۔ یہاں واجب سے مراد فرض کفایہ ہے چنانچہ مصنف نے کتاب "وافی" میں اس کی تصریح کی ہے اور ابن ہمام نے "فتح القدیر" میں اس کو بالاجماع کہا ہے الا یہ کہ مردہ خنثی مشکل ہو کہ اس کا غسل مختلف فیہ ہے۔

قولہ ولمن اسلم الخ لمن میں لام اپنے حقیقی معنی میں نہیں ہے ورنہ دونوں حالتیں مستوی ہو جائینگی۔ بلکہ لام بمعنی علیٰ ہے بقرینہ قول ماتن "والاندب" فالمعنی افترض الغسل علیٰ من اسلم حال کونہ جنبا اس عبارت سے مصنف کی کتاب "الوافی" کی عبارت "وندب لمن اسلم ولم یکن جنبا والا لزم" بہتر ہے عبارت کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص ناپاکی کی حالت میں مسلمان ہوا ہو اس کو غسل کرنا ضروری ہے اور اگر پہلے سے ناپاک نہ ہو تو غسل مستحب ہے۔

فائدہ: یہاں تک غسل اور اقسام غسل کا بیان پورا ہو گیا کل اقسام کا خلاصہ یوں کرو کہ غسل کی تین قسمیں ہیں فرض سنت مستحب فرض غسل کی پانچ قسمیں ہیں انزال منی ادخال حشفہ، انقطاع حیض، انقطاع نفاس کی وجہ سے غسل کرنا اور مردے کو غسل دینا (ایک غسل اور فرض ہے وہ یہ کہ سارا بدن نجاست آلود ہو جائے یا بعض بدن پر نجاست لگ جائے اور نجاست کا مکان مخفی ہو مصنف نے اس کو ذکر نہیں کیا۔) غسل مسنون چار ہیں غسل جمعہ، غسل عیدین، غسل احرام، غسل وقوف بعرفہ مصنف نے غسل مستحب کا تذکرہ نہیں کیا غسل مستحب کی تقریبًا اٹھارہ قسمیں ہیں جو درمختار میں مذکورہ ہیں۔

پانی کے احکام

قولہ ویتوضا الخ طہارت کے بیان سے فراغت کے بعد ان پانیوں کی تفصیل ہے جن سے پاکی حاصل کی جاسکتی ہے فرماتے ہیں کہ بارش، چشمہ سمندر کے پانی سے وضو کیا جاسکتا ہے اگر چہ کوئی پاک چیز پانی کے اوصاف ثلثہ (رنگ بو، مزہ) میں سے کسی ایک کو بدل دے یا پانی زیادہ دن ٹھہرنے کیوجہ سے بدبودار ہو جائے۔ بارش کے پانی کے بارے میں ارشاد باری ہے "ہم نے آسمان سے پاک پانی برسایا ہے اور حضورؐ کا ارشاد ہے "پانی پاک چیز ہے اس کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی (احمد، شافعی، دارقطنی، حاکم، بیہقی، سنن اربعہ) حدیث میں اتنی زیادتی اور ہے کہ "تاوقتیکہ اس کے رنگ، مزہ اور بو میں تبدیلی نہ پیدا ہو جائے یہ زیادتی محدثین کے یہاں محل کلام ہے سمندر کی بابت حضورؐ کا ارشاد ہے کہ اس کا پانی پاک اور اس کا مردہ جانور (مچھلی) حلال ہے (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی، احمد عن ابی ہریرہ، ابن ماجہ، ابن حبان، حاکم، دارقطنی عن جابر، حاکم، دارقطنی عن علی، دارقطنی حاکم عن ابن عباس، ابن عمر، دارقطنی عن ابی بکر الصدیق، ابن عبدالبر عن الفراسی)

لَا بِمَآءٍ تَغَیَّرَ بِکَثْرَۃِ الْاَوْرَاقِ اَوْ بِالطَّبْخِ اَوِ اعْتُصِرَ مِنَ الشَّجَرِ اَوْ ثَمَرٍ
نہ کہ ایسے پانی سے جو بدل گیا ہو پتوں کی کثرت سے یا پکانے سے یا نچوڑا گیا ہو درخت سے یا پھل سے
اَوْ غَلَبَ عَلَیْہِ غَیْرُہٗ اَجْزَآءً وَ بِمَآءٍ دَآئِمٍ فِیْہِ نَجَسٌ اِنْ لَّمْ یَکُنْ عَشْرًا فِیْ عَشْرٍ
اور نہ اس پانی سے جس پر غالب ہوجائے دوسری چیز بلحاظ اجزاء اور ٹھہرے ہوئے پانی سے جس میں ناپاکی ہو اگر وہ دہ در دہ نہ ہو
وَاِلَّا فَھُوَ کَالْمَآءِ الْجَارِیْ وَھُوَ مَا یَذْھَبُ بِتِبْنَۃٍ فَیَتَوَضَّأُ مِنْہُ اِنْ لَّمْ یُرَ اَثَرُہٗ وَھُوَ طَعْمٌ اَوْ لَوْنٌ اَوْ رِیْحٌ
ورنہ وہ بہتے پانی کی طرح ہے اور وہ وہ ہے جو تنکا بہا لے جائے پس اس سے وضو کیا جاسکتا ہے اگر اس کا اثر یعنی مزہ یا رنگ یا بو معلوم نہ ہو
وَمَوْتُ مَا لَادَمَ لَہٗ فِیْہِ کَالْبَقِّ وَالذُّبَابِ وَالزُّنْبُوْرِ وَالْعَقْرَبِ وَالسَّمَکِ وَالضِّفْدَعِ وَالسَّرْطَانِ لَایُنَجِّسُہٗ
اور پانی میں ایسے جانور کا مرجانا جس میں خون جاری نہ ہو جیسے مکھی اور مچھر اور بھڑ اور بچھو اور مچھلی اور مینڈک اور کیکڑا پانی کو ناپاک نہیں کرتا
وَالْمَآءُ الْمُسْتَعْمَلُ لِقُرْبَۃٍ اَوْلِرَفْعِ حَدَثٍ اِذَا اسْتَقَرَّ فِیْ مَکَانٍ طَاھِرٌ لَا مُطَھِّرٌ
اور جو پانی استعمال کیا گیا ہو ثواب کے لئے یا حکمی نجاست دور کرنے کے لئے جب وہ کسی جگہ میں ٹھہر جائے تو وہ خود پاک ہے پاک کرنے والا نہیں ہے۔

توضیح اللغۃ: اوراق جمع ورق درخت کے پتے طبخ پکانا۔ اعتصر نچوڑ لیا گیا ثمر پھل دائم ٹھہرا ہوا تبنۃ تنکا طعم مزہ۔ بق پسو۔ ذباب مکھی زنبور، بھڑ عقرب بچھو، سمک مچھلی۔ ضفدع مینڈک۔ سرطان کیکڑا۔ اس کا نام عقرب الماء بھی ہے اور عوام اس کو سلطعون کہتے ہیں۔

تشریح الفقہ: **قولہ لا بماء الخ** اس پانی سے وضو جائز نہیں جو بکثرت پتوں کے گرنے سے بدل گیا ہو مگر یہ اس وقت ہے جبکہ وہ پانی کے اطلاق سے نکل گیا ہو بایں طور کہ وہ گاڑھا ہو گیا ہو) اور اس پانی سے بھی وضو جائز نہیں جو کوئی چیز ملا کر پکانے سے متغیر ہو گیا ہو کیونکہ ابلا ہوا پانی آسمان سے اترنے کی حالت پر باقی نہیں رہا۔ یا کسی درخت اور پھل سے نچوڑا گیا ہو جیسے گنے کا رس اور تربوز کا پانی کیونکہ یہ مطلق پانی کا فرد نہیں ہے۔ اعتصر مجہول سے معلوم ہوا کہ جو پانی خود بخود انگور وغیرہ سے ٹپک پڑے تو اس سے وضو جائز ہے کیونکہ یہ ایک طرح کا قدرتی پانی ہے جو مصنوعی طریقہ کے بغیر نکل آیا ہے صاحب ہدایہ نے اس کی تصریح کی ہے البتہ فتاوی قاضی خان محیط کافی بحر، نہر، شرح منیہ وغیرہ کتب فقہیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے بھی وضو جائز نہیں اور ایسے پانی سے بھی وضو جائز نہیں جس پر دوسری چیز کے اجزاء غالب ہو گئے ہوں جیسے شربت، ستو، سرکہ، شوربا کیونکہ ان پر عرفا پانی کا اطلاق نہیں آتا۔ اور اس ٹھہرے ہوئے پانی سے بھی وضو جائز نہیں جس میں ناپاکی ہو اور وہ دہ در دہ نہ ہو۔ ہاں دہ در دہ ہونیکی صورت میں وہ ایسا ہے جیسا بہتا پانی اور بہتے پانی کی تعریف یہ ہے کہ وہ خشک تنکا بہا لے جائے پس ایسے پانی سے وضو جائز ہے بشرطیکہ اس میں نجاست کا کوئی اثر دکھائی نہ دے اور اثر نجاست سے مراد اسکا مزہ، بو اور رنگ ہے۔

ماءِ مستعمل کا حکم

قولہ والماء المستعمل الخ اور جو پانی ثواب کے لئے استعمال کیا گیا ہو مثلاً کسی نے وضو پر وضو کیا ہو یا حکمی ناپاکی کے دور کرنے میں استعمال کیا گیا ہو مثلاً بے وضو ہوجانے پر اس سے وضو کیا ہو اور یہ پانی کسی جگہ زمین یا برتن وغیرہ میں ٹھہر گیا ہو تو یہ پانی خود تو پاک ہے کہ اگر بدن یا کپڑے وغیرہ پر لگ جائے تو اس کا دھونا ضروری نہیں لیکن پاک کرنیوالا نہیں لہذا اس سے دوبارہ وضو کرنا درست نہیں۔ البتہ اگر مستعمل پانی سے کسی حقیقی نجاست کو دھویا جائے تو پاک ہوجائیگی۔

فائدہ: ماءِ مستعمل کے سلسلہ میں چار مقام میں گفتگو ہے (۱) سبب استعمال میں، مصنف نے اس کی طرف "لقربۃ" سے اشارہ کیا ہے (۲) ثبوت استعمال کے وقت میں، اس کی طرف "اذا استقر فی مکان" سے اشارہ ہے۔ (۳) ماءِ مستعمل کی صفت میں اس کی طرف

''طاہر'' سے اشارہ ہے (۴) ماءِ مستعمل کے حکم میں اس کی طرف ''لامطہر'' سے اشارہ ہے علامہ زیلعی کا حکم کو صفت کے تحت داخل کر کے ''طاہر لامطہر'' کو صفت کا بیان ماننا بعید از صواب ہے۔ مقام اول کی توضیح یہ ہے کہ پانی کا استعمال بہ نیت قربت ہو یا برائے رفع حدث بہر دو صورت بقول ابو عبداللہ جرجانی ائمہ ثلاثہ کے نزدیک پانی مستعمل ہو جائیگا گویا سبب استعمال احد الامرین ہے امام ابوبکر رازی نے امام محمد کا اختلاف ذکر کیا ہے اور وہ یہ کہ ان کے یہاں اصل سبب استعمال صرف قربت ہے لیکن شمس الائمہ کا بیان ہے کہ امام محمد سے یہ روایت ثابت نہیں بلکہ ان کا صحیح مذہب یہ ہے کہ ازالہ حدث سے پانی مستعمل ہو جاتا ہے امام زفر کے نزدیک سبب صرف ازالہ حدث ہے تقرب ہو یا نہ ہو مقام ثانی کی تشریح یہ ہے کہ فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ جب تک پانی عضو سے جدا نہ ہو اس وقت تک اس کو مستعمل نہیں کہا جا سکتا البتہ اس میں اختلاف ہے کہ عضو سے جدا ہونے کے بعد مستعمل کہا جائے گا یا نہیں سو مشائخ بلخ اور مشائخ بخارا یہ کہتے ہیں کہ پانی عضو سے زائل ہونے کے بعد جب تک کسی جگہ پر نہ ٹھہر جائے اس وقت تک مستعمل نہیں کہا جائیگا سفیان ثوری فخر الاسلام، ابراہیم نخعی، ابو حفص کبیر، ظہیر الدین مرغینانی کا یہی مذہب ہے اسی کو مصنف نے اختیار کیا ہے اور اسی کو خلاصہ میں پسند کیا گیا ہے لیکن صحیح قول یہ ہے کہ عضو سے الگ ہوتے ہی پانی مستعمل ہو جائیگا کیونکہ عضو سے الگ ہونے سے پہلے تو مجبوری کی وجہ سے مستعمل نہیں کہا جا سکتا ہے لیکن عضو سے الگ ہونے کے بعد کوئی مجبوری نہیں ہے اسی کو صاحب محیط نے احناف کا مذہب بتایا ہے اور اسی پر محققین مشائخ ہیں مقام ثالث کی تحقیق یہ ہے کہ ماءِ مستعمل امام ابوحنیفہ کے نزدیک بروایت حسن بن زیاد نجس بنجاست غلیظہ ہے اور بروایت ابو یوسف نجس بنجاست خفیفہ ہے اور بروایت امام محمد طاہر ہے مشائخ نے امام محمد کی روایت کی تصحیح کی ہے فخر الاسلام نے شرح جامع صغیر میں کہا ہے کہ ہمارے نزدیک یہی مختار ہے اور امام محمد کی عام کتابوں میں بھی یہی مذکور ہے محیط میں ہے کہ امام ابوحنیفہ سے یہی مشہور ہے اور اکثر کتابوں میں اسی پر فتوی ہے۔

مقام رابع کی تفصیل یہ ہے کہ امام محمد کا مذہب اور امام اعظم کی ایک روایت یہ ہے کہ مستعمل پانی پاک تو ہے مگر دوسری چیز کو پاک نہیں کر سکتا یعنی دوبارہ اس سے وضو یا غسل نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں حقیقی نجاست اس سے پاک کی جا سکتی ہے۔ علامہ ابن نجیم نے کہا ہے کہ یہی ایک قول امام شافعی کا بھی ہے کہ اگر کوئی باوضو وضو کرے تو اس کا مستعمل پانی طاہر بھی ہے اور طہور بھی ہے اور اگر کوئی بے وضو کرے تو اس کا مستعمل پانی خود تو پاک ہوگا مگر دوسری چیز کو پاک نہیں کر سکے گا علامہ نووی نے امام شافعی کے دو قولوں میں سے اسی قول کو صحیح قرار دیا ہے اسی پر مسائل کی تفریع کی ہے تیسرا قول امام مالک، امام شافعی، زہری، اوزاعی، ابو ثور کا ہے کہ طاہر بھی ہے اور مطہر بھی ہے کیونکہ طہور قطوع کی طرح مبالغہ کا صیغہ ہے بار بار پاک کرنیوالی چیز کو کہتے ہیں۔ جواب یہ ہے کہ بلاشبہ پانی دوسری چیزوں کو پاک کرنیوالا ہے لیکن اس لئے نہیں کہ طہور بمعنی مطہر ہے بلکہ اس لئے کہ آیت میں طاہر کی جگہ طہور کہہ کر اشارہ کیا گیا ہے کہ غفور و شکور کی طرح اس میں مبالغہ کے معنی ہیں۔ سیبویہ، خلیل، مبرد، اصمعی، ابن السکیت طہور کو مصدر کہتے ہیں جیسا کہ حدیث **مفتاح الصلوة الطهور، طهور اناء احدكم، لاصلوة الابطهور** ''میں طہور اسی معنی میں ہے۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

وَمَسْئَلَةُ الْبِئْرِ جُحْطٌ وَكُلُّ اِهَابٍ دُبِغَ فَقَدْ طَهُرَ اِلَّا جِلْدُ الْخِنْزِيْرِ وَالْاٰدَمِيِّ

اور کنویں کا مسئلہ حروف جحط سے منضبط ہو سکتا ہے اور جو چمڑا دباغت دیدیا جائے وہ پاک ہو جاتا ہے مگر خنزیر اور آدمی کا چمڑا،

وَشَعْرُ الْاِنْسَانِ وَالْمَيْتَةِ وَعَظْمُهُمَا طَاهِرَانِ (فَصْلٌ) وَيُنْزَحُ الْبِئْرُ بِوُقُوْعِ النَّجِسِ

اور آدمی اور مردہ جانور کے بال اور ان کی ہڈیاں پاک ہیں اور کنویں کا پانی کھینچا جائے نجاست گرنے سے نہ کہ اونٹ

لَا بِبَعْرَتَيْ اِبِلٍ وَّ غَنَمٍ وَ خُرْءِ حَمَّامٍ وَ عُصْفُوْرٍ وَبَوْلُ مَايُؤْكَلُ لَحْمُهٗ نَجِسٌ

اور بکری کی ایک آدھ مینگنی سے اور کبوتر یا چڑیا کی بیٹ سے اور جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے ان کا پیشاب ناپاک ہے۔

توضیح اللغۃ :...... بیر کنواں۔ اہاب کچا چمڑا۔ شعر بال۔ عظم ہڈی، نزح کھینچنا، پانی نکالنا۔ بعرۃ مینگنی، خرء بیٹ، حمام کبوتر عصفور چڑیا۔

تشریح الفقہ :......قولہ و مسئلۃ الخ مسئلۃ البئر مبتدا ہے اور ''جحط'' بنا بر خبر محل رفع میں ہے تقدیر عبارت یوں ہے مسئلۃ البئر یضبط فیہا بحروف جحط۔ یعنی کنویں کے مسئلہ میں جو تین مذہب ہیں ان کو حروف جحط کے ذریعہ ضبط کیا جاسکتا ہے۔ ج علامت نجاست ہے اور ح بحال خود رہنے کی اور ط طہارت کی۔ پھر ج سے مذہب امام اعظم کی طرف اور ح سے مذہب ابو یوسف کی اور ط سے مذہب امام محمد کی طرف اشارہ ہے۔ صورت اس کی یہ ہے کہ ایک جنبی نے کسی کنویں میں (جو دہ دردہ نہ ہو) ڈول نکالنے لئے یا ٹھنڈک حاصل کرنے کیلئے غوطہ لگایا درانحالیکہ نہ اس کے بدن پر کوئی حقیقی نجاست تھی اور نہ اس نے وضو یا غسل کی نیت کی تھی۔ نیز کنویں میں جا کر اس نے اپنے بدن کو بھی نہیں ملا۔ تو اب سوال یہ ہوتا ہے کہ کنواں اور جنبی پاک ہے یا ناپاک؟ جواب یہ ہے کہ امام اعظم کے نزدیک ہر دو ناپاک ہیں اس لئے کہ ناپاک آدمی کے پانی میں گھستے ہی پانی بدن کے بعض حصہ سے لگا اور لگتے ہی اتنے حصہ کی جنابت دور ہو گئی جس سے پانی مستعمل ہو گیا۔ اور مستعمل پانی امام صاحب کے نزدیک ناپاک ہے اور جنبی اس لئے ناپاک ہے کہ بقیہ اعضا ناپاک اور مستعمل پانی میں گئے اور ناپاک پانی سے طہارت حاصل نہیں ہوتی امام ابو یوسف کے نزدیک کنواں بحال خود پاک اور آدمی بدستور ناپاک کیونکہ ان کے نزدیک اسقاط فرض کیلئے بدن پر پانی بہانا شرط ہے اور وہ پایا نہیں گیا لہذا پانی مستعمل نہ ہوا اور علی حالہ پاک رہا اور آدمی اس لئے ناپاک رہا کہ نہ رفع حدث پایا گیا اور نہ قصدِ قربت اور امام محمد کے نزدیک ہر دو پاک ہیں جنبی تو اس لئے کہ ان کے ہاں غسل میں پانی بہانا شرط نہیں پس پانی بہائے بغیر فرض جنابت ساقط ہو کر آدمی پاک ہو گیا اور پانی اس لئے کہ امام محمد کے نزدیک مستعمل ہونے کی شرط نیت قربت ہے۔ جو یہاں نہیں پائی گئی لہذا پانی پاک رہا (لیکن) امام محمد کا صحیح مذہب یہ ہے کہ ازالۂ حدث سے بھی پانی مستعمل ہو جاتا ہے۔ لیکن ضرورت اس سے مستثنیٰ ہے لہذا آدمی بھی پاک رہے گا اور کنواں بھی مستعمل نہ ہوگا۔

قولہ و کل اھاب الخ ہر قسم کی کھال دباغت دینے سے پاک اور شرعاً قابل انتفاع ہو جاتی ہے اس پر نماز بھی پڑھی جاسکتی ہے اور اس کی مشکیزہ ڈولچی وغیرہ بنا کر وضو بھی کیا جاسکتا ہے کیونکہ حضور کا ارشاد ہے کہ ''جو کچا چمڑا دباغت دیدیا جائے وہ پاک ہو جاتا ہے (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، نسائی، ابن حبان، احمد، بزار) لیکن آدمی اور خنزیر کی کھال کہ یہ قابل انتفاع نہیں، خنزیر کی کھال تو اس لئے کہ وہ نجس العین ہے نیز وہ پرت پرت (تہ بہ تہ) ہونے کی وجہ سے دباغت پذیر نہیں ہے۔ رہی آدمی کی کھال سو اول تو وہ نہایت رقیق ہونے کی وجہ سے قابل دباغت نہیں ہے اور اگر دباغت دے بھی لیجائے تو اس کی تعظیم و توقیر کے سبب اس کا استعمال جائز نہیں۔

لطیفہ: مصنف نے استثناء میں پہلے خنزیر کو ذکر کیا ہے پھر آدمی کو اس واسطے کہ یہ ذلت و خواری کا مقام ہے یعنی اظہار نجاست کا۔ اس لئے یہاں ذلیل و خوار چیز کو پہلے بیان کرنا عین مقتضائے بلاغت ہے۔

فائدہ: چمڑے کی دباغت سے تین مسئلے متعلق ہیں (۱) اس کا پاک ہونا جس کا تعلق کتاب الصید سے ہے۔ (۲) پوستین وغیرہ پہن کر نماز پڑھنے کا جائز ہونا اس کا تعلق کتاب الصلوۃ سے ہے (۳) چمڑے کی ڈولچی یا مشکیزہ وغیرہ میں پانی لینا اور اس سے وضو کا جائز ہونا اس کا تعلق احکام میاہ سے ہے اس مناسبت سے مصنف نے چمڑے کے مسائل کو پانی کے مسائل کے ذیل میں ذکر کیا ہے۔

قولہ و شعر الانسان الخ آدمی اور مردار کے بال، ہڈی پاک ہے مگر خنزیر اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ اس کی ہر چیز ناپاک ہے اسی قسم کی دیگر اشیاء، کھر، سم، سینگ، اون، ناخن پر، چونچ غرض ہر ایسی چیز کا یہی حکم ہے جس میں زندگی نہ پائی جاتی ہو۔ امام شافعی کے نزدیک یہ سب ناپاک ہیں ہماری دلیل باری عزاسمہ کا اون، بال وغیرہ کو انعامات کی فہرست میں شمار کرانا ہے جو ان کے پاک ہونے کی دلیل ہے کیونکہ ناپاک چیز سے امتنان نہیں ہوا کرتا نیز آنحضرتؐ نے اپنے موئے مبارک ابوطلحہؓ کو عنایت فرمائے تھے اور انہوں نے لوگوں میں تقسیم کئے تھے حضرت ثوبانؓ راوی ہیں کہ آپ نے حضرت فاطمہ کے لئے اونٹ کی ہڈی کا ایک ہار اور عاج یعنی ہاتھی دانت کے دو کنگن خریدے تھے۔

کنویں کے احکام

قولہ و تنزح الخ نزح کی اسناد بیر کی طرف مجازی ہے جیسے ''جری المیزاب'' جس سے کل پانی کے نکالنے میں مبالغہ کو ظاہر کرنا مقصود ہے اگر دہ دردہ سے کم کنویں میں نجاست گر جائے تو باجماع سلف پورے کنویں کا پانی نکالا جائیگا۔ کنویں کے مسائل اثار ونقول اور اتباع سلف پر مبنی ہیں نہ کہ قیاس ورائے پر پس اگر کنویں میں اونٹ یا بکری کی ایک دو مینگنی گر جائے۔ (تین میں اختلاف ہے) تو بمقتضائے قیاس کنواں ناپاک ہوجانا چاہئے۔ لیکن استحسانا ناپاک نہ ہوگا۔ کیونکہ عام طور سے جنگلی کنوؤں کی منیں نہیں ہوتیں جو وقوع نجاست سے رکاوٹ بنیں اور مویشی آس پاس گوبر اور مینگیاں کیا ہی کرتے ہیں جو ہوائیں کنوؤں میں لا ڈالتی ہیں اس لئے تھوڑی سی نجاست کو نظر انداز کیا جائیگا۔ اگر کنویں میں کبوتر یا چڑیا کی بیٹ گر جائے تو اس سے بھی ناپاک نہ ہوگا۔ امام شافعی کے نزدیک ناپاک ہوجائیگا۔ کیونکہ بیٹ بدبو اور فساد کی طرف منتقل ہوگئی۔ لہذا اس کا حال مرغی کی بیٹ جیسا ہوگا۔ جو بالاتفاق ناپاک ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ مساجد میں کبوتروں کے رکھنے اور پالنے کا جمہور مسلمین کا دستور چلا آرہا ہے۔ کسی نے بھی اس پر نکیر نہیں کی جبکہ حضرت عائشہ وسمرہ سے ابوداؤد کی روایت میں گھروں میں مسجد بنانے اور ان کو پاک رکھنے کا حکم موجود ہے پس اجماع فعلی ان کی بیٹ کے ناپاک نہ ہونے کی دلیل ہے، رہا تھوڑی بہت بدبو کا ہونا تو یہ ایسا ہی ہے جیسے کیچڑ میں فی الجملہ بدبو ہوتی ہے حالانکہ وہ امام شافعی کے نزدیک ناپاک نہیں اسی طرح یہ بھی ناپاک نہیں ہونی چاہئے۔

قولہ وبول الخ اگرچہ یہ مسئلہ باب الانجاس سے متعلق ہے لیکن یہ واضح کرنے کے لئے کہ ماکول جانوروں کے پیشاب سے کنواں ناپاک ہوجائیگا۔ یہاں ذکر کیا جارہا ہے کہ ماکول جانوروں کا پیشاب شیخین کے نزدیک ناپاک اور امام محمد کے نزدیک پاک ہے اس سے اصل کے لحاظ سے شیخین کے نزدیک ان کا پیشاب گرنے سے کنواں ناپاک ہوجائیگا اور کل پانی نکالا جائیگا۔ امام محمد کے نزدیک ناپاک نہ ہوگا۔ تاوقتیکہ پیشاب پانی پر غالب نہ آجائے۔ امام محمد کی دلیل یہ ہے کہ حضورؐ نے قبیلہ عرینہ کے لوگوں کو اونٹوں کا پیشاب اور دودھ پینے کی اجازت دی تھی (صحاح ستہ) شیخین کی دلیل حضورؐ کا ارشاد ہے کہ ''پیشاب سے بچو کیونکہ عام طور سے عذاب قبر اسی سے پیش آتا ہے (دارقطنی، حاکم، طبرانی، بیہقی) پھر امام صاحب کے نزدیک ماکول جانوروں کا پیشاب بطور دوا بھی حلال نہیں۔ کیونکہ اس سے حصول شفا یقینی نہیں۔ امام ابو یوسف کے نزدیک بطور دوا اور امام محمد کے نزدیک ہر طرح روا ہے ۱۲۔

تنبیہ: قاضی خان نے شرح جامع صغیر میں اور صاحب معراج الدرایہ نے جو یہ کہا ہے کہ حضورؐ نے عرینین کو صرف دودھ پینے کا حکم دیا تھا صحیح نہیں کیونکہ شرب ابوال کی روایت تو صحاح ستہ میں موجود ہے (۲) درمختار میں جو فیض سے نقل کیا ہے کہ چوہے کا پیشاب کنویں میں گر جائے تو بقول اصح پانی نہیں نکالنا چاہئے دلیل کے لحاظ سے ضعیف ہے جس کی کئی وجہیں ہیں (۱) چوہے کے پیشاب میں بدبو اور فساد بہت زیادہ ہوتا ہے۔ (۲) پیشاب کے عموم میں یہ بھی داخل ہے جس سے بچنا ضروری ہے (۳) چوہا غیر ماکول جانوروں میں سے ہے۔ (۴) چوہے کا پیشاب بلا اختلاف نجس ہے معلوم ہوا درمختار کی یہ نقل قابل اعتماد نہیں ہے۔

لاَ مَالَمْ يَكُنْ حَدَثًا وَّ لاَيُشْرَبُ اَصْلاً وَ عِشْرُوْنَ دَلْوًا وَّسِطًا بِمَوْتِ نَحْوِفَارَةٍ

نہ کہ وہ جو باعث حدث نہ ہو اور نہ پیا جائے بالکل اور بیس ڈول متوسط نکالے جائیں چوہے کے مانند جانور کے مرجانے سے

وَاَرْبَعُوْنَ بِنَحْوِ حَمَامَةٍ وَكُلُّهُ بِنَحْوِشَاةٍ وَانْتِفَاخِ الْحَيْوَان اَوْ تَفَسُّخِهٖ وَمِائَتَان لَوْلَمْ يُمْكِنْ نَزْحُهَا

اور چالیس کبوتر کے برابر اور کل پانی بکری کے برابر جانور کے مرنے اور اس کے پھول یا پھٹ جانے سے اور دوسو اگر کل نکالنا ممکن نہ ہو

وَنَجَّسَهَا مُذْ ثَلٰثٍ فَارَةٌ مُنْتَفِخَةٌ اَوْمُتَفَسِّخَةٌ جَهِلَ وَقْتُ وُقُوْعِهَا وَاِلاَّ مُذْ يَوْمٍ وَّ لَيْلَةٍ

اور ناپاک کردیتا ہے کنویں کو تین دن رات سے وہ پھولا یا پھٹا ہوا چوہا جسکے گرنے کا وقت معلوم نہ ہو ورنہ ایک دن رات سے۔

توضیح اللغۃ: دلوڈول، وسط درمیانی، فارۃ چوہا، حمامۃ کبوتر، شاۃ بکری، منتفخہ انتفاخ سے ہے، پھول جانا، متفسخہ تفسخ سے ہے پھٹ جانا۔

تشریح الفقہ: قولہ لامالم یکن الخ اس کا عطف ''بول'' پر ہے ای مالا یکون حدثا لایکون نجسا یعنی انسان کے بدن سے جس چیز کا نکلنا باعث حدث نہیں ہے وہ نجس بھی نہیں ہے جیسے تھوڑی قے، خون، پیپ وغیرہ جو اپنی جگہ سے بہانہ ہو اگر یہ پانی میں گر جائے یا کپڑے یا بدن وغیرہ میں لگ جائے تو ناپاک نہ ہوگا۔ یہ امام ابو یوسف کے نزدیک ہے۔ امام محمد فرماتے ہیں کہ نجس ہو جائیگا امام اسکاف و ہندوانی دونوں امام محمد کے قول پر فتوی دیتے تھے لیکن صاحب ہدایہ وغیرہ نے امام ابو یوسف کے قول کی تصحیح کی ہے السراج الوہاج میں ہے کہ اگر تھوڑی قے کپڑے اور بدن وغیرہ پر لگ جائے تو فتوی امام ابو یوسف کے قول پر ہے اور اگر پانی وغیرہ میں گر جائے تو امام محمد کے قول پر ہے۔

قولہ وعشرون الخ اس کا عطف ''البیر'' پر ہے بایں معنی کہ اس سے مراد ماء البیر ہے اور ''وعشرون'' میں واؤ عاطفہ بقیہ معطوفات کی طرح اؤ کے معنی میں ہے تقدیر عبارت یوں ہے ''ینزح ماء البیر کلہ بوقوع نجس غیر حیوان او ینزح عشرون دلوا من ماء البیر بموت نحو فارۃ اھ'' حاصل آنکہ اگر کنویں میں چوہا یا اسکے مانند جانور (چڑیا، بھجنگا، ممولا، گرگٹ وغیرہ) گر کر مر جائے تو بیس ڈول نکالے جائیں گے حضرت انسؓ کی حدیث ہے کہ ''اگر کنویں میں چوہا گر کر مر جائے اور فوراً نکال لیا جائے تب بھی بیس ڈول پانی نکالنا چاہئے۔ (طحاوی قالہ الشیخ علاؤ الدین) اور چڑیا وغیرہ جسامت میں چوہے کے برابر ہوتی ہے لہذا اس کا حکم بھی ویسا ہی ہے پھر بیس ڈول نکالنا واجبی حکم ہے اور تیس ڈول نکالنا استحبابی ہے اور اگر کبوتر یا اسکے مانند مرغی، بلی وغیرہ گر کر مر جائے تو چالیس ڈول نکالے جائیں گے حضرت ابو سعید خدریؓ کی حدیث میں یہی حکم ہے (طحاوی) اور اگر بکری یا آدمی گر کر مر جائے یا کوئی جانور پانی میں گر کر پھول جائے یا پھٹ جائے تو پورا پانی نکالا جائیگا) چاہ زمزم میں حبشی کے مر جانے پر ابن عباسؓ و ابن زبیرؓ نے یہی فتوی دیا تھا۔ (دار قطنی، بیہقی، ابن ابی شیبہ، طحاوی) اور اگر کل پانی نکالنا ممکن نہ ہو تو دو سو ڈول نکالے جائیں گے۔ یہ امام محمد کا تخمینہ ہے۔ امام اعظم سے مروی ہے کہ اتنا پانی نکالا جائے کہ لوگ تھک کر مغلوب ہو جائیں۔ اور گویا پانی ان پر غالب آ جائے۔

قولہ ونجسہا الخ اگر کنویں میں کوئی جانور گر کر پھول گیا یا پھٹ گیا اور اس کے گرنے کا وقت معلوم نہیں تو تین دن تین رات قبل سے کنوئیں کو ناپاک کہا جائیگا۔ اور جتنی چیزیں اس مدت میں اس ناپاک پانی کے استعمال میں آئی ہیں پھر سے پاک کیا جائیگا اور اگر پھولا یا پھٹا نہ ہو تو ایک دن ایک رات قبل سے کنویں کو ناپاک کہیں گے یہ امام ابو حنیفہ کا قول ہے صاحبین فرماتے ہیں کہ جس وقت جانور کو کنویں میں دیکھا گیا ہے اسی وقت سے کنواں ناپاک تصور کیا جائیگا بقول بعض اسی پر فتوی ہے غایۃ البیان میں ہے کہ امام صاحب کا قول احوط ہے۔ اور صاحبین کا قول آسان تر لیکن علامہ قاسم بن قطلوبغا نے اکثر کتابوں کے خلاف ہونے کی وجہ سے نیز امام صاحب کی دلیل کے مرجوح ہونے کی وجہ سے اس کو رد کر دیا ہے۔ علامہ صاغی امور صلوۃ میں امام ابو حنیفہ کے قول پر اور اسکے ماسوا میں صاحبین کے قول پر فتوی دیتے تھے۔

وَالْعِرْقُ كَالسُّؤْرِ وَ سُؤْرُ الْأٰدَمِيِّ وَ الْفَرَسِ وَ مَايُؤْكَلُ لَحْمُهٗ طَاهِرٌ

اور پسینہ (کا حال) مثل جھوٹے کے ہے اور آدمی اور گھوڑے اور ان جانوروں کا جھوٹا جن کا گوشت کھایا جاتا ہے پاک ہے

وَالْكَلْبِ وَالْخِنْزِيْرِ وَسِبَاعِ الْبَهَائِمِ نَجِسٌ وَالْهِرَّةِ وَالدَّجَاجَةِ الْمُخَلَّاةِ وَسِبَاعِ الطَّيْرِ

اور کتے اور خنزیر اور درندے چوپاؤں کا جھوٹا ناپاک ہے اور بلی اور کھلی پھرنے والی مرغی اور پھاڑنے والے پرندوں

وَسَوَاكِنِ الْبُيُوْتِ مَكْرُوْهٌ وَالْحِمَارِ وَالْبَغْلِ مَشْكُوْكٌ يَتَوَضَّأُ بِهٖ وَ يَتَيَمَّمُ

اور گھر میں رہنے والے جانوروں کا جھوٹا مکروہ ہے اور گدھے اور خچر کا جھوٹا مشکوک ہے پس اس سے وضو بھی کرے اور تیمم بھی

اِنْ فُقِدَ الْمَاءُ وَاَيًّا قَدَّمَ صَحَّ بِخِلَافِ نَبِيْذِ التَّمرِ

اگر اور پانی نہ ہو اور جس کو پہلے کرے درست ہے بخلاف نبیذ تمر کے۔

توضیح اللغۃ: عرق پسینہ، سور جھوٹا، فرس گھوڑا، سباع درندے، بہائم چوپائے، ہرۃ بلی، دجاجۃ مرغی، مخلاۃ کھلی پھرنے والی، حمار گدھا، بغل خچر، نبیذ التمر شراب خرما۔

تشریح الفقہ: قولہ والعرق الخ ہر جانور کے پسینہ کا حکم وہی ہے جو اسکے جھوٹ کا ہے کیونکہ پسینہ اور لعاب دونوں گوشت سے پیدا ہوتے ہیں اس لئے دونوں کا حکم بھی ایک ہی ہوگا۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ پسینہ کا گوشت سے پیدا ہونا تو ظاہر ہے لیکن جھوٹ تو بچا ہوا کھانا یا پانی ہے گوشت سے اس کا کیا تعلق؟ جواب یہ ہے کہ حکم کے لحاظ سے سور سے مراد جھوٹ نہیں بلکہ لعاب ہے لعاب کے مخفی ہونے کی وجہ سے حکم کا مدار جھوٹ پر رکھدیا گیا۔

قولہ مشکوک الخ پالتو گدھے کا جھوٹا اور اس خچر کا جھوٹا جو گدھی کے پیٹ سے پیدا ہو مشکوک ہے اکثر مشائخ کی عبارت یہی ہے ابو طاہر دباس اس پر اعتراض کرتے ہیں کہ مشکوک کہنا صحیح نہیں کیونکہ احکام خداوندی میں سے کوئی حکم بھی مشکوک نہیں۔ پس ان کا جھوٹ پاک ہے اگر اس میں کپڑا ڈوب گیا تو اسکے ساتھ نماز جائز ہے البتہ اس میں احتیاط برتی گئی ہے اس لئے وضو اور تیمم دونوں کا حکم کیا جاتا ہے۔ اور بحالت قدرت اسکے استعمال سے منع کیا جاتا ہے مشائخ کی طرف سے اس کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ مشکوک کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اسکا شرعی حکم معلوم نہیں کیونکہ حکم شرعی یعنی استعمال کا ضروری ہونا اور نجاست کا منتفی ہونا اور اسکے ساتھ تیمم کو ضم کرنا تو بلاشک معلوم ہے بلکہ شک سے مراد تعارض ادلہ کی بنا پر توقف ہے۔ جس کا بیان یہ ہے کہ گدھے اور خچر کے گوشت کی اباحت و حرمت میں احادیث متعارض ہیں چنانچہ حضرت جابر کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ خیبر کے موقعہ پر پالتو گدھوں کے گوشت سے منع فرمادیا تھا اور گھوڑے کے گوشت کی اجازت دی تھی (صحیحین) اور حضرت علی کی روایت ہے کہ آنحضرت نے گھوڑے، گدھے، خچر کے گوشت کی ممانعت فرمائی (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ) ابوداؤد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قحط کے زمانے میں آپنے بعض کو پالتو گدھے کے گوشت کی اجازت دی تھی۔ شیخ الاسلام خواہر زادہ کہتے ہیں کہ یہ وجہ قوی نہیں کیونکہ جب محرم اور مبیح کا اجتماع ہو تو محرم کو ترجیح ہوتی ہے جیسے کوئی شخص گوشت کے متعلق خبر دے کہ یہ آتش پرست کا ذبیحہ ہے اور دوسرا یہ بتائے کہ مسلمان کا ہے تو غلبہ حرمت کیوجہ سے اسکا کھانا حلال نہیں معلوم ہوا کہ گوشت بلا اشکال حرام ہے اور گوشت سے لعاب پیدا ہوتا ہے لہذا بلا اشکال نجس ہوا بعض حضرات نے اختلاف صحابہ کو وجہ اشکال مانا ہے کیونکہ ابن عمر کی روایت تو سور حمار کے ناپاک ہونے کی ہے اور ابن عباس کی روایت پاک ہونیکی ہے شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ یہ وجہ بھی قوی نہیں کیونکہ پانی کی طہارت و نجاست میں اختلاف کا ہونا باعث اشکال نہیں جیسے کوئی شخص ایک برتن کے بارے میں اطلاع دے کہ یہ ناپاک ہے اور دوسرا کہے کہ پاک ہے تو ایسی صورت میں دونوں خبریں مستوی ہوتی ہیں اور اعتبار اصل کا ہوتا ہے لہذا یہاں بھی ایسا ہی ہوگا پس اشکال کی بہتر وجہ ضرورت ہے کہ ان جانوروں کو اکثر گھروں کے دروازوں میں باندھا جاتا ہے اور کونڈوں میں پانی پلایا جاتا ہے۔ اور ضرورت کا تحقق اسقاط نجاست میں مؤثر ہوتا ہے جیسے بلی اور چوہے کے مسئلے میں ہے البتہ گدھے کے بارے میں جو ضرورت ہے وہ اس ضرورت سے کم ہے جو بلی اور چوہے میں ہے اب اگر ضرورت کا قطعاً تحقق نہ ہوتا جیسے کتے اور درندوں میں ہے تب تو بلا اشکال نجاست کا حکم لگتا اور اگر ضرورت ایسی ہوتی جیسے بلی چوہے میں ہے تو اسقاط نجاست کا حکم لاگو ہوتا اور یہاں من وجہ ضرورت ہے اور من وجہ ضرورت نہیں ہے اور موجب طہارت و موجب نجاست ہر دو مستوی ہیں لہذا دونوں ساقط ہوئے اور اصل کی طرف رجوع کرنا ضروری ہوا اور اصل یہاں دو چیزیں ہیں پانی میں طہارت اور لعاب میں نجاست اور ان میں سے کوئی ایک دوسرے سے اولی ہے نہیں اسلئے معاملہ مشکل ہوگیا۔ پھر مشکوک فیہ میں بھی دو قول ہیں ایک یہ کہ خود ایسے پانی کی طہارت میں شبہ ہے

کیونکہ اگر یہ پانی پاک ہوتا تو پانی میں ملنے کے بعد پانی کے مقابلہ میں مغلوب ہونے کی صورت میں مطہر بھی ہونا چاہئے تھا حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اسکے مطہر ہونے میں شبہ ہے کیونکہ اگر کوئی شخص گدھے کے جھوٹے پانی سے سر کا مسح کر لے اور بعد میں اسکو مطلق پانی دستیاب ہو تو اسپر سر کو دھونا واجب نہیں۔ اگر اسکے پاک ہونے میں شبہ ہوتا تو بلاشبہ سر کو دھونا واجب ہوتا۔

قولہ یتوضأبہ الخ وضو کرنیوالا اگر گدھے اور خچر کے جھوٹے پانی کے علاوہ دوسرا پانی نہ پائے تو وضو اور تیمم دونوں کو جمع کر لے اور ان میں سے جس کو چاہے پہلے کر لے۔ امام زفر فرماتے ہیں کہ پہلے وضو کرنا ضروری ہے کیونکہ یہ پانی واجب الاستعمال ہے لہذا مطلق پانی کے مشابہ ہے ہم یہ کہتے ہیں کہ ان دونوں میں سے مطہر چونکہ صرف ایک ہے اسلئے دونوں کا جمع کرنا مفید ہوگا نہ کہ ترتیب۔

قولہ بخلاف النبیذ الخ پانی میں بھیگے ہوئے چھواروں کا آب زلال جس کو نبیذ تمر کہتے ہیں۔ اگر تھوڑے سے چھوارے ڈالکر معمولی سی مٹھاس آ گئی تب تو بالاتفاق اس سے وضو جائز ہے لیکن اگر اتنے زیادہ چھوارے ڈال دیئے کہ پانی شیرہ کی طرح گاڑھا ہو گیا تو پھر بالاجماع اس سے وضو جائز نہیں۔ اور اگر چھوارے اتنے ہوں کہ مٹھاس تو کافی ہو مگر پانی کی رقت بھی باقی ہو تو اس میں اختلاف ہے۔ خود امام صاحب کے اس بارے میں دو قول ہیں ایک یہ کہ اس سے وضو کرے تیمم کی اجازت نہیں۔ احکام القرآن میں ابوبکر رازی نے اسی کو مشہور روایت کہا ہے دوسرا قول نوح بن ابی مریم اور اسید بن عمرو اور حسن بن زیاد کی روایت کے مطابق یہ ہے کہ وضو جائز نہیں بلکہ تیمم کرنا چاہئے، امام مالک، امام شافعی، امام احمد، امام ابو یوسف سب کا یہی قول ہے نبیذ تمر سے جواز وضو کی دلیل حدیث لیلۃ الجن ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی نہ ملنے پر نبیذ تمر سے وضو فرمایا تھا (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، احمد، دار قطنی، طحاوی، ابن عدی، عن ابن مسعودؓ) جن حضرات کے یہاں نبیذ تمر سے وضو جائز نہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ حدیث لیلۃ الجن آیت تیمم سے منسوخ ہے۔ کیونکہ آیت تیمم ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی ہے اور واقعہ لیلۃ الجن مکہ میں پیش آیا ہے۔ امام محمد صاحب یہ فرماتے ہیں کہ نبیذ تمر سے وضو کیساتھ تیمم بھی کرے کیونکہ حدیث لیلۃ الجن میں اول تو اضطراب ہے دوسرے آیت تیمم اور حدیث لیلۃ الجن میں تقدم و تأخر کا پتہ نہیں چلتا جس سے ایک کو ناسخ دوسرے کو منسوخ کہا جا سکے۔ جواب یہ ہے کہ واقعہ لیلۃ الجن ایک دفعہ نہیں بلکہ چھ مرتبہ ہوا ہے جن میں سے دو دفعہ مکہ معظمہ میں ہوا ہے اور چار مرتبہ مدینہ وغیرہ میں پیش آیا ہے۔ پس بہت ممکن ہے نبیذ تمر سے وضو کا واقعہ مدینہ کا ہو جو آیت تیمم کے بعد میں پیش آیا لہذا نسخ کا دعوی صحیح نہیں۔ علرمہ، اوزاعی، حسن، اسحاق بھی جواز کے قائل ہیں۔ ابن قدامہ کہتے ہیں کہ حضرت علی اور حسن بصری سے بھی یہی مروی ہے۔

رہے حدیث لیلۃ الجن پر اعتراض سو اول تو ابن الہمام نے ان کے جوابات دیئے ہیں۔ دوسرے یہ کہ امام اعظم سے نبیذ تمر سے وضو کے سلسلہ میں رجوع ثابت ہے جس کے بعد گفتگو کی ضرورت ہی نہیں۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

باب التیمّم

باب تیمّم کے بیان میں

قولہ باب التیمم الخ تیمم چونکہ وضو کا قائم مقام ہوتا ہے اس لئے مصنف وضو کے بیان سے فارغ ہو کر تیمم کا بیان شروع کر رہا ہے۔ کیونکہ خلیفہ کا مرتبہ اصل کے بعد ہوتا ہے پھر اس میں کلام اللہ کی اتباع بھی ہے کیونکہ کلام الٰہی میں پہلے وضو کا بیان ہے پھر غسل کا اسکے بعد تیمم کا۔ لغت میں تیمم کے معنی مطلق قصد اور ارادے کے ہیں۔ قال تعالیٰ ''ولا تیمموا الخبیث'' شرعاً بہ نیت تقرب پاک مٹی وغیرہ سے چہرہ اور دونوں ہاتھوں کے مسح کرنے کو کہتے ہیں۔ صحیح اور متفق علیہ تعریف یہی ہے۔ تیمم کے ارکان اور اس کی شروط کا مفصل بیان تو آگے آرہا ہے یہاں اجمالی طور پر معلوم کر لینا چاہئے۔ سو تیمم کے دو رکن ہیں۔ (۱) دو مرتبہ پاک مٹی وغیرہ پر ہاتھ مارنا (۲) چہرہ اور دونوں ہاتھوں کا پورے طور پر استیعاب۔ تیمم کے لئے چھ شرطیں ہیں۔ (۱) نیت (۲) مسح (۳) کم از کم تین انگلیوں سے تیمم کرنا (۴) مٹی یا اس کے مثل کا ہونا (۵) زمین وغیرہ کا مطہر ہونا (۶) پانی کا نہ ملنا یا نقصان دہ ہونا۔ ابن وہبان نے اسلام کی شرط کا بھی اضافہ کیا ہے نیز حیض و نفاس کا منقطع ہونا اور چہرہ اور ہاتھوں پر چربی وغیرہ کا نہ ہونا بھی شرط ہے جو مانع تیمم ہوں تیمم میں آٹھ سنتیں ہیں۔ (۱) شروع میں وضو کی طرح بسم اللہ پڑھنا (۲) دونوں ہتھیلیوں کے اندرونی حصہ کو زمین پر مارنا (۳) ہتھیلیوں کو زمین پر رکھ کر آگے کی طرف کھینچنا (۴) پھر ہتھیلیوں کو زمین پر رکھے ہوئے لوٹانا (۵) دونوں ہتھیلیوں کا جھاڑنا تاکہ زائد مٹی جھڑ جائے ورنہ مثلہ ہو جائیگا۔ (۶) انگلیاں کشادہ کر کے زمین پر مارنا تاکہ اگر غبار ہو تو انگلیوں کے درمیان میں آجائے (۷) ترتیب قائم رکھنا یعنی اول چہرہ پھر داہنے ہاتھ پھر بائیں ہاتھ پر مسح کرنا (۸) مسح میں اس طرح تسلسل رکھنا کہ اگر پانی سے اعضا دھوئے جاتے تو اتنی دیر میں پہلا عضو خشک نہ ہونے پاتا۔ تیمم کی مذکورہ بالا شرطیں اور سنتیں اس قطعہ میں منظوم ہیں ؎

والاسلام شرط عذر و ضرب و نیته　　　ومسح و تعمیم صعید مطهر

وسنته سمی و بطن وفرج　　　ونفض ورتب وآل اقبل و تدبر

فائدہ: مشروعیت تیمم امت محمدیہ کے خواص میں سے ہے ارشاد نبوی ہے ''جعلت لی الارض مسجد او طهورا'' یعنی روئے زمین کو خاص طور پر ہمارے لئے مسجد اور ذریعہ طہارت بنایا گیا ہے تیمم کی مشروعیت غزوہ مریسیع میں ہوئی حضرت عائشہ صدیقہ کا ہڈی کا ہار گم ہو گیا تھا آنحضرت نے لوگوں کو تلاش کرنے کیلئے فرمایا اس میں نماز کا وقت ہو گیا پانی موجود نہ تھا بعض لوگوں نے اس پریشان کن صورت حال کی شکایت صدیق اکبر سے کی کہ آپ کی صاحبزادی کی وجہ سے آنحضرت صلعم اور دوسرے لوگوں کو زحمت انتظار گوارا کرنی پڑی صدیق اکبر نے یہ سنکر صاحبزادی کو برا بھلا کہا کہ تمہاری وجہ سے ایسی جگہ رکنا پڑا جہاں پانی نہیں ہے۔ اس پر آیت تیمم نازل ہوئی اور حق سبحانہ وتعالیٰ نے اس مشکل کو آسان کر کے ہمیشہ کے لئے ضرورتمند مسلمانوں پر احسان عظیم فرمایا۔ اسید بن حضیرؓ فرمانے لگے کہ اے آل ابوبکر! تیمم کا یہ انعام تمہاری کچھ پہلی ہی خیر و برکت نہیں ہے بلکہ ام المومنین خدا تم پر رحمت فرمائے جب کبھی آپ کے ساتھ کوئی ناگوار بات پیش آئی تو ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے اس میں کوئی ایسا انعام بھی رکھدیا جس میں مسلمانوں کے لئے سہولت اور آسانی ہو۔

يَتَيَمَّمُ لِبُعْدِهٖ عَنْ مَاءٍ اَوْلِمَرَضٍ اَوْبَرَدٍ اَوْ خَوْفِ عَدُوٍّ اَوْ سَبُعٍ اَوْ عَطَشٍ

نمازی تیمم کرے پانی سے ایک میل دور ہونے یا بیماری یا سردی یا دشمن یا درندے یا تشنگی کے اندیشہ

اَوْ فَقْدِ آلَةٍ مُسْتَوْعِباً وَجْهَهٗ وَيَدَيْهِ مَعَ مِرْفَقَيْهِ بِضَرْبَتَيْنِ

یا ڈول رسی وغیرہ کے نہ ہونے کی صورت میں درانحالیکہ گھیرنے والا ہو منہ کو اور دونوں ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دو ضربوں کے ساتھ

وَلَوْ جُنُباً اَوْ حَائِضاً بِطَاهِرٍ مِنْ جِنْسِ الاَرْضِ وَاِنْ لَمْ يَكُنْ عَلَيْهِ نَقْعٌ وَبِهٖ بِلاَعِجْزٍ
اگرچہ ناپاک یا حائضہ ہو جنس زمین سے کسی پاک چیز پر گو اس پر غبار نہ ہو اور صرف غبار پر مٹی سے عاجز نہ ہونے کے باوجود

نَاوِيًا فَلَغَا تَيَمُّمُ كَافِرٍ لاَ وُضُوْئُهٗ
درانحالیکہ نیت کرنے والا ہو پس کافر کا تیمم لغو ہے نہ کہ اس کا وضو

توضیح اللغۃ: میل ایک ہزار باع کی مسافت (دونوں ہاتھوں کے پھیلاؤ کی لمبائی) برد سردی، عدو دشمن، سبع درندہ۔ عطش پیاس۔ فقد گم کرنا۔ آلہ مراد ڈول رسی وغیرہ مستوعبا استیعاب گھیرنا۔ نقع غبار۔ لغا لغو ہونا۔

حل ترکیب: یتیمم ای المکلف میلا بعد سے تمیز ہے۔ عن ماء بعد مصدر سے متعلق ہے اوکل مواضع میں تنویع وتقسیم کے لئے ہے لمرض تیمم سے متعلق ہے او برد سے اوفقد آلہ تک سب ''لمرض'' پر معطوف ہیں مستوعبا مصدر محذوف کی صفت ہے ای تیمم تیمما مستوعبا۔ علامہ زیلعی نے تیمم کی ضمیر فاعل سے حال ہونا بھی جائز رکھا ہے وجہہ مستوعبا کا مفعول ہے ید یہ وجہ پر معطوف ہے بضربتین تیمم یا مستوعبا سے متعلق ہے بظاہر علامہ عینی کے نزدیک باء محل جر میں ہے اور ضربتین کی صفت ہے اسی ضربتین ملتصقتین بظاہر۔ لیکن اکثر شروح میں تیمم سے متعلق مانا ہے ناویا تیمم کی ضمیر فاعل سے حال ہے۔

تشریح الفقہ: قولہ تیمم الخ جب نمازی پانی سے ایک میل دُور ہو یا بیماری بڑھ جانیکا خطرہ ہو یا سردی کی وجہ سے بیمار پڑ جانیکا اندیشہ ہو یا دشمن یا درندہ کا ڈر ہو یا پیاس کا خوف ہو یا پانی برآمد کرنیکا سامان ڈول رسی وغیرہ مفقود ہو تو ایسی صورت میں تیمم کرے اس طرح کہ جنس زمین پر جو پاک ہو گو اسپر غبار نہ ہو بہ نیت تیمم دو ضربوں کے ساتھ اپنے چہرہ اور دونوں ہاتھوں کو کہنیوں سمیت گھیرنیوالا ہو اور اگر مٹی کے ہوتے ہوئے غبار سے تیمم کرلیا تب بھی درست ہے لیکن نیت کا ہونا ضروری ہے اور نیت اسی کی درست ہو سکتی ہے جو نیت کا اہل ہو پس کافر کا تیمم بیکار ہے کیونکہ اس میں نیت کی اہلیت نہیں ہاں اس کا وضو صحیح ہے کیونکہ وضو میں نیت شرط نہیں ہے۔

فائدہ: قرآن پاک میں پانی کی غیر موجودگی کو شرط نہیں فرمایا بلکہ مشکل سے دستیاب ہونے کو شرط قرار دیا ہے جس کا معیار کم از کم ایک میل دور قرار دی گئی ہے بعض نے کہا ہے کہ چلانے سے جہاں تک آواز پہنچے اتنی دوری کا اعتبار ہے اور بعض کے نزدیک بجانب سفر دو میل کی دوری ضروری ہے اور بعض نے ہر طرف دو میل کی دوری کہا ہے لیکن صاحب ہدایہ وغیرہ نے ایک میل کی دوری کو مختار کہا ہے میل کے سلسلہ میں معتبر قول ابوالعباس احمد شہاب الدین بن ہائم کا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک برید ۴ فرسخ کا ہوتا ہے اور ایک فرسخ ۳ میل کا اور ایک میل ۱۰۰۰ باع کا اور ایک باع چار گز کا اور ایک گز ۲۴ انگل کا اور ایک انگل ۶ جو کا اس طرح کہ ایک جو کی پیٹھ دو سرے جو کے پیٹ سے ملی ہو اور ایک جو خچر کے ۶ بالوں کا ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ ایک میل تہائی فرسخ کا ہوتا ہے جس کی مقدار چار ہزار گز ہے بعض حضرات نے کل مسافتوں کو ان اشعار میں جمع کیا ہے۔

ان البريد من الفراسخ اربع　　ولفرسخ فثلاث اميال ضعوا
والميل الف اى من الباعات قل　　والباع اربع اذرع تتبع
ثم الذراع من الا صابع اربع　　من بعدها العشرون ثم الا صبع
ست شعيرات فظهر شعيرة　　مهنا الى بطن الاخرى توضع
ثم الشعيرة ست شعرات فقل　　من شعر بغل ليس فيها مدفع

قولہ من جنس الارض الخ طرفین کے نزدیک ہر ایسی چیز کے ساتھ تیمم جائز ہے جو زمین کی جنس سے ہو جنس زمین سے ہونے کی پہچان یہ ہے کہ وہ آگ میں نہ جلے اور پانی میں نہ گلے جیسے مٹی، ریت، پتھر، چونہ وغیرہ لیکن راکھ اس سے مستثنیٰ ہے کہ یہ نہ جلائے سے جلے نہ پگھلائے سے پگھلے پھر بھی اس سے تیمم جائز نہیں۔ اور جو چیزیں آگ میں جل کر راکھ ہو جائیں جیسے درخت، پھل، پھول، گھاس، پھونس، غلہ وغیرہ یا پگھل کر نرم ہو جائیں جیسے لوہا، تانبہ، پیتل، سونا، چاندی، آبگینے وغیرہ تو یہ زمین کی جنس سے نہیں ہیں چونہ اس سے مستثنیٰ ہے کہ اس سے تیمم کی اجازت ہے کانچ جو ریگ اور دوسری چیز سے مل کر بنتی ہے اس نے خارج ہو گئی اسی طرح منجمد پانی بھی نکل گیا البتہ لوہا وغیرہ جو کان میں ہو جس پر مٹی بھی لگ رہی ہو تو اس سے تیمم جائز ہے۔ بشرطیکہ ہاتھ لگا کر کھینچنے سے مٹی کا اثر ظاہر ہو ورنہ جائز نہیں ہے گیرو گندک، فیروزہ، عقیق، بلخش سے بھی تیمم جائز ہے۔ (فتح، بحر، قاضی خان) جلی ہوئی زمین سے اصح قول پر تیمم جائز ہے (ظہیریہ) جو چیزیں مٹی سے بنتی ہیں جیسے کوزہ طباق وغیرہ ان پر تیمم جائز ہے (فتح) البتہ روغنی برتن جن پر ایسا لک لگ رہا ہو جو زمین کی جنس سے نہ ہو تیمم جائز نہیں (خزانہ، فتح) پکی اینٹ سے صحیح قول پر تیمم جائز ہے (فتح، بحر تبیین) سرخ، سیاہ، سفید، زرد، سبز اور نمناک مٹی اور کیچڑ سے تیمم جائز ہے (ہدایہ، خلاصہ، تاتارخانیہ) پسے ہوئے یا سالم موتیوں سے تیمم جائز نہیں ہے (محیط) مشک، عنبر، کافور راکھ سے تیمم جائز نہیں ہے (ظہیریہ) پانی سے بنے ہوئے نمک سے بالاتفاق تیمم جائز نہیں ہے۔ البتہ پہاڑی نمک سے جواز کا فتویٰ ہے۔ (بحر) زمرد، زبرجد، یاقوت، مرجان سے تیمم جائز ہے (بحر تبیین) لیکن فتح القدیر سے معلوم ہوتا ہے کہ ان چاروں سے اور موتی سے تیمم جائز نہیں ہے صاحب تنویر بھی مرجان کے بارے میں یہی کہتے ہیں کہ وہ پانی سے بنتا ہے محیط غایۃ البیان توشیخ غایہ معراج الدرایہ تبیین، بحر کے مطابق جواز اظہر ہے لیکن مقتضی احتیاط عدم جواز ہے۔ یہ کل تفصیل طرفین کے مذہب پر ہے امام ابو یوسف کے دو قول ہیں اول تو انہوں نے مٹی اور ریت دونوں سے جواز مانا تھا لیکن بقول یعلی ان کا آخری قول صرف خالص مٹی کا ہے۔ امام شافعی کے نزدیک صرف اگانے والی مٹی سے تیمم جائز ہے وہ یہ فرماتے ہیں کہ ارشاد باری "فتیمموا صعیداً طیبا" کی تفسیر ابن عباس نے اگانے والی مٹی کے ساتھ کی ہے طرفین یہ فرماتے ہیں کہ "صعید" کے معنی روئے زمین کے ہیں یعنی بالائی حصہ اصمعی، خلیل، ثعلب، ابن الاعرابی سب سے یہی معنی منقول ہیں۔ زجاج نحوی، معانی القرآن" میں لکھتے ہیں کہ صعید کے معنی زمین کے بالائی حصہ کے ہیں خواہ مٹی اور ریت ہو یا پتھر وغیرہ۔ ائمہ لغت میں سے کسی نے اسکے خلاف نہیں کہا۔ باقی آیت میں لفظ صعید کیساتھ لفظ طیب کا بھی اضافہ ہے سو اس میں صاف ستھرے، حلال، اگانے سب معانی کا احتمال ہے۔ متعدد آیات میں یہ معانی مستعمل ہیں لیکن اس مقام پر بقول ابواسحاق اکثر کے نزدیک قرینہ مقامیہ کی وجہ سے طیب کے معنی طاہر اور پاک کے ہیں۔ رہے اگانے کے معنی سو اول تو یہ اس مقام کے مناسب نہیں۔ دوسرے یہ کہ بقول اصح خود امام شافعی کے نزدیک اگانے کی شرط نہیں کیونکہ پاک مٹی سے تیمم جائز ہے اگرچہ اگانے والی نہ ہو اور ناپاک سے جائز نہیں گو اگانے والی ہو۔ اس لئے ان کا یہ استدلال بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ اس استدلال کی رو سے زمین شور سے تیمم جائز نہیں ہونا چاہئے جس میں اگانے کی صلاحیت ہی نہیں ہوتی حالانکہ حنفیہ کیطرح امام نووی بھی جواز تیمم کے قائل ہیں (نور الدرایہ بتہذیب وترتیب)۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

وَلَايَنْقُضُهُ رِدَّتُهُ بَلْ نَاقِضُ الْوُضُوْءِ وَقُدْرَةُ مَآءٍ فَضُلَ عَنْ حَاجَتِهٖ فَهِيَ تَمْنَعُ التَّيَمُّمَ

اور نہیں توڑتا ہے تیمم کو مرتد ہونا بلکہ ناقض وضو اور ضرورت سے زائد پانی پر قدرت حاصل ہونا توڑتا ہے اور پانی پر قدرت تیمم سے روکتی ہے

وَتَرْفَعُهُ وَلِرَاجِي الْمَآءِ اَنْ يُّؤَخِّرَ الصَّلٰوةَ اِلٰى اٰخِرِ الْوَقْتِ وَصَحَّ قَبْلَ الْوَقْتِ وَلِفَرْضَيْنِ

اور اس کو ختم بھی کر دیتی ہے اور پانی کا امیدوار نماز کو مؤخر کر دے۔ اور صحیح ہے قبل از وقت اور دو فرضوں کے لئے

وَخَوْفِ فَوْتِ صَلٰوةِ جَنَازَةٍ اَوْعِيْدٍ وَّلَوْبِنَآءً لَا لِفَوْتِ جُمُعَةٍ وَوَقْتٍ

اور نماز جنازہ وعیدین کے فوت ہونے کے خوف سے اگرچہ بطور بناء ہی ہو نہ کہ جمعہ اور وقتی نماز کے فوت ہونے کے خوف سے

وَلَمْ يُعِدْ اِنْ صَلّٰى بِهٖ وَنَسِيَ الْمَآءَ فِيْ رَحْلِهٖ وَيَطْلُبُهٗ غَلْوَةً اِنْ ظَنَّ قُرْبَهٗ

اور نہ لوٹائے اگر تیمم سے نماز پڑھ لی اور کجاوہ میں پانی بھول گیا اور پانی ایک تیر کی مقدار تلاش کرے اگر قریب ہونے کا گمان ہو

وَاِلَّا لَا وَيَطْلُبُهٗ مِنْ رَّفِيْقِهٖ فَاِنْ مَنَعَهٗ مِنْهُ تَيَمَّمَ وَاِنْ لَّمْ يُعْطِهٖ اِلَّا بِثَمَنِ مِثْلِهٖ وَلَهٗ ثَمَنٌ

ورنہ نہیں اور رفیق سفر سے پانی طلب کرے اگر وہ نہ دے تو تیمم کرے اور اگر وہ پانی کی واجبی قیمت کے بغیر نہ دے اور اس کے پاس دام ہوں

لَايَتَيَمَّمُ وَاِلَّا تَيَمَّمَ وَلَوْ اَكْثَرُهٗ مَجْرُوْحًا تَيَمَّمَ وَبِعَكْسِهٖ يَغْسِلُ وَلَا يَجْمَعُ بَيْنَهُمَا

تو تیمم نہ کرے ورنہ تیمم کرلے اگر اکثر اعضاء زخمی ہوں تو تیمم کرے اور بصورت عکس ان کو دھوئے اور دونوں میں جمع نہ کرے۔

توضیح اللغۃ: ......ردۃ ارتداد کا اسم ہے۔ دین سے پھر جانا، راجی امید رکھنے والا رحل کجاوہ غلوۃ چار سو گز فاصلہ کی مقدار

تشریح الفقہ: ......**قولہ ولا ینقضہ** الخ اگر کوئی مسلمان تیمم کر کے نعوذ باللہ مرتد ہو جائے اور پھر مسلمان ہو جائے تو اس ارتداد کی وجہ سے اس کا تیمم ختم نہ ہوگا۔ کیونکہ جس وقت نیت کی ضرورت تھی اس وقت صلاحیت موجود تھی بعد میں اگر صلاحیت نہیں رہی تو نیت کی ضرورت بھی نہیں رہی امام زفر کفر کی ابتدا و انتہا دونوں حالتوں کا لحاظ رکھتے ہیں۔ اور دونوں کو یکساں منافی تیمم سمجھتے ہیں اور اس کو چند مسائل پر قیاس کرتے ہیں پس ان کے یہاں ابتدائی کفر کی طرح کفر طاری بھی منافی تیمم ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک کفر طاری نواقض طہارت میں سے نہیں ہے۔

قولہ بل ناقض الوضو الخ تیمم کو توڑنیوالی چیزیں وہی ہیں جو وضو کو توڑنیوالی ہیں کیونکہ تیمم وضو کا نائب ہے پس اس کا حکم بھی ایسا ہی ہونا چاہئے اور اتنے پانی پر قادر ہو جانا بھی تیمم کو توڑ دیتا ہے جو اس کی ضروریاتِ اصلیہ سے فاضل ہو۔ اور قدرت مذکورہ ابتداءً تیمم کرنے سے بھی مانع ہے کیونکہ اس وقت وہ فاقدِ ماء نہیں ہے بلکہ واجدِ ماء ہے۔

قولہ وراجی الماء الخ جس کے پاس پانی نہ ہو لیکن پانی ملنے کی امید ہو تو اس کے لئے آخر وقت تک انتظار کرنا مستحب ہے پس اگر پانی مل جائے تو وضو کر لے ورنہ تیمم کر کے نماز پڑھ لے تا کہ نماز کی ادائیگی کمال طہارت کیساتھ ہو جائے یہ ایسا ہی ہے جیسے امیدوار جماعت کو آخر وقت تک انتظار کرنا مستحب ہے امام قدوری استحباب ہی کے قائل ہیں لیکن شیخین سے غیر اصول کی روایت یہ ہے کہ تاخیر واجب ہے کیونکہ غالب رائے کا حکم متیقن جیسا ہوتا ہے ظاہر روایت کی وجہ یہ ہے کہ عجز حقیقۃً ثابت ہے۔ اس لئے اس کا حکم تاوقتیکہ اسی کے برابر یقین نہ ہو زائل نہیں ہونا چاہئے۔ امام شافعی کے نزدیک بھی تاخیر ہی اصح ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ تیمم کے لئے آخر وقت تک پانی کا انتظار کرنا اس وقت ہے جبکہ پانی ملنے کا گمان غالب ہو صرف وہم اور شبہ کافی نہیں ہے۔ نیز آخر وقت سے مراد بھی وقت مستحب ہے۔ اس سے زیادہ تاخیر کرنا مکروہ ہے۔

قولہ وصح الخ تیمم وقت آنے سے پہلے بھی کیا جا سکتا ہے اور ایک تیمم سے متعدد فرائض ونوافل وقتی وغیر وقتی ادا ہو سکتے ہیں نووی کی تصریح کے مطابق یہی قول ابن عباس، سعید بن المسیب، نخعی، حسن بصری، مزنی کا ہے لیکن امام شافعی ہر فرض کیلئے علیحدہ تیمم کے قائل ہیں۔ البتہ سنتوں کو فرائض کے تابع مانتے ہیں۔ اختلاف کا منشا یہ ہے کہ امام شافعی کے نزدیک تیمم طہارت ضروریہ ہے۔ پس وقت سے پہلے اور دو فرضوں کے واسطے اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہمارے نزدیک تیمم طہارت مطلقہ ہے اور پانی نہ ہونے کی صورت میں وضو کی طرح پاک کرنیوالا ہے لہذا جب تک اس صفت پر رہے تیمم وضو جیسا عمل کریگا امام شافعی کی دلیل عبداللہ ابن عباس کی روایت ہے کہ ایک تیمم سے ایک نماز سے زیادہ نہ پڑھنا سنت ہے۔ (دار قطنی، طبرانی) لیکن اس روایت میں دو طرح سے کلام ہے ایک تو اسناد میں حسن بن عمارہ ہے جس کو شعبہ، سفیان، احمد، نسائی، دار قطنی، ابن معین، علی بن المدینی، ساجی، جرجانی وغیرہ نے ضعیف اور متروک کہا ہے اس لئے

قابل حجت نہیں ہے دوسرے یہ کہ اس میں صرف سنت کا بیان ہے ہماری دلیل حدیث ہے جس کو صحاح اور سنن میں بیان کیا گیا ہے کہ ''پاک مٹی مسلمان کے لئے وضو کا کام دیتی ہے خواہ دس سال پانی نہ ملے۔

قولہ وخوف فوت الخ اگر نماز جنازہ فوت ہوجانے کا اندیشہ ہوتو تیمم کرسکتا ہے کیونکہ نماز جنازہ کی قضا نہیں ہوتی مگر یہ اس وقت ہے جب جنازہ کا ولی کوئی دوسرا شخص ہو کیونکہ ولی جنازہ کے لئے اعادہ نماز کا حق ہوتا ہے۔ لہٰذا اسکے حق میں نماز فوت نہیں سمجھی جائیگی۔ نیز وضو میں مشغول ہونے سے اگر نماز عید چھوٹ جانیکا اندیشہ ہوتب بھی تیمم کی اجازت ہے اگر چہ بناہی کے طور پر ہو یعنی نماز تو وضو سے شروع کی تھی مگر نماز میں بے وضو ہوگیا تو اس کیلئے اجازت ہے کہ تیمم کر کے ایسی نماز کو پورا کرے۔ کیونکہ نماز عید کی بھی قضا نہیں ہے۔ لیکن نماز جمعہ اور وقتی نماز کے جاتے رہنے کے خوف سے تیمم درست نہیں کیونکہ ان دونوں نمازوں کا بدل موجود ہے یعنی نماز جمعہ کا بدل ظہر اور وقتی نماز کا بدل اسکی قضا ہے۔

قولہ ولم یعد الخ اگر نمازی اپنے کجاوہ میں پانی بھول جائے اور تیمم کر کے نماز پڑھ لینے کے بعد پانی یاد آئے تو طرفین کے نزدیک نماز دہرانے کی ضرورت نہیں کیونکہ جب تک یاداشت اور علم نہ ہوتو پانی پر قدرت شمار نہیں کی جاسکتی اور پانی کی موجودگی کا مطلب اس پر قدرت کا ہونا ہی ہے امام ابو یوسف نماز کے لوٹانے کا حکم دیتے ہیں کیونکہ جب پانی موجود ہے تو پھر تیمم کیسے صحیح ہوسکتا ہے مگر یہ اس وقت ہے جب اس نے پانی خود رکھا ہو یا اس کے حکم سے کسی دوسرے نے رکھا ہو۔

قولہ ویطلبہ غلوۃ الخ اگر نمازی کا غالب گمان یہ ہو کہ یہاں پانی ہوگا تو پھر ایک غلوہ کی مقدار تک پانی تلاش کئے بغیر تیمم کرنا جائز نہ ہوگا۔ اور اگر غالب گمان نہ ہوتو طلب کرنا ضروری نہیں۔ غلوہ بقول ظہیر چارسو گز فاصلہ کی مقدار کو کہتے ہیں اور بقول حلبی تین سو گز کی مقدار ہے (ذخیرہ، مغرب) بعض نے اس کی تفسیر یوں کی ہے کہ جتنی دور تک تیر جائے وہ غلوہ کی مقدار ہے۔ (تبیین) بدائع میں لکھا ہے کہ اتنی دور تک تلاش کرنا اصح ہے کہ اس کا اپنا نقصان بھی نہ ہو اور ساتھیوں کو زحمت انتظار بھی نہ ہو۔

قولہ ویطلبہ من رفیقہ الخ اگر ساتھی کے پاس پانی ہوتو امام ابو یوسف کے نزدیک پانی مانگنا واجب ہے اگر وہ نہ دے تو تیمم کرلے۔ عینی نے تجرید سے نقل کیا ہے کہ ساتھی سے پانی مانگنا طرفین کے نزدیک واجب نہیں ہے حسن بن زیاد کا قول اور امام شافعی کی رائے بھی یہی ہے کیونکہ باحیا اور غیر تمند شخص کو مانگنا بالخصوص معمولی چیز کا سوال کرنا ناگوار ہوتا ہے اور اگر ساتھی پانی کی اتنی قیمت طلب کرے جو قرب وجوار میں مناسب سمجھی جاتی ہے یا کچھ زیادہ بشرطیکہ دوگنی سے کم ہو اور اس کے پاس حوائج ضروریہ سے زائد دام بھی ہوں تو اس خرید کر وضو کرنا ضروری ہے ورنہ بالاجماع تیمم جائز ہے اور اگر نمازی کے اکثر اعضا جن کو دھونا چاہئے زخمی ہوں تو تیمم کرے اور اگر اکثر درست ہوں تو ان کو دھوئے لیکن یہ نہ کرے کہ مثلاً منہ کو دھولے اور ہاتھوں پر تیمم کرلے کیونکہ یہ تو بدل اور مبدل کے درمیان جمع کرنا ہے جس کی شریعت میں کوئی نظیر نہیں ہے (**بخلاف الجمع بین التیمم وسؤر الحمار لان الفرض یتادی باحد ھما لا بھما فجمعنا بینھما لمکان الشک**) زیلعی۔

باب المسح علی الخفین

باب موزوں پر مسح کے بیان میں

صَحَّ وَلَوِامْرَأَةً لَاجُنُبًا اِنْ لَبِسَهُمَا عَلٰى وُضُوْءٍ تَامٍّ وَقْتَ الْحَدَثِ يَوْمًا وَّلَيْلَةً لِلْمُقِيْمِ
صحیح ہے اگر چہ عورت ہو نہ کہ جنبی اگر پہنا ہو ان کو ایسے وضو پر جو کامل ہو بوقت حدث ایک دن اور رات تک مقیم کے لئے
وَلِلْمُسَافِرِ ثَلٰثًا مِنْ وَّقْتِ الْحَدَثِ عَلٰى ظَاهِرِهِمَا خُطُوْطًا مَرَّةً بِثَلٰثِ اَصَابِعَ يَبْدَأُ مِنَ الْاَصَابِعِ اِلَى السَّاقِ
اور مسافر کیلئے تین دن رات تک حدث کے وقت سے موزوں کے اوپر کی جانب ایک بار تین انگلیوں کیساتھ انگلیوں سے پنڈلیوں تک۔

تشریح الفقہ :...... قولہ باب المسح الخ مصنف علیہ الرحمۃ تیمم کے بعد موزوں کے مسح کو ذکر فرما رہے ہیں اس واسطے کہ دونوں طہارت مسح ہیں۔ نیز جس طرح تیمم وضو کا بدل ہے اسی طرح موزوں پر مسح کرنا پاؤں دھونے کا بدل ہے لیکن مصنف نے تیمم کو مقدم کیا ہے کیونکہ تیمم کا ثبوت قرآن کریم سے ہے اور موزوں پر مسح کا ثبوت حدیث متواتر یا حدیث مشہور سے ہے۔

فائدہ:...... موزوں پر مسح کا جواز سنت سے ثابت ہے اور اس بارے میں روایات مشہور ہیں مبسوط میں امام اعظم کا قول موجود ہے کہ جب تک میرے نزدیک روز روشن کی طرح موزوں کے مسح پر دلائل قائم نہیں ہو گئے اس وقت تک میں اس کا قائل نہیں ہوا ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ مسح خفین اکتالیس صحابہ سے مروی ہے۔ اشراق میں حسن بصری سے منقول ہے ستر صحابہ نے مجھ سے روایت نقل کی۔ بدائع میں حسن سے منقول ہے کہ میں نے ستر بدری صحابہ کو مسح خفین کا قائل پایا ہے عینی کہتے ہیں کہ میں نے سرسٹھ صحابہ کی روایت تخریج کرنیوالے محدثین سمیت بیان کی ہے۔ غرضیکہ روافض وخوارج کے علاوہ تمام امت کا اجماع ہے کہ مسح خفین ثابت ہے جس میں کسی طرح شک وشبہ کی گنجائش نہیں شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ سے اہل سنت والجماعت کی تعریف پوچھی گئی آپ نے فرمایا: ''ان تفضل الشیخین وتحب الختنین وتری المسح علی الخفین'' حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی افضلیت کا معترف ہو اور حضرت عثمانؓ و علیؓ کا شیدائی ہو اور مسح خفین کا قائل ہو۔

قولہ صح الخ موزوں پر مسح کرنا درست ہے اگر چہ ماسح عورت ہو لیکن ناپاک کے لئے درست نہیں بشرطیکہ دونوں موزوں کو بوقت حدث کامل طہارت پر پہنا ہو گو پہننے کے وقت کامل نہ ہو مثلاً ایک شخص نے پاؤں دھو کر موزے پہنے پھر وضو تمام کر لیا اس کے بعد بے وضو ہوا تو اس شخص کا وضو بے وضو ہونے کے وقت کامل ہے اگر چہ موزہ پہننے کے وقت ناقص تھا پس یہ شخص مسح کر سکتا ہے اب اگر یہ مقیم ہے تو ایک دن رات تک اور مسافر ہے تو تین دن رات تک مسح کر سکتا ہے مسح کا طریقہ یہ ہے کہ بھیگے ہوئے ہاتھ کی تینوں انگلیاں موزوں کے اوپر کی جانب پاؤں کی انگلیوں پر رکھ کر ایک بار پنڈلیوں تک کھینچے۔

فائدہ:...... مسح خفین کی مدت مذکورہ حضرت عمر، علی، جابر، صفوان، عوف بن مالک، ابوبکرہ وغیرہ صحابہ سے مروی ہے بعض حضرات نے وقت کی تحدید نہیں کی۔ لیکن عام علماء صحابہ، تابعین کے نزدیک وقت محدود ہے۔ امام شافعی کا ایک قول جس کو نووی قول قدیم اور ضعیف کہتے ہیں عدم توقیت کا ہے ابوداؤد، دار قطنی، بیہقی نے ابن ابی عمارہ سے سات دن اور اس سے زیادہ کی روایت مرفوعاً نقل کی ہے جس کا جواب یہ ہے کہ خود ابوداؤد نے اس کو ضعیف کہا ہے اور دار قطنی نے اس کی اسناد غیر ثابت مانی ہے۔

وَالْخَرْقُ الْكَبِيْرُ يَمْنَعُ وَهُوَ قَدْرُ ثَلٰثِ اَصَابِعِ الْقَدَمِ اَصْغَرِهَا وَيَجْمَعُ فِىْ خُفٍّ لَافِيْهِمَا
اور زیادہ پھٹن مانع ہے اور وہ پاؤں کی تین چھوٹی انگلیوں کے بقدر ہے اور اس سے کم مانع نہیں اور جمع کی جائے گی ایک موزہ میں نہ کہ دونوں میں

بِخِلَافِ النَّجَاسَةِ وَالْاِنْكِشَافِ وَيَنْقُضُهُ نَاقِضُ الْوُضُوْءِ وَنَزْعُ خُفٍّ وَمُضِيُّ الْمُدَّةِ اِنْ لَّمْ يَخَفْ
بخلاف نجاست اور برہنگی کے اور توڑ دیتی ہے مسح کو وضو توڑ دینے والی چیز اور موزے کو نکالنا اور مدت کا گذرنا اگر اندیشہ نہ ہو

ذِهَابَ رِجْلَيْهِ فَقَطْ وَخُرُوْجُ اَكْثَرِ الْقَدَمِ نَزْعٌ وَلَوْ مَسَحَ مُقِيْمٌ
پاؤں نکے جاتے رہنے کا سردی کے باعث اور ان کے بعد صرف پاؤں دھوڈالے اور اکثر قدم کا نکل جانا بھی نکالنا ہے اگر مقیم نے مسح کیا

فَسَافَرَ قَبْلَ تَمَامِ يَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ مَسَحَ ثَلٰثًا وَلَوْ اَقَامَ مُسَافِرٌ بَعْدَ يَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ نَزَعَ
پھر سفر شروع کر دیا ایک دن رات ہونے سے قبل تو تین دن تک مسح کرے اور اگر مسافر ایک دن رات کے بعد مقیم ہو گیا تو اتار دے

وَالَّا يُتِمَّ يَوْمًا وَّلَيْلَةً وَصَحَّ عَلَى الْجُرْمُوْقِ وَالْجَوْرَبِ الْمُجَلَّدِ وَالْمُنَعَّلِ وَالثَّخِيْنَيْنِ لَاعَلٰى عِمَامَةٍ وَقَلَنْسُوَةٍ
ورنہ ایک دن رات پورا کرے اور صحیح ہے پاتابہ پر اور چمڑا چڑھی ہوئی اور سخت گاڑھی جرابوں پر نہ کہ پگڑی پر اور ٹوپی پر

وَالْبُرْقَعِ وَقُفَّازَيْنِ وَالْمَسْحُ عَلَى الْجَبِيْرَةِ وَخِرْقَةِ الْقُرْحَةِ وَنَحْوِذٰلِكَ كَالْغَسْلِ فَلَا يَتَوَقَّتُ
اور برقع پر اور دستانوں پر اور مسح ٹوٹی ہوئی ہڈی کی لکڑی پر اور زخم کی پٹی پر اور اسی طرح کی چیز پر دھونے کے حکم میں ہے کہ اس کے لئے وقت معین نہیں

وَيَجْمَعُ مَعَ الْغَسْلِ وَيَجُوْزُ وَاِنْ شَدَّهَا بِلَاوُضُوْءٍ وَيَمْسَحُ عَلٰى كُلِّ الْعِصَابَةِ سَوَآءٌ كَانَتْ تَحْتَهَا جِرَاحَةٌ اَوْلَا
اور جمع کیا جاسکتا ہے دھونے کے ساتھ اور جائز ہے اگر چہ بے وضو باندھا ہو اور مسح کرے پوری پٹی پر اس کے نیچے زخم ہو یا نہ ہو

فَاِنْ سَقَطَتْ جَبِيْرَةٌ عَنْ بُرْءٍ بَطَلَ وَاِلَّا لَا وَلَا يَفْتَقِرُ اِلَى النِّيَّةِ فِيْ مَسْحِ الْخُفِّ وَالرَّاْسِ
پس اگر گر جائے اچھا ہونے کے باعث تو مسح باطل ہو جائے گا ورنہ نہیں اور ضرورت نہیں ہے نیت کی موزے اور سر کے مسح میں۔

توضیح اللغۃ :...... خرق پھٹن، نزع کھینچنا، جرموق جو موزہ کے اوپر اس کی حفاظت کے لئے پہنتے ہیں۔ عوام اس کو کالوش کہتے ہیں۔ جورب جراب۔ مجلد چمڑا چڑھا ہوا۔ ثخین اتنا گاڑھا جس میں پانی نہ چھن سکے۔ عمامۃ پگڑی، قلنسوۃ ٹوپی، قفازین دستانے۔ جبیرۃ ٹوٹی ہوئی ہڈی کے باندھنے کی لکڑی یا پٹی، خرقہ پٹی قرحہ پرانا پھوڑا جس میں پیپ جمع ہو عصابۃ پٹی، جراحۃ زخم، برء اچھا ہو جانا۔

تشریح الفقہ :...... قولہ والخرق الکبیر الخ اور موزہ میں زیادہ پھٹن کا ہونا جس کی مقدار پاؤں کی تین چھوٹی انگلیوں کے برابر ہے جواز مسح سے مانع ہے اور اس سے کم ہو تو مسح جائز ہے، امام زفر، امام شافعی کے نزدیک جائز نہیں اگر چہ پھٹن کم ہو کیونکہ اس حال میں جب ظاہر ہونے والے حصہ کو دھونا پڑیگا تو باقی حصہ کو بھی دھونا چاہئے ہم یہ کہتے ہیں کہ موزے عموماً پھٹن سے خالی نہیں ہوتے اس لئے ان کے نکالنے میں حرج لازم آئیگا۔

قولہ ویجمع الخ اگر ایک موزے میں کئی جگہ تھوڑی تھوڑی پھٹن ہو تو اس کو جمع کر کے مقدار کا اندازہ کیا جائیگا اگر سب مل کر تین انگلیوں کی مقدار ہو جائے تو مانع مسح ہوگی ورنہ نہیں اور اگر دونوں موزوں میں ہو تو یکجا نہیں کیجائیگی بخلاف نجاست کے کہ وہ جمع کی جائیگی پس اگر دونوں موزوں کی نجاست ایک درہم کی مقدار ہو جائے تو پاک کئے بغیر مسح درست نہ ہوگا اسی طرح ستر کھلنے کا حال ہے۔

قولہ و صح علی الجرموق الخ پاتابہ پر مسح کرنا جائز ہے۔ امام شافعی کے نزدیک جائز نہیں وہ فرماتے ہیں کہ بدل کا اور بدل نہیں ہوتا، ہماری دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے جرموقین پر مسح فرمایا ہے اور جوربین پر امام صاحب کے نزدیک مسح جائز نہیں الا یہ کہ مجلد یا منعل ہوں اور اگر اتنے گاڑھے ہوں جن میں پانی نہ چھنتا ہو تو صاحبین کے نزدیک مسح جائز ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کے جوربین پر مسح کرنے کی روایت موجود ہے۔

قوله والمسح علی الجبیرۃ الخ زخم کی پھپھیوں پر مسح جائز ہے اگر چہ ان کو بغیر وضو باندھا ہو کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی ایسا ہی کیا ہے[1] اور حضرت علی کو بھی ایسا ہی کرنے کا حکم فرمایا[2] نیز اس میں موزوں کے نکالنے سے زیادہ حرج ہوتا ہے اس لئے یہاں مسح بدرجہ اولیٰ مشروع ہونا چاہئے۔ پھر مسح جبیرہ کے لئے وقت کی کوئی تحدید نہیں۔ کیونکہ اس کا وقت معلوم نہیں ہے حتی کہ اگر زخم اچھا ہوئے بغیر پٹی کھل گئی تب بھی مسح باطل نہ ہوگا۔ کیونکہ عذر موجود ہے اور پٹی پر مسح کرنا ایسا ہی ہے جیسے اسکے نچلے حصہ کو دھونا جب تک کہ یہ عذر باقی رہے ہاں اگر پٹی اچھا ہونیکی وجہ سے کھل گئی تو پھر مسح ختم ہو جائیگا۔ کیونکہ عذر ختم ہو چکا ہے پھر زخم کی کل پٹی پر مسح کرنا ضروری نہیں بلکہ اکثر پٹی پر مسح کافی ہے۔ مصنف نے کافی میں یہی ذکر کیا ہے۔ صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ یہ حسن کی روایت ہے اور یہی قول مفتی بہ ہے۔

(۱) دار قطنی عن ابن عمر، طبرانی عن ابی امامہ ۱۲

(۲) ابن ماجہ، بیہقی دار قطنی عن حسین بن علی ۱۲

باب الحیض

باب حیض کے بیان میں

قولہ باب الحیض الخ جن احداث کا وقوع بکثرت ہوتا ہے ان سے فراغت کے بعد مصنف ان احداث کو بیان فرمارہے ہیں جن کا وقوع کم ہوتا ہے یعنی حیض نفاس استحاضہ، پھر حیض چونکہ اصل ہے اور اس کا وقوع بھی بکثرت ہوتا ہے بخلاف نفاس اور استحاضہ کے کہ ان کا وقوع ہمیشہ نہیں ہوتا۔ بلکہ نفاس بچہ پیدا ہونے کے بعد ہوتا ہے اور استحاضہ بیمار عورت کو ہوتا ہے نہ کہ ہر عورت کو اس لئے عنوان میں صرف حیض کو ذکر کیا ہے۔

فائدہ: حاکم اور ابن المنذر حضرت ابن عباس سے اسناد صحیح کیساتھ روایت کرتے ہیں کہ حیض کی ابتدا حضرت حوا کو اسوقت سے ہوئی جبکہ ان کو جنت سے اتارا گیا تھا۔ حدیث میں یہ بھی آتا ہے کہ حیض کو اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کی بیٹیوں پر مقرر فرمایا ہے بعض سلف کا خیال یہ بھی ہے کہ سب سے پہلے حیض بنی اسرائیل میں رونما ہوا (بخاری تعلیقاً) شاید اس کا مطلب یہ ہو کہ سب سے پہلے حیض کے احکام بنی اسرائیل پر آئے۔ چنانچہ اسناد صحیح کیساتھ حضرت ابن مسعود سے عبدالرزاق روایت کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے مرد عورت سب یکجا نماز پڑھا کرتے تھے اسی میں عورت مرد ایک دوسرے سے تعلقات قائم کر لیتے۔ اللہ تعالیٰ نے عورتوں پر حیض کی وجہ سے پابندی لگادی اور ان کو مساجد میں آنے سے روک دیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت بھی اسی کو مؤید ہے۔ (نور الدرایہ ص ۹۳/۳)

تنبیہ: حیض کا باب نہایت غامض اور دقیق ترین باب ہے اور اس کے مسائل مہمات دین میں سے ہیں۔ اس واسطے کہ عورت کے حق میں بہت سے امور دینیہ کی صحت وعدم صحت کا مدار مسائل حیض کی معرفت پر ہے مثلاً طہارت نماز، روزہ، قراۃ قرآن، اعتکاف، حج، بلوغ، وطئی، طلاق، عدت، استبراءِ رحم وغیرہ، اسی وجہ سے محققین علماء وفقہاء نے مسائلِ حیض میں غایت اعتناء سے کام لیا ہے اور امام محمد نے تو مسائل حیض پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے اس لئے نہایت اہتمام کیساتھ مسائلِ حیض کی معلومات فراہم کیجائیں اور ان کو محفوظ رکھنے کی کوشش کی جائے۔ واللہ الموفق۔

هُوَ دَمٌ يَنْفُضُهُ رَحِمُ امْرَاةٍ بَالِغَةٍ سَلِيْمَةٍ عَنْ دَآءٍ وَّ صِغَرٍ وَّاَقَلُّهُ ثَلٰثَةُ اَيَّامٍ

حیض وہ خون ہے جس کو ایسی عورت کا رحم پھینکے جو بیماری اور کم سنی سے سلامت ہو اس کی کمتر مدت تین دن ہیں

وَاَكْثَرُهُ عَشْرَةُ اَيَّامٍ وَمَا نَقَصَ اَوْ زَادَ فَهُوَ اسْتِحَاضَةٌ

اور زیادہ سے زیادہ دس اور جو اس سے کم زیادہ ہو وہ استحاضہ ہے۔

توضیح اللغۃ: ......ینفضہ (ن) نفضاً جھاڑنا، پھینکنا، داء بیماری، صغر کم سنی۔

تشریح الفقہ: ......**قولہ ھو دم** الخ حیض سے متعلق دس باتیں قابل تحقیق ہیں۔ (۱) لغوی، (۲) شرعی معنی (۳) سبب، (۴) رکن، (۵) شرط، (۶) مقدار، (۷) رنگت، (۸) عمر، (۹) زمانہ، (۱۰) ثبوت حکم، سو لغت میں حیض کے معنی سیلان (بہنے) کے آتے ہیں۔ یقال حاض السیل والوادی، وادی بہہ پڑی، حاضت المراۃ حیضاً محیضاً محاضاً فھی حائض، عورت کا خون جاری ہو گیا حیض کی تعبیر اہل عرب کے یہاں دیگر اسماء سے بھی ہوتی ہے ابن نجیم نے دس نام گنائے ہیں طمث، ضحک، اکبار، اعصار، دراس، عراک، فراک طمس، طلم، نفاس، حیض کے شرعی معنی خود مصنف نے ان الفاظ میں ذکر کئے ہیں۔ ھودم اھ ھو ضمیر حیض کی طرف راجع ہے اور حیض گو مؤنث سماعی ہے لیکن عموماً مذکر ہی استعمال ہوتا ہے دم جنس کی درجہ میں ہے جس میں ہر قسم کا خون داخل ہے اور رحم امراۃ بمنزلہ فصل کے ہے جس سے نکسیر،

زخم، رگ، مقعد وغیرہ سے بہنے والے خون خارج ہو گئے۔ سلیمۃ عن داء سے نفاس خارج ہو گیا۔ کیونکہ نفاسہ مریضہ کے حکم میں ہوتی ہے اسی وجہ سے اس کے تبرعات کا اعتبار ثلث مال سے ہوتا ہے نیز رحم میں پھنسی اور زخم ہو جانے کی وجہ سے جو خون خارج ہو اس سے بھی احتراز ہو گیا، صغر کی قید سے وہ خون نکل گیا جو نو سال سے کم عمر میں آئے گا وہ بھی حیض نہیں ہے۔ استحاضہ ہے تعریف کا حاصل یہ نکلا کہ حیض اس خون کو کہتے ہیں جو ایسی عورت کے رحم سے بہے جو مرض اور کم سنی سے سلامت ہو۔ بعض حضرات کے نزدیک اس کیفیت کا نام ہے جو اس قسم کے خون آنے پر پیش آتی ہے تو اب حیض کی تعریف یہ ہوگی کہ وہ ایک شرعی مانع ہے جو بغیر ولادت رحم سے خون آنے کی پیش آتا ہے جس کی وجہ سے عورت بعض امور شرعیہ سے روک دی جاتی ہے حضرت حوا کا شجر ممنوعہ کھا کر اطاعت الٰہی کی خلاف ورزی کرنا اس کا باعث اور سبب ہے رحم سے خون کا برآمد ہونا رکن کہلائے گا۔ اور شرط یہ ہے کہ اس خون سے پہلے نصاب طہر یعنی پندرہ دن مکمل گذر چکے ہوں اور یہ خون تین دن سے کم نہ ہو رہی مقدار سو اس میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ وقت نو سال کے بعد سے ہے اور ثبوت حکم خون کے برآمد ہونے سے شروع ہوگا۔ رنگ اور احکام کا بیان مصنف علیہ الرحمۃ خود کر رہے ہیں۔

کم و بیش مدتِ حیض کا بیان

قولہ و اقلہ الخ احناف کے نزدیک حیض کی کم از کم مدت تین دن تین رات ہے اور بقول صدر الشہید اسی پر فتویٰ ہے امام شافعی، احمد کے نزدیک ایک دن رات ہے امام مالک کے یہاں کم کی کوئی حد نہیں۔ اور حیض کی زیادہ سے زیادہ مدت دس روز ہے اور جو اس سے کم یا زائد ہو وہ استحاضہ ہے امام شافعی کے نزدیک زیادہ سے زیادہ مدت ۱۵ دن ہیں ہماری دلیل حضور صلعم کا ارشاد ہے کہ غیر شادی شدہ اور شادی شدہ دونوں کے حیض کی کم از کم مدت تین دن ہیں اور زیادہ سے زیادہ دس روز ہیں (طبرانی، دارقطنی عن ابی امامہ، دارقطنی عن واثلہ، ابن عدی عن معاذ وانس، ابن الجوزی عن الخدری) عطاء وغیرہ نے بعض عورتوں کے قصے بیان کئے ہیں۔ جنہوں نے مدت العمر تین دن سے کم یا دس روز سے زیادہ حیض کا دیکھنا بیان کیا ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ ایسی مجہول عورتوں کی بنیاد پر شرعی تقدیر کا مدار مقرر نہیں کیا جا سکتا ہے۔ امام ابو یوسف ایک روایت کے لحاظ سے ڈھائی دن سے زیادہ خون کو بھی (اکثر کو کل کے قائم مقام مانتے ہوئے) حیض شمار کرتے ہیں۔ جس کے جواب میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ شرعی عدد کی تنصیص کے بعد کمی بیشی کی گنجائش نہیں ہونی چاہئے۔ ورنہ قیاس کی رو سے ڈیڑھ دن سے زائد پر بھی للاکثر حکم الکل کا قاعدہ جاری ہونا چاہئے۔

محمد حنیف گنگوہی غفرلہ

وَمَاسِوَى الْبَيَاضِ الْخَالِصِ حَيْضٌ يَمْنَعُ صَلٰوةً وَّصَوْمًا وَتَقْضِيهِ دُوْنَهَا وَدُخُوْلَ الْمَسْجِدِ

اور خالص سفیدی کے علاوہ سب حیض ہے اور نماز روزہ سے مانع ہے اور قضاء کرے روزہ کی نہ کہ نماز کی، مانع ہے دخول مسجد سے

وَالطَّوَافَ وَقِرْبَانَ مَاتَحْتَ الْإِزَارِ وَقِرَاءَةَ الْقُرْاٰنِ وَمَسَّهٗ اِلَّا بِغِلَافٍ وَمَنَعَ الْحَدَثُ

اور طواف سے اور ناف سے زانو تک نزدیکی سے اور قرآن پڑھنے اور اس کو ہاتھ لگانے سے مگر غلاف کیساتھ اور مانع ہے بے وضو ہونا

الْمَسَّ وَمَنَعَهُمَا الْجَنَابَةُ وَالنِّفَاسُ وَتُوْطَاُ بِلَاغُسْلٍ بِتَصَرُّمٍ لِاَكْثَرِهٖ وَلَا َقلِّهٖ لَا

چھونے سے اور جنابت ونفاس مانع ہے دونوں سے اور صحبت کی جا سکتی ہے بلا غسل اکثر مدت پر منقطع ہونے کی صورت میں نہ کہ کمتر مدت پر

حَتّٰى تَغْتَسِلَ اَوْيَمْضِيَ عَلَيْهَا اَدْنٰى وَقْتُ صَلٰوةٍ

یہاں تک کہ عورت غسل کرے یا اس پر نماز کا کمتر وقت گذر جائے۔

حیض کی رنگتوں کا بیان

توضیح اللغۃ: قربان قریب ہونا، پاس جانا، ازار تہبند، مس چھونا۔ غلاف جزدان۔ تو طا وطی سے مضارع مجہول ہے۔ تصرم منقطع ہونا۔

تشریح الفقہ: قولہ و ماسوی البیاض الخ حائضہ عورت ایام حیض میں سرخ، زرد، گدلا، سیاہ، سبز، مٹیالا جس رنگ کا بھی خون دیکھے سب حیض شمار ہوگا یہاں تک کہ خالص سفید رطوبت آنے لگے، سرخ اور سیاہ رنگ کا خون تو بالاجماع حیض ہے گہرا زرد رنگ بھی اصح قول پر حیض ہے البتہ ہلکا زرد گدلا مٹیالا ہمارے نزدیک حیض ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک مٹیالا پن حیض نہیں جب تک کہ وہ خون کے بعد نہ ہو کیونکہ اگر میلے پن کا تعلق رحم سے مانا جائے تو گدلا پن صاف خون کے بعد آنا چاہئے تھا۔ طرفین کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ خالص سفید رنگ کے علاوہ سب رنگوں کو حیض شمار کرتی تھیں اور اس قسم کی چیزوں کا تعلق صرف سماع سے ہوسکتا ہے۔ نیز رحم الٹا اور اوندھا ہوتا ہے جس سے اولاً گدلی چیز آنی چاہئے۔ جس طرح ٹھلیا کی تلی میں اگر سوراخ کر دیا جائے تو بعینہ یہی حال ہوتا ہے البتہ سبز رنگ کے خون میں صحیح بات یہ ہے کہ اگر عورت حیض کے قابل ہے تب تو اس کو حیض ہی شمار کیا جائیگا اور فساد غذا پر محمول کیا جائیگا اور اگر عورت زیادہ عمر رسیدہ ہے اور ہمیشہ سبز رنگ ہی آتا ہے تو وہ حیض شمار نہ ہوگا بلکہ رحم کی خرابی پر محمول کیا جائیگا۔ مذکورہ بالا خونوں کے حیض ہونے کی دلیل حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے جس کو علقمہ بن ابی علقمہ نے اپنی والدہ سے روایت کیا ہے کہ عورتیں ڈبوں میں کرسف رکھ کر حضرت عائشہ کے پاس بھیج کر نماز کے بارے میں دریافت کیا کرتی تھیں۔ حضرت عائشہؓ کا جواب یہ ہوتا کہ جلدی نہ کرو جبتک سفید رنگ نہ آنے لگے۔ یعنی پاک نہ ہو جاؤ۔ (بخاری، تعلیقاً) اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر ہی فتویٰ دیا ہوگا کیونکہ اصولی قاعدہ کے لحاظ سے غیر قیاسی چیزوں میں صحابی کا قول بمنزلہ مرفوع روایت کے ہوتا ہے۔

حیض کے احکام

قولہ یمنع صلوۃ الخ یہاں سے مصنف علام حیض کے احکام بیان فرما رہے ہیں، حیض کے گیارہ احکام ہیں۔ جن میں سے سات تو حیض و نفاس دونوں میں مشترک ہیں اور چار حیض کے ساتھ مخصوص ہیں۔ مصنف نے یہاں مشترک احکام بیان کئے ہیں اور وہ یہ ہیں۔ (۱) حیض مانع صلوۃ ہے۔ (۲) حیض مانع صوم ہے لیکن روزوں کی قضا لازم ہے۔ نماز کی قضا بھی نہیں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے زمانہ میں ہم حیض سے پاک ہو کر روزوں کی قضا کر لیا کرتے تھے نمازوں کی قضا نہیں ہوتی تھی۔ (صحاح) نیز روزے تو سال بھر میں ایک ہی مہینے رمضان کے ہوتے ہیں بالفرض اگر حائضہ نے پورے دس روزے نہیں رکھے تب بھی گیارہ مہینے میں بآسانی فی مہینہ ایک روزہ رکھ کر ایک مہینہ بچتا ہے بخلاف ہر مہینہ کی نماز کے کہ پچاس نمازوں کے حساب سے سال بھر کی قضا نمازیں چھ سو ہوتی ہیں گویا ہر مہینہ میں دس روز متواتر دہری نمازیں پڑھے تب صرف پانچ دن ایسے ہوتے ہیں جن میں اکہری نمازیں پڑھنی پڑینگی۔ اس کے بعد پھر دوسرے حیض کی نمازیں قضاء ہونا شروع ہو جائینگی۔ اس طرح مردوں کے مقابلہ میں عورتوں کو دونی نمازیں پڑھنی پڑینگی اور یہ "مایرید اللہ لیجعل علیکم من حرج" کے خلاف ہے۔ (۳) حائضہ کے لئے مسجد میں داخلہ کی اجازت نہیں۔ ابوداؤد نے سنن میں اور امام بخاری نے تاریخ کبیر میں حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے جس کے آخری الفاظ یہ ہیں "لا احل المسجد لحائض و لا جنب" میں حائضہ اور جنبی کے لئے مسجد حلال نہیں کرتا۔ یعنی مسجد میں داخل ہونیکی اجازت نہیں دیتا، (نیز حضرت ام سلمہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے بلند آواز سے فرمایا کہ جنبی اور حائضہ کے لئے مسجد حلال نہیں ہے (ابن ماجہ، طبرانی) امام شافعی عبور و مرور کے طور پر مسجد میں حائضہ کا داخلہ جائز مانتے ہیں یہ حدیث ان پر حجت ہے۔ (۴) حائضہ عورت بیت اللہ کا طواف بھی نہیں کر سکتی۔ کیونکہ طواف کعبہ مسجد حرام میں ہوتا ہے اور مسجد میں داخلہ کا ممنوع ہونا بھی ثابت ہو چکا ہے (۵) شیخین، امام شافعی، امام مالک کے نزدیک

حائضہ عورت کی ناف سے زانو تک مرد کو نزدیکی کرنا بھی جائز نہیں، باری تعالیٰ کا ارشاد ہے "لاتقربو ھن حتی یطھرن" امام محمد کا مذہب یہ ہے کہ شرمگاہ کے علاوہ باقی جسم مرد پر حرام نہیں ہے۔ کیونکہ اس سلسلہ میں صحابہ کے سوال پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جواب دیا تھا کہ "وطی کے علاوہ اس سے سب باتیں حلال ہیں۔ (مسلم) شیخین وغیرہ کی دلیل حضرت عبداللہ بن سعد کی روایت ہے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ حالت حیض میں بیوی سے کیا چیز حلال ہے؟ آپ نے فرمایا: تیرے لئے ازار سے اوپر کا حصہ حلال ہے (ابوداؤد) (۶) حائضہ کے لئے قرآن پاک پڑھنا بھی ممنوع ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "حائضہ اور جنبی قرآن نہیں پڑھ سکتے۔ (ترمذی، ابن ماجہ، بیہقی) امام مالک حائضہ کو قرآن پڑھنے کی اجازت دیتے ہیں یہ حدیث ان پر حجت ہے۔ (۷) حائضہ کیلئے قرآن شریف کو چھونا بھی ناجائز ہے ہاں غلاف کیساتھ جائز ہے ارشاد نبوی ہے کہ "قرآن کو ہاتھ نہ لگائے مگر پاک شخص" (نسائی، ابوداؤد، ابن حبان، حاکم، دارقطنی، طبرانی، بیہقی، احمد) حیض کے باقی چار احکام یہ ہیں۔ (۱) حیض کے ذریعہ عدت پوری ہوتی ہے (۲) استبراءِ رحم ہوتا ہے۔ (۳) بلوغ معلوم ہوتا ہے۔ (۴) سنی اور بدعی طلاق میں اسی کے ذریعہ فرق ہوتا ہے۔

قولہ: وتوطا الخ اگر حیض پورے دس دن گذرنے پر بند ہو تو غسل سے پہلے عورت کے پاس جانا اور اس سے وطی کرنا جائز ہے کیونکہ دس دن سے زیادہ حیض نہیں بڑھ سکتا۔ ہاں بغیر نہائے ایسا کرنا غیر مستحب ہے (ولاتقربوھن حتی یطھرن) میں قرأت تشدید پر عورت کے پاس جانے کی جو ممانعت کی گئی ہے اس کی بنیاد پر) لیکن اگر دس روز سے کم میں رک جائے تو وطی جائز نہیں ہے تاوقتیکہ عورت غسل نہ کرلے۔ کیونکہ خون کا کبھی ادرار ہوتا ہے اور کبھی انقطاع۔ اس لئے غسل کرنا ضروری ہے تاکہ انقطاع کی جانب کو ترجیح دی جاسکے اور اگر عورت غسل نہیں کرسکی لیکن اس پر نماز کا ادنی وقت اس طرح گذر گیا کہ وہ اس میں غسل کر کے تکبیر تحریمہ کہہ سکتی تھی، ایسی حالت میں اس سے ہم بستری جائز ہے کیونکہ اس کے ذمہ نماز فرض ہوچکی ہے اس لئے حکماً اس کو پاک مانا جائیگا۔ اور اگر حیض عادت سے کم مگر تین دن سے زیادہ میں بند ہوا تو جب تک ایام عادت پورے نہ گذر جائیں عورت کے پاس نہیں جاسکتا۔ اگرچہ وہ غسل بھی کرلے۔ کیونکہ عادت کے اندر پھر حیض کے آنے کا احتمال غالب ہے۔ لہذا پرہیز کرنے ہی میں احتیاط ہے۔

فائدہ:

نماز کے ادنی وقت سے مراد آخری جز ہے جو بقدر غسل وتحریمہ ہو۔ اول حصہ مراد نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا منشا یہ ہے کہ نماز اس کے ذمہ واجب ہوجانی چاہئے اور نماز کا وجوب وقت نکلنے پر ہوتا ہے نہ کہ شروع ہونے پر۔ (کذافی الکافی)

وَالطُّهْرُ الْمُتَخَلِّلُ بَيْنَ الدَّمَيْنِ فِي الْمُدَّةِ حَيْضٌ وَ نِفَاسٌ وَاَقَلُّ الطُّهْرِ خَمْسَة عَشَرَ يَوْمًا وَلاَ حَدَّ لِاَكْثَرِهٖ

اور پاک ہوجانا دوخونوں کے درمیان خون کی مدت میں حیض اور نفاس ہی ہے، اور پاک رہنے کی کمتر مدت پندرہ دن ہیں اور زائد کی کوئی حد نہیں

اِلَّا عِنْدَ نَصْبِ الْعَادَةِ فِيْ زَمَانِ الاِسْتِمْرَار

مگر عادت مقرر ہونے کے وقت ہمیشہ خون جاری رہنے کے زمانہ میں۔

طہر متخلل کا بیان

توضیح اللغۃ: ......قولہ والطھر المتخلل الخ جو پاکی دوخونوں کے درمیان واقع ہو اس کو مسلسل خون کی طرح شمار کیا جائیگا۔ اور مدت حیض میں حیض اور مدت نفاس میں نفاس قرار دیا جائیگا۔ طہر کی کم از کم مدت پندرہ روز ہے جو بقول صاحب "کامل وتہذیب" بالا جماع ہے۔ ابوثور کہتے ہیں کہ میرے خیال میں اس کے متعلق کوئی اختلاف نہیں ہے عینی نے بیان کیا ہے کہ ثوری اور شافعی وغیرہ کا بھی یہی قول ہے۔ امام نووی نے احمد، اسحٰق، مالک کا اختلاف ذکر کیا ہے سو ہوسکتا ہے قائلین اجماع کی مراد یہ ہو کہ صحابہ اور تابعین کے درمیان اس

بارے میں کوئی اختلاف نہیں۔ بہر کیف طہر صحیح کی کمتر مدت پندرہ روز ہے۔لیکن اکثر کی کوئی تحدید نہیں۔ ساری عمر بھی رہ سکتا ہے الا یہ کہ خون مستمر ہو جائے اور عورت کی کوئی عادت مقرر ہو تو اس صورت میں اس کی عادت کے مطابق تحدید کر لی جائیگی۔

فائدہ: طہر متخلل کے سلسلہ میں امام صاحب سے چار روایتیں ہیں۔(۱) امام ابو یوسف کی روایت ہے کہ اگر طہر ناقص کو دونوں طرف سے خون گھیرے ہوئے ہو خواہ ایک دن ہو یا زیادہ نیز دس دن کے اندر ہو یا باہر تو طہر متخلل حیض ہوگا، اگر عورت مبتدأہ ہے تو پورے دس دن اور معتادہ ہے تو ایام عادت کو حیض شمار کیا جائیگا مثال یہ ہے۔

مبتدأہ معتادہ

خ ططططططططط ططططططخ خ طططططططططططخ

دس دن حیض استحاضہ ایام عادت حیض......باقی استحاضہ

(۲) امام محمد کی روایت کہ دس دن یا کم کے حیض میں دونوں طرف خون محیط ہو تو دس دن حیض کے ہونگے۔ عورت مبتدأہ ہو یا معتادہ جیسے پہلی اور دسویں تاریخ میں خون آئے اور نویں تک طہر یا ساتویں تک طہر پھر آٹھویں کو خون تو پہلی صورت میں دس دن اور دوسری صورت میں آٹھوں روز حیض ہونگے مثال یہ ہے۔

خ ططططططط خ خ طططططط خ

(۳) ابن المبارک کی روایت کہ کیفیت مذکورہ کے ساتھ ساتھ دونوں طرف کا خون مجموعی طور پر ادنی نصاب حیض تک پہنچ جانا چاہئے۔یعنی تین دن ہونے چاہئیں۔ پس اگر پہلی اور دسویں تاریخ کو خون اور درمیان میں طہر ہو تو کچھ بھی حیض نہ ہوگا۔اور اگر پہلی دوسری کو شروع میں اور دسویں کو آخر میں خون آجائے تو کل حیض ہوگا مثال یہ ہے۔

خ خ ططططططط خ

اس میں دونوں طرف کے خون مل کر تین دن ہو جاتے ہیں۔

(۴) حسن بن زیاد کی روایت کہ جو طہر تین روز یا زیادہ کا ہوگا وہ فاصل رہیگا اور کم ہو تو حیض شمار ہوگا۔

(۵) امام محمد کا مذہب جس میں تیسرے قول کی شرطوں کے ساتھ ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ درمیانی طہر بھی اتنی مقدار میں ہو جتنا دونوں طرف کے خون کا مجموعہ ہے یا اس سے کم ہو علامہ تاج الشریعہ نے شرح ہدایہ میں ایک ایسی جامع مثال لکھی ہے جس میں پانچوں اقوال آجائیں مثلاً مبتدأہ کو پہلی تاریخ میں خون پھر چودہ روز طہر پھر سولہویں کو خون پھر ایک روز خون آٹھ روز طہر پھر ایک روز خون سات روز طہر پھر دو روز خون تین روز خون تین روز طہر پھر ایک روز طہر پھر ایک دن خون دو روز طہر اور ایک روز خون آئے تو یہ کل ۴۵ روز ہوئے جس کا نقشہ حسب ذیل ہے۔

خ ططططططططط ططططط خ ططططططططخ طططططط طخ خ طططخ ططط خ ططخ

حیض بروایت ابو یوسف حیض بروایت امام محمد بروایت ابن المبارک مذہب امام محمد حیض بروایت حسن بن زیاد

اس میں ابو یوسف کے قول پر پہلا عشرہ اور چوتھی دہائی یعنی سات روز والے طہر میں سے ایک روز خون، تین دن طہر ایک دن خون پھر تین دن طہر کی مدت حیض شمار ہوگی، گویا چوتھی دہائی شروع بھی طہر سے ہوئی اور ختم بھی طہر پر ہوئی امام محمد کی روایت پر اول کے چودہ دن طہر کے بعد جو دس دن ہیں جن میں دونوں طرف خون ہے حیض ہونگے اور ابن لمبارک کی روایت پر سات روز طہر جس کے اول میں ایک روز اور بعد میں دو روز خون ملا کر مجموعہ دس روز حیض ہیں اور امام محمد کے مذہب پر دو دن آخر خون سے لے کر پچھلے خون تک بقول اصح چھ

روز حیض کے ہونگے اور حسن بن زیاد کی روایت پر آخر کے چار روز صرف حیض اور باقی استحاضہ ہونگے۔ (نور الدرایہ مختصراً)
محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَدَمُ الاِسۡتِحَاضَةِ كَرُعَافِ الدَّآئِمِ لَا يَمۡنَعُ صَوۡمًا وَّ صَلٰوةً وَّوَطۡيًا وَّلَوۡ زَادَ الدَّمُ عَلٰی اَكۡثَرِ الۡحَيۡضِ وَالنِّفَاس
اور خون استحاضہ دائمی نکسیر کی طرح روزہ و نماز اور صحبت سے مانع نہیں، اور اگر بڑھ جائے خون اکثر مدت حیض ونفاس پر
فَمَا زَادَ عَلٰی عَادَتِهَا اسۡتِحَاضَةٌ وَلَوۡ مُبۡتَدَأَةً فَحَيۡضُهَا عَشۡرَةٌ وَّنِفَاسُهَا اَرۡبَعُوۡن
تو جوزائد ہو وہ استحاضہ ہے اور اگر عورت کو پہلے ہی پہل استحاضہ ہوجائے تو اس کا حیض دس دن اور نفاس چالیس روز ہوگا۔

دم استحاضہ کا بیان

توضیح اللغۃ: ......دم استحاضہ بیماری کا خون، رعاف نکسیر۔ مبتدأہ وہ عورت جس کو ابھی حیض آنا شروع ہوا ہو۔

تشریح الفقہ: ......قولہ ودم الاستحاضۃ الخ نکسیر کی طرح استحاضہ کا خون بھی نماز روزہ اور ہمبستری سے مانع نہیں ہے کیونکہ حضور صلعم نے فاطمہ بنت جحش سے ارشاد فرمایا تھا کہ "وضو کر کے نماز پڑھتی رہ اگرچہ خون بوریہ پر ٹپکتا رہے۔ (ابن ماجہ) اور جب نماز کا حکم معلوم ہوگیا تو روزہ اور صحبت کا حکم بھی دلالۃً اجماع سے ثابت ہوگیا اور حیض میں دس سے زیادہ اور نفاس میں چالیس روز سے زیادہ خون آجائے درانحالیکہ مقررہ عادت اس سے کم تھی تو معینہ عادت کے مطابق ہی حیض ونفاس سمجھا جائیگا اور زائد خون استحاضہ ہوگا کیونکہ ارشاد نبوی ہے کہ "مستحاضہ زمانہ حیض تک نماز چھوڑے رکھے۔ (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ عن جد عدی، طبرانی، ابن حبان عن عائشہ، دارقطنی عن ام سلمہ) نیز مقررہ عادت سے زائد مدت ایسی ہی ہے جیسے دس دن سے زائد۔ اسلئے ایک کو دوسرے کیساتھ لاحق کردیا جائیگا۔ اور اگر کوئی عورت ابتدائی طور پر بالغ ہونے کے ساتھ استحاضہ میں مبتلا ہوجائے تو اس کا حیض ہر مہینہ دس دن اور نفاس چالیس دن ہوگا اور باقی استحاضہ کیونکہ دس روز یقینی طور پر حیض اور چالیس روز یقینی طور پر نفاس ہے۔

فائدہ: عورت کے تین حال ہوتے ہیں (۱) مبتدأہ جس کو ابھی حیض آنا شروع ہوا ہو۔ (۲) معتادہ جس کی حیض کے بارے میں کوئی عادت ہو اس کی پھر دو قسمیں ہیں ایک وہ جس کی ایک ہی لگی بندھی مقررہ عادت ہو۔ دوسری وہ جسکی مختلف عادت ہو کبھی پانچ اور کبھی سات دن حیض آتا ہو۔ اگر مبتدأہ کا حیض دس روز سے بڑھ گیا تو بالاتفاق دس دن حیض اور باقی استحاضہ ہوگا۔ اور جس کی مقررہ عادت ہو اگر اس کا خون دس دن سے زائد ہوجائے تو حنفیہ کے نزدیک بالاتفاق عادت کی طرف لوٹایا جائیگا مثلاً پانچ روز کی عادت تھی اور اس دفعہ بارہ روز خون آگیا تو پانچ روز حیض کے اور سات روز استحاضہ کے شمار ہونگے۔ اور اگر دس روز ہی پر ختم ہوگیا تو بالاتفاق دس روز حیض ہوگا۔ عورت مبتدأۃ ہو یا معتادہ، متفقہ ہو یا مختلفہ اور یہ سمجھا جائیگا کہ اب کی بار عادت بدل گئی، اس واسطے کہ حدیث "المستحاضۃ تدع الخ" میں صرف ایام حیض تک ترک نماز کا حکم ہے نہ کہ پورے دس روز تک اور جب مفروضہ عورت کا خون دس سے بڑھ گیا تو وہ مستحاضہ ہوگئی جس کو صرف ایام حیض تک ترک نماز کا حکم ہے چونکہ اس کی عادت معروف ہے لہذا اس وقت تک نماز چھوڑ یگی اور یہی مدعا ہے۔

وَتَتَوَضَّاُ الۡمُسۡتَحَاضَةُ وَمَنۡ بِهٖ سَلَسُ الۡبَوۡلِ اَوِسۡتِطۡلَاقُ الۡبَطۡنِ اَوِانۡفِلَاتُ الرِّيۡحِ اَوۡ رُعَافٌ دَآئِمٌ
اور وضو کرے مستحاضہ اور وہ شخص جس کا پیشاب جاری رہتا ہو یا بار بار پاخانہ لگتا ہو یا ہوا خارج ہوتی ہو یا دائمی نکسیر ہو
اَوۡ جَرۡحٌ لَايَرۡقَاُ لِوَقۡتِ كُلِّ فَرۡضٍ وَيُصَلُّوۡنَ بِهٖ فَرۡضًا وَّنَفۡلًا وَّيَبۡطُلُ بِخُرُوۡجِهٖ فَقَطۡ
یا بند نہ ہونے والا زخم ہو ہر فرض نماز کے وقت اور نماز پڑھے اس وضو سے فرض اور نفل اور ختم ہوجائے گا وضو صرف وقت نکلنے سے،

وَهٰذَا اِذَا لَمْ يَمْضِ عَلَيْهِمْ وَقْتُ فَرْضٍ اِلَّا وَذٰلِكَ الْحَدَثُ يُوْجَدُ فِيْهِ وَالنِّفَاسُ دَمٌ يَعْقِبُ الْوَلَدَ

یہ اس وقت ہے جب نہ گذرے اس پر کسی فرض نماز کا وقت مگر یہ کہ حدث اس میں موجود ہو اور نفاس وہ خون ہے جو بچہ کی پیدائش کے بعد آتا ہے

وَدَمُ الْحَامِلِ اسْتِحَاضَةٌ وَالسِّقْطُ اِنْ ظَهَرَ بَعْضُ خَلْقِهٖ وَلَدٌ وَلَاحَدَّ لِاَقَلِّهٖ

اور حاملہ کا خون استحاضہ ہے اور وہ ناتمام بچہ جس کے بعض اعضاء بن گئے ہوں پورے بچہ کے حکم میں ہے اور کمتر نفاس کی کوئی حد نہیں

وَاَكْثَرُهٗ اَرْبَعُوْنَ يَوْمًا وَالزَّائِدُ اسْتِحَاضَةٌ وَنِفَاسُ التَّوْأَمَيْنِ مِنَ الْاَوَّلِ

اور اس کی اکثر مدت چالیس روز ہیں اور زائد استحاضہ ہے اور جڑواں بچوں کے ہونے سے نفاس اول سے ہوگا۔

مستحاضہ اور معذورین کا احکام

توضیح اللغۃ: سلسل البول ایک بیماری ہے جس میں پیشاب کے روکنے کی طاقت نہیں رہتی۔ استطلاق البطن پیٹ چلنا۔ یعنی بار بار پاخانہ لگنا۔ انفلات ریح خروج ہوا، رعاف نکسیر، جرح زخم، لا یرقاء بند نہ ہوتا ہو یعنی برابر خون جاری رہتا ہو۔ سقط ناتمام بچہ تو اٰمین جڑواں۔

تشریح الفقہ:...... **قولہ وتتوضاء الخ** جس عورت کو استحاضہ کی شکایت ہو یا کسی کو ہر وقت پیشاب جاری رہنے کا عارضہ ہو یا ہر وقت پاخانہ لگتا ہو، یا ہوا خارج ہوتی ہو یا دائمی نکسیر ہو یا چھانہ ہونیوالا زخم ہو تو ان سب کو ہر نماز کے وقت تازہ وضو کرنا چاہئے پھر اس وضو سے جتنے چاہے فرائض ونفل پڑھے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ ہر فرض نماز کیلئے مستقل وضو کرے کیونکہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ''مستحاضہ عورت کو ہر نماز کے لئے تازہ وضو کرنا چاہئے۔ (ابن ماجہ، ابوداؤد، ابن حبان، ابن ابی شیبہ) نیز مستحاضہ عورت کے لئے طہارت کا اعتبار محض فرض نماز کی ضرورت سے ہوتا ہے لہذا فرض نماز سے فارغ ہونے کے بعد طہارت باقی نہیں رہنی چاہئے۔ ہماری دلیل حضورؐ کا ارشاد ہے کہ ''مستحاضہ کو ہر نماز کے وقت کے لئے وضو کرلینا چاہئے۔'' (ابن قدامہ فی المغنی، سرخسی فی المبسوط) اور پہلی روایت کی مراد بھی یہی ہے کیونکہ اس میں لام وقتیہ ہے جیسے کہا جاتا ہے ''اتیتک لصلوۃ الظھر'' اور مراد ظہر کا وقت ہوتا ہے نیز آسانی کے لئے وقت کو ادا کے قائم مقام کردیا گیا لہذا حکم بھی اسی پر دائر ہونا چاہئے پھر جب وقت نکل جائے تو معذورین کا وضو ٹوٹ جائیگا اور دوسری نماز کے لئے نیا وضو کرنا پڑیگا۔ یہ طرفین کے نزدیک ہے، امام زفر کے نزدیک صرف دخول وقت سے وضو ختم ہوگا اور امام ابو یوسف کے نزدیک ہر دو سے امام زفر کی دلیل یہ ہے کہ منافی طہارت چیزوں کے ہوتے ہوئے طہارت کا اعتبار محض ادائیگی فرض کی ضرورت سے ہے اور چونکہ وقت میں کوئی ساعت اس عذر سے خالی نہیں ہے اس لئے اس کے باوجود بھی ضرورت کی وجہ سے طہارت کا اعتبار کرلیا گیا اور وقت آنے سے پہلے کوئی ضرورت نہیں اس لئے طہارت کا بھی اعتبار نہ ہوگا۔ امام ابو یوسف یہ فرماتے ہیں کہ ضرورت وقت کے اندر ہی اندر محدود ہے لہذا وقت کے خارج ہونے اور داخل ہونے ہر دو سے وضو ٹوٹ جائیگا طرفین کی دلیل یہ ہے شریعت نے وقت کو ادا کے قائم مقام کیا ہے لہذا وقت سے پہلے طہارت ہونی چاہئے جیسا کہ اداءِ حقیقی پر طہارت کا مقدم ہونا ضروری ہے تا کہ معذور وقت آتے ہی فوراً ادا کر سکے۔

قولہ و ھذا اذا الخ یعنی مستحاضہ اور معذورین کا حکم جو اوپر مذکورہ ہوا اس وقت ہے جب ان پر فرض کا کوئی وقت ایسا نہ گذرے جس میں عذر مذکورہ موجود نہ ہو ورنہ معذور نہ کہلائیں گے اور ان کا وضو عذر مذکورہ سے جاتا رہیگا۔

فائدہ: شروع میں عذر ثابت ہونے کیلئے یہ شرط ہے کہ وہ عذر فرض نماز کے پورے وقت کا استیعاب کرلے۔ عام کتابوں میں ایسا ہی ہے جسکی تفسیر مصنف نے کافی میں یہ لکھی ہے کہ ہر نماز کا پورا وقت اسی عذر میں گزر جائے اور اتنی فرصت اور وقفہ نہ ملے کہ وضو کر کے نماز پڑھ لے اور یہ عذر پیش نہ آئے باقی ایک دو لحہ موقوف رہنے کا اعتبار نہیں ہے کیونکہ بلا انقطاع پورے اتصال کے ساتھ عذر کا تسلسل تو بہت ہی نادر ہے پس استیعاب حکمی مراد ہوگا۔ اور بقائے عذر کی شرط یہ ہے کہ نماز کے پورے وقت کے کسی نہ کسی جزء میں عذر پایا جائے۔

نفاس کا بیان

قولہ و النفاس الخ نفاس اس خون کو کہتے ہیں جو بچہ کی پیدائش کے بعد آئے کیونکہ لفظ تنفس الرحم بالدم'' سے ماخوذ ہے یعنی رحم نے خون اگل دیا۔ یا خروج النفس بمعنی بچہ یا خون کے نکلنے سے ماخوذ ہے اگر حاملہ عورت زمانہ حمل میں یا ولادت کے وقت بچہ برآمد ہونے سے قبل خون دیکھے تو وہ استحاضہ ہے اگر چہ ممتد ہو جائے۔ امام شافعی کے نزدیک حیض ہے جس کو ان کے مذہب میں اصح قول قرار دیا گیا ہے وہ اس کو نفاس پر قیاس کرتے ہیں بایں معنی کہ دونوں رحم ہی سے آتے ہیں ہماری دلیل یہ ہے کہ حمل کی وجہ سے رحم کا منہ عادۃً بند ہو جاتا ہے۔ اور نفاس بچہ کی پیدائش کی وجہ سے رحم کا منہ کھلنے کے بعد آتا ہے اور وہ ناتمام بچہ جس کے بعض اعضا بن گئے ہوں پورے بچہ کے حکم میں ہے لہذا عورت اس کی وجہ سے نافسہ ہو جائیگی۔ اور باندی ام ولد نیز اسکے بعد عدت بھی پوری ہو جائیگی۔ نفاس کی کم از کم مقدار کی کوئی حد نہیں۔ کیونکہ بچہ کا پہلے برآمد ہونا خون کے رحم سے آنے کی دلیل ہے۔ لہذا امتداد کو دلیل بنانے کی ضرورت نہیں اور نفاس کی زیادہ سے زیادہ مدت چالیس روز ہے جیسا کہ ام سلمہ کی روایت میں مذکور ہے (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، حاکم دار قطنی، بیہقی) ساٹھ روز کی مدت مقرر کرنے میں یہ حدیث امام شافعی پر حجت ہے۔

قولہ: ونفاس التوامین الخ اگر ایک ہی پیٹ سے دو بچے پیدا ہوں تو اس عورت کا نفاس شیخین کے نزدیک پہلے بچہ کی ولادت سے شروع ہو جائیگا اگر چہ دونوں کے درمیان چالیس روز کی مدت ہو۔ لیکن امام محمد کے نزدیک آخری بچہ کی پیدائش سے نفاس شروع ہوگا۔ امام زفر کا بھی یہی قول ہے کیونکہ پہلے بچہ کی ولادت کے بعد تو ابھی وہ حاملہ ہے پس اسی حالت میں جس طرح حائضہ نہیں کہہ سکتے اسی طرح نافسہ بھی نہیں کہہ سکتے یہی وجہ ہے کہ عدت بالا جماع آخری بچہ سے شمار کی جاتی ہے شیخین کی دلیل یہ ہے کہ رحم کی بندش کی وجہ سے حاملہ کو خون آ ہی نہیں سکتا۔ جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے اور پہلے بچہ کی پیدائش کی وجہ سے بچہ دانی کا منہ کھل چکا ہے اور خون آنے لگا ہے اس لئے وہ نفاس ہی ہوگا۔ رہا عدت کا مسئلہ سو اس کا تعلق وضع حمل سے ہے اور اسی کی طرف مضاف ہے لہذا مجموعہ حمل کو شامل ہوگا۔ آیت ''و او لات الا حمال اجلھن ان یضعن حملھن'' سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ عدت وضع حمل کے بعد پوری ہوگی۔ اور ظاہر ہے کہ حمل صرف پہلا بچہ نہیں ہے بلکہ ایک یا دو یا تین جتنے بچے ہیں سب حمل ہیں لہذا سب کے وضع کے بعد عدت پوری ہوگی۔

فائدہ: اگر تین بچے اس طرح پیدا ہوئے کہ اول اور دوسرے بچہ کے درمیان چھ مہینے سے کم کی مدت ہے اسی طرح دوسرے اور تیسرے بچہ کی درمیانی مدت بھی چھ ماہ سے کم ہے لیکن پہلے اور تیسرے بچہ کے درمیان کا وقفہ چھ مہینے سے زائد ہے تو صحیح یہ ہے کہ یہ تینوں بچے بھی توائم ہی ہیں اور شیخین کے قول پر پہلے بچہ کی ولادت سے نفاس شمار ہوگا۔ امام مالک کا قول اور امام احمد کی اصح روایت اور امام شافعی کی اصح وجہ بنا بر تصحیح امام الحرمین اور امام غزالی یہی ہے اور ایک روایت امام شافعی اور امام احمد کی اور داؤد کا قول امام محمد کی تائید میں ہے کہ، اخیر بچہ سے نفاس شمار ہوگا۔

تنبیہ: جڑواں بچوں کیلئے یہ شرط ہے کہ دونوں کے درمیان پوری مدت حمل یعنی چھ مہینے حائل نہ ہوں ورنہ ایک پیٹ کے بچے نہیں سمجھے جائیں گے۔

باب الانجاس

باب نجاستوں کے بیان میں

يَطْهُرُ الْبَدَنُ وَالثَّوْبُ بِالْمَآءِ وَبِمَآئِعٍ مُزِيْلٍ كَالْخَلِّ وَمَآءِ الْوَرْدِ لَاالدُّهْنِ وَالْخُفُّ بِالدَّلْكِ
پاک ہوجاتا ہے بدن اور کپڑا پانی سے اور ہر بہتی زائل کرنے والی چیز سے جیسے سرکہ اور عرق گلاب نہ کہ تیل اور موزہ رگڑنے کے ساتھ

مِنْ نَّجَسٍ ذِیْ جِرْمٍ وَّاِلَّا يُغْسَلُ وَعَنْ مَّنِيٍّ يَّابِسٍ بِالْفَرْكِ وَاِلَّا يُغْسَلُ وَنَحْوُ السَّيْفِ بِالْمَسْحِ
جسم والی (گاڑھی) نجاست سے ورنہ دھویا جائے اور خشک منی کھرچنے کے ساتھ ورنہ دھوئی جائے اور تلوار جیسی چیزیں پونچھنے کیساتھ

وَالْاَرْضُ بِالْيُبْسِ وَذِهَابِ الْاَثَرِ لِلصَّلٰوةِ لَالِلتَّيَمُّمِ وَعُفِيَ قَدْرُ دِرْهَمٍ كَعَرْضِ الْكَفِّ مِنْ نَّجَسٍ مُّغَلَّظٍ
اور زمین خشک ہونے اور اثر نجاست دور ہونے کے ساتھ نماز کے لئے نہ کہ تیمم کے لئے اور معاف ہے مقدار درہم ہتھیلی کی چوڑائی کے برابر نجاست غلیظہ

كَالدَّمِ وَالْخَمْرِ وَخُرْءِ الدَّجَاجَةِ وَبَوْلِ مَالَايُؤْكَلُ لَحْمُهٗ وَالرَّوْثِ وَالْخِثْيِ وَمَادُوْنَ رُبْعِ الثَّوْبِ
جیسے خون، شراب، مرغی کی بیٹ اور ان جانوروں کا پیشاب جن کا گوشت نہیں کھایا جاتا اور لید اور گوبر اور معاف ہے چوتھائی کپڑے سے کم

مِنْ مُخَفَّفٍ كَبَوْلِ مَايُؤْكَلُ لَحْمُهٗ وَالْفَرَسِ وَخُرْءِ طَيْرٍ لَايُؤْكَلُ لَحْمُهٗ وَدَمِ السَّمَكِ
پھر نجاست خفیفہ جیسے ماکول اللحم اور گھوڑے کا پیشاب، غیر ماکول اللحم پرندوں کی بیٹ، مچھلی کا خون

وَلُعَابِ الْبَغْلِ وَالْحِمَارِ وَبَوْلٍ انْتَضَحَ كَرُءُوْسِ الْاِبَرِ
اور خچر اور گدھے کا تھوک اور سوئی کے ناکے کے برابر پیشاب کی چھینٹیں۔

توضیح اللغۃ: انجاس جمع نجس۔ ناپاکی، مائع بہنے والی، مزیل زائل کرنیوالی، خل سرکہ، ماءالورد عرق گلاب، دہن تیل، دلک رگڑنا، جرم جثہ، یابس خشک، فرک کھرچنا، سیف تلوار، عرض چوڑائی، کف ہتھیلی، خمر شراب، خرء بیٹ، روث لید، خثی گوبر سمک مچھلی، انتضح مراد چھینٹیں لگ جانا، ابر سوئی۔

تشریح الفقہ: قولہ باب الانجاس الخ نجاست حکمیہ حیض، نفاس، جنابت اور ان کے ازالہ وضو غسل، تیمم، مسح سے فراغت کے بعد نجاست حقیقی اور اس سے تطہیر کے طریقوں کا بیان ہے انجاس نجس کی جمع ہے جو اصل کے لحاظ سے مصدر ہے۔ لیکن اسم کی صورت میں بھی مستعمل ہے، قال تعالیٰ "انما المشرکون نجس" تاج الشریعہ کہتے ہیں کہ انجاس جمع نجس بفتح نون وکسر جیم بمعنی ناپاک چیز اور نجس بفتحتین خود ناپاکی اور گندگی ہے یہاں اول معنی مراد ہیں جیسے ناپاک بدن، ناپاک کپڑا، ناپاک مکان، مصنف نے، کافی میں بیان کیا ہے کہ لفظ خبث کا اطلاق نجاست حقیقی پر ہوتا ہے اور حدث کا اطلاق حکمی پر اور نجس کا اطلاق دونوں پر۔

قولہ یطہر البدن الخ بدن، کپڑا وغیرہ پانی کے ذریعہ بھی پاک ہوسکتا ہے اور ہر ایسی پاک بہنے والی چیز سے بھی جس سے نجاست کا ازالہ ممکن ہو جیسے سرکہ، عرق گلاب وغیرہ یہ شیخین کی رائے ہے۔ امام محمد، زفر، شافعی، مالک فرماتے ہیں کہ صرف پانی کے ذریعہ پاک ہوسکتا ہے کیونکہ جس سے پاک کیا جا رہا ہے وہ ناپاک چیز سے ملتے ہی ناپاک ہوجائیگی اور ظاہر ہے کہ ناپاک چیز کسی دوسری چیز کو پاک نہیں کرسکتی۔ مگر پانی کے سلسلہ میں اس قیاس کو مجبوراً ترک کرنا پڑتا ہے، شیخین کی دلیل یہ ہے کہ بہنے والی چیزیں ناپاکی کو زائل کردیا کرتی ہیں اور پاکی کا مدار نجاست کے زوال ہی پر ہے رہا پاک کرنیوالی چیز کا ناپاک ہوجانا سو وہ مجاورت کی وجہ سے تھا لیکن جب اجزاء نجاست ہی ختم ہوگئے تو پاک کرنیوالی چیز ناپاک ہی رہی، بہرکیف شیخین کے نزدیک پانی کی طرح دوسری پاک اور مزیل چیزیں بھی مفید طہارت

ہیں جس کی کھلی دلیل حدیث عائشہ ہے کہ ''ہمارے پاس ایک کپڑے کے علاوہ اور کچھ نہ ہوتا، اسی میں اگر حیض کی نوبت آتی اور خون لگ جاتا تو اپنا تھوک لگا کر ناخن سے کھرچ دیا جاتا اور خون صاف کر دیا جاتا''۔ (بخاری) ظاہر ہے اگر تھوک سے پاک نہ مانا جائے تو اس سے اور زیادتی ہو جائیگی۔

قولہ والخف الخ اگر موزہ پر دلدار نجاست لگ گئی جیسے گوبر، مینگنی، خون وغیرہ اور خشک ہو جانے پر اس کو زمین سے رگڑ دیا گیا تو موزہ استحساناً پاک ہو جائیگا اور اگر دلدار نہ ہو تو دھونا پڑیگا۔ امام محمد فرماتے ہیں کہ بہر دو صورت دھونا ہی پڑیگا اس واسطے کہ جو نجاست موزہ میں پیوست ہوگئی اس کو نہ خشک ہونا دور کر سکتا ہے نہ رگڑنا، شیخین کی دلیل حضور کا ارشاد ہے کہ ''اگر موزوں میں کچھ گندگی لگ رہی ہو تو زمین پر رگڑ دینا چاہئے۔ کیونکہ زمین ان کو پاک کر دیگی'' (ابوداؤد عن ابی ہریرہ والخدری وعائشہ، ابن حبان عنہما، حاکم عن ابی ہریرہ)۔

قولہ وبمني الخ اور اگر منی لگ کر خشک ہو جائے تو کھرچنے سے پاک ہو جائیگا۔ اور اگر منی گیلی ہو تو دھونا ضروری ہوگا۔ کیونکہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ''میں حضورؐ کے کپڑے سے اگر منی گیلی ہوتی تو دھو ڈالتی اور خشک ہوتی تو کھرچ دیتی'' (صحیح ابوعوانہ) ظاہر ہے کہ حضرت عائشہ جو کچھ کرتی تھیں وہ آپکے علم و دانست سے باہر نہیں ہوتا تھا اس لئے آپ اسکو برقرار رہنے دیتے تھے شوافع منی کو پاک کہتے ہیں اور حدیث ابن عباس کو دلیل میں لاتے ہیں کہ ''آنحضرت سے منی کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ منی تھوک اور ناک کی ریزش کی طرح ہے اس کے لئے یہی کافی ہے کہ کسی چیتھڑے یا اذخر گھاس سے پونچھ ڈالے؟ جواب یہ ہے کہ بقول علامہ بیہقی یہ ابن عباس پر موقوف ہے اور اگر رفع تسلیم کر لیا جائے تو حضرت عمرؓ، عائشہؓ، ابو ہریرہؓ، جابر بن سمرہؓ وغیرہ سے بکثرت روایات موجود ہیں جن میں منی کا دھونا اور دھونے کا حکم دینا مذکور ہے حتی کہ ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ اگر جگہ معلوم نہ ہو تو کل کپڑا دھونا چاہئے۔ معلوم ہوا کہ منی ناپاک ہے۔ شوافع یہ بھی کہتے ہیں کہ منی انسان کا مبدا تخلیق ہے اس سے ناپاک کیسے کہا جا سکتا ہے؟ جواب یہ ہے انسان کی پیدائش خون سے ہوتی ہے اور خون منی سے بنتا ہے حالانکہ خون ناپاک ہے۔

قولہ ونحو السيف الخ اگر تلوار اور اس کے مانند چھری، خنجر، آئینہ وغیرہ میں نجاست لگ جائے تو پونچھنے سے پاک ہو جاتے ہیں کیونکہ نجاست انکے اندر تو گھس نہیں سکتی اور جو کچھ اوپر لگی ہے وہ پونچھنے سے صاف ہو جائیگی اور اگر زمین پر نجاست پڑ جائے اور زمین دھوپ میں اس طرح سوکھ جائے کہ نجاست کا اثر بھی باقی نہ رہے تو نماز کے لئے پاک ہو جاتی ہے۔ نہ کہ تیمم کے لئے اس میں امام شافعی کا ایک قول اور نووی کی رائے ہمارے موافق ہے۔ امام زفر، امام شافعی کا ایک قول اس کے خلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ مزیل نجاست کوئی چیز نہیں پائی گئی۔ اس لئے اس پر تیمم جائز نہیں؟ جواب یہ ہے کہ مزیل نجاست دھوپ کی حرارت ہے، نیز ابوداؤد کی روایت میں حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ ''آنحضرت کے زمانہ میں ہم رات کو مسجد میں سوتے تھے، کتے آ کر مسجد میں پیشاب کر جاتے لیکن صحابہ کسی چیز پر پانی نہیں چھڑکتے تھے'' اگر زمین کا پاک ہونا خشک ہونے کے لحاظ سے معتبر نہ ہوتا تو اس کو ناپاک چھوڑ دینا لازم آتا حالانکہ مسجد کی تطہیر لازم ہے۔ رہا تیمم سو اس میں مٹی کی پاکی بطور شرط نص کتاب اللہ سے ثابت ہے۔

قولہ وعفي الخ اگر نجاست غلیظہ خون، شراب، مرغی کی بیٹ، غیر ماکول جانوروں کا پیشاب، لید، گوبر وغیرہ لگ جائے تو ایک درہم یعنی ہتھیلی بھر چوڑائی کی مقدار معاف ہے۔ اسکے ساتھ نماز ہو جائیگی اور اگر اس سے زائد ہو تو معاف نہیں۔ امام زفر، امام شافعی کے نزدیک تھوڑی اور زیادہ سب یکساں ہیں کیونکہ جس نص میں دھونے کا حکم ہے اس میں اسکی کوئی تفصیل نہیں ہے ہم یہ کہتے ہیں کہ معمولی نجاست سے بچنا عادۃً ممکن نہیں ہے اس لئے اتنی نجاست کو معاف کرنا پڑیگا۔ اور اگر نجاست خفیفہ ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب، گھوڑے کا پیشاب غیر ماکول اللحم پرندوں کی بیٹ، مچھلی کا خون، خچر اور گدھے کا لعاب، سوئی کے ناکے کے برابر آدمی کے پیشاب کی چھینٹیں لگ جائیں تو چوتھائی کپڑے سے کم کی مقدار معاف ہے۔

فائدہ: نجاست غلیظہ میں خون سے مراد انسان یا کسی جانور کا بہنے والا خون ہے جس سے بارہ خون مستثنیٰ ہیں (۱) غیر سیال خون، (۲) شہید، (۳) لاغر گوشت، (۴) رگوں، (۵) کلیجہ، (۶) تلی، (۷) دل، (۸) مچھلی، (۹) پسو، (۱۰) مچھر، (۱۱) کھٹمل، (۱۲) جوں کا خون اور پیشاب سے مراد انسان اور غیر ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب ہے۔ جن میں سے چمگاڈر اور چوہا مستثنیٰ ہے۔ کیونکہ چمگاڈر کا پیشاب پاک ہے اور چوہے سے احتراز نہایت مشکل ہے۔ اسی پر فتویٰ ہے۔

وَالنَّجَسُ الْمَرْئِيُّ يَطْهُرُ بِزَوَالِ عَيْنِهٖ اِلَّا مَا يَشُقُّ زَوَالُهٗ وَغَيْرُهٗ بِالْغَسْلِ ثَلٰثًا

اور نظر آنے والی ناپاکی پاک ہو جاتی ہے عین نجاست زائل ہونے کے ساتھ مگر یہ کہ اس کا زائل ہونا مشکل ہو اور اس کے علاوہ تین بار دھونے

وَالْعَصْرِ فِیْ كُلِّ مَرَّةٍ وَتَثْلِيْثِ الْجَفَافِ فِيْمَا لَا يَنْعَصِرُ فَصْلُ الْاِسْتِنْجَآءِ وَسُنَّ الْاِسْتِنْجَاءُ بِنَحْوِ حَجَرٍ مُنَقٍّ

اور ہر بار نچوڑنے کیساتھ اور تین بار خشک کرنے کیساتھ ان چیزوں میں جو نچڑ نہ سکتی ہوں اور مسنون ہے استنجاء مثل پتھر پاک کرنے والی چیزوں کیساتھ

وَمَاسُنَّ فِيْهِ عَدَدٌ وَغَسْلُهٗ بِالْمَآءِ اَحَبُّ وَيَجِبُ اِنْ جَاوَزَ النَّجَسُ الْمَخْرَجَ وَيُعْتَبَرُ الْقَدْرُ الْمَانِعُ

اور اس میں کوئی عدد مسنون نہیں اور پانی سے دھونا پسندیدہ ہے اور واجب ہے اگر نجاست مخرج سے بڑھ جائے اور اعتبار کیا جائے گا مقدار مانع کا

وَرَآءَ مَوْضِعِ الْاِسْتِنْجَآءِ لَا بِعَظْمٍ وَرَوْثٍ وَطَعَامٍ وَمِلْحٍ وَيَمِيْنٍ اِلَّا بِعُذْرٍ.

موضع استنجاء کے علاوہ نہ کہ ہڈی سے اور لید سے اور کھانے سے اور دائیں ہاتھ سے مگر عذر کی وجہ سے۔

توضیح اللغۃ: ...... مرئی نظر آنیوالی، عصر نچوڑنا، تثلیث تین مرتبہ کرنا جفاف خشک ہونا، حجر پتھر، منق صاف کرنیوالا عظم ہڈی روث لید، یمین داہنا ہاتھ۔

تشریح الفقہ: ...... قولہ والنجس المرئی الخ نجاست کی دو قسمیں ہیں ایک نظر آنیوالی۔ دوم نظر نہ آنیوالی، جو نجاست دکھائی دینے والی ہو اس کو پاک کرنا تو یہ ہے کہ بعینہ اس ناپاکی کو دور کر دیا جائے۔ کیونکہ ناپاکی کسی محل میں گندگی حلول کرنیکی وجہ سے آئی ہے لہذا اس گندگی کے دور کرنے ہی سے دور ہو سکتی ہے الا یہ کہ اس نجاست کا اتنا اثر اور نشان باقی رہ جائے جس کا زائل کرنا دشوار ہو۔ کیونکہ حرج شرعاً مدفوع ہے اور جو نجاست دکھائی نہیں دیتی اس کا پاک کرنا یہ ہے کہ اس کو اتنا دھویا جائے کہ دھونیوالے کا غالب گمان یہ ہو کہ پاک ہو گیا ہے اور وہ تین مرتبہ ہے کیونکہ تین بار سے غالب گمان حاصل ہو جاتا ہے پس سبب ظاہر کو طہارت کے قائم مقام مقرر کر دیا گیا لیکن ہر مرتبہ نچوڑنا ضروری ہے اور جس چیز کا نچوڑنا ممکن نہ ہو جیسے بوریا، بچھونا، لحاف وغیرہ تو وہ تین بار دھو کر خشک کرنے سے پاک ہو جائیگی۔

استنجے کا بیان

قولہ و سن الا ستنجاء الخ اور استنجا مسنون ہے کسی پاک کرنیوالی چیز پتھر، اینٹ، ڈھیلے وغیرہ کیساتھ اور چونکہ استنجے کا مقصد مقام کو صاف کرنا ہے اس لئے اس میں کوئی خاص تعداد مسنون نہیں ہے امام شافعی کے نزدیک طاق عدد تین پانچ سات مسنون ہے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ "تین پتھروں سے استنجا کرنا چاہئے"۔ (ابوداؤد، نسائی ابن ماجہ، بیہقی، ابن حبان، احمد، دار قطنی ابن عدی، طبرانی) ہماری دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پاک ارشاد ہے کہ "استنجے میں طاق عدد محفوظ رکھنا چاہئے جس نے لحاظ رکھا اس نے اچھا کیا ورنہ کوئی حرج نہیں" (ابوداؤد، ابن ماجہ، احمد، بیہقی، ابن حبان) امام شافعی نے جس روایت کو پیش کیا ہے اس کے ظاہری معنی متروک ہیں کیونکہ اگر تین رخ پتھر سے استنجا کیا جائے تو بالاتفاق جائز ہے اور پانی سے استنجاء کرنا افضل ہے کیونکہ آیت "فیہ رجال یحبون ان یتطھروا واللہ یحب المطھرین" اہل قباء کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ جو پتھر کے بعد پانی کا بھی استعمال کرتے تھے اور اگر نجاست اپنے مقام سے متجاوز ہو جائے تو پانی کا استعمال ضروری ہے جس میں شیخین کے نزدیک مقام استنجے کے

علاوہ مقدار مانع کا اعتبار ہے کیونکہ خود مقام استنجے میں تو یہ مقدار ساقط الاعتبار ہے۔امام محمد کے نزدیک مقام استنجے سمیت اس مقدار کا اعتبار ہے۔اور ہڈی،لید،کھانے اور داہنے ہاتھ سے استنجا نہیں کرنا چاہئے۔کیونکہ حضورؐ نے اس سے منع فرمایا ہے۔(صحیحین وسنن)

فائدہ:

۱ استنجا کرتے وقت بائیں ٹانگ پر زور دیکر بیٹھے،قبلہ اور ہوا کے رخ نہ بیٹھے۔چاند،سورج کے مقابل سے شرمگاہ چھپا کر بیٹھے۔ گرمیوں میں اول ڈھیلا آگے سے پیچھے اور دوسرا پیچھے سے آگے اور تیسرا آگے سے پیچھے کی جانب لائے اور جاڑوں میں اول پیچھے سے آگے کی طرف لائے اور عورت ہمیشہ اس طرح کرے جس طرح مرد کے لئے گرمیوں میں بیان کیا گیا ہے۔

محمد حنیف گنگوہی

کتاب الصلوٰۃ

وَقْتُ الْفَجْرِ مِنَ الصُّبْحِ الصَّادِقِ اِلیٰ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَالظُّهْرِ مِنَ الزَّوَالِ اِلیٰ بُلُوْ غِ الظِّلِّ مِثْلَیْهِ سِوَی الْفَیْءِ

فجر کا وقت صبح صادق سے طلوع آفتاب تک ہے اور ظہر کا وقت آفتاب ڈھلنے سے ہر چیز کا سایہ دو چند ہونے تک سایہ اصلی کے علاوہ۔

تشریح الفقہ :......قولہ کتاب الصلوۃ الخ مصنف علیہ الرحمۃ شرائط نماز سے فراغت کے بعد احکام اور مسائل نماز شروع کررہے ہیں۔ نماز اسلامی معاشرہ کی جان ہے اسی لئے قرآن میں دعوت ایمان کے بعد اقامت صلوٰۃ کی تاکید کی گئی ہے اور حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ ''بین الایمان والکفر ترک الصلوٰۃ'' (مسلم) ملت اسلامیہ اور ملت مشرکہ کے درمیان فرق و امتیاز صرف نماز ہے لغت کے اعتبار سے لفظ صلوٰۃ ''صلی'' سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں ٹیڑھی لکڑی کو آگ دکھا کر سیدھا کر دینا، اسلام میں اہم ترین عبادت کو بھی صلوٰۃ اسی لحاظ سے کہا جاتا ہے کہ نفس کی اس کجی کو جو اسکی فطرت میں داخل ہے یہ عبادت دور کر دیتی ہے انسان اپنی اس کج نفسی کے ساتھ دربار باری میں کھڑا ہوتا ہے تو اسکی ہیبت و عظمت کی حرارت اور اسکی بزرگی و کبریائی اور اسکا جلال اس کجی کو دور کر دیتا ہے، نیز صلوۃ کے معنی رحمت اور دعا کے بھی ہیں پس یہ عبادت ایک پہلو سے حرارت ہے تو دوسرے پہلو سے رحمت ہے کہ اسکی وہ حرارت جو دنیا میں نفس پر شاق گذرتی ہے آخرت میں وہ رحمت کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔

اوقات نماز کا بیان

قولہ وقت الفجر الخ نماز چوبیس گھنٹے میں پانچ مرتبہ ادا کی جاتی ہے لہذا ان پانچوں وقتوں کی تعیین ضروری ہے۔ اس لئے مصنف علیہ الرحمۃ یہاں ان اوقات کی ابتداء و انتہا کے بارے میں تفصیلات ذکر کررہے ہیں فرماتے ہیں کہ فجر کا اول وقت صبح صادق طلوع ہونے کے بعد سے ہوتا ہے جو افق آسمان کی چوڑائی میں پھیلی ہوتی ہے۔ اور فجر کا آخری وقت طلوع آفتاب تک رہتا ہے کیونکہ حضرت جبرئیل نے پہلے روز حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو فجر کی نماز صبح صادق ہوتے ہی پڑھائی اور دوسرے روز اس وقت جبکہ خوب اچھی طرح چاندنا ہوگیا حتی کہ آفتاب نکلنے کے قریب ہوگیا۔ اور فرمایا کہ ان دونوں وقتوں کے درمیان جو وقت ہے وہی آپ کے لئے اور آپ کی امت کے لئے وقت ہے [1] اور ظہر کی ابتداء زوال کے بعد سے ہوتی ہے کہ جب سورج آسمان کے وسط سے ذرا مغرب کی طرف ڈھل آتا ہے اور اس کی انتہا امام اعظم کے نزدیک یہ ہے کہ سایہ اصلی کے علاوہ ہر چیز کا سایہ دو چند ہو جائے۔ اس پر یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ حدیث میں تو یہ سایہ ایک مثل تک ہے جواب یہ ہے کہ ایک مثل خانہ کعبہ کے لحاظ سے ہے جو عین خط استواء پر واقع جہاں دوپہر کو بالکل سایہ ہی نہیں ہوتا۔ لیکن شمالی ملکوں میں کچھ نہ کچھ سایہ ہوتا ہے جو زوال پر بڑھتا رہتا ہے پس جب خانہ کعبہ میں جہاں بالکل سایہ اصلی نہیں ہوتا ایک مثل ہو جائے جن ملکوں میں سایہ اصلی ہی ایک مثل تک ہو تو اس پر جب ایک مثل کا اضافہ ہوگا تو یقیناً دو مثل ہو جائیں گے۔ صاحبین، امام زفر، امام مالک، امام شافعی، امام احمد کے نزدیک اور امام صاحب کی ایک روایت کے مطابق ظہر کا آخری وقت۔ ایک مثل تک رہتا ہے۔ درمختار وغیرہ میں امام صاحب کے اسی قول کو ترجیح دی گئی ہے۔

---

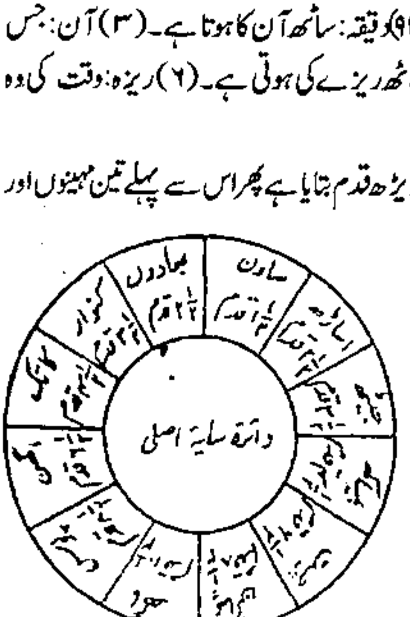
(۱) ترمذی، ابوداؤد، ابن حبان، حاکم، نسائی، احمد، ابن راہویہ عن جابر، بیہقی طبرانی عن ابن سعد، بزار عن ابی ہریرۃ عبدالرزاق عن عمرو بن حزم ۱۲

ضروری نقوش

سایہ اصلی کی بحث سمجھنے کے لئے پہلے حسب ذیل اصطلاحیں سمجھ لینا ضروری ہے۔

(۱) قدم ہر شئے کے قد کے ساتویں حصہ کو کہتے ہیں جو ساٹھ دقیقہ کا ہوتا ہے۔(۲) دقیقہ: ساٹھ آن کا ہوتا ہے۔(۳) آن: جس میں گیارہ بار اللہ کہا جاسکے۔(۴) ساعت یا گھڑی: ساٹھ پل کی ہوتی ہے۔(۵) پل: ساٹھ ریزے کی ہوتی ہے۔(۶) ریزہ: وقت کی وہ مقدار جس میں دوحرفی لفظ مثلاً ''ان'' کہا جاسکے۔

مندرجہ ذیل نقشہ میں ہمات مہینہ کا حساب اس طرح دیا ہے کہ ساون کا سایہ اصلی ڈیڑھ قدم بتایا ہے پھر اس سے پہلے تین مہینوں اور بعد کے تین مہینوں میں ایک ایک کا اضافہ ہونا بتایا ہے۔

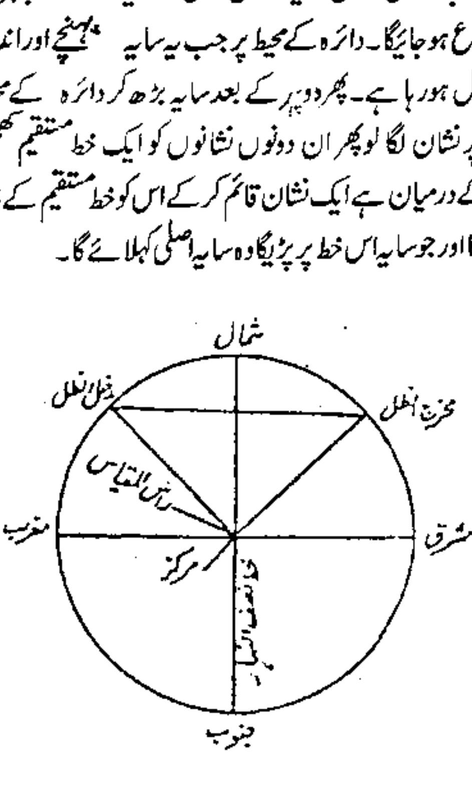


کاتک	کنوار	بھادوں	ساون	اساڑھ	جیٹھ	بیساکھ
۴½	۳½	۲½	۱½	۲½	۳½	۴½

ان سات مہینوں کے علاوہ باقی ماندہ مہینوں میں دو دو قدم دونوں طرف زیادہ بڑھائے جائیں۔

اگھن	پوس	ماگھ	پھاگن	چیت
۶½	۸½	۱۰½	۸½	۶½

سایہ اصلی معلوم کرنیکا بہتر طریقہ یہ ہے کہ (بالکل ہموار زمین پر ایک دائرہ بنالو اور دائرہ کے بالکل بیچ میں قطر دائرہ کے چوتھائی سے بڑی نوکیلے سر کی ایک لکڑی گاڑ دو، جب سورج طلوع کریگا تو اس لکڑی کا سایہ دائرہ سے باہر نکلا ہوا ہوگا جوں جوں سورج چڑھیگا سایہ کم ہوتا ہوا دائرہ کے اندر داخل ہونا شروع ہو جائیگا۔ دائرہ کے محیط پر جب یہ سایہ پہنچے اور اندر داخل ہونا شروع ہو تو محیط پر اس جگہ ایک نشان لگا دو جہاں سے سایہ اندر داخل ہو رہا ہے۔ پھر دوپہر کے بعد سایہ بڑھ کر دائرہ کے محیط سے نکلنا شروع ہوگا جس جگہ محیط سے یہ سایہ باہر نکلے اس جگہ بھی محیط پر نشان لگا لو پھر ان دونوں نشانوں کو ایک خط مستقیم کھینچ کر ملا دو۔ اب محیط دائرہ کے اس قوسی حصہ کے نصف پر جو کہ ان دونوں کے درمیان ہے ایک نشان قائم کر کے اس کو خط مستقیم کے ذریعہ جو مرکز دائرہ پر سے گذرے محیط تک پہنچا دو یہ خط ''نصف النہار'' کہلائیگا اور جو سایہ اس خط پر پڑیگا وہ سایہ اصلی کہلائے گا۔



جدول اقدار سایۂ اصلی

تحویل آفتاب در بروج	۱ حمل	۲ ثور	۳ جوزا	۴ سرطان	۵ اسد	۶ سنبلہ	۷ میزان	۸ عقرب	۹ قوس	۱۰ جدی	۱۱ دلو	۱۲ حوت	عرض البلد	طول البلد
تطابق تحویل تاریخہائے عیسوی	مارچ ۲۱	اپریل ۲۱	مئی ۲۲	جون ۲۲	جولائی ۲۴	اگست ۲۴	ستمبر ۲۴	اکتوبر ۲۴	نومبر ۲۳	دسمبر ۲۲	جنوری ۲۰	فروری ۱۹		
اقدام	قدم	قدم	قدم	قدم	قدم	قدم	قدم	قدم	قدم	قدم	قدم	قدم	درجہ	درجہ
دقیقہ	دقیقہ	دقیقہ	دقیقہ	دقیقہ	دقیقہ	دقیقہ	دقیقہ	دقیقہ	دقیقہ	دقیقہ	دقیقہ	دقیقہ	دقیقہ	دقیقہ
احمد نگر (بمبئی)	۲ ۲۵	۰ ۵۵	۰ ۲۰	۰ ۳۲	۰ ۲۰	۵۵	۲ ۲۵	۴ ۴	۵ ۴۷	۶ ۲۶	۵ ۴۷	۴ ۴	۱۹ ۵	۷۲ ۴۸
اورنگ آباد	۲ ۲۷	۱ ۷	۰ ۰	۰ ۲۱	۰ ۰	۱ ۷	۲ ۲۷	۴ ۲۲	۶ ۲	۶ ۴۵	۶ ۲	۴ ۲۲	۱۹ ۵۳	۷۵ ۲۳
سورت	۲ ۴۵	۱ ۱۳	۰ ۸	۰ ۱۴	۰ ۸	۱ ۱۳	۲ ۴۵	۴ ۲۳	۶ ۱۴	۷ ۰	۶ ۱۴	۴ ۲۳	۲۱ ۱۳	۷۲ ۵۲
کلکتہ	۲ ۵۰	۱ ۱۸	۰ ۱۴	۰ ۱۱	۰ ۱۳	۱ ۱۸	۲ ۵۰	۴ ۲۹	۶ ۲۱	۷ ۸	۶ ۲۱	۴ ۲۹	۲۲ ۳۳	۸۸ ۲۴
احمد آباد (گجرات)	۳ ۱	۱ ۲۷	۰ ۲۲	۰ ۱	۰ ۲۲	۱ ۲۷	۳ ۱	۴ ۵۰	۶ ۳۹	۷ ۲۷	۶ ۳۹	۴ ۵۱	۲۳ ۲	۷۲ ۳۸
مرشد آباد	۳ ۱۵	۱ ۴۱	۰ ۳۴	۰ ۱۲	۰ ۳۴	۱ ۴۱	۲ ۱۵	۵ ۱۱	۷ ۴	۷ ۵۶	۷ ۴	۵ ۱۱	۲۴ ۱۱	۸۸ ۱۹
الہ آباد	۳ ۲۵	۱ ۴۹	۰ ۴۲	۰ ۱۹	۰ ۴۲	۱ ۴۹	۳ ۲۵	۵ ۲۳	۷ ۱۹	۸ ۱۲	۷ ۱۹	۵ ۲۳	۲۵ ۲۸	۸۱ ۵۴
بنارس	۳ ۲۷	۱ ۵۱	۰ ۴۴	۰ ۲۱	۰ ۴۴	۱ ۵۱	۳ ۲۷	۵ ۲۶	۷ ۲۲	۸ ۱۷	۷ ۲۲	۵ ۲۶	۲۵ ۲۰	۸۳ ۰
پٹنہ	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	۲۵ ۳۷	۸۵ ۱۴
جون پور	۳ ۲۸	۱ ۵۱	۰ ۴۴	۰ ۲۱	۰ ۴۴	۱ ۵۱	۳ ۲۸	۵ ۲۷	۷ ۲۴	۸ ۱۷	۷ ۲۴	۵ ۲۷	۲۵ ۴۶	۸۲ ۴۴
لکھنؤ، فیض آباد	۳ ۳۰	۱ ۵۳	۰ ۴۶	۰ ۲۲	۰ ۴۶	۱ ۵۳	۳ ۳۰	۵ ۲۹	۷ ۲۷	۸ ۲۰	۷ ۲۷	۵ ۲۹	۲۶ ۵۵	۸۰ ۵۹
آگرہ	۳ ۳۲	۱ ۵۵	۰ ۴۸	۰ ۲۴	۰ ۴۸	۱ ۵۵	۳ ۳۲	۵ ۳۱	۷ ۲۹	۸ ۲۳	۷ ۲۹	۵ ۳۱	۲۷ ۱۰	۷۸ ۵
بدایوں	۳ ۳۸	۲ ۰	۰ ۵۳	۰ ۲۹	۰ ۵۳	۲ ۰	۳ ۳۸	۵ ۴۰	۷ ۴۲	۸ ۴۰	۷ ۴۲	۵ ۴۰	۲۸ ۲	۷۹ ۱۰
سنبھل	۳ ۴۸	۲ ۸	۰ ۵۹	۰ ۳۷	۰ ۵۹	۲ ۰۸	۳ ۴۸	۵ ۵۲	۷ ۵۹	۸ ۵۴	۷ ۵۹	۵ ۵۲	۲۸ ۳۵	۷۸ ۳۷
دہلی	۳ ۴۹	۲ ۱۰	۱ ۱	۰ ۳۸	۱ ۱	۲ ۱۰	۳ ۴۹	۵ ۵۴	۸ ۲	۸ ۵۸	۸ ۲	۵ ۵۴	۲۸ ۳۸	۷۷ ۱۳
پانی پت	۳ ۵۲	۲ ۱۱	۱ ۴	۰ ۴۰	۱ ۴	۲ ۱۱	۳ ۵۲	۵ ۵۸	۸ ۶	۹ ۲	۸ ۶	۵ ۵۸	۲۹ ۲۳	۷۷ ۱
ہردوار	۴ ۵	۲ ۲۳	۱ ۱۴	۰ ۵۰	۱ ۱۴	۲ ۲۳	۴ ۵	۶ ۱۵	۸ ۳۱	۹ ۳۵	۸ ۴۱	۶ ۱۵	۲۹ ۵۹	۷۸ ۳۷
سہارنپور	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	۳۰ ۰	۷۷ ۳۰
سرہند	۴ ۸	۲ ۲۵	۱ ۱۵	۰ ۵۱	۱ ۱۵	۲ ۲۵	۴ ۸	۶ ۱۸	۸ ۳۵	۹ ۴۱	۸ ۳۵	۶ ۱۸	۳۰ ۳۸	۷۶ ۲۹
لاہور	۴ ۲۲	۲ ۳۷	۱ ۲۶	۱ ۱	۱ ۲۶	۲ ۳۷	۴ ۲۲	۶ ۳۷	۹ ۰	۱۰ ۱۰	۹ ۰	۶ ۲۶	۳۱ ۲۷	۷۴ ۲۷
کابل	۴ ۴۹	۳ ۰	۱ ۴۷	۱ ۲۰	۱ ۴۷	۳	۴ ۴۹	۷ ۱۵	۹ ۵۵	۱۱ ۱۴	۹ ۵۵	۷ ۱۵	۳۴ ۳۰	۶۹ ۱۸

وَالْعَصْرِ مِنْهُ اِلَى الْغُرُوْبِ وَالْمَغْرِبِ مِنْهُ اِلٰى غُرُوْبِ الشَّفَقِ وَهُوَ الْبَيَاضُ الْعَشَآءِ وَ الْوِتْرِ
اور عصر کا وقت دو مثل سے غروب تک اور مغرب کا وقت غروب آفتاب سے غروب شفق تک اور وہ سپیدی ہے اور عشاء اور وتر کا وقت

مِنْهُ اِلَى الصُّبْحِ وَلَايُقَدَّمُ الْعِشَآءُ لِلتَّرْتِيْبِ وَمَنْ لَمْ يَجِدْ وَقْتَهَا لَمْ يَجِبَا
غروب شفق سے صبح تک اور نہ مقدم کیا جائے وتر کو عشاء پر ترتیب کی وجہ سے اور جو شخص انکا وقت نہ پائے اس پر عشاء و وتر واجب نہیں۔

تشریح الفقہ: قولہ والعصر منہ الخ اور عصر کا آغاز وقت ظہر کے اختتام پر ہوگا، انتہاء غروب آفتاب تک اور مغرب کا اول وقت آفتاب ڈوبنے کے بعد سے ہے اور آخری وقت غروب شفق تک ہے، امام شافعی کے نزدیک صرف بقدر پانچ رکعات ہے دلیل یہ ہے کہ حضرت جبرئیل نے دونوں دن ایک ہی وقت میں امامت فرمائی تھی، ہماری دلیل آپکا یہ ارشاد ہے کہ ''مغرب کا آخری وقت غروب شفق تک ہے'' (مسلم، ترمذی بمعناہ) پھر امام صاحب کے نزدیک شفق سے مراد وہ سفیدی ہے جو سرخی کے بعد نمایاں ہوتی ہے لغویین کی ایک جماعت نے جن میں مبرد و ثعلب بھی ہیں یہی بیان کیا ہے۔ اور حضرت ابوبکر صدیق انس بن مالک، معاذ بن جبل، ام المومنین عائشہؓ ابن عباسؓ اسی کے قائل ہیں۔ صاحبین کے نزدیک خود وہ سرخی ہی مراد ہے اور یہی امام صاحب کی ایک روایت اور امام شافعی کا قول ہے لغویین خلیل وفراء سے یہی منقول ہے اور صحابہ میں حضرت عمرؓ ابن عمر، علی، ابن مسعود اسی کے قائل ہیں کیونکہ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ ''شفق سرخی ہے'' (مالک، دار قطنی، بیہقی فی المعرفہ) امام صاحب کی دلیل یہ حدیث ہے ''مغرب کا آخری وقت کناروں پر سیاہی چھا جانے تک ہے۔ (ابوداؤد، ابن حبان بمعناہ) امام شافعی نے جو روایت پیش کی ہے وہ ابن عمر پر موقوف ہے جیسا کہ امام مالک نے موطا میں ذکر کیا ہے۔ نیز امام مسلم کی روایت ''وقت الصلوۃ المغرب مالم یسقط نور الشفق'' بھی امام صاحب کے نظریہ کی مؤید ہے کیونکہ نور کا اطلاق بیاض پر ہی ہوتا ہے نہ کہ سرخی پر، عشاء کا وقت شفق ختم ہونے کے بعد سے شروع ہوتا ہے اور بلا کراہت نصف شب تک اور بطور جواز طلوع فجر تک باقی رہتا ہے یعنی جب سحر میں ابتدائی روشنی پھیلتی ہے اس وقت تک ادا کی جاسکتی ہے امام شافعی کے نزدیک تہائی رات کے بعد ادا نہ ہوگی۔ اور وتروں کا اول وقت عشاء کے بعد سے ہے اور آخری وقت فجر تک ہے حضورؐ کا ارشاد ''وتروں کو عشاء اور صبح کے درمیان پڑھنا چاہئے اس کی واضح دلیل ہے (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، حاکم) اور ترتیب کی وجہ سے وتر کو عشاء پر مقدم نہیں کیا جاسکتا کیونکہ وتر کا وقت عشاء کے بعد ہی ہوتا ہے۔

قولہ ومن لم یجد الخ جو شخص عشاء اور وتر کا وقت نہ پائے اس پر عشاء اور وتر کی نماز واجب نہیں جیسے اہل بلغار وغیرہ۔

فائدہ: یہ مسئلہ نہایت دقیق اور پیچیدہ مسئلہ ہے بالخصوص آجکل کے سائنسی دور میں تو بہت ہی تحقیق طلب ہے اس لئے ہم طوالت کا خوف کئے بغیر اس مسئلہ کی پوری تحقیق عین الہدایہ مؤلفہ حضرت مولانا امیر علی صاحب سے پیش کرتے ہیں موصوف نے اس مسئلہ کی جو تحقیق شرح وبسط کیساتھ فرمائی ہے وہ لائق صد تحسین ہے (جزاہم اللہ خیر الجزاء) فرماتے ہیں کہ جن ملکوں میں عشاء اور وتر کا وقت نہیں ہوتا بلکہ شفق غروب ہونے سے پہلی ہی صبح ہوجاتی ہے تو وہاں عشاء اور وتر واجب ہونگے یا نہیں؟ اس میں دونوں قول ہیں بعض کہتے ہیں کہ عشاء اور وتر دونوں فرض ہیں صبح ہونے پر بقدر عشاء اور وتر فرضی وقت کا اندازہ کر کے دونوں پڑھ لے پھر صبح کی نماز پڑھ لے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ دونوں نمازیں فرض ہی نہیں ہیں۔

قطبین پر بسنے والے خطوں کے لئے نماز کی تحقیق

چنانچہ قاموس میں لکھا ہے کہ شمالی جانب ملک صقالیہ میں ایک بہت بڑا شہر بلغار ہے۔ اور بقول بحر الرائق وامداد الفتاح گرمیوں کے شروع میں جب آفتاب کی تحویل برج سرطان میں ہوتی ہے تو وہاں ۲۳ گھنٹے آفتاب طلوع رہتا ہے اور صرف ایک گھنٹہ کے لئے غروب

ہوتا ہے چنانچہ ایک بلغاری کا بیان ہے کہ ان کے یہاں گرمیوں کے ایک چلہ میں شفق ہونے سے پہلے ہی فجر طلوع ہوجاتی ہے اور وہاں کے باشندے وقت کے ایک حصہ کو رات فرض کر کے روزہ میں ایک دو بار کھالیتے ہیں بلکہ اس ملک سے بھی آگے کے باشندوں کا بیان ہے کہ وہاں اندھیرا بالکل نہیں ہوتا دن ہی رہتا ہے لیکن بعض ملک اس کے برخلاف ایسے بھی ہیں جہاں بجز چراغ کے روشنی ہی نہیں ہوتی۔ ہمیشہ رات رہتی ہے بہر حال قطبین کے قریب غروب آفتاب برائے نام ہوتا ہے جیسا کہ علم ہیئت جاننے والوں پر مخفی نہیں ہے۔

بہر حال ایک جماعت کے نزدیک جہاں عشاء اور وتر کا وقت نہیں ملتا۔ وہاں بھی دونوں نمازیں پڑھنی چاہئیں۔ اور اندازہ سے وقت نکالا جائے، نیز یہ لوگ قضا کی نیت نہیں کرینگے۔ کیونکہ ادا کا وقت ہی موجود نہیں ہے برہان کبیر میں اس پر فتوی ہے اور ابن ہمام نے اور ابن الشحنہ نے اور صاحب تنویر نے اسی کو مختار، صحیح اور مذہب قرار دیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ ایک قول کے مطابق ان لوگوں پر عشاء و وتر فرض نہیں ہیں کیونکہ وقت ہی موجود نہیں جو سبب فرضیت ہوتا ہے کنز، ملتقی الابحر، بقالی، حلوائی، مرغینانی، شرنبلالی، حلبی نے بھی اسی کی موافقت کی۔ بلکہ مجتبی شرح قدوری میں ہے کہ برہان الائمہ کے پاس جب اسطرح کے ملکوں سے استفسار آیا کہ یہاں عشاء کا وقت نہیں ہوتا تو کیا عشاء کی نماز پڑھنی چاہئے؟ انہوں نے جواب لکھا کہ عشاء کی نماز واجب نہیں ہے۔ لیکن ظہیر الدین مرغینانی نے فتویٰ دیا کہ نماز واجب ہوگی پھر شمس الائمہ حلوائی کے پاس بھی بلغار سے اس مضمون کا استفسار آیا تو انہوں نے بھی عشاء واجب ہونے کا فتویٰ دیا۔ لیکن خوارزم میں سیف السنہ بقالی سے جب اس قسم کے استفسار کا جواب طلب کیا گیا تو انہوں نے لکھا واجب نہیں ہے اس فتویٰ کی اطلاع جب شمس الائمہ حلوائی کو ہوئی تو انہوں نے اپنے ایک لائق شاگرد کو بھیج کر ان سے دریافت کرایا کہ جو شخص پانچ فرض نمازوں میں سے ایک نماز کا انکار کردے تو اس کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں؟ بقالی سمجھ گئے کہ سوال کا منشا کیا ہے چنانچہ برجستہ فرمایا کہ اچھا ایسے شخص کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔ جس کے دونوں ہاتھ کہنیوں سمیت کٹ گئے ہوں یا دونوں پاؤں ٹخنوں سمیت کٹ گئے ہوں تو بتلاؤ کہ وضو کے چار فرضوں میں سے اس پر کتنے فرض رہ گئے؟ لائق شاگرد نے عرض کیا کہ چونکہ چار اعضاء میں سے ایک عضو تلف ہو چکا ہے اس لئے فرض بھی ایک کم ہو کر تین رہ گئے فرمایا یہی حال نمازوں کا بھی ہے جہاں عشاء کا وقت نہیں ہوتا وہاں عشاء کی نماز بھی فرض نہیں ہے۔ یہ جواب شمس الائمہ کو پہنچا تو نہ صرف یہ کہ پسند کیا بلکہ اپنے پہلے قول سے رجوع کر کے بقالی سے اتفاق کرلیا۔ لیکن ابن ہمام ان اقوال کو نقل کرنے کے بعد برہان الکبیر کے قول کو ترجیح دیتے ہیں۔ اور بقالی کو جواب دے رہے ہیں کہ ایک عضو کے تلف ہوجانے کے بعد محل فرض میں کمی ہوجانے اور نماز کے جعلی سبب یعنی وقت نہ ہونے میں فرق ہے کیونکہ نفس الامر میں وجوب تو سبب خفی سے ثابت ہے۔ مگر وقت کو ظاہری طور پر اس سبب خفی کی علامت مقرر کردیا گیا پس اس ظاہری اور جعلی سبب کے نہ ہونے سے اصلی اور حقیقی سبب کا نفس الامر میں معدوم ہونا لازم نہیں آتا دار انحالیکہ اس کے موجود ہونے پر دوسری دلیل پائی جائے، چنانچہ یہاں مشہور احادیث معراج میں جن میں پچاس نمازوں کا فرض ہونا اور پھر اس فرضیت کا پانچ میں تبدیل ہونا مذکور ہے۔ بعد میں یہی فرضیت تمام ممالک اور بلاد کے لئے رہی جیسا کہ آپ کی بعثت اور رسالت عامہ کا تقاضہ ہے کسی جگہ کی کوئی تخصیص نہیں ہوئی۔ کہ فلاں جگہ چار نمازیں ہونگی اور فلاں جگہ پانچ، اسی طرح جب کوئی اسلام میں داخل ہوتا ہے تو اسے پانچ وقت کی نمازوں کے فرض ہونے پر ایمان لانا پڑتا ہے اس میں بھی کسی کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔

حدیث دجال: علیٰ ہذا احادیث خروج دجال ہیں جن میں صحابہ نے آنحضرت سے عرض کیا کہ دجال کتنے وقت زمین پر ٹھہریگا۔ فرمایا: چالیس روز تک، ایک دن ایک سال کے برابر ہوگا۔ اور ایک دن ایک مہینہ کے اور ایک دن ایک ہفتہ کے برابر ہوگا۔ اور باقی دن تمہارے عام دنوں کی طرح ہوں گے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ایک سال کے برابر جو دن ہوگا کیا اس میں ایک روز کے برابر نماز پڑھنا کافی ہوگا؟ فرمایا نہیں۔ بلکہ وقت کا اندازہ کر کے نمازیں پڑھا کرنا (مسلم وغیرہ) ظاہر ہے کہ تین سو سے زیادہ عصر کی نمازیں ایسی ہونگی جو دو مثل بلکہ ایک مثل سے بھی پہلے پڑھی جائینگی کیونکہ ایک ہی دن میں سیکڑوں عصریں ایسی واجب ہونگی جو دوپہر اور آفتاب ڈھلنے سے پہلے پڑھنا پڑینگی۔ دوسری نمازوں کو بھی اسی پر قیاس کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً سیکڑوں مغرب اور عشاء اور فجر آفتاب

غروب ہونے سے پہلے واجب ہونگی۔

پس معلوم ہوا کہ وجوب کا اصلی سبب اوقات معلومہ نہیں ہیں جن کے نہ ہونے سے وجوب نماز نہ ہو بلکہ اصلی سبب وجوب خفی اور نفس الامری معنی ہیں۔ اوقات تو صرف علامات ہیں۔ اس لئے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نفس الامر میں پانچوں نمازیں ہر حال میں عموماً ہر شخص پر واجب ہیں۔ ان اوقات معلومہ پر ان کی تقسیم نہیں ہے کہ جب یہ اوقات ہوں تو تب ہی وجوب ہو بلکہ وجوب عام معلوم ہوتا ہے یہ اوقات ہوں یا نہ ہوں بہر صورت وجوب ساقط نہیں ہوگا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں اپنے بندوں پر فرض کردی ہیں۔ یہ نہیں فرمایا کہ پانچ نمازیں اصلی سبب وجوب کے لحاظ سے لازم ادا ہیں اگرچہ ان کے اوقات میں ردوبدل اور تغیر ہوتا رہے چنانچہ قضا کا واجب ہونا، رسبب ادا معدوم کے بعد ساقط الذمہ ہو جانا اس کا مؤید ہے۔

ملک بلغار وغیرہ

رہی یہ بات کہ بلغار جیسے ممالک کے باشندے جہاں ایک وقت ہی نہیں ملتا کیا نمازوں میں ان کو قضا کی نیت کرنی چاہئے؟ تو صحیح یہ ہے کہ قضا کی نیت نہیں کرنی چاہئے کیونکہ ادا ہی کا وقت جب نہیں تو قضا کیسے کہلائیگی لیکن اس تقریر پر حلبی نے یہ گرفت کی ہے کہ جس طرح پانچ نمازوں کی فرضیت مسلم ہے اسی طرح ان کے اسباب وشروط بھی فرض ہیں پس اگر نماز کی فرضیت مع شرائط واسباب مراد ہے تو صحیح ہے لیکن ایسے ممالک میں وقت جو نماز کا سبب ہے ہے پایا نہیں جاتا اور اگر یہ مراد ہو کہ ہر فرد پر مطلق نمازیں واجب ہیں بلالحاظ اسباب کے تو یہ درست نہیں کیونکہ حائضہ اگر طلوع آفتاب ہونے کے بعد پاک ہوتی ہے تو اس پر صرف چار نمازیں واجب ہونگی فجر کی نماز واجب نہیں، رہی حدیث دجال وہ خود خلاف قیاس ہے اس پر قیاس کیسے درست ہو سکتا ہے۔

حلبی کے اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ہم شق اول کو اختیار کرتے ہیں یعنی نماز مع شرائط اسباب مراد ہے لیکن اوقات سبب اصلی نہیں ہوتے۔ بلکہ محض علامات ہوتے ہیں جیسا کہ حدیث دجال اور احادیث معراج اور فرائض پنجگانہ کی صریح روایات اس امر کی تائید کررہی ہیں کہ اوقات سبب اصلی نہیں ہوتے۔ اور حدیث دجال خلاف قیاس نہیں ہے۔

علامہ حصکفی حدیث دجال کو خلاف قیاس تو نہیں کہتے البتہ یہ کہتے ہیں کہ حدیث دجال اور مسئلہ ذیل میں فرق ہے وہ یہ کہ حدیث دجال میں ایک دن میں تین سو سے زیادہ عصر کی نمازوں کا وقت تو موجود ہے البتہ علامت موجود نہیں ہے۔ لیکن مسئلہ ذیل میں نہ زمانہ ہے نہ علامت۔ لیکن علامہ کا یہ فرمانا صحیح نہیں معلوم ہوتا کیونکہ زمانہ تو ایک ممتد چیز ہے جو مسلسل جاری ہے بلکہ دجال والے دن میں ان سیکڑوں عصروں کی علامت کا نشان تک نہیں ہے۔ برخلاف ان ممالک مذکورہ کے کہ ایک نماز کے علاوہ دوسرے اوقات کی علامتیں موجود ہیں اسی لئے طحاوی وغیرہ نے اس کو یہ کہہ کر رد کردیا ہے کہ وقت مقرر کرکے عشاء کے فرض ہونے کی دلیل بہت روشن ہے۔ ۱۲ انتہی۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَنُدِبَ تَاخِيرُ الْفَجْرِ وَظُهْرِ الصَّيْفِ وَالْعَصْرِ مَالَمْ يَتَغَيَّرِ الشَّمْسُ وَالْعِشَاءِ اِلَى الثُّلُثِ

اور مستحب ہے فجر اور گرمیوں کی ظہر اور عصر کی نماز کو مؤخر کرنا جب تک کہ آفتاب متغیر نہ ہو اور عشا کو تہائی رات تک

وَالْوِتْرِ اِلىٰ آخِرِ اللَّيْلِ لِمَنْ يَثِقُ بِالانْتِبَاهِ وَتَعْجِيلُ ظُهْرِ الشِّتَاءِ وَالْمَغْرِبِ

اور وتر کو آخر شب تک اس شخص کے لئے جس کو جاگنے پر اعتماد ہو، اور مستحب ہے جاڑوں کی ظہر اور مغرب

وَمَا فِيهَا عَيْنٌ يَوْمَ غَيْمٍ وَيُؤَخَّرُ غَيْرُهُ فِيهِ

اور ان نمازوں کو اول وقت میں پڑھنا جن میں عین ہے ابر کے دن ان کے سوا اور نمازوں کو ابر کے دن تاخیر سے پڑھا جائے۔

مستحب اوقات نماز کا بیان

توضیح اللغۃ: صیف موسم گرما، یثق، اعتماد ہونا، انتباہ، بیدار ہونا شتا موسم سرما، غیمٌ بادل، (غیم) میں ایک لغت ہے۔

تشریح الفقہ: قولہ وندب الخ فجر کی نماز میں تاخیر مستحب ہے کیونکہ حضور نے ارشاد فرمایا ہے کہ صبح کی نماز خوب روشنی میں پڑھا کرو کیونکہ اس طرح اجر وثواب بہت زیادہ ہو جاتا ہے (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان عن رافع بن خدیج بزار عن بلال وانس طبرانی عن قتادہ وابن مسعود، ابن حبان عن ابی ہریرہ) اور موسم گرما میں ظہر کی تاخیر مستحب ہے اتنی کہ دھوپ کی شدت اور حرارت میں خنکی پیدا ہو جائے۔ کیونکہ حضور صلعم سردیوں کے موسم میں ظہر کی نماز جلد پڑھا کرتے تھے اور گرمیوں میں ٹھنڈے وقت میں۔ (بخاری عن انس) نیز حضور صلعم کا ارشاد ہے کہ "جب گرمی سخت ہو تو ظہر کی نماز ٹھنڈے وقت میں پڑھو کیونکہ گرمی کی شدت دوزخ کی بھاپ سے پیدا ہوتی ہے۔ (بخاری عن الخدری، مسلم، عن ابی ہریرہ ولفظہ "بالصلوٰۃ") اور عصر کی تاخیر مستحب ہے اتنی کہ آفتاب کی رنگت میں فرق نہ آئے حضرت رافع بن خدیج کہتے ہیں کہ "حضور صلعم عصر میں تاخیر کا حکم دیا کرتے تھے"۔ (بخاری، دار قطنی) حاکم نے مستدرک میں زیاد بن عبداللہ نخعی سے حضرت علی کا اثر نقل کیا ہے زیاد کہتے ہیں کہ ہم حضرت علی کیساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ مؤذن نے آ کر کہا۔ الصلوٰۃ یا امیر المومنین۔ آپنے فرمایا بیٹھ جاؤ وہ بیٹھ گیا کچھ دیر کے بعد اس نے پھر یہی کہا تو آپ نے جوش میں فرمایا کہ یہ کتا ہمیں سنت سکھلاتا ہے اس کے بعد آپ نے اٹھ کر عصر کی نماز ادا کی جب ہم اپنی جگہ واپس آئے تو غروب آفتاب میں شک ہو رہا تھا اور عشاء کی تاخیر تہائی رات تک مستحب ہے۔ کیونکہ حضور صلعم کا ارشاد ہے کہ "اگر مجھے اپنی امت پر مشقت کا خیال نہ ہوتا تو تہائی رات تک عشاء میں تاخیر کرتا" (ترمذی، ابن ماجہ، عن ابی ہریرہ، نسائی، عن زید بن خالد) اور وتر کی تاخیر آخر شب تک مستحب ہے مگر اس شخص کے لئے جس کو آخر شب میں بیدار ہونے پر اعتماد ہو کیونکہ حضور کا ارشاد ہے کہ "جس کو اندیشہ ہے کہ رات کو اٹھ نہیں سکونگا اسکو اول شب ہی میں وتر پڑھ لینے چاہئیں اور جس کو آخر شب میں اٹھنے کی توقع ہو تو رات کے آخری حصہ میں وتر پڑھنے چاہئیں"۔ (مسلم عن جابر) امام شافعی کے یہاں کل نمازوں میں تعجیل افضل ہے، دلیل یہ حدیث ہے۔ الصلوٰۃ فی اول الوقت رضوان اللہ "اول وقت میں نماز پڑھنا اللہ کی خوشنودی کا باعث ہے مگر یہ حدیث یعقوب بن الولید سے معروف ہے جس کے بارے میں ناقدین حدیث کی آراء ملاحظہ ہوں قال احمد "کان من الکذا بین الکبار" قال ابو داؤد لیس بثقۃ" قال النسائی "متروک الحدیث" قال ابو حاتم "کان یکذب "دار قطنی نے اسکی تخریج ایک دوسرے طریق سے کی ہے جس میں حسین بن حمید راوی ہے۔ اس کے بارے میں سنئے قال ابن عدی ھو منھم فیما یز و بہ وقال مطین" ھو کذاب بن کذاب ابن کذاب "ادلۂ احناف ہر نماز کے ذیل میں اوپر مذکور ہو چکیں۔

قولہ و مافیھا عین الخ اور جن نمازوں کے شروع میں عین ہے یعنی عصر اور عشاء ان کو ابر کے دن جلد پڑھنا مستحب ہے کیونکہ عصر کی تاخیر میں مکروہ وقت شروع ہو جانیکا اندیشہ ہے اور عشاء کی تاخیر میں بارش کے خطرہ سے تقلیلِ جماعت کا خوف ہے اور ان کے علاوہ یعنی فجر ظہر اور مغرب کو تاخیر سے پڑھنا مستحب ہے کیونکہ ان میں کافی وقت ہوتا ہے لہذا تاخیر میں کوئی خطرہ نہیں ہے۔

وَمُنِعَ عَنِ الصَّلٰوۃِ وَسَجْدَۃِ التِّلَاوَۃِ وَصَلٰوۃِ الْجَنَازَۃِ عِنْدَ الطُّلُوْعِ وَالْاِسْتِوَاءِ وَالْغُرُوْبِ اِلَّا عَصْرَ یَوْمِہٖ

اور منع کیا گیا ہے نماز سے اور سجدۂ تلاوت سے اور نماز جنازہ سے طلوع واستواء اور غروب آفتاب کے وقت مگر اسی روز کی عصر

وَعَنِ التَّنَفُّلِ بَعْدَ صَلٰوۃِ الْفَجْرِ وَالْعَصْرِ لَا عَنْ قَضَاءِ فَائِتَۃٍ وَسَجْدَۃِ تِلَاوَۃٍ وَصَلٰوۃِ جَنَازَۃٍ

اور نفل پڑھنے سے نماز فجر اور عصر کے بعد نہ کہ قضا نماز اور سجدۂ تلاوت اور نماز جنازہ سے،

وَبَعْدَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ بِاَکْثَرَ مِنْ سُنَّةِ الْفَجْرِ وَقَبْلَ الْمَغْرِبِ وَوَقْتَ الْخُطْبَةِ

اور ممنوع ہے طلوع فجر کے بعد سنت فجر سے زیادہ اور مغرب سے پہلے اور خطبہ کے وقت

وَعَنِ الْجَمْعِ بَيْنَ الصَّلٰوتَيْنِ فِي وَقْتٍ بِعُذْرٍ

اور منع کیا گیا ہے دونمازوں کوایک وقت میں جمع کرنے سے عذر کے باوجود۔

مکروہ اوقات نماز کا بیان

تشریح الفقہ :......قولہ و منع الخ طلوع آفتاب، زوال آفتاب، غروب آفتاب کے وقت فرض ونوافل، سجدۂ تلاوت اور نماز جنازہ ممنوع ہے کیونکہ ان اوقات ثلاثہ میں نماز پڑھنے کی ممانعت متعدد صحابہ کی روایت سے ثابت ہے (صحاح ستہ عن البخاری عن عقبہ، صحیحین، مؤطا، نسائی عن ابن عمر، مؤطا، نسائی عن الصنابحی، ابوداؤد، نسائی عن عمرو بن عبسہ) البتہ آج کی عصر غروب کے قریب پڑھی جاسکتی ہے کیونکہ وجوب نماز کا سبب وہی جز ہے جو وقت مشروع سے متصل ہے پس غروب کے وقت جیسی نماز عصر واجب ہوئی ویسی ہی ادا کرلی جائیگی۔ امام شافعی مکہ معظمہ کیساتھ فرائض کی تخصیص کرتے ہیں اور امام ابو یوسف جمعہ کے روز زوال کے وقت نوافل مباح کہتے ہیں ممانعت والی احادیث ان حضرات پر حجت ہے۔

قولہ عن التنفل الخ اور نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب تک اور عصر کے بعد غروب آفتاب تک نوافل پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ حضور صلعم نے اس سے منع فرمایا ہے (بخاری عن معاویہ، ابن راہویہ، بیہقی عن علی، مسلم عن عمرو بن عبسہ) ہاں ان اوقات میں قضا نماز سجدۂ تلاوت نماز جنازہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ کراہت تو حق فرض کیوجہ سے ہے۔ تاکہ پورا وقت فرائض ہی میں مشغول سمجھا جاسکے۔ فی نفسہ وقت میں کوئی خرابی نہیں ہے اور طلوع فجر کے بعد نماز فجر سے پہلے بھی سنت فجر کے علاوہ نوافل مکروہ ہیں۔ ابن عمر سے مرفوعاً روایت ہے کہ " طلوع فجر کے بعد بجز دو رکعت کے اور کوئی نماز نہیں ہے (ترمذی، ابوداؤد) حضرت حفصہ سے مرفوع روایت ہے کہ فجر طلوع ہونے کے بعد آنحضرتؐ صرف دو رکعت نماز خفیف پڑھتے تھے۔ (مسلم) غروب آفتاب کے بعد فرض سے پہلے بھی نوافل مکروہ ہیں کیونکہ اس سے مغرب کی نماز میں تاخیر لازم آئیگی۔ جو مکروہ تنزیہی ہے جب امام خطبہ کے لئے منبر کی طرف چلے اس وقت سے لیکر خطبہ سے فراغت تک بھی نوافل مکروہ تحریمی ہیں۔ ابن العربی نے اس کو جمہور کا قول بتایا ہے اور یہی صحیح ہے امام شافعی، احمد، اسحاق تحیۃ المسجد کی دو رکعت حضرت جابر کی حدیث کی وجہ سے جائز رکھتے ہیں، لیکن حضرت علی، بن عباسؓ ابن عمر سے یہی مروی ہے کہ اس وقت میں صلوٰۃ وکلام مکروہ ہے۔

(ابن ابی شیبہ)

قولہ وعن الجمع الخ عذر کے باوجود بھی دو فرضوں کا ایک وقت میں جمع کرنا ممنوع ہے۔ عذر سفر کا ہو یا مرض ومطر کا، البتہ حج کے موقع پر عرفات اور مزدلفہ کی دو نمازیں اس سے مستثنیٰ ہیں، امام شافعی و مالک جائز کہتے ہیں کیونکہ حدیث سے اس کا ثبوت ہے ہم یہ کہتے ہیں کہ حدیث سے جو ثابت ہے وہ صرف جمع صوری ہے یعنی ایک نماز کو آخر وقت میں اور دوسری کو اول وقت میں پڑھنا، رہا حقیقۃ جمع کرنا سو ابن مسعود فرماتے ہیں کہ "قسم ہے اس خدا کی جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کوئی نماز بجز اسکے وقت کے اور کسی وقت میں نہیں پڑھی مگر دو نمازیں یعنی ظہر وعصر عرفات میں اور مغرب وعشاء مزدلفہ میں۔

بَابُ الاَذَانِ

باب اذان کے بیان میں

سُنَّ لِلْفَرَائِضِ بِلاتَرْجِيعٍ وَلَحْنٍ وَيَزِيدُ بَعْدَ الْفَلاحِ فِي اَذَانِ الْفَجْرِ الصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ مَرَّتَيْنِ

اذان مسنون ہے فرائض کے لئے بلاترجیع وبلاترنم اور زیادہ کرے حی علی الفلاح کے بعد فجر کی اذان میں الصلوٰۃ خیر من النوم دومرتبہ

وَالْاِقَامَةُ مِثْلُهُ وَيَزِيدُ بَعْدَ فَلاحِهَا قَدْقَامَتِ الصَّلٰوةُ مَرَّتَيْنِ وَيَتَرَسَّلُ فِيْهِ وَيَتَحَدَّرُ فِيْهَا

اور تکبیراذان کی طرح ہے اور زیادہ کرے اس میں حی علی الفلاح کے بعد قد قامت الصلوٰۃ دومرتبہ اوراذان ٹھہر ٹھہر کر کہے اور تکبیر ذرا جلدی کہے

وَيَسْتَقْبِلُ بِهِمَا الْقِبْلَةَ وَلايَتَكَلَّمُ فِيْهِمَا وَيَلْتَفِتُ يَمِيْنًا وَشِمَالاً بِالصَّلٰوةِ وَالْفَلاحِ وَيَسْتَدِيْرُ فِي الصَّوْمَعَةِ

اور دونوں میں قبلہ رخ رہے اور بات نہ کرے اور صلوٰۃ وفلاح کے وقت اپنا منہ دائیں اور بائیں پھرائے اور گھوم جائے اذان خانہ میں

وَيَجْعَلُ اِصْبَعَيْهِ فِي اُذُنَيْهِ وَيُثَوِّبُ وَيَجْلِسُ بَيْنَهُمَا اِلَّا فِي الْمَغْرِبِ

اور انگلیاں کانوں میں رکھ لے اور تثویب کرے اور ان دونوں کے درمیان وقفہ کرے مگر مغرب میں

توضیح اللغۃ: ترجیع شہادتیں کوآہستہ کہکر دوبارہ آواز سے کہنا، لحن ترنم، ترسل ٹھہر ٹھہر کر کہے، یحدر ذرا جلدی کہے، صومعہ اذان خانہ۔

تشریح الفقہ: قولہ باب الاذان الخ اسباب وعلامات نماز یعنی اوقات کے بعد اعلان نماز کا طریقہ بیان کیا جارہا ہے جس کو شریعت کی زبان میں اذان کہتے ہیں یہ زمان کے وزن پر مصدر ہے اور بعض کے نزدیک اسم مصدر ہے کیونکہ اس کی ماضی اذّن اور مصدر تاذین ہے لغۃً مطلق اعلان کو کہتے ہیں قال تعالیٰ "اذان من اللہ ورسولہ" شریعت میں چند مخصوص الفاظ کیساتھ خاص ساعتوں میں اوقات نماز شروع ہونے کی اطلاع دینا ہے۔

قولہ سن الخ نماز پنجگانہ (اور جمعہ) کے لئے اذان بلاترجیع وبلاتصنع مسنون ہے ان کے علاوہ کے لئے سنت نہیں ہے۔ امام شافعی ترجیع کے قائل ہیں جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ شہادتیں کوآہستہ کہکر دوبارہ بلند آواز سے کہا جائے۔ دلیل یہ ہے کہ حضورؐ نے ابومحذورہ کو ترجیع کا حکم دیا تھا[1] جواب یہ کہ معجم طبرانی میں ابومحذورہ کی روایت میں ترجیع نہیں ہے پس دونوں متعارض ہونے کی وجہ سے ساقط ہوئیں اور عبداللہ بن زید اور ابن عمر وغیرہ کی روایتیں قابل حجت رہیں جن میں ترجیع مذکور نہیں ہے۔

قولہ ویستدیر الخ اگر مینارہ کشادہ ہو جس کی وجہ سے اپنی جگہ قدم جمائے رکھنے کے ساتھ اذان کا مقصود اصلی جو پوری طرح اعلان ہوتا ہے وہ حاصل نہ ہو تو روشندان یا دریچہ میں سے سر نکال کر باہر آواز پہنچانے میں کوئی حرج نہیں۔

قولہ ویثوب الخ تثویب تکرار اعلان کو کہتے ہیں جس کا ایک مفہوم یہ ہے کہ فجر کی اذان میں "الصلوٰۃ خیر من النوم" کہا جائے عہد نبوی میں یہی تثویب تھی جو بدستور اب بھی سنت ہے، بعد میں علماء کوفہ نے اذان وتکبیر کے درمیان "حی علی الفلاح" کہنے کی تجویز کی، ان کے بعد مختلف لوگوں نے نماز فجر میں بطور تثویب دوسرے الفاظ تجویز کئے۔ مثلاً الصلوٰۃ الصلوٰۃ، قامت قامت، الصلوٰۃ جامعۃ، وغیرہ، متاخرین علماء نے اس تثویب کو دوسری نمازوں کے وقت بھی مستحسن قرار دیا۔ (شرح نقایہ) امام ابویوسف فرماتے ہیں کہ امیر کیلئے کل نمازوں میں یہ الفاظ کہدیئے جائیں تو کوئی حرج نہیں۔ "السلام علیک ایھا الامیر" "حی علی الصلوٰۃ الخ (اھ) لیکن متقدمین علماء اسے مکروہ سمجھتے تھے۔ حضرت علی سے روایت ہے کہ ایک شخص مسجد میں تثویب کے الفاظ کہہ رہا تھا۔ آپ نے فرمایا: اس بدعتی کو مسجد سے نکال دو"[2]۔

---

(۱) صحاح ستہ غیر البخاری ۱۲ (۲) ابوداؤد، ترمذی ۱۲

وَیُؤَذِّنُ لِلْفَائِتَۃِ وَیُقِیْمُ وَکَذٰلِکَ لِاُوْلَی الْفَوَائِتِ وَخُیِّرَ فِیْہِ لِلْبَاقِیْ وَلَایُؤَذِّنُ قَبْلَ الْوَقْتِ

اوراذان کہے قضاء نماز کیلئے اور تکبیر کہے، اسی طرح پہلی قضاء نماز کے لئے باقی کے لئے اذان میں اختیار ہے اور اذان نہ دی جائے قبل از وقت

وَیُعَادُ فِیْہِ وَکُرِہَ اَذَانُ الْجُنُبِ اِقَامَۃُ الْمُحْدِثِ وَاَذَانُ الْمَرْأَۃِ وَالْفَاسِقِ وَالْقَاعِدِ وَالسُّکْرَانِ وَالصَّبِیِّ

اور دوبارہ کہی جائے اور مکروہ ہے ناپاک کا اذان واقامت اور بے وضو کا تکبیر کہنا اور عورت، بدکار، بیٹھے ہوئے اور بیہوش کا اذان کہنا

لَا اَذَانُ الْعَبْدِ وَوَلَدِ الزِّنَا وَالْاَعْمٰی وَالْاَعْرَابِیِّ وَکُرِہَ تَرْکُھُمَا لِلْمُسَافِرِ

نہ کہ غلام، حرام زادے، اندھے اور گنوار کا اذان کہنا اور مسافر کو دونوں کا ترک کرنا مکروہ ہے

لَا لِمُصَلٍّ فِیْ بَیْتِہٖ فِی الْمِصْرِ وَنُدِبَا لَھُمَا لَا لِلنِّسَآءِ

نہ کہ شہر کے اندر اپنے گھر میں نماز پڑھنے والے کے لئے اور ان کے لئے دونوں مستحب ہیں نہ کہ عورتوں کے لئے

بَابُ شُرُوْطِ الصَّلٰوۃِ
باب نماز کی شرطوں کے بیان میں

وَھِیَ طَھَارَۃُ بَدَنِہٖ مِنْ حَدَثٍ وَخُبْثٍ وَثَوْبِہٖ وَمَکَانِہٖ وَسَتْرُ عَوْرَتِہٖ وَھِیَ مَاتَحْتَ السُّرَّۃِ اِلٰی تَحْتِ رُکْبَتِہٖ

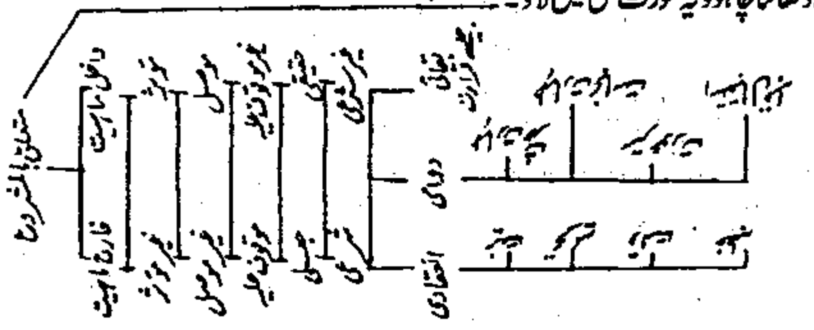
اور وہ پاک ہونا ہے نمازی کا بدن حکمی وحقیقی نجاست سے اور اس کے کپڑے اور جگہ کا اور ستر عورت اور وہ ناف کے نیچے سے گھٹنوں کے نیچے تک

توضیح اللغۃ:......قولہ ویؤذن الخ اور قضاء نمازوں کے لئے بھی اذان واقامت کہنی چاہئے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعہ لیلۃ التعریس کی صبح کو نماز فجر کی قضاء اذان واقامت کیساتھ ادا فرمائی تھی، امام شافعی صرف اقامت پر اکتفاء کرنے کو فرماتے ہیں اور ان کی دلیل حضرت ابوہریرہ کی روایت ہے جس میں صرف اقامت کا ذکر ہے (مسلم) جواب یہ ہے کہ روایات صحیحہ میں اذان کا ذکر موجود ہے پس زیادتی والی روایات پر عمل اولیٰ ہوگا۔ اور اگر چند نمازیں قضا ہوں تو پہلی نماز کے لئے اذان واقامت کہنی چاہئے اور بقیہ نمازوں میں اختیار ہے چاہئے اذان واقامت دونوں کہے تاکہ قضاء بطرز ادا ہو جائے اور یا صرف اقامت پر اکتفا کرلے۔ کیونکہ اذان تو غائبین کی حاضری کے لئے کہی جاتی ہے اور یہاں سب حاضر ہیں۔ امام محمد سے یہ بھی مروی ہے کہ پہلی نماز کے بعد والی نمازوں کے لئے اقامت ضرور کہنا چاہئے۔ اور بقول مشائخ امام اعظم اور ابو یوسف کا قول بھی یہی ہے۔ چنانچہ ابوبکر رازی سے اس روایت کی تصریح ہے۔ (عینی)

شروط نماز کا بیان

قولہ شروط الصلوۃ الخ جاننا چاہئے کہ جو چیز مشروع سے متعلق ہوتی ہے اس کی دو صورتیں ہیں یا تو وہ اسکی ماہیت میں داخل ہوگی یا خارج اگر داخل ہو تو اس کو رکن کہتے ہیں جیسے رکوع وغیرہ اور اگر خارج ہو تو اس کی پھر دو قسمیں ہیں یا تو وہ اس میں مؤثر ہوگی جیسے عقد نکاح برائے حلت یا غیر مؤثر، اس کی پھر دو قسمیں ہیں یا تو وہ اس تک فی الجملہ موصل ہوگی جیسے وقت اس کو سبب سے تعبیر کرتے ہیں، یا غیر موصل اس کی پھر دو قسمیں ہیں یا تو اس پر شی موقوف ہوگی اسی کو شرط کہتے ہیں جیسے وضو وغیرہ یا موقوف نہ ہوگی اسی کو علامت کہتے ہیں جیسے اذان (منحۃ الخالق) شرط (بسکون العین) اصل میں مصدر ہے شرط (ن ض) شرطاً کسی چیز کو لازم کرنا اس کی جمع شروط ہے اور شرط (بالتحریک) بمعنی علامت ہے اس کی جمع اشراط آتی ہے (قاموس) قال تعالیٰ " فقد جاء اشراطھا " ای علاماماتھا، رہا لفظ شرائط سو وہ شریطۃ کی جمع ہے بمعنی پھٹے ہوئے کان والا اونٹ۔ (ضیاء العلوم)۔

اس تفصیل سے دو باتیں معلوم ہوئیں اول یہ کہ جن لوگوں نے اس مقام پر متعلقات مشروع کو شرائط سے تعبیر کیا ہے وہ لغت کے بھی خلاف ہے کیونکہ شرائط شریطۃ کی جمع ہے جو یہاں مراد نہیں اور صرفی قواعد کے بھی خلاف ہے کیونکہ فعل کی جمع فعائل کے وزن پر غیر محفوظ ہے بخلاف فرائض کے کہ اس کا مفرد فریضۃ ہے جیسے صحائف صحیفۃ کی جمع ہے، دوم یہ کہ صاحب نہر نے جو یہ کہا ہے کہ ''وهي اي الشروط جمع شرط محر كا بمعنى العلامة لغة'' یہ انکی بھول ہے کیونکہ شرط بمعنی علامت کی جمع اشراط ہے نہ کہ شروط، شرط کی پھر دو قسمیں ہیں حقیقی اور جعلی، شرط حقیقی وہ ہے جس پر شئی کا وجود فی الواقع موقوف ہو جعلی کی پھر دو قسمیں ہیں شرعی جس پر شئی کا وجود شرعاً موقوف ہو جیسے نکاح کے لئے گواہوں کا ہونا اور نماز کے لئے طہارت کا ہونا، جعلی غیر شرعی وہ ہے جس میں شخص مکلف باجازت شرع اپنے تصرفات پر کسی چیز کا وجود معلق کرلے کقولہ ''ان دخلت الدا كان كذا'' یہاں بقول علامہ شمنی شروط شرعیہ مراد ہیں۔ پھر شروط صلوٰۃ کی تین قسمیں ہیں شرط انعقاد، شرط دوام شرط بقاء قسم اول میں چار چیزیں ہیں نیت، تحریمہ، وقت خطبہ، قسم دوم میں بھی چار چیزیں ہیں حدث سے پاک ہونا، نجاست سے پاک ہونا، ستر عورت، استقبال قبلہ، قسم سوم میں صرف ایک چیز ہے یعنی قرأت۔ پھر یہ تینوں شرطیں ایک دوسرے میں متداخل ہیں کیونکہ ان میں عموم وخصوص مطلق ہے شرط دوام خاص ہے اور شرط انعقاد وشرط بقاء عام مثلاً طہارت جو شرط دوام ہے اگر ابتداء نماز میں اسکے وجود کالحاظ کریں تو شرط انعقاد ہے اور اگر حالت بقاء میں اس کے وجود کو مشروط کہیں تو شرط بقاء ہے اگر کل اقسام کو نقشہ میں ڈھالنا چاہو تو یہ صورت عمل میں لاؤ۔



قولہ وہی طہارۃ الخ صحت نماز کے لئے نمازی کا بدن حدث اصغر اور حدث اکبر سے پاک ہونا اسکے کپڑے اور جگہ کا پاک ہونا ضروری ہے۔ کپڑے کا اعتبار اسی قدر ہے جو نمازی کے بدن سے متعلق ہو۔ چنانچہ جو کپڑا نمازی کی جنبش سے ہلتا ہو وہ اسکے بدن پر ہی شمار ہوگا جگہ کی پاکی سے مراد یہ ہے کہ دونوں قدم کے نیچے اور مقام سجدہ پر قدر مانع نجاست نہ ہو، بعض نے دونوں ہاتھوں اور گھٹنوں کے رکھنے کی جگہ پر نجاست نہ ہونے کا اعتبار کیا ہے نیز نمازی کو اپنا ستر چھپانا بھی ضروری ہے جو احناف شوافع، احمد عام فقہاء کے نزدیک شرط ہے کیونکہ ارشاد باری ہے ''خذوا زينتكم عند كل مسجد'' اے اولاد آدم! خدا کی دی ہوئی پوشاک جس سے تمہارے بدن کا تستر ہے اسکی عبادت کے وقت خاص کر استعمال کرو، نیز حضور کا ارشاد ہے ''بالغہ عورت کی نماز بلا اوڑھنی نہیں ہوتی حاکم، ابوداؤد) ایک روایت میں ہے کہ اللہ قبول نہیں کرتا اھ (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ عن عائشہ، ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم، احمد، اسحٰق، عورت عوار سے ہے بمعنی نقصان و عیب، شرمگاہ کو اس لئے کہتے ہیں کہ اس کا کھولنا اور ظاہر کرنا، عار عیب قبیح اور بے حیائی ہے پھر شریعت میں مرد کا ستر ناف کے نیچے سے گھٹنوں تک ہے یعنی ائمہ ثلاثہ کے نزدیک گھٹنا داخل ستر ہے اور ناف خارج از ستر کیونکہ حضور کا ارشاد ہے، ''مرد کے لئے ناف اور گھٹنوں کے درمیان کا حصہ عورت ہے۔'' (حاکم عن عبداللہ بن جعفر) ایک روایت میں ہے کہ ''ناف کے نیچے سے گھٹنے تک عورت ہے'' (دار قطنی، احمد) معلوم ہوا کہ ناف ستر میں داخل نہیں۔ رہا گھٹنا سو ہم کلمہ الی کو مع کے معنی پر محمول کرتے ہیں تا کہ کلمہ حتی پر عمل ہو جائے جو دوسری روایت میں ہے اور اس حدیث پر بھی عمل ہو جائے کہ گھٹنا داخل عورت ہے۔ (دار قطنی عن علی) امام شافعی واحمد ناف کو داخل عورت اور گھٹنے

کو خارج عورت مانتے ہیں۔ (امام مالک اور امام احمد سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ عورت صرف فرج اور مقعد ہے اور ایک روایت کے اعتبار سے امام احمد نماز میں کندھے کو ڈھکنا بھی شرط کہتے ہیں۔

وَبَدَنُ الْحُرَّةِ كُلُّهَا عَوْرَةٌ اِلَّاوَجْهَهَا وَكَفَّيْهَا وَقَدَمَيْهَا وَكَشْفُ رُبْعِ سَاقِهَا يَمْنَعُ وَكَذَا الشَّعْرُ وَالْبَطْنُ وَالْفَخِذُ

اور آزاد عورت کا کل بدن ستر ہے سوائے چہرے اور ہتھیلیوں اور قدموں کے اور اس کی چوتھائی پنڈلی کا کھلنا منع ہے اسی طرح بال اور پیٹ اور ران

وَالْعَوْرَةُ الْغَلِيْظَةُ وَالْاَمَةُ كَالرَّجُلِ وَظَهْرُهَا وَبَطْنُهَا عَوْرَةٌ وَلَوْ وَجَدَ ثَوْبًا وَرُبْعُهٗ طَاهِرٌ

اور شرمگاہ اور باندی مرد کے مثل ہے اور اس کی پیٹھ اور پیٹ بھی ستر ہے اور اگر کسی نے ایسا کپڑا پایا جس کا چوتھائی پاک ہے

وَصَلّٰى عُرْيَانًا لَمْ يَجُزْ وَخُيِّرَ اِنْ طَهُرَ اَقَلُّ مِنْ رُبْعِهٖ وَلَوْعَدِمَ ثَوْبًا قَاعِدًا مُوْمِيًا بِرُكُوْعٍ وَّسُجُوْدٍ

اور اس نے برہنہ نماز پڑھ لی تو درست نہ ہوگی اور مختار ہے اگر چوتھائی سے کم پاک ہو اور اگر کپڑا نہ ہو تو نماز بیٹھکر پڑھے اور رکوع وسجدہ

وَهُوَ اَفْضَلُ مِنَ الْقِيَامِ بِرُكُوْعٍ وَسُجُوْدٍ وَالنِّيَّةُ بِلاَ فَاصِلٍ وَالشَّرْطُ اَنْ يَّعْلَمَ بِقَلْبِهٖ

اشارے سے کرے یہ بہتر ہے کھڑے ہوکر رکوع اور سجدہ کرنے سے اور نیت کرنا بلا فصل اور نیت میں ضروری یہ ہے کہ اپنے دل سے یہ جانے

اَىَّ صَلٰوةٍ يُصَلِّىْ وَيَكْفِيْهِ مُطْلَقُ النِّيَّةِ لِلنَّفْلِ وَالسُّنَّةِ وَالتَّرَاوِيْحِ وَلِلْفَرَآئِضِ شَرْطٌ تَعْيِيْنُهٗ

کہ کونسی نماز پڑھتا ہے اور کافی ہے مطلق نیت نفل کے لئے اور سنت کے لئے اور تراویح کے لئے اور فرض کے لئے اس کو متعین کرنا ضروری ہے مثلا

كَالْعَصْرِ مَثَلاً وَالْمُقْتَدِىْ يَنْوِى الْمُتَابَعَةَ اَيْضًا وَلِلْجَنَازَةِ يَنْوِى الصَّلٰوةَ لِلّٰهِ تَعَالٰى وَالدُّعَآءَ لِلْمَيِّتِ

فرض عصر اور مقتدی متابعت کی بھی نیت کرے اور جنازہ میں نماز کی نیت خدا کے لئے کرے اور دعا کی نیت مردے کے لئے کرے۔

توضیح اللغۃ:...... حرۃ آزاد عورت، ساق پنڈلی، شعر بال، بطن پیٹ، فخذ ران، العورۃ الغلیظۃ فرج، پیشاب گاہ، امۃ باندی، ظہر پیٹھ، عاری ننگا، مومی، اشارہ کرنیوالا، المتابعۃ اقتداء۔

تشریح الفقہ:...... قولہ وبدن الحرۃ الخ آزاد عورت کا کل بدن عورت ہے سوائے اسکے چہرہ اور دونوں ہتھیلیوں کے کیونکہ حق سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے "ولا یبدین زینتھن الا ماظھر منھا" اور نہ دکھلائیں اپنی زینت مگر جو کھلی چیز ہے اس میں سے اس کی تفسیر میں حضرت عائشہ، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ عورت کا چہرہ اور اس کی ہتھیلیاں "الا ماظھر منھا" استثناء میں داخل ہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ بہت سی ضروریات دینی اور دنیاوی ان کے کھلا رکھنے پر مجبور کرتی ہیں فقہاء نے قدمین کو بھی ان ہی اعضاء پر قیاس کیا ہے کیونکہ اس ضرورت کا تحقق چہرہ اور ہتھیلیوں کی بہ نسبت قدمین میں کہیں زیادہ ہے لہذا یہ بدرجہ اولیٰ مستثنیٰ ہوں گے۔

قولہ وکشف ربع الخ نماز میں عورت کی پنڈلی، بال، پیٹ، ران، عورت غلیظہ (قبل ودبر) کے چوتھائی حصہ کا کھل جانا جواز صلوٰۃ سے مانع ہے۔ ایسی صورت میں طرفین کے نزدیک نماز کا اعادہ ضروری ہے۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اگر نصف سے کم حصہ کھلا ہو تو اعادہ صلوٰۃ واجب نہیں۔ کیونکہ کسی چیز کو کثرت کا وصف اسی وقت دیا جاتا ہے۔ جب اس کا مقابل اس سے کم ہو جیسے چھ چار کے مقابلہ میں کثیر ہے اور چار چھ کے مقابلہ میں قلیل ہے تو جب تک پنڈلی وغیرہ کا کھلنا نصف سے کم ہو تو وہ اقل ہے۔ اس کو کثرت کا وصف نہیں دیا جاسکتا طرفین کی دلیل یہ ہے کہ چوتھائی سے کل کی تعبیر ہوتی ہے جیسے سر کے مسح میں اور بحالت احرام چوتھائی سر کے منڈانے میں۔

قولہ والامۃ کالرجل الخ مرد کے جسم کا جتنا حصہ عورت ہے اتنا حصہ باندی کا بھی عورت ہے۔ مزید برآں اس کا پیٹ اور پیٹھ بھی عورت ہے (اور پہلو پیٹ کے تابع ہے) اس کے علاوہ باندی کے باقی کل اعضاء ستر میں داخل نہیں۔ (بیہقی نے صفیہ بنت ابی عبید سے روایت کی ہے کہ ایک عورت خمار وجلباب (اوڑھنی وچادر) اوڑھے ہوئے نکلی تو حضرت عمر نے دریافت کیا: یہ کون ہے؟ کہا کہ فلاں

کی باندی ہے اور حضرت عمرؓ ہی کی اولاد میں سے کسی کا نام بتایا، آپ نے حضرت حفصہ کے پاس کہلا بھیجا کہ کیا وجہ ہے کہ تم نے اس عورت کو خمار وجلباب پہنا کر آزاد عورتوں سے مشابہ بنایا میں تو اس کو آزاد عورت خیال کر کے سزا دینے کا قصد کر چکا تھا، خبردار تم اپنی باندیوں کو آزاد عورتوں سے مشابہ مت بناؤ (وروی بمعناہ عبدالرزاق وابن ابی شیبہ ومحمد بن الحسن)

قولہ ولو وجد الخ اگر کوئی شخص ایسا کپڑا پاتا ہو جس کا چوتھائی یا اس سے زائد پاک ہو اور پھر بھی وہ ننگا ہو کر نماز پڑھے تو بالاتفاق نماز جائز نہ ہوگی۔ کیونکہ چوتھائی کل کے قائم مقام ہوتا ہے تو گویا کل کپڑا پاک ہے اور پاک کو چھوڑ کر ننگے نماز پڑھنا جائز نہیں اور اگر چوتھائی سے کم پاک ہو تو شیخین کے نزدیک اس کو اختیار ہے چاہے ننگا ہو کر نماز پڑھے اور چاہے تو اس نجس کپڑے میں پڑھے اور یہی افضل ہے وجہ یہ ہے کہ ستر کا کھلنا اور نجاست کا ہونا دونوں جواز صلوۃ سے مانع ہیں اور حق مقدار میں بھی برابر ہیں۔ لہذا نماز کے حکم میں بھی دونوں برابر ہونگے۔ امام محمد کے نزدیک اس کو اختیار نہیں بلکہ اس صورت میں بھی نجس کپڑے میں نماز پڑھنا ضروری ہے۔ یہی امام مالک کا قول ہے اور یہی امام شافعی کے دو قولوں میں سے ایک قول ہے۔ دوسرا قول یہ ہے ننگا ہی نماز پڑھے ان کا ظاہری مذہب یہی ہے۔ امام محمد کی دلیل یہ ہے کہ نجس کپڑے میں نماز پڑھنے سے صرف ایک فرض یعنی طہارت کا ترک لازم آتا ہے اور ننگے نماز پڑھنے میں کئی فرضوں کا ترک لازم آتا ہے۔

قولہ ولو عدم الخ اور اگر کسی کے پاس کپڑا ہی نہ ہو تو وہ بیٹھ کر نماز پڑھے اور رکوع اور سجدہ اشارہ سے ادا کرے۔ چنانچہ حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ ایک قوم کی کشتی ٹوٹ گئی تھی اور کشتی والے سمندر سے ننگے نکلے تھے وہ لوگ بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھتے تھے۔ عینی میں ہے کہ اس کے خلاف کوئی اثر مروی نہیں ہے، ابن عمر، ابن عباس، عطاء عکرمہ، قتادہ، اوزاعی، احمد سب سے یہی مروی ہے اور اگر کسی نے اس حال میں کھڑے ہو کر نماز پڑھی تو جائز تو ہے مگر پہلی صورت افضل ہے۔ اس واسطے کہ قیام صرف حق نماز ہے اور ستر عورت حق نماز وحق ناس ہر دو ہے۔

قولہ والنیۃ الخ صحت نماز کے لئے نیت کا ہونا بھی شرط ہے کیونکہ اس پر اجماع مسلمین ہے جیسا کہ ابن المنذر وغیرہ نے بیان کیا ہے سراج ہندی نے شرح مغنی میں قول باری "**وما امروا الا لیعبدوا اللّٰہ مخلصین لہ الدین**" سے استدلال کیا ہے مگر بعض حضرات اس سے متفق نہیں کیونکہ ظاہر اعبادت سے مراد توحید ہے کیونکہ اس کے بعد صلوٰۃ وزکوۃ کا اس پر عطف کیا گیا ہے صاحب ہدایہ وغیرہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "**انما الاعمال بالنیات**" اھ سے استدلال کیا ہے علامہ ابن نجیم فرماتے ہیں کہ یہ بھی بعید ہے۔ اس واسطے کہ اصولیین نے ذکر کیا ہے کہ یہ حدیث خبر واحد ہونے کی وجہ سے ظنی الثبوت وظنی الدلالہ اور مفید سنت واستحباب ہے نہ کہ مفید فرضیت۔ شیخ اسماعیل فرماتے ہیں کہ ابن نجیم کا یہ اعتراض صحیح نہیں کیونکہ حدیث مشہور ہے جس کی صحت پر اتفاق ہے۔ نیت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ نمازی اپنے دل سے اس کو جانے کہ وہ کونسی نماز پڑھ رہا ہے اب اگر یہ نماز نفل، سنت، تراویح ہے تو مطلق نیت کافی ہے اور اگر فرض نماز ہے تو اس کی تعیین بھی ضروری ہے کہ آیا عصر کی نماز ہے یا ظہر کی ہر نیت اس طرح ہونی چاہئے کہ تکبیر تحریمہ اور نیت کے درمیان فصل نہ ہو یعنی دل کی نیت کو تحریمہ سے ملا دے۔ امام کرخی نے تکبیر کے بعد نیت کو جائز کہا ہے بلکہ بعض مشائخ نے تو رکوع تک نیت کر لینے کی اجازت دی ہے مگر پہلا قول اصح ہے۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

وَاسْتِقْبَالُ الْقِبْلَةِ فَلِلْمَكِّيِّ فَرْضُهُ اِصَابَةُ عَيْنِهَا وَلِغَيْرِهٖ اِصَابَةُ جِهَتِهَا وَالْخَائِفُ يُصَلِّيْ

اور قبلہ رخ ہونا پس مکی کے لئے ٹھیک عین کعبہ کی طرف منہ کرنا ضروری ہے اور غیر مکی کے لئے اسکی سمت کی طرف اور خوف رکھنے والا نماز پڑھے

اِلٰى اَيِّ جِهَةٍ قَدَرَ وَمَنِ اشْتَبَهَتْ عَلَيْهِ الْقِبْلَةُ تَحَرّٰى وَيُصَلِّيْ وَاِنْ اَخْطَأَ لَمْ يُعِدْ فَاِنْ عَلِمَ بِهٖ فِيْ صَلٰوتِهٖ

جس طرف قادر ہو اور جس پر قبلہ مشتبہ ہو جائے تو غور وفکر کرے اور اگر غلطی کر جائے تب بھی نہ لوٹائے اور اگر غلطی نماز میں معلوم ہو جائے

اِسْتَدَارَ وَلَوْ تَحَرّٰى قَوْمٌ جِهَاتٍ وَجَهِلُوْا حَالَ اِمَامِهِمْ يُجْزِيْهِمْ

تو نماز ہی میں گھوم جائے اگر کچھ لوگوں نے چند مختلف سمتوں کی تحری کی اور اپنے امام کے حال سے بے خبر رہے تو ان کے لئے کافی ہے (نماز ہو جائے گی)

تشریح الفقہ ...... **قولہ واستقبال القبلۃ** الخ استقبال قبلہ بھی شرط ہے قال تعالیٰ ''**فولوا وجو ھکم شطرہ**'' پھر واسکی طرف اپنے چہروں کو نیز حضور نے ایک جلد باز نمازی سے ارشاد فرمایا کہ ''جب تو نماز کے لئے اٹھے تو اچھی طرح وضو کر پھر قبلہ رخ ہو کر تکبیر کہہ'' (مسلم) اس پر یہ اشکال نہیں ہونا چاہئے کہ عبادت تو خدا کے لئے ہے اور خدا کے لئے کوئی جہت نہیں۔ پھر کعبہ کی طرف رخ کرنے کا ضروری ہونا چہ معنی دارد؟ اس واسطے کہ عبادت تو بے شک خدا ہی کے لئے لیکن بقول کسے...... ؏

ہر قوم راست راہے دینے و قبلہ گاہے

ہر ملک، ہر قوم، ہر شخص کا ایک طبعی رجحان اور قلبی میلان ہوتا ہے جو اس کو کسی نہ کسی طرف متوجہ ہونے کا داعی بنتا ہے، شریعت نے متبع ملت ابراہیمیہ کو غیر متبع سے ممتاز کرنے کیلئے اسی جہت کو متعین کر دیا۔ یا یوں کہا جائے کہ اس میں بندے کی آزمائش مقصود ہے کیونکہ عاقل بالغ شخص جو خدا کے حق میں جہت کو محال جانتا ہے اس کی اصل پیدائش اسکی مقتضی ہے کہ وہ نماز میں کسی خاص طرف منہ نہ کرے اللہ نے ایسی بات کا حکم کیا جو اسکی اصل پیدائش کے مقتضی کے خلاف ہے تا کہ یہ ظاہر ہو جائے کہ وہ حکم مانتا ہے یا نہیں، بہر کیف استقبال قبلہ ضروری ہے حقیقۃ ہو یا حکما حقیقۃً جیسے اہل مکہ کے لئے عین کعبہ کی طرف متوجہ ہونا ضروری ہے خواہ اس کے اور کعبہ کے درمیان کوئی دیوار وغیرہ حائل ہو یا نہ ہو حتی کہ اگر کوئی مکی اپنے گھر میں نماز پڑھے تو اسکے لئے اسطرح پڑھنا ضروری ہے خواہ اس کے اور کعبہ کے درمیان کوئی دیوار وغیرہ حائل ہو یا نہ ہو حتی کہ اگر کوئی مکی اپنے گھر میں نماز پڑھے تو اسکے لئے اس طرح پڑھنا ضروری ہے کہ اگر دیوار دور کر دی جائے تو کعبہ سامنے ہو جائے، حکما جیسے کعبہ سے دور باشندگان کے لئے صرف جہت کعبہ شرط ہے جمہور علماء ثوری، ابن مبارک، احمد، اسحٰق، داؤد مزنی شافعی، احناف سب کا یہی قول ہے اور یہی ترمذی نے حضرت عمر، علی ابن عباس سے روایت کیا ہے۔

قولہ و الخائف الخ تحقیق مذکور کی بنا پر خائف کے حق میں استقبال شرط نہیں جس طرف قادر ہو نماز پڑھ لے، پھر خوف عام ہے جان، مال، دشمن، درندہ، راہزن کسی کا ہو، تبیین میں ہے کہ کشتی ٹوٹ گئی اور کوئی تختہ پر رہ گیا اور قبلہ رخ ہونے میں غرق ہونے کا خوف ہے تو جدھر قادر ہو نماز پڑھ لے۔

قولہ و من اشتبھت الخ جس پر قبلہ مشتبہ ہو جائے کہ کس طرف ہے اور کوئی بتانے والا بھی موجود نہ ہو تو اس کو چاہئے کہ علامات وغیرہ کے ذریعہ خوب غور کرے کہ قبلہ کس طرف ہو سکتا ہے اور جس طرف اس کا دل گواہی دے اسی طرف نماز پڑھ لے پھر اگر نماز کے بعد معلوم ہو کہ سمت چوک گیا تو اعادہ بھی نہیں۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر تحری سے نماز پڑھنے میں یہ ثابت ہو کہ پشت قبلہ کی طرف تھی تو اعادہ واجب ہے کیونکہ خطاء کا یقین ہو گیا ہم یہ کہتے ہیں کہ اسکی وسعت میں صرف تحری تھی اور بحکم شرع اس کے حق میں جہت تحری ہی قبلہ ہے لہذا اسکی نماز شرع کے مطابق ہوئی اس لئے اعادہ کی ضرورت نہیں اور اگر تحری کرنیوالے کو سمت کا غلط ہونا نماز کے اندر معلوم ہو جائے تو نماز ہی میں قبلہ کی طرف پھر جائے کیونکہ بیت المقدس سے خانہ کعبہ کی طرف قبلہ بدلنے کا حکم سن کر اہل قباء رکوع کی حالت میں کعبہ کی طرف گھوم گئے تھے اور حضور نے اس کو برقرار رکھا تھا۔ (صحیحین)

قولہ و لو تحری الخ اگر اندھیری رات میں چند مقتدیوں نے تحری کی اور ہر ایک نے اپنی اپنی تحری کے مطابق نماز پڑھی اور امام کا حال کسی کو معلوم نہیں کہ اس کا رخ کس طرف ہے تو ان کی نماز ہو گئی کیونکہ ان کے حق میں قبلہ جہت تحری ہے۔ رہی امام کی سمت کی مخالفت تو یہ مانع نہیں لیکن جس شخص کو اپنے امام کا حال معلوم ہو گیا یا وہ امام سے آگے بڑھ گیا تو اس کی نماز نہ ہوگی۔

بَابُ صِفَةِ الصَّلٰوةِ

باب نماز کی صفت کے بیان میں

فَرْضُهَا التَّحْرِيْمَةُ وَالْقِيَامُ وَالْقِرَاءَةُ وَالرُّكُوْعُ وَالسُّجُوْدُ وَالْقُعُوْدُ الْاَخِيْرَةُ قَدْرَ التَّشَهُّدِ وَالْخُرُوْجُ بِصُنْعِهٖ

فرائض نماز تکبیر تحریمہ، قیام، رکوع، سجود، قعدۂ اخیرہ بقدرتشہد اور نمازی کانماز سے اپنے فعل کیساتھ باہر ہونا ہے

توضیح اللغۃ:......قولہ باب صفة الصلوٰة الخ مقدمات نماز سے فراغت کے بعد مقصود کا آغاز ہے وصف اور صفت دونوں مصدر ہیں　وَعظ وعظةً، وَعدٌ وعدةٌ، وَزْنٌ وزِنةٌ (معراج الدرایۃ) کہاجاتا ہے وصف الشئی وصفاً وصفة پس ہاواؤ کے عوض میں ہے جیسے وَعدٌ وعدةٌ میں ہے متکلمین کی اصطلاح میں وصف وہ ہے جو قائم بالواصف ہو۔ ہو قولہ ''زید عالم'' اور صفت وہ ہے جو قائم بالموصوف ہو (صحاح،عنایہ،نہایہ) یہاں صفت سے مراد نماز کے ذاتی اوصاف (یعنی اجزائے عقلیہ) ہیں جو اجزائے خارجیہ قیام، رکوع، سجود وغیرہ سب پر صادق ہیں۔ صاحب السراج الوہاج نے بیان کیا ہے کہ ثبوت شئے کے لئے چھ چیزیں ضروری ہیں: (۱) عین (ماہیت) (۲) رکن (جزء ماہیت) (۳) حکم (اثر ثابت) (۴) محل، (۵) شرط، (۶) سبب ان چھ چیزوں کے بغیر کسی شئے کا ثبوت نہیں ہوسکتا پس عین تو یہاں نماز ہے اور رکن قیام، قراءت، رکوع اور سجود ہے اور محل عاقل بالغ مکلّف آدمی ہے اور شروط وہ ہیں جن کا ذکر سابق میں ہو چکا ہے یعنی طہارت وغیرہ اور حکم جواز فساد اور ثواب ہے اور سبب اوقات ہیں۔

قولہ فرضها الخ نماز میں کل سات چیزیں فرض ہیں (۱) تحریمہ قال تعالیٰ ''وربک فکبر'' یہاں باجماع مفسرین تکبیر سے مراد تکبیر افتتاح ہے وقال علیہ السلام'' مفتاح الصلوٰة الطهور و تحريمها التكبير'' نماز کی کنجی طہارت ہے اور تحریم تکبیر ہے (ابوداؤد وغیرہ عن علی) پھر یہ شرط ہے یا رکن؟ سو شیخین کے نزدیک تو یہ شرط ہے حاوی نے اس کو اصح روایت اور بدائع میں محققین مشائخ کا اور غایۃ البیان میں عام مشائخ کا قول بتایا ہے اور امام محمد، طحاوی، عصام بن یوسف کے نزدیک رکن ہے (۲) قیام قال تعالیٰ "وقوموا لله قانتين'' کھڑے ہوجاؤ اللہ کیلئے بحالت خشوع یا بحالت خاموشی، باجماع مفسرین اس سے مراد قیام فی الصلوٰة ہے اور یہ باتفاق رکن ہے جبکہ قیام وسجدہ پر قادر ہو۔ (۳) قرأت قال تعالیٰ ''فاقرءوا ما تيسر من القرآن'' پڑھو جس قدر آسان ہو قرآن سے پس فرض اس قدر ہے کہ جتنا آسان ہو جس کی مقدار بقول اصح ایک چھوٹی آیت ہے مگر ''مدهامتان'' جیسا ایک کلمہ نہ ہو ورنہ بقول اصح جائز نہیں پھر علامہ غزنوی صاحب حاوی گو اسکی رکنیت کے قائل نہیں مگر جمہور کے نزدیک رکن ہے یہ اور بات ہے کہ رکن زائد ہے۔ یعنی ہمارے نزدیک مقتدی سے اور مدرک فی الرکوع سے ساقط ہے۔ (۴) رکوع (۵) سجدہ قال تعالیٰ ''ارکعوا اسجدوا'' ان کی فرضیت و رکنیت پر بھی اتفاق ہے (۶) قعدہ اخیرہ بقدر تشہد اس لئے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے ارشاد فرمایا کہ ''جب اسے کہہ لو تو تمہاری نماز پوری ہوجائیگی (ابوداؤد، احمد) اس سے معلوم ہوا کہ نماز کا پورا ہونا اسکے کرنے پر معلق ہے خواہ کچھ پڑھے یا نہ پڑھے پڑھنے کی مقدار بیٹھنا فرض ہے اور پڑھنا واجب ہے امام مالک، زہری، ابوبکر کے نزدیک سنت ہے مگر پہلا قول اصح ہے (۷) خروج بصنعہ یعنی نماز تمام ہونے کے بعد نمازی کا کسی اپنے اختیاری فعل سے باہر ہوجانا صاحب کتاب اس کو فرض شمار کر رہے ہیں لیکن فتاوٰی ہندیہ میں ہے کہ فرض نہیں ہے اور یہی صحیح ہے (عینی) زیلعی وغیرہ نے ذکر کیا ہے امام اعظم اور صاحبین کے نزدیک بالاتفاق فرض نہیں ہے اور مجتبیٰ میں ہے کہ محققین اسی قول پر ہیں۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَوَاجِبُهَا قِرَآءَةُ الْفَاتِحَةِ وَضَمُّ السُّوْرَةِ وَتَعْيِيْنُ الْقِرَآءَةِ فِي الْاُوْلَيَيْنِ وَرِعَايَةُ التَّرْتِيْبِ فِي فِعْلٍ مُكَرَّرٍ
اور واجبات نماز قرأت فاتحہ ہے اور سورت ملانا اور پہلی دو رکعتوں کو قرأت کے لئے معین کرنا اور افعال مکررہ میں ترتیب کا لحاظ رکھنا
وَتَعْدِيْلُ الْاَرْكَانِ وَالْقُعُوْدُ الْاَوَّلُ وَالتَّشَهُّدُ وَلَفْظُ السَّلَامِ وَقُنُوْتُ الْوِتْرِ وَتَكْبِيْرَاتُ الْعِيْدَيْنِ وَالْجَهْرُ وَالْاِسْرَارُ
اور ارکان کو اچھی طرح ادا کرنا اور قعدۂ اولی اور تشہد اور لفظ السلام اھ اور دعاء قنوت وتر میں اور تکبیرات عیدین اور آواز سے اور آہستہ پڑھنا
فِيْمَا يُجْهَرُ وَيُسَرُّ وَسُنَّتُهَا رَفْعُ الْيَدَيْنِ فِي التَّحْرِيْمَةِ وَنَشْرُ اَصَابِعِهٖ وَجَهْرُ الْاِمَامِ بِالتَّكْبِيْرِ
جن نمازوں میں آواز سے اور آہستہ پڑھا جاتا ہے اور نماز کی سنتیں یہ ہیں تکبیر تحریمہ کے لئے دونوں ہاتھ اٹھانا انگلیوں کو کھلا رکھنا، امام کا آواز بلند تکبیر کہنا،
وَالثَّنَآءُ وَالتَّعَوُّذُ وَالتَّسْمِيَةُ وَالتَّاْمِيْنُ سِرًّا وَوَضْعُ يَمِيْنِهٖ عَلٰى يَسَارِهٖ تَحْتَ السُّرَّةِ وَتَكْبِيْرُ الرُّكُوْعِ وَالرَّفْعِ مِنْهُ
سبحانک اھ اعوذ باللہ، بسم اللہ اور آمین آہستہ پڑھنا، دائیں ہاتھ کو بائیں پر ناف کے نیچے رکھنا، رکوع میں جاتے وقت اور اس سے اٹھتے وقت تکبیر کہنا،
وَتَسْبِيْحُهٗ ثَلٰثًا وَاَخْذُ رُكْبَتَيْهِ بِيَدَيْهِ وَتَفْرِيْجُ اَصَابِعِهٖ وَتَكْبِيْرُ السُّجُوْدِ وَتَسْبِيْحُهٗ ثَلٰثًا وَوَضْعُ رُكْبَتَيْهِ وَيَدَيْهِ
تین بار تسبیح رکوع کہنا، دونوں ہاتھوں سے گھٹنوں کو پکڑنا، انگلیوں کو کھلا رکھنا، سجدہ کی تکبیر کہنا اس کی تسبیح تین بار کہنا، دونوں ہاتھوں اور گھٹنوں کو زمین پر رکھنا،
وَافْتِرَاشُ رِجْلِهِ الْيُسْرٰى وَنَصْبُ الْيُمْنٰى وَالْقَوْمَةُ وَالْجَلْسَةُ وَالصَّلٰوةُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ
بائیں پاؤں کو بچھانا اور دائیں کو کھڑا رکھنا رکوع سے کھڑا ہونا، دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنا، حضور ﷺ پر درود بھیجنا،
وَالدُّعَآءُ وَاٰدَابُهَا نَظَرُهٗ اِلٰى مَوْضِعِ سُجُوْدِهٖ وَكَظْمُ فَمِهٖ عِنْدَ التَّثَاؤُبِ وَاِخْرَاجُ كَفَّيْهِ مِنْ كُمَّيْهِ عِنْدَ التَّكْبِيْرِ
دعا کرنا، آداب نماز یہ ہیں، نمازی کا اپنی سجدہ گاہ کو تاکتے رہنا، جمائی کے وقت منہ بند کرنا، بوقت تکبیر آستینوں میں سے ہاتھوں کو نکال لینا،
وَدَفْعُ السُّعَالِ مَا اسْتَطَاعَ وَالْقِيَامُ حِيْنَ قِيْلَ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ وَشُرُوْعُ الْاِمَامِ مُذْ قِيْلَ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ
جس قدر ہو سکے کھانسی کو ٹالنا، اٹھ جانا جب حی علی الفلاح کہا جائے، امام کا نماز شروع کر دینا جب قد قامت الصلوٰۃ کہا جائے۔

واجبات نماز کا بیان

توضیح اللغۃ:...... ضم ملانا۔ تعدیل استوار و ہموار کرنا۔ جہر آواز سے قرأت کرنا۔ اسرار قرأت آہستہ کرنا۔ نشر پھیلانا۔ ثناء۔ سبحانک اللہم اھ پڑھنا۔ تعوذ اعوذ باللہ پڑھنا۔ تسمیہ بسم اللہ پڑھنا۔ تامین آمین کہنا، یمین دایاں، یسار بایاں سرہ ناف، افتراش بچھانا، نصب کھڑا کرنا، قومہ رکوع سے اٹھ کر کھڑا ہونا، جلسہ دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنا کظم بند کرنا تثاؤب جمائی لینا، کم آستین، سُعال کھانسی۔

تشریح الفقہ: قولہ وواجبہا الخ واجب سے مردوہ ہے جس کو عمداً ترک کرنے سے گناہ اور سہواً ترک کرنے سے سجدۂ سہو لازم آئے نہ کہ فساد۔ پس قہستانی کا یہ کہنا کہ ترک واجب سے نماز فاسد ہو جاتی ہے باطل نہیں ہوتی غلط ہے اور وجہ یہ ہے کہ فقہا عبادات میں فاسد اور باطل کو ایک ہی معنی میں استعمال کرتے ہیں بخلاف معاملات کے کہ معاملات میں فاسد اس کو کہتے ہیں جس کا کوئی وصف مرغوب جاتا رہے اور باطل وہ جس کا کوئی رکن مفقود ہو جائے واجبات نماز گیارہ ہیں (۱) قرأت فاتحہ احناف کے نزدیک (امام شافعی، مالک، احمد کے نزدیک فرض ہے کیونکہ حضور کا ارشاد ہے کہ "بلا قرأت فاتحہ نماز نہیں ہوتی۔ (صحیحین) احناف کی دلیل قول باری "فاقرء وا ماتیسر من القرآن" ہے اور قول نبی ثم اقرأ ماتیسر معک من القرآن" ہے جس میں مطلق قرأۃ کا حکم ہے پھر بقول اصح مکمل سورۃ فاتحہ کی قرأت واجب ہے اگر ایک آیت بھی چھوڑ دی تو سجدہ واجب ہوگا بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ صاحبین کے نزدیک سورۃ فاتحہ نصف سے زائد واجب ہے پس نصف سے کم ترک کرنے میں سجدہ سہو واجب نہ ہوگا (۲) سورۂ فاتحہ کے ساتھ کسی اور سورہ کا یا کم از کم تین چھوٹی آیتوں کا ملانا بھی واجب ہے نیز فاتحہ کو سورۃ پر مقدم کرنا بھی واجب ہے اگر الحمد سے پہلے سورۃ کا کوئی لفظ اس قدر مقدم کر دیا کہ

ایک رکن ادا ہو جائے تو سجدۂ سہو لازم ہوگا۔ (نہر و شامی) مصنف نے اس کو صراحتہً ذکر نہیں کیا۔ البتہ اسکی طرف اشارہ ضرور ہے کیونکہ شئی مضموم مضموم الیہ سے موخر ہی ہوتی ہے (۳) سورۂ فاتحہ و دیگر سورۃ کی قرأۃ کو فرض کی پہلی دو رکعتوں میں متعین کرنا (۴) جو افعال نماز میں مکرر مشروع ہیں ان میں ترتیب قائم رکھنا ایسے امور کی کی چار قسمیں ہیں اول جو کل نماز میں ایک ہی ہے جیسے قعدہ اخیرہ دوم جو ہر رکعت میں ایک ہے جیسے قیام سوم جو پوری نماز میں متعدد ہیں جیسے رکعات چہارم جو ہر رکعت میں متعدد ہیں جیسے سجود پس۔ (۱) میں ترتیب واجب ہے حتی کہ اگر قعدہ کے بعد اور سلام سے پہلے مفسد نماز پیش آنے سے قبل اس کو یاد آیا کہ سجدۂ تلاوت چھوٹ گیا تو اس کو ادا کرے اور قعدہ کا بھی اعادہ کرے اور سجدہ سہو بھی کرے اور اگر رکوع یاد آیا تو اس کو بعد والے سجود کیساتھ ادا کرے اور اگر قیام یا قرأت یاد آئے تو پوری رکعت ادا کرے (۲) میں بھی ترتیب واجب ہے جیسے قیام و رکوع بلکہ قیام سے پہلے رکوع یا رکوع سے پہلے سجدہ جائز نہ ہوگا۔ اسی طرح (۳)، (۴) میں ترتیب واجب ہے (۵) امام اعظم و امام محمد کے نزدیک تعدیل ارکان یعنی رکوع اور سجدہ کو اس طرح اطمینان کے ساتھ ادا کرنا کہ سبحان اللہ کہنے کے بقدر اعضاء میں سکون ہو جائے اور بدن کا ہر جوڑ ایک فعل سے دوسرے فعل کی طرف منتقل ہونیکے بعد اپنی جگہ برقرار رہے یہ بھی واجب ہے جرجانی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سنت ہے کیونکہ یہ لذاتہ مقصود نہیں جواب یہ ہے کہ تعدیل ارکان کی مشروعیت تکمیل ارکان کی وجہ سے ہے لہذا تعدیل واجب ہوگی جیسے قرأت فاتحہ امام ابو یوسف امام شافعی واحمد کے نزدیک تعدیل فرض ہے کیونکہ حضورؐ نے تعدیل ارکان کا لحاظ نہ رکھنے والے کے حق میں ارشاد فرمایا تھا کہ ''صل فانک لم تصل'' جاؤ پھر نماز پڑھو تم نے نماز پڑھی ہی نہیں ہماری دلیل قول باری ''ارکعوا واسجدوا'' ہے جس میں رکوع اور سجدہ کا حکم ہے اور رکوع کے معنی انحناء (جھکنے) اور سجدہ کے معنی فروتنی کے ساتھ پست ہونے اور عبادت کے لئے زمین پر پیشانی رکھنے کے ہیں پس رکنیت کا تعلق اتنی ہی مقدار سے ہوگا جس پر رکوع اور سجدہ کا اطلاق ہو سکے رہی حدیث مذکور سو اس میں نماز کے کاملہ نہ ہونیکی طرف اشارہ ہے کیونکہ اس حدیث کے آخر میں ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے یہ فقرہ بھی ذکر کیا ہے کہ ''واذا انتقصت منها انتقص من صلوتک'' جو کچھ تو نے اس نماز سے کم کر دیا تو تو نے اپنی نماز سے کم کر دیا'' ان الفاظ کا مفہوم یہی ہے کہ نماز میں نقص آجائیگا نہ یہ کہ بالکل ہی نہیں ہوگی اور جس چیز کے بغیر فعل شرعی ناقص رہے وہ وجوب یا سنت کا درجہ رکھتی ہے نہ کہ فرض کا (۶) قعدۂ اولی امام طحاوی و کرخی وغیرہ نے اس کو سنت مانا ہے لیکن جمہور کے نزدیک واجب ہے، محیط میں اسی کو اصح کہا ہے وجہ یہ ہے کہ حضور نے اس پر مداومت فرمائی ہے اور حضور کا کسی فعل پر مداومت فرمانا اس کے وجوب کی علامت ہے جبکہ عدم فرضیت پر دلیل قائم ہو اور یہاں عدم فرضیت کی دلیل موجود ہے چنانچہ ترمذی کی روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور تیسری رکعت کے لئے کھڑے ہو گئے پیچھے سے سبحان اللہ کہا گیا مگر آپ نہیں لوٹے اگر قعدہ اولی فرض ہوتا تو آپ ضرور لوٹ جاتے۔ (۷) قعدۂ اولیٰ اور قعدہ ثانیہ ہر دو میں تشہد پڑھنا کیونکہ حضور نے اس پر بھی مداومت فرمائی ہے پھر حضرت عبداللہ بن مسعود سے آپ کے ارشاد ''قل التحیات الخ'' میں اول وثانی کی کوئی قید نہیں اس لئے دونوں میں واجب ہوگا (۸) لفظ السلام کہنا (۹) قنوت وتر امام ابوحنیفہ کے نزدیک، صاحبین کے نزدیک سنت ہے جیسا کہ ان کے یہاں نفس وتر سنت ہے (۱۰) تکبیرات عیدین (۱۱) مغرب و عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں اور فجر، جمعہ، عیدین میں قرأت بالجہر کرنا اور باقی میں آہستہ کرنا۔

قولہ ووضع یمینہ الخ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے باندھنا احناف کے نزدیک سنت ہے کیونکہ حضرت علی کی روایت میں ایسا ہی ہے (ابوداؤد بروایت ابن داسہ، احمد، دارقطنی، بیہقی) نووی نے اس حدیث کے ضعیف ہونے پر ائمہ کا اتفاق نقل کیا ہے لیکن مصنف ابن ابی شیبہ میں بطریق ابراہیم بن ادہم بلخی جو مشہور مشائخ میں سے ہیں زیر ناف باندھنا مرفوع حدیث سے ثابت ہے اور اسکی اسناد میں کوئی کلام نہیں سوائے اسکے کہ علقمہ نے ابن مسعود سے سنا ہے یا نہیں؟ سو اس سلسلہ میں ترمذی کی شہادت کافی ہے کہ سماع ثابت ہے پس روایت صحیح ہے امام شافعی سینہ پر ہاتھ باندھنے کے قائل ہیں اور انکی دلیل حضرت وائل بن حجر کی حدیث ہے فرماتے ہیں کہ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی پس آپ نے اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر کر کے سینہ پر رکھا'' (ابن خزیمہ) جواب یہ ہے کہ اس میں بطریق تیقن صرف ایک مرتبہ کا تذکرہ ہے جس سے سنت ثابت نہیں ہوتی بخلاف اثر بالا کے کہ اس میں سنت ہونے کی تصریح ہے علاوہ ازیں حضرت وائل کی حدیث کے جن الفاظ کی تصحیح کی گئی ہے وہ یہ ہیں۔ ثم وضع یدہ الیمنی علی ظهر کفه الیسری (ابوداؤد، نسائی) امام مالک کا مشہور مذہب یہ ہے کہ ہاتھ چھوڑ دے، ابن المنذر نے ہاتھ باندھنا بھی نقل کیا ہے گویا ان کے یہاں چھوڑنا مختار اور باندھنا جائز ہے امام اوزاعی کے نزدیک دونوں برابر ہیں اثر مذکور ان سب پر حجت ہے علاوہ ازیں ہاتھ باندھنے کی دیگر صحیح احادیث بھی ثابت ہیں۔ (بخاری عن سہل بن سعد، دار قطنی عن ابن عباس، ترمذی، ابن ماجہ عن قبیصہ بن ہلب)

فَصلٌ وَاِذَا اَرَادَ الدُّخُوْلَ فِي الصَّلٰوةِ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ حِذَآءَ اُذُنَيْهِ وَلَوْشَرَعَ بِالتَّسْبِيْحِ اَوِ التَّهْلِيْلِ بِالْفَارِسِيَّةِ

فصل: جب نماز میں آنا چاہے تو تکبیر کہے اور دونوں ہاتھ کانوں کے برابر اٹھائے اور اگر نماز سبحان اللہ یا لا الہ الا اللہ کیساتھ شروع کی یا فارسی زبان میں

صَحَّ كَمَا لَوْ قَرَءَ بِهَا عَاجِزًا اَوْ ذَبَحَ وَسَمّٰى بِهَا

شروع کی تب بھی صحیح ہے جیسے عربی سے عاجز ہونے کی صورت میں قرآن فارسی میں پڑھا یا ذبح کیا اور بسم اللہ فارسی میں پڑھی،

لَابِاللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ وَوَضَعَ يَمِيْنَهٗ عَلٰى يَسَارِهٖ تَحْتَ السُّرَّةِ مُسْتَفْتِحًا وَتَعَوَّذَ سِرًّا لِلْقِرَآءَ ةِ

ہاں اللّٰھم اغفرلی کیساتھ درست نہ ہوگی اور رکھے اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے ثناء پڑھتا ہوا اور اعوذ باللہ پڑھے آہستہ قرأت کے لئے

فَيَاْتِيْ بِهِ الْمَسْبُوْقُ لَا الْمُقْتَدِيْ وَيُؤَخِّرُهٗ عَنْ تَكْبِيْرَاتِ الْعِيْدَيْنِ وَيُسَمِّيْ سِرًّا فِيْ كُلِّ رَكْعَةٍ

پس مسبوق پڑھے نہ کہ مقتدی اور مؤخر کرے اعوذ کو تکبیرات عیدین سے اور بسم اللہ پڑھے ہر رکعت میں آہستہ

وَهِيَ اٰيَةٌ مِّنَ الْقُرْاٰنِ اُنْزِلَتْ لِلْفَصْلِ بَيْنَ سُوْرَتَيْنِ وَلَيْسَتْ مِنَ الْفَاتِحَةِ

اور وہ ایک آیت ہے قرآن کی جو سورتوں میں فصل کے لئے اتاری گئی ہے اور نہ سورۂ فاتحہ کا جزء ہے

وَلَا مِنْ كُلِّ سُوْرَةٍ وَقَرَءَ الْفَاتِحَةَ وَسُوْرَةً مَّعَهَا اَوْثَلٰثَ اٰيَاتٍ

اور نہ کسی اور سورت کا اور پڑھے فاتحہ اور سورت یا تین آیتیں۔

توضیح اللغۃ:...... حذاء مقابل، تہلیل لا الہ الا اللہ کہنا، مستفتحاً درآنحالیکہ ثناء پڑھنے والا ہو، مسبوق جس سے نماز کا شروع حصہ فوت ہو گیا ہو۔

تشریح الفقہ:...... قوله حذاء اذنيه الخ احناف کے نزدیک تکبیر تحریمہ میں ہاتھ اٹھانیکی حد کانوں کی لو تک ہے اور امام شافعی کے یہاں کاندھوں تک اور ان کی دلیل حضرت ابوحمید ساعدی کی حدیث ہے کہ ''انہوں نے اصحاب رسول ؐ کی ایک جماعت میں یہ فرمایا کہ مجھے تم میں سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز محفوظ ہے۔ میں نے آپکو دیکھا کہ جب (ابتدائی) تکبیر کہتے تو اپنے ہاتھ کاندھوں کے برابر اٹھاتے اھ'' (بخاری) احناف کی دلیل حضرت مالک بن حویرث کی حدیث ہے جو صحیحین میں ہے اور وائل بن حجر کی حدیث ہے جو مسلم میں ہے اور سب حدیثوں میں تطبیق کے پیش نظر یہ صورت اختیار کی جاتی ہے کہ ہتھیلی کاندھوں کے بالمقابل انگوٹھے کان کی لو کے سامنے اور انگلیوں کے سرے کان کے آخری حصہ تک پہنچ جائیں۔

قوله ولو شرع الخ نماز شروع کرتے وقت خواہ فرض ہو یا نفل تکبیر تحریمہ ضروری ہے جس میں کسی کا اختلاف نہیں کیونکہ حدیث ''تحریمها التکبیر'' پانچ صحابہ سے مروی ہے جس کو ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، حاکم وغیرہ نے روایت کیا ہے لیکن اگر کوئی شخص تکبیر یعنی اللہ اکبر کی بجائے دیگر اسمائے الٰہی مثلاً اللہ اجل، اللہ اعظم، الرحمٰن اکبر، سبحان اللہ، لا الہ الا اللہ میں سے کسی نام کے ساتھ شروع کرے تو کیا یہ بھی

جائز ہوگا؟ سوامام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور امام محمدؒ کے نزدیک تو جائز ہے اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اگر وہ اچھی طرح تکبیر کہہ سکتا ہے تو جائز نہیں سوائے اللہ اکبر اور اللہ الا کبر اور اللہ الکبیر کے۔ امام شافعی صرف پہلے دو کے ساتھ جائز مانتے ہیں۔ امام مالک کے یہاں افتتاح صلوٰۃ صرف اللہ اکبر کے ساتھ خاص ہے اور اگر کوئی شخص فارسی زبان میں نماز شروع کرے یا نماز میں بزبان فارسی قرأت کرے یا ذبح کرتے وقت بسم اللہ فارسی میں پڑھے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک بلا عجز بھی جائز ہے، صاحبین یہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ عربی زبان میں اچھی طرح ادا نہیں کرسکتا ہے تو جائز ہے ورنہ جائز نہیں اور شیخ ابوبکر رازی وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ امام صاحب کا اصل مسئلہ میں صاحبین کے قول کی طرف رجوع کر لینا ثابت ہے اور اسی پر اعتماد ہے (تحقیق الجہر بالبسملۃ)

قولہ وسمی سرا الخ امام اعظم، احمد، ثوری کے نزدیک الحمد کے شروع میں بسم اللہ آہستہ پڑھنا مسنون ہے امام مالک کے نزدیک بسم اللہ فرض نمازوں میں الحمد یا سورۃ کے ساتھ پڑھنا جائز نہیں۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ جہری نمازوں میں بسم اللہ کو بھی آواز سے پڑھے، کیونکہ روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں بسم اللہ کو زور سے پڑھتے تھے (دارقطنی عن ابی ہریرہ وابن عباس وابن عمر بمعناہ، حاکم، عن علی وعمار) حضرت بریدہ، جابر بن عبداللہ، ام سلمہ، عائشہ سے بھی بسم اللہ کے جہر کی روایتیں ہیں لیکن کوئی روایت بھی قابل حجت نہیں ہر ایک میں کچھ نہ کچھ کلام ہے جس کی یہاں گنجائش نہیں۔ نمونہ کے طور پر چند راویوں کا حال سن لو: دارقطنی نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کی ہے جس میں خالد بن الیاس راوی کے متعلق امام احمد فرماتے ہیں کہ "ہو منکر الحدیث" ابن معین کہتے ہیں کہ "لیس بشئی" نسائی کہتے ہیں "روی احادیث موضوعۃ" حضرت علی سے روایت کی ہے جس میں عمرو بن شمر راوی ہے۔ حاکم کہتے ہیں کہ "**کثیر الموضوعات**" جوزجانی کہتے ہیں زائغ کذاب" بخاری کہتے ہیں "**منکر الحدیث**" نسائی، دارقطنی ازدی کہتے ہیں "**متروک الحدیث**" "ابن حبان کہتے ہیں" **کان رافضیا یسب الصحابہ**" جعفر جعفی جو عمرو بن شمر کے شیخ ہیں ان کی حالت سنئے امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ "**مارأیت اکذب من جابر الجعفی**" حاکم نے ابن عباس سے رعایت کی ہے اس میں عبداللہ بن عمرو بن حسان روای ہے۔ ان کے متعلق علی بن المدینی فرماتے ہیں۔ "**کان یضع الحدیث**" ابوحاتم کہتے ہیں "**کان یکذب**" ابن عدی کہتے ہیں "**احادیثہ مقلوبات**" غرضیکہ بسم اللہ کے جہر کی کوئی روایت بھی ضعف سے خالی نہیں اس لئے احناف ترک جہر کے قائل ہیں ان کی دلیل حضرت انس بن مالک کی روایت ہے جس کو بخاری اور مسلم نے صحیحین میں روایت کیا ہے حضرت انس فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر، عمر، عثمان سب ہی کے پیچھے نماز پڑھی مگر کسی کو بھی بسم اللہ کی قرأت کرتے ہوئے نہیں سنا۔ نسائی احمد ابن حبان دارقطنی کی روایت کے الفاظ ہیں۔ **فکانو لایجھرون الخ طبرانی، ابونعیم، ابن خزیمہ** کی روایت کے الفاظ ہیں" **وکانوا یسّرون ببسم اللہ اہ**" زیلعی کہتے ہیں کہ **رجال ھذہ الرواۃ کلھم ثقات مخرج لھم فی الصحیح جمع**" امام ترمذی نے ترک جہر کے سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن مغفل کی روایت نقل کرنے کے بعد کہا ہے" **والعمل علیہ عندا کثر اھل العلم من اصحاب النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم منھم ابو بکرو عمرو عثمان وعلی و غیرھم ومن بعد ھم من التابعین و بہ یقول سفیان الثوری وابن لمبارک واحمد واسحق۔**

قولہ وھی آیۃ الخ تسمیہ سے متعلق چار مسئلے ہیں۔ (۱) یہ قران کا جزء ہے یا نہیں۔ (۲) سورۂ فاتحہ کی ایک آیت ہے یا نہیں (۳) ہر سورہ کا جزء ہے یا نہیں۔ (۴) سورۂ فاتحہ کے ساتھ اس کو جہراً پڑھا جائے یا سرّاً مسئلہ (۴) کی تحقیق تو اوپر پیش کی جاچکی ہے اول کی تحقیق یہ ہے کہ بعض لوگوں کا قول قرآن سے بسملہ کی نفی کا ہے جیسے امام مالک احناف کی ایک جماعت اور امام احمد کے بعض اصحاب اور منشاء نفی یہ ہے کہ قرآن کا ثبوت بلا دلیل قطعی اور بلا تواتر نہیں ہے لہذا بسملہ کو قرآن سے خارج ماننا پڑیگا قاضی ابوبکر باقلانی نے کچھ اسی قسم کی راہ لی ہے مگر یہ قول بالکل مردود اور ساقط الاعتبار ہے۔ اس واسطے کہ صحابہ کرام نے قرآن پاک کو ہر اس چیز سے خالی کردیا جو قرآن سے نہیں ہے

اور یہ بات بطریق نقل متواتر قطعی اور یقینی ہے کہ جو کچھ بین الدفتین ہے وہ قرآن ہے اگر ایک ایک آیت کو لے کر اس طرح تفریق کی جائے تو جو قرآن بین الدفتین مکتوب ہے خود اس کا کلام الٰہی ہونا بے وثوق ہو جائیگا۔ بہر کیف یہ قول کسی حدیث سے بھی قابل اعتنا اور مسموع نہیں ہوسکتا ہے۔ صحیح یہی ہے کہ بسم اللہ قرآن کی آیت ہے اب سورۃ فاتحہ ہر سورت کا جز ہے یا نہیں؟ سو امام شافعی فرماتے ہیں کہ سورہ فاتحہ کا جزء ہے یہی ایک روایت امام احمد سے ہے اور حضرت حمزہ کا مذہب بھی یہی ہے۔ امام شافعی کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ ہر سورت کا جزء ہے یہی قول حضرت عطاء، زہری، ابن کثیرؒ عاصم، کسائی کا ہے۔ امام شافعی کی دلیل حضرت ابو ہریرہ کی حدیث ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ آپ نے نماز میں قرأت شروع کرتے وقت بسم اللہ پڑھی۔ پھر سورۂ فاتحہ کی تلاوت کی اور نماز سے فراغت کے بعد فرمایا: ''انی لاشبھکم صلوۃ برسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم'' (نسائی ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکمؒ دارقطنی، بیہقی) جواب یہ ہے کہ اس روایت کا مدار نعیم مجمر پر ہے حضرت ابو ہریرہ کے آٹھ سو سے زائد شاگردوں کی بھاری جماعت میں سے کوئی بھی بسم اللہ کا تذکرہ نہیں کرتا۔ پھر یہ روایت بخاری اور مسلم کی صحیح روایت کے معارض کیسے ہوسکتی ہے جس میں بسم اللہ کا نام تک نہیں ہے۔ دوسری روایت دار قطنی کی ہے جسکا آغاز بایں طور ہے کہ ''جب بندہ نے بسم اللہ پڑھی تو اللہ نے فرمایا کہ بندے نے مجھے یاد کیا اھ'' جواب یہ ہے کہ اس روایت میں عبداللہ بن زیاد بن سمعان راوی ہے۔ جس کو امام مالک، ہاشم بن عروہ، احمدؒ ابن معینؒ ابن حبانؒ ابوداؤدؒ نسائی وغیرہ نے متروک بلکہ کذاب کہا ہے نیز، یہی روایت صحیح مسلم میں بھی ہے جس کا آغاز ''الحمد للہ'' سے ہے پس دار قطنی کی روایت صحیح مسلم کی روایت کا مقابلہ کسی طرح نہیں کرسکتی شوافع کے مستدلات میں اس کے علاوہ کچھ اور بھی روایتیں ہیں مگر سب ضعیف اور معلول ہیں، اسی لئے احناف، ابن المبارک، داؤد، احمد بن حنبل اور دیگر محققین اہل علم نے یہ کہا ہے کہ بسم اللہ قرآن کا جزء اور اسکی ایک آیت ہے لیکن کسی مخصوص سورہ فاتحہ کا جزء نہیں بلکہ سورتوں کے درمیان فصل کرنے کے لئے نازل ہوئی ہے چنانچہ حضرت ابن عباس کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بسم اللہ کے نازل ہونے پر سورتوں کا فصل پہچانتے تھے (ابوداؤد، حاکم وقال انہ صحیح علی شرط الشیخین) امام ترمذی نے سورہ ''تبارک الذی'' کی فضیلت کے سلسلہ میں روایت کی ہے کہ ایک سورۃ تیس آیت کی ہے جس نے اپنے پڑھنے والے کی طرف سے یہاں تک جھگڑا کیا کہ اسکو چھڑا لیا'' اس سورۃ میں بالاتفاق تیس آیتیں بسم اللہ کے علاوہ ہیں معلوم ہوا کہ بسم اللہ سورۃ کا جز نہیں صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے اور میرے بندہ کے درمیان سورۃ فاتحہ تقسیم ہے۔ پس نصف میرا ہے اور نصف میرے بندہ کا ہے بندہ کے لئے وہ ہے جو اس نے مانگا جب بندہ کہتا ہے ''الحمد للّٰہ رب العالمین'' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے میری تعریف کی اھ'' حافظ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ بسم اللہ کے خارج از فاتحہ ہونے کی اس سے زیادہ اور کیا وضاحت ہوسکتی ہے کہ حدیث میں تقسیم الحمد سے شروع ہے نہ کہ بسم اللہ سے۔ سوال حدیث میں یہ بھی تو ہے کہ سورہ فاتحہ کی سات آیتیں ہیں اور سات کا عدد بسم اللہ کے بغیر پورا نہیں ہوتا۔ جواب جب صحیح احادیث سے یہ ثابت ہو چکا کہ تقسیم مذکور کا آغاز الحمد سے ہے تو پہلی آیت الحمد سے مانی جائیگی۔ اور ''غیر المغضوب اھ'' کو آخری آیت کہا جائیگا اس طرح سات آیتیں ہو جاتی ہیں۔

تنبیہ: بسم اللہ کے سلسلہ میں جو اختلاف اوپر مذکور ہوا کہ قرآن سے ہے یا نہیں سورت کا جزء ہے یا نہیں یہ اس بسم اللہ کے متعلق ہے جو اوائل سور میں مکتوب ہے رہا سورۃ نمل کی آیت ''انہ من سلیمان اھ'' کا بسملہ سو یہ بالاجماع سورہ نمل کا جزء ہے۔

وَاٰمَّنَ الْاِمَامُ وَالْمَامُوْمُ سِرًّا وَكَبَّرَ بِلاَ مَدٍّ وَرَكَعَ وَوَضَعَ يَدَيْهِ عَلٰى رُكْبَتَيْهِ وَفَرَّجَ اَصَابِعَهٗ

اور آمین کہے امام اور مقتدی آہستہ اور تکبیر کہے ہمزہ اور باء کو بڑھائے بغیر اور رکوع کرے اور دونوں ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھے اور انگلیوں کو کھول دے

وَيَبْسُطُ ظَهْرَهٗ وَسَوّٰى رَاْسَهٗ بِعَجُزِهٖ وَسَبَّحَ فِيْهِ ثَلٰثًا ثُمَّ رَفَعَ رَاْسَهٗ

اور پیٹھ کو بچھادے اور سر کو برابر کرلے سرین کے اور تسبیح کہے اس میں تین بار پھر سر اٹھائے

توضیح اللغۃ:......اَمَّن تامیناً۔آمین کہنا۔ماموم مقتدی۔مد دراز کرنا،بسط بچھانا،پھیلانا،سوّی برابر کرنا،عَجُز سرین۔

تشریح الفقہ:......قولہ سرّاً الخ نفس آمین کہنے میں تو کسی کو اختلاف نہیں سب کے نزدیک مسنون ہے کیونکہ یہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اختلاف اس میں ہے کہ امام اور مقتدی دونوں کہیں یا ان میں سے کوئی ایک،سو امام مالک کی رائے یہ ہے کہ آمین صرف مقتدی کہے۔کیونکہ حضور صلعم نے ارشاد فرمایا ہے کہ امام تو اسی لئے بنایا گیا ہے کہ اسکی قتداء کیجائے لہذا اس سے اختلاف مت کرو۔پس جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قرات کرے تو تم خاموش رہو اور جب ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو(مسلم وغیرہ)اس حدیث سے امام مالک یہ سمجھے کہ یہ تقسیم ہے لہذا امام کے حصہ میں اتمام قرائت ہے اور مقتدی کے حصہ میں آمین ہے مگر اس سے تقسیم سمجھنا صحیح نہیں۔کیونکہ اسی حدیث کے اخیر میں صراحت ہے کہ"فان الامام یقولہا"امام بھی اسی کو کہتا ہے معلوم ہوا کہ تقسیم مراد نہیں اس لئے احناف کہتے ہیں کہ بعد ختم فاتحہ سب آمین کہیں خواہ امام ہو یا مقتدی ہو یا منفرد ہو۔دوسرا اختلاف یہ ہے کہ آمین آہستہ کہنا افضل ہے یا آواز کیساتھ۔سو ہمارے نزدیک مطلقاً آہستہ کہنا سنت ہے یہی امام شافعی کا قول جدید اور امام مالک کی ایک روایت ہے۔امام شافعی کا قول قدیم جو شوافع کا مذہب ہے یہ ہے کہ امام و مقتدی سب آمین بالجہر کہیں۔یہی امام احمد کا قول ہے دلیل حضرت وائل کی حدیث ہے کہ "جب حضور صلعم و لا الضالین کہتے تو بلند آواز سے آمین کہتے تھے"(ابوداؤد بلفظ"رفع بہا صوتہ،ترمذی بلفظ مدبہا صوتہ)جواب یہ ہے کہ حدیث کے مذکورہ بالا الفاظ سفیان نے بواسطہ سلمہ بن کہیل نقل کئے ہیں اور یہی روایت حضرت شعبہ نے بھی کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں"وخفض بہا صوتہ"پس دونوں روایتیں متعارض ہیں اب یا تو دونوں میں تطبیق دیجائے اور یہ کہا جائے کہ نہ تو آپ بہت زور سے چلائے اور نہ آواز بالکل پست کی بلکہ قدرے آواز سے کہی اس صورت میں دونوں روایتوں کا مفہوم متحد ہو جائیگا۔یا پھر اذا تعارضا تساقطا کی رو سے کوئی دوسری قوی حدیث تلاش کیجائے،قائلین بالجہر کے پاس کوئی قوی رعایت نہیں ہے۔ہمارے پاس حضرت عبداللہ بن مسعود کا اثر موجود ہے جس میں ثنا،تعوذ،تسمیہ آمین کے اخفاء کا حکم دیا گیا۔(عبدالرزاق)

فائدہ:

لفظ آمین میں کئی لغتیں ہیں(۱)آمین بروزن یاسین فقہا نے اسی کو اختیار کیا ہے(۲)امین بروزن قرین(۳)آمن بروزن ضامن یہ دونوں صورتیں بھی جائز ہیں۔(۴)آمّین بروزن ضالین بقول صاحبین جائز ہے مگر سنت ادا نہ ہوگی۔(۵)آمّن(۶)اَمّن(۷)اَمِنْ یہ تینوں ناجائز ہیں۔

قولہ بلا مدّ الخ تکبیر اس طرح کہنی چاہیئے کہ اللہ کے الف کو خفیف فتحہ دیکر بڑھائے نہیں اور لام کو مد کرے اور ہاء کو پیش کیساتھ پڑھے اللہ اور اکبر کے ہمزہ کو دراز نہ کرے ورنہ استفہام ہو جائیگا یعنی کیا اللہ بڑا ہے؟اگر ایسا کیا تو نماز فاسد ہو جائیگی البتہ آواز بڑھانے کے لئے لام پر مد کرنا جائز ہے لیکن اس میں بھی افراط نہ ہو۔نیز اکبر کی باء پر مد کرنا بھی بعض کے نزدیک مفسد نماز ہے کیونکہ اکبار کبر کی جمع ہے بمعنی ڈھول اور بعض نے شیطان کا نام کہا ہے۔بہر حال یہ بھی فحش غلطی ہے جس سے بچنا ضروری ہے۔

وَاكْتَفَى الْإِمَامُ بِالتَّسْمِيْعِ وَالْمُؤْتَمُّ بِالتَّحْمِيْدِ وَالْمُنْفَرِدُ يَجْمَعُهُمَا ثُمَّ كَبَّرَ وَوَضَعَ رُكْبَتَيْهِ ثُمَّ يَدَيْهِ ثُمَّ وَجْهَهُ بَيْنَ كَفَّيْهِ

اور اکتفا کرے امام سمع اللہ لمن حمدہ اور منفرد اور مقتدی ربنا لک الحمد پر پھر تکبیر کہے اور پہلے زمین پر گھٹنے رکھے پھر ہاتھ پھر چہرہ ہتھیلیوں کے درمیان

بِعَكْسِ النُّهُوْضِ وَسَجَدَ بِأَنْفِهِ وَجَبْهَتِهِ وَكُرِهَ بِأَحَدِهِمَا وَبِكَوْرِ عِمَامَتِهِ وَأَبْدَأَ ضَبْعَيْهِ

اٹھنے کے برعکس اور سجدہ کرے ناک اور پیشانی ہر دو پر،ان میں سے ایک پر یا پگڑی کے پیچ پر مکروہ ہے اور ظاہر کرے دونوں پہلو کو

وَيُجَافِيْ بَطْنَهُ عَنْ فَخِذَيْهِ وَوَجَّهَ اَصَابِعَ رِجْلَيْهِ نَحْوَالْقِبْلَةِ وَسَبَّحَ فِيْهِ ثَلٰثًا وَالْمَرْأَةُ تَنْخَفِضُ

اور علیحدہ رکھے پیٹ کو رانوں سے اور پاؤں کی انگلیاں قبلہ رخ رکھے اور سجدہ میں تین بار تسبیح کہے اور عورت سجدہ پست کرے

وَتَلْزِقُ بَطْنَهَا بِفَخِذَيْهَا ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ مُكَبِّرًا وَجَلَسَ مُطْمَئِنًّا وَكَبَّرَ وَسَجَدَ مُطْمَئِنًّا

پس پیٹ کورانوں سے چمٹالے پھر تکبیر کہتاہوا سر اٹھائے اور مطمئن ہوکر بیٹھ جائے اور تکبیر کہے اور اطمینان کیساتھ دوسرا سجدہ کرے

وَكَبَّرَلِلنُّهُوْضِ بِلاَ اِعْتِمَادٍ وَقُعُوْدٍ وَالثَّانِيَةُ كَالْاُوْلىٰ اِلَّا اَنَّهُ لاَيُثْنِيْ وَلاَ يَتَعَوَّذُ وَلاَيَرْفَعُ يَدَيْهِ اِلَّافِيْ فَقْعَسْ صَمْعَجْ

اور اٹھنے کے لئے تکبیر کہے سہارا لئے اور بیٹھے بغیر اور دوسری رکعت پہلی کی طرح ہے بجز آنکہ ثناء وتعوذ نہ پڑھے اور ہاتھ نہ اٹھائے مگر فقعس صمعج میں

فَاِذَا فَرَغَ مِنْ سَجْدَتَيِ الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ اِفْتَرَشَ رِجْلَيهِ الْيُسْرىٰ وَجَلَسَ عَلَيْهَا وَنَصَبَ يُمْنَاهُ وَوَجَّهَ اَصَابِعَهُ نَحْوَ الْقِبْلَةِ

اور جب فارغ ہوجائے دوسری رکعت کے دونوں سجدوں سے تو بائیں پاؤں کو بچھا کر بیٹھ جائے اور دائیں کو کھڑا کرلے اور اسکی انگلیوں کو قبلہ رخ رکھے

وَوَضَعَ يَدَيْهِ عَلىٰ فَخِذَيْهِ وَبَسَطَ اَصَابِعَهُ وَهِيَ تَتَوَرَّكُ وَقَرَءَ تَشَهُّدَ ابْنِ مَسْعُوْدٍ وَفِيْمَا بَعْدَ الْاُوْلَيَيْنِ

اور ہاتھوں کورانوں پر رکھ لے اور انگلیاں کھلی رکھے اور عورت تورک کرے اور تشہد پڑھے جو ابن مسعود سے مروی ہے اور پہلی دو رکعتوں کے بعد میں

اِكْتَفىٰ بِالْفَاتِحَةِ وَالْقُعُوْدُ الثَّانِيْ كَالْاَوَّلِ وَتَشَهَّدَ وَصَلّٰى عَلَى النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَدَعَا مَايُشْبِهُ الْقُرْآنَ اَوِ السُّنَّةَ

اکتفاء کرے فاتحہ پر اور دوسرا قاعدہ پہلے کی طرح ہے اور تشہد پڑھے اور نبی کریم ﷺ پر درود بھیجے اور ایسی دعا کرے جو مشابہ قرآن وحدیث ہو

لاَ كَلاَمَ النَّاسِ فَسَلَّمَ مَعَ الْاِمَامِ كَالتَّحْرِيْمَةِ عَنْ يَمِيْنِهٖ وَيَسَارِهٖ نَاوِيًا لِلْقَوْمِ وَالْحَفَظَةِ وَالْاِمَامِ فِيْ جَانِبِ الْاَيْمَنِ

نہ کہ لوگوں کی گفتگو کے مشابہ ہو اور سلام پھیرے امام کے ساتھ تحریمہ کی طرح دائیں بائیں نیت کرتا ہوا قوم کی اور ملائکہ کی اور امام کی دائیں یا بائیں جانب

اَوِ الْاَيْسَرِ اَوْ فِيْهِمَا لَوْ مُحَاذِيًا وَنَوَى الْاِمَامُ بِالتَّسْلِيْمَتَيْنِ وَجَهَرَ بِقِرَاءَةِ الْفَجْرِ وَاُوْلَيَيِ الْعِشَائَيْنِ

یا ان دونوں میں اگر ٹھیک امام کے پیچھے ہو اور نیت کرے امام قوم کی دونوں سلاموں میں اور قرأت آواز سے کرے فجر میں اور عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں

وَلَوْ قَضَاءً وَالْجُمُعَةِ وَالْعِيْدَيْنِ وَيُسِرُّ فِيْ غَيْرِهَا كَمُتَنَفِّلٍ بِالنَّهَارِ وَخُيِّرَ الْمُنْفَرِدُ فِيْمَا يُجْهَرُ كَمُتَنَفِّلٍ بِاللَّيْلِ

اگرچہ قضاء ہی ہو اور جمعہ میں اور عیدین میں اور ان کے علاوہ میں آہستہ کرے دن میں نفل پڑھنے والے کی طرح اور منفرد جہری نمازوں میں مختار ہے رات میں نفل پڑھنے والے کی طرح

توضیح اللغۃ: تسمیع سمع اللہ لمن حمدہ کہنا، نہوض اٹھنا، کور پگڑی کا پیچ ضبع بازو۔ بغل، جافی علیحدہ رکھے۔ تخفض پست کرے، تلزق چمٹالے، لایثنی: ثناء نہ پڑھے، افترش بچھالے۔ تورک سرین پر سہارا لیکر بیٹھنا۔ حفظہ ملائکہ جو حفاظت کرتے ہیں۔ محاذی مقابل۔

تشریح الفقہ: قولہ واکتفی الا مام الخ:۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک امام صرف سمع اللّٰہ لمن حمدہ کہے اور مقتدی ومنفرد ربنا لک الحمد۔ صاحبین فرماتے ہیں کہ امام بھی آہستہ سے ربنا لک الحمد کہہ لے کیونکہ حدیث میں ہے کہ آپؐ دونوں کو جمع کرتے تھے۔ (بخاری عن ابی ہریرہ وابن عمر، مسلم عنہ وابن ابی اوفی وعلی) امام صاحب کی دلیل ارشاد نبوی ہے کہ "جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم ربنا لک الحمد کہو" (صحاح غیر ابن ماجہ عن ابی ہریرہ مسلم، ابوداؤد، نسائی ابن ماجہ، احمد عن الاشعری حاکم عن الخدری) اس روایت سے تقسیم معلوم ہوتی ہے کہ امام صرف سمع اللّٰہ لمن حمدہ کہے اور مقتدی ربنا لک الحمد کہے، امام شافعی فرماتے ہیں کہ مقتدی بھی سمع اللّٰہ لمن حمدہ کہے، اقطع نے امام صاحب سے بھی ایک روایت یہی نقل کی ہے مگر غریب ہے۔

تنبیہ: منفرد کے حق میں تین اقوال ہیں (۱) صرف تسمیع، یہ معلی کی روایت ہے جو بواسطہ ابو یوسف امام صاحب سے مروی ہے۔ صاحب سراج نے شیخ الاسلام سے اسی کی تصحیح نقل کی ہے (۲) صرف ربنا الحمد، مصنف نے کتاب کافی میں" اور صاحب مبسوط نے

اسی کی تصحیح نقل کی ہے اور اکثر مشائخ اسی پر عمل درآمد ہیں۔حلوانی اور طحاوی نے بھی اسی کو پسند کیا ہے۔(۴) تسمیع وتحمید دونوں، یہ حسن کی روایت ہے جس کو صاحب ہدایہ نے اصح قرار دیا ہے اور صدر الشہید نے کہا ہے۔''وعلیہ الاعتماد'' صاحب مجمع نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے کیونکہ دونوں کو جمع کرنا حضور صلعم سے ثابت ہے جس کا محمل حالت انفراد کے سوا اور کوئی نہیں، لہذا منفرد رکوع سے اٹھتے وقت تسمیع اور رکوع سے سیدھا کھڑا ہو کر تحمید کہے۔

قولہ ولایرفع یدیہ الخ آٹھ مواقع کے علاوہ پر ہاتھ نہ اٹھائے، مصنف نے ان آٹھ مواقع کی طرف بغرض اختصار''فقعس صمعج'' کے حروف سے اشارہ کیا ہے فاء سے افتتاح صلوٰۃ قاف سے قنوت، عین سے عیدین، سین سے استلام حجر (حجر اسود کو بوسہ دیتے وقت) ص سے صفا اور میم سے مروہ پہاڑی، عین سے عرفات، جیم سے جمرات کی رمی کی طرف اشارہ ہے۔ان مواقع میں رفع یدین کا ثبوت روایت ابن عباس سے ہے جس کو رسالہ''رفع الیدین'' میں تعلیقاً طبرانی نے معجم میں بزار نے مسند میں، ابن ابی شیبہ نے مصنف میں حاکم وبیہقی نے سنن میں بتغیر الفاظ ذکر کیا ہے، سوال:۔حدیث میں تو سات مواقع کا ذکر ہے اور یہاں آٹھ مذکور ہیں جواب: صفاو مروہ بلحاظ سعی موضع واحد کے حکم میں ہیں سوال: مواقع مذکورہ کے علاوہ کی علی الاطلاق نفی کرنا صحیح نہیں کیونکہ استسقاء اور دعاء وغیرہ میں ہاتھ اٹھانا صحیح حدیث سے ثابت ہے جواب: یہاں علی الاطلاق نفی مقصود نہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ بطریق سنت مؤکدہ ہاتھ اٹھانے کے مواقع یہی ہیں پس رکوع میں جاتے وقت رکوع سے اٹھتے وقت اور تکبیرات جنازہ میں ہاتھ اٹھانا ہمارے یہاں مسنون نہیں۔

قولہ افترش الخ داہنا پاؤں کھڑا کرنا اور بایاں پاؤں بچھانا احناف کے نزدیک مسنون ہے ابوحمید کی روایت میں قعدہ اولیٰ میں بچھانا اور قعدہ ثانیہ میں تورک آیا ہے جو امام شافعی کا مسلک ہے امام مالک کے یہاں دونوں قعدوں میں تورک مسنون ہے امام احمد کے نزدیک دو رکعت والی نماز میں افتراش، پاؤں بچھانا اور چار رکعت والی نماز کے پہلے قعدہ میں افتراش اور دوسرے میں تورک مسنون ہے۔احناف نے افتراش کو اس لئے اختیار کیا کہ متعدد احادیث میں وارد ہے اور اس کو تشہد میں سنت کہا گیا ہے پھر حضورؐ سے پہلے اور دوسرے قعدہ کی کیفیت میں کوئی فرق منقول نہیں جن احادیث میں آپؐ سے تورک منقول ہے وہ آپ کے ضعف وکبرسنی کا زمانہ تھا۔

قولہ وھی تتورک الخ عورت کے لئے تورک (بائیں سرین پر بیٹھنا اور دونوں پاؤں دائیں جانب نکالنا اس لئے ہے کہ اس میں پردہ پوشی بھی زیادہ ہے اور عورت کے حق میں سہل تر بھی ہے۔

قولہ تشہد ابن مسعود الخ احادیث تشہد مختلف الفاظ کے ساتھ مروی ہیں عینی نے نو تشہدوں کا تذکرہ کیا ہے جن میں سے امام شافعی کے یہاں ابن عباس کا تشہد اولیٰ ہے۔(مسلم، ابوداؤد، امام صاحب کے یہاں تشہد ابن مسعود اولیٰ ہے، (صحاح ستہ) وجہ ترجیح یہ ہے کہ اس کو ترمذی، خطابی، ابن المنذر، ابن عبدالبر نے اس باب میں اصح قرار دیا ہے پھر اس میں صیغہ امر ہے جو کم از کم استحباب کیلئے ہوتا ہے نیز اس میں الف لام استغراقی اور واؤ کی زیادتی ہے جو نئے کلام کیلئے آتا ہے اور اس تشہد میں تعلیم کی تاکید بھی موجود ہے۔

وَلَوْتَرَکَ السُّوْرَةَ فِیْ اُوْلَی الْعِشَا، قَرَءَ هَا فِی الْاُخْرَیَیْنِ مَعَ الْفَاتِحَةِ جَهْرًا وَلَوْتَرَکَ الْفَاتِحَةَ لَا

اور اگر چھوڑ دی سورت عشاء کی پہلی دو میں تو پڑھ لے اسکو پچھلی دو میں فاتحہ کے ساتھ جہرا اور اگر چھوڑ دیا فاتحہ کو تو اسکی قضاء نہ کرے

وَفَرْضُ الْقِرَآءَ ةِ اٰیَةٌ وَسُنَّتُهَا فِی السَّفَرِ الْفَاتِحَةُ وَاَیُّ سُوْرَةٍ شَآءَ وَفِی الْحَضَرِ طِوَالُ الْمُفَصَّلِ لَوْ فَجْرًا

اور فرض قرأت ایک آیت ہے اور مسنون قرأت سفر میں فاتحہ ہے اور ایک سورت جون سی چاہے اور اقامت میں طوال مفصل کی سورتیں ہیں اگر فجر ہو

اَوْظُهْرًا وَاَوْسَاطُهٗ لَوْعَصْرًا اَوْعِشَآءً وَقِصَارُهٗ لَوْ مَغْرِبًا وَیُطَالُ فِیْ اُوْلَی الْفَجْرِ فَقَطْ

یا ظہر ہو اور اوساط مفصل ہیں اگر عصر یا عشاء ہو اور قصار مفصل ہیں اگر مغرب ہو اور فجر میں پہلی رکعت کو دراز کیا جائے

وَلَمْ يَتَعَيَّنْ شَيْءٌ مِّنَ الْقُرْاٰنِ لِلصَّلٰوةِ وَلاَ يَقْرَأُ الْمُؤْتَمُّ بَلْ يَسْمَعُ وَيُنْصِتُ وَاِنْ قَرَأَ اٰيَةَ التَّرْغِيْبِ اَوِ التَّرْهِيْبِ

اور نماز کے لئے قرآن کی کوئی سورت متعین نہیں اور مقتدی قرأت نہ کرے بلکہ سنتا رہے اور خاموش رہے اگرچہ امام آیت رغبت یا آیت خوف پڑھے

اَوْ خَطَبَ اَوْ صَلّٰى عَلَى النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلاَمُ وَالنَّائِيْ كَالْقَرِيْبِ

یا خطبہ پڑھنے والا خطبہ دے یا آنحضرت ﷺ پر درود بھیجے اور دور بیٹھنے والا پاس والے کے حکم میں ہے۔

تشریح الفقہ: قولہ ولو ترک الخ اگر کسی نے عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں صرف سورۂ فاتحہ کی قرأت کی۔ کسی اور سورت کی قرأت نہیں کی تو وہ آخر کی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ مع سورت پڑھے فاتحہ بطور معمول اور سورت بطور قضاء اور اگر کسی نے پہلی دو رکعتوں میں قرأت فاتحہ چھوڑ دی صرف سورت کی قرأت کی تو آخر کی رکعتوں میں فاتحہ کا اعادہ یعنی فاتحہ کی قضاء نہ کرے۔ یہ حکم تو طرفین کے نزدیک ہے۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں قضاء نہ کرے کیونکہ سورۂ فاتحہ اور سورت میں سے ہر ایک اپنی جگہ پر واجب ہے اور بلا دلیل واجب کی قضاء نہیں ہوتی اور یہاں قضاء کرنے کی کوئی دلیل نہیں پائی جاتی۔ لہذا قضاء نہ ہوگی طرفین کی دلیل یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ کی مشروعیت اس طرح ہے کہ پہلے فاتحہ پڑھے پھر سورت پس جس صورت میں اس نے پہلی دو رکعتوں میں صرف سورت پڑھی ہے اگر اخیر کی رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کی قضاء کرلے تو ایسا ہوجائیگا کہ گویا پہلے سورۂ پڑھی پھر فاتحہ اور یہ خلاف موضوع ہے اور پہلی صورت میں یہ بات لازم نہیں آتی لہذا اخیر کی رکعتوں میں قضاء ممکن ہے کہ معمول کے مطابق سورۂ فاتحہ پڑھ کر سورت کی قضاء کرلے گا۔

فائدہ: اس مسئلہ میں چار قول ہیں اول تو یہی جو متن میں مذکور ہوا اور یہی ظاہر الروایہ ہے دوم اس کا عکس یعنی فاتحہ کو قضاء کرے نہ کہ سورۂ کو یہ شیخ عیسیٰ بن ابان کا قول ہے۔ سوم امام ابو یوسف کا قول کہ دونوں میں سے کسی کو قضاء نہ کرے چہارم یہ کہ فاتحہ وسورت ہر دو کو قضا کرے یہ حسن بن زیاد کی روایت ہے پھر بعض کے نزدیک قضاء میں سورت کو مقدم کرے اور بعض کے نزدیک فاتحہ کو مقدم کرے۔

قولہ و فرض القراءۃ الخ نماز میں قرأت کی کم سے کم مقدار جو فرض ہے وہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ایک آیت ہے چھوٹی ہو یا بڑی اور صاحبین کے نزدیک کم از کم تین چھوٹی آیتیں یا ایک بڑی آیت ہے۔ کیونکہ اس سے کم کی صورت میں وہ قرأت کرنیوالا نہیں کہلائیگا۔ امام صاحب کی دلیل ارشاد باری ہے "فاقرؤا ما تیسر من القرآن" یعنی اسقدر پڑھو جو آسان ہو قرآن سے اور سفر میں مسنون قرأت یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ پڑھے اور اسکے ساتھ جو سورت چاہے پڑھے کیونکہ روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بحالت سفر فجر کی نماز میں معوذتین کی قرأت فرمائی۔ (ابو داؤد، ابن حبان، حاکم، احمد، ابن ابی شیبہ، طبرانی عن عقبہ بن عامر) اور اقامت کی حالت میں فجر اور ظہر کی نماز میں طوال مفصل یعنی سورۂ حجرات سے سورۃ بروج تک مسنون ہے۔ اور عصر و عشاء میں اوساط مفصل یعنی سورۂ بروج سے لم یکن تک اور مغرب میں قصار مفصل یعنی لم یکن سے سورۂ ناس تک، حضرت عمر نے ابو موسیٰ اشعری کے پاس مقدار قرأت کی یہی تفصیل لکھ کر بھیجی تھی۔ (عبد الرزاق، ابن ابی شیبہ، بیہقی)۔

بحث قرأت خلف الامام

قولہ ولا یقرأ المؤتم الخ یہاں سے مصنف علیہ الرحمۃ یہ بیان فرمارہے ہیں کہ امام کے پیچھے مقتدی کچھ پڑھے یا نہیں فرماتے ہیں کہ مقتدی نہ فاتحہ پڑھے اور نہ سورت خواہ نماز جہری ہو یا سری۔ یہی قول اکابر صحابہ کی ایک جماعت کا ہے اور تابعین میں سے ابن المسیب، عروہ بن زبیر، سعید بن جبیر، زہری، شعبی نخعی، اسود، ثوری، ابن ابی لیلیٰ اوزاعی، مالک، احمد، ابن عیینہ، ابن المبارک کا ہے مگر اوزاعی، مالک، ابن المبارک نماز جہری میں منع فرماتے ہیں۔ امام شافعی کے نزدیک بلحاظ قول قدیم سری نماز میں اور باعتبار قول جدید سری ہو یا جہری ہر نماز میں مقتدی فاتحہ پڑھے۔ اور رافعی نے ایک روایت یہ بھی نقل کی ہے کہ سری نماز میں بھی واجب نہیں ہے۔ یہی قول لیث،

ابوثور، ثوری کا ہے امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ امام ومقتدی جس طرح دوسرے ارکان قیام، قعود، رکوع، سجود میں مشترک ہیں اسی طرح رکن قرأت میں بھی مشترک ہونے چاہئیں، نقلی دلیل حضرت عبادہ بن ثابت کی مرفوع حدیث ''لاصلوۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب ہے اسکی نماز ہی نہیں جس نے فاتحہ نہ پڑھی (صحیحین) وجہ استدلال یہ ہے کہ حدیث میں علی الاطلاق قرأت فاتحہ کا وجوب ہے کیونکہ اس میں امام منفرد مقتدی وغیرہ کی کوئی تفصیل نہیں۔ لہذا مقتدی پر بھی واجب ہے احناف کی دلیل قرآن پاک کی آیت ہے ''اذاقرئ القران فاستمعوا له وانصتوا'' جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو کان لگا کر سنو اور خاموش رہو علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تلاوت قرآن پاک کے وقت سننے اور خاموش رہنے کا حکم قرآن کی تعظیم واحترام کے واسطے دیا ہے لیکن یہ حکم نماز میں جبکہ امام جہر کرے زیادہ تاکید کیساتھ مؤکد ہے چنانچہ امام مسلم نے حضرت ابوموسیٰ اشعری سے روایت کی ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ امام تو اسی لئے مقرر کیا گیا ہے کہ اسکی اقتداء کیجائے لہذا جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قرأت کرے تو تم خاموش رہو''۔ شیخ عمادالدین نے یہ بھی لکھا ہے کہ علی بن ابی طلحہ نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ ''واذاقرئ القرآن اه'' نماز کے بارے میں ہے اور یہی عبداللہ بن مغفل سے روایت ہے سفیان ثوری نے ابوہاشم اسماعیل ابن کثیر کے واسطے سے حضرت مجاہد سے روایت کی ہے کہ یہ آیت نماز کے بارے میں ہے اور سعید بن جبیر، ضحاک، ابراہیم نخعی، قتادہ، شعبی، سدی، عبدالرحمٰن، زید سبھوں نے فرمایا ہے کہ مراد آیت میں نماز ہے بیہقی نے امام احمد سے روایت کی ہے کہ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت نماز کے بارے میں ہے دوسری دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''من کان له امام فقرائة الامام له قراءة'' جس نمازی کا امام ہو تو اس امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے (ابن ماجہ، دارقطنی، بیہقی، ابن عدی، طبرانی، احمد بن جابر، دارقطنی، مالک عن ابن عمر، طبرانی، ابن عدی عن، الخدری، دارقطنی عن ابی ہریرہ وابن عباس، ابن حبان عن انس) علامہ عینی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بطرق متعددہ حضرت جابر بن عبداللہ، بن عمر ابوسعید خدری وغیرہ سے مروی ہے ابن ہمام نے لکھا ہے کہ خود حضرت جابر بن عبداللہ سے بھی متعدد اسانید کے ساتھ مروی ہے۔ اور صحیح اسناد کیساتھ مرفوع ثابت ہے چنانچہ بقول حافظ ابن کثیر اس حدیث کو امام احمد نے اپنی مسند میں حضرت جابر سے مرفوع روایت کیا ہے۔ مؤطا امام مالک میں حضرت جابر سے موقوف روایت بھی ہے اور ظاہر ہے کہ امام احمد کا اس کو روایت کرنا اس کی صحت کی دلیل ہے کیونکہ امام احمد نے ثلاثی روایت ثقہ راویوں سے روایت کی ہے جن میں کوئی کلام نہیں پس دارقطنی کا یہ کہنا غلط ہوا کہ حضرت جابر کی مرفوع روایت صحیح نہیں ضعیف ہے۔ نیز احمد بن منیع نے جو امام ترمذی وغیرہ کے شیخ ہیں اپنی مسند میں سفیان وشریک سے بخاری ومسلم کی شرط پر مرفوع روایت کیا ہے لہذا دارقطنی وبیہقی کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ سفیان وشریک نے اس حدیث کو ''عن عبدالله بن شداد عن النبی اه'' بلا ذکر جابر یعنی مرسلاً روایت کیا ہے۔

قوله والنائی الخ جو شخص منبر سے دور ہو اور آواز نہ سن پاتا ہو اس کو بھی خاموش رہنا چاہئے۔ کیونکہ سننا اور خاموش رہنا دو فرض ہیں اگر دوری کی وجہ سے سننا ممکن نہیں تو دوسرا فرض خاموش رہنا ممکن ہے لہذا اسی پر قائم رہے۔

محمد حنیف غفرلہ

بَابُ الاِمَامَۃِ

باب امامت کے بیان میں

قولہ باب الامامۃ: امامت کی دو قسمیں ہیں صغریٰ، کبریٰ سیر کی کتابوں میں امامت کبریٰ کی تعریف یہ ہے، ہی استحقاق تصرف عام علی الانام ''یعنی خلق خدا پر تصرف عام کا استحقاق امامت کبری ہے علامہ طحطاوی فرماتے ہیں کہ اس تعریف میں خلل ہے کیونکہ استحقاق تصرف امامت کا اثر ہے نہ کہ اس کی حقیقت پس صحیح وہ ہے جو مقاصد میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلعم کی طرف سے نیابت کے طور پر لوگوں کا دینی و دنیاوی مصالح کی حفاظت کے لئے ریاست عامہ کو امامت کبریٰ کہتے ہیں ''مسلمانوں کے لئے کسی قائد اور امام کا مقرر کرنا نہایت ضروری اور واجبات دین میں سے ہے۔ کیونکہ بہت سے واجبات شرعی امامت پر موقوف ہیں مثلاً احکام جاری کرنا۔ اعمال بد کی سزا دینا، دشمنوں کے خطرات سے مسلمانوں کی حفاظت کرنا۔ صدقات وصول کرنا۔ سرکشوں کی گردن پکڑنا۔ چور اور راہزنوں کو زیر کرنا، جمعہ اور عیدین کو قائم کرنا اثبات حقوق کے سلسلہ میں گواہیاں سننا، مال غنیمت تقسیم کرنا وغیرہ امامت صغریٰ امام کی نماز کے ساتھ مقتدی کی نماز کے وابستہ ہونے کو کہتے ہیں جس کے لئے دس شرطیں ہیں۔ (۱) نیت اقتداء، اگر مقتدی نے اقتداء کی نیت نہ کی تو نماز نہ ہوگی۔ (۲) اتحاد مکان اگر امام اور مقتدی کے درمیان نہر حائل ہو تو نماز نہ ہوگی۔ (۳) اتحاد نماز اگر امام ظہر کی نماز پڑھ رہا ہو اور مقتدی عصر کی نیت کرلے تو نماز نہ ہوگی (۴) مقتدی کے اعتقاد میں امام کی نماز کا صحیح ہونا۔ اگر مقتدی کی دانست میں امام کی نماز فاسد ہوگئی تو اقتداء صحیح نہ ہوگی۔ (۵) عورت کا برابر میں نہ ہونا کیونکہ عورت کی محاذات مفسد نماز ہے۔ (۶) مقتدی کی ایڑی کا امام سے آگے نہ ہونا اگر ایڑیاں برابر ہوں یا پاؤں بڑا ہونیکی وجہ سے مقتدی کے پاؤں کی انگلیاں آگے بڑھی ہوئی ہوں تو اقتداء درست ہے (۷) مقتدی کو اپنے امام کے ایک رکن سے دوسرے رکن کی طرف منتقل ہونے کا علم ہونا خواہ امام کو دیکھنے سے ہو یا آواز سننے سے ہو یا دوسرے مقتدیوں کو دیکھ کر ہو (۸) مقتدی کو اپنے امام کا حال معلوم ہونا کہ وہ مقیم ہے یا مسافر خواہ یہ علم نماز سے پہلے ہو یا بعد میں پاس اگر امام نے چار رکعت والی نماز میں دو پر سلام پھیر دیا اور لوگوں کو معلوم نہ ہوا کہ اس نے بھول کر دو پڑھیں یا سفر کی وجہ سے تو نماز نہ ہوگی۔ (۹) مقتدی کے لئے لائق امامت ہونا مثلاً اگر امام ارکان اشارہ سے ادا کرتا ہو تو مقتدی بھی اشارہ سے کرتا ہو یا مقتدی اشارہ کرنیوالا ہو اور امام رکوع اور سجدہ کرنیوالا ہو تو اقتداء درست ہوگی۔ یہ کل شرطیں صحت اقتداء کی ہیں اگر ان میں سے کوئی شرط فوت ہوگی تو اقتداء صحیح نہ ہوگی۔ پھر امامت کے لئے بھی کچھ شرطیں ہیں (۱) امام کا مسلمان ہونا۔ (۲) عاقل ہونا (۳) بالغ ہونا (۴) مرد ہونا (۵) بقدر مایجوز بہ الصلوۃ قاری ہونا (۶) اعذار مانعہ جریان، نکسیر، پیشاب، تتلاہٹ وغیرہ سے سلامت ہونا، اقتداء و امامت کی یہ کل سولہ شرطیں ہوئیں جن کو علامہ ابن عابدین نے ان اشعار میں نظم کیا ہے۔

اخی ان ترم ادراک شرط القدوۃ ۔۔۔ فذالک عشر قداتاک معدوا
تاخر موتم وعلم انتقال من ۔۔۔ بہ انتم مع کون المکانین واحدا
وکون امام لیس دون تبیعہ ۔۔۔ بشرط وارکان ذینہ الاقتداء
مشارکۃ فی کل رکن علمہ ۔۔۔ بحال امام حل ام سارا مبعدا
وان لا تحاذبہ التی معہ اقتدت ۔۔۔ وصحۃ ماصلی الامام من ابتداء
کذالک اتحاد الفرض بذا تمامھا ۔۔۔ دست شروط اللامامۃ فی المدی
بلوغ واسلام وعقل وذکورۃ ۔۔۔ قراۃ مجزود وانتفار مانع اقتداء

اَلْجَمَاعَةُ سُنَّةٌ مُؤَكَّدَةٌ وَالْاَعْلَمُ اَحَقُّ بِالْاِمَامَةِ ثُمَّ الْاَقْرَءُ ثُمَّ الْاَوْرَعُ ثُمَّ الْاَسَنُّ

جماعت سنت مؤکدہ ہے اور سب سے زیادہ عالم لائق تر ہے امامت کے پھر سب سے اچھا پڑھنے والا پھر سب سے زیادہ پرہیزگار پھر سب سے زیادہ عمر والا

تشریح الفقہ: قولہ الجماعۃ الخ جماعت کے بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ فرض عین ہے یعنی ہر شخص پر فرض ہے یہ امام احمدؒ کا قول ہے مگر صحتِ نماز کے لئے شرط نہیں ہے فرض کفایہ ہے اگر بعض نے جماعت کر لی تو باقی لوگوں سے گناہ ساقط ہے یہ قول امام شافعی اور ان کے جمہور اصحاب کا ہے۔ (۳) واجب ہے عام مشائخ حنفیہ کا یہی قول ہے چونکہ اس کا ثبوت سنت سے ہے اس لئے اس واجب کو سنت کہتے ہیں (۴) سنت موکدہ ہے یہ بعض حضرات کا قول ہے جس کو مصنف نے اختیار کیا ہے۔

فائدہ: گھر یا بازار میں تنہا نماز پڑھنے سے مسجد میں جماعت کیساتھ پڑھنا پچیس گنا افضل ہے اور حدیث ابن عمر میں ۲۷ گنا مذکور ہے اور جس نے نماز عشاء جماعت سے پڑھی گویا اس نے آدھی رات قیام کیا اور جس نے نماز فجر جماعت سے پڑھی تو گویا تمام رات نماز پڑھی (مسلم، ابوداؤد، ترمذی) مسجد میں جماعت کے لئے دور سے اندھیری رات میں آ کر انتظار کرنیوالے کے لئے زیادہ ثواب ہے۔ (صحیحین)

قولہ والاعلم احق الخ لوگوں میں جو عالم بالسنہ ہو وہ امامت کا زیادہ مستحق ہے۔ جمہور کا یہی قول ہے اور سنت سے مراد احکام شرعیہ یعنی فقط احکام نماز ہے۔ بشرطیکہ اس قدر اچھی طرح پڑھ سکتا ہو جس سے نماز جائز ہے امام ابو یوسف کے نزدیک بہتر قرأت کرنے والا اولی ہے جبکہ بقدر ضرورت نماز کا علم رکھتا ہو۔ اس لئے کہ قرأت نماز کا ایک رکن ہے اور نماز میں علم کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جب نماز میں کوئی غیر معمولی واقعہ پیش آئے۔ عینی نے یہ قول دوسرے ائمہ کا بھی بتایا ہے طرفین کی دلیل یہ ہے کہ قرأت کی ضرورت صرف ایک رکن کی وجہ سے ہے۔ اور علم کی ضرورت تمام ارکان میں ہے لہذا تمام ارکان کی ضرورت مقدم ہوگی۔ پھر اگر تمام اہل جماعت اس علم میں برابر ہوں تو ان میں جو بہتر قاری ہو وہ اولیٰ ہے کیونکہ حضور نے فرمایا ہے کہ ''قوم کی امامت وہ کرے جو کتاب کا بہتر قاری ہو پھر اگر یہ سب برابر ہوں تو ان میں سے سنت کا زیادہ جاننے والا امامت کرے (اصحاب ستہ غیر البخاری) اور صحابہ میں جو قاری قرآن ہوتا تھا وہ عالم بالسنۃ بھی ہوتا تھا اس لئے وہ سب کے سب علم میں برابر ہوتے تھے البتہ ادائیگی قرأت میں فرق تھا اس لئے حدیث میں قاری قرآن کو مقدم کرنے کا ذکر ہے اور آج کل اکثر و بیشتر قاری خوبی قرأت میں کامل ہوتے ہیں لیکن دین کی طرف عموماً توجہ نہیں ہوتی۔ لہذا آجکل عالم ہی کو مقدم کرنا چاہئے۔ البتہ اگر علم میں سب برابر ہوں تو ان میں سے جو بہتر قاری ہو وہ مقدم ہوگا، اور اگر علم و قرأت میں بھی برابر ہوں تو جو اورع ہو وہ اولی ہے ورع یہ ہے کہ جن چیزوں میں شرعاً شبہ ہو اگر چہ ان کا ارتکاب جائز ہو ان سے بھی پرہیز کرے اور تقوی یہ ہے کہ حرام و مکروہ تحریمی سے بچ جائے اور اگر ان میں بھی سب برابر ہوں تو جو ان میں عمر رسیدہ ہو وہ اولی ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ ہم میں سے نہیں جو اپنے بڑوں کی توقیر نہ کرے اور جب اس کو امام بنایا تو یہ اسکی توقیر ہوئی نیز معمر کو مقدم کرنے سے جماعت میں کثرت ہوگی اور جماعت کی کثرت اللہ کو پسندیدہ ہے اور اگر عمر میں سب برابر ہوں تو بہتر اخلاق والا اولیٰ ہے حدیث میں ہے کہ ''جو تم میں سے خوبی اخلاق میں بڑھ کر ہیں۔ وہ بہتر ہیں اور اگر اخلاق حسنہ میں بھی سب برابر ہوں تو بہتر حسب والا مقدم ہوگا۔ اور اگر اس میں بھی سب برابر ہوں تو حسین و جمیل چہرہ والا اولی ہے پھر مصنف نے ''کافی'' میں خوبصورتی کی جو تفسیر کی ہے کہ ''نماز تہجد کی کثرت سے ہو'' یہ کچھ نہیں ہے بلکہ ظاہری معنی مراد ہیں اور اگر خوبصورتی میں بھی سب برابر ہوں تو اشرف النسب اولی ہے اور اگر اس میں سب برابر ہوں تو جس کو قوم پسند کرے وہ اولیٰ ہے بعض نے کہا ہے کہ اس صورت میں قرعہ اندازی کیجائے اور بعض نے کہا ہے کہ مسافر سے مقیم اولی ہے اسی طرح جس کا اسلام مقدم ہو وہ اولیٰ ہے۔

وَكُرِهَ اِمَامَةُ الْعَبْدِ وَالْاَعْرَابِيِّ وَالْفَاسِقِ وَالْمُبْتَدِعِ وَوَلَدِالزِّنَا وَتَطْوِيْلُ الصَّلٰوةِ وَجَمَاعَةُ النِّسَآءِ

اور مکروہ ہے امامت غلام کی گنوار کی بدکار بدعتی کی نابینا کی حرامزادے کی اور مکروہ ہے نماز کولمبا کرنا اور مکروہ ہے عورتوں کی جماعت

فَاِنْ فَعَلْنَ تَقِفُ الْاِمَامُ وَسْطَهُنَّ كَالْعُرَاةِ وَيَقُوْمُ الْوَاحِدُ عَنْ يَمِيْنِهٖ وَالْاِثْنَانِ خَلْفَهٗ

پس اگر جماعت کریں تو امام درمیان میں کھڑا ہو ننگوں کی جماعت کی طرح اور ایک مقتدی ہو تو امام کے دائیں اور دو ہوں تو اس کے پیچھے کھڑے ہوں۔

توضیح اللغۃ: عبد غلام، اعرابی دیہاتی، مبتدع بدعتی، اعمٰی نابینا، ولدالزنا حرامی، عراۃ عار کی جمع ہے بمعنی ننگا۔

تشریح الفقہ: قولہ و کرہ الخ غلام کی امامت مکروہ تنزیہی ہے اگرچہ اس کو آزاد کر دیا گیا ہو کیونکہ غلامی کی حالت میں اس کو تحصیل علم کی فرصت نہیں ملتی۔ دیہاتی و گنوار کی امامت بھی جہل ہی کی وجہ سے مکروہ ہے اسی طرح فاسق کی امامت بھی مکروہ ہے کیونکہ وہ اپنے فسق کی وجہ سے دین کے معاملہ میں کچھ بھی اہتمام نہ کر سکے گا اور اس لئے بھی کہ امامت بلسان شرع ایک قسم کی تکریم ہے اور فاسق کی تکریم مکروہ ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک اس کی امامت جائز ہی نہیں، نابینا کی امامت بھی مکروہ ہے کیونکہ وہ نابینا ہونیکی وجہ سے پورے طور پر نجاست سے احتیاط نہیں کر سکتا۔ اور چونکہ نجاست کا صرف احتمال ہے اس لئے اسکی امامت مکروہ تنزیہی ہے اور اگر کسی ذریعے سے نجاست وغیرہ سے بچنے کا پورا اہتمام کر لیتا ہو تو بلا کراہت جائز ہے نیز اگر نابینا قوم کے تمام لوگوں سے زیادہ علم رکھتا ہو تو وہ اولیٰ ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ام مکتومؓ اور عتبان بن مالک کو جو نابینا تھے جہاد میں جاتے وقت مدینہ میں خلیفہ بنا دیا تھا اور امامت وغیرہ کا کام بھی انجام دیتے تھے مبتدع یعنی خلاف حق دین میں نئی نئی باتیں پیدا کرنیوالے کی امامت بھی مکروہ ہے ولدالزنا (حرامی) کی امامت اس لئے مکروہ ہے کہ اس کی تعلیم و تربیت کا معقول انتظام نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ نہ تو اس کا باپ ہوتا ہے اور نہ کوئی ایسا عزیز جو اس کا انتظام کرے بلکہ لوگ عادۃً شفقت کے بجائے اس سے نفرت کرتے ہیں اگرچہ خود اس کا کوئی قصور نہیں ہوتا یہی امام شافعی کا قول اور امام مالک سے ایک روایت ہے دوسری روایت کے لحاظ سے مکروہ نہیں ہے یہی امام احمد اور ابن منذر کا قول ہے۔

تنبیہ: مذکورہ بالا لوگوں کی امامت اس وقت مکروہ ہے جب ان پر جہل کا غلبہ ہو اور قوم بھی ناپسند کرتی ہو اور ان کے علاوہ کوئی ان سے اولیٰ موجود بھی ہو۔ اور اگر یہ لوگ صاحب علم ہوں اور قوم پسند کرتی ہو تو بلا کراہت جائز ہے البتہ فاسق کو امام بنانا کسی حالت میں بھی مناسب نہیں۔ اسکے باوجود اگر بنا دیا جائے تو جائز ہے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ۔ ہر نکوکار و بدکار کے پیچھے نماز پڑھ لو' (دار قطنی) ابن عمر و انس رضی اللہ عنہم نے حجاج ثقفی کے پیچھے نماز پڑھی اور حضرت بن مسعود نے ولید بن عقبہ کے پیچھے نماز پڑھی جس نے ایک روز نشہ میں نماز پڑھائی۔

قولہ و تطویل الصلوۃ الخ اور امام کا نماز میں طول دینا بھی مکروہ سے کیونکہ حضور صلعم کا ارشاد ہے کہ ''جو شخص امامت کرے اس کو چاہئے کہ جماعت میں جو کمزور، بیمار، بوڑھے، حاجتمند لوگ ہیں ان جیسی نماز پڑھائے'' یعنی ان کی رعایت رکھے۔ (صحیحین عن ابی ہریرہ)

قولہ و جماعۃ النساء الخ محض عورتوں کی جماعت مکروہ تحریمی ہے نفل ہو یا فرض کیونکہ جماعت کرنے میں ان کا امام آگے نہیں کھڑا ہو سکتا بلکہ درمیان میں کھڑا ہو گا جو مکروہ تحریمی ہے کیونکہ حضور کا فعل دائمی آگے کھڑا ہونا تھا، ننگوں کا بھی یہی حکم ہے کہ ان کی جماعت مکروہ تحریمی ہے اور اگر عورتیں یا ننگے جماعت کریں بھی تو امام کو درمیان میں کھڑا ہونا چاہئے۔ کیونکہ آگے ہونے کی صورت میں کشف عورت زیادہ ہوگا۔ اور جہاں تک ممکن ہو اس کا کم کرنا واجب ہے۔

وَيَصِفُ الرِّجَالُ ثُمَّ الصِّبْيَانُ ثُمَّ الْخُنَاثیٰ ثُمَّ النِّسَآءُ فَاِنْ حَاذَتْهُ مُشْتَهَاةٌ فِیْ صَلٰوةٍ مُشْتَرَكَةٍ تَحْرِيْمَةً وَّاَدَآءً

اور صف بندی کی جائے مردوں کی پھر بچوں کی پھر خنثاؤں کی پھر عورتوں کی اور اگر مرد کے برابر بالغ عورت مطلق نماز میں کہ جو تحریمہ اور اداء کی

فِیْ مَكَانٍ مُّتَّحِدٍ بِلاَ حَائِلٍ فَسَدَتْ صَلٰوتُهٗ اِنْ نَوَی الْاِمَامُ اِمَامَتَهَا وَلاَيَحْضُرْنَ الْجَمَاعَةَ

رو سے مشترک ہوایک ہی جگہ بدون آڑ کھڑی ہو جائے تو مرد کی نماز فاسد ہو جائیگی اگر امام نے اسکی امامت کی نیت کرلی اور عورتیں جماعت میں نہ آئیں۔

توضیح اللغۃ: صبیان جمع صبی۔ بچہ، خناثی جمع خنثیٰ، ہیجڑا، حاذتہ محاذاۃ مقابل میں ہونا۔ مشتہاۃ شہوت والی عورت، حائل آڑ۔

تشریح الفقہ: قولہ و یصف الخ امام کے پیچھے سب سے پہلے مردوں کی صف ہونی چاہئے پھر بچوں کی پھر خنثاؤں کی پھر عورتوں کی، کیونکہ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ تم میں سے اصحاب علم وعقل مجھ سے قریب رہیں پھر وہ لوگ جوان سے ملتے ہوئے ہوں (مسلم عن ابن مسعود) نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی صف بناتے تو مردوں کو لڑکوں کے آگے صف میں اور لڑکوں کو پیچھے اور عورتوں کو لڑکوں کے پیچھے کرتے۔

(حارث عن ابی مالکؓ)

قولہ وان حاذتہ الخ اگر کوئی عورت نماز میں آکر مرد کے برابر نیت باندھ لے اور دونوں ایک نماز کی تحریمہ میں مشترک ہوں تو ایسی صورت میں اگر امام نے عورت کی امامت کی نیت کرلی۔ تو مرد کی نماز فاسد ہو جائیگی۔ یہ مسئلہ مبنی بر استحسان ہے قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ مرد کی بھی نماز فاسد نہ ہو جیسے عورت کی نماز بالاتفاق فاسد نہیں ہوتی یہی امام شافعی کا قول ہے دلیل استحسان ارشاد نبوی "اخروھن من حیث اخرھن اللہ" ہے اس حدیث سے فرضیت کا ثبوت ہو سکتا ہے کیونکہ یہ حدیث مشہور ہے جو قطعی الدلالۃ ہوتی ہے پھر خاص کر مرد کی نماز اس۔ لئے فاسد ہے کہ اس امر کا مخاطب وہی ہے یعنی مردوں کو حکم ہے کہ تم عورتوں کو موخر کرو اور اس نے اس کے خلاف کیا لہذا اسی کی نماز فاسد ہوگی نہ کہ عورت کی پھر عورت کی محاذاۃ کا مفسد صلوۃ ہونا ان شرطوں پر موقوف ہے۔ (۱) محاذاۃ مرد اور عورت میں ہو، اگر لڑکے اور عورت میں ہو یا مرد اور لڑکی میں ہو یا مرد اور خنثیٰ مشکل میں ہو تو یہ مفسد نہیں (۲) محاذیہ عورت مشتہاۃ ہو جس کی تعیین بعض لوگوں نے نو برس کیساتھ کی ہے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ سن بلوغ کو پہنچی ہوئی ہو یا قابل جماع ہو۔ (۳) عاقلہ ہو، محاذات مجنونہ مفسد نہیں۔ (۴) دونوں کے درمیان کوئی ایسی چیز حائل نہ ہو جس کا موٹاپا ایک انگل ہو۔ (۵) دونوں ساق اور ٹخنے محاذی ہوں (۶) اصل نماز رکوع وسجود والی ہو، پس نماز جنازہ میں محاذات مفسد نہیں (۷) محاذاۃ ایک رکن کامل میں ہو۔ (۸) امام نے عورت کے امام ہونے کی نیت کی ہو بلانیت محاذات مفسد نہیں۔ (۹) ارکان میں دونوں مشترک ہوں اگر مرد وعورت نے تیسری رکعت میں امام کی اقتداء کی پھر ان کو حدث ہوا اور وضو کر کے آکر پڑھنے لگے اور عورت اسکی محاذی ہوگئی پس اگر امام کی تیسری وچوتھی رکعات میں عورت محاذی ہو جو ان دونوں کی پہلی اور دوسری ہے تو مرد کی نماز فاسد ہوگی اور اگر دونوں رکعتیں پڑھ کر اپنی تیسری وچوتھی میں جاکر عورت محاذی تو مرد کی نماز فاسد نہ ہوگی۔ (۱۰) مکان متحد ہو محاذات مفسد ہونے کی یہ دس شرطیں ہیں پس مسئلہ محاذات کا حاصل یہ نکلا کہ ایسی عورت کا محاذی ہونا جو مشتہاۃ ہو اور اسکی امامت کی نیت مرد کے ساتھ نماز مطلقہ کے ایک رکن میں ہوگئی ہو درانحالیکہ دونوں تحریمہ واداء میں مع اتحاد مکان کسی چیز کے حائل ہوئے بغیر مشترک ہوں تو یہ مرد کی نماز کے لئے مفسد ہے۔

قولہ ولا یحضرن الخ ایسی جوان عورتوں کا جن سے جماع کی رغبت ہو جماعت میں حاضر ہونا مکروہ ہے کیونکہ ان کی حاضری میں فتنہ کا خوف ہے جب حضرت عمر کے منع کرنے پر عورتوں نے حضرت عائشہ سے شکایت کی تو آپ نے فرمایا کہ اگر آنحضرت صلعم اب جیسے نمازی کی حالت دیکھتے تو جیسے نبی اسرائیل کی عورتیں منع کی گئیں اسی طرح تم کو بھی منع کیا جاتا۔

وَفَسَدَ اقْتِدَاءُ رَجُلٍ بِامْرَأَةٍ اَوْصَبِیٍّ وَطَاهِرٍ بِمَعْذُوْرٍ وَقَارِیٍٔ بِاُمِّیٍّ وَمُکْتَسٍ بِعَارٍ

اور فاسد ہے مرد کی اقتداء عورت یا بچے کے پیچھے اور طاہر کی معذور کے اور قاری کی ان پڑھ کے اور کپڑا پہنے ہوئے کی ننگے کے

وَغَیْرِ مُؤْمٍ بِمُؤْمٍ وَمُفْتَرِضٍ بِمُتَنَفِّلٍ وَبِمُفْتَرِضٍ اٰخَرَ لَا اِقْتِدَآءُ مُتَوَضٍّ بِمُتَیَمِّمٍ

اور بلا اشارہ پڑھنے والے کی اشارہ کنندہ کے اور فرض پڑھنے کی نفل یا دیگر فرض پڑھنے والے کے پیچھے، نہ کہ وضو کنندہ کی تیمم کنندہ کے پیچھے

وَغَاسِلٍ بِمَاسِحٍ وَقَائِمٍ بِقَاعِدٍ وَبِاَحْدَبَ وَمُؤْمٍ بِمِثْلِهٖ

اور دھونے والے کی مسح کرنے والے کے پیچھے اور کھڑا ہونے والے کی بیٹھنے والے کے اور کوزہ پشت کے پیچھے اور اشارہ کنندہ کی اپنے جیسے کے پیچھے

وَمُتَنَفِّلٍ بِمُفْتَرِضٍ وَاِنْ ظَهَرَ اَنَّ اِمَامَهٗ مُحْدِثٌ عَادَ وَاِنِ اقْتَدٰی اُمِّیٌّ وَقَارِیٌٔ بِاُمِّیٍّ

اور نفل پڑھنے والے کی فرض پڑھنے والے کے پیچھے، اگر ظاہر ہوا کہ امام بے وضو تھا تو نماز لوٹائے اگر امی اور قاری نے کسی امی کی اقتداء کی

اَوِسْتَخْلَفَ اُمِّیًّا فِی الْاُخْرَیَیْنِ فَسَدَتْ صَلٰوتُهُمْ.

یا پچھلی دو رکعتوں میں امی کو خلیفہ بنادیا تو سب کی نماز فاسد ہوجائے گی۔

توضیح اللغۃ: امی ان پڑھ مکتس لباس پہننے والا، مراد ستر چھپانیوالا۔ عار ننگا، موی اشارہ کیساتھ نماز پڑھنے والا، احدب کوزہ پشت کبڑا محدث ناپاک بے وضو۔

تشریح الفقہ: قولہ وفسد اقتداء الخ مرد کے لئے عورت کی اقتداء کرنا صحیح نہیں کیونکہ پہلے گذر چکا ہے کہ امام کے لئے مرد ہونا شرط ہے عورت امام نہیں ہوسکتی، نابالغ بچہ کی اقتداء کرنا بھی صحیح نہیں کیونکہ نابالغ بچہ کی نماز نفل ہوتی ہے اور اقتداء مفترض خلف المتنفل جائز نہیں مشائخ بلخ نے نوافل مطلقہ اور تراویح میں بچہ کے پیچھے بالغ کی اقتداء کو جائز مانا ہے مگر صحیح یہی ہے کہ فرض نماز ہو یا نفل واجب ہو سنت کسی میں بھی اقتداء صحیح نہیں معذور کے پیچھے غیر معذور کی نماز بھی صحیح نہیں کیونکہ مقتدی کی بہ نسبت امام کا اعلی حال ہونا یا کم از کم برابر ہونا شرط ہے جیسا کہ ہم شروط حالات کے ذیل میں مفصل طور پر بیان کر کے آئے ہیں اور یہاں اس کا عکس ہے امام شافعی کے نزدیک اصح قول میں معذور کے پیچھے تندرست کی نماز جائز ہے۔ احناف میں سے امام زفر کا قول بھی یہی ہے اور قاری امی کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتا۔ دیگر ائمہ کا مذہب بھی یہی ہے اسی طرح ستر واجب ڈھاکنے والا ننگے کی اقتداء نہیں کرسکتا ہے کیونکہ امی اور ننگے کی حالت کی بہ نسبت قاری اور لباس پہننے والے کی حالت قوی ہے اور جس کی حالت قوی ہو وہ ہی امام بن سکتا ہے نیز غیر موی یعنی رکوع اور سجدہ کرنیوالا اشارہ کرنیوالے کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتا اور فرض نماز پڑھنے والا نفل نماز پڑھنے والے کی اقتداء نہیں کرسکتا۔ سعید بن المسیب، ابراہیم نخعی، زہری حسن، یحیی بن سعید، مجاہد سب کا یہی قول ہے، یہی امام مالک سے روایت ہے اور یہی امام احمد کے اکثر اصحاب کے نزدیک مختار ہے اسواسطے کہ اقتداء ایک وجودی چیز ہے نہ کہ عدمی پس فرض میں اقتداء یہ ہے کہ مقتدی اپنے فرض کو امام کے فرض میں اقتداء کے طور پر مبنی کرے۔ حالانکہ صورت مفروضہ میں امام کے حق میں وصف فرضیت معدوم ہے کیونکہ وہ نفل پڑھ رہا ہے لہذا اقتداء صحیح نہ ہوگی۔ اور ایک فرض پڑھنے والا دیگر فرض پڑھنے والے کی اقتداء نہیں کرسکتا۔ کیونکہ شروط اقتداء میں سے یہ بھی ہے کہ امام اور مقتدی کی نماز متحد ہو اور یہاں اتحاد مفقود ہے لہذا اقتداء بے سود ہے۔

قولہ لا اقتداء الخ تیمم کرنیوالے کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے یہ شیخین کا قول ہے اور یہی ائمہ ثلاثہ کا مذہب ہے امام محمد کے نزدیک جائز نہیں کیونکہ ان کے نزدیک تیمم وضو کا خلیفہ ہے اور شیخین کے نزدیک تیمم پانی کا خلیفہ ہے۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی حدیث شیخین کے مذہب کی موید ہے جس کو بخاری اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک مرتبہ لشکر کا

سردار بنا کر بھیجا جب لوگ واپس آئے تو آپ نے عمرو کا حال دریافت فرمایا، لوگوں نے عرض کیا کہ نیک سیرت ہے لیکن ایک روز ہم کو حالت جنابت میں نماز پڑھائی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو سے دریافت فرمایا تو عرض کیا: یارسول اللہ! میں سردی کی رات میں محتلم ہوگیا اور مجھے اندیشہ ہوا کہ اگر غسل کرتا ہوں تو ہلاک ہوجاؤنگا اس لئے میں نے اللہ تعالیٰ کے قول ''لاتلقوا بایدیکم الی التھلکۃ'' کو پڑھا اور تیمم کر کے نماز پڑھادی۔ یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم کیساتھ فرمایا ''یا لک من فقیه عمرو بن العاص'' اور لوگوں کو نماز کے اعادہ کا حکم نہیں فرمایا۔

وغاسل الخ اور پاؤں دھونیوالا موزوں پر مسح کرنیوالے کی اقتداء کرسکتا ہے کیونکہ موزہ قدم تک حدث کو پہنچنے نہیں دیتا اس لئے حدث سے پاؤں کی طہارت زائل نہ ہوگی اور موزوں پر جو کچھ حدث کا اثر ہوا اس کو مسح نے زائل کردیا اس لئے موزے والے کی طہارت پاؤں دھونے والے کی طرح باقی ہے نیز کھڑے ہوکر نماز پڑھنے والا بیٹھ کر رکوع سجدہ کرنے والے کی اقتداء کرسکتا ہے، امام محمد کے نزدیک ان دونوں صورتوں میں اقتداء صحیح نہیں۔ قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے کیونکہ دونوں صورتوں میں مقتدی کی حالت امام کی حالت سے قوی ہے نیز صحیح حدیث میں ہے کہ ''جب امام بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر نماز پڑھو'' لیکن جمہور نے اس قیاس کو اس نص صریح کیوجہ سے ترک کردیا جو صحیحین میں مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آخری نماز بیٹھ کر پڑھی یعنی سب سے آخری ظہر کی نماز اتوار کے روز بیٹھ کر پڑھائی اور قوم نے آپکے پیچھے کھڑے ہوکر اقتداء کی رہی حدیث مذکور سو بخاری نے تصریح کی ہے کہ یہ منسوخ ہے اور اشارہ کرنیوالا اپنے جیسے اشارہ کرنیوالے کے پیچھے پڑھ سکتا ہے کیونکہ اس صورت میں دونوں کی حالت برابر ہے۔ اور صحت اقتداء کے لئے حالت کی برابری ہی معتبر ہے اور نفل پڑھنے والا فرض پڑنے والے کی اقتداء کرسکتا ہے کیونکہ امام کی حالت مقتدی کی حالت سے قوی ہے۔

قوله وان طهر الخ اگر نماز پڑھ لینے کے بعد امام کا حالت حدث میں نماز پڑھانا معلوم ہو تو نماز کا اعادہ ضروری ہے اور اگر اقتداء سے پہلے معلوم ہوجائے تو بالاجماع اقتداء کرنا جائز نہیں۔ پہلی صورت میں امام شافعی کا اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ مقتدی کی نماز صحیح ہے۔ کیونکہ ان کے یہاں ہر ایک کی نماز علیحدہ ہے ہماری دلیل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ امام مقتدیوں کی نماز کا ضامن ہے (ابوداؤد، ترمذی عن ابی ہریرہ) اس حدیث سے صاف معلوم ہورہا ہے کہ امام قوم کی نمازوں کا صرف صحت وفساد کے اعتبار سے ذمہ دار ہے اور جب آدمی محدث اور جنبی ہو تو اسکی نماز بالاجماع باطل ہے لہذا امام جن کی نمازوں کا ضامن تھا انکی نمازیں بھی فاسد ہونگی۔ واما الحدیث ''واذا فسدت صلوة الامام فسدت صلوة من خلفه'' فغریب۔

قوله وان اقتدی الخ اگر امام امی ہو اور اسکے پیچھے کچھ لوگ قاری ہوں اور کچھ امی ہوں تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک ان سب کی نماز فاسد ہے صاحبین کے نزدیک امیوں کی نماز ہوجائیگی کیونکہ معذور کے پیچھے معذور کی نماز جائز ہے۔ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ امی نے باوجود قدرت قرأت کے فرض قرأت کو ترک کیا ہے کیونکہ اس کے لئے وسعت تھی کہ وہ خود امام نہ بنتا بلکہ قاری کو امام بناتا۔ لہذا امام کی نماز فاسد ہے اور جب امام کی نماز فاسد ہوگئی تو سب کی فاسد ہوگئی۔ نیز اگر امام نے اولیین میں قرأت کی اور کسی عذر سے آخریین میں امی کو خلیفہ بنادیا تو سب کی نماز فاسد ہوجائیگی۔ امام زفر کے نزدیک فاسد نہ ہوگی۔ کیونکہ فرض قرأت ادا ہوچکی ہے۔ اور اخریین میں قرأت نہ فرض ہے نہ واجب بلکہ مسنون ہے لہذا امی وقاری دونوں برابر ہیں ہماری دلیل یہ ہے کہ ہر رکعت حقیقۃً نماز ہے اس لئے کوئی رکعت قرأت سے خالی نہیں ہونی چاہئے۔ خواہ قرأت تحقیقاً ہو یا تقدیراً۔ چنانچہ اولیین میں قرأت تحقیقاً ہے اور اخریین میں تقدیراً۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

بَابُ الْحَدَثِ فِی الصَّلٰوۃِ

باب نماز میں بے وضو ہو جانے کے بیانِ میں

مَنْ سَبَقَهُ حَدَثٌ تَوَضَّأَ وَبَنٰى اَوِسْتَخْلَفَ لَوْكَانَ اِمَامًا كَمَا لَوْ حَصَرَ عَنِ الْقِرَآءَ ةِ

جس شخص کا وضو (نماز میں) ٹوٹ جائے وہ وضو کر کے بنا کر لے اور خلیفہ بنا دے اگر امام ہو جیسے اگر وہ قرأت سے عاجز ہو جائے (تو اس کو چاہئے کہ خلیفہ کر دے)

تشریح الفقہ : قولہ باب الحدث الخ حدث مزیل طہارت ایک وصف شرعی ہے جو اعضاء میں سرایت کر جاتا ہے (غایۃ البیان) اور جب تک کسی مزیل نجاست کو استعمال نہ کیا جائے اعضاء کیساتھ قائم رہتا ہے اور جن چیزوں کے لئے طہارت شرط ہے ان کی ادائیگی سے مانع ہوتا ہے ظاہر ہے کہ حدث ان عوارض میں سے ہے جو ہر حال میں مفسد صلوٰۃ نہیں بلکہ کبھی مفسد ہوتا ہے اور کبھی غیر مفسد اس لئے مصنف نے اسکی بحث کو مفسدات صلوٰۃ کی بحث پر مقدم کیا ہے حدث کی صورت میں از سر نو نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں بلکہ نماز میں جس جگہ وضو ٹوٹ جائے وضو کے بعد وہیں سے شروع کر سکتا ہے۔ جس کو شریعت کی زبان میں بنا کہتے ہیں مگر اس کی صحت کے لئے تیرہ شرطیں ہیں۔ حدث سماوی ہو یعنی حدث اور سبب حدث میں بندہ کو اختیار نہ ہو۔ اگر حدث اختیاری ہو تو بنا درست نہ ہوگی۔ (۲) نمازی کے بدن سے ہو۔ اگر خارج سے مانع صلوۃ نجاست لگ جائے تو بنا نہیں کر سکتا۔ (۳) موجب غسل نہ ہو۔ (۴) نادر الوقوع نہ ہو، اگر کھلکھلا کر ہنسا یا بے ہوش ہو گیا تو بنا روا نہیں، (۵) بحالت حدث رکن کامل کی ادائیگی نہ ہو۔ اگر سجدہ میں حدث ہوا اور اس نے بقصد ادا سر اٹھایا تو نماز از سر نو پڑھنا پڑیگی۔ (۶) آمد و رفت کی حالت میں کوئی رکن ادا نہ کیا ہو، اگر وضو کرنے کے لئے گیا اور واپسی میں قرأت کرتا ہوا آیا تو بنا نہ ہو سکے گی۔ (۷) کسی مخالف نماز فعل کا وقوع نہ ہوا گر درمیان میں کھا لیا پی لیا یا کسی سے بات کر لی تو بنا جائز نہ ہوگی۔ (۸) کوئی ایسا فعل نہ کیا ہو جسے نہ کرنے کی نمازی کو گنجائش ہو، اگر پانی پاس ہوا اور وہ اس کو چھوڑ کر دور چلا جائے تو بنا درست نہ ہوگی۔ (۹) بلا عذر تاخیر نہ ہو۔ اگر از دحام نہ ہونیکے باوجود ادائیگی رکن کی مقدار توقف کیا تو نماز فاسد ہو جائیگی۔ (۱۰) حدث سابق کا ظہور نہ ہو اگر موزے پر مسح کی مدت گذر گئی تو بنا جائز نہ ہوگی۔ (۱۱) صاحب ترتیب کو کوئی فائتہ نماز یاد نہ آئے کیونکہ ترتیب والے کے لئے فائتہ نماز کا یاد آ جانا مفسدِ صلوٰۃ ہے۔ (۱۲) مقتدی کا اپنی جگہ کے علاوہ دوسری جگہ نماز کو پورا نہ کرنا۔ اگر مقتدی نے وضو کیا تو اسکو چاہئے کہ اسی جگہ آئے جہاں نماز پڑھ رہا تھا الا یہ کہ امام نماز سے فارغ ہو چکا ہو البتہ منفرد کو اختیار ہے چاہے پہلی جگہ آئے چاہے وضو کی جگہ تمام کرے۔ (۱۳) امام کا ایسے شخص کو خلیفہ نہ بنانا جو لائق امامت نہ ہو۔ اگر عورت کو یا نابالغ کو خلیفہ بنا دیا تو سب کی نماز فاسد ہو جائیگی۔

قولہ من سبقہ الخ اگر کسی شخص کو نماز میں حدث لاحق ہو جائے تو اسے چاہئے کہ وضو کرے اور جہاں تک نماز ہو چکی تھی وہیں سے شروع کر کے پوری کرلے اور اگر امام ہو تو کسی کو اپنا خلیفہ بنا دے۔ نیز قرأت سے عاجز ہو جانے والے کا بھی یہی حکم ہے۔ امام شافعیؒ کے یہاں بمقتضائے قیاس بناء جائز نہیں۔ کیونکہ حدث منافی نماز ہے۔ نیز وضو کے لئے جانا قبلہ سے منحرف ہونا دونوں مفسد صلوٰۃ ہیں پس یہ حدث عمد کے مشابہ ہو گیا، نقلی دلیل حضور کا ارشاد ہے کہ "جب تم میں سے کسی کی ہوا خارج ہو جائے تو اسے چاہئے کہ لوٹ جائے اور وضو کر کے نماز کا اعادہ کرے۔ نیز حضرت ابن عباس سے مرفوعاً ثابت ہے کہ "جب تم میں سے کسی کو نکسیر آئے تو اسے چاہئے کہ لوٹ جائے۔ خون کو دھوئے، وضو کرے اور پھر از سر نو نماز پڑھے" ہماری دلیل حضور کا ارشاد ہے کہ "جس شخص کو قے ہوئی یا نکسیر چھوٹی یا مذی نکل آئی تو وہ لوٹ جائے اور وضو کر کے اپنی نماز پڑھے۔ جب تک کہ کلام نہ کیا ہو"۔ رہا امام شافعی کا استدلال سو اول تو پہلی حدیث میں اسکی تصریح نہیں کہ جب نماز کی طرف لوٹے تو بنا کرے یا نہ کرے دوم یہ کہ ابن قطان نے کہا ہے کہ علی بن طلق کی حدیث صحت کو نہیں پہنچی۔ کیونکہ اس میں مسلم بن مسلم ابو عبد الملک مجہول ہے رہی دوسری حدیث سو اسکی اسناد میں سلیمان بن ارقم راوی کو بخاری، احمد، ابو داؤد، نسائی وغیرہ نے متروک کہا ہے۔

وَاِنْ خَرَجَ مِنَ الْمَسْجِدِ بِظَنِّ الْحَدَثِ اَوْ جُنَّ اَوِاحْتَلَمَ اَوْ اُغْمِيَ عَلَيْهِ اِسْتَقْبَلَ وَاِنْ سَبَقَه حَدَثٌ بَعْدَالتَّشَهُّدِ تَوَضَّأَ
اور اگر مسجد سے باہر ہوگیا بے وضو ہوجانے کے خیال سے یا دیوانہ ہوگیا یا بیہوش ہوگیا تو از سرنو پڑھے اور اگر حدث پیش آ گیا تشہد کے بعد تو وضو کرے

وَسَلَّمَ وَاسْتَخْلَفَ لَوْ اِمَامًا وَاِنْ تَعَمَّدَهٗ اَوْ تَكَلَّمَ تَمَّتْ صَلٰوتُهٗ وَبَطَلَتْ. اِنْ رَاٰى مُتَيَمِّمٌ مَآءً اَوْ تَمَّتْ مُدَّةُ مَسْحِه
اور سلام پھیردے اور اگر قصداً کیا یا بات کی تو اس کی نماز پوری ہوگئی اور باطل ہوجائیگی اگر دیکھ لے تیمم والا پانی یا پوری ہوجائے مسح کی مدت

اَوْ نَزَعَ خُفَّيْهِ بِعَمَلٍ يَسِيْرٍ اَوْ تَعَلَّمَ اُمِّيٌّ سُوْرَةً اَوْ وَجَدَ عَارٍ ثَوْبًا اَوْ قَدَرَ مُوْمٍ بِرُكُوْعٍ وَسُجُوْدٍ اَوْ تَذَكَّرَ فَائِتَةً
یا نکال دے موزے تھوڑے عمل سے یا سیکھ لے ان پڑھ کوئی سورت یا پالے ننگا کپڑا یا قادر ہوجائے رکوع سجدہ پر اشارہ کنندہ یا یاد آ جائے قضاء نماز

اَوِسْتَخْلَفَ اُمِّيًّا اَوْ طَلَعَتِ الشَّمْسُ فِي الْفَجْرِ اَوْ دَخَلَ وَقْتُ الْعَصْرِ فِي الْجُمُعَةِ
یا خلیفہ بنادے ان پڑھ کو یا آفتاب طلوع ہوجائے فجر کی نماز میں یا داخل ہوجائے عصر کا وقت جمعہ کی نماز میں

اَوْ سَقَطَتْ جَبِيْرَتُه عَنْ بُرْءٍ اَوْ زَالَ عُذْرُ الْمَعْذُوْرِ
یا لکڑی گرجائے زخم اچھا ہونیکے باعث یا زائل ہوجائے معذور کا عذر

توضیح اللغۃ: قوله وان خرج الخ اگر کوئی شخص بگمان وقوع حدث مسجد سے نکل گیا پھر معلوم ہوا کہ حدث نہیں ہوا تھا تو وہ ازسرنو نماز پڑھے اور اگر مسجد سے باہر نہ نکلا ہوتو بناء کرلے، امام محمد بمقتضائے قیاس یہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں بھی ازسرنو پڑھے کیونکہ بلا عذر قبلہ سے انحراف پایا گیا وجہ استحسان یہ ہے کہ اس کا قبلہ سے پھرنا بغرض اصلاح نماز تھا پس قصد اصلاح کو اصلاح کیساتھ لاحق کردیا گیا۔ اگر نماز میں جنون طاری ہوگیا یا احتلام ہوگیا یا بے ہوشی طاری ہوگئی تب بھی ازسرِنو پڑھے کیونکہ یہ احداث نادرالوقوع ہیں لہذا ان عوارض کے معنی میں نہ ہوئے جن میں نص وارد ہے۔

قوله وان سبقه الخ اگر تشہد کے بعد حدث لاحق ہوتو وضو کرکے آ کر سلام پھیر دے کیونکہ اسکے فرائض گو پورے ہوگئے مگر ایک واجب یعنی سلام پھیرنا باقی ہے اس واسطے کہ بلا طہارت نماز کی تحلیل نہیں ہوتی اور اگر تشہد کے بعد قصداً حدث کلام یا منافی نماز کوئی اور کام کیا ہوتو نماز پوری ہوگئی کیونکہ عمدی فعل سے تحلیل ہوگئی۔ ظاہر حدیث ابن مسعود ''اذاقلت هذا اه'' کا اقتضاء یہی ہے۔

قوله وبطلت الخ یہاں سے مسائل اثناعشر کا بیان ہے جن میں بقدر تشہد بیٹھنے کے بعد حدث پیش آنے سے امام صاحب کے نزدیک نماز باطل ہوجاتی ہے صاحبین کے نزدیک باطل نہیں ہوتی۔ (۱) متیمم نے پانی دیکھ لیا (مراد اسکے استعمال پر قادر ہوگیا) (۲) موزے پر مسح کی مدت پوری ہوگئی۔ (۳) موزے بعمل قلیل نکال لئے۔ (۴) امی نے بقدر مایجوز بہ الصلوۃ قرآن سے سیکھ لیا۔ (۵) ننگے نے ساتر ستر کوئی چیز پالی۔ (۶) اشارہ سے نماز پڑھنے والا رکوع سجدہ پر قادر ہوگیا۔ (۷) صاحب ترتیب کو قضا نماز یاد آ گئی۔ (۸) امام نے کسی امی کو خلیفہ بنادیا۔ (۹) فجر کی نماز میں آفتاب طلوع ہوگیا۔ (۱۰) جمعہ کی نماز میں عصر کا وقت داخل ہوگیا۔ (۱۱) زخم اچھا ہونے پر پٹی گرگئی۔ (۱۲) معذور کا عذر جاتا رہا۔ ان تمام صورتوں میں امام صاحب کے نزدیک نماز باطل ہوجائیگی کیونکہ یہ افعال اثناء نماز میں واقع ہوئے ہیں۔ جو مفسد ہیں اس لئے کہ ابھی ایک واجب یعنی سلام باقی ہے جو آخر نماز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر مسافر دو رکعت کے قعدہ اخیرہ کے بعد اقامت کی نیت کرلے تو اس کا فرض متغیر ہوجاتا ہے ابوسعید بردعی کا خروج بصنعہ کو اصل قرار دینا صحیح نہیں، صاحبین کے نزدیک قعدہ اخیرہ کے بعد ان کا پیش آنا گویا سلام کے بعد پیش آنا ہے اس لئے مفسد نہیں۔

ل...... متون میں یہی مذکور ہے فخر الاسلام نے اختیار کیا ہے کہ بالا جماع نماز فاسد نہیں۔ کافی میں لکھا ہے کہ یہی اصح ہے اور کشف الغوامض و مبسوط میں بھی عدم فساد مذکور ہے ۱۲۔

وَصَحَّ اسْتِخْلَافُ الْمَسْبُوْقِ فَلَوْ اَتَمَّ صَلٰوةَ الْاِمَامِ قَدَّمَ مُدْرِكًا لِيُسَلِّمَ بِهِمْ وَتَفْسُدُ بِالْمُنَافِيْ صَلٰوتُهٗ

اور صحیح ہے نائب بنانا مسبوق کو پس اگر پوری کرادی امام کی نماز تو آگے کردے کسی مدرک کو تاکہ سلام پھیرے اور فاسد ہوجائیگی منافی صلوٰۃ سے اسکی نماز

دُوْنَ الْقَوْمِ كَمَا تَفْسُدُ بِقَهْقَهَةِ اِمَامِهٖ اِخْتِتَامِهٖ لَابِخُرُوْجِهٖ مِنَ الْمَسْجِدِ وَكَلَامِهٖ

نہ کہ قوم کی جیسا کہ فاسد ہوجاتی ہے اسکے امام کے قہقہہ سے نماز تمام ہونیکے وقت نہ کہ امام کے مسجد سے نکل جانے اور بات کرنے سے

وَلَوْاَحْدَثَ فِيْ رُكُوْعِهٖ اَوْسُجُوْدِهٖ تَوَضَّأَ وَبَنٰى وَاَعَادَهُمَا وَلَوْذَكَرَ رَاكِعًا اَوْسَاجِدًا سَجْدَةً فَسَجَدَهَا

اور اگر بے وضو ہوگیا رکوع میں یا سجدہ میں تو وضو کر کے بنا کرے اور رکوع سجدہ کو بھی لوٹائے اور اگر رکوع یا سجدہ میں سجدہ یاد آیا اور سجدہ کرلیا

لَمْ يُعِدْهُمَا وَتَعَيَّنَ الْمَامُوْمُ الْوَاحِدُ لِلْاِسْتِخْلَافِ بِلَانِيَّةٍ

تو ان کو نہ لوٹائے اور متعین ہوجاتا ہے ایک مقتدی نائب ہونے کے لئے بدون نیت کے۔

تشریح الفقہ: قولہ وصح الخ مسبوق جس کی ایک یا ایک سے زائد رکعت چھوٹ گئی ہو وہ آکر امام کے ساتھ شریک ہوا پھر اتفاق سے امام کو کوئی حدث لاحق ہوگیا تو ایسی صورت میں کسی مدرک کو خلیفہ بنانا چاہیئے مسبوق کو خلیفہ بنانا خلاف اولیٰ ہے کیونکہ یہ امام کی نماز پوری کرنے کے بعد خود سلام نہیں پھیر سکتا ہے لامحالہ پھر کسی مدرک کو آگے کرنا پڑیگا لیکن اگر مسبوق کو خلیفہ بنا ہی دیا جائے تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ صحتِ خلافت کے لئے مشارکت ہونی چاہئے اور یہاں تحریمہ میں باہم مشارکت موجود ہے اب اگر ایسا ہوا کہ مسبوق خلیفہ نے امام کی نماز مکمل کرنے کے بعد کوئی منافی نماز فعل کیا تو مسبوق مذکور کی اور مقتدیوں میں جو لوگ مسبوق ہوں ان سب کی نماز فاسد ہوجائیگی البتہ مقتدیوں میں جو لوگ مدرک ہیں جنہوں نے شروع سے آخر تک پوری نماز پائی ہے انکے حق میں چونکہ یہ منافی نماز فعل تکمیل ارکان کے بعد پایا گیا ہے۔ اس لئے ان کی نماز فاسد نہیں ہوگی اور یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے یہ صورت امام اول کو پیش آجائے مثلاً اس نے شروع سے قعدہ اخیرہ تک نماز پوری کرنے کے بعد خروج مسجد یا کلام کئے بغیر قہقہہ لگایا تو ان تمام مقتدیوں کی نماز فاسد ہوجائیگی جو شروع سے نماز میں شریک نہیں رہے لیکن خود امام کی اور ان لوگوں کی نماز فاسد نہ ہوگی جو شروع سے نماز میں شریک رہے ہوں۔

قولہ ولو احدث الخ اگر کسی کو رکوع یا سجدہ میں حدث لاحق ہوجائے تو وضو کر کے بنا کرلے اور جس رکوع یا سجدہ میں حدث لاحق ہوا ہے اس کا اعادہ کرے کیونکہ یہ رکن طہارت کیساتھ مکمل ادا نہیں ہوا۔ اور اگر رکوع یا سجدہ میں یاد آیا کہ اس پر کوئی سجدہ ہے خواہ سجدۂ تلاوت ہو یا سجدہ نماز اور اس نے رکوع یا سجدہ سے سر اٹھا کر چھوٹے ہوئے سجدہ کی قضاء کی تو ان دونوں صورتوں میں اس رکوع یا سجدہ کو نہ لوٹائے۔ کیونکہ نماز کے افعال مشروعہ مکررہ میں ترتیب شرط نہیں البتہ طہارت کیساتھ منتقل ہونا ضروری ہے اور وہ یہاں پایا گیا ہاں امام ابو یوسف کے نزدیک رکوع کا اعادہ لازم ہے کیونکہ ان کے نزدیک قومہ یعنی رکوع سے سر اٹھانا فرض عملی ہے سوال مصنف نے اپنی کتاب ''وافی'' میں سجدہ تلاوت یا سجدہ قضاء والی صورت میں بھی یہی کہا ہے کہ جس رکوع یا سجدہ میں یاد آیا ہے اس کو لوٹائے جواب: بہتر تو یہی ہے کہ لوٹا لے تاکہ حتی الامکان تمام افعال مرتب واقع ہوجائیں لیکن لوٹانا ضروری نہیں پس یہاں اصلیت کا بیان ہے اور وافی میں افضلیت کا بیان ہے۔

۱؎ اوالم یتعرض لصلوٰۃ الامام المحدث لان فیہ اختلافاً والصحیح انہ ان کان فرغ لاتفسد صلوٰۃ، وان لم یفرغ تفسد صلوٰۃ لانہ صار ماموماً بالخلیفۃ بعد الخروج من المسجد ۱۲ بحر الرائق

۲؎ ای اذا کان خلف الامام شخص واحد فاحدث الامام تعین ذلک الواحد للامامۃ عینہ الامام بالنیۃ اولم یعینہ لما فیہ من صیانۃ الصلوٰۃ وتعیین الاول تقطع المزاحمۃ ولامزاحم وصار الامام موتماً اذا خرج من المسجد ۱۲

بَابُ مَایُفْسِدُ الصَّلٰوۃَ وَمَا یُکْرَہُ فِیْھَا

باب مفسدات ومکروہات نماز کے بیان میں

یُفْسِدُ الصَّلٰوۃَ التَّکَلُّمُ وَالدُّعَآءُ بِمَا یَشْبَہُ کَلَامَنَا وَالْاَنِیْنُ وَالتَّاَوُّہُ وَارْتِفَاعُ بُکَآئِہٖ مِنْ وَجْعٍ اَوْ مُصِیْبَۃٍ

فاسد کردیتا ہے نماز کو بات کرنا اور ایسی دعا کرنا جو ہمارے کلام کے مشابہ ہو اور کراہنا اور اوہ اوہ کرنا اور آواز سے رونا درد یا مصیبت کی وجہ سے

اِلَّا مِنْ ذِکْرِ جَنَّۃٍ اَوْنَارٍ وَالتَّنَحْنُحُ بِلَاعُذْرٍ وَجَوَابُ عَاطِسٍ بِیَرْحَمُکَ اللّٰہُ

نہ کہ جنت یا دوزخ کو یاد کرکے رونا اور بلاعذر کھنکھارنا اور چھینکنے والے کو یرحمک اللہ کیساتھ جواب دینا۔

توضیح اللغۃ: انین کراہنا۔ تاوّہ اوہ اوہ کرنا، بکاء رونا، وجع درد، تنحنح کھنکھارنا، عاطس چھینکنے والا۔

قولہ باب مایفسد الخ عوارض واعذار دو قسم کے ہوتے ہیں سماوی واضطراری اور اکتسابی واختیاری، قسم اول کا بیان باب سابق میں ہو چکا۔ ثانی کی دو قسمیں ہیں۔ مفسدات وغیر مفسدات، اول کی پھر دو قسمیں ہیں قولی وفعلی اس باب میں عوارض اختیاریہ کو بیان کیا جائیگا۔

قولہ مایفسد الصلوۃ الخ نماز میں کلام کرنا مفسد صلوۃ ہے خواہ کلام کم ہو یا زائد عمداً ہو یا خطاءً سہواً ہو یا نسیاناً، مجبوراً ہو یا اختیاراً مصلحۃً ہو یا بلا مصلحت امام شافعی کے یہاں کچھ تفصیل ہے جس کو نووی نے شرح مہذب میں ذکر کیا ہے کہ اگر کلام عمداً اور بلا مصلحت ہو تو بالاجماع نماز فاسد ہے اور اگر نماز کی مصلحت کیلئے ہو مثلاً پانچویں رکعت کے لئے اٹھتے وقت امام سے کہا کہ چار ہو چکیں تو یہ بھی مفسد ہے یہی جمہور فقہا کا مذہب ہے۔ اور اگر زبردستی مجبور کئے جانے پر بولا تو امام شافعی کے نزدیک اصح یہ ہے کہ مفسد ہے اور بھول چوک سے بولنا ان کے نزدیک مفسد نہیں الا یہ کہ طویل ہو، دلیل حضورؐ کا ارشاد ہے کہ "اللہ نے میری امت سے خطاونسیان اور اس چیز کو اٹھالیا جس پر ان کو مجبور کیا جائے۔ احناف کی دلیل حضور کا یہ اشاد ہے کہ ہماری نماز ایسی ہے کہ اس میں کلام وغیرہ کرنا زیبا نہیں یہ تو محض تسبیح وتہلیل، قرأت قرآن ہے امام مسلم نے یہ حدیث نسخ کلام کے باب میں معاویہ بن حکم سلمی سے طول کیساتھ روایت کی ہے حضرت زید بن ارقم وابن مسعود کی روایات میں تصریح ہے کہ "پہلے لوگ نماز میں بات چیت کرلیا کرتے تھے بعد میں اسکی ممانعت ہوگئی رہا امام شافعی کا استدلال سو اول تو اسکی صحت میں محدثین کو کلام ہے ابن عدی کہتے ہیں کہ یہ حدیث منکرات جعفر بن جبیر میں سے ہے ابن ماجہ طبرانی ابونعیم نے کہا ہے کہ یہ غریب ہے ابوحاتم فرماتے ہیں کہ گویا یہ موضوع ہے عقیلی کہتے ہیں کہ یہ بات بالکل موضوع ہے بتقدیر صحت وثبوت ہماری حدیث اصح واعلی اور صریح مانع ہے جس کا مقابلہ امام شافعی والی حدیث نہیں کرسکتی۔ اور اگر مساوات ہی تسلیم کرلیں تب بھی امام شافعی کا مدعا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ "ان اللہ وضع اہ" میں وضع سے مراد گناہ دور کرنا ہے یعنی بھول چوک اور استکراہ پر گناہ اٹھادیا نہ یہ کہ امت سے بھول چوک اور اکراہ کو دور کردیا۔ کہ نہ کوئی بھولے گا نہ کسی پر زبردستی ہوگی کیونکہ حضور کا نماز میں بھولنا ثابت ہے معلوم ہوا کہ لفظ سے حقیقت مراد نہیں حکم اور وہ بھی اخروی مراد ہے ورنہ ظاہر ہے کہ اگر کسی نے دوسرے کو خطاءً قتل کردیا تو نص قرآنی سے اسپر دیت وکفارہ واجب ہے اور اگر بھولے سے نماز کا کوئی رکن چھوڑ دیا تو بالاجماع نماز فاسد ہے، نشانہ پر تیر لگا رہا تھا چوک کر کسی کے لگ گیا تو گو گناہ نہیں لیکن دیت وکفارہ واجب ہے، امام مالک کے نزدیک کلام مصلحت مفسد نہیں اور نسیان وجہل ملحق بعمد ہیں امام احمد سے ایک روایت یہ ہے کہ کلام مصلحت مفسد نہیں دوسری روایت یہ ہے کہ مفسد ہے خلال نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

عہ ... ابن ماجہ، ابن حبان، حاکم عن ابن عباس ۱۲

وَفَتْحُهُ	عَلیٰ	غَیْرِ	اِمَامِهٖ	وَالْجَوَابُ	بِلاَ	اِلٰهَ	اِلَّا	اللّٰهُ	وَرَدُّهٗ
اور اپنے	امام	کے سوا دوسرے کو	لقمہ دینا	اور جواب	میں لاالٰہ	الا	اللہ	کہنا یا	اس کا جواب دینا۔

تشریح الفقہ: قولہ وفتحہ الخ اور نمازی کا اپنے امام کے علاوہ کو لقمہ دینا بھی مفسد ہے مثلاً ایک شخص قرآن پڑھ رہا تھا وہ کہیں اٹک گیا قریب میں کوئی نماز پڑھ رہا تھا اس سے اس نے لقمہ چاہا نمازی نے بحالت نماز اس کو لقمہ دیدیا تو نماز فاسد ہوگئی کیونکہ یہ تو ایک قسم کا سیکھنا سکھانا ہوا لہذا یہ کلام ناس میں شمار ہوگا۔ پھر مبسوط میں اس فعل کے مکرر ہونے کی شرط ہے۔ کیونکہ یہ فعل نماز کے افعال میں سے نہیں ہے اس لئے قلیل معاف ہوگا۔ اور جامع صغیر میں یہ شرط نہیں کیونکہ کلام تو بذات خود مفسد ہے اگرچہ قلیل ہو۔

فائدہ:

اپنے امام کو لقمہ دینے کا کلام سے شمار نہ ہونا مبنی بر استحسان ہے رُوئے قیاس یہ بھی کلام ہونا چاہئے لیکن قیاس کو اس لئے ترک کر دیا گیا کہ مقتدی اپنی نماز کی اصلاح پر مجبور ہے اس لئے یہ لقمہ دینا معنی اسکی نماز کے افعال میں سے ہوگیا اور عمل نماز مفسد نہیں اسکی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ ”رسول اللہ صلی علیہ وسلم ایک نماز میں تھے آپ پر قرأت کا التباس ہوا فراغت کے بعد حضرت کعب سے فرمایا: تو ہمارے ساتھ حاضر تھا؟ عرض کیا: ہاں! آپ نے فرمایا: پھر تو نے لقمہ کیوں نہیں دیا“ (ابوداؤد) حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اماموں کو لقمہ دیتے تھے (حاکم) حضرت علی فرماتے ہیں کہ جب امام تجھ سے لقمہ چاہے تو تو اس کو لقمہ دیدے۔ حضرت نافع فرماتے ہیں کہ میں نے ابن عمر کو لقمہ دیا تو انہوں نے لقمہ لے لیا، صحیح میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی آیت چھوٹ گئی فراغت کے بعد آپ نے لقمہ نہ دینے پر تنبیہ فرمائی۔

تنبیہ:

مقتدی کو چاہئے کہ امام کے بھولتے ہی فوراً لقمہ نہ دے بلکہ انتظار کرے ممکن ہے کہ امام کو یاد آئے، امام کو بھی چاہئے کہ مقتدی کو لقمہ دینے پر مجبور نہ کرے۔ مثلاً یہ کہ بھولنے کے بعد بار بار پڑھتا رہے یا خاموش کھڑا ہو جائے کیونکہ یہ مکروہ ہے اسکو چاہئے کہ اگر وہ مایجوز بہ الصلوٰۃ قرأت کر چکا ہو تو رکوع کر دے۔ اور مقدار جواز امام اعظم کے نزدیک ایک آیت اور صاحبین کے نزدیک تین آیتیں ہیں یہی مفتی بہ ہے بعض روایات میں قرأت استحباب کا اعتبار ہے اور اگر اتنی مقدار نہ ہوئی ہو تو جس آیت پر اٹکا ہے اس کو چھوڑ کر دوسری آیت سے شروع کر دے۔ بہرحال مقتدی کو لقمہ دینے پر مجبور نہ کرے۔ مصنف نے کافی میں اسی کو اختیار کیا ہے۔

قولہ والجواب الخ کسی نے دریافت کیا اللہ کے علاوہ کوئی اور بھی معبود ہے؟ نمازی نے جواب میں کہا: لا الہ الا اللہ پس اگر ان کلمات سے جواب کا ارادہ نہیں کیا بلکہ حمد یا اپنے نماز میں ہونے کا اظہار کیا تو یہ بالاتفاق مفسد نماز ہے اور اگر جواب کا ارادہ کیا تو یہ کلام ہوگیا اور کلام مفسد نماز ہے یہ حکم طرفین کے نزدیک ہے۔ امام ابو یوسف اور امام شافعی کے نزدیک یہ کلام مفسد نماز نہیں۔ کیونکہ لا الہ الا اللہ اپنی وضع کے لحاظ سے ثناء وصفت ہے لہذا یہ اپنی اصل وضع پر رہے گا۔ اور نمازی کے ارادہ سے ثناء وصفت کے معنی متغیر نہ ہونگے۔ طرفین یہ فرماتے ہیں کہ لا الہ الا اللہ بے شک کلمہ ثناء ہے لیکن اگر کوئی توحید کے متعلق دریافت کرے تو اس کا جواب بھی ہے پس یہ ان دونوں میں مشترک ہوا اور مشترک کے کسی ایک معنی کو کسی قرینہ کے ذریعہ مقرر کرنا ضروری ہے اس لئے اسکے قصد کو مرجح جواب مان کر کلمہ کو جواب قرار دیا جائیگا لہذا یہ کلام صرف جواب ہوا اور سوال وجواب مفسد نماز ہے سوال روایت میں ہے کہ حضرت ابن مسعود نے اندر آنے کی اجازت چاہی حضور صلعم نماز میں تھے تو آپنے ”ادخلوھا بسلام اٰمنین“ پڑھا جواب ممکن ہے۔ حضرتؐ اس آیت پر پہنچے ہوں تو آپ نے زور سے پڑھ دی تا کہ آپکا نماز میں ہونا ظاہر ہو جائے مگر یہ اس وقت ہے جب حدیث مذکور صحیح ہو ورنہ جواب کی کوئی حاجت نہیں۔ (قالہ شمس الائمۃ السرخسی)

وَافْتِتَاحُ الْعَصرِ اَوِ التَّطوُّعِ لاَالظُّھرِ بَعْدَ رَکْعَۃِ الظُّھرِ وَقِرَآءَتُہٗ مِنْ مُّصْحَفٍ وَاَکْلُہٗ وَشُرْبُہٗ وَلَوْ نَظَرَ اِلیٰ مَکْتُوْبٍ

اور شروع کرنا نماز عصر یا نفل کا نہ کہ خود ظہر کا رکعت ظہر کے بعد اور نمازی کا قرآن دیکھ کر پڑھنا اور اس کا کھانا پینا اور اگر کسی لکھی ہوئی چیز کو دیکھ کر سمجھ گیا

وَفَھِمَہٗ اَوْ اَکَلَ مَا بَیْنَ اَسْنَانِہٖ اَوْمَرَّ مَارٌّ فِیْ مَوْضَعِ سُجُوْدِہٖ لاَ تَفْسُدُ وَاِنْ اَثِمَ

یا دانتوں کے درمیان اٹکی ہوئی کوئی چیز کھائی یا کوئی اس کی سجدہ گاہ میں گذر گیا تو نماز فاسد نہ ہوگی اگرچہ گذرنے والا گنہ گار ہوگا

وَکُرِہَ عَبْثُہٗ بِثَوْبِہٖ اَوْبَدَنِہٖ وَقَلْبُ الْحَصیٰ اِلاَّ لِسُّجُوْدِ مَرَّۃً وَفُرْقَعَۃُ الْاَصَابِعِ وَالتَّخَصُّرُ وَالْاِلْتِفَاتُ

اور مکروہ ہے نمازی کا اپنے بدن اور کپڑے سے کھیلنا اور کنکریاں ہٹانا مگر سجدہ کے لئے ایک بار اور انگلیاں چٹخانا کوکھے پر ہاتھ رکھنا اور ادھر ادھر دیکھنا

وَالْاِقْعَآءُ وَافْتِرَاشُ ذِرَاعَیْہِ وَرَدُّالسَّلاَمِ بِیَدِہٖ وَالتَّرَبُّعُ بِلاَ عُذْرٍ وَعَقْصُ شَعْرِہٖ وَلَفُّ ثَوْبِہٖ

کتے کی طرح بیٹھنا کہنیوں کو بچھانا ہاتھ سے سلام کا جواب دینا بلاعذر پالتی مار کر بیٹھنا بالوں کو گوندھنا کپڑے کو زمین پر گرنے سے بچانا

وَسَدْلُہٗ وَالتَّثَاؤُبُ وَتَغْمِیضُ عَیْنَیْہِ وَقِیَامُ اِمَامِہٖ فِی الطَّاقِ لاَسُجُوْدُہٗ فِیْہِ

اور اس کو لٹکانا، جمائی لینا، آنکھیں بندکرنا ، امام کا محراب میں کھڑا ہونا نہ کہ اس کا محراب میں سجدہ کرنا

توضیح اللغۃ: اسنان جمع سن دانت، مار گزرنیوالا، اثم گناہ، عبث کھیلنا، حصی کنکریاں، فرقعۃ چٹخانا، تخصر پہلو پر ہاتھ رکھنا اقعاء کتے کی طرح بیٹھنا، ذراع کہنی سے بیچ کی انگلی تک کا حصہ، تربع چہار زانو ہو کر بیٹھنا، عقص بالوں کو گوندھنا، چوٹی بنانا، سدل لٹکانا، تثاؤب جمائی لینا، تغمیض آنکھیں بند کرنا، طاق محراب۔

تشریح الفقہ: قولہ و افتتاح العصر الخ ایک رکعت ظہر پڑھنے کے بعد عصر یا نفل شروع کر دینا بھی مبطل صلوٰۃ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایک شخص ظہر کی نماز پڑھ رہا تھا اور ایک رکعت پڑھ چکا تھا ظہر پڑھتے پڑھتے عصر کی یا نفل کی نیت کر لی اور اب عصر یا نفل پڑھنے لگا۔ تو اس صورت میں ظہر کی نماز ختم ہو جائیگی۔ اور اگر ایک رکعت ظہر پڑھ لینے کے بعد تکبیر تحریمہ کہکر پھر ظہر شروع کرنے کی نیت کی تو ظہر سے خارج نہ ہوگا اور پہلی رکعت جو پڑھ چکا وہ فرض ظہر ہی میں شمار ہوگی۔

قولہ و قراء تہ الخ نمازی کا قرآن میں دیکھ کر قرأت کرنا بھی مفسد صلوٰۃ ہے۔ خواہ نمازی امام ہو یا مقتدی یا منفرد، امام محمد نے ''اصل'' میں اور شیخ ابن حزم نے ''محلی'' میں کہا ہے کہ سعید بن میسب حسن بصری، شعبی، سلمی کا قول اور علماء ظاہریہ کا مذہب یہی ہے۔ پھر جامع صغیر و مختصر قدوری میں یہ تفصیل نہیں کہ تھوڑے اور بہت پڑھنے میں حکم جدا ہے۔ مگر بعض مشائخ نے کہا ہے کہ اگر پوری آیت یا زائد از آیت مصحف سے دیکھ کر پڑھے تو امام اعظم کے نزدیک مفسد ہے ورنہ نہیں اور بعض نے کہا ہے کہ بمقدار فاتحہ مفسد ہے اور اس سے کم غیر مفسد، مگر ظاہر یہ ہے کہ قلیل و کثیر کا امام اعظم کے نزدیک مفسد ہونا اور صاحبین کے نزدیک مفسد نہ ہونا برابر ہے۔ اور اسی لئے مصنف نے یہاں مطلق رکھا ہے اور ''کافی'' میں تصریح کی ہے کہ ہر حال میں مفسد ہے۔ اور یہی صحیح ہے۔ صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ قرأت قرآن خود ایک عبادت ہے جو ایک دوسری عبادت کیساتھ مل گئی ہے نقلی دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کا آزاد کیا ہوا ذکوان نامی غلام ماہ رمضان میں حضرت ام المؤمنین کی امامت کرتا اور مصحف میں دیکھ کر پڑھا کرتا تھا (مگر اس روایت کے لئے ثبوت چاہئے رہا نماز میں قرآن کو اٹھانیکا اشکال سو حضور صلعم نے امامہ بنت ابی العاص کو کندھے پر اٹھایا تھا۔ جب آپ سجدہ کرتے تو اتار دیتے۔ اور جب کھڑے ہوتے تو کندھے پر لے لیتے۔ جب یہ عمل کثیر نہ ہوا تو قرآن اٹھانا بھی عمل کثیر نہ ہوگا۔ امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ مصحف سے پڑھنا گویا اس سے سیکھنا ہے پس یہ ایسے ہی ہوا جیسے کسی دوسرے آدمی سے نماز میں سیکھتا گیا اور یہ بالاتفاق مفسد ہے لہذا مصحف سے دیکھ کر پڑھنا بھی مفسد ہے، امام شافعی واحمد کا قول صاحبین جیسا ہے۔ بلکہ بلا کراہت جائز ہے اور اگر اتفاق سے اس نے نماز میں اوراق بھی لوٹ لئے تب بھی فساد نہیں جیسا کہ نووی نے ذکر کیا ہے۔ (عینی)

وَانْفِرَادُ الْاِمَامِ عَلَى الدُّكَانِ وَعَكْسُهٗ وَلُبْسُ ثَوْبٍ فِيْهِ تَصَاوِيْرُ اَوْيَكُوْنُ فَوْقَ رَأْسِهٖ اَوْبَيْنَ يَدَيْهِ اَوْبِحِذَآئِهٖ صُوْرَةٌ

تنہا امام کا دکان پر کھڑا ہونا اور اس کا عکس ایسا کپڑا پہننا جس میں تصویریں ہوں اور یہ کہ ہو اسکے سر پر یا اس کے سامنے یا اس کے برابر کوئی تصویر

اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ صَغِيْرَةً اَوْمَقْطُوْعَةَ الرَّأْسِ اَوْلِغَيْرِ ذِيْ رُوْحٍ وَعَدُّ الْاٰيِ وَالتَّسْبِيْحِ لَاقَتْلُ الْحَيَّةِ وَالْعَقْرَبِ

الا یہ کہ بہت چھوٹی یا سر کٹی ہوئی یا بے جان کی تصویر ہو آیتوں اور تسبیحوں کو شمار کرنا اور مکروہ نہیں ہے سانپ اور بچھو کو مارنا

والصَّلٰوةُ اِلٰى ظَهْرِ قَاعِدٍ يَّتَحَدَّثُ وَاِلٰى مُصْحَفٍ اَوْسَيْفٍ مُعَلَّقٍ اَوْ شَمْعٍ اَوْ سِرَاجٍ

اور بیٹھے ہوئے باتیں کرنے والے کی پشت کی طرف یا قرآن کی طرف یا لٹکی ہوئی تلوار کی طرف یا شمع یا چراغ کی طرف نماز پڑھنا

اَوْعَلٰى بِسَاطٍ فِيْهِ تَصَاوِيْرُ اِنْ لَّمْ يَسْجُدْ عَلَيْهَا فَصْلٌ كُرِهَ اسْتِقْبَالُ الْقِبْلَةِ بِالْفَرْجِ فِي الْخَلَاءِ

اور ایسے بستر پر نماز پڑھنا جس میں تصویریں ہوں اگر تصویروں پر سجدہ نہ کرے۔(فصل) مکروہ ہے قبلہ کی طرف منہ کرنا بیت الخلاء میں

وَاسْتِدْبَارُهَا وَغَلَقُ بَابِ الْمَسْجِدِ وَالْوَطْئُ فَوْقَهٗ وَالْبَوْلُ وَالتَّخَلِّيْ لَافَوْقَ بَيْتٍ فِيْهِ مَسْجِدٌ

اور اسکی طرف پشت کرنا اور مسجد کا دروازہ مقفل کرنا اور اس کی چھت پر صحبت کرنا اور پیشاب پاخانہ نہ کہ ایسے گھر پر جس کے اندر مسجد ہو

وَلَا نَقْشُهٗ بِالْجِصِّ وَمَآءِ الذَّهَبِ

اور نہ مسجد کو گچ کرنا اور نہ سونے کے پانی سے منقش کرنا۔

توضیح اللغۃ: حذاء مقابل، عد شمار کرنا، آی جمع آیۃ، حیۃ سانپ، عقرب بچھو، سیف تلوار، شمع موم بتی، سراج چراغ، بساط بچھونا، خلاء پاخانہ، استدبار پشت کرنا، غلق بند کرنا، تخلی پاخانہ کرنے کے لئے علیحدہ ہونا، جص چونہ۔

تشریح الفقہ: قولہ کرہ استقبال الخ داخل صلوٰۃ کراہت سے فراغت کے بعد خارج از صلوٰۃ مکروہات کا بیان ہے فرماتے ہیں کہ بول و براز کے وقت قبلہ رخ ہو کر شرمگاہ برہنہ کر کے نجاست خارج کرنا مکروہ تحریمی ہے خواہ مرد ہو یا عورت آبادی میں ہو یا میدان میں اور امام صاحب کے نزدیک قبلہ کی طرف پشت کرنا بھی مکروہ ہے کیونکہ اس میں ترک تعظیم ہے یہی روایت صحیح ہے اور یہی مجاہد و نخعی کا قول ہے دوسری روایت عدم کراہت کی ہے کیونکہ پشت کرنیوالے کی شرمگاہ قبلہ کے مقابل نہیں ہوتی اور جو نجاست نکلتی ہے وہ یا تو زمین کیطرف جاتی ہے یا قبلہ کے دوسرے رخ پر گرتی ہے امام احمد سے مشہور یہ ہے کہ استقبال ہر جگہ منع ہے اور استدبار عمارات میں جائز ہے۔ امام شافعی و شعبی فرماتے ہیں کہ اگر استنجاء کرنیوالے کے درمیان اور قبلہ کے درمیان آڑ ہو تو ہر دو جائز ہیں۔ امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ حضور نے ہر دو سے منع فرمایا ہے" (صحیحین) اور جن روایات میں اس کے خلاف ہے وہ حالت عذر پر محمول ہے۔

قولہ و غلق الخ مسجد کے دروازہ میں تالا ڈالنا اور بند کرنا مکروہ ہے کیونکہ یہ نماز سے روکنے کے مشابہ ہے جو حرام ہے بعض کے نزدیک اگر مال ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو اوقات نماز کے علاوہ تالا لگانے میں کوئی مضائقہ نہیں اور یہی صحیح ہے جس طرح مسجد کے اندرونی حصہ میں بول و براز جماع وغیرہ حرام ہے۔ اسی مسجد کی چھت پر یہ چیزیں ناجائز ہیں۔ کیونکہ مسجد کا اور اسکی چھت کا حکم ایک ہے چنانچہ نیچے والے امام کے پیچھے چھت والوں کی اقتداء صحیح ہے۔ نیز چھت پر چڑھنے سے اعتکاف باطل نہیں ہوتا۔ ہاں اگر مکان میں کوئی جگہ نماز کے لئے مقرر کر رکھی ہو تو اسکی چھت پر ان چیزوں میں کوئی مضائقہ نہیں۔ کیونکہ وہ جگہ حقیقی مسجد نہیں، قبلہ کی دیوار کے علاوہ مسجد کے محراب وغیرہ میں چونے اور سونے کے پانی وغیرہ سے نقش و نگار کرنا مکروہ نہیں۔ ظاہر عبارت میں اس طرف اشارہ ہے کہ نقش کرنیوالے کو نہ ثواب ہوگا نہ گناہ اور احادیث میں ہے کہ مسجدوں کی آرائش قیامت کے آثار میں سے ہے بعض کے نزدیک لہو و لعب میں ڈالنے والا نقش و نگار مکروہ ہے۔

بَابُ الْوِتْرِ وَالنَّوَافِلِ

باب وتر اور نوافل کے بیان میں

اَلْوِتْرُ وَاجِبٌ وَهُوَثَلٰثُ رَكْعَاتٍ بِتَسْلِيْمَةٍ وَاحِدَةٍ وَقَنَتَ فِي الثَّالِثَةِ قَبْلَ الرُّكُوْعِ اَبَدًا بَعْدَ اَنْ كَبَّرَ

وتر واجب ہے جس کی تین رکعتیں ہیں ایک سلام کیساتھ اور دعاء قنوت پڑھے تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے ہمیشہ تکبیر کے بعد

وَقَرَءَ	فِيْ	كُلِّ	رَكْعَةٍ	مِّنْهُ	بِفَاتِحَةٍ	وَّسُوْرَةٍ
اور	ہر رکعت	میں	فاتحہ	اور	سورت	پڑھے

تشریح الفقہ: قولہ باب الوتر الخ وتر لغت میں طاق عدد کو کہتے ہیں۔ ''اوتر ای صلی الوتر (مغرب) اصطلاح شرع میں تین رکعت والی مخصوص نماز کو کہتے ہیں۔'' جو عشاء کے بعد پڑھی جاتی ہے نفل لغۃً زیادتی کو کہتے ہیں جیسے نافلہ بمعنی فرعی اولاد کہ وہ حقیقی اولاد پر زائد ہوتی ہے اور نفل بمعنی غنیمت کہ یہ بھی اصل مال پر زائد ہوتی ہے شرع، میں نفل اس عبادت کو کہتے ہیں جس کے کرنے پر ثواب ہو اور نہ کرنے پر عذاب نہ ہو۔

قولہ الوتر واجب الخ وتر کے متعلق امام صاحب سے تین روایتیں ہیں (۱) فرض ہے، احناف میں سے زفر، مالکیہ میں سے سحنون اصبغ اور ابن العربی کا یہی قول ہے۔ اسی کو ابن بطال نے حضرت ابن مسعودؓ حذیفہ اور ابراہیم نخعی سے حکایت کیا ہے اور یہی سخاوی کے نزدیک مختار ہے۔ (۲) سنت مؤکدہ ہے صاحبین اور اکثر علماء اسی کے قائل ہیں۔ (۳) واجب ہے یہ آپکا آخری قول ہے جس کو محیط میں صحیح، خانیہ میں اصح، مبسوط، میں ظاہر مذہب قرار دیا ہے۔ بعض مشائخ نے ان تینوں قولوں میں یوں تطبیق دی ہے کہ وتر عملاً فرض ہے اعتقاداً واجب اور ثبوتاً سنت جن حضرات نے وتر کو سنت مانا ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ اس میں سنت کی علامتیں پائی جاتی ہیں مثلاً اس کے لئے اذان و اقامت کا نہ ہونا، منکر وتر کی تکفیر نہ ہونا وتر کے واجب ہونے کی دلیل مرفوع روایت ہے کہ ''وتر حق واجب ہے سو جس نے وتر ادا نہیں کیا وہ مجھ سے نہیں ہے'' یہی جملہ آپ نے تین مرتبہ ارشاد فرمایا؛ حاکم نے اس روایت کی تصحیح کی ہے اور کہا ہے کہ ابوالمسیب راوی ثقہ ہے۔ ابن معین وغیرہ نے بھی توثیق کی ہے دوسری دلیل بھی مرفوع روایت ہے کہ ''صبح ہونے سے پہلے وتر پڑھ لو'' اس میں خطاب بصیغہ امر ہے جس کا مقتضی واجب ہے اس لئے اس کی قضاء کا وجوب بالاجماع ثابت ہے۔ تیسری دلیل بھی مرفوع روایت ہے کہ ''وتر ہر مسلمان پر واجب ہے'' چوتھی دلیل بھی مرفوع روایت ہے کہ ''ایک مرتبہ حضور باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک نماز کے ساتھ تمہاری امداد کی ہے جو تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔ سو اس نماز کو تمہارے لئے عشاء و طلوع فجر کے درمیان کر دیا ہے[1]۔

رہا یہ سوال کہ اس کے منکر کی تکفیر نہیں ہوتی سو جواب یہ ہے کہ اس کا ثبوت حدیث متواتر یا حدیث مشہور سے نہیں ہے اور دلالت قطعی بھی نہیں ہے۔ اس لئے منکر کی تکفیر نہیں کی جاسکتی۔ اور اس کے لئے اذان کا نہ ہونا اس لئے ہے کہ اس کی ادائیگی عشاء کے وقت میں ہوتی ہے۔ لہٰذا عشاء کی اذان و اقامت پر اکتفاء کیا جاتا ہے علاوہ ازیں واجب کے لئے اذان کا ہونا ضروری بھی نہیں ہے جیسے صلوٰۃ عیدین۔

(تعداد رکعات وتر)

قولہ وھو ثلث رکعات الخ وتر کی رکعات بقول مختار تین ہیں۔ کیونکہ احادیث و آثار اسی تعداد کو بتاتے ہیں اور یہی رکعات مغرب کے موافق ہے۔ بخلاف ایک و پانچ کے کہ اس کی کوئی نظیر نہیں ہے۔ اور جہاں تک روایت ظنی کو قطعی سے موافقت ہو وہی اولیٰ

عہ.. ابوداؤد، حاکم عن بریدہ ۱۲ عہ.. مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ عن الخدری، سہ.... بزار عن ابن مسعود ۱۲ اللعہ ۱۰

ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، حاکم، احمد، دار قطنی، طبرانی، ابن عدی عن خارجہ، طبرانی عن عمرو و عقبہ و ابن عباس والخدری ۱۲۔

واقوی ہے۔ روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی ۲ رکعت پر سلام نہیں پھیرتے تھے۔ (نسائی عن عائشہ) حضرت عائشہ سے یہ بھی مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ مع **سبح اسم ربک الاعلیٰ** اور دوسری میں **قل یاایہاالکفرون** اور تیسری میں **قل ھو اللّٰہ احد، قل اعوذ برب الفلق ، قل اعوذ برب الناس** پڑھتے تھے۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، حاکم، ابن حبان) اسی کے مثل امام طحاوی نے حضرت ابن عباس و سعید بن عبدالرحمٰن سے اور امام ترمذی، نسائی، ابن ماجہ نے حضرت علیؓ سے روایت کی ہے حضرت حسن بصری نے تین رکعات پر مسلمانوں کا اجماع نقل کیا ہے چنانچہ ابن ابی شیبہ نقل کرتے ہیں کہ حضرت حسن بصری نے فرمایا ہے کہ صحابہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ وتر کی تین رکعات ہیں اور ان کے آخر میں سلام پھیرنا چاہئے۔ ابوداؤد نے عبداللہ بن قیس سے روایت کی ہے کہ میں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ سے دریافت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کتنی رکعات کیساتھ وتر کرتے تھے فرمایا کہ چار اور تین کیساتھ، چھ اور تین کیساتھ، آٹھ اور تین کیساتھ، دس اور تین کے ساتھ اور سات سے کم اور تیرہ سے زیادہ کیساتھ وتر نہیں کرتے تھے اس حدیث میں وتر کی تین رکعات کی صراحت ہے۔ عینی نے لکھا ہے کہ اکثر نے اسی کو اختیار کیا ہے اور ابن بطال نے مدینہ کے فقہاء سبعہ کا بھی یہی قول ذکر کیا ہے ترمذی نے کہا ہے کہ یہ صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت کا قول ہے اور اس میں کلام نہیں کہ وتر کی تین ہی رکعات ہیں۔ چنانچہ یہی ایک قول امام شافعی کا ہے لیکن روضہ میں ہے کہ امام شافعی کے نزدیک ایتار کی سنت طاق عدد یعنی ایک سے گیارہ تک کے ساتھ حاصل ہو جاتی ہے۔ ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دے۔ اس کے بعد پھر ایک رکعت پڑھے اس طرح تین رکعات پوری کرے۔ یہی ایک قول امام مالک کا بھی ہے۔ جواہر مالکیہ میں ہے کہ وتر ایک رکعت ہے اور وہ سنت ہے حاوی میں ہے کہ وتر سنت ہے اور بقول ابوبکر واجب ہے جس کی کم از کم تین اور زائد از زائد گیارہ رکعات ہیں ان تمام کے جواب میں ہمارے لئے حدیث عائشہؓ حجت ہے۔

قولہ وقنت الخ اور وتر کی تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے دعاء قنوت پڑھے، شرح ارشاد میں ہے کہ امام شافعی سے اس کے متعلق کوئی تصریح نہیں۔ بلکہ ان کے اصحاب میں اختلاف ہے۔ بعض قبل الرکوع کہتے ہیں اور بعض بعد الرکوع لیکن ان کے مذہب میں بعد الرکوع ہی صحیح ہے۔ امام احمد سے بھی دونوں کا جواز منقول ہے۔ امام شافعی اس روایت سے استدلال کرتے ہیں جس میں ہے کہ آنحضرت صلعم نے وتر کے آخر میں قنوت پڑھا۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، بیہقی عن علی) امام ابوحنیفہ کا استدلال چند احادیث صحیحہ سے ہے۔

(۱) حضرت ابی بن کعب سے روایت ہے کہ آنحضرت تین رکعت سے وتر کرتے تھے۔ اول میں سورۂ اعلیٰ دوم میں کافرون سوم میں اخلاص پڑھتے تھے۔ اور رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے تھے۔ (نسائی، ابن ماجہ) (۲) حضور نے وتر میں رکوع سے پہلے قنوت پڑھا'' (ابن ابی شیبہ، دارقطنی، خطیب بغدادی، عن ابن مسعود، ابونعیم عن ابن عباس، طبرانی عن ابن عمر) (۳) صحیح بخاری میں عاصم احول سے مروی ہے کہ میں نے حضرت انس سے قنوت وتر کے متعلق دریافت کیا۔ فرمایا: ہاں! میں نے عرض کیا: قبل الرکوع یا بعد الرکوع؟ فرمایا قبل الرکوع میں نے عرض کیا فلاں نے مجھے خبر دی ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ بعد الرکوع ہے۔ فرمایا: اس نے جھوٹ خبر دی ہے کیونکہ رکوع کے بعد تو آنحضرت صلعم نے صرف ایک ماہ قنوت پڑھا تھا۔ رہا امام شافعی کا استدلال جو لفظ ''آخر'' سے بعد الرکوع مراد لیتے ہیں سو اس کا جواب یہ ہے کہ ہر چیز نصف سے زائد پر آخر کہلاتی ہے۔ لہذا تیسری رکعت کے رکوع سے قبل بھی آخر کا اطلاق صحیح ہے۔

قولہ ابداالخ جمہور کے نزدیک وتر میں قنوت ہمیشہ پڑھنا واجب ہے۔ اور شوافع کے یہاں صرف رمضان کے نصف آخری میں اور وہ بھی بطور استحباب ہماری دلیل یہ ہے کہ آپ نے حضرت حسن کو قنوت کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا: اسکو اپنے وتر میں قائم کر، اس میں رمضان کے نصف آخر کی قید نہیں ہے شوافع کی دلیل یہ ہے کہ جب حضرت عمر نے لوگوں کو ابی بن کعب کی اقتداء میں جمع کیا تھا تو ابی بن کعب نے بیس روز تک نماز پڑھائی تھی اور نصف آخر میں قنوت پڑھا۔ (ابوداؤد) نیز مرفوع روایت ہے کہ آپ نصف آخر رمضان میں قنوت پڑھتے تھے۔ (ابن عدی عن انس) جواب یہ ہے کہ علامہ نووی نے خلاصہ میں کہا ہے کہ یہ دونوں طریق ضعیف ہیں۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَلَا يَقْنُتُ لِغَيْرِهٖ وَيَتَّبِعُ الْمُؤْتَمُّ قَانِتَ الْوِتْرِ لَا الْفَجْرِ

اور قنوت نہ پڑھے دیگر نمازوں میں اور مقتدی پیروی کرے قنوت وتر پڑھنے والے کی نہ کہ قنوت فجر پڑھنے والے کی

(فَصْلٌ فِي السُّنَنِ وَالنَّوَافِلِ) اَلسُّنَّةُ قَبْلَ الْفَجْرِ وَبَعْدَ الظُّهْرِ وَالْمَغْرِبِ وَالْعِشَآءِ رَكْعَتَانِ

اور سنت فجر سے قبل اور ظہر کے بعد اور مغرب وعشاء کے بعد دو رکعتیں ہیں

وَقَبْلَ الظُّهْرِ وَالْجُمُعَةِ وَبَعْدَهَا اَرْبَعٌ وَنُدِبَ الْاَرْبَعُ قَبْلَ الْعَصْرِ وَالْعِشَآءِ وَبَعْدَهٗ وَسِتَّةٌ بَعْدَ الْمَغْرِبِ

اور ظہر سے قبل اور جمعہ سے قبل اور اسکے بعد چار ہیں اور مستحب ہیں چار عصر اور عشاء سے قبل اور عشاء کے بعد اور چھ مغرب کے بعد

وَكُرِهَ الزِّيَادَةُ عَلٰى اَرْبَعٍ بِتَسْلِيْمَةٍ فِيْ نَفْلِ النَّهَارِ وَعَلٰى ثَمَانٍ لَيْلاً

اور مکروہ ہے ایک سلام کیساتھ چار رکعتوں سے زیادہ پڑھنا دن کی نفلوں میں اور آٹھ سے زیادہ رات کی نفلوں میں

وَالْاَفْضَلُ فِيْهِمَا الْاَرْبَعُ وَطُوْلُ الْقِيَامِ اَحَبُّ مِنْ كَثْرَةِ السُّجُوْدِ

اور افضل دونوں میں چار چار رکعتیں ہیں اور دیر تک کھڑا رہنا پسندیدہ ہے بہ نسبت زیادہ سجدہ کرنے کے

سنن ونوافل کا بیان

تشریح الفقہ: قولہ ولا یقنت الخ اور غیر وتر میں قنوت نہ پڑھے کیونکہ احناف کے نزدیک وتر کے علاوہ کسی اور نماز میں قنوت نہیں ہے۔ امام شافعی کے نزدیک فجر میں قنوت ہے جو خلفاء راشدین، عمار بن یاسر، ابی بن کعب، ابوموسیٰ اشعری، ابن عباس، ابوہریرہ، براء بن عازب، انس، سہل بن سعد، معاویہ، عائشہ سے ثابت ہے۔ عبدالرزاق نے حضرت انس سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم برابر فجر میں قنوت پڑتے تھے۔ یہاں تک کہ دنیا کو چھوڑا۔ اسحاق بن راہویہ نے یہ اسی اسناد سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے حضرت انس سے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ بعض قبیلہ عرب پر بد دعاء کی پھر چھوڑ دیا۔ تو حضرت انس نے انکار کیا اور کہا کہ آنحضرت فجر میں برابر قنوت پڑھتے تھے۔ یہاں تک کہ دنیا کو چھوڑا ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ قنوت درحقیقت قنوت نازلہ تھا جو منسوخ ہو گیا کیونکہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ نماز فجر میں قنوت پڑھا پھر چھوڑ دیا۔ نہ اس سے پہلے پڑھا تھا۔ نہ اس کے بعد پڑھا۔ (بزار، طبرانی، ابن ابی شیبہ) رہا حضرت انسؓ کا انکار سو اول تو اس کی اسناد میں ابوجعفر رازی راوی ہے جس کے متعلق امام احمد یحییٰ علی بن مدینی، ابوزرعہ، ابن حبان کو کلام ہے لیکن تنقیح میں ہے کہ دوسروں نے اس کی توثیق بھی کی ہے بالجملہ حدیث بدرجہ حسن قرار پانے کے بعد حضرت انس سے صحیحین وغیرہ میں ایک ماہ قنوت فجر مروی ہے اور ابوداؤد ونسائی میں تصریح ہے کہ ایک ماہ کے بعد ترک کر دیا، دوم یہ کہ قیس بن ربیع نے عاصم بن سلیمان سے روایت کی ہے کہ ہم نے حضرت انس بن مالک سے دریافت کیا کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز میں ہمیشہ قنوت پڑھا کرتے تھے آپ نے فرمایا کہ جھوٹے ہیں کیونکہ آنحضرت نے صرف ایک ماہ تک چند قبیلہ عرب مشرکین .... پر بد دعا کی تھی، نیز ابن ماجہ نے ام المومنین حضرت ام سلمہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز فجر میں قنوت سے ممانعت کر دی تھی۔ حضرت غالب کہتے ہیں کہ میں دو ماہ تک انس بن مالک کے پاس رہا مگر حضرت انس نے فجر کی نماز میں کبھی قنوت نہیں پڑھا۔ (طبرانی عن شیبان) یہ صریح ہے کہ خود حضرت انس نہیں پڑھتے تھے، بیہقی نے ابن عمر سے روایت کی ہے کہ ابن عمر نے صبح کی نماز پڑھی میں نے کہا: آپ قنوت نہیں پڑھتے؟ فرمایا کہ کسی صحابی سے یاد نہیں رکھتا۔ ذہبی فرماتے ہیں کہ روایت صحیح ہے اور بیہقی نے جو یہ کہا ہے کہ ابن عمر کو یاد نہیں رہا۔ یہ بالکل محال سی بات ہے کہ روز صبح کو نماز پڑھی جائے اور پھر بھول جائیں۔

۱؎ ای اربعۃ اربعۃ وھو غیر منصرف للموصف والعدل لانہ معدول عن اربعۃ اربعۃ ۱۲

۲؎ اعلم ان کتب الحنفیۃ مشحونۃ بہذہ المسئلۃ ورووا لہا حدیثاً یعارضہ حدیث آخر واختلف النقل عن ائمتنا ایضاً والذی اختارہ صاحب البحران کثرۃ الرکعات افضل من طول القیام۔

وَالْقِرَآءَةُ فَرْضٌ فِيْ رَكْعَتَي الْفَرْضِ وَكُلِّ النَّفْلِ وَلَزِمَ النَّفْلُ بِالشُّرُوْعِ وَلَوْعِنْدَ الْغُرُوْبِ وَالطُّلُوْعِ وَالزَّوَالِ

اور قرأت فرض ہے فرض کی دو رکعتوں میں اور نفل کی کل رکعتوں میں اور لازم ہو جاتی ہے نفل نماز شروع کرنے سے اگر چہ غروب یا طلوع آفتاب

وَقَضٰى رَكْعَتَيْنِ لَوْ نَوٰى اَرْبَعًا وَاَفْسَدَهُ بَعْدَ الْقُعُوْدِ الْاَوَّلِ اَوْ قَبْلَهُ قَرَءَ اَوْ لَمْ يَقْرَءْ فِيْهِنَّ شَيْئًا

کے وقت ہو اور دو رکعتیں قضاء کرے اگر چار کی نیت کی ہو اور قعود اول کے بعد یا اس سے پہلے فاسد کر دیا ہو یا کسی رکعت میں بھی قرأت نہ کی ہو

اَوْقَرَءَ فِي الْاُوْلَيَيْنِ اَوِالْاُخْرَيَيْنِ وَاَرْبَعًا لَوْقَرَءَ فِيْ اِحْدٰى الْاُوْلَيَيْنِ وَاِحْدٰى الْاُخْرَيَيْنِ

یا پہلی دو میں یا پچھلی دو میں قرأت کی ہو اور چار قضاء کرے اگر پہلی یا پچھلی دو میں سے ایک رکعت میں قرأت کی ہو۔

قرأت و ترکِ قرأت کا بیان

تشریح الفقہ : قولہ والقراءۃ الخ فرض نماز کی دو رکعت میں قرأت فرض ہے اور اس کا اول کی دو رکعتوں میں ہونا واجب ہے۔ امام شافعی کے نزدیک ہر رکعت میں واجب ہے دلیل حضور کا ارشاد ہے کہ "قرأت کے بغیر نماز نہیں ہوتی" (مسلم عن ابی ہریرہ) وجہ استدلال یہ ہے کہ ہر رکعت نماز ہے لہذا ہر رکعت میں قرأت واجب ہوئی۔ لیکن یہ حدیث از قسم آحاد ہے جس سے فرضیت قطعی کا ثبوت نہیں ہو سکتا۔ صرف وجوب ہو سکتا ہے لیکن وہ بھی ہر رکعت میں نہیں۔ امام مالک کا قول اور ان کی دلیل بھی یہی ہے فرق صرف یہ ہے کہ وہ تین رکعت میں قرأت کو کافی سمجھتے ہیں کیونکہ اکثر کل کے قائم مقام ہوتا ہے اس لحاظ سے مغرب میں دو ہی رکعت میں قرأت کافی ہو جائیگی۔ ہماری دلیل ارشاد باری "فاقرؤوا ما تیسر من القرآن" ہے پڑھ جو آسان ہو قرآن سے اس میں اقرؤا امر ہے جس سے فرضیت ثابت ہوتی ہے اور قاعدہ ہے کہ جب کسی فعل کا حکم دیا جائے تو ایک بار کر لینے میں اس کی تعمیل ہو جاتی ہے بار بار کا تقاضا نہیں ہوتا۔ لہذا نماز میں فرض قرأت ایک بار میں ادا ہو گیا رہا دوسری رکعت میں فرض ہونا سو اس کی وجہ یہ ہے کہ دلالت نص پہلی رکعت کیساتھ دوسری رکعت کو مقتضی ہے کیونکہ دونوں رکعتیں ہر طرح سے ہم شکل یعنی اصل ارکان میں یکساں ہیں جس سے معلوم ہوا کہ پہلی رکعت کی طرح دوسری رکعت بھی شرعاً مراد ہے۔ اب رہیں اخیر کی رکعتیں تو وہ چند باتوں میں اولین سے جدا ہیں۔ (۱) سفر میں دونوں ساقط ہو جاتی ہیں (۲) اولین میں جہر اور اخریین میں اخفاء ہوتا ہے۔ (۳) آخریین میں صرف فاتحہ پڑھی جاتی ہے اور اولین میں فاتحہ مع سورت جب ان تمام باتوں میں فرق ہے تو اولین کے ساتھ آخرین کا الحاق نہیں ہو سکتا۔ بالجملہ پہلی رکعت صراحۃ النص اور دوسری رکعت دلالۃ النص کی وجہ سے صیغہ امر کے تحت میں داخل ہوئیں اور آخرین افتراق کی وجہ سے خارج۔

قولہ و قضی رکعتیں الخ چار رکعت والی نفل نماز میں قرأت کے لحاظ سے سولہ صورتیں نکلتی ہیں۔ جن میں سے ہر ایک کا حکم ائمہ ثلاثہ کے جداگانہ اصول معلوم کرنے پر موقوف ہے۔ لہذا پہلے اصول معلوم کرو پھر ہر ایک کا حکم دریافت کرو۔ سو امام محمد کے یہاں اصل یہ ہے کہ پہلی ایک یا دونوں رکعتوں میں قرأت ترک کرنے سے تحریمہ باطل ہو جاتا ہے کیونکہ تحریمہ تو افعال کے لئے باندھا جاتا ہے۔ اور جب اول دوگانہ کے افعال باطل ہو گئے تو تحریمہ بھی باطل ہو گیا۔ اور دوسرا دوگانہ چونکہ اول پر مبنی ہوتا ہے اس لئے جب پہلا تحریمہ باطل ہو گیا۔ تو اس پر ثانی کی بنا بھی نہ ہوگی، امام ابو یوسف کے نزدیک پہلی دونوں رکعتوں میں بھی ترک قرأت سے تحریمہ باطل نہیں ہوتا البتہ ادا فاسد ہو جاتی ہے یعنی تحریمہ تو باطل نہیں ہوگا لیکن نماز بھی ادا نہ ہوگی۔ وجہ یہ ہے کہ قرأت ایک رکن زائد ہے۔ چنانچہ بلا قرأت نماز پائے جانے کی نظیر موجود ہے۔ مثلاً گونگے کی نماز بلا قرأت صحیح ہے معلوم ہوا کہ قرأت قدرت کے وقت شرط ہے کہ قدرت والے کے حق میں بلا قرأت ادا صحیح نہ ہوگی۔ اور ادا کا فاسد ہونا اس کے چھوڑ دینے سے کم ہے۔ لہذا اس سے تحریمہ باطل نہیں ہوگا اور جب اول شفعہ کا تحریمہ باقی رہا تو اس پر شفعہ ثانی کی بناء بھی صحیح ہوگی گویا دونوں شفعوں کا تحریمہ باقی رکھتے ہوئے ادا کو فاسد کیا ہے لہذا چاروں کی قضاء لازم ہوگی۔ امام صاحب کے نزدیک پہلی دونوں رکعتوں میں قرأت ترک کرنے سے تحریمہ باطل ہوتا ہے اگر اول دو رکعتوں میں سے کسی

ایک میں قرأت کی اور ایک میں ترک کی تو اس سے تحریمہ باطل نہیں ہوتا کیونکہ نفل کی ہر دو رکعت مستقل نماز ہے اور ترک قرأت سے فساد آتا ہے۔ پھر دونوں رکعتوں میں ترک قرأت سے نماز بالاجماع فاسد ہے اور ایک رکعت میں قرأت ترک کرنے سے بعض کے نزدیک فاسد ہے اور بعض کے نزدیک فاسد نہیں ہے لہذا ہم نے اس میں احتیاط سے کام لیا کہ وجوب قضاء کے حق میں فاسد ہونے کا حکم دیا اور شفعہ دوم لازم ہونے کے حق میں بقاء تحریمہ کا حکم دیا۔ کیونکہ احتیاط اسی میں ہے کہ قضاء واجب ہو اور تحریمہ باطل نہ ہوتا کہ دوسرا شفعہ لازم ہو جائے جب یہ اصول ذہن نشین ہو گئے۔ تو اب یہ دیکھو کہ اس مسئلہ کی سولہ صورتیں ہیں (۱) چاروں میں قرأت کی (۲) چاروں میں قرأت ترک کی۔ (۳) شفعہ اول میں ترک کی۔ (۴) شفعہ دوم میں ترک کی۔ (۵) صرف پہلی رکعت میں ترک کی۔ (۶) صرف دوسری رکعت میں ترک کی۔ (۷) صرف تیسری رکعت میں ترک کی۔ (۸) صرف چوتھی رکعت میں ترک کی۔ (۹) پہلی تین میں ترک کی۔ (۱۰) پہلی دو میں اور چوتھی میں ترک کی۔ (۱۱) پہلی اور تیسری و چوتھی میں ترک کی۔ (۱۲) دوسری، تیسری اور چوتھی میں ترک کی۔ (۱۳) پہلی اور تیسری میں ترک کی۔ (۱۴) پہلی اور چوتھی میں ترک کی۔ (۱۵) دوسری اور تیسری میں ترک کی۔ (۱۶) دوسری اور چوتھی میں ترک کی پہلی صورت کے بعد یہ پندرہ صورتیں ترک قرأت کی ہیں جن میں سے (۲)، (۳)، (۴) میں طرفین کے نزدیک صرف دو رکعت کی قضاء واجب ہے کیونکہ شفعہ اول میں ترک قرأت سے طرفین کے نزدیک تحریمہ باطل ہو گیا۔ اس لئے دوسرے شفعہ کا شروع کرنا صحیح نہ ہوا لہذا صرف اول شفعہ کی قضاء واجب ہوگی۔ اور امام ابو یوسف کے نزدیک چونکہ تحریمہ باطل نہیں ہوا اس لئے شفعہ ثانی شروع کرنا صحیح ہوا۔ اور چونکہ ترک قرأت کی وجہ سے فساد آ گیا لہذا چاروں کی قضاء کرے کل صورتوں کا حکم اس نقشہ سے معلوم کرو۔

نمبر شمار	رکعت اول	رکعت دوم	رکعت سوم	رکعت چہارم	بیان لزوم قضاء رکعات
۱	ق	ق	ق	ق	بالاتفاق قضاء نہیں
۲	خ	خ	خ	خ	اولین نزد طرفین ہر چہار نزد ابی یوسف
۳	خ	خ	ق	خ	اولین نزد طرفین ہر چہار نزد ابی یوسف
۴	خ	خ	خ	ق	اولین نزد طرفین ہر چہار نزد ابی یوسف
۵	ق	ق	خ	خ	آخرین بالاجماع
۶	خ	خ	ق	ق	اولین بالاجماع
۷	خ	ق	ق	ق	اولین بالاجماع
۸	ق	خ	ق	ق	اولین بالاجماع
۹	ق	ق	خ	ق	آخرین بالاجماع
۱۰	ق	ق	ق	خ	آخرین بالاجماع
۱۱	ق	خ	خ	خ	ہر چہار نزد شیخین اولین نزد امام محمد
۱۲	خ	ق	خ	خ	ہر چہار نزد شیخین اولین نزد امام محمد
۱۳	ق	خ	ق	خ	ہر چہار نزد شیخین اولین نزد امام محمد
۱۴	خ	ق	خ	ق	ہر چہار نزد شیخین اولین نزد امام محمد
۱۵	ق	خ	خ	ق	ہر چہار نزد شیخین اولین نزد امام محمد
۱۶	خ	ق	ق	خ	ہر چہار نزد شیخین اولین نزد امام محمد

وَلَايُصَلّٰى بَعْدَ صَلٰوةٍ مِثْلِهَا وَيَتَنَفَّلُ قَاعِدًا مَعَ قُدْرَةِ الْقِيَامِ اِبْتِدَآءً وَبِنَآءً وَرَاكِبًا خَارِجَ الْمِصْرِ
نماز کے بعد اسی جیسی نماز نہ پڑھی جائے اور نفل پڑھ سکتا ہے بیٹھکر کھڑے ہونے پر قدرت کے باوجود ابتداء بھی اور بناء بھی اور سوار ہو کر شہر سے باہر
مُوْمِيًا اِلٰى اَىِّ جِهَةٍ تَوَجَّهَتْ دَآبَّتُهُ وَبَنٰى بِنُزُوْلِهٖ لَابِعَكْسِهٖ (فَصْلٌ فِي التَّرَاوِيْحِ) سُنَّ فِيْ رَمَضَانَ
اشارہ کیساتھ جس طرف بھی اس کی سواری جاتی ہو اور بناء کرلے اتر کر نہ کہ اس کے برعکس (فصل تراویح کے بیان میں) مسنون ہے رمضان میں
عِشْرُوْنَ رَكْعَةً بِعَشْرِ تَسْلِيْمَاتٍ وَوَقْتُهَا بَعْدَ صَلٰوةِ الْعِشَاءِ قَبْلَ الْوِتْرِ وَبَعْدَهٗ بِجَمَاعَةٍ وَالْخَتْمُ مَرَّةً
بیس رکعات دس سلاموں کے ساتھ عشاء کے بعد وتر سے پہلے (اور اس کے بعد بھی آتی ہیں) جماعت کے ساتھ اور ایک مرتبہ ختم کرنا
وَّجَلْسَةٌ بَعْدَ كُلِّ اَرْبَعٍ بِقَدْرِهَا وَيُوْتِرُ بِجَمَاعَةٍ فِيْ رَمَضَانَ فَقَطْ
ہر چار پر اسی کے بقدر بیٹھنے کے ساتھ اور وتر صرف رمضان میں جماعت سے پڑھے۔

تشریح الفقہ: قولہ ولا یصلی الخ یہ ایک اثر کا مضمون ہے جس کے الفاظ یہ ہیں "لایصلی علی اثر صلوۃ مثلہا" نماز کے بعد اسی جیسی نماز نہ پڑھی جائے۔ (ابن ابی شیبہ عن ابن مسعود) ظاہر ہے کہ فجر کی دوسنتوں کے بعد دوفرض پڑھے جاتے ہیں۔ جو کیفاً گو مثل نہیں لیکن کماً مثل ہیں، اسی طرح ظہر کی چار سنتوں کے بعد چار فرض اور ظہر کے دوسفری فرضوں کے بعد دوسنتیں ہیں۔ معلوم ہوا کہ اثر مذکور اپنے عموم پر نہیں بلکہ اس سے کوئی خاص معنی مراد ہیں سوم امام محمد نے جامع صغیر میں کہا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ کسی نماز مثلاً ظہر ادا کرنے کے بعد نفل دو رکعت قرأت کیساتھ اور دو رکعت بلاقرأت نہ پڑھی جائے حتی کہ چاروں فرض کی طرح ہو جائیں بلکہ چاروں رکعتیں قرأت کیساتھ پڑھے تاکہ مثل فرض نہ ہوں۔ اس قول پر اثر مذکور نفل کی تمام رکعات میں قرأت کا بیان ہوگا۔ قاضی خان نے شرح جامع صغیر میں کہا ہے کہ اگر اس کو پہلی جماعت کے بعد اسی کی ہیئت پر ایک ہی وقت اور ایک ہی مسجد میں دوبارہ جماعت نہ کرنے پر، یا فرض نماز کو بلا تیقن فساد محض وسوسہ کی وجہ سے دوبارہ نہ پڑھنے پر محمول کیا جائے تو بہت عمدہ بات ہوگی چنانچہ سلیمان بن یسار نے روایت کی ہے کہ میں حضرت عمر کے پاس تھا لوگ نماز پڑھ رہے تھے میں نے کہ: آپ ان کے کیساتھ نہیں پڑھتے؟ فرمایا میں پڑھ چکا ہوں۔ میں نے حضورؐ سے سنا ہے کہ "کسی نماز کو ایک دن میں دو مرتبہ مت پڑھو" (ابوداؤد، نسائی، طحاوی، ابن حزم، احمد، دارقطنی بیہقی، ابن حبان، خزیمہ)

قولہ وبنی بنزولہ الخ سواری پر نماز شروع کی تو اتر کر بناء کرنا جائز ہے۔ اور اگر زمین پر شروع کی تو سواری پر بناء کرنا جائز نہیں۔ یہ حکم ظاہر الروایہ میں متفق علیہ ہے۔ وجہ یہ ہے کہ سواری کی حالت میں تحریمہ کا انعقاد رکوع وسجود کے وجوب بالفعل کی صورت میں نہیں ہے۔ بخلاف زمین پر شروع کرنے کے کہ اس حالت میں تحریمہ کا انعقاد بالفعل رکوع وسجود کیساتھ ہے کیونکہ تحریمہ سے نفل نماز واجب ہو جاتی ہے اور وہ حقیقۃً رکوع اور سجدہ کرسکتا ہے پس اس نے رکوع وسجود کو وجوداً بالفعل ادا کرنے کا تحریمہ باندھا لہذا جو کچھ اس پر لازم ہوا ہے اس کو کسی عذر کے بغیر چھوڑنے کا اختیار نہیں۔ لہذا سوار ہو کر بناء نہیں کرسکتا ہے۔

تراویح کا بیان

قولہ و سن فی رمضان الخ ماہ رمضان میں بیس رکعات تراویح دس سلام اور پانچ ترویحوں کے ساتھ بعد العشاء قبل از وتر جماعت کیساتھ سنت موکدہ کفایہ ہے۔ یہی اکثر مشائخ کا قول ہے امام احمد اور علماء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ جماعت مستحب اور افضل ہے یہی عام علماء کے نزدیک مشہور ہے۔ اور اسی کو مبسوط میں اصح کہا ہے بیس رکعات تراویح ہمارا امام شافعی اور امام احمد کا مذہب ہے۔ اور یہی جمہور علما کا قول ہے کیونکہ موطا امام مالک میں یزید بن رومان سے روایت ہے کہ لوگ حضرت عمر کے زمانہ میں تیئیس رکعات کیساتھ قیام کرتے تھے" ابن قدامہ حنبلی نے کہا ہے کہ حضرت علی نے ایک شخص کو حکم دیا جس نے رمضان میں بیس رکعات پڑھائی اور کہا کہ یہ بمنزلہ اجماع ہے پھر تراویح میں اکثر مشائخ کے نزدیک ایک بار قرآن ختم کرنا سنت ہے پس ایک ختم کو قوم کے کسل کیوجہ سے ترک نہیں کیا جاسکتا۔ بخلاف التحیات کے بعد کی ادعیہ کے کہ ان کو ترک کرسکتا ہے۔

بَابُ اِدْرَاکِ الْفَرِیْضَةِ

باب فرض نماز میں ملنے کے بیان میں

مَنْ صَلّٰی رَکْعَةً مِّنَ الظُّهْرِ فَأُقِیْمَ یُتِمُّ شَفْعًا وَیَقْتَدِیْ وَلَوْ صَلّٰی ثَلاثًا یُتِمُّ وَیَقْتَدِیْ تَطَوُّعًا

ظہر کی ایک رکعت پڑھ چکا تھا کہ تکبیر ہوگئی تو دو پوری کر کے اقتداء کر لے اور اگر تین پڑھ چکا تھا تو پوری کر کے نفل کی نیت سے اقتدا کر لے

فَاِنْ صَلّٰی رَکْعَةً مِّنَ الْفَجْرِ اَوِ الْمَغْرِبِ فَأُقِیْمَ یُنْقِضُ وَیَقْتَدِیْ وَکُرِهَ خُرُوْجُهٗ مِنْ مَّسْجِدٍ اُذِّنَ فِیْهِ حَتّٰی یُصَلِّیْ

پس اگر فجر یا مغرب کی ایک رکعت پڑھنے پر تکبیر ہوگئی تو توڑ کر اقتدا کر لے اور مکروہ ہے ایسی مسجد سے نکلنا جس میں اذان ہوگئی ہو یہاں تک کہ نماز

وَاِنْ صَلّٰی لاَ اِلاَّ فِی الظُّهْرِ وَالْعِشَآءِ اِنْ شَرَعَ فِی الْاِقَامَةِ

پڑھ لے اور اگر اس سے قبل نماز پڑھ چکا ہو تو مکروہ نہیں مگر ظہر اور عشاء میں جبکہ تکبیر شروع ہوگئی ہو۔

تشریح الفقہ: قولہ صلی رکعۃ الخ اداء فریضہ کے قصد سے تنہا نماز شروع کی اور رکعت پوری ہونے سے پہلے اسی نماز کے لئے اقامت کہی گئی یعنی جماعت شروع ہوگئی تو اپنی نماز توڑ کر جماعت میں شریک ہوجائے اور اگر ایک رکعت پڑھ چکا تو اب دیکھا جائیگا کہ کونسی نماز ہے اگر ظہر کی ہے تو ایک رکعت اور پڑھ کر سلام پھیر کے جماعت میں شریک ہوجائے۔ تاکہ پڑھی ہوئی رکعت باطل ہونے سے بھی محفوظ ہوجائے اور فضیلت جماعت بھی حاصل ہوجائے۔ امام شافعی بھی یہی فرماتے ہیں اور اگر تین پڑھ چکا تو چاروں پوری کر کے جماعت میں نفل کی نیت سے شامل ہوجائے۔ کیونکہ تین پڑھنے کے بعد ٹوٹ نہیں سکتی۔ اس لئے کہ اکثر ہو چکی ہے اور اکثر کے لئے کل کا حکم ہوتا ہے اور چونکہ پہلی نماز میں فرض کی نیت کی تھی اس لئے وہ فرض ہوگی اور جماعت میں نفل کی نیت ہوگی۔ البتہ اگر تیسری رکعت کو سجدہ کیساتھ مقید نہیں کیا تو توڑ سکتا ہے اب چاہے تو بیٹھ کر سلام پھیرے اور چاہے تو کھڑے کھڑے امام کیساتھ شامل ہونے کی سی تکبیر کہہ کر شامل ہوجائے۔ یہی مختار اور اصح ہے اور یہی حکم عشاء میں ہے۔

قولہ فان صلی رکعۃ الخ اور اگر فجر کی نماز ہے اور ایک رکعت پڑھ چکا ہے تو توڑ کر جماعت میں شامل ہوجائے کیونکہ اگر وہ ایک رکعت اور پڑھتا ہے تو اس کا فرض پورا ہوجائیگا اور جماعت میں شریک نہ ہوسکے گا کیونکہ فجر کے بعد نفل مشروع نہیں ہے۔ اور ظاہر الروایہ میں مغرب کا بھی یہی حکم ہے۔ چنانچہ حدیث ابن عمر میں مرفوعاً فجر و مغرب کا استثناء ہے۔ یہی امام مالک کا قول ہے امام شافعی و امام احمد فرماتے ہیں کہ مغرب کی جماعت میں شامل ہو کر تین رکعت امام کیساتھ پڑھنے کے بعد ایک رکعت تنہا پڑھ لے تاکہ چار رکعات نفل مشروع طریقہ پر ہوجائے۔ امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ تین ہی پر امام کیساتھ سلام پھیر دے۔ شمس الائمہ سرخسی نے اسی کو اختیار کیا ہے وجہ یہ ہے کہ صاحبین کے یہاں تین رکعت نفل کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ صاحبین کے یہاں وتر سنت ہے جو نفل کا درجہ ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ تین رکعت نفل مشروع نہیں۔

قولہ و کرہ الخ کسی مسجد میں ہو اور اذان ہوجائے یا اذان ہونے کے بعد مسجد میں آئے تو بغیر نماز پڑھے مسجد سے نکلنا مکروہ ہے کیونکہ حدیث میں اسکی ممانعت ہے (احمد عن ابی ہریرہ) البتہ چند صورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں اول یہ کہ پہلے اپنی نماز پڑھ چکا ہو۔ دوم یہ کہ اس سے متعلق کسی دوسری جگہ کا انتظام ہو۔ اور اسکے نہ جانے سے جماعت میں خلل ہو۔ سوم یہ کہ اپنے محلّہ کی مسجد میں پڑھنے کے لئے جاتا ہو۔ کہ ان صورتوں میں نکلنا بظاہر گو ترک ہے مگر بباطن تکمیل ہے۔ اسی طرح اپنے شیخ حدیث و فقہ کے استاذ کی جماعت یا وعظ کے لئے بالاتفاق جائز ہے، نیز اگر کسی ضرورت سے بارادۂ واپسی نکلے تب بھی جائز ہے اور اگر نماز پڑھ چکا ہے اور وقت ظہر یا عشاء کا ہے تو نکلنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ ہاں اگر اقامت شروع ہوجائے تو اس وقت نکلنا مکروہ ہے کیونکہ ان دو نمازوں کے بعد نفل مکروہ نہیں ہیں۔

وَمَنْ خَافَ فَوْتَ الْفَجْرِ اِنْ اَدّٰی سُنَّتَهٗ اِئْتَمَّ اَیْ اِقْتَدٰی وَتَرَکَهَا وَاِلَّا لَا وَلَمْ تُقْضَ اِلَّا تَبَعًا

جس کو یہ اندیشہ ہو کہ اگر سنت فجر ادا کرے گا تو نماز فجر فوت ہو جائے گی تو سنتیں چھوڑ کر اقتدا کرلے ورنہ نہیں اور قضا نہ کی جائے مگر فرض کیساتھ

وَقَضَی الَّتِیْ قَبْلَ الظُّهْرِ فِیْ وَقْتِهٖ قَبْلَ الشَّفْعَةِ وَلَمْ یُصَلِّ الظُّهْرَ بِجَمَاعَةٍ بِاِدْرَاکِ رَکْعَةٍ بَلْ اَدْرَکَ فَضْلَهَا

اورظہر سے قبل کی سنتیں اسکے وقت میں دو سے پہلے قضا کیجا ئیں اور ایک رکعت ملنے سے ظہر کی نماز جماعت سے نہیں پڑھی بلکہ جماعت کا ثواب پالیا

وَیَتَطَوَّعُ قَبْلَ الْفَرْضِ اِنْ اَمِنَ فَوْتَ الْوَقْتِ وَاِلَّا لَا وَاِنْ اَدْرَکَ اِمَامَهٗ رَاکِعًا فَکَبَّرَ وَوَقَفَ حَتّٰی

اور فرض سے پہلے نفل پڑھ سکتا ہے اگر وقتیہ کے فوت ہونے کا اندیشہ نہ ہو ورنہ نہیں اگر امام کو رکوع میں پایا اور تکبیر کہہ کر توقف کیا یہاں تک کہ

رَفَعَ رَاْسَهٗ لَمْ یُدْرِکْ تِلْکَ الرَّکْعَةَ وَلَوْ رَکَعَ مُقْتَدِیًا فَاَدْرَکَ اِمَامَهٗ فِیْهِ صَحَّ

امام نے سر اٹھا لیا تو اس نے رکعت نہیں پائی اور اگر مقتدی نے رکوع کیا اور امام نے اس کو رکوع میں پالیا تو صحیح ہے۔

قوله ومن خاف الخ نماز فجر کے لئے مسجد میں آیا دیکھا جماعت فجر ہو رہی ہے اور اس نے ابھی سنت فجر نہیں پڑھی تو اگر سنت پڑھ کر شامل ہونے میں کم ازکم ایک رکعت ملنے کی توقع ہو تو مسجد کے دروازہ کے پاس سنتیں پڑھ کر جماعت میں شامل ہو جائے۔ کیونکہ سنت فجر کی بڑی فضیلت ہے۔ اس لئے سنت اور جماعت ہر دو فضیلتوں کو جمع کرلے۔ اور ایک رکعت پالینے سے جماعت کی فضیلت حاصل ہو جاتی ہے۔ ارشاد نبویؐ ہے کہ جس نے فجر کی ایک رکعت پائی اس نے فجر پالی اور اگر دونوں رکعتیں فوت ہو جانے کا خوف ہو تو جماعت میں شامل ہو جائے۔

قوله ولم تقض الخ اگر کسی شخص کی فجر کی سنتیں فوت ہو جائیں تو شیخین کے نزدیک ان کو طلوع آفتاب سے پہلے قضاء نہ کرے۔ کیونکہ یہ دوگانہ محض نفل رہ جائیگا۔ اور محض نفل فجر کے بعد مکروہ ہے اور طلوع آفتاب کے بعد بھی قضاء نہ کرے کیونکہ شیخین کے نزدیک بلا تبعیت فرض نوافل کی قضاء نہیں ہے۔ امام محمد کے نزدیک پسندیدہ یہ ہے کہ زوال کے وقت تک قضاء کرلے۔ شیخ حلوائی اور فضلی نے بیان کیا ہے کہ شیخین کے نزدیک بھی پڑھ لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ مزنی کے نزدیک یہی مختار ہے۔ امام محمد کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلعم نے دوگانہ سنت کو لیلۃ التعریس کے شروع دن میں آفتاب بلند ہونے کے بعد قضاء کیا تھا، شیخین کی دلیل یہ ہے کہ سنت میں اصل یہ ہے کہ قضاء کیجائے کیونکہ قضاء مخصوص بواجب ہے، رہا قضاء دوگانہ جو حدیث میں مذکور ہے سو وہ فرض کے تابع ہو کر وارد ہوا ہے دوگانہ فجر کے علاوہ باقی سنتیں وقت کے بعد تنہا قضاء نہیں کی جائیں گی۔ اور فرض کے تابع ہو کر ان کے قضاء کرنے میں مشائخ کا اختلاف ہے۔

قوله و قضی التی الخ اگر کسی شخص کی ظہر سے پہلے والی چار سنتیں فوت ہو گئیں تو ان کو ظہر کی بعد والی دو سنتوں پر مقدم کرے یا مؤخر؟ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ چار رکعت کو مقدم کرے، یہی امام ابو حنیفہ کا قول ہے، امام محمد کے نزدیک دو رکعت سنت کو مقدم کرے کیونکہ ان کا حق یہی ہے کہ وہ فرض سے متصل رہیں۔ وقیل الخلاف بالعکس۔

قوله وان ادرک الخ اگر کسی نے امام کو رکوع میں پایا اور تحریمہ باندھ کر توقف کیا۔ اتنے میں امام نے رکوع سے سر اٹھا لیا تو اسکو وہ رکعت نہیں ملی۔ امام شافعی بھی یہی فرماتے ہیں۔ امام زفر کا اس میں اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ رکوع کو قیام سے مشابہت ہے۔ اس لئے اس نے جب رکوع سے قیام پایا تو گویا رکوع کو پالیا۔ لہذا رکعت مل گئی۔ یہی قول سفیان ثوری ابن مبارک، اور ابن ابی لیلیٰ کا ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ افعال نماز میں امام کے ساتھ مشارکت شرط ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں مصرح ہے اور یہ شرط نہ رکوع میں پائی گئی نہ قیام میں۔ لہذا اس کو مدرک رکعت نہیں کہہ سکتے۔ اور اگر امام سے پہلے رکوع میں چلا گیا اتنے میں امام نے بھی رکوع کرلیا اور دونوں رکوع میں شریک ہو گئے تو اس نے رکعت پالی اور اس کی نماز صحیح ہے۔

بَابُ قَضَاءِ الْفَوَائِتِ

باب قضا نمازیں ادا کرنیکے بیان میں

اَلتَّرْتِيْبُ بَيْنَ الْفَائِتَةِ وَالْوَقْتِيَّةِ وَبَيْنَ الْفَوَائِتِ مُسْتَحَقٌّ وَ يَسْقُطُ التَّرْتِيْبُ بِضِيْقِ الْوَقْتِ وَالنِّسْيَانِ

قضا ا ور وقتی نمازوں میں اور چند قضا نمازوں میں ترتیب ضروری ہے اور تنگی وقت اور نسیان

وَصَيْرُوْرَتِهَا سِتًّا وَلَمْ يَعُدْ بِعَوْدِهَا اِلَى الْقِلَّةِ

اور قضا نمازوں کے پانچ سے زائد ہونے سے ساقط ہوجاتی ہے اور بہت سی قضانمازوں کے کم ہونے سے ترتیب نہیں لوٹتی

فَلَوْ صَلّٰى فَرْضًا ذَاكِرًا فَائِتَةً وَلَوْ وِتْرًا فَسَدَ فَرْضُهٗ مَوْقُوْفًا

پس اگر کوئی فرض نماز پڑھے قضا یاد ہوتے ہوئے اگرچہ وہ وتر ہی ہو تو فرض فاسد ہوجائے گا بفساد موقوف۔

تشریح الفقہ :قولہ الترتیب الخ مامور بہ کی تین قسمیں ہیں اداء، اعادہ، قضاء، مصنف ادا نماز کے احکام سے فراغت کے بعد قضاء کو بیان فرمارہے ہیں کیونکہ قضاء فرع اداء ہے فرماتے ہیں کہ چند فائتہ نمازوں کے درمیان اور وقتیہ اور چند فائتہ (یعنی پانچ سے کم) نمازوں کے درمیان ترتیب قائم رکھنا مستحق یعنی فرض عملی ہے لہذا اگر ظہر وعصر ومغرب قضاء ہوگئیں اور عشاء کے وقت ادا کرنا چاہے تو اول ظہر پھر عصر پھر مغرب پڑھے تاکہ قضاؤں میں ترتیب رہے پھر وقتی فرض یعنی عشاء پڑھے۔ نخعی، مالک، احمد، لیث، ربیعہ سب کا یہی مذہب ہے۔ امام شافعی کے نزدیک ترتیب مستحب ہے۔ طاؤس، ابوثور وغیرہ کا مذہب بھی یہی ہے۔ انکی دلیل یہ ہے کہ ہر فرض بذات خود اصل ہے لہذا وہ دوسرے کے لئے شرط نہ ہوگا مگر بدلیل جیسے ایمان عام عبادات کے لئے اور صوم اعتکاف کے لئے شرط ہے جواب یہ ہے کہ ہم صحت وقتیہ کے لئے فائتہ کو شرط نہیں کہتے بلکہ ہمارے نزدیک فائتہ مقدم واجب ہے۔ اور وقتیہ مؤخر دلیل ارشاد نبوی ہے کہ ''جو شخص سوگیا یا نماز بھول گیا پھر ایسے وقت یاد آئی کہ وہ امام کے پیچھے ہے تو جس میں وہ موجود ہے اس کو پڑھ لے اسکے بعد اس کو پڑھے جو یاد آئی پھر جو امام کے پیچھے پڑھی تھی۔ اس کا اعادہ کرے، مالک، بیہقی اور دار قطنی نے ثقہ راویوں کیساتھ ابن عمر سے مرفوعاً روایت کی ہے، نیز حضورؐ کی چار نمازیں غزوہ خندق کی مشغولیت کے موقعہ پر قضاء ہوگئیں تو آپ نے ان کو ترتیب ہی کیساتھ ادا فرمایا لیکن چند صورتوں میں ترتیب ساقط ہوجاتی ہے۔ (۱) تنگی وقت مثلاً عشاء فوت ہوئی اور فجر کے وقت آفتاب طلوع ہونے میں اتنا وقت باقی ہے کہ قضاء عشاء میں فجر پڑھنے کا وقت نہ رہیگا۔ تو فجر کو مقدم کرے۔ (۲) وقتیہ پڑھتے وقت فائتہ کو بھول جانا۔ (۳) فائتہ نمازیں حد کثرت یعنی چھ نمازوں کو تعداد کو پہنچ جائیں۔ وجہ سقوط یہ ہے کہ وقتیہ کو عمداً وقت سے فوت نہ کرنا فرض قطعی ہے اور فائتہ کو مقدم کرنا فرض عملی ہے پس جب وقت تنگ ہو یا فوات کثیرہ ہوں یہاں تک کہ وقتیہ کو فوت کرنا لازم آتا ہو تو قطعی کو مقدم کیا جائیگا اگر فوات چھ سے کم ہیں اور وقت میں سب کی گنجائش نہیں تو جتنی کی گنجائش ہو مقدم کر کے وقتیہ پڑھ لے۔

قولہ ولم یعد الخ ایک شخص کی ایک ماہ کی نمازیں چھوٹ گئیں وہ برابر قضاء کرتا رہا یہاں تک کہ چند نمازیں اور قضا کرنا رہ گئیں یعنی چھ سے کم رہ گئیں۔ تو اصح یہ ہے کہ ترتیب نہیں لوٹیگی، امام ابوحفص کبیر فرماتے ہیں کہ اسی پر فتوی ہے امام محمد سے مروی ہے کہ ترتیب پھر لوٹ آئیگی۔

قولہ فلو صلی الخ اگر فائتہ نماز (گو وتر ہی ہو) یاد رکھتے ہوئے وقتیہ نماز پڑھی تو فرض فاسد ہوجائیگا مگر بفساد موقوف اسکی تشریح یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص ظہر کی نماز نہیں پڑھ سکا تو اسکے یاد ہوتے ہوئے عصر کی نماز پڑھیگا تو فاسد ہوگی اسی طرح پانچ سے کم تک سب نمازیں فاسد ہونگی۔ اب امام ابو یوسف کے نزدیک تو وہ سب نفل ہوجائیں گی اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک ابھی توقف ہوگا کہ اگر اسکے بعد اور پانچ نمازیں پڑھتا رہا اور فاسد ہوتی رہیں تو کثرت کیوجہ سے ترتیب ساقط ہو کر نفل ہوجائیں گی اور امام محمد کے نزدیک اصل نماز ہی رائیگاں ہوجائیگی۔

بَابُ سُجُوْدِ السَّھْوِ

باب سجدۂ سہو کے بیان میں

يَجِبُ بَعْدَ السَّلَامِ سَجْدَتَانِ بِتَشَهُّدٍ وَتَسْلِيْمٍ بِتَرْكِ وَاجِبٍ وَاِنْ تَكَرَّرَ بِسَهْوِ اِمَامِهٖ لَا بِسَهْوِهٖ
واجب ہیں سلام کے بعد دو سجدے تشہد اور سلام کے ساتھ ترک واجب کی وجہ سے گو ترک واجب مکرر ہو جائے امام کی بھول سے نہ کہ مقتدی کی،

فَاِنْ سَهٰى عَنِ الْقُعُوْدِ الْاَوَّلِ وَهُوَ اِلَيْهِ اَقْرَبُ عَادَ وَاِلَّا لَا وَسَجَدَ لِلسَّهْوِ وَاِنْ سَهٰى عَنِ الْاَخِيْرَةِ عَادَ مَالَمْ
اگر پہلا قاعدہ بھول کر اٹھ گیا اور ابھی قعدہ کے قریب ہے تو لوٹ جائے ورنہ نہیں اور سجدۂ سہو کرے اور اگر آخری قعدہ بھول گیا تو سجدہ نہ کرنے تک

يَسْجُدْ وَسَجَدَ لِلسَّهْوِ فَاِنْ سَجَدَ بَطَلَ فَرْضُهٗ بِرَفْعِهٖ وَصَارَتْ نَفْلًا فَيَضُمُّ سَادِسَةً فَاِنْ قَعَدَ فِي الرَّابِعَةِ ثُمَّ قَامَ
لوٹ جائے اور سجدۂ سہو کر لے اور اگر سجدہ کر چکا تو سر اٹھاتے ہی فرض باطل ہو کر نفل ہو جائیگی پس چھٹی رکعت ملا لے اور اگر چوتھی میں بیٹھکر اٹھ گیا

عَادَ وَسَلَّمَ وَاِنْ سَجَدَ لِلْخَامِسَةِ تَمَّ فَرْضُهٗ وَضَمَّ سَادِسَةً لِتَصِيْرَ رَكْعَتَانِ نَفْلًا وَسَجَدَ لِلسَّهْوِ
تو لوٹ آئے اور سلام پھیر دے اور اگر پانچویں کا سجدہ کر لیا تو فرض پورا ہو گیا اب چھٹی اور ملا لے تا کہ دو رکعتیں نفل ہو جائیں اور سجدہ سہو کر لے

وَلَوْسَجَدَ لِلسَّهْوِفِيْ شَفْعِ التَّطَوُّعِ لَمْ يَبْنِ شَفْعًا اٰخَرَ عَلَيْهِ وَلَوْ سَلَّمَ السَّاهِيْ فَاقْتَدٰى بِهٖ غَيْرُهٗ
اگر کسی نے نفل کی دو رکعت میں سجدۂ سہو کیا تو ان پر اور دو رکعتیں بنا نہ کرے ایک بھولنے والے نے سلام پھیرا کسی نے اس کی اقتدا کر لی

فَاِنْ سَجَدَ صَحَّ وَاِلَّا لَا وَسَجَدَ لِلسَّهْوِ وَاِنْ سَلَّمَ لِلْقَطْعِ وَاِنْ شَكَّ اَنَّهٗ كَمْ صَلّٰى وَهُوَ اَوَّلُ مَرَّةٍ
تو اگر اس نے سجدۂ سہو کر لیا تو اقتدا صحیح ہے ورنہ نہیں اور سجدۂ سہو کرے اگر چہ نماز تمام کرنے کی نیت سے سلام پھیرا ہو، اگر نمازی کو پہلی بار شک ہوا

اِسْتَاْنَفَ وَاِنْ كَثُرَ تَحَرّٰى وَاِلَّا اَخَذَ بِالْاَقَلِّ تَوَهَّمَ مُصَلِّي الظُّهْرِ اَنَّهٗ اَتَمَّهَا
کہ کتنی پڑھی ہیں تو از سر نو پڑھے اور اگر شک بکثرت ہو تو تحری کرے ورنہ اقل کو لے لے، ظہر پڑھنے والے کو خیال ہوا کہ میں نے نماز پوری کر لی

فَسَلَّمَ ثُمَّ عَلِمَ اَنَّهٗ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ اَتَمَّهَا وَسَجَدَ لِلسَّهْوِ
پس اس نے سلام پھیر دیا پھر معلوم ہوا کہ دو پڑھی ہیں تو پوری کر لے اور سجدۂ سہو کرے۔

تشریح الفقہ : **قولہ باب سجود السھو** الخ نوافل و فرائض، اداء و قضاء نمازوں کے بیان سے فراغت کے بعد اس چیز کا بیان ہے جس سے نماز کے نقصان کو پورا کیا جا سکتا ہے۔ اور وہ سجدۂ سہو ہے جس سے متعلق چند باتیں قابل لحاظ ہیں۔ (۱) اگر نماز میں سہو ہو جائے خواہ نماز فرض ہو یا نفل تو سجدۂ سہو واجب ہے۔ کیونکہ احادیث میں اس کا حکم بصیغۂ امر ہے جس کا مقتضی وجوب ہے۔ (۲) ہمارے نزدیک اس کا محل سلام کے بعد ہے خواہ سہو زیادتی کیساتھ ہو یا نقصان کیساتھ امام شافعی کے نزدیک بہر دو صورت سلام سے پہلے ہے۔ امام مالک کے نزدیک بصورت نقصان سلام سے قبل اور بصورت زیادتی سلام کے بعد ہے۔ (۳) سجدۂ سہو کا وجوب کسی واجب کے ترک کے سبب سے ہوتا ہے۔ خواہ ترک واجب بصوت تقدیم ہو یا بصورت تاخیر۔

قولہ یجب الخ اگر نماز میں ایک یا ایک سے زائد واجب ترک ہو جائے مثلاً قرأت فاتحہ، قنوت، تشہد یا تکبیرات عیدین چھوٹ جائیں تو سلام کے بعد دو سجدے واجب ہیں تشہد اور سلام کیساتھ یعنی قعدۂ اخیرہ میں التحیات کے بعد دائیں طرف سلام پھیر کر دو سجدے کرے اور دونوں سجدوں کے بعد دوبار تشہد اور درود وغیرہ پڑھ کر آخری سلام پھیرے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ سجدۂ سہو سلام سے پہلے کرے۔ (گو سلام کے بعد بھی جائز ہے) ان کی دلیل آنحضرت کا فعل ہے کہ "آپ نے ظہر کی نماز کے قعدۂ اخیرہ میں تکبیر کہی اور سلام

سے پہلے دو سجدے کئے'' (صحاح عن عبد اللہ بن مالک بن بحینہ) ہماری دلیل حضور کا ارشاد ہے کہ'' ہر سہو کے لئے سلام کے بعد دو سجدے ہیں۔'' (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، طحاوی، احمد، طبرانی، عبدالرزاق عن ثوبان) رہا امام شافعی کا استدلال سو جواب یہ ہے کہ صحاح ستہ میں حضرت ذوالیدین سے مروی ہے کہ آپ نے سلام کے بعد دو سجدے کئے، نیز صحیح مسلم، ابوداؤد، نسائی میں ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے عصر کی تین رکعات پر سلام پھیر دیا تھا الخ اس میں یہ ہے کہ کہ پھر آپ نے ایک رکعت پڑھ کر سلام پھیرا۔ پھر دو سجدے کئے پھر تحلیل کا سلام پھیرا۔ پھر آپکے فعل کی دونوں روایتیں متعارض ہیں لہذا آپ کی قولی احادیث سے تمسک باقی رہا۔ ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں، پھر یہ بھی یاد رہے کہ مقتدی پر صرف اسکے امام کے سہو سے سجدہ واجب ہوگا اور اگر امام کے پیچھے مقتدی کو سہو ہو گیا تو مقتدی پر سجدہ سہو واجب نہ ہوگا۔

قولہ عن القعود الاول الخ اگر کوئی شخص بھول کر کھڑا ہونے لگا اور ایسی حالت میں یاد آیا کہ ابھی بیٹھنے کے زیادہ قریب ہے تو بیٹھ کر قعدہ کر کے تشہد پڑھ لے۔ کیونکہ ہر چیز اپنے قریب کے حکم میں ہوتی ہے پس یہاں بھی کھڑے ہونے کی حالت بیٹھنے کے حکم میں ہے اور اصح یہ ہے کہ نیچا دھڑ آدھا سیدھا اور پیٹھ خم ہو تو بیٹھک کے قریب ہے۔ پھر اس صورت میں اصح قول پر سجدۂ سہو واجب نہیں۔ کیونکہ شرع نے اس کو کھڑا ہونیوالا شمار نہیں کیا البتہ اگر وہ قیام کے زیادہ قریب ہو تو قعدہ کی طرف نہ لوٹے۔ کیونکہ اب وہ کھڑے ہونے کے درجہ میں ہے۔ اس صورت میں بالاتفاق سجدۂ سہو ہے اور ظاہر مذہب یہ ہے کہ اگر سیدھا کھڑے ہونے سے پہلے یاد آجائے تو لوٹ آئے ورنہ نہیں اور حدیث میں جو آیا ہے کہ آپ کھڑے ہوئے اور لوگوں نے تسبیح پڑھی تو آپ بیٹھ گئے اسی پر محمول ہے کہ اس وقت آپ سیدھے کھڑے ہو گئے تھے۔

قولہ وان سھی عن الاخیر الخ اور اگر کوئی قعدۂ اخیرہ بھول کر پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا تو پانچویں رکعت کے لئے سجدۂ سے پہلے پہلے لوٹ آئے۔ اور قعدہ کیساتھ سجدۂ سہو کر کے نماز پوری کرلے۔ لوٹنا تو اس لئے ہے کہ یہ برائے اصلاح نماز ہے۔ اور سجدۂ سہو اس لئے ہے کہ واجب قطعی (فرض قعدۂ اخیرہ) میں تاخیر کی ہے اور اگر پانچویں کا سجدہ کر لیا تو ہمارے نزدیک فرضیت باطل ہوگئی۔ امام محمد، شافعی، مالک اس کے خلاف ہیں۔ دلیل بطلان یہ ہے کہ اس نے اتمام فرض سے قبل نفلی فعل شروع کر کے سجدہ سے مستحکم کر دیا اور تکمیل فرض سے قبل فرض سے نکل جانا اس کے بطلان کے لئے لازم ہے۔ بس فرضیت کے ختم ہو جانے اور اصل نماز کے پائے جانے کی وجہ سے شیخین کے نزدیک وہ نماز نفل ہوگئی۔ لہذا اس زائد رکعت کیساتھ ایک رکعت اور ملالے تاکہ نفل جفت ہو جائے اور نہ ملائے تو بھی کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ اس نے اس کو قصداً شروع نہیں کیا نیز اس پر سجدۂ سہو بھی نہیں۔

قولہ وان قعد فی الرابعۃ الخ اور اگر چوتھی رکعت پر قعدہ کرنے کے بعد بھول کر کھڑا ہو گیا تو پانچویں کے سجدۂ سے پہلے یاد آنے پر لوٹ آئے اور سجدہ سہو کر کے سلام پھیر دے اور اگر پانچویں کا سجدہ کر لیا تو ایک رکعت اور ملالے۔ اگر فجر و عصر و مغرب ہی ہو اس صورت میں اس کی فرض نماز بھی پوری ہو جائے گی۔ اور دو رکعتیں نفل بن جائینگی۔ فرض اس لئے پورا ہو گیا کہ کوئی رکن یا فرض نہیں چھوٹا صرف لفظ سلام باقی تھا جو واجب ہے۔ جس کی تکمیل سجدۂ سہو سے ہوگئی اور ایک رکعت اور ملانے کا حکم اس لئے ہے کہ تنہا ایک رکعت پڑھنے سے حضور نے منع فرمایا ہے۔ (ابن عبد البر)۔

قولہ ولو سجد الخ کسی نے نفل کی دو رکعت پڑھیں اور کسی وجہ سے سجدۂ سہو کیا تو وہ اسی تحریمہ سے اور نفل نہ پڑھے۔ کیونکہ بناء کرنے سے سجدۂ سہو نماز کے درمیان میں واقع ہو جائیگا بخلاف مسافر کے کہ اگر وہ دو رکعت پڑھ کر سجدۂ سہو کے بعد اقامت کی نیت کرلے تو وہ دوسرا دوگانہ ملا کر چار پڑھ سکتا ہے حالانکہ درمیان میں سجدۂ سہو ہے اس واسطے کہ اگر وہ بناء نہیں کریگا تو اسکی پوری نماز باطل ہو جائے گی کیونکہ اب اس کے ذمہ چار رکعت فرض ہوگئیں۔

بَابُ صَلٰوةِ الْمَرِيْضِ

باب بیمار کی نماز کے بیان میں

مَنْ تَعَذَّرَ عَلَيْهِ الْقِيَامُ اَوْ خَافَ زِيَادَةَ الْمَرَضِ صَلّٰى قَاعِدًا يَرْكَعُ وَيَسْجُدُ اَوْمُوْمِيًا اِنْ تَعَذَّرَ الْقُعُوْدُ

جس پر کھڑا ہونا دشوار ہو یا مرض کی زیادتی کا خوف ہو تو بیٹھکر رکوع وسجدہ کیساتھ پڑھے اور اگر رکوع سجدہ بھی مشکل ہو تو اشارہ سے پڑھے

وَجَعَلَ سُجُوْدَهٗ اَخْفَضَ وَلَا يَرْفَعُ اِلٰى وَجْهِهٖ شَيْئًا يَسْجُدُ عَلَيْهِ فَاِنْ فَعَلَ

اور سجدہ کو رکوع کی بہ نسبت زیادہ پست کرے اور کوئی چیز اس کے منہ کے سامنے اونچی نہ کی جائے کہ وہ اس پر سجدہ کرے اور اگر ایسا کیا

وَهُوَ يُخْفِضُ رَاْسَهٗ صَحَّ وَاِلَّا لَا وَاِنْ تَعَذَّرَ الْقُعُوْدُ اَوْمَأ مُسْتَلْقِيًا اَوْعَلٰى جَنْبِهٖ وَاِلَّا اٰخَرَتْ

اور اس نے سجدہ میں سر زیادہ جھکالیا تب بھی صحیح ہے ورنہ نہیں اور اگر بیٹھا بھی نہ جائے تو چت یا کروٹ پر لیٹ کر اشارہ کرے اور یہ بھی نہ ہو سکے تو نماز

وَلَمْ يُوْمِ بِعَيْنَيْهِ وَقَلْبِهٖ وَحَاجِبَيْهِ وَاِنْ تَعَذَّرَ الرُّكُوْعُ وَالسُّجُوْدُ لَا الْقِيَامُ اَوْمٰى قَاعِدًا وَلَوْ مَرِضَ فِيْ صَلٰوتِهٖ

ملتوی کی جائے اور آنکھوں سے اور دل اور بھوں سے اشارہ نہ کرے اور اگر رکوع سجدہ دشوار ہو نہ کہ قیام تو بیٹھکر اشارہ سے پڑھے۔ اور اگر نماز میں

يُتِمُّ بِمَا قَدَرَ وَلَوْ صَلّٰى قَاعِدًا يَرْكَعُ وَيَسْجُدُ فَصَحَّ بَنٰى وَلَوْكَانَ مُوْمِيًا لَا

بیمار ہو جائے تو جس طرح ہو سکے پوری کرلے اگر بیٹھکر رکوع سجدہ سے پڑھ رہا تھا پھر چنگا ہو گیا تو بناء کر لے اور اگر اشارہ کنندہ تھا تو نہیں،

وَلِلْمُتَطَوِّعِ اَنْ يَّتَّكِئَ عَلٰى شَيْءٍ اِنْ اَعْيٰى وَلَوْ صَلّٰى فِيْ فُلْكٍ قَاعِدًا بِلَا عُذْرٍ صَحَّ

نفل پڑھنے والے کے لئے سہارے کی اجازت ہے اگر تھک گیا ہو اگر کشتی میں بلا عذر بیٹھکر نماز پڑھے تو درست ہے

وَمَنْ اُغْمِيَ عَلَيْهِ اَوْ جُنَّ خَمْسَ صَلَوَاتٍ قَضٰى وَلَوْ اَكْثَرَ لَا

جو شخص بیہوش ہو جائے یا پانچ نمازوں تک دیوانہ ہو جائے تو قضاء کرے اور اگر زائد ہو تو نہیں۔

توضیح اللغۃ: اخفض زیادہ پست مستلقیا چت لیٹ کر، جنب پہلو، حاجب ابرو بھوں، اعیا تھک جائے فلک کشتی، اغمی بیہوشی طاری ہو گئی۔

تشریح الفقہ: **قولہ من تعذر الخ** اگر کوئی شخص کھڑا ہو کر نماز پڑھنے سے عاجز ہو یا قیام کرنے سے مرض کی زیادتی کا یا دیر میں اچھا ہونے کا خوف ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھ لے۔ ٹیک لگا کر کھڑا ہونا ضروری نہیں۔ اور اگر رکوع وسجدہ بھی متعذر رہو جائے تو قبلہ رخ لیٹ کر گھٹنوں کو کھڑا کر کے اشارہ سے نماز پڑھے۔ کیونکہ آیت یذکرون اللہ قیاما وقعودا وعلی جنوبہم" کے متعلق ابن مسعود، ابن عمر اور جابر فرماتے ہیں کہ یہ نماز کے بارے میں ہے یعنی اگر قیام پر قادر ہوں تو کھڑے ہو کر اور قیام سے عاجز ہوں تو بیٹھ کر اور بیٹھنے سے بھی عاجز ہوں تو اپنے پہلوؤں پر لیٹ کر نیز حضرت عمران بن حصین کو بواسیر کی شکایت تھی نماز کے متعلق حضور سے دریافت کیا آپ نے فرمایا کہ کھڑے ہو کر پڑھ۔ اگر یہ نہ ہو سکے تو بیٹھ کر پڑھ اور یہ بھی نہ ہو سکے تو لیٹ کر پڑھ (صحاح غیر مسلم)

پھر مریض اگر اشارہ سے نماز پڑھتا ہو تو اسکی پیشانی کی طرف کوئی ایسی چیز اونچی نہ کیجائے جس پر وہ سجدہ کرے کیونکہ حضور نے اس سے منع فرمایا ہے روایت ہے کہ آنحضرت ایک بیمار کی عیادت کو تشریف لائے دیکھا کہ وہ تکیہ پر نماز پڑھ رہا ہے آپنے تکیہ لیکر پھینک دیا۔ اس نے ایک لکڑی پکڑلی کہ اس پر نماز پڑھے آپ نے اسکو بھی پھینک دیا۔ اور فرمایا کہ اگر تجھ کو طاقت ہو تو زمین پر نماز پڑھ ورنہ اشارہ کر اور اپنے سجدہ کو رکوع سے پست کر (بزار، بیہقی عن جابر، طبرانی عن ابن عمر)

قولہ والا اخرت الخ اور اگر مریض کو سر سے اشارہ کر کے بھی نماز پڑھنے کی طاقت نہ ہو تو نماز کو مؤخر کر دے آنکھ یا بھوؤں یا دل

سے اشارہ کر کے نماز پڑھنا صحیح نہیں یہی اصح ہے۔ امام ابوحنیفہ سے غیر ظاہر الروایہ میں صرف بھوؤں سے اشارہ کا جواز ہے امام ابو یوسف سے روایات مختلف ہیں، امام مالک، امام شافعی، امام احمد سے مروی ہے کہ آنکھوں سے پھر بھوؤں سے پھر دل سے اشارہ جائز ہے۔ امام محمد سے آنکھوں سے اشارہ کے جواز میں شک اور قلب سے اشارہ میں عدم جواز مروی ہے اور بھوؤں کا ذکر نہیں۔ امام زفر اور حسن بن زیاد کے نزدیک بھی ان چیزوں سے اشارہ جائز ہے۔ لیکن جب سر سے اشارہ پر قدرت ہو جائے تو اعادہ ضروری ہے۔ لیکن ظاہر الروایہ میں ہمارے نزدیک جائز نہیں۔ کیونکہ حضور کا ارشاد گذر چکا کہ ''جب رکوع وسجود کی قدرت نہ ہو تو سر سے اشارہ کر۔ سوال اس میں سر کے علاوہ دوسری چیزوں سے ممانعت نہیں ہے جواب دوسری چیزوں سے اشارہ کا ثبوت ہونا چاہئے۔ اور وہ کسی روایت میں نہیں ہے۔'' مصنف کے قول ''اخرت'' میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نماز بالکل معاف نہ ہوگی۔ بلکہ فوراً ادا کرنے سے انتہائی عاجز ہونے کی بناء پر مہلت ہے۔ اگر تندرست ہونے کے بعد وقت پائے تو چھوٹی ہوئی نمازوں کی قضاء لازم ہے۔

قولہ وان تعذر الخ اگر مریض قیام کر سکتا ہو لیکن رکوع وسجود پر قدرت نہ ہو یا فقط سجود پر قدرت نہ ہو تب بھی اس پر قیام کرنا لازم نہیں چاہے کھڑے ہو کر پڑھے چاہے بیٹھ کر اور بیٹھ کر پڑھنا افضل ہے۔ کیونکہ قیام اس لئے لازم تھا کہ اس کے ذریعہ رکوع وسجدہ ادا کیا جا سکے۔ اور جب وہ اس قیام پر قادر نہیں جس کے بعد سجدہ ہو سکے تو اب وہ رکوع وسجدہ کا ذریعہ نہ بن سکا اس لئے نمازی کو قیام کرنے اور نہ کرنے میں اختیار ہوگا۔ اور ایسی حالت میں بیٹھ کر پڑھنا اس لئے افضل ہے کہ بیٹھ کر سجدہ کا اشارہ کرنا حقیقی سجدہ کیساتھ زیادہ مشابہ ہے۔ بخلاف کھڑے ہو کر اشارہ کے ساتھ سجدہ کرنے کے کہ وہ زمین سے بہت دور ہے۔

قولہ وان اغمی الخ جس شخص کو پانچ نمازوں سے کم تک بے ہوشی طاری ہو تو وہ ان نمازوں کی قضاء کرے اور اگر پانچ نمازوں سے زیادہ ہوں تو اس پر قضا نہیں یہ حکم مبنی بر استحسان ہے مقتضی قیاس تو یہ ہے کہ بے ہوش ہونے والے پر قضا نہ ہو جبکہ بے ہوشی نے ایک نماز کا پورا وقت گھیر لیا کیونکہ عجز متحقق ہو گیا اس لئے بے ہوشی جنون کے مشابہ ہوگئی، استحسان کی وجہ یہ ہے کہ جب بے ہوشی کی مدت دراز ہو جائیگی تو قضائیں بہت ہو جائیں گی۔ اور وہ ان کی قضا کرنے کی وجہ سے حرج میں پڑ جائیگا۔ اور جب مدت کم ہوگی تو قضا نمازیں کم ہونگی جن کی قضا میں کوئی حرج لازم نہیں آتا اور کثرت کی مقدار یہ ہے کہ قضا نمازیں ایک دن اور ایک رات سے بڑھ جائیں کیونکہ وہ مکرر کی حد میں داخل ہو جائیں گی۔

قولہ ولو صلی فی فلک الخ چلتی ہوئی کشتی میں بیٹھ کر نماز پڑھنا امام اعظم کے نزدیک جائز ہے اگر چہ کوئی عذر یعنی بیماری وغیرہ بھی نہ ہو، البتہ کھڑے ہو کر پڑھنا افضل ہے صاحبین کے نزدیک بلا عذر بیٹھ کر پڑھنا جائز نہیں، امام مالک، امام شافعی، امام احمد کا بھی یہی قول ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ جب قیام پر قدرت ہے تو بلا وجہ قیام کو ترک نہیں کیا جا سکتا۔ امام اعظم کی دلیل یہ ہے کہ کشتی میں اکثر وبیشتر چکر آتا ہے اور جو چیز اکثر وبیشتر واقع ہو وہ متحقق کے مثل ہوتی ہے جیسے سفر میں قصر کی رخصت اس وجہ سے ہے کہ اکثر وبیشتر مشقت لاحق ہوتی ہے۔ اگر کسی کو مشقت لاحق نہ ہو تب بھی قصر کا حکم ہے اسی طرح کشتی میں چکر آنا غالب ہے اس لئے وہ ہر شخص کے حق میں موجود متحقق اعتبار کیا جائیگا۔ لہٰذا بیٹھ کر پڑھنا جائز ہوا لیکن کھڑے ہو کر پڑھنا اس لئے افضل ہے کہ دراصل اس میں علماء اجتہاد کا اختلاف ہے کہ بلا عذر ترک قیام جائز نہیں پس بہتر یہی ہے کہ کھڑے ہو کر پڑھے تا کہ اختلاف سے نکل جائے۔

فائدہ: حکم مذکورہ عام ہے خواہ کشتی سے باہر نکل سکتا ہو یا نہ، البتہ اگر نکل سکتا ہو تو باہر نکل کر پڑھنا افضل ہے کیونکہ اس صورت میں نماز پورے اطمینان کیساتھ ادا کر سکے گا لیکن اگر نکل سکنے کے باوجود کشتی ہی میں نماز پڑھ لی تب بھی جائز ہے چنانچہ ابن حزم نے محلی میں حدیث ابن سیرین سے ذکر کیا ہے کہ ہم کو صحابی نے کشتی میں نماز پڑھائی اس حالت میں کہ ہم لوگ بیٹھے ہوئے تھے حالانکہ اگر چاہتے تو کشتی سے باہر نکل سکتے تھے۔ (نور الدرایہ)

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

بَابُ سُجُوْدِ التِّلَاوَةِ

باب سجدۂ تلاوت کے بیان میں

يَجِبُ بِاَرْبَعَ عَشَرَ اٰيَةً مِنْهَا اُوْلَى الْحَجِّ وَصٓ عَلٰى مَنْ تَلَاهَا وَلَوْ اِمَامًا
سجدہ واجب ہے چودہ آیتوں میں سے کوئی آیت پڑھنے سے جن میں سے ایک حج کی پہلی آیت سجدہ ہے اور دوسری صٓ کی ہے پڑھنے والے پر گو امام ہو

اَوْسَمِعَ وَلَوْ غَيْرَ قَاصِدٍ اَوْمُؤْتَمًّا لَا بِتِلَاوَتِهٖ وَلَوْ سَمِعَهَا الْمُصَلِّىْ مِنْ غَيْرِهٖ سَجَدَهَا بَعْدَ الصَّلٰوةِ
اور سننے والے پر گو بلا ارادہ سنے یا مقتدی ہو نہ کہ مقتدی کی تلاوت سے اگر نمازی نے کسی دوسرے سے سجدہ کی آیت سنی تو نماز کے بعد سجدہ کرے

وَلَوْ سَجَدَ فِيْهَا اَعَادَهَا لَا الصَّلٰوةُ وَلَوْ سَمِعَ مِن اِمَامِهٖ فَأْتَمَّ قَبْلَ اَنْ يَّسْجُدَ
اور اگر نماز ہی میں سجدہ کیا تو سجدہ کو لوٹائے نہ کہ نماز کو اگر کسی نے امام سے سجدہ کی آیت سنی اور سجدہ کرنے سے پہلے اسکی اقتداء کر لی

سَجَدَ مَعَهٗ وَبَعْدَهٗ لَا وَاِنْ لَمْ يَقْتَدِ بِهٖ سَجَدَهَا وَلَمْ تُقْضَ الصَّلٰوتِيَّةُ خَارِجَهَا
تو امام کیساتھ وہ بھی سجدہ کرے اور اگر سجدہ کے بعد اقتداء کی تو سجدہ نہ کرے اور اگر اقتداء ہی نہیں کی تو خود سجدہ کرے اور نماز میں واجب شدہ سجدہ

وَلَوْ تَلَا خَارِجَ الصَّلٰوةِ فَسَجَدَ لَهٗ وَاَعَادَهَا فِيْهَا سَجَدَ اُخْرٰى وَاِنْ لَمْ يَسْجُدْ اَوَّلًا كَفَتْهُ سَجْدَةٌ وَّاحِدَةٌ
خارج نماز قضاء نہیں ہوگا اگر خارج نماز تلاوت کی اور سجدہ کر لیا پھر نماز میں لوٹایا تو دوبارہ سجدہ کرے اور اگر اولا سجدہ نہ کیا ہو تو ایک ہی کافی ہے

كَمَنْ كَرَّرَهَا فِىْ مَجْلِسٍ وَّاحِدٍ وَكَيْفِيَّتُهٗ اَنْ يَّسْجُدَ بِشَرَآئِطِ الصَّلٰوةِ بَيْنَ التَّكْبِيْرَتَيْنِ
جیسے وہ شخص جو ایک ہی مجلس میں کئی بار پڑھے نہ کہ دو مجلسوں میں، اس کا طریقہ یہ ہے کہ سجدہ کرے شرائط نماز کے ساتھ دو تکبیروں کے درمیان

بِلَارَفْعِ يَدٍ وَتَشَهُّدٍ وَتَسْلِيْمٍ وَكُرِهَ اَنْ يَّقْرَءَ سُوْرَةً وَيَدَعَ اٰيَةَ السَّجْدَةِ لَا عَكْسُهٗ
رفع یدین اور تشہد وسلام کے بغیر اور مکروہ ہے یہ کہ پڑھے سورت اور چھوڑ دے آیت سجدہ نہ کہ اس کا عکس۔

قولہ یجب الخ قرآن میں کل چودہ سجدے ہیں۔(۱) سورۂ اعراف میں ''یسجدون'' پر (۲) رعد میں ''وللہ یسجد من فی السمٰوٰت'' ختم آیت پر۔(۳) نحل میں ''ویفعلون مایومرون'' پر (۴) بنی اسرائیل میں ''یخرون للاذقان اھ'' ختم آیت پر (۵) مریم میں ''سجداً وبکیا'' پر (۶) حج کا پہلا سجدہ ''الم تران اللہ یسجد لہ اھ'' ختم آیت پر (۷) فرقان میں ''واذا قیل لہم اسجدوا للرحمٰن اھ'' (۸) نمل میں ''رب العرش العظیم'' پر (۹) السجدہ میں ''خروا سجدا اھ ختم آیت پر (۱۰) صٓ میں ''وخر راکعا واناب پر (۱۱) ''حم السجدہ'' میں ''لایسأمون'' پر (۱۲) نجم میں ''فاسجدوا للہ واعبدوا'' پر (۱۳) انشقت میں ''واذا قرئ علیہم اھ'' ختم آیت پر (۱۴) اقرأ میں واسجد واقترب'' پر ان مواضع میں سجدہ کرنا واجب ہے تلاوت کرنیوالا ہو یا سننے والا ہو امام ہو یا مقتدی قصد کرے یا نہ کرے کیونکہ حضور کا ارشاد ہے کہ ''سجدہ اس پر ہے جس نے اس کو سنا اور اس پر جس نے اس کو پڑھا۔

قولہ ولو سمعھا الخ اگر نمازی نے کسی غیر نمازی سے سجدہ کی آیت سنی تو نماز سے فارغ ہو کر سجدہ کرے خواہ سننے والا نمازی امام ہو یا مقتدی اور نماز ہی میں سجدہ اس لئے نہ کرے کہ اس آیت کا سننا اس کے لئے افعال نماز میں سے نہیں ہے مگر چونکہ اس کا سبب یعنی سننا

عہ.. ابن ابی شیبہ بخاری، عبد الرزاق ولیس فیہ علی من تلا ۱۲

متحقق ہو چکا اس لئے سجدہ کرنا ضروری ہے اگر نماز ہی میں ادا کر لیا تو ادا نہ ہوگا کیونکہ یہ ادا ناقص ہے اور جو چیز ناقص ادا ہوتی ہے اس کا اعادہ ضروری ہوتا ہے لہذا نماز کے بعد اعادہ ضروری ہوگا۔ اگر امام نے سجدہ کی آیت پڑھی اور اس کو کسی ایسے شخص نے سنا جو امام کیساتھ نماز میں نہیں ہے پھر اس نے امام کے سجدہ کرنے سے پہلے امام کی اقتداء کی تو امام کیساتھ وہ بھی سجدہ کرے۔ کیونکہ اگر وہ نہ سنتا تو بھی سجدہ کرنا واجب تھا لہذا اب تو بدرجہ اولیٰ واجب ہے اگر وہ امام کے ساتھ سجدہ کرنے کے بعد شامل ہوا تو واجب نہیں۔ کیونکہ وہ رکعت پانے کی وجہ سے سجدہ پانیوالا ہوگیا۔ اور اگر امام کے ساتھ نماز میں داخل نہیں ہوا تو یہ سجدہ کرے کیونکہ اس کا سبب متحقق ہو چکا۔

قولہ ولو تلا الخ خارج نماز آیت سجدہ پڑھی اور اتفاق سے سجدہ نہیں کیا پھر کوئی فرض یا نفل نماز شروع کی اور اسی آیت سجدہ کو دوبارہ نماز میں پڑھ کر سجدہ کیا تو پہلا سجدہ بھی ادا ہوگیا اگر چہ پہلے سجدہ کی نیت بھی نہ کی ہو کیونکہ نماز والا سجدہ بوجہ افضلیت پہلے سجدہ سے قوی ہے لہذا وہ پہلے سجدہ کو اپنے تابع کرلے گا۔ اور اگر نماز میں پڑھنے سے پہلے سجدہ کر لیا تو نماز میں دوبارہ سجدہ کرے کیونکہ مجلس بدل گئی اور نماز والا سجدہ قوی ہے اور پہلا ضعیف لہذا یہ سجدہ پہلے سجدہ کے تابع نہ ہوگا۔

بَابُ صَلٰوةِ الْمُسَافِرِ

باب مسافر کی نماز کے بیان میں

قولہ باب صلوۃ المسافر الخ مصنف علیہ الرحمۃ اس باب کو سجدۂ تلاوت کے بعد لا رہے ہیں اس واسطے کہ ان دونوں میں ایک خاص مناسبت ہے اور یہ کہ یہ دونوں عارضی ہیں تلاوت بھی امر عارض ہے اور سفر بھی امر عارض ہے لیکن مصنف نے سجدۂ تلاوت کو مقدم کیا ہے اور اس باب کو مؤخر۔ اس واسطے کہ تلاوت میں اصل اس کا عبادت ہونا ہے یہ اور بات ہے کہ وہ ریا و نمود اور شہرت طلبی یا جنابت و ناپاکی کی وجہ سے عبادت نہ رہے اور سفر میں اصل اباحت ہے گو وہ حج وغیرہ کی وجہ سے عبادت بھی ہو جاتا ہے اور جو چیز باعتبار اصل عبادت ہو اس کا امر مباح پر مقدم ہونا ظاہر ہے اس لئے مصنف نے سجدۂ تلاوت کے احکام کو مقدم کیا اور صلوۃ مسافر کے احکام کو مؤخر نیز سفر کے چند احکام بدلے ہوئے ہیں۔ مثلاً نماز میں قصر ہونا، روزہ افطار کرنا، موزہ پر مسح کی مدت کا تین دن تین رات تک بڑھ جانا، جمعہ، عیدین اور قربانی کا واجب نہ ہونا وغیرہ۔ اس لئے بھی اس کو مؤخر کرنا مناسب ہے لغت میں سفر کے معنی ظہور کے ہیں یقال سفر (ن) سفوراً۔ واسفر الصبح۔ صبح روشن ہوگئی۔ انسفر الغیم بادل چھٹ گیا۔ چونکہ سفر میں آدمی کے اخلاق ظاہر ہوتے ہیں یا یہ کہ اس سے زمین کا حال ظاہر ہوتا ہے اس لئے اس کو سفر کہتے ہیں۔ پھر مطلق سفر سے احکام نہیں بدلتے بلکہ جس سفر سے احکام بدلتے ہیں وہ یہ ہے کہ ایسی مسافت کا قصد کرے جو عادۃً تین دن تین رات میں طے ہو۔ خواہ اونٹ کی رفتار ہو یا پیدل کی یا بیل گاڑی کی اور تین دن بھی ہر ملک کے سال میں سب سے چھوٹے موسم کے معتبر ہیں جیسے ہمارے یہاں ایام سرما، پھر صبح سے رات تک مسلسل چلنا بھی شرط نہیں بلکہ ہر روز صبح سے وقت زوال تک ہر مرحلہ پر پہنچ کر استراحت و آرام کر کے تین دن اور تین رات میں مسافت کا طے ہونا معتبر ہے۔ بعض مشائخ نے سفر شرعی کا اندازہ تین فرسخ سے کیا ہے فرسخ تین میل کا ہوتا ہے اور ایک میل بارہ ہزار قدم کا ہوتا ہے اس حساب سے سفر شرعی کا اندازہ چھتیس ہزار قدم کا ہوا۔ بعض نے مقدار سفر اکیس فرسخ اور بعض نے اٹھارہ اور بعض نے پندرہ اور بعض نے دس فرسخ قرار دی ہے درایہ شرح ہدایہ میں اٹھارہ پر اور مجتبیٰ میں اکثر ائمہ خوارزم کا فتویٰ پندرہ پر ہے۔ صاحب ہدایہ نے ان تمام اقوال کو ضعیف کہکر یہ بتایا ہے کہ قصر کا مدار اس مسافت پر ہے جو اوسط چال سے تین روز میں طے ہو۔

مَنْ جَاوَزَ بُیُوْتَ مِصْرِہٖ مُرِیْدًا سَیْرًا وَّسَطًا ثَلَاثَةَ اَیَّامٍ فِیْ بَرٍّ اَوْبَحْرٍ اَوْ جَبَلٍ قَصَرَ الْفَرْضَ الرُّبَاعِیَّ
جوشخص گذرجائے شہر کے گھروں سے بارادۂ سفر میانہ تین دن تین رات جنگل یادریا یا پہاڑ میں تو وہ چار رکعت والے فرض کو دو پڑھے
فَلَوْاَتَمَّ وَقَعَدَ فِی الثَّانِیَةِ صَحَّ وَاِلَّا لَا حَتّٰی یَدْخُلَ مِصْرَہٗ اَوْیَنْوِیَ اِقَامَةَ نِصْفِ شَھْرٍ بِبَلْدَةٍ اَوْقَرْیَةٍ
اوراگر پوری پڑھیں اور دو رکعت میں بیٹھ گیا تو صحیح ہے ورنہ نہیں یہاں تک کہ اپنے شہر میں داخل ہو یا کسی شہر یا گاؤں میں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کرے
لَابِمَکَّةَ وَمِنٰی وَقَصَرَ اِنْ نَوٰی اَقَلَّ مِنْهُ اَوْ لَمْ یَنْوِ وَبَقِیَ سِنِیْنَ اَوْنَوٰی عَسْکَرٌ ذٰلِکَ بِاَرْضِ الْحَرْبِ
نہ کہ مکہ اور منیٰ میں اور قصر کرے اگر اس سے کم کی نیت کی یا نیت بالکل نہیں کی اور برسوں تک رہتا رہا، یا لشکر نے دارالحرب میں اس کی نیت کی
وَاِنْ حَاصَرُوْا فِیْهَا مِصْرًا اَوْحَاصَرُوْا اَهْلَ الْبَغْیِ فِیْ دَارِنَا فِیْ غَیْرِہٖ بِخِلَافِ اَهْلِ الْاَخْبِیَةِ وَاِنِ اقْتَدٰی مُسَافِرٌ بِمُقِیْمٍ
اگرچہ محاصرہ کئے ہوئے ہوں شہر کا یا باغیوں کا دارالاسلام میں غیر شہر میں بخلاف خانہ بدوشوں کے، اگر مسافر کسی مقیم کی اقتداء کرے
فِی الْوَقْتِ صَحَّ وَاَتَمَّ وَبَعْدَهٗ لَا وَبِعَکْسِهٖ صَحَّ فِیْهِمَا
نماز کے وقت میں تو یہ درست ہے اب مسافر پوری پڑھے اور وقت کے بعد درست نہیں اور بصورت عکس دونوں میں صحیح ہے
وَیَبْطُلُ الْوَطَنُ الْاَصْلِیُّ بِمِثْلِهٖ لَا السَّفَرِ وَوَطَنُ الْاِقَامَةِ بِمِثْلِهٖ وَالْاَصْلِیِّ
اور وطن اصلی اپنے مثل سے باطل ہوجاتا ہے نہ کہ سفر سے اور وطن اقامت اپنے مثل سے اور سفر سے اور وطن اصلی سے
وَفَائِتَةُ السَّفَرِ وَالْحَضَرِ تُقْضٰی رَکْعَتَیْنِ وَاَرْبَعًا وَالْمُعْتَبَرُ فِیْهِ اٰخِرُ الْوَقْتِ وَالْعَاصِیْ کَغَیْرِہٖ
سفر وحضر کی قضاء نمازیں دو اور چار رکعتیں پڑھی جائیں اور معتبر اس میں نماز کا آخر وقت ہے اور گنہ گار دوسروں جیسا ہے
وَیُعْتَبَرُ نِیَّةُ الْاِقَامَةِ فِی السَّفَرِ مِنَ الْاَصْلِ دُوْنَ التَّبَعِ اَیِ الْمَرْءَ ةِ وَالْعَبْدِ وَالْجُنْدِیِّ
اور اقامت وسفر کی نیت کا اعتبار اصل سے ہے نہ کہ تابع سے جیسے عورت اور غلام اور سپاہی

توضیح اللغۃ: جاوز آگے بڑھ جائے، مصر شہر، وسط درمیانی، بر خشکی، جبل پہاڑ، قصر چار رکعت والی نماز میں دو رکعت پڑھے، قریہ بستی، سنین جمع سنہ سال، عسکر لشکر، حصروا گھیراڈال دیا۔ اہل البغی حاکم کے نافرمان، اہل الاخبیہ: خانہ بدوش، حضر اقامت، جندی لشکر۔

تشریح الفقہ: قولہ من جاوز الخ سفر سے چار باتیں متعلق ہیں۔(۱) قصر کی ابتداء کہاں سے ہو۔(۲) شروط قصر (۳) حکم سفر (۴) مدت قصر۔ مصنف نے ''من جاوز بیوت مصر'' سے (۱) کو اور ''مریدا'' ''سیراًاھ'' سے (۲) کو قصر الفرض الرباعی'' سے (۳) کو اور ''حتی یدخل مصرہ'' سے (۴) کو بیان کیا ہے، ان نمبرات کی تشریح یہ ہے کہ قصر کی ابتداء اس وقت سے ہوتی ہے جب کہ مسافر اپنے مسکن سے نکل کر شہروں کے گھروں سے متجاوز ہوجائے۔ کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مدینہ منورہ میں ظہر کی چار رکعت اور ذوالحلیفہ میں عصر کی دو رکعت پڑھنا ثابت ہے۔ (بخاری ومسلم عن انس) نیز حضرت علی کا ارشاد ہے کہ'' اگر ہم اس خص[1] سے گذر جائیں تو ضرور قصر کریں گے۔ (ابن ابی شیبہ، عبدالرزاق) (۲) سفر کی رخصت حاصل ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ اتنی مسافت کے قصد پر نکلے جو وسط چال کیساتھ تین روز میں طے ہوا گراس کا ارادہ نہیں کیا تو اس کو کبھی سفر کی رخصت حاصل نہ ہوگی اگر چہ ہزاروں کوس کی مسافت طے کرجائے مثلاً ایک شخص نے اپنے بھاگے ہوئے غلام یا قرضدار کو تلاش کرنے کے لئے نکلا اور کسی روز اس نے اتنی مسافت پر جا کر جستجو کا قصد نہ کیا تو وہ مسافر نہیں۔ (۳) ہمارے نزدیک رباعی نماز میں مسافر پر حتمی طور سے دو رکعت فرض ہے۔ یہی قول صحابہ میں سے حضرت عمر، علی، ابن مسعود، جابر، ابن عباس، ابن عمر کا ہے اور بقول علامہ بغوی یہی اکثر علماء کا قول ہے، امام شافعی، امام مالک، امام احمد کے نزدیک اصل

[1] خص بمعنی نرکل کا جھونپڑا ۱۲

فرض چار ہی رکعتیں ہیں۔ لیکن قصر کی اجازت ہے جیسے روزہ فرض ہے لیکن مشقت کی وجہ سے سفر میں افطار کی اجازت ہے۔ ہماری دلیل حضرت عائشہ کی حدیث ہے۔ کہ نماز سفر دو رکعت، نماز بقرعید دو رکعت، نماز عید دو رکعت، نماز جمعہ دو رکعت یہ نمازیں پوری ہیں قصر نہیں بزبان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان) حضرت ابو ہریرہ کی حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سفر میں نماز پوری پڑھنے والا ایسا ہے جیسے حضر میں قصر کرنیوالا (دار قطنی) (۴) جو شخص شرعاً مسافر ہو وہ برابر قصر کرتا رہے گا۔ یہاں تک کہ مدت سفر پوری کرنے سے پہلے واپسی وطن کا ارادہ کرے۔ یا مدت سفر پوری کر کے وطن آ جائے یا مدت پوری ہونے کے بعد دوسرے مقام میں داخل ہو کر پندرہ دن یا اس سے زیادہ ٹھہرنے کی نیت کرے۔ بشرطیکہ یہ مقام دار الحرب کا نہ ہو اور وہ خود کسی کا تابع نہ ہو اور نیت میں کوئی تردد نہ ہو۔

قولہ بخلاف اهل الاخبية الخ اہل خبیہ سے مراد عرب کے بدو اور قوم کرد و ترکمان اور ریوڑ والے ہیں جو بالوں کے خیموں اور سرکیوں میں رہا کرتے ہیں اور جا بجا ڈیرے لئے پھرتے ہیں گاؤں کی طرح کہیں جم کر آباد نہیں ہوتے۔ اگر ان لوگوں نے کسی جگہ پندرہ روز اقامت کی نیت کر لی تو بقول اصح ان کی نیت صحیح ہے امام ابو یوسف سے یہی روایت ہے اور محیط میں ہے کہ اسی پر فتوی ہے۔

قولہ وان اقتدی الخ اگر مسافر نے وقت کے اندر کسی مقیم کی اقتداء کی تو اقتداء صحیح ہے اور اب وہ چار رکعت پوری پڑھے کیونکہ اتباع امام کی وجہ سے مسافر کا فرض متغیر ہو جاتا ہے لیکن صحت اقتداء کے لئے ابتداء میں وقت اداء کا ہونا ضروری ہے۔ اگر خروج وقت کے بعد اقتداء کی تو صحیح نہ ہوگی کیونکہ وقت کے بعد مسافر کا فرض متغیر نہیں ہوتا اور اگر اس کا عکس ہو یعنی کوئی مقیم مسافر کی اقتداء کرے تو یہ بہر دو صورت صحیح ہے وقت میں ہو یا غیر وقت میں۔

قولہ و يبطل الوطن الخ وطن دو ہیں۔ وطن اصلی۔ وطن اقامت، وطن اصلی وہ آبادی ہے جہاں آدمی پیدا ہوا ہے نیز وہ بھی وطن اصلی ہے جہاں اس نے شادی کی اور زندگی گذارنے کا قصد کیا، وطن اقامت وہ ہے جہاں سفر میں پندرہ روز یا اس سے زیادہ کی نیت سے ٹھہر گیا ہو۔ وطن اصلی اپنے مثل سے ختم ہو جاتا ہے۔ نہ کہ سفر سے یعنی جس معنی کے لحاظ سے ایک وطن اصلی تھا اگر اس کو چھوڑ کر اسی معنی میں دوسرا وطن بنا لیا تو پہلا وطن اصلی ختم ہو گیا۔ مثلاً ایک شخص کا وطن اصلی سہارنپور تھا وہ اس کو چھوڑ کر مراد آباد منتقل ہو گیا۔ اور اس کو وطن بنا لیا۔ پھر اس نے اس جدید وطن سے وطن اول کی طرف سفر کیا تو وہاں جا کر قصر کریگا کیونکہ اب وہ اس کا وطن نہیں رہا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد مکہ میں اپنے آپ کو مسافروں میں شمار کیا۔ اور نماز کے بعد فرمایا: اے اہلِ مکہ! تم اپنی نماز پوری کر لو۔ ہم تو مسافر ہیں اور وطن اقامت اپنے مثل وطن اقامت، سفر و وطن اصلی سب سے ختم ہو جاتا ہے۔ پس اگر کسی نے سفر میں کسی مقام پر پندرہ روز وطن اقامت بنا لیا تھا پھر اسے چھوڑ کر دوسری جگہ پندرہ روز اقامت کی یا وہاں سے سفر کیا یا وہاں سے اپنے وطن اصلی میں چلا گیا تو وہ وطن اقامت ختم ہو گیا اگر وہاں جائے تو قصر کرے۔

قولہ والعاصی کغیرہ الخ رخصت سفر میں مطیع و فرمانبردار کی کوئی تخصیص نہیں بلکہ مطیع و نافرمان دونوں یکساں ہیں پس جس طرح حلال تجارت، طلب علم، حج بیت اللہ کے لئے سفر کرنیوالا دو رکعت پڑھتا ہے اسی طرح جو شخص شراب لینے یا چوری کرنے یا کسی پر ظلم کرنے کے لئے شرعی مسافت طے کرے وہ بھی دو ہی رکعت پڑھیگا امام شافعی کے یہاں نافرمان کے لئے سفر کی رخصت نہیں کیونکہ رخصت رحمت و انعام ہے اور نافرمان مستحق عذاب ہے یہی قول امام مالک و امام احمد کا ہے، ہماری دلیل نصوص کا اطلاق ہے کہ آیت ''فمن کان منکم مریضا او علی سفر'' اور حدیث ''فرض المسافر رکعتان'' میں مطیع کی کوئی تخصیص نہیں لہذا ہر مسافر کا یہی حکم ہوگا، عاصی ہو یا مطیع، نیز عاصی کے لئے اپنے سفر میں بالا جماع عمدہ عمدہ کھانا مباح ہے۔ حالانکہ وہ اس سے معصیت کی قوت حاصل کر رہا ہے۔

قولہ و تعتبر نية الاقامة الخ اقامت کے سلسلہ میں اسی کی نیت کا اعتبار ہے جو خود مختار ہو دوسرے کا تابع نہ ہو اگر دوسرے کا تابع ہو تو وہ اپنی نیت سے مقیم نہ ہوگا جیسے بیوی اپنے شوہر کے تابع ہے اور غلام اپنے آقا کے اور شاگرد اپنے استاد کے اور مزدور و نوکر اپنے مستاجر کے اور وظیفہ خوار سپاہی اپنے سردار لشکر کے اختیار میں ہیں۔

بَابُ صَلوٰةِ الْجُمُعَةِ

باب نماز جمعہ کے بیان میں

قولہ باب الخ باب سابق کیساتھ اس باب کی مناسبت تنصیف ہے۔ کہ مسافر کی نماز بھی دو رکعت ہے اور جمعہ کی نماز بھی دو رکعت ہے، البتہ یہاں تنصیف ایک خاص نماز میں ہے۔ یعنی ظہر میں اور مسافر کی ہر چہار رکعت والی نماز میں تنصیف ہے پس باب سابق عام ہوا اور باب لاحق خاص اور عام خاص پر مقدم ہوتا ہے۔ جمعہ کی نماز حنفیہ وشافعیہ کے نزدیک ہی نہیں بلکہ جمیع مسلمین کے نزدیک فرض ہے جس کی فرضیت کتاب اللہ، سنت رسول اور اجماع امت سے ثابت ہے حتی کہ اس کا منکر کافر ہے بلکہ ہمارے ائمہ نے تو تصریح کی ہے کہ جمعہ فرض ظہر سے بھی زیادہ مؤکد ہے۔ کیونکہ ہم کو جمعہ کے لئے فرض ظہر چھوڑنے کا حکم ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔ "یاایھاالذین امنوا اذانودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ ؏" اگر ذکر سے مراد نماز ہے تب تو ظاہر ہے اور اگر خطبہ مراد ہے کہ اسکا اہتمام مقصود ہے کہ ایسے وقت چلو کہ خطبہ بھی سن سکو۔ اور جب خطبہ سننا فرض ہوا تو نماز بدرجہ اولیٰ فرض ہوئی اور حدیث میں ہے جمعہ ہر مسلمان پر جماعت میں حق واجب ہے سوائے چار کے یعنی غلام، عورت، نابالغ اور بیمار کے۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ اسکی اسناد صحیحین کے مطابق ہے تمیم داری کی حدیث میں بھی حق واجب ہے اور مسافر کا بھی استثناء ہے کہ ترک جمعہ پر شدید مذمت وارد ہے۔ حتی کہ بلا عذر ترک کرنیوالے کو منافق کہا گیا ہے، بعض جہلاء مذہب حنفیہ کی طرف عدم فرضیت منسوب کرتے ہیں جس کا منشاء قدوری کی یہ عبارت ہے۔ "فان صلی الظھر فی منزلہ یوم الجمعۃ و لاعذر لہ کرہ" حالانکہ اس سے قدوری کی مراد حرمت ہے۔

قولہ الجمعۃ الخ زمانہ جاہلیت میں لوگ جمعہ کو عروبہ کہتے تھے سب سے پہلے کعب بن لوی نے جمعہ کیساتھ موسوم کیا۔ لفظ جمعہ میں بقول واحدی وقراء میم کا ضمہ، فتحہ اور سکون تینوں جائز ہیں مگر میم کے ضمہ کے ساتھ (جمعہ) فصیح لغت ہے۔ یہ اجتماع سے ہے جیسے فرقۃ افتراق سے ہے حق سبحانہ وتعالیٰ نے اس میں خصائل خیر بکثرت جمع فرمائے ہیں۔ اس لئے اس کو جمعہ کہتے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ باری تعالیٰ نے اس روز خلقت آدم کی تکمیل فرمائی اس لئے جمعہ کہتے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جنت میں بچھڑنے کے بعد زمین پر اسی روز پہلی بار حواء سے آدم کی ملاقات ہوئی اور علامہ طیبی کہتے ہیں کہ جمعہ کا نام جمعہ اس لئے پڑا کہ اس کے اندر عظیم الشان باتیں واقع ہوئیں یا ہونگی۔ اس کے پچاس سے زائد فضائل احادیث سے ثابت ہیں حضور صلعم سے آیت، "وشاہد ومشہود" کی تفسیر یہ ہے کہ شاہد روز جمعہ ہے اور مشہود یوم عرفہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ سب سے بہتر دن جس پر آفتاب طلوع ہوا جمعہ ہے۔ اسی روز آدم پیدا کیے گئے۔ اسی روز جنت میں داخل ہوئے۔ اسی روز جنت سے زمیں پر اتارے گئے۔ اسی روز قیامت قائم ہوگی۔ اسی روز آدم کی دعاء قبول ہوئی۔ اسی روز دنیا سے انتقال ہوا کوئی جاندار ایسا نہیں ہے جو جمعہ کے روز صبح سے طلوع آفتاب تک قیامت کے ڈر سے خائف نہ رہتا ہو علاوہ جن وانس کے۔

فائدہ: جمعہ کے لئے بارہ شرطیں ہیں۔ چھ (۶) وجوب کی اور چھ (۶) صحت کی۔ وجوب کی شرطیں یہ ہیں۔ آزاد ہونا۔ مرد ہونا۔ مقیم ہونا۔ تندرست ہونا، پاؤں اور آنکھوں کا سلامت ہونا، صحت کی شرطیں یہ ہیں شہر ہونا۔ سلطان یا اس کا نائب ہونا، وقت کا ہونا، جماعت، خطبہ، عام اجازت، یہ بارہ شرطیں فارسی کے اس قطعہ میں جمع ہیں۔

شرط وجوب عقل واقامت بلوغ داں بیعذری است مردی و آزادی بعد ازاں

سلطان وقت وخطبہ و جماعت ہم اذان وشہر یادش پی اداکن ومگذار رائگاں

ان سب کی پوری تفصیل آگے آرہی ہے۔

؏......ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لئے اذان دی جائے تو ذکر خداوندی کی طرف چلو اور خرید وفروخت چھوڑ دو ۱۲ن۔

؏......ابوداؤد ۱۲ عہ......بیہقی فی الکبریٰ عن ابی ہریرہ ۱۲ عہ...... مالک، ابوداؤد عن ابی ہریرہ ۱۲

شَرْطُ اَدَائِهَا الْمِصْرُ وَهُوَكُلُّ مَوْضِعٍ لَهُ اَمِيْرٌ وَّقَاضٍ يُنَفِّذُ الْاَحْكَامَ وَيُقِيْمُ الحُدُوْدَ اَوْ مُصَلَّاهُ

ادائیگی جمعہ کی شرط مصر ہے اور مصر ہر وہ جگہ ہے جہاں حاکم یا قاضی ہو جو شرعی احکام اور حدود جاری کرتا ہو یا عیدگاہ کا ہونا

وَمِنیٰ مِصْرٌ لَاعَرَفَاتٌ وَتُؤَدّٰى فِيْ مِصْرٍ فِيْ مَوَاضِعَ

اور منیٰ شہر ہے نہ کہ عرفات اور ادا کیا جاسکتا ہے شہر میں چند جگہ۔

تشریح الفقہ: قولہ شرط ادائھا الخ شروط جمعہ کا تفصیلی بیان ہے ادا جمعہ کی پہلی شرط یہ ہے کہ مصر جامع اور شہر ہو پس جنگل میں اور گاؤں میں جمعہ ادا نہ ہوگا۔ حضرت علی، عطاء، حسن بصری، ابراہیم نخعی، مجاہد، ابن سیرین، سفیان ثوری سب کا یہی قول ہے۔ کیونکہ حضرت علی کی روایت ہے کہ ''نہیں ہے جمعہ اور تشریق اور نماز عید و بقرعید مگر شہر جامع میں'' (ابن شیبہ، عبدالرزاق)۔ ابن حزم نے اس کی اسناد صحیح مانی ہے اور کہا ہے کہ حضرت خدیفہ سے بھی یہی مروی ہے امام شافعی دیہات میں بھی جمعہ واجب کہتے ہیں ان کی دلیل حضرت ابن عباس کی روایت ہے کہ ''مسجد نبوی میں جمعہ ہونے کے بعد پہلا جمعہ صوبہ بحرین کے قریہ'' جواثا'' میں ہوا ہے جواب یہ ہے کہ لفظ قریہ جیسے گاؤں کے معنی میں آتا ہے ویسے ہی شہر کے معنی میں بھی آتا ہے۔ چنانچہ آیت ''وقالو الولا نزل ھذا القرآن علی رجل من القریتین عظیم'' میں مکہ اور طائف کو اور آیت ''تلک القری نقص علیک من انبائھا'' اور تلک القری اھلکناھم'' میں قوم ہود قوم صالح، قوم لوط، قوم فرعون کی آبادیوں کو قریہ سے تعبیر کیا گیا ہے حالانکہ یہ سب اہل شہر تھے، نیز صحاح میں ہے کہ جواثا صوبہ بحرین میں ایک حصن تھا معلوم ہوا کہ جواثا مصر جامع تھا۔

قولہ وھو کل موضع الخ مصر جامع سے مراد کیا ہے؟ اس میں مختلف اقوال ہیں۔ (۱) مصر جامع ہر ایسا مقام ہے جس میں امیر اور قاضی ہو جو احکام نافذ اور حدود قائم کرتا ہو یعنی احکام جاری کرنے اور شرعی سزاؤں کو قائم کرنے پر قادر ہو، یہ امام ابو یوسف سے مروی ہے اور امام کرخی نے اسی کو اختیار کیا ہے یہی ظاہر مذہب ہے۔ مصر جامع ہر وہ مقام ہے کہ اگر وہاں کے تمام وہ لوگ جن پر جمعہ واجب ہے اس کی سب سے بڑی مسجد میں جمع ہوں تو اس میں سب کی سمائی نہ ہو (مجتبیٰ) (یہ بھی امام ابو یوسف ہی سے مروی ہے، محمد بن شجاع بلخی نے اسی کو اختیار کیا ہے اور ولوالجیہ میں اسی کو صحیح کہا ہے امام ابو حنیفہ سے روایت ہے کہ مصر جامع وہ مقام ہے جس میں گلیاں، بازار ہوں اور حاکم ہو جو ظالم و مظلوم کا انصاف کرے۔ عالم ہو جو واقعات میں فتویٰ دے۔ بالجملہ مصر جامع کی تعریف میں مختلف اقوال ہیں۔ مصنف نے جو قول ذکر کیا ہے۔ یہی ظاہر و درست ہے۔

قولہ او مصلاہ الخ یا مصر جامع کی عیدگاہ ہو، اس سے مراد فنا شہر ہے۔ فناء اس جگہ کو کہتے ہیں جو مصالح شہر جیسے گھڑ دوڑ تیراندازی نماز عید، مردوں کی تدفین اور چراگاہ وغیرہ کے لئے بنائی جاتی ہے، مطلب یہ ہے کہ مصر جامع کے باہر مصلی یعنی فناء مصر تک میں جمعہ جائز ہے۔

قولہ ومنا الخ ایام حج میں منیٰ کا حکم شہر جیسا ہے کہ اس میں جمعہ جائز ہے بشرطیکہ جمعہ پڑھنے والے مجمع کا سردار مستقل حاکم ہو محض امیر حج نہ ہو، امام محمد، شافعی، احمد کے نزدیک جائز نہیں کیونکہ منیٰ ایک گاؤں ہے اسی لئے اس میں بقرعید کی نماز نہیں پڑھی جاتی۔ حالانکہ وہاں حاجیوں کا مجمع ہوتا ہے شیخین یہ فرماتے ہیں کہ موسم حج میں منیٰ شہر بن جاتا ہے۔ جس میں بازار، گلیاں، سلطان یا اسکا نائب ہوتا ہے۔ اور نماز عید کا نہ ہونا اس لئے ہے کہ لوگ افعال حج میں مشغول رہتے ہیں پس نماز عید میں جہت تخفیف ساقط ہوگئی (طحاوی) البتہ عرفات بالکل جنگل میدان ہے۔ اس میں جمعہ جائز نہیں۔

قولہ و تودی الخ ایک شہر کی متعدد مساجد میں جمعہ جائز ہے۔ دو مسجدوں میں ہو یا دو سے زیادہ میں شہر چھوٹا ہو یا بڑا یہی صحیح ہے اور اسی پر فتویٰ ہے وجہ یہ ہے کہ حدیث ''لاجمعۃ الا فی مصر'' مطلق ہے جس میں صرف شہر ہونیکی شرط ہے۔ نیز جو لوگ مسجد سے بہت فاصلہ پر ہونگے۔ ان کو بہت مسافت طے کرنا ہوگی جس میں کھلا حرج ہے۔ امام صاحب سے متعدد جگہوں میں عدم جواز بھی مروی ہے۔ طحاوی، تمرتاشی، صاحب مختار وغیرہ نے اسی کو اختیار کیا ہے امام شافعی کا مذہب اور امام احمد کی ایک روایت اور امام مالک سے یہی مشہور ہے۔ کیونکہ صحابہ سے چند جگہوں پر جمعہ پڑھنا ثابت نہیں۔

وَالسُّلْطَانُ اَوْ نَائِبُهٗ وَوَقْتُ الظُّهْرِ فَتَبْطُلُ بِخُرُوْجِهٖ وَالْخُطْبَةُ قَبْلَهَا وَسُنَّ خُطْبَتَانِ بِجَلْسَةٍ بَيْنَهُمَا

اور بادشاہ یا اسکے نائب کا ہونا اور وقت ظہر کا ہونا پس باطل ہو جائیگا اسکے نکل جانے سے اور جمعہ سے پہلے خطبہ کا ہونا اور مسنون ہیں دو خطبے ایک بیٹھک سے

بِطَهَارَةٍ قَائِمًا وَكَفَتْ تَحْمِيدَةٌ اَوْ تَهْلِيْلَةٌ اَوْتَسْبِيْحَةٌ وَالْجَمَاعَةُ وَهُمْ ثَلٰثَةٌ

انکے درمیان طہارت کیساتھ کھڑے ہوکر اور کافی ہے الحمدللہ یا لا الہ الا اللہ یا سبحان اللہ کہنا اور جماعت کا ہونا اور وہ تین آدمی ہیں امام کے علاوہ

فَاِنْ نَفَرُوْا قَبْلَ سُجُوْدِهٖ بَطَلَتْ وَالْاِذْنُ الْعَامُّ وَشَرْطُ وُجُوْبِهَا الْاِقَامَةُ وَالصِّحَّةُ وَالْحُرِّيَّةُ وَالذُّكُوْرَةُ وَالْبُلُوْغُ

پس اگر سجدہ سے پیشتر سب بھاگ جائیں تو جمعہ باطل ہو جائیگا اور اذن عام کا ہونا اور وجوب جمعہ کی شرط مقیم ہونا تندرست ہونا آزاد ہونا مرد ہونا

وَسَلَامَةُ الْعَيْنَيْنِ وَالرِّجْلَيْنِ وَمَنْ لَّاجُمُعَةَ عَلَيْهِ اِنْ اَدَّاهَا جَازَ مِنْ فَرْضِ الْوَقْتِ

آنکھوں اور پاؤں کا سلامت ہونا ہے اور جس پر جمعہ نہیں اگر وہ ادا کرلے تو وقتی فرض کے بدلے میں ادا ہو جائیگا۔

تشریح الفقہ: **قولہ والسطان الخ** صحت اداء جمعہ کے لئے دوسری شرط سلطان یا اس کے نائب کا ہونا ہے کیونکہ جمعہ ایک جماعت عظیم کے ساتھ قائم ہوتا ہے۔ اور جماعت میں ہر شخص اپنی رائے کا مجاز ہوتا ہے اس لئے بہت سے اختلاف ہو سکتے ہیں۔ مثلاً ایک کہے گا کہ میں امامت کرونگا دوسرا کہے گا نہیں میں کرونگا۔ ایک گروہ کہے گا کہ ہم فلاں بزرگ کو امامت کیلئے آگے بڑھائیں گے دوسرا گروہ کہے گا کہ ہم فلاں کو امام بنائیں گے۔ ایک کہے گا کہ ہماری مسجد میں جمعہ قائم ہو دوسرا کہے گا کہ ہماری مسجد میں قائم ہو۔ ایک فریق ایک وقت متعین کریگا دوسرا فریق کہے گا کہ نہیں اس کے کچھ دیر بعد ہونا چاہئے۔ غرضیکہ شیطان کو مختلف طریق سے مسلمانوں کے درمیان پھوٹ ڈالنے کا موقع ملے گا اور جمعہ کا مقصد جو دلوں میں الفت قائم کرنا ہے وہ فوت ہو جائیگا۔ اس لئے شاہ وقت یا اسکے نائب کا ہونا ضروری ہے تاکہ اس قسم کے اختلاف سے امن ہو سکے۔

قولہ ووقت الظھر الخ تیسری شرط وقت ظہر کا ہونا ہے کہ جمعہ کی ادائیگی ظہر کے وقت میں ہوگی اس کے بعد نہ ہوگی پس اگر جمعہ پڑھنے کی حالت میں ظہر کا وقت نکل گیا اور وہ ابھی سلام نہیں پھیر سکا تو جمعہ ادا نہ ہوگا بلکہ از سر نو ظہر کی نماز پڑھنا پڑیگی۔ کیونکہ سلام پھیرنے تک ظہر کا وقت باقی رہنا شرط ہے۔ البتہ صاحبین کے نزدیک بقدر تشہد بیٹھ لینے کے بعد وقت نکلنے سے نماز جمعہ پوری ہو جائیگی۔ وقت ظہر کے شرط ہونے کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ اس وقت پڑھاتے تھے جب آفتاب ڈھل جاتا تھا (بخاری عن انس) نیز حضرت سلمہ بن اکوع کی حدیث ہے کہ "ہم لوگ جمعہ پڑھتے تھے جب آفتاب ڈھل جاتا تھا" (مسلم) جمہور صحابہ و تابعین کا یہی قول ہے اور یہی امام اشافعی کا مذہب ہے۔ شیخ ابن العربی فرماتے ہیں کہ علما کا اس پر اتفاق ہے کہ قبل از زوال جمعہ جائز نہیں۔ امام احمد سے اسکا جواز منقول ہے کیونکہ حضرت سلمہ بن اکوع سے روایت ہے کہ "ہم لوگ آنحضرت صلعم کے ساتھ جمعہ پڑھ کر واپس ہوتے درانحالیکہ دیواروں کا ایسا سایہ نہ ہوتا کہ اس سے سایہ لیں (صحیحین) جواب یہ ہے کہ حضرت سلمہ کی پہلی حدیث میں وقت زوال مصرح ہے اس لئے اس حدیث کو اول وقت پر محمول کیا جائیگا۔ یعنی مدینہ کی چھوٹی چھوٹی دیواروں کا سایہ اس قدر نہیں ہوتا تھا کہ اس میں چل سکیں۔

قولہ والخطبۃ الخ چوتھی شرط خطبہ ہے کیونکہ آنحضرت صلعم نے عمر بھر کوئی جمعہ خطبہ کے بغیر نہیں پڑھا۔ (بیہقی) خطبہ میں دو چیزیں فرض ہیں۔ اور باقی سنن و آداب ہیں، پہلا فرض یہ ہے کہ خطبہ نماز سے پہلے اور زوال کے بعد ہو۔ اگر خطبہ کے بغیر جمعہ پڑھا یا خطبہ زوال سے پیشتر پڑھا یا نماز کے بعد پڑھا تو جائز نہیں ہے۔ دوسرا فرض یہ ہے کہ خطبہ میں اللہ کا ذکر ہو جس کی ادائیگی امام صاحب کے نزدیک الحمدللہ یا لا الہ الا اللہ یا سبحان اللہ سے بھی ہو سکتی ہے بشرطیکہ خطبہ ہی کے قصد سے ہو مگر کراہت کے ساتھ اور صاحبین کے نزدیک ذکر طویل کا ہونا ضروری ہے جو کم از کم التحیات کے برابر ہو۔ امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ آیت میں مطلق ذکر ہے جو قلیل و کثیر سب کو

شامل ہے اور وجہ کراہت مخالفت سنت ہے پھر یہ کراہت بعض کے نزدیک تحریمی ہے اور بعض کے نزدیک تنزیہی قہستانی کی ظاہر عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ کراہت تنزیہی ہے خطبہ میں تقریباً ۱۵ سنتیں ہیں طہارت کا ہونا، بحالت قیام ہونا، دو خطبوں کے درمیان ایک بیٹھک کا ہونا۔ اتنی آواز سے پڑھنا کہ قوم سن لے، الحمد للہ سے شروع کرنا، شہادتیں کو ادا کرنا درود پڑھنا، وعظ و نصیحت کرنا، قرآن کی کم از کم ایک بڑی آیت یا تین چھوٹی آیتیں پڑھنا وغیرہ۔

قولہ والجماعۃ الخ پانچویں جماعت کا ہونا ہے جس کا کم تر عدد امام صاحب کے نزدیک امام کے علاوہ تین آدمی ہیں، امام زفر لیث، اوزاعی، مزنی کا بھی یہی قول ہے، صاحبین کے نزدیک امام کے علاوہ دو آدمی کافی ہیں۔ حضرت حسن بصری بھی یہی فرماتے ہیں۔ پس جب امام کے ساتھ دو آدمی ہوئے تو جماعت پائی گئی طرفین کی دلیل یہ ہے کہ جماعت کا ہونا مستقل شرط ہے اور امام کا ہونا علیحدہ شرط ہے۔ لہٰذا امام کا شمار جماعت میں نہ ہوگا۔ بلکہ امام کے علاوہ کم از کم تین آدمیوں کا ہونا ضروری ہوگا۔ کیونکہ آیت ''اذا نودی للصلوٰۃ الخ'' کا مقتضی یہ ہے کہ ایک ذکر کرنیوالا ہو اور وہ امام ہے اور کم از کم تین ساعی ہوں کیونکہ تثنیہ میں گو من وجہ اجتماع کے معنی ہیں لیکن وہ مطلقاً جمع نہیں ہے امام شافعی کے نزدیک کم از کم چالیس آدمیوں کا ہونا شرط ہے کیونکہ حضرت کعب بن مالک کی حدیث ہے کہ ''اسعد بن زرارہ نے مدینہ میں پہلا جمعہ چالیس آدمیوں کے ساتھ پڑھا (ابن ماجہ) نیز حضرت جابر کی حدیث ہے کہ سنت جاری ہوئی کہ ہر چالیس و زائد میں جمعہ ہے۔ (بیہقی) اور ابو امامہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ جمعہ نہیں مگر چالیس آدمیوں کیساتھ جواب یہ ہے کہ اول تو حضرت سعد بن زرارہ کا جمعہ پڑھنا آنحضرت صلعم کے آنے سے قبل تھا۔ دوسرے یہ کہ اس میں اس پر دلالت نہیں کہ اس سے کم میں جمعہ جائز نہیں۔ دوسری روایت کو خود امام نووی نے ضعیف کہا ہے تیسری روایت کی کوئی اصل نہیں موضوع ہے۔

قولہ فان نفروا الخ نماز جمعہ میں جو لوگ امام کیساتھ تھے اگر وہ امام کے سجدہ کرنے سے پہلے سب چلے جائیں تو امام صاحب کے نزدیک جمعہ باطل ہو جائیگا اور از سر نو ظہر پڑھنا پڑیگی۔ صاحبین فرماتے ہیں کہ اگر امام نے نماز شروع کر لی تھی تب یہ لوگ امام کو چھوڑ کر چلے گئے تو امام جمعہ پڑھ لے کیونکہ جماعت تو انعقاد جمعہ کے لئے شرط ہے نہ کہ تمام ادا کے لئے لہٰذا اس کا آخر تک ہونا ضروری نہیں۔ امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ بے شک جماعت انعقاد جمعہ کے لئے شرط ہے لیکن نماز کا انعقاد پوری ایک رکعت پر ہوگا کیونکہ ایک رکعت سے کم نماز نہیں ہوتی۔ اور رکعت کا اختتام سجدہ پر ہوتا ہے لہٰذا ایک رکعت کے سجدہ تک جماعت کا باقی رہنا ضروری ہے۔

قولہ والاذن العام الخ چھٹی شرط یہ ہے کہ امام یا اسکے نائب کی طرف سے اذن عام ہو مگر صریح اذن مشروط نہیں بلکہ جامع مسجد کے دروازوں کا کھلا رکھنا اور آنیوالوں سے کسی قسم کی روک ٹوک نہ ہونا کافی ہے صاحب ہدایہ نے اس شرط کو ذکر نہیں کیا کیونکہ یہ ظاہر الروایہ نہیں بلکہ نوادرات میں سے ہے۔

قولہ و شرط وجوبھا الخ وجوب جمعہ کے لئے بھی چھ (۶) شرطیں ہیں۔ (۱) مقیم ہونا، مسافر پر جمعہ واجب نہیں کیونکہ اس کو حاضری جمعہ سے حرج لاحق ہوگا۔ (۲) مرد ہونا۔ عورت پر واجب نہیں کیونکہ اس پر دیانۃً اپنے شوہر کی خدمت واجب ہے اور اگر شوہر نہ ہو تب بھی عورت کو جماعت میں آنا ممنوع ہے۔ (۳) تندرست ہونا (۴) دونوں آنکھوں کا سلامت ہونا (۵) آزاد ہونا (۶) دونوں پاؤں کا سلامت ہونا۔

وَلِلْمُسَافِرِ وَالْعَبْدِ وَالْمَرِيْضِ اَنْ يَّؤُمَّ فِيْهَا وَتَنْعَقِدُ بِهِمْ وَمَنْ لَّاعُذْرَ لَهٗ لَوْصَلَّى الظُّهْرَ قَبْلَهَا كُرِهَ

مسافر، غلام اور بیمار کے لئے جمعہ میں امامت کرنا جائز ہے اور ان سے جمعہ منعقد بھی ہو جاتا ہے اگر غیر معذور جمعہ سے پہلے ظہر پڑھ لے تو مکروہ ہے

فَاِنْ سَعٰى اِلَيْهَا بَطَلَ وَكُرِهَ لِلْمَعْذُوْرِ وَالْمَسْجُوْنِ اَدَاءُ الظُّهْرِ بِجَمَاعَةٍ فِي الْمِصْرِ

پھر اگر جمعہ کے لئے جائے تو ظہر کی نماز باطل ہو جائیگی اور معذور اور قیدی کے لئے شہر میں ظہر جماعت سے پڑھنا مکروہ ہے

مَنْ اَدْرَكَهَا فِي التَّشَهُّدِ اَوْ سُجُوْدِ السَّهْوِ اَتَمَّ جُمُعَةً وَاِذَا خَرَجَ الْاِمَامُ فَلاَ صَلٰوة وَلاَ كَلاَمَ وَيَجِبُ السَّعْيُ

جوشخص جمعہ تشہد میں یا سجدۂ سہو میں پالے تو جمعہ پورا کرے جب امام خطبہ کے لئے نکلے تو اس وقت نہ نماز ہے نہ بات چیت اور جمعہ کے لئے چلنا

وَتَرْكُ الْبَيْعِ بِالْاَذَانِ الْاَوَّلِ فَاِذَا جَلَسَ عَلَى الْمِنْبَرِ اُذِّنَ بَيْنَ يَدَيْهِ وَاُقِيْمَ بَعْدَ تَمَامِ الْخُطْبَةِ

اور خرید وفروخت ترک کرنا پہلی اذان پر ضروری ہے پھر جب امام منبر پر بیٹھے تو اس کے سامنے اذان دی جائے اور خطبہ تمام ہونے پر تکبیر کہی جائے۔

تشریح الفقہ :قولہ وللمسافر الخ مسافر، غلام اور بیمار جمعہ میں امامت کرسکتا ہے، امام زفر کے نزدیک نہیں کرسکتا کیونکہ ان پر جمعہ فرض نہیں۔ لہٰذا عورتوں اور بچوں کی طرح ان کی بھی امامت جائز نہیں ہم یہ کہتے ہیں کہ اصل جمعہ تو فرض عین ہے مگر اندھے اور مسافر وغیرہ کے لئے حرج اور مشقت کی وجہ سے رخصت اور حاضر نہ ہونے کی اجازت ہے پس جب یہ لوگ حاضر ہو گئے تو ان کی نماز فرض ہی واقع ہوگی۔ رہا عورتوں اور بچوں پر قیاس سو یہ صحیح نہیں کیونکہ بچہ میں امامت کی اہلیت نہیں اور عورت مردوں کی امامت کے لائق نہیں۔ مسافر وغلام ومریض کے جمع ہونے سے جماعت جمعہ بھی منعقد ہو جائیگی کیونکہ جب یہ لوگ امامت کے لائق ہیں تو جماعت واقتدا کے لئے بطریق اولیٰ لائق ہونگے۔

قولہ ومن لاعذرلہ الخ اگر کسی شخص نے جمعہ کے دن نماز جمعہ سے قبل ظہر کی نماز پڑھ لی جبکہ اس کو کوئی عذر بھی نہیں ہے تو یہ اس کے حق میں مکروہ یعنی حرام ہے۔ ہاں نماز جائز ہو جائیگی۔ امام اعظم اور صاحبین کا یہ قول ظاہر الروایہ کے موافق ہے اور یہی امام شافعی کا قول قدیم ہے امام زفر کے نزدیک نماز بھی جائز نہ ہوگی امام مالک، امام احمد اور غیر ظاہر الروایہ میں امام محمد کا اور امام شافعی کا جدید قول یہی ہے انکی دلیل یہ ہے کہ اصلی فرض جمعہ ہے اور ظہر بمنزلہ اس کے بدل کے ہے۔ اور جب تک اصل پر قدرت ہو بدل کی طرف رجوع جائز نہیں ہماری دلیل یہ ہے کہ اصلی فرض تو تمام لوگوں کے حق میں ظہر ہے لیکن قدرت والے کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اس ظہر کو اپنے ذمہ سے جمعہ ادا کر کے ساقط کرے پس ظہر ساقط کرنے کے لئے جمعہ ادا کرنا ہر فرد پر حسب قدرت فرض ہے اب اگر اسکے دل میں یہ آیا کہ جمعہ میں حاضر ہو اور اسی ارادہ سے جمعہ کی طرف متوجہ ہوا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک باہر نکلتے ہی اسکی نماز ظہر باطل ہو جائیگی۔ اگرچہ جمعہ پانے کی امید نہ ہو۔ صاحبین کے نزدیک باطل نہ ہوگی یہاں تک کہ امام کیساتھ داخل ہو جائے اور تحریمہ باندھ لے کیونکہ سعی ظہر سے کم درجہ ہونیکی بنا پر ظہر کو اسکے پورا ہونے کے بعد نہیں توڑ سکے گی اور جمعہ ظہر سے بڑھ کر ہے پس جب اس نے جمعہ پالیا تو وہ ظہر کو توڑ دے گا۔ امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ جب تک امام جمعہ سے فارغ نہ ہو اس وقت تک اس پر فرض متوجہ ہے کہ اسکے ساتھ ادا کرے یعنی چل کر جائے پس جب وہ اس فرض کے لئے چلا تو جو اس نے ظہر کی نماز پڑھی تھی وہ کالعدم ہو گئی۔ کیونکہ اس وقت میں دو فرض جمع نہیں ہیں۔

قولہ ویجب السعی الخ جمعہ کے روز اذان کے وقت نماز کے لئے چلنا ضروری اور خرید وفروخت میں مشغول ہونا حرام ہے لیکن اذان سے مراد اذان اول ہے یا اذان ثانی؟ امام طحاوی فرماتے ہیں کہ جو اذان منبر کے سامنے دی جاتی ہے وہ مراد ہے یہی امام شافعی احمد اور اکثر فقہا کا قول ہے اسی کو فتاوی عتابیہ میں مختار اور فتاوی مرغینانی وجوامع الفقہ میں صحیح کہا ہے کیونکہ آیت ''اذا نودی للصلوۃ الخ'' میں بوقت ندا سعی کا حکم ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہی اذان تھی اس سے پہلے کوئی اذان نہیں تھی۔ صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ اصح یہ ہے کہ وہ اذان مراد ہے جو حضرت عثمان کے زمانہ میں اول ہوگئی جیسا کہ اب متوارث ہے بشرطیکہ وہ زوال کے بعد ہو اسی کو سرخسی نے اختیار کیا ہے اور یہی مبسوط میں ہے وجہ یہ ہے کہ آیت میں ندا سے مراد اعلام یعنی آگاہ کیا جانا ہے کہ جب تم کو جمعہ کے دن نماز کے لئے آگاہ کیا جائے تو خرید وفروخت کو چھوڑ کر اس کی طرف چلو، پس زوال کے بعد جمعہ کے لئے جو پہلا اعلام ہے اسی پر حکم مرتب ہونا چاہئے یہی قول اوفق واحوط ہے۔

بَابُ صَلٰوةِ الْعِيْدَيْن

باب دونوں عیدوں کی نماز کے بیان میں

تَجِبُ صَلٰوةُ الْعِيْدَيْنِ عَلٰى مَنْ تَجِبُ عَلَيْهِ الْجُمُعَةُ بِشَرَائِطِهَا سِوَى الْخُطْبَةِ وَنُدِبَ فِي الْفِطْرِ اَنْ يَّطْعَمَ
عید کی نماز اسی پر واجب ہے جس پر جمعہ واجب ہے انہی شرطوں کے ساتھ سوائے خطبہ کے اور مستحب ہے عید الفطر میں یہ کہ کچھ کھائے
وَيَغْتَسِلَ وَيَسْتَاكَ وَيَتَطَيَّبَ وَيَلْبَسَ اَحْسَنَ ثِيَابِهٖ وَيُؤَدِّيَ صَدَقَةَ الْفِطْرِ
اور غسل کرے مسواک کرے خوشبو لگائے اپنے سب سے عمدہ کپڑے پہنے اور صدقۂ فطر ادا کرے۔

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ باب جمعہ کے ساتھ اس باب کی مناسبت یہ ہے کہ دونوں نمازیں جماعت عظیم کیساتھ پڑھی جاتی ہیں نیز نماز عید اسی پر واجب ہے جس پر جمعہ واجب ہے اور سوائے خطبہ کے اور شرطیں بھی دونوں کی یکساں ہیں۔ (جمعہ میں خطبہ شرط اور مقدم ہے اور عیدین میں خطبہ مؤخر اور سنت ہے) لیکن مصنف نے جمعہ کو مقدم کیا ہے اس لئے کہ اسکا ثبوت کتاب اللہ سے ہے اور سال میں بیشتر پڑھا جاتا ہے عید عود سے ہے۔ جس کے معنی ہیں لوٹنا، بار بار آنا چونکہ یہ مفہوم اس دن کے اندر موجود ہے اس لئے وہ دن جو ہر سال ماہ شوال کی پہلی تاریخ اور ماہ ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کو آتا ہے یوم عید کہلاتا ہے۔ اس دن اللہ تعالیٰ کے انعام بندوں پر عائد اور مکرر ہوتے ہیں یہ دن ہر سال مسرت اور خوشی کا پیغام لاتا ہے اور اس روز ہر شخص کی حسب حیثیت عزت وحرمت کا احساس ہر سال تازہ ہوتا ہے اللہ نے رمضان میں جو انسان کو کھانے پینے سے روک دیا تھا عید کے باعث اسکا انعام یعنی افطار بندوں پر رجوع کرتا ہے۔ اس اسلامی تقریب میں اتنے مختلف پہلوؤں سے عود کا مفہوم پایا جاتا ہے اس لئے اسکو عید کہتے ہیں۔ پھر یوں بھی اہل عرب ہر مسرت بخش اجتماع کو عید سے یاد کرتے ہیں قال الشاعر

عِيْدٌ وعيدٌ وعيدٌ صرنَ مجتمعة
وجهُ الحبيب ويوم العيد و الجمعة

آنحضرت صلعم جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو ہجرت کے دوسرے سال جب روزے پہلی بار فرض ہوئے تو رمضان ختم ہونے کے بعد یکم شوال کو آپ نے سب سے پہلے نماز عید ادا کی، حضرت انس سے روایت ہے کہ اہل مدینہ کے دو دن کھیل کود کے تھے جب آپ تشریف لائے تو فرمایا: اللہ نے تمہارے لئے ان دونوں دنوں سے بہتر دو دن بدل دیئے ایک عید الفطر دوسرے عید الاضحیٰ۔
(ابوداؤد، نسائی)

قولہ تجب الخ جس شخص پر جمعہ واجب ہے اس پر امام ابوحنیفہ کے نزدیک نماز عید بھی واجب ہے۔ امام اعظم سے حسن بن زیاد کی روایت ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلعم نے اس نماز پر مواظبت فرمائی۔ امام احمد کا ظاہر مذہب یہ ہے کہ فرض کفایہ ہے امام محمد کے نزدیک سنت ہے یہی امام مالک وامام شافعی کا مذہب ہے۔ مسنون ہونے کی دلیل یہ ہے کہ جب ایک نجدی اعرابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا۔ کیا مجھ پر ان پانچ نمازوں کے علاوہ اور بھی ہیں؟ تو آپ نے فرمایا نہیں مگر یہ کہ تو اپنی طرف سے بطور نفل پڑھے۔ جواب یہ ہے کہ آپکا ارشاد دیہاتی کے حق میں ہے اور ظاہر ہے کہ دیہاتی پر واجب نہیں نیز یہ بھی احتمال ہے کہ اس وقت نماز عید واجب نہ ہوئی ہو اس کے بعد واجب ہوئی ہے۔

ثُمَّ يَتَوَجَّهُ اِلَى الْمُصَلّٰى غَيْرَ مُكَبِّرٍ وَّمُتَنَفِّلٍ قَبْلَهَا وَوَقْتُهَا مِنْ اِرْتِفَاعِ الشَّمْسِ اِلٰى زَوَالِهَا

پھر عیدگاہ کو چلے آواز کیساتھ تکبیر کہے بغیر اور اس سے قبل نفل نماز پڑھے بغیر، اور اس کا وقت آفتاب بلند ہونے سے زوال تک ہے

وَيُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ مُثْنِيًا قَبْلَ الزَّوَائِدِ وَهِيَ ثَلٰثُ تَكْبِيْرَاتٍ فِيْ كُلِّ رَكْعَةٍ وَّيُوَالِيْ بَيْنَ الْقِرَآئَتَيْنِ

عید کی دو رکعتیں پڑھے اس طرح کہ تکبیرات زوائد سے پہلے ثناء پڑھے اور تکبیریں تین تین ہیں ہر رکعت میں اور دونوں قرأتوں میں اتصال کرے

وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي الزَّوَائِدِ وَيَخْطُبُ بَعْدَهَا خُطْبَتَيْنِ يُعَلِّمُ فِيْهَا اَحْكَامَ صَدَقَةِ الْفِطْرِ وَلَمْ تُقْضَ اِنْ فَاتَتْ مَعَ الْاِمَامِ

اور تکبیرات زوائد میں دونوں ہاتھ اٹھائے اسکے بعد دو خطبے پڑھے جس میں صدقۂ فطر کے احکام بیان کرے اور قضاء نہ کی جائے اگر امام کیساتھ نہ ملے

وَتُؤَخَّرُ بِعُذْرٍ اِلَى الْغَدِ فَقَطْ وَهِيَ اَحْكَامُ الْاَضْحٰى لٰكِنَّ هُنَا يُؤَخِّرُ الْاَكْلَ عَنْهَا وَيُكَبِّرُ فِي الطَّرِيْقِ جَهْرًا

اور مؤخر کی جاسکتی ہے عذر کے باعث کل تک صرف، یہی احکام عید الاضحیٰ کے ہیں لیکن اس میں کھانے کو مؤخر کرے نماز سے اور راستہ میں تکبیر آواز سے کہے

وَيُعَلِّمُ الْاُضْحِيَّةَ وَتَكْبِيْرَ التَّشْرِيْقِ وَتُؤَخَّرُ بِعُذْرٍ اِلٰى ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ وَالتَّعْرِيْفُ لَيْسَ بِشَيْءٍ

اور قربانی اور تکبیر تشریق کے احکام بیان کرے اور عذر کی وجہ سے تین دن تک مؤخر کی جائے اور تعریف کوئی چیز نہیں

وَسُنَّ بَعْدَ فَجْرِ عَرَفَةَ اِلٰى ثَمَانٍ مَرَّةً اَللّٰهُ اَكْبَرُ اِلٰى اٰخِرِهٖ بِشَرْطِ اِقَامَةٍ وَمِصْرٍ وَمَكْتُوْبَةٍ وَجَمَاعَةٍ مُسْتَحَبَّةٍ

اور مسنون ہے فجر عرفہ کے بعد سے آٹھ نمازوں تک ایک بار اللہ اکبر اخ کہنا بشرطیکہ مقیم ہو شہر ہو فرض نماز ہو جماعت مستحب کے بعد

وَبِالْاِقْتِدَاءِ يَجِبُ عَلَى الْمَرْأَةِ وَالْمُسَافِرِ

ہو اور اقتداء کی وجہ سے واجب ہوجاتی ہے عورت اور مسافر پر۔

توضیح اللغۃ: المصلی عیدگاہ، مثنیا ثناء (یعنی سبحانک اللہم اھ) پڑھنے والا، یوالی موالاۃ سے ہے، پے در پے کرنا۔ الطریق راستہ، اضحیۃ قربانی، التعریف مقام عرفات میں قیام کرنا، عرفات میں قیام کرنیوالوں کی مشابہت کرنا، عرفۃ، ذی الحجہ کی نویں تاریخ، ثمان آٹھ۔

تشریح الفقہ: قولہ غیر مکبر الخ نماز عید الفطر کیلئے جاتے وقت راستہ میں تکبیر کہے یا نہ کہے اس میں امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف دو طرح سے منقول ہے۔ اول یہ کہ امام صاحب کے نزدیک راستہ میں تکبیر نہ کہے اور صاحبین کے نزدیک تکبیر کہے۔ مگر آہستہ، صاحب خلاصہ نے اسی کو اختیار کیا ہے اور ابن نجیم مصری نے بھی انہی کی پیروی کی ہے۔ دوسرے یہ کہ اختلاف نفس تکبیر میں نہیں ہے۔ بلکہ تکبیر کی صفت میں اختلاف ہے یعنی امام صاحب کے نزدیک تکبیر آہستہ کہے۔ اور صاحبین کے نزدیک بلند آواز سے بدائع، السراج الوہاج، ملتقی، نہایہ نہر الفائق، تاتارخانیہ، مواہب الرحمٰن، درر البحار وغیرہ میں یہی مذکور ہے اور یہی صحیح ہے مصنف کے قول غیر مکبر'' کا مطلب بھی یہی ہے کیونکہ مصنف نے مابعد میں کہا ہے عید الاضحیٰ کے احکام عید الفطر کی طرح ہیں۔ بجز آنکہ عید الاضحیٰ میں تکبیر بآواز بلند کہے'' اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ عید الفطر کو عید الاضحیٰ پر قیاس کیا ہے بس جیسے عید الاضحیٰ میں تکبیر بالاتفاق جہراً ہوتی ہے اسی طرح عید الفطر میں بھی جہراً ہونی چاہئے۔ امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ ذکر میں اصل اخفا ہے باستثناء اس کے جس کو شارع نے جہر سے کیا ہو۔ پس جہاں شارع سے جہر آوارد ہو وہیں جہر ہوگا اور وہ عید الاضحیٰ ہے نہ کہ عید الفطر۔

قولہ ومتنفل الخ نماز عید سے قبل نفل نہ پڑھے گھر میں نہ عیدگاہ میں، نماز عید کے بعد عیدگاہ میں نفل نہ پڑھے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے ایسا نہیں کیا۔ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ ''نبی کریم ﷺ نے عید الفطر کے دن دوگانہ (عید) ادا کی۔ اور اس سے پہلے نماز نہیں پڑھی (صحیحین) ابن ہمام لکھتے ہیں کہ ''نفی عیدگاہ کے لئے مخصوص ہے۔ کیونکہ ابوسعید خدری کی روایت میں صراحت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نماز عید سے پیشتر کوئی نفل نہیں پڑھتے تھے۔ ہاں نماز عید پڑھ کر مکان پر تشریف لاتے تب دو رکعت نفل پڑھتے (ابن ماجہ) درمختار میں ہے کہ نماز عید

سے قبل نفل نماز پڑھنا مکروہ ہے۔خواہ گھر میں پڑھے یا عیدگاہ میں۔ہاں نماز عید کے بعد گھر میں اجازت ہے عیدگاہ میں نہیں۔

قولہ وھی ثلث الخ تکبیرات عیدین کے بارے میں تقریباً بارہ اقوال ہیں کیونکہ اس سلسلہ میں روایتیں کافی مختلف ہیں۔امام مالک اور امام احمد کے نزدیک پہلی رکعت میں سات اور دوسری رکعت میں چھ تکبیریں ہیں۔کثیر بن عبداللہ عن ابیہ عن جدہ کی روایت میں تکبیرات کی یہی تعداد مذکور ہے۔(ترمذی' ابن ماجہ' دارمی) امام شافعی بھی امام مالک کے ساتھ ہیں۔اتنی ترمیم کے ساتھ کہ پہلی رکعت کی سات تکبیروں میں تکبیر تحریمہ اور دوسری رکعت میں قراءت سے قبل سجدہ سے اٹھتے وقت کی تکبیر اس میں شامل ہے گویا ان کے نزدیک پہلی رکعت میں چھ اور دوسری میں پانچ تکبیریں زائد ٹھہریں۔ابن عباس' سعید بن المسیب اور نخعی کے نزدیک ہر رکعت میں نو تکبیریں ہیں۔امام اعظم اور صاحبین کے نزدیک ہر رکعت میں تین تکبیرین زائد ہیں۔حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت میں تکبیرات زوائد یہی آئی ہیں۔نیز حضرت سعید بن العاص کہتے ہیں کہ میں نے حضرت موسیٰ اشعری اور حضرت حذیفہ سے دریافت کیا کہ رسول اکرم ﷺ عیدالفطر اور عید قربان میں کتنی تکبیریں کہا کرتے تھے۔ابوموسیٰ نے فرمایا: جنازہ کی طرح چار تکبیریں عیدین میں بھی کہا کرتے تھے' اس پر حضرت حذیفہ نے ان کی تصدیق کی۔(ابوداؤد) یعنی پہلی رکعت میں قراءت سے پہلے چار تکبیریں تکبیر تحریمہ سمیت اور دوسری رکعت میں قراءت کے بعد رکوع کی تکبیر سمیت چار تکبیریں کہتے تھے۔عینی نے لکھا ہے کہ یہی قول ابوموسیٰ اشعری' حذیفہ بن الیمان' عقبہ بن عامر' ابن زبیر' ابو مسعود بدری' ابوسعید خدری' براء بن عازب' ابوہریرہ' عمر بن الخطاب (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کا ہے۔ان کے علاوہ حسن بصری' سفیان ثوری اور ایک قول امام احمد کا بھی یہی ہے۔حنفیہ کی تحقیق میں دوسرے تمام اقوال و آثار کی سند ضعیف اور مجروح ہے اور صحت و سند کے لحاظ سے ابن مسعود کا اثر زیادہ قوی ہے۔

قولہ والتعریف الخ لغت میں تعریف کے معنی مقام عرفات میں ٹھہرنا ہے۔یہاں اس سے یہ مراد ہے کہ عرفہ کے دن لوگ ایک میدان میں ان حاجیوں کے ساتھ مشابہت کی غرض سے جمع ہوتے ہیں۔جو عرفہ کے دن عرفات میں ٹھہرتے ہیں بعض حضرات نے اس کو مستحب کہا ہے۔لیکن صحیح قول یہ ہے کہ یہ مکروہ ہے۔کیونکہ ٹھہرنے کا عبادت ہونا تو ایک مخصوص جگہ کے ساتھ خاص ہے۔اور وہ مقام عرفات ہے کہ وہاں احرام حج کے ساتھ وقوف عبادت ہے۔پس عرفات کے علاوہ کسی دوسری جگہ ٹھہرنا عبادت نہ ہوگا۔ہدایہ' شرح منیہ' غایۃ البیان' درر البحار' نہر الفائق۔درمختار سب میں مکروہ کہا ہے۔فتح القدیر میں ہے کہ یہ اجتماع اگر چہ وقوف اور سر کھولے بغیر ہو تب بھی مکروہ ہونا چاہیے تا کہ عوام کے عقیدہ میں خرابی پیدا نہ ہو۔

قولہ الی ثمان الخ عرفہ کے دن یعنی ذی الحجہ کی نویں تاریخ کی نماز فجر کے بعد سے یوم نحر یعنی ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کی نماز عصر کے بعد تک تکبیرات تشریق کہنا امام صاحب کا قول ہے۔جو حضرت ابن مسعود سے ثابت ہے۔اور حسن بصری سے بھی منقول ہے۔صاحبین کے نزدیک تکبیرات تشریق یوم عرفہ کی فجر سے ۱۳ ذی الحجہ کی نماز عصر تک کہی جائیں گی' حضرت علی' عمر' ابن عباس' عمار' ابن عمر' زید بن ثابت' ابوسعید' عثمان غنی' ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنھم) سب کا یہی قول ہے اور یہی سفیان ثوری' ابن عیینہ' احمد' ابوثور کا مذہب اور امام شافعی کا ایک قول ہے۔پس امام صاحب نے اس سلسلہ میں اقل کو اختیار کیا۔کیونکہ جہر سے تکبیر کہنا ایک قسم کی بدعت (اور نئی سی بات) ہے لہٰذا کم سے کم پر عمل کیا جائے گا۔اور صاحبین نے اکثر کو لیا۔کیونکہ اس میں کم والا قول بھی داخل ہے لہٰذا احتیاط اسی میں ہے' اسی پر اکثر زمانوں میں عمل رہا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

بَابُ صَلٰوةِ الْكُسُوْفِ

باب سورج گرہن کی نماز کے بیان میں

يُصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ كَالنَّفْلِ اِمَامُ الْجُمُعَةِ بِلاَ جَهْرٍ وَخُطْبَةٍ ثُمَّ يَدْعُوْ حَتّٰى تَنْجَلِيَ الشَّمْسُ

نماز پڑھے دو رکعتیں نفل کی طرح امام جمعہ جہری قرأت اور خطبہ کے بغیر پھر دعا مانگے یہاں تک کہ آفتاب روشن ہوجائے

وَاِلاَّ صَلُّوْا فُرَادٰى كَالْخُسُوْفِ وَالظُّلْمَةِ وَالرِّيْحِ وَالْفَزَعِ

ورنہ لوگ تنہا تنہا پڑھیں چاند گرہن تاریکی آندھی اور خوف کی طرح

توضیح اللغۃ: کسوف سورج گرہن، تنجلی روشن ہوجائے، فرادٰی تنہا تنہا، خسوف چاند گرہن، ظلمۃ تاریکی، ریح آندھی، فزع گھبراہٹ دہشت

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ نماز عید کیساتھ اس باب کی مناسبت یا تو باعتبار اتحاد ہے یا باعتبار تضاد، اتحاد سے مراد یہ ہے کہ نماز عید اور نماز کسوف دونوں میں جماعت کے ساتھ بلا اذان بلا تکبیر ہوتی ہے۔ تضاد سے مراد یہ ہے کہ...... انسان کے دو حال ہیں۔ ایک امن وسرور کا۔ دوسرا اندوہ خوف کا، عید امن وسرور کا وقت ہے اور گرہن خوف واندوہ کا، یا یہ کہ عید میں جماعت شرط ہے اور جہر سے پڑھنا واجب ہے بخلاف کسوف کے۔ لغت کے اعتبار سے کسوف سورج گرہن کو اور خسوف چاند گرہن کو کہتے ہیں۔ یقال کسفت الشمس تکسف کسوفاً و کسفها الله کسفاً. قال جریر یرثی عمر بن عبدالعزیز۔

الشمس طالعة لیست بکا سفة:: تبکی علیک بخوم اللیل و القمرا۔ لیکن کبھی کبھی دونوں لفظ ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے ہیں۔ علامہ عینی نے کہا ہے کہ فقہاء کی عبارات میں کسوف مخصوص بہ آفتاب ہے۔ اور خسوف مخصوص بہ ماہتاب۔

قولہ یصلی الخ جب سورج گرہن ہونے لگے تو امام جمعہ یا اس کے حکم سے کوئی دوسرا شخص لوگوں کو نفل نماز کی طرح دو رکعت پڑھائے جس میں نہ قراءت جہراً ہو اور نہ خطبہ ہو۔ یہاں کئی باتیں قابل لحاظ ہیں۔ اول یہ کہ امام صاحب کے نزدیک جمعہ وعیدین کی طرح نماز کسوف وخسوف کی بھی دو رکعات ہیں۔ اور دیگر نمازوں کے مثل اس میں بھی ہر رکعت میں ایک ہی رکوع ہے۔ امام مالک، شافعی اور احمد کے نزدیک ہر رکعت میں دو رکوع ہیں۔ دلیل حضرت عائشہ وغیرہا کی احادیث ہیں جن میں یہ ہے کہ "آپ نے دو رکعتوں میں چار سجدے کئے۔ ہماری دلیل حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص وغیرہ کی احادیث ہیں۔ جن میں ایک رکوع اور ایک سجدہ کی صراحت ہے۔ دراصل اس باب میں آنحضرت ﷺ سے متعدد ومختلف روایات وارد ہیں۔ بعض میں صرف ایک رکوع ہے بعض میں دو بعض میں تین بعض میں چار بعض میں پانچ حتی کہ دس رکوع تک کے ساتھ روایات ہیں۔ یہاں ہر ایک کی تفصیل کا موقع نہیں۔ اجمالاً ان کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ ایک اور دو رکوع والی احادیث کے متعلق تو ہم عرض کر چکے۔ تین رکوع والی حدیث مسلم میں ہیں حضرت جابرؓ وعلیؓ سے مروی ہے۔ مگر حضرت علی کی روایت کے الفاظ مذکور نہیں، پانچ رکوع والی روایت حضرت ابی بن کعبؓ سے ابوداؤد میں ہے۔ نیز ابوداؤد نے ہر رکعت میں دس رکوع اور دو سجدے بھی روایت کئے ہیں۔ اور ابن عبدالبر وابن حزم نے حضرت عائشہؓ سے بھی دس رکوع کی روایت ذکر کی ہے۔ ابن حزم نے "محلی" میں ان سب احادیث کو روایت کرنے کے بعد کہا ہے کہ "یہ احادیث نہایت صحیح ہیں۔ اور صحابہ وتابعین سے عمل ثابت ہے۔ تعجب ہے کہ شوافع صرف دو رکوع کو لیتے ہیں۔ اور زیادہ کو جائز نہیں کہتے۔ بات اصل یہ ہے کہ ایک سے زائد والی احادیث میں آپ کے فعل کی حکایت ہے جس میں مشاہدہ کی غلطی، واقعہ کی مخصوص نوعیت، ذات گرامی کا امتیاز متعدد احتمالات ہوسکتے ہیں۔ پس آپ کی قولی

(۱) ائمہ ستہ عن عائشہ، بخاری، مسلم عن ابن عباس وابن العاص، بخاری عن اسماء، مسلم عن جابر ۱۲ (۲) ابوداؤد، نسائی، ترمذی (فی الشمائل) حاکم عن ابن عمرو بن العاص، ابوداؤد، نسائی عن سمرہ بن جندب، احمد، نسائی، حاکم عن النعمان بن بشیر، بخاری، نسائی، ابن حبان عن ابی بکرۃ، ابوداؤد، حاکم، نسائی، بیہقی عن قبیصہ

احادیث جن میں آپ نے ایک ایک رکوع کیساتھ دونوں رکعتیں پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ فقہی قاعدہ کے اعتبار سے راجح ہوں گی کیوں کہ قولی حدیث میں امت کے لئے ایک واضح حکم ہوتا ہے۔ اس لئے جہاں فعلی اور قولی حدیثوں میں کوئی تضاد ہو وہاں قولی حدیث ہی امت کے لئے قابل اتباع قرار دی جائے گی۔

دوسری بات قابل لحاظ یہ ہے کہ امام صاحب کے نزدیک دونوں رکعتوں میں قراءت سرًا ہے۔ یہی امام مالک اور امام شافعی کا قول ہے۔ صاحبین اور امام احمد کے نزدیک جہرًا ہے۔ کیونکہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ "حضور اکرم ﷺ نے خسوف میں قراءت زور سے پڑھی[1] امام صاحب کی دلیل حضرت ابن عباس کی روایت ہے کہ "آنحضرت ﷺ کے ساتھ نماز خسوف پڑھی تو آپ سے قراءت کا ایک حرف نہیں سنا"[2] اخفاء قراءت کی روایتیں چونکہ مردوں کی ہیں اس لئے ان کو ترجیح ہوگی۔ کیونکہ قرب کی وجہ سے ان پر حال زیادہ واضح ہوتا ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ احناف اور امام مالک کے نزدیک نماز کسوف میں خطبہ نہیں۔ امام شافعی کے نزدیک ہے۔

بَابُ صَلٰوةِ الاِسْتِسْقَاءِ

باب طلب باران کی نماز کے بیان میں

لَهٗ صَلٰوةٌ لاَ بِجَمَاعَةٍ وَ دُعَاءٌ وَاِسْتِغْفَارٌ لاَ قَلْبُ رِدَاءٍ وَحُضُوْرُ ذِمِّيٍّ وَاِنَّمَا يَخْرُجُوْنَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ

اس کی نماز تو ہے مگر بلا جماعت یہ تو دعاء اور استغفار ہے نہ اس میں چادر لوٹنا ہے نہ اہل ذمہ کا موجود ہونا اور صرف تین روز تک نماز کیلئے نکلیں۔

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ استسقاء کے لغوی معنی پانی طلب کرنے کے ہیں۔ اصطلاح شرع میں خشک سالی کے موقعہ پر مخصوص کیفیت کے ساتھ دعا مانگنے یا نماز پڑھنے کو کہتے ہیں۔ نماز استسقاء اس امت کی خصوصیات میں سے ہیں جس کی ابتداء ۶ ھ میں ہوئی ہے۔ استسقاء ایسے مقام پر ہوتا ہے جہاں دریا، جھیل، چشمہ وغیرہ نہ ہو جس سے سیرابی حاصل کی جاسکے۔ یا یہ چیزیں تو ہوں مگر لوگوں کی ضروریات کے لئے ناکافی ہوں۔ استسقاء کا ثبوت کتاب اللہ، سنت رسول ﷺ اجماع سب سے ہے۔ قرآن کریم میں حضرت نوحؑ کی حکایت بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا۔ **فقلت استغفروا ربکم الخ** میں نے کہا: اپنے رب سے مغفرت چاہو کہ وہ بہت بخشنے والا ہے، وہ تم پر کثرت سے برسنے والا مینہ بھیجے گا۔ نیز حضور کا برائے استسقاء نکلنا ثابت ہے۔ اور آپ کے بعد خلفاء نے اور امت نے بلا نکیر ایسا کیا ہے۔

قولہ لہ صلوٰۃ الخ امام صاحب کے نزدیک استسقاء کے لئے نماز جائز تو ہے لیکن مسنون نہیں، صاحبین اور امام مالک کے نزدیک مسنون ہے۔ امام شافعی و احمد کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے کیونکہ بقول علامہ عینی سترہ صحابہ سے نماز پڑھنے کی روایات ثابت ہیں[3] "امام صاحب فرماتے ہیں کہ سنت سے مراد وہ فعل ہوتا ہے جس کو آپ نے بطریق مواظبت کیا ہو۔ اور کبھی کبھی تعلیم جواز کے لئے ترک کیا ہو، نماز استسقاء میں یہ بات نہیں کیونکہ متعدد روایات میں صرف دعا پر اکتفا کیا ہے چنانچہ غزوہ تبوک میں جاتے وقت حضرت عمر کی طویل حدیث میں ہے کہ آپ نے حضرت ابوبکر صدیق کی التجا پر دعا کے لئے دست مبارک اٹھائے۔ تو ناگاہ ایک ابر کا ٹکڑا پیدا ہوا اور اس نے جھوم کر پانی برسادیا۔ حضرت انس سے روایت ہے کہ جمعہ کے دن مسجد میں ایک شخص نے آکر عرض کیا: یارسول اللہ! مویشی اور اونٹوں کا گلہ ہلاک ہوگیا۔ اور راہیں بند ہوگئیں۔ تو آپ نے دست مبارک اٹھا کر یہ دعا فرمائی "اللھم اغثنا" (بخاری و مسلم)۔

قولہ لا قلب الخ استسقاء میں امام صاحب کے نزدیک قلب رداء نہیں کیونکہ یہ تو ایک دعا ہے تو جس طرح دیگر ادعیہ میں قلب رداء

(۱) صحیحین عن عائشہ، بخاری، ابوداؤد، ترمذی، ابن حبان عن اسماء۔ (۲) احمد، ابویعلیٰ، ابونعیم، طبرانی، بیہقی عن ابن عباس، اصحاب سنن، حاکم، طحاوی، ابن حبان عن سمرہ ائمہ ستہ عن ابن زید بن عاصم، سنن اربعہ، حاکم، ابن حبان، دارقطنی، بیہقی عن ابن عباس، طبرانی عن انس، ابن ماجہ، بیہقی طحاوی عن ابی ہریرہ، ابوداؤد، ابن حبان، حاکم عن عائشہ۔

نہیں اسی طرح اس میں بھی نہیں ہونا چاہیے۔ لیکن امام محمد اور بقول صاحب محیط امام ابو یوسف اور امام مالک، شافعیؒ احمد فرماتے ہے کہ قلب رداء کرے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ سے قلب رداء ثابت ہے (۱)۔ علامہ شامی نے کہا ہے کہ فتوی امام محمد کے قول پر ہے۔ قلب رداء کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھ پشت کی جانب لیجا کر داہنے ہاتھ بائیں پلو کا نچلا گوشہ اور بائیں ہاتھ سے داہنے پلو کا نچلا حصہ پکڑ کر دونوں ہاتھوں کو اس طرح گھمائے کہ دایاں پلو بائیں کاندھے پر اور بایاں پلو دائیں کاندھے پر آ جائے۔ اس طرح چادر کی ہیئت منقلب ہو جائے گی جس میں خشک سالی کو خوشحالی سے بدلنے کا شگون ہے۔

بَابُ صَلٰوةِ الْخَوْفِ

باب خوف کی نماز کے بیان میں

اِذَا اشْتَدَّ الْخَوْفُ مِنْ عَدُوٍّ اَوْ سَبُعٍ وَقَفَ الْاِمَامُ طَآئِفَةً بِاِزَآءِ الْعَدُوِّ وَصَلّٰى بِطَائِفَةٍ رَكْعَةً

جب خوف بڑھ جائے دشمن سے ہو یا درندہ سے تو امام ایک گروہ کو دشمن کے مقابلہ میں کھڑا کر دے اور دوسرے گروہ کو ایک رکعت پڑھائے

وَ رَكْعَتَيْنِ لَوْ مُقِيماً وَمَضَتْ هٰذِهٖ اِلَى العدوِّ وَجَآئَتْ تِلْكَ الطَّآئِفَةُ فَصَلّٰى بِهِمْ مَّابَقِيَ وَسَلَّمَ وَذَهَبُوْا اِلَيْهِمْ

اور دو رکعت اگر مقیم ہو اور یہ گروہ دشمن کے سامنے چلا جائے اور سامنے والا گروہ آئے پھر ان کو مابقی پڑھا کر سلام پھیر دے اور یہ گروہ چلا جائے

وَجَآئَتِ الْاُوْلٰى وَاَتَمُّوْا بِلاَ قِرَاءَةٍ وَسَلَّمُوْا وَمَضَوْا ثُمَّ الْاُخْرٰى وَاَتَمُّوْا بِقِرَآئَةٍ

اور پہلا گروہ آ کر بلا قرأت نماز پوری کر کے سلام پھیر دے اور چلا جائے اور دوسرا گروہ آئے قرأت کے ساتھ پوری کرے

وَصَلّٰى فِي الْمَغْرِبِ بِالْاُوْلٰى رَكْعَتَيْنِ وَبِالثَّانِيَةِ رَكْعَةً وَمَنْ قَاتَلَ بَطَلَتْ صَلٰوتُهٗ وَاِنِ اشْتَدَّ الْخَوْفُ

اور مغرب میں امام پہلے گروہ کو دو اور دوسرے گروہ کو ایک رکعت پڑھائے اور جو شخص قتال کریگا اس کی نماز باطل ہو جائیگی اور اگر خوف اور بڑھ جائے

صَلُّوْا رُكْبَانًا فُرَادٰى بِالْاِيْمَآءِ اِلٰى اَيِّ جِهَةٍ قَدَرُوْا وَلَمْ تَجُزْ بِلاَ حُضُوْرِ عَدُوٍّ

تو لوگ سوار ہو کر تنہا تنہا اشارے کیساتھ پڑھیں جس طرف بھی قادر ہوں اور دشمن موجود نہ ہو تو نماز خوف جائز نہیں۔

توضیح اللغۃ: عدو دشمن، سبع درندہ، طائفۃ جماعت، بازاء مقابلہ میں، رکبانا سوار ہونے کی حالت میں، فرادی تنہا تنہا، ایماء اشارہ۔

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ سابق کیساتھ اس باب کی مناسبت یہ ہے کہ ان دونوں کی مشروعیت عارض خوف کیوجہ سے ہے اور تقدیم استسقاء کی وجہ یہ ہے کہ اس میں عارض (انقطاع مطر) سماوی ہے اور یہاں اختیاری ہے۔ یعنی جہاد جس کا سبب کافر کا کفر ہے۔ نماز ایک ایسا بنیادی فریضہ ہے کہ جب تک انسان کے ہوش و حواس قائم ہیں شب و روز میں پانچ بار ادا کرنا ضروری ہے۔ کسی حالت میں بھی ترک جائز نہیں۔ لیکن انسانی زندگی میں ایسے مراحل بھی آتے ہیں کہ نماز ادا کرنا دشوار ہی نہیں بلکہ بعض اوقات محال ہو جاتا ہے، زمانہ امن و امان میں اطمینان کیساتھ ادا کر لینا بہت آسان ہے لیکن زمانہ جنگ اور خوف و خطر کی حالت میں سکون کیساتھ نماز پڑھنا مشکل ہوتا ہے بلکہ بعض اوقات چند منٹ نماز کے لئے فارغ کرنے کا مطلب دشمن کو قابو دینے کے مرادف ہو سکتا ہے مگر اس طرح کے ہنگامی حالات میں بھی نماز یک قلم موقوف نہیں کی گئی البتہ اس کی ادائیگی کے طریق میں ایسی سہولت پیدا کر دی گئی کہ جہاں اس فریضہ کا ترک نہ ہونے پائے وہاں دشمن کو بھی غلبہ پانے کا موقع نہ ملے۔ صلوٰۃ خوف کا حکم قرآن کے پانچویں پارے میں بہت صراحت کیساتھ آیا ہے۔ اور اس کی

(۱) ائمہ ستہ، احمد عن ابن زید بن عاصم، حاکم، دار قطنی عن جابر، طبرانی عن انس

تفصیل احادیث میں موجود ہے' البتہ اس سلسلہ میں کچھ علماء نے بعض قرائن سے یہ سمجھا ہے کہ یہ صرف حالت سفر کے لئے ہے۔ حالت اقامت میں تخفیف کا حکم نہیں ہے۔ امام مالک کی ایک رائے یہی ہے۔ بعض کے نزدیک حکم تخفیف صرف عہد رسالت تک تھا۔ کہ آپ کی موجودگی میں کوئی دوسرا شخص امام نہیں بن سکتا۔ آپ کے بعد یکے بعد دیگرے دو امام نماز پڑھا سکتے ہیں۔ لہٰذا اب اس کی ضرورت نہیں' امام مزنی' حسن بن زیاد اور امام ابو یوسف کا خیال یہی ہے لیکن جمہور علماء کے نزدیک یہ حکم عام ہے۔ نہ آپ کی حیات تک محدود ہے نہ سفر کے ساتھ مخصوص کیونکہ آنحضرت ﷺ نے ذات الرقاع بطن نخلہ' عسفان' ذی قرد چار جگہوں میں صلوٰۃ خوف پڑھی ہے [1] بعض حضرات نے دس جگہوں کے متعلق لکھا ہے۔ اور علامہ طحاوی نے کہا ہے کہ امداد الفتاح میں حاوی سے منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے نماز خوف چوبیس مرتبہ پڑھی ہے' آپ کے بعد متعدد صحابہ نے مختلف مواقع پر ادا کی ہے چنانچہ حضرت سعید بن العاص کیساتھ طبرستان کی فتح میں حضرت حذیفہ نے سردار کی اجازت سے ایک ایک رکعت کر کے نماز خوف پڑھائی۔ (ابوداؤد' نسائی) عبدالرحمٰن بن سمرہ نے کابل پر جہاد کرنے میں نماز خوف پڑھائی اور حضرت علی نے لیلۃ الہریر و صفین میں مغرب کی نماز خوف پڑھائی (بیہقی) ابو موسیٰ اشعری نے اصبہان میں اور سعد بن ابی وقاص نے حضرت حذیفہ' ابن عمرو بن العاص' حسن بن علی کیساتھ طبرستان میں آنحضرت ﷺ کے بعد نماز خوف پڑھی۔ سوال اگر نماز خوف جائز ہوتی تو غزوہ خندق میں آنحضرت ﷺ کی نمازیں کیوں قضا ہوئیں؟ جواب غزوۂ خندق مقدم ہے اور نماز خوف مؤخر ہے جیسا کہ نسائی' ابن ابی شیبہ' عبدالرزاق' بیہقی' دارمی' شافعی' ابو یعلیٰ کی روایت سے ثابت ہے۔ وقال القاضی عیاض فی ''الشفاء والصحیح ان حدیث الخندق کان قبل نزول الآیۃ' صلوٰۃ خوف کا حکم آنے کے بعد تاخیر صلوٰۃ منسوخ قرار پائی۔ علاوہ ازیں غزوۂ خندق میں اس کی گنجائش ہی نہیں تھی کیونکہ کفار کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ یہ بھی یاد رہنا چاہئے کہ امام ابو یوسف کے مقابلہ میں ان تمام حجتوں کی ضرورت ہی نہیں۔ کیونکہ مبسوط' ملتقی الابحر' مفید' ابو نصر بغدادی کی شرح مختصر الکرخی میں منصوص ہے کہ امام ابو یوسف نے اپنے قول سے رجوع کر لیا ہے پس ہمارے اصحاب کے نزدیک بالاتفاق نماز خوف جائز ہے۔

قولہ اذا اشتد الخ نماز خوف کیلئے اشتداد خوف کی قید قدوری کی ہے اس کو مصنف نے لیا ہے مگر عام علماء کے نزدیک اشتداد شرط نہیں ہے چنانچہ تحفہ اور محیط میں نماز خوف جائز ہونے کے لئے صرف دشمن کا سامنے موجود ہونا شرط قرار دیا ہے۔ شیخ الاسلام نے کہا ہے کہ حقیقۃً خوف مراد نہیں بلکہ دشمن کا موجود ہونا اس کے قائم مقام ہے جیسے رخصت قصر نفس سفر سے وابستہ ہے نہ کہ حقیقت مشقت سے چونکہ سفر سبب مشقت ہے اس لئے وہ مشقت کے قائم مقام ہے پس ایسے ہی دشمن کا موجود ہونا خوف کا قائم مقام ہے۔

قولہ وصلی بطائفۃ الخ جب دشمن یا درندہ وغیرہ کی وجہ سے خوف بڑھ جائے تو امام مسلمانوں کی فوج کے دو حصے کر کے ایک کو دشمن کے مقابلہ میں کھڑا کر دے اور دوسرے کو ایک رکعت نماز پڑھائے اگر مسافر ہو اور دو رکعتیں پڑھائے اگر مقیم ہو اور یہ گروہ اپنی آدھی نماز پڑھ کر دشمن کے مقابلہ میں جا کر کھڑا ہو جائے اور جو گروہ دشمن کے مقابلہ میں کھڑا تھا وہ آئے اور امام ان کو نصف باقی پڑھائے اور خود سلام پھیر دے۔ امام کے سلام کے بعد یہ لوگ پھر دشمن کے مقابلہ میں جا کھڑے ہوں اور پہلا گروہ جو شروع کی ایک رکعت پڑھ کر گیا تھا وہ آئے اور اپنی باقی نماز بلا قراءت پوری کرے کیونکہ یہ لاحق ہیں اور لاحق پر قراءت نہیں ہے۔ نماز پوری کر کے یہ لوگ دشمن کے سامنے چلے جائیں اور دوسرا گروہ آکر اپنی بقیہ نماز قراءت کیساتھ پوری کرے کیونکہ یہ لوگ مسبوق ہیں اور مسبوق پر قراءت لازم ہے۔ اور اگر مغرب کی نماز ہو تو امام پہلے گروہ کو دو رکعتیں اور دوسرے گروہ کو ایک رکعت پڑھائے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ اگر دوران نماز میں عمل کثیر کے ساتھ مقابلہ کریگا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ نعم لو قاتل بعمل قلیل کالرمیۃ لاتفسد۔

---

[1] حدیث ذات الرقاع اخرجہ البخاری ومسلم عن سہل بن ابی حثمہ وحدیث بطن نخلہ اخرجہ النسائی والطحاوی والطیالسی واحمد عن جابر وحدیث عسفان اخرجہ ابوداؤد والنسائی والطحاوی والبیہقی واحمد عن ابن الصامت وحدیث ذی قرد اخرجہ النسائی والطحاوی والحاکم عن ابن عباس

فائدہ: کتب حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مختلف مواقع پر حسب سہولت متعدد طریقوں سے نماز خوف ادا کی ہے۔ قدوری اور ابونصر بغدادی کی تصریح کے مطابق سولہ صورتوں سے آپ کی نماز منقول ہے اور ہر صورت جائز ہے۔ صرف راجح و مرجوح کی بات ہے۔ مصنف نے جو طریقہ ذکر کیا ہے اس کی اصل حضرت ابن مسعود کی روایت ہے جس کو ابوداؤد' بیہقی نے روایت کیا ہے لیکن اول تو اس میں خصیف راوی قوی نہیں دوم یہ کہ ابوعبیدہ نے ابن مسعود سے نہیں سنا' مبسوط وغیرہ میں حضرت ابن عمر کی حدیث سے استدلال کیا ہے جو صحاح ستہ میں موجود ہے' صورت مزکور کو امام محمد نے کتاب لآ ثار میں ابن عباس کا قول بتایا ہے ظاہر ہے کہ اس قسم کی چیزوں میں رائے کو دخل نہیں۔ لہٰذا ابن عباس کا یہ قول بمنزلہ مرفوع حدیث کے ہے۔

قولہ وان اشتداالخ اگر خوف حد سے بڑھ جائے اور بصورت مذکورہ نماز خوف ادا نہ کرسکیں تو پیادہ پا ہو کر تنہا تنہا نماز پڑھ لیں اور اگر سواری سے اترنے کا بھی موقع نہ ہو تو سواری پر اشارہ سے نماز پڑھ لیں اور اگر اس کی بھی مہلت نہ ہو تو پھر نماز کو قضا کردیں۔

بَابُ الْجَنَائِزِ

باب جنازہ کے بیان میں

وُلِّیَ الْمُحْتَضَرُ الْقِبْلَةَ عَلٰی یَمِیْنِهٖ وَلُقِّنَ الشَّهَادَةَ فَاِنْ مَاتَ شُدَّ لِحْیَاهُ وَغُمِضَ عَیْنَاهُ

قریب المرگ کو دائیں کروٹ پر قبلہ رخ کر کے کلمہ شہادت کی تلقین کی جائے جب مرجائے تو اس کے جبڑے باندھ دیئے جائیں آنکھیں بند کردی جائیں

وَوُضِعَ عَلٰی سَرِیْرٍ مُجَمَّرٍ وِتْرًا وَسُتِرَ عَوْرَتُهٗ وَجُرِّدَ وَوُضِّیَ بِلاَ مَضْمَضَةٍ وَاسْتِنْشَاقٍ وَصُبَّ عَلَیْهِ مَآءٌ

اور طاق مرتبہ بسے ہوئے تختہ پر رکھا جائے، ستر چھپا دیا جائے کپڑے اتار دیئے جائیں اور بلا مضمضہ واستنشاق وضو کرایا جائے اور اس پر وہ پانی بہایا جائے

مُغْلًی بِسِدْرٍ اَوْ حُرُضٍ وَاِلاَّ فَالْقُرَاحُ وَغُسِلَ رَاْسُهٗ وَلِحْیَتُهٗ بِالْخِطْمِیِّ وَاضْطُجِعَ عَلٰی یَسَارِهٖ فَیُغْسَلُ

جو بیری کے پتے یا اشنان سے جوش دیا گیا ہو ورنہ خالص پانی اور اس کا سر اور ڈاڑھی گل خیرو سے دھوئی جائے اور بائیں کروٹ پر لٹا کر اتنا

حَتّٰی یَصِلَ الْمَآءُ اِلٰی مَایَلِیَ التَّخْتَ مِنْهُ ثُمَّ عَلٰی یَمِیْنِهٖ کَذٰلِکَ ثُمَّ اُجْلِسَ مُسْتَنِدًا اِلَیْهِ

دھویا جائے کہ پانی اس حصہ تک پہنچ جائے جو تختہ سے ملا ہو پھر اسی طرح دائیں کروٹ دے کر نہلایا جائے پھر اس کو سہارا دے کر بٹھلایا جائے

وَمُسِحَ بَطْنُهٗ رَفِیْقًا وَمَا خَرَجَ مِنْهُ غَسَلَهٗ وَلَمْ یُعِدْ غُسْلَهٗ وَنُشِفَ بِثَوْبٍ

اور اس کے پیٹ کو آہستہ آہستہ ملا جائے اور جو کچھ نکلے اسے دھو دیا جائے دوبارہ غسل کی ضرورت نہیں اور کپڑے سے خشک کردیا جائے

وَجُعِلَ الْحَنُوْطُ عَلٰی رَاْسِهٖ وَلِحْیَتِهٖ وَالْکَافُوْرُ عَلٰی مَسَاجِدِهٖ وَلاَیُسَرَّ جُ شَعْرُهٗ وَلِحْیَتُهٗ وَلاَیُقَصُّ ظُفْرُهٗ وَ شَعْرُهٗ

اور اس کے سر اور ڈاڑھی پر خوشبو اور اعضاء سجدہ پر کافور لگا دیا جائے اسکے بالوں اور ڈاڑھی میں کنگھی نہ کی جائے اور اس کے ناخن اور بال نہ کاٹے جائیں۔

توضیح اللغۃ: جنائز جمع جنازہ' میت جو پلنگ پر رکھی ہوئی ہو۔ وُلّی متوجہ کردیا جائے۔ المحتضر قریب المرگ' لقن تلقینا میت کے پاس کلمات خیر پڑھنا' شد باندھ دیا جائے' لحیاہ جبڑے' غمض بند کردیا جائے' سریر تخت' مجمر دھونی دیا ہوا' وتر طاق عدد' ستر چھپا دیا جائے' عورۃ شرمگاہ' جرد کپڑوں سے ننگا کردیا جائے' صبت بہا دیا جائے' مغلی جوش دیا ہوا' سدر بیری' حرض اشنان' القراح خالص پانی' خطمی ایک قسم کی گھاس ہے' گل خیرو' اضجع کروٹ پر لٹایا جائے' بطن شکم' پیٹ' رفیقا آہستہ آہستہ نرمی کے ساتھ نشف خشک کردیا جائے' حنوط ایک قسم کی خوشبو ہے' مساجد جمع مسجد: وہ اعضاء جن پر سجدہ کیا جاتا ہے۔ جیسے پیشانی' گھٹنے وغیرہ۔ لایسرح کنگھا نہ کیا جائے۔ لایقص نہ کاٹے جائیں' ظفر ناخن' شعر بال۔

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ خوف وقتال کبھی مفضی الی الموت ہوجاتے ہیں اس لئے مصنف نماز جنازہ کو نماز خوف کے بعد لارہے ہیں۔نیز اب تک جن نمازوں کا تذکرہ ہوا ہے ان کا تعلق انسان کی حیات سے ہے۔مسلمان کے جنازہ کی نماز بھی ضروری ہے۔اس لئے ان نمازوں کے بعد ایسی نماز کا ذکر بھی ضروری تھا جو اس دنیا سے سدھارنے کے بعد زمین کی آغوش میں قیامت تک جا چھپنے سے پہلے لازمی ہے۔جنائز جنازہ کی جمع ہے اس میں جیم کا فتحہ اور کسرہ دونوں جائز ہیں۔لیکن جنازہ بکسر جیم زیادہ فصیح لغت ہے۔جنازہ اس حالت کا نام ہے جب میت تخت یا پلنگ پر رکھی ہوئی ہو۔بعض کے نزدیک جنازہ میت کو اور جنازہ اس تخت یا پلنگ اور تابوت کو کہتے ہیں جس پر میت کو رکھ کر لیجاتے ہیں اور بعض کے نزدیک برعکس ہے۔

قولہ ولی الخ محتضر بصیغہ اسم مفعول ہے۔وہ شخص جس پر موت حاضر ہوجائے۔یا موت کے فرشتے آموجود ہوں جب موت آتی ہے تو بالعموم اس کے آثار ظاہر ہوجاتے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ بس اب چند لمحوں میں زندگی کا رشتہ منقطع ہونیوالا ہے،جو سانس کی آمدورفت کی شکل میں قائم ہے۔عام طور پر بستر مرگ پر مرنیوالوں کا حال دم مرگ کچھ ایسا ہی ہوتا ہے کہ پاؤں ڈھیلے پڑ جاتے ہیں،ناک کا بانسہ پچک جاتا ہے اور کن پٹیاں اندر کو دھنس جاتی ہیں۔جب آدمی پر یہ حالت طاری ہونا شروع ہوجائے تو اسکا منہ داہنی کروٹ پر قبلہ کی طرف پھرا دیا جائے۔اور شہادتین کی تلقین کیجائے۔شامی نے نہر الفائق سے نقل کیا ہے کہ تلقین بالاتفاق مستحب ہے۔کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ "اپنے مریضوں کو کلمہ لا الہ الا اللہ کی تلقین کیا کرو" (صحاح غیر البخاری عن الخدری، مسلم عن ابی ہریرہ، طبرانی عقیلی عن جابر، نسائی، طبرانی عن عائشہ، ابونعیم عن واثلہ، ابن شاہین عن ابن عمر، ابن ماجہ، بزار عن عبداللہ بن جعفر، اصحاب سنن، مسلم، طبرانی عن ابن مسعود) اس میں مردے سے مراد وہی قریب المرگ ہے پھر بعض علماء کے نزدیک صرف لا الہ الا اللہ کی تلقین کافی ہے۔کیونکہ حدیث میں ہے کہ جس کا آخری کلام لا الہ الا اللہ ہوگا وہ جنت میں داخل ہوگا۔(ابوداؤد حاکم عن معاذ) اور بعض کے نزدیک محمد رسول ﷺ کی تلقین بھی ہونی چاہئے۔کہ بدون اقرار رسالت صرف توحید کا اقرار مقبول نہیں۔علامہ طحطاوی فرماتے ہیں کہ یہ تعلیل کافر کے حق میں ہے مسلمان کیلئے اقرار توحید کافی ہے تلقین کا مطلب یہ ہے کہ مرنے والے کے پاس جو لوگ موجود ہوں ان کو یہ کلمہ اپنی زبان سے پڑھنا چاہئے تاکہ اس شخص کو خود پڑھنے کی رغبت ہو۔مرنے والے پر پڑھنے کا تقاضا کرنا درست نہیں کہ اس وقت آدمی ایسی کیفیت سے دوچار ہوتا ہے جس سے زندگی میں اسے کبھی واسطہ نہیں پڑا تھا آس پاس کے لوگ پڑھیں گے تو مرنے والے کو بھی پڑھنے کا خیال آئے گا۔اور توفیق تجدید کلمہ توحید میسر آئے گی۔اور خود اس سے پڑھنے کے لئے کہا جائے تو اندیشہ ہے کہ وہ تکلیف کی شدت میں اس تقاضہ کو گراں سمجھ کر پڑھنے سے انکار کردے۔

قولہ فان مات الخ اور جب لب دم ہونے والا دنیا سے رخصت ہوجائے۔تو اس کے جبڑے باندھ دیئے جائیں۔اور آنکھیں بند کردی جائیں۔کیونکہ آنحضرت ﷺ حضرت ابوسلمہ کے پاس تشریف لائے جبکہ انکا انتقال ہوچکا تھا اور آنکھیں پتھرا گئی تھیں۔تو آپ نے آنکھوں کو بند کیا اور فرمایا: جب روح قبض کی جاتی ہے تو بینائی اس کے ساتھ جاتی رہتی ہے۔(مسلم عن ام سلمہ) پس بے ضرورت آنکھیں کھلی رکھنے سے کیا فائدہ بلکہ بسا اوقات اس طرح آنکھیں دیر تک کھلی رہ جائیں تو میت کا چہرہ ڈراونا اور وحشتناک بن جاتا ہے۔
پھر اس کو ایسے تخت پر رکھا جائے جس پر طاق مرتبہ کسی برتن سے آگ رکھ کر خوشبو جلائی گئی ہو اور اس کی شرمگاہ کو ڈھانک دیا جائے اور کپڑے اتار کر بلا مضمضہ واستنشاق وضو کرایا جائے پھر اس کے بدن پر ایسا پانی بہایا جائے جس میں بیری کے پتے جوش دیئے گئے ہوں یا اشنان گھاس ڈالی گئی ہو حضرت ام عطیہ کی حدیث جو صحیحین میں موجود ہے اس میں اس کا حکم ہے کیونکہ بیری کے پتے دافع عفونت ہوتے ہیں اور لاش جلدی خراب نہیں ہوتی۔جسم کا میل خوب صاف ہوجاتا ہے۔نیز اس سے اور کافور سے قبر کے اندر موذی جانور بھاگتے ہیں۔
اور اگر یہ چیزیں میسر نہ ہوں تو خالص پانی کافی ہے۔پھر مردہ کو اس کی بائیں کروٹ پر لٹایا جائے۔تاکہ پانی اول اس کی دائیں جانب پر پڑے۔پھر اس کو نہلایا جائے۔یہاں تک کہ پانی بدن کے اس حصہ تک پہنچ جائے جو تخت سے ملا ہوا ہے۔اسی طرح دائیں کروٹ پر

لٹا کر پانی ڈالا جائے۔ پھر نہلانے والا مردہ کو سہارے سے بٹھلا کر اس کے پیٹ کو سونتے۔ اور جو نجاست وغیرہ خارج ہو اس کو دھو ڈالے۔ دوبارہ غسل دینے کی ضرورت نہیں۔ نہلانے کے بعد کسی کپڑے سے اس کے بدن کو خشک کر دیا جائے۔ اور اس کے سر اور ڈاڑھی پر حنوط خوشبو لگائی جائے اور اس کے سجدہ کی جگہوں (پیشانی، ناک، ہتھیلیوں، گھٹنوں، پاؤں) پر کافور ملا جائے۔ جیسا کہ ابن مسعود وغیرہ کے اثر سے ثابت ہے (ابن ابی شیبہ، بیہقی عن ابن مسعود، عبدالرزاق عن الحسن ابن علی) اور مردے کے (سر کے) بالوں میں اور ڈاڑھی (کے بالوں) میں کنگھی نہ کی جائے اور نہ اس کے ناخن تراشے جائیں اور نہ بال کاٹے جائیں۔ کیونکہ یہ سب چیزیں زینت کیلئے ہوتی ہیں اور مردہ ان تمام چیزوں سے مستغنی ہو چکا ہے چنانچہ حضرت عائشہؓ کی حدیث "علام تصون میتکم" میں اس پر نکیر کی گئی ہے۔ (عبدالرزاق، محمد بن حسن، بیہقی تعلیقاً، قاسم بن سلام) نہر الفائق میں ہے کہ مرنے کے بعد تزئین جائز نہیں۔ اور اگر ناخن یا بال کاٹے جائیں تو مردے کے کفن میں رکھ دیئے جائیں (کذا فی القہستانی)

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

وَكَفَنُهُ سُنَّةً اِزَارٌ وَ قَمِيصٌ وَ لِفَافَةٌ وَ كِفَايَةً اِزَارٌ وَ لِفَافَةٌ وَ ضَرُورَةً مَايُوجَدُ وَلُفَّ مِنْ يَسَارِهٖ

مرد کا مسنون کفن چادر، پیراہن اور پوٹ کی چادر ہے اور کفن کفایہ ازار اور لفافہ ہے اور ضروری جو میسر ہو جائے اور لپیٹا جائے بائیں طرف سے

ثُمَّ مِنْ يَمِينِهٖ وَعُقِدَ اِنْ خِيفَ انْتِشَارُهٗ وَكَفَنُهَا سُنَّةً دِرْعٌ وَ اِزَارٌ وَ لِفَافَةٌ وَ خِمَارٌ وَ خِرْقَةٌ

پھر دائیں طرف سے اور گرہ لگا دی جائے اگر کھلنے کا اندیشہ ہو، عورت کا مسنون کفن قمیص، چادر، اوڑھنی، پوٹ کی چادر اور ایک پٹی ہے

تُرْبَطُ بِهَا ثَدْيَهَا وَ كِفَايَةً اِزَارٌ وَ لِفَافَةٌ وَ خِمَارٌ وَ تُلْبَسُ الدِّرْعُ اَوَّلاً ثُمَّ يُجْعَلُ شَعْرُهَا ضَفِيرَتَيْنِ عَلٰى صَدْرِهَا

جو اسکی چھاتیوں پر لپیٹی جائے اور کفن کفایہ ازار ولفافہ اور اوڑھنی ہے اور پہنائی جائے کفنی اولاً پھر کر دیا جائے اسکے بالوں کو دو لٹیں اسکے سینہ پر

فَوْقَ الدِّرْعِ ثُمَّ الْخِمَارُ فَوْقَهٗ تَحْتَ اللِّفَافَةِ وَيُجَمَّرُ الْاَكْفَانُ اَوَّلاً وِتْراً

کفن کے اوپر پھر اوڑھنی اسکے اوپر پوٹ کی چادر کے نیچے اور بسالیا جائے کفن کے کپڑوں کو اولا طاق مرتبہ

توضیح اللغۃ: ازار تہبند، چادر، قمیص کفنی، لفافہ پوٹ کی چادر، لف لپیٹ دیا جائے، عقد باندھ دیا جائے، درع قمیص، خمار اوڑھنی، خرقۃ پٹی تربط باندھا جائے، ثدی پستان، ضفیرۃ چوٹی، صدر سینہ، اکفان جمع کفن۔

تشریح الفقہ: قولہ و کفنہ الخ احناف کے نزدیک مرد کے لئے مسنون کفن تین کپڑے ہیں۔ ازار یعنی چادر سر سے لیکر پاؤں تک، قمیص یعنی بلا آستین کفنی گردن سے پاؤں تک، لفافہ جسے پوٹ کی چادر کہتے ہیں، آنحضرت ﷺ کا کفن تین ہی کپڑوں پر مشتمل تھا جیسا کہ حدیث[1] میں ہے، سوال حضرت عائشہ کی حدیث میں تو قمیص کی نفی ہے۔ جواب دوسری روایات میں قمیص کی صراحت[2] ہے، پس حضرت عائشہ کی حدیث میں قمیص کی نفی کا مطلب یہ ہے کہ سلا ہوا قمیص نہیں تھا۔ بغیر سلا تھا جسے کفنی کہا جاتا ہے۔ اور عورت کی لئے پانچ کپڑے ہیں درع یعنی قمیص، ازار، اوڑھنی، پوٹ کی چادر، سینہ بند جس سے عورت کی چھاتیاں اور پیٹ باندھا جائے۔ قہستانی نے درع اور قمیص میں یہ فرق بیان کیا ہے کہ درع کا گریبان چھاتی کی طرف ہوتا ہے اور قمیص کا مونڈھوں کی طرف اور کفن کفایہ مرد کیواسطے ازار اور لفافہ ہے اور عورت کے واسطے ازار، لفافہ اور اوڑھنی ہے۔ اور کفن ضرورت مرد وعورت کیواسطے وہ ہے جو میسر ہو۔ چنانچہ حضرت مصعب بن عمیر جب احد کی لڑائی میں شہید ہوئے تو انہیں ایک چادر میں کفنایا گیا جو اتنی چھوٹی تھی کہ سر ڈھکتا تو پاؤں کھل جاتے اور پاؤں ڈھکتے تو سر کھل جاتا۔ آنحضرت ﷺ نے سر ڈھانکنے کا حکم فرمایا اور پاؤں گھاس سے چھپا دیئے گئے[3]۔

(۱) ائمہ ستہ ابن راہویہ عن عائشہ ۱۲

(۲) ابن عدی جابر بن سمرہ، ابوداؤد عن عبداللہ بن عباس، محمد بن حسن عن ابراہیم، عبدالرزاق ابن سعد بن عن الحسن۔ (۳) ائمہ ستہ سوی ابن ماجہ عن خباب ۱۲

فائدہ: اسلامی نقطہ نظر سے نوع انسانی مخلوقات الٰہی میں سب سے زیادہ مکرم ہے۔ دنیا میں اس کی آمد پر بھی پورے احترام کا برتاؤ ہوتا ہے اور دنیا سے روانگی کے وقت بھی پورے اعزاز کیساتھ معاملہ ہوتا ہے۔ اس لئے آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ''جب تم اپنے کسی بھائی کو کفن دو تو اچھا کفن دو (مسلم عن جابر) مگر چونکہ کفن کی حیثیت صرف اتنی ہی ہے کہ مردے کو اعزاز و اکرام کیساتھ آغوش زمین تک لیجایا جائے اس لئے کفن کے عمدہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کفن میت کے قد و قامت کے مطابق ہو عمدہ اور سفید ہو' ناموری کے لئے بڑھیا سے بڑھیا کفن دینا شریعت کی نظر میں پسندیدہ نہیں بلکہ مال ضائع کرنا ہے کیونکہ کفن کتنا ہی عمدہ ہو مٹی اسے باقی نہیں چھوڑتی۔ اسی لئے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ کفن میں غلو اور زیادتی نہ کرو کیونکہ وہ تو جلدی ختم ہو جائے گا۔[1]

فائدہ ثانیہ: اوپر جو یہ کہا گیا ہے کہ مرد کے لئے کفن کفایہ دو کپڑے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حالت حیات میں مرد کا ادنیٰ لباس دو ہی کپڑے ہوتے ہیں۔ اسی لئے اگر وہ دو کپڑوں میں نماز پڑھے تو بلا کراہت درست ہے' پھر صاحب بحر لکھتے ہیں کہ مناسب یہ ہے کہ ان دو کپڑوں کی تعیین نہ کیجائے یعنی خواہ دو چادریں ہوں خواہ کفنی اور چادر ہو' کفن کفایہ میں کافی ہونی چاہئے۔ اور عورت کے کفن کفایہ کے متعلق شامی نے لکھا ہے کہ چونکہ عورت کا مدار ستر پر ہے اس لئے سوائے اوڑھنی کے چادریں ہوں تو بہتر ہے۔ کہ ان سے سر اور گردن چھپی رہے گی۔

تنبیہ: درمختار میں ہے کہ متاخرین فقہاء نے علماء اور سادات کے واسطے پگڑی کو مستحسن جانا ہے لیکن محیط میں ہے کہ پگڑی کسی حال میں نہ باندھی جائے۔ خواہ عالم ہو یا سید' زاہدی نے بھی یہی لکھا ہے کہ اصح یہی ہے کہ عمامہ ہر حال میں مکروہ ہے۔ (کذا فی الشامی) پھر غایۃ البیان میں مرقوم ہے کہ تین کپڑوں سے زائد میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن مجتبیٰ میں ہے کہ تین سے زائد کپڑے دینا مکروہ ہے۔
کذا فی الطحطاوی۔

قولہ و کفنها سنة الخ عورت کے کفن کا بیان تو اوپر ہو چکا لیکن شوہر پر اس کی بیوی کا کفن واجب ہے یا نہیں؟ اس بارے میں فتوے مختلف ہیں تجنیس اور مجمع میں ہے کہ اگر عورت کا مال نہ ہو تو کفن شوہر پر ہے۔ اسی پر فتویٰ ہے۔ اور شرح مجمع جو خود مصنف مجمع کی ہے اس میں ہے کہ اگر عورت کے پاس مال نہ ہو اور شوہر مال دار ہو تو اس پر اس کا کفن واجب ہے۔ اسی پر فتویٰ ہے۔ اور خانیہ میں بلا قید فتویٰ مذکور ہے۔ یعنی عورت کے پاس مال ہو یا نہ ہو اور شوہر مفلس ہو یا مالدار ہر صورت میں اس کا کفن شوہر پر واجب ہے۔ اس سلسلہ میں اصل یہ ہے کہ جس شخص پر مردہ کے نفقہ کے لئے حالت حیات میں جبر کیا جاتا ہے۔ اسی پر وفات کے بعد کفن کے لئے جبر ہوگا۔ (کذا فی الشامی)

قولہ وتلبس الخ مرد کو کفنانے کا طریقہ یہ ہے کہ پوٹ کی چادر بچھا کر دوسری چادر بچھائی جائے اور مردے کو قمیص پہنا کر دوسری چادر پر رکھ کر پہلے بایاں پھر داہنا پلہ لپیٹ دیا جائے پھر اسی طرح پوٹ کی چادر اور عورت کو کفنانے کا طریقہ یہ ہے کہ کفنی پہنا کر بالوں کو دو حصہ کر کے سینہ پر کفنی کے اوپر رکھ دیئے جائیں۔ اور بالوں کے اوپر اور چادر کے نیچے اوڑھنی کیجائے۔ پھر اسی طریقہ سے لپیٹ دیا جائے جو اوپر مذکور ہوا۔

(تنبیہ): مصنف نے سینہ بند کے متعلق کچھ نہیں کہا کہ وہ کہاں ہونا چاہئے۔ سو بحر الرائق میں لکھا ہے کہ پوٹ کی چادر کے اوپر رکھنا چاہئے۔ تا کہ کفن کھلنے نہ پائے۔ اور جوہرہ میں یہ ہے کہ اولاً ازار لپیٹ کر اس کے اوپر سینہ بند باندھا جائے اور اس کے اوپر پوٹ کی چادر لپیٹی جائے اور یہی ظاہر ہے۔ واللہ اعلم۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

(۱) ابوداؤد عن علی ۱۲

(فَصلٌ) اَلسُّلْطَانُ اَحَقُّ بِصَلوٰتِه وَهِيَ فَرْضُ كِفَايَةٍ وَشَرْطُهَا اِسْلاَمُ المَيِّتِ وَطَهَارَتُهٗ ثُمَّ الْقَاضِيْ اِنْ حَضَرَ

(فصل) بادشاہ لائق تر ہے اس کی نماز کے لئے اور وہ فرض کفایہ ہے اور اس کی شرط مردہ کا مسلمان اور پاک ہونا ہے پھر قاضی ہے اگر موجود ہو

ثُمَّ اِمَامُ الْحَيِّ ثُمَّ الْوَلِيُّ وَلَهٗ اَنْ يَّاْذَنَ لِغَيْرِه فَاِنْ صَلّٰى غَيْرُ الْوَلِيِّ وَالسُّلْطَانِ اَعَادَ الْوَلِيُّ

پھر محلہ کا امام پھر اس کا ولی اور اس کو دوسرے کے لئے اجازت دینے کا حق ہے اگر ولی اور بادشاہ کے علاوہ کسی نے نماز پڑھ لی تو ولی لوٹا سکتا ہے

وَلَمْ يُصَلِّ غَيْرُهٗ بَعْدَهٗ وَاِنْ دُفِنَ بِلاَ صَلوٰةٍ صَلّٰى عَلٰى قَبْرِه مَالَمْ يَتَفَسَّخْ

ولی کے بعد کوئی اور نہ پڑھے اگر دفن کردیا بلا نماز تو نماز پڑھی جائے اسکی قبر پر جب تک کہ وہ نہ پھٹا ہو۔

تشریح الفقہ: **قولہ السلطان الخ** نماز جنازہ پڑھانے کا سب سے زیادہ حقدار حاکم وقت ہے۔ بشرطیکہ وہ حاضر ہو کیونکہ حضرت حسن کے جنازہ کی نماز کے لئے حضرت حسینؓ نے حضرت سعید بن العاص کو جو مدینہ کے والی تھے بڑھا کر یہ فرمایا تھا 'لولا السنۃ ماقدمتک' امام مالک بھی اسی کے قائل ہیں' البتہ امام ابو یوسف کے نزدیک ولی مقدم ہے امام ابوحنیفہ سے حسن کی روایت بھی یہی ہے۔

قولہ وھی فرض الخ نماز جنازہ فرض ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے''وصل علیہم' قنیہ اور فوائد ناجیہ میں تصریح ہے کہ جو شخص نماز جنازہ کی فرضیت کا منکر ہو وہ کافر ہے۔ کیونکہ وہ منکر اجماع ہے البتہ فرض عین نہیں ہے بلکہ فرض کفایہ ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ نے ایک مقروض کے جنازہ پر نماز نہیں پڑھی تھی' بلکہ یہ فرمایا تھا کہ ''صلوا علی صاحبکم' اگر فرض عین ہوتی۔ تو آپ انکار نہ فرماتے۔ پھر ہر مرنے والے مسلمان کی نماز جنازہ فرض ہے۔ سوائے چار آدمیوں کے۔ اول باغی جو امیر وقت کی اطاعت سے باہر ہو۔ اگر یہ لڑائی میں مارا جائے تو نہ غسل دیا جائیگا نہ نماز پڑھی جائے گی۔ ہاں اگر لڑائی کے بعد مرے تو نماز پڑھی جائے گی۔ جو لوگ ظلم کرنے پر اپنی قوم کی حمایت کریں ان کا بھی یہی حکم ہے۔ اور نہر الفائق میں قاتل احد الابوین کو بھی بغاۃ ہی کے ساتھ لاحق مانا ہے۔ دوم راہزن ڈکیت۔ سوم مکابر جورات میں کسی جگہ کھڑا ہو جائے کہ جو شخص اس طرف کو نکلے اس کا مال چھین لے۔ چہارم گلا گھونٹنے والا جس نے کئی بار گلا گھونٹ کر مار ڈالا ہو۔ اگر یہ مقابلہ میں مارا جائے تو اس کا بھی باغیوں جیسا حکم ہے۔

قولہ وشرطھا الخ نماز جنازہ کے لئے اول تو مردہ کا مسلمان ہونا شرط ہے' کافر پر نماز پڑھنا درست نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ''ولا تصل علیٰ احد منہم اھ اور نہ نماز پڑھ ان میں سے کسی پر جو مر جائے کبھی اور نہ کھڑا ہو اس کی قبر پر' دوسرے اس کا پاک ہونا شرط ہے۔ غسل دیئے بغیر نماز درست نہیں۔ ہاں اگر بلا غسل دفن کردیا گیا ہو اور قبر کھودے بغیر نکالنا ممکن نہ ہو تو ضرورۃً اس کی قبر پر نماز جائز ہے۔ فتح القدیر وغیرہ میں تیسری شرط یہ بھی ہے کہ مردہ امام کے سامنے زمین پر رکھا ہوا ہو۔ پس غائب پر نماز درست نہیں' اسی طرح جو مردہ گاڑی پر یا جانور پر یا لوگوں کے مونڈھوں پر اٹھایا ہوا ہو اس پر نماز درست نہیں۔ نیز اگر مردہ نمازی کے پیچھے رکھا ہو تو اس پر بھی نماز درست نہیں۔ سوال حضور اکرم ﷺ نے شاہ حبشہ اصحمہ نجاشی پر غائبانہ نماز پڑھی ہے۔ جو احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ جواب شاہ نجاشی کی خبر مرگ آپ ﷺ کو بذریعہ وحی ہوئی اور آپ ﷺ نے اصحاب کو خبر دیکر نماز پڑھی تو بہت ممکن ہے کہ حجابات دور کر کے جنازہ آپ کو دکھا دیا گیا ہو۔ غائب پر نماز پڑھنا آپ کی ذات کیساتھ خاص ہو۔ رہا یہ جواب کہ یہاں صلوٰۃ بمعنی دعا ہے بقول علامہ شامی بعید از صواب ہے۔

قولہ ثم القاضی الخ بادشاہ نہ ہو تو قاضی نماز پڑھائے کیونکہ اس کے لئے ولایت عامہ ہے وہ بھی نہ ہو تو امام محلہ (لیکن درایہ میں ہے کہ جامع مسجد کا امام بہتر ہے) پھر بترتیب عصبات اولیاء میت حقدار ہیں مگر باپ بیٹے پر مقدم ہے۔ الا یہ کہ بیٹا عالم ہو کہ اس صورت میں بیٹا اولیٰ ہے۔

وَهِيَ اَرْبَعُ تَكْبِيْرَاتٍ بِثَنَآءٍ بَعْدَ الْاُوْلٰى وَصَلٰوةٍ عَلَى النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ بَعْدَ الثَّانِيَةِ وَدُعَاءٍ بَعْدَ الثَّالِثَةِ
اور نماز جنازہ کی چار تکبیریں ہیں ثناء کیساتھ پہلی تکبیر کے بعد اور حضور ﷺ پر درود کے ساتھ دوسری تکبیر کے بعد اور دعاء کیساتھ تیسری تکبیر کے بعد
وَتَسْلِيْمَةٍ بَعْدَ الرَّابِعَةِ فَلَوْ كَبَّرَ خَمْسًا لَمْ يُتْبَعْ وَلَا يَسْتَغْفِرُ لِصَبِيٍّ وَ لَا لِمَجْنُوْنٍ وَيَقُوْلُ
اور دو سلاموں کیساتھ چوتھی کے بعد پس اگر امام پانچویں تکبیر کہے تو پیروی نہ کی جائے اور بچہ اور مجنون کیلئے استغفار نہ کرے بلکہ یوں کہے
اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا فَرَطًا وَاجْعَلْهُ لَنَا اَجْرًا وَّذُخْرًا وَاجْعَلْهُ لَنَا شَافِعًا وَّمُشَفَّعًا وَيَنْتَظِرُ الْمَسْبُوْقُ لِيُكَبِّرَ مَعَهُ
الٰہی اسکو ہمارے لئے آگے بڑھنے والا اور اجر و ذخیرہ اور شفاعت کرنے والا اور شفاعت قبول کیا ہوا بنادے اور انتظار کرے مسبوق تاکہ تکبیر کہے
لَا مَنْ كَانَ حَاضِرًا فِي حَالَةِ التَّحْرِيْمَةِ وَ يَقُوْمُ لِلرَّجُلِ وَالْمَرْأَةِ بِحِذَاءِ الصَّدْرِ وَ لَمْ يُصَلُّوْا رُكْبَانًا وَ لَا فِي مَسْجِدٍ
امام کیساتھ نہ وہ شخص جو موجود ہو تحریمہ کی حالت میں اور کھڑا ہو امام مرد و عورت کے سینہ کے مقابل اور نماز نہ پڑھیں سوار ہو کر اور نہ مسجد میں

توضیح اللغۃ: فرطاً آگے بڑھنے والا' پہلے پہنچ جانیوالا' ذخر جس کو ذخیرہ بنا کر رکھا جائے۔ مشفع جس کی سفارش مقبول ہو۔ رکبانا سوار ہونے کی حالت میں۔

تشریح الفقہ: **قولہ وهی اربع الخ** نماز جنازہ میں چار تکبیریں ہیں' اور ہر تکبیر ایک رکعت کے قائم مقام ہے۔ کیونکہ متعدد روایات سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ چار تکبیریں کہتے تھے۔ (حاکم' دار قطنی' بیہقی' طبرانی' ابن حبان عن ابن عباس' دار قطنی' حازمی عن عمر' حارث بن ابی اسامہ عن ابن عمر) سوال آنحضرت ﷺ سے پانچ اور سات تکبیریں بھی ثابت ہیں؟ جواب پانچ تکبیریں بنو ہاشم کے لئے اور سات تکبیریں بدریین کے لئے خاص تھیں۔ جیسا کہ ابو نعیم کی تاریخ اصبہان میں حضرت ابن عباس سے بالتصریح مروی ہے' ان النبی ﷺ کان یکبر علی اہل بدر سبع تکبیرات وعلی بنی ہاشم خمس تکبیرات ثم کان آخر صلوتہ اربع تکبیرات الی ان خرج من الدنیا' سوال دیگر احادیث سے پانچ' چھ' سات' نو تکبیریں ثابت ہیں' اس سے ان کی نفی تو نہیں ہوتی جواب آنحضرت ﷺ نے نجاشی پر چار تکبیریں کہیں۔ اور پھر وفات شریف تک چار ہی کہتے رہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جن احادیث میں پانچ' چھ' سات' نو تکبیریں مذکور ہیں وہ آپ کے آخری فعل سے منسوخ ہیں۔ سوال ناسخ کے لئے مؤخر ہونا شرط ہے۔ اس کی کیا دلیل ہے کہ یہ واقعہ مؤخر ہے؟ جواب نجاشی کی موت کا قصہ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے موجود ہے۔ اور ابو ہریرہ متاخر اسلام ہیں اور نجاشی کی موت حضرت ابو ہریرہ کے اسلام کے بعد ہے۔ نیز حضرت عمر' ابن عباس' ابن ابی اوفیٰ' جابر کی روایات میں تاخیر کی صراحت موجود ہے۔

قولہ بثناء الخ نماز جنازہ کا طریقہ یہ ہے کہ پہلی بار اللہ اکبر کہے اور دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھائے اس کے بعد احناف کے نزدیک ہاتھ نہ اٹھائے۔ علماء بلخ اور ائمہ ثلثہ کہتے ہیں کہ سب تکبیروں میں ہاتھ اٹھائے۔ اور یہ ایک روایت امام اعظم سے بھی ہے۔ کیونکہ حضرت ابن عمر ہر تکبیر پر ہاتھ اٹھاتے تھے۔ لیکن ظاہر الروایہ پہلا قول ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ صرف پہلی تکبیر پر ہاتھ اٹھاتے تھے۔ (دار قطنی عن ابن عباس وابی ہریرہ) رہی حدیث ابن عمر وہ مضطرب ہے۔ کیونکہ حضرت ابن عمر اور حضرت علی سے یہ روایت بھی ہے کہ یہ حضرات صرف پہلی تکبیر پر ہاتھ اٹھاتے تھے۔ ولئن صح فلا تعارض فعل النبی ﷺ۔ پہلی تکبیر کے بعد ثناء پڑھے پھر دوسری تکبیر کہے اور درود پڑھے' تیسری تکبیر کے بعد" اللہم اغفر لحینا الخ" دعاء پڑھے اور چوتھی تکبیر کے بعد سلام پھیر دے۔ امام شافعی کے یہاں پہلی تکبیر کے بعد سورۂ فاتحہ متعین ہے۔ ہمارے نزدیک بہ نیت دعاء جائز ہے۔ اور بہ نیت قراءت مکروہ تحریمی ہے' کیونکہ آنحضرت ﷺ سے قراءت فاتحہ ثابت نہیں ہے۔

قولہ ولا یستغفر الخ نماز جنازہ میں بچہ اور دیوانہ کے لئے مغفرت کی درخواست نہ کیجائے کیونکہ یہ مکلف ہی نہیں بلکہ یہ دعا پڑھے اللہم اجعلہ لنا فرطاً الخ علامہ شامی فرماتے ہیں کہ مجنون سے مراد وہ ہے جو اصلی ہو یعنی موت تک اس کی عقل درست نہ ہوئی ہو۔

اور جو شخص بالغ ہونے کے بعد دیوانہ ہوا ہو۔ تو اس کے گناہ دیوانگی سے ساقط نہیں ہوتے تو اس کے لئے مغفرت مانگی جائے۔ پھر درمختار کے بعض نسخوں میں جو مرقوم ہے کہ ''دعاءِ بالغین کے بعد دعا مذکور پڑھے۔ یہ صحیح نہیں چنانچہ شیخ اسماعیل نے ذکر کیا ہے کہ متون وفتاوی کا مقتضی اور غرر الاذکار کی صریح عبارت یہ ہے کہ صغیر پر دعاءِ بالغین نہ پڑھی جائے بلکہ دعاءِ مذکور پر ہی اکتفا کیجائے۔ سوال دعا تو میت کے لئے ہوتی ہے اور اس دعا میں میت کا کوئی نفع نہیں بلکہ ماں باپ یا نمازیوں کا ہے۔ جواب پانی کا تیار کرنا اسی وقت ہوگا۔ جب وہ اول حوض پر پہنچے گا۔ تو اس میں اس کے لئے آگے بڑھنے کی دعا ہے۔ نیز قول فقہاء کے بموجب حسنات کا ثواب بچے کو ملتا ہے تو اس صورت میں بھی دعا اس کے لئے مفید ہوگی۔ واللہ اعلم۔

قولہ وینتظر الخ جس شخص کی کچھ تکبیریں امام کے ساتھ رہ گئی ہوں اور وہ بعد میں شریک ہوا ہو تو وہ طرفین کے نزدیک آتے ہی تکبیر نہ کہے۔ بلکہ امام کی تکبیر کا انتظار کرے اور اس کی تکبیر کیساتھ شروع کرے' امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ حاضر ہوتے ہی فوراً تکبیر کہے۔ اور شریک ہو جائے کیونکہ اس کی پہلی تکبیر تحریمہ ہے۔ اور مسبوق تکبیر تحریمہ کہتا ہی ہے۔ پس یہ ایسا ہو گیا جیسے کوئی شخص تحریمہ کے وقت موجود ہو۔ اور امام کے ساتھ تکبیر نہ کہے کہ وہ بالاتفاق امام کی دوسری تکبیر کا انتظار نہیں کرتا' طرفین کے قول کی وجہ یہ ہے کہ جنازہ کی ہر تکبیر ایک رکعت کے قائم مقام ہے۔ اور مسبوق اپنی فوت شدہ رکعتوں کے ساتھ شروع نہیں کرتا بلکہ امام کے فارغ ہونے کے بعد ادا کرتا ہے۔ بخلاف اس شخص کے جو بوقت تحریمہ موجود ہو کہ وہ تحریمہ کیوقت موجود ہونے کے باعث مدرک کے مانند ہے۔ امام کے بعد تکبیر کہنے کی صورت میں بھی گویا اس نے امام کیساتھ ہی کہی۔

قولہ ویقوم الخ جنازہ مرد کا ہو یا عورت کا۔ امام اس کے سینہ کے مقابل کھڑا ہو۔ کیونکہ سینہ موضع قلب ہے۔ جس میں نور ایمانی ہے۔ پس اس کے سینہ کے مقابل کھڑا ہونا اس کے ایمان کی وجہ سے شفاعت کی طرف اشارہ ہوگا' مگر یہ بطور استحباب ہے۔ اگر سینہ سے ہٹ کر کھڑا ہو گیا تو نماز ہو جائے گی۔ اور سوار ہو کر نماز نہ پڑھیں کیونکہ یہ من وجہ صلوٰۃ ہے لہٰذا بلا عذر قیام کو ترک نہیں کیا جائے گا۔ ہاں کوئی عذر ہو تو اور بات ہے۔

قولہ ولا فی مسجد الخ میت کو حدود مسجد میں رکھ کر جنازہ کی نماز پڑھنا مکروہ ہے بعض کے نزدیک تحریمی اور بعض کے نزدیک تنزیہی خواہ مسجد کے اندر صرف میت ہو اور قوم باہر ہو یا میت کیساتھ کچھ لوگ اندر ہوں اور کچھ باہر کیونکہ حضور نے ارشاد فرمایا ہے کہ' جس نے مسجد کے اندر مردے پر نماز پڑھی اس کے لئے کچھ ثواب نہیں۔

(ابوداؤد' ابن عدی عن ابی ہریرہ' ابن ماجہ عنہ ولفظہ ''فلیس شئی' ابن ابی شیبہ عنہ ولفظہ' فلا صلوٰۃ لہ')

سوال ابن عدی نے اس روایت کو توءمہ کے غلام حضرت صالح کے منکرات میں سے شمار کیا ہے۔ ابن حبان نے کہا ہے کہ حدیث باطل ہے۔ امام احمد بن حنبل' ابن المنذر' خطابی' بیہقی نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ کیونکہ صالح راوی ضعیف ہے۔ امام شعبہ ان سے روایت کرنے سے روکتے تھے' امام مالک نے صاف کہا ہے کہ ضعیف ہیں۔ جواب صالح کے متعلق جرح مذکور صرف اس وجہ سے ہے کہ آخر عمر میں ان کا حافظہ خراب ہو گیا تھا جن لوگوں نے ان سے اختلال سے قبل احادیث سنی ہیں۔ جیسے ابن جریج' زیاد بن سعد وغیرہ ان کی روایات بلاشبہ مقبول ہیں۔ اور ابن ابی ذئب راوی حدیث مذکور انہی لوگوں میں سے ہیں۔ اس لئے ابن قیم نے 'الہدیٰ' میں کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔ کیونکہ ابن ابی ذئب کی روایت سے ہے' اور صالح سے ابن ابی ذئب کا سماع قدیم ہے' یحیی بن معین نے صالح کی توثیق کی ہے۔ فرماتے ہیں'' صالح مولی التوءمۃ ثقۃ حجۃ' احمد بن حنبل فرماتے ہیں' ما اعلم بہ باسا' ابن عدی کہتے ہیں' لاباس بہ اذا روی عنہ القدماء مثل ابن ابی جریج وزیاد بن سعد' سوال مسجد کے اندر سہل بن بیضاء پر آنحضرت ﷺ کا نماز جنازہ پڑھنا حدیث سے ثابت ہے۔ (مسلم' اصحاب سنن' طحاوی عن عائشہ) پھر کراہت کی کیا وجہ؟ جواب امام طحاوی فرماتے ہیں کہ سہل بن بیضاء پر آنحضرت ﷺ کا نماز پڑھنا منسوخ

ہے' ابتدا میں آپ نے مسجد میں نماز پڑھی ہے۔ اس کے بعد ترک فرمادیا۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو صحابہ کی ایک جماعت حضرت عائشہ پر نکیر نہ کرتی۔ حالانکہ اسی روایت میں نکیر موجود ہے۔

سوال حدیث مذکور الصدر من صلی علی میت فی المسجد' کے ظرف فی المسجد' میں تین احتمال ہیں۔ نمازی کا ظرف ہو' میت کا ظرف ہو' ہر دو کا ظرف ہو۔ برتقدیر اول اس صورت میں کراہت نہیں ہونی چاہئے۔ جس صورت میں نمازی مسجد سے باہر ہو اور میت مسجد کے اندر ہو۔ برتقدیر ثانی اگر میت باہر ہو اور نمازی اندر ہو تو کراہت نہیں ہونی چاہیے۔ برتقدیر ثالث کراہت نمازی اور میت دونوں کے اندر ہونے میں منحصر ہوگی۔ اگر ایک اندر ہو اور ایک باہر ہو تو کراہت نہیں ہونی چاہیے۔ بہرکیف حدیث مذکور سے مدعا ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ مدعا علی الاطلاق کراہت ہے۔

جواب بعض افعال تو ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں فعل کا اثر مفعول پر ظاہر ہوتا ہے جیسے ضرب' قتل اور بعض میں مفعول پر ظاہر نہیں ہوتا جیسے علم ذکر وغیرہ' اگر ظرف پہلی صورت میں لایا جائے تو وہ مفعول کا ظرف ہوتا ہے۔ خواہ اس میں فاعل ہو یا نہ ہو۔ مثلاً یوں کہیں' میں نے زید کو مسجد میں مارا' تو مسجد زید کے لئے ظرف ہے خواہ متکلم اس کے اندر ہو یا نہ ہو اور دوسری صورت میں ظرف کا تعلق فاعل سے ہوتا ہے۔ خواہ اس میں مفعول ہو یا نہ ہو۔ مثلاً یوں کہیں' میں نے زید کو مسجد میں یاد کیا۔ تو مسجد متکلم کا ظرف ہے۔ خواہ زید مسجد میں ہو یا نہ ہو۔ چنانچہ اگر کوئی شخص حرم کے اندر شکار کو تیر مارے تو وہ قاتل صید حرم کہلائے گا۔ گو خود حرم سے باہر ہو۔ نماز جنازہ قسم دوم سے ہے۔ معلوم ہوا کہ مسجد نمازی کا ظرف ہے خواہ اس میں میت ہو یا نہ ہو۔ نجاشی کے خبر مرگ پر آنحضرت ﷺ کا مسجد سے نکل کر عیدگاہ میں نماز پڑھنا اس کا مؤید ہے۔ اس واسطے کہ اگر مسجد میں نماز جائز ہوتی۔ تو باہر نکلنے کے کوئی معنی ہی نہیں تھے۔ کیونکہ جنازہ مسجد میں نہ تھا اور جب نماز جنازہ ذکر و دعا ہونے کے باوجود مسجد میں جائز نہ ہوئی تو مردہ کو مسجد میں داخل کرنا بطریق اولیٰ ناجائز ہوگا۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

وَمَنْ اسْتَهَلَّ صُلِّیَ عَلَیْهِ وَ اِلَّا لَا کَصَبِیٍّ سُبِیَ مَعَ اَحَدِ اَبَوَیْهِ اِلَّا اَنْ یُّسْلِمَ اَحَدُهُمَا اَوْ هُوَ

اور جس بچہ نے آواز کی اس پر نماز پڑھی جائے ورنہ نہیں جیسے وہ بچہ جو قید کر لیا گیا ہو ماں باپ کے ساتھ الا یہ کہ ماں یا باپ یا خود بچہ مسلمان ہو جائے

اَوْلَمْ یُسْبَ اَحَدُهُمَا مَعَهٗ وَ یَغْسِلُ وَلِیٌّ مُّسْلِمٌ لِلْکَافِرِ وَیُکَفِّنُهٗ وَیَدْفِنُهٗ وَیُؤْخَذُ سَرِیْرُهٗ بِقَوَائِمِهِ الْاَرْبَعِ وَیُعَجَّلُ بِهٖ

یا قید نہ کیا گیا ہو ماں باپ کو اسکے ساتھ مسلمان ولی کافر کو غسل دے سکتا ہے اور کفنا دفنا سکتا ہے، اور چارپائی کو اس کے چاروں پائے پکڑ کر ذرا جلدی

بِلَاخَبَبٍ وَکُرِهَ جُلُوْسٌ قَبْلَ وَضْعِهٖ وَالْمَشْیُ قُدَّامَهَا وَضَعْ مُقَدَّمَهَا عَلٰی یَمِیْنِکَ ثُمَّ مُؤَخَّرَهَا

لے جائیں دوڑنے اور جنازہ رکھنے سے پہلے بیٹھنے اور اس کے آگے چلنے کے بغیر اور رکھ اس کے سرہانے کو اپنے داہنے کندھے پر پھر اس کی پچھلی

ثُمَّ مُقَدَّمَهَا عَلٰی یَسَارِکَ ثُمَّ مُؤَخَّرَهَا وَیُحْفَرُ الْقَبْرُ وَیُلْحَدُ وَیُدْخَلُ[1] مِنْ قِبَلِ الْقِبْلَةِ وَیَقُوْلُ وَاضِعُهٗ

جانب کو پھر پائنتی کی اگلی جانب کو اپنے بائیں پر پھر اس کی پچھلی جانب کو اور قبر کھود کر لحد بنائی جائے اور قبلہ کی طرف سے اتارا جائے اور رکھنے والا

بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰی مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَیُوَجَّهُ اِلَی الْقِبْلَةِ وَیُحَلُّ الْعُقْدَةُ وَیُسَوّٰی[2] اللَّبِنُ عَلَیْهِ وَالْقَصَبُ لَا الْاٰجُرُ وَالْخَشَبُ

کہے بسم اللہ وعلی ملۃ رسول اللہ ﷺ اور قبلہ رخ کر دیا جائے اور بند کھول دیا جائے اور رکھدی جائیں اس پر کچی اینٹیں یا نرکل نہ کہ پکی اینٹیں اور لکڑی

وَیُسَجّٰی قَبْرُهَا لَا قَبْرُهٗ وَیُهَالُ التُّرَابُ وَیُسَنَّمُ الْقَبْرُ وَ لَا یُرَبَّعُ وَ لَا یُجَصَّصُ

اور چھپائی جائے عورت کی قبر نہ کہ مرد کی اور ڈالی جائے مٹی اور قبر کوہان نما بنائی جائے چوکھونٹی اور چونے کی نہ بنائی جائے

(۱) خلافاللشافعی فان عندہ یسل سلا لما روی خلافہ انہ ادخل القبر من قبل القبلۃ ولم یسل سلا (ابوداؤد فی المراسیل، ابن ابی شیبہ، ابن ماجہ)

(۲) لانہ علیہ السلام جعل علی قبرہ اللبن (مسلم)

وَلَا يُخْرَجُ مِنَ الْقَبْرِ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ الْاَرْضُ . مَغْصُوْبَةً

اور مردہ کو قبر سے نہ نکالا جائے الا یہ کہ زمین چھینی ہوئی ہو۔

توضیح اللغۃ: استہل، الصبی۔ پیدائش کے وقت چلانا۔ سمی قید کیا گیا۔ قوائم جمع قائمہ: پایہ۔ خبب دوڑنا۔ قدام آگے۔ حفر حفراً کھودنا۔ یلحد بغلی قبر بنائی جائے: تحل کھولدیا جائے۔ عقدہ گرہ، یسوی برابر کر دیا جائے، لبن کچی اینٹ۔ قصب: جس میں پورے اور گرہیں ہوں جیسے بانس، نرکل وغیرہ، آجر: پکی اینٹ۔ خشب لکڑی۔ یسجی کپڑے سے ڈھانک لیا جائے۔ یہال مٹی ڈال دی جائے۔ یسنم کوہان جیسی بنائے۔ لا یربع چوکور نہ بنائی جائے۔ لا یجصص گچ نہ کیا جائے، چونہ نہ لگایا جائے۔ جصص البناء گچ کرنا۔

تشریح الفقہ: **قولہ ومن استھل الخ** اگر کوئی بچہ پیدا ہونے کے بعد مر جائے تو اگر اس سے کوئی ایسی علامت ظاہر ہوئی ہو جس سے اس کا زندہ ہونا معلوم ہو جیسے اس کا رونا، چلانا وغیرہ تو اس پر نماز پڑھی جائیگی۔ یعنی شریعت میں ایسے بچہ کا حکم زندہ کا ہے لہٰذا اس کا نام بھی رکھا جائیگا۔ کیونکہ وہ آدم زاد ہے۔ اور نام رکھنے میں اس کا اعزاز ہے اور اس کا غسل اور کفن دیا جائیگا نماز بھی پڑھی جائیگی۔ اور وہ وارث و مورث بھی ہوگا۔ اور اگر ایسی علامت ظاہر نہ ہوئی ہو (امام ابو یوسف کے نزدیک نام رکھا جائیگا۔ اور غسل بھی دیا جائیگا۔ لیکن) اسکی نماز نہیں پڑھی جائے گی جیسے اس بچہ پر نماز نہیں پڑھی جاتی۔ جس کو اس کے والدین میں سے کسی ایک کے ساتھ دار الحرب سے قید کر لیا گیا ہو۔ کیونکہ وہ دنیوی احکام میں ماں باپ کا تابع ہے۔ ہاں اگر اسکے ماں باپ میں سے کوئی ایک یا بچہ خود اسلام قبول کر لے تو پھر اس پر نماز پڑھی جائے گی۔

قولہ ولی مسلم الخ اگر کوئی کافر مر جائے اور اس کا ولی مسلمان ہو تو وہ اس کو غسل دے۔ اور کفنا کر دفن کر دے۔ کیونکہ جب حضرت علی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ابو طالب کے انتقال کی اطلاع کی تو آپ نے حضرت علی کو یہی حکم فرمایا تھا (ابن سعد عن علی) لیکن کافر کے جنازہ میں طریق مسنون کی رعایت نہیں کیجائیگی۔ بلکہ اس کو اس طرح غسل دیا جائیگا جیسے ناپاک کپڑے کو دھوتے ہیں۔ پھر کپڑے میں لپیٹ کر گڑھے میں ڈال دیا جائیگا۔

قولہ بقوائمہ الخ جنازہ کو چار آدمی اپنے کندھوں پر اٹھائیں۔ کیونکہ حدیث میں ہے کہ جو شخص جنازہ کو اٹھائے تو تخت کے چاروں پاؤں کو اٹھانا چاہئے (ابوداؤد طیالسی، ابن ماجہ، بیہقی عن ابن مسعود) امام شافعی فرماتے ہیں کہ دو آدمی اٹھائیں۔ اگلا اپنی گردن پر اور پچھلا اپنے سینہ پر۔ کیونکہ حضرت سعد بن معاذ کا جنازہ اسی طرح اٹھایا گیا تھا۔ (ابن سعد) جواب یہ ہے کہ یہ ازدحام ملائکہ کی وجہ سے تھا۔

قولہ ویعجل بہ الخ اور جنازہ کو جلد لے چلیں لیکن تیز نہ دوڑیں۔ بلکہ اتنی رفتار سے چلیں کہ میت چار پائی پر ادھر ادھر حرکت نہ کرے۔ حدیث میں وارد ہے کہ 'جنازہ کو جلد لیجاؤ کہ اگر وہ صالح تو جلد اس کو اچھی جگہ پہنچاؤ گے۔ اور اگر برا ہے تو جلد اپنی گردنوں سے برائی کو دور کرو گے' کذا فی الشامی۔

قولہ ولا یربع الخ اور قبر چورس نہ بنائی جائے چورس کرنے سے مراد یہ ہے کہ مٹی کو پھیلا کر چبوترہ کی شکل نہ کیا جائے بلکہ بیچ میں سے مثل کوہان اونچی کر دی جائے' امام محمد نے آثار میں روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے قبر کو چورس کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اور امام مسلم نے حضرت جابر سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے قبروں کے گچ کرنے' ان پر لکھنے اور عمارت بنانے سے منع فرمایا ہے۔

قولہ ولا یخرج الخ مٹی دینے کے بعد مردہ کو قبر سے نہ نکالا جائے۔ الا یہ کہ جس زمین میں اس کو دفن کیا گیا ہے وہ غصب کی ہوئی ہو یا شفعہ کے باعث اس کو دوسرے نے لے لی ہو۔ اور مالک یا شفیع اس زمین میں مردہ کا رہنا پسند نہ کرے۔

فائدہ: درمختار میں ہے کہ نفلوں کی بہ نسبت جنازہ کیساتھ جانا افضل ہے۔ اگر میت کیساتھ قرابت یا ہمسائیگی ہو یا مردہ نیک بخت مشہور ہو' وجہ افضلیت یہ ہے کہ جنازہ کیساتھ جانے میں زندہ اور مردہ دونوں کیساتھ سلوک ہے اس لئے اس کا ثواب زیادہ ہے۔ حدیث میں ہے کہ جو کوئی جنازہ کو ۴۰ قدم اٹھائے تو اس کا اٹھانا ۴۰ گناہ کبیرہ کو دور کرتا ہے۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

بَابُ الشَّهِيْدِ
باب شہید کے بیان میں

وَهُوَ مَنْ قَتَلَهُ اَهْلُ الْحَرْبِ اَوِالْبَغْيِ اَوْ قُطَّاعُ الطَّرِيْقِ اَوْ وُجِدَ فِيْ مَعْرَكَةٍ وَبِهٖ اَثَرٌ اَوْ قَتَلَهُ مُسْلِمٌ ظُلْمًا

شہید وہ ہے جس کو قتل کردیا ہو کافروں، باغیوں یاڈاکوؤں نے یا میدان جنگ میں پایا گیا ہو اور زخم کا نشان ہو یا مسلمان نے ظلماً مارڈالا ہو

وَلَمْ يَجِبْ بِهٖ دِيَةٌ فَيُكَفَّنُ وَيُصَلّٰى عَلَيْهِ بِلاَ غُسْلٍ وَيُدْفَنُ بِدَمِهٖ وَثِيَابِهٖ اِلَّا مَالَيْسَ مِنَ الْكَفَنِ

اور دیت واجب نہ ہوئی ہو پس اسکو کفن دیا جائے اور نماز پڑھی جائے بلاغسل اور اس کے خون اور کپڑوں کے ساتھ دفن کردیا جائے مگر جو کپڑے

وَيُزَادُ وَيُنْقَصُ وَيُغَسَّلُ اِنْ قُتِلَ جُنُبًا اَوْصَبِيًّا اَوارْتُثَّ بِاَنْ اَكَلَ اَوْشَرِبَ اَوْنَامَ

کفن سے نہ ہوں اور کمی بیشی کی جائے اور غسل دیا جائے اگر مارا گیا ہو ناپاکی کی حالت میں یا لڑکپن میں یا نفع اٹھایا ہو بایں طور کہ کھایا پیا، سویا ہو

اَوْ تَدَاوٰى اَوْمَضٰى وَقْتُ صَلٰوةٍ وَهُوَيَعْقِلُ اَوْنُقِلَ مِنَ الْمَعْرَكَةِ حَيًّا اَوْ اَوْصٰى اَوْقُتِلَ فِي الْمِصْرِ وَلَمْ يُعْلَمْ

یادوا کی ہو یا نماز کا وقت گذر گیا ہو اور وہ ہوش میں ہو یا میدان جنگ سے زندہ لایا گیا ہو یا اس نے وصیت کی ہو یا شہر میں مارا گیا ہو اور یہ معلوم نہ ہو

اَنَّهٗ قُتِلَ بِحَدِيْدَةٍ ظُلْمًا اَوْقُتِلَ بِحَدٍّ اَوْقَوَدٍ لاَ لِبَغْيٍ وَقَطْعِ طَرِيْقٍ

کہ وہ ہتھیار سے ظلماً مارا گیا ہے یا حد یا قصاص کے عوض میں نہ کہ بغاوت اور راہزنی کے سبب سے۔

توضیح اللغۃ: بغی فساد' نافرمانی' قطاع الطریق: ڈاکو' معرکہ میدان جنگ ارتث: ارتثاث لغۃً پرانا ہونا شرعاً مجروح کا منافع زندگی حاصل کرنا۔ حدیدہ لوہا' قود: قصاص۔

تشریح الفقہ: **قولہ باب الخ** مصنف نے شہید کے لئے مستقل باب قائم کیا ہے۔ حالانکہ وہ بھی اموات میں داخل اور اس کا ایک فرد ہے۔ اس واسطے کہ شہید کے لئے جو فضیلت' اجر و ثواب اور درجات ہیں وہ دوسرے مردوں کے لئے نہیں ہیں۔ پس اموات میں سے شہید کو علیحدہ ذکر کرنا ایسا ہے جیسے ملائکہ میں سے حضرت جبریل کو جلالت شان کے پیش نظر علیحدہ ذکر کیا جاتا ہے۔ شہید شہود یا شہادت سے ہے اور فعیل بمعنی مفعول ہے بایں معنی کہ فرشتے اس کی تعظیم کو آتے ہیں اور جنت اس کے سامنے پیش کی جاتی ہے۔ یا بمعنی فاعل ہے بایں معنی کہ خون اور زخم اس کے شاہد ہیں۔

قولہ ھو من قتلہ الخ شہید کی دو قسمیں ہیں حقیقی، حکمی۔ حقیقی شہید تو راہ خدا میں جان دینے والے کو کہتے ہیں جو اسلام کی سر بلندی کی خاطر بالا رادہ میدان جہاد میں اپنی جان نثار کرتا ہے۔ حکمی شہید کی دو قسمیں ہیں باعتبار حکم اخروی' شہید باعتبار حکم دنیاوی اول کا مطلب یہ ہے کہ ثواب کی وہ کثیر مقدار نہیں عطاء ہوتی جو حقیقی شہیدوں کے ثواب کی طرح عظیم وکثیر ہوتی ہے۔ علماء نے ایسی احادیث کو جمع کیا ہے جن میں اخروی شہداء کا ذکر ہے جن کی تعداد ۳۷ کے قریب ہے۔ اور ان کی تفصیل 'طوالع الانوار' حاشیہ درمختار میں موجود ہے۔ علامہ سیوطی نے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب 'ابواب السعادۃ فی اسباب الشہادۃ' کے نام سے لکھی ہے۔ یہاں جس شہید کے احکام مذکور ہیں وہ وہ ہے جس کو کسی حربی کافر یا باغی یا راہزن نے قتل کردیا ہو یا میدان جنگ میں زخمی مردہ پایا گیا ہو۔ یا کسی مسلمان نے ناحق قتل کردیا ہو اور نفس قتل کے سبب سے دیت واجب نہ ہو۔ ایسے شخص کو کفن دیا جائے گا اور غسل دیئے بغیر نماز پڑھی جائے گی۔ اور اس کے خون آلود کپڑوں کیساتھ دفن کردیا جائے گا۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ نے شہداء احد کے متعلق فرمایا تھا کہ ان کو ان کے خون اور زخموں کیساتھ کپڑوں میں لپیٹ دو[1] امام شافعی فرماتے ہیں کہ تلوار گناہوں کو مٹانیوالی ہے۔ لہٰذا شہید پر نماز کی کوئی ضرورت نہیں اور جن روایات میں شہداء پر نماز پڑھنے

(۱) ...... احمد شافعی بیہقی عن عبداللہ بن ثعلبہ ۱۲

کے لئے آیا ہے وہاں صلوٰۃ کے لغوی معنی مراد ہیں یعنی دعا۔ ہماری دلیل حضرت عقبہ بن عامر کی حدیث ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے شہداء احد پر جنازہ جیسی نماز پڑھی۔ (صحیحین) پس اس حدیث کے ہوتے ہوئے ابن حبان کا قول "المراد بالصلوٰۃ الدعاء" کب مسموع ہوسکتا ہے۔(۱)

بَابُ الصَّلٰوۃِ فِی الْکَعْبَۃِ

باب کعبہ کے اندر نماز پڑھنے کے بیان میں

صَحَّ فَرْضٌ وَنَفْلٌ فِیْهَا وَفَوْقَهَا وَمَنْ جَعَلَ ظَهْرَهٗ اِلٰی ظَهْرِ اِمَامِهٖ فِیْهَا صَحَّ وَاِلٰی وَجْهِهٖ لَا
صحیح ہے فرض اور نفل نماز کعبہ میں اور اسکے اوپر اور جو شخص کعبہ میں اپنی پیٹھ امام کی پیٹھ کی طرف کرے تو صحیح ہے اور امام کے چہرہ کی طرف کرے تو صحیح نہیں

وَاِنْ تَحَلَّقُوْا حَوْلَهَا صَحَّ لِمَنْ هُوَ اَقْرَبُ اِلَیْهَا مِنْ اِمَامِهٖ اِنْ لَمْ یَکُنْ فِیْ جَانِبِهٖ
اور اگر کعبہ کے گرد حلقہ کریں تو صحیح ہے اس شخص کی نماز جو کعبہ سے امام کی نسبت قریب تر ہو بشرطیکہ امام کی طرف نہ ہو۔

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ ترتیب کا مقتضیٰ تو یہ تھا کہ اس باب کو باب الجنائز پر مقدم کیا جاتا کیونکہ صلوٰۃ فی الکعبہ کا تعلق حالت حیات سے ہے اور جنائز متعلق بالممات ہے مگر مصنف نے اس خیال سے کہ کتاب الصلوٰۃ کا اختتام ایک متبرک چیز پر ہو مؤخر کیا ہے' پھر باب الشہید کیساتھ پیوست کرنے کی وجہ یہ ہے کہ خانہ کعبہ میں نماز پڑھنے والا من وجہ مستقبل (قبلہ رخ) ہوتا ہے اور من وجہ مستدبر۔ اور شہید عند اللہ زندہ ہوتا ہے اور عند الناس مردہ۔

قولہ صح الخ خانہ کعبہ کے اندر اور اس کے اوپر فرائض ونوافل سب نمازیں صحیح ہیں۔ اگر چہ سترہ بھی نہ ہو اس واسطے کہ فتح مکہ کے دن آنحضرت ﷺ کا خانہ کعبہ میں نماز پڑھنا صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن نبی کریم ﷺ حضرت اسامہ بلال' عثمان بن طلحہ خانہ کعبہ میں داخل ہوئے۔ دروازہ بند کردیا گیا۔ آپ دیر تک اسی میں رہے جب حضرت بلال باہر آئے تو میں نے پوچھا کہ آپ نے کیا کیا؟ حضرت بلال نے کہا آپ نے نماز پڑھی اسحال میں کہ دوستون آپ کی بائیں جانب تھے اور ایک داہنی طرف اور تین آپ کی پشت کی جانب (بخاری' مسلم عن ابن عمر) پھر جس طرح اندر پڑھنا صحیح ہے اسی طرح اوپر بھی صحیح ہے۔ کیونکہ ہمارے نزدیک خانہ کعبہ کی عمارت قبلہ نہیں بلکہ اس بقعہ سے آسمان تک خلائی فضا قبلہ ہے۔ البتہ اوپر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ کیونکہ ایک تو یہ تعظیم کے خلاف ہے دوسرے یہ کہ اس کی ممانعت بھی ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے سات جگہوں میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ' کمیلہ یعنی جانوروں کے ذبح کرنے کی جگہ' قبرستان شارع عام' حمام' نجاست ڈالنے کی جگہ' خانہ کعبہ کے اوپر (ترمذی ابن ماجہ' بیہقی' طحاوی عن ابن عمر' ابن ماجہ عن عمر) امام شافعی کے نزدیک نہ فرائض صحیح ہیں نہ نوافل' امام مالک کے نزدیک فرض نماز درست نہیں۔ دلیل حضرت ابن عباس کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ خانہ کعبہ میں داخل ہوئے اور آپ نے ستون کے پاس کھڑے ہوکر دعا فرمائی نماز نہیں پڑھی۔ (صحیحین) جواب یہ ہے کہ مسلم میں ابن عباس کی روایت حضرت اسامہ سے ہے اور حضرت اسامہ سے خود اس کے خلاف مروی ہے۔ چنانچہ امام احمد نے مسند میں، ابن حبان نے صحیح میں روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خانہ کعبہ میں دو ستونوں کے درمیان نماز پڑھی ہے۔ نیز حضرت بلال کی روایت مثبت ہے لہٰذا وہ مقدم ہے۔ قالہ السہیلی فی روض الانف۔

قولہ ومن جعل الخ جو شخص خانہ کعبہ میں نماز پڑھتے وقت اپنی پیٹھ امام کی پیٹھ کی طرف کرے تو اس کی نماز صحیح ہے۔ کیونکہ وہ خود قبلہ کی طرف متوجہ ہے۔ اور اس کو اپنے امام کے بارے میں غلطی کا اعتقاد نہیں' لیکن اگر وہ اپنی پیٹھ امام کے چہرہ کیطرف کرے تو نماز نہیں ہوگی۔ کیونکہ اس صورت میں وہ امام سے آگے بڑھ گیا اور خانہ کعبہ کے اردگرد مقتدی حلقہ بنا کر نماز پڑھیں تو یہ بھی صحیح ہے اور جو شخص امام کی بہ نسبت خانہ کعبہ سے قریب تر ہوگا اس کی نماز صحیح ہوجائے گی بشرطیکہ امام کی جانب میں نہ ہو کیونکہ اس صورت میں وہ حکماً امام سے پیچھے ہے۔ اور اگر وہ شخص اسی طرف ہے جس طرف امام ہے تو اس کی نماز نہ ہوگی کیونکہ اس صورت میں وہ امام سے آگے بڑھ گیا۔

(۱)...علی ان الطاہر عن الذنوب الاستغنی عن الدعاء کالنبی والصبی ۱۲

كِتَابُ الزَّكوٰةِ
زکوۃ کا بیان

هِيَ تَمْلِيْكُ الْمَالِ مِنْ فَقِيْرٍ مُسْلِمٍ غَيْرُ هَاشِمِيٍّ وَلَا مَوْلَاهُ بِشَرْطِ قَطْعِ الْمَنْفَعَةِ عَنِ الْمُمَلِّكِ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ لِلّٰهِ تَعَالٰى

زکوٰۃ مالک بنانا ہے مال کا مسلمان فقیر کو جو ہاشمی نہ ہو اور اس کا غلام نہ ہو بشرطیکہ مالک کی منفعت منقطع ہو جائے ہر طرح سے اللہ کی رضامندی کے لئے

تشریح الفقہ : قولہ کتاب الخ عبادات کی تین قسمیں ہیں۔ بدنیہ جیسے نماز' روزہ' مالیہ جیسے زکوٰۃ' بدنیہ و مالیہ ہر دو جیسے حج' ترتیب کے لحاظ سے نماز کے بعد روزہ کو بیان کرنا چاہئے تھا۔ کیونکہ دونوں عبادت بدنیہ ہیں۔ مگر قرآن پاک میں ۳۲[1] جگہ نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا مذکور ہونا اس کی دلیل ہے کہ ان دونوں میں غایت ارتباط اور کمال اتصال ہے اس لئے مصنف علیہ الرحمۃ احکام نماز سے فراغت کے بعد احکام زکوٰۃ بیان فرما رہے ہیں' زکوٰۃ اسلام کا تیسرا رکن ہے۔ جس کی فرضیت رمضان کے فرض ہونے سے پیشتر ۲ھ میں ہوئی ہے[2] اس کا ثبوت کتاب اللہ' سنت رسول ﷺ اور اجماع تینوں سے ہے۔ قال تعالیٰ" اقیموا الصلوٰۃ و آتوا الزکوٰۃ" حضور اکرم کا ارشاد ہے کہ 'ادوا زکوٰۃ اموالکم[3]' اسی پر اجماع منعقد ہے۔ پس اس کا منکر کافر اور تارک فاسق ہے۔ اسی لئے حضرت ابوبکر صدیق نے حضور کی وفات کے بعد زکوٰۃ سے باز رہنے والوں کو مرتد کہا اور ان سے جہاد کیا۔

قولہ ھی تملیک الخ لغت میں زکوۃ کے معنی زیادہ ہونے اور بڑھنے کے ہیں۔ یقال زکا الزرع کھیتی بڑھ گئی۔ چونکہ خدا کے نام پر دینے سے مال بڑھتا ہے اس لئے سال تمام پر مال سے حصہ معین دینے کو زکوۃ کہتے ہیں۔ بعض کے نزدیک زکاء بمعنی پاکی سے مشتق ہے۔ قال تعالیٰ خیر امنہ زکوۃً چونکہ زکوٰۃ دینے سے مال پاک ہوتا ہے۔ قال تعالیٰ" خذمن اموالھم صدقةً تطھرھم و تزکیھم' اس لئے اس کو زکوٰۃ کہتے ہیں اور اسی لئے کہ ذبح کرنے سے نجس خون نکل جاتا ہے۔ مذبوح جانور کو مزکی کہتے ہیں (ضیاء العلوم) نیز لغت میں اس کے معنی برکت کے بھی ہیں یقال زکت البقعة ای بورک فیھا' اس عمل کی تاثیر سے چونکہ مال میں برکت ہوتی ہے۔ اس لئے اس کو زکوٰۃ کہتے ہیں (غایہ) ابن العربی نے کہا ہے کہ زکوٰۃ کا اطلاق صدقہ واجبہ' صدقہ مندوبہ' نفقہ' حق اور عفو سب پر ہوتا ہے۔ اصطلاح فقہاء میں زکوٰۃ کی تعریف یہ ہے' ہی تملیک المال اھ یعنی زکوٰۃ...... مسلمان فقیر کو مال (کے اس حصہ) کا مالک بنا دینا ہے۔ (جس کو شارع نے معین کیا ہے) بشرطیکہ وہ فقیر ہاشمی اور اس کا آزاد کردہ غلام نہ ہو اور مالک بنانے والے کی منفعت ہر اعتبار سے منقطع ہو جائے۔ اور یہ مالک بنانا بہ نیت تعمیل حکم خداوندی ہو۔ تعریف میں پہلی قید تملیک ہے۔ کیونکہ آیت 'و آتوا الزکوٰۃ' میں لفظ ایتاء ہے اور ایتاء ہی تملیک ہے۔ معلوم ہوا کہ زکوۃ اس فعل مخصوص کا اسم ہے جیسا کہ محققین کی رائے ہیں۔ اور یہی صحیح ہے کیونکہ زکوٰۃ وجوب کیساتھ متصف ہوتی ہے اور وجوب افعال کی صفت ہے نہ کہ ذوات کی' سوال مصنف کو 'تملیک المال' کے بعد 'علی وجہ لابد منہ' کی قید بھی لگانی چاہئے تھی۔ (یعنی ایسے طریقہ پر مالک بنایا جائے جواز روئے شرع ضروری ہے) تاکہ کفارہ خارج ہو جائے۔ کیونکہ کفارہ بطریق اباحت و بطریق تملیک ہر دو سے ادا ہو جاتا ہے۔ اور زکوٰۃ میں تملیک ضروری ہے۔ پس بہ نیت ادائے زکوٰۃ کسی یتیم کو کھانا کھلانے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ جواب 'المال' میں الف لام برائے عہد ہے۔ اور شریعت میں مال زکوٰۃ کا اخراج بطریق تملیک ہی معہود ہے۔ پس قید زائد کی ضرورت نہیں۔ دوسری قید 'مسلم' ہے جس سے کافر خارج ہو گیا۔ کہ کافر کو مالک بنانے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ کیونکہ حدیث 'تو خذ من اغنیائھم فترد علی فقرائھم' میں فقرائھم کی ضمیر مسلمیں کی طرف راجع ہے۔ تیسری قید 'غیر ہاشمی' ہے اس سے بنو ہاشم خارج ہو گئے کہ ان کو مالک بنانے سے بھی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ کیونکہ حضور اکرم ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ چوتھی قید 'بشرط قطع المنفعۃ' کے ذریعہ زکوٰۃ دہندہ کی اصل اور فرع ماں باپ' دادا' دادی' نانا نانی' بیٹا بیٹی' پوتا پوتی' نواسا نواسی خارج ہو گئے کہ ان کو دینے میں من وجہ زکوٰۃ دہندہ کی منفعت باقی رہتی ہے۔

---

(۲)...... اشار الیہ النووی فی باب السیر من الروضۃ ۱۲ (۳)...... ترمذی، ابن حبان حاکم عن ابی امامہ طبرانی عن ابی الدرداءؓ ۱۲

(۱) صاحب نہر الفائق و بحر الرائق نے مناقب بزازیہ کی طرف منسوب کرتے ہوئے ۸۲ جگہ کے متعلق لکھا ہے مگر یہ غلط ہے۔ طحطاوی

وَشَرْطُ وُجُوْبِهَا الْعَقْلُ وَالْبُلُوْغُ وَالْاِسْلَامُ وَالْحُرِّيَّةُ وَمِلْكُ نِصَابٍ حَوْلِيٍّ فَارِغٍ عَنِ الدَّيْنِ وَحَاجَةٍ اَصْلِيَّةٍ

وجوب زکوٰۃ کی شرط عاقل بالغ مسلمان آزاد ہونا اور ایسے نصاب کا مالک ہونا ہے جس پر سال گذر گیا ہو اور قرض سے اور حاجت اصلی سے

نَامٍ وَلَوْ تَقْدِيْرًا وَشَرْطُ اَدَائِهَا نِيَّةٌ مُقَارِنَةٌ لِلْاَدَاءِ اَوْ لِعَزْلِ مَا وَجَبَ اَوِالتَّصَدُّقِ بِكُلِّهٖ

بچا ہوا ہو بڑھنے والا ہو اگرچہ تقدیرا ہو اور ادائیگی زکوٰۃ کی شرط نیت کا ہونا ہے دیتے وقت ہو یا واجب مقدار علیحدہ کرتے وقت یا کل مال خیرات کر ڈالنا ہے۔

توضیح اللغۃ: حریۃ آزادی' حولی اور جس پر ایک سال گزر جائے' دین قرض۔ نام بڑھنے والا' عزل علیحدہ کرنا۔

وجوب و ادائیگی زکوٰۃ کی شرطوں کا بیان

تشریح الفقہ: **قولہ و شرط و جوبها الخ** یہاں وجوب سے مراد فرضیت ہے۔ کیونکہ زکوٰۃ قطعی فریضہ محکمہ ہے حتی کہ اس کا منکر باتفاق علماء کافر ہے۔ زکوٰۃ کے فرض ہونے کی پانچ شرطیں ہیں (۱) عاقل ہونا (۲) بالغ ہونا۔ پس مجنون اور بچہ پر زکوٰۃ نہیں جیسا کہ ان پر نماز فرض نہیں۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے **رفع القلم عن ثلاثة النائم حتی یستیقظ و عن الصبی حتی یحتلم و عن المجنون حتی یعقل** (ابو داؤد' نسائی' ابن ماجہ' ابن جارود' دارمی' طحاوی' حاکم عن عائشۃ' حضرت علی و ابن عباس اسی کے قائل ہیں۔ امام شافعیؒ' مالک احمد فرماتے ہیں کہ ان پر بھی زکوٰۃ فرض ہے۔ یہی حضرت عائشہ اور ابن عمر کا قول ہے۔ کیونکہ زکوٰۃ مالی تاوان ہے پس جس طرح دیگر نفقات و غرامات' عشر و خراج اور صدقہ فطر وغیرہ کی ادائیگی ان کیلئے ضروری ہے اسی طرح زکوٰۃ بھی ضروری ہوگی۔ جواب یہ ہے کہ زکوٰۃ عبادت ہے۔ پس اس کی ادائیگی بلا اختیار نہیں ہو سکتی۔ اور بچے اور مجنون کو عقل کے فقدان کی وجہ سے اختیار نہیں ہے۔ لہٰذا ان پر زکوٰۃ فرض نہیں بخلاف نفقات و غرامات کے کہ وہ حقوق العباد میں سے ہیں اور بخلاف عشر و خراج کے کہ وہ مؤنت ارضی ہے۔ اور بخلاف صدقہ فطر کے کہ وہ عبادت محضہ نہیں ہے۔ (۳) مسلمان ہونا پس کافر پر زکوٰۃ نہیں۔ (اصلی ہو یا مرتد) کیونکہ زکوٰۃ عبادت ہے اور کافر سے عبادت متحقق نہیں ہو سکتی۔ نیز وہ فرعیات کا مخاطب ہی نہیں (۴) آزاد ہونا۔ پس عبد محض' مدبر' مکاتب' ام ولد پر زکوٰۃ نہیں۔ کیونکہ فرضیت زکوٰۃ کے لئے ملکیت ضروری ہے۔ اور یہ کسی چیز کے مالک نہیں۔ اور مکاتب گو مالک ہوتا ہے مگر اس کی ملکیت کامل نہیں ہوتی۔ ناتمام ہوتی ہے۔ (۵) نصاب حولی کا مالک ہونا۔ حولی حول بمعنی سال کی طرف منسوب ہے۔ جس پر پورا سال گزر جائے۔ اس کو حولی کہتے ہیں۔ سال گزرنے کی شرط اس لئے ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ مال میں زکوٰۃ نہیں یہاں تک کہ اس پر سال گذر جائے۔ (ابن ماجہ عن عائشہ' دار قطنی' بیہقی عن ابن عمر' احمد عن علی) پھر نصاب حولی کا قرضہ سے اور ضروریات اصلیہ سے فارغ ہونا ضروری ہے' ضروریات اصلیہ مثلاً روز مرہ کا خرچ مکان سکونت' سامان جنگ' سردی و گرمی کے کپڑے' پیشہ وروں کے اوزار' سامان خانہ داری' سواری کے جانور' اہل علم کے حق کتابیں وغیرہ۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

---

(۱) اطلقه فشمل الحال والموجل ولو صداق زوجته الموجل الی الطلاق او الموت وقیل المهر الموجل لایمنع لانه غیر مطالب به عادة بخلاف المعجل وقیل ان کان الزوج علی عزم الاداء منع والا فلا لانه لایعد دینا (کذا فی غایة البیان) وفی المحیط واما الدین المعترض فی خلال الحول فانه یمنع وجوب الزکوة بمنزلة هلاکه عند محمد وعند ابی یوسف لایمنع بمنزلة نقصانه اه

(۲) لانه ح دخل الجزء الواجب فیه فلا حاجة الی التعیین استحسانا ۱۲ زیلعی۔

(۳) لان الدفع یتفرق فیحرج باستحضار النیة عند کل دفع ۱۲ کشف۔

بَابُ صَدَقَةِ السَّوَائِمِ[1]

باب چرندوں کی زکوٰۃ کے بیان میں

وَهِيَ[2] الَّتِيْ تَكْتَفِيْ بِالرَّعِيِ فِيْ اَكْثَرِ السَّنَةِ وَيَجِبُ فِيْ خَمْسٍ وَّعِشْرِيْنَ اِبِلاً بِنْتُ مُخَاضٍ وَفِيْ مَادُوْنَهٗ فِيْ كُلِّ خَمْسٍ

سوائم وہ ہیں جو اکثر سال چرنے پر گزارہ کریں اور واجب ہے پچیس اونٹوں میں ایک بنت مخاض اور اس سے کم کے اندر ہر پانچ میں ایک بکری ہے

شَاةٌ وَفِيْ سِتٍّ وَّثَلٰثِيْنَ بِنْتُ لَبُوْنٍ وَفِيْ سِتٍّ وَّاَرْبَعِيْنَ حِقَّةٌ وَفِيْ اِحْدٰى وَسِتِّيْنَ جَذْعَةٌ وَفِيْ سِتٍّ وَّسَبْعِيْنَ بِنْتَا لَبُوْنٍ

اور چھتیس میں بنت لبون اور چھیالیس میں ایک حقہ اور اکسٹھ میں ایک جذعہ اور چھہتر میں دو بنت لبون

اِلٰى تِسْعِيْنَ وَفِيْ اِحْدٰى وَتِسْعِيْنَ حِقَّتَانِ اِلٰى مِائَةٍ وَّعِشْرِيْنَ ثُمَّ فِيْ كُلِّ خَمْسٍ شَاةٌ اِلٰى مِائَةٍ وَّخَمْسٍ وَّاَرْبَعِيْنَ

اور اکیانوے میں دو حقے ایک سو بیس تک پھر پانچ میں ایک بکری ہے ایک سو پینتالیس تک

فَفِيْهَا حِقَّتَانِ وَبِنْتُ مُخَاضٍ وَفِيْ مِائَةٍ وَّخَمْسِيْنَ ثَلٰثُ حِقَاقٍ ثُمَّ فِيْ كُلِّ خَمْسٍ شَاةٌ

پس اس میں دو حقے اور ایک بنت مخاض ہے ایک سو پچاس میں تین حقے ہیں پھر ہر پانچ میں ایک بکری ہے

وَّفِيْ مِائَةٍ وَّخَمْسٍ وَّسَبْعِيْنَ ثَلٰثُ حِقَاقٍ وَبِنْتُ مُخَاضٍ وَفِيْ مِائَةٍ وَّسِتٍّ وَّثَمَانِيْنَ ثَلٰثُ حِقَاقٍ وَّبِنْتُ لَبُوْنٍ وَفِيْ مِائَةٍ

اور ایک سو پچھتر میں تین حقے اور ایک بنت مخاض ہے اور ایک سو چھیاسی میں تین حقے اور ایک بنت لبون ہے

وَّسِتٍّ وَّتِسْعِيْنَ اَرْبَعُ حِقَاقٍ اِلٰى مِائَتَيْنِ ثُمَّ تُسْتَأْنَفُ الْفَرِيْضَةُ اَبَدًا كَمَا بَعْدَ مِائَةٍ وَخَمْسِيْنَ وَالْبُخْتُ كَالْعِرَابِ

اور ایک سو چھیانوے میں چار حقے ہیں دو سو تک پھر نیا حساب کیا جائیگا جیسے ایک سو پچاس کے بعد کیا ہے بختی اونٹ عربی کے مثل ہے۔

توضیح اللغۃ: سوائم باہر چرنے والے جانور۔ سائمہ کی جمع ہے۔ الرعی گھاس چرنا۔ ابل اونٹ بنت مخاض۔ مخاض۔ دردزہ' بنت مخاض اونٹنی کا بچہ جو ایک سال کا ہو کر دوسرے میں لگ جائے۔ شاۃ بکری۔ بنت لبون: لبون دودھ والی بنت لبون۔ اونٹنی کا بچہ جو تیسرے سال میں لگ جائے۔ حقہ جو چوتھے سال میں لگ جائے۔ جذعہ جو پانچویں سال میں لگ جائے۔ تستانف از سر نو کرنا' بخت: جمع بختی۔ بخت نصر کی طرف منسوب ہے۔ وہ اونٹ جو عربی اور عجمی دونوں کی نسل سے پیدا ہو۔ عراب جمع عربی۔ (للبہائم وللاناسی عرب) خالص عربی النسل اونٹ۔

تشریح الفقہ: قولہ ھی التی الخ سائمہ لغت میں چرنے والے کو کہتے ہیں اور شرعاً اس جانور کو کہتے ہیں جو سال کے اکثر حصہ میں مباح چرائی پر اکتفاء کرے۔ ایسے اونٹوں کا نصاب پانچ ہے۔ پس پچیس تک ہر پانچ میں ایک بکری ہے۔ اور 25 میں بنت مخاض اور 36 میں بنت لبون اور ۴۶ میں ایک حقہ اور ۶۱ میں ایک جذعہ اور ۷۶ میں دو بنت لبون اور 91 میں ۱۲۰ تک دو حقے۔ اس کے بعد از سر نو حساب لگایا جائے گا۔ پس ہر پانچ میں ایک بکری ہوگی ۱۴۵ تک اور ۱۴۵ میں دو حقے ایک بنت مخاض اور ۱۵۰ میں تین حقے' اس کے بعد پھر استیناف ہوگا۔ اور ہر پانچ میں ایک بکری ہو کر ۱۷۵ میں تین حقے ایک بنت مخاض ہوگی۔ اور ۱۸۶ میں تین حقے اور بنت لبون اور ۱۹۶ میں چار حقے ۲۰۰ تک۔ اس کے بعد پھر اسی طرح حساب ہوگا جس طرح ڈیڑھ سو کے بعد پچاس میں ہوا تھا۔ پس ۲۰۵ میں چار حقے ایک بکری اور ۲۱۰ میں چار حقے دو بکری اور ۲۱۵ میں چار حقے تین بکری اور ۲۲۰ میں چار حقے چار بکری اور ۲۲۵ میں چار حقے ایک بنت مخاض اور ۲۳۶ میں چار حقے ایک بنت لبون اور ۲۴۶ میں پانچ حقے ۲۵۰ تک اور ۲۵۵ میں پانچ حقے ایک بکری اور ۲۶۰ میں پانچ حقے دو

---

(۱) قال فی المغرب سامت الماشیۃ رعت سوماً واسامہا صاحبہا والسائمۃ عن الاصمعی کل ابل ترسل ترعی ولا تعلف فی الاہل۔ ۱۲ بحر۔

(۲) بیان للمعنی الفقہی لان اسم السائمۃ لا یزول بالعلف الیسیر ولانہ لا یمکن الاحتراز عنہ قید بالاکثر فلو علفہا نصف الحول لا تکون سائمۃ فلا زکوٰۃ فیہا۔ ۱۲

بکری۔ ۲۵۶ میں پانچ حقے تین بکری ۲۷۰ میں پانچ حقے چار بکری ۲۷۵ میں پانچ حقے ایک بنت مخاض۔ ۲۸۶ میں پانچ حقے ایک بنت لبون ۲۹۶ میں چھ حقے ۳۰۰ تک یہ تفصیل تو احناف کے یہاں ہے جو آنحضرت ﷺ اور حضرات صحابہ کے مکتوبات[۱] میں موجود ہے۔ امام مالک کے نزدیک ۱۲۰ کے بعد ہر چالیس میں بنت لبون ہے اور ہر پچاس میں ایک حقہ اور زائد میں کچھ نہیں جب تک کہ ۱۳۰ نہ ہوں پس ۱۳۰ میں ایک حقہ دو بنت لبون اور ۱۴۰ میں دو حقے ایک بنت لبون اور ۱۵۰ میں تین حقے اور ۱۶۰ میں چار بنت لبون اور ۱۷۰ میں ایک حقہ ۳ بنت لبون اور ۱۸۰ میں دو حقے اور دو بنت لبون اور ۱۹۰ میں تین حقے ایک بنت لبون ہے ۲۰۰ تک۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ ۱۲۰ پر ایک زائد ہو جائے تو اس میں تین بنت لبون ہیں ۱۳۰ تک۔ باقی تفصیل وہی ہے جو امام مالک کے یہاں ہے پس انکے یہاں فریضہ ہر چالیس اور پچاس پر دائر ہے۔ امام اوزاعی سفیان ثوری بھی اسی کے قائل ہیں۔ اور یہی ایک روایت امام احمد سے ہے۔

(فَصلٌ فِي الْبَقَرِ) وَفِيْ ثَلٰثِيْنَ بَقَرًا تَبِيْعٌ ذُوْسَنَةٍ اَوْتَبِيْعَةٌ وَفِيْ اَرْبَعِيْنَ مُسِنٌّ ذُوْ سَنَتَيْنِ اَوْ مُسِنَّةٌ
(فصل گائے کی زکوٰۃ میں) تیس گایوں میں ایک سالہ بچھڑا یا بچھڑی اور چالیس میں دوسالہ بچھڑا یا بچھڑی

وَّفِيْمَا زَادَ بِحِسَابِهٖ اِلٰى سِتِّيْنَ فَفِيْهَا تَبِيْعَانِ وَفِيْ سَبْعِيْنَ مُسِنَّةٌ وَتَبِيْعٌ وَفِيْ ثَمَانِيْنَ مُسِنَّتَانِ
اور جو زائد ہو اس میں اسی حساب سے ہے ساٹھ تک پس ساٹھ میں سے دو تبیع اور ستر میں ایک مسنہ اور ایک تبیع اور اسی میں دو مسنے ہیں

فَالْفَرْضُ يَتَغَيَّرُ بِكُلِّ عَشْرٍ مِّنْ تَبِيْعٍ اِلٰى مُسِنَّةٍ وَالْجَامُوْسُ كَالْبَقَرِ
پس فریضہ بدلتا رہے گا ہر دھائی پر تبیع سے مسنہ کی طرف اور بھینس گائے کے مثل ہے۔

گائے بیل کی زکوٰۃ کا بیان

توضیح اللغۃ: البقر بقر سے مشتق ہے بمعنی پھاڑنا۔ بقر بطنہ' شقہ' (مغرب) بیل چونکہ زمین پھاڑتا ہے اس لئے اس کو بقر کہتے ہیں باقور' بیقور' ابقور' بقر سب کے ایک ہی معنی ہیں۔ بقر اسم جنس ہے۔ جس کا واحد بقرہ ہے نر ہو یا مادہ جیسے تمر اور تمرہ پس تا برائے وحدت ہے نہ کہ برائے تانیث (وفی ضیاء العلوم جماعۃ البقر مع رعاتہا) تبیع ایک سال کا بچھڑا' بچھڑی' مسن دو سال والا۔ جاموس بھینس۔

تشریح الفقہ: قولہ فی ثلثین الخ گائے بھینس کی زکوٰۃ کا نصاب تیس کا عدد ہے۔ پس تیس میں ایک سالہ بچھڑا یا بچھڑی ہے۔ اور چالیس میں دوسالہ اور چالیس سے ساٹھ تک جو زائد ہو اس میں اسی حساب سے زکوٰۃ ہوگی یعنی ایک زائد ہو تو مسن کا چالیسواں حصہ۔ دو زائد ہوں تو بیسواں وہکذا۔ یہ امام صاحب سے ابو یوسف کی روایت ہے۔ اور ظاہر الروایہ ہے۔ ابراہیم نخعی' مکحول' حماد بھی اسی کے قائل ہیں۔ امام صاحب سے حسن کی روایت یہ ہے کہ زیادہ میں کچھ نہیں۔ جب تک کہ پچاس نہ ہوں' پس پچاس میں ایک مسن اور اس کا چوتھائی حصہ ہے۔ صاحبین یہ فرماتے ہیں کہ جب تک ساٹھ نہ ہوں اسوقت تک زائد میں کچھ نہیں' یہی قول امام شافعی' مالک' احمد کا ہے۔ اور امام صاحب سے بھی ایک روایت ہے۔ پس ساٹھ میں دو تبیعے ہیں۔ اور ستر میں ایک مسنہ ایک تبیع ہے۔ اور اسی میں دو مسنے اس کے بعد ہر دس میں تبیع سے مسنہ کی طرف اور مسنہ سے تبیع کی طرف فریضہ بدلتا رہے گا۔

فی الدیانات۔ ۱۲ فی المراسیل۔ [۱] مکتوب حضرت ابوبکر صدیق' بخاری مکتوب حضرت عمر' ابوداؤد' ترمذی' ابن ماجہ' مکتوب حضرت عمرو بن حزم نسائی' ابوداؤد۔

(فَصْلٌ فِي الْغَنَمِ) وَفِيْ اَرْبَعِيْنَ شَاةً شَاةٌ وَّفِيْ مِائَةٍ وَّاِحْدٰى وَعِشْرِيْنَ شَاتَانِ وَفِيْ مِائَتَيْنِ وَوَاحِدٌ ثَلٰثُ شِيَاهٍ
(فصل بھیڑ بکری کی زکوٰۃ میں) چالیس بکریوں میں ایک بکری اور ایک سو اکیس میں دو بکریاں اور دوسو ایک میں تین بکریاں
وَفِيْ اَرْبَعِمِائَةٍ اَرْبَعٌ ثُمَّ كُلِّ مِائَةٍ شَاةٌ وَالْمَعِزُ كَالضَّاْنِ وَيُؤْخَذُ الثَّنِيُّ فِيْ زَكٰوتِهَا لَا الْجَذَعُ
اور چارسو میں چار بکریاں پھر ہر سو میں ایک بکری ہے اور بھیڑ بکری کے مثل ہے اور لیا جائیگا دو دانت بکری کی زکوٰۃ میں نہ کہ ایک سال سے کم

بھیڑ بکری کی زکوٰۃ کا بیان

توضیح اللغۃ: الغنم بکریاں (اس کیلئے اس لفظ سے واحد نہیں واحد کیلئے لفظ شاۃ ہے) شیاہ: جمع شاۃ بکری، معز بکری (اسم جنس ہے) ضان بھیڑ دنبہ۔

تشریح الفقہ: قولہ فی اربعین الخ بکریوں کی زکوٰۃ کا نصاب چالیس ہے پس چالیس میں ایک بکری ہے اور ۱۲۱ میں دو بکریاں اور ۲۰۱ میں تین بکریاں اور ۴۰۰ میں چار بکریاں پھر ہر سو میں ایک بکری ہے اور اس میں بھیڑ بکری دونوں برابر ہیں اور بکریوں کی زکوٰۃ میں ثنی لیا جائے گا جو پورے ایک سال کا ہوتا ہے۔ جذع جس پر اکثر سال گزر گیا ہو کافی نہ ہوگا۔ اونٹ، گائے، بیل، بکری، بھیڑ کی زکوٰۃ کی تفصیل ان نقشوں سے ذہن نشین کرو۔

اونٹوں کی زکوٰۃ کی تفصیل							
نصاب	مقدار واجب	نصاب	مقدار واجب	نصاب	مقدار واجب	نصاب	مقدار واجب
۵	ایک بکری	۲۰	چار بکریاں	۴۶	ایک حصہ	۹۱	دو حصے
۱۰	دو بکریاں	۲۵	بنت مخاض	۶۱	ایک جذعہ	۱۰۰	دو حصے
۱۵	تین بکریاں	۳۶	بنت لبون	۷۶	دو بنت لبون	۱۲۰	دو حصے
۱۲۵	ایک بکری دو حصے	۱۳۵	تین بکریاں دو حصے	۱۴۵	بنت مخاض دو حصے		
۱۳۰	دو بکریاں دو حصے	۱۴۰	چار بکریاں دو حصے	۱۵۰	تین حصے		
۱۵۵	ایک بکری تین حصے	۱۶۵	تین بکریاں تین حصے	۱۷۵	تین حصے ایک بنت مخاض	۱۹۶	چار حصے
۱۶۰	دو بکریاں تین حصے	۱۷۰	چار بکریاں تین حصے	۱۸۶	تین حصے ایک بنت لبون	۲۰۰	چار حصے
گائے بیل کی زکوٰۃ کی تفصیل							
۳۰	یکسالہ بچھڑا یا بچھڑی	۶۰	یکسالہ دو بچھڑے	۸۰	دو بچھڑے دو سالہ	۱۰۰	ایک دو سالہ دو یک سالہ
۴۰	دو سالہ بچھڑا یا بچھڑی	۷۰	ایک یک سالہ ایک دو سالہ	۹۰	تین بچھڑے یک سالہ		
بھیڑ بکری کی زکوٰۃ کی تفصیل							
۴۰	ایک بکری	۲۰۱	تین بکریاں	۵۰۰	پانچ بکریاں		
۱۲۱	دو بکریاں	۴۰۰	چار بکریاں	۶۰۰	چھ بکریاں و ہکذا		

وَ لَاشَيْءَ فِي الْخَيْلِ وَالْبِغَالِ وَالْحَمِيْرِ وَالْحِمْلَانِ وَالْفُصْلَانِ وَالْعَجَاجِيْلِ وَالْعَوَامِلِ وَالْعَلُوْفَةِ

اور کوئی چیز واجب نہیں گھوڑوں میں خچروں میں گدھوں میں صرف بکری اور اونٹ کے بچوں میں بچھڑوں میں کام کاج کے مویشیوں اور گھر پر کھانے

وَالْعَفْوِ وَ الْهَلَاكِ بَعْدَ الْوُجُوْبِ وَلَوْ وَجَبَ مُسِنٌّ وَلَمْ يُوْجَدْ دُفِعَ اَعْلٰى مِنْهَا

والوں میں مقدار عفو میں وجوب کے بعد ہلاک ہو جانے والوں میں اگر واجب ہو کوئی عمر والا اور وہ گلے میں موجود نہ ہو تو زائد عمر کا دیدے

وَاُخِذَ الْفَضْلُ اَوْدُوْنَهَا وَرُدَّ الْفَضْلُ اَوْ دُفِعَ الْقِيْمَةُ وَيُؤْخَذُ الْوَسَطُ وَيُضَمُّ الْمُسْتَفَادُ مِنْ جِنْسِ النِّصَابِ اِلَيْهِ

اور اوپر ادن لیلیے یا کم عمر کا مع اوپر ادن دیدے یا قیمت دیدے اور لیا جائے میانہ جانور اور ملا لیا جائے جنس نصاب سے حاصل ہونے والے کو نصاب کی طرف

وَلَوْ اَخَذَ الْخِرَاجَ وَالْعُشْرَ وَالزَّكٰوةَ بُغَاةٌ لَمْ تُؤْخَذْ[1] اُخْرٰى وَلَوْعَجَّلَ ذُوْ نِصَابٍ لِسِنِيْنَ اَوْلِنُصُبٍ صَحَّ

اور اگر لے لیں خراج اور عشر اور زکوۃ باغی لوگ تو دوبارہ نہ لیا جائے اور اگر پہلے دیدے مال والا چند سالوں کی یا چند نصابوں کی زکوۃ تو درست ہے

جانوروں کی زکوۃ کے مختلف مسائل

توضیح اللغۃ: خیل: گھوڑوں کا گروہ، بغال جمع بغل خچر، حمیر جمع حمار۔ پالتو گدھا، حملان جمع حمل، بکری کا بچہ۔ فصلان جمع فصیل: اونٹنی کا بچہ جو ایک سال سے کم کا ہو۔ عجاجیل: جمع عجول بمعنی عجل بچھڑا، عوامل جمع عاملۃ۔ کام کاج میں آنیوالی اونٹنی، علوفۃ گھر پر چارہ کھانیوالے جانور۔ عفو دو نصابوں کے درمیان کا عدد، سن ای ذات سن۔ دون: یعنی کمتر، گھٹیا، وسط درمیانی، مستفاد جو مال درمیان سال میں حاصل ہو بغاۃ جمع باغی: حاکم وقت کا نافرمان۔ سنین چند سال۔ نصب: جمع نصاب۔

تشریح الفقہ: **قولہ ولا شیئ الخ** صاحبین کے نزدیک باہر چرنیوالے گھوڑوں میں زکوۃ نہیں کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مسلمان پر اس کے غلام میں اور گھوڑے میں زکوۃ نہیں ہے۔ (ائمہ ستہ عن ابی ہریرہ) اسی قول پر فتویٰ ہے (خانیہ، طحاوی، اسرار، زیلعی ینابیع، جواہر، کافی) یہی قول امام شافعی، امام مالک، احمد کا ہے۔ امام ابوحنیفہ کے یہاں اس میں تفصیل ہے کہ گھوڑے سائمہ ہونگے یا علوفہ ان میں سے ہر ایک برائے تجارت ہونگے یا نہیں، اگر تجارت کیلئے ہوں تو بالاتفاق زکوۃ واجب ہے سائمہ ہوں یا علوفہ، اور اگر تجارت کیلئے نہ ہوں تو یا بار برداری اور سواری کیلئے ہونگے یا کسی اور فائدے کیلئے۔ اگر بار برداری اور سواری کیلئے ہوں تو ان میں زکوۃ نہیں اور اگر کسی اور فائدے کے لئے ہوں اور علوفہ ہوں تب بھی زکوۃ نہیں اور اگر سائمہ ہوں اور نرو مادین دونوں ہوں اور عربی النسل ہوں تو مالک کو اختیار ہے چاہے ہر گھوڑے کی طرف سے ایک دینار دے اور چاہے تو سب کی قیمت لگا کر ہر دو سو سے پانچ درہم دے دے نفس وجوب تو اس لئے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ "ہر سائمہ گھوڑے میں ایک دینار ہے یا دس دراہم" (دار قطنی بیہقی عن جابر) اور تخییر اسلئے ہے کہ حضرت عمر نے ابوعبیدہ کے پاس لکھا تھا "خیر اربا بھا ان ادوامن کل فرس دینار اوالا فقوموا وخذ من کل مائتی درھم خمسۃ دراھم" ابن ہمام نے فتح القدیر میں امام صاحب کے قول کو ترجیح دی ہے۔ اور صاحبین کی دلیل کا جواب بہ تبعیت صاحب ہدایہ یہ دیا ہے کہ حدیث "لیس علی المسلم فی عبدہ الخ" میں فرس سے مراد غازیوں کے گھوڑے ہیں کہ ان میں زکوۃ نہیں، حضرت زید بن ثابت سے یہی تاویل منقول ہے (اسرار)۔

قولہ والبغال الخ اور جنگل میں چرنیوالے خچر اور گدھوں میں بھی زکوۃ نہیں کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ان کے بارے مجھ پر کوئی

(۱) قال في الهدايه وافتوابان يعيدوهادون الخراج لا نهم مصارف لكونهم مقاتلة والزكوة مصر فها الفقراء ولا يصر فونها اليهم وقيل اذانوى بالدفع التصدق عليهم سقط عنه وكذا الدفع الى كل جائر لا نهم بما عليهم من التبعات فقراء والاول احوط ۲

چیز نازل نہیں ہوئی''۔ (صحیحین عن ابی ہریرہ) مگر یہ اسوقت ہے جب یہ تجارت کے لئے نہ ہوں۔ اگر تجارت کے ہوں تو زکوٰۃ واجب ہونے میں کوئی کلام ہی نہیں کیونکہ اسوقت زکوٰۃ کا تعلق مالیت سے ہوگا جیسے دیگر اموال تجارت میں زکوٰۃ کا تعلق مالیت سے ہوتا ہے۔

قولہ والحملان الخ بکری اونٹ اور گائے کے چھوٹے بچوں میں زکوٰۃ نہیں ہے یہ امام صاحب کا آخری قول ہے اسی کو امام محمد نے اختیار کیا ہے اور یہی ثوری وشعبی کا قول ہے اولاً امام صاحب یہی فرماتے تھے کہ جو بڑوں میں واجب ہے وہی چھوٹوں میں واجب ہے امام زفر اور امام مالک کا قول بھی یہی ہے امام صاحب کا تیسرا قول یہ ہیکہ انہی میں سے ایک دیدینا چاہئے امام ابو یوسف، شافعی، اوزاعی اسی کے قائل ہیں سوال اس مسئلے کی تو کوئی صورت ممکن ہی نہیں کیونکہ وجوب زکوٰۃ کیلئے حولان حول شرط ہیں اور جب بچوں پر ایک سال گزر گیا تو وہ چھوٹے کہاں رہے؟ جواب اسکی یہ صورت ہوسکتی ہے کہ شروع سال میں بڑے بھی ہوں اور چھوٹے بھی ہوں اور درمیان سال میں بڑے مرجائیں اور چھوٹوں پر سال گزرجائے تو سال تمام ہونے پر ان چھوٹوں میں زکوٰۃ نہیں، صاحب بحر نے اس کی اور صورتیں بھی لکھی ہیں لیکن اسکو صحیح کہا ہے۔

قولہ والعوامل الخ کاروباری اور اکثر سال گھر پر رہ کر چارہ کھانیوالے جانوروں میں زکوٰۃ نہیں امام مالک اس میں ہمارے خلاف ہیں وہ یہ فرماتے ہیں کہ حدیث ''فی خمس ذود شاۃ'' اور حدیث ''فی کل ثلاثین من البقر تبیع'' اپنے ظاہر کے لحاظ سے مقتضی وجوب ہیں ہماری دلیل حضور کا ارشاد ہیکہ اپنے کام کاج میں آنیوالے بیلوں میں زکوٰۃ نہیں ہے (ابوداؤد، دارقطنی، بیہقی، ابن ابی شیبہ، عبدالرزاق عن علی) نیز وجوب زکوٰۃ کا سبب مال نامی ہے جس کی دلیل جنگل میں چرنا یا تجارت کے لئے مہیا کرنا ہے۔ اور یہاں انمیں سے ایک بھی نہیں۔

قولہ والعفو الخ شیخین کے نزدیک عدد عفو میں زکوٰۃ نہیں۔ امام مالک، احمد، شافعی کا قول (جدید) یہی ہے۔ امام محمد وزفر کے نزدیک اس میں بھی زکوٰۃ ہے۔ وہ یہ فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ کا وجوب نعمت مال کے شکریہ میں ہے۔ اور کل مال نعمت ہے۔ پس وجوب کا تعلق کل مال سے ہوگا۔ شیخین کی دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہیکہ ''پانچ سائمہ اونٹوں میں ایک بکری ہے۔ اور زائد میں کچھ نہیں یہاں تک کہ دس ہوجائیں پس اگر کسی شخص کے پاس نو اونٹ ہوں اور چار ہلاک ہوجائیں۔ تو شیخین کے نزدیک پوری ایک بکری واجب ہوگی۔ اور امام محمد وزفر کے نزدیک اسکے حساب سے زکوٰۃ ساقط ہوجائیگی۔

قولہ والھالک الخ جو مال وجوب زکوٰۃ کے بعد ہلاک ہوجائے تو اسکے حساب سے زکوٰۃ ساقط ہوجائے گی۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر ادائیگی پر قدرت حاصل ہونے کے بعد ہلاک ہوجائے تو مالک ضامن ہوگا۔ یہ اختلاف دراصل اس پر مبنی ہے کہ ہمارے یہاں زکوٰۃ کا تعلق عین شئی کے ساتھ ہے۔ اور امام شافعی کے نزدیک اسکا تعلق ذمہ سے ہے لیکن ظواہر نصوص ہمارے مؤید ہیں۔ پھر مصنف نے لفظ ہلاک بولا ہے اس واسطے کہ اگر سال تمام ہونے پر اس نے خود ہلاک کردیا۔ تو زکوٰۃ ساقط نہ ہوگی۔ کیونکہ اس صورت میں تعدی اسکی طرف سے ہے۔

تنبیہ: ایک مال تجارت کو دوسرے مال تجارت کے ساتھ تبدیل کردینا استہلاک نہیں۔ کیونکہ استہلاک کا مطلب یہ ہے کہ مالک بالارادہ نصاب کو اپنی ملکیت سے نکال دے اور کوئی بدل اسکا قائم مقام نہ ہو پس اگر کسی کے پاس ایک ہزار روپیہ ہو اور وہ اس سے غلام یا کوئی اور اسباب تجارت کے لئے خریدلے اور پھر وہ ہلاک ہوجائے تو زکوٰۃ ساقط ہوجائیگی۔

قولہ ویضم الخ اگر درمیان سال میں کچھ مال حاصل ہوجائے (از روئے ہبہ ہو یا بطریق وراثت) تو اس کو اس جنس کے نصاب کے ساتھ ملا کر زکوٰۃ دینی چاہیے۔ درمیانی سال میں سائمہ جانوروں کا بڑھنا اور مال تجارت میں نفع کا ہونا سب اسی حکم میں داخل ہیں۔

قولہ ولو عجل الخ ایک شخص کے پاس ایک مال کا نصاب تھا اسنے چند سالوں کی پیشگی زکوٰۃ نکال دی تو زکوٰۃ ادا ہوجائیگی۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ ادا نہ ہوگی، ہماری دلیل یہ ہیکہ سبب وجوب زکوٰۃ صرف نصاب ہے۔ اور وہ موجود ہے۔ رہا حولان حول سو یہ تو شریعت کی طرف سے ادائیگی زکوٰۃ کے لئے ایک قسم کی مہلت ہے۔ جیسے تاجیل دین نیز اگر کسی شخص نے چند نصابوں کی زکوٰۃ ادا کردی تو یہ بھی صحیح ہے۔ کیونکہ سببیت میں اصل نصاب پہلا ہی ہے باقی اس کے تابع ہیں البتہ امام زفر کے نزدیک صحیح نہیں۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

بَابُ زَكٰوةِ الْمَالِ

باب نقد مال کی زکوۃ کے بیان میں

يَجِبُ فِي مِائَتَيْ دِرْهَمٍ وَّعِشْرِيْنَ دِيْنَارًا رُبُعُ الْعُشْرِ وَلَوْ تِبْرًا اَوْ حُلِيًّا اَوْ اٰنِيَةً

واجب ہے دوسو درہم اور بیس اشرفیوں میں چالیسواں حصہ خواہ ڈلیاں ہوں یا زیور ہوں یا برتن ہوں

تشریح الفقہ: قولہ باب۔ الخ قبل ازیں جن اشیاء کی زکوۃ مذکور ہوئی گو وہ بھی مال ہیں کیونکہ مال تو بقول امام محمد ہر وہ چیز ہے جس کا انسان مالک ہو، روپیہ پیسہ ہو یا سامان، سونا چاندی ہو یا حیوان، مگر عرف میں مال کا اطلاق نقدی پر ہوتا ہے۔ اسلئے مصنف نے اس باب کو خصوصیت کیساتھ مال سے تعبیر کر دیا۔ علامہ زیلعی کی رائے یہ ہے کہ ''المال'' میں الف لام برائے عہد ہے۔ اور معہود وہ مال ہے جو حدیث ''هاتوا ربع عشر اموالکم'' میں مراد ہے، یعنی سوائم کے علاوہ دیگر نقدی، اسباب وسامان وغیرہ۔

قولہ یجب الخ سونے کا نصاب ۲۰ دینار ہے اور دینار ایک مثقال کے ہموزن ہوتا ہے۔ یعنی ۲۰ قیراط کا اور ایک قیراط پانچ جو کا پس ایک دینار سو (۱۰۰) جو کا ہوا جس کا وزن ارباب تحقیق کے نزدیک ساڑھے چار ماشے ہوتا ہے تو سونے کا نصاب ۷½ تولہ ہوا جس کا چالیسواں حصہ دو ماشے دو رتی ہوتا ہے پس جو شخص ۲۰ دینار یعنی ۷½ تولہ سونے کا مالک ہو اس پر دو ماشے دو رتی بھر زکوۃ واجب ہوگی اور چاندی کا نصاب دوسو درہم ہے اور درہم ۱۴ قیراط کا ہوتا ہے پس درہم شرعی ۷۰ جو یعنی ۳ ماشے ایک رتی اور ایک رتی کے پانچویں حصہ کے ہموزن ہوا پس چاندی کا نصاب ۵۲ تولے ٦ ماشے ہے اور روپیہ کے اعتبار سے ۵۴ روپیہ ۱۲ آنے ٦ پائی صحیح ٦ پٹہ ۲۳ پائی (٦ ٦/۲۴) ہے

فائدہ: درہم ومثقال کی تحقیق ہو چکی، عام طور سے جو اوزان کتب فقہیہ میں ذکر کیے جاتے ہیں وہ درہم ومثقال ہی کی طرف عود کرتے ہیں لہذا جس قدر الفاظ کتب فقہیہ میں دوبارہ اوزان مستعمل ہیں ان سب کے اوزان تولہ ماشہ کے حساب سے لکھے جاتے ہیں۔

(نقشہ مقادیر اوزان فقیہ)

فقہی اوزان	ہندی اوزان	کیفیت
طسوج	تقریباً پون رتی	دراصل طسوج دو جو کا ہوتا ہے اور ایک رتی تین جو سے کچھ کم ہوتی ہے (بحر الجواہر)
قیراط	۱ ۱/۴ رتی تقریباً پونے دو رتی	حسب تصریح فقہا ایک قیراط ۵ جو اور ۱۴ قیراط کا ایک درہم ہے۔ درہم ۲۵ رتی کا ہے پس قیراط ۱ ۱/۱۴ رتی کا ہوا۔
دانق	تقریباً سات رتی	دراصل دانق ۴ قیراط کا ہے اور ایک قیراط پونے دو رتی کا ہوا تو ۴ قیراط ۷ رتی کے ہوئے۔
درہم	۳ ر ماشہ ۱ ر رتی اور پانچواں حصہ	درہم کا وزن حسب تصریح فقہاء ۷۰ جو کا ہے اور ۷۰ جو کا وزن یہی نکلتا ہے
مثقال	۴ ر ماشہ ۴ ر رتی	مثقال کا وزن ایک سو جو ہے جس کا وزن یہی آتا ہے۔
رطل	۳۴ ر تولہ ڈیڑھ ماشہ	حسب تشریح شامی وغیرہ رطل کا وزن ۱۳۰ درہم ہے جس کا وزن یہی برآمد ہوتا ہے۔
مُد	۲۸ ر تولہ ۳ ر ماشہ	حسب تشریح شامی وغیرہ مُد کا وزن ۲۶۰ درہم ہے جس کا وزن یہی برآمد ہوتا ہے۔
من	۲۸ ر تولہ ۳ ر ماشہ	حسب تشریح شامی وغیرہ من کا وزن بھی ۲۶۰ درہم ہے جس کا وزن یہی برآمد ہوتا ہے۔
استار	بحساب درہم (۱) ۱ تولہ ۸ ماشہ ۴ ر رتی	
اوقیہ	ساڑھے دس تولہ	حسب تصریح فقہاء اوقیہ کا وزن ۴۰ درہم ہے جس کے ساڑھے دس تولے ہوتے ہیں۔
صاع	۲۷۰ تولہ (بحساب درہم) (۲)	
وسق	بحساب درہم (۳) ۵ من اڑھائی سیر (۸۰ تولہ کے سیر سے	

(۱)......بحساب مثقال ۱ تولہ ۸ ماشہ ۲ ر رتی ۲ (۱/۲)......(۲) بحساب مثقال ۲۷۲ تولہ ۱۲......(۳) بحسب مثقال پانچ من پونے پانچ سیر ۱۲

ثُمَّ فِي كُلِّ خُمُسٍ بِحِسَابِهٖ وَالْمُعْتَبَرُ وَزْنُهُمَا اَدَآءً وَّوُجُوْبًا وَفِي الدَّرَاهِمِ وَزْنُ سَبْعَةٍ

پھر ہر پانچویں حصہ میں اسی حساب سے ہے اور معتبر ان کا وزن ہے ادا کرنے اور واجب ہونے میں اور درہموں میں وزن سبعہ

وَهُوَ اَنْ يَّكُوْنَ الْعَشْرُ مِنْهَا وَزْنَ سَبْعَةِ مَثَاقِيْلَ

اور وہ یہ ہے کہ چاندی کے دس درہم سات مثقال سونے کے برابر ہوں۔

تشریح الفقہ : قولہ کل خمس الخ خمس بضم خاء پانچواں حصہ یعنی سونے چاندی میں چالیسواں حصہ واجب ہے اور نصاب کے ہر پانچویں حصہ میں اسی حساب سے واجب ہے پس ہر چالیس درہم میں ایک درہم اور ہر چار دینار میں دو قیراط واجب ہیں، اور جو مقدار خمس سے کم ہو اس میں کچھ نہیں یہ تو امام صاحب کا قول ہے، امام شافعی، امام محمد، امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ دوسو درہم پر جو کچھ زائد ہو اس کی زکوٰۃ اس کے حساب سے ہوگی کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے ''**مازاد علی المائتین فبحسابه**'' (ابو داؤد عن علی) امام ابو حنیفہ کی دلیل حضور ﷺ کا ارشاد ہے ''**لانا خذمن الكسور شيئا**'' (دار قطنی عن معاذ) نیز آپ نے فرمایا '' **ليس فيمادون الار بعين صدقة**''۔ (عبد الحق فی احکامہ عن عمرو بن حزم)۔

قولہ والمعتبر الخ وجوب زکوٰۃ کے اعتبار سے سونے چاندی کے نصاب میں بالاتفاق ان دونوں کا وزن معتبر ہے نہ کہ انکی قیمت۔ پس اگر کسی شخص کے پاس سو درہم کے ہم وزن چاندی کا برتن ہو اور خوبی ساخت کے اعتبار سے اسکی قیمت دوسو درہم کی ہو تو اس پر زکوٰۃ نہیں جبتک اس کا وزن پورے دوسو درہم کا نہ ہو۔ نیز شیخین کے نزدیک ادائیگی زکوٰۃ میں بھی وزن معتبر ہے۔ امام زفر کے نزدیک قیمت کا اعتبار ہے، امام محمد صاحب فرماتے ہیں۔ کہ جو فقراء کے حق میں انفع ہو اس کا اعتبار ہوگا۔ پس اگر کسی شخص نے پانچ کھرے درہموں کی زکوٰۃ میں پانچ کھوٹے درہم دیدیئے۔ جن کی قیمت چار کھرے درہموں کے برابر تھی۔ تو شیخین کے نزدیک زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ امام محمد وزفر کے نزدیک ادا نہ ہوگی۔ اور اگر پانچ کھوٹے درہموں کی زکوٰۃ میں چار کھرے درہم دیئے جن کی قیمت پانچ کھوٹے درہموں کی قیمت کے برابر ہو تو امام زفر کے نزدیک زکوٰۃ ادا ہو جائیگی۔ شیخین کے نزدیک اور امام محمد کے نزدیک ادا نہ ہوگی۔

قولہ وفی الدراھم الخ آنحضرت صلعم اور حضرت ابوبکر وعمر کے زمانہ میں مختلف الاوزان دراہم رائج تھے۔ فتاوی صغری میں ہے کہ اس وقت تین طرح کے درہم رائج تھے (۱) وزن عشرہ جس کے ہر دس درہم دس مثقال کے ہموزن اور ہر درہم بیس قیراط کا ہوتا تھا (۲) وزن ستہ جس کے ہر دس درہم چھ مثقال کے اور ہر درہم بارہ قیراط کا ہوتا تھا (۳) وزن خمسہ جس کے ہر دس درہم پانچ مثقال کے اور درہم دس قیراط کا ہوتا تھا۔ حضرت عمر استیفاء خراج میں سب سے وزنی درہم کا مطالبہ کرتے تھے لوگوں پر یہ چیز گراں گذری انھوں نے تخفیف کی درخواست کی تو حضرت عمر نے صحابہ کے مشورہ کے مطابق سب وزنوں کو جمع کر کے ایک وزن مساوی نکال لیا۔ جس کو وزن سبعہ کہتے ہیں۔ بایں طور کہ تینوں وزنوں کا مجموعہ ۲۱ ہوتا ہے۔ جس کو تین پر تقسیم کرنے سے سات ہوتے ہیں۔ پس دیوان فاروقی میں زکوٰۃ، خراج، نصاب سرقہ، دیات غرضکہ ہر معاملہ میں یہی وزن مقرر ہو گیا۔ ماتن کہتا ہے کہ زکوٰۃ کے سلسلہ میں جس درہم کا اعتبار ہے وہ یہی وزن سبعہ والا ہے۔ جس کے ہر دس درہم سات مثقال کے ہوتے ہیں۔ تخریج وزن سبعہ کی کیفیت اس نقشہ سے معلوم کرو!۔

نقشہ برائے استخراج وزن سبعہ

نمبر	اسمائے اوزان	ہر دس درہم	ہم وزن	مقدار درہم	مقدار قیراط	کل مقدار قیراط	مقدار ماخوذ (ثلث)	کیفیت
۱	وزن عشرہ	ہر دس درہم	دس مثقال	۲۰ قیراط	پانچ جَو	۲۰۰	۶۷	کل مقدار قیراط ۴۲۰
۲	وزن ستہ	ہر دس درہم	چھ مثقال	۱۲ قیراط	پانچ جَو	۱۲۰	۴۰	ہے جس کا ثلث ۱۴۰
۳	وزن خمسہ	ہر دس درہم	پانچ مثقال	۱۰ قیراط	پانچ جَو	۱۰۰	۳۳	ہے۔ باقی بوجہ
۴	وزن سبعہ	ہر دس درہم	سات مثقال	۱۴ قیراط	پانچ جَو	۱۴۰	کل ۱۴۰	کسر ساقط ہے

وَغَالِبُ الْوَرِقِ وَرِقٌ لاَعَكْسُهٗ وَفِيْ عُرُوْضِ التِّجَارَةِ اِنْ بَلَغَتْ نِصَابَ وَرِقٍ اَوْذَهَبٍ
اور جس میں چاندی غالب ہو وہ چاندی ہی ہے نہ اس کا عکس اور واجب ہے اسباب تجارت میں جو چاندی یا سونے کے نصاب کو پہنچ جائے
وَنُقْصَانُ النِّصَابِ فِي الْحَوْلِ لاَ يَضُرُّ اِنْ كَمُلَ فِيْ طَرَفَيْهِ وَيُضَمُّ قِيْمَةُ الْعُرُوْضِ اِلَي الثَّمَنَيْنِ
اور کم ہو جانا نصاب کا سال میں مضر نہیں اگر پورا ہو سال کے دونوں طرف اور ملالی جائے اسباب کی قیمت سونے چاندی کی طرف
وَالذَّهَبُ اِلَى الْفِضَّةِ قِيْمَةً
اور سونے کو چاندی کی طرف قیمت کے اعتبار سے۔

توضیح اللغۃ: ورق چاندی۔ عروض جمع عرض: سامان۔ ثمنین: سونا چاندی۔

تشریح الفقہ: قولہ وغالب الورق الخ اگر سونا چاندی کسی چیز کے ساتھ مخلوط ہو اور ان میں سے کوئی ایک غالب ہو تو غالب کا اعتبار ہوگا پس سونا غالب ہو تو سونے کا اور چاندی غالب ہو تو چاندی کا اعتبار ہوگا۔ اور اس مخلوط میں سونے چاندی کی زکوٰۃ ہوگی۔

فائدہ: اس مسئلہ کی بارہ صورتیں ہو سکتی ہیں، سونا غالب ہو، مغلوب ہو، برابر ہو بہر سہ صورت دونوں مقدار نصاب ہوں یا مقدار نصاب نہ ہوں۔ یا ان میں سے کوئی ایک مقدار نصاب ہو ان میں سے دو صورتیں ممتنع ہیں ایک یہ کہ سونا غالب ہو اور صرف چاندی مقدار نصاب ہو ۔ دوم یہ کہ سونا چاندی دونوں برابر ہوں اور صرف چاندی مقدار نصاب ہو۔ اس واسطے جب چاندی کا نصاب ہوگا تو چاندی دو سو درہم سے کم نہ ہوگی اور اتنے وزن سونے کے نصاب سے کم ہونا ممکن نہیں۔ یہ کل صورتیں مع احکام اس نقشے سے معلوم کرو۔

(نقشہ صور اختلاط سیم و زر مع احکام)

سونا غالب اور ہر ایک بقدر نصاب حکم سونے کا ہوگا	چاندی غالب اور ہر ایک بقدر نصاب حکم سونے کا ہوگا	دونوں برابر اور ہر ایک بقدر نصاب حکم سونے کا ہوگا
سونا غالب اور فقط سونا بقدر نصاب حکم سونے کا ہوگا	چاندی غالب اور فقط سونا بقدر نصاب حکم سونے کا ہوگا	دونوں برابر اور فقط سونا بقدر نصاب حکم سونے کا ہوگا
سونا غالب اور فقط چاندی بقدر نصاب ناممکن ہے	چاندی غالب اور فقط چاندی بقدر نصاب حکم چاندی کا ہوگا	دونوں برابر اور فقط چاندی بقدر نصاب ناممکن ہے
سونا غالب ہو اور کوئی بقدر نصاب نہ ہو اس میں زکوٰۃ نہ ہوگی	چاندی غالب ہو اور کوئی بقدر نصاب نہ ہو اس میں زکوٰۃ نہ ہوگی	دونوں برابر ہوں اور کوئی بقدر نصاب نہ ہو اس میں زکوٰۃ نہ ہوگی

قولہ وفی عروض الخ "فی مائتی درہم" پر معطوف ہے۔ یعنی اسباب تجارت جس کی قیمت سونے یا چاندی کے نصاب کو پہنچ جائے اس میں بھی چالیسواں حصہ واجب ہے۔ کیونکہ حضرت سمرہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو اس کا حکم کرتے تھے۔ کہ ہم اس سامان کی بھی زکوٰۃ دیں جو تجارت کے لئے ہو۔ (ابوداؤد، بیہقی، طبرانی، دارقطنی)

قولہ ونقصان الخ اگر سال کے اول و آخر میں نصاب کامل ہو اور درمیان میں کم ہو جائے تو یہ وجوب زکوٰۃ سے مانع نہیں۔ پوری زکوٰۃ واجب ہوگی۔ البتہ اگر تمام مال جاتا رہے۔ اور کچھ دن کے بعد پھر مل جائے تو جس وقت سے مال ملا ہے اسی وقت سے مال کا حساب ہوگا۔

قولہ وتضم الخ سامان تجارت کی قیمت سونے یا چاندی کی طرف ملالی جائے گی۔ پس اگر سامان کی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونے کے برابر ہو جائے تو زکوٰۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں۔

قولہ الذھب الخ اگر کسی کے پاس تھوڑا سونا اور تھوڑی چاندی ہو تو انکی قیمت لگائی جائے گی اگر قیمت چاندی یا سونے کے نصاب کو پہنچ جائے تو امام صاحب کے نزدیک زکوۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں یہی امام ثوری کا قول اور امام احمد سے ایک روایت ہے، صاحبین وامام شافعی کے نزدیک اجزائملایا جائے گا۔ پس ایک سو درہم اور پانچ مثقال سونے میں جس کی قیمت ایک سو درہم ہو۔ امام صاحب کے نزدیک زکوۃ واجب ہوگی صاحبین کے نزدیک نہیں۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ سونے چاندی میں مقدار کا اعتبار ہے نہ کہ قیمت کا۔ یہی وجہ ہے کہ جو برتن دوسو بھر سے کم ہو اور اس کی قیمت دوسو سے زائد ہو اس میں بالاتفاق زکوۃ نہیں۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ ایک کو دوسرے کے ساتھ ملانا مجانست کی وجہ سے ہے۔ جس کا تحقق قیمت ہی کے اعتبار سے ہوسکتا ہے۔ اور برتن کا مسئلہ ممانحن فیہ سے خارج ہے کیونکہ اس میں ضم شئی نہیں ہے۔

بَابُ الْعَاشِرِ
باب زکوۃ وصول کرنیوالے کے بیان میں

هُوَ مَنْ نَصَبَهُ الْإِمَامُ لِيَأْخُذَ الصَّدَقَاتِ مِنَ التُّجَّارِ فَمَنْ قَالَ لَمْ يَتِمَّ الْحَوْلُ اَوْ عَلَيَّ دَيْنٌ اَوْاَدَّيْتُ اَنَا

عاشر وہ ہے جس کو مقرر کردے امام زکوۃ وصول کرنے کے لئے سوداگروں سے پس جو شخص یہ کہے کہ ابھی سال نہیں گزرا یا مجھ پر قرض ہے یا میں خود

اَوْ اِلٰى عَاشِرٍ اٰخَرَ وَحَلَفَ صُدِّقَ اِلَّا فِي السَّوَآئِمِ فِيْ دَفْعِهٖ بِنَفْسِهٖ

دے چکا یا دوسرے عاشر کو دے چکا اور قسم کھالے تو اس کی تصدیق کی جائیگی مگر چرندوں کی زکوۃ کے متعلق اس کے خود دینے میں

وَفِيْ مَا صُدِّقَ الْمُسْلِمُ صُدِّقَ[1] الذِّمِّيُّ لَا الْحَرْبِيُّ اِلَّا فِيْ اُمِّ وَلَدِهٖ

اور جس میں تصدیق کی جاتی ہے مسلمان کی اس میں تصدیق کی جائے گی ذمی کی نہ کہ کافر کی مگر اس کی ام ولد کے بارے میں

وَاُخِذَ مِنَّا رُبُعَ الْعُشْرِ وَمِنَ الذِّمِّيِّ ضِعْفُهٗ وَمِنَ الْحَرْبِيِّ الْعُشْرُ بِشَرْطِ نِصَابٍ وَاَخْذِهِمْ مِنَّا وَلَمْ يُثَنَّ فِي الْحَوْلِ

اور لے ہم سے چالیسواں حصہ اور ذمی سے بیسواں اور حربی سے دسواں بشرطیکہ نصاب پورا ہو اور وہ بھی ہم سے لیتے ہوں اور نہ لی جائے دوبار سال میں

بِلَا عَوْدٍ وَعَشَّرَ الْخَمْرَ لَا الْخِنْزِيْرَ وَمَا فِيْ بَيْتِهٖ وَالْبُضَاعَةِ وَمَالِ الْمُضَارَبَةِ

لوٹے بغیر اور دسواں لے شراب کا نہ کہ سور کا اور اس کا جو اس کے گھر میں ہو یا مال بضاعت ہو یا مال مضاربت ہو

وَكَسْبِ الْمَاذُوْنِ وَثُنِّيَ اِنْ عَشَّرَ الْخَوَارِجُ

یا غلام کی کمائی ہو اور دوبارہ لیا جائے اگر خارجیوں نے عشر لے لیا ہو۔

توضیح اللغۃ: عاشر مال کا دسواں حصہ لینے والا، نصبہ: نصباً مقرر کرنا، تجار جمع تاجر، حول سال، دین قرض، حلف: حلفاً قسم کھانا۔ سوائم جمع سائمہ، ضعف: دوچند، لم یثن دوبارہ نہیں لیا جائے گا۔ عود لوٹنا، خمر شراب، بضاعۃ وہ مال جس کا کل نفع مالک کا ہو، سرمایہ، پونجی، مال مضاربت: وہ مال تجارت جس کے نفع میں شرکت ہو۔ کسب کمائی، ماذون: وہ غلام جس کو آقا کی طرف سے تجارت کی اجازت ہو۔ خوارج باغی لوگ۔

تشریح الفقہ: قولہ باب العاشر الخ عاشر عشر (ن) عشراً عشوراً سے اسم فاعل ہے۔ یعنی مال کا دسواں حصہ لینے والا۔ اس لحاظ سے عاشر کا اطلاق صرف اس پر ہونا چاہیے جو حربی سے مال وصول کرے۔ کیونکہ عشر تو حربی ہی سے لیا جاتا ہے۔ نہ کہ مسلمان اور ذمی سے

---

[1] لان ما يؤخذ منهم ضعف ما يؤخذ من المسلمين فيراعي فيه شرائطه تحقيقاللتضعيف كما قلنافيمايؤخذمن بني تغلب ولايمكن اجرائه على عمومه لان مايؤخذ من الذمي جزية وفي الجزية لايصدق اذاقال اديتها انالان فقراء اهل الذمة ليسو بمصارف.

مسلمان سے ربع عشر لیا جاتا ہے۔ اور ذمی سے نصف عشر، مگر چونکہ تینوں کے حق میں اسم عشر دائر ہے..... اس بنا پر تینوں سے وصول کرنے والے کو عاشر کہدیتے ہیں۔ صاحب عنایہ نے اس کی یہ توجیہ کی ہے کہ عاشر کبھی عشر لیتا ہے، اور کبھی نصف عشر، اور کبھی ربع عشر پس عاشر چونکہ بعض حالتوں میں عشر لیتا ہے اس لئے اس کا نام عاشر رکھ دیا گیا۔ صاحب معدیہ فرماتے ہیں کہ عشر تو ہر اس چیز کا اسم جنس ہے جو عاشر وصول کرے خواہ عشر ہو یا نصف عشر یا ربع عشر لہذا ان تکلفات کی کوئی ضرورت نہیں۔

قوله هو من نصبه الخ عاشر اس شخص کو کہتے ہیں جس کو امام راستوں پر مقرر کر دیتا ہے تا کہ وہ آنیوالے تاجروں سے صدقات وصول کرے۔ (اس کے لئے چند شرطیں ہیں (۱) آزاد ہو غلام نہ ہو (۲) مسلمان ہو کافر نہ ہو (۳) غیر ہاشمی ہو ہاشمی نہ ہو (۴) چوروں راہزنوں سے تاجروں کی حفاظت پر قادر ہو۔ مصنف نے ان شرطوں کو ذکر نہیں کیا) سوال عمل عشر تو شرعاً مذموم ہے چنانچہ حدیث میں ہے کہ "**لا یدخل صاحب مکس الجنة**" (ابوداؤد) ٹیکس وصول کرنیوالا جنت میں داخل نہ ہوگا" اور برے کام کی رغبت دلانا بھی جائز نہیں چہ جائیکہ اس کے لئے مقرر کرنا۔ جواب یہ حدیث ظلماً ٹیکس لینے والوں پر محمول ہے ورنہ اخذ عشر کے مشروع ہونے میں تو کوئی کلام ہی نہیں۔ حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ آپ نے حضرت انس بن مالک کو ٹیکس وصول کرنے پر مقرر کرنا چاہا۔ حضرت انس نے کہا کیا آپ مجھے ٹیکس وصول کرنے پر مقرر کرتے ہیں۔؟ آپ نے فرمایا کیا تو اس کام سے راضی نہیں جس پر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے مقرر کیا ہے۔

قوله فمن قال الخ ایک تاجر مال لیکر عاشر کے پاس سے ہو کر گذرا عاشر نے زکوۃ طلب کی، تاجر نے کہا: (۱) ابھی اس مال پر پورا سال نہیں گذرا یا اس نے کہا کہ (۲) مجھ پر اتنا ہی قرضہ ہے (۳) یا اس نے کہا کہ میں اس کی زکوۃ ادا کر چکا (۴) یا دوسرے عاشر کو دے آیا (اور اس سال کوئی دوسرا عاشر مقرر بھی ہو۔) اور تاجر ان سب صورتوں میں اپنے بیان کو حلف کے ساتھ مؤکد کر دے۔ تو اسکی تصدیق کیجائیگی۔ پہلی اور دوسری صورت میں تو اس لئے کہ وہ منکر وجوب ہے اور قول منکر ہی کا معتبر ہوتا ہے اسکی قسم کے ساتھ۔ تیسری صورت میں اس لئے کہ وہ امانت کو اس کے محل میں پہنچا دینے کا مدعی ہے لہذا اسکی تصدیق کی جائیگی۔ ہاں اگر مویشی لیکر گذرے اور پھر یہ کہے کہ میں زکوۃ دے چکا تو تصدیق نہیں کیجائیگی۔ کیونکہ انکی زکوۃ لینے کا حق امام کو ہے۔ قال تعالیٰ "**خذ من امو الهم صدقة**"۔

قوله وفیما صدق الخ اور جن جن صورتوں میں مسلمان کی تصدیق کیجاتی ہے۔ ان سب صورتوں میں ذمی کی بھی تصدیق کی جائیگی کیونکہ ذمی کے لئے بھی وہ رعایت ملحوظ ہے جو مسلمان کے لئے ہے۔ لیکن حربی کافر کا قول کسی صورت میں بھی معتبر نہیں۔ اگر چہ وہ گواہوں سے ثابت کر دے۔ بجز اس کے کہ اس کے ساتھ باندی ہو اور وہ اس کے متعلق یہ کہے کہ یہ میری ام ولد ہے تو اسکی تصدیق کیجائیگی۔

قوله وعشر الخمر الخ اگر کوئی ذمی شراب یا خنزیر لیکر گذرے تو صرف شراب کا عشر لیا جائے گا۔ وہ بھی قیمت لگا کر، امام شافعی کے نزدیک دونوں کا عشر نہیں لیا جائیگا۔ کیونکہ شراب اور خنزیر کی کوئی قیمت نہیں۔ امام زفر فرماتے ہیں کہ دونوں کا عشر لیا جائے گا کیونکہ کفار کے یہاں مالیت کے حق میں دونوں برابر ہیں۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اگر دونوں کو لیکر گذرے تو دونوں کا عشر لیا جائیگا گویا امام ابو یوسف نے اخذ عشر کے سلسلہ میں خنزیر کو شراب کے تابع کیا ہے، ہمارے نزدیک دونوں میں فرق ہے اور وہ یہ کہ شراب ذوات الامثال میں سے ہے۔ لہذا اس کی قیمت لگا کر عشر لے لیا جائیگا۔ اور خنزیر ذوات القیم میں سے ہے۔ اور ذوات القیم میں قیمت کا حکم عین شئی کا ہوتا ہے پس خنزیر کی قیمت کا لینا گویا بعینہ خنزیر کو لینا ہے اور یہ جائز نہیں۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

بَابُ الرِّکَازِ

باب رکاز کی زکوٰۃ کے بیان میں

خُمِّسَ مَعْدَنُ نَقْدٍ وَنَحْوُ حَدِیْدٍ فِیْ اَرْضِ خِرَاجٍ اَوْعُشْرٍ لاَ فِیْ دَارِہٖ وَاَرْضِہٖ وَکَنْزٌ

پانچواں حصہ لیا جائیگا سونے چاندی اور لوہے جیسی چیز کی کان کا خراجی یا عشری زمین میں نہ کہ اس کے گھر اور اسکی زمین میں اور پانچواں حصہ لیا جائیگا خزانہ کا

وَبَاقِیْہِ لِلْمُخْتَطِّ لَہٗ وَزِیْبَقٍ لاَرِکَازُ صَحْرَآءِ دَارِ الْحَرْبِ وَفَیْرُوْزَجٍ وَلُؤْلُؤٍ وَعَنْبَرٍ

اور باقی قدیم زمیندار کا ہے اور پانچواں حصہ لیا جائیگا پارہ کا نہ کہ دارالحرب کی کان کا اور فیروزہ اور موتی اور عنبر کا

توضیح اللغۃ: رکاز زمین میں پیدا کی ہوئی دھاتیں۔ معدن کان مختط لہ جس کو امام نے فتح کے بعد مالک بنا دیا ہو۔ زیبق پارہ فیروزج: ایک قیمتی پتھر فیروزہ۔

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ رکاز کا تذکرہ کتاب الجہاد میں ہونا چاہئے تھا۔ کیونکہ اس میں جو کچھ لیا جاتا ہے وہ زکوٰۃ نہیں ہوتی نیز اس کے مصارف بھی مصارف غنیمت ہیں۔ مگر فقہاء نے اس کو زکوٰۃ کیساتھ لاحق کیا ہے۔ بایں معنی کہ یہ بھی وظیفہ مالی ہے پھر رکاز کو عشر پر مقدم کیا ہے۔ کیونکہ رکاز محض قربت ہے بخلاف عشر کے کہ وہ ایک مشقت مالی ہے جس میں قربت کے معنی بھی پائے جاتے ہیں۔ رکاز بمعنی مرکوز رکز سے ہے گاڑنا۔ دفن کرنا' زمین سے جو مال نکالا جاتا ہے۔ اس کو کنز' معدن' رکاز کہتے ہیں۔ لیکن کنز کا اطلاق عموماً ان دفینوں پر ہوتا ہے۔ جو انسانوں کے گاڑے ہوئے ہوں۔ اور معدن کا اطلاق ان دھاتوں پر جو خلقۃً زمین میں ودیعت ہوتی ہیں اور رکاز کا اطلاق باشتراک معنوی دونوں پر ہوتا ہے۔ 'مغ' میں 'مغرب' سے منقول ہے کہ رکاز وہ معدن یا کنز یعنی کان یا دفینہ ہے جو زمین میں مستقر ہو۔

قولہ خمس الخ بہ تخفیف میم متعدی ہے از باب طلب یقال خمس القوم خمساً: قوم کے مال کا پانچواں حصہ لینا (مغرب) صاحب ضیاء العلوم نے عدی بن حاتم کے قول سے استشہاد کیا ہے:: ربعت فی الجاھلیۃ وخمست فی الاسلام پس جن لوگوں نے خمس کو بتشدید میم پڑھا ہے یہ ان کی غلط فہمی ہے کیونکہ خمس بتخفیف میم متعدی آتا ہے۔ اس لئے تخمیس سے ماننے کی ضرورت نہیں۔

قولہ معدن نقد الخ نقد سے مراد سونا چاندی ہے اور نحو حدید سے مراد ہر وہ منجمد چیز ہے جو آگ کے ذریعہ نرم ہو جائے جیسے تانبا' پیتل رانگ وغیرہ اس سے سیال چیزیں خارج ہو گئیں جیسے قار(۱) نفط(۲) رال وہ منجمد چیزیں بھی نکل گئیں جو آگ سے نرم نہیں ہوتیں۔ جیسے چونا' نورہ' سرمہ اور جواہرات جیسے یاقوت' فیروزہ' زمرد وغیرہ کہ ان میں کچھ واجب نہیں' پھر یہاں پانیوالے کی کوئی قید نہیں۔ لہٰذا آزاد 'غلام' مسلم' ذمی' بچہ' بالغ' مرد عورت سب کو شامل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ سونا چاندی اور لوہے کے مثل چیزیں جب عشری یا حربی زمین میں پائی جائیں تو انکا پانچواں حصہ لیا جائیگا اور باقی چار حصے پانیوالے کے ہونگے۔ امام مالک اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ ان میں کچھ نہیں۔ بجز چاندی اور سونے کے کہ اس میں زکوٰۃ ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے' المعدن جبار وفی الرکاز الخمس(۳)' معدن میں کوئی چیز واجب نہیں۔ اور رکاز میں خمس ہے۔ وجہ استدلال یہ ہے کہ اس میں رکاز کا عطف معدن پر ہے جو مقتضی مغایرت ہے۔ پس رکاز میں وجوب خمس کی صراحت سے معلوم ہوا کہ معدن میں کچھ نہیں۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ رکاز رکز سے ہے جو معدن کو بھی شامل ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ رکاز ہر وہ چیز ہے جو زمین میں پیدا ہو' نیز حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ' رکاز میں خمس ہے صحابہ نے سوال کیا: یارسول اللہ! رکاز کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: سونا چاندی جو کہ اللہ نے زمین میں پیدا کیا ہے۔ (۴) رہی حدیث مذکور سو اس کا یہ مطلب نہیں کہ جو شخص زمین سے معدنیات برآمد کرے اس میں کچھ نہیں بلکہ اس کا محمل یہ ہے کہ جو شخص کان کھودنے کے لئے کسی کو مزدوری پر لے اور وہ اس میں

۱) ایک سیاہ قسم کا روغن ہے جس کو کشتیوں پر ملتے ہیں تاکہ پانی اندر نہ آئے۔

۲) ایک قسم کا روغن ہے جو پانی پر آجاتا ہے اور آگ بہت جلد پکڑتا ہے مٹی کے تیل کو بھی کہتے ہیں۔

(۳) ائمہ ستہ عن ابی ہریرۃ۔ ۴) البیہقی عن ابی ہریرۃ۔ ۱۲

ہلاک ہو جائے تو اس کا خون معاف ہے سیاق حدیث' العجماء جرحها جبار والبئر جبار' اسی کا مقتضی ہے۔

قوله لادارہ الخ اگر کوئی شخص اپنے مکان یا اپنی مملوکہ زمین یا دکان میں معدن پائے تو امام اعظم واحمد کے نزدیک اس میں کوئی چیز واجب نہیں۔ صاحبین کے نزدیک اس میں بھی خمس ہے کیونکہ حدیث' فی الرکاز الخمس' مطلق ہے جس میں دار وارض کی کوئی تفصیل نہیں' امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ وہ معدن بھی اسی کی زمین کے اجزاء میں سے ہے جس طرح اجزاء ارض میں کوئی مئونت نہیں اسی طرح اس میں بھی نہیں۔

بَابُ الْعُشْرِ

باب عشر کے بیان میں

يَجِبُ فِيْ عَسَلِ اَرْضِ الْعُشْرِ وَمَسْقِيِّ بِمَآءِ سَمَآءٍ وَّسَيْحٍ بِلاَ شَرْطِ نِصَابٍ وَّبَقَاءٍ اِلَّا الْحَطَبَ وَالْقَصَبَ وَالْحَشِيْشَ

عشر واجب ہے عشری زمین کے شہد میں اور مینہ اور رو سے سیراب کردہ زمین کی پیداوار میں بلا شرط نصاب وبقاء مگر لکڑی اور نرکل اور گھاس میں

وَنِصْفٌ فِيْ مَسْقِيِّ غَرْبٍ اَوْ دَالِيَةٍ وَلاَ يَرْفَعُ الْمُؤْنَةَ وَضِعْفُهٗ فِيْ اَرْضٍ عُشْرِيَّةٍ لِتَغْلِبِيٍّ

اور نصف عشر چرسہ اور رہٹ سے سیراب کردہ زمین کی پیداوار میں اور خرچ مجرانہ کیا جائے اور پانچواں حصہ لیا جائے تغلبی کی عشری زمین کی پیداوار میں

وَاِنْ اَسْلَمَ اَوِابْتَاعَهَا مِنْهُ مُسْلِمٌ اَوْذِمِّيٌّ وَخِرَاجٌ اِنِ اشْتَرٰى ذِمِّيٌّ اَرْضًا عُشْرِيَّةً مِّنْ مُّسْلِمٍ وَعُشْرٌ

گو وہ اسلام لے آئے یا اس سے کوئی مسلمان یا ذمی خرید لے اور خراج واجب ہوگا اگر کوئی ذمی عشری زمین مسلمان سے خرید لے اور عشر واجب ہوگا

اِنْ اَخَذَهَا مِنْهُ مُسْلِمٌ بِشُفْعَةٍ اَوْرُدَّ عَلَى الْبَائِعِ لِلْفَسَادِ وَاِنْ جَعَلَ مُسْلِمٌ دَارَهٗ بُسْتَانًا

اگر لے لے اس سے کوئی مسلمان بطور حق شفعہ یا واپس کر دے بائع پر فساد بیع کی وجہ سے اور اگر کسی مسلمان نے اپنے گھر کو باغ بنالیا تو اس کی

فَمُؤْنَتُهٗ تَدُوْرُ مَعَ مَآئِهٖ بِخِلاَفِ الذِّمِّيِّ وَدَارُهٗ حُرٌّ كَعَيْنِ قِيْرٍ وَّنِفْطٍ فِيْ اَرْضِ عُشْرٍ وَلَوْفِيْ اَرْضِ خِرَاجٍ يَجِبُ الْخِرَاجُ

مقدار واجب کا مدار پانی پر ہے بخلاف ذمی کے اور ذمی کا گھر آزاد ہے جیسے قار اور نفط کا چشمہ عشری زمین میں اور اگر خراجی زمین میں ہو تو واجب ہوگا خراج۔

توضیح اللغۃ: عشر: دسواں حصہ، عسل شہد، مسقی سیراب کی ہوئی۔ سماء مراد بارش، سیح: بہتا پانی، حطب لکڑی، قصب بانس، نرکل، حشیش: گھاس، پوس، غرب: بڑا ڈول، چرسہ۔ دالیہ رہٹ، تغلبی: روم کے قریب نصاری عرب کی ایک قوم تھی۔ جنہوں نے دو چند مال دینے پر حضرت عمر سے مصالحت کر لی تھی۔ بستان باغ۔ قیر۔ قار: سیاہ رنگ کی ایک چیز ہے جس کو کشتی پر ملتے ہیں۔

تشریح الفقہ: **قوله باب الخ** احکام عشر سے پیشتر عشر کے متعلق نو چیزیں ذہن نشین کر لینی چاہئیں۔ اس کی فرضیت، کیفیت، سبب، شرائط، قدر مفروض، وقت صفت، رکن، مسقط، عشر کی فرضیت کتاب وسنت ہر دو سے ثابت ہے۔ قال تعالیٰ: **واتوا حقه یوم حصاده**' حق کی تفسیر عامۃ المفسرین کے نزدیک عشر یا نصف عشر ہے' حضور ﷺ کا ارشاد ہے'' **فیما سقت السماء والعیون او کان عشریا العشر و فیما سقی بالنضح نصف العشر**[1]'' کیفیت عشر میں زکوٰۃ کی طرح اختلاف ہی بعض کے نزدیک علی الفور واجب ہے اور بعض کے نزدیک علی التراخی' عشر کا سبب حقیقی اگانے والی زمین کا ہونا ہے' عشر کی شرطیں دو قسم کی ہیں۔ اول شرط اہلیت۔ دوم شرط محلیت' شرط اہلیت مسلمان ہونا۔ پس ابتداء یہ حق مسلمان پر ہی لاگو ہو سکتا ہے (**واما کو نه یتحول الی الکافر فسیأتی**) رہا عاقل وبالغ ہونا سو یہ وجوب عشر کے لئے شرط نہیں حتی کہ بچہ اور مجنون کی زمین میں بھی عشر واجب ہے۔ شرط محلیت یہ ہے کہ زمین خراجی ہو کیونکہ عشر وخراج دونوں جمع نہیں ہوتے نیز یہ کہ پیداوار ایسی ہو جس کی کاشت مقصود ہو پس بانس' گھانس اور لکڑیوں میں عشر نہیں۔ مقدار عشر میں امام

(۱) بخاری، ابوداؤد، طحاوی، عن ابن عمرؓ، مسلم عن جابر، ابن ماجہ عن معاذ بن جبلؓ بالفاظ مختلفہ۔

صاحب کے نزدیک کم وبیش کی کوئی تعیین نہیں۔ صاحبین کے نزدیک اس کی مقدار پانچ وسق ہے۔ (فیأتی) وقت عشر امام صاحب کے نزدیک وہ ہے جب کھیتی نکل آئے اور پھل ظاہر ہو جائے، امام ابو یوسف کے نزدیک کٹنے کا وقت ہے۔ امام محمد کے نزدیک صاف کر کے علیحدہ کر لینے کا وقت ہے۔ مسقط عشر پیداوار کا کسی آفت سماویہ سے ہلاک ہو جانا، مالک کا بلا وصیت مر جانا، یا مرتد ہو جانا ہے۔

قولہ یجب الخ ہمارے نزدیک غیر خراجی زمین کے شہد میں عشر واجب ہے۔ امام شافعی وامام مالک فرماتے ہیں کہ شہد میں عشر نہیں کیونکہ یہ حیوان سے پیدا ہوتا ہے۔ پس ابریشم کے مشابہ ہو گیا۔ کہ اس میں بھی عشر نہیں۔ ہماری دلیل حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ "**فی العسل العشر**"[1] پھر امام صاحب کے نزدیک کم وبیش کا کوئی اعتبار نہیں۔ امام ابو یوسف کے نزدیک پانچ وسق کی قیمت کا اور ایک روایت کے لحاظ سے دس مشکیزہ کا اور امام محمد کے نزدیک پانچ افراق کا اعتبار ہے۔ ایک فرق ۳۶ رطل کا ہوتا ہے۔

قولہ ومسقی الخ اور جو زمین بارش کے پانی سے یا جاری پانی سے سیراب کی گئی ہو اس میں بھی عشر واجب ہے خواہ پیداوار بقدر نصاب اور سال بھر تک دیرپا ہو یا نہ ہو۔ صاحبین کے نزدیک پیداوار کا بقدر نصاب ہونا اور سال بھر تک باقی رہنا شرط ہے۔ دلیل حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ پانچ وسق سے کم میں صدقہ نہیں ہے[2]۔ امام صاحب کی دلیل ارشاد باری ہے "**انفقوا من طیبات ماکسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض**"[3] اس میں "ما اخرجنا" اپنے عموم کی وجہ سے قلیل وکثیر سب کو شامل ہے۔ نیز حدیث "**فیما سقت السماء**" اھ[4] میں بھی کلمہ "ما" عام ہے۔ کم وبیش کی کوئی تفصیل نہیں۔ رہی پہلی حدیث سو اس میں زکوٰۃ سے تجارت مراد ہے نہ کہ عشر کیونکہ عرب لوگ وسق کے ذریعہ خرید وفروخت کرتے تھے اور ایک وسق کی قیمت چالیس درہم ہوتی تھی پس پانچ وسق کی قیمت دو سو درہم ہوئے اور ظاہر ہے کہ دو سو درہم سے کم میں زکوٰۃ نہیں۔ اشتراط بقاء میں صاحبین کی دلیل یہ حدیث ہے۔ لیس فیھا (ای فی الخضر اوات شئی) "سبزیوں میں کچھ واجب نہیں۔ امام صاحب کی طرف سے جواب یہ ہیکہ حدیث نہایت ضعیف ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس سلسلہ میں کوئی حدیث ثابت نہیں۔

قولہ وضعفھا الخ تغلبی کی عشری زمین سے دونا عشر لیا جائے گا۔ اگر چہ تغلبی مسلمان ہو جائے یا اس سے وہ زمین کوئی مسلمان خرید لے۔ یہ حکم طرفین کے نزدیک ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک ان دونوں صورتوں میں زمین عشری ہو جائیگی۔ اور محصول دو چند نہیں لیا جائیگا۔ اور اگر تغلبی سے کوئی ذمی خرید لے تو بالاتفاق دو چند لیا جائیگا۔

قولہ وخراج الخ اگر کوئی ذمی عشری زمین مسلمان سے خرید لے تو امام صاحب کے نزدیک اس سے خراج لیا جائیگا۔ کیونکہ عشر میں معنی عبادت ہیں اور کفر عبادت کے منافی ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک دونا عشر لیا جائیگا اور امام محمد کے نزدیک وہ علیٰ حالہ عشری رہے گی۔

قولہ وعشر الخ مسلمان نے ایک عشری زمین ذمی کے ہاتھ فروخت کی۔ اس سے دوسرے مسلمان نے حق شفعہ کی بنا پر لے لی تو عشر لیا جائیگا۔ کیونکہ صفقہ شفیع کی طرف متحول ہو گیا۔ پس گویا اس نے مسلمان سے خریدی ہے۔ اور اگر ذمی نے فساد بیع کی وجہ سے واپس کر دی تب بھی عشر لیا جائیگا۔ کیونکہ جب فساد بیع کی وجہ سے زمین واپس ہو گئی تو گویا بیع ہی نہیں ہوئی۔ لہٰذا زمین بدستور عشری رہے گی۔

قولہ وان جعل الخ اگر کسی مسلمان نے اپنے گھر کو باغ بنا لیا تو اس کے وظیفہ کا مدار پانی پر ہے۔ عشری پانی سے سینچا تو عشر اور خراجی پانی سے سیراب کیا تو خراج ہوگا بخلاف ذمی کے کہ اس سے ہر حال میں خراج لیا جائے گا۔ کیونکہ وہ اسی کے لائق ہے۔

---

(۱) ابوداؤد، ابن ماجہ، احمد، ابویعلی۔ ۱۲

(۲) بخاری، مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ، طحاوی عن ابی سعید الخدری۔ ۱۲

(۳) خرچ کرو ستھری چیزیں اپنی کمائی سے اور اس چیز سے جو ہم نے پیدا کیا تمہارے واسطے زمین سے۔ ۱۲

(۴) بخاری، ابوداؤد، طحاوی عن ابن عمر۔ ۱۲

بَابُ الْمَصْرَفِ

باب مصرف زکوۃ کے بیان میں

وَهُوَ الْفَقِيْرُ وَالْمِسْكِيْنُ وَهُوَ اَسْوَءُ حَالاً مِنَ الْفَقِيْرِ وَالْعَامِلُ وَالْمُكَاتَبُ[1] وَالْمَدْيُوْنُ وَمُنْقَطِعُ الْغُزَاةِ

مصرف زکوۃ فقیر اور مسکین ہے اور مسکین فقیر سے بھی خراب حال ہے اور مصرف زکوٰۃ وصول کنندہ، مکاتب، مقروض اور وہ شخص ہے جو غازیوں سے

وَابْنُ السَّبِيْلِ فَتَدْفَعُ اِلٰى كُلِّهِمْ اَوْ اِلٰى صِنْفٍ وَاحِدٍ لا. اِلَى الذِّمِّيِّ وَصَحَّ غَيْرُهَا وَبِنَآءِ مَسْجِدٍ

منقطع ہو اور مسافر ہے پس چاہے ان سب کو دے اور چاہے کسی ایک قسم کو نہ کہ ذمی کو ہاں زکوۃ کے علاوہ اور صدقہ دینا صحیح ہے اور نہ دے زکوۃ مسجد کی

وَتَكْفِيْنِ مَيِّتٍ وَقَضَاءِ دَيْنِهٖ وَشِرَآءِ قِنٍّ لِيُعْتَقَ وَاَصْلِهٖ وَاِنْ عَلاَ

تعمیر میں اور مردہ کی تکفین میں اور اس کے قرض کی ادائیگی میں اور غلام کی خریداری میں آزاد کرنے کے لئے اور اپنی اصل یعنی ماں باپ وغیرہ کو

وَفَرْعِهٖ وَاِنْ سَفِلَ وَزَوْجَتِهٖ وَزَوْجِهَا وَعَبْدِهٖ وَمُكَاتَبِهٖ وَمُدَبَّرِهٖ وَاُمِّ وَلَدِهٖ وَمُعْتَقِ الْبَعْضِ وَغَنِيٍّ يَّمْلِكُ نِصَابًا

اور اپنی فرع یعنی بیٹے پوتے وغیرہ کو اور شوہر کو اور بیوی کو اور اپنے غلام مکاتب مدبر ام ولد کو اور اس کو جس کا کچھ حصہ آزاد ہو گیا ہو اور مالک نصاب

وَعَبْدِهٖ وَطِفْلِهٖ وَبَنِيْ هَاشِمٍ وَمَوَالِيْهِمْ وَلَوْدَفَعَ بِتَحَرِّيْ فَبَانَ اَنَّهٗ غَنِيٌّ اَوْهَاشِمِيٌّ اَوْكَافِرٌ اَوْاَبُوْهُ

تو انگر کو اور اسکے غلام اور بچہ کو اور بنی ہاشم اور ان کے آزاد کئے ہوؤں کو اور اگر زکوٰۃ اٹکل سے دی پھر ظاہر ہوا کہ وہ تو انگر یا ہاشمی یا کافر یا اس کا باپ

اَوِابْنُهٗ صَحَّ وَلَوْ عَبْدُهٗ اَوْمُكَاتَبُهٗ لاَ وَكُرِهَ الْاِغْنَآءُ وَنُدِبَ الْاِغْنَآءُ عَنِ السُّؤَالِ

یا اس کا بیٹا تھا تو صحیح ہے اور اگر ظاہر ہوا کہ اس کا غلام یا مکاتب تھا تو صحیح نہیں اور مکروہ ہے غنی بنا دینا اور مستحب ہے سوال سے بے نیاز کر دینا

وَكُرِهَ النَّقْلُ اِلٰى بَلَدٍ اٰخَرَ لِغَيْرِ قَرِيْبٍ وَاَحْوَجَ وَلَايَسْئَلُ مَنْ لَهٗ قُوْتُ يَوْمِهٖ

اور مکروہ ہے مال زکوۃ کو دوسرے شہر میں لے جانا جہاں اس کا رشتہ دار اور زیادہ محتاج نہ ہو اور نہ سوال کرے وہ جس کے پاس ایک دن کی غذا ہو۔

توضیح اللغۃ: مصرف جائے خرچ' مراد وہ شخص جس کو زکوۃ دینا جائز ہے' عامل: محصل صدقات' مدیون: مقروض' غزاۃ: جمع غازی: مجاہد' ابن السبیل: مسافر' صنف: قسم' قن: غلام۔ مدبر: وہ غلام جس کو آقا نے یہ کہدیا ہو کہ میرے مرنے کے بعد آزاد ہے۔ مولی جمع موالی: غلام۔ تحر: غور وفکر' بان: ظاہر ہوا۔ احوج: زیادہ ضرورت مند۔

تشریح الفقہ: **قوله باب المصرف** الخ انواع واحکام زکوۃ کے بعد مصارف زکوۃ کا بیان بھی ضروری تھا۔ اس لئے یہاں اس کو بیان کرتا ہے۔ مصرف دراصل بمعنی معدل ہے یعنی پھرنے کی جگہ۔ قال تعالیٰ: **ولم یجد واعنها مصرفا**' یہاں خرچ کرنے کی جگہ مراد ہے یعنی زکوۃ کا وہ صحیح محل جس میں خرچ کرنا فریضہ سے سبکدوشی کا باعث ہو' مصارف زکوۃ کے سلسلہ میں اصل یہ آیت کریمہ ہے'' **انما الصدقات للفقراء والمساکین** اہ' اس میں آٹھ مصارف بیان کئے گئے ہیں۔ **1** فقراء **2** مساکین **3** عاملین جو اسلامی حکومت کی طرف سے تحصیل صدقات وغیرہ کے کاموں پر مامور ہوں **4** مؤلفۃ القلوب جن کے اسلام لانے کی امید ہو یا اسلام میں کمزور ہوں وغیرہ **5** رقاب یعنی غلاموں کا بدل کتابت ادا کر کے آزاد کرنا **6** غارمین جن پر کوئی حادثہ آپڑے۔ اور مقروض ہو جائیں **7** سبیل اللہ یعنی جہاد وغیرہ میں جانیوالوں کی اعانت کرنا۔ بعض کے نزدیک طلباء علم مراد ہیں **8** ابن السبیل یعنی مسافر جو حالت سفر میں مالک نصاب

(۱) فیعان علی فک رقبتہ غنیاً کان مولاہ اوفقیر ابشرط ان لا یکون المکاتب الحر کی ولا مکاتب الہاشمی لما روی الطبر انی فی تفسیرہ عن الحصر ی والزہری وعبدالرحمن بن یزید انہم قالوا وفی الرقاب ہم المکاتبون ولان التملیک لابد منہ فی الزکوۃ ولا یتصور من القن وقال مالک یبتاع رقبتہ فیعتق فیکون الولاء علی مذہبہ لجماعۃ المسلمین دون المعتق ۱۲ (شرح نقایہ)۔

نہ ہو گو مکان پر دولت رکھتا ہو۔ مصنف نے ان آٹھ میں سے 4 کو ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ اکثر علماء کے نزدیک حضور اکرم ﷺ کی وفات کے بعد یہ مد نہیں رہی یا تو اس وجہ سے کہ مؤلفۃ القلوب کو جو زکوٰۃ دی جاتی تھی وہ اسلام کی عزت اور غلبہ کے لئے دی جاتی تھی اور جب رفتہ رفتہ اسلام زور پکڑ گیا تو اس کی ضرورت نہیں رہی یا اس وجہ سے کہ ان لوگوں کو دینا آنحضرت ﷺ کے ارشاد " تو خذ من اغنیائهم فترد علیٰ فقرائهم " کے ذریعہ منسوخ ہو گیا۔ بعض حضرات نے اجماع صحابہ کو ناسخ مانا ہے مگر یہ صحیح نہیں کیونکہ نسخ نبی کی حیات میں ہوتا ہے اور اجماع حیات کے بعد۔

قوله وهو اسوأ الخ فقیر اس کو کہتے ہیں جس کے پاس تھوڑا بہت مال ہو مگر بقدر نصاب نہ ہو۔ اور مسکین اس کو کہتے ہیں جس کے پاس کچھ نہ ہو۔ امام ابوحنیفہ، مالک، ابواسحٰق، مروزی اور اصحاب لغت میں سے اخفش، فراء، ثعلب کا یہی قول ہے اور یہی صحیح ہے۔ حق سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ " او مسکیناً ذا متربة " یا مسکین کو جو (فقر و فاقہ اور تنگدستی سے) خاک میں رل رہا ہو امام شافعی، طحاوی، اصمعی کا قول اس کے برعکس ہے۔ کیونکہ آیت " اما السفینة فکانت لمساکین " میں مالک کشتی ہونے کے باوجود مساکین کہا ہے۔ جواب یہ ہے کہ ان کو مساکین کہنا ترحماً ہے یا یہ کہ کشتی ان کے پاس بطور عاریت تھی یا وہ مزدوری پر کام کرتے تھے۔

قوله فيد فع الخ یعنی صاحب مال کو اختیار ہے چاہئے زکوٰۃ کا مال مذکورہ بالا اصناف میں سے سب کو دیدے چاہے کسی ایک صنف کو نیز صنف واحد کے ایک ہی شخص کو دے یا چند کو دے یا چند افراد کو دے بہرصورت زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ حضرت عمرؓ، علیؓ، ابن عباسؓ معاذ بن جبلؓ حذیفہؓ وغیرہم کا یہی قول ہے۔ اور اس کے خلاف کسی صحابی سے منقول نہیں پس یہ اجماع کے درجہ میں ہے۔ امام شافعی کے نزدیک ہر صنف کے کم از کم تین افراد کو دینا ضروری ہے۔ گویا ان کے یہاں ہر زکوٰۃ دہندہ کم از کم اکیس آدمیوں کو زکوٰۃ دیگا وہ یہ فرماتے ہیں کہ آیت میں اضافت لام کیساتھ مشعر استحقاق ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ اضافت اثبات استحقاق کیلئے نہیں بلکہ بیان مصارف کیلئے ہیں۔

قوله وشراء قن الخ زکوٰۃ کی رقم سے غلام خریدنا۔ تاکہ اس کو آزاد کیا جائے جائز نہیں کیونکہ اعتاق تملیک نہیں بلکہ اسقاط ملک ہے اور ادا زکوٰۃ کے لئے تملیک رکن ہے پس اعتاق سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، امام مالک وغیرہ کے نزدیک جائز ہے کیونکہ انکے یہاں " وفی الرقاب کی یہی تاویل ہے۔"

قوله ولو دفع الخ ایک شخص نے اٹکل کر کے زکوٰۃ ایسے شخص کو دیدی جس کے متعلق گمان تھا کہ یہ زکوٰۃ کا مصرف ہے لیکن بعد میں ظاہر ہوا کہ وہ مالدار تھا یا ہاشمی تھا یا کافر تھا یا اس کا باپ تھا یا اس کا لڑکا تھا تو ان سب صورتوں میں زکوٰۃ ادا ہو گئی کیونکہ جو بات اس کے بس میں تھی یعنی مالک بنانا وہ کر گزرا۔ رہی یہ بات کہ وہ اندھیری میں یہ پوچھے کہ تو کون ہے؟ کہاں رہتا ہے۔ کیا کرتا ہے؟ وغیرہ تو وہ اس کا مکلّف نہیں۔ ہاں اگر اٹکل کئے بغیر دیدی تو صحیح نہیں امام ابو یوسف کے نزدیک دونوں صورتوں میں اعادہ کرنا ضروری ہوگا کیونکہ غلطی کا یقین ہو چکا۔ طرفین کی دلیل حضرت معن بن یزید کی روایت ہے کہ ان کے والد سے آنحضرت ﷺ نے ایسے ہی واقعہ میں فرمایا تھا۔ " یایزید لک مانویت ویا معن لک رما اخذت " (بخاری عن معن بن یزید) یزید تیرے لئے وہ ہے جس کی تو نے نیت کی اور اے معن! تیرے لئے وہ ہے جو تو نے لے لیا۔ اور اگر زکوٰۃ دینے کے بعد ظاہر ہوا کہ وہ اس کا غلام تھا یا اس کا عبد مکاتب تھا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی کیونکہ غلام کی صورت میں مال زکوٰۃ اسی کی ملکیت میں رہا اور مکاتب کی صورت میں چونکہ مکاتب کی کمائی میں مالک کا حق ہوتا ہے اس لئے تملیک تام نہ ہوئی۔

بَابُ صَدَقَةِ الْفِطْرِ

باب صدقہ فطر کے بیان میں

تَجِبُ عَلٰى حُرٍّ مُسْلِمٍ ذِیْ نِصَابٍ فَضَلَ عَنْ مَّسْكَنِهٖ وَثِيَابِهٖ وَاَثَاثِهٖ وَفَرَسِهٖ وَسِلَاحِهٖ وَعَبِيْدِهٖ
صدقہ فطر واجب ہے آزاد مسلمان پر جو ایسے نصاب کا مالک ہو جو اس کے گھر سے کپڑوں سے اسباب سے گھوڑے سے ہتھیار سے غلاموں سے بچا ہوا ہو

عَنْ نَّفْسِهٖ وَطِفْلِهِ الْفَقِيْرِ وَعَبِيْدِهٖ لِلْخِدْمَةِ وَمُدَبَّرِهٖ وَاُمِّ وَلَدِهٖ لَا عَنْ زَوْجَتِهٖ وَوَلَدِهِ الْكَبِيْرِ وَمُكَاتَبِهٖ وَعَبْدٍ اَوْعَبِيْدٍ لَهُمَا
اپنی اور اپنے نادار بچے اور خدام اور مدبر اور ام ولد کی طرف سے نہ کہ اپنی بیوی اور مالدار اولاد اور مکاتب اور ایک یا چند مشترک غلاموں کی طرف سے

وَيَتَوَقَّفُ لَوْ مَبِيْعًا بِخِيَارٍ نِصْفُ صَاعٍ مِّنْ بُرٍّ اَوْ دَقِيْقِهٖ اَوْ سَوِيْقِهٖ اَوْزَبِيْبٍ اَوْ صَاعٌ مِّنْ تَمْرٍ اَوْ شَعِيْرٍ وَهُوَ ثَمَانِيَةُ اَرْطَالٍ
اور موقوف رہے گا اگر بچہ یا ہو خیار کے ساتھ، نصف صاع گیہوں یا اس کا آٹا یا ستو یا کشمش اور یا ایک صاع کھجور یا جو اور صاع آٹھ رطل کا ہوتا ہے

صُبْحَ يَوْمِ الْفِطْرِ فَمَنْ مَاتَ قَبْلَهٗ اَوْ اَسْلَمَ اَوْ وُلِدَ بَعْدَهٗ لَا تَجِبُ وَصَحَّ لَوْ قَدَّمَ اَوْ اَخَّرَ
عید کے دن کی صبح کو پس جو شخص مرجائے اس سے پہلے یا مسلمان ہو جائے یا اس کے بعد پیدا ہو تو اس پر واجب نہیں اور اگر عید کی صبح سے پہلے یا بعد میں دیدے تب بھی صحیح ہے۔

توضیح اللغۃ: حر: آزاد، مسکن: مکان، ثیاب کپڑے، اثاث: گھریلو سامان، فرس: گھوڑا، سلاح: ہتھیار، عبید: جمع عبد نوکر چاکر، بر: گیہوں، دقیق: آٹا، سویق: ستو، زبیب: کشمش، تمر: کھجور، شعیر: جو، ارطال: جمع رطل بارہ اوقیہ کا ایک وزن۔

تشریح الفقہ: **قولہ باب الخ** صدقہ فطر کو باب زکوٰۃ و باب صوم ہر دو کے ساتھ مناسبت ہے۔ زکوٰۃ کے ساتھ بایں معنی کے یہ دونوں وظیفہ مالیہ ہیں اور صوم کیساتھ بایں معنی کی وجوب صدقہ فطر کی شرط فطر ہے کیونکہ صدقہ فطر صوم کے بعد ہوتا ہے اس لئے مصنف نے دونوں کے درمیان میں ذکر کردیا۔ صدقہ کے معنی عطیہ کے ہیں جس سے عند اللہ ثواب مقصود ہو۔ چونکہ اس کی ادائیگی صاحب صدقہ کی رغبت کا اظہار کرتی ہے۔ اس لئے اس کو صدقہ کہتے ہیں جیسے صداق بمعنی مہر کہ اس کی ادائیگی شوہر کی رغبت کا اظہار کرتی ہے۔ کلمہ فطر اسلامی لفظ ہے جس پر فقہاء کی اصطلاح قائم ہے۔ عام لوگ جو صدقہ فطر کے لئے لفظ فطرہ بولتے ہیں یہ لغوی نہیں ہے بلکہ بنایا ہوا ہے۔ سوال صاحب قاموس نے لکھا ہے ''الفطرۃ بالکسر صدقۃ الفطر'' معلوم ہوا کہ یہ لفظ بنایا ہوا نہیں ہے۔ جواب صاحب قاموس نے بہت سی جگہ حقائق شرعیہ کو حقائق لغویہ کیساتھ مخلوط کیا ہے۔ یہ قول بھی اغلاط قاموس میں شمار ہے۔ علامہ نووی نے ''تحریر'' میں کہا ہے کہ لفظ فطرہ مُوَلَّد ہے اور غالباً فطرۃ بمعنی خلقت سے ماخوذ ہے گویا یہ بدن کی زکوٰۃ ہے۔ سوال اہل لغت نے بیان کیا ہے کہ فطر صوم کی ضد ہے۔ فطر الصائم اکل شرب کا فطر، والصوم الامساک عن الاکل والشرب والکلام'' (قاموس) معلوم ہوا کہ لفظ فطر اسلامی نہیں ہے۔ جواب اسلامی ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ قبل از اسلام کسی نے اس کا تلفظ نہیں کیا۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ ایک حقیقت شرعیہ ہے۔ جس کو فطر صائم کے لئے اسم قرار دیدیا گیا۔ جیسے لفظ صلوٰۃ کہ عبادت مخصوصہ کے لئے اس کا ظہور اسلام میں ہوا ہے گو اسلام سے قبل اپنے معانی میں مستعمل تھا۔

قولہ تجب الخ صدقہ فطر ہر آزاد مسلمان پر واجب ہے جو صاحب نصاب ہو۔ اور وہ نصاب اس کی اور اس کے اہل وعیال کی ضروریات خانگی، مسکن، لباس، ہتھیار وغیرہ سے فاضل ہو۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''ادا کرو ایک صاع گیہوں دو آدمی یا ایک صاع کھجور یا جو ہر شخص کی طرف سے آزاد ہو یا غلام چھوٹا ہو یا بڑا''[1] حدیث اخبار آحاد میں سے ہے۔ جس سے وجوب ہی ثابت ہو سکتا ہے۔ نہ کہ فرضیت۔ کیونکہ یہ دلیل قطعی نہیں ہے۔ امام شافعی، مالک، احمد کے نزدیک صدقہ فطر فرض ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے ''فرض

(۱) ابوداؤد، حاکم، دارقطنی، طحاوی، عبدالرزاق، طبرانی، احمد عن عبداللہ بن ثعلبہ بن صعیر (ویقال ابن ابی صعیر العذری) عن ابیہ۔۱۲

رسول اللّٰہ زکاۃ الفطر علی الذکر والانثی[1] اہ'' جواب یہ ہے کہ یہاں فرض کے اصطلاحی معنی مراد نہیں بلکہ بمعنی قدر ہے یعنی مقرر کیا کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ منکر صدقہ فطر کافر نہیں' اگر یہ فرض ہوتا تو یقیناً اس کا منکر کافر ہوتا۔ حریت کی شرط اس لئے ہے کہ تملیک متحقق ہو سکے۔ اور اسلام کی شرط اس لئے ہے تاکہ صدقہ قربت واقع ہو سکے۔ اور مالدار ہونا اس لئے شرط ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ''لا صدقة الا عن ظهر غنى[2]'' امام شافعی فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنی اور اپنے اہل وعیال کی ایک یوم سے زائد خوارک کا مالک ہو۔ اس پر بھی صدقہ ضروری ہے۔ مگر حدیث مذکور ان پر حجت ہے۔

قولہ نصف صاع الخ تجب کی ضمیر فاعل سے بدل ہے یعنی صدقہ فطر نصف صاع واجب ہے گیہوں سے یا اس کے آٹے سے یا ستو سے یا کشمش سے اور ایک صاع واجب ہے کھجور سے یا جو سے' صحابہ میں سے ابن مسعود' ابن عباس' ابن زبیر' جابر بن عبداللہ' ابو ہریرہ معاویہ' اسماء بنت ابی بکر صدیق رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین میں سے سعید بن المسیب' عطاء بن ابی رباح' مجاہد' سعید بن جبیر' عمر بن عبدالعزیز' طاؤس' ابراہیم نخعی' عامر شعبی' علقمہ' اسود' عروہ' ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف' عبدالمالک بن محمد' ابو قلابہ' اوزاعی' ثوری' ابن مبارک' مصعب بن سعد' قاسم' سالم' حکم' حماد سب کا یہی قول ہے۔ اور یہی امام مالک سے مروی ہے' امام شافعی کے نزدیک ان تمام اشیاء سے ایک صاع ضروری ہے۔ کیونکہ حضرت ابو سعید خدری کی حدیث ہے کہ ''ہم آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں صدقہ فطر میں ایک صاع دیتے تھے[3]'' ہماری دلیل حضرت عبداللہ بن ثعلبہ کی حدیث ہے۔ جو اوپر مذکور ہوئی' رہا امام شافعی کا استدلال سو یہ مقدار تطوع پر محمول ہے۔ کیونکہ حدیث میں ''کنا نخرج'' ہے یہ نہیں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ہم کو اس کا حکم کیا ہے۔

قولہ او زبیب الخ امام ابو حنیفہ کے نزدیک گیہوں کی طرح کشمش کا بھی نصف صاع ہے۔ صاحبین کے نزدیک کشمش کھجور کے حکم میں ہے۔ یعنی اس کا بھی پورا ایک صاع دے' امام صاحب سے اسد بن عمر کے روایت بھی یہی ہے۔ ابو الیسر نے اس کی تصحیح کی ہے اور ابن ہمام نے فتح القدیر میں دلیل کی رو سے اسی کو ترجیح دی ہے' حقائق اور شرنبلالیہ میں برہان سے منقول ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے۔ صاحبین یہ کہتے ہیں کہ مقصود یعنی تفکہ میں کشمش اور کھجور دونوں متقارب ہیں۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ معنوی لحاظ سے کشمش گیہوں دونوں متقارب ہیں کیونکہ یہ دونوں کل اجزاء کے ساتھ کھائے جاتے ہیں۔ بخلاف کھجور اور جو کے کہ کھجور کی گٹھلی اور جو کا چھلکا نہیں کھایا جاتا۔

قولہ ثمانیة ارطال الخ صاع کی مقدار طرفین کے نزدیک آٹھ رطل عراقی ہے۔ رطل عراقی بیس استار کا ہوتا ہے۔ اور ایک استار چھ درہم اور دو دانق[4] کا ہوتا ہے۔ امام ابو یوسف' مالک' شافعی' احمد کے نزدیک صاع کی مقدار پانچ رطل اور ثلث رطل ہے۔ بعض حضرات کا بیان ہے کہ طرفین اور امام ابو یوسف کے نزدیک حقیقی اختلاف نہیں صرف تعبیر کا فرق ہے۔ کیونکہ امام ابو یوسف نے صاع کا اندازہ مدنی رطل سے کیا ہے جو تیس استار کا ہوتا ہے۔ اور عراقی بیس استار کا۔ پس جب آٹھ رطل عراقی کا ۵⅓ رطل مدنی کے ساتھ مقابلہ کیا جائے تو دونوں برابر ہوتے ہیں۔ کیونکہ بیس استار کو آٹھ میں ضرب دینے سے ایک سو ساٹھ ہوتے ہیں۔ اور پانچ کو تیس سے ضرب دینے سے ڈیڑھ سو ہوتے ہیں۔ اور تیس کا تہائی یعنی دس ملانے سے ایک سو ساٹھ استار ہو جاتے ہیں۔ پھر بعض نے اس کی تصویب بھی کی ہے۔ اس واسطے کہ امام محمد نے امام ابو یوسف کا اختلاف ذکر نہیں کیا اگر اختلاف ہوتا تو اپنی عادت کے مطابق ضرور ذکر کرتے۔ مگر صاحب ینابیع نے کہا ہے کہ یہ اختلاف حقیقی ہے۔ اور سب کے نزدیک رطل عراقی ہی معتبر ہے۔ چنانچہ مبسوط میں ہے۔ ''فقد نص ابو یوسف فی کتاب العشر والخراج خمسة ارطال وثلث رطل بالعراقی۔''

اسرار میں ہے ''خمسة ارطال کل رطل ثلاثون استارًا وثمانية ارطال کل رطل عشرون استارًا سواء'' امام ابو یوسف

---

(1) ائمہ ستہ عن ابن عمر۔ ۱۲ (2) احمد عن ابی ہریرۃ' ن۔ ن تعلیقا' مسلم عن حکیم بن حزام بغیر ہذا اللفظ۔ ۱۲ (3) ائمہ ستہ مختصرا ومطولا۔ ۱۲ (4) دانق درہم کے چھٹے حصے کا ایک سکہ ہے۔ ۱۲

اوران کے ہم خیال حضرات کی دلیل یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ سے عرض کیا گیا: یارسول اللہ! ہمارا صاع سب صاعوں سے چھوٹا ہے اور ہمارا مد سب مدوں سے بڑا ہے۔ آپ نے اس پر کوئی نکیر نہیں فرمائی بلکہ یہ دعا فرمائی ''اللهم بارک لنا فی صاعنا وبارک لنا فی قلیلنا و کثیرنا[۱] اه'' ابن حبان کہتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ مدنی صاع سب سے چھوٹا ہے۔ اور وہ پانچ رطل اور ثلث رطل ہے، طرفین کی دلیل یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ ایک مد یعنی دو رطل سے وضو اور ایک صاع یعنی آٹھ رطل سے غسل فرماتے ہیں[۲]۔ حضرت عمرؓ کے صاع کی مقدار بھی یہی تھی[۳]۔

قوله صبح یوم الفطر الخ شروع باب میں جو تجب فعل ہے اس سے منصوب ہے۔ یعنی ہمارے نزدیک صدقہ فطر عید کی صبح صادق کے نمودار ہونے پر واجب ہوتا ہے (امام شافعی کے یہاں رمضان کے آخر روز کے آفتاب غروب ہونے پر (کذافی البدائع) تو جو شخص فجر سے پہلے مرجائے۔ یا فقیر ہوجائے یا فجر کے بعد پیدا ہو یا اسلام لائے یا تونگر ہوجائے۔ تو ان پر فطرہ واجب نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ بوقت وجوب اہلیت سے خارج ہیں۔

قوله وصح لو قدم الخ صدقہ فطر کی ادائیگی یوم الفطر سے پہلے بھی درست ہے۔ اور اس کے بعد بھی۔ کیونکہ صحیح بخاری میں ہے کہ صحابہ عید سے ایک روز پہلے فطرہ دیدیتے تھے۔ فتح القدیر میں ہے کہ صحابہ کا پہلے ہی ادا کرنا آنحضرت ﷺ پر مخفی نہ تھا بلکہ آپ کے اذن ہی سے ہوگا۔ کذا قال الشامی۔ پھر تقدیم کی بابت جوہرہ اور بحرالرائق میں ظہیریہ سے دخول رمضان کی شرط منقول ہے۔ یعنی اگر رمضان سے پیشتر فطرہ دیگا تو صحیح نہ ہوگا۔ لیکن عام متون وشروح علی الاطلاق درستی تقدیم پر متفق **ہیں** ۔ اور بہت علماء نے اسی کو صحیح کہا ہے۔ صاحب نہر نے والوالجیہ سے نقل کیا ہے کہ یہی ظاہر الروایہ ہے۔

---

[۱] ابن حبان، بیہقی عن ابی ہریرہ۔۱۲ [۲] دار قطنی، ابوداؤد عن انس، ابن عدی عن جابر۔۱۲ [۳] ابن ابی شیبہ عن حسن بن صالح، طحاوی عن موسیٰ بن طلحہ۔۱۲

كِتَابُ الصَّوْمِ

هُوَ تَرْکُ الاَکْلِ وَالشُّرْبِ وَالْجِمَاعِ مِنَ الصُّبْحِ اِلَى الْغُرُوْبِ بِنِيَّةٍ مِنْ اَهْلِهٖ وَصَحَّ صَوْمُ رَمَضَانَ وَهُوَ فَرْضٌ

وہ چھوڑ دینا ہے کھانے پینے اور جماع کو صبح سے غروب تک نیت کے ساتھ اس شخص کا جو نیت کا اہل ہو اور صحیح ہے رمضان کا روزہ جو فرض ہے

وَالنَّذْرُ الْمُعَيَّنُ وَهُوَ وَاجِبٌ وَالنَّفْلُ بِنِيَّةٍ مِنَ اللَّيْلِ اِلَى مَا قَبْلَ[1] نِصْفِ النَّهَارِ وَبِمُطْلَقِ النِّيَّةِ وَبِنِيَّةِ النَّفْلِ

اور نذر معین کا روزہ جو واجب ہے اور نفلی روزہ نیت کے ساتھ رات سے لے کر دوپہر تک اور مطلق نیت کیساتھ اور نفل روزہ کی نیت کیساتھ

وَمَا بَقِىَ لَمْ يَجُزْ اِلَّا بِنِيَّةٍ مُعَيَّنَةٍ مُبَيَّتَةٍ

اور ان کے علاوہ باقی روزے درست نہیں مگر رات ہی سے معین نیت کے ساتھ

تشریح الفقہ: قولہ کتاب الخ امام محمد نے جامع صغیر وکبیر میں روزے کو نماز کے بعد ذکر کیا ہے بایں معنی کہ دونوں عبادت بدنیہ ہیں لیکن اکثر مصنفین نے نماز کے بعد زکوٰۃ اور زکوٰۃ کے بعد روزہ کو ذکر کیا ہے۔ کیونکہ آیت "والخاشعین والخاشعات ۱۵ اور حدیث ارکان میں یہی ترتیب ہے۔ صوم کے معنی لغت کے اعتبار سے مطلقاً کسی چیز سے باز رہنا ہے۔ طعام ہو یا کلام قرآن میں ہے "انی نذرت للرحمن صوماً فلن اکلم الیوم انسیاً" اور شرعاً طلوع صبح صادق سے غروب آفتاب تک نیت کیساتھ کھانے پینے اور جماع سے ایسے شخص کا رکنا جو نیت کا اہل ہو۔ صوم کی یہ تعریف نص کتاب اللہ سے ثابت ہے۔ قال تعالیٰ "کلوا وا شربوا حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود من الفجر ثم اتموا الصیام الی اللیل"۔

قولہ وصح الخ روزہ کی چند قسمیں ہیں۔ فرض واجب سنت مندوب نفل مکروہ تنزیہی مکروہ تحریمی فرض جیسے ادا وقضاء رمضان اور کفارے کے روزے۔ ثانی جیسے نذر معین ثالث جیسے صوم عاشوراء (نویں تاریخ کے ساتھ) رابع جیسے ہر ماہ کے تین روزے خامس جیسے ایام بیض کے روزے سادس جیسے صوم عاشوراء (نویں تاریخ کے بغیر) اور صوم مہرجان۔ سابع جیسے ایام تشریق اور عیدین کے روزے' ماہ رمضان کے ادا روزے اور نذر معین اور نفل روزہ رات سے لیکر نصف النہار سے قبل تک نیت کر لینے سے صحیح ہے۔ امام شافعی واحمد کے یہاں رات سے نیت کرنا ضروری ہے۔ اور امام مالک کے یہاں یہ ہر روزہ میں ضروری ہے کیونکہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ "اس شخص کا روزہ نہیں ہے جس نے رات سے روزہ کی نیت نہیں کی"[2] ہماری دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے قبیلہ اسلم کے ایک شخص کو حکم فرمایا کہ لوگوں کو اطلاع دو کہ جس نے کھالیا ہو وہ باقی دن رکا رہے اور جس نے نہ کھایا ہو وہ روزہ رکھے[3]۔ رہی حدیث مذکور سو وہ نفی کمال پر محمول ہے۔

قولہ وبمطلق الخ مذکورہ بالا روزے مطلق نیت سے درست ہیں کیونکہ ماہ رمضان میں کوئی دوسرا روزہ مشروع نہیں پس رمضان شارع کی تعیین سے متعین ہوا ہے لہٰذا مطلق نیت کافی ہے۔ نیز نفل کی نیت سے بھی صحیح ہے کیونکہ ان کا کوئی مزاحم نہیں امام شافعی کے نزدیک نفل کی نیت سے روزہ دار ہی نہ ہوگا۔ اور مطلق نیت میں ان کے دو قول ہے۔ ایک یہ فرض ادا ہو جائے گا دوم یہ کہ ادا نہ ہوگا۔ یہی قول امام مالک واحمد کا ہے۔ مصنف نے روزہ دار کی کوئی تخصیص نہیں کی۔ کیونکہ تندرست' بیمار' مقیم' مسافر سب کا یہی حکم ہے۔ ہاں زفر کے یہاں مریض اور مسافر کے لئے رات سے نیت کرنا ضروری ہے۔ مذکورۃ الصدر روزہ کے علاوہ باقی روزے یعنی رمضان اور نذر معین کی قضا' نذر مطلق' کفارہ ظہار' کفارہ قتل' کفارہ یمین' جزائے صید' حلق' تمتع مطلق نیت سے درست نہ ہونگے۔ کیونکہ ان میں وقت معین نہیں۔

---

(۱) وہو احسن من قول القدوری "ما بینہ وبین الزوال" حیث لا تقع النیۃ فی اکثر النہار علی قولہ لان نصف الیوم من طلوع الفجر الصادق الی الضحوۃ الکبری لا وقت الزوال ۱۲ عینی۔ (۲) ائمہ اربعہ عن حفصہ ۱۲ (۳) صحیحین عن مسلمہ ۱۲

ثَلٰثِیْنَ.	شَعْبَانَ	بعْدَ	اَوْ	هِلالِه	بِرُؤْيَةِ	رَمَضَانُ	وَيَثْبُتُ
دن ہو جانے سے	تیس	یا شعبان کے	سے	چاند دیکھنے	رمضان	ہوجاتا ہے	اور ثابت

رؤیت ہلال کا بیان

تشریح الفقہ: قولہ ویثبت الخ رمضان کا ثبوت چاند دیکھنے یا ماہ شعبان کی ۳۰ تاریخ پوری ہو جانے سے ہوتا ہے۔ کیونکہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر افطار کرو۔ اور اگر گھٹا ہو جائے تو شعبان کے تیس دن پورے کرو۔ (صحیحین عن ابی ہریرہ، ابوداؤد، ترمذی، ابن خزیمہ، ابن حبان، ابوداؤد طیالسی عن ابن عباس) مطلب یہ ہے کہ جب مطلع صاف ہو تو رمضان کا چاند دیکھے بغیر روزہ نہ رکھو اور نہ عید کا چاند دیکھے بغیر افطار کرو۔ اور اگر مطلع صاف نہ ہو اور چاند ابر میں ہو اور تم اس کو نہ دیکھ سکو تو شعبان کے تیس دن پورے کرلو۔ اور روزہ رکھنا شروع کردو۔ اور اگر وہ مہینہ رمضان کا ہو تو افطار کرلو۔ وجہ یہ ہے کہ ہر ثابت شدہ چیز میں اصل اس کی بقا ہے جب تک کہ دلیل عدم قائم نہ ہو اور چونکہ پہلے سے مہینہ ثابت تھا اور اب اس کے ختم ہونے میں شک ہے تو شک چاند دیکھنے سے ختم ہوگا۔ یا تیس دن پورے کرنے سے۔ اگر ان میں سے کوئی نہ ہو تو وہی مہینہ باقی رہے گا۔

فائدہ: آجکل عموماً ہر جگہ اور تقریباً ہر سال ماہ رمضان کے چاند کے سلسلہ میں گڑ بڑ ہوتی ہے۔ اور اکثر و بیشتر ایسا ہوتا ہے کہ کہیں افطاری ہے تو کہیں روزہ داری، یہاں آج عید ہے وہاں کل۔ اور یہ ساری مصیبت آلاتِ جدیدہ کی خبر رسانی کا نتیجہ ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اس کے متعلق چند ضروری باتیں پیش کردی جائیں۔

(۱) ہلال رمضان کے علاوہ عید، بقرعید یا کسی دوسرے مہینہ کے لئے ثبوت با قاعدہ شہادت کے بغیر نہیں ہوسکتا اور شہادت کیلئے شاہد کا حاضر ہونا ضروری ہے۔ غائبانہ خبروں کے ذریعہ شہادت ادا نہیں ہوسکتی۔

(۲) البتہ جس شہر میں با قاعدہ یا ہلال کمیٹی نے کسی شہادت پر اطمینان کر کے عید وغیرہ کا اعلان کردیا ہو اس اعلان کو اگر ریڈیو پر نشر کیا جائے تو جس شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا ہے اس شہر اور اس کے مضافات و دیہات کے لوگوں کو ریڈیو کے اعلان پر عید کرنا جائز ہے بشرطیکہ ریڈیو چاند کے متعلق مختلف خبریں نشر نہ کرنے کا پابند ہو، جو فیصلہ قاضی یا ہلال کمیٹی نے دیا ہے اس کے نشر میں پوری احتیاط سے کام لے۔ جن الفاظ میں فیصلہ دیا گیا ہو وہ الفاظ بعینہ نشر کرے۔

(۳) اگر ملک کے مختلف حصوں اور سمتوں سے دس بیس ریڈیو، ٹیلیفون، ٹیلیویژن یا خط وغیرہ کے ذریعہ چاند خود نہ دیکھنے والوں کی طرف سے اطمینان بخش خبریں آجائیں تو ان پر اطمینان کیا جاسکتا ہے۔ بشرطیکہ خبر رساں کی پوری شناخت ہو جائے۔ اور وہ یہ بیان کرے کہ ہم نے چاند دیکھا ہے۔ یا یہ کہ ہمارے سامنے فلاں شہر کے قاضی نے یا ہلال کمیٹی کے سامنے شہادت پیش ہوئی اس نے شہادت کا اعتبار کر کے چاند ہونے کا فیصلہ کردیا۔

(۴) رمضان کے چاند میں چونکہ شہادت یا استفاضہ خبر شرط نہیں ایک ثقہ مسلمان کی خبر کافی ہے اس لئے خط اور آلات جدیدہ کی خبروں پر شرط کیساتھ عمل کرنا درست ہے۔ کہ خبر دینے والے کا خط یا آواز پہچانی جائے اور وہ بچشم خود چاند دیکھنا بیان کرے اور جس کے سامنے یہ خبر بیان کی جارہی ہے وہ اس کو پہچانتا ہے اور اس کی شہادت کو قابل اعتماد سمجھتا ہے۔

(۵) ٹیلیگرام اور وائرلیس سے آئی ہوئی خبروں میں چونکہ خبر دینے والے کی شناخت نہیں ہوسکتی اسلئے محض ایسی خبروں سے ہلال ثابت نہیں ہوگا۔ البتہ ٹیلیفون، ٹیلیویژن، ریڈیو پر آواز کی شناخت ہو جاتی ہے تو جب یہ معلوم ہو جائے کہ خبر دینے والا کوئی ثقہ مسلمان عاقل بالغ اور بینا آدمی ہے اور خود اپنے چاند دیکھنے کی خبر دے رہا ہے۔ رمضان کا اعلان کرایا جاسکتا ہے۔

(آلات جدیدہ مختصراً صفحہ نمبر ۱۸۸، صفحہ نمبر ۱۸۹)

وَلاَ يُصَامُ يَوْمَ الشَّكِّ اِلَّا تَطَوُّعاً وَمَنْ رَأٰى هِلاَلَ رَمَضَانَ اَوِ الْفِطْرِ وَرُدَّ قَوْلُهٗ صَامَ

اور روزہ نہ رکھا جائے شک کے دن مگر نفلی اور جو شخص رمضان کا یا عید کا چاند دیکھ لے اور اس کا قول رد کردیا جائے تو وہ روزہ رکھے

فَاِنْ اَفْطَرَ قَضٰى فَقَطْ وَقُبِلَ بِعِلَّةٍ خَبَرُ عَدْلٍ وَلَوْقِنّاً اَوْ اُنْثٰى لِرَمْضَانَ

پس اگر اس نے افطار کرلیا تو صرف قضاء کرے اور قبول کی جائیگی ابر وغیرہ کی وجہ سے ایک عادل کی خبر گو غلام یا عورت ہی ہو رمضان کے لئے

وَحُرَّيْنِ اَوْ حُرٌّ وَحُرَّتَيْنِ لِلْفِطْرِ وَاِلاَّ مَجْمَعٌ عَظِيْمٌ لَهُمَا

اور دو آزاد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی عید کے لئے اور اگر ابر وغیرہ نہ ہو تو بڑی جماعت کا دیکھنا معتبر ہوگا دونوں کے لئے

وَالْاَضْحٰى كَالْفِطْرِ وَلاَ عِبْرَةَ لِاخْتِلاَفِ الْمَطَالِعِ

اور بقر عید عیدالفطر کے مثل ہے اور اختلاف مطالع کا کوئی اعتبار نہیں۔

شک کے دن روزہ رکھنے کا بیان

تشریح الفقہ: **قولہ ولا یصام الخ** اگر رمضان کا چاند مشتبہ ہو جائے اور معلوم نہ ہو کہ شعبان کی تیسویں تاریخ ہے یا رمضان کی پہلی تو اس دن کو یوم شک کہتے ہیں اس میں نفل کے علاوہ اور کوئی روزہ نہ رکھا جائے۔ کیونکہ حدیث میں اسکی ممانعت ہے۔ حضرت عمار بن یاسر فرماتے ہیں کہ جس نے شک کے دن روزہ رکھا اس نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی[1]، پھر اس مسئلہ کی چند صورتیں ہیں اول یہ کہ رمضان کی نیت سے روزہ رکھے یہ مکروہ ہے۔ کیونکہ اس صورت میں قبل از وقت ادا کرنا لازم آتا ہے۔ حالانکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ "رمضان سے پہلے روزہ نہ رکھو یہاں تک کہ چاند دیکھ لو یا تیس دن پورے کرلو[2]"، نیز اس میں اہل کتاب کے ساتھ تشبہ لازم آتا ہے کہ وہ بھی اپنے روزوں کی مدت بڑھالیا کرتے تھے۔ اب اگر یہ ثابت ہو جائے کہ یہ رمضان کا دن ہے تو یہ رمضان کا روزہ ہو جائیگا۔ امام نووی اور اوزاعی بھی یہی کہتے ہیں کیونکہ اس نے نیت بھی رمضان کی کی تھی اور وہ دن بھی رمضان ہی کا نکلا۔ اور اگر یہ ثابت ہو کہ وہ دن شعبان کا ہے تو وہ نفلی ہو جائیگا۔ اور اگر افطار کر ڈالا تو اس پر قضا نہیں ہے۔ کیونکہ قضا تو از خود یا شریعت کے لازم کرنے سے ہوتی ہے اور یہاں دونوں میں سے ایک بھی نہیں۔ دوم یہ کہ رمضان کے علاوہ کسی اور واجب کی نیت سے روزہ رکھے حدیث مذکور کی وجہ سے یہ بھی مکروہ ہے مگر اس میں کراہت پہلی صورت کی بہ نسبت کم ہے۔ کیونکہ اہل کتاب کے ساتھ تشبہ نہیں ہے۔ اس صورت میں بھی رمضان ثابت ہو جانے سے رمضان کا روزہ ہو جائیگا۔ کیونکہ اصل نیت موجود ہے اور اگر رمضان ثابت نہ ہوا تو بعض کے نزدیک واجب آخر ادا نہ ہوگا۔ بلکہ نفل ہو جائیگا۔ کیونکہ یہ دن منہی عنہ ہے۔ اور بعض کے نزدیک واجب ادا ہو جائیگا اور یہی صحیح ہے۔ کیونکہ منہی عنہ تو قبل از رمضان ادا کرنا ہے۔

اور جب رمضان کا ثبوت نہیں ہوا تو تقدم بھی لازم نہیں آیا۔ سوم یہ کہ نفل کی نیت سے روزہ رکھے۔ یہ مکروہ نہیں ہے۔ امام مالک بھی یہی فرماتے ہیں۔ کیونکہ حدیث میں نفل روزہ مستثنیٰ ہے۔ پھر اگر یوم شک اتفاقاً ایسے دن میں آپڑے جس میں وہ روزہ رکھا کرتا تھا مثلاً دو شنبہ یا جمعہ یا پورے شعبان یا نصف آخر شعبان یا ہر مہینہ کے آخر میں تین روزے رکھا کرتا تھا تو بالاجماع اس کیلئے روزہ رکھنا افضل ہے۔ اور اگر اس دن کے موافق نہ پڑے جس میں وہ روزہ رکھا کرتا تھا تو محمد بن سلمہ وغیرہ کے نزدیک ظاہر نہی سے احتراز کیلئے افطار افضل ہے۔ اور بعض کے نزدیک روزہ رکھنا افضل ہے۔ کیونکہ حضرت عائشہؓ اور حضرت علی شک کے دن روزہ رکھتے اور فرماتے کہ 'ہم کو شعبان کا ایک

---

(۱) صاحب درمختار نے جو یہ کہا ہے "واما حدیث" من صام یوم الشک فقد عصٰی ابا القاسم" فلا اصل لہ" اس میں لا اصل لہ مرفوع ہونے پر محمول ہے۔ کیونکہ یہ حدیث مجاہد اور ابوعبیدہ سے موقوفاً وارد ہے جس کو ائمہ اربعہ' طحاوی' حاکم دارقطنی نے روایت کیا ہے۔ اور امام بخاری نے تعلیقاً یوں روایت کیا ہے' قال صلۃ عن عمار من صام اھ

(۲) ابوداؤد' نسائی عن حذیفہ ۱۲

روزہ رکھ لینا اس سے زیادہ پسند ہے۔ کہ رمضان کا ایک روزہ توڑ ڈالیں[1] اور فتوی اس پر ہے کہ خاص لوگ مثلاً مفتی اور قاضی وغیرہ نفل روزہ رکھیں کیونکہ ان کو نیت کی کیفیت معلوم ہے اور عوام کو زوال تک انتظار کرنے کا حکم دیں۔ پس اگر رمضان ثابت ہو جائے۔ تو فبہا ورنہ افطار کا حکم دیں، چہارم یہ کہ اصل نیت ہی میں تر دد ہو۔ بایں طور کہ اگر کل رمضان ہو گیا۔ تو روزہ رکھلونگا۔ ورنہ نہیں اس صورت میں وہ روزہ دار نہ ہوگا۔ کیونکہ اس نے روزہ رکھنے کا پختہ ارادہ ہی نہیں کیا پنجم یہ کہ وصف نیت میں تردد ہو یعنی یوں نیت کرے کہ اگر کل رمضان ہوا تو رمضان کا ورنہ فلاں واجب یا نفل روزہ رکھونگا یہ صورت مکروہ ہے۔ کیونکہ اس کو دو مکروہ امروں کے درمیان تردد ہے۔ پھر اگر رمضان ہو گیا تو رمضان کا روزہ ہو جائے گا۔ کیونکہ اصل نیت میں تردد نہیں تھا۔ اور اگر رمضان نہ ہوا تو واجب روزہ نہ ہوگا۔ بلکہ دونوں حالتوں میں نفل ہو جائے گا۔ اور اگر افطار کر ڈالا تو اس پر قضا واجب نہیں۔ پہلی صورت میں تو اس لئے کہ صرف گمان ہی گمان ہے۔ کہ یہ رمضان کا روزہ ہے۔ اور دوسری صورت میں اس لئے کہ اس نے ہر طرح سے اپنے ذمہ ضروری نہیں کیا۔ **وانما اطنبت الکلام فی ھذا المقام لان الجهل قد شاع والعلم قد ضاع۔**

قوله ومن رأى الخ تنہا ایک شخص نے رمضان یا عید الفطر کا چاند دیکھ کر گواہی دی اور اس کی گواہی مقبول نہ ہوئی تو خود اس کو روزہ رکھنا ضروری ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ چاند دیکھ کر روزہ رکھو اس نے چونکہ چاند دیکھا ہے اسلئے اس کو روزہ رکھنا چاہئے۔ رہا افطار کا مسئلہ سو اس میں احتیاط کا پہلو پیش نظر ہے۔ نیز اس دن دوسرے لوگوں نے افطار نہیں کیا۔ اور حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ روزہ اس دن ہے جس دن لوگ روزہ رکھیں اور افطار اس دن ہے جس دن دوسرے لوگ افطار کریں[2]'' لیکن اس نے شہادت رد ہو جانے کے بعد افطار کر ڈالا تو اس پر صرف قضا ہے کفارہ نہیں۔ امام مالک اور امام احمد کا بھی یہی قول ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر اس نے جماع کیساتھ افطار کیا تو کفارہ واجب ہے۔ کیونکہ اس نے رمضان میں افطار کیا ہے۔ حقیقۃً بھی اور حکماً بھی۔ حقیقۃً تو اس لئے کہ اس کو خود رمضان ہونے کا یقین ہے۔ کیونکہ رؤیت تو یقین کا قوی ترین مرتبہ ہے۔ اور حکماً اس لئے کہ اس پر رؤیت ہلال کی وجہ سے روزہ واجب ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ قاضی نے اس کی شہادت کو ایک شرعی دلیل یعنی تہمت غلطی کی وجہ سے رد کیا ہے۔ پس اس میں شبہ ہو گیا۔ اور کفارہ ایسی عقوبت ہے کہ ادنی شبہ سے مرتفع ہو جاتی ہے۔ اور اگر شہادت سے پہلے ہی توڑ ڈالا تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ صحیح یہ ہے کہ کفارہ واجب نہیں۔

قوله وقبل الخ اگر مطلع صاف نہ ہو اور آسمان پر ابر یا غبار یا بخار وغیرہ ہو تو رمضان کے چاند میں ایک عاقل بالغ عادل مسلمان کی گواہی کافی ہے۔ آزاد ہو یا غلام، مرد ہو یا عورت کیونکہ آنحضرت ﷺ کا رمضان کے چاند میں ایک دیہاتی کی شہادت قبول کرنا حدیث سے ثابت ہے[3] نیز وہ دینی کام یعنی لوگوں پر روزہ کے واجب ہونے کی خبر دے رہا ہے۔ اور امر دینی میں خبر واحد معتبر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس میں لفظ شہادت بھی شرط نہیں، ہاں عدالت شرط ہے۔ کیونکہ بسلسلہ دیانت فاسق کا قول مقبول نہیں۔ اور امام طحاوی نے یہ کہا ہے کہ '' **عدلا کان او غیر عدل** '' سو غیر عدل سے مراد مستور الحال ہے۔ بزازیہ معراج، تجنیس میں اس کی تصحیح موجود ہے۔ حلوانی نے اسی کو لیا ہے۔ فتح القدیر میں ہے کہ یہ حسن کی روایت ہے۔ حاکم شہید جنہوں نے امام محمد کی کتابوں سے ان کے اقوال جمع کئے ہیں۔ کافی میں کہا ہے کہ غیر عادل سے مراد مستور الحال ہے۔ امام شافعی ایک قول کے اعتبار سے دو گواہوں کی شرط لگاتے ہیں۔

قوله وحرین الخ اور عید کے چاند میں دو آزاد مرد یا ایک آزاد مرد اور دو آزاد عورتوں کی گواہی شرط ہے۔ یہی ظاہر الروایہ ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس سے حق العباد متعلق ہے۔ پس جو چیزیں دیگر حقوق کے اثبات میں ضروری ہیں وہ اس میں بھی ضروری ہونگی۔ یعنی عدالت، حریت، عدد، لفظ شہادت، صاحب تحفہ نے روایت نوادر کو صحیح کہا ہے۔ کہ اس میں بھی ایک عادل شخص کی گواہی مقبول کی جائیگی۔

---

(۱) بیہقی فی الکبری عن عائشہ واسماء وابی ہریرۃ، شافعی فی الام، دار قطنی عن علی 12 (۲) ابوداؤد، ترمذی عن ابی ہریرہ 12 (۳) ائمہ اربعہ، ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم، دار قطنی، طبرانی، بیہقی عن ابن عباس۔ ۱۲

قولہ والا فجمع عظیم الخ جب مطلع صاف ہو تو ایک شخص کی خبر معتبر نہ ہوگی بلکہ عظیم جماعت کا قول مسموع ہوگا۔ جن کی خبر سے علم شرعی یعنی غلبۂ ظن حاصل ہو جو موجب عمل ہوتا ہے۔ صدر الشریعہ نے علم بمعنی یقین لیا ہے۔ جس کے متعلق ابن کمال نے کہا ہے کہ یہ صدر الشریعہ کی غلطی ہے۔ پھر شیخ حلبی نے جو یہ کہا ہے کہ "جماعت میں نہ اسلام شرط ہے نہ عدالت جیسا کہ امداد الفتاح میں ہے اور نہ حریت نہ دعوی جیسا کہ قہستانی میں ہے"۔ سو اسلام کا شرط نہ ہونا محل نظر ہے۔ کیونکہ جمع عظیم سے مراد یہاں یہ نہیں ہے۔ کہ وہ حد تواتر کو پہنچ جائے۔ جس سے علم قطعی حاصل ہوتا ہے۔ اور اسلام شرط نہیں ہوتا بلکہ مفید غلبۂ ظن ہونا مراد ہے اور اس میں اسلام کا شرط ہونا نقل صریح کا محتاج ہے۔

قولہ ولا عبرۃ الخ اور اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں۔ یہاں تک کہ اگر ایک شہر والوں نے چاند دیکھ لیا تو سب کیلئے رمضان ثابت ہو جائے گا۔ زیلعی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اختلاف مطالع کا اعتبار ہے۔ دلیل حضرت کریبؓ کی روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ "میں شام میں پہنچا۔ وہیں مجھ کو رمضان کا مہینہ آ گیا۔ میں نے جمعہ کی رات میں چاند دیکھا پھر آخر مہینہ میں مدینہ آیا تو ابن عباس نے مجھ سے پوچھا کہ تم نے چاند کب دیکھا تھا؟ میں نے کہا: جمعہ کی رات میں۔ آپ نے فرمایا: ہم نے تو سنیچر کی رات میں دیکھا ہے اور جب تک پورے تمیں دن نہ ہو جائیں گے ہم روزہ رکھتے رہیں گے۔ الا یہ کہ چاند نظر آ جائے میں نے کہا: آپ معاویہ کے دیکھنے اور انکے روزہ رکھنے پر کفایت نہ کریں گے؟ فرمایا: نہیں ہم کو حضور ﷺ کا یہی حکم ہے۔ لیکن ظاہر الروایہ پہلا قول ہے اور یہی احوط ہے۔ (فتح القدیر)

یہی ظاہر المذہب ہے اور اسی پر فتوی ہے (خلاصہ)۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

بَابُ مَایُفْسِدُ الصَّوْمَ وَمَا لاَ یُفْسِدُ

باب ان چیزوں کے بیان میں جن سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے اور جن سے فاسد نہیں ہوتا

فَاِنْ اَکَلَ الصَّائِمُ اَوْشَرِبَ اَوْجَامَعَ نَاسِیًا اَوِاحْتَلَمَ اَوْ اَنْزَلَ بِنَظْرٍ اَوِادَّهَنَ اَوِ احْتَجَمَ اَوِاکْتَحَلَ اَوْقَبَّلَ

اگر کھا لیا روزہ دار یا پی لیا یا صحبت کرلی بھول کر یا احتلام ہو گیا یا دیکھنے کے باعث انزال ہو گیا یا تیل یا سینگی یا سرمہ لگایا یا بوسہ لے لیا

بِخِلاَفِ الْاِنْزَالِ اَوْدَخَلَ فِیْ حَلْقِهٖ غُبَارٌ اَوْ ذُبَابٌ وَهُوَ ذَاکِرٌ لِصَوْمِهٖ

بخلاف انزال کے اسکے باعث یا داخل ہو گیا اس کے حلق میں غبار یا مکھی درانحالیکہ روزہ اس کو یاد ہے

اَوْ اَکَلَ مَا بَیْنَ اَسْنَانِهٖ اَوْقَاءَ وَعَادَ لَمْ یُفْطِرْ

یا کھا گیا اس چیز کو جو اس کے دانتوں میں لگی ہوئی تھی یا قے آئی اور لوٹ گئی تو روزہ افطار نہ کرے۔

توضیح اللغۃ: ادہن: تیل لگایا، احتجم: پچھنا لگوایا، اکتحل: سرمہ لگایا، قبل: بوسہ لیا، ذباب: مکھی، اسنان: دانت۔

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ انواع صوم کے بعد مفسدات وغیر مفسدات صوم کا بیان ہے۔ کیونکہ یہ عوارض میں سے ہے۔ اس لئے ان کو مؤخر کیا ہے۔ مفسدات کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جس سے صرف قضا لازم ہو۔ دوم وہ جس سے قضا اور کفارہ دونوں لازم ہوں۔ غیر مفسدات کی بھی دو قسمیں ہیں ایک وہ جس کا کرنا مباح ہے دوم وہ جس کا کرنا مکروہ ہے۔ ہر ایک کی تفصیل آگے آ رہی ہے یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ عبادت میں فساد اور بطلان دونوں برابر ہیں۔ ہاں معاملات میں فرق ہے۔ اور وہ یہ کہ اگر معاملہ کا کچھ اثر مرتب نہ ہو تو بطلان ہے۔ مثلاً کوئی شخص مردار کو فروخت کردے تو اس سے ملک ثابت نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ بیع باطل ہے اور اگر اثر مرتب ہو تو پھر اگر شرعاً اس کا فسخ مطلوب ہو تو یہ فساد ہے جیسے کوئی غلام کو شرط فاسد کے ساتھ بیچ ڈالے اور مشتری کے حوالہ کردے تو مشتری اس کا مالک ہو جاتا ہے لیکن دونوں کے ذمہ اس کو فسخ کرنا ضروری ہے۔ پس یہ بیع فاسد ہوتی اور اگر شرعاً فسخ مطلوب نہ ہو تو یہ صحت ہے۔

قولہ لم یفطر الخ فان اکل سے آخر تک جو تیرہ چیزیں ذکر کی گئیں ہیں ان سب میں روزہ افطار نہ کرے کیونکہ ان سے روزہ نہیں جاتا۔ البتہ بھول کر کھانے پینے اور جماع کرنے سے امام مالک کے نزدیک روزہ جاتا رہے گا اور قیاس بھی یہی ہے۔ کیونکہ یہ تینوں روزہ کی ضد ہیں پس یہ ایسا ہوگیا جیسے بھول کر نماز میں گفتگو کرنا کہ ہمارے نزدیک بھی مفسد صلوٰۃ ہے وجہ استحسان حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے ''اس شخص سے جس نے بھول کر کھاپی لیا تھا اپنے روزہ کو پورا کر کیونکہ تجھے اللہ نے کھلایا پلایا ہے[1]'' اور جماع کھانے پینے کیطرح ہے کیونکہ رکنیت میں تینوں برابر ہیں بخلاف نماز کے کہ اس کی ہیئت یاد دہانی کرنے والی ہے۔ احتلام سے اور پچھنے لگوانے سے اور قے سے روزہ نہ جانے کیوجہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''تین چیزیں روزہ کو نہیں توڑتیں قے اور حجامت اور احتلام[2]'' تیل اور سرمہ لگانے سے اور بلا انزال بوسہ لینے سے روزہ اس لئے نہیں ٹوٹتا کہ یہ چیزیں روزہ کے منافی نہیں' رہا حلق میں غبار اور مکھی کا چلا جانا سو قیاس کی رو سے تو روزہ ٹوٹ جانا چاہئے۔ کیونکہ وصول مفطرات مفسد صوم ہے۔ لیکن استحساناً روزہ فاسد نہ ہوگا۔ کیونکہ ان چیزوں سے احتراز ناممکن ہے۔ اور دانتوں کے درمیان کھانے کے اٹکے ہوئے اجزاء دانتوں کے تابع ہیں اور ان کا حکم لعاب دہن جیسا ہے۔

فَقَط	قَضٰی	اَوْ حَدِیْداً (۴)	حَصَاۃٍ	اَوِ ابْتَلَعَ (۳)	اَوِ اسْتَقَآءَ	اَعَادَہٗ	وَاِنْ
اور اگر اس نے خود لوٹائی یا جان بوجھ کر قئے کی یا کنکر یا لوہا وغیرہ نگل گیا تو صرف قضاء کرے۔							

موجباتِ قضاء کا بیان

توضیح اللغۃ: اعادہ: لوٹا دیا' استقاء: قصداً قے کی' ابتلع: نگل گیا۔ حصاۃ: کنکری' حدید: لوہا۔

تشریح الفقہ: قولہ وان اعادہ الخ اور اگر قے آئی اور اس نے از خود حلق کی طرف لوٹا دی یا قصداً قے کی یا کوئی کنکری لوہا وغیرہ نگل گیا تو اس کا روزہ فاسد ہوگیا لیکن صرف قضا واجب ہوگی نہ کہ کفارہ۔ کیونکہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ''جس شخص کو قے آجائے اس پر قضا نہیں قضا اس پر ہے جو جان بوجھ کر قے کرے'' (ائمہ اربعہ' حاکم' ابو یعلی' ابن ابی شیبہ عن ابی ہریرۃ مرفوعاً' مالک' عبد الرزاق عن ابن عمر موقوفاً) نیز ان صورتوں میں صورت فطر ہے نہ کہ معنی فطر لہٰذا صرف قضا واجب ہوگی۔ پھر امام ابو یوسف کے یہاں قے کے لوٹنے اور لوٹانے کے مفسد ہونے میں اصل یہ ہے کہ اس کا خروج ہو یعنی منہ بھر کر ہو۔ اور امام کے نزدیک اصل یہ ہے کہ اس میں روزہ دار کے فعل کو دخل ہو یعنی وہ خود لوٹائے خواہ منہ بھر کر ہو یا اس سے کم ہو پس اگر منہ بھر سے کم قے آئی اور لوٹ گئی تو بالاتفاق روزہ فاسد نہ ہوا۔ امام ابو یوسف کے نزدیک اسلئے کہ وہ خارج نہیں کیونکہ منہ بھر سے کم ہے اور امام محمد کے نزدیک اس لئے کہ اس میں روزہ دار کا فعل نہیں پایا گیا اور اگر منہ بھر ہو اور لوٹائی جائے تو بالاتفاق روزہ فاسد ہوگیا۔ کیونکہ امام ابو یوسف کی اصل منہ بھر ہونا اور امام محمد کی اصل لوٹانا دونوں پائی گئیں اور اگر منہ بھر سے کم ہو اور لوٹائی جائے تو امام محمد کے نزدیک روزہ فاسد ہو جائے گا۔ کیونکہ لوٹانا پایا گیا۔ امام ابو یوسف کے نزدیک فاسد نہ ہوگا۔ کیونکہ منہ بھر سے کم قے خارج نہیں ہوئی اور اگر منہ بھر ہو اور لوٹ جائے تو امام ابو یوسف کے نزدیک روزہ فاسد ہوگیا اور امام محمد کے نزدیک فاسد نہیں ہوا اور یہی صحیح ہے کیونکہ نہ تو صورت فطر پائی گئی یعنی خود نگلنا اور نہ معنی فطر کیونکہ قے سے غذائیت حاصل نہیں کی جاتی۔

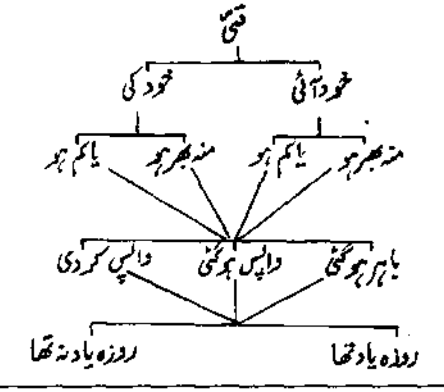
(السراج الوہاج)

(۱) صحاح ستہ، ابن حبان، دار قطنی، بزار، بیہقی عن ابی ہریرۃؓ بالفاظ مختلفہ ۱۲۔

(۲) ترمذی، بیہقی، ابن حبان، ابن ابی شیبہ، دار قطنی، ابن عدی عن الخدری، بزار، ابن عدی عن ابن عباس، طبرانی عن ثوبان ۱۲۔

(۳) انما عبر بہ دون الاکل لانہ عبادۃ عن ایصال مایتأتی فیہ المضغ ہو ولا یتأتی فی الحصاۃ بحر الرائق۔ (۴) وکذا کل مالا یتغذی بہ ولا یتداوی بہ کالحجر والتراب والدقیق علی الاصح والارز والعجین والملح الا اذا اعتاد اکلہ وحدہ ولا فی النواۃ والقطن والکاغذ والسفر جل اذا لم یدرک ولا ہو مطبوخ ولا فی ابتلاع الجوزۃ الرطبۃ وتجب لو مضغہا او مضغ الیابسۃ لان ابتلعہا وکذا یابس اللوز والبندق والفستق ان ابتلعہ لا تجب وان مضغہ وجبت (الکفارۃ) کما تجب فی ابتلاع اللوزۃ الرطبۃ لانہا تؤکل کما ہی بخلاف الجوزۃ وابتلاع التفاحۃ کاللوزۃ والرمانۃ والبیضۃ کالجوزۃ وفی ابتلاع البطیخۃ الصغیرۃ والخوخۃ الصغیرۃ والبلیلجۃ روی عن محمد وجوب الکفارۃ ۱۲ بحر الرائق۔

فائدہ: مسئلہ قے کی چوبیس صورتیں ہیں کیونکہ قے یا تو خود آئے گی یا روزہ دار جان بوجھ کر کریگا پھر منہ بھر کر ہوگی یا کم بر ہر چہارم تقدیر یا باہر ہو جائے گی لوٹ جائے گی یا روزہ دار لوٹائے گا پھر ہر صورت میں روزہ یاد ہوگا یا نہ ہوگا ان سب صورتوں میں روزہ فاسد نہیں بجز اس صورت کے کہ قے منہ بھر ہو اور جان بوجھ کر لوٹا لیجائے اور روزہ یاد ہو ان چوبیس صورتوں کی تفصیل نقشہ ہذا سے معلوم کی جا سکتی ہے۔
محمد حنیف غفرلہ گنگوہی



وَمَنْ جَامَعَ اَوْجُوْمِعَ اَوْ اَكَلَ اَوْ شَرِبَ غِذَآءً اَوْدَوَآءً عَمَدًا قَضٰى وَكَفَّرَ كَكَفَّارَةِ الظِّهَارِ

اور جس نے صحبت کی یا صحبت کر لی گئی یا کھالی یا پی لی غذا یا دوا جان کر تو قضا کرے اور کفارہ دے ظہار کا سا کفارہ

موجبات قضا و کفارہ کا بیان

تشریح الفقہ: **قولہ ومن جامع الخ** اگر کوئی شخص جان بوجھ کر جماع کر لے تو جمہور کے نزدیک اس پر فوت شدہ مصلحت (قہر نفس کے) تدارک کی خاطر قضا بھی لازم ہے اور کمال[1] جنایت کیوجہ سے کفارہ بھی لازم ہے امام شعبی، نخعی، سعید بن جبیر، زہری، ابن سیرین کفارہ کے قائل نہیں۔ حدیث اعرابی جو ائمہ ستہ نے روایت کی ہے وہ ان پر حجت ہے۔

قولہ او اکل الخ اگر کسی نے عمداً کوئی ایسی چیز کھالی جو عادۃً بطور غذا یا بطور دوا استعمال کی جاتی ہے بالفاظ دیگر اس کا استعمال بدن کے لئے نفع بخش[2] ہے تو اس پر قضا اور کفارہ دونوں ضروری ہیں کیونکہ عہد نبوی میں ایک شخص نے عمداً روزہ افطار کر لیا تھا آنحضرت ﷺ نے اس کو حکم فرمایا تھا کہ یا تو غلام آزاد کرے یا دو ماہ پے در پے روزے رکھے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے[3] امام اوزاعی قضا کے اور امام شافعی واحمد کفارہ کے قائل نہیں کیونکہ جماع کرنے پر کفارہ کا مشروع ہونا خلاف قیاس ہے کیونکہ توبہ کے ذریعہ گناہ معاف ہو جاتا ہے لہٰذا غیر جماع اس پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ کفارہ کا تعلق جنایت افطار سے ہے جو عمداً کھانے پینے کی صورت میں علی وجہ الکمال متحقق ہے رہا توبہ کے ذریعہ گناہ کا معاف ہونا سو اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت نے اس جنایت کا کفارہ اعتاق قرار دیا ہے معلوم ہوا کہ توبہ سے یہ گناہ معاف نہ ہوگا۔ جیسے چوری اور زنا کا گناہ صرف توبہ سے معاف نہیں ہوتا۔

قولہ ككفارة الخ عمداً روزہ افطار کرنے پر جو کفارہ لازم ہوتا ہے کفارہ ظہار کے مثل ہے۔ حدیث میں ہے کہ "ایک دیہاتی نے حضور کی خدمت میں آ کر عرض کیا: یا رسول اللہ! میں تو ہلاک ہو گیا آپ نے فرمایا کیا ہوا؟ اس نے کہا: ماہ رمضان میں دن میں اپنی بیوی سے عمداً صحبت کر لی۔ آپ نے فرمایا: ایک غلام آزاد کرو، اس نے کہا: میں تو صرف اپنی گردن کا مالک ہوں (یعنی مجھ میں اس کی ہمت نہیں) آپ نے فرمایا: دو مہینے لگاتار روزے رکھ: اس نے کہا۔ روزہ ہی کیوجہ سے تو اس ہلاکت میں مبتلا ہوا ہوں، آپ نے فرمایا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا، اس نے کہا: میں تو ایک وقت کا بھی کھانا نہیں پاتا (ساٹھ کو کہاں سے کھلاؤں) آپ نے پندرہ صاع کھجوروں کی ایک زنبیل منگوائی اور فرمایا: یہ مسکینوں پر تقسیم کر دے اس نے کہا: بخدا مدینہ کے اس کونے سے اس کونے تک مجھ سے اور میرے اہل وعیال سے

(۱) وہی ایلاج الفرج فی الفرج ۱۲ (۲) نفع تقویت بدن ہو یا لذت یا اصلاح ضرر ۱۲ (۳) صحیحین، دار قطنی عن ابی ہریرہ ۱۲

زیادہ کوئی محتاج نہیں۔ یہ سن کر آپ نے تبسم کیا اور فرمایا: اچھا تو ہی کھالے[1] (ائمہ ستہ)۔

(فائدہ اولی): مصنف نے کلکفارۃ الظہار میں اس کاف حرف تشبیہ سے یہ بتایا ہے۔ کہ کفارہ ظہار کی طرح کفارہ صوم میں بھی ترتیب ہے یعنی اولاً غلام آزاد کرے یہ نہ ہو سکے تو دو ماہ کے روزے رکھے یہ بھی نہ ہو سکے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے گویا اس میں ان لوگوں پر رد ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ان تینوں میں اختیار ہے۔ اور ان پر بھی جو ساٹھ روزوں کے پے در پے ہونے کی نفی کرتے ہیں۔

(فائدہ ثانیہ): جن روزوں میں تتابع ضروری ہے وہ چار قسم کے ہیں کفارہ صوم، کفارہ قتل، کفارہ ظہار، کفارہ یمین، ان کے علاوہ قضا رمضان، صوم متعہ، کفارہ حلق، کفارہ جزاءِ صید میں تتابع ضروری نہیں۔ اور قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جس کفارہ میں غلام آزاد کرنا مشروع ہے اس میں تتابع ضروری ہے۔ اور جس میں یہ مشروع نہیں اس میں تتابع بھی ضروری نہیں۔ (کذا فی النہایہ)۔

تنبیہ: صاحب ہدایہ نے جو تخییر بین الثلاث (اعتاق رقبہ، صوم، اطعام) کو امام شافعی کی جانب اور نفی تتابع کو امام مالک کی جانب منسوب کیا ہے یہ موصوف کی بھول ہے۔ کیونکہ احناف کی طرح امام شافعی بھی ترتیب کے قائل ہیں جیسا کہ امام غزالی کی ''وجیز وخلاصہ'' میں اور شیخ الاسلام وفخر الاسلام کی مبسوط میں مصرح ہے۔ نیز منکر تتابع ابن ابی لیلی وغیرہ ہیں نہ کہ امام مالک فسبحان ربی لایضل ولاینسی۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

وَلاَ كَفَّارَةَ بِالْإِنْزَالِ فِيْمَا دُوْنَ الْفَرْجِ وَبِإِفْسَادِ صَوْمِ غَيْرِ رَمَضَانَ وَاِنِ احْتَقَنَ اَوِ اسْتَعَطَ

اور نہیں ہے کفارہ انزال کرنے سے شرمگاہ کے سوا میں اور رمضان کے سوا روزہ توڑنے سے اور اگر حقنہ کرالے یا ناک میں دوا چڑھائے

اَوْ اَقْطَرَ فِيْ اُذُنِهٖ اَوْدَاوٰى جَآئِفَةً اَوْاٰمَّةً بِدَوَآءٍ رَطْبٍ وَوَصَلَ اِلٰى جَوْفِهٖ اَوْدِمَاغِهٖ اَفْطَرَ وَاِنْ اَقْطَرَ فِيْ اِحْلِيْلِهٖ لاَ

یا کان میں دوا ٹپکائے یا علاج کرے زخم شکم یا زخم دماغ کا اور پہنچ جائے دوا پیٹ میں یا دماغ میں تو افطار کرے اور اگر پیشاب گاہ کے سوراخ میں دوا ڈالی

وَكُرِهَ ذَوْقُ شَيْءٍ وَمَضْغُهٗ بِلاَعُذْرٍ وَمَضْغُ الْعِلْكِ لاَ كُحْلٌ وَدُهْنُ الشَّارِبِ وَالسِّوَاكُ وَالْقُبْلَةُ اِنْ اَمِنَ

تو نہیں اور مکروہ ہے کسی چیز کا چکھنا اور چبانا بلا عذر اور گوند کا چبانا نہ کہ سرمہ لگانا مونچھوں کو تیل ملنا، مسواک کرنا اور بوسہ لینا بشرطیکہ مامون ہو۔

توضیح اللغۃ: احتقن: پیٹ صاف کرنے کے لئے پاخانہ کے مقام سے دوا چڑھانا، استعط: ناک میں دوا چڑھانا، جائفہ: ضرب جو پیٹ تک پہنچ جائے۔ آمۃ زخم جو دماغ تک پہنچ جائے۔ احلیل پیشاب نکلنے کا سوراخ، مضغ: چبانا، علک گوند، کحل: سرمہ، شارب: مونچھ، قبلۃ: بوسہ۔

تشریح الفقہ: **قولہ ولا کفارۃ الخ** مادون الفرج سے مراد بول و براز کے مقام کے علاوہ ہے۔ جیسے پیٹ، ران، بغل وغیرہ فی المغرب ''الفرج قبل الرجل والمرۃ'' مطلب یہ ہے کہ قبل و دبر کے علاوہ دیگر مقام پیٹ، ران وغیرہ میں انزال کرنے سے کفارہ لازم نہیں۔ کیونکہ اس طرح انزال کرنے سے صورۃً جماع نہیں ہے۔ لیکن اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا۔ کیونکہ معنیٔ جماع موجود ہے نیز ادا رمضان کے علاوہ کسی اور روزہ کے ختم کر دینے سے بھی کفارہ لازم نہیں کیونکہ رمضان کا روزہ توڑنا عظیم ترین گناہ ہے کہ اس میں رمضان کی بے حرمتی ہے۔ پس رمضان کے علاوہ دوسرے روزوں کو اس کے ساتھ لاحق نہیں کیا جا سکتا نہ قیاساً نہ دلالۃً۔

قولہ واذا احتقن الخ اگر کسی نے حقنہ کرایا یا ناک میں دوا چڑھائی یا کان میں دوا وغیرہ کا قطرہ ٹپکایا پیٹ کے زخم میں دوا لگائی اور وہ پیٹ میں پہنچ گئی یا دماغ کے زخم میں دوا لگائی اور وہ دماغ تک پہنچ گئی تو ان سب صورتوں میں اس کا روزہ ٹوٹ گیا کیونکہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''انما الافطار مما دخل ولیس مما خرج''[2]

قولہ وکحل الخ روزہ کی حالت میں سرمہ لگانا مکروہ نہیں خواہ سرمہ اثمد ہو یا صبر کیونکہ یہ تو ایک قسم کا انتفاع ہے۔ جو روزہ کے منافی

(۱) فی روایۃ لابی داؤد وقال الزہری انما کان ہذا رخصۃ ولو ان رجلا فعل ذلک الیوم لم یکن لہ بد من التکفیر ۱۲۔

(۲) ابویعلیٰ، طبرانی عن عائشۃ مرفوعاً، عبدالرزاق وعن ابن مسعود، ابن ابی شیبہ عن ابن عباس موقوفاً۔۱۲

نہیں۔ عطاء حسن بصری، نخعی، اوزاعی، ابوثور، ابوحنیفہ سب کا یہی قول ہے۔ ابن المنذر نے امام شافعی سے بھی بلا کراہت جواز نقل کیا ہے۔ البتہ سفیان ثوری، ابن المبارک، احمد، ابن راہویہ کراہت کے قائل ہیں، امام مالک اور امام احمد سے ایک روایت ہے کہ اگر حلق میں سرمہ کا مزہ آجائے تو روزہ ختم ہو جائے گا، سلیمان تیمی، سلیمان ابن المعتمر، ابن ابی شیبہ، ابن ابی لیلیٰ کے نزدیک اکتحال علی الاطلاق مبطل صوم ہے، حافظ قتادہ اثمد کو جائز اور صبر کو مکروہ کہتے ہیں۔[1]

قوله وسواک الخ روزہ کیحالت میں مسواک کرنا کیسا ہے؟ اس میں چند اقوال ہیں (۱) مسواک تر ہو یا خشک زوال سے پہلے کرلے یا بعد میں، امام ابوحنیفہ، نخعی، ابن سیرین، ثوری، اوزاعی، ابن عیینہ کے نزدیک مکروہ نہیں۔ حضرت علی، ابن عمر، مجاہد، سعید بن جبیر، عطاء سے یہی مروی ہے (۲) امام شافعی ابوثور فرماتے ہے کہ زوال کے بعد مکروہ ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ "جب تم روزہ رکھو تو زوال سے پہلے مسواک کرو۔ زوال کے بعد نہ کرو۔ کیونکہ جب روزہ دار کے ہونٹ خشک ہو جائیں تو قیامت کے روز اس کیلئے ایک نور ہوگا"[2] نیز زوال کے بعد مسواک کرنے سے اثر محمود یعنی بوئے دہن جو اللہ کو مشک سے بھی زیادہ پسندیدہ ہے زائل ہو جاتی ہے پس یہ دم شہید کے مشابہ ہے۔ ہماری دلیل آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے "**خلال الصائم السواک**"[3] روزہ دار کی بہترین خصلت مسواک کرنا ہے نیز حضرت عامر بن ربیعہ کی حدیث ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو روزہ کی حالت میں مسواک کرتے ہوئے اتنی مرتبہ دیکھا ہے۔ کہ شمار نہیں کرسکتا۔ امام شافعی[4] نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے اس میں ابوعمرو کیسان القصاب راوی ضعیف ہے جو قابل حجت نہیں۔ عقلی دلیل کا جواب یہ ہیکہ بوئے دہن عبادت کا اثر ہے جس کو مخفی رکھنا ہی مناسب ہے بخلاف دم شہید کے کہ وہ ظلم کا اثر ہے۔ علاوہ ازیں خلوف سے مراد وہ بو ہے جو خلو معدہ کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اور وہ مسواک کرنے سے زائل نہیں ہوتی۔ (۳) عصر کے بعد مکروہ ہے یہ حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے (۴) فرض روزہ میں زوال کے بعد مکروہ ہے یہ قول مسعودی نے امام احمد کا اور صاحب معتمد نے قاضی حسین شافعی کا نقل کیا ہے۔ (۵) تر و تازہ مسواک مکروہ ہے نہ کہ خشک قبل از زوال ہو یا بعد زوال یہ قول امام مالک کا ہے۔

لِمَنْ خَافَ زِيَادَةَ الْمَرَضِ الْفِطْرُ وَلِلْمُسَافِرِ وَصَوْمُهُ⁽⁵⁾ اَحَبُّ اِنْ لَّمْ يَضُرُّهُ

(فصل) جائز ہے اس کیلئے جو زیادتی مرض کا خوف رکھتا ہو افطار کرنا اور مسافر کے لئے اور اس کا روزہ رکھنا زیادہ پسندیدہ ہے اگر مضر نہ ہو۔

مبیح افطار عوارض کا بیان

تشریح الفقہ: **قوله فصل الخ** فساد صوم کے بعض احکام تو ایسے ہیں جو ہر روزہ کو شامل ہیں۔ فرض ہو یا نفل، رمضان کا ہو یا غیر رمضان کا اور بعض احکام ایسے ہیں جو بعض روزوں کیساتھ خاص ہیں، حکم عام یہ ہے کہ بلا عذر روزہ فاسد کرنے سے گنہگار ہوگا کیونکہ ابطال عمل بلا عذر حرام ہے۔ قال تعالیٰ "**ولا تبطلوا اعمالکم**" اور اگر کسی عذر مبیح کیوجہ سے افطار کیا تو گنہگار نہ ہوگا معلوم ہوا کہ اختلاف عذر کے سبب سے حکم مختلف ہو جاتا ہے پس ان اعذار کا معلوم ہونا ضروری ہوا جس کی وجہ سے گناہ ساقط اور مواخذہ ختم ہو جاتا ہے۔ اور "عرض لہ عارض" اس کو کوئی آفت پہنچ گئی یعنی مرض یا سفر وغیرہ پیش آگیا۔ (ضیاء العلوم) باب صوم میں جن عوارض کا تذکرہ آتا ہے وہ آٹھ ہیں مرض، سفر، اکراہ، رضاع، حمل، بھوک، پیاس، کبرسنی بعض نے نواں عذر غازی کا دشمن کیساتھ قتال کرنا اور زائد کیا ہے کیونکہ اگر غازی کو اس کا اندیشہ ہو کہ روزہ رکھنے سے لڑ نہ سکے گا تو اس کیلئے افطار جائز ہے۔ علامہ شامی نے ان جملہ اعذار کو اس بیت میں قلمبند کیا ہے۔

حمل وارضاع واکراہ وسفر
مرض جہاد جوعہ عطش کبر

---

(۱) وفی سنن ابی داؤد عن الاعمش مارأیت احدا من اصحابنا یکرہ الکحل للصائم ۱۲۔ (۲) طبرانی عن خباب مرفوعاً ۱۲۔ (۳) ابن ماجہ دارقطنی عن عائشہ مرفوعاً ۱۲۔ (۴) احمد، اسحاق، ابوداؤد، ابویعلی، بزار، طبرانی، دارقطنی مرفوعاً (۵) ولو قال وصومھا احب اہ لکان اولی لشمولہ۔ بحر ۱۲

قوله لمن خاف الخ جس شخص کو روزہ رکھنے سے مرض بڑھ جانے کا اندیشہ ہو اس کے لئے افطار کرنا جائز ہے۔ قال تعالیٰ "**فمن کان منکم مریضاً** اہ اس آیت میں ہر مریض کیلئے افطار کی اجازت ہے اور ظاہر ہے کہ افطار کا مشروع ہونا دفع حرج کیلئے ہے اور تحقق حرج کا مدار زیادتی مرض پر ہے جس کی معرفت مریض کے اجتہاد سے ہوگی اجتہاد صرف وہم کا نام نہیں بلکہ غلبۂ ظن مراد ہے خواہ علامات کے ذریعہ سے ہو یا تجربہ سے یا مسلمان حاذق طبیب کے خبر دینے سے' امام شافعی کے نزدیک صرف زیادتی مرض کا خوف کافی نہیں بلکہ جب جان یا کسی عضو کے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہو تب افطار کر سکتا ہے جواز تیمم میں بھی انکے یہاں اسی کا اعتبار ہے ہم یہ کہتے ہیں کہ مرض کی زیادتی اور اس کا امتداد بھی بسا اوقات ہلاکت تک پہنچا دیتا ہے۔ لہٰذا اس سے بچنا ضروری ہے۔

قوله وللمسافر الخ اگر مسافر کو بحالت سفر روزہ رکھنا دشوار ہو تو احناف کے نزدیک اس کیلئے افطار کی اجازت ہے لقولہ تعالیٰ "**اوعلى سفرٍ فعدة من ايام اخر**" اور اگر باعث مشقت نہ ہو تو روزہ رکھنا بہتر ہے۔ لقولہ تعالیٰ "**وان تصوموا خير لكم**" حدیث میں ہے کہ "آپ کسی سفر میں تھے دیکھا کہ ایک شخص پر لوگ ازدحام کئے ہوئے ہیں اور پانی چھڑک رہے ہیں' آپ نے دریافت فرمایا: یہ کیسا مجمع ہے؟ لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! یہ شخص روزہ کی وجہ سے بیہوش ہو گیا آپ نے فرمایا: **ليس من البر الصيام في السفر**۔"(۱)

تنبیہ: صاحب ہدایہ نے ذکر کیا ہے کہ امام شافعی کے نزدیک مسافر کے لئے بہر صورت افطار افضل ہے۔ عام طور سے دیگر کتب احناف میں بھی یہی مذکور ہے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ ان کا قول بھی وہی ہے جو احناف کا ہے۔ شوافع کی کتابوں سے اسی کی تائید ہوتی ہے۔ مسافر کیلئے بہر حال افطار کا افضل ہونا تو امام احمد کا مذہب ہے۔ (عنایہ)

وَلاَ قَضَاءَ اِنْ مَاتَا عَلَيْهِمَا(۲) وَيُطْعِمُ(۳) وَلِيُّهُمَا لِكُلِّ يَوْمٍ كَالْفِطْرَةِ بِوَصِيَّةٍ وَقَضَيَا مَا قَدَرَا

اور نہیں ہے قضاء اگر مر جائیں سفر یا بیماری میں اور کھلائے ان کا ولی ہر دن فطرہ کے مثل وصیت کرنے سے اور قضاء کریں جتنے دن

بِلاَ شَرْطِ(۴) وَلاَءٍ فَاِنْ جَاءَ رَمَضَانُ قَدَّمَ الاَدَاءَ عَلَى الْقَضَاءِ

روزہ پر قادر ہو جائیں پے درپے رکھنے کی شرط کے بغیر پس اگر دوسرا رمضان آجائے تو ادا کو قضاء پر مقدم کرے

وَلِلْحَامِلِ وَالْمُرْضِعِ اِنْ خَافَتَا عَلَى الْوَلَدِ اَوِ النَّفْسِ

اور حاملہ اور دودھ پلانے والی کے لئے اگر ان کو جان کا یا بچہ کا اندیشہ ہو۔

تشریح الفقہ: قوله ولا قضاء الخ اگر مریض بیماری کی حالت میں اور مسافر سفر کی حالت میں مر جائے تو ان پر قضا نہیں کیونکہ وجوب قضاء کیلئے اتنا وقت ملنا ضروری ہے جس میں قضا ہو سکے۔ لقولہ تعالیٰ "**فعدة من ايام اخر**" اور انہوں نے اتنا وقت نہیں پایا لہٰذا قضاء واجب نہیں۔

قوله ويطعم الخ بیمار اور مسافر نے بیماری اور سفر کے بعد جتنے دن پائے ہوں ان میں سے ہر دن کے بدلہ میں ان کا ولی فدیہ ادا کرے۔ کیونکہ یہ لوگ آخر عمر میں ادائیگی سے عاجز ہو جانے کی بنا پر دلالۃً شیخ فانی کے ساتھ لاحق ہیں فدیہ کی مقدار وہی ہے جو صدقہ فطر کی ہے یعنی نصف صاع گیہوں یا ایک صاع کھجور یا جو وغیرہ لیکن اس فدیہ کی ادائیگی ولی یا وصی پر اس وقت ہے جب مرنے والے نے اس کی وصیت کی ہو امام شافعی کے یہاں وارث پر فدیہ کی ادائیگی ضروری ہے۔ مرنے والا وصیت کرے یا نہ کرے' اسی طرح فدیہ کی ادائیگی

(۱) صحیحین عن جابر' عبد الرزاق' احمد' طبرانی عن کعب بن عاصم بالمیم بدل لام التعریف۔۱۲ احمد' اسحاق' ابو داؤد' ابو یعلی' طبرانی' دار قطنی مرفوعاً۔۱۲۔

(۲) قید بہ لانہ لو صح المریض او اقام المسافر ولم یقض حتی مات لزمہ الایصاء بقدرہ ہو مصرح فی بعض نسخ المتن۔۱۲ بحر الرائق۔

(۳) ولو قال "ویطعم ولی من مات وعلیہ قضاء رمضان" لکان اشمل لان ہذا الحکم لا یخص المریض والمسافر ولا من افطر بعذر بل یدخل فیہ من افطر متعمدا او وجب القضاء علیہ (بحر) اجاب فی النہر بان من افطر متعمدا انوجوبہا علیہ بالاولی علی ان الفصل معقود للعوارض۔۱۲ منحہ

(۴) لاطلاق قولہ تعالیٰ "فعدة من ایام اخر" والذی فی قراءۃ ابیؓ "فعدة من ایام اخر متتابعة" غیر مشہور لا یزاد بمثلہ بخلاف قراءۃ ابن مسعود فی کفارۃ الیمین فانہا مشہورۃ فیزاد کذا فی النہایہ والکافی۔۱۲ بحر الرائق۔

ضروری ہے ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ فدیہ عبادت ہے اور عبادت میں اختیار کا ہونا ضروری ہے اس لئے وصیت کا ہونا ضروری ہے۔ پھر یہ وصیت ابتداء بترع کے درجہ میں ہوتی ہے اس لئے اس کا اعتبار ثلث مال سے ہوگا (وعند مالک واحمد من جمیع المال)۔

قوله كالفطرة الخ اس تشبیہ کا مقصد صرف مقدار فدیہ کو بیان کرنا ہے ہر دن کے روزہ کے عوض میں نصف صاع گیہوں یا کشمش یا ایک صاع کھجور یا جوادا کرے مطلقاً تشبیہ مقصود نہیں کیونکہ فدیہ بطریق اباحت بھی ادا ہو جاتا ہے اسی لئے مصنف نے ''ایتاء'' نہیں کہا بلکہ اطعام سے تعبیر کیا ہے۔ بخلاف صدقہ فطر کے کہ اس میں اباحت کافی نہیں تملیک ضروری ہے۔

قوله وللحامل الخ اگر حاملہ یا مرضعہ عورت کو اپنی جان یا بچہ کی ہلاکت کا اندیشہ ہو تو اس عذر کی وجہ سے افطار کر سکتی ہے اس کے بعد قضاء کرلے۔ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''ان اللّٰہ وضع عن المسافر الصوم وشطر الصلوٰة وعن الحامل والمرضع الصوم'' اور جب یہ عذر عند الشرع مقبول ہوا تو افطار کرنے پر کفارہ یا فدیہ واجب نہ ہوگا۔ سوال اندیشہ ہلاکت عذر ہے یہ تو صحیح ہے لیکن یہاں یہ عذر روزہ دار میں تو نہیں ہے کیونکہ اس کا تعلق تو بچہ سے ہے اور اس قسم کے عذر کا اعتبار نہیں ہوتا مثلاً کوئی شخص یہ کہے کہ اگر تو نے شراب نہیں پی تو تیرے باپ یا تیرے بیٹے کو قتل کر دونگا تو اس کے لئے شراب پینا جائز نہیں۔ جواب حاملہ اور مرضعہ بچہ کے تحفظ اور بچاؤ کی مامور ہیں اور بچہ کا تحفظ بلا افطار ہو نہیں سکتا کیونکہ گفتگو اسی صورت میں ہے کہ افطار نہ کرنے پر ہلاکت کا اندیشہ ہو لہٰذا وہ افطار کی بھی مامور ہیں۔

وَلِلشَّيْخِ الْفَانِيْ وَهُوَ يَفْدِيْ فَقَطْ وَلِلْمُتَطَوِّعِ بِغَيْرِ عُذْرٍ فِيْ رِوَايَةٍ وَيَقْضِيْ وَلَوْ بَلَغَ صَبِيٌّ اَوْ اَسْلَمَ كَافِرٌ

اور بہت بوڑھے کے لئے اور وہ صرف فدیہ دیدے اور نفلی روزے والے کے لئے بلا عذر ایک روایت میں اور قضاء کرے اگر بچہ بالغ یا کافر مسلمان ہو جائے

اَمْسَكَ بَقِيَّةَ يَوْمِهٖ وَلَمْ يَقْضِ شَيْئًا وَلَوْنَوَى الْمُسَافِرُ الْاِفْطَارَ ثُمَّ قَدِمَ وَنَوَى الصَّوْمَ فِيْ وَقْتِهٖ صَحَّ

تو باقی دن رکے رہیں اور قضاء نہ کریں اگر کسی مسافر نے افطار کی نیت کی پھر وہ اپنے یہاں آ گیا اور وقت کے اندر روزہ کی نیت کر لی تو یہ صحیح ہے

وَيَقْضِيْ بِاِغْمَآءٍ سِوٰى يَوْمٍ حَدَثَ فِيْ لَيْلَتِهٖ وَبِجُنُوْنٍ غَيْرِ مُمْتَدٍّ وَبِاِمْسَاكِهٖ بِلَانِيَّةِ صَوْمٍ

اور قضا کرے بیہوشی کی وجہ سے سوائے اس دن کے جس کی رات میں بیہوشی ہوئی ہے اور غیر ممتد جنون کی وجہ سے اور روزہ اور افطار کی نیت کئے بغیر

وَلَوْ قَدِمَ مُسَافِرٌ اَوْطَهُرَتِ الْحَآئِضُ اَوْتَسَحَّرَ بِظَنِّهٖ لَيْلاً وَالْفَجْرُ طَالِعٌ اَوْ اَفْطَرَ كَذٰلِكَ

رکے رہنے سے اگر مسافر وطن آ گیا یا حائضہ پاک ہوگئی یا رات سمجھتے ہوئے سحری کھالی حالانکہ صبح ہو چکی تھی یا اسی طرح افطار کر لیا

وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ اَمْسَكَ بَقِيَّةَ يَوْمِهٖ وَقَضٰى وَلَمْ يُكَفِّرْ كَاَكْلِهٖ عَمَدًا بَعْدَ اَكْلِهٖ نَاسِيًا

حالانکہ آفتاب موجود تھا تو باقی دن رکا رہے اور قضا کرے اور کفارہ نہ دے جیسے اس کا بھول کر کھانے کے بعد دانستہ کھالینا

وَنَآئِمَةٍ وَمَجْنُوْنَةٍ وُطِئَتَا

اور سوئی ہوئی اور دیوانی عورت جس سے صحبت کی گئی ہو کہ ان پر کفارہ نہیں۔

تشریح الفقہ: **قوله وللشيخ الخ** جو شخص اتنا بوڑھا ہو گیا ہو کہ کبر سنی کی وجہ سے روزہ رکھنے پر قادر نہ ہو تو اس کیلئے اجازت ہے کہ افطار کرلے اور ہر دن ایک مسکین کو کھانا کھلائے' امام مالک کے نزدیک اور ایک قول کے اعتبار سے امام شافعی کے نزدیک فدیہ بھی واجب نہیں۔ وجوب فدیہ کی دلیل یہ آیت ہے ''وعلى الذين يطيقو نه فدية طعام مسكين'' اس کے معنی یہ ہیں ''وعلى الذين يطيقو نه اه'' بایں معنی کہ یطیقونہ میں ہمزہ افعال سلب ماخذ عن الفاعل کے لئے ہے جیسے اشکیت یا کلام میں کلمہ لا مقدر ہے۔ جو اہل عرب کے کلام میں کثیر الوقوع ہے قال تعالیٰ ''يبين اللّٰه لكم ان تضلوا'' وجعل فيها رواسى ان تميدبكم'' اى ان لاتضلو ا'ان لاتميدبكم۔

(۱) اطلق الامساک ولم یبین صفتہ للاختلاف فیہ والاصح الوجوب لموافقتہ للدلیل وہو ما ثبت من امرہ علیہ الصلوٰة والسلام بالامساک لمن اکل فی یوم عاشوراء حین کان واجباً واطلق فی عدم القضاء فشمل ما اذا افطر فی ذلک الیوم او صام او سواء کان قبل الزوال او بعدہ لان الصوم لایتجزی وجوباً کما لایتجزی اداءً واہلیۃ الوجوب منعدمۃ فی اولہ فلا یجب۔ ۱۲۔ بحر الرائق۔

قولہ وللمتطوع الخ نفلی روزہ رکھنے والے کیلئے بھی افطار جائز ہے۔ خواہ عذر کی وجہ سے افطار کرے یا بلا عذر یہ روایت امام ابو یوسف کی ہے۔ ظاہر الراویہ کے اعتبار سے بلا عذر افطار کرنا جائز نہیں۔ اسی پر فتوی ہے۔ (کذا فی الکافی)

مصنف نے پہلی روایت کو اختیار کیا ہے کیونکہ روایت از روئے دلیل راجح تر ہے اسی لئے محقق علام ابن الہمام نے فتح القدیر میں اس کو اختیار کیا ہے۔ اور صاحب محیط نے اس کی تصحیح کی ہے لیکن دونوں روایتوں کے لحاظ سے افطار کے بعد قضا کرنا لازم ہے' امام شافعی اور امام احمد اس کے خلاف ہیں وہ یہ فرماتے ہیں کہ اس نے جتنا روزہ رکھا ہے اس میں وہ متبرع ہے پس جتنا حصہ باقی ہے وہ اس پر لازم نہیں۔ لقولہ تعالیٰ " ماعلی المحسنین من سبیل "۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ وہ جو کچھ ادا کر چکا وہ ایک عبادت اور عمل صحیح ہے۔ لہٰذا اس کو باطل ہونے سے محفوظ رکھنا ضروری ہے۔ **لقولہ تعالیٰ و لا تبطلوا اعمالکم۔**

(فائدہ اولی): مصنف نے نفلی روزہ کی قضا کو مطلق ذکر کیا ہے۔ جو افطار قصدی اور افطار غیر قصدی ہر دو کو شامل ہے۔ افطار قصدی تو ظاہر ہے۔ افطار غیر قصدی کی صورت یہ ہے کہ مثلاً ایک عورت نفلی روزہ رکھے ہوئے تھی کہ حیض آنا شروع ہو گیا تو اصح روایت کے لحاظ سے اس کو اس روزہ کی قضا کرنی چاہئے۔

(فائدہ ثانیہ): یہ بات تو اوپر معلوم ہوگئی کہ ظاہر الروایہ کے لحاظ سے بلا عذر افطار کرنا جائز نہیں۔ اب رہ جاتی ہے یہ بات کہ ضیافت عذر ہے یا نہیں سو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے بعض عذر مانتے ہیں اور بعض نہیں مانتے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ ضیافت عذر ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کا نفلی روزہ رکھنے والے کیلئے "افطر واقض یوماً مکانہ" فرمانا ثابت ہے۔ قاضی خاں نے شرح جامع صغیر میں اسی کی تصحیح کی ہے اور اسی کو کافی میں اظہر الاقوال مانا ہے۔ فتاوی ظہیریہ میں بعض مشائخ سے منقول ہے کہ اگر صاحب دعوت کو ترک افطار سے تکلیف نہ ہو بلکہ وہ مدعو کے صرف حاضر ہو جانے سے ہی خوش ہو جائے تو افطار نہ کرے ورنہ افطار کرلے۔ صاحب ذخیرہ فرماتے ہیں یہ سب کچھ اس وقت ہے جب زوال سے پیشتر ہو۔ زوال کے بعد افطار جائز نہیں الا یہ کہ ترک افطار میں والد یا والدہ کی نافرمانی لازم آئے۔

تنبیہ: مذکورہ بالا روایت "افطر واقض یوماً مکانہ" کے بارے میں علامہ انزاری کا یہ کہنا کہ حدیث نہیں ہے بلکہ اقوال صحابہ میں سے ہے۔ قطعاً غلط ہے۔ کیونکہ ابو داؤد طیالسی نے اس کو مسند میں ابو سعید خدری سے اور دار قطنی نے سنن میں حضرت جابر سے صحیح اسناد کیساتھ روایت کیا ہے' دار قطنی کے الفاظ یہ ہیں " کل وصم یوماً مکانہ " اس کے علاوہ وہ کتب ائمہ ثلاثہ' سنن ترمذی' مصنف عبد الرزاق' مؤطا مالک' صحیح ابن حبان' مسند بزار' معجم طبرانی' مصنف ابن ابی شیبہ میں اس کے مؤیدات موجود ہیں۔

قولہ ولو بلغ الخ اگر کوئی بچہ رمضان میں بالغ ہو گیا یا کوئی کافر اسلام لے آیا تو وہ احترام رمضان کے پیش نظر باقی دن مفطرات صوم سے رکے رہیں اور اس دن کی اور اس سے پیشتر ایام کی قضا نہ کریں۔ کیونکہ ان ایام میں ان پر روزہ لازم نہیں تھا۔ اس واسطے کہ اس وقت یہ فرعیات کے مخاطب نہیں تھے۔ امام ابو یوسف سے ایک روایت ہے کہ اگر بچپن اور کفر زوال سے پہلے زائل ہو جائے تو قضاء لازم ہے کیونکہ اس صورت مین ان کو نیت کا وقت مل گیا۔ ظاہر الروایہ کی وجہ یہ ہے کہ روزہ میں تجزی نہیں وجوباً اور نہ اداءً اور وجوب اہلیت اول وقت میں معدول ہے۔ لہٰذا قضا واجب نہیں البتہ اس صورت میں بچہ کیلئے مناسب یہ ہے کہ وہ نفل روزہ کی نیت کرلے کیونکہ وہ نیت کی اہلیت رکھتا ہے بخلاف کافر کے کہ اس میں نیت کی اہلیت نہیں۔

تنبیہ: روزہ کا جو مسئلہ اوپر مذکور ہوا یہ مسئلہ نماز کے خلاف ہے چنانچہ اگر کوئی بچہ نماز کے وقت کے اثنا میں یا آخر میں بالغ ہو جائے یا کوئی کافر اسلام لے آئے تو بالاتفاق اس پر نماز واجب ہے۔ ان دونوں مسئلوں میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ سبب وجوب صلوٰۃ وقت کا وہ

آخری جزء ہوتا ہے جوادا کیساتھ متصل ہوتا ہے اور اس میں اہلیت پائی گئی لہذا نماز واجب ہو جائے گی۔ اور سبب وجوب صوم جزء اول ہوتا ہے اور اس میں اہلیت مفقود ہے لہذا روزہ واجب نہ ہوگا یہاں سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ اہل اصول جو یہ کہتے ہیں کہ "واجب موقت میں کبھی وقت فعل مؤدی کا سبب اور ظرف ہوتا ہے جیسے وقت نماز اور کبھی اس کیلئے سبب و معیار ہوتا ہے جیسے وقت صوم۔ یہ قول مبنی بر تسائل ہے۔ کیونکہ اس کا مقتضی تو یہ ہے کہ ان دونوں قسموں میں سبب وجوب پورا وقت ہوتا ہے اور یہاں اس کے خلاف ثابت ہو گیا۔

فائدہ: بلوغ صبی اور اسلام کافر ان دونوں مسئلوں سے مصنف نے ایک قاعدہ کلیہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جس شخص کو رمضان میں شروع دن میں کوئی ایسا عذر ہو جو مانع وجوب صوم ہو یا اس کی وجہ سے افطار مباح ہو اور پھر وہ عذر زائل ہو جائے اور وہ شخص ایسی حالت میں ہو جائے کہ اگر اس حالت پر شروع دن میں ہوتا تو اس پر روزہ واجب ہو جاتا تو ایسے شخص کیلئے باقی دن مفطرات صوم سے رکے رہنا ضروری ہے مثلاً کوئی بچہ بالغ، کافر مسلمان ہو گیا یا حائضہ حیض سے پاک ہوگئی یا مسافر سفر سے واپس آ گیا۔ اسی طرح جس شخص پر سبب وجوب اور اہلیت کے پائے جانے کی بنا پر روزہ واجب ہوا پھر اس کا پورا کرنا متعذر ہو گیا مثلاً کسی نے جان بوجھ کر افطار کر لیا یا شک کے دن بحالت افطار صبح کی اس کے بعد رمضان ثابت ہو گیا یا صبح صادق نہ ہونے کے خیال سے سحری کھالی بعد کو معلوم ہوا کہ صبح ہو چکی تھی۔

فَصْلٌ وَمَنْ نَذَرَ صَوْمَ النَّحْرِ اَفْطَرَ وَقَضٰی وَاِنْ نَوٰی یَمِیْنًا کَفَّرَ اَیْضًا

(فصل) جو شخص نذر مان لے قربانی کے دن روزہ رکھنے کی تو افطار کرے اور قضاء کرے اور اگر قسم کی نیت کی تو کفارہ بھی دے

وَلَوْ نَذَرَ صَوْمَ هٰذِهِ السَّنَةِ اَفْطَرَ اَیَّامًا مَّنْهِیَّةً وَّهِیَ یَوْمُ الْعِیْدَیْنِ وَاَیَّامُ التَّشْرِیْقِ

اور اگر نذر مان لے کہ اس سال روزے رکھونگا تو ایام منہیہ یعنی عید و بقر عید اور ایام تشریق میں افطار کرے

وَقَضَاهَا لَا اِنْ شَرَعَ فِیْهَا ثُمَّ اَفْطَرَ

اور پھر ان کی قضاء کرے اور قضاء نہیں ہے اگر ان ایام میں روزہ شروع کر کے افطار کر لیا ہو۔

تشریح الفقہ: قولہ من نذر الخ منجانب اللہ واجب شدہ روزوں کے بیان سے فراغت کے بعد ان روزوں کا بیان ہے جن کو آدمی خود اپنے اوپر لازم کر لے جس کو نذر کہتے ہیں اگر کوئی شخص یوم نحر میں روزہ رکھنے کی نذر مان لے تو یہ صحیح ہے لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ اس دن روزہ نہ رکھے بلکہ بعد میں قضا کرے امام زفر و امام شافعی کے نزدیک نذر ہی صحیح نہیں وہ یہ فرماتے ہیں کہ یہ نذر بالمعصیۃ ہے کیونکہ ان ایام میں روزہ رکھنے کی ممانعت طبرانی وغیرہ کی حدیث سے ثابت ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ اس نے صوم مشروع کی نذر مانی ہے اسلئے نذر صحیح ہے۔ رہی ممانعت سو وہ اس لئے ہے کہ اس میں دعوت خداوندی سے اعراض لازم آتا ہے لہذا اس دن روزہ نہ رکھے بلکہ بعد میں قضا کر لے۔ اور اگر اس نے اسی دن روزہ رکھ لیا تب بھی ادا ہو جائے گا۔ لانہ اداہ کما التزمہ۔

قولہ وان نوی الخ اور اگر نذر کے ساتھ یمین کی بھی نیت کر لی اور پھر روزہ توڑ دیا تو قضا کیساتھ ساتھ کفارہ یمین بھی ادا کرے صاحب ہدایہ نے ذکر کیا ہے کہ اس مسئلہ میں چھ صورتیں ہیں۔ 1 نہ نذر کی نیت کی نہ یمین کی 2 صرف نذر کی نیت کی 3 نذر کی نیت کی اور یمین نہ ہونے کی نیت کی ان تینوں صورتوں میں نذر ہوگی۔ 4 یمین کی نیت کی اور نذر نہ ہونے کی اس صورت میں یمین ہوگی کیونکہ اس کے کلام میں یمین کا احتمال تھا جس کو اس نے اپنے ارادہ سے معین کر دیا۔ 5 نذر اور یمین دونوں کی نیت کی۔ طرفین کے نزدیک نذر اور یمین دونوں ہوں گی، امام ابو یوسف کے نزدیک صرف یمین ہوگی۔ 6 صرف یمین کی نیت کی اس صورت میں بھی طرفین کے نزدیک دونوں ہوں گی۔ امام ابو یوسف کے نزدیک صرف یمین ہوگی، انکی دلیل یہ ہے کہ "للہ علی" نذر میں حقیقت ہے اور یمین میں مجاز یہی وجہ ہے کہ نذر نیت پر موقوف نہیں اور یمین نیت پر موقوف ہے۔ پس یہ کلام نذر و یمین ہر دو کو شامل نہ ہوگا۔ ورنہ جمع بین الحقیقۃ والمجاز لازم آئیگا جو

جائز نہیں اس کی نظیر یہ ہے کہ ایک شخص اپنی بیوی سے "انت علی حرام" کہہ کر طلاق مراد لیتا ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ اور وہ اس سے یمین کا ارادہ کرے تو یمین ہو جائے گی۔ لیکن طلاق و یمیں دونوں ہو جائیں ایسا نہیں ہے۔ ہاں مجاز چونکہ نیت سے معین ہو جاتا ہے۔ اس لئے ۴ میں یمین ہوگی اور حقیقت و مجاز دونوں مراد ہونے کی صورت میں حقیقت کو ترجیح ہوگی۔ اس لئے ۵ میں نذر ہوگی۔ طرفین فرماتے ہیں کہ جہت نذر و جہت یمین میں کوئی منافات نہیں کیونکہ دونوں کا مقتضی وجوب ہے۔ بحز آنکہ نذر مقتضی وجوب لعینہ ہے اور یمین لغیرہ۔

قولہ ولو نذر الخ اگر کسی نے یہ نذر مانی کہ میں اس سال روزے رکھونگا تو وہ ایام منہیہ (عید و بقرعید اور ایام تشریق) میں روزے نہ رکھے بلکہ بعد میں قضا کرے کیونکہ پورے سال کی نذر میں یہ ایام بھی داخل ہیں جن کی نذر احناف کے نزدیک صحیح ہے' امام زفر و امام شافعی کے نزدیک قضا نہیں کیونکہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے" خبردار ان ایام میں روزے نہ رکھو کیونکہ یہ ایام تو کھانے پینے اور جماع کے ہیں[1]۔ احناف کی دلیل گذر چکی۔

(تنبیہ) مصنف کے قول "افطر" میں وجوبی افطار مراد ہے۔ چنانچہ مصنف نے اپنی کتاب "الکافی" میں اس کی تصریح کی ہے اور یہی صحیح ہے۔ اور صاحب نہایہ نے جو ایام منہیہ میں افطار کو افضل کہا ہے یہ موصوف کی بھول ہے۔

قولہ ولا قضا الخ اگر کسی نے ایام منہیہ میں روزہ رکھنے کے بعد توڑ دیا تو اس پر قضا نہیں کیونکہ قضا کا مدار اس پر ہے کہ فعل واجب شائبہ حرمت سے سلامت ہو اور ان میں روزہ رکھنا حرام ہے۔

بَابُ الاِعْتِكَافِ

باب اعتکاف کے بیان میں

سُنَّ لَبْثٌ فِيْ مَسْجِدِ جَمَاعَةٍ بِصَوْمٍ وَنِيَّةٍ وَاَقَلُّهُ نَفْلاً سَاعَةٌ وَالْمَرْأَةُ تَعْتَكِفُ فِيْ مَسْجِدِ بَيْتِهَا

مسنون ہے ٹھہرنا مسجد میں روزہ اور نیت کیساتھ اور نفلی اعتکاف کی کمتر مدت ایک ساعت ہے اور عورت اعتکاف کرے گھر کی مسجد میں

قولہ باب الخ اعتکاف کو صوم کے بعد لانے کی وجہ یہ ہے کہ اعتکاف کے لئے روزہ شرط ہے اور شرط مشروط پر مقدم ہوتی ہے' اعتکاف علف سے بروزن افتعال ہے۔ جو بقول صاحب نہایہ متعدی بھی آتا ہے اور لازم بھی۔ متعدی کا مصدر علف ہے اور لازم کا عکوف' متعدی بمعنی حبس آتا ہے قال تعالیٰ "والہدی معکوفا" اسی سے مسجد میں ٹھہرنے کو اعتکاف کہتے ہیں۔ اور لازم بمعنی کسی چیز طرف بطریق دوام متوجہ ہونا ہے۔ قال تعالیٰ "یعکفون علیٰ اصنام لہم" اصطلاح شرع میں اعتکاف نیت کیساتھ مسجد میں ٹھہرنے کو کہتے ہیں۔ پس ٹھہرنا رکن ہے اور مسجد میں ہونا' نیت کرنا' معتکف کا مسلمان ہونا' عاقل ہونا' جنابت اور حیض و نفاس سے پاک ہونا صحت اعتکاف کے لئے شرط ہے۔

قولہ سن الخ لفظ "سن" سے صفت اعتکاف اور "لبث" سے رکن اور "فی المسجد بصوم ونیۃ" سے شروط اعتکاف کی طرف اشارہ ہے صفت اعتکاف میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ بعض مالکیہ کا قول ہے کہ اعتکاف جائز ہے' ابن العربی شرح ترمذی میں کہتے ہیں کہ یہ ہمارے اصحاب کی نادانی ہے' مبسوط میں ہے کہ اعتکاف قربت مقصودہ ہے' قدوری نے اس کو مستحب کہا ہے۔ صاحب ہدایہ نے سنت مؤکدہ ہونے کی تصحیح کی ہے' محیط' بدائع' تحفہ میں اسی کو اختیار کیا گیا ہے۔ لیکن حق یہ ہے کہ اعتکاف نہ سنت ہے نہ مستحب بلکہ اس کی تین قسمیں ہیں۔ واجب جو بطریق نذر لازم کرلیا جائے۔ سنت مؤکدہ جو رمضان کے اخیر عشرہ میں ہوتا ہے۔ مستحب جو ان کے علاوہ ہو۔

(۲) کے مسنون ہونے کی دلیل "مواظبت نبی علیہ السلام" ہے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ "آپ رمضان کے اخیر عشرہ میں اعتکاف فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ دنیا سے رخصت ہوگئے۔ آپ کے بعد ازواج مطہرات نے اعتکاف کیا[2]" سوال بلا ترک بطریق مواظبت کی

(۱) طبرانی عن ابن عباس وابی ہریرۃ' دارقطنی عن عبداللہ بن حذیفہ' ابن ابی شیبہ' ابن راہویہ عن عمر بن خلدہ عن امہ' مسلم عن نبیشہ وکعب بن مالک وعائشہ' صحیحین عن عمر وابی سعید وابی ہریرہ بالفاظ مختلفہ ۱۲ (۲) صحیحین

وجہ سے تو واجب ہونا چاہیئے نہ کہ سنت' جواب اول تو حضور اکرم ﷺ سے بعض رمضانوں میں ترک اعتکاف ثابت ہے۔ صاحب لمعات نے اسی کو حق مانا ہے۔ دوم یہ کہ بعض صحابہ کا اعتکاف نہ کرنا اور اس پر کسی کا انکار نہ کرنا سنت کی دلیل ہے۔

قولہ فی المسجد الخ صحت اعتکاف کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ مسجد میں ہو کیونکہ حضرت ابن مسعودؓ سے حضرت حذیفہؓ سے فرمایا تھا" اما انا فقد علمت انہ لا اعتکاف الا فی مسجد جماعۃ[1]" مصنف نے مسجد کو مطلق ذکر کر کے یہ بتایا ہے کہ اعتکاف ہر مسجد میں ہو سکتا ہے۔ بعض حضرات نے اس کو صاحبین کا قول بتایا ہے۔ اسی کو امام طحاوی نے اختیار کیا ہے۔ اور یہی امام شافعی کا مذہب ہے۔ غایۃ البیان میں اس کی تصحیح بھی ہے کیونکہ قول باری" وانتم عاکفون فی المساجد" مطلق ہے۔ کسی مخصوص مسجد کی قید نہیں۔ لیکن فتاوی قاضیخان میں ہے کہ اعتکاف ہر ایسی مسجد میں صحیح ہے جس میں اذان و اقامت ہوتی ہو۔ خلاصہ اور خانیہ میں اس کی تصحیح ہے۔ اور صاحب ہدایہ نے جو یہ کہا ہے کہ" اعتکاف صحیح نہیں مگر مسجد جماعۃ میں" اس کا بھی یہی مطلب ہے۔ کیونکہ جس مسجد میں اذان و اقامت ہو وہی مسجد جماعت ہے' امام ابو یوسف سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ اعتکاف واجب مسجد جماعت کیساتھ مخصوص ہے۔ نفلی اعتکاف ہر مسجد میں ہو سکتا ہے۔ یہ تفصیل صحت کے لحاظ سے ہے۔ رہی افضلیت سو سب سے افضل مسجد حرام میں ہے پھر مسجد نبوی میں پھر بیت المقدس میں پھر مسجد جامع میں۔

قولہ بصوم الخ دوسری شرط یہ ہے کہ روزہ ہو کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ" لا اعتکاف الا بصوم[2]"۔ حضرت علیؓ' ابن عباسؓ' ابو عمرؓ' عائشہؓ' شعبی' نخعی' مجاہد' قاسم بن محمد' نافع' ابن المسیب' اوزاعی' زہری سب کا یہی مذہب ہے۔ امام مالک' ثوری' حسن بن حی اور امام شافعی کا قول قدیم بھی یہی ہے۔ امام احمد کا اور امام شافعی کا قول (جدید) یہ ہے کہ روزہ شرط نہیں' ابن مسعود' طاؤس' عمر بن عبد العزیز' داؤد' ابو ثور بھی یہی کہتے ہیں۔ کیونکہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت یہ ہے کہ" معتکف پر روزہ ضروری نہیں ہاں از خود رکھ لے تو اور بات ہے[3]"۔ نیز روزہ خود مستقل عبادت ہے وہ دوسرے کے لئے شرط کیسے ہو سکتا ہے۔ جواب روایت مذکورہ مرفوع نہیں موقوف ہے۔ اور حضرت عائشہؓ کی روایت مرفوع ہے۔ رہا قیاس سو نص کے مقابلہ میں قیاس مقبول نہیں ہوتا۔

(فائدہ) : احناف کے یہاں جو اعتکاف کیلئے روزہ شرط ہے یہ صرف اعتکاف واجب کیلئے ہے۔ یا نفلی کے لئے بھی؟ سو اول کے بارے میں تو باتفاق روایات روزہ شرط ہے اور حسن کی روایت پر نفلی کیلئے بھی شرط ہے لیکن روایت اصل کے اعتبار سے نفلی اعتکاف کیلئے روزہ شرط نہیں' مبسوط' شرح طحاوی' قاضی خاں' ذخیرہ' ظہیریہ' کافی' بدائع' نہایہ' غایۃ البیان' تبیین سب میں اس کی تصریح موجود ہے۔

وَلَايَخْرُجُ مِنْهُ اِلَّا لِحَاجَةٍ شَرْعِيَّةٍ كَالْجُمُعَةِ اَوْ طَبِيْعِيَّةٍ كَالْبَوْلِ وَالْغَائِطِ فَاِنْ خَرَجَ سَاعَةً بِلَا عُذْرٍ

اور نہ نکلے اس سے مگر حاجت شرعیہ کے لئے جیسے جمعہ یا حاجت طبعیہ کے لئے جیسے پیشاب پاخانہ پس اگر نکلا ایک ساعت کو بلا عذر

فَسَدَ وَاَكْلُهُ وَشُرْبُهُ وَمُبَايَعَتُهُ وَنَوْمُهُ فِيْهِ وَكُرِهَ اِحْضَارُ الْمَبِيْعِ وَالصَّمْتُ

تو اعتکاف فاسد ہوگیا اور اس کا کھانا پینا سونا خرید و فروخت مسجد میں ہوگا اور مکروہ ہے مبیع کو مسجد میں لانا اور خاموش رہنا

وَالتَّكَلُّمُ اِلَّا بِخَيْرٍ وَحَرُمَ الْوَطْئُ وَدَوَاعِيْهِ وَبَطَلَ بِوَطْئِهٖ

اور بات کرنا مگر نیک بات اور حرام ہے صحبت اور اس کے لوازم اور باطل ہوجائے گا صحبت کرنے سے

وَلَزِمَ اللَّيَالِيْ اَيْضًا بِنَذْرِ اعْتِكَافِ اَيَّامٍ وَلَيْلَتَانِ بِنَذْرِ يَوْمَيْنِ

اور لازم ہوجاتا ہے راتوں کا اعتکاف بھی دنوں کے اعتکاف کی نذر ماننے سے اور دو راتوں کا دو دنوں کی نذر ماننے سے

(۱) طبرانی عن النخعی' بیہقی عن عائشہ' ابن ابی شیبہ' عبد الرزاق عن علی ۱۲ (۲) ابو داؤد' دار قطنی' بیہقی عن عائشہ ۱۲ (۳) دار قطنی ۱۲

تشریح الفقہ: **قولہ ولایخرج الخ** معتکف کیلئے بلاضرورت مسجد سے نکلنا جائز نہیں اگر ایک ساعت کیلئے بھی باہر نکلا تو اعتکاف فاسد ہوگیا۔ البتہ حاجت شرعی جیسے جمعہ کی ادائیگی یا حاجت طبعی جیسے بول و براز اس سے مستثنیٰ ہے۔ کیونکہ صحاح ستہ میں حضرت عائشہ سے ثابت ہے کہ ''آنحضرت ﷺ اپنے معتکف سے ضرورت طبعیہ کے علاوہ کسی اور ضرورت سے نہیں نکلتے تھے۔ اور چونکہ جمعہ کی ادائیگی اہم جوائج دینیہ میں سے ہے جس کے لئے نکلے بغیر چارہ نہیں اس لئے یہ بھی مستثنیٰ ہے۔ امام شافعی کے نزدیک جمعہ کیلئے نکلنا بھی مفسد اعتکاف ہے۔

قولہ واکلہ معتکف کا کھانا پینا سونا اور بلا احضار مبیع خرید و فروخت کرنا سب مسجد میں ہوگا۔ کیونکہ احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ ''اعتکاف کے زمانہ میں مسجد ہی آنحضرت ﷺ کا ماوی ہوتا تھا' اگر ان امور کیلئے معتکف سے نکلے گا تو اعتکاف فاسد ہوجائے گا۔ امام مالک اور شوافع میں سے ابن شریح اسی کے قائل ہیں' امام مزنی اور اکثر شوافع کے یہاں کھانے پینے کیلئے نکلنے کی اجازت ہے۔

قولہ وکرہ الخ مسجد میں خرید و فروخت کا سامان حاضر کرنا مکروہ ہے۔ کیونکہ مسجد خالص خدا کیلئے ہے۔ اور مال و متاع حاضر کرنے میں مسجد کو حقوق العباد کیساتھ مشغول کرنا لازم آتا ہے۔ اعتکاف میں بالکل خاموش رہنا بھی مکروہ ہے۔ کیونکہ صوم سکوت ہماری شریعت میں قربت نہیں یہ تو شیوۂ مجوس ہے' معتکف کو چاہئے سنن و نوافل' اوراد و وظائف' تلاوت قرآن' قراءت حدیث' درس و تدریس' سیر نبی' قصص انبیاء' حکایات صالحین وغیرہ میں اپنے اوقات گزارے' معتکف کیلئے وطی اور دواعی وطی' (چھونا' بوسہ لینا وغیرہ) حرام ہے۔ اگر کریگا تو اعتکاف فاسد ہوجائے گا۔ جان بوجھ کر کرے یا بھول کر' دن میں کرے یا رات میں انزال ہو یا نہ ہو' کیونکہ وطی منافی اعتکاف ہے۔ قال تعالیٰ **ولاتباشروھن وانتم عاکفون فی المساجد۔**

قولہ ولزمہ الخ ایک شخص نے صرف ایام کو ذکر کیا اور کہا: للہ علی ان اعتکف ثلاثۃ ایام (اوثلاثین یوما) تو اس پر راتوں کا بھی اعتکاف لازم ہوگیا۔ کیونکہ ایام کو بطریق جمع ذکر کرنے سے اس کے مقابل کی راتیں بھی داخل ہوتی ہیں۔ کہا جاتا ہے ''مارأیتک منذ ایام'' میں نے تجھے بہت دن سے نہیں دیکھا۔ اس میں رات اور دن دونوں میں دیکھنے کی نفی مقصود ہے۔ اور اگر دو دن کے اعتکاف کے نذر مانی تو دو راتوں کا بھی اعتکاف لازم ہوگا۔ کیونکہ تثنیہ کا حکم جمع کی مانند ہوتا ہے۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

كِتَابُ الْحَجِّ

هُوَ زِيَارَةُ مَكَانٍ مَخْصُوْصٍ فِيْ زَمَانٍ مَخْصُوْصٍ بِفِعْلٍ مَخْصُوْصٍ فُرِضَ مَرَّةً عَلَى الْفَوْرِ

حج زیارت کرنا ہے ایک مخصوص جگہ کی خاص وقت میں خاص افعال کے ساتھ فرض کیا گیا ہے ایک بار ادا کرنا فوری طور پر

تشریح الفقہ: قولہ کتاب الحج الخ مصنف نے کتاب الحج کو کتاب الصوم سے مؤخر کیا ہے جس میں ترتیب حدیث صحیحین "بنی الاسلام علی خمس اھ" کی رعایت ملحوظ ہے روایت کے بعض طرق میں صوم مؤخر ہے۔ امام بخاری نے اسی پر اعتماد کرتے ہوئے حج کو صوم پر مقدم کیا ہے۔ صاحب بحر وغیرہ نے یہ توجیہ کی ہے کہ حج عبادت بدنیہ اور عبادت مالیہ دونوں سے مرکب ہے۔ اس لئے اس کو مؤخر کیا ہے کیونکہ مرکب مفرد سے مؤخر ہی ہوتا ہے مگر اس توجیہ پر علامہ رملی نے اعتراض کرتے ہوئے کہا ہے کہ حج محض عبادت بدنیہ ہے اور مال وجوب حج کیلئے شرط ہے نہ کہ جزء مفہوم پس حج کو مرکب کہنا صحیح نہیں۔

قولہ ھو زیارۃ الخ مستخلص، زیلعی، النہر الفائق وغیرہ میں ہے کہ حج کے لغوی معنی مطلق قصد وارادہ کے ہیں۔ لیکن صاحب بحر وصاحب فتح وغیرہ نے اس کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ حج کے معنی کسی عظیم الشان شئی کی طرف متوجہ ہونا ہے اور اس شعر سے استشہاد کیا ہے۔

واشهد من عوف حوولا كثيرة

يحجون بيت الزبرقان المز عفرا

ای یقصدونہ معظمین ایاہ ابن السکیت نے بھی حج کے اصل معنی یہی بتائے ہیں علامہ شامی فرماتے ہیں کہ جب اہل لغت نے حج کے معنی مطلق قصد کے لئے ہیں تو پھر صاحب فتح وغیرہ کا عظیم الشان شئی کے ساتھ مقید کرنا کیسے صحیح ہوسکتا ہے اس کے لئے کوئی نقل ہونی چاہئے۔ رہا شعر سے استشہاد سو اس سے مدعا ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس سے تو صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ شاعر نے لفظ حج کو اس کے بعض مدلولات میں استعمال کیا ہے۔ یہ ثابت نہیں ہوتا کہ لفظ حج مطلق قصد میں استعمال نہیں ہوتا۔ اصطلاح شرع میں حج کے معنی مخصوص افعال کیساتھ خاص زمانہ میں ایک خاص جگہ کی زیارت کرنا ہے۔ زیارت سے مراد طواف اور وقوف بعرفات ہے اور مکان مخصوص سے مراد بیت اللہ شریف اور جبل عرفات ہے پس حج افعال مخصوصہ (طواف فرض ووقوف) کا نام ہے جیسے صلوۃ افعال مخصوصہ (قیام، قراءت، رکوع، سجود) کا نام ہے۔

فائدہ: حج کی شرطیں تین قسم پر ہیں۔ شرط وجوب، شرط صحت، شرط ادا۔ وجوب کیلئے آٹھ شرطیں ہیں۔ اسلام، عقل، بلوغ، حریت، وقت، توشہ پر اور سواری پر قادر ہونا، فرضیت حج کا علم ہونا۔ مصنف نے پہلی اور آخری شرط کو ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ یہ دونوں ہر عبادت کیلئے شرط ہیں، ادائیگی کے لئے پانچ شرطیں ہیں۔ تندرستی بدن، موانع حسی کا نہ ہونا، راستہ کا مامون ہونا، عورت کے حق میں قیام عدت کا نہ ہونا۔ اس کے ساتھ شوہر کا یا ذی رحم محرم کا ہونا صحت کی چار شرطیں ہیں، احرام، وقت مخصوص، مکان مخصوص، اسلام۔ بعض نے احرام کی بجائے نیت کو ذکر کیا ہے۔

قولہ فرض الخ وجوب حج کی شرطیں متحقق ہوجانے کی بعد عمر میں ایک مرتبہ حج بیت اللہ فرض ہے قال تعالیٰ "وللہ علی الناس حج البیت اھ" حدیث میں ہے "خطبنا رسول اللہ ﷺ فقال یا ایہا الناس قد فرض علیکم الحج فحجوا"[1] عمر میں ایک مرتبہ فرض ہونے کی دلیل یہ ہے کہ جب آیت مذکورہ نازل ہوئی تو حضرت اقرع نے عرض کیا، یا رسول اللہ! حج ہر سال فرض ہے یا صرف ایک مرتبہ؟ آپ نے فرمایا صرف ایک مرتبہ[2] نیز فرضیت حج کا سبب بیت اللہ ہے جس میں تعدد نہیں اور اصول میں یہ بات طے شدہ ہے کہ سبب میں تکرر نہ ہونے سے مسبب میں تکرر نہیں ہوتا۔

قولہ علی الفور الخ جب کسی پر حج فرض ہوجائے تو امام ابو یوسف، احمد، کرخی کے نزدیک فوری طور پر ادا کرنا ضروری ہے محیط میں ہے کہ امام صاحب سے بھی اصح روایت یہی ہے۔ کیونکہ شریعت نے حج کے لئے ایک خاص وقت معین کیا ہے۔ لہٰذا احتیاط اسی میں ہے کہ فوراً ادا کیا جائے۔ امام محمد اور امام شافعی کے نزدیک تاخیر کیساتھ واجب ہے لانہ وظیفۃ العمر فکان العمر فیہ کالوقت فی الصلوۃ۔ ۱۲

(۱) مسلم عن ابی ہریرۃؓ ۱۲۔ (۲) ابوداؤد، ابن ماجہ، حاکم، احمد عن ابن عباس۔

بِشَرْطِ حُرِّيَّةٍ وَبُلُوْغٍ وَاِسْلَامٍ وَعَقْلٍ وَصِحَّةٍ وَبَصَرٍ وَقُدْرَةِ زَادٍ وَرَاحِلٍ فَضُلَتْ عَنْ مَسْكَنِهٖ وَعَنْ مَا لَا بُدَّ مِنْهُ

آزادی بلوغ عقل تندرستی اور زاد راہ اور سواری پر قدرت کی شرط کیساتھ جو زائد ہو اس کے گھر اور ضروری چیزوں سے

وَنَفَقَةِ ذِهَابِهٖ وَاِيَابِهٖ وَعِيَالِهٖ وَاَمْنِ طَرِيْقٍ وَمَحْرَمٍ اَوْ زَوْجٍ لِاِمْرَاَةٍ فِيْ سَفَرٍ

اور آمد ورفت اور اہل وعیال کے اخراجات پر قدرت اور راہ مامون ہونے کیساتھ اور محرم یا شوہر ہونے کیساتھ عورت کے لئے سفر میں

فَلَوْ اَحْرَمَ صَبِيٌّ اَوْعَبْدٌ فَبَلَغَ اَوْ اُعْتِقَ فَمَضٰى لَمْ يَجْزِهٖ عَنْ فَرْضِهٖ وَمَوَاقِيْتُ الْاِحْرَامِ ذُوالْحُلَيْفَةِ وَذَاتُ عِرْقٍ

پس اگر احرام باندھا بچہ نے یا غلام نے پھر بالغ ہوگیا یا آزاد کردیا گیا اور احکام بجالائے تو حج فرض ادا نہ ہوگا اور مواقیت احرام ذوالحلیفہ وذات عرق

وَجُحْفَةُ وَقَرْنٌ وَيَلَمْلَمُ لِاَهْلِهَا وَلِمَنْ مَرَّ بِهَا وَصَحَّ تَقْدِيْمُهٗ عَلَيْهَا لَا عَكْسُهٗ

جحفہ قرن اور یلملم ہے ان کے باشندوں کے لئے اوران کے لئے جو ان پر ہوکر گذریں اور جائز ہے ان سے پیشتر احرام باندھنا نہ کہ اس کا عکس

وَلِدَاخِلِهَا الْحِلُّ وَلِلْمَكِّيِّ الْحَرَمُ لِلْحَجِّ وَالْحِلُّ لِلْعُمْرَةِ

اور ان کے اندر رہنے والوں کے لئے حل ہے اور مکی کے لئے حرم ہے حج کے واسطے اور حل ہے عمرہ کے واسطے۔

شروط حج ومواقیت احرام کا بیان

توضیح اللغۃ: زاد: توشہ' راحلہ: سواری' ذہاب: جانا' ایاب: لوٹنا' مواقیت: جمع میقات معین وقت' ذوالحلیفہ: مکہ سے نو یادس مراحل دور ایک جگہ ہے جہاں بہت سے کنویں ہیں جن کو عوام آبار علی کے نام سے موسوم کرتے ہیں اس کے اور مدینہ کے درمیان بقول نووی چھ میل اور بقول قاضی عیاض سات میل کا فاصلہ ہے' ذات عرق: مکہ سے دو مرحلہ کی مسافت پر مشرق ومغرب کے درمیان ایک جگہ ہے' جحفہ: مکہ سے بطریق تبوک مغرب وشمال کے درمیان ایک بستی ہے جس کا نام مہیعہ تھا یہاں ایک سیلاب آیا تھا جس نے بستی والوں کا استیصال کردیا تھا اس لئے اس کو جحفہ کہنے لگے۔ اور اس کے اور مکہ کے درمیان تین مراحل کا فاصلہ ہے' قرن: مکہ سے دو مرحلہ کے فاصلہ پر ایک پہاڑی ہے۔ یلملم: مکہ سے دو مرحلہ پر تہامہ کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ ہے' حل: مکہ معظمہ کے اردگرد حرم محترم کے علاوہ جگہ۔

تشریح الفقہ: قولہ بشرط حریۃ الخ یہاں سے شروط حج کا بیان ہے۔ (۱) آزاد ہونا' غلام پر حج نہیں مدبر ہو یا مکاتب' ماذون فی التجارۃ ہو یا ام ولد (۲) بالغ ہونا۔ بچہ پر حج نہیں کیونکہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس غلام نے حج ادا کیا پھر وہ آزاد کردیا گیا اور جس بچہ نے حج کیا اور پھر وہ بالغ ہوگیا تو ان پر (آزاد ہونے اور بالغ ہونے کے بعد) دوبارہ حج کرنا ضروری ہے۔[1] (۳) عاقل ہونا کیونکہ صحت تکلیف کیلئے عقل شرط ہے پس مجنون پر حج نہیں (۴) تندرست ہونا' بیمار' اپاہج' کوڑھی' مفلوج' اندھے پر حج نہیں۔ (۵) توشہ اور سواری پر قادر ہونا۔ کیونکہ صحابہ نے آنحضرت ﷺ سے استطاعت سبیل کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: الزاد والراحلۃ"[2] (۶) راستہ کا پر امن ہونا۔ یعنی راستہ میں سلامتی غالب ہو خوف غالب نہ ہو کیونکہ اس کے بغیر استطاعت حج متحقق نہیں ہوسکتی۔

قولہ وامن طریق راستہ کا مامون ہونا وجوب حج کے لئے شرط ہے' یا ادائیگی حج کے لئے اس میں اختلاف ہے' ابوشجاع کہتے ہیں کہ امام شافعی اور کرخی کے نزدیک وجوب حج کے لئے شرط ہے' امام صاحب سے بھی یہی مروی ہے۔ امام احمد کے نزدیک اداء حج کے لئے شرط ہے۔ اور یہی صحیح ہے کہ آنحضرت ﷺ نے استطاعت کی تفسیر صرف زاد وراحلہ کے ساتھ فرمائی ہے' راستہ کا پر امن ہونا ذکر نہیں فرمایا۔

قولہ اوزوج الخ (۷) عورت کے حق میں شوہر کا ہونا یا محرم کا ہونا یعنی اگر عورت کے گھر سے مکہ تک کی مسافت تین دن یا اس سے زیادہ کی ہو تو وہ بلا محرم سفر حج نہ کرے' محرم وہ ہر وہ عاقل بالغ شخص ہے جس کا نکاح اس عورت کیساتھ تا ابد حرام ہو۔ بطریق قرابت ہو یا بطریق رضاعت یا بطریق صہریت نکاح کے ذریعہ ہو یا زنا کے ذریعہ[3] امام شافعی کے نزدیک محرم کا ہونا شرط نہیں ان کے یہاں اگر

(۱) حاکم' بیہقی' طبرانی عن ابن عباس۔ ۱۲ (۲) حاکم عن انس' ترمذی' ابن ماجہ' دار قطنی عن ابن عباس' دار قطنی' بیہقی عن عائشہ دار قطنی عن جابر وابن مسعود وعمرو بن العاص۔ ۱۲ (۳) کذا ذکرہ الکرخی وصاحب الہدایہ فی باب الکراہیۃ۔

عورت کے ساتھ رفقاء سفر میں ثقہ عورتیں ہوں تو ان کے ساتھ اس کا حج ادا ہو جائے گا۔ ان کی دلیل وہ تعمیمات ہیں جن پر نصوص وارد ہیں۔ مثلاً آیت "و للہ علی الناس اھ" اور حدیث "قد فرض علیکم الحج اھ" ہم یہ کہتے ہیں کہ ان تعمیمات میں تخصیص تو بالاتفاق لازمی ہے چنانچہ امام شافعی بھی امن طریق کو شرط مانتے ہیں پس محرم کا ہونا بھی شرط ہوگا کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "کوئی عورت محرم کے بغیر حج نہ کرے"۔[1]

فائدہ: اس طریق کی طرح اس میں بھی اختلاف ہے کہ یہ وجوب حج کیلئے شرط ہے یا ادائیگی کیلئے۔ صاحب بدائع اور سروجی نے اول کی اور قاضیخاں نے ثانی کی تصحیح کی ہے۔ فائدہ اختلاف چند صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ اول یہ کہ جو شخص راستہ کے پر امن ہونے سے قبل مر جائے اس پر وصیت کرنا لازم ہے یا نہیں۔ دوم یہ کہ اگر محرم اپنا نان ونفقہ اور سواری کا خرچ طلب کرے اور اسکے بغیر عورت کیساتھ حج کے لئے نہ جائے تو عورت پر نفقہ ادائیگی ضروری ہے یا نہیں؟ سوم یہ کہ اگر عورت کا کوئی محرم نہ ہو تو حج کی ادائیگی کی خاطر اس پر شادی کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ سو جن لوگوں کے نزدیک یہ شروط وجوب ہیں ان کے نزدیک عورت پر ان میں سے کوئی چیز لازم نہیں اور جن کے یہاں شروط ادا ہیں ان کے یہاں سب لازم ہیں۔

قولہ و مواقیت الخ موجبات وشروط حج کے بیان سے فراغت کے بعد ان امکنہ خاصہ کا بیان ہے جہاں سے افعال حج کا آغاز ہوتا ہے۔ جن کو مواقیت کہتے ہیں۔ مواقیت میقات کی جمع ہے محدود و معین وقت کو کہتے ہیں پھر ان امکنہ کیلئے مستعار لے لیا گیا ہے جہاں سے حجاج احرام باندھتے ہیں جیسے آیت "ھنالک ابتلی المومنون" میں مکان کو وقت کیلئے مستعار لے لیا گیا (نہر) صاحب بحر نے میقات کو وقت معین اور مکان معین میں مشترک مانا ہے مگر یہ صحیح نہیں۔

قولہ ذو الحلیفہ الخ مصنف نے جن مواقیت کو ذکر کیا ہے ان میں سے ذات عراق کے علاوہ باقی سب صحیحین کی حدیث میں حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہیں حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اہل مدینہ کے لئے ذوالحلیفہ اور اہل شام کے لئے جحفہ اور اہل نجد کے لئے قرن اور اہل یمن کے لئے یلملم کو معین فرمایا ہے۔ یہ امکنہ ان لوگوں کے احرام کے لئے بھی میقات ہیں جو ان میں رہتے ہیں اور انکے لئے بھی جو یہاں کو ہو کر گزریں۔ اہل عراق کیلئے میقات ذات عرق ہے جس کا ثبوت مسلم، ابوداؤد، نسائی، دارقطنی، بیہقی، ابن ابی شیبہ، ابن راہویہ، ابویعلی کی احادیث سے ہے۔ سوال: آنحضرت صلعم نے اہل عراق کیلئے ذات عرق کو کیسے معین فرما دیا حالانکہ عراق تو ابھی فتح بھی نہیں ہوا تھا؟ جواب: یہ ایسا ہی ہے جیسے آپ نے اہل شام کیلئے جحفہ معین فرمایا تھا حالانکہ شام بعد کو فتح ہوا۔ وجہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو بطریق وحی یہ بات معلوم تھی کہ یہ دونوں عنقریب دار الاسلام ہو جائیں گے۔

قولہ وصح تقدیمہ الخ حجاج کیلئے اور ہر اس شخص کیلئے جو مکہ میں داخل ہونا چاہے ان مواقیت سے بلا احرام بڑھنا جائز نہیں کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ "کوئی شخص بھی ان مواقیت سے بلا احرام نہ بڑھے"۔[2] سوال صحیحین میں حضرت انس سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ فتح مکہ کے سال مکہ میں داخل ہوئے تو مؤطا امام مالک اور طحاوی میں تصریح ہے کہ آپ اس وقت محرم نہیں تھے۔ جواب: آنحضرت ﷺ کا بلا احرام داخل ہونا اسی ساعت کے ساتھ مخصوص تھا چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اسی دن ارشاد فرمایا تھا "مکۃ حرام لم تحل لاحد بعدی وانما احلت لی ساعۃ من نہار ثم عادت حراما" او کما قال۔ بہر حال مواقیت سے بلا احرام بڑھنا کسی کیلئے بھی جائز نہیں۔ بارادۂ حج داخل ہو یا بارادۂ عمرہ یا بارادۂ تجارت کیونکہ وجوب احرام کا مقصد اس بقعہ کی تعظیم ہے جس میں حجاج اور تاجر سب برابر ہیں۔ البتہ تقدیم احرام بالاتفاق جائز ہے (خلافا للداؤد والظاہری) کیونکہ حق سبحانہ وتعالی کا ارشاد ہے کہ "واتموا الحج والعمرۃ للہ" اس کی تفسیر میں حضرت علی و ابن مسعود سے منقول ہے کہ اتمام حج یہ ہے کہ اپنے گھروں سے احرام باندھا جائے۔"[3]

---

(۱) بزار، دارقطنی عن ابن عباس، دارقطنی، طبرانی عن ابی امامہ۔ ۱۲ (۲) ابن ابی شیبہ، طبرانی، شافعی عن ابن عباس۔ ۱۲ (۳) حاکم، بیہقی، ابن ابی شیبہ، ابن حمید، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، نحاس ۔۱۲

بَابُ الاِحْرَامِ
(کیفیت احرام کا بیان)

وَاِذَا اَرَدْتَّ اَنْ تُحْرِمَ فَتَوَضَّأْ وَالْغُسْلُ اَحَبُّ وَالْبَسْ اِزَارًا وَرِدَاءً جَدِيْدَيْنِ اَوْغَسِيْلَيْنِ وَتَطَيَّبْ وَصَلِّ رَكْعَتَيْنِ

اور جب تو احرام باندھنا چاہے تو وضو کر لیکن غسل پسندیدہ ہے اور پہن ایک تہبند اور ایک چادر نئی ہوں یا دھلی اور خوشبو لگا اور دو رکعت پڑھ

وَقُلْ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اُرِيْدُ الْحَجَّ فَيَسِّرْهُ لِىْ وَتَقَبَّلْهُ مِنِّىْ وَلَبِّ دُبُرَصَلٰوتِکَ تَنْوِىْ بِهَاالْحَجَّ وَهِىَ

اور کہہ الٰہی میں حج کا ارادہ کرتا ہوں سو اس کو میرے لئے آسان کر دے اور میری طرف سے قبول کر لے اور تلبیہ کہہ نماز کے بعد حج کی نیت کرتا ہوا

لَبَّيْکَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْکَ لَبَّيْکَ لَاشَرِيْکَ لَکَ لَبَّيْکَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَکَ وَالْمُلْکَ لَاشَرِيْکَ لَکَ

اور تلبیہ یہ ہے حاضر ہوں خداوندا حاضر ہوں حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں حاضر ہوں بیشک سب تعریفیں اور نعمتیں تیرے لئے ہیں اور بادشاہی تیرا کوئی ساجھی نہیں۔

تشریح الفقہ: قولہ واذا الخ واذا میں واؤ عاطفہ نہیں ہوسکتا کیونکہ اس سے قبل کوئی چیز مذکور نہیں جس پر عطف ہو سکے۔ پھر یہ واؤ کیسا؟ مولانا محمد حسن سنبھلی محشی ہدایہ نے اساتذہ سے اپنا سماع نقل کیا ہے کہ اس واؤ کو واؤ استفتاح کہتے ہیں نحاۃ نے اس کو ذکر نہیں کیا' جو شخص حج یا عمرہ کا ارادہ رکھتا ہو اس کو چاہئے کہ وضو کرے اور غسل کرلے تو اور بہتر ہے کیونکہ احرام کیلئے حضور ﷺ کا غسل کرنا حدیث سے ثابت ہے[1] یہ غسل چونکہ برائے نظافت ہے نہ کہ برائے طہارت لہٰذا حائضہ' نافسہ اور بچہ کے لئے بھی مسنون ہے چنانچہ حدیث میں ہے کہ حضرت ابوبکر نے حضور ﷺ سے اسماء کے متعلق عرض کیا: یارسول اللہ! اس کو تو ماہواری شروع ہوگئی' آپ نے فرمایا: اس سے کہو: غسل کر کے حج کا احرام باندھ لے[2]' نیز بقول قدوری ہر وہ غسل جو برائے نظافت ہو جیسے غسل جمعہ وعیدین اس میں وضو بھی کافی ہوتا ہے لہٰذا احرام کے وقت وضو بھی کافی ہوگا۔

فائدہ: حج کے موقعہ پر دس چیزوں کے لئے غسل مسنون ہے احرام، دخول مکہ، وقوف عرفہ، وقوف مزدلفہ، طواف زیارت، ایام تشریق میں رمی جمرات ثلثہ، طواف صدر، دخول حرم مدینہ، قال فی البحر العمیق ولا غسل لرمی جمرۃ العقبۃ یوم النحر اھ کذا فی حاشیۃ المدنی۔

قولہ و البس الخ پھر دو کپڑے پہنے ایک تہبند ایک چادر یہی سنت ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ اور آپکے اصحاب نے یہی پہنے ہیں (بخاری عن ابن عباس) مصنف نے جدید کو غسیل پر مقدم کر کے یہ بتایا ہے کہ کپڑے نئے ہوں تو بہتر ہے ورنہ دھلے ہوئے کافی ہیں، احرام سے قبل بدن میں خوشبو لگانا بھی مسنون ہے گو اسکا اثر بعد تک باقی رہے کیونکہ صحیحین میں حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ "میں احرام سے قبل آنحضرت ﷺ کے جسم اطہر میں خوشبو لگاتی تھی۔ اسی روایت کے بعض طرق میں یہ بھی ہے کہ گویا میں خوشبو کی چمک آپکے گیسوئے مبارک میں دیکھ رہی ہوں، امام محمد سے ایک ضعیف روایت ہے کہ اگر احرام کے بعد تک عین خوشبو باقی رہے جیسے مشک، ورغالیہ وغیرہ تو ایسی خوشبو استعمال کرنا مکروہ ہے۔ امام مالک اور امام شافعی بھی یہی فرماتے ہیں کیونکہ اس صورت میں احرام کے بعد خوشبو سے منتفع ہونا لازم آتا ہے جواب یہ ہے کہ حدیث مذکور میں حضرت عائشہ نے بطریق عموم فرمایا ہے پس صحیح حدیث کے بعد اس لزوم کا کوئی اعتبار نہیں۔ علاوہ ازیں احرام کے بعد میں خوشبو کا استعمال ناجائز ہے رہا باقی ماندہ اثر سو وہ تو تابع کے حکم میں ہے، اس کے بعد دو رکعت نماز پڑھے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ نے بوقت احرام ذوالحلیفہ میں دو رکعتیں پڑھی ہیں۔

وَزِدْ فِيْهَا وَلَا تَنْقُصْ فَاِذَا لَبَّيْتَ نَاوِيًا فَقَدْ اَحْرَمْتَ فَاتَّقِ الرَّفَثَ وَالْفُسُوْقَ وَالْجِدَالَ

اور بڑھادے ان میں اور کم نہ کر پس جب تو بہ نیت حج تلبیہ کہہ چکا تو محرم ہوگیا سو پرہیز کر بری باتوں سے گناہوں سے لڑائی جھگڑے سے

(۱) ترمذی، طبرانی، دار قطنی عن زید، طبرانی عن عائشہ، حاکم عن ابن عباس۔ (۲) مسلم عن عائشہ۔

(۳) قال المصنف فی المستصفے ارید بالصید ہنا المصید اذ لوارید بہ المصدر وہو الاصطیاد لما صح اسناد القتل الیہ۔

وَقَتْلَ الصَّيْدِ[۵] وَالْاِشَارَةَ اِلَيْهِ وَالدَّلَالَةَ عَلَيْهِ وَلُبْسَ الْقَمِيْصِ وَالسَّرَاوِيْلِ وَالْعَمَامَةِ وَالْقَلَنْسُوَةِ وَالْقَبَآءِ وَالْخُفَّيْنِ

شکار کرنے سے اس کی طرف اشارہ کرنے سے اور اس کو بتلانے سے اور کرتہ پاجامہ پگڑی ٹوپی قباء اور موزے پہننے سے

اِلَّا اَنْ لَّا تَجِدَ النَّعْلَيْنِ فَاقْطَعْهُمَا اَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ

الا یہ کہ نہ پائے تو جوتے تو کاٹ دے ان کو ٹخنوں کے نیچے سے۔

ان امور کا بیان جو محرم کیلئے ممنوع ہیں

توضیح اللغۃ: رفث: گندی گفتگو' فسوق: بدکاری' گناہ۔ جدال: جھگڑا' لبس پہننا' سراویل: جمع سروال: پاجامہ' عمامۃ: پگڑی' قلنسوۃ: ٹوپی۔

تشریح الفقہ: قولہ وزداالخ فی ظرفیہ بمعنی علیٰ ہے کمافی قولہ تعالیٰ "ولاصلبنکم فی جذوع النخل" کیونکہ زیادتی کلمات مذکورہ کے بعد ہی کی جائے گی نہ کہ درمیان میں (السراج) تلبیہ کے جو الفاظ متن میں مذکور ہوئے یہی الفاظ صحاح ستہ وغیرہ میں منقول ہیں لہٰذا ان میں کمی کرنا مناسب نہیں۔ بلکہ ابن ملک نے تو شرح مجمع میں اس کو بالاتفاق مکروہ لکھا ہے۔ ہاں زیادتی کرسکتا ہے مثلاً لبیک وسعدیک والخیر بیدیک والرغباء الیک والعمل الٰہ الخلق غفار الذنوب لبیک ذاالنعمۃ والفضل الحسن لبیک عدد التراب لبیک ان العیش عیش الاخرۃ مصنف نے "کافی" میں تصریح کی ہے کہ زیادتی پسندیدہ ہے اور حلبی نے "مناسک" میں اس کو مستحب کہا ہے۔ لیکن شرح وجیز میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کے تلبیہ پر زیادتی مستحب نہیں۔ بلکہ اس کو بار بار پڑھتا رہے۔ امام احمد بھی یہی فرماتے ہیں کہ۔ ربیع بن سلیمان نے امام شافعی سے عدم جواز نقل کیا ہے۔ گویا امام شافعی نے تلبیہ کو اذان اور تشہد پر قیاس کیا ہے کہ جس طرح اذان تشہد کے کلمات میں تغیر جائز نہیں اس طرح تلبیہ میں بھی جائز نہیں ہونا چاہئے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ اجلاء صحابہ سے زیادتی ثابت[۱] ہے' وروی المزنی عن الشافعی ایضاً جواز الزیادۃ۔

قولہ اذا لبیت الخ جب تلبیہ پڑھنے والا تلبیہ سے فارغ ہوگیا۔ اور نیت کرچکا تو اب وہ محرم ہوگیا۔ پس اس کو چاہئے کہ فحش گوئی' فسق وفجور اور جنگ وجدال سے اجتناب کرے۔ لقولہ تعالیٰ "فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج" نیز یہ چیزیں تو غیر محرم کیلئے بھی جائز نہیں پس محرم کیلئے تو بطریق اولیٰ ناجائز ہوں گی۔ شکار بھی نہ کرے۔ لقولہ تعالیٰ "ولا تقتلوا الصید وانتم حرم" بلکہ اس کیطرف اشارہ اور اس پر رہنمائی بھی نہ کرے۔ کیونکہ حضرت ابوقتادہ سے مروی ہے کہ "انہوں نے گورخر کا شکار کیا حضرت ابوقتادہ غیر محرم تھے۔ اور آپ کے ساتھ محرم۔ آنحضرت ﷺ نے محرمین سے دریافت فرمایا: تم نے اس کی طرف اشارہ یا رہنمائی یا کسی قسم کی اعانت کی تھی؟ انہوں نے کہا: نہیں' آپ نے فرمایا: تب کھاسکتے ہو[۲]"۔

قولہ ولبس الخ سلے ہوئے کپڑے نہ پہنے جیسے قمیص' پاجامہ وغیرہ نیز پگڑی' ٹوپی' موزے بھی نہ پہنے کیونکہ حضور اکرم ﷺ نے ان سے منع فرمایا[۳]۔ البتہ اگر کسی کے پاس جوتے نہ ہوں تو موزے پہن سکتا ہے بشرطیکہ ان کی ساقین کو کاٹ کر کفش نما بنالے۔ کیونکہ حدیث میں موزوں کا استثناء اسی شرط کیساتھ ہے' امام احمد وعطاء فرماتے ہیں کہ اس کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ حضرت ابن عباس کی حدیث ہے کہ "جو شخص جوتے نہ پائے وہ موزے اور تہبند نہ پائے وہ پاجامہ پہن لے" جواب یہ ہے کہ حضرت ابن عمر کی حدیث قوی تر اور مفسر ہے لہٰذا وہ راجح ہوگی۔ تعجب ہے کہ حنابلہ ہر جگہ مطلق کو مقید پر محمول کرتے ہیں اور یہاں اس کے خلاف ہیں۔ سوال: دارقطنی نے حدیث ابن عمر کو منسوخ کہا ہے لانہ بعرفات وحدیث ابن عمر کان بالمدینۃ۔ جواب نسخ کی ضرورت تو تعارض کیوقت ہوتی ہے اور یہاں کوئی تعارض نہیں کیونکہ مطلق کو مقید پر محمول کیا جاسکتا ہے۔ علاوہ ازیں حضرت ابن عباس کی حدیث ایوب سختیانی' ثوری' ابن عیینہ' حماد' ابن جریج' ہشیم' شعبہ سب نے روایت کی ہے لیکن شعبہ کے علاوہ کسی نے عرفات کا تذکرہ نہیں کیا۔ پس ان ثقہ راویوں کے مقابلہ میں تفرد شعبہ مقبول نہیں' پھر امام شافعی موزوں میں ہمارے ساتھ ہیں اور پاجامہ میں امام احمد کے ساتھ۔ اور امام مالک ہر دو میں ہمارے ساتھ ہیں۔

(۱) ائمہ ستہ عن ابن عمر' ابن راہویہ' ابویعلیٰ عن ابن مسعود' نسائی' ابن ماجہ' ابن حبان' حاکم عن ابی ہریرۃ۔ ۱۲ (۲) ائمہ ستہ۔ ۱۲ (۳) ائمہ ستہ عن ابن عمر۔ ۱۲

وَالثَّوْبَ الْمَصْبُوْغَ بِوَرْسٍ اَوْزَعْفَرَانٍ اَوْ عُصْفُرٍ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ غَسِيْلاً لاَ يَنْفُضُ وَسَتْرُ الرَّأْسِ وَالْوَجْهِ
اور پرہیز کر ورس یا زعفران یا عصفر سے رنگے ہوئے کپڑے سے مگر یہ کہ ہو دھلا ہوا کہ بو نہ آتی ہو اور سر اور چہرہ کے ڈھانپنے سے
وَغَسْلِهِمَا بِالْخَطْمِيِّ وَمَسَّ الطِّيْبِ وَحَلْقِ شَعْرِهٖ اَوْقَصَّ شَعْرِهٖ وَظُفْرِهٖ لاَ الْاِغْتِسَالُ وَدُخُوْلُ الْحَمَّامِ وَالْاِسْتِظْلاَلَ
اور ان کو دھونے سے خطمی کیساتھ اور خوشبو لگانے سر منڈانے بال اور ناخن کٹانے سے نہ کہ نہانے اور مکان اور کجاوے کے سایہ میں ٹھہرنے
بِالْبَيْتِ وَالْمَحْمَلِ وَشَدَّ الْهِمْيَانِ فِيْ وَسَطِهٖ وَاَكْثِرِ التَّلْبِيَةَ مَتٰى صَلَّيْتَ اَوْعَلَوْتَ شَرَفًا اَوْهَبَطْتَّ وَادِيًا اَوْلَقِيْتَ
اور کمر میں ہمیانی باندھنے سے اور کثرت سے تلبیہ کہتا رہ جب تو نماز پڑھے یا اونچی جگہ پر چڑھے یا پستی میں اترے یا سواروں سے ملے
رُكْبَانًا وَبِالْاَسْحَارِ رَافِعًا صَوْتَكَ بِهَا وَابْدَأْ بِالْمَسْجِدِ بِدُخُوْلِ مَكَّةَ وَكَبِّرْ وَهَلِّلْ بِلِقَاءِ الْبَيْتِ
اور صبح کے وقت آواز بلند کر کے اور ابتداء کر مسجد حرام سے مکہ میں داخل ہوکر اور اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ کہہ کر خانہ کعبہ کو دیکھکر
ثُمَّ اسْتَقْبِلِ الْحَجَرَ الْاَسْوَدَ مُكَبِّرًا مُهَلِّلاً مُسْتَلِمًا بِلاَ اِيْذَاءٍ
پھر حجر اسود کے سامنے جا کر اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ کہتا ہوا اس کو بوسہ دے کسی کو تکلیف دیئے بغیر۔

توضیح اللغۃ: مصبوغ: رنگا ہوا' ورس: تیل کے مانند ایک قسم کی گھاس جس سے رنگائی کا کام لیتے ہیں' عصفر: زرد رنگ' لاینفض: نہ جھڑتا ہو' خطمی: ایک مشہور گھاس ہے۔ جسے گل خیرو کہتے ہیں۔ حلق: مونڈنا' قص: کاٹنا' ظفر: ناخن' استظلال سایہ حاصل کرنا' محمل: کجاوہ' ہمیان: ہمیانی' روپیہ کی تھیلی' علوت: علواً بلند ہونا' شرف: بلند مکان' ہبطت: ہبوطاً: اترنا' رکباناً: سوار' مستلماً: استیلام چومنا۔

تشریح الفقہ: قولہ والثوب الخ ورس' زعفران اور عصفر سے رنگے ہوئے کپڑے بھی نہ پہنے۔ کیونکہ حدیث میں اس کی بھی ممانعت[1] ہے۔ ہاں اگر ایسا کپڑا دھلا ہوا ہو تو مضائقہ نہیں کیونکہ حدیث میں اس کی اجازت موجود ہے[2] اپنا چہرہ اور سر بھی ڈھانپے امام شافعی' مالک' احمد کے نزدیک مرد کیلئے چہرہ ڈھانپنا جائز ہے۔ کیونکہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے "احرام الرجل فی راسہ واحرام المرأۃ فی وجھھا"[3] ہماری دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے ایک دیہاتی محرم کے انتقال پر ارشاد فرمایا تھا کہ "اس کے چہرہ اور سر کو مت ڈھانپو۔ کیونکہ یہ قیامت کے روز تلبیہ پڑھتے ہوئے اٹھایا جائے گا"[4] سوال: حدیث میں جو "فانہ یبعث یوم القیامۃ ملبیاً" تعلیل ہے احناف اس کے مفہوم پر تو عمل کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ محرم کیلئے چہرہ ڈھانپنا جائز نہیں اور حدیث کے منطوق پر عمل نہیں کرتے' منطوق حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مردہ محرم کے سر اور چہرہ کو کفن سے نہ ڈھانپا جائے۔ اور احناف کا عمل اس کے خلاف ہے۔ کیونکہ انکے یہاں دیگر مردوں کی طرح مردہ محرم کا بھی سر اور چہرہ کفن سے ڈھانپا جاتا ہے۔ اس کی وجہ؟ جواب: اس لئے کہ یہ حدیث ایک دوسری حدیث سے معارض ہے۔ حدیث میں ہے کہ جب آدمی مرجاتا ہے تو تین اعمال کے علاوہ باقی سب منقطع ہوجاتے ہیں۔ اور احرام بھی ایک عمل ہے۔ لہٰذا مرنے کے بعد یہ بھی منقطع ہوجائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ مامور بالحج کیلئے میت کے احرام پر بالاتفاق بنا جائز نہیں' نیز حدیث میں ہے کہ "اپنے مردوں کے چہروں کو ڈھانپو یہود کے ساتھ مشابہت مت اختیار کرو"[5] حدیث کے بعض طرق میں تصریح ہے کہ آپ کا یہ ارشاد مردہ محرم کے متعلق ہے' رہا اعرابی مذکور کا قصہ سو وہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ کیونکہ اس کے احرام کا باقی رہنا حضور ﷺ کو بطریق وحی معلوم تھا۔ وقد کان ﷺ یخص اصحابہ باشیاء۔

سوال: حاکم نے کہا ہے کہ حدیث مذکور میں لفظ وجہ تصحیف ہے۔ کیونکہ ثقہ راویوں نے صرف راس کو ذکر کیا ہے۔

جواب: صحیح مسلم میں دونوں مذکور ہیں فالمرجوع الی مسلم لا الی الحاکم فانہ کثیر الاوہام۔

احرام کے بعد بدن اور کپڑے وغیرہ میں خوشبو استعمال کرنا بھی جائز نہیں۔ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ "حاجی تو پراگندہ بال و پراگندہ

(۱) ائمہ ستہ طحاوی عن ابن عمرؓ ۱۲۔ (۲) ابن راہویہ' ابن ابی شیبہ' بزار' ابویعلیٰ عن ابن عباس۔ (۳) بیہقی' دار قطنی عن ابن عمر۔ (۴) مسلم' نسائی' ابن ماجہ عن ابن عباس۔ (۵) دار قطنی عن ابن عباس۔

حالؔ ہوتا ہے۔ سر اور بدن کے بال بھی نہ مونڈے۔ لقولہ تعالیٰ "ولاتحلقوا روسکم" البتہ آنکھ میں جو پڑبال اگ آتے ہیں وہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔

قولہ لا الاغتسال الخ محرم کے لئے غسل کرنا جائز ہے۔ کیونکہ حضور ﷺ نے بحالت احرام غسل فرمایا ہے[۲]۔ حضرت عمر سے بھی اغتسال ثابت[۳] ہے۔ نیز مکان اور ہودج وغیرہ کا سایہ حاصل کر سکتا ہے۔ کیونکہ حضرت اسامہ نے آنحضرت ﷺ پر کپڑے سے سایہ کیا تھا[۴]۔

وَطُفْ مُضْطَبِعًا وَرَآءَ الْحَطِيْمِ اٰخِذًا عَنْ يَمِيْنِكَ مِمَّا يَلِي الْبَابَ سَبْعَةَ اَشْوَاطٍ تَرْمُلُ فِي الثَّلٰثَةِ الْاُوَلِ فَقَطْ

اور طواف کر مضطبع ہو کر حطیم سمیت شروع کرتا ہوا اپنی داہنی طرف سے جو دروازہ کے پاس ہے سات چکر اور رمل کر پہلے تین چکروں میں صرف

وَاسْتَلِمِ الْحَجَرَ كُلَّمَا مَرَرْتَ بِهٖ اِنِ اسْتَطَعْتَ وَاخْتِمِ الطَّوَافَ بِهٖ وَبِرَكْعَتَيْنِ فِي الْمَقَامِ

اور بوسہ دے حجر اسود کو جب بھی اس کے پاس کو گذرے اگر ہو سکے اور ختم کر طواف کو بوسہ دینے پر اور دو رکعت نماز پر مقام ابراہیم میں

اَوْ حَيْثُ تَيَسَّرَ مِنَ الْمَسْجِدِ وَهٰذَا الطَّوَافُ لِلْقُدُوْمِ وَهُوَ سُنَّةٌ لِغَيْرِ الْمَكِّيِّ

یا جہاں میسر ہو مسجد سے برائے قدوم اور یہ طواف سنت ہے غیر مکی کے لئے۔

طواف قدوم کا بیان

توضیح اللغۃ: مضطبعاً: چادر کو داہنی بغل سے نکال کر بائیں مونڈھے پر ڈال لے۔ حطیم: وہ جگہ جو رکن اور زمزم اور مقام ابراہیم کے درمیان ہے۔ اس میں چھ ہاتھ جگہ بیت اللہ کی شامل ہے۔ اور بقول صاحب غایۃ البیان حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور حضرت ہاجرہ کی قبر یہیں ہے۔ اشواط: جمع شوط چکر۔ ترمل: رمل کندھوں کو ہلاتے ہوئے دوڑنا۔ استلام: چھونا، بوسہ دینا۔

تشریح الفقہ: قولہ وطف الخ استلام حجر کے بعد اپنی چادر کو داہنی بغل سے نکال کر بائیں مونڈھے پر ڈال کر اپنی داہنی طرف سے جدھر بیت اللہ کا دروازہ ہے حطیم سمیت بیت اللہ کا سات چکر طواف کرے۔ اس صورت میں کعبہ طواف کرنے والے کی بائیں جانب واقع ہوگا۔ دائیں طرف سے شروع کرنے کی وجہ یہ ہے کہ طواف کرنے والا بجائے مقتدی کے اور کعبہ بجائے امام کے ہے۔ اور ایک مقتدی امام کے داہنی طرف ہی کھڑا ہوتا ہے۔ طواف کے پہلے تین چکروں میں رمل کرے۔ یعنی شانوں کو حرکت دیتا ہوا اکڑ کر چلے جیسے غازی صفوں کے درمیان اکڑ کر چلتا ہے۔ اور باقی چکروں میں اپنی ہیئت پر چلے۔ آنحضرت ﷺ کا طواف باتفاق رواۃ اسی طرح منقول ہے۔

فائدہ: طواف میں رمل سنت ہے یا نہیں اس میں حضرت عبداللہ بن عباس کا اختلاف ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ رمل سنت نہیں۔ کیونکہ طواف میں رمل کا سبب قوت کا اظہار تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ جب آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ مکہ تشریف لائے تو مشرکین نے طعن کیا کہ یہ لوگ طواف نہیں کر سکتے کیونکہ مدینہ کے بخار نے ان کو کمزور کر دیا اور اس قابل نہیں چھوڑا کہ طواف کر سکیں اس پر آنحضرت ﷺ نے رمل کا حکم فرمایا تاکہ مشرکین کو معلوم ہو جائے کہ مسلمان کمزور نہیں چنانچہ جب مشرکین نے یہ دیکھا تو یہ کہنے لگے کہ ان کے متعلق تو تم کہتے تھے کہ ان کو بخار نے کمزور کر دیا[۵]۔ اور ظاہر ہے کہ یہ علت ختم ہو چکی لہذا رمل کا حکم بھی ختم ہو جائے گا۔ جواب یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر سے مرفوع روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حجۃ الوداع میں طواف کیا اور پہلے تین چکروں میں رمل فرمایا حالانکہ اس وقت مکہ میں ایک بھی مشرک باقی نہ تھا۔ علاوہ ازیں حکم کیلئے بقاء سبب ضروری نہیں۔ بسا اوقات زوال سبب کے باوجود حکم رہتا ہے۔ جیسے رمی جمار کا سبب یعنی حضرت ابراہیم سے شیطان کو دور کرنا زائل ہو چکا۔ لیکن رمی جمار کا حکم آج بھی باقی ہے۔ علامہ ابن الہمام نے باب العشر والخراج میں وجوب علت کیلئے حکم کے ملزوم ہونے کی سختی کے ساتھ تردید کی ہے اور کہا ہے کہ علل شرعیہ حکم کیلئے صرف علامات ہوتی ہیں حکم میں مؤثر نہیں ہوتیں پس زوال علت کے بعد حکم کا باقی رہنا جائز ہے۔ صاحب بحر نے اس سلسلہ میں جو تحقیق ذکر کی ہے اس کا حاصل یہ

(۱) ترمذی، ابن ماجہ عن ابن عمرؓ۔ (۲) مسلم۔ (۳) مالک، شافعی، ابن ابی شیبہ عن ابن عباس۔ (۴) مسلم عن ام الحصین۔

(۵) صحیحین، ابوداؤد عن ابن عمر، احمد عن ابی الطفیل۔ ۱۲ (۶) صحیحین عن ابن عباس۔ ۱۲

ہے کہ ایک حکم کیلئے مختلف اوقات میں مختلف علتیں ہو سکتی ہیں پس جس وقت مشرکین کا غلبہ تھا اس وقت علت رمل قوت کا اظہار تھا اس کے زائل ہونے کے بعد نعمت امن کی یاد دہانی ہے۔ حجۃ الوداع میں آپکا عمل فرمانا تذکیر اللنعمۃ تھا' تغایر علل کی نظیر خراج ہے کہ وہ ابتداء بطریق عقوبت ہوتا ہے۔ اسی لئے ابتداء مسلمان پر لاگو نہیں ہوتا اس کے بعد شریعت کا حکم کردینا اس کی علت ہو جاتی ہے یہاں تک کہ اگر کوئی مسلمان خراجی زمین خرید لے تو اس پر بھی خراج ہی لازم ہوتا ہے وہکذا الرق علۃ فی الاصل استنکاف الکافر عن عبادۃ ربہ ثم صار علۃ حکم الشرع برقہ وان اسلم (قال کذا ذکرہ المحقق اکمل الدین فی شرح البزدوی من بحث القدرۃ المیسر ۃ)۔

قولہ واستلم الحجر الخ طواف کرتے وقت جب بھی حجر اسود کے قریب کو گزرے تو اس کا استلام اور بوسہ دینا سنت ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ سے ثابت[1] ہے۔ لیکن اس میں اس کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ کسی مسلمان کو تکلیف نہ ہو اگر بوجہ ازدحام کسی مسلمان کو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو تو مزاحمت نہ کرنا چاہئے بلکہ کوئی لکڑی یا چھڑی وغیرہ حجر اسود سے لگا کر چوم لینی چاہئے۔ حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عمر سے فرمایا: عمر تم بہت قوی آدمی ہو سو استلام کے وقت لوگوں[2] کے ساتھ مزاحمت نہ کرنا۔ ایسا نہ ہو کہ ضعیفوں کو تکلیف پہنچے اگر بھیڑ نہ ہو تو استلام کر لینا ورنہ اس کی طرف ہو کر تکبیر و تہلیل پر اکتفاء کرنا'' مصنف نے لفظ ''کلما'' سے یہ بتایا ہے کہ ہر دو چکروں کے درمیان استلام سنت ہے، جس کی تصریح غایۃ البیان میں موجود ہے۔ البتہ محیط اور فتاویٰ ولوالجیہ میں ہے کہ استلام طواف کے اول و آخر میں سنت ہے اور درمیان میں ادب۔

فائدہ: مصنف نے حجر اسود کے علاوہ کسی اور چیز کے استلام کو ذکر نہیں کیا اس واسطے کہ رکن عراقی اور رکن شامی کا استلام سنت نہیں۔ بلکہ رکن یمانی کے متعلق بھی صرف امام محمد سے ایک روایت ہے۔ کہ سنت ہے ورنہ ظاہر الروایہ کی اعتبار سے رکن یمانی کا استلام بھی مستحب ہے۔ (ہدایہ' کافی) علامہ کرمانی نے اسی کی تصحیح کی ہے' رکن یمانی کو بوسہ دینے کے متعلق بدائع میں ہے کہ یہ بالاتفاق سنت نہیں ہے۔ سراجیہ میں اسکو اصح الاقاویل کہا ہے۔ البتہ صاحب بحر نے کچھ مؤیدات نقل کیے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکی تقبیل بھی سنت ہے۔

قولہ وبرکعتین الخ طواف کا اختتام استلام حجر اور دو رکعت نماز کیساتھ ہونا چاہئے۔ طواف کے بعد استلام حجر سنت ہے اور دو رکعت نماز واجب طواف فرض ہو یا واجب' سنت ہو یا نفل' وجوب کی دلیل یہ ہے کہ جب آنحضرت ﷺ مقام ابراہیم پر پہنچے تو آپ نے آیت ''واتخذوا من مقام ابراہیم مصلی'' تلاوت فرما کر اس امر پر تنبیہ فرمائی کہ یہ دو رکعت نماز ''واتخذوا'' امر کی تعمیل ہے[3] نیز حضرت ابن عمر سے مرفوع روایت ہے کہ ''ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ طواف کی دو رکعت نماز بھول گئے تو آپ نے مقام ذی طوی میں ان کی قضا کی' ان دو رکعت کی ادائیگی کیلئے کوئی وقت اور کوئی جگہ مخصوص نہیں۔ یہاں تک کہ اگر کسی نے حرم شریف سے باہر پڑھی اگر چہ اپنے وطن واپس آکر ہو تب بھی جائز ہے لیکن ایسا کرنا مکروہ ہے۔ ان کی ادائیگی کیلئے مستحب مقام مقام ابراہیم ہے پھر کعبہ پھر حجر اسود پھر جو حصہ حجر اسود کے قریب ہے۔ پھر جو بیت اللہ کے قریب ہے۔ پھر مسجد حرام پھر حرم شریف۔

قولہ فی المقام الخ مقام سے مراد مقام ابراہیم ہے۔ یہ ایک پتھر ہے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی زیارت کے لئے تشریف لائے تو سواری پر سوار ہوتے اور اترتے وقت اس پتھر پر قیام فرماتے تھے[4] قاضی بیضاوی نے ذکر کیا ہے کہ یہ وہی پتھر ہے۔ جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشانات ہیں۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ حرم شریف کل کا کل مقام ابراہیم ہے۔

قولہ للقدوم الخ جس طواف کا اوپر ذکر ہوا یعنی طواف قدوم (وتحیہ) یہ واجب نہیں سنت ہے۔ اور سنت بھی آفاقی کے لئے ہے نہ کہ اہل مکہ کے لئے، امام مالک کے نزدیک واجب ہے لقولہ علیہ السلام: من اتی البیت فلیحیہ بالطواف، ہماری دلیل یہ ہے کہ آیت؛

---

(۱) ائمہ ستہ' حاکم عن عمر بخاری عن ابن عمر ۱۲۔ (۲)۔ احمد' شافعی' ابن راہویہ' ابو یعلی عن عمر ۱۲۔ (۳)۔ ترمذی وغیرہ عن جابر الطویل ۱۲۔ (۴)۔ ذکرہ المصنف فی المصفے ۱۲۔

ولیطوّفوا اھ؛ میں مطلق طواف کا حکم ہے اور مطلق امر مقتضی تکرار نہیں ہوتا[1] اور مطلق امر کا مصداق طواف زیارت بالا جماع متعین ہو چکا پس طواف قدوم واجب نہیں ہو سکتا- رہی حدیث مذکور سواول تو یہ غریب ہے-بتقدیر ثبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کو تحیہ کیساتھ موسوم کرنا خود استحباب کی دلیل ہے کیونکہ تحیہ کے معنی اکرام بطریق تبرع کے ہیں پس یہ وجوب پر دلالت نہیں کرتا اگر چہ بصیغۂ امر ہو سوال آیت؛ واذا حییتم بتحیۃ فحیوا اھ؛ میں تحیہ بصیغہ امر ہے جو بقول شما وجوب پر دلالت نہیں کرتا پس سلام کا جواب دینا واجب نہیں ہونا چاہیے جواب حیوا امر احسن کے ساتھ مقید ہے اور ظاہر ہے کہ نفس جواب واجب ہے- سلام کنندہ کے سلام سے بہتر جواب دینا واجب نہیں-

ثُمَّ اخْرُجْ اِلَى الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَاَقِمْ عَلَيْهِ مُسْتَقْبِلاً بِالْبَيْتِ مُكَبِّرًا مُهَلِّلاً مُصَلِّيًا عَلَى النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ دَاعِيًا رَبَّكَ

پھر نکل صفا کی طرف اور کھڑا ہو اس پر قبلہ رخ ہو کر اس حال میں کہ تکبیر کہنے والا ہو حضور ﷺ پر درود بھیجنے والا ہو اپنے رب سے اپنی مراد مانگنے والا ہو

لِحَاجَتِكَ ثُمَّ اهْبِطْ نَحْوَ الْمَرْوَةِ سَاعِيًا بَيْنَ الْمِيْلَيْنِ الْاَخْضَرَيْنِ وَافْعَلْ عَلَيْهَا مَافَعَلْتَ عَلَى الصَّفَا فَطُفْ بَيْنَهُمَا

پھر اتر مروہ کی طرف میلین اخضرین کے درمیان دوڑتا ہوا اور کر یہاں بھی وہی جو صفا پر کیا تھا اور طواف کر ان کے درمیان سات چکر

سَبْعَةَ اَشْوَاطٍ اِبْتَدِئْ بِالصَّفَا وَاخْتِمْ بِالْمَرْوَةِ ثُمَّ اَقِمْ بِمَكَّةَ حَرَامًا وَطُفْ بِالْبَيْتِ كُلَّمَا بَدَا لَكَ

شروع کر صفا سے اور ختم کر مروہ پر پھر ٹھہرا رہ مکہ میں احرام باندھے اور طواف کر جب تیرا جی چاہے-

صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنے کا بیان

توضیح اللغۃ: صفا بمعنی چکنا پتھر، صفا اور مروہ مسجد حرام کے پاس دو پہاڑیاں ہیں، صفا حضرت آدم صفی اللہ کی نشستگاہ ہے اس لیے اس کو صفا کہتے ہیں- اور مروہ حضرت حوا کی نشستگاہ ہے- اسلئے اس کو باسم امرأۃ مروہ کہتے ہیں- اسی لیے یہ لفظ مؤنث ہے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ صفا ایک مرد کا اور مروہ ایک عورت کا نام تھا جنہوں نے بیت اللہ میں حرام کاری کی تھی- حق تعالیٰ نے ان کو پتھر بنا ڈالا- اور دونوں پہاڑیوں پر برائے عبرت رکھ دیا گیا- واللہ اعلم (طحطاوی) اھبط: ہبوط اترنا، میلین اخضرین: دو سبز مینار ہیں جو مسجد حرام کی پشت کی دیوار میں تراشے ہوئے ہیں-

تشریح الفقہ: قولہ ثم اخرج الخ طواف قدوم سے فارغ ہو کر صفا پر آئے اور اس پر اتنا چڑھے کہ کعبہ نظر آ جائے اور بیت اللہ سامنے ہو اور بلند آواز سے تکبیر کہے، کلمہ توحید اور اپنے مقاصد کے لئے دعا کرے- یہ سب امور حدیث سے ثابت ہیں[2]

پھر صفا سے اتر کر مروہ کی طرف چلے اور میلین اخضرین کے درمیان سعی کرے اور یہاں بھی وہی افعال کرے جو صفا پر کئے تھے- اسی طرح سات بار کرے یعنی صفا سے شروع کرے اور مروہ پر ختم کرے- پس صفا سے مروہ تک آنا ایک شوط ہے اور مروہ سے صفا تک جانا دوسرا شوط- اسطرح ساتواں شوط مروہ پر ختم ہوگا- امام طحاوی سے منقول ہے کہ صفا سے مروہ تک پھر مروہ سے صفا تک آنا جانا پورا ایک شوط ہے، جیسے طواف میں حجر اسود سے شروع کرنا پھر اس تک واپس آنا ایک شوط ہے- مگر یہ صحیح نہیں کیونکہ حضرت جابر کی حدیث کے الفاظ ہیں؛ فلما کان آخر طوافہ علی المروۃ اھ؛ اگر صفا سے صفا تک ایک شوط ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طواف کی انتہا صفا پر ہوتی نہ کہ مروہ پر- سعی کی ابتدا صفا سے ہونی چاہیے- اگر مروہ سے ابتدا کریگا تو صفا تک شوط میں شمار نہ ہوگا- کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا ہی سے ابتدا کی ہے- اور فرمایا ہے کہ؛ اس سے ابتدا کرو جس سے حق تعالیٰ نے ابتدا کی ہے؛ یعنی آیت؛ انّ الصفا والمروۃ من شعائر اللہ؛ میں صفا مقدم ہے لہذا سعی کی ابتدا اسی سے ہوگی-

---

(۱) قال الحافظ "فی الدرایۃ" لم اجدہ (۲) مسلم ابوداؤد عن جابرؓ

(۳) دارقطنی، انسائی بیہقی (بصیغۃ الامر) مسلم (بصیغۃ الخبر) ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، مالک عن جابر

(تنبیہ): صاحب تحفہ نے ذکر کیا ہے کہ مفرد بالحج کے لئے افضل یہ ہے کہ طواف قدوم کے بعد صفا و مروہ کے درمیان سعی کرے کیونکہ طواف قدوم سنت ہے۔ اور سعی واجب، طواف کے بعد سعی کرنے سے واجب کا سنت کے تابع ہونا لازم آتا ہے، بخلاف طواف زیارت کے وہ رکن اور فرض ہے۔ پس سعی کو طواف زیارت کے بعد کرنا چاہئے تاکہ واجب رکن کے تابع ہو۔ مگر چونکہ طواف زیارت کے دن یعنی یوم نحر میں ادائیگی فرض قربانی، رمی جمار کے اشغال درپیش ہوتے ہیں اسلیے علمائے نے آسانی و سہولت کی غرض سے سعی کو طواف قدوم کے بعد رکھا ہے۔

(فائدہ): ہمارے نزدیک سعی رکن نہیں واجب ہے۔ امام شافعی، امام مالک اور ایک روایت کے اعتبار سے امام احمد کے نزدیک رکن ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ انّ اللہ کتب علیکم السعی فاسعوا[1] .. جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ظنی ہے جس سے رکنیت ثابت نہیں ہوتی۔

قولہ وطف الخ طواف وسعی کے بعد احرام باندھے ہوئے مکہ میں ٹھہرا رہے۔ اور زیادہ سے زیادہ طواف کرتا رہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ، بیت اللہ کا طواف نماز ہے، بجز آنکہ حق تعالیٰ نے طواف میں کلام کرنا حلال کردیا ہے سو جو شخص کلام کرے اس کو چاہیے کہ سوائے خیر کے نہ بولے[2] نیز آپ کا ارشاد ہے کہ، جو بیت اللہ کا پچاس بار طواف کریگا وہ اپنے گناہوں سے ایسا نکل جائیگا جیسے اس دن بے گناہ تھا جس دن ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا[3]

ثُمَّ اخْطُبْ قَبْلَ يَوْمِ التَّرْوِيَةِ بِيَوْمٍ وَعَلِّمْ فِيهَا الْمَنَاسِكَ ثُمَّ رُحْ مِنْ مَكَّةَ يَوْمَ التَّرْوِيَةِ اِلٰى مِنًى ثُمَّ اِلٰى عَرَفَاتٍ

پھر خطبہ دے آٹھویں تاریخ سے ایک روز قبل اور سکھا اس میں احکام حج پھر جا مکہ سے آٹھویں تاریخ کو منٰی میں پھر عرفات میں

بَعْدَ صَلٰوةِ الْفَجْرِ يَوْمَ عَرَفَةَ ثُمَّ اخْطُبْ ثُمَّ صَلِّ بَعْدَ الزَّوَالِ الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ بِاَذَانٍ وَاِقَامَتَيْنِ بِشَرْطِ الْاِمَامِ وَالْاِحْرَامِ

فجر کی نماز کے بعد نویں تاریخ کو پھر خطبہ دے پھر نماز پڑھ زوال کے بعد ظہر اور عصر کی ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ بشرطیکہ امام ہو اور احرام ہو

ثُمَّ اِلَى الْمَوْقِفِ وَقِفْ بِقُرْبِ الْجَبَلِ وَعَرَفَاتٌ كُلُّهَا مَوْقِفٌ اِلَّا بَطْنَ عُرَنَةَ

پھر چل موقف کی طرف اور پھر جبل رحمت کے قریب اور تمام عرفات ٹھہرنے کی جگہ ہے مگر بطن عرنہ

حَامِدًا مُكَبِّرًا مُهَلِّلًا مُلَبِّيًا مُصَلِّيًا دَاعِيًا

درانحالیکہ حمد و ثنا، تکبیر و تہلیل، تلبیہ اور درود پڑھنے والا ہو اور دعا کرنے والا ہو۔

وقوف عرفہ کا بیان

توضیح اللغۃ: یوم الترویہ: آٹھویں تاریخ، نویں کو یوم عرفہ، دسویں کو یوم نحر، گیارہویں کو یوم القر۔ بارہویں کو یوم النفر الاول تیرہویں کو یوم النفر الثانی کہتے ہیں۔ (مناسک نبوی): افعال وارکان حج، رح: امر حاضر ہے، منٰی: حدود حرم میں ایک گاؤں ہے اس کے اور مکہ کے درمیان ایک فرسخ کا فصل ہے۔ یہ لفظ عموماً مذکر اور منصرف پڑھا جاتا ہے۔ (مغرب) موقف ٹھہرنے کی جگہ جبل: سے مراد جبل رحمت ہے بطن عرنہ: حرم میں مسجد عرفہ کے مغرب کی طرف ایک جنگل کا نام ہے۔

تشریح الفقہ: قولہ ثم اخطب الخ ذی الحجہ کی ساتویں تاریخ میں دوپہر ڈھلے ظہر کی نماز کے بعد امام خطبہ پڑھے جس میں حج کے احکام کی تعلیم دے۔ یعنی لوگوں کو احرام باندھنے۔ منٰی اور عرفات جانا۔ وہاں نماز پڑھنا، عرفات میں ٹھہرنا اور وہاں سے واپس ہونا سکھائے۔ فائدہ: حج میں تین خطبے ہیں۔

(۱) .. طبرانی عن ابن عباس، شافعی، احمد، ابن راہویہ، حاکم عن حبیبہ بنت ابی تجزاۃ، بیہقی، طبرانی عن تملک العبدریہ، طبرانی عن صفیہ بنت شیبہ ۱۲ (۲). ابن حبان، حاکم عن ابن عباس ۱۲ (۳) ترمذی عن ابن عباس ۱۲۔

ایک ساتویں تاریخ کو مکہ میں دوم نویں کو عرفات میں سوم گیارہویں کو منیٰ میں یہ تینوں خطبے ایک ایک روز کے فصل سے دو پہر ڈھلے ظہر کی نماز کے بعد پڑھے جاتے ہیں۔ سوائے خطبۂ عرفات کے وہ زوال کے بعد ظہر کی نماز سے پہلے ہوتا ہے۔ امام زفر کے یہاں یہ خطبے لگاتار ہیں۔ یعنی آٹھویں، نویں، دسویں تاریخ کو، ان تینوں خطبوں کی ابتدا خطبہ عیدین کی طرح تکبیر کے ساتھ پھر تحمید کے ساتھ واجب ہے۔ اور دیگر تین خطبوں میں یعنی خطبہ جمعہ، خطبہ استسقاء اور خطبہ نکاح میں تحمید سے ابتدا کرنا لازم ہے (منح، طحطاوی، مبتغی)۔

قولہ ثم رح الخ آٹھویں تاریخ کو جب فجر کی نماز پڑھ چکے تو منیٰ میں آئے اور نویں کی فجر تک یہیں رہے پھر نویں تاریخ کو طلوع آفتاب کے بعد منیٰ سے عرفات آئے یہاں ظہر کی نماز سے پہلے خطبہ جمعہ کی طرح امام دو خطبے پڑھے جن میں وقوف عرفہ، وقوف مزدلفہ ان دونوں سے واپسی، رمی جمرہ عقبہ، ذبح، حلق اور طواف زیارت وغیرہ کے احکام سکھائے۔ خطبہ کے بعد لوگوں کو ظہر اور عصر کی نماز ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ پڑھائے۔ ظہر کے لیے اذان اور اقامت دونوں کہے۔ اور ظہر پڑھ کر عصر کے لیے اقامت کہے؛ کیونکہ عصر کی نماز خلاف عادت اس کے وقت سے پہلے پڑھی جاتی ہے۔ اس لیے اطلاع کرنا ضروری ہے اور اسکے لیے اقامت کافی ہے۔ یہ جمع بین الصلاتین جمع تقدم کہلاتی ہے۔ جو احادیث مشہورہ سے ثابت ہے۔ (مسلم عن جابر مطولاً)۔

قولہ باذان الخ عرفات میں جو ظہر و عصر کی نماز ہوتی ہے۔ اس کے لیے اذان و اقامت کہے؟ ایک اقامت کہے یا دو؟ اس میں چھ مذہب ہیں (۱) مذہب احناف جو اوپر مذکور ہوا، ۲) ایک اذان اور ایک اقامت یہ قول ظاہر یہ حضرت عطا، اور امام احمد کا ہے۔ اور شافعی کا بھی قول ہے۔ امام زفر، طحاوی، ابوثور نے اسی کو اختیار کیا ہے (۳) دو اذانیں اور دو اقامتیں یہ حضرت ابن مسعود، حضرت علی اور محمد ابن باقر سے مروی ہے (۴) صرف دو اقامتیں یہ حضرت عمر، حضرت علی، سالم بن عبداللہ سے روایت ہے، اور یہی ایک قول امام شافعی کا امام احمد کا سفیان ثوری کا ہے، ۵) صرف ایک اقامت یہ قول ابوبکر بن داؤد کا ہے، ٦) نہ اذان و اقامت یہ حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے۔

قولہ بشرط الامام الخ امام ابوحنیفہ کے نزدیک جمع بین الصلاتین کا جواز تین شرطوں پر موقوف ہے۔ اول بادشاہ یا اس کے نائب قاضی وغیرہ کا ہونا اگر بادشاہ یا اس کا نائب نہ ہو تو لوگ علیحدہ علیحدہ نماز پڑھیں' دوم ظہر و عصر دونوں نمازوں میں حج کا احرام ہونا۔ اگر ظہر کی نماز عمرہ کے احرام سے اور عصر کی نماز حج کے احرام سے پڑھے تو جمع بین الصلاتین جائز نہیں سوم جماعت کا ہونا اگر کسی نے ظہر کی نماز تنہا پڑھ لی تو اس کے لئے عصر کی نماز امام کے ساتھ پڑھنا جائز نہیں وہ عصر کی نماز اس کے وقت میں پڑھے گا' صاحبین کے نزدیک صرف احرام حج کا ہونا کافی ہے' امام احمد' امام شافعی' امام مالک کا بھی یہی قول ہے۔

قولہ ثم الی الموقف الخ پھر نماز کے بعد موقف کی طرف جائے اور جبل رحمت کے قریب بڑے بڑے سیاہ پتھروں کے پاس قبلہ رخ ٹھہر جائے۔ یہیں ٹھہرنا سنت ہے' عوام جو پہاڑ پر چڑھ کر کھڑے ہوتے ہیں یہ بالکل بے اصل اور خلاف سنت ہے' کل عرفات ٹھہرنے کی جگہ ہے۔ جہاں چاہے ٹھہر جائے' بجز بطن عرنہ میں ٹھہرنا جائز نہیں۔ کیونکہ حدیث میں اس کی ممانعت ہے۔ (۱)

فائدہ: وقوف بعرفہ ارکان حج میں سے عظیم ترین رکن ہے' صحیح حدیث میں ہے کہ ''الحج عرفۃ'' حج وقوف بعرفہ ہے۔ اس کی صحت کیلئے دو شرطیں ہیں۔ اول یہ کہ عرفات کی زمین میں ہو۔ دوم یہ کہ اس کے وقت میں ہو وہاں کھڑا ہونا اور نیت کرنا نہ وقوف بعرفہ کیلئے شرط ہے اور نہ واجب' یہاں تک کہ اگر کسی نے بیٹھے یا راہ چلتے یا بھاگتے یا مدیون کو تلاش کرتے یا سوتے ہوئے وقوف کیا تو وقوف صحیح ہے اس واسطے کہ فریضہ وقوف صرف وہاں موجود ہونا ہے اور بس۔

قولہ داعیا الخ عرفہ کے دن کریم مطلق کا دریائے رحمت خوب جوش میں ہوتا ہے اسلئے بصدق ذوق و شوق اور نہایت گریہ وزاری کے ساتھ دعا کرنا چاہئے۔ کیونکہ یہ دولت قسمت کے سکندروں کو نصیب ہوتی ہے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''افضل دعا یوم عرفہ کی

(۱) ..ابن ماجہ عن جابر' احمد' ابن حبان' ترمذی' طبرانی' عن جبیر بن مطعم' حاکم' طبرانی عن ابن عباس' ابن عدی عن ابن عمر و ابی ہریرۃ۔۱۲

دعا ہے ''اللھم ھب لنا زیادۃ المسجد الحرام وروضۃ سید الانام علیٰ صاحبہا افضل الصلوٰۃ والسلام۔
فائدہ: مکہ معظمہ میں پندرہ جگہیں ایسی ہیں جہاں ہر دعا قبول کی جاتی ہے۔ اور وہ پندرہ جگہیں صاحب نہر کے اس قطعہ میں منظوم ہیں'' دعاء البرایا یستجاب بکعبۃ :: وملتزم والموقفین کذا الحجر :: طواف وسعی مروتین فزمزم :: مقام ومیزاب جمارک تعتبر۔ دلائل الاسرار میں مناسک حسن نقاش سے وہ ساعات بھی مذکور ہیں جن میں دعا قبول ہوتی ہے اور وہ یہ ہیں بیت اللہ میں عصر کے بعد دونوں ستونوں کے سامنے) ملتزم میں آدھی رات موقف عرفات میں بوقت غروب، موقف مزدلفہ میں بوقت طلوع، طواف میں ہر وقت' سعی میں اور صفا ومروہ پر بوقت عصر' زمزم کے پاس بوقت غروب' مقام ابراہیم میں اور میزاب رحمت کے نیچے سحر کے وقت جمار کے پاس بوقت طلوع' ان امکنہ میں اجابت دعا حسن بصری کے مکتوب سے ثابت ہے جو آپ نے اہل مکہ کو لکھا تھا شیخ عبدالمالک ابن جمال الدین ملازادہ عصامی نے ایک نظم لکھی ہے جس میں مواضع مذکور مع ساعات قدرے اختلاف کے ساتھ مذکور ہیں وہ یہ ہے

قد ذکر النقاش فی المناسک — وھو لعمری عمدۃ للناسک
ان الدعاء فی خمسۃ وعشرۃ — بمکۃ یقبل ممن ذکرہ
وھی المطاف مطلقا والملتزم — بنصف لیل فھو شرط ملتزم
وداخل البیت بوقت العصر — بین یدی جذعیہ فاستقر
وتحت میزاب لہ وقت السحر — وھکذا خلف المقام المفتخر
وعند بئر زمزم شرب الفحول — اذا دنت شمس النھار للافول
ثم الصفا و مروۃ والمسعی — بو قت عصر فھو قید یرعی
کذا منی فی لیلۃ القدر اذا — تنصف اللیل فخذ مایحتذی
ثم لدی الجمار والمزدلفۃ — عند طلوع الشمس ثم عرفہ
بموقف عند غروب الشمس قل — ثم لدی السدرۃ ظھر اوکمل
وقدروی ھذا الوقوف طرا — من غیر تقیید بما قد مرا
بحر العلوم الحسن البصری عن — خیر الوری ذاتا ووصفا وسنن
صلی علیہ اللہ ثم سلما — والہ والصحب ماغیث ھما

ثُمَّ اِلیٰ مُزدَلِفَةَ بَعْدَ الْغُرُوبِ وَانْزِلْ بِقُرْبِ جَبَلِ قُزَحِ وَصَلِّ بِالنَّاسِ الْعِشَآئَيْنِ بِاَذَانٍ وَاِقَامَةٍ

پھر چل مزدلفہ کی طرف دن چھپے اور اتر جبل قزح کے قریب اور نماز پڑھ جماعت کیساتھ مغرب اور عشاء کی ایک اذان اور ایک اقامت کیساتھ

وَلَمْ يَجُزِ الْمَغْرِبُ فِي الطَّرِيْقِ ثُمَّ صَلِّ الْفَجْرَ بِغَلَسٍ ثُمَّ قِفْ مُكَبِّرًا مُهَلِّلًا مُلَبِّيًا مُصَلِّيًا عَلَى النَّبِيِّ ﷺ

اور جائز نہ ہوگی نماز مغرب راستہ میں پھر پڑھ نماز فجر صبح سویرے پھر توقف کر تکبیر وتہلیل تلبیہ اور حضور ﷺ پر درود بھیجتا ہوا

دَاعِيًا رَبَّكَ بِحَاجَتِكَ وَقِفْ عَلیٰ جَبَلِ قُزَحٍ اِنْ اَمْكَنَكَ وَاِلَّا فَبِقَرِيْبٍ مِّنْهُ وَهِيَ مَوْقِفٌ اِلَّا بَطْنَ مُحَسِّرٍ

اپنے رب سے اپنی مراد مانگتا ہوا اور ٹھہر جبل قزح پر اگر ہوسکے ورنہ اس کے قریب اور مزدلفہ ٹھہرنے کی جگہ ہے سوائے بطن محسر کے

ثُمَّ اِلٰی مِنٰی بَعْدَ مَا اَسْفَرَ فَارْمِ جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ مِنْ بَطْنِ الْوَادِیْ بِسَبْعِ حَصَاةٍ كَحَصَى الْخَذْفِ وَكَبِّرْ

پھر چل منی کی طرف روشنی ہو جانے کے بعد پس جمرہ عقبہ کی رمی کر وادی کے اندر سے ایسی سات کنکریوں کیساتھ جن کو انگلی سے مار سکیں اور تکبیر کہہ

بِكُلِّ حَصَاةٍ وَاقْطَعِ التَّلْبِيَةَ بِاَوَّلِهَا ثُمَّ اذْبَحْ ثُمَّ احْلِقْ اَوْقَصِّرْ وَالْحَلْقُ اَحَبُّ وَحَلَّ لَكَ غَيْرُ النِّسَآءِ

کنکری کے ساتھ اور ختم کر تلبیہ پہلی کنکری سے پھر قربانی کر پھر سر کے بال مونڈا یا کترو اور مونڈنا پسندیدہ ہے اور جائز ہو گئی تیرے لئے ہر چیز عورت کے سوا۔

وقوف مزدلفہ اور رمی کا بیان

توضیح اللغۃ: قزح: مزدلفہ میں ایک پہاڑ ہے۔ جس پر بقول بعض حضرت آدم کی بھٹی تھی ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ یہ موقف انبیا ہے۔ لفظ قزح علیت اور عدل کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔ کیونکہ یہ قازح بمعنی مرتفع سے معدول ہے، غلس: آخررات کی تاریکی محسر: بمعنی عاجز کر دینے والا، منی اور مزدلفہ کے درمیان ایک وادی ہے۔ یہاں چونکہ اصحاب فیل عاجز ہو کر غارت ہو گئے تھے اسلئے اسکو محسر کہتے ہیں۔ (طحطاوی) اسفر: الصبح روشن ہونا، جمرۃ: مفرد ہے جسکی جمع جمار ہے چھوٹی چھوٹی پتھریوں کو کہتے ہیں منی میں جماران تین مکانوں کا نام ہے جن پر کنکریاں اور پتھریاں پھینکتے ہیں ایک کو جمرۂ اولیٰ کہتے ہیں جو مسجد خیف کے پاس ہے دوسرا جمرۂ وسطی ہے اور تیسرا جمرۂ عقبہ، حصیات: جمع حصاۃ کنکری، خزف ٹھیکرے وغیرہ کے پھینکنے کو کہتے ہیں۔

تشریح الفقہ: قولہ ثم الی مزدلفہ الخ جب عرفات میں آفتاب غروب ہو جائے تو وہاں سے مزدلفہ آئے۔ اور جبل قزح کے قریب اترے کیونکہ آنحضرت صلعم اور حضرت عمر نے یہیں نزول فرمایا ہے[1]۔ نیز آیت، فاذا افضتم من عرفات فاذکروا اللہ عند المشعر الحرام، مشعر حرام سے مراد یہی جبل قزح ہے۔ عرفات سے غروب کے بعد چلنا ضروری ہے، اگر غروب سے پہلے چل دیا اور حدود عرفات سے متجاوز ہو گیا تو خون دینا واجب ہوگا۔ کیونکہ عرفات سے چلنا باتفاق رواۃ بعد الغروب[2] ہے۔ پھر وہیں مغرب وعشاء کی نماز ایک اذان اور ایک اقامت کیساتھ پڑھے۔ یہ جمع بین الصلاتین جمع تاخیر کہلاتی ہے۔

سوال: عرفات کی جمع بین الصلاتین کی طرح یہاں بھی دو اقامتیں ہونی چاہئیں چنانچہ امام زفر اسی کے قائل ہیں۔ اور اسی کو امام طحاوی نے اختیار کیا ہے۔

جواب: نہیں کیونکہ آنحضرت ﷺ نے ایک اذان اور ایک اقامت کیساتھ پڑھی ہے[3]۔ نیز چونکہ دوسری نماز یعنی عشاء اپنے اصلی وقت پر ہے۔ اور لوگ سب مجتمع ہیں۔ اسلئے دوبارہ اقامت سے اطلاع کرنا ضروری نہیں۔ بخلاف عرفات کے کہ وہاں عصر کی نماز اپنے وقت پر نہیں ہوتی۔ سوال امام صاحب کے نزدیک مزدلفہ کی جمع بین الصلاتین میں امام اور جماعت کا ہونا شرط نہیں اور عرفات میں شرط ہے۔ حالانکہ احادیث سے دونوں میں جماعت کا ثبوت ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ جواب اسلئے کہ یہاں مغرب اپنے وقت سے مؤخر ہے اور وقت گزرنے کے بعد نماز پڑھنا امر معقول ہے۔ بخلاف عرفات کے کہ وہاں عصر اپنے وقت سے مقدم ہوتی ہے۔ اور نماز کو اسکے وقت پر مقدم کرنا خلاف قیاس ہے۔ اسلئے اس میں مورد کی تمام شروط واردہ کی رعایت کرنا ضروری ہے۔

قولہ ولم تجز الخ اگر کسی نے مزدلفہ پہنچنے سے پہلے راستہ میں مغرب کی نماز پڑھ لی تو امام طرفین، زفر، حسن بصری کے نزدیک جائز نہ ہوگی بلکہ اس کو مزدلفہ پہنچکر دوبارہ پڑھنا ہوگی۔ امام ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے۔ کیونکہ اس نے مغرب اس کے وقت میں پڑھی ہے۔ لہذا اعادہ ضروری نہیں البتہ خلاف سنت ہے۔ طرفین کی دلیل یہ ہے کہ، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عرفات سے روانہ ہوئے تو راہ میں اتر کر آپ نے پیشاب کیا اور ناتمام وضو کیا۔ حضرت اسامہ نے عرض کیا یا رسول اللہ۔ نماز پڑھ لیجئے۔ آپ نے فرمایا: نماز تیرے آگے ہے۔ پس آپ مزدلفہ پہنچے اور وہاں پورا وضو کر کے مغرب وعشاء کی نماز پڑھی[4]۔ معلوم ہوا کہ یہ نماز زمان

(۱) ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، عن علی، حاکم عن جابر، ابویعلی عن ابی رافع ۱۲

(۲) ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ عن علی، ابوداؤد عن اسامہ، حاکم، طبرانی عن ابن عمر ۱۲

(۳) ... ابن ابی شیبہ عن جابر والی ایوب، صحیحین عن اسامہ، طبرانی عن ابی ایوب، مسلم عن سعید بن جبیر، ابوداؤد، عن ابن عمر ۱۲ (۴)۔ صحیحین عن اسامہ ۱۲۔

ومکان اور وقت مخصوص یعنی یوم نحر کی رات کو مزدلفہ میں عشاء کے وقت کے ساتھ خاص ہے۔

فائدہ: علامہ شہاری نے منسک میں ذکر کیا ہے کہ راستہ میں نمازِ مغرب پڑھنے کا جو حکم اوپر مذکور ہوا یہ اس وقت ہے جب مزدلفہ میں اسی کی راہ سے جائے۔ اور اگر کسی اور راستے سے جائے تو درمیان راہ میں مغرب کی نماز پڑھنا بلاتوقف صحیح ہے۔ (منحۃ الخالق)۔

فقہی پہیلی: علامہ طحطاوی نے ذکر کیا ہے کہ یہ مسئلہ فقہی چیستان ہے کیونکہ اس پر چند سوالات ہوتے ہیں۔ جن کے جواب میں فقیہ کو حیرانی ہوتی ہے۔ ہم یہاں وہ سوالات مع جوابات نقل کرتے ہیں۔ سوال وہ کون سی فرض نماز ہے جس میں نہ اذان ہے نہ اقامت؟ جواب عشاء کی نماز ہے جو مزدلفہ میں پڑھی جاتی ہے۔ (بشرطیکہ مغرب وعشاء میں فصل نہ ہو)۔

سوال: وہ کون سی نماز ہے جو پوری شروط ادائیگی کے ساتھ وقت پر پڑھی جائے اور پھر واجب الاعادہ ہو؟ جواب مزدلفہ کی مغرب اور اسی طرح عشاء کی نماز ہے جو راہ میں یا عرفات میں پڑھی جائے۔ سوال: وہ کونسی عشاء ہے جسکو صاحب ترتیب مغرب سے پہلے پڑھے اور صحیح ہو؟ جواب: مزدلفہ کی عشاء ہے جو اپنے وقت پر پڑھی گئی ہو۔ اور پھر صبح صادق ہوگئی ہو۔ سوال: وہ کون سی نماز ہے جسکو ایک خاص جگہ میں پڑھنا ضروری ہے؟ جواب: مزدلفہ کی مغرب و عشاء (غایہ)۔

قولہ وھی موقف الخ مزدلفہ تمام ٹھہرنے کا مقام ہے سوائے وادی محسر کے کیونکہ عرفات میں بطن عرنہ اور مزدلفہ میں وادی محسر سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے[1]

قولہ فارم الخ جب منٰی میں آئے تو جمرۂ عقبہ کو سات کنکریاں انگلیوں کے سرے سے یا ابہام کے سرے کو سبابہ کے سرے پر رکھ کر مارے، سات کی قید کا مقصد یہ ہے کہ اس سے کم جائز نہیں۔ پھر کنکریاں مارنیوالے اور جمرہ کے درمیان پانچ ہاتھ کا فاصلہ ہونا چاہیے۔ یہ امام ابوحنیفہ سے حسن بن زیاد کی روایت ہے۔ (ہدایہ) البحر الرائق میں ظہیریہ سے منقول ہے کہ اتنا فاصلہ واجب ہے۔ کنکری مارنیوالا پہلی کنکری کے ساتھ ہی تلبیہ موقوف کردے خواہ مفرد بالحج ہو یا متمتع ہو یا قارن ہو۔ کیونکہ صحیحین کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لبیک کہتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ جمرۂ عقبہ کے پاس تشریف لائے۔ اور پہلی کنکری کیساتھ تلبیہ کو ختم کردیا۔ ہاں ہر کنکری کیساتھ تکبیر کہتا رہے کیونکہ یہ حدیث سے ثابت ہے[2]

(تنبیہ): بعض کتب میں جو یہ مرقوم ہے کہ کنکریاں مزدلفہ سے لائے یا اس پہاڑ سے لائے جو مزدلفہ اور منٰی کے درمیان ہے، سو یہ سنت نہیں بلکہ جہاں سے چاہے اٹھالے البتہ جو کنکریاں جمرات کے پاس پڑی رہتی ہیں وہ نہ اٹھائے کیونکہ وہ مقبول نہیں مردود ہیں۔ ابن جبیر فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباسؓ سے دریافت کیا: اس کی کیا وجہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے جمرات پر کنکریاں پھینکتے ہیں اور کنکریوں کا انبار نہیں لگتا؛ حالانکہ اتنی مدت میں کنکریوں کا ایک پہاڑ بن جانا چاہئے تھا جو آسمان سے باتیں کرتا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: تجھے معلوم نہیں جس کا حج قبول ہوتا ہے اسکی کنکریاں اٹھوالی جاتی ہیں۔ اور جسکا حج مقبول نہیں ہوتا اس کی کنکریاں وہیں پڑی رہ جاتی ہیں[4]۔ اسی قسم کی ایک مرفوع حدیث بھی ہے[5]

(فائدہ): کنکری کی مقدار میں اختلاف ہے مختار یہ ہے کہ لوبیئے کی برابر ہو اگر اس سے بڑی یا چھوٹی سے مارے تب بھی جائز ہے۔ ان سب جمرات کی کنکریوں کی شمار ستر ہے۔ یعنی سات جمرۂ عقبہ کی اور منٰی کے تینوں دنوں میں ہر دن تینوں جمرات کی سات سات کنکریاں۔

---

(۳) فی منی خمس آیات ھذہ احداھا وقد نظمھا بعضھم فقال۔

وآی منی خمس فمنھا اتساعھا — لحجاج بیت اللہ لو جاوزوا الحدا
ومنع حداۃ خطف لحم بارضھا — وقلۃ وجدان البعوض بھا عدا
وکون ذباب لایعاقب طعمھا — ورفع حصی المقبول دون الذی ردا

(۱) صحیح بخاری وغیرہ ۱۲ (۲) .. صحیحین عن ابن مسعود، بخاری عن ابن عمر ۱۲، (۴) .. ابونعیم، ابن ابی شیبہ ابن راہویہ ۱۲ (۵) کحاکم، دار قطنی عن ابی سعید الخدری ۱۲۔

ثُمَّ اِلٰی مَکَّۃَ یَوْمَ النَّحْرِ اَوْغَدًا اَوْبَعْدَہٗ فَطُفْ لِلرُّکْنِ سَبْعَۃَ اَشْوَاطٍ بِلاَ رَمَلٍ وَسَعْیٍ اِنْ قَدَّمْتَھُمَا وَاِلاَّ فَعَلاَ

پھر آ مکہ میں دسویں تاریخ کو یا گیارہویں کو پس طواف رکن کر سات چکر رمل اور سعی کے بغیر اگر کر چکا ہو پہلے ورنہ دونوں چیزیں کیجائینگی

وَحَلَّتْ لَکَ النِّسَآءُ وَکُرِہَ تَاْخِیْرُہٗ عَنْ اَیَّامِ النَّحْرِ ثُمَّ ارْجِعْ اِلٰی مِنٰی فَارْمِ الْجِمَارَ الثَّلٰثَۃَ فِیْ ثَانِی النَّحْرِ بَعْدَ الزَّوَالِ

اور جائز ہوگئی تیرے لئے عورت اور مکروہ ہے اس کی تاخیر ایام نحر سے پھر جا منی میں اور رمی کر تینوں جمروں کی گیارہویں تاریخ کو زوال کے بعد

بَادِیًا بِمَا یَلِی الْمَسْجِدَ ثُمَّ بِمَا یَلِیْھَا ثُمَّ بِجَمْرَۃِ الْعَقَبَۃِ وَقِفْ عِنْدَ کُلِّ رَمْیٍ بَعْدَہٗ رَمْیٌ

شروع کرتا ہوا اس سے جو مسجد کے پاس ہے پھر جو اس کے پاس ہے پھر جمرۂ عقبہ کی اور توقف کر ہر اس رمی کے وقت جس کے بعد رمی ہے

ثُمَّ غَدًا کَذٰلِکَ ثُمَّ بَعْدَہٗ کَذٰلِکَ اِنْ مَکَثْتَ فِیْہِ وَلَوْ رَمَیْتَ فِی الْیَوْمِ الرَّابِعِ قَبْلَ الزَّوَالِ صَحَّ

پھر گیارہویں اور بارہویں کو بھی اسی طرح کر اگر تو ٹھہرا ہے اور اگر رمی کرے تیرہویں کو زوال سے پہلے تو صحیح ہے

وَکُلُّ رَمْیٍ بَعْدَہٗ رَمْیٌ فَارْمِ مَاشِیًا وَاِلاَّ رَاکِبًا وَکُرِہَ اَنْ تُقَدِّمَ ثِقْلَکَ اِلٰی مَکَّۃَ وَتُقِیْمَ بِمِنًی لِلرَّمْیِ

اور ہر وہ رمی جس کے بعد رمی ہے پیادہ پا ہوکر مار ورنہ سوار ہوکر اور مکروہ ہے یہ کہ روانہ کردے اپنا سامان مکہ کو اور تو ٹھہرا رہے منی میں رمی کے لئے

ثُمَّ اِلَی الْمُحَصَّبِ فَطُفْ لِلصَّدْرِ سَبْعَۃَ اَشْوَاطٍ وَھُوَ وَاجِبٌ اِلاَّ عَلٰی اَھْلِ مَکَّۃَ ثُمَّ اشْرَبْ مِنْ مَّآءِ زَمْزَمَ

پھر پہنچ محصب میں اور طواف صدر کر سات چکر اور یہ واجب ہے مگر اہل مکہ پر پھر پی آب زمزم

وَالْتَزِمِ الْمُلْتَزَمَ وَتَشَبَّثْ بِالْاَسْتَارِ وَالْتَصِقْ بِالْجِدَارِ

اور لپٹ جا ملتزم سے اور پکڑ کعبہ کے پردوں کو اور چمٹ جا دیوار سے۔

طواف رکن وطواف صدر اور رمی جمار کا بیان

تشریح الفقہ: قولہ ثم الی مکۃ الخ پھر دسویں یا گیارہویں یا بارہویں کو مکہ آئے اور طواف زیارت کرے جسکو طواف افاضہ طواف یوم نحر، طواف رکن بھی کہتے ہے۔ اب اگر وہ اس سے قبل سعی کر چکا ہو تو اس طواف میں رمل اور سعی نہ کرے۔ کیونکہ انکا تکرار مشروع نہیں۔ اور اگر رمل وسعی نہ کی ہو تو دونوں کرے۔ طواف زیارت کو ایام نحر سے مؤخر کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ اگر ایسا کریگا تو امام صاحب کے نزدیک خون دینا واجب ہوگا۔

قولہ ثم الی منی الخ طواف زیارت کے بعد منی آئے اور گیارہویں تاریخ کو زوال شمس کے بعد تینوں جمار کی رمی کرے، رمی کی ابتدا جمرۂ اولیٰ سے کرے جو مسجد خیف کے پاس ہے پھر جمرۂ وسطیٰ کی جو جمرۂ اولیٰ کے قریب ہے۔ ان دونوں کے درمیان ۲۵ ہاتھ کا فاصلہ ہے پھر جمرۂ عقبہ کی رمی کرے اسمیں اور پہلے دو میں ۴۸ ہاتھ کا فاصلہ ہے۔ جمار ثلاثہ کی مذکورہ بالا ترتیب مسنون ہے واجب نہیں۔

قولہ وکل رمی الخ جس رمی کے بعد رمی ہے جیسے جمرۂ اولیٰ اور جمرۂ وسطیٰ کی رمی تو یہ پیادہ پا افضل ہے۔ کیونکہ ان دونوں کے درمیان ٹھہرنا ہوتا ہے۔ اگر سوار ہوکر رمی کریگا تو ٹھہرنے والوں کو تکلیف ہوگی۔ اور جس رمی کے بعد رمی نہیں ہے۔ جیسے جمرۂ عقبہ کی رمی تو یہ سوار ہوکر افضل ہے۔ کیونکہ اس کے بعد ٹھہرنا نہیں ہوتا۔ یہ تفصیل امام ابو یوسف سے منقول ہے۔ فتاویٰ ظہیریہ میں تینوں مقام میں پیدل رمی کرنے کو افضل کہا ہے کمال الدین وغیرہ نے اسی کو ترجیح دی ہے کیونکہ پیدل رمی کرنے میں تواضع زیادہ ہے۔ بالخصوص جبکہ اس زمانہ میں اکثر مسلمان پیادہ پا ہوتے ہیں۔ سوال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سوار ہوکر رمی کرنا ثابت ہے۔ پس یہی افضل ہونا چاہئے۔ جواب۔ آپکا سوار ہوکر رمی کرنا برائے تعلیم جواز تھا نہ کہ بطریق استنان۔

قولہ ثم الی المحصب الخ منی سے مکہ واپس ہوتے وقت اول محصب میں اترنا اور وہاں ٹھہرنا سنت ہے گو ایک ہی ساعت کیلئے ہو لیکن

بہتر یہ ہے کہ ظہر وعصر، مغرب، عشاء وہیں پڑھے۔ اور محصب میں ایک نیند لیکر مکہ آئے حدیث میں اسی طرح[1] ہے۔ امام شافعی کے نزدیک سنت نہیں۔ وہ یہ فرماتے ہیں کہ آپکا محصب میں اترنا اتفاقی تھا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ حضور صلعم نے منیٰ میں فرمایا تھا کہ ہم کل خیف بنی کنانہ میں اتریں گے[2]۔

قولہ فطف الخ مکہ سے رخصتی کے وقت بلارمل وسعی طواف کرے۔ جسکو طواف وداع کہتے ہیں۔ یہ احناف اور امام احمد کے نزدیک آفاقیوں پر واجب ہے۔ امام مالک وامام شافعی کے نزدیک سنت ہے۔ ہماری دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ۔ کوئی کوچ نہ کرے بدون طواف کے[3]۔

فَصْلٌ مَنْ لَّمْ يَدْخُلْ مَكَّةَ وَوَقَفَ بِعَرَفَةَ سَقَطَ عَنْهُ طَوَافُ الْقُدُوْمِ وَمَنْ وَقَفَ بِعَرَفَاتٍ سَاعَةً

(فصل) جو شخص نہیں داخل ہوا مکہ میں اور ٹھہر گیا عرفات میں تو ساقط ہو جائیگا اس سے طواف قدوم اور جو شخص توقف کرے عرفہ کے روز ایک ساعت

مِنَ الزَّوَالِ اِلٰى فَجْرِ يَوْمِ النَّحْرِ فَقَدْ تَمَّ حَجُّهٗ وَلَوْ جَاهِلاً اَوْ نَائِمًا اَوْ مُغْمًى عَلَيْهِ وَلَوْ اَهَلَّ عَنْهُ

زوال شمس سے دسویں کی صبح تک تو اس کا حج پورا ہو گیا گو بے جانے یا سوتے ہوئے یا بیہوشی کی حالت میں اور اگر احرام باندھے اسکی طرف سے

رَفِيْقُهٗ بِاِغْمَآئِهٖ صَحَّ وَالْمَرْأَةُ كَالرَّجُلِ غَيْرَ اَنَّهَا تَكْشِفُ وَجْهَهَا لَا رَأْسَهَا وَلَا تُلَبِّيْ جَهْرًا

اس کا ہمسفر اسکی بیہوشی کی وجہ سے تو صحیح ہے اور عورت مانند مرد کے ہے بجز اسکے کہ وہ کھولے اپنا منہ نہ کہ سر اور نہ لبیک کہے بلند آواز سے

وَلَا تَرْمُلُ وَلَا تَسْعٰى بَيْنَ الْمِيْلَيْنِ وَلَا تَحْلِقُ بَلْ تُقَصِّرُ وَتَلْبَسُ الْمَخِيْطَ وَمَنْ قَلَّدَ بُدْنَةً تَطَوُّعٍ اَوْ نَذْرٍ اَوْ جَزَآءِ صَيْدٍ

اور نہ رمل اور سعی کرے میلین کے درمیان اور نہ منڈائے بلکہ کترائے اور پہنے سلا ہوا کپڑا جس نے پٹا ڈالا نفلی یا نذر یا جزائے صید وغیرہ کی قربانی

وَنَحْوِهٖ وَتَوَجَّهَ مَعَهَا يُرِيْدُ الْحَجَّ فَقَدْ اَحْرَمَ فَاِنْ بَعَثَ بِهَا ثُمَّ تَوَجَّهَ لَا حَتّٰى يَلْحَقَهَا

کے گلے میں اور متوجہ ہوا اسکے ساتھ بارادۂ حج تو وہ محرم ہو گیا پس اگر روانہ کر دیا اس کو پھر متوجہ ہوا تو محرم نہ ہوگا جب تک کہ اس سے نہ ملے

اِلَّا فِي الْبُدْنَةِ الْمُتْعَةِ فَاِنْ جَلَّلَهَا اَوْ اَشْعَرَهَا اَوْ قَلَّدَ شَاةً لَمْ يَكُنْ مُحْرِمًا وَالْبُدْنُ مِنَ الْاِبِلِ وَالْبَقَرِ

مگر بدنہ تمتع میں پھر اگر اس پر جھول ڈالے یا زخم لگائے یا بکری کے گلے میں پٹا ڈالے تو محرم نہ ہوگا اور بدنہ اونٹ اور گائے کا معتبر ہے۔

افعال حج سے متعلق متفرق مسائل

تشریح الفقہ: قولہ من لم یدخل الخ کسی نے میقات سے احرام باندھا اور مکہ جانے کے بجائے سیدھا عرفات چلا گیا تو اس سے طواف قدوم ساقط ہو گیا کیونکہ ابتداء حج میں طواف قدوم کی مشروعیت اس طور پر ہے کہ باقی افعال حج اس پر مرتب ہوں پس اسکے خلاف طواف کرنا سنت نہیں ہو سکتا۔ سقط عنہ کا مطلب یہی ہے۔ کہ اب اس کے حق میں طواف قدوم سنت نہیں رہا۔ پھر اس پر کچھ واجب بھی نہیں لانہ ترک سنۃ لا واجبا۔

قولہ ومن وقف الخ جو شخص نویں تاریخ کو زوال شمس سے دسویں کی فجر تک عرفات میں تھوڑے وقت کے لئے ٹھہر گیا تو اسکا حج پورا ہو گیا گو اسکو معلوم نہ ہو کہ عرفات ہے یا سونے یا بیہوشی کی حالت میں ٹھہرا ہو۔ کیونکہ حج عرفات کے وقوف کا نام ہے۔ جیسا کہ حدیث میں مصرح ہے اور وقوف عرفات کے لئے شرط صرف وہاں موجود ہونا ہے، وقوف کی نیت کرنا، عرفات کا معلوم ہونا وغیرہ شرط نہیں۔

(۱)... بخاری عن انس (۲) یعنی محصب میں، صحیحین عن ابی ہریرہ ۱۲ (۳) مسلم عن ابن عباس، ترمذی، نسائی، حاکم، شافعی عن عمر ترمذی، احمد، طبرانی عن الحارث ۱۲۔

قولہ ولواہل الخ کسی نے حج کا احرام باندھا اور ابھی لبیک نہیں کہہ پایا تھا کہ بیہوش ہو گیا اور رفقاء سفر میں سے کسی نے حج کا نام لیکر اسکی طرف سے لبیک کہہ دیا۔ پھر ہوش آنے پر اسنے حج کے افعال ادا کر لئے تو امام صاحب کے نزدیک اسکا حج ہو گیا۔ صاحبین کے نزدیک نہیں ہوا۔ کیونکہ اس نے نہ تو خود احرام باندھا اور نہ کسی کو حکم دیا۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ اس نے رفقا کیساتھ عقد مرافقت کر کے اپنے ہمسفروں سے ہر اس چیز میں اعانت طلب کی ہیں جسے سے وہ عاجز ہو جائے۔ اور اس سفر کا مقصد احرام ہے جس سے وہ عاجز ہو گیا۔ پس یہاں دلالۃً احرام کی اجازت موجود ہے۔

قولہ ومن قلّد الخ بدنہ نفل (قربانی) یا بدنہ نذر یا بدنہ جزائے صید کے گلے میں جوتے یا چھال وغیرہ کا پٹا ڈال کر باراۂ حج اپنے ساتھ لیکر کعبہ کی طرف متوجہ ہونے سے محرم ہو جاتا ہے گو تلبیہ نہ کہے۔ کیونکہ روایت میں ہے کہ، جس نے بدنہ کے گلے میں قلادہ ڈالا وہ محرم ہو گیا[۱]۔ مگر اس کے لئے تین شرطیں ہیں۔ ۱) تقلید ہو۔ ۲) اسکے ساتھ جائے۔ ۳) حج کی نیت ہو پس خالی تقلید اور ہدی بھیجد ینے سے محرم نہ ہوگا جب تک کہ راہ میں اس سے نہ ملے اور نیت نہ کرے۔ شرح طحاوی میں جو یہ مذکور ہے کہ صرف ہدی بھیجد ینے سے محرم ہو جائیگا۔ نیت کرے یا نہ کرے۔ یہ قابل اعتنا نہیں ہے۔

قولہ والبدن الخ احناف کے نزدیک بدنہ اونٹ اور گائے دونوں کا معتبر ہے کیونکہ بدنہ کا اطلاق لغۃً بھی اور شرعاً بھی ہر دو پر ہوتا ہے، قال الجوہری، البدنۃ ناقۃ اور بقرہ، امام نووی نے کہا ہے کہ اکثر اہل لغت کا یہی قول ہے۔ امام شافعی نے نزدیک بدنہ صرف اونٹ کا معتبر ہے۔ کیونکہ حدیث فضیلت[۲] جمعہ میں بقرہ کا عطف بدنہ پر ہے۔ اور عطف متقضی مغایرت ہوتا ہے۔ ہم یہ کہتے ہے کہ بدنہ بدانت بمعنی ضخامت سے ہے۔ جس میں اونٹ اور گائے دونوں شریک ہیں، اس لئے سات آدمیوں کی طرف سے کافی ہوتے ہیں۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ، ہم بدنہ سات آدمیوں کیطرف سے ذبح کرتے تھے۔ کسی نے گائے کے متعلق پوچھا تو آپؐ نے فرمایا کہ گائے بدنہ ہی میں داخل ہے (مسلم) رہی حدیث مذکور سو اس میں لفظ عام ہے۔ اور مراد ایک خاص فرد ہے یعنی جزور چنانچہ مسلم کی روایت میں لفظ جزور مصرح ہے[۳]۔

بَابُ الْقِرَان

باب قران کے بیان میں

هُوَ	اَفْضَلُ	مِنَ	التَّمَتُّعِ	وَالْاِفْرَادِ	ثُمَّ	التَّمَتُّعُ	ثُمَّ	الْاِفْرَادُ
قران	افضل			ہے	پھر	تمتع	پھر	افراد

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ حج افراد بمنزلہ مفرد کے ہے۔ اور حج قران بمنزلہ مرکب کے ہے کیونکہ حج افراد میں صرف حج کا احرام ہوتا ہے۔ اور قران میں حج اور عمرہ دونوں کا ایک ساتھ اور مفرد مرکب پر مقدم ہوتا ہے۔ اسلئے حج افراد کے احکام سے فراغت کے بعد حج قران کو بیان کر رہا ہے۔

قولہ القران الخ قِران قرن (ن) کا مصدر ہے۔ بمعنی ملانا، جمع کرنا جیسے لِبَاس بروزن فِعال ثلاثی مجرد کا مصدر ہے۔ یقال، قرنتُ البعیرین،، میں نے دو اونٹوں کو ایک رسی میں باندھ دیا۔ حج قِران میں چونکہ عمرہ اور حج کا احرام ساتھ باندھتے ہیں اسلئے اسکو قران کہتے ہیں۔

قولہ ہو افضل الخ حج کی تین قسمیں ہیں افراد، (۱) قران (۲) تمتع (۳) اور تینوں قسمیں بلاشک وشبہ جائز ہیں جس پر علماء امت کا اجماع ہے۔ کیونکہ ہر ایک نص قرآنی سے ثابت ہے چنانچہ آیت۔ وللهِ علی الناس حجّ البیت، حج افراد کی اور، واتموا الحج

(۱) ابن ابی شیبہ عن ابن عباس وابن عمر موقوفاً، بخاری، طبرانی عن قیس بن سعدنی معناہ موقوفاً، عبدالرزاق، بزار، طحاوی عن جابر مرفوعاً فی معناہ (۲) صحیحین عن ابی ہریرۃ ۱۲۔ (۳)... وجہل من قال ان ... [illegible] ۱۲۔

والعمرة للّٰہ، حج قران کی اور، فمن تمتع بالعمرۃ الی الحج تمتع کی واضح دلیل ہے۔البتہ افضلیت میں اختلاف ہے۔ہمارے نزدیک سب سے افضل قران ہے۔پھر تمتع پھر افراد کیونکہ آنحضرت صلی اللّٰہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ، اے آل محمد۔ تم حج اور عمرہ کا احرام ایک ہی ساتھ باندھو[1]۔ نیز اس میں ایک ہی احرام کیساتھ دو عبادتیں ادا ہوتی ہیں۔اور احرام بھی بہت دن تک رہتا ہے جسمیں مشقت زیادہ ہے۔

(فائدہ): مذکورہ بالا اختلاف کا منشاء دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حج میں روایات کا اختلاف ہے۔چنانچہ متعدد روایات میں ہے کہ آپ نے فقط حج کا احرام باندھا[2] تھا۔بعض روایات میں ہے کہ آپکا حج تمتع تھا۔لیکن صحیحین وغیرہ کی بیشتر احادیث سے جن کی شمار بیس سے زیادہ ہے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپنے حج اور عمرہ کا احرام ایک ساتھ باندھا تھا آپ قارن[3] تھے ان مختلف احادیث میں جمع کی صورت یہ ہے کہ آپ نے اول حج کا احرام باندھا تھا بعدہ، عمرہ کو حج میں داخل کرلیا تھا۔کیونکہ اہلِ عرب موسمِ حج میں عمرہ کرنے کو گناہِ عظیم تصور کرتے تھے۔پس آپنے حج کو عمرہ کیساتھ ملالیا تاکہ ان کا یہ گمان باطل ہوجائے،مجد الدین فیروز آبادی نے سفر السعادہ میں شارحِ نقایہ نے اپنی شرح میں،ابن الہمام نے فتح القدیر میں اسکی تحقیق اور امام طحاوی نے تقریباً ایک ہزار اوراق میں اس مسئلہ کو پورے بسط کیساتھ لکھا ہے۔

وَهُوَ اَنْ يُّهِلَّ بِالْعُمْرَةِ وَالْحَجِّ مِنَ الْمِيْقَاتِ وَيَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اُرِيْدُالْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ فَيَسِّرْهُمَالِىْ

اور وہ یہ ہے کہ احرام باندھے عمرہ اور حج کا میقات سے اور کہے الٰہی میں عمرہ اور حج کا ارادہ کرتا ہوں تو ان کو میرے لئے آسان کر

وَتَقَبَّلْهُمَامِنِّىْ وَيَطُوْفُ وَيَسْعٰى لَهَا ثُمَّ يَحُجُّ كَمَا مَرَّ فَاِنْ طَافَ لَهُمَا طَوَافَيْنِ وَيَسْعٰى سَعْيَيْنِ جَازَ

اور میری طرف سے قبول کرلے اور طواف وسعی کرے عمرہ کیلئے پھر حج کرے جیسا کہ گذر چکا اگر دونوں کے لئے دو طواف اور دو سعی کرے تو جائز ہے

وَقَدْ اَسَآءَ وَاِذَا رَمٰى يَوْمَ النَّحْرِذَبَحَ شَاةً اَوْبُدْنَةً اَوْ سُبُعَهَا وَصَامَ الْعَاجِزُ عَنْهُ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اٰخِرُهَا يَوْمُ عَرَفَةَ

مگر برا ہے جب رمی کرچکے قربانی کے روز تو بکری یا اونٹ یا اس کا ساتواں حصہ ذبح کرے اور روزے رکھے عاجز تین کہ آخری عرفہ کے دن ہو

وَسَبْعَةً اِذَا رَجَعَ وَلَوْ بِمَكَّةَ فَاِنْ لَّمْ يَصُمْ اِلٰى يَوْمِ النَّحْرِ تَعَيَّنَ الدَّمُ

اور سات جبکہ فارغ ہوچکے گو مکہ ہی میں ہو اگر روزے نہ رکھے قربانی کے دن تک تو متعین ہوگا خون

وَاِنْ لَّمْ يَدْخُلْ مَكَّةَ وَوَقَفَ بِعَرَفَةَ فَعَلَيْهِ دَمٌ لِرَفْضِ الْعُمْرَةِ وَقَضَاهَا

اگر داخل نہ ہوا مکہ میں اور ٹھہر گیا عرفات میں تو اس پر خون ہے عمرہ چھوڑنے کا اور عمرہ کی قضا ہے۔

تشریح الفقہ: قولہ وہو ان یہل الخ قِران کا طریقہ یہ ہے کہ عمرہ اور حج کا ایک ساتھ میقات سے احرام باندھے اور کہے۔اللّٰہمَّ اِنی ارید العمرۃ اھ۔پھر عمرہ کے لئے خانہ کعبہ کا طواف کرے اور پہلے تین چکروں میں رمل کرے۔اس کے بعد صفا و مروہ کے درمیان سعی کرے اور طواف کے بعد دو رکعت نماز پڑھے۔یہ کل افعال عمرہ کے ہیں۔ان سے فارغ ہوکر حج کے افعال ادا کرے جنکی تفصیل حجِ افراد کے بیان میں گذر چکی۔

تنبیہ: قارن کے لئے عمرہ کے افعال کو پہلے کرنا ضروری ہے۔یہاں تک کے اگر کوئی حج کی نیت سے طواف کریگا تو وہ طواف عمرہ ہی کا ہوگا۔اور اس کی نیت لغو ہوگی۔وجہ اسکی یہ ہے کہ آیت۔فمن تمتع بالعمرۃ الی الحج۔میں کلمہ الی ہے۔جو انتہاءِ غایت کے لئے ہوتا ہے پس

---

(۱) احمد، طحاوی عن ام سلمہ۔(۲) صحیحین عن عائشہ، مسلم عن جابر، صحیحین، ترمذی، دارقطنی عن ابن عمر۔(۳) صحیحین عن ابن عمرو الاشعری وعائشہ، مسلم عن ابن ابی وقاص، جابر وابی سعید وترمذی عن ابن عباس۔

،احمد عن انس، احمد عن ابن عمر ۱۲ اللمعہ صحیحین عن انس، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، ابن حبان عن ابن عباس، ابوداؤد، نسائی، دارقطنی عن صبی بن معید، احمد عن سراقہ، ابوداؤد، نسائی عن ابن عمر ۱۲۔ صحیحین عن ابن عباس ۱۲۔

عمرہ کو مقدم کرنا ضروری ہے تاکہ، انتہا حج پر ہو سکے۔

سوال۔ آیت تو تمتع کے بارے میں ہے۔ اور گفتگو قارن کے سلسلہ میں ہے۔

جواب: ٹھیک ہے لیکن قران تمتع ہی کے معنی میں ہے۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک کیذریعہ ایک سفر میں دو عبادتوں کو ادا کرنے کا انتفاع ہوتا ہے۔

فائدہ: جو طریقہ اوپر مذکور ہوا کہ پہلے عمرہ کے لئے پھر حج کے لئے ایک ایک طواف اور ایک ایک سعی کرے یہ ہمارے نزدیک ہے، امام شافعی، امام مالک، اور ایک روایت میں امام احمد کے نزدیک دونوں کے لئے ایک طواف اور ایک سعی ہے۔ دلیل حضور صلعم کا یہ ارشاد ہے کہ؛ قیامت تک عمرہ حج میں داخل ہوگیا[1]، بعض روایات میں آپکا صریح قول منقول ہے۔ کہ قران میں حج اور عمرہ دونوں کے لئے ایک ہی طواف کافی ہے[2]۔ آنحضرت صلعم اور آپکے اصحاب کا فعل بھی یونہی منقول ہے[3]۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ جب حضرت صبیؓ بن معبد نے دو طواف اور دو سعی کیں تو حضرت عمرؓ نے فرمایا، ہدیت لسنۃ نبیک، امام ابوحنیفہ نے یہ روایت اسی طرح ذکر کی ہے جس کی تائید دیگر روایات سے بھی ہوتی ہے[4]، نیز قران کے معنی یہ ہیں ایک عبادت (عمرہ) کو دوسری عبادت (حج) کیساتھ منضم کیا جائے۔ اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب ہر ایک کے افعال کو پورے طریقہ پر ادا کیا جائے۔ ورنہ تداخل ہو جائیگا۔ حالانکہ عبادت مقصودہ میں تداخل نہیں ہے۔ رہا امام شافعی کا مستدل سو اس کے معنی یہ ہیں کہ عمرہ کا وقت حج کے وقت میں داخل ہوگیا۔ جس میں اہل جاہلیت کے عقیدۂ باطلہ کی تردید ہے گویا حدیث میں مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام کر دیا گیا۔ جو شائع ذائع ہے۔ یقال آتیک صلوۃ الظہر ای وقتہا۔

قولہ العمرۃ الخ قران میں پہلے عمرہ ادا ہوتا ہے پھر حج اس لئے عمرہ کو پہلے ذکر کرنا مستحب ہے۔ مصنف نے عمرہ کو حج پر مقدم کر کے یہی بتایا ہے۔

قولہ فان طاف الخ قارن کو پہلے عمرہ کے لئے طواف اور سعی کرنا چاہئے۔ پھر حج کے لئے لیکن اگر پہلے پے در پے دو طواف کر کے پھر دوبارہ سعی کرلے تو یہ بھی جائز ہے۔ مگر ایسا کرنا برا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں طواف قدوم عمرہ کی سعی پر مقدم ہو جائیگا۔ ہاں خون واجب نہیں، کیونکہ صاحبین کے نزدیک تقدیم وتاخیر نسک سے خون واجب نہیں ہوتا اور امام کے نزدیک طواف قدوم سنت ہے۔ جسکو ترک کر دینے سے بھی خون واجب نہیں ہوتا۔ پس تاخیر سے تو بطریق اولیٰ خون واجب نہ ہوگا۔ یوم نحر میں جمرۂ عقبہ کی رمی کے بعد قران کے شکریہ میں بکری یا گائے یا اونٹ کی قربانی کرے۔ اور اگر کسی وجہ سے قربانی نہ کر سکے تو ایام تشریق کے بعد جہاں چاہے رکھے۔ ان کے لئے کوئی جگہ متعین نہیں۔ اور اگر یوم نحر تک روزے نہ رکھ سکا تو دم متعین ہو جائیگا۔ قارن پر قربانی کرنے اور بصورت عدم قدرت دس روزے رکھنے کا وجوب اس آیت سے ثابت ہے۔ **فمن تمتع بالعمرۃ الی الحج فما استیسر من الھدی** اھ۔

---

(۱) .. مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی عن ابن عباس، احمد، طیالسی عن شیبہ، نسائی، ابن ماجہ، دارقطنی عن سراقہ ۱۲۔

(۲) .. مسلم عن عائشہ، ترمذی، ابن ماجہ، احمد عن ابن عمر ۱۲

(۳) .. صحیحین عن ابن عمر و عائشہ، ابن ماجہ عن جابر وابن عباس، دارقطنی عن ابن عباس، ترمذی، دارقطنی عن جابر، دارقطنی، دارقطنی عن ابی قتادۃ وابی سعید ۱۲

(۴) .. نسائی فی الکبری عن علی، دارقطنی [illegible] وابن مسعود وعمران بن حصین، محمد بن حسن شیبانی [illegible] ابی شیبہ عن علی ۱۲۔

بَابُ التَّمَتُّعِ

باب تمتع کے بیان میں۔

هُوَ اَنْ يُحْرِمَ بِعُمْرَةٍ مِنَ الْمِيْقَاتِ فَيَطُوْفَ لَهَا وَيَسْعٰى وَيَحْلِقَ اَوْ يُقَصِّرَ وَقَدْ حَلَّ مِنْهَا

تمتع یہ ہے کہ احرام باندھے عمرہ کا میقات سے اور عمرہ کے لئے طواف وسعی کرے اور منڈائے یا کتروائے اور اس سے حلال ہوجائے

وَيَقْطَعُ التَّلْبِيَةَ بِاَوَّلِ الطَّوَافِ ثُمَّ يُحْرِمُ بِالْحَجِّ يَوْمَ التَّرْوِيَةِ مِنَ الْحَرَمِ وَيَحُجُّ وَيَذْبَحُ فَاِنْ عَجَزَ فَقَدْ مَرَّ

اور موقوف کردے تلبیہ شروع طواف میں پھر احرام باندھے حج کا آٹھویں تاریخ کو حرم سے اور حج کرے اور ذبح کرے پس اگر عاجز ہو تو اس کا حکم

وَاِنْ صَامَ ثَلٰثَةً مِّنَ الشَّوَّالِ لَمْ يَجْزِهُ عَنِ الثَّلٰثَةِ وَصَحَّ لَوْصَامَ بَعْدَ مَا اَحْرَمَ بِهَا

گذر چکا پس اگر تین روزے رکھے شوال میں پھر عمرہ کرے تو کافی نہ ہوں گے تمتع کے تین روزوں کی طرف سے اور صحیح ہے اگر عمرہ کے احرام کے

قَبْلَ اَنْ يَّطُوْفَ فَاِنْ اَرَادَ سَوْقَ الْهَدْيِ اَحْرَمَ بِهَا وَسَاقَ وَقَلَّدَ بُدْنَتَهٗ بِمَزَادَةٍ اَوْنَعْلٍ وَلَايُشْعِرُ

بعد ہو طواف سے پیشتر پس اگر لے جانا چاہے قربانی تو احرام باندھ کر ہانکتا چلے اور قربانی کے گلے میں توشہ دان یا جوتی ڈالدے اور زخم نہ لگائے

وَلَايَتَحَلَّلُ بَعْدَ عُمْرَتِهٖ وَيُحْرِمُ بِالْحَجِّ يَوْمَ النَّحْرِ

اور نہ حلال ہو عمرہ کے بعد اور احرام باندھے حج کا آٹھویں تاریخ کو اور اس سے پہلے پسندیدہ ہے پھر جب دسویں کو بال منڈائے

حَلَّ مِنْ اِحْرَامَيْهِ وَلَا تَمَتُّعَ وَلَا قِرَانَ لِمَكِّيٍّ وَمَنْ يَلِيْهَا

تو حلال ہوجائے دونوں احراموں سے اور نہیں ہے تمتع اور نہیں ہے قران اہل مکہ اور اسکے قریب کے باشندوں کیلئے۔

توضیح اللغۃ: یوم الترویۃ: ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ۔ مزادہ، توشہ دان، نعل، جوتا، ولایشعر، اشعار کوئی علامت لگانا جس سے یہ معلوم ہو جائے کہ یہ جانور ہدی کا ہے۔

تشریح الفقہ: قولہ ہوان یحرم الخ تمتع لغت کے اعتبار سے متاع یا متعہ سے ماخوذ ہے۔ بمعنی نفع حاصل کرنا یا نفع پہنچانا۔ اصطلاح شرع میں تمتع اس کو کہتے ہیں کہ میقات سے عمرہ کا احرام باندھے اور عمرہ کے لئے طواف وسعی کرے۔ پھر حلق یا قصر کرا کے عمرہ کے افعال ادا کرے، ہدایہ، وقایہ، درر اور مجمع وغیرہ کتب فقہیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تمتع میں عمرہ کے احرام کا اشہر حج میں ہونا شرط ہے لیکن مصنف نے اس کی قید نہیں لگائی کیونکہ صحیح یہی ہے کہ احرام کا اشہر حج میں ہونا شرط نہیں چنانچہ فتح القدیر اور اختیار شرح مختار میں اس کی تصریح موجود ہے۔

فائدہ: ظاہر الروایہ کے لحاظ سے احناف کے یہاں تمتع افراد سے افضل ہے۔ لیکن امام صاحب سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ افراد افضل ہے۔ یہی امام شافعی کا قول ہے۔ کیونکہ متمتع میقات سے عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ آتا ہے اور پہلے عمرہ کے افعال ادا کرتا ہے اس کے بعد حج کرتا ہے۔ پس اس کا سفر عمرہ کے لئے واقع ہوا کیونکہ افعال عمرہ کے بعد تو وہ حکماً مقیم سمجھا جاتا ہے۔ اسی لئے اس سے طواف تحیہ ساقط ہو جاتا ہے۔ بخلاف مفرد کے کہ اس کا سفر حج کے لئے واقع ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے افراد افضل ہوا۔ ظاہر الروایہ کی وجہ یہ ہے کہ تمتع میں جمع بین العبادتین ہوتا ہے۔ پس تمتع قران کے مشابہ ہے۔ رہا سفر سو وہ درحقیقت حج ہی کے لئے ہوتا ہے کیونکہ عمرہ تو حج کے تابع ہے فصار کتخلل السنۃ بین الجمعۃ والسعی الیہا۔

قولہ ویقطع الخ متمتع کو چاہئے کہ عمرہ کے اول طواف میں لبیک کہنا ختم کردے۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ جوں ہی بیت اللہ پر نظر پڑے تلبیہ ختم کردے۔ کیونکہ عمرہ زیارت بیت اللہ کا نام ہے جسکا تحقق صرف دیکھنے سے ہو جاتا ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم نے عمرۃ القضا میں استلام حجر کے وقت تلبیہ ختم کیا تھا۔(۱)

قولہ فان صام الخ اگر کوئی شخص عمرہ کا احرام باندھے۔تو یہ تین روزے کافی نہ ہوں گے۔ کیونکہ ان روزوں کا سبب تمتع ہے۔ اور وہ روزہ رکھنے کی حالت میں متمتع نہیں ہے لہذا ان روزوں کا اعتبار نہ ہوگا۔ کیونکہ ابھی ان روزوں کا سبب ہی موجود نہیں۔ ہاں اگر احرام کے بعد عمرہ کے طواف سے پیشتر روزے رکھ لے تو صحیح ہے۔ کیونکہ اس صورت میں انکا سبب متحقق ہو چکا۔ امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک یہ بھی جائز نہیں کیونکہ آیت ،فصیام ثلثۃ ایام فی الحج، میں حج کی قید ہے۔ اسلئے روزے رکھنا جائز نہ ہوگا۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ یہاں حج سے مراد اس کا وقت ہے اذ الحج لا یصلح ظرفا۔

قولہ فان اراد الخ متمتع کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو ہدی کا جانور اپنے ساتھ لیجاتا ہے۔ اور ایک وہ جو ہدی ساتھ نہیں لیجاتا۔ ان میں پہلی صورت افضل ہے کیونکہ یہ سنت نبوی کے موافق ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع میں ذوالحلیفہ سے ہدی اپنے ساتھ لے گئے تھے(۲) پس اگر متمتع اپنے ساتھ ہدی لیجانا چاہے۔ تو اسکو چاہئے کہ پہلے احرام باندھے۔ پھر ہدی ہانک لیجائے۔ اب اگر ہدی کا جانور بکری ہے تو اسکی تقلید مسنون نہیں۔ اور اگر بدنہ (اونٹ یا گائے) ہے تو اسکی تقلید مسنون ہے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ اس کے گلے میں پٹا یا جوتی یا چمڑے کا ٹکڑا یا کھجور کی چھال ڈال دے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ یہ جانور سواری کا نہیں ہے۔ بلکہ حرم کو جا رہا ہے۔ یہ طریقہ حدیث سے ثابت ہے(۳) پھر عمرہ ادا کرے اور عمرہ سے فراغت کے بعد احرام سے حلال نہ ہو بلکہ آٹھویں کو حج کا احرام باندھے اور جب یوم نحر میں حلق کرا چکے تو دونوں احراموں سے حلال ہو جائے۔

قولہ ولا یشعر الخ اشعار اسکو کہتے ہیں کہ اونٹ کی کوہان کو دائیں یا بائیں جانب سے پھاڑ کر خون آلود کر دے تاکہ لوگوں کو اسکا ہدی ہونا معلوم ہو جائے اور گھاٹ وغیرہ پر کوئی اس کے ساتھ تعرض نہ کرے۔ صاحبین اور امام شافعی کے نزدیک اشعار سنت ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے(۴) ثابت ہے۔ امام صاحب کے نزدیک مکروہ ہے کیونکہ اس کو ہر شخص خوب نہیں کر پاتا۔ عموماً ایسا ہوتا ہے کہ گوشت اور ہڈی کو صدمہ پہنچ جاتا ہے۔ اگر کوئی صدمہ پہنچائے بغیر اشعار کر سکتا ہو تو کوئی مضائقہ نہیں بلکہ ایسا اشعار مستحب ہے۔ (طحطاوی) طحاوی، صاحب غایۃ البیان اور ابن الہمام وغیرہ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ صاحب ہدایہ وغیرہ نے امام صاحب کی جانب سے کراہت کی وجہ یہ بیان کی ہے۔ کہ اشعار میں مثلہ کرنا لازم آتا ہے۔ جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ علامہ اتقانی فرماتے ہیں کہ اشعار پر مثلہ کا اطلاق مشکل ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مثلہ سے اسوقت منع فرمایا ہے(۵) جب آپ مدینہ تشریف لائے اور حجۃ الوداع میں آپنے اشعار کیا ہے اگر یہ از قبیل مثلہ ہوتا تو آپ اشعار نہ کرتے۔ کیونکہ آپنے تو اس سے خود منع فرمایا ہے۔

قولہ ولا تمتع الخ باشندگان مکہ اور اسکے قرب و جوار (مواقیت) میں رہنے والے قران اور تمتع نہ کریں بلکہ صرف حج کریں۔ کیونکہ حضرت سے روایت ہے کہ اہل مکہ کے لئے نہ تمتع ہے نہ قران؛ لیکن اگر کوئی مکی قران یا تمتع کر لے تو جائز ہے کیونکہ قران اور تمتع کی نفی سے مراد حلت کی نفی ہے نہ کہ صحت کی، مگر چونکہ مکی کے لئے ایسا کرنا برا ہے لہذا اس قصور کی وجہ سے اس پر دم واجب ہے یہ تو احناف کے نزدیک ہے امام شافعی کے ہاں اہل مکہ کے لئے قران اور تمتع کی اجازت ہے۔ وہ یہ فرماتے ہیں کہ آیت ،فمن تمتع بالعمرۃ الی الحج الخ میں کلمہ من مکی وغیر مکی سب کو شامل ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ آیت غیر مکی کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ، ذلک لمن لم یکن اھلہ حاضری المسجد الحرام، میں ارشار متمتع کی طرف ہے۔ جو فمن تمتع بالعمرۃ، سے مفہوم ہے۔ ہدی اور صوم کی طرف اشارہ نہیں ہے۔ جیسا کہ امام شافعی فرماتے ہیں کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو یوں کہا جاتا۔ ذلک علی من لم یکن، کیونکہ وجوب کے لئے علیٰ استعمال ہوتا ہے نہ کہ لام۔

(۱) ترمذی، ابوداؤد عن ابن عباس، واقدی عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ۱۲۔(۲)۔ صحیحین عن ابن عمر ۱۲۔(۳)۔ ائمہ ستہ عن عائشہ ۱۲(۴)۔ بخاری عن مسور و مروان و عائشہ، ائمہ ستہ غیر البخاری عن ابن عباس ۱۲۔(۵)۔ صحیحین عن انس، بخاری عن ابن عمر و عبداللہ بن یزید انصاری، ابوداؤد عن سمرۃ، احمد، حاکم عن ابن عمر، ابن ابی شیبہ عن زید بن خالد وعمران بن حصین والمغیرۃ وا [illegible] حکم بن عمیر وعائذ بن قرط وابی ایوب۔

فَاِنْ عَادَ الْمُتَمَتِّعُ اِلٰی بَلَدِہٖ بَعْدَ الْعُمْرَةِ وَلَمْ یَسُقِ الْھَدْیَ بَطَلَ تَمَتُّعُہٗ وَاِنْ سَاقَ لاَ

پس اگر لوٹ آیا متمتع اپنے شہر کی طرف عمرہ کے بعد اور نہیں روانہ کی قربانی تو باطل ہوجائیگا اس کا تمتع اور اگر روانہ کر چکا ہو تو باطل نہ ہوگا

وَمَنْ طَافَ اَقَلَّ اَشْوَاطِ الْعُمْرَةِ قَبْلَ اَشْھُرِ الْحَجِّ وَاَتَمَّھَا فِیْھَا وَحَجَّ کَانَ مُتَمَتِّعًا وَبِعَکْسِہٖ لاَ وَھِیَ شَوَّالٌ

جس نے عمرہ کا کمتر طواف کیا اشہر حج سے قبل اور باقی پورا کر لیا اشہر حج میں تو وہ متمتع ہوجائیگا اور اس کے عکس میں نہ ہوگا اور اشہر حج شوال

وَذُوالْقَعْدَةِ وَعَشْرُ ذِی الْحَجَّةِ وَ صَحَّ الْاِحْرَامُ بِہٖ قَبْلَھَا وَکُرِہَ وَلَوِاعْتَمَرَ کُوْفِیٌّ فِیْھَا وَاَقَامَ بِمَکَّةَ اَوْبَصْرَةَ

ذی قعدہ اور ذی الحجہ کے دس روز ہیں اور صحیح ہے حج کا احرام باندھنا ان سے قبل مگر مکروہ ہے اگر عمرہ کیا کوفی نے اشہر حج میں اور ٹھہر گیا مکہ یا بصرہ میں

وَحَجَّ صَحَّ تَمَتُّعُہٗ وَلَوْ اَفْسَدَھَا فَاَقَامَ بِھَا وَقَضٰی وَحَجَّ لاَ اِلاَّ اَنْ یَّعُوْدَ اِلٰی اَھْلِہٖ

اور حج کر لیا تو صحیح ہوگا اس کا تمتع اور اگر عمرہ کو فاسد کیا اور مکہ میں ٹھہر گیا پھر قضاء کر کے حج کیا تو صحیح نہ ہوگا الا یہ کہ لوٹ آئے اپنے اہل کی طرف

وَاَیُّھُمَا اَفْسَدَ مَضٰی فِیْہِ وَلَادَمَ وَلَوْ تَمَتَّعَ فَضَحّٰی لَمْ یَجْزُ عَنْ دَمِ الْمُتْعَةِ

اور ان میں سے جون سے کو فاسد کر دے تو اس کے افعال کرتا رہے اس پر ذبح کرنا لازم نہیں اگر تمتع کیا اور قربانی کی تو کافی نہ ہوگی دم تمتع کی طرف سے

وَلَوْحَاضَتْ عِنْدَ الْاِحْرَامِ اَتَتْ بِغَیْرِ الطَّوَافِ وَلَوْ عِنْدَ الصَّدْرِ تَرَکَتْ کَمَنْ اَقَامَ بِمَکَّةَ

اگر عورت حائضہ ہوگئی احرام کے وقت تو طواف کے علاوہ ارکان ادا کرے اور اگر طواف صدر کے وقت ہوئی تو اس کو چھوڑ دے مثل اس کے کہ جو مکہ میں مقیم ہو جائے۔

تشریح الفقہ: قولہ فان عاد الخ ایک متمتع اپنے ساتھ ہدی نہیں لے گیا اور عمرہ کر کے اپنے شہر کو واپس ہوگیا تو اس کا تمتع باطل ہوگیا کیونکہ اس نے دو عبادتوں کے درمیان اپنے اہل وعیال کیساتھ صحیح المام کر لیا اور المام صحیح سے تمتع باطل ہو جاتا ہے۔ تابعین کی ایک جماعت سعید بن المسیب، عطا، مجاہد، طاؤس، نخعی وغیرہ سے یہی مروی ہے۔ اور اگر وہ ہدی ساتھ لے گیا ہو۔ اور پھر عمرہ کے بعد اپنے گھر کو چلا آئے تو اپنے گھر کو چلا آئے تو شیخین کے نزدیک اس کا تمتع باطل ہوگا۔ ہاں امام محمد کے نزدیک اس صورت میں بھی تمتع باطل ہے۔ کیونکہ اس نے حج اور عمرہ کو دو سفروں میں ادا کیا ہے۔ شیخین یہ فرماتے ہیں کہ ہدی لیجانا چونکہ تحلل سے منع ہے۔ اسلئے جب تک وہ تمتع کی نیت پر ہے اس کے لئے واپس ہونا واجب ہے۔ پس المام صحیح نہ ہوا۔ کیونکہ المام صحیح یہ ہے کہ وہ اپنے اہل وعیال میں آ کر اقامت گزین ہو جائے اور اس پر واپس ہونا واجب نہ ہو۔ اور اس صورت میں یہ چیز پائی گئی لہذا اسکا تمتع باطل نہ ہوگا۔

قولہ ولو اعتمر الخ ایک کوفی (یعنی آفاقی) نے اشہر حج میں عمرہ کر کے احرام اتار دیا اور مکہ میں (یعنی مواقیت کے اندر) یا بصرہ میں (یعنی اپنے شہر کے علاوہ کسی اور جگہ میں) ٹھہرا رہا اور پھر اس نے اسی سال حج کر لیا تو اس کا تمتع صحیح ہے۔ کیونکہ ابھی اس کا سفر باقی ہے۔ اور اگر اس نے اشہر حج میں عمرہ کو فاسد کر دیا ہے اور مکہ میں ٹھہرا رہا اور عمرہ کی قضا کر لی اور حج بھی کر لیا تو امام صاحب کے نزدیک اس کا تمتع صحیح نہیں کیونکہ عمرہ فاسد کرنیکی وجہ سے اس پر مکہ میں رہنا واجب ہوگیا۔ اور جب وہ اہل مکہ میں مل گیا تو اس کا عمرہ آفاقی نہ رہا۔ مکی ہوگیا۔ ہاں اگر وہ عمرہ فاسد کرنیکے بعد اپنے گھر آجائے اور پھر احرام باندھکر مکہ جائے اور عمرہ ادا کرے تو متمتع ہو جائیگا کیونکہ وطن آ کر پھر مکہ جانے کی صورت میں اس کا دوسرا سفر ہوگیا اور اب عمرہ آفاقی اور حج مکی ہوگیا جو تمتع کے لئے مضر نہیں۔

قولہ ولو حاضت الخ اگر کسی عورت کو احرام کے وقت ماہواری شروع ہو جائے تو وہ غسل کر کے احرام باندھے اور طواف بیت اللہ کے علاوہ باقی افعال ادا کرے، جب حضرت عائشہ کو مقام سرف میں ماہواری شروع ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو یہی حکم فرمایا تھا[1]، دیگر احادیث میں بھی یہی حکم مذکور ہے[2]، اور طواف صدر کے وقت حیض شروع ہو تو طواف صدر کو چھوڑ دے۔ کیونکہ حائضہ کے لئے ترک طواف صدر کی اجازت حدیث سے ثابت ہے[3]۔

محمد حنیف غفرلہ

(۱) صحیحین عن عائشہ۔ (۲) ابوداؤد، ترمذی عن ابن عباس، احمد، ابن ابی شیبہ عن عائشہ۔ (۳) صحیحین عن ابن عباس، ترمذی، نسائی عن ابن عمر۔

بَابُ الْجِنَايَاتِ

باب جنایات کے بیان میں

تَجِبُ شَاةٌ اِنْ طَيَّبَ مُحْرِمٌ عُضْوًا وَاِلَّا تَصَدَّقَ اَوْخَضَبَ رَاْسَهٗ اَوْ لِحْيَتَهٗ بِحِنَاءٍ اَوِادَّهَنَ بِزَيْتٍ اَوْلَبِسَ

واجب ہے بکری اگر خوشبو لگائی محرم نے پورے عضو کو ورنہ صدقہ کرے یا رنگ لیا اپنے سرکو مہندی سے یا زیتون کا تیل لگایا یا پہن لیا

مَخِيْطًا اَوْغَطّٰى رَاْسَهٗ يَوْمًا وَاِلَّا تَصَدَّقَ اَوْحَلَقَ رُبْعَ رَاْسِهٖ اَوْ لِحْيَتِهٖ وَاِلَّا تَصَدَّقَ كَالْحَالِقِ

سلا ہوا کپڑا یا چھپایا اپنے سرکو پورے دن ورنہ صدقہ کرے یا مونڈا اپنے چوتھائی سر یا ڈاڑھی کو ورنہ صدقہ کرے مثل مونڈنے والے کے

اَوْرَقَبَتَهٗ اَوْاِبْطَيْهِ اَوْاَحَدَهُمَا اَوْمَحْجَمَهٗ وَفِيْ اَخْذِ شَارِبِهٖ حُكُوْمَةُ عَدْلٍ وَفِيْ شَارِبِ حَلَالٍ

یا مونڈا اپنی گردن یا دونوں بغلوں کو یا ایک کو یا پچھنا لگانے کی جگہ کو اور اپنی مونچھ لینے میں ایک عادل کا حکم ہے اور حلال کی مونچھ مونڈنے

اَوْقَلْمِ اَظْفَارِهٖ طَعَامٌ اَوْقَصَّ اَظْفَارَ يَدَيْهِ وَرِجْلَيْهِ بِمَجْلِسٍ وَاحِدٍ اَوْ يَدًا اَوْ رِجْلًا وَاِلَّا تَصَدَّقَ

اور اسکے ناخن کترنے میں کھانا ہے یا کاٹا اپنے دونوں ہاتھوں اور پاؤں کے ناخن کو ایک مجلس میں یا ایک ہاتھ اور پاؤں کے ورنہ صدقہ کرے

كَخَمْسَةٍ مُتَفَرِّقَةٍ وَلَا شَيْءَ بِاَخْذِ ظُفُرٍ مُنْكَسِرٍ فَاِنْ تَطَيَّبَ اَوْ لَبِسَ اَوْ حَلَقَ بِعُذْرٍ

مثل پانچ متفرق ناخن کے اور کچھ نہیں ٹوٹے ہوئے ناخن کے دور کرنے میں اگر خوشبو لگائی یا پہنا یا مونڈا عذر کی وجہ سے

ذَبَحَ شَاةً اَوْ تَصَدَّقَ بِثَلٰثَةِ اَصْوُعٍ عَلٰى سِتَّةِ مَسَاكِيْنَ اَوْصَامَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ

تو ذبح کرے بکری یا صدقہ کرے تین صاع چھ مسکینوں پر یا تین روزے رکھے۔

توضیح اللغۃ: جنایات: جمع جنایۃ۔ ہر امر بد، فعل حرام، خضب: رنگین کرلیا، حناء: مہندی۔ مخیط، سلا ہوا، غطی ڈھانپ لیا، حالق، مونڈنیوالا، رقبہ، گردن، ابط، بغل، محجم، پچھنا لگنے کی جگہ، شارب، مونچھ، اظفار، جمع ظفر، ناخن، قص، کاٹ دیا، منکسر، ٹوٹا ہوا، اصوع، جمع صاع۔

قولہ باب الجنایات الخ جنایات جنایۃ کی جمع ہے۔ ہر امر بد کو کہتے ہیں۔ یہاں وہ فعل مراد ہے جسکی حرمت احرام باندھنے یا احرام میں داخل ہونے کے سبب سے ہو۔ جنایت کی وجہ سے کبھی ایک خون واجب ہوتا ہے، کبھی روزہ واجب ہوتا ہے، کبھی صدقہ، اس باب میں ماتن انہی امور کی تفصیل کر رہا ہے۔ یہاں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ہمارے یہاں خون بالغ محرم پر واجب ہوتا ہے۔ بچہ پر کچھ واجب نہیں ہوتا۔ امام شافعی اس کے خلاف ہیں۔

قولہ اوادہن الخ اگر محرم نے زیتون کا تیل استعمال کیا تو امام صاحب کے نزدیک خون اور صاحبین کے نزدیک صدقہ واجب ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر بالوں میں استعمال کیا تو خون واجب ہے۔ کیونکہ اس سے بالوں کی پراگندگی زائل ہوجاتی ہے۔ جو حدیث، الحاج الشعث التفل، کے خلاف ہے۔ ورنہ کوئی چیز واجب نہیں، صاحبین یہ فرماتے ہیں کہ زیتون کا تیل طعام میں داخل ہے۔ مگر اسکے استعمال میں ایک گونہ انتفاع بھی ہے۔ بایں معنی کہ اس سے جوئیں مرجاتی ہیں اور پراگندگی دور ہوجاتی ہیں۔ اسلئے جنایت بھی ہے۔ مگر جنایت قاصرہ۔ لہذا صدقہ واجب ہوگا نہ کہ خون۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ زیتون کا تیل تو خوشبو کی اصل ہے۔ بایں معنی کہ اس میں خوشبودار پھول گلاب، بیلا، چنبیلی وغیرہ ڈالنے سے خوب خوشبودار ہوجاتا ہے۔ پھر اس سے جوئیں مرتی ہیں۔ بال نرم ہوتے ہیں۔ ان میں چمک پیدا ہوتی ہے۔ پراگندگی دور ہوتی ہے۔ پس ان تمام امور کے مجموعہ سے جنایت کامل ہوگئی۔ لہذا خون واجب ہوگا۔

قولہ اولبس مخیطا الخ اگر محرم نے سلا ہو کپڑا پہنا اور دن بھر پہنے رہا تو خون واجب ہوگا۔ بشرطیکہ اسطرح پہنا ہو جس طرح پہننے کی عادت ہے۔ تو اگر قمیض یا قبا کو خلاف [illegible] بطور تہبند باندھا یا پاجامہ اپنے دونوں مونڈھوں پر رکھا تو اس پر کوئی چیز واجب نہیں ہوگی۔ اسی طر [illegible]

لباس ٹوپی یا پگڑی سے دن بھر اپنا سر چھپایا تو اس پر خون واجب ہوگا۔ لیکن اگر تغار یا گٹھری اٹھانے سے سر چھپایا تو اس پر کچھ واجب نہیں۔

قولہ او حلق الخ اگر محرم نے چوتھائی سر یا چوتھائی ڈاڑھی کے بال مونڈے یا اکھاڑے۔ یا نورہ لگا کر دور کیے تو اس پر خون واجب ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں۔ کہ اگر پورے سر کے بال مونڈے تو خون واجب ہے۔ ورنہ نہیں گویا۔'' ولا تحلقوا روسکم'' کے ظاہر پر عمل ہے۔ کیونکہ راس پورے سر کو کہتے ہیں۔

امام شافعی کے یہاں بہر صورت خون ہے کم ہو یا زائد۔ وہ بالوں کو حرم کی گھاس پر قیاس کرتے ہیں۔ کہ اس میں قلیل وکثیر برابر ہے۔

ہم یہ کہتے ہیں کہ سر کے بعض حصے کو مونڈنے میں کامل انتفاع ہے کیونکہ یہ امر معتاد ہے۔ چنانچہ بعض ترکی لوگ وسط راس کو اور بعض علوی لوگ پیشانی کے بالوں کو مونڈتے ہیں پس حلق ربع راس میں کامل جنایت ہے۔ لہذا خون واجب ہوگا۔

(محمد حنیف غفرلہ گنگوہی)

فَصلٌ وَلَاشَیْءَ اِنْ نَظَرَ اِلٰی فَرْجِ امْرَاۃٍ بِشَھْوَۃٍ فَاَمْنٰی وَتَجِبُ شَاۃٌ اِنْ قَبَّلَ اَوْ لَمَسَ بِشَھْوَۃٍ

(فصل) اور کچھ نہیں اگر نظر کی عورت کی پیشاب گاہ کی طرف شہوت کیساتھ اور منی نکل گئی اور واجب ہوگی بکری اگر بوسہ لیا یا چھوا شہوت کیساتھ

اَوْ اَفْسَدَ حَجَّہٗ بِجِمَاعِہٖ فِیْ اَحَدِ السَّبِیْلَیْنِ قَبْلَ الْوُقُوْفِ بِعَرَفَاتٍ وَیَمْضِیْ وَیَقْضِیْ وَلَمْ یَفْتَرِقَا فِیْہِ

یا فاسد کر دیا اپنا حج جماع کرنے سے کسی ایک راہ میں وقوف عرفہ سے قبل اور افعال ادا کرتا رہے اور قضا کرے اور نہ جدا ہوں قضا میں

وَبُدْنَۃٌ لَوْبَعْدَہٗ وَلَا فَسَادَ لَوْجَامَعَ بَعْدَ الْحَلْقِ اَوْ فِی الْعُمْرَۃِ قَبْلَ اَنْ یَّطُوْفَ الْاَکْثَرَ وَتَفْسُدُ

اور واجب ہوگا بدنہ اگر وقوف کے بعد ہو اور حج فاسد نہ ہوگا یا جماع کیا حلق کے بعد یا عمرہ میں اس کا اکثر طواف کرنے سے پہلے اور فاسد ہو جائیگا

وَیَمْضِیْ وَیَقْضِیْ اَوْ بَعْدَ طَوَافِ الْاَکْثَرِ وَلَا فَسَادَ وَجِمَاعُ النَّاسِیْ کَالْعَامِدِ

عمرہ اور اسکے افعال کرتا رہے اور قضا کرے یا جماع کیا اکثر طواف کے بعد اور عمرہ فاسد نہ ہوگا اور بھولنے والے کا جماع کرنا مثل جان بوجھ کر کرنے

اَوْ طَافَ لِلرُّکْنِ مُحْدِثًا وَبُدْنَۃٌ لَوْجُنُبًا وَیُعِیْدُ وَصَدَقَۃٌ لَوْ مُحْدِثًا لِلْقُدُوْمِ

والے کے ہے یا طواف رکن کیا بلا وضو اور بدنہ واجب ہوگا اگر ناپاکی کی حالت میں کیا ہو اور لوٹائے طواف کو اور صدقہ واجب ہوگا اگر طواف قدوم یا

وَالصَّدْرِ اَوْتَرَکَ اَقَلَّ طَوَافِ الرُّکْنِ وَلَوْتَرَکَ اَکْثَرَہٗ بَقِیَ مُحْرِمًا اَوْتَرَکَ اَکْثَرَ الصَّدْرِ اَوْطَافَہٗ جُنُبًا

طواف صدر بلا وضو کیا ہو یا کمتر طواف رکن چھوڑ دیا ہو اور اگر اکثر چھوڑ دیا تو محرم ہی رہے گا یا چھوڑ دیا اکثر طواف صدر کو یا طواف صدر کیا ناپاکی کی

وَصَدَقَۃٌ بِتَرْکِ اَقَلِّہٖ اَوْطَافَ لِلرُّکْنِ مُحْدِثًا وَلِلصَّدْرِ طَاھِرًا فِیْ اٰخِرِ اَیَّامِ التَّشْرِیْقِ

حالت میں اور صدقہ واجب ہوگا اگر کمتر طواف چھوڑ دیا یا طواف رکن کیا بلا وضو اور طواف صدر باوضو ایام تشریق کے آخر میں

وَدَمَانِ لَوْطَافَ لِلرُّکْنِ جُنُبًا اَوْ طَافَ لِعُمْرَتِہٖ وَسَعٰی مُحْدِثًا وَلَمْ یُعِدْھُمَا اَوْتَرَکَ السَّعْیَ

اور دو خون واجب ہوں گے اگر طواف رکن کیا ناپاکی کی حالت میں یا عمرہ کے لئے طواف وسعی کی بلا وضو اور نہ لوٹائے ان کو یا چھوڑ دے سعی کو

اَوْ اَفَاضَ مِنْ عَرَفَاتٍ قَبْلَ الْاِمَامِ اَوْتَرَکَ الْوُقُوْفَ بِالْمُزْدَلِفَۃِ اَوْرَمْیَ الْجِمَارِ کُلِّھَا اَوْ رَمْیَ یَوْمٍ اَوْ اَخَّرَ الْحَلْقَ

یا چلا آئے عرفات سے امام سے قبل یا چھوڑ دے وقوف مزدلفہ کو یا کل رمی جمار کو یا ایک دن کی رمی کو یا مؤخر کر دے منڈانے کو

اَوْ طَوَافَ الرُّکْنِ اَوْ حَلَقَ فِی الْحِلِّ وَدَمَانِ لَوْ حَلَقَ الْقَارِنُ قَبْلَ الذَّبْحِ

یا طواف رکن کو یا بال منڈائے حل میں اور دو خون واجب ہونگے اگر قارن ذبح سے قبل بال منڈائے۔

مفسدِ حج وغیر مفسدِ حج امور کا بیان

قولہ ولاشئی الخ اگر محرم نے شہوت کیساتھ عورت کی پشیاگاہ دیکھ لی اور منی خارج ہوگئی تو اُس پر واجب نہیں کیونکہ محرّم جماع ہے جو یہاں موجود نہیں۔ نہ صورۃً نہ معنیً۔ کیونکہ یہاں نہ ایلاج ہے نہ انزال، اور اگر بوسہ لے لیا یا شہوت کیساتھ چھودیا یا مادون الفرج میں جماع کر لیا تو بکری واجب ہے۔

تنبیہ: صاحب ہدایہ نے امام شافعی کیطرف منسوب کیا ہے کہ ان کے نزدیک اُن تمام صورتوں میں احرام فاسد ہو جائیگا۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ یہ انتساب صحیح نہیں۔ کیونکہ امام نووی نے شرح مہذب میں تصریح کی ہے کہ ان صورتوں میں امام شافعی کے یہاں بھی صرف خون واجب ہے۔

قولہ او افسد حجہ الخ اگر وقوف عرفہ سے پیشتر قُبل یا دبر میں جماع کر کے حج فاسد کر دیا تو فسادِ حج کے ساتھ ساتھ بکری بھی واجب ہے۔ فسادِ حج تو ائمہ کے یہاں مجمع علیہ ہے رہا بکری کا واجب ہونا سو یہ ہمارے نزدیک ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بدنہ واجب ہے۔ یہ حضرات وقوفِ عرفہ کے بعد جماع کرنے پر قیاس کرتے ہیں۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے صحبت کی اور دونوں محرم تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ دریافت کیا، آپ نے فرمایا: تم دونوں اپنے حج کی قضا کرنا۔ اور ھدی لانا[1]، اس میں ہدی کا حکم ہے۔ جو بکری کو بھی شامل ہے۔ اور یہ روایت گو مرسل ہے مگر اکثر اہل علم کے نزدیک حدیث مرسل حجت ہے۔ نیز حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ، جماع سے حج باطل ہو جاتا ہے، کسی نے کہا: جب حج باطل ہو گیا تو بیٹھ رہنا چاہئے۔ فرمایا نہیں بلکہ وہ لوگوں کیطرح افعالِ حج بجالائے۔ اور آئندہ سال اس کی قضا کرے۔ اور ہدی لائے[2]، صحابہ کرام کے فتوی بھی اس طرح منقول ہیں[3]۔

قولہ ولم یفترقا الخ جب زوجین قضاء حج کیلئے دوسرے سال آئیں تو اُن پر ایک دوسرے سے علیحدہ رہنا ضروری نہیں کیونکہ ترک جماع کیلئے قضاء حج کی مشقت ہی کافی ہے، امام زفر، مالک، شافعی فرماتے ہیں کہ علیحدہ رہنا واجب ہے۔ تاکہ وہ اس موقعہ کو یاد کر کے پھر جماع میں مبتلا نہ ہوں۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ جب انکے درمیان امر جامع یعنی نکاح قائم ہے تو افتراق بے سُود ہے۔ احرام کے بعد قبل از احرام تو اس لئے بے سود ہے کہ اس کے لئے جماع منع ہے۔ اور بعد از احرام اسلئے کہ ایک ذرا سی لذت حاصل کرنے کی وجہ سے انکو جو مشقتِ عظیمہ لاحق ہوئی ہے اسکو یاد کر کے وہ پانی پانی ہو جائیں گے پھر ان حضرات کے یہاں موضعِ افتراق میں اختلاف ہے۔ امام مالک کے یہاں گھر سے نکلتے ہی جدا ہو جانا ضروری ہے۔ امام زفر کے یہاں احرام کے وقت اور امام شافعی کے یہاں اس جگہ پہنچنے کے وقت جس جگہ انہوں نے جماع کیا تھا۔

قولہ وبدنۃ لو بعدہ الخ اور اگر محرم نے وقوف عرفہ کے بعد جماع کیا تو حج فاسد ہوگا۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ۔ (جو شخص عرفات میں ٹھہر گیا اسکا حج پورا ہو گیا) البتہ بدنہ واجب ہے۔ کیونکہ حضرت ابن عباسؓ کی حدیث میں اسکی تصریح موجود ہے[4]۔

قولہ وجماع الناسی الخ محرم کا بھول کر جماع کرنا ایسا ہی ہے جیسے جان بوجھ کر جماع کرے کہ اگر وقوف عرفہ سے قبل ہو تو حج فاسد ہو جائیگا۔ امام شافعی کے یہاں جماع ناسی مفسد حج نہیں۔ جاگتی عورت سے زبردستی یا سوتی عورت سے جماع کر لینے میں بھی یہی اختلاف ہے۔ وہ یہ فرماتے ہیں کہ نسیان اور نوم و اکراہ میں یہ فعل جنایت نہیں ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ حالت احرام میں انتفاع مخصوص فسادِ حج کا باعث ہے۔ اور یہ انتفاع ان عوارض سے معدوم نہیں ہوتا۔ لہذا حج فاسد ہو جائیگا۔

---

(۱)۔ ابوداؤد، بیہقی عن یزید بن نعیم ۱۲۔ (۲)۔ دار قطنی عن ابن عمر ۱۲ (۳)۔ مالک عن عمر و علی و ابی ہریرہ ۱۲۔ (۴)۔ مالک، ابن ابی شیبہ عن ابن عباس ۱۲۔

فَصْلٌ اِنْ قَتَلَ مُحْرِمٌ صَيْدًا اَوْدَلَّ عَلَيْهِ مَنْ قَتَلَهٗ فَعَلَيْهِ الْجَزَاءُ وَهُوَقِيْمَةُ الصَّيْدِ بِتَقْوِيْمِ الْعَدْلَيْنِ فِيْ مَقْتَلِهٖ

(فصل) اگر مارڈالے محرم شکار کو یا بتائے اس شخص کو جو اس کو مارڈالے تو اس پر جزاء ہے یعنی شکار کی قیمت جو دو عادل ٹھہرائیں اسکے قتل کی جگہ میں

اَوْ اَقْرَبِ مَوْضِعٍ مِّنْهُ فَيَشْتَرِيْ بِهَا هَدْيًا وَذَبَحَهٗ اِنْ بَلَغَتْ هَدْيًا اَوْطَعَامًا وَتَصَدَّقَ بِهٖ كَالْفِطْرَةِ

یا اس کے قریب میں پس خریدے اس سے ہدی اور ذبح کرے اگر پہنچ جائے قیمت ہدی کو یا خریدے کھانا اور صدقہ کردے فطرہ کی طرح

اَوْصَامَ عَنْ طَعَامِ كُلِّ مِسْكِيْنٍ يَوْمًا وَلَوْ فَضَلَ اَقَلَّ مِنْ نِّصْفِ صَاعٍ تَصَدَّقَ بِهٖ اَوْ صَامَ يَوْمًا

یا ہر مسکین کے یومیہ کھانے کے عوض ایک روزہ رکھے اور اگر بچ رہے نصف صاع سے کم تو اس کو خیرات کردے یا ایک روزہ رکھ لے۔

جزائے صید کا بیان

تشریح الفقہ: قولہ ان قتل الخ اگر محرم نے شکار کیا یا شکار کرنیوالے کو بتادیا کہ فلاں مکان میں شکار ہے تو اس پر جزا واجب ہے پہلی صورت میں تو اسلئے کہ آیت، ومن قتله منكم متعمدا فجزاء اه، میں وجوب جزا منصوص ہے دوسری صورت میں اسلئے کہ حضرت ابوقتادہ کی حدیث، ہل اشرتم ہل دللتم، میں شکار بتادینے کو بھی محظورات میں شمار کیا گیا ہے۔ امام شافعی کے یہاں شکار بتادینے پر کچھ واجب نہیں کیونکہ جزا کا تعلق قتل سے ہے اور دلالت کو قتل نہیں کہہ سکتے۔ لہذا اس میں جزا واجب نہیں مگر حدیث مذکور امام شافعی پر حجت ہے۔

قولہ وہو قیمتہ الخ شیخین کے نزدیک جزاء صید میں مماثلت معنوی ضروری ہے یعنی اسکی قیمت کا اعتبار ہے جو دو عادل مسلمان مقرر کردیں اور قیمت مقرر کرنے میں اس جگہ کا لحاظ ہے جہاں شکار کیا گیا ہے اگر وہاں آبادی نہ ہو تو اسکے قرب وجوار کا اعتبار ہے۔ امام شافعی وامام محمد کے نزدیک مماثلت ظاہری یعنی جزا میں شکار کا ہمشکل ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ انکے یہاں ہرن میں بکری، خرگوش میں بکری کا بچہ، شتر مرغ میں اونٹ، گورخر میں گائے لازم ہے۔ شیخین کی دلیل یہ ہے کہ آیت، فجزاء مثل ما قتل اه میں مثل مطلق ہے۔ اور مماثلت مطلقہ وہ ہے جو صورۃً اور معنی ہر دو اعتبار سے مماثل ہو۔ اور مماثلت مطلقہ بالاتفاق مراد نہیں لہذا مماثلت معنویہ متعین ہوگی کیونکہ شرع میں بھی معہود ہے۔ چنانچہ حقوق العباد میں مماثلت معنوی کا اعتبار ہے۔ بہرکیف شیخین کے نزدیک شکار کی قیمت واجب ہے۔ اب چاہے تو اس قیمت سے ہدی خرید کر مکہ میں ذبح کردے اور چاہے تو کھانا خرید کر ہر مسکین کو نصف صاع گیہوں یا ایک صاع کھجور جو صدقہ فطر کی مقدار ہے اسکے مطابق تقسیم کردے یا ہر مسکین کے کھانے کے عوض میں ایک ایک دن کا روزہ رکھ لے۔ اور اگر نصف صاع سے کم بچ جائے تو چاہے کسی کو خیرات کردے اور چاہے اس کے بدلے میں ایک روزہ رکھ لے۔

فائدہ: صید خشکی کے جانور کو کہتے ہیں۔ جو اصل پیدائش کے اعتبار سے وحشی ہو یعنی اگر اسکو پکڑنا چاہیں۔ تو بھاگ جائے۔ تو پلا ہوا ہرن صید میں داخل ہے۔ کیونکہ وہ اصل خلقت میں وحشی ہے۔ اور وحشی اونٹ اور گائے صید سے خارج ہے۔ کیونکہ انکی اصل خلقت میں وحشت نہیں۔ پھر صید ماکول وغیر ماکول ہر دو کو شامل ہے۔ کہ محرم کے لئے انکا قتل حرام ہے۔

وَاِنْ جَرَحَهٗ اَوْ قَطَعَ عُضْوَهٗ اَوْنَتَفَ شَعْرَهٗ ضَمِنَ وَتَجِبُ الْقِيْمَةُ بِنَتْفِ رِيْشِهٖ وَقَطْعِ قَوَائِمِهٖ

اور اگر زخمی کردیا یا اس کا عضو کاٹ دیا یا بال اکھاڑ دیئے تو ضامن ہوگا نقصان کا اور واجب ہوگی قیمت اس کے پر اکھاڑنے سے اور ہاتھ پاؤں کاٹنے سے

اَوْحَلْبِهٖ اَوْ كَسْرِ بَيْضِهٖ وَخُرُوْجِ فَرْخٍ مَيِّتٍ بِهٖ وَلَا شَيْءَ بِقَتْلِ غُرَابٍ وَحِدَاةٍ وَذِئْبٍ وَحَيَّةٍ وَعَقْرَبٍ وَفَارَةٍ

اور دودھ دوہنے سے اور انڈا توڑنے سے اور مردہ بچہ کے نکلنے سے اور کچھ نہیں مارڈالنے میں کوے کے اور چیل بھیڑیئے سانپ بچھو چوہے

باب الاحرام میں گذر چکی ۱۲۔

وَكَلْبٍ عَقُوْرٍ وَبَعُوْضٍ وَنَمْلٍ بِرْغُوْثٍ وَقُرَادٍ وَسُلْحَفَاةٍ وَبِقَتْلِ قُمْلَةٍ وَجَرَادَةٍ تَصَدَّقَ بِمَاشَآءَ وَلاَ يُجَاوِزُ عَنْ شَاةٍ

باولے کتے مچھر چیونٹی پسو چچڑی اور کچھوے کے اور جوں اور ٹڈی مارنے میں صدقہ کرے جتنا چاہے اور نہ بڑھے بکری سے درندے کے مارنے

بِقَتْلِ السَّبُعِ وَاِنْ صَالَ لاَشَيْءَ بِقَتْلِهٖ بِخِلاَفِ الْمُضْطَرِّ وَلِلْمُحْرِمِ ذَبْحُ شَاةٍ وَبَقَرَةٍ وَبَعِيْرٍ وَدُجَاجَةٍ وَبَطٍّ اَهْلِيٍّ

میں اور اگر درندہ حملہ کرے تو کچھ نہیں اسکے مارنے میں بخلاف مضطر کے اور جائز ہے محرم کو ذبح کرنا بکری گائے اونٹ مرغی اور گھریلو بط کا

وَعَلَيْهِ الْجَزَاءُ بِذَبْحِ حَمَامٍ مُسَرْوَلٍ وَظَبْيٍ مُسْتَأْنِسٍ وَلَوْ ذَبَحَ مُحْرِمٌ صَيْدًا حَرُمَ وَغَرِمَ بِاَكْلِهٖ

اور اس پر جزاء ہے پاموز کبوتر اور مانوس ہرن کے ذبح کرنے سے اور اگر ذبح کرے محرم شکار کو تو حرام ہے اور تاوان دے گا اس کو کھانے سے

لاَ مُحْرِمٌ اٰخَرَ وَحَلَّ لَهٗ لَحْمُ مَااصْطَادَهٗ حَلاَلٌ وَذَبَحَهٗ اِنْ لَمْ يَدُلَّ عَلَيْهِ وَلَمْ يَاْمُرْهُ بِصَيْدِهٖ

نہ کہ دوسرا محرم اور حلال ہے محرم کے لئے گوشت اس کا جو حلال شخص مار کر ذبح کرے اگر محرم نے نہ بتایا ہو اور نہ حکم کیا ہو شکار کرنے کا

وَبِذَبْحِ الْحَلاَلِ صَيْدَ الْحَرَمِ قِيْمَتُهٗ يَتَصَدَّقُ بِهَا لاَ الصَّوْمُ وَمَنْ دَخَلَ الْحَرَمَ بِصَيْدٍ اَرْسَلَهٗ

اور حلال آدمی کے ذبح کرنے سے حرم کے شکار کی قیمت خیرات کرنا واجب ہے نہ کہ روزہ جو شخص داخل ہو حرم میں شکار کیساتھ تو چھوڑ دے اس کو

فَاِنْ بَاعَهٗ رَدَّ الْبَيْعَ اِنْ بَقِيَ وَاِنْ مَاتَ فَعَلَيْهِ الْجَزَاءُ وَمَنْ اَحْرَمَ وَفِيْ بَيْتِهٖ اَوْقَفَصِهٖ صَيْدٌ لاَ يُرْسِلُهٗ

اور اگر بیچ دیا ہو تو بیع واپس کرلے اگر شکار باقی ہو اور اگر مر گیا ہو تو اس پر جزاء ہے جو شخص احرام باندھے اور اس کے گھر یا پنجرے میں شکار ہو تو نہ چھوڑے

وَلَوْ اَخَذَ حَلاَلٌ صَيْدًا فَاَحْرَمَ ضَمِنَ مُرْسِلُهٗ وَلاَ يَضْمَنُ لَوْ اَخَذَهٗ مُحْرِمٌ

اسکو اگر پکڑے حلال آدمی شکار پھر احرام باندھ لے تو ضامن ہوگا اس کو چھوڑنے والا اور ضامن نہ ہوگا اگر پکڑا ہو اس کو کسی محرم نے

باقی احکام صید کا بیان

توضیح اللغۃ: جرح، زخمی کر دیا، نتف ، نوچنا، ریش، پر، قوائم جمع قائمۃ پاؤں؛ حلب۔ دودھ دوہنا، فرخ، پرندہ کا بچہ، غراب، کوا ، حداۃ، چیل، ذئب، بھیڑیا، حیہ، سانپ، عقرب، بچھو، فارۃ، چوہا، کلب عقور، کاٹ کھانیوالا کتا، بعوض، مچھر، نمل، چیونٹی، برغوث پسو، قراد، چچڑی ، سلحفاۃ، کچھوا، قملہ، جوں، جرارۃ، ٹڈی، درندہ، صال، حملہ کیا، مضطر، بیقرار، حمام مسرول، کبوتر جس کی ٹانگوں پر پر ہوں، ظبی، ہرن، مستانس، مانوس، قفس، پنجرا۔

تشریح الفقہ: قولہ ولاشئی الخ اگر محرم کوے یا چیل وغیرہ کو مار ڈالے تو اس پر کوئی چیز واجب نہیں حدیث میں ہے کہ، پانچ جانور ایسے ہیں کہ ان کو قتل کرنے سے محرم پر کوئی گناہ نہیں، بچھو، چوہا، کاٹ کھانیوالا کتا، کوا، (۱) چیل، روایت میں سانپ، حملہ آور جانور اور بھیڑیئے کی بھی تصریح ہے (۲)۔ اور مچھر، چیونٹی وغیرہ کو مار دینے میں اسلئے کچھ نہیں کہ نہ یہ شکار ہیں اور نہ انسان کے بدن سے پیدا ہوتے ہیں۔

قولہ غراب الخ کوے کئی قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جو نجاست کھاتا ہے دوسرے وہ نجاست اور دانہ دونوں کھاتا ہے یہ دونوں موذی ہیں۔ انکو مار دینے سے کچھ واجب نہیں، تیسرا کوا اور ہے جس کو عقعق کہتے ہیں، بحر الرائق میں ہے کہ تینوں قسم کے کووں کو مارنا درست ہے پس اس میں عقعق بھی آ گیا تو موذی ہے ہمیشہ جانور کی مبرز کو چونچ سے کھودتا ہے مگر صاحب نہر الفائق نے اس تعمیم کی تردید کی ہے۔ نیز معراج الدرایہ میں ہے کہ عقعق اکثر جانور کو نہیں ستاتا پس دوام انذار سانی کا دعوی ختم ہو گیا ظہیریہ میں ہے کہ عقعق میں دو روایتیں ہیں ظاہر روایت یہ ہے کہ وہ صید میں داخل ہے اور اس کو مارنے میں محرم پر جزا واجب ہے

قولہ وکلب الخ ابن ہمام نے کہا ہے کہ کلب میں ہر درندہ داخل ہے بدلیل آنحضرت ﷺ نے عتبہ بن ابی لہب کے حق میں بددعا کی تھی "

(۱) صحیحین عن ابن عمر ۱۲ (۲) اما الحسیہ فصرح بہا مسلم واما الصائل فصرح بہ ابوداؤد والترمذی وابن ماجہ واما الذئب فصرح بہ ابوداؤد والدارقطنی ۱۲۔

اللھم سلط علیه کلبا من کلابک ''اور اس کو شیر نے پھاڑ کھایا تھا پس بطریق دلالۃ النص درندہ کے مارنے کا جواز بھی ثابت ہو گیا۔

قولہ بخلاف الخ اگر محرم بحالت مخمصہ بھوک کی شدت سے شکار کرنے پر مجبور ہوا اور وہ شکار کر لے تو جزا واجب ہے کیونکہ وجوب کفارہ نص قرآنی کے حکم میں ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ وجوب جزا میں اصل خلقت کے اعتبار سے متوحش ہونے کا اعتبار ہے۔ اور کبوتر اصل خلقت کے اعتبار سے وحشی ہے گو وہ اپنے بھاری پن کیوجہ سے زیادہ اڑ نہیں سکتا۔ رہا اس کا مانوس ہونا سو وہ امر عارض ہے جس کا اعتبار نہیں۔

قولہ لو ذبح الخ محرم کا ذبح کیا ہوا شکار نہ اس کیلئے حلال ہے نہ غیر کیلئے' امام شافعی کے نزدیک غیر کیلئے حلال ہے نیز احرام سے حلال ہو جانے کے بعد خود اس کیلئے بھی حلال ہے وہ یہ فرماتے ہیں کہ جب زکوۃ حقیقۃً موجود ہے تو لامحالہ وہ اپنا عمل کریگی البتہ محرم نے چونکہ منہی عنہ فعل کا ارتکاب کیا ہے اس بنا پر اس کے لئے عقوبۃً حرام ہے پس غیر کے حق میں اصل حلت باقی رہے گی ہم یہ کہتے ہیں کہ محرم کے احرام نے شکار کو حلیت سے اور ذابح کو حلال کرنے کی اہلیت سے نکال دیا پس اس کا فعل زکوۃ نہیں ہو سکتا انعدام حلیت صید تو اسلئے ہے کہ آیت'' حرم علیکم صید البر'' میں عین کو حرام فرمایا ہے۔ اور انعدام اہلیت ذابح اسلئے کہ آیت'' **لاتقتلو االصید و انتم حرم**'' میں قتل سے تعبیر کیا گیا ہے نہ کہ ذبح سے۔

قولہ وحل لہ الخ محرم کیلئے اس جانور کا گوشت کھانا جائز ہے جس کو غیر محرم نے شکار کیا ہو اگر چہ محرم ہی کے واسطے شکار کیا ہو بشرطیکہ محرم نے شکار نہ بتلایا ہو نہ حکم کیا ہو نہ اس پر اعانت کی ہو' امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک محرم کیلئے وہ شکار جائز نہیں جو غیر محرم نے محرم کے واسطے کیا ہو کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ تمہارے لئے شکار حلال ہے جب تک کہ تم شکار نہ کرو یا تمہارے واسطے نہ کیا جائے(۱)۔'' ہماری دلیل حضرت ابوقتادہ کی حدیث'' ہل اشرتم ہل دللتم اھ ہے امام طحاوی فرماتے ہیں کہ حضرت ابوقتادہ نے صرف اپنے واسطے شکار نہیں کیا تھا بلکہ محرم اصحاب کیلئے بھی کیا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے اس کو مباح فرمایا رہی حدیث مذکور سو اول تو وہ ضعیف ہے چنانچہ ابوداؤد وغیرہ کی راویت میں مطلب بن حنطب ہے۔ جس کے متعلق امام شافعی اور ترمذی نے صاف لکھا ہے کہ حضرت جابر سے اس کا سماع ہم کو معلوم نہیں۔ امام نسائی نے عمرو بن ابی عمرو کے متعلق کہا ہے کہ گو امام مالک نے ان سے روایت کی ہے مگر یہ قوی نہیں طبرانی کی روایت میں یوسف بن خالد ہے۔ جس کو بخاری' نسائی' شافعی' اور ابن معین نے مغلظ الفاظ میں ضعیف کہا ہے' ابن عدی کی روایت میں عثمان بن خالد ہے جس کے متعلق ابن عدی کا فیصلہ ہے کہ اس کی کل احادیث غیر محفوظ اور اگر صحیح بھی ہوں تو مطلب یہ ہے کہ جب محرم کے حکم سے شکار ہوا ہو تو حلال نہیں۔

قولہ ولو اخذ حلال الخ ایک شخص نے غیر محرم ہونے کی حالت میں شکار پکڑا پھر اس نے احرام باندھ لیا اور کسی نے اس کے ہاتھ میں سے شکار لیکر چھوڑ دیا تو امام صاحب کے نزدیک چھوڑنے والے پر تاوان لازم ہے صاحبین کے نزدیک لازم نہیں کیونکہ اس پر از راہ احسان عدم ارسال حرام اور چھڑانا ضروری ہے۔ پس اس نے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کیا ہے۔ وما علی المحسنین من سبیل امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ محرم حلال ہونے کی حالت میں ملک محترم کیساتھ اس کا مالک ہوا ہے اور احرام کیوجہ سے اس کا احترام باطل نہیں اور مرسل نے اس کو تلف کر دیا لہٰذا ضامن ہو گا یہی اختلاف آلات لہو کے توڑنے میں ہے کہ صاحبین کے نزدیک توڑنیوالے پر ضمان نہیں۔ امام صاحب کے نزدیک ضمان ہے۔ اور اگر حرم کا شکار محرم نے پکڑا ہو تو اس کا چھوڑنے والا بالاتفاق ضامن نہیں کیونکہ محرم شکار کا مالک نہیں ہوتا پس اس کے حق میں شکار خمر وخنزیر کیطرح ہو گیا۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

(۱) ابوداؤد' ترمذی' نسائی' حاکم' ابن حبان عن جابر' طبرانی' ابن عدی ابی موسیٰ الاشعری' ابن عدی عن ابن عمر۔۱۲

فَاِنْ قَتَلَهُ مُحْرِمٌ اٰخَرُ ضَمِنَا وَرَجَعَ اٰخِذُ عَلٰى قَاتِلِهِ فَاِنْ قَطَعَ حَشِيْشَ الْحَرَمِ اَوْ شَجَرًا غَيْرَ مَمْلُوْكٍ

پھر اگر مار ڈالے اس کو دوسرا محرم تو دونوں ضامن ہونگے اور رجوع کریگا پکڑنے والا اس کے قاتل پر پس اگر کاٹ دی حرم کی گھاس یا غیر مملوک

وَهُوَ مِمَّا لَا يُنْبِتُهُ النَّاسُ ضَمِنَ قِيْمَتَهُ اِلَّا فِيْمَا جَفَّ وَحَرُمَ رَعْىُ حَشِيْشِ الْحَرَمِ وَقَطْعُهُ اِلَّا الْاِذْخَرَ

درخت جو لوگ نہ بوتے ہوں تو ضامن ہوگا اس کی قیمت کا مگر جو خشک ہو جائے اس کا تاوان نہیں اور حرام ہے حرم کی گھاس چرانا اور کاٹنا سوائے اذخر کے

وَكُلُّ شَىْءٍ عَلَى الْمُفْرِدِ بِهٖ دَمٌ فَعَلَى الْقَارِنِ دَمَانِ اِلَّا اَنْ يَّتَجَاوَزَ الْمِيْقَاتَ غَيْرَ مُحْرِمٍ وَلَوْ قَتَلَ الْمُحْرِمَانِ

اور جس چیز کی وجہ سے مفرد بالحج پر ایک خون ہے تو قارن پر دو خون ہونگے بجز اسکے کہ بڑھ جائے میقات سے بلا احرام اگر مار ڈالا دو محرموں نے

صَيْدًا تَعَدَّدَ الْجَزَاءُ وَلَوْ حَلَالَانِ لَا وَبَطَلَ بَيْعُ الْمُحْرِمِ صَيْدًا وَشِرَاءُهٗ وَمَنْ اَخْرَجَ ظَبْيَةَ الْحَرَمِ فَوَلَدَتْ

شکار تو متعدد ہوگی جزاء اور دو حلال آدمیوں نے مارا تو متعدد نہ ہوگی اور باطل ہے بیچنا محرم کا شکار کو اور اس کا خریدنا اور جس نے نکالا حرم کی ہرن کو پس

وَمَاتَا ضَمِنَهُمَا فَاِنْ اَدّٰى جَزَائَهَا ثُمَّ وَلَدَتْ لَا يَضْمَنُ الْوَلَدَ

اسکے بچہ ہوا اور دونوں مرگئے تو دونوں کا ضامن ہوگا اور اگر ہرنی کا تاوان دینے کے بعد بچہ پیدا ہو تو بچہ کا ضامن نہ ہوگا۔

تتمہ احکام صید

توضیح اللغۃ: قولہ فان قتلہ الخ ایک محرم نے شکار پکڑا اور دوسرے محرم نے اس کو قتل کر دیا تو دونوں ضامن ہونگے پکڑنیوالا پکڑنیکی اور قتل کرنے والا قتل کی جزا دیگا لیکن پکڑنیوالا قاتل پر رجوع کریگا یعنی اپنے جتنا ضمان دیا ہے وہ قاتل سے وصول کرلیگا کیونکہ جو چیز معرض سقوط میں تھی وہ قاتل کے قتل کرنے سے ثابت ہوگئی یعنی اگر قاتل قتل نہ کرتا اور پکڑنیوالا اسکو چھوڑ دیتا تو جزا ساقط ہو جاتی اور جب قاتل نے قتل کر ڈالا تو اب پکڑنیوالے پر جزا متعین ہوگئی لہذا آخذ قاتل پر رجوع کریگا۔

قولہ فان قطع الخ اگر کوئی شخص حرم کی گھاس یا اسکا درخت کاٹ دے تو اس پر قیمت واجب ہے۔ الا یہ کہ وہ خشک ہو کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ، قیامت تک نہ کاٹا جائے اسکا درخت اور نہ ستایا جائے یہاں کا شکار اور نہ کاٹی جائے یہاں کی گیلی گھاس(۱) لیکن وجوب قیمت کیلئے دو شرطیں ہیں اول یہ کہ وہ غیر مملوک ہو یعنی خود جم گیا ہو کسی نے بویا نہ ہو خواہ کسی کا مملوک ہو یا نہ ہو یہاں تک فقہا نے تصریح کی ہے کہ اگر ببول کا درخت جسکو کیکر بھی کہتے ہیں حرم میں کسی شخص کی مملوک زمین میں اُگ آئے اور کوئی اسکو کاٹ ڈالے تو کاٹنے والے پر دو قیمتیں واجب ہیں ایک مالک کے واسطے دوسری حق شرع کیواسطے۔ دوم یہ کہ وہ درخت اس قسم کا نہ ہو جسکو لوگ عادۃً بوتے ہوں اگر وہ خودرو درخت ایسا ہو کہ لوگ اسکو بوتے ہوں تو اس کے کاٹنے والے پر شرعاً مواخذہ نہیں ہاں اگر کسی کی مملوک زمین میں ہو تو مالک کو قیمت دینا لازم ہوگا۔

(فائدہ): طحطاوی اور ہدایہ وغیرہ میں مصرح ہے کہ حرم کی گھاس اور اسکا درخت دو قسم پر ہے۔۱) جسکو لوگوں نے بویا ہو۔۲) جو خودرو ہو اول، کی دو قسمیں ہیں۔۱) عادۃً لوگ اسکو بوتے ہوں۔۲) عادۃً نہ بوتے ہوں۔ ان دونوں قسموں کے کاٹنے میں جزا واجب نہیں۔ خودرو کی بھی یہی دو قسمیں ہیں سو جسکو لوگ بوتے ہوں اسکے کاٹنے میں بھی جزا واجب نہیں اور اگر لوگ بوتے ہوں تو صرف اس قسم کے کاٹنے میں جزا واجب ہے۔ سوال حدیث میں تو علی الاطلاق ممانعت ہے پھر فقہا نے ان تین قسموں کو کیسے مستثنیٰ کرلیا؟ جواب اسکا اسلئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے ابتک وہاں زراعت کرنے اور کاٹنے کی عادت بلا انکار جاری ہے۔ علاوہ

(۱) ائمہ ستہ عن ابی ہریرہ صحیحین عن ابن عباس ۱۲۔

ازیں ممنوع تو حرم کی گھاس ہے اور وہ خودرَو ہے کیونکہ حرم کی طرف کامل نسبت اسی کی ہے اور جسکو انسان نے بویا ہو خواہ اسکے بونے کی عادت ہو یا نہ ہو تو وہ انسان کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ نہ کہ حرم کی طرف۔

قولہ وکل شئی الخ ممنوعات احرام میں سے جن امور میں مفرد پر ایک خون واجب ہوتا ہے تو ان میں قارن پر دو خون واجب ہونگے ایک حج کا اور ایک عمرہ کا کیونکہ قارن ہمارے یہاں دو احراموں کا محرم ہوتا ہے۔ ائمہ ثلثہ کے نزدیک قارن ایک احرام کا محرم ہوتا ہے اسلئے ان کے یہاں قارن پر بھی ایک ہی خون واجب ہے۔ ہاں اگر قارن احرام کے بغیر میقات سے آگے بڑھ جائے تو اس پر ایک ہی خون واجب ہے۔ کیونکہ جب اس نے احرام نہیں باندھا تو ابھی وہ قارن ہی نہیں ہوا۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

باب مجاوزۃ الوقت بغیر احرام

باب میقات سے بلا احرام بڑھ جانے کے بیان میں

مَنْ جَاوَزَ الْمِيْقَاتَ غَيْرَ مُحْرِمٍ ثُمَّ عَادَ مُحْرِمًا مُلَبِّيًا اَوْ جَاوَزَ ثُمَّ اَفْسَدَ وَقَضٰى

جو شخص بڑھ گیا میقات سے بلا احرام پھر لوٹ آیا احرام باندھ کر لبیک کہتا ہوا یا آگے بڑھ گیا اور عمرہ کا احرام باندھ کر فاسد کر دیا اور قضا کر لیا

بَطَلَ الدَّمُ فَلَوْ دَخَلَ الْكُوْفِيُّ الْبُسْتَانَ لِحَاجَةٍ لَهٗ دُخُوْلُ مَكَّةَ بِغَيْرِ اِحْرَامٍ وَقْتُهُ الْبُسْتَانُ

تو خون ساقط ہو گیا اگر داخل ہوا کوفی باغ میں کسی ضرورت سے تو جائز ہے اس کیلئے داخل ہونا مکہ میں بلا احرام اور اس کی میقات وہی باغ ہے

وَمَنْ دَخَلَ مَكَّةَ بِغَيْرِ اِحْرَامٍ ثُمَّ يَحُجُّ عَمَّ عَلَيْهِ فِيْ عَامِهٖ ذٰلِكَ

جو شخص داخل ہوا مکہ میں بلا احرام تو واجب ہے اس پر دو عبادتوں میں سے ایک پھر اس نے حج کیا جو اس کے ذمہ تھا اسی سال

صَحَّ مِنْ دُخُوْلِ مَكَّةَ بِلاَ اِحْرَامٍ فَاِنْ تَحَوَّلَتِ السَّنَةُ لاَ

تو صحیح ہوگا یہ اس کے عوض جو بلا احرام داخل ہونے کی وجہ سے لازم ہوا تھا اور اگر سال بدل جائے تو صحیح نہ ہوگا۔

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ یہ باب چونکہ معنی جنایت میں باب سابق کے مناسب ہے اسلئے مصنف نے اس کو باب سابق کے ساتھ پیوست کیا ہے پھر میقات سے بلا احرام آگے بڑھنا جنایت قبل از احرام ہے۔ اور باب سابق میں جن جنایتوں کا بیان ہوا ہے وہ بعد از احرام ہیں اور باب حج میں جنایت کا اطلاق اسی پر ہوتا ہے جو بعد از احرام ہوں اسلئے باب الجنایات کو مقدم اور اس باب کو موخر کیا ہے۔

قولہ من جاوز الخ جو شخص حج یا عمرہ کا ارادہ کرے اور پھر احرام باندھے بغیر میقات سے آگے بڑھ جائے تو اس پر خون واجب ہے۔ اب اگر یہ میقات واپس ہو کر احرام باندھ لے اور تلبیہ پڑھ لے یا میقات سے بلا احرام گذرنے کے بعد داخل میقات سے عمرہ کا احرام باندھ کر عمرہ کو فاسد کر دے اور پھر اسکی قضا کر لے تو ان دونوں صورتوں میں خون ساقط ہو جائیگا کیونکہ دونوں صورتوں میں مافات کا تدارک ہو گیا۔

قولہ فلو دخل الخ ایک کوفی یعنی آفاقی کسی ضرورت سے بستان بنی عامر میں داخل ہوا اسوقت مکہ میں داخل ہونے کا ارادہ نہیں تھا لیکن بعد میں مکہ کا ارادہ ہو گیا تو اسکو بلا احرام مکہ میں داخل ہونا جائز ہے کیونکہ بستان واجب التعظیم نہیں لہذا اسکے ارادہ سے احرام باندھنا بھی لازم نہیں۔ اور جب وہ بستان میں داخل ہو گیا تو اہل بستان کیساتھ لاحق ہو گیا تو جس طرح اہل بستان کے لئے بلا احرام مکہ میں داخل ہونا جائز ہے اسیطرح اسکے لئے بھی جائز ہے۔ اب اگر یہ حج یا عمرہ کا ارادہ کرے تو اس کیلئے میقات بستان ہے۔ یعنی حل: اہل بستان کے لئے میقات ہے۔

قولہ ومن دخل الخ جو شخص بلا احرام مکہ میں داخل ہو تو اس مکان مقدس کی تعظیم کی خاطر ہر بلا احرام داخل ہونے میں حج یا عمرہ واجب

ہے۔اب اگر وہ احرام باندھتے وقت اس عبادت کی نیت کرلے جو اس پر واجب تھی یعنی حج اسلام، حج نذر یا عمرہ منذورہ کی تو یہ اس حج یا عمرہ کی طرف سے کافی ہو جائیگا جو اس پر بلا احرام داخل ہونے سے لازم ہو گیا تھا۔ بشرطیکہ اسی سال حج یا عمرہ کرے۔ اگر سال بدل گیا تو کافی نہ ہوگا کیونکہ سال بدلنے سے حج یا عمرہ متروکہ اس کے ذمہ دَین ہو گیا۔

بَابُ اِضَافَةِ الاِحْرَامِ اِلَى الاِحْرَامِ

باب ایک احرام سے دوسرا احرام کر لینے کے بیان میں

مَكِّيٌّ طَافَ شَوْطًا لِعُمْرَةٍ فَاَحْرَمَ بِحَجٍّ رَفَضَهُ وَعَلَيْهِ حَجٌّ وَعُمْرَةٌ وَدَمٌ لِرَفْضِهٖ

ایک مکی نے عمرہ کے طواف کا ایک چکر کیا پھر حج کا احرام باندھ لیا تو حج کو ترک کر دے اور اس پر حج اور عمرہ اور خون ہے ترک حج کی وجہ سے

فَلَوْ مَضٰى عَلَيْهِمَا صَحَّ وَعَلَيْهِ دَمٌ وَمَنْ اَحْرَمَ بِحَجٍّ ثُمَّ بِاٰخَرَ يَوْمَ النَّحْرِ

پس اگر دونوں کے افعال کر گذرا تو صحیح ہے اور اس پر خون لازم ہے جس نے حج کا احرام باندھ کر دسویں کو دوسرے حج کا احرام باندھ لیا

فَاِنْ حَلَقَ فِي الْاَوَّلِ لَزِمَ الْاٰخَرُ وَلاَ دَمَ عَلَيْهِ وَاِلاَّ لَزِمَ وَعَلَيْهِ دَمٌ قَصَّرَ اَوْلاَ وَمَنْ فَرَغَ

تو اگر اول میں حلق کر لیا تو دوسرا بھی لازم ہو جائیگا اور خون نہ ہوگا ورنہ لازم ہو جائیگا اور خون بھی واجب ہوگا قصر کرائے یا نہ کرائے جو شخص فارغ ہوا

مِنْ عُمْرَتِهٖ اِلاَّ التَّقْصِيْرَ فَاَحْرَمَ بِاُخْرٰى لَزِمَهُ دَمٌ وَمَنْ اَحْرَمَ بِحَجٍّ ثُمَّ بِعُمْرَةٍ ثُمَّ وَقَفَ بِعَرَفَاتٍ

عمرہ سے سوائے کتروانے کے پھر دوسرے عمرہ کا احرام باندھ لیا تو خون لازم ہوگا اور جس نے حج کا احرام باندھا پھر عمرہ کا پھر ٹھہرا عرفات میں

فَقَدْ رَفَضَ عُمْرَتَهُ وَاِنْ تَوَجَّهَ اِلَيْهَا لاَ فَلَوْ طَافَ لِلْحَجِّ ثُمَّ اَحْرَمَ بِعُمْرَةٍ وَمَضٰى عَلَيْهِمَا

تو اس نے اپنا عمرہ ترک کر دیا اور اگر صرف متوجہ ہوا عرفات کی طرف تو نہیں پس اگر طواف کیا حج کا پھر احرام باندھا عمرہ کا اور دونوں کے افعال کر لئے تو

صَحَّ وَيَجِبُ دَمٌ وَنُدِبَ رَفْضُهَا وَاِنْ اَهَلَّ بِعُمْرَةٍ يَوْمَ النَّحْرِ لَزِمَتْهُ وَلَزِمَهُ الرَّفْضُ وَالدَّمُ وَالْقَضَاءُ

خون واجب ہے اور مستحب ہے اس عمرہ کو ترک کرنا اگر احرام باندھا عمرہ کا دسویں کو تو لازم ہو جائیگا اور ترک کرنا ضروری ہوگا اور خون اور اس کی قضا واجب

فَاِنْ مَضٰى عَلَيْهِمَا صَحَّ وَيَجِبُ دَمٌ وَمَنْ فَاتَهُ الْحَجُّ فَاَحْرَمَ بِحَجٍّ اَوْ عُمْرَةٍ رَفَضَهَا

ہوگی اور اگر اسکے افعال بجالایا تب بھی صحیح ہے لیکن خون واجب ہے اور جس سے حج فوت ہو جائے اور وہ عمرہ کا یا حج کا احرام کر لے تو اس کو ترک کر دے۔

تشریح الفقہ: قولہ مکی الخ ایک مکی نے تین شوط سے کم عمرہ کا طواف کر کے حج کا احرام باندھ لیا تو اسکو حج ترک کر دینا چاہئے کیونکہ اہل مکہ کیلئے حج اور عمرہ کو جمع کرنا ممنوع ہے۔ اب اس پر تین چیزیں واجب ہیں حج، عمرہ اور خون، خون ترک حج کیلئے اور حج وعمرہ اسلئے کہ یہ فائت الحج کے مانند ہے اور فائت الحج عمرہ کر کے احرام اتارتا ہے اور دوسرے سال حج قضا کرتا ہے اور اگر مکی مذکور احرام حج ترک نہ کرے بلکہ حج اور عمرہ دونوں کرے تب بھی صحیح ہے مگر ایسا کرنا برا ہے۔ پھر ترک حج کا حکم امام صاحب کے نزدیک ہے۔ صاحبین کے نزدیک ترک عمرہ پسندیدہ ہے کیونکہ حج کی نسبت عمرہ کا درجہ کم ہے۔ اور اسکے افعال بھی کم ہیں اور اس کی قضا بھی سہل ہے کیونکہ اسکے لئے کوئی وقت معین نہیں۔

قولہ ومن احرام الخ جمع بین الاحرامین کا بیان ہے جسکی عقلی لحاظ سے چار صورتیں ہیں ۱) ادخال احرام حج بر احرام حج ۲) ادخال احرام حج بر احرام عمرہ ۳) ادخال احرام عمرہ بر احرام عمرہ ۴) ادخال احرام عمرہ بر احرام حج۔ پہلی صورت کی توضیح یہ ہے کہ ایک شخص نے حج کا احرام باندھا اور اسکو ادا کر کے یوم نحر میں دوسرے حج کا احرام باندھ لیا سو اگر وہ ثانی حج کے احرام سے قبل حلق کرا چکا ہو تو اس پر دوسرا حج بھی لازم جائیگا۔ جسکو وہ دوسرے سال ادا کریگا۔ اور اس صورت میں خون واجب نہیں کیونکہ حلق کی وجہ سے اسکا پہلا حج پورا ہو چکا۔ لہذا ادا

کے اعتبار ہے وہ جامع بین الاحرامین نہیں رہا۔ اور اگر ثانی حج کے احرام سے قبل حلق نہ کرایا ہو تو دوسرا حج۔ بھی لازم ہوگا اور خون بھی واجب ہوگا خواہ اس نے قصر کرایا ہو یا نہ کرایا ہو۔ وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں دو حال سے خالی نہیں۔ پہلے حج کے احرام سے حلال ہونے کے لئے حلق کرائے گا یا نہیں اگر حلق کراتا ہے تو ثانی حج کے احرام پر جنایت واقع ہوتی ہے اور اگر حلق نہیں کراتا تو اول حج کی عبادت یعنی یوم نحر کے سر منڈانے میں تاخیر لازم آتی ہے لہذا یہاں ہر طرح سے خون لازم ہوگا۔

قولہ ومن فرغ الخ ۲ کا بیان ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص نے عمرہ کا احرام باندھا اور قصر کے علاوہ تمام فعل ادا کر چکا۔ پھر اپنے دوسرے عمرے کا احرام باندھ لیا تو اس پر خون دینا واجب ہے کیونکہ دو عمروں کے احراموں کو جمع کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

قولہ ومن احرم الخ ۳ کا بیان ہے کہ ایک آفاقی نے حج کا احرام باندھا اسکے بعد عمرہ کا احرام بھی باندھ لیا تو اس پر دونوں لازم ہو گئے کیونکہ آفاقی کے لئے حج اور عمرہ کے درمیان جمع کرنا مشروع ہے لہذا وہ قارن ہو گیا مگر اس نے سنت کے خلاف کیا کیونکہ حج کو عمرہ پر داخل کرنا سنت ہے۔ نہ کہ عمرہ کو حج پر داخل کرنا قال تعالیٰ ''فمن تمتع بالعمرة الى الحج'' اب اگر اس نے مکہ میں داخل ہونے سے پیشتر عرفات میں وقوف کر لیا تو وقوف عرفہ کی وجہ سے اس کا عمرہ باطل ہو گیا۔ اب عمرہ کی ادائیگی اس کیلئے متعذر ہے ہاں اگر وہ بلا وقوف عرفہ عرفات کی طرف متوجہ ہوا اور عمرۂ اول کر کے حج کرے تو ممکن ہے۔ پھر اگر آفاقی نے حج کے لئے طواف قدوم کے بعد عمرہ کا احرام باندھا اور دونوں کو ادا کیا تو اس پر خون واجب ہے۔ کیونکہ اس نے حج کے افعال میں عمرہ کو داخل کر دیا اور اب اس کیلئے مستحب یہ ہے کہ عمرہ کو ترک کر دے کیونکہ طواف قدوم کی وجہ سے حج متاکد ہو گیا۔

قولہ وان اہل الخ ایک شخص نے حج کے بعد یوم نحر میں یا ایام تشریق میں عمرہ کا احرام باندھا تو اس پر عمرہ لازم ہو گیا۔ اب اس پر تین چیزیں واجب ہو گئیں۔ ۱۔ ترک عمرہ کیونکہ وہ ارکان حج ادا کر چکا اگر عمرہ ادا کریگا تو حج پر عمرہ کے افعال بنا کرنے والا ہو جائے گا۔ جو مکروہ تحریمی ہے۔ ۲۔ خون دینا کیونکہ یہ عمرہ کو ترک کریگا۔ ۳۔ قضاء عمرہ کیونکہ شروع کرنے کی وجہ سے عمرہ لازم ہو چکا اور اگر وہ عمرہ کو ترک نہ کرے بلکہ ادا کرے تو ادا ہو جائے گا لیکن خون دینا واجب ہوگا کیونکہ اس نے عمرہ کے احرام میں اور حج کے بقیہ افعال میں جمع کرنے کا ارتکاب کیا ہے۔ کیونکہ ابھی اس پر ایام تشریق کی رمی جمار باقی ہے۔

بَابُ الاِحْصَار

باب (حج اور عمرے سے) رک جانے کے بیان میں

قولہ باب الخ جنایات کے ذیل میں اب تک جن امور کا ذکر ہوا ہے وہ اکثر و بیشتر واقع ہونے والے امور تھے۔ اب ان امور کو بیان کرتا ہے جن کا وقوع نادر ہے۔ یعنی احصار اور فوات یا یہ کہا جائے کہ ابواب سابقہ میں ان جنایتوں کا بیان تھا جو خود محرم اپنے اوپر کرے۔ اور یہاں ان جنایتوں کا بیان ہے جو محرم پر کوئی دوسرا کرے۔ پھر عذر احصار چونکہ آنحضرت ﷺ کو حدیبیہ کے سال پیش آیا ہے اس لئے اس کو مقدم کر رہا ہے۔ احصار لغت میں مطلق روک دینے کو کہتے ہیں علامہ طحطاوی نے امر غیر حسی کے ساتھ مقید مانا ہے کیونکہ امر حسی کے سبب سے روکنے کو حصر کہتے ہیں نہ کہ احصار اصطلاح شرع میں احصار یہ ہے کہ دشمن یا مرض یا درندہ وغیرہ ادائیگی رکن سے روک دے خواہ وہ رکن حج کا ہو یا عمرہ کا ہو امام شافعی کے یہاں احصار صرف دشمن کے سبب سے ہوتا ہے وہ یہ فرماتے ہیں کہ آیت احصار آنحضرت ﷺ اور آپ کے اصحاب کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ اور آپ دشمن ہی کیوجہ سے محصر تھے۔ سابق آیت ''فاذا امنتم'' بھی اسی کی تائید کرتی ہے کیونکہ امن دشمن سے ہوتا ہے نہ کہ مرض سے ہم یہ کہتے ہیں کہ احصار مرض کے سبب سے ہوتا ہے اور حصر دشمن کے سبب سے ابو جعفر نحاس نے اس پر جمیع اہل لغت کا اجماع نقل کیا ہے اور آیت ''فان احصرتم'' میں لفظ احصار ہے۔ نہ کہ حصر۔ علاوہ ازیں اعتبار عموم لفظ کا

ہوتا ہے۔ نہ کہ خصوصیت سبب کا۔ رہا آیت کا سیاق سو اس سے مدعی کی تائید نہیں ہوتی کیونکہ لفظ امان مرض میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے' الزکام امان من الجذام۔''

لَمَنْ اُحْصِرَ بِعَدُوٍّ اَوْ مَرَضٍ اَنْ يَّبْعَثَ شَاةً تُذْبَحُ فَيَتَحَلَّلُ

جائز ہے اس شخص کیلئے جو رک گیا ہو دشمن یا بیماری کی وجہ سے یہ کہ بھیجے بکری جو ذبح کی جائے اس کی طرف سے پھر وہ حلال ہو جائے

وَلَوْ قَارِنًا بَعَثَ دَمَيْنِ[1] وَيَتَوَقَّتُ بِالْحَرَمِ لَابِيَوْمِ النَّحْرِ وَعَلَى الْمُحْصِرِ بِالْحَجِّ اَنْ يَّتَحَلَّلَ فَعَلَيْهِ حَجَّةٌ وَعُمْرَةٌ

اور قارن ہو تو دو خون بھیجے اور موقت ہے حرم کیساتھ نہ کہ دسویں کیساتھ اور حج سے رک جانے والے پر اگر وہ حلال ہو جائے حج اور عمرہ ہے

وَعَلَى الْمُعْتَمِرِ عُمْرَةٌ وَعَلَى الْقَارِنِ حَجَّةٌ وَّعُمْرَتَانِ فَاِنْ بَعَثَ ثُمَّ زَالَ الْاِحْصَارُ وَقَدَرَعَلَى الْهَدْىِ وَالْحَجِّ تَوَجَّهَ

اور قارن پر حج اور دو عمرے ہیں پس اگر ہدی روانہ کی پھر احصار زائل ہو گیا اور ہدی اور حج پانے پر قادر ہو گیا تو چلا جائے ورنہ نہیں

وَاِلَّا لَا وَلَا اِحْصَارَ بَعْدَ مَاوَقَفَ بِعَرَفَةَ وَمَنْ مُنِعَ بِمَكَّةَ عَنِ الرُّكْنَيْنِ فَهُوَ مُحْصِرٌ وَاِلَّا لَا

اور نہیں ہے احصار بعد اس کے کہ ٹھہر چکا عرفات میں اور جو شخص روکدیا گیا مکہ میں دو رکنوں سے تو وہ محصر ہے ورنہ نہیں۔

محصر کے باقی احکام

توضیح اللغۃ: احصر: روکدیا گیا، عدو: دشمن، فیتحلل، حلال ہو جائے، محصر: وہ شخص جو طواف زیارت اور وقوف عرفہ سے روکدیا گیا ہو۔

تشریح الفقہ: قولہ لمن احصر الخ جو شخص کسی دشمن یا بیماری کی وجہ سے رک جائے اور حج نہ کر سکے تو اسکے لئے احرام سے حلال ہو جانا جائز ہے جس کا طریقہ یہ ہے کہ اگر وہ مفرد بالحج ہے تو ایک بکری اور قارن ہے تو دو بکریاں حرم میں بھیج دے جو اسکی طرف سے ذبح کی جائیں پس جب وہ ذبح ہو جائینگی تو یہ حلال ہو جائیگا، دم احصار کو حرم میں ذبح کرنا ضروری ہے غیر حرم میں جائز نہیں کیونکہ آیت۔ ولاتحلقوا رؤسکم حتی یبلغ الھدی محلہ، میں ہدی اپنے محل کیساتھ مقید ہے۔ اور محل ہدی حرم ہی ہے، ہاں اسمیں وقت کی تعیین نہیں جس وقت چاہے ذبح کر سکتا ہے۔ کیونکہ آیت، فما استیسر من الھدی، میں ہدی زمانہ کے ساتھ مقید نہیں پس صاحبین جو زمان ہدی کو مکان پر قیاس کرتے ہیں یہ صحیح نہیں۔ پھر محصر اگر حج کے احرام سے حلال ہوا ہے تو اسپر حج اور عمرہ لازم ہے حج تو شروع کرنیکی وجہ سے اور عمرہ حلال ہونیکی وجہ سے اور اگر عمرہ کے احرام سے حلال ہوا ہے تو صرف عمرہ لازم ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ عمرہ میں احصار ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ عمرہ کیلئے کوئی وقت معین نہیں۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اور آپکے اصحاب عمرہ کیلئے نکلے تھے اور کفار قریش نے آپکو روکدیا تھا تو آپنے آئندہ سال عمرہ کی قضاء کی تھی[2]۔ اور اگر قران کے احرام سے حلال ہوا ہے تو اسپر ایک حج اور ایک عمرہ کیساتھ ساتھ ایک اور عمرہ قران کی وجہ سے لازم ہے۔

قولہ فان بعث الخ اگر ہدی روانہ کرنے کے بعد محصر کا احصار زائل ہو جائے اور وہ حج اور ہدی پالینے پر قادر ہو تو اسپر حج کے لئے روانہ ہونا واجب ہے۔ ہدی بھیج کر احرام سے حلال ہونا جائز نہیں۔ کیونکہ ہدی بھیجنا حج کا بدل تھا اور اب وہ اصل ادائیگی پر قادر ہو گیا لہذا بدل کا اعتبار نہ ہوگا۔ اور اگر حج اور ہدی پانے پر قادر نہ ہو تو جانا ضروری نہیں کیونکہ اب جانا بے سود ہے۔

---

(۱) اطلقہ فافادانہ لایحتاج الی تعیین الذی للعمرۃ والذی للحج وافادانہ لوبعث بہدی واحد لیتحلل عن احدہما ویبقی فی الاخرلم یتحل عن واحد منہما لان التحلل منہما لم یشرع الافی حالۃ واحدۃ فلوتحلل عن احدہما دون الاخریکون فیہ تغییر للمشروع ۱۲ بحر۔

(۲) صحیحین، طحاوی عن ابن عمر، بخاری عن ابن عباس ۱۲۔

فائدہ: یہ مسئلہ رباعی ہے۔ یعنی اسکی چار صورتیں ہیں۔ (۱) حج اور ہدی ہر دو پانے پر قادر ہو۔ (۲) دونوں پر قادر نہ ہو۔ (۳) فقط ہدی پر قادر ہو۔ (۴) فقط حج پر قادر ہو۔ (۱) میں جانا ضروری ہے۔ باقی میں نہیں۔ پھر امام صاحب کے نزدیک یوم نحر سے قبل ذبح کرنا جائز ہے لہذا ادراک حج بلا ادراک ہدی ممکن ہے اور صاحبین کے نزدیک یوم بحر سے قبل ذبح کرنا جائز نہیں۔ اسلئے ان کے نزدیک ادراک حج کو ادراک ہدی لازم ہے۔

بَابُ الْفَوَاتِ

باب حج نہ ملنے کے بیان میں

مَنْ فَاتَهُ الْحَجُّ بِفَوَاتِ الْوُقُوْفِ بِعَرَفَةَ فَيُحَلِّلُ بِعُمْرَةٍ وَعَلَيْهِ الْحَجُّ مِنْ قَابِلٍ بِلَادَمٍ وَلَا فَوْتَ بِعُمْرَةٍ

جس کا حج فوت ہوجائے وقوف عرفات فوت ہونے کے باعث تو وہ عمرہ کر کے حلال ہوجائے اور اس پر آئندہ سال حج ہے بلادم اور عمرہ فوت نہیں ہوتا

وَهِيَ طَوَافٌ وَسَعْيٌ وَتَصِحُّ فِيْ جَمِيْعِ السَّنَةِ وَتُكْرَهُ يَوْمَ عَرَفَةَ وَيَوْمَ النَّحْرِ وَاَيَّامَ التَّشْرِيْقِ وَهِيَ سُنَّةٌ

اور وہ طواف وسعی ہے اور پورے سال میں صحیح ہے اور مکروہ ہے عرفہ اور قربانی کے دن اور ایام تشریق میں اور وہ سنت ہے

تشریح الفقہ: قولہ من فاتہ الخ جس شخص سے وقوف عرفہ فوت ہوجائے تو اسکا حج فوت ہوگیا۔ فرض ہو یا نفل ونذر صحیح ہو یا فاسد اب اسکے لئے ضروری ہے کہ وہ عمرہ کہ افعال ادا کر کے احرام سے حلال ہوجائے اور آئندہ سال حج قضا کرے۔ خون و دن دنیا واجب نہیں۔ کیونکہ حدیث میں اسی کا حکم ہے[۱] پس امام شافعی وامام مالک جو وجوب دم کے قائل ہیں۔ نیز امام مالک سے جو مروی ہے کہ آئندہ سال کہ وقوف عرفہ تک محرم ہی رہے۔ دلیل کی رو سے ضعیف ہے۔

قولہ ولا فوت الخ عمرہ فوت نہیں ہوسکتا کیونکہ اس کا کوئی وقت معین نہیں۔ پورے سال میں جب چاہے کرسکتا ہے۔ لیکن افضل وقت رمضان ہے اور یوم عرفہ، یوم نحر اور ایام تشریق میں مکروہ ہے۔ حدیث سے یہی مفہوم ہوتا ہے[۲]

قولہ وہی سنۃ الخ ہمارے نزدیک عمرہ سنت ہے۔ اور امام شافعی واحمد کے نزدیک فرض ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ فریضہ حج کی طرح عمرہ بھی فرض ہے[۳] اس معنی میں اور بہت سی احادیث متعدد طرق سے مروی ہیں۔ مگر سب ضعیف ہیں۔ ہماری دلیل یہ حدیث ہے کہ، حج فریضہ ہے (ایک روایت میں ہے کہ حج جہاد ہے) اور عمرہ[۴] نفل ہے۔ نیز عمرہ کا غیر موقت ہونا اور حج کی نیت سے ادا ہوجانا نفل ہونیکی دلیل ہے۔

بَابُ الْحَجِّ عَنِ الْغَيْرِ

باب دوسرے کی طرف سے حج کرنے کے بیان میں

تشریح الفقہ: قولہ باب الحج الخ اصل کے احکام سے فراغت کے بعد نیابت کے احکام بیان کرتا ہے۔ کیونکہ انسان کے اعمال کا خود اس کے لئے ہونا اصل ہے اور غیر کے لئے ہونا خلاف اصل ہے۔ اور اصل کا خلاف اصل پر مقدم ہونا بالکل کھلی ہوئی بات ہے اہل سنت والجماعت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عبادت کنندہ اپنی ہر عبادت کا ثواب دوسرے کو دے سکتا ہے۔ نماز ہو یا روزہ، زکوۃ ہو یا حج، عمرہ ہو یا طواف، قراءۃ قرآن ہو یا ذکر اللہ، نیز انسان کا نیک عمل دوسرے کیلئے سودمند ہوتا ہے۔ البتہ معتزلہ اس کے منکر ہیں۔ انکا خیال ہے کہ عبادت کا ثواب

---

(۱) دارقطنی، ابن عدی عن ابن عمر، دارقطنی عن ابن عباس۔ (۲) بیہقی عن عائشہ۔ (۳) حاکم، دارقطنی، بیہقی عن زید بن ثابت ترمذی، ابن حبان، حاکم، دارقطنی عن ابی رزین، بیہقی، ابن عدی عن جابر، ابن ماجہ، احمد عن عائشہ، دارقطنی عن عمرو بن حزم بالفاظ مختلفہ ۱۲۔ (۴)۔۔ ابن ابی شیبہ عن ابن مسعود، ابن ماجہ عن طلحہ، ترمذی، دارقطنی، بیہقی، طبرانی، ابن عدی عن جابر ۱۲۔

فاعل کے سوا کسی دوسرے کو نہیں پہنچتا۔ مگر یہ خیال خام ہے۔ کیونکہ آیات قرآن واحادیث نبویہ ناطق ہیں۔ ایک کا عمل دوسرے کو مفید ہوتا ہے۔ چنانچہ اولاد کو حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ والدین کے واسطے یوں دعا کرنے۔ رب ارحمھما کما ربیانی صغیراً اگر انسان کا عمل دوسرے کے لئے نافع نہ ہوتا تو ولد کی دعا والدین کے حق میں بیفائدہ ہوتی۔ خود آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے کہ ''آپ نے دو مینڈھوں کی قربانی کی ایک اپنی طرف سے اور ایک اپنی امت کی طرف[1] سے'' نیز دار قطنی کی روایت ہے کہ ''ایک شخص نے حضور ﷺ سے سوال کیا کہ میرے والدین حیات تھے تو میں ان کے ساتھ نیکی کرتا تھا لیکن اب وہ فوت ہو چکے تو میں اب ان کے ساتھ نیکی کیسے کروں؟ آپ نے فرمایا ان کے واسطے اپنی نماز اور روزہ کے ساتھ نماز پڑھا کرو اور روزہ رکھا کر۔ حضرت علیؓ سے بھی یہ روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جو شخص قبرستان پر گزرے اور گیارہ مرتبہ سورۃ اخلاص پڑھ کر اس کا ثواب مردوں کو بخشے تو اس کو بقدر اموات ثواب دیا جائے گا۔ سوال: لیس للانسان الا ما سعیٰ' سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کسی کا عمل دوسرے کیلئے کارآمد نہیں۔ جواب آیت کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو دوسرے کے عمل سے کوئی فائدہ نہیں مگر جب کہ وہ اس کو اس کا ثواب دیدے۔ اس استثناء کی وجہ وہی احادیث ہیں جو اوپر مذکور ہوئیں ۲للانسان میں لام بمعنی علیٰ ہے جیسے دوسری آیت ''ولہم اللعنۃ'' میں لام بمعنی علیٰ ہے پس نفی مضرت کی ہے نہ کہ منفعت کی ۳آیت مذکورہ بقول ابن عباسؓ آیت' والذین آمنوا واتبعتھم ذریتھم'' سے منسوخ ہے ۴آیت میں انسان سے مراد کافر ہے۔ نہ کہ مؤمن ۵آیت حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ کی قوم کیساتھ مخصوص ہے۔ ۶غیر کو بطریق عدل ثواب نہیں ملتا۔ لیکن بطریق فضل البتہ ثابت ہے۔ (عینی شرح کنز وغیرہ) غایۃ الاوطار میں ہے کہ شیخ زاہدی باوجود یکہ بہت بڑا عالم ہے مگر مجتبیٰ کی کتاب الحج میں اموات کیلئے ایصال ثواب کا منکر ہو گیا۔ اور اپنا اعتزال کھول بیٹھا۔ واللہ الموفق۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

النِّيَابَةُ تُجْزِئُ فِي الْعِبَادَاتِ الْمَالِيَّةِ عِنْدَ الْعِجْزِ وَالْقُدْرَةِ وَلَمْ تُجْزِئْ فِي الْبَدَنِيَّةِ بِحَالٍ وَفِي الْمُرَكَّبِ مِنْهُمَا
نیابت ہو سکتی ہے مالی عبادت میں بوقت عجز بھی اور بوقت قدرت بھی اور نہیں ہو سکتی بدنی عبادت میں کسی حالت میں اور جو ان دونوں سے مرکب ہو

تُجْزِئُ عِنْدَ الْعِجْزِ فَقَطْ وَالشَّرْطُ اَلْعِجْزُ الدَّائِمُ اِلٰى وَقْتِ الْمَوْتِ وَاِنَّمَا شَرْطُ عِجْزِ الْمَنُوْبِ لِلْحَجِّ الْفَرْضِ
اس میں ہو سکتی ہے صرف عجز کے وقت اور شرط عاجز ہونا ہے ہمیشہ موت کے وقت تک اور شرط کیا گیا ہے نائب کرنے والے کا حج فرض سے عاجز ہونا

لاَ لِلنَّفْلِ وَمَنْ اَحْرَمَ عَنْ اٰمِرَيْهِ ضَمِنَ النَّفَقَةَ وَدَمُ الْاِحْصَارِ عَلَى الْاٰمِرِ وَدَمُ الْقِرَانِ وَالْجِنَايَةِ
نہ کہ نفلی حج سے اور جس نے احرام باندھا دو حکم کرنے والوں کی طرف سے تو ضامن ہوگا وہ نفقہ کا اور دم احصار آمر پر ہوگا اور دم قران اور دم جنایت

عَلَى الْمَامُوْرِ فَاِنْ مَاتَ فِي الطَّرِيْقِ يُحَجُّ عَنْهُ مِنْ مَنْزِلِهٖ بِثُلُثِ مَا بَقِيَ
مامور پر پس اگر مرجائے نائب حج کی راہ میں تو حج کرایا جائے اسکی طرف سے اس کے گھر سے باقی ماندہ کے ثلث کے ذریعہ

وَمَنْ اَهَلَّ بِحَجٍّ عَنْ اَبَوَيْهِ فَعَيَّنَ صَحَّ
اور جس نے حج کا احرام باندھا والدین کی طرف سے پھر کسی ایک کے لئے معین کر دیا تو صحیح ہے۔

عبادت میں نیابت کے جواز وعدم جواز کا بیان

تشریح الفقہ: قولہ النیابۃ الخ عبادات کی تین قسمیں ہیں۔ مالیہ محضہ جیسے زکوٰۃ' صدقۂ فطر' عشر' نفقات' کفارہ اعتاق' اطعام' بدنیہ محضہ جیسے نماز' روزہ' اعتکاف' قراءۃ قرآن' اذکار' مالیہ و بدنیہ جیسے حج' عمرہ' عبادات مالیہ میں ہر طرح سے نیابت صحیح ہے بحالت قدرت ہو یا

(۱) ابن ماجۃ' احمد' حاکم' طبرانی' ابونعیم عن عائشۃ وابی ہریرۃ' ابوداؤد' ابن ماجۃ' حاکم' ابن ابی شیبۃ' ابن راہویہ' ابویعلی عن جابر احمد' ابن راہویہ' طبرانی' حاکم عن ابی رافع حاکم عن حذیفۃ' ابن ابی شیبۃ' ابویعلی' طبرانی عن ابی طلحۃ' ابن ابی شیبۃ' دار قطنی ۱۲۔

بحالت عجز ہو کیونکہ عبادات مالیہ میں مالدار کی آزمائش اور محتاج کی حاجت کا دفعیہ مقصود ہوتا ہے۔ جو نائب کے فعل سے بھی حاصل ہوسکتا ہے۔لیکن عبادات بدنیہ محضہ میں کسی صورت سے نیابت جائز نہیں کیونکہ عبادات بدنیہ میں اصلی غرض یہ ہوتی ہے کہ افعال مخصوصہ سے روح اور بدن پر محنت ومشقت پڑے تاکہ نفس امارہ کی سرکوبی اور روح کی صفائی اور قرب الہٰی حاصل ہو اور یہ چیز نائب کے فعل سے حاصل نہیں ہوسکتی۔اسی لئے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے'' **لایصم احد عن احد و لایصل احد عن احد** ''جس کا مطلب یہ ہے کہ صوم وصلوٰۃ میں نیابت کے ذریعہ فرض ساقط نہیں ہوتا۔اور عبادات مرکبہ میں بحالت عجز نیابت جائز ہے۔اور بحالت قدرت ناجائز۔ عبادات مالی ہونے کی جہت سے جواز ہے اور بدنی ہونے کے اعتبار سے عدم جواز۔

قولہ ومن احرم الخ ایک شخص کو دو آدمیوں نے حج کرنے کا حکم کیا اور وہ ان کے حکم کے بموجب حج کیلئے چلا گیا تو اب وہ یا تو دونوں کی نیت سے حج کا احرام باندھے گا یا غیر معین طور پر ان میں کسی ایک کی نیت یا مطلق نیت سے یعنی تعیین وابہام میں محجوج عنہ کے متعلق سکوت ہوگا۔پہلی صورت میں حج آمر کی طرف سے نہ ہوگا بلکہ مامور یعنی خود حج کرنے والے کیطرف سے ہوگا اور اس نے حکم کنندگان کا جتنا مال خرچ کیا ہے اس کا ضامن ہوگا۔کیونکہ مامور نے ان کے حکم کے خلاف کیا ہے۔اس واسطے کہ ان میں سے ہر ایک کو بلا شرکت غیر حج مطلوب تھا اور مامور اس پر قادر نہیں کہ حج ان میں سے کسی ایک کیلئے قرار دے۔کیونکہ ترجیح بلا مرجح لازم آتی ہے لہٰذا حج مامور کی طرف سے ہوگا اس صورت کا حکم تو کتاب میں مذکور ہے۔رہی دوسری اور تیسری دو صورتیں سو دوسری صورت میں اگر وہ معین کئے بغیر ہی افعال کر گزرے تب بھی یہی حکم ہے اور اگر افعال حج ادا کرنے سے پہلے پہلے کسی ایک کو متعین کر لے تو طرفین کے نزدیک جائز[1] ہے مگر استحساناً قیاس کی رو سے یہ بھی ناجائز ہے' چنانچہ امام ابو یوسف اسی کے قائل ہیں۔کیونکہ اس کو تعیین کا حکم ہے .... اور ابہام تعیین کے خلاف ہے۔استحسان کی وجہ یہ ہے کہ حرام مقصود بالذات نہیں بلکہ وہ افعال حج کا وسیلہ ہے اور وسیلہ کے ذریعہ سے مبہم کی تعیین ہوسکتی ہے۔تیسری صورت کے متعلق کافی میں ہے کہ اسکے بارے میں کوئی نص نہیں **وینبغی ان یصح التعیین ھٰھنا اجماعا لعدم المخالفة**۔

قولہ فان مات الخ ایک شخص نے وصیت کی کہ میری طرف سے حج کرایا جائے وصی یا اسکے ورثہ نے وصیت کے بموجب ایک شخص کو حج کے لئے بھیجدیا اسکا راہ میں انتقال ہوگیا تو امام صاحب کے نزدیک متروکہ مال کے تہائی حصہ کے ذریعہ میت کے گھر سے حج کرایا جائے گا۔صاحبین کے نزدیک وہاں سے کہ جہاں مامور کا انتقال ہوا ہے۔پھر امام محمد کے نزدیک اس مال کا اعتبار ہے جو مامور کو دیا گیا تھا پس اسمیں سے جتنا باقی ہو اس سے حج کرایا جائیگا اور باقی نہ ہو تو وصیت باطل ہو جائیگی۔امام ابو یوسف کے نزدیک ثلث اول سے باقی ماندہ مال کا اعتبار ہے۔**وادلتهٗ فی المطولات**۔

....

(۱) نسائی عن ابن عباس۔۱۲

بَابُ الْهَدْیِ

باب ہدی کے بیان میں

اَدْنَاهُ شَاةٌ وَهُوَ اِبِلٌ وَبَقَرٌ وَغَنَمٌ وَمَا جَازَ فِي الضَّحَايَا جَازَ فِي الْهَدَايَا وَالشَّاةُ يَجُوْزُ فِيْ كُلِّ شَيْءٍ

کم از کم ہدی بکری ہے اور ہدی اونٹ گائے بکری سب کی ہوسکتی ہے اور جو جانور قربانی میں جائز ہے ہدی میں بھی جائز ہے اور بکری ہر چیز میں جائز ہے

اِلَّا فِيْ طَوَافِ الرُّكْنِ جُنُبًا وَوَطْيٍ بَعْدَ الْوُقُوْفِ بِعَرَفَةَ وَيُؤْكَلُ مِنْ هَدْيِ التَّطَوُّعِ وَالْمُتْعَةِ وَالْقِرَانِ فَقَطْ

بجز طواف رکن کے ناپاکی کی حالت میں اور بجز وطی کے وقوف کے بعد اور کھایا جاسکتا ہے صرف ہدی نفل اور تمتع اور قران سے

وَخُصَّ ذَبْحُ هَدْيِ الْمُتْعَةِ وَالْقِرَانِ بِيَوْمِ النَّحْرِ فَقَطْ وَالْكُلُّ بِالْحَرَمِ لَا بِفَقِيْرِهٖ

اور مخصوص ہے ہدی تمتع اور ہدی قران کا ذبح کرنا قربانی کے دن کے ساتھ اور ہر قسم کی ہدی مخصوص ہے حرم کیساتھ نہ کہ اسکے فقیر کے ساتھ

وَلَا يَجِبُ التَّعْرِيْفُ بِالْهَدْيِ وَيَتَصَدَّقُ بِجِلَالِهٖ وَخِطَامِهٖ وَلَمْ يُعْطِ اَجْرَ الْجَزَّارِ مِنْهُ وَلَا يَرْكَبُهُ

اور واجب نہیں ہدی کو عرفات لے جانا اور خیرات کر دے اس کی جھول اور نکیل اور نہ دی جائے قصائی کی اجرت اس سے اور نہ سوار ہو اس پر

بِلَا ضَرُوْرَةٍ وَلَا يَحْلِبُهُ وَيَنْضِحُ ضَرْعَهُ بِالنُّقَاخِ فَاِنْ عَطِبَ وَاجِبًا اَوْ تَعَيَّبَ اَقَامَ غَيْرَهُ مَقَامَهُ

بلاضرورت اور نہ دودھ دوہے اور چھڑک دے اس کے تھنوں پر ٹھنڈا پانی پس اگر ہلاک ہوجائے ہدی واجب یا عیب دار ہو جائے تو کر دے دوسری

وَالْمَعِيْبُ لَهٗ وَلَوْتَطَوُّعًا نَحَرَهٗ وَصَبَغَ نَعْلَهَا بِدَمِهٖ اَوْ ضَرَبَ بِهَا صَفْحَتَهَا

اس کی جگہ اور عیب دار اسکی رہیگی اور اگر نفلی ہو تو ذبح کر دے اور اس کے تسمہ کو خون آلود کر دے اور اسکی کوہان کی طرف خون کا ایک چھاپہ لگادے

وَلَمْ يَاْكُلْهَا غَنِيٌّ وَيُقَلِّدُ بُدْنَةَ التَّطَوُّعِ وَالْمُتْعَةِ وَالْقِرَانِ فَقَطْ

اور نہ کھائے اس سے مالدار اور پٹا ڈالا جائے ہدی نفلی اور ہدی تمتع اور ہدی قران کے

توضیح اللغۃ: ضحایا: جمع ضحیۃ قربانی، ہدایا جمع ہدیۃ مؤنث، ہدی، قربانی کا جانور۔ تعریف: ہدی کے جانور کو عرفات کی طرف لے جانا، جلال جمع جل جھول، خطام: نکیل، جزار: قصاب، حلب دودھ دوہنا، نضح نضحاً، چھڑکنا، ضرع تھن، نقاح ٹھنڈا پانی، عطب عطباً ہلاک ہونا صفحہ، جانب۔

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ تمتع، قران، احصار، جزا صید، جنایات وغیرہ کے ذیل میں متعدد مرتبہ ہدی کا ذکر آیا ہے۔ اسکو بیان کرنا بھی ضروری تھا پھر امور مذکورہ اسباب ہیں اور ہدی مسبب اور مسبب سبب کے بعد ہی ہوتا ہے اس لئے یہاں ہدی کو بیان کر رہا ہے لفظ ہدی میں دال کا کسرہ مع تشدید یا' اور دال کا سکون مع تخفیف یاء دونوں لغتیں فصیح ہیں۔ اس جانور کو کہتے ہیں جو حق تعالیٰ کی رضاجوئی کیلئے حرم محترم میں بھیجا جائے اس کی ادنی قسم ایک سال کی بکری یا بھیڑ یا دنبہ ہے اور اوسط قسم دو سال کی گائے یا بیل ہے اور اعلیٰ قسم پانچ برس کا اونٹ ہے۔

قولہ والشاۃ الخ باب حج میں جہاں کہیں خون واجب ہو تو بکری کافی ہے سوائے بحالت جنابت طواف زیارت کرنے اور وقوف عرفہ کے بعد حلق سے پہلے وطی کرنے میں کہ ان میں اونٹ ذبح کرنا ضروری ہے کیونکہ یہ جنایت عظیم ہے لہٰذا جابر بھی عظیم ہوگا۔

قولہ ویوکل الخ ہدی نفل' ہدی متعہ' ہدی قران تینوں کا گوشت کھانا جائز بلکہ مستحب ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ہدی سے کھانا ثابت ہے[1] ہاں انکے علاوہ کسی اور ہدی کا گوشت کھانا جائز نہیں اگر کھائیگا تو کھانے کے بعد بقدر قیمت تاوان دینا لازم ہوگا کیونکہ احادیث سے ان کی ممانعت ثابت[2] ہے۔ نیز نفل ہدی کو اگر حرم بھیجنے سے قبل ذبح کیا جائے تو اس کا گوشت کھانا بھی جائز نہیں کیونکہ وہ صدقہ ہے ہدی نہیں ہے۔

(۱) ۔ مسلم عن جابر احمد ابن راہویہ عن ابن عباس ۔۱۲ (۲) ۔ مسلم ابن ماجہ ابن ابی خیثمہ (فی تاریخہ) عن ابی قبیصہ مسلم ابن حبان ابوداؤد عن ابن عباس احمد طبرانی عن عمر خارجہ الثمالی ۔۱۲

قولہ وخص الخ ہدی متعہ اور ہدی قران دونوں کے ذبح کیلئے یوم نحر متعین ہے اس سے قبل ذبح کرنا بالا جماع جائز نہیں' یوم سے مراد مطلق وقت ہے پس جمیع اوقات نحر (۱۰، ۱۱، ۱۲) کو ذبح کر سکتا ہے ان کے علاوہ دم نذر' دم جنایت' دم احصار اور نفل ہدی ایام نحر کے ساتھ مخصوص نہیں مگر جگہ کے لحاظ سے ہر قسم کا خون حرم کیساتھ مخصوص ہے لقولہ تعالیٰ "ہدیا بالغ الکعبۃ" اور ہدی کا گوشت فقراء حرم پر صدقہ کرنا ضروری نہیں جس غریب کو چاہے دے سکتا ہے لیکن افضل یہی ہے کہ حرم کے فقراء پر صدقہ کرے۔

فائدہ: خون چار قسم کے ہیں اول وہ جو زمان و مکان ہر دو کیساتھ خاص ہیں جیسے دم متعہ' دم قران' دم تطوع (بروایت قدوری) دم احصار (صاحبین کے نزدیک) دوم، وہ جو صرف وقت کے ساتھ خاص ہیں جیسے دم احصار (امام صاحب کے نزدیک دم تطوع (بروایت اصل) سوم، وہ جو صرف وقت کے ساتھ خاص ہیں جیسے دم اضحیہ، چہارم وہ جو ان میں سے کسی کے ساتھ خاص نہیں جیسے دم نذر (طرفین کے نزدیک)۔

قولہ ویصدق الخ اور ہدی کے جانور کی جھول اور نکیل خیرات کر دے اور اس کے گوشت میں سے قصاب کو مزدوری نہ دے آنحضرت ﷺ نے حضرت علی کو یہی فرمایا تھا[1] اور بلاضرورت ہدی پر سوار نہ ہو کیونکہ حدیث میں ہے کہ "ہدی پر سوار ہو دستور کے مطابق جب تک کہ تجھ کو ضرورت ہو"[2] نیز ہدی کا دودھ بھی نہ دوہے بلکہ اس کے تھنوں پر ٹھنڈے پانی کا چھینٹا مار دے تا کہ دودھ ٹپکنا بند ہو جائے مگر یہ اس وقت ہے جب ذبح کرنے کی جگہ قریب ہو اگر دور ہو تو دودھ دوہ کہ خیرات کر دینا چاہئے تا کہ تھنوں کے تناؤ سے جانور کو تکلیف نہ ہو۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

مسائل منثورۃ: وَلَوْشَهِدُوْا بِوُقُوْفِهِمْ قَبْلَ يَوْمِهٖ يُقْبَلُ وَبَعْدَهٗ لَا

(مسائل متفرقہ) اگر گواہی دی لوگوں نے کہ حجاج نے عرفہ سے ایک روز قبل وقوف کیا تو گواہی قبول کی جائیگی اور ایک روز بعد کے متعلق ہو تو قبول نہ ہوگی

وَلَوْ تَرَكَ الْجَمْرَةَ الْاُوْلٰى فِي الْيَوْمِ الثَّانِيْ رَمَى الْكُلَّ اَوِالْاُوْلٰى فَقَطْ وَمَنْ اَوْجَبَ حَجًّا مَاشِيًا لَايَرْكَبُ

اور اگر چھوڑ دی جمرۂ اولیٰ کی رمی گیارہویں تاریخ میں تو پوری رمی کرے یا صرف پہلی اور جس نے واجب کر لیا حج پیادہ پا تو نہ سوار ہو

حَتّٰى يَطُوْفَ لِلرُّكْنِ وَلَوْ اشْتَرٰى اَمَةً مُحْرِمَةً حَلَّلَهَا وَجَامَعَهَا

یہاں تک کہ طواف رکن کر لے اور جس نے خریدا محرمہ باندی کو تو اس کو حلال کر کے جماع کرے۔

مسائل متفرقہ

تشریح الفقہ: قولہ مسائل الخ مصنفین کی عادت ہے کہ ابواب سابقہ میں جو چیزیں رہ جاتی ہیں یا نادر ہوتی ہیں ان کو کتاب کے آخر میں مسائل منثورہ۔ مسائل متفرقہ' مسائل شتی' مسائل لم تدخل فی الابواب اور فروع وغیرہ کے عنوان کے ساتھ علیحدہ ذکر کر دیتے ہیں یہاں بھی اسی قسم کے چند مسائل مذکور ہیں۔

قولہ ولوشہدوا الخ وقوف عرفات کے بعد لوگوں نے گواہی دی کہ حاجیوں کا وقوف عرفہ کے دن نہیں ہوا پہلے ہوا ہے تو گواہی مقبول ہوگی اور وقوف عرفات کا اعادہ لازم ہوگا کیونکہ تدارک ممکن ہے اور اگر لوگوں نے گواہی دی کہ وقوف عرفات یوم عرفہ کے بعد ہوا ہے تو گواہی مقبول نہ ہوگی اور حجاج کا وقوف استحساناً صحیح مانا جائے گا۔ کیونکہ اس قسم کا اشتباہ اکثر ہو جاتا ہے جس سے بچنا ممکن نہیں اگر اجتہاد و کوشش کے بعد بھی صحت حج کا حکم نہ دیا جائے تو لوگوں میں قیل و قال اور فتنہ برانگیختہ ہو جائے گا اور مسلمانوں کے قلوب اس شک کی وجہ سے کہ نہ معلوم حج ہوا یا نہیں نہایت مکدر ہو جائیں گے کہ بمشقت تمام قطع منازل بعیدہ اور زر کثیر خرچ کر کے تو یہاں پہنچے تھے پھر بھی ہمارا حج نہیں ہوا۔

(۱)۔ ائمہ ستہ غیر الترمذی۔۱۲ (۲)۔ مسلم عن جابر۔۱۲

قولہ ولو ترک الخ ایک شخص نے دس' گیارہ' بارہ ذی الحجہ کو جمرۂ ثانیہ اور جمرہ ثالثہ کی رمی کی اور جمرۂ اولی (جو مسجد خیف کے متصل ہے) رمی چھوڑ دی تو بوقت قضا کل جمرات کی رمی کرے تا کہ ترتیب وار ہو جائے لیکن اگر صرف جمرۂ اولی کی رمی کی تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ ترتیب مسنون ہے نہ کہ واجب۔

قولہ ومن اوجب الخ ایک شخص نے پیادہ پاحج کرنے کی نذر کی تو طواف زیارت سے فارغ ہونے تک پیدل چلنا ضروری ہے اگر تمام راستہ میں یا اکثر راستہ میں سوار ہو گا تو خون بہادینا پڑے گا۔ کیونکہ اس نے اپنے اوپر کامل مشقت کے ساتھ حج کا التزام کیا ہے لہذا اس کو اسی طرح پورا کرنا ضروری ہے ہاں طواف زیارت کے بعد سوار ہو سکتا ہے کیونکہ طواف زیارت تک تمام حج کے ارکان پورے ہو سکتے ہیں۔

قولہ ولو اشتری الخ ایک شخص نے باندی خریدی جو اپنے آقا کی اجازت سے احرام باندھے ہوئے تھی تو مشتری کیلئے جائز ہے کہ وہ باندی کو اس کے احرام سے بال کترانے یا ناخن کاٹنے یا خوشبو لگانے کے ذریعہ سے خارج کر دے اور صحبت کرنے نیز جماع کرنے کے ذریعہ سے بھی تحلیل کر سکتا ہے مگر یہ امر حج کی تعظیم کے پیش نظر بہتر نہیں۔

کِتَابُ النِّکَاحِ

قولہ کتاب الخ عبادات سے فراغت کے بعد معاملات کو شروع کر رہا ہے اس واسطے کہ بقاء عابدین کا راز صحت معاملات ہی میں مضمر ہے پھر معاملات میں سے نکاح کو مقدم کر رہا ہے کیونکہ عبادات کے ساتھ نکاح کا تعلق بہت قریبی تعلق ہے یہاں تک کہ اشتغال بالنکاح نفلی عبادت کیلئے خلوت گزینی سے افضل ہے۔ درمختار، در منتقی وغیرہ میں ہے کہ مسلمانوں کیلئے ایمان اور نکاح کے علاوہ کوئی عبادت ایسی نہیں جو حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے اب تک مشروع رہی ہو اور پھر بہشت میں دائمہ رہے صاحب مجمع الانہر نے نکاح کو عبادات سے مؤخر کرنے کی توجیہ میں کہا ہے کہ عبادات کی بہ نسبت نکاح بمنزلہ بسیط کے ہے کیونکہ یہ من وجہ عبادت ہے اور من وجہ معاملہ عبادت توبایں جہت ہے کہ اس میں مشغول ہونا محض عبادت کیلئے خلوت گزیں رہنے سے افضل ہے دوم یہ کہ اس میں امت محمدیہ کی جماعت کی تکثیر ہے جس پر حضور اکرم ﷺ قیامت کے دن فخر فرمائیں گے آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''تنا کحوا تکثروا فانی اباهی بکم الامم یوم القیامة'' سو یہ کہ نکاح کے ذریعہ زنا سے آنکھ اور شرمگاہ کی حفاظت ہوتی ہے حضور ﷺ کا ارشاد ہے'' اے گروہ نوجوانان! تم میں سے جس کو نکاح کی طاقت ہو اس کو چاہئے کہ نکاح کرے کیونکہ اس سے نگاہ پست اور شرمگاہ عفیف رہتی[1] ہے'' چہارم یہ کہ اس میں اہل وعیال کے حقوق کی ذمہ داری عورتوں کی بدمزاجی پر صبر ان کی اصلاح کی سعی وکوشش ان کیلئے کسب حلال میں محنت اٹھانے اولاد کی تربیت قائم رہنے کا مجاہدہ اور ریاضت شاقہ کا موقع نصیب ہوتا ہے۔ اور معاملہ بایں جہت ہے کہ نکاح میں مال ومہر کی ادائیگی ہوتی ہے ایجاب وقبول ہوتا ہے شہادت ہوتی ہے وغیر ذالک۔

قولہ النکاح الخ نکاح کے لغوی معنی میں چار قول ہیں اول یہ کہ لفظ نکاح باشتراک لفظی وطی اور عقد کے درمیان مشترک ہے ظاہر صحاح سے یہی مفہوم ہوتا ہے تاج میں ہے'' النکاح الوطؤ وقد یکون العقد تقول نکحتها ونکحت هی ای تزوجت اه'' اسی کو صاحب غایۃ البیان نے ترجیح دی ہے کیونکہ مشترک لفظ اپنے دونوں معنوں میں حقیقت ہوتا ہے اور حقیقت ہی اصل ہے۔ دوم یہ کہ معنی عقد میں اسکا استعمال حقیقت ہے اور وطی میں مجاز' اصولیین نے ''متی امکن العمل بالحقیقة سقط المجاز'' کی بحث میں اس قول کو امام شافعی کی جانب سے منسوب کیا ہے' سوم یہ کہ اس کا برعکس ہے یعنی وطی میں حقیقت ہے اور عقد میں مجاز' ہمارے اکثر مشائخ کا قول بھی یہی ہے جس کی تصریح فتح القدیر میں موجود ہے اور اسی پر صاحب مغرب نے جزم ویقین ظاہر کیا ہے پس قرآن وحدیث میں جہاں لفظ نکاح قرائن سے خالی ہوگا وہاں جماع مراد ہوگا۔ جیسے آیت'' ولا تنکحوا ما نکح اباء کم اه'' کہ اس میں نکاح سے مراد جماع ہے بخلاف اس آیت کے ''حتی تنکح زوجا غیرہ'' کہ اس میں جماع مراد نہیں ہوسکتا کیونکہ عورت کی طرف نکاح کی اسناد اس بات کا قرینہ ہے کہ یہاں حقیقی معنی مراد نہیں کیونکہ عورت مفعول ہوتی ہے نہ کہ فاعل پس عورت کا جماع کرنا ممکن نہیں چہارم یہ کہ اس کے حقیقی معنی ملانا اور جمع کرنا ہے قال الشاعر: ان القبور تنکح الایامی ☆ النسوة الارامل الیتامی. ای تضم وتجمع الیٰ نفسها

ہمارے مشائخ سے اس معنی کی تصریح بھی موجود ہے چنانچہ صاحب محیط نے اسی کو اختیار کیا ہے اور صاحب کافی ودیگر محققین نے اسی کی پیروی کی ہے علامہ ابن الہمام فرماتے ہیں کہ مشائخ کے ان دونوں قولوں میں کوئی منافات نہیں کیونکہ وطی معنی ضم وجمع کا ایک فرد ہے اور جو لفظ معنی اعم کیلئے موضوع ہو وہ اپنے ہر فرد میں حقیقت ہی ہوتا ہے جیسے زید کیلئے لفظ انسان کا استعمال حقیقت ہے۔ وعارضہ صاحب البحر بما لم یرتضہ المشائخ۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

---

(۱) صحیحین عن ابن مسعود ۱۲

هُوَ عَقْدٌ يَرِدُ عَلٰى مِلْكِ الْمُتْعَةِ قَصْدًا اَوْ هُوَ سُنَّةٌ وَعِنْدَ التَّوَقَانِ وَاجِبٌ

نکاح ایک عقد ہے جو وارد ہوتا ہے ملک متعہ پر قصدا اور وہ سنت ہے اور غلبہ شہوت کے وقت واجب ہے

وَيَنْعَقِدُ بِاِيْجَابٍ وَقَبُوْلٍ وُضِعَا لِلْمَاضِيْ اَوْ اَحَدُهُمَا

اور منعقد ہو جاتا ہے ایجاب وقبول کیساتھ وہ دونوں زمانہ گزشتہ کیلئے موضوع ہوں یا انمیں سے ایک

نکاح کی تعریف اور اس کا حکم

تشریح الفقہ : قولہ ہوالخ عقد سے اس کے مصدری معنی یعنی فعل متکلم مراد نہیں بلکہ حاصل مصدر یعنی اجزا التصرف شرعی کا ارتباط مراد ہے ملک متعہ سے مراد عورت سے انتفاع اور اسکے ساتھ وطی کرنے کی ملکیت کا حاصل کرنا ہے۔ اور ملک متعہ پر اس عقد کے وارد ہونے کا مطلب نکاح کا مفید انتفاع مخصوص ہونا ہے حاصل آنکہ عرف اہل شرع میں نکاح اس عقد مخصوص کا نام ہے جو بالقصد مفید ملک متعہ ہو یعنی اس کے ذریعہ مرد کا عورت سے نفع حاصل کرنا حلال ہو قصداً کی قید کے ذریعہ ضمنی حلت سے احتراز مقصود ہے پس باندی خریدنے والے کو جو وطی کی حلت حاصل ہوتی ہے اس کو شرع میں نکاح نہیں کہتے کیونکہ خریدنے سے اصلی مقصود ملکیت ہے نہ کہ قربت اور وطی کرنا۔

قولہ وہوسنۃ الخ یہاں سے نکاح کی صفت بیان کررہا ہے۔ صفت نکاح مرد کے حالات پر مبنی ہے کہ اختلاف حالات سے نکاح کا حکم مختلف ہے پس اگر زنا میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو اور نکاح کئے بغیر اس سے بچنا ممکن نہ ہو تو نکاح کرنا فرض ہے اور اگر عورت کی حق تلفی کا خوف ہو تو مکروہ ہے اور اگر ظلم وستم کا یقین ہو تو حرام ہے اور حالت اعتدال میں داؤد ظاہری اور ان کے ہم خیال علما کا نظریہ یہ ہے کہ اعتدال کی حالت میں وطی اور نان نفقہ پر قدرت رکھنے والے کیلئے نکاح فرض عین ہے کیونکہ آیت ''فانکحو اما طاب لکم'' میں حکم نکاح بصیغہ امر ہے اور امر فرضیت کے لئے ہوتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرائض وارکان دین شمار کراتے وقت اس کو ذکر نہیں فرمایا اگر یہ فرض ہوتا تو ضرور ذکر فرماتے۔ رہا فانکحوا کا بصیغہ امر ہونا سو امر ہمیشہ فرضیت کیلئے نہیں ہوتا حالت اعتدال میں ہمارے مشائخ کا اختلاف ہے بعض نے فرض کفایہ بعض نے واجب عین کہا ہے لیکن اصح یہ ہے کہ سنت مؤکدہ ہے دلیل حضور ﷺ کا ارشاد ہے ''النکاح سنتی فمن رغب عن سنتی فلیس منی'' (اوکما قال) امام شافعی سے منقول ہے کہ نکاح مباح اور عبادت کیلئے خلوت گزینی نکاح سے افضل ہے کیونکہ آیت'' وسیدا وحصورا'' میں حضرت یحیٰ کی تعریف لفظ حصور کیساتھ کی گئی ہے جس کے معنی قدرت کے باوجود عورت کے پاس نہ آنے والے کے ہیں جواب یہ ہے کہ یہ حضرت یحیٰ کی شریعت میں افضل اور قابل مدح تھا ہماری شریعت میں رہبانیت منسوخ ہو چکی حضرت انس سے حضور ﷺ کا ارشاد مروی ہے کہ'' ہر امت کیلئے ایک رہبانیت ہے اور میری امت کی رہبانیت جہاد فی سبیل اللہ ہے''۔

قولہ وینعقد الخ جاننا چاہئے کہ شریعت نے بعض مرکبات اخباریہ کو انشا مانا ہے جن کے پائے جانے سے ایک شرعی معنی کا تحقق ہوتا ہے اور اس پر شرعی حکم مرتب ہوتا ہے مثلاً جب یوں کہا جائے زوجت تو اس سے ایک شرعی معنی کا تحقق ہوتا ہے یعنی نکاح کا اس پر شرعی حکم مرتب ہوتا ہے یعنی ملک متعہ اسی طرح جب کہا جائے بعت واشتریت تو اس سے بیع کا تحقق ہوتا ہے اور اس پر حکم شرعی یعنی ملک عین کا ترتب ہوتا ہے یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ہر چیز کیلئے علل اربعہ کا ہونا ضروری ہے فاعلیہ مادیہ صوریہ غائیہ، باب نکاح میں علت فاعلیہ متعاقدین ہیں اور علت مادیہ ایجاب وقبول ہے اور علت صوریہ اجزا التصرف شرعی کا ارتباط ہے اور علت غائیہ استمتاع ہے اتنی بات ذہن نشین کر لینے کی بعد سمجھنا چاہئے کہ انعقاد سے مراد ایجاب وقبول میں سے ہر ایک کا دوسرے کیساتھ اس طرح مرتبط ہونا ہے کہ اس کو عقد شرعی کہا جا سکے اور اس پر شرعی احکام مرتب ہو سکیں اور بایجاب میں بابرائے استعانت نہیں کیونکہ یہ ایجاب وقبول کی اجزا مادیہ ہونے کے منافی ہے بلکہ بابرائے ملابست ہے جیسے بنیت البیت بالحجر والمدر میں بابرائے ملابست ہے عبارت کا مطلب یہ ہے کہ نکاح منعقد اور متحقق ہو جاتا ہے جبکہ وہ ایک کے ایجاب اور دوسرے کے قبول سے ملے درانحالیکہ وہ ایجاب وقبول فعل ماضی کے لئے موضوع ہوں کیونکہ تحقق

اور وقوع پر ماضی ہی دلالت کرتی ہے بخلاف زمانہ حال کے کہ اس کی کچھ حقیقت نہیں وہ تو اجزا ماضی اور اجزا استقبال ہوتا ہے اور بخلاف زمانہ استقبال کے کہ وہ بوقت تکلم معدوم المضمون ہوتا ہے اس لئے ماضی کا صیغہ ہونا ضروری ہے خواہ ایجاب وقبول دونوں کیلئے ماضی کا صیغہ ہو یا ان میں سے کسی ایک کیلئے ہو۔

وَاِنَّمَا يَصِحُّ بِلَفْظِ النِّكَاحِ وَالتَّزْوِيْجِ وَمَا وُضِعَ لِتَمْلِيْكِ الْعَيْنِ فِي الْحَالِ عِنْدَ حُرَّيْنِ اَوْ حُرٍّ وَحُرَّتَيْنِ

اور نکاح صرف لفظ نکاح اور تزویج اور ان الفاظ سے درست ہے جو فی الحال تملیک عین کیلئے موضوع ہوں دو آزاد مرد یا ایک آزاد مرد اور دو آزاد

عَاقِلَيْنِ بَالِغَيْنِ مُسْلِمَيْنِ وَلَوْ فَاسِقَيْنِ اَوْ مَحْدُوْدَيْنِ اَوْ اَعْمَيَيْنِ اَوِابْنَي الْعَاقِدَيْنِ وَصَحَّ تَزَوُّجُ مُسْلِمٍ ذِمِّيَّةً

عورتوں کی موجودگی میں جو عاقل بالغ اور مسلمان ہوں اگر چہ فاسق یا محدود یا نابینا یا عاقدین کے بیٹے ہی ہوں اور صحیح ہے مسلمان کا نکاح کرنا ذمیہ

عِنْدَ ذِمِّيَّيْنِ وَمَنْ اَمَرَ رَجُلًا اَنْ يُزَوِّجَ صَغِيْرَتَهُ

کے ساتھ دو ذمیوں کی موجودگی میں اور جس نے حکم کیا دوسرے کو اپنی چھوٹی لڑکی کے نکاح کرنے کا

فَزَوَّجَهَا عِنْدَ رَجُلٍ وَالْاَبُ حَاضِرٌ صَحَّ وَاِلَّا لَا

اور اس نے نکاح کر دیا ایک مرد کیساتھ اور باپ موجود ہے تو نکاح صحیح ہے ورنہ نہیں۔

تشریح الفقہ: قولہ وانما یصح الخ نکاح ہر اس لفظ سے ہو جاتا ہے جو نکاح کیلئے صراحۃً موضوع ہو جیسے لفظ نکاح، انکاح، تزویج یا بالفعل عین شئی کی تملیک کیلئے موضوع ہو جیسے لفظ بیع، شراء، ہبہ، تملیک، صدقہ، جعل، عطیہ، قرض وغیرہ تملیک سے مراد کامل تملیک ہے پس لفظ شرکت سے نکاح صحیح نہ ہوگا کیونکہ شرکت میں پوری تملیک نہیں ہوتی عین کی قید سے اعارہ اور اجارہ خارج ہو گیا۔ کیونکہ یہ تملیک عین منفعۃ کیلئے موضوع نہیں بلکہ تملیک منفعت کیلئے موضوع ہیں اسی طرح اباحت، احلال، براء، اجارہ، فدا، خلع، کتابت، رضی، ودیعۃ، صلح، رہن وغیرہ الفاظ سے بھی نکاح صحیح نہیں کیونکہ یہ الفاظ تملیک عین کیلئے موضوع نہیں ہیں۔ فی الحال کی قید سے وصیت نکل گئی کیونکہ وصیت میں تملیک موت کے بعد ہوتی ہے عام مشائخ کا عندیہ یہی ہے امام طحاوی سے منقول ہے کہ لفظ وصیت سے علی الاطلاق نکاح صحیح ہے اور امام کرخی سے منقول ہے کہ اگر وصیت زمانہ حال کیساتھ مقید ہو تو نکاح صحیح ہے بان یقول اوصیت بابنتی لک الآن یہ کل تفصیل احناف کے یہاں ہے امام شافعی و امام احمد کے نزدیک نکاح و تزویج کے علاوہ اور کسی لفظ سے نکاح صحیح نہیں کیونکہ لفظ تملیک و ہبہ وغیرہ نکاح کیلئے نہ حقیقۃً موضوع ہے نہ مجازاً ہم یہ کہتے ہیں کہ تملیک بواسطہ ملک رقبہ ملک متعہ کا سبب ہے اور سبب مجاز کا ایک طریقہ ہے۔

قولہ عند الخ عند ظرف ''ینعقد'' سے متعلق ہے اور یہاں سے نکاح کی شرط خاص کا بیان ہے اور وہ یہ کہ نکاح بلا گواہ صحیح نہیں کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''لا نکاح الا بولی وشاہدی'' عدل[1] نکاح صحیح نہیں ولی اور دو عادل شاہدوں کے بغیر۔ نیز حضور ﷺ کا ارشاد ہے ''زانی عورتیں وہ ہیں جو شاہدوں کے بغیر اپنا نکاح کر لیتی ہیں''[2] امام مالک کے یہاں صحت نکاح کیلئے گواہی شرط نہیں صرف اعلان کافی ہے کیونکہ روایت میں ہے کہ اعلنوا النکاح واضربوا علیہ بالغربال[3]''۔ جواب یہ ہے کہ روایت سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ نکاح کا اعلان کیا جائے اس سے گواہی شرط ہونے کی نفی نہیں ہوتی۔

قولہ حرین الخ نکاح میں شہادت کیلئے گواہوں کا آزاد ہونا ضروری ہے پس عبد محض، عبد مکاتب مدبر کی موجودگی میں نکاح صحیح نہیں کیونکہ شہادت ولایت نہیں ہوتی اور غلام کی خود اپنی ذات پر ولایت حاصل نہیں تو غیر پر کب ہو سکتی ہے۔ نیز گواہوں کا عاقل بالغ ہونا بھی ضروری ہے کیونکہ عقل و بلوغ کے بغیر ولایت نہیں ہوتی پس مجنون اور بچوں کی موجودگی میں نکاح صحیح نہ ہوگا اسی طرح نکاح مسلمین میں گواہوں کا مسلمان ہونا ضروری ہے کیونکہ کافر کو مسلمان پر ولایت نہیں ہے قال تعالیٰ ولن یجعل اللہ للکافرین علی المؤمنین سبیلاً البتہ دونوں گواہوں کا مرد ہونا ضروری نہیں ایک

(۱) ابن حبان عن عائشہ۔۱۲ (۲) ترمذی عن ابن عباس مرفوعاً، عبد الرزاق موقوفاً (۳) ترمذی، ابن ماجہ عن عائشہ۔۱۲

مرد اور دو عورتوں کی موجودگی میں بھی نکاح ہو جائے گا امام شافعی کے یہاں مرد ہونا ضروری ہے۔ نیز ہمارے یہاں عدالت بھی شرط نہیں بلکہ دو فاسقوں اور دو محدود فی القذف کی موجودگی میں بھی نکاح صحیح ہے امام شافعی کا اس میں بھی اختلاف ہے ہمارے یہاں صحت شہادت کیلئے قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ شخص اپنی ذاتی ولایت سے قبول نکاح کا مالک ہو سکتا ہے اس کے روبرو نکاح منعقد ہو جائے گا مثلاً فاسق اور ذمی کو قبول کا اختیار ہے تو ان کا گواہ ہونا بھی درست ہے بخلاف بچہ اور غلام اور مجنون کے کہ ان کو اپنی ذات کا اختیار نہیں تو انکی گواہی بھی درست نہیں۔

قولہ وصح الخ اگر عورت ذمیہ ہو تو شیخین کے نزدیک مسلمان مرد کا نکاح دو ذمیوں کی موجودگی میں صحیح ہو جائے گا امام محمد اور زفر کے نزدیک صحیح نہ ہوگا۔ وہ یہ فرماتے ہیں کہ ایجاب وقبول کو سننا ہی شہادت ہے اور مسلمان کے حق میں کافر کی شہادت نہیں' پس یہ ایسا ہو گیا جیسے گویا انہوں نے مسلمان کا کلام سنا ہی نہیں۔ شیخین یہ فرماتے ہیں کہ نکاح میں شہادت کا شرط ہونا وجوب مہر کے اعتبار سے نہیں ہے بلکہ اثبات ملک کے اعتبار سے ہے اور اس پر وہ دونوں شاہد ہیں لہٰذا ان کی شہادت کا اعتبار کیا جائے گا۔

قولہ ومن امر الخ ایک شخص نے کسی دوسرے سے کہا کہ تو میری چھوٹی لڑکی کا کسی کے ساتھ نکاح کر دے وکیل نے ایک مرد یا دو عورتوں کی موجودگی میں اس کا نکاح کر دیا درانحالیکہ مجلس میں اس کا باپ موجود تھا تو نکاح درست ہو گیا کیونکہ اس صورت میں باپ کو حکماً عاقد کہا جائیگا اور وکیل اور ایک مرد یا دو عورتوں کو شاہد نکاح قرار دیا جائے گا۔ اور اگر باپ مجلس نکاح میں حاضر نہ ہو تو نکاح صحیح نہ ہوگا کیونکہ اس صورت میں وکیل عاقد ہے اور ایک مرد یا دو عورتیں گواہ ہیں اور صرف ایک مرد یا صرف دو عورتوں کی موجودگی میں نکاح نہیں ہوتا۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

فصل فی المحرمات

فصل محرمات کے بیان میں

قولہ فصل الخ مشروعیت نکاح بیان کرنے کے بعد محرمات کو بیان کرتا ہے تا کہ محللات ومحرمات کے درمیان امتیاز ہو سکے' حرمت کے اسباب نو ہیں (۱) قرابت یعنی نسبی رشتہ داری' (۲) مصاہرات سسرالی رشتہ داری' (۳) رضاع یعنی شیر خوارگی کی رشتہ داری۔ (۴) جمع یعنی دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا' (۵) عدم دین سماوی جیسے مجوسی اور بت پرست سے نکاح کرنا۔ (۶) ادخال الامۃ علی الحرۃ یعنی آزاد بیوی کے ہوتے ہوئے باندی سے نکاح کرنا۔ (۷) ملک میں جیسے آقا کا اپنی باندی سے یا سیدہ کا اپنے غلام سے نکاح کرنا' (۸) حق غیر یعنی دوسرے کی منکوحہ یا اس کی معتدہ یا ثابت النسب حاملہ سے نکاح کرنا' (۹) طلقات الثلاث یعنی جس عورت کو تین طلاقیں دے دی گئیں ہوں مصنف نے ان اسباب تسعہ میں سے یہاں سات اسباب کے ذریعہ محرمات کو ذکر کیا ہے اور مطلقہ ثلاثہ کی حرمت کو باب الرجعہ کے بعد والی فصل میں بیان کیا ہے۔ اور محرمہ لحق الغیر کی تصریح نہیں کی کیونکہ دوسرے کی منکوحہ کا حرام ہونا بالکل ظاہر ہے۔

فائدہ: بعض حضرات نے اسباب حرمت اکیس شمار کرائے ہیں جن میں لعان' خلقی مشکل' جنیہ اور دریائی انسانوں کو بھی لیا ہے۔ قنیہ میں حضرت حسن بصری سے روایت ہے کہ گواہوں کی موجودگی میں جنیہ عورت کے ساتھ آدمی کا نکاح صحیح ہے لیکن زواہر الجواہر میں اسی کو صحیح کہا ہے کہ آدمی کا جنیہ سے اور جن کا آدمیہ سے نکاح کرنا صحیح نہیں کیونکہ جنس مختلف ہو گئی حالانکہ آیت "واللہ جعل لکم من انفسکم ازواجاً"۔ میں امتنان اتحاد جنس کی صورت میں ہے۔"

قولہ فی المحرمات الخ نساء محرمہ دو طرح کی ہیں اول وہ جن کی حرمت دائمی ہے دوم وہ جن کی حرمت موقت ہے اول یعنی محرمات مؤبدہ بائیس ہیں سات کی حرمت نسب کے سبب سے ہے جن کا ذکر آیت "حرمت علیکم امہاتکم اھ" میں مصرح ہے اور وہ یہ ہیں ماں بیٹی بہن پھوپھی' خالہ' بھتیجی' بھانجی اور چار کی حرمت مصاہرت کے سبب سے ہے یعنی خوشدامن' ربیبہ' باپ کی منکوحہ اور بہو' یہ کل گیارہ عورتیں ہوئیں یہی گیارہ رضاعت کے سبب سے حرام ہیں۔ محرمات موقتہ سات ہیں دو بہنوں کے درمیان جمع کرنا' چار کے ہوتے ہوئے پانچویں سے نکاح کرنا' آزاد کے ہوتے ہوئے باندی سے نکاح کرنا' جس عورت سے وطی بالشبہ ہوئی ہو اس کی عدت میں چوتھی سے شادی کرنا اسی طرح اسی کی بہن سے شادی کرنا' امتہ مکاتبہ' امراءۃ مشرکہ' پس یہ کل انتیس عورتیں ہیں جن کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

حَرُم تَزَوُّجُ اُمِّه وبِنتِه وَاِنْ بَعُدَتَا وَاُختِه وبِنتِهَا وبِنتِ اَخِيْه وعَمَّتِه وخَالَتِه وَاُمِّ امْرَأتِه وبِنتِهَا اِنْ دَخَلَ بِهَا

حرام ہے نکاح کرنا اپنی ماں اور بیٹی سے گو دور کی ہو اور اپنی بہن بھانجی، بھتیجی، پھوپی خالہ، ساس اور بی بی کی لڑکی سے اگر بی بی سے صحبت کر چکا ہو

وَامْرَأةِ اَبِيْهِ وَابْنِهٖ وَاِنْ بَعُدَتَا وَالْكُلُّ رِضَاعًا وَالْجَمْعُ بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ نِكَاحًا وَوَطْيًا بِمِلْكِ يَمِيْنٍ

اور اپنے باپ کی بیوی سے اور بہو سے گو باپ اور بیٹا دور کا ہو اور یہ سب حرام ہیں دودھ کے ناتے سے اور دو بہنوں کو جمع کرنا نکاح میں یا وطی میں خریدنے کی جہت سے

محرمات کی تفصیل

تشریح الفقہ: قولہ حرم الخ اپنی ماں اور بیٹی سے نکاح کرنا حرام ہے گو وہ دور کی ہوں جیسے دادی نانی پرنانی پوتی، نواسی الخ وجہ یہ ہے کہ آیت میں لفظ ام اور لفظ بنت ہے۔ اور لغت میں ام اصل کو اور بنت فرع کو کہتے ہیں پس یہ سب محرمات میں داخل ہیں خواہ بطریق عموم مجاز ہو یا بطریق تشکیک یا اس بنا پر کہ ان کی حرمت پر اجماع ہے۔ اپنی بہن سے اور بہن کی لڑکی یعنی بھانجی سے اور بھائی کی لڑکی یعنی بھتیجی سے اور پھوپھی، خالہ، خوشدامن اور اپنی بی بی کی لڑکی سے بھی نکاح کرنا حرام ہے بشرطیکہ بی بی سے صحبت کر چکا ہو ان عورتوں کی حرمت میں اصل یہ آیت ہے "حرمت[1] علیکم امھاتکم وبنا تکم اھ"۔

فائدہ: پھوپھی اور خالہ کی حرمت میں دادا، اور دادی کی پھوپھی اور ان کی خالہ بھی داخل ہے البتہ مادری پھوپھی کی پھوپھی اور سوتیلی خالہ کی خالہ حلال ہے اس واسطے کہ مادری پھوپھی کا باپ دادی کا شوہر ہے تو مادری پھوپھی دادی کے شوہر کی بہن ہوئی اور چونکہ زوج الام کی بہن حرام نہیں تو زوج الجدہ کی بہن بطریق اولی حرام نہ ہوگی اور اگر پھوپھی سگی یا سوتیلی ہو تو پھوپھی کی پھوپھی حرام ہے کیونکہ پھوپھی دادا کی بہن ہوئی تو جیسی باپ کی بہن حرام ہے ویسے ہی دادا کی بہن حرام ہے اور سوتیلی خالہ کی خالہ اس لئے حلال ہے کہ سوتیلی خالہ کی ماں سگی نانی نہیں بلکہ نانا کی زوجہ ہے تو اس کی سگی بہن نانا کی سالی ہوئی اور نانی کی ایسی سالی ناتی پر حرام نہیں اور اس کی خالہ یا مادری خالہ ہو تو اس صورت میں خالہ کی خالہ حلال نہیں (غایۃ الاوطار ج:۲ ص:۱۱)

قولہ والکل رضاعا الخ جن رشتوں کی حرمت نسب اور مصاہرت کے سبب سے اوپر مذکور ہوئی وہ تمام رشتے رضاعت کے سبب سے بھی حرام ہیں، کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے "یحرم من الرضاع مایحرم من النسب[2]"۔ پس رضاعی ماں، بہن، دادی، نانی، بھتیجی سب حرام ہیں خلاصہ یہ کہ دایہ کی تمام رشتہ والی عورتیں شیر خوار پر حرام ہیں اور شیر خوار کی طرف سے زوجین اور فروع دایہ وغیرہ پر حرام ہیں قال الشاعر:

از جانب شیر دہ ہمہ خویش شوند　　　وز جانب شیر خوار زوجان و فروع

تنبیہ: رضاعت کی بعض صورتیں حرمت سے مستثنیٰ ہیں چنانچہ خود مصنف نے باب الرضاع میں چند صورتوں کا استثناء کیا ہے بعض حضرات نے اکیس صورتیں مستثنیٰ مانی ہیں اور بعض نے اس سے بھی زائد، جن کی تفصیل کتاب الرضاع میں پیش کی جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

قولہ والجمع الخ دو بہنوں کو عقد صحیح میں جمع کرنا حرام ہے قال تعالیٰ۔ "وان تجمعوا بین الاختین" ہم نے عقد صحیح اس لئے کہا ہے کہ نکاح فاسد میں جماع کرنا حرام نہیں جیسے ایک عورت سے نکاح فاسد کیا پھر اسکی بہن سے نکاح صحیح کیا تو درست ہے کیونکہ نکاح فاسد میں وطی حلال نہیں ہوتی نیز دو بہنوں کو بواسطہ ملک یمین وطی میں جمع کرنا بھی حرام ہے کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ "جو شخص اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کو چاہئے کہ وہ اپنا پانی دو بہنوں کے رحم میں ہرگز جمع نہ کرے۔

---

(۱) صحیحین ابن عباس۔ ائمہ ستہ غیر ابن ماجہ عن عائشہ بالفاظ۔۱۲ (۲)... ہذا الحدیث غریب لم یتعرض لہ واحد من الشراح غیر ان الاکا کی احالہ علی ماذکر فی المبسوط والسرو جی فی الذخیرۃ وللمالکیۃ نعم فی ہذا الباب احادیث اخر۔۱۲

فَلَوْ تَزَوَّجَ اُخْتَ اَمَتِهِ الْمَوْطُوْاَةِ لَمْ يَطَأْ وَاحِدَةً مِنْهُمَا حَتّٰى يَبِيْعَهَا وَلَوْ تَزَوَّجَ اُخْتَيْنِ

پس اگر نکاح کرلیا اپنی موطوءہ باندی کی بہن سے تو نہ وطی کرے کسی ایک سے یہاں تک کہ فروخت کردے باندی کو اور اگر نکاح کیا دو بہنوں سے

فِيْ عَقْدَيْنِ وَلَمْ يَدْرِ الْاَوَّلَ فُرِّقَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُمَا وَلَهُمَا نِصْفُ الْمَهْرِ وَبَيْنَ امْرَأَتَيْنِ اَيَّةً فُرِضَتْ ذَكَرًا حَرُمَ النِّكَاحُ

دو عقدوں میں اور اول معلوم نہ ہو تفریق کی جائے گی ان میں اور دونوں کیلئے نصف مہر ہوگا اور صحیح نہیں ایسی دو عورتوں کو جمع کرنا کہ جس ایک کو مرد

وَالزِّنَا وَالْمَسُّ وَالنَّظْرُ بِشَهْوَةٍ تُوْجِبُ حُرْمَةَ الْمُصَاهَرَةِ.

فرض کیا جائے تو نکاح حرام ہو اور زنا کرنا اور چھونا اور دیکھنا شہوت کے ساتھ ثابت کرتا ہے دامادی حرمت کو

وَحَرُمَ تَزَوُّجُ اُخْتِ مُعْتَدَّتِهِ وَاَمَتِهِ وَسَيِّدَتِهِ وَالْمَجُوْسِيَّةِ وَالْوَثَنِيَّةِ

اور حرام ہے نکاح کرنا اپنی معتدہ کی بہن اور اپنی باندی اور مالکہ اور مجوسیہ اور بت پرست عورت سے۔

توضیح اللغۃ: لمس چھونا' مصاہرۃ سسرالی رشتہ داری' مجوسیہ آتش پرست عورت' وثنیہ بت پرست عورت۔

تشریح الفقہ: قولہ فلو تزوج الخ اگر کسی نے اپنی موطوءہ باندی سے نکاح کرلیا تو نکاح ہو جائے گا لیکن وہ ان دونوں میں سے کسی کے ساتھ صحبت نہیں کرسکتا تاوقتیکہ وہ ان میں سے کسی ایک کی حلت جماع کو اپنے اوپر حرام نہ کرلے مثلاً یہ کہ باندی کو فروخت کردے یا کسی دوسرے کیساتھ اس کی شادی کرادے یا منکوحہ کو طلاق دیدے وجہ یہ ہے کہ منکوحہ حکماً موطوءہ ہوتی ہے اگر یہ کسی ایک سے صحبت کرے گا تو دو بہنوں کو وطی میں جمع کرنا لازم آئے گا۔

قولہ لو تزوج اگر کسی نے دو بہنوں سے یا دو محرمہ عورتوں سے دو عقدوں کے ساتھ نکاح کیا اور یہ معلوم نہیں کہ ان میں سے پہلی بیوی کون ہے تو اس صورت میں قاضی کے حکم سے ان کے درمیان تفریق کردی جائے گی اور یہ فرقت طلاق کے حکم میں ہوگی نہ کہ فسخ کے حکم میں کیونکہ ان دونوں میں سے کسی ایک کا نکاح بالیقین باطل ہے اور عدم اولویت کی بناء پر کسی ایک کی تعیین ممکن نہیں اسلئے لامحالہ تفریق کیجائے گی پھر ان میں سے پہلی بیوی کیلئے نصف مہر واجب ہوگا چونکہ اولیت معلوم نہیں اسلئے نصف مہر دونوں کو دیا جائے گا۔

تنبیہ: وجوب نصف مہر چار شرطوں کے ساتھ ہے (۱) بوقت عقد مہر معین نہ ہو تو نصف مہر کے عوض میں دونوں کو ایک متعہ یعنی پوشاک دی جائے گی (۲) دونوں کا مہر برابر ہو' مختلف ہونے کی صورت میں اگر دونوں کا مہر معلوم ہو تو ہر ایک کو اس کا چوتھائی اور معین طور پر معلوم نہ ہونے کی صورت میں دونوں مہروں سے جو کمتر ہو' اسکا نصف ملے گا (۳) فرقت قبل الدخول ہو' اگر دخول کے بعد ہو تو ایک کو پورا مہر دیا جائے گا کیونکہ دخول کیوجہ سے مہر ثابت ہو جاتا ہے اور اگر ایک بی بی مدخولہ ہو تو اس کو کامل مہر ملے گا اور غیر مدخولہ کو چوتھائی (۴) دونوں میں سے ہر ایک بیوی دعویٰ کرے کہ میرا نکاح پہلے ہوا ہے اور بینہ کسی کے پاس نہ ہو۔

قولہ وبین امرأتین الخ یہ ایک قاعدہ کلیہ سا ہے کہ ہر ایسی دو عورتوں کے درمیان جمع کرنا جائز نہیں جن میں سے کسی ایک کو مرد فرض کرلیا جائے تو اس کیلئے دوسری حلال نہ ہو جیسے کہ ایک عورت اور اس کی پھوپھی کے درمیان جمع کرنا کہ اگر عورت کو مرد فرض کرلیا جائے تو ان کا نکاح جائز نہیں کیونکہ اپنی پھوپھی کے ساتھ نکاح کرنا باطل ہے اور پھوپھی کو مرد فرض کرلیا جائے تب بھی نکاح جائز نہیں کیونکہ بھتیجی سے نکاح کرنا درست نہیں اسی طرح خالہ اور بھانجی کا حال ہے کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ نہ نکاح کیا جائے عورت سے اس کی پھوپھی پر اور نہ اس کی خالہ پر اور نہ اس کی بھانجی پر"(۱) ایسی دو عورتوں کے درمیان جمع کرنا اس لئے حرام ہے کہ اس میں قطع رحم لازم آتا ہے چنانچہ طبرانی کی روایت میں اس کی صراحت موجود ہے' سوال قرآن سے تو صرف جمع بین الاختین کی حرمت ثابت ہوتی ہے پھوپھی اور بھتیجی کے درمیان جمع کرنے کی حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ جواب: حدیث مذکور مشہور ہے جس کے ذریعہ سے آیت کے عموم میں تخصیص جائز ہے۔

(۱) بخاری' مسلم' ترمذی' ابوداؤد' نسائی' ابن حبان' ابن ابی شیبہ عن ابی ہریرۃ' طبرانی عن ابن عباس۔۱۲

قولہ ایۃ فرضت الخ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان میں سے جس ایک کو مرد فرض کیا جائے تو دوسری اس پر حرام ہو پس اگر مرد فرض کرنے کی تقدیر پر دوسری حرام نہ ہو تو ائمہ اربعہ کے نزدیک نکاح جائز ہے۔ مثلاً ایک عورت اور اس کے شوہر کی بیٹی اگر عورت کو مرد فرض کیا جائے تو اس پر عورت کے شوہر کی بیٹی حرام نہیں اور اگر شوہر کی بیٹی کو مرد فرض کیا جائے تو عورت اس پر حرام ہے تو ایسی دو عورتوں کے درمیان جمع کرنا جائز ہے اسیطرح باندی اور اس کے مالک کی بی بی کے درمیان جمع کرنا کہ اگر بی بی کو مرد قرار دیا جائے تو باندی حرام نہیں اور اگر باندی کو مرد ٹھہرایا جائے تو بی بی حرام ہے پس ان میں بھی جمع کرنا جائز ہے۔

قولہ والزنا الخ عورت کیساتھ زنا کرنا، اس کو شہوت کے ساتھ چھونا اس کی فرج داخل کی طرف شہوت کی نگاہ سے دیکھنا حرمت مصاہرت کو واجب کرتا ہے۔ امام شافعی کے یہاں ان چیزوں سے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی وہ یہ فرماتے ہیں کہ مصاہرت ایک نعمت ہے کہ اجنبیہ عورتیں امہات کیساتھ اور اجنبی مرد آباء کے ساتھ لاحق ہو جاتے ہیں۔ اور ان میں ایک رشتہ قائم ہو جاتا ہے پس یہ حرام کے ساتھ حاصل نہیں ہوسکتی ہم یہ کہتے ہیں کہ وطی بواسطہ ولد جزئیت کا سبب ہے اسی لئے بچہ زوجین میں سے ہر ایک کیطرف منسوب ہوتا ہے پس موطوءہ عورت کے اصول وفروع وطی کرنیوالے کے اصول وفروع کی طرح ہو گئے، رہا یہ کہنا کہ مصاہرت ایک نعمت ہے لہذا اس کا حصول حرام فعل سے نہ ہوگا سو...... جواب یہ ہے کہ وطی جو موجب حرمت مصاہرت ہے وہ بایں حیثیت نہیں کہ وہ زنا ہے بلکہ بایں حیثیت ہے کہ وہ بچہ کا سبب ہے کہ بچہ میں کوئی قبح نہیں بلکہ وہ مکرم ومحترم ہے اور آیت ''ولقد کرمنا بنی آدم،، کے تحت میں داخل ہے پس اس حیثیت سے سبب میں بھی قبح نہیں۔ اور شہوت کے ساتھ فرج داخل کیطرف نگاہ کرنا یا عورت کو چھونا چونکہ وطی کے اسباب اور اس کیطرف داعی ہیں اس لئے احتیاطاً اسی کے قائم مقام ہیں۔

قولہ حرم الخ ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق رجعی یا طلاق بائن دیدی تو جب تک اس کی عدت پوری نہ ہو جائے تو اس وقت تک اس کی بہن سے شادی کرنا حرام ہے امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر اس کی عدت طلاقوں کی یا طلاق بائن کی ہو تو اس کی بہن سے شادی کرنا جائز ہے۔ کیونکہ اس صورت میں نکاح بالکل ختم ہو چکا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر وہ حرمت کا علم رکھتے ہوئے اس کے ساتھ صحبت کرے تو حد واجب ہے ہم یہ کہتے ہیں کہ نکاح بالکل ختم نہیں ہوا کیونکہ نکاح کے احکام باقی ہیں مثلاً نان نفقہ واجب ہونا' عورت کے حق میں خروج کا ممنوع ہونا وغیرہ رہا حد کا واجب ہونا۔ سو اول تو ہم اس کو تسلیم نہیں کرتے کہ اس پر حد واجب ہے جیسا کہ مبسوط کی کتاب الطلاق میں اس کی طرف اشارہ ہے اور اگر تسلیم بھی کرلیں تو وجہ یہ ہے کہ عورت کی حلیت کے لحاظ سے تو مرد کی ملکیت زائل ہو چکی اس لئے اس کیساتھ صحبت کرنے سے زنا متحقق ہو گیا لیکن امور مذکورہ کے لحاظ سے ملکیت باقی ہے اس لئے اس کی بہن کے ساتھ نکاح کرنے سے جامع الاختین ہوگا۔ حاصل آنکہ یہاں من وجہ نکاح ختم ہو گیا اور من وجہ باقی ہے۔

قولہ والمجوسیہ الخ آتش پرست اور بت پرست عورت کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''ولا تنکحوا المشرکات حتی یؤمن'' مشرکہ عورتوں سے نکاح نہ کرو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں۔ نیز حضور ﷺ خود ارشاد فرماتے ہیں کہ ' انکے ساتھ وہی برتاؤ کرو کہ جو تم اہل کتاب کے ساتھ کرتے ہو۔ بجز اس کے کہ ان کی عورتوں سے نکاح کرو اور ان کا ذبیحہ نہ کھاؤ۔'' فتح القدیر میں ہے کہ آفتاب پرست' ستارہ پرست' صورت پرست' معطلہ' زندیق' باطنیہ اور اباجیہ سب بت پرست ہیں۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

وَحَلَّ تَزَوُّجُ الْكِتَابِيَّةِ وَالصَّابِيَةِ وَالْمُحْرِمَةِ وَلَوْمُحْرِمًا وَالْاَمَةِ وَلَوْكِتَابِيَّةً وَالْحُرَّةِ عَلٰى اَمَةٍ لَاعَكْسُهٗ

اور حلال ہے نکاح کرنا کتابیہ صابیہ محرمہ سے گو مرد بھی محرم ہو اور باندی سے گو کتابیہ ہو اور آزاد عورت سے باندی کے نکاح پر نہ کہ اس کا عکس

وَلَوْفِیْ عِدَّةِ الْحُرَّةِ وَاَرْبَعٌ مِّنَ الْحَرَآئِرِ وَالْاِمَآءِ فَقَطْ وَثِنْتَیْنِ لِلْعَبْدِ وَحُبْلٰی مِنَ الزِّنَا لاَ مِنْ غَیْرِهٖ

گو آزاد کی عدت میں ہو اور چار آزاد عورتوں سے یا باندیوں سے اور غلام کے لئے صرف دو سے اور اس سے جو حاملہ ہو زنا سے نہ کہ اسکے علاوہ سے

وَالْمَوْطُوْاَةِ بِمِلْکٍ اَوِالزِّنَا وَالْمَضْمُوْمَةِ اِلٰی مُحْرِمَةٍ وَالْمُسَمّٰی لَهَا

اور اس سے جس سے وطی کی گئی ہو ملک یا زنا کے ذریعہ اور اس سے جو ملا دی گئی ہو محرمہ کے ساتھ اور مہر اسی کے لئے ہے

حلال نکاحوں کا بیان

توضیح اللغۃ: صابیہ مؤنث صابی ایک یہودی فرقہ ہے اماء جمع امتہ باندی۔ حبلیٰ حاملہ۔

تشریح الفقہ: قولہ والصابیۃ الخ امام صاحب کے نزدیک صابیہ عورت سے نکاح جائز ہے صاحبین کے نزدیک جائز نہیں اور یہ اختلاف اس بات پر مبنی ہے کہ فرقہ صابیہ اہل کتاب میں سے ہے یا نہیں؟ صاحبین فرماتے ہیں کہ یہ فرقہ بت پرستوں میں داخل ہے کیونکہ ستاروں کی پرستش کرتے ہیں امام صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ بت پرستوں میں داخل نہیں کیونکہ یہ زبور کو مانتے ہیں اور ستاروں کی پرستش نہیں کرتے بلکہ ان کی تعظیم کرتے ہیں جیسے مسلمان کعبہ کی تعظیم کرتے ہیں اسی اشتباہ کی وجہ سے صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ اگر صابیہ عورت کسی نبی اور آسمانی کتاب پر ایمان رکھتی ہو تو نکاح درست ہے ورنہ درست نہیں۔

قولہ والمحرمۃ الخ جو عورت حج یا عمرہ کا احرام باندھے ہوئے ہو تو احناف کے نزدیک اس سے احرام کی حالت میں نکاح جائز ہے عورت کا ولی اور نکاح کرنیوالا محرم ہو یا حلال حضرت عبداللہ بن مسعود ابن عباس انس ابن مالک اسی کے قائل ہیں صاحب نہر الفائق نے جو نکاح محرمہ کو مکروہ تحریمی کہا ہے یہ لائق التفات نہیں البتہ امام شافعی کے نزدیک جائز نہیں ان کی دلیل یہ روایت ہے "لاینکح المحرم[1] ولاینکح[2]" ہماری دلیل ہے "آنحضرت ﷺ نے حضرت میمونہؓ سے احرام کی حالت میں نکاح کیا تھا[3]" سوال حضرت ابن عباسؓ طبرانی کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت میمونہؓ سے حلال ہونے کی حالت میں نکاح کیا تھا۔ جواب خود حافظ طبرانی ہی نے حضرت ابن عباس سے پندرہ طریقوں کے ساتھ روایت کیا ہے کہ آپ محرم تھے اسکے بعد کہا ہے کہ "ہذا ہو الصحیح"۔ سوال زید بن اصم نے خود حضرت میمونہؓ کا قول روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے میرے ساتھ حلال ہونے کی حالت میں نکاح کیا تھا[4]" جواب یزید بن اصم کی روایت کا وہ درجہ نہیں جو حضرت ابن عباسؓ کی مذکورہ بالا روایت کا ہے کیونکہ وہ ائمہ ستہ کی متفق علیہ روایت ہے بخلاف یزید بن اصم کی روایت کے کہ اس کو نہ امام بخاری نے لیا ہے نہ امام نسائی نے نیز حفظ و اتقان میں یزید بن اصم حضرت ابن عباس کے برابر نہیں ہو سکتے اسی لئے حضرت عمرو بن دینار نے امام زہری سے فرمایا تھا۔ وما یدری ابن الاصم اعرابی بوال علی عقبیہ اتجعلہ مثل ابن عباس؟ سوال جن روایتوں میں "وہو محرم" کے الفاظ ہیں ان کا مطلب بقول ابن حبان یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ آپ ارض حرم میں داخل تھے نہ یہ کہ محرم تھے جیسے کہا جاتا ہے "انجد" اذا دخل تہامۃ قال الشاعر۔

قتلوا ابن عفان الخلیفۃ محرماً
ودعا فلم ار مثلہ مخذولاً

(۱) الجماعۃ غیر البخاری ابن حبان عن عثمان بن عفان ۔۱۲(۲) الائمۃ ستۃ عن ابن عباس دار قطنی عن ابی ہریرۃ بزار عن عائشہ ۔۱۲(۳) مسلم ابوداؤد ترمذی ابن ماجہ عن میمونۃ ۔۱۲۔

(۴) ہذا الحدیث حملہ المشائخ علی الوطء فی الجملۃ الاولی فالنہی الرجل وعلی التمکین منہ فی الجملۃ الثانیۃ فالنہی المرأۃ والتذکیر باعتبار الشخص وکلمۃ لا فیہ جاز ان تکون ناہیۃ ودخولہا علی المسند للغائب جائز عند المحققین وان کان غیرہ اکثر وجاز ان تکون نافیۃ دفی النہایۃ والمعراج ان معنی الثانیۃ لایمکن المرأۃ من نفسہ لطاۃ کما ہو فعل البعض فجعل التذکیر علی حقیقۃ وان النہی الرجل فیہما والیاء مفتوحۃ فی الجملۃ الاولی مضمومۃ فی الثانیۃ مع کسر الکاف نفیا ولا نکاح ومن فتح الکاف من الثانیۃ فقد صحف وجوز فی الفتح القدیر حمل النکاح فیہ علی العقد ویکون النہی فیہ للکراہۃ جمعا بین الدلائل وذالک لان المحرم فی شغل عن مباشرۃ عقود الانکحۃ لانہ یوجب شغل قلبہ وہو محل قولہ ولا یخطب ولا یلزم کونہ علیہ السلام باشرہ لعدم تحمل قلبہ بخلاف ناہ وحمل فی خلاصۃ البیان قولہ ولا یخطب علی النہی عن التماس الوطء توفیقا بین الاحادیث ۔۱۲ بحر الرائق

جواب اول تو یہ تاویل صحاح جوہری کے خلاف ہے صحاح میں ہے'' احرم الرجل اذا دخل فی اشھر الحرام '' موصوف نے شعر مذکور سے اسی معنی پر استدلال کیا ہے دوم یہ کہ امام بخاری کی حدیث '' تزوجہا وھو محرم و بنی بہا وھو حلال کے بعد یہ تاویل بے سود بلکہ مردود ہے' خلاصہ کلام آنکہ جو حضرات آنحضرت ﷺ کے نکاح کو بحالت احرام روایت کرنے والے ہیں وہ اہل علم ہیں اثبت ہیں' افقہ ہیں تام الضبط ہیں صاحب امانت ہیں جیسے سعید بن جبیر' عطا' طاؤس' مجاہد' عکرمہ جابر بن زید وغیر ہم نیز حضرت ابن عباس کی روایت کو حضرت عائشہ کی تائید بھی حاصل ہے لہٰذا اسی کا اعتبار ہوگا' هذا قليل من كثير ومثل من غدير والله عليم خبير۔

قولہ والامۃ الخ باندی کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے اگر چہ باندی کتابیہ ہو اور شوہر کو حرہ سے شادی کرنے کی طاقت ہو کیونکہ ہمارے یہاں اصل یہ ہے کہ جو وطی ملک یمین کے واسطے سے حلال ہے وہ نکاح کے ذریعہ سے بھی حلال ہے اور جو وطی ملک یمین سے حلال نہیں وہ نکاح سے بھی حلال نہیں اور باندی کے ساتھ ملک یمین سے وطی حلال ہے لہٰذا نکاح سے بھی حلال ہے امام شافعی کے نزدیک کتابیہ باندی سے نکاح کرنا جائز نہیں جبکہ وہ حرہ سے نکاح کرنے کی قدرت رکھتا ہو کیونکہ آیت '' ومن لم يستطع منكم طولا ان ينكح المحصنت المؤمنات فمما ملكت ايمانكم من فتياتكم المومنات '' میں عدم استطاعت اور وصف ایمان کی قید ہے پس حرہ کے ساتھ نکاح کی قدرت اور مومنہ باندی کے ہوتے ہوئے کتابیہ باندی سے نکاح صحیح نہیں یہ اختلاف دراصل ایک اصولی مسئلہ پر مبنی ہے اور وہ یہ کہ شرط اور وصف کا مفہوم معتبر ہے کہ اس کے انتفاء سے حکم بھی منتفی ہو جائے یا معتبر نہیں؟ سو امام شافعی کے یہاں اس کا اعتبار ہے ہمارے یہاں اسکا اعتبار نہیں اس لئے ہمارے نزدیک فانكحو اماطاب لكم من النساء اور احل لكم ماوراء ذلكم' کے عموم کی وجہ سے کتابیہ باندی کے ساتھ نکاح جائز ہے وتمامہ فی الاصول۔

قولہ والحرۃ الخ جس شخص کے نکاح میں باندی موجود ہو وہ حرہ سے شادی کرسکتا ہے لیکن اس کا عکس جائز نہیں کہ حرہ عورت نکاح میں ہو پھر باندی سے شادی کرے تو اگر چہ حرہ کی عدت میں ہو کیونکہ حضور ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے[۲] امام شافعی کے یہاں غلام کیلئے اس کی اجازت ہے اور امام مالک کے یہاں حرہ کی رضا کیساتھ جائز ہے مگر حدیث مذکور ان سب پر حجت ہے۔

قولہ وحبلی الخ حاملہ عورت سے نکاح کرنا صحیح ہے جس کا حمل زنا' سے ہو لیکن دفع حمل تک وطی و دواعی وطی جائز نہیں امام ابو یوسف کے نزدیک نکاح ہی صحیح نہیں۔ اور اگر حمل زنا سے نہ ہو تو بالاتفاق نکاح صحیح نہیں امام ابو یوسف یہ فرماتے ہیں کہ نکاح کا ممنوع ہونا حرمت حمل کی وجہ سے ہے اور جو حمل زنا سے ہو وہ بھی محترم ہے کیونکہ اس کا کوئی قصور نہیں اسلئے دونوں صورتوں میں نکاح جائز نہیں طرفین یہ فرماتے ہیں کہ زنا سے حاملہ عورت محللات میں سے ہے لہٰذا نکاح صحیح ہے البتہ وطی جائز نہیں تاکہ اس کے پانی سے دوسرے کی کھیتی سیراب نہ ہو اور دوسری صورت میں صاحب فراش کے حق کی وجہ سے نکاح صحیح نہیں کیونکہ اس صورت میں وہ ثابت النسب ہے اور ملک یمین کے ذریعہ موطوہ باندی کا نکاح بھی صحیح ہے۔ کیونکہ وہ اپنے مولیٰ کی فراش نہیں یہاں تک کہ اگر اس کے بچہ پیدا ہوا تو آقا کے بغیر نسب ثابت نہیں ہوتا۔

قولہ والمضمومۃ الخ ایک شخص نے عقد واحد میں دو عورتوں سے شادی کی جن میں سے ایک اسکے لئے حلال تھی اور دوسری حرام تو جو حلال تھی اس سے نکاح صحیح ہے اور جو حرام تھی اس سے نکاح باطل ہے اور جتنا مہر معین تھا۔ وہ سب اسی کو ملے گا جس کے ساتھ نکاح صحیح ہے صاحبین کے نزدیک دونوں کے مہر مثل پر تقسیم ہوگا۔

---

(۱) اور جو شخص تم میں پوری وسعت نہ رکھتا ہو آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی تو وہ اپنے آپس کی مسلمان لونڈیوں سے جو کہ تم لوگوں کی مملوکہ ہیں نکاح کرے۔

(۲) ... دار قطنی عن عائشہ طبری' عبدالرزاق' ابن ابی شیبہ عن الحسن عبدالرزاق عن جابر۔۱۲

وَبَطَلَ نِکَاحُ الْمُتْعَۃِ وَالْمُوَقَّتِ وَلَہٗ وَطْیُ امْرَأَۃٍ اِدَّعَتْ عَلَیْہِ اَنَّہٗ تَزَوَّجَھَا
اور باطل ہے نکاح متعہ اور نکاح موقت اور اس عورت سے وطی حلال ہے جس نے دعویٰ کیا کہ اس نے مجھے نکاح کرلیا ہے

وَقُضِیَ بِنِکَاحِھَا بِبَیِّنَۃٍ وَلَمْ یَکُنْ تَزَوَّجَھَا
اور بینہ سے نکاح کا فیصلہ کردیا گیا حالانکہ نکاح نہیں کیا تھا۔

نکاح متعہ اور نکاح موقت باطل ہے

تشریح الفقہ: قولہ وبطل الخ اگر کوئی شخص عورت سے کہے کہ میں دس دن تک یا ایک مہینے تک تجھ سے متعہ کرتا ہوں تو اس کو نکاح متعہ کہتے ہیں اور اگر یوں کہے کہ میں ایک مہینے کے لئے تجھ سے نکاح کرتا ہوں تو یہ نکاح موقت کہلاتا ہے۔ نہایہ اور معراج الدرایہ میں ان دونوں کے درمیان یوں فرق کیا ہے کہ نکاح موقت میں توقت کیساتھ لفظ نکحت یا تزوجت ذکر کیا جاتا ہے اور متعہ میں اتمتع یا استمتع، صاحب عنایہ نے یہ فرق بیان کیا ہے کہ نکاح موقت گواہوں کی موجودگی میں ہوتا ہے اور مدت معینہ مذکور ہوتی ہے متعہ میں یہ ضروری نہیں بعض نے کہا ہے کہ نکاح متعہ میں مقدار مہر کی تعیین لازم ہوتی ہے موقت میں لازم نہیں ہوتی لیکن اس سلسلہ میں تحقیق وہ ہے جو فتح القدیر میں ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ نکاح موقت متعہ کے افراد میں داخل ہے بہرکیف نکاح متعہ اور نکاح موقت باتفاق ائمہ اربعہ باطل ہے۔ کیونکہ نکاح متعہ گو ایام خیبر اور ایام فتح مکہ میں مباح تھا لیکن فتح مکہ کے بعد قیامت تک حرام ہوگیا[1] حضرت عبداللہ بن عباس شروع میں جواز متعہ کے قائل تھے مگر بعد میں آپ نے رجوع فرمالیا تھا چنانچہ جامع ترمذی میں مصرح موجود ہے سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس سے عرض کیا: حضرت! آپ کے فتوے تو شہرہ آفاق ہوگئے اور شعراء نے چٹکیاں لینی شروع کردیں آپ نے دریافت کیا کیا ہوا؟ تو میں نے شاعر کے اشعار سنائے۔

قد قلت للشیخ لما طال یا صاح ھل لک فی فتیا ابن عباس
ھل لک فی رخصۃ الاطراف آنسۃ تکون مشواک حتی مصدر الناس

آپ نے فرمایا سبحان اللہ۔ بخدا میں نے تو اس کا فتویٰ نہیں دیا میرے نزدیک تو متعہ بالکل ایسے ہی حرام ہے جیسے خون مردار اور خنزیر کا گوشت۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ اللہ نے کسی شئی کو حلال کر کے حرام کیا ہو اور پھر حلال کر کے حرام کردیا ہو، بجز متعہ کے بہرکیف اباحت نکاح متعہ باجماع صحابہ منسوخ ہے اور قیامت تک متعہ حرام ہے، مضمرات میں ہے کہ جو شخص متعہ کو حلال جانے وہ کافر ہے عمادیہ میں ہے کہ اگر کوئی قاضی اس کے جواز کا فیصلہ کرے تو وہ نافذ نہ ہوگا۔

تنبیہ: صاحب ہدایہ نے امام مالک کی طرف جواز متعہ کو منسوب کیا ہے مگر یہ غلط ہے کیونکہ ائمہ اربعہ میں سے کوئی بھی اس کے جواز کا قائل نہیں سب کے نزدیک حرام ہے البتہ شیعہ لوگوں کی ایک جماعت قائل اباحت ہے علامہ سروجی فرماتے ہیں کہ امام مالک کے نزدیک متعہ جائز نہیں جس کی صراحت ذخیرہ مالکیہ میں موجود ہے علامہ اکمل نے عنایہ میں صاحب ہدایہ کی جانب سے اعتذار کرتے ہوئے کہا کہ ممکن ہے صاحب ہدایہ کے استاد شمس الائمہ کو امام مالک کا کوئی قول ملا ہو مگر ذخیرہ کی تصریح کے بعد یہ اعتذار بے کار ہے علاوہ ازیں امام مالک نے مؤطا میں حضرت علی سے نہی عن المتعہ کی حدیث روایت کی ہے اور آپ کی عام عادت ہے کہ مؤطا میں جو روایت لاتے ہیں اس پر آپ کا عمل ہوتا ہے۔

قولہ ولہ وطی الخ عورت نے قاضی کے پاس ایک آدمی پر دعوی کیا کہ اس نے میرے ساتھ نکاح کیا تھا تو امام صاحب کے نزدیک قاضی کا فیصلہ نافذ ہوگا۔ اور اس شخص کیلئے عورت کیساتھ صحبت کرنا جائز ہوگا صاحبین اور امام شافعی کے نزدیک وطی جائز نہیں کیونکہ گواہوں نے جھوٹی گواہی دی ہے۔ اور قاضی نے فیصلہ میں غلطی کی ہے لہٰذا اس کا فیصلہ نافذ نہ ہوگا، امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ اس کے نزدیک گواہ سچے ہیں اور یہی حجت ہے کیونکہ حقیقت صدق پر آگہی متعذر ہے مگر فتوی صاحبین کے قول پر ہے۔ کہ وطی نہ کرے۔

(۱) مسلم عن عبداللہ بن زبیر وایاس بن سلمہ وسبرہ ابن معبد، صحیحین عن علی وابن مسعود، ابوداؤد عن سبرۃ دار قطنی عن ابی ہریرۃ وعلی۔۱۲

بَابُ الاَوْلِيَاءِ وَالاَكْفَاءِ

باب سرپرستوں اور ہمسروں کے بیان میں

وَلِيٍّ	اِذْنِ	بِلاَ	مُكَلَّفَةٍ	حُرَّةٍ	نِكَاحُ	يَنْفُذُ
کے بغیر	اجازت	کا ولی کی۔	بالغہ عورت	آزاد عاقلہ	نکاح	نافذ ہوجائیگا

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ نکاح اور اس کے الفاظ اور محل کو بیان کرنے کے بعد عاقد نکاح کو بیان کر رہا ہے اور چونکہ وجود ولی جمیع حالات میں ضروری نہیں ہے اس لئے مؤخر لا رہا ہے اولیاء ولی کی جمع ہے اور ولایت بمعنی نصرت ہے لغۃً دوست کو اور عرفاً عارف باللہ کو کہتے ہیں، اور اصطلاح میں ولی عاقل بالغ وارث کو کہتے ہیں عاقل کی قید سے دیوانہ اور بیہوش، بالغ کی قید سے بچہ، وارث کی قید سے وصی کافر اور غلام خارج ہوگئے وصی کو مطلقاً نکاح کی ولایت نہیں خواہ اس کو باپ نے نکاح کردینے کی وصیت کی ہو یا نہ کی ہے اور کافر اپنے مسلمان بیٹے کا اور غلام حرہ کا ولی نہیں فقہی اصطلاح میں ولایت اس کو کہتے ہیں کہ دوسرے پر اپنی بات نافذ کرنے کا حق ہو خواہ وہ دوسرا شخص راضی ہو یا نہ ہو، باب نکاح میں ولایت کی دو قسمیں ہیں ولایت استحباب اور ولایت اجبار...... ولایت استحباب عاقلہ بالغ پر ہوتی ہے باکرہ ہو یا ثیبہ اور ولایت اجبار صغیرہ پر، بالغہ بیہوش پر اور باندی پر ہوتی ہے ثبوت ولایت کے چار اسباب ہیں ۱قرابت جیسے باپ اپنی بیٹی کا نکاح کرے ۲ملک جیسے آقا غلام یا باندی کا نکاح کرے ۳ولا جیسے آقا اپنے آزاد کردہ غلام کا نکاح کرے ۴امامت جیسے بادشاہ لاوارث کا نکاح کرے۔ اکفاء کفو کی جمع ہے بمعنی نظیر وسیاتی۔

قولہ ینفذ الخ آزاد عاقلہ بالغہ عورت کا نکاح شیخین کے نزدیک ولی کے بغیر بھی نافذ ہے امام محمد کے نزدیک ولی کی رضا پر موقوف ہے (ویروی رجوعہ الی قولہما) امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک ولی کی رضا کے بغیر عورتوں کو نکاح کا اختیار ہی نہیں کیونکہ حدیث میں "لانکاح الا بولی"[1] نیز حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ "جو عورت اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے اس کا نکاح باطل ہے[2]" ہماری دلیل یہ ہے کہ آیات قرآنی سے عورتوں کیلئے نکاح کا اختیار ثابت ہے "قال تعالیٰ" لا جناح عليكم فيما فعلن في انفسهن، حتى تنكح زوجاً غيره، فلا تعضلو هن ان ينكحن ازواجهن "۔ نیز صحیح مسلم میں حدیث مرفوع ہے کہ بیوہ عورت اپنی ذات کی زیادہ مستحق ہے بہ نسبت اپنے ولی کے ابوداؤد اور نسائی میں حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ شوہر دیدہ عورت پر ولی کو کچھ اختیار حاصل نہیں" معلوم ہوا کہ بالغہ عورت پر ولی کا جبر کا استحقاق نہیں وہ خود مختار ہے یہ اور بات ہے کہ مکلفہ کیلئے مناسب یہی ہے کہ وہ اپنا نکاح ولی کی رضا پر رکھے تاکہ بیحیائی کیطرف منسوب نہ ہو ہمارے یہاں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جو اپنے مال میں تصرف کرسکتا ہے وہ اپنی ذات میں بھی تصرف کرسکتا ہے اور جس کو اپنے مال میں تصرف کا حق نہیں اس کو اپنی ذات میں بھی تصرف کا حق نہیں اور عاقلہ بالغہ کو چونکہ اپنے مال میں تصرف کا اختیار ہے لہذا اس کا نکاح میں بھی اختیار ہوگا اور صغیرہ اور مجنونہ کو مال میں اختیار نہیں لہذا نکاح میں بھی اختیار نہ ہوگا، رہے امام شافعی و امام مالک کے مستدلات سو اول تو وہ مضطرب ہیں امام بخاری اور یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ اشتراط ولی کے باب میں کوئی صحیح حدیث ثابت نہیں جس کی تفصیل زیلعی وغیرہ میں موجود ہے اور اگر صحت تسلیم کرلی جائے تو ان احادیث میں کمال کی نفی مقصود ہے نہ کہ جواز کی وتمامہ فی المطولات۔

---

(۱) ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ عن ابی بردہ حاکم عن الاشعری ابن ماجہ، دار قطنی عن عائشہ وابن عباس، طبرانی عن ابن عباس وجابر وابن مسعود، عبدالرزاق عن عمران بن حصین، ابن عدی عن علی وانس وابی ہریرۃ (۲) ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ عن عائشہ، ابن راہویہ، طبرانی، ابونعیم عن ابن عمر۔ ۱۲

وَلاَ تُجْبَرُ بِكْرٌ بَالِغَةٌ عَلَى النِّكَاحِ فَإِنْ اسْتَأْذَنَهَا الْوَلِيُّ فَسَكَتَتْ اَوْضَحِكَتْ اَوْبَكَتْ اَوْزَوَّجَهَا

اور مجبور نہیں کیاجائیگا باکرہ بالغہ کو نکاح پر پس اگر اجازت مانگی اس سے ولی نے اور وہ خاموش رہی یا ہنس پڑی یا اسکا نکاح کیا

فَبَلَغَهَا الْخَبَرُ فَسَكَتَتْ فَهُوَ اِذْنٌ وَاِن اسْتَأْذَنَهَا غَيْرُ الْوَلِيِّ فَلاَ بُدَّ مِنَ الْقَوْلِ كَالثَّيِّبِ

اور وہ خبر ہونے پرخاموش رہی تو یہ اجازت ہے اور اگراجازت مانگی غیر ولی نے تو ضروری ہے زبان سے کہنا ثیبہ کی طرح

وَمَنْ زَالَتْ بَكَارَتُهَا بِوَثْبَةٍ اَوْحَيْضَةٍ اَوْجَرَاحَةٍ اَوْتَعْنِيسٍ اَوْزِنًا فَهِيَ بِكْرٌ

اور جس کی بکارت زائل ہوگئی ہوکودنے یاحیض آنے یازخم ہونے یا دیرتک بلا شادی رہنے یا زنا کی وجہ سے تو وہ باکرہ (کے مثل) ہے۔

توضیح اللغۃ: بکر کنواری لڑکی ثیب شوہر سے جداشدہ عورت بکارۃ دوشیزگی وثبۃ کودنا جراحۃ زخم تعنیس بلوغ کے بعد دیرتک بلا شادی رہنا۔

تشریح الفقہ: قولہ ولا تجبر الخ عاقلہ بالغہ عورت کا ولی نکاح پر مجبور نہیں کرسکتا کیونکہ عاقلہ بالغہ ہونے کی وجہ سے ولایت اجبار ساقط ہوجاتی ہے حدیث میں ہے کہ ایک باکرہ لڑکی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یارسول اللہ! میرے والد نے میری شادی ایسی جگہ کردی کہ وہ مجھے ناپسند ہے آپ نے اسے اختیار دیا[1]"۔ نیز حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ "باکرہ لڑکی کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے[2]" اس روایت کا عموم واضح دلیل ہے کہ باکرہ بالغہ پر کسی کو ولایت اجبار نہیں نہ باپ کو اور نہ کسی اور کو احناف' امام ثوری' اوزاعی' حسن بن حی ابوثور' ابوعبید سب اسی کے قائل ہیں امام شافعی ان ادلہ کے عموم ومنطوق کو چھوڑ کر" الثیب احق بنفسها" کے مفہوم کو اختیار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ باکرہ عورت پر بھی ولایت اجبار ہے حالانکہ بقول علامہ ابن رشد مفہوم کے عموم ومنطوق اولیٰ ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں سوال احناف "لاتنكح البكر حتى تستاذن" کے عموم پر عمل کرتے ہیں تو پھر باکرہ صغیرہ پر ولایت اجبار کے کیوں قائل ہیں؟ جواب اسلئے کہ حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت عائشہؓ کا نکاح انکی کمسنی میں آنحضرت ﷺ سے کیا تھا فکان ذالک مستثنیٰ من العموم۔

قولہ فان استاذنہا الخ باکرہ بالغہ عورت کے ولی نے اس سے نکاح کی اجازت چاہی اور وہ خاموش رہی یا ہنس پڑی یا ولی نے اس کا نکاح کیا اور وہ اطلاع پانے پر خاموش رہی تو اس کا خاموش رہنا اور ہنسنا رضا کی دلیل ہے کیونکہ حدیث کی الفاظ ہیں "سکوتہا اذنہا[3]"۔ اور سکوت کی بنسبت ہنسنے کی دلالت رغبت کے اظہار پر زیادہ ہے اسی لئے ضحک سکوت کے ساتھ لاحق ہے۔

فائدہ عظیمہ: علامہ ابن نجیم مصری نے "الاشباہ والنظائر" میں ذکر کیا ہے کہ ۳۷ مسئلوں میں خاموشی رضا کی دلیل ہے (۱) سکوت باکرہ بوقت استیذان ولی' عقد سے پہلے ہو یا عقد کے بعد (۲) سکوت باکرہ بوقت قبض مہر (۳) سکوت باکرہ بوقت بلوغ' جبکہ باپ یا دادا کے علاوہ کسی اور نے نکاح کیا ہو (۴) عورت نے نکاح نہ کرنے کی قسم کھائی پھر باپ نے نکاح کردیا اور وہ خاموش رہی تو حانث ہوجائے گی (۵) سکوت فقیر نہ کہ سکوت موہوب لہ (۶) سکوت مالک بوقت قبض موہوب لہ (۷) سکوت وکیل بروکالت (۸) سکوت مقرلہ (۹) سکوت مفوض الیہ جس کو کچھ سپرد کیا جائے (۱۰) سکوت موقوف علیہ جس پر کوئی چیز وقف کیجائے (۱۱) بیع تلجیہ میں احد العاقدین کا یہ کہنا کہ میں اس بیع کو صحیح کرتا ہوں اور دوسرے کا خاموش رہنا (۱۲) غانمین میں تقسیم مال کے وقت سکوت (۱۳) غلام کو خرید وفروخت کرتے دیکھ کر مشتری بالخیار کا سکوت' خیار کو ساقط کردیتا ہے (۱۴) مبیع پر مشتری کا قبضہ دیکھ کر بائع کا سکوت جس کو جس مبیع میں اختیار تھا قبضہ کرنے کی اجازت ہے (۱۵) سکوت شفیع بیع حق شفعہ کو باطل کردیتا ہے (۱۶) غلام کو غیر کا مال خرید وفروخت کرتے دیکھ کر مولیٰ کا سکوت' تجارت کی اجازت ہے (۱۷) مولی کا غلام کو تجارت کی اجازت نہ دینے کی قسم کھانا اور پھر غلام کو خرید وفروخت کرتے دیکھ کر خاموش رہنا موجب حنث ہے (۱۸) غلام کا سکوت بوقت بیع یا بوقت رہن۔ غلامی کا اقرار ہے۔ (۱۹) صاحب خانہ کا سکوت اس شخص کو اپنے گھر میں اترتے دیکھ کر جس کے متعلق قسم کھائی تھی کہ اس کو اپنے گھر نہ اترنے دونگا۔ حانث بنا دیتا ہے۔ (۲۰) سکوت زوج بوقت ولادت یا وقت مبارکبادی ثبوت نسب کا اقرار

(۱) ابوداؤد' نسائی' ابن ماجہ' احمد عن ابن عباس' دارقطنی عن جابر وابن عمر وابن عباس (فی معناہ) نسائی۔ احمد عن عائشۃ (فی معناہ) ابن ماجہ عن بریدہ (۲) ائمہ ستہ عن ابی ہریرۃ۔۱۲

(۳) صحیحین عن عائشۃ (واللفظ للبخاری) ائمہ ستہ عن ابی ہریرۃ (فی معناہ)۔۱۲

ہے(۲۱) آقا کا سکوت بوقت تولید ام ولد بچہ کا اقرار ہے (۲۲) قبل از بیع مبیع کا عیب سن کر مشتری کا سکوت رضا بالعیب ہے بشرطیکہ منجر عادل ہو (۲۳) باکرہ کا سکوت تزویج ولی معلوم ہونیکے وقت رضا نکاح ہے (۲۴) زوجہ کا زمین کو فروخت کرنا اور شوہر کا اس پر خاموش رہنا اقرار ہے کہ وہ زمین شوہر کی نہیں اسی طرح اس کا عکس[1] (۲۵) ایک شخص نے کسی کا گھر یا اس کا اسباب فروخت کر دیا اور ایک مدت مشتری اس میں تصرف کرتا رہا پھر بھی مالک خاموش رہا تو اس کا سکوت مسقط دعوی ہے (۲۶) شرکاء شرکت عنان میں سے ایک کا یہ کہنا کہ اس باندی کو میں خاص اپنے لئے بیتا ہوں اور دوسرے کا خاموش رہنا' اس میں دونوں کی شرکت نہ ہوگی (۲۷) وکیل نے کہا کہ یہ چیز میں اپنے لئے خریدتا ہوں اور موکل خاموش رہا۔ تو وہ چیز وکیل کی ہوگی (۲۸) صبی عاقل کو خرید وفروخت کرتے دیکھ کر ولی کا سکوت اذن ہے (۲۹) غیر کو اپنی مشک پھاڑتے دیکھ کر مالک کا سکوت۔ رضا ہے پھاڑنے والا ضامن نہ ہوگا (۳۰) مالک نے قسم کھائی کہ غلام سے خدمت نہ لوں گا غلام خدمت کرنے لگا اور وہ خاموش رہا۔ تو حانث ہو جائے گا۔ (۳۱) ماں نے بیٹی کو جہیز میں کچھ اسباب دیا اور باپ خاموش رہا تو باپ واپس لینے کا حقدار نہیں (۳۲) ماں نے بیٹی کو رواج کے مطابق جہیز دیا اور باپ خاموش رہا تو ماں ضامن نہ ہوگی (۳۳) مالک نے زیور پہنے باندی کو بلا شرط فروخت کر کے مشتری کے حوالے کر دی اور وہ اس کو لے گیا اور مالک خاموش رہا تو مشتری زیور کا مالک ہو جائے گا (۳۴) بوقت قرأت تلمیذ استاذ کا سکوت بمنزلہ نطق کے ہے (۳۵) بلا عذر مدعا علیہ کا سکوت انکار ہے۔ (۳۶) مرہون پر مرتہن قبضہ کرتے وقت راہن کا سکوت رضا ہے (۳۷) قاضی نے شاہد سے مزکی کا حال دریافت کیا اور وہ خاموش رہا۔ تو یہ شاہد کی تعدیل ہے۔ پہلے تیس مسئلے جامع الفصول وغیرہ کے ہیں اور بعد کے سات اشباہ کے مصنف نے زیادہ کئے ہیں۔ حموی نے اشباہ کے حاشیہ میں چودہ کا اور اضافہ کیا ہے۔ کل اکیاون ہوتے ہیں۔ وھذہ کلھا مشھورۃ لا محصورۃ وقد نظم منھا ابن الشحنہ ثلاثین فقال۔

وحکم الرضا اعطوا سکوتا وقرّوا   له صورا مجموعها ما ساذکر
من البکر فی عقد و قبض صداقها   وعندٌ بلوغ ثم لا تتخیر
کذا شافع من بعد علم و واهب   رائی قبض موهوب کذاالبر یذکر
ومصدق شیئا علیه بقبضه   مقر له بالمال مبرا مسطر
کوصی وکیل باشر الفعل موقفا   علیه وبعض رده لایوثر
وقبض مبیع اذ یخص بفاسد   وبالعیب قبل البیع من هو مخیر
کذا بیع عبد اوصی ومشتر   بشرط خیار المشتری فهو یهدر
ومالک ماسور رای بیع غالم   وزوج بمولود یهناء وقدر
تصوم یوم اواخر لم یکن   له ام ولد ثم لاتتبرر
بخدمته من البیت لاتخذمته   کلا اسکنن ذا والسکوت مقرر
وقول وکیل فی شراء معین   نفسی اشتریه له الملک یظهر
کذلک عقیب الشق للزق لم یکن   کوضع متاع عند من هو ینظر
قبول الذی واضعه قد جعلته   صحیحا وعند الامربالید یومر
سکوت الذی امسی الیه مفوضا   ومجهول انساب یباع فیحضر
وقید بعض بانقیاد وبعد ذا   لغت منه دعواه یاتی محرر
وزوجته او ولده اوقربیه   بحضرته بیع العقار یصور
فیمنع دعواه و بعض یجیزها   کرؤیته عین والتعرف یصدر
من المشتری دهرا فدونک حفظها   بنظم حکاه بالنفاسة جوهر

(۱) وہذا عند مشائخ سمرقند خلافا لمشائخ بخارا فلیحفظ المفتی ۱۲

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

وَالْقَوْلُ لَهَا اِنِ اخْتَلَفَا فِي السُّكُوْتِ وَلِلْوَلِيِّ اِنْكَاحُ الصَّغِيْرِ وَالصَّغِيْرَةِ وَالْوَلِيُّ الْعَصَبَةُ

اور قول عورت کا معتبر ہے اگر وہ اختلاف کریں سکوت میں اور ولی کو اختیار ہے چھوٹے لڑکے لڑکی کے نکاح کرنے کا اور ولی عصبہ ہوتا ہے

بِتَرْتِيْبِ الْاِرْثِ وَلَهُمَا خِيَارُ الْفَسْخِ بِالْبُلُوْغِ فِيْ غَيْرِ الْاَبِ وَالْجَدِّ بِشَرْطِ الْقَضَآءِ

وراثت کی ترتیب پر اور ان کو اختیار ہے بلوغ کے بعد عقد توڑنے کا اگر باپ دادا کے علاوہ نے نکاح کیا ہو بشرطیکہ قاضی کا حکم ہو

وَبَطَلَ بِسُكُوْتِهَا اِنْ عَلِمَتْ بِكْرًا لَابِسُكُوْتِهِ مَالَمْ يَرْضَ وَلَوْ دَلَالَةً

اور ختم ہوجاتا ہے صغیرہ کی خاموشی سے اگر جان گئی ہو کنوارے پن میں نہ کہ صغیر کی خاموشی سے جب تک کہ راضی نہ ہو گو دلالۃ ہو

وَتَوَارَثَا قَبْلَ الْفَسْخِ وَلَا وَلَايَةَ لِعَبْدٍ وَصَغِيْرٍ وَمَجْنُوْنٍ وَكَافِرٍ عَلٰى مُسْلِمَةٍ وَاِنْ لَمْ يَكُنْ لَهَا عَصَبَةٌ فَالْوَلَايَةُ لِلْاُمِّ

اور دونوں وارث ہونگے فسخ سے پہلے اور نہیں ہے ولایت غلام صغیر دیوانے کیلئے اور کافر کیلئے مسلمہ پر اور اگر نہ ہو عصبہ تو ولایت ماں کیلئے ہے

ثُمَّ لِلْاُخْتِ لِاَبٍ وَاُمٍّ ثُمَّ لِاَبٍ ثُمَّ لِوَلَدِ الْاُمِّ ثُمَّ لِذَوِی الْاَرْحَامِ ثُمَّ لِلْحَاكِمِ وَلِلْاَبْعَدِ وَلَايَةُ التَّزْوِيْجِ

پھر حقیقی بہن کے لئے پھر علاتی بہن کے لئے پھر اخیافی بھائی بہن کیلئے پھر ذوی الارحام کیلئے پھر حاکم کے لئے اور ولی بعید کے لئے اختیار ہے

بِغَيْبَةِ الْاَقْرَبِ مَسَافَةَ الْقَصْرِ وَلَا يَبْطُلُ بِعَوْدِهِ وَوَلِيُّ الْمَجْنُوْنَةِ الْاِبْنُ لَا الْاَبُ

نکاح کرنے کا ولی قریب کی عدم موجودگی میں اور باطل نہ ہوگا نکاح ولی قریب کے آنے سے اور دیوانی عورت کا ولی اس کا لڑکا اور باپ ہے۔

توضیح اللغۃ: انکاح' نکاح کرادینا' عصبہ باپ کیجانب سے رشتہ دار' ارث وارث ہونا۔

تشریح الفقہ: قولہ والقول لہا الخ زوجین میں اختلاف ہوا شوہر کہتا ہے کہ تجھے نکاح کی خبر پہنچی تو تو خاموش رہی زوجہ کہتی ہے کہ نہیں میں نے تو رد کر دیا تھا اور بینہ کسی کے پاس نہیں تو اس صورت میں عورت کا قول معتبر ہوگا امام صاحب کے نزدیک بلاقسم اور صاحبین کے نزدیک عورت کی قسم کیساتھ اور فتوی صاحبین کے قول پر ہے۔

قولہ والولی العصبۃ الخ بابِ نکاح میں ولی وہی ہوتا ہے جو باب وراثت میں عصبہ بنفسہ ہوتا ہے یعنی لڑکا پوتا' پڑپوتا الخ پھر باپ' دادا' پردادا الخ پھر بھائی پھر چچا پھر اعمام الجد پھر مولی کے عصبات پھر ذوی الارحام' امام مالک کے یہاں باپ کے علاوہ اور امام شافعی کے یہاں باپ اور دادا کے علاوہ اور کسی کیلئے ولایت نکاح نہیں ہے اگر بچے یا بچی کا نکاح باپ دادا کے علاوہ کسی اور نے کیا تو بلوغ کے بعد انکو اختیار ہوگا چاہے نکاح باقی رکھیں اور چاہے قاضی کے ذریعہ فسخ کرادیں' امام ابو یوسف کے نزدیک اختیار نہیں ہے وہ باپ اور دادا پر قیاس کرتے ہیں۔ کہ اگر باپ دادا نکاح کراتے تو ان کو فسخ نکاح کا اختیار نہیں ایسے ہی باپ دادا کے علاوہ دوسرے اولیا کو بھی اس کا اختیار نہ ہوگا۔ طرفین یہ فرماتے ہیں کہ کہ باپ دادا کے علاوہ دیگر اولیا میں اتنی شفقت نہیں ہوتی جتنی باپ دادا میں ہوتی ہے ان کے عقد کو لازم قرار دیا جائے تو ان کے مقاصد میں خلل واقع ہوجائے گا اس لئے بالغ ہونے کے بعد ان کو اختیار ہوگا۔

قولہ وللابعد الخ اگر قریبی ولی موجود نہ ہو تو ولی ابعد کے لئے نکاح کردینا جائز ہے پھر اگر قریبی ولی آجائے تو ولی ابعد کا کیا ہوا نکاح باطل نہ ہوگا کیونکہ ولی ابعد کا کیا ہوا نکاح اس کی کامل ولایت کے ساتھ ہے۔ پھر متاخرین کے نزدیک ولی اقرب کا بقدر مسافت سفر شرعی دور ہونا معتبر ہے' مصنف نے اسی کو اختیار کیا ہے علامہ زیلعی نے کہا ہے کہ اسی پر فتوی ہے۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

فَصْلٌ فِي الْاَكْفَاءِ مَنْ نَكَحَتْ غَيْرَكُفْوٍ فَرَّقَ الْوَلِيُّ وَرِضَاءُ الْبَعْضِ كَالْكُلِّ وَقَبْضُ الْمَهْرِوَنَحْوِهٖ رِضَآءٌ

(فصل ہمسروں کے بیان میں) جوعورت غیر کفو سے نکاح کر لے تو ولی جدائی کرا سکتا ہے اور بعض کی رضا کل کی رضا ہے اور مہر وغیرہ پر قبضہ کرنا بھی رضا ہے

لَا السُّكُوْتُ وَالْكَفَاءَةُ تُعْتَبَرُ نَسَبًا فَقُرَيْشٌ اَكْفَاءٌ وَالْعَرَبُ اَكْفَاءٌ وَحُرِّيَّةً وَاِسْلَامًا

نہ کہ خاموشی اور کفائت معتبر ہے نسب کے لحاظ سے پس قریشی آپس میں اور عربی لوگ آپس میں کفوء ہیں اور آزادی اور اسلام کے لحاظ سے

وَاَبَوَانِ فِيْهِمَا كَالْاٰبَاءِ وَدِيَانَةً وَمَالًا وَّحِرْفَةً وَلَوْ نَقَصَتْ عَنْ مَهْرِ مِثْلِهَا فَلِلْوَلِيِّ اَنْ يُّفَرِّقَ

اور باپ دادا ان میں مثل چند باپ دادوں کے ہیں اور دینداری مالداری اور پیشہ کے لحاظ سے اور اگر عورت مہر مثل سے کم کر دے تو ولی جدا کرا دے

اَوْيُتِمَّ مَهْرَهَا وَلَوْزَوَّجَ طِفْلَهٗ غَيْرَكُفْوٍاَوْبِغَبْنٍ فَاحِشٍ صَحَّ وَلَمْ يَجُزْ ذٰلِكَ لِغَيْرِ الْاَبِ وَالْجَدِّ

یا مہر کامل کرا دے اور اگر کوئی اپنے چھوٹے بچے کا نکاح غیر کفو سے یا بہت سا مہر گھٹا کر کر دے تو صحیح ہے مگر یہ باپ دادا کے سوا کسی اور کیلئے جائز نہیں۔

تشریح الفقہ: قولہ فصل الخ اکفاء کفو کی جمع ہے بمعنی نظیر کہا جاتا ہے ''کافاہ'' وہ اس کے برابر ہے۔ باب نکاح میں کفاءت سے مراد ایک مخصوص برابری ہے جس کا اعتبار مرد کی جانب سے ہوتا ہے' کیونکہ شریف عورت کو کمتر کا فراش ہونا ناگوار ہوتا ہے۔ اور وہ خسیس کے نیچے رہنا پسند نہیں کرتی۔ بخلاف مرد کے کہ وہ طالب فراش ہوتا ہے جس کیلئے کمتری فراش باعث عار نہیں' پھر کفاءت کا اعتبار نکاح میں ہوتا ہے پس اگر نکاح کے وقت مرد عورت کے برابر ہو اور بعد میں اس سے کمتر ہو جائے مثلاً فاسق ہو جائے تو نکاح فسخ نہ ہوگا۔ یہ بھی یاد رہے کہ کفاءت اولیا کا حق ہے نہ کہ عورت کا۔ پس اگر کوئی عورت کسی سے نکاح کر لے اور عورت کو اسکا حال معلوم نہ ہو اور بعد کو وہ غلام ثابت ہو تو عورت کو اختیار نہ ہوگا بلکہ حق فسخ اولیا کو ہوگا۔ اور اگر اولیا کو کفاءت کا علم نہ ہو اور وہ عورت کا نکاح اس کی رضا کیساتھ کر دیں۔ پھر معلوم ہو کہ شوہر کفو نہیں تو نہ اولیا کو حق فسخ ہوگا اور نہ عورت کو۔

قولہ والکفاءۃ الخ مصنف نے چھ چیزوں میں کفاءت کا اعتبار کیا ہے (۱) نسب کیونکہ لوگ نسب پر فخر کرتے ہیں پس قریش[1] آپس میں ایک دوسرے کے ہمسر ہیں۔ ہاشمی ہوں یا نوفلی ہوں یا عدوی کیونکہ آنحضرت ﷺ نے اپنی صاحبزادی کا نکاح حضرت عثمانؓ کیساتھ کیا تھا۔ حالانکہ آپ ہاشمی ہیں اور حضرت عثمان اموی ہیں نہ کہ ہاشمی۔ اور حضرت علی نے اپنی صاحبزادی ام کلثوم کا نکاح حضرت عمر کیساتھ کیا تھا حالانکہ آپ ہاشمی ہیں اور حضرت عمر عدوی ہیں۔ نیز قریش کے سوا باقی عرب آپس میں ایک دوسرے کے ہمسر ہیں' صاحب ہدایہ نے بنو باہلہ کا استثناء کیا ہے کیونکہ یہ لوگ خساست و دناءت میں مشہور ہیں مگر صحیح یہ ہے کہ تمام عرب ایک دوسرے کے برابر ہیں' بحر' نہر' فتح' درر وغیرہ سب میں یہی ہے۔ البتہ عجمی لوگ عربوں کے ہمسر نہیں۔

قولہ وحریۃ الخ کفاءت نسب کا اعتبار عجمیوں کے لئے نہیں صرف عربوں کے لئے ہے۔ عجمی لوگ اپنے نسب کو ضائع کر چکے ہاں (۲) حریت اور (۳) اسلام میں برابری ضروری ہے۔ پس جو شخص خود مسلمان یا آزاد ہو وہ اس عورت کا کفو نہیں جس کا باپ مسلمان یا آزاد ہو۔ اور جس کا باپ آزاد ہو وہ اس عورت کا ہمسر نہیں جس کا باپ اور دادا مسلمان ہیں مگر حریت اور اسلام کا اعتبار صرف باپ دادا تک ہے یعنی دو پشت کی آزادی اور اسلام دس پشتوں کی آزادی اور اسلام کے برابر ہے۔ کیونکہ دادا پر نسب تمام ہو جاتا ہے۔ (۴) دیانت۔ غایۃ البیان میں ہے کہ دیانت سے مراد دینداری و پرہیزگاری ہے اس میں بھی مساوات ہونی چاہئے۔ کیونکہ دینداری سب سے زیادہ قابل فخر ہے۔ پس صالح عورت اور فاسق و فاجر مرد میں کفاءت نہ ہوگی یہی صحیح ہے امام محمد کے یہاں اس کا اعتبار نہیں۔ کیونکہ اس کا تعلق اخروی امور سے ہے الّا یہ کہ وہ اتنا ذلیل ہو کہ بچے اس پر تالیاں بجاتے ہوں۔

قولہ ومالاً الخ مال میں برابری ہو یعنی شوہر بطور رواج مہر معجل اور نفقہ پر قادر ہو (ہدایہ) نفقہ کی مقدار میں اختلاف ہے بعض نے ایک ماہ اور بعض نے ۶ ماہ کے نفقہ کا اعتبار کیا ہے۔ تجنیس میں اول کی تصحیح ہے۔ مجتبیٰ میں ہے اگر شوہر ہر روز عورت کی کفایت کے بقدر نفقہ

(۱) حضور ﷺ کی بارہویں پشت نضر بن کنانہ کی اولاد کو قریش کہتے ہیں۔۱۲

پر قادر ہو تو وہ اس کا کفو ہے صاحب بحر نے اسی کو اظہر کہا ہے۔ (۶) پیشہ میں مساوات کیونکہ لوگ شریف پیشوں پر بھی فخر کرتے ہیں پس خاکروب سنہار کا' بالبر جوہریکا' دباغ بزاز کا' تیلی عطار کا کفو نہیں ظاہر الروایہ یہی ہے۔ لیکن شمس الائمہ حلوانی نے امام ابو یوسف کی روایت پر فتوی دیا ہے کہ اگر پیشے متقارب و متماثل ہوں تو تھوڑے بہت تفاوت کا اعتبار نہیں۔ کفاءت ثابت ہو جائے گی۔

فَصْلٌ لِابْنِ الْعَمِّ اَنْ يُزَوِّجَ بِنْتَ عَمِّهٖ مِنْ نَفْسِهٖ وَلِلْوَكِيْلِ اَنْ يَتَزَوَّجَ مُوَكِّلَتَهٗ مِنْ نَفْسِهٖ

(فصل) چچازاد کے لئے اختیار ہے کہ وہ اپنے چچا کی دختر کا نکاح اپنے ساتھ کرلے اور وکیل کو اختیار ہے کہ وہ اپنی موکلہ کا نکاح اپنے ساتھ کرے

وَنِكَاحُ الْعَبْدِ وَالْاَمَةِ بِلاَ اِذْنِ السَّيِّدِ مَوْقُوْفٌ كَنِكَاحِ الْفُضُوْلِيِّ[1] وَلاَ يَتَوَقَّفُ شَطْرُ الْعَقْدِ عَلٰى قَبُوْلِ نَاكِحٍ غَائِبٍ

اور غلام اور باندی کا نکاح آقا کی اجازت کے بغیر موقوف ہوگا جیسے فضولی کا نکاح اور نصف عقد نکاح کرنے والے غائب شخص کے قبول کرنے پر

وَالْمَامُوْرُ بِنِكَاحِ امْرَاَةٍ مُخَالِفٌ بِامْرَاَتَيْنِ لاَبِاَمَةٍ

موقوف نہیں رہتا اور جو شخص ایک عورت سے نکاح کرانے کا مامور ہو وہ دو عورتوں سے نکاح کرانے میں حکم کے خلاف کرنے والا ہے نہ کہ باندی کیساتھ

توکیل نکاح وغیرہ کا بیان

تشریح الفقہ: قولہ ونکاح العبد الخ باندی اور غلام کا نکاح آقا کی اجازت پر موقوف ہے۔ غلام مدبر ہو یا مکاتب۔ اور باندی ام ولد ہو یا مکاتبہ۔ جیسے فضولی[1] آدمی کا نکاح کر دینا زوج یا زوجہ کی اجازت پر موقوف ہوتا ہے۔ امام شافعی کے یہاں فضولی کے جملہ تصرفات باطل ہیں۔ امام احمد سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ کیونکہ عقد کی وضع اسکے حکم کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اور فضولی اثبات حکم پر قادر نہیں لہذا اسکا تصرف باطل ہوگا۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ ایجاب وقبول کا صدور اسکے اہل سے برمحل ہوا ہے تو اسکے لغو ہونے کے کوئی معنی ہی نہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ موقوف ہو جائیگا۔ اور فضولی گو اثبات حکم پر قادر نہیں مگر اسکی وجہ سے حکم معدوم نہیں ہوتا صرف مؤخر ہو جاتا ہے۔ جیسے بیع بشرط الخیار میں حکم مؤخر ہوتا ہے۔

قولہ ولا یتوقف الخ شطر عقد سے مراد ایجاب ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص مجلس عقد میں موجود نہ ہو اسکی قبولیت پر ایجاب موقوف نہ ہوگا بلکہ ایجاب باطل ہو جائیگا۔ مثلاً ایک عورت نے کہا: لوگو تم گواہ رہو کہ میں نے فلاں (غائب) سے شادی کرلی۔ یا مرد نے کہا کہ میں نے فلاں عورت سے شادی کرلی۔ تو یہ ایجاب فلاں غائب کے قبول کرنے پر موقوف نہ ہوگا۔ بلکہ باطل ہو جائیگا۔ یہاں تک کہ اگر فلاں غائب کو اسکی اطلاع ہو جائے اور وہ اسکو جائز رکھے تب بھی نکاح نہ ہوگا۔ اور اگر مرد یا عورت کے اس کلام کے بعد کوئی دوسرا شخص یہ کہے: لوگو! تم گواہ رہو کہ میں نے اسکی شادی اس سے کردی تو یہ جائز ہے۔ اسی پر فضولی کے مسئلہ کو قیاس کرلو۔ یہ پوری تفصیل طرفین کے نزدیک ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک ان سب صورتوں میں عقد موقوف ہوگا۔ حاصل اختلاف یہ ہے کہ جانبین سے شخص واحد کا وکیل یا ولی ہونا یا ایک جانب سے اصیل اور دوسری طرف سے ولی ہونا یا ایک جانب سے وکیل اور دوسری طرف سے اصیل ہونا یا ایک جانب سے وکیل اور دوسری طرف سے وکیل ہونا ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز ہے۔ اور اگر دونوں طرف سے فضولی ہو یا ایک جانب سے فضولی اور دوسری طرف سے اصیل ہو تو طرفین کے نزدیک جائز نہیں۔ لہذا ایجاب باطل ہو جائیگا۔ اور امام ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے۔ لہذا ایجاب موقوف ہوگا۔

قولہ والمامور الخ ایک شخص نے دوسرے سے کہا تو کسی عورت سے میرا نکاح کردے اس نے عقد واحد میں دو عورتوں سے نکاح کردیا تو آمر پر انمیں سے کوئی عورت بھی لازم نہوگی۔ دونوں عورتیں تو اسلئے لازم نہ ہونگی کہ یہ اسکے حکم کے خلاف ہے۔ اور غیر معین طور پر کوئی ایک اسلئے لازم نہیں کہ اسپر نکاح کا کوئی فائدہ مرتب نہیں ہوتا۔ کیونکہ وطی کسی ایک معین عورت ہی کیساتھ ہوسکتی ہے۔ اور یہاں معین نہیں۔ نیز ان میں سے کسی ایک کو معین بھی نہیں کرسکتے کیونکہ ترجیح بلا مرجح لازم آتی ہے۔ فتعین التفریق۔ اور اگر صورت مذکورہ میں وہ کسی

(۱) فضولی ہر اس شخص کو کہتے ہیں جو نہ اصیل ہو نہ ولی ہو نہ وکیل ہو اور دوسرے کے واسطے تصرف کرے۔ فضولی کے متعلق ہمارے یہاں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ اس کا ہر عقد موقوف ہوتا ہے بشرطیکہ بوقت عقد کوئی مجیز موجود ہو ورنہ باطل ہوتا ہے فضولی کے احکام تفصیل کیساتھ کتاب البیوع میں آئیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

دوسری باندی کیساتھ نکاح کردے تو امام صاحب کے نزدیک جائز ہے۔ کیونکہ آمر نے لفظ امراۃ مطلق بولا تھا۔ اور ظاہر ہے کہ باندی امراۃ کا ایک فرد ہے۔ صاحبین کے نزدیک جائز نہیں۔ کیونکہ مطلق سے مراد اسکا فرد متعارف ہے۔ یعنی کفو کیساتھ شادی کرنا، ابوالليث نے صاحبین ہی کا قول اختیار کیا ہے اور اسبیجابی نے شرح طحاوی میں کہا ہے کہ فتوی کے لئے صاحبین کا قول احسن ہے۔

بَابُ الْمَهْرِ

باب مہر کے بیان میں

صَحَّ النِّكَاحُ بِلَاذِكْرِهٖ وَاَقَلُّهٗ عَشَرَةُ دَرَاهِمَ فَاِنْ سَمَّاهَا اَوْدُوْنَهَا فَلَهَا عَشَرَةٌ بِالْوَطْيِ اَوِالْمَوْتِ

صحیح ہے نکاح بلاذکر مہر اور مہر کم از کم دس درہم ہے پس اگر مہر دس درہم یا اس سے کم ٹھہرایا تو عورت کے لئے دس درہم ہوں گے وطی سے یا مرجانے سے

اَوِالْخِلْوَةِ وَبِالطَّلَاقِ قَبْلَ الْوَطْيِ وَالْخِلْوَةِ يَتَنَصَّفُ

یا خلوت سے اور طلاق قبل از دخول سے مہر آدھا رہ جاتا ہے۔

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ ارکان وشروط نکاح کے بعد مہر کو بیان کر رہے ہے۔ کیونکہ مہر مسمی یا مہر مثل نفس عقد سے واجب ہوتا ہے پس مہر عقد نکاح کا حکم ہوا۔ منشور میں اس کی تصریح موجود ہے۔ اور حکم کا وجود عقد کی بعد ہی ہوتا ہے۔ عنایہ وغیرہ میں ہے کہ مہر کے مختلف نام ہیں مہر نحلہ 'صداق' عقر' عطیہ' اجر' صدقہ' علائق' حباء۔

قولہ صح الخ نکاح صحیح ہے اگرچہ مہر کو ذکر نہ کیا ہو یا اس کی نفی کردی ہو۔ کیونکہ نکاح عقد انضمامی کا نام ہے۔ جس کے لغوی مفہوم میں مال داخل نہیں۔ آیت "لا جناح علیکم ان طلقتم النساء مالم تمسوهن اوتفرضو الهن فريضة سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ بلا تقدیر مہر طلاق کا تحقق ہوسکتا ہے۔ اور ظاہر یہ ہے کہ طلاق کا ترتب عقد صحیح پر ہی ہوسکتا ہے۔ معلوم ہوا کہ صحت نکاح ذکر مہر پر موقوف نہیں پھر شرعاً واجب ہے۔ لقولہ تعالیٰ "ان تبتغوا باموالكم۔"

قولہ واقلہ الخ مہر کی کمتر مقدار ہمارے نزدیک دس درہم ہیں اور امام مالک کے نزدیک ربع دینار یا تین درہم' امام شافعی واحمد فرماتے ہیں کہ جو چیز عقد بیع میں ثمن بن سکتی ہے وہی نکاح میں مہر بن سکتی ہے۔ کیونکہ ہر عورت کا حق ہے۔ پس جس مقدار پر وہ راضی ہو جائے وہی مہر ہے ہماری دلیل حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ "مہر دس درہم سے کمتر نہیں[1] ہے" سوال حافظ بیہقی نے کہا ہے کہ "یہ روایت بالکل ضعیف ہے" دار قطنی کا بیان ہے کہ مبشر بن عبید راوی متروک الحدیث ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ اس کی روایتیں موضوع اور جھوٹی ہیں۔ جواب اول تو یہ روایت کثرت طرق کے سبب سے درجہ حسن تک پہنچی ہوئی ہے۔ اس لئے لائق حجت ہے۔ دوم یہ کہ شیخ برہان الدین حلبی نے شرح بخاری میں علامہ بغوی سے اس کی تحسین نقل کی ہے۔ کیونکہ یہ روایت دوسرے طریق سے بھی مروی ہے۔ جس میں کوئی کلام نہیں[2]۔ سوال روایت میں ہے کہ آپ نے ایک انصاری سے مہر کیواسطے فرمایا "تو کچھ تلاش کر لا اگرچہ لوہے کی انگوٹھی ہو[3]"۔ نیز حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ "جس نے اپنی عورت کے مہر میں دولپ بھر کر ستو یا کھجور دیدی تو اس نے وطی کو حلال کر لیا[4]" نیز آپ نے فرمایا: علائق ادا کرو۔ سوال ہوا یا رسول اللہ! علائق کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: جس پر اہل راضی ہو جائیں۔ اگرچہ پیلو درخت کی شاخ ہی ہو" حالانکہ لوہے کی انگوٹھی۔ پیلو کی شاخ اور اتنے ستو یا کھجور کی قیمت دس درہم نہیں ہوسکتی۔ جواب اول تو پہلی روایت کے علاوہ یہ روایتیں ضعیف ہیں۔ دوسرے یہ کہ مہر معجّل پر محمول ہے۔ کیونکہ عرب کی یہ عادت تھی کہ وہ قبل از دخول کچھ مہر ادا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت ابن عباسؓ

(۱) دار قطنی، بیہقی، ابویعلی، ابن عدی، عقیلی عن جابر۔ (۲) اس کی سند بواسطہ حافظ ابن حجر عسقلانی یوں ہے۔ قال ابن ابی حاتم: ثنا عمرو بن عبداللہ الاودی ثنا وکیع عن عباد بن منصور قال ثنا القاسم بن محمد قال سمعت جابرا یقول قال رسول اللہ ﷺ "لامہر اقل من عشرۃ" حافظ موصوف فرماتے ہیں کہ اس اسناد سے روایت حسن ہے۔ ۱۲۔ (۳) صحیحین عن سہل بن سعد۔ (۴) ابوداؤد عن جابر۔ (۵) دار قطنی، طبرانی عن ابن عمر۔

ابن عمرؓ زہری اور قتادہ سے منقول ہے کہ عورت کو کچھ دیئے بغیر دخول نہیں کرنا چاہئے۔ تمسکا بمنع النبی ﷺ علیاً عن الدخول علیٰ فاطمة حتی یعطیها شیئاً فاعطاها درعه ثم دخل بها' هذا مما یقنع فی الدرایة من طلب الحق وترک الغوایة۔

وَاِنْ لَمْ یُسَمِّهٖ اَوْنَفَاهُ فَلَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا اِنْ وَطِیَٔ اَوْمَاتَ عَنْهَا وَالْمُتْعَةُ اِنْ طَلَّقَهَا قَبْلَ الْوَطْیِٔ وَهِیَ دِرْعٌ

اور اگر مہر نہیں ٹھہرایا یا اسکی نفی کر دی تو مہر مثل ملے گا اگر وطی کر لی ہو یا مر گیا ہو اور متعہ ملے گا اگر طلاق دیدی ہو وطی سے پہلے اور متعہ پیرہن دامنی

وَخِمَارٌ وَّمِلْحَفَةٌ وَمَا فُرِضَ بَعْدَ الْعَقْدِ اَوْ اُزِیْدَ لاَ یَتَنَصَّفُ وَصَحَّ حَطُّهَا

اور چادر ہے اور جو چیز ٹھہرائی جائے عقد کے بعد یا زائد کی جائے تو اس میں تنصیف نہ ہوگی اور صحیح ہے عورت کا اپنے مہر کو گھٹانا

وَالْخَلْوَةُ بِلاَمَرَضٍ وَحَیْضٍ وَنِفَاسٍ وَاِحْرَامٍ وَصَوْمِ فَرْضٍ کَالْوَطْیِٔ وَلَوْمَجْبُوْبًا اَوْ عِنِّیْنًا اَوْ خَصِیًّا

اور تنہائی کرنا ان میں سے کسی کی بیماری حیض نفاس احرام اور فرض روزہ کے بغیر وطی کے حکم میں ہے گو مقطوع الذکر ہو یا نامرد یا آختہ ہو

وَتَجِبُ الْعِدَّةُ فِیْهَا وَتَسْتَحِبُ الْمُتْعَةُ لِکُلِّ مُطَلَّقَةٍ اِلاَّ لِلْمُفَوَّضَةِ قَبْلَ الْوَطْیِٔ وَتَجِبُ مَهْرُمِثْلِهَا فِی الشِّغَارِ

اور واجب ہے عدت ان میں اور مستحب ہے متعہ ہر مطلقہ کے لئے سوائے مفوضہ کے وطی سے پہلے اور واجب ہے مہر مثل نکاح شغار میں

وَخِدْمَةِ زَوْجٍ حُرٍّ لِلْاَمْهَارِ وَتَعْلِیْمِ الْقُرْاٰنِ وَلَهَا خِدْمَتُهٗ لَوْعَبْدًا وَلَوْ قَبَضَتْ اَلْفَ الْمَهْرِ

اور آزاد شوہر کی خدمت میں مہر کی وجہ سے اور تعلیم قرآن میں اور عورت کے لئے خدمت لینا ہے اگر شوہر غلام ہو اگر عورت نے مہر کے ہزار درہم

وَوَهَبَتْ لَهٗ فَطَلَّقَتْ قَبْلَ الْوَطْیِٔ رَجَعَ عَلَیْهَا بِالنِّصْفِ فَاِنْ لَّمْ تَقْبِضِ الْاَلْفَ

لے کر شوہر کو ہبہ کر دیئے اور وطی سے قبل طلاق ہوگئی تو شوہر عورت سے نصف اور لے لے گا اور اگر عورت نے ہزار پر قبضہ نہ کیا ہو

اَوْقَبَضَتِ النِّصْفَ وَوَهَبَتِ الْاَلْفَ اَوْوَهَبَتِ الْبَاقِیْ اَوْوَهَبَتْ عُرُوْضَ الْمَهْرِ قَبْلَ الْقَبْضِ اَوْ بَعْدَهٗ فَطُلِّقَتْ قَبْلَ

یا نصف پر قبضہ کیا ہو اور ہزار ہبہ کر دیئے ہوں یا مہر کا سامان ہبہ کر دیا ہو قبضہ سے پہلے یا قبضہ کے بعد اور پھر طلاق ہوگئی ہو وطی سے پہلے

الْوَطْیِٔ لَمْ یَرْجِعْ عَلَیْهَا بِشَیْءٍ وَلَوْنَکَحَهَابِاَلْفٍ عَلٰی اَنْ لاَّیُخْرِجَهَا اَوْعَلٰی اَنْ لاَّیَتَزَوَّجَ عَلَیْهَا اَوْنَکَحَهَاعَلٰی اَلْفٍ اِنْ

تو شوہر اس سے کچھ نہیں لے گا اگر نکاح کیا ہزار کے عوض اس شرط پر کہ اس کو وطن سے نہ نکالیگا یا اس کے ہوتے ہوئے نکاح نہ کریگا یا نکاح کیا ہزار پر

اَقَامَ بِهَا وَعَلٰی اَلْفَیْنِ اِنْ اَخْرَجَهَا فَاِنْ وَفٰی بِهٖ وَاَقَامَ بِهَا فَلَهَا الْاَلْفُ وَاِلاَّ فَمَهْرُ الْمِثْلِ

اگر وطن میں رکھے اور دو ہزار پر اگر وطن سے باہر لیجائے تو اگر شرط کو پورا کیا اور وطن میں رکھا تو ہزار دینے پڑیں گے ورنہ مہر مثل دینا ہوگا۔

تشریح الفقہ: قولہ وان لم یسمہ الخ اگر بوقت عقد مہر ذکر نہ کیا ہو یا اسکی نفی کر دی ہو تو عورت کو مہر مثل ملیگا۔ شوہر نے اس سے وطی کر لی ہو یا ان میں سے کسی کا انتقال ہوگیا ہو۔ حضرت ابن مسعود سے سوال کیا گیا۔ کہ ایک شخص نکاح کے بعد دخول سے پہلے مہر مقرر کئے بغیر انتقال کر گیا تو اسکی بیوی کے لئے کیا حکم ہے؟ آپنے فرمایا: مہر مثل دیا جائیگا۔ اسپر حضرت معقل بن سنان اشجعی نے فرمایا کہ حضور صلعم نے بروہ بنت واشق کے لئے یہی حکم فرمایا تھا۔[1]

قولہ والمتعہ الخ اگر مہر مقرر نہ ہو اور وطی کرنے سے پہلے طلاق دیدے۔ تو عورت کو متعہ یعنی قمیص، چادر، اوڑھنی دیجائیگی۔ متعہ کی یہ مقدار حضرت عائشہ، ابن عباس، ابن المسیب، حسن، عطا اور شعبی سے مروی[2] ہے جو ہمارے نزدیک واجب ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے، ومتعوهنّ علی الموسع قدره وعلی المقتر قدره[3]۔ ۱۵۔ امام مالک کے نزدیک متعہ مستحب ہے کیونکہ حق تعالیٰ نے اس کو احسان سے تعبیر کیا ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ آیت میں متعوا مر، کلمہ علی، متاعا مصدر منو کدا اور لفظ حقا سب وجوب پر دال

(۱) ... ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، حاکم، بیہقی، احمد، ابن حبان، ابی شیبہ عن ابن مسعود ۱۲ (۲) بیہقی عن ابن عباس (۳) اور انکو ایک جوڑا دیدو۔ صاحب وسعت کے ذمہ اسکی حیثیت کے موافق ہے۔ اور تنگدست کے ذمہ اسکی حیثیت کے موافق ہے جوڑا دینا قاعدے کے موافق ۱۲۔

ہیں لہذا المحسنین میں تاویل کیجائیگی۔ای یقیمون الواجب ویزیدون علی ٰ ذٰلک احساناًمنھم۔

قولہ والخلوۃ الخ خلوت صحیحہ (بلامانع تنہائی اختیار) کرنا وطی کے حکم میں ہے۔کہ جس طرح وطی سے مہر ثابت ومؤکد ہوجاتا ہے۔اور نان نفقہ کی ادائیگی اور عدت واجب ہوتی ہے۔اسی طرح خلوت صحیحہ سے یہ سب چیزیں لازم ہوجاتی ہیں۔اگرچہ مقطوع الذکر یا نامرد ہو۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس نے اپنی بیوی کی اوڑھنی کھولی یا اس کی طرف نظر کی اس پر مہر واجب ہوگیا۔دخول ہو یا نہ ہو[1]' مگر صحت خلوت کیلئے موانع اربعہ کا نہ ہونا شرط ہے۔ورنہ خلوت صحیحہ نہ ہوگی (۱) مانع حسی میں سے کسی کا بیمار ہونا (۲) مانع طبعی جیسے زوجین کے درمیان کسی تیسرے عاقل شخص کا حائل ہونا (۳) مانع شرعی جیسے فرض یا نفلی حج کا احرام باندھے ہونا (۴) شرعی وطبعی جیسے حائضہ ونافسہ ہونا۔

قولہ وتستحب الخ مطلقہ مفوضہ (جس کا نکاح بلامہر ہوا اور وطی سے پہلے طلاق ہوگئی ہو) کے علاوہ[2] ہر مطلقہ کو متعہ دینا مستحب ہے۔اور وہ تین ہیں (۱) مطلقہ موطوءہ جس کا مہر معین نہ ہو (۲) مطلقہ موطوءہ جس کا مہر معین ہو (۳) مطلقہ غیر موطوءہ جس کا مہر معین ہو مبسوط' محیط' حصر' تاویلات سب میں یہی ہے' یہی صاحب تیسیر' صاحب کشاف اور صاحب مختلف کی روایت ہے۔لیکن قدوری اور تحفہ کے لحاظ سے مطلقہ (۳) کو متعہ دینا مستحب نہیں۔ (بحر و کافی)

قولہ ویجب الخ نکاح شغار کسی کے ساتھ اپنی بہن یا بیٹی کا نکاح اس شرط پر کرنے کو کہتے ہیں کہ وہ اپنی بیٹی کا نکاح اس سے بلامہر کردے اس میں ہمارے نزدیک دونوں عقد صحیح ہوتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کو مہر مثل ملتا ہے۔سوال حضور ﷺ نے نکاح شغار سے منع فرمایا ہے[3] پھر صحت عقد کا کیا مطلب؟ جواب ممانعت اسلئے ہیں کہ اس میں مہر نہیں ہوتا۔اور یہاں جب مہر مثل واجب کردیا گیا تو حقیقت میں شغار نہیں رہا۔امام شافعی فرماتے ہیں کہ دونوں عقد باطل ہیں۔کیونکہ ان میں نصف بضع مہر اور نصف بضع منکوح ہوتا ہے۔ حالانکہ باب نکاح میں اشتراک نہیں ہے۔لہٰذا ایجاب باطل ہے۔ہم یہ کہتے ہیں کہ اس میں ایسی شئی کو مہر بنایا جاتا ہے۔جس میں مہر بننے کی صلاحیت نہیں۔اور ایسی صورت میں عقد باطل نہیں ہوتا بلکہ مہر مثل واجب ہوتا ہے جیسے کوئی شخص مہر میں شراب اور خنزیر کو معین کردے کہ اس اس کی تعیین باطل ہوتی ہے اور مہر مثل واجب ہوتا ہے۔

قولہ وخدمۃ زوج الخ اگر شوہر کا سال بھر خدمت کرنا یا قرآن کی تعلیم دینا مہر ٹھہرا ہو تو شوہر عورت کی خدمت نہیں کریگا۔کیونکہ اس میں قلب موضوع ہے بلکہ مہر مثل دیا جائے گا' امام شافعی کے نزدیک مہر وہی ہوگا جو معین کیا گیا ہے۔ان کے یہاں اصل یہ ہے کہ بذریعہ شرط جس چیز کا عوض لینا صحیح ہو اسکا مہر ہونا صحیح ہے۔ہم یہ کہتے ہیں کہ طلب نکاح بذریعہ مال ضروری ہے قال تعالیٰ واحل لکم ماوراء ذلکم ان تبتغو اباموالکم 'اور تعلیم قرآن یا خدمت مال نہیں ہے لہٰذا دونوں صورتوں میں مثل واجب ہوگا۔ہاں اگر غلام نے اپنے آقا کی اجازت سے نکاح کیا ہو اور خدمت کو مہر مقرر کرلیا ہو تو عورت اس سے خدمت لے سکتی ہے۔کیونکہ اس نے آقا کے حکم سے نکاح کیا ہے تو عورت کی خدمت کرنا گویا آقا کی خدمت کرنا ہے۔

قولہ ولو قبضت الخ بیوی نے اپنے مہر کے ہزار درہم پر قبضہ کیا اور پھر وہی درہم شوہر کو ہبہ کردیئے۔شوہر نے قبل از وطی طلاق دیدی تو شوہر عورت سے نصف مہر یعنی پانچسو درہم واپس لیگا۔کیونکہ قبل از وطی طلاق ہونے سے نصف مہر واجب ہوتا ہے اور بیوی پورا مہر لے چکی۔رہے وہ ہزار درہم جو بیوی نے ہبہ کئے ہیں سو ان کا اعتبار نہیں کیونکہ عقود میں نقود متعین نہیں ہوتے پس شوہر کا جو حق تھا وہ بعینہ اس کو نہیں پہنچا اور اگر بیوی نے قبضہ کئے بغیر پورے ایک ہزار درہم ہبہ کردیئے یا نصف پر قبضہ کیا اور باقی ہبہ کردیئے۔یا مہر نقد نہیں تھا کوئی سامان تھا اس کو ہبہ کردیا خواہ قبضہ سے پہلے ہبہ کیا ہو یا قبضہ کے بعد پھر قبل از وطی .... طلاق ہوگئی تو ان صورتوں میں شوہر کو عورت پر رجوع کا حق نہیں کیونکہ شوہر کو بعینہ اسکا حق مل گیا۔

---

(۱) ... دار قطنی ۱۲۔ (۲)... واما للمفوضۃ فواجب وقد مر ۱۲۔ (۳)... صحاح ستہ عن ابن عمر ۱۲۔

قولہ ولونکحہا الخ ایک شخص نے عورت سے بعوض ہزار درہم اس شرط پر نکاح کیا کہ اس کو شہر سے باہر نہیں لے جائے گا یا اس کے ہوتے ہوئے دوسرا نکاح نہیں کریگا یا اگر اس شہر میں رکھا تو مہر ایک ہزار ہوگا ورنہ دو ہزار تو شرط پوری ہونے پر عورت کو ہزار درہم ملیں گے۔ کیونکہ عورت مہر مسمّی پر راضی ہے ورنہ مہر مثل واجب ہوگا۔ کیونکہ عورت فوات منفعت کی وجہ سے مہر مسمّی پر راضی نہیں لیکن آخری صورت میں مہر مثل ہزار سے زائد اور ایک ہزار سے کم نہیں کیا جائے گا۔

وَلَوْنَكَحَهَا عَلٰى هٰذَا الْعَبْدِ اَوْعَلٰى هٰذَا الْعَبْدِحُكِمَ بِمَهْرِ الْمِثْلِ وَعَلٰى فَرَسٍ اَوْحِمَارٍتَجِبُ الْوَسْطُ اَوْ قِيْمَتُهٗ
اگر نکاح کیا عورت سے اس غلام پر یا اس غلام پر تو حکم بنایا جائیگا مہر مثل کو اور گھوڑے پر یا گدھے پر تو واجب ہوگا درمیانی یا اسکی قیمت
وَعَلٰى ثَوْبٍ اَوْخَمرٍ اَوْخِنْزِيْرٍ اَوْعَلٰى هٰذَاالْخَلِّ فَاِذَا هُوَ خَمرٌ اَوْنَكَحَهَاعَلٰى هٰذَاالْعَبْدِ فَاِذَاهُوَحُرٌّ يَجِبُ مَهْرُ الْمِثْلِ
اور کپڑے پر یا شراب پر یا خنزیر پر یا اس سرکہ پر اور وہ شراب تھی یا اس غلام پر اور وہ آزاد تھا تو واجب ہوگا مہر مثل
فَاِنْ اَمْهَرَالْعَبْدَيْنِ وَاَحَدُهُمَا حُرٌّ فَمَهْرُهَا الْعَبْدُ وَفِي النِّكَاحِ الْفَاسِدِ اِنَّمَا يَجِبُ مَهْرُ الْمِثْلِ بِالْوَطْيِ
اگر مہر ٹھہرایا دو غلاموں کو اور ایک ان میں سے آزاد نکلا تو مہر صرف غلام ہوگا اور نکاح فاسد میں مہر مثل صرف وطی سے واجب ہوتا ہے
وَلَمْ يَزِدْعَلَى الْمُسَمّٰى وَيَثْبُتُ النَّسَبُ وَالْعِدَّةُ وَمَهْرُ مِثْلِهَا يُعْتَبَرُ بِقَوْمِ اَبِيْهَا اِذَااسْتَوَيَاسِنًّا وَجَمَالاً وَمَالاً وَبَلَدًا
اور زائد نہ کیا جائیگا مقرر مقدار پر اور ثابت ہوگا نسب اور عدت اور عورت کا مہر مثل اسکے باپ کی قوم کا معتبر ہے جبکہ دونوں برابر ہوں عمر حسن مال شہر
وَبِكَارَةً وَعَصْرًا وَعَقْلاً وَدِيْنًا فَاِنْ لَمْ تُوْجَدْ فَمِنَ الاَجَانِبِ وَصَحَّ ضِمَانُ الْوَلِيِّ الْمَهْرَ
زمانہ عقل دینداری اور باکرہ ہونے میں اگر نہ پائی جائے تو پھر اجانب سے اور ولی کا ضامن ہونا مہر کا صحیح ہے
وَتُطَالِبُ زَوْجَهَا اَوْ وَلِيَّهَا وَلَهَا مَنْعُهٗ مِنَ الْوَطْيِ وَالْاِخْرَاجِ لِلْمَهْرِ وَاِنْ وَطِيَهَا
اور مطالبہ کرے عورت شوہر سے یا ولی سے اور عورت روک سکتی ہے وطی سے اور باہر لے جانے سے مہر کی وجہ سے گو شوہر وطی کر چکا ہو۔

مہر مثل واجب ہونیکی صورتوں کا بیان

تشریح الفقہ: قولہ ولونکحہا الخ اور اگر نکاح کیا اس غلام پر یا اس غلام پر یعنی مہر میں ایسی دو چیزوں کا نام لیا جو قیمۃً مختلف ہوں تو مہر مثل دیا جائیگا۔ صاحبین کے نزدیک ان میں جو اقل ہو وہ دیا جائیگا۔ کیونکہ اقل متیقن ہے اور اگر مہر میں کسی حیوان کا نام لیا اور اسکی صرف جنس بیان کی نوع بیان نہیں کی مثلاً یوں کہا کہ گھوڑے پر نکاح کرتا ہوں۔ تو شوہر کو اختیار ہوگا چاہے درمیان قسم کا جانور دیدے اور چاہے اسکی قیمت دیدے۔ اور اگر مجہول الجنس ہو مثلاً یوں کہے کہ کپڑے پر نکاح کرتا ہوں یا کسی حرام چیز کو مہر بنالیا ہو جیسے شراب اور خنزیر وغیرہ یا مہر میں کسی ایسی چیز کی طرف اشارہ کیا ہو جو مہر بن سکتی ہو اور وہ اسکے خلاف ظاہر ہو مثلاً کسی نے کہا کہ میں اس سرکہ پر نکاح کرتا ہوں دیکھا تو وہ شراب تھی۔ یا کہا کہ میں اس غلام پر نکاح کرتا ہوں اور تھا وہ آزاد۔ تو ان صورتوں میں امام صاحب کے نزدیک تسمیہ صحیح نہیں۔ لہذا مہر مثل دیا جائیگا۔

قولہ واذا امہر الخ اگر مہر میں دو غلاموں کو مقرر کیا گیا حالانکہ ان میں سے ایک آزاد تھا۔ تو امام اعظم کے نزدیک عورت کا مہر وہی ایک غلام ہوگا بشرطیکہ اقل مہر یعنی دس درہم کے برابر ہو ورنہ دس درہم پورے کئے جائینگے۔ مثلاً غلام سات درہم کا ہے تو تین درہم دیگر پورے کئے جائینگے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک مہر وہ غلام ہوگا اور آزاد کی قیمت ہوگی یعنی دیکھا جائیگا کہ اگر یہ غلام ہوتا تو اسکی کتنی قیمت ہوتی پس وہ قیمت بھی دی جائیگی۔

قولہ وفی النکاح الفاسد الخ نکاح فاسد وہ ہے۔ جس میں شروط صحت میں سے کوئی شرط مفقود ہو مثلاً زوجین کا بلا گواہ ایجاب وقبول کر لینا۔ نکاح میں دو بہنوں کو جمع کر لینا۔ ایک کی عدت میں دوسری بہن سے نکاح کرنا۔ چوتھی عورت کی عدت میں پانچویں سے شادی

کرنا۔ وغیرہ یہاں نکاح فاسد کے تین احکام مذکور ہیں۔ ۱) وجوب مہر مثل بشرطیکہ وطی ہوگئی ہو کیونکہ نکاح فاسد میں نفس عقد سے مہر واجب نہیں ہوتا بلکہ استیفاء منافع بضع سے مہر واجب ہوتا ہے پس خلوت سے مہر واجب نہ ہوگا کیونکہ نکاح فاسد میں عورت کیساتھ جماع کرنا حرام ہے۔ تو اس مانع شرعی کیوجہ سے خلوت صحیحہ نہ ہوئی جو وطی کے قائم مقام ہو سکے۔ مہر مثل مہر مسمّٰی سے زائد نہ ہوگا کیونکہ مہر کی کمی پر عورت خود ہی راضی ہے۔ یہاں تک کہ اگر مہر مثل مہر مسمّٰی سے کم ہو تب بھی مہر مثل ہی لازم ہوگا۔ ۲) ثبوت نسب، اگرچہ شوہر اسکا مدعی نہ ہو۔ ۳) وجوب عدّت۔ اگر شوہر وطی کے بعد نکاح کو فسخ کردے یا مرجائے تو عورت پر طلاق کی عدت واجب ہوگی یعنی تین حیض یا تین مہینے یا وضع حمل۔

(فائدہ) عقودِ فاسدہ اکیس ہیں۔ نکاح فاسد، بیع فاسد، اجارہ فاسد، رہن فاسد، صلح فاسد، ہبہ فاسد، قرض فاسد، مضاربتہ فاسدہ، کتابت فاسدہ، مزارعہ فاسدہ، خلع فاسد، صدقہ فاسدہ، شرکت فاسدہ، سلم فاسد، کفالہ فاسدہ، وکالت فاسدہ، وقف فاسد، اقالہ فاسدہ، صرف فاسد، وصیت فاسدہ، قسمت فاسدہ۔ ان سب کے احکام موقع بموقع آگے آرہے ہیں۔ وقد نظم ابن العابدین فقال۔

عقود اتت احدی وعشرین قدتری فواسد فاحفظہا تکن ذا اجلالہ
مضاربۃ بیع نکاح اجارۃ مکاتبۃ رہن وصلح کفالۃ
کذا ہبۃ قرض وخلع وصیۃ مزارعۃ صرف ووقف اقالۃ
کذا سلم مع شرکۃ ثم قسمہ؛ کذا صدقات والتمام الوکالۃ

قولہ ومہر مثلہا الخ مہر مثل کا اعتبار عورت کے باپ کی قوم والی عورتوں کے لحاظ سے ہوتا ہے۔ جیسے باپ شریک بہنیں اور پھوپھیں وغیرہ کیونکہ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں۔ لہا مہر مثل نسائہا وہن اقارب الاب، اور مماثلت آٹھ اوصاف میں معتبر ہے۔ ۱) عمر میں۔ ۲) حسن وجمال میں۔ ۳) شہری ہونے میں۔ ۴) مال میں۔ ۵) ہمعصر ہونے میں۔ ۶) عقل میں۔ ۷) دیانت میں۔ ۸) باکرہ ثیبہ ہونے میں۔ صاحب تبیین نے علم وادب، پاکیزہ اخلاق اور عدم ولد چار کا اضافہ کیا ہے۔ اگر عورت کے باپ کی قوم میں اس جیسی عورت نہ پائی جائے تو پھر اُن اوصاف کی اجنبیہ عورت کیساتھ مہر مثل کا اعتبار ہوگا۔ شرح مجمعہ اور برجندی میں ہے کہ اگر سب اوصاف مذکورہ باپ کی قوم میں نہ ہوں تو جس بقدر موجود ہوں ان ہی کا اعتبار ہوگا۔ کیونکہ ان سب اوصاف کا دو عورتوں میں جمع ہونا متعذر ہے۔

قولہ وصح الخ یا باب نکاح میں ولی عورت کے مہر کا ضامن ہو سکتا ہے۔ اگرچہ ولی ہی عاقد ہو خواہ وہ شوہر کا ولی ہو یا بیوی کا نیز زوجین صغیر ہوں یا جوان وجہ یہ ہے کہ باب نکاح میں ولی عاقد سفیر محض ہوتا ہے۔ نکاح کے حقوق اس کی طرف راجع نہیں ہوتے یہاں تک کہ شخص واحد کا عاقد اور ضامن ہونا لازم آئے بخلاف عقد بیع کے کہ اس میں ولی عاقد ومباشر ہوتا ہے پس اس میں ولی کا عاقد وضامن ہونا صحیح نہ ہوگا۔ مگر صحت وضمان کیلئے دو شرطیں ہیں اول یہ کہ ولی اپنی صحت کی حالت میں ضامن ہوا گر مرض الموت میں ضامن ہوا تو یہ صحیح نہ ہوگا۔ دوم یہ کہ اگر عورت بالغہ ہو تو وہ خود اور اگر صغیرہ ہو تو اسکا کوئی ولی مجلس ضمان میں ولی کی ضمانت قبول کرے۔ ان شرطوں کیساتھ ضمانت ہوجانیکے بعد عورت کو اختیار ہے چاہے وہ ولی ضامن سے مہر کا مطالبہ کرے اور چاہے شوہر سے لیکن اگر شوہر نابالغ ہو تو مطالبہ صرف ولی سے ہوگا نہ کہ شوہر سے۔ پھر اگر ولی شوہر کے حکم سے ضامن ہوا ہو اور اسکنے مہر اپنے پاس سے ادا کیا ہو تو وہ شوہر سے وصول کریگا اور اگر بلا حکم ضامن ہوا ہو تو شوہر سے وصول کرنیکا حقدار نہ ہوگا۔

قولہ ولہا منعہ الخ عورت اپنا مہر معجّل لینے کی خاطر شوہر کی وطی اور دواعی وطی یعنی بوس وکنار سے اور سفر میں لیجانے سے روک سکتی ہے۔ اگرچہ اس سے قبل عورت کی رضامندی کے ساتھ ایک بار وطی ہو چکی ہو، صاحبین کے نزدیک رضامندی کیساتھ وطی ہوجانے کے بعد عورت کو روکنے کا حق نہیں وہ یہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ وطی ہوجانے کے بعد پورا معقود علیہ شوہر کے سپرد ہوگیا یہی وجہ ہے کہ وطی کے بعد پورا مہر ثابت ہوجاتا ہے۔ لہذا اسکو روکنے کا حق نہیں۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ وطی مستقل تصرف ہے۔ اور ہر وطی کے مقابلہ میں جدا جدا مہر لازم ہے۔ پس بعض معقود علیہ کو سپرد کرنا لازم نہیں آتا۔

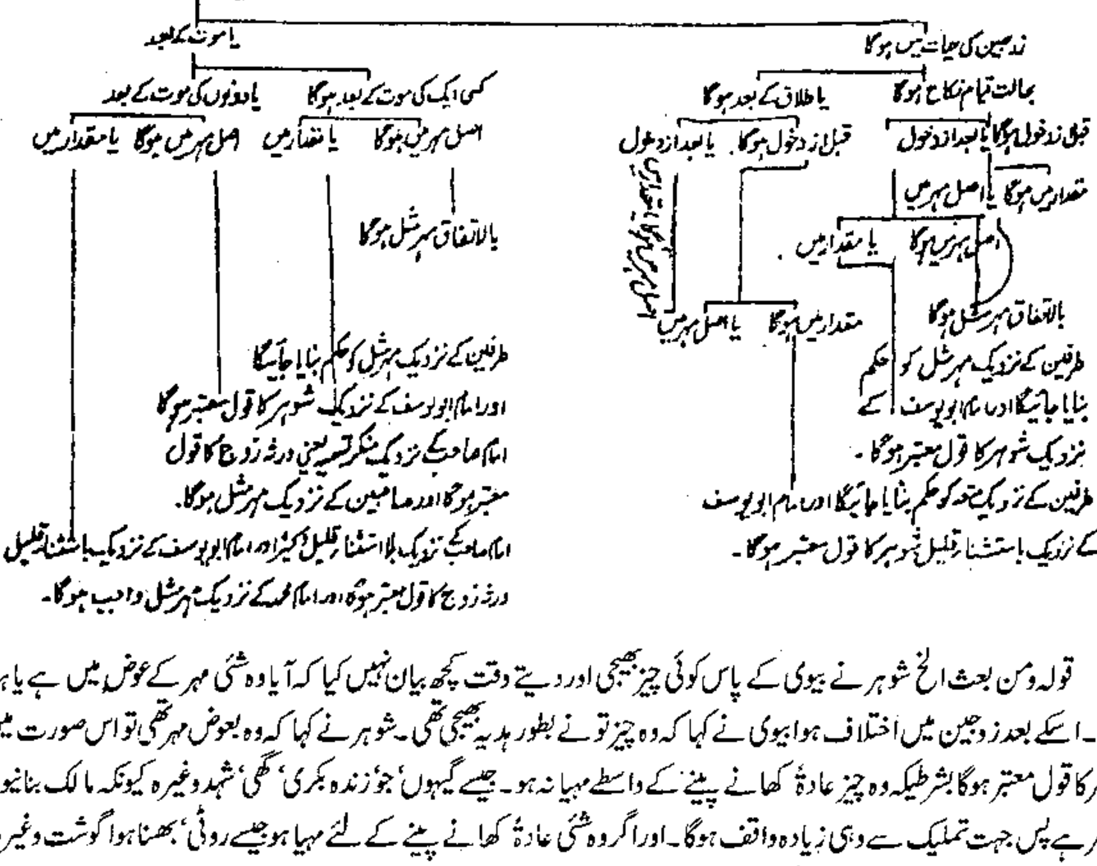
وَلَوِاخْتَلَفَا فِيْ قَدْرِالْمَهْرِحُكِمَ بِمَهْرِالْمِثْلِ وَالْمُتعَةِ لَوْطَلَّقَهَاقَبْلَ الْوَطْئِ وَلَوِاخْتَلَفَا فِيْ اَصْلِ الْمُسَمّٰى
اگر اختلاف کریں زوجین مقدار مہر میں تو حکم بنایا جائیگا مہر مثل کو اور متعہ کو اگر طلاق دیدی ہو وطی سے پہلے اور اگر اصل مہر میں اختلاف ہو
يَجِبُ مَهْرُالْمِثْلِ وَاِنْ مَاتَا وَاخْتَلَفَتْ وَرَثَتُهُمَا وَلَوْفِي الْقَدْرِفَالْقَوْلُ لِوَرَثَتِهٖ وَمَنْ بَعَثَ اِلَى امْرَاَتِهٖ شَيْئًا
تو واجب ہوگا مہر مثل اور اگر زوجین مرجائیں اور اختلاف گو مقدار میں ہو تو شوہر کے ورثہ کا قول معتبر ہوگا اور جس نے اپنی بیوی کے پاس کوئی چیز بھیجی
فَقَالَتْ هُوَ هَدِيَّةٌ وَقَالَ هُوَ مِنَ الْمَهْرِ فَالْقَوْلُ لَهٗ فِيْ غَيْرِالْمُهَيَّا لِلْاَكْلِ وَلَوْنَكَحَ ذِمِّيٌّ ذِمِّيَّةً
پس عورت نے کہا کہ وہ ہدیہ تھی اور شوہر نے کہا کہ مہر سے تھی تو شوہر کا قول معتبر ہوگا اگر وہ چیز کھانے کیلئے مہیا نہ ہوا اگر نکاح کیا ذمی نے ذمیہ سے
بِمَيْتَةٍ اَوْ بِغَيْرِ مَهْرٍ وَذَا جَائِزٌ عِنْدَهُمْ فَوُطِئَتْ اَوْطُلِّقَتْ قَبْلَهٗ اَوْمَاتَ فَلَا مَهْرَ لَهَا
مردار کے عوض یا بلا مہر اور یہ ان کے یہاں جائز ہو پھر اس سے وطی کی گئی یا طلاق دیدی گئی وطی سے پہلے یا شوہر مرگیا تو عورت کیلئے مہر نہ ہوگا
وَكَذَا الْحَرْبِيَّانِ ثَمَّهٗ وَلَوْ تَزَوَّجَ ذِمِّيٌّ ذِمِّيَّةً بِخَمْرٍ اَوْ خِنْزِيْرٍعَيْنٍ فَاَسْلَمَا اَوْ اَسْلَمَ اَحَدُهُمَا
یہی حکم ہے حربیوں کا کفرستان میں اور اگر نکاح کیا ذمی نے ذمیہ سے معین شراب یا خنزیر کے عوض پھر اسلام لے آئے یا کوئی ایک مسلمان ہوگیا
لَهَا الْخَمْرُ وَالْخِنْزِيْرُ وَفِيْ غَيْرِالْمُعَيَّنِ لَهَا قِيْمَةُ الْخَمْرِ وَالْمَهْرُالْمِثْلِ فِي الْخِنْزِيْرِ
تو عورت کے لئے شراب اور خنزیر ہے اور غیر معین میں شراب کی قیمت ہے اور خنزیر کی صورت میں مہر مثل ہے۔

مقدار مہر میں زوجین کا اختلاف

تشریح الفقہ: قولہ ولواختلفا الخ اگر مہر کے سلسلہ میں اختلاف پیدا ہوجائے تو اس کی چند صورتیں ہیں۔ اختلاف زوجین کی حیات میں ہوگا یا بعد الممات ایک کی موت کے بعد ہوگا یا دونوں کی موت کے بعد بہر تقدیر اختلاف مہر کی مقدار میں ہوگا یا اصل مہر میں۔ بہر صورت اختلاف بحالت قیام نکاح ہوگا یا طلاق کے بعد۔ طلاق قبل الدخول ہوگی یا بعد الدخول، سو اگر زوجین کا اختلاف مقدار مہر میں بحالت قیام نکاح ہو تو طرفین کے نزدیک مہر مثل کو حکم بنادیا جائے گا۔ اور ظاہر حال جس کا شاہد ہو اسی کا قول معتبر ہوگا۔ یعنی اگر مہر مثل شوہر کے دعوی کے موافق ہو یا کم ہو تو شوہر کا قول معتبر ہوگا اسکی قسم کے ساتھ۔ اور بیوی کے دعوی کے موافق یا اس سے زائد ہو تو اس کا قول معتبر ہوگا۔ اس کی قسم کے ساتھ۔ اور اگر ان میں سے کوئی ایک بینہ قائم کردے تو بینہ قبول کیا جائیگا مہر مثل موافق ہو یا ناموافق ۔ اور اگر دونوں بینہ قائم کردیں تو عورت کا بینہ مقبول ہوگا۔ اگر مہر مثل مرد کے موافق ہو۔ اور مرد کا بینہ مقبول ہوگا اگر مہر مثل عورت کے موافق ہو کیونکہ بینہ کی مشروعیت خلاف ظاہر کو ثابت کرنے کیلئے ہے اور خلاف ظاہر دعوی اسی کا ہے۔ جس کے موافق مہر مثل نہ ہو اور اگر مہر مثل دونوں کے دعووں کے درمیان ہو تو دونوں کو قسم کھلا کر مہر مثل کا فیصلہ کردیا جائیگا۔ امام ابو یوسف کے نزدیک ہر صورت میں شوہر کا قول اس کی قسم کیساتھ معتبر ہے۔ اور اگر زوجین کا اختلاف مقدار مہر میں قبل از دخول اور طلاق کے بعد ہو تو متعہ دیا جائے گا یعنی متعہ مثل جس کے دعوی کے مطابق ہوگا اسی کا قول معتبر ہوگا۔ اس کی قسم کیساتھ بشرطیکہ مہر مسمی دین یعنی درہم یا دینار ہو اور اگر مہر مسمی عین یعنی مثلی اور قیمتی چیز ہو تو بلا تحکیم متعہ مثل دیا جائے گا۔ اور اگر کوئی بینہ قائم کردے تو بتفصیل مذکور بینہ مقبول ہوگا، امام ابو یوسف کے نزدیک یہاں بھی ہر صورت میں شوہر کا قول معتبر ہے۔ الا یہ کہ وہ مہر کی اتنی کم مقدار نہ کرے کہ اس کا مہر ہونا متعارف نہ ہو اور اگر اختلاف بحالت حیات اصل مہر میں ہو تو باتفاق ثلثہ مہر مثل دیا جائے گا۔ اور اگر زوجین میں سے کسی ایک کی موت کے بعد اختلاف ہو خواہ اصل مہر میں اختلاف ہو یا اس کی مقدار میں ہو تو اس کا حکم وہی ہے جو زوجین کی حیات کی صورت میں اختلاف کا حکم اوپر مذکور ہوا کیونکہ ایک کی موت سے مہر مثل ساقط نہیں ہوتا۔ اور اگر اختلاف دونوں کی موت کے بعد مقدار مہر میں ہو تو امام صاحب کے نزدیک شوہر کے ورثہ کا قول ان کی قسم کیساتھ معتبر ہوگا قلیل

وکثیر کا کوئی استثنا نہیں۔ اور امام ابو یوسف کے نزدیک قول تو شوہر کے ورثہ ہی کا معتبر ہے لیکن قلیل کا استثنا ہے یعنی اگر ورثہ اتنی کم مقدار ذکر کریں کہ اس کا مہر ہونا متعارف نہ ہو تو مسموع نہ ہوگا امام محمد کے نزدیک مہر مثل واجب ہوگا جب کہ حالت حیات میں اختلاف کے وقت مہر مثل واجب ہوتا ہے۔ اور اگر اختلاف اصل مہر میں ہو تو امام صاحب کے نزدیک منکر تسمیہ کا قول معتبر ہوگا۔ یعنی شوہر کے ورثہ کا لیکن جب تک مہر مسمی پر بینہ قائم نہ ہو جائے اس وقت تک کوئی فیصلہ نہ ہوگا۔ کیونکہ دونوں کی موت کے بعد امام صاحب کے نزدیک مہر مثل کا حکم نہیں ہوتا۔ صاحبین کے نزدیک مہر مثل کا فیصلہ ہوگا۔ امام شافعیؒ امام احمد بھی اسی کے قائل ہیں اور اسی پر فتوی ہے۔ ان کل صورتوں کی اور پورے اختلاف کی تفصیل اس نقشہ سے ذہن نشین کرو۔

مہر میں زوجین کے اختلاف کا نقشہ



قولہ ومن بعث الخ شوہر نے بیوی کے پاس کوئی چیز بھیجی اور دیتے وقت کچھ بیان نہیں کیا کہ آیا وہ شئی مہر کے عوض میں ہے یا ہبہ ہے۔ اسکے بعد زوجین میں اختلاف ہوا بیوی نے کہا کہ وہ چیز تو نے بطور ہدیہ بھیجی تھی۔ شوہر نے کہا کہ وہ بعوض مہر تھی تو اس صورت میں شوہر کا قول معتبر ہوگا بشرطیکہ وہ چیز عادۃً کھانے پینے کے واسطے مہیا نہ ہو۔ جیسے گیہوں، جو، زندہ بکری، گھی، شہد وغیرہ کیونکہ مالک بنانیوالا شوہر ہے پس جہت تملیک سے وہی زیادہ واقف ہوگا۔ اور اگر وہ شئی عادۃً کھانے پینے کے لئے مہیا ہو جیسے روٹی، بھنا ہوا گوشت وغیرہ تو اس صورت میں عورت کا قول معتبر ہوگا۔ کیونکہ اس وقت ظاہر حال عورت کا شاہد ہے۔

قولہ لو تزوج الخ ایک ذمی نے کسی ذمیہ کیساتھ نکاح کیا اور مہر میں کوئی ایسی چیز مقرر کی جو ان کے نزدیک مال ہے ہمارے نزدیک مال نہیں تو اس چیز کو مقرر کرنا صحیح ہے۔ اور عورت کو وہی چیز ملے گی جو مقرر کی گئی ہے۔ پس اگر عورت نے اس پر قبضہ کر لیا تو اس کا قبضہ صحیح ہوگا۔ اور اگر ابھی تک قبضہ نہیں کر پائی تھی کہ وہ دونوں یا ان میں سے کوئی اسلام لے آیا تو اب دیکھا جائے گا کہ مقرر کردہ چیز معین ہے یا غیر معین۔ اگر معین ہو مثلاً شراب خنزیر کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ...... میں اس پر نکاح کرتا ہوں تو اس کو شراب یا خنزیر دیا جائے گا۔ اور اگر غیر معین ہو تو شراب کی صورت میں اس کی قیمت اور خنزیر کی صورت میں مہر مثل دیا جائے گا۔ امام ابو یوسف کے نزدیک دونوں صورتوں میں مہر مثل دیا جائے گا۔ اور امام محمد کے نزدیک ان کی قیمت دی جائے گی۔

باب نکاح الرقیق

باب غلام کے نکاح کے بیان میں

لَمْ يَجُزْ نِكَاحُ الْعَبْدِ وَالْاَمَةِ وَالْمُكَاتَبِ وَالْمُدَبَّرِ وَاُمِّ الْوَلَدِ اِلَّا بِاِذْنِ السَّيِّدِ فَلَوْنَكَحَ عَبْدٌ بِاِذْنِهٖ يُبَاعُ

نہیں جائز ہے غلام باندی مکاتب مدبر اورام ولد کا نکاح مگر آقا کی اجازت سے سو اگر نکاح کرلیا غلام نے آقا کی اجازت سے تو فروخت کیا جائیگا

فِيْ مَهْرِهَا وَسَعٰى الْمُكَاتَبُ وَالْمُدَبَّرُ وَلَمْ يُبَعْ فِيْهِ وَطَلِّقْهَا رِجْعِيَّةً اِجَازَةٌ لِلنِّكَاحِ الْمَوْقُوْفِ

عورت کے مہر میں اور سعایت کریگا مدبر اور مکاتب اور فروخت نہیں کیا جائیگا اور آقا کا یہ کہنا کہ اس کو رجعی طلاق دیدے اجازت ہے نکاح موقوف کی

لَاطَلِّقْهَا اَوْفَارِقْهَا وَالْاِذْنُ بِالنِّكَاحِ يَتَنَاوَلُ الْفَاسِدَ اَيْضًا وَلَوْ تَزَوَّجَ مَاذُوْنًا امْرَأَةً صَحَّ

نہ یہ کہنا کہ اس کو طلاق دیدے یا جدا کردے اور نکاح کی اجازت دینا نکاح فاسد کو بھی شامل ہے اور اگر نکاح کیا عبد ماذون نے کسی عورت سے تو صحیح ہے

وَهِيَ اُسْوَةٌ لِلْغُرَمَآءِ فِيْ مَهْرِهَا وَمَنْ زَوَّجَ اَمَةً لَاتَجِبُ عَلَيْهِ تَبْوِيْتُهَا

اور عورت قرضخواہوں کی برابر حقدار ہوگی مہر کے باب میں اور جس نے نکاح کرایا اپنی باندی کا تو نہیں ضروری ہے اس پر شب باشی کرانا

فَتَخْدِمُهٗ وَيَطَأُهَا الزَّوْجُ اِنْ ظَفِرَبِهَا وَلَهٗ اِجْبَارُهُمَا عَلَى النِّكَاحِ وَيَسْقُطُ الْمَهْرُ بِقَتْلِ السَّيِّدِ

پس باندی آقا کی خدمت کرے گی اور شوہر اس سے وطی کر لیگا اگر موقع ملے اور آقا ان کو مجبور کرسکتا ہے نکاح پر اور ساقط ہوجاتا ہے مہر آقا کے قتل

اَمَتَهٗ قَبْلَ الْوَطْيِ لَا بِقَتْلِ الْحُرَّةِ نَفْسَهَا قَبْلَهٗ وَالْاِذْنُ فِي الْعَزْلِ لِسَيِّدِ الْاَمَةِ

کرنے سے اپنی باندی کو وطی سے پہلے نہ کہ آزاد عورت کی خودکشی سے وطی سے پہلے اور اجازت عزل کے سلسلہ میں باندی کے آقا کی ہے۔

توضیح اللغۃ: رقیق: غلام، عبد ماذون: وہ غلام جس کو آقا کی طرف سے خرید وفروخت کی اجازت حاصل ہو۔ اسوۃ: برابر کا حقدار، غرما: جمع غریم، قرضخواہ، تبویت: شب باشی کرانا۔ ظفر: کامیاب ہونا۔ عزل: خارج شرمگاہ انزال کرنا۔

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ نکاح کی اہلیت رکھنے والوں کے نکاح کے احکام بیان کرنے کے بعد ان لوگوں کے نکاح کے احکام بیان کر رہا ہے۔ جن میں نکاح کی اہلیت نہیں ہے جیسے باندی، غلام وغیرہ۔ نیز اگر کوئی عورت نکاح کرے اور مہر میں غلام مقرر کرے تو غلام مہر بن سکتا ہے۔ اس لحاظ سے باب المہر کے ساتھ مناسبت بالکل واضح ہے۔

قولہ لم یجز الخ عدم جواز سے مراد عدم نفاذ ہے۔ یعنی ہمارے نزدیک غلام، باندی، مکاتب، مدبر، ام ولد کا نکاح ان کے آقا کی اجازت کے بغیر نافذ نہیں ہوتا۔ آقا کی اجازت پر موقوف ہوتا ہے۔ امام مالک کے نزدیک غلام کا نکاح جائز ہے۔ وہ یہ فرماتے ہیں کہ جب غلام طلاق کا مالک ہے تو نکاح کا بھی مالک ہوگا۔ ہماری دلیل آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے، جو غلام اپنے آقا کی اجازت کے بغیر نکاح کرے وہ عاہر یعنی زانی ہے۔

قولہ وطلقہا الخ ایک غلام نے اپنے آقا کی اجازت کے بغیر نکاح کرلیا۔ آقا نے غلام سے کہا: اسکو طلاق رجعی دیدے تو آقا کا یہ کہنا اس کا نکاح موقوف کو جائز یعنی نافذ کرنا ہے کیونکہ طلاق رجعی نکاح صحیح کے بغیر نہیں ہوسکتی۔ اور اگر آقا نے کہا: اس کو طلاق دیدے یا چھوڑ دے تو یہ نکاح کی اجازت نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ اسکا مقصد عقد نکاح کو رد کرنا ہو لہٰذا عدم اجازت پر محمول کیا جائے گا۔

قولہ والاذن بالنکاح الخ آقا کا اپنے غلام کو نکاح کی اجازت دینا نکاح صحیح اور نکاح فاسد ہر دو کو شامل ہے پس اگر غلام نے کسی عورت سے نکاح فاسد کرلیا اور وطی بھی کرلی تو غلام کو مہر کے سلسلہ میں فروخت کردیا جائے گا۔ صاحبین کے نزدیک اجازت مذکورہ میں

نکاح فاسد داخل نہیں ہوتا لہٰذا غلام کو فروخت نہیں کیا جائے گا بلکہ اس پر مہر آزاد ہونے کے بعد لازم ہوگا۔ کیونکہ نکاح کا مقصد بلحاظ مستقبل عفت و پاکدامنی ہوتی ہے۔ اور یہ چیز نکاح صحیح ہی سے حاصل ہوسکتی ہے۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ جب آقا کے کلام میں لفظ تزوج مطلق ہے تو وہ اپنے اطلاق ہی پر رہے گا رہی مقصد کی بات سو بہت سے مقاصد نکاح فاسد سے بھی حاصل ہوجاتے ہیں مثلاً ثبوت نسب، وجوب مہر، وجوب عدت (علی اعتبار وجود الوطی)۔

قولہ ولو زوج عبدا الخ اگر آقا نے اپنے ماذون فی التجارۃ اور مقروض غلام کا نکاح کردیا تو نکاح صحیح ہے اب عورت دوسرے قرض خواہوں کے برابر ہوگی کہ جس طرح اور قرض خواہ غلام کی کمائی سے حصہ لیتے ہیں۔ ایسے ہی وہ عورت حصہ لے گی۔ مگر یہ اس وقت ہے کہ جب مہر مثل یا اس سے کم کے عوض میں نکاح کیا ہو۔ اگر مہر مثل سے زائد کیساتھ نکاح کیا ہو تو اس صورت میں عورت مہر مثل سے زائد کا مطالبہ اس وقت کریگی جب قرض خواہوں کا قرض چکا دیا جائیگا۔

قولہ ومن زوج الخ آقا نے اپنی باندی کا نکاح کردیا خواہ وہ اس کی ام ولد ہو یا مدبرہ ہو تو آقا پر شوہر کے گھر سے باندی کا شب باشی کرانا لازم نہیں بلکہ وہ اپنے آقا کی خدمت کرتی رہے گی۔ اور جب شوہر کو موقع مل جائے وطی کریگا۔ وجہ یہ ہے کہ آقا کا حق شوہر کے حق سے قوی تر ہے۔ کیونکہ آقا اس کی ذات اور اس کے منافع ہر دو کا مالک ہے۔ اگر شب باشی کرانا لازم کیا جائے تو اس کا حق باطل ہوتا ہے۔

قولہ ویسقط الخ آقا نے اپنی باندی کی شادی کردی اور ابھی اس کا شوہر وطی (یا خلوت صحیحہ) نہیں کر پایا تھا کہ آقا نے باندی کو قتل کردیا تو شوہر سے مہر ساقط ہوجائے گا۔ صاحبین کے نزدیک مہر ساقط نہ ہوگا۔ بلکہ شوہر پر باندی کے آقا کے لئے مہر واجب ہوگا۔ کیونکہ اہل حق کے نزدیک مقتول اپنی موت مرتا ہے۔ پس یہ ایسا ہوگیا جیسے اس کو کوئی اجنبی قتل کردے۔ کہ مہر ساقط نہیں ہوتا۔ امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ آقا نے معقود علیہ کو قبل از تقرر تلف کردیا۔ اسلئے شوہر پر آقا کیلئے مہر واجب نہ ہوگا۔ اور آدمی اپنی ہی موت مرتا ہے لیکن کسی دوسرے کا قتل کرنا دنیوی احکام کے لحاظ سے اتلاف شمار ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قاتل پر قصاص اور دیت واجب ہوتی ہے۔ پس وجوب مہر میں بھی اس کو اتلاف شمار کیا جائے گا۔ اور اگر عورت قبل از وطی اپنے آپ کو قتل کرڈالے تو بالاتفاق مہر ساقط نہیں ہوتا کیونکہ انسان کا اپنے نفس پر جنایت کرنا دنیوی احکام کے حق میں معتبر نہیں ہے۔

قولہ والاذن الخ ایک شخص نے باندی سے نکاح کیا تو اب وہ اس سے عزل کرسکتا ہے یا نہیں؟ اس کی اجازت کا اختیار باندی کے آقا کو ہے نہ کہ باندی کو۔ صاحبین سے ایک روایت ہے کہ اس کی اجازت باندی کے اختیار میں ہے کیونکہ وطی اسی کا حق ہے۔ یہاں تک کہ اس کو مطالبہ کا حق ہے اور عزل میں اس کے حق کی تنقیص ہے۔ لہٰذا اس کی رضا کا ہونا شرط ہے جیسے حرہ سے عزل کرنے میں اسی کی رضا شرط ہے۔ ظاہر الروایہ کی وجہ یہ ہے کہ بچہ مولیٰ کا حق ہے اور عزل مخل بالمقصود ہے لہٰذا مولیٰ کی رضا کا اعتبار رہوگا۔ اس تعلیل سے معلوم ہوا کہ باندی بالغہ ہونی چاہئے۔ نابالغہ سے عزل کرنے میں آقا کی اجازت ضروری نہیں کیونکہ نابالغہ کے بچہ نہیں ہوسکتا۔ تامل

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

وَلَوْاَعْتَقَ اَمَةً اَوْمُكَاتَبَةً خُيِّرَتْ وَلَوْ زَوْجُهَا حُرًّا وَلَوْنَكَحَتْ بِلاَ اِذْنِ الْمَوْلٰى فَعُتِقَتْ نَفَذَ

اگر آزاد کردی گئی باندی یا مکاتبہ تو اختیار دیا جائیگا گو اس کا شوہر آزاد ہو اور اگر اس نے نکاح کرلیا بلا اجازت پھر آزاد ہوگئی تو نکاح نافذ ہوجائیگا

بِلاَخِيَارٍ فَلَوْ وَطِئَ قَبْلَهٗ فَالْمَهْرُ لَهٗ وَاِلاَّ لَهَا وَمَنْ وَطِئَ اَمَةَ ابْنِهٖ فَوَلَدَتْ فَادَّعَاهُ

بلا خیار پس اگر وطی کرلی ہو اس سے قبل تو مہر آقا کو ملے گا ورنہ باندی کو اور جس نے وطی کی اپنے بیٹے کی باندی سے ا... اس سے بچہ ہوا

ثَبَتَ نَسَبُهٗ مِنْهُ وَصَارَتْ اُمَّ وَلَدِهٖ وَعَلَيْهِ قِيْمَتُهَا لاَ عُقْرُهَا

اور باپ نے اس کا دعویٰ کیا تو اس سے نسب ثابت ہوجائیگا اور باندی اسکی ام ولد ہوجائیگی اور اس پر باندی کی قیمت واجب ہوگی نہ کہ مہر

وَلاَقِيمَةُ وَلَدِهَا وَدَعْوَةُ الْجَدِّ كَدَعْوَةِ الْاَبِ حَالَ عَدَمِهِ وَلَوْ زَوَّجَ اَبَاهُ فَوَلَدَتْ

اور بچہ کی قیمت اور دادا کا دعویٰ مثل باپ کے دعوی کے ہے اسکے نہ ہونے کے وقت اور اگر بیٹے نے باپ کیساتھ اس کا نکاح کر دیا پھر بچہ ہوا

لَمْ تَصِرْ اُمَّ وَلَدِهِ وَتَجِبُ الْمَهْرُ لاَ الْقِيمَةُ وَوَلَدُهَا حُرٌّ حُرَّةٌ قَالَتْ لِسَيِّدِ زَوْجِهَا اَعْتِقْهُ عَنِّي

تو اس کی ام ولد نہ ہوگی اور مہر واجب ہوگا نہ کہ قیمت اور اس کا بچہ آزاد ہوگا ایک آزاد عورت نے اپنے شوہر کے آقا سے کہا کہ اس کو میری طرف سے

بِاَلْفٍ فَفَعَلَ فَسَدَ النِّكَاحُ وَالْوَلَاءُ لَهَا وَلَوْ لَمْ تَقُلْ بِاَلْفٍ لاَ يُفْسِدُ وَالْوَلَاءُ لَه

ہزار کے عوض آزاد کردے اس نے ایسا ہی کیا تو نکاح فاسد ہوجائیگا اور اگر عورت بالف نہ کہے تو نکاح فاسد نہ ہوگا اور ولاء آقا کو پہنچیگی۔

تشریح الفقہ: قولہ ولو اعتقت الخ ایک باندی نے کسی کیساتھ نکاح کرلیا تھا آقا نے اس کو آزاد کردیا تو باندی کو نکاح باقی رکھنے میں اختیار ہے خواہ وہ باندی ہو یا ام ولد ہو یا مکاتبہ ہو۔ نکاح رضا کیساتھ کیا ہو یا بلا رضا۔ اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام۔ حضرت طاؤس، حسن...... ابن سیرین، شعبی، مجاہد سب سے یہی مروی ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر شوہر آزاد ہو تو اختیار نہیں مگر یہ قول مجوج الحدیث ہے کیونکہ جب حضرت بریرہؓ آزاد ہوئیں تو آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا تھا "قد اعتق بضعک معک فاختاری"[1] اس میں ملک بضع کیساتھ تعلیل مطلق ہے پس شوہر آزاد ہو یا غلام دونوں صورتوں کو شامل ہے۔ سوال آنحضرت ﷺ نے جو حضرت بریرہؓ کو اختیار دیا وہ تو اسلئے تھا کہ انکا شوہر غلام تھا جیسا کہ روایات سے ثابت ہے[2]، جواب روایات سے ان کے شوہر کا آزاد ہونا بھی ثابت ہے۔ جب روایات متعارض ہیں تو تطبیق کی صورت پیدا کی جائے گی۔ اور وہ یہ کہ جب حضرت بریرہؓ کو اختیار ملا اسوقت انکا شوہر آزاد تھا۔ اور اس سے پہلے غلام تھا۔ اور اگر غلام ہونا ہی صحیح مانا جائے تب بھی اختیار کی نفی نہیں ہوتی۔ کیونکہ حدیث سے یہ ثابت نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اختیار صرف اس لئے دیا تھا کہ انکا شوہر غلام تھا۔ سوال مسلم اور ابوداؤد کی روایت میں تو تصریح ہے کہ "ولو کان حرًا لم یخیر ھا" جواب یہ حدیث کے الفاظ نہیں بلکہ حضرت عروہ کے الفاظ ہیں، چنانچہ نسائی اور ابن حبان کی روایت میں اس کی تصریح موجود ہے[3]۔ علاوہ ازیں ابن حزم نے حضرت عروہ سے اس کے خلاف روایت کیا ہے فانہ روی عن ھشام بن عروہ عن ابیہ عن عائشہؓ قالت: کان زوج بریرۃ حرًا"۔

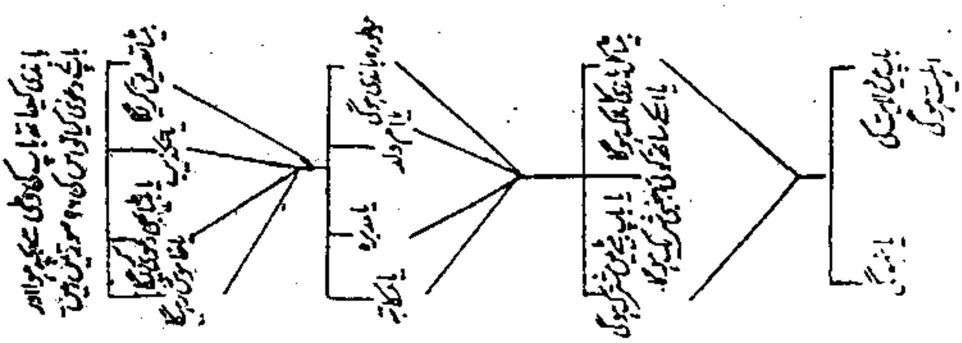
قولہ ولو نکحت الخ اور اگر باندی نے آقا کی اجازت کے بغیر نکاح کیا پھر وہ آزاد ہوگئی تو اس کا نکاح نافذ ہوجائے گا اور فسخ نکاح کا اختیار نہ ہوگا۔ نکاح کا نفاذ تو اس لئے ہے کہ باندی میں نکاح کی اہلیت ہے۔ قصور صرف اتنا ہے کہ حق مولیٰ کی بنا پر اس کا نکاح نافذ نہیں ہوتا۔ اور جب وہ آزاد ہوگئی تو مولیٰ کا حق جاتا رہا۔ لہٰذا نکاح نافذ ہوگا اور عدم خیار اس لئے ہے کہ اس کا نکاح آزادی کے بعد نافذ ہوا ہے۔ پس شوہر کو ملکیت طلاق میں کوئی مزید حق حاصل نہیں ہوا یعنی پہلی صورت میں باندی کو اختیار اس لئے تھا کہ وہ آزادی سے قبل صرف دو طلاقوں کا محل تھی۔ اور آزادی کے بعد اس کے شوہر کو ایک طلاق مزید دینے کا حق حاصل ہو رہا تھا۔ اور یہاں یہ صورت نہیں ہے۔ لہٰذا باندی نکاح فسخ کرنے میں مختار نہ ہوگی اب اگر شوہر نے اس کے آزاد ہونے سے قبل وطی کی ہو تو مہر مسمّی آقا کو ملے گا۔ کیونکہ اس نے آقا کی مملوکہ سے نفع اٹھایا ہے اور اگر آزادی کے بعد وطی کی ہو تو عورت کو ملے گا۔

قولہ ومن وطی الخ ایک شخص نے اپنے بیٹے کی باندی سے صحبت کی وہ حاملہ ہوگئی۔ پھر بچہ بھی ہوگیا۔ اور باپ نے بچہ کا دعوی کیا تو باپ سے اس کا نسب ثابت ہوجائے گا اور باندی اس کی ام ولد ہوجائیگی بشرطیکہ وطی کے وقت سے دعوی کے وقت تک باندی پر بیٹے کی ملکیت رہی ہو۔ وجہ یہ ہے کہ باپ بوقت ضرورت بیٹے کے مال کا مالک ہوسکتا ہے۔ حدیث میں ہے "انت ومالک لابیک" اور انسان کا نطفہ اس کا

(۱) دار قطنی عن عائشہ ۱۲ ابن سعد (فی ترجمۃ بریرۃ) (۲) ائمہ ستہ غیر مسلم عن ابن عباس، مسلم، ابوداؤد، نسائی عن عائشہ، بیہقی عن صفیہ ۱۲ ائمہ ستہ عن عائشہ (۳) قال عروہ: ولو کان حرا ما خیرہا ۱۲

جزو ہے جس کی حفاظت ضروری ہے۔ اس ضرورت سے باپ بیٹے کے مال کا مالک ٹھہرااور باندی اس کی ام ولد ہوگئی۔ لیں ہمارے نزدیک باپ پر صرف باندی کی قیمت واجب ہوگی۔ مہر اور بچہ کی قیمت واجب نہ ہوگی۔ امام شافعی اور امام زفر کے نزدیک مہر واجب ہوگا۔

فائدہ: اس مسئلہ کی چھیانوے صورتیں ہیں۔ کیونکہ جب باپ کے وطی کرنے سے باندی کے بچہ پیدا ہوااور باپ اس کا دعوی کرے تو چار صورتیں ہیں بیٹا باپ کی تصدیق کریگا یا تکذیب یا باپ کے ساتھ بیٹا بھی دعوی کریگا یا خاموش رہے گا۔ ہر ایک کی پھر چار صورتیں ہیں۔ موطوءہ باندی ہوگی یا مدبرہ یا ام ولد یا مکاتبہ۔ ان سولہ صورتوں میں سے ہر ایک کی پھر تین صورتیں ہیں۔ بیٹا کل باندی کا ملک ہوگا یا اس کے ساتھ کوئی اجنبی شریک ہوگا یا باندی بیٹے اور باپ کے درمیان مشترک ہوگی۔ ان اڑتالیس صورتوں میں سے ہر ایک کی پھر دو صورتیں ہیں۔ یا تو باپ ولایت کا اہل ہوگا یا نہ ہوگا۔ لیں کل صورتوں کا نقشہ درج ذیل ہے۔ احکام کے لئے مطلولات کی طرف رجوع کرو۔



قولہ ولو زوجہا الخ اور اگر بیٹے نے اپنی باندی کا نکاح اپنے باپ کے ساتھ کردیا تو اس سے بچہ پیدا ہوا تو باندی باپ کی ام ولد نہ ہوگی۔ کیونکہ اب یہ بچہ نکاح کے ذریعہ سے پیدا ہوا ہے نہ کہ ملک کے ذریعہ سے اس واسطے کہ جب ہر حیثیت سے بیٹا مالک ہے تو من وجہ باپ کا مال ہونا محال ہے اور جب ام ولد نہ ہوئی تو التزام نکاح کیوجہ سے باپ پر صرف مہر واجب ہوگا۔ بچہ کی قیمت واجب نہ ہوگی۔ اور بچہ آزاد ہوگا کیونکہ اس کا بھائی اس کا مالک ہوگیا۔ اور قرابت کیوجہ سے مملوک آزاد ہوجاتا ہے۔

قولہ حرۃ الخ ایک آزاد عورت کسی غلام کے نکاح میں تھی اس نے اپنے شوہر کے آقا سے کہا کہ اس کو میری طرف سے ایک ہزار روپیہ کے عوض میں آزاد کردے۔ آقا نے آزاد کردیا تو نکاح فاسد ہوگیا۔ امام زفر کے نزدیک فاسد نہیں ہوا۔ اس اختلاف کی اصل یہ ہے کہ ہمارے نزدیک آزادی آمر کی جانب سے ہوتی ہے اس لئے حق ولا آمر کو پہنچتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر وہ اس عتق سے ادائیگی کفارہ کی نیت کرلے تو کفارہ ادا ہوجائے گا اور امام زفر کے نزدیک مامور کی طرف سے ہوتی ہے۔ اس اصل کی رو سے امام زفر فرماتے ہیں کہ آمر نے مامور سے اسکے غلام کو اپنی طرف سے آزاد کرانا چاہا ہے۔ اور آدمی جس کا خود مالک نہ ہو اس کو آزاد کرنا محال ہے لہذا عتق مامور کی جانب سے ہوا اس لئے نکاح اپنی جگہ پر صحیح ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ یہاں اولاً بطریق اقتضا ملکیت ثابت ہوگی۔ کیونکہ آمر کی جانب سے صحت عتق کیلئے ملکیت شرط ہے گویا عورت نے اعتق کہہ کر ایک ہزار کے عوض میں ملکیت طلب کی ہے۔ اس کے بعد اپنی طرف سے آزاد کرنیکا حکم کیا ہے۔ اس صورت سے آزادی عورت کی طرف سے ہوئی اور اولاً وہ اسکی مالک ہوئی اور جب مالک ہوئی تو نکاح فاسد ہوگیا کیونکہ ملک نکاح اور ملک یمین دونوں یکجا جمع نہیں ہوتیں ہاں اگر عورت لفظ الف کو ذکر نہ کرے صرف یہ کہے کہ میری طرف سے آزاد کردے تو نکاح فاسد نہ ہوگا۔ کیونکہ اب عورت مالک نہیں ہوئی اس صورت میں ولا کا حقدار مولیٰ ہوگا کیونکہ آزاد کرنیوالا وہی ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک یہ مسئلہ اور پہلا مسئلہ دونوں برابر ہیں۔

باب نکاح الکافر

باب کافر کے نکاح کے بیان میں

تَزَوَّجَ کَافِرٌ بِلاَشُهُوْدٍ اَوْ فِیْ عِدَّةِ کَافِرٍ وَذَا فِیْ دِیْنِهِمْ جَائِزٌ ثُمَّ اَسْلَمَا اُقِرَّا عَلَیْهِ

نکاح کیا ایک کافر نے گواہوں کے بغیر یا کسی کافر کی عدت میں اور یہ ان کے مذہب میں جائز ہے پھر اسلام لے آئے تو اسی نکاح پر رکھے جائینگے

وَلَوْ کَانَتْ مُحْرَمَةً فُرِّقَ بَیْنَهُمَا وَلاَ یَنْکِحُ مُرْتَدٌّ اَوْ مُرْتَدَّةٌ اَحَداً وَالْوَلَدُ یَتْبَعُ خَیْرَ الاَبَوَیْنِ دِیْناً

اور اگر عورت اسکی محرم ہو تو تفریق کی جائیگی اور نکاح نہ کرے مرتد یا مرتدہ کسی سے اور بچہ تابع ہوگا ماں باپ میں سے بہتر دین والے کا

وَالْمَجُوْسِیُّ شَرٌّ مِنَ الْکِتَابِیِّ وَاِذَا اَسْلَمَ اَحَدُ الزَّوْجَیْنِ عُرِضَ الْاِسْلاَمُ عَلَی الْاٰخَرِ فَاِنْ اَسْلَمَ

اور آتش پرست برا ہے کتابی سے اور جب اسلام لے آئے زوجین میں سے کوئی تو پیش کیا جائیگا اسلام دوسرے پر اگر وہ بھی اسلام لے آئے تو بہتر ہے

وَاِلاَّ فُرِّقَ بَیْنَهُمَا وَاِبَائُهٗ طَلاَقٌ . لاَ اِبَائُهَا وَلَوْ اَسْلَمَ اَحَدُهُمَا ثَمَّهٗ

ورنہ تفریق کیجائیگی اور مرد کا انکار کرنا طلاق متصور ہوگا نہ کہ عورت کا انکار کرنا اور اگر اسلام لے آیا ان میں سے کوئی ایک دار الحرب میں تو

لَمْ تَبِنْ حَتّٰی تَحِیْضَ ثَلٰثًا وَلَوْ اَسْلَمَ زَوْجُ الْکِتَابِیَّةِ بَقِیَ نِکَاحُهٗ

عورت جدا نہ ہوگی جب تک کہ تین حیض نہ آجائیں اور اگر اسلام لے آیا کتابیہ کا شوہر تو اس کا نکاح باقی رہے گا۔

توضیح اللغۃ: شہود: جمع شاہد گواہ، مرتد: اسلام سے پھر جانے والا، یتبع: تابع ہوتا ہے، اباء: انکار کرنا۔ لم تبن: جدا نہ ہوگی۔

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ ارقاء واحرار مسلمین کے احکام نکاح بیان کرنے کے بعد نکاح کفار کو بیان کر رہا ہے۔ مصنف نے عنوان میں جو لفظ کافر ذکر کیا ہے۔ یہی بہتر ہے۔ صاحب ہدایہ وغیرہ نے جو "باب نکاح اہل الشرک" سے تعبیر کیا ہے یہ تعبیر نکاح کتابی کو شامل نہیں۔ ہمارے یہاں نکاح کفار کے سلسلہ میں تین اصول ہیں (۱) جو نکاح مسلمان کے یہاں صحیح ہے وہ کافروں میں بھی صحیح ہوگا۔ امام مالک اس کیخلاف ہیں۔ انکے یہاں صحیح نہیں۔ مگر قرآن وحدیث سے ان کے اس قول کی تردید ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ نے "وامراتہ حمالۃ الحطب" میں امرأۃ کی نسبت ابولہب کی طرف فرمائی ہے۔ جو لغت وعرف ہر دو لحاظ سے صحت نکاح پر دال ہے۔ نیز حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ "میں نکاح سے پیدا ہوں نہ کہ زنا سے" معلوم ہوا کہ قبل از اسلام نکاح صحیح تھا (۲) جو نکاح کسی شرط کے فوت ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کے لئے حرام ہو وہ کفار کے حق میں جائز ہے۔ بشرطیکہ وہ اسکے معتقد ہوں۔ پس کافر کا نکاح اس کے مسلمان ہونے کے بعد برقرار رکھا جائے گا کیونکہ جب کفار مسلمان ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے ان کے نکاح کی تجدید نہیں فرمائی اور نہ کسی سے استفسار فرمایا۔ کہ تم نے اپنا نکاح کس طرح کیا تھا 3 جو نکاح حرمت محل کیوجہ سے حرام ہو جیسے محارم کے ساتھ نکاح کرنا تو وہ بمطابق قول مشائخ امام صاحب کے نزدیک ان کے حق میں جائز واقع ہوگا۔ اور مسلمان ہونے کے بعد عورت کا نان نفقہ لازم ہوگا۔ اگر ان کو کوئی زانی کہے گا تو اس پر حد جاری کیجائے گی۔ مشائخ عراق کہتے ہیں کہ جائز نہ ہوگا۔ والاول اصح وسیأتی۔

قولہ تزوج الخ ایک کافر نے کسی کافرہ سے شاہدوں کے بغیر نکاح کیا یا عورت کسی کافر کی عدت میں تھی اس سے نکاح کر لیا درآنحالیکہ یہ انکے یہاں جائز ہے اس کے بعد اسلام لے آئے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک نکاح مذکور پر قائم رکھے جائیں گے اور امام زفر فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں نکاح فاسد ہے۔ اور صاحبین پہلی صورت میں امام صاحب کے ساتھ ہیں اور دوسری صورت میں امام زفر کے ساتھ۔ امام زفر یہ کہتے ہیں کہ خطابات مثلاً آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے "لا نکاح الا بشہود" وغیرہ سب کے حق میں عام ہیں لہٰذا ان کو بھی

لازم ہوں گے قبل از اسلام جو ان سے تعرض نہیں کیا جاتا وہ اس لئے نہیں کہ ان کے عقائد کی تقریر وتثبیت مقصود ہوتی ہے۔ بلکہ اس لئے کہ ان سے اعراض کیا جاتا ہے۔ جیسے از راہ اعراض کفار کو ان کی بت پرستی پر چھوڑا جاتا ہے۔ نہ اسلئے کہ بت پرستی جائز ہے صاحبین یہ فرماتے ہیں کہ حرمت نکاح معتدہ مجمع علیہ ہے۔ لہٰذا ان کو بھی اس کا التزام کرنا ہوگا۔ بخلاف حرمت نکاح بلا شہود کے کہ یہ مختلف فیہ ہے چنانچہ امام مالک اور ابن ابی لیلیٰ اس کو جائز کہتے ہیں پس یہ ان کو لازم نہیں۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ کافر کیلئے حرمت کا اثبات نہ تو اس جہت سے ہوسکتا ہے کہ وہ حق شرع ہے۔ کیونکہ کافر حقوق شرع کا مخاطب ہی نہیں اور نہ اس جہت سے ہوسکتا ہے کہ وہ زوج کافر کا حق ہے۔ اس واسطے کہ وہ اس کا معتقد نہیں۔ لامحالہ نکاح صحیح کہا جائیگا۔ اور جب نکاح صحیح ہوا تو حالت اسلام حالت بقاء نکاح ہے۔ اور ظاہر ہے کہ حالت بقاء نکاح کے لئے شہادت شرط نہیں۔ اور عدت حالت بقاء کے منافی نہیں۔ اور اگر کافر نے محرمہ عورت سے نکاح کیا اور پھر اسلام لے آئے تو بالاتفاق ائمہ ان کے درمیان تفریق کیجائیگی۔ صاحبین کے نزدیک تو ظاہر ہے کیونکہ ان کے یہاں نکاح محارم کفار کے حق میں بھی باطل ہے۔ اور امام صاحب کے نزدیک کفار کے حق میں نکاح محارم گو صحیح ہے تاہم محرمیت بقاء نکاح کے منافی ہے لہٰذا تفریق ضروری ہے۔

قولہ ولاینکح الخ مرتد آدمی کسی عورت کیساتھ نکاح نہیں کرسکتا۔ مسلمہ ہو یا کافرہ یا کتابیہ کیونکہ مرتد تو واجب القتل ہے اس کو جو مہلت دی جاتی ہے وہ صرف اس لئے ہوتی ہے کہ وہ غور وفکر کرلے۔ اور نکاح کرنے سے وہ غفلت میں پڑ جائے گا۔ اسی طرح مرتدہ عورت کسی کے ساتھ نکاح نہیں کرسکتی کیونکہ وہ بھی غور فکر ہی کے لئے مقید ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں ان کے درمیان مصالح نکاح کا قیام نہیں ہوسکتا حالانکہ نکاح کی مشروعیت اس کی مصلحتوں کے پیش نظر ہوتی ہے۔

قولہ والولد الخ والدین میں جو کوئی دین کے اعتبار سے بہتر ہوگا بچہ اسی کے تابع ہوگا۔ اگر باپ مسلمان ہو تو باپ کا تابع ہوگا اور مسلمان قرار دیا جائیگا۔ اور ماں مسلمان ہو تو ماں کے تابع ہوگا اور اگر والدین مجوسی اور کتابی ہوں تو بچہ کتابی شمار ہوگا کیونکہ مجوسی کتابی سے بدتر ہے۔ اس واسطے کہ اہل کتاب کا دین ان کے دعوی کے اعتبار سے آسمانی ہے اسی لئے ان کا ذبیحہ حلال ہے اور کتابیہ عورت سے نکاح کی اجازت ہے بخلاف مجوسی کے کہ اس کا دین بالکل باطل ہے۔

قولہ واذا اسلم الخ زوجین کتابی ہوں یا مجوسی اگر ان میں سے کوئی مسلمان ہو جائے تو قاضی دوسرے پر اسلام پیش کرے گا اگر وہ قبول کرلے تو عورت اس کی بیوی رہے گی۔ اور اگر قبول نہ کرے تو انکے درمیان تفریق کردے گا' امام شافعی فرماتے ہیں کہ اسلام پیش نہیں کیا جائے گا بلکہ اگر وہ قبل از دخول اسلام لایا ہو تو فی الحال فرقت ہو جائے گی۔ اور اگر بعد از دخول اسلام لایا ہو تو تین حیض کے بعد تفریق کردیجائے گی۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ ولید بن مغیرہ کی صاحبزادی ناجیہ حضرت صفوان بن امیہ کے نکاح میں تھیں اور فتح مکہ کے دن اسلام لے آئی تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے انکے درمیان تفریق نہیں فرمائی یہاں تک کہ تقریباً ایک ماہ بعد حضرت صفوان نے اسلام قبول کیا اور اسی نکاح پر برقرار رہے[1]۔ پھر قاضی کا تفریق کرنا طلاق بائن کے درجہ میں ہوگا۔ اگر شوہر نے اسلام قبول کرنے سے انکار کردیا۔ اور اگر زوجہ نے انکار کیا تو طلاق کے درجہ میں نہ ہوگا۔ امام ابو یوسف کے نزدیک دونوں صورتوں میں طلاق نہیں۔ وہ یہ فرماتے ہیں کہ اس فرقت کے سبب میں زوج اور زوجہ دونوں شریک ہیں لہٰذا فرقت طلاق نہ ہوگی۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ شوہر کا اسلام سے انکار کرنا امساک بالمعروف سے رکنا ہے حالانکہ وہ اسلام قبول کرنے کے ذریعہ زوجہ کو روکے رکھنے پر قادر ہے۔ پس زوجہ کو شوہر سے چھٹکارا دلانے میں قاضی نائب ہوسکتا ہے۔ اور جب قاضی شوہر کی جانب سے نائب ہوا تو فرقت طلاق کے درجہ میں ہوگی۔ بخلاف عورت کے کہ وہ طلاق کی اہل نہیں لہٰذا قاضی اس کی طرف سے نائب نہیں ہوسکتا۔

---

(۱) مالک ابن سعد ابن حجر عن الزہری۔ ۱۲

وَتَبَايُنُ	الدَّارَيْنِ	سَبَبُ	الْفُرْقَةِ	لَاالسَّبْيُ	وَتَنكِحُ	الْمُهَاجِرَةُ	الْحَامِلُ بِلَاعِدَّةٍ

اور دارین کا مختلف ہونا سبب ہے فرقت کا نہ کہ قید کرنا اور نکاح کرسکتی ہے مہاجرہ غیر حاملہ عورت عدت گذارے بغیر

وَارْتِدَادُ	اَحَدِهِمَا	فَسْخٌ	فِي	الْحَالِ	فَلِلْمَوْطُوْأَةِ	الْمَهْرُ	وَلِغَيْرِهَا	نِصْفُهٗ	اِن ارْتَدَّ

اوران میں سے کسی ایک کا مرتد ہوجانا فی الحال نکاح کا ٹوٹ جانا ہے پس موطوءہ کیلئے کل مہر ہوگا اور غیر موطوءہ کیلئے نصف اگر مرد مرتد ہو

وَاِن	اِرْتَدَّتْ	لَا	وَالْاِبَاءُ	نَظِيْرُهٗ	وَلَو	ارْتَدَّا	اَوْ	اَسْلَمَا مَعًا

اور اگر عورت مرتد ہوجائے تو مہر نہ ملیگا اور انکار کرنا اسکی نظیر ہے اور اگر دونوں مرتد ہونے کے بعد ایک ساتھ مسلمان ہوجائیں

لَمْ	تَبِنْ	وَبَانَتْ	لَو	اَسْلَمَا مُتَعَاقِبًا

تو عورت جدا نہ ہوگی اور جدا ہوجائیگی اگر اسلام لائے یکے بعد دیگرے۔

توضیح اللغۃ: سبی: قید کرنا' حائل: غیر حاملہ' اباء: انکار کرنا' لم تبن: جدا نہ ہوگی' متعاقباً: یکے بعد دیگرے' قسم: حصہ' ضعف: دوگنا۔

قولہ وتباین الدارین الخ اگر زوجین میں سے کوئی ایک مسلمان ہوکر دارالحرب سے نکل آیا یا کسی کو قید کرلیا گیا تو ان دونوں صورتوں میں جدائی ہوجائے گی' امام شافعی فرماتے ہیں کہ جدائی نہیں ہوگی۔ اور ان دونوں کو قید کرلیا گیا تو جدائی نہ ہوگی۔ امام شافعی کے نزدیک جدائی ہوجائیگی' حاصل یہ کہ ہمارے یہاں جدائی کا سبب تباین دارین ہے نہ کہ قید۔ اور امام شافعی کے نزدیک اس کا عکس ہے وہ یہ فرماتے ہیں کہ تباین دارین کا اثر انقطاع ولایت میں ہوتا ہے اور یہ فرقت میں مؤثر نہیں۔ بخلاف سبی کے کہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ جس کو قید کیا گیا ہے وہ خالص قید کرنے والے کے لئے ہو اور یہ اسی وقت ہوسکتا ہے کہ جب نکاح منقطع ہوجائے' ہماری دلیل یہ ہے کہ دارین کا حقیقۃً اور حکماً ہر دو اعتبار سے متباین ہونا مصالح نکاح کو ختم کرنیوالا ہے۔ پس یہ محرمیت کے مشابہ ہوگیا۔ (جس کا بیان اوپر گزر چکا) بخلاف سبی کے کہ وہ موجب ملک رقبہ ہے۔ اور ملک رقبہ ابتداء نکاح کے منافی نہیں۔ لہٰذا ابقاء بھی منافی نہ ہوگی۔

قولہ وتنکح الخ اگر کوئی عورت ہجرت کر کے دارالاسلام میں آجائے اور حاملہ نہ ہو تو امام صاحب کے نزدیک وہ اپنے شوہر سے بلا عدت جدا ہوجاتی ہے۔ لہٰذا اس سے فوراً نکاح کرلینا جائز ہے۔ امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک جب تک اس کی عدت نہ گذر جائے نکاح کرنا درست نہیں یہ حضرات اس کو حاملہ پر قیاس کرتے ہیں کہ جب تک وضع حمل نہ ہو اس وقت تک حاملہ سے نکاح درست نہیں۔ امام صاحب کی دلیل یہ آیت ہے "ولاجناح علیکم ان تنکحوھن اذا آتیتموھن اجورھن" اسمیں مہاجر کیساتھ علی الاطلاق نکاح کرنے کی اجازت دی گئی ہے پس انقضاء عدت کیساتھ مقید کرنا زیادتی علی الکتاب ہے۔

---

(۱) فلوارتد مراراً وجدد الاسلام فی کل مرۃ وجدد النکاح علی قول الامام تحل امرأتہ من غیر اصابۃ زوج ثان۔ ۱۲ طحطاوی۔
(۲) یعنی لا تتوقف علی مضی ثلثۃ قروء فی المدخول بہا ولا علی قضاء القاضی لان وجود للمنافی یوجبہ کالمحرمیۃ بخلاف الاسلام لانہ غیر مناف للعصمۃ۔ ۱۲ بحر۔
(۳) ای للمرأۃ المدخول بہا المہر کلہ سواء کانت الردۃ منہا او منہ لانہ تاکد بالدخول فلا یتصور سقوطہ۔ ۱۲ زیلعی۔
(۴) لان الفرقۃ من جہۃ قبل الدخول توجب نصف المہر ہذا اذا کان مسمی والا فعلیہ متعۃ۔ مجمع

بَابُ الْقَسَمِ

باب نوبت کے بیان میں

اَلْبِكْرُ كَالثَّيِّبِ وَالْجَدِيْدَةُ كَالْقَدِيْمَةِ وَالْمُسْلِمَةُ كَالْكِتَابِيَّةِ فِيْهِ وَلِلْحُرَّةِ ضِعْفُ الْاَمَةِ وَيُسَافِرُ
کنواری مثل بیاہی کے اور نئی مثل پرانی کے اور مسلمان مثل کتابیہ کے ہے نوبت میں اور آزاد عورت کی باری باندی کی نسبت دونی ہے اور سفر کرے

بِمَنْ شَآءَ وَالْقُرْعَةُ اَحَبُّ وَلَهَا اَنْ تَرْجِعَ اِنْ وَهَبَتْ قَسْمَهَا لِلْاُخْرٰى
ان میں سے جس کے ساتھ چاہے اور قرعہ ڈالنا بہتر ہے اور عورت رجوع کرسکتی ہے اگر اس نے بخش دی ہو اپنی باری دوسری عورت کو

قولہ باب الخ چند اوراق پیشتر مصنف نے ذکر کیا تھا کہ چند عورتوں سے (چار عورتوں سے) نکاح کرنا جائز ہے۔ تو اب ان کے درمیان عدل کو بیان کرنا بھی ضروری ہوگیا کیونکہ شارع کی نظر میں نفس عقد کے لحاظ سے ہر عورت کو برابر کا حق حاصل ہے۔ قسم بفتح قاف وسکون سین مصدر ہے۔ بمعنی عطیہ، رائے، شک، بارش، پانی قدر اور قسم بکسر قاف بمعنی نصیب وحصہ (قاموس) یہاں تسویہ منکوحات مراد ہے جس کا شوہر مامور ہے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔[1] **ولن تستطیعو ان تعدلو ابین النساء ولو حرصتم فلاتمیلوا کل المیل** " ای لن تستطیعوا التسویة فی المحبة فلاتمیلو افی القسم "حضور صلعم نے فرمایا ہے کہ جس کے نکاح میں دو عورتیں ہوں اور وہ کسی ایک کی طرف مائل ہو تو وہ قیامت کے روز اس حال میں آئیگا کہ آدھا بدن ٹیڑھا (مفلوج)[2] ہوگا۔ ان نصوص سے ثابت ہوا کہ قسم میں عدل واجب ہے یعنی منکوحات کو شب باشی، تن پوشی، موانست اور کھانے پینے میں برابر اور دیانۃ گاہ بگاہ جماع کرنیسے عورت کا حق ساقط ہوجاتا ہے۔ اور محبت چونکہ انسان کے اختیار میں نہیں ہے۔ اس لئے اس میں بھی برابر ضروری نہیں۔

قولہ البکر الخ باری وبرابری میں باکرہ ثیبہ، جدیدہ، قدیمہ، مسلمہ، کتابیہ، صحیحہ، مریضہ، حامل، حائل، حائضہ، نافہ، محرمہ، مظاہرہ، عاقلہ، مجنونہ، رتقا، صغیرہ، (جس سے وطی ممکن ہو) کبیرہ ہمارے نزدیک سب برابر ہیں۔ کیونکہ آیت وحدیث مذکور مطلق ہے۔ جس میں باکرہ وثیبہ وغیرہ کا کوئی فرق نہیں۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک باکرہ کے پاس سات دن اور ثیبہ کے پاس تین دن رہے۔ کیونکہ احادیث سے یہ تفصیل ثابت[3] ہے۔ جواب یہ ہے کہ جن احادیث میں سات دن اور تین دن کے متعلق آیا ہے اس کا مطلب باری میں کمی زیادتی کرنا نہیں ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ باری کی ابتدا جدیدہ سے ہونی چاہئے۔ یعنی اگر باکرہ کے پاس سات دن رہے تو اور ازواج کے پاس بھی سات دن رہے اور اگر باکرہ کے پاس تین دن رہے تو اور ازواج کے پاس بھی تین دن رہے۔

قولہ والحرۃ الخ اگر کسی کے نکاح میں باندی ہو امہ ہو یا مکاتبہ، ام ولد ہو یا مدبرہ) تو باندی کے لئے حرہ کے مقابلہ میں نصف قسم ہے یعنی اگر حرہ کے پاس دو شب رہے تو باندی کے پاس ایک شب رہے وعلیٰ ہذا القیاس بذلک ورد الاثر[4]۔

قولہ ویسافر الخ سفر میں باری کا اعتبار نہیں۔ مرد کو اختیار ہے جس کو چاہے سفر میں لیجائے لیکن قرعہ اندازی بہتر ہے جس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک کاغذ پر لفظ سفر اور دوسرے پر لفظ حضر لکھ لے اور گولی بنا کر کسی بچہ کے ذریعہ ازواج کے پاس پہنچادے۔ پس جس کے پاس سفر والی گولی جائے اس کو سفر میں لیجائے، امام شافعی کے نزدیک قرعہ اندازی واجب ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلعم جب سفر کا ارادہ فرماتے تھے تو قرعہ اندازی کرتے تھے۔[5] جواب یہ ہے کہ قرعہ اندازی تطییب خاطر کے لئے ہے لہذا از قبیل استحباب ہوگا نہ کہ از قبیل وجوب۔

قولہ ولہا الخ اگر ایک بیوی نے اپنی باری سوتن کے لئے ہبہ کردی تو یہ صحیح ہے کیونکہ حضرت سودہ نے اپنی باری حضرت عائشہؓ کے لئے ہبہ کی تھی[6] اس کے بعد اگر وہ اپنی باری میں رجوع کرنا چاہئے تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ زمانہ مستقبل میں عورت کا حق واجب نہیں۔ تو اس کے ساقط کرنے سے ساقط بھی نہ ہوگا۔ کیونکہ اسقاط کا تحقق اسی میں ہوسکتا ہے جو پہلے ثابت ہو۔

---

[1] اور تم ہرگز برابر نہ رکھ سکو گے عورتوں کو اگرچہ اس کی حرص کرو سو بالکل پھر بھی نہ جاؤ ۱۲
[2] اصحاب سنن، احمد، ابن راہویہ، بزار، ابن حبان، حاکم عن ابوہریرہ ابونعیم (فی التاریخ) عن انس ۱۲۔ [3] صحیحین ابن ماجہ عن انس، مسلم عن ام سلمہ ۱۲
[4] ابن ابی شیبہ، عبدالرزاق، دارقطنی، بیہقی عن علی ۱۲۔ [5] صحیحین عن عائشہ ۱۲ اللعہ۔ [6] صحیحین عن عائشہ وابن عباس، حاکم عن عائشہ۔

کِتَابُ الرِّضَاعِ

هُوَ مَصُّ الرَّضِيعِ مِنْ ثَدْيِ الْآدَمِيَّةِ فِيْ وَقْتٍ مَّخْصُوْصٍ وَحَرُمَ بِهٖ وَاِنْ قَلَّ فِيْ ثَلٰثِيْنَ شَهْرًا مَا حَرُمَ بِالنَّسَبِ

وہ چوسنا ہے شیر خوار کا کسی عورت کی پستان ایک خاص وقت میں اور حرام ہو جاتے ہیں رضاعت سے گو کم ہو تین ماہ کے اندر تمام وہ رشتے جو حرام ہیں نسب سے

تشریح الفقہ : قولہ کتاب الخ نکاح کا اصلی مقصد تحصیل ولد ہے نہ کہ محض شہوت رانی اور بچہ کی بقا ابتدائی دور میں بلا رضاعت عادۃً ناممکن ہے۔ اس لئے یہاں شیر خوارگی کے احکام کو ذکر کر رہا ہے اور شیر خوارگی چونکہ نکاح کا اثر ہے اور اثر ذی اثر سے مؤخر ہوتا ہے اس لئے اختتام نکاح پر رضاعت کو لا رہا ہے۔ رضاع دراصل راء کے فتحہ کیساتھ ہے اور ایک لغت راء کے کسرہ کی بھی ہے (عنایہ) فتح القدیر میں ہے کہ رضاعۃ چار لغتیں ہیں اور پانچویں رفع ہے مگر امام اصمعی نے رضاعۃ میں راء کے کسرہ کا انکار کیا ہے مصباح میں ہے کہ رضع الصبی رضعا۔ اہل نجد کی لغت میں باب تعب سے ہے اور اہل تہامہ اور اہل مکہ کے یہاں باب ضرب سے لیکن شیخ شرنبلانی نے غنیۃ میں ذکر کیا ہے کہ اس کا فصیح فعل باب علم سے ہے اور اہل نجد اس کو ضرب سے بولتے ہیں۔ وعلیہ قول السلول

یلم علماء زمانہ وذموا لنا الدنیا وھم یرضعونہا

قاموس سے معلوم ہوتا ہے کہ ضاد میں تینوں حرکتیں جائز ہیں۔ کیونکہ صاحب قاموس نے کہا ہے "ان رضع من باب سمع و ضرب و کرم۔

قولہ ھو مص الخ رضاع لغت کے لحاظ سے مص الثدی یعنی چھاتی چوسنا ہے اور شرعاً شیر خوار کا ایک مخصوص مدت میں عورت کی چھاتی چوسنا ہے۔ مص سے مراد وصول ہے یعنی عورت کی چھاتی سے بچہ کے پیٹ میں دودھ کا پہنچ جانا۔ منہ کے راستہ سے ہو یا کہ ناک کے پس عورت اگر اپنا دودھ کسی شیشی وغیرہ میں نکال کر بچہ کے منہ میں ٹپکا دے تو اس سے بھی حرمت ثابت ہو جائیگی گو چوسنا نہیں پایا گیا اس مص وصب اور سعوط وجور (یعنی چوسنے، ڈالنے، چڑھانے اور ٹپکانے) میں کوئی فرق نہیں۔ چوسنا چونکہ پہنچنے کا سبب ہے اس لئے مصنف نے مص سے تعبیر کر دیا۔ گویا سبب بول کر مسبب مراد ہے اور صاحب نہر نے تو یہاں تک کہا ہے کہ چوسنا پہنچنے کو مستلزم۔ کیونکہ صاحب قاموس نے مص کو شرب رقیق سے تعبیر کیا ہے ہم نے منہ اور ناک کی قید لگائی ہے اور اس واسطے کہ کان اور احلیل وغیرہ میں دودھ ٹپکانے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ الآدمیہ کی قید سے مرد اور چوپائے نکل گئے کہ ان کے دودھ سے رضاعت ثابت نہیں ہوتی پھر آدمیہ مطلق ہے لہذا باکرہ، ثیبہ، زندہ مردہ سب کو شامل ہے۔

قولہ وحرم الخ رشتہ رضاعت کے سبب سے تمام وہ عورتیں حرام ہو جاتی ہیں جو نسب سے حرام ہیں (جن کا ذکر محرمات کے ذیل میں گذر چکا ہے) اگرچہ دودھ کم پیا ہو، اجلاء صحابہ حضرت علی، ابن مسعود، ابن عباس، ابن عمر اسی کے قائل ہیں، امام شافعی اور امام احمد فرماتے ہیں کہ پانچ شکم سیر چسکاریوں کے بغیر رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ حضور صلعم کا ارشاد ہے کہ "ایک دو چسکاری یا ایک دو مرتبہ چھاتی میں منہ ڈالنا حرام نہیں کرتا" (۱) ہماری دلیل یہ ہے کہ آیت "وامھا تکم اللتی ارضعنکم" اور حدیث "یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب" (۲) میں کوئی تفصیل نہیں اور خبر واحد کے ذریعہ زیادتی علی الکتاب جائز نہیں، رہی حدیث مذکور سو وہ منسوخ ہے اور نسخ کی تصریح حضرت ابن عباس سے ثابت ہے "کسی نے آپ سے کہا: یہ لوگ کہتے ہیں کہ ایک چسکاری حرام نہیں کرتی، آپ نے فرمایا: یہ

پہلے تھا بعد کو منسوخ ہو گیا" (بحر الرائق) حضرت عائشہ کی حدیث جس سے امام شافعی اور امام احمد استدلال بھی کرتے ہیں یعنی""انزل فی القرآن عشر رضعات معلومات فنسخ من ذالک خمس وصار الی خمس رضعات فتوفی رسول اللہ صلعم والا مر علی ذالک (۱)..." سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خمس رضعات کا حکم منسوخ نہیں ہوا۔ بلکہ آپ کے بعد یہی حکم رہا۔ جواب یہ محال ہے کہ یہ قرآن سے ہو اور پھر خلفاء راشدین جمع نہ کریں ورنہ لازم آئے گا کہ جو مجموعہ بین الدفتین ہے اس میں بھی کچھ حصہ منسوخ ہے۔ اس طرح تو قرآن ہی مشکوک ہو جائیگا۔ نعوذ باللہ منہ۔

قولہ فی ثلاثین الخ مدت رضاعت میں شدید اختلاف ہے امام ابو حنیفہ کے نزدیک اڑھائی سال ہیں۔ اور صاحبین اور امام شافعی کے نزدیک دو سال امام زفر کے نزدیک تین سال، بعض نے پندرہ سال اور بعض نے چالیس سال اور بعض نے پوری عمر مدت رضاعت قرار دی ہے امام زفر فرماتے ہیں کہ سال میں ایک حال سے دوسرے حال کی طرف متحول ہونے کی صلاحیت ہے اور دو سال سے زائد ہونا ضروری ہے (جس کی وجہ امام ابو حنیفہ کی دلیل کے ذیل میں آرہی ہے) صاحبین کی دلیل یہ آیت ہے" **وحملہ وفصالہ ثلثون شھرا**" اس میں حمل وفصال دونوں کی مدت تیس ماہ قرار دی گئی ہے اور حمل کی اقل مدت چھ ماہ ہے پس فصال کے لئے دو سال کی مدت باقی رہی نیز حضور صلعم کا ارشاد ہے کہ" دو سال کے بعد رضاعت نہیں (۲)" امام ابو حنیفہ کی دلیل بھی یہی آیت ہے۔ وجہ استدلال یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے آیت میں دو چیزیں ذکر کیں اور دونوں کے لئے مدت مقرر فرمائی تو وہ مدت دونوں میں سے ہر ایک کے لئے پوری پوری ہوگی جیسے کوئی شخص یوں کہے۔ **لفلان علی الف درھم و خمسۃ اقفزۃ حنطۃ الی شھرین**، تو اسمیں ایک ہزار درہم اور پانچ قفیز گیہوں میں سے ہر ایک کی مدت دو ماہ ہوتی ہے پس مدت رضاعت بھی اڑھائی سال ہوئی اور مدت حمل بھی اڑھائی سال ہوئی مگر مدت حمل میں کمی حدیث سے ثابت ہے اور مدت رضاعت میں کمی ثابت نہیں۔ اسلئے مدت پوری اڑھائی سال رہیگی حدیث یہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ" بچہ پیٹ میں دو سال سے زیادہ نہیں رہتا (۳)" ظاہر ہے کہ اس قسم کا مضمون شارع کے سماع سے ہی معلوم ہو سکتا ہے تو یقیناً حضرت عائشہ نے آنحضرت صلعم سے سنا ہوگا پس یہ قول حدیث مرفوع کے درجہ میں ہے امام صاحب کی طرف سے عقلی دلیل یہ ہے کہ بچہ کی غذا کا متغیر ہونا ضروری ہے جس کیلئے اتنی مدت ہونی چاہیئے جس میں بچہ دودھ کے علاوہ دوسری غذا کا عادی ہو سکے سو اس کے لئے حمل ادنی مدت فرض کی جائے گی۔ کیونکہ ادنی مدت حمل میں یہ صلاحیت موجود ہے چنانچہ جنین کی غذا رضیع اور فطیم کی غذا سے جدا ہوتی ہے سوال: حضرت عائشہ کی حدیث ظنی ہے اور آیت قطعی ہے اور قطعی کی تخصیص ظنی کیساتھ جائز نہیں۔ پھر امام صاحب نے حدیث مذکور کے ذریعہ آیت کی تخصیص کیونکر تجویز کی؟ جواب آیت مذکورہ اپنے ظاہری معنی پر محمول نہیں چنانچہ امام شافعی وغیرہ نے تیس ماہ میں سے چھ ماہ کو مدت حمل مانا ہے اور دو سال کو مدت فصال پس آیت ظاہری معنی پر محمول نہیں چنانچہ امام شافعی وغیرہ نے تیس ماہ میں سے چھ ماہ کو مدت حمل مانا ہے اور دو سال کو مدت فصال پس آیت مؤول ہوگئی اور مؤول کی دلالت قطعی نہیں ہوتی ظنی ہوتی ہے لہذا ظنی کی تخصیص ظنی سے ہوئی جو بلا شبہ درست ہے۔

فائدہ: مصنف نے مدت رضاع کو ثلثین کیساتھ مقید کر کے یہ بتایا ہے کہ مدت رضاعت گذر جانیکے بعد شیر خوارگی سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ اور مدت رضاعت کو حَرُمَ کا ظرف بنا کر یہ بتایا ہے کہ مدت رضاعت میں جو احناف کا اختلاف ہے وہ حرمت کے بارے میں ہے دودھ پلانے کی اجرت کے لزوم میں اختلاف نہیں اسکے لئے بالاتفاق دو ہی سال ہیں پس اگر شوہر بیوی کو طلاق دیدے اور بیوی طلاق کے بعد بچہ کو دودھ پلاتی رہے تو بالاتفاق صرف دو سال کی اجرت پائیگی۔ پھر ثلاثین کی مدت کو مطلق رکھ کر یہ بتایا ہے کہ اگر رضاعت دودھ چھڑانے کے بعد ہو تب بھی حرمت ثابت ہو جائیگی۔ مثلاً چھ ماہ بچہ دال روٹی کھانے لگا اور اسکا دودھ چھڑا دیا گیا پھر اس نے دو برس کے اندر کسی کا دودھ پیا تو حرمت ثابت ہو جائیگی، ظاہر الروایہ یہی ہے (قاضیخاں) اسی پر فتوی ہے (ولوالجیہ) کذا فی الفتح معزیا الی واقعات الناطفی......

---

(۱) مسلم عن عائشہ (۲) دارقطنی عن ابن عباس (مرفوعاً موقوفاً) ... مالک عن ابن عباس (موقوفاً) ابن ابی شیبہ عن ابن عباس ... (موقوفاً)
(۳) دارقطنی بیہقی عن جمیلہ بنت سعد ...

تنبیہ: علامہ زیلعی نے حضرت حسن کی روایت ذکر کرتے ہوئے جو یہ کہا ہے کہ ''اگر مدت رضاع گذرنے سے قبل بچہ کو دودھ کے سوا غذا کھانیکی عادت ہوگئی تو امام صاحب کے نزدیک حرمت ثابت نہیں ہوتی اور اسی پر فتوی ہے یہ قول لائق اعتماد نہیں کیونکہ اختلاف روایات کے وقت ترجیح ظاہر الروایہ کو ہوتی ہے اور ظاہر الروایہ یہ ہے کہ مدت رضاع کے اندر علی الاطلاق حرمت ثابت ہے۔

اِلَّا	اُمُّ	اخته	وَاُخْتُ	اِبْنِهٖ	وَزَوْجُ	مُرْضِعَةٍ	لَبَنُهَا	مِنْهُ	اَبٌ	لِلرَّضِيْعِ

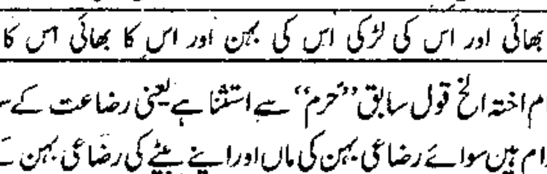
مگر رضاعی بہن کی ماں اور رضاعی بیٹے کی بہن اور شوہر اس دایہ کا جس کا دودھ اس سے ہے باپ ہے شیرخوار کا

وَابْنُهٗ اَخٌ وَبِنْتُهٗ اُخْتٌ وَاَخُوْهُ عَمٌّ وَاُخْتُهٗ عَمَّةٌ

اور اس کا لڑکا اس کا بھائی اور اس کی لڑکی اس کی بہن اور اس کا بھائی اس کا چچا اور اس کی بہن اس کی پھوپی ہے۔

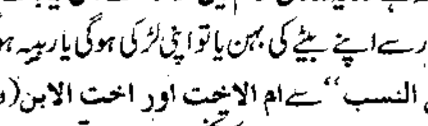
تشریح الفقہ: قولہ الاام اختہ الخ قول سابق ''حرم'' سے استثنا ہے یعنی رضاعت کے سبب سے تمام وہ رشتے حرام ہوجاتے ہیں جو قرابت نسب کی وجہ سے حرام ہیں سوائے رضاعی بہن کی ماں اور اپنے بیٹے کی رضاعی بہن کے کہ یہ حلال ہیں کیونکہ نسبی بہن کی ماں خود اپنی ماں ہے یا اپنے باپ کی مدخولہ ہے اور یہ دونوں حرام ہیں، رضاعت میں یہ بات نہیں یعنی رضاعی بہن کی ماں نہ اپنی ماں ہے اور نہ باپ کی مدخولہ ہے اسی نسب کے اعتبار سے اپنے بیٹے کی بہن یا تو اپنی لڑکی ہوگی یا ربیبہ ہوگی، رضاعت میں یہ بات نہیں، وفقہا جو حدیث ''یحرم من الرضاعة مایحرم من النسب'' سے ام الاخت اور اخت الابن (وغیرہ) کا استثنا کرتے ہیں اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ یہ صحیح نہیں کیونکہ اس میں عقلی دلیل سے حدیث کے عموم کی تخصیص لازم آتی ہے جواب یہ ہے کہ مستثنی صورتوں کی حرمت مصاہرت کے سبب سے ہے نہ کہ نسب کے سبب سے اور استثنا منقطع ہے پس جن صورتوں کو فقہا نے مستثنی کیا ہے ان کو حدیث مذکور شامل ہی نہیں یہاں تک کہ تخصیص بالعقل لازم آئے۔

فائدہ: الاام اختہ اور اخت ابنہ میں چھ صورتیں داخل ہیں تین ام اختہ میں اور تین اخت ابنہ میں پہلی تین صورتیں یہ ہیں۔



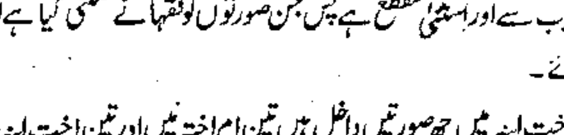
زید اپنی نسبی بہن سعیدہ کی رضاعی ماں حافظہ سے نکاح کر سکتا ہے۔

(۱) ماں رضاعی ہو اور بہن نسبی مثلاً زید کی حقیقی بہن کو حافظہ نے دودھ پلایا تو زید کو حافظہ کیساتھ نکاح کرنا درست ہے۔



زید اپنی رضاعی بہن رشیدہ کی نسبی ماں نعیمہ سے نکاح کر سکتا ہے۔

(۲) بہن رضاعی ہو اور ماں نسبی جیسے زید کی رضاعی بہن رشیدہ ہے تو زید کے لئے رشیدہ کی نسبی ماں حلال ہے۔



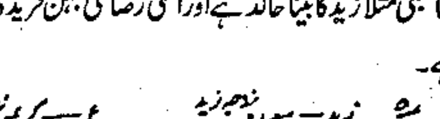
زید اپنی رضاعی بہن رشیدہ کی رضاعی ماں ناصرہ سے نکاح کر سکتا ہے۔

(۳) دونوں رضاعی ہوں مثلاً رشیدہ نے سعیدہ اور ناصرہ دو عورتوں کا دودھ پیا تو زید کے لئے رشیدہ کی رضاعی ماں ناصرہ حلال ہے دوسری تین صورتیں یہ ہیں۔



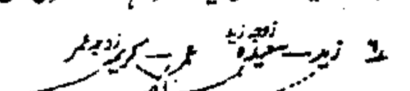
زید اپنے حقیقی بیٹے خالد کی رضاعی بہن فریدہ سے نکاح کرسکتا ہے۔

(۴) بہن رضاعی ہو اور بیٹا نسبی مثلاً زید کا بیٹا خالد ہے اور اسکی رضاعی بہن فریدہ ہے یعنی خالد اور فریدہ نے ایک اجنبی عورت کا دودھ پیا ہے تو زید کیلئے فریدہ حلال ہے۔



زید اپنے رضاعی بیٹے ناصر کی نسبی بہن زینب سے نکاح کرسکتا ہے۔

(۵) بیٹا رضاعی ہو اور بہن نسبی مثلاً زید کا رضاعی بیٹا ناصر ہے اور ناصر کی نسبی بہن زینب ہے تو زید کیلئے زینب حلال ہے۔



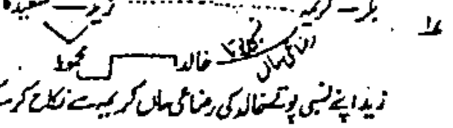
زید اپنے رضاعی بیٹے ناصر کی رضاعی بہن رقیہ سے نکاح کرسکتا ہے۔

(۶) دونوں رضاعی ہوں یہ چھ صورتیں مصنف کے کلام میں داخل ہیں بعض حضرات نے اکیس صورتیں مستثنیٰ کی ہیں چھ تو یہی جو اوپر مذکور ہوئیں اور پندرہ مزید یہ کل اس شعر میں مذکور ہیں۔

یفارق النسب الارضاع فی صور کام نافلة او جدة الولد
وام اخت واخت ابن وام اخ وام خال وعمته ابن اعتمد

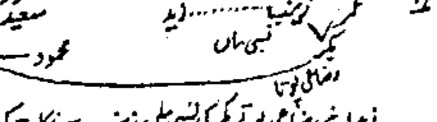
خط کشیدہ الفاظ میں سے ہر ایک تین تین صورتوں کو شامل ہے اول یہ کہ مضاف رضاعی ہو اور مضاف الیہ نسبی ہو دوم یہ کہ مضاف نسبی ہو اور مضاف الیہ رضاعی سوم یہ کہ دونوں رضاعی ہوں پس یہ کل اکیس صورتیں ہوتی ہیں۔

(۱) نسبی پوتے کی رضاعی ماں مثلاً زید کا بیٹا محمود ہے اور محمود کا بیٹا خالد ہے اور خالد کو ایک اجنبی عورت کریمہ نے دودھ پلایا ہے تو زید کو کریمہ کیساتھ نکاح کرنا حلال ہے۔



زید اپنے نسبی پوتے خالد کی رضاعی ماں کریمہ سے نکاح کرسکتا ہے۔

(۲) رضاعی پوتے کی نسبی ماں مثلاً زید کا بیٹا محمود ہے اور محمود کی زوجہ نے بکر کو دودھ پلایا ہے تو بکر زید کا رضاعی پوتا ہوا تو زید کو بکر کی نسبی ماں سے نکاح کرنا حلال ہے۔



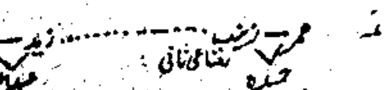
زید اپنے رضاعی پوتے بکر کی نسبی ماں زینب سے نکاح کرسکتا ہے۔

(۳) رضاعی پوتے کی رضاعی ماں مثلاً بکر کو زوجہ محمود کے سوا حلیمہ نے دودھ پلایا تو زید کے لئے حلیمہ حلال ہے۔



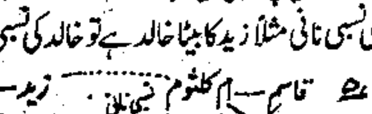
زید اپنے رضاعی پوتے بکر کی رضاعی ماں حلیمہ سے نکاح کر سکتا ہے۔

(۴) نسبی لڑکے کی رضاعی نانی مثلاً زید کے بیٹے عبداللہ کو حمیدہ نے دودھ پلایا تو حمیدہ کی ماں جو عبداللہ کی رضاعی نانی ہوئی زید کے لئے حلال ہے۔



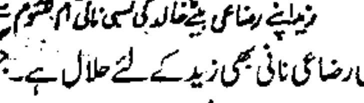
زید اپنے نسبی بیٹے عبداللہ کی رضاعی نانی زینب سے نکاح کر سکتا ہے۔

(۵) رضاعی بیٹے کی نسبی نانی مثلاً زید کا بیٹا خالد ہے تو خالد کی نسبی نانی زید کے لئے حلال ہے۔



زید اپنے رضاعی بیٹے خالد کی نسبی نانی ام کلثوم سے نکاح کر سکتا ہے۔

(۶) رضاعی بیٹے کی رضاعی نانی بھی زید کے لئے حلال ہے۔ جس کی تخریج مثال نمبر ۵ کے بعد نہایت آسان ہے۔

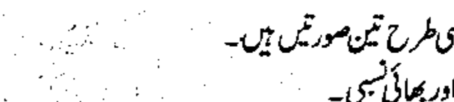


زید اپنے رضاعی بیٹے خالد کی رضاعی نانی ام کلثوم سے نکاح کر سکتا ہے۔

بہن کی ماں اور بیٹے کی بہن کی بھی یہی تین تین صورتیں ہیں جن کا بیان مصنف کے قول الام اختہ واخت ابنہ'' کے ذیل میں مع امثلہ گذر چکا۔

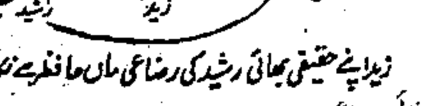
بھائی کی ماں کی بھی اسی طرح تین صورتیں ہیں۔

(۷) ماں رضاعی ہو اور بھائی نسبی۔



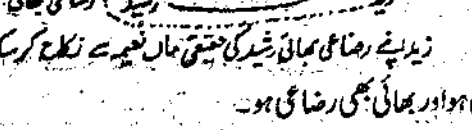
زید اپنے حقیقی بھائی رشید کی رضاعی ماں حافظہ سے نکاح کر سکتا ہے۔

(۸) ماں نسبی ہو اور بھائی رضاعی۔



زید اپنے رضاعی بھائی رشید کی حقیقی ماں نعیمہ سے نکاح کر سکتا ہے۔

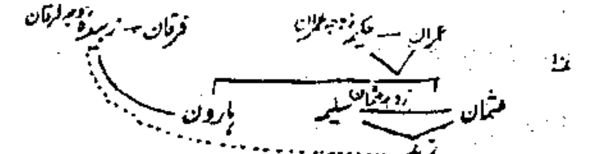
(۹) ماں بھی رضاعی ہو اور بھائی بھی رضاعی ہو۔



زید اپنے رضاعی بھائی رشید کی رضاعی ماں ناصرہ سے نکاح کر سکتا ہے۔

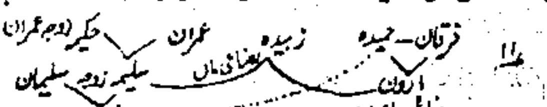
ماموں کی ماں کی بھی یہی تین صورتیں ہیں۔

(۱۰) ماموں نسبی ہو اور ماں رضاعی مثلاً زید کے نسبی ماموں ہارون کو زبیدہ اجنبیہ نے دودھ پلایا تو زید کے لئے ماموں کی دایہ زبیدہ حلال ہے۔



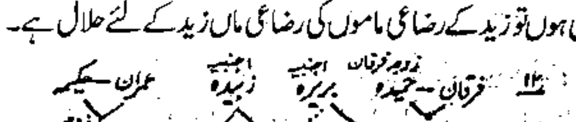
زید کا اپنے نسبی ماموں ہارون کی رضاعی ماں زبیدہ سے نکاح درست ہے۔

(۱۱) ماموں رضاعی ہو اور ماں نسبی تو زید کے لئے رضاعی ماموں کی نسبی ماں حلال ہے۔



زید اپنے رضاعی ماموں ہارون کی نسبی ماں حمیدہ سے نکاح کر سکتا ہے۔

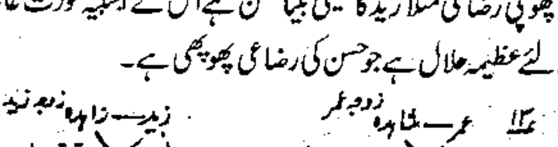
(۱۲) دونوں رضاعی ہوں تو زید کے رضاعی ماموں کی رضاعی ماں زید کے لئے حلال ہے۔



زید اپنے رضاعی ماموں ہارون کی رضاعی ماں بریرہ سے نکاح کر سکتا ہے۔

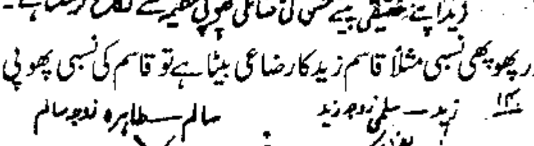
بیٹے کی پھوپی کی بھی تین صورتیں ہیں۔

(۱۳) بیٹا نسبی ہو اور پھوپی رضاعی مثلاً زید کا حقیقی بیٹا حسن ہے اس نے اجنبیہ عورت عابدہ کا دودھ پیا جو خالد کی زوجہ ہے اور خالد کی بہن عظیمہ ہے تو زید کے لئے عظیمہ حلال ہے جو حسن کی رضاعی پھوپھی ہے۔



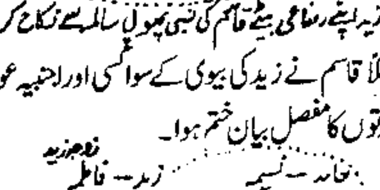
زید اپنے حقیقی بیٹے حسن کی رضاعی پھوپی عظیمہ سے نکاح کر سکتا ہے۔

(۱۴) بیٹا رضاعی ہو اور پھوپھی نسبی مثلاً قاسم زید کا رضاعی بیٹا ہے تو قاسم کی نسبی پھوپی زید کے لئے حلال ہے۔



زید اپنے رضاعی بیٹے قاسم کی نسبی پھوپی سالمہ سے نکاح کر سکتا ہے۔

(۱۵) دونوں رضاعی ہوں مثلاً قاسم نے زید کی بیوی کے سوا کسی اور اجنبیہ عورت کریمہ کا دودھ پیا تو کریمہ کے خاوند کی بہن زید لیے لئے حلال ہے یہاں تک اکیس صورتوں کا مفصل بیان ختم ہوا۔



زید اپنے رضاعی بیٹے قاسم کی رضاعی پھوپی نعیمہ سے نکاح کر سکتا ہے۔

علامہ طحطاوی نے ذکر کیا ہے کہ ابن وہبان نے شرح منظوم میں مسائل استثناء رضاعت کچھ اوپر ستر ذکر کئے ہیں۔ صاحب بحر کہتے ہیں کہ یہ اس کی کتاب کا خاصہ ہے پھر صاحب بحر نے مسائل مذکورہ کو اکاسی تک پہنچا کر کہا کہ یہ میری کتاب کا خاصہ ہے اس کے بعد صاحب نہر نے ایک سو آٹھ تک پہنچا کر کہا کہ یہ میری کتاب کا خاصہ ہے۔ صاحب درمختار نے ایک سوبیس تک پہنچا کو کہا ہے کہ یہ میری کتاب کا خاصہ ہے شیخ عابد مدنی نے دوسو سولہ تک پہنچا کر کہا ہے کہ یہ میری کتاب کا خاصہ ہے میں کہتا ہوں کہ ہر پیچیدہ مسئلہ کو نقشوں کے ساتھ سمجھنا میری کتاب کا خاصہ ہے واللہ الموفق۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ **الصناعه تتكامل بتلاحق الافكار**۔

قولہ وزوج الخ لبن سے مراد وہ دودھ ہے جو کسی مرد کے وطی کرنے پر ولادت کے سبب سے پیدا ہوا ہو خواہ وہ مرد اس عورت کا شوہر ہو جس کے دودھ اترا ہے یا اس کا آقا ہو پس متن میں زوج کی قید احترازی نہیں اتفاقی ہے مطلب یہ ہے کہ جب عورت سے بچہ کو دودھ پلایا تو اب وہ اس کی ماں ہوگئی اور اس کا شوہر بچہ کا باپ ہوگیا (**فلايحل لكل منهما موطوءة الاخر**) بشرطیکہ اسکا دودھ اسی شوہر سے پیدا ہوا ہو، اگر دودھ پہلے شوہر سے ہو تو دوسرا شوہر بچہ کا باپ نہ ہوگا بلکہ وہ شیر خوار اس کا رضاعی ربیب ہوگا (**حتى جاز لذالك الولدان يتزوج باولاد الثانى من غيرها**)۔

وَتَحِلُّ	اُخْتُ	اَخِيْهِ	رِضَاعًا	وَنَسَبًا	وَلَا يَحِلُّ	بَيْنَ رَضِيْعَىْ	ثَدْىٍ	وَبَيْنَ مُرْضِعَةٍ	وَوَلَدِ مُرْضِعَتِهَا
اور حلال ہے	بھائی کی	رضاعی بہن	اور نسبی بہن		اور نہیں ہے حلت	ایک پستان کے دوشیر خواروں میں		اور نہ شیر خوار لڑکی	اور اس کی دایہ کے لڑکے

وَوَلَدِ	وَلَدِهَا	وَاللَّبَنُ	الْمَخْلُوْطُ	بِالطَّعَامِ	لَا	يُحَرِّمُ
اور اس کے پوتے کے درمیان		اور	کھانے کے ساتھ ملا ہوا	دودھ		حرام نہیں کرتا

وَيُعْتَبَرُ	الْغَالِبُ	بِمَآءٍ	اَوْ	دَوَآءٍ	اَوْ	لَبَنِ	شَاةٍ	اَوْ	اِمْرَأَةٍ اُخْرٰى
اور اعتبار کیا جائیگا	غالب کا	اگر دودھ پانی	یا	دوا	یا	بکری		یا دوسری	عورت کے دودھ کیساتھ مخلوط ہو۔

توضیح اللغۃ: حلّ حلت، حلال ہونا، رضیع: شیر خوار۔ ثدی: چھاتی۔ مرضعۃ: بفتح ضاد اسم مفعول ہے۔ لبن: دودھ۔

تشریح الفقہ: قولہ وتحل الخ رضاعاً کا تعلق "اخت اخیہ" کے مضاف سے بھی ہو سکتا ہے اور مضاف الیہ سے بھی اور مضاف ومضاف الیہ ہر دو سے بھی مضاف کیساتھ رضاعت کے تعلق کی صورت یہ ہے کہ اس کے نسبی بھائی کی رضاعی بہن ہو اور مضاف الیہ کیساتھ تعلق کی صورت یہ ہے کہ اسکے رضاعی بھائی کی نسبی بہن ہو اور دونوں کے ساتھ تعلق کی صورت یہ ہے کہ رضاعی بھائی کی رضاعی بہن ہو۔ اور نسباً کا تعلق مضاف ومضاف الیہ میں سے تنہا کسی ایک کیساتھ نہیں۔ بلکہ دونوں کیساتھ ہے۔ اس واسطے کہ اگر نسباً کا تعلق صرف مضاف سے ہو تو مضاف الیہ رضاعی ہوگا اور اگر صرف مضاف الیہ سے ہو تو مضاف نسبی ہوگا بہر دو صورت تکرار لازم آئے گا کیونکہ یہ دونوں صورتیں مسئلہ سابق میں داخل ہیں۔ نسب کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص کے دو لڑکے دو بیبیوں سے ہوں اور ان بیبیوں میں سے ایک کی لڑکی بھی ہو مگر دوسرے خاوند سے تو یہ لڑکی دوسری بی بی کے لئے حلال ہے کیونکہ ان میں کوئی قرابت نہیں۔ لیکن اسی بی بی کے لڑکے کیلئے حلال نہیں کیونکہ وہ اس کی اخیافی بہن ہے۔

قولہ و لاحل الخ اگر دونوں بچوں نے کسی ایک ہی عورت کا دودھ پیا تو وہ دونوں آپس میں بھائی بہن ہیں ان میں حلت کی کوئی صورت نہیں۔ کیونکہ اگر اس عورت کا دودھ دو شوہروں سے ہو تو وہ دونوں آپس میں ماں شریک بھائی بہن ہیں اور اگر دودھ ایک شوہر سے ہو تو وہ ماں باپ شریک بھائی بہن ہیں۔ اسی طرح شیر خوار لڑکی اور اس کی دایہ کے بیٹے کے درمیان حلت نہیں کیونکہ وہ دونوں رضاعی بھائی بہن ہیں۔ نیز شیر خوار لڑکی اور اس کی دایہ کے پوتے کے درمیان بھی حلت نہیں کیونکہ دایہ کا پوتا بھتیجا ہوتا ہے۔

قولہ واللبن الخ اگر دودھ کھانے کے ساتھ مخلوط ہو یا مغلوب۔ امام صاحب کے نزدیک اس سے حرمت ثابت نہیں ہوتی

صاحبین کے نزدیک دودھ کو کھانے کیساتھ آگ پر نہ پکایا گیا ہو۔ اگر پکالیا گیا ہو تو بالاتفاق حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ مخلوط میں غالب ہی کا اعتبار ہوتا ہے۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ مقصود یعنی غذائیت کے لحاظ سے کھانا اصل ہے اور دودھ تابع پس تابع ہونے کی وجہ سے دودھ مغلوب ہی رہے گا گو غالب ہو۔

قولہ ویعتبر الخ اور اگر دودھ پانی یا دوا یا بکری کے دودھ یا کسی دوسری عورت کے دودھ کے ساتھ مخلوط ہو تو غالب کا اعتبار ہوگا پانی کے ساتھ مخلوط ہونے میں امام شافعی کا اختلاف ہے وہ یہ فرماتے ہیں کہ اگر پانی میں پانچ چسکاریوں کے بقدر دودھ مخلوط ہو تو حرمت ثابت ہو جائیگی کیونکہ اس میں حقیقۃً دودھ موجود ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ شئی مغلوب حکماً موجود نہیں ہوتی۔ آخری صورت میں عدم ثبوت حرمت امام ابو یوسف کے نزدیک ہے اور ایک روایت امام صاحب سے بھی یہی ہے۔ کیونکہ وہ دونوں مل کر شئی واحد ہو گئے۔ لہذا اقل کو اکثر کے تابع کر دیا جائیگا، امام محمد و امام زفر کے نزدیک حرمت ثابت ہو جائیگی۔ وہ یہ فرماتے ہیں کہ جنس جنس پر غالب نہیں ہوتی۔ فان الشئی لا یصیر مستھلکاً فی جنسہ لاتحاد المقصود۔　　محمد حنیف غفرلہٗ گنگوہی

وَلَبَنُ الْبِكْرِ وَالْمَيِّتِ مُحَرِّمٌ لَا الْاِحْتِقَانُ وَلَبَنُ الرَّجُلِ وَلَوْ اَرْضَعَتْ ضَرَّتَهَا حَرُمَتَا

اور کنواری عورت اور مردہ عورت کا دودھ محرم ہے نہ کہ حقنہ کرنا اور مرد کا دودھ اور بکری کا دودھ اور اگر دودھ پلادے عورت اپنی سوت کو تو دونوں حرام

وَلَامَهْرَ لِلْكَبِيْرَةِ اِنْ لَمْ يَطَأْهَا وَلِلصَّغِيْرَةِ نِصْفُهٗ وَيَرْجِعُ بِهٖ عَلَى الْكَبِيْرَةِ اِنْ تَعَمَّدَتِ[1] الْفَسَادَ

ہو جائیں گی اور بڑی کو مہر نہ ملیگا اگر اس سے وطی نہ کی ہو اور چھوٹی کو نصف مہر ملے گا اور یہ بڑی سے لے لیگا اگر اس نے فساد نکاح کا ارادہ کیا ہو

وَاِلَّا لَا وَيَثْبُتُ الرَّضَاعُ بِمَا يَثْبُتُ بِهِ الْمَالُ

ورنہ نہیں اور دودھ پینا اس سے ثابت ہوتا ہے جس سے مال ثابت ہوتا ہے۔

تشریح الفقہ :

قولہ ولبن الخ نو برس کی کنواری لڑکی کے دودھ سے اور مردہ عورت کے دودھ سے بھی حرمت ثابت ہو جاتی ہے۔ امام شافعی کے یہاں مردہ عوت کے دودھ سے حرمت ثابت نہیں ہوتی وہ یہ فرماتے ہیں کہ ثبوت کے سلسلہ میں اصل عورت ہے اسکے واسطے سے حرمت دوسروں تک متعدی ہو جاتی ہے اور مرنے کے بعد وہ محل حرمت ہی نہیں رہی۔ یہی وجہ ہے کہ مردہ عورت کیساتھ وطی کرنے سے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ سبب حرمت رضاع شبہ جزئیت ہے جو دودھ میں بایں معنی ہے کہ بچہ اس سے نشوونما پاتا ہے اور یہ چیز دودھ میں بہر حال موجود ہے بخلاف مسئلہ مصاہرت کے کہ وہاں جو وطی میں شبہ جزئیت ہوتا ہے وہ بایں معنی ہوتا ہے کہ وہ موضع حرث سے ملاقی ہوتی ہے اور مرنے کے بعد اس کا محل حرث ہونا زائل ہو چکا۔ فافترقا۔

قولہ ولو ارضعت الخ ایک شخص کے نکاح میں دو عورتیں تھیں ایک کبیرہ ایک صغیرہ کبیرہ نے یہ حرکت کی کہ صغیرہ کو اپنا دودھ پلادیا تو شوہر پر وہ دونوں حرام ہو گئیں کیونکہ اب وہ دونوں آپس میں رضاعی ماں بیٹی ہو گئیں۔ اور رضاعی ماں بیٹی کا اجتماع جائز نہیں اب اگر شوہر کبیرہ کیساتھ وطی کر چکا ہو تو مہر لازمی ہے اور اگر وطی نہ کی ہو تو کبیرہ کو مہر نہیں ملے گا۔ کیونکہ فرقت اسی کی جانب سے واقع ہوئی ہے۔ اور صغیرہ کو نصف مہر ملے گا کیونکہ فرقت اس کی جانب سے نہیں آئی اور دودھ پینا گو اس کا فعل ہے مگر اسقاط حق میں اس کا اعتبار نہیں۔ البتہ شوہر نے جو نصف مہر صغیرہ کو دیا ہے وہ کبیرہ سے وصول کرلےگا بشرطیکہ کبیرہ نے فساد نکاح کا قصد کیا ہو۔ اور اگر اس کا مقصد فساد نکاح نہ ہو بلکہ دفع

[1] التعمد الفساد شروط الاول ان تکون عاقلة فلا رجوع علی المجنونة الثانی ان تعلم بالنکاح الثالث ان تعلم ان الرضاع مفسد، الرابع ان یکون من غیر حاجة بان کانت شبعانة فان ارضعتها علی ظن انها جائعة ثم ظہر انها شبعانة لاتکون متعمدة الخامس ان تکون متیقظة فلو ارتضعت منہا وہی نائمة لاتکون متعمدة والقول قولہا مع یمینها انہا لم تتعمد ۱۲ بحر بحذف وزیادة۔

گرسنگی وغیرہ ہوتو پھر رجوع کا بھی حق نہیں۔

قولہ ویثبت الخ ہمارے یہاں رضاعت کا ثبوت اسی حجت سے ہوتا ہے جس سے مال کا ثبوت ہوتا ہے یعنی دو عادل مردوں یا ایک عادل مرد اور دو عادل عورتوں کی گواہی سے امام مالک فرماتے ہیں کہ صرف ایک عادلہ عورت کی گواہی سے بھی رضاعت کا ثبوت ہو جائیگا کیونکہ حرمت رضاعت منجملہ حقوق شرع کے ایک حق ہے پس خبر واحد سے ثابت ہوسکتا ہے جیسے ایک شخص نے گوشت خریدا اور کسی نے اس کو خبر دیدی کہ یہ مجوسی کا ذبیحہ ہے تو اس کے لئے کھانا جائز نہیں ہم یہ کہتے ہیں کہ باب نکاح میں ثبوت حرمت زوال ملک سے جدا نہیں ہوتی کیونکہ بقاء نکاح مع ثبوت حرمت دائم متصور نہیں ہوسکتا اور بطلان نکاح دو عادل مردوں یا ایک عادل مرد اور دو عادل عورتوں کے بغیر نہیں ہوتا تو حرمت کا ثبوت بھی اس کے بغیر نہیں ہوسکتا بخلاف گوشت کے مسئلے کے کہ حرمت تناول زوال ملک سے جدا ہوسکتی ہے جیسے شراب میں حرمت کے باوجود ملک یمین ثابت ہو جاتی ہے۔

كِتَابُ الطَّلَاقِ

هُوَرَفْعُ الْقَيْدِ الثَّابِتِ شَرْعًا بِالنِّكَاحِ وَتَطْلِيْقُهَا وَاحِدَةً فِيْ طُهْرٍلَاوَطْيَ فِيْهِ وَتَرْكُهَاحَتّٰى تَمْضِيَ عِدَّتُهَا اَحْسَن

وہ دور کرنا ہے اس قید کو جو ثابت ہوتی ہے شرعاً نکاح کے ذریعہ عورت کو ایک طلاق دینا ایسے طہر میں جس میں وطی نہ ہو اور چھوڑ دینا یہاں تک کہ اس کی مدت گذر جائے احسن ہے۔

قولہ کتاب الخ نکاح چونکہ طلاق پر طبعاً مقدم ہے اس لئے احکام نکاح کے بعد طلاق کو ذکر کر رہا ہے تاکہ وضع وطبع دونوں متوافق ہو جائیں اور نکاح وطلاق کے درمیان رضاع کو اس مناسبت سے لایا کہ رضاعت سے بھی حرمت ثابت ہوتی ہے اور طلاق سے بھی فرق اتنا ہے کہ رضاعت سے حرمت موبدہ ثابت ہوتی ہے اور طلاق سے غیر موبدہ فقدم الاشد علی الاخف، طلاق اسم مصدر ہے بمعنی تطلیق جیسے سراح بمعنی تسریح سلام بمعنی تسلیم ومنہ قولہ تعالیٰ "الطلاق مرتان" (معراج) یا طلقت (لام کے ضمہ اور فتحہ کے ساتھ) طلاقا کا مصدر ہے اور اخفش سے گو مضموم اللام کی نفی مروی ہے مگر دیوان الادب میں ہے کہ یہ بھی ایک لغت ہے، طلاق لغت میں مطلقاً بن کھولنے کو کہتے ہیں یقال اطلق الناقۃ اس نے اونٹنی کے پاؤں باندھنے کی رسی کھولدی، شرعی معنی آگے آرہے ہیں۔

فائدہ: جملہ مباح چیزوں میں زیادہ بری شئی طلاق ہے آنحضرت صلعم کا ارشاد ہے "ان ابغض المباحات عند اللّٰہ الطلاق" لیکن تباین اخلاق اور زوجین کی ناموافقت کے وقت جدائی کے سوا کوئی علاج نہیں اس واسطے شریعت نے طلاق کو جائز رکھا ہے حدیث میں جو اس کو مبغوض ہونے کے ساتھ موصوف کیا گیا اس سے کراہت لازم نہیں آتی جیسا کہ بعض حضرات نے ذکر کیا ہے اس واسطے کہ خود حدیث مذکور میں اس کا مضاف الیہ المباحات موجود ہے اور افعل تفضیل اپنے مضاف الیہ کا بعض ہوتا ہے نیز آیت " لاجناح علیکم ان طلقتم النساء مالم تمسوھن " دلیل یہ ہے کہ بوقت ضرورت طلاق مکروہ نہیں ہے۔

قولہ وہو رفع الخ فقہاء کے یہاں طلاق اس قید کے دور کرنے کو کہتے ہیں جو شریعت سے نکاح کے ذریعہ ثابت ہوتی ہے شرعاً کی قید سے قید حسی نکل گئی اور نکاح کی قید سے عتق خارج ہوگیا۔ مگر اس تعریف پر جامع مانع نہ ہونیکا اعتراض ہے کیونکہ احد الزوجین کی ردت اور خیار بلوغ وعتق میں قاضی کا تفریق کرنا فسخ نکاح ہوتا ہے نہ کہ طلاق حالانکہ طلاق کی تعریف مذکور ان پر صادق ہے اور رجعت میں رفع قید نہیں ہوتا حالانکہ طلاق ہوتی ہے پس طلاق کی بہتر تعریف یہ ہے" ھو رفع قید النکاح حالاً اومآلاً بلفظ مخصوص "یعنی طلاق مخصوص الفاظ کے ساتھ رفع قید نکاح کو کہتے ہیں خواہ رفع قید فی الحال ہو یا آخر کار پس نکاح کی قید سے قید حسی اور عتق خارج ہوگیا اور لفظ مخصوص کی قید سے فسخ یعنی تفریق ارتدادی اور خیار بلوغ وخیار عتق نکل گیا اور مآلاً کی قید سے طلاق رجعی داخل ہوگئی تامل:

قولہ تطلیقہ الخ طلاق کی تین قسمیں ہیں احسن حسن (سنی) بدعی طلاق احسن یہ ہے کہ جس طہر مین وطی نہ ہوئی ہو اس میں ایک دیکر چھوڑ دے یہاں تک کہ اسکی عدت گذر جائے۔ کیونکہ صحابۂ کرام اسی کو مستحب سمجھتے تھے اس طلاق کا احسن ہونا بایں اعتبار ہے کہ یہ

دوسری طلاق یعنی حسن و بدعی کے لحاظ سے احسن ہے نہ کہ بایں اعتبار کہ یہ فی نفسہ احسن ہے حتی یروانہ ابغض المباحات فکیف یکون احسن۔

وَثَلاثًا فِیْ اَطْهَارٍ حَسَنٌ وَسُنِّیٌّ وَثَلاثًا فِیْ طُهْرٍ اَوْبِكَلِمَةٍ بِدْعِیٌّ وَغَیْرُ الْمَوْطُوْاَةِ تُطَلَّقُ لِلسُّنَّةِ وَلَوْ حَائِضاً

اور تین طلاقیں تین طہروں میں دینا حسن اور سنی ہے اور تین طلاق ایک طہر میں یا ایک کلمہ کے ساتھ بدعی ہے اور غیر موطوءہ کو سنی طلاق دیجا سکتی ہے

وَفَرَّق عَلَی الاَشْهُرِ فِیْمَنْ لاَ تَحِیْضُ وَصَحَّ طَلاَقُهُنَّ بَعْدَ الْوَطْیِ وَطَلاَقُ الْمَوْطُوْاَةِ

گو وہ حائضہ ہو اور متفرق کرے مہینوں پر اس عورت کی طلاق کو جس کو حیض نہ آتا ہو اور صحیح ہے ان کو طلاق دینا وطی کے بعد اور موطوءہ عورت کو

حَائِضًا بِدْعِیٌّ فَیُرَاجِعُهَا وَیُطَلِّقُهَا فِیْ طُهْرٍ ثَانٍ وَلَوْ قَالَ لِمَوْطُوْاَتِهٖ اَنْتِ طَالِقٌ ثَلٰثًا لِلسُّنَّةِ

بحالت حیض طلاق دینا بدعی ہے پس اس سے رجعت کر لے اور دوسرے طہر میں طلاق دے اگر کہا اپنی موطوءہ سے کہ تجھے تین طلاقیں ہیں بطور سنت

وَقَعَ عِنْدَ كُلِّ طُهْرٍ طَلْقَةٌ وَاِنْ نَوٰی اَنْ یَّقَعَ الثَّلٰثُ السَّاعَةَ اَوْعِنْدَ كُلِّ شَهْرٍ وَاحِدَةٌ صَحَّتْ وَیَقَعُ

تو واقع ہوگی ہر طہر میں ایک طلاق اور اگر نیت کر لے کہ تینوں اسی وقت واقع ہوں یا ہر مہینے میں ایک واقع ہو تو یہ بھی صحیح ہے اور واقع ہو جاتی ہے

طَلاَقُ كُلِّ زَوْجٍ عَاقِلٍ بَالِغٍ وَلَوْمُكْرَهًا اَوْسُكْرَانًا وَاَخْرَسَ بِالْاِشَارَةِ وَلَوْعَبْدًا لاَطَلاَقُ الصَّبِیِّ

طلاق ہر ایسے شوہر کی جو عاقل بالغ ہو گو اس سے زبردستی لیگئی ہو یا وہ مست ہو اور گونگے کی طلاق اشارہ کے ساتھ آزاد ہو یا غلام نہ کہ طلاق بچہ کی

وَالْمَجْنُوْنِ وَالنَّائِمِ وَسَیِّدٍ عَلٰی اِمْرَاَةِ عَبْدِهٖ وَاعْتِبَارُهٗ بِالنِّسَآءِ فَطَلاَقُ الْحُرَّةِ ثَلٰثٌ وَالْاَمَةِ ثِنْتَانِ

اور دیوانے کی اور نائم کی اور آقا کی اپنے غلام کی بیوی پر اور طلاق کا اعتبار عورتوں سے ہے پس آزاد عورت کی طلاق تین ہیں اور باندی کی دو۔

طلاق کی اقسام کا بیان

توضیح اللغۃ: اطہار جمع طہر پاکی کا زمانہ، مکرہ جس سے زبردستی طلاق دلائی گئی ہو۔ سکران مست، اخرس گونگا۔

تشریح الفقہ: قولہ وثلاثا الخ طلاق حسن یہ ہے کہ تین طہروں میں جدا جدا تین طلاقیں دے اگر عورت کو حیض آتا ہو۔ اور اگر حیض نہ آتا ہو جیسے آئسہ۔ صغیرہ اور حاملہ تو اس کو تین مہینے میں تین طلاق دے مصنف نے حسن کے ساتھ جو لفظ سنی ذکر کیا ہے اس کی یہ وجہ نہیں کہ صرف طلاق حسن سنی ہے اور طلاق احسن سنی نہیں اس واسطے کہ جب طلاق حسن سنی یعنی مسنون ہوئی تو طلاق احسن بطریق اولیٰ مسنون ہوگئی بلکہ وجہ یہ ہے کہ اس میں امام مالک پر رد مقصود ہے کیونکہ وہ اس کو بدعت کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ طلاق میں اصل اسکا ممنوع ہونا ہے مگر بعض اوقات اسکی ضرورت واقع ہوتی ہے اس لئے اس کو مباح کر دیا گیا اور ضرورت ایک سے پوری ہوسکتی ہے پس ایک سے زائد مسنون نہ ہوگی رد کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلعم نے حضرت ابن عمر سے فرمایا تھا کہ سنت یہ ہے کہ طہر کا انتظار کرے اور ہر طہر میں طلاق دے[1]، طلاق بدعی یہ ہے کہ ایک ہی طہر میں تین طلاقیں دے دے یا ایک کلمہ کے ساتھ تین طلاقیں دیدے بان یقول انت طالق ثلاثا۔

فائدہ: طلاق بدعی کی آٹھ صورتیں ہیں۔ (۱) ایک طہر میں متفرق یا ایک (۲) ہی لفظ کے ساتھ تین طلاقیں دینا، (۳) ایک لفظ سے دو طلاقیں دینا، (۴) دو لفظوں سے دو طلاقیں اور اول طہر میں دینا جس میں رجعت نہ ہو (۵) حیض کیحالت میں طلاق دینا، (۶) اس طہر میں طلاق دینا جس میں وطی ہو چکی ہو یا (۷) طہر سے قبل حیض میں وطی ہو چکی ہو (۸) حالت نفاس میں طلاق دینا۔

قولہ وطلاق الموطوءۃ الخ مدخولہ عورت کو حالت حیض میں طلاق دینا بدعی یعنی حرام ہے اور بنا بر قول اصح رجوع کر لینا واجب ہے اس کے بعد جب حیض سے پاک ہو جائے تو چاہے نکاح میں رکھے اور چاہے تو طہر میں طلاق دیدے اس واسطے کہ حضرت ابن عمر نے جب اپنی بیوی[2] کو حالت حیض میں طلاق دی تو آنحضرت صلعم نے حضرت عمر سے فرمایا صاحبزادے سے کہدو رجوع کرے۔[3]

قولہ ولو قال الخ ایک شخص نے اپنی مدخولہ بیوی سے (جو ذوات الحیض میں سے تھی) کہا کہ تجھے بطریق سنت تین طلاق تو ہر طہر میں

---

[1] دار قطنی، طبرانی، ہیثمی (فی مجمع الزوائد) عن ابن عمر ۱۲ (۲) ... آمنہ بنت غفار ۱۲ (۳) آئمہ ستہ عن ابن عمر ۱۲

ایک طلاق واقع ہوگی کیونکہ ''للسنۃ'' میں لام وقت کے لئے ہے فکانہ ''قال'' وقت السنۃ'' اور طلاق سنی کا وقت طہر ہی ہے جس میں جماع نہ ہو۔ یا لام برائے اختصاص ہے یعنی تین طلاقیں جو سنت کے ساتھ مخصوص ہیں اور طلاق مطلق ہے پس اس سے فرد کامل مراد ہوگا اور طلاق سنی کا فرد کامل وہی ہے جو عدد اور وقت ہر دو اعتبار سے سنت ہو لہذا تین طلاقیں تین طہروں میں واقع ہوں گی اور اگر وہ فی الحال تینوں طلاقوں کے واقع ہونیکی نیت کرلے یا ہر مہینے کے شروع میں ایک طلاق واقع ہونے کی نیت کرلے تو یہ بھی صحیح ہے کیونکہ کلام میں اس کا بھی احتمال ہے۔

قولہ ویقع الخ ہمارے نزدیک طلاق ہر عاقل بالغ شوہر کی واقع ہوجاتی ہے اگرچہ وہ مکرہ ہو یعنی کسی نے اس سے زبردستی طلاق دلوائی ہو یا شوہر بھنگ افیون یا خراسانی اجوائن وغیرہ کے نشہ میں مست ہو بہر حال طلاق واقع ہوجائے گی۔

ابن عمر، شعبی، زہری، قتادہ، ابوقلابہ، سعید بن جبیر، ابن المسیب، شریح اسی کے قائل ہیں، امام شافعی، مالک، احمد کے نزدیک ان کی طلاق واقع نہیں ہوتی، حضرت عمر، علی، ابن عباس، زبیر، عمرو بن عبدالعزیز، حسن، ضحاک اور عطاء سے یہی مروی ہے ان حضرات کی دلیل حضور صلعم کا یہ ارشاد ہے کہ ''میری امت سے خطا اور بھول چوک اور اس چیز کو اٹھالیا گیا جو ان سے زبردستی کرائی جائے''[1] نیز آپ کا ارشاد ہے ''لاطلاق ولا عتاق فی اغلاق [2]'' ابن قتیبہ نے کہا کہ اغلاق کے معنی (اکراہ ہیں عقلی دلیل یہ ہے کہ تصرفات شرعیہ کا اعتبار اختیار کے ساتھ ہوتا ہے اور اختیار اکراہ کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتا ہماری دلیل حضور صلعم کا ارشاد ہے ''ثلاث جدھن جد وھزلھن جد النکاح والطلاق والرجعۃ[3]'' نیز روایت میں ہے کہ ایک عورت نے تلوار سونت کر شوہر سے کہا یا تو مجھے طلاق دے ورنہ قتل کرڈالوں گی اس نے طلاق دیدی اور معاملہ حضرت عمر کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے اس کی طلاق کو نافذ کردیا[4]'' نیز فتح القدیر میں حضرت عمر کا قول مروی کہ ''اربع مبھمات مقفلات لیس فیھن ردالنکاح والطلاق والعتاق والصدقۃ'' عقلی دلیل یہ ہے کہ اکراہ میں مکرہ کا قصد و اختیار سلب نہیں ہوتا کیونکہ جب وہ شرین میں سے اہون کو اختیار کررہا ہے تو یہ کھلی دلیل ہے کہ اس کا اختیار سلب نہیں ہوا زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ وہ اس سے راضی نہیں اور طلاق کا وقوع رضا پر موقوف نہیں بہر کیف مکرہ کی طلاق واقع ہوتی ہے رہے۔ مذکورہ بالا استدلالات سو پہلی حدیث کا جواب یہ ہے کہ اس میں بالاجماع حکم اخروی مراد ہے نہ کہ حکم دنیوی اور دوسری حدیث میں ابوداؤد اور امام احمد نے اغلاق کی تفسیر غضب کے ساتھ کی ہے حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں:۔

فائدہ: بیس معاملات میں جو بحالت اکراہ بھی صحیح ہوتے ہیں صاحب نہر نے ان کو ان اشعار میں جمع کیا ہے۔

(۱) طلاق و (۲) ایلاء (۳) ظہار و (۴) رجعۃ (۵) نکاح مع (۶) الاستیلا (۷) عفو عن العمد
(۸) رضاع و (۹) ایمان (۱۰) وفی و (۱۱) نذرۃ (۱۲) قبول لایداع کذا (۱۳) تصلح عن عمد
(۱۴) طلاق علی جعل (۱۵) یمین بہ اتت کذا (۱۶) العتق (۱۷) والا سلام (۱۸) تدبیر للعبد
(۱۹) وایجاب احسان و عتق (۲۰) فہذہ تصح مع الاکراہ عشرین فی العدد

قولہ لاطلاق الخ بچہ کی دیوانے کی سونیوالیکی اور غلام کی بیوی پر آقا کی طلاق نہیں ہوتی کیونکہ حضور صلعم کا ارشاد ہیکہ ہر طلاق جائز ہے سوائے مغلوب العقل[5] کی طلاق کے نیز حدیث میں ہے کہ بچہ کی طلاق جائز نہیں[6]

قولہ واعتبارہ الخ ہمارے یہاں عدد طلاق میں عورت حال کا اعتبار ہے اگر وہ آزاد ہو تو شوہر تین طلاقوں کا مالک ہوگا اور باندی ہو تو دو کا شوہر غلام ہو یا آزاد حضرت علی ابن مسعود ابن عباس (ایک روایت میں) نخعی حسن بن حی، ابن سیرین ثوری، مجاہد سب کا یہی قول ہے ائمہ ثلثہ کے یہاں مرد کے حال کا اعتبار ہے دلیل حضرت ابن عباس کا قول ہے کہ طلاق کا اعتبار مردوں کے لحاظ سے ہے اور

---

[1] ابن حبان ابن ماجہ حاکم عن ابن عباس ۱۲ [2] ابوداؤد ابن ماجہ حاکم عن عائشۃ ۱۲ [3] ... حاکم ترمذی عن ابی ہریرۃ ۱۲ [4] ... ابن حزم واخرج فی معناہ محمد بن الحسن والعقیلی عن صفوان ابن غزوان وفی آخرہ لا قیلولۃ فی الطلاق ۱۲ [5] ... ترمذی عن ابی ہریرہ ۱۲
[6] ... ابن ابی شیبہ عبدالرزاق عن ابن عباس عبدالرزاق بخاری عن علی تعلیق ۱۲

عدت کا اعتبار عورتوں کے لحاظ سے ہے ہماری دلیل حضور صلعم کا ارشاد ہے کہ باندی کی طلاقیں دو ہیں اور اس کی عدت دو حیض ہیں[۸] ائمہ ثلاثہ کے مستدل کا جواب یہ ہے کہ اس میں ایقاع طلاق مراد ہے کہ نہ کہ عدد طلاق۔

بَابُ الطَّلَاقِ الصَّرِيْحِ

باب طلاق صریح کے بیان

هُوَ كَانْتِ طَالِقٌ وَمُطَلَّقَةٌ فَيَقَعُ بِهٖ وَاحِدَةٌ رَجْعِيَّةٌ وَاِنْ نَوَى الْاَكْثَرَ اَوِ الْاِبَانَةَ

طلاق صریح یوں ہے کہ تو طلاق والی ہے یا مطلقہ ہے یا میں نے تجھکو طلاق دی ان سے ایک رجعی واقع ہوتی ہے گو زیادہ کی یا بائن کی نیت کرے

اَوْلَمْ يَنْوِشَيْئًا وَلَوْقَالَ اَنْتِ طَالِقٌ الطَّلَاقَ اَوْاَنْتِ الطَّلَاقُ اَوْاَنْتِ طَالِقٌ طَلَاقًا يَقَعُ وَاحِدَةٌ رَجْعِيَّةٌ بِلَانِيَّةٍ اَوْنَوٰى

یا نیت ہی نہ کرے اگر کہا تو طلاق ہے یا خاص طلاق والی ہے یا طلاق والی ہے کسی طلاق سے تو ایک طلاق رجعی ہوگی اگر نیت نہ کی ہو یا ایک کی نیت

وَاحِدًا اَوِاثْنَتَيْنِ وَاِنْ نَوٰى ثَلٰثًا فَثَلٰثٌ وَاِنْ اَضَافَ الطَّلَاقَ اِلٰى جُمْلَتِهَا اَوْاِلٰى مَايُعَبَّرُبِهٖ

کی ہو یا دو کی اور اگر تین کی نیت کی تو تین واقع ہوں گی اور اگر منسوب کیا طلاق کو عورت کے کل کی طرف یا ایسے حصہ کی طرف جس سے کل کی تعبیر

عَنْهَا كَالرَّقَبَةِ[۱] وَالْعُنُقِ وَالرُّوْحِ وَالْبَدَنِ وَالْجَسَدِ وَالرَّأْسِ وَالْفَرْجِ وَالْوَجْهِ اَوْاِلٰى جُزْءٍ شَائِعٍ مِّنْهَا كَنِصْفِهَا اَوْثُلُثِهَا

ہوتی ہے جیسے گردن گلا روح، بدن، جسم، سر، شرمگاہ، چہرہ یا اس کے کسی جزء شائع کی طرف جیسے آدھا تہائی

تَطْلُقُ وَاحِدَةً وَاِلَى الْيَدِ وَالرِّجْلِ وَالدُّبُرِ لَا وَنِصْفُ التَّطْلِيْقَةِ اَوْثُلُثُهَا طَلْقَةٌ وَثَلٰثَةُ اَنْصَافِ تَطْلِيْقَتَيْنِ

تو طلاق پڑ جائے گی اور اگر منسوب کیا ہاتھ یا پاؤں یا مقام براز کی طرف تو واقع نہ ہوگی اور آدھی یا تہائی پوری طلاق ہے اور دو طلاق کے تین نصف

ثَلٰثًا وَمِنْ وَّاحِدَةٍ اَوْمَابَيْنَ وَاحِدَةٍ اِلٰى ثِنْتَيْنِ وَاحِدَةٌ اِلٰى ثَلٰثٍ ثِنْتَانِ وَوَاحِدَةٌ فِىْ ثِنْتَيْنِ وَاحِدَةٌ اِنْ لَمْ يَنْوِ

تین طلاقیں ہیں اور ایک سے یا جو ایک سے دو کے درمیان تک ہے ایک ہوگی اور تین تک دو ہونگی اور ایک دو میں ایک ہوگی اگر کچھ نیت نہ کرے

اَوْنَوَى الضَّرْبَ وَاِنْ نَوٰى وَاحِدَةً وَثِنْتَيْنِ فِىْ ثِنْتَيْنِ ثِنْتَانِ وَاِنْ نَوَى الضَّرْبَ وَمِنْ هُنَا اِلَى الشَّامِ وَاحِدَةٌ

یا ضرب کی نیت کرے اور اگر ایک اور دو مراد لے تو تین ہوں گی اور دو دو میں دو ہوں گی گو ضرب کی نیت کرے اور یہاں سے شام تک ایک طلاق

رَجْعِيَّةٌ وَمَكَّةَ اَوْ فِىْ مَكَّةَ اَوْ فِى الدَّارِ تَنْجِيْزٌ وَاِذَا دَخَلْتِ مَكَّةَ تَعْلِيْقٌ

رجعی ہوگی اور مکہ کے پاس یا مکہ میں یا گھر میں طلاق تنجیزی ہے اور جب تو داخل ہو مکہ میں تعلیق ہے۔

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ اصل طلاق اور وصف طلاق بیان کرنے کے بعد انواع کو بیان کر رہا ہے کہ طلاق یا صریحی الفاظ کے ساتھ ہوگی یا کنائی الفاظ کے ساتھ، طلاق صریح ان الفاظ کے ساتھ ہوتی ہے جو بوجہ غلبہ استعمال طلاق ہی میں مستعمل ہوں جیسے انت طالق الخ ان الفاظ سے طلاق دہندہ زائد کی نیت کرے یا بائن کی یا سرے سے نیت ہی نہ کرے بہرحال ایک ہی طلاق واقع ہوگی کیونکہ آیت[۲] طلاق میں طلاق صریح کے بعد رجعت کی اجازت دی گئی ہے معلوم ہوا کہ طلاق صریح سے رجعی واقع ہوتی ہے اور اگر طلاق دہندہ ایسی ترتیب اختیار کرے جس میں خبر مصدر ہو یا تاکید ہو خواہ مصدر نکرہ ہو یا معرفہ ہو جیسے انت الطلاق اھ تو اس میں بھی ایک طلاق رجعی واقع ہوگی اگرچہ وہ دو کی نیت کرے یا نیت ہی نہ کرے کیونکہ طلاق صریح میں نیت کی ضرورت نہیں ہوتی نیز صریح مصدر میں عدد کا احتمال نہیں

(۱) قال تعالیٰ فتحریر رقبة، فظلت اعناقهم لها خاضعین وقولهم هلکت روحه ای نفسه جسدفلان یخلص من ذل الرق وقوله علیه السلام لعن الله الفروج علی السروج وقال تعالیٰ ویبقی وجه ربک ای ذاته.

۷... بن ابی شیبہ عبد الرزاق عن ابن عباس، طبرانی عن ابن مسعود، عبد الرزاق عن عثمان وزید بن ثابت کلہم موقوفا ۱۲ اص ۲

۸... ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ، حاکم، دار قطنی، بیہقی عن عائشہ ابن ماجہ بزار طبرانی، دار قطنی عن ابن عمر حاکم، ابوداؤد، نسائی ابن ماجہ عن ابن عباس ۱۲۔

ہوتا، ہاں اگر تین کی نیت کرے تو تین واقع ہوجائیں گی کیونکہ مصدر اسم جنس ہے لہذا کل جنس کا ارادہ ہوسکتا ہے بس تین فرد حکمی ہے یعنی تین کا عدد طلاق کا فرد کامل ہے بخلاف دو کے کہ وہ نہ فرد حقیقی ہے نہ فرد حکمی لہذا دو کی نیت صحیح نہ ہوگی۔

قولہ وان اضاف الخ اگر طلاق دہندہ نے طلاق کی نسبت عورت کے کل کی طرف بان قال انت طالق یا ایسے جزء کی طرف کی جس سے کل کی تعبیر ہوتی ہے جیسے رقبہ وغیرہ والفاظ یا کسی جزء غیر معین کی طرف کی جیسے نصف ثلث وغیرہ تو ان تینوں صورتوں میں طلاق ہوجائیگی وجہ ظاہر ہے۔

قولہ والی الید الخ اگر ایسے جزء کی طرف نسبت کی جس سے کل کی تعبیر نہیں ہوتی جیسے ہاتھ پاؤں وغیرہ[1] تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ سوال لفظ ید سے کل کا تعبیر ہونا قرآن سے ثابت ہے "قال تعالیٰ ولا تلقوا بایدکم الی التھلکۃ" جواب محض استعمال کافی نہیں بلکہ اس کا شائع ذائع ہونا ضروری ہے، امام زفر و امام شافعی کے نزدیک جزء معین غیر شائع کی طرف نسبت کرنے سے طلاق واقع ہوجاتی ہے کیونکہ عقد نکاح کے ذریعہ اس جزء سے بھی فائدہ حاصل ہوتا ہے پس وہ محل نکاح ہونے کی وجہ سے محل طلاق ہوگا اور اس جزء میں حکم طلاق ثابت ہونیکے بعد کل میں صرایت کرجائیگا ہم یہ کہتے ہیں کہ محل طلاق وہی جزء ہوسکتا ہے جس میں معنی قید متصور ہوں اور اجزاء مذکورہ میں یہ چیز نہیں پس طلاق واقع نہ ہوگی جیسے بال ناخن دانت وغیرہ کی طرف منسوب کرنے سے طلاق نہیں ہوتی۔

قولہ ونصف الخ حصص طلاق نصف، ثلث ربع، عشر وغیرہ ذکر کرنے سے پوری ایک طلاق واقع ہوگی کیونکہ طلاق میں تجزی نہیں ہوتی، اور انت طالق ثلثۃ انصاف تطلیقتین میں تین واقع ہوں گی کیونکہ دو طلاقوں کا نصف ایک طلاق ہے اور اس نے تین نصف کو جمع کیا ہے تو لازم طور پر تین طلاقیں ہوں گی کسی نے کہا تجھے ایک سے دو تک یا مابین ایک کے دو تک طلاق تو ایک طلاق ہوگی اور اگر یہ کہا کہ ایک سے تین تک یا مابین ایک کے تین تک تو دو طلاقیں واقع ہوں گی یہ تو امام صاحب کے نزدیک ہے صاحبین کے نزدیک پہلی صورت میں دو اور دوسری صورت میں تین واقع ہوں گی امام زفر کے نزدیک صرف دوسری صورت میں ایک طلاق ہوگی،

کیونکہ غایت مغیا میں داخل نہیں ہوتی مثلاً کوئی یوں کہے۔ "بعت منک من ھذا الحائط الی ھذا الحائط" تو دونوں دیواریں بیع میں داخل نہیں ہوتیں۔ صاحبین یہ فرماتے ہیں کہ اس قسم کے کلام سے عرف میں کل ہی مراد ہوتا ہے جیسے کوئی کہے خذ من مالی من درھم الی مائۃ۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ جب کلام میں ایسے دو عدد ذکر کئے جائیں جن کے درمیان میں بھی عدد ہو جیسے ایک سے تین تک کہ اس میں دو کا عدد ہے تو اس میں اقل سے زائد مراد ہوتا ہے اور اگر ان کے درمیان عدد نہ ہو جیسے ایک سے دو تک تو اس میں اکثر سے کم مراد ہوتا ہے جیسے کہتے ہیں کہ سنی من ستین الی سبعین میری عمر ساٹھ سے زائد اور ستر سے کم ہے پس پہلی صورت میں ایک اور دوسری صورت میں دو طلاقیں واقع ہوں گی۔

لطیفہ: اصمعی نے ہارون کے دربار میں امام زفر سے دریافت کیا کہ اگر کوئی یوں کہے "انت طالق مابین واحدۃ الیٰ ثلث" تو کے طلاقیں ہوں گی؟ آپ نے کہا ایک کیونکہ مابین کے استعمال میں حدین داخل نہیں ہوتیں اس پر اصمعی نے کہا کہ اگر کوئی "ماسنک" کے جواب میں مابین ستین الیٰ سبعین" کہے تو آپ کے قاعدہ کے مطابق اس کی عمر نو سال کی ہوئی پس امام زفر متحیر رہ گئے۔

قولہ وواحدۃ فی ثنتین الخ کسی نے کہا "انت طالق واحدۃ فی ثنتین" تو ایک طلاق واقع ہوگی خواہ وہ ضرب وحساب کی نیت کرے یا نہ کرے کیونکہ ضرب سے اجزاء میں کثرت ہوتی ہے عدد کے افراد نہیں بڑھتے اگر ضرب سے افراد بڑھ جایا کرتے تو دنیا میں کوئی فقیر نہ ہوتا اور اگر ایک اور دو کی نیت کی یعنی فی کو واؤ عاطفہ کے معنی میں استعمال کیا تو تین واقع ہوں گی اگر زوجہ مدخول بہا ہو ورنہ ایک طلاق ہوگی اور اگر فی کو مع کے معنی میں استعمال کیا تو تین واقع ہوں گی زوجہ مدخول بہا ہو یا غیر مدخول بہا کیونکہ کلمہ فی بمعنی مع مستعمل ہے قال تعالیٰ فادخلی فی عبادی" ای مع عبادی اور اگر انت طالق ثنتین فی ثنتین کہا تو دو واقع ہوں گی کیونکہ پہلے گذر چکا کہ عدد اول اعتبار ہوتا ہے۔

[1] مثلاً شرمگاہ، انگلی، آنکھ، ناک، سینہ، کان، پنڈلی، ران وغیرہ ۱۲۔

فَصْلٌ فِي إِضَافَةِ الطَّلَاقِ إِلَى الزَّمَانِ أَنْتِ طَالِقٌ غَدًا أَوْفِي غَدٍ تَطْلُقُ عِنْدَ الصُّبْحِ وَنِيَّةُ الْعَصْرِ تَصِحُّ فِي الثَّانِيَةِ

(فصل طلاق کوزمانہ کی طرف منسوب کرنے میں) تو طلاق والی ہے کل یا کل میں طلاق واقع ہو جائیگی صبح ہونے پر اور عصر کی نیت صحیح ہے دوسرے لفظ میں

وَفِي الْيَوْمِ غَدًا أَوْغَدًا الْيَوْمِ يُعْتَبَرُ الْأَوَّلُ أَنْتِ طَالِقٌ قَبْلَ أَنْ أَتَزَوَّجَكِ أَوْأَمْسِ وَنَكَحَهَا الْيَوْمَ

اوران الفاظ میں کہ تو طالق ہے آج کل یا کل آج پہلے لفظ کا اعتبار ہوگا تو طالق ہے قبل از ینکہ میں تجھ سے نکاح کروں یا تو طالق تھی حالانکہ اس سے

لَغْوٌ وَإِنْ نَكَحَهَا قَبْلَ الْأَمْسِ وَقَعَ الْآنَ أَنْتِ طَالِقٌ مَالَمْ أُطَلِّقْكِ

نکاح آج کیا ہے لغو ہے اور اگر نکاح کیا ہو کل سے پیشتر تو اس وقت طلاق پڑے گی تو طالق ہے جب تک کہ میں تجھکو طلاق نہ دوں یا تاوقتیکہ میں

أَوْمَتٰى لَمْ أُطَلِّقْكِ وَمَتٰى لَمْ أُطَلِّقْكِ وَسَكَتَ طَلُقَتْ وَفِي إِنْ لَّمْ أُطَلِّقْكِ أَوْ إِذَا لَمْ أُطَلِّقْكِ أَوْإِذَا مَالَمْ أُطَلِّقْكِ

تجھکو طلاق نہ دوں یہ کہہ کر خاموش ہو گیا تو طلاق ہو جائیگی اوران الفاظ میں کہ اگر میں تجھکو طلاق نہ دوں طلاق نہ ہوگی یہاں تک کہ ان میں سے کوئی

لَا حَتّٰى يَمُوْتَ أَحَدُهُمَا أَنْتِ طَالِقٌ مَالَمْ أُطَلِّقْكِ أَنْتِ طَالِقٌ طَلُقَتْ هٰذِهِ الطَّلْقَةَ أَنْتِ كَذَايَوْمَ أَتَزَوَّجُكِ فَنَكَحَهَا

مرجائے تو طالق ہے اس وقت کہ میں تجھکو طلاق نہ دوں تو طالق ہے تو یہ پچھلی طلاق پڑ جائیگی تو ایسی ہے جس روز میں تجھ سے نکاح کروں پھر نکاح

لَيْلًا حَنَثَ بِخِلَافِ الْأَمْرِ بِالْيَدِ وَأَنَا مِنْكِ طَالِقٌ لَغْوٌ وَإِنْ نَوٰى وَتَبِيْنُ فِي الْبَائِنِ

کیا اس سے رات میں تو حانث ہو جائیگا بخلاف امر بالید کے میں تجھ سے طالق ہوں لغو ہے گو طلاق کی نیت کرے اور جدا ہو جائیگی لفظ بائن اور لفظ

وَالْحَرَامِ وَأَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً أَوْلَا أَوْمَعَ مَوْتِي أَوْمَعَ مَوْتِكِ لَغْوٌ وَلَوْمَلَكَهَا أَوْشِقْصَهَا أَوْمَلَكَتْهُ أَوْشِقْصَهُ

حرام میں تو طالق ہے ایک سے یا نہیں یا میرے یا تیرے مرنے کیساتھ لغو ہے اگر اس کے کل یا جز کا مالک ہو گیا یا اس کے کل یا جز کی مالک ہوگئی

بَطَلَ الْعَقْدُ فَلَوِ اشْتَرٰيهَا ثُمَّ طَلَّقَهَا لَمْ يَقَعْ أَنْتِ طَالِقٌ ثِنْتَيْنِ مَعَ عِتْقِ مَوْلَاكِ إِيَّاكِ فَأَعْتَقَ

تو نکاح باطل ہو جائیگا پس اگر منکوحہ باندی کو خرید کر طلاق دی تو واقع نہ ہوگی تجھے دو طلاق جونہی تجھکو تیرا آقا آزاد کرے آقا نے آزاد کر دیا

لَهُ الرَّجْعَةُ وَلَوْ تَعَلَّقَ عِتْقُهَا وَطَلْقَتَاهَا بِمَجِيْءِ الْغَدِ فَجَآءَ الْغَدُ لَا وَعِدَّتُهَا ثَلٰثُ حِيَضٍ

تو رجعت کرسکتا ہے اور اگر آزادی اور دو طلاقیں کل کے آنے پر معلق ہوں اور کل آ جائے تو رجعت نہیں کرسکتا اور اس کی عدت تین حیض ہیں

أَنْتِ طَالِقٌ هٰكَذَا وَأَشَارَ بِثَلٰثِ أَصَابِعَ فَهِيَ ثَلٰثٌ أَنْتِ طَالِقٌ بَائِنٌ أَوِ الْبَتَّةَ أَوْ أَفْحَشَ الطَّلَاقِ أَوْطَلَاقَ الشَّيْطَانِ

تین انگلیوں کے اشارے سے کہا تجھے اتنی طلاق تو تین ہونگی تو طالق ہے بائن یا بتہ یا فحش تر طلاق یا شیطان کی طلاق

أَوِ الْبِدْعَةِ أَوْكَالْجَبَلِ أَوْ أَشَدَّ الطَّلَاقِ أَوْ كَأَلْفٍ أَوْمِلْأَ الْبَيْتِ أَوْ تَطْلِيْقَةً شَدِيْدَةً

یا بدعت کی طلاق یا پہاڑ جیسی یا سخت تر طلاق یا مثل ہزار یا گھر بھر کر یا شدید ترین طلاق

أَوْطَوِيْلَةً أَوْعَرِيْضَةً فَهِيَ وَاحِدَةٌ بَائِنَةٌ إِنْ لَّمْ يَنْوِ ثَلٰثًا

یا لمبی یا چوڑی تو ان سب میں ایک طلاق بائن ہوگی اگر تین کی نیت نہ کرے

تشریح الفقہ: قولہ انت طالق الخ شوہر نے کہا انت طالق غدا تو طلوع صبح کے وقت طلاق واقع ہو جائے گی کیونکہ اس نے عورت کو جمیع غد میں طلاق کے ساتھ متصف کیا ہے اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب طلاق اس کے اول جز میں واقع ہو اور اگر فی غد کہا تب بھی یہی حکم ہے مگر اس صورت میں امام صاحب کے نزدیک عصر کی نیت کرنا صحیح ہے صاحبین کے نزدیک صحیح نہیں کیونکہ لفظ غد بہر صورت ظرف ہے لہذا فی کو ذکر کرنا اور نہ کرنا برابر ہے۔ امام صاحب کے یہاں فرق یہ ہے کہ غدا مقتضی استیعاب ہے اور فی غد مقتضی استیعاب نہیں ہے۔

قولہ انت طالق قبل الخ طلاق دہندہ کا یہ کلام انت طالق قبل ان اتزوجک انت طالق امس ... ہے کیونکہ اس نے

طلاق کو ایسے وقت کی طرف منسوب کیا ہے جس میں وہ طلاق کا مالک نہیں ہے اس واسطے کہ طلاق کا مالک نکاح کے بعد ہوتا ہے نہ کہ نکاح سے پہلے، ہاں اگر گذشتہ پرسوں نکاح کر چکا ہو تو اس وقت طلاق ہو جائے گی کیونکہ اس کے کلام کی تصحیح بصورت اخبار ناممکن ہے لامحالہ انشاء قرار دیا جائیگا انشاء فی الماضی انشاء فی الحال۔

قولہ مالم اطلقک الخ شوہر نے کہا ''انت طالق مالم اطلقک اہ'' اور پھر خاموش ہو گیا تو طلاق ہو جائے گی کیونکہ اس نے طلاق کو ایسے زمانہ کی طرف منسوب کیا ہے جو طلاق دینے سے خالی ہو اور جب اس نے سکوت کیا تو طلاق نہ دینا پایا گیا لہذا طلاق ہو جائیگی اور اگر ''ان لم اطلقک اہ'' کہا تو جب تک احد الزوجین کی موت واقع نہ ہو طلاق نہ ہوگی کیونکہ اس صورت میں اس نے عدم طلاق کے ساتھ معلق کیا ہے اور عدم طلاق کا تحقق اسی وقت ہو سکتا ہے جب زندگی سے مایوسی ہو جائے صاحبین کے نزدیک اس صورت میں بھی خاموش ہوتے ہی طلاق ہو جائے گی کیونکہ کلمہ اذا وقت کیلئے استعمال ہوتا ہے قال تعالیٰ ''اذا الشمس کورت'' قال الشاعر و۔

واذا تكون كريهة ادعى لها واذايحاس الحيس يدعى جذب

پس اذا لم اطلقک اور متی لم اطلقک دونوں برابر ہیں امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ کلمہ اذا بطریق اشتراک شرط میں بھی مستعمل ہے۔ قال الشاعر۔

واستغن ما اغناک ربک بالغنی واذا تصبک خصاصۃ فتحمل

اب اگر وقت مراد ہو تو فی الحال طلاق ہوگی اور شرط مراد ہو تو واقع نہ ہوگی اور قرینہ کوئی ہے نہیں پس بوجہ شک طلاق واقع نہیں کیجائے گی۔

قولہ انت کذا الخ ایک شخص نے عورت سے کہا کہ جس دن تجھ سے نکاح کروں تجھے طلاق پھر اس نے رات میں نکاح کیا تو حانث ہو جائیگا یعنی طلاق واقع ہو جائیگی کیونکہ اس کلام میں یوم سے مراد مطلق وقت ہے اور اگر وہ یہ کہے ''امرک بیدک'' یعنی تجھے طلاق کا اختیار ہے جس دن کہ زید آئے اور زید رات میں آ گیا تو عورت کو طلاق کا اختیار نہ ہوگا اصل اسکی یہ ہے کہ جب یوم کسی فعل ممتد کیساتھ مقرون ہو تو اس سے نہار مراد ہوتا ہے جیسے امر بالید، سیر، رکوب، صوم وغیرہ اور جب کسی فعل غیر ممتد کیساتھ مقرون ہو تو اس سے مطلق وقت مراد ہوتا ہے جو رات اور دن سب کو شامل ہوتا ہے جیسے ایقاع طلاق تزوج، دخول خروج اعتاق وغیرہ اھ۔

قولہ انت طالق ثنتین الخ ایک شخص کے نکاح میں کسی کی باندی تھی اسنے اپنی بیوی سے کہا کہ تجھے دو طلاق تجھ کو تیرے آقا کے آزاد کرنے کیساتھ، آقا نے اسکو آزاد کر دیا تو دو طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور رجعت کا اختیار ہوگا کیونکہ یہاں طلاق کیلئے آزادی شرط ہے اور شرط مشروط پر مقدم ہوتی ہے تو پہلے عورت آزاد ہوئی پھر اس پر طلاق پڑی اور آزاد عورت سے دو طلاقوں کے بعد رجعت درست ہے سوال کلمہ مع مقتضی مقارنت ہے پس تقدیم تاخیر کی گنجائش نہیں رہی جواب لفظ مع گاہے برائے تاخیر بھی آتا ہے قال تعالیٰ ''ان مع العسر یسرا'' ای بعد العسر، اگر باندی کے آقا نے کہا کہ جب کل کا دن آئے تو تو آزاد ہے اور شوہر نے کہا کہ جب کل کا دن آئے تو تجھے طلاق ہے اور پھر کل کا دن آ گیا تو شوہر کو رجعت کا اختیار نہ ہوگا کیونکہ اس صورت میں آزادی اور طلاق دونوں ایک ہی شرط کے ساتھ مشروط ہیں لیکن عدت دونوں صورتوں میں تین حیض ہوگی، کیونکہ عدت میں احتیاط برتی جاتی ہے۔

قولہ انت طالق بائن الخ شوہر نے بیوی سے کہا تجھے طلاق بائن ہے اھ تو ان سب الفاظ میں ایک طلاق بائنہ واقع ہوگی کیونکہ ان سب الفاظ میں صفت بینونت موجود ہے اور اگر قائل نے حرہ میں تین اور باندی میں دو طلاق کی نیت کی تو نیت صحیح ہوگی کیونکہ مصدر میں فرد اعتباری کا احتمال ہوتا ہے، امام شافعیؒ کے یہاں ان تمام الفاظ میں ایک طلاق رجعی واقع ہوتی ہے۔ جو متن میں مذکورہ ہیں بشرطیکہ عورت مدخول بہا ہو۔

فَصْلٌ فِي الطَّلَاقِ قَبْلَ الدُّخُوْلِ طَلَّقَ غَيْرَ الْمَوْطُوْأَةِ ثَلٰثًا وَقَعْنَ وَاِنْ فَرَّقَ بَانَتْ بِوَاحِدَةٍ

(فصل صحبت سے قبل طلاق دینے کے بیان میں) طلاق دی غیر موطوءہ کو تین تو واقع ہو جائینگی اور اگر جدا جدا دیں تو ایک ہی سے بائنہ ہو جائیگی

وَلَوْمَاتَتْ بَعْدَالْاِيْقَاعِ قَبْلَ الْعَدَدِ لَغَاوَلَوْقَالَ اَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً وَوَاحِدَةً اَوْقَبْلَ وَاحِدَةٍ اَوْبَعْدَهَاوَاحِدَةٌ

اور اگر مرگئی ایقاع طلاق کے بعد عدد سے پہلے تو لغو ہو جائیگی اور اگر کہا تو طالق ہے ایک اور ایک یا ایک سے پہلے یا ایک جس کے بعد ایک ہے

تَقَعُ وَاحِدَةٌ وَفِيْ بَعْدَ وَاحِدَةٍ اَوْقَبْلَهَاوَاحِدَةٌ اَوْ مَعَ وَاحِدَةٍ اَوْ مَعَهَا وَاحِدَةٌ ثِنْتَانِ

تو ایک واقع ہوگی اور اس قول میں کہ تو طالق ہے ایک ایک کے بعد یا جس سے پہلے ایک ہے یا جس کیساتھ ایک ہے دو واقع ہونگی

اِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَاَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةٌ وَوَاحِدَةٌ فَدَخَلَتْ تَقَعُ وَاحِدَةٌ وَاِنْ اَخَّرَ الشَّرْطَ فَثِنْتَانِ

اگر تو گھر میں داخل ہو تو تجھے ایک اور ایک عورت داخل ہوگئی تو ایک واقع ہوگی اور اگر شرط کو مؤخر ذکر کرے تو دو واقع ہونگی۔

تشریح الفقہ: قولہ طلق الخ اگر کسی نے اپنی غیر موطوءہ بیوی کو تین طلاقیں دیں تو تینوں واقع ہو جائیں گی کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ جب طلاق کے بعد عدد مذکور ہو تو طلاق عدد کے مطابق واقع ہوتی ہے اور غیر مدخولہ کا تین طلاقوں کا محل ہونا حدیث مرفوع اور حضرت علی ابن مسعود ابن عباس رضی اللہ عنہم کے آثار سے ثابت ہے جیسا کہ امام محمد نے تصریح کی ہے حسن بصری اور عطاء کے نزدیک غیر مدخولہ تین طلاقوں کا محل نہیں اس لئے ان کے یہاں ثلثًا کا لفظ لغو ہوگا کیونکہ عورت انت طالق کہنے ہی سے بائنہ ہو جائے گی۔

قولہ وان فرق الخ اور اگر تین طلاقیں متفرق طور سے دیں جس کی کئی صورتیں ہیں (۱) تفریق بذکر وصف جیسے انت طالق واحدہ وواحدۃ وواحدۃ (۲) تفریق بذکر خبر جیسے انت طالق وطالق وطالق (۳) تفریق بذکر اقوال خواہ عطف کیساتھ ہو جیسے انت طالق وانت طالق یا بالاعطف جیسے انت طالق انت طالق انت طالق تو ان تینوں صورتوں میں ایک طلاق بائنہ ہوگی کیونکہ اس وقت ہر طالق کا ایقاع علیحدہ مقصود ہے اس واسطے کہ آخر کلام میں کوئی ایسی چیز مذکور نہیں جو آغاز کلام کو متغیر کر دے مثلاً عدد اور شرط وغیرہ اس لئے ایک طلاق پڑتے ہی فی الحال بائنہ ہو جائیگی اور جب پہلی طلاق سے بائنہ ہوگئی تو دوسری اور تیسری خود ہی لغو ہو جائے گی۔

قولہ ولوماتت الخ اگر عورت ایقاع طلاق کے بعد ذکر عدد سے پیشتر مر جائے (خواہ وہ مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ) تو شوہر کا کلام لغو ہو جائیگا یعنی طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ طلاق دہندہ نے طلاق کو وصف عدد کے ساتھ مقرون کیا ہے پس طلاق عدد کے مطابق ہوگی، اور جب عورت عدد ذکر کرنے سے پہلے ہی مرگئی تو وہ محل طلاق ہی نہ رہی لہذا کلام لغو ہو جائیگا۔

قولہ ولوقال الخ مسئلہ ذیل کا سمجھنا دو قاعدوں پر موقوف ہے اول یہ کہ جب تفریق طلاق بذریعہ حرف عطف ہو تو ایک طلاق واقع ہوتی ہے اگر حرف عطف واؤ ہو تو اس لئے کہ واؤ مطلق جمع کے لئے ہوتا ہے عام ازیں کہ بطریق معیت ہو یا بطریق تقدم وتاخر پس اول آخر پر موقوف نہ ہوگا۔ بلکہ ہر لفظ اپنا عمل کریگا۔ اس لئے عورت ایک ہی طلاق سے بائنہ ہو جائیگی اور بعد والی طلاق واقع نہ ہوگی دوم یہ کہ لفظ قبل اور لفظ بعد دونوں ظرف ہیں لفظ قبل اس زمانہ کے لئے اسم ہے جو اس کے مضاف الیہ سے متقدم ہو اور لفظ بعد اس زمانہ کے لئے اسم ہے جو اس کے مضاف الیہ سے مؤخر ہو اور جب ظرف دو اسموں کے درمیان واقع ہو اور ہاء کنایہ کے ساتھ مقرون نہ ہو تو وہ قسم اول کی صفت ہوتا ہے تقول جاءنی زید قبل عمرو اس میں قبلیت زید کی صفت ہے اور اگر ہاء کنایہ کے ساتھ مقرون ہو تو ثانی اسم کی صفت ہوتا ہے تقول جاءنی زید قبلہ عمرو اس میں قبلیت عمرو کی صفت ہے جب یہ اصل سمجھ میں آ گئی تو اب مسئلہ کو سمجھو زید نے اپنی بیوی سے کہا انت طالق واحدۃ وواحدۃ تو ایک طلاق واقع ہوگئی کیونکہ واؤ مطلق جمع کے لئے ہے تو پہلی طلاق کا وقوع ثانی کے وقوع پر موقوف نہ ہوا بلکہ طلاق واقع ہوگی اور جب ایک طلاق واقع ہوگئی تو اب وہ دوسری طلاق کا محل نہ رہی اور اگر زید نے کہا انت طالق واحدۃ قبل واحدۃ تو اس نے ثانی طلاق سے قبل پہلی طلاق واقع کی ہے لہذا اس سے وہ بائنہ ہوگئی اور دوسری طلاق کا محل نہیں رہی، اور اگر انت طالق واحدۃ بعدھا واحدۃ کہا تب بھی۔

ایک طلاق واقع ہوگی کیونکہ اگر وہ بعدیت کے ساتھ متصف نہ کرتا تب بھی ثانی طلاق واقع نہ ہوتی تو اب بطریق اولیٰ نہ ہوگی اور اگر انت طالق واحدۃ قبلہا واحدۃ کہا تو دوطلاقیں واقع ہونگی کیونکہ ماضی میں طلاق واقع کرنا فی الحال واقع کرنا ہے پس دونوں ایک ساتھ واقع ہونگی (وقس علیہ البواقی)۔قولہ ان دخلت الخ زید نے بیوی سے کہا ان دخلت الدار فانت طالق واحدۃ وواحدۃ اور بیوی گھر میں داخل ہوگئی تو ایک طلاق واقع ہوگی، اور اگر ان دخلت الدار شرط کو مؤخر کر کے ذکر کیا تو دوطلاقیں واقع ہوں گی، صاحبین کے نزدیک دونوں صورتوں میں دو طلاقیں ہوں گی کیونکہ واؤ مطلق جمع کیلئے ہے نہ کہ ترتیب کیلئے اور زید نے دونوں طلاقوں کو وجود شرط کے وقت واقع کیا ہے اور وجود شرط کی حالت حالت واحدہ ہے لہٰذا دونوں طلاق ایک ساتھ واقع ہوں گی، امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ جب طلاق شرط پر معلق ہو تو وہ وجود شرط کے وقت تنجیزی طلاق کے حکم میں ہوتی ہے۔ اگر زید حقیقۃً تنجیزی طلاق دے تو دوسری طلاق واقع نہیں ہوتی تو حکماً تنجیزی ہوجانے کی صورت میں بھی دوسری طلاق واقع نہ ہوگی بخلاف اذا اخر الشرط لان صدر الکلام توقف علیٰ آخرہ لوجود المغیر۔

بَابُ الْكِنَايَاتِ

باب کنایات کے بیان میں

لَا تُطَلَّقُ	بِهَا	اِلَّا بِنِيَّةٍ	اَوْ	دَلَالَةِ الْحَالِ	فَتُطَلَّقُ	وَاحِدَةً رَجْعِيَّةً	فِي اعْتَدِّيْ	وَاسْتَبْرِئِيْ	رَحِمَكِ
طلاق نہیں پڑتی	کنایات سے	مگر نیت	یا	دلالت حال کے باعث	پس ایک رجعی طلاق واقع ہوگی		ان الفاظ سے	تو عدت میں بیٹھ	اپنا رحم صاف کر

وَاَنْتِ	وَاحِدَةٌ	وَفِيْ	غَيْرِهَا	بَائِنَةٌ	وَاِنْ	نَوٰى	ثِنْتَيْنِ	وَتَصِحُّ	نِيَّةُ	الثَّلٰثِ
تو طالق ہے	بطلاق واحد	اور	ان کے علاوہ میں	بائن واقع ہوگی	گو	دو کی نیت کرے		اور صحیح ہے	نیت کرنا	تین کی

تشریح الفقہ: قولہ الکنایات الخ کنایہ کنیٰ یکنو(ن) کنیٰ یکنی (ض) کا مصدر ہے بمعنی لفظ بول کر غیر مدلول کا ارادہ کرنا، اصطلاح میں کنایہ اس کو کہتے ہیں کہ شئی معین کو کسی ایسے الفاظ سے تعبیر کیا جائے جس کی دلالت اس پر صریح نہ ہو۔ باب طلاق میں فقہاء کے یہاں کنایہ وہ لفظ ہی جو طلاق کیلئے موضوع ہو لیکن اس میں طلاق وغیر طلاق کا احتمال ہو مثلاً لفظ بتۃ قطع کے واسطے موضوع ہے اب اگر قطع ارتباط نکاح مراد ہو تو بمعنی طلاق ہوگا اور قطع الفت مراد ہو تو بمعنی طلاق نہ ہوگا۔ کنایہ کی تعریف بطریق عموم اس لئے کی گئی کہ اس میں کسی خاص لفظ کی تخصیص نہیں شرح ملتقی میں ہے کہ کنایہ کے الفاظ پچپن سے بھی زیادہ ہیں قولہ لاتطلق الخ یہ ایک قاعدہ کلیہ ہے کہ قضاءً بلا نیت طلاق یا دلالت حال کنایات سے طلاق واقع نہیں ہوتی (گو دیانۃً وقوع طلاق صرف نیت پر موقوف ہے) نیت یا دلالت حال کا ہونا اس لئے ضروری ہے کہ کنائی الفاظ میں طلاق وغیر طلاق ہر دو کا احتمال ہوتا ہے اور بلا مرجح کسی ایک کو متعین کرنا جائز نہیں اور مرجح نیت ہے یا دلالت حال رنجیدگی وکشیدگی غیظ وغضب اور مذاکرۂ طلاق مثلاً ...... زوجین میں طلاق کی گفتگو چل رہی تھی عورت نے شوہر سے کہا مجھے طلاق دیدے شوہر نے کہا اعتدی یا استبری وغیرہ تو ان الفاظ میں طلاق وغیر طلاق ہر دو کا احتمال ہے مثلاً اعتدی میں عدت یا نعم باری ہر دو کے شمار کرنے کا احتمال ہے اور استبری کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ تو اپنے رحم کی صفائی حاصل کر کیونکہ تو مطلقہ ہوگئی ہے اور یہ بھی کہ تو رحم صاف کر کہ تجھے طلاق دوں اسی طرح انت واحدۃ میں بھی دو احتمال ہیں ایک یہ کہ تو مطلقہ ہے بطلاق واحد دوم یہ کہ تو میرے نزدیک خوبیوں کے اعتبار سے اپنی برادری میں ایک ہی ہے، بہرکیف تینوں مثالوں میں ہر دو احتمال ہیں لیکن حالت مذاکرہ طلاق دلالت کر رہی ہے کہ شوہر کی مراد طلاق ہے لہٰذا ایک طلاق رجعی واقع ہوجائے گی۔

وَهِيَ بَائِنٌ بَتَّةٌ بَتْلَةٌ حَرَامٌ خَلِيَّةٌ بَرِيَّةٌ حَبْلُكِ عَلٰى غَارِبِكِ اِلْحَقِيْ بِاَهْلِكِ وَهَبْتُكِ لِاَهْلِكِ

اور الفاظ کنایات یہ ہیں تو جدا ہے حرام ہے خالی ہے بری ہے تیری ڈور تیرے مونڈھے پر ہے اپنے اہل سے جامل میں نے تجھے تیرے اہل کو دیا

سَرَّحْتُكِ فَارَقْتُكِ اَمْرُكِ بِيَدِكِ اِخْتَارِيْ اَنْتِ حُرَّةٌ تَقَنَّعِيْ تَخَمَّرِيْ اِسْتَتِرِيْ اُغْرُبِيْ اُخْرُجِيْ اِذْهَبِيْ قُوْمِيْ

میں نے تجھے جدا کیا میں تجھ سے الگ ہوا تو جان تیرا کام جانے آزادی اختیار کر تو آزاد ہے گھونگٹ نکال چادر پہن چھپ جا دور ہو نکل جا چلی جا اٹھ

وَابْتَغِيْ الْاَزْوَاجَ وَلَوْقَالَ اِعْتَدِّيْ ثَلٰثًا وَنَوٰى بِالْاَوَّلِ طَلَاقًا وَبِمَا بَقِيَ حَيْضًا صُدِّقَ وَاِنْ لَمْ يَنْوِبِمَا بَقِيَ شَيْئًا

کھڑی ہو شوہر تلاش کر اور اگر لفظ اعتدی تین بار کہا اور اول سے طلاق کی اور باقی سے حیض کی نیت کی تو تصدیق کی جائے گی اور اگر باقی سے کچھ

فَهِيَ ثَلٰثٌ وَتَطْلُقُ بِلَسْتِ لِيْ بِامْرَأَةٍ اَوْلَسْتُ لَكِ بِزَوْجٍ اِنْ نَوٰى طَلَاقًا وَالصَّرِيْحُ يَلْحَقُ الصَّرِيْحَ

نیت نہ کی تو تین طلاقیں ہونگی اور طلاق ہو جائیگی اگر کہا کہ تو میری بیوی نہیں یا میں تیرا شوہر نہیں اگر طلاق کی نیت کی اور طلاق صریح طلاق صریح

وَالْبَائِنَ وَالْبَائِنُ يَلْحَقُ الصَّرِيْحَ لَاالْبَائِنَ اِلَّا اِذَا كَانَ مُعَلَّقًا

اور بائن دونوں سے مل جاتی ہے اور طلاق بائن طلاق صریح سے ملتی ہے نہ کہ بائن سے الا یہ کہ وہ معلق ہو

بِاَنْ قَالَ اِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَاَنْتِ بَائِنٌ ثُمَّ قَالَ اَنْتِ بَائِنٌ

مثلاً یوں کہا کہ اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تو بائن ہے پھر بلا تعلیق کہا تو بائن ہے۔

بقیہ کنایات کا بیان

توضیح اللغتہ : بائن بینونۃ بمعنی جدائی سے اسم فاعل ہے، بت، تبل، بمعنی قطع خلیۃ خلو سے ہے بریۃ برأت سے ہے حبلک علی غاربک تخلیہ سے استعارہ ہے عرب کا دستور ہے کہ جب اونٹنی کو چھوڑتے ہیں تو اس کی گردن پر رسی ڈال دیتے ہیں سرحتک تسریح سے ہے آزاد کرنا چھوڑنا، تقنعی قناع یعنی دوپٹہ اوڑھنا تخمری خمار یعنی اوڑھنی، اوڑھنا، اغربی (ن) الرجل دور ہونا۔

تشریح الفقہ :۔ قولہ وہی الخ زوجین کے حالات تین قسم کے ہوتے ہیں حالت رضا، حالت خفگی، حالت مذاکرہ طلاق اور کنائی الفاظ میں بھی تین احتمال ہیں ایک یہ کہ ان سے طلاق کا رد بھی ہو سکتا ہو اور طلاق کا جواب بھی ہو سکتا ہو جیسے اخرجی، اذھبی، قومی، تقنعی، تخمری، استتری، انتقلی، انطلقی، دوم یہ کہ ان میں سب وشتم کی صلاحیت ہو اور جواب کی بھی صلاحیت ہو جیسے خلیتہ، بریتہ، حرام، بائن، بتۃ، بتلۃ وغیرہ سوم یہ کہ نہ ان سے طلاق کا رد ہوتا ہو اور نہ ان میں سب وشتم کی صلاحیت ہو لیکن جواب ہونے کی صلاحیت ہو جیسے اعتدی، استبری رحمک، انت واحدۃ، انت حرۃ، اختاری، امرک بیدک، سرحتک، فارقتک سو رضا کی حالت میں تینوں قسم کے کنایات کی تاثیر نیت پر موقوف ہے اور خفگی کی حالت میں پہلے دونوں قسم کے کنایات نیت پر موقوف ہیں اگر طلاق کی نیت ہو تو طلاق واقع ہو گی ورنہ نہیں اور مذاکرہ طلاق کی حالت میں صرف پہلی قسم کے کنایات نیت پر موقوف ہیں اور آخری دو قسموں کے کنایات نیت پر موقوف نہیں۔

قولہ ولو قال اعتدی الخ زید نے اپنی بیوی سے تین بار کہا اعتدی، اعتدی، اعتدی اور پہلے لفظ سے طلاق کی اور دوسرے اور تیسرے سے حیض کی نیت کی تو قضاء اس کی تصدیق ہو جائے گی کیونکہ اس نے کلام سے اس کی حقیقت کا ارادہ کیا ہے عادت یہی ہے کہ انسان طلاق کے بعد عورت کو حیض شمار کرانے کیلئے کہتا ہے پس ظاہر حال اس کا شاہد ہے اور اگر وہ یہ کہے کہ میں نے دوسرے اور تیسرے لفظ سے کسی چیز کی نیت نہیں کی نہ طلاق کی نہ حیض کی تو تین طلاقیں واقع ہوں گی کیونکہ جب اس نے پہلے لفظ سے طلاق کا ارادہ کر لیا تو حالت مذاکرہ طلاق پائی گئی اس قرینہ کے لحاظ سے باقی الفاظ بھی طلاق کیلئے متعین ہو جائیں گے۔

فائدہ:۔

(فائدہ) لفظ اعتدی کو تین بار مکرر کرنے کی چوبیس صورتیں ہیں جن میں سے چھ صورتوں میں ایک طلاق ہوتی ہے اور گیارہ صورتوں میں دو اور چھ صورتوں میں تین اور ایک میں طلاق واقع نہیں ہوتی یہ کل صورتیں مع حکم اس نقشہ سے معلوم کرو۔

نقشہ صور تکریر اعتدی مع حکم ہر صورت

نمبر شمار	اعتدی اول	اعتدی دوم	اعتدی سوم	حکم	نمبر شمار	اعتدی اول	اعتدی دوم	اعتدی سوم	حکم
۱	بہ نیت حیض	بہ نیت حیض	بہ نیت حیض	ایک طلاق ہوگی	۱۳	بہ نیت حیض	بہ نیت حیض	بہ نیت طلاق	دو طلاقیں واقع ہونگی
۲	×	×	بہ نیت طلاق	==	۱۴	==	بہ نیت طلاق	بہ نیت حیض	==
۳	×	×	بہ نیت حیض	==	۱۵	×	بہ نیت حیض	×	==
۴	×	بہ نیت طلاق	==	==	۱۶	بہ نیت طلاق	×	بہ نیت حیض	==
۵	×	بہ نیت حیض	==	==	۱۷	×	بہ نیت طلاق	بہ نیت طلاق	==
۶	بہ نیت طلاق	==	==	==	۱۸	بہ نیت حیض	×	×	تین طلاق واقع ہونگی
۷	×	بہ نیت طلاق	×	دو طلاقیں واقع ہونگی	۱۹	بہ نیت طلاق	بہ نیت طلاق	×	==
۸	بہ نیت طلاق	بہ نیت حیض	×	==	۲۰	==	بہ نیت طلاق	بہ نیت طلاق	==
۹	بہ نیت حیض	==	×	==	۲۱	بہ نیت حیض	بہ نیت طلاق	==	==
۱۰	=	×	بہ نیت حیض	==	۲۲	بہ نیت طلاق	==	==	==
۱۱	بہ نیت طلاق	بہ نیت طلاق	==	==	۲۳	==	×	×	==
۱۲	==	بہ نیت حیض	بہ نیت طلاق	==	۲۴	××	×	×	×

قولہ والصریح الخ طلاق صریح صریح بائن ہر دو کے ساتھ لاحق ہو جاتی ہے مثلاً کسی نے انت طالق کے بعد پھر کہا انت طالق یا مال کے عوض میں طلاق دی تو یہ دوسری طلاق بھی واقع ہو جائیگی یا کسی نے انت بائن کہہ کر پھر کہا انت طالق تو یہ دوسری طلاق بھی واقع ہوگی اور بائنہ ہوگی کیونکہ طلاق سابق کا بائنہ ہونا رجعی ہونے سے مانع ہے یا کسی نے انت طالق کہہ کر انت بائن کہا تو طلاق ثانی بھی واقع ہوگی لیکن طلاق بائن دوسری طلاق بائن کے ساتھ لاحق نہیں ہوتی مثلاً کسی نے انت بائن کہہ کر پھر کہا انت بائن تو یہ ثانی طلاق بائن واقع نہ ہوگی کیونکہ طلاق ثانی کو اول سے اخبار ماننا ممکن ہے لہٰذا انشاء للہ ٹھہرانے کی ضرورت نہیں گویا اس نے اول کلام سے طلاق واقع کی ہے اس کے بعد کلام ثانی سے طلاق سابق کے وقوع کی خبر دے رہا ہے البتہ اگر اول طلاق بائن معلق بالشرط ہو اور ثانی طلاق بائن منجز یعنی بلا شرط تو دوسری طلاق بھی واقع ہو جائیگی مثلاً کسی نے کہا ان دخلت الدار فانت بائن اس کے بعد کہا انت بائن پھر عورت گھر میں داخل ہو گئی تو ثانی طلاق بھی واقع ہو جائیگی۔

فائدہ: علماء نے لحوق و عدم لحوق کی تمام صورتیں مع المستثنیات اس قطعہ میں جمع کی ہیں۔

کلا[1] اجز لا بائنا مع مثله الا اذا علقه من قبله
الابکل امرأة وقد خلع والحق الصریح بعد لم یقع
ولبعضهم فی نظم المسألة ایضاحه صریح طلاق المرٔیلحق مثله
وبلحق ایضابائنا کان قبله کذاعکسه لابائن بعد بائن
سوی بائن قد کان علق فعله

بَابُ تَفْوِیْضِ الطَّلَاقِ

باب سپردگی طلاق کے بیان میں

وَلَوْ قَالَ لَهَا اِخْتَارِیْ، یَنْوِیْ بِهِ الطَّلَاقَ فَاخْتَارَتْ فِیْ مَجْلِسِهَا بَانَتْ بِوَاحِدَةٍ
اور اگر بیوی سے کہا اختیار کر اور اس سے طلاق کی نیت کی اور عورت نے اسی مجلس میں اختیار کرلیا تو ایک طلاق سے بائنہ ہوجائیگی

وَلَمْ یَصِحَّ نِیَّةُ الثَّلٰثِ فَاِنْ قَامَتْ اَوْاَخَذَتْ فِیْ عَمَلٍ اٰخَرَ بَطَلَ خِیَارُهَا وَذِکْرُ النَّفْسِ اَوِالْاِخْتِیَارِ فِیْ اَحَدِ
اور تین کی نیت صحیح نہ ہوگی اور اگر وہ اٹھ کھڑی ہوئی یا اس نے کوئی دوسرا کام شروع کردیا تو اختیار باطل ہوجائیگا اور لفظ نفس یا لفظ اختیار کو ذکر کرنا شرط ہے

کَلَامَیْهِمَا شَرْطٌ وَاِنْ قَالَ لَهَا اِخْتَارِیْ فَقَالَتْ اَنَا اَخْتَارُ نَفْسِیْ اَوْ اَخْتَرْتُ نَفْسِیْ تَطْلُقُ
ان میں سے کسی ایک کے کلام میں اور اگر بیوی سے کہا اختیار کر بیوی نے کہا میں اپنی ذات کو اختیار کرتی ہوں یا میں نے اپنی ذات کو اختیار کرلیا

وَاِنْ قَالَ لَهَا اِخْتَارِیْ اِخْتَارِیْ اِخْتَارِیْ فَقَالَتْ اِخْتَرْتُ الْاُوْلٰی اَوِ الْاَوْسَطَ اَوِالْاَخِیْرَةَ اَوْ اِخْتِیَارَةً وَقَعَ الثَّلٰثُ
تو طلاق پڑجائیگی اور اگر تین بار کہا اختیار کر بیوی نے کہا کہ میں نے اول کو یادرمیانے کو یا آخری کو اختیار کیا یا ایک اختیار کو اختیار کیا تو تین واقع ہوں گی

بِلَانِیَّةٍ وَلَوْقَالَتْ طَلَّقْتُ نَفْسِیْ اَوْ اِخْتَرْتُ نَفْسِیْ بِتَطْلِیْقَةٍ بَانَتْ بِوَاحِدَةٍ
بلانیت اور اگر بیوی نے کہا کہ میں نے اپنی ذات کو طلاق دے لی یا میں نے اپنی ذات کو ایک طلاق سے اختیار کرلیا تو ایک طلاق بائنہ ہوجائے گی

اَمْرُکِ بِیَدِکِ فِیْ تَطْلِیْقَةٍ اَوْ اِخْتَارِیْ تَطْلِیْقَةً فَاخْتَارَتْ نَفْسَهَا طُلِّقَتْ رَجْعِیَّةً
تیرا معاملہ تیرے ہاتھ ہے ایک طلاق میں یا اختیار کر ایک طلاق عورت نے اپنی ذات کو اختیار کرلیا تو ایک طلاق رجعی پڑ ےگی۔

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ جس طلاق کو شوہر بذات خود واقع کرتا ہے اس کی دونوں قسموں (صریح وکنایہ) سے فراغت کے بعد اس طلاق کو ذکر کررہا ہے جس کو شوہر کے حکم سے کوئی دوسرا شخص واقع کرے اس کی تین قسمیں ہیں (۱) **تفویض** یعنی غیر کو طلاق کا مالک بنانا، (۲) **توکیل** یعنی دوسرے کو طلاق کا وکیل بنانا، (۳) رسالت یعنی غیر کے ذریعہ طلاق کہلا بھیجنا، پھر تفویض کے الفاظ تین طرح کے ہوتے ہیں اول تخییر دوم امر بالید سوم مشیت مصنف تخییر کو مقدم کررہا ہے کیونکہ یہ صریح دلیل سے ثابت ہے۔

قولہ ولوقال لها اختاری الخ کسی نے اپنی بیوی سے کہا تو اپنی ذات کو اختیار کرلے اس سے اس کا مقصد طلاق دینا تھا، عورت نے اسی مجلس میں اپنی ذات کو اختیار کرلیا تو عورت ایک طلاق سے بائنہ ہوجائے گی اگر شوہر تین کی نیت کرے تو صحیح نہیں کیونکہ اختیار میں تنوع نہیں ہوتا پھر بمقتضائے قیاس طلاق نہیں ہونی چاہئے، کیونکہ شوہر خود لفظ اختیاری سے طلاق واقع کرنے کا مالک نہیں لہٰذا وہ

---

(۱) صریح وبائن کی ہر صورت کے لحوق کو جائز رکھ بجز لحوق بائن کو بائن کے ساتھ مگر جبکہ بائن معلق ہو بائن سے قبل سوائے کل امراة لہ طلاق کے درانحالیکہ اول خلع کیا اور صریح کو خلع کے بعد الحق کیا تو یہ صریح بائن کے بعد واقع نہ ہوگی۔

دوسرے کو مالک بھی نہیں بنا سکتا مگر استحساناً طلاق واقع ہو جائے گی کیونکہ مخیرہ عورت کو مجلس تخییر میں اپنی ذات کو اختیار کرنے کا حق باجماع صحابہ ثابت ہے[۱]۔ ہاں اگر وہ اس مجلس سے اٹھ کھڑی ہو تو اختیار ختم ہو جائے گا کیونکہ قیام دلیل اعراض ہے۔

قولہ وقع الثلاث الخ زید نے اپنی بیوی سے تین بار کہا: اختاری اختاری اختاری عورت نے جواب میں کہا میں نے پہلی یا دوسری یا تیسری طلاق اختیار کی یا اس نے کہا: اخترت اختیارۃ تو امام صاحبؒ کے نزدیک تین طلاقیں واقع ہونگی جس میں شوہر کی نیت کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ لفظ اختیاری کو مکرر ذکر کرنا طلاق پر دال ہے، صاحبین کے نزدیک ایک طلاق بائنہ واقع ہوگی یہی امام شافعیؒ کا قول ہے وہ یہ فرماتے ہیں کہ لفظ اولیٰ اور وسطیٰ وغیرہ کو ذکر کرنا اگر بحیثیت ترتیب مفید نہیں تو کم از کم بحیثیت افراد تو مفید ہے ہی لہٰذا افراد کا اعتبار کیا جائیگا پس گویا عورت نے یوں کہا: اخترت التطلیقۃ الاولیٰ، امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ عورت کا وصف اولیت وغیرہ کو ذکر کرنا بے سود ہے اس واسطے کہ جو چیز ملکیت میں مجتمع ہوتی ہے اس میں ترتیب نہیں ہوتی یعنی ترتیب ذوات کے افعال میں ہوتی ہے نہ کہ ذات میں اور جس چیز میں ترتیب نہ ہو اس کے لئے ترتیب پر دلالت کرنے والے کلام میں بھی ترتیب کا اعتبار نہیں ہوتا پس جب یہاں اصل چیز ترتیب نہیں رہی تو جو اس پر مبنی ہے یعنی افراد اس میں بھی ترتیب نہیں رہے گی اور جب دونوں میں ترتیب لغو ہوگئی تو صرف اخترت باقی رہ گیا اور یہ تینوں الفاظ کا جواب ہو سکتا ہے لہٰذا تین طلاقیں واقع ہونگی۔

فَصْلٌ فِی الامْرِ بِالْیَدِ

فصل امر بالید کے بیان میں

تشریح الفقہ: قولہ فصل الخ یہاں امر بمعنی حال اور ید بمعنی تصرف ہے یعنی یہ فصل عورت کی اس طلاق کے بیان میں ہے جس کو شوہر نے اس کے تصرف میں کر دیا ہو، مصنف نے امر بالید کو مؤخر کیا ہے اس واسطے کہ اس میں گو اختلاف نہیں لیکن صحابہ کا اجماع بھی نہیں، نیت کا ہونا، تقیید بالمجلس اور لفظ نفس یا اس کے قائم مقام کو ذکر کرنا جس طرح تخییر میں ضروری ہے اسی طرح یہ چیزیں امر بالید میں بھی ضروری ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ اختیار میں تین طلاقوں کی نیت صحیح نہیں، اور امر بالید میں صحیح ہے۔

اَمْرُکِ بِیَدِکِ یَنْوِیْ ثَلٰثًا فَقَالَتْ اِخْتَرْتُ نَفْسِیْ بِوَاحِدَةٍ

شوہر نے کہا تیرا معاملہ تیرے ہاتھ ہے تین طلاقوں کی نیت کرتے ہوئے بیوی نے کہا میں نے اپنی ذات کو ایک دفعہ سے اختیار کرلیا

وَقَعْنَ وَفِیْ طَلَّقْتُ نَفْسِیْ بِوَاحِدَةٍ اَوْ اِخْتَرْتُ نَفْسِیْ بِتَطْلِیْقَةٍ

تو تین طلاقیں واقع ہونگی اور اگر کہے کہ میں نے اپنی ذات کو ایک طلاق دے لی یا میں نے اپنی ذات کو ایک طلاق سے اختیار کرلیا

بَانَتْ بِوَاحِدَةٍ وَلَایَدْخُلُ اللَّیْلُ فِیْ اَمْرُکِ بِیَدِکِ الْیَوْمَ وَبَعْدَ غَدٍ وَاِنْ رَدَّتِ الْاَمْرَ

تو ایک طلاق سے بائنہ ہو جائیگی اور نہیں داخل ہوگی رات اس میں کہ تیرا معاملہ تیرے ہاتھ ہے آج اور پرسوں اور اگر عورت نے اس دن کا اختیار

فِیْ یَوْمِهَا بَطَلَ اَمْرُ ذٰلِکَ الْیَوْمِ وَکَانَ بِیَدِهَا بَعْدَ غَدٍ وَفِیْ اَمْرُکِ بِیَدِکِ الْیَوْمَ وَغَدًا تَدْخُلُ اللَّیْلُ

رد کر دیا تو اس روز کا اختیار باطل ہو جائیگا اور پرسوں کا اختیار اسے رہیگا اور اگر کہا کہ تیرا معاملہ تیرے ہاتھ ہے آج اور کل تو رات داخل ہوگی

وَاِنْ رَدَّتِ الْاَمْرَ فِیْ یَوْمِهَا لَمْ یَبْقَ فِی الْغَدِ وَلَوْمَکَثَتْ بَعْدَ التَّفْوِیْضِ یَوْمًا وَلَمْ تَقُمْ اَوْجَلَسَتْ عَنْهُ اَواتَّکَئَتْ

اور اگر اس دن کا اختیار رد کر دیا تو کل میں اختیار نہ رہیگا اور اگر ٹھہر گئی تفویض کے بعد ایک دن اور کھڑی نہ ہوئی یا کھڑی تھی بیٹھ گئی یا بیٹھی تھی تکیہ لگا لیا

(۱) عبدالرزاق، طبرانی عن ابن مسعود، عبدالرزاق عن جابر، ابن ابی شیبہ، عبدالرزاق عن عمر و عثمان، ابن ابی شیبہ عن ابن عمر ۱۲ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

عَنِ الْقُعُوْدِ اَوْعَکَسَتْ اَوِادَّعَتْ اَبَاھَا لِلْمَشُوْرَةِ اَوْشُھُوْدًا لِلْاِشْھَادِ اَوْ کَانَتْ عَلَی الدَّابَّةِ فَوَقَفَتْ بَقِیَ خِیَارُھَا

یا اس کے برعکس کیا یا اپنے باپ کو مشورہ کے لئے بلایا یا گواہوں کو گواہ کرنے کے لئے بلایا یا سواری پر تھی ٹھہر گئی تو اس کا اختیار باقی رہیگا

وَاِنْ سَارَتْ لاَ وَالْفُلْکُ کَالْبَیْتِ

اور اگر چل پڑی تو باقی نہ رہے گا اور کشتی کا حال گھر کا سا ہے

تشریح الفقہ: قولہ امرک الخ شوہر نے تین طلاقوں کی نیت کرتے ہوئے بیوی سے کہا: امرک بیدک بیوی نے کہا اخترت نفسی بواحدة تو تین طلاقیں واقع ہوں گی اس واسطے کہ اختیار امر بالید کا جواب ہوسکتا ہے کیونکہ تخییر کی طرح یہ بھی تملیک ہے اور عورت کے کلام میں واحدة اختیار کی صفت ہے پس یہ اخترت نفسی بمرة واحدة کی طرح ہوگیا کہ اس سے تین طلاقیں ہوتی ہیں'' اور اگر عورت نے جواب میں طلقت نفسی واحدة یا اخترت نفسی بتطلیقة کہا تو ایک طلاق بائنہ ہوگی ایک تو اس لئے کہ لفظ واحدة مصدر محذوف تطلیقة کی صفت ہے اور بائنہ اس لئے کہ طلاق کے بائن اور رجعی ہونے میں شوہر کی تفویض کا اعتبار ہے نہ کہ عورت کے ایقاع کا اور شوہر نے امر بالید کے ذریعہ طلاق بائن کی تفویض کی ہے۔

قولہ ولایدخل الخ ''امرک بیدک الیوم وبعد غد'' میں رات داخل نہیں پس عورت کو رات میں اختیار کرنے کا حق نہ ہوگا کیونکہ شوہر نے ایسے دو وقتوں کی تصریح کی ہے جن کے درمیان ان ہی کی جنس سے ایک اور وقت ہے یعنی رات اور امر اس کو شامل نہیں الہدایہ دو تملیکیں جدا جدا ہوئیں اب اگر عورت اس دن کے اختیار کو رد کردے تو رد ہو جائے گا اور پرسوں کا اختیار باقی رہے گا کیونکہ ایک کے رد کرنے سے دوسرے کا رد لازم نہیں آتا، اور اگر شوہر نے کہا: امرک بیدک الیوم وغدا تو اس میں رات داخل ہوگی کیونکہ یہاں دو وقتوں کے درمیان کوئی ایسا وقت مذکور نہیں جس کو امر شامل نہ ہو اب اگر عورت اس دن کے اختیار کو رد کردے تو پرسوں کا اختیار بھی ختم ہو جائیگا۔ لان الامر واحد۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

(فَصْلٌ فِی الْمَشِیَّةِ) وَلَوْقَالَ لَھَا طَلِّقِیْ نَفْسَکِ وَلَمْ یَنْوِ اَوْنَوٰی وَاحِدَةً فَطَلَّقَتْ

(فصل مشیت کے بیان میں) اگر بیوی سے کہا اپنی ذات کو طلاق دے لے اور کچھ نیت نہیں کی یا ایک طلاق کی نیت کی بیوی نے طلاق دے لی

وَقَعَتْ رَجْعِیَّةً وَاِنْ طَلَّقَتْ ثَلاثًا وَنَوَاہُ وَقَعْنَ وَبَانَتْ نَفْسِیْ

تو ایک طلاق رجعی واقع ہو جائیگی اور اگر بیوی نے تین طلاقیں دے لیں اور شوہر نے اس کی نیت کرلی تو تین واقع ہو جائیں گی اور اگر بیوی نے کہا

طَلُقَتْ رَجْعِیَّةً لاَ بِاِخْتَرْتُ نَفْسِیْ وَلایَمْلِکُ الرُّجُوْعَ[1]

کہ میں نے اپنی ذات کو جدا کرلیا تو طلاق واقع ہو جائیگی اور اگر کہا کہ میں نے اختیار کرلیا تو طلاق نہ ہوگی اور مرد رجوع کرنیکا مالک نہیں رہتا

وَیَتَقَیَّدُ بِمَجْلِسِھَا اِلاَّ اِذَا زَادَ مَتٰی شِئْتِ وَلَوْقَالَ لِرَجُلٍ طَلِّقْ امْرَأَتِیْ لَمْ یَتَقَیَّدْ بِالْمَجْلِسِ

اور اختیار عورت کی مجلس تک رہتا ہے الا یہ کہ شوہر اتنا زائد کردے کہ جب تو چاہے اگر شوہر نے کسی سے کہا کہ میری بیوی کو طلاق دیدے تو یہ مجلس پر

اِلاَّ اِذَا زَادَ اِنْ شِئْتَ وَلَوْ قَالَ لَھَا طَلِّقِیْ نَفْسَکِ ثَلاثًا فَطَلَّقَتْ وَاحِدَةً وَقَعَتْ وَاحِدَةً

منحصر نہ ہوگی الا یہ کہ وہ بھی یہ کہدے کہ اگر تو چاہے اگر شوہر نے بیوی سے کہا کہ اپنی ذات کو تین طلاقیں دے لے اس نے ایک دے لی

لافِیْ عَکْسِہٖ وَفِیْ طَلِّقِیْ نَفْسَکِ ثَلاثًا اِنْ شِئْتِ فَطَلَّقَتْ وَاحِدَةً وَعَکْسِہٖ لاَ

تو ایک واقع ہو جائیگی نہ کہ اس کے عکس میں اور اگر کہا کہ تین طلاقیں دے لے اگر تو چاہے بیوی نے ایک طلاق دے لی اور اس کا عکس تو واقع نہ ہوگی

(۱) ای الرجوع عن التفویض ۱۲

وَلَوْ اَمَرَ بِالْبَائِنِ اَوِ الرَّجْعِيِّ فعكست وَقَعَ مَا اَمَرَ بِهٖ وانت طَالِقٌ اِنْ شِئْتِ فَقَالَتْ شِئْتُ
بیوی کو طلاق بائن یا رجعی کا حکم کیا اس نے اس کے برعکس کیا تو وہی واقع ہوگی جس کا حکم کیا تھا تو طالق ہے اگر چاہے بیوی نے کہا میں نے چاہا

اِنْ شِئْتَ فَقَالَ شِئْتُ وَيَنْوِيْ بِهِ الطَّلَاقَ اَوْ قَالَتْ شِئْتُ اِنْ كَانَ كَذَا الْمَعْدُوْمُ
اگر تو چاہے شوہر نے کہا میں نے چاہا اور اس سے طلاق کی نیت کی یا بیوی نے کہا میں نے چاہا اگر ایسا ہو اور یہ کسی معدوم شئے کے متعلق کہا

بَطَلَ وَاِنْ كَانَ بِشَيْءٍ مَضٰى طُلِّقَتْ وانت طَالِقٌ مَتٰى شِئْتِ اَوْمَتٰى مَاشِئْتِ اَوْ اِذَامَا شِئْتِ فَرَدَّتِ الْاَمْرَ
تو یہ قول باطل ہو جائیگا اور اگر کسی گذشتہ امر کے متعلق کہا تو طلاق ہو جائیگی تو طالق ہے جب چاہے یا جب بھی چاہے عورت نے اسکو رد کر دیا

لَا يَرْتَدُّ وَلَا يُقَيَّدُ بِالْمَجْلِسِ وَلَا يَطْلُقُ اِلَّا وَاحِدَةً وَفِيْ كُلَّمَا شِئْتِ لَهَا اَنْ تُفَرِّقَ الثَّلَاثَ
تو رد نہ ہوگا اور نہ مجلس کے ساتھ مقید ہوگا اور طلاق نہیں دے سکتی اس سے مگر ایک اور کلما شئت کی صورت میں عورت علیحدہ علیحدہ تین دے سکتی ہے

وَلَا تَجْمَعُ وَلَوْ طُلِّقَتْ بَعْدَ زَوْجٍ اٰخَرَ لَا يَقَعُ وَفِيْ حَيْثُ شِئْتِ وَاَيْنَ شِئْتِ لَمْ تَطْلُقْ
اور ایک ساتھ نہیں دے سکتی اور اگر طلاق دی دوسرے شوہر کے بعد تو واقع نہ ہوگی اگر کہا جہاں اور جس جگہ تو چاہے تو طلاق نہ ہوگی

حَتّٰى شَاءَتْ فِيْ مَجْلِسِهَا وَفِيْ كَيْفَ شِئْتِ تَقَعُ رَجْعِيَّةٌ فَاِنْ شَاءَتْ بَائِنَةً اَوْثَلٰثًا
یہاں تک کہ چاہے اسی مجلس میں اور اگر کہا کہ جس طرح تو چاہے تو طلاق رجعی ہوگی پس اگر عورت نے بائن یا تین چاہیں

وَنَوَاهُ وَقَعَ وَفِيْ كَمْ شِئْتِ اَوْ مَاشِئْتِ تُطَلِّقُ مَاشَاءَتْ فِيْهِ وَاِنْ رَدَّتْ اِرْتَدَّ
اور شوہر نے نیت بھی کر لی تو واقع ہو جائیگی اور اگر کہا کہ جتنی چاہے اور جو چاہے تو عورت اسی مجلس میں جو چاہے طلاق دے لے اور اگر رد کر دے

وَفِيْ طَلِّقِيْ نَفْسَكِ مِنْ ثَلَاثٍ مَاشِئْتِ تُطَلِّقُ مَا دُوْنَ الثَّلَاثِ
تو رد ہو جائیگا اگر کہا کہ طلاق دے لے تین میں سے جتنی چاہے تو تین سے کم طلاق دے سکتی ہے۔

تشریح الفقہ: قوله ولو قال لها الخ شوہر نے بیوی سے کہا طلقی نفسک اور اس نے کوئی نیت کی نہیں یا صرف ایک طلاق کی نیت کی اور عورت نے خود کو طلاق دے لی تو ایک طلاق رجعی واقع ہوگی اور اگر عورت نے تین طلاقیں دے لیں اور شوہر نے اس کی نیت کر لی تو تین واقع ہو جائیں گی وجہ یہ ہے کہ طلقی امر مقتضی تطلیق ہے اور تطلیق مصدر اسم جنس ہے جس میں ایک کا بھی احتمال ہے اور کل کا بھی احتمال ہے، پس کل کی نیت ہوگی تو تینوں واقع ہو جائیں گی ورنہ ایک پر محمول کیا جائیگا اور طلاق رجعی اس لئے واقع ہوگی کہ شوہر نے طلاق صریح کی تفویض کی ہے اور اگر عورت "طلقی نفسک" کے جواب میں ابنت نفسی کہے تب بھی طلاق ہو جائیگی کیونکہ لفظ ابانت الفاظ طلاق میں سے ہے یہی وجہ ہے کہ اس لفظ سے طلاق ہو جاتی ہے مثلاً شوہر نے کہا ابنتک یا بیوی نے کہا ابنت نفسی اور شوہر نے اس کو جائز کر دیا تو طلاق واقع ہو جاتی ہے پس عورت کا ابنت نفسی کہنا تفویض طلاق کے خلاف نہ ہے لہٰذا طلاق واقع ہو جائے گی لیکن اگر عورت نے کہا اخترت نفسی تو طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ لفظ اختیار الفاظ طلاق میں سے نہیں ہے پس یہ اس کی تفویض کے خلاف ہے۔

قوله ولوقال لها طلقی الخ ایک شخص نے بیوی سے کہا طلقی نفسک ثلاثا عورت نے بجائے تین کے ایک طلاق دے لی تو ایک واقع ہو جائیگی اور اگر شوہر نے ایک طلاق کیلئے کہا اور عورت نے تین طلاقیں دے لیں تو طلاق واقع نہ ہوگی صاحبین کے نزدیک اس صورت میں بھی ایک طلاق واقع ہو جائے گی وہ یہ فرماتے ہیں کہ عورت نے اپنی ملکیت سے زیادہ واقع کی ہے پس یہ ایسا ہو گیا جیسے شوہر ایک ہزار طلاقیں دے کہ اس صورت میں اتنی ہی واقع ہوتی ہیں جتنی کا وہ مالک ہو یعنی تین ایسے ہی یہاں عورت ایک طلاق کی مالک ہے تو ایک واقع ہو جائیگی اور زیادہ لغو ہوگی امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ عورت نے شوہر کی تفویض کے خلاف کیا ہے کیونکہ شوہر نے ایک

طلاق کا مالک بنایا ہے اور ایک تین کے خلاف ہے۔ بخلاف شوہر کے کہ وہ اپنی ملکیت کے لحاظ سے تصرف کرتا ہے تو شوہر چونکہ تین کا مالک ہے اس لئے تین واقع ہو جاتی ہیں اور باقی لغو ہو جاتی ہیں اور یہاں شوہر نے عورت کو تین کا مالک نہیں بنایا اور ایک جو اس نے واقع کی ہے شوہر نے اس کی تفویض نہیں کی لہٰذا طلاق واقع نہ ہوگی۔

قوله وانت طالق الخ شوہر نے کہا ''انت طالق ان شئت'' عورت نے کہا شئت ان شئت، شوہر نے کہا شئت اور شوہر نے اس سے طلاق کی نیت کی یا عورت نے کسی معدوم (ممکن الوجود) شے پر معلق کرتے ہوئے کہا شئت ان کان کذا تو ان صورتوں میں عورت کا کلام لغو ہوگا اور طلاق واقع نہ ہوگی، کیونکہ شوہر نے طلاق کو مطلق مشیت معلق کیا تھا اور عورت نے اپنی مشیت کو ایک قید کے ساتھ مقید کر دیا پس شوہر نے جو شرط لگائی تھی وہ نہیں پائی گئی اگر عورت تفویض مذکور کے جواب میں کسی ثابت الوجود امر پر معلق کرتے ہوئے کہے'' شئت ان کان کذا'' تو طلاق واقع ہو جائے گی کیونکہ ثابت الوجود امر پر تعلیق درحقیقت تعلیق نہیں تخییر ہے۔

قوله وفی کلما شئت الخ شوہر نے کہا انت طالق کلما شئت تو عورت کو اختیار ہے کہ وہ تین مجلسوں میں علیحدہ علیحدہ طلاقیں واقع کرلے ایک ہی مجلس میں دو یا تین طلاقیں واقع کرنے کا اختیار نہیں کیونکہ لفظ کلما میں عموم انفرادی ہوتا ہے نہ کہ اجتماعی اب اگر وہ تین طلاقیں واقع کرنے کے بعد دوسرے شوہر سے نکاح کرے اور اس سے طلاق پا کر پھر شوہر اول کے پاس آجائے اور طلاق واقع کرنا چاہے تو طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ کلما شئت کی تعلیق صرف ملک اول تک تھی اس لئے وہ اس ملک ثانی کو شامل نہ ہوگی۔

قوله وفی حیث شئت الخ شوہر نے کہا انت طالق حیث شئت یا اس نے کہا انت طالق این شئت تو عورت اسی مجلس میں طلاق واقع کر سکتی ہے اگر قبل از مشیت مجلس سے اٹھ کھڑی ہوئی تو پھر اس کی مشیت کا اعتبار نہ ہوگا کیونکہ حیث اور این اسماء مکان ہیں اور ظاہر ہے کہ طلاق کا تعلق کسی مکان کے ساتھ نہیں ہے اس لئے مکان کو ذکر کرنا لغو ہوا اور مطلق مشیت باقی رہی اور مطلق مشیت سے جو اختیار ثابت ہوتا ہے وہ مجلس پر موقوف ہوتا ہے۔

(محمد حنیف غفرلہ گنگوہی)

بَابُ التَّعْلِيقِ
باب تعلیق کے بیان میں

اِنَّمَا يَصِحُّ فِي الْمِلْكِ كَقَوْلِهٖ لِمَنْكُوْحَتِهٖ اِنْ زُرْتِ فَاَنْتِ طَالِقٌ اَوْ مُضَافًا اِلَيْهِ كَاِنْ نَكَحْتُكِ

تعلیق صرف ملک میں صحیح ہے جیسے شوہر اپنی منکوحہ سے کہے اگر تو نے زیارت کی تو تو طالق ہے یا ملک کی طرف مضاف ہو جیسے یوں کہے

فَاَنْتِ طَالِقٌ فَيَقَعُ بَعْدَهٗ فَلَوْ قَالَ لِاَجْنَبِيَّةٍ اِنْ زُرْتِ فَاَنْتِ طَالِقٌ فَنَكَحَهَا فَزَارَتْ

اگر میں تجھ سے نکاح کروں تو تو طالق ہے سو اسکے بعد واقع ہوگی پس اگر کسی اجنبیہ سے کہا اگر تو نے زیارت کی تو طالق ہے پھر اس سے نکاح کر لیا

لَمْ تُطَلَّقْ وَاَلْفَاظُ الشَّرْطِ اِنْ وَاِذَا وَاِذَامَا وَكُلٌّ وَكُلَّمَا وَمَتٰى وَمَتٰى مَا فَفِيْهَا اِنْ وُجِدَ الشَّرْطُ انْتَهَتِ الْيَمِيْنُ

اور اس نے زیارت کی تو طلاق نہ ہوگی شرط کے الفاظ یہ ہیں ان، اذا، اذا ما، کل، کلما، متی، متی ما، ان میں سے شرط پائی گئی تو قسم تمام ہو جائے گی

اِلَّا فِيْ كُلَّمَا لِاقْتِضَائِهٖ عُمُوْمَ الْاَفْعَالِ كَاقْتِضَاءِ كُلٍّ عُمُوْمَ الْاَسْمَاءِ فَلَوْ قَالَ كُلَّمَا تَزَوَّجْتُ امْرَاَةً فَهِيَ طَالِقٌ

سوائے کلما کے کہ وہ افعال کے عموم کو چاہتا ہے جیسے لفظ کل اسماء کے عموم کو چاہتا ہے پس اگر کہا کہ جتنی بار میں کسی عورت سے نکاح کروں تو ہر عورت

يَحْنَثُ بِكُلِّ مَرَّةٍ وَلَوْ بَعْدَ زَوْجٍ اٰخَرَ وَزَوَالُ الْمِلْكِ لَا يُبْطِلُ الْيَمِيْنَ

کے ساتھ نکاح کرنے سے حانث ہو جائیگا گو دوسرے شوہر کے بعد ہو اور قسم کے بعد ملک کا زائل ہو جانا اس کو باطل نہیں کرتا

فَاِنْ وُجِدَ الشَّرْطُ فِي الْمِلْكِ طُلِّقَتْ وَانْحَلَّتِ الْيَمِيْنُ وَاِنْ اِخْتَلَفَا فِيْ وُجُوْدِ الشَّرْطِ فَالْقَوْلُ لَهٗ

پس اگر شرط ملک میں پائی گئی تو طلاق پڑ جائے گی اور قسم پوری ہو جائے گی اور اگر زوجین نے وجود شرط میں اختلاف کیا تو شوہر کا قول معتبر ہوگا

اِلَّا اِذَا بَرْهَنَتْ وَمَالَمْ يُعْلَمْ اِلَّا مِنْهَا فَالْقَوْلُ لَهَا فِيْ حَقِّهَا

الا یہ کہ عورت حجت پیش کرے اور جو امور عورت ہی کے بتانے سے معلوم ہوتے ہیں ان میں عورت کا قول معتبر ہوگا مگر صرف اس کے حق میں

كَاِنْ حِضْتِ فَاَنْتِ طَالِقٌ وَفُلَانَةُ اَوْ اِنْ كُنْتِ تُحِبِّيْنِيْ فَاَنْتِ طَالِقٌ وَفُلَانَةُ فَقَالَتْ

جیسے یوں کہے اگر تو حیض سے ہو تو تو اور فلاں عورت طالق ہے یا اگر تو مجھ سے محبت رکھتی ہے تو تو اور فلاں عورت طالق ہے پس عورت نے کہا

حِضْتُ اَوْ اُحِبُّكَ طُلِّقَتْ هِيَ فَقَطْ وَبِرُؤْيَةِ الدَّمِ لَايَقَعُ فَاِنِ اسْتَمَرَّ ثَلَاثًا

کہ میں حیض سے ہو گئی یا میں تجھ سے محبت رکھتی ہوں تو صرف اس کو طلاق ہوگی اور صرف خون دیکھنے سے واقع نہ ہوگی اگر خون تین دن تک رہے

وَقَعَ مِنْ حِيْنَ رَأَتْ وَفِيْ اِنْ حِضْتِ حَيْضَةً يَقَعُ حِيْنَ تَطْهُرُ وَفِيْ اِنْ وَلَدْتِ ذَكَرًا فَاَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً

تو اسی وقت سے طلاق ہو جائیگی جب سے کہ خون دیکھا تھا اگر کہا کہ اگر تجھے ایک حیض آئے تو پاک ہونے کے وقت واقع ہوگی اگر تیرے لڑکا ہوا تو تجھے

وَاِنْ وَلَدْتِ اُنْثٰى فَثِنْتَيْنِ فَوَلَدَتْهُمَا وَلَمْ يَدْرِ الْاَوَّلَ تَطْلُقُ وَاحِدَةً قَضَاءً وَثِنْتَيْنِ تَنَزُّهًا وَمَضَتِ الْعِدَّةُ

ایک طلاق اور لڑکی ہو تو دو عورت کے دونوں ہوئے اور یہ معلوم نہیں کہ اول کون ہوا تو قضاء ایک طلاق ہوگی اور احتیاطاً دو اور اس کی عدت بھی گذر جائیگی۔

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ تعلیق لغۃً علقہ تعلیقاً سے ماخوذ ہے یعنی کسی چیز کو معلق کرنا لٹکانا، (قاموس) اصطلاح فقہ میں دو کاموں میں سے ایک کے حصول مضمون کو دوسرے کے ساتھ مربوط کرنے کو تعلیق کہتے ہیں جیسے انت طالق ان دخلت الدار اس میں حصول طلاق دخول دار کے ساتھ مربوط ہے صحت تعلیق کیلئے چند شرطیں ہیں نمبرا: شرط بوقت تکلم معدوم ہو اور جائز الوجود ہو محال نہ ہو پس انت طالق ان کانت السما فوقنا تعلیق نہیں تنجیز ہے فی الحال طلاق ہو جائے گی، کیونکہ شرط یعنی فوقیت سما بوقت تکلم معدوم نہیں ثابت الوجود ہے اور انت طالق ان دخل الجمل فی سم الخیاط لغو ہے طلاق نہ ہوگی کیونکہ شرط کا تحقق محال ہے۔ نمبر۲ شرط، مشروط کے ساتھ متصل ہو بس انت طالق کہہ کر سکوت کے بعد شرط کو ذکر کرنے سے تعلیق نہ ہوگی الا یہ کہ سکوت کسی عذر کی وجہ سے ہو مثلاً یہ کہ وہ ہکلا ہو پوری بات مشکل سے کہہ پاتا ہو، نمبر۳ بذریعہ تعلیق عورت کے کلام کا بدلہ دینا مقصود نہ ہو، اگر عورت نے شوہر سے کہا: بے غیرت، کمینے اس شوہر نے کہا ان کنت کما قلت فانت طالق تو یہ تعلیق نہیں فی الحال طلاق ہو جائے گی۔ نمبر۴ شرط کے ساتھ مشروط مذکور ہو صرف انت طالق ان کہنے سے طلاق نہ ہوگی (اسی پر فتویٰ ہے)

قولہ انما یصح الخ لزوم تعلیق کیلئے ملک کا ہونا شرط ہے خواہ ملک حقیقی ہو جیسے آقا اپنے غلام سے کہے ان فعلت کذ افانت حر یا حکمی ہو جیسے شوہر اپنی منکوحہ یا معتدہ سے کہے ان زرت فانت طالق یا ملک کی طرف منسوب ہو جیسے کوئی اجنبیہ سے کہے ان نکحتک فانت طالق ان سب صورتوں میں ہمارے نزدیک شرط پائے جانے پر طلاق واقع ہو جائیگی امام احمد بھی یہی فرماتے ہیں امام شافعی کے نزدیک اضافت الی الملک کی صورت میں طلاق نہیں ہوتی امام مالک فرماتے ہیں کہ اگر اس نے عورت کا نام ونسب ذکر کردیا ان قال زینب بنت زید بن خالد یا اس کے قبیلہ کو ذکر کردیا ان قال قرشیۃ اور ہاشمیۃ تب تو طلاق ہو جائیگی ورنہ تعلیق لازم نہ ہوگی کیونکہ حضرت ابن مسعود سے مروی ہے کہ اگر کوئی شخص کل امرأۃ نکحھا فھی طالق کہے اور اس کا نام یا قبیلہ ذکر نہ کرے تو اس پر کچھ نہیں(۱) امام شافعی کی دلیل یہ حدیث ہے کہ ''نکاح سے قبل طلاق نہیں''(۲) ہے'' نیز حدیث میں ہے کہ ''طلاق نہیں مگر نکاح کے بعد''(۳) ہماری دلیل یہ روایت ہے کہ ''اگر کوئی شخص کسی عورت کو طلاق دینے کی قسم کھالے حالانکہ ابھی اس نے اس عورت سے نکاح نہیں کیا تو یہ

(۱). مالک عن ابن مسعود ۱۲، (۲). ابن ماجہ عن المسور بن مخرمہ وعلی ۱۲۔ (۳). حاکم دارقطنی عن ابن عمر وعائشہ ومعاذ ابن ابی شیبہ عن جابر ۱۲

اس پر نکاح کے بعد لازم ہو جائیگا[1]، رہے امام شافعی و امام مالک کے مستدلات سو وہ طلاق تنجیزی کی نفی پر محمول ہیں شعبی، زہری، مکحول، سالم قاسم عمر بن عبدالعزیز نخعی اسود، ابوبکر بن عبدالرحمٰن، سب سے یہی مروی ہے[2]۔

قوله الا فی کلما الخ الفاظ شرط ان اذا وغیرہ میں ایک بار شرط پائے جانے کے بعد یمین منتہی ہو جاتی ہے کیونکہ یہ الفاظ لغت کے اعتبار سے مقتضی عموم و تکرار نہیں ہیں البتہ لفظ کلما میں صرف ایک مرتبہ شرط پائے جانے سے یمین منتہی نہیں ہوتی بلکہ تین بار پایا جانا ضروری ہے وجہ یہ ہے کہ لفظ کلما افعال میں عموم چاہتا ہے قال تعالیٰ کلما نضجت جلود هم بدلنا هم جلودا غیرها اور لفظ کل اسماء میں عموم چاہتا ہے پس اگر کوئی شخص یوں کہے کلما تزوجت امرأة فهی طالق تو وہ جب بھی نکاح کرے گا طلاق واقع ہو جائیگی اگرچہ ستر بار نکاح کرے کیونکہ اس نے لفظ کلما کو سبب ملک یعنی تزوج پر داخل کیا ہے تو جب بھی فعل تزوج پایا جائیگا طلاق واقع ہو جائیگی۔

قوله وزوال الملک الخ یمین کے بعد ملک زائل ہو جانے سے یمین باطل نہیں ہوتی مثلاً کسی نے بیوی سے کہا ان دخلت الدار فانت طالق پھر اس کو ایک یا دو طلاق بائن دی اور اس کی عدت گزر گئی پھر زوج ثانی کے بعد اس نے اسی عورت سے نکاح کیا اور اب تعلیق کی شرط پائی گئی یعنی بیوی گھر میں داخل ہوئی تو طلاق واقع ہو جائیگی اور یمین بھی منتہی ہو جائے گی اور اگر شرط ملک میں نہ پائی گئی تو طلاق نہ ہوگی لیکن یمین منتہی ہو جائیگی حاصل یہ کہ یمین تو ہر صورت میں منتہی ہو جائے گی لیکن طلاق کا واقع ہونا ملک میں شرط کے پائے جانے کے ساتھ مشروط ہے۔

قوله ومالا یعلم الخ شوہر نے طلاق کو کسی ایسی شرط پر معلق کیا جس کا وجود صرف عورت ہی کی جانب سے معلوم ہو سکتا ہے اور پھر وجود شرط میں اختلاف ہوا تو عورت کا قول معتبر ہوگا، مگر صرف اسی کے حق میں نہ کہ غیر کے حق میں مثلاً شوہر نے طلاق کو حیض آنے پر معلق کیا اور کہا ان حضت فانت طالق وفلانة اب عورت کہتی ہے کہ مجھے حیض آ گیا تو اس پر طلاق واقع ہو جائیگی دوسری عورت پر طلاق نہ ہوگی کیونکہ دوسری کے حق میں اس کا قول معتبر نہیں پھر از روئے قیاس تو اس کے حق میں بھی اس کا قول معتبر نہیں ہونا چاہئے کیونکہ وہ شوہر پر حنث کا دعویٰ کر رہی ہے اور شوہر منکر ہے اور قول منکر ہی کا مقبول ہوتا ہے وجہ استحسان یہ ہے کہ یہاں وجود شرط کا علم اسی کی جانب سے ہو سکتا ہے نیز آیت ولا یحل لهن ان یکتمن ماخلق الله فی ارحامهن، میں مور بالاظہار وہی ہے اگر اس کے قول کو معتبر نہ مانا جائے تو وجوب اظہار کا کوئی فائدہ نہیں رہتا پھر طلاق صرف خون دیکھنے سے واقع نہ ہوگی جب تک کہ خون تین روز تک مستمر نہ ہو کیونکہ اس سے کم میں استحاضہ ہونے کا احتمال ہے۔

وَالْمِلْکُ یَشْتَرِطُ لِاٰخِرِ الشَّرْطَیْنِ وَیُبْطِلُ تَنْجِیْزُ الثَّلَاثِ تَعْلِیْقَهٗ وَلَوْعَلَّقَ الثَّلٰثَ

اور ملک شرط ہے دو شرطوں میں سے آخری کے لئے اور تین طلاقوں کو فی الحال واقع کرنا ان کی تعلیق کو باطل کر دیتا ہے اگر معلق کیا تین طلاقوں

اَوِالْعِتْقَ بِالْوَطْیِ لَمْ یَجِبِ الْعُقْرُ بِاللُّبْثِ وَلَمْ یَصِرْ مُرَاجِعًا بِهٖ فِی الرَّجْعِیِّ اِلَّا اِذَا اَوْلَجَ ثَانِیًا

کو یا آزادی کو وطی پر تو عقر واجب نہ ہوگا ٹھہرنے کی وجہ سے اور اس کے ذریعہ رجعت کرنے والا نہ ہوگا طلاق رجعی میں الا یہ کہ دوبارہ داخل کرے

وَلَاتَطْلُقُ فِیْ اِنْ نَکَحْتُهَا عَلَیْکِ فَهِیَ طَالِقٌ فَنَکَحَ عَلَیْهَا فِیْ عِدَّةِ الْبَائِنِ وَلَافِیْ اَنْتِ طَالِقٌ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰی

اور طلاق نہ پڑے گی اس قول میں کہ اگر فلاں سے نکاح کروں تجھ پر تو وہ طالق ہے پھر اس پر نکاح کر لیا طلاق بائن کی عدت میں اور نہ انت طالق

مُتَّصِلًا وَاِنْ مَاتَتْ قَبْلَ قَوْلِهٖ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰی

کے بعد متصلاً انشاء اللہ کہنے میں اگرچہ مرجائے عورت شوہر کے انشاء اللہ کہنے سے پہلے

(۱)...مالک عن ... مسعود ۱۲، (۲)... ابن ابی شیبہ ۱۲۔

وَفِیْ اَنْتِ طَالِقٌ ثَلاثًا اِلَّا وَاحِدَةً يَقَعُ ثِنْتَانِ وَفِیْ اِلَّا ثِنْتَيْنِ وَاحِدَةٌ وَفِیْ اِلَّا ثَلٰثًا ثَلٰثٌ

اگر کہے کہ تجھے ایک کم تین طلاقیں ہیں تو دو واقع ہوں گی اور دو کے استثناء میں ایک اور تین کے استثناء میں تین واقع ہوں گی۔

تشریح الفقہ : قولہ والملک الخ اگر شرط دو وصفوں کے ساتھ یا دو چیزوں کے ساتھ مشروط ہو تو وقوع طلاق کیلئے آخری شرط کا ملک میں پایا جانا ضروری ہے مثلاً ایک شخص نے کہا اگر تو زید اور عمر کے گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق سو اگر شرط ثانی ملک میں پائی جائے گی تو معلق طلاق واقع ہو جائیگی ورنہ نہیں اب اس کی چار صورتیں ہیں نمبرا۔ دونوں شرطیں ملک میں پائی جائیں اس صورت میں بالاتفاق طلاق ہو جائیگی۔ نمبر۲۔ دونوں شرطیں ملک میں نہ پائی جائیں تو بالاتفاق طلاق نہ ہوگی۔ نمبر۳۔ اول ملک میں اور شرط ثانی غیر ملک میں پائی جائے اس صورت میں ابن ابی لیلیٰ کے سوا کسی کے نزدیک طلاق نہیں ہوتی۔ شرط نمبر۴۔ ثانی ملک اور شرط اول غیر ملک میں پائی جائے مثلاً شوہر نے کہا ان دخلت دار زید و دار عمر و فانت طالق طالق اس کے بعد شوہر نے عورت کو طلاق دیدی اور اس کی عدت گزر گئی عدت گزرنے کے بعد ایک شرط پائی گئی پھر شوہر نے اس سے نکاح کر لیا اور اب دوسری شرط پائی گئی تو ہمارے نزدیک طلاق معلق واقع ہو جائیگی امام زفر کے نزدیک واقع نہ ہوگی۔

قولہ یبطل الخ فی الحال تین طلاقیں واقع کرنا، تین یا تین سے کم طلاقوں کی تعلیق کو باطل کر دیتا ہے یعنی اولاً شوہر نے تین یا تین سے کم طلاقوں کی تعلیق کی اور کہا ان دخلت الدار فانت طالق ثلاثاً او ثنتین او واحدة اس کے بعد تین طلاقیں بلا تعلیق یعنی فی الحال واقع کر دیں تو معلق طلاقوں کا اعتبار نہ ہوگا اگر مطلقہ عورت...... زوج ثانی کے بعد شوہر اول کے نکاح میں آئے اور پھر شرط تعلیق پائی جائے تو طلاق نہ ہوگی (ہاں اگر تعلیقی طلاق ملک کی طرف مضاف ہو اور تعلیق لفظ کلما کے ساتھ ہو تو وہ اس سے مستثنیٰ ہے اس میں باطل نہیں ہوتی جیسا کہ پہلے گزر چکا اور اگر تین کی تعلیق کے بعد فی الحال ایک یا دو طلاق دی تو تعلیق باطل نہ ہوگی وسیاتی فی باب الرجعة انشاء اللّٰہ تعالیٰ۔

قولہ ولو علق الخ ایک شخص نے بیوی کی تین طلاقوں کو یا باندی کی آزادی کو جماع پر معلق کیا اور کہا اگر میں تجھ سے وطی کروں تو تجھے تین طلاق یا تو آزاد ہو پھر اس سے جماع کیا تو التقاء ختانین ہوتے ہی طلاق اور آزادی واقع ہو جائیگی اب اگر وہ آلہ تناسل داخل کرنے کے بعد توقف کرے تو توقف کی وجہ سے عقر (مہر مثل) واجب نہ ہوگا تاوقتیکہ وہ نکال کر پھر دوبارہ داخل نہ کر دے کیونکہ توقف کو وطی نہیں کہتے اسی طرح اگر کسی نے آلہ تناسل داخل کیا پھر طلاق رجعی دیدی اور ٹھہر گیا تو امام محمد کے نزدیک رجعت ثابت نہ ہوگی امام ابو یوسف کے نزدیک رجعت ثابت ہو جائیگی کیونکہ طلاق رجعی کے بعد ٹھہرنا مساس سے خالی نہیں اور مساس سے رجعت ثابت ہو جاتی ہے۔

قولہ ولا تطلق الخ ایک شخص نے بیوی سے کہا اگر میں فلاں عورت سے تیرے نکاح میں ہوتے ہوئے شادی کروں تو اس پر طلاق اس کے بعد بیوی کو طلاق بائن دیدی وہ عدت گزار رہی تھی کہ فلاں عورت سے اس نے نکاح کر لیا تو اس عورت کو طلاق نہ ہوگی کیونکہ طلاق بائن کے بعد نکاح باقی نہیں رہا پس طلاق کی شرط نہیں پائی گئی۔ ہاں اگر بیوی کو طلاق رجعی دی ہو اور وہ اس کی عدت میں ہو اور پھر فلاں عورت سے نکاح کر لے تو طلاق ہو جائیگی کیونکہ رجعی کے بعد نکاح باقی رہتا ہے

قولہ ولا انت طالق الخ اگر کوئی شخص طلاق کے بعد فوراً استثنا کر لے مثلاً یوں کہے انت طالق انشاء اللّٰہ تو طرفین، ابن ابی لیلیٰ ابو عبیدہ اور شوافع کے نزدیک طلاق واقع نہ ہوگی، امام مالک فرماتے ہیں کہ انشاء اللہ کہنے سے طلاق، عتاق، اور صدقہ باطل نہ ہوگا ہاں یمین اور نذر باطل ہو جائیگی امام احمد فرماتے ہیں کہ صرف طلاق باطل نہ ہوگی ہماری دلیل وہ احادیث ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ طلاق عتاق وغیرہ میں متصلاً استثنا کرنے سے طلاق واقع نہیں[1] ہوتی۔

قولہ وفی انت طالق الخ مسئلہ سمجھنے سے پہلے ایک قاعدہ سمجھ لینا چاہئے قاعدہ یہ ہے کہ کل سے بعض کا استثنا صحیح ہے استثنا کے بعد جو باقی رہیگا اس کا اعتبار ہوگا لیکن کل کا استثنا صحیح نہیں کیونکہ استثنا کے بعد کچھ نہ کچھ باقی رہنا ضروری ہے اور کل سے کل کے استثنا میں کچھ

(۱)... ائمہ اربعہ عن ابن عمر، ترمذی، نسائی ابن ماجہ عن ابی ہریرة، ابن عدی عن ابن عباس، عبد الرزاق، دار قطنی عن معاذ ۱۲۔

باقی نہیں رہتا جب یہ قاعدہ سمجھ میں آگیا تو انت طالق ثلثا الا واحدۃ میں ایک کے استثنا کے بعد دو باقی رہے تو دو طلاقیں واقع ہوں گی اور انت طالق ثلاثا الا ثنتین میں استثنا کے بعد ایک باقی ہو تو ایک طلاق واقع ہوگی اور انت طالق ثلاثا الا ثلاثا میں استثنا کے بعد کچھ نہیں رہتا اس لئے استثنا صحیح نہیں لہٰذا تین طلاقیں واقع ہونگی۔

بَابُ طَلَاقِ الْمَرِیْضِ

باب بیمار کی طلاق کے بیان میں

طَلَّقَهَا رَجْعِيًّا اَوْ بَائِنًا فِي مَرَضِهٖ وَمَاتَ فِيْ عِدَّتِهَا وَرِثَتْ وَبَعْدَهَا لَا

شوہر نے بیوی کو رجعی یا بائن طلاق دیدی اپنے مرض موت میں اور عدت میں مرگیا تو وارث ہوگی اس کے بعد وارث نہ ہوگی

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ تندرست آدمی کی طلاق اور اس کی اقسام سنی و بدعی تنجیزی و تعلیقی، صریح و کنائی بیان کرنے کے بعد مریض کی طلاق کو بیان کر رہا ہے کیونکہ صحت و تندرستی اصل ہے اور مرض عارض سماوی۔

قولہ طلقها الخ زید نے اپنی بیوی کو طلاق رجعی دیدی یا مرض الموت میں اس کو طلاق بائن دی اور اس کی عدت کے زمانہ میں زید کا انتقال ہوگیا تو عورت زید کی وارث ہوگی اور اگر زید کا انتقال عورت کی عدت کے بعد ہوا تو وارث نہ ہوگی، امام احمد، ابن ابی لیلیٰ اسحاق ابو عبید کے نزدیک عدت کے بعد بھی وارث ہوگی جبکہ وہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے امام مالک اور لیث کے نزدیک اگر عورت دس شوہروں سے نکاح کر لے تب بھی وارث ہوگی، امام شافعی کے نزدیک مطلقہ ثلاث اور مختلعہ وارث نہیں ہوتی خواہ شوہر کا انتقال عدت کے زمانہ میں ہو یا عدت کے بعد وہ یہ فرماتے ہیں کہ میراث کا سبب زوجیت ہے اور طلاق بائن سے زوجیت باطل ہوگئی لہٰذا عورت وارث نہ ہوگی ہم یہ کہتے ہیں کہ زوجیت سبب وارثت ہے اور شوہر نے مرض الموت میں طلاق دے کر اس سبب کو باطل کرنا چاہا ہے اس لئے اس کے قصد کی تاثیر کو عورت سے ضرور دور کرنے کی خاطر عدت تک مؤخر کیا جائے گا کیونکہ بعض حقوق کے لحاظ سے عدت میں نکاح باقی رہتا ہے اس لئے حق ارث میں بھی نکاح باقی رہ سکتا ہے عدت کے بعد اس کا امکان نہیں۔

وَاِنْ اَبَانَهَا فِيْ مَرَضِهٖ بِاَمْرِهَا اَوِ اخْتَلَعَتْ مِنْهُ اَوِ اخْتَارَتْ نَفْسَهَا بِتَفْوِيْضِهٖ لَمْ تَرِثْ وَفِيْ طَلِّقْنِيْ

اور اگر جدا کر دیا اس کو اس کے حکم سے یا عورت نے اس سے خلع کر لیا مرد کی تفویض سے تو وارث نہ ہوگی اور اس قول میں کہ مجھے طلاق دیدے

رَجْعِيَّةً فَطَلَّقَهَا ثَلٰثًا وَرِثَتْ وَاِنْ اَبَانَهَا فِيْ مَرَضِهٖ بِاَمْرِهَا اَوْتَصَادَقَا عَلَيْهَا فِي الصِّحَّةِ وَمَضِيِّ الْعِدَّةِ

رجعی اس نے تین طلاقیں دیدیں وارث ہوگی اور اگر اس کو اسکے حکم سے جدا کیا مرض الموت میں یا جدائی پر اور عدت گذر جانے پر باہمی تصدیق

فَاَقَرَّ بِدَيْنٍ اَوْ اَوْصٰى لَهَا فَلَهَا الْاَقَلُّ مِنْهُ وَمِنْ اِرْثِهَا وَمَنْ بَارَزَ رَجُلًا

ہوگئی صحت میں پھر شوہر نے اقرار کیا یا وصیت کی عورت کیلئے تو عورت کو اقرار و وصیت اور ترکہ میں سے کمتر ملیگا جس نے کسی سے مقابلہ کیا

اَوْ قُدِّمَ لِيُقْتَلَ بِقَوَدٍ اَوْ رَجْمٍ فَاَبَانَهَا وَرِثَتْ اِنْ مَاتَ فِيْ ذٰلِكَ الْوَجْهِ اَوْقُتِلَ وَلَوْكَانَ مَحْصُوْرًا

یا قتل کیلئے پیش کیا گیا قصاص میں یا رجم میں اور اس نے بیوی کو بائن کر دیا تو وارث ہوگی اگر مرجائے اسی صورت میں یا مارا جائے اور اگر گھر گیا ہو

اَوْفِيْ صَفِّ الْقِتَالِ لَا وَلَوْ عَلَّقَ طَلَاقَهَا بِفِعْلِ اَجْنَبِيٍّ اَوْمَجِيْءِ الْوَقْتِ وَالتَّعْلِيْقُ وَالشَّرْطُ فِيْ مَرَضِهٖ

یا لڑائی کی صف میں ہو تو عورت وارث نہ ہوگی اگر معلق کیا طلاق کو کسی اجنبی کے فعل پر یا وقت کے آنے پر اور تعلیق و شرط دونوں مرض میں ہوں

اَوْبِفِعْلِ نَفْسِهٖ وَهُمَا فِي الْمَرَضِ اَوِالشَّرْطُ فَقَطْ اَوْبِفِعْلِهَا وَلاَ بُدَّ لَهَا مِنْهُ وَهُمَا فِي الْمَرَضِ

یا اپنے فعل پر معلق کیا اور تعلیق وشرط یا صرف شرط مرض میں ہو یا عورت کے ایسے فعل پر معلق کیا جس کو کرنا ضروری ہے اس کیلئے اور تعلیق وشرط

اَوِ الشَّرْطُ وَرِثَتْ وَفِيْ غَيْرِهَا لاَ وَلَوْ اَبَانَهَا فِيْ مَرَضِهٖ فَصَحَّ فَمَاتَ

یا صرف شرط مرض میں ہو تو وارث ہوگی اور دیگر صورتوں میں وارث نہ ہوگی اگر بائن کردیا اس کو مرض میں پھر تندرست ہونے کے بعد مرگیا

اَوْ اَبَانَهَا فَارْتَدَّتْ فَاَسْلَمَتْ فَمَاتَ لَمْ تَرِثْ وَاِنْ طَاوَعَتْ اِبْنَ الزَّوْجِ اَوْ لاَعَنَ اَوْ اٰلٰى

یا اس کو بائن کیا اور وہ مرتد ہوگئی پھر اسلام لے آئی اور مرد مرگیا تو وارث نہ ہوگی اور اگر عورت نے شوہر کے لڑکے کو قابو دیدیا یا لعان کیا یا شوہر نے

مَرِيْضًا وَرِثَتْ وَاِنْ اٰلٰى فِيْ صِحَّتِهٖ وَبَانَتْ فِيْ مَرَضِهٖ لاَ

ایلا کیا بیماری کی حالت میں تو وارث ہوگی اور اگر ایلاء کیا تندرستی میں اور بائن ہوگئی اس کی وجہ سے مرض میں تو وارث نہ ہوگی۔

توضیح اللغہ: ابانہا اِبانۃ جدا کرنا، اختلعت خلع کرلیا، تفویض سپرد کرنا، بارز مبارزۃ مقاتلہ کرنا، قود قصاص، رجم سنگسار کرنا محصور گھرا ہوا، طاوعت عورت نے اپنے اوپر قابو دے دیا۔

تشریح الفقہ: قولہ وان ابانہا الخ زید نے اپنی بیوی کو اس کے حکم کے بموجب طلاق بائنہ دیدی یا زید نے اس کو اختیار دیا اور عورت نے اپنی ذات کو اختیار کرلیا یا عورت نے شوہر سے خلع کرلیا اس کے بعد شوہر کا انتقال ہوگیا تو ان تینوں صورتوں میں عورت وارث نہ ہوگی کیونکہ اس نے اپنا حق خود ہی باطل کردیا ہے اور اگر عورت نے کہا کہ مجھے طلاق رجعی دیدے اور شوہر نے تین طلاقیں دیدیں تو عورت وارث ہوگی، کیونکہ طلاق رجعی میں نکاح ختم نہیں ہوتا پس عورت کا خود اپنے حق کو باطل کرنا لازم نہیں آیا۔

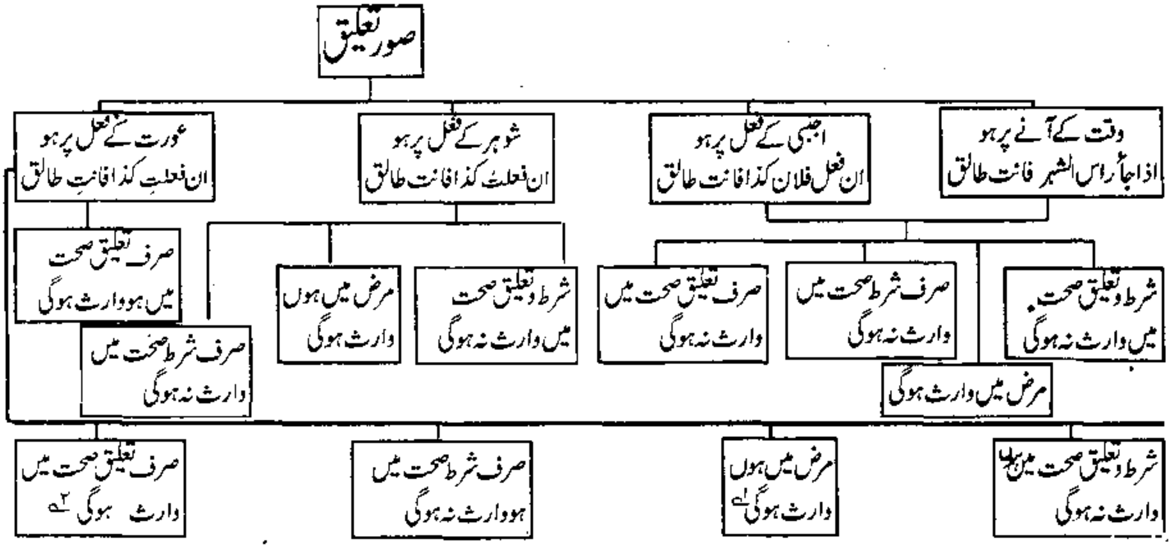
قولہ بامرھا فی مرضہ الخ زید کی بیوی نے زید سے کہا تو مجھے طلاق بائن دیدے زید نے طلاق بائن دیدی زید نے بیماری کے زمانے میں کہا کہ میں نے اپنی تندرستی میں تجھے طلاق دیدی تھی اور تیری عدت گزر چکی عورت نے اس کی تصدیق کردی اس کے بعد زید نے عورت کیلئے کسی چیز کا اقرار کیا یا اس کیلئے وصیت کی اور پھر زید کا انتقال ہوگیا تو ان دونوں صورتوں میں عورت کو میراث اور اقرار یا وصیت کے مال سے کمتر مقدار ملے گی۔ یعنی اگر وصیت یا اقرار کا مال کم ہو تو وہ اور میراث کم ہو تو میراث امام زفرؒ کے نزدیک وصیت اور اقرار کا کل ملے گا کیونکہ جب عورت کے سوال طلاق کی وجہ سے میراث باطل ہوگئی تو صحت اقرار وصحت وصیت سے جو چیز مانع تھی یعنی شبہ تہمت وہ زائل ہوگئی، دوسرے مسئلے میں صاحبین کے نزدیک بھی اقرار اور وصیت کا کل ملے گا کیونکہ جب وقوع طلاق اور انقضا عدت میں زوجین نے ایک دوسرے کی تصدیق کردی تو عورت اجنبیہ ہوگئی اور شبہ تہمت زائل ہوگیا بخلاف پہلے مسئلے کے کہ اس میں عدت باقی ہے اور عدت کا باقی رہنا ہی تہمت کا سبب ہے اس لئے پہلے مسئلے میں کمتر مقدار ملے گی امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ دونوں مسئلوں میں تہمت کا امکان ہے کیونکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ عورت اقرار یا وصیت کی راہ نکالنے کیلئے طلاق اختیار کرلیتی ہے نیز کبھی ایسا ہوتا ہے کہ شوہر الفت ومحبت کی وجہ سے اقرار یا وصیت کر بیٹھتا ہے بہر کیف تہمت کا امکان باقی ہے مگر یہ تہمت صرف زائد مقدار میں ہے نہ کہ مقدار میراث میں اس لئے عورت کو کمتر مقدار ملے گی۔

قولہ ومن بارز الخ ایک شخص نے اپنے سے قوی تر آدمی کے مقابلہ کیلئے آگے بڑھا یا اس کو قصاص کے عوض میں قتل کرنے کے لئے یا سنگسار کرنے کیلئے پیش کیا گیا اور ان حالات میں اس نے بیوی کو بائنہ طلاق دے دی اور پھر وجوہ مذکورہ کے سبب سے اس کا انتقال ہوگیا یا اس کو قتل کردیا گیا تو ان سب صورتوں میں عورت وارث ہوگی اور اگر وہ مقید ہو یا میدان کارزار میں ہو اور پھر یہ صورت پیش آئے تو عورت وارث نہ ہوگی۔ اس سلسلے میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جو شخص ایسے حالت میں طلاق دے جن میں ہلاکت غالب ہو خواہ ہلاکت مرض

کی وجہ سے ہو یا کسی اور وجہ سے ہو تو عورت وارث ہوتی ہے جیسے یہاں پہلی صورت میں ہلاکت غالب ہے تو عورت وارث نہیں ہوتی۔

قولہ ولو علق الخ ولو علق سے دفی غیر ہالا تک جو مسئلہ مذکور ہے اس کی سولہ صورتیں ہیں کیونکہ تعلیق طلاق یا تو وقت کے آنے پر ہوگی یا کسی اجنبی کے فعل پر یا شوہر کے فعل پر یا عورت کے فعل پر ان چاروں میں سے ہر ایک کی چار چار صورتیں ہیں تعلیق اور شرط دونوں یا تندرستی میں ہوں گی یا مرض میں یا تعلیق صحت میں یا شرط مرض میں ہوگی اور شرط صحت میں ہوگی اور تعلیق مرض میں ان سولہ صورتوں میں سے ہر ایک کا حکم اس نقشہ سے معلوم کرو۔

محمد حنیف گنگوہی



قولہ ولو ابانھا الخ زید نے اپنی بیوی کو بیماری کی حالت میں تین طلاقیں دیکر بائنہ کر دیا پھر تندرست ہو گیا اس کے بعد دوبارہ بیمار ہو کر مر گیا تو عورت وارث نہ ہوگی کیونکہ صحت یاب ہونے سے ظاہر ہو گیا کہ وہ مرض الموت نہ تھا پس اس کے مال سے عورت کا حق وابستہ نہیں ہوا اسی طرح اگر زید نے طلاق بائن دیدی اور عورت مرتد ہو گئی اور پھر اسلام لے آئی اس کے بعد زید کا انتقال ہو گیا تب بھی وارث نہ ہوگی کیونکہ عورت نے مرتد ہو کر اہلیت ارث کو باطل کر دیا پس نکاح سبب حق ارث نہ رہا اور بعد میں اسلام لانے سے اس سبب کا لوٹ آنا ممکن نہیں۔

قولہ وان طاوعت الخ یہاں تین مسئلے مذکور ہیں نمبر ا۔ زید نے اپنی بیوی کو طلاق بائن دی عورت نے شوہر کے بیٹے کو اپنے اوپر بخوشی قابو دیدیا تو عورت وارث ہوگی کیونکہ قابو دیدینے سے محرمیت ثابت ہوتی ہے اور محرمیت سے اہلیت ارث باطل نہیں ہوتی اور اگر طلاق رجعی کے بعد عورت نے قابو دیا تو وارث نہ ہوگی کیونکہ اب زوجین میں فرقت ہوگی اور یہ فرقت عورت کی جانب سے آئی ہے۔ نمبر ۲ زید نے اپنی بیوی کو تندرستی میں زنا کی تہمت لگائی اور مرض کی حالت میں لعان کیا تو عورت وارث ہوگی کیونکہ فرقت مرد کی جانب سے ہوئی ہے نہ کہ عورت کی طرف سے۔ نمبر ۳۔ زید نے بیماری کی حالت میں اپنی بیوی سے ایلا کر لیا یعنی چار ماہ تک وطی نہ کرنے کی قسم کھالی اور بیماری کی حالت میں ایلا کی مدت گزر گئی تو عورت وارث ہوگی اور اگر ایلا تندرستی میں کیا ہو اور بیماری کی حالت میں مدت ایلا گزر جانے کی وجہ سے عورت بائنہ ہو گئی ہو تو وارث نہ ہوگی التفصیل فی المطولات۔

محمد حنیف گنگوہی

---

(۱) فی الھدایۃ ان کان لھا بد من الفعل ککلام زید لم ترث وان کان الفعل لا بد لھا منہ کاکل الطعام وصلوٰۃ الظہر ترث لانھا مضطرۃ فی المباشرۃ ۱۲

(۲) فی الھدایۃ ان کان الفعل مما لھا بد منہ فلا میراث لھا وان کان مما لا بد لھا منہ فکذا عند محمد وقول زفر وعند الشیخین ترث ۱۲

بَابُ الرَّجْعَةِ

باب رجعت کے بیان میں

هِيَ اسْتِدَامَةُ الْمِلْكِ الْقَائِمِ فِي الْعِدَّةِ وَتَصِحُّ فِي الْعِدَّةِ اِنْ لَمْ تُطَلَّقْ ثَلاثًا وَلَوْ لَمْ تَرْضَ

رجعت باقی رکھنا ہے عدت کے زمانے میں اس ملک کو جو قائم تھی اور صحیح ہے عدت میں اگر تین طلاقیں نہ دی ہوں اگر چہ عورت راضی نہ ہو

بِرَاجَعْتُكِ اَوْ رَاجَعْتُ اِمْرَأَتِي وَبِمَا يُوْجِبُ حُرْمَةَ الْمُصَاهَرَةِ

ان الفاظ کیساتھ کہ نے تجھ سے رجعت کی یا میں نے اپنی بیوی سے رجعت کی اور ان افعال کیساتھ کہ جو دامادی حرمت ثابت کرتے ہیں

وَالْاِشْهَادُ مَنْدُوْبٌ عَلَيْهَا وَلَوْقَالَ بَعْدَ الْعِدَّةِ رَاجَعْتُكِ فِيْهَا فَصَدَّقَتْهُ تَصِحُّ

اور رجعت پر گواہ کر لینا مستحب ہے اور اگر عدت کے بعد کہا کہ میں نے تجھ سے عدت میں رجعت کر لی تھی عورت نے اس کی تصدیق کر دی تو صحیح ہے

وَاِلَّا لاَ كَرَاجَعْتُكِ قَالَتْ مُجِيْبَةً مَضَتْ عِدَّتِيْ وَاِنْ قَالَ زَوْجُ الْاَمَةِ بَعْدَ الْعِدَّةِ رَاجَعْتُكِ فِيْهَا

ورنہ نہیں جیسے شوہر نے کہا راجعتک بیوی نے جواب دیا کہ میری عدت گذر چکی باندی کے شوہر نے عدت کے بعد کہا کہ میں نے عدت میں رجعت

فَصَدَّقَهُ سَيِّدُهَا وَكَذَّبَتْهُ اَوْ قَالَتْ مَضَتْ عِدَّتِيْ وَاَنْكَرَ

کر لی تھی پس اس کے آقا نے تصدیق کی اور باندی نے تکذیب یا باندی نے کہا میری عدت گذر چکی اور شوہر نے اور آقا نے انکار کیا

فَالْقَوْلُ لَهَا وَتَنْقَطِعُ اِنْ طَهُرَتْ مِنَ الْحَيْضِ الْاَخِيْرِ لِعَشْرَةِ اَيَّامٍ وَاِنْ لَمْ تَغْتَسِلْ وَلِاَقَلِّهٖ لاَ

تو باندی کا قول معتبر ہوگا اور رجعت ختم ہو جاتی ہے اگر عورت پاک ہو جائے آخری حیض سے دس دن پر گو غسل نہ کیا ہو اور دس سے کم پر ہو تو ختم نہ ہوگی

حَتّٰى تَغْتَسِلَ اَوْ يَمْضِيَ عَلَيْهَا وَقْتُ صَلٰوةٍ اَوْتَيَمَّمَ وَتُصَلِّيْ وَلَوْ اِغْتَسَلَتْ وَنَسِيَتْ اَقَلَّ مِنْ عُضْوٍ تَنْقَطِعُ

یہاں تک کہ غسل کر لے یا نماز کا وقت گذر جائے یا تیمم کر کے نماز پڑھ لے اگر عورت نے غسل کیا اور ایک عضو سے کم بھول گئی تو ختم ہو جائیگی

وَلَوْعُضْوًا لاَ وَلَوْ طَلَّقَ ذَاتَ حَمْلٍ اَوْ وَلَدَتْ مِنْهُ وَقَالَ لَمْ اَطَأْهَا رَاجَعَ

اور ایک عضو بھولے تو نہیں اگر حاملہ کو طلاق دیدی یا اسکے بچہ ہوا اور شوہر نے کہا کہ میں نے اس سے وطی نہیں کی تو رجعت کر سکتا ہے

وَاِنْ خَلاَبِهَا وَقَالَ لَمْ اُجَامِعْهَا ثُمَّ طَلَّقَهَا لاَ فَاِنْ رَاجَعَهَا ثُمَّ وَلَدَتْ بَعْدَهَالِاَقَلَّ مِنْ عَامَيْنِ صَحَّتْ تِلْكَ الرَّجْعَةُ

اور اگر خلوت کر کے کہے کہ میں نے اس سے وطی نہیں کی پھر طلاق دیدے تو رجعت نہیں کر سکتا اگر رجعت کے بعد دو سال سے کم میں بچہ ہو تو وہ

اِنْ وَلَدْتِّ فَاَنْتِ طَالِقٌ فَوَلَدَتْ ثُمَّ وَلَدَتْ مِنْ بَطْنٍ اٰخَرَ فَهِيَ رَجْعَةٌ كُلَّمَا وَلَدْتِّ فَاَنْتِ طَالِقٌ

رجعت صحیح ہوگی اگر تو بچہ جنے تو طالق ہے اس کے بعد بچہ ہوا اور ایک اور بچہ ہوا دوسرے پیٹ سے تو یہ رجعت ہے جتنی بار تو بچہ جنے تو تو طالق ہے

فَوَلَدَتْ ثَلاثَةً فِيْ بُطُوْنٍ فَالْوَلَدُ الثَّانِيْ وَالثَّالِثُ رَجْعَةٌ وَالْمُطَلَّقَةُ الرَّجْعِيَّةُ تَتَزَيَّنُ وَنُدِبَ

پس عورت کے تین بچے ہوئے جدا جدا حمل سے تو دوسرا اور تیسرا بچہ رجعت کا سبب ہے اور مطلقہ رجعیہ بناؤ سنگار کرے اور مستحب ہے یہ کہ

اَنْ لاَ يَدْخُلَ عَلَيْهَا حَتّٰى يُؤْذِنَهَا اَوْيُسْمِعَهَا خَفْقَ نَعْلَيْهِ وَلاَيُسَافِرُ بِهَاحَتّٰى يُرَاجِعَهَا وَالطَّلاَقُ الرَّجْعِيُ لاَ يُحَرِّمُ الْوَطْئَ

نہ داخل ہو شوہر اس پر بلا اطلاع اور نہ سفر کرے اس کے ساتھ یہاں تک کہ رجعت کر لے اور طلاق رجعی صحبت کو حرام نہیں کرتی۔

تشریح الفقہ : قولہ باب الخ رجعت کی مشروعیت رفع طلاق کیلئے ہے اور ظاہر ہے کہ رافع شئی وقوع کے بعد ہی ہوتا ہے پس طلاق طبعاً مقدم ہوئی اور رجعت مؤخر، مصنف رجعت کو طلاق کے بعد ہی ذکر کر رہا ہے تا کہ وضع و طبع دونوں موافق ہو جائیں رجعت میں را کا

فتحہ اور کسرہ دونوں جائز ہیں لیکن فتحہ فصیح تر ہے (مصباح) رجعت لغۃ رجع (ض) رجوعا مرجعا اسم مصدر ہے بمعنی واپس آنا، لوٹنا، اصطلاح فقہا میں رجعت مطلقہ عورت کی عدت کے زمانہ میں دوام ملکیت استمتاع کے باقی رکھنے کو کہتے ہیں جو ملکیت استمتاع قائم بالنکاح ہوتی ہے۔ عدت سے مراد وطی کی عدت ہے کیونکہ خلوت کی عدت میں رجعت نہیں ہوتی (ذکرہ ابن الکمال) عدت کی قید اس لئے ہے کہ آیت ''وبعولتھن احق بردھن'' میں حق رجعت شوہر کو دیا گیا ہے اور عدت گزر جانے کے بعد اس کو بعل نہیں کہتے۔

قولہ وتصح الخ اگر کسی نے بیوی کو تین سے کم یعنی ایک یا دو طلاقیں دی ہوں اور عدت باقی ہو تو رجعت کر لینا صحیح ہے گو عورت راضی نہ ہو کیونکہ رجعت مرد کا حق ہے نہ کہ عورت کا لہٰذا اس کی رضا ضروری نہیں پھر رجعت قول اور فعل ہر دو کے ذریعہ ہو سکتی ہے اول جیسے راجعتک، راجعت امراتی یہ رجعت کے صریح الفاظ ہیں ثانی جیسے وہ افعال جن سے حرمت مصاہرت ثابت ہو جاتی ہے مثلاً وطی کرنا، بوسہ لینا، چھونا، پیشاب گاہ کی طرف شہوت کے ساتھ نظر کرنا وغیرہ، امام شافعی کے نزدیک رجعت صرف قول کے ساتھ ہو سکتی ہے بشرطیکہ اس پر قدرت ہو اگر قدرت نہ ہو تو اشارہ کے ساتھ ہوگی جیسے گونگے کے حق میں وجہ یہ ہے کہ امام شافعی کے یہاں رجعت ابتدا نکاح کے درجہ میں ہے اور ہمارے نزدیک ابتدا نکاح نہیں۔ بلکہ ابقاء نکاح ہے۔

قولہ والاشہاد الخ ہمارے نزدیک رجعت کرتے وقت دو عادلوں کو شاہد بنالینا مستحب ہے امام مالک کے یہاں واجب ہے یہی ایک قول امام شافعی کا ہے۔ یہ حضرات آیت، واشھدوا ذوی عدل منکم'' میں امر کو وجوب کیلئے لیتے ہیں۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ رجعت کے سلسلہ میں نصوص مطلق ہیں۔ مثلاً فامسکوھن بمعروف، الطلاق مرتان فامساک بمعروف، وبعولتھن احق بردھن، فلا جناح علیھما ان یتراجعا فی الحدیث مر ابنک فلیراجعھا معلوم ہوا کہ آیت مذکورہ میں امر وجوب کیلئے نہیں استحباب کیلئے ہے۔

قولہ ولو قال الخ شوہر نے عدت گزر جانے کے بعد کہا میں نے تجھ سے عدت میں رجعت کر لی تھی عورت نے اس کی تصدیق کر دی تو رجعت صحیح ہے کیونکہ جب تصادق زوجین سے نکاح صحیح ہو جاتا ہے تو رجعت بطریق اولیٰ صحیح ہوگی ہاں اگر عورت انکار کر دے تو رجعت صحیح نہ ہوگی کیونکہ شوہر ایسی چیز کی خبر دے رہا ہے کہ فی الحال اس کے انشاء کا مالک نہیں اور عورت اس کا انکار کر رہی ہے پس اس کا قول معتبر ہوگا۔

قولہ ولو طلق الخ کسی نے اپنی حاملہ عورت کو طلاق دی اور قبل از وضع حمل رجعت کر لی پھر طلاق کے وقت سے چھ ماہ سے کمتر مدت میں یا نکاح کے وقت سے چھ ماہ یا اس سے زائد مدت میں عورت کے بچہ ہوا اور شوہر کہتا ہے کہ میں نے اس سے وطی نہیں کی تو رجعت سابقہ صحیح ہوگی وجہ یہ ہے کہ جب حمل اتنی مدت میں ظاہر ہوا کہ اس کا شوہر کے مادہ سے ہونا متصور ہو سکے تو وہ حمل اسی سے قرار دیا جاتا ہے کیونکہ حضور صلعم کا ارشاد ہے۔ الولد للفراش[1]، اور حمل کا اس کی طرف منسوب ہونا وطی کی دلیل ہے اسی طرح جب اس سے بچہ کا نسب ثابت ہو گیا تو لامحالہ اس کو وطی کرنے والا قرار دیا جائیگا کیونکہ بلا وطی بچہ کا ہونا تصور نہیں ہو سکتا اور جب وطی ثابت ہوگئی تو ملکیت مؤکدہ ہوگئی اور ملکیت مؤکدہ میں طلاق کے بعد رجعت ہو سکتی ہے پس شوہر جو وطی کا انکار کر رہا ہے اس کا انکار کرنا باطل ہوگا کیونکہ شریعت نے اس کی تکذیب کر دی اور اگر عورت کے ساتھ خلوت کی اور وطی کا انکار کیا اس کے بعد طلاق دیدی تو رجعت نہیں کر سکتا کیونکہ ملک وطی کے ذریعہ مؤکدہ ہوتی ہے اور وطی نہ ہونے کا وہ خود اقرار کر چکا تو رجعت جو اس کا حق ہے اس میں اس کی تصدیق کی جائیگی۔ اور اگر خلوت کے بعد وطی کا انکار کر کے طلاق دے کر پھر رجعت کر لے اس کے بعد طلاق کے وقت سے دو برس سے کم کی مدت میں عورت کے بچہ ہو تو رجعت سابقہ صحیح ہوگی کیونکہ ولادت کی وجہ سے انکار وطی میں شوہر کی شرعاً تکذیب ہوگئی پس رجعت سابقہ عدت کے اندر واقع ہوئی اس لئے رجعت صحیح ہوگی۔

قولہ ان ولدت الخ کسی نے اپنی بیوی سے کہا: اگر تو نے بچہ جنا تو تجھے طلاق عورت کے بچہ ہو گیا تو طلاق واقع ہوگئی اور وہ معتدہ

(۱) الخمسة عن ابی ہریرہ و غیر الترمذی عن عائشہ، ابوداؤد عن عبداللہ بن عمرو بن العاص و عثمان، ترمذی عن ابی امامۃ ۱۲

ہوگئی اس کے چھ ماہ بعد دوسرے پیٹ سے ایک بچہ اور ہوا تو ولادت ثانیہ رجعت ہوگی کیونکہ ولد ثانی کا علوق عدت کے زمانہ میں وطی جدید سے قرار دیا جائیگا۔ اور اگر شوہر نے لفظ کلما استعمال کیا اور عورت کے تین بچے مختلف بطون سے پیدا ہوئے تو ہر بچہ کی ولادت سے ایک طلاق ہو جائیگی اور دوسرے بچہ کی ولادت طلاق اول میں رجعت قرار دی جائے گی کیونکہ اس کا علوق عدت کے زمانہ میں وطی جدید سے ہوا ہے اسی طرح دوسری اور تیسری ولادت کو سمجھ لیجئے کیونکہ لفظ کلما مقتضی عموم افعال ہے۔

(فَصْلٌ) وَيَنْكِحُ مُبَانَتَهُ فِي الْعِدَّةِ وَ بَعْدَهَا لاَ الْمُبَانَةَ بِالثَّلاَثِ لَوْحُرَّةً وَبِالثِّنْتَيْنِ لَوْ اَمَةً

(فصل) اپنی بائنہ منکوحہ سے نکاح کرسکتا ہے عدت میں بھی اور عدت کے بعد بھی لیکن اگر آزاد کو تین اور باندی کو دو طلاقوں سے بائنہ کر دیا

حَتّٰى يَطَأَهَا غَيْرُهُ وَلَوْ مُرَاهِقًا بِنِكَاحٍ صَحِيْحٍ وَتَمْضِيْ عِدَّتُهُ لاَبِمِلْكِ يَمِيْنٍ

تو نہیں کرسکتا یہاں تک کہ دوسرا اس سے وطی کرے نکاح صحیح کے ساتھ گو وہ مراہق ہی ہو اور اس کی مدت گذر جائے نہ کہ ملک یمین سے

وَكُرِهَ بِشَرْطِ التَّحْلِيْلِ وَاِنْ حَلَّتْ لِلْاَوَّلِ وَيَهْدِمُ الزَّوْجُ الثَّانِيْ مَادُوْنَ الثَّلٰثِ وَلَوْاَخْبَرَتْ مُطَلَّقَةُ الثَّلٰثِ

اور مکروہ ہے حلال کرنے کی شرط کے ساتھ گو اول کیلئے حلال ہو جائیگی اور ختم کر دیتا ہے زوج ثانی تین سے کم طلاقوں کو اگر خبر دی تین طلاقوں والی عورت نے

بِمَضِيْ عِدَّتِهٖ وَعِدَّةِ الزَّوْجِ الثَّانِيْ وَالْمُدَّةُ يَحْتَمِلُ لَهٗ اَنْ يُّصَدِّقَهَا اِنْ غَلَبَ عَلٰى ظَنِّهٖ صِدْقُهَا

شوہر اول اور شوہر ثانی کی عدت گذر جانیکی اور اتنی مدت میں دونوں عدتیں گذر سکتی ہوں تو شوہر اول اسکی تصدیق کرسکتا ہے اگر اس کی سچائی کا ظن غالب ہو۔

حلالہ کے احکام

توضیح اللغۃ: مبانۃ وہ عورت جس کو طلاق بائن دیدی ہو مراہق قریب البلوغ تحلیل، دوسرے کیلئے حلال کرنا۔

تشریح الفقہ: **قولہ وینکح الخ** اگر کسی نے اپنی آزاد بیوی کو ایک یا دو طلاق سے بائنہ کر دیا یا بیوی باندی تھی اس کو ایک طلاق دے کر بائنہ کر دیا تو وہ اس سے نکاح کرسکتا ہے عدت میں بھی اور عدت کے بعد بھی کیونکہ محل کی حرمت تین طلاقوں سے ثابت ہوتی ہے اور یہاں ایک یا دو طلاقوں سے بائنہ کیا ہے تو محل کی حلیت باقی ہے اور اگر حرہ کو تین طلاقیں یا باندی کو دو طلاقیں دے کر بائنہ کر دیا تو اب وہ اس سے نکاح نہیں کرسکتا یہاں تک کہ کوئی دوسرا شخص اس سے نکاح صحیح کے ساتھ وطی کرلے پھر طلاق دے اور اس کی عدت گزر جائے کیونکہ حق سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے۔ **فان طلقها فلاتحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره**۔ لفظ فان طلقہا میں طلاق سے مراد تیسری طلاق ہے اور تنکح سے مراد وطی ہے کیونکہ عقد نکاح کے معنی تو لفظ زوج کے اطلاق ہی سے حاصل ہو گئے اگر تنکح سے بھی عقد نکاح ہی مراد ہو تو کلام میں صرف تاکید ہوگی، حالانکہ کلام کو تاسیس پر محمول کرنا راجح ہے **لان الافادة خير من الاعادة** یا یہ کہا جائے کہ وطی زوجہ ثانی کا شرط ہونا احادیث مشہورہ سے ثابت ہے جن سے زیادتی علی الکتاب جائز ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی اس نے دوسرے شخص سے شادی کرلی پھر اس کو دوسرے نے بھی طلاق دیدی لیکن وطی نہیں کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا: یارسول اللہ کیا وہ عورت شوہر اول کیلئے شوہر ثانی کے وطی کئے بغیر حلال ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں جب تک کہ شوہر ثانی شوہر اول کی طرح لذت جماع حاصل نہ کرے۔ شوہر اول کے لئے حلال نہیں۔ (۱) بہرکیف شوہر ثانی کا وطی کرنا جمہور کے نزدیک شرط ہے اس کے بغیر اول کیلئے حلال نہ ہوگی شیعہ اور خوارج جو اس کی نفی کرتے ہیں وہ بالکل مردود ہے اور حضرت سعید بن المسیب سے جو اس کیخلاف مروی ہے وہ بھی لائق اعتنا نہیں کیونکہ موصوف سے رجوع ثابت ہے (کذا فی المنیہ) پھر شوہر ثانی کا بالغ ہونا ضروری نہیں بلکہ مراہق سے بھی کام چل سکتا ہے بشرط تحرک آلہ وشہوت جماع شیخ شمس الاسلام نے اس کا اندازہ دس سال کی عمر کے ساتھ کیا ہے نکاح صحیح کی قید سے نکاح فاسد نکل گیا اگر شوہر ثانی نکاح فاسد کے ذریعہ وطی کرے تو اول کیلئے حلال نہ ہوگی۔

(۱) ائمہ ستہ وغیرہ ھم بالفاظ عن عائشہ۔

(فائدہ) اگر عورت مفضاۃ ہو تو پھر شوہر ثانی سے اس کا حاملہ ہونا بھی شرط ہے کیونکہ صرف وطی میں یہ احتمال ہے کہ قبل میں نہ ہوئی ہو دبر میں ہوئی ہو (ذکرہ بعضهم) وقد نظم الشیخ سراج الدین الهاملی نظماً جیداً فقال

وفی المفضاة مسئلة عجیبة — لدی من لیس یعرفها غریبه
اذا حرمت علی زوج وحلت — لثان نال من وطی نصیبه
فطلقها فلم تحبل فلیست — حلالاً للقدیم ولا خطیبه
لشک ان ذاک الوطی منها — بفرج او شکیلته القریبه
فان حبلت فقد وطئت بفرج — ولم تبق الشکوک لنامریبه

قولہ بملک یمین الخ اگر مطلقہ مبانہ کے ساتھ شوہر ثانی بذریعہ ملک یمین وطی کرے تو اس سے عورت شوہر اول کیلئے حلال نہ ہوگی مثلاً شوہر اول نے اپنی منکوحہ باندی کو دو طلاقیں دے کر بائنہ کر دیا اور عدت کے بعد اس کے آقا نے بذریعہ ملک یمین اس سے وطی کی تو وہ شوہر اول کیلئے حلال نہ ہوگی کیونکہ نص قرآنی سے حلت کا ثبوت زوج ثانی کی وطی سے ہے نہ کہ مالک کی وطی سے۔

قولہ وکرہ الخ اگر شوہر ثانی تحلیل کی شرط کے ساتھ نکاح کرے اور کہے کہ میں نے تجھ سے اس شرط پر نکاح کیا کہ تجھے طلاق دوں گا تو گو اس طریقہ سے بھی عورت شوہر اول کے لئے حلال ہو جائیگی لیکن ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے امام مالک، شافعی، احمد، ابو یوسف، ایک روایت میں لیث، اسحاق، ابو عبیدہ فرماتے ہیں کہ اگر تحلل کی شرط لگالی تو عقد فاسد ہو جائیگا اور عورت اول کیلئے حلال نہ ہوگی، امام محمد کے نزدیک عقد تو فاسد نہ ہوگا لیکن اول کیلئے حلال بھی نہ ہوگی ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابن عمر سے دریافت کیا کہ ایک شخص نے اپنی عورت کو طلاق دیدی اور تحلیل کیلئے اس کے بھائی نے اس سے شادی کرلی تو کیا عورت اس کیلئے حلال ہو جائیگی؟ آپ نے فرمایا: نہیں حلال نہ ہوگی۔ (۱)۔ نیز حدیث سے ثابت ہے کہ محلل اور محلل لہ ہر دو پر خدا کی لعنت ہو[۲] ہم یہ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زوج ثانی کو محلل فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ شوہر اول کیلئے عورت حلال ہو جائیگی پس لعن محلل کی تاویل یوں کی جائیگی کہ لعنت اس شخص کے حق میں ہے جو تحلیل پر کچھ اجرت لے (ذکرہ البزاری) اور حاکم کی حدیث مذکور کا جواب یہ ہے کہ وہ مرفوع نہیں ہے بخلاف حدیث ''لعن اللّٰہ المحلل اہ'' کے کہ وہ مرفوع ہے پس حاکم کی حدیث معارض نہیں ہوسکتی......

تنبیہ: اگر شوہر ثانی تحلیل کی شرط سے نکاح کرے تو کیا یہ شرط لازم ہوگی؟ علامہ بزاری نے کہا ہے کہ نکاح بشرط تحلیل میں شرط اور نکاح دونوں جائز ہیں یہاں تک کہ اگر شوہر ثانی طلاق دینے سے انکار کرے تو قاضی اس سے جبراً طلاق دلا یگا صاحب غایۃ البیان نے روضۃ الزندوسی سے بھی یہی نقل کیا ہے لیکن علامہ ابن الہمام فرماتے ہیں کہ یہ قول لائق اعتماد نہیں اور نہ اس کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے کیونکہ یہ قول ظاہر الروایہ میں ثابت نہیں نیز قواعد کے بھی خلاف ہے کیونکہ یہ شرط مقتضی عقد کے خلاف ہے پس اصل نکاح صحیح ہوگا اور شرط باطل ہو جائیگی۔

قولہ ویھدم الزوج الخ زید نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیکر بائنہ کر دیا عدت گزر جانے کے بعد اس نے دوسرے کے ساتھ شادی کرلی شوہر ثانی نے وطی کے بعد طلاق دیدی اور عورت نے عدت کے بعد پھر زید سے نکاح کرلیا تو اب زید بالاتفاق تین طلاقوں کا مالک ہوگا لیکن اگر زید نے ایک یا دو طلاق سے بائنہ کیا اور پھر عورت تحلیل کے بعد زید کے نکاح میں آئی تو شیخین کے نزدیک زید اب بھی تین طلاقوں کا مالک ہے حضرت عطا، شریح ابراہیم، میمون، ابن مہران بھی یہی فرماتے ہیں کیونکہ ان کے یہاں شوہر ثانی طلقات ثلاث و دون الثلاث ہر دو کو کان لم یکن کر دیتا ہے لیکن امام محمد، زفر، مالک، شافعی، احمد کے نزدیک اس صورت میں زید ماتقی کا مالک ہوگا

(۱)۔ حاکم عن عمر بن نافع عن ابیہ ۱۲، (۲)۔ ترمذی، نسائی، احمد، ابن راہویہ، عن ابن مسعود، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ عن علی، ترمذی عن جابر، ابن ماجہ، دارقطنی، عن عقبہ بن عامر، ابن ماجہ عن ابن عباس، احمد بزار، ابویعلی، ابن راہویہ، ابن ابی شیبہ، بیہقی عن ابی ہریرۃ ۱۲

یعنی اگر ایک طلاق سے بائنہ کیا ہوتو دو کا اور دو سے بائنہ کیا ہوتو ایک کا مالک ہوگا ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے حضرت عمرؓ سے دریافت کیا کہ ''اہل بحرین میں سے ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک یا دو طلاق کے ساتھ بائنہ کر دیا۔ عورت نے عدت کے بعد دوسرے سے نکاح کر لیا اور اس سے جدا ہو کر عدت کے بعد پھر شوہر اول کے پاس آ گئی۔ آپ نے فرمایا کہ عورت شوہر اول کے پاس باقی پر ہے۔ نیز آیت ''فان طلقها فلا تحل له، من بعد حتى تنكح زوجا غيره''میں زوج ثانی کو حرمت کی غایت قرار دیا گیا ہے اور جو حرمت کی غایت ہو وہ منہی حرمت ہوتا ہے پس زوجہ ثانی منہی حرمت ہوا اور حرمت کی انتہا اسی وقت ہوسکتی ہے جب پہلے حرمت ثابت ہو چکی ہو اور مادون الثلاث سے حرمت ثابت نہیں ہوتی لہذا مادون الثلاث میں زوج ثانی منہی حرمت نہ ہوگا اس لئے زید کو صرف ایک یا دو طلاقوں کا اختیار ہوگا۔ شیخین کی دلیل حضرت سعید بن جبیر کا جید اثر ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عتبہ ابن مسعود کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک اعرابی نے آکر آپ سے سوال کیا۔ کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک یا دو طلاق سے بائنہ کر دیا اور عورت کی عدت گزر گئی تو اس نے دوسرے سے شادی کر لی شوہر ثانی نے وطی کے بعد طلاق دیدی یا اس کا انتقال ہو گیا اور اس کی عدت بھی پوری ہو گئی اب شوہر اول اس سے نکاح کرنا چاہے تو عورت پر کتنی طلاقوں کی ملکیت ہوگی؟ حضرت عبداللہ، حضرت ابن عباس کی طرف متوجہ ہوئے اور دریافت کیا آپ کی کیا رائے ہے؟ آپ نے فرمایا: زوج ثانی ایک اور دو اور تین سب طلاقوں کو نیست و نابود کر دیتا ہے۔ جاؤ حضرت ابن عمر سے دریافت کر لو، انہوں نے حضرت ابن عمر سے دریافت کیا تو آپ نے بھی یہی فرمایا، حافظ بیہقی نے بھی ابن عمر، ابن عباس اور حضرت علی سے روایت کیا ہے انها تكون على طلاق مستقبل، نیز حدیث لعن الله الخ میں زوج ثانی کو محلل کہا گیا ہے اور محلل وہی ہوگا جو حلت ثابت کرے۔ اب یہ حلت دو حال سے خالی نہیں۔ حلت سابقہ ہوگی یا حلت جدیدہ۔ حلت سابقہ تو ہو نہیں سکتی ورنہ تحصیل حاصل لازم آئیگی لامحالہ جدیدہ ہوگی۔ حلت جدیدہ کا حلت سابقہ کے مغایر ہونا ضروری ہے اور حلت سابقہ ناقص تھی تو حلت جدیدہ کاملہ ہوگی اور حلت کاملہ وہی ہے جس میں تین طلاقوں کا مالک ہو لہذا زید تین طلاقوں کا مالک ہوگا۔[1]

قوله ولو اخبرت الخ مطلقہ ثلاث نے خبر دی کہ زوج اول اور زوج ثانی دونوں کی عدت گزر گئی اور مدت میں انقضاء عدت کی گنجائش بھی ہے تو اگر زوج اول کو عورت کی راستی کا ظن غالب ہو تو وہ اس کی تصدیق کر سکتا ہے یعنی اس سے نکاح کر سکتا ہے کیونکہ یہ یا تو ایک معاملہ ہے بایں معنی کہ بوقت دخول بضع ایک شئی متقوم ہو جاتی ہے یا امر دینی ہے بایں معنیٰ کہ اس کے ساتھ حلت متعلق ہے ان میں سے جو بھی ہو بہر حال ایک کا قول معتبر ہے بالخصوص جبکہ مدت میں اس کی گنجائش بھی ہے۔

فائدہ:

زوج اول اور زوج ثانی دونوں کی عدتوں میں سے ہر ایک کی عدت کی اقل مدت جس میں عورت کی تصدیق کی جاسکتی ہے امام صاحب کے نزدیک حرہ کے حق میں دو ماہ اور باندی کے حق میں چالیس روز ہیں۔ بایں طور کہ شوہر اول نے عورت کو اول طہر میں طلاق دی تو اقل طہر یعنی پندرہ دن کا اعتبار کیا جائے کیونکہ اکثر طہر کی کوئی حد نہیں پس تین طہر کے ۴۵ دن ہوئے اور ایک حیض کی مدت پانچ روز مانی جائے کیونکہ طہر اقل ہو اور حیض بھی اقل ہو ایک عورت میں ان دونوں کا اجتماع نادر ہے پس تین حیض کے ۱۵ دن ہوئے تو ۴۵ اور ۱۵ کل ساٹھ دن ہوئے صاحبین کے نزدیک حرہ کے حق میں انتالیس دن اور تین ساعات ہیں اور باندی کے حق میں اکیس دن ہیں اور امام مالک کے نزدیک چالیس روز اور امام شافعی کے یہاں بتیس روز اور امام احمد کے یہاں انتیس روز ہیں۔ والتوجیہ فی المطولات۔

(۱) قال ابن الہمام فاخذ المشائخ من الفقہا (وہم ابوحنیفہ وابو یوسف وغیرہم) بقول شبان الصحابۃ کابن عباس وابن عمر وشبان الفقہاء (یعنی محمد او غیرہ) بقول مشائخ الصحابۃ (کعمر وعلی) والترجیح بالوجہ ۱۲

بَابُ الْاِیْلَاءِ

باب ایلا کے بیان میں

وَهُوَ الْحَلفُ عَلیٰ تَرْکِ قِرْبَانِهَا اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ اَوْاَکْثَرَ کَقَوْلِهٖ وَاللّٰهِ لَا اُقْرِبُکِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ اَوْ

وہ قسم کھانا ہے بیوی کے پاس نہ جانے پر چار ماہ یا اس سے زیادہ تک جیسے شوہر کا قول بخدا میں تیرے قریب نہ آؤنگا چار ماہ تک یا بخدا میں

وَاللّٰهِ لَا اُقْرِبُکِ فَاِنْ وطِیَ فِی الْمُدَّةِ کَفَّرَ وَسَقَطَ الْاِیْلَاءُ وَاِلَّا بَانَتْ

تیرے قریب نہ آؤنگا پس اگر اس مدت میں وطی کی تو کفارہ دے اس صورت میں ایلاء ختم ہوجائیگا ورنہ عورت بائنہ ہوجائیگی۔

تشریح الفقہ: قوله باب الخ ابواب سابقہ کے ساتھ ایلا کی وجہ مناسبت یہ ہے کہ شوہر کی جانب سے جو حرمتیں حاصل ہوتی ہیں وہ چار ہیں۔ طلاق، ایلا، ظہار، لعان، مصنف طلاق کے بیان سے فارغ ہو چکا تو اب ایلا کو ذکر کر رہا ہے کیونکہ ایلا میں طلاق کا حکم فی الفور ثابت نہیں ہوتا بلکہ انقضاء مدت تک مؤخر ہوتا ہے پھر از روئے قیاس ایلا سے پیشتر خلع کو ذکر کرنا چاہئے کیونکہ خلع بھی طلاق کی ایک قسم ہے مگر چونکہ خلع میں طلاق بعوض مال ہوتی ہے اس لئے وہ طلاق سے دور جا پڑا۔

قوله هوا الحلف الخ ایلاء لغت کے اعتبار سے مصدر ہے الیٰ ایلا کا عطیٰ اعطاء بمعنی قسم کھانا۔ آلیہ قسم جمع الایا جیسے عطایا، قال الشاعر ؎

قليل الا لا يا حافظ ليمينه　　وان بدت منه الالية برت

شریعت میں ایلا اس کو کہتے ہیں کہ شوہر چار مہینے یا اس سے زیادہ تک وطی نہ کرنے کی قسم کھالے مثلاً یوں کہے واللّٰہ لا اقربک اربعة اشهر پس اگر شوہر نے مدت مذکورہ میں وطی کر لی تو کفارہ لازم ہوگا اور ایلاء ساقط ہوجائیگا۔ حضرت حسن بصری کے نزدیک کفارہ واجب نہیں کیونکہ آیت ایلا کے آخر میں ہے ''فان فا وافان اللّٰه غفور رحيم'' ہم یہ کہتے ہیں کہ آیت میں مغفرت سے مراد اسقاط عقوبت اخروی ہے نہ کہ اسقاط کفارہ، اور اگر مدت مذکورہ میں وطی نہیں کی تو عورت ایک طلاق سے بائنہ ہوجائیگی، امام شافعی کے یہاں عورت مدت گزرنے سے جدا نہیں ہوتی۔ بلکہ قاضی کی تفریق ضروری ہے کیونکہ شوہر عورت کے حق جماع کو روکنے والا ہے پس عورت کی تخلیص میں قاضی اس کا قائم مقام ہوگا ہم یہ کہتے ہیں کہ شوہر نے عورت کو روک کر ظلم کیا ہے پس شریعت نے اس کے ظلم کا بدلہ یہ دیا ہے کہ مدت گزرتے ہی وہ اس نعمت عظمیٰ سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت زید بن ثابت۔ اور عبادلہ ثلاثہ سے یہی منقول ہے[۲] اور ابوبکر بن عبدالرحمٰن، ابن المسیب، اوزاعی، مکحول، ثوری حسن بن صالح، عطاء، جابر بن زید، محمد بن الحنفیہ، ابن سیرین، عکرمہ، مسروق، قبیصہ بن ذویب، حسن، نخعی، مروان بن الحکم، ابوسلمہ، سالم سب کا یہی قول ہے۔

(کذا فی الاستذکار)

---

(۱) قوله قربانها ای الزوجة قيد بالزوجة لان الشخص لايكون موليا من امته لان قوله تعالیٰ للذين يولون اه لايتناول الا الزوجات ويصح الايلاء من المطلقه، الرجعية لقيام الزوجيه ولقوله تعالیٰ، وبعولتهن والبعل الزوج حقيقة وقال مالک والشافعی ازيد من اربعة اشهرلنا ان النص علیٰ اربعه، شهر يمنع الزيادة عليها كالنفس علی اربعه اشهروعشرفی عدة الوفاة وعلیٰ ثلاثه فی عدة الحيوة وروی الواحدی فی اسباب النزول بسندهٖ عن ابن عباس قال كان ايلاء اهل الجاهلية السنه والسنتين واكثر فوقت اللّٰه اربعة اشهر ۱۲۵ شرح نقايه.

(۲) بیہقی، عبدالرزاق عن زید بن ثابت مالک عن علی وابن مسعود ودارقطنی عن ابن ابی شیبہ عن ابن عباس وابن عمر۔

وَسَقَطَ الْيَمِيْنُ لَوْحَلَفَ عَلٰى اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ وَبَقِيَتْ لَوْحَلَفَ عَلَى الْاَبَدِ فَلَوْنَكَحَهَا ثَانِيًاوَثَالِثًا وَمَضَتِ الْمُدَّتَانِ

اور ساقط ہو جائیگی یمین اگر قسم کھائی ہو چار ماہ پر اور باقی رہیگی اگر قسم ہمیشہ کیلئے کھائی ہو پس اگر اس سے دوبارہ و سہ بارہ نکاح کیا اور دونوں مدتیں

بِلاَ فَيْءٍ بَانَتْ بِاُخْرَيَيْنِ فَاِنْ نَكَحَهَا بَعْدَ زَوْجٍ اٰخَرَ لَمْ تُطَلَّقْ وَلَوْ وَطِئَهَا كَفَّرَ

بلا رجوع گذر گئیں تو بائنہ ہو جائیگی آخری دو سے پھر اگر دوسرے شوہر کے بعد نکاح کیا تو طلاق نہ ہوگی پس اگر اس سے وطی کرے تو کفارہ دے

لِبَقَاءِ الْيَمِيْنِ وَلاَاِيْلاَءَ فِيْمَادُوْنَ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ وَاللّٰهِ لاَ اَقْرَبُكِ شَهْرَيْنِ وَشَهْرَيْنِ بَعْدَ هٰذَيْنِ الشَّهْرَيْنِ اِيْلاَءٌ

بقاء یمین کی وجہ سے اور نہیں ہے ایلاء چار ماہ سے کم میں شوہر کا یہ قول کہ بخدا تیرے قریب نہ آؤنگا دو ماہ پہلے دو مہینوں کے بعد ایلاء ہے

وَلَوْ مَكَثَ يَوْمًا ثُمَّ قَالَ وَاللّٰهِ لاَاَقْرَبُكِ شَهْرَيْنِ بَعْدَ شَهْرَيْنِ الْاُوْلَيَيْنِ اَوْقَالَ لاَ اَقْرَبُكِ سَنَةً اِلاَّ يَوْمًا

اور اگر ایک روز ٹھہر گیا پھر کہا بخدا تیرے قریب نہیں آؤنگا دو ماہ پہلے دو مہینوں کے بعد یا کہا بخدا تیرے قریب نہ آؤنگا ایک دن کم سال بھر تک

اَوْ قَالَ بِالْبَصْرَةِ وَاللّٰهِ لاَ اَدْخُلُ مَكَّةَ وَهِيَ فِي الْمَكَّةِ لاَ وَاِنْ حَلَفَ بِحَجٍّ اَوْصَوْمٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْعِتْقٍ اَوْطَلاَقٍ

یا بصرہ میں کہا بخدا مکہ میں داخل نہ ہونگا اور بیوی وہیں ہے تو یہ ایلاء نہ ہوگا اور اگر قسم کھائی حج پر یا روزہ پر یا صدقہ پر یا آزادی پر یا طلاق پر

اَوْ اٰلٰى مِنَ الْمُطَلَّقَةِ الرَّجْعِيَّةِ فَهُوَ مُوْلٍ وَمِنَ الْمُبَانَةِ وَالْاَجْنَبِيَّةِ لاَ وَمُدَّةُ اِيْلاَءِ الْاَمَةِ شَهْرَيْنِ

یا ایلاء کیا مطلقہ رجعیہ سے تو وہ ایلاء کرنے والا ہے اور طلاق بائن والی اور اجنبیہ عورت سے ایلاء نہ ہوگا اور باندی کے ایلاء کی مدت دو ماہ ہیں

وَاِنْ عَجَزَالْمُوْلِيْ عَنْ وَطْيِهَا بِمَرَضِهٖ اَوْبِمَرَضِهَا اَوْبِالرَّتْقِ اَوْ بِالصِّغَرِ اَوْ بُعْدِ مَسَافَةٍ

اور اگر عاجز ہوا ایلاء کرنے والا وطی کرنے سے اپنی یا بیوی کی بیماری یا شرمگاہ کے بند ہونے یا اسکے کم سن یا فاصلہ دراز پر ہونے کی وجہ سے

فَفَيْئُهٗ اَنْ يَّقُوْلَ فِئْتُ اِلَيْهَا وَاِنْ قَدَرَ فِي الْمُدَّةِ فَفَيْئُهٗ بِالْوَطْيِ

تو اس کے رجوع کی صورت یہ کہہ دینا ہے کہ میں نے اس سے رجوع کرلیا اور اگر مدت میں قادر ہو گیا تو رجوع صرف وطی سے ہوگا

اَنْتِ عَلَيَّ حَرَامٌ اِيْلاَءٌ اِنْ نَوَى التَّحْرِيْمَ اَوْ لَمْ يَنْوِ شَيْئًا وَظِهَارٌ اِنْ نَوَاهُ وَكَذِبٌ اِنْ نَوَى الْكَذِبَ

یہ کہنا کہ تو مجھ پر حرام ہے ایلاء ہے اگر حرام کرنے کی نیت کی یا کچھ نیت نہ کی اور ظہار ہے اگر ظہار کی نیت کی اور جھوٹ ہے اگر جھوٹ کی نیت کی

وَبَائِنَةٌ اِنْ نَوَى الطَّلاَقَ وَثَلٰثٌ اِنْ نَوَاهُ وَفِي الْفَتَاوٰى اِذَا قَالَ لِاِمْرَأَتِهٖ

اور طلاق بائن ہے اگر طلاق کی نیت کی اور تین طلاقیں ہیں اگر تین کی نیت کی اور فتاوی میں ہے کہ جب اپنی بیوی سے کہے

اَنْتِ عَلَيَّ حَرَامٌ وَالْحَرَامُ عِنْدَهٗ طَلاَقٌ وَلٰكِنْ لَمْ يَنْوِ الطَّلاَقَ وَقَعَ الطَّلاَقُ

کہ تو مجھ پر حرام ہے اور حرام اس کے نزدیک طلاق کے معنی میں ہے لیکن اس نے طلاق کی نیت نہیں کی تو طلاق واقع ہو جائیگی۔

احکام ایلاء کی تفصیل

توضیح اللغۃ: فئی، رجوع، مکث، ٹھہر گیا، مولی: ایلاء سے اسم فاعل ہے، رتق، ہڈی وغیرہ کی وجہ سے رحم کا بند ہونا۔

تشریح الفقہ: **قولہ وسقط الخ** اگر کوئی شخص چار ماہ تک وطی نہ کرنے کی قسم کھائے تو چار ماہ گزرنے کے بعد یمین ساقط ہو جائیگی اس واسطے کہ یمین ایک وقت خاص کے ساتھ موقت تھی پس جب وہ مدت گزر گئی تو یمین ساقط ہو جائے گی لیکن اگر یمین دائمی اور ابدی ہو تو صرف ایک مرتبہ عورت کے بائنہ ہونے سے یمین ساقط نہ ہوگی بلکہ باقی رہیگی پس اگر شوہر نے عدم قربت کی دائمی قسم کھائی اور مدت گزرنے پر عورت بائنہ ہو گئی پھر اس سے دوسری بار نکاح کیا اور بلا وطی چار ماہ گزر گئے تو دوسری بار طلاق واقع ہو جائیگی اور تیسری بار نکاح

کیا اور پھر چار ماہ بلا وطی گزر گئے تو تیسری بار طلاق بائن واقع ہو جائیگی اب اگر وہ دوسرے شوہر کے ساتھ نکاح کرنے کے بعد پھر اس سے نکاح کرے تو طلاق واقع نہ ہوگی لیکن اس کے ساتھ وطی کرنے سے کفارہ لازم ہوگا کیونکہ یمین باقی ہے۔

قوله ولا ایلاء الخ باتفاق ائمہ اربعہ ایلا کی مدت چار ماہ ہے اس سے کم میں ایلا نہ ہوگا لقولہ تعالیٰ "للذین یؤلون من نسائهم تربص اربعة شهر" نیز حضرت ابن عباس کا قول ہے کہ" چار ماہ سے کم میں ایلا نہیں ہے"۔

قوله ولو مکث الخ یہاں تین مسئلے ہیں جن میں ایلا ثابت نہیں ہوتا (۱) ایک شخص نے کہا واللّٰہ لا اقربک شهرین" یہ کہہ کر ایک روز خاموش رہا اس کے بعد اس نے کہا واللّٰہ لا اقربک شهرین بعد الشهرین الاولین تو ایلا ثابت نہ ہوگا کیونکہ یہاں دونوں یمینوں کے چار مہینے ہوئے اور درمیان سے ایک دن توقف کا ساقط ہو گیا تو ایک دن کم چار ماہ باقی رہے حالانکہ مدت ایلا پورے چار ماہ ہیں۔(۲) ایک شخص نے کہا واللّٰہ لا اقربک سنة الّا یو ما تو وہ مولی نہ ہوگا کیونکہ مولی اسے کہتے ہیں جس کو بلا لزوم شئی چار ماہ تک وطی کرنا ممکن نہ ہو اور یہاں کسی شئی کے لازم آئے بغیر اس کیلئے قربان ممکن ہے، اس واسطے کے اس نے استثنا میں لفظ یوم نکرہ ذکر کیا ہے پس پورے سال میں جس دن کو چاہے مستثنی قرار دے سکتا ہے (۳)۔ ایک شخص بصرہ میں مقیم ہے اور اس کی بیوی مکہ میں ہے اب وہ کہتا ہے کہ واللّٰہ لا ادخل مکة تو وہ مولی نہ ہوگا کیونکہ عورت کو مکہ سے بلا کر وطی کرنا ممکن ہے۔

قوله ومن المبانة الخ مطلقہ بائنہ یا اجنبیہ کے ساتھ ایلا نہیں ہوتا کیونکہ آیت ایلا میں "ہم" ضمیر ہماری طرف راجع ہے اور عورت کو جب طلاق بائنہ ہوگئی تو وہ ہماری نہ رہی پس وہ محل ایلا نہیں ہے اور اجنبیہ کا مسئلہ تو بالکل ظاہر ہے۔

قوله وان عجز الخ ایک شخص نے اپنی بیوی سے ایلا کر لیا پھر کسی وجہ سے وطی کرنے سے عاجز ہو گیا مثلاً اس وجہ سے کہ وہ خود بیمار ہے یا مقطوع الذکر ہے یا عنین ہے یا دار الحرب میں ناحق مقید ہے یا اس کے اور بیوی کے درمیان چار ماہ کی مسافت ہے یا اس لئے کہ بیوی بیمار ہے یا اس کا رحم ہڈی وغیرہ ابھر آنے کی وجہ سے بند ہے یا وہ بہت چھوٹی ہے سو اس کے حق میں قولی رجوع کافی ہے مثلاً یہ کہہ دے فئت الیها ، رجعت الیها ، راجعتها، ابطلت، ابلائها، اس صورت سے ہمارے نزدیک ایلا ساقط ہو جائیگا البتہ حانث اس وقت ہوگا جب وطی کرے گا۔ اور اگر وہ مدت ایلا میں وطی پر قادر ہو جائے پھر تو رجوع وطی ہی سے ہوگا سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ رجوع صرف جماع ہی سے ہو سکتا ہے ابو ثور سے بھی یہی مروی ہے اور یہی امام طحاوی کے نزدیک مختار ہے یہی امام مالک و امام شافعی کا قول ہے۔ کیونکہ ایلا سے رجوع کرنا دو حکموں کو مستلزم ہے ایک وجوب کفارہ دوسرے انتفاء فرقت اور وجوب کفارہ میں قولی رجوع کا اعتبار نہیں تو حکم ثانی یعنی انتفاء فرقت میں بھی اس کا اعتبار نہیں ہونا چاہئے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ شوہر بوقت ایلا جماع کرنے سے عاجز ہے پس ایلا سے اس کا مقصد عورت کا حق روکنا نہیں ہے بلکہ صرف ایذا رسانی مقصود ہے تو جیسے اس نے زبان سے تکلیف پہنچائی ہے ایسے ہی زبان سے راضی کرے گا اور جب اس نے راضی کر لیا تو قصور ختم ہو گیا۔ فلایجازی بالطلاق۔

قوله انت علی حرام الخ ایک شخص نے بیوی سے کہا انت علی حرام تو اس کی نیت دریافت کی جائیگی جیسی نیت ہوگی ویسا ہی حکم ہوگا اگر کسی چیز کی نیت نہ ہو یا حرمت کی نیت ہو تو ایلا ہوگا کیونکہ حلال کی تحریم یمین ہوتی ہے قال تعالیٰ، لم تحرم ما احل اللّٰہ لک، ثم قال قد فرض اللّٰہ لکم تحلة ایمانکم" اور اگر ظہار کی نیت ہو تو ظہار ہوگا شیخین کے نزدیک، امام محمد کے نزدیک ظہار نہ ہوگا کیونکہ ظہار میں محرمہ کے ساتھ تشبیہ ضروری ہے اور یہاں تشبیہ نہیں ہے۔ شیخین یہ فرماتے ہیں کہ یہاں مطلق تحریم ہے اور ظہار میں ایک خاص قسم کی حرمت ہوتی ہے والمطلق یحتمل المقید اور اگر کذب مراد ہو تو کلام لغو ہوگا۔ اور اگر طلاق کی نیت ہو تو طلاق بائنہ ہوگی۔ کیونکہ انت علی حرام کنایات میں سے ہے اور اگر تین کی نیت ہو تو تین طلاقیں ہونگی کیونکہ انت علی حرام میں تین کی نیت کرنا درست ہے۔

بَابُ الْخُلَعِ

باب خلع کے بیان میں

هُوَ الْفَصْلُ مِنَ النِّكَاحِ وَالْوَاقِعُ بِهِ وَبِالطَّلَاقِ عَلٰى مَالٍ طَلَاقٌ بَآئِنٌ وَلَزِمَهَا الْمَالُ وَكُرِهَ لَهٗ

خلع نکاح سے جدا ہونا ہے خلع سے اور مال کے عوض طلاق سے طلاق بائن واقع ہوتی ہے اور عورت پر مال لازم ہوجاتا ہے اور مکروہ ہے شوہر کو

اَخْذُ شَيْءٍ اِنْ نَشَزَ وَاِنْ نَشَزَتْ لَا وَمَاصَلَحَ مَهْرًا صَلَحَ بَدَلَ الْخُلْعِ فَاِنْ خَالَعَهَا

کچھ لینا اگر نشوز اس کی طرف سے ہو اور اگر عورت ناشزہ ہو تو مکروہ نہیں اور جو چیز مہر بن سکتی ہے وہ خلع کا عوض ہوسکتی ہے اگر عورت سے خلع کیا

اَوْطَلَّقَهَا بِخَمْرٍ اَوْخِنْزِيْرٍ اَوْ مَيْتَةٍ وَقَعَ بَائِنٌ فِي الْخُلْعِ وَرَجْعِيٌّ فِيْ غَيْرِهٖ مَجَانًا كَخَالِعْنِيْ

یا اس کو طلاق دی شراب یا خنزیر یا مردار پر تو خلع کی صورت میں طلاق بائن اور غیر خلع میں رجعی واقع ہوگی مفت جیسے عورت کہے

عَلٰى مَافِيْ يَدِيْ وَلَاشَيْءَ فِيْ يَدِهَا وَاِنْ زَادَتْ مِنْ مَالٍ اَوْ مِنْ دَرَاهِمَ رَدَّتْ مِنْ مَهْرِهَا

کہ مجھ سے خلع کرلے اس پر جو میرے ہاتھ میں ہے حالانکہ ہاتھ میں کچھ نہ تھا اور اگر لفظ من مال یا من دراہم اور بڑھادے تو عورت یا تو اپنا مہر واپس کرے

اَوْثَلٰثَةَ دَرَاهِمَ وَاِنْ خَالَعَهَا عَلٰى عَبْدٍ اٰبِقٍ لَهَا عَلٰى اَنَّهَا بَرِيْئَةٌ مِنْ ضِمَانِهٖ لَمْ تَبْرَءْ وَلَوْقَالَتْ

یا تین درہم دے اگر شوہر نے عورت کے بھگوڑے غلام پر خلع کیا اس شرط پر کہ عورت اس کے ضمان سے بری ہے تو بری نہ ہوگی عورت نے کہا

طَلِّقْنِيْ ثَلَاثًا بِاَلْفٍ فَطَلَّقَهَا وَاحِدَةً لَهٗ ثُلُثُ الْاَلْفِ وَبَانَتْ

مجھے ہزار کے عوض میں تین طلاقیں دیدے شوہر نے ایک طلاق دی تو اس کے لئے ہزار کی تہائی ہوگی اور عورت بائنہ ہوجائیگی

وَفِيْ عَلٰى اَلْفٍ وَقَعَ رَجْعِيٌّ مَجَّانًا طَلِّقِيْ نَفْسَكِ ثَلٰثًا بِاَلْفٍ اَوْعَلٰى اَلْفٍ فَطَلَّقَتْ وَاحِدَةً

اور علی الف کی صورت میں طلاق رجعی ہوگی مفت شوہر نے کہا تو اپنی ذات کو تین طلاقیں دے لے ہزار کے عوض یا ہزار پر عورت نے ایک طلاق دی

لَمْ يَقَعْ شَيْءٌ اَنْتِ طَالِقٌ بِاَلْفٍ فَقَبِلَتْ لَزِمَ وَ بَانَتْ

تو کچھ نہ پڑیگی تو طالق ہے ہزار کے عوض یا ہزار پر عورت نے قبول کرلیا تو ہزار لازم ہوں گے اور وہ بائنہ ہوجائیگی

اَنْتِ طَالِقٌ وَعَلَيْكِ اَلْفٌ اَوْ اَنْتِ حُرَّةٌ وَعَلَيْكَ اَلْفٌ طُلِّقَتْ وَعُتِقَ مَجَانًا

تو طالق ہے اور تجھ پر ہزار ہیں یا تو آزاد ہے اور تجھ پر ہزار ہیں تو طلاق اور آزادی مفت ہوجائیگی۔

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ ایلا کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک کبھی معصیت ہوتا ہے اور کبھی مباح مگر خلع میں تعیین مال ایک شئی زائد ہے اس لئے اس کو ایلا سے مؤخر کررہا ہے خلع لغۃً مصدر ہے بمعنی اتارنا، یقال خلعت النعل میں نے جوتا اتاردیا۔ اصطلاح میں ازالہ ملک کو کہتے ہیں جو لفظ خلع یا اس کے ہم معنی الفاظ کے ساتھ ہو اس کی صحت عورت کے قبول کرنے پر موقوف ہے ملک نکاح کی قید سے نکاح فاسد میں خلع کرنا اسی طرح طلاق بائن اور مرتد ہونے کے بعد خلع کرنا خلع شرعی سے نکل گیا کیونکہ وہ عدم ملکیت کی وجہ سے لغو ہوتا ہے اگر شوہر بیوی سے بہ نیت طلاق یوں کہے خلعتک تو یہ طلاق بائن ہوگی نہ کہ خلع پس یہ قبولیت عورت کی قید سے خارج ہوگیا۔ کیونکہ طلاق عورت کے قبول کرنے پر موقوف نہیں لفظ خلع کی قید سے طلاق بعوض مال خارج ہوگئی کیونکہ طلاق مذکورہ مسقط زوجیت نہیں ہے اور خلع کے ہم معنی الفاظ سے مبارات اور خلع بلفظ بیع وشرا داخل ہوگیا کیونکہ خلع کی طرح یہ بھی مسقط زوجیت ہیں۔ مصنف نے خلع کی تعریف ''ھو الفصل من النکاح'' کے ساتھ کی ہے اور ''ہم نے اس سے صرف نظر کرتے ہوئے دوسری تعریف اختیار کی ہے اس واسطے کہ مصنف کی تعریف طلاق بعوض مال سے ٹوٹ جاتی ہے کیونکہ اس میں بھی فصل نکاح ہے حالانکہ یہ خلع نہیں اس لئے بعض شراح نے کہا ہے کہ یہ

تعریف نہیں بلکہ تفسیر ہے لکنه بعید، نیز صاحب بحر اور زیلعی نے اس عبارت کو ذکر ہی نہیں کیا و لعلها ساقطة عن مانقلاعنه۔

قوله فان خالعها الخ زید نے اپنی بیوی سے شراب یا خنزیر یا مردار وغیرہ کے عوض خلع کیا یا طلاق دی۔ سو اگر اس نے لفظ خلع استعمال کیا ہو تو طلاق بائن ہوگی اور خلع کے علاوہ لفظ استعمال کیا ہو تو طلاق رجعی ہوگی اور بہر دو صورت بدل واجب نہ ہوگا کیونکہ اشیا مذکورہ مسلمان کے حق میں مال نہیں اور ان کے علاوہ دوسری چیز بھی واجب نہ ہوگی کیونکہ اس کا التزام نہیں کیا گیا۔ پھر پہلی صورت میں طلاق بائن اس لئے ہوگی کہ ایقاع طلاق معلق بالقبول ہے جو یہاں موجود ہے اور عوض باطل ہو چکا تو لفظ خلع عامل رہا جو کنایات میں سے ہے اور کنایات سے طلاق بائن ہوتی ہے دوسری صورت میں طلاق رجعی کا ہونا ظاہر ہے کیونکہ عامل صریح لفظ طلاق ہے امام مالک واحمد کے یہاں طلاق رجعی ہوگی۔ امام زفر کے یہاں مہر دیا جائیگا اور امام شافعی کے یہاں مہر مثل۔

قوله کخلعا لعنی الخ بلا بدل طلاق واقع نہ ہونے میں تشبیہ ہے یعنی ایک عورت نے شوہر سے کہا کہ جو کچھ میرے ہاتھ میں ہے اس کے عوض مجھ سے خلع کر لے حالانکہ ہاتھ میں کچھ بھی نہیں تھا تو یہاں بھی طلاق بلا بدل ہوگی اس واسطے کہ عورت نے مال متعین نہیں کیا کیونکہ کلمہ ما مال وغیرہ سب کو شامل ہے ہاں اگر وہ لفظ من مال یا من دراہم اور ذکر کر دے تو من مال کی صورت میں عورت کو مہر واپس کرنا پڑیگا کیونکہ جب عورت نے مال کی تصریح کر دی تو شوہر بلا عوض اپنی ملکیت کے زوال پر راضی نہیں۔ اب یہاں ما وجب میں تین احتمال ہیں، مہر واجب ہو یا قیمت بضع یعنی مہر مثل یا مال مسمیٰ۔ مال مسمیٰ تو اس لئے واجب نہیں ہو سکتا کہ وہ مجہول ہے اور قیمت بضع اس لئے واجب نہیں ہو سکتی کہ خروج کی حالت میں بضع کی کوئی قیمت نہیں ہوتی پس مہر متعین ہو گیا۔ اور من دراہم کی صورت میں تین درہم دینے پڑیں گے کیونکہ دراہم جمع ہے اور جمع کا اطلاق۔ کم از کم تین پر ہوتا ہے سوال یہاں ایک یا دو درہم واجب ہونے چاہئیں کیونکہ من تبعیضیہ بھی تو ہو سکتا ہے جواب جہاں لفظ من کے بغیر کلام تام ہو جاتا ہو وہاں من بیانیہ ہوتا ہے نہ کہ تبعیضیہ جیسے "فاجتنبو االرجس من الاوثان"۔

قوله وان خالعها الخ عورت نے اپنے بھگوڑے غلام کے عوض خلع کیا اور ضمان سے بری ہونے کی شرط لگائی تو عورت بری الذمہ نہ ہوگی بلکہ اگر وہ غلام پر قادر ہو تو اس کو شوہر کے حوالہ کرنا لازم ہوگا ورنہ اس کی قیمت واجب ہوگی کیونکہ خلع عقد معاوضہ ہے جو سلامتی عوض کا مقتضی ہے اور برأت کی شرط فاسد ہے پس شرط باطل ہوگی اور خلع جائز ہوگا۔

قوله قالت طلقني الخ عورت نے شوہر سے کہا مجھے ایک ہزار کے عوض میں تین طلاقیں دیدے شوہر نے ایک طلاق دیدی تو باء چونکہ اعواض پر داخل ہوتی ہے اور معوض پر منقسم ہوتی ہے اس لئے ہزار کی تہائی واجب ہوگی اور عورت ایک طلاق سے بائنہ ہو جائیگی اور اگر عورت نے باء کے بجائے کلمہ علیٰ استعمال کیا تو صاحبین کے نزدیک اس کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ معاوضات میں باء اور علیٰ دونوں برابر ہیں لیکن امام صاحب کے نزدیک ایک طلاق رجعی ہوگی کیونکہ علیٰ شرط کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ "قال تعالیٰ یبایعنک علیٰ ان لایشر کن" اور مشروط اجزائے شرط پر منقسم نہیں ہوتا پس مال واجب نہ ہوا لہٰذا طلاق رجعی واقع ہوگی اور اگر عورت کے بجائے کلام مذکورہ کا قائل شوہر ہو اور عورت ایک طلاق دے تو کچھ واقع نہ ہوگا کیونکہ شوہر ایک ہزار سے کم کے عوض میں جدائی سے راضی نہیں بخلاف عورت کے کہ جب وہ ایک ہزار کے عوض میں جدائی سے راضی ہے تو اس سے کم میں بطریق اولیٰ راضی ہوگی۔

قوله انت طالق بالف الخ شوہر نے بیوی سے کہا تجھے ایک ہزار کے عوض میں ایک ہزار کی شرط پر طلاق ہے عورت نے قبول کر لیا تو ایک ہزار کا دینا لازم ہوگا اور طلاق بائن ہوگی کیونکہ بالف کی صورت میں عقد معاوضہ ہے اور علیٰ الف کی صورت میں تعلیق ہے ہر دو صورت عوض ضروری ہے اور اگر شوہر نے بیوی سے کہا انت طالق وعلیک الف یا اپنے غلام سے کہا انت حر وعلیک الف تو بیوی اور غلام قبول کریں یا نہ کریں۔ امام صاحب کے نزدیک طلاق اور آزادی ہو جائیگی اور بدل واجب نہ ہوگا کیونکہ وعلیک الف مستقل جملہ ہے اس لئے ماقبل کے ساتھ بلا دلیل مربوط نہ ہوگا صاحبین، ائمہ ثلاثہ اور امام زفر کے نزدیک ان کے قبول کرنے پر م[illegible]ف ہے وہ یہ فرماتے ہیں کہ وعلیک میں واؤ حالیہ ہے اور پورا ایک جملہ ہے۔

وَصَحَّ شَرْطُ الْخِيَارِ لَهَا فِي الْخُلْعِ لاَ لَهُ طَلَّقْتُکِ اَمْسِ بِاَلْفٍ فَلَمْ تَقْبَلِیْ وَقَالَتْ

اور صحیح ہے خیار شرط عورت کے لئے خلع میں نہ شوہر کے لئے میں نے تجھے کل ہزار کے عوض میں طلاق دی مگر تو نے قبول نہ کیا عورت نے کہا

قَبِلْتُ صُدِّقَ بِخِلاَفِ الْبَیْعِ وَیُسْقِطُ الْخُلْعُ وَالْمُبَارَاۃُ کُلَّ حَقٍّ لِکُلٍّ وَاحِدٍ عَلَی الْاٰخَرِ

میں نے قبول کرلیا تھا تو شوہر کی تصدیق ہوگی بخلاف بیع کے اور ساقط کردیتا ہے خلع اور مبارأت مرد وعورت کے ہر اس حق کو جو ایک کا دوسرے پر ہو

بِالنِّکَاحِ حَتّٰی لَوْخَالَعَهَا اَوْبَارَئَهَا بِمَالٍ مَعْلُوْمٍ کَانَ لِلزَّوْجِ مَاسُمِّیَتْ لَهُ

حقوق نکاح سے یہاں تک کہ اگر شوہر عورت سے خلع یا مبارأت کرے معین مال کے عوض تو شوہر کے لئے وہی ہوگا جو عورت نے ٹھہرایا ہے

وَلَمْ یَبْقَ لِاَحَدِهِمَا قِبَلَ صَاحِبِهٖ دَعْوٰی فِی الْمَهْرِ مَقْبُوْضًا کَانَ اَوْ غَیْرَ مَقْبُوْضٍ قَبْلَ الدُّخُوْلِ بِهَا

اور کسی ایک کے لئے دوسرے پر دعوی مہر کا اختیار باقی نہ رہیگا مہر مقبوض ہو یا غیر مقبوض قبل از دخول ہو یا بعد از دخول

اَوْ بَعْدَهٗ فَاِنْ خَالَعَ الْاَبُ صَغِیْرَتَهٗ بِمَالِهَا لَمْ یَجُزْ عَلَیْهَا وَطُلِّقَتْ

اگر خلع کرے صغیرہ کا ولی اس کے شوہر سے صغیرہ کے مال کے عوض تو جائز نہ ہوگا صغیرہ پر اور طلاق پڑجائیگی

وَلَوْ بِاَلْفٍ عَلٰی اَنَّهٗ ضَامِنٌ طُلِّقَتْ وَالْاَلْفُ عَلَیْهِ

اور اگر ہزار کے عوض خلع کرے اس شرط پر کہ وہ ضامن ہے تو طلاق پڑجائیگی اور ہزار ولی پر لازم ہونگے۔

بقیہ احکام خلع

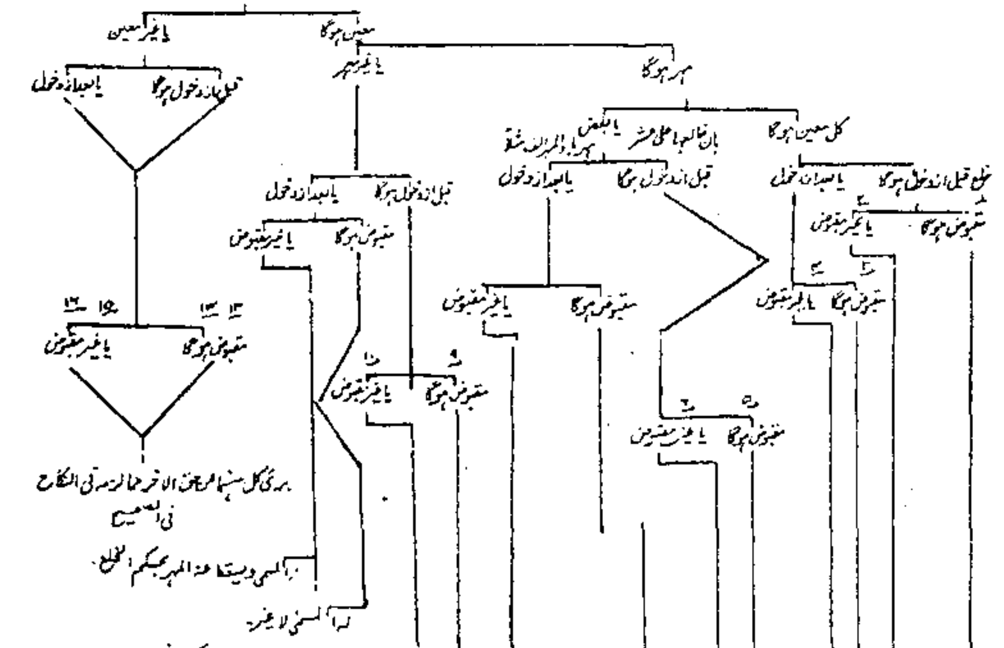
تشریح الفقہ :قوله وصح الخ اگر عقد خلع میں خیار شرط عورت کیلئے ہو تو امام صاحب کے نزدیک صحیح ہے اور مرد کیلئے ہو تو صحیح نہیں صاحبین کے نزدیک دونوں کیلئے صحیح نہیں مثلاً شوہر نے بیوی سے کہا **انت طالق بالف علی انک بالخیار ثلثه ایام** اور عورت نے اس کو قبول کرلیا تو امام صاحب کے نزدیک صحیح ہے اور اگر شوہر نے یوں کہا **انت طالق بالف علی انی بالخیار** تو صحیح نہیں، برتقدیر صحت اگر عورت تین دن کے اندر اس کو رد کردے تو باطل ہوجائیگا اور رد نہ کرے تو طلاق ہوجائیگی۔ صاحبین کے نزدیک دونوں صورتوں میں خیار باطل ہے پس طلاق بھی واقع ہوگی اور ہزار درہم بھی واجب ہونگے کیونکہ خیار انعقاد عقد کے بعد فسخ کرنے کیلئے ہوتا ہے اور یہاں زوجین کے تصرفات یعنی ایجاب وقبول میں فسخ کا احتمال نہیں کیونکہ خلع مرد کی جانب سے یمین ہوتا ہے اور عورت کی جانب سے شرط اور یمین وشرط میں فسخ کا احتمال نہیں۔ امام صاحب کے نزدیک عورت کی جانب سے خلع بیع کے درجہ میں ہوتا ہے یہاں تک کہ اگر عورت رجوع کرنا چاہے تو رجوع کرنا صحیح ہے اس واسطے خلع میں عورت کیلئے خیار شرط صحیح ہے۔

قوله طلقتک امس الخ شوہر نے بیوی سے کہا: میں نے کل تجھے ایک ہزار کے عوض میں طلاق دی مگر تو نے ہزار درہم دینا قبول نہ کیا، عورت نے کہا میں نے تو قبول کرلیا تھا تو اس صورت میں شوہر کی تصدیق کی جائیگی بخلاف بیع کے کہ اگر غلام کا مالک کسی سے یہ کہے کہ میں نے اس غلام کو کل تیرے ہاتھ ایک ہزار کے عوض میں فروخت کیا مگر تو نے قبول نہ کیا مشتری نے کہا میں نے قبول کرلیا تھا تو یہاں مشتری کی تصدیق کی جائیگی وجہ فرق یہ ہے کہ شوہر کی جانب سے طلاق بالمال تعلیق ہوتی ہے اور طلاق کی تعلیق بیوی کے قبول کرنے پر موقوف نہیں پس بیوی شوہر کے حانث ہونے کی مدعی ہوئی اور شوہر منکر ہوا اس لئے شوہر کا قول معتبر ہوگا اور بیع کا اقرار کرلینا بعینہٖ قبولیت کا اقرار کرلینا ہے پس اقرار بیع کے بعد قبولیت سے انکار کرنا گویا بیع کا انکار ہے اس لئے بائع کا قول مسموع نہ ہوگا۔

قوله ویسقط الخ مبارات مفاعلة کا مصدر ہے **یقال بارئ الرجل امراته** ہر ایک کا دوسرے سے بری ہونا یہاں اس کی صورت یہ ہے کہ بیوی نے شوہر سے کہا مجھے اتنے مال پر بری کردے شوہر کہے کہ میں نے تجھے بری کردیا خلع اور مبارات زوجین میں سے ہر ایک کے ان

حقوق کو ساقط کردیتے ہیں جو نکاح سے متعلق ہوں جیسے مہر، نان، نفقہ، سکنی وغیرہ، نکاح سے مراد وہ نکاح ہے جس کے بعد خلع یا مبارات ہو۔ سو اگر عورت کو طلاق بائن دے کر پھر دوبارہ نکاح کیا اور دوسرا مہر مقرر ہوا پھر عورت نے خلع کی خواہش ظاہر کی تو شوہر نکاح ثانی کے مہر سے بری ہوگا نہ کہ نکاح اول کے مہر سے نکاح سے متعلقہ حقوق کی قید سے دین خارج ہوگیا کہ خلع سے زوجین میں سے کسی کا قرض ساقط نہیں ہوتا امام محمد اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک خلع اور مبارات سے وہی حقوق ساقط ہوتے ہیں جو زوجین کے مقرر کردہ ہوں ان کے علاوہ اور حقوق ساقط نہیں ہوتے امام ابو یوسف مسئلہ خلع میں، امام محمد کے ساتھ ہیں اور مسئلہ مبارات میں امام صاحب کے ساتھ۔ امام محمد یہ فرماتے ہیں کہ خلع عقد معاوضہ ہے جس کی تاثیر صرف استحقاق مشروط میں ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ اگر زوجین میں سے کسی ایک کا دوسرے پر قرض ہو تو وہ ساقط نہیں ہوتا امام ابو یوسف یہ فرماتے ہیں کہ مبارات کو مطلقاً جانبین سے براءت چاہتی ہے لیکن یہاں حقوق نکاح کے ساتھ مقید کیا جائیگا کیونکہ مبارات سے زوجین کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ جو حقوق معاشرت کی وجہ سے لازم ہوتے ہیں ان سے بری ہوں ان حقوق سے براءت مقصود نہیں ہوتی جو معاملہ کی وجہ سے لازم ہوتے ہیں۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ مبارات کی طرح خلع بھی جانبین سے براءت چاہتا ہے کیونکہ خلع بمعنی فصل ہے اور فصل وجدائی کا تحقق اسی وقت ہوگا جب زوجین میں سے کسی کا دوسرے پر کوئی حق نہ رہے ورنہ منازعت پیش آئیگی۔

فائدہ: اس مسئلہ کی سولہ صورتیں ہیں کیونکہ بدل یا تو معین ہوگا یا غیر معین۔ معین ہو تو مہر ہوگا یا کوئی اور مال۔ مہر ہر تو کل معین ہوگا یا بعض۔ ان میں سے ہر ایک کی پھر دو قسمیں ہیں قبل از دخول ہوگا یا بعد از دخول پھر مہر مقبوض ہوگا یا غیر مقبوض یہ تمام اقسام مع احکام، اس نقشہ سے معلوم کرو۔



بَابُ الظِّهَارِ

باب ظہار کے بیان میں

هُوَ تَشْبِيْهُ الْمَنْكُوْحَةِ بِمُحَرَّمَةٍ عَلَيْهِ عَلَى التَّابِيْدِ حَرُمَ الْوَطْئُ وَدَوَاعِيْهِ بِاَنْتِ عَلَيَّ

ظہار تشبیہ دینا ہے بیوی کو ایسی عورت کیساتھ جو اس پر حرام ہو ہمیشہ کیلئے حرام ہو جاتی ہے شوہر پر وطی اور اس کے سباب اس قول سے کہ تو مجھ پر

كَظَهْرِ اُمِّيْ حَتّٰى يُكَفِّرَ فَلَوْ وَطِئَ قَبْلَهٗ اِسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ فَقَطْ وَعَوْدُهٗ عَزْمُهٗ عَلٰى وَطْيِهَا

مثل میری ماں کی پشت کے ہے یہاں تک کہ کفارہ دے اگر کفارہ سے قبل وطی کر لی تو صرف استغفار کرے اور عود سے مراد شوہر کا عزم وطی ہے

وَبَطْنُهَا وَفَخِذُهَا وَفَرْجُهَا كَظَهْرِهَا وَاُخْتُهٗ وَعَمَّتُهٗ وَاُمُّهٗ رِضَاعًا كَاُمِّهٖ

عورت کا پیٹ اس کی ران اور شرمگاہ اسکی پیٹھ کے حکم میں ہے شوہر کی بہن اس کی پھوپی اور رضائی ماں حقیقی ماں کے حکم میں ہے

وَرَأْسُكِ وَفَرْجُكِ وَوَجْهُكِ وَرَقَبَتُكِ وَنِصْفُكِ وَثُلُثُكِ كَاَنْتِ وَاِنْ نَوٰى بِاَنْتِ عَلَيَّ مِثْلُ اُمِّيْ بِرًّا

عورت کو یہ کہنا کہ تیرا سر تیری شرمگاہ تیرا چہرہ تیری گردن تیرا نصف تیری تہائی ایسا ہے جیسے کوئی انت کہے اگر کوئی انت علی مثل امی سے اچھے سلوک

اَوْظِهَارًا اَوْطَلَاقًا فَكَمَا نَوٰى وَاِلَّا لَغَا وَبِاَنْتِ عَلَيَّ حَرَامٌ كَاُمِّيْ ظِهَارًا اَوْطَلَاقًا فَكَمَا نَوٰى

یا ظہار یا طلاق کی نیت کرے تو نیت کے مطابق ہوگا ورنہ لغو ہوگا اور انت علی حرام کامی سے ظہار یا طلاق کی نیت کرے تب بھی نیت کے مطابق ہوگا

وَبِاَنْتِ عَلَيَّ حَرَامٌ كَظَهْرِ اُمِّيْ وَنَوٰى طَلَاقًا اَوْ اِيْلَاءً فَظِهَارٌ وَلَاظِهَارَ اِلَّا مِنْ زَوْجَتِهٖ

اور انت علی حرام کظہر امی سے طلاق یا ظہار کی نیت کی تو ظہار ہوگا اور ظہار نہیں ہوتا مگر اپنی بیوی سے

فَلَوْ نَكَحَ اِمْرَأَةً بِلَا اَمْرِهَا فَظَاهَرَ مِنْهَا فَاَجَازَتْ بَطَلَ

پس اگر نکاح کیا کسی عورت سے اس کے حکم کے بغیر پھر اس سے ظہار کیا اور اس کے بعد عورت نے نکاح کو جائز کیا تو ظہار باطل ہوگا

اَنْتُنَّ عَلَيَّ كَظَهْرِ اُمِّيْ ظِهَارٌ مِنْهُنَّ وَكَفَّرَ لِكُلٍّ

تم سب مجھ پر مثل میری ماں کی پشت کے ہو یہ سب سے ظہار ہے اور ہر ایک کیلئے کفارہ دینا ہوگا۔

تشریح الفقہ: **قوله باب الخ** خلع کے ساتھ ظہار کی مناسبت یہ ہے کہ دونوں کا ظہور بطریق نشوز ہوتا ہے خلع میں نشوز عورت کی جانب سے ہوتا ہے اور ظہار میں مرد کی جانب سے۔ ظہار چونکہ کذب محض ہوتا ہے اور خلع میں یہ بات نہیں ہے اس لئے مصنف نے ظہار کو خلع سے مؤخر کیا ہے اور لعان پر مقدم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ظہار لعان کی بہ نسبت اباحت سے قریب تر ہے اس واسطے کہ سبب لعان یعنی تہمت زنا کسی اجنبیہ کی طرف منسوب کر دینا موجب حد ہے اور موجب حد بلا شائبہ اباحت محض معصیت ہے۔

قوله هو تشبيه الخ ظہار لغت کے اعتبار سے مصدر ہے یقال ظاهر، بين الثوبين ظهاراً، اوپر نیچے کپڑے پہننا، نیز اہل عرب ظاهر امراته، اس وقت بولتے ہیں جب کوئی شخص اپنی بیوی سے یوں کہے کہ تو مجھ پر ایسی ہے جیسے میری ماں کی پیٹھ (صحاح، مغرب) یہ اظہار حرمت کا ایک لطیف استعارہ ہے اور لفظ ظہر کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ سواری کی پشت موضع رکوب ہوتی ہے اور جماع کے وقت عورت بھی مرکوبہ ہوتی ہے پس رکوب ام رکوب دابہ سے مستعار ہے پھر رکوب زوجہ کو رکوب ام سے تشبیہ دیدی گئی فكانه قال ركوبك للنكاح حرام علی (مصباح) اصطلاح شرع میں ظہار اپنی منکوحہ کو کسی ایسی عورت کے ساتھ تشبیہ دینے کو کہتے ہیں جو اس پر ہمیشہ کیلئے حرام ہو منکوحہ کی قید سے باندی نکل گئی کہ باندی کے ساتھ ظہار صحیح نہیں محرمہ کی قید سے غیر محرمہ نکل گئی کیونکہ کسی حلال عورت کے ساتھ تشبیہ دینے سے ظہار نہیں ہوتا علی التابید کی قید سے سالی اور مطلقہ ثلاث نکل گئی کیونکہ یہ گو حرام ہیں لیکن ان کی حرمت موبدہ نہیں موقتہ ہے۔

قولہ حرم الخ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے یہ کہے ''انت علی کظھر امی'' تو وہ مظاہر ہوگیا اب جب تک ظہار کا کفارہ نہیں دے گا اس وقت تک اس پر بیوی کے ساتھ وطی ودواعی وطی یعنی بوس وکنار وغیرہ سب حرام ہیں لقولہ تعالیٰ والذین یظاھرون من نسائھم ا۵ امام شافعی کا قول جدید اور امام احمد سے ایک روایت ہے کہ دواعی وطی حرام نہیں کیونکہ حرمت کا ثبوت آیت مذکور سے ہے اور آیت میں تماس جماع سے کنایہ ہے جواب یہ ہے کہ تماس کے حقیقی معنی مس بالید کے ہیں اور جب حقیقت کا امکان ہے تو مجاز پر محمول کرنے کی ضرورت نہیں۔ امام محمد سے ایک روایت ہے کہ اگر مظاہر سفر سے واپس آئے تو وہ بلاشہوت (از راہ شفقت ومہربانی) بوسہ لے سکتا ہے بحر الرائق میں ہے کہ روایت میں سفر کی قید تحریف ہے کیونکہ بلاشہوت بوسہ لینا سفر وحضر دونوں میں درست ہے۔

قولہ وفلو وطی الخ اگر مظاہر کفارہ ظہار دینے سے پہلے وطی کرلے تو اس کو چاہئے کہ توبہ واستغفار کرے اور ظہار کا صرف ایک کفارہ ادا کرے کیونکہ روایت میں ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کے ساتھ ظہار کے بعد ادائیگی کفارہ سے قبل وطی کرلی آنحضرت صلعم نے فرمایا تونے ایسا کیوں کیا؟ اس نے عرض کیا یارسول اللہ چاند کی روشنی میں اس کی پازیب کی چمک دیکھ کر مجھ سے رہا نہیں گیا آپ نے فرمایا کفارہ ادا کرنے تک اس سے علیحدہ رہ[1] مؤطا مالک میں ''یکف عنھا حتی یستغفر اللہ ویکفر'' کے الفاظ بھی موجود ہیں حضرت سعید بن جبیر دو کفاروں کے اور ابراہیم نخعی تین کفاروں کے قائل ہیں مگر حدیث مذکور ان پر حجت ہے۔

قولہ و عودہ الخ یعنی آیت ظہار میں عود سے مراد مظاہر کا مظاہر منہا کے ساتھ وطی کا عزم وارادہ ہے مصنف اس عبارت سے وجوب کفارہ کا سبب بیان کررہا ہے سبب وجوب کفارہ کیا ہیں؟ اس میں مختلف اقوال ہیں نمبر ا سبب وجوب مجموعہ ظہار وعود ہے اکثر علماء کی رائے یہی ہے کیونکہ آیت میں فاسببیہ سے قبل یہی مذکور ہے نیز کفارہ عقوبت اور عبادت کے درمیان دائر ہے پس اس کے سبب کا خطر واباحت کے درمیان دائر ہونا ضروری ہے سو عقوبت کا تعلق محظور یعنی ظہار کے ساتھ ہے اور عبادت کا تعلق مباح یعنی عزم وطی کے ساتھ ہے۔ نمبر ۲ ظہار سبب ہے اور عود شرط ہے۔ نمبر ۳ اس کا عکس ہے۔ نمبر ۴۔ ان میں سے ہر ایک سبب بھی ہے اور شرط بھی۔

قولہ والا لغاالخ اگر کوئی شخص انت علی مثل امی کہہ کر کرامت وبزرگی، ظہار وطلاق کسی کا ایک بھی ارادہ نہ کرے تو شیخین کے نزدیک کلام لغو ہوگا امام محمد کے نزدیک ظہار ہوگا کیونکہ جب ماں کے کسی عضو کے ساتھ تشبیہ دینا ظہار ہے تو کل کے ساتھ بطریق اولیٰ ظہار ہوگا۔

قولہ وبانت علي حرام الخ اگر کوئی شخص انت علی حرام کظھر امی سے طلاق یا ایلاً کا ارادہ کرے تو امام صاحب کے نزدیک طلاق وایلاء نہ ہوگا بلکہ ظہار ہی ہوگا صاحبین کے نزدیک نیت کا اعتبار ہے کیونکہ کلام میں ان سب کا احتمال ہے امام صاحب فرماتے ہیں کہ کلام مذکور ظہار میں صریح ہے لہٰذا اسمیں نیت بھی کوئی عمل نہیں کرسکتی رہا لفظ حرام سو یہ مقتضی لفظ کی تاکید ہے نہ کہ تغییر۔

قولہ ولا ظہار الخ ہمارے نزدیک ظہار صرف اپنی بیوی سے ہوسکتا ہے باندی، ام ولد، مکاتبہ سے ظہار صحیح نہیں امام مالک کے یہاں صحیح ہے مگر آیت ظہار ان پر حجت ہے۔ کیونکہ عرف میں نساء رجل اس کی زوجات ہی کو کہتے ہیں نہ کہ باندی وغیرہ کو اگر کسی نے عورت سے اس کی اجازت کے بغیر نکاح کیا پھر اس سے ظہار کرلیا اس کے بعد عورت نے نکاح جائز کیا تو ظہار باطل ہوجائیگا کیونکہ جس وقت اس نے ظہار کیا ہے اس وقت وہ اس کی زوجہ نہیں تھی پس رکن ظہار یعنی تشبیہ محللہ بالمحرمہ نہیں پایا گیا۔

قولہ انتن الخ ایک شخص کے نکاح میں چند بیویاں تھیں اس نے سب سے کہا انتن علی کظھر امی تو یہ سب سے ظہار ہوگیا اور ہر ایک کا کفارہ دینا ہوگا امام مالک اور امام احمد کے نزدیک ایک کفارہ کافی ہے یہ حضرات ایلاء پر قیاس کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص قسم کھالے کہ میں اپنی بیویوں سے صحبت نہ کرونگا پھر کسی ایک سے صحبت کرلے تو ایک کفارہ دینے سے سب عورتیں حلال ہوجائیں گی ہم یہ کہتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک میں حرمت ثابت ہے اور کفارہ حرمت ہی ختم کرنے کیلئے ہے تو جب حرمت متعدد ہے تو کفارہ بھی متعدد ہوگا بخلاف ایلاً کے کہ اس میں کفارہ کا وجوب حرمت اسم باری عز اسمہ کی حفاظت کیلئے ہے اور وہ متعدد نہیں ہے۔

(۱)... ائمہ اربعہ، عبدالرزاق، حاکم عن ابن عباس ۱۲

فصل وَهُوَ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ وَلَمْ يَجْزِ الْاَعْمٰى وَمَقْطُوْعُ الْيَدَيْنِ اَوْاِبْهَامَيْهِمَا اَوِ الرِّجْلَيْنِ وَالْمَجْنُوْنُ وَالْمُدَبَّرُ

(فصل) کفارۂ ظہار آزاد کرنا ہے ایک غلام کو اور نہیں جائز ہے نابینا اور دونوں ہاتھ یا دونوں انگوٹھے یا دونوں پاؤں کٹا ہوا اور دیوانہ اور مدبر اور

وَاُمُّ الْوَلَدِ وَالْمُكَاتَبُ الَّذِىْ اَدّٰى شَيْئًا فَاِنْ لَّمْ يُؤَدِّ شَيْئًا اَوِاشْتَرٰى قَرِيْبَهٗ نَاوِيًا بِالشِّرَآءِ الْكَفَّارَةَ اَوْحَرَّرَ نِصْفَ عَبْدِهٖ

ام ولد اور وہ مکاتب جس نے کچھ ادا کر دیا ہو اور اگر کچھ ادا نہ کیا ہو یا کسی نے اپنے قریبی رشتہ دار کو بہ نیت کفارہ خریدا یا اپنا نصف غلام کفارہ کی طرف سے

عَنْ كَفَّارَتِهٖ ثُمَّ حَرَّرَ بَاقِيَهٗ عَنْهَا صَحَّ وَاِنْ حَرَّرَ نِصْفَ عَبْدٍ مُشْتَرِكٍ وَضَمِنَ بَاقِيَهٗ

آزاد کیا پھر نصف باقی کو بھی کفارہ کی طرف سے آزاد کر دیا تو صحیح ہے اور اگر مشترک غلام کے نصف کو آزاد کیا اور باقی کا ضامن ہو گیا

اَوْ حَرَّرَ نِصْفَ عَبْدِهٖ ثُمَّ وَطِئَ الَّتِىْ ظَاهَرَ مِنْهَا ثُمَّ حَرَّرَ بَاقِيَهٗ لَا فَاِنْ لَّمْ يَجِدْ مَايُعْتِقُ

یا اپنا نصف غلام آزاد کیا پھر وطی کر لی اس عورت سے جس سے ظہار کیا تھا پھر باقی کو آزاد کیا تو صحیح نہیں پس اگر نہ پائے غلام جس کو آزاد کرے

صَامَ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ لَيْسَ فِيْهِمَا رَمَضَانُ وَاَيَّامٌ مَنْهِيَّةٌ فَاِنْ وَطِئَهَا فِيْهِمَا لَيْلًا عَامِدًا اَوْيَوْمًا نَاسِيًا اَوْاَفْطَرَ اِسْتَانَفَ

تو دو ماہ پے بہ پے روزے رکھے جن میں رمضان اور ایام منہیہ نہ ہوں اگر ان دو ماہ میں رات کو یا دن کو بھول کر وطی کر لی یا روزہ افطار کر لیا تو از سر نو

الصَّوْمَ وَلَمْ يَجُزْ لِلْعَبْدِ اِلَّاالصَّوْمُ وَاِنْ اَطْعَمَ اَوْاَعْتَقَ عَنْهُ سَيِّدُهٗ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعِ الصَّوْمَ

رکھے اور نہیں جائز ہے غلام کے لئے مگر روزہ اگرچہ کھلائے یا آزاد کرے اس کی طرف سے اس کا آقا پس اگر وہ روزہ نہ رکھ سکتا ہو

اَطْعَمَ سِتِّيْنَ فَقِيْرًا كَالْفِطْرَةِ اَوْقِيْمَتَهٗ فَلَوْ اَمَرَ غَيْرَهٗ اَنْ يُّطْعِمَ عَنْهُ مِنْ ظِهَارِهٖ فَفَعَلَ

تو ساٹھ مسکینوں کو کھلائے فطرہ کی طرح یا اس کی قیمت دے اگر کسی دوسرے کو اپنے کفارہ کی طرف سے کھلانے کا حکم کیا اور اس نے کھلا دیا

صَحَّ وَتَصِحُّ الْاِبَاحَةُ فِى الْكَفَّارَاتِ وَالْفِدْيَةِ دُوْنَ الصَّدَقَاتِ وَالْعُشْرِ

تب بھی کافی ہے اور صحیح ہے اباحت کفارات میں اور فدیہ میں نہ کہ صدقات اور عشر میں۔

کفارۂ ظہار کا بیان

تشریح الفقہ: قولہ وھو الخ ہو کا مرجع بتاویل تکفیر کفارہ ہے یعنی کفارہ ظہار ایک غلام آزاد کرنا ہے جس میں ہمارے نزدیک مسلم وکافر صغیر وکبیر مذکر ومؤنث سب برابر ہیں ائمۂ ثلاثہ کے نزدیک کافر غلام آزاد کرنے سے کفارہ ادا نہ ہوگا کیونکہ کفارہ اللہ کا حق ہے پس اس کو اللہ کے دشمن پر صرف کرنا صحیح نہ ہوگا جیسے کافر پر مال زکوٰۃ صرف کرنا جائز نہیں ہماری دلیل یہ ہے کہ آیت میں لفظ رقبہ مطلق ہے جس کا مصداق وہ ذات ہے جو ہر اعتبار سے مملوک ہو اور یہ چیز رقبہ کافرہ میں موجود ہے پس ایمان کی قید لگانا زیادتی علی الکتاب ہے جو جائز نہیں رہا کفارہ کا حق اللہ ہونا سو آزاد کرنے سے معتق کا مقصد یہ ہے کہ معتق اپنے آقا کی خدمات سے سبکدوش ہو کر مولیٰ حقیقی کی اطاعت میں لگ جائے اب اگر وہ اپنے کفر ہی پر ثابت رہتا ہے تو یہ اس کے سوء اعتقاد پر محمول ہوگا۔

قولہ ولم یجز الخ کفارہ میں ایسے غلام کو آزاد کرنا کافی نہ ہوگا جس کی جنس منفعت فوت ہوگئی ہو جیسے نابینا جس کو بالکل نہ دکھتا ہو یا اس کے دونوں ہاتھ کٹے ہوئے ہوں یا دونوں انگوٹھے کٹے ہوئے ہوں وغیرہ نیز مدبر ام ولد اور مکاتب جس نے بدل کتابت کا کچھ مال ادا کر دیا ہو اس کو آزاد کرنا بھی کافی نہ ہوگا کیونکہ یہ من وجہ آزادی کے مستحق ہو چکے پس ان میں تحریر رقبہ کاملہ مفقود ہے۔

قولہ فان لم یؤد الخ یہاں سے ''صح'' تک تین مسئلے مذکور ہیں نمبر ا کفارہ ظہار میں مکاتب غلام کو آزاد کیا جس نے ہنوز بدل کتابت ادا نہیں کیا تھا تو یہ ہمارے نزدیک صحیح ہے امام زفر اور امام شافعی کے نزدیک صحیح نہیں کیونکہ وہ عقد کتابت کی وجہ سے حریت کا مستحق ہو چکا ہم یہ کہتے ہیں کہ محل رقبت اور محل ملکیت دونوں علیحدہ علیحدہ ہیں کیونکہ محل [illegible] سے عام ہے چنانچہ ملکیت آدمی کے علاوہ دیگر

اشیاء میں بھی مستحق ہوسکتی ہے لیکن رقیت مستحق نہیں ہوسکتی نیز بیع کے ذریعہ ملکیت زائل ہوجاتی ہے رقیت زائل نہیں ہوتی اور کتابت کی وجہ سے مکاتب کی ملکیت میں نقصان آتا ہے نہ کہ رقیت میں چنانچہ حضور صلعم کا ارشاد ہے کہ جب تک مکاتب پر بدل کتابت کی کوئی چیز باقی رہے اس وقت تک وہ غلام ہی رہتا ہے۔ (۱) پس مکاتب کو آزاد کردینا ہے۔ نمبر۲۔ ایک شخص نے اپنے قریبی رشتہ دار (باپ بیٹے وغیرہ) کو ادائیگی کفارہ کی نیت سے خریدا تو کفارہ ادا ہوجائیگا کیونکہ حضور صلعم کا ارشاد ہے ''لن یجزی ولد والدہ الا ان یجدہ مملوکا فیشتریہ فیعتقہ'' امام زفر اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک کفارہ ادا نہ ہوگا۔ مگر حدیث مذکور ان پر حجت ہے۔ نمبر۳۔ ایک شخص نے کفارہ میں نصف غلام آزاد کیا پھر وطی کرنے سے پہلے نصف باقی کو بھی کفارہ میں آزاد کردیا تو کفارہ ادا ہوجائیگا کیونکہ آزادی گو دو غلاموں کے ساتھ پائی گئی تاہم رقبہ کاملہ کا اعتاق پایا گیا لہٰذا کفارہ ادا ہوجائے گا۔

قولہ وان حرر الخ ایک غلام دو آدمیوں کے درمیان مشترک تھا ان میں سے ایک نے اپنا حصہ کفارہ میں آزاد کردیا اور باقی کی قیمت کا شریک کیلئے ضامن ہوگیا یا اپنا نصف غلام آزاد کیا اور باقی نصف آزاد کرنے سے پہلے مظاہر منہا سے وطی کرلی اس کے بعد نصف باقی کو آزاد کیا تو کفارہ ادا نہ ہوگا پہلی صورت میں تو اس لئے کہ نصف آخر کی مملوکیت میں نقصان اور استدامت رقیت میں فرق آگیا کیونکہ اب اس کا دوسرا مالک اس کو فروخت نہیں کرسکتا پس رقبہ کاملہ کا اعتاق نہ پایا گیا دوسری صورت میں اس لئے کہ رقبہ کا اعتاق وطی سے پہلے ہونا ضروری ہے اور یہاں قبل از وطی نصف آزاد کیا ہے۔

قولہ فان لم یجد الخ اگر مظاہر غلام آزاد کرنے پر قادر نہ ہو تو لگاتار دو ماہ روزے رکھے، کیونکہ آیت، **فمن لم یجد فصیام شھرین متتابعین** میں پے درپے ہونے کی شرط ہے اور یہ دو مہینے ایسے ہوں جن کے درمیان ماہ رمضان نہ ہو کیونکہ ماہ رمضان میں کوئی دوسرا روزہ ادا نہیں ہوتا اگر کفارہ کی نیت سے روزہ رکھے گا تب بھی رمضان ہی کا ہوگا نیز ایام منہیہ یعنی ایام عیدین وایام تشریق بھی نہ ہوں کیونکہ اس کے ذمہ کامل روزے واجب ہوئے ہیں اور ان ایام میں منہی عنہ ہونے کی وجہ سے روزہ ناقص ہوتا ہے۔

قولہ فان وطیھا الخ اگر مظاہر نے روزوں کے درمیان رات میں یا دن میں بھول کر یا جان بوجھ کر مظاہر منہا سے وطی کرلی یا کسی عذر، مرض یا سفر کی وجہ سے افطار کرلیا تو طرفین کے نزدیک از سرنو روزے رکھنے پڑیں گے۔ امام ابویوسف فرماتے ہیں کہ اگر رات میں وطی کی تو استیناف کی ضرورت نہیں کیونکہ رات میں وطی کرنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ پس روزوں کی ترتیب علی حالہ باقی رہی نیز روزوں کا وطی سے پہلے ہونا ضروری ہے اگر استیناف ضروری قرار دیا جائے تو کل روزوں کا مؤخر ہونا لازم آتا ہے اور عدم استیناف کی صورت میں بعض روزوں کی تاخیر لازم آتی ہے اس لئے عدم استیناف بہتر ہوگا طرفین یہ فرماتے ہیں کہ جس طرح روزوں کا وطی سے پہلے ہونا نصاً شرط ہے اسی طرح ان کا وطی سے خالی ہونا بھی شرط ہے۔ اب اگر شرط تقدیم فوت ہوگئی تو کم از کم شرط ثانی کی تعمیل ہونی چاہئے۔

تنبیہ: ابن مالک نے شرح مجمع میں اور قہستانی وغیرہ نے جو یہ کہا ہے کہ رات میں جان بوجھ کر وطی کرنا کفارہ کیلئے مضر ہے اور سہواً وطی کرنا مضر نہیں یہ قول بالکل غلط ہے کیونکہ کتب معتمدہ بدائع، مختار، اختیار، غایہ، عنایہ، بحر، تحفہ وغیرہ میں تصریح ہے کہ عمد ونسیان دونوں برابر ہیں اور نظم مبسوط، ہدایہ، کافی، قدوری، مضمرات، زاہدی، نتف وغیرہ میں جو عمد کی قید ہے وہ اتفاقی ہے نہ کہ احترازی۔

قولہ وتصح الاباحۃ الخ جواز وعدم جواز اباحت کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جس کی مشروعیت لفظ اطعام یا لفظ طعام کے ساتھ ہو اس میں اباحت جائز ہے جیسے کفارہ ظہار، کفارہ یمین، کفارہ افطار، کفارہ صید ، فدیہ اور جس کی مشروعیت لفظ ایتا یا لفظ ادا کے ساتھ ہے اس میں تملیک شرط ہے اباحت کافی نہیں جیسے زکوٰۃ، عشر، صدقہ، فطر۔

---

(۱) .. ابوداؤد عن عمرو بن شعیب ۱۲

وَالشَّرْطُ غَدَاءَ انِ مُشْبِعَانِ اَوْغَدَاءٌ وَعَشَاءٌ وَاِنْ اَعْطٰى فَقِيْرًا وَاحِدًا شَهْرَيْنِ صَحَّ

اور شرط یہ ہے کہ ہر فقیر کو پیٹ بھر کر دو صبح یا دو شام یا ایک صبح اور ایک شام کھانا کھلائے اور اگر دیتا رہا ایک ہی فقیر کو دو ماہ تک تو صحیح ہے

وَلَوْ فِيْ يَوْمٍ لاَ اِلاَّ عَنْ يَوْمِهٖ وَلاَ يَسْتَاْنِفُ لَوْ وَطِيَهَا فِيْ خِلاَلِ الْاِطْعَامِ وَلَوْ اَطْعَمَ عَنْ ظِهَارَيْنِ

لیکن ایک دن میں پوری مقدار دینا صحیح نہیں مگر اسی دن کی طرف سے اور از سر نو نہ کھلائے کھلانے کے درمیان وطی کرنے سے اگر کھلایا دو ظہاروں کی

سِتِّيْنَ فَقِيْرًا لِكُلِّ فَقِيْرٍ صَاعًا صَحَّ عَنْ وَاحِدٍ وَعَنْ اِفْطَارٍ وَظِهَارٍ اَوْحَرَّرَ عَبْدَيْنِ

طرف سے ساٹھ فقیروں میں سے ہر ایک کو ایک صاع تو ایک ظہار کی طرف سے ہوگا اور اگر کفارہ افطار و کفارہ ظہار کی طرف سے کھلایا یا دو غلام

عَنْ ظِهَارَيْنِ وَلَمْ يُعَيِّنْ اَحَدَهُمَا صَحَّ عَنْهُمَا وَمِثْلُهُ الصَّوْمُ وَالْاِطْعَامُ وَاِنْ حَرَّرَ عَنْهُمَا

دو ظہاروں کی طرف سے آزاد کئے اور معین نہ کیا تو دونوں کی طرف سے ہو جائیگا یہی حکم روزہ رکھنے اور کھانا کھلانیکا ہے اور اگر دونوں کی طرف سے

رَقَبَةً اَوْ صَامَ شَهْرَيْنِ صَحَّ عَنْ وَاحِدٍ وَعَنْ ظِهَارٍ وَقَتْلٍ لاَ

ایک غلام آزاد کیا یا دو ماہ کے روزے رکھے تو ایک کفارہ ادا ہوگا اور اگر کفارہ ظہار اور کفارہ قتل کی طرف سے ہو تو صحیح نہ ہوگا۔

تشریح الفقہ :قولہ وان اعطی الخ ہر روز نئے فقیر کو کھلانا ضروری نہیں اگر ایک ہی فقیر کو دو ماہ تک کھلاتا رہا تب بھی کفارہ ادا ہو جائیگا امام شافعی کے یہاں متفرق ساٹھ مسکینوں کو کھلانا ضروری ہے کیونکہ آیت میں ستین سکینا کی تصریح ہے، ہم یہ کہتے ہیں کہ اطعام کا مقصد محتاج کی حاجت کو رفع کرنا ہے اور حاجت میں ہر روز تجدید ہے یعنی ہر روز آدمی کھانے کا محتاج ہے پس ہر دن ایک ہی فقیر کو کھلانا ایسا ہے جیسے ہر روز ایک نئے فقیر کو کھلانا، ہاں اگر ایک فقیر کو ایک ہی دن میں تیس صاع غلہ دیدیا تو جائز نہ ہوگا بلکہ صرف ایک ہی دن کا کفارہ ادا ہوگا کیونکہ یہاں نہ حقیقۃً تجدد ہے نہ حکماً۔

قولہ ولو اطعم الخ ایک شخص نے دو کفاروں کی طرف سے ساٹھ مسکینوں کو یکبارگی ایک ایک صاع گیہوں دیئے تو اس طرح صرف ایک کفارہ ادا ہوگا کیونکہ دو کفاروں میں ایک سو بیس مسکینوں کو کھلانا ضروری تھا اب اس نے مقدار میں تو اضافہ کر دیا کہ بجائے نصف صاع کے ایک ایک صاع دیا لیکن عدد میں کمی کر دی یعنی بجائے ایک سو بیس کے صرف ساٹھ کو دیا حالانکہ عدد میں کمی کرنا جائز نہیں۔ نیز اتحاد جنس کی صورت میں نیت کا اعتبار نہیں ہوتا اس لحاظ سے دو کفاروں کی نیت کرنا لغو ہوا اور مطلق ظہار کی نیت باقی رہی اور اس نے جو مقدار ادا کی ہے وہ ایک ظہار کی کفارہ بن سکتی ہے لہذا ایک کفارہ ادا ہو جائیگا رہا یہ سوال کہ اس نے ہر ایک کو نصف صاع کے بجائے ایک صاع دیا ہے سو اس کا اعتبار نہیں کیونکہ نصف صاع کی مقدار جو مقرر کی گئی ہے وہ اس لئے نہیں کہ نصف صاع سے زائد جائز نہیں بلکہ اس لئے ہے کہ نصف صاع سے کم نہیں ہونی چاہئے۔

قولہ وعن افطار الخ اور اگر کفارہ ظہار و کفارہ افطار کی نیت سے ساٹھ مسکینوں میں سے ہر ایک کو یکبارگی ایک ایک صاع دیا تو دونوں کی طرف سے ہو جائیگا کیونکہ اختلاف جنس کی صورت میں نیت معتبر ہے۔ اور ظہار کے دو کفاروں کی طرف سے دو غلام آزاد کئے اور کسی ایک کو متعین نہیں کیا یا چار ماہ روزے رکھ لئے یا ایک سو بیس مسکینوں کو کھانا کھلا دیا اور تعیین نہیں کی تب بھی جائز ہے کیونکہ جنس متحد ہے اس لئے نیت تعیین کی ضرورت نہیں۔

قولہ وان حرر عنھما الخ اور اگر دو ظہاروں کی طرف سے ایک غلام آزاد کیا یا دو ماہ کے روزے رکھے تو یہ ایک ظہار کی طرف سے صحیح ہوگا اب مظاہر کو اختیار ہے جس ایک کی طرف سے چاہے کفارہ قرار دے لے اور اگر کفارہ ظہار اور کفارہ قتل کی طرف سے ایک غلام آزاد کیا تو کسی ایک کی طرف سے بھی صحیح نہ ہوگا الا یہ کہ غلام کافر ہو کہ وہ کفارہ ظہار کی طرف سے ہو جائیگا کیونکہ کفارہ قتل میں کافر غلام کو آزاد کرنا جائز نہیں پس وہ کفارہ ظہار کیلئے متعین ہو جائیگا۔

بَابُ اللِّعَانِ

باب لعان کے بیان میں

هِيَ شَهَادَاتٌ مُؤَكَّدَاتٌ بِالْاَيْمَانِ مَقْرُوْنَةٌ بِاللَّعْنِ وَالْغَضَبِ قَائِمَةٌ مَقَامَ حَدِّ الْقَذْفِ فِيْ حَقِّهٖ وَمَقَامَ حَدِّ الزِّنَا

لعان چند گواہیاں ہیں جو مؤکد ہوتی ہیں قسموں کے ساتھ مشتمل ہوتی ہیں لعنت پر قائم مقام ہوتا ہے لعان حدقذف کے مرد کے حق میں اور حد زنا کے

فِيْ حَقِّهَا فَلَوْقَذَفَ زَوْجَتَهٗ بِالزِّنَا وَصَلُحَا شَاهِدَيْنِ وَهِيَ مِمَّنْ يُحَدُّ قَاذِفُهَا

عورت کے حق میں پس اگر تہمت لگائی اپنی بیوی کو زنا کی اور مرد وعورت گواہی کے لائق ہوں اور عورت ان میں سے جس کے تہمت لگانے والے کو

اَوْنَفٰى نَسَبَ الْوَلَدِ وَطَالَبَتْهُ بِمُوْجِبِ الْقَذْفِ وَجَبَ اللِّعَانُ فَاِنْ اَبٰى حُبِسَ حَتّٰى يُلَاعِنَ

سزا ملتی ہو یا نفی کردی بچہ کے نسب کی اور عورت مطالبہ کرے تہمت کی سزا کا تو لعان واجب ہوگا اگر شوہر انکار کرے تو اس کو قید کیا جائیگا یہاں تک کہ

اَوْيُكَذِّبَ فَيُحَدُّ فَاِنْ لَاعَنَ وَجَبَ اللِّعَانُ عَلَيْهَا

لعان کرے یا اپنی تکذیب کرے پس اس کو سزا دی جائے پس اگر مرد لعان کرے تو عورت پر بھی واجب ہے

فَاِنْ اَبَتْ حُبِسَتْ حَتّٰى تُلَاعِنَ اَوْتُصَدِّقَهٗ

اگر وہ انکار کرے تو قید کیجائیگی یہاں تک کہ لعان کرے یا شوہر کی تصدیق کرے۔

تشریح الفقہ :قولہ هي الخ لعان لغۃً مفاعلت کا مصدر ہے بمعنی پھٹکارنا اور رحمت خداوندی سے دور کرنا اصطلاح میں لعان چار شہادتوں کا نام ہے جو قسموں کے ساتھ مؤکد ہوں امام مالکؒ وامام شافعی کے یہاں چار قسموں کا نام ہے جو شہادتوں کے ساتھ مؤکد ہوں پس ان کے یہاں اہل لعان وہی ہوگا جو اہل یمین ہو اور ہمارے یہاں اہل لعان وہ ہوگا جو اہل شہادت بھی ہو اور اہل یمین بھی ہو یعنی آزاد مسلمان عاقل بالغ پس غلام، کافر، صبی، مجنون، اہل لعان نہیں وہ یہ فرماتے ہیں کہ آیت ''فشهادة احد هم اربع شهادات بالله'' میں لفظ باللہ یمین کے اندر محکم ہے اور لفظ شہادت محتمل یمین ہے پس محتمل کو محکم پر محمول کیا جائے گا ہماری دلیل حضور صلعم کا ارشاد ہے کہ ''اہل کفر واہل اسلام اور غلام اور اس کی عورت کے درمیان لعان نہیں ہے اس میں آنحضرت صلعم نے اشتراط اہلیت شہادت کی تصریح فرمائی ہے اور یہی آیت سے مفہوم ہوتا ہے کیونکہ آیت ''ولم یکن لهم شهداء الاانفسهم'' میں شہدائے سے انفسہم کا استثناء ہے معلوم ہوا کہ زوج شاہد ہے پھر فشهادة احد هم اربع شهادات باللہ میں اور تصریح کی گئی ہے معلوم ہوا کہ رکن لعان شہادت ہے جو موکد بالیمین ہے اب یہ شہادت زوج کی جانب سے مقرون بہ لعنت اور اس کے حق میں حدقذف کے قائم مقام ہوگی اور زوجہ کی جانب سے مقرون بالغضب اور اس کے حق میں حد زنا کے قائم مقام ہوگی۔

قولہ فلو قذف الخ اگر شوہر نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی اور زوجین میں شہادت کی اہلیت ہو یعنی وہ مسلمان عاقل بالغ آزاد ہیں اور عورت ان میں سے ہے جن کو تہمت لگانے والے پر حد قائم کی جاتی ہے یعنی فعل زنا اور تہمت زنا سے پاکدامن ہے یا شوہر نے اس کے بچہ کی نفی کردی اور یہ کہہ دیا کہ یہ بچہ نہ میرا ہے نہ اس کے شوہر سابق کا بلکہ زنا کا ہے اور عورت حد قذف کا مطالبہ کرے تو لعان واجب ہوگا اگر شوہر لعان سے انکار کردے تو قید کردیا جائیگا یہاں تک کہ وہ لعان کرلے یا اپنے آپ کو جھٹلائے اب اگر وہ اپنی تکذیب کردے تو اس پر حد قذف جاری کی جائیگی یعنی اسی کوڑے لگائے جائینگے اور اگر وہ لعان کرے تو پھر عورت پر بھی لعان واجب ہوگا۔

تنبیہ: شرح وقایہ میں ہے کہ اگر عورت شوہر کی تصدیق کردے تو اس سے بچہ کا نسب منتفی ہوجائیگا شارح نقایہ نے بھی اسی کا اتباع کیا ہے مگر یہ صحیح نہیں کیونکہ بحر وغیرہ میں ہے کہ نسب کی نفی نہ ہوگی بلکہ بچہ ان دونوں کا قرار دیا جائیگا نیز قدوری کے بعض نسخوں میں ہے کہ اگر عورت نے شوہر کی تصدیق کردی تو اس پر حد قائم کی جائیگی یہ بھی غلط ہے کیونکہ حد تو ایک مرتبہ اقرار کرلینے پر بھی قائم نہیں ہوتی تو تصدیق کی وجہ سے کب قائم ہوسکتی ہے کذا فی مجمع الانہر ۱۲۔

فَإِنْ لَمْ يَصْلِحْ شَاهِدًا حُدَّ وَإِنْ صَلُحَ وَهِيَ مِمَّنْ لَا يُحَدُّ قَاذِفُهَا

اور اگر شوہر گواہی کے لائق نہ ہوتو اس کو سزا دیجائیگی اور اگر شوہر تو لائق شہادت ہولیکن عورت ان میں سے نہ ہو جس پر تہمت لگانے والے کو سزا

فَلَاحَدَّ عَلَيْهِ وَلَا لِعَانَ وَصِفَتُهُ مَانَطَقَ بِهِ النَّصُّ فَإِنْ تَلَاعَنَا بَانَتْ بِتَفْرِيْقِ الْحَاكِمِ

دیجاتی ہے تو اس پر نہ حد ہے نہ لعان اور لعان کا طریقہ وہ ہے جو قرآن میں مصرح ہے پس جب لعان کر چکیں تو عورت حاکم کی تفریق سے بائنہ

وَإِنْ قَذَفَ بِوَلَدٍ نَفَى نَسَبَهُ وَاَلْحَقَهُ بِاُمِّهٖ فَإِنْ كَذَّبَ نَفْسَهُ حُدَّ

ہوجائیگی اگر بچہ کے ذریعہ تہمت لگائی تو اس کا نسب ختم کر کے ماں کے ساتھ لگادے اور اگر اس نے اپنی تکذیب کردی تو سزا دیجائیگی

وَلَهُ اَنْ يَّنْكِحَهَا وَكَذَا اِنْ قَذَفَ غَيْرَهَا فَحُدَّ اَوْ زَنَتْ فَحُدَّتْ

اور وہ اس سے نکاح کرسکتا ہے اسی طرح اگر بیوی کے علاوہ کسی اور کو تہمت لگائے اور اس کو سزا ملے یا عورت زنا کرے اور اس کو اس کی سزا ملے

وَلَا لِعَانَ بِقَذْفِ الْاَخْرَسِ وَبِنَفْيِ الْحَمْلِ وَتَلَاعَنَا بِزَنَيْتِ وَهٰذَا الْحَمْلُ مِنْهُ

اور نہیں ہے لعان گونگے تہمت لگانے والے اور حمل کی نفی کرنے سے اور دونوں لعان کریں اس قول سے کہ تو نے زنا کیا ہے اور یہ حمل اسی سے ہے

وَلَمْ يَنْفِ الْحَمْلُ وَلَوْنَفَى الْوَلَدَ عِنْدَ التَّهْنِيَةِ اَوِابْتَاعَ اٰلَةَ الْوِلَادَةِ صَحَّ وَبَعْدَهُ لَا

اور حمل کی نفی نہ ہوگی اور اگر نفی کی بچہ کی مبارکبادی کے وقت یا اسباب ولادت کی خریداری کے وقت تو نفی صحیح ہے نہ کہ اسکے بعد

وَلَاعَنَ فِيْهِمَا وَإِنْ نَفَى اَوَّلَ التَّوْاَمَيْنِ وَاَقَرَّ بِالثَّانِيْ حُدَّ

اور لعان کرے دونوں صورتوں میں اور اگر جڑواں بچوں میں سے اول کی نفی اور دوسرے کا اقرار کرے تو سزا دیجائیگی

وَإِنْ عَكَسَ لَاعَنَ وَثَبَتَ نَسَبُهُمَا فِيْهِمَا

اور اسکے برعکس ہو تو لعان کرے اور نسب دونوں صورتوں میں ثابت ہوگا۔

تشریح الفقہ: **قوله فان لم يصلح الخ** اگر شوہر غلام یا کافر ہونے کی وجہ سے شہادت کی اہلیت نہ رکھتا ہو اور وہ بیوی پر تہمت لگادے مثلاً شروع میں زوجین کافر تھے اس کے بعد عورت اسلام لے آئی اور شوہر نے اسلام پیش کئے جانے سے پیشتر اس کو تہمت لگادی یا شوہر محدود فی القذف ہے تو شوہر پر حد جاری کی جائے گی کیونکہ جب اس کی جانب سے لعان متعذر ہو گیا تو موجب اصلی یعنی حد کی طرف رجوع کیا جائیگا اور اگر شوہر تو شہادت کا اہل ہو لیکن عورت اہل شہادت میں سے نہ ہو مثلاً باندی یا کافرہ یا محدود فی القذف یا صغیرہ یا مجنونہ یا زانیہ ہو تو شوہر پر حد جاری نہ ہوگی کیونکہ عورت محصنہ نہیں ہے اور نہ لعان ہوگا کیونکہ عورت اہل شہادت میں سے نہیں ہے۔

قوله فان تلاعنا الخ جب زوجین میں سے ہر ایک لعان کر چکے تو قاضی ان میں تفریق کردے گا اور تفریق قاضی سے عورت بائنہ ہوجائے گی امام زفر فرماتے ہیں کہ نفس لعان ہی سے فرقت واقع ہوجائیگی یہی امام سے مشہور روایت ہے اور یہی امام احمد سے مروی ہے کیونکہ حضور صلعم کا ارشاد ہے کہ "لعان کرنے والوں میں کبھی اجتماع نہیں ہوسکتا" (۱)۔ ہماری دلیل حضرت سہل بن سعد کی طویل حدیث ہے جس کے آخر میں عویمر عجلانی کا قول ہے۔ **كذبت عليها يارسول الله** آپ نے فرمایا اس کو روک لے عویمر نے کہا اگر میں اس کو روکوں تو اس پر تین طلاقیں (۲) وجہ استدلال یہ ہے کہ عویمر نے آنحضرت صلعم کے پاس لعان کے بعد کہا **كذبت عليها يارسول الله** اگر محض لعان سے فرقت ہوجاتی تو آپ ضرور رد کر فرماتے۔

فائدہ: تفریق میں قاضی کی ضرورت کہاں ہوتی ہے اور کہاں نہیں ہوتی؟ ان جگہوں کو بعض فضلا نے ان اشعار میں کیا ہے۔

---

(۱)۔ ابوداؤد عن سہل بن سعد، دار قطنی عن ابن عمر، دار قطنی، احمد، عبد الرزاق، ابن ابی شیبہ عن علی، ابن مسعود، عمر و بن عمر و (موقوفا)

(۲)۔ صحیحین، ابوداؤد (عن سہل بن سعد ۱۲)

فی خیار البلوغ والا عتاق فرقة حکما بغیر طلاق
فقد کفوا کذا ونقصان و نکاح فساده باتفاق
ملک احد الزوجین اوبعض زو ج وارتداد علی الاطلاق
ثم جب وعنة ولعان وا باء الزوج فرقته بطلاق
وقضاء القاضی فی الکل شرط غیر ملک وردة وعتاق

قوله وان قذف بولد الخ اگر شوہر نے بچہ کی نفی کر کے بیوی کو تہمت لگائی تو قاضی بچہ کے باپ سے نسب کی نفی کر دے اور اس کا نسب اس کی ماں سے ثابت کر دے کیونکہ آنحضرت صلعم نے ہلال بن امیہ سے بچہ کے نسب کی نفی کر کے اس کی ماں کے ساتھ لاحق فرما دیا تھا (۱)۔ اور اگر لعان کے بعد شوہر اپنی تکذیب کر دے تو اس پر حد جاری کر دی جائیگی کیونکہ اپنی ذات کی تکذیب کرنا خود پر وجوب حد کا اقرار کرنا ہے۔

فائدہ: بچہ کے نسب کی نفی کیلئے چند شرطیں ہیں نمبر ا تفریق حاکم، نمبر ۲ قرب ولادت یعنی شوہر نے بچہ کی نفی بوقت ولادت یا اس کے ایک دوروز بعد ہی کی ہو، نمبر ۳ نفی سے پہلے بچہ کے نسب کا اقرار نہ کیا ہو صراحۃ نہ دلالۃ، دلالۃ اقرار کی صورت یہ ہے کہ مثلاً لوگوں نے اس کو مبارکباد پیش کی اور وہ خاموش رہا، نمبر ۴ بوقت تفریق بچہ حیات ہو اگر اس کی موت کے بعد نفی کی تو نسب منقطع نہ ہوگا، نمبر ۵ تفریق کے بعد عورت اسی حمل سے دوسرا بچہ نہ جنے، نمبر ۶ کسی وجہ سے ثبوت نسب کا شرعاً حکم نہ کیا گیا ہو صاحب بحر نے کچھ اور شرطیں بھی ذکر کی ہیں لیکن ان کے متعلق حموی نے کہا ہے کہ یہ شرطیں لعان کی ہیں نہ کہ نفی ولد کی اسی لئے صاحب بدائع نے ان کو حذف کر دیا۔

قوله وله ان ینکح الخ اگر زوج لاعن نے اپنی تکذیب کر دی تو وہ تفریق کے بعد طرفین کے نزدیک اس عورت سے نکاح کر سکتا ہے امام زفر، ابو یوسف، مالک شافعی کے نزدیک نکاح جائز نہ ہوگا کیونکہ حدیث سے ثابت ہے کہ لعان کرنے والے تفریق کے بعد کبھی جمع نہیں ہوسکتے طرفین یہ فرماتے ہیں کہ لعان شہادت ہے اور رجوع کے بعد شہادت باطل ہو جاتی ہے نیز تکذیب کے بعد لعان باقی نہیں رہا تو جو حرمت لعان کے سبب سے طاری ہوئی تھی وہ بھی زائل ہوگئی اسی طرح اگر کسی نے اپنی بیوی کے علاوہ کسی اجنبیہ پر تہمت لگائی اور اس کی وجہ سے اس پر حد جاری کی گئی یا عورت نے زنا کیا اور اس پر حد جاری کی گئی تو اس سے بھی نکاح صحیح ہے۔

قوله ولا لعان الخ اگر زوجین گونگے ہوں یا ان میں سے کوئی ایک گونگا ہو اور اشارہ سے تہمت لگائے تو لعان نہ ہوگا امام مالک، امام شافعی اور حنابلہ میں سے ابوالخطاب کہتے ہیں کہ جس طرح گونگوں کے دیگر تصرفات بیع اور طلاق وغیرہ اشارہ سے صحیح ہیں اسی طرح تہمت قذف بھی صحیح ہے ہم یہ کہتے ہیں کہ لعان میں لفظ شہادت کا تلفظ رکن ہے یہاں تک کہ اگر کوئی اشہد کے بجائے احلف کہے تو صحیح نہیں اور گونگے سے اشہد کا تلفظ ناممکن ہے لہٰذا لعان نہ ہوگا اسی طرح اگر شوہر نے بیوی سے کہا کہ تیرا حمل مجھ سے نہیں ہے تو اس میں بھی لعان نہ ہوگا کیونکہ قیام حمل متیقن نہیں ہوسکتا ہے اور بیماری کی وجہ سے پیٹ پھولا ہوا ہو صاحبین کے نزدیک لعان ہوگا بشرطیکہ چھ ماہ سے قبل بچہ پیدا ہوا۔

قوله وتلاعنا الخ اگر شوہر نے بیوی سے کہا کہ تو نے زنا کیا ہے اور یہ حمل زنا ہی ہے تو وہ دونوں لعان کریں گے لیکن قاضی بچہ کے نسب کی نفی نہیں کرے گا امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ نفی کر دی جائیگی کیونکہ ہلال بن امیہ نے اپنی حاملہ بیوی سے لعان کیا اور آنحضرت صلعم نے دونوں میں تفریق کی اور فرمایا کہ عورت کے بیٹے کو ہلال کا بیٹا کوئی نہ کہے (ابوداؤد) ہم یہ کہتے ہیں کہ حمل پر اس کی ولادت سے قبل احکام مرتب نہیں ہوتے رہی حدیث مذکور سو آنحضرت صلعم کو بطریق وحی معلوم تھا کہ اس کے پیٹ میں بچہ ہے۔

قوله وان نفی اول التوامین الخ عورت نے ایک بطن سے دو بچے جنے شوہر نے پہلے بچہ کی نفی کر دی اور دوسرے کا اقرار کر لیا تو اس پر حد جاری کی جائیگی کیونکہ دوسرے بچہ کا اقرار کر کے اس نے اپنی تکذیب کر دی اور اگر اس کا عکس ہو یعنی ثانی کی نفی کرے اور اول کا اقرار تو لعان کرے گا کیونکہ اول کا اقرار کر کے وہ عورت کی عفت کا قائل ہو گیا اور ثانی کی نفی کر کے اس پر تہمت لگا رہا ہے اس لئے لعان ہوگا لیکن دونوں صورتوں میں نسب کی نفی نہ ہوگی بلکہ بچے اسی کے قرار دیئے جائیں گے کیونکہ وہ دونوں اسی کے نطفہ سے پیدا ہوئے ہیں۔

(۱) ... ابن ر... و... نی عن ابن عباس ۱۲

بَابُ الْعِنِّيْنِ وَغَيْرِهٖ

باب نامرد وغیرہ کے بیان میں

وَهُوَ مَنْ لَا يَصِلُ اِلَى النِّسَآءِ اَوْيَصِلُ اِلَى الثَّيِّبِ دُوْنَ الْاَبْكَارِ وَلَوْ وَجَدَتْ زَوْجَهَا
نامرد وہ ہے جو عورتوں تک نہ پہنچ سکے یعنی صحبت نہ کر سکے یا بیاہی عورتوں سے صحبت پر قادر ہو نہ کہ کنواریوں سے ایک عورت نے اپنے شوہر کو
مَجْبُوْبًا فُرِّقَ فِي الْحَالِ وَاُجِّلَ سَنَةً لَوْعِنِّيْنًا اَوْخَصِيًّا فَاِنْ وَطِئَ
مقطوع الذکر پایا تو فی الحال تفریق کیجائیگی اور ایک سال کی مہلت دیجائیگی اگر نامرد یا آختہ ہو پس اگر وہ وطی پر قادر ہو جائے تو بہتر ہے
وَاِلَّا بَانَتْ بِتَفْرِيْقِ الْقَاضِيْ اِنْ طَلَبَتْ فَلَوْ قَالَ وَطِئْتُ وَاَنْكَرَتْ
ورنہ عورت قاضی کی تفریق سے بائنہ ہو جائیگی بشرطیکہ وہ طلب کرے پس اگر شوہر کہے کہ میں نے وطی کر لی اور عورت انکار کرے
وَقُلْنَ هِيَ بِكْرٌ خُيِّرَتْ فَاِنْ كَانَتْ ثَيِّبًا صُدِّقَ بِحَلْفِهٖ
اور دوسری عورتیں کہیں کہ وہ عورت باکرہ ہے تو بیوی کو اختیار دیا جائیگا اور اگر وہ مرد رسیدہ ہو تو شوہر کی تصدیق کیجائیگی اس کی قسم کے ساتھ
وَاِنْ اِخْتَارَتْهُ بَطَلَ حَقُّهَا وَلَمْ يُخَيَّرْ اَحَدُهُمَا بِعَيْبٍ
اور اگر عورت نے شوہر کو پسند کر لیا تو عورت کا حق باطل ہو جائیگا اور انمیں سے کسی ایک کو اختیار نہ دیا جائیگا عیب کی وجہ سے

توضیح اللغۃ: عنین فعیل بمعنی مفعول ہے نامرد، ابکار جمع بکر دوشیزہ، مجبوب جس کا آلہ تناسل کٹا ہوا ہو، اجل تاجیل سے ہے مہلت دینا خصی جس کے فوطے نکال لئے گئے ہوں آختہ۔

تشریح الفقہ: **قولہ باب الخ** عنین کو نکاح اور فرقت دونوں کے ساتھ نسبت ہے اس لئے مصنف نکاح اور طلاق دونوں سے فارغ ہو کر عنین وغیرہ کے احکام بیان کر رہا ہے عنین بروزن سکین لغت میں اس کو کہتے ہیں جو جماع پر قادر نہ ہو اور شریعت میں عنین وہ ہے جو عورت سے فرج میں جماع کرنے پر قادر نہ ہو یا صرف ثیبہ سے جماع کر سکتا ہو باکرہ سے نہ کر پاتا ہو جماع نہ کر سکنا مرض کی وجہ سے ہو یا ضعیف الخلقۃ ہونے کی وجہ سے یا عمر رسیدہ ہونے کی وجہ سے یا سحر وغیرہ کی وجہ سے۔

قولہ وجدت الخ بیوی نے شوہر کو مقطوع الذکر پایا تو ان کے درمیان فوراً تفریق کر دی جائیگی کیونکہ مہلت دینے میں کوئی فائدہ نہیں لفظ وجدت سے اس طرف اشارہ ہو کہ اگر عورت کو نکاح سے قبل شوہر کا حال معلوم ہو اور وہ اس پر راضی ہو گئی تو تفریق کا مطالبہ نہیں کر سکتی اور اگر شوہر نامرد یا خصی ہو تو ایک سال کی مہلت دی جائیگی، حضرت علیؓ، حضرت عمرؓ، حضرت ابن مسعودؓ سے یہی مروی ہے (۱) وجہ یہ ہے کہ سال چار مختلف فصلوں پر مشتمل ہوتا ہے اگر نامردی پیدائشی نہ ہو کسی بیماری کی وجہ سے ہو تو موسموں کی تبدیلی سے سال بھر میں دور ہو سکتی ہے پس اگر وہ صحت یاب ہو جائے تو بہتر ہے ورنہ قاضی کی تفریق سے عورت بائنہ ہو جائے گی۔

فائدہ: سنہ تاجیل شمسی ہو گا یا قمری؟ ظاہر الروایۃ کے لحاظ سے سنہ قمری معتبر ہے واقعات اور ولوالجیہ میں اسی کو ترجیح دی گئی ہے اور اسی کو صاحب ہدایہ نے اختیار کیا ہے امام صاحب سے حسن کی روایت میں شمسی کا اعتبار ہے شمس الائمہ سرخسی قاضی خاں اور ظہیر الدین نے اسی کو پسند کیا ہے خلاصہ میں ہے کہ اس پر فتویٰ ہے قمری سال تین سو چون دن اور ثلث یوم وثلث عشر کا ہوتا ہے اگر چھ چاند تیس کے ہوں اور چھ انتیس کے اگر سات انتیس کے ہوں تو ایک دن کم ہو جائیگا اور پانچ تیس کے ہوں تو ایک دن بڑھ جائیگا اور شمسی سال تین سو پینسٹھ ایام اور ربع یوم کا ہوتا ہے۔

قولہ فلو قال الخ مدت تاجیل کے بعد شوہر نے دعویٰ کیا کہ میں وطی کر چکا اور عورت اس کا انکار کرتی ہے تو ثقہ عورتوں کا قول معتبر ہوگا اگر وہ دیکھ کر یہ بتائیں کہ وہ باکرہ ہے تو عورت کو اختیار ہوگا اور اگر وہ یہ کہیں کہ ثیبہ ہو تو شوہر کا قول اس کی قسم کیساتھ معتبر ہوگا باکرہ اور ثیبہ ہونے کی پہچان یہ ہے کہ عورت دیوار پر پیشاب کرے اگر پیشاب دیوار پر پڑے تو باکرہ ہے اور اس کی ران پر بہے تو ثیبہ ہے یا اس کی پیشاب گاہ میں انڈے کی زردی ڈالی جائے اگر وہ داخل ہو جائے تو ثیبہ ہے ورنہ باکرہ۔

(۱)۔ عبد الرزاق، دار قطنی، ابن ابی شیبہ، محمد بن حسن عمر، ابن ابی شیبہ عبد الرزاق، ابن ابی شیبہ، دار قطنی عن ابن مسعود ابن ابی شیبہ دار قطنی عن المغیرہ ۱۲

بَابُ الْعِدَّةِ

باب عدت کے بیان میں

هِيَ تَرَبُّصٌ تَلْزَمُ الْمَرْأَةَ وَعِدَّةُ الْحُرَّةِ لِلطَّلَاقِ اَوِ الْفَسْخِ ثَلَاثَةُ اَقْرَاءٍ اَيْ حِيَضٍ

عدت وہ انتظار ہے جو عورت کو لازم ہوتا ہے آزاد عورت کی عدت طلاق یا فسخ نکاح کے لئے تین قروء یعنی تین حیض ہیں

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ عدت چونکہ فرقت کا اثر ہے اس لئے فرقت کی جمیع انواع بیان کرنے کے بعد عدت کے احکام بیان کر رہا ہے کیونکہ اثر موثر ہونے کے بعد ہی ہوتا ہے عدۃ شمار اور گنتی کو کہتے ہیں یقال عدوت الشئی میں نے اس کو شمار کر لیا آنحضرت صلعم سے دریافت کیا گیا ''متی تکون القیامۃ'' آپ نے فرمایا'' اذا تکاملت العدتان ''یعنی جب اہل بہشت اور اہل دوزخ کی شمار پوری ہو جائیگی شریعت میں عدت اس انتظار کو کہتے ہیں جو عورت یا مرد کو اسباب انتظار پائے جانے کے وقت لازم ہو اسباب انتظار سے مراد وہ بیس مواضع ہیں جو مرد کو وطی کرنے سے مانع ہوتے ہیں جن کو فقیہ ابو اللیث نے ''خزانۃ الفقہ'' میں بالتفصیل بیان کیا ہے اصطلاح میں عدت اس توقف کو کہتے ہیں جو عورت کو زوال نکاح کے بعد لازم ہوتا ہے۔

قولہ عدۃ الحرۃ الخ اگر کوئی شخص اپنی حرہ بیوی کو رجعی یا بائن طلاق دیدے یا ان میں بلا طلاق فرقت ہو جائے اور عورت کو حیض آتا ہو تو اس کی عدت تین قروء ہیں قال تعالیٰ'' والمطلقات یتربصن ، بانفسھن ثلثۃ قروء ''اس آیت میں ثلثۃ قروء سے مراد ہمارے نزدیک تین حیض ہیں صحابہ میں سے خلفاء اربعہ، عبادلہ ثلثہ، ابی بن کعب، معاذ، ابو الدرداء عبادۃ، ابوموسیٰ، معبد جہنی، عبداللہ بن قیس اور تابعین وغیرہ میں سے ابن المسیب، ابن جبیر، عطاء، طاؤس، عکرمہ، مجاہد، قتادۃ، ضحاک، حسن مقاتل، شریک، ثوری، اوزاعی، ابن شبرمہ، سدی اور لغویین میں سے اصمعی، کسائی، فرا، اخفش، سب کا یہی قول ہے امام احمد اولاً طہر کے قائل تھے بعد میں آپ نے بھی رجوع کر لیا امام مالکؒ، امام شافعیؒ کے نزدیک تین طہر مراد ہیں حضرت عائشہ اور ابن عمر و زید بن ثابت سے یہی مروی ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ آیت میں لفظ ثلثۃ مونث ہے اور عدد کی تانیث تذکیر معدود پر دلالت کرتی ہے اور مذکر لفظ طہر ہے نہ کہ حیض اگر حیض مراد ہوتا تو ثلث قروء کہا جاتا ہم یہ کہتے ہیں کہ لفظ قروء حیض اور طہر میں مشترک ہے اور دونوں میں حقیقت ہے (قالہ ابن السکیت) اور مشترک لفظ بیک وقت اپنے ہر دو معنی کو شامل نہیں ہوتا (علی ماعرف فی الاصول) لامحالہ کسی ایک پر محمول کیا جائیگا، اب طہر پر تو محمول ہو نہیں سکتا کیونکہ مشروع طلاق یہ ہے کہ طہر میں ہو اب جس طرح طہر میں طلاق واقع ہوگی یا تو اس کو شمار کیا جائیگا یا نہیں اگر شمار کیا جائے تو تین طہر کامل نہیں رہتے اور شمار نہ کیا جائے تو تین پر زیادتی لازم آتی ہے حالانکہ لفظ قروء خاص ہے جس میں کمی زیادتی جائز نہیں پس لامحالہ حیض پر محمول کیا جائیگا جس کی کئی وجہیں ہیں نمبر۱ ثلثۃ قروء کے مقتضی پر عمل اسی صورت میں ممکن ہے، نمبر۲ عدت کی مشروعیت استبراء رحم کیلئے ہے اور استبراء رحم حیض کے ذریعہ ہوتا ہے جیسا کہ امام احمد اور ابوداؤد نے سبایا اوطاس کے متعلق روایت کیا ہے، نمبر۳، باندی کی عدت کے متعلق آنحضرت صلعم کا ارشاد ہے کہ اس کی عدت دو حیض ہیں اور ظاہر ہے کہ رقیت کی تاثیر تنصیف میں ہے نہ کہ لفظ طہر کو حیض کی طرف نقل کرنے میں پس یہ حدیث مشترک لفظ کیلئے بیان ہے رہا امام شافعی کا استدلال تانیث عدد کے ساتھ سو اس کا جواب یہ ہے کہ جب کسی شئی کیلئے دو اسم ہوں ایک مذکر ایک مؤنث جیسے لفظ بر اور حنطۃ اور تانیث حقیقی نہ ہو تو مذکر لفظ کی طرف اضافت کے وقت اس کے عدد کو مؤنث لاتے ہیں اور مؤنث لفظ کی طرف اضافت کے وقت عدد کو مذکر لاتے ہیں اور آیت میں لفظ ثلثۃ قروء کی طرف مضاف ہے جو مذکر ہے اور حضرت عمر و زید بن ثابت سے جو طہر مروی ہے سو امام طحاوی نے ان حضرات سے اس کے خلاف بھی روایت کیا ہے فتعارضت الروایۃ عنھا۔

اَوْثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ اِنْ لَمْ تَحِضْ وَلِلْمَوْتِ اَرْبَعَةُ اَشْهُرٍ وَعَشْرٌ وَلِلْاَمَةِ قِرْءَاءَ ان

یا تین ماہ ہیں اگر اس کو حیض نہ آتاہو اور وفات کیلئے چار ماہ دس دن ہیں اور باندی کی عدت دو قروء ہیں

وَنِصْفُ الْمُقَدَّرِ وَلِلْحَامِلِ وَضْعُهُ وَلِزَوْجَةِ الْفَارِّ اَبْعَدُ الْاَجَلَيْنِ

اور حیض نہ آتاہوتو حرہ کی عدت کانصف ہے اور حاملہ کی عدت وضع حمل ہے اور زوجۂ الفار کی عدت دو مدتوں میں سے بعیدتر ہے

وَمَنْ اُعْتِقَتْ فِیْ عِدَّةِ الرَّجْعِیِّ لَاالْبَائِنِ وَالْمَوْتِ کَالْحُرَّةِ

اور جو عورت آزاد ہوجائے طلاق رجعی کی عدت میں نہ کہ بائن اور موت کی اس کا حکم مثل حرہ کے ہے۔

عدت وفات کابیان

تشریح الفقہ: قولہ اوثلثۃ الخ اگرعورت کوعمر رسیدہ ہونے کی وجہ سے حیض نہ آتا ہوتو اس کی عدت تین ماہ ہے **لقوله تعالیٰ ''واللائی یئسن من المحیض من نسائکم ان ارتبتم فعدتھن ثلاثة اشھر''** یا کم عمری کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو کہ ہنوز وہ نو سال کی نہیں ہوئی تو اس کی عدت بھی یہی ہے **لقوله تعالیٰ واللائی لم یحضن۔**

فائدہ: ظاہر الروایۃ میں سن ایاس کی کوئی مدت مقرر نہیں بلکہ جتنی عمر میں اس جیسی عورتوں کو حیض آنا بند ہوجائے اتنی عمر کا اعتبار ہے (اختیار) لیکن بعض روایات میں اس کی تعیین ہے جس میں مختلف اقوال ہیں نمبرا۔ ۷۰ سال یہ قول علامہ صفار کا ہے جس کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہ امام محمد سے ایک روایت ہے، نمبر۲۔ ۶۳ سال یہ بعض کا قول ہے۔ نمبر۳۔ ۶۰ سال امام محمدؒ سے مروی ہے کہ آپ نے غیر رومی عورتوں کے حق میں یہی مدت رکھی ہے۔ نمبر۴۔ ۵۵ سال یہ قول محمد بن مقاتل رازی کا ہے کہا گیا ہے یہ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے صاحب مجمع الانہر نے ذکر کیا ہے کہ آج کل اسی پر فتویٰ ہے **وھکذانقل القھستانی عن المفاتیح**۔ نمبر۶۔ ۳۰ سال جامع صغیر میں ہے کہ جب کوئی صغیرہ تیس سال کو پہنچ جائے اور حیض نہ آئے تو اس پر آئستہ کا حکم لگادیا جائے گا۔

قولہ وللموت الخ اور اگر عورت کے شوہر کا انتقال ہوگیا ہوتو اس کی عدت دس دن چار ماہ ہیں عورت مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ صغیرہ ہو یا کبیرہ مسلمہ ہو یا کتابیہ **لقوله تعالیٰ ''والذین یتوفون منکم ویذرون ازوجاً یتربصن بانفسھن اربعة اشھروعشراً''** نیز حضور صلعم کا ارشاد ہے کہ ''جوعورت اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہے اس کیلئے حلال نہیں کہ وہ کسی میت پر تین دن سے زائد سوگ منائے بجز اپنے شوہر کے اس پر چار ماہ دس دن سوگ منائے (متفق علیہ) امام مالک فرماتے ہیں کہ اگر عورت کتابیہ اور مدخولہ ہوتو اس پر صرف استبراء واجب ہے اور اگر مدخولہ نہ ہوتو اس پر کچھ واجب نہیں مگر آیت وحدیث مذکوران پر حجت ہے۔

قولہ وللامة الخ اگر باندی کو حیض آتا ہوتو اس کی عدت دو حیض ہیں کیونکہ حضور صلعم کا ارشاد ہے **''طلاق الامة تطلیقتان وعدتھا حیضتان''** (۱) نیز رقیت منصف احکام ہے بدلیل **قول باری فعلیھن نصف ما علی المحصنات من العذاب** اس لحاظ سے اس کی عدت ڈیڑھ حیض ہوتی ہے مگر اصول میں یہ بات طے شدہ ہے کہ حیض تجزی وانقسام کو قبول نہیں کرتا حضرت عمرؓ نے **لواستطعت لجعلتھا حیضہ ونصفا** '' (۲) سے اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے اس لئے باندی کی عدت پورے دو حیض ہیں اور اگر باندی کو حیض نہ آتا ہوتو اس کی عدت حرہ کی عدت کا نصف ہے یعنی طلاق یا فسخ کی صورت میں ڈیڑھ ماہ اور وفات کی صورت میں دو ماہ پانچ دن۔

قولہ والحامل الخ حاملہ کی عدت وضع حمل ہے حرہ ہو یا باندی مسلمہ ہو یا کتابیہ مطلقہ ہو یا متوفی عنہا زوجہا حمل زنا سے ہو یا نکاح سے **لقوله تعالیٰ ''واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن''** حضرت علی وابن عباس سے مروی ہے کہ اگر حاملہ متوفی عنہا زوجہا

(۱) تقدم اول الطلاق ۱۲ (۲) عبدالرزاق بیہقی، شافعی، ابن ابی شیبہ عن عمر ۱۲

ہوتو اس کی عدت ابعد الاجلین ہے یعنی وضع حمل اور دس دن چار ماہ کا گزرنا ضروری ہے کیونکہ آیت اولات الاحمال اھ کا تقاضا تو یہ ہے کہ عدت وضع حمل ہو اور آیت "والذین یتوفون اھ" کا تقاضا یہ ہے کہ عدت دس دن چار ماہ ہے پس احتیاطاً دونوں کے درمیان جمع کیا جائیگا لیکن عام صحابہ اور عام علماء کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن عباس اور ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن۔ کا ایک ایسی ہی عورت کے بارے میں اختلاف ہوا حضرت ابوسلمہ نے کہا جب حمل وضع ہوگیا تو حلال ہوگئی حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس کی عدت ابعد الاجلین ہے حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ میں ابوسلمہ کے ساتھ ہوں جب آپس میں مسئلہ طے نہ ہوا تو ان حضرات نے حضرت کریب کو حضرت ام سلمہؓ کے پاس بھیج کر دریافت کرایا آپ نے فرمایا کہ سبیعہ بنت حارث اسلمیہ نے اپنے شوہر کی وفات کے چند روز بعد بچہ جنا آنحضرت صلعم سے عدت کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا "قد حللت فتزوجی من شئت (مؤطا مالک) نیز حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں کہ آیت "واولات الاحمال اھ والذین یتوفون منکم اھ" کے بعد نازل ہوئی ہے (۱) درمنثور میں حضرت ابوسعید خدری سے مروی ہے کہ سات سال بعد نازل ہوئی ہے حضرت ابی بن کعب، عمر، ابن عمر، ابوہریرہؓ، عائشہ، مسور بن مخرمہ سے حضرت ابن مسعود جیسا قول منقول ہے معلوم ہوا کہ حاملہ کے حق میں آیت والذین یتوفون اھ کا حکم منسوخ ہے نیز حضرت عمر فرماتے ہیں کہ "اگر عورت اس حال میں بچہ جنے کہ اس کا شوہر ابھی تخت پر ہی ہو تب بھی اس کی عدت گزر گئی نکاح کر سکتی ہے۔ (۲)

تنبیہ: حضرت علی و ابن عباس سے جو ابعد الاجلین مروی ہے صاحب معراج نے اس کی تفسیر میں کہا ہے کہ اس کی عدت دس دن چار ماہ ہے جن میں تین حیض ہوں اور اسی کو فتاویٰ قاضی خان سے نقل کیا ہے مگر یہ موصوف کی بھول ہے کیونکہ یہ عدت تو زوجۃ الفار کی ہے حاملہ کی عدت میں حیض کو کوئی دخل نہیں اسی لئے محیط میں کہا ہے کہ عن علی تعتد با بعد الاجلین وھما الاشھر وضع الحمل یہی فتح القدیر میں ہے تعجب ہے کہ شیخ الادب مرحوم نے حاشیہ کنز میں بحوالہ شرح نقایہ وہی تفسیر نقل کر دی جو صاحب معراج نے ذکر کی ہے اور کوئی تنبیہ نہیں فرمائی فتنبہ۔

قولہ و زوجة الفار الخ زوجۃ الفار اس عورت کو کہتے ہیں جس کی رضا کے بغیر اس کے شوہر نے مرض الموت میں طلاق دیدی ہو ایسی عورت کی عدت ابعد الاجلین ہے بایں طور کہ موت کے وقت سے دس دن چار ماہ انتظار کرے اور انہی ایام میں شروع طلاق سے تین حیض بھی گزر جائیں امام ابو یوسفؒ، مالکؒ، شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی عدت تین حیض ہیں کیونکہ عدت تو اس وقت واجب ہوتی ہے جب نکاح کا زوال وفات میں ہو اور یہاں طلاق کی وجہ سے نکاح قبل از موت زائل ہو چکا صرف حق ارث میں باقی ہے طرفین کی دلیل یہ ہے کہ جب نکاح ارث میں باقی ہے تو احتیاطاً حق عدت میں بھی باقی رکھا جائیگا یہ تفصیل اس وقت ہے جب طلاق بائن یا تین طلاقیں دی ہوں اگر رجعی طلاق ہو تو بالاتفاق اس کی عدت دس دن چار ماہ ہیں جن میں تین حیض ہوں یا نہ ہوں۔

فائدہ: عدت ابعد الاجلین پانچ صورتوں میں ہوتی ہے نمبر۱ عدت زوجہ فار جو اوپر مذکور ہوئی۔ نمبر۲، زید کے نکاح میں ذوات الحیض میں سے دو مدخولہ عورتیں تھیں زید نے ان میں سے ایک کو متعین کر کے طلاق دیدی اور پھر زید کا انتقال ہوگیا اور یہ یاد نہیں رہا کہ ان میں مطلقہ کون ہے تو ہر عورت کی عدت ابعد الاجلین ہے۔ نمبر۳، زید نے اپنی صحت میں دو بیویوں میں سے بلاتعیین کسی ایک کو تین بار طلاق دی اور تعیین کئے بغیر زید کا انتقال ہوگیا تو ہر عورت کی عدت ابعد الاجلین ہے۔ نمبر۴ صحت کی حالت میں دو میں سے ایک کو بلاتعیین طلاق دی پھر مرض الموت میں مطلقہ کو معین کر دیا اور عدت گزرنے سے قبل شوہر کا انتقال ہوگیا تو مطلقہ کی عدت ابعد الاجلین ہے۔ نمبر۵، ام ولد کے آقا اور اس کے شوہر کا انتقال ہوا اور یہ معلوم نہیں کہ پہلے کس کا انتقال ہوا تو ام ولد کی عدت ابعد الاجلین ہے۔

قولہ و من عتقت الخ ایک باندی طلاق رجعی کی عدت گزار رہی تھی کہ آقا نے اس کو آزاد کر دیا تو اس کی عدت حرہ کی عدت کی طرف منتقل ہو جائیگی یعنی اب اس کی عدت تین حیض ہوں گے اور اگر وہ طلاق بائن یا موت زوج کی عدت میں تھی اور پھر آزاد ہوگئی تو اس کی عدت وہی باندی والی عدت رہے گی وجہ یہ ہے کہ طلاق رجعی میں نکاح باقی رہتا ہے اور طلاق بائن اور شوہر کی موت سے نکاح زائل ہو جاتا ہے۔

---

(۱) ... ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، بزار، طبرانی ۱۲ (۲) مالک، شافعی، عبدالرزاق، ابن ابی شیبہ ۱۲

وَمَنْ عَادَ دَمُهَا بَعْدَ الْاَشْهُرِ اِسْتَأْنَفَ بِالْحَيْضِ وَالْمَنْكُوْحَةِ نِكَاحًا فَاسِدًا وَالْمَوْطُوْأَةِ بِشُبْهَةٍ
اور جس عورت کو خون آنے لگے مہینوں کے بعد اس کی عدت حیض ہیں اور جس عورت کا نکاح فاسد ہوا ہو اور جس سے وطی بالشبہ ہوئی ہو

وَاُمِّ الْوَلَدِ الْحَيْضُ لِلْمَوْتِ وَغَيْرِهٖ وَلِزَوْجَةِ الصَّغِيْرِ الْحَامِلِ عِنْدَ مَوْتِهٖ وَضْعُهٗ
اور ام ولد کی عدت حیض ہیں موت وغیر موت ہردو کیلئے اور بچہ کی بیوی کی عدت جو اسکی موت کے وقت حاملہ ہو وضع حمل ہے

وَلِلْحَامِلِ بَعْدَهٗ الشُّهُوْرُ وَالنَّسَبُ مُنْتَفٍ فِيْهِمَا وَلَمْ تَعْتَدَّ بِحَيْضٍ طُلِّقَتْ فِيْهِ وَتَجِبُ
اور موت کے بعد حاملہ کی عدت مہینے ہیں اور نسب دونوں صورتوں میں منتفی ہوگا اور نہ شمار کرے اس حیض کو جس میں طلاق دیگئی ہے اور واجب ہوگی

اُخْرٰى بِوَطْيِ الْمُعْتَدَّةِ بِشُبْهَةٍ وَتَدَاخَلَتَا وَالْمَرْئِيُّ مِنْهُمَا
دوسری عدت اگر معتدہ سے وطی بالشبہ ہوگئی ہو اور دونوں عدتیں متداخل ہوجائیں گی اور جو خون دکھائی دے گا وہ دونوں سے شمار ہوگا

وَتِتِمُّ الثَّانِيَةَ اِنْ تَمَّتِ الْاُوْلٰى وَابْتِدَآءُ الْعِدَّةِ بَعْدَ الطَّلَاقِ وَالْمَوْتِ وَالنِّكَاحِ الْفَاسِدِ بَعْدَ التَّفْرِيْقِ اَوِالْعَزْمِ
اور پوری کرلے گی دوسری عدت اگر پہلی پوری کرچکی اور عدت کا آغاز طلاق اور موت کے بعد سے ہوتا ہے اور نکاح فاسد میں تفریق یا ترک وطی

عَلٰى تَرْكِ وَطْيِهَا وَاِنْ قَالَتْ مَضَتْ عِدَّتِيْ وَكَذَّبَهَا الزَّوْجُ فَالْقَوْلُ لَهَا مَعَ الْحَلْفِ
پر عزم کے بعد سے ہوتا ہے اگر عورت نے کہا کہ میری عدت گزر چکی اور شوہر نے اس کی تکذیب کی تو قول عورت کا معتبر ہوگا اسکی قسم کے ساتھ

وَلَوْنَكَحَ مُعْتَدَّتَهٗ وَطَلَّقَهَا قَبْلَ الْوَطْيِ يَجِبُ مَهْرٌ تَامٌّ وَعِدَّةٌ مُبْتَدَاَةٌ وَلَوْطَلَّقَ ذِمِّيٌّ ذِمِّيَّةً لَمْ تَعْتَدَّ
اگر نکاح کیا اپنی معتدہ سے اور طلاق دیدی اس کو وطی سے پیشتر تو پورا مہر اور مستقل عدت واجب ہوگی اور اگر طلاق دی ذمی نے ذمیہ کو تو وہ عدت نہ گذارے۔

احکام عدت کی تفصیل

تشریح الفقہ: قولہ ومن عاد الخ ایک آئسہ مہینوں سے عدت گزار رہی تھی کہ حیض آنا شروع ہوگیا تو اس کی مہینوں کی عدت باطل ہوگئی اب وہ از سر نو حیضوں کے حساب سے عدت گزارے کیونکہ عدت بالحیض اصل ہے اور عدت بالاشہر نائب اور نائب ہونے کیلئے شرط یہ ہے کہ تا اختتام حیات اصل سے ناامیدی ہو اور حیض آنے کے بعد ناامیدی نہیں رہی اس لئے عدت بالاشہر کا نائب ہونا باطل ہوگیا۔

فائدہ: آئسہ کے حیض جاری ہونے کی مراد میں چند اقوال ہیں۔ نمبر ا۔ حیض کا خون عادت قدیمہ کے موافق بکثرت جاری ہونے لگے ایک آدھ قطرہ یا تھوڑی بہت تری دیکھنے سے عدت بالاشہر باطل نہ ہوگی۔ نمبر ۲۔ کثرت سیلان کے ساتھ ساتھ خون سرخ یا سیاہ ہو اگر خون سبز یا زرد یا مٹیالا ہو تو حیض نہ ہوگا۔ نمبر ۳۔ خون کا کوئی رنگ متعین نہیں بلکہ اس کی عادت پر محمول ہے کہ قبل از ایاس زرد خون آتا تھا تو زرد اور کالا آتا تھا تو کالے کا اعتبار ہوگا علامہ ابن الہمام نے فتح القدیر میں یہ تینوں قول ذکر کئے ہیں لیکن کسی کو ترجیح نہیں دی البتہ معراج الدرایہ میں ہے کہ فتویٰ پہلے قول پر ہے۔

قولہ بعد الاشھر الخ آئسہ کے حق میں عدت بالاشہر کا بطلان کب ہوگا؟ آیا عدت کے مہینے گزر جانے کے بعد خون دیکھے تب عدت بالاشہر باطل ہوگی یا اس سے قبل خون دیکھنے سے بھی عدت باطل ہوجائے گی اس میں چند اقوال ہیں۔ نمبر ا مطلقاً خون دیکھنے سے عدت باطل ہوجائے گی صاحب ہدایہ اور غایۃ البیان والے کے نزدیک یہی مختار ہے۔ نمبر ۲ خون دیکھنے سے مطلقاً عدت باطل نہ ہوگی مہینے گزرنے سے قبل دیکھے یا اس کے بعد علامہ اسبیجابی کے نزدیک یہی مختار ہے۔ نمبر ۳ مہینے گزرنے سے قبل خون دیکھے تو عدت باطل ہوگی ورنہ نہیں صدر الشہید اسی پر فتویٰ دیتے تھے جوہرہ اور مجتبیٰ میں ہے اور فتویٰ کیلئے مختار ہے اسی کو شہید، بھنسی ملا خسرو اور باقانی نے پسند کیا ہے خلاصہ وغیرہ میں بھی اسی کی تصحیح ہے اور صحیح قدوری میں ہے کہ اس قول کی تصحیح ہدایہ کی تصحیح سے بہتر ہے نہر الفائق میں ہے کہ سب روایات میں یہی قول معتدل تر ہے۔ نمبر ۴۔ ظاہر الروایہ کے اعتبار سے جس میں ایاس کی کوئی مدت مقرر نہیں عدت باطل ہوجائے گی اور جن روایات

میں ایاس کی مدت مقرر ہے ان کے لحاظ سے عدت باطل نہ ہوگی صاحب الیضاح نے اسی کو اختیار کیا ہے اور فتاوی قاضی خان میں اسی پر اکتفا کیا گیا ہے اسی پر قدوری اور جصاص نے جزم ظاہر کیا ہے اسی کی صاحب بدائع نے نصرت کی ہے۔ نمبر۵۔ اگر ابھی تک عورت کے آئسہ ہونے کا حکم نہ لگایا گیا ہو تو عدت باطل ہو جائیگی ورنہ نہیں محمد بن مقاتل رازی کا یہی قول ہے اور اختیار میں اسی کی تصحیح ہے۔ نمبر۶۔ آئندہ زمانہ کے لحاظ سے عدت بالاشہر باطل ہوگی یعنی اگر زوج ثانی طلاق دے تو عورت حیض کے ذریعہ عدت گزاریگی نوازل میں اسی کی تصحیح ہے۔

قوله والمنكوحة الخ جس عورت سے نکاح فاسد کیا گیا بایں طور کہ نکاح بلا گواہ ہوا ہو یا عدم حلت کا علم ہوتے ہوئے ذورحم محرم سے نکاح ہوا ہو نیز جس عورت سے وطی بالشبہ ہوئی جس کی ایک صورت یہ بھی ہو کہ نادانستہ غیر کی عورت سے نکاح کر لیا گیا ہو اور ام ولد جس کا آقا انتقال کر گیا ہو یا آقا نے اس کو آزاد کر دیا ہو ان سب کی عدت حیض کے حساب سے ہے عدت وفات ہو یا عدت فرقت مطلب یہ ہے کہ اگر منکوحہ مذکورہ اور موطوءہ مذکورہ حرہ ہو اور ذوات الحیض میں سے ہو تو ان کی عدت تین حیض ہیں اور باندی ہو تو دو حیض اور حاملہ ہو تو وضع حمل اور آئسہ ہو تو عدت مہینوں کے اعتبار سے ہوگی **علی حسب مامر سابقا**۔

قوله وزوجة الصغير الخ ایک بچہ کی عورت تھی بچہ کا انتقال ہو گیا تو اس عورت کی عدت طرفین کے نزدیک وضع حمل ہے امام ابو یوسف امام مالک امام شافعی فرماتے ہیں کہ دس دن چار ماہ ہے کیونکہ اس عورت کا حمل ثابت النسب نہیں ہے اس واسطے کہ بچہ سے علوق ہو ہی نہیں سکتا پس یہ ایسا ہو گیا جیسے زوج صغیر کے انتقال کے بعد حاملہ ہو یعنی اس کی موت سے چھ ماہ بعد یا اس سے زیادہ مدت کے بعد بچے جنے کہ اس صورت میں بالاجماع عدت وفات لازم ہے طرفین کی دلیل یہ ہے کہ آیت **واولات الاحمال** مطلق ہے حمل شوہر سے ہو یا غیر شوہر سے عدت وفات کی ہو یا طلاق کی اس کی کوئی تفصیل نہیں۔

قوله وجب عدة اخرى الخ ایک عورت کسی کی عدت گزار رہی تھی کہ اس سے وطی بالشبہ ہوگئی مثلاً عورت بستر پر تھی کسی نے کہہ دیا کہ یہ تیری بیوی ہے اس نے اس سے وطی کر لی یا وہ کسی کی عدت میں تھی اس سے نکاح کر لیا شوہر کو یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ عدت میں ہے بہر کیف اب اس عورت پر دوسری عدت بھی واجب ہوگی اور دونوں عدتیں متداخل ہو جائیں گی اور جو حیض عدت ثانیہ واجب ہونے کے بعد دکھائی دے گا وہ دونوں عدتوں میں شمار ہوگا اور اگر پہلی عدت پوری ہوگئی ہو تو دوسری عدت کا پورا کرنا ضروری ہوگا مثلاً عورت کو طلاق بائن ہوگئی اور اس کو ایک بار حیض آیا پھر اس نے دوسرے شوہر سے نکاح کیا اور وطی کے بعد تفریق ہوگئی پھر دوبارہ حیض آیا تو یہ تینوں حیض دونوں عدتوں میں شمار ہوں گے پس پہلا حیض اور بعد کے دو حیض مل کر پہلے شوہر کی عدت پوری ہوگئی اور دوسرے شوہر کی عدت کے صرف دو حیض ہوئے تو جب ایک اور حیض آئے گا تب دوسرے شوہر کی عدت پوری ہوگی خلاصہ یہ ہوا کہ پہلا حیض عدت کے ساتھ اور آخری حیض دوسری عدت کے ساتھ مخصوص ہے اور درمیان کے دو حیض دونوں عدتوں میں مشترک اور متداخل ہیں نیز اگر دونوں عدتیں مہینوں کے ذریعہ ہوں تب بھی تداخل ہوگا مثلاً آئسہ کی عدت میں وطی بالشبہ ہوگئی تو اگر پہلی عدت دوسری عدت سے قبل پوری ہوگئی ہو تو دوسری عدت کو بھی مہینوں کے ذریعہ پورا کرنا ضروری ہے اور اگر عورت معتدۃ الوفات ہو اور اس سے وطی بالشبہ ہو جائے تو اس کی پہلی عدت مہینوں کے ذریعہ سے ہو یعنی دس دن چار ماہ اور دوسری عدت حیض کے ذریعہ اب اگر دس دن چار ماہ میں تین حیض بھی آجائیں تو بسبب تداخل دونوں عدتیں پوری ہو جائیں گی اور اگر اس مدت میں حیض جاری نہ ہو تو اس مدت کے بعد تین حیض کی عدت ثانیہ علیحدہ واجب ہوگی۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

فَصلٌ تَحِدُّ مُعْتَدَّةُ الْبتّ وَالْمَوْتِ بِتَرْكِ الزِّيْنَةِ وَالطِّيْبِ وَالْكُحْلِ وَالدُّهْنِ اِلَّا بِعُذْرٍ

(فصل) سوگ منائے وہ عورت جس کو طلاق بائن ملی ہو یا شوہر مر گیا ہو زیب و زینت خوشبو سرمہ اور تیل ترک کرنے کے ساتھ مگر عذر کی وجہ سے

وَالْحِنَاءِ وَلُبْسِ الْمُعَصْفَرِ وَالْمُزَعْفَرِ اِنْ كَانَتْ بَالِغَةً مُسْلِمَةً وَلَوْ اَمَةً لَامُعْتَدَّةَ الْعِتْقِ وَالنِّكَاحِ الْفَاسِدِ

اور مہندی اور سرخ و زرد کپڑے کو ترک کرنے کے ساتھ اگر عورت بالغہ مسلمہ ہو نہ سوگ منائے وہ عورت جو آزادی کی اور نکاح فاسد کی عدت میں ہو

وَلَاتُخْطَبُ مُعْتَدَّةٌ وَصَحَّ التَّعْرِيْضُ وَلَاتَخْرُجُ مُعْتَدَّةُ الطَّلَاقِ مِنْ بَيْتِهَا وَمُعْتَدَّةُ الْمَوْتِ تَخْرُجُ

اور پیام نکاح نہ دیا جائے معتدہ کو ہاں تعریض صحیح ہے اور نہ نکلے طلاق کی عدت والی عورت اپنے گھر سے اور وفات کی عدت والی عورت نکل سکتی ہے

يَوْمًا وَبَعْضَ اللَّيْلِ وَتَعْتَدَّانِ فِيْ بَيْتٍ وَجَبَتْ فِيْهِ اِلَّا اَنْ تُخْرَجَ اَوْيَنْهَدِمَ

دن میں اور رات کے بعض حصہ میں اور یہ دونوں اسی گھر میں عدت گذاریں جس میں وہ واجب ہوئی ہے الا یہ کہ نکالدی جائے یا وہ منہدم ہو جائے

وَلَوْبَانَتْ اَوْمَاتَ عَنْهَا زَوْجُهَا فِي السَّفَرِ وَبَيْنَهَا وَبَيْنَ مِصْرِهَا اَقَلُّ مِنْ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ رَجَعَتْ اِلَيْهِ وَلَوْ ثَلٰثَة

عورت سفر میں بائنہ ہوگئی یا اس کا شوہر مرگیا اور اس کے اور شہر کے درمیان تین دن سے کم کی مسافت ہے تو اپنے شہر کو واپس آجائے اور اگر تین دن کا فاصلہ

رَجَعَتْ اَوْ مَضَتْ مَعَهَا وَلِيٌّ اَوْ لَا وَلَوْ فِيْ مِصْرٍ تَعْتَدُّ ثَمَّهٗ فَتَخْرُجُ بِمُحْرِمٍ

ہو تو چاہے واپس ہو جائے چاہے اپنے مقصد کی طرف چلی جائے خواہ اس کے ساتھ ولی ہو یا نہ ہو اور اگر ایسا اتفاق شہر میں ہو تو وہیں عدت گذارے پھر محرم کیساتھ نکلے

شوہر کے مرنے پر عورت کے سوگ منانے کا بیان

تشریح الفقہ: قولہ تحد الخ احدت چوں اعدت احداداً اور حدت (ن،ض) چوں مدت وفرت حداداً، المراۃ شوہر کے مرنے پر سوگ منانا لیکن اصمعی نے صرف رباعی سے مانا ہے (مصباح) قاموس میں ہے کہ حاد اور محد وہ عورت ہے جو عدت کے سبب سے زینت ترک کرے خواہ طلاق بائن ہو یا رجعی عورت کافرہ ہو یا مسلمہ صغیرہ ہو یا کبیرہ لیکن شریعت میں معتدہ بائنہ یا معتدۃ الموت کے زینت اور خوشبو وغیرہ کے ترک کرنے کو حداد کہتے ہیں گویا لغوی معنی عام ہیں اور شرعی معنی خاص۔

قولہ معتدۃ الخ معتدہ بائنہ اور معتدۃ الموت شوہر کے انتقال پر زینت کی اشیاء اور خوشبو، سرمہ، مہندی اور معصفر و مزعفر لباس اور تیل وغیرہ کے استعمال کو ترک کر کے سوگ منائے کیونکہ یہ حدیث سے ثابت ہے(۱) (حدیث قریب ہی میں گزر چکی) معتدہ البت کی قید سے مطلقہ رجعیہ اور بالغہ کی قید سے صغیرہ اور مسلمہ کی قید سے کافرہ نکل گئی بحر الرائق میں ہے کہ سات عورتوں پر سوگ نہیں نمبر ۱ کافرہ، نمبر ۲ صغیرہ، نمبر ۳ مجنونہ، نمبر ۴، معتدۃ العتق، نمبر ۵ معتدۃ النکاح الفاسد، نمبر ۶ معتدۃ الرجعی، نمبر ۷ معتدہ موطوہ بالشبہ۔

قولہ ولا تخطب الخ عدت والی عورت کو نکاح کا پیغام دینا حرام ہے معتدہ بائنہ ہو یا رجعیہ، معتدۃ الوفاۃ ہو یا معتدۃ العتق حق تعالیٰ کا ارشاد ہے "**ولا تعز مواعقدۃ النکاح حتی یبلغ الکتاب اجلہ**" نیز حضور صلعم کا ارشاد ہے کہ تم میں سے کوئی اپنے بھائی کی منگنی پر نکاح کا پیغام نہ دے(۲)" ہاں تعریض کی اجازت ہے بشرطیکہ عورت معتدہ الوفاۃ ہو یعنی گول مول پیام نکاح درست ہو مثلاً یوں کہنا کہ میں نکاح کا ارادہ رکھتا ہوں یا مجھے آرزو ہے کہ حق تعالیٰ نیک بخت عورت عطا فرمائے بخاری میں حضرت ابن عباس سے تعریض کی یہی تفسیر منقول ہے۔

قولہ ولاتخرج الخ معتدہ بائنہ ہو یا رجعیہ اس کے لئے اس گھر سے باہر نکلنا جائز نہیں جس میں وہ فرقت کے وقت تھی اس میں عدت پوری کرے **لقولہ تعالیٰ "ولا تخرجوھن من بیوتھن ولا یخرجن الاان یاتین بفاحشۃ مبینۃ"** ابراہیم نخعی کے نزدیک فاحشہ سے مراد نفس خروج ہے اور حضرت ابن مسعود سے مروی ہے کہ اس سے مراد زنا ہے سو اقامت حد کیلئے نکالی جاسکتی ہے ہاں معتدہ الوفاۃ دن بھر اور رات کے کچھ حصہ میں نکل سکتی ہے کیونکہ اس کا نفقہ ورثہ پر نہیں ہوتا۔

(۱)۔ الجماعۃ غیر الترمذی عن ام عطیہ، الجماعۃ غیر ابن ماجہ عن ام حبیبہ، مسلم عن حفصہ، صحیحین عن زینب بنت جحش ۱۲(۲)۔ صحیحین عن ابی ہریرۃ ۱۲

بَابُ ثُبُوْتِ النَّسَبِ

باب نسب ثابت ہونے کے بیان میں

وَمَنْ قَالَ اِنْ نَكَحْتُهَا فَهِيَ طَالِقٌ فَنَكَحَهَا فَوَلَدَتْ لِسِتَّةِ اَشْهُرٍ مُذْ نَكَحَهَا لَزِمَ نَسَبُهٗ

جس شخص نے کہا کہ اگر میں فلاں سے نکاح کروں تو اسے طلاق ہے پھر اس سے نکاح کیا اور چھ ماہ بعد اس کے بچہ ہوا تو اسکا نسب

وَمَهْرُهَا وَثَبَتَ نَسَبُ وَلَدِ مُعْتَدَّةِ الرَّجْعِيِّ وَاِنْ وَلَدَتْ لِاَكْثَرِ مِنْ سَنَتَيْنِ

اور عورت کا مہر لازم ہو جائیگا اور ثابت ہوگا نسب اس عورت کے بچہ کا جو طلاق رجعی کی عدت میں ہو اگر چہ وہ دو سال سے زائد میں پیدا ہوا ہو

مَالَمْ تُقِرَّ بِمَضِيِّ الْعِدَّةِ وَكَانَتْ رَجْعَةً فِي الْاَكْثَرِ مِنْهُمَا لَافِيْ اَقَلِّ مِنْهُمَا

جب تک کہ عورت عدت گزرنے کا اقرار نہ کرے پس یہ ولادت رجعت ہوگی دو سال سے زائد کی صورت میں نہ کہ اس سے کم کی صورت میں۔

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ عدت کی اقسام سہ گانہ، عدت بالحیض، عدت بالاشہر، عدت بوضع الحمل کے بیان سے فراغت کے بعد ثبوت نسب کو بیان کر رہا ہے کہ باپ سے بچہ کا نسب کس صورت میں ثابت ہوگا اور کس صورت میں ثابت نہ ہوگا کیونکہ ثبوت نسب حمل کے آثار میں سے ہے اس لئے اس کو عدت کے بعد ذکر کرنا مناسب ہے۔

قولہ من قال الخ ایک شخص نے کہا کہ اگر میں فلاں عورت سے نکاح کروں تو اسے طلاق پھر اس سے نکاح کر لیا اور نکاح سے چھ ماہ بعد عورت کے بچہ پیدا ہوا تو بچہ کا نسب بھی ثابت ہو جائیگا اور مہر بھی لازم ہو جائیگا نسب تو اس لئے کہ عورت اس کا فراش ہے اور عقد نکاح کی حالت میں وطی متصور ہے کیونکہ ممکن ہے کہ عین ایجاب وقبول کی حالت میں وطی ہوئی ہو اور اختتام نکاح اور انزال ساتھ ساتھ ہوا ہو اور ثبوت نسب کیلئے اتنا احتمال کافی ہے پس وطی طلاق کے بعد لازم نہ آئی اور مہر اس لئے لازم ہے کہ جب نسب ثابت ہو گیا تو حکماً وطی محقق ہوئی لہٰذا مہر مؤکد ہو گیا۔

قولہ ویثبت الخ معتدہ رجعی جب تک اپنی عدت گزر جانے کا اقرار نہ کرلے اس وقت تک اس کے بچہ کا نسب ثابت ہی مانا جائے گا اگر چہ بچہ دو سال بعد پیدا ہوا ہو اس کی تین صورتیں ہیں اول یہ کہ بچہ چھ ماہ سے کم میں پیدا ہوا ہو دوم یہ کہ چھ ماہ سے زائد اور دو سال سے کم میں پیدا ہوا ہو، سوم یہ کہ دو سال بعد پیدا ہو۔ تینوں صورتوں میں بچہ ثابت النسب ہوگا پہلی صورت میں تو اس لئے کہ بوقت طلاق حمل موجود ہے پس علوق قبل از طلاق ہوا لہٰذا نسب ثابت ہوگا اور بچہ کی پیدائش کے بعد وہ بائنہ ہو جائے گی کیونکہ وضع حمل کی وجہ سے اس کی عدت ختم ہو چکی دوسری صورت میں اس لئے کہ علوق یا تو حالت نکاح میں ہے یا حالت عدت میں بہر دو صورت نسب ثابت ہوگا اور وضع حمل سے بائنہ ہو جائے گی تیسری صورت میں اس لئے کہ علوق بعد از طلاق ہے پس ایک مسلمان کو تہمت زنا سے بچانے کیلئے یوں سمجھا جائیگا کہ اس نے رجوع کر لیا تھا بشرطیکہ عورت نے انقضائے عدت کا اقرار نہ کیا ہو اگر اس نے اقرار کر لیا کہ میری عدت گزر گئی اور اتنی مدت میں عدت گزرنے کا احتمال بھی ہو یعنی امام صاحب کے نزدیک دو ماہ بعد اور صاحبین کے نزدیک انتالیس روز بعد بچہ پیدا ہوا ہو نسب ثابت نہ ہوگا الا یہ کہ اقرار کے بعد چھ ماہ سے کم میں بچہ پیدا ہو کہ اس صورت میں شرعاً عورت کی تکذیب ہوگی لہٰذا نسب ثابت ہو جائے گا۔

وَالْبَتِّ لِاَقَلِّ مِنْهُمَا وَاِلَّا لَا اِلَّا اَنْ يَّدَّعِيَهٗ وَالْمُرَاهِقَةُ لِاَقَلِّ مِنْ تِسْعَةِ اَشْهُرٍ

اور معتدہ بائنہ کا بچہ اگر دو سال سے کم میں ہو تو نسب ثابت ہوگا ورنہ نہیں الا یہ کہ شوہر اس کا دعویٰ کرے اور مراہقہ کے بچہ کا نسب نو ماہ سے کم میں

وَاِلَّا لَا وَالْمَوْتِ لِاَقَلِّ مِنْهُمَا وَالْمُقِرَّةِ بِمَضِيِّهَا لِاَقَلِّ مِنْ سِتَّةِ اَشْهُرٍ

ثابت ہوگا ورنہ نہیں اور معتدہ وفات کے بچہ کا نسب دو سال سے کم میں ثابت ہوگا اور جو عدت گذرنے کا اقرار کرتی ہو اس کے بچہ کا نسب چھ ماہ سے

مِنْ وَقْتِ الْإِقْرَارِ وَاِلَّا لَا وَالْمُعْتَدَّةِ اِنْ جَحَدَتْ وِلَادَتَهَا بِشَهَادَةِ

کم میں ثابت ہوگا اقرار کے وقت سے ورنہ نہیں اور اگر معتدہ کے بچہ کی ولادت کا انکار کر دیا گیا ہو تو اس کا نسب دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی

رَجُلَيْنِ اَوْرَجُلٍ وَامْرَأَتَيْنِ اَوْحَمْلٍ ظَاهِرٍ اَوْ اِقْرَارِهٖ بِهٖ اَوْتَصْدِيْقِ الْوَرَثَةِ وَالْمَنْكُوْحَةِ لِسِتَّةِ اَشْهُرٍ فَصَاعِدًا اِنْ سَكَتَ

شہادت سے یا حمل ظاہر یا اسکے اقرار یا ورثہ کی تصدیق سے ثابت ہوگا اور منکوحہ کے بچہ کا نسب چھ ماہ یا اس سے زائد میں ثابت ہوگا اگر شوہر خاموش رہے

وَاِنْ جَحَدَ فَبِشَهَادَةِ امْرَأَةٍ عَلَى الْوِلَادَةِ فَاِنْ وَلَدَتْ ثُمَّ اخْتَلَفَا فَقَالَتْ

اور اگر وہ انکار کرے تو ولادت پر ایک عورت کی شہادت سے ثابت ہوگا پس اگر عورت کے بچہ ہوا پھر دونوں نے اختلاف کیا عورت نے کہا

نَكَحْتَنِيْ مُذْ سِتَّةِ اَشْهُرٍ فَصَاعِدًا وَّادَّعَى الْاَقَلَّ فَالْقَوْلُ لَهَا وَهُوَ اِبْنُهٗ وَلَوْعَلَّقَ طَلَاقَهَا

کہ تو نے مجھ سے چھ ماہ ہوئے نکاح کیا ہے اور شوہر نے اس سے کم کا دعویٰ کیا تو قول عورت کا معتبر ہوگا اور بچہ شوہر کا ہوگا اور اگر معلق کیا اس کی طلاق

بِوِلَادَتِهَا وَشَهِدَتْ امْرَأَةٌ عَلَى الْوِلَادَةِ لَمْ تَطْلُقْ وَاِنْ كَانَ اَقَرَّ بِالْحَبْلِ طُلِّقَتْ بِلَاشَهَادَةٍ

کو بچہ ہونے پر اور ایک عورت نے گواہی دی ولادت پر تو طلاق نہ ہوگی اور اگر شوہر نے اقرار کر لیا حمل کا تو طلاق پڑ جائے گی بلاشہادت

ثبوت نسب کے بقیہ احکام

توضیح اللغہ: بت کاٹنا مراد طلاق بائن، مراہقہ قریب البلوغ عورت جحدت د سے ہے انکار کرنا۔ حبل حمل۔

تشریح الفقہ: قولہ والبت الخ اگر معتدہ بائنہ دو سال سے کم کی عمر میں بچہ جنے تو اس کا نسب ثابت ہو جائیگا کیونکہ طلاق کے وقت حمل موجود ہونے کا احتمال ہے اور ثبوت نسب کیلئے احتمال کافی ہے اور اگر پورے دو سال میں یا دو سال سے زائد میں بچہ ہو تو نسب ثابت نہ ہوگا کیونکہ اس صورت میں علوق بالیقین طلاق کے بعد ہے ورنہ بچہ کا دو سال کی مدت سے زائد میں پیدا ہونا لازم آئے گا جو حدیث کے خلاف ہے پس وہ بچہ شوہر کا نہیں ہو سکتا ہاں اگر شوہر اس کا دعویٰ کرے تو نسب ثابت ہو جائیگا کیونکہ اس نے خود اپنے اوپر لازم کر لیا **(فیہ شئی فارجع الی المطولات)**۔

قولہ والمراھقہ الخ مراہقہ سے مراد وہ لڑکی ہے جو وطی کے لائق ہو لیکن علامات بلوغ ظاہر نہ ہوئی ہوں سو ایسی لڑکی اگر نو مہینے سے کم میں بچہ جنے (اور وہ مدخولہ ہو اور اس نے انقضائے عدت کا اقرار نہ کیا ہو نہ ہی اپنے حاملہ ہونے کا دعویٰ کیا ہو) تو اس بچہ کا نسب ثابت ہو جائے گا اور اگر نو مہینے یا اس سے زائد میں بچہ پیدا ہوا تو نسب ثابت نہ ہوگا یہ حکم طرفین کے نزدیک ہے امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اگر وہ دو سال تک بچہ جنے تو نسب ثابت ہو جائیگا گویا امام ابو یوسف نے مراہقہ کو کبیرہ پر قیاس کیا ہے طرفین یہ فرماتے ہیں کہ مراہقہ کے لئے عدت گزاری کا صرف ایک ہی طریقہ ہے یعنی مہینے پس مہینے گزرتے ہی شریعت کی جانب سے اس کی عدت گزر جانے کا حکم ہوگا اور دلالت کے حق میں حکم شرعی اس کے اقرار سے بھی بڑھ کر ہے تو اگر وہ انقضائے عدت کے اقرار کے بعد چھ مہینے میں بچہ جنے تب نسب ثابت نہیں ہوتا تو اس صورت میں بطریق اولیٰ نہ ہوگا۔

قولہ والمقرۃ الخ معتدہ عورت نے اپنی عدت گزر جانے کا اقرار کر لیا اور پھر اقرار کے وقت سے چھ ماہ کی مدت سے کم میں بچہ جنا تو نسب ثابت ہو جائیگا کیونکہ چھ ماہ سے پہلے بچہ پیدا ہونے سے اس کی دروغ گوئی ظاہر ہوگئی اور یہ معلوم ہو گیا کہ اقرار کے وقت رحم میں نطفہ نہ تھا پس انقضائے عدت کا اقرار باطل ہوگا اور نسب ثابت ہو جائیگا اور اگر چھ ماہ یا اس سے زائد میں بچہ پیدا ہوا تو نسب ثابت نہ ہوگا۔

قولہ والمعتدۃ الخ ایک عورت عدت میں تھی اس نے دعویٰ کیا کہ میرے بچہ پیدا ہوا ہے اور شوہر نے (جبکہ عدت طلاق کی ہو) یا ورثہ نے (جب عدت وفات کی ہو) ولادت کا انکار کیا تو اس صورت میں نسب ثابت ہونے کیلئے دو مردوں کی یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ہونی

چاہئے اس کے بغیر نسب ثابت نہ ہوگا یا حمل ظاہر ہونا چاہئے حمل ظاہر کا مطلب یہ ہے کہ چھ ماہ سے کم میں ولادت ہو یا کہ علامات حمل اس قدر ظاہر ہوں کہ ان سے حمل رہنے کا ظن غالب حاصل ہو جائے یا شوہر کا اقرار ہونا چاہئے کہ یہ حمل میرا ہے (اگر شوہر زندہ ہو) یا ورثہ کی طرف سے ولادت کی تصدیق ہونی چاہئے اگر یہ شہادتیں نہ ہوں تو امام صاحب کے نزدیک نسب ثابت نہ ہوگا صاحبین ؒ کے نزدیک سب صورتوں میں صرف ایک عورت یعنی دایہ کی شہادت کافی ہے اس واسطے کہ عدت قائم ہونے کی وجہ سے فراش قائم ہے اور فراش کا قائم ہونا نسب کو لازم و ثابت کر دیتا ہے پس یہاں نسب ثابت کرنے کی ضرورت نہیں وہ تو قیام فراش کی وجہ سے خود ہی ثابت ہے ضرورت صرف اس کی ہے کہ بچہ کا اس عورت سے ہونا معین ہو جائے اور وہ دایہ کی شہادت سے ہو سکتا ہے جیسے قیام نکاح کی حالت میں صرف دایہ کی شہادت سے نسب ثابت ہو جاتا ہے امام صاحب ؒ یہ فرماتے ہیں کہ قیام عدت کی وجہ سے فراش قائم ہوتا ہے یہ تو ٹھیک ہے لیکن یہاں عدت قائم نہیں اس واسطے کہ جب عورت وضع حمل کا اقرار کر رہی ہے تو عدت ختم ہو چکی اس لئے یہاں ابتداءً نسب ثابت کرنے کی ضرورت ہے لہٰذا شہادت کا کورم پورا ہونا چاہئے۔

قولہ والمنکوحۃ الخ زید نے ایک عورت سے شادی کی اور چھ ماہ میں یا چھ ماہ کے بعد میں اس کے بچہ ہوا تو اس کا نسب ثابت ہو جائیگا خواہ شوہر اقرار کرلے یا خاموش رہے لیکن اگر شوہر بچہ کا انکار کر دے تو پھر ایک عورت کی شہادت سے نسب ثابت ہوگا اور اگر ولادت کے بعد زوجین میں اختلاف ہو عورت کہے کہ تو نے میرے ساتھ چھ ماہ قبل نکاح کیا تھا اور شوہر اس سے کم کا دعویٰ کرے تو امام صاحب ؒ کے نزدیک عورت کا قول معتبر ہوگا بلا یمین اور صاحبین کے مع یمین (اس پر فتویٰ ہے) اور بچہ شوہر کا قرار دیا جائیگا کیونکہ ظاہر حال عورت کا شاہد ہے۔

قولہ ولو علق الخ زید نے اپنی بیوی کی طلاق کو ولادت پر معلق کیا اور کہا ان ولدت فانت طالق اس کے بعد ایک عورت نے ولادت کی شہادت دی تو امام صاحب کے نزدیک طلاق واقع نہ ہوگی صاحبین کے نزدیک طلاق ہو جائیگی کیونکہ جن امور پر مردوں کو آگہی نہیں ہو سکتی ان میں عورتوں کی شہادت کا مقبول ہونا حدیث سے ثابت ہے (۱) نیز جب ولادت پر عورت کی شہادت مقبول ہے تو جو اس پر مبنی ہے یعنی طلاق اس میں بھی مقبول ہوگی امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ عورت مرد کے حانث ہونے کا دعویٰ کر رہی ہے اس لئے حجت تامہ کی ضرورت ہے رہا ولادت میں عورتوں کی شہادت کا مقبول ہونا سو وہ تو ضروری ہے اور طلاق ولادت کی ضروریات میں سے نہیں ہے کیونکہ طلاق ولادت سے فی الجملہ منفک ہو سکتی ہے اس لئے ولادت میں شہادت کے مقبول ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ طلاق میں بھی شہادت مقبول ہو اور اگر شوہر نے ولادت سے قبل حمل کا اقرار کر لیا ہو تو بلا شہادت طلاق واقع ہو جائے گی کیونکہ حمل کا اقرار کرنا ولادت کا اقرار کرنا ہے صاحبین کے نزدیک دایہ کی شہادت ضروری ہے۔

وَاَكْثَرُ مُدَّةِ الْحَمْلِ سَنَتَانِ وَاَقَلُّهَا سِتَّةُ اَشْهُرٍ فَلَوْ نَكَحَ اَمَةً فَطَلَّقَهَا فَاشْتَرَيهَا فَوَلَدَت

حمل کی اکثر مدت دو سال ہیں اور کمتر مدت چھ ماہ پس اگر کسی باندی سے نکاح کیا اور اس کو طلاق دیدی پھر اس کو خرید لیا یا اسکے بعد چھ ماہ سے کم میں

لِاَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ اَشْهُرٍ مُذْ اِشْتَرٰهَا لَزِمَهُ وَاِلَّا لَا وَمَنْ قَالَ لِاَمَتِهِ اِنْ كَانَ فِيْ بَطْنِكِ وَلَدٌ فَهُوَ مِنِّيْ فَشَهِدَتْ اِمْرَاَةٌ

بچہ ہوا تو وہ اس کو لازم ہو جائیگا ورنہ نہیں جس شخص نے اپنی باندی سے کہا کہ اگر تیرے پیٹ میں بچہ ہو تو وہ مجھ سے ہے پھر گواہی دی ایک عورت نے

بِالْوِلَادَةِ فَهِيَ اُمُّ وَلَدِهٖ وَمَنْ قَالَ لِغُلَامٍ هُوَ اِبْنِيْ وَمَاتَ فَقَالَتْ اُمُّهٗ اَنَا اِمْرَاَتُهٗ

ولادت پر تو باندی اس کی ام ولد ہوگی اور جس نے کسی لڑکے کے متعلق کہا کہ وہ میرا بیٹا ہے اور وہ یہ کہہ کر مر گیا پس لڑکے کی ماں نے کہا کہ میں اسکی

وَهُوَ اِبْنُهٗ مِنِّيْ يَرِثَانِهٖ فَاِنْ جُهِلَتْ حُرِّيَّتُهَا

بیوی ہوں اور یہ اسکا بیٹا ہے تو یہ دونوں اس کے وارث ہوں گے پھر اگر اس کی آزادی معلوم نہ ہو

(۱) .. ابن ابی شیبہ عبد الرزاق عن الزہری وروی الدار قطنی عن حذیفہ انہ صلی اللہ علیہ وسلم اجاز شہادۃ القابلہ ۱۲

فَقَالَ	وَارِثُهٗ	اَنْتَ	اُمُّ	وَلَدِ	اَبِیْ	فَلاَ	مِیْرَاثَ	لَهَا
اور مرنے والے کے وارث کہیں کہ تو	میرے باپ کی	ام ولد ہے	تو عورت کو	میراث نہ ملے گی۔				

حمل کی اکثر مدت واقل مدت اور اس سے متعلق مسائل

تشریح الفقہ: **قوله اكثر الخ** حمل کی اقل مدت تو بالاتفاق چھ ماہ ہیں کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے''**وحمله وفصاله ثلثون شهرا**'' یا دوسری جگہ ارشاد ہوا''**وفصاله في عامين**'' فصال کی دو سالہ مدت نکلنے کے بعد حمل کی اقل مدت چھ ماہ رہتی ہے نیز حضرت ابن مسعود کی روایت ہے کہ جنین میں چار ماہ بعد نفخ روح ہوتا ہے اس کے بعد دو ماہ میں باقی خلقت پوری ہوتی ہے لیکن حمل کی اکثر مدت میں اختلاف ہے احناف کے نزدیک اکثر مدت دو سال ہے کیونکہ حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے کہ حمل دو سال سے زیادہ نہیں ٹھہرتا اگرچہ اتنی دیر ہو جتنی دیر چرخی گھومتے وقت اس کا سایہ ٹھہرتا ہے(۱) ظاہر ہے کہ اس قسم کا مضمون قیاس سے معلوم نہیں ہوسکتا پس لامحالہ حضرت عائشہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہوگا پس روایت گو مرفوع نہیں لیکن اس وقت قول صحابی، حدیث مرفوع کے درجہ میں ہے کہ کما حققه الحافظ في النخبه لیث بن سعد سے اکثر مدت تین سال مروی ہے امام شافعی کے نزدیک چار سال ہے یہی امام مالک اور امام احمد کا مشہور مذہب ہے امام مالک سے ایک روایت اور حضرت علی کا مذہب یہ ہے کہ اکثر مدت پانچ سال ہے امام زہری سے چھ سال کی روایت ہے امام مالک سے دوسری روایت اور ربیعہ کا مذہب یہ ہے کہ اکثر مدت سات سال ہے حضرت ابوعبیدہ سے مروی ہے کہ اکثر مدت کی کوئی حد نہیں ان حضرات کے تمسکات وہ حکایات ہیں جو اس باب میں منقول ہیں چنانچہ حکایات میں ہے کہ عبدالعزیز ماجشونی، ہرم بن حبان اور محمد بن عبداللہ وغیرہ ہم چار چار سال بطن مادر میں رہے نیز ضحاک چار سال بعد ہنستا ہوا پیدا ہوا اسی لئے اس کا نام ضحاک ہوگیا مگر حدیث مذکور ان سب پر حجت ہے سوال حافظ بیہقی نے ولید بن مسلم سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت عائشہؓ کی حدیث امام مالکؒ کے سامنے ذکر کی آپ نے فرمایا سبحان اللہ یہ کیسے ہوسکتا ہے دیکھو محمد بن عجلان کی بیوی کے بارہ سال میں تین بچے پیدا ہوئے ہیں اور ہر بچہ چار چار سال میں ہوا ہے معلوم ہوا کہ حمل چار سال تک رہ سکتا ہے جواب یہ حکایات ہیں جو روایات کے معارض نہیں ہوسکتیں۔

قوله فلو نكح الخ زید نے کسی کی باندی سے شادی کی اور دخول کے بعد اس کو بائن یا رجعی طلاق دیدی پھر اس کو خرید لیا تو اب اگر شراء کے وقت سے چھ ماہ قبل بچہ ہوا تو نسب ثابت ہو جائے گا کیونکہ شراء کی وجہ سے (غیر کے حق میں) اس کی عدت باطل نہیں ہوئی پس وہ معتدہ کا بچہ ہے اور علوق شراء سے پیشتر ہے اور اگر پورے چھ ماہ میں یا چھ ماہ کے بعد بچہ پیدا ہوا تو شوہر کے دعویٰ کئے بغیر نسب ثابت نہ ہوگا کیونکہ اس وقت علوق شراء کے بعد ہے پس بچہ مملوکہ باندی کا ہے اس لئے دعویٰ کے بغیر نسب ثابت نہ ہوگا۔

قوله ومن قال لامته الخ زید نے اپنی باندی سے کہا کہ اگر تیرے پیٹ میں بچہ ہو تو وہ مجھ سے ہے اس کے بعد ایک عورت نے ولادت کی شہادت دی تو وہ اس کی ام ولد ہو جائے گی کیونکہ یہاں شہادت کی ضرورت صرف تعیین ولد کیلئے ہے جس میں دایہ کی شہادت کافی ہے

قوله ومن قال لغلام الخ زید نے اپنے غلام کے متعلق کہا کہ یہ میرا لڑکا ہے پھر زید کا انتقال ہوگیا اب غلام کی ماں کہتی ہے کہ میں زید کی بیوی ہوں اور یہ اس کا لڑکا ہے تو وہ دونوں زید کے وارث ہیں مگر استحساناً قیاس کی رو سے وارث نہیں ہونے چاہئیں کیونکہ زید نے صرف نسب ہی کا تو اقرار کیا ہے اور ثبوت نسب کے بہت سے اسباب ہوسکتے ہیں مثلاً نسب نکاح صحیح، نکاح فاسد وطی بالشبہ ملک یمین وجہ استحسان یہ ہے کہ مسئلہ کا حکم اسی صورت مین ہے جب اس عورت کا آزاد ہونا اور غلام کی ماں ہونا اور نکاح کا صحیح ہونا متعین ہو یہاں تک کہ اگر عورت کی حریت معلوم نہ ہو تو وارث نہ ہوگی کیونکہ ظہور حریت دفع رقیت کیلئے حجت ہے نہ کہ استحقاق وراثت کیلئے۔۱۲۔

---

۱) دار قطنی، بیہقی عن عائشہؓ ۱۲

بَابُ الْحِضَانَةِ

باب بچے کو گود لینے کے بیان میں

اَحَقُّ بِالْوَلَدِ اُمُّهٗ قَبْلَ الْفُرْقَةِ وَبَعْدَهَا ثُمَّ اُمُّ الْاُمِّ ثُمَّ اُمُّ الْاَبِ ثُمَّ الْاُخْتُ لِاَبٍ وَاُمٍّ ثُمَّ لِاُمٍّ ثُمَّ لِاَبٍ ثُمَّ الْخَالَاتُ كَذٰلِكَ

بچہ کی زیادہ حقدار اس کی ماں ہے فرقت سے پہلے ہو یا اسکے بعد پھر نانی پھر دادی پھر حقیقی بہن پھر اخیافی بہن پھر علاتی بہن پھر خالائیں اسی طرح

ثُمَّ الْعَمَّاتُ كَذٰلِكَ وَمَنْ نَكَحَتْ غَيْرَ مَحْرَمِهٖ سَقَطَ حَقُّهَا ثُمَّ يَعُوْدُ بِالْفُرْقَةِ

پھر پھوپھیاں اسی طرح اور جو عورت بچے کے غیر محرم سے نکاح کرلے تو اس کا حق ساقط ہو جائے گا اور جدائی کے بعد پھر لوٹ آئے گا۔

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ منکوحہ اور معتدہ عورت سے ثبوت نسب بیان کرنے کے بعد ان عورتوں کو بیان کر رہا ہے کہ جو فرقت واقع ہونے کے بعد بچہ کی پرورش کرتی ہیں کیونکہ اس کے بغیر بچہ کی بقا کیلئے دشوار ہے حضانت بکسر حاحضن (ن) حضنا کا مصدر ہے بمعنی پرورش کرنا گود میں لینا (صراح قاموس) مصباح، بحر الرائق، نہر الفائق میں حاء کے فتحہ کو بھی جائز رکھا ہے۔

قولہ احق الخ بچہ کی پرورش کے سلسلہ میں سب سے زیادہ مستحق اس کی ماں ہے فرقت سے قبل ہو یا فرقت کے بعد حدیث میں ہے کہ ایک عورت نے آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ: میرا شکم اس بچہ کیلئے اقامت گاہ اور میری چھاتی اس کے لئے مشکیزہ اور میری گود اس کیلئے گہوارہ رہی ہے اب اس کے باپ نے مجھے طلاق دیدی اور بچہ کو مجھ سے علیحدہ کرنا چاہتا ہے آپ نے فرمایا تو بچہ کی زیادہ مستحق ہے جب تک کہ کسی دوسرے سے نکاح نہ کرے (۱) نیز حضرت عمرؓ نے اپنی اہلیہ جمیلہ بنت ثابت کو طلاق دی اور اپنے لڑکے عاصم کو اس سے لینا چاہا جمیلہ نے انکار کیا اور معاملہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خدمت میں پیش ہوا آپ نے فرمایا: عمر! اس عورت کی گود اور اس کا فراش بچہ کیلئے تجھ سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔ (۲)

قولہ ومن نکحت الخ اگر حاضنہ عورت بچے کے کسی غیر محرم کے ساتھ نکاح کرلے تو اس کا حق حضانت ساقط ہو جاتا ہے کیونکہ اجنبی شخص اپنی زوجہ کے پہلے شوہر کی اولاد سے عموماً خوش نہیں رہتا بلکہ وہ اس کی طرف دیکھتا ہے تو بنظر حقارت اس پر خرچ کرتا ہو تو بطریق شرارت پس بچہ کو اس عورت کی پرورش میں رکھنا بچہ کیلئے مضر ہے ابن المنذر نے کہا ہے کہ اس پر اہل علم کا اجماع ہے بجز حضرت حسن کے کہ ان کے نزدیک حق ساقط نہیں ہوتا ایک روایت امام محمد سے بھی ہے جمہور کی دلیل روایت مذکور ہے جس میں "انت احق بہ مالم تنکحی" کی صراحت موجود ہے پھر اگر مستحق حضانت عورت کو اس کا شوہر طلاق بائن دیدے تو اس کا حق پھر عود کر آئے گا۔

ثُمَّ الْعَصَبَاتُ (۳) بِتَرْتِيْبِهِمْ وَالْاُمُّ وَالْجَدَّةُ اَحَقُّ بِهٖ حَتّٰى يَسْتَغْنِىَ وَقُدِّرَ بِسَبْعِ سِنِيْنَ وَبِهَا.

پھر عصبات ارث کی ترتیب پر اور ماں اور دادی بچہ کی حقدار ہیں یہاں تک کہ بچہ مستغنی ہو جس کا اندازہ سات سال کا ہو اور لڑکی کی حقدار ہیں

حَتّٰى تَحِيْضَ وَغَيْرُهُمَا اَحَقُّ بِهَا حَتّٰى تُشْتَهٰى وَلَا حَقَّ لِلْاَمَةِ وَاُمِّ وَلَدِهٖ

یہاں تک کہ وہ حائضہ ہوں اور ان کے سوا عورتیں لڑکی کی حقدار ہیں یہاں تک کہ وہ لائق خواہش ہو اور باندی اور ام ولد کو کوئی حق نہیں

مَالَمْ تُعْتَقَا وَالذِّمِّيَّةُ (۴) اَحَقُّ بِوَلَدِهَا الْمُسْلِمِ مَالَمْ يَعْقِلْ دِيْنًا وَلَا خِيَارَ لِلْوَلَدِ

(۱) ابوداؤد، حاکم، دار قطنی، عبد الرزاق، ابن راہویہ عن ابی عمرو ۱۲ (۲) ابن ابی شیبہ عبد الرزاق، مالک بیہقی عن عمر بالفاظ مختلفہ ۱۲۔

(۳) .. لکن لاتدفع صبيته الىٰ عصبته غير محرم كمولى العتاقة وابن العم تحرزاعن الفتنة واذالم يكن له عصبية يدفع الى الاخ لام ثم الىٰ ولده ثم العم لام ثم الى الخال لابوين ثم لاب ثم لام لان لهولاء ولاية عند ابى حنيفته ثم الله بيرفى ذالك الى القاضي يدفعه الىٰ ثقة تحضنه حتى يستغنى لا الىٰ فاسق ماجن وهومن لايبالى قولا ولافعلالانه غير مامون عليها ولا الىٰ غير مامونة ايضا من النساء وفى المبسوط لواجتمعت اخوة اواعمام فى درجة واحدة فاولاهم اكثر هم صلاحاً وورعاً فان استووا فاكثر هم سنا ۱۲ حاشيه.

(۴) اى اذا اسلم زوج الذمية وبينهما اولادصغارفالذمية احق بهذه الاولاد مالم يعقل الاديان اويخاف ان يالفه الكفر لان الحضانه تبتنى على الشفقة وهى اشفق عليه فيكون الدفع اليها انظرله مالم يعقل الاديان فاذا عقل ينزع منهالاحتمال الضرر ۱۲ زيلعى ومستخلص.

جب تک کہ وہ آزاد نہ ہوں اور ذمیہ اپنے مسلم بچہ کی حقدار ہے جب تک کہ وہ مذہب کو نہ سمجھے اور بچہ کو کوئی اختیار نہیں

وَلَاتُسَافِرُ مُطَلَّقَةٌ بِوَلَدِهَا اِلَّا اِلیٰ وَطَنِهَا وَقَدْ نَكَحَهَا ثَمَّهُ

اور نہ سفر کرے مطلقہ عورت اپنے بچہ کیساتھ مگر اپنے وطن کی طرف جہاں اس کا نکاح ہوا تھا۔

قولہ ثم العصبات الخ متن میں مذکورہ شدہ حائضہ عورتوں کے بعد پرورش کا حق عصبات کو ہے اور عصبات کی ترتیب وہی ہے جو وراثت میں ہے یعنی سب سے زیادہ مستحق باپ ہے پھر دادا پھر پردادا (وہکذا) اس کے بعد حقیقی بھائی پھر باپ شریک بھائی اس کے بعد حقیقی بھائی کی اولاد پھر باپ شریک بھائی کی اولاد پھر حقیقی چچا پھر چچا کے بیٹے۔

قولہ والام والجدة الخ ماں اور دادی یا نانی (یا کوئی اور حاضنہ عورت) لڑکے کی پرورش کی اس وقت تک مستحق ہے جب تک کہ لڑکا عورتوں کے پاس رہنے سے مستغنی نہ ہو جس کی مدت بقول امام خصاف سات سال ہے عادۃ سات سال میں بچہ اپنے ہاتھ سے کھانے پینے، بول و براز کے بعد خود طہارت حاصل کرنے لگتا ہے اس لئے اب اس کو عورتوں کے پاس رہنے کی ضرورت نہیں رہی اب تو وہ مردوں کے اخلاق و آداب، تعلیم و تادیب اور نماز وغیرہ سیکھنے کا محتاج ہے اور ان امور کی تحصیل پر باپ ہی زیادہ قادر ہے۔

قولہ وبها الخ اور ماں یا دادی لڑکی کی پرورش کی مستحق ہے یہاں تک کہ اس کو حیض آنے لگے یعنی بالغ ہو جائے خواہ بذریعہ حیض ہو یا بذریعہ احتلام ہو یا بذریعہ عمر ہو کیونکہ لڑکی حیض آنے سے قبل تک آداب نساء کاتنے، سینے، پرونے اور کھانے پینے وغیرہ امور کی محتاج ہے اور بلوغ کے بعد عفت و عصمت کی محتاج ہے اور اس پر باپ ہی زیادہ قادر ہے اور ماں اور دادی کے علاوہ حاضنہ عورتیں خالہ، پھوپھی وغیرہ لڑکی کی پرورش کی مستحق ہیں یہاں تک کہ لڑکی شہوت و رغبت کے لائق ہو جائے جس کی مدت بقول ابو اللیث نو برس ہے امام محمد سے ایک روایت ہے کہ ماں اور دادی یا نانی کے پاس بھی لڑکی نو برس سے زیادہ نہ رہے، اسی پر فتویٰ ہے۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

بَابُ النَّفَقَةِ

باب نفقہ کے بیان میں

تَجِبُ النَّفَقَةُ عَلیٰ زَوْجِهَا وَالْكِسْوَةُ بِقَدْرِحَالِهِمَا وَلَوْمَانِعَةً نَفْسَهَا لِلْمَهْرِ لَا نَاشِزَةً وَصَغِيرَةً

واجب ہے بیوی کا نفقہ اس کے شوہر پر اور پوشاک دونوں کی حالت کے مطابق اگر چہ عورت روکنے والی ہو خود کو مہر کی خاطر نہ یہ کہ وہ سرکش ہو اور چھوٹی ہو

لَا تُوْطَأُ وَمَحْبُوْسَةً بِدَيْنٍ وَمَغْصُوْبَةً وَحَاجَّةً مَعَ غَيْرِالزَّوْجِ وَمَرِيْضَةً لَمْ تُزَفَّ وَلِخَادِمِهَا لَوْمُوْسِرًا

نا قابل وطی اور قرض کی وجہ سے قید ہو اور چھن گئی ہو اور غیر شوہر کے ساتھ حج کرنے والی ہو اور بیمار جو شوہر کے حوالے نہ ہوئی ہو اور اس کے خادم کا نفقہ اگر شوہر مالدار ہو

تشریح الفقہ: قولہ النفقہ الخ مادہ نفق لغۃ معنی پر دلالت کرتا ہے بذریعہ بیع ہو جیسے نفق البیع خرید و فروخت رائج ہو گئی یا بذریعہ موت ہو جیسے نفقت الدابۃ نفوقا سواری مرگئی یا بذریعہ فنا ہو جیسے نفقت الدراھم درہم ختم ہو گئے ونفق الرجل آدمی محتاج ہو گیا صاحب بحر نے کہا ہے کہ یہاں جو نفقہ مراد ہو وہ نہ نفوق بمعنی ہلاک سے مشتق ہے اور نہ نفق اور نفاق سے بلکہ نفقہ اس چیز کا نام ہے جو آدمی اپنے اہل و عیال پر خرچ کرے اور شریعت میں نفقہ کے عام معنی اس معین خرچ کے ہیں جس پر بقاشئی موقوف ہو لیکن اس کا غالب استعمال طعام ولباس اور مکان، سکونت میں ہوتا ہے جیسا کہ امام محمد سے منقول ہے نفقہ کا وجوب قرآن وحدیث اور اجماع امت تینوں سے ثابت ہے

قال تعالیٰ وعلی المولود له رزقهن و کسوتهن بالمعروف‘‘ حدیث میں ہے کہ آپ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں یہ بھی فرمایا تھا کہ تم پر دستور کے مطابق زوجات کا نفقہ لازم ہے۔ مسلم عن جابر الطویل۔

قوله تجب الخ وجوب نفقہ کے اسباب تین ہیں۔ نمبرا، زوجیت، نمبر۲، قرابت، نمبر۳ ملکیت مصنف پہلے زوجہ کے نفقہ کو بیان کررہا ہے کیونکہ کتاب النکاح سے یہاں تک بالاصالہ زوجہ کے احکام بیان ہوتے چلے آرہے ہیں اس لئے اس کو ماقبل کے ساتھ مناسبت ہے شوہر پر بیوی کا نفقہ...... یعنی کھانا پینا اور لباس واجب ہے خواہ بیوی مسلمہ ہو یا کافرہ کتابیہ، صغیرہ ہو یا کبیرہ، غنیّۃ ہو یا فقیرہ، باندی ہو یا آزاد، موطوءۃ ہو یا غیر موطوءۃ کیونکہ آیت ’’وعلی المولود له اه‘‘ میں کوئی تفصیل نہیں نیز اگر عورت مہر معجّل وصول کرنے کی وجہ سے خود کو شوہر کے حوالے نہ کرے اور وطی نہ کردے تب بھی نفقہ ساقط نہ ہوگا پھر نفقہ میں شوہر اور بیوی دونوں کے حال کا لحاظ ہے اگر دونوں ہیں تو نفقہ یسار واجب ہوگا اور دونوں نادار ہوں تو نفقہ اعسار اور اگر شوہر مالدار ہو اور عورت نادار تو مالدار عورتوں کے نفقہ سے کم ملے گا اور نادار عورتوں کے نفقہ سے زائد، هذا هو اختیار الخصاف وعلیه الفتویٰ.

قوله لاناشزة الخ اگر عورت ناشزہ ہو یعنی خود کو شوہر سے روکے ہوئے ہو اور بلا اجازت شوہر کے گھر سے چلی گئی ہو یا اتنی چھوٹی ہو کہ اس سے وطی ممکن نہ ہو یا وہ قید خانہ میں مقید ہو (قرض کی وجہ سے مقید ہو یا کسی نے ظلماً مقید کردیا ہو) یا کوئی اس کو غصب کرلے گیا ہو یا عورت شوہر کے علاوہ کسی اور کے ساتھ حج کیلئے چلی گئی ہو اگرچہ وہ غیر اس کا ذی رحم محرم ہو یا عورت بیماری کی وجہ سے شوہر کے حوالے نہ ہوئی ہو تو ان سب صورتوں میں شوہر پر نفقہ واجب نہیں کیونکہ نفقہ اس لئے واجب ہوتا ہے کہ عورت شوہر کے پاس اس کے حق کی وجہ سے محبوس ہوتی ہے اور صور مذکورہ میں یہ احتباس مفقود ہے۔

وَلاَ يُفَرَّقُ بِعِجْزِهٖ عَنِ النَّفَقَةِ وَتُؤْمَرُ بِالْاِسْتِدَانَةِ عَلَيْهِ وَيُتِمُّ نَفَقَةَ الْيَسَارِ بِطُرُوْهٖ

اور جدائی نہ کیجائیگی اگر شوہر نفقہ سے عاجز ہو بلکہ حکم کیا جائے عورت کو شوہر کے نام سے قرض لینے کا اور پورا کیا جائیگا مالداری کا نفقہ مالداری پیش

وَاِنْ قَضٰى بِنَفَقَةِ الْاِعْسَارِ(۱) وَلاتَجِبُ نَفَقَةُ مَامَضَتْ اِلَّابِالْقَضَآءِ اَوِ الرِّضَاءِ وَبِمَوْتِ اَحَدِهِمَا تَسْقُطُ الْمَقْضِيَّةُ

آنے پر گو قاضی نفقہ مفلسی کا حکم کرچکا ہو اور نہیں واجب ہے نفقہ گزشتہ کا مگر قضا کے ساتھ یا رضا کیساتھ اور کسی ایک کے مرجانے سے مقرر کردہ نفقہ

وَلاتُرَدُّ الْمُعَجَّلَةُ وَيُبَاعُ الْقِنُّ فِىْ نَفَقَةِ زَوْجَتِهٖ وَنَفَقَةُ الْاَمَةِ الْمَنْكُوْحَةِ اِنَّمَا تَجِبُ بِالتَّبْوِئَةِ

ساقط ہوجاتا ہے اور واپس نہ لیا جائیگا پیشگی نفقہ اور فروخت کیا جائیگا غلام کو اس کی بیوی کے نفقہ میں اور منکوحہ باندی کا نفقہ شب باشی کرانے سے

وَالسُّكْنٰى فِىْ بَيْتٍ خَالٍ عَنْ اَهْلِهٖ وَاَهْلِهَا وَلَهُمُ النَّظَرُ وَالْكَلاَمُ مَعَهَا

واجب ہوتا ہے اور بیوی کو ایسے گھر میں رکھنا واجب ہے جو میاں بیوی کے اہل سے خالی ہو اور بیوی کے گھر والوں کو اس سے بات چیت کرنے اور

وَفُرِضَ لِزَوْجَةِ الْغَآئِبِ وَطِفْلِهٖ وَاَبَوَيْهِ فِىْ مَالٍ عِنْدَ مَنْ يُّقِرُّ بِهٖ وَبِالزَّوْجِيَّةِ

دیکھنے کی اجازت ہے اور غائب شخص کے بیوی بچوں اور والدین کا نفقہ مقرر کیا جائیگا اس کے مال سے جو ایسے شخص کے پاس ہو جو مال کا اور زوجیت کا اقرار کرتا ہو

وَيُؤْخَذُ كَفِيْلاً مِنْهَا وَلِمُعْتَدَّةِ الطَّلاَقِ لاَ الْمَوْتِ وَالْمَعْصِيَةِ

اور عورت سے ایک ضامن لے لیا جائیگا اور نفقہ واجب ہے طلاق کی عدت والی کے لئے نہ وفات کی عدت والی اور ایسی جدائی کی عدت والی کیلئے جو عورت کی طرف سے ہو

نان نفقہ کے تفصیلی احکام

توضیح اللغۃ: استدانۃ قرض لینا، یسار مالداری، طرو پیش آنا، اعسار تنگدستی، قن غلام، تبوئۃ شب باشی، سکنی جائے رہائش۔

(۱) ...فی النشیۃ اذا عسار غیر مسموع وقال المطرزی انہ خطاً محض وکانہم ارتکبوہا بازاء الیسار ۱۲

تشریح الفقہ: **قوله ولایفرق الخ** اگر شوہر عورت کے نفقہ سے عاجز ہو جائے اور نہ دے پائے تو اس کی وجہ سے ہمارے نزدیک زوجین میں تفریق نہیں کی جائے گی بلکہ عورت سے کہا جائیگا کہ وہ شوہر کے حوالہ پر کسی سے قرض لے لیا کرے حضرت عطاء حسن، ثوری، ابن ابی لیلیٰ، ابن شبرمہ حماد ظاہر یہ سب کا یہی قول ہے، ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ اگر عورت مطالبہ کرے تو تفریق کردی جائے گی کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے "**فامساک بمعروف اوتسریح باحسان**" اور امساک بالمعروف یہی ہے کہ شوہر عورت کے تمام حقوق مہر نان نفقہ وغیرہ ادا کرے اور جب وہ اس سے عاجز ہو گیا تو ضابطہ کے مطابق چھوڑ دینا متعین ہو گیا پھر امام مالک کے نزدیک یہ تفریق طلاق ہوگی اور امام شافعی واحمد کے نزدیک فسخ نکاح ہماری دلیل یہ ہے کہ "**وان کان ذوعسرة فنظرة الیٰ میسره**" سے معلوم ہوتا ہے کہ فقر وفاقہ ابتداء نکاح سے مانع نہیں تو بقاءً بطریق اولیٰ مانع نہ ہوگا علاوہ ازیں تفریق میں شوہر کی ملک کا بطلان لازم آتا ہو اور قرض لینے میں اس کے حق کی تاخیر اور تاخیر حق بہ نسبت بطلان کے آسان ہے لہٰذا یہی بہتر ہوگا۔

قوله ولاتجب الخ زید نے ایک عورت سے نکاح کیا اور کئی ماہ گزر گئے کہ اس کو نان نفقہ نہیں دیا اب عورت مطالبہ کرتی ہے تو گزشتہ ماہ کا نفقہ زید کے ذمہ واجب نہ ہوگا الا یہ کہ نفقہ قاضی نے مقرر کیا ہو یا عورت نے نفقہ کی کسی مقدار پر شوہر کے ساتھ صلح کرلی ہو کہ اس صورت میں نفقہ واجب ہوگا ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ قضاءِ قاضی اور مصالحت زوجین کے بغیر بھی نفقہ شوہر کے ذمہ دین ہوگا کیونکہ مہر کی طرح نفقہ بھی حق واجب ہے ہم یہ کہتے ہیں کہ نفقہ ایک قسم کا تبرع ہے پس قضاءِ قاضی یا مصالحت زوجین کے بغیر اس کا وجوب مستحکم نہ ہوگا بخلاف مہر کے کہ وہ بضع محترم کا عوض ہے پس اس میں قضاءِ قاضی اور تراضی کی ضرورت نہیں۔

قوله ولاترد المعجلة الخ زید نے اپنی بیوی کو ایک سال کا پیشگی نفقہ دیا پھر ان میں سے کسی کا انتقال ہو گیا تو شیخین کے نزدیک پیشگی نفقہ واپس نہیں لیا جائیگا امام محمد اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ زندگی کا نفقہ وضع کر کے باقی حساب لگا کر لے لیا جائیگا کیونکہ نفقہ احتباس کی وجہ سے واجب ہوتا ہے اور جب سال پورا ہونے سے پہلے انتقال ہو گیا تو عورت بقیہ نفقہ کی مستحق نہیں ہوئی شیخین یہ فرماتے ہیں کہ نفقہ ایک قسم کا عطیہ ہے جس پر قبضہ ہو چکا اور صلات وعطیات میں موت کے بعد رجوع نہیں ہوتا۔

قوله ونفقه الامة الخ اگر کوئی شخص باندی کے ساتھ نکاح کرلے تو شوہر پر اس کا نفقہ اس وقت واجب ہوگا جب آقا ان کو علیحدہ مکان میں شب باشی کرائے اور باندی سے خدمت نہ لے ورنہ شوہر پر اس کا نفقہ واجب نہیں۔

قوله والسکنی الخ اس کا عطف النفقہ پر ہے جو شروع باب میں مذکور ہے مطلب یہ ہے کہ جس طرح شوہر پر بیوی کا نفقہ ضروری ہے اسی طرح اس کو ایسے مکان میں رکھنا بھی ضروری ہے جس میں زوجین کے اہل وعیال ماں بہن، بھائی، سسر، جیٹھ، دیور وغیرہ نہ ہوں **قال تعالیٰ "اسکنوهن من حیث سکنتم من وجد کم"۔**

قوله وفرض الخ اگر شوہر غائب ہو اور اس کا مال کسی کے پاس بطور امانت یا بطور قرض ہو تو اس کی بیوی اور چھوٹے بچوں اور اس کے والدین کا نفقہ اس کے مال سے مقرر کیا جائیگا اور بیوی جو مال نفقہ میں لے گی اس پر بیوی سے ایک ضامن لے لیا جائیگا جو اس پر قسم کھائے کہ شوہر نے اس کو نفقہ نہیں دیا اور عورت نہ ناشزہ ہے نہ مطلقہ (جس کی عدت گزر گئی ہو) لیکن نفقہ مقرر کرنے کیلئے دو شرطیں ہیں ایک یہ کہ امانت دار اور مقروض اس کا اقرار کرتے ہوں کہ فلاں غائب کا مال ہمارے پاس ہے دوسرے یہ کہ اس کا بھی اقرار کرتے ہوں کہ یہ عورت اس کی بیوی ہے اور یہ بچے اسی کی اولاد ہیں اس اقرار کے بغیر نفقہ اس کے مال سے مقرر نہ ہوگا۔

قوله ولمعتدة الطلاق الخ اگر مطلقہ عورت عدت میں ہو تو اس کا نفقہ بھی شوہر پر واجب ہے خواہ طلاق رجعی ہو یا بائن، ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ اگر مطلقہ ثلاث ہو یا طلاق بالعوض ہو تو اسکا نفقہ واجب نہیں ہاں اگر حاملہ ہو تو بالاجماع نفقہ واجب ہے **لقوله تعالیٰ "وان کن اولات حمل فانفقوا علیهن حتیٰ یضعن حملهن"** ائمہ ثلاثہ کی دلیل فاطمہ بنت قیس کی حدیث ہے کہ "ان

کے شوہر نے ان کو تین طلاقیں دیدی تھیں فاطمہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں معاملہ پیش کیا تو آپ نے ان کیلئے نفقہ اور سکنیٰ مقرر نہیں فرمایا(۱)۔ روایت میں یہ الفاظ بھی مروی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''انما السکنیٰ و النفقۃ لمن کان یملک الرجعۃ''(۲)۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے آیت ''اسکنوھن من حیث سکنتم من وجد کم'' میں علی الاطلاق سکنیٰ ضروری فرمایا ہے نیز دار قطنی اور بیہقی کی روایت میں ہے کہ ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مطلقہ ثلاث کیلئے سکنیٰ اور نفقہ ثابت ہے''(۳)۔ رہی حدیث فاطمہ سووہ قابل حجت نہیں کیونکہ خود صحابہ نے اس کو رد کیا ہے حضرت عمر فرماتے ہیں کہ ''ہم اپنے رب کی کتاب اور اپنے نبی کی سنت ایک ایسی عورت کے کہنے سے نہیں چھوڑ سکتے جسکے متعلق یہ معلوم نہیں کہ اس کو بات محفوظ رہی یا وہ بھول گئی (مسلم) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ''فاطمہ کو کیا ہوا کہ وہ (لاسکنی لک و لانفقہ) کہنے میں اللہ سے نہیں ڈرتی (بخاری) اسی طرح حضرت اسامہ بن زید، زید بن ثابت، مروان بن الحکم، ابن المسیب، شریح، شعبی، حسن، اسود، ثوری، احمد بن حنبل سب نے اس کو رد کیا ہے وللمسئلۃ ذیل طویل ونحن مخافۃ التطویل طوینا الکشح عن التفصیل۔

وَرِدَّتُهَا بَعْدَ الْبَتِّ تُسْقِطُ نَفَقَتَهَا لاتَمْكِيْنُ ابْنِهٖ وَلِطِفْلِهِ الْفَقِيْرِ

اور عورت کا مرتد ہوجانا طلاق بائن کے بعد ساقط کردیتا ہے اس کے نفقہ کو نہ کہ شوہر کے لڑکے کو قابو دیدینا اور نفقہ واجب ہے اپنے محتاج بچے کا

وَلاتُجْبَرُ اُمُّهٗ لِتُرْضِعَهٗ وَيَسْتَاْجِرُ مَنْ تُرْضِعُهٗ عِنْدَهَا لاَ اُمَّهٗ لَوْمَنْكُوْحَةً اَوْ مُعْتَدَّةً

اور ماں کو مجبور نہیں کیا جائیگا دودھ پلانے پر بلکہ اجرت پر لیگا اس کو جو بچہ کو ماں کے پاس دودھ پلائے نہ کہ اس کی ماں کو اگر وہ منکوحہ یا معتدہ ہو

وَهِيَ اَحَقُّ بَعْدَهَا مَالَمْ تَطْلُبْ زِيَادَةً وَلِاَبَوَيْهِ وَاَجْدَادِهٖ وَجَدَّاتِهٖ لَوْ فُقَرَآءَ وَلاَ نَفَقَةَ

اور ماں زیادہ حقدار ہے عدت کے بعد جبتک زیادہ نہ مانگے اور نفقہ واجب ہے باپ دادا دادی کا اگر وہ محتاج ہوں اور واجب نہیں ہوتا دین کے

مَعَ اخْتِلاَفِ الدِّيْنِ اِلَّا بِالزَّوْجِيَّةِ وَالْوِلَادَةِ وَلَا يُشَارِكُ الْاَبَ وَالْوَلَدَ فِيْ نَفَقَةِ وَلَدِهٖ وَاَبَوَيْهِ اَحَدٌ

مختلف ہونے سے مگر زوجیت اور باپ بیٹا ہونے کے تعلق سے اور شریک نہ ہو باپ اور اولاد اور والدین کے نفقہ میں کوئی دوسرا شخص

وَلِقَرِيْبٍ مُحْرِمٍ فَقِيْرٍ عَاجِزٍ عَنِ الْكَسْبِ بِقَدْرِالْاِرْثِ لَوْ مُوْسِرًا وَصَحَّ بَيْعُ عَرْضِ ابْنِهٖ

اور نفقہ واجب ہے رشتہ دار محرم کیلئے جو محتاج اور کمانے سے عاجز ہو بقدر وراثت مالدار ہو اور صحیح ہے اپنے بیٹے کے اسباب کو بیچنا نفقہ کے لئے نہ کہ

لاعِقَارِهٖ لِنَفَقَتِهٖ وَلَوْ اَنْفَقَ مُوْدَعُهٗ عَلٰى اَبَوَيْهِ بِلَا اَمْرِهٖ ضَمِنَ وَاِنْ اَنْفَقَا مَا عِنْدَهُمَا

اس کی زمین کو اور اگر خرچ کیا مودع نے صاحب مال کے والدین پر بلا اجازت تو ضامن ہوگا اور اگر والدین نے خرچ کرلیا تو ضامن نہ ہونگے

لا فَلَوْ قَضٰى بِنَفَقَةِ الْوِلَادِ وَالْقَرِيْبِ وَمَضَتْ مُدَّةٌ سَقَطَتْ اِلَّا اَنْ يَّاْذَنَ الْقَاضِىُ بِالْاِسْتِدَانَةِ

اگر قاضی نے ماں باپ یا بیٹے یا رشتہ دار کیلئے نفقہ کا حکم کیا اور مدت گذر گئی تو ساقط ہوجائیگا الا یہ کہ حکم کردے قاضی قرض لینے کا

وَلِمَمْلُوْكِهٖ فَاِنْ اَبٰى فَفِيْ كَسْبِهٖ وَاِلَّا اُمِرَ بِبَيْعِهٖ

اور نفقہ واجب ہے اپنے غلام کیلئے اگر آقا نہ دے تو غلام کی کمائی سے ہوگا ورنہ غلام کو فروخت کردیا جائیگا

(۱) ... الجماعۃ غیر البخاری عن فاطمہ ۱۲ (۲) دار قطنی بروایت ہشیم عن مجالد عن الشعبی، ابن اصبغ بروایت ابن عیینۃ عن مجالد عن الشعبی، احمد بروایت عبدۃ عن مجالد عن الشعبی، دار قطنی بروایت یسار و حصین ومغیرۃ و داؤد و اسماعیل بن ابی خالد عن الشعبی بیہقی بروایت فراس عن الشعبی ۱۲

(۳) ... ورواہ الطبرانی من قول ابن مسعود و عمر ۱۲۔

بقیہ احکام نفقہ

تشریح الفقہ : قولہ ولا تجب مع اختلاف الخ اگر دین مختلف ہو تو کسی کا نفقہ واجب نہیں نہ کافر کا مسلم پر نہ مسلم کا کافر پر سوائے بیوی اور اصول وفروع کے کہ ان کا نفقہ اختلاف دین کے باوجود واجب ہے وجہ یہ ہے کہ وجوب نفقہ کا مدار بموجب نص قرآنی وراثت پر ہے اور مسلم وکافر کے مابین وراثت نہیں بخلاف زوجہ اور اصول وفروع کے کہ زوجہ کیلئے وجوب نفقہ کی علت احتباس ہے اور اصول وفروع میں علت وجوب جزئیت ہے اور احتباس وجزئیت میں اختلاف دین کی وجہ سے کوئی اختلاف نہیں ہوتا۔

قولہ ولا یشارک الخ اولاد اور والدین کے نفقہ میں باپ اور بیٹے کا کوئی مشارک نہیں یعنی اولاد کا نفقہ باپ ہی پر واجب ہے نہ کہ کسی اور پر نیز باپ کا نفقہ فرزند ہی پر واجب ہے نہ کہ اس کے چچا وغیرہ پر اسی طرح بیوی کا نفقہ شوہر ہی پر واجب ہے نہ کہ غیر پر پس باپ کے ہوتے ہوئے اس کی اولاد کے نفقہ میں کوئی شریک نہیں باپ مالدار ہو یا تنگدست یہ روایت قدوری کی ہے جس کو عام اصحاب متون نے اختیار کیا ہے اور شروح میں اسی روایت پر اتفاق واعتماد ہے اور یہی مفتی بہا ہے صاحب بحر نے جو کہا ہے کہ متون فقہ کو درست کرنا چاہئے کیونکہ اگر باپ تنگدست ہو تو اس کی اولاد کا نفقہ قرابت والوں پر واجب ہے یہ لائق التفات نہیں کیونکہ نقل مذہب کیلئے متون ہی مخصوص ہیں پھر صاحب نہر کا اس مقام پر خاموش رہنا اور صاحب بحر کی خام خیالی پر متنبہ نہ کرنا تعجب خیز بات ہے کیونکہ صاحب بحر پر اعتراض کرنا اور ایسے مقام میں بحث کرنا ان کی عام عادت ہے۔

كِتَابُ الْعِتَاقِ

هُوَ اِثْبَاتُ الْقُوَّةِ الشَّرْعِيَّةِ فِي الْمَمْلُوْكِ وَيَصِحُّ مِنْ حُرٍّ مُكَلَّفٍ لِمَمْلُوْكِهٖ بِاَنْتَ حُرٌّ وَبِمَا

اور وہ ایک شرعی قوۃ ثابت کرنا ہے غلام کے لئے اور صحیح ہے آزاد عاقل بالغ سے جبکہ وہ کہے اپنے غلام سے کہ تو آزاد ہے اور ان الفاظ سے جن کے

يُعَبَّرُ بِهٖ عَنِ الْبَدَنِ وَعَتِيْقٌ وَمُعْتَقٌ وَمُحَرَّرٌ وَحَرَّرْتُکَ اَوْ اَعْتَقْتُکَ نَوَاهُ اَوْ لَا

ذریعہ کل کی تعبیر ہوتی ہے اور اس سے کہ تو آزاد شدہ یا آزاد کردہ ہے اور میں نے تجھے آزاد کردیا نیت کرے یا نہ کرے

وَبِلَا مِلْکَ لِيْ عَلَيْکَ وَلَا رِقَّ لِيْ وَلَا سَبِيْلَ لِيْ عَلَيْکَ اِنْ نَوَاهُ

اور اس سے کہ تجھ پر میری ملک میرا اختیار نہیں بشرطیکہ آزادی کی نیت کرے۔

تشریح الفقہ : قولہ کتاب الخ طلاق اور عتاق دونوں رفع قید میں مشترک ہیں طلاق میں قید نکاح مرتفع ہوتی ہے اور عتاق میں قید مملوکیت مگر نکاح کے ساتھ طلاق کی مناسبت تامہ ہے اس لئے طلاق کے بعد عتاق کو ذکر کر رہا ہے شریعت میں اسقاط حقوق کو بغرض اختصار چند اسما کے ساتھ ممتاز کیا گیا ہے چنانچہ اسقاط حقوق قصاص کو عفو کہتے ہیں اور اسقاط دین کو ابرا اور اسقاط حق وطی کو طلاق اور اسقاط ملک رقبہ کو اعتاق۔

قولہ هو اثبات الخ عتق اور عتاق لغۃً عتق (ض) کا مصدر ہے مملوکیت سے نکلنے کو کہتے ہیں (مغرب) نیز عتق بمعنی قوت بھی آتا ہے کیونکہ رق بمعنی ضعف ہے یقال ثوب رقیق، صوت رقیق اور عتق ازالہ ضعف کو کہتے ہیں جو قوت کو مستلزم ہے[1] (مبسوط) اصطلاح شرع میں عتاق اس قوت شرعیہ کا نام ہے جو غلام کو حاصل ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ شرعی تصرفات شہادت، ولایت وغیرہ کا اہل ہو جاتا ہے اسی قوت کے اثبات کا نام اعتاق ہے اس تعریف کے لحاظ سے اعتاق میں تجزی نہیں ہو سکتی صاحبین اسی کے قائل ہیں حدیث کے الفاظ وان لم یکن له مال قوم علیه فاستسعی العبد به غیر مشقوق علیه[2] اسی پر دال ہیں امام صاحب کے نزدیک اعتاق میں تجزی ممکن ہے کیونکہ ظاہر حدیث ''والا فقد عتق منه ما عتق[3]'' سے یہی معلوم ہوتا ہے پس امام صاحب کے نزدیک اعتاق کی

(۱) ... پس صاحب بحر نے جو یہ کہا ہے کہ ہذا اولی من قولہم ان العتق فی اللغۃ القوۃ لان اہل اللغۃ لم یقولوا عتق العبد اذا قوی وانما قالوا عتق العبد اذا خرج عن المملوکیۃ'' قابل التفات نہیں ۱۲ (۲) ائمہ ستہ ۱۲ (۳) ائمہ ستہ۔

تعریف یوں ہوگی"هو ازالة الملک عن المملوک"۔
فائدہ: عتق کی چار قسمیں ہیں عتق واجب جیسے کفارہ ظہار وقتل وافطار میں غلام آزاد کرنا قال تعالیٰ "فتحریر رقبة مومنة عتق مندوب یعنی رضاء باری کیلئے آزاد کرنا حضور صلعم کا ارشاد ہے کہ" جو شخص مسلمان کو آزاد کرے گا حق تعالیٰ اس کے ہر عضو کے عوض میں آزاد کنندہ کا ہر عضو دوزخ سے آزاد کرے گا" اہل تاریخ نے ذکر کیا ہے کہ آنحضرت صلعم اور حضرت ابوبکر صدیق نے تریسٹھ تریسٹھ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے تیس ہزار غلام آزاد کئے عتق مباح جیسے کسی آدمی کی خاطر آزاد کرنا بعض نے اس کو مکروہ شمار کیا ہے بایں معنی کہ ایسا عمدہ کام بے فائدہ ہوگیا عتق حرام جیسے شیطان اور بت کے واسطے آزاد کرنا (بشرطیکہ تعظیم مقصود نہ ہو ورنہ کفر ہے)۔
قوله ويصح الخ عتق ہر آزاد مکلف یعنی عاقل بالغ سے صحیح ہے خواہ صریح الفاظ کے ساتھ ہو یا کنایات کے ساتھ عتق کے صریح الفاظ انت حر، وجهک حر، انت عتیق الخ میں نیت کرے یا نہ کرے بہردوصورت صحیح ہے کیونکہ نیت کی ضرورت وہاں ہوتی ہے جہاں متکلم کی مراد میں اشتباہ ہو اور صریح الفاظ میں کوئی اشتباہ نہیں ہوتا لہٰذا نیت کی ضرورت نہیں ہاں کنائی الفاظ لا ملک لی علیک. لا رق لی علیک میں نیت شرط ہے کیونکہ ان میں عتق اور غیر عتق دونوں کا احتمال ہوتا ہے یعنی یہ بھی ممکن ہے کہ سبیل و ملک کی نفی بذریعہ بیع یا بذریعہ کتابت ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ نفی بذریعہ عتق مراد ہو پس نیت کے بغیر غلام آزاد نہ ہوگا۔

وَبِهٰذَا ابْنِيْ اَوْاَبِيْ اَوْاُمِّيْ اَوْبِهٰذَامَوْلَايَ اَوْ يَا مَوْلَايَ اَوْ يَاحُرُّاَوْعَتِيْقُ عُتِقَ لاَ بِيَاابْنِيْ وَيَااَخِيْ
اوراس سے کہ یہ میرا بیٹا یا باپ یا ماں یا مولیٰ ہے یا یوں کہے اے میرے مولیٰ اے آزاد اے عتیق لیکن اس سے آزاد نہ ہوگا کہ اے میرے بیٹے اے بھائی
وَلاَسُلْطَانَ لِيْ عَلَيْکَ وَبِاَلْفَاظِ الطَّلاَقِ وَبِاَنْتَ مِثْلُ الْحُرِّوَعُتِقَ بِمَا اَنْتَ اِلاَّحُرٌّ وَبِمِلْکِ قَرِيْبٍ مُحْرِمٍ
تجھ پر مجھکو غلبہ نہیں اور نہ الفاظ طلاق سے اور نہ اس سے کہ تو مثل آزاد کے ہے اور آزاد ہو جائیگا اس سے کہ نہیں ہے تو مگر آزاد اور رشتہ دار محرم کے
وَلَوْکَانَ الْمَالِکُ صَبِيًّااَوْمَجْنُوْنًا وَبِتَحْرِيْرٍ لِوَجْهِ اللّٰهِ اَوْلِلشَّيْطَانِ اَوْلِلصَّنَمِ وَبِکُرْهٍ وَسُکْرٍ
مالک ہونے سے اگرچہ مالک بچہ یا دیوانہ ہو اور خدا کی رضا یا شیطان یا بت کیلئے آزاد کرنے سے اور زبردستی اور حالت نشہ میں آزاد کرنے سے
وَاِنْ اَضَافَهُ اِلَى الْمِلْکِ اَوِ الشَّرْطِ صَحَّ وَلَوْحَرَّرَ حَامِلاً عُتِقَا وَاِنْ حَرَّرَهُ عُتِقَ فَقَطْ
اگر منسوب کیا عتق کو ملک یا شرط کی طرف تو صحیح ہے اور اگر حاملہ کو آزاد کیا تو باندی اور حمل دونوں آزاد ہوجائیں گے اور اگر حمل کو آزاد کیا تو صرف وہی
وَالْوَلَدُ يَتْبَعُ الْاُمَّ فِي الْمِلْکِ وَالْحُرِّيَّةِ وَالرِّقِّ وَالتَّدْبِيْرِ وَالْاِسْتِيْلاَدِ وَالْکِتَابَةِ وَوَلَدُ الْاَمَةِ مِنْ سَيِّدِهَا حُرٌّ
آزاد ہوگا اور بچہ تابع ہوتا ہے ماں کا ملک میں آزادی میں غلامی میں اور مدبر وام ولد اور مکاتب ہونے میں اور جو بچہ باندی کے آقا سے ہو وہ آزاد ہے۔

توضیح اللغۃ: مولیٰ بمعنی آقا آزاد وغیرہ صنم بت کرہ زبردستی سکر مستی یتبع تابع ہوتا ہے تدبیر مدبر بنانا:

تشریح الفقہ: قوله وهذا ابنی الخ ہذا ابنی سے یا عتیق تک سب انت حر پر معطوف ہیں یعنی ان الفاظ سے بھی عتق بلانیت صحیح ہے مگر ان میں قدرے تفصیل ہے اس لئے مصنفؒ نے الفاظ صریحہ کے ساتھ ذکر نہیں کیا تفصیل یہ ہے کہ یہاں تین الفاظ تو وہ ہیں جن سے نسب ثابت ہوتا ہے یعنی لفظ ابن لفظ اب لفظ ام تو ہذا سے جو اس نے غلام کی طرف اشارہ کیا ہے یہ دوحال سے خالی نہیں یا تو غلام میں اس کا لڑکا ہونے کی صلاحیت ہوگی یا نہ ہوگی ان میں سے ہر ایک کی پھر دوصورتیں ہیں غلام مجہول النسب ہوگا یا معروف النسب سو اگر غلام مجہول النسب ہو اور اس کا لڑکا ہونے کی صلاحیت رکھتا ہو مثلاً مالک کی عمر چالیس سال کی ہو اور غلام کی عمر بیس سال کی اور مالک کہے هذا ابنی تو بالاجماع نسب بھی ثابت ہو جائیگا اور آزادی بھی ثابت ہو جائے گی اور غلام معروف النسب ہو تو نسب ثابت نہ ہوگا لیکن آزاد ہو

جائے گی اور اگر غلام لڑکا بننے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو مثلاً مالک کی عمر بیس سال کی ہو اور غلام کی عمر چالیس کی تو بلاشبہ نسب ثابت نہ ہوگا رہی آزادی سو امام صاحبؒ کے نزدیک آزادی ہو جائیگی غلام مجہول النسب ہو یا معروف النسب اور صاحبینؒ کے نزدیک آزادی بھی نہیں ہوگی اسی طرح کی تفصیل ہذا ابی اور ہذہ امی کہنے میں ہے چوتھا لفظ مولی ہے جس میں اخبار اور ندا کا کوئی فرق نہیں دونوں صورتوں میں عتق صحیح ہے خبر کی صورت میں تو اس لئے کہ لفظ مولیٰ گو معانی کثیرہ مالک، آزاد، ناصر، ابن العم وغیرہ کو شامل ہے چنانچہ ابن الاثیر نے بیس معانی سے زائد شمار کرائے ہیں لیکن جب کسی سے کہا جائے ہذا مولیٰ تو آزاد کے علاوہ اور کوئی معنی مناسب نہیں اس لئے یہ صریح الفاظ کے ساتھ لاحق ہے اور ندا کی صورت میں اس لئے کہ جب یہ صریح الفاظ کے ساتھ لاحق ہو گیا تو جیسے صریح الفاظ سے ندا کی صورت میں عتق صحیح ہے ایسے ہی اس سے بھی عتق صحیح ہوگا البتہ امام زفر اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بلانیت صحیح نہیں وفی البحر زیادۃ تفصیل فطالعہ ان شئت۔

بَابُ الْعَبْدِ يُعْتَقُ بَعْضُهٗ

باب اس غلام کے بیان میں جس کا کچھ حصہ آزاد کیا جائے

مَنْ اَعْتَقَ بَعْضَ عَبْدِهٖ لَمْ يُعْتَقْ كُلُّهٗ وَيَسْعٰى لَهٗ فِيْمَا بَقِيَ وَهُوَ كَالْمُكَاتَبِ وَاِنْ اَعْتَقَ نَصِيْبَهٗ

جو شخص اپنے غلام کا کچھ حصہ آزاد کرے تو وہ کل آزاد نہیں ہوتا بلکہ وہ باقی میں سعایت کریگا اور وہ مکاتب کے حکم میں ہے اور اگر اپنا حصہ آزاد کیا تو شریک

فَلِشَرِيْكِهٖ اَنْ يُّحَرِّرَهٗ اَوْيَسْتَسْعِيْ وَالْوَلَآءُ لَهُمَا اَوْيُضَمِّنَ لَوْ مُوْسِرًا وَيَرْجِعُ بِهٖ عَلَى الْعَبْدِ وَالْوَلَآءُ لَه

کو اختیار ہے آزاد کرے یا سعایت کرائے اور ولاء دونوں کیلئے ہوگی یا ضامن بنادے اگر مالدار ہو اور وہ غلام سے لیلے اور ولاء صرف معتق کیلئے ہوگی۔

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ بعض غلام آزاد کرنے کی بہ نسبت کل غلام آزاد کرنا کثیر الوقوع ہے اور ظاہر ہے کہ کثیر الوقوع شئے کے احکام کی ضرورت زیادہ واقع ہوتی ہے اس لئے عتق کل بیان کرنے کے بعد عتق بعض کو بیان کر رہا ہے نیز عتق کل متفق علیہ اور کثیر الثواب ہے اور عتق بعض مختلف فیہ اور قلیل الاجر ہے اس لئے بھی عتق بعض کو موخر کرنا مناسب ہے۔

قولہ من اعتق الخ اگر کوئی شخص اپنے غلام کا کچھ حصہ آزاد کرے خواہ وہ حصہ معین ہو جیسے نصف، ثلث، ربع وغیرہ یا غیر معین تو امام صاحبؒ اور حسن بصری کے نزدیک اتنا ہی حصہ آزاد ہوگا نہ کہ کل اور غیر معین ہونے کی صورت میں معتق سے بیان کرایا جائیگا اب غلام اپنے باقی حصہ میں مالک کیلئے سعایت کرے گا یعنی اگر غلام کی قیمت سو روپے ہو تو پچاس روپے کما کر مالک کو دے گا اور پورا آزاد ہو جائیگا صاحبین ائمہ ثلاثہ، قتادہ، ثوری اور شعبی کے نزدیک بعض حصہ آزاد کرنے سے بھی کل آزاد ہو جائے گا اور غلام پر سعایت واجب نہ ہوگی یہ اختلاف دراصل اعتاق کی تفسیر پر مبنی ہے صاحبین کے نزدیک موجب اعتاق زوال رقیت ہے اور رقیت تجزی و تقسیم کو قبول نہیں کرتی تو عتق میں بھی تجزی نہ ہوگی امام صاحب کے نزدیک موجب اعتاق ازالہ ملک ہے جو بالاتفاق متجزی ہے پس اس کا ازالہ بھی متجزی ہوگا ہر ایک کی دلیل شروع باب میں گزر چکی ہے۔

قولہ وھو کالمکاتب الخ معتق البعض مکاتب کے حکم میں ہوتا ہے کہ نہ اس کی بیع جائز ہے اور نہ ہبہ مگر تین امور اس سے مستثنیٰ ہیں نمبرا، اگر سعایت سے عاجز ہو جائے تو غلامی کی طرف واپس نہ آئیگا بخلاف مکاتب کے کہ وہ بدل کتابت سے عاجز ہونے کی صورت میں پھر غلام ہو جاتا ہے، نمبر۲: اگر معتق البعض اور خالص غلام کو بیع میں جمع کیا جائے تو دونوں کی بیع باطل ہو جائے گی بخلاف مکاتب کے کہ مکاتب اور خالص غلام کی صورت میں صرف مکاتب کی بیع باطل ہوتی ہے۔ نمبر۳: اگر معتق البعض مقتول ہو جائے اور بقدر سعایت نہ چھوڑے تو اس کے قاتل پر قصاص واجب نہیں بخلاف مکاتب کے کہ اس کے قاتل سے قصاص لیا جائے گا۔

قولہ وان اعتق الخ ایک غلام کے دو مالک تھے ان میں سے ایک نے اپنا حصہ آزاد کر دیا تو دوسرے کو چند چیزوں میں اختیار ہے اگر معتق مالدار ہو تو دوسرا شخص چاہے اپنا حصہ فی الحال آزاد کر دے اور چاہے تو معتق سے اپنے حصہ کی قیمت کا ضمان لے لے

اور چاہے تو غلام سے سعایت کرالے اگر وہ اپنا حصہ آزاد کرتا ہے یا غلام سے سعایت کراتا ہے تو ولاء[1] دونوں مالکوں کیلئے ہوگی اور اگر معتق سے ضمان لیتا ہے تو معتق غلام سے اتنی قیمت وصول کرلے گا اور ولاء صرف معتق کیلئے ہوگی اور اگر معتق تنگدست ہو تو شریک آخر چاہے اپنا حصہ آزاد کردے اور چاہے غلام سے سعایت کرالے بہر دو صورت ولاء دونوں کیلئے ہوگی یہ حکم امام صاحبؒ کے نزدیک ہے صاحبین فرماتے ہیں کہ اگر معتق مالدار ہو تو شریک صرف ضمان دے گا اور تنگدست ہو تو غلام سے سعایت کرائیگا اور غلام سے وصول نہیں کرسکے گا اور ولاء ہر صورت میں معتق کیلئے ہوگی یہ اختلاف دو دقیق اصولوں پر مبنی ہے ایک اعتاق کو تجزی ہونے اور نہ ہونے پر دوسرے اس پر کہ امام صاحب کے نزدیک معتق کا مالدار ہونا سعایت عبد سے مانع نہیں اور صاحبین کے نزدیک مانع ہے۔

وَلَوْ شَهِدَ كُلٌّ بِعِتْقِ نَصِيبِ صَاحِبِهٖ سَعٰى لَهُمَا وَلَوْعَلَّقَ اَحَدُهُمَا عِتْقَهٗ بِفِعْلِ فُلَانٍ

اگر گواہی دی ہر ایک نے اپنے شریک کے حصہ کے آزاد کرنے پر تو غلام دونوں کیلئے سعایت کریگا اور اگر ایک نے معلق کیا آزادی کو فلاں کے فعل پر

غَدًا وَعَكَسَ الْاٰخَرُ وَمَضٰى وَلَمْ يُدْرَ عُتِقَ نِصْفُهٗ وَسَعٰى فِىْ نِصْفِهٖ لَهُمَا

کل کے دن اور دوسرے نے برعکس کیا اور کل کا دن گذر گیا اور معلوم نہ ہوا تو نصف آزاد ہوجائیگا اور نصف میں دونوں کیلئے سعایت کریگا

وَلَوْحَلَفَ كُلٌّ وَاحِدٍ بِعِتْقِ عَبْدِهٖ لَمْ يُعْتَقْ وَاحِدٌ وَلَوْ مَلَكَ ابْنَهٗ مَعَ اٰخَرَ

اور اگر ہر ایک نے قسم کھائی اپنے غلام کی آزادی کی تو کوئی بھی آزاد نہ ہوگا جو شخص مالک ہوگیا اپنے بیٹے کا دوسرے کیساتھ

عُتِقَ حَظُّهٗ وَلَمْ يَضْمَنْ وَلِشَرِيْكِهٖ اَنْ يُّعْتِقَ اَوْ يَسْتَسْعٰى وَاِنِ اشْتَرٰى نِصْفَهٗ اَجْنَبِىٌّ ثُمَّ الْاَبُ مَابَقِىَ فَلَهٗ اَنْ يُّضَمِّنَ الْاَبَ

تو اس کا حصہ آزاد ہوجائیگا اور ضامن نہ ہوگا اب اس کا شریک آزاد کرے یا سعایت کرائے اور اگر پہلے اجنبی نے باقی کو خریدا تو شریک چاہے باپ

اَوْ يَسْتَسْعٰى وَاِنِ اشْتَرٰى نِصْفَ ابْنِهٖ مِمَّنْ يَّمْلِكُ كُلَّهٗ لَايَضْمَنُ لِبَائِعِهٖ

سے تاوان لیلے چاہے سعایت کرالے اور اگر خریدا اپنے بیٹے کے نصف کو اس شخص سے جو کل کا مالک تھا تو باپ ضامن نہ ہوگا بائع کے لئے

عَبْدٌ لِمُوْسِرِيْنَ دَبَّرَهٗ وَاحِدٌ وَحَرَّرَهٗ اٰخَرُ يُضَمِّنُ السَّاكِتُ الْمُدَبِّرَ

ایک غلام ہے تین مالداروں کا ایک نے اس کو مدبر کیا دوسرے نے آزاد تو ضامن بنائیگا ساکت مدبر کو

وَالْمُدَبِّرُ الْمُعْتِقَ ثُلُثَهٗ مُدَبَّرًا لَا مَا ضَمِنَ وَلَهٗ قَالَ لِشَرِيْكِهٖ

اور مدبر ضامن بنائے گا معتق کو ثلث قیمت کا مدبر ہونیکی حالت میں نہ کہ اس قیمت کا جو اس نے دی ہے اگر کسی نے اپنے شریک سے کہا

هِىَ اُمُّ وَلَدِكَ فَاَنْكَرَ تَخْدِمُهٗ يَوْمًا وَتَتَوَقَّفُ يَوْمًا

کہ یہ باندی تیری ام ولد ہے اور شریک نے انکار کیا تو باندی ایک روز منکر کی خدمت کرے اور ایک روز بیٹھی رہے

تشریح الفقہ: قولہ ولوشھد الخ اگر ہر شریک دوسرے کے متعلق یہ کہے کہ تو نے اپنا حصہ آزاد کردیا اور ہر ایک اس کا انکار کرے تو امام صاحبؒ کے نزدیک غلام دونوں کیلئے سعایت کرے گا دونوں مالدار ہوں یا کوئی ایک تنگدست ہو کیونکہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کے متعلق عتق کی اور اپنے متعلق مکاتب کی خبر دے رہا ہے پس ہر ایک کا قول خود اس کے حق میں مقبول ہوگا اور غلام ہر ایک کیلئے سعایت کرے گا نیز ولاء بھی ہر ایک کیلئے ہوگی کیونکہ ان میں سے ہر ایک کا خیال یہ ہے کہ میرا حصہ بجہت سعایت آزاد ہوا ہے صاحبین کے نزدیک حکم یہ ہے کہ اگر دونوں مالدار ہوں تو سعایت واجب نہیں کیونکہ معتق کا مالدار ہونا ان کے یہاں مانع سعایت ہے اور دونوں نادار ہوں تو دونوں کیلئے سعایت کرے گا کیونکہ وہ دونوں سعایت کے مدعی ہیں اور اگر ایک مالدار ہو تو غلام مالدار کیلئے سعایت کرے گا کیونکہ مالدار

[1] آزاد کردہ غلام کی وراثت ۱۲۔

دوسرے شریک پر ضمان کا مدعی نہیں بلکہ غلام پر سعایت کا مدعی ہے بخلاف نادار کے کہ وہ مالدار پر ضمان کا مدعی ہے پھر ولاء چونکہ معتق کیلئے ہوتی ہے اور یہاں ایک دوسرے پر محول کر رہا ہے اس لئے جب تک کسی ایک کے اعتاق پر اتفاق نہ ہو اس وقت تک ولاء موقوف رہے گی۔

قوله ولو علق الخ غلام کے دو مالکوں میں سے ایک نے کہا کہ اگر کل زید گھر میں داخل ہو تو آزاد اس کے برعکس دوسرے نے کہا کہ اگر کل زید گھر میں داخل نہ ہو تو آزاد اور کل کا دن گزر گیا اور یہ معلوم نہ ہو سکا کہ زید گھر میں داخل ہوا ہے یا نہیں تو شیخین کے نزدیک نصف غلام آزاد ہوگا اور نصف باقی میں دونوں شریکوں کیلئے سعایت کرے گا، امام محمد فرماتے ہیں کہ کل قیمت میں سعایت کرے گا کیونکہ ان میں سے جس ایک کے حق میں سقوط سعایت کا فیصلہ ہے وہ مجہول ہے اور قضا علی المجہول ناممکن ہے۔ شیخین یہ فرماتے ہیں کہ یہاں نصف سعایت کا سقوط متیقن ہے کیونکہ ان میں سے کوئی ایک ضرور حانث ہے پس نصف سعایت کا سقوط متیقن ہوتے ہوئے کل سعایت کے وجوب کا فیصلہ نہیں ہو سکتا۔

قوله ولو حلف الخ اگر دو مالکوں کے دو غلام جدا جدا ہوں اور ان میں سے ایک کہے کہ اگر زید کل گھر میں داخل ہو تو میرا غلام آزاد اور دوسرا کہے کہ اگر زید گھر میں داخل نہ ہو تو میرا غلام آزاد تو کوئی غلام آزاد نہ ہوگا کیونکہ غلام اور حانث ہونے والا ہر دو مجہول ہیں بخلاف پہلے مسئلہ کے کہ وہاں صرف حانث ہونے والا مجہول تھا نہ کہ غلام کیونکہ وہاں دونوں کا ایک ہی غلام ہے۔

قوله من ملک الخ اگر کوئی شخص شراء، ہبہ، صدقہ، وصیت، بدل، مہر یا میراث کے ذریعہ کسی دوسرے شخص کے ساتھ اپنے قریبی رشتہ دار کا مالک ہو جائے تو امام صاحبؒ کے نزدیک قرابت والے کا حصہ بلا ضمان آزاد ہو جائے گا لیکن صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اگر مالک مالدار ہے تو ضامن ہوگا اور نادار ہے تو غلام سعایت کرے گا البتہ وراثت کی صورت میں بالاتفاق ضمان نہیں اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ناداری کی صورت میں اس کی ملکیت باقی رہے گی جو چاہے سو کرے صاحبین یہ فرماتے ہیں کہ ان اسباب کی مباشرت کرنا ہی اس کا آزاد کرنا ہے پس اس نے اپنے شریک کا حصہ فاسد کر دیا لہٰذا ضامن ہوگا۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ حکم کا مدار سبب تعدی پر ہے اور یہاں تعدی موجود نہیں کیونکہ قریبی رشتہ دار کی آزادی اس کا اختیاری فعل نہیں لہٰذا ضمان واجب نہ ہوگا ہاں اس کے شریک کو اختیار ہوگا چاہے وہ بھی اپنا حصہ آزاد کر دے اور چاہے غلام سے سعایت کرا لے اور اگر پہلے کسی اجنبی نے خریدا پھر ماقبی کو اس کے باپ نے خرید لیا تو امام صاحب کے نزدیک اجنبی کو اختیار ہے چاہے باپ سے قیمت کا ضمان لے لے اگر وہ مالدار ہو کیونکہ یہاں اس کی طرف سے تعدی پائی گئی ہے اور چاہے غلام سے سعایت کرا لے صاحبین کے نزدیک چونکہ معتق کا مالدار ہونا مانع سعایت ہے اس لئے ان کے یہاں صرف ضمان لے گا اور اگر قریبی رشتہ دار کو ایسے شخص سے خریدا جو اس کے کل کا مالک تھا تو مشتری بائع کیلئے ضامن نہ ہوگا مثلاً زید عمرو کا غلام ہے اور خالد کا بیٹا ہے اور خالد نے عمرو سے زید کا نصف حصہ خرید لیا تو خالد عمرو کیلئے ضامن نہ ہوگا کیونکہ خالد کی ملکیت میں زید کے داخل ہونے کی علت ایجاب وقبول ہے تو یہاں عمرو نے خالد کو خود ہی اپنا شریک بنالیا۔

قوله عبد لمو سرین الخ ایک غلام تین آدمیوں کے درمیان مشترک تھا ان میں سے ایک نے غلام کو مدبر کر دیا دوسرے نے آزاد اور تیسرا خاموش رہا یعنی نہ اس نے مدبر کیا نہ آزاد شریک اول کے مدبر کرنے سے دونوں شریکوں کے حصوں میں نقصان آ گیا اب ان میں سے ہر ایک کو اپنے حصے میں تدبیر کتابت، ضمان، اعتاق اور سعایت کا حق تھا لیکن جب دوسرے شریک نے اپنا حصہ آزاد کر دیا تو اس کا حق عتق میں متعین ہو گیا اور دوسرے اختیارات ساقط ہو گئے اب صرف تیسرے کا حق باقی رہا تو اس کیلئے ضمان دو طرف متوجہ ہوا ایک ضمان تدبیر دوسرا ضمان اعتاق اور ضمان چونکہ ضمان معاوضہ ہے یعنی مالک ہونے کا ضمان ہے اور ضمان اعتاق اتلاف ہے کیونکہ مدبر کا اجارہ اور استخدام درست ہے اور اعتاق میں یہ امور جائز نہیں اس لئے تیسرا شریک معتق سے ضمان نہ لے گا بلکہ مدبر کرنے والے سے خالص غلام کی تہائی قیمت لے گا اور مدبر کرنے والا معتق سے ضمان لے گا لیکن مدبر کرنے والے نے جتنا ضمان دیا ہو یعنی خالص غلام کی تہائی قیمت اتنا ضمان نہیں لے گا بلکہ مدبر کی تہائی قیمت لے گا اور مدبر کی قیمت خالص غلام کی قیمت سے تہائی کم ہوتی ہے کیونکہ مملوک کی تین قسم کے منافع حاصل ہوتے ہیں ایک وطی کرنا

دوسرے خدمت لینا تیسرے فروخت کرنا اور مدبر کرنے سے فروختگی ..... کی منفعت ختم ہو جاتی ہے کیونکہ مدبر کی بیع جائز نہیں اس لئے مدبر کی ثلث قیمت کم ہوتی ہے سو اگر ایک غلام کی قیمت ۲۷ درہم ہوں تو شریک ثالث مدبر کرنیوالے تہائی قیمت یعنی ۹ درہم لے گا اور مدبر کرنے والا معتق سے ۶ درہم لے گا کیونکہ مدبر کی تہائی قیمت کم ہو کر ۱۸ درہم رہے اور ۱۸ کا ثلث ۶ درہم ہے۔

قولہ ولو قال لشریکہ الخ ایک باندی دو آدمیوں کے درمیان مشترک تھی ان میں سے ایک نے کہا یہ باندی میرے شریک کی ام ولد ہے اور شریک نے اس کا انکار کر دیا تو امام صاحب کے نزدیک باندی ایک روز منکر کی خدمت کرے گی اور ایک روز توقف کرے گی صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک منکر خدمت نہیں لے سکتا بلکہ باندی سے اس کی نصف قیمت میں سعایت کرا سکتا ہے اس کے بعد باندی آزاد ہو جائے گی کیونکہ مقر نے اپنا اور اپنے شریک دونوں کا حصہ فاسد کر دیا اور بینہ نہ ہونے کی وجہ سے ضمان واجب کرنا متعذر ہے اس لئے سعایت واجب ہے امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ مقر دو حال سے خالی نہیں صادق ہوگا یا کاذب، اگر صادق ہے تب تو خدمت کا پورا استحقاق منکر کو ہے اور اگر کاذب ہے تو منکر کو نصف خدمت کا حق ہے اور نصف متیقن ہے لہذا نصف ثابت کر دیا جائے گا۔

وَمَا لِاُمِّ وَلَدٍ تَقَوُّمٌ فَلاَ یَضْمِنُ اَحَدُ الشَّرِیْکَیْنِ بِاِعْتَاقِھَا لَهٗ ثَلٰثَةُ اَعْبُدٍ قَالَ لِاثْنَیْنِ

اور نہیں ہے ام ولد کی کوئی قیمت پس ضامن نہ ہوگا شریکین میں سے کوئی اس کو آزاد کرنے سے ایک شخص کے تین غلام ہیں اس نے دو سے کہا

اَحَدُکُمَا حُرٌّ فَخَرَجَ وَاحِدٌ مِنْھَا وَدَخَلَ اٰخَرُ وَکَرَّرَ وَمَاتَ بِلاَبَیَانٍ عُتِقَ ثَلٰثَةُ اَرْبَاعِ الثَّابِتِ

کہ تم میں سے ایک آزاد ہے پس ایک باہر گیا اور دوسرا آیا مالک نے پھر یہی کہا اور بلا بیان مر گیا پس جو غلام دونوں دفعہ موجود رہا اس کے تین ربع

وَنِصْفُ کُلٍّ مِّنَ الْاُخْرَیَیْنِ وَلَوْ فِی الْمَرَضِ قُسِّمَ الثُّلُثُ عَلٰی ھٰذَا

اور دوسرے دو میں سے ہر ایک کا نصف آزاد ہوگا اور اگر یہ صورت مرض میں ہو تو ترکہ کا سوم حصہ انہی سہاموں پر تقسیم کیا جائیگا

وَالْبَیْعُ وَالْمَوْتُ وَالتَّحْرِیْرُ وَالتَّدْبِیْرُ وَالْھِبَةُ بَیَانٌ فِیْ عِتْقِ الْمُبْھَمِ لاَ الْوَطْیُ وَھُوَ وَالْمَوْتُ بَیَانٌ فِی الطَّلاَقِ الْمُبْھَمِ

اور فروخت کرنا مرجانا آزاد کرنا مدبر کرنا بیان ہے عتق مبہم کا نہ کہ وطی کرنا اور وطی کرنا اور مرجانا بیان ہے طلاق مبہم کا

وَلَوْ قَالَ اَوَّلُ وَلَدٍ تَلِدِیْنَهٗ ذَکَرًا فَاَنْتِ حُرَّةٌ فَوَلَدَتْ ذَکَرًا وَّاُنْثٰی وَلَمْ یُدْرَ الْاَوَّلُ رَقَّ الذَّکَرُ

شوہر نے کہا کہ اگر پہلا بچہ جو تو جنے لڑکا ہو تو تو آزاد ہے پس اسکے لڑکا اور لڑکی دونوں ہوئے اور پہلا معلوم نہ ہو سکا تو لڑکا غلام رہے گا

وَعُتِقَ نِصْفُ الْاُمِّ وَالْاُنْثٰی وَلَوْ شَھِدَ

اور ماں اور اس کی لڑکی نصف آزاد ہو جائیگی اور دو آدمیوں نے گواہی دی

اَنَّهٗ حَرَّرَ اَحَدَ عَبْدَیْهِ اَوْ اَمَتَیْهِ لَغَتْ اِلاَّ اَنْ تَکُوْنَ فِیْ وَصِیَّةٍ اَوْ طَلاَقٍ مُبْھَمٍ

کہ فلاں نے اپنے دو غلاموں یا باندیوں میں سے ایک کو آزاد کیا ہے تو یہ گواہی لغو ہوگی الا یہ کہ وصیت یا طلاق مبہم میں ہو۔

تشریح الفقہ: قولہ ومالام ولد الخ صاحبین کے نزدیک ام ولد متقوم ہے کیونکہ اس سے وطی کی جاتی ہے اس کا اجارہ درست ہے خدمت لینا بھی صحیح ہے یہ سب امور اس کے متقوم ہونے پر دال ہیں صرف اتنی بات ہے کہ اس کی بیع جائز نہیں لیکن بیع کے عدم جواز سے تقوم ساقط نہیں ہو سکتا جیسے مدبر کی بیع ناجائز ہے اس کے باوجود وہ قیمتی ہے امام صاحب کے نزدیک ام ولد کی کوئی قیمت نہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماریہ قبطیہ کے متعلق ارشاد فرمایا تھا کہ اس کے بچہ نے اس کو آزاد کر دیا(۱) اس حدیث سے دو چیزیں ثابت ہوئیں ایک حریت دوسرے زوال تقوم کیونکہ جب آدمی آزاد ہو جاتا ہے تو اس کی قیمت نہیں ہو سکتی اب حریت میں دوسری حدیث مرفوع معارض ہے کہ "جب مالک سے باندی کے اولاد ہو جائے تو وہ مالک کی موت کے بعد آزاد ہوتی ہے(۲) پس زوال تقوم

(۱) ... ابن ماجہ، حاکم، دارقطنی عن ابن عباس ۱۲ (۲) ابن ماجہ، حاکم ۱۲

بلا معارض باقی رہا اسی اختلاف پر مسئلہ متفرع ہے کہ اگر ایک باندی دو شریکوں کے درمیان مشترک ہو اور اس سے بچہ ہونے پر دونوں شریک دعویٰ کریں تو وہ دونوں کی ام ولد ہو جائے گی اب اگر ان میں سے کوئی ایک اس کو آزاد کر دے تو امام صاحب کے نزدیک اس پر ضمان نہ ہوگا مالدار ہو یا نادار اور صاحبین کے نزدیک نصف قیمت کا ضمان ہوگا اگر مالدار ہو ورنہ نصف قیمت میں سعایت واجب ہوگی۔

قولہ اعبد الخ ایک شخص کے تین غلام ہیں سعید، مرجان، فیروز اس نے سعید اور مرجان سے کہا: تم میں سے ایک آزاد اس کے بعد باہر چلا گیا اور مرجان وہیں ٹھہرا رہا اور تیسرا غلام فیروز آ گیا مالک نے پھر یہی کہا تم میں سے ایک آزاد اور بیان کئے بغیر مر گیا تو مرجان کے تین ربع آزاد ہو جائیں گے اور سعید و فیروز میں سے ہر ایک نصف نصف آزاد ہوگا کیونکہ ایجاب اول جو سعید اور مرجان کے درمیان دائر ہے اس سے سعید آدھا آزاد ہو جائے گا اور آدھا مرجان اور ایجاب ثانی داخل و ثابت یعنی مرجان اور فیروز کے درمیان دائر ہے تو اس سے بھی دونوں نصف نصف آزاد ہونے چاہئیں مگر چونکہ مرجان ایجاب اول سے نصف آزاد ہو چکا اور نصف غیر آزاد ہو تو نصف غیر آزاد کا نصف یعنی ربع اور آزاد ہو جائے گا پس مرجان کا نصف حصہ ایجاب اول ہے اور ایک ربع ایجاب ثانی سے آزاد ہوا جس کا مجموعہ تین ربع ہیں اور سعید کا نصف حصہ ایجاب اول سے اور فیروز کا نصف حصہ ایجاب ثانی سے آزاد ہوا یہ تو شیخین کے نزدیک ہے امام محمد کے نزدیک جس طرح مرجان ایجاب ثانی سے چہارم حصہ آزاد ہوا ہے اسی طرح فیروز بھی چہارم حصہ آزاد ہوگا۔

قولہ ولو فی المرض الخ اور اگر صورت مذکورہ مالک کے مرض الموت میں ہو تو حساب مذکور کے مطابق ثلث مال کو ان تینوں غلاموں میں تقسیم کیا جائے گا اور سہام عتق کے مطابق ہر غلام کے سات سہام قرار دیئے جائیں گے کیونکہ یہاں ایسے مخرج کی ضرورت ہے جس میں نصف اور ربع ہو اور اس کا اقل مخرج چار میں سات سہام کی گنجائش نہیں اس لئے چار کو زیادہ کر کے سات قرار دیا جائے گا اور یہی سات سہام ثلث مال ہے پھر مرض الموت میں چونکہ عتق کا حکم وصیت کا حکم ہوتا ہے اس لئے ثلث میں جاری ہوگا مثلاً ہر غلام کی قیمت فرض کیجئے سات سو روپے ہے اور غلاموں کے .... علاوہ مرنے والے کا اور کوئی مال نہیں تو اس کا کل مال اکیس روپیہ ہوا جس کا ثلث سات روپے ہے تو جب ثلث کو سات پر تقسیم کیا جائے گا تو ہر ایک کو ایک ایک سو روپیہ پہنچے گا تو سعید اور فیروز کے دو دو سو ساقط ہو جائیں گے کیونکہ ان کے دو سو سہام تھے اور مرجان کے تین سو ساقط ہوں گے کیونکہ اس کے تین سہام تھے پس سعید اور فیروز پانچ پانچ سو میں اور مرجان چار سو میں سعایت کرے گا **عند محمد یجعل الثلث اسد اساء لاجل ان الداخل لایستحق سوی الربع عنده فنقص سهمه لذالک وباقی العمل ماذ کرنا۔**

قولہ البیع الخ ایک شخص نے اپنے دو غلاموں سے کہا، تم میں سے ایک آزاد ہے تو یہ عتق مبہم ہے معلوم نہیں ان میں سے کس کی آزادی مراد ہے اس کے بعد مالک نے ان میں سے ایک کو فروخت کر دیا یا ایک مر گیا یا ایک کو آزاد کر دیا یا مدبر کر دیا تو فروخت کرنا یا مر جانا یا آزاد کرنا یا مدبر کرنا عتق مبہم کا بیان ہے اب دوسرا غلام آزادی کیلئے معین ہو گیا اسی طرح ہر وہ تصرف جو ملک صحیح میں ہو اور بلا ملک صحیح نہ ہو عتق مبہم کا بیان ہوتا ہے جیسے مکاتب کرنا، وصیت کرنا مملوک کا نکاح کرنا، ہبہ کرنا، خیرات کرنا وغیرہ اور اگر دو باندیوں سے کہا تم میں سے ایک آزاد ہے اور پھر ایک سے وطی کر لی تو امام صاحب کے نزدیک وطی کرنا عتق مبہم کا بیان نہ ہوگا کیونکہ ملکیت دونوں میں ثابت ہے اس لئے وہ دونوں سے خدمت لے سکتا ہے لیکن صاحبین کے نزدیک وطی کرنا عتق مبہم کا بیان نہ ہوگا کیونکہ ملکیت دونوں میں ثابت ہے اس لئے وہ دونوں سے خدمت لے سکتا ہے لیکن صاحبین اور امام شافعی و امام مالک کے نزدیک وطی کرنا عتق مبہم کا بیان ہے دوسری باندی آزاد ہو جائیگی کیونکہ وطی صرف ملک میں حلال ہے اور ان میں سے ایک آزاد ہو تو اس نے ایک کے ساتھ وطی کر کے امتہ موطوۃ میں ملکیت کو باقی رکھا ہو تو دوسری باندی عتق کیلئے معین ہو گئی فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔

قولہ وھو الموت الخ ہو کا مرجع وطی ہے یعنی وطی اور موت طلاق مبہم میں بیان ہے مثلاً ایک شخص نے اپنی دو بیویوں سے کہا تم میں سے ایک بائن ہے پھر کسی ایک کے ساتھ وطی کرلی تو دوسری بیوی کو طلاق ہو جائے گی کیونکہ وطی کرنے سے یہ ظاہر ہو گیا کہ مطلقہ مبہم سے مراد دوسری بیوی تھی اسی طرح اگر ایک کا انتقال ہو گیا تو دوسری جو زندہ ہے اس کو طلاق ہو جائے گی کیونکہ جو مر چکی وہ محل طلاق نہیں رہی۔

قولہ ولو قال الخ ایک شخص نے اپنی حاملہ باندی سے کہا اگر تو پہلا بچہ مذکر جنے تو، تو آزاد ہے باندی کے لڑکی اور لڑکا دونوں ایک ساتھ پیدا ہوئے اور یہ معلوم نہیں کہ پہلے کون ہوا تو لڑکا ہر حال میں غلام رہے گا اگر لڑکا پہلے ہوا تو اس لئے غلام رہے گا کہ بوقت ولادت اس کی ماں مملوکہ ہے کیونکہ اس کی آزادی وضع حمل کے بعد ہوگی اور لڑکی پہلے ہو تب بھی اس کی ماں آزاد نہ ہوئی کیونکہ عتق کی شرط نہیں پائی گئی اور جب کسی ایک کا پہلے ہونا معلوم نہیں تو ماں اور لڑکی دونوں نصف نصف آزاد ہوں گی اور اپنی نصف نصف قیمت میں سعایت کریں گی۔

قولہ ولو شھد الخ دو آدمیوں نے ایک شخص کے خلاف گواہی دی کہ اس نے اپنے دو غلاموں یا دو باندیوں میں سے ایک کو آزاد کر دیا تو امام صاحب کے نزدیک یہ گواہی لغو ہے کیونکہ یہ گواہی عتق مبہم پر ہے جو مسموع نہیں ہوتی اور اگر گواہی وصیت یا طلاق مبہم پر ہو تو بالاجماع مقبول ہے فرق کی وجہ یہ ہے کہ طلاق مبہم فرج کو بالاجماع حرام کر دیتی ہے اس لئے اس میں دعویٰ شرط نہیں کیونکہ یہ حق اللہ ہے نہ کہ حق العباد اور حق اللہ میں گواہی بلا دعویٰ مقبول ہے بخلاف عتق مبہم کے کہ وہ امام صاحبؒ کے نزدیک محترم شرمگاہ نہیں ہے اس لئے اس میں گواہی بلا دعویٰ مقبول نہ ہوگی لیکن اس مقام میں امام صاحبؒ کے قول پر فتویٰ دینا جائز نہیں کیونکہ احتیاط تحریم ہی میں ہے۔

بَابُ الْحَلَفِ بِالْعِتْقِ

باب آزادی پر[1] قسم کھانے کے بیان میں

وَمَنْ قَالَ اِنْ دَخَلْتُ الدَّارَ فَكُلُّ مَمْلُوْكٍ لِيْ يَوْمَئِذٍ حُرٌّ عُتِقَ مَا يَمْلِكُ بَعْدَهُ بِهٖ

کسی نے کہا کہ اگر میں گھر میں داخل ہوں تو اس روز جتنے میرے غلام ہوں سب آزاد تو اس شرط کے بعد جس کا مالک ہوگا وہ آزاد ہو جائیگا

وَلَوْ لَمْ يَقُلْ يَوْمَئِذٍ لاَ وَالْمَمْلُوْكُ لاَيَتَنَاوَلُ الْحَمْلَ كُلُّ مَمْلُوْكٍ لِيْ اَوْ اَمْلِكُه حُرٌّ بَعْدَ غَدٍ اَوْ بَعْدَ مَوْتِيْ

اور اگر یومئذ نہ کہے تو آزاد نہ ہوگا اور لفظ مملوک حمل کو شامل نہیں ہوتا جو میرا غلام ہو یا میں اس کا مالک ہوں وہ پرسوں یا میرے مرنے کے بعد آزاد ہے

يَتَنَاوَلُ مَنْ مَلَكَهٗ مُذْ حَلَفَ فَقَطْ وَبِمَوْتِهٖ عُتِقَ مَنْ مَلَكَ بَعْدَهٗ مِنْ ثُلُثِهٖ

تو یہ شامل ہوگا صرف اس غلام کو جس کا وہ مالک ہو قسم کے وقت سے اور اس کے مرنے سے وہ غلام بھی تہائی مال سے آزاد ہو جائیگا جس کا وہ مالک ہو شرط کے بعد

قولہ باب الخ عتق تنجیزی کے بیان سے فراغت کے بعد عتق تعلیقی کو بیان کر رہا ہے حلف بفتح حاء وکسر لام سماعی مصدر ہے اسی کا دوسرا مصدر بسکون لام ہے یقال حلف (ض) حلفاً قسم کھانا کبھی اس کے آخر میں تامرہ بھی داخل ہو جاتی ہے قال الفرزدق۔

الم ترنی عاہدت ربی واننی لبین رتاج قائما ومقام
علی حلفۃ لااشتم الدھر مسلما ولاخارجا من فی زور کلام

حلف بکسر حا سکون لام عہد و پیمان کو کہتے ہیں یہاں حلفہ سے مراد عتق کی تعلیق ہے۔

قولہ ومن قال الخ ایک شخص نے کہا اگر میں گھر میں داخل ہوں تو اس دن جو میرا غلام ہو وہ آزاد پھر گھر میں داخل ہو گیا تو ہر وہ

(۱) .. یعنی آزادی کو کسی شرط پر معلق کرنے کے بیان میں ۱۲۔

غلام آزاد ہو جائے گا جو بوقت دخول مملوک ہو خواہ تعلیق سے قبل اس کا مالک ہو یا تعلیق کے بعد کیونکہ یہاں یومئذ کا مطلب یہ ہے کہ جس وقت میں گھر میں داخل ہوں پس دخول کے وقت جو ملکیت ہوگی اس کا اعتبار ہوگا اور اگر یومئذ کو ذکر نہ کرے صرف یوں کہے ان دخلت الدار فکل مملوک لی حر تو صرف وہی غلام آزاد ہوگا جو تعلیق کے وقت مملوک تھا کیونکہ لفظ لی ثابت اسم فاعل سے متعلق ہے جس میں مختار مذہب یہ ہے کہ وہ زمانہ حال کیلئے موضوع ہے نہ کہ استقبال کیلئے پھر لفظ مملوک سے مراد مملوک مطلق ہے یعنی جو بالقصد مملوک ہو اس لئے اس میں حمل داخل نہ ہوگا کیونکہ وہ ماں کا تابع ہوتا ہے یہاں تک کہ اگر کوئی یہ کہے: کل مملوک لی حر اور وہ وصیت وغیرہ کے ذریعہ کسی حمل کا مالک ہو جائے تو حمل آزاد نہ ہوگا کیونکہ حمل بالتبع مملوک ہے نہ کہ بالقصد۔

قولہ کل مملوک الخ ایک شخص نے کہا: **کل مملوک لی حر بعد غد** یا کہا حر بعد موتی یا کلمہ لی کے بجائے کہا، **کل مملوک املکہ حر بعد غد** تو بعد غد کی صورت میں صرف وہی غلام آزاد ہوگا جو بوقت حلف مملوک تھا حلف کے بعد جس غلام کا مالک ہوگا وہ آزاد نہ ہوگا کلمہ لی کی وجہ تو پہلے گزر چکی املک کی صورت میں وجہ یہ ہے کہ صیغہ املک کو حال اور استقبال دونوں میں مستعمل ہے لیکن بوقت اطلاق عرفاً، شرعاً لغۃً ہر اعتبار سے زمانہ حال ہی مراد ہوتا ہے اور بعد موتی کی صورت میں جو غلام قبل از تعلیق تھا وہ مدبر مطلق ہوگا اور جو تعلیق کے بعد مملوک ہو وہ مدبر مقید ہوگا لیکن اگر مالک کا انتقال ہو جائے تو طرفین کے نزدیک دونوں غلام ثلث مال سے آزاد ہو جائیں گے کیونکہ یہاں ایجاب عتق اور ایجاب وصیت ہے اور وصیت حال واستقبال ہر دو کو شامل ہے یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص بحالت افلاس ثلث مال کی وصیت کرے اور وصیت کے بعد مال کا مالک ہو جائے تو اس میں وصیت جاری ہوتی ہے۔

بَابُ الْعِتْقِ عَلٰی جُعْلٍ

باب مال کے عوض آزاد کرنے کے بیان میں

حَرَّرَ عَبْدَهٗ عَلٰی مَالٍ فَقَبِلَ عُتِقَ وَلَوْ عَلَّقَ عِتْقَهٗ بِاَدَآئِهٖ صَارَ مَاذُوْنًا وَعُتِقَ

آزاد کیا اپنے غلام کو مال پر غلام نے قبول کر لیا تو آزاد ہو جائیگا اور اگر اس کی آزادی مال کی ادائیگی پر معلق کی تو ماذون ہو جائے گا اور آزاد ہو جائے گا

بِالتَّخْلِیَةِ وَاِنْ قَالَ اَنْتَ حُرٌّ بَعْدَ مَوْتِیْ بِاَلْفٍ فَالْقَبُوْلُ بَعْدَ مَوْتِهٖ وَلَوْ حَرَّرَهٗ عَلٰی خِدْمَتِهٖ سَنَةً

مال حاضر کر دینے سے اگر کہا تو ہزار کے عوض میں میرے مرنیکے بعد آزاد ہے تو قبول کرنا موت کے بعد معتبر ہوگا اگر آزاد کیا ایک سالہ خدمت کے

فَقَبِلَ عَتَقَ وَخَدَمَهٗ فَلَوْ مَاتَ تَجِبُ قِیْمَتُهٗ وَلَوْ قَالَ اَعْتِقْهَا بِاَلْفٍ

عوض اور غلام نے قبول کر لیا تو آزاد ہو جائیگا اور خدمت کریگا اور اگر مالک مرجائے تو غلام کی قیمت واجب ہوگی کسی نے کہا کہ اس باندی کو ہزار کے عوض

عَلٰی اَنْ تُزَوِّجَنِیْهَا فَفَعَلَ فَاَبَتْ اَنْ تَزَوَّجَهٗ عُتِقَتْ مَجَّانًا

آزاد کر دے اس شرط پر کہ اس کا نکاح مجھ سے کریگا مالک نے آزاد کر دیا اور باندی نے اس کے ساتھ نکاح کرنے سے انکار کر دیا تو مفت آزاد

وَلَوْ زَادَ عَنِّیْ قُسِّمَ الْاَلْفُ عَلٰی قِیْمَتِهٖ اَوْ مَهْرِ مِثْلِهَا وَتَجِبُ مَا اَصَابَ الْقِیْمَةَ فَقَطْ

ہو جائیگی اور اگر لفظ عنی بڑھا دیا تو ہزار کو باندی کی قیمت اور اس کے مہر مثل پر تقسیم کیا جائیگا اور جو حصہ قیمت کے مقابل ہوگا صرف وہی واجب ہوگا۔

قولہ باب الخ جعل بضم جیم لغۃً مزدوری کو کہتے ہیں جمع اجعال آتی ہے جعالہ اور جعیلہ بھی اسی معنی میں ہے بعد میں جنگ کرنے والوں کے وظیفہ کا نام ہو گیا یہاں عتق بشرط المال مراد ہے۔

قولہ حررہ عبدہ الخ ایک شخص نے اپنے غلام کو مال کے عوض میں آزاد کیا اور غلام نے اس کو قبول کر لیا تو آزاد ہو جائے گا گو اس نے بھی مال ادا نہ کیا ہو کیونکہ یہ معاوضہ بال بغیر المال ہے اور معاوضہ میں محض عوض قبول کرنے سے حکم ثابت ہو جاتا ہے مصنف نے

مال کو مطلق رکھا ہے جس میں مالی نقد سامان، حیوان، مکیل، موزون سب داخل ہے بشرطیکہ معلوم الجنس ہو اور مال صحیح ہو کیونکہ شراب اور خنزیر مسلم کے حق میں مال نہیں ہے اور اگر مالک نے غلام کی آزادی مال کی ادائیگی پر معلق کی ہو تو غلام ماذون فی التجارۃ ہو جائے گا کیونکہ مالک نے اس کو ادائیگی مال کی رغبت دلائی ہے اور مال کی ادائیگی کسب وتجارت کے بغیر ہو نہیں سکتی تو گویا مالک نے تجارت کی اجازت دی ہے پس جب غلام مالک کے پاس مال حاضر کردے گا آزاد ہو جائیگا۔

قولہ ولو قال الخ ایک شخص نے باندی کے آقا سے کہا کہ اپنی باندی ہزار درہم کے عوض میں آزاد کردے اس شرط پر کہ تو اس کا نکاح میرے ساتھ کرے آقا نے باندی کو آزاد کردیا اب باندی اس کے ساتھ نکاح کرنے سے انکار کرتی ہو تو باندی مفت آزاد ہو جائیگی کیونکہ عتاق میں اجنبی پر بدل عتق کی شرط لگانا صحیح نہیں (طلاق میں صحیح ہے) اور اگر قائل مذکور نے کلمہ عنی زائد کرکے یوں کہا، **اعتقها عنی بالف** الخ تو ہزار درہم باندی کی قیمت اور اس کے مہر مثل پر تقسیم ہوں گے کیونکہ اب یہ کلام اقتضاء شرا کو شامل ہوگیا گویا اس نے یوں کہا کہ اس کو میرے ہاتھ فروخت کرکے میری طرف سے آزاد کردے پھر چونکہ اس نے رقبہ کے ساتھ نکاح کو ملا کر ہزار درہم کو مجموعہ کا عوض قرار دیا ہے اس لئے ہزار درہم مجموعہ پر تقسیم ہوں گے پس جو مقدار قیمت کے مقابلہ میں آئے گی وہ قائل مذکور پر واجب ہوگی اور جو مہر مثل کے مقابلہ میں آئے گی وہ ساقط ہو جائے گی۔

بَابُ التَّدْبِيْرِ

باب مدبر کرنے کے بیان میں

هُوَ تَعْلِيْقُ الْعِتْقِ بِمُطْلَقِ مَوْتِهِ كَاِذَا مِتُّ فَاَنْتَ حُرٌّ وَاَنْتَ حُرٌّ يَوْمَ اَمُوْتُ اَوْ عَنْ دُبُرٍ مِنِّيْ اَوْ اَنْتَ مُدَبَّرٌ

وہ معلق کرنا ہے آزادی کو اپنی مطلق موت پر مثلاً جب میں مرجاؤں تو تو آزاد یا تو آزاد ہے جس روز میں مرجاؤں یا میرے بعد یا تو مدبر ہے

اَوْ دَبَّرْتُکَ فَلاَ يُبَاعُ وَلاَ يُوْهَبُ وَيُسْتَخْدَمُ وَيُؤْجَرُ وَتُوْطَأُ وَتُنْكَحُ

یا میں نے تجھے مدبر کردیا پس نہ وہ بیچا جائے نہ ہبہ کیا جائے ہاں اس سے خدمت لیجائے مزدوری پر دیا جائے باندی ہو تو وطی کیجائے نکاح کیا جائے

وَبِمَوْتِهِ عُتِقَ مِنْ ثُلُثِهِ وَسَعٰى فِيْ ثُلُثَيْ قِيْمَتِهِ وَلَوْ فَقِيْرًا وَكُلِّهِ لَوْ مَدْيُوْنًا

اور اس کے مرنے سے آزاد ہوجائے گا تہائی مال سے اور سعایت کریگا دو تہائی قیمت میں اگر مالک فقیر ہو اور کل میں اگر مقروض ہو

وَيُبَاعُ لَوْقَالَ اِنْ مِتُّ مِنْ مَرَضِيْ هٰذَا اَوْسَفَرِيْ اَوْ اِلٰى عَشَرِ سِنِيْنَ اَوْ عِشْرِيْنَ سَنَةً

اور فروخت کیا جاسکتا ہے اگر مالک کہے کہ اگر میں مرجاؤں اس مرض میں یا اس سفر میں یا دس یا بیس سال تک

اَوْ اَنْتَ حُرٌّ بَعْدَ مَوْتِ فُلاَنٍ وَ يَعْتِقُ اِنْ وُجِدَ الشَّرْطُ

یا تو آزاد ہے فلاں کے مرنے کے بعد اور آزاد ہوجائے گا اگر پائی گئی شرط۔

تشریح الفقہ : قولہ باب الخ زندگی کے اعتاق کو بیان کرنے کے بعد اعتاق بعد الموت کو بیان کررہا ہے **لان الموت یتلو الحیوۃ** اور تدبیر کو استیلاد پر مقدم کررہا ہے اس واسطے کہ تدبیر غلام اور باندی دونوں کو شامل ہے بخلاف استیلاد کے کہ وہ صرف باندی کے ساتھ مخصوص ہے۔

قولہ التدبیر الخ لغت میں تدبیر کے معنی کسی مقصد کیلئے منصوبہ بندی اور موت کے بعد غلام آزاد کرنے کے ہیں (مغرب ضیاء العلوم صحاح) اور اصطلاح میں تدبیر غلام کی آزادی کو علی الاطلاق اپنی موت کے ساتھ معلق کرنے کو کہتے ہیں اطلاق کی قید سے تدبیر مقید نکل گئی جیسے **ان من مرضی ھذا** اور **سفری ھذا فانت حر** اور موت آقا کی قید سے وہ تعلیق نکل گئی جو کسی دوسرے کی موت کے ساتھ ہو جیسے انت حر بعد موت زید کہ یہ تدبیر نہیں ہے نہ مطلق نہ مقید بلکہ تعلیق بالشرط ہے گویا اس نے یوں کہا **ان مات زید فانت**

حر پس صاحب درر نے جو یہ تعریف کی ہے "هو التعليق المولى عتق مملوكه بالموت سوا كان موته اوموت غيره" یہ تعریف عام مشائخ کی عبارت کے خلاف ہے اور موصوف نے صاحب کنز، زیلعی، صاحب وقایہ اور شارح وقایہ صدر الشریعہ پر جو اعتراض کیا ہے وہ بے فائدہ ہے۔

قولہ فلايباع الخ احناف کے نزدیک مدبر مطلق کی بیع جائز نہیں امام مالک بھی یہی فرماتے ہیں امام شافعی امام احمد کے یہاں بوقت ضرورت بیع جائز ہے نیز ہبہ اور صدقہ بھی درست ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ ایک انصاری شخص نے (جو مقروض تھا) اپنے غلام کو مدبر کیا تھا اور اس کے پاس غلام کے سوا اور مال نہیں تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نعیم بن عبد اللہ کے ہاتھ آٹھ سو درہم میں فروخت کر کے فرمایا کہ اپنا قرض اسی قیمت سے ادا کر" ہماری دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ "مدبر نہ بیچا جائے نہ ہبہ کیا جائے اور وہ ثلث مال سے آزاد ہے"(۱) اس حدیث کے مرفوع ہونے میں گو بعض حضرات نے کلام کیا ہے لیکن موقوف کی تصحیح میں سب کا اتفاق ہے رہی حدیث جابر سو اس کے چند جواب ہیں نمبر ۱، ابتداء اسلام میں حر کی بیع جائز تھی بعد کو منسوخ ہوئی تو مدبر کی بیع بطریق اولیٰ جائز ہوگی۔ نمبر ۲، دار قطنی نے امام ابو جعفر سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ مجھ کو حضرت جابر سے اس حدیث کا مشاہدہ ہوا کہ "مدبر غلام کی خدمت کی بیع ہوئی تھی" یعنی اس کا اجارہ ہوا تھا نہ کہ بیع رقبہ نمبر ۳، حدیث جابر واقعہ حال ہے جس میں عموم نہیں ہوتا بخلاف حدیث ابن عمر کے کہ وہ قول ہے۔ نمبر ۴، حدیث جابر مقید پر محمول ہے اور مدبر مقید کی بیع ہمارے یہاں بھی جائز ہے۔

قولہ ويباع الخ یہاں سے عشرین سنۃ تک مدبر مقید کی صورتیں ہیں مدبر مقید اس کو کہتے ہیں جس کا عتق صرف موت پر نہ ہو بلکہ موت میں کسی زائد وصف کو ذکر کر دیا جائے مثلاً اس سفر میں یا اس مرض میں یا دس برس یا بیس برس تک کی موت وغیرہ مدبر مقید میں مالکانہ تصرفات بیع، ہبہ، رہن وغیرہ درست ہیں کیونکہ ان مدتوں میں آقا کی موت یقینی نہیں ہوتی بخلاف مطلق موت کے کہ وہ یقینی ہے رہی آخری صورت یعنی انت حر بعد موت فلان سو یہ تدبیر نہیں نہ مطلق نہ مقید بلکہ تعلیق ہے اگر شرط پائی گئی تو آزاد ہو جائے گا ورنہ نہیں۔

بَابُ الاِسْتِيلَادِ

باب ام ولد بنانے کے بیان میں

اِذَا وَلَدَتْ اَمَةٌ مِنَ السَّيِّدِ لَمْ تُمْلَكْ وَتُوْطَأُ وَتُسْتَخْدَمُ وَتُؤْجَرُ

باندی کے بچہ ہوا اسکے آقا سے تو اسکو فروخت نہیں کیا جاسکتا ہاں وطی کیجا سکتی ہے خدمت لیجا سکتی ہے اور مزدوری پر دیجا سکتی ہے

وَتُزَوَّجُ فَاِنْ وَلَدَتْ بَعْدَهُ ثَبَتَ نَسَبُهُ لِسَيِّدِهِ بِلَادَعْوَةٍ بِخِلَافِ الْاَوَّلِ وَيَنْتَفِيْ بِنَفْيِهِ

اور نکاح کیا جاسکتا ہے اور اسکے بعد بچہ پیدا ہوا تو اسکا نسب بلا دعویٰ ثابت ہو جائیگا بخلاف پہلے بچہ کے اور منتفی ہو جائے گا اسکے انکار سے

وَعُتِقَتْ بِمَوْتِهِ مِنْ كُلِّ مَالِهِ وَلَمْ تَسْعَ لِلْغَرِيْمِ

اور آزاد ہو جائے گی آقا کے مرنے سے کل مال سے اور سعایت نہ کریگی قرضخواہ کیلئے۔

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ استحقاق عتق بعد الموت میں تدبیر اور استیلاد دونوں مشترک ہیں اس لئے استیلاد کو تدبیر کے ساتھ لا رہا ہے پھر تدبیر میں ایجاب عتق چونکہ الفاظ کے ساتھ ہوتا ہے اس لئے اس کی تقدیم مناسب ہے استیلاد لغۃً خواہش اولاد کو کہتے ہیں زوجہ سے ہو یا باندی سے لیکن فقہا کی اصطلاح میں باندی کے ساتھ خاص ہے۔

(۱) صحیحین، نسائی، ترمذی، دار قطنی عن جابر ۱۲۔ دار قطنی عن ابن عمر ۱۲

قوله ولدت الخ جب آقا کے نطفہ سے باندی کے بچہ پیدا ہو جائے تو وہ اس کی ام ولد ہو جاتی ہے اب نہ اس کی بیع جائز ہے نہ تملیک جمہور صحابہ اور تابعین اور فقہائے معتبرین کا یہی قول ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امہات الاولاد کی بیع سے منع فرمایا ہے[1] نیز حضرت عمر فرماتے ہیں کہ "جس باندی کے اس کے آقا سے بچہ ہو جائے تو اس کا آقا نہ اس کو فروخت کرے اور نہ ہبہ کرے ہاں زندگی بھر اس سے نفع اٹھائے اس کے مرنے کے بعد وہ آزاد ہے"[2] پس بشر مریسی اور داؤد ظاہری جو جواز بیع کے قائل ہیں یہ کسی طرح صحیح نہیں۔

قوله بخلاف الاول الخ ام ولد کے دوسرے بچہ کا نسب آقا کے اعتراف پر موقوف نہیں بلا اعتراف بھی ثابت ہو جائے گا بخلاف پہلے بچہ کے اس کا نسب آقا کے اعتراف پر موقوف ہے امام ثوری، شعبی، حسن بصری کا یہی قول ہے ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ اگر آقا کو وطی کا اقرار ہو تو بلا دعوئے نسب ثابت ہو جائے گا گو آقا عزل کرتا ہو اس واسطے کے عقد نکاح جو مفضی الی الوطی ہے اس سے نسب ثابت ہو جاتا ہے تو وطی سے بطریق اولیٰ نسب ثابت ہونا چاہئے ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن عباس باندی سے صحبت کرتے تھے اس کو حمل قرار پا گیا آپؓ نے فرمایا یہ میرا نہیں ہے کیونکہ میرا مقصد وطی سے صرف قضاءِ شہوت تھی نہ تحصیل ولد[3]۔

وَلَوْ اَسْلَمَتْ اُمُّ وَلَدِ النَّصْرَانِيِّ سَعَتْ فِيْ قِيْمَتِهَا وَاِنْ وَلَدَتْ بِنِكَاحٍ فَمَلَكَهَا

اگر اسلام لے آئے نصرانی کی ام ولد تو سعایت کرے اپنی قیمت میں اور اگر باندی کے بچہ ہوا نکاح سے پھر شوہر اس کا مالک ہو گیا

فَهِيَ اُمُّ وَلَدِهٖ وَلَوْ اِدَّعٰى وَلَدَ اَمَةٍ مُشْتَرِكَةٍ ثَبَتَ نَسَبُهٗ وَهِيَ اُمُّ وَلَدِهٖ وَلَزِمَهٗ نِصْفُ قِيْمَتِهَا

تو وہ اسکی ام ولد ہو جائیگی اور اگر مشترک باندی کے بچہ کا دعویٰ کیا تو نسب ثابت ہو جائے گا اور وہ اسکی ام ولد ہو جائے گی اور باندی کی نصف قیمت

وَنِصْفُ عُقْرِهَا لاَ قِيْمَتُهٗ وَاِنِ ادَّعَيَا مَعًا ثَبَتَ مِنْهُمَا وَهِيَ اُمُّ وَلَدِهِمَا

اور نصف عقر واجب ہوگا نہ کہ بچہ کی قیمت اور اگر دونوں شریکوں نے بچہ کا دعویٰ کیا تو دونوں سے نسب ثابت ہو جائیگا اور وہ دونوں کی ام ولد ہوگی

وَعَلٰى كُلٍّ وَاحِدٍ نِصْفُ الْعُقْرِ وَتَقَاصَّا وَوَرِثَ مِنْ كُلٍّ اِرْثَ ابْنٍ وَوَرِثَا مِنْهُ اِرْثَ اَبٍ

اور ہر ایک پر نصف عقر واجب ہوگا اور مقاصہ ہو جائیگا اور بچہ ہر ایک سے پورے بیٹے کی وراثت پائیگا اور شریک باپ کا ورثہ پائیں گے

وَلَوِ ادَّعٰى وَلَدَ اَمَةِ مُكَاتَبِهٖ فَصَدَّقَهُ الْمُكَاتَبُ لَزِمَهُ النَّسَبُ وَالْعُقْرُ

اگر دعویٰ کیا اپنے مکاتب کی باندی کے بچہ کا اور مکاتب نے تصدیق کردی تو نسب اور عقر

وَقِيْمَةُ الْوَلَدِ وَلَمْ تَصِرْ اُمَّ وَلَدِهٖ وَاِنْ كَذَّبَهٗ لَمْ يَثْبُتِ النَّسَبُ

اور بچہ کی قیمت لازم ہوگی اور باندی اس کی ام ولد نہ ہوگی اور اگر مکاتب نے تکذیب کردی تو نسب ثابت نہ ہوگا۔

تشریح الفقہ: قوله ولو اسلمت الخ اگر نصرانی کی ام ولد اسلام لے آئی تو نصرانی پر اسلام پیش کیا جائے گا اگر وہ قبول کر لے تو وہ اس کی ام ولد ہے ہی اور اگر قبول نہ کرے تو ام ولد خالص باندی ہونے کی ثلث قیمت میں سعایت کرے گی کیونکہ سعایت کی صورت میں جانبین کی رعایت ہے ام ولد کی تو یہ رعایت ہے وہ رقیت کی ذلت سے بچی آزاد ہو گئی اور نصرانی کی رعایت یہ ہے کہ مال سعایت ملنے سے اس کا ضرر دور ہو گیا۔

قوله فان ولدت الخ ایک شخص نے دوسرے کی باندی سے نکاح کیا اور اس سے بچہ ہو گیا اس کے بعد شوہر کسی طریق سے اس کا مالک ہو گیا تو وہ اس کی ام ولد ہو جائیگی کیونکہ بچہ کا نسب دونوں صورتوں میں اسی سے ثابت ہے لہٰذا ام ولد ہونا بھی ثابت ہو جائے گا لانها تتبعه ائمہ ثلاثہ کے نزدیک وہ اس کی ام ولد نہ ہوگی جبکہ وہ ولادت کے بعد اس کا مالک ہوا ہو۔

قوله ولو ادعيا الخ ایک باندی دو آدمیوں میں مشترک تھی ان میں سے ایک شریک نے اس کے ام ولد ہونے کا دعویٰ کیا تو اس

---

(۱)... دار قطنی عن ابن عمر ۱۲، (۲)... مالک عن عمر رضی اللہ عنہ ۱۲۔ (۳)... طحاوی عن ابن عباس رضی اللہ عنہ ۱۲۔

سے بچہ کا نسب ثابت ہو جائے گا اور باندی اس کی ام ولد ہو جائے گی اور مدعی پر باندی کی نصف قیمت اور نصف مہر مثل واجب ہوگا لیکن بچہ کی قیمت واجب نہ ہوگی کیونکہ ضمان یوم علوق کے لحاظ سے واجب ہے اور بچہ وقت علوق ہی سے ثابت النسب ہے پس حدوث ولد مدعی کی مالک میں ہوا نہ کہ شریک کی ملک میں۔

قولہ ولو ادعیا الخ اور اگر دونوں شریک مدعی ہوں تو بچہ کا نسب دونوں سے ثابت ہو جائے گا اور باندی دونوں کی ام ولد ٹھہرے گی امام شافعی فرماتے ہیں کہ اس صورت میں قیافہ شناس کا قول معتبر ہوگا جواب یہ ہے کہ قیافہ شناسی حجت شرعیہ نہیں ورنہ لعان میں اسی کی طرف رجوع ہوتا بہرکیف باندی دونوں کی ام ولد ہوگی اب دونوں شریکوں پر نصف مہر مثل واجب ہوگا اور مقاصہ ہو جائے گا یعنی دونوں شریک اپنا اپنا حق باہم مجرا کرلیں گے اور بچہ ان دونوں شریکوں کا وارث ہوگا اور جو بیٹے کی وراثت ہوتی ہے وہ پوری پائے گا اور اگر پہلے بچہ کا انتقال ہو جائے تو دونوں شریک اس کے وارث ہوں گے اور پدری ورثہ پائیں گے۔

قولہ ولو ادعی الخ آقا نے اپنے مکاتب کی باندی سے وطی کی اس سے بچہ ہو گیا آقا نے بچہ کا دعوی کیا اور مکاتب نے اس کی تصدیق کردی تو تصادق کی وجہ سے بچہ کا نسب آقا سے ثابت ہو جائے گا اور شبہ کی وجہ سے حد ساقط ہوگی اب آقا پر باندی کا مہر مثل اور بچہ کی قیمت واجب ہوگی لیکن باندی اس کی ام ولد نہ ہوگی کیونکہ وہ اس کی ملک نہیں اور اگر مکاتب نے اس کی تکذیب کردی تو نسب ثابت نہ ہوگا کیونکہ آقا کو کسب مکاتب میں تصرف کا حق نہیں اس لئے مکاتب کی تصدیق ضروری ہے۔

كِتَابُ الايْمَان

اَلْيَمِيْنُ تَقْوِيَةُ اَحَدِ طَرَفَيِ الْخَبَرِ بِالْمَقْسَمِ بِهٖ فَحَلَفُهٗ عَلٰى مَاضٍ كَذِبًا عَمَدًا غُمُوْسٌ

یمین مضبوط کرنا ہے خبر کی دو طرفوں میں سے ایک کو مقسم بہ کے ذریعہ پس قسم کھانا گذشتہ پر جھوٹی جان بوجھ کر غموس ہے

وَظَنًّا لَغْوٌ وَاٰثِمٌ فِي الْاَوَّلِ دُوْنَ الثَّانِيْ

اور از راہ ظن لغو ہے اور گناہ گار ہوگا اول میں نہ کہ ثانی میں۔

قوله كتاب الخ احکام عتاق کے بعد ایمان کو ذکر کر رہا ہے کیونکہ ان میں ایک خاص مناسبت موجود ہے اور وہ یہ کہ جس طرح اعتاق میں ہزل واکراہ کا کوئی تاثیر نہیں اسی طرح ایمان میں بھی ان کی کوئی تاثیر نہیں نیز جس طرح اعتاق سے قوت حکمی حاصل ہوتی ہے اسی طرح یمین سے بھی قسم کھانے کے ارادہ میں پختگی آجاتی ہے ایمان یمین کی جمع ہے لغۃً لفظ یمین ہاتھ، قوت، اور قسم میں مشترک ہے چونکہ خدا کے نام سے قسم میں قوت وتاکید ہوجاتی ہے اس لئے اس کو یمین کہتے ہیں عرف شرع میں خبر کی دو قسموں (صدق وکذب میں سے ایک کو مقسم بہ (خدا کا نام یا اس کی صفات) ذکر کرکے مضبوط کرنے کو یمین کہتے ہیں۔

قوله فحلفه الخ یمین کی تین قسمیں ہیں یمین غموس، لغو، یمین منعقدہ، یمین غموس گزری ہوئی بات پر عمداً جھوٹی قسم کھانے کو کہتے ہیں مثلاً زید جانتا ہے کہ فلاں شخص نہیں آیا اور پھر قسم کھا کر کہے واللہ فلاں شخص آیا تھا مصنف نے اس میں ماضی کی قید لگائی ہے یہ قید اتفاقی ہے نہ کہ احترازی کیونکہ شروح ہدایہ وغیرہ میں مصرح ہے کہ یمین غموس میں ماضی کی شرط نہیں حال میں بھی ہوسکتی ہو غمس کے معنی ڈوبنے کے ہیں ایسی قسم کھانے والا چونکہ گناہ میں ڈوبتا ہے اس لئے اس کو یمین غموس کہتے ہیں آنحضرت صلعم کا ارشاد ہے کہ کبائر گناہ اللہ کے ساتھ شریک کرنا والدین کی نافرمانی کرنا، ناحق قتل کرنا اور یمین غموس ہے[1] لیکن دنیا میں اس کا علاج توبہ واستغفار ہے کفارہ واجب نہیں حضرت ابن مسعود، ابن عباس، ابن المسیب، حسن بصری، اوزاعی، ثوری، لیث، ابوعبیدہ اس کے قائل ہیں یہی امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام احمد کا قول ہے امام شافعی اور زہری کے نزدیک اس میں بھی کفارہ ہے کیونکہ یہ **بما کسبت قلوبکم** میں داخل ہے ہماری دلیل یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے آیت "**ولکن یوا خذکم بما عقدتم الایمان فکفارته**" اہ میں کفارہ کو یمین منعقدہ پر مرتب فرمایا ہے اور یمین غموس یمین منعقدہ نہیں اس لئے اس میں کفارہ نہیں ہوسکتا نیز حدیث میں ہے کہ پانچ چیزیں کبائر میں سے ہیں لیکن ان میں کفارہ شرک نہیں **اشراک باالله قتل نفس عقوق والدين فرار عن الزحف يمين فاجره**۔

قوله وظناً الخ دوسری قسم یمین لغو ہے اس کی تفسیر میں علما کا اختلاف ہے احناف کے یہاں یمین لغو یہ ہے کہ اپنے گمان میں سچ جان کر جھوٹی قسم کھائے مثلاً پرسوں بارش نہیں ہوئی مگر زید کا غالب گمان یہ ہے کہ ہوئی تھی پس زید کا یہ کہنا واللہ پرسوں بارش ہوئی تھی یمین لغو ہے حسن بصری، مجاہد نخعی، زہری سلیمان، بن یسار، قتادہ، سدی مکحول کے یہاں بھی یمین لغو کی یہی تفسیر ہے۔ اب یمین غموس اور یمین لغو میں فرق صرف عمد کذب وعدم عمد کذب کے لحاظ سے ہے ماضی وحال کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں چنانچہ بدائع میں یہ چیز مصرح ہے پس اس کی تعریف میں بھی ماضی کی قید اتفاقی ہوئی نہ کہ احترازی امام شافعی وعکرمہ اور شعبی کے یہاں بات بات پر لفظ باللہ واللہ استعمال کرنا یمین لغو ہے کیونکہ حضرت عائشہؓ سے یہی تفسیر مروی ہے[2] لیکن حضرت ابن عباس اور زرارہ بن ابی اوفی سے یمین لغو کی وہی تفسیر مروی ہے جو اوپر مذکور ہوئی یمین لغو میں باتفاق ائمہ کوئی مواخذہ نہیں لقوله تعالیٰ "**ولا يواخذكم الله باللغو في ایمانکم**"۔

(۱)... بخاری عن عبداللہ ابن عمرو بن العاص ۱۲۔

(۲)... بخاری، ابوداؤد، مالک عن عائشہ ۱۲۔

وَعَلٰی اٰتٍ مُنْعَقِدَۃٌ وَفِیْہِ الْکَفَّارَۃُ فَقَطْ وَلَوْ مُکْرَھًا اَوْ نَاسِیًا اَوْ حَنَثَ کَذٰلِکَ وَالْیَمِیْنُ بِاللّٰہِ وَالرَّحْمٰنِ

اور آئندہ پر منعقدہ ہے اور کفارہ صرف اس میں ہے گو زبردستی یا بھول کر ہو یا حانث ہو جائے اسی طرح اور قسم خدا تعالیٰ کی اور رحمٰن ورحیم کی

وَعِزَّتِہٖ وَجَلَالِہٖ وَکِبْرِیَآئِہٖ وَاُقْسِمُ وَاَحْلِفُ وَاَشْھَدُ وَاِنْ لَمْ یَقُلْ بِاللّٰہِ

اور اس کی عزت وبزرگی اور اس کی کبریائی کی ہوتی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں قسم کھاتا ہوں حلف اٹھاتا ہوں گواہی دیتا ہوں گو لفظ باللہ ذکر نہ کرے

وَلَعَمْرُ اللّٰہِ وَاَیْمُ اللّٰہِ وَعَھْدُ اللّٰہِ وَمِیْثَاقِہٖ وَعَلَیَّ نَذْرٌ وَنَذْرُ اللّٰہِ وَاِنْ فَعَلَ کَذَا فَھُوَ کَافِرٌ لَابِعِلْمِہٖ وَغَضَبِہٖ

اور لعمر اللہ ایم اللہ سے اور عہد و پیمان خدا سے اور اس سے کہ مجھ پر نذر ہے یا اللہ کی نذر ہے اور اگر ایسا کروں تو کافر ہوں نہ کہ خدا کے علم وغضب

وَسَخَطِہٖ وَرَحْمَتِہٖ وَالنَّبِیِّ وَالْقُرْاٰنِ وَالْکَعْبَۃِ وَحَقِّ اللّٰہِ وَاِنْ فَعَلْتُہٗ فَعَلَیَّ غَضَبُہٗ اَوْ سَخَطُہٗ اَوْ اَنَازَانٍ اَوْسَارِقٌ اَوْ شَارِبُ

غصہ ورحمت نبی وقرآن اور کعبہ وحق اللہ کی قسم کھانے سے اور نہ اس سے کہ اگر میں یہ کام کروں تو مجھ پر خدا کا غضب یا غصہ ہے یا میں زانی چور شراب خور

خَمْرٍ اَوْ اٰکِلُ رِبوًا وَ حُرُوْفُہٗ الْبَاءُ وَالْوَاوُ وَالتَّاءُ وَقَدْ تُضْمَرُ وَکَفَّارَتُہٗ تَحْرِیْرُ رَقَبَۃٍ اَوْ اِطْعَامُ عَشَرَۃِ مَسَاکِیْنَ

سود خور ہوں اور حرف قسم یہ ہیں باء واو تاء اور کبھی حرف قسم پوشیدہ ہوتا ہے اور قسم کا کفارہ غلام آزاد کرنا دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے جیسا کہ ان دونوں

کَمَا فِی الظِّھَارِ اَوْ کِسْوَتُھُمْ بِمَایَسْتُرُ عَامَّۃَ الْبَدَنِ فَاِنْ عَجَزَ عَنْ اَحَدِھِمَا صَامَ ثَلٰثَۃَ اَیَّامٍ مُتَتَابِعَۃٍ وَلَایُکَفِّرُ

کا ذکر کفارۂ ظہار میں ہو چکا یا دس مسکینوں کی پوشاک ہے جو اکثر بدن کو چھپا لے اگر ان سے عاجز ہو تو تین روزے رکھے پے بہ پے اور نہ کفارہ

قَبْلَ الْحِنْثِ وَمَنْ حَلَفَ عَلٰی مَعْصِیَۃٍ یَنْبَغِیْ اَنْ یَّحْنِثَ وَیُکَفِّرَ

دے حانث ہونے سے پیشتر اور جو قسم کھالے کسی گناہ پر تو مناسب ہے کہ حانث ہو جائے اور کفارہ دے دے۔

تشریح الفقہ: **قولہ وعلیٰ آت الخ** تیسری قسم یمین منعقدہ ہے اور وہ یہ کہ آئندہ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر قسم کھائے آئندہ کی قید اس لئے ہے کہ آیت میں ہے **واحفظوا ایمانکم** اور ظاہر ہے کہ حفاظت آئندہ ہی کے لحاظ سے ہی ہو سکتی ہے اس صورت میں قسم کے خلاف کرنے پر بالاتفاق کفارہ واجب ہے **لقولہ تعالیٰ لکن یواخذکم بما عقدتم الایمان**۔

قولہ فقط الخ علامہ زیلعی نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ یہاں لفظ فقط بے معنی ہے کیونکہ جس طرح یمین غموس اور یمین لغو میں گناہ ہوتا ہے اسی طرح یمین منعقدہ میں بھی گناہ ہوتا ہے پس یہ کہنا کہ یمین منعقدہ میں صرف کفارہ ہے صحیح نہیں جواب یہ ہے کہ یہاں اثم کے لحاظ سے تخصیص مقصود نہیں بلکہ کفارہ کے لحاظ سے ہے یعنی کفارہ صرف یمین منعقدہ میں واجب ہے نہ کہ یمین غموس اور یمین لغو میں علاوہ ازیں یمین منعقدہ میں کبھی حانث ہو جانا واجب ہوتا ہے کبھی مستحب **فلا یصح اطلاقہ**۔

قولہ وایم اللہ الخ ایم بمعنی ایمن ہے اور ایمن کوفیوں کے نزدیک یمین کی جمع ہے ہمزہ اور نون کو برائے تخفیف حذف کر دیا گیا اور بصریوں کے نزدیک ایم اللہ بمعنی واللہ ہے بہرکیف لفظ ایم کے ساتھ قسم کھانا متعارف ہے **ومنہ فی حدیث البخاری وایم اللہ ان کان تخلیقا بالامارۃ**۔ لفظ ایم میں سیبویہ کے نزدیک بصریوں کا مذہب پسندیدہ ہے کیونکہ ایم میں ہمزہ اور یا کو بھی حذف کر دیتے ہیں صرف م اللہ کہتے ہیں حالانکہ جمع کا صرف ایک حرف پر باقی رہنا جائز نہیں زجاج، وابن کیسان نے کوفیوں کا مذہب اختیار کیا ہے کیونکہ افعل کے وزن پر مفرد نہیں آتا لفظ ایم میں بہت سی لغتیں ہیں **ایم اللہ، ھیم اللہ، ایمن اللہ، ام اللہ، م اللہ، من اللہ**۔

قولہ متتابعۃ الخ اگر کفارہ یمین میں غلام آزاد کرنے اور لباس دینے اور کھانے کھلانے سے عاجز ہو تو پے در پے تین روزے رکھے امام مالک فرماتے ہیں کہ تتابع ضروری نہیں، امام شافعی کا ایک قول اور امام احمد کی ایک روایت بھی یہی ہے کیونکہ آیت **فمن لم یجد فصیام ثلثۃ ایام** میں تتابع کی قید نہیں ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود وابی ابن کعب کی مشہور قرات **ثلثۃ ایام متتابعات** (۱)

(۱) ..ابن ابی شیبہ، عبدالرزاق عن ابن مسعود، حاکم عن ابی بن کعب

روایت مشہورہ کے درجہ میں ہے فانھما یقران سماعا منه علیه السلام اور خبر مشہور سے زیادتی اور تقیید جائز ہے۔

قولہ ولا یکفر الخ حانث ہونے سے قبل کفارہ دینا جائز نہیں امام شافعی کے یہاں کفارہ مالی قبل از حنث جائز ہے کیونکہ حدیث میں ہے "فکفر عن یمینک ثم ایت الذی ھو خیر" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اول کفارہ دے پھر قسم توڑے بعد میں کفارہ ادا کرے امام نسائی نے تو "الکفارۃ بعد الحنث" مستقل باب باندھا ہے اور عدی بن حاتم اور عبدالرحمٰن بن عمرہ وغیرہ سے روایات کی تخریج کی ہے نیز کفارہ کی مشروعیت گناہ چھپانے کے لئے ہے اور قبل از حنث کوئی گناہ ہی نہیں جس کو کفارہ چھپائے رہے۔ امام شافعی کے مستدلات سوان کا جواب یہ ہے کہ عبدالرحمٰن بن سمرہ سے صحیحین میں جو روایت ہے اس میں واؤ مطلق جمع کیلئے ہے نہ تعقیب کیلئے اور صحیحین کی روایت چونکہ صحت میں مقدم ہے اس لئے ابوداؤد کی روایت میں تاویل کی جائے گی لفظ ثم واؤ کے معنی میں ہے اور حضرت عائشہؓ سے بخاری میں روایت ہے "ان ابابکر کان اذا حلف اہ" اس میں حنث مقدم ہے اور کفارہ کا عطف واؤ کے ساتھ ہے رہی ام سلمہؓ کی حدیث سو اس میں گو لفظ ثم ہے لیکن حنث مقدم ہے فکان سواء بسواء۔

قولہ ینبغی الخ جو شخص کسی معصیت پر قسم کھالے مثلاً یوں کہے بخدا میں اپنے والدین سے نہ بولوں گا تو اس کو چاہئے کہ قسم توڑ دے اور کفارہ ادا کرے کیونکہ حدیث میں ہے کہ "جو شخص کسی بات پر قسم کھا بیٹھے اور اس کے خلاف میں بہتری ہو تو قسم توڑ دے اور کفارہ ادا کرے" قسم توڑنے میں دس صورتیں ہیں ہر ایک کا حکم اس نقشہ سے معلوم کرو۔

صور حنث مع احکام

نمبر شمار	محلوف علیہ	مثال	حکم
۱	فعل ہے اور معصیت ہے	وَاللّٰہ لا قتلنّ الیوم زیدا	حنث واجب ہے
۲	ترک فعل ہے ==	واللّٰہ لا اکلم الیوم ابی	==
۳	فعل ہے اور واجب ہے	واللّٰہ لاصلین الیوم الظھر	پورا کرنا واجب ہے
۴	ترک فعل ہے ==	واللّٰہ لا اشر بن الخمر	==
۵	فعل ہے اور غیر سے اولیٰ ہے	واللّٰہ لاعطین الفقراء	قسم پر قسم رہنا افضل ہے
۶	ترک فعل ہے ==	واللّٰہ لا اضرب من ضربنی	==
۷	فعل ہے اور اس کا غیر اولیٰ ہے	وَاللّٰہ لا کل الیوم البصل	قسم توڑنا افضل ہے
۸	ترک فعل ہے ==	واللّٰہ لا اضرب زوجتی شھراء	==
۹	فعل ہے اور محلوف علیہ وغیر محلوف علیہ دونوں برابر ہیں	واللّٰہ لالبسن ھذا الثوب	قسم پوری کرنا افضل ہے
۱۰	ترک ہے ==	واللّٰہ لا اکل ھذا الخبز	==

(۱) ابوداؤد، نسائی عن عبدالرحمٰن بن سمرہ ۱۲

(۲) حاکم عن عائشہ، طبرانی ام سلمہ ۱۲ (۳) مسلم عن ابی ہریرۃ صحیحین عن ابی موسی الاشعری، مسلم عن عدی بن حاتم ۱۲

(۴) صحیحین عن عبدالرحمٰن بن سمرۃ، مسلم عن ابی ہریرۃ ۱۲

وَلَا كَفَّارَةَ عَلٰى كَافِرٍ وَاِنْ حَنَثَ مُسْلِمًا وَمَنْ حَرَّمَ مِلْكَهٗ لَمْ يَحْرُمْ وَاِنِ اسْتَبَاحَهٗ كَفَّرَ
اور نہیں ہے کفارہ کافر پر اگر چہ حانث ہو اسلام کی حالت میں اور جو اپنی ملک کو حرام کر لے تو حرام نہ ہوگی پھر اگر اسکو مباح کرے تو کفارہ دے

وَكُلُّ حِلٍّ عَلَيَّ حَرَامٌ فَهُوَ عَلَى الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ وَالْفَتْوٰى عَلٰى اَنَّهٗ تَبِيْنُ امْرَاَتُهٗ بِلَا نِيَّةٍ وَمَنْ نَذَرَ نَذْرًا مُطْلَقًا
ہر حلال چیز مجھ پر حرام ہے یہ کھانے پینے کی چیزوں پر محمول ہوگی اور فتویٰ اس پر ہے کہ اس کی بیوی بائنہ ہو جائیگی بلا نیت جو شخص نذر مانے مطلق

اَوْ مُعَلَّقًا بِشَرْطٍ وَ وُجِدَ وَفٰى بِهٖ وَلَوْ وَصَلَ بِحَلْفِهٖ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰى بَرَّ
یا کسی شرط پر معلق اور شرط پائی جائے تو اسے پوری کرے اور اگر ملا دیا اپنی قسم کے ساتھ کلمہ ان شاء اللہ تو نکل جائیگا قسم سے۔

تشریح الفقہ: قولہ ولا کفارۃ الخ اگر کوئی کافر قسم کھا کر توڑ دے تو اس پر کفارہ نہیں خواہ کفر کی حالت میں ہو یا اسلام کی حالت میں امام مالک بھی اسی کے قائل ہیں دلیل حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ''انھم لا ایمان لھم'' نیز کافر یمین کا اہل نہیں کیونکہ یمین کی بنیاد باری تعالیٰ کے نام کی عظمت پر ہے اور کافر اپنے کفر پر مصر رہ کر باری عزاسمہ کے نام کی بے حرمتی کرتا ہے اور کفارہ کا بھی اہل نہیں کیونکہ کفارہ عبادت ہے امام شافعی امام احمد فرماتے ہیں کہ کافر پر مالی کفارہ واجب ہے وہ ظاہر آیت ''وان نکثو ایما نھم'' پر عمل کرتے ہیں مگر یہ صحیح نہیں کیونکہ یہاں حقیقی یمین مراد نہیں بلکہ ظاہری یمین مراد ہے جو کفار اپنی سچائی ظاہر کرنے کے واسطے کھاتے ہیں۔

قولہ کل حل علی الخ اگر کوئی شخص یوں کہے کہ کل حل علی حرام تو یہ تحریم کھانے پینے پر محمول ہے لیکن ابو بکر محمد بن الفضل، فقیہ ابو جعفر ابو بکر اسکاف ابو بکر بن سعید و دیگر مشائخ کا فتویٰ اس پر ہے کہ قائل مذکور کی بیوی ایک طلاق سے بائنہ ہو جائے گی اور اگر چند بیویاں ہوں تو سب ایک ایک طلاق سے بائنہ ہو جائیں گی اور اگر تین کی نیت کرے تو تین واقع ہو جائیں گی اور اگر یہ کہے کہ میں نے طلاق کی نیت نہیں کی تو قضاءً تصدیق نہ ہوگی وجہ یہ ہے کہ تحریم حلال کا غالب استعمال طلاق ہی میں ہے۔

قولہ ولو وصل الخ ایک شخص نے قسم کھائی کہ واللہ میں زید سے نہ بولوں گا اور متصلاً انشاء اللہ کہہ دیا تو اس کی قسم باطل ہوگئی یعنی زید کے ساتھ گفتگو کرنے سے حانث نہ ہوگا کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''من حلف علی یمین فقال انشاء اللّٰہ فلاحنث علیہ'' (نسائی) مصنف نے اتصال کی شرط لگائی ہے اس واسطے کے قسم کے بعد منفصلاً انشاء اللہ کہنا معطل یمین نہیں ہے کیونکہ یہ مستلزم رجوع ہے اور ایمان میں رجوع جائز نہیں البتہ حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ استثناء منفصل بھی مبطل ہے مگر یہ روایت معمول بہا نہیں کیونکہ اس سے تمام عقود شرعیہ کا غیر ملزم ہونا لازم آتا ہے جو ظاہر البطلان ہے۔

حکایت لطیفہ:

محمد بن اسحٰق صاحب مغازی منصور دوانقی خلیفہ عباسی کے پاس اپنی کتاب ''المغازی'' پڑھا کرتے تھے اتفاق سے ایک روز امام صاحب بھی مجلس میں موجود تھے محمد بن اسحٰق نے خلیفہ کو امام صاحب کے خلاف بھڑکانے کی غرض سے کہا کہ یہ شیخ (یعنی امام ابوحنیفہ) استثناء منفصل کے سلسلہ میں آپ کے جدامجد کی مخالفت کرتا ہے خلیفہ نے امام صاحب سے کہا کہ تمہارا یہ رتبہ کہ ہمارے دادا کی مخالفت کرتے ہو امام صاحب نے فرمایا کہ یہ شخص (یعنی محمد بن اسحٰق) آپ کی سلطنت مٹانا چاہتا ہے کیونکہ جب استثنا منفصل ہوگا تو لوگ قسمیں کھا کر آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے اور باہر نکل کر انشاء اللہ کہیں گے اور حانث نہ ہوں گے خلیفہ نے اس جواب کو بہت پسند کیا اور اظہار خفگی کے ساتھ محمد بن اسحٰق کو اپنے پاس سے اٹھا دیا اور امام صاحب سے کہا کہ اس راز کو مخفی رکھنا۔

باب الیمین فی الدخول والخروج والسکنیٰ والاتیان وغیر ذٰلک
باب داخل ہونے، نکلنے، رہنے اور آنے وغیرہ پر قسم کھانے کے بیان میں

حَلَفَ لَا يَدْخُلُ بَيْتًا لَايَحْنِثُ بِدُخُوْلِ الْكَعْبَةِ اَوِالْمَسْجِدِ اَوِالْبِيْعَةِ اَوِالْكَنِيْسَةِ وَالدِّهْلِيْزِ وَالظُّلَّةِ وَالصُّفَّةِ وَفِيْ دَارٍ
قسم کھائی کہ گھر میں داخل نہ ہوگا تو حانث نہ ہوگا کعبہ میں مسجد میں کلیسہ میں گرجا میں ڈیوڑی میں سائبان میں اور چبوترہ پر داخل ہونے سے اور اگر دار ا
لاَ يَحْنِثُ بِدُخُوْلِهَا خَرِبَةً وَفِيْ هٰذِهِ الدَّارِ يَحْنِثُ وَاِنْ بُنِيَتْ دَارٌ اُخْرٰى بَعْدَ الْاِنْهِدَامِ وَاِنْ جُعِلَتْ بُسْتَانًا
کہا تو حانث نہ ہوگا اسکے ویران ہونیکے بعد داخل ہونے سے اور اگر اشارہ معین کیا تو حانث ہوجائیگا گو منہدم ہونیکے بعد دوسرا بنادیا گیا ہو اور اگر باغ
اَوْ مَسْجِدًا اَوْ حَمَّامًا ہو اَوْ بَيْتًا لَا كَهٰذَا الْبَيْتِ فَهُدِمَ اَوْ بُنِيَ اُخْرٰى
یا مسجد یا گرمابہ یا کوٹھری بنادی گئی تو حانث نہ ہوگا جیسے کہے کہ اس کوٹھری میں داخل نہ ہونگا پھر وہ منہدم کردیجائے یا دوسری بنادیجائے

توضیح اللغۃ: سکنٰی جائے رہائش، بیعہ کلیسا، نصاریٰ کا عبادت خانہ، کنیسہ گرجا، یہودیوں کی عبادت گاہ، دہلیز ڈیوڑھی، ظلہ سائبان، صفہ چبوترہ، خربہ ویران، بستان باغ، حمام گرمابہ۔

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ یمین کی بنیاد فعل شئی یا ترک شئی پر قائم ہے اس لئے ان افعال کو ذکر کررہا ہے جن پر یمین منعقد ہوتی ہے پھر افعال چونکہ غیر محصور ہیں اور تمام کو ضبط کرنا ناممکن ہے اس لئے انہی افعال پر اکتفا کررہا ہے جن کو فقہا عام طور سے ذکر کرتے ہیں اور وہ دو قسم کے افعال ہیں حسیہ اور شرعیہ مصنف ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ ابواب میں لا رہا ہے اور ان میں سے افعال حسیہ دخول دار وغیرہ کو مقدم کررہا ہے اس واسطے کہ انسان کیلئے استقرار فی المکان کا مسئلہ نہایت اہم مسئلہ ہے۔

قولہ حلف الخ مسائل یمین کا سمجھنا اصول ائمہ کے سمجھنے پر موقوف ہے اس لئے پہلے اصول دریافت کرلینا ضروری ہے امام شافعی کے یہاں یمین کا مدار حقیقت لغویہ پر ہے اور امام مالک کے یہاں استعمال قرآنی پر اور امام احمد کے یہاں نیت پر اور ہمارے یہاں عرف پر (بشرطیکہ حالف نے محتمل لفظ کی نیت نہ کی ہو) پس اگر کوئی شخص یوں کہے واللہ لا اھدم بیتا تو امام شافعی کے یہاں مکڑی کا جالا توڑنے سے بھی حانث ہوجائے گا کیونکہ لغت میں مکڑی کے جالے کو بھی بیت کہتے ہیں اور اگر کوئی کہے واللہ لا اکل لحما تو امام مالک کے یہاں مچھلی کھانے سے بھی حانث ہوجائے گا کیونکہ قرآن میں مچھلی کو لحم سے تعبیر کیا گیا ہو قال تعالی "لتا کلو امنہ لحماطریا" جب یہ بات ذہن نشین ہوگئی تو اب مسائل یمین کا سمجھنا آسان ہے مثلاً ایک شخص کہتا ہے واللہ لا ادخل بیتا تو ہمارے نزدیک خانہ کعبہ، مسجد کنیسہ وغیرہ میں داخل ہونے سے حانث نہ ہوگا کیونکہ عرف میں بیت اس کو کہتے ہیں جو شب باشی کیلئے موضوع ہو اور امکنہ مذکورہ شب باشی کیلئے موضوع نہیں اور اگر کوئی یوں کہے واللہ لاادخل دارا تو اس کے ویران ہونے کے بعد داخل ہونے سے حانث نہ ہوگا ہاں اگر وہ یوں کہے واللہ لاادخل ھذہ الدار تو ویران یا منہدم ہوجانے یا اس کی جگہ دوسرا مکان تعمیر ہوجانے کے بعد داخل ہونے سے بھی حانث ہوجائیگا کیونکہ دار میدان کا نام ہے اور اس میں عمارت کا ہونا وصف ہے یقال دار عامرہ و دار غامرہ اور وصف کا اعتبار غیر معین میں ہوتا ہے نہ کہ معین میں تو پہلی صورت میں دار نکرہ غیر معین ہے اس لئے عمارت معتبر ہوگی اور ویران گھر میں داخل ہونے سے حانث نہ ہوگا اور دوسری صورت میں دار اشارہ کی وجہ سے معین ہے لہٰذا وصف غیر معتبر ہوا پس ویران گھر میں داخل ہونے سے بھی حانث ہوجائے گا اور اگر گھر کو باغ یا مسجد وغیرہ بنادیا گیا تو وہاں داخل ہونے سے حانث نہ ہوگا کیونکہ اب اس کا نام دار نہیں رہا بلکہ مسجد یا بستان وغیرہ نام ہوگیا۔

وَالْوَاقِفُ عَلَى السَّطْحِ دَاخِلٌ وَفِيْ طَاقِ الْبَابِ لاَ وَدَوَامُ اللُّبْسِ وَالرُّكُوْبِ وَالسُّكْنٰى كَالْاِنْشَاءِ
چھت پر کھڑا ہونے والا داخل کے حکم میں ہے نہ کہ دروازہ کی محراب میں داخل ہونے والا اور پوشاک سواری اور رہنے پر ٹھہرا رہنا گویا ابتداء کرنا ہے

لَادَوَامُ الدُّخُوْلِ لَايَسْكُنُ هٰذِهِ الدَّارَ اَوِ الْبَيْتَ اَوِ الْمَحَلَّةَ فَخَرَجَ وَبَقِيَ مَتَاعُهُ وَاَهْلُهُ حَنِثَ
نہ کہ داخل ہوئے رہنا اس مکان یا کوٹھری یا محلّہ میں نہ رہیگا پس خود چلا گیا اور اسکا اسباب واہل وعیال وہیں رہے تو حانث ہوجائیگا

بِخِلَافِ الْمِصْرِ لَايَخْرُجُ فَخَرَجَ مَحْمُوْلاً بِاَمْرِهٖ حَنِثَ وَبِرِضَاهُ لاَ بِاَمْرِهٖ اَوْ مُكْرَهًا لاَ
بخلاف شہر کے، میں نہ نکلوں گا پس نکالا گیا اٹھا کر اس کے حکم سے تو حانث ہوجائیگا اور اگر اس کی رضا سے بلا حکم یا زبردستی نکالا گیا تو حانث نہ ہوگا

كَلاَ يَخْرُجُ اِلاَّ اِلَى الْجَنَازَةِ فَخَرَجَ اِلَيْهَا ثُمَّ اِلٰى حَاجَةٍ اُخْرٰى لَمْ يَحْنَثْ وَلَايَخْرُجُ اَوْ لَايَذْهَبُ اِلٰى مَكَّةَ
جیسے نہ نکلونگا مگر جنازہ کے لئے پس نکلا اس کے لئے پھر کسی ضرورت سے چلا گیا، اگر کہا نہ نکلونگا یا نہ جاؤں گا مکے پھر مکہ کے ارادہ سے نکلا

فَخَرَجَ يُرِيْدُهَا ثُمَّ رَجَعَ حَنِثَ وَفِيْ لَايَاْتِيْهَا لاَ حَتّٰى يَدْخُلَهَا لَيَاْتِيَنَّهُ فَلَمْ يَاْتِهٖ حَتّٰى مَاتَ حَنِثَ فِيْ اٰخِرِ حَيٰوتِهٖ
اور لوٹ آیا تو حانث ہوجائیگا اگر کہا کہ مکہ میں داخل نہ ہونگا تو حانث نہ ہوگا اسکے پاس ضرور آؤں گا اور نہ آیا مرنے تک تو حانث ہوجائیگا آخر حیات میں

لَيَاْتِيَنَّهُ اِنِ اسْتَطَاعَ فَهِيَ اسْتِطَاعَةُ الصِّحَّةِ وَاِنْ نَوَى الْقُدْرَةَ دُيِّنَ لاَ تَخْرُجُ اِلاَّ بِاِذْنِيْ
ضرور آؤں گا اس کے پاس اگر ہوسکا تو ہوسکنا تندرستی پر محمول ہوگا اور اگر قدرت مراد لی تو دیانۃ مان لیا جائیگا مت نکل مگر میری اجازت سے

شُرِطَ لِكُلِّ خُرُوْجٍ اِذْنٌ بِخِلَافِ اِلاَّ اَنْ اَوْ حَتّٰى وَلَوْ اَرَادَتِ الْخُرُوْجَ فَقَالَ اِنْ خَرَجْتِ اَوْضَرْبَ الْعَبْدِ
تو ہر بار نکلنے کیلئے اجازت شرط ہوگی بخلاف الا ان اور کلمہ حتی کے، بیوی نے نکلنا چاہا شوہر نے کہا اگر تو نکلی یا غلام کو مارنا چاہا

فَقَالَ اِنْ ضَرَبْتِ تَقَيَّدَ بِهٖ كَاجْلِسْ فَتَغَدَّ عِنْدِيْ فَقَالَ اِنْ تَغَدَّيْتُ
شوہر نے کہا اگر تو نے مارا تو یہ اسی نکلنے اور مارنے کیساتھ مقید ہوگا جیسے کسی نے کہا بیٹھ اور میرے پاس ناشتہ کر اس نے کہا اگر میں ناشتہ کروں

وَمَرْكَبُ عَبْدِهٖ كَمَرْكَبِهٖ فِي الْحِنْثِ اِنْ نَوٰى وَلَادَيْنَ عَلَيْهِ
غلام کی سواری خود اسی کی سواری ہے اگر اس کی نیت کرے اور غلام پر قرض نہ ہو۔

قولہ والواقف الخ مکان کی چھت پر کھڑا ہونے والا گھر میں داخل ہونے والے کے حکم میں ہے یعنی اگر کوئی یوں کہے واللہ لا ادخل دارا اور پھر گھر کی چھت پر کھڑا ہوجائے تو متقدمین فقہا کے نزدیک حانث ہوجائیگا کیونکہ چھت بھی گھر کے حکم میں ہے چنانچہ سطح مسجد تک آنے سے معتکف کا اعتکاف باطل نہیں ہوتا اور حائضہ اور جنبی کیلئے سطح مسجد پر کھڑا ہونا جائز نہیں۔

فائدہ: متاخرین کے یہاں چھت پر آنے سے حانث نہ ہوگا اور متقدمین کے یہاں حانث ہوجائیگا ان دونوں قولوں میں بعض حضرات نے تطبیق دی ہے کہ متقدمین کے نزدیک گھر سے مراد وہ ہے جس کے ہر چہار طرف پردہ کی دیوار ہو اور متاخرین کے نزدیک وہ جس میں پردہ کی دیوار نہ ہو لیکن ابن کمال نے کہا ہے کہ اہل عجم کے عرف میں اس کو داخل دار نہیں کہتے لہٰذا حانث نہ ہوگا اسی پر فتویٰ ہے۔

قولہ ودوام اللبس الخ ایک شخص نے کہا بخدا میں یہ کپڑا نہ پہنوں گا حالانکہ وہی پہنے ہوئے ہے یا کہا کہ اس سواری پر سوار نہ ہوں گا اور اسی پر سوار ہے یا کہا کہ میں اس گھر میں نہ رہوں گا اور اسی میں ساکن ہے تو قسم کے بعد ایک ساعت پہننے اور سوار ہونے سے حانث ہوجائیگا اور اگر یوں کہا کہ میں اس گھر میں داخل نہ ہوں گا تو قدرے ٹھہرنے سے حانث نہ ہوگا وجہ یہ ہے کہ جن افعال میں امتداد پایا جاتا ہے ان میں دوام فعل کا حکم بھی وہی ہے جو ابتداء فعل کا ہے جیسے رکوب، لبس، سکنیٰ وغیرہ اور جن میں امتداد نہیں ہے جیسے دخول، خروج، تطہیر وغیرہ ان کے دوام کا حکم ابتداء فعل کا حکم نہیں ہے۔

قولہ لا یسکن الخ ایک شخص نے کہا کہ میں اس گھر میں یا اس مکان میں یا اس محلہ میں نہ رہوں گا چنانچہ وہ وہاں سے نکل گیا لیکن اس کا ساز وسامان اور اہل وعیال سب وہیں ہیں تو حانث ہو جائے گا کیونکہ عرفاً سکونت وہیں کی سمجھی جاتی ہے جہاں اہل وعیال ہوں مثلاً اہل بازار تمام دن بازار میں رہتے ہیں لیکن وہیں کے کہلاتے ہیں جہاں ان کے اہل وعیال اور اسباب ہوتا ہے پھر امام صاحب اور امام احمد کے نزدیک پورا سامان منتقل کرنا ضروری ہے اگر ایک کیل بھی وہاں رہ گئی تو حانث ہو جائے گا امام ابو یوسف کے نزدیک اکثر سامان منتقل کر لینا کافی ہے محیط اور فوائد ظہیریہ میں ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ ضروری اسباب خانگی منتقل کر لینا کافی ہے یہی قول آسان تر ہے اور مشائخ نے اسی کو پسند کیا ہے عینی اور شرح مجمع وغیرہ میں ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے اور اگر یوں قسم کھائی کہ اس شہر یا گاؤں میں نہ رہوں گا تو صرف اس کا نکل جانا کافی ہے اگرچہ اہل وعیال اسی شہر میں ہوں کیونکہ عرف میں اس کو اس شہر کا باشندہ شمار نہیں کیا جاتا۔

قولہ فاخرج الخ ایک شخص نے کہا کہ میں مسجد سے نہ نکلوں گا پھر اس کو اس کے حکم سے اٹھا کر نکالا گیا تو حانث ہو جائیگا کیونکہ مامور کا فعل آمر کی طرف مضاف ہوتا ہے پس یہ ایسا ہے جیسے وہ خود نکلا ہو اور اگر بلا حکم زبردستی اٹھا کر نکالا گیا ہو تو حانث نہ ہوگا اگرچہ وہ اکراہ کے بعد نکلنے پر راضی ہو گیا ہو اسی طرح اگر اس نے کہا کہ میں صرف جنازہ کیلئے نکلوں گا چنانچہ وہ جنازے کیلئے نکلا اور پھر کسی کام کیلئے چلا گیا تو حانث نہ ہوگا کیونکہ گھر سے بارادہ جنازہ نکلنا شرط ہے اور وہ موجود ہے پس دوسری ضرورت کیلئے جانا یمین کیلئے مضر نہیں۔

قولہ لا یخرج الخ ایک شخص نے کہا کہ میں مکہ کی طرف جاؤں گا یا نکلوں گا اور پھر مکہ کے ارادہ سے باہر نکلا اور مکہ پہنچنے سے پہلے واپس آ گیا تو حانث ہو جائیگا کیونکہ خروج وذہاب کیلئے مقصود تک پہنچنا شرط نہیں بخلاف لفظ اتیان کے کہ اس کیلئے وصول شرط ہے اس لئے لفظ اتیان استعمال کرنے کی صورت میں حانث نہ ہوگا جب تک کہ وہ مکہ نہ پہنچ جائے۔

قولہ لا تخرج الا باذنی الخ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا لا تخرج الا باذنی تو ہر بار نکلنے کیلئے اجازت شرط ہوگی اگر بیوی ایک مرتبہ اجازت سے نکلی اور پھر بلا اجازت نکل گئی تو حانث ہو جائے گا اور اگر کلمہ حتی یا لفظ الا ان استعمال کیا تو ہر بار اجازت مشروط نہیں وجہ یہ ہے کہ الا باذنی میں باء برائے الصاق ہے پس ہر خروج کا صفت اذن کے ساتھ ملصق ہونا ضروری ہے قال تعالیٰ **"ومانتنزل الا بامر ربک"** ای **لا یوجد نزول الا بهذه الصفة** بخلاف کلمہ حتی کے کہ وہ انتہا کیلئے ہے پس ایک مرتبہ اجازت کے ساتھ خروج متحقق ہونے سے یمین منتہی ہو جائے گی رہا الا ان سو وہ کلمہ حتی پر محمول ہے کیونکہ یہاں کلمہ ان کا مصدر یہ ہونا متعذر ہے سوال آیت **"یا ایها الذین آمنوا لا تدخلوا بیوت النبی الا ان یؤذن لکم"** میں الا ان ہے حالانکہ نبی کے گھر میں داخل ہونے کیلئے ہر مرتبہ اجازت شرط ہے جواب ہر مرتبہ اجازت کا شرط ہونا آخر آیت سے ثابت ہے یعنی **"ان ذالکم کان یؤذی النبی"** سے کیونکہ ایذا ہر مرتبہ داخل ہونے میں موجود ہے یا اس لئے کہ غیر کی ملک میں بلا اجازت داخل ہونا حرام ہے۔

قولہ ومرکب الخ ماذون فی التجارۃ اور مکاتب غلام کی سواری اس کے مالک کی نہیں ہے مگر دو شرطوں کے ساتھ ایک یہ کہ غلام پر دین مستغرق نہ ہو دوسرے یہ کہ حالف نے اس سواری کی نیت کی ہو سو اگر کسی نے قسم کھائی کہ زید کی سواری پر سوار نہ ہوگا پھر زید کے ماذون فی التجارۃ یا مکاتب غلام کی سواری پر سوار ہو گیا تو حانث نہ ہوگا اور اگر دین مستغرق نہ ہو اور حالف نے اس سواری کی نیت کی ہو تو حانث ہو جائے گا۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

باب الیمین فی الاکل والشرب واللبس والکلام

باب کھانے پینے اور کلام کرنے پر قسم کھانے کے بیان میں

لَايَأْكُلُ مِنْ هٰذِهِ النَّخْلَةِ حَنِثَ بِثَمَرِهَا وَلَوْ عَيَّنَ الْبُسْرَ اَوِ الرُّطَبَ اَوِ اللَّبَنَ لَايَحْنِثُ بِرُطَبِهٖ وَتَمَرِهٖ

نہ کھائے گا کھجور کے اس درخت سے تو حانث ہو جائیگا اس کے پھل سے اور اگر معین کیا کچے پختہ اور دودھ کو تو نہ حانث ہوگا اس کے پختہ اور خشک

وَشِيْرَازِهٖ بِخِلَافِ هٰذَا الصَّبِيِّ وَهٰذَا الشَّابِّ وَهٰذَا الْحَمْلِ لَايَأْكُلُ بُسْرًا فَاَكَلَ رُطَبًا لَمْ يَحْنِثْ وَفِيْ لَايَأْكُلُ رُطَبًا

اور دہی سے بخلاف اس بچے اور جوان اور اس حمل کے کہ نہ کھاؤں گا گدر کھجور پھر کھائی پختہ تو حانث نہ ہوگا نہ کھاؤں گا پختہ یا کچا

اَوْبُسْرًا اَوْلَايَأْكُلُ رُطَبًا وَلَابُسْرًا حَنِثَ بِالْمُذَنَّبِ وَلَا يَحْنِثُ بِشِرَآءِ كَبَاسَةٍ فِيْهَارُطَبٌ

یا نہ پختہ کھاؤں گا نہ خام تو حانث ہو جائیگا گدر کھانے سے اور حانث نہ ہوگا کچی کھجور کا خوشہ خریدنے سے جس میں کچھ پکی بھی ہوں

فِيْ لَايَشْتَرِيْ رُطَبًا وَبِسَمَكٍ فِيْ لَايَأْكُلُ لَحْمًا وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَالْاِنْسَانِ وَالْكَبِدُ وَالْكَرِشُ لَحْمٌ

اس قسم میں کہ میں تر و تازہ کھجور نہ خریدوں گا اور مچھلی کھانے سے اس قسم میں کہ گوشت نہ کھاؤں گا اور خنزیر اور انسان کا گوشت اور کلیجی اور اوجھ گوشت ہے

وَبِشَحْمِ الظَّهْرِ فِيْ لَايَأْكُلُ شَحْمًا وَبِالْيَةٍ فِيْ لَحْمًا اَوْ شَحْمًا وَفِي الْخُبْزِ فِيْ هٰذِهِ الْبُرِّ وَفِيْ هٰذِهِ الدَّقِيْقِ

اور پیٹھ کی چربی نے چربی کی اور دنبہ کی چکی سے گوشت یا چربی کی اور روٹی سے اس گیہوں کی قسم میں اور اس قسم میں کہ اس آٹے کو نہ کھاؤنگا

حَنِثَ بِخُبْزِهٖ لَابِسَفِّهٖ وَالْخُبْزُ مَا اعْتَادَ بَلَدُهٗ وَالشِّوَاءُ وَالطَّبْخُ عَلَى اللَّحْمِ

حانث ہو جائیگا اس کی روٹی سے نہ کہ اس کو خشک پھانکنے سے اور روٹی وہ ہے جس کے خوگر ہوں اہل شہر اور بھنا ہوا اور پکا ہوا محمول ہے گوشت پر

وَالرَّأْسُ مَايُبَاعُ فِيْ مِصْرِهٖ وَالْفَاكِهَةُ بِالتُّفَّاحِ وَالْبِطِّيْخِ وَالْمِشْمِشِ لَاالْعِنَبِ وَالرُّمَّانِ وَالرُّطَبِ وَالْقِثَّاءِ وَالْخِيَارِ

اور سری وہ ہے جو فروخت ہو اس شہر میں اور میوہ سیب اور خربوزہ اور زرد آلو ہے نہ کہ انگور انار تر کھجور کھیر اور ککڑی

وَالْاِدَامُ مَايُصْطَبَغُ بِهٖ كَالْخَلِّ وَالْمِلْحِ وَالزَّيْتِ لَا اللَّحْمُ وَالْبَيْضُ وَالْجُبْنُ وَالْغَدَآءُ الْاَكْلُ مِنَ الْفَجْرِ اِلَى الظُّهْرِ

اور سالن وہ ہے جس میں روٹی تر کیجائے جیسے سرکہ نمک اور زیتون کا تیل نہ کہ گوشت اور انڈا اور پنیر اور غداء فجر سے ظہر تک کا کھانا ہے

وَالْعَشَآءُ مِنْهُ اِلٰى نِصْفِ اللَّيْلِ وَالسُّحُوْرُ مِنْهُ اِلَى الْفَجْرِ

اور عشاء نصف شب تک کا کھانا ہے اور سحور آدھی رات سے فجر تک کا کھانا ہے۔

توضیح اللغۃ: لبس پہننا نخلۃ کھجور کا درخت، ثمر پھل، بسر کچی کھجور، رطب پختہ تازہ کھجور، شیراز دہی، مذنب گدر کھجور جو ایک طرف سے پکنی شروع ہوگئی ہو کباسہ کھجوروں کا گچھا، کبد جگر کلیجہ، کرش اوجھ شحم چربی، الیۃ سیرین مراد دنبہ کی چکی، سف خشک آٹا پھانکنا، شوا، بمعنی مشوی بھنا ہوا طبیخ، بمعنی مطبوخ پکایا ہوا فاکہۃ میوہ، تفاح سیب، بطیخ خربوزہ، مشمش زرد آلود، عنب انگور، رمان انار، قثا کھیرہ، خیار ککڑی، ادام سالن، یصطبغ، اصتباغ، سالن لگانا خل سرکہ، زیت روغن زیتون بیض، انڈے جبن پنیر۔

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ وجہ مناسبت تو ہم پہلے بیان کر چکے چند باتیں بطور اصول معلوم ہو جانی چاہئیں تا کہ مسائل سمجھنے میں دشواری نہ ہو نمبرا، اکل کے معنی کسی ایسی چیز کو منہ کے راستہ سے پیٹ میں پہنچانا ہے جس کو چبایا جا سکے (خواہ بالفعل چبائے یا نہ چبائے) جیسے روٹی میوہ وغیرہ اور شرب کے معنی کسی ایسی چیز کو منہ کے راستے سے پیٹ میں پہنچانا ہے جو چبانے کے لائق نہ ہو جیسے پانی، شہد وغیرہ پس ناک سے پانی کھینچ کر پیٹ میں لے جانا پچکاری سے پیٹ میں دوا پہنچانا شرب نہیں ہے اور ذوق کسی چیز کا مزہ معلوم کرنے کیلئے منہ

سے چکھنا ہوخواہ پیٹ میں جائے یا نہ جائے پس ہر اکل وشراب وذوق میں عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے کہ ہر اکل وشرب ذوق ہے لیکن ہر ذواق اکل وشرب نہیں۔ نمبر۲، یمین جب کسی ایسی چیز کی طرف مضاف ہو جس کی حقیقت متعذر ہو تو حتی الوسع اس کو ایسی چیز پر محمول کیا جائے گا جو عرفاً اس کا محمل بن سکے تاکہ عاقل بالغ کا کلام لغو ہونے سے بچ جائے اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو مجبوراً کلام کو لغو کہا جائیگا۔ نمبر۳ اگر یمین کسی معین وحاضر شئی پر ایک خاص وصف کے ساتھ ہو تو دیکھا جائے گا کہ وہ وصف یمین کی طرف داعی ہے یا نہیں اگر وصف داعی ہو تو اس کا اعتبار ہوگا اور اگر داعی نہ ہو تو صرف نکرہ میں اس کا اعتبار ہوگا معرفہ میں وہ وصف معتبر نہ ہوگا اگر یہ اصول ذہن نشین رکھو گے تو فہم مسائل میں کوئی دشواری نہ ہوگی ثم اللہ والموفق۔

قوله لا یاکل الخ ایک شخص نے کہا لا اکل من هذه النخلة تو اس کا پھل کھانے سے حانث ہو جائے گا کیونکہ یمین درخت کی طرف مضاف ہے اور درخت ماکول نہیں لہٰذا درخت کا پھل مراد ہوگا اور اگر یوں کہا لا اکل من هذا البسر او الرطب یا کہا لا اشرب من هذا اللبن تو پہلی صورت میں پختہ تر کھجور اور دوسری صورت میں کھجور اور تیسری صورت میں دہی کھانے سے حانث نہ ہوگا کیونکہ بسریت رطبیت صفات قسم کی طرف داعی ہیں لہٰذا قسم انہیں صفات کے ساتھ مقید ہوگی اور اگر یوں کہا لا اکلم هذا الصبی او هذا الشاب پھر ان کے بوڑھے ہو جانے کے بعد کلام کیا تو حانث ہو جائے گا کیونکہ یہ صفات باعث یمین نہیں۔

قوله یحنث بشراء الخ کسی نے قسم کھائی لا اشتری رطبا پھر ایک خوشہ خرما خریدا جس میں کچھ پکی کھجوریں بھی تھیں تو حانث نہ ہوگا کیونکہ خریداری یکبارگی واقع ہوتی ہے اور مغلوب غالب کے تابع ہے ہاں اگر یوں قسم کھائی لا اکل رطبا پھر گدر کے ساتھ کچھ پکی کھجوریں بھی کھالیں تو حانث ہو جائے گا کیونکہ اکل کا وقوع یکبارگی نہیں ہوتا لہٰذا یہاں مغلوب غالب کا تابع نہ ہوگا۔

قوله ولحم الخنزیر الخ خنزیر کا گوشت اور انسان کا گوشت اور کلیجی اور اوجھڑی گوشت میں داخل ہے لہٰذا ان کے کھانے سے حانث ہو جائیگا اگر اس نے یوں قسم کھائی ہو لا اکل لحما لیکن صحیح یہ ہے کہ خنزیر، آدمی کے گوشت سے حانث نہ ہوگا کیونکہ اس کا کھانا متعارف نہیں۔

قوله والفاکهة الخ فاکہہ (میوہ) اس کو کہتے ہیں جو غذا سے آسودہ ہو کر بطریق تلذذ کھایا جائے خشک ہو یا تر قبل از طعام ہو یا بعد از طعام پس سیب خربوزہ، زرد آلو، شفتالو، انجیر بہی امرود، اخروٹ، بادام، پستہ، عناب، آم، جامن، فالسہ، کھنی، نارنگی، شریں لیموں، گنا اور بیر سب میوہ میں داخل ہیں کیونکہ لذت کے واسطے کھائے جاتے ہیں لہٰذا ان کے کھانے سے حانث ہو جائیگا۔ اگر اس نے قسم کھائی ہو کہ میوہ نہیں کھاؤں گا اور ککڑی، کھیرہ وغیرہ میوہ میں داخل نہیں بلکہ سبزیوں اور ترکاریوں میں داخل ہے لہٰذا ان سے حانث نہ ہوگا رہا انگور، انار، اور تر کھجور سو ان میں اختلاف ہے صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ بھی میوہ میں داخل ہیں بلکہ عمدہ ترین میوہ جات میں شمار ہیں اور بطریق تلذذ کھائے جاتے ہیں امام صاحبؒ کے نزدیک میوؤں میں داخل نہیں کیونکہ انگور اور تر کھجور سے غذا کا کام لیا جاتا ہے اور انار بطریق دوا استعمال ہوتا ہے پس تفکہ کے معنی میں قصور آ گیا اور دراصل یہ اختلاف عادات پر مبنی ہے اور یہ پہلے مذکور ہو چکا کہ قسم میں عرف کا اعتبار ہے پس اہل عرف جس کو میوہ شمار کرتے ہیں وہ میوہ ہیں اور موجب حنث ہے۔

قوله والادام الخ ادام (سالن) وہ ہے جس میں روٹی تر ہو جائے مراد یہ ہے کہ دوسرے کا تابع ہو کر کھایا جائے بایں معنی کہ دوسرے کے ساتھ اختلاط ہو یا وہ عادۃ تنہا نہ کھایا جاتا ہو جیسے سرکہ، زیتون کا تیل، نمک (کہ منہ میں پگھل کر مخلوط ہو جاتا ہے) پس گوشت انڈا پنیر سالن میں داخل نہیں کیونکہ ان میں روٹی تر نہیں ہوتی نیز ان کو مستقل طور پر کھایا جاتا ہے امام محمد اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ادام ہر وہ چیز ہے جو اکثر روٹی کے ساتھ کھائی جائے اسی پر فتویٰ ہے۔

وَفِیْ اِنْ لَبِسْتُ اَوْاَکَلْتُ اَوْ شَرِبْتُ وَنَوٰی مُعَیَّنًا لَمْ یُصَدَّقْ اَصْلاً وَلَوْ زَادَ ثَوْبًا اَوْ طَعَامًا اَوْشَرَابًا دُیِّنَ

اگر میں پہنوں یا کھاؤں یا پیوں اور نیت کرے کسی خاص چیز کی تو تصدیق نہیں کیجائیگی بالکل اور اگر بڑھادے ثوبا یا طعاما یا شرابا تو دیانۃ تصدیق کیجائیگی

لاَیَشْرَبُ مِنْ دَجْلَةِ عَلَی الْکَرْعِ بِخِلاَفِ مِنْ مَّآءِ دَجْلَةَ اِن لَمْ اَشْرَبْ مَآءَ هٰذَا الْکُوْزِ الْیَوْمَ فَکَذَا وَلاَ مَآءَ فِیْهِ

میں دجلہ سے نہ پیونگا منہ سے پینا مراد ہوگا بخلاف اس کے کہ دجلہ کا پانی نہ پیونگا اگر نہ پیوؤں پانی اس کوزے کا آج تو ایسا ہے حالانکہ اس میں پانی

وَکَانَ فَصَبَّ اَوْ اَطْلَقَ وَلاَ مَآءَ فِیْهِ لاَیَحْنِثُ وَاِنْ کَانَ فَصَبَّ حَنِثَ

نہیں تھا مگر گرادیا گیا یا وہ مطلق بولے اور اس میں پانی نہ ہو تو حانث نہ ہوگا اور اگر اس میں پانی ہو اور گرادیا جائے تو حانث ہوجائیگا

لَوْحَلَفَ لَیَصْعَدَنَّ السَّمَآءَ اَوْ لَیَقْلِبَنَّ هٰذَاالْحَجَرَ ذَهَبًا حَنِثَ فِی الْحَالِ لِلْعِجْزِ لاَ یُکَلِّمُهٗ فَنَادَاهُ وَهُوَنَائِمٌ فَاَیْقَظَهٗ

قسم کھائی کہ ضرور آسمان پر چڑھوں گا یا اس پتھر کو سونا بناؤں گا تو فی الحال حانث ہوجائیگا اس سے نہ بولوں گا پھر اس کو سوتے میں پکارا اور جگادیا

اَوْ اِلاَّ بِاِذْنِهٖ فَاَذِنَ وَلَمْ یَعْلَمْ فَکَلَّمَهٗ حَنِثَ لاَ یُکَلِّمُ شَهْرًا فَهُوَ مِنْ حِیْنَ حَلَفَ

یا کہا کہ اس سے نہ بولوں گا مگر اس کی اجازت سے اس نے اجازت دی مگر معلوم نہ ہوا اور کلام کرلیا تو حانث ہوجائیگا اس سے ایک ماہ تک نہ بولوں گا

لاَ یَتَکَلَّمُ فَقَرَاَ الْقُرْاٰنَ اَوْسَبَّحَ لَمْ یَحْنِثْ یَوْمَ اُکَلِّمُ فُلاَنًا عَلَی الْجَدِیْدَیْنِ

تو مہینہ قسم کے وقت سے ہوگا میں تکلم نہ کرونگا پھر قرآن یا تسبیح پڑھی تو حانث نہ ہوگا جس دن فلاں سے بولوں تو رات اور دن دونوں پر محمول ہوگا

فَاِنْ عَنَی النَّهَارَ خَاصَّةً صُدِّقَ وَلَیْلَةَ اُکَلِّمُهٗ عَلَی اللَّیْلِ اِنْ کَلَّمُهٗ اِلاَّ اَنْ یَّقْدَمَ زَیْدٌ اَوْ حَتّٰی

اور اگر دن ہی مراد لے تو تصدیق کیجائے گی اور جس رات فلاں سے بولوں صرف رات پر محمول ہوگا اگر میں اس سے بولوں الا یہ کہ زید آجائے

اَوْ اِلاَّ اَنْ یَّاْذَنَ اَوْ حَتّٰی فَکَذَا فَکَلَّمَهٗ قَبْلَ قُدُوْمِهٖ اَوْ اِذْنِهٖ حَنِثَ وَبَعْدَهُمَا لاَ فَاِنْ مَاتَ زَیْدٌ سَقَطَ الْحَلْفُ

یا وہ اجازت دے تو ایسا ہے پھر کلام کیا زید کے آنے یا اجازت دینے سے پہلے تو حانث ہوجائے گا اور ان کے بعد حانث نہ ہوگا اور اگر زید مرگیا

لاَ یَاْکُلُ طَعَامَ فُلاَنٍ اَوْ لاَ یَدْخُلُ دَارَهٗ اَوْ لاَ یَلْبَسُ ثَوْبَهٗ اَوْ لاَ یَرْکَبُ دَابَّتَهٗ اَوْ لاَ یُکَلِّمُ عَبْدَهٗ

تو قسم ختم ہوجائے گی فلاں کا کھانا نہ کھائے گا یا اس کے گھر میں داخل نہ ہوگا یا اس کا کپڑا نہ پہنے گا یا اس کی سواری پر سوار نہ ہوگا یا اس کے غلام سے

اِنْ اَشَارَ وَقَدْ زَالَ مِلْکُهٗ وَفَعَلَ لاَ یَحْنِثُ کَالْمُتَجَدِّدِ وَاِنْ لَمْ یُشِرْهُ لاَ یَحْنِثُ بَعْدَ زَوَالِ

نہ بولے گا تو اگر اس نے اشارہ کیا اور اس کی ملک زائل ہوگئی پھر اس نے یہ کہا تو حانث نہ ہوگا زوال ملک کے بعد

وَحَنِثَ بِالْمُتَجَدِّدِ وَفِی الصَّدِیْقِ وَالزَّوْجَةِ فِی الْمُشَارِ حَنِثَ وَفِیْ غَیْرِ الْمُشَارِ لاَ

اور حانث ہوجائے گا نئی خریدی ہوئی سے اور دوست اور بیوی کی صورت میں حانث ہوجائے گا مشار میں اور اگر اشارہ نہ کیا تو حانث نہ ہوگا

وَحَنِثَ بِالْمُتَجَدِّدِ لاَ یُکَلِّمُ صَاحِبَ هٰذَا الطَّیْلَسَانِ فَبَاعَهٗ فَکَلَّمَهٗ حَنِثَ

اور حانث ہوجائیگا نئے دوست اور نئی بیوی سے اس چادر کے مالک سے نہ بولوں گا اس نے فروخت کردی اور اس نے کلام کیا تو حانث ہوجائیگا

وَالزَّمَانُ وَالْحِیْنُ وَمُنَکَّرُهُمَا سِتَّةُ اَشْهُرٍ وَالدَّهْرُ وَالْاَبَدُ الْعُمْرُ وَدَهْرٌ مُجْمَلٌ

لفظ زمان وحین معرفہ ونکرہ کی مدت چھ ماہ ہے اور الدہر اور ابد کی مدت تمام عمر اور دہر مجمل ہے

وَالْاَیَّامُ وَاَیَّامٌ کَثِیْرَةٌ وَالشُّهُوْرُ وَالسِّنُوْنَ عَشَرَةٌ وَمُنَکَّرُهَا ثَلٰثَةٌ

اور الایام ایام کثیرہ شہور سنون سے مراد دس ہوں گے اور ان کے نکرہ اسماء سے مراد تین ہوں گے۔

تشریح الفقہ: **قوله ان لبست الخ** اگر کوئی یوں کہے **ان لبست ، اکلت، شربت، فعبدی حر** اور کوئی خاص چیز مراد لے مثلاً دودھ، روٹی وغیرہ تو اس کی تصدیق نہ ہوگی قضاً نہ دیانۃً کیونکہ نیت کا اعتبار ملفوظ میں ہوتا ہے اور یہاں ملفوظ مذکور نہیں ہاں اگر وہ مفعول ذکر کردے مثلاً **ان لبست ثوبا ، ان اکلت طعاماً، ان شربت لبناً، فعبدی حر** اور پھر کسی خاص چیز کی نیت کرے تو تصدیق کی جائے گی مگر صرف دیانۃً کیونکہ اس صورت میں اس نے عام لفظ ذکر کیا ہے جو قابل تخصیص ہے اور تخصیص عام میں صرف دیانۃً تصدیق ہوتی ہے۔

قوله ان لم اشرب الخ یہاں سے حنث تک جو مسئلہ مذکور ہے اس کی چار صورتیں ہیں اور چاروں کا حکم ایک قاعدہ پر مبنی ہے قاعدہ یہ ہے کہ طرفین کے نزدیک یمین کے منعقد ہونے اور باقی رہنے کیلئے یہ شرط ہے کہ آئندہ زمانہ میں قسم کا پورا کرنا ممکن ہو کیونکہ قسم کھانے سے مقصود بالذات اس کو قائم رکھنا اور پورا کرنا ہے تو جس صورت میں قسم کو پورا کرنا محال ہو اس میں حنث بھی محال ہوگا کیونکہ ترک شئی وجود شئی کے بعد ہوتا ہے جب یہ قاعدہ معلوم ہوگیا تو اب دیکھو ایک شخص کہتا ہے کہ اگر میں اس پیالہ کا پانی نہ پیوں تو میری بیوی کو طلاق تو اس کی چار صورتیں ہیں یا تو کلام موقت ہوگا یعنی لفظ الیوم مذکور ہوگا یا غیر موقت ہر ایک کی پھر دو صورتیں ہیں یا تو پیالے میں پانی ہی نہیں تھا یا پانی تو تھا مگر بعد میں گرا دیا گیا اگر کلام غیر موقت ہو اور پیالے میں پانی ہو تو اس صورت میں حانث ہو جائے گا کیونکہ قسم سے فارغ ہوتے ہی پانی پی کر قسم کو پورا کرنا ممکن تھا لہٰذا یمین منعقد ہوگئی اور گرانے کے بعد قسم کو پورا کرنا محال ہوگیا اس لئے حانث ہو جائے گا اور باقی تین صورتوں میں حانث نہ ہوگا کیونکہ پانی نہ ہونے کی صورت میں ابتداً اور پانی گرا دینے کی صورت میں بقاءً شرط یمین نہیں پائی گئی۔

قوله حلف الخ آسمان پر چڑھنا فی نفسہ ممکن ہے چنانچہ صعود ملائکہ اور صعود انبیاء بالیقین ثابت ہے نیز بتحویل الٰہی پتھر کا سونا ہو جانا متکلمین کے نزدیک ممکن ہے لہٰذا یمین منعقد ہوئی لیکن حالف عادۃً صعود و تقلیب سے عاجز ہے اس لئے فی الحال حانث ہو جائیگا۔

قوله لا یا کل الخ ایک شخص نے اشارہ سے معین کر کے کہا میں زید کا یہ کھانا نہ کھاؤں گا پھر زید کی ملکیت زائل ہونے کے بعد کھا لیا یا زوال ملک کے بعد زید اور کھانے کا مالک ہوا اور حالف نے اس کو کھا لیا تو حانث نہ ہوگا کیونکہ جب اس نے محلوف علیہ کو معین اور زید کی ملک کی طرف منسوب کر کے قسم کھائی ہے تو قسم کا انعقاد اس معین کھانے پر ہوا ہے اور جب ملک زائل ہوگئی تو یمین بھی ختم ہو جائیگی اور اگر محلوف علیہ کی طرف اشارہ نہ کرے صرف یوں کہے **لا اکل طعام زید** اور پھر زید کی ملک زائل ہونے کے بعد کھا لے تو حانث نہ ہوگا اور اگر متجدد ہونے کے بعد کھائے تو حانث ہو جائے گا اسی پر دار، ثوب، دابہ، اور عبد کی صورتوں کو قیاس کر لو۔

قوله وفی الصدیق الخ عمرو نے کہا کہ میں زید کے اس دوست سے یا زید کی اس بیوی سے نہ بولوں گا اس کے بعد زید کا دوست اس کا دشمن ہوگیا یا زید نے بیوی کو طلاق دیدی اور پھر عمرو نے ان سے گفتگو کی تو حانث ہو جائے گا کیونکہ یہاں مقصود بالذات خود انہی سے نہ بولنا ہے زید کی طرف اضافت صرف تعریف کیلئے ہے اور اگر بلا اشارہ یوں کہا: میں زید کے دوست سے نہ بولوں گا اور پھر زید کی نسبت زائل ہوگئی تو حانث نہ ہوگا کیونکہ یہاں مقصود بالھجر ان زید اور اس کا دوست دونوں ہو سکتے ہیں پس احتمال کی وجہ سے حانث نہ ہوگا اور اگر زید کا کوئی نیا دوست ہوگیا یا اس نے کوئی نئی شادی کر لی اور عمر نے ان سے تکلم کیا تو حانث ہو جائے گا۔

قوله والزمان الخ ایک شخص نے قسم کھائی اور قسم میں لفظ حین یا لفظ زمان منکر یا معرفہ ذکر کیا تو احناف اور امام احمدؒ کے نزدیک اگر ابتدا حلف سے چھ ماہ تک وہ کام کر لیا جس پر قسم کھائی تھی تو حانث ہو جائے گا امام مالکؒ کے یہاں ایک سال پر اور امام شافعیؒ کے یہاں ادنیٰ مدت یعنی ایک ساعت پر محمول ہوگا ہماری دلیل یہ ہے کہ لفظ حین کبھی قلیل زمانے کیلئے استعمال ہوتا ہے[1] اور کبھی چالیس[2] برس کیلئے اور چھ ماہ[3] متوسط درجہ ہے اس لئے یہی مراد ہوگا کیونکہ ساعت بھر عدم تکلم قسم کھانے پر موقوف نہیں بلا قسم بھی متصور ہو سکتا ہے اور چالیس سال کی مدت نہایت دراز ہے جو عموماً مقصود نہیں ہوتی تو متوسط درجہ متعین ہوگیا اور لفظ زمان حین کے معنیٰ میں مستعمل ہے اس لئے اس کا بھی یہی حکم ہوگا۔

---

[1] ... قال اللہ تعالیٰ ''فسبحان اللہ حین تمسون''۱۲۔ [2] قال اللہ تعالیٰ ''ہل اتی علی الانسان حین من الدہر''۱۲۔
[3] قال اللہ تعالیٰ ''توتی اکلہا کل حین'' حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ''حین'' سے مراد چھ ماہ ہیں۱۲۔

قولہ والدھر الخ اگر کسی نے لفظ الدہر یا الابد معرفہ استعمال کیا تو پوری عمر مراد ہوگی اور نکرہ استعمال کیا تو صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک چھ ماہ پر محمول ہوگا لیکن امام صاحبؒ سے اس میں کوئی تحدید مروی نہیں تو قف ہے کیونکہ لغات کا ادراک قیاس سے نہیں ہوتا اور عرف میں کوئی مدت معین نہیں لہٰذا توقف کیا جائے گا مگر فتویٰ صاحبین کا قول پر ہے۔

قولہ والا یام الخ اگر حالف نے لفظ الایام یا ایام کثیرۃ یا الشھور یا السنون استعمال کیا تو امام صاحبؒ کے نزدیک الایام میں دس روز، الشھور میں دس ماہ اور السنون میں دس سال مراد ہوں گے کیونکہ جمع معرف باللام کا اقصیٰ استعمال جمع کی طرف منصرف ہوتا ہے اور وہ دس ہے کیونکہ لغت عرف میں تین سے دس تک جمع استعمال ہوتا ہے یقال ثلثہ رجال الی عشرۃ رجال اور دس کے بعد مفرد استعمال ہوتا ہے یقال احد عشرہ رجلا صاحبین کے نزدیک الایام میں ہفتہ اور الشھور میں بارہ ماہ مراد ہوں گے کیونکہ معرف معہود کی طرف منصرف ہوتا ہے اور معہود ہفتہ کے ایام اور سال کے مہینے ہیں اور السنین میں کوئی عدد معہود نہیں لہٰذا پوری عمر پر محمول ہوگا اور اگر ان کو نکرہ ذکر کیا تو ہر ایک کو تین پر محمول کیا جائے گا کیونکہ اقل جمع تین ہی ہے۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

باب الیمین فی الطلاق والعتاق

باب طلاق دینے اور آزاد کرنے کی قسم کھانے کے بیان میں

اِنْ وَلَدْتِّ فَاَنْتِ کَذَاحَنَثَ بِالْمَیِّتِ بِخِلَافِ فَھُوَ حُرٌّ فولَدَتْ ولَداً میتاً ثُمَّ اخرَ حَیّاً عتقَ الحیُّ وَحْدَہٗ

اگر تو بچہ جنے تو ایسی ہے تو حانث ہو جائے گا مردہ بچہ ہونے سے بخلاف اس کے کہ وہ بچہ آزاد ہے اور وہ مردہ بچہ جنے پھر زندہ بچہ جنے کہ صرف زندہ

اَوَّلُ عَبْدٍ اَمْلِکُہٗ فَھُوَ حُرٌّ فَمَلَکَ عَبْدًا عُتِقَ وَلَوْ مَلَکَ عَبْدَیْنِ مَعًا ثُمَّ اٰخَرَ

آزاد ہوگا اول غلام جس کا مالک ہوؤں وہ آزاد ہے پھر مالک ہوا غلام کا آزاد ہوجائیگا اگر دو کا مالک ہو پھر تیسرے کا

لَا یَعْتِقُ وَاحِدٌ مِنْھُمْ وَلَوْ زَادَ وَحْدَہٗ عَتَقَ الثَّالِثُ

تو کوئی غلام آزاد نہ ہوگا اگر لفظ وحدہ بڑھا دیا تو تیسرا غلام آزاد ہوجائیگا۔

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ اس باب کے مسائل بھی چند اصول سمجھنے پر موقوف ہیں نمبر ا، مصنف نے اپنی کتاب الکافی میں ذکر کیا ہے کہ اگر کسی کے مردہ بچہ پیدا ہو تو وہ مردہ اپنے حق میں ولد نہیں ہوتا چنانچہ نہ اس کا نام رکھا جاتا ہے نہ اس کو غسل دیا جاتا ہے نہ اس پر نماز پڑھی جاتی ہے نہ وہ وارث ہوتا ہے اور نہ اس کے حق میں وصیت جاری ہوتی ہے اور نہ وہ آزاد ہوتا ہے لیکن دوسرے کے حق میں اس کا حکم ولد کا حکم ہے یعنی اگر اس کی ماں حاملہ ہو تو ولادت سے عدت گزر جائیگی اور اس کے بعد جو خون آئے گا وہ نفاس ہوگا اور اگر اس کی ماں باندی ہو تو ام ولد ہو جائیگی اور اگر اس کی ولادت پر طلاق معلق ہو تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ نمبر ۲، اول اس کو کہتے ہیں جس پر اس کا غیر مقدم نہ ہو اور آخر فرد لاحق کو کہتے ہیں یعنی آخر کے مفہوم میں فرد سابق کا وجود لازم ہو اور وسط اس کو کہتے ہیں جو دو برابر عددوں کے درمیان ہو۔ نمبر ۳، جوذات امور ثلاثہ (اول، آخر، وسط) میں سے کسی ایک کے ساتھ موصوف ہو تو وہ کسی دوسرے کے ساتھ موصوف نہ ہوگی مثلاً جوذات اولیت کے ساتھ موصوف ہو وہ اخرویت کے ساتھ موصوف نہ ہوگی کیونکہ ان میں منافات ہے لیکن فعل میں یہ بات نہیں وہ اولیت واخرویت کے ساتھ موصوف ہو سکتا ہے ان اصول کے بعد مسائل سمجھو ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا ان ولدت فانت طالق اور اس کے مردہ بچہ پیدا ہوا تو حانث ہو جائے گا یعنی طلاق ہو جائے گی کیونکہ مردہ غیر کے حق میں ولد ہے اور اگر یوں کہا ان ولدت فھو حر ا اور عورت کے ایک مردہ اور ایک زندہ بچہ ہوا تو صرف زندہ بچہ آزاد ہوگا، کیونکہ مردہ اپنے حق میں ولد نہیں ہے صاحبین کے نزدیک زندہ بھی

آزاد نہ ہوگا کیونکہ مردہ بچہ کی ولادت سے یمین منحل ہو چکی امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ اس نے حریت کو مولود کی صفت قرار دیا ہے تو یمین کو اسی کے ساتھ مقید کیا جائے گا صوناً لکلام العاقل عن اللغو۔

قولہ اول عبدالخ ایک شخص نے کہا اول عبدا ملکه فهو حر پھر ایک غلام کا مالک ہوا تو وہ آزاد ہو جائے گا جو بالکل ظاہر ہے کیونکہ شرط پائی گئی لیکن اگر وہ دو غلاموں کا ایک ساتھ مالک ہوا پھر ایک تیسرے غلام کا مالک ہوا تو تینوں میں سے ایک بھی آزاد نہ ہوگا کیونکہ آزادی کی تعلیق ایک غلام کی ملک پر تھی جو دو کی ملک میں متحقق نہیں اور تیسرا غلام اول نہیں لہٰذا کوئی بھی آزاد نہ ہوگا ہاں اگر اس نے لفظ وحدہ زائد کر کے یوں کہا اول عبدا ملکه وحده تو تیسرا غلام آزاد ہو جائے گا کیونکہ وہ پہلا غلام ہے جس کا تنہا مالک ہوا ہے۔

وَلَوْ قَالَ اٰخِرُ عَبْدٍ اَمْلِكُهٗ فَهُوَ حُرٌّ فَمَلَكَ عَبْدًا فَمَاتَ لَمْ يُعْتَقْ فَلَوْ اِشْتَرٰى عَبْدًا ثُمَّ عَبْدًا اٰخَرَ فَمَاتَ

اگر کہا کہ آخری غلام جس کا میں مالک ہوں وہ آزاد ہے پھر مالک ہوا ایک غلام کا اور مر گیا تو آزاد نہ ہوگا پس اگر خریدا ایک غلام پھر دوسرا اس کے

عَتَقَ الْاٰخَرُ مُذْ مَلَكَ كُلُّ عَبْدٍ لِّيْ بَشَّرَنِيْ بِكَذَا فَهُوَ حُرٌّ فَبَشَّرَهٗ ثَلٰثَةٌ مُتَفَرِّقُوْنَ

بعد مر گیا تو دوسرا آزاد ہو جائے گا مالک ہونے کے وقت سے جو غلام مجھے خوشخبری سنائے وہ آزاد ہے پس تین غلاموں نے علیحدہ علیحدہ خوشخبری سنائی

عُتِقَ الْاَوَّلُ وَاِنْ بَشَّرُوْهُ مَعًا عَتَقُوْا . وَصَحَّ شَرَآءُ اَبِيْهِ كَفَّارَةً لَاشَرَاءُ مَنْ حَلَفَ بِعِتْقِهٖ

تو پہلا آزاد ہوگا اور اگر سب نے سنائی تو سب آزاد ہو جائینگے اور صحیح ہے اپنے باپ کو خریدنا کفارہ کیلئے نہ کہ اس کو جس کی آزادی کی قسم کھا چکا

وَاُمِّ وَلَدٍ اِنْ تَسَرَّيْتُ اَمَةً هِيَ حُرَّةٌ

اور اپنی ام ولد کو اگر میں باندی کو حرم بناؤں تو وہ آزاد ہے۔

تشریح الفقہ: قولہ ولو قال الخ ایک شخص نے کہا آخر عبدا مكه فهو حر اس کے بعد ایک غلام کا مالک ہوا اور پھر اس شخص کا انتقال ہو گیا تو غلام آزاد نہ ہوگا کیونکہ آخر کے واسطے فرد سابق کا ہونا ضروری ہے اور وہ یہاں پایا نہیں گیا اور اگر اس نے ایک غلام کے بعد دوسرا غلام خریدا اور پھر مر گیا تو دوسرا غلام آزاد ہو جائے گا اور اس کی آزادی ملکیت کے وقت سے معتبر ہوگی کیونکہ اس کا آخر ہونا ملکیت کے وقت سے ثابت ہوا ہے لہٰذا اس کا عتق بھی ملکیت کے وقت سے ثابت ہوگا پس اگر وہ صحت کی حالت میں اس کا مالک ہوا تھا تو کل مال سے آزاد ہوگا ورنہ ثلث مال سے صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک آزادی کا اعتبار موت کے وقت سے ہوگا اور ثلث مال سے آزاد ہوگا تندرستی میں مالک ہوا ہو یا بیماری میں۔

قولہ کل عبدبشرنی الخ ایک شخص نے کہا کل عبد بشرنی بقدوم زید (مثلاً) فهو حر پھر تین غلاموں نے جدا جدا بشارت دی تو پہلا غلام آزاد ہوگا کیونکہ بشارت اس خبر کو کہتے ہیں جو مسرور اور خوش کن ہو اور اس کا تحقق اول سے ہو چکا حدیث میں ہے کہ حضرت ابن مسعود قرآن پاک کی تلاوت کر رہے تھے آپ کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بمعیت ابوبکر صدیق و حضرت عمر گزر ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "جو شخص قرآن کو اس کی منزل من السما صفت پر پڑھنا چاہے تو اسے چاہئے کہ اس طرح پڑھے جیسے ابن مسعود پڑھ رہا ہے حضرت ابوبکر صدیق نے حضرت ابن مسعود کو اس کی خوشخبری سنائی اور اس کے بعد حضرت عمر نے، تو حضرت ابن مسعود فرمایا کرتے تھے "بشرنی ابوبکر واخبرنی عمر" پس آپ نے حضرت ابوبکر صدیق کو مبشر اور حضرت عمر کو مخبر فرمایا اور اگر تینوں غلاموں نے ایک ساتھ خوشخبری سنائی تو تینوں آزاد ہو جائیں گے کیونکہ بشارت کا تحقق تینوں سے ہوا ہو قال تعالٰی وبشروه بغلام حليم۔

قولہ وصح الخ یہ مسئلہ نیت کے ایک قاعدہ پر مبنی ہے قاعدہ یہ ہے کہ جب نیت عتق کی علت اختیار کے ساتھ متصل ہو اور معتق کی

رقیت کامل ہو تو اس عتق سے کفارہ ادا ہو جاتا ہے اور اگر نیت مقارن نہ ہو یا معتق کی رقیت کامل نہ ہو تو کفارہ ادا نہیں ہوتا، اب ایک شخص نے ادائیگی کفارہ کی نیت سے اپنے باپ کو خریدا تو اس کا کفارہ ادا ہو جائے گا کیونکہ عتق کی اختیاری علت خریدنا ہے اور خریدتے وقت نیت موجود ہے تو کفارہ ادا ہو جائے گا۔ امام زفر اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک کفارہ ادا نہ ہوگا لیکن حدیث "لن یجزی ولد والدہ الا ان یجدہ مملوکا فیشتریہ فیعتقہ[۴]" ہماری موید ہے اور اگر وہ کسی غلام کے متعلق یہ کہہ چکا تھا کہ اگر میں اس کو خریدوں تو یہ آزاد ہے پھر اس کو کفارہ کی ادائیگی کی نیت سے خرید لے تو کفارہ ادا نہ ہوگا کیونکہ یہاں علت عتق یمین ہے اور خریداری عتق کی شرط ہے پس نیت شرط کے ساتھ متصل ہوئی نہ کہ علت عتق کے ساتھ حالانکہ عتق کے ساتھ مقارن ہونا ضروری ہے اسی طرح اگر کسی نے غیر کی باندی سے نکاح کیا پھر اس سے کہا کہ اگر میں تجھے خریدوں تو تو میری قسم کے کفارہ کی طرف سے آزاد ہو اس کے بعد اس کو خرید لیا تو وہ آزاد ہو جائیگی لیکن کفارہ ادا نہ ہوگا کیونکہ استیلاد کی وجہ سے اس کی حریت متحقق ہو چکی پس اس کی مملوکیت ناقص ہوگئی حالانکہ کفارہ کیلئے معتق کا کامل ہونا ضروری ہے۔

صَحَّ[۲] لَوْفِیْ مِلْکِهٖ وَاِلَّا کُلُّ مَمْلُوْکٍ لِیْ حُرٌّ فِیْ[۳] عَبِیْدِهٖ وَاُمَّهَاتِ اَوْلَادِهٖ وَمُدَبَّرِهٖ لَامُکَاتَبُهٗ[۴]

تو یہ صحیح ہے اگر اس کی ملک میں ہو ورنہ نہیں میرا ہر غلام آزاد ہے تو اس کے تمام غلام اور امہات الاولاد اور مدبر آزاد ہو جائیں گے

هٰذِهٖ طَالِقٌ اَوْ هٰذِهٖ هٰذِهٖ طُلِّقَتِ الْاَخِیْرَةُ وَخُیِّرَ فِی الْاُوْلَیَیْنِ وَکَذَا الْعِتْقُ وَالْاِقْرَارُ

نہ کہ اس کے مکاتب غلام یہ طالق ہے یا یہ اور یہ تو تیسری مطلقہ ہو جائیگی اور پہلی دو کے متعلق شوہر کو اختیار ہوگا یہی حکم آزادی اور اقرار کا ہے۔

تشریح الفقہ: قولہ هذه طالق الخ ایک شخص نے اپنی تین بیویوں کی طرف اشارہ کر کے کہا یہ مطلقہ ہے یا یہ اور یہ تو بعد والی بیوی مطلقہ ہوگی اور دو کے متعلق شوہر کو اختیار ہوگا جس ایک کو چاہے طلاق دے لے کیونکہ شوہر نے پہلی دو عورتوں کے درمیان کلمہ او داخل کیا ہے جو مذکور شدہ دو امروں میں سے ایک کیلئے ہوتا ہے اور تیسری کا عطف ان دو میں سے اس عورت پر کیا ہے جس پر طلاق واقع ہوئی ہے تو مطلب یہ ہو گیا کہ تم دو عورتوں میں سے ایک مطلقہ ہے اور یہ مطلقہ ہے اسی طرح عتق اور اقرار ہے مثلاً کسی نے اپنے تین غلاموں سے کہا کہ یہ غلام آزاد ہے یا یہ اور یہ تو تیسرا آزاد ہو جائے گا اور دو میں تعیین عتق کا اختیار ہوگا یا کسی نے کہا کہ زید کے مجھ پر ہزار درہم ہیں یا خالد کے اور محمود کے تو پانچ سو درہم تو محمود کیلئے ہوں گے اور باقی پانچ سو میں مقر کو اختیار ہوگا چاہے زید کیلئے اقرار کرے چاہے خالد کیلئے۔

باب الیمین فی البیع والشراء والتزویج والصلوٰۃ والصوم وغیرها

باب خرید و فروخت، نکاح اور نماز اور روزے وغیرہ کی قسم کھانے کے بیان میں

مَایَحْنَثُ بِالْمُبَاشَرَةِ لَابِالْاَمْرِ اَلْبَیْعُ وَالشِّرَآءُ وَالْاِجَارَةُ وَالْاِسْتِیْجَارُ وَالصُّلْحُ عَنْ مَالٍ وَالْقِسْمَةُ

جن امور میں خود کرنے سے حانث ہوتا ہے نہ کہ حکم کرنے سے وہ یہ ہیں خرید و فروخت مزدوری پر دینا مزدوری پر لینا صلح بعوض مال تقسیم کرنا

(۱) ای لوقال ان تسریت امۃ فہی حرۃ فتسری امۃ کانت فی ملکہ یوم حلف عتقت لان الیمین انعقدت فی حقہا لانہا تناول مملوکۃ فی ذالک الوقت علی العموم لکون الامۃ نکرۃ فی سیاق الشرط وھو کالنفی ۱۲۔ زیلعی ۲۔

(۲) لان المطلق ینصرف الی الکامل وملکہ لہولا کامل لانہ یملکہم رقبۃ ویدا ۱۲ زیلعی

(۳) ای لایعتق مکاتبہ بہذا اللفظ لان الملک فیہ ناقص لانہ خرج من ملک المولی یدا ولہذا لایملک المولی اکسابہ ولیس لہ ان یطا مکاتبتہ ۱۲، زیلعی

(۴) ... صحیحین عن ابی ہریرۃ ۱۲۔

وَالْخُصُوْمَةُ وَضَرْبُ الْوَلَدِ وَمَايَحْنِثُ بِهِمَا النِّكَاحُ وَالطَّلَاقُ وَالْخُلْعُ وَالْعِتْقُ وَالْكِتَابَةُ وَالصُّلْحُ عَنْ دَمِ عَمَدٍ وَالْهِبَةُ										
مقدمات کی جوابدہی کرنا لڑکے کو مارنا اور جن میں دونوں سے حانث ہوتا ہے وہ یہ ہیں نکاح طلاق خلع آزاد کرنا کتابت قتل عمد سے صلح کرنا ہبہ										
وَالصَّدَقَةُ	وَالْقَرْضُ	وَالْاِسْتِقْرَاضُ	وَضَرْبُ الْعَبْدِ	وَالذَّبْحُ	وَالْبِنَاءُ	وَالْخِيَاطَةُ	وَالْاِيْدَاعُ	وَالْاِسْتِيْدَاعُ		
صدقہ	قرض دینا	قرض لینا	غلام کو مارنا	ذبح کرنا	مکان وغیرہ بنانا	سینا	امانت سونپنا	امانت رکھنا		
وَالْاِعَارَةُ	وَالْاِسْتِعَارَةُ	وَقَضَاءُ الدَّيْنِ	وَقَبْضُهُ	وَالْكِسْوَةُ	وَالْحَمْلُ					
عاریت پر دینا	عاریت پر لینا	قرض چکانا	قرض وصول کرنا	پوشاک دینا	کسی چیز کو اٹھانا۔					

تشریح الفقہ : قولہ باب الخ اس باب کے مسائل سمجھنے کیلئے یہ معلوم کر لینا ضروری ہے کہ عقود تین قسم پر ہیں اول وہ جن کے حقوق عاقد اور مباشر سے متعلق ہوں (بشرطیکہ عاقد میں اہلیت ہو) جیسے خرید و فروخت اور اجارہ وغیرہ دوم وہ جن کے حقوق عاقد سے متعلق نہ ہوں بلکہ جس کے واسطے عقد ہوا ہے اس سے متعلق ہوں جیسے نکاح، طلاق، عتاق، کتابت، وغیرہ سوم وہ جن میں حقوق ہی نہ ہوں جیسے اعارہ، اور ابراء وغیرہ قسم اول میں خود کرنے سے حانث ہوگا اور ثانی وثالث میں خود کرنے سے بھی حانث ہو جائے گا اور مامور یعنی وکیل کے کرنے سے بھی حانث ہو جائے گا۔

قولہ مایحنث الخ جن عقود میں حالف خود اپنے کرنے سے حانث ہوتا ہے نہ کہ حکم کرنے سے وہ عقود یہ ہیں بیع، شرا، اجارہ، الخ سو اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں بیع نہ کروں گا پھر اس نے بذات خود بیع کی تو حانث ہو جائے گا اور اگر اس کے وکیل نے بیع کی تو حانث نہ ہوگا کیونکہ فعل کا وجود وکیل سے ہوا ہے حقیقۃً بھی اور حکماً بھی یہی وجہ ہے کہ ان کے حقوق وکیل کی طرف راجع ہوتے ہیں پس موکل کی طرف سے فعل بیع نہ حقیقۃً پایا گیا نہ حکماً لہٰذا حانث نہ ہوگا اسی پر باقی عقود کو قیاس کر لو۔

قولہ مایحنث بھما الخ اور وہ عقود جن میں ذاتی مباشرت سے بھی حانث ہو جاتا ہے اور مامور کے کرنے سے بھی یہ ہیں نکاح، طلاق، خلع، الخ سو اگر کسی نے قسم کھائی کہ نکاح نہ کروں گا تو حانث ہو جائے گا خواہ بذات خود نکاح کیا ہو یا اس کے وکیل نے اس کا عقد کیا ہو وعلیٰ ہذا القیاس بقیۃ العقود:

فائدہ:

صاحب نہر نے وہ عقود جن میں حالف اپنے فعل اور وکیل کے فعل ہر دو سے حانث ہوتا ہے چوالیس گنائے ہیں بائیس تو یہی جو کتاب میں مذکورہ ہیں یعنی نکاح، طلاق الخ اور باقی یہ ہیں۔ ہدم، قطع، قتل، شرکت، ضرب زوجہ، ضرب ولد صغیر، تسلیم، شفعہ، اذن، نفقہ، وقف، قربانی، حبس، تعزیر (بہ نسبت حاکم) حج، وصیت، حوالہ، کفالہ، قضا، شہادت، اقرار، تولیت وفی النهر عن، شارح الوهبانية ان والده نظم مالا حنث فيه بفعل الوكيل مشير االى حنثه فيما بقى فقال۔

بفعل وكيل ليس يحنث حالف مبيع شرا اصلح مال خصومة
اجارة استيجار الضرب لابنه كذا قسمته والحنث فى غير اثبت

وَدُخُولُ اللَّامِ عَلَى الْبَيْعِ وَالشِّرَآءِ وَالْإِجَارَةِ وَالصِّيَاغَةِ وَالْخِيَاطَةِ وَالْبِنَاءِ كَاِنْ بِعْتُ لَكَ ثَوْبًا لِاِخْتِصَاصِ الْفِعْلِ

اور لام کا داخل ہونا بیع شراء اجارہ زرگری درزی گری اور بناء پر جیسے یوں کہے کہ اگر بیچوں میں تیرے واسطے کپڑا فعل کے اختصاص کے لئے ہوتا ہے

بِالْمَحْلُوْفِ عَلَيْهِ بِاَنْ كَانَ بِاَمْرِهٖ كَانَ مِلْكُهٗ اَوْلَا وَعَلَى الدُّخُوْلِ وَالضَّرْبِ وَالْاَكْلِ وَالشُّرْبِ وَالْعَيْنِ

محلوف علیہ کے ساتھ بایں معنی کہ وہ اس کی اجازت سے ہوا ہے خواہ اس کا مالک ہو یا نہ ہو اور دخول وضرب اکل وشرب اور عین شي پر داخل ہونا

كَاِنْ بِعْتُ ثَوْبًا لَكَ لِاخْتِصَاصِهَا بِهٖ بِاَنْ كَانَ مِلْكُهٗ اَمَرَهٗ اَوْ لَا

جیسے اگر بیچوں میں تیرا کپڑا اس شي کے اختصاص کیلئے ہوتا ہے محلوف علیہ کیساتھ بایں معنی کہ وہ اس کی ملک ہے حکم کیا ہو یا نہ کیا ہو

وَاِنْ نَوٰى غَيْرَهٗ صُدِّقَ فِيْمَا عَلَيْهِ اِنْ بِعْتُهٗ اَوِابْتَعْتُهٗ فَهُوَ حُرٌّ فَعَقَدَ بِالْخِيَارِ

اور اگر اس کے علاوہ کی نیت کرے تو تصدیق کیجائیگی اس صورت میں جس میں اس کا نقصان ہو اگر اس کو بیچوں یا خریدوں تو آزاد ہے پھر معاملہ خیار

حَنِثَ وَكَذَا بِالْفَاسِدِ وَالْمَوْقُوْفِ وَلَا بِالْبَاطِلِ اِنْ لَمْ اَبِعْ فَكَذَا فَاَعْتَقَ اَوْدَبَّرَ حَنِثَ[1] قَالَتْ

کیساتھ کیا تو حانث ہو جائیگا اسی طرح بیع فاسد اور موقوف ہے نہ کہ باطل اگر نہ بیچوں تو ایسا ہے پھر آزاد کیا یا مدبر کر دیا تو حانث ہو جائیگا بیوی نے کہا

تَزَوَّجْتَ عَلَيَّ فَقَالَ كُلُّ اِمْرَاَةٍ لِيْ فَهُوَ طَالِقٌ طُلِّقَتِ الْمُحَلِّفَةُ[2] عَلَيَّ الْمَشْيُ اِلٰى بَيْتِ اللّٰهِ تَعَالٰى اَوْ اِلَى الْكَعْبَةِ

کہ تو نے مجھ پر نکاح کر لیا شوہر نے کہا میری ہر بیوی طالق تو قسم کھلانے والی بھی مطلقہ ہو جائیگی مجھ پر پیادہ پا جانا ہے خانہ خدا یا کعبہ کی طرف

حَجَّ اَوِاعْتَمَرَ مَا شِيًا فَاِنْ رَكِبَ اَرَاقَ دَمًا بِخِلَافِ الْخُرُوْجِ[3] اَوِالذَّهَابِ اِلٰى بَيْتِ اللّٰهِ اَوِالْمَشْيِ اِلَى الْحَرَمِ اَوِالصَّفَا

تو حج یا عمرہ کرے پیدل اگر سوار ہوگا تو خون دینا ہوگا بخلاف خانہ خدا کی طرف نکلنے یا جانے یا حرم محترم یا صفا ومروہ کی طرف پیادہ پا روانہ ہونے کے

وَالْمَرْوَةِ عَبْدُهٗ حُرٌّ اِنْ لَمْ يَحُجَّ الْعَامَ فَشَهِدَا بِنَحْرِهٖ بِالْكُوْفَةِ

میرا غلام آزاد اگر اس سال حج نہ کروں پس دو آدمیوں نے کوفہ میں قربانی کرنے کی گواہی دی تو آزاد نہ ہوگا

لَمْ يَعْتِقْ وَحَنِثَ فِيْ لَا يَصُوْمُ[4] بِصَوْمِ سَاعَةٍ بِنِيَّةٍ وَفِيْ صَوْمًا اَوْ يَوْمًا بِيَوْمٍ

اور حانث ہو جائیگا اس میں کہ روزہ نہ رکھونگا نیت کے ساتھ ایک ساعت روزہ رکھنے سے اور ایک روزے اور ایک دن کے روزے کی قسم میں تمام دن روزہ رکھنے سے

وَفِيْ لَا يُصَلِّيْ بِرَكْعَةٍ وَفِيْ لَا يُصَلِّيْ صَلٰوةً بِشَفْعٍ اِنْ لَبِسْتُ مِنْ غَزْلِكِ فَهُوَ

اور اس میں کہ نماز نہ پڑھونگا ایک رکعت پڑھنے سے اگر پہنوں تیرا کاتا ہوا

هَدْيٌ فَمَلَكَ قُطْنًا فَغَزَلَتْهُ وَنَسَجَ وَلَبِسَ فَهُوَ هَدْيٌ وَلُبْسُ خَاتَمِ ذَهَبٍ وَعِقْدِ لُؤْلُؤٍ كَلُبْسِ حُلِيٍّ لَا

تو وہ ہدیہ ہے پھر وہ مالک ہوا روئی کا اور عورت نے اس کو کاتا پھر بنوایا اور اس نے پہنا تو وہ ہدیہ ہوگا پہننا سونے کی انگوٹھی یا موتیوں کا ہار زیور پہننا ہے

خَاتَمُ فِضَّةٍ لَا يَجْلِسُ عَلَى الْاَرْضِ فَجَلَسَ عَلٰى بِسَاطٍ اَوْ حَصِيْرٍ اَوْلَا يَنَامُ عَلٰى هٰذَا الْفِرَاشِ فَجَعَلَ فَوْقَهٗ فِرَاشًا اٰخَرَ

نہ کہ چاندی کی انگوٹھی زمین پر نہ بیٹھونگا پھر فرش یا ڈائی پر بیٹھا یا کہا کہ نہ سوؤنگا اس فرش پر پھر اس پر دوسرا فرش بچھا کر سوگیا

---

[1] لتحقق العجز عن البيع لفوات محلہ ۱۲

[2] لان ذكر كلمة كل دال على ان مراده العموم فيعمل بعموم اللفظ دون خصوص السبب ۱۲ عنايه

[3] حيث لا يلزمه شئ لان التزام الحج او العمرة بهذه العبارات غير متعارف ۱۲ زيلعي

[4] اي لو حلف لا يصوم فنوى الصوم وامسك ساعة ثم افطر حنث لوجود الشرط اذ الصوم هو الامساك عن المفطرات على قصد التقرب وقد وجد لان الشارع في الفعل يسمى فاعلا زيلعي۔

فَنَامَ عَلَيْهِ اَوْ لاَ يَجْلِسُ عَلٰى هٰذَ السَّرِيْرِ فَجَعَلَ فَوْقَهٗ سَرِيْرًا اٰخَرَ لاَيَحْنَثُ

یا کہا کہ اس تخت پر نہ بیٹھونگا پھر اس پر دوسرا تخت لگا کر بیٹھا تو حانث نہ ہوگا

وَلَوْجَعَلَ عَلَى الْفِرَاشِ قِرَامًا اَوْعَلَى السَّرِيْرِبِسَاطًا اَوْحَصِيْرًا حَنِثَ

اور اگر بچھایا فرش پر پلنگ پوش یا تخت پر فرش یا چٹائی تو حانث ہوجائیگا۔

توضیح اللغۃ: صیاغۃ: زرگری، محلفہ: قسم کھلانیوالی، مشی: پیدل چلنا، شفع: دورکعت، غزل: کاتنا، قطن: روئی، نسج: بننا، عقد: ہار، لؤلؤ: موتی، حلی: زیور، خاتم: انگوٹھی، بساط: بچھونا، حصیر: بوریا، چٹائی، قرام: سرخ ونقشین پردہ، پلنگ پوش۔

تشریح الفقہ: قولہ ودخول اللام الخ ایک قاعدہ کلیہ کی طرف اشارہ ہے جس پر بہت سے مسائل متفرع ہوسکتے ہیں قاعدہ یہ ہے کہ جن افعال میں نیابت جاری ہوسکتی ہے جیسے بیع' شراء' اجارہ' صیاغت' خیاطت' بناء تو ان افعال پر لام اختصاص کا داخل ہونا مقتضی توکیل ہوتا ہے تاکہ لام محلوف علیہ کے ساتھ اس فعل کے اختصاص کا فائدہ دے خواہ اس کی ملکیت ہو یا نہ ہو اور وجہ یہ ہے کہ لام اختصاص کیلئے موضوع ہے اور اختصاص امر کے بغیر متحقق نہیں ہوسکتا اور امر مفید توکیل ہے مثلاً کسی نے قسم کھائی ان بعت لک ثوباً فعبدی حر پھر مخاطب کے حکم کئے بغیر کپڑا فروخت کرڈالا تو حانث نہ ہوگا خواہ مخاطب اس کا مالک ہو یا نہ ہو کیونکہ یہاں توکیل نہیں پائی گئی۔ اور اگر مخاطب اپنے مملوک یا غیر مملوک کپڑے کو فروخت کرنے کیلئے متکلم کو وکیل بنائے اور پھر متکلم مذکور اس کو فروخت کرے تو حانث ہوجائے گا کیونکہ توکیل پائی گئی۔ یہ تفصیل تو اس وقت ہے جب لام ایسے فعل پر داخل ہو جس میں نیابت جاری ہوسکتی ہو۔ اور اگر ایسے فعل پر داخل ہو جس میں نیابت جاری نہ ہوسکتی ہو جیسے دخول ضرب' اکل' شرب وغیرہ مثلاً یوں کہے ان دخلت لک دارافعبدی حر یا لام عین شئی یعنی ذات پر داخل ہو مثلاً یوں کہے ان بعت ثوباًلک فعبدی حر۔ تو لام کا داخل ہونا مقتضی ملک ہوگا یعنی اس بات کا کہ مخاطب محلوف علیہ کا مالک ہو خواہ اس کا حکم ہو یا نہ ہو۔ خلاصہ یہ ہوا ملک کی طرف سوا گر کوئی یوں کہے ان بعت ثوباًلک فعبدی حر۔ یا کہے ان اکلت طعاماً فعبدی حر۔ اور پھر مخاطب کا مملوک کپڑا فروخت کردے یا اس کا کھانا کھالے تو حانث ہوجائیگا اور اگر اس کا غیر مملوک کپڑا فروخت کرے تو حانث ہوگا۔

قولہ وان نوی غیرہ الخ اور اگر متکلم مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں خلاف مقتضی ظاہر کلام کی نیت کرے تو جس صورت میں اس پر سختی لازم آئے اس میں تو دیانۃً اور قضاءً ہر دو اعتبار سے اس کی تصدیق کی جائیگی۔ اور جس صورت میں اس کی سہولت لازم آئے اس میں اس کی صرف دیانۃً تصدیق کی جائے گی نہ کہ قضاءً مثلاً اس نے پہلی صورت میں مخاطب کا مملوک کپڑا اس کے حکم کے بغیر فروخت کیا اور اختصاص سے ملک کی نیت کی تو حانث ہوجائے گا۔ اگر وہ اختصاص ملک کی نیت نہ کرتا تو حانث نہ ہوتا۔ یا دوسری صورت میں مخاطب کا غیر مملوک کپڑا اس کے حکم سے فروخت کیا اور اختصاص سے امر کی نیت کی تو حانث ہوجائے گا۔ اگر وہ اختصاص امر کی نیت نہ کرتا تو حانث نہ ہوتا' ان دونوں مسئلوں کو برعکس کردینے سے تخفیف کی صورت ہوجائے گی۔ فافہم۔

قولہ ان بعتہ الخ مالک نے اپنے غلام کے متعلق کہا ان بعتہ فھو حر۔ پھر اس کو بشرط خیار فروخت کردیا تو حانث ہوجائیگا۔ کیونکہ بیع بشرط الخیار سے مبیع بائع کی ملک سے نہیں نکلتی۔ پس وجود شرط کے وقت اس کی ملکیت موجود ہے۔ اور شرط عتق یعنی بیع پائی گئی لہٰذا حانث ہوجائیگا۔ اسی طرح اگر کسی نے دوسرے غلام کے متعلق کہا ان اشتریتہ فھو حر۔ پھر اس کو بشرط خیار خرید لیا تو وہ بھی حانث ہوجائیگا۔ کیونکہ یہاں بھی وجود شرط کے وقت مشتری کی ملک موجود ہے۔ صاحبین کے نزدیک تو اس لئے کہ ان کے یہاں مشتری مبیع کا مالک ہوجاتا ہے اور امام صاحب کے نزدیک گو مشتری مالک نہیں ہوتا لیکن ان کے نزدیک بھی حانث ہوجائیگا۔ کیونکہ یہاں مشتری نے

عتق کو معلق کیا ہے اور شرط پائے جانے کے وقت معلق بھی منجز کے مانند ہوتا ہے۔ پس گویا اس کے خریدنے کے بعد یوں کہا ''انت حر'' پس اس کے ذریعہ سے وہ عقد شراء کو نافذ کرنیوالا ہوا اور ملک ثابت ہوئی۔ اسی طرح بیع فاسد وشراء فاسد اور بیع موقوف میں بھی حانث ہوجائیگا۔ کیونکہ بیع فاسد شرعاً بیع ہے جس سے بعض احکام ثابت ہوجاتے ہیں اور بیع موقوف بھی بیع ہے گو وہ نافذ نہیں ہوتی۔ لیکن بیع باطل کی صورت میں حانث ہوگا۔ کیونکہ وہ بیع نہیں نہ حقیقۃً نہ حکماً۔

قوله عبده حر الخ ایک شخص نے اپنے غلام سے کہا ''ان لم احج هذا العام فانت حر'' اس کے بعد مالک کہتا ہے کہ میں نے اس سال حج کرلیا اور غلام نے اس کا انکار کیا اور دو گواہ پیش کیے جنہوں نے گواہی دی کہ اس نے کوفہ میں قربانی کی ہے اور ظاہر ہے کہ جو شخص یوم نحر کو کوفہ میں قربانی کرے وہ اس سال حج نہیں کرسکتا کیونکہ کوفہ کعبہ سے بہت دور ہے۔ مگر یہ گواہی مقبول نہ ہوگی کیونکہ گواہی حج کی نفی پر ہے اور نفی کی گواہی مقبول نہیں ہوتی۔

سوال نفی کی گواہی اس وقت مقبول نہیں ہوتی جب شاہد کا علم اس کو محیط نہ ہو ورنہ مقبول ہوتی ہے اور یہاں شاہد کا علم محیط ہے کیونکہ کوفہ میں قربانی کے ثبوت سے حج کا منتفی ہونا ایک کھلی ہوئی بات ہے۔

جواب بینات کی مشروعیت اثبات کے لئے ہے نہ کہ نفی کے لئے اس لئے شہادت مسترد ہوگی ولا یفرق بین نفی و نفی تیسيرًا للامر و دفعاً للحرج۔

باب الیمین فی الضرب والقتل وغیر ذٰلک

باب مار پیٹ اور قتل وغیرہ کی قسم کھانیکے بیان میں

اِنْ ضَرَبْتُکَ اَوْکَسَوْتُکَ اَوْ کَلَّمْتُکَ اَوْدَخَلْتُ عَلَیْکَ تَقَیَّدَ بِالْحَیٰوۃِ بِخِلَافِ الْغُسْلِ وَالْمَسِّ وَالْحَمْلِ

تجھے ماروں یا پہناؤں یا تجھ سے بولوں یا تیرے پاس آؤں یہ افعال مقید ہوں گے زندگی کے ساتھ بخلاف غسل وحمل کے اور چھونے کے اپنی بیوی کو

لَاَضْرِبُ اِمْرَأَتَهٗ فَمَدَّ شَعْرَهَا اَوْخَنَقَهَا اَوْ عَضَّهَا حَنِثَ[۱] اِنْ لَمْ اَقْتُلْ فُلَانًا فَکَذَا وَهُوَمَیِّتٌ اِنْ عَلِمَ بِهٖ حَنِثَ

نہ ماروں گا پھر اس کے بال کھینچے یا گلا گھونٹا یا کاٹ کھایا تو حانث ہوجائیگا اگر فلاں کو قتل نہ کروں تو ایسا ہے حالانکہ وہ مرچکا تو اگر اس کو معلوم ہے تو حانث ہوگا

وَاِلَّا لَا مَادُوْنَ الشَّهْرِ قَرِیْبٌ وَهُوَ وَمَافَوْقَهٗ بَعِیْدٌ لَیَقْضِیَنَّ دَیْنَهٗ الْیَوْمَ فَقَضَاهُ زُیُوْفًا اَوْبَنْهَرَجَةً

ورنہ نہیں ایک ماہ سے کم قریب ہے اور ایک ماہ یا اس سے زائد بعید ہے ضرور چکادونگا فلاں کا قرض آج پھر ادا کئے ایسے جو کھوٹے ہوں

اَوْ مُسْتَحَقَّةً بَرَّ[۲] وَلَوْ رَصَاصًا[۳] اَوْ سَتُوْقَةً لَا وَالْبَیْعُ بِهٖ قَضَاءٌ لَا الْهِبَةُ

یا نہ چلتے ہوں یا اور کے ہوں تو قسم سے نکل جائیگا اور اگر رانگ کے یا تین پرت کے ہوں تو نہیں اور قرض کے عوض بیچنا چکانا ہے نہ کہ ہبہ کرنا

لَایَقْبِضُ دَیْنَهٗ دِرْهَمًا دُوْنَ دِرْهَمٍ فَقَبَضَ بَعْضَهٗ لَمْ یَحْنَثْ حَتّٰی یَقْبِضَ کُلَّهٗ مُتَفَرِّقًا لَا بِتَفْرِیْقٍ ضَرُوْرِیٍّ

اپنا قرض ایک ایک درہم کرکے نہ لونگا پھر بعض پر قبضہ کیا تو حانث نہ ہوگا جبتک کہ تمام قرض بلا تفریق ضروری متفرق طور پر وصول نہ کرے

اِنْ کَانَ لِیْ اِلَّا مِائَةٌ اَوْ غَیْرُ اَوْ سِوٰی فَکَذَا لَمْ یَحْنَثْ بِمِلْکِهَا[۴] اَوْ بَعْضِهَا لَا یَفْعَلُ کَذَا تَرَکَهٗ اَبَدًا[۵] لَیَفْعَلَنَّ

اگر میرے پاس مال ہو سوائے سو کے تو ایسا ہے تو حانث نہ ہوگا سو یا اس سے کم کی ملکیت سے ایسا نہ کرونگا تو ہمیشہ کے لئے چھوڑ دے ضرور کرونگا

۱؎ لان الضرب اسم الفعل مؤلم وقد تحقق بهذه الاشياء ۱۲ ۲؎ لانها معيبة والعيب لايعدم الجنسية ۱۲ ۳؎ لانما ليسا من جنس الدراهم ۱۲ ۴؎ لان غرضه نفي ما زاد على المائة ۱۲

۵؎ لان الفعل يقتضي مصدرا منكرا والنكرة في النفي تعم ۱۲ ۶؎ لان النكرة في الاثبات تخص والواحد هو المتيقن ۱۲

۷؎ لان الريحان اسم لنبات لا ساق له وله رائحة مستلذة وليس لهما ذالك ۱۲

بَرَّ	بِمَرَّةٍ	وَلَوْ	حَلَّفَهُ	وَالٍ	يُعْلِمَهُ	بِكُلِّ	دَاعِرٍ	يَدْخُلُ	الْبَلَدَ	تَقَيَّدَ	بِقِيَامِ وِلاَيَتِهِ

تو ایک بار کرنے سے قسم پوری ہوجائے گی حاکم نے قسم کھلائی کہ ضرور مطلع کریگا ہر اس مفسد سے جو شہر میں داخل ہو تو قسم اس کی حکومت تک محدود ہوگی

بَرَّ	بِالْهِبَةِ	بِلاَ	قَبُوْلٍ	بِخِلاَفِ	الْبَيْعِ	لاَيَشُمُّ	رَيْحَانًا	لاَ	يَحْنِثُ	بِشَمِّ	وَرْدٍ	وَ يَاسَمِيْنِ

قسم پوری ہوجاتی ہے ہبہ کرنے سے گو قبول نہ کرے بخلاف بیع کے ریحان نہ سونگھونگا تو حانث نہ ہوگا گلاب اور چنبیلی سونگھنے سے

وَبَنَفْسِجٍ	وَالْوَرْدُ	عَلَى	الْوَرَقِ	حَلَفَ	لاَيَتَزَوَّجُ	فَزَوَّجَهُ	فُضُوْلِيٌّ	وَاَجَازَ	بِالْقَبُوْلِ	حَنَثَ

بنفشہ اور گلاب محمول ہوگا پنکھڑی پر قسم کھائی کہ نکاح نہ کرونگا پھر فضولی نے نکاح کردیا اور اس نے زبان سے جائز کردیا تو حانث ہوجائیگا

وَبِالْفِعْلِ لاَ وَدَارَهُ بِالْمِلْكِ وَالْاِجَارَةِ حَلَفَ بِاَنَّهُ لاَمَالَ لَهُ وَلَهُ دَيْنٌ عَلٰى مُفْلِسٍ اَوْمَلِيٍّ لَمْ يَحْنِثْ

اور فعل سے ہو تو نہیں مکان کا اعتبار ملک اور کرایہ سے ہے قسم کھائی کہ میرا مال نہیں حالانکہ مفلس یا نادہندہ مالدار پر اس کا قرض ہے تو حانث نہ ہوگا

توضیح اللغۃ: مس: چھونا، مد: کھینچنا، خنق: گلا گھونٹنا، زیوف: کھوٹے جن کو بیت المال نہ لے، بنہرجہ: جن کو عام تجار نہ لیتے ہوں، رصاص: سیسہ، قلعی مراد بالکل کھوٹے درہم، ستوقۃ: کھوٹے درہم جن پر چاندی کا ملمع ہو، داعر: شریر، ریحان: خوشبودار پودہ، ورد: گلاب، یاسمین: چنبیلی بنفسج: بنفشہ، ورق پتا ملی: مالدار۔

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ اس باب کے مسائل سمجھنے کیلئے بھی ایک قاعدہ سمجھ لینا چاہیے اور وہ یہ کہ جن امور میں مردہ اور زندہ دونوں شریک ہوں ان میں قسم موت وحیات دونوں حالتوں میں واقع ہوتی ہے جیسے نہلانا' اٹھانا' چھونا وغیرہ۔ اگر ان امور کا ارتکاب کریگا حانث ہوجائیگا۔ زندہ کیساتھ کرے یا مردہ کیساتھ۔ اور جو امور زندگی کے ساتھ مخصوص ہیں جیسے فروخت ومسرت یا رنج وغم پہنچانیوالے امور۔ تو ان میں قسم زندگی کیساتھ مخصوص ہوتی ہے۔ اگر ایسے امور مردہ کیساتھ کریگا تو حانث ہوگا۔

قولہ او مستحبۃ بر الخ شیخ اکمل ولوالجی نے آخر کتاب الشفعہ میں ذکر کیا ہے کہ کھوٹے درہم پانچ مسئلوں میں کھرے درہموں کے حکم میں ہیں۔ (۱) قسم کھائی کہ قرض چکائیگا پھر کھوٹے درہم ادا کئے تو حانث نہ ہوگا۔

(۲) کسی نے کھرے درہموں کے عوض میں گھر خریدا اور قیمت میں کھوٹے ادا کئے تو شفیع کھرے درہم دیکر گھر لیگا۔

(۳) کھرے درہموں کا ضامن ہوا اور کھوٹے ادا کئے تو مکفول عنہ سے کھرے لیگا۔

(۴) کھرے درہموں سے کوئی چیز خریدی اور قیمت کھوٹی دی پھر اس کو منفعت سے فروخت کیا تو راس المال جید ہوگا۔

(۵) ایک شخص کا قرض کھرے درہموں کا تھا اس نے کھوٹے درہم لیکر صرف کردیئے پھر انکا کھوٹ معلوم ہوا تو پھر اس سے کھرے درہم نہیں لے سکتا۔

قولہ ان لم اقتل الخ کسی نے کہا اگر میں زید کو قتل نہ کروں تو میرا غلام آزاد حالانکہ زید پہلے ہی مر چکا اگر حالف کو بوقت حلف زید کی موت کا علم ہو تو انعقاد یمین کی وجہ سے فی الحال حانث ہوجائے گا۔ کیونکہ خداوند تعالیٰ زید میں حیات پیدا کرسکتے ہیں اس لحاظ سے وہ زید کو قتل کرسکتا ہے مگر عادۃً ایسا نہیں ہوتا کہ مرنے کے بعد بھی زندہ ہوجایا کرے اس لئے وہ قتل کرنے سے عاجز ہے پس یہ صورت صعود سماء کی نظیر ہوگئی۔ اور اگر اس بوقت حلف زید کی موت کا علم نہ ہو تو حانث نہ ہوگا۔ کیونکہ اس وقت اس نے یمین اس حیات پر منعقد کی ہے جو زید میں ہو۔ اور یہ متصور نہیں ہوسکتا پس یہ صورت کوزماء کی نظیر ہوگئی جب اس میں پانی نہ ہو اور یہ دونوں مسئلے گزر چکے۔

قولہ والبیع الخ ایک شخص نے قسم کھائی کہ آج فلاں کا قرض چکادونگا پھر اس نے اپنا سامان قرضخواہ کے ہاتھ قرض کے عوض میں فروخت کردیا تو قرض ادا ہوگیا اب حانث ہوگا اور اگر قرض خواہ نے مقروض کو اپنا قرض ہبہ کردیا تو یہ قضاء دین نہیں بلکہ اس کی طرف سے اسقاط ہے۔

قولہ لایقبض الخ ایک شخص نے قسم کھائی کہ میں اپنا قرض ایک ایک درہم وصول نہ کرونگا پھر اس نے تھوڑا قرض وصول کیا مثلاً پانچ یا دس درہم تو جب تک پورا قرض متفرق طور سے وصول نہ کرلے حانث نہ ہوگا ہاں اگر قرض بطریق ضروری متفرق وصول کیا تو حانث ہوگا۔ مثلاً قرض کوئی وزنی چیز تھی اور وہ سب ایک بار وزن نہیں ہوسکتی تھی اس لئے چند بار وزن کر کے وصول کیا تو حانث نہ ہوگا۔

قولہ ولو حلفہ الخ: ایک شخص سے حاکم نے قسم کھلوائی کہ جو مفسد شخص شہر میں داخل ہو اس کی ضرور اطلاع کرے گا اس نے قسم کھائی تو قسم گو مطلق ہے لیکن اس حاکم کی حکومت باقی رہنے تک مفید ہوگی کیونکہ مطلق یمین دلالت کی وجہ سے مقید ہو جاتی ہے اور یہاں قسم لینے سے حاکم کا مقصد مفسدین کے فساد کو دور کرنا ہے اور زوال حکومت کے بعد دفع فساد ممکن نہیں لہٰذا یمین اس کی حکومت کے ساتھ مفید ہوگی۔

قول یبر الخ ایک شخص نے قسم کھائی کہ ضرور ہبہ کرونگا چنانچہ اس نے کوئی چیز ہبہ کی مگر موہوب لہٗ نے قبول نہیں کی تو اس کی قسم پوری ہوگئی۔ اب وہ حانث نہ ہوگا اور اگر یہ قسم کھائی کہ فروخت کرونگا پھر اس نے کوئی چیز فروخت کی لیکن مشتری نے بیع قبول نہیں کی تو یہاں قسم پوری نہ ہوگی۔ وجہ فرق یہ ہے کہ ہبہ تبرع ہے جس میں موہوب لہ کا قبول کرنا ضروری نہیں بخلاف بیع کے کہ وہ عقد معاوضہ ہے اور جانبین سے فعل کا مقتضی ہے۔ اس لئے مشتری کے قبول کئے بغیر تمام نہ ہوگا۔

قولہ حلف لایتزوج الخ ایک شخص نے قسم کھائی کہ میں اپنا نکاح نہ کرونگا پھر کسی فضولی نے اس کا نکاح کر دیا اور حالف نے اجازت قولی سے نکاح جائز کر دیا تو حانث ہو جائیگا یہی مختار ہے (تبیین) اسی پر عام مشائخ ہیں اور اسی پر فتویٰ ہے (خانیہ) پس جامع الفصولین میں جو یہ کہا ہے کہ اجازت قولی سے بھی حانث نہ ہوگا صحیح نہیں۔ کیونکہ اجازت قولی بمنزلہ وکالت کے ہے گویا اس نے اولاً اس کو وکیل بنایا۔ اور اگر اجازت فعلی سے جائز کیا تو حانث نہ ہوگا۔ کیونکہ محلوف علیہ تزوج ہے اور تزوج سے مراد عقد ہے۔ اور عقد قول کے ساتھ خاص ہے۔ فعل سے نہیں ہوتا۔

قولہ ودارہ الخ ایک شخص نے قسم کھائی کہ فلاں کے گھر میں داخل نہ ہونگا۔ پھر اس کے مملوکہ مکان میں یا کرایہ کے مکان میں داخل ہو گیا تو حانث ہو جائیگا کیونکہ دار سے مراد عرفاً اس کا مسکن ہے۔ پس جس گھر میں وہ رہتا ہو وہ قسم میں داخل ہوگا خواہ مملوک ہو یا بطریق اجارہ ہو یا بطریق اعارہ ہو ایک شخص نے قسم کھائی کہ میرا کچھ مال نہیں ہے حالانکہ مفلس مقروض پر اس کا کچھ دین ہے۔ تو حانث نہ ہوگا۔ کیونکہ دین کو عرفاً مال نہیں کہا جاتا۔

كِتَابُ الْحُدُوْدِ

اَلْحَدُّ عُقُوْبَةٌ مُقَدَّرَةٌ حَقُّ اللّٰهِ تَعَالٰى وَالزِّنَا وَطْئٌ فِيْ قُبُلٍ خَالٍ عَنْ مِلْكٍ وَشُبْهَةٍ وَيَثْبُتُ بِشَهَادَةِ اَرْبَعَةٍ

حدوہ سزا ہے جوفرض کی گئی ہے حق اللہ کے لئے اور زنا وہ صحبت ہے جو ایسی شرمگاہ میں ہو جو ملک اور شبہ ملک سے خالی ہو اس کا ثبوت چار آدمیوں کی

بِالزِّنَا لَا بِالْوَطْيِ وَالْجِمَاعِ فَيَسْئَلُهُمُ الْاِمَامُ عَنْ مَاهِيَّتِهٖ وَكَيْفِيَّتِهٖ وَمَكَانِهٖ وَزَمَانِهٖ وَالْمَزْنِيَّةِ

گواہی سے ہوتا ہے لفظ زنا کیساتھ نہ کہ وطی اور جماع کیساتھ پس پوچھے حاکم زنا کی حقیقت اسکی کیفیت اس کی جگہ اور وقت اور مزنیہ عورت کو

فَاِنْ بَيَّنُوْهُ وَقَالُوْا رَأَيْنَاهُ وَطِيَهَا كَالْمِيْلِ فِي الْمِكْحَلَةِ وَعُدِّلُوْا سِرًّا وَّجَهْرًا

اگر وہ بیان کردیں اور کہیں کہ ہم نے اس کو اس طرح وطی کرتے دیکھا ہے جیسے سلائی سرمہ دانی میں اور خفیہ وعلانیہ ان کی تعدیل ہو جائے

حُكِمَ بِهٖ وَبِاِقْرَارِهٖ اَرْبَعًا فِيْ مَجَالِسِهِ الْاَرْبَعَةِ كُلَّمَا اَقَرَّ رَدَّهٗ وَسَئَلَهٗ

تو حاکم زنا ہونے کا حکم لگادے اور ثابت ہوتا ہے زانی کے اقرار کرنے سے چار مرتبہ چار مجلسوں میں جب بھی وہ اقرار کرے تو حاکم اس کو ہٹا دے

كَمَا مَرَّ فَاِنْ بَيَّنَهٗ حَدَّهٗ فَاِنْ رَجَعَ عَنْ اِقْرَارِهٖ قَبْلَ الْحَدِّ اَوْ فِيْ وَسَطِهٖ خَلّٰى سَبِيْلَهٗ

اور سوال کرے امور مذکورہ کا اگر وہ بیان کردے تو حد لگائے اور اگر اقرار سے رجوع کر لے حد سے پہلے یا اس کے درمیان تو اس کو رہا کردے

وَنُدِبَ تَلْقِيْنُهٗ بِلَعَلَّكَ قَبَّلْتَ اَوْ لَمَسْتَ اَوْ وَطِئْتَ بِشُبْهَةٍ فَاِنْ كَانَ مُحْصَنًا رَجَمَهٗ فِيْ فَضَاءٍ حَتّٰى يَمُوْتَ

اور مستحب ہے اس سے یہ کہنا کہ شاید تو نے بوسہ لیا ہوگا یا چھویا ہوگا یا شبہ سے صحبت کی ہوگی پس اگر وہ محصن ہو تو سنگسار کرے میدان میں یہاں تک کہ مرجائے

تشریح الفقہ: قولہ کتاب الخ الایمان کفارہ پر مشتمل تھی اور کفارہ عبادات اور عقوبت کے درمیان دائر تھا تو کتاب الایمان کے بعد کتاب الحدود کو لانا مناسب ہے۔ کیونکہ حدود خالص عقوبات ہیں۔ حدود کی چھ قسمیں ہیں حد زنا۔ حد شرب خمر، حد مسکرات، حد قذف، حد سرقہ، حد قطع طریق ہر ایک کا تفصیلی بیان آگے آرہا ہے۔

قولہ الحد الخ حد کے لغوی معنی روکنے اور منع کرنے کے ہیں چنانچہ اہل عرب دربان اور جیلر کو حداد کہتے ہیں کیونکہ دربان اندر آنے سے اور جیلر باہر نکلنے سے روکتا ہے۔ حدود خالصہ کو بھی حدود اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ اسباب عقوبات کے ارتکاب سے روکتی ہیں اصطلاح شرع میں حد اس عقوبت مقدرہ معینہ کو کہتے ہیں جو بندگان خدا کو افعال قبیحہ کے ارتکاب سے باز رکھنے کیلئے بجہت حق اللہ فرض ہوئی ہے۔ حد کی تعریف میں لفظ عقوبت جنس ہے جس میں تمام حدود داخل ہیں اور مقدرہ فصل ہے جس سے تعزیر نکل گئی کہ اس کی کوئی مقدار معین نہیں اور اللہ کی قید سے قصاص خارج ہو گیا کیونکہ قصاص حق عبد ہے نہ کہ حق اللہ۔

قولہ والزنا الخ زنا کے لغوی معنی کا بیان ہے (فانھما سواء فیه) یعنی زنا لغۃ اور شرعا اس صحبت کو کہتے ہیں جو ایسی شرمگاہ میں ہو کہ ملک اور شبہ ملک سے خالی ہو۔ قبل کی قید سے وطی فی الدبر نکل گئی کہ اسکو زنا نہیں کہتے اور خال عن ملک کی قید سے اپنی منکوحہ اور اپنی باندی کیساتھ وطی نکل گئی اور شبہہ کی قید سے وطی بالشبہہ نکل گئی جیسے اپنے والد کی باندی کیساتھ وطی کرنا پس زنا کی پوری تعریف ہوگئی۔ مگر یہ یادر ہے کہ یہ تعریف اس زنا کی نہیں جس سے حد واجب ہوتی ہے (کما تو همالز یلعی والعینی) بلکہ مطلق زنا کی تعریف ہے اور موجب حد زنا کی تعریف یہ ہے۔ هو وطئی مکلف ناطق طائع فی قبل مشتهاة هالا او ماضیا خال عن ملکه و شبهة فی دار الاسلام او تمکینهما من ذالک او تمکینه" وہ یعنی زنا عاقل بالغ بولنے والے کا بخوشی صحبت کرنا ہے بالفعل یا باعتبار ماضی لائق شہوت عورت کی ایسی شرمگاہ میں کہ جو ملک اور شبہ ملک سے خالی ہو یا مرد کا یا عورت کا وطی پر قابو دیدینا ہے۔ مکلف کی قید سے بیہوش، مجنون اور بچہ نکل گیا کہ انکا جماع کرنا موجب حد نہیں۔ ناطق کی قید سے گونگا نکل گیا اگر چہ وہ اشارہ سے زنا کا اقرار کرلے کہ اس پر بوجہ

شبہ حد واجب نہیں، طائع کی قید سے مکرہ، قبل کی قید سے وطی فی الدبر، مشتہاۃ کی قید سے صغیرہ نکل گئی خال عن ملکہ کی قید سے اپنی منکوحہ اور باندی کیساتھ وطی کرنا خارج ہو گیا شبہ ملک کی قید سے اپنے والد کی باندی اور مکاتب اور عبد ماذون کی باندی اور مال غنیمت سے حاصل ہونیوالی باندی کیساتھ قبل از تقسیم غازی کا وطی کرنا خارج ہو گیا، دارالاسلام کی قید سے وہ وطی نکل گئی جو دارالحرب میں ہوئی ہو کہ اس پر حد واجب نہیں۔ اور تمکینہ کی قید سے وہ صورت داخل ہو گئی جس میں مرد چت لیٹ جائے اور عورت اس کے آلہ تناسل کو فرج میں داخل کر لے کہ دونوں پر حد جاری ہو گی اور تمکینہا سے عورت کا فعل داخل ہو گیا کہ عورت کا فعل گو وطی نہیں کہلاتا لیکن تمکین کی وجہ سے اس پر بھی حد لازم ہے پس موجب حد زنا کی یہ مکمل تعریف ہو گئی اس سے معلوم ہوا کہ ہر زنا موجب حد نہیں۔

قوله ویثبت الخ زنا کا ثبوت چار مردوں کی گواہی سے ہو گا قال تعالیٰ فاستشهدوا علیهن اربعة منکم پھر گواہی میں صرف وطی اور جماع کی شہادت کافی نہیں بلکہ صراحۃً لفظ زنا کیساتھ گواہی دینا ضروری ہے کیونکہ وطی اور جماع میں ملک یا شبہ ملک کا احتمال ہے پھر جب وہ شہادت دیں تو حاکم ان سے زنا کی حقیقت دریافت کرے اور پوچھے کہ زنا کس طرح ہوا؟ بخوشی یا زبردستی، کہاں ہوا، دارالاسلام میں یا دارالحرب میں، کب ہوا؟ عنقریب یا بہت پہلے، بچپن میں یا بلوغ کے بعد، اور کس کے ساتھ ہوا؟ ان سوالات کی ضرورت اس لئے ہے کہ ممکن ہے زنا زبردستی ہوا ہو۔ یا دارالحرب میں ہوا یا اپنے لڑکے کی باندی سے ہوا ہو اور گواہ ان چیزوں سے ناواقف ہوں اسلئے حاکم پوری تحقیق کرے تا کہ کسی حیلہ سے حد ٹل جائے کیونکہ حضور صلعم کا ارشاد ہے کہ "حد کو ٹالو جہاں تک ممکن ہو"۔[1]

قوله وباقراره الخ اگر زانی خود چار بار چار مجلسوں میں زنا کا اقرار کر لے تب بھی زنا کا ثبوت ہو جائیگا جس کی صورت یہ ہیکہ جب وہ اقرار کرے تو حاکم اس کو اپنے سامنے سے ہٹا دے اور وہ پھر آ کر اقرار کرے اسی طرح چار مرتبہ اقرار کرے اور حاکم اس سے بھی مذکورہ بالا سوالات کرے جب وہ ان تمام باتوں کو کما حقہ بیان کر دے تو حاکم اس کو زنا کی سزا دے۔ چار مرتبہ اقرار کرنا ہمارے نزدیک شرط ہے۔ امام شافعی کے یہاں ایک مرتبہ کافی ہے کیونکہ اقرار مظہر زنا ہے اور تکرار اقرار سے ظہور زنا میں کوئی زیادتی نہیں آتی۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ حضور صلعم نے ماعز اسلمی کے چار بار اقرار سے قبل ثبوت زنا کا حکم نہیں فرمایا۔[2] اگر اس سے کمتر میں زنا ظاہر ہوتا تو آپ تاخیر نہ فرماتے۔

قوله فان رجع الخ اگر مقر اقرار کے بعد حد سے پیشتر یا حد کے درمیان اقرار سے رجوع کر لے تو چھوڑ دیا جائیگا۔ امام شافعی اور ابن ابی لیلیٰ کے نزدیک حد جاری ہو گی کیونکہ حد اس کے اقرار سے واجب ہوئی ہے پس رجوع یا انکار سے ساقط نہ ہو گی۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ اس کا رجوع خبر ہے جس میں صدق کا بھی احتمال ہے اور یہاں اس کی تکذیب کرنیوالا بھی نہیں تو اقرار میں شبہ آ گیا اور حدود ادنیٰ شبہ سے ٹل جاتی ہیں۔

قوله فان کان محصناً الخ اگر زانی محصن ہو تو قاضی اس کو میدان میں سنگسار کرے یہاں تک کہ وہ مر جائے مگر وجوب رجم کیلئے شرط یہ ہے کہ پہلے گواہ سنگسار کریں اگر انہوں نے انکار کر دیا تو رجم ساقط ہو جائیگا ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ شرط نہیں بلکہ انکا حاضر رہنا مستحب ہے۔ ہماری دلیل حضرت علی کی روایت ہے کہ "جب آپ کے سامنے گواہ زنا کی شہادت دیتے تو آپ شاہدوں کو سنگساری کا حکم دیتے پھر آپ خود پتھر مارتے اس کے بعد عام لوگ سنگسار کرتے تھے"[3] اگر زانی کا زنا اس کے اقرار سے ثابت ہوا ہو تو پہلے امام سنگسار کرے پھر عام لوگ۔

وَيَبْدَأُ الشُّهُوْدُ بِهٖ فَاِنْ اَبَوْا سَقَطَ ثُمَّ الْاِمَامُ ثُمَّ النَّاسُ وَيَبْدَأُ الْاِمَامُ لَوْ مُقِرًّا ثُمَّ النَّاسُ

اور سنگسار کرنا گواہ شروع کریں اگر وہ انکار کریں تو حد ساقط ہو جائیگی پھر حاکم پھر دوسرے لوگ اور حاکم شروع کرے اگر زانی مقر ہو پھر اور لوگ

[1] ترمذی حاکم، دار قطنی، بیہقی عن عائشہ، ابن ماجہ، ابو یعلیٰ عن ابی ہریرہ، دار قطنی عن علی ۱۲۔

[2] صحیحین عن ابی ہریرہ و جابر بن عبداللہ، مسلم عن جابر بن سمرہ و ابن عباس، مسلم، ابوداؤد و نسائی عن یزید، ابوداؤد و نسائی احمد بن نعیم ابن ہزال احمد عن ابی ذر احمد ابن راہویہ ابن ابی شیبہ عن ابی بکر ۱۲

[3] ابن ابی شیبہ بیہقی احمد

وَلَوْ غَيْرَ مُحْصِنٍ جَلْدَهُ مِأَةً وَنِصْفٌ لِلْعَبْدِ بِسَوْطٍ لاَ ثَمْرَةَ لَهُ مُتَوَسِّطًا

اور اگر غیر محصن ہو تو سو کوڑے مارے اور آدھے مارے جائیں غلام کے ایسے کوڑے کیساتھ جس میں گرہ نہ ہو درمیانی ضرب کیساتھ

وَنَزَعَ ثِيَابَهُ وَفَرَّقَ عَلىٰ بَدَنِهٖ اِلَّا رَأْسَهُ وَ وَجْهَهُ وَيُضْرَبُ الرَّجُلُ قَائِمًا فِي الْحُدُوْدِ غَيْرَ مَمْدُوْدٍ

اور کپڑے نکالدیئے جائیں اور بدن کے متفرق حصہ پر مارے جائیں سر اور چہرہ اور شرمگاہ کو بچا کر اور حد لگائی جائے مرد کو کھڑا کر کے غیر ممدود[۱]

وَّلاَ يُنْزَعُ ثِيَابُهَا اِلَّا الْفَرْوَ وَالْحَشْوَ وَتُضْرَبُ جَالِسَةً وَيُحْفَرُ لَهَا فِي الرَّجْمِ لَا لَهٗ

اور عورت کے کپڑے نہ اتارے جائیں سوائے پوستین اور روئی دار کے اور حد لگائی جائے بٹھلا کر اور گڑھا کھود لیا جائے اس کو سنگسار کرنے کیلئے

وَلَايَحُدُّ عَبْدَهٗ اِلَّابِاِذْنِ اِمَامِهٖ وَاِحْصَانُ الرَّجْمِ الْحُرِّيَّةُ وَالتَّكْلِيْفُ وَالْاِسْلَامُ وَالْوَطْئُ بِنِكَاحٍ صَحِيْحٍ

نہ کہ مرد کے لئے اور مالک حد نہ لگائے غلام کو حاکم کی اجازت کے بغیر اور رجم کیلئے محصن ہونا یہ ہے کہ آزاد ہو عاقل بالغ ہو مسلمان ہو اور نکاح صحیح

وَهُمَا بِصِفَةِ الْاِحْصَانِ وَلاَ يُجْمَعُ بَيْنَ الْجَلْدِ وَالرَّجْمِ وَالْجَلْدِ وَالنَّفْيِ

کیساتھ اس حال میں وطی کر چکا ہو کہ دونوں صفت احصان پر ہوں اور نہ جمع کیا جائے کوڑے مارنا اور سنگسار کرنا اور کوڑے مارنا اور جلا وطن کرنا

وَلَوْ غَرَّبَ بِمَا يُرىٰ صَحَّ وَالْمَرِيْضُ يُرْجَمُ وَلاَ يُجْلَدُ حَتّٰى يَبْرَأَ

اور اگر حاکم مصلحۃً جلا وطن کرے تو درست ہے اور بیمار سنگسار کیا جائے لیکن کوڑے نہ مارے جائیں یہاں تک کہ تندرست ہو جائے

وَالْحَامِلُ لَاتُحَدُّ حَتّٰى تَلِدَ وَتَخْرُجَ مِنْ نِّفَاسِهَا لَوْ كَانَ حَدُّهَا الْجَلْدُ

اور حاملہ کو حد نہ لگائی جائے جب تک کہ وہ بچہ جن کر نفاس سے فارغ نہ ہولے اگر اس کی حد کوڑے ہوں۔

توضیح اللغۃ: ابٰی: باء انکار کرنا، جلدہ کوڑے لگائے، سوط: کوڑا، درہ، ثمرۃ مراد گرہ، فرو پوستین، حشو روئی بھرا ہوا کپڑا، یحفر گڑھا کھودا جائے۔ نفی جلاوطن کرنا، غرب جلاوطن کیا۔

تشریح الفقہ: قولہ واحصان الرجم الخ سنگسار کرنے کے لئے زانی کا محصن ہونا شرط ہے۔ اگر محصن نہ ہو تو سنگسار نہیں کیا جائیگا۔ اور محصن ہونے کیلئے سات شرطیں ہیں اگر ان میں سے کوئی ایک شرط مفقود ہو تو رجم نہ ہوگا۔ (۱) آزاد ہونا' غلام اور باندی محصن نہیں کیونکہ مملوک بذات خود نکاح صحیح پر قادر نہیں۔ (۲) عاقل ہونا (۳) بالغ ہونا' مجنون اور صغیر عدم اہلیت عقوبت کی وجہ سے محصن نہیں۔ (۴) مسلمان ہونا' کافر محصن نہیں۔ (۵) وطی کا ہونا۔ (۶) بوقت دخول نکاح صحیح کیساتھ جماع کا ہونا جس نے بلاشہود نکاح کیا ہو وہ محصن نہیں اسی طرح جس نے عورت کی طلاق کو اس کے نکاح پر معلق کر کے پھر اسکے ساتھ نکاح کیا ہو وہ بھی محصن نہیں۔ (۷) بوقت وطی زوجین کا اس صفت احصان کیساتھ متصف ہونا' جس شخص نے کتابیہ ذمیہ یا صغیرہ یا مجنونہ سے نکاح کر کے قربت کی ہو وہ محصن نہیں کیونکہ زوجہ عدم اسلام یا عدم تکلیف کیوجہ سے محصنہ نہیں' اسی طرح جس شخص نے عدم احصان کی حالت میں محصنہ عورت سے قربت کی اور بعد میں وہ محصن ہو گیا تو وہ بھی رجم کے حق میں محصن نہیں' شرط۔ (۸) یعنی مسلمان ہونے میں اختلاف ہے امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک احصان کے لئے زانی کا مسلمان ہونا شرط نہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی اور یہودیہ کو سنگسار کیا تھا[۲]۔ ہماری دلیل حضور صلعم کا ارشاد ہے کہ ''جس نے اللہ کے ساتھ شریک کیا وہ محصن نہیں[۳]'' اور امام شافعی کے مستدل کا جواب یہ ہے کہ آپ نے بحکم تورات رجم

۱ غیر ممدود سے مراد یہ ہے کہ زمین پر لٹکا کر نہ ماریں یا کوڑا ابار کر گھسیٹیں کہ زخم کردے یا کوڑا مارتے وقت ہاتھ کو سر پر کھینچیں تا کہ چوٹ سخت نہ لگے ۱۲ احسن

۲) ائمہ ستہ، ابن حبان عن ابن عمر۔ (۳) ابن راہویہ، دارقطنی عن ابن عمر۔

کا حکم فرمایا تھا کیونکہ اس وقت تک آیت رجم نازل نہیں ہوئی تھی اس کے بعد آیت رجم بلا شرط اسلام نازل ہوئی پھر رجم کا حکم بشرط اسلام ہوا (کذا فی الفتح) علاوہ ازیں ہماری دلیل قولی حدیث ہے اور وہ ایک واقعہ جزئیہ ہے والباب الحد۔
فائدہ: صاحب عمدہ نے فاکہانی مالکی سے یہ اشعار نقل کئے ہیں جن میں شروط احصان کو جمع کیا گیا ہے۔

شروط احصان اتت ستة فخذ　　ها عن النص مستفهما
بلوغ وعقل وحرّية　　و رابعها كونه مسلما
وعقد صحيح ووطئ مباح　　متى اختل شرط فلا يرجما

یعنی شروط احصان چھ ہیں ان کو نص سے دریافت کر (۱) بلوغ (۲) عقل (۳) حریت (۴) اسلام (۵) نکاح صحیح (۶) وطی مباح۔ جب ان میں سے کوئی شرط مختل ہو تو رجم نہ ہوگا اس میں ایک شرط یعنی وقت دخول زوجین کا صفت احصان کے ساتھ متصف ہونا متروک ہے وقد جمعها ابن وهبان فقال

شرائط احصان به الرجم قرروا　　بلوغ و عقل و اسلام يحرر
نكاح صحيح والدخول بهابه　　وكل من الزوجين بالوصف ينظر

قوله ولا يجمع الخ اہل ظاہر اور امام احمد کے نزدیک جلد و رجم کے درمیان اور امام شافعی و امام احمد کے نزدیک جلد و نفی کے درمیان جمع کرنا جائز ہے کیونکہ حضور صلعم کا ارشاد ہے کہ کنوارے مرد کو کنواری عورت کیساتھ کوڑے مارنا اور ایک سال جلاوطن کرنا ہے اور شادی شدہ مرد کو شادی شدہ عورت کیساتھ کوڑے مارنا اور سنگسار کرنا[1] ہے۔ لیکن جمہور کے نزدیک جمع مذکور جائز نہیں۔ کیونکہ احادیث کثیرہ سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلعم نے ماعز وغیرہ کو رجم کیا اور کوڑے مارے۔ معلوم ہوا کہ جمع مذکور منسوخ ہے چنانچہ حازمی نے 'الناسخ والمنسوخ' میں ذکر کیا ہے ماعز کی حدیث روایت کرنیوالے حضرت سہل بن سعد' ابن عباس اور متاخر الاسلام صحابہ کی ایک جماعت ہے۔ اور حضرت عبادہ کی حدیث کا حکم ابتدا میں تھا اور دونوں زمانوں کے درمیان ایک طویل مدت ہے۔ منذری نے اپنی مختصر میں بیان کیا ہے کہ جلا و رجم کے درمیان جمع کرنے کی طرف جو حضرات گئے ہیں وہ حضرت علیؓ' ابی بن کعبؓ' ابن مسعود اور حسن بصری ہیں لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ' عمر بن الخطابؓ' زہری' نخعی' ابوحنیفہ' مالک' شافعی اور سفیان سب کا یہی قول ہے کہ شادی شدہ کو سنگسار کیا جائیگا کوڑے نہیں مارے جائیں گے اور دلیل بخاری کی حدیث عسیف ہے جو حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے جس میں صرف رجم کا تذکرہ ہے اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جمع مذکور کا حکم منسوخ ہے۔ کیونکہ حضرت ابو ہریرہ متاخر الاسلام ہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ پہلے آنحضرت صلعم نے اسلئے مارے کہ آپکو اس کے محصن ہونیکا علم نہیں تھا پھر اس کا محصن ہونا معلوم ہوا تو آپ نے سنگسار کیا' ابوداؤد اور نسائی کے الفاظ (فامر به النبي صلعم فجلد ثم اخبر انه كان قد احصن فامر به فرجم) اس کے شاہد عدل ہیں۔ بہرکیف از روئے حد جمع مذکور جائز نہیں ہاں اگر حاکم تعزیراً جلاوطن کرنا مناسب سمجھے تو جمع کر سکتا ہے۔ روایات میں جو حضرت ابوبکر اور حضرت عمرو حضرت عثمان سے جلد و نفی کے درمیان جمع کرنا مروی ہے وہ اسی پر محمول ہے[2]۔

قوله والحامل الخ اگر زانیہ عورت حاملہ ہو تو حد وضع حمل کے بعد جاری ہوگی کیونکہ اس سے قبل بچہ کی ہلاکت کا اندیشہ ہے۔ پھر اگر حد کوڑوں کی ہو تو نفاس سے فراغت موخر ہوگی اور سنگساری ہو تو وضع حمل کے بعد ہی حد قائم کی جائیگی الا یہ کہ کوئی بچہ کی پرورش کرنیوالا نہ ہو کہ اس صورت میں حد اس وقت قائم کی جائیگی جب بچہ روٹی وغیرہ کھانے لگے حدیث غامدیہ سے یہی ثابت ہے[3]۔

---

(۱) مسلم عن عبادہ بن الصامت ۱۲

(۲) ترمذی، نسائی، حاکم، دارقطنی، مالک عن ابی بکر و عمر عبد الرزاق عن ابی بکر، ابن ابی شیبہ عن عثمان ۱۲ (۳)۔ مسلم عن بریدہ و عمران بن حصین ۱۲

باب الوطئ الذی یوجب الحدو الذی لایوجبهٔ

باب اس وطی کے بیان میں جو موجب حد ہے اور وہ جو موجب حد نہیں ہے

لَا حَدَّ بِشُبْهَةِ الْمَحَلِّ وَاِنْ ظَنَّ حُرْمَتَهُ كَوَطْيِ اَمَةِ وَلَدِهٖ وَوَلَدِ وَلَدِهٖ وَمُعْتَدَّةِ الْكِنَايَاتِ وَبِشُبْهَةِ الْفِعْلِ

نہیں ہے حد شبہ محل سے گو اس کی حرمت کا ظن غالب رکھتا ہو جیسے اپنے بیٹے یا پوتے کی باندی یا معتدہ کنایات کے ساتھ وطی کرنا اور حد نہیں شبہ فعل سے

اِنْ ظَنَّ حِلَّهُ كَمُعْتَدَّةِ الثَّلٰثِ وَاَمَةِ اَبَوَيْهِ وَزَوْجَتِهٖ وَسَيِّدِهٖ وَالنَّسَبُ يَثْبُتُ فِي الْاُوْلٰى فَقَطْ

اگر ظن رکھتا ہو اس کی حلت کا جیسے معتدۃ الثلث کیساتھ یا اپنے والدین یا اپنی بیوی یا آقا کی باندی کیساتھ وطی کرنا اور نسب ثابت ہوگا صرف پہلی

وَحُدَّ بِوَطْيِ اَمَةِ اَخِيهِ وَعَمِّهٖ وَاِنْ ظَنَّ حِلَّهُ وَاِمْرَاَةٌ وَجَدَ

صورت میں اور حد لگائی جائیگی اپنے بھائی اور چچا کی باندی کیساتھ وطی کرنے سے گو اس کی حلت کا ظن رکھتا ہو اور اس عورت کیساتھ وطی کرنے سے

عَلٰى فِرَاشِهٖ لَا اَجْنَبِيَّةٍ زُفَّتْ اِلَيْهِ وَقِيْلَ لَهُ هِيَ زَوْجَتُكَ

جس کو پایا ہو اپنے بستر پر نہ کہ اس اجنبیہ کیساتھ وطی کرنے سے جس کو بھیج دیا گیا ہو شب زفاف میں اسکے پاس اور کہہ دیا گیا ہو کہ یہ تیری بیوی ہے

وعَلَيْهِ الْمَهْرُ وَ بِمُحْرَمٍ نَكَحَهَا وَبِاَجْنَبِيَّةٍ فِيْ غَيْرِ الْقُبُلِ وَبِلِوَاطَةٍ

اور اس پر مہر واجب ہے اور اس محرم کیساتھ وطی کرنے سے جس سے نکاح کرلیا اور اجنبیہ کیساتھ وطی کرنے سے پیشاب گاہ کے ماسوا میں اور لواطت سے

وَبِهِيْمَةٍ وَبِالزِّنَا فِيْ دَارِ حَرْبٍ اَوْ بَغْيٍ وَبِزِنَا حَرْبِيٍّ بِذِمِّيَّةٍ فِيْ حَقِّهٖ

اور چوپائے کیساتھ وطی کرنے سے اور زنا کرنے سے دار الحرب میں یا سرکشوں کے یہاں اور حربی کے زنا کرنے سے ذمیہ کیساتھ حربی کے حق میں

وَبِزِنَا صَبِيٍّ اَوْ مَجْنُوْنٍ بِمُكَلَّفَةٍ بِخِلَافِ عَكْسِهٖ وَبِزِنَا بِمُسْتَاجَرَةٍ وَبِاِكْرَاهٍ وَبِاِقْرَارٍ

اور بچہ یا دیوانے کے زنا کرنے سے کسی مکلفہ کیساتھ بخلاف اس کے عکس کے اور زنا سے کرایہ کی عورت کیساتھ اور زبردستی زنا کرنے سے اور اقرار کرنے سے

اِنْ اَنْكَرَهُ الْاٰخَرُ وَمَنْ زَنٰى بِاَمَةٍ فَقَتَلَهَا لَزِمَ الْحَدُّ وَالْقِيْمَةُ وَالْخَلِيْفَةُ يُؤْخَذُ بِالْقِصَاصِ وَبِالْاَمْوَالِ لَا بِالْحَدِّ

جبکہ دوسرا انکار کرتا ہو جس نے زنا کیا باندی کیساتھ اور اسکو مار ڈالا تو لازم ہوگی حد اور قیمت اور خلیفہ سے مواخذہ کیا جائے قصاص کا اور مالوں کا نہ کہ حد کا

تشریح الفقہ : قولہ باب الخ حقیقت زنا اور اس کی حد کا طریقہ بیان کرنیکے بعد اس باب میں موجب حد وطی کی تفصیلات بیان کر رہا ہے۔

فائدہ: ابن حزم وغیرہ اہل ظاہر گو شبہات کی وجہ سے اسقاط حد کے منکر ہیں لیکن احادیث موقوعہ آثار صحابہ اور اتفاق فقہاء سے سقوط حد ثابت ہے اس لئے اس کا انکار قابل التفات نہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ "ادرؤا الحدود ما استطعتم"[1] حدود کو ٹالو جہانتک ہو سکے' روایت ان الفاظ سے بھی مروی ہے 'ادرء وا الحدود بالشبہات'[2] حضرت عمر فرماتے ہیں کہ "اگر میں شبہات کیوجہ سے حدود کو معطل کروں تو یہ میرے نزدیک اس سے بہتر ہے کہ میں ان کو شبہات کے ہوتے ہوئے قائم کروں[3]" حضرت معاذ ابن مسعود اور عقبہ بن عامر فرماتے ہیں کہ جب تجھے حد میں شبہ پڑ جائے تو اس کو ٹال دے[4]"۔

قولہ لاحد بشبہۃ الخ شبہ اس کو کہتے ہیں جو شئی ثابت کے مشابہ ہو اور نفس الامر میں ثابت نہ ہو بالفاظ دیگر شبہ وغیرہ واقعی کو کہتے ہیں جو امر واقعی سے مشابہت رکھتا ہو اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک شبہ فی المحل جس کو شبہ حکمیہ اور شبہ ملک بھی کہتے ہیں' دوسرے شبہ فی الفعل جسکو اشتباہ بھی کہتے ہیں' شبہ فی المحل میں محل سے مراد وہ عورت ہے جس سے وطی کی گئی ہو اور یہ وہاں ہوتا ہے جہاں محل میں بہ رقبہ یا شبہ

(۱) ... ابو یعلی عن ابو ہریرۃ (۲) ... ابو حنیفہ عن ابن عباس، بیہقی عن علی (فی الخلافیات) ۔ (۳) ابن ابی شیبہ ۱۲ (۴) ... ابن ابی شیبہ دار قطنی ۱۲

ملک وطی یعنی جس عورت سے صحبت کی ہے اس میں حلال ہونیکا شبہ ہوا اس کی چند صورتیں ہیں (۱) اپنے لڑکے یا پوتے کی باندی کیساتھ وطی کرنا وجہ شبہ حدیث ہے۔ انت ومالک لابیک[1] اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اولاد کا مال باپ کا مال ہے، پس لڑکے اور پوتے کی باندی کے ساتھ وطی کی حلت کا شبہ پیدا ہوگیا۔ گو بنظر ادلہ شرعیہ واقع میں اس کی حلت ثابت نہیں (۲) معتدہ کنایات کے ساتھ وطی کرنا' وجہ شبہ صحابہ کرام کا اختلاف ہے کہ کنایات سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے یا طلاق بائن بعض صحابہ سے مروی ہے کہ کنایات سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے اور بعض صحابہ سے مروی ہے کہ تین طلاقیں واقع ہوتی ہیں[2] تو اس سلسلہ میں گو مختار یہی ہے کہ طلاق بائن واقع ہوتی ہے[3] تاہم حلت وطی کا شبہ پیدا ہوگیا۔ شبہ محل کی یہ دونوں صورتیں متن میں مذکور ہیں۔ (۳) فروخت کردہ باندی کیساتھ قبل از تسلیم بائع کا وطی کرنا' وجہ شبہ یہ ہے کہ بائع کا جو قبضہ وطی پر مسلط تھا وہ اب بھی باقی ہے (فصارت الشبهة فی المحل) (۴) شوہر کا اپنی باندی کے ساتھ وطی کرنا جس کو اپنی بیوی کے مہر میں مقرر کیا ہوا اور ابھی وہ باندی زوجہ کے قبضہ میں نہیں گئی (والشبهة لقیام ملک الید) (۵) شریکین سے ایک کا مشترکہ باندی کیساتھ نکاح کرنا (والشبهة لقیام الملک فی النصف) (۶) مال غنیمت میں آنیوالی باندی کیساتھ قبل از تقسیم غازی کا وطی کرنا (والشبهة لثبوت حق الغانمین بعد الا ستیلاد) (۷) خرید کردہ باندی کیساتھ قبل الاستبراء وطی کرنا۔ اس میں امام شافعی کا اختلاف ہے۔ (۸) اس بیوی کے ساتھ وطی کرنا جو بوجہ ارتداد شوہر پر حرام ہوگئی ہو چنانچہ مشائخ نے ارتداد زوجہ سے عدم فرقت کا فتوی دیا ہے۔ اسی طرح اور بہت سی صورتیں کتب فقہیہ کے دیکھنے سے معلوم ہوسکتی ہیں یہاں تو صرف یہ بتانا ہے کہ صاحب در اور صاحب ہدایہ وغیرہ نے جو چھ کی تصریح کی ہے اس سے حصر مقصود نہیں۔ بہرکیف شبہ محل کی صورتوں میں حد نہیں اگرچہ زانی حرمت محل کا گمان رکھتا ہو۔ کیونکہ شبہ محل میں اسقاط حد کا مدار دلیل شرعی پر ہے نہ کہ زانی کے اعتقاد پر۔

قوله وبشبهة الفعل الخ دوسری قسم شبہ فعل ہے یعنی صحبت میں حلت کا شبہ ہو اس سے بھی حد ساقط ہو جاتی ہے بشرطیکہ زانی نے حلت وطی کا گمان کیا ہو اس کی بھی چند صورتیں ہیں (۱) تین طلاقوں کی عدت والی عورت سے جماع کرنا۔ مطلقہ ثلث کی حرمت گو قطعی ہے لیکن بعض احکام نکاح یعنی وجوب سکنی' منع خروج اور ثبوت نسب وغیرہ کے باقی رہنے کی وجہ سے حلت کا شبہ پڑسکتا ہے۔ (۲) والدین کی یا اپنی بیوی کی یا اپنے آقا کی باندی سے جماع کرنا۔ اس میں اتصال املاک کیوجہ سے یہ گمان ہوسکتا ہے کہ لڑکے کو اپنے باپ کی باندی پر ولایت ہے۔ جیسے باپ کو بیٹے کی باندی پر ولایت ہے "وعلی هذاالقیاس". (۵) مرتہن کا مرہونہ باندی کیساتھ وطی کرنا بروایت کتاب الحدود (اگر مرتہن یہ کہے کہ میں نے مرہونہ باندی کی حرمت جانتے ہوئے اس سے وطی کی ہے تو اس میں دو روایتیں ہیں۔ ایک کتاب الرہن کی کہ اس پر حد نہیں اس وقت یہ مسئلہ شبہۃ المحل کی فروع سے ہوگا۔ دوسری روایت کتاب الحدود کی ہے کہ اسپر حد واجب ہے۔ (۶) طلاق بعوض مال کی عدت والی یا مختلعہ عورت کیساتھ وطی کرنا وغیرہ ان سب صورتوں میں حد ساقط ہے بشرطیکہ وطی کنندہ اپنے گمان میں حلال جانتا ہو ورنہ حد لازم ہوگی۔

(۱) ابن ماجه، طبرانی، بیهقی (فی دلائل النبوة) عن جابر، ابن حبان عن عائشه، بزار، طبرانی عن سمرة بن جندب بزار، ابن عدی عن عمر، طبرانی ابن عدی عن ابن مسعود، ابویعلی، بزار عن ابن عمر ۱۲

(۲) ..... عبد الرزاق عن عمرو ابن مسعود، عبدالرزاق عن زید بن ثابت، جابر بن عبدالله وابن عباس وعمر، شافعی، مالک، عن زید بن ثابت، عبدالرزاق، مالک، شافعی عن ابن عمر ۱۲۔

(۳) ..... مالک، شافعی عبدالرزاق عن ابن عمر، ابن ابی شیبه، مالک، محمد بن الحسن، دارقطنی عن علی، ترمذی عن ابی هریرة.

باب الشهادة على الزنا والرجوع عنها

باب زنا پر گواہی دینے اور اس سے رجوع کرنیکے بیان میں

شَهِدُوْا بِحَدٍّ مُتَقَادِمٍ سِوٰى حَدِّ الْقَذْفِ لَمْ يُحَدَّ وَضَمِنَ السَّرِقَةَ وَلَوْ اَثْبَتُوْا زِنَاهُ بِغَائِبَةٍ حُدَّ

گواہی دی کسی پرانی موجب حد بات پر حد قذف کے علاوہ تو حد نہ لگائی جائے گی اور تاوان دیگا مال کا اور اگر ثابت کیا اس کا زنا کسی غائبہ کیساتھ تو حد

بِخِلَافِ السَّرِقَةِ وَلَوْ اَقَرَّ بِالزِّنَا بِمَجْهُوْلَةٍ حُدَّ وَاِنْ شَهِدُوْا بِذٰلِكَ لَا

لگائی جائیگی بخلاف چوری کے اور اگر اقرار کیا نامعلوم عورت کیساتھ زنا کرنے کا تو حد لگائی جائیگی اور اگر گواہوں نے اس کی گواہی دی تو نہیں

كَاخْتِلَافِهِمْ فِيْ طَوْعِهَا اَوْ فِي الْبَلَدِ وَلَوْ كَانَ عَلٰى كُلِّ زِنَا اَرْبَعَةٌ وَلَوِ اخْتَلَفُوْا فِيْ بَيْتٍ وَاحِدٍ

جیسے گواہوں کا اختلاف کرنا بخوشی زنا ہونے میں اور شہر میں گو ہر زنا پر چار گواہ ہوں اور اگر ایک ہی کوٹھری کے بارے میں اختلاف کریں

حُدَّ الرَّجُلُ وَالْمَرْاَةُ وَلَوْ شَهِدُوْا عَلٰى زِنَا اِمْرَاَةٍ وَهِيَ بِكْرٌ اَوِ الشُّهُوْدُ فَسَقَةٌ اَوْ شَهِدُوْا عَلٰى شَهَادَةِ اَرْبَعَةٍ

تو مرد و عورت دونوں کو حد لگائی جائیگی اور اگر گواہی دی کسی عورت کے زنا پر حالانکہ وہ باکرہ ہے یا گواہ فاسق ہیں یا چار گواہوں کی شہادت پر گواہی دی

وَاِنْ شَهِدَ الْاُصُوْلُ اَيْضًا لَمْ يُحَدَّ[1] اَحَدٌ وَلَوْ كَانُوْا عُمْيَانًا اَوْ مَحْدُوْدِيْنَ اَوْ ثَلٰثَةً حُدَّ الشُّهُوْدُ لَا الْمَشْهُوْدُ عَلَيْهِ

اگرچہ وہ اصل شاہد بھی گواہی دیں تو کسی کو حد نہیں لگائی جائیگی اور اگر گواہ نابینا یا محدود یا تین ہوں تو گواہوں کو حد لگائی جائیگی نہ کہ مشہود علیہا کو

وَلَوْ حُدَّ فَوُجِدَ اَحَدُهُمْ عَبْدًا اَوْ مَحْدُوْدًا حُدُّوْا

اور اگر حد لگادی گئی پھر گواہوں میں سے کوئی غلام یا محدود نکلا تو سب کو حد لگائی جائیگی

وَاَرْشُ[2] ضَرْبِهٖ هَدَرٌ وَاِنْ رُجِمَ فَدِيَتُهٗ عَلٰى بَيْتِ الْمَالِ

اور اس کی ضرب کا تاوان معاف ہے اور اگر سنگسار کردیا گیا تو اس کی دیت بیت المال سے دیجائیگی۔

توضیح اللغۃ: متقادم گذشتہ، پرانی بات، سرقہ چوری، طوع رضامندی، فسقہ، جمع فاسق، عمیان جمع اعمٰی نابینا، ارش تاوان مراد وہ صرفہ جو دو اوادارو میں خرچ ہوا ہو۔ ھدر معاف ہے۔ دیۃ خونبہا۔

تشریح الفقہ: قولہ شھدوا الخ شاہدوں نے ایک پرانی بات پر گواہی دی جو موجب حد تھی۔ تو ان کی شہادت مسترد ہوگی اور حد قائم نہ ہوگی۔ کیونکہ یہاں تہمت کا امکان ہے۔ اسواسطے کہ شاہد حدود کو دو چیزوں میں اختیار ہے۔ ایک ادائے شہادت میں دوسرے پردہ پوشی میں۔ تو اتنی تاخیر یا تو پردہ پوشی کی وجہ سے تھی یا کسی اور وجہ سے۔ اگر پردہ پوشی کی وجہ سے تھی تو اب گواہی دینا کینہ اور عداوت پر دال ہے۔ اور اگر پردہ پوشی کی وجہ سے نہیں تھی تو تاخیر کی وجہ سے فاسق ہوا اور فاسق کی شہادت مقبول نہیں۔ لیکن حد قذف اس سے مستثنیٰ ہے کہ اس میں تقادم کے بعد بھی گواہی مقبول ہے کیونکہ یہ حقوق العباد میں سے ہے۔

اور اس میں دعوی کرنا شرط ہے پس شہادت دینے میں گواہوں کا تاخیر کرنا انعدام دعوی پر محمول ہوگا یعنی یہ سمجھا جائیگا کہ گواہوں نے اس لئے تاخیر کی کہ صاحب حق کی طرف سے دعوی نہیں تھا۔ پھر اگر گواہوں نے ایک مدت کے بعد سرقہ پر گواہی دی تو گو سارق پر حد

---

۱ اما فی المسئلۃ الاولی فلان الزنی لا تحقیق مع بقاء البکارۃ واما فی الثانیۃ فلاشتراط العدالۃ ولم توجد واما فی الثالثۃ فلان الشہادۃ علی الشہادۃ لا تجوز فی الحدود ۱۲

۲ ہو اجرۃ الطبیب وثمن الادویۃ اوان یقوم المجلود عبدا سلیما عن ہذا الاثر ویقوم وبہ ہذا الاثر وینظر ما نقص بہ عن القیمۃ فیؤخذ من الدیۃ مثلہ ۱۲ الطحاوی

۳ لانہ حصل بقضاء القاضی وخطاءہ فی بیت المال ۱۲ مجمع الانہر

واجب نہ ہوگی لیکن اسباب مسروقہ کا تاوان ضرور لیا جائیگا۔ لان تاخیر الشاھد لتاخیر الدعوی لایلزم تفسیقہ۔

قولہ ولو اثبتوا الخ گواہوں نے زید کا ایسی عورت کیساتھ زنا کرنا ثابت کیا جو غائب ہے۔ (اور شاہد اس کو پہچانتے ہیں۔) تو بالاتفاق زید پر حد زنا قائم کی جائیگی۔ اور اگر کسی غائب کے مال کی چوری پر گواہی دی تو گواہی مقبول نہ ہوگی۔ دونوں مسئلوں میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ سرقہ میں دعویٰ کرنا شرط ہے اور جب مسروق منہ غائب ہو۔ تو دعویٰ معدوم ہوا لہٰذا شہادت مقبول نہ ہوگی بخلاف زنا کے کہ اس میں دعویٰ شرط نہیں ہے۔

قولہ وان اقر الخ وان اقر سے اربعۃ تک چار مسئلے ہیں جن میں سے صرف ایک میں حد واجب ہے تین میں واجب نہیں۔ (۱) ایک شخص نے اپنے متعلق زنا کا اقرار کیا لیکن وہ مزنیہ عورت سے ناواقف ہے تو اس صورت میں حد واجب ہے۔ کیونکہ اس کے اقرار سے یہ تو معلوم ہو گیا کہ موطوئۃ اس کی بیوی یا اس کی باندی نہیں تھی ورنہ اس سے ناواقف ہونے کے کوئی معنی ہی نہیں۔ (۲) شاہدوں نے ایک شخص کے متعلق زنا پر گواہی دی لیکن وہ مزنیہ کو نہیں جانتے تو حد لازم نہ ہوگی کیونکہ یہاں اس بات کا احتمال ہے کہ وہ عورت اس کی بیوی یا اس کی باندی ہو اور گواہ اس کو نہ پہچانتے ہوں۔ (۳) دو گواہوں نے گواہی دی کہ فلاں شخص نے فلاں عورت کے ساتھ اس کی رضا مندی سے زنا کیا ہے اور دو نے گواہی دی کہ زبردستی زنا کیا ہے تو امام صاحب کے نزدیک دونوں پر حد نہیں نہ مرد پر نہ عورت پر کیونکہ یہاں دو مختلف زنا ہیں جن پر گواہی دی جا رہی ہے ایک زنا بالرضا دوسرے زنا بالجبر اور دونوں کے گواہ ناقص ہیں۔ البتہ صاحبین کے نزدیک مرد پر حد لازم ہے۔ (۴) شاہدوں نے زنا پر گواہی دی اور موضع زنا میں اختلاف ہوا تو اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ دو گواہوں نے شہادت دی کہ زنا کوفہ میں ہوا ہے اور دوسرے گواہوں نے شہادت کہ بصرہ میں ہوا ہے تو مرد اور عورت دونوں پر حد نہیں کیونکہ اختلاف مکان کی وجہ سے فعل زنا مختلف ہوا اور دونوں کے گواہ ناقص ہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ چار گواہوں نے شہادت دی کہ زنا پیر کے روز کوفہ میں دس بجے ہوا اور دوسرے چار گواہوں نے شہادت دی کہ پیر کے روز دس بجے بصرہ میں ہوا ہے تو دونوں پر حد نہیں ہے کیونکہ شخص واحد کا ایک ہی ساعت میں دو مختلف و متباعد جگہوں میں ایسا کرنا محال ہے۔

قولہ ولو اختلفوا الخ دو گواہوں نے شہادت دی کہ زید نے گھر کے فلاں گوشہ میں زنا کیا ہے۔ اور دو گواہوں نے شہادت دی کہ گھر کے فلاں گوشہ میں زنا کیا ہے درآنحالیکہ گھر چھوٹا سا ہے تو دونوں پر حد قائم کی جائیگی مگر استحساناً کیونکہ رفع اختلاف ممکن ہے بایں طور کہ ابتدا ایک گوشہ میں ہوئی ہو اور انتہا دوسرے گوشہ میں۔

قولہ ولو کانوا الخ چار گواہوں نے زنا کی شہادت دی لیکن چاروں نابینا یا محدود فی القذف تھے تو مشہود علیہ یعنی مرد اور عورت پر حد نہیں بلکہ ان گواہوں پر حد قذف جاری کی جائیگی۔ اسواسطے کہ جب ان کی شہادت سے مال ثابت نہیں ہوتا جو صرف شبہ سے بھی ثابت ہو جاتا ہے تو حد زنا جو ذرا سے شبہ سے بھی ساقط ہو جاتی ہے بطریق اولیٰ ثابت نہ ہوگی مطلب یہ ہے کہ وہ شہادت کے اہل نہیں۔ نیز اگر گواہ تین ہوں تب بھی یہی حکم ہے کیونکہ شہادت کا نصاب پورا نہیں، چنانچہ ابوبکرہ، شبل بن معبد اور نافع بن الازرق نے حضرت مغیرہ بن شعبہ کے متعلق شہادت دی تو حضرت عمر نے تینوں پر حد جاری کی تھی۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

فَلَوْ رَجَعَ اَحَدُ الْاَرْبَعَةِ بَعْدَ الرَّجْمِ وَغُرِمَ رُبْعَ الدِّيَةِ وَقَبْلَهٗ حُدُّوْا

اور اگر رجوع کر لیا چار گواہوں میں سے ایک نے رجم کے بعد تو حد لگائی جائیگی اور چوتھائی دیت کا تاوان دیگا اور اگر رجم سے قبل رجوع کرے تو

وَلَا رَجْمَ وَلَوْ رَجَعَ اَحَدُ الْخَمْسَةِ لَا شَيْءَ عَلَيْهِ فَاِنْ رَجَعَ اٰخَرُ حُدَّا

سب کو حد لگائی جائیگی اور رجم ثابت نہ ہوگا اور اگر رجوع کیا پانچ میں سے ایک نے تو اس پر کچھ نہیں ہاں اگر ایک اور رجوع کر لے تو دونوں کو حد لگائی جائیگی

وَغَرِمَا رُبُعَ دِيَةِ الْمَرْجُوْمِ وَضَمِنَ الْمُزَكِّيْ[1] دِيَةَ الْمَرْجُوْمِ اِنْ ظَهَرُوْا عَبِيْدًا كَمَا لَوْ قُتِلَ مَنْ اُمِرَ بِرَجْمِهٖ
اور چوتھائی دیت کا تاوان دینگے اور ضامن ہوں گے مزکی سنگسار شدہ کی دیت کے اگر وہ غلام نکلے جیسے کوئی قتل کر دے اس کو جس کے رجم کا حکم کیا گیا
فَظَهَرُوْا كَذٰلِكَ وَاِنْ رُجِمَ فَوُجِدُوْا عَبِيْدًا فَدِيَتُهٗ فِيْ بَيْتِ الْمَالِ وَلَوْ قَالَ شُهُوْدُ الزِّنَا تَعَمَّدْنَا النَّظَرَ
تھا پھر وہ غلام نکلے اور اگر رجم کر دیا گیا پھر گواہ غلام نکلے تو اس کی دیت بیت المال میں ہوگی اگر زنا کے گواہوں نے کہا کہ ہم نے قصداً دیکھا تھا
قُبِلَتْ شَهَادَتُهُمْ وَلَوْ اَنْكَرَ الْاِحْصَانَ فَشَهِدَ عَلَيْهِ رَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ اَوْ وَلَدَتْ زَوْجَتُهٗ مِنْهُ رُجِمَ
تو ان کی شہادت مقبول ہوگی اور اگر زانی انکار کرے اپنے محصن ہونے کا اور ایک مرد اور دو عورتیں اس کے محصن ہونے پر گواہی دیں
یا اس کی بیوی کے بچہ ہو اس سے تو رجم کیا جائیگا

تشریح الفقہ: قولہ رجع احد الاربعۃ الخ چار گواہوں کی شہادت سے مشہود علیہ کو سنگسار کر دیا گیا اس کے بعد ان میں سے ایک نے شہادت سے رجوع کر لیا تو رجوع کرنیوالے پر حد قذف جاری کیجائیگی کیونکہ اس کی شہادت منقلب بقذف ہوگئی اور اس پر ربع دیت کا تاوان بھی واجب ہوگا۔ کیونکہ اتلاف نفس ان کی شہادت کیوجہ سے ہوا ہے۔ اور جب اس نے رجوع کر کے اقرار کر لیا کہ اتلاف نفس بلا حق ہوا ہے تو اس کے حساب سے دیت کا تاوان واجب ہوگا۔

قولہ ولو رجع احد الخمسۃ الخ پانچ گواہوں کی شہادت سے مشہود علیہ کو سنگسار کیا گیا اس کے بعد پانچ میں سے ایک نے رجوع کر لیا تو رجوع کرنیوالے پر نہ حد ہے نہ تاوان کیونکہ شہادت کا کامل نصاب باقی ہے۔ اور اعتبار باقی رہنے والے گواہوں کا ہے۔ نہ کہ رجوع کرنیوالوں کا۔ لیکن اگر پانچوں کیساتھ ایک اور رجوع کر لے تو دونوں پر حد بھی لازم ہوگی اور ربع دیت کا تاوان بھی دینگے۔

قولہ وضمن المزکون الخ قبول شہادت کیلئے شاہدوں کی عدالت کے ثبوت کی ضرورت تھی کچھ لوگوں نے ان کے متعلق بیان کیا کہ یہ اہل شہادت ہیں یعنی آزاد ہیں مسلمان ہیں پس ان کی شہادت کیوجہ سے مشہود علیہ کو سنگسار کر دیا گیا اس کے بعد معلوم ہوا کہ گواہ غلام تھے یا کافر تھے اور جنہوں نے یہ خبر دی تھی کہ گواہ عادل ہیں انہوں نے بھی رجوع کر لیا اور کہہ دیا کہ ہم ان کو جانتے تھے لیکن ہم نے قصداً جھوٹ بولا تھا تو یہ تزکیہ کرنیوالے مرحوم کی دیت کے ضامن ہونگے۔ اسی طرح اگر قاضی نے تعدیل شہود کے بعد ایک شخص کو سنگسار کر دینے کا حکم دیا تھا کسی نے اس کو رجم کے بجائے قتل کر دیا۔ بعد میں ظاہر ہوا کہ جن گواہوں کی شہادت سے رجم کا حکم کیا گیا تھا وہ شہادت کے اہل نہ تھے۔ تو قاتل پر مقتول کی دیت کا ضمان لازم ہے۔ اور اگر اس شخص کو سنگسار کر دیا گیا جس پر رجم کا حکم ہوا تھا پھر گواہ غلام نکلے تو مرجوم کی دیت بیت المال سے ادا ہوگی۔

بَابُ حَدِّ الشُّرْبِ
باب شراب نوشی کی حد کے بیان میں

مَنْ شَرِبَ خَمْرًا فَاُخِذَ وَرِيْحُهَا مَوْجُوْدٌ اَوْ كَانَ سَكْرَانًا وَلَوْ بِنَبِيْذِ التَّمْرِ وَشَهِدَ رَجُلَانِ
کسی نے شراب پی پس اس کو گرفتار کر لیا گیا اس حال میں کہ اس کی بو موجود تھی یا وہ مست تھا گو نبیذ ہی سے ہو اور دو آدمیوں نے گواہی دی
اَوْ اَقَرَّ مَرَّةً حُدَّ اِنْ عُلِمَ شُرْبُهٗ طَوْعًا وَصَحَا وَاِنْ اَقَرَّ اَوْ شَهِدَا بَعْدَ مُضِيِّ رِيْحِهَا لَا لِبُعْدِ الْمَسَافَةِ
یا اس نے ایک بار اقرار کیا تو حد لگائی جائیگی اگر اس کا بخوشی پینا معلوم ہو اور افاقہ میں ہو اور اگر اقرار کیا یا گواہی دی بو ختم ہونے کے بعد بلا دوری فاصلہ

[1] مزکی اس کو کہتے ہیں جو گواہوں کا حال ٹھیک ٹھیک بتائے کہ وہ قابل شہادت ہیں ۱۲

اَوْ وُجِدَ مِنْهُ رَائِحَةُ الْخَمْرِ اَوْ تَقَيَّاهَا اَوْ رَجَعَ عَمَّا اَقَرَّ اَوْ اَقَرَّ سُكْرَانُ بِاَنْ زَالَ عَقْلُهُ

یا پائی گئی اس سے شراب کی بو یا اس نے قئے کردی یا اقرار سے رجوع کرلیا یا مستی میں اقرار کیا بایں طور کہ اس کی عقل زائل ہو چکی تھی تو حد نہ لگائی جائیگی

لاَ وَحدُّ السُّكْرِ وَالْخَمْرِ وَلَوْشَرِبَ قَطْرَةً ثَمَانُوْنَ سَوْطًا وَلِلْعَبْدِ نِصْفُهُ فُرِّقَ عَلٰى بَدَنِهٖ كَحَدِّ الزِّنَا

اور مستی اور شراب نوشی کی حد گوایک ہی قطرہ پئے اسی کوڑے ہیں اور غلام کیلئے اس کا آدھا ہے اور حد زنا کی طرح یہ بھی بدن کے متفرق حصہ پر لگائی جائے گی

تشریح الفقہ :قولہ حدالشرب الخ وجوب حد شرب کے لئے پانچ شرطیں ہیں (۱) منہ میں شراب کی بو کا موجود ہونا (اگر شراب پی ہو (۲) مستی کا ہونا (اگر شراب کے علاوہ کوئی اور نشہ آور چیز پی ہو) (۳) دو مردوں کی شہادت کا ہونا یا شارب کا اقرار کرنا (۴) بخوشی پینا (۵) نشہ کا اتر جانا۔

قولہ من شرب الخ جس شخص نے شراب پی اور اس حالت میں گرفتار ہوا کہ شراب کی بو اس کے منہ میں موجود تھی یا شراب کے علاوہ کسی دوسری نشہ آور چیز کے پینے سے مست ہو۔ اگر چہ وہ نبیذ پینے سے ہو۔ اور دو مرد شراب پینے کی گواہی دیں یا وہ خود اقرار کرلے تو اس کے حد شرب لگائی جائیگی۔ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ اس نے اپنی خواہش سے شراب پی ہے۔

قولہ سکران الخ وجوب حد کے حق میں سکران کی تفسیر امام صاحب نے نزدیک یہ ہے کہ عورت کو مرد سے زمین کو آسمان سے امتیاز نہ کر سکے۔ کیونکہ حد ایک عقوبت ہے لہٰذا اس میں انتہائی سبب کا اعتبار ہوگا۔ "**لاتقربو الصلوة وانتم سکاریٰ حتی تعلموا ماتقولون**" اسی کا مؤید ہے اور حق حرمت میں اس کا اعتبار ہے کہ اس کا اکثر کلام بیہودہ ہو۔ صاحبین، امام مالک، امام شافعی کے نزدیک دونوں کے حق میں سکران کی تفسیر۔۔۔۔ وہی ہے جو امام صاحب کے یہاں حق حرمت میں ہے "**قال فی المبسوط والیه مال اکثر المشائخ وعلیه الفتوی**"۔

قولہ وحد السکر الخ حد شرب خمر میں کوڑوں کا ثبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے ہے۔ "**من شرب الخمر فاجلدوہ فان عاد فاجلدوہ**"[۱] البتہ کوڑوں کی مقدار میں اختلاف ہے۔ امام شافعی کے نزدیک چالیس کوڑے ہیں لیکن بقول اصح امام کو اسی کوڑے مارنا بھی جائز ہے۔ اگر اس کو مصلحت معلوم ہو اور امام صاحب کے نزدیک اس کی مقدار اسی کوڑے ہیں یہی امام مالک کا قول ہے اور یہی ایک روایت امام احمد سے ہے کیونکہ حضرت عمرؓ کی خلافت میں صحابہ کے مشورہ سے یہی طے ہوا تھا اسی پر صحابہ کا اجماع ہے۔[۱]

(۲)۔۔۔۔ ابن ابی شیبہ عن علی و ابن عباس بخاری عن، السائب، مسلم عن انس، حاکم دار قطنی عن ابن عباس، عبدالرزاق عن عمر ۱۲

(۱) اصحاب السنن غیر الترمذی، ابن حبان، حاکم، عبدالرزاق، احمد عن ابی ہریرہ، ائمہ ستہ و نسائی فی سننہ الکبریٰ، ابن حبان، حاکم عن معاویہ، نسائی، حاکم عن ابن عمر، ابوداؤد عن قبیصہ، نسائی (فی سننہ الکبری) بزار عن جابر، ابن حبان عن الخدری، حاکم، عبدالرزاق احمد، ابن راہویہ، طبرانی عن عبداللہ بن عمرو، حاکم، طبرانی عن جریر و شرحبیل بن اوس، بزار طبرانی عن غطیف بن عیاض، حاکم عن الشرید بن سوید (بالفاظ مختلفہ)۔

بَابُ حَدِّ الْقَذْفِ

باب تہمت زنا کی حد کے بیان میں

وَهُوَ كَحَدِّ الشُّرْبِ كَمِّيَّةً وَ ثُبُوْتًا فَلَوْ قَذَفَ مُحْصِنًا اَوْ مُحْصِنَةً بِزِنًا حُدَّ بِطَلَبِهٖ مُفَرَّقًا

وہ حد شرب کی طرح ہے مقدار میں بھی اور ثبوت میں بھی سو اگر تہمت لگائی محصن یا محصنہ کو زنا کی تو حد لگائی جائیگی اس کے طلب کرنے سے

وَلاَ يُنْزَعُ غَيْرُ الْفَرْوِ وَالْحَشْوِ وَاِحْصَانُهٗ بِكَوْنِهٖ مُكَلَّفًا حُرًّا مُسْلِمًا عَفِيْفًا عَنِ الزِّنَا فَلَوْ قَالَ لِغَيْرِهٖ

اور نہ نکالا جائیگا اس سے پوستین اور روئی دار کے علاوہ اور اس کا محصن ہونا عاقل بالغ آزاد مسلمان اور زنا سے پاکدامن ہونا ہے پس اگر کسی سے کہا

لَسْتَ لِاَبِيْكَ اَوْ لَسْتَ بِابْنِ فُلاَنٍ فِيْ غَضَبٍ حُدَّ وَفِيْ غَيْرِهٖ لاَ كَنَفْيِهٖ عَنْ جَدِّهٖ

تو اپنے باپ کا نہیں یا تو فلاں کا بیٹا نہیں غصہ کی حالت میں تو حد لگائی جائے گی اور بغیر غصہ کے نہیں جیسے نفی کرنا اس کی اس کے دادا سے

وَقَوْلِهٖ لِعَرَبِيٍّ يَا نَبَطِيُّ وَيَا ابْنَ مَآءِ السَّمَآءِ وَنِسْبَتِهٖ اِلٰى عَمِّهٖ اَوْ خَالِهٖ اَوْ رَابِّهٖ وَلَوْ قَالَ

اور جیسے کسی عربی سے کہنا اے نبطی اور اے آسمان کے پانی کے بیٹے اور جیسے اس کے چچا یا ماموں یا پرورش کنندہ کی طرف منسوب کرنا اگر کہا

يَا ابْنَ الزَّانِيَةِ وَاُمُّهٗ مَيِّتٌ فَطَلَبَ الْوَالِدُ اَوْ وَلَدُهٗ حُدَّ وَلاَ يَطْلُبُ وَلَدٌ وَعَبْدٌ

کہ اے زانیہ کے بیٹے حالانکہ اس کی ماں مردہ ہے پس مطالبہ کیا والد نے یا بیٹے نے یا پوتے نے تو حد لگائی جائیگی اور نہیں مطالبہ کر سکتا بیٹا یا غلام

اَبَاهُ وَسَيِّدَهٗ بِقَذْفِ اُمِّهٖ وَيَبْطُلُ بِمَوْتِ الْمَقْذُوْفِ لاَ بِالرُّجُوْعِ وَالْعَفْوِ

اپنے باپ اور آقا سے اپنی ماں پر تہمت لگانے کے باعث اور حد باطل ہو جاتی ہے مقذوف کے مرجانے سے نہ کہ رجوع اور معاف کرنے سے

وَلَوْ قَالَ زَنَأْتَ فِي الْجَبَلِ وَعَنٰى الصُّعُوْدَ حُدَّ وَلَوْ قَالَ يَازَانِيْ وَعَكَسَ حُدَّا وَلَوْ قَالَ لِامْرَاَتِهٖ يَازَانِيَةُ

اگر کہا زنأت فی الجبل تو حد لگائی جائے گی اور اگر کہا اے زانی دوسرے نے بھی یہی کہا تو دونوں کو حد لگائی جائیگی اگر بیوی سے کہا اے زانیہ بیوی نے

وَعَكَسَتْ حُدَّتْ وَ لاَ لِعَانَ وَلَوْ قَالَتْ زَنَيْتُ بِكَ بَطَلاَ

اس کو کہا زانی تو ہے تو عورت کو حد لگائی جائیگی اور لعان نہ ہوگا اور اگر یہ کہا کہ میں نے تیرے ساتھ زنا کیا ہے تو دونوں باطل ہو جائینگی

وَاِنْ اَقَرَّ بِوَلَدٍ ثُمَّ نَفَاهُ يُلاَعِنُ وَاِنْ عَكَسَ حُدَّ وَالْوَلَدُ لَهٗ فِيْهِمَا وَلَوْقَالَ لَيْسَ بِابْنِيْ وَلاَبِابْنِكَ

اگر بچہ کا اقرار کر کے نفی کردے تو لعان کرے اور اس کا عکس کرے تو حد لگائی جائے بچہ دونوں صورتوں میں اسی کا ہوگا اگر کہا یہ نہ میرا بیٹا ہے نہ تیرا

بَطَلاَ وَمَنْ قَذَفَ اِمْرَاَةً وَلَمْ يُدْرَ اَبُوْ وَلَدِهَا اَوْ لاَعَنَتْ بِوَلَدٍ اَوْ رَجُلاً

تو دونوں باطل ہو جائینگے جس نے تہمت لگائی ایسی عورت کو جس کے بچہ کا باپ معلوم نہیں یا بواسطہ ولد لعان کر چکی یا ایسے شخص کو تہمت لگائی جس نے

وَطِئَ فِيْ غَيْرِ مِلْكِهٖ اَوْ اَمَةً مُشْتَرَكَةً اَوْ مُسْلِمًا زَنٰى فِيْ حَالِ كُفْرِهٖ اَوْ مُكَاتَبًا

غیر ملک میں وطی کی تھی یا مشترک باندی سے وطی کی یا ایسے مسلمان کو تہمت لگائی جس نے کفر کی حالت میں زنا کیا تھا یا ایسے مکاتب کو تہمت لگائی

مَاتَ عَنْ وَفَآءٍ لاَيُحَدُّ وَحُدَّ قَاذِفُ وَطِئِ اَمَةٍ مَجُوْسِيَّةٍ وَحَآئِضٍ وَمُكَاتَبَةٍ

جو بدل کتابت چھوڑ کر مرگیا تو حد نہیں لگائی جائیگی حد لگائی جائیگی آتش پرست باندی حائضہ اور مکاتبہ کیساتھ وطی کرنیوالے کے تہمت لگانے والے کو

وَمُسْلِمٍ نَكَحَ اُمَّهٗ فِيْ كُفْرِهٖ وَمُسْتَامَنٌ

اور اس مسلمان پر تہمت لگانے والے کو جس نے کفر کی حالت میں اپنی ماں سے نکاح کیا ہو حد لگائی جائیگی اس مستامن کو جس نے تہمت لگائی ہو

قَذَفَ مُسْلِمًا وَمَنْ قَذَفَ اَوْ زَنٰی اَوْ شَرِبَ مِرَارًا فَحُدَّ فَهُوَ لِكُلِّهٖ

مسلمان پر جس نے تہمت لگائی یا زنا کیا یا شراب پی چند بار پھر حد لگادی گئی تو یہ حد کل امور کی طرف سے ہوگی۔

تشریح الفقہ : قولہ القذف الخ کے لغوی معنی پتھر پھینکنا ہے اور شرعاً زنا کی تہمت لگانا' قذف باجماع ائمہ کبار میں سے ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "سات مہلک گناہوں سے بچو" (ان میں سے ایک زنا کی تہمت لگانا ہے) البتہ شیخ حلیمی شافعی کے نزدیک غیر محصنہ یعنی صغیرہ یا مملوکہ یا بے حیا آزاد عورت کو تہمت لگانا گناہ کبیرہ نہیں صغیرہ ہے۔ (کذا فی النہر) مگر یہ صحیح نہیں کیونکہ فقہاء نے جو احصان کی شرط لگائی ہے وہ وجوب حد کے لئے ہے نہ کہ کبیرہ ہونے کے لئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص ذمی کو تہمت لگائیگا اس پر قیامت کے روز آگ کے کوڑے پڑیں گے۔

تنبیہ : صاحب بحر نے بحوالہ جمع الجوامع شوافع کی طرف منسوب کیا ہے کہ ان کے یہاں خلوت میں زنا کی تہمت لگانا صغیرہ ہے۔ مگر یہ انتساب صحیح نہیں۔ اولاً اس لئے کے قذف کا گناہ صغیرہ ہونا صرف حلیمی کے نزدیک ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا ثانیاً اس لئے کہ جمع الجوامع میں ابن عبدالسلام کی یہ عبارت منقول ہے "الظاهر ان قذف المحصن فی خلوة لیس بكبيرة موجبة للحد" اور اس سے صغیرہ ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ کلام جب چند قیود کیساتھ مقید ہو تو صرف آخری قید کی نفی مقصود ہوتی ہے پس موجب حد ہونیکی نفی ہوئی نہ کہ کبیرہ ہونیکی۔ "کذاقال المحشی اللقانی" اس تقریر سے صاحب بحر کا یہ کہنا بھی غلط ہوا کہ "قواعدنا لاتاباه" ای لماقاله ابن عبدالسلام۔

قولہ یاابن ماء السماء الخ یا ابن ماء السماء کہنے پر حد قذف نہیں۔ کیونکہ اس سے جود وسخا' حسن وصفا کی تشبیہ مراد ہوتی ہے چنانچہ ابو مزیقیا عامر بن حارثہ کا لقب ماء السماء تھا اس واسطے کہ قحط سالی کے زمانہ میں اپنا مال بارش کی طرح بہاتا تھا۔ اسی طرح ام المنذر حسن وجمال کیوجہ سے ملقب بماء السماء تھی اور نعمان بن المنذر کا لقب بھی کثرت سخاوت کی وجہ سے ابن ماء السماء تھا۔

(غایۃ البیان)

قولہ ولوقال زنات الخ ایک شخص نے کسی سے کہا زنأت فی الجبل اور پہاڑ پر چڑھنا مراد لیا تو شیخین کے نزدیک اس کو حد لگائی جائیگی۔ امام محمد اور امام شافعی کے نزدیک حد نہیں لگائی جائیگی کیونکہ زنات مہموز کے حقیقی معنی چڑھنے کے ہیں قالت امراة من العرب

اشبه ابا ملك اواشبه جمل ، ولا تكونن كهلوف وكل

لصبح فی مضجعه قد انجدل وارق الی الخيرات زناء فی الجبل

شیخین یہ فرماتے ہیں زناء مہموز فاحشہ اور بدکاری میں مستعمل ہے اور غیظ وغضب کی حالت میں یہی معنی متعین ہیں۔

قولہ وعکست الخ شوہر نے بیوی سے کہا کہ یازانیہ' بیوی نے کہا لا بل انت یعنی میں زانیہ نہیں بلکہ تو زانی ہے تو عورت پر حد قائم ہوگی اور لعان نہ ہوگا کیونکہ حد زوجہ اور سقوط لعان کا قاعدہ یہ ہے کہ جب دو حدیں جمع ہوں اور ایک حد کے مقدم کرنے میں دوسرے حد کا اسقاط ہو تو حد ٹالنے کی غرض سے مسقط حد کی تقدیم ضروری ہے پس عورت پر حد قائم کی جائیگی تاکہ وہ لعان کے لائق نہ رہے کیونکہ محدود فی القذف لعان کا اہل نہیں ہوتا بخلاف لعان کے کہ اس کی تقدیم سے حد باطل نہیں ہوتی۔ سوال قاعدہ مذکورہ تو اس صورت میں ہوا کہ جب دو حدیں جمع ہوں اور لعان حد نہیں ہے۔ جواب لعان کی مشروعیت بھی انزجار کیلئے ہے پس لعان حد ہی کے معنی میں ہے۔

قولہ ولو قال زنیت بک الخ شوہر نے بیوی سے کہا کہ یازانیہ بیوی نے جواب دیا کہ میں نے تجھ سے زنا کیا ہے۔ تو شک کیوجہ سے حد اور لعان دونوں ساقط ہو جائیں گے کیونکہ عورت کی مراد میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ وہ زنا مراد ہو جو قبل از نکاح ہے دوسرے وہ زنا جو نکاح کے بعد ہو یعنی اس نے نکاح کے جماع کو زنا سے تعبیر کیا ہو پہلی صورت میں حد واجب ہوئی نہ کہ لعان کیونکہ بیوی نے شوہر کی

تصدیق کی اور شوہر نے اس کی تصدیق نہیں کی۔ اور دوسری صورت میں لعان واجب ہوا نہ کہ حد کیونکہ قذف مرد کی جانب سے ہوا نہ کہ عورت کی طرف سے۔ پس حد اور لعان دونوں کے ثبوت میں شک پڑ گیا لہٰذا دونوں ساقط ہو جائیں گے۔

قولہ وان اقر الخ شوہر نے اوّلاً بچہ کا اقرار کیا پھر اس کی نفی کر دی تو لعان واجب ہوگا کیونکہ اقرار کی وجہ سے نسب ثابت ہو چکا۔ اب اس کے انکار سے وہ قاذف ہو گیا اور قاذف پر لعان ہے اور اگر اس نے اولاً بچہ کی نفی کی بعد میں اس کا اقرار کر لیا تو مرد پر حد قائم ہو گی کیونکہ جب اس نے اپنی تکذیب کر دی تو لعان باطل ہو گیا اور اصل یعنی حد باقی رہی۔ اور اگر شوہر نے کہا کہ یہ بچہ میرا ہے نہ تیرا تو حد اور لعان دونوں ساقط ہو جائیں گے کیونکہ شوہر ولادت کا منکر ہے۔ اور انکار ولادت سے قاذف نہیں ہوتا۔

قولہ ومن قذف امراۃ الخ یہاں سے ''لایحد'' تک چھ مسئلے مذکور ہیں اور سب کا حکم سقوط حد ہے (۱) اس عورت پر تہمت لگائی جس کے بچہ کا باپ معلوم نہیں۔ (۲) اس عورت پر تہمت لگائی جو نفی ولد کی وجہ سے لعان کر چکی تھی۔ ان دونوں صورتوں میں قاذف پر حد اس لئے نہیں کہ عورت کی طرف سے زنا کی علامات موجود ہیں۔ (۳) اس شخص پر تہمت لگائی جس نے ملک غیر میں وطی کی۔ (۴) یا مشترک باندی سے وطی کی۔ ان دونوں صورتوں میں شرط احصان مفقود ہے اس لئے حد نہیں (۵) اس مسلمان پر تہمت لگائی جس نے کفر کی حالت میں زنا کیا تھا۔ قاذف پر حد اسلئے نہیں کہ وہ صادق ہے کیونکہ اس سے شرعاً زنا کا تحقق ہوا ہے۔ (۶) اس مکاتب پر تہمت لگائی جو اتنا ترکہ چھوڑ کر مرا جس سے بدل کتابت ادا ہو سکے۔ قاذف اس لئے نہیں کہ ایسے مکاتب کی حریت میں صحابہ کا اختلاف ہے پس شبہ پیدا ہو گیا۔

قولہ وحد الخ یہاں سے ''فی کفرہ'' تک چار مسئلے ہیں جنکا حکم وجوب حد ہے۔ (۱) مجوسیہ باندی کیساتھ وطی کرنیوالے پر تہمت لگائی۔ (۲) اپنی حائضہ بیوی (۳) یا مکاتبہ باندی سے وطی کرنیوالے پر تہمت لگائی (۴) اس مسلمان پر تہمت لگائی جس نے کفر کی حالت میں ایسی عورت سے نکاح کیا تھا جو اس پر شرعاً حرام ہے۔ ان چاروں صورتوں میں قاذف پر حد لازم ہے اور قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جو شخص ایسی وطی کرے جس کی حرمت لعینہ ہو تو اس کے قاذف پر حد نہیں اور اگر وطی کی حرمت بغیرہ ہو تو قاذف پر حد ہے اور غیر ملک میں وطی حرام لعینہ ہے اور اپنی ملک میں بھی وطی حرام لعینہ ہے اگر حرمت موبدہ ہو اور اگر حرمت موقت ہو تو حرام لغیرہ ہے اور یہاں چاروں صورتوں میں اپنی ملک ثابت ہے ۲، ۴ میں ملک نکاح اور ۱، ۳ میں ملک یمین اور ۲ میں گو وطی حرام ہے مگر حرمت موقت ہے لہٰذا ہر صورت میں قاذف پر حد ہے لیکن ۴ میں صاحبین کا اختلاف ہے کیونکہ ان کے یہاں کافر کا نکاح اپنی محرمہ عورت کے ساتھ صحیح نہیں۔

(فَصْلٌ فِی التَّعْزِیْرِ) وَمَنْ قَذَفَ مَمْلُوْکًا اَوْ کَافِرًا بِالزِّنَا اَوْ مُسْلِمًا بِیَافَاسِقُ یَاکَافِرُ یَاخَبِیْثُ یَالِصُّ یَافَاجِرُ یَامُنَافِقُ

(فصل سزا کے بیان میں) جس نے تہمت لگائی غلام کو یا کافر کو زنا کی یا کسی مسلمان کو یہ کہکر کہ اے فاسق اے کافر او خبیث او چور اے فاجر اے منافق

یَالُوْطِیُّ یَامَنْ یَلْعَبُ بِالصِّبْیَانِ یَااٰکِلَ الرِّبٰوا یَاشَارِبَ الْخَمْرِ یَادَیُّوْثُ یَامُخَنَّثُ یَاخَائِنُ یَاابْنَ الْقَحْبَۃِ یَازِنْدِیْقُ

او لوطی اے بچوں سے کھیلنے والے اے سود خور اے شراب خور او بے غیرت او ہیجڑے او خائن او رنڈی زادے او بے دین

یَاقَرْطَبَانُ یَامَاوَی الزَّوَانِیْ اَوِ اللُّصُوْصِ یَاحَرَامْزَادَہْ عُزِّرَ وَبِیَا کَلْبُ یَاتَیْسُ یَاحِمَارُ یَاخِنْزِیْرُ یَابَقَرُ حَیَّۃُ

او بے حیا او رنڈیوں یا چوروں کے اڈے او حرام زادے ان سب میں سزا دیجائیگی اور اے کتے او پہاڑی بکرے او گدھے او سور او بیل او سانپ

حَجَّمُ یَابَغَّاءُ یَامُوَاجِرُ یَاوَلَدَ الْحَرَامِ یَاعَیَّارُ یَانَاکِسُ یَامَنْکُوْسُ یَاسُخْرَۃُ یَاضُحْکَۃُ یَاکَشْخَانُ

او بے غیرت او بدکار او بھاڑو او حرام کے بچے او آوارہ او سرنگوں او اوندھے او مسخرے او ٹھٹھے باز او بے شرم

یَااَبْلَہُ یَامُوَسْوَسُ یَامَنْحُوْسُ لَا وَاَکْثَرُ التَّعْزِیْرِ تِسْعَۃٌ وَّثَلٰثُوْنَ سَوْطًا وَّاَقَلُّہٗ ثَلٰثَۃٌ وَصَحَّ حَبْسُہٗ بَعْدَ الضَّرْبِ

او بے وقوف او موسوس کہنے میں سزا نہیں اور تعزیر کے زیادہ سے زیادہ انتالیس کوڑے ہیں اور کم از کم تین اور صحیح ہے اس کو قید کرنا پٹائی کے بعد

۱ و قال الشافعی تجب الدیۃ فی بیت المال، لنا انہ مامور وفعل المامور لا یتقید بالسلامۃ ۱۲

وَاَشَدُّ الضَّرْبِ التَّعْزِيْرُ ثُمَّ حَدُّ الزِّنَا ثُمَّ حَدُّ الشُّرْبِ ثُمَّ حَدُّ الْقَذْفِ وَمَنْ حُدَّ اَوْ عُزِّرَ فَمَاتَ فَدَمُهٗ هَدَرٌ

اور سب سے زیادہ سخت مار تعزیر کی ہے پھر حد زنا کی پھر حد شرب کی پھر حد قذف کی جس کو حد لگائی گئی یا سزا دی گئی اور مر گیا تو اس کا خون رائگاں ہے

بِخِلَافِ الزَّوْجِ اِذَا عَزَّرَ زَوْجَتَهٗ لِتَرْكِ الزِّيْنَةِ اَوِ الْاِجَابَةِ اِذَا دَعَاهَا اِلٰى فِرَاشِهٖ

بخلاف شوہر کے جب وہ سزا دے بیوی کو ترک زینت پر یا بات نہ ماننے پر جبکہ وہ بلائے اس کو صحبت کے لئے

اَوْ تَرْكِ الصَّلٰوةِ وَالْغُسْلِ وَالْخُرُوْجِ مِنَ الْبَيْتِ

اور نماز و غسل ترک کرنے پر اور گھر سے باہر جانے کو ترک کرنے پر

توضیح اللغۃ: تعزیر سزا دینا، دیوث بے غیرت جو اپنی بیوی کے پاس اجنبی کو دیکھ کر عار محسوس نہ کرے، قحبہ رنڈی، قرطبان معرب لتبان مرادف دیوث، یا وہ شخص جو آدمیوں کو امر قبیح کے لئے جمع کرے۔ زوانی جمع زانیہ، تیس جنگلی بکرا۔ بغاء وہ شخص جو اغلام کرائے مواجر وہ شخص جو اپنی بیوی کو زنا کے واسطے اجرت پر دے مراد ٹھیکہ کرنیوالا غیار آوارہ گرد نا کس کمزور۔ منکوس دوبارہ بیمار ہونیوالا مسخرہ جس سے لوگ مسخرہ پن کریں۔ ضحکہ جس پر لوگ ہنسیں کشخان بیوی کے حق میں بے غیرت۔

تشریح الفقہ: قولہ فصل الخ زواجر مقدرہ یعنی حدود بیان کرنے کے بعد زواجر غیر مقدرہ یعنی تعزیرات بیان کر رہا ہے۔ نفس تعزیر کی مشروعیت کتاب و سنت اور اجماع و قیاس ہر ایک سے ثابت ہے۔ آیت "واضربوھن فان اطعنکم فلا تبغوا علیھن سبیلا" میں تادیب ازواجات کو مار دینے کا حکم ہے۔ حدیث میں ہے کہ حدود کے علاوہ دس کوڑوں سے زیادہ نہ مارے جائیں[1] نیز جب بچے دس برس کے ہو جائیں تو ترک صلوٰۃ پر تعزیر ثابت ہے[2] اس کی مشروعیت پر صحابہ کا اجماع بھی ہے۔ اور قیاس بھی یہی چاہتا ہے۔ کہ افعال شنیعہ و اعمال قبیحہ پر زجر و توبیخ ہو تاکہ ارتکاب فواحش کی عادت نہ پڑے۔

قولہ فی التعزیر الخ لغت میں تعزیر مطلق تادیب کو کہتے ہیں ترشروئی کے ساتھ ہو یا سخت گوئی کے ساتھ' گوشمالی کے ساتھ ہو یا زدوکوب کیساتھ۔ دو چار ضربوں کیساتھ ہو یا دس پانچ کے ساتھ۔ (در منح 'زیلعی) صاحب قاموس نے کہا ہے کہ تعزیر کا اطلاق اس مار پر ہوتا ہے جو مقدار حد سے کم ہو۔ ابن حجر مکی نے اس کی تغلیط کی ہے کیونکہ یہ تعزیر کے شرعی معنی ہیں نہ کہ لغوی مگر یہ تغلیط بے جا ہے کیونکہ صاحب قاموس نے صرف اوضاع لغویہ ہی کا التزام نہیں کیا بلکہ اس کی عادت کہ وہ منقولات شرعیہ اور اصطلاحیہ حتی کہ الفاظ فارسیہ کو بھی تکثیر فوائد کے پیش نظر ذکر کر دیتا ہے۔

(طحطاوی عن ابی السعود)

قولہ ومن قذف الخ تعزیر و عدم تعزیر میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص مخاطب کو ایسے فعل اختیاری کی طرف منسوب کرے جو شرعاً حرام ہو اور عرفاً باعث عار ہو تو اس میں قائل پر تعزیر ہے اور اگر وہ فعل منسوب اختیاری نہ ہو یا اختیاری ہو مگر شرعاً حرام نہ ہو یا شرعاً حرام ہو مگر عرفاً باعث عار نہ ہو تو اس میں تعزیر نہیں' اس قاعدہ کی پیش نظر جملہ الفاظ کا حکم بسہولت معلوم ہو سکتا ہے۔

قولہ واکثر التعزیر الخ امام صاحب کے نزدیک تعزیر کی اکثر مقدار انتالیس کوڑے اور امام ابو یوسف کے نزدیک ظاہر روایت کے اعتبار سے پچھتر کوڑے ہیں۔ امام محمد کو بعض حضرات نے امام صاحب کے ساتھ کہا ہے اور بعض نے امام ابو یوسف کے ساتھ تعزیر میں اصل دلیل یہ حدیث ہے "من بلغ حداً فی غیر حد فھو من المعتدین" یہ حدیث گو مرسل ہے لیکن امام صاحب اور اکثر اہل علم کے نزدیک حدیث مرسل حجت اور قابل عمل ہے اور حدیث کا مقتضی یہ ہے کہ تعزیر کی مقدار حد سے کم ہونی چاہیے۔ تو امام صاحب نے

---

[1] صحیحین
[2] بیہقی، محمد عن النعمان بن بشیر ۱۲

بنظر احتیاط غلام کی حد سے (جو چالیس کوڑے ہیں) ایک کوڑا کم کر دیا۔ امام ابو یوسف نے احرار کی حد کا اعتبار کیا۔ کیونکہ حریت اصل ہے۔ پھر ہشام کی روایت تو یہی ہے کہ اناسی کوڑے ہیں یہی مقتضی قیاس ہے اور یہی امام زفر فرماتے ہیں۔ لیکن امام ابو یوسف سے ظاہر روایت یہ ہے کہ پچھتر کوڑے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ حر کی انتہائی حد سو کوڑے ہیں اور غلام کی انتہائی حد پچاس کوڑے ہیں۔ پس ہر ایک کا نصف ہونا چاہیے یعنی پچاس حر کی حد کے اور پچاس غلام کی حد کے اس لحاظ سے تعزیر کی اکثر مقدار پچھتر کوڑے ہوئی۔ سوال صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ غیر حد میں دس کوڑوں سے زیادہ نہ مارنا چاہیے[1]؟ جواب صحابہ کرام کا عمل اس کے خلاف ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ منسوخ ہے۔ ورنہ صحابہ اس کی مخالفت نہ کرتے۔ کیونکہ وہ احکام شرعیہ میں اعلم الناس ہیں۔

كِتَابُ السَّرِقَةِ

هِيَ اَخْذُ مُكَلَّفٍ خُفْيَةً قَدْرَعَشْرَةِ دَرَاهِمَ مَضْرُوْبَةٍ مُحْرَزَةٍ بِمَكَانٍ اَوْ حَافِظَةٍ فَيُقْطَعُ اِنْ اَقَرَّ مَرَّةً

وہ لینا ہے مکلف کا پوشیدہ طور پر ڈھلے ہوئے دس درہموں کے بقدر جو محفوظ ہو کسی جگہ یا کسی نگہبان کے ذریعہ پس ہاتھ کاٹا جائیگا اگر اقرار کرلے ایک بار

اَوْ شَهِدَ رَجُلَانِ وَلَوْ جَمْعًا وَالْاٰخِذُ بَعْضُهُمْ قُطِعُوْا اِنْ اَصَابَ لِكُلٍّ نِصَابٌ

یا گواہی دیں دو مرد اور اگر چرانے والی ایک جماعت ہو اور لینے والا بعض ہو تو سب کا ہاتھ کاٹا جائیگا اگر پہنچے ہر ایک کو بقدر نصاب۔

تشریح الفقہ: قولہ کتاب الخ چونکہ حدود سے مقصود حفظ نفس، حفظ عقل اور حفظ آبرو ہے اس لئے مصنف نے حدود کو مقدم کیا۔ اور مال سے جان اور آبرو کی حفاظت مقصود ہوتی ہے۔ اس لئے حدود کے بعد سرقہ کو بیان کرنا مناسب ہے۔

قولہ ھی الخ سرقہ بفتح سین و کسر راء ہے۔ اور راء کا سکون بھی جائز ہے۔ لغۃً دوسرے کی کوئی چیز چھپا کر لینے کو کہتے ہیں۔ یقال **سرق منه مالاً سرقاً وسرقةً** اور کبھی مال مسروق کو بھی مجازاً سرقہ سے تعبیر کر دیتے ہیں۔ (مغرب) اور شریعت میں سرقہ کی دو تعریفیں ہیں۔ ایک حرمت کے اعتبار سے۔ دوسرے ترتب حکم شرعی کے لحاظ سے۔ سرقہ باعتبار حرمت اس کو کہتے ہیں کہ دوسرے کی چیز چھپا کر ناحق لے لی جائے خواہ وہ چیز بقدر نصاب ہو یا نہ ہو۔ اور باعتبار ترتب حکم شرعی سرقہ کی تعریف وہ ہے جو مصنف نے ہی اخذ مکلف الخ سے ذکر کی ہے۔ یعنی ترتب حکم شرعی کے لحاظ سے سرقہ اس کو کہتے ہیں کہ عاقل بالغ شخص کسی دوسرے کی ایسی چیز چھپا کر لے جس کی قیمت سکہ دار دس درہموں کے برابر ہو اور مکان یا کسی محافظ کے ذریعہ سے محفوظ ہو۔ مصنف نے اخذ کو مطلق رکھا ہے۔ جو اخذ حقیقی اخذ حکمی دونوں کو شامل ہے۔ اخذ حقیقی جیسے خود کسی چیز کو محفوظ جگہ سے نکال لے۔ اخذ حکمی جیسے چند سارق مکان میں داخل ہوں اور مال چرا کر ایک شخص کی پیٹھ پر لاد کر گھر سے باہر نکلیں۔ تو سب کے ہاتھ کاٹے جائینگے مکلف کی قید سے صغیر اور مجنوں نکل گئے کہ ان پر قطع ید نہیں ہاں مال کا تاوان ضرور ہے۔ خفیہ کی قید سے غارتگری، زبردستی اور ہاتھ سے اچک لینا سرقہ کی تعریف سے نکل گیا۔ پھر اگر چوری شہر کے اندرون میں ہوئی ہو تو ابتدا میں بھی اور انتہا میں بھی اخفا شرط ہے اور اگر رات میں چوری ہوئی ہو تو صرف ابتدا میں اخفا شرط ہے۔ پس اگر چور رات میں خفیۃً داخل ہوا پھر ظاہر ہو کر مال لے گیا تو ہاتھ کاٹا جائیگا۔ قدر عشرۃ دراہم کی قید سے وہ مقدار سرقہ کے حکم سے نکل گئی جو اس سے کم ہو۔ (وسیاتی) مضروبۃ کی قید سے کچی چاندی کے دس ٹکڑے جن کی قیمت دس درہم سے کم ہو خارج ہو گئے۔ کہ ان میں قطع ید نہیں۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ درہم اسی کو کہتے ہیں جو سکہ دار ہو جیسا کہ مغرب میں ہے تو پھر مضروبۃ قید کی ضرورت نہیں۔ محرزۃ کی قید سے غیر محفوظ سامان نکل گیا جیسے وہ کھیتی جو ابھی تک کٹی نہ ہو وغیرہ ذالک۔

قولہ قدر عشرۃ دراھم الخ ہر مال مسروق میں ہاتھ کاٹا جائیگا یا اس کی کوئی مقدار معین ہے۔؟ اس میں اختلاف ہے۔ حسن بصری، داؤد ظاہری اور خوارج کے نزدیک قطع ید کے لئے کوئی مقدار معین نہیں کیونکہ آیت "**السارق والسارقة فاقطعوا ایدیھما**" میں اطلاق ہے کوئی مقدار معین نہیں، جواب یہ ہے کہ اگر آیت کو اطلاق ہی پر رکھا جائے تو لازم آئیگا کہ گیہوں کے ایک دانہ میں

(۱) صحیحین عن ابی ہریرہ، بخاری عن جابر بن عبداللہ، طبرانی عن ابی ہریرہ۔

بھی قطع ید ہو حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں معلوم ہوا کہ آیت میں اطلاق مراد نہیں بلکہ مقید ہے اور ایک مخصوص مقدار مراد ہے مگر اس مخصوص مقدار کی تعیین میں اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک ربع دینار ہے۔ اور امام مالک و امام احمد کے نزدیک تین درہم ہیں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ربع دینار میں ہاتھ کاٹو اس سے کم میں نہ کاٹو (۱) نیز حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قطع ید ایک ڈھال کی چوری میں تھا جس کی قیمت تین درہم تھی (۲) یہ حضرات فرماتے ہیں کہ ڈھال کی کم از کم قیمت تین درہم منقول ہے اور کمتر مقدار متیقن ہے۔ لہٰذا اسی کا اعتبار ہوگا۔ سوال متفق علیہ حدیث سے ایک رسی اور بیضہ میں بھی قطع ید ثابت ہے۔ پھر تین درہم کی تعیین چہ معنیٰ دارد؟ جواب حدیث مذکور "**لاتقطع ید السارق فی ربع دینا رفصاعداً**" کیوجہ سے اس حدیث میں تاویل لازمی ہے۔ یعنی ربع دینار والی رسی اور بیضہ سے مراد بیضۃ الحدید[۳] ہے۔ احناف کے یہاں سرقہ کا نصاب دس درہم ہے کیونکہ ڈھال کی قیمت تین درہم سے زیادہ بھی ثابت ہے۔ اور حدود کے باب میں اکثر پر عمل کرنا اولیٰ ہے۔ کیونکہ یہ "**ادرء وا الحدود مااستطعتم**" کے منشا کے مطابق ہے۔ پھر دس درہم کی تعیین حدیث ہے چنانچہ روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قطع ید نہیں ہوا مگر ایک ڈھال میں اور اسوقت اس کی قیمت ایک دینار یا دس درہم تھی[۴] اس روایت میں ایمن کے متعلق اختلاف ہے کہ یہ صحابی ہیں یا تابعی۔ سو امام شافعیؒ حاکم ابن ابی حاتم ابن عبدالبر وغیرہم کی تحقیق یہ ہے کہ صحابی ہیں ابن اسحٰق نے تو یہاں تک ثابت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یوم حنین میں شریک تھے۔ اور عباس کے ان اشعار میں یہی مراد ہیں۔

نصرنا رسول اللّٰہ فی الدار سبعة	وقد فرمن قدفرعنه فاقشعوا
وثامننا لاقی الحمام بنفسه	بمامسه فی الدین لایتو جع

مگر یہ اختلاف کچھ مضر نہیں کیونکہ اگر یہ صحابی ہیں تب تو کوئی اشکال ہی نہیں۔ اور اگر تابعی ہیں تو حدیث مرسل ہے۔ اور حدیث مرسل ہمارے نزدیک اور اکثر اہل علم کے نزدیک قابل حجت ہے۔ بالخصوص جبکہ اس کو دیگر روایات کی تائید بھی حاصل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قطع ید نہیں مگر دس درہم میں[۵] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کا ہاتھ ڈھال کے سرقہ میں کاٹا جس کی قیمت ایک دینار یا دس درہم تھی[۶] آنحضرت صلعم کا ارشاد ہے کہ ڈھال کی قیمت سے کم میں سارق کے ہاتھ نہ کاٹے جائیں حضرت عبداللہ بن عمرو فرماتے ہیں کہ ڈھال کی قیمت دس درہم تھی[۷] آثار بھی اسی کے موید ہیں[۸]۔

قولہ فیقطع الخ چور جب چوری کا ایک مرتبہ اقرار کرلے یا دو مرد گواہی دیدیں تو سارق کا ہاتھ کاٹا جائیگا۔ مصنف نے مرۃً کی قید سے امام ابو یوسف کے قول کی تردید کی ہے۔ کیونکہ آپ کے یہاں دو مجلسوں میں دوبارا اقرار کرنے سے چوری ثابت ہوتی ہے۔ مگر اس تردید کی ضرورت نہیں کیونکہ امام ابو یوسف سے رجوع ثابت ہے۔ رجلان کی قید اس لیئے ہے کہ ثبوت سرقہ میں عورتوں کی گواہی معتبر نہیں اور اگر چوری میں ایک گروہ شریک ہو اور مال لینے والے بعض ہوں تو سب کے ہاتھ کاٹے جائیں گے بشرطیکہ ہر ایک کو بقدر نصاب مال پہنچا ہو۔ وجہ یہ ہے کہ چور عام طور سے ایسا ہی کرتے ہیں کہ بعض مال نکالنے کیلئے اندر چلے جاتے ہیں اور بعض دیکھ بھال کیلئے باہر کھڑے رہتے ہیں اگر سب کے ہاتھ نہ کاٹے جائیں تو چوروں کے ہاتھ ایک اچھی ترکیب آجائیگی اور چوری کا دروازہ کھل جائیگا۔

(۱)..... احمد عن عائشہ، بخاری و مسلم علی غیر لفظہ ۱۲ (۲)..... صحیحین عن ابن عمر ۱۲
(۳)..... فی روایۃ البخاری قال الاعمش کانوا یرون انہ بیض الحدید والحبل کانوا یرون انہ منہا لایساوی دراہم ۱۲
(۴)..... طحاوی طبرانی عن ام ایمن، نسائی، حاکم عن ابن ام ایمن ۱۲
(۵)..... طبرانی دار قطنی عن ابن مسعود ۱۲ (۶)..... ابوداؤد، نسائی حاکم ۱۲
(۷)..... نسائی، ابن ابی شیبہ، دار قطنی، احمد ابن راہویہ، عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ۱۲
(۸)..... عبدالرزاق طبرانی، عن ابن مسعود، ابن ابی شیبہ عن عمر ۱۲

وَلَا يُقْطَعُ بِخَشَبٍ وَحَشِيْشٍ وَقَصَبٍ وَسَمَكٍ وَصَيْدٍ وَطَيْرٍ وَزَرْنِيْخٍ وَمَغْرَةٍ وَنُوْرَةٍ وَفَاكِهَةٍ رَطْبَةٍ اَوْعَلٰى شَجَرٍ

اور ہاتھ نہ کاٹا جائیگا لکڑی گھاس نرکل مچھلی پرند شکار ہڑتال گیرو چونے اور ترمیوہ میں اگرچہ درخت پر ہو

وَّلَبَنٍ وَلَحْمٍ وَزَرْعٍ لَمْ يُحْصَدْ وَاَشْرِبَةٍ وَطُنْبُوْرٍ وَمُصْحَفٍ وَلَوْ مُحَلًّى وَبَابِ مَسْجِدٍ وَصَلِيْبِ ذَهَبٍ وَشِطْرَنْجٍ وَنَرْدٍ[۱]

اور دودھ گوشت بے کٹی کھیتی اشربہ ستار اور قرآن کی چوری میں گو زیور سے آراستہ ہو اور باب مسجد سونے کی صلیب شطرنج نرد

وَصَبِيٍّ حُرٍّ وَلَوْمَعَهٗ حُلِيٌّ وَعَبْدٍكَبِيْرٍ وَدَفَاتِرَ بِخِلَافِ الصَّغِيْرِ وَدَفَاتِرِ الْحِسَابِ وَكَلْبٍ وَفَهْدٍ وَدُفٍّ وَطَبْلٍ

آزاد بچہ کی چوری میں گو اسکے ساتھ زیور اور بڑے غلام اور دفاتر کی چوری میں بخلاف نابالغ غلام اور حسابی دفتروں کے اور کتے چیتے دف ڈھول

وَبَرْبَطٍ وَمِزْمَارٍ وَبِخِيَانَةٍ وَنَهْبٍ وَاخْتِلَاسٍ وَنَبْشٍ وَمَالِ عَامَّةٍ اَوْ مُشْتَرَكٍ وَمِثْلِ دَيْنِهٖ وَبِشَيْءٍ قُطِعَ

سارنگی آلات سرود چرانے خیانت کرنے لوٹنے اچک لینے کفن مال عام مال مشترک اور بقدر قرض مال چرانے میں اور ایسی چیز چرانے میں جس

وَلَمْ يَتَغَيَّرْ وَيُقْطَعُ بِسَرِقَةِ السَّاجِ وَالْقَنَا وَالْاَبْنُوْسِ وَالصَّنْدَلِ وَالْفُصُوْصِ الْخُضْرِ

میں ہاتھ کاٹا گیا ہو اور وہ بدلی نہ ہو اور ہاتھ کاٹا جائیگا سال کی لکڑی نیزے کی چھڑ آبنوس صندل سبز نگینے

وَالْيَاقُوْتِ وَالزَّبَرْجَدِ وَاللُّؤْلُؤِ وَالْاَوَانِيْ وَالْاَبْوَابِ الْمُتَّخِذَةِ مِنَ الْخَشَبِ

یاقوت زمرد موتی برتن اور دروازوں کی چوری میں جو لکڑی کے بنے ہوئے ہوں۔

موجب قطع وغیر موجب قطع اشیاء کی تفصیل

تشریح الفقہ: قولہ ولایقطع الخ بخشب سے ولم یتغیر تک اڑتیس چیزیں جو مصنف نے شمار کرائی ہیں ان میں ہمارے نزدیک قطع ید نہیں ائمہ ثلاثہ کے نزدیک باستثناء طین وتراب اور سرقین ہر چیز میں قطع ید ہے جبکہ اس کی قیمت نصاب کو پہنچ جائے ہمارے یہاں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ ہر اس چیز کی چوری میں قطع ید ہے۔ جو عزیز ونفیس مال ہو اور دارالاسلام میں مباح الاصل نہ پایا جاتا ہو درانحالیکہ وہ غیر مرغوب ہو عزیز ونفیس مال کی قید سے گھاس اور نرکل وغیرہ مملوک چیزیں نکل گئیں کہ ان میں قطع ید نہیں۔ اور مباح الاصل کی قید سے گیرو وغیرہ نکل گیا۔ اس سلسلہ میں اصل یہ حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حقیر وخسیس چیزوں میں قطع ید نہیں ہوتا تھا[۱]

قولہ وبشی الخ ایک شخص نے زید کی کوئی چیز چرائی اور اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا اور وہ چیز زید کے پاس واپس ہوگئی اور ابھی اس میں کوئی تغیر نہ ہونے پایا تھا کہ اس نے پھر چرالی تو اب وہ دوبارہ قطع ید نہ ہوگا استحساناً' قیاس کا تقاضہ تو یہی ہے کہ دوبارہ قطع ید ہو۔ یہی امام ابو یوسف سے ایک روایت اور ائمہ ثلاثہ کا قول ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "فان عادفاقطعوا[۲]" نیز دوسری بار چرانا بھی کامل سرقہ ہے بلکہ پہلے سرقہ سے قبیح تر ہے۔ کیونکہ ایک مرتبہ زجر وتنبیہ ہو چکی اور پھر بھی باز نہ آیا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ کہ ایک بار قطع ید ہونے سے عصمت محل ساقط ہوگئی۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "لاغرم علی السارق بعد قطع یمینہ[۳]" اور سقوط عصمت محل موجب انتفاء قطع ید ہے

سوال قطع ید کیوجہ سے گو عصمت ساقط ہوگئی لیکن جب شئی مسروق مالک کے پاس واپس ہوگئی تو عصمت پھر لوٹ آئی لہٰذا قطع ید ہونا چاہئے۔

جواب عصمت گو لوٹ آئی لیکن اتحاد ملک اور اتحاد محل کے لحاظ سے اب بھی سقوط عصمت کا شبہ باقی ہے اور شبہ کے ہوتے ہوئے حد قائم نہیں ہوتی اور اگر شئی مسروق کی ذات متغیر ہوگئی مثلاً سوت کی چوری میں قطع ید ہوا تھا جب سوت واپس ہوا تو مالک نے اس کا کپڑا بنوالیا یا سبب ملک میں تبدیلی آگئی مثلاً قطع ید کے بعد مالک نے فروخت کر کے پھر خرید لیا اور سارق نے پھر چرایا تو دونوں صورتوں میں قطع ید ہوگا کیونکہ یہاں عین شئی بدل گئی پہلی صورت میں بالذات اور دوسری صورت میں بالسبب پس اتحاد ملک یا اتحاد محل جو شبہ تھا وہ ختم ہوگیا لہٰذا قطع ید ہوگا۔

---

(۱) ابن ابی شیبہ عن عائشہ (۲) ابو داؤد عن جابر' دار قطنی عن ابی ہریرہ ۱۲'

(۳) دار قطنی' نسائی' بزار' طبرانی' بیہقی عن عبدالرحمن بن عوف (بالفاظ مختلفہ) [۱] ایک قسم کا کھیل ہے جس کو اردشیر بن بابک شاہ ایران نے ایجاد کیا تھا۔

فَصْلٌ فِي الْحِرْزِ وَمَنْ سَرَقَ مِنْ ذِيْ رَحْمٍ مُحْرَمٍ لَا بِرَضَاعٍ وَمِنْ زَوْجَتِهٖ وَزَوْجِهَا وَسَيِّدِهٖ وَزَوْجَتِهٖ

(فصل محفوظ جگہ کے بیان میں) جس نے مال چرایا اپنے غیر رضاعی قریبی محرم کا یا اپنی بیوی کا یا اپنے شوہر کا یا اپنے آقا کا یا آقا کی بیوی کا

وَزَوْجِ سَيِّدَتِهٖ وَمُكَاتَبِهٖ وَخَتَنِهٖ وَصِهْرِهٖ وَمِنْ مَغْنَمٍ وَحَمَّامٍ وَبَيْتٍ أُذِنَ فِيْ دُخُوْلِهٖ لَمْ يُقْطَعْ

یا اپنی مالکہ کے شوہر کا یا اپنے مکاتب کا یا داماد کا یا خسر کا یا غنیمت کا یا حمام کا یا ایسے گھر کا جس میں آنے کی اجازت ہو تو ہاتھ نہ کاٹا جائیگا۔

تشریح الفقہ: قولہ فصل الخ واجب القطع اور غیر واجب القطع مال مسروق کے بیان سے فراغت کے بعد حرز کو ذکر کر رہا ہے۔ کیونکہ وجوب قطع ید کے لئے مال کا محفوظ ہونا شرط ہے۔ مگر حرز مال چونکہ امر خارجی ہے اس لئے اس کو بعد میں لا رہا ہے۔ حرز لغۃً محفوظ جگہ کو کہتے ہیں "یقال احرزہ اذا جعلہ فی الحرز (مغرب) شرعاً اس جگہ کو کہتے ہیں جس میں عادۃً مال کی حفاظت کیجائے جیسے مکان، دکان، خیمہ، صندوق وغیرہ۔

قولہ ومن سرق الخ جو شخص اپنے کسی قرابت دار محرم کی کوئی چیز چرالے اور قرابت رضاعت کے ناطے سے نہ ہو تو قطع نہ ہوگا کیونکہ اصول و فروع کے مال سے عموماً انتفاع حاصل کیا جاتا ہے اور کوئی ناگواری نہیں ہوتی۔ پس شبہ پیدا ہو گیا۔ عدم رضاعت کی قید اس لئے ہے کہ اگر قرابت دار نسباً محرم نہ ہو رضاعت کے سبب سے ہو مثلاً چچا بیٹا کا رضاعی بھائی ہو کہ وہ نسباً قرابت دار ہے اور رضاعت کے اعتبار سے محرم ہے تو اس کی چیز چرانے سے قطع ید ہوگا۔

قولہ برضاع الخ علامہ زیلعی نے ذکر کیا ہے کہ رضاعی باپ بیٹے یا بھائی کا مال چرانا موجب قطع ید ہے اور یہ ذی رحم محرم میں داخل نہیں لہٰذا لابرضاع کی ضرورت نہیں۔ علامہ عینی اور صاحب نہر نے اس کی تردید کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس قید کی ضرورت ہے کیونکہ قرابت نسبی اور محرمیت رضاعی کا اجتماع جائز ہے۔ اس واسطے کہ قرابت صرف نسبی ہوتی ہے اور محرم کبھی نسبی ہوتا ہے کبھی رضاعی پس محرم رضاعی کو خارج کرنے کیلئے لابرضاع کی ضرورت ہے۔ علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں کہ یہ ان حضرات کی غفلت ہے کیونکہ بوقت شرح علامہ زیلعی کے پیش نظر کنز کا جو نسخہ رہا ہے وہ ان الفاظ کیساتھ ہے "ذی رحم محرم منہ" تو چچا کا بیٹا جو رضاعی بھائی ہو وہ اس سے خارج ہو گیا کیونکہ محرم رضاعی ہے نہ کہ محرم نسبی فقولہ بلا رضاع لم یفد شیئاً فافہم۔

قولہ ومن زوجۃ الخ شوہر بیوی کی کوئی چیز چرالے یا بیوی شوہر کی کوئی چیز چرالے تو ہمارے نزدیک قطع ید نہیں اگر چہ چوری زوجین کے حرز خاص سے ہو اس واسطے کہ زوجین کے مال میں بے تکلفی کا برتاؤ ہوتا ہے پس حرز میں شبہ آ گیا' امام شافعی کے اس سلسلہ میں تین قول ہیں (۱) قطع ید ہے امام مالک اور امام احمد کا بھی یہی قول ہے ۲ قطع ید نہیں ایک روایت امام احمد سے بھی ہے۔ ۳ اگر شوہر بیوی کا مال چرائے تو قطع ید ہے اور بیوی شوہر کا مال چرائے تو قطع ید نہیں۔

قولہ وختنہ الخ اگر کوئی اپنے داماد یا سسر کا مال چرالے تو اس میں بھی امام صاحب کے نزدیک قطع ید نہیں صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک قطع ید ہے کیونکہ یہاں مال اور حرز میں کوئی شبہ نہیں جس کی وجہ سے قطع ید نہ ہو' امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ اختنان و اصہار کے مابین انبساط ہوتا ہے نیز وہ ایک دوسرے کے گھر میں بلا اجازت داخل ہو سکتے ہیں۔ پس حرز میں شبہ موجود ہے اس لئے قطع ید نہ ہوگا "وفی المجمع ان قول الامام ہو الاصح" اسی طرح اگر کوئی مال غنیمت چرالے تو اس میں بھی قطع ید نہیں گو اس میں چور کا حصہ نہ ہو۔ کیونکہ مال غنیمت مباح الاصل ہے پس شبہ آ گیا روایت میں ہے کہ حضرت علی کے پاس ایک شخص لایا گیا جس نے مال غنیمت چرایا تھا تو آپ نے اس کا ہاتھ نہیں کاٹا[1] نیز حضور صلعم کی خدمت میں ایک غلام کو پیش کیا گیا جس نے مال خمس میں چوری کی تھی تو آپ نے اس کا ہاتھ کاٹا نہیں بلکہ یہ فرمایا "مال اللہ سرق بعضہ بعضاً[2]۔

---

[1] عبدالرزاق، دارقطنی (فی المؤتلف والمختلف) ۱۲ منہ۔ [2] ابن ماجہ، بیہقی، عبدالرزاق عن ابن عباس ۱۲

وَمَنْ سَرَقَ مِنَ الْمَسْجِدِ مَتَاعًا وَرَبُّهُ عِندَهُ قُطِعَ وَاِنْ سَرَقَ الضَّيفُ مِمَّنْ اَضَافَهُ اَوْ سَرَقَ شَيْئاً

اور جو چرائے مسجد سے اسباب اور اس کا مالک اس کے پاس ہو تو ہاتھ کاٹا جائیگا اور اگر چرائی مہمان نے میزبان کی کوئی چیز یا کسی نے کوئی چیز چرائی

وَلَمْ يَخْرُجْهُ مِنَ الدَّارِ لَا وَاِنْ اَخْرَجَهُ مِنَ الْحُجْرَةِ اِلَى الدَّارِ اَوْ اَغَارَ مِنْ اَهْلِ الْحُجَرِ عَلٰى حُجْرَةٍ اَوْنَقَبَ

اور مکان سے نہیں نکالی تو ہاتھ نہ کاٹا جائے اور اگر نکال لایا اس کو حجرہ سے مکان تک یا غارت گری کی حجرہ والوں میں سے کسی نے دوسرے پر یا نقب

فَدَخَلَ وَاَلْقٰى شَيْئًا فِي الطَّرِيْقِ ثُمَّ اَخَذَهُ اَوْ حَمَلَهُ عَلٰى حِمَارٍ فَسَاقَهُ وَاَخْرَجَهُ يُقْطَعُ وَاِنْ نَاوَلَهُ الْاٰخَرُ

لگا کر داخل ہوا اور کوئی چیز راہ پھینک دی پھر اس کو اٹھالیا یا گدھے پر لاد دی اور ہانک کر نکال لے گیا تو ہاتھ کاٹا جائیگا اور اگر دیدی دوسرے کو کوئی چیز

مِنْ خَارِجٍ اَوْ اَدْخَلَ يَدَهُ فِيْ بَيْتٍ وَاَخَذَهُ اَوْطَرَّ صُرَّةً خَارِجَةً مِنْ كُمٍّ اَوْسَرَقَ مِنْ قِطَارٍ بَعِيْرًا اَوْ حِمْلًا لَا

گھر کے باہر سے یا گھر میں ہاتھ داخل کر کے لے لی یا ہمیانی کاٹ ڈالی جو آستین سے باہر تھی یا چرالیا قطار سے اونٹ یا اس کا بوجھ تو ہاتھ نہ کاٹا جائیگا

وَاِنْ شَقَّ الْحِمْلَ فَاَخَذَ مِنْهَا اَوْسَرَقَ جَوَالِقَ فِيْهِ مَتَاعٌ وَرَبُّهُ يَحْفَظُهُ اَوْنَائِمٌ عَلَيْهِ

اور اگر شلیطے کو چیر کر کچھ لے لیا یا گون چرالی جس میں اسباب تھا اور اس کا مالک اس کی حفاظت کر رہا تھا یا اس پر سویا ہوا تھا

اَدْخَلَ يَدَهُ فِيْ صَنْدُوْقٍ اَوْ فِيْ جَيْبِ غَيْرِهٖ اَوْ فِيْ كُمِّهٖ فَاَخَذَ الْمَالَ قُطِعَ

یا صندوق میں یا کسی کی جیب یا آستین میں ہاتھ ڈال کر مال لے لیا تو ہاتھ کاٹا جائیگا۔

توضیح اللغۃ: متاع سامان، ضیف مہمان، اغار غارتگری کی، حجر جمع حجرہ، نقب سوراخ کرلیا، ناول دیدیا، طر کاٹ دیا، صرہ ہمیانی۔ کم آستین، جوالق گون جس میں غلہ بھرا جاتا ہے۔

تشریح الفقہ: قولہ من المسجد الخ مسجد سے مراد ہر وہ جگہ ہے جو حرز شرعی نہ ہو۔ پس اس میں راہ اور جنگل بھی داخل ہے۔ ربہ سے مراد صاحب مال ہے مصنف نے اس کو مطلق رکھ کر یہ بتایا ہے کہ صاحب مال کا کسی خاص صفت پر ہونا شرط نہیں۔ بلکہ عام ہے سویا ہوا ہو یا بیدار۔ عندہ سے مراد یہ ہے کہ صاحب مال ایسی جگہ ہو جہاں سے وہ اپنا سامان دیکھ رہا ہو خواہ اس کے سر کے نیچے ہو یا پہلو میں ہو یا سامنے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مسجد میں اپنے سامان کے پاس سویا ہو یا بیدار اور چور اس کا سامان چرالے تو ہاتھ کاٹا جائیگا' حدیث میں ہے کہ حضرت صفوان بن امیہ اپنے سر کے نیچے سامان رکھے ہوئے مسجد میں سو رہے تھے۔ کسی نے آپ کا سامان چرالیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ کاٹا۔[1]

(فائدہ): حرز کی دو قسمیں ہیں۔ حرز مکان' حرز نگہبان' حرز مکان کے ہوتے ہوئے حرز نگہبان کا اعتبار نہیں' کیونکہ حرز مکان حرز نگہبان سے قوی تر ہے۔ پس حمام میں حرز نگہبان معتبر نہیں کیونکہ وہ خود محرز ہے اور مسجد میں معتبر ہے۔ کیونکہ مسجد حفاظت اموال کے لئے نہیں بنائی جاتی پس اگر مسجد میں صاحب مال اپنے مال کے پاس موجود ہو اور پھر کوئی چرالے تو قطع ید ہوگا ورنہ نہیں۔

قولہ ان سرق ضیف الخ اگر مہمان میزبان کے گھر سے کوئی چیز چرالے تو قطع ید نہیں کیونکہ میزبان کی طرف سے جو مہمان کو داخل ہونیکی اجازت مل گئی ہے۔ اس کی وجہ سے مکان اس کے حق میں حرز نہیں رہا۔ نیز اب وہ اہل خانہ کا ایک فرد ہوگیا۔ پس اس کا فعل خیانت ہوگا نہ کہ سرقہ۔ اور اگر چور نے کوئی چیز چرائی اور گھر سے باہر نہیں نکالی تب بھی قطع ید نہیں کیونکہ دار کل حرز واحد ہے پس اس سے نکالے بغیر چوری ثابت نہ ہوگی۔

قولہ وان اخرجہ الخ یہاں سے قطع تک چار مسئلے مذکور ہیں جن میں سے ہر ایک کا حکم قطع ید ہے۔ ا ایک بہت بڑے مکان میں متعدد حجرے ہیں اور حجرے والے اس گھر کے صحن کے محتاج نہیں بلکہ وہ اس سے اس طرح مستفیض ہوتے ہیں جیسے راہ اور میدان سے۔

---

[1] ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، حاکم، مالک، احمد عن صفوان ۱۲

اب چور نے اس مکان کے کسی حجرے سے کوئی چیز چرائی اور صحن خانہ تک لیا آیا تو ہاتھ کاٹا جائیگا کیونکہ ہر حجرہ ساکن حجرہ کے لحاظ سے مستقل حرز ہے اس لئے مزید اخراج ضروری نہیں۔ ۲۔ اہل حجرہ میں سے کسی نے دوسرے حجرہ والے پر غارتگری کی اور کوئی چیز چرالی تو ہاتھ کاٹا جائیگا۔ (والوجہ ماذکرنا) ۳۔ ایک چور نے نقب لگایا اور گھر میں داخل ہوگیا وہاں سے کوئی چیز بقدر نصاب اٹھا کر باہر پھینکدی اور پھر باہر نکل کر اٹھالے گیا تو قطع ید ہوگا۔ کیونکہ باہر پھینکنا ایک حیلہ اور تدبیر ہے اور جو چوروں کی عام عادت ہے اس لئے نقب لگانا داخل ہونا پھینکنا پھر اٹھانا سب ایک ہی فعل شمار ہوگا ۴۔ سارق نے مال مسروق جانور پر لادا۔ پھر جانور کو باہر نکال لیا تو قطع ید ہوگا۔ کیونکہ جانور کا چلنا اور نکلنا اسی کی طرف منسوب ہے۔

قولہ وان ناول الخ یہاں بھی چار مسئلے ہیں جن کا حکم عدم قطع ید ہے ۱۔ چور نقب لگا کر گھر میں گیا۔ اور وہاں سے مال اٹھا کر دوسرے آدمی کو دیدیا۔ جو گھر سے باہر تھا تو کسی کا ہاتھ نہ کاٹا جائیگا۔ کیونکہ پہلے چور سے اخراج نہیں پایا گیا اور دوسرے سے ہتک حرز پس کسی ایک پر بھی سرقہ صادق نہ آیا۔ ۲۔ چور نے نقب لگایا اور نقب کے باہر سے گھر میں ہاتھ ڈال کر مال نکال لیا تو قطع ید نہ ہوگا۔ لعدم هتک[1] الحرز ۳۔ ایک شخص کی ہمیانی آستین سے باہر تھی چور نے اس کو پھاڑ کر روپیہ نکال لیا تو قطع ید نہ ہوگا لعدم هتک الحرز ۴۔ سارق نے اونٹوں کی قطار سے ایک اونٹ کی یا اس پر لدے ہوئے بوجھ کی چوری کی تو قطع ید نہیں اس واسطے کہ قطار ہانکنے اور چلانے والے سے نگہبانی مقصود نہیں ہوتی۔ یہاں تک کہ ہتک حرز محقق ہو بلکہ صرف قطع مسافت اور نقل متاع مقصود ہوتا ہے۔

فَصْلٌ فِیْ کَیْفِیَّةِ الْقَطْعِ وَاِثْبَاتِهٖ وَیُقْطَعُ یَمِیْنُ السَّارِقِ مِنَ الزَّنْدِ وَتُحْسَمُ

(فصل ہاتھ کاٹنے کی کیفیت اور اس کے اثبات کے بیان میں) چور کا داہنا ہاتھ پہنچے سے کاٹ کر داغ دیا جائے۔

تشریح الفقہ: قولہ وتقطع الخ اگر چور چوری کرے تو اس کا دایاں ہاتھ پہنچے سے کاٹا جائیگا اور گرم تیل سے داغا جائیگا' ہماری نزدیک وجوباً اور امام شافعی کے نزدیک استحباباً۔ نفس قطع کا ثبوت تو نص قرآنی سے ہے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے "السارق والسارقة" اور داہنے ہاتھ کی تعیین حضرت عبداللہ بن مسعود کی قراءت "فاقطعوا ایمانهما" سے ہے جو مشہور ہے اور پہنچے سے کاٹنا متوارث ومتواتر ہے اور بعض احادیث سے بھی ثابت[2] ہے۔ پس خارجیوں کا یہ کہنا کہ ہاتھ کو مونڈھے سے کاٹنا چاہیے مخالف اجماع ہے۔ اور داغ اس لئے دیا جاتا ہے کہ اس سے خون بند ہوجاتا ہے یہ بھی حدیث سے ثابت ہے۔ حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک چور کو گرفتار کر کے لایا گیا آپ نے اس کے متعلق ارشاد فرمایا کہ اس کا ہاتھ کاٹ دو اور داغ لگادو[3]' امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک قطع ید اور داغنے کے بعد گلے میں لٹکانا بھی مسنون ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حکم ہر قطع میں ثابت نہیں۔ دوسرے یہ کہ روایت مذکورہ حجاج بن ارطاة کی وجہ سے معلول ہے۔

وَرِجْلُهُ الْیُسْرٰی اِنْ عَادَ فَاِنْ سَرَقَ ثَلٰثًا حُبِسَ حَتّٰی یَتُوْبَ وَلَمْ یُقْطَعْ کَمَنْ سَرَقَ

اور بایاں پاؤں کاٹا جائے اگر دوبارہ چوری کرے اور اگر تیسری بار چوری کرے تو قید کیا جائے یہاں تک کہ توبہ کرے بمثل اس کے کہ جو چوری کرے

وَاِبْهَامُهُ الْیُسْرٰی مَقْطُوْعَةٌ اَوْ شَلَّاءُ اَوْ اِصْبَعَانِ مِنْهَا سِوَاهَا اَوْ رِجْلُهُ الْیُمْنٰی مَقْطُوْعَةٌ وَلَایَضْمِنُ بِقَطْعِ الْیُسْرٰی مَنْ

اور اس کا بایاں انگوٹھا کٹا ہوا ہو یا لنجا ہو یا انگوٹھے کے علاوہ دو انگلیاں کٹی ہوئی ہوں یا اس کا دایاں پاؤں کٹا ہوا ہو اور ضامن نہ ہوگا بایاں کاٹنے سے وہ شخص

(۲)...... دار قطنی عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ، ابن عدی عن عبداللہ بن عمرو، ابن ابی شیبہ عن رجاء بن حیوہ (مرسلاً)

(۳)...... حاکم عن ابی ہریرہ، دار قطنی، ابوداؤد، عبدالرزاق (مرسلاً ۱۲)

(۱)...... لان الرباط من خارج فبالطر لا یتحقق، الصرة داخل الکم یتحقق الاخذ من الخارج ۱۲

أُمِرَ بِخِلَافِهٖ وَطَلَبُ الْمَسْرُوْقِ مِنْهُ شَرْطٌ لِلْقَطْعِ وَلَوْ مُوْدَعًا اَوْغَاصِبًا اَوْ صَاحِبَ الرِّبٰوا وَيُقْطَعُ بِطَلَبِ الْمَالِکِ

جس کو اس کے خلاف کا حکم کیا گیا ہو اور مسروق منہ کا طلب کرنا شرط ہے قطع ید کے لئے گو وہ امانت دار یا غاصب یا سود خور ہو اور ہاتھ کاٹا جائے مالک کی

لَوْ سَرَقَ مِنْهُمْ لَابِطَلَبِ الْمَالِکِ وَالسَّارِقِ لَوْ سَرَقَ مِنْ سَارِقٍ بَعْدَ الْقَطْعِ وَمَنْ سَرَقَ شَیْئًا

درخواست پر اگر چرایا ہوانہی کے پاس سے نہ کہ مالک یا چور کی درخواست پر اگر چرایا ہو چور کے پاس سے قطع ید کے بعد اور جس نے کوئی چیز چرائی

وَرَدَّهٗ قَبْلَ الْخُصُوْمَةِ اِلٰی مَالِکِهٖ اَوْمَلَکَهٗ بَعْدَ الْقَضَاءِ اَوْ اِدَّعٰی اَنَّهٗ مِلْکُهٗ اَوْ نَقَصَتْ[1] قِیْمَتُهٗ مِنَ النِّصَابِ

اور نالش سے پہلے ہی مالک کے پاس واپس کر دی یا چور اس کا مالک ہو گیا قضاء کے بعد یا اس نے دعویٰ کیا کہ یہ میری ملک ہے یا اسکی قیمت نصاب

لَمْ یُقْطَعْ وَلَوْ اَقَرَّا بِسَرَاقَةٍ ثُمَّ قَالَ اَحَدُهُمَا هُوَ مَالِیْ لَمْ یُقْطَعَا وَلَوْ سَرَقَا وَغَابَ اَحَدُهُمَا

سے کم ہو گئی تو ہاتھ نہ کاٹا جائیگا اگر دو نے چوری کا اقرار کیا پھر ایک نے کہا کہ یہ میرا مال ہے تو کسی کا ہاتھ نہ کٹیگا اگر دو نے چوری کی اور ایک غائب

وَشَهِدَا عَلٰی سَرِقَتِهِمَا قُطِعَ الْاٰخَرُ وَلَوْ اَقَرَّ عَبْدٌ بِسَرِقَةٍ قُطِعَ وَتُرَدُّ السَّرِقَةُ اِلَی الْمَسْرُوْقِ مِنْهُ

ہو گیا اور دو گواہوں نے چوری پر گواہی دی تو موجود کا ہاتھ کٹیگا اگر غلام نے چوری کا اقرار کیا تو اس کا ہاتھ کٹیگا اور مال مسروق منہ کو دلایا جائیگا

وَلَایُجْمَعُ قَطْعٌ وَضِمَانٌ وَتُرَدُّ الْعَیْنُ لَوْ قَائِمًا وَلَوْ قُطِعَ لِبَعْضِ السَّرِقَاتِ لَایَضْمَنُ شَیْئًا

اور قطع ید اور تاوان جمع نہیں ہوتے اور عین شئ واپس کی جائے گی اگر موجود ہو اگر ہاتھ کاٹا گیا کچھ چوریوں کے عوض تو ضامن نہ ہوگا اور کسی چیز کا

وَلَوْ شَقَّ فِی الدَّارِ ثُمَّ اَخْرَجَهٗ قُطِعَ وَلَوْ سَرَقَ شَاةً فَذَبَحَهَا وَاَخْرَجَهَا[2] لَا وَلَوْ صَنَعَ الْمَسْرُوْقَ دَرَاهِمَ

اگر چوری کردہ مال کو گھر میں چیر ڈالا پھر نکال لیا تو ہاتھ کٹیگا اور اگر بکری چرا کر ذبح کر کے نکال لیا تو ہاتھ نہ کٹیگا اگر چوری کردہ مال کے روپے یا

اَوْ دَنَانِیْرَ قُطِعَ وَرَدَّهَا وَلَوْ صَبَغَهٗ اَحْمَرَ فَقُطِعَ لَا یُرَدُّ وَلَا یَضْمَنُ وَلَوْ اَسْوَدَ یُرَدُّ[3]

اشرفیاں بنالے تو ہاتھ کٹیگا اور واپس کریگا اگر کپڑے کو سرخ رنگ لیا اور ہاتھ کاٹ دیا گیا تو نہ کپڑا لوٹایا جائیگا نہ ضمان دیگا اور اگر سیاہ رنگا تو کپڑا لوٹایا جائیگا

توضیح اللغۃ: ابہام انگوٹھا، شلا، ید شلاً، انجا ہاتھ مودَع جسکے پاس کوئی چیز ودیعت رکھی گئی ہو صبغ رنگنا۔

تشریح الفقہ: قولہ ورجلہ الیسری الخ اگر چور دوسری بار چوری کرے تو اس کا بایاں پاؤں ٹخنے سے کاٹا جائے کیونکہ یہ حدیث اور اجماع سے ثابت ہے۔ اور ٹخنے سے کاٹنا حضرت عمرؓ کے فعل سے ثابت ہے۔ پھر اگر تیسری بار چوری کرے تو قطع ید نہ ہوگا۔ بلکہ قید کیا جائیگا یہاں تک کہ اس سے توبہ کے آثار ظاہر ہوں کیونکہ حضرت علی فرماتے ہیں کہ جب چور چوری کرے تو میں اس کا داہنا ہاتھ کاٹونگا اور دوبارہ چوری کرے تو بایاں پیر کاٹونگا۔ اور تیسری بار چوری کرے تو قید رکھونگا یہاں تک کہ اس سے آثار خیر ظاہر ہوں۔ مجھے اللہ سے حیا آتی ہے کہ میں چور کو ایسا کر کے چھوڑوں کہ نہ اس کے ہاتھ رہے جس سے وہ کھائے یا استنجا کرے اور نہ پاؤں رہے جس سے وہ چلے[4] مصنف ابن ابی شیبہ میں مروی ہے کہ حضرت عمر نے صحابہ کرام سے مشورہ لیا تو صحابہ نے حضرت علی کے قول کے مطابق مشورہ دیا اور اسی پر اجماع ہو گیا' امام شافعی کے نزدیک تیسری بار کی چوری میں بایاں ہاتھ اور چوتھی بار کی چوری میں داہنا پاؤں کاٹا جائیگا کیونکہ حدیث میں

---

[1]...... عن محمد تقطع وہو قول زفر والائمۃ الثلاثۃ اعتبارا بالنقصان فی العین ۱۲ مجمع

[2]...... ای لا یقطع لان السرقۃ تمت علی اللحم ولا قطع فیہ ۱۲ زیلعی

[3]...... عند الطرفین الان السواد عند محمد زیادۃ لکنہ لا یقطع حق المالک وعند ابی حنیفۃ السواد نقصان یوجب انقطاع حق المالک ۱۲ بحر ائق

[4]...... محمد بن الحسن، دار قطنی، عبد الرزاق، بیہقی، ابن ابی شیبہ عن علی ۱۲

ہے کہ "چار بار کی چوری سے ایک چور کے چاروں ہاتھ پاؤں کاٹے گئے۔ اور پانچویں مرتبہ پھر اس نے چوری کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قتل کر ڈالنے کا حکم فرمایا اور قتل کیا گیا(۱)" جواب یہ ہے کہ یہ روایت گو بطرق متعددہ مروی ہے لیکن بقول امام نسائی حدیث منکر ہے' مصعب بن ثابت راوی قوی نہیں۔ اور محمد بن یزید کے متعلق کلام ہے اور عائذ بن حبیب شیعہ ہے اور اگر کسی درجہ میں اس کی صحت تسلیم کر لی جائے تو یہ سیاست پر محمول ہے۔ یا منسوخ ہونے پر اور دلیل اجماع صحابہ ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ نیز پانچویں بار کی چوری میں قتل کا حکم سب کے نزدیک بطریق سیاست ہے نہ کہ بطریق حد۔

قولہ کمن سرق الخ اگر چور کے ہاتھ کا انگوٹھا کٹا ہوا ہو یا شل ہو یا انگوٹھے کے علاوہ ہاتھ کی دو انگلیاں کٹی ہوئی ہوں یا شل ہوں یا داہنا پاؤں کٹا ہوا ہو یا شل ہو تو قطع نہ ہوگا کیونکہ گرفت اور رفتار کی منفعت ان ہی پر موقوف ہے۔ پس اس حالت میں کاٹنا در حقیقت ہلاک کرنا ہے' اس لئے اس کو قید کیا جائے گا۔

قولہ ولا یضمن الخ حاکم نے حداد سے کہا کہ چور کا داہنا ہاتھ کاٹ دے اس نے بجائے داہنے کے بایاں ہاتھ کاٹ دیا تو امام صاحب کے نزدیک کاٹنے والا تاوان نہ دیگا عمداً کاٹا ہو یا خطاء صاحبین کے نزدیک عمداً کاٹنے کی صورت میں تاوان دیگا۔ امام زفر کے نزدیک خطاء کی صورت میں بھی ضمان ہوگا۔ کیونکہ اس نے معصوم ہاتھ کاٹا ہے۔ اور حقوق العباد میں خطا معاف نہیں ہوتی۔ چنانچہ قتل خطاء میں دیت واجب ہوتی ہے۔ جواب یہ ہے کہ خطا اجتہادی ہے۔ کیونکہ نص قرآنی میں یمین کی تعیین نہیں اور اجتہادی خطاء معاف ہوتی ہے۔ صاحبین یہ فرماتے ہیں کہ اس نے ایک معصوم جانب کو کاٹا ہے اور تاویل کی گنجائش نہیں۔ کیونکہ اس نے قصداً ظلم کیا ہے لہٰذا معاف نہ ہوگا۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ اس نے ایک ہاتھ کو کاٹا اور اس کے ہم جنس دوسرے ہاتھ کو باقی رکھا۔ جو اس سے بہتر ہے۔ یعنی داہنا ہاتھ پس اس کو اتلاف شمار نہیں کیا جا سکتا۔

قولہ ولو سرقا الخ دو آدمیوں نے چوری کی اور ایک غائب ہو گیا اور دو گواہوں نے چوری پر گواہی دی تو جو چور حاضر ہے اس کا ہاتھ کاٹا جائیگا۔ کیونکہ دوسرے کا غائب ہونا خود اس کے حق میں ثبوت سرقہ کے لئے مانع ہے۔ نہ کہ حاضر کے حق میں۔ رہا یہ احتمال کہ ممکن ہے سارق غائب آ کر سارق حاضر کے متعلق کوئی شبہ بیان کر دے سو اس کا اعتبار نہیں۔ کیونکہ یہ شبہۃ الشبہہ ہے اور مسقط حد شبہ ہے۔ نہ کہ شبہۃ الشبہہ۔

قولہ ولا یجتمع الخ چور نے چوری کی اور اسکا ہاتھ کاٹ دیا گیا اب اگر عین شئی اس کے پاس موجود ہو تو مالک کو واپس کر دی جائیگی کیونکہ وہ اسی کی ملک پر باقی ہے۔ اور اگر وہ ہلاک ہو گئی ہو تو چور پر تاوان نہ آئیگا۔ کیونکہ حدیث میں ہے کہ "جب چور پر حد قائم کر دی جائے تو اس پر تاوان نہیں(۲)" ابن سیرین' نخعی' شعبی' قتادہ اور حضرت حسین سے بھی یہی منقول ہے۔

قولہ ولو صبغہ الخ چور نے کپڑا چرایا اور اس کو سرخ رنگ لیا پھر اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ تو شیخین کے نزدیک اس سے نہ کپڑا واپس لیا جائیگا نہ اس کی قیمت کا تاوان' امام محمد کے نزدیک کپڑا واپس لیا جائیگا اور رنگ سے جو زیادتی ہوئی ہے وہ واپس کر دی جائے گی۔ اور اگر سیاہ رنگ لیا تو طرفین کے نزدیک کپڑا واپس لیا جائیگا۔ امام ابو یوسف کے نزدیک دونوں صورتیں میں برابر ہیں۔

(۱)..... ابوداؤد، دار قطنی عن جابر، نسائی طبرانی، حاکم عن حارث بن حاطب ۱۲
(۲) طبرانی عن عبدالرحمٰن بن عوف (فی تہذیب الآثار)

باب قطع الطریق

باب رہزنی کے بیان میں

قولہ باب الخ سرقہ صغری (چوری) کے بیان سے فراغت کے بعد سرقہ کبریٰ (راہزنی) کے احکام بیان کررہا ہے۔ کیونکہ اول کثیر الوقوع ہے اور ثانی قلیل الوقوع، راہزنی گو علانیہ ہوتی ہے تاہم حکام اور نائبین سے پوشیدہ ہی ہوتی ہے۔ اسلئے بنا بر مجاز اس کو بھی سرقہ کہا جاتا ہے۔ پھر اس کے لئے کچھ شرطیں ہیں (۱) راہزن صاحب قوت وحشمت ہوں یا کوئی ایسا باقوت ہو جو امتناع پر قادر ہو۔ (۲) راہزنی شہر سے باہر ہو۔ شہر میں راہزنی نہیں ہوتی۔ البتہ امام ابو یوسف کے نزدیک رات کے وقت میں شہر کے اندر بھی متحقق ہوسکتی ہے۔ اسی پر فتویٰ ہے (اختیار) (۳) دار الاسلام میں ہو (۴) مال ماخوذ بقدر نصاب ہو (۵) راہزن صاحب مال کے قرابت دار نہ ہوں (۶) راہزن قبل از توبہ گرفتار ہوں۔ توبہ کے بعد گرفتار ہونے سے حد ساقط ہو جائے گی۔

(شلبی، نہر، درر المنتقی)

اُخِذَ قَاصِدُ قَطْعِ الطَّرِيْقِ قَبْلَهٗ وَحُبِسَ حَتّٰى يَتُوْبَ وَاِنْ اَخَذَ مَالاً مَعْصُوْماً قُطِعَ يَدُهٗ وَرِجْلُهٗ

پکڑ لیا گیا رہزنی کا قصد کنندہ رہزنی سے قبل تو اس کو قید رکھا جائے یہاں تک کہ توبہ کرے اگر لے چکا مال معصوم تو کاٹا جائے اس کا ہاتھ پاؤں

مِنْ خِلَافٍ وَاِنْ قَتَلَ قُتِلَ حَدًّا وَاِنْ عَفَى الْوَلِيُّ وَاِنْ اَخَذَ وَقَتَلَ قُطِعَ وَقُتِّلَ وَصُلِّبَ

برخلاف اگر کسی کو مار ڈالا تو قتل کیا جائے گو ولی معاف کردے اگر قتل کیا اور مال بھی لیا تو ہاتھ کاٹا جائے قتل کیا جائے سولی پر چڑھایا جائے

اَوْ قُتِّلَ اَوْ صُلِّبَ وَيُصَلَّبُ حَيًّا ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ وَيُبْعَجُ بَطْنُهٗ بِرُمْحٍ

یا صرف قتل یا صرف سولی پر چڑھایا جائے اور زندہ کو سولی پر لٹکایا جائے تین دن تک اور اس کے پیٹ میں نیزے سے چونکے لگائے جائیں

حَتّٰى يَمُوْتَ وَلَمْ يَضْمَنْ مَا اَخَذَ وَغَيْرُ الْمُبَاشِرِ كَالْمُبَاشِرِ وَالْقَتْلُ بِالْعَصَا وَالْحَجَرِ كَالسَّيْفِ

یہاں تک کہ مر جائے اور ضامن نہ ہوگا اس مال کا جو اس نے لیا ہو اور غیر مرتکب مثل مرتکب کے ہے اور لاٹھی پتھر مثل تلوار کے ہے

وَاِنْ اَخَذَ مَالًا وَجَرَحَ قُطِعَ وَبَطَلَ الْجَرْحُ وَاِنْ جَرَحَ فَقَطْ اَوْ قَتَلَ فَتَابَ اَوْ كَانَ بَعْضُ الْقُطَّاعِ غَيْرُ مُكَلَّفٍ

اگر اس نے مال بھی لیا اور زخمی بھی کیا تو ہاتھ پاؤں کاٹا جائیگا اور زخم کا قصاص باطل ہوگا اگر صرف زخمی یا قتل کیا پھر توبہ کرلی یا کوئی ڈاکو غیر مکلف

اَوْ ذَا رَحِمٍ مُحْرِمٍ مِنَ الْمَقْطُوْعِ عَلَيْهِ اَوْقَطَعَ بَعْضُ الْقَافِلَةِ عَلَى الْبَعْضِ اَوْ قَطَعَ الطَّرِيْقَ لَيْلاً اَوْنَهَارًا بِمِصْرٍ اَوْبَيْنَ

یا مقطوع علیہ کا قرابتدار ہو یا اہل قافلہ ایک دوسرے پر رہزنی کریں یا ڈاکو ڈکیتی ڈالے رات کو یا دن کو شہر میں یا دو شہروں کے بیچ میں تو حد نہ ہوگی

مِصْرَيْنِ لَمْ يُحَدَّ فَاَقَادَ الْوَلِيُّ اَوْعَفٰى وَمَنْ خَنَقَ فِي الْمِصْرِ غَيْرَ مَرَّةٍ قُتِلَ بِهٖ

پس ولی قصاص لے یا معاف کرے جس نے گلا گھونٹا شہر میں کئی بار تو اس کو قتل کیا جائے۔

توضیح اللغۃ: بعج: البطن چونکا لگانا، رمح نیزہ، قطاع جمع قاطع ڈاکو، خنق گلا گھونٹنا۔

تشریح الفقہ: قولہ اخذ الخ راہزن کے چند احوال ہیں (۱) راہزنی کے ارادہ سے نکلا اور کوئی چیز لینے اور کسی کو قتل کرنے سے پہلے گرفتار کرلیا گیا۔ تو اس صورت میں اس کو قید کیا جائیگا انما جزاء الذین یحاربون اللّٰہ ورسولہ اہ'' میں نفی ارض سے یہی مراد ہے (۲) راہزنی کیلئے نکلا اور مال معصوم یعنی کسی مسلمان یا ذمی کا مال لے چکا تو اس کا داہنا ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹا جائیگا قال اللّٰہ تعالیٰ ''اوتقطع ایدیھم وارجلھم من خلاف'' (۳) مال وال تو نہیں لیا لیکن کسی کو قتل کرڈالا تو اس کو قتل کیا جائیگا اور یہ قتل بنا بر حد کے ہوگا نہ کہ از روئے قصاص یہاں تک کہ اگر اولیائے مقتول معاف کریں تو معاف نہ ہوگا کیونکہ یہ حق شرع ہے نہ کہ حق عبد (۴) مال بھی لیا

ور کسی کو قتل بھی کرڈالا تو اس صورت میں حاکم کو چند امور کا اختیار ہے داہنا ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹے پھر قتل کردے اس کے بعد سولی پر لٹکا دے یا صرف قتل کرڈالے یا صرف سولی پر چڑھادے۔

قولہ والعصا الخ راہزن کی لاٹھی اور پتھر کا حکم تلوار کا سا ہے یعنی گو امام صاحب کے نزدیک پتھر اور لاٹھی کے ذریعہ قتل کرنے سے قصاص نہیں لیکن یہاں ہر صورت میں قتل کیا جائیگا کیونکہ یہ جزا الطریق قصاص نہیں بلکہ جزا محاربہ ہے پس لاٹھی اور تلوار میں کوئی فرق نہ ہوگا۔

قولہ وان اخذ الخ مال لیا اور کسی کو زخمی بھی کردیا۔ تو اس صورت میں داہنا ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹا جائیگا۔ اور زخم کی وجہ سے کچھ واجب نہ ہوگا۔ کیونکہ قطع ید اور ضمان دونوں جمع نہیں ہوتے کما مر۔

قولہ وان جرح الخ ان چھ مسئلوں میں حد نہیں۔ (۱) صرف زخمی کیا (۲) قتل کیا اور گرفتاری سے قبل توبہ کرلی (۳) راہزنوں میں کوئی غیر مکلف ہو جیسے بچہ دیوانہ (۴) یا مقطوع علیہ کا کوئی ذی رحم محرم ہو (۵) اہل قافلہ نے ایک دوسرے پر ڈکیتی ڈالی ہو۔ (۶) کسی نے رات کو یا دن کو ایک شہر میں یا دوشہروں کے درمیان راہزنی کی ہو۔ ان تمام صورتوں میں حد ساقط ہے۔ البتہ حقوق العباد کا مواخذہ ضروری ہوگا۔ یعنی قتل عمد کی صورت میں قصاص اور اخذ مال کی صورت میں مال واپس کرنا اگر موجود ہو ورنہ ضمان دینا واجب نہ ہوگا۔

كِتَابُ السِّيَرِ

اَلْجِهَادُ هُوَ فَرْضُ كِفَايَةٍ اِبْتِدَآءً فَاِنْ اَقَامَ بِهٖ قَوْمٌ سَقَطَ عَنِ الْكُلِّ وَاِلَّا اَثِمُوْا بِتَرْكِهٖ

جہاد فرض کفایہ ہے ابتداء میں کہ اگر کچھ لوگ کریں تو سب سے ساقط ہوجائیگا ورنہ سب گنہ گار ہونگے

وَلَا يَجِبُ عَلٰى صَبِيٍّ وَامْرَاَةٍ وَ عَبْدٍ وَ اَعْمٰى وَ مُقْعَدٍ وَ اَقْطَعَ

اور واجب نہیں ہے بچے پر عورت پر غلام پر اندھے پر اپاہج پر اور ہاتھ پاؤں کٹے ہوئے پر۔

تشریح الفقہ: **قولہ کتاب الخ** حدود و جہاد ہر دو کا مقصد دفع فساد عن العباد ہے۔ مگر حدود کا معاملہ مسلمانوں سے متعلق ہے اور جہاد کفار سے ہوتا ہے اسلئے حدود کے بعد جہاد کو لا رہا ہے۔ سیر سیرۃ کی جمع ہے بمعنی عادت' طریقہ' طرز زندگی اور ہیئت' یقال هو حسن السيرة وہ اچھی عادت والا ہے۔ اصطلاح میں اس کا اطلاق کفار کیساتھ جنگ کرنے اور اسکے متعلقات پر ہوتا ہے۔ جیسے لفظ مناسک کا اطلاق افعال حج پر امام شافعی کے نزدیک اس کا سبب کافروں کا کفر ہے اور ہمارے نزدیک ان کا برسر پیکار ہونا ہے۔

قولہ الجهاد الخ اگر بعض کے کرنے سے مقصد حاصل ہوجائے سب کی ضرورت واقع نہ ہو تو جہاد فرض کفایہ ہے۔ کہ بعض کے کرلینے سے فرضیت سب سے ساقط ہوجائیگی اور اگر سب کی ضرورت ہو مثلاً دشمن مسلمانوں پر چڑھ آیا ہو تو اس وقت فرض عین ہے۔ نفس فرضیت کی دلیل اوامر قطعیہ ہیں۔ جیسے "قاتلوا المشركين كافة ، قاتلوهم حتى لا تكون فتنة" وغیرہ۔ سوال ان آیات کے عموم سے بچہ اور دیوانہ' عورت اور مریض مخصوص ہے۔ اور عام خص عنه البعض ظنی الدلالۃ ہوتا ہے۔ جس سے فرضیت ثابت نہیں ہوتی۔ جواب بچہ اور دیوانہ کا خروج عقلاً ثابت ہے اور ایسی تخصیص سے عام ظنی نہیں ہوتا۔ اور عورت اور مریض ابتداہی سے جہاد کے مخاطب نہیں اور فرض کفایہ ہونا اس لئے ہے کہ جہاد فرض لعینہ نہیں بلکہ لغیرہ ہے کیونکہ یہ فی نفسہ افساد ہے یہ تو صرف دین الٰہی کو غالب کرنے اور مسلمانوں سے شر دور کرنے کے لئے فرض کیا گیا ہے۔ تو جب یہ مقصد بعض سے حاصل ہوجائے تو باقی لوگوں سے ساقط ہوجائیگا۔ سوال ظاہر آیات سے تو جہاد فرض عین معلوم ہوتا ہے۔ پھر فرض کفایہ کہنا کیسے صحیح ہوا؟ جواب حق تعالیٰ نے آیت "لايستوى القاعدون" کے آخر میں "وكلا وعد الله الحسنى" فرمایا ہے کہ اگر جہاد ہمیشہ فرض عین ہوتا تو قاعدون سے نیکی کا وعدہ نہ ہوتا بلکہ وہ مستحق عذاب ہوتے۔

وَفَرضُ عَینٍ اِنْ هَجَمَ العَدُوُّ فَتَخرُجُ الْمَرْأَةُ وَالْعَبْدُ بَلا اِذْنِ زَوْجِهَا وَسَیِّدِهٖ وَکُرِهَ الْجُعْلُ اِنْ وُجِدَ فِیْ

اور فرض عین ہے اگر دشمن چڑھ آئے پس عورت بلا اجازت شوہر اور غلام بلا اجازت آقا جہاد کے لئے نکلے اور مکروہ ہے مزدوری اگر بیت المال میں

وَاِلَّا لَا فَاِنْ حَاصَرْنَاهُمْ نَدْعُوْهُمْ اِلَی الْاِسْلَامِ فَاِنْ اَسْلَمُوْا وَاِلَّا اِلَی الْجِزْیَةِ

مال پایا جائے ورنہ نہیں پس اگر ہم کافروں کا محاصرہ کریں تو ان کو اسلام کی دعوت دینگے اگر وہ مسلمان ہو جائیں تو بہتر ہے ورنہ جزیہ طلب کریں گے

فَاِنْ قَبِلُوْا فَلَهُمْ مَالَنَا وَعَلَیْهِمْ مَاعَلَیْنَا وَلَا نُقَاتِلُ مَنْ لَمْ تَبْلُغْهُ الدَّعْوَةُ اِلَی الْاِسْلَامِ

اگر وہ قبول کرلیں تو ان کے لئے وہ ہے جو ہمارے لئے ہے اور ان پر وہ ہے جو ہم پر ہے اور ہم نہ لڑینگے اس سے جس کو دعوتِ اسلام نہ پہنچی ہو

وَنَدْعُوْا نَدْبًا مَنْ بَلَغَتْهُ وَاِلَّا نَسْتَعِیْنُ بِاللّٰهِ تَعَالٰی وَنُحَارِبُهُمْ بِنَصْبِ[1] الْمَجَانِیْقِ وَحَرْقِهِمْ[2]

اور اسلام کی طرف بلائیں گے استحباباً اس کو جس کو دعوت پہنچ چکی ہو ورنہ اللہ کی مدد طلب کر کے ان سے لڑینگے منجنیقیں قائم کرنے ان کو جلانے

وَغَرْقِهِمْ وَقَطْعِ اَشْجَارِهِمْ وَاِفْسَادِ زُرُوْعِهِمْ وَرَمْیِهِمْ وَاِنْ تَتَرَّسُوْا بِبَعْضِنَا وَنَقْصُدُهُمْ

اور ڈبونے اور ان کے درخت اجاڑنے اور کھیتی برباد کرنے اور تیروں کی بھرمار کرنیکے ساتھ گو وہ ہم میں سے کسی کو سپر بنالیں اور ہم انہی کی نیت

وَنُهِیْنَا عَنْ اِخْرَاجِ مُصْحَفٍ[3] وَامْرَأَةٍ فِیْ سَرِیَّةٍ یُخَافُ عَلَیْهِمَا وَغَدْرٍ[4] وَغُلُوْلٍ وَمُثْلَةٍ

کرینگے اور منع کیا گیا ہے ہم کو قرآن اور عورت کو ایسے لشکر میں لیجانے سے جس میں ان پر خوف ہو اور دغا اور مال غنیمت میں خیانت اور مثلہ کرنے

وَقَتْلِ امْرَأَةٍ وَغَیْرِ مُکَلَّفٍ وَشَیْخٍ فَانٍ وَاَعْمٰی وَمُقْعِدٍ اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ اَحَدُهُمْ ذَارَأْیٍ فِی الْحَرْبِ اَوْ مَلِکًا وَقَتْلِ اَبٍ

اور عورت اور غیر مکلف اور پیر فرتوت اور اندھے اور اپاہج کو قتل کرنے سے الا یہ کہ کوئی ان میں سے ذی رائے یا بادشاہ ہو اور مشرک باپ کے قتل کرنے سے

مُشْرِکٍ وَلْیَأْبَ الْاِبْنُ لِیَقْتُلَهٗ غَیْرُهٗ وَنُصَالِحُهُمْ وَلَوْ بِمَالٍ اِنْ خَیْرًا وَنَنْبِذُ

اور بیٹے کو چاہئے کہ وہ رک جائے تا کہ کوئی دوسرا اس کو مار ڈالے اور ہم ان سے صلح کریں گے گو بذریعہ مال ہو بشرطیکہ بہتر ہو اور صلح توڑ ڈالیں گے

لَوْ خَیْرًا وَنُقَاتِلُ بِلَا نَبْذٍ لَوْ خَانَ مَلِکُهُمْ وَالْمُرْتَدِّیْنَ بِلَامَالٍ فَاِنْ اُخِذَ لَمْ یُرَدَّ

اگر بہتر ہو اور ان سے لڑینگے صلح توڑے بغیر اگر ان کا بادشاہ خیانت کرے اور مرتدین سے لڑینگے مال لئے بغیر لیکن اگر لے لیا گیا تو واپس نہ کیا جائے

وَلَمْ نَبِعْ سَلَاحًا مِنْهُمْ وَلَانَقْتُلُ مَنْ اَمَنَهٗ حُرٌّ اَوْ حُرَّةٌ وَنَنْبِذُ لَوْ شَرًّا

اور ان کے ہاتھ ہتھیار فروخت نہ کرینگے اور ان سے نہ لڑینگے جس کو کسی آزاد مرد یا عورت نے پناہ دیدی ہو اور توڑ ڈالیں گے اگر امن دینا برا ہو

وَبَطَلَ اَمَانُ ذِمِّیٍّ وَاَسِیْرٍ وَتَاجِرٍ وَعَبْدٍ مَحْجُوْرٍ عَنِ الْقِتَالِ

اور ذمی اور قیدی اور تاجر اور قتال سے روکے گئے غلام کا امن دینا باطل ہے۔

توضیح اللغة: هجم اچانک آجانا۔ جعل جنگ کرنے والے کا وظیفہ، مجانیق جمع منجنیق، قلعہ کی دیوار پر پتھر وغیرہ پھینکنے کی مشین، حرق جلانا، اشجار جمع شجر درخت، زروع جمع زرع کھیتی، تترس اپنے آپ کو ڈھال سے چھپانا، سریۃ دستہ فوج، غدر عہد شکنی، غلول مال غنیمت میں خیانت کرنا، مثلہ ناک کان کاٹنا، مقعد: اپاہج، لیاب ابی یابی سے ہے انکار کرنا مراد رکنا، تنبذ، العهد توڑنا۔ خان خیانت کی، سلاح ہتھیار، عبد محجور: وہ غلام جس کو لڑائی کی اجازت نہ ہو۔

---

[1] کما نصب علیہ السلام علی الطائف[1] ۱۲ [2] لانہ علیہ السلام احرق البویرۃ[2] (وہی نخل بنی النضیر) ۱۲ [3] قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لاتسافروا بالقرآن فی ارض العدو[3] ۱۲
[4] قال علیہ السلام لاتغدروا ولا تمثلوا ولا تقتلوا ولیدا[4] ۱۲ (۱)...... ترمذی، ابوداؤد (مرسلا) ابن سعد (فی الطبقات) ۱۲ (۲)...... ائمہ ستہ ۱۲
(۳)...... الجماعۃ الا الترمذی عن ابن عمر ۱۲ (۴)...... الجماعۃ الا البخاری عن بریدہ ۱۲

تشریح الفقہ : قولہ فرض الخ اگر دشمن یک بارگی ہجوم کر آئے خواہ دشمن کافر ہو یا باغی تو جہاد فرض عین ہے اور تمام اہل اسلام کو نکلنا ضروری ہے۔ اگر چہ اہل حقوق اجازت نہ دیں۔ چنانچہ بیوی بلا اجازت شوہر اور غلام بلا اجازت آقا بھی جہاد میں شرکت کریں گے۔ شرح ملتقی میں ہے کہ اگر دار الاسلام کے کسی شہر پر کفار ہجوم کر آئیں اور وہاں کے قریب والے لوگ دفع پر قادر ہوں تو ان کے حق میں جہاد فرض عین ہے۔ اور ان کے سواد ور والوں پر فرض کفایہ ہے اور اگر نزدیک والے عاجز ہوں یا کاہلی کریں تو دور والوں پر بھی فرض ہے اسی طرح شدہ شدہ تمام اہل مشرق واہل مغرب پر فرض عین ہوگا۔

قولہ وکرہ الجعل الخ فئی اس مال کو کہتے ہیں جو کافروں سے بلا قتال حاصل ہو۔ جیسے خراج اور جزیہ اور غنیمت اس کو کہتے ہیں جو بذریعہ قتال حاصل ہو۔ مگر یہاں فئی مال غنیمت کو بھی شامل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب تک بیت المال میں کوئی مال موجود ہو تو حاکم کو جہاد کے لئے رغبت سے مال لینا مکروہ ہے۔ کیونکہ بیت المال ایسی ہی ضرورت کے لئے ہے نہ کہ حکام کے عیش و آرام کے لئے۔

قولہ فان حاصر ناھم الخ اگر مسلمان کافروں کا محاصرہ کرلیں تو اولاً ان کو اسلام کی طرف بلایا جائیگا۔ اگر وہ اسلام قبول کرلیں تو بہتر ہے۔ کیونکہ حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی قوم سے اسلام کی دعوت دیئے بغیر قتال نہیں کیا[1]۔

اور اگر وہ اسلام قبول کرنے سے انکار کریں تو پھر جزیہ دینے کی درخواست کی جائے بشرطیکہ وہ اہل جزیہ ہوں یعنی اہل کتاب یا آتش پرست یا عجمی بت پرست ہوں عرب کے مشرک اور مرتد نہ ہوں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امراء جیوش کو اسی کا حکم فرمایا ہے[2]۔ اگر وہ جزیہ دینا قبول کرلیں تو مظلوم ہونے کی صورت میں ان کے لئے انصاف ہوگا جیسا کہ اہل اسلام کیلئے ہے اور ظالم ہونے کی صورت میں ان سے انتقام لیا جائیگا جیسا کہ مسلمانوں سے لیا جاتا ہے اور وہ جزیہ دینا بھی قبول نہ کریں تو پھر اللہ کا نام لیکر ان سے قتال کیا جائیگا۔

قولہ ونصالح الخ اگر مسلمانوں کے حق میں کفار سے مصالحت کرلینا بہتر ہو تو صلح کرلینا جائز ہے اگر چہ صلح مال پر ہو۔ یعنی ان سے مال لیکر یا ان کو مال دیکر ہر صورت سے صلح کرنا جائز ہے قال تعالیٰ "وان جنحوا للسلم فاجنح لھا" اگر وہ صلح کی طرف مائل ہوں تو آپ بھی مائل ہوجایئے، یہ آیت گو مطلق ہے لیکن صلح بالاجماع بقید مصلحت مقید ہے اگر مصلحت نہ ہو تو بالاتفاق جائز نہیں۔

قولہ ونبذ الخ پھر اگر مسلمانوں کے حق میں صلح کو توڑ دینا بہتر ہو تو توڑ دینا بھی درست ہے۔ اب اگر ہنوز صلح کی مدت باقی ہو تو نقض صلح کا اعلان کردیا جائیگا۔ تاکہ عہد شکنی کہ جو حرام ہے لازم نہ آئے قال تعالیٰ "واما تخافن من قوم خیانۃ فانبذ الیھم علیٰ سواء ان اللہ لا یحب الخائنین، ای، علیٰ سواء منکم ومنھم فی العلم بذلک" اور اگر صلح کی پوری مدت گزر چکی ہو تو اعلان کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ صلح خود ہی باطل ہوگئی۔ اور اگر ان کے بادشاہ کی طرف سے خیانت ظاہر ہو تو نقض صلح کا اعلان کئے بغیر ان سے قتال کیا جائیگا کیونکہ حدیبیہ کے سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش سے ان کے نقض عہد اور خیانت کی وجہ سے قتال کیا تھا۔

قولہ ولم نقتل الخ اگر کوئی مسلمان آزاد مرد یا عورت کسی کافر کو امن دیدے تو اس کو قتل نہیں کیا جائیگا اگر چہ امن دینے والا فاسق یا نابینا یا شیخ فانی ہو یا وہ بچہ اور غلام ہو جن کو لڑنے کی اجازت ہو۔ کیونکہ آپ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ نے حضرت ابوالعاص کو اور ام ہانی بنت ابی طالب نے حضرت عقیل کو امن دیا اور آپ نے اس کا جائز رکھا اور فرمایا "یجیز علی المسلمین ادناھم"[3]۔

قولہ وبطل الخ صحت امان محل خوف کے ساتھ مخصوص ہے تو جو شخص قتال نہیں کرسکتا اس کا امان دینا بے معنی ہے لہٰذا ذمی کا کسی کافر کو امان دینا باطل ہے۔ کیونکہ اہل اسلام پر ذمی کو ولایت نہیں۔ ہاں اگر امیر لشکر اس کو حکم کرے تو صحیح ہے۔ (بحر، نہر، زیلعی، درر، عالمگیری) اسی طرح مسلمان قیدی اور مسلم تاجر جو دار الحرب میں ہو اس کا امان دینا بھی صحیح نہیں کیونکہ وہ خود کفار کے امان میں ہے اسی طرح جس غلام کو قتال کی اجازت نہ ہو۔ اس کا امان دینا بھی صحیح نہیں، امام محمد اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک صحیح ہے لقولہ علیہ السلام "ذمۃ المسلمین واحدۃ یسعی بھا ادناھم" امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ معنوی حیثیت سے امان بھی جہاد ہے۔ اور غلام محجور عن القتال ہے تو وہ امان کے سلسلہ میں بھی محجور ہوگا۔

---

[1] عبد الرزاق، حاکم، احمد طبرانی عن ابن عباس ۱۲ ع..... [2] الجماعۃ الا البخاری بریدۃ ۱۲ [3]..... طبرانی عن انس ۱۲

باب الغنائم وقسمتھا

باب مال غنیمت اوراسکی تقسیم کے بیان میں

وَقِسْمَتُهَا مَافَتَحَ الْإِمَامُ عُنْوَةً قُسِمَ بَيْنَنَا اَوْ اَقَرَّ اَهْلَهَا وَوَضَعَ الْجِزْيَةَ وَالْخِرَاجَ وَقَتَلَ الْاُسَارٰى

جس شہر کو امام غلبۃً فتح کرے تو اس کو ہمارے درمیان تقسیم کردے یا اس کے باشندوں کو برقرار رکھے اور جزیہ اور خراج مقرر کردے اور قیدیوں کو

اَوِ اسْتَرَقَّ اَوْ تَرَكَ اَحْرَارًا ذِمَّةً لَّنَا وَحَرُمَ رَدُّهُمْ اِلٰى دَارِ الْحَرْبِ وَالْفِدَآءُ وَالْمَنُّ وَعُقِرَ مَوَاشٍ

مارڈالے یا غلام بنالے یا ان کو آزاد چھوڑ دے ذمی بنا کر اور حرام ہے ان کو دارالحرب واپس کرنا اور فدیہ لینا اور احسان کرنا اور ان مویشیوں کی کونچیں

اِنْ شَقَّ اِخْرَاجُهَا فَتُذْبَحُ وَتُحْرَقُ وَقِسْمَةُ الْغَنِيْمَةِ فِىْ دَارِهِمْ لَا الْاِيْدَاعُ وَبَيْعُهَا قَبْلَهَا

کاٹنا جن کا نکالنا مشکل ہو بلکہ ان کو ذبح کرکے جلادیا جائے اور دارالحرب میں مال غنیمت تقسیم کرنا نہ کہ سپرد کرنے کی غرض سے اور قبل از تقسیم اس کو

وَشَرِكَ الرِّدْءُ وَالْمَدَدُ فِيْهَا لَا السُّوْقِىُّ بِلَاقِتَالٍ وَلَامَنْ مَّاتَ فِيْهَا وَبَعْدَ الْاِحْرَازِ فِىْ دَارِنَا

فروخت کرنا اور شریک ہوگی کمک اور مدد مال غنیمت میں نہ کہ بازاری لوگ بلا قتال کے اور نہ وہ جو مرجائے دارالحرب میں اور دارالاسلام میں جمع

يُوْرَثُ نَصِيْبُهٗ وَيُنْتَفَعُ فِيْهَا بِعَلَفٍ وَطَعَامٍ وَّسَلَاحٍ وَدُهْنٍ بِلَاقِسْمَةٍ

ہونے کے بعد اس کا حصہ وارثوں کو دیا جائیگا اور نفع اٹھایا جاسکتا ہے چارہ سے اور کھانے سے اور لکڑی سے اور ہتھیار سے اور تیل سے بلا تقسیم

وَلَا يَبِيْعُهَا وَبَعْدَ الْخُرُوْجِ مِنْهَا لَا وَمَا فَضَلَ رُدَّ اِلَى الْغَنِيْمَةِ

اور ان کو فروخت نہ کرے اور دارالحرب سے نکلنے کے بعد نفع اٹھانا جائز نہیں اور جو بچ جائے وہ مال غنیمت میں واپس کردیا جائے

وَمَنْ اَسْلَمَ مِنْهُمْ اَحْرَزَ نَفْسَهٗ وَطِفْلَهٗ وَكُلَّ مَالٍ مَعَهٗ اَوْ وَدِيْعَةٍ عِنْدَ مُسْلِمٍ

جو ان میں سے اسلام لے آئے وہ بچالیگا اپنی جان کو اور لڑکے کو اور ہر اس مال کو جو اس کے ساتھ ہو اور اس ودیعت کو جو کسی مسلمان

اَوْ ذِمِّىٍّ دُوْنَ وَلَدِهِ الْكَبِيْرِ وَزَوْجَتِهٖ وَحَمْلِهَا وَعِقَارِهٖ وَعَبْدِهِ الْمُقَاتِلِ

یا ذمی کے پاس ہو نہ کہ اپنے بڑے بیٹے اور بیوی اور اس کے حمل اور اپنی زمین اور اپنے جنگی غلام کو

توضیح اللغۃ: غنائم جمع غنیمت، عنوۃ بطور قہر وغلبہ، اسریٰ جمع اسیر قیدی۔ فداء مال جو چھڑانے کیلئے دیا جائے منّ احسان کرنا عقر کونچیں کاٹنا۔ مواش جمع ماشیۃ ڈھور، رد، مدد، سوقی بازاری، علف چارہ حطب لکڑی، سلاح ہتھیار، دہن تیل۔

تشریح الفقہ: **قولہ مافتح الخ** جس شہر کو امام بطور قہر وغلبہ فتح کرے اس کے متعلق اسکو اختیار ہے چاہے خمس نکال کر باقی کو غازیوں کے درمیان تقسیم کردے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر میں کیا تھا اس صورت میں وہ زمین غازیوں کی مملوک ہوجائیگی اور اس میں عشر معین ہوگا اور چاہے تو وہاں کے کافروں کو بطور احسان برقرار رکھے جیسا حضرت عمر نے عراق میں کیا تھا کہ ان کے گھروں اور زمینوں کو انہیں کے تصرف میں رکھا اس صورت میں ان پر جزیہ اور خراج مقرر کیا جائیگا۔ "قیل الاول اولیٰ عند حاجۃ الغانمین ۱۲"۔

قولہ وقتل الاسریٰ الخ اور جن کافروں کو قید کرلیا گیا ہو ان کے متعلق امام کو اختیار ہے چاہے قتل کرے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنوقریظہ کو قتل کیا تھا بشرطیکہ وہ مسلمان نہ ہوگئے ہوں اور چاہے تو ان کو غلام بنائے رکھے کیونکہ اس صورت میں دفع شر کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی کامل منفعت ہے۔ اور چاہے تو ان کو آزاد ذمی بنا کر چھوڑ دے جیسا کہ حضرت عمر نے کیا تھا بشرطیکہ وہ مشرکین اور مرتدین نہ ہوں کہ ان کا ذمی ہونا جائز نہیں۔ کما سیأتی۔

قولہ وحرم الخ کافر قید ہو کر مسلمانوں کے قبضے میں آئیں ان کو ازارہ احسان بدون کسی معاوضہ کے رہا کر دینا جائز نہیں کیونکہ فتح کے بعد غازی لوگ ان کے مالک ہو گئے تو اب مفت چھوڑنے میں ان کی حق تلفی ہے، امام شافعی نے اس کو جائز رکھا ہے۔ اور دلیل یہ آیت ہے۔ (فامامنا بعد واما فداء) یعنی اس کے بعد یا تو احسان کیجیو یا کچھ معاوضہ لیجیو۔ جواب یہ ہے کہ یہ آیت سیف (اقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم) سے منسوخ ہے کیونکہ من وفداء سورۃ محمد میں مذکور ہے جو مکہ میں نازل ہوئی تھی اور آیت سیف سورۃ براءۃ کی ہے جو مدینہ میں نازل ہوئی تھی، حضرت قتادہ، ضحاک، سدی، ابن جریج اوزاعی اسی طرف گئے ہیں۔ نیز جو کفار اہل اسلام کے قبضہ میں قید ہو کر آجائیں ان کو مسلمان قیدیوں کے مبادلہ میں چھوڑنا جائز نہیں۔ تمامی جنگ سے پہلے یا اس کے بعد کیونکہ وہ تقویت حاصل کر کے پھر لڑائی کا سامان بن جائیں گے۔ صاحبین کے نزدیک تمامی جنگ سے قبل مسلمان قیدیوں کے مبادلہ میں کافر قیدیوں کو رہا کرنا جائز ہے۔ یہی ائمہ ثلاثہ کا مذہب ہے اور یہی امام صاحب سے ظاہر الروایہ ہے کیونکہ تخلیص مسلم کافر کے قتل سے بہتر ہے۔

قولہ وعقر مواش الخ اگر مال غنیمت میں کچھ مویشی ہوں اور ان کو دارالاسلام میں لانا شاق ہو تو ان کی کونچیں نہ کاٹی جائیں کیونکہ یہ حرام ہے بلکہ ان کو ذبح کر کے جلا دیا جائے۔ ذبح سے پیشتر جلانے کی اجازت نہیں کیونکہ جاندار کو آگ میں جلانا سوائے خدا کے کسی اور کے لئے جائز نہیں۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر جانوروں کو لانا مشکل ہو تو جلایا نہ جائے بلکہ دارالحرب میں چھوڑ دیا جائے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے کے علاوہ کسی اور غرض سے بکری کو ذبح کرنے سے منع فرمایا[1] ہے، ہم کہتے ہیں کہ کسی غرض صحیح کے پیش نظر جانور کو ذبح کرنا جائز ہے اور دشمن کی شان وشوکت پامال کرنے سے زیادہ صحیح غرض اور کیا ہو سکتی ہے۔

قولہ وقسمۃ الغنیمۃ الخ اور دارالحرب میں مال غنیمت تقسیم کرنا بھی جائز نہیں الا یہ کہ امام کے پاس بار برداری کا کوئی انتظام نہ ہو اور اس غرض سے وہ بطور امانت غازیوں پر تقسیم کر دے تاکہ وہ اس بہانے سے دارالاسلام میں پہنچ جائے اور وہاں پھر از سر نو تقسیم ہو تو جائز ہے، امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر مشرکین کو شکست فاش ہو چکی ہو تو دارالحرب میں مال غنیمت تقسیم کرنے میں کوئی حرج نہیں یہی حضرت عطاء کا قول ہے۔ بلکہ امام مالک تو یہ فرماتے ہیں کہ بعجلت تمام دارالحرب ہی میں تقسیم کر لینا چاہیے۔ بجز قیدیوں کے کہ ان کی تقسیم دارالاسلام ہی میں آ کر کی جائے گی اور یہ اختلاف دراصل اس بات پر متفرع ہے کہ ہمارے نزدیک غازیوں کا حق اس وقت تک ثابت نہیں ہوتا جب تک کہ دارالاسلام میں آ کر جمع نہ ہو جائے اور ان حضرات کے یہاں غلبہ حاصل کر لینے کے بعد غازیوں کا حق ثابت ہو جاتا ہے۔ (والا دلۃ فی المطولات)۔

قولہ وشرک الخ جو مدد اور کمک غازیوں کو دارالحرب میں جا کر ملے وہ استحقاق غنیمت میں غازیوں کے برابر ہے پس وہ بھی مال غنیمت میں شریک ہوں گے لیکن لشکر والوں میں سے جو لوگ بازاری ہوں وہ شریک نہ ہوں گے۔ کیونکہ ان کا وہاں جانا قتال کی نیت سے نہیں۔ ہاں اگر وہ کفار سے قتال کریں تو بیشک شریک ہوں گے۔ "وعند الشافعی فی قول یسھم لھم مطلقاً"۔

قولہ وینتفع فیھا الخ غازی لوگ دارالحرب میں مال غنیمت چارہ، کھانا، لکڑی، ہتھیار، تیل وغیرہ قبل از تقسیم بھی استعمال کر سکتے ہیں۔ کیونکہ احادیث سے اس کی اجازت ثابت ہے[2] مصنف نے ان اشیا کے انتفاع کو مطلق رکھا ہے لیکن صاحب وقایہ نے ہتھیار کے انتفاع کو مقید بحاجت کیا ہے اور ظہیریہ میں کل اشیا کے انتفاع کو امام کی اجازت کیساتھ مقید کیا ہے۔

---

[1] ابن ابی شیبہ عن ابی بکر ۱۲

[2] ابوداؤد عن عبداللہ بن مغفل، بخاری عن ابن عمر ابوداؤد عن عبداللہ بن ابی اوفی بیہقی عن ہانی ۱۲

فَصْلٌ فِي قِسْمَةِ الْغَنِيْمَةِ لِلرَّاجِلِ سَهْمٌ وَلِلْفَارِسِ سَهْمَانِ وَلَوْ لَهُ فَرَسَانِ وَالْبَرَاذِيْنُ كَالْعِتَاقِ

(فصل) پیادہ پا کے لئے ایک حصہ ہے اور سوار کے لئے دو حصے اگر چہ اس کے پاس دو گھوڑے ہوں اور ترکی گھوڑا عربی گھوڑے کے مانند ہے

لَا لِلرَّاحِلَةِ وَالْبَغْلِ وَالْعِبْرَةُ لِلْفَارِسِ وَالرَّاجِلِ عِنْدَ الْمُجَاوَزَةِ وَلِلْمَمْلُوْكِ وَالْمَرْأَةِ وَالصَّبِيِّ وَالذِّمِّيِّ

نہ کہ اونٹ اور خچر اور اعتبار سوار ہونے اور پیادہ پا ہونے میں دارالاسلام سے بڑھنے کے وقت کا ہے اور غلام عورت بچے اور ذمی کے لئے

الرَّضْخُ لَا السَّهْمُ وَالْخُمُسُ لِلْيَتَامٰى وَالْمَسَاكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَقُدِّمَ ذَوِي الْقُرْبٰى الْفُقَرَآءُ مِنْهُمْ عَلَيْهِمْ

تھوڑا سا عطیہ ہے نہ کہ پورا حصہ اور پانچواں حصہ یتامیٰ مساکین اور مسافروں کے لئے ہے اور مقدم کیا جائیگا ان میں سے قرابت دار فقراء کو ان پر

وَلَاحَقَّ لِاَغْنِيَائِهِمْ وَذِكْرُ اللّٰهِ تَعَالٰى لِلتَّبَرُّكِ وَسَهْمُ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ سَقَطَ بِمَوْتِهٖ كَالصَّفِيِّ

اور مالداروں کا کوئی حق نہیں اور اللہ کا ذکر صرف تبرک کے لئے ہے اور آنحضرت ﷺ کا حصہ آپ کی وفات کے سبب ختم ہو گیا جیسے صفی ختم ہو گیا

وَاِنْ دَخَلَ صَمْعٌ ذُوْ مَنَعَةٍ دَارَهُمْ بِلَا اِذْنٍ خُمِّسَ فِيْمَا اَخَذُوْا وَاِلَّا لَا وَلِلْاِمَامِ اَنْ يُّنَفِّلَ

اور اگر داخل ہوئی کوئی طاقت ور جماعت دار الحرب میں بادشاہ کی اجازت کے بغیر تو خمس لیا جائیگا اس مال کا جو وہ لائیں ورنہ نہیں اور امام یہ کہکر زیادہ

بِقَوْلِهٖ مَنْ قَتَلَ قَتِيْلًا فَلَهٗ سَلَبُهٗ وَبِقَوْلِهٖ لِلسَّرِيَّةِ جَعَلْتُ لَكُمُ الرُّبُعَ بَعْدَ الْخُمُسِ

دینے کا وعدہ کر سکتا ہے کہ جو کسی کو قتل کریگا اس کا ساز و سامان اسی کو ملے گا یا لشکر کے کسی دستے کو کہہ دے کہ میں نے تمہارے لئے خمس کے بعد چوتھائی

وَيُنَفِّلُ بَعْدَ الْاِحْرَازِ مِنَ الْخُمُسِ فَقَطْ وَالسَّلَبُ لِلْكُلِّ اِنْ لَّمْ يُنَفِّلْ

مقرر کر دی اور جمع کرنیکے بعد زیادہ عطیہ صرف خمس میں سے دیا جائیگا اور مقتول کا ساز و سامان سب کے لئے ہوگا اگر زیادہ دینے کا وعدہ نہ کیا ہو

وَهُوَ مَرْكَبُهٗ وَثِيَابُهٗ وَسَلَاحُهٗ وَمَا مَعَهٗ

اور سلب مقتول کی سواری اس کے کپڑے اور ہتھیار اور ہر وہ مال ہے جو اس کے ساتھ ہو

سوار اور پیادہ پا کے درمیان مال غنیمت تقسیم کرنیکا بیان

توضیح اللغۃ: راجل پیادہ پا، فارس شہسوار، سہم حصہ، براذین جمع برذون: اسپ ترکی، عتاق عمدہ نسل والا عربی گھوڑا، راحلۃ اونٹ بغل خچر، عبرۃ اعتبار، رضخ تھوڑا سا عطیہ، صفی مال غنیمت کا وہ حصہ جو سردار اپنے لئے خاص کر لے، منعۃ شان و شوکت، ینفل حصہ سے زائد دے، سلب مقتول کا ساز و سامان۔

تشریح الفقہ: قولہ للراجل الخ غازیوں میں سے جو لوگ سوار ہوں امام اعظم اور امام زفر کے نزدیک ان کے دو حصے ہیں۔ اور جو لوگ پیادہ پا ہوں ان کا ایک حصہ ہے۔ حضرت علیؓ و ابو موسیٰ اشعریؓ سے بھی یہی مروی ہے 'صاحبین' ائمہ ثلاثہ 'ابن عباس' مجاہد' حسن' ابن سیرین' عمر بن عبد العزیز' اوزاعی' ثوری' لیث' اسحاق' ابو عبیدہ' ابن جریر اور دیگر اہل علم کے نزدیک سوار کے تین حصے اور پیادہ پا کا ایک حصہ ہے' گویا امام صاحب کے ہاں سوار اور سواری کا ایک ایک حصہ ہے اور ان حضرات کے ہاں گھوڑے کے دو حصے ہیں۔ دلیل حضرت ابن عمر کی روایت ہے کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑے کے دو حصے مقرر فرمائے۔ اور گھوڑے سوار کا ایک حصہ[1]۔ اس مضمون کی اور بھی احادیث ہیں[2] "امام ابوحنیفہ کی دلیل وہ احادیث ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سوار کے دو حصے مقرر فرمائے[3]" تو اس سلسلہ میں ہر دو قسم کی روایتیں موجود ہیں اور متعارض ہیں اس لئے امام صاحب نے دو حصوں کو وجوب پر اور تین حصوں والی روایات

(۱)...... الجماعۃ إلا النسائی عن ابن عمر ۱۲ (۲)...... ابوداؤد عن ابی عمرۃ طبرانی، دار قطنی عن ابی، رہم وابی کبشہ، بزار، دار قطنی، عن المقداد وابن راہویہ عن ابن عباس، احمد، دار قطنی عن الزبیر دار قطنی عن جابر وابی ہریرہ وسہل بن ابی حثمہ، طبرانی عن عمر ۱۲ (۳)...... ابوداؤد عن مجمع طبرانی عن المقداد، واقدی عن الزبیر ابن مردویہ (فی تفسیر، فی سورۃ الانفال) عن عائشہ، ابن ابی شیبہ عن ابن عمر، تفصیل کے لئے فتح، کشف، شرح نقایہ ملاحظہ ہو ۱۲۔

کو تنفیل یعنی انعام پر محمول کیا ہے۔ کیونکہ ابطال روایت کی بہ نسبت جمع بین الروایات ہی اولیٰ ہے۔

قوله ولو له فرسان الخ اگر کوئی غازی دو گھوڑے لیکر جائے تو طرفین کے نزدیک اس کو ایک ہی گھوڑے کا حصہ ملے گا۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ دو گھوڑوں کے دو دو حصے ملیں گے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیرؓ کے دو گھوڑوں کے دو دو حصے مقرر فرمائے تھے۔[1] طرفین فرماتے ہیں کہ قتال دو گھوڑوں پر نہیں ہوسکتا۔ ایک ہی گھوڑے پر ہوسکتا ہے۔ لہٰذا ایک ہی گھوڑے کا حصہ مقرر کیا جائیگا۔ نہ کہ دو کا جیسا کہ تین اور چار گھوڑوں کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ رہا حضرت زبیرؓ کا قصہ سو اول تو صحیح روایت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو چار حصے عطا کئے تھے ایک خود ان کا ایک ان کی والدہ حضرت صفیہ کا اور دو ان کے ایک گھوڑے کے۔[2] اور اگر پانچ کی روایت صحیح بھی ہو تو وہ تنفیل پر محمول ہے یعنی پانچواں حصہ بطور انعام تھا جیسا کہ آپ نے حضرت سلمہ بن اکوعؓ کو دو حصے عطا کئے تھے حالانکہ آپ پیادہ پا تھے اور پیادہ پا کا ایک حصہ ہوتا ہے۔[3]

قوله والعبرة الخ سوار اور پیدل کے حصوں کا استحقاق وقت مجاوزت کے لحاظ سے ہے یعنی اگر دار الاسلام سے جدا ہوتے وقت سوار تھا تو سوار کا اور پیادہ پا تھا تو پیدل کا حصہ پائے گا پس اگر کوئی غازی دار الحرب میں سوار ہو کر داخل ہوا پھر اس کا گھوڑا مر گیا تو وہ دو حصوں کا مستحق ہے۔ اور اگر دار الحرب میں پیدل گیا اور وہاں جا کر گھوڑا خرید لیا تو ایک حصہ کا مستحق ہوگا امام شافعی کے یہاں تمام ہونے کا وقت معتبر ہے۔ "**كذافي عامة الكتب والظاهر من مذهبه انه يعتبر مجرد شهود الوقعة**"۔

قوله والخمس الخ آیت "**واعلموا انما غنمتم من شيء الخ**" میں مال غنیمت کی تقسیم اس طرح کی گئی ہے کہ کل مال کے پانچ حصے کر کے ایک حصہ جس کو خمس کہتے ہیں اللہ کیلئے اور اللہ کے رسول کے لئے اور رسول کے قرابتداروں اور فقیروں اور یتیموں اور مسافروں کیلئے ہے اس میں لفظ اللہ جمہور کے نزدیک افتتاح کلام میں محض تعظیم و تبرک کے لئے ہے۔ جیسا کہ آیت "**قل الانفال لله والرسول الخ**" میں آیا ہے کیونکہ تمام چیزیں اللہ ہی کی ہیں۔ اس کو حصہ کی ضرورت نہیں حدیث سے یہ مضمون ثابت ہے حضرت ابو العالیہ جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ کا حصہ خانہ کعبہ کی تعمیر اور مساجد کی ضروریات میں صرف ہوگا یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ تعمیر کعبہ اور مساجد کی ضروریات کو پورا کرنا اہل اسلام کا فرض ہے۔ نیز آنحضرت صلعم کا حصہ بھی آپ کی وفات کے بعد جمہور کے نزدیک ساقط ہوگیا۔ کیونکہ اب آپ کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی۔ چنانچہ اعمش نے ابراہیم سے روایت کی ہے حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ آپ کا حصہ ہتھیاروں اور اسباب جہاد کی خرید میں صرف کرتے تھے۔ پھر اقارب کی خبر گیری انسان کی ذاتی حوائج میں داخل ہے اور جب آنحضرت صلعم ذاتی حوائج بشریہ سے مبرا ہوگئے تو یہ حقوق بھی ساقط ہوگئے پس خمس کے مصارف صرف تین رہے۔ یتامیٰ مساکین اور مسافرین جن میں جمہور کے نزدیک آنحضرت صلعم کی قرابت اور غیر قرابت کی کچھ قید نہیں کوئی بھی۔ البتہ امام زین العابدین کے نزدیک ان میں قرابت کی قید ہے۔

قوله وقدم الخ اعطاء خمس میں محتاج قرابتدار بنو ہاشم جو اصناف ثلثہ ہی میں سے ہیں یتامی اور مساکین و مسافرین پر مقدم کئے جائیں گے یعنی بنو ہاشم کا یتیم اور یتیموں پر مقدم ہوگا اور ان کا مسکین دوسرے مسکینوں پر و ہکذا۔

قوله وان دخل الخ اگر مسلمانوں کی کوئی با قوت جماعت دار الحرب مال لائے تو اس میں سے خمس لیا جائیگا اور صاحب قوت نہ ہو تو نہیں لیا جائیگا۔ کیونکہ خمس وظیفہ غنیمت ہے اور غنیمت وہ ہے جو غلبہ کیساتھ حاصل ہو پس ان کا لایا ہوا مال چھین جھپٹ کہلائیگا نہ کہ غنیمت۔

قوله وللامام الخ لوگوں کو قتال پر اکسانے کیلئے یا یہ کہہ سکتا ہے کہ جو شخص کسی کافر کو قتل کرے گا تو مقتول کافر کا سب ساز و سامان اسی کو دیا جائیگا یا کسی دستہ کے متعلق کہدے کہ تم کو چوتھائی غنیمت ملے گی "**لانه نوع تحريض وهو مندوب قال تعالىٰ. يايها النبي حرض المؤمنين على القتال**"۔

---

(۱)..... دار قطنی عن ابی عمرة، عبد الرزاق، واقدی عن الزبیر ۱۲ (۲)..... دار قطنی، احمد ۱۲

(۳)..... مسلم، ابن حبان، قاسم بن سلام عن سلمہ ۱۲ اعه..... طبری عن ابن عباس، حاکم عبد الرزاق عن الحسن بن محمد بن الحنفیہ ۱۲

باب استیلاء الکفار

باب کافروں کے غلبے کے بیان میں

......التقیید بالترک والروم اتفاقی والمراد بھما الکفار من بلدین ۱۲

سَبَی التُّرکُ الرُّوْمَ وَاَخَذُوْا اَمْوَالَهُمْ مَلَکُوْهَا وَمَلَکْنَا مَا نَجِدُهٗ مِنْ ذٰلِکَ اِنْ غَلَبْنَا عَلَیْهِمْ

اہل ترک نے رومیوں کو قید کرلیا اوران کا مال لے لیا تو وہ اس کے مالک ہوجائیں گےاور ہم جو کچھ پائیں اس کے مالک ہوجائیں گے اگر ہم ان پر

وَاِنْ غَلَبُوْا عَلٰی اَمْوَالِنَا وَاَحْرَزُوْهَا بِدَارِهِمْ مَلَکُوْهَا فَاِنْ غَلَبْنَا عَلَیْهِمْ فَمَنْ وَجَدَ مِنَّا مِلْکَهٗ قَبْلَ الْقِسْمَةِ اَخَذَهٗ

غالب ہوجائیں اور اگر وہ ہمارے مالوں پر غالب ہوجائیں تو جو اپنی کوئی شئی پائے تقسیم سے پہلے تو اس کو مفت لے لے

مَجَّانًا وَبَعْدَهَا بِالْقِیْمَةِ وَبِالثَّمَنِ لَوْ اِشْتَرٰی تَاجِرٌ مِنْهُمْ وَاِنْ فُقِئَ عَیْنُهٗ وَاُخِذَ اِرْشُهٗ

اور تقسیم کے بعد قیمت کے ساتھ اور ثمن کے ساتھ اگر خرید لیا ہو تاجر نے کافروں سے گو اس کی آنکھ پھوڑ دی گئی ہو اور تاوان لے لیا گیا ہو

فَاِنْ تَکَرَّرَ الْاِسْرُ وَالشِّرَاءُ اَخَذَ الْاَوَّلُ مِنَ الثَّانِیْ بِثَمَنِهٖ ثُمَّ الْقَدِیْمُ بِالثَّمَنَیْنِ وَلَمْ یَمْلِکُوْا حُرَّنَا

پس اگر قید ہونا اور خرید کرنا مکرر ہو تو مشتری اور دوسرے سے دام دیکر لے پھر پہلا مالک دونوں دام دیکر لے اور کافر مالک نہ ہوں گے ہمارے آزاد

وَمُدَبَّرَنَا وَاُمَّ وَلَدِنَا وَمُکَاتَبَنَا وَنَمْلِکُ عَلَیْهِمْ جَمِیْعَ ذٰلِکَ وَاِنْ نَدَّ اِلَیْهِمْ جَمَلٌ فَاَخَذُوْهُ

مدبر ام ولد اور مکاتبوں کے اور ہم ان کے سب لوگوں کے مالک ہوجائیں گے اور اگر کوئی اونٹ ان کے یہاں بھاگ گیا اور انہوں نے پکڑ لیا

مَلَکُوْهُ وَلَوْ اَبَقَ اِلَیْهِمْ قِنٌّ لَا فَلَوْ اَبَقَ بِفَرَسٍ وَمَتَاعٍ فَاشْتَرٰی رَجُلٌ

تو مالک ہوجائیں گے اور اگر کوئی غلام ان کے یہاں بھاگ گیا تو مالک نہ ہونگے اور اگر غلام گھوڑے اور اسباب کے ساتھ بھاگ گیا اور کوئی شخص

کُلَّهٗ مِنْهُمْ اَخَذَ الْعَبْدَ مَجَّانًا وَغَیْرَهٗ بِالثَّمَنِ وَاِنِ ابْتَاعَ مُسْتَامِنٌ عَبْدًا مُؤْمِنًا وَاَدْخَلَهٗ دَارَهُمْ

ان سے خرید کر لے آیا تو غلام کو مفت اور اسباب کو قیمت کیساتھ لے سکتا ہے اگر کوئی مستامن کسی مؤمن غلام کو خرید کر اپنے ملک میں لے جائے

اَوْ اٰمَنَ عَبْدٌ ثَمَّهٗ فَجَآئَنَا اَوْ ظَهَرْنَا عَلَیْهِمْ عُتِقَ

یا کوئی غلام وہیں مسلمان ہوکر ہمارے پاس آجائے یا ہم ان پر غالب ہوجائیں تو غلام آزاد ہوجائیگا۔

توضیح اللغۃ: استیلاء غلبہ حاصل کرنا، سبی قید کیا، مجانا مفت، فقئی عینہ اسکی انکھ پھوڑ دی گئی، ارش دیت، الاسر: قید کرنا، ند۔البعیر، اونٹ کا بدک کر بھاگ جانا، ابق قنّ غلام بھاگ گیا۔

تشریح الفقہ: قولہ وان غلبوا علی اموالنا الخ اگر حربی کافر مسلمانوں کے مال پر غالب آجائیں اور دارالحرب میں لے جائیں تو وہ اس کے مالک ہوجائیں گے امام مالک کے یہاں دارالحرب میں لے جانا ضروری نہیں محض غلبہ پالینے سے ہی مالک ہوجائینگے۔امام احمد سے اس بارے میں دو روایتیں ہیں ایک امام مالک کے قول کے موافق اور ایک ہمارے قول کے موافق۔امام شافعی فرماتے ہیں کہ کفار مالک ہی نہ ہونگے۔کیونکہ مسلمان کا مال ہر طرح سے معصوم ہے "لقولہ علیہ السلام، فاذاقالو ھاعصموا امنی دمائھم واموالھم" ہماری دلیل یہ آیت ہے "للفقراء المھاجرین الذین اخرجوا من دیارھم اھ" اس آیت میں مہاجرین کو فقراء کہا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ فقیر وہی ہوتا ہے جو کسی شئی کا مالک نہ ہو تو اگر کفار حصول غلبہ کی وجہ سے ان کے اموال کے مالک نہ ہوں تو مہاجرین کو فقراء کہنا صحیح نہیں۔کیونکہ اب تو وہ اغنیا ہیں۔

قولہ وان غلبنا الخ حربی کافر مسلمانوں کا مال دارالحرب لے گئے اس کے بعد مسلمان ان پر غالب آ گئے تو اب جو مسلمان غازیوں کے درمیان مال تقسیم ہونے سے پہلے اپنی کوئی مملوک شئی پائے تو وہ اس کو مفت لے سکتا ہے۔ اور اگر تقسیم ہو چکی ہو تو پھر وہ بلا قیمت نہ لے سکے گا قیمت دینی پڑے گی کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر صاحب مال اپنی چیز قبل از تقسیم پائے تو وہ اس کا حقدار ہے اور اگر تقسیم کے بعد پائے تو وہ قیمت کے ساتھ لے سکتا ہے[1]۔ اگر کوئی تاجر اس چیز کو حربیوں سے خرید کر دارالاسلام میں لے آئے تو پھر اس قیمت کے ساتھ لینا ہوگا جس کے عوض وہ تاجر نے خریدی ہے اگر چہ وہ مملوک غلام ہو اور اس کی آنکھ پھوڑ دی گئی ہو یا مشتری نے اس کا خون بہا لیا ہو اس واسطے کہ اوصاف کے مقابلہ میں کوئی قیمت نہیں پڑتی۔

قولہ فان تکرر الخ ایک شخص کا غلام کوئی حربی کافر گرفتار کر کے دارالحرب لے گیا اور کوئی تاجر اس کو خرید کر دارالاسلام میں لے آیا اس کے بعد کافر پھر اس کو گرفتار کر کے لے گیا اور کوئی دوسرا تاجر خرید کر پھر دارالاسلام میں لے آیا تو مشتری اول اس غلام کو مشتری ثانی سے اس قیمت کے عوض لیگا جس کے عوض مشتری ثانی نے خریدا ہے کیونکہ گرفتاری مشتری اول کی ملک پر واقع ہوئی ہے لہٰذا وہی مقدم ہوگا اس کے بعد اس کا پہلا مالک دو قیمتیں دے کر لیگا کیونکہ غلام مشتری اول کو دو قیمتوں میں پڑا ہے۔

قولہ وانّ ندّ الخ اگر مسلمانوں کا کوئی جانور کافروں کے یہاں بھاگ کر چلا گیا اور انہوں نے اس کو پکڑ لیا تو وہ اس کے مالک ہو جائیں گے اور اگر کوئی غلام بھاگ کر ان کے یہاں چلا گیا تو غلام کے مالک نہ ہوں گے۔ وجہ فرق یہ ہے کہ جانوروں کا پانی ذات پر تصرف اور قبضہ نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ دارالاسلام سے نکلنے کے بعد وہ ظاہر ہو اور ملک کفار کے لئے مانع ہو بخلاف غلام کے کہ وہ جب تک دارالاسلام میں ہے اس وقت تک آقا کے تصرف کی وجہ سے اس کا تصرف ساقط الاعتبار ہے اور جب وہ دارالاسلام سے چلا گیا تو آقا کا تصرف زائل ہو گیا اور اس کا خود اپنا تصرف ظاہر ہو گیا جس کی وجہ سے وہ معصوم بنفسہ ہو گیا لہٰذا وہ محل ملک نہ رہا۔

قولہ وان ابتاع الخ ایک مستامن کافر نے مومن غلام کو دارالاسلام میں خریدا اور دارالحرب لے گیا تو وہ غلام امام صاحب کے نزدیک مفت آزاد ہو جائیگا۔ کیونکہ مسلمان کو کفر کی ذلت سے بچانا ضروری ہے۔ لہٰذا تباین دارین کو اعتاق کے قائم مقام کر دیا جائیگا اسی طرح کوئی غلام دارالحرب سے دارالاسلام لے آئے اور پھر دارالاسلام میں آ جائے یا کافروں پر مسلمانوں کا غلبہ ہو جائے تو وہ غلام بھی آزاد ہو جائے گا۔ کیونکہ روایت میں ہے کہ طائف کے کچھ غلام مسلمان ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان کی آزادی کا فیصلہ کیا اور ارشاد فرمایا۔ "ھم عتقاء للہ"[2]۔

باب المستامن[3]

باب مستامن کے بیان میں

دَخَلَ تَاجِرُنَا ثَمَّهُ حَرُمَ[4] تَعَرُّضُهُ لِشَیْءٍ مِّنْهُمْ فَلَوْ اَخْرَجَ شَیْئًا مَلَکَهُ[5] مَحْظُوْرًا

ہمارا کوئی تاجر وہاں گیا تو اس کے لئے ان کی کسی چیز سے تعرض کرنا حرام ہے اور اگر وہ کوئی چیز لے آئے تو مالک ہو جائیگا مگر بطریق ممنوع

فَیَتَصَدَّقُ بِهٖ فَاِنْ اَدَانَهٗ حَرْبِیٌّ اَوْ اَدَانَ حَرْبِیًّا اَوْغَصَبَ اَحَدُهُمَا صَاحِبَهٗ

لہٰذا اس کو خیرات کر دے پس اگر اسکو کوئی حربی یا وہ کسی حربی کو کچھ ادھار بیچے یا ان میں سے کوئی دوسرے کی چیز غصب کرے

---

(۱) ...... دار قطنی بیہقی عن ابن عباس ۱۲

(۲) ...... احمد ابن ابی شیبہ، طبرانی عن ابن عباس، ابو داؤد، (فی المراسیل عن عبد ربہ بن الحکم، بیہقی عن عبد اللہ بن مکرم الثقفی ۱۲)۔

(۳) اخرہ عن الاستیلاء لانہ یکون بالقہر والاستئمان یکون بعد القہر ۱۲ بحر

(۴) ضمن بالاستئمان ان لا یتعرض لہم فالتعرض بعد ذلک غدر وھو حرام ۱۲

(۵) لورود الاستیلاء علی مال مباح الا انہ حصل بسبب الغدر فاوجب خبثا فیؤمر بالتصدق ۱۲ زیلعی وکشف

وَخَرَجَا اِلَيْنَا لَمْ يُقْضَ بِشَيْءٍ وَكَذَا لَوْ كَانَا حَرْبِيَّيْنِ فَعَلَا ذٰلِكَ ثُمَّ اسْتَامَنَا وَاِنْ خَرَجَا مُسْلِمَيْنِ
اور پھر ہمارے پاس آئیں تو قاضی کچھ فیصلہ نہ کرے اسی طرح ہے اگر کافروں نے یہ کیا ہو اور پھر مستامن ہو گئے ہوں اور اگر وہ مسلمان ہو کر آئے
قُضِيَ بِالدَّيْنِ بَيْنَهُمَا لَا بِالْغَصَبِ مُسْلِمَانِ مُسْتَامِنَانِ قَتَلَ اَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ تَجِبُ الدِّيَةُ فِيْ مَالِهٖ
ہوں تو قرض کا فیصلہ کیا جائیگا نہ کہ غصب کا دو مسلمان مستامنوں میں سے ایک نے دوسرے کو قتل کر دیا تو اس کے مال میں دیت واجب ہوگی
وَالْكَفَّارَةُ فِي الْخَطَاِ وَلَاشَيْءَ فِي الْاَسِيْرِ وَغَيْرِهٖ سِوَى الْكَفَّارَةِ فِي الْخَطَاِ
اور خطاء کی صورت میں کفارہ واجب ہوگا اور کچھ نہیں دو قیدیوں میں سوائے کفارہ کے خطاء کی صورت میں
كَقَتْلِ مُسْلِمٍ مُسْلِمًا اَسْلَمَ ثَمَّهٗ
جیسے کوئی مسلمان اس مسلمان کو قتل کر دے جو وہیں اسلام لے آیا تھا۔

تشریح الفقہ: قولہ فان ادانہ الخ۔ ایک مسلمان تاجر امن لیکر دارالحرب گیا وہاں کسی حربی نے اس کو خرید و فروخت وغیرہ کے ذریعہ مقروض کر دیا۔ یا مسلمان تاجر نے حربی کو مقروض کر دیا یا ان میں سے کسی نے دوسرے کی کوئی چیز غصب کر لی اور پھر دونوں فیصلہ کے لئے دارالاسلام نکل آئے تو حاکم ان کے حق میں کوئی فیصلہ نہ کرے گا۔ اس واسطے کہ فیصلہ کے لئے ولایت کا ہونا ضروری ہے اور یہاں قاضی کو ولایت حاصل نہیں کیونکہ مقروض ہونا دارالحرب میں واقع ہوا ہے اور وہاں اسلام کی حکومت نہیں جو قاضی اس کے متعلق کچھ فیصلہ کرے اور بوقت قضا بھی حربی مستامن پر ولایت نہیں کیونکہ اس نے گزشتہ زمانہ میں اسلامی احکام کا التزام نہیں کیا بلکہ آئندہ کیلئے کیا ہے۔ اور غصب کی صورت میں اس لئے کوئی فیصلہ نہ ہوگا کہ دارالحرب قہر و غلبہ کا ملک ہے پس جو شخص کسی کے مال پر غالب ہوگا وہ اس کا مالک ہو جائیگا البتہ مسلمان کو شئی مغصوب واپس کر دینے کا فتویٰ دیا جائے گا (زیلعی) محقق کمال الدین نے یہ بھی کہا ہے کہ دین کی ادائیگی کا بھی فتویٰ دیا جائے گا مگر دیانۃً مطلب یہ ہے کہ جبراً حکم نہ کیا جائے گا بلکہ شرعی مسئلہ بتا دیا جائے گا اور اگر یہ دونوں فیصلہ چاہنے والے حربی ہوں اور ان میں وہ امور پیش آئیں جو اوپر مذکور ہوئے اور یہ دونوں امن لیکر دارالاسلام میں آئیں تب بھی یہی حکم ہے کہ کوئی فیصلہ نہ کیا جائے گا لیکن اگر یہ حربی مسلمان ہو کر دارالاسلام میں آئے تو ادائیگی دین کا فیصلہ کیا جائے گا لیکن غصب کی صورت میں پھر بھی کوئی فیصلہ نہ ہوگا۔

فَصْلٌ لَايُمَكَّنُ مُسْتَامِنٌ فِيْنَا سَنَةً وَقِيْلَ لَهٗ اِنْ قُمْتَ سَنَةً تُوْضَعُ عَلَيْكَ الْجِزْيَةُ فَاِمْكُثْ بَعْدَهٗ سَنَةً
(فصل) نہ رہنے دیا جائیگا مستامن ہم میں ایک سال بلکہ کہہ دیا جائیگا کہ اگر سال بھر ٹھہرا تو تجھ پر جزیہ مقرر ہو جائیگا اب اگر وہ اس کے بعد بھی سال
فَهُوَ ذِمِّيٌّ فَلَمْ يُتْرَكْ اَنْ يَّرْجِعَ اِلَيْهِمْ كَمَا لَوْ وُضِعَ عَلَيْهِ الْخِرَاجُ اَوْ نَكَحَتْ ذِمِّيًّا لَاعَكْسُهٗ
بھر ٹھہرے تو ذمی ہو جائیگا اور دارالحرب جانے نہ دیا جائیگا جیسا کہ اگر اس پر خراج مقرر ہو جائے یا کوئی عورت ذمی سے نکاح کر لے نہ کہ اس کا عکس
فَاِنْ[1] رَجَعَ اِلَيْهِمْ وَلَهٗ وَدِيْعَةٌ عِنْدَ مُسْلِمٍ اَوْ ذِمِّيٍّ اَوْلَهٗ دَيْنٌ عَلَيْهِمَا حَلَّ دَمُهٗ
پس اگر وہ کفار کی طرف لوٹ جائے اور کسی مسلمان یا ذمی کے پاس اس کی امانت ہو یا اس کے ذمہ ان کا قرض ہو تو اس کا خون حلال ہوگا۔

(مستامن دارالاسلام میں ایک سال سے زیادہ نہیں ٹھہر سکتا)

تشریح الفقہ: قولہ لایمکن الخ حربی کافر کا ہمیشہ دارالاسلام میں رہنا جائز نہیں مگر دو شرطوں میں سے ایک کے ساتھ یا تو وہ غلام ہو یا جزیہ دینا قبول کر لے پس اگر حربی امن لے کر دارالاسلام میں آ جائے تو وہ پورے ایک سال تک نہیں ٹھہر سکتا اس سے صاف طور پر کہہ دیا

[1] ای فان رجع الحربی المستامن الی دارالحرب وترک ودیعۃ عند مسلم اوذمی او دینہ علیہما حل دمہ بالعود الی دارالحرب لانہ ابطل امانہ بہ فعاد حربیا ۱۲ زیلعی

جائے گا کہ اگر تو ایک سال تک ٹھہرے گا تو ہم تجھ پر جزیہ مقرر کردیں گے۔ وجہ یہ ہے کہ اگر حربی زیادہ مدت تک ٹھہرے گا تو وہ کافروں کا جاسوس بن جائے گا۔ اس لحاظ سے اس کا دارالاسلام میں آنا ضرر سے خالی نہیں مگر بالکل روکا بھی نہیں جاسکتا کیونکہ اس صورت میں غلہ وغیرہ کی آمد منقطع ہوجائے گی۔ اور تجارتی کاروبار کا دروازہ بند ہوجائے گا اس لئے ایک سال کی مدت کو حد فاصل قرار دیا جائیگا کیونکہ اس مدت میں جزیہ واجب ہوجاتا ہے۔

قولہ فان مکث الخ اگر حربی مستامن امام کے صاف صاف کہہ دینے کے بعد بھی سال بھر تک ٹھہرے تو وہ ذمی ہے۔ اب وہ دارالحرب واپس جانا چاہے تو نہیں جاسکتا کیونکہ عقد ذمہ منعقد ہوجانے کے بعد ٹوٹا نہیں کرتا۔ اس طرح اگر حربی مستامن پر جزیہ مقرر ہوجائے یا کوئی حربیہ مستامنہ عورت کسی ذمی کیساتھ شادی کرلے اور پھر وہ دارالحرب جانا چاہے تو وہ روک لیا جائے گا کیونکہ شادی کرنے کی وجہ سے وہ حربیہ ذمیہ ہوگئی "**الالتزامها المقام معه**" لیکن اس کا عکس نہیں، یعنی اگر کوئی حربی شخص کسی ذمیہ عورت سے شادی کرلے تو وہ اس کی وجہ سے ذمی نہیں ہوگا۔ "**لعدم التزامه المقام فی دار نالتمکنه من طلاقها فلا یمنع من الخروج الی دار الحرب**"۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

فَإِنْ أُسِرَ أَوْ ظُهِرَ عَلَيْهِمْ فَقُتِلَ سَقَطَ دَيْنُهُ وَصَارَتْ وَدِيعَتُهُ فَيْئًا وَإِنْ قُتِلَ وَلَمْ يُظْهَرْ عَلَيْهِمْ

اگر وہ قید کرلیا جائے یا ان پر غلبہ حاصل ہوجائے اور وہ مارا جائے تو اس کا قرض جاتا رہیگا اور اس کی امانت غنیمت ہوجائیگی اور اگر وہ بلا غلبہ مارا گیا

أَوْ مَاتَ فَقَرْضُهُ وَوَدِيعَتُهُ لِوَرَثَتِهِ فَإِنْ جَآئَنَا حَرْبِيٌّ بِأَمَانٍ وَلَهُ زَوْجَةٌ ثَمَّهُ

یا اپنی موت مرگیا تو اس کا قرض اور امانت اس کے ورثہ کے لئے ہے ایک حربی امن لے کر ہمارے یہاں آیا اور دارالحرب میں اس کی بی بی اور بچہ

وَوَلَدٌ وَمَالٌ عِنْدَ مُسْلِمٍ وَذِمِّيٍّ وَحَرْبِيٍّ فَأَسْلَمَ هٰهُنَا ثُمَّ ظَهَرْنَا عَلَيْهِمْ فَالْكُلُّ فَيْءٌ فَإِنْ أَسْلَمَ ثَمَّهُ

اور کچھ مال کسی مسلمان یا ذمی یا حربی کے پاس ہے وہ یہاں مسلمان ہوگیا اور کافر مغلوب ہوگئے تو کل اشیاء غنیمت ہوں گی اور اگر وہاں مسلمان ہوکر

فَجَآئَنَا فَظُهِرَ عَلَيْهِمْ فَوَلَدُهُ الصَّغِيْرُ حُرٌّ مُسْلِمٌ وَمَا أَوْدَعَهُ عِنْدَ مُسْلِمٍ أَوْ ذِمِّيٍّ فَهُوَ لَهُ

ہمارے یہاں آیا اور کافروں پر غلبہ ہوگیا تو اس کا چھوٹا بچہ آزاد مسلمان ہوگا اور جو اس نے کسی مسلمان یا ذمی کے پاس امانت رکھی ہو وہ اسی کی ہے

وَغَيْرُهُ فَيْءٌ وَمَنْ قَتَلَ مُسْلِمًا خَطَاءً لَا وَلِيَّ لَهُ أَوْ حَرْبِيًّا جَآئَنَا بِأَمَانٍ

اور اس کے علاوہ سب غنیمت ہے اور جو شخص خطاء کسی مسلمان کو مار ڈالے جس کا کوئی ولی نہ ہو یا کسی کافر کو مار ڈالے جو امن لے کر ہمارے یہاں

فَأَسْلَمَ فَدِيَتُهُ عَلٰى عَاقِلَتِهِ لِلْإِمَامِ وَفِي الْعَمَدِ الْقَتْلُ أَوِ الدِّيَةُ لَا الْعَفْوُ

آگیا تھا اور مسلمان ہوگیا تھا تو اس کی دیت اس کے عاقلہ پر ہے اور اگر عمداً مار ڈالا تو اس میں قصاص یا دیت ہے نہ کہ عفو۔

تشریح الفقہ:

قولہ فان اسر الخ اگر حربی مستامن دارالحرب واپس چلا جائے تو اس کا امان باطل ہوجاتا ہے لیکن صرف اس کی ذات کے حق میں۔ رہا اس کا مال جو وہ دارالاسلام میں چھوڑ گیا ہے۔ سو اس کے حق میں امان باطل نہیں ہوتا۔ بلکہ باقی رہتا ہے، اسی لئے اس کا مال خود اس کو اور اگر وہ مرجائے تو اس کے ورثہ کو دیا جاتا ہے۔ اس لئے یہاں حربی مستامن کے اس مال کا حکم بیان کررہا ہے۔ جو وہ دارالاسلام میں چھوڑ جائے۔ سو اس مسئلہ کی پانچ صورتیں ہیں جن میں سے تین صورتوں میں حربی مستامن کا قرض (جو کسی مسلمان یا ذمی کے ذمہ ہو) ساقط اور اس کا مال ودیعت (جو کسی مسلمان یا ذمی کے پاس ہو) غنیمت ہوجاتا ہے۔ اور وہ یہ ہیں۔ (۱) مسلمان دارالحرب پر غالب

آ جائیں اور حربی مذکور کو قید کرلیں (۲) یا غلبہ حاصل کر کے اس کو قتل کردیں (۳) غلبہ حاصل کئے بغیر اس کو قید کرلیں۔ مصنف کا قول ''فان اسر'' اور ''او (ظہر علیہم)'' ایک اور دو کا بیان ہے۔ ان صورتوں میں اس کی ودیعت کا غنیمت ہو جانا اس لئے ہے کہ وہ ودیعت تقدیراً اسی کے قبضے میں ہے۔ کیونکہ مودع کا قبضہ مودع کے قبضہ کی مانند ہوتا ہے۔ ''فیصیر فیئاً تبعالنفسہ'' اور دین کے ساقط ہو جانے کی وجہ یہ ہے کہ دین پر قبضہ کا اثبات مطالبہ ہوتا ہے اور یہاں مطالبہ ساقط ہو چکا۔ جس کے ذمہ وہ دین ہے اس کا قبضہ عام لوگوں کے قبضہ سے اسبق ہے لہٰذا دین اسی کے لئے مخصوص ہوگا' چوتھی صورت یہ ہے کہ مسلمان دارالحرب پر غالب آ جائیں اور حربی مذکور بھاگ نکلے' پانچویں صورت یہ ہے کہ مسلمان غلبہ حاصل کئے بغیر اس کو قتل کردیں۔ یا وہ خود اپنی موت مرجائے۔ جس کو مصنف نے ''وان قتل ولم یظہر اومات'' سے بیان کیا ہے۔ ان دونوں صورتوں میں حربی مذکور کا مال علی حالہ رہتا ہے۔ پس اگر وہ زندہ ہو تو اس کو دیا جائیگا۔ ورنہ اس کے ورثہ کو ملے گا۔

قولہ وان جاء نا الخ حربی کافر مسلمان سے امان لیکر دارالاسلام میں آ گیا۔ اور اپنے بیوی بچے (کچھ بالغ کچھ نابالغ) دارالحرب میں چھوڑ آیا اور کسی مسلمان یا ذمی یا حربی کے پاس اس کا کچھ مال بھی ہے۔ اب وہ یہاں آ کر مسلمان یا ذمی ہوگیا اور مسلمانوں نے دارالحرب پر غلبہ پالیا تو اس مستامن کی بیوی' اولاد اور مال مذکور سب فئی یعنی مال غنیمت شمار ہوگا۔ بیوی اور بالغ اولاد تو اس لئے کہ بچہ جو باپ کے تابع ہو کر مسلمان قرار پاتا ہے وہ اس وقت ہے جب دارین متحد ہوں اور یہاں دارین متباین ہیں۔ کیونکہ بچہ دارالحرب میں ہے اور باپ دارالاسلام میں ہے۔ جو یہیں مسلمان ہوا ہے اور اس کا مال مذکور اس لئے غنیمت ہوگا کہ حربی مذکور کی صرف جان محفوظ ہوتی ہے۔ نہ کہ اس کا ''مال لاختلاف الدارین ''فبقی الکل غنیمۃ''۔

قولہ وان اسلم ثمہ الخ اور اگر حربی مذکور دارالحرب میں ہی مسلمان ہوگیا۔ اور اپنی بیوی' بچے اور مال وہیں چھوڑ کر دارالاسلام میں آ گیا۔ پھر دارالحرب پر مسلمان غالب آ گئے تو اس کو نابالغ اولاد باپ کے تابع ہو کر آزاد اور مسلمان قرار پائیگی کیونکہ اس صورت میں دار متحد ہے۔ اس لئے کہ باپ وہیں رہتا ہوا مسلمان ہوا ہے جہاں اولاد ہے۔ اور اس کا جو مال کسی مسلمان یا ذمی کے پاس ودیعت ہو وہ اسی کا رہے گا۔ ''لا نہ فی ید محترمۃ ویدہ کیدہ وما سوی ذٰلک فھو فئی''۔

قولہ ومن قتل مسلماً الخ کسی نے ایسے مسلمان کو خطاءً قتل کردیا جس کا کوئی ولی نہیں ہے۔ یا ایسے حربی کو خطاءً قتل کیا جو امان طلب کر کے دارالاسلام میں آ کر مسلمان ہوگیا تھا تو ان دونوں صورتوں میں مقتول کی دیت قاتل کے عاقلہ پر ہوگی۔ جس کے وصول کرنے کی ذمہ داری امام پر ہوگی۔ وہ وصول کر کے بیت المال میں جمع کریگا۔ اور اگر قتل مذکور عمداً ہو تو قاتل کو قصاصاً قتل کیا جائیگا یا دیت لی جائے گی۔ مقصد یہ ہے کہ امام کی صواب دید پر ہے قصاص اور دیت میں سے جو مناسب ہو وہ کرے۔ یہ نہیں کہ مفت سفتی معاف کردے۔

محمد حنیف غفرلہٗ گنگوہی
فاضل دارالعلوم دیوبند یوپی۔

باب العشر والخراج والجزیة

باب عشر و خراج اور جزیہ کے بیان میں

فَصْلٌ فِي الْعُشْرِ وَالْخِرَاجِ وَالْجِزْيَةِ اَرْضُ الْعَرَبِ وَمَا اَسْلَمَ اَهْلُهُ اَوْ فُتِحَ عُنْوَةً وَقُسِمَ بَيْنَ الْغَانِمِيْنَ عُشْرِيَّةٌ

عرب کی زمین اور وہ زمین جس کے باشندے مسلمان ہوگئے ہوں یا غلبۃً فتح کی گئی ہو اور غازیوں میں تقسیم کردی گئی ہو عشری ہے

وَالسَّوَادِ وَمَا فُتِحَ عُنْوَةً وَاُقِرَّ اَهْلُهُ عَلَيْهِ اَوْ صَالَحَهُمْ خِرَاجِيَّةٌ وَ لَوْ اُحْيِيَ مَوَاتٌ

اور سواد عراق اور وہ زمین جو غلبۃً فتح کی گئی ہو اور اس کے باشندوں کو برقرار رکھا گیا ہو یا صلحاً فتح کی گئی ہو خراجی ہے اور اگر ویران زمین کو زندہ

يُعْتَبَرُ بِقُرْبِهِ وَالْبَصْرَةُ عُشْرِيَّةٌ وَخِرَاجُ جَرِيْبٍ يَصْلُحُ لِلزَّرْعِ صَاعٌ وَدِرْهَمٌ

کرلیا گیا تو اس کے قرب کا اعتبار ہوگا اور بصرہ عشری ہے اور قابل زراعت زمین میں ایک جریب کا خراج ایک صاع اور درہم ہے

وَفِیْ جَرِیْبِ الرَّطْبَةِ خَمْسَةُ دَرَاهِمَ وَفِي الْكَرْمِ وَالنَّخْلِ الْمُتَّصِلِ عَشْرَةُ دَرَاهِمَ

اور تر کاری کی زمین میں ایک جریب کا خراج پانچ درہم ہیں اور انگور اور کھجور کے گھنے درختوں والی زمین میں ایک جریب کا خراج دس درہم ہیں

وَاِنْ لَمْ تُطِقْ مَا وُظِفَ نُقِصَ بِخِلَافِ الزِّيَادَةِ وَلَاخِرَاجَ اِنْ غَلَبَ عَلَى الْاَرْضِ الْمَآءُ

اور اگر زمین مقرر کردہ مقدار کی متحمل نہ ہو تو محصول کم کردیا جائے بخلاف زیادتی کے اور خراج نہیں ہے اگر غالب ہوجائے زمین پر پانی

اَوِ انْقَطَعَ اَوْ اَصَابَ الزَّرْعَ اٰفَةٌ وَاِنْ عَطَّلَهَا صَاحِبُهَا اَوْ اَسْلَمَ اَوِ اشْتَرٰى مُسْلِمٌ اَرْضَ خِرَاجٍ

یا وہ منقطع ہوجائے یا کھیتی کو کوئی آفت پہنچ جائے اور اگر اس کا مالک اس کو بیکار کردے یا وہ مسلمان ہوجائے یا کوئی مسلمان خراجی زمین خرید لے

تَجِبُ وَلَا عُشْرَ فِيْ خَارِجِ اَرْضِ الْخِرَاجِ

تو خراج واجب ہوگا اور عشر نہیں ہے خراجی زمین کی پیداوار میں۔

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ جس چیز کے ذریعہ حربی مستامن ذمی ہوجاتا ہے اس کے بیان کرنے کے بعد وظائف مالیہ کو ذکر کررہا ہے۔ جو ذمی پر ہونے کے بعد لازم ہوتے ہیں۔ پھر عشر میں چونکہ معنی عبادت ہیں بخلاف خراج کے کہ وہ عقوبت محضہ ہے۔ اسلئے عشر کو مقدم کررہا ہے۔ عشر بضم عین دسویں حصہ کو کہتے ہیں۔ اور خراج (مثلثۃ الخاء) اس کو کہتے ہیں جو غلام سے یا زمین کی پیداوار سے برآمد ہو۔ یعنی زمین وغیرہ کا محصول جزیہ اس مال کو کہتے ہیں جو مقہور کفار سے ان کے نفوس کے بدلے وصول کیا جائے۔

قولہ ارض العرب الخ کل کی کل اور وہ زمین جس کے باشندوں نے اسلام قبول کرلیا ہو اور ہر وہ ملک جو بزور بازو وشوکت اسلام فتح کیا گیا ہو اور اس کی زمین غازیوں کے درمیان تقسیم کردی گئی ہو۔ وہ سب عشری ہیں۔ کیونکہ عرب کے قبائل جو مسلمان ہوجاتے تھے ان کی زمینیں انہی کی ملک رہتی تھیں اور مفتوحہ زمین غازیوں کے درمیان تقسیم ہوتی تھی۔ وہ غازیوں کی ملک ہوتی تھی۔ ان سب زمینوں پر کسی قسم کا کوئی خراج نہ تھا۔ البتہ اس کی پیداوار میں عشر یا نصف عشر تھا۔ عرب کی زمین سے عشر کے سوا اور کسی قسم کا خراج لینا نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے نہ خلفائے راشدین سے اس لئے عرب کی کل زمین عشری ہے۔

فائدہ: امام کرخی نے ذکر کیا ہے کہ عرب سے مراد زمین حجاز، تہامہ، یمن، مکہ، طائف، جنگل ہے بعض نے مکہ مکرمہ کو تہامہ میں داخل مانا ہے تہامہ وہ زمین ہے جو نجد سے نشیب میں ہے اور نجد اونچی زمین کا نام ہے اور حجاز اس زمین کا نام ہے جو تہامہ اور نجد کے درمیان فاصل ہے سرزمین عرب کی حدود یہ ہیں عذیب اور انتہاء یمن یعنی ارض مہرہ سے حدود شام تک طولاً اور جدہ اور اس کے ماوراء یعنی ساحل سے حدود شام تک عرضاً یمن اور ارض مہرہ کی انتہاء سے مراد سقط اور عدن کے درمیان کا مقام ہے۔

قولہ والسواد الخ سواد عراق کی زمین اور ہر وہ زمین جو قہر وغلبہ کے ساتھ فتح کی گئی ہو اور اس کے باشندوں کو وہیں برقرار رکھا گیا ہو یا وہ صلحاً فتح کی گئی ہو یہ سب زمینیں خراجی ہیں۔ کیونکہ حضرت عمرؓ نے سواد عراق پر اس کے فتح ہونے کے بعد خراج ہی مقرر فرمایا تھا[1] جس کی تفصیل یہ ہے حضرت عمر کے زمانہ میں سواد عراق حضرت سعد بن ابی وقاص کے ہاتھ پر فتح ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بیرون عرب میں یہ پہلی عظیم الشان فتح تھی۔ حضرت عمر نے وہاں کی زمین غازیوں کے درمیان تقسیم کرنے کے متعلق صحابہ سے مشورہ کیا تو رائیں مختلف ہوئیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اس کو تقسیم نہ کیجئے تا کہ یہ مسلمانوں کا متفقہ سرمایہ رہے، حضرت معاذ نے فرمایا کہ اگر آپ نے اس کو تقسیم کردیا تو قوم کے ہاتھ میں بہت بڑی زمین ہوجائے گی اور ہوسکتا ہے کہ اس طرح ساری زمین شخص واحد کے ہاتھ میں چلی جائے اور بعد میں آنیوالے مسلمانوں کے لئے کوئی راستہ باقی نہ رہے۔ حضرت بلال اور ان کے ساتھیوں نے اس سے اختلاف کیا اور کہا کہ ہم

[1] ابو القاسم بن سلام (فی کتاب الاموال) عن ابراہیم التیمی، عبد الرزاق عن ابی مجلز، ابن ابی شیبہ عن ابی عون محمد بن عبید اللہ ۱۲

نے اس کولڑ کر فتح کیا ہے لہٰذا ہمارے درمیان تقسیم کیجئے۔ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کو صرف حاضرین پر تقسیم کیا تھا۔ لیکن آخر میں یہی طے پایا کہ اس کو تقسیم نہ کیا جائے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے سواد عراق کی زمین وہیں کے کافروں کو دی اور ان کی ذات پر جزیہ اور زمین پر خراج مقرر کیا اور تمام صحابہ نے اس سے اتفاق کیا۔

فائدہ: سواد عراق کی حدود یہ ہیں۔ عذیب سے عقبہ حلوان تک عرضاً اور علث سے عبادان تک طولاً ''عذیب بالتصغیر بنی تمیم'' کے ایک چشمہ کا نام ہے یہ کوفہ سے ایک مرحلہ پر ہے۔ یہیں عرب کے انتہا ہے اور سواد عراق کی ابتداء ہے۔ حلوان بضم حاء مہملہ ایک شہر کا نام ہے۔ ''علث بفتح عین مهمله وسکون لام وثاء مثلثه دجله'' کے مشرقی جانب میں ایک قریہ ہے جو عراق کی حد ہے۔

''عبادان بفتح عين مهمله و تشديد باء'' بصرہ کے پاس مشہور جزیرہ ہے سراج میں ہے کہ عراق کا طول مسافت کے لحاظ سے بائیس دن کی راہ ہے اور عرض دس دن کی راہ ہے صاحب بحر نے شرح وجیز سے نقل کیا ہے کہ سواد عراق کا طول ایک سو ساٹھ فرسنگ ہے اور عرض اسی فرسنگ صاحب ہدایہ لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے حضرت عثمان بن حنیف اور حضرت حذیفہ کو بھیجا تا کہ سواد عراق کی پیمائش کریں انہوں نے کل زمین کی پیمائش کی تو تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب ہوئی اور اسی پر خراج مقرر ہوا ایک جریب ساٹھ ذراع کا ہوتا ہے۔ شاہ کسریٰ کے ذراع سے جو سات مشت کا ہوتا تھا عام ذراع چھ مشت کا ہوتا ہے۔

(کذا فی المغرب)

قولہ وخراج جریب الخ جس زمین میں پانی پہنچتا ہو اور اس میں کاشت ہو سکتی ہو اس کے ایک جریب کا خراج ایک درہم اور قفیز ہاشمی یعنی ایک صاع غلہ ہے جو سب سے کم خراج ہے اور جو زمین اس سے بہتر ہو جس کو ارض رطبہ کہتے ہیں جس میں کدو، تربوز، بیگن اور دیگر ترکاریاں ہوتی ہوں اس کے ایک جریب کا خراج پانچ درہم ہیں اور یہ اوسط درجہ کا خراج ہے اور جو زمین اس سے بھی اعلیٰ ہو جس میں انگور یا کھجور کے گھنے درخت ہوں اور پیداوار زیادہ ہوتی ہو اور محنت کم ہوتی ہو اس کے ایک جریب کا خراج دس درہم ہیں حضرت عمر نے اہل سواد پر خراج مقرر کیا تھا اس کی یہی تفصیل مروی ہے۔

قولہ وان لم تطق الخ جس زمین پر خراج کی کوئی مقدار مقرر کی گئی ہو اور زمین اس کی متحمل نہ ہو تو مقدار مقررہ میں کمی کی جا سکتی ہے لیکن حضرت عمرؓ کی مقرر کردہ جو مقدار اوپر مذکور ہوئی اس میں اضافہ نہیں کیا جا سکتا اگرچہ زمین اس کی متحمل ہو۔

قولہ ولا خراج الخ اگر کسی زمین پر پانی غالب آجائے یا آبپاشی منقطع ہو جانے کی وجہ سے زمین پیداوار کے لائق نہ ہو رہی یا کھیتی پر کوئی سماوی آفت پہنچ جائے تو خراج معاف ہو جائیگا لیکن اگر کاشتکار کی کاہلی اور غفلت کیوجہ سے قابل زراعت زمین معطل ہو جائے یا کوئی مسلمان خراجی زمین خرید لے یا اور کسی طرح حاصل کر لے تو خراج ادا کرنا پڑے گا۔

قولہ ولا عشر الخ خراجی زمین کی پیداوار میں عشر نہیں یعنی عشر اور خراج دونوں جمع نہیں ہوتے امام شافعی فرماتے ہیں کہ دونوں جمع ہو سکتے ہیں کیونکہ یہ دونوں مختلف سببوں کیوجہ سے دو محلوں میں واجب ہوتے ہیں اس لئے ان کے جمع ہونے میں کوئی منافات نہیں، ہم یہ کہتے ہیں کہ خراج اس زمین میں واجب ہوتا ہے جو عنوۃً فتح کی گئی ہو اور عشر اس میں واجب ہوتا ہے جس کے باشندے بخوشی اسلام لے آئے ہوں اور یہ دونوں وصف ایک زمین میں جمع نہیں ہو سکتے۔[1]

---

(۱)......لا تجتمع العشر والخراج عندنا کما لا تجتمع العشر مع الزکوۃ وزکاۃ التجارۃ وصدقۃ الفطر وحد وعقر وجلد ورجم وقطع وضمان وتیمم ووضوء وحبل وحیض ونفاس وقد جمعها البعض الی نیف و عشرین ۱۲

فَصْلٌ فِی الْجِزْیَۃِ لَوْ وُضِعَتْ بِتَرَاضٍ لَایُعْدَلُ عَنْھَا وَاِلَّا یُوْضَعُ عَلَی الْفَقِیْرِ الْمُعْتَمِلِ فِیْ کُلِّ سَنَۃٍ اِثْنَیْ عَشَرَ دِرْھَمًا

(فصل) جزیہ اگر طرفین کی رضامندی سے مقرر ہو تو اس سے عدول نہ کیا جائیگا ورنہ مقرر کیا جائیگا فقیر پر جو کما سکتا ہو ہر سال میں بارہ درہم

وَعَلٰی وَسَطِ الْحَالِ ضِعْفُہٗ وَعَلَی الْمُکْثِرِ ضِعْفُہٗ

اور درمیانی حال والے پر اس کا دوگنا اور مال دار پر اس کا دوگنا

جزیہ کے احکام

تشریح الفقہ: قولہ الجزیۃ الخ جزیہ لغۃً بمعنی جزاء ہے بایں معنی کہ یہ قتل کا بدلہ ہوتا ہے یعنی اگر کافر جزیہ نہ دیتا تو قتل کیا جاتا اس کی جمع جزی ہے جیسے لحیۃ کی جمع لحی' جزیہ کی دو قسمیں ہیں جزیہ صلحی اور جزیہ قہری اگر وہ جزیہ کوئی مقدار بطور صلح ورضا معین ہو جائے تو اس سے عدول جائز نہیں کیونکہ اس کو بدل ڈالنا عہد شکنی ہے اور اگر بطور صلح معین نہ ہو بلکہ کافروں کے مغلوب ہونے اور ان کو املاک پر قائم رکھنے کے بعد ٹھہرا ہو تو اس کے تین درجے ہیں (۱) اگر کافر غریب ہو لیکن کھاتا کماتا ہو تو اس پر بارہ درہم سالانہ جزیہ مقرر ہوگا اور یہ ماہوار ایک درہم لیا جائے گا (۲) اگر اوسط درجہ کا آدمی ہو تو اس سے سالانہ چوبیس درہم لئے جائیں گے (۳) اور اگر مالدار ہو تو سالانہ اڑتالیس درہم لئے جائیں گے امام شافعی فرماتے ہیں کہ فقیر ہو یا مالدار ہر ایک سے ایک دینار لیا جائے گا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کو فرمایا تھا کہ ہر بالغ مرد سے ایک دینار وصول کرو[1] مصنف عبدالرزاق میں عورت سے بھی ایک دینار لینے کا حکم ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ سے وہی مقدار منقول ہے جو اوپر مذکور ہوئی[2] رہی حدیث معاذ سو وہ بطریق صلح لینے پر محمول ہے "ولذا امر بالا خذمن الحاملۃ ولا جزیہ علیھما"۔

وَتُوْضَعُ عَلٰی کِتَابِیٍّ وَمَجُوْسِیٍّ وَوَثَنِیٍّ عَجَمِیٍّ لَاعَرَبِیٍّ وَمُرْتَدٍّ وَصَبِیٍّ وَامْرَأَۃٍ وَعَبْدٍ وَمُکَاتَبٍ وَزَمِنٍ وَاَعْمٰی وَفَقِیْرٍ

اور مقرر کیا جائیگا کتابی پر آتش پرست پر اور عجمی بت پرست پر نہ کہ عربی بت پرست مرتد بچہ عورت غلام مکاتب اپاہج اندھے نہ کما سکنے والے فقیر

غَیْرِ مُعْتَمِلٍ وَرَاھِبٍ لَایُخَالِطُ وَتَسْقُطُ بِالْاِسْلَامِ وَالتَّکْرَارِ وَالْمَوْتِ

اور ایسے گوشہ نشین پر جو لوگوں سے میل جول نہ رکھتا ہو اور ساقط ہو جاتا ہے مسلمان ہونے اور مرجانے اور مکرر ہونے سے۔

تشریح الفقہ: قولہ وضع الخ اہل کتاب یہودی ہوں یا نصرانی اور مجوسی یعنی آتش پرست پر جزیہ مقرر کیا جائیگا۔ لقولہ تعالیٰ (من الذین اوتوا الکتاب حتی یعطوا الجزیۃ") نیز تین فریقوں کا جزیہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول کیا اس ہے اول نجران اور ایلا کے لوگوں کا جو نصرانی تھے دوم دومۃ الجندل کا جس میں اکثر عرب کے یہود تھے اور یمن کے یہود کا سوم ہجر کے مجوس کا البتہ بت پرستوں سے جزیہ لینے میں اختلاف ہے کیونکہ کسی بت پرست سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جزیہ لینا ثابت نہیں امام ابو حنیفہ امام مالک امام احمد فرماتے ہیں کہ اہل کتاب اور بت پرست سب کا جزیہ قبول کرنا درست ہے امام شافعی فرماتے ہیں کہ صرف اہل کتاب سے جزیہ لینا درست ہے بت پرستوں سے نہیں کیونکہ کتاب اللہ میں اہل کتاب کی قید ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اہل کتاب ہی سے لیا ہے جواب یہ ہے کہ آتش پرست اور بت پرست میں کوئی فرق نہیں بلکہ بعض وجوہ سے مجوسیوں کی حالت بت پرستوں سے بھی بدتر ہے کیونکہ بت پرست خالق کے قائل ہیں اور مجوسی خالق خیر و خالق شر علیحدہ علیحدہ مانتے ہیں مجوسی محرمات ابدیہ یعنی اپنی بیٹی اور بہن سے نکاح درست

(۱) ابوداود، ترمذی، نسائی، ابن حبان، حاکم عن معاذ ۱۲

(۲)...... ابن ابی شیبہ، ابن زنجویہ، ابن سعد عن عمر رضی اللہ عنہم ۱۲

کہتے ہیں بت پرست ان لغویات سے دور ہیں تو ان خرابیوں کے باوجود مجوسیوں سے جزیہ لیکر ان کو ان کے دین پر رہنے کی اجازت ہے تو بت پرستوں کو یہ اجازت کیوں نہ حاصل ہوگی، رہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بت پرستوں سے جزیہ نہ لینا سو اس کی وجہ ظاہر ہے کیونکہ جب جزیہ کا حکم نازل ہوا اس سے پہلے تقریباً تمام بت پرست قبائل میں اسلام پھیل چکا تھا اور اس کے بعد بت پرست قبائل سو جنگ کی نوبت نہیں آئی اہل کتاب سے مقاتلہ ہوا اور انہی پر جزیہ مقرر ہوا۔

قولہ لاعربی الخ احناف وموالک کے یہاں گو اہل کتاب اور بت پرستوں پر جزیہ ہے مگر خالص عرب کے بت پرست اس سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان ہی میں پیدا ہوئے اور ان ہی کی زبان میں قرآن نازل ہوا وہ اس کے معنی اور فصاحت و بلاغت سے زیادہ واقف ہیں پس ان کا کفر شدید تر ہے لہٰذا حکم بھی سخت ہوگا یعنی یا اسلام قبول کریں یا مقتول ہوں نیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت ہے کہ ''جزیرہ عرب میں دو دین نہیں ہو سکتے''[1] اس لئے جزیہ لیکر وہاں بت پرستی کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔

قولہ والتکرار الخ اگر کسی سے چند سالوں کا جزیہ نہ لیا گیا ہو تو امام صاحب کے نزدیک سالہائے گزشتہ کا جزیہ ساقط ہو جائے گا اور صرف سال رواں کا جزیہ لیا جائے گا صاحبین کے نزدیک ساقط نہ ہوگا بلکہ گزشتہ سالوں کا بھی جزیہ وصول کیا جائے گا یہی ائمہ ثلاثہ کا مذہب ہے کیونکہ ہر سال کا جزیہ مستقل طور پر واجب ہے لہٰذا تاخیر سے ساقط نہ ہوگا امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ جزیہ بطور عقوبت واجب ہوتا ہے اور جب عقوبات مجتمع ہوں تو ان میں تداخل ہو جاتا ہے لہٰذا ایک ہی سال کا واجب ہوگا۔

وَلَايُحْدَثُ[2] بِيْعَةٌ وَلَاكَنِيْسَةٌ فِيْ دَارِنَا وَيُعَادُ الْمُنْهَدِمُ وَيُمَيَّزُ الذِّمِّيُّ عَنَّا فِي الزِّيِّ وَالْمَرْكَبِ وَالسَّرْجِ

اور کوئی نیا کلیسہ اور گرجا دار الاسلام میں نہ بنایا جائے ہاں منہدم کو دوبارہ بنایا جا سکتا ہے اور ممتاز رکھا جائے ذمی کو ہم سے ہیئت اور سواری اور زین

فَلَايَرْكَبُ خَيْلًا وَلَايَعْمَلُ بِالسِّلَاحِ وَيُظْهِرُ الْكُسْتِيْجَ وَيَرْكَبُ سَرْجًا كَالْاُكُفِّ وَلَايَنْقُضُ عَهْدُهٗ بِالْاِبَآءِ عَنِ الْجِزْيَةِ

میں پس نہ وہ گھوڑے پر سوار ہو اور نہ ہتھیار استعمال کرے اور ظاہر رکھے زنار کو اور سوار ہو پالان جیسی زین پر اور نہیں ٹوٹتا اس کا عہد ذمہ جزیہ سے

وَالزِّنَا بِمُسْلِمَةٍ وَقَتْلِ مُسْلِمٍ وَسَبِّ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامِ بَلْ بِاللِّحَاقِ ثَمَّةَ

انکار کرنے مسلمان عورت کیساتھ زنا کرنے مسلمان کو مار ڈالنے اور حضور ﷺ کی شان میں بدگوئی کرنے سے بلکہ ٹوٹتا ہے دار الحرب چلے جانے

اَوْ بِالْغَلَبَةِ عَلٰى مَوْضِعٍ لِلْحَرْبِ وَصَارَ كَالْمُرْتَدِّ وَيُؤْخَذُ مِنَ التَّغْلِبِيِّ وَالتَّغْلِبِيَّةِ بَالِغَيْنِ

یا لڑائی کی تیاری کیلئے کسی جگہ پر غالب آ جانے سے ان چیزوں سے وہ مرتدین کی مانند ہو جاتے ہیں اور لیا جائے تغلبی مرد وعورت سے جو بالغ ہوں

ضِعْفَ زَكٰوتِنَا وَمَوْلَاهُ كَمَوْلَى الْقُرَيْشِ فِي الْخَرَاجِ وَالْجِزْيَةِ وَمَالُ التَّغْلِبِيِّ وَهَدِيَّةُ اَهْلِ الْحَرْبِ وَمَااَخَذْنَا مِنْهُمْ

ہماری زکوٰۃ سے دو چند اور ان کا آزاد کردہ غلام قریشیوں کے آزاد کردہ کی طرح ہے اور جزیہ اور تغلبی کا مال اور کافروں کا ہدیہ اور جو مال ہم ان سے

بِلَا قِتَالٍ يُصْرَفُ فِيْ مَصَالِحِنَا كَسَدِّ الثُّغُوْرِ وَبِنَآءِ الْقَنَاطِيْرِ وَالْجُسُوْرِ

بلا قتال حاصل کریں اس کو ہماری بہتری میں صرف کیا جائے مثلاً حد بندی اور چھوٹے بڑے پل تعمیر کرنے

وَكِفَايَةِ الْقُضَاةِ وَالْعُمَّالِ وَالْعُلَمَاءِ وَالْمُقَاتِلَةِ وَذَرَارِيْهِمْ وَمَنْ مَاتَ فِيْ نِصْفِ السَّنَةِ حُرِمَ عَنِ الْعَطَآءِ

اور قاضیوں عالموں سپاہیوں اور ان کی اولاد کے روزینے میں اور جو شخص مرجائے سال کے بیچ میں تو وہ محروم ہوگا سالانہ بخشش سے۔

توضیح اللغۃ: بیعۃ کلیسا، کنیسہ گرجا، زی ہیئت، سرج زین، کستیج زنار کے علاوہ ایک دھاگا جس کو ذمی اپنے لباس پر باندھتے تھے اکف

---

[1] ابن راہویہ، عبد الرزاق عن ابی ہریرۃ ۱۲ [2] لقولہ علیہ السلام، لا خصاء فی الاسلام ولا کنیسۃ (بیہقی، قاسم بن سلام، ابن عدی مرفوعا وابو الاسود موقوفا علی عمر ۱۲

جمع اکاف پالان، سب گالی دینا ضعف دو چند، ثغور جمع ثغر سرحد قناطر قنطرة پل، بلند عمارت، جسور جمع جسر پل ذراری جمع ذریۃ:

تشریح الفقہ :قولہ ویو خذمن تغلبی الخ تغلبی تغلب (بکسر لام) ابن وائل بن ربیعہ کی طرف منسوب ہے یہ عرب کی ایک قوم تھی جو زمانہ جہالت میں نصرانی ہوگئی تھی حضرت عمر نے ان سے جزیہ طلب کیا تو انہوں نے جزیہ دینے سے انکار کیا اور کہا کہ جس طرح تم عربوں سے یعنی مسلمانوں سے مال کا صدقہ وصول کرتے ہو اسی طرح ہم سے لے لو حضرت عمرؓ نے اس سے انکار کیا اور کہا کہ ہم مشرکوں سے صدقہ نہیں لے سکتے اس پر ان میں سے کچھ ناراض ہو کر روم چلے گئے اور کچھ منتشر ہو گئے آخر نعمان بن زرعہ کے مشورے سے یہ بات طے ہوئی کہ ان سے جزیہ میں دگنی زکوٰۃ لی جائے اور صدقہ کے نام سے لی جائے چنانچہ اسی پر معاہدہ ہو گیا اور چونکہ زکوٰۃ عورتوں سے بھی لی جاتی ہے اس لئے بنو تغلب کی عورتوں سے بھی دگنی زکوٰۃ مقرر ہوئی۔

قولہ ومولاہ الخ تغلبی کے آزاد غلام سے بھی جزیہ اور خراج لیا جائے گا جیسا کہ قرشی کے آزاد غلام سے لیا جاتا ہے اور حدیث ''ومولیٰ القوم منھم بالا جماع'' حرمت صدقہ کے ساتھ مخصوص ہے یعنی جس قوم کو صدقہ لینا درست نہیں تو اس قوم کے آزاد غلام کو بھی صدقہ لینا درست نہیں۔

باب المرتدین

باب مرتدین کے بیان میں

يُعْرَضُ الْاِسْلَامُ عَلَى الْمُرْتَدِّ وَتُكْشَفُ شُبْهَتُهُ وَيُحْبَسُ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ فَاِنْ اَسْلَمَ وَاِلَّا قُتِلَ
پیش کیا جائے گا اسلام مرتد پر اور دور کیا جائیگا شبہ اور قید رکھا جائیگا تین روز تک پس اگر وہ مسلمان ہو جائے تو بہتر ہے ورنہ قتل کر دیا جائے گا
وَاِسْلَامُهٗ اَنْ يَّتَبَرَّءَ عَنِ الْاَدْيَانِ سِوَى الْاِسْلَامِ اَوْ عَمَّا انْتَقَلَ اِلَيْهِ وَكُرِهَ قَتْلُهٗ
اور اس کا مسلمان ہونا یہ ہے کہ وہ اسلام کے علاوہ تمام دینوں سے یا جس کی طرف وہ مائل ہوا ہے اس سے بیزار ہو اور مکروہ ہے اس سے قبل اس کو قتل
وَلَمْ يَضْمَنْ قَاتِلُهٗ وَلَاتُقْتَلُ الْمُرْتَدَّةُ بَلْ تُحْبَسُ حَتّٰى تُسْلِمَ
کرنا لیکن اس کا قاتل ضامن نہ ہوگا اور نہ قتل کیجائے مرتدہ عورت بلکہ قید کیجائے یہاں تک کہ اسلام لے آئے
وَيَزُوْلُ مِلْكُ الْمُرْتَدِّ عَنْ مَالِهٖ زَوَالًا مَوْقُوْفًا فَاِنْ اَسْلَمَ عَادَ مِلْكُهٗ
اور زائل ہو جاتی ہے مرتد کے مال سے اس کی ملکیت بزوال موقوف کہ اگر وہ مسلمان ہو جائے تو اس کی ملکیت لوٹ آئے گی۔

تشریح الفقہ : قولہ باب الخ کفر اصلی کے احکام سے فراغت کے بعد کفر طاری کے احکام بیان کر رہا ہے' مرتد لغت میں مطلقاً پھر جانیوالے کو کہتے ہیں۔ ایمان سے پھرے یا غیر ایمان سے اور اصطلاح شرع میں خاص کر دین اسلام سے پھر جانے والے کو مرتد کہتے ہیں ارتداد ظاہری کا رکن ایمان کے بعد زبان پر کلمہ کفر جاری کرنا ہے اس کی صحت کے لئے عقل و ہوشیاری اور خود مختاری شرط ہے پس مجنون و بے ہوش وسواسی طفل نافہم' مست اور اس شخص کا مرتد ہونا صحیح نہیں جس پر زبردستی کی گئی ہو اشباہ میں ہے کہ اگر مست نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بدگوئی کرے تو قتل کیا جائے گا اور قصور معاف نہ ہوگا لیکن بحرالرائق میں یہ قید ہے کہ اس کا سکر حرام چیز سے ہو اور اس نے نشہ آور چیز بخوشی استعمال کی ہو ورنہ وہ مجنون کے مانند ہے۔

قولہ یعرض الخ جو شخص مرتد ہو جائے تو حاکم اس پر اسلام پیش کرے بطریق استحباب (صحیح مذہب یہی ہے) اور یہ دین کے معاملہ میں اس کو جو شبہ پیدا ہو گیا ہو اس کو دور کیا جائے اور تین روز تک قید میں رکھا جائے بشرطیکہ وہ مہلت طلب کرے امام شافعی کا بھی صحیح

مذہب یہ ہے اب اگر وہ اسلام قبول کر لے تو بہتر ہے ورنہ قتل کر دیا جائے "لقوله صلعم' من بدل دینه فاقتلوه' "۔(۱)

قوله ولا تقتل الخ اگر کوئی عورت مرتد ہو جائے خواہ وہ آزاد یا باندی ہو تو اس کو قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ قید رکھا جائیگا جب تک کہ وہ اسلام نہ لائے ائمہ ثلاثہ لیث' زہری' نخعی' اوزاعی' مکحول اور حضرت حماد فرماتے ہیں کہ اس کو بھی قتل کیا جائے گا کیونکہ حدیث مذکور میں کلمہ من عام ہے جو مرد و عورت ہر دو کو شامل ہے ہماری دلیل یہ ہے کہ حضور صلعم نے قتل نساء سے منع فرمایا ہے۔(۲)

قوله ویزول الخ مرتد کے مال سے اس کی ملکیت زائل ہو جاتی ہے مگر بزوال موقوف یعنی اگر وہ مسلمان ہو جائے تو اس کی ملک لوٹ آئے گی صاحبین کے نزدیک اس کی ملک زائل نہ ہوگی اس لئے کہ وہ مکلف ہے اور مال کے بغیر کوئی معاملہ نہیں کر سکتا لہٰذا جب تک وہ قتل نہ ہو اس وقت تک ملک باقی رہے گی امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ وہ حربی ہے اور مسلمانوں کے قبضہ میں ہے مقہور ہے اور مقہوریت مملوکیت کی علامت ہے جو موجب زوال ملک ہے مگر چونکہ اس پر اسلام قبول کرنا ضروری ہے اور اسلام قبول کرنے کی امید بھی ہے اس لئے زوال ملک کو موقوف رکھا جائے گا۔

وَاِنْ مَاتَ عَلٰی رِدَّتِهٖ وَرِثَ کَسْبَ اِسْلَامِهٖ وَارِثُهُ الْمُسْلِمُ بَعْدَ قَضَآءِ دَیْنِ اِسْلَامِهٖ وَکَسْبُ رِدَّتِهٖ

اور اگر مرجائے یا قتل کر دیا جائے ارتداد پر تو وارث ہوگا اس کے اسلام کی کمائی کا اس کا مسلم وارث اسلامی قرضہ کی ادائیگی کے بعد اور اس کے ارتداد

فَیْءٌ بَعْدَ قَضَآءِ دَیْنِ رِدَّتِهٖ وَاِنْ حُکِمَ بِلِحَاقِهٖ عَتَقَ مُدَبَّرُهٗ وَاُمُّ وَلَدِهٖ

کی کمائی غنیمت ہوگی ارتدادی قرضہ کی ادائیگی کے بعد اور اگر حکم کر دیا گیا اس کے دار الحرب جا ملنے کا تو اس کا مدبر اور اس کی ام ولد آزاد ہو جائیگی

وَحَلَّ دَیْنُهٗ وَتَوَقَّفَ مُبَایَعَتُهٗ وَعِتْقُهٗ وَهِبَتُهٗ فَاِنْ اٰمَنَ نَفَذَ وَاِنْ هَلَکَ بَطَلَ

اور اس کا قرض حلال ہو جائیگا اور موقوف ہوگا اس کا فروخت کرنا اور آزاد کرنا اور ہبہ کرنا پس اگر وہ ایمان لے آئے تو نافذ ہوں گے ورنہ باطل

وَاِنْ عَادَ مُسْلِمًا بَعْدَ الْحُکْمِ بِلِحَاقِهٖ فَمَا وَجَدَهٗ فِیْ یَدِ وَارِثِهٖ اَخَذَهٗ وَاِلَّا لَا وَلَوْ وَلَدَ اَمَةٌ لَهٗ نَصْرَانِیَّةٌ

اور اگر وہ مسلمان ہو کر آجائے دار الحرب جا ملنے کے بعد تو جو کچھ وہ اپنے ورثہ کے بعد پائے اس کو لے لے ورنہ نہیں اور اگر بچہ جنا اس کی نصرانی

لِسِتَّةِ اَشْهُرٍ مُذْ اِرْتَدَّ فَادَّعَاهُ فَهِیَ اُمُّ وَلَدِهٖ وَهُوَ اِبْنُهٗ حُرٌّ وَلَا یَرِثُهٗ

باندی نے چھ ماہ کے اندر اس کے مرتد ہونے سے اور مرتد نے اس کا دعویٰ کیا تو باندی اس کی ام ولد ہوگی اور بچہ اس کا بیٹا ہوگا آزاد مگر اس کا وارث نہ ہوگا

وَلَوْ مُسْلِمَةً وَرِثَهُ الْاِبْنُ اِنْ مَاتَ عَلَی الرِّدَّةِ اَوْلَحِقَ بِدَارِالْحَرْبِ وَاِنْ لَحِقَ الْمُرْتَدُّ بِمَالِهٖ

اور اگر باندی مسلمان ہو تو بچہ وارث ہوگا اگر وہ ردت پر مرجائے یا دار الحرب میں جا ملے اور اگر مرتد اپنے مال کے ساتھ دار الحرب چلا گیا

فَظُهِرَ عَلَیْهِ فَهُوَ فَیْءٌ فَاِنْ رَجَعَ اِلٰی دَارِ الْاِسْلَامِ وَذَهَبَ بِمَالِهٖ وَظُهِرَ عَلَیْهِ فَلِوَارِثِهٖ

پھر اس پر غلبہ حاصل ہو گیا تو وہ غنیمت ہوگا اور اگر وہ دار الاسلام واپس ہو کر مال لیجائے پھر اس پر غلبہ حاصل ہو جائے تو اس کا مال اس کے ورثہ کا ہوگا

فَاِنْ لَحِقَ وَقَضٰی بِعَبْدِهٖ لِابْنِهٖ فَکَاتَبَهٗ فَجَآءَ مُسْلِمًا فَالْمُکَاتَبَةُ وَالْوَلَآءُ لِمُوَرِّثِهٖ

پس اگر وہ دار الحرب چلا گیا اور اس کے بیٹے کیلئے اس کے غلام کا حکم کر دیا گیا اور پھر وہ مسلمان ہو کر آ گیا تو مکاتب اور ولاء اس کے مورث کیلئے

فَاِنْ قَتَلَ مُرْتَدٌّ رَجُلًا خَطَئًا وَلَحِقَ اَوْقُتِلَ فَالدِّیَةُ فِیْ کَسْبِ الْاِسْلَامِ وَلَوِارْتَدَّ بَعْدَ الْقَطْعِ عَمَدًا

ہوگی اگر مرد کسی کو خطاءً قتل کر کے دار الحرب چلا جائے یا مارا جائے تو دیت اسلامی کمائی سے ادا ہوگی اور اگر مرتد ہو گیا عمداً ہاتھ کاٹنے کے بعد

۱؎ بخاری ابن شیبہ، عبدالرزاق عن ابن عباس، طبرانی عن معاویہ بن حیدۃ و عائشہ ۱۲

۲؎ ...... الجماعۃ الا ابن ماجہ ۱۲

فَمَاتَ مِنْهُ اَوْلَحِقَ فَجَآءَ مُسْلِمًا مِنْهُ ضَمِنَ الْقَاطِعُ نِصْفَ الدِّيَةِ فِيْ مَالِهٖ

اور وہ اس کی وجہ سے مرگیا یا دارالحرب چلا گیا اور مسلمان ہوکر آ گیا پھر اس کی وجہ سے مرگیا تو قاطع اپنے مال میں سے نصف دیت کا ضامن ہوگا

لِوَرَثَتِهٖ فَاِنْ لَمْ يَلْحَقْ وَاَسْلَمَ وَمَاتَ ضَمِنَ. وَلَوْ اِرْتَدَّ مُكَاتَبٌ وَلَحِقَ

مرتد کے ورثہ کے لئے اور اگر وہ دارالحرب نہ جائے اور مسلمان ہوکر مر جائے تو کل دیت کا ضامن ہوگا اگر مکاتب مرتد ہوکر دارالحرب چلا جائے

فَاُخِذَ بِمَالِهٖ وَقُتِلَ فَمُكَاتَبَتُهٗ لِمَوْلَاهُ وَمَابَقِيَ لِوَرَثَتِهٖ وَلَوْ اِرْتَدَّ زَوْجَان فَلَحِقَا فَوَلَدَتْ وَلَدًا

اور مع مال گرفتار ہوکر مارا جائے تو بدل کتابت اس کے آقا کا ہوگا اور باقی اس کے ورثہ کا اگر زوجین مرتد ہوکر دارالحرب چلے گئے وہاں ان کے بچہ ہوا

وَوَلَدَ لَهٗ وَلَدٌ فَظَهَرَ عَلَيْهِمْ فَالْوَلَدَان فَیْءٌ فَيُجْبَرُ الْوَلَدُ عَلَى الْاِسْلَامِ لَا وَلَدُ الْوَلَدِ

اور ایک پوتا بھی ہوگیا اور سب پر غلبہ حاصل ہوگیا تو دونوں بچے غنیمت ہوں گے اور لڑکے کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا جائیگا نہ کہ پوتے کو

وَارْتِدَادُ الصَّبِيِّ الْعَاقِلِ صَحِيْحٌ كَاِسْلَامِهٖ وَيُجْبَرُ عَلَيْهِ وَلَايُقْتَلُ

سمجھدار بچے کا مرتد ہونا صحیح ہے جیسے اس کا اسلام لانا اور اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا جائیگا جان سے نہ مارا جائیگا۔

مرتدین کے احکام کی تفصیل!

تشریح الفقہ: قولہ فان مات الخ اگر مرتد بحالت ارتداد مرجائے یا قتل کردیا جائے تو اس کے مسلمان ورثہ دور اسلام کی کمائی کے وارث ہونگے اور اسی کمائی سے اس کا قرض ادا کیا جائے گا جو اس کے ذمہ اسلام کے زمانہ کا ہوگا اور زمانہ ارتداد کی کمائی غنیمت ہوگی اور جو قرضہ زمانہ ارتداد کا ہوگا وہ اسی کمائی سے چکایا جائے گا' صاحبین کے نزدیک دونوں زمانوں کی کمائی ورثہ کیلئے ہوگی اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دونوں کو غنیمت میں داخل کیا جائے گا کیونکہ مرتد کافر کا وارث نہیں ہوتا اب یہ مال چونکہ ایک حربی کا ہے اس لئے مال غنیمت ہوگا صاحبین یہ فرماتے ہیں کہ ردت کے بعد مرتد کی ملکیت اس کے ان دونوں کمائیوں میں باقی ہے (کمامر) پس اس کے مرنے کے بعد یہ ملک اس کے ورثہ کے طرف منتقل ہوجائیگی اور ردت سے تھوڑے قبل کے زمانہ کی طرف مسند ہوگی **فیکون توریث المسلم لا توریث المسلم من الکافر**" امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ دور اسلام کی کمائی تو مسند ہوسکتی ہے کیونکہ ردت سے قبل موجود ہے لیکن دور ردت کی کمائی میں یہ چیز نہیں چل سکتی کیونکہ وہ ردت سے قبل موجود ہی نہیں۔

قولہ وتوقف الخ مرتد کے تصرفات چار قسم پر ہیں اول وہ امور جو کمال ولایت پر موقوف نہیں ہیں جیسے استیلاد' طلاق' قبول ہبہ' تسلیم شفعہ' اپنے ماذون غلام کو تصرف سے باز رکھنا ان امور میں مرتد کا تصرف بالاتفاق نافذ ہے دوم وہ امور جن کی صحت اعتقاد ملت پر منحصر ہے جیسے نکاح کرنا (منکوحہ مسلمہ ہو یا کافرہ اصلیہ ہو یا مرتدہ) ذبیحہ' شکار کرنا' گواہی دینا' وراثت ان میں مرتد کا تصرف بلا اتفاق باطل ہے سوم وہ امور جو دینی مساوات پر منحصر ہیں جیسے شرکت معاوضہ یا ولایت متعدیہ پر منحصر ہے جیسے اپنے چھوٹے بچے پر تصرف ان میں مرتد کا تصرف بلااتفاق موقوف ہے چہارم وہ امور جن میں مبادلہ بالمال ہو جیسے خرید وفروخت' عقد صرف' عقد سلم' عتق' تدبیر' کتابت' ہبہ' رہن' اجارہ' صلح عن الاقرار' قبض دین' وصیت' ان میں مرتد کا تصرف امام صاحب کے نزدیک موقوف ہے اور صاحبین کے نزدیک نافذ۔

قولہ ولو ولدت الخ مرتد کی باندی نصرانیہ (یعنی کتابیہ) کے پورے چھ ماہ یا اس سے زائد میں بچہ ہوا اور مرتد نے اس کا دعویٰ کیا تو باندی اس کی ام ولد ہوجائے گی کیونکہ ام ولد ہونا حقیقت ملک پر موقوف نہیں اور وہ بچہ آزاد ہوگا اور اسی مرتد کا ہوگا لیکن وہ اس مرتد کا وارث نہ ہوگا کیونکہ اس کا علوق مرتد کے نطفہ سے ہوا ہے لہٰذا وہ بھی مرتد ہوگا وجہ یہ ہے کہ والدین میں سے بہتر دین والے کا تابع ہوتا ہے اور یہاں اس کی ماں کتابیہ ہے اور باپ مرتد تو بچہ ماں کا تابع ہونا چاہیے مگر چونکہ اسلام کیوجہ سے باپ پر جبر ثابت ہوتا ہے تو بچہ پر بھی

ثابت ہوگا پس بچہ کا ظاہر ہر حال اسلام پر دال ہے اور جب باپ مرتد رہا تو بچہ بھی مرتد رہے گا اور ایک مرتد دوسرے مرتد کا وارث نہیں ہوگا یہ تفصیل تو اس صورت میں ہے جب باندی کتابیہ ہو اور اگر وہ مسلمہ ہو تو بچہ وارث ہوگا چھ ماہ سے کم میں پیدا ہوا ہو یا اس سے زائد میں کیونکہ اس وقت بچہ ماں کا تابع ہے اور مسلمان ہے اور مسلمان مرتد کا وارث ہوتا ہے ہے جبکہ مرتد مرجائے یا دارالحرب میں جا ملے۔

قولہ ولو ارتد بعد القطع الخ ایک شخص نے قصداً کسی مسلمان کا ہاتھ کاٹ دیا وہ مرتد ہوگیا اور اسی زخم کے صدمہ سے مرگیا یا دارالحرب چلا گیا اور حاکم نے اس کے لحوق کا فیصلہ بھی کر دیا پھر وہ مسلمان ہو کر آ گیا اور اسی زخم کے سبب سے مرگیا تو دونوں صورتوں میں قاطع پر نصف دیت کا تاوان ہوگا اور جو وہ مرتد کے ورثہ کو دے گا جان کی دیت واجب نہ ہوگی کیونکہ "سرایت الی النفس" کا حلول محل غیر معصوم میں ہوا ہے لہٰذا اس کا اعتبار نہ ہوگا اور اگر وہ شخص دارالحرب نہیں گیا بلکہ دارالاسلام میں رہتا ہوا ہی مسلمان ہوگیا اور اسی زخم میں مرگیا یا دارالحرب چلا گیا لیکن حکم لحوق سے قبل واپس آ گیا اور پھر زخم کی وجہ سے مرگیا تو ان دونوں صورتوں میں قاطع پر پوری دیت واجب ہوگی کیونکہ ان صورتوں میں وہ بوقت سرایت بھی معصوم الدم تھا ان چاروں صورتوں میں یہ حکم شیخین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ہے امام محمد وزفر کے نزدیک چاروں صورتوں میں نصف دیت ہے۔

قولہ ولو ارتد الزوجان الخ زوجین مرتد ہو کر دارالحرب چلے گئے اور وہاں ان کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا پھر اس بچہ کے بھی ایک بچہ ہوگیا اور ان سب پر مسلمانوں کا غلبہ ہوگیا اور ان کے قبضہ میں آ گئے تو بیٹا اور پوتا دونوں غنیمت ہونگے کیونکہ بیٹے کی ماں مرتدہ ہے۔ اور مرتدہ کو قتل نہیں کیا جاسکتا بلکہ باندی بنایا جاتا ہے اور حریت ورقیت میں بیٹا ماں کا تابع ہوتا ہے اس لئے غنیمت ہوں گے اب بیٹے کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا جائے گا کیونکہ دین کے بارے میں اولاد والدین کے تابع ہوتی ہے تو جب والدین کو اسلام پر مجبور کیا جاتا ہے تو بیٹے کو بھی مجبور کیا جائیگا رہا پوتا سو اس کے متعلق اجبار وعدم اجبار دونوں طرح کی روایتیں ہیں۔

قولہ وارتداد الصبی الخ اگر کوئی بچہ سمجھدار ہو اور وہ اسلام قبول کرلے یا (العیاذ باللہ) مرتد ہوجائے تو احکام دنیویہ کے لحاظ سے یہ قابل اعتبار ہوگا یا نہیں؟ سو اول کی بابت امام زفرؒ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اعتبار نہ ہوگا کیونکہ دین کے بارے میں بچہ والدین کے تابع ہوتا ہے اس لئے اس کو اصل نہیں ٹھہرا سکتے ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت علیؓ بچپن میں اسلام لائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو صحیح قرار دیا جس پر حضرت علیؓ کا افتخار مشہور ہے دوم کی بابت امام ابو یوسف کا اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ ارتداد تو مضرت محضہ ہے اس لئے اس کو صحیح نہیں مان سکتے "ولهما انها موجودة حقيقة ولا مرد للحقيقة"۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

باب البغاۃ

باب باغیوں کے بیان میں

خَرَجَ قَوْمٌ عَنْ طَاعَةِ الْإِمَامِ وَغَلَبُوْا عَلٰى بَلَدٍ دَعَاهُمْ اِلَيْهِ وَكَشَفَ شُبْهَتَهُمْ وَبَدَءَ بِقِتَالِهِمْ

کچھ مسلمان امام کے فرمان سے باہر ہو کر کسی شہر پر غالب آ گئے تو امام ان کو اپنی اطاعت کیلئے کہے اور ان کے شبہ کو دور کرے اور ان سے لڑائی شروع

وَلَوْكَانَ لَهُمْ فِئَةٌ أُجْهِزَ عَلٰى جَرِيْحِهِمْ وَاُتْبِعَ مُوَلِّيْهِمْ وَاِلَّا لَا وَلَمْ يُسْبَا ذُرِّيَّتُهُمْ وَحُبِسَ

کرے اور اگر ان کی کوئی جماعت ہو تو ان کے زخمیوں کو مار ڈالے اور بھاگنے والوں کا پیچھا کرے ورنہ نہیں اور ان کی اولاد کو قید نہ کرے

اَمْوَالُهُمْ حَتّٰى يَتُوْبُوْا وَاِنِ احْتَاجَ قَاتَلَ بِسَلَاحِهِمْ وَخَيْلِهِمْ

اور ان کے مالوں کو روک لے یہاں تک کہ وہ توبہ کریں اور اگر ضرورت ہو تو انہی کے ہتھیاروں اور گھوڑوں کو کام میں لائے

وَاِنْ قَتَلَ بَاغٍ مِثْلَهُ فَظَهَرَ عَلَيْهِمْ لَمْ يَجِبْ[1] شَيْءٌ وَاِنْ غَلَبُوْا عَلٰى اَهْلِ مِصْرٍ فَقَتَلَ مِصْرِيٌّ مِثْلَهُ

اور اگر باغی نے دوسرے باغی کو مارڈالا پھر ان پر غلبہ حاصل ہوگیا تو کچھ واجب نہ ہوگا اور اگر باغی کسی شہر پر غالب آ گئے اور شہری نے دوسری شہری کو

فَظَهَرَ عَلَى الْمِصْرِ قُتِلَ[2] بِهٖ وَاِنْ قَتَلَ عَادِلٌ بَاغِيًا اَوْقَتَلَهُ بَاغٍ وَقَالَ اَنَا عَلٰى حَقٍّ وَرِثَهُ

مارڈالا پھر شہر پر غلبہ ہوگیا تو قاتل کو قتل کیا جائیگا اور اگر عادل باغی کو یا باغی عادل کو مارڈالے اور باغی کہے کہ میں حق پر ہوں تو قاتل وارث ہوگا

وَاِنْ قَالَ اَنَا عَلٰى بَاطِلٍ لَا وَكُرِهَ بَيْعُ السِّلَاحِ مِنْ اَهْلِ الْفِتْنَةِ وَاِنْ لَمْ يَدْرِ اَنَّهٗ مِنْهُمْ لَا

اور اگر وہ یہ کہے کہ میں باطل پر ہوں تو وارث نہ ہوگا اور مکروہ ہے ہتھیار فروخت کرنا اہل فتنہ کے ہاتھ اور اگر یہ معلوم نہ ہو کہ وہ اہل فتنہ میں سے ہے تو مکروہ نہیں

تشریح الفقہ :قولہ خرج قوم الخ جب مسلمانوں کی کوئی جماعت امام حق کی اطاعت سے باہر ہو کسی شہر پر غالب آ جائے تو امام انکو اپنی اطاعت کی طرف بلائے اور امام کیفر مانبرداری کے سلسلہ میں انکو جو شکوک وشبہات ہوں انکو دور کرے اور اگر وہ کسی جگہ جمع ہوں تو ان سے ابتداءً بھی قتال کرنا حلال ہے تا کہ انکی جمعیت پریشان ہو کر ٹوٹ جائے کیونکہ انکا اسطرح جمع ہونا ظاہراً قتال کی دلیل ہے اور شئی کا حکم اس کی دلیل پر دائر ہوتا ہے' اور اگر ان کی کوئی ایسی جماعت ہو کہ یہ لوگ جن سے مل کر مضبوط ہو جائیں تو ان کے زخمیوں کو امام قتل کرڈالے اور جو فرار ہو جائے ان کا پیچھا کرے لیکن ان کی ذریت کو قید نہ کرے کیونکہ حضرت علیؓ نے جنگ جمل میں قتل اسیر وکشف ستر اور اخذ مال سے منع فرمایا تھا[3] (ابن ابی شیبہ)

قولہ وان قتل عادل الخ اگر عادل آدمی نے کسی باغی کو قتل کردیا تو قاتل مقتول باغی کا وارث ہوگا خواہ باغی یہ کہے کہ میں حق پر ہوں یا یہ کہے کہ میں باطل پر ہوں کیونکہ حق کی وجہ سے قتل کرنا مانع ارث نہیں ہے' اور اگر کوئی باغی عادل کو قتل کرڈالے اور یہ کہے کہ میں حق پر ہوں تب بھی قاتل وارث ہوگا لیکن اگر باغی قاتل یہ کہے کہ میں باطل پر ہوں تو وارث نہ ہوگا۔

كِتَابُ اللَّقِيْطِ

وَنُدِبَ الْتِقَاطُهٗ وَوَجَبَ اِنْ خَافَ الضَّيَاعَ وَهُوَ حُرٌّ وَنَفَقَتُهٗ فِيْ بَيْتِ الْمَالِ كَارِثِهٖ

مستحب ہے اس کو اٹھالینا اور ضروری ہے اگر ضائع ہونے کا خوف ہو اور وہ آزاد ہوگا اور اس کا خرچ بیت المال سے ہوگا جیسے اس کی میراث

وَجِنَايَتِهٖ وَلَا يَاْخُذُ مِنْهُ اَحَدٌ وَثَبَتَ[4] نَسَبُهٗ مِنْ وَاحِدٍ وَمِنْ اِثْنَيْنِ وَاِنْ وَصَفَ اَحَدُهُمَا عَلَامَةً بِهٖ

اور جنایت اور بچہ کو اٹھانے والے سے کوئی نہ لے اور ثابت ہو جائیگا اس کا نسب ایک شخص سے بھی اور دو سے بھی اور اگر کوئی اس کی مخصوص علامت

فَهُوَ اَحَقُّ وَمِنَ الذِّمِّيِّ وَهُوَ مُسْلِمٌ اِنْ لَمْ يَكُنْ فِيْ مَكَانِ اَهْلِ الذِّمَّةِ وَمِنْ عَبْدٍ وَهُوَ حُرٌّ

بتادے تو وہ اس کا زیادہ مستحق ہے اور ذمی سے بھی اور بچہ مسلمان ہوگا اگر وہ ذمیوں کے محلہ میں نہ ہو اور غلام سے بھی اور بچہ آزاد ہوگا

وَلَايُرَقُّ اِلَّا بِبَيِّنَةٍ وَاِنْ وُجِدَ مَعَهٗ مَالٌ فَهُوَ لَهٗ

اور غلام نہ بنایا جائیگا مگر بینہ کے ساتھ اور اگر اس کے پاس مال ملے تو وہ اسی کا ہے

وَلَايَصِحُّ[5] لِلْمُلْتَقِطِ عَلَيْهِ نِكَاحٌ وَبَيْعٌ وَاِجَارَةٌ وَيُسَلِّمُهٗ فِيْ حِرْفَةٍ وَيَقْبِضُ هِبَتَهٗ

اور صحیح نہیں ہے اٹھانے والے کے لئے اس کا نکاح کرنا اور بیچنا اور مزدوری پر دینا ہاں اسکو کسی پیشہ پر لگادے اور اس کے لئے ہبہ کو قبول کرے۔

---

[1] لان القصاص لایمکن استیفاءہ الابمنعۃ ولا ولایۃ للامام علیہم حالۃ القتل ۱۲ [2] لانہ لم تنقطع ولایۃ الامام ۱۲ [3] ...وقولہ فی الاسیر مؤول بما اذا لم یکن لہم فئۃ ۱۲

[4] لانہ ثبت حق الحفظ لہ لسبق یدہ ۱۲

[5] لانعدام سبب الولایۃ من القرابۃ والملک والسلطنۃ ۱۲

تشریح الفقہ : قولہ کتاب الخ مصنف جہاد کے بعد لقطہ اور لقیط کو بیان کر رہا ہے اس واسطے کہ جس طرح جہاد میں جان و مال ہر دو معرض ہلاکت میں ہوتے ہیں اسی طرح لقطہ (پڑا ہوا مال) اور لقیطہ (پڑا ہوا بچہ) خطرہ میں ہوتا ہے۔ اور لقیط کو اس لئے مقدم کر رہا ہے کہ اس کا تعلق جان سے ہے اور جان مال پر مقدم ہے لقیط بروزن فعیل بمعنی مفعول ہے لغت میں اس بچہ کو کہتے ہیں جو پڑا ہوا ملے اور اس کا کوئی ولی معلوم نہ ہو گویا اس پر لقیط کا اطلاق مایؤل کے اعتبار سے ہے جیسے "من قتل قتیلا فلہ سلبہ" شریعت میں لقیط انسان کے اس بچہ کو کہتے ہیں جس کو لوگوں نے محتاجی یا تہمت زنا کے خوف سے پھینک دیا ہو۔

قولہ ندب الخ اگر لقیط کی ہلاکت کا اندیشہ نہ ہو تو اس کو اٹھالینا مستحب ہے کیونکہ اس میں ایک تو شفقت ہے۔ دوسرے ایک جان کو جلانا ہے جو سب آدمیوں کو جلانے کے برابر ہے۔ "قال تعالیٰ من احیا ھا فکا نما احیا الناس جمعیاً" اور ہلاکت کا اندیشہ ہو تو پھر اٹھانا ضروری ہے۔

قولہ ھو حر الخ بتبعیت دارالاسلام مسلمان اور آزاد قرار دیا جائے گا خواہ اس کا اٹھانے والا آزاد ہو یا غلام کیونکہ بنی آدم میں اصل آزاد ہونا ہی ہے۔ رقیت تو امر عارض ہے اور اس کا خرچ بیت المال سے مقرر ہوگا۔ حضرت عمر اور حضرت علی سے یہی مروی ہے جیسا کہ اس کی میراث بیت المال میں جاتی ہے۔ اور اس کے قصوروں کا تاوان بیت المال سے دیا جاتا ہے۔

قولہ و من اثنین الخ اگر لقیط کے متعلق دو آدمی یہ دعویٰ کریں کہ بچہ ہمارا ہے اور کوئی مرجح موجود نہ ہو تو اس کا نسب دونوں سے ثابت ہو جائے گا جیسے کوئی باندی دو شریکوں کے درمیان مشترک ہو اور دونوں شریک بچہ کا دعویٰ کریں تو نسب دونوں سے ثابت ہو جاتا ہے۔

کتاب اللقطة

لُقَطَةُ الْحِلِّ وَالْحَرَمِ اَمَانَةٌ اِنْ اَخَذَهَا لِيَرُدَّهَا عَلٰى رَبِّهَا وَاَشْهَدَ وَعَرَّفَ اِلٰى

حل و حرم کی پڑی ہوئی چیز امانت ہے اگر اٹھایا ہو اس کو مالک کے پاس لوٹا دینے کی نیت سے اور گواہ بنالیا ہو پس وہ اعلان کرتا رہے یہاں تک کہ

اَنْ عَلِمَ اَنَّ رَبَّهَا لَايَطْلُبُهَا ثُمَّ تَصَدَّقَ فَاِنْ جَآءَ رَبُّهَا نَفَّذَهٗ

غالب گمان ہو جائے کہ اب اس کا مالک تلاش نہ کرتا ہوگا پھر اس کو صدقہ کر دے اب اگر اس کا مالک آ جائے تو چاہے اس کو نافذ کر دے اور چاہے

اَوْضَمَّنَ الْمُلْتَقِطَ وَصَحَّ الْتِقَاطُ الْبَهِيْمَةِ وَهُوَمُتَبَرِّعٌ فِي الْاِنْفَاقِ عَلَى اللَّقِيْطِ وَاللُّقْطَةِ وَبِاِذْنِ الْقَاضِيْ تَكُوْنُ دَيْنًا

تو اٹھانے والے کو ضامن بنا دے اور صحیح ہے چوپائے کو پکڑ لینا اور وہ متبرع ہوگا لقیط اور لقطہ پر خرچ کرنے میں اور قاضی کے حکم سے مالک کے ذمہ

وَلَوْ كَانَ لَهَا نَفْعٌ اٰجَرَهَا وَاَنْفَقَ عَلَيْهَا وَاِلَّا بَاعَهَا وَمَنَعَهَا مِنْ رَّبِّهَا

قرض ہوگا اور اگر اس سے کوئی نفع ہو سکتا ہو تو اجرت پر دیدے اور اجرت سے اس پر خرچ کرتا رہے ورنہ فروخت کر دے اور اس کو مالک سے روک

حَتّٰى يَاْخُذَ النَّفَقَةَ وَلَا يَدْفَعُهَا اِلٰى مُدَّعِيْهَا بِلاَ بَيِّنَةٍ فَاِنْ بَيَّنَ عَلَامَتَهَا حَلَّ الدَّفْعُ بِلَاجَبْرٍ

سکتا ہے خرچہ وصول کرنے تک اور اس کے دعویٰ کرنے والے کو نہ دے بدون بینہ کے پس اگر وہ اس کی نشانی بتا دے تو دیدینا جائز ہے مگر جبر نہیں

وَيَنْتَفِعُ بِهَا لَوْ فَقِيْرًا وَاِلَّا تَصَدَّقَ عَلٰى اَجْنَبِيٍّ وَصَحَّ عَلٰى اَبَوَيْهِ وَزَوْجَتِهٖ وَوَلَدِهٖ لَوْفُقَرَآءَ

اور اس سے خود نفع اٹھالے اگر محتاج ہو ورنہ کسی کو خیرات کر دے اور اپنے والدین اور بیوی بچوں پر بھی صدقہ کر سکتا ہے اگر وہ محتاج ہوں۔

---

(۱) ..... مالک شافعی بیہقی، عبدالرزاق۔
ابن سعد، عن عمر، عبدالرزاق عن علی ۱۲

تشریح الفقہ: قوله اللقطة الخ التقاط سے ہے بمعنی اٹھانالام کے ضمہ اور قاف کے فتحہ کے ساتھ پڑی ہوئی چیز اٹھانے والے کو کہتے ہیں اور قاف کے سکون کے ساتھ اس چیز کو کہتے ہے کہ جو اٹھائی جائے جیسے ضحکہ بفتح حاء اسم فاعل ہے اور حاء کے سکون کیساتھ اسم مفعول ہے یہ خلیل نحوی کی رائے ہے۔ اصمعی' ابن الاعرابی اور فراء نے اسم مفعول ہونے کی حالت میں قاف کے فتحہ کو جائز رکھا ہے۔

قوله لقطة الحل الخ افتادہ چیز حرم کی ہو یا غیر حرم کی۔ کم ہو یا زائد بہر حال اٹھالینا بہتر ہے اور اگر اس کے ضائع ہونیکا اندیشہ ہو تو پھر ضروری ہے بشرطیکہ وہ مالک کے پاس پہنچانے کی نیت سے اٹھائے اور اس پر لوگوں کو گواہ کر لے یعنی یہ کہہ دے کہ جس کو تم گمشدہ کی تلاش کرتا پاؤ اس کو میرے پاس بھیجد یجیو۔ پس جب وہ اس نیت سے اٹھائے تو وہ چیز اس کے پاس امانت ہوگی یعنی اگر بلا تعدی ہلاک ہو جائے تو اس پر تاوان نہ ہوگا اب اس کو چاہیئے کہ ابواب مساجد بازاروں اور عام راستوں میں اس کا اعلان کرتا رہے یہاں تک کہ غالب گمان ہو جائے کہ اب اس کا مالک تلاش کرتا ہوگا خواہ وہ شئی کم ہو یا زائد۔ امام اعظم اور ائمہ ثلاثہ کا یہی قول ہے پھر اگر اس کا مالک نہ ملے تو اس کو خیرات کر دے اور اگر خود ضرورت مند ہو تو خود بھی منتفع ہو سکتا ہے۔

قوله فان جاء الخ اگر افتادہ چیز کو اٹھانے والے نے صدقہ کر دیا اس کے بعد اس کا مالک آ گیا تو اختیار ہے چاہے اس کے صدقہ کو جائز کر دے اس صورت میں وہ ثواب پائے گا اور چاہے تو اٹھانے والے سے ضمان لے لے کیونکہ اس نے دوسرے کے مال کو اس کی اجازت کے بغیر صرف کیا ہے "والا باحة من جهة الشرع لا تنا فی الضمان حقا للعبد"۔

قولہ وہو متبرع الخ لقیط اور لقطہ اٹھانے والا جو کچھ ان پر خرچ کریگا وہ تبرع اور احسان ہوگا۔ مالک سے اس خرچ کا مطالبہ نہیں کر سکتا ہاں اگر قاضی نے کہد یا ہو کہ ان پر خرچ کرتا رہ بعد کو مالک سے لے لینا تو اس صورت میں وہ مالک کے ذمہ دین ہوتا رہے گا۔

محمد حنیف گنگوہی۔

کتاب الأبق

اَخْذُهٗ اَحَبُّ اِنْ قَوِیَ عَلَیْهِ وَمَنْ رَدَّهٗ مُدَّةَ سَفَرٍ فَلَهٗ اَرْبَعُوْنَ دِرْهَمًا وَلَوْ قِیْمَتُهٗ اَقَلَّ مِنْهُ

بھاگے ہوئے غلام کو پکڑ لینا اچھا ہے اگر اس پر قادر ہو اور جو اس کو مدت سفر سے واپس کرے اس کو چالیس درہم ملیں گے گو غلام کی قیمت اس سے کم ہو

وَمَنْ رَدَّهٗ لِاَقَلَّ مِنْهَا فَبِحِسَابِهٖ وَالْمُدَبَّرُ وَاُمُّ وَلَدٍ كَالْقِنِّ وَاِنْ اَبَقَ مِنَ الرَّادِّ

اور جو اس سے کم فاصلہ سے واپس کریگا تو اسی حساب سے پائیگا اور مدبر اور ام ولد خالص غلام کے مثل ہیں اور اگر واپس کرنے والے کے پاس سے

لَایَضْمَنُ وَیُشْهِدُ اَنَّهٗ اَخَذَهٗ لِیَرُدَّهٗ وَجُعْلُ الرَّهْنِ عَلَی الْمُرْتَهِنِ وَاَمْرُ نَفَقَتِهٖ كَاللُّقْطَةِ

بھاگ جائے تو ضامن نہ ہوگا اور گواہ بنالے کہ میں نے اس کو واپس کرنے کے لئے پکڑا ہے اور رہن کی اجرت مرتہن پر ہے اور بھاگے ہوئے غلام کا حکم لقطہ کا سا ہے

تشریح الفقہ: قوله كتاب الخ لقطہ اور لقیط کیساتھ اس کتاب کی مناسبت عروض تلف وزوال ہے۔ صرف اتنی بات ہے کہ لقطہ اور لقیط میں عروض تلف ذات کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ اور آبق میں انتفاع مولی کے اعتبار سے آبق اباق سے ہے از راہ شرارت وسرکشی غلام اور باندی کے چلے جانے کو کہتے ہیں (كذا عرفه ابن الكمال) اس تعریف میں وہ غلام بھی داخل ہے جو آقا کے مستاجر اور عاریت پر لینے والے اور امانت دار اور اس کے وصی کے پاس سے بھاگ جائے۔

قوله اخذه الخ گریختہ غلام کو پکڑ لینا مستحب ہے۔ بشرطیکہ پکڑنے والا اس کی حفاظت پر قادر ہو اور آقا تک پہنچا سکے۔ اور اگر اس پر قادر نہ ہو تو پھر وہ استحباب نہیں ہے۔ اب جو شخص اس کو پکڑ کر لائے گا اگر وہ مدت سفر یعنی تین روز کی مسافت سے پکڑ کر لائے تو اس کا محنتانہ چالیس درہم ہیں۔ اگر چہ غلام کی قیمت اس سے کم ہو اور اس سے کم مسافت سے پکڑ کر لائے تو محنتانہ اسی حساب سے ہوگا۔ امام

شافعی فرماتے ہیں کہ آقا کے شرط کئے بغیر محنتانہ نہ ملے گا۔ اور مقتضی قیاس بھی یہی ہے۔ کیونکہ آخذ تو اس سلسلہ میں متبرع ہے پس گمشدہ غلام کی مثل ہو گیا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ نفس مزدوری پر صحابہ کرام کا اجماع ہے۔ البتہ مقدار میں اختلاف ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود سے چالیس درہم مروی ہے۔ اور حضرت عمر و حضرت علیؓ سے ایک دینار یا بارہ درہم نیز حضرت عمر سے چالیس درہم مروی ہیں (۱) پس ہم نے مسافت سفر میں چالیس درہم واجب کئے اور اس سے کم میں چالیس سے کم توفیقاً وتلفیقاً بین الآثار۔

قوله وان ابق الخ اگر غلام واپس کرنے والے کے پاس سے بھاگ جائے تو ضامن نہ ہوگا۔ کیونکہ اس کے پاس غلام امانت تھا اور امانت میں بلاتعدی ضمان نہیں ہوتا اگر وہ غلام کو اپنے کسی ذاتی کام میں لگائے اور غلام بھاگ جائے تو ضامن ہوگا۔

قوله وجعل الرهن الخ اگر عبد مرہون مرتہن کے پاس سے بھاگ جائے تو اس کی واپسی کا محنتانہ مرتہن پر واجب ہے بشرطیکہ اس کی قیمت دین کے برابر یا اس سے کم ہو اور اگر قیمت زائد ہو تو مرتہن پر محنتانہ دین کے بقدر ہوگا اور باقی محنتانہ راہن پر ہوگا۔ لان حقه بالقدر المضمون۔

کتاب المفقود

هُوَ غَائِبٌ لَمْ يُدْرَ مَوْضِعُهُ وَحَيٰوتُهُ وَمَوْتُهُ وَيَنْصِبُ الْقَاضِي مَنْ يَّاْخُذُ حَقَّهُ وَيَحْفَظُ مَالَهُ

مفقود وہ غائب ہے جس کی جگہ اور موت وحیات معلوم نہ ہو ایسے شخص کے لئے قاضی کسی کو مقرر کر دے جو اس کا حق وصول کرے اور اس کے مال کی

وَيَقُوْمُ عَلَيْهِ وَيُنْفِقُ مِنْهُ عَلٰى قَرِيْبِهِ وِلَادًا وَزَوْجَتِهِ وَلَايُفَرِّقُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا

حفاظت کرے اور سربراہ کاری کرے اور خرچ کرے اس کے مال سے رشتہ ولادت کے قرابتداروں پر اور اس کی بیوی پر اور قاضی اس کے اور اس کی

وَحُكِمَ بِمَوْتِهِ بَعْدَ تِسْعِيْنَ سَنَةً وَتَعْتَدُّ اِمْرَاَتُهُ وَوُرِثَ مِنْهُ حِيْنَئِذٍ لَا قَبْلَهُ

بیوی کے درمیان تفریق نہ کرے اور نوے سال کے بعد اس کی موت کا حکم کر دے اور اس کی بیوی عدت گذارے اور اس وقت اس کا ترکہ تقسیم

وَلَايَرِثُ مِنْ اَحَدٍ وَلَوْكَانَ مَعَ الْمَفْقُوْدِ وَارِثٌ يُحْجَبُ بِهٖ لَمْ يُعْطَ شَيْءٌ

کیا جائے نہ کہ اس سے قبل اور وہ کسی کا وارث نہیں ہوتا اور اگر مفقود کے ساتھ کوئی ایسا وارث ہو جو اس کی وجہ سے کچھ نہ پاتا ہو تو اس کو کچھ نہیں ملیگا

وَاِنْ انْتَقَصَ حَقُّهُ بِهٖ يُعْطٰى اَقَلَّ النَّصِيْبَيْنِ وَيُوْقَفُ الْبَاقِيْنِ كَالْحَمْلِ(۲)

اور اگر اس کا حق کم ہوجاتا ہو تو اس کو کمتر ملیگا اور باقی رکھ چھوڑیں گے حمل کی طرح۔

تشریح الفقہ: **قوله هو غائب الخ** شریعت میں مفقود اس شخص کو کہتے ہیں کہ جس کی کوئی جگہ معلوم نہ ہو کہ وہ کہاں ہے اور نہ یہ معلوم ہو کہ آیا وہ زندہ ہے یا مر چکا ایسے شخص کے احکام میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ وہ اپنی ذات کے حق میں زندہ شمار ہوتا ہے تو اسکی بیوی کسی دوسرے کیساتھ شادی نہ کریگی اور نہ اس کا مال وارثوں پر تقسیم کیا جائے گا اور نہ اس کا اجارہ فسخ ہوگا الی غیر ذلک اور دوسرے کے حق میں مردہ شمار ہوتا ہے پس وہ کسی دوسرے کا وارث نہ ہوگا اور اگر کوئی اس کے لئے وصیت کر کے مر گیا تو وہ مفقود وصیت کے مال کا مستحق نہ ہوگا۔ بلکہ اس کا حصہ اس کے ہمعصروں کی موت تک محفوظ رکھ دیا جائیگا۔

قوله ولايفرق الخ مفقود اور اس کی بیوی کے درمیان قاضی تفریق نہ کرے۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص چار برس تک لاپتہ رہے تو قاضی ان کے درمیان تفریق کر دے اور عورت عدت وفات گزار کر جس سے چاہے نکاح کر لے۔ کیونکہ حضرت عمر نے اس شخص کے متعلق یہی حکم فرمایا تھا کہ جس کو رات میں جن اٹھالے گئے تھے(۳) ہماری دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "مفقود کی

---

۱ عبدالرزاق طبرانی، بیہقی عن ابن مسعود، ابن ابی شیبہ عن عمر وعلی، عبدالرزاق، ابن ابی شیبہ عن عمرو بن دینار (مرسلا) ۱۲

۲ فلو کان مع الحمل وارث آخر لایسقط بحال ولا یتغیر بالحمل یعطی کل نصیبه وان کان ممن یسقط بالحمل لایعطی شیئا۔ وان کان ممن یتغیر یعطی الاقل ۱۲

۳ ابن ابی شیبہ، عبدالرزاق، دارقطنی ۱۲

عورت اسی کی بیوی ہے یہاں تک کہ اس کو (موت یا طلاق) خبر پہنچے"[۱] نیز حضرت علی فرماتے ہیں کہ وہ عورت بتلائی گئی ہے پس اس کو صبر کرنا چاہئے۔ یہاں تک کہ شوہر کی موت معلوم ہو جائے یا طلاق کی اطلاع پائے"[۲] ابو قلابہ جابر بن زید شعبی نخعی سب کا یہی قول ہے۔ اور امام مالک کا حضرت عمر کے قول سے استدلال صحیح نہیں کیونکہ حضرت عمر سے حضرت علی کے قول کی طرف رجوع کر لینا ثابت ہے۔[۳]

قولہ وحکم بموتہ الخ جب مفقود کی عمر کے نوے سال گزر جائیں تو قاضی اس کی موت کا فیصلہ کر دے اور اس کی بیوی عدت وفات گزارے کیونکہ آدمی عادۃً نوے سال سے زیادہ نہیں جیتا۔ (اسی پر فتویٰ ہے) ظاہر الروایہ کے لحاظ سے موت کا حکم اس وقت لگایا جائیگا جب اس کے تمام ہمعصر لوگ ختم ہو جائیں گے کیونکہ اکثر ایسا ہی ہوتا ہے کہ آدمی ہمعصروں سے زیادہ کمتر زندہ رہتا ہے۔ ۳۰، ۶۰، ۸۰، ۱۰۰، ۱۰۵، ۱۰۸، ۱۱۰، ۱۲۰، سال گزر جانے کے بعد موت کا حکم لگانے کے اقوال بھی ہیں مگر غیر معمول بہا ہیں۔

قولہ ولو کان الخ اگر مفقود کیساتھ کوئی ایسا شخص ہو جو مفقود کی موجودگی میں محجوب ہو جاتا ہو تو اس وارث کو کچھ نہ دیا جائیگا اور اگر کوئی ایسا وارث ہو کہ وہ محجوب نہ ہوتا ہو بلکہ اس کا حق کم ہو جاتا ہو تو اس کے دو حصوں میں سے کمتر حصہ دیا جائے گا اور باقی محفوظ رکھ دیا جائے گا مثلاً ایک شخص دو بیٹیاں، ایک مفقود بیٹا، ایک پوتا یا پوتی چھوڑ کر مرا اور مال کسی اجنبی کے قبضہ میں ہے اور بیٹے کے مفقود ہونے میں سب ورثہ کا اتفاق ہے تو دونوں بیٹیوں کو نصف حصہ دیا جائے گا کیونکہ نصف بہر صورت متیقن ہے اور نصف باقی کو محفوظ رکھا جائے گا۔ اور پوتے یا پوتی کو کچھ نہ ملے گا۔ کیونکہ یہ محجوب ہیں۔ اگر مفقود زندہ ہو تو یہ میراث کے مستحق نہیں۔

كِتَابُ الشِّرْكَةِ

وَهِيَ ضَرْبَانِ شِرْكَةُ الْمِلْكِ وَهِيَ اَنْ يَّمْلِكَ اِثْنَانِ عَيْنًا اِرْثًا اَوْ شِرَاءً وَكُلٌّ اَجْنَبِيٌّ فِيْ قِسْطِ صَاحِبِهٖ

شرکت ملک یہ ہے کہ مالک ہو جائیں دو آدمی کسی چیز کے بطریق ارث یا بطریق خرید اور ان میں سے ہر ایک اجنبی ہوتا ہے دوسرے کے حصہ میں

وَشِرْكَةُ الْعُقُوْدِ اَنْ يَّقُوْلَ اَحَدُهُمَا شَارَكْتُكَ فِيْ كَذَا يَقْبَلُ الْاٰخَرُ

اور شرکت عقد یہ ہے کہ دو آدمیوں میں سے ایک کہے کہ میں نے تجھ سے فلاں چیز میں شرکت کی اور دوسرا اس کو قبول کرے۔

تشریح الفقہ .قولہ کتاب الخ جس طرح مفقود کا مال شخص حاضر کے پاس امانت ہوتا ہے۔ اسی طرح شریکین میں سے ہر ایک کا مال دوسرے کے پاس امانت ہوتا ہے اس مناسبت سے مصنف کتاب المفقود کے بعد کتاب الشرکۃ کو لا رہا ہے۔ نفس شرکت کی مشروعیت کتاب اللہ سے بھی ہے۔ قال تعالیٰ "فهم شركاء في الثلث" اور حدیث سے بھی ہے "ففي الحديث عن السائب انه قال طلبني عليه السلام، كنت شريكي في الجاهلية كنت خير شريك لاتداري ولاتماري، [۴] وقال عليه السلام، قال الله تعالىٰ، انا ثالث الشريكين مالم يخن احد هما[۵] اه" شرکت لغت میں دو حصوں کو اس طرح مخلوط کرنا اور ملانا ہے کہ امتیاز اور جدائی باقی نہ رہے۔ نیز عقد شرکت کو بھی کہتے ہیں اگرچہ اس میں اختلاط نہ ہو لان العقد سبب له اصطلاح شرع میں شرکت اس عقد کو کہتے ہیں جو راس المال اور منفعت دونوں میں واقع ہو پس اگر راس المال میں شرکت نہ ہو صرف منفعت میں ہو تو اس کو مضاربت کہیں گے اور اگر صرف راس المال میں ہو تو اس کو بضاعت کہیں گے۔

---

[۱]... دار قطنی عن المغیرہ، والحدیث ضعفہ ابو حاتم وعبد الحق وابن القطان وغیرہم ۱۲ [۲]... عبد الرزاق عن علی ۱۲

[۳]... ذکر عبد الرحمن بن ابی لیلی ثلث قضیات رجع فیہا عمر الی قول علی امراۃ المفقود، امراۃ ابی کنف والمرأۃ التی تزوجت وقولنا فی الثلاثۃ قول علی ۱۲

[۴]... ابو داؤد، ابن ماجہ، احمد حاکم ۱۲ [۵]... ابو داؤد، حاکم عن ابی ہریرۃ ۱۲

[۳] واختلفوا بموت اقرانہ فقیل من جمع البلاد قیل من بلدہ وہو الاصح وہذا ارفق وقال شیخ الاسلام انہ احوط واقیس ۱۲ مجمع

قولہ شرکۃ الملک الخ شرکت کی دو قسمیں ہیں۔ شرکت املاک شرکت عقود۔ شرکت املاک یہ ہے کہ دو آدمی وراثت خرید ہبہ صدقہ استیلاء اختلاط وغیرہ میں سے کسی طریق سے شئ معین کے مالک ہو جائیں اس کا حکم یہ ہے کہ اس میں شریکین میں سے ہر ایک دوسرے کے حصہ میں اجنبی محض ہوتا ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر کوئی مضر تصرف نہیں کر سکتا شرکت عقد یہ ہے کہ دو آدمیوں میں سے کوئی ایک دوسرے سے یہ کہے کہ میں فلاں چیز میں تیرا شریک ہوں اور دوسرا اس کو قبول کر لے۔ اس کی چند قسمیں ہیں جو آگے آ رہی ہیں۔

وَهِيَ مُفَاوَضَةٌ اِنْ تَضَمَّنَتْ وَكَالَةً وَكَفَالَةً وَتَسَاوَيَا مَالًا وَتَصَرُّفًا وَدَيْنًا فَلَا تَصِحُّ بَيْنَ حُرٍّ وَعَبْدٍ
اور وہ شرکت مفاوضہ ہے اگر شامل ہو وکالت اور کفالت کو اور دونوں برابر ہوں مال اور تصرف اور دین میں پس شرکت مفاوضہ صحیح نہیں آزاد اور غلام

وَصَبِيٍّ وَبَالِغٍ وَمُسْلِمٍ وَكَافِرٍ وَ مَايَشْتَرِيْهِ كُلٌّ يَقَعُ مُشْتَرَكًا اِلَّاطَعَامَ اَهْلِهٖ وَكِسْوَتَهُمْ وَكُلُّ دَيْنٍ
بچے اور بالغ مسلمان اور کافر کے درمیان اور جو کوئی چیز خریدے گا وہ مشترک واقع ہوگی سوائے گھر والوں کی خوراک اور پوشاک کے اور جو قرضہ

لَزِمَ اَحَدَهُمَا بِتِجَارَةٍ اَوْغَصْبٍ اَوْ كَفَالَةٍ لَزِمَ الْاٰخَرَ وَتَبْطُلُ اِنْ وُهِبَ لِاَحَدِهِمَا
لازم ہو ان میں سے ایک کو تجارت یا غصب یا کفالت کے باعث تو وہ دوسرے کو بھی لازم ہوگا اور باطل ہو جائیگی اگر ہبہ کر دیا گیا کسی ایک کو

اَوْ وَرِثَ مَايَصِحُّ فِيْهِ الشَّرِكَةُ لَاالْعُرُوْضَ وَلَايَصِحُّ مُفَاوَضَةٌ وَعِنَانٌ بِغَيْرِ النَّقْدَيْنِ وَالتِّبْرِ وَالْفُلُوْسِ النَّافِقَةِ
یا وراثت میں پا لیا کوئی ایسا مال جس میں شرکت صحیح ہے نہ کہ سامان اور صحیح نہیں شرکت مفاوضہ و شرکت عنان روپیہ اشرفی کچی چاندی اور رائج پیسوں

وَلَوْ بَاعَ كُلٌّ نِصْفَ عَرْضِهٖ بِنِصْفِ عَرْضِ الْاٰخَرِ وَعَقَدَ الشَّرِكَةَ صَحَّ عِنَانٌ
کے بغیر اور اگر ہر ایک اپنا آدھا سامان دوسرے کے آدھے سامان کے عوض فروخت کر کے عقد شرکت کر لیں تو صحیح ہے اور شرکت عنان ہے

اِنْ تَضَمَّنَتْ وَكَالَةً فَقَطْ وَتَصِحُّ مَعَ التَّسَاوِيْ فِي الْمَالِ دُوْنَ الرِّبْحِ وَعَكْسِهٖ وَبِبَعْضِ الْمَالِ وَخِلَافِ الْجِنْسِ
اگر صرف وکالت کو شامل ہو اور یہ صحیح ہے اگر صرف مال میں برابری ہو نہ کہ نفع میں یا اس کا برعکس ہو یا بعض مال میں شرکت ہو یا خلاف جنس ہو

وَعَدَمِ الْخَلْطِ وَطُوْلِبَ الْمُشْتَرِيْ بِالثَّمَنِ فَقَطْ وَرَجَعَ عَلٰى شَرِيْكِهٖ بِحِصَّتِهٖ مِنْهُ وَتَبْطُلُ بِهَلَاكِ الْمَالَيْنِ اَوْ اَحَدِهِمَا
یا ہر ایک جدا جدا ہو اور مطالبہ کیا جائیگا قیمت کا صرف مشتری سے اور وہ رجوع کر لیگا اپنے شریک پر اتنے حصہ میں اور یہ شرکت باطل ہو جاتی ہے قبل

قَبْلَ الشِّرَاءِ وَاِنِ اشْتَرٰى اَحَدُهُمَا شَيْئًا بِمَالِهٖ وَهَلَكَ مَالُ الْاٰخَرِ فَالْمُشْتَرٰى بَيْنَهُمَا
از شراء ایک یا دونوں مالوں کے ہلاک ہو جانے سے اور اگر ایک نے اپنے مال سے کچھ خریدا اور دوسرے کا مال ہلاک ہو گیا تو خرید کردہ اسباب

وَرَجَعَ بِحِصَّتِهٖ مِنْ ثَمَنِهٖ عَلٰى شَرِيْكِهٖ وَتَفْسُدُ اِنْ شَرَطَ لِاَحَدِهِمَا دَرَاهِمَ مُسَمَّاةً مِنَ الرِّبْحِ
دونوں کے درمیان مشترک ہوگا اور اتنی قیمت میں شریک پر رجوع کر لیگا اور فاسد ہو جائیگی اگر کسی ایک کے لئے چند درہم نفع کے مقرر کر دیئے گئے

وَلِكُلٍّ وَاحِدٍ مِنْ شَرِيْكَيِ الْعِنَانِ وَالْمُفَاوَضَةِ اَنْ يُّبْضِعَ وَيَسْتَاجِرَ وَيُوْدِعَ وَيُضَارِبَ
اور شرکت عنان و مفاوضہ کے ہر شریک کو اختیار ہے کہ وہ مال بطور بضاعت یا ٹھیکہ پر یا بطور امانت یا مضاربت پر دے

وَيُوَكِّلَ وَيَدُهٗ فِي الْمَالِ يَدُ اَمَانَةٍ
یا کسی کو وکیل بنائے اور مال میں ہر ایک کا تصرف بطریق امانت ہوگا۔

شرکت مفاوضہ و شرکت عنان کا بیان

تشریح الفقہ: قولہ وهي مفاوضة الخ صیغ مصنف کے لحاظ سے شرکت عقد کی چار قسمیں ہیں مفاوضہ عنان تقبل وجوہ مفاوضہ تفویض بمعنی مساوات سے ہے یعنی ہر چیز میں برابر ہونا اس کی صحت کے لئے چند شرطیں ہیں (۱) شرکت مفاوضہ وکالت اور کفالت ہر دو کو متضمن ہو

یعنی شریکین میں سے ہر ایک دوسرے کا وکیل بھی ہو اور اس کی طرف سے کفیل بھی ہو تا کہ مقصود یعنی خرید کردہ شئی میں شرکت کا واقع ہونا متحقق ہو سکے کیونکہ ایک شریک جو چیز خریدے گا اس کو دوسرے کی ملک میں اسی وقت داخل کر سکتا ہے جب اس کو اس کی ولایت حاصل ہو اور یہاں ولایت وکالت کے بغیر نہیں ہو سکتی۔(۲) دونوں شریک مال میں برابر ہوں (۳) تصرفات میں برابر ہوں (۴) دین میں برابر ہوں یہ بھی یاد رہے کہ ائمہ ثلاثہ شرکت مفاوضہ کے جواز کے قائل نہیں امام مالک نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ **لا اعرف ما المفاوضۃ** اور قیاس بھی یہی چاہتا ہے کیونکہ اس میں مجہول الجنس کی وکالت اور کفالت ہوتی ہے اور یہ جائز نہیں لیکن استحساناً جائز ہے[1] اور وجہ جواز تعامل ناس ہے کہ عام طور سے اس قسم کا معاملہ بلانکیر کیا جاتا ہے۔ اور تعامل ناس کے سامنے قیاس متروک ہوتا ہے رہا مجہول الجنس کی وکالت کا ناجائز ہونا سو اس کا جواب یہ ہے کہ وکالت بالمجہول گو قصداً جائز نہیں ضمناً جائز ہے۔ جیسے بضمن مضاربت مجہول شئی کی خریداری کی وکالت ہوتی ہے۔

تنبیہ: مصنف نے شرکت عقد کی مذکورہ چار قسمیں کی ہیں جس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ شرکت تقبل و وجوہ میں شرکت مفاوضہ وعنان نہیں ہوتی۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اس لئے بہتر تقسیم یہ ہے کہ شرکت یا تو بالمال ہوگی یا بالاعمال یا بالوجوہ ان میں سے ہر ایک کی دو قسمیں ہیں مفاوضہ وعنان، پس کل چھ قسمیں ہوئیں۔ زیلعی، طحاوی، کرخی، صاحب ذخیرہ وغیرہ نے یہی ذکر کیا ہے۔

قولہ فلاتصح الخ مساوات فی التصرف پر تفریع ہے یعنی ایک آزاد اور غلام کے درمیان بچے اور بالغ کے درمیان شرکت مفاوضہ صحیح نہیں کیونکہ آزاد عاقل بالغ آدمی تصرفات کا مالک نہیں نیز طرفین کے نزدیک مسلم وکافر کے درمیان صحیح نہیں کیونکہ مساوات فی الدین مفقود ہے۔ البتہ امام ابو یوسف کے نزدیک صحیح ہے۔

قولہ ومایشتریہ الخ جب شروط مذکورہ کی موجودگی میں شرکت مفاوضہ صحیح ہو جائے تو شریکین میں سے جو شخص کوئی چیز خریدیگا وہ مشترک واقع ہوگی کیونکہ مقتضی عقد مساوات ہے اور شریکین میں سے ہر ایک دوسرے کا قائم مقام ہے پس کسی ایک کا خریدنا گویا دوسرے کا خریدنا ہے البتہ جو چیزیں دائمی ضروریات میں داخل ہیں وہ اس سے مستثنیٰ ہیں جیسے اہل وعیال کے لئے کھانا، سالن، لباس رہنے کیلئے گھر خریدنا اور باجازت شریک وطی کے لئے باندی خریدنا وغیرہ کیونکہ جو چیز دلالت حال کے ذریعہ معلوم ہوتی ہے وہ زبانی شرط کے برابر ہوتی ہے۔

قولہ وتبطل الخ جن چیزوں میں شرکت صحیح ہے یعنی دراہم ودنانیر اگر ان میں سے کوئی شئی ایک شریک بطریق ہبہ یا بطریق وارثت حاصل کرلے تو اس میں شرکت مفاوضہ باطل ہو جائیگی۔ کیونکہ شرکت مفاوضہ میں جس طرح ابتداً مالی مساوات شرط ہے اس طرح بقاءً بھی شرط ہے اور صورت مذکورہ میں بقاءً مساوات مفقود ہے البتہ اگر بطریق مذکور کوئی سامان یا زمین حاصل کرے تو شرکت مفاوضہ باطل نہ ہوگی کیونکہ ان میں شرکت ہی صحیح نہیں لہٰذا مساوات بھی شرط نہ ہوگی۔

قولہ ولو باع الخ دو آدمیوں کے پاس کچھ سامان تھا ان میں سے ہر ایک نے نصف حصہ دوسرے کے نصف حصہ کی عوض فروخت کر دیا اسکے بعد دونوں شریک ہو گئے تو شرکت صحیح ہے خواہ شرکت مفاوضہ ہو یا شرکت عنان کیونکہ وہ دونوں عقد بیع کے ذریعہ قیمت میں شریک ہو گئے (بشرکت ملک) کہ کسی ایک کو دوسرے کے حصہ میں تصرف کرنا جائز نہیں رہا اس کے بعد عقد شرکت کیوجہ سے یہ شرکت ملک شرکت عقد ہو گئی کہ اب ہر ایک دوسرے کے حصہ میں تصرف کر سکتا ہے۔

قولہ وعنان الخ شرکت عقد کی دوسری قسم شرکت عنان ہے جو صرف متضمن وکالت ہوتی ہے۔ اس میں دونوں شریکوں کا مال اور نفع برابر ہو یا کم وبیش دونوں تجارت کریں یا صرف ایک بہر صورت شرکت عنان صحیح ہے لیکن اگر پورا نفع کسی ایک کیلئے قرار دیدیا گیا تو صحیح نہ ہوگی کیونکہ اس صورت میں شرکت ہی نہیں رہتی بلکہ بضاعت یا قرض ہو جاتا ہے۔ اگر پورا نفع عامل کے لئے ہو تو قرض اور صاحب مال کیلئے تو بضاعت اور اگر شریکین میں سے ہر ایک کے بعض مال کے ذریعہ ہو تب بھی شرکت صحیح ہے کیونکہ شرکت عنان میں مساوات شرط نہیں نیز مختلف الجنس کے ساتھ بھی صحیح ہے کیونکہ ہمارے یہاں عنان کے لئے اختلاط بھی شرط نہیں، نیز مختلف الجنس کے ساتھ بھی صحیح ہے۔ کیونکہ ہمارے یہاں عنان کے لئے اختلاط بھی شرط نہیں۔

(۱)......فی الحدیث، فاوضوا فانہ اعظم للبرکۃ، مجمع الانہر

وَتقبّلٌ اِن اشتَرکَ خیّاطَان اَوْ خیّاطٌ وَصبّاغٌ عَلٰی اَنْ یَّتقبّلا الاَعْمَالَ وَیکُوْنُ الْکَسْبُ بَیْنَھُمَا وَ کُلُّ عَمَلٍ یَتقبّلُہٗ

اور تقبل ہے اگر شریک ہو جائیں دو درزی یا ایک درزی اور ایک رنگریز اس شرط پر کہ دونوں کام لیا کریں اور کمائی بانٹ لیا کریں اب جو کام کوئی ایک

اَحَدُھُمَا یَلْزَمُھُمَا وَکَسْبُ اَحَدِھِمَا بَیْنَھُمَا وَوُجُوْہٌ اِن اشْتَرَکَا بِلَا مَالٍ عَلٰی اَنْ یَّشْتَرِیَا بِوُجُوْھِھِمَا

لیگا وہ دونوں کو لازم ہوگا اور کمائی دونوں میں مشترک ہوگی اور شرکت وجوہ ہے اگر شریک ہو جائیں بلا مال اس شرط پر کہ اپنی وجاہت سے مال خرید کر

وَیبِیْعَا وَیَتَضَمَّنُ الْوَکَالَۃَ فَاِنْ شَرَطَا مُنَاصَفَۃَ الْمُشْتَرٰی اَوْمُثَالَثَتَہٗ فَالرِّبْحُ کَذٰلِکَ وَبَطَلَ شَرْطُ الْفَضْلِ

فروخت کریں گے اور یہ وکالت کو شامل ہوتی ہے پس اگر نصفا نصفی یا ایک تہائی اور دو تہائی کی شرط کی تو نفع بھی اسی طرح ہوگا اور زیادتی کی شرط باطل ہوگی

فَصْلٌ فِی الشَّرِکَۃِ الْفَاسِدَۃِ وَلَاتَصِحُّ الشَّرِکَۃُ فِی احْتِطَابٍ وَاصْطِیَادٍ وَاسْتِقَاءٍ وَالْکَسْبُ لِلْعَامِلِ وَعَلَیْہِ اَجْرُ مِثْلِ

(فصل) اور صحیح نہیں ہے شرکت لکڑی چننے، شکار کرنے اور پانی اٹھانے میں اور کمائی کام کرنے والے کی ہوگی اور اس پر دوسرے کے لئے واجبی

مَا لِلْاٰخَرِ وَالرِّبْحُ فِی الشَّرِکَۃِ الْفَاسِدَۃِ بِقَدْرِ الْمَالِ وَاِنْ شُرِطَ الْفَضْلُ وَتَبْطُلُ الشَّرِکَۃُ بِمَوْتِ اَحَدِھِمَا وَلَوْ حُکْمًا

مزدوری ہوگی اور نفع شرکت فاسدہ میں بقدر مال ہوتا ہے گو زائد کی شرط کر لی گئی ہو اور شرکت باطل ہو جاتی ہے کسی ایک کے مرنے سے گو مرنا حکما ہو

وَلَمْ یُزَکِّ اَحَدُھُمَا مَالَ الْاٰخَرِ بِلَا اِذْنِہٖ فَاِنْ اَذِنَ کُلٌّ وَاحِدٍ وَاَدَّیَا مَعًا ضَمِنَا

اور زکوٰۃ نہ دے دوسرے کے مال کی اس کی اجازت کے بغیر پس اگر ہر ایک نے اجازت دیدی اور دونوں نے ایک ساتھ ادا کر دی تو ضامن ہوں گے

وَلَوْ مُتَعَاقِبًا ضَمِنَ الثَّانِیْ وَاِنْ اَذِنَ اَحَدُ الْمُفَاوِضَیْنِ بِشِرَاءِ اَمَۃٍ لِیَطَاَھَا فَفَعَلَ فَھِیَ لَہٗ بِلَا شَیْءٍ

اور اگر یکے بعد دیگرے ادا کی تو بعد والا ضامن ہوگا اور اگر مفاوضہ کے کسی ایک شریک نے باندی خریدنے کی اجازت دی وطی کرنے کے لئے اور

اس نے خرید لی تو باندی خریدنے والے کی ہوگی بلا عوض۔

شرکت تقبل و وجوہ کا بیان

توضیح اللغۃ: خیاط درزی، صباغ رنگریز۔ مناصفہ نصفا نصف، احتطاب لکڑی جمع کرنا، اصطیاد شکار کرنا، استقاء پانی طلب کرنا۔

تشریح الفقہ: قولہ وتقبل الخ شرکت عقد کی تیسری قسم شرکت تقبل ہے۔ جس کو شرکت صنائع، شرکت اعمال، شرکت ابدان بھی کہتے ہیں اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ دو اہل حرفت مثلاً دو درزی یا ایک درزی اور ایک رنگریز اس پر متفق ہو جائیں کہ ہر ممکن الاستحقاق عمل قبول کیا کرینگے اور جو کچھ کمائی ہوگی اس میں دونوں شریک ہونگے اب شریکین میں سے جو شخص کوئی کام لے گا وہ دونوں کو لازم ہوگا۔ اور جو مزدوری ایک شریک کے کام کرنے سے حاصل ہوگی وہ بموجب شرط دونوں کے درمیان تقسیم ہوگی گو دوسرے نے کام نہ کیا ہو "وعند الشافعی لا تجوز ھذہ الشرکۃ"۔

قولہ ووجوہ الخ شرکت عقد کی چوتھی قسم شرکت وجوہ ہے اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ شریکین کے پاس مال نہیں ہوتا بلکہ وہ اپنی وجاہت اور اپنے اعتماد واعتبار کے ذریعہ تاجروں کے یہاں سے سامان ادھار لاتے اور فروخت کر کے نفع میں شریک ہوتے ہیں شرکت کی یہ صورت بھی صحیح ہے اس میں خریدی ہوئی چیز کے اعتبار سے نفع تقسیم ہوتا ہے۔ یعنی اگر دونوں شریکوں نے کوئی چیز نصفا نصف خریدی تو نفع بھی نصفا نصف ہوگا اور اگر ایک نے ایک تہائی خریدی اور دوسرے نے دو تہائی تو نفع بھی اسی طرح ہوگا اور اگر کسی شریک نے زائد نفع کی شرط لگائی تو شرط باطل ہوگی ھذہ الشرکۃ لاتجوز عندالشافعی ومالک۔

شرکت فاسدہ کا بیان

قولہ فصل الخ اس فصل میں شرکت فاسدہ کے احکام مذکور ہیں شرکت فاسدہ وہ ہے جس میں صحت شرکت کی شروط میں سے کوئی شرط نہ پائی جائے جو چیزیں مباح الاصل ہیں جیسے لکڑی شکار وغیرہ انکے حاصل کرنے میں شرکت صحیح نہیں۔ کیونکہ شرکت متضمن وکالت ہوتی ہے اور مباح اشیاء کی تحصیل میں وکالت متصور نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ مباح چیزوں کا خود موکل مالک نہیں ہوتا تو اپنی جگہ دوسرے کو قائم مقام کرنیکا بھی مالک نہ ہوگا۔

قولہ والکسب الخ ایک شخص نے کوئی مباح چیز حاصل کی اور دوسرے نے اس کی اعانت کی تو وہ حاصل کرنے والے کی ہوگی۔ اور اعانت کرنیوالے کی جتنی واجبی مزدوری مروجہ دستور کے مطابق ہوتی ہو اتنی مزدوری ملے گی۔ یہ حکم امام محمد کے نزدیک ہے جس کے متعلق حموی نے مفتاح سے نقل کیا ہے کہ فتوی کے لئے یہی مختار ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک بھی معین کو اجرت ہی ملے گی۔ لیکن حاصل کردہ شئی کی نصف قیمت سے زیادہ نہ دی جائیگی۔ غایۃ البیان میں ہے کہ یہ قول مبنی بر استحسان ہے۔

قولہ والربح الخ اگر کسی وجہ سے شرکت فاسد ہو جائے تو اس میں جو نفع ہوگا وہ مال کی مقدار کے بموجب ہوگا اگرچہ زائد کی شرط کرلی گئی ہو اب اگر سب مال ایک ہی شریک کا ہو تو دوسرے شریک کو اس کی محنت کی اجرت دی جائیگی۔ قنیہ میں ہے کہ ایک شخص ناؤ کا مالک ہے اس نے اپنے ساتھ چار شخص شریک کئے اس شرط پر کہ وہ ناؤ چلائیں اور جو نفع ہو اس کا پانچواں حصہ مالک کا اور باقی چاروں کے درمیان برابر تو یہ شرکت فاسد ہے اور جو کچھ نفع ہوگا وہ سب مالک کا ہوگا اور ان چاروں کے لئے واجبی مزدوری ہوگی۔

قولہ لم یزک الخ ایک شریک دوسرے شریک کی اجازت کے بغیر اس کے مال کی زکوٰۃ نہ دے کیونکہ شریکین میں سے ہر ایک کو جو دوسرے کی طرف سے تصرف کی اجازت ہے وہ امور تجارت میں ہے اور زکوٰۃ ان میں سے نہیں ہے اور اگر شریکین میں سے ہر ایک نے دوسرے کو ادائیگی زکوٰۃ کی اجازت دے دی تھی اور ہر ایک نے ایک ساتھ زکوٰۃ دے دی تو دونوں ضامن ہونگے اور دونوں باہم مجرا کرلیں گے۔ اور اگر دونوں نے یکے بعد دیگرے ادا کی تو جس نے بعد میں ادا کی ہو وہ ضامن ہوگا۔

قولہ وان اذن الخ شرکتِ مفاوضہ کے ایک شریک نے دوسرے کو برائے وطی باندی خریدنے کی اجازت دی اور اس نے باندی خرید لی تو باندی خاص اسی خریدنے والے کی ہوگی اور کچھ دینا نہ پڑے گا کیونکہ وطی کے لئے خریدنے کی اجازت دینا ہبہ کو متضمن ہے کیونکہ یہاں وطی حلال ہونے کے لئے ہبہ کے علاوہ اور کوئی دوسرا طریقہ نہیں ہے۔ **وقالا یضمن حصۃ شریکہ وھو قول الائمۃ الثلاثۃ۔**

كِتَابُ الْوَقْفِ

هُوَ حَبْسُ الْعَيْنِ عَلٰى مِلْكِ الْوَاقِفِ وَالتَّصَدُّقُ بِالْمَنْفَعَةِ

وہ روکنا ہے عین شئ کو واقف کی ملک پر اور خیرات کرنا ہے منفعت کو۔

تشریح الفقہ :قولہ کتاب الخ شرکت کیساتھ وقف کی مناسبت یہ ہے کہ دونوں سے اس مال کا انتفاع مقصود ہوتا ہے جو اصل مال پر زائد ہو۔ مگر شرکت میں اصل مال صاحب مال کی ملک پر رہتا ہے۔ اور وقف میں اکثر علما کے نزدیک مالک کی ملک سے نکل جاتا ہے۔ وقف لغۃ بمعنی حبس ہے یعنی روکنا چنانچہ موقف الحساب اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں لوگ قیامت کے روز حساب کے لئے روکے جائیں گے۔

قولہ ھو حبس الخ اصطلاح شرع میں وقف اس کو کہتے ہیں کہ کسی چیز کو اپنی ملک میں روکے رکھے اور اسکی منفعت خیرات کردے۔ و ھذا علی مذھب الامام۔ صاحبین کے نزدیک وقف یہ ہے کہ کسی چیز کو اللہ کی ملک پر روک لے اور اس کا نفع جس پر چاہے وقف کردے۔

وَالْمِلْكُ يَزُوْلُ بِالْقَضَاءِ لَا اِلٰى مَالِكٍ وَلَا يُتِمّ حَتّٰى يُقْبَضَ وَيُفْرَزَ

اور ملک زائل ہوجاتی ہے قاضی کے حکم سے اور دوسرا مالک نہیں ہوتا اور وقف پورا نہیں ہوتا یہاں تک کہ قبضہ کرلیا جائے اور علیحدہ کردیا جائے

وَيَجْعَلَ اٰخِرَهٗ بِجِهَةٍ لَا تَنْقَطِعُ وَصَحَّ وَقْفُ الْعِقَارِ بِبَقَرِهٖ وَاَكَرَتِهٖ وَمُشَاعٍ

اور اس کی صورت انجام ایسی کردی جائے کہ منقطع نہ ہو اور صحیح ہے زمین کا وقف اس کے بیلوں اور کارندوں کیساتھ اور ایسی مشاع چیز کا جس کے جواز

قَضٰى بِجَوَازِهٖ وَمَنْقُوْلٍ فِيْهِ تَعَامُلٌ وَلَا يُمْلَكُ وَلَا يُقْسَمُ وَاِنْ وَقَفَ عَلٰى اَوْلَادِهٖ وَيُبْدَءُ مِنْ غَلَّتِهٖ بِعِمَارَتِهٖ

کا حکم ہوگیا ہو اور ایسی منقول شئ کا جس میں تعامل ہو اور وقف کی نہ تملیک کیجائے نہ تقسیم گو اولاد پر کیا ہو اور وقف کی پیداوار سے اولا اسکی مرمت

بِلَا شَرْطٍ وَلَوْ دَارًا فَعِمَارَتُهٗ عَلٰى مَنْ لَّهُ السُّكْنٰى وَلَوْ اَبٰى اَوْعَجَزَ عَمَّرَ الْحَاكِمُ بِاُجْرَتِهٖ

کیجائے بلاشرط بھی اور اگر موقوف مکان ہو تو اس کی مرمت اس میں رہنے پر ہے اگر وہ انکار کرے یا عاجز ہو تو حاکم اس کی اجرت سے مرمت کرائے

وَصَرَفَ نَقْضَهٗ اِلٰى عِمَارَتِهٖ اِنِ احْتِيْجَ اِلَيْهِ وَاِلَّا يُحْفَظُ لِيُحْتَاجَ وَلَا يَقْسِمُ بَيْنَ مُسْتَحِقِّي الْوَقْفِ

اور اس کا ملبہ اسی کی عمارت میں لگایا جائے اگر ضرورت ہو ورنہ ضرورت کیلئے محفوظ رکھا جائے اور مستحقین وقف کے درمیان تقسیم نہ کیا جائے

وَاِنْ جَعَلَ الْوَاقِفُ غَلَّةَ الْوَقْفِ لِنَفْسِهٖ اَوْجَعَلَ الْوِلَايَةَ اِلَيْهِ صَحَّ وَيُنْزَعُ لَوْ خَائِنًا

اگر واقف نے وقف کی پیداوار یا اس کی تولیت اپنے لئے کرلی تو درست ہے اور وقف کو اس سے نکال لیا جائیگا اگر وہ خیانت کرے

كَالْوَصِيِّ وَيَنْصِبُ غَيْرَهٗ وَاِنْ شَرَطَ اَنْ لَّا يُنْزَعَ

جیسے وصی۔ گو اس نے نہ نکالنے کی شرط کرلی ہو۔

احکام وقف کی تفصیل

توضیح اللغۃ :یفرز، علیحدہ کردیا جائے، عقار زمین، اکرۃ کاشتکار لوگ، اکار کی جمع ہے مشاع مشترک غیر منقسم۔ نقض ٹوٹ پھوٹ۔

تشریح الفقہ :قولہ و الملک الخ مبسوط کی روایت کے لحاظ سے امام ابوحنیفہ کے نزدیک وقف صحیح نہیں کیونکہ منفعت معدوم ہوتی ہے اور تصدق بالعدوم جائز نہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ وقف سب کے نزدیک جائز ہے لیکن امام صاحب کے نزدیک لازم نہیں یعنی واقف کو

ربع...... اجمعت الامۃ علی جوازہ و قد صح انہ علیہ السلام تصدق بسبع حوائط فی المدینۃ ۱۲ مجمع

ابطال وقف کا اختیار ہے اس لئے امام صاحب کے یہاں وقف کی ملک کا زوال بلاحکم قاضی نہ ہوگا۔ کیونکہ جن مسائل میں مجتہدین کا اختلاف ہوتا ہے ان میں قاضی کے حکم کی ضرورت ہوگی ہے۔ امام محمد کے نزدیک واقف کی ملک اس وقت زائل ہوتی ہے جب وقف کا کوئی متولی مقرر ہو جائے اور شئے موقوف اس کے قبضہ میں دیدی جائے مشائخ نے صاحبین کے قول کو ترجیح دی ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

قولہ ولا یتم الخ طرفین کے نزدیک تمامیت وقف کے لئے موقوف کا مقبوض ہونا اور اس کا ممتاز ہونا ضروری ہے۔ یعنی اگر شئی موقوف قسمت پذیر ہو تو اس کو تقسیم کر کے جدا کرنا ضروری ہے کیونکہ امام محمد کے یہاں قبضہ شرط ہے اس لئے ان کے یہاں وقف مشاع جائز نہیں بخلاف امام ابو یوسف کہ ان کے یہاں قبضہ شرط نہیں اس لئے وقف مشاع جائز ہے لیکن تحمل القسمۃ کا وقف بالاتفاق جائز ہے سوائے مسجد اور مقبرے کے کہ ان کا وقف عدم احتمال قسمت کے باوجود تمام نہیں ہوتا۔ مشائخ بلخ نے امام ابو یوسف کے قول کو اور مشائخ بخارا نے امام محمد کے قول کو لیا ہے خلاصہ بزازیہ، ولوالجیہ، شرح مجمع تجنیس اور غایۃ البیان میں ہے کہ وقف مشاع میں امام محمد کے قول پر فتویٰ ہے۔

قولہ ویجعل الخ طرفین کے یہاں یہ بھی ضروری ہے کہ وقف کی صورت انجام اس طرح کردی جائے کہ وہ منقطع نہ ہو بلکہ جاری رہے یعنی انجام کار وقف کا مؤبد ہونا ضروری ہے مثلاً اگر چند خاص لوگوں پر وقف کیا جن کا کسی زمانہ میں نہ ہونا بھی ممکن ہے تو یہ کہدے کہ انکے نہ رہنے کے وقت وقف کا نفع فقیروں اور علماء کو پہنچے۔ امام ابو یوسف سے اس کے سلسلہ میں دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ تابید وقف ضروری ہے لیکن ذکر دوام شرط نہیں اور یہی صحیح ہے دوم یہ کہ تابید دوام شرط نہیں۔

قولہ وصح الخ تنہا زمین کو وقف کرنا بالاتفاق صحیح ہے کیونکہ یہ متعدد صحابہ کرام کے عمل سے ثابت ہے چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق نے اپنا ایک مکان مکہ میں اور حضرت عمر نے اپنا مکان مروہ کے قریب اور حضرت سعد بن ابی وقاص نے اپنا مکان مدینہ میں اور حضرت علی نے اپنی زمین اور مکان مصر میں وقف کیا تھا۔ نیز حضرت عثمان نے ایک چشمہ پینتیس ہزار درہم میں خرید کر وقف کیا تھا۔ لیکن اشیاء منقولہ کو وقف کرنا امام صاحب کے نزدیک جائز نہیں اور امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اگر زمین کو اسکے بیلوں اور کارندوں کیساتھ وقف کرے تو صحیح ہے کیونکہ مقصود کے لحاظ سے یہ چیزیں تابع ارض ہیں۔ **ومحمد مع ابی یوسف فی جواز وقف المنقول تبعاً۔**

قولہ ومشاع الخ اور مشاع یعنی تہائی یا نصف زمین کا وقف بھی درست ہے۔ بشرطیکہ قاضی نے اسکے جواز کا حکم کر دیا۔ ہو کیونکہ جواز وقف مشاع مختلف فیہ ہے اس لئے قاضی کا حکم ضروری ہے۔ اسی طرح جو چیزیں منقولی ہوں اور ان میں پہلے سے وقف ہوتا آیا ہو انکا وقف بھی درست ہے جیسے تبر، آرہ، کلہاڑی، بسولہ، تابوت، قرآن پاک، کتابیں وغیرہ **وامام الکراع والسلاح فلا خلاف فیہ بین الشیخین للآثار المشهورۃ فیہ۔**

قولہ ولا یملک الخ جب وقف باجتماع شروط وارتفاع موانع تمام ہو جائے تو نہ اسکی بیع جائز ہے نہ تملیک نہ عاریت پر دیا جاسکتا ہے۔ اور نہ رہن رکھا جاسکتا ہے اور نہ مستحقین وقف کے درمیان تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ اس واسطے کہ موقوف علیہم کا حق منافع وقف میں ہے نہ کہ عین وقف میں اور تملک وقسمت اس کے منافی ہے۔

قولہ وان جعل الخ اگر واقف نے وقف کی بعض یا کل آمدنی گویا اسکی تولیت کو اپنے لئے شرط قرار دے لیا تو شیخین کے نزدیک صحیح ہے۔ امام محمد کے نزدیک دونوں صورتیں صحیح نہیں۔ اور امام شافعی کے نزدیک پہلی صورت صحیح نہیں۔ شیخین کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے موقوفہ صدقہ سے کھاتے تھے اور یہ اسی وقت ہوسکتا ہے کہ جب آپ پہلے شرط لگا لیتے ہوں۔ کیونکہ بلاشرط کھانا تو بالاجماع جائز نہیں معلوم ہوا کہ اپنے لئے آمدنی کی شرط لگانا صحیح ہے۔

(وفیہ تامل)

فَصْلٌ	مَنْ	بَنٰی	مَسْجِدًا	لَمْ	یَزَلْ	مِلْکُہٗ	عَنْهُ	حَتّٰی	یَفْرِزَہٗ	مِنْ مِلْکِہٖ بِطَرِیْقِہٖ

(فصل) جس نے مسجد بنائی تو اس سے اس کی ملک زائل نہ ہوگی یہاں تک کہ اس کو راستہ کیساتھ اپنی ملک سے جدا کردے

وَيَاْذِنَ لِلنَّاسِ بِالصَّلٰوةِ فِيْهِ فَاِنْ صَلّٰى فِيْهِ وَاحِدٌ زَالَ مِلْكُهٗ

اور نماز پڑھنے کی اجازت دیدے پس اگر اس میں کوئی ایک شخص بھی نماز پڑھ لے تو اس کی ملکیت زائل ہوجائیگی۔

تشریح الفقہ: قولہ من بنی الخ جو شخص مسجد بنادے تو وہ اسی کی ملک رہے گی جب تک وہ اس کو اپنی ملک سے مع راستہ کے جدا نہ کردے اور اس میں لوگوں کو نماز پڑھنے کی اجازت نہ دیدے، ملک سے جدا کرنا۔ تو اس لئے ضروری ہے کہ اس کے بغیر مسجد خالص خدا کے لئے نہیں ہوسکتی اور نماز کی اجازت دینا اس لئے ضروری ہے طرفین کے نزدیک وقف میں تسلیم یعنی قبضہ کرانا ضروری ہے اور یہاں حقیقی قبضہ متعذر ہے۔ اس لئے وقف سے جو مقصود ہے یعنی نماز پڑھنا اس کو حقیقی قبضہ کے قائم مقام کردیا جائیگا۔ اب اگر اجازت کے بعد ایک شخص نے بھی نماز پڑھ لی تو مالک کی ملک ختم ہوجائیگی۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اگر مالک نے اتنا کہدیا کہ میں نے اس کو مسجد بنادیا تو صرف اتنا کہنے ہی سے اس کی ملک زائل ہوجائے گی۔ کیونکہ ان کے یہاں تسلیم شرط نہیں۔

وَمَنْ جَعَلَ مَسْجِدًا تَحْتَهٗ سِرْدَابٌ اَوْفَوْقَهٗ بَيْتٌ وَجَعَلَ بَابَهٗ اِلَى الطَّرِيْقِ وَعَزَلَهٗ

اور جو شخص مسجد بنائے جس کے نیچے تہ خانہ ہو یا اس کے اوپر بالاخانہ ہو اور اس کا دروازہ راستہ کی طرف کرکے اس کو جدا کردے

اَوِاتَّخَذَ وَسْطَ دَارِهٖ مَسْجِدًا وَاَذِنَ لِلنَّاسِ بِالدُّخُوْلِ فِيْهِ لَهٗ بَيْعُهٗ وَيُوْرَثُ عَنْهُ

یا اپنے گھر کے اندر مسجد بنائے اور اس میں لوگوں کو آنے کی اجازت دیدے تو وہ اس کو فروخت کرسکتا ہے اور ورثہ اس کے وارث ہونگے

وَمَنْ بَنٰى سِقَايَةً اَوْخَانًا اَوْرِبَاطًا اَوْمَقْبَرَةً لَمْ يَزُلْ مِلْكُهٗ عَنْهُ حَتّٰى يَحْكُمَ بِهٖ حَاكِمٌ

اور جو شخص سقاوہ یا سرائے یا لشکر کے پڑاؤ کے لئے کوئی جگہ یا قبرستان بنائے تو اس کی ملکیت زائل نہ ہوگی یہاں تک کہ حاکم اس کا حکم کرے

وَاِنْ جُعِلَ شَيْئًا مِنَ الطَّرِيْقِ مَسْجِدًا صَحَّ كَعَكْسِهٖ

اور اگر کچھ راستہ مسجد بنادیا گیا تو درست ہے جیسے اس کا عکس صحیح ہے۔

توضیح اللغۃ: سرداب تہ خانہ، عزل جدا کردیا۔ سقایہ: پانی جمع کرنے کی جگہ، پیاؤ: خان، سرائے، رباط وہ جگہ جہاں لشکر حفاظت سرحد کے لئے قیام کرے، مقبرہ قبرستان۔

تشریح الفقہ: قولہ ومن جعل الخ ایک شخص نے مسجد بنائی اور اس کے نیچے ایک تہ خانہ بنایا۔ یا اس کے اوپر گھر بنایا اور مسجد کا دروازہ راستہ کی طرف نکال کر اس کو اپنی ملک سے علیحدہ کردیا یا اپنے مکان میں ایک مسجد بنائی اور لوگوں کو آنے کی اجازت دیدی تو ان سب صورتوں میں امام صاحب کے نزدیک مالک اس کو فروخت کرسکتا ہے اور اگر وہ مرجائے تو ترکہ میں اس کے وارثوں کو ملے گی، مطلب یہ ہے کہ وہ مسجد وقف کے حکم میں نہیں ہے کیونکہ اس میں حق العبد باقی ہے لہذا وہ خالص خدا کے لئے نہ ہوئی۔

قولہ وان جعل الخ اگر مسجد کی توسیع کی ضرورت ہو اور حسب ضرورت راستہ کا کچھ حصہ مسجد میں شامل کردیا جائے یا اطراف کی زمین خرید کر مسجد میں شامل کردی جائے۔ یہ جائز ہے کیونکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے مسجد حرام کی توسیع اسی طرح کی تھی، نیز اگر مسجد کے حصہ میں سے کچھ زمین راہ میں شامل کردی گئی تو یہ بھی جائز ہے۔

نحمداللہ الذی من علینا باتمام المجلدالاول ونرجوامن رحمۃ الواسعۃ

ان یتم المجلد الثانی فی ایام معدودۃ علیہ نعتمدوبہ نستعین

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

۱۷ ربیع الثانی ۱۳۸۷ھ

مَعدِنُ الحقائِق

شرح اُردو

کنزُ الدَّقائِق

مع جدید اضافات

مولانا محمد حنیف گنگوہی صاحب
فاضل دارالعلوم دیوبند

دارُالاشاعت کراچی

مَعدِنُ الحقَائِق

مَعدِنُ الحقائِق

شرح اردو

کنزُ الدّقـائِق

مع جدید اضافات

جلد دوم

مولانا محمد حنیف گنگوہی صاحب
فاضل دارالعلوم دیوبند

دارُالاشاعت
اردو بازار، ایم اے جناح روڈ
کراچی پاکستان 2213768

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی
طباعت : ۲۰۰۳ء علمی گرافکس کراچی
ضخامت : 416 صفحات

﴿........ملنے کے پتے........﴾

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
بیت القرآن اردو بازار کراچی
ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ B-437 دیپ روڈ لسبیلہ کراچی
بیت الکتب بالمقابل اشرف المدارس گلشن اقبال کراچی
بیت العلوم 20 نابھہ روڈ لاہور

ادارۂ اسلامیات موہن چوک اردو بازار کراچی
ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور
مکتبہ سید احمد شہیدؒ اردو بازار لاہور
مکتبہ امدادیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور

کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی

﴿انگلینڈ میں ملنے کے پتے﴾

Islamic Books Centre
119-121, Halli Well Road
Bolton BL 3NE, U.K.

Azhar Academy Ltd.
At Continenta (London) Ltd.
Cooks Road, London E15 2PW

فہرست مضامین کتاب معدن الحقائق شرح کنز الدقائق (جلد دوم)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب البیوع

قولہ کتاب الخ حقوق اللہ یعنی عبادات وعقوبات سے فراغت کے بعد حقوق العباد یعنی بیوع وغیرہ کوذکرکررہاہے اور بیوع کو وقف کے بعد لارہاہے اس واسطے کہ ہردو میں ازالۂ ملک ہوتاہے مگر وقف میں ازالۂ ملک لاالی مالک ہوتاہے اور بیع میں ازالۂ ملک بائع سے شی مشتری کی ملک میں داخل ہوجاتی ہے پس وقف بمنزلۂ مفرد ہوا اور بیع بمنزلۂ مرکب اور مفرد مرکب پر مقدم ہوتا ہے۔

قولہ البیوع الخ بیع کی جمع ہے جو مصدر ہے اور مصدر تثنیہ وجمع نہیں ہوتا مگر چونکہ اس کی متعدد انواع ہیں اس لئے مصنف نے صیغۂ جمع اختیار کیا ہے، چنانچہ بیع کی چار قسمیں ہیں، نافذ، موقوف، فاسد، باطل، اور مبیع کے اعتبار سے بھی چار قسمیں ہیں، کیونکہ مبیع عین ہوگی یا دین، جن کی چار صورتیں ہیں (۱) بیع العین بالعین اس کو مقایضہ کہتے ہیں (۲) بیع الدین بالدین اس کو صرف کہتے ہیں (۳) بیع الدین بالعین، اس کو سلم کہتے ہیں (۴) بیع العین بالدین، اس کو بیع مطلق کہتے ہیں، عام طور پر سے یہی قسم رائج ہے اور عندالاطلاق یہی متبادر ہوتی ہے، نیز ثمن کے اعتبار سے بھی بیع کی چار قسمیں ہیں، کیونکہ بیع یا تو ثمن اول سے زائد ہوگی اسی کو مرابحہ کہتے ہیں یا ثمن اول کے برابر ہوگی اس کو تولیہ کہتے ہیں، یا ثمن اول سے کمتر ہوگی اس کو وضیعہ کہتے ہیں، یا بلا تفاوت ثمن اول ہوگی جس پر بائع اور مشتری کا اتفاق ہوگیا ہو اس کو مساومہ کہتے ہیں۔ (1)

(فائدہ): خرید وفروخت کا جواز کتاب اللہ، سنت رسول، اجماع امت، قیاس (استحسان عقلی) ہر ایک سے ثابت ہے، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے "احل اللہ البیع وحرم الربوا" اللہ نے بیع کو حلال کیا اور سود کو حرام، کتب حدیث میں بکثرت قولی وتقریری احادیث سے بیع کا جواز بیان سے مستغنی ہے، ارباب سیر کے یہاں آنحضرت ﷺ کا تجارت کرنا بلا ریب ثابت ہے حضرت ابوبکر صدیقؓ ریشم کی حضرت عمرؓ غلہ کی حضرت عثمانؓ ریشم اور کھجور کی حضرت عباسؓ عطر کی تجارت کرتے تھے۔ اسی لئے ہمارے علماء نے فرمایا ہے کہ جہاد کے بعد سب سے بہترین شغل تجارت ہے پھر زراعت پھر صناعت، نیز مقتضی قیاس بھی یہی ہے، کیونکہ انسان کی تمام تر مصالح تجارتوں، عمارتوں، حرفتوں اور صنعتوں سے وابستہ ہیں جن کو اپنائے بغیر کسب معاش کے تمام وسائل بند ہوجاتے ہیں۔ مثلاً انسان کھانے پینے، اوڑھنے پہننے، رہنے سہنے کا محتاج ہے اب ایک کھانے ہی کو لے لیجئے اس کی تحصیل میں کھیت جوتنا، بیج ڈالنا، سینچنا، حفاظت کرنا، کھیت کاٹنا، اناج صاف کرنا، پیسنا، خمیر کرنا، روٹی پکانا وغیرہ امور کی ضرورت ہے جن کو ہر شخص تنہا نہیں کرسکتا، علیٰ ہذا القیاس تحصیل مکان وتحصیل لباس پر ہر شخص بذات خود قادر نہیں بلکہ وہ مجبور ہے کہ کچھ خود کرے کچھ دوسرے سے کرائے، کچھ خریدے کچھ فروخت کرے الیٰ غیر ذٰلک، پس اگر شرعاً بیع جائز اور تملیک بدلین کا سبب نہ ہوتی تو انسان اپنی مطلوب شئ یا تو دوسرے سے چھینتا یا سوال کرتا یا صبر کرتا ہوا مرجاتا اور یہ تمام صورتیں خرابی سے خالی نہیں معلوم ہوا کہ مشروعیت بیع عین مقتضی حکمت اور امر معقول ہے۔

وَبِتَعَاطٍ	لِلْمَضِيِّ	وُضِعَا	وَ قَبُوْلٍ	بِاِيْجَابٍ	وَيَلْزَمُ	بِالتَّرَاضِيْ	بِالْمَالِ	هُوَمُبَادِلَةُ الْمَالِ
وہ بدل لینا ہے مال کو مال سے رضامندی کے ساتھ اور لازم ہوجاتی ہے ایجاب وقبول کے ساتھ جو موضوع ہوں ماضی کے لئے								

الاِيْجَابُ	بَطَلَ	الْقَبُوْلِ	قَبْلَ	الْمَجْلِسِ	عَنِ	قَامَ	وَاَيٌّ
اور لازم ہوجاتی ہے تعاطی سے اور جوکوئی اٹھ جائے مجلس سے قبول کرنے سے پیشتر تو باطل ہوجائیگا							

(۱) قیل ان انواعہ ترتقی الی عشرین او اکثر والکل مذکور فی النہایۃ سیجئ ذکر بعضھا انشاء اللہ ۱۲۔

تشریح الفقہ: قولہ ھو الخ۔لفظ بیع ازقبیل اضداد ہے یعنی خرید وفروخت دونوں میں استعمال ہوتا ہے،اور متعدی بدومفعول ہوتا ہے یقال بعت زیدا الدار،کبھی مفعول اول پر بغرض تاکید کلمہ من یالام داخل کر دیتے ہیں فیقال بعت من زید الدار،بعتہ لک،نیز کلمہ علیٰ کے ساتھ بھی متعدی ہوتا ہے،یقال باع علیہ القاضی یعنی قاضی نے اس کا مال اس کی رضا کے بغیر فروخت کر دیا۔لغت میں بیع کے معنی مبادلۃ شیٔ بالشیٔ ہیں خواہ وہ شیٔ مال ہو یانہو،قال تعالیٰ " وشروہ بثمن بخس دراھم معدودۃ" چونکہ حضرت یوسف علیہ السلام آزاد تھے اس لئے آپ پر مال کا اطلاق نہیں ہوسکتا،معلوم ہوا کہ لغوی بیع میں مبادلۂ مال بالمال شرط نہیں،شریعت میں بیع آپس کی رضامندی سے ایک مال کو دوسرے مال سے بدل لینے کو کہتے ہیں۔

سوال:بیع کی تعریف میں "بالتراضی" قید مناسب نہیں اس واسطے کہ اگر یہ مطلق بیع کی تعریف ہے تو جامع نہیں کیونکہ اس سے بیع مکروہ نکل جاتی ہے حالانکہ بیع مکروہ گوفاسد ہوتی ہے تاہم بیع ہوتی ہے اور اگر یہ بیع صحیح کی تعریف ہے تو دخول غیر سے مانع نہیں،کیونکہ اس میں اکثر بیوع فاسدہ داخل ہوجاتی ہیں۔

جواب:شرعی بیع کے مفہوم میں تراضی داخل نہیں بلکہ شرعا اس کے حکم کے ثبوت کے لئے شرط ہے،پس اعتراض ختم ہوگیا،کیونکہ اب یہ قید احترازی نہ ہوئی بلکہ ایک مستقل حکم کی طرف اشارہ کے لئے ہوئی (تأمل) **ویمکن ان یجاب ان المراد تعریف البیع النافذ الصحیح فلا یرد ماأورد علیہ.**

قولہ ویلزم الخ۔متعاقدین کی جانب سے ایجاب وقبول متحقق ہوجانے کے بعد بیع لازم ہوجاتی ہے،متعاقدین میں سے جس کا کلام پہلے مذکور ہو اس کو ایجاب کہتے ہیں اور جو اس کے بعد مذکور ہو اس کو قبول،تو اگر اولا بائع نے کہا کہ میں نے اس چیز کو فروخت کر دیا مشتری نے کہا میں نے خرید لیا تو بائع کا قول ایجاب ہے اور مشتری کا قول قبول ہے اور اگر اولا مشتری نے کہا کہ میں نے اس کو خرید لیا پھر بائع نے کہا کہ میں نے فروخت کر دیا تو مشتری کا قول ایجاب ہے،اور بائع کا قول قبول،پھر جو لفظ بعت اور اشتریت کے معنی پر دلالت کرے وہ ایجاب وقبول ہے مثلا بائع نے کہا اعطیت بذالک،رضیت،جعلت لک ہذا بکذا،ہو عبدک،خذہ وغیرہ۔مشتری نے کہا اخترت،قبلت،اجزت،اخذت قد فعلت۔

سوال:ایجاب وقبول کے لئے لزوم بیع کا دعویٰ صحیح نہیں کیونکہ خیار شرط یا خیار رویت کی صورت میں ایجاب وقبول ہوتے ہیں مگر لزوم نہیں ہوتا۔

جواب:لزوم سے مراد انعقاد ہے اور انعقاد کا مطلب یہ ہے کہ متعاقدین میں سے ہر ایک کا کلام دوسرے کے ساتھ اس طرح منضم ہوجائے کہ محل میں اس کا اثر شرعا ظاہر ہو اور یہ چیز ہر ایجاب وقبول میں پائی جاتی ہے۔

فائدہ:جب ایجاب وقبول اپنی پوری شرطوں کیساتھ متحقق ہوجائے تو احناف کے یہاں بیع لازم ہوجاتی ہے اور متعاقدین میں سے کسی کو خیار عیب وخیار رویت کے علاوہ کسی طرح نقض بیع کا اختیار نہیں رہتا،امام مالک بھی اسی کے قائل ہیں،امام شافعی اور امام احمد کا مذہب یہ ہے کہ متعاقدین میں سے ہر ایک کو بقاء مجلس تک اختیار ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے **المتبایعان بالخیار مالم یتفرقا**،یعنی بائع اور مشتری مختار ہیں جب تک کہ وہ جدا نہ ہوں۔

جواب یہ ہے کہ مالم یتفرقا میں تفریق سے مراد تفریق ابدان یا تفرق مجلس نہیں بلکہ تفرق اقوال مراد ہے یعنی ایجاب کے بعد دوسرے عاقد کا یہ کہنا کہ میں نہیں خریدتا یا قبول کرنے سے پہلے موجب کا یہ کہنا کہ میں فروخت نہیں کرتا،اور وجہ اس کی یہ ہے کہ حدیث میں متعاقدین کو متبایعان کہا گیا ہے اور حقیقت کے لحاظ سے متبایعان کا اطلاق اسی وقت ہوسکتا ہے جب ایک نے ایجاب کیا ہو اور

(۱) ائمہ ستہ عن ابن عمر (بالفاظ مختلفہ) الجماعۃ الا ابن ماجۃ عن حکیم بن حزام،ابوداؤد،ترمذی،نسائی عن عبداللہ بن عمرو بن العاص،ابن ماجۃ،نسائی عن سمرہ،ابوداؤد،ابن ماجۃ عن ابی برزہ ۱۲۔

دوسرے نے ابھی قبول نہ کیا ہو، ایجاب وقبول سے پہلے ان کو متبایعان کہنا اسی طرح عقد تمام ہوجانے کے بعد متبایعان کہنا مجاز ہے، پس حقیقت پر محمول کرنا بہتر ہوگا تاکہ نصوص قرآنی کے خلاف نہ ہو۔ قال تعالیٰ اوفوا بالعقود، اور بیع قبل از تخییر عقد ہے لہذا اس کا ایفاء ضروری ہوگا وقال تعالیٰ ''واشھدوا اذا تبایعتم'' اس میں توثق بالشہادۃ کا حکم ہے، اگر بیع لازم نہ ہو اور خیار باقی رہے تو توثق بے معنی ہے، وقال تعالیٰ '' الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم'' اس آیت میں بخوشی ایجاب وقبول کے بعد خرید کردہ چیز کو کھانا مباح قرار دیا گیا ہے، اگر ایجاب وقبول کے بعد بیع لازم نہ ہو اور خیار باقی رہے تو اس چیز کا کھانا مباح نہیں ہونا چاہئے۔

سوال: حضرت عبداللہ بن عمر نے (جو حدیث مذکور کے راوی ہیں) تصریح کی ہے کہ تفریق سے مراد تفرق ابدان ہے۔

جواب: راوی کی تاویل غیر کے حق میں حجت نہیں ہوتی، کذا التقریر فی الاصول والتفصیل فی المطولات۔

قولہ وضعا للمضی الخ۔ ایجاب وقبول سے مراد ہر وہ لفظ ہے جو دوسرے کو مالک بنانے اور اپنے مالک ہونے پر دلالت کرے خواہ دونوں ماضی ہوں جیسے بعت اور اشتریت یا دونوں حال ہوں جیسے ابیعک اور اشتریہ یا ایک ماضی ہو اور ایک حال بہرکیف انعقاد بیع کسی خاص لفظ پر منحصر نہیں، بلکہ جب تملیک وتملک کے معنی حاصل ہوں گے تو بیع کا حکم ثابت ہوجائیگا، بخلاف طلاق وعتاق کے کہ ان میں معنی کا اعتبار نہیں بلکہ وہ الفاظ معتبر ہوتے ہیں جو ان کے واسطے صراحتاً یا کنایۃً موضوع ہیں، پس حاوی قدسی میں جو یہ مذکور ہے کہ نکاح کے علاوہ باقی ہر عقد میں ایجاب وقبول کا ماضی ہونا شرط ہے یہ مبنی برتساہل ہے۔

سوال: صاحب ہدایہ نے ماضی ہونے کی قید لگائی ہے کنز کے پیش نظر نسخے میں بھی مضی کی قید موجود ہے۔

جواب: جن حضرات نے اس قید کو ذکر کیا ہے وہ صرف امر کو اور اس مضارع کو خارج کرنے کے لئے ہے جو سین اور سوف کیساتھ مقرون ہو کہ ان سے بیع صحیح نہیں ہوتی، شرنبلالیہ وغیرہ میں اس کی تصریح موجود ہے، اور اگر صیغۂ امر حال پر دال ہو مثلاً بائع کہے خذہ بکذا اور مشتری کہے اخذتہ تو اس سے بھی بیع صحیح ہوجاتی ہے مگر بطریق اقتضاء۔

قولہ وبتعاط الخ اور فعل تعاطی سے بھی بیع منعقد ہوجاتی ہے تعاطی کا مطلب یہ ہے کہ لفظی ایجاب وقبول کئے بغیر بائع مشتری کو مبیع دیدے اور مشتری بائع کو ثمن دیدے، مصنف نے اس کو مطلق رکھکر یہ بتایا ہے کہ تعاطی نفیس شئ میں ہو یا خسیس میں یعنی وہ شئ بیش قیمت ہو یا معمولی بہردوصورت بیع منعقد ہوجائیگی، خراسانی فقہاء اسی کے قائل ہیں۔ امام کرخی اور فقہاء عراق فرماتے ہیں کہ خسیس میں منعقد ہوجائیگی نفیس میں منعقد نہ ہوگی، کیونکہ نفیس میں بیع بالتعاطی معتاد نہیں، جواب یہ ہے کہ اصل بیع کا جواز طرفین کی رضامندی پر ہے جو بیع قولی اور بیع فعلی ہردو کو شامل ہے وما ادعاہ فی الحاوی القدسی من المشھور انہ لایجوز فی نفائس الاشیاء اھ فخلاف المشھور۔

(فائدہ): بیع بالتعاطی میں اعطاء بدلین ضروری ہے یا اعطاء بدل واحد کافی ہے اس میں اختلاف ہے صحیح یہ ہے کہ اعطاء بدل واحد کافی ہے کیونکہ امام محمد نے تصریح کی ہے کہ بیع بالتعاطی احد البدلین پر قبضہ کر لینے سے ثابت ہوجاتی ہے اور یہ مبیع وثمن ہردو کو شامل ہے کذا فی التنویر وفی المنح، ھکذا صححہ الکمال فی الفتح وفی الکرخی وبہ یفتی، سو اگر بائع اور مشتری ثمن پر متفق ہوجائیں پھر مشتری بائع کی رضامندی سے مبیع لے کر ثمن دیئے بغیر چلا جائے یا ثمن دے کر بلا تسلیم مبیع چلا جائے تو بقول صحیح بیع لازم ہوجائیگی بشرطیکہ مبیع موجود اور معلوم ہو اسی پر فتویٰ ہے، لیکن اکثر علماء کا نظریہ یہ ہے کہ اعطاء بدلین ضروری ہے، بزازی نے اسی کو پسند کیا ہے اور اسی پر حلوانی کا فتویٰ ہے کیونکہ تعاطی معاطاۃ سے مفاعلت ہے جو جانبین سے مباشرت چاہتا ہے[1] علامہ کرمانی نے صرف تسلیم مبیع پر اکتفاء کیا ہے بشرطیکہ ثمن بیان کردیا گیا ہو، اس اختلاف کا منشاء دراصل امام محمد کا کلام ہے کہ آپ نے کہیں تعاطی کی تفسیر میں اعطاء بدلین ذکر کیا ہے کہیں احد البدلین اور کہیں صرف تسلیم مبیع۔

(۱) ذکرہ الطرطوسی وجوابہ ما فی القاموس والصحاح والمصباح ان التعاطی التناول وھو انما یقتضی الاعطاء من جانب والاخذ من جانب لا الاعطاء من الجانبین ۱۲۔

قولہ و ای قام الخ۔ احد المتعاقدین کے ایجاب کے بعد اگر ان میں سے کوئی ایک قبول کرنے سے پہلے اٹھ کھڑا ہو تو ایجاب باطل ہو جائیگا اور قبول کرنے کا اختیار باقی نہ رہے گا کیونکہ تملیکات میں اختلاف مجلس سے قبول کرنے کا اختیار ختم ہو جاتا ہے اور مجلس کا اختلاف ہر اس عمل سے ثابت ہوتا ہے جو اعراض پر دال ہو جیسے اٹھ کھڑا ہونا، کھانا پینا، کلام کرنا، نماز پڑھنے لگنا وغیرہ البتہ ایک آدھ لقمہ کھانا یا اس برتن سے ایک آدھ گھونٹ پانی پینا جو بوقت ایجاب اس کے ہاتھ میں تھا یا فرض نماز کو پورا کرنا جو شروع کئے ہوئے تھا مجلس کو نہیں بدلتا۔

وَلاَ بُدَّ مِنْ مَعْرِفَةِ قَدْرٍ وَوَصْفِ ثَمَنٍ غَيْرِمُشَارٍ لاَ مُشَارٍ وَصَحَّ بِثَمَنٍ حَالٍ وَبِاَجَلٍ مَعْلُوْمٍ

اور ضروری ہے معلوم ہونا ثمن کی مقدار اور اس کے وصف کا جو غیر مشار ہو نہ کہ مشار کا اور صحیح ہے نقد ثمن کے ساتھ اور مدت معلومہ کیساتھ

وَمُطْلَقُهٗ عَلٰى النَّقْدِ الْغَالِبِ وَاِنِ اخْتَلَفَ النُّقُوْدُ فَسَدَ اِنْ لَمْ يُبَيَّنْ

اور مطلق ثمن محمول ہوگا اس نقد پر جو بکثرت رائج ہو اور اگر نقود مختلف ہوں تو بیع فاسد ہوگی اگر بیان نہ کیا ہو

وَ يُبَاعُ الطَّعَامُ كَيْلاً وَجُزَافاً وَبِاِنَاءٍ اَوْحَجَرٍ بِعَيْنِهٖ لَمْ يُدْرَ قَدْرُهٗ

اور بیچی جاسکتی ہیں اشیاء خوردنی ناپ کر اور اندازہ سے اور ایک معین برتن یا پتھر سے جس کی مقدار معلوم نہیں

تشریح الفقہ: قولہ و لابد الخ۔ اگر مبیع اور ثمن غیر مشار ہوں تو مبیع کی مقدار اور وصف کا معلوم ہونا اور ثمن کا وصف معلوم ہونا ضروری ہے ورنہ بیع صحیح نہ ہوگی، کیونکہ بیع میں تسلیم و تسلم ضروری ہے اور مقدار و وصف کا غیر معلوم ہونا باعث نزاع ہے لیکن اگر مبیع اور ثمن کی طرف اشارہ کر دیا ہو تو ان کا معلوم ہونا ضروری نہیں کیونکہ اس صورت میں نزاع کا اندیشہ نہیں ہے، پس اگر بائع مشتری سے یہ کہے کہ میں نے گیہوں کے اس ڈھیر کو اس درہموں کے عوض فروخت کر دیا جو تیرے ہاتھ میں ہیں اور مشتری قبول کر لے تو بیع درست ہے۔

(فائدہ): انعقاد و صحت نفاذ و لزوم کے لحاظ سے بیع کیلئے بہت سی شرطیں ہیں جن کو صاحب بحر نے تفصیل کیساتھ بیان کیا ہے ہم یہاں بغرض افادہ اختصار کیساتھ ذکر کرتے ہیں تاکہ آگے چل کر فہم مسائل میں دشواری نہ ہو، سو جاننا چاہئے کہ شروط انعقاد چار طرح کی ہیں اول وہ جن کا عاقدین میں ہونا ضروری ہے، دوم وہ جن کا نفسِ عقد میں ہونا ضروری ہے، سوم وہ جن کا مکان عقد میں ہونا ضروری ہے چہارم وہ جن کا معقود علیہ میں ہونا ضروری ہے، سو عاقد کیلئے دو شرطیں ہیں (۱) عاقل ہونا، پس دیوانے اور غیر عاقل بچے کی بیع منعقد نہ ہوگی (۲) متعدد ہونا تو جانبین کے وکیل کی بیع منعقد نہ ہوگی[۱]۔ نفس عقد کیلئے یہ شرط ہے کہ قبول ایجاب کے موافق ہو یعنی بائع نے مبیع کا ایجاب جس چیز کے عوض میں کیا ہے مشتری اس کو اسی کے عوض میں قبول کرے، اگر اس کے خلاف کیا تو تفرق صفقہ کی وجہ سے بیع منعقد نہ ہوگی، مکان عقد کے لئے شرط یہ ہے کہ مجلس متحد ہو اگر مجلس مختلف ہو تو بیع منعقد نہ ہوگی، معقود علیہ کیلئے چھ شرطیں ہیں (۱) موجود ہونا (۲) مال ہونا (۳) قیمتی ہونا (۴) فی نفسہ مملوک ہونا (۵) بائع کی ملک [۲] ہونا (۶) مقدور التسلیم ہونا، نفاذ کیلئے دو شرطیں ہیں (۱) ملک یا ولایت کا ہونا (۲) مبیع میں بائع کے علاوہ دوسرے کا حق نہ ہونا، شروط صحت دو طرح کی ہیں، عامہ اور خاصہ، شروط عامہ یہ ہیں (۱) موقت نہ ہونا (۲) مبیع کا معلوم ہونا (۳) ثمن کا معلوم ہونا (۴) مفسد عقد شرطوں سے خالی ہونا (۵) بیع سے کسی فائدہ کا حاصل ہونا (۶) مشتری منقول اور دین کی بیع میں قبضہ کا ہونا (۷) مبادلہ قولیہ میں بدل کا مسمی ہونا (۸) اموال ربویہ میں بدلین کے درمیان مرابحہ، تولیہ، اشراک، وضیعہ میں ثمن اول کا معلوم ہونا اور انعقاد و نفاذ کے بعد شرط لزوم یہ ہے کہ خیار شرط، خیار عیب وغیرہ ہر قسم کے خیار سے خالی ہو، بیع کی ان تمام شرطوں کو اس نقشہ سے محفوظ کرو۔[۳]

---

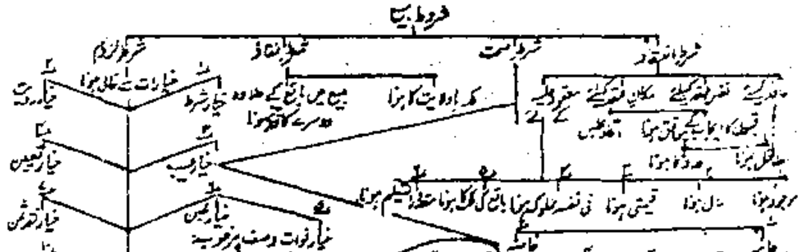
(۱) [illegible] ۱۲ (۳) نقشہ آئندہ صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

قولہ وصح بثمن الخ۔ حال بتشدید لام حول سے مشتق ہے، دین حال خلاف مؤجل کو کہتے ہیں (نہر عن المغرب) مت ب یہ ہے کہ بیع ثمن حال اور ثمن مؤجل دونوں کیساتھ صحیح ہے، ثمن حال کیساتھ تو اسلئے کہ مقتضی عقد یہی ہے کہ ثمن حال ہو اور ثمن مؤجل کیساتھ اسلئے کہ آیت "احل اللہ البیع" میں حلت بیع مطلق ہے، نیز آنحضرت ﷺ نے کچھ مدت کے لئے ابوالشحم یہودی سے غلہ خریدا اور اپنی زرہ اسکے پاس رہن رکھی (۱) لیکن مؤجل ہونے کی صورت میں مدت کا معلوم ہونا ضروری ہے تاکہ بعد میں نزاع کی نوبت نہ آئے۔

قولہ ومطلقۃ الخ اگر ثمن کی مقدار مذکور ہو اور اس کا وصف بیان نہ کیا گیا ہو تو جس شہر میں بیع منعقد ہوئی ہے وہاں جو نقد زیادہ رائج ہو اسی کا اعتبار ہوگا اور اگر وہاں مختلف نقود رائج ہوں اور مالیت میں مختلف ہوں جیسے بندقی، قایتابی، سلیمی، مغربی، غوری وغیرہ اور کسی ایک کو بیان نہ کیا گیا ہو تو بیع فاسد ہوگی کیونکہ یہ جہالت باعث منازعت ہے۔

(فائدہ): نقود کی چار صورتیں ہیں (۱) رواج اور مالیت ہر دو میں برابر ہوں (۲) ہر دو میں مختلف ہوں (۳) صرف رواج میں برابر ہوں (۴) صرف مالیت میں برابر ہوں، ان میں سے ۳ میں بیع فاسد ہے اور باقی میں درست ہے پس ۲، ۴ میں رائج تر کا اعتبار ہوگا اور ۱ میں مشتری کو اختیار ہوگا جو نقد چاہے دیدے۔

قولہ ویباع الخ عرف متقدمین میں گو طعام کا اطلاق گیہوں اور اس کے آٹے پر ہوتا ہے مگر یہاں صرف گیہوں مراد نہیں بلکہ ہر قسم کا غلہ مراد ہے کہ اگر غلہ کو اس کی مخالف جنس کے عوض میں فروخت کیا جائے مثلاً گیہوں کو جو کے عوض میں تو پیمانہ سے ناپ کر اندازہ لگا کر کسی ایسے برتن میں بھر کر جس کی مقدار معلوم نہ ہو کسی ایسے پتھر سے تول کر جس کا وزن معلوم نہ ہو ہر طرح سے صحیح ہے، کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب دونوں جنسیں مختلف ہوں تو جیسے چاہو فروخت کرو (۲) مگر صحت کیلئے چند شرطیں ہیں (۱) مبیع ممیز و مشار ہو (اندازہ سے بیچنے کی صورت میں) (۲) برتن گھٹتا بڑھتا نہ ہو جیسے لکڑی یا لوہے کا برتن، اگر زنبیل یا خرجی وغیرہ کے مانند کوئی برتن ہو تو بیع جائز نہ ہوگی البتہ پانی کی مشکوں میں رواج کی وجہ سے جائز ہے (۳) پتھر میں ٹوٹنے پھوٹنے کا احتمال نہ ہو ورنہ بیع جائز نہ ہوگی (۴) بیع سلم کا رأس المال نہ ہو کیونکہ سلم میں رأس المال کی مقدار کا معلوم ہونا ضروری ہے۔



(۱) صحیحین عن عائشہ، بیہقی عن جابر ۱۲

(۲) الجملۃ لا البخاری عن عبادہ بن الصامت، طبرانی عن بلال، دارقطنی عن انس وعبادہ ۱۲

وَمَنْ بَاعَ صُبْرَةً كُلَّ صَاعٍ بِدِرْهَمٍ صَحَّ فِي صَاعٍ وَلَوْبَاعَ ثَلَّةً اَوْ ثَوْبًا كُلَّ شَاةٍ اَوْ ذِرَاعٍ بِدِرْهَمٍ

اور جس نے بیچا اناج کا ڈھیر ہر صاع ایک درہم میں تو صحیح ہوگی ایک صاع میں اور اگر بیچا ریوڑ یا کپڑے کا تھان ہر بکری یا ہر گز ایک درہم میں

فَسَدَ فِي الْكُلِّ وَلَوْ سَمَّى الْكُلَّ صَحَّ فِي الْكُلِّ فَلَوْ نَقَصَ كَيْلٌ اَخَذَ بِحِصَّتِهِ اَوْ فَسَخَ

تو فاسد ہوجائیگی کل میں اور اگر بیان کردیا سب کو تو صحیح ہوجائیگی کل میں سو اگر کم نکلے ایک کیل تو لے اسکے حصہ کے عوض یا فسخ کردے

وَاِنْ زَادَ فَلِلْبَائِعِ وَلَوْ نَقَصَ ذِرَاعٌ اَخَذَ بِكُلِّ الثَّمَنِ اَوْ تَرَكَ وَاِنْ زَادَ فَلِلْمُشْتَرِيْ وَلاَ خِيَارَ لِلْبَائِعِ

اور اگر زائد نکلے تو وہ بائع کا ہے اور اگر کم ہو ایک گز تو لے پورے ثمن کیساتھ یا چھوڑ دے اور اگر زائد نکلا تو وہ مشتری کا ہے اور اختیار نہیں ہے بائع کو

وَلَوْقَالَ كُلُّ ذِرَاعٍ بِكَذَا وَنَقَصَ اَخَذَ بِحِصَّتِهِ اَوْ تَرَكَ وَاِنْ زَادَ اَخَذَ كُلَّهُ كُلُّ ذِرَاعٍ بِكَذَا

اور اگر کہا کہ ہر گز اتنے میں ہے اور کم نکلا تو لے اس کے حصہ کے عوض یا چھوڑ دے اور اگر زائد نکلا تو لے پورا تھان ہر گز اتنے ہی داموں میں

اَوْ فَسَخَ وَفَسَدَ بَيْعُ عَشَرَةِ اَذْرُعٍ مِنْ دَارٍ لاَ اَسْهُمٍ وَاِنِ اشْتَرٰى عِدْلاً عَلٰى اَنَّهُ عَشَرَةُ اَثْوَابٍ فَنَقَصَ

یا فسخ کردے اور فاسد ہے بیع دس گز کی گھر سے نہ کہ حصوں کی اور اگر خریدی ایک گٹھری اس شرط پر کہ اس میں دس تھان ہیں اور وہ کم یا زیادہ نکلی

اَوْ زَادَ فَسَدَ وَلَوْ بَيَّنَ ثَمَنَ كُلِّ ثَوْبٍ وَنَقَصَ صَحَّ بِقَدْرِهِ وَخُيِّرَ وَاِنْ زَادَ فَسَدَ

تو بیع فاسد ہوگی اور اگر بیان کردیا ثمن ہر کپڑے کا پھر کم نکلا تو صحیح ہوگی اسی کے بقدر اور اختیار دیا جائیگا اور اگر زائد نکلا تو فاسد ہوگی

وَمَنِ اشْتَرٰى ثَوْبًا عَلٰى اَنَّهُ عَشَرَةُ اَذْرُعٍ كُلُّ ذِرَاعٍ بِدِرْهَمٍ اَخَذَهُ بِعَشَرَةٍ فِي عَشَرَةٍ وَنِصْفٍ

اور جس نے خریدا ایک تھان اس شرط پر کہ وہ دس گز ہے ہر گز ایک درہم میں تو لے اس کو دس درہم میں ساڑھے دس گز ہونے کی صورت میں

بِلاَخِيَارٍ وَبِتِسْعَةٍ فِي تِسْعَةٍ وَنِصْفٍ بِخِيَارٍ.

بلا اختیار اور نو میں لے ساڑھے نو گز ہونے کی کی صورت میں اختیار کے ساتھ

توضیح اللغۃ: صبرۃ غلہ کا ڈھیر، ثلۃ بکریوں کا ریوڑ، اذرع بمعنی گز، اسہم جمع سہم بمعنی حصہ۔ عدل بمعنی کپڑے کی گانٹھ۔

تشریح الفقہ: قولہ ومن باع الخ ایک شخص نے گیہوں یا جو کا ایک ڈھیر فروخت کیا اور کہا کہ اس کا ہر صاع ایک درہم کے عوض میں ہے اور کل ڈھیر کی مقدار بیان نہیں کی کہ وہ سو صاع ہے یا پچاس، تو امام صاحب کے نزدیک صرف ایک صاع میں بیع جائز ہوگی اور باقی میں موقوف رہے گی۔ کیونکہ مبیع اور ثمن کی اتنی ہی مقدار معلوم ہے اور باقی مجہول ہے۔ صاحبین کے نزدیک کل ڈھیر کی بیع جائز ہے وہ یہ فرماتے ہیں کہ باقی کی مقدار میں جو جہالت ہے اس کو دور کرنا ان کے بس میں ہے دور کر سکتے ہیں۔ اور اگر کسی نے بکریوں کا ریوڑ یا کپڑے کا ایک تھان بیچا اور کہا کہ ہر بکری درہم کے عوض ہے یا تھان کا ہر گز ایک درہم کے عوض میں ہے تو امام صاحب کے نزدیک ایک بکری اور ایک گز میں بھی بیع نہ ہوگی۔ بلکہ تمام میں فاسد ہوجائے گی۔ کیونکہ یہاں مبیع کے افراد میں اختلاف ہے تو سب پر قیمت برابر منقسم نہیں ہوسکتی۔ پس نزاع واقع ہوگا بائع چھوٹی اور دبلی بکری دے گا اور مشتری بڑی اور موٹی بکری چاہئے گا۔ بخلاف پہلے مسئلے کے کہ اس میں گیہوں کے افراد یعنی اس کے دانوں میں کوئی تفاوت نہیں اسلئے وہاں ایک صاع میں بیع جائز ہے ہاں اگر بوقت عقد کل ڈھیر کی اور کل ریوڑ کی اور کل تھان کی مقدار بیان کردی جائے تو بالاتفاق کل کی بیع صحیح ہوجائے گی۔ لزوال المانع وھو الجھالۃ۔

قولہ فلو نقص الخ بائع نے بوقت عقد ڈھیر کی کل مقدار بیان کردی مثلاً یوں کہدیا کہ یہ ڈھیر سو صاع ہے اور کل ڈھیر ایک سو

درہم کے عوض میں ہے پھر وہ ایک سو صاع سے کم نکلا تو مشتری کو اختیار ہے چاہے موجود حصہ کو اسی حساب سے لے لے۔ اور چاہے بیع کو فسخ کر دے۔ اور بیان کردہ مقدار سے کچھ زائد ہو تو وہ بائع کا ہے کیونکہ عقد ایک خاص مقدار یعنی سو صاع پر واقع ہے تو جتنا سو سے زائد ہے وہ عقد میں داخل نہ ہوا لہذا بائع کا ہوگا نہ کہ مشتری کا۔ اور اگر بائع نے کپڑے کی تھان کی کل مقدار بیان کر دی پھر تھان اس سے کم نکلا تو مشتری کو اختیار ہوگا چاہے پوری قیمت کے ساتھ لے۔ اور چاہے چھوڑ دے۔ اور اگر اس مقدار سے زائد نکلا تو مشتری کا ہوگا۔ اس واسطے کہ اشیاء مذروعہ کے لئے ذراع وصف ہوتا ہے اور وصف کے مقابلہ میں قیمت نہیں ہوتی بخلاف مقدار کے یعنی کیل اور وزن کے کہ وہ وصف نہیں ہے۔

قولہ ولو قال الخ اگر بائع نے مقدار مذروع کیساتھ یہ بھی ذکر کر دیا کہ ہر گز ایک درہم کے عوض میں ہے۔ اور پھر کپڑا اس سے کم نکلا تو مشتری مختار ہے چاہے کپڑا اس کے حصہ کے مطابق لے اور چاہے چھوڑ دے اور اگر زائد نکلا تو چاہے فی گز ایک درہم کے لحاظ سے کل کپڑا لے اور چاہے تو بیع فسخ کر دے کیونکہ ذراع گو وصف ہے مگر یہاں ہر ذراع کی قیمت معین کر دینے کی وجہ سے اصل ہو گیا۔

قولہ وفسد الخ ایک شخص نے گھر کے دس گز کی بیع کی تو امام صاحب کے نزدیک یہ بیع فاسد ہے خواہ گھر کے کل گزوں کو بیان کر دے یا نہ کرے۔ صاحبین کے نزدیک دونوں صورتوں میں صحیح ہے۔ اور اگر کسی نے گھر کے چند سہام فروخت کئے اور کل سہام بیان کر دے تو بالاتفاق بیع صحیح ہے۔ اور کل سہام بیان کئے تو بالاتفاق صحیح نہیں۔ امام صاحب کے نزدیک فساد کی وجہ یہ ہے کہ ذراع درحقیقت اس آلہ کا نام ہے جس سے شئی کو ناپتے ہیں خواہ وہ لکڑی کا ہو یا لوہے کا۔ اور یہاں یہ معنی متعذر ہیں تو مجاز پر محمول کیا جائے گا۔ یعنی ذراع سے مراد مجازاً زمین لیجائیگی۔ اور زمین پر ذراع کا اطلاق اسی وقت ہو سکتا ہے جب وہ معین و مشخص ہو کیونکہ ناپنا فعل محسوس ہے جو محل محسوس کو چاہتا ہے تو یہاں دس گز غیر معلوم ٹھہرے کیونکہ یہ معلوم نہیں کہ گھر کی کس جانب سے دس گز مراد ہیں۔ پس یہ جہالت مفضی الی المنازعت ہوگی بائع کہے گا میں دس گز فلاں طرف سے دوں گا۔ مشتری کہے گا میں فلاں جانب سے لونگا۔ اور ایسی جہالت باعث فساد ہوتی ہے۔ لہذا بیع فاسد ہوگی بخلاف سہم کے کہ وہ امر عقلی ہے محل محسوس کو نہیں چاہتا اس لئے اس کا شائع ہونا جائز ہے صاحبین کے نزدیک وجہ صحت یہ ہے کہ گزوں کی جہالت کو دور کرنا بائع اور مشتری کے اختیار میں ہے گھر کو ناپ کر دور کر سکتے ہیں پس یہ جہالت ایسی نہیں جو باعث نزاع ہو اس لئے صاحبین کے یہاں بیع درست ہے۔

قولہ وان اشتری الخ ایک شخص نے کپڑے کی ایک گانٹھ اس شرط پر خریدی کہ اس میں دس تھان ہیں اب جو گانٹھ کھولی تو اس میں نو یا گیارہ تھان نکلے تو دونوں صورتوں میں بیع فاسد ہے۔ کیونکہ کمی کی صورت میں ثمن مجہول ہے۔ اور زیادتی کی صورت میں مبیع مجہول ہے۔ ہاں اگر بائع ہر کپڑے کی قیمت بیان کر دے۔ مثلاً یوں کہدے کہ اس گانٹھ میں سے ہر تھان کی قیمت اتنی ہے۔ اور پھر کم نکلے تو موجودہ تھانوں کے بقدر بیع صحیح ہوگی اور مشتری کو لینے اور نہ لینے کا اختیار ہوگا لیکن دس سے زائد ہونے کی صورت میں پھر بھی بیع فاسد ہوگی۔ کیونکہ مبیع مجہول ہے۔

قولہ ومن اشتری الخ ایک شخص نے ایک کپڑا اس شرط پر خریدا کہ وہ دس گز ہے اور ہر گز ایک درہم کے عوض میں ہے اس کے بعد اس کو ناپا تو ساڑھے دس گز یا ساڑھے نو گز نکلا تو امام صاحب کے نزدیک پہلی صورت میں بلا خیار دس درہم کے عوض میں لے گا اور آدھ گز مفت ہوگا اور دوسری صورت میں نو درہم کے عوض میں لے گا۔ اور لینے نہ لینے میں اس کو اختیار ہوگا' امام ابو یوسف کے نزدیک پہلی صورت میں گیارہ درہم کے عوض میں اور دوسری صورت میں دس درہم کے عوض لے گا۔ اور دونوں صورتوں میں اختیار ہوگا' امام محمد کے نزدیک پہلی

والفرق بین الاصل والوصف ان ما یتعیب بالتبعیض والتشقیص فالزیادۃ والنقصان فیہ وصف وما لا یتعیب بہما فہما فیہ اصل وقیل الوصف ما لوجودہ تاثیر فی تقوم غیرہ وبعدمہ تاثیر فی نقصان غیرہ والاصل ما لا یکون بہذہ المثابۃ ۱۲

صورت میں ساڑھے دس درہم کے عوض میں اور دوسری صورت میں ساڑھے نو درہم کے عوض لے گا۔ اور دونوں صورتوں میں اختیار ہوگا لے یا نہ لے۔ اس واسطے کہ جب بائع نے ہر گز کی قیمت علیحدہ بیان کردی اور ایک گز کے مقابلہ میں ایک درہم ہوگیا تو لازمی طور پر آدھ گز کے مقابلہ میں آدھا درہم آئیگا۔ اب زیادتی کی صورت میں اس پر نصف درہم قیمت زائد پڑگئی اور کمی کی صورت میں کپڑا اس کی شرط کے خلاف ہوا اس لئے دونوں صورتوں میں اس کو اختیار ہوگا تاکہ اس کا نقصان نہ ہو امام ابو یوسف یہ فرماتے ہیں کہ جب بائع نے ہر گز کے مقابلے میں ایک درہم رکھا ہے تو ہر گز مستقل کپڑا کے حکم میں ہوگیا جو فی گز ایک درہم میں بیچا گیا ہو تو کم ہونے کی صورت میں قیمت سے کچھ ساقط نہ ہوگا۔ کیونکہ ذراع وصف ہے جس کے مقابلے میں قیمت نہیں ہوتی امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ ذراع دراصل وصف ہے لیکن شرط کی وجہ سے مقدار کا حکم حاصل کرلیتا ہے اور یہاں شرط یہ ہے کہ پورا ایک گز ہو اور ایک درہم کے مقابلے میں ہو جب یہ دونوں چیزیں فوت ہوگئیں تو پھر اپنے اصل کی طرف لوٹ آئے گا یعنی وصف ہو جائے گا اور وصف کے مقابلے میں قیمت نہیں ہوتی پھر زائد ہونے کی صورت میں گو اس شرط کے خلاف ہے مگر یہ مخالفت اس کے لئے نافع ہے کہ آدھ گز کپڑا مفت مل رہا ہے لہٰذا زائد ہونے کی صورت میں اختیار نہ ہوگا اور کم ہونے کی صورت میں چونکہ وصف مرغوب فوت ہوگیا اس لئے لینے نہ لینے میں اختیار ہوگا۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

فَصْلٌ يَدْخُلُ الْبِنَاءُ وَالْمَفَاتِيْحُ فِي بَيْعِ الدَّارِ وَالشَّجَرُ فِي بَيْعِ الْأَرْضِ بِلاَذِكْرٍ وَلاَ يَدْخُلُ الزَّرْعُ

(فصل) داخل ہوگی نیو اور کھٹکے گھر کی بیع میں اور درخت زمین کی بیع میں ذکر کئے بغیر اور نہیں داخل ہوگی کھیتی زمین کی بیع میں

فِي بَيْعِ الْأَرْضِ بِلاَتَسْمِيَةٍ وَلاَ الثَّمَرُ فِيْ بَيْعِ الشَّجَرِ اِلاَّ بِالشَّرْطِ وَيُقَالُ لِلْبَائِعِ اِقْطَعْهَا وَسَلِّمِ الْمَبِيْعَ

ذکر کئے بغیر اور نہ پھل درخت کی بیع میں مگر شرط کے ساتھ اور کہا جائیگا بائع سے کہ توڑ لے پھل اور حوالے کردے مبیع اور جس نے

وَمَنْ بَاعَ ثَمَرَةً بَدَا صَلاَحُهَا اَوْ لاَصَحَّ وَيَقْطَعُهُ الْمُشْتَرِيْ فِي الْحَالِ وَاِنْ شَرَطَ تَرْكَهَا عَلَى النَّخْلِ فَسَدَ.

بیچا پھل خواہ وہ کارآمد ہوا ہو یا نہ ہوا ہو تو صحیح ہے اور توڑ لے ان کو مشتری اسی وقت اور اگر شرط کرلی ان کو درختوں پر رہنے دینے کی تو بیع فاسد ہوگی۔

جو چیزیں تحت البیع داخل ہوتی ہیں اور جو نہیں داخل ہوتیں

توضیح اللغۃ: بناء نیو، عمارت، مفاتیح مفتاح کی جمع ہے اس سے مراد اغلاق ہیں اغلاق غلق (بفتحتین) کی جمع ہے بمعنی کلیدانہ و بندور یعنی آلۂ حدید جو دروازہ کھولنے اور بند کرنے کے لئے دونوں کیواڑوں میں کیلوں سے جڑا ہوتا ہے۔ بعض اہل ہند اس کو کھٹکا کہتے ہیں اور بعض بلیّن۔ اہل عرب اس کو ضبہ اور کیلون بولتے ہیں، زرع کھیتی، ثمر پھل، بدا بدو سے ہے نمودار ہونا، نخل کھجور کا درخت۔

تشریح الفقہ: قولہ ید خل الخ اس فصل کے مسائل تین قاعدوں پر مبنی ہیں اول یہ کہ جس چیز کو اسم مبیع عرفاً شامل ہو وہ بلاذکر بھی مبیع میں داخل ہوتی ہے۔ دوم یہ کہ جو چیز مبیع کے ساتھ باتصال قرار متصل ہو وہ بھی مبیع میں داخل ہوتی ہے۔ سوم یہ کہ جو چیز ان دو قسموں میں سے نہ ہو بلکہ حقوق و مرافق مبیع میں سے ہو تو وہ حقوق مبیع ذکر کرنے سے بیع میں داخل ہوتی ہے اور اگر حقوق مبیع ذکر نہ کئے ہوں تو مبیع میں داخل نہیں ہوتی۔ جب یہ قواعد سمجھ میں آگئے تو اب دیکھو ایک شخص نے مکان یا زمین فروخت کی اور مبیع میں دار و ارض کے علاوہ کسی اور شئی کو صراحۃً ذکر نہیں کیا تو عرفاً لفظ دار جن اشیاء کو شامل ہے وہ سب مبیع میں داخل ہوگئی مثلاً اس کی عمارت، کلیدانہ، نردبان (جو متصل ہو) تخت اور زینہ (جو زمین میں پیوست ہوں) وغیرہ اسی طرح زمین کی بیع میں درخت داخل ہوں گے خواہ وہ بارآور ہوں یا نہ ہوں چھوٹے ہوں یا بڑے ہوں کیونکہ درخت زمین کے ساتھ متصل باتصال قرار ہوتے ہیں۔ البتہ خشک درخت زمین کی بیع میں داخل نہ ہوں گے۔ کیونکہ وہ کاٹ دینے کی زد میں آچکے ہیں اسی طرح زمین کی بیع میں کھیتی اور درختوں کی بیع میں پھل ذکر کئے بغیر داخل نہ ہوں گے کیونکہ یہ چیزیں متصل باتصال قرار نہیں ہوتیں بلکہ کاٹنے کیلئے بوئی جاتی ہیں۔

قولہ والاالثمر الخ درخت کی بیع میں پھل شرط کے بغیر داخل نہ ہوگا۔ کیونکہ درخت کے ساتھ پھل کا اتصال گوخلقی ہے مگر ہمیشگی کے لئے نہیں ہے بلکہ کٹنے ہی کے لئے ہے۔ مصنف نے شجر کو مطلق رکھا ہے تو یہ ہر بار آور درخت کو شامل ہے خواہ وہ مئوبر ہو یا غیر مئوبر ائمہ ثلاثہ کے نزدیک کھجور کے پھل میں تابیر (۱) شرط ہے اگر تابیر ہوئی تو پھل بائع کا ہوگا ورنہ مشتری کا ہوگا۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس شخص نے کھجور کا وہ درخت بیچا جس کی تابیر ہو چکی ہو تو پھل بائع کا ہے مگر یہ کہ مشتری شرط لگائے جواب یہ ہے کہ یہ مفہوم صفت سے استدلال ہے جو اہل مذہب کے نزدیک مسلم نہیں (کمافی الاصول) ہماری دلیل وہ مرفوع حدیث ہے جو امام محمد نے اصل میں روایت کی ہے جو شخص ایسی زمین خریدے جس میں کھجور کے درخت ہوں تو پھل بائع کا ہے الا یہ کہ مشتری شرط لگالے۔ اس حدیث میں تابیر وعدم تابیر کی تفصیل نہیں تو یہ اپنے اطلاق پر رہے گی۔ سوال اس حدیث کا کہیں پتہ نہیں چلتا۔ چنانچہ علامہ زیلعی مخرج احادیث ہدایہ فرماتے ہیں کہ "انه غریب بهذا اللفظ" جواب حدیث مذکور سے امام محمد کا استدلال کرنا اس کی صحت کی دلیل ہے۔

قولہ ومن باع ثمرۃ الخ درختوں میں لگے ہوئے پھلوں کی بیع صحیح ہے خواہ ان کی صلاحیت ظاہر ہوگئی ہو یعنی وہ کارآمد ہو گئے ہوں یا نہ ہوئی ہو اس واسطے کہ وہ ایک قیمتی مال ہے جس سے فی الحال یا فی المال نفع حاصل کیا جا سکتا ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک کارآمد ہونے سے پہلے بیع صحیح نہیں

فائدہ: بیع ثمار کی چند صورتیں ہیں ان میں سے صرف ایک صورت میں اختلاف ہے اور باقی میں اتفاق (۱) پھلوں کی بیع ان کے کارآمد ہونے سے پہلے ہوئی اور یہ شرط لگائی گئی کہ لائق انتفاع پھلوں کو اتارلیا جائے گا تو یہ بالاتفاق صحیح ہے (۲) نمودار ہونے کے بعد کارآمد ہونے سے پیشتر بیع ہوئی اور یہ شرط لگائی گئی کہ بائع پھلوں کو درخت پر رہنے دیگا یہ بالاتفاق صحیح نہیں (۳) کارآمد ہو جانے کے بعد بیع ہوئی تو بالاتفاق صحیح ہے (۴) پھلوں کی بیع ان کی بڑھوتری تمام ہو جانے کے بعد ہوئی اور درخت پر رہنے دینے کی شرط لگائی گئی تو اس میں شیخین اور امام کا اختلاف ہے (وسیاتی بیانہ) پس امام صاحب اور ائمہ ثلاثہ کے مابین مختلف فیہ بیع وہ ہے جو پھلوں کے نمودار ہونے کے بعد کارآمد ہونے سے پہلے واقع ہو کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز نہیں اور ہمارے نزدیک جائز ہے۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھلوں کی بیع سے منع فرمایا ہے یہاں تک کہ ان کی صلاحیت ظاہر ہو اور کھجوروں کی بیع سے منع فرمایا ہے یہاں تک کہ ان میں رنگت آجائے یعنی سرخ یا زرد ہو جائے۔ نیز آپ نے انگور کی بیع سے منع فرمایا ہے یہاں تک کہ وہ سیاہی پکڑے۔ ہماری دلیل حدیث تابیر ہے (جو پہلے مذکور ہو چکی) کہ اس میں آپ نے شرط کر لینے سے پھل مشتری کا ٹھہرایا ہے۔ اور ظہور صلاح کی قید ذکر نہیں فرمائی جس سے پھلوں کی بیع کا جواز علی الاطلاق ثابت ہوا۔ رہی احادیث نہی سو وہ اپنے ظاہر پر نہیں کیونکہ ائمہ ثلاثہ کی نزدیک بیع ثمار قبل از ظہور صلاح بشرط قطع جائز ہے۔ معلوم ہوا کہ محل نہی کوئی مخصوص صورت ہے اور وہ یہ ہے کہ بیع ظہور صلاح سے قبل بشرط ترک ہو یعنی مشتری کچے پھل خرید لے اور یہ شرط لگائے کہ پکنے کے بعد اتاروں گا تو یہ ممنوع ہے کیونکہ اس میں آفت رسیدگی کا احتمال ہے یعنی ممکن ہے کہ پکنے سے کسی آفت سماویہ سے پھل خراب ہو جائے تو بائع کا مشتری کا مال کیونکر حلال ہوگا اس کی واضح دلیل نسائی وغیرہ کی روایت ہے جس میں یہی تعلیل مذکور ہے بخلاف اس کے کچے پھل کی بیع بشرط قطع ہو کہ یہ جائز ہے۔ کیونکہ اس میں احتمال مذکور کی گنجائش نہیں پس حدیث نہی اس کو شامل نہ ہوگی۔

قولہ وان شرط الخ اور اگر مشتری نے درختوں پر پھلوں کے قائم رکھنے کی شرط کر لی تو شیخین کے نزدیک بیع فاسد ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ شرط مقتضائے عقد کے خلاف ہے امام محمد صاحب فرماتے ہیں کہ اگر پھل بڑھ چکا ہو تو تعامل کی وجہ سے بیع جائز ہے۔ ائمہ ثلاثہ بھی اسی کے قائل ہیں اسی کو امام طحاوی نے اختیار کیا ہے قہستانی میں نہایہ سے منقول ہے کہ فتویٰ شیخین کے قول پر ہے۔ اور مضمرات میں ہے کہ فتویٰ امام محمد کے قول پر ہے۔ فلیتنبہ۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

---

(۱) ...... مادہ کھجور کا غلاف شگوفہ چیر کر اس میں نر کھجور کا شگوفہ ڈالنا تاکہ پھل خوب آئے ۱۲ منہ

ع...... ائمہ ستہ عن ابن عمر مالک عن انس بن مالک ۱۲ اصہ...... ابوداؤد ترمذی ابن ماجہ ابن حبان حاکم عن انس ۱۲

وَلَوِ اسْتَثْنٰى مِنْهَا اَرْطَالاً مَعْلُوْمَةً صَحَّ كَبَيْعِ بُرٍّ فِيْ سُنْبُلِهٖ وَبَاقِلاً فِيْ قِشْرِهٖ وَاُجْرَةُ الْكَيْلِ عَلَى الْبَائِعِ

اور اگر استثناء کرلیا ان سے چند معین رطلوں کا تو صحیح ہے جیسے بیع گیہوں کی اس کی بالی میں اور لوبئے کی اس کے چھلکے میں اور مزدوری ناپنے کی

وَاُجْرَةُ نَقْدِ الثَّمَنِ وَوَزْنِهٖ عَلَى الْمُشْتَرِيْ وَمَنْ بَاعَ سِلْعَةً بِثَمَنٍ سَلَّمَهٗ اَوَّلاً وَاِلاَّ مَعًا.

بائع پر ہے اور مزدوری دام پر کھنے کی اور اس کے تولنے کی مشتری پر ہے اور جس نے بیچا کوئی سامان نقد کے عوض تو دے سامان اولاد رنہ ایک ساتھ

توضیح اللغۃ: ارطال جمع رطل، بر گیہوں، سنبل خوشہ، باقلا لوبیا، قشر چھلکا، سلعۃ سامان۔

تشریح الفقہ: قولہ ولو استثنیٰ الخ ایک شخص نے درختوں پر لگے ہوئے یا کٹے ہوئے پھلوں کو فروخت کیا اور چند معین ارطال کا استثنا کرلیا تو بلحاظ ظاہر الروایہ استثناء کرنا صحیح ہے۔ امام مالک بھی یہی فرماتے ہیں۔ امام صاحب سے حسن کی روایت ہے کہ استثنا صحیح نہیں۔ امام طحاوی نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ اور امام شافعی وامام احمد کا بھی یہی قول ہے۔ کیونکہ استثنا کے بعد باقی ماندہ مبیع مجہول ہے لیکن ظاہر الروایہ یہ قول ہے یعنی استثنا صحیح ہے کیونکہ جو چیز تنہا فروخت ہوسکتی ہو اس کا استثنا کرنا صحیح ہے اور جو چیز تنہا فروخت نہ ہوسکتی ہوں اس کا استثنا صحیح نہیں۔ اور گیہوں کے ڈھیر سے ایک قفیر کی بیع اور پھلوں کے چند معین رطلوں کی بیع جائز ہے تو اس کا استثنا بھی جائز ہوگا بخلاف حمل اور اطراف حیوان کے کہ ان کی بیع تنہا جائز نہیں تو استثنا بھی صحیح نہ ہوگا۔ ثم محل الاختلاف ما اذا استثنی معینا فان استثنی جزا کربع وثلث فانه صحیح اتفاقاً۔

قولہ کبیع بر الخ ماقبل کیساتھ صحت وجواز میں تشبیہ مقصود ہے۔ یعنی معین ارطال کا استثنا صحیح ہے جیسے ہمارے نزدیک گیہوں کی بیع اس کی بال میں رہتے ہوئے اور لوبئے کی بیع اسکے چھلکے میں رہتے ہوئے جائز ہے۔ امام شافعی کے نزدیک سبز لوبئے کی بیع جائز نہیں اور گیہوں کی بیع کے متعلق دو قول ہے ایک یہ کہ جائز ہے اور دوم یہ کہ ناجائز ہے وہ یہ فرماتے ہیں کہ معقود علیہ غیر منتفع چیز کے ساتھ مستور ہے اور اس کا وجود عدم وجود کچھ معلوم نہیں۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ جو گیہوں بالوں میں ہیں وہ قابل انتفاع اور مال متقوم ہے۔ لہٰذا اس کی بیع جائز ہوگی جیسے بالوں میں رہتے ہوئے جو کی بیع بالاجماع جائز ہے۔

قولہ واجرة الکیل الخ جب کوئی چیز مکایلۃً فروخت کی جائے تو پیمانہ کرنے کی اجرت اسی طرح معدود، موزون، مذروع چیز کی بیع میں شمار کرنے، تولنے اور ناپنے کی مزدوری بائع پر ہے کیونکہ بائع پر تسلیم ابھی واجب ہے۔ اور تسلیم مبیع ان افعال کے بغیر حاصل نہیں ہوتی تو ان کی مزدوری بائع پر لازم ہوگی۔ اور ثمن پر کھنے اور اس کے بولنے کی اجرت مشتری پر لازم ہے لانه هو المحتاج الى تسليمه۔

قولہ ومن باع الخ اگر کوئی سامان درہم یا دنانیر کے عوض میں فروخت کیا جائے تو اولاً قیمت دی جائے گی تاکہ ثمن میں بائع کا حق معین ہوجائے کیونکہ مبیع میں مشتری کا حق نفس عقد سے معین ہوجاتا ہے لیکن ثمن میں بائع کا حق قبضہ کے بغیر معین نہیں ہوتا اس واسطے کے اثمان میں تعیین نہیں ہوتی۔ یہاں تک کہ اگر کسی معین اشرفی سے کوئی چیز خریدے تو اس کی جگہ دوسری اشرفی دے سکتا ہے۔ اور اگر سامان کو سامان کے عوض یا ثمن کے عوض میں فروخت کیا جائے تو دونوں بدل ساتھ ساتھ دیئے جائیں گے۔ کیونکہ سامان کی صورت میں دونوں غیر معین ہیں تو کسی ایک کو پہلے دینا ترجیح بلا مرجح ہے۔

وجوب اجرة نقدا لثمن على المشترى على رواية ابن سماعه عن محمد واما على رواية ابن رستم عنه فعلى البائع لان النقد يكون بعد التسليم والبائع هو المحتاج اليه ليميز ماتعلق به حقه من غيره اوليعرف المعيب ليرده ١٢ كشف.

باب خیار الشرط

باب خیار شرط کے بیان میں

صَحَّ لِلْمُتَبَايِعَيْنِ اَوْ لِاَحَدِهِمَا ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اَوْ اَقَلَّ وَلَوْ اَكْثَرَ لَا فَاِذَا اَجَازَ فِي الثَّلٰثِ صَحَّ.

صحیح ہے متعاقدین یا ان میں سے ایک کے لئے تین دن یا اس سے کم تک اور اگر زائد ہو تو نہیں پس جب جائز رکھے تین دن کے اندر تو بیع صحیح ہوگی۔

قولہ باب الخ خیار بمعنی اختیار ہے اور اضافت از قبیل حکم الی السبب ہے۔ یعنی وہ اختیار جو بائع اور مشتری کو شرط کر لینے کیوجہ سے حاصل ہوتا ہے صاحب درر نے کہا ہے کہ گا ہے بیع لازم ہوتی ہے اور گا ہے غیر لازم لازم وہ ہے جس میں شرائط بیع موجود ہونے کے بعد اختیار نہ ہو۔ اور غیر لازم وہ ہے جس میں اختیار ہو اور چونکہ بیع لازم اقوی ہے اس لئے مصنف نے پہلے بیع لازم کو ذکر کیا اس کے بعد غیر لازم کو ذکر کر رہا ہے۔ مستصفی میں ہے کہ علل کی دو قسمیں ہیں عقلیہ شرعیہ۔ عقلیہ وہ ہے جس میں علت سے حکم تراخی جائز نہ ہو جیسے اسود کیساتھ سواد۔ قال الشیخ ابو نصر العلة العقلية ما اذا وجد يجب الحكم به۔ حلت شرعیہ جیسے حج کیلئے بیت اللہ شریف نماز کیلئے اوقات ملک کے لئے بیع اس قسم میں علت سے حکم کی تراخی جائز ہوتی ہے۔ پھر موانع کی چند قسمیں ہیں (۱) جو انعقاد علت سے مانع ہو جیسے بیع کی نسبت کسی آزاد کی طرف کرنا (۲) جو تمامی علت سے مانع ہو جیسے بیع کی نسبت غیر مال کی طرف کرنا (۳) جو ابتداء حکم سے مانع ہو جیسے خیار شرط (۴) جو تمامی حکم سے مانع ہو جیسے خیار رویت (۵) جو لزوم حکم سے مانع ہو جیسے خیار عیب۔ تو خیار شرط چونکہ حکم سے مانع ہوتا ہے اسلئے مصنف نے پہلے اس کو ذکر کیا پھر خیار رویت کو اسکے بعد خیار عیب کو۔

قولہ صح الخ خیار شرط کو خلاف قیاس ہے۔ نیز حدیث میں بیع اور شرط کی ممانعت بھی موجود ہے۔ مگر چونکہ خیار شرط دیگر صحیح احادیث سے ثابت ہے اس لئے جواز کا قول لابدی ہے پس تین دن یا اس سے کم تک خیار شرط صحیح ہے دونوں کیلئے ہو یا کسی ایک کے لئے ۔روایت میں ہے کہ حبان بن منقذ بن عمرو انصاری ایک مرد ضعیف تھا اور اسکے سر میں زخم لگ گیا تھا جس کی وجہ سے عقل میں فتور آ گیا نیز زبان میں بھی ثقل تھا اور عموماً خرید و فروخت میں دھوکا کھا لیتا تھا تو آنحضرت صلعم نے اس کو تین دن کا اختیار دیا اور فرمایا کہ تو خرید کیا کر اور یہ کہدیا کہ لاخلابۃ یعنی مجھکو فریب نہ دینا۔ پس یہ لاخلابۃ کہدیا کرتا تھا اور خرید کر گھر والوں کے پاس آتا وہ کہتے یہ تو گراں قیمت ہے تو جواب دیتا کہ آنحضرت صلعم نے مجھکو بیع میں اختیار دیا ہے۔

قولہ ولو اکثر الخ خیار شرط کی چند صورتیں ہیں (۱) مشتری یہ کہے کہ مجھکو اختیار ہے یا چند روز تک اختیار ہے یا ہمیشہ کیلئے اختیار ہے۔ یہ صورت بالاتفاق فاسد ہے۔ (۲) یہ کہے کہ مجھکو تین دن یا اس سے کم کا اختیار ہے (۳) تین دن سے زائد کی شرط لگائے مثلاً ماہ دو ماہ یہ صورت مختلف ہے۔ مثلاً اگر مبیع ایسی شئی ہو جو ایک آدھ سے زائد باقی نہ رہ سکے جیسے فواکہ وغیرہ تو ان کے یہاں ایک دن سے زائد اختیار ہوگا اور اگر ایسی شئی ہو جس کے وصف پر تین دن میں آگہی نہیں ہو سکتی تو تین دن سے زائد تک خیار شرط ہو سکتا ہے صاحبین یہ فرماتے ہیں کہ خیار شرط کی مشروعیت غور و فکر کرنے کے پیش نظر ہے جس میں کبھی تین دن سے زائد کی بھی ضرورت واقع ہوتی ہے۔ پس یہ ایسا ہو گیا جیسے تاجیل ثمن کے مقتضی عقد کے خلاف ہونے کے باوجود تاجیل ثمن جائز ہے مدت کم ہو یا زائد۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ شرط خیار مقتضی عقد (یعنی لزوم بیع) کے خلاف ہے اس لئے اس کا جواز مورد نص تک ہی محدود ہوگا اور نص سے صرف تین دن کی اجازت ہے۔

ع ...... حاکم، شافعی، بیہقی عن ابن عمر، ابن ماجہ دارقطنی، بخاری (فی تاریخہ الوسط) ۱۲

ع ...... ابن ابی شیبہ عن محمد بن یحیٰ (مرسلا طبرانی عن) عمر (فی مضاہ) سنن اربعہ عن انس (بغیر ذکر الخیار ۱۲

لانہ انعقد فاسدا فلا ینقلب صحیحاً۔ عبد الرزاق عن انس، دارقطنی عن ابن عمر ۱۲

چنانچہ روایت میں ہے کہ ایک شخص نے اونٹ خریدا اور چار دن کا اختیار شرط کرلیا تو آپ نے بیع کو باطل کردیا اور فرمایا کہ اختیار تین ہے دن ہے' پھر تین دن سے زائد خیار شرط ہونے کی صورت میں اگر صاحب خیار نے تین دن کے اندر لزوم بیع کی اجازت دیدی تو امام صاحب کے نزدیک بیع جائز ہوجائے گی کیونکہ اس نے مفسد بیع کو قبل از تقرر ساقط کردیا۔امام شافعی کے نزدیک جائز نہ ہوگی۔

وَلَوْ بَاعَ عَلٰى اَنَّهٗ اِنْ لَمْ يُنَقِّدِ الثَّمَنَ اِلٰى ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ فَلَا بَيْعَ صَحَّ وَاِلٰى اَرْبَعَةٍ لَا فَاِنْ نَقَدَ فِي الثَّلٰثِ صَحَّ

اگر اس شرط پر بیچا کہ اگر تین دن تک دام نہ دے تو بیع صحیح نہ ہوگی تو یہ صحیح ہے اور چار دن تک صحیح نہیں پھر اگر دام دیدے تین دن میں تو صحیح ہوجائیگی

وَخِيَارُ الْبَائِعِ يَمْنَعُ خُرُوْجَ الْمَبِيْعِ عَنْ مِلْكِهٖ وَبِقَبْضِ الْمُشْتَرِيْ يَهْلِكُ بِالْقِيْمَةِ وَخِيَارُ الْمُشْتَرِيْ لَايَمْنَعُ وَلَا

بائع کا اختیار نہیں نکلنے دیتا مبیع کو اس کی ملک سے اور مشتری کے قبضہ سے ہلاک ہوگی قیمت کے عوض اور مشتری کا اختیار نہیں روکتا اور نہ وہ اس کا

يَمْلِكُهٗ وَبِقَبْضِهٖ يَهْلِكُ بِالثَّمَنِ كَتَعَيُّبِهٖ فَلَوِ اشْتَرٰى زَوْجَتَهٗ بِالْخِيَارِ بَقِيَ النِّكَاحُ فَاِنْ وَطِئَهَا لَهٗ اَنْ يَرُدَّهَا.

مالک ہوتا ہے اور اس کے قبضہ سے ہلاک ہوگی ثمن کے عوض جیسے معیوب ہونے کی صورت میں سو اگر بیوی کو خرید ا خیار کیساتھ تو نکاح باقی رہے گا اور وطی کے بعد اس کو لوٹا بھی سکتا ہے

تشریح الفقہ: **قولہ ولو باع الخ** ایک شخص نے کوئی چیز اس شرط پر خریدی کہ اگر تین دن تک ثمن نہ دے سکا تو ہمارے درمیان بیع نہیں گویا بیع بشرط خیار نقد ہوئی تو امام صاحب کے نزدیک بیع صحیح ہے مگر استحسانا قیاس کی رو سے بیع صحیح نہیں کیونکہ اس میں اقالہ کی شرط ہوگئی ۔اور اقالہ کی شرط سے بیع فاسد ہوجاتی ہے۔امام زفر اور ائمہ ثلاثہ اسی کے قائل ہیں۔اور اگر چار دن کی شرط لگائی تو بیع صحیح نہیں۔امام ابو یوسفؒ سے دو روایتیں ہیں اصح یہ ہے کہ آپ امام صاحب کے ساتھ ہیں' اب اگر مشتری تین دن کے اندر اندر ثمن ادا کردے تو شیخین اور امام محمد سب کے نزدیک بیع صحیح ہوجائے گی۔امام صاحب کے نزدیک تو اس لئے کہ خیار نقد خیار شرط کیساتھ ملحق ہے۔اور خیار شرط تین دن تک صحیح ہے۔اس سے زائد کی صورت میں صحیح نہیں تو خیار نقد بھی تین دن تک ہی صحیح ہوگا اس سے زیادہ صحیح نہ ہوگا' اور امام محمد کے نزدیک اس لئے صحیح ہے کہ ان کے یہاں خیار شرط میں تین دن کی تحدید نہیں۔امام ابو یوسف **فاخذفی الاصل بالا ثرو هوماروی ان ابن عمر اجاز الخيار الى شهرين وفى هذا بالقياس۔**

فائدہ: ہر عقد لازم محتمل الفسخ میں خیار شرط صحیح ہے جیسے مزارعۃ' معاملۃ' اجارہ' قسمت' صلح عن المال وغیرہ لازم کی قید سے وصیت نکل گئی کیونکہ موصی زندگی بھر وصیت میں رجوع کرسکتا ہے اور موصی لہ کو قبول وعدم قبول کا اختیار ہے۔اور محتمل الفسخ کی قید سے طلاق اور نکاح وغیرہ نکل گیا کہ ان میں خیار شرط نہیں' علامہ ابن عابدین نے کل عقود کو ان اشعار میں ذکر کیا ہے۔

یصح خیار الشرط فی ترک(۱)شفعة (۲)وبیع (۳) وابرأ ، (۴)ووقف (۵)کفاله
وفی (۶)قسمة (۷)خلع (۸)عتق (۹)اقاله ، (۱۰)وصلح عن الاموال ثم (۱۱)الحواله
(۱۲)مکاتبة (۱۳)رهن کذاک (۱۴)اجاره وزید(۱۵)مساقاة (۱۶)مزارعة له
وماصح فی (۱)صرف (۲)نکاح (۳)الیه وفی (۴)سلم (۵)نذر (۶)طلاق(۷)وکاله
کذالک (۸)اقرار وزید (۹)وصیته کما مربحثا فاغتنم ذی المقاله

(۱)......قیدہ بہ لانہ لو ہلک قبل القبض فلاشئی علیہ اتفاقا ۱۲۔قیل وقد رجع عنہ والذی رجع الیہ اومع محمد کذافی غایۃ البیان ۱۲ بحر

قوله وخیار البائع الخ اگر بیع میں خیار بائع کے لئے ہو تو مبیع بائع کی ملک سے نہیں نکلتی۔ کیونکہ بیع اس وقت تام ہوتی ہے جب جانبین کی رضا حاصل ہو جائے پس خیار کے ہوتے ہوئے بیع تام نہ ہوگی یہی وجہ ہے کہ مشتری کو مبیع میں تصرف کا حق نہیں۔ نیز اگر مبیع غلام ہو اور بائع اس کو آزاد کردے تو غلام آزاد ہو جاتا ہے۔ پھر اگر مشتری نے بائع کی اجازت سے مبیع پر قبضہ کرلیا اور مدت خیار میں مبیع ہلاک ہوگئی تو مشتری پر مبیع کا بدل لازم ہوگا یعنی مبیع قیمتی ہو اور مثلی ہو تو مثل واجب ہوگا کیونکہ خیار کی وجہ سے بیع موقوف تھی اور جب مبیع ہلاک ہوگئی تو محل ہی ختم ہوگیا لہٰذا بیع فسخ ہو جائے گی۔ کیونکہ بدون محل بیع نافذ نہیں ہو سکتی۔ پس مشتری کے پاس مبیع مقبوض علی سوم الشراء ہوئی۔ اور مقبوض علی سوم الشراء میں بدل واجب ہوتا ہے۔

قوله وخیار المشتری الخ اور اگر بیع میں خیار مشتری کیلئے ہو تو مبیع بائع کی ملک سے نکل جائے گی۔ اب اگر وہ مشتری کے قبضہ میں رہتے ہوئے ہلاک ہوئی تو بعوض ثمن ہلاک ہوگی۔ کیونکہ مبیع کا ہلاک ہونا مقدمہ عیب سے خالی نہیں اور عیب کے ہوتے ہوئے واپسی ممکن نہیں۔ پس بیع لزوم عقد کی صورت میں ہلاک ہوئی اور عقد لازم ہونے کے بعد مبیع کا ہلاک ہونا موجب ثمن ہوتا ہے نہ کہ موجب قیمت اخلافاً للشافعي (**فان عنده تجب القيمة**) پھر امام صاحب کے نزدیک مشتری اس کا مالک نہ ہوگا۔ صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مالک ہو جائے گا اس واسطے کہ خیار مشتری کی وجہ سے مبیع بائع کی ملک سے نکل گئی۔ اب اگر مشتری بھی اس کا مالک نہ ہو تو زوال ملک لا الی مالک لازم آئے گا۔ جس کی شریعت میں کوئی نظیر نہیں۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ اگر مشتری کو مبیع کا مالک قرار دیا جائے تو دو خرابیاں لازم آتی ہیں۔ اول یہ کہ مشتری کی ملک میں بدلین یعنی مبیع اور ثمن کا جمع ہونا لازم آتا ہے۔ کیونکہ ابھی ثمن مشتری کی ملک سے نہیں نکلا۔ اور ایک شخص کی ملک میں بدلین جمع ہونے کی کوئی نظیر نہیں۔ بخلاف زوال ملک لا الی مالک کے اس کی نظیر موجود ہے مثلاً متولی کعبہ نے خدمت کعبہ کیلئے کوئی غلام خریدا تو وہ مالک کی ملک سے نکل جاتا ہے۔ اور کسی کی ملک میں داخل نہیں ہوتا۔ اسی طرح اگر ترکہ کا مال مستغرق بالدین ہو تو میت کی ملک سے نکل جاتا ہے اور ورثہ اور قرض خواہوں کی ملک میں داخل نہ ہوتا۔ یہی حال وقف کا ہے۔ دوسری خرابی یہ ہے کہ جس مصلحت کے لئے خیار کی مشروعیت ہے وہ مصلحت فوت ہو جاتی ہے۔ کیونکہ مبیع اگر مشتری کا کوئی قرابتدار غلام ہو تو وہ بلا اختیار فوراً آزاد ہو جائے گا۔ حالانکہ خیار کی مشروعیت غور وفکر کے لئے ہے تاکہ صاحب خیار اپنی مصلحت کے موافق عمل کرے۔

قوله بالثمن الخ ثمن اور قیمت کے درمیان فرق یہ ہے کہ جس مقدار پر متعاقدین راضی ہو جائیں خواہ وہ قیمت سے زائد ہو یا کم اس کو ثمن کہتے ہیں۔ اور جس سے شئی کو تقویم ہو یعنی بلا زیادتی ونقصان مالیت کی مقدار بمنزلہ معیار بلحاظ نرخ بازار اس کو قیمت کہتے ہیں۔

قوله فلو اشتری الخ امام مالک صاحب اور صاحبین کے اختلاف پر تفریع ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو بشرط خیار خرید لے اور بیوی کسی دوسرے کی باندی ہو تو امام صاحب کے نزدیک نکاح باقی رہے گا۔ کیونکہ مدت خیار میں زوجہ زوج کی ملک میں داخل نہیں ہوئی۔ ہاں جب خیار ساقط ہوگا تب نکاح باطل ہوگا اور صاحبین کے نزدیک بیوی خرید لینے کے بعد نکاح فسخ ہو جائے گا۔ کیونکہ ان کے نزدیک زوجہ ملک زوج میں داخل ہو چکی۔ اور اگر زوجہ مذکورہ ثیبہ ہو اور مشتری اس سے وطی کرلے تو امام صاحب کے نزدیک وطی کی بعد اس کو لوٹا سکتا ہے کیونکہ وطی ملک یمین کے واسطے سے نہیں ہوئی بلکہ ملک نکاح کے ذریعہ سے ہوئی ہے۔ صاحبین کے نزدیک نہیں لوٹا سکتا۔ خواہ وہ ثیبہ ہو یا باکرہ۔

فائدہ: امام صاحب اور صاحبین کے مذکورہ بالا اختلاف پر پندرہ مسائل متفرع ہوتے ہیں۔ جن کی طرف بعض حضرات نے اتحق عزک قم تنصدر کے مجموعہ سے اشارہ کیا ہے۔ الف سے لمۃ منکوحہ مشتراۃ کی طرف اشارہ ہے اور سین استبراء رحم کی طرف اور حاء سے محرم کی طرف اور قاف سے منکوحہ مشتراۃ کے قربان کی طرف عین سے ودیعت کی طرف (جو مشتری بائع کے پاس رکھدی ہو) زاء سے زوجہ مشتراۃ کی طرف (**لو ولدت في يد البائع لم تصر ام ولد**) کاف سے کسب عبد کی طرف (**فكسبه في المدة للبائع بعد الفسخ** خاء سے خمر کی طرف (اگر ذمی نے ذمی سے خریدی پھر مشتری مسلمان ہوگیا تو شراب بائع کی ہوگی) میم سے ماذون کی طرف (

فلو ابراہ البائع عن الثمن صح استحساناً) تاء اول سے تعلیق کی طرف (کان ملکتہ فھو حر فشراہ بخیار لم یعتق) تاء ثانی سے استدامت کی طرف (یعنی اجارہ یا اعارہ کے سبب سے دوام سکنی اختیار نہیں) صاد سے صید کی طرف (فلو اشتراہ بخیار فاحرم بطل البیع) دال سے زوائد کی طرف (یعنی جو چیزیں مدت خیار میں پیدا ہوں وہ فسخ بیع کے بعد بائع کی ہوں گی) راء سے عصیر کی طرف (کہ اگر وہ مسلمان بشرط خیار شیرہ انگور فروخت کیا اور مدت خیار میں وہ شراب بن جائے تو بیع فاسد ہو جائے گی۔　محمد حنیف غفرلہٗ گنگوہی

وَلَوْ اَجَازَ مَنْ لَهُ الْخِيَارُ بِغَيْبَةِ صَاحِبِهٖ صَحَّ وَلَوْ فَسَخَ لَا　وَ　تَمَّ الْعَقْدُ بِمَوْتِهٖ

اور اگر جائز رکھا صاحب خیار نے اپنے ساتھی کی عدم موجودگی میں تو صحیح ہے اور اگر فسخ کیا تو صحیح نہیں اور تمام ہو جاتا ہے عقد اس کے مرجانے

وَمُضِيِّ الْمُدَّةِ وَالْاِعْتَاقِ وَتَوَابِعِهٖ وَالْاَخْذِ بِشُفْعَةٍ وَلَوْ شَرَطَ الْمُشْتَرِيْ الْخِيَارَ لِغَيْرِهٖ

اور مدت گزر جانے اور آزاد کرنے اور آزادی کے توابع یعنی مکاتب یا مدبر کرنے اور بطریق شفعہ لینے سے اور اگر شرط کر لیا مشتری نے خیار

صَحَّ وَاَيُّهُمَا اَجَازَ اَوْ نَقَضَ صَحَّ فَاِنْ اَجَازَ اَحَدُهُمَا وَنَقَضَ الْاٰخَرُ فَالْاَسْبَقُ اَحَقُّ

دوسرے کیلئے تو صحیح ہے اب ان میں سے جو شخص جائز یا فسخ کرے صحیح ہے پس اگر جائز کیا ان میں سے ایک نے اور فسخ کیا دوسرے نے تو سابق احق ہوگا

وَاِنْ كَانَا مَعًا فَالْفَسْخُ وَلَوْ بَاعَ عَبْدَيْنِ عَلٰى اَنَّهٗ بِالْخِيَارِ فِيْ اَحَدِهِمَا اِنْ فَصَّلَ وَعَيَّنَ صَحَّ وَاِلَّا لَا.

اور اگر دونوں نے ایک ہی ساتھ کیا تو بیع فسخ ہوگی اور اگر بیچا دو غلاموں کو اس شرط پر کہ ان میں سے ایک میں اختیار ہے تو اگر اس نے تفصیل و تعیین کردی تب صحیح ہے ورنہ صحیح نہیں۔

تشریح الفقہ: قولہ ولو اجاز الخ بائع اور مشتری میں سے کسی کو اختیار تھا اس نے بیع کو نافذ کر دیا تو بیع نافذ ہو جائے گی۔ گو دوسرا ساتھی اس سے ناواقف ہو لیکن اگر دوسرے کی عدم موجودگی میں بیع کو فسخ کیا تو طرفین کے نزدیک بیع فسخ نہ ہوگی جب تک کہ دوسرے عاقد کو مدت خیار میں اس کا علم نہ ہو جائے۔ امام ابو یوسف امام زفر اور ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ بیع فسخ ہو جائے گی۔ کیونکہ صاحب خیار دوسرے عاقد کی جانب سے فسخ بیع پر مسلط ہے تو جس طرح صاحب خیار کا بیع کو جائز کرنا دوسرے عاقد کے علم پر موقوف نہیں۔ اسی طرح بیع کو فسخ کرنا بھی اس کے علم پر موقوف نہ ہوگا۔ طرفین یہ فرماتے ہیں کہ بیع کو فسخ کرنا دوسرے کے حق میں تصرف کرنا ہے۔ اور یہ تصرف دوسرے کے حق میں مضر ہے لہٰذا اس کے علم پر موقوف ہوگا بخلاف نفاذ کے بیع کو نافذ کرنے میں دوسرے کا کوئی نقصان لازم نہیں آتا۔

قولہ وتم العقد الخ مذکورہ ذیل امور میں سے کسی امر کے پائے جانے سے عقد بیع تمام ہو جاتا ہے (۱) صاحب خیار کا مرجانا۔ خواہ بائع ہو یا مشتری اگر بائع صاحب خیار تھا تو ثمن اس کے وارثوں کے ملک میں داخل ہوگا اور مشتری صاحب خیار تھا تو مبیع اس کے وارثوں کی ملک میں داخل ہوگی۔ پھر ہمارے یہاں خیار شرط میں وراثت جاری نہیں ہوتی۔ یعنی وارثوں کے فسخ کرنے سے بیع فسخ نہ ہوگی۔ امام شافعی امام مالک کے یہاں خیار شرط میں وارثت جاری ہوتی ہے۔ وہ یہ فرماتے ہیں کہ خیار شرط حق لازم ہے۔ لہٰذا اس میں وارثت جاری ہوگی جیسے خیار عیب اور خیار تعیین میں وارثت جاری ہوتی ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ وارثت ان امور میں جاری ہوتی ہے۔ جن میں انتقال متصور ہو سکے جیسے اعیان وذوات۔ اور خیار ارادے اور مشیت کا نام ہے۔ جس میں انتقال متصور نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ مورث کا

(۱) وھو البائع ان کان الخیار للمشتری وھو ان کان الخیار للبائع ۱۲۔ (۲) قید بخیار الشرط لان خیار العیب والرویہ یثبت بغیر العاقدین ۱۲ بحر الرائق بحذف (۳) ای فالفسخ احق من الاجازۃ قوی لان المجاز یلحقہ الفسخ والمفسوخ لاتلحقہ الاجازۃ ۱۲ زیلعی و کشف۔
لانہ عساہ یعتمد تمام البیع السابق فیتصرف فیہ فیلزمہ غرامۃ القیمۃ بالھلاک فیما اذا کان الخیار للبائع اولا یطلب لسلعتہ مشتریا فیما اذا کان الخیار للمشتری وہذا نوع ضرر ۱۲

ارادہ اس کی موت سے منقطع ہوگیا لہذا اس میں وارثت جاری نہیں ہوسکتی۔ اور خیار شرط خیار عیب وخیار تعیین پر قیاس کرنا صحیح نہیں۔ اس واسطے کے مورث اس بیع کا مستحق ہے۔ جو عیب سے سالم ہو تو اس کا وارث بھی صحیح سالم کا مستحق ہوگا کیونکہ وہ اس کا خلیفہ ہے۔ پس وارث کے لئے ثبوت خیار بطور خلافت ہوا نہ کہ بطور وراثت۔ اسی طرح وارث کے تعیین کا ثابت ہونا اس لئے نہیں کہ وہ مورث کے خیار کا وارث ہے بلکہ اس لئے ہیں کہ اس کی ملک دوسرے کی ملک کے ساتھ مخلوط ہے۔ (۲) مدت خیار کا گزر جانا۔ خواہ خیار بائع کے لئے ہو یا مشتری کیلئے۔ اگر صاحب خیار کو بیماری یا بیہوشی کی وجہ سے معلوم نہ ہو کہ مدت خیار گزر گئی بہر حال بیع تمام ہوجائے گی۔ **کذافی الاختیار خلافاً لمالک**:۔

قولہ والا عتاق الخ (۳) صاحب خیار کا آزاد کردینا۔ اگر چہ غلام کا کچھ حصہ آزاد کیا ہو (۴) توابع اعتاق یعنی تدبیر اور کتابت کا پایا جانا۔ مگر ان دونوں کے ذریعہ بیع تمام ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ خیار مشتری کے لئے ہو اور اسی سے ان افعال کا صدور ہوا ہو اگر خیار بائع کیلئے ہوگا تو بیع تمام نہ ہوگی بلکہ فسخ ہوجائے گی۔ (۵) جس مکان کو خیار شرط ساتھ خریدا ہو اس کے واسطے شفعہ طلب کرنا۔ مثلاً زید نے ایک مکان بشرط خیار خریدا پھر اس کے پڑوس میں دوسرا مکان فروخت ہوا اور زید نے پہلے مکان کے سبب سے اس دوسرے مکان کا شفعہ طلب کیا تو پہلے مکان کی بیع تمام ہوگئی گو اس نے ابھی وہ مکان نہ لیا ہو۔ کیونکہ شفعہ طلب کرنا اجازت بیع کی دلیل ہے۔ اس واسطے کہ حق شفعہ بلا ملک نہیں ہوسکتا۔ جب اس نے ملک اختیار کرلی تو شرط خیار ساقط ہوگئی لہذا بیع تمام ہوجائے گی۔

قولہ ولو شرط المشتری الخ اگر مشتری نے (یا بائع نے) کسی اجنبی کیلئے خیار کی شرط کرلی تو یہ بھی صحیح ہے مگر استحساناً قیاس کی رو سے جائز نہیں۔ چنانچہ امام زفر اسی کے قائل ہیں اس واسطے کہ خیار احکام عقد میں سے ہے۔ پس غیر کیلئے اس کی شرط کرنا مقتضی عقد کے خلاف ہے۔ وجہ استحسان یہ ہے کہ اکثر اوقات بیع میں اس کی بھی ضرورت واقع ہوتی ہے کہ خیار کسی ایسے اجنبی کیلئے ہو جو خرید وفروخت کے معاملہ میں مہارت رکھتا ہو۔ اب غیر کے لئے ثبوت خیار کی دو صورتیں ہیں یا تو بالا صالۃ ہو یا بالنیابۃ پہلی صورت باطل ہے کیونکہ غیر کیلئے بالاصالۃ ثبوت خیار کے کوئی معنی ہی نہیں تو لامحالہ دوسری صورت اختیار کی جائے گی۔ پس خیار اولاً عاقد کیلئے ہوگا اس کے بعد اجنبی اس کا نائب قرار پائے گا اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ پھر نائب ونیب میں سے جو کوئی عقد بیع کو نافذ یا فسخ کرے صحیح ہے لیکن اگر ایک نے جائز کیا اور دوسرے نے فسخ کیا تو جو پہلے نافذ یا فسخ کریگا اسی کا اعتبار ہوگا۔ اور اگر دونوں نے ایک ساتھ نافذ یا فسخ کیا تو فسخ اولیٰ ہوگا **کمافی الاختیار وصححہ قاضی خان وقال الزیلعی ھوا لاصح وبہ جزم المصنف و کثیر من اصحاب المتون**۔

قولہ ولو باع عبدین الخ ایک شخص نے دو غلام فروخت کئے اور ایک غلام میں اختیار کی شرط کرلی تو اگر اس نے ہر ایک کی قیمت علیحدہ علیحدہ بیان کردی اور جس غلام میں اختیار کی شرط کی اس کو معین کردیا مثلاً یوں کہا کہ میں نے تیرے ہاتھ ان دونوں غلاموں میں سے ہر ایک کو پانچ پانچ سو کے عوض میں اس شرط پر فروخت کیا کہ مجھکو اس خاص غلام میں اختیار ہے تو ثمن اور مبیع ہر دو معلوم ہونے کی وجہ سے بیع صحیح ہے۔

فائدہ: اس مسئلے کی چار صورتیں ہیں ایک صحیح اور تین فاسد ہیں۔ صحیح صورت تو اوپر مذکور ہوچکی۔ باقی تین صورتین یہ ہیں (۱) نہ ثمن کی تفصیل ہو نہ اس غلام کی تعیین جس میں اختیار ہے۔ یہ صورت ثمن اور مبیع ہر دو مجہول ہونے کی وجہ سے فاسد ہے۔ جہالت ثمن تو ظاہر ہے۔ جہالت مبیع کی وجہ یہ ہے کہ جس غلام میں اختیار ہے وہ تو گویا عقد ہی سے خارج ہے۔ اس واسطے کہ خیار کے ہوتے ہوئے بیع حکم کے لحاظ سے منعقد نہیں ہوتی تو داخل عقد صرف ایک غلام رہا اور وہ مجہول ہے۔ (۲) ثمن کی تفصیل ہو اور غلام کی تعیین نہ ہو۔ (۳) غلام کی تعیین ہو اور ثمن کی تفصیل نہ ہو یہ دونوں صورتیں بھی فاسد ہیں۔ کیونکہ ایک میں مبیع مجہول ہے اور دوسری میں ثمن مجہول ہے۔ یہی چار صورتیں اس وقت بھی ہوسکتی ہیں جب خیار مشتری کے لئے ہو تو درصورت تفصیل ثمن تعیین مبیع بیع صحیح ہوگی اور اگر دونوں نہ ہوں یا صرف تعیین ہو یا صرف تفصیل ہو تو بیع صحیح نہ ہوگی۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَصَحَّ خِيَارُ التَّعْيِيْنِ فِيْمَا دُوْنَ الْاَرْبَعَةِ وَلَوْ اِشْتَرَيَا عَلٰى اَنَّهُمَا بِالْخِيَارِ فَرَضِيَ اَحَدُهُمَا لَا يَرُدُّهُ الْاٰخَرُ

اور صحیح ہے خیار تعیین چار سے کم میں اور اگر خرید ادو آدمیوں نے اس شرط پر کہ دونوں کو اختیار ہے پھر ایک راضی ہو گیا تو دوسرا اس کو واپس نہیں کر سکتا

وَلَوْ اِشْتَرٰى عَبْدًا عَلٰى اَنَّهٗ خَبَّازٌ اَوْ كَاتِبٌ فَكَانَ بِخِلَافِهٖ اَخَذَهٗ بِكُلِّ الثَّمَنِ اَوْ تَرَكَهٗ.

اور اگر خریدا غلام اس شرط پر کہ وہ نانبائی یا کاتب ہے اور وہ اس کے خلاف نکلا تو لے اس کو کل ثمن کیساتھ یا چھوڑ دے

تشریح الفقہ: قولہ وصح الخ چار سے کم یعنی دو تین چیزوں میں مشتری کے لئے خیار تعیین صحیح ہے۔ مثلاً بائع مشتری سے کہے کہ میں نے ان غلاموں سے ایک تیرے ہاتھ فروخت کیا اس شرط پر کہ تو ان میں سے ایک کو پسند کر لے۔ خیار تعیین کا جواز مبنی بر استحسان ہے قیاس کی رو سے جائز نہیں کیونکہ مبیع مجہول ہوتی ہے۔ چنانچہ امام زفر اور امام شافعی جواز کے قائل نہیں۔ وجہ استحسان یہ ہے کہ خیار کی مشروعیت غبن سے بچنے کیلئے ہے خوب اچھی طرح سوچکر جس کو اپنے لئے مناسب سمجھے خرید لے۔ اور یہ ضرورت خیار تعیین میں بھی محقق ہے اس لئے خیار شرط کی طرح خیار تعیین بھی جائز قرار پایا۔ پھر اس ضرورت کا حال چونکہ تین میں بخوبی ہو سکتا ہے کیونکہ تین میں عمدہ، ناقص اور متوسط تینوں درجے ہوتے ہیں اس لئے تین سے زائد میں خیار تعیین کی حاجت نہیں۔

تنبیہ: خیار تعیین صرف قیمت والی چیزوں میں صحیح ہے مثلیات میں صحیح نہیں۔ قیمت والی چیزیں وہ ہیں جن کے افراد میں تفاوت ہو جیسے باندی، غلام، کپڑا، کتاب وغیرہ اور مثلی چیزیں وہ ہیں جن کے افراد یکساں ہوں جیسے کیلی اور وزنی چیزیں تو جب مثلیات میں تفاوت نہیں ہوتا تو ان میں خیار تعیین کی شرط کرنا بے فائدہ ہے۔ ولم یذکر المصنف خیار الشرط مع خیار التعیین للاختلاف فقیل یشترط وقیل لا۔

قولہ ولو اشتریا الخ دو آدمیوں میں بالاشتراک کوئی چیز بشرط خیار خریدی پھر ان میں سے ایک راضی ہو گیا تو امام صاحب کے نزدیک دوسرا شخص اپنے حصہ کو واپس نہیں کر سکتا۔ بلکہ اس کا خیار باطل ہو گیا۔ صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک واپس کر سکتا ہے۔ یہی اختلاف خیار عیب اور خیار رویت کی صورت میں ہے یعنی ایک نے اس چیز کو دیکھ کر پسند کیا اور دوسرے نے ناپسند کیا۔ یا ایک شخص عیب کے ساتھ راضی ہو گیا اور دوسرا نہ ہوا تو امام صاحب کے نزدیک دوسرا شخص واپس نہیں کر سکتا۔ صاحبین کے نزدیک کر سکتا ہے۔ صاحبین یہ فرماتے ہیں کہ شریکین کے لئے خیار ثابت کرنا ان سے میں ہر ایک کیلئے ثابت کرنا ہے پس ایک کے ساقط کرنے سے دوسرے کا خیار ساقط نہ ہوگا۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ واپس کرنے کی صورت میں بائع کا نقصان لازم آتا ہے۔* کیونکہ اس سے قبل وہ اس کا بلاشرکت مالک تھا۔ اور اب اس کا دوسرا شخص شریک ہو گیا اور شرکت بلاشبہ عیب ہے۔ کیونکہ مشترک چیز میں ہر شریک بالاستقلال تصرف نہیں کر سکتا۔

قولہ ولو اشتری الخ ایک شخص نے غلام اس شرط پر خریدا کہ وہ نان پز یا کاتب ہے یعنی یہ اس کا پیشہ ہے۔ پھر وہ اس کے خلاف ظاہر ہوا یعنی اس میں یہ ہنر نہ پایا گیا تو مشتری کو اختیار ہے چاہے پوری قیمت دے کر لیلے اور چاہے چھوڑ دے۔ لینے کی صورت میں پوری قیمت اسلئے لازم ہے کہ اوصاف کے مقابلہ میں قیمت نہیں۔ کیونکہ اوصاف تبع ہوتے ہیں نہ کہ اصل۔ اور چونکہ نان پزی اور کتابت مرغوب اوصاف ہیں۔ اس لئے ان کے نہ ہونے کی صورت میں رد مبیع کا اختیار ہوگا۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

---

* ای ان امکن لانہ لو تعذرا الرد بسبب رجع المشتری علی البائع بالنقصان فی ظاہر الروایۃ وھوا لاصح ۱۲ مجمع الانہر

بَابُ خِيَارِ الرُّؤْيَةِ

باب خیار رویت کے بیان میں

شِرَاءُ مَالَمْ يَرَهُ جَائِزٌ وَلَهُ اَنْ يَرُدَّهُ اِذَا رَاٰهُ وَاِنْ رَضِيَ قَبْلَهُ وَلاَ خِيَارَ لِمَنْ بَاعَ مَالَمْ يَرَهُ

خریدنا بے دیکھی چیز کو جائز ہے اور وہ اس کو واپس کر سکتا ہے دیکھنے کے بعد گو اس سے پہلے راضی ہو گیا ہو اور نہیں ہے اختیار اس کو جو بیچے بے دیکھی چیز کو

وَيَبْطُلُ بِمَايَبْطُلُ بِهٖ خِيَارُ الشَّرْطِ وَكَفٰى رُؤْيَةُ وَجْهِ الصُّبْرَةِ وَالرَّقِيْقِ وَالدَّابَّةِ وَكَفَلِهَا.

اور باطل ہو جاتا ہے ان چیزوں سے جن سے باطل ہو جاتا ہے خیار شرط اور کافی ہے دیکھنا ڈھیر اور غلام کے چہرہ کو اور جانور کے منہ اور اس کے پٹھے کو

تشریح الفقہ: **قولہ باب الخ** خیار عیب لزوم حکم سے مانع ہوتا ہے اور خیار رویت تمامیت حکم سے مانع ہوتا ہے اور لزوم حکم تمامیت حکم کے بعد ہوتا ہے اس لئے مصنف نے خیار رویت کو خیار عیب پر مقدم کیا ہے خیار الرویۃ میں اضافت مسبب الی السبب ہے یعنی وہ اختیار جو مشتری کو مبیع دیکھنے کے بعد حاصل ہوتا ہے' خیار رویت چار مقام میں ثابت ہوتا ہے (۱) اعیان وذوات کی خریداری میں (۲) اجارہ میں (۳) قسمت میں (۴) اس صلح میں جو مال کے دعوی سے کسی معین شئی پر ہو پس دیون ونقود اور ان عقود میں خیار رویت نہ ہوگا جو فسخ کرنے سے فسخ نہیں ہوتے جیسے مہر' بدل خلع' بدل صلح عن القصاص' فتح القدیر میں ہے کہ جب دیون میں خیار رویت نہیں ہے تو مسلم فیہ میں خیار رویت نہ ہوگا۔

قولہ شراء الخ احناف' موالک' حنابلہ سب کے نزدیک بے دیکھی چیز خریدنا جائز ہے اور دیکھنے کے بعد مشتری مختار ہے لے یا نہ لے گو دیکھنے سے قبل راضی ہو چکا ہو امام شافعی کے یہاں بے دیکھی چیز خریدنے سے عقد ہی باطل ہے کیونکہ مبیع مجہول ہے ہماری دلیل حضور صلعم کا ارشاد ہے کہ "جو شخص ایسی چیز خریدے جس کو اس نے نہیں دیکھا تو دیکھنے کے بعد اس کو اختیار ہے چاہے لے چاہے ترک کرے۔"

قولہ ولاخیار الخ بائع کو بن دیکھی چیز فروخت کرنے پر اختیار نہیں مثلاً کسی کو کوئی چیز وراثت میں ملی اور اس نے بے دیکھے فروخت کر دی تو اس کو دیکھنے کے بعد فسخ بیع کا اختیار نہیں ہدایہ وغیرہ میں تصریح ہے کہ امام صاحب اولاً بائع کیلئے "ثبوت خیار رویت کے قائل تھے بعد میں اس سے رجوع کر لیا وجہ رجوع یہ ہے کہ مذکورہ بالا حدیث میں خیار رویت شراء کے ساتھ خاص ہے پس بلا شراء ثابت نہ ہوگا۔ نیز حضرت طلحہؓ نے حضرت عثمان سے کچھ مال خریدا لوگوں نے کہا آپ گھاٹے میں پڑ گئے آپ نے فرمایا تو حضرت جبیرؓ نے فرمایا کہ خیار طلحہ کیلئے ہے نہ کہ عثمان کیلئے۔

قولہ ویبطل الخ جن امور سے خیار شرط باطل ہو جاتا ہے جیسے تعیب وتصرف وغیرہ انھی امور سے خیار رویت باطل ہو جاتا ہے اب اگر صاحب خیار نے ایسا تصرف کیا جو واقع ہونے کے بعد مرتفع نہ ہو سکتا ہو جیسے غلام کو مدبر یا آزاد کر دینا یا تصرف یا تصرف کیا جس سے غیر کا حق ثابت ہوتا ہو جیسے بیع مطلق رہن اجارہ تو ایسے امور سے خیار رویت باطل ہو جائے گا خواہ رویت سے پہلے ہو یا رویت کے بعد اگر اس سے غیر کا حق ثابت نہ ہوتا ہو جیسے بشرط خیار فروخت کرنا تو ایسا تصرف قبل از رویت مبطل نہیں بعد از رویت مبطل ہے۔

قولہ و کفت الخ رویت کے سلسلے میں کل مبیع کو دیکھنا ضروری نہیں بلکہ اتنا حصہ دیکھ لینا کافی ہے جس سے مبیع کا حال معلوم ہو جائے جیسے کیلی اور وزنی چیزوں کے ڈھیر کی ظاہری سطح کو اور غلام کے چہرہ کو دیکھ لینا کہ اس سے خیار رویت ختم ہو جائے گا کیونکہ بعض کا دیکھنا کل کا دیکھنا ہے ہاں اگر ڈھیر کے اندر ناقص اناج نکلے تو اسکو پھیر سکتا ہے لیکن خیار رویت کی وجہ سے نہیں بلکہ خیار عیب کی وجہ سے اور جن چیزوں کے افراد میں تفاوت ہو ان میں خیار ساقط نہ ہوگا جب تک سب کو نہ دیکھ لے۔

عہ......دار قطنی ابی ہریرۃ ابن ابی شیبہ بیہقی دار قطنی عن مکحول (مرسلا) ۱۲　　عہ......طحاوی بیہقی عن علقمہ بن ابی وقاص ۱۲۔

وَظَاهِرِ الثَّوْبِ مَطْوِيًّا وَدَاخِلِ الدَّارِ وَنَظَرُ وَكِيلِهِ بِالْقَبْضِ كَنَظَرِهِ لاَ نَظَرُ رَسُوْلِهِ
اور ظاہری تہ کو لپٹے ہوئے کپڑے کی اور گھر کے اندرونی حصہ کو اور وکیل بالقبض کا دیکھنا اس کے دیکھنے کے مانند ہے نہ کہ اس کے قاصد کا دیکھنا

وَصَحَّ عَقْدُ الاَعْمٰى وَيَسْقُطُ خِيَارُهُ اِذَا اشْتَرٰى بِجَسِّ الْمَبِيْعِ وَشَمِّهِ وَذَوْقِهِ وَفِي الْعِقَارِ بِوَصْفِهِ
اور صحیح ہے عقد نابینا کا اور ساقط ہو جاتا ہے اس کا اختیار جبکہ وہ خریدے مبیع کو ٹٹول کر یا اس کو سونگھ کر یا چکھ کر اور زمین میں اس کے وصف کیساتھ

وَمَنْ رَاٰى اَحَدَ الثَّوْبَيْنِ فَاشْتَرٰهُمَا ثُمَّ رَاٰى الاٰخَرَ لَهُ رَدُّهُمَا وَلاَ يُوَرَّثُ كَخِيَارِ الشَّرْطِ
اور جس نے دو میں سے ایک کپڑا دیکھا اور دونوں کو خرید لیا پھر دوسرا دیکھا تو وہ دونوں کو واپس کرسکتا ہے اور ورثہ میں نہیں آتا خیار شرط کی طرح

وَمَنْ اِشْتَرٰى مَارَاٰى خُيِّرَ اِنْ تَغَيَّرَ وَاِلاَّ لاَ وَاِنْ اِخْتَلَفَا فِي التَّغَيُّرِ فَالْقَوْلُ لِلْبَائِعِ
اور جس نے دیکھی ہوئی چیز خریدی تو اس کو اختیار دیا جائیگا اگر وہ متغیر ہوگئی ہو ورنہ نہیں اور اگر وہ اختلاف کریں تغیر میں تو بات بائع کی معتبر ہوگی

وَ لِلْمُشْتَرِيْ لَوْ فِي الرُّؤْيَةِ وَلَوْ اِشْتَرٰى عِدْلاً وَبَاعَ مِنْهُ ثَوْبًا
اور مشتری کا قول معتبر ہوگا اگر اختلاف دیکھنے میں ہو، اگر خریدا ایک گانٹھ اور بیچدیا اس میں سے ایک کپڑا

اَوْ وَهَبَ وَسَلَّمَ رَدَّهُ بِعَيْبٍ لاَ بِخِيَارِ رُؤْيَةٍ اَوْ شَرْطٍ.
یا ہبہ کردیا اور اس کے حوالے بھی کردیا تو واپس کرسکتا ہے اس کو عیب کے سبب سے نہ کہ خیار رویت یا خیار شرط کی وجہ سے

توضیح اللغۃ: مطوی لپٹا ہوا، جس چھونا، شم سونگھنا ذوق چکھنا، عقار زمین، عدل کپڑے کی گانٹھ۔

تشریح الفقہ: قولہ و ظاهر الخ امام صاحب اور صاحبین کے نزدیک لپٹے ہوئے کپڑے کی ظاہری تہ اور ظاہر دار یا گھر کے صحن کا دیکھ لینا کافی ہے امام زفر فرماتے ہیں کہ پورے کپڑے کو کھول کر اور گھر کی کوٹھریوں اور اسکے دالان کو دیکھنا بھی ضروری ہے ان دونوں مسئلوں میں امام زفر کا قول مختار ہے اور اسی پر فتوی ہے اور یہ اختلاف دراصل اختلاف عادات پر مبنی ہیکہ کوفہ اور بغداد کے مکانات میں چھوٹے بڑے اور نئے پرانے ہونیکے علاوہ اور کوئی اختلاف نہ ہوتا تھا اسلئے ائمہ ثلاثہ نے ظاہر کو دیکھ لینا کافی سمجھا اور آجکل مکانات میں غیر معمولی اختلاف ہوتا ہے چنانچہ گرمی سردی کے مکانات بالائی اور زیریں مکانات انکے باورچی خانے اور غسل خانے وغیرہ مختلف ہوتے ہیں اسلئے ان سب کو دیکھنا ضروری ہے۔

قولہ و نظر و كيله الخ ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ تو نے میری بن دیکھی خرید کردہ چیز پر قبضہ کرنے میں میرا وکیل ہے تو اس وکیل کا مبیع کو دیکھ لینا اسکے موکل کے دیکھنے کے مانند ہے کہ اب موکل اس چیز کو دیکھنے کے بعد خیار رویت کے لحاظ سے واپس نہیں کرسکتا اور اگر مشتری کے قاصد نے مبیع کو دیکھا تو اس کا دیکھنا مشتری کے دیکھنے کے مانند نہیں ہے یعنی مشتری دیکھنے کے بعد واپس کرسکتا ہے یہ حکم امام صاحب کے نزدیک ہے صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک وکیل بالقبض اور قاصد دونوں عدم اسقاط خیار رویت کے سلسلہ میں برابر ہے۔

قولہ وصح الخ نابینا آدمی کی خرید و فروخت صحیح ہے گو وہ مادرزاد نابینا ہو کیونکہ نابیناؤں کی طرح وہ بھی مکلف اور خرید و فروخت کا محتاج ہے امام شافعی کے یہاں مادرزاد نابینا کی بیع وشرا اصلا جائز نہیں اگر اس نے مبیع کو ٹٹول کر یا سونگھ کر یا چکھ کر خریدا ہو اور ٹٹولنے اور سونگھنے یا چکھنے سے مبیع کا حال معلوم ہو جاتا ہو تو اسکا خیار رویت ساقط ہو جائیگا اور جو چیزیں ٹٹولنے سونگھنے اور چکھنے سے معلوم نہیں ہوتیں ایسی چیزوں میں اوصاف بیع کا ذکر سے خیار رویت ساقط ہو جائیگا، اور اگر کسی بینا آدمی نے کوئی چیز بن دیکھے خریدی پھر وہ نابینا ہو گیا تو اسکا اختیار بیان وصف کی طرف منتقل ہو جائے گا۔

فائدہ: نابینا جملہ مسائل میں بیناؤں کی طرح ہے سوائے بارہ مسائل کے اس پر جہاد، جمعہ، جماعت، اور حج نہیں۔ گو کوئی راہبر مل جائے، اس میں شہادت، قضاء اور امامت عظمی یعنی بادشاہت کی صلاحیت نہیں اس کی آنکھ میں دیت نہیں (حکومت عدل ہے) اس کی اذان، امامت مکروہ ہے الا یہ کہ سب سے زیادہ عالم ہو، اسکا ذبیحہ مکروہ ہے نابینا غلام کو کفارہ میں آزاد کرنا صحیح نہیں۔

باب خیار العیب

باب خیار عیب کے بیان میں

مَنْ وَجَدَ بِالْمَبِيعِ عَيْبًا اَخَذَهُ بِكُلِّ الثَّمَنِ اَوْ رَدَّهُ وَمَا اَوْجَبَ نُقْصَانَ الثَّمَنِ عِنْدَ التُّجَّارِ عَيْبٌ كَالاِبَاقِ

جو پائے مبیع میں عیب تو لے اس کو کل ثمن کے ساتھ یا واپس کرے اور جو واجب کرے ثمن کی کمی کو تجار کے یہاں وہ عیب ہے جیسے بھگوڑا پن

وَالْبَوْلِ فِي الْفِرَاشِ وَالسَّرِقَةِ وَالْجُنُوْنِ وَالْبَخَرِ وَالدَّفَرِ وَالزِّنَا وَوَلَدِهِ فِي الْجَارِيَةِ وَالْكُفْرِ فِيهِمَا

اور پیشاب کرنا بستر پر اور چوری اور دیوانہ پن اور جیسے گندہ دہنی اور گندہ بغل اور زنا کار ہونا باندی میں اور جیسے کافر ہونا دونوں میں اور جیسے

وَعَدَمِ الْحَيْضِ وَالاِسْتِحَاضَةِ وَالسُّعَالِ الْقَدِيمِ وَالدَّيْنِ وَالدبر وَالشَّعْرِ وَالْمَاءِ فِي الْعَيْنِ.

نہ ہونا حیض کا اور آتے رہنا بیماری کے خون کا اور پرانی کھانسی اور مقروض ہونا اور بال اور پانی کا ہونا آنکھ میں

توضیح اللغۃ: تجار جمع تاجر، اباق بھگوڑا پن، بول پیشاب، بخر گندہ دہنی، دفر گندہ بغل ہونا، سعال قدیم پرانی کھانسی، دین قرض۔

تشریح الفقہ: قولہ خیار العیب الخ عرب میں عیب ہر وہ چیز ہے جس سے فطرت سلیمہ خالی ہو یعنی جو اصل خلقت میں داخل نہ ہو اور شرعاً عیب وہ ہے کہ جس کی وجہ سے سوداگروں کے یہاں اس چیز کی قیمت گھٹ جائے جیسے غلام کا بھاگنا، بستر پر پیشاب کرنا الخ تو جو شخص اپنی خریدی ہوئی چیز میں ایسا عیب پائے اس کو اختیار ہے کل ثمن دیکر لیلے اور چاہے واپس کردے کیونکہ مطلق عقد کا مقتضی یہ ہے کہ مبیع عیب سے پاک ہو تو معیوب ہونے کی صورت میں اس کو اختیار دیا جائے گا تاکہ اس کا نقصان لازم نہ آئے مگر یہ خیار چند شرطوں کے ساتھ مقید ہے۔ (۱) مبیع میں جو عیب ہے وہ بائع کے پاس رہتے ہوئے پیدا ہوا ہو مشتری کے پاس پیدا نہ ہوا ہو (۲) مشتری کو خریدتے وقت عیب معلوم نہ ہو (۳) قبضہ کے وقت بھی معلوم نہ ہو (۴) مشتری بلا مشقت ازالہ عیب پر قادر نہ ہو (۵) اس عیب سے یا جملہ عیوب سے براءت کی شرط نہ ہو (۶) فسخ ہونے سے پیشتر وہ عیب زوال پذیر نہ ہو۔

---

(۱) الاباق والبول في الافراش والسرقة عيب في صغير مميز و يزول بالبلوغ فان عاوده بعد البلوغ يكون عيباً حادثا ۱۲

(۲) هل يشترط فيه العود في يد المشتري ؟ فبعضهم جعله كالاباق والبول في الفراش فلا بد من المعادة واتحاد السبب وهو قول ابي بكر الاسكاف ومنهم من لم يتشرطه نظر االى قول محمد في الجامع الصغير ان الجنون عيب لازم ابدا فاذا جن في يدالبائع كفى للردو اختاره ابوالليث والحلواني وخواهرزاده وعامة المشائخ على اشتراط العود في يد المشتري وان لم يتحد السبب واختاره الصدر الشهيدو قاضيخان وصاحب الهداية وصححوه وحكمو ابغلط ماعداه ۱۲ بحر

(۳) يعني ان الثلاثة عيب في الجارية دون الغلام لانه يخل بالمقصود منها و هو الافتراش وطلب الولد ۱۲

(۴) لان طبع المسلم ينفر عن صحبة الكافر ومن اغرب ماذكره الزيلعي رواية عن الشافعي انه لو اشتراة على انه كافر فوجده مسلماً يرده حيث يكون الاسلام عيباً ولايكون الكفر عيباً ۱۲ مجمع

(۵) لان ماليته تكون مشغولة به والغرماء مقدمون على المولى ۱۲

(۶) لانهما يضعفان البصر ويورثان العمى ولذا كل مرض بالعين فهو عيب ومنه السبل كماني المعراج وكثرة الدمع ۱۲

فَلَوْ حَدَثَ اٰخَرُ عِنْدَ الْمُشْتَرِیْ رَجَعَ بِنُقْصَانِهٖ اَوْ رَدَّهٗ بِرِضَاءِ بَائِعِهٖ وَمَنْ اِشْتَرٰی ثَوْبًا

پس اگر پیدا ہوجائے دوسرا عیب مشتری کے یہاں تو پھیر لے اس کا نقصان یا واپس کردے بائع کی رضامندی سے اور جس نے خریدا کپڑا

فَقَطَعَهٗ فَوَجَدَ بِهٖ عَیْبًا رَجَعَ بِالْعَیْبِ وَاِنْ قَبِلَهُ الْبَائِعُ کَذٰلِکَ فَلَهٗ ذٰلِکَ وَاِنْ بَاعَهُ الْمُشْتَرِیْ

اور اس کو کاٹا پھر پایا اس میں عیب تو رجوع کرے بقدر عیب اور اگر کٹا ہوا کپڑا ایسا منظور کرلے بائع تو اس کو اس کا اختیار ہے اور اگر بیچ دیا ہو اس کو

لَمْ یَرْجِعْ بِشَیْءٍ فَلَوْ قَطَعَهٗ وَخَاطَهٗ اَوْ صَبَغَهٗ اَوْ لَتَّ السَّوِیْقَ بِسَمْنٍ فَاطَّلَعَ عَلٰی عَیْبٍ رَجَعَ بِنُقْصَانِهٖ

مشتری نے تو رجوع نہیں کرسکتا اور اگر اس کو کاٹ کر سی لیا یا رنگ لیا یا ملا دیا ستو کو گھی کے ساتھ پھر مطلع ہوا عیب پر تو رجوع کرلے بقدر نقصان

کَمَا لَوْبَاعَهٗ بَعْدَ رُؤْیَةِ الْعَیْبِ اَوْ مَاتَ الْعَبْدُ اَوْ اَعْتَقَهٗ فَاِنْ اَعْتَقَهٗ عَلٰی مَالٍ اَوْ قَتَلَهٗ اَوْ کَانَ طَعَامًا فَاَکَلَهٗ

جیسا کہ اگر بیچ دیا ہو اس کو عیب دیکھنے کے بعد یا مرگیا ہو غلام یا آزاد کردیا ہو اس کو پس اگر آزاد کیا اسکو مال کے عوض یا قتل کردیا یا کھانا تھا اس کو کھا گیا

اَوْ بَعْضَهٗ لَمْ یَرْجِعْ بِشَیْءٍ وَلَوْ اِشْتَرٰی بَیْضًا اَوْ قِثَّاءً اَوْ جَوْزًا وَّوَجَدَهٗ فَاسِدًا یُنْتَفَعُ بِهٖ رَجَعَ بِنُقْصَانِ الْعَیْبِ

یا اس میں سے کچھ کھا گیا تو رجوع نہ کرے اگر خریدے انڈے یا کھیرے یا اخروٹ اور پایا ان کو اتنا خراب کہ کچھ کار آمد ہوسکتے ہیں تو رجوع کرے

وَاِلَّا بِکُلِّ الثَّمَنِ وَلَوْ بَاعَ الْمَبِیْعَ فَرُدَّ عَلَیْهِ بِعَیْبٍ بِقَضَاءٍ یَرُدُّهٗ عَلٰی بَائِعِهٖ

بقدر نقصان عیب ورنہ پھیر لے کل ثمن اگر بیچ ڈالا مبیع کو اور وہ لوٹا دی گئی اس پر عیب کی وجہ سے قاضی کے حکم سے تو وہ واپس کردے اپنے بائع کو

وَلَوْ بِرِضًی لَا وَلَوْ قَبَضَ الْمُشْتَرِیْ اَلْمَبِیْعَ وَادَّعٰی عَیْبًا لَمْ یُجْبَرْ عَلٰی دَفْعِ الثَّمَنِ وَلٰکِنْ یُبَرْهِنُ اَوْ یُحَلِّفُ

اور اگر بخوشی لوٹائی گئی تو نہیں اگر قبضہ کیا مشتری نے مبیع پر اور دعویٰ کیا عیب کا تو وہ مجبور نہ کیا جائیگا ثمن دینے پر لیکن وہ بینہ پیش کرے گا یا اپنے بائع

بَائِعَهٗ فَاِنْ قَالَ شُهُوْدِیْ بِالشَّامِ دَفَعَ اِنْ حَلَفَ بَائِعُهٗ فَاِنْ ادَّعٰی اِبَاقًا لَمْ یُحَلَّفْ بَائِعُهٗ

سے قسم لے گا پس اگر وہ کہے کہ میرے گواہ شام میں ہیں تو ثمن دیدے اگر قسم کھالے اس کا بائع اگر دعویٰ کیا بھگوڑا ہونے کا تو قسم نہ لیجائے اس کے بائع سے

حَتّٰی یُبَرْهِنَ الْمُشْتَرِیْ اَنَّهٗ اَبَقَ عِنْدَهٗ فَاِنْ بَرْهَنَ حَلَفَ بِاللّٰهِ مَا اَبَقَ عِنْدَکَ قَطُّ.

یہاں تک کہ وہ گواہ لائے مشتری اس بات پر کہ وہ میرے پاس بھاگا ہے جب وہ گواہ لے آئے تو قسم لیجائے بائع سے کہ بخدا میرے پاس کبھی نہیں بھاگا

توضیح اللغۃ: خاط سی لیا صبغ رنگ لیا لت ملالیا السویق ستو سمن گھی بیض انڈے قثاء کھیرا یا ککڑی جوز اخروٹ شہود جمع شاہد۔

تشریح الفقہ: قولہ فلو حدث الخ ایک شخص نے کوئی معیوب چیز خریدی پھر اس کے پاس کوئی عیب پیدا ہوگیا تو مشتری کو اختیار ہے چاہے بقدر نقصان عیب قدیم ثمن واپس لیلے اور چاہے معیوب مبیع کو واپس کردے بشرطیکہ بائع معیوب مبیع لینے پر راضی ہو بائع رضا اس لئے ضروری ہے کہ جب مبیع اس کی ملک سے نکلی تھی اس وقت عیب حادث سے پاک تھی اب اگر اس کی رضا کے بغیر واپسی ضروری قرار دی جائے تو اس میں بائع کا نقصان ہے۔

قولہ رجع بنقصانہ الخ رجوع بالنقصان کا طریقہ یہ ہے کہ اولاً بلا عیب مبیع کی قیمت لگائی جائے پھر قدیم عیب کے ساتھ قیمت لگائی جائے اور دونوں قیمتوں میں جو تفاوت ہو اس کے مطابق ثمن واپس لے لیا جائے مثلاً سو روپے کی ایک چیز دس روپے میں خریدی اور عیب نے دسواں حصہ کم کردیا تو ثمن کا دسواں حصہ یعنی ایک روپیہ واپس لیلے اور اگر دو سو روپے کی چیز ایک سو میں خریدی تو عیب نے عشر کم کردیا تو بیس روپے واپس لے لے وعلیٰ ہذا القیاس۔

قولہ ومن اشتری الخ کسی نے کپڑا خرید کر بینوت کرلیا پھر عیب قدیم پر مطلع ہوا تو بقدر نقصان ثمن واپس لے سکتا ہے کپڑا واپس نہیں کرسکتا کیونکہ کٹ جانے کی وجہ سے کپڑا عیب دار ہوگیا ہاں اگر بائع کٹا ہوا کپڑا لینے پر راضی ہو تو واپس کرسکتا ہے کیونکہ بائع نے اپنا حق خود ہی ساقط کردیا اور اگر کاٹنے کے بعد مشتری نے کپڑے کو فروخت کردیا تو اب بائع پر رجوع نہیں کرسکتا کیونکہ فروخت کرنے سے پہلے بائع کی رضامندی سے مبیع کو واپس کرنا ممکن تھا اور جب اس نے فروخت کردیا تو مبیع کو روکنے والا ہوگیا۔ فلا یرجع بالنقصان۔

قولہ فلو قطعه الخ اور اگر خریدا ہوا کپڑا بینوت کرسی ڈالا یا رنگ دیا یا ستو خریدا تھا اس میں گھی ملا دیا اور پھر عیب قدیم پر مطلع ہوا تو بقدر نقصان ثمن واپس لے سکتا ہے مبیع واپس نہیں کرسکتا اگرچہ بائع اور مشتری دونوں رد مبیع پر راضی ہوں اس واسطے یہاں مشتری کی طرف سے اصل مبیع میں زیادتی ہوگی اب اس زیادتی کے ساتھ واپسی ہو تو شبہ ربوا لازم آتا ہے اور بلا زیادتی واپسی ممکن نہیں اس زیادتی کو جدا نہیں کیا جاسکتا فامتنع الرد اصلا اور اگر مشتری نے مذکورہ بالا سلے ہوئے یا رنگے ہوئے کپڑے کو یا گھی کے ساتھ ملے ہوئے ستو کو عیب دیکھ لینے کے بعد فروخت کردیا تب بھی یہی حکم ہے کیونکہ فروخت کرنے سے پہلے مبیع کی واپسی ممتنع ہوچکی تھی تو مشتری اس کو فروخت کرنے سے روکنے والا نہ ہوا اسی طرح اگر خرید کردہ غلام مرگیا (غلام کے مرجانے سے مبیع کا ہلاک ہوجانا ہے غلام ہو یا کوئی اور شئی) یا مشتری نے بلا عوض مال غلام کو آزاد کردیا تب بھی بقدر نقصان ثمن واپس لے گا موت کی صورت میں تو اس لئے کہ آدمی میں ملک کا ثبوت اس کی مالیت کے لحاظ سے ہوتا ہے اور موت کی وجہ سے مالیت منتہی ہوچکی تو ملک بھی منتہی ہوگی پس واپسی ممتنع ہوگئی اب اگر رجوع بالنقصان بھی جائز نہ ہو تو اس میں مشتری کا نقصان لازم آتا ہے رہی صورت اعتاق سو قیاس تو یہی چاہتا ہے کہ رجوع جائز نہ ہو کیونکہ یہاں سبب امتناع رد مبیع خود اسی کا فعل ہے۔ پس یہ ایسا ہوگیا جیسے اس کو قتل کردیتا کہ اس صورت میں رجوع نہیں کرسکتا مگر چونکہ عتق سے بھی ملک منتہی ہوجاتی ہے اس لئے استحسانا رجوع بالنقصان جائز ہے۔

قولہ فان اعتقه الخ اور اگر مشتری نے خرید کردہ غلام کو مال کے عوض میں آزاد کردیا یا قتل کردیا یا مبیع از قسم طعام تھی اس کو کھا گیا یا اس میں سے کچھ کھا گیا تو امام صاحبؒ کے نزدیک مشتری رجوع نہیں کرسکتا صاحبین کے نزدیک طعام کی صورت میں رجوع کرسکتا ہے خلاصۂ اختیار قہستانی وغیرہ میں ہے کہ فتوی صاحبین کے قول پر ہے۔

قولہ ولو باع المبیع الخ زید نے خالد کے ہاتھ کوئی چیز فروخت کی خالد نے عمرو کے ہاتھ فروخت کردی عمرو نے عیب کیوجہ سے وہ چیز خالد کو واپس کردی تو اگر عمرو نے قاضی کے حکم سے واپس کی ہے تب تو خالد اپنے بائع زید کو وہ چیز واپس کردیگا کیونکہ بحکم قضا مبیع کا واپس ہونا ان سب کے حق میں فسخ بیع کا حکم رکھتا ہے تو گویا بیع سرے سے ہوئی ہی نہیں اور اگر عمرو نے بلا حکم قضا صرف خالد کی رضامندی سے واپس کی ہے تو خالد زید کو وہ چیز واپس نہیں کرسکتا اس واسطے کہ یہ واپسی گو عمرو اور خالد کے حق میں فسخ بیع ہے لیکن ان کے غیر کے حق میں بیع جدید ہے اور زید ان کے لحاظ سے غیر ہی ہے۔

قولہ ولو قبض المشتری الخ مشتری نے مبیع پر قبضہ کرلینے کے بعد کسی ایسے عیب کا دعویٰ کیا جو فسخ بیع یا نقصان ثمن کا باعث ہے تو مشتری کو ثمن دینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے دعویٰ میں سچا ہو بلکہ وہ گواہوں کے ذریعہ عیب ثابت کریگا یا بائع سے نفی عیب پر قسم لے گا اگر وہ قسم کھالے تب تو وہ بری الذمہ ہوجائے گا اور قسم نہ کھائے تو عیب ثابت ہوجائے گا اور مشتری یہ کہے کہ میرے گواہ یہاں نہیں ہیں ملک شام میں ہیں مثلاً اور بائع نفی عیب پر قسم کھالے تو مشتری بائع کو ثمن دیدے اس کے بعد جب وہ گواہ پیش کردے تو ثمن واپس لے لے۔

ع...... وهذا اذا كان الرد بعد القبض وان كان قبله فله ان يرده على بائعه ان كان بالتراضى فى غير العقار لان بيع المبيع قبل القبض لايجوز فلا يمكن جعله بيعاً جديداً فى حق غيرهما ۱۲

وَالقَوْلُ فِي قَدْرِ الْمَقْبُوْضِ لِلْقَابِضِ وَلَوْ اِشْتَرٰى عَبْدَيْنِ صَفْقَةً فَقَبَضَ اَحَدَهُمَا وَوَجَدَ بِاَحَدِهِمَا عَيْبًا
اورقول مقبوض کی مقدار میں قابض کا معتبر ہے اگر خریدے دوغلام بعقد واحد اور قبضہ کیا ایک پر اور پایا ان میں سے ایک میں کوئی عیب
اَخَذَهُمَا اَوْرَدَّهُمَا وَلَوْ قَبَضَهُمَا ثُمَّ وَجَدَ بِاَحَدِهِمَا عَيْبًا رَدَّ الْمَعِيْبَ وَحْدَهُ وَلَوْ وَجَدَ بِبَعْضِ الْكَيْلِيِّ
تو دونوں لے یا دونوں پھیردے اور اگر دونوں پر قبضہ کیا پھر ایک میں عیب پایا تو صرف معیوب پھیردے اگر پایا بعض کیلی یا وزنی چیز میں کوئی عیب
اَوِ الْوَزْنِيِّ عَيْبًا رَدَّهُ كُلَّهُ اَوْ اَخَذَهُ وَلَوْ اُسْتُحِقَّ بَعْضُهُ لَمْ يُخَيَّرْ فِيْ رَدِّ مَابَقِيَ وَلَوْ ثَوْبًا خُيِّرَ وَاللُّبْسُ
تو پھیردے کل کو یا لے لے پورے کو اگر مستحق نکل آئے بعض مبیع تو اختیار نہ ہوگا باقی کو پھیرنے کا اور اگر مبیع کپڑا ہو تو اختیار دیا جائے گا اور پہننا
وَالرُّكُوْبُ وَالْمُدَاوَاةُ رِضًا بِالْعَيْبِ لاَ الرُّكُوْبُ لِلسَّقْيِ اَوْ لِلرَّدِّ اَوْ لِشِرَاءِ الْعَلَفِ وَلَوْقُطِعَ الْمَقْبُوْضُ بِسَبَبٍ
سوار ہونا علاج کرنا راضی ہونا ہے عیب سے نہ کہ سوار ہونا پانی پلانے یا واپس کرنے یا چارہ خریدنے کے لئے اگر ہاتھ کاٹا گیا مقبوض غلام کا اس سبب سے
عِنْدَ الْبَائِعِ رَدَّهُ وَاسْتَرَدَّ الثَّمَنَ وَلَوْ بَرِئَ مِنْ كُلِّ عَيْبٍ بِهٖ صَحَّ وَاِنْ لَمْ يُسَمِّ الْكُلَّ وَلاَ يُرَدُّ بِعَيْبٍ.
جو بائع کے یہاں تھا تو مشتری اس کو پھیردے اور ثمن واپس لے لے اگر بری ہوگیا بائع مبیع کے ہر عیب سے تو صحیح ہے گو سب کا نام نہ لیا ہو اب کسی
عیب کی وجہ سے نہیں لوٹا سکتا

توضیح اللغۃ: صفقہ عقد لبس پہننا مداواۃ دوا کرنا سقی پانی پلانا علف چارہ استرد الاسترداد واپس لینا۔

تشریح الفقہ: قولہ والقول الخ اگر بائع اور مشتری تقابض بدلین کے بعد مقدار مقبوض میں اختلاف کریں تو قابض کا قول معتبر ہوگا۔ مثلاً ایک شخص نے باندی خریدی اور اس پر قبضہ کرلیا اور بائع نے اس کا ثمن لے لیا اس کے بعد مشتری نے باندی میں کوئی عیب پایا اور اس کو واپس کرنا چاہا اب بائع کہتا ہے کہ میں نے اس باندی کیساتھ ایک اور باندی فروخت کی تھی اور مشتری کہتا ہے کہ تو نے صرف یہی ایک باندی فروخت کی تھی تو مشتری کا قول معتبر ہوگا کیونکہ وہ قابض ہے اور قول قابض ہی کا معتبر ہوتا ہے۔

قولہ ولو اشتری عبدین الخ ایک شخص نے بعقد واحد دو غلام یا ایسی دو چیزیں خریدیں جن میں سے صرف ایک سے انتفاع ہوسکتا ہے اور عقد واحد کا مطلب یہ ہے ان دونوں کی قیمت جدا جدا مذکور نہیں ہوئی پھر خریدار نے ایک پر قبضہ کیا اور دوسرے میں عیب پایا تو وہ چاہے دونوں لیلے اور چاہے دونوں واپس کردے یہ نہیں ہوسکتا کہ غیر معیوب کو لے اور معیوب کو واپس کرے کیونکہ اس صورت میں تمامیت عقد سے قبل تفریق صفقہ لازم آتی ہے اور یہ جائز نہیں ہاں اگر مشتری نے دونوں پر قبضہ کرلیا ہو اور پھر ایک میں عیب پائے تو تنہا معیوب کو واپس کرسکتا ہے امام زفر اور امام شافعی (ایک قول کے لحاظ سے) فرماتے ہیں کہ اس صورت میں بھی تنہا معیوب واپس نہیں کرسکتا کیونکہ اس میں بھی تفریق صفقہ لازم آتی ہے جواب یہ ہے کہ یہاں تفریق صفقہ تمامیت عقد کے بعد ہے کیونکہ قبضہ کیوجہ سے صفقہ تمام ہوچکا۔ لان خیار العیب لایمنع تمامها۔

قولہ ولو وجد الخ ایک شخص نے کوئی کیلی چیز جیسے گیہوں' چنا وغیرہ یا وزنی چیز خریدی جیسے زیتون کا تیل گھی زعفران وغیرہ اس پر قبضہ کرلیا پھر بعض مبیع میں عیب پایا تو چاہے کل لیلے اور چاہے کل واپس کردے کیونکہ جب کیلی یا وزنی چیز جنس واحد سے ہو تو وہ شئی واحد کے مانند ہوتی ہے اور اگر بعض مبیع کا دوسرا شخص مستحق نکل آیا تو باقی مبیع واپس کرنے کا اختیار نہ ہوگا کیونکہ کیلی اور وزنی چیز تقسیم ہوسکتی ہے اور اس میں مشتری کا کوئی نقصان بھی نہیں لیکن اگر مبیع کپڑا ہو اور اس میں کسی کا استحقاق ثابت ہوجائے تو باقی کپڑا واپس کرسکتا ہے لان التشقیص فیہ عیب۔ (باقی اگلے صفحہ پر ملاحظہ کیجئے)

باب البیع الفاسد

باب بیع فاسد کے بیان میں

قولہ باب الخ بیع کی دونوں قسموں یعنی لازم وغیر لازم کے بیان سے فراغت کے بعد بیع فاسد کو بیان کر رہا ہے کیونکہ عقد فاسد دین کے خلاف ہے (فتح) علامہ والوالجی نے تصریح کی ہے کہ بیع فاسد معصیت ہے جس کو ختم کرنا واجب ہے فاسد سے بطریق مجاز عرفی عقد ممنوع مراد ہے جو باطل اور مکروہ کو بھی شامل ہے اور بیع فاسد چونکہ تعدد اسباب کیوجہ سے کثیر الوقوع ہے اس لئے مصنف نے اس باب کو ''البیع الفاسد'' کے ساتھ ملقب کر دیا۔

قولہ البیع الفاسد الخ بیع کی دو قسمیں ہیں منہی عنہ جائز منہی عنہ کی تین قسمیں ہیں فاسد باطل مکروہ تحریمی فاسد لغۃً فسد (ن ـ ض ـ ک) فساداً سے مشتق ہے ضد صلاح کو کہتے ہیں یعنی وصف کا متغیر ہونا بگڑ جانا خراب ہونا اصطلاح میں بیع فاسد وہ ہے جو باعتبار وصف مشروع نہ ہو عام از یں کہ وہ باعتبار اصل مشروع ہو یا نہ ہو اس کا حکم یہ ہے یہ بمجرد عقد مفید حکم یعنی مفید ملک نہیں ہوتی بلکہ قبضہ کے سبب سے مفید ملک ہوتی ہے پھر بیع فاسد میں اسباب فساد مختلف ہوتے ہیں مثلاً مبیع یا ثمن میں ایسی جہالت کا ہونا جو مقتضی الی المنازعہ ہو تسلیم سے عاجز ہونا دھوکے کا ہونا خلاف مقتضی عقد شرط کا ہونا مالیت کا نہ ہونا تقوم کا نہ ہونا وغیرہ بیع باطل وہ ہے جو نہ باعتبار اصل مشروع ہو اور نہ باعتبار وصف بیع کی یہ قسم کسی طرح مفید ملک نہیں ہوتی خواہ قبضہ ہو یا نہ ہو مکروہ وہ ہے جو ہر دو لحاظ سے مشروع ہو مگر کسی دوسری شئی کی مجاورت کے سبب سے ممنوع عنہ ہو جیسے بیع بوقت اذان جمعہ بیع جائز کی بھی تین قسمیں ہیں نافذ لازم نافذ غیر لازم موقوف نافذ لازم وہ ہے جو ہر اعتبار سے مشروع ہو اور کسی دوسرے کا حق اس سے متعلق نہ ہو اور نہ اس میں کوئی خیار ہو نافذ غیر لازم وہ ہے جس سے دوسرے کا حق تو متعلق نہ ہو لیکن اس میں کوئی خیار ہو موقوف وہ ہے جس میں خیار مجلس ہو قبضہ کے بعد بائع کا مبیع کو مشتری کے علاوہ دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنا مالک کا مغصوب شئی کو فروخت کرنا اس ثمن کے عوض میں فروخت کرنا جس کے عوض میں فلاں نے فروخت کیا ہے (جب کہ مشتری اس کو نہ جانتا ہو) اس زمین کی بیع جو کسی دوسرے پاس بٹائی پر ہو وہ بیع جس میں تین دن سے زائد کا خیار ہو وکیل بالشراء کا نصف غلام کو خریدنا (جب کہ وہ پورا غلام خریدنے کا وکیل ہو) مخلوط مال سے ایک شریک کا اپنے حصہ کو فروخت کرنا اس چیز کو فروخت کرنا جس کی تسلیم میں ضرر ہو مریض آدمی کا اپنے مال سے کسی معین شئی کو بعض ورثہ کے ہاتھ فروخت کرنا آقا کا اپنے ماذون ومقروض غلام کو فروخت کرنا وارث کا ایسے ترکہ کو فروخت کرنا جو مستغرق بالدین ہو معتوہ یعنی کم عقل ومدہوش کی بیع۔

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

قولہ ولو قطع الخ ایک شخص نے کوئی غلام خریدا جس نے بائع کے پاس رہتے ہوئے کسی کے یہاں چوری کی تھی اور مشتری کو اسکا علم نہ ہوا نہ خریدتے وقت اور نہ قبضہ کرتے وقت پس مشتری کے یہاں آنے کے بعد غلام کا ہاتھ کاٹا گیا تو امام صاحب کے نزدیک مشتری اس کو واپس کر کے کل ثمن لے سکتا ہے صاحبین کے نزدیک کل ثمن نہیں لے سکتا بلکہ سارق اور غیر سارق ہونے کے درمیان جو قیمت ہو اتنی قیمت لے سکتا ہے وہ یہ فرماتے ہیں کہ بائع کے یہاں رہتے ہوئے صرف قطع ید کا سبب موجود تھا جو مالیت کے منافی نہیں لہٰذا عقد نافذ ہوا مگر چونکہ وہ معیوب ہو گیا ہے اس لئے رجوع بالنقصان کر سکتا ہے امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ وجوب قطع ید کا سبب یعنی سرقہ بائع کے یہاں رہتے ہوئے پایا گیا اور وجوب کیوجہ سے قطع ید کا وجود ہوا ہے تو وجود قطع ید اسی سبب کی طرف منسوب ہوگا جو بائع کے یہاں تھا۔ **فصار بمنزلة الاستحقاق فیرجع بکل الثمن۔**

عہ......فالمعنی انہ لو خل عن الوصف لکان مشروعاً ۱۲ عہ...... لان المراد بالفاسد ھھنا مایعم الباطل کمامر ۱۲ للعہ ......جو تصرف سے بخوبی واقف نہ ہو ۱۲ للعہ......وہ بیع جس میں شئی پر اس کے ثمن کی علامت لکھی ہو ۱۲۔

لَمْ یَجُزْ بَیْعُ الْمَیْتَۃِ وَالدَّمِ وَالْخِنْزِیْرِ وَالْخَمَرِ وَالْحُرِّ وَاُمِّ الْوَلَدِ وَالْمُدَبَّرِ وَالْمُکَاتَبِ فَلَوْ ھَلَکُوْا

جائز نہیں ہے بیع مردار خون اور خنزیر شراب آزاد ام ولد مدبر اور مکاتب کی سواگر یہ ہلاک ہوجائیں مشتری کے پاس

عِنْدَالْمُشْتَرِیْ لَمْ یَضْمَنْ وَالسَّمَکِ قَبْلَ الصَّیْدِ وَالطَّیْرِ فِی الْھَوَاءِ وَالْحَمْلِ وَالنِّتَاجِ وَاللَّبَنِ فِی الضَّرْعِ

تو وہ ضامن نہ ہوگا اور مچھلی کی شکار کرنے سے پہلے اور پرند کی ہوا میں اور حمل کی اور حمل کے بچے کی اور دودھ کی تھن میں اور موتی کی سیپ میں

وَاللُّؤْلُؤِ فِی الصَّدَفِ وَالصُّوْفِ عَلٰی ظَھْرِ الْغَنَمِ وَالْجِذْعِ فِی السَّقْفِ وَذِرَاعٍ مِنْ ثَوْبٍ وَضَرْبَۃِ الْقَانِصِ وَالْمُزَابَنَۃِ

اور اون کی بکری کی پیٹھ پر اور کڑی کی چھت میں اور ایک گز کی تھان میں سے اور ایک بار جال پھینکنے کی اور جائز نہیں ہے بیع مزابنہ

بیع فاسد کے احکام

توضیح اللغۃ: میتۃ مردار دم خون، خمر شراب سمک مچھلی صید شکار طیر پرندہ ہواء فضاء نتاج حمل کا بچہ لبن دودھ ضرع تھن لؤلؤ موتی صوف اون ظہر پشت غنم بکری جذع کڑی، سقف چھت ذراع گز القانص جال پھینکنے والا۔

تشریح الفقہ: قولہ لم یجز الخ ان مسائل کو سمجھنے کے لئے پہلے چند اصول ذہن نشین کرلو۔(۱) اگر رکن بیع یعنی ایجاب وقبول اور محل بیع یعنی مبیع خلل سے پاک ہوتو بیع صحیح ہوگی۔(۲) اگر ایجاب وقبول میں خلل ہو جیسے عاقد میں اہلیت عقد کا مفقود ہونا یا محل مبیع میں خلل ہو جیسے کسی حرام شئی کو مبیع بنانا یا مبیع کا معدوم ہونا یا مبیع کا مال نہ ہونا تو ان صورتوں میں بیع باطل ہوگی۔(۳) اگر مبیع میں حلال چیز کے ساتھ حرام چیز شامل کردی گئی تو دونوں میں بیع باطل ہوگی (۴) اگر ثمن میں کوئی خلل ہو مثلاً یہ کہ ثمن کوئی حرام چیز ہو یا مبیع میں کوئی خلل ہو مثلاً وہ مقدور التسلیم نہ ہو یا عقد میں کوئی ایسی شرط ہو جو نہ مقتضی عقد ہو اور نہ اس کے مناسب ہو اور اس شرط میں بائع یا مشتری یا اس مبیع کا فائدہ ہو جس میں استحقاق منفعت کی اہلیت ہے اور اس شرط کا رواج نہ ہو اور نہ شریعت میں اس کا جواز وارد ہو تو ان سب صورتوں میں بیع فاسد ہوگی۔(۵) جو چیز تنہا معقود علیہ نہ ہو سکتی ہو اگر اس کا استثناء کرلیا جائے تو بیع فاسد ہوگی جب یہ اصول ذہن نشین ہو گئے تو اب سمجھو کہ مردار اور خون کی بیع باطل ہے کیونکہ یہ مال نہ ہونے کی وجہ سے محل بیع نہیں ہیں نیز شراب اور خنزیر کی بیع باطل ہے کیونکہ ان میں مالیت اور تقوم مفقود ہے اور آزاد کی بیع ابتداء وبقاء ہر دو اعتبار سے باطل ہے کیونکہ وہ کسی طرح محل بیع نہیں اور ام ولد مدبر مطلق اور مکاتب کی بیع بقاءً باطل ہے کیونکہ ام ولد کیلئے استحقاق عتق حدیث سے ثابت ہے کہ "اس کو اس کے بچہ نے آزاد کردیا" اور مدبر میں سبب حریت فی الحال متحقق ہے اور مکاتب اپنے ذاتی تصرفات کا مستحق ہوجاتا ہے۔ اگر بیع کے ذریعہ مشتری کے لئے ان میں ملک ثابت ہوتو یہ تمام حقوق باطل ہوجائیں گے۔

تنبیہ: خمر وخنزیر کی بیع باطل تو ہے لیکن اس میں قدرے تفصیل ہے اور وہ یہ کہ اگر ان کی بیع دراہم ودنانیر کے عوض میں ہو تو ثمن اور مبیع دونوں میں بیع باطل ہوگی یعنی قبضہ کرنے سے بھی ثابت نہ ہوگی اور اگر ان کی بیع اسباب کے عوض میں ہو تو خمر وخنزیر میں بیع باطل ہوگی۔ اور اسباب میں بیع فاسد ہوگی۔ یعنی سامان کی قیمت دیکر قبضہ کرنے سے سامان کا مالک ہو جائے گا۔

قولہ فلو ھلکوا الخ نے مذکورہ بالا اشیاء مردار، خون، خنزیر وغیرہ میں سے کوئی شئی فروخت کی اور وہ مشتری کے پاس آکر ہلاک ہوگئی تو مشتری ضامن نہ ہوگا۔ کیونکہ بیع باطل میں مشتری قبضہ کر لینے سے بھی مبیع کا مالک نہیں ہوا اس کے پاس مبیع امانت ہوئی۔ اور امانت کے ضائع ہونے سے ضمان نہیں ہوتا مگر ام ولد اور مدبر کے مرجانے سے صاحبین کے نزدیک قیمت کا تاوان آئے گا۔ وہ یہ فرماتے ہیں کہ ام ولد اور مدبر پر مشتری کا قبضہ از جہت بیع ہے کیونکہ وہ دونوں تحت البیع داخل ہیں تو دیگر اموال کی طرح یہ بھی مضمون بالقیمۃ ہوں گے۔

المراد بہ المدبر المطلق دون المقید لان بیع المقید جائز اتفاقا وعند الثلاثۃ بیع المدبر جائز مطلقا وقد مر فی العتاق ۱۲۔ ابن ماجہ عن ابن عباس ۱۲۔

امام صاحب فرماتے ہیں کہ جہت بیع کو حقیقت بیع کے ساتھ اسی محل میں لاحق کیا جاتا ہے۔ جو حقیقت بیع کو قبول کرتا ہو اور ام ولد اور مدبر حقیقت بیع کو قبول نہیں کرتے۔ پس یہ مکاتب کی طرح غیر مضمون رہیں گے۔

قوله والسمک الخ شکار کرنے سے پہلے مچھلی کی بیع جائز نہیں۔ کیونکہ وہ اس کا مالک ہی نہیں۔ نیز امام احمد نے مرفوعاً روایت کیا ہے "**لاتشتروا السمک فی الماء فانه غرور**" صدر الشریعہ نے شرح وقایہ میں کہا ہے کہ جو مچھلی شکار نہیں ہوئی اگر اس کو دراہم یا دنانیر کے عوض فروخت کیا جائے تو بیع باطل ہونی چاہیے۔ اور اسباب کے عوض فروخت کیا جائے تو فاسد ہونی چاہیے۔ کیونکہ وہ شکار ہونے سے پہلے غیر متقوم مال ہے۔ اس واسطے کہ تقوم احراز سے ہوتا ہے۔ اور یہاں احراز حاصل نہیں۔ فضا میں رہتے ہوئے پرند کی بیع باطل ہے کیونکہ وہ غیر مملوک ہے۔ اور اگر ہاتھ سے چھوڑ دینے کے بعد فروخت کیا تو بیع فاسد ہے۔ کیونکہ وہ غیر مقدور التسلیم ہے۔

قوله والحمل الخ حمل کی بیع باطل ہے (بحر، برہان، حموی) کیونکہ وضع حمل سے قبل اس جانور کی خرید سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ جو پیٹ میں ہو۔ (۱)

اور حمل کے بچہ کی بیع بھی باطل ہے۔ کیونکہ حدیث میں اس کی بھی ممانعت ہے۔ تھن کے اندر دودھ کی بیع بھی ناجائز ہے۔ (برجندی نے اس کے بطلان پر یقین ظاہر کیا ہے) وجہ فساد چند امور ہیں۔ (۱) معلوم نہیں کہ تھن میں دودھ ہے یا ہوا۔ (۲) دودھ دوہنے کی کیفیت میں نزاع واقع ہونے کا امکان ہے (۳) بہت ممکن ہے کہ دودھ دوہنے سے پہلے اور دودھ دوہنے کی کیفیت میں بائع کا مال مشتری کے مال کے ساتھ مخلوط ہوگا۔ (۴) تھن کے اندر دودھ کی اور بھیڑ کی پشت پر اون کی بیع سے روایت میں ممانعت ہے۔ (۲) امام ابو یوسف اور امام مالک نے اون کی بیع کو جائز کہا ہے۔ والحجۃ علیہما ماروینا۔ امام محمد کے نزدیک سیپی میں موتی کی بیع بھی باطل ہے۔ کیونکہ اس کا وجود معلوم نہیں۔ (تجنیس)

قوله والجذع الخ اس شہتیر اور معین کڑی کی بیع فاسد ہے جو چھت میں لگی ہوئی ہو۔ اور کپڑے سے ایک گز کی بیع بھی فاسد ہے کیونکہ بدون لزوم ضرر بائع تسلیم متعذر ہے۔ پھر اگر بائع نے کپڑے سے ایک گز پھاڑ دیا یا چھت سے کڑی نکالدی تو بیع درست ہو جائے گی۔ کیونکہ مفسد زائل ہو گیا۔ ضربۃ القانص یعنی ایک بار جال لگانے میں جو شکار آئے اس کی بیع باطل ہے (بحر، نہر، فتح، ایضاح) کیونکہ مبیع مجہول ہے علاوہ ازیں یہ بھی احتمال ہے کہ جال میں شکار ہی نہ آئے۔

قوله والمزابنة الخ بیع مزابنہ یہ ہے کہ کھجور کے درخت پر جو کچی کھجوریں لگی ہوئی ہوں ان کو خشک کٹی ہوئی کھجوروں کے عوض اندازہ کے ساتھ کیل کے لحاظ سے فروخت کیا جائے یہ بھی ناجائز ہے۔ کیونکہ حضور صلعم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ اور امام شافعی پانچ وسق سے کم میں اس صورت کو جائز کہتے ہیں۔ کیونکہ آنحضرت صلعم نے مزابنہ سے منع فرمایا ہے۔ اور عرایا کہ اجازت دی ہے، عرایا عریہ کی جمع ہے جس کی تفسیر امام شافعی کے یہاں وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔ بشرطیکہ پانچ وسق سے کم میں ہو۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ عریہ دراصل عطیہ کو کہتے ہیں **یقال اعری فلاناً النخلة** اس نے فلاں کو ایک سال کے لئے پھل ہبہ کر دیا۔ اہل عرب کی یہ عادت تھی کہ وہ اپنے باغ میں سے ایک آدھ درخت کے پھل کسی مسکین کو ہبہ کر دیتے تھے۔ پھر جب پھل کے موسم میں باغ کا مالک اپنے اہل و عیال کے ساتھ باغ میں آتا تو اجنبی مسکین کی وجہ سے تنگی محسوس کرتا۔ پس اس ضرورت کے پیش نظر مالک کو اس کی اجازت دی گئی کہ وہ مسکین کو ان پھلوں کے بجائے دوسرے کٹے ہوئے پھل دیدے ظاہر کے لحاظ سے گو یہ بیع کی صورت ہے لیکن درحقیقت بیع نہیں بلکہ ہبہ ہے۔

---

(۱) اعلم ان ام الولد تخالف المدبر فی ثلاثة عشر حکما لا تضمن بالغصب، ولا بالاعتاق، ولا بالبیع، ولا تسعی لغریم وتعتق من جمیع المال، واذا استولد ام ولد مشترکة لم تملک نصیب شریکه، وقیمتها الثلث، ولا ینفذ القضاء بجواز بیعها، وعلیها العدة بموت السید او اعتاقه وثبت نسب ولدها بلا دعوة، ولا یصح تدبیرها، ولا یملک الحربی بیع ام ولده وصح استیلاد جاریة ولده کذا فی الاشباہ ۱۲۔ بحر عنہ ابن ماجہ، ترمذی، احمد عن ابی سعید ۱۲۔

صحیحین، عبد الرزاق عن ابن عمر (الفاظ طبرانی، بزار عن ابن عباس بزار ابن راہویہ عن ابی ہریرۃ، ترمذی، ابن ماجہ عن ابی سعید ۱۲۔ طبرانی، دارقطنی، بیہقی عن عباس (مرفوعا مسندا) ابوداؤد، ابن ابی شیبہ، دارقطنی (مرسلا) ابوداؤد، شافعی، بیہقی عن ابن عباس (موقوفا) ۱۲۔ صحیحین عن جابر وابی سعید بخاری عن ابن عباس وانس، مسلم عن ابی ہریرۃ ۱۲۔ صحیحین عن ابی ہریرۃ وزید بن ثابت، مسلم عن سہیل ابن ابی حثمہ ۱۲۔

وَالْمُلَامَسَةِ وَالْقَاءِ الْحَجَرِ وَثَوْبٍ مِنْ ثَوْبَيْنِ وَالْمَرَاعِي وَاِجَارَتُهَا وَالنَّحْلِ وَيُبَاعُ دُوْدُ الْقَزِّ

اور بیع ملامسۃ اور بیع کنکر مارنے کی اور دو میں سے ایک کپڑے کی اور چراگاہ کی اور اس کا اجارہ اور شہد کی مکھی کی اور بیچا جا سکتا ہے ریشم کے کیڑے

وَبَيْضُهُ وَالْاٰبِقُ اِلَّا اَنْ يَبِيْعَهُ مِمَّنْ يَزْعَمُ اَنَّهُ عِنْدَهُ وَلَبَنُ اِمْرَأَةٍ وَشَعْرُ الْخِنْزِيْرِ

اور اس کے انڈے کو اور بھگوڑے کی الا یہ کہ بیچے اس کے ہاتھ جو یہ کہتا ہو کہ غلام میرے پاس ہے اور عورت کے دودھ کی اور خنزیر کے بال کی

وَيُنْتَفَعُ بِهٖ لِلْخَرْزِ وَشَعْرِ الْاِنْسَانِ وَالْاِنْتِفَاعُ بِهٖ وَجِلْدِ الْمَيْتَةِ قَبْلَ الدَّبْغِ وَبَعْدَهٗ

اور نفع لیا جا سکتا ہے ان سے موزہ دوزی کا اور انسان کے بال کی اور اس سے نفع اور مردار کی کھال کی دباغت سے پہلے اور دباغت کے بعد بیچی

يُبَاعُ وَيُنْتَفَعُ بِهٖ كَعَظْمِ الْمَيْتَةِ وَعَصَبِهَا وَصُوْفِهَا وَقَرْنِهَا وَوَبَرِهَا وَعِلْوٍ سَقَطَ وَالْمَسِيْلِ

جا سکتی ہے اور اس سے نفع اٹھایا جا سکتا ہے جیسے مردار کی ہڈی، پٹھے، اون سینگ اور بالوں سے اور جائز نہیں بیع بالاخانہ کی جو گر گیا ہو اور پانی بہنے کی جگہ کی

وَهِبَتُهٗ وَاَمَةٍ تَبَيَّنَ اَنَّهٗ عَبْدٌ وَكَذَا عَكْسُهٗ وَشِرَاءُ مَا بَاعَ بِالْاَقَلِّ قَبْلَ النَّقْدِ وَصَحَّ فِيْمَا ضُمَّ اِلَيْهِ.

اور اس کو ہبہ کرنا اور بیع باندی کی جو غلام ظاہر ہوا ہو اسی طرح اس کا عکس اور خرید نا مبیع کو کمتر قیمت کیساتھ وصول کرنے سے پہلے اور صحیح ہے اس میں جو ملائی گئی اس کی طرف

توضیح اللغۃ: ملامسہ ایک دوسرے کو چھونا' القاء پھینکنا' ڈالنا' مراعی چراگاہ' نحل شہد کی مکھی دود۔ کیڑا' قز ابریشم' بیض جمع بیضۃ انڈا' آبق بھگوڑا غلام' لبن دودھ' شعر بال۔ خرز موزہ دوزی' جلد کھال' دبغ کھال کو مصالحہ وغیرہ سے صاف کرنا' عظم ہڈی' عصب پٹھا' صوف اون' قرن سینگ' وبر اونٹ وغیرہ کی اون' علو بالاخانہ' مسیل پانی بہنے کی جگہ۔

تشریح الفقہ: قولہ والملامسة الخ بیع ملامسہ یہ ہے کہ ایک دوسرے سے کہے کہ جب تو نے میرا یا میں نے تیرا کپڑا چھوا تو بیع واجب (مغرب) یا میں یہ سامان تیرے ہاتھ اتنے میں فروخت کرتا ہوں۔ سو جب میں تجھ کو چھوؤں یا ہاتھ لگاؤں تو بیع واجب ہے (طحطاوی) یا ایک دوسرے کا کپڑا چھوئے اور چھونے والے کو بلا خیار رویت بیع لازم ہو جائے (فتح) بیع القاء حجر یہ ہے کہ چند کپڑوں پر سنگریزے سے پھینکے اور جس کپڑے پر سنگریزہ پڑے اس میں بیع لازم ہو جائے۔ بیع کی یہ صورتیں زمانہ جاہلیت میں رائج تھیں۔ آنحضرت صلعم نے ان سے منع فرمایا۔ دو کپڑوں میں سے ایک غیر معین کپڑے کی بیع بھی ناجائز ہے۔ کیونکہ مبیع مجہول ہے۔

قولہ والمراعی الخ گھاس چارے کی بیع اور اس کا اجارہ باطل ہے۔ بطلان بیع کی وجہ سے تو عدم ملکیت ہے۔ حضور صلعم کا ارشاد ہے کہ تمام مسلمان تین چیزوں میں شریک ہیں یعنی پانی' گھاس اور آگ میں بطلان اجارہ کی وجہ یہ ہے کہ اجارہ شئی مباح کے استہلاک پر ہے۔ اور جب مملوک شئی کی استہلاک پر اجارہ جائز نہیں تو یہ بطریق اولیٰ ناجائز ہوگا۔ مگر یہ یاد رہے کہ گھاس کی بیع کا ناجائز ہونا اسی وقت ہے جب وہ خودرو ہو۔ اور اگر اس کو پانی دیکر پرورش کر کے جمایا ہو تو اس کی بیع جائز ہے۔ (ذخیرہ' محیط' نوازل)۔

قولہ والنحل الخ شیخین کے نزدیک شہد کی مکھی کی بیع جائز نہیں۔ کیونکہ یہ حشرات الارض میں سے ہے۔ جیسے بھڑ، سانپ، بچھو وغیرہ امام محمد اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز ہے۔ جبکہ وہ محرز ہو۔ بایں طور کہ شہد اور چھتے کے ساتھ بیع ہو کیونکہ شہد کی مکھی حقیقۃً اور شرعاً ہر اعتبار سے قابل انتفاع ہے۔ گو وہ ماکول نہیں جیسے خچر اور گدھے کی بیع جائز ہے۔ ذخیرہ' عینی' خلاصہ وغیرہ میں ہے کہ فتویٰ امام محمد کے قول پر ہے۔

قولہ ویباع الخ امام محمد اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ریشم کے کیڑے کی بیع اور اس کے انڈے کی بیع جس کو اہل عرب بذر الفلیق کہتے ہیں علی الاطلاق جائز ہے۔ کیونکہ یہ بھی قابل انتفاع ہے۔ امام ابویوسف فرماتے ہیں کہ اگر اس پر ریشم ظاہر ہو چکی ہو تو ریشم کی تبعیت میں

عہ۔۔۔۔ صحیحین عن ابی سعید وابی ہریرۃ' بخاری عن انس ۱۲۔ عہ۔۔۔۔ ابوداؤد ۱۲۔

جائز ہے۔امام صاحب کے یہاں اس کی بیع جائز نہیں۔ کیونکہ یہ حشرات الارض میں سے ہے۔لیکن فتوی امام محمد کے قول پر ہے۔

قولہ والآبق الخ گریختہ غلام کی بیع بھی جائز نہیں۔ کیونکہ آنحضرت صلعم نے اس سے منع فرمایا ہے۔البتہ جو شخص یہ اقرار کرتا ہو کہ غلام میرے پاس ہے۔اس کے ہاتھ فروخت کرنا جائز ہے۔ کیونکہ حدیث میں منہی عنہ بیع اس غلام کی ہے جو متعاقدین کے حق میں گریختہ ہو اور یہاں وہ مشتری کے حق میں گریختہ نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے قول کے مطابق وہ اس کے پاس ہے۔

قولہ ولبن امراۃ الخ ہمارے یہاں عورت کے دودھ کی بیع جائز نہیں۔امام شافعی کے یہاں جائز ہے۔ کیونکہ وہ ایک طاہر مشروب شئی ہے ہم یہ کہتے ہیں کہ وہ آدمی کا جزء ہے۔اور آدمی اپنے جمیع اجزاء کے ساتھ ابتذال بالبیع سے محفوظ ہے۔ پھر ظاہر الروایہ کے لحاظ سے آزاد اور باندی کے دودھ میں کوئی فرق نہیں۔لیکن امام ابو یوسف سے ایک روایت ہے کہ باندی کے دودھ کی بیع جائز ہے۔ کیونکہ مملوک ہونے کی وجہ سے باندی کی ذات فروخت ہوسکتی ہے تو اس کے جزء کی بیع بھی جائز ہوگی۔ جواب یہ ہے کہ مملوک ہونا جاندار کیساتھ خاص ہے۔اور دودھ میں حیات نہیں' خنزیر کے بال کی بیع باطل ہے کیونکہ وہ نجس العین ہے۔اگر اس کی یا اس کے کسی جزء کی بیع جائز ہو تو اس کا اعزاز لازم آتا ہے۔لیکن ضرورت کی وجہ سے موزہ دوزی کے کام میں لایا جاسکتا ہے۔

تنبیہ: سور کا بال سر کی جانب سے بقدر انگشت سخت ہوتا ہے اور اس کے بعد کا حصہ تاگے میں گرہ دینے کے لائق نرم ہوتا ہے اس لئے قدیم زمانہ میں موچی اس سے جوتیاں اور موزے سیتے تھے۔آج کل سوئی وغیرہ کی وجہ سے اس کی کوئی ضرورت نہیں رہی۔لہٰذا اس سے انتفاع جائز نہیں۔امام ابو یوسف سے ایک روایت بھی ہے کہ سور کے بال سے موزہ سینا مکروہ ہے۔اسی لئے علماء سلف ابن سیرین وغیرہ ایسا موزہ نہیں پہنتے تھے۔

قولہ وعلو سقط الخ اگر بالاخانہ منہدم ہوجائے تو اس کی بیع جائز نہیں کیونکہ سقوط کے بعد صرف حق تعالی باقی ہے اور وہ مال نہیں نیز وہ جگہ جس میں پانی بہتا ہے اس کی بیع اور اس کا ہبہ جائز نہیں کیونکہ جو پانی مکان سیل میں پھیلتا ہے اس کی مقدار معلوم نہیں۔

قولہ وامۃ الخ کسی نے ایک شخص کو اس شرط پر فروخت کیا یا خریدا کہ وہ باندی ہے بعد میں ظاہر ہوا کہ وہ غلام ہے یا اس شرط پر کہ وہ غلام ہے پھر وہ باندی ظاہر ہوئی تو یہ خرید و فروخت استحسان کی رو سے جائز نہیں قیاس کے لحاظ سے جائز ہے۔امام زفر اسی کے قائل ہیں کیونکہ مذکر و مؤنث ہونے کا در اصل اوصاف کا اختلاف ہے۔اور اختلاف اوصاف سے عقد فاسد نہیں ہوتا۔ بلکہ اختیار ملتا ہے۔وجہ استحسان یہ ہے نوع بنی آدم میں ذکورۃ وانوثت کا اختلاف دو مختلف جنسوں کا حکم رکھتا ہے۔ کیونکہ ہر ایک کے مقاصد جداگانہ ہوتے ہیں۔

قولہ وشراء ما باع الخ ایک شخص نے کوئی چیز دس درہم میں فروخت کی اور مشتری نے اس پر قبضہ کرلیا لیکن بائع نے ابھی مشتری سے دس درہم وصول نہیں کئے تھے کہ وہی چیز مشتری سے پانچ درہم میں خرید لی تو یہ جائز نہیں۔امام شافعی کے یہاں جائز ہے کیونکہ مبیع پر قبضہ ہوجانے کی وجہ سے مشتری کی ملک تام ہوگئی۔اب وہ اپنے بائع کے ہاتھ فروخت کرے یا غیر کے ہاتھ۔ثمن اول کے ساتھ فروخت کرے یا اس سے زائد کے ساتھ۔ ہماری دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ "ام محبہ نے آپ سے کہا۔ام المومنین! میرے پاس ایک باندی تھی میں نے اس کو حضرت زید بن ارقم کے ہاتھ مدت عطا تک آٹھ سو درہم کے عوض فروخت کردیا۔اس کے بعد ان سے چھ سو درہم نقد عوض میں خرید لیا۔حضرت عائشہؓ نے فرمایا: تیری یہ خرید و فروخت بدترین ہے۔زید سے کہدے کہ تو اپنا جہاد کھو بیٹا الا یہ کہ توبہ کرلے۔"عہ

سوال اس حدیث کی روایہ مسماۃ عالیہ کو دار قطنی اور ابن الجوزی نے مجہول بتایا ہے اور کہا ہے کہ اس کی روایت مقبول نہیں جواب بالکل غلط ہے یہ تو مشہور و معروف اور بڑے مرتبہ کی عورت ہے۔ابن سعد نے ان کا تعارف کراتے ہوئے کہا ہے" **العالیۃ بنت الیفع بن**

عہ......عبد الرزاق' دار قطنی' بیہقی' احمد ۱۲

شراحیل امراۃ ابی اسحاق السبیعی سمعت من عائشہؓ صاحب جوہرنقی فرماتے ہیں کہ عالیہ مشہور معروف عورت ہے اس کے صاحبزادے یونس اور اس کے شوہر اسحٰق سبیعی نے اس سے روایت کی ہے۔ اور یہ دونوں بزرگ حدیث کے امام ہیں' ابن حبان نے ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔ اور امام ثوری' اوزاعی' ابوحنیفہ' مالک' ابن حنبل اور حسن بن صالح وغیرہم نے ان کی احادیث قبول کی ہیں۔

قولہ وصح فیما ضم الخ یہ مسئلہ مسئلہ سابقہ کی فروع میں سے ہے یعنی اگر مبیع اول کیساتھ کوئی اور چیز ملائی گئی تو اس کی بیع جائز ہے مثلاً ایک تخت دس روپیہ میں فروخت کیا اور دس روپیہ پر قبضہ نہیں کیا تھا کہ اس کو دوسری چیز مثلاً کپڑے کیساتھ دس روپے میں خرید لیا تو مبیع اول یعنی تخت میں بیع فاسد ہوگی اور مبیع ثانی کپڑے میں بیع جائز ہوگی۔ اور ثمن اس کی قیمت پر منقسم ہوگا اور مبیع اول کا فساد مبیع ثانی میں شائع نہ ہوگا کیونکہ یہ فساد بعد میں طاری ہوا ہے۔

وَزَیْتٍ عَلٰی اَنْ یَزِنَہٗ بِظَرْفِہٖ وَیَطْرَحُ عَنْہُ مَکَانَ کُلِّ ظَرْفٍ خَمْسِیْنَ رِطْلاً وَصَحَّ لَوْشَرَطَ اَنْ یَّطْرَحَ عَنْہُ

اور جائز نہیں زیتون کے تیل کی بیع اس شرط پر کہ اس کو مع برتن تولے گا اور ہر برتن کے عوض پچاس کم کرے گا اور صحیح ہے اگر یہ شرط ہو کہ کم کرے گا

بِوَزْنِ الظَّرْفِ وَاِنْ اِخْتَلَفَا فِی الزِّقِّ فَالْقَوْلُ لِلْمُشْتَرِیْ وَلَوْ اَمَرَ ذِمِّیًّا بِشِرَاءِ خَمْرٍ اَوْ بَیْعِھَا صَحَّ

اس سے برتن کے ہم وزن مقدار اگر اختلاف کریں مشک کے وزن میں تو مشتری کا قول معتبر ہوگا اگر حکم کیا ذمی کو شراب خریدنے یا بیچنے کا تو صحیح ہے

وَاَمَۃٍ عَلٰی اَنْ یُّعْتِقَ الْمُشْتَرِیْ اَوْ یُدَبِّرَ اَوْ یُکَاتِبَ اَوْ یَسْتَوْلِدَ اِلاَّ حَمْلَھَا اَوْ یَسْتَخْدِمَ الْبَائِعُ شَھْرًا

اور جائز نہیں باندی کی بیع اس شرط پر کہ مشتری اس کو آزاد یا مدبر یا مکاتب یا ام ولد بنائیگا اور اس کے حمل کا استثناء کرنا یا یہ کہ بائع خدمت لے گا ایک

اَوْ دَارًا عَلٰی اَنْ یَّسْکُنَ اَوْ یُقْرِضَ الْمُشْتَرِیْ دِرْھَمًا اَوْ یَھْدِیَ لَہٗ اَوْ لاَیُسَلِّمُہٗ اِلٰی کَذَا

ماہ تک اور جائز نہیں مکان کی بیع اس شرط پر کہ ہمیں بائع رہے گا یا مشتری کچھ درہم قرض دے گا یا ہدیہ دے گا یا اتنی مدت تک مشتری کے حوالے نہ

اَوْ ثَوْبٍ عَلٰی اَنْ یَّقْطَعَہُ الْبَائِعُ وَیُخِیْطُہٗ قَمِیْصًا وَصَحَّ بَیْعُ نَعْلٍ عَلٰی اَنْ یَّحْذُوَہٗ اَوْ یُشْرِکَہٗ

کریگا اور کپڑے کی بیع اس شرط پر کہ بائع اس کو کاٹ کر قمیص سی دے اور صحیح ہے جوتے کی بیع اس شرط پر کہ بائع ان کو کاٹ کر برابر کر دے یا تسمہ

لاَ الْبَیْعُ اِلَی النَّیْرُوْزِ وَالْمِھْرَجَانِ وَصَوْمِ النَّصَارٰی وَفِطْرِ الْیَھُوْدِ اِنْ لَّمْ یَدْرِ الْعَاقِدَ ان ذٰلِکَ وَاِلٰی قُدُوْمِ

لگادے اور صحیح نہیں بیع نوروز اور مہرگان اور نصاریٰ کے روزہ اور یہود کی عید تک اگر نہ جانتے ہوں متعاقدین اس کو اور صحیح نہیں بیع حاجیوں کی آمد

الْحَاجِّ وَالْحَصَّادِ وَالدِّیَاسَۃِ وَالْقِطَافِ وَلَوْ کَفَلَ اِلٰی ھٰذِہِ الاَوْقَاتِ صَحَّ وَاِنْ اَسْقَطَ الاَجَلَ قَبْلَ حُلُوْلِہٖ صَحَّ

اور کھیتی کٹنے یا گاہنے اور میوہ ٹوٹنے تک اور اگر ضامن ہو گیا ان اوقات تک تو درست ہے اور اگر ساقط کر دی مدت اس کے آنے سے پہلے تو صحیح

وَمَنْ جَمَعَ بَیْنَ حُرٍّ وَعَبْدٍ اَوْ بَیْنَ شَاۃٍ ذَکِیَّۃٍ وَمَیْتَۃٍ بَطَلَ الْبَیْعُ فِیْھِمَا وَاِنْ جَمَعَ بَیْنَ عَبْدٍ وَمُدَبَّرٍ

ہو جائیگی اور جس نے جمع کیا آزاد اور غلام یا مذبوحہ اور مردہ بکری کو تو باطل ہوگی بیع دونوں میں اور اگر جمع کیا غلام اور مدبر کو

اَوْ بَیْنَ عَبْدِہٖ وَعَبْدِ غَیْرِہٖ اَوْ بَیْنَ مِلْکٍ وَوَقْفٍ صَحَّ فِی الْقِنِّ وَعَبْدِہٖ وَالْمِلْکِ.

یا اپنے اور دوسرے کے غلام کو یا مملوک اور موقوفہ کو تو صحیح ہوگی بیع خالص غلام اور اپنے غلام اور شئ مملوک میں

(۱)...... والامام الشافعی یقول بیع الرقیق بشرط العتق جائز وھو روایۃ عن ابی حنیفہ کما ذکرہ الاقطع عملاً بحدیث بریرۃ ۱۲۔ (۲)...... یعنی لا یجوز البیع الی ہذہ الآجال لانہا مجہولۃ فتفضی الی المنازعۃ الا اذا کانا یعرفانہ ۱۲ زیلعی۔ (۳) لان ہذہ الآجال تتقدم وتتاخر ۱۲۔ بحر۔ (۴) لان الجہالۃ الیسیرۃ محتملۃ فی الدین لا الجہالۃ الفاحشۃ ۱۲ مجمع۔ (۵) لان المفسد قد ارتفع قبل تقررہ فی القدوری تراضیا علی اسقاطہ" وخالفہ المولف فوحد الضمیر لقولہ فی الہدایۃ "وقولہ فی الکتاب تراضیا خرج وفاقاً لان من لہ الاجل یستبد باسقاطہ ۱۲ بحر۔

توضیح اللغۃ: زیت زیتون کا تیل، ظرف برتن، بطرح طرحا گرانا، زق مشک جس میں تیل وغیرہ کھا جائے، نعل جوتا، یحذو وہ کاٹ کر برابر کردے، یشرک تسمہ لگادے، حصاد کھیت کاٹنا، دیاستہ کھیت گاہنا، قطاف میوہ توڑنا، ذکیہ مذبوحہ، قن خالص غلام۔

تشریح الفقہ: قولہ وزیت الخ ایک شخص نے زیتون کا تیل خریدا اور یہ شرط لگائی کہ بائع تیل کو مع برتن تولیگا اور ہر مرتبہ برتن کے عوض میں ایک معین مقدار مثلاً پچاس رطل کم کرے گا۔ تو یہ بیع فاسد ہے۔ کیونکہ مقتضی عقد کے موافق اس خالی برتن کا جو وزن ہو اتنا ہی کم ہونا چاہیے۔ پس معین ارطال کی شرط مقتضی عقد کے خلاف ہے جس میں احد المتعاقدین کا نفع ہے۔ مثلاً اگر برتن کا وزن مشروط سے کم ہو تو مشتری کا نفع ہے اور زائد ہو تو بائع کا نفع ہے۔ اور یہ پہلے معلوم ہو چکا جو شرط مقتضی عقد کے خلاف ہو وہ مفسد بیع ہوتی ہے ہاں اگر برتن کے ہموزن مقدار کم کرنے کی شرط ہو تو بلاشبہ بیع صحیح ہوگی۔ کیونکہ یہ شرط مقتضی عقد کے بالکل موافق ہے۔

قولہ و ان اختلفا الخ ایک شخص نے برتن میں بھرا ہوا تیل خریدا اور برتن واپس کردیا۔ اب بائع مشتری کا باہم اختلاف ہوا۔ بائع کہتا ہے کہ وہ برتن نہیں ہے کوئی اور ہے اور وہ برتن تو پندرہ رطل کا تھا۔ مشتری کہتا ہے کہ یہ وہی برتن ہے اور دس رطل کا ہے تو مشتری کا قول معتبر ہوگا۔ کیونکہ یہ اختلاف یا تو مقبوضہ برتن کی تعیین میں ہے یا ثمن کی مقدار میں ہے اگر مقبوضہ برتن کی تعیین میں ہے تو قابض مشتری ہے اور قول قابض ہی کا معتبر ہوتا ہے اور اگر ثمن کی مقدار میں ہے تب بھی مشتری ہی کا قول معتبر ہوگا۔ کیونکہ وہ زیادتی ثمن کا منکر ہے اور قول منکر ہی کا معتبر ہوتا ہے قسم کے ساتھ۔

قولہ ولو امر ذمیا الخ ایک مسلمان نے کسی ذمی کو شراب فروخت کرنے یا خریدنے کا حکم کیا اور ذمی نے اس کے مطابق عقد کرلیا تو امام صاحب کے نزدیک عقد صحیح ہے، صاحبین کے نزدیک صحیح نہیں وہ یہ فرماتے ہیں کہ جو چیز وکیل کیلئے ثابت ہوتی ہے۔ وہ مؤکل کی طرف منتقل ہوتی ہے پس یہ ایسا ہو گیا جیسا اس نے خود کیا گو اور مسلمان کے لئے شراب اور خنزیر کا عقد کرنا جائز نہیں۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ حقیقی عاقد تو وکیل ہی ہے۔ کیونکہ اس میں مباشرت عقد کی اہلیت ہے، رہا موکل کی طرف منتقل ہونا سو وہ امر حکمی ہے فلا یمتنع بسبب الاسلام۔

قولہ و امۃ الخ لمتہ سے "قمیصا" تک گیارہ مسئلے ہیں (۱) باندی کی بیع اس شرط پر کی کہ مشتری اس کو آزاد کریگا (۲) یا مدبرہ بنائے گا (۳) یا مکاتبہ کریگا (۴) یا ام ولد بنائے گا (۵) باندی کی بیع کی اور اس کے حمل کا استثناء کرلیا (۶) باندی کی بیع کی اور یہ شرط لگائی کہ بائع ایک ماہ اس سے خدمت لے گا (۷) کوئی مکان فروخت کیا اور یہ شرط لگائی کہ میں اس میں ایک ماہ تک رہوں گا (۸) یا مشتری اس کو کچھ روپیہ قرض دے گا (۹) یا کوئی چیز ہدیہ کرے گا (۱۰) یا یہ شرط لگائی کہ اتنی مدت تک مبیع مشتری کے حوالہ نہ کرونگا (۱۱) کپڑا فروخت کیا اور مشتری نے یہ شرط لگائی کہ بائع کپڑے کو بیونت کرسی کے دیگا۔ ان تمام مسائل میں فساد بیع کا سبب مقتضی عقد کے خلاف شرط کا ہوتا ہے۔ اس واسطے کہ جب عقد میں کوئی ایسی شرط ہو جو نہ مقتضی عقد ہو نہ اس کے مناسب ہو۔ نہ شریعت میں اس کا جواز وارد ہو نہ اس میں تعامل ناس جاری ہو اور اس شرط میں اہل استحقاق کا فائدہ ہو ہر ایسی شرط مفسد عقد ہوتی ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلعم نے اس سے منع فرمایا ہے۔

قولہ و صح بیع نعل الخ ایک شخص نے اس شرط پر جوتی خریدی کہ بائع ان کو کاٹ کر برابر کردے یا ان میں تسمہ لگادے تو یہ شرط مقتضی عقد کے خلاف ہے مگر استحساناً بیع صحیح ہے۔ کیونکہ اس کا عام رواج ہے۔

قولہ و من جمع الخ ایک شخص نے عقد بیع میں آزاد اور غلام جمع کردیا۔ یا مذبوحہ اور مردہ بکری کو جمع کردیا تو امام صاحب کے نزدیک ہر دو میں بیع باطل ہے خواہ ہر ایک کا ثمن جدا جدا مذکور ہو یا نہ ہو۔ صاحبین فرماتے ہیں کہ اگر ہر ایک کا ثمن جدا جدا بیان کردیا جائے تو غلام اور مذبوحہ بکری میں بیع درست ہے۔ اور اگر بیع میں غلام کو اور مدبر کو جمع کردیا یا اپنے غلام کو اور کسی دوسرے کے غلام کو جمع کردیا یا اپنی مملوکہ شئی میں ان کے ثمن کے مطابق بیع جائز ہے۔ صاحبین کے قول کی وجہ یہ ہے کہ فساد بقدر مفسد ہوتا ہے اور مفسد کا تحقق آزاد اور مردار

صہ..... طبرانی (فی الاوسط) حاکم (فی علوم الحدیث) عن عمر بن شعیب عن ابیہ عن عن جدہ ۱۲

وغیرہ میں ہے کہ یہ مال نہ ہونے کی بنا پر محل بیع نہیں تو فساد انہیں کیساتھ خاص ہوگا اور غلام وغیرہ تک سرایت نہ کریگا جیسے کوئی شخص کسی اجنبیہ سے اور اپنی بہن سے یوں کہے کہ میں نے تم دونوں سے ایک ہزار کے عوض میں نکاح کرلیا کہ صرف بہن کا نکاح فاسد ہوگا نہ کہ اجنبیہ کا۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ آزاد اور مردار دونوں تحت العقد نہیں آسکتے۔ کیونکہ ان دونوں میں مالیت مفقود ہے اور صفقہ واحد ہے تو بائع نے غلام کی بیع میں قبولیت بیع حر کی شرط لگادی جو بالکل فاسد اور مقتضی عقد کے سراسر خلاف ہے۔ بخلاف مدبر و عبد غیر کے اور شئی موقوفہ کے کہ یہ فی الجملہ مال ہونے کی وجہ سے تحت العقد داخل ہیں۔ رہا عقد بیع کو عقد نکاح پر قیاس کرنا سو یہ صحیح نہیں کیونکہ عقد نکاح شروط فاسدہ سے فاسد نہیں ہوتا۔ بخلاف عقد بیع کے کہ وہ فاسد ہو جاتا ہے۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

فَصلٌ قَبَضَ الْمُشْتَرِیْ الْمَبِیْعَ فِی الْبَیْعِ الْفَاسِدِ بِاَمْرِ الْبَائِعِ وَکُلٌّ مِنْ عِوَضَیْهِ مَالٌ مَلَکَ الْمَبِیْعَ بِقِیْمَتِهٖ

(فصل) قبضہ کرلیا مشتری نے مبیع پر بیع فاسد میں بائع کی اجازت سے اور عوضین میں سے ہر ایک مال ہے تو مالک ہو جائیگا مبیع کا اس کی قیمت کیساتھ

وَلِکُلٍّ مِنْهُمَا فَسْخُهٗ اِلَّا اَنْ یَبِیْعَ الْمُشْتَرِیْ اَوْ یَهَبَ اَوْ یُحَرِّرَ اَوْ یَبْنِیْ وَلَهٗ اَنْ یَمْنَعَ الْمَبِیْعَ عَنِ الْبَائِعِ

اور ان میں سے ہر ایک کیلئے ہے اس کو فسخ کرنا مگر یہ کہ مشتری فروخت کردے یا ہبہ کردے یا آزاد کردے یا عمارت بنالے اور مشتری روک سکتا ہے

حَتّٰی یَاْخُذَ الثَّمَنَ مِنْهُ وَطَابَ لِلْبَائِعِ مَارَبِحَ لَا لِلْمُشْتَرِیْ

مبیع کو بائع سے یہاں تک کہ لے لے اس سے ثمن اور حلال ہے بائع کیلئے وہ جو اس نے نفع حاصل کیا نہ کہ مشتری کے لئے اگر دعویٰ کیا دوسرے پر

وَلَوْ اِدَّعٰی اٰخَرَ دَرَاهِمَ فَقَضَاهَا اِیَّاهُ ثُمَّ تَصَادَقَا اَنَّهٗ لَاشَیْئَ لَهٗ عَلَیْهِ طَابَ لَهٗ رِبْحُهٗ.

کچھ درہموں کا اور دوسرے نے اس کو درہم دیدیے پھر دونوں سچ پر آگئے کہ اس کا مدعا علیہ پر کچھ نہیں تھا تو حلال ہے مدعی کے لئے اس کا نفع

ثمن و مبیع میں بائع اور مشتری کے تصرفات کے احکام

تشریح الفقہ: قولہ قبض الخ جب بیع فاسد میں مشتری بائع کے حکم سے مبیع پر قبضہ کرلے اور عقد کے دونوں عوض میں ثمن اور مبیع مال ہوں تو احناف کے یہاں مشتری مبیع کا مالک ہو جاتا ہے اب اگر مبیع مثلیات میں سے ہو تو مثل اور ذوات القیم میں سے ہو تو قیمت دینی پڑیگی اور قیمت میں قبضہ کے دن کا اعتبار ہوگا(۱) ائمہ ثلاثہ کے یہاں مشتری مبیع کا مالک نہیں ہوتا کیونکہ ملک ایک نعمت ہے اور بیع فاسد محظور ہے اور محظور کے ذریعہ نعمت کا حصول نہیں ہوتا ہم یہ کہتے ہیں کہ متعاقدین جن سے ایجاب وقبول کا صدور ہوا ہے وہ عاقل بالغ ہیں اور مبیع محل عقد ہے تو لامحالہ بیع کو منعقد مانا جائے گا رہا اس کا محظور ہونا سو وہ امر خارج کی وجہ سے ہے نہ کہ اصل عقد کیوجہ سے۔

قولہ ولکل منهما الخ بیع فاسد چونکہ معصیت ہے اسلئے جب تک مبیع بلا تصرف بحال خود موجود ہو اس وقت تک متعاقدین کے لئے مبیع کو فسخ کرنا ضروری ہے لیکن اگر مشتری نے مبیع میں کوئی تصرف کرلیا مثلاً فروخت کردیا یا ہبہ کردیا یا غلام تھا اس کو آزاد کردیا یا زمین تھی اس میں مکان بنالیا تو ان صورتوں میں بیع فسخ نہ ہوگی کیونکہ مشتری قبضہ کی وجہ سے مبیع کا مالک ہو چکا اور اس کے تصرفات نافذ ہو چکے اور بائع کا حق واپسی بھی منقطع ہو چکا۔

قولہ وطاب للبائع الخ میں بائع کو جو نفع حاصل ہو وہ اس کے لئے حلال ہے لیکن جو نفع مشتری کو حاصل ہو وہ اس کیلئے حلال نہیں مثلاً ایک شخص نے بیع فاسد سے ایک باندی ہزار درہم میں خریدی اور بائع نے ثمن پر اور مشتری نے باندی پر قبضہ کرلیا پھر مشتری نے باندی کو نفع کے ساتھ فروخت کردیا ادھر بائع نے ثمن سے کچھ فائدہ حاصل کیا تو بائع کیلئے نفع حلال ہے مشتری کے لئے حلال نہیں وجہ یہ ہے کہ

(۱) .... مگر یہ اس وقت ہے جب مبیع ہلاک ہو جائے یا کسی وجہ سے واپسی متعذر ہو جائے ورنہ رد عین واجب ہے۔

باندی ان چیزوں میں سے ہے جو متعین ہو جاتی ہیں چنانچہ اگر کوئی شخص معین باندی فروخت کرے تو وہ اسکی جگہ دوسری باندی نہیں دے سکتا پس عقد کا تعلق تعین مال کے ساتھ ہوا اور اس کے نفع میں برائی راسخ ہوگئی اس لئے مشتری کے حق میں وہ نفع حلال نہیں بخلاف دراہم ودنانیر کے کہ وہ عقود میں متعین نہیں ہوتے لہذا عقد متعین مال سے متعلق نہ ہوا پس اس کے نفع میں برائی متمکن نہ ہوئی لہذا بائع کے حق میں نفع حلال ہے۔

قولہ ولو ادعیٰ الخ ایک شخص نے دوسرے پر کچھ مال کا دعویٰ کیا مدعیٰ علیہ نے اقرار کر لیا اور مال دے بھی دیا مدعی نے اس مال سے کچھ نفع حاصل کر لیا اس کے بعد تصادق طرفین سے ظاہر ہوا کہ مدعیٰ علیہ پر مدعی کا کوئی مال نہیں تھا چنانچہ مدعی نے مال واپس کر دیا تو مدعی کیلئے وہ نفع حلال ہے جو اس نے حاصل کیا ہے وجہ یہ ہے کہ مدعیٰ علیہ نے جو مال ادا کیا ہے وہ اس دین کا بدل جو اس کے اقرار کیوجہ سے مدعی کا حق بن چکا ہے اذالمرء یو خذباقرارہ پس مدعی اس مال کے عوض اپنے دین کو فروخت کرنے والا ہو گیا اس کے بعد عدم دین پر باہمی تصادق کی وجہ سے مدعی گویا دین کا مستحق ہو گیا اور دین مستحق مملوک بملک فاسد ہوتا ہے اور جو خبث فساد ملک کے سبب سے ہو وہ صرف متعین مال میں عمل کرتا ہے نہ کہ غیر متعین میں۔

فَصلٌ: وَكُرِهَ النَّجشُ وَالسَّوْمُ عَلٰى سَوْمِ غَيْرِهٖ وَتَلَقِّي الْجَلَبِ وَبَيْعِ الْحَاضِرِ لِلْبَادِيْ

(فصل) مکروہ ہے بلا ارادہ خریداری قیمت بڑھانا اور دوسرے کے بھاؤ پر بھاؤ لگانا اور آگے جا کر اناج والے قافلہ سے ملنا اور شہری کا باہر والے کے لئے

وَالْبَيْعِ عِنْدَ اَذَانِ الْجُمُعَةِ لَا بَيْعُ مَنْ يَزِيْدُ وَلَا يُفَرَّقُ بَيْنَ صَغِيْرٍ وَذِي رَحِمٍ مُحْرَمٍ مِنْهُ بِخِلَافِ الْكَبِيْرَيْنِ وَالزَّوْجَيْنِ.

بیچنا اور جمعہ کی اذان کے وقت بیچنا اور مکروہ نہیں نیلام اور نہ تفریق کی جائے کم سن اور اس کے قریبی رشتہ دار کے درمیان بخلاف کبیرین اور زوجین کے۔

بیوعات مکروہہ کا بیان

تشریح الفقہ: قولہ وکرہ الخ نجش یعنی بلا ارادہ خریداری دوسروں کو ابھارنے اور پھنسانے کیلئے قیمت بڑھانا مکروہ ہے کیونکہ آنحضرت صلعم نے اس سے منع فرمایا ہے مگر یہ اس وقت ہے کہ جب اس شئی کو پوری قیمت لگ چکی ہو ورنہ بقدر قیمت ثمن زیادہ کرنا مکروہ نہیں کیونکہ اس میں بائع کا فائدہ ہے اور مشتری کا کوئی نقصان نہیں (جوہرہ) دوسرے کے بھاؤ پر بھاؤ لگانا جبکہ بائع اور مشتری مقدار ثمن پر متفق ہو چکے ہوں مکروہ ہے کیونکہ آپ نے اس سے بھی منع فرمایا ہے تلقی جلب یعنی اہل شہر کا آگے بڑھ کر اناج والے قافلہ سے ملکر سستا غلہ خریدنا مکروہ ہے جبکہ اہل قافلہ کو شہر کا نرخ معلوم نہ ہو کیونکہ حدیث میں اس کی ممانعت ہے قحط سالی میں باہر کا آدمی اناج فروخت کرنے کے لئے لایا شہری نے اس سے کہا کہ جلدی نہ کر میں گراں بیچدوں گا تو ایسا کرنا مکروہ ہے کیونکہ اس میں اہل شہر کا نقصان ہے اور حدیث میں ممانعت ہے جمعہ کے دن اذان اول کے وقت خرید وفروخت کرنا مکروہ ہے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے "جب جمعہ کے دن اذان کہی جائے تو اللہ کے ذکر (یعنی نماز) کی طرف سعی کرو اور خرید وفروخت چھوڑ دو" قیل وقد خص منہ من لاجمعۃ علیہ۔

قولہ لابیع من یزید الخ بیع من یزید جس کو نیلام کہتے ہیں مکروہ نہیں ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ "ایک انصاری شخص نے حضور اکرم صلعم کی خدمت میں سوال کیلئے حاضر ہوا۔ آپ صلعم نے فرمایا تیرے گھر میں کوئی چیز ہے؟ اس نے عرض کیا:۔ یارسول اللہ! ایک کمبل اور ایک پیالہ ہے' آپ صلعم نے فرمایا:۔ میرے پاس لاوہ لے آیا۔ آپ صلعم نے لوگوں سے کہا ان کو کون خریدتا ہے؟ ایک شخص نے کہا:۔ میں ایک درہم میں خریدتا ہوں آپ صلعم نے دو یا تین بار فرمایا:۔ من یزید علی درھم ؟ تو ایک شخص نے کہا: میں دو درہم میں خریدتا ہوں الیٰ آخر الحدیث۔

عہ..... صحیحین عن ابی ہریرۃ ۱۲۔ عہ..... صحیحین عن ابن ابی ہریرۃ ۱۲۔ عہ..... صحیحین عن ابی ہریرۃ ۱۲۔ للعہ..... صحیحین عن ابی ہریرۃ وانس وابن عباس، بخاری عن ابن عمر، مسلم عن جابر ۱۲۔

قوله ولا یفرق الخ نابالغ غلام اور اس کے نسبی قرابتدار کے درمیان تفریق کیجائے جیسے باپ اور بیٹے کے درمیان دو بھائیوں کے درمیان کیونکہ حدیث میں اس کی سخت ممانعت ہے نیز آنحضرت صلعم نے حضرت علیؓ کو دو نابالغ غلام ہبہ کئے جو آپس میں بھائی بھائی تھے اس کے بعد ان کا حال دریافت فرمایا حضرت علیؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے ان میں سے ایک کو فروخت کر دیا آپ نے فرمایا: ادرک ادرک' ایک روایت میں ہے اردد اردد اہ ہاں اگر وہ بالغ ہوں تو تفریق میں کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ آنحضرت صلعم سے ماریہ و سیرین کے درمیان تفریق ثابت ہے جو آپس میں بہنیں تھیں ولا ید خل الزو جان لان النص ورد علیٰ خلاف القیاس فیقتصر علیٰ مورده۔

فائدہ: نابالغ غلام اور اس کے نسبی قرابتدار کے درمیان بطریق بیع یا بطریق ہبہ تفریق جائز نہیں مگر گیارہ صورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں (۱) اعتاق (۲) توابع اعتاق (۳) اس شخص کے ہاتھ فروخت کرنا جس نے غلام آزاد کرنے کے قسم کھائی ہو (۴) جبکہ غلام کا مالک کافر ہو (۵) جب مالک متعدد ہوں (۶) جب نابالغ کے کئی قرابت دار ہوں (۷) جب نابالغ کا قرابت دار کسی غیر کا مستحق نکلے (۸) غلام کو غلام کی جنایت میں دینا (۹) غلام کو مدیون غلام کے دین میں فروخت کرنا (۱۰) مال غیر کے اتلاف میں غلام کو فروخت کرنا (۱۱) عیب کے سبب سے واپس کرنا' صاحب بحر نے بارہویں صورت یہ زائد کی ہے کہ نابالغ قریب البلوغ ہو اور اس کی ماں اس کی بیع سے راضی ہو۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

باب الا قالة

باب اقالہ کے بیان میں

هِیَ فَسْخٌ فِی حَقِّ الْمُتَعَاقِدَیْنِ بَیْعٌ فِی حَقِّ ثَالِثٍ وَتَصِحُّ بِمِثْلِ الثَّمَنِ الاَوَّلِ

وہ فسخ ہے متعاقدین میں اور بیع ہے تیسرے کے حق میں اور صحیح ہے ثمن اول کے مثل کیساتھ

وَشَرْطُ الاَکْثَرِ اَوِ الاَقَلِّ بِلاَ تَعَیُّبٍ وَجِنْسٍ اٰخَرَ لَغْوٌ وَلَزِمَهُ الثَّمَنُ الاَوَّلُ وَهَلاَکُ الثَّمَنِ لاَیَمْنَعُ الاِقَالَةَ

اور شرط کرنا کمی بیشی کی معیوب ہوئے بغیر یا جنس آخر کی لغو ہے اور لازم ہوگا اس کو پہلا ثمن اور ہلاک ہوجانا ثمن کا مانع اقالہ نہیں

وَهَلاَکُ الْمَبِیْعِ یَمْنَعُ وَهَلاَکُ بَعْضِهٖ بِقَدْرِهٖ.

ہاں مبیع کا ہلاک ہوجانا مانع ہے اور ہلاک ہوجانا بعض مبیع کا مانع ہے اسی قدر کے اقالہ سے

تشریح الفقہ: قوله باب الخ بیع فاسد کے ساتھ اقالہ کی مناسبت یہ ہے کہ ان دونوں میں فسخ عقد کے ذریعہ مبیع بائع کے پاس واپس ہوتی ہے' اقالہ اجوف یائی ہے یقال'' قلته البیع و اقتله''میں بیع کو توڑ دیا (قاموس) واقال الله عزته اذار فعه من سقوطہ یعنی گرنے سے اٹھانا' درگذر کرنا (مصباح) بعض حضرات نے اس کو قول سے مشتق مان کر اجوف واوی کہا ہے اور ہمزہ کو سلب کیلئے لیا ہے مگر یہ کئی وجہ سے صحیح نہیں (۱) عرب قلت البیع بولتے ہیں' اگر قول سے مشتق ہوتا تو قلت بولتے (۲) اس کا ثلاثی مصدر یائی آتا ہے نہ کہ واوی' فی مجموع اللغہ ''قال البیع قیلاً فسخه (۳) اہل لغت صاحب قاموس وصحاح وغیرہ نے اس کو (ق ی ل) کے مادے میں ذکر

عہ..... ائمہ اربعہ' ابن راهو یه' ابو یعلی الموصلی عن انس ۱۲۔ للعہ..... ترمذی' حاکم' احمد' بیهقی' دارمی عن ابی ایوب انصاری دار قطنی عن سلیم العذری' حاکم عن عمران بن حصین' دارقطنی عن ابی موسی الاشعری ۱۲۔ عہ..... ترمذی ابن ماجه' دارقطنی' حاکم' احمد بزار' ابن راهو یه عن علی ۱۲۔ للعہ..... بزار' عن بریدة' عن عبدالرحمن بن عبدالقاری وحاطب بن ابی بلتعه ۱۲۔

کیا ہے نہ کہ (ق و ل) کے مادے میں اصطلاح شرح میں اقالہ بیع کو اس کے ثبوت کے بعد زائل اور فسخ کرنے کو کہتے ہیں صاحب جوہرؔ نے تعریف میں عقد ذکر کیا ہے جو اقالہ بیع اور اقالہ اجارہ وغیرہ سب کو شامل ہے۔

قولہ ھی فسخ الخ اگر اقالہ بعد القبض ہو اور صریح الفاظ اقالہ کے ساتھ ہو تو متعاقدین کے علاوہ تیسرے کے حق میں بالاجماع بیع جدید کے حکم میں ہوتا ہے لیکن خود متعاقدین کے حق میں بیع ہے یا فسخ؟ اس میں اختلاف ہے امام صاحب کے یہاں اقالہ موجبات عقد یعنی ان امور میں جو نفس عقد کے ذریعہ ثابت ہو جاتے ہیں فسخ کے حکم میں ہوتا ہے اور اگر کسی وجہ سے یہ نہ ہو سکے (مثلاً مبیع بکری تھی قبضہ کے بعد اس کے بچہ پیدا ہو گیا یا غیر مقایضہ میں مبیع ہلاک ہو گئی کہ ان صورتوں میں فسخ متعذر ہے) تو اقالہ باطل ہو جائے گا یہ تو اس وقت ہے جب اقالہ بعد القبض ہو اور اگر قبل القبض ہو تو متعاقدین وغیرہ متعاقدین کے حق سے فسخ کے حکم میں ہوگا (بشرطیکہ مبیع زمین نہ ہو) امام ابو یوسفؒ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے قول قدیم میں اقالہ متعاقدین کے حق میں بیع ہوتا ہے۔ اور اگر بیع ہونا متعذر ہو بایں طور کہ اقالہ اشیاء منقولہ میں قبضہ سے پہلے ہو یا بیع مقایضہ میں احد العوضین کی ہلاکت کے بعد ہو تو اقالہ فسخ کے حکم میں ہوگا اور اگر یہ بھی متعذر ہو جائے بایں طور کہ اشیا منقولہ میں قبضہ سے پہلے اقالہ ثمن اول سے زائد یا کم کے عوض میں ہو یا جنس آخر کے عوض میں ہو یا غیر مقایضہ میں اسباب ہلاک ہو جانے کے بعد ہو تو اقالہ باطل ہو جائے گا امام محمد امام زفر اور امام شافعیؒ کے قول جدید میں اقالہ فسخ بیع ہوتا ہے اگر ثمن اول یا اس سے کم کے عوض میں ہو اور اگر فسخ ہونا متعذر ہو تو بیع ہوتا ہے اور یہ بھی نہ ہو سکے تو اقالہ باطل ہو جاتا ہے **ھذا و الا دلۃ فی المطولات۔**

قولہ وتصح الخ اگر اقالہ میں ثمن اول سے زائد کی شرط لگائی گئی مثلاً ثمن اول پانچ سو روپے تھا اور اقالہ میں ایک ہزار کی شرط لگائی یا ثمن اول سے کم کی شرط لگائی اور مبیع علی حالہ موجود ہے اس میں کوئی عیب پیدا نہیں ہوا یا اقالہ میں جنس آخر کی شرط لگائی گئی مثلاً خرید دراہم کی عوض میں ہوئی تھی اور اقالہ میں دنانیر کی شرط کر لی تو ان تمام صورتوں میں امام صاحب کے نزدیک اقالہ ثمن اول کے ساتھ ہوگا اور شرطیں سب لغو ہوں گی صاحبین کے نزدیک پہلی اور تیسری صورت میں شرط کے مطابق ہوگا بشرطیکہ اقالہ بعد القبض ہوا ہو اور اقالہ بیع جدید کے حکم میں ہوگا اور دوسری صورت میں طرفین کے نزدیک ثمن اول کے ساتھ ہوگا اور امام ابو یوسف کے نزدیک شرط کے مطابق ہوگا۔

باب التولیة والمرابحة

باب تولیہ اور مرابحہ کے بیان میں

هِيَ بَيْعٌ بِثَمَنٍ سَابِقٍ وَالْمُرَابَحَةُ بِهِ وَبِزِيَادَةٍ وَشَرْطُهُمَا كَوْنُ الثَّمَنِ الأَوَّلِ مِثْلِيًّا.

وہ بیچنا ہے ثمن سابق کے ساتھ اور مرابحہ بیچنا ہے ثمن سابق پر زیادتی کے ساتھ اور شرط ان دونوں کی ہونا ہے ثمن اول کا مثلی

تشریح الفقہ: قولہ باب التوالیة الخ جن بیوع کا تعلق اصل یعنی مبیع کے ساتھ ہوتا ہے ان کے بیان سے فراغت کے بعد ان بیوع کو ذکر کر رہا ہے جن کا تعلق ثمن کیساتھ ہوتا ہے یعنی اب تک ان بیوع کا بیان تھا جن میں مبیع ملحوظ ہوتی ہے اور اب ان بیوع کا بیان شروع ہو رہا ہے جن میں تبعاً ثمن ملحوظ ہوتی ہے اور وہ چار ہیں تولیہ مرابحہ (جن کی تعریف آگے آ رہی ہے) مساومہ جس میں ثمن اول کی طرف التفات نہیں ہوتی بلکہ جس مقدار پر بھی متعاقدین کا اتفاق ہو جائے بیع کی یہی قسم اکثر رائج ہے وضیعہ جس میں بیع ثمن اول سے کم کے ساتھ ہوتی ہے سوداگروں میں اس کا رواج بہت کم ہے **ولم یذکر ھما المصنف لظھور ھما قولہ ھی بیع الخ** تولیہ لغۃً ولی غیرہ کا

---

(۱) قید بہ لانہ اذا تعیب المبیع عند المشتری تجوز الاقالۃ بالاقل بشرط ان یکون النقصان بقدر حصۃ العیب ۱۲۔

عہ...... لان رفع المبیع یستدعی قیامہ وھو قائم بالمبیع دون الثمن ۱۲۔ ہدایہ

مصدر ہے بمعنی کارساز بنانا شرعاً وہ بیع ہے جس میں شئی مملوک کو ثمن اول کیساتھ فروخت کیا جائے مرابحہ میں بھی بیع ثمن اول ہی کیساتھ ہوتی ہے لیکن اس زیادتی کیساتھ جو اس پر خرچ میں آئی ہو ان دونوں کی صحت کیلئے ثمن کا مثلی دراہم ودنانیر یا کیلی یا وزنی یا عددی متقارب ہونا شرط ہے کیونکہ مثلی نہ ہونے کی صورت میں تولیہ اور مرابحہ قیمت پر ہوگا اور قیمت مجہول ہے فلایصح۔

وَلَهُ اَنْ يَضُمَّ اِلىٰ رَأْسِ الْمَالِ اَجْرَ الْقَصَّارِ وَالصِّبْغِ وَالطِّرَازِ وَالْفَتْلِ وَحَمْلِ الطَّعَامِ وَسُوْقِ الْغَنَمِ

ملا سکتا ہے راس المال کیساتھ اجرت دھوبی کی رنگائی کی نقش کی پھندے بٹنے کی غلہ اٹھانے کی بکریاں ہنکائی کی

وَيَقُوْلُ قَامَ عَلَيَّ بِكَذَا وَلَا يَضُمُّ اُجْرَةَ الرَّاعِي وَالتَّعْلِيْمِ وَكِرَاءِ بَيْتِ الْحِفْظِ فَاِنْ خَانَ فِي مُرَابَحَةٍ اَخَذَ بِكُلِّ

اور کہے کہ مجھے اتنے میں پڑی ہے نہ ملائے اجرت چرواہے کی تعلیم مکان حفاظت کے کرایہ کی پس اگر دغا کرے مرابحہ میں تو لے کل ثمن کے ساتھ

ثَمَنِهٖ اَوْ رَدَّهُ وَحَطَّ فِي التَّوْلِيَةِ وَمَنِ اشْتَرىٰ ثَوْبًا فَبَاعَهُ بِرِبْحٍ ثُمَّ اشْتَرَاهُ فَاِنْ بَاعَهُ بِرِبْحٍ

یا واپس کر دے اور کم کر دے تولیہ میں جس نے خریدا کپڑا پھر بیچا اس کو نفع سے پھر خرید لیا اس کو تو اگر پھر بیچنا چاہے اس کو نفع سے

طَرَحَ عَنْهُ كُلَّ رِبْحٍ قَبْلَهُ وَاِنْ اَحَاطَ بِثَمَنِهٖ لَمْ يُرَابِحْ.

تو اس سے پہلی دفعہ کا کل نفع وضع کر دے اور اگر محیط ہو جائے نفع ثمن کو تو نفع سے نہ بیچے۔

تشریح الفقہ: قولہ فان خان الخ اگر مرابحہ میں بائع کی خیانت ظاہر ہو مثلاً اس نے چیز نو روپے میں خریدی تھی اور بتایا کہ میں نے دس روپے میں خریدی ہے یا ثمن کے ساتھ صرفہ ملا لیا جن کا ملانا جائز نہیں تو امام صاحب کے نزدیک مشتری کو اختیار ہے چاہے کل ثمن کے ساتھ لے چاہے واپس کر دے اور اگر تولیہ میں خیانت ظاہر ہوئی تو بقدر خیانت ثمن کم کر دے امام محمد کے نزدیک دونوں میں اختیار ہے کہ چاہے کل ثمن کے ساتھ لے چاہے واپس کر دے کیونکہ عقد میں اعتبار تسمیہ وتعین کا ہے مرابحہ وتولیہ کا ذکر برائے ترغیب ہے پس انکا ذکر وصف مرغوب ہوا جس کے فوت ہونے کی صورت میں اختیار ہوتا ہے امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ ان کے ذکر کرنے کا مقصد اس عقد کا مرابحہ اور تولیہ کرنا ہے نہ کہ محض تسمیہ اسلئے عقد ثانی اول پر مبنی ہوگا اور خیانت کی جو مقدار ظاہر ہوئی وہ عقد اول میں ثابت نہ تھی اسلئے اسکو عقد ثانی میں ثابت نہیں کیا جا سکتا پس لامحالہ اس مقدار کو کم کیا جائے گا امام صاحب فرماتے ہیں کہ اگر تولیہ میں بقدر خیانت ثمن کم نہ ہو تو تولیہ نہ رہے گا کیونکہ تولیہ ثمن اول سے زائد نہیں ہوتا بخلاف مرابحہ کے اگر اسمیں ثمن کم نہ ہو تو وہ مرابحہ ہی رہتا ہے۔

قولہ ومن اشتری الخ ایک شخص نے کپڑا خرید کر نفع فروخت کر دینے کے بعد پھر اسی کو خرید لیا اب اگر اسکو دوبارہ نفع کے ساتھ ساتھ فروخت کرنا چاہے تو امام صاحب کے نزدیک وہ نفع کم کر دے جو اس سے قبل لے چکا ہے مثلاً اس نے کپڑا دس میں خرید کر پندرہ میں فروخت کیا اور پھر دس میں خرید لیا تو اگر مرابحۃً فروخت کرنا چاہے تو پانچ روپے کم کر کے یوں کہے کہ مجھے پانچ میں پڑا ہے پھر اس پر جتنا چاہے نفع لے لے اور اگر نفع ثمن کو محیط ہو جائے مثلاً دس کا خرید بیس کا فروخت کیا اور پھر دس میں خرید لیا تو اب دوبارہ مرابحۃً نہ بیچے صاحبین کے نزدیک دونوں صورتوں ثمن اخیر یعنی دس پر نفع لے سکتا ہے وہ فرماتے ہیں کہ عقد ثانی ایک نیا عقد ہے جو عقد اول کے احکام سے بالکل جداگانہ ہے تو اس پر مرابحہ قائم ہو سکتا ہے۔

جیسے کوئی تیسرا شخص درمیان میں آ جائے مثلاً زید نے خالد کے ہاتھ فروخت کیا اور خالد نے محمود کے ہاتھ پھر محمود سے زید نے خرید لیا تو بالاتفاق خرید ثانی پر نفع لینا جائز ہے امام صاحبؒ یہ فرماتے ہیں کہ عقد ثانی کے ذریعہ حصول نفع کا شبہ قائم ہے اور بیع مرابحہ میں شبہ بھی

(۱) ان العرف جار بالحاق ہذہ الاشیاء براس المال فی عادۃ التجار ۱۲۔ (۲) لعدم العرف بالحاق ہذہ الاشیاء ۱۲۔

حقیقت کے درجہ میں ہوتا ہے پس پہلی صورت میں گویا اس نے پانچ درہم اور ایک کپڑا دس درہم کے عوض میں خریدا تو پانچ درہم پانچ درہموں کے مقابلے میں ہوگئے اور پانچ درہم کے مقابلہ میں کپڑا رہ گیا' اور دوسری صورت میں اور ایک کپڑا دس درہم کے عوض میں خریدا تو دس درہم دس درہم کے مقابلہ میں ہوگئے اور کپڑے کے مقابلہ میں کچھ باقی نہیں رہا فلا یبیعه مرابحةً۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَلَوِاشْتَرٰی مَاذُوْنٌ مَدْیُوْنٌ ثَوْبًا بِعَشْرَةٍ وَبَاعَهٗ مِنْ سَیِّدِهٖ بِخَمْسَةَ عَشَرَ یَبِیْعُهٗ مُرَابَحَةً عَلٰی عَشَرَةَ

اگر خریدا ماذون ومقروض غلام نے کوئی کپڑا دس میں اور بیچا اس کو اپنے آقا کے ہاتھ پندرہ میں تو مالک اس کو بطور مرابحہ دس پر فروخت کرے

وَکَذَا الْعَکْسُ وَلَوْ کَانَ مُضَارِبًا بِالنِّصْفِ یَبِیْعُ مُرَابَحَةً رَبُّ الْمَالِ بِاِثْنَیْ عَشَرَ وَنِصْفٍ وَیُرَابِحُ

اسی طرح اس کا عکس ہے اور اگر خریدار مضارب بالنصف ہو تو رب المال بطور مرابحہ ساڑھے بارہ پر نفع سے فروخت کرے اور مرابحت کرسکتا ہے

بِلَابَیَانٍ بِالتَّعَیُّبِ وَوَطْیِ الثَّیِّبِ وَبِبَیَانٍ بِالتَّعْیِیْبِ وَوَطْیِ الْبِکْرِ

بیان کئے بغیر اگر مبیع خود معیوب ہوگئی ہو یا ثیبہ کے ساتھ وطی کرلی ہو اور بیان کرنے کے ساتھ اگر معیوب کردیا ہو یا باکرہ سے وطی کرلی ہو

وَلَوْ اِشْتَرٰی بِاَلْفٍ نَسِیْئَةً وَبَاعَ بِرِبْحِ مِائَةٍ وَلَمْ یُبَیِّنْ خُیِّرَ الْمُشْتَرِیْ فَاِنْ اَتْلَفَ فَعَلِمَ

اگر خریدی کوئی چیز ایک ہزار میں ادھار اور بیچا اس کو ایک سو کے نفع سے اور بیان نہیں کیا تو مشتری کو اختیار دیا جائے گا پس اگر تلف کرنے کے بعد

لَزِمَ بِاَلْفٍ وَمِائَةٍ وَکَذَا التَّوْلِیَةُ وَمَنْ وَلّٰی رَجُلاً شَیْئًا بِمَا قَامَ عَلَیْهِ

معلوم ہوا تو لازم ہوگی گیارہ سو میں یہی حال تولیہ کا ہے اور جس نے کسی کو کوئی چیز اتنے میں فروخت کی جتنے میں اس کو پڑی ہے

وَلَمْ یَعْلَمِ الْمُشْتَرِیْ بِکَمْ قَامَ عَلَیْهِ فَسَدَ وَلَوْ عَلِمَ فِی الْمَجْلِسِ خُیِّرَ.

اور مشتری کو معلوم نہیں کہ کتنے میں پڑی ہے تو بیع فاسد ہوگی اور اگر اس کو مجلس میں معلوم ہوجائے تو اختیار ہوگا۔

تشریح الفقہ: قوله ولو اشتری الخ ماذون ومقروض غلام نے ایک کپڑا دس میں خرید کر اپنے آقا کے ہاتھ پندرہ میں فروخت کردیا یا آقا نے دس میں خرید کر اپنے ماذون کے ہاتھ پندرہ میں فروخت کردیا تو ان میں سے ہر ایک دس درہم نفع لیکر فروخت کرسکتا ہے اس واسطے کے یہ عقد ملک غیر میں مفید تصرف ہونے کی وجہ سے گو جائز ہے مگر اس میں عدم عقد کا شبہ موجود ہے کیونکہ غلام کا مال آقا کے حق سے خالی نہیں ہوتا تو گویا آقا نے اپنی ذاتی ملک کی خرید وفروخت اپنی ذات کے ساتھ کی ہے اسلئے مرابحہ میں اس کو معدوم فرض کیا جائے گا۔

قوله ولو کان مضار باًالخ ایک شخص کے پاس مضاربت بالنصف کے طور پر دس روپے تھے اس نے ان سے کپڑا خرید کر صاحب مال کے ہاتھ پندرہ روپے میں فروخت کرڈالا تو اب صاحب مال اس کو بطور مرابحہ ساڑھے بارہ میں فروخت کرے گا وجہ یہ ہے کہ قیاس کی رو سے مضارب کا رب المال کے ہاتھ فروخت کرنا عدیم النفع ہونے کی وجہ سے جائز نہیں کیونکہ نفع تو اجنبی کے ہاتھ فروخت کرنے سے ہوتا ہے لیکن یہاں ایک اور فائدہ کے پیش نظر بیع کو جائز رکھا گیا ہے وہ فائدہ یہ ہے کہ جب یہ رب المال نے مال مضارب کے حوالے کردیا تو مال سے اس کا حق تصرف ساقط ہوگیا اور مضارب سے خرید لینے کی صورت میں اس کو یہ حق دوبارہ حاصل ہوسکتا ہے اس لئے بیع کو منعقد مان لیا گیا مگر اس میں عدم جواز کا شبہ موجود ہے کیونکہ بیع مبادلہ مال بالمال کا نام ہے اور یہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب تبادلہ غیر کے مال سے ہو اور جب یہ شبہ موجود ہے تو نصف ربح کے حق میں بیع ثانی معدوم ہوئی کیونکہ نصف ربح یعنی اڑھائی درہم رب المال

ای ہی مثل المرابحۃ فیما ذکرناہ من الخیار عند قیام المبیع وعدم الرجوع حال ہلاکہ لا بتائہما علی الثمن الاول وینبغی ان یعود قولہ "وکذا التولیۃ" الی جمیع ما ذکرہ للمرابحۃ فلا بد من البیان فی التولیۃ ایضا فی التعییب ووطی البکر وبدونہ فی التعیب ووطی الثیب ۱۲۔

کاحق ہے تو شبہ خیانت سے بچنے کے لئے ثمن سے اڑھائی درہم گرادے اور ساڑھے بارہ پر نفع لے۔

قولہ ویرابح الخ ایک شخص نے کوئی چیز خریدی اور وہ اس کے پاس کسی آفت سماویہ کی وجہ سے معیوب ہوگئی یا ثیبہ باندی تھی اس سے وطی کرلی تو وہ بلا بیان نفع لیکر فروخت کرسکتا ہے یعنی یہ بیان کرنا ضروری نہیں کہ میں نے صحیح سالم لی تھی یہ مطلب نہیں کہ نفس عیب بھی بیان نہ کرے اور اگر خود اس کے فعل سے معیوب ہوئی یا باندی باکرہ تھی اس سے وطی کرلی تو بوقت مرابحہ اس کو بیان کرنا ضروری ہے کیونکہ اوصاف کے مقابلہ میں گو قیمت نہیں آتی لیکن اتلاف کی صورت میں اوصاف بھی مقصود ہوجاتے ہیں اس لئے ان کے مقابلہ میں قیمت آئے گی امام زفر ائمہ ثلاثہ اور ایک روایت کے لحاظ سے امام ابو یوسف کے نزدیک ہر حال میں عیب بیان کرنا ضروری ہے فقیہ ابواللیث نے اسی کو لیا ہے اور اسی کو کمال الدین نے ترجیح دی ہے اسی کو منح اور برہان میں ثابت رکھا ہے۔

قولہ ولو اشتری الخ ایک شخص نے کوئی کپڑا ہزار درہم میں ادھار خریدا اور بطور مرابحہ گیارہ سو میں فروخت کیا اور یہ بیان نہیں کیا کہ میں نے ادھار خریدا ہے تو مشتری کو اختیار ہے چاہے کل ثمن کے ساتھ لے اور چاہے واپس کردے اس واسطے کہ بیع نسیئہ میں جو مدت ہوتی ہے وہ بھی مبیع کے مشابہ ہوتی ہے۔ اس لئے ادھار کی صورت میں ثمن زائد ہوتا ہے۔ اور باب مرابحہ میں شبہ بھی حقیقت کے درجہ میں ہوتا ہے پس یہ ایسا ہوگیا جیسے اس نے دو چیزیں خریدی ہوں اور دونوں کو کل ثمن کے ساتھ بطور مرابحہ فروخت کیا ہو پس جب اس کے خلاف ظاہر ہوا تو مشتری کو اختیار ہوگا اور اگر مشتری نے کپڑے کو معیوب کردیا اس کے بعد معلوم ہوا کہ بائع نے ادھار خریدا تھا تو اب کل ثمن کے ساتھ لینا ہوگا ان تمام مسائل میں تولیہ کا بھی یہی حکم ہے۔

قولہ ومن ولی الخ ایک شخص نے کوئی چیز بطور تولیہ فروخت کی اور کہا کہ جتنے میں مجھے پڑی ہے اتنے ہی میں ہے اور مشتری کو معلوم نہیں کہ اس کو کتنے میں پڑی ہے تو ثمن معلوم نہ ہونے کی وجہ سے بیع فاسد ہے اور اگر مجلس عقد میں مشتری کو معلوم ہوجائے تو اس کو اختیار ہوگا چاہے لے چاہے نہ لے۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

فَصْلٌ: صَحَّ بَيْعُ الْعَقَارِ قَبْلَ قَبْضِهِ لَابَيْعُ الْمَنْقُوْلِ وَلَوْ اِشْتَرٰى مَكِيْلًا كَيْلًا حَرُمَ بَيْعُهُ وَاَكْلُهُ حَتّٰى يَكِيْلَهُ

(فصل) صحیح ہے زمین کی بیع قبضہ سے پہلے نہ کہ منقول کی بیع اگر خریدا کیلی چیز کو کیل کی رو سے تو حرام ہے اس کو بیچنا اور کھانا یہاں تک کہ اس کو ناپ لے

وَمِثْلُهُ الْمَوْزُوْنُ وَالْمَعْدُوْدُ لَاالْمَذْرُوْعُ وَصَحَّ التَّصَرُّفُ فِي الثَّمَنِ قَبْلَ قَبْضِهِ وَالزِّيَادَةُ فِيْهِ وَالْحَطُّ مِنْهُ

اسی طرح ہیں وزنی اور عددی چیزیں نہ کہ گزوں سے ناپنے والی چیزیں اور صحیح ہے تصرف کرنا ثمن میں قبضہ کرنے سے پہلے اور اس میں کمی بیشی کرنا

وَالزِّيَادَةُ فِي الْمَبِيْعِ وَيَتَعَلَّقُ الاِسْتِحْقَاقُ بِكُلِّهٖ وَتَاجِيْلُ كُلِّ دَيْنٍ غَيْرِ الْقَرْضِ

اور صحیح ہے اضافہ کرنا مبیع میں اور متعلق ہوجاتا ہے استحقاق ان تمام کیساتھ اور صحیح ہے مؤخر کرنا ہر قسم کے دین کو سوائے قرض کے۔

تشریح الفقہ: قولہ صح الخ قبضہ سے پیشتر اشیا منقولہ کی بیع بالاتفاق ناجائز ہے۔ کیونکہ حدیث میں اس کی ممانعت موجود ہے۔ لیکن اشیا منقولہ یعنی زمین کی بیع قبضہ سے پہلے جائز ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام محمدؒ امام زفرؒ امام مالک کے نزدیک جائز نہیں کیونکہ حدیث نہی مطلق ہے جس میں منقول وغیرہ کی کوئی تفصیل نہیں۔ شیخین کے نزدیک جائز ہے وہ یہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں نہی کہ علت یہ ہے کہ ہلاکت مبیع کی صورت میں انفساخ بیع کا احتمال ہے اور زمین کی ہلاکت نادر الوجود ہے۔ اور نادر کا اعتبار نہیں ہوتا۔ پس جب بیع عقار میں علت مذکورہ نہ پائی جائے تو بیع جائز ہوگی۔ اور علت مذکورہ پائی جائے مثلاً زمین دریا کے کنارہ پر واقع ہو۔ اور اس کے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہو تو شیخین بھی اس کی اجازت نہیں دیتے۔

قولہ ولو اشتری الخ اگر مکیلی چیز کو کیل کے طور پر خریدا تو جب تک اس کو کیل سے نہ ناپ لے اس وقت تک اس کو فروخت کرنا اور کھانا حرام ہے یعنی مکروہ تحریمی ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ نے بیع طعام سے منع فرمایا ہے جب تک، کہ اس میں دو صاع جاری نہ ہوں۔ ایک صاع بائع کا اور دوسرا مشتری کا۔ اس حدیث میں گوقدرے ضعف ہے لیکن کثرت طرق اور اجماع ائمہ اربعہ کی وجہ سے قابل حجت اور واجب العمل ہے یہی حکم وزنی اور عددی چیزوں کا ہے۔ کہ تولنے اور شمار کرنے سے پہلے کھانا اور فروخت کرنا جائز نہیں۔ البتہ مبیع مذروع میں قبضہ کے بعد پیائش سے پہلے تصرف جائز ہے گو بشرط پیائش ہی خریدا ہو اس واسطے کہ مبیع مذروع میں ذراع (گز) وصف ہے نہ کہ مدار پس کل مذروع مشتری کا ہو چکا خواہ اس کو زائد پائے یا کم۔

تنبیہ: کیلی چیزوں میں کیل کئے بغیر تصرف کا جائز نہ ہونا اس وقت ہے جب بائع نے انعقاد بیع سے قبل مشتری کی عدم موجودگی میں کیل کیا ہو۔ اور اگر بائع نے بعد انعقاد بیع مشتری کی موجودگی میں کیل کیا ہو تو بقول صحیح بائع کا کیل کر لینا ہی کافی ہے۔ کیونکہ کیل واحد سے مبیع کی مقدار معلوم ہو گئی' نیز مبیع مذروع میں پیائش سے قبل تصرف کا جائز ہونا اس وقت ہے جب ہر گز کا نرخ جدا جدا بیان نہ کیا ہو ورنہ پیائش سے قبل مبیع مذروع میں بھی تصرف جائز نہیں۔

قولہ وصح التصرف الخ قبضہ کرنے سے پہلے ثمن میں تصرف کرنا جائز ہے۔ بطریق بیع ہو یا بطریق ہبہ۔ ثمن معین ہو جاتا ہو جیسے مکیل یا معین نہ ہوتا ہو جیسے نقود' نیز ثمن میں زیادتی کرنا بھی جائز ہے۔ (بشرطیکہ مبیع ہلاک نہ ہوئی ہو) مشتری کی جانب سے ہو یا اس کے وارث کی جانب سے یا بحکم مشتری کسی اجنبی کی جانب سے اور بائع کی جانب سے مبیع میں زیادتی کر دینا بھی جائز ہے۔ (بشرطیکہ زیادتی مسلم فیہ میں نہ ہو) اسی طرح ثمن اور مبیع میں کمی دینا بھی جائز ہے۔ (بشرط یہ کہ مبیع دین ہو عین نہ ہو) امام زفر اور امام شافعی کے یہاں مبیع اور ثمن میں کمی بیشی کو صلہ اور ہبہ کے لحاظ سے صحیح ہے۔ لیکن ان کے یہاں کمی بیشی اصل عقد کیساتھ لاحق نہیں ہوتی۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ متعاقدین مبیع و ثمن میں کمی کر کے عقد بیع کو ایک وصف مشروع سے دوسرے وصف مشروع کی طرف تبدیل کر رہے ہیں۔ اور جب وہ بطریق اقالہ نفس عقد ہی کو اٹھا سکتے ہیں تو کمی بیشی کے حقدار بطریق اولیٰ ہوں گے' پھر کمی بیشی کے بعد جس مقدار پر عقد قرار پائے گا۔ بائع اور مشتری میں سے ہر ایک کو اس کا استحقاق ہوگا۔ مثلاً بائع نے مبیع میں اضافہ کیا تو اضافہ کے ساتھ دینا لازم ہوگا۔ اور اگر عیب وغیرہ کی وجہ سے مبیع واپس کی گئی تو مشتری ثمن مع زیادتی واپس کریگا۔

قولہ وتاجیل کل دین الخ ہر قسم کے دین کی تاجیل صحیح ہے۔ خواہ دین بذریعہ عقد ہو یا بسبب استہلاک' البتہ قرض کی تاجیل صحیح نہیں۔ پس اگر مہینہ بھر کے وعدے پر قرض دیا ہو تو قرض خواہ مقروض سے فی الحال مطالبہ کر سکتا ہے۔ امام شافعی کے یہاں قرض کی طرح غیر قرض کی بھی تاجیل صحیح نہیں۔ جواب یہ ہے کہ جب صاحب دین کو معاف کر دینا جائز ہے تو تاخیر مطالبہ بطریق اولیٰ جائز ہوگی۔ امام مالک کے یہاں دیگر دیون کی طرح قرض کی بھی تاجیل صحیح ہے۔ جواب یہ ہے کہ قرض ابتدا کے اعتبار سے اعارہ اور صلہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لفظ اعارہ سے صحیح ہو جاتا ہے۔ اور جب اعارہ ٹھہرا تو تاجیل لازم نہ ہوگی۔ کیونکہ معیر عاریت کو مدت سے پہلے لے سکتا ہے۔ اور انتہاء کے لحاظ سے قرض معاوضہ ہوتا ہے۔ کیونکہ اس میں ردّ مثل واجب ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے تاجیل صحیح نہیں ورنہ لازم آئے گا کہ درہم بیع درہم کی سے ادھار ہو اور یہ بالکل ربوا ہے جو مقتضی فساد ہے۔ **والحال ان الشارع ندب الیہ واجمع الامۃ علی جوازہ۔**

محمد حنیف غفر لہ گنگوہی

عہ...... ابوداؤد' ابن حبان' حاکم عن عمر' نسائی (فی سننہ الکبریٰ) احمد' ابن حبان' طبرانی' دار قطنی' بیہقی عن حکیم بن حزام' ائمہ ستہ عن ابن عباس ۱۲۔

عہ...... ابن ماجہ' ابن ابی شیبہ' بزار' دار قطنی' بیہقی عن جابر' بزار عن ابی ہریرہ' ابن عدی عن انس وابن عباس' عبدالرزاق (فی معناہ) عن عثمان وحکیم بن حزام ۱۲۔

باب الربوا
باب سود کے بیان میں

وَهُوَ	فَضْلُ	مَالٍ	بِلاَعِوَضٍ	فِي	مُعَاوَضَةِ	مَالٍ	بِمَالٍ
اور وہ	زیادتی ہے	مال کی	بلا عوض		معاوضہ	مالی	میں

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ مرابحہ کیساتھ ربوا کی مناسبت یہ ہے کہ دونوں میں زیادتی ہوتی ہے مگر مرابحہ میں جو زیادتی ہوتی ہے وہ حلال ہے۔ اور ربوا میں جو زیادتی ہوتی ہے وہ قطعاً حرام ہے اور اشیا میں اصل حلت ہے۔ اس لئے مصنف نے مرابحہ کو مقدم کیا اور ربوا کو مؤخر۔ ربوا کی حرمت کتاب اللہ' سنت رسول ﷺ اور اجماع ہر ایک سے ثابت ہے۔ قال تعالیٰ" احل الله البيع وحرم الربوا" وقال تعالیٰ" لاتاكلو الربوا" صحیح مسلم وغیرہ کی حدیث میں ہے آنحضرت ﷺ نے سود کھانے والے اور کھلانے والے دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔ نیز آپ کا ارشاد ہے کہ "سود کا ایک درہم جس کو انسان جان بوجھ کر کھاتا ہے وہ چھتیس زنا سے زیادہ سخت ہے"۔

تنبیہ: آج کل لوگوں نے سود کو مال غنیمت سمجھ رکھا ہے۔ کہ بے تکلف لیتے دیتے ہیں اور کچھ پروانہیں کرتے کہ شریعت میں اس کی کیسی سخت ممانعت ہے۔ بلکہ بعض نئی روشنی کے دلدادہ تو یہاں تک کہہ بیٹھتے ہیں کہ سودی کاروبار سے روکنا مسئلہ تجارت اور ترقی ملک کے حق میں سدراہ ہے۔ حالانکہ یہ بالکل بے وقوفی اور ابلہ فریبی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سودخوری اور رشوت کی گرم بازاری ہی نے قوم کو مفلوج اور ملک کو بربار کیا ہے۔ سودخوری سے دل پر جو سختی اور بزدلی طاری ہوتی ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ آپ تاریخ کے اوراق الٹ جایئے کسی سود خور قوم کو نہ دیکھیں گے کہ اس نے اولوالعزمی کی ہو یا وہ فاتح ملک ہوئی ہو جب مال دار کو ایک کے بدلے دو ملیں گے تو اس کا تمول بڑھے گا۔ اور نادار کی ناداری بھی پھر قوم کی ترقی کہاں؟ سیم وزر کا پجاری جب اپنے کسی حاجت مند بھائی کو دیکھتا ہے تو جذبہ اخوت کی بجائے اس کی احتیاج و بےبسی سے اپنا کام نکالتا ہے۔ اور اس کی غربت کو اپنی دولت مندی کا ذریعہ بناتا ہے۔ تجربہ شاہد ہے کہ ہمارے دیار کے تباہ حال مسلمانوں کی تمام زمیں جائداد اور گھربار اسی چکر میں مہاجنوں کی نذر رہوا ہے۔

قولہ وهو فضل الخ ربوا لغت میں مطلق زیادتی کو کہتے ہیں۔ يقال. ربى. الشئى يربو" شئی بڑھ گئی اور زیادہ ہوگئی۔ ومنہ تعالیٰ" اهتزت وربت" شریعت میں ربوا مال کی زیادتی کو کہتے ہیں جو معاوضہ مالی میں بلاعوض ہو یعنی متجانسین میں سے ایک کا دوسرے پر بمعیار شرعی زائد ہونا ربوا کہلاتا ہے' معیار شرعی سے مراد کیل اور وزن ہے پس جو کے دو قفیز گیہوں کے ایک قفیز کے عوض اور دس گز ہروی کپڑے کو پانچ گز ہروی کپڑے کے عوض اور ایک انڈے کو دو انڈوں کے عوض دست بدست فروخت کرنا ربوا نہ کہلائے گا۔ کیونکہ گیہوں کو جو کے اور جو کو گیہوں کے مقابلہ میں کیا جاسکتا ہے پس زیادتی بلاعوض نہیں بھی بالعوض ہے۔ مصنف نے ربوا کی تعریف میں ایک قید چھوڑ دی جس کا ہونا ضروری ہے۔ اور وہ یہ کہ زیادتی احد المتعاقدین یعنی بائع یا مشتری کے لئے مشروط ہو اگر ان کے علاوہ کسی اجنبی کے لئے زیادتی مشروط ہو تو اس کو اصطلاح میں ربوا نہ کہیں گے۔

وَعِلَّتُهٗ اَلْقَدْرُ وَالْجِنْسُ فَحَرُمَ الْفَضْلُ وَالنَّسَاءُ بِهِمَا وَالنَّسَاءُ فَقَطْ بِاَحَدِهِمَا
اور علت اس کی قدر اور جنس ہے پس حرام ہے زیادتی اور ادھار ان دونوں کے ہونے سے اور صرف ادھار حرام ہے کسی ایک کے ہونے سے اور
وَحَلَّا بِعَدَمِهِمَا وَصَحَّ بَيْعُ الْمَكِيْلِ كَالْبُرِّ وَالشَّعِيْرِ وَالتَّمْرِ وَالْمِلْحِ وَالْمَوْزُوْنِ كَالنَّقْدَيْنِ.
دونوں حلال ہیں ان دونوں کے نہ ہونے سے اور صحیح ہے بیع کیلی چیزوں کی جیسے گیہوں جو کھجور نمک اور وزنی چیزوں کی جیسے سونا چاندی

معنی ربوا اور علت ربوا کی تحقیق

توضیح اللغۃ: نساء: ادھار بر: گیہوں شعیر: جو تمر: کھجور ملح: نمک

تشریح الفقہ: قولہ وعلتہ الخ نفس ربوا کی حرمت تو آیت "وحرم الربوا" لاتاکلوا الربوا سے ثابت ہے۔ جس میں کوئی شک وشبہ نہیں لیکن آیت ربوا میں انتہائی اجمال ہے۔ اسی وجہ سے جب حضرت عمر فاروق کو تشفی نہ ہوئی اور انہوں نے "اللھم بین لنا بیاناً شافیاً" سے مستجاب درخواست پیش کی تو زبان نبوت پر یہ کلمات جاری ہوئے "الحنطۃ بالحنطۃ و الشعیر بالشعیر والتمر بالتمر والملح بالملح والذھب بالذھب والفضۃ بالفضۃ مثلاً بمثل یداً بید والفضل ربوا" یعنی گیہوں کو گیہوں جو کو جو چھواروں کو چھواروں نمک کو نمک سونے کو سونے چاندی کو چاندی کے برابر دست بدست فروخت کرو۔ اور ان میں زیادتی ربوا ہے۔ یہ روایت کثرت رواۃ کی وجہ سے حدیث متواتر کے قریب ہے۔ اور سولہ صحابہ کرام ابوبکر صدیق عمر فاروق عثمان غنی عبادہ ابن الصامت ابو سعید خدری ساریہ بن ابی سفیان بلال ابو ہریرہ معمر بن عبداللہ ہشام بن عامر براء بن عازب زید بن ارقم خالد بن ابی عبید ابوبکرہ ابن عمر ابوالدرداء رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مروی ہے۔ اس میں چھ چیزوں کو برابر سرابر اور دست بدست فروخت کرنے کا حکم ہے۔ اب اہل ظاہر حضرات تو ربوا کا دائرہ صرف انہی چھ چیزوں تک محدود رکھتے ہیں۔ لیکن علما مجتہدین کا اس پر اتفاق ہے۔ کہ ان چھ چیزوں کے علاوہ دیگر اشیا میں بھی ربوا ہوسکتا ہے۔ جن کا حکم انہی پر قیاس کر کے نکالا جائے گا۔ اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ ماخذ علت یہی حدیث ہے۔ لیکن معیار حرمت اور علت ممانعت میں رائیں مختلف ہیں۔ جب کسی چیز کو دوسری چیز پر قیاس کرتے ہیں۔ تو ان دونوں میں ایک وصف مشترک ضرور دیکھا جاتا ہے جس کو علم اصول فقہ میں علت کہتے ہیں اب اشیا مذکورہ میں وصف مشترک یعنی علت حرمت کیا ہے۔؟ امام شافعی نے قول قدیم میں کیل یا وزن کے ساتھ طعم یعنی کھانے میں آنا اور قول جدید میں پہلی چار چیزوں سے طعم اور سونے چاندی سے ثمنیت اور دوسرا وصف جنس کا متحد ہونا علت قرار دیا ہے۔ اور چونہ اور نورہ میں چونکہ یہ دونوں علتیں نہیں پائی جاتیں اس لئے شوافع کے یہاں ان میں کمی بیشی جائز رہے گی۔ اسی طرح جو چیزیں مبادلہ میں سونے چاندی کے علاوہ دیجاتی ہیں جیسے لوہا تانبا پیتل کپڑا وغیرہ ان کی بڑھوتری ربوا نہ کہلائے گی۔

امام مالک نے پہلی چار چیزوں سے اقتیات یعنی غذائیت اور اخیر کی دو چیزوں سے اذخار یعنی ذخیرہ اندوزی علت مانی ہے۔ تو ان کے نزدیک خراب مچھلی اور خراب گوشت کی بیع قوت اور ذخیرہ نہ ہونے کی وجہ سے حلال نہ ہوگی۔ اسی طرح سونے چاندی کے علاوہ اور جو چیزیں کھانے میں نہیں آتیں اور نہ ذخیرہ ہوسکتی ہیں۔ جیسے سبز ترکاری لوہا تانبہ وغیرہ ان میں بھی ربوا نہ ہوگا۔ امام ابوحنیفہ نے ان اشیاء کے مقابلہ سے اتحاد جنس اور مماثلت سے قدر معہود یعنی کیلی یا وزنی ہونا حرمت ربوا علت نکالی ہے۔ کیونکہ حدیث مذکور میں اشیاء ستہ کو بطور مثال ذکر کر کے ایک قاعدہ کلیہ کی طرف اشارہ ہے۔ اس واسطے کہ سونا چاندی موزون ہیں۔ اور گیہوں جو چھوارہ اور نمک کیلی ہیں۔ تو گویا یوں ارشاد ہوا کہ ہر کیلی اور وزنی چیز میں مماثلت ضروری ہے۔ اور دو چیزوں میں پوری مماثلت دو اعتبار سے ہوتی ہے۔ ایک باعتبار صورت

ع...... الجماعۃ الا البخاری عن عبادہ مسلم عن ابی سعید وابی ہریرہ بزار عن بلال (بتقدیم وتاخیر وتغییر الفاظ) ۱۲

دوسرے باعتبار معنی تو کیل اور وزن سے مماثلت صوری حاصل ہوئی۔ اور متحد الجنس ہونے سے مماثلت معنوی۔ اس لئے امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ تحریم ربوا کی علت اتحاد جنس کے ساتھ کیل یا وزن کا ہونا ہے۔ تو امام صاحب کے نزدیک پھلوں میں اور ان چیزوں میں جو وزن اور پیمانہ سے فروخت نہیں ہوتیں ربوا نہ ہوگا وبہ قال احمد فی روایۃ۔

قولہ فحرم الخ جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ علت حرمت ربوا قدر وجنس ہے تو جہاں یہ دونوں چیزیں پائی جائیں وہاں زیادتی اور ادھار دونوں حرام ہیں۔ پس ایک قفیز گیہوں کو ایک قفیز گیہوں کے عوض فروخت کرنا جائز ہوگا۔ اور زیادتی کے ساتھ کرنا گیہوں اور جو دونوں کیلی ہیں۔ یا صرف جنس پائی جائے جیسے غلام کو غلام کے عوض یا ہروی کپڑے کو ہروی کپڑے کے عوض فروخت کرنا کہ غلام اور کپڑا نہ کیلی ہے نہ وزنی تو ان دونوں صورتوں میں کمی بیشی جائز ہوگی اور ادھا فروخت کرنا حرام ہوگا۔ اور اگر دونوں نہ پائی جائیں تو دونوں صورتوں میں جائز ہوگا۔ سوال ابوداؤد کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کو ایک اونٹ دو اونٹوں کے عوض مدت کیساتھ خریدنے کا حکم فرمایا۔ نیز موطا میں روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے ایک اونٹ بیس اونٹوں کے عوض میں ادھا فروخت کیا۔ معلوم ہوا کہ اتحاد جنس سے ادھا کی حرمت ثابت نہیں ہوتی' امام شافعی کی رائے بھی یہی ہے۔ جواب اصحاب سنن ترمذی وغیرہ نے حضرت سمرہ بن جندب سے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حیوان کو حیوان کے عوض ادھا فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے اس سے معلوم ہوا کہ علت ربوا کا ایک جز یعنی اتحاد جنس تحریم نسا کی پوری علت ہے۔ رہی پہلی دو حدیثیں سو وہ دونوں مبیح ہیں اور حدیث سمرہ بن جندب محرم ہے اور مبیح پر محرم کو ترجیح ہوتی ہے۔

قولہ وصح بیع المکیل الخ جن اشیاء کو شارع نے کیلی قرار دیا ہے جیسے گیہوں' جو' کھجور' نمک وغیرہ ہمیشہ کیلی ہی رہیں گی۔ گو لوگوں نے ان میں کیل کو ترک کر دیا ہو اور جن اشیاء کو شارع نے وزنی رکھا ہے جیسے سونا چاندی وہ ہمیشہ وزنی رہیں گی' تو جب ان اشیا کو انہیں کی جنس کی عوض میں فروخت کیا جائے تو مساوات ضروری ہوگی۔ کمی بیشی جائز ہوگی اور مساوات کا اعتبار کیلی میں کیل کیساتھ ہوگا اور وزنی میں وزن کے لحاظ سے ہوگا۔ سو اگر کسی نے گیہوں کو گیہوں کے عوض وزن کے لحاظ سے مساوا کیساتھ فروخت کیا تو بیع جائز نہ ہوگی۔ کیونکہ گیہوں شرعاً کیلی ہے نہ کہ وزنی وقس علی ھذا۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَمَا يُنْسَبُ اِلَى الرَّطْلِ بِجِنْسِهِ مُتَسَاوِيًا لاَمُتَفَاضِلاً وَجَيِّدُهُ كَرَدِيِّهِ وَيُعْتَبَرُ التَّعْيِيْنُ

اور ان چیزوں کی جو منسوب ہوں رطل کی طرف انہی کی جنس سے برابر سرابر نہ کہ کمی بیشی کے ساتھ اور اس کا کھرا کھوٹا برابر ہے اور معتبر ہے تعیین

لاَ التَّقَابُضُ فِي غَيْرِ الصَّرْفِ وَصَحَّ بَيْعُ الْحَفْنَةِ بِالْحَفْنَتَيْنِ وَالتُّفَّاحَةِ بِالتُّفَّاحَتَيْنِ وَالْبَيْضَةِ بِالْبَيْضَتَيْنِ

نہ کہ تقابض غیر صرف میں اور صحیح ہے بیع ایک مٹھی غلہ کی دو مٹھی سے اور ایک سیب کی دو سیبوں سے اور ایک انڈے کی دو انڈوں سے

وَالْجَوْزَةِ بِالْجَوْزَتَيْنِ وَالتَّمْرَةِ بِالتَّمْرَتَيْنِ وَالْفَلْسِ بِالْفَلْسَيْنِ بِاَعْيَانِهِمَا.

اور ایک اخروٹ کی دو اخروٹ سے اور ایک کھجور کی دو کھجوروں سے اور ایک معین پیسہ کی دو معین پیسوں سے۔

احکام ربوا کی تفصیل

توضیح اللغۃ: جید عمدہ' ردی گھٹیا' حفنہ لپ بھر' تفاحۃ سیب' بیضہ انڈا' جوزہ اخروٹ' فلس پیسہ

تشریح الفقہ: **قولہ وجیدہ الخ** اموال ربویہ میں عمدہ اور گھٹیا کا کوئی امتیاز نہیں۔ بلکہ دونوں برابر ہیں۔ پس جید کو ردی کے عوض میں کمی بیشی کے ساتھ فروخت کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ حدیث ربوا جو شروع باب میں مرقوم ہو چکی وہ مطلق ہے۔

قولہ ویعتبر الخ غیر صرف میں مال ربوا کا متعین ہونا معتبر ہے۔ تقابض شرط نہیں پس اگر گیہوں کو گیہوں کے عوض معین کر کے فروخت کیا اور بائع اور مشتری قبضہ سے پہلے جدا ہو گئے تو بیع جائز ہے۔ خلافا للشافعی فی بیع الطعام بالطعام.

قولہ وصح بیع الخ ایک لپ بھر غلہ کی دولپ بھر غلہ کیساتھ اسی طرح ایک سیب کی دو سیبوں کے ساتھ بیع جائز ہے الخ کیونکہ یہ اشیا نہ کیلی ہیں نہ وزنی پس تحت المعیار داخل نہ ہونے کی وجہ سے علت حرمت معدوم ہوگئی۔ وجہ یہ ہے کہ مساوات کا اعتبار معیار شرعی سے ہوتا ہے اور یہاں معیار شرعی موجود نہیں جس سے مساوات معلوم ہو۔ اس واسطے کہ شارع نے واجبات مالیہ کفارات صدقہ فطر میں صاع سے کمتر تقدیر نہیں کی۔ معلوم ہوا کہ نصف صاع سے کمتر میں تفاضل معتبر نہیں۔ مگر یہ اس وقت ہے جب احد البدلین نصف صاع کو نہ پہونچے ورنہ بیع جائز ہوگی، فتح القدیر میں ہے کہ بقول صحیح لپ دو لپ میں بھی ربوا ثابت ہے۔

قولہ والفلس الخ ایک معین پیسہ کو دو معین پیسوں کے عوض میں بیچنا شیخین کے نزدیک جائز ہے۔ امام مالک بھی اسی کے قائل ہیں اور امام شافعی کا صحیح قول بھی یہی ہے۔ امام محمد اور امام احمد کے نزدیک جائز نہیں کیونکہ فلوس کا ثمن ہونا خلقی نہیں بلکہ اصطلاح ناس کی وجہ سے ہے تو جو چیز انسانوں کی اصطلاح سے ثابت ہوئی ہے وہ صرف عاقدین کی اصطلاح سے کیسے باطل ہو سکتی ہے۔ بہر کیف فلوس میں ثمنیت ہے اور اثمان میں تعیین نہیں ہوتی۔ پس یہ ایسا ہو گیا جیسے ان میں سے کوئی ایک یا دونوں غیر معین ہوں کہ بالاتفاق بیع ناجائز ہے۔ شیخین یہ فرماتے ہیں کہ متعاقدین کے حق میں فلوس کی ثمنیت خود انہی کی اصطلاح سے ثابت ہوئی ہے۔ تو جو چیز ان کی اصطلاح سے ثابت ہوئی ہے وہ ان کی اصطلاح سے باطل بھی ہو سکتی ہے اور جب ثمنیت باطل ہوگئی تو پیسے متعین کرنے سے متعین ہو جائیں گے۔ کیونکہ اب وہ از قبیل عروض ہو گئے بخلاف اس صورت کے کہ جب دونوں غیر معین ہوں کہ اس پر بیع الکالی بالکالی صادق آتی ہے جو منہی عنہ ہے اور بخلاف اس صورت کے کہ احد العوضین غیر معین ہو۔ لان الجنس بانفراده یحرم النساء۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَاللَّحْمِ بِالْحَيْوَانِ وَالْكِرْبَاسِ بِالْقُطْنِ وَكَذَا بِالْغَزْلِ كَيْفَ مَاكَانَ وَالرُّطَبِ بِالرُّطَبِ اَوْ بِالتَّمْرِ مُتَمَاثِلاً

اور گوشت کی جانور سے اور گزی کی روئی سے اسی طرح سوت سے جیسے بھی ہو اور پختہ خرما کی پختہ یا خشک خرما سے برابر سرابر اور انگور کی انگور

وَالْعِنَبِ بِالْعِنَبِ وَبِالزَّبِيْبِ وَاللُّحُوْمِ الْمُخْتَلِفَةِ بَعْضُهَا بِبَعْضٍ مُتَفَاضِلاً وَلَبَنُ الْبَقَرِ بِلَبَنِ الْغَنَمِ.

یا کشمش سے اور مختلف گوشتوں کی ایک دوسرے سے کمی بیشی کیساتھ اور گائے کے دودھ کی بکری کے دودھ سے۔

توضیح اللغۃ: لحم گوشت، کرباس روئی کا کپڑا، قطن روئی، غزل کتا ہوا سوت، رطب پختہ خرما، تمر چھوارہ، عنب انگور، زبیب کشمش، لحوم جمع لحم گوشت، لبن دودھ، غنم بکری۔

تشریح الفقہ: قولہ اللحم الخ کٹے ہوئے گوشت کو جانور کے عوض فروخت کرنا شیخین کے نزدیک جائز ہے۔ اگر چہ گوشت جانور کی جنس سے ہو مثلاً گائے کا گوشت گائے کے عوض میں فروخت کیا جائے تو جائز ہے۔ امام محمد فرماتے ہیں کہ اگر گوشت جانور کی جنس سے ہو تو گوشت کا قدرے زائد ہونا ضروری ہے تاکہ گوشت گوشت کے مقابلہ میں ہو جائے اور زائد گوشت جانور کے جگر، تلی وغیرہ کے مقابلہ میں ہو جائے۔ اگر ایسا نہ ہو تو ربوا لازم آئے گا۔ شیخین فرماتے ہیں کہ یہاں وزنی چیز کی بیع غیر وزنی چیز کے ساتھ ہے۔ کیونکہ جانور عادۃً تولا نہیں جاتا۔ اور وزنی کی بیع غیر وزنی کیساتھ جائز ہے۔ برابر سرابر ہو یا کم وبیش (بشرطیکہ متعین ہو اور ادھار نہ ہو) نیز روئی کے کپڑے کی بیع

(۱)...... بکسر الراء وفتحہا قال الجوہری انہ نصف من وہو ما یوزن بہ وقیل اثنا عشر اوقیۃ وقیل مائۃ درہم وثمانیۃ وعشرون درہما ۱۲

۔ ...... ولان الجودۃ لا یجوز الاعتیاض عنہا ومالا یجوز الاعتیاض عنہ بالبیع لایکون الا متقوما کالخمر ۱۲ ۔ع ...... وہو بیع النسیئۃ بالنسیئۃ ۱۲

للامہ ...... ابن ابی شیبہ، ابن راہویہ، ابن عدی، عبد الرزاق، حاکم، دار قطنی عن ابن عمر، طبرانی عن رافع بن خدیج ۱۲

روئی کے عوض میں اور سوت کے عوض میں جائز ہے۔ برابر سرابر ہو یا کم وبیش' کیونکہ یہ دونوں جنس کے اعتبار سے مختلف ہیں بایں معنی کہ کپڑا ادھڑنے کے بعد سوت اور روئی نہیں ہو جاتا۔

قولہ والرطب الخ پختہ کھجور کے عوض متماثلاً فروخت کرنا تو بالاتفاق صحیح ہے لیکن امام صاحب کے نزدیک کھجور کو چھوارے کے عوض کیل کے اعتبار سے برابر سراسر فروخت کرنا بھی جائز ہے۔ صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز نہیں کیونکہ ان کے یہاں فی الحال مساوات کا ہونا کافی نہیں بلکہ باعتبار انجام بھی مساوات ضروری ہے۔ دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ سے پختہ کھجور کی بیع کے متعلق سوال ہوا تو آپ نے دریافت فرمایا: کیا وہ خشک ہونے کے بعد کم ہو جاتی ہے۔؟ لوگوں نے عرض کیا: ہاں یارسول اللہ! کم ہو جاتی ہے۔ آپ نے فرمایا: تو پھر بیع جائز نہیں۔ امام صاحب کے یہاں بوقت عقد مساوات ہونی چاہیے۔ انجام کے لحاظ سے مساوات کا نہ ہونا اس کے منافی نہیں۔ بشرطیکہ اس کا موجب امر خلقی ہو) امام صاحب فرماتے ہیں کہ رطب دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ تمر ہے یا تمر نہیں ہے اگر تمر ہے تو آغاز حدیث" **التمر بالتمر ۃ اھ**" کی رو سے بیع جائز ہوئی اور اگر تمر نہیں ہے تو آخر حدیث" **اذا اختلف النوعان فبیعو اکیف شئتم**" کی رو سے بیع صحیح ہوئی۔ رہا استدلال مذکور سو اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کا مدار زید بن عیاش پر ہے جس کے متعلق ناقدین حدیث کو کلام ہے۔ دوم یہ کہ اس میں بیع بطریق نسیئۃ سے منع کرنا مقصود ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ سے اسی کے متعلق دریافت کیا گیا تھا چنانچہ سنن ابی داؤد' مستدرک حاکم' دار قطنی اور طحاوی کی روایت میں اس کی تصریح موجود ہے و لفظہم" **نھی رسول ﷺ عن بیع الرطب بالتمر نسیئۃ**" سوال دار قطنی میں حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ" آنحضرت ﷺ نے پختہ کھجور کو خشک کھجور کے عوض فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ جواب دار قطنی میں یہ مضمون دو طریق سے مروی ہے ایک میں یحی بن انیسہ راوی ہے اور ایک میں موسیٰ بن عبیدہ ربذی اور یہ دونوں بقول ابن جوزی متروک فی الحدیث ہیں۔ **واما بیع العنب بالزبیب فیصح عندہ خلافاً لمن تقدم والوجہ مابیناہ فی الرطب والتمر من الجانبین وقیل لایجوز اتفاقاً۔**

وَخَلِّ الدَّقَلِ بِخَلِّ الْعِنَبِ وَشَحْمِ الْبَطْنِ بِالْاَلْیَةِ اَوْ بِاللَّحْمِ وَالْخُبْزِ بِالْبُرِّ اَوِ الدَّقِیْقِ مُتَفَاضِلاً

اور گھٹیا کھجور کے سرکے کی انگوری سرکے سے اور پیٹ کی چربی کی چکتی کی چربی یا گوشت سے اور روٹی کی گیہوں یا آٹے کی کمی بیشی کیساتھ

لَابَیْعُ الْبُرِّ بِالدَّقِیْقِ اَوْ بِالسَّوِیْقِ وَالزَّیْتُوْنِ بِالزَّیْتِ وَالسِّمْسِمِ بِالشَّیْرَجِ

نہ کہ گیہوں کی آٹے یا ستو کے ساتھ اور زیتون کی اس کے تیل سے اور تل کی روغن تل سے

حَتّٰی یَکُوْنَ الزَّیْتُ وَالشَّیْرَجُ اَکْثَرَ مِمَّا فِی الزَّیْتُوْنِ وَالسِّمْسِمِ وَیُسْتَقْرَضُ الْخُبْزُ وَزْنًا لَاعَدَدًا

یہاں تک کہ ہو روغن زیتون اور روغن تل زیادہ اس سے جو زیتون اور تل میں ہے اور قرض لی جائے روٹی وزن سے نہ کہ شمار سے

وَلَا رِبٰوا بَیْنَ الْمَوْلٰی وَعَبْدِہٖ وَلَابَیْنَ الْمُسْلِمِ وَالْحَرْبِیِّ ثَمَّہٗ.

اور نہیں ہے سود آقا اور اس کے غلام کے درمیان اور نہ مسلمان اور حربی کے درمیان دارالحرب میں۔

توضیح اللغۃ: خل سرکہ' دقل ردی کھجور' عنب انگور' شحم چربی' بطن پیٹ' الیۃ' چکتی' دقیق آٹا' سویق' ستو' زیتون مشہور پھل' زیت زیتون کا تیل' سمسم تل' شیرج تل کا تیل۔

تشریح الفقہ: قولہ لا بیع البر الخ امام صاحب کے نزدیک گیہوں کے آٹے یا ستو کے عوض فروخت کرنا جائز نہیں نہ بطریق تساوی

ـہ ۔۔۔۔۔۔ مالک' ائمہ اربعہ' احمد' ابن حبان' حاکم، سعید بن ابی وقاص ۱۲

نہ بطریق تفاضل۔ تفاضل تو اس لئے جائز نہیں کہ دونوں جنس واحد نہیں کیونکہ آٹا اور ستو گیہوں کے اجزاء ہیں اور تساوی اس لئے جائز نہیں کہ دونوں کا معیار کیل ہے اور کیل سے تسویہ نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ گیہوں کے دانوں کا تخلخل پسنے کے بعد ختم ہو جاتا ہے۔ زیتون کی بیع روغن زیتون کے عوض اور تل کی بیع روغن تل کے عوض جائز نہیں۔ یہاں تک کہ روغن زیتون اور روغن تل اس روغن سے زائد ہو جو زیتون اور تل سے نکلنے والا ہے تاکہ تاکہ تیل تیل کے مقابلہ میں ہو جائے اور زائد تیل ان کی کھلی کے مقابلہ میں۔

قولہ و یستقرض الخ اگر روٹی قرض لینا چاہے تو امام ابو یوسف کے نزدیک عدد کے لحاظ سے نہ لے بلکہ وزن کر کے لے۔ امام صاحب کے نزدیک کسی طرح بھی اجازت نہیں۔ امام محمد کے نزدیک دونوں طرح لے سکتا ہے۔ شرح مجمع میں ہے کہ فتویٰ امام محمد کے قول پر ہے اسی کو کمال الدین نے مستحسن کہا ہے اور اسی پر صاحب تنویر نے اعتماد ظاہر کیا ہے۔ لیکن علامہ زیلعی نے امام ابو یوسف کے قول پر فتویٰ ذکر کیا ہے۔

قولہ و لا ربوا لخ آقا اور اس کے غلام کے درمیان ربوا متحقق نہیں ہوتا۔ کیونکہ غلام کے پاس جو مال ہے وہ تو اس کے آقا ہی کا ہے جس طرح چاہے لے مگر یہ اس وقت ہے جب غلام ماذون لہ ہو اور اس پر دین مستغرق نہ ہو ورنہ ان کے درمیان بالاتفاق ربوا ہوگا۔ البتہ بحرالرائق میں معراج سے منقول ہے کہ تحقیق یہی ہے کہ دین مستغرق ہو یا غیر مستغرق کسی طرح ربوا نہیں۔

قولہ ولا بین المسلم الخ جس مسلمان کو اہل حرب کی طرف سے امان حاصل ہوا سکے درمیان اور کافر حربی کے درمیان دارالحرب میں رہتے ہوئے طرفین کے نزدیک ربوا نہیں ہے۔ امام ابو یوسف اور ائمہ ثلاثہ اس کے خلاف ہیں کیونکہ نصوص حرمت ربوا مطلق ہیں دارالحرب میں ہو یا دارالاسلام میں بہر دو صورت ربوا حرام ہے۔ اور ثقہ راوی کی مرسل حدیث مقبول ہوتی ہے۔ نیز دارالحرب میں حربی کا مال مباح ہوتا ہے پس وہ رضامندی کے ساتھ جیسے چاہے لے سکتا ہے۔

فائدہ: حرمت ربوا سے پانچ صورتیں مستثنیٰ ہیں۔ کہ ان میں ربوا حرام نہیں۔ (۱) آقا اور اس کے غلام کے درمیان (۲) شرکت معاوضہ کے دو شریکوں کے درمیان (۳) شرکت عنان کے دو شریکوں کے درمیان (۴) دارالحرب میں مسلم اور حربی کے درمیان۔ (۵) مسلم اور اس شخص کے درمیان جو دارالحرب میں مسلمان ہوا ہو۔

عہ ......اى وصحت بذہ المبيوع لانہا اجناس مختلفۃ لاختلاف الصور والمعانی والمنافع ۱۲

باب الحقوق

باب حقوق کے بیان میں

اَلعُلوُ لایَدخُلُ بِشِراءِ بَیتٍ بِکُلِّ حَقٍّ وَبِشِرَاءِ مَنزِلٍ اِلَّا بِکُلِّ حَقٍّ هُوَلَهٗ اَوْ بِمَرَافِقِهٖ

بالا خانہ داخل نہیں ہوتا حجرہ کو مع تمام حقوق خریدنے سے اور منزل خریدنے سے بھی مگر یہ کہ خرید مکان کے کل حقوق کیساتھ ہو یا اس کے تمام منافع

اَوْ بِکُلِّ قَلِیلٍ اَوْ کَثِیرٍ هُوَ فِیهِ اَوْ مِنهُ وَدَخَلَ بِشِرَاءِ دَارٍ کَالکَنِیفِ لَا الظُّلَّةُ اِلَّا بِکُلِّ حَقٍّ هُوَلَهٗ

سمیت ہو یا اس کی ہر تھوڑی بہت چیز کے ساتھ ہو اور داخل ہو جائیگا گھر خریدنے میں جیسے پاخانہ نہ کہ سائبان مگر یہ کہ خرید کل حقوق کیساتھ ہو

وَلَایَدخُلُ الطَّرِیقُ وَالمَسِیلُ وَالشِّربُ اِلَّا بِنَحوِ کُلِّ حَقٍّ هُوَلَهٗ بِخِلَافِ الاِجَارَةِ فِیهَا.

اور نہیں داخل ہوتا ہے راستہ اور پانی بہنے کی جگہ اور گھاٹ مگر جب کہ خرید کل حقوق کیساتھ ہو بخلاف ان کے اجارہ کے

توضیح اللغۃ: علو بالا خانہ۔ مرافق منافق، کنیف پاخانہ، ظلہ سائبان، مسیل پانی بہنے کی جگہ، شرب پانی لینے کی باری۔

تشریح الفقہ: **قولہ باب الخ** ترتیب کے لحاظ سے اس باب کو اوائل کے کتاب البیوع میں خیارات سے پہلے لانا تھا۔ مگر یہ چونکہ مصنف نے جامع صغیر کی ترتیب کا التزام کیا ہے۔ اس لئے باب الحقوق کو مسائل بیوع کے بعد لا رہا ہے۔ حقوق حق کی جمع ہے لغۃً ضد باطل کو کہتے ہیں یقال حق الشئی (ض ن) بمعنی ثبت (مصباح) شرح منار میں ہے کہ حق اس موجود شئی کو کہتے ہیں جس کے وجود میں کوئی شک نہ ہو، اصطلاح فقہ میں اس کو کہتے ہیں جو مبیع کا تابع ہو اور اس کے لئے ضروری ہو مگر مقصود بالذات نہ ہو۔

قولہ العلو الخ مسئلہ سمجھنے سے پہلے بیت، منزل، دار کا فرق معلوم کر لینا چاہیے بیت اس کو کہتے ہیں جس میں دروازہ اور چھت ہو اور شب باشی کے لئے بنا ہو (بعض کے نزدیک ڈیوڑھی کا ہونا بھی شرط ہے) منزل اس کو کہتے ہیں جو بیت سے کچھ بڑا ہو یعنی جس میں دو تین کوٹھریاں، دالان، پاخانہ، باورچی خانہ وغیرہ ہو مگر اس میں صحن غیر مسقف اور اصطبل وغیرہ نہ ہو۔ دار گھر کو کہتے ہیں جس کے گرد حدود ہوں اور وہ بیوت، آنگن، بالا خانہ اصطبل اور جملہ ضروریات کی چیزوں پر مشتمل ہو۔ جب یہ فرق سمجھ میں آ گیا تو اب دیکھو ایک شخص نے بیت (حجرا) خریدا تو بیت کی خرید میں بالتصریح بالا خانہ داخل نہ ہوگا۔ اگرچہ بائع نے بکل حق ھو له، یا بکل قلیل و کثیر بھی کہہ دیا ہو کیونکہ بالا خانہ مسقف ہونے میں اور شب باشی کے لئے ہونے میں بیت کے مانند ہے اور شئی اپنے سے اعلیٰ کی تابع ہوتی ہے۔ نہ کہ برابر کی۔ اسی طرح منزل کی خرید میں بھی داخل نہ ہوگا۔ الا یہ کہ بیع بکل حق ھو له، بکل قلیل و کثیر یا بذکر مرافق ہوئی ہو کہ اس صورت میں بالا خانہ داخل ہوگا۔ کیونکہ منزل کو دار اور بیت دونوں کیساتھ مشابہت ہے تو دار کیساتھ مشابہت کی وجہ سے بذکر مرافق داخل ہوگا اور بیت کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے عدم ذکر کی صورت میں داخل نہ ہوگا۔ اور اگر دار خریدا تو بالا خانہ، پاخانہ، کنواں، صحن کے درخت سب داخل بیع ہوں گے۔ حقوق و مرافق مذکور ہوں یا نہ ہوں البتہ سائبان داخل نہ ہوگا۔ جب تک کہ کل حقوق کے ساتھ نہ خریدا جائے۔ فتح القدیر میں ہے کہ یہ کل تفصیل رواج کوفہ کے لحاظ سے ہے۔ ہمارے عرف میں مذکورہ بالا تمام صورتوں میں بالا خانہ داخل بیع ہوتا ہے۔

قولہ ولا ید خل الخ راستہ اور میل یعنی وہ جگہ جس پر بارش وغیرہ کا پانی بہنے اور پانی لینے کی باری کل حقوق ذکر کئے بغیر بیع نہیں ہوتی کیونکہ وہ چیزیں حدود مبیع سے خارج ہیں مگر چونکہ توابع مبیع میں سے ہیں اس لئے بذکر حقوق داخل ہو جائیں گے۔ بخلاف اجارہ کے کہ اجارہ میں یہ چیزیں بلا ذکر حقوق بھی داخل ہوتی ہیں۔ کیونکہ عقد اجارہ انتفاع کے لئے ہوتا ہے اور انتفاع ان کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔

ع۔۔۔علی ان الحقوق توابع فیلیق ذکرہا بعد مسائل البیوع ۱۲ ع۔۔۔ومنہ قولہ علیہ السلام "السحر حق والعین حق ۱۲"

باب الاستحقاق

باب استحقاق کے بیان میں

اَلْبَیِّنَۃُ حُجَّۃٌ مُتَعَدِّیَۃٌ لاَالاِقْرَارُ وَالتَّنَاقُضُ یَمْنَعُ دَعْوَی الْمِلْکِ لاَ الْحُرِّیَّۃَ وَالطَّلاَقَ وَالنَّسَبَ مَبِیْعَۃٌ وَلَدَتْ

بینہ حجت متعدیہ ہے نہ کہ اقرار اور مخالفت کلامی مانع ہے دعویٰ ملک سے نہ کہ دعویٰ حریت و دعویٰ طلاق اور دعویٰ نسب سے بکی ہوئی باندی نے بچہ جنا

فَاسْتُحِقَّتْ بِبَیِّنَۃٍ یَتْبَعُھَا وَلَدُھَا وَاِنْ اَقَرَّ بِھَا لِرَجُلٍ لاَ وَاِنْ قَالَ عَبْدٌ لِمُشْتَرٍ

پھر وہ دوسرے کی نکلی بینہ سے تو اس کا بچہ اس کا تابع ہوگا اور اگر اقرار کرلیا مشتری نے باندی کا کسی کیلئے تو تابع نہ ہوگا اگر کہا غلام نے خریدار سے

اِشْتَرِنِیْ فَاَنَا عَبْدٌ فَاشْتَرَاہُ فَاِذَا ھُوَ حُرٌّ فَاِنْ کَانَ الْبَائِعُ حَاضِرًا اَوْ غَائِبًا غَیْبَۃً مَعْرُوْفَۃً فَلاَ شَیْءَ عَلَی الْعَبْدِ

کہ مجھے خرید لے میں غلام ہوں اس نے خرید لیا اور وہ آزاد نکلا تو اگر بائع حاضر ہو یا غائب ہو لیکن اس کا پتہ معلوم ہو تب تو مشتری کے لئے کچھ نہیں

وَاِلاَّ رَجَعَ الْمُشْتَرِیْ عَلَی الْعَبْدِ وَالْعَبْدُ عَلَی الْبَائِعِ بِخِلاَفِ الرَّھْنِ وَمَنْ اِدَّعٰی حَقًّا فِیْ دَارٍ فَصُوْلِحَ عَلٰی مِائَۃٍ

غلام پر ورنہ رجوع کرلے مشتری غلام پر اور غلام بائع پر بخلاف رہن کے جس نے دعویٰ کیا کچھ حق کا کسی مکان میں اور صلح کرلی گئی سو پر

فَاسْتُحِقَّ بَعْضُھَا لَمْ یَرْجِعْ بِشَیْءٍ وَلَوْ اِدَّعٰی کُلَّھَا رَجَعَ بِقِسْطِہٖ.

پھر کچھ مکان دوسرے کا نکلا تو مدعی کچھ نہیں لے سکتا اور اگر وہ مدعی کل کا ہو تو اس کے حصہ کے مطابق لے سکتا ہے۔

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ مقتضائے قیاس یہ تھا کہ یہ باب تمام ابواب بیوع کے بعد ہوتا مگر چونکہ اس کو حقوق کیساتھ لفظاً و معنیً ہر دو اعتبار سے مناسبت ہے اس لئے مصنف نے اس کو حقوق کے بعد ذکر کردیا۔ استحقاق لغۃً طلب حق کو کہتے ہیں اصطلاح میں استحقاق اس کو کہتے ہیں کہ کوئی شخص کسی شئی کا مستحق ہوجائے اس کی دو قسمیں ہیں۔ اول استحقاق مبطل ملک جیسے عتق، حریت، تدبیر، کتابت یہ قسم بالاتفاق موجب فسخ عقد ہوتی ہے۔ جس میں قضاء قاضی کی بھی ضرورت نہیں تو اگر کسی نے کوئی غلام خریدا اور وہ آزاد یا مدبر یا مکاتب ظاہر ہوا ہو تو بائع اور مشتری دونوں کی ملک باطل ہوگی۔ دوم استحقاق ناقل ملک جیسے زید نے بکر پر دعویٰ کیا کہ جو غلام اس کے قبضہ میں ہے وہ میرا مملوک ہے اور اس پر گواہ قائم کردیئے یہ قسم ظاہر الروایہ کے اعتبار سے موجب فسخ نہیں بلکہ عقد سابق مستحق کی اجازت پر موقوف رہے گا اور تا عدم رجوع مشتری عقد فسخ نہ ہوگا۔

قولہ البینۃ الخ مسائل باب ذکر کرنے سے پہلے چند اصول ذکر کررہا ہے جو مسائل کے لئے ضروری ہیں اول یہ کہ بینہ حجت مطلقہ ہے جس کا ظہور بقضائے قاضی عتق۔ کتابت، تدبیر، استیلاد، نکاح، نسب اور ولاء عتاقہ وغیرہ امور میں ہر شخص کے حق میں ہوتا ہے کیونکہ بینہ کا حجت ہونا قضائے قاضی کے ذریعہ ہوتا ہے۔ اور قاضی کو ولایت عامہ حاصل ہے تو اس کا حکم تمام کے حق میں نافذ ہوگا۔ لیکن اقرار حجت مطلقہ نہیں بلکہ حجت قاصرہ ہے کیونکہ اس کا حجت ہونا مقر کے اقرار کے ذریعہ ہوتا ہے اور مقر کو صرف اپنی ذات پر ولایت حاصل ہے نہ کہ غیر پر لہٰذا اس کا اقرار خود اسی پر حجت ہوگا نہ کہ غیر پر۔ دوم یہ کہ تناقض یعنی مخالفت کلامی ہر ایسی چیز کے دعویٰ سے مانع ہے۔ جس کا ظاہر جیسے دعویٰ ملک اور دعویٰ منفعت مثلاً باندی کے متعلق دعویٰ ملک کے بعد اس سے نکاح کی درخواست کرنا یا کسی عورت پر دعویٰ نکاح کے بعد اس کے نکاح کا پیغام دینا کہ دونوں کلام صریحاً متناقض ہیں تو یہ تناقض مانع دعویٰ ہے کیونکہ قاضی متناقض کلام پر حکم نہیں کرسکتا اور جن چیزوں کے اسباب مخفی ہوں جیسے حریت، طلاق اور نسب تو ان چیزوں میں تناقض کلام مانع دعویٰ نہیں لان مبناھا علی الخفاء فیعذر فی التناقض۔

ع……فی المصباح استحق فلان الامر استوجبہ قالہ الفارابی و جماعۃ ۱۲

قولہ مبیعة الخ یہ مسئلہ پہلے قاعدہ پر متفرع ہے مسئلہ کی توضیح یہ ہے کہ ایک شخص نے بائع سے ایک باندی خریدی مشتری کے یہاں بلا استیلاد باندی کے بچہ پیدا ہوا اور پھر باندی بینہ کے ذریعہ کسی کی مستحق قرار پائی تو صاحب بینہ باندی کو مع اس کے بچہ کے لے لیگا اور اگر مشتری نے کسی شخص کیلئے باندی کا اقرار کرلیا تو مقرلہ صرف باندی لے گا وجہ فرق وہی قاعدہ ہے جو اوپر مذکور ہوا کہ بینہ حجت مطلقہ متعدیہ ہے لہٰذا صاحب بینہ اصل یعنی باندی کا مالک ہوگا اور بچہ اس کا تابع ہوگا۔ بخلاف اقرار کے کہ وہ حجت قاصرہ ہے لہٰذا مقرلہ بچہ کا مالک نہ ہوگا۔

قولہ وان قال الخ یہ مسئلہ دوسرے قاعدہ پر متفرع ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ ایک شخص غلام خریدنا چاہتا تھا غلام نے کہا کہ تو مجھے خرید لے میں فلاں کا غلام ہوں اس نے اس کو خرید لیا اور وہ آزاد نکلا تو اگر اس کا بائع حاضر ہو یا غائب ہو لیکن اس کی کوئی جگہ معلوم ہو تو غلام پر کچھ واجب نہ ہوگا کیونکہ بائع سے وصولیابی ممکن ہے اور اگر بائع حاضر نہ ہو اور نہ اس کی جگہ معلوم ہو تو مشتری غلام سے ثمن وصول کریگا اور غلام جب کبھی بائع کو پائے گا تو وہ اس سے لے لیگا۔

قولہ بخلاف الرھن الخ ایک شخص نے مرتہن سے کہا کہ مجھے رہن رکھ لے میں فلاں کا غلام ہوں اور اس نے رہن رکھ لیا اور وہ آزاد نکلا تو مشتری اس پر رجوع نہیں کرسکتا کیونکہ یہاں مرتہن کو دھوکا ہوا ہے اور عقد رہن میں دھوکا موجب ضمان نہیں ہوتا کیونکہ رہن عقد وثیقہ ہوتا ہے۔ نہ کہ عقد معاوضہ بخلاف بیع کے کہ وہ عقد معاوضہ ہے اور عقد معاوضہ میں دھوکا موجب ضمان ہوتا ہے۔

قولہ ومن ادعی الخ ایک شخص نے کسی مکان میں حق مجہول کا دعویٰ کیا اور ایک سو روپیہ پر صلح ہوگئی۔ پھر اس مکان کے کچھ حصے میں دوسرے کا حق نکل آیا تو مدعیٰ علیہ مدعی پر رجوع نہیں کرسکتا۔ کیونکہ ممکن ہے مدعی کا دعویٰ باقی میں ہو نہ کہ مستحق میں۔ اور اگر مدعی نے کل مکان کا دعویٰ کیا پھر اس کا کچھ حصہ مستحق قرار پایا تو مدعیٰ علیہ مدعی پر بقدر استحقاق رجوع کرسکتا ہے۔ کیونکہ ایک سو روپیہ پر صلح کل مکان کی طرف سے ہوئی تھی **فاذا استحق شئی منھا رجع بحسابه**۔

فصل

تشریح الفقہ: قولہ فصل الخ اس فصل میں تصرفات فضولی کا بیان ہے جس کو مصنف باب الاستحقاق کے بعد لا رہا ہے۔ کیونکہ مستحق دعویٰ کے وقت یہ کہتا ہے کہ یہ مبیع میری ملک ہے۔ اور جس نے تیرے ہاتھ فروخت کی ہے اس نے میری اجازت کے بغیر فروخت کی ہے اور یہی بعینہ بیع فضولی کی حقیقت ہے۔ اس لحاظ سے باب الاستحقاق کے بعد لانا بالکل بجا ہے۔ فضولی فضول جمع فضل بمعنی زیادت کی طرف نسبت ہے۔ **فی المغرب وقد علمت جمعه علی مالا خیر فیه حتی قیل. فضول بلافضل وسن بلاسن. وطول بلاطول و عرض بلاعرض**۔ لغت میں فضولی اس شخص کو کہتے ہیں جو بے فائدہ کام میں مشغول ہو۔ اور اصطلاح فقہ میں فضولی وہ ہے جو بلا اذن شرعی دوسرے کے حق میں تصرف کرے۔

فائدہ: تصرف فضولی کے نافذ موقوف ہونے کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ اگر بوقت عقد اس کے تصرف کو جائز کرنے والا کوئی مجیز ہو تو اس کا تصرف منعقد ہوگا۔ اور مجیز کی اجازت پر موقوف ہوگا خواہ وہ تصرف تملیک ہو جیسے بیع و تزویج یا بصورت اسقاط ملک ہو جیسے طلاق و عتاق اور اگر مجیز نہ ہو تو اس کا عقد منعقد نہ ہوگا۔ مثلاً ایک بچہ نے اپنا مال فروخت کیا اور ولی کے اجازت دینے سے پہلے پہلے بالغ ہوگیا اور بالغ ہونے کے بعد اس نے بیع سابق کو جائز کردیا۔ تو بیع جائز ہوجائے گی۔ کیونکہ بوقت عقد اس کا ولی موجود تھا۔ اور اگر بچہ نے اپنی بیوی کو طلاق دی پھر بالغ ہوکر اس کو جائز رکھا تو طلاق نہ ہوگی۔ کیونکہ بوقت عقد کوئی مجیز موجود نہیں اور اس واسطے کہ بچہ عدم بلوغ کی وجہ سے طلاق کا اہل نہیں اور اس کے ولی کو طلاق دینے کا اختیار نہیں۔

وَمَنْ بَاعَ مِلْکَ غَیْرِہٖ فَلِلْمَالِکِ اَنْ یَفْسَخَهٗ اَوْ یُجِیْزَهٗ اِنْ بَقِیَ الْعَاقِدَانِ وَالْمَعْقُوْدُ عَلَیْهِ وَلَهٗ وَبِهٖ

جو فروخت کرے دوسرے کی ملک تو مالک کو اختیار ہے فسخ کرنے اور جائز رکھنے کا اگر باقی ہوں متعاقدین اور معقود علیہ و معقود لہ و معقود بہ

لَوْ عَرَضًا وَصَحَّ عِتْقُ مُشْتَرٍ مِنْ غَاصِبٍ بِاِجَازَةِ بَیْعِهٖ لَابَیْعُهٗ وَلَوْ قُطِعَتْ یَدُهٗ عِنْدَالْمُشْتَرِیْ

اگر ثمن سامان ہو صحیح ہے آزاد کرنا اس کا جو خریدے غاصب سے اجازت بیع کے ساتھ نہ کہ اس کی بیع اور اگر کاٹ دیا گیا اس کا ہاتھ مشتری کے یہاں

فَاَخَذَ اَرْشَهٗ فَاُجِیْزَ فَاَرْشُهٗ لِمُشْتَرِیْهِ وَتَصَدَّقَ بِمَا زَادَ عَلٰی نِصْفِ الثَّمَنِ وَلَوْ بَاعَ عَبْدَ غَیْرِہٖ

اور اس نے دیت لے لی پھر بیع جائز رکھی گئی تو دیت مشتری کی ہوگی اب وہ صدقہ کردے اس کا جو زائد ہو نصف ثمن سے اگر بیچد یا دوسرے کا غلام

بِغَیْرِ اَمْرِہٖ فَبَرْهَنَ الْمُشْتَرِیْ عَلٰی اِقْرَارِ الْبَائِعِ اَوْ رَبِّ الْعَبْدِ اَنَّهٗ لَمْ یَاْمُرْهُ بِالْبَیْعِ وَاَرَادَ رَدَّ الْبَیْعِ

اس کی اجازت کے بغیر اور گواہ لایا مشتری بائع یا غلام کے مالک کے اقرار پر کہ مالک نے اس کو بیع کی اجازت نہیں دی تھی اور اس نے بیع کو رد کرنا

لَمْ تُقْبَلْ وَاِنْ اَقَرَّ الْبَائِعُ بِذٰلِکَ عِنْدَ الْقَاضِیْ بَطَلَ الْبَیْعُ اِنْ طَلَبَ الْمُشْتَرِیْ ذٰلِکَ

چاہا تو گواہی مقبول نہ ہوگی اور اگر اقرار کیا بائع نے اس کا قاضی کے پاس تو باطل ہوجائیگی بیع اگر طلب کرے مشتری یہ

وَمَنْ بَاعَ دَارَ غَیْرِہٖ فَاَدْخَلَهَا الْمُشْتَرِیْ فِیْ بِنَائِهٖ لَمْ یَضْمَنِ الْبَائِعُ.

جس نے بیچا دوسرے کا گھر اور داخل کرلیا اس کو مشتری نے اپنی عمارت میں تو ضامن نہ ہوگا بائع۔

بیع فضولی کے احکام

تشریح الفقہ: **قولہ ومن الخ** اگر کسی نے دوسرے کی مملوک شئی فروخت کردی تو اس کی بیع منعقد تو ہوجائیگی۔لیکن مالک کی اجازت پر موقوف ہوگی۔اور مالک کو بیع کے نافذ یا فسخ کرنے کا اختیار ہوگا۔بشرطیکہ متعاقدین (یعنی فضولی اور مشتری) اور معقود علیہ (یعنی مبیع) اور معقود لہ (یعنی مالک) اور معقود بہ (یعنی ثمن) باقی ہو۔اس واسطے کہ بیع کو جائز رکھنا عقد میں تصرف کرنا ہے جو اسی وقت ہوسکتا ہے جب عقد باقی ہو اور بقاء عقد ان چیزوں کی بقاء پر موقوف ہے۔امام شافعی کے یہاں فضولی کی بیع منعقد ہی نہیں ہوتی کیونکہ بیع کا انعقاد ولایت شرعیہ سے ہوتا ہے اور ولایت شرعیہ ملک سے ہوتی ہے یا مالک کی اجازت سے اور یہاں دونوں مفقود ہیں۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ" آنحضرت ﷺ نے حضرت عروہ بارقی کو ایک دینار اضحیہ خریدنے کے لئے عطا کیا۔عروہ نے اس دینار سے دو بکریاں خرید کر ایک بکری کو ایک دینار میں فروخت کردیا اور ایک بکری اور ایک دینار لیکر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے فرمایا" بارک الله لک فی صفقتک" (۱) نیز عقد بیع تصرف تملیک ہے جو اہل عقد سے برمحل صادر ہوا ہے۔اس لئے انعقاد کا قول کرنا ہی پڑے گا۔کیونکہ اس میں مالک کا کوئی نقصان نہیں جب کہ اس کو باقی رکھنے اور فسخ کرنے کا اختیار مل رہا ہے۔

قولہ وصح عتق مشتر الخ ایک شخص نے کسی کا غلام غصب کر کے فروخت کردیا اور مشتری نے خرید کر اس کو آزاد کردیا یا کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کردیا اس کے بعد مالک نے غاصب کی بیع کو جائز کیا تو عتق نافذ ہوجائے گا۔لیکن اگر مشتری نے غلام پھر غاصب کے ہاتھ بیچ ڈالا تو اس کی بیع نافذ نہ ہوگی۔اس واسطے کہ اعتاق میں جو ملک کی احتیاج ہوتی ہے وہ اس کے نافذ ہونے کے وقت ہوتی ہے نہ کہ ثابت ہونے کے وقت بخلاف بیع کے کہ اس میں ملک کی احتیاج بوقت ثبوت ہوتی ہے۔اور امام محمد و زفر کے نزدیک عتق بھی

(۱)......ترمذی عن عروہ و حکیم بن حزام ۱۲

نافذ نہ ہو۔ یہ ایک روایت امام ابویوسف سے بھی ہے۔ اور مقتضائے قیاس بھی یہی ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے ''لاعتق لابن آدم) فیما لایملک'' جواب یہ ہے کہ یہاں وہ عتق مراد ہے جو فی الحال نافذ ہو۔

قولہ ولو قطعت الخ ایک فضولی نے کوئی غلام فروخت کیا اور مشتری کے یہاں آ کر غلام کا ہاتھ کاٹا گیا۔ مشتری نے اس کی دیت لے لی اس کے بعد غلام کے مالک نے بیع کو جائز کیا تو قطع ید کی دیت مشتری کی ہوگی۔ کیونکہ مالک کی اجازت کے سبب سے مشتری کی ملک ثابت ہوگئی اور ثبوت وقت شراء کی طرف منسوب ہوا یعنی وہ خرید کے وقت ہی سے مالک قرار پایا۔ پس قطع ید اسی کی ملک میں ہوا تو دیت بھی وہی لے گا مگر جو دیت نصف ثمن سے زائد ہو اس کو خیرات کردینا ضروری ہے۔ کیونکہ اس کے ضمان میں اتنی ہی داخل ہے۔

قولہ ولو باع عبدغیرہ الخ ایک فضولی نے دوسرے کا غلام اسکی اجازت کے بغیر فروخت کردیا۔ اس کے بعد مشتری نے بائع فضولی یا اصل مالک کے اقرار پر بینہ قائم کیا کہ مالک نے اس کو فروختگی کا حکم نہیں کیا تھا اور مبیع کو واپس کرنا چاہا تو مشتری کا بینہ مقبول نہ ہوگا کیونکہ اس کا غلام کی خرید پر اقدام کرنا۔ صحت بیع کا اعتراف ہے۔ اس کے بعد یہ دعویٰ صحیح نہیں ہوا اور بینہ کا مقبول ہونا صحت دعویٰ پر مبنی ہے لہٰذا مقبول نہ ہوگا۔ اور اگر بائع فضولی نے یہ اقرار کیا کہ مالک نے مجھ کو فروختگی کا حکم نہیں کیا تو بیع باطل ہوجائے گی۔ بشرطیکہ مشتری بطلان بیع کا خواہاں ہو۔ کیونکہ تناقض دعویٰ صحت اقرار کیلئے مانع ہے۔

قولہ ومن باع دار غیرہ الخ ایک شخص نے دوسرے کا مکان اس کی اجازت کے بغیر فروخت کردیا اس کے بعد اس نے اقرار کیا کہ میں نے مکان زبردستی لے کر فروخت کیا ہے۔ اور مشتری نے اس کو جھوٹا بتایا تو بائع مکان کی قیمت کا ضامن نہ ہوگا۔ اس واسطے کہ مشتری کے خلاف بائع کے اقرار کی تصدیق نہیں ہوتی۔ بلکہ صاحب دار کا بینہ قائم کرنا ضروری ہے۔ اور جب اس نے بینہ قائم نہیں کیا تو اتلاف دار اس کے بینہ قائم کرنے سے عاجز ہونے کی طرف مضاف ہوگا نہ کہ بائع کے عقد کی طرف اس تقریر سے یہ معلوم ہوگیا کہ مصنف کا قول'' فاد خلھا المشتری فی بناء'' اتفاقی ہے نہ کہ احترازی۔ اذلا تا یثر للاد خال فی البناء فی ذلک۔

باب السلم[1]

باب بیع سلم کے بیان میں

مَا اَمْکَنَ ضَبْطُ صِفَتِہٖ وَمَعْرِفَۃُ قَدَرِہٖ صَحَّ السَّلَمُ فِیْہِ وَمَالاَ فَلاَ فَیَصِحُّ فِی الْکَیْلِ

جن چیزوں کی صفت ضبط کرنا اور ان کی مقدار کا معلوم ہوجانا ممکن ہو ان میں سلم صحیح ہے اور جن میں یہ نہ ہو ان میں صحیح نہیں پس صحیح ہے کیلی

والموزون المثمن وَالْعَدَدِیِّ الْمُتَقَارَبِ کَالْجَوْزِ وَالْبَیْضِ وَالْفَلَسِ وَاللَّبِنِ وَالْاٰجُرِّ اِنْ سُمِّیَ مِلْبَنٌ مَعْلُوْمٌ

اور مثمن [illegible] اور عددی متقارب چیزوں میں جیسے اخروٹ انڈے پیسے کچی پکی اینٹیں اگر ان کا سانچا بیان کردیا گیا ہو

والذَّرْعِیِّ کَالثَّوْبِ اِنْ بُیِّنَ الذِّرَاعُ وَالصِّفَۃُ وَالصَّنْعَۃُ.

اور [illegible] ناپنے والی چیزوں میں جیسے کپڑا اگر بیان کردیا جائے گز اور صفت اور بناوٹ کو۔

توضیح اللغۃ: سلم وہ بیع جس میں مبیع پر قبضہ کرنے سے پہلے ثمن دیا جائے۔ مثمن ثمن والی۔ جوز اخروٹ۔ بیض جمع بیضہ انڈا۔ فلس پیسہ لبن کچی اینٹ آجر پکی اینٹ ملبن اینٹ ڈھالنے کا سانچہ۔

[illegible] ترمذی (وقد تقدم فی العتق) [1] اسلم الرجل فی الطعام اسلف فیہ (صحاح) اسلم فی المبیع مثل السلف وزناً و معنیً (مصباح) ۱۲ عہ حاکم، شافعی، بیہقی (فی المعرفۃ) عبدالرزاق، ابن ابی شیبہ، طبرانی عن ابن عباس ۱۲ للعہ [illegible] ائمہ ستہ، احمد عن ابن عباس ۱۲

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ جن بیوع میں عوضین یا احد العوضین پر قبضہ ضروری نہیں۔ ان کے بعد ان بیع کو ذکر کر رہا ہے جن میں یہ ضروری ہے یعنی صرف وسلم۔ اور سلم کو صرف پر اس لئے مقدم کر رہا ہے کہ سلم میں احد العوضین پر قبضہ ضروری ہوتا ہے۔ اور صرف میں عوضین پر۔ لغت میں سلم اور سلف دونوں ایک ہی معنی ہیں۔ جب ثمن پہلے دیا جائے تو عرب بولتے ہیں سلف فی کذا و اسلم و اسلف (مغرب) اصطلاح شرع میں سلم بیع الاجل بالعاجل کو کہتے ہیں۔ آجل سے مراد مسلم فیہ ہے اور عاجل سے راس المال صاحب مال کو رب السلم و مسلم، عاقد آخر کو مسلم الیہ، مبیع کو مسلم فیہ اور ثمن کو راس المال کہتے ہیں۔

فائدہ: از روئے قیاس سلم جائز نہیں کیونکہ بوقت عقد مسلم فیہ (مبیع) موجود نہیں ہوتی۔ مگر یہ کتاب وسنت اور اجماع سب سے ثابت ہے اس لئے قیاس کو ترک کرنا پڑا، حضرت ابن عباس فرماتے ہیں "بخدا حق تعالیٰ نے سلف یعنی سلم کو حلال فرمایا ہے۔ اور اس کے بارے میں اطول آیات یعنی" یایھا الذین آمنوا اذا تداینتم الخ نازل فرمائی ہے۔ نیز احادیث صحیحہ سے بھی رخصت سلم ثابت ہے۔

قولہ ما امکن الخ جن چیزوں کی صفت ضبط کرنا ممکن ہو مثلاً انکا عمدہ یا ناقص ہونا اور ان کی مقدار معلوم کرنا ممکن ہو جیسے کیلی، وزنی، عددی متقارب المقدار اخروٹ، انڈے، پیسے، معین سانچے کی کچی یا پکی اینٹیں وغیرہ ہر ایسی چیز میں بیع سلم صحیح ہے اور جنمیں یہ ممکن نہ ہو ان میں صحیح نہیں کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص کسی چیز میں سلم لے اسے چاہئے کہ کیل معلوم اور وزن معلوم میں مدت معلومہ تک سلم کرے۔

قولہ الثمن الخ اس قید سے دراہم و دنانیر نکل گئے کہ یہ گو موزون ہیں لیکن مثمن نہیں بلکہ خود ثمن ہیں تو یہ مسلم فیہ نہیں ہو سکتے خلافاً لمالک۔

لَا فِي الْحَيَوَانِ وَأَطْرَافِهِ وَالْجُلُودِ عَدَدًا وَالْحَطَبِ حُزَمًا وَالرَّطْبَةِ جُرَزًا

سلم صحیح نہیں جاندار اور اس کے ہاتھ پاؤں وغیرہ میں اور کھالوں میں عدد کے لحاظ سے اور لکڑی میں گٹھے کے اعتبار سے اور ترکاریوں میں گڈیوں سے

وَالْجَوْهَرِ وَالْخَرَزِ وَالْمُنْقَطِعِ وَالسَّمَكِ الطَّرِيِّ وَصَحَّ وَزْنًا لَوْ مَالِحًا وَاللَّحْمِ

اور جواہر اور پوتھوں میں اور نہ ملنے والی چیز میں اور تازہ مچھلی میں اور صحیح ہے تول کر اگر نمک آلود ہو اور گوشت میں

وَبِمِكْيَالٍ أَوْ ذِرَاعٍ لَمْ يُدْرَ قَدْرُهُ وَبُرِّ قَرْيَةٍ أَوْ تَمْرِ نَخْلَةٍ مُعَيَّنَةٍ.

اور ایسے پیمانہ یا گز سے جس کی مقدار معلوم نہ ہو اور خاص بستی کے گیہوں میں اور معین درخت خرما کی کھجوروں میں۔

وہ چیزیں جن میں سلم جائز نہیں

توضیح اللغۃ: اطراف جمع طرف مراد ہاتھ پاؤں وغیرہ۔ جلود جمع جلد کھال، حطب لکڑی، حزم جمع حزمۃ گٹھا، رطبۃ ترکاری۔ جرز جمع جرزہ گڈی، حرز پوتھ، سمک مچھلی، طری تازہ، مالح نمک آلود، قریۃ بستی، نخلۃ کھجور کا درخت۔

تشریح الفقہ: قولہ لافی الحیوان الخ جن چیزوں کے افراد اور ان کی مالیت میں تفاوت ہو اور ضبط ممکن نہ ہو ان میں سلم صحیح نہیں۔ پس جاندار میں سلم صحیح نہیں خواہ کوئی جاندار ہو امام شافعی کے ہاں صحیح ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمرو کو ایک لشکر روانہ کرنے کا حکم فرمایا۔ سواریاں ختم ہو گئیں تو آپ نے فرمایا کہ صدقہ کی اونٹنیاں لے لو فکان یا خذ البعیر بالبعیرین الی ابل الصدقہ، ہماری دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جاندار میں سلم کرنے سے منع فرمایا ہے۔ رہی حدیث مذکورہ سو اول تو وہ ضعیف مضطرب الاسناد ہے دوسرے یہ کہ مسلم بن جبیر اور عمرو بن حریش دونوں راوی مجہول الحال ہیں، ابوسفیان کے متعلق بھی کلام ہے۔ تیسرے یہ کہ اس سے

معلوم ہوتا ہے کہ حیوان کی بیع حیوان کے عوض میں بطور نسیئہ جائز ہے حالانکہ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان سے منع فرمایا ہے۔

قوله واطرافه الخ اطراف حیوان (سری، کلہ، پاؤں وغیرہ) اور اس کی کھال میں بھی سلم جائز نہیں کیونکہ یہ سب عددی اشیاء ہیں جن میں غیر معمولی تفاوت ہوتا ہے۔ امام مالک کے یہاں سری اور کھال میں عدد کے لحاظ سے سلم جائز ہے۔

قوله والمقطع الخ جو چیز عقد سلم کے وقت سے استحقاق کے وقت بازاروں میں دستیاب نہ ہوتی ہو اس میں بھی سلم جائز نہیں امام شافعی اور امام احمد فرماتے ہیں کہ اگر وہ چیز بوقت عقد موجود نہ ہو اور حلول مدت کے وقت موجود ہو سکتی ہو تو سلم جائز ہے ہماری دلیل حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ "پھلوں میں سلم نہ کرو یہاں تک کہ وہ لائق انتفاع ہو جائیں۔

قوله والسمک الخ تازہ مچھلی میں سلم جائز نہیں۔ کیونکہ تازہ مچھلی ہر موسم میں دستیاب نہیں ہوتی گرمی کے موسم میں پانی خشک ہو جانے کی وجہ سے اس کا ملنا دشوار ہوتا ہے۔ شرح طحاوی میں ہے کہ اس کی چند صورتیں ہیں۔ مچھلی تازہ ہوگی یا خشک نمک آلود، پھر بیع سلم عدد کے اعتبار سے ہوگی یا وزن کے اعتبار سے۔ سو اگر عدد کے اعتبار سے ہو تو مچھلی میں سلم مطلقاً جائز نہیں۔ کیونکہ اس کے آحاد و افراد میں تفاوت ہوتا ہے۔ اور اگر وزن کے لحاظ سے ہو اور مچھلی مملوح (نمک آلود) ہو تو سلم جائز ہے اور اگر مچھلی تازہ ہو اور عقد سلم سے حلول مدت تک دستیاب ہو سکتی ہو تو سلم صحیح ہے ورنہ صحیح نہیں۔

قوله واللحم الخ امام صاحب کے نزدیک گوشت میں سلم جائز نہیں اگر چہ بے ہڈی کا گوشت ہو، صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز ہے۔ جبکہ اس کی جنس، نوع، صفت موضع اور مقدار بیان کر دی جائے کہ گوشت بکری کا ہوگا یا گائے کا۔ جانور یکسالہ ہوگا یا کم وبیش، نر کا ہوگا یا مادہ کا، موٹا ہوگا یا دبلا۔ پہلو کا ہوگا یا ران کا۔ دس سیر ہوگا یا کم وبیش؟ بحر و شرح مجمع ہے کہ فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔

قوله بمکیال الخ جس معین پیمانہ اور گز کی مقدار معلوم نہ ہو اس سے بھی بیع سلم درست نہیں کیونکہ اس کو کاٹ دیں ممکن ہے وہ ضائع ہو جائے اور بعد میں نزاع واقع ہو، نیز کسی معین گاؤں کے گیہوں وغیرہ میں یا خاص درخت کے میوے میں بھی بیع سلم درست نہیں۔ کیونکہ ممکن ہے کوئی آفت آ پڑے۔ اور اس گاؤں میں کچھ پیدا نہ ہو اور اس کو کاٹ دیں **والیه اشار علیه السلام بقوله " اذا منع الله الثمرة فبم یستحل احد کم مال اخیه "** ہاں اگر گاؤں کی طرف نسبت برائے بیان نوع ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

وَشَرْطُهُ بَیَانُ الْجِنْسِ وَالنَّوْعِ وَالصِّفَةِ وَالْقَدْرِ وَالاَجَلِ وَاَقَلُّهُ شَهْرٌ وَقَدْرُ رَأْسِ الْمَالِ فِی الْمَکِیْلِ وَالْمَوْزُوْنِ

اور شرط سلم کی بیان ہوتا ہے جنس نوع صفت مقدار اور مدت کا اور کمتر مدت ایک ماہ ہے اور بیان ہونا راس المال کا کیلی اور وزنی

وَالْمَعْدُوْدِ وَمَکَانِ الاِیْفَاءِ فِیْمَا لَهُ حَمْلٌ مِنَ الاَشْیَاءِ

اور عددی چیزوں میں اور ادائیگی کی جگہ کا بیان ہونا ان چیزوں میں جن میں باربرداری کی ضرورت ہو

وَمَالاَ حِمْلَ لَهُ یُوْفِیْهِ حَیْثُ شَاءَ وَقَبْضُ رَأْسِ الْمَالِ قَبْلَ الاِفْتِرَاقِ

اور جن میں بار برداری کی حاجت نہ ہو تو حوالہ کرے جہاں چاہے اور قبضہ کرنا راس المال پر جدائی سے پہلے

فَاِنْ اَسْلَمَ مِائَتَیْ دِرْهَمٍ فِیْ کُرِّ بُرٍّ مِائَةٌ دَیْنًا عَلَیْهِ وَمِائَةٌ نَقْدًا فَالسَّلَمُ فِی الدَّیْنِ بَاطِلٌ.

پس اگر عقد سلم کیا دو سو درہم کے عوض ایک کر گیہوں میں درانحالیکہ سو اس پر قرض تھے اور ایک سو نقد تو عقد سلم قرض میں باطل ہے۔

ع ...... ابوداؤد، احمد، حاکم عن ابن عمر ۱۲ اھ ...... حاکم دارقطنی عن ابن عباس ۱۲ اھ ...... ابن حبان، عبدالرزاق، دارقطنی، بزار، بیہقی (فی المعرفۃ) طبرانی عن ابن عباس، ائمہ اربعہ عن سمرۃ، ترمذی عن جابر بن عبداللہ طبرانی عن جابر بن سمرۃ طبرانی، احمد عن ابن عمر ۱۲ ۔ للعہ ...... ابوداؤد، ابن ماجہ عن ابن عمر طبرانی عن ابی ہریرۃ (فی معناہ) ۱۲۔

شروط بیع سلم کا بیان

توضیح اللغۃ: اجل مدت، ایفاء پورا کرنا، مراد ادائیگی مسلم فیہ۔ کر بضم کاف وتشدید رائے ساٹھ قفیز کا ہوتا ہے۔اور قفیز آٹھ مکوک کا اور مکوک ڈیڑھ صاع اور صاع آٹھ رطل کا اور رطل ایک سوتیس درہم کا۔

تشریح الفقہ: قولہ وشرط الخ یہاں سے صحت سلم کی شرطوں کا بیان ہے، مصنف نے صحت سلم کی آٹھ شرطیں ذکر کی ہیں (۱) مسلم فیہ کی جنس بیان ہو کہ گیہوں ہے یا کھجور (۲) نوع بیان ہو کہ آدمیوں کے سینچے ہوئے ہوں گے یا بارش کے (۳) صفت بیان ہو کہ عمدہ قسم کے ہوں گے یا گھٹیا (۴) مقدار بیان ہو کرہ دس من ہوں گے یا بیس من۔ کیونکہ ان چیزوں کے اختلاف سے مسلم فیہ مختلف ہوتی ہے۔ اس لئے بیان کر دینا ضروری ہے تاکہ بعد میں جھگڑا نہ ہو۔ (۵) مدت بیان ہو کر پندرہ روز بعد لے گا یا بیس روز بعد۔ امام شافعی کے یہاں بلا مدت یعنی فی الحال بھی بیع سلم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ حدیث کے الفاظ ''ورخص فی السلم'' مطلق ہیں۔ جواب یہ ہے کہ دوسری حدیث میں ''الی اجل معلوم'' کی تصریح موجود ہے۔ لہذا بلا مدت صحیح نہ ہوگی۔ پھر ہمارے یہاں اقل مدت سلم میں مختلف قول ہیں۔ ایک قول ابوبکر رازی کا ہے۔ کہ نصف یوم سے اکثر اقل مدت ہے، دوسرا قول احمد بن ابی عمران بغدادی استاذ طحاوی نے ذکر کیا ہے کہ اقل مدت تین دن ہیں۔ تیسرا قول امام کرخی نے روایت کیا ہے کہ اقل مدت وہ ہے جس میں مسلم فیہ کی تحصیل ممکن ہو۔ چوتھا قول یہ ہے کہ اقل مدت دس دن ہیں۔ پانچواں قول امام محمد سے مروی ہے کہ اقل مدت ایک ماہ ہے، فتح القدیر وغیرہ میں ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے۔ (٦) راس المال کی مقدار بیان ہو۔ اگر عقد راس المال کی مقدار سے متعلق ہو جیسے کیلی، وزنی اور عددی چیزوں میں صاحبین فرماتے ہیں کہ راس المال کی طرف اشارہ ہو جائے تو مقدار بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ جواب یہ ہے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مسلم الیہ مسلم فیہ کی تحصیل پر قادر نہیں ہوتا۔ تو راس المال واپس کرنے کی احتیاج ہوگی۔ اور راس المال مجہول ہونے کی صورت میں واپسی متعذر ہے۔ (۷) جن اشیا میں بار برداری کی کلفت ہو ان میں مکان ایفا بیان ہو صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ جہاں عقد ہوا ہے ایفا کے لئے وہ جگہ متعین ہے امام صاحب فرماتے ہیں کہ تسلیم مسلم فیہ فی الحال واجب نہیں۔ پس تسلیم کے لئے مکان عقد متعین نہ ہوا۔ (۸) قبل از افتراق راس المال مقبوض ہو، **''لان السلم ینبئی عن اخذ عاجل بآجل وذلک بالقبض قبل الافتراق لیکون حکمہ، علی وفق مایقتضیہ اسمہ، کمافی الحوالۃ والکفالۃ والصرف۔**

قولہ فان اسلم الخ صرف شرط ثامن یعنی قبض راس المال پر تفریع ہے۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص کے ایک سو درہم دوسرے پر قرض تھے اس نے مقروض کو ایک سو درہم نقد دیکر کہا کہ میں نے دوسو درہم کے عوض ایک کر گیہوں میں عقد سلم کیا پس راس المال ایک سو درہم نقد ہوا اور ایک سو درہم دین تو راس المال کا جو حصہ دین ہے اس میں سلم باطل ہے کیونکہ یہ مبادلہ دین بالدین ہے جو جائز نہیں۔

محمد حنیف غفرلہٗ گنگوہی

عہ...... والتاسع الذی لم یذکرہ المصنف ہو القدرۃ علی تحصیل المسلم فیہ ۱۲ عہ ...... تقدم فی اول الباب۔

للعہ...... ہذا الاخیر شرط لبقاء السلم علی الصحۃ لانہ ینعقد صحیحاً ثم یبطل بالافتراق لاعن قبض ۱۲

وَلَايَصِحُّ التَّصَرُّفُ فِي رَأْسِ الْمَالِ وَالْمُسْلَمِ فِيهِ قَبْلَ الْقَبْضِ بِشِرْكَةٍ اَوْ تَوْلِيَةٍ فَاِنْ تَقَايَلَا السَّلَمَ

اور صحیح نہیں تصرف کرنا راس المال اور مسلم فیہ میں قبضہ سے پہلے شرکت یا تولیہ کے ذریعہ سے اگر اقالہ کیا سلم کا

لَمْ يَشْتَرِ مِنَ الْمُسْلَمِ اِلَيْهِ بِرَأْسِ الْمَالِ شَيْئًا وَلَوِ اشْتَرَى الْمُسْلَمُ اِلَيْهِ كُرًّا وَ اَمَرَ رَبَّ السَّلَمِ بِقَبْضِهِ قَضَاءً

تو نہ خریدے مسلم الیہ سے راس المال کے عوض میں کوئی چیز اگر خریدا مسلم الیہ نے ایک کر اور حکم کیا رب السلم کو کہ اس پر قبضہ کر لے اپنے حق میں

لَمْ يَصِحَّ وَصَحَّ لَوْقَرْضًا اَوْ اَمَرَهُ بِقَبْضِهِ لَهُ ثُمَّ لِنَفْسِهِ فَفَعَلَ وَلَوْ اَمَرَهُ رَبُّ السَّلَمِ اَنْ يُكِيلَهُ فِي ظَرْفِهِ

تو صحیح نہیں اور صحیح ہے اگر قرض ہو یا حکم کیا ہو اس کے لئے قبضہ کرنے کا اور اس نے ایسا ہی کیا ہو رب السلم نے مسلم الیہ سے کہا کہ اس کو میرے

فَفَعَلَ وَهُوَ غَائِبٌ لَمْ يَكُنْ قَضَاءً بِخِلَافِ الْمَبِيعِ وَلَوْ اَسْلَمَ اَمَةً فِي كُرٍّ

برتن میں ناپ دے اس نے ناپ دیا حالانکہ رب السلم موجود ہے تو یہ قبضہ نہ ہوگا بخلاف مبیع کے، عقد سلم کیا باندی دے کر ایک کر گیہوں میں

وَقُبِضَتِ الْاَمَةُ فَتَقَايَلَا فَمَاتَتْ اَوْ مَاتَتْ قَبْلَ الْاِقَالَةِ بَقِيَ وَصَحَّ وَعَلَيْهِ قِيمَتُهَا

اور قبضہ کرلیا گیا باندی پر پھر اقالہ کرلیا اور باندی مرگئی یا قبضہ سے پہلے مرگئی تو اقالہ باقی اور صحیح رہے گا اور اس پر باندی کی قیمت ہوگی

وَعَكْسُهَا شِرَاؤُهَا بِاَلْفٍ وَالْقَوْلُ لِمُدَّعِي الرَّدَاءَةِ وَالتَّاجِيلِ لَا لَنَا فِي الْوَصْفِ وَالْاَجَلِ

اور اس کا عکس ہے باندی کو ایک ہزار میں خریدنا اور قول مدعی ردائت ومدعی مدت کا معتبر ہے نہ کہ وصف اور مدت کے منکر کا

وَصَحَّ السَّلَمُ وَالْاِسْتِصْنَاعُ فِي نَحْوِ خُفٍّ وَطَسْتٍ وَقُمْقُمٍ وَلَهُ الْخِيَارُ اِذَا رَاٰهُ

اور صحیح ہے سلم اور سائی پر بنوانا موزہ اور طشت اور آفتابہ وغیرہ میں اور بنوانے والے کو اختیار ہوگا جب وہ اس کو دیکھے

لِلصَّانِعِ بَيْعُهُ قَبْلَ اَنْ يَرَاهُ وَمُؤَجَّلُهُ سَلَمٌ.

اور کاریگر کو اختیار ہے بیچنے کا بنوانے والے کے دیکھنے سے پہلے اور سائی پر بنوانے میں مدت معین ہو تو اس کا حکم سلم کا سا ہے

عقد سلم کے باقی احکام

توضیح اللغۃ: کُر دیکھو ۶۴ یکیل کیل کرے ظرف برتن، پیمانہ استصناع کاریگر سے کوئی چیز سائی پر بنوانا خف موزہ طست طشت۔

تشریح الفقہ: قولہ ولا یصح التصرف الخ قبضہ سے پہلے راس المال میں تصرف کرنا جائز نہیں کیونکہ اس میں قبضہ کا فوت کرنا لازم آتا ہے جو نفس عقد کی وجہ سے ضروری ہے، نیز قبضہ سے پہلے مسلم فیہ میں بھی تصرف جائز نہیں کیونکہ مسلم فیہ مبیع ہے۔ اور مبیع منقول میں قبضہ سے پہلے تصرف جائز نہیں۔ پھر تصرف مذکور بطریق شرکت ہو یا بطریق تولیہ بہر صورت ممنوع ہے شرکت کی صورت یہ ہے کہ رب السلم دوسرے سے یہ کہے کہ تو مجھے نصف راس المال کے بقدر دیدے تاکہ نصف مسلم فیہ تیرے لئے ہوجائے۔ اور تولیہ کی صورت یہ ہے کہ دوسرے یہ کہے کہ جتنا روپیہ میں نے مسلم الیہ کو دیا ہے اتنا تو مجھے دیدے تاکہ مسلم فیہ تیرے لئے ہوجائے، مصنف نے تولیہ کی تصریح ان لوگوں پر رد کرنے کے لئے کی ہے جو بطور مرابحہ وتولیہ مسلم فیہ کی بیع کو جائز کہتے ہیں (کما جزم بہ فی الحاوی) وجہ رد یہ ہے کہ یہ قول ضعیف ہے۔ اور صحیح یہ ہے کہ جائز نہیں ہے۔

(۱)...... خمسۃ اشیاء تجوز فی السلم الوکالۃ والحوالۃ والکفالۃ والاقالۃ والرهن. وخمسۃ اشیاء لاتجوز الشرکۃ والتولیۃ وبیعہ قبل القبض، والا عتیاض عن المسلم فیہ، والا عتیاض عن راس المال بعد الاقالۃ کذافی خزانۃ ابی اللیث ۱۲ منحۃ الخالق۔

قولہ فان تقایلا الخ اگر رب السلم اور مسلم الیہ نے عقد سلم کے بعد اقالہ کرلیا تو اقالہ کی بعد رب السلم کے لئے مسلم الیہ سے بعوض راس المال کوئی چیز خریدنا جائز نہیں جب تک کہ وہ راس المال پر قبضہ نہ کرلے۔ کیونکہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ "نہ لے تو مگر اپنا سلم (یعنی مسلم فیہ درصورت قیام عقد سلم) یا اپنا راس المال (درصورت انفساخ عقد)۔

قولہ ولو اشتری الخ ایک شخص نے گیہوں کے ایک کر میں بیع سلم کی اور جب اس کی مدت آ گئی تو مسلم الیہ نے ایک دوسرے شخص سے ایک کر گیہوں خرید کر رب السلم سے کہا کہ میرے ذمہ جو تیرا ایک کر گیہوں ہے وہ اس سے وصول کرلے اس نے وصول کرلیا تو یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ یہاں دو عقد جمع ہوگئے ایک مسلم الیہ اور اس کے بائع کے درمیان اور ایک مسلم الیہ اور رب السلم کے درمیان' اور حضور اکرم ﷺ نے اناج کی بیع سے منع فرمایا ہے جب تک کہ اس میں دو صاع جاری نہ ہوں۔ ایک صاع بائع کا اور دوسرا مشتری کا۔ اس حدیث کا محمل وہی ہے جس میں دو عقد جمع ہوں۔ لہٰذا یہاں دوبارہ کیل ہونا چاہیے اور وہ پایا نہیں گیا۔ لہٰذا بیع صحیح نہیں ہاں اگر وہ ایک کر قرض ہو اور وہ مقروض کو قبضہ کرنے کا حکم کرے۔ یا مسلم الیہ رب السلم کو حکم کرے کہ پہلے میرے لئے قبضہ کر۔ پھر اپنے لئے۔ اور وہ ایسا ہی کرے تو صحیح ہے کیونکہ اس صورت میں مانع یعنی عدم کیل مرتین زائل ہوگیا۔

قولہ ولو امرہ الخ رب السلم نے مسلم الیہ سے کہا کہ تو مسلم فیہ کو ناپ کر میرے برتن میں رکھدے' مسلم الیہ نے رب السلم کی عدم موجودگی میں ناپ کر برتن میں رکھدیا۔ تو رب السلم قابض حق نہ ہوگا۔ اور اگر بیع مطلق کی صورت ہو اور مشتری بائع سے کہے کہ مبیع کو ناپ کر میرے برتن میں رکھدے اور بائع مشتری کی عدم موجودگی میں ناپ کر اس کے برتن میں رکھ دے تو مشتری قابض حق ہو جائے گا۔ وجہ فرق یہ ہے کہ مشتری کا حق عین شئی میں ہوتا ہے تو نفس عقد سے اس کا مالک ہوگیا بخلاف سلم کے کہ اس میں رب السلم کا حق ثابت فی الذمہ ہوتا ہے تو وہ قبضہ کئے بغیر مالک نہیں ہوسکتا۔

قولہ ولو اسلم الخ ایک شخص نے باندی دیکر گیہوں کے ایک کر میں عقد سلم کیا اور مسلم الیہ نے باندی پر قبضہ کرلیا اس کے بعد رب السلم اور مسلم الیہ نے سلم کا اقالہ کرلیا یعنی اس کو توڑ دیا اور ابھی رب السلم بحکم اقالہ باندی پر قبضہ نہ کر پایا تھا کہ باندی مرگئی تو اقالہ باقی رہے گا۔ اور اگر باندی اقالہ سے پہلے ہی مرجائے اس کے بعد اقالہ ہو تب بھی اقالہ صحیح ہوگا اور دونوں صورتوں میں مسلم الیہ پر باندی کی قیمت لازم ہوگی وجہ یہ ہے کہ صحت اقالہ بقاء عقد پر موقوف ہے۔ اور بقاء عقد کا تعلق بقاء مبیع سے ہے۔ اور یہاں مبیع یعنی مسلم فیہ مسلم الیہ کے ذمہ میں باقی ہے تو اقالہ صحیح ہوگا۔ اور جب ابتداءً اقالہ صحیح ہوا تو بقاءً بطریق اولیٰ صحیح ہوگا۔ **لان البقاء اسهل من الابتداء**۔ پس فسخ عقد کی وجہ سے باندی کا لوٹانا ضروری ہوا۔ اور مسلم الیہ باندی لوٹا نہیں کرسکتا۔ کیونکہ باندی مرچکی اس لئے اس کی قیمت لوٹائے گا۔

قولہ وعکسها الخ مسئلہ سلم کے برعکس ہے یعنی دونوں صورتوں میں اقالہ باطل ہوجائے گا۔ مثلاً ایک شخص نے ایک ہزار کے عوض میں ایک باندی خریدی پھر بیع کا اقالہ کرلیا۔ اور باندی مرگئی۔ یا باندی اقالہ کرنے سے پہلے ہی مرگئی بعد میں اقالہ ہوا تو ان دونوں صورتوں میں اقالہ صحیح نہ ہوگا۔ خلاصہ یہ ہوا کہ بیع سلم میں اقالہ بہر صورت صحیح ہے خواہ باندی اقالہ کرنے سے پہلے مرے یا اقالہ کے بعد۔ اور بیع کی صورت میں اقالہ صحیح نہیں۔ وجہ فرق یہ ہے کہ عقد بیع میں باندی معقود علیہ ہے اور معقود علیہ کے ہلاک ہونے سے عقد ختم ہو جاتا ہے اس لئے اقالہ صحیح نہ ہوگا نہ ابتداءً اور نہ انتہاءً۔ بخلاف بیع سلم کے کہ اس میں باندی راس المال ہے نہ کہ مسلم فیہ۔

قولہ والقول الخ متعاقدین سلم کے درمیان شرط جودۃ ورداءۃ وعدم شرط جودۃ رداءۃ یا تاجیل وعدم تاجیل میں اختلاف ہو ایک نے کہا کہ میں نے ناقص کی شرط لگائی تھی دوسرے نے کہا کہ کوئی شرط نہیں تھی یا ایک نے کہا کہ اتنی مدت مشروط تھی۔ دوسرے نے کہا کہ کوئی مدت مشروط نہیں تھی۔ تو اس صورت میں امام صاحب کے نزدیک مدعی وصف ومدعی اجل کا قول معتبر ہوگا نہ کہ منکر کا۔ کیونکہ وہ صحت سلم کا مدعی ہے۔ اس واسطے کہ سلم میں بیان مدت اور بیان وصف ضروری ہے۔ پس ظاہر حال مدعی کے حق میں شاہد ہے۔ لہٰذا اسی کا قول

معتبر ہوگا۔ صاحبین کے یہاں کچھ تفصیل ہے جو مطولات میں مذکور ہے۔

قوله وصح السلم الخ جن چیزوں میں تعامل جاری ہو جیسے موزہ طشت آفتابہ وغیرہ ان میں بیع سلم درست ہے۔ اور ان کو کاریگر سے سائی پر بنوانا بھی جائز ہے۔ امام زفر اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز نہیں۔ مقتضائے قیاس بھی یہی ہے۔ کیونکہ یہ معدوم کی بیع ہے جو جائز نہیں۔ لیکن وجہ جواز تعامل ناس ہے۔ پھر بنوانے والے کو دیکھنے کے بعد اختیار ہے چاہے لے یا نہ لے۔ اور اس کے دیکھنے سے پہلے کاریگر کو دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دینا بھی جائز ہے۔ اور اگر چیزوں کو بنا کر دینے کا کوئی وقت معین کر لیا جائے تو اس کا حال بیع سلم کا سا ہوگا۔ **فیشترط فیها شرائطه۔**

باب المتفرّقات

باب مسائل متفرقہ کے بیان میں

صَحَّ بَيْعُ الْكَلْبِ وَالْفَهْدِ وَالسِّبَاعِ وَالطُّيُوْرِ وَالذِّمِّيُّ كَالْمُسْلِمِ

صحیح ہے بیع کتے چیتے اور درندوں پرندوں کی اور ذمی مثل مسلمان کے ہے شراب اور خنزیر کی بیع کے علاوہ میں

فِيْ بَيْعِ غَيْرِ الْخَمْرِ وَالْخِنْزِيْرِ وَلَوْ قَالَ بِعْ عَبْدَکَ مِنْ زَيْدٍ بِاَلْفٍ عَلٰى اَنِّيْ ضَامِنٌ لَکَ مِائَةً

اگر کہا بیچدے اپنا غلام زید کے ہاتھ ایک ہزار میں، اس شرط پر کہ میں تیرے لئے ضامن ہوں سو کا ہزار کے سوا

سِوَى الْاَلْفِ فَبَاعَ صَحَّ بِالْاَلْفِ وَبَطَلَ الضَّمَانُ وَاِنْ زَادَ مِنَ الثَّمَنِ فَالْاَلْفُ عَلٰى زَيْدٍ وَالْمِائَةُ عَلَى الضَّامِنِ

اس نے بیچدیا تو بیع صحیح ہوگی ہزار میں اور ضامن ہونا باطل ہوگا اور اگر بڑھا دیا لفظ من الثمن تو ہزار زید پر ہوں گے اور سو ضامن پر

وَوَطْئُ زَوْجِ الْمُشْتَرَاةِ قَبْضٌ لَا عَقْدُهُ وَمَنْ اِشْتَرٰى عَبْدًا فَغَابَ فَبَرْهَنَ الْبَائِعُ عَلٰى بَيْعِهٖ

اور خرید کردہ باندی کے شوہر کا وطی کرنا قبضہ ہے نہ کہ صرف عقد نکاح، جس نے خریدا ایک غلام اور غائب ہوگیا پس بینہ قائم کیا بائع نے اس کی فروختگی پر

وَغَيْبَتُهُ مَعْرُوْفَةٌ لَمْ يُبَعْ بِدَيْنِ الْبَائِعِ وَاِلَّا بِيْعَ بِدَيْنِهٖ وَلَوْ غَابَ اَحَدُ الْمُشْتَرِيَيْنِ

اور خریدار کا ٹھکانا معلوم ہے تو بیچا نہ جائیگا بائع کے قرضہ میں ورنہ بیچدیا جائیگا اگر غائب ہوگیا دو خریداروں میں سے ایک

فَلِلْحَاضِرِ دَفْعُ كُلِّ الثَّمَنِ وَقَبْضُهُ وَحَبْسُهُ حَتّٰى ينقد شَرِيْكُهُ وَمَنْ بَاعَ اَمَةً بِاَلْفِ مِثْقَالٍ ذَهَبٍ وَفِضَّةٍ

تو موجود کل دام دیکر قبضہ کر کے روک سکتا ہے یہاں تک کہ ادا کرے اس کا شریک، جس نے بیچی باندی سونے چاندی کے ہزار مثقال کے عوض

فَهُمَا نِصْفَانِ وَاِنْ قَضٰى زَيْفًا عَنْ جَيِّدٍ وَهُوَ لَايَعْلَمُ وَتَلَفَ فَهُوَ قَضَاءٌ

تو وہ نصفا نصف ہوں گے اگر ادا کئے کھوٹے کھروں کے عوض اور صاحب حق کو معلوم نہیں اور وہ جاتے رہے تو حق ادا ہوگیا

وَاِنْ اَفْرَخَ طَيْرٌ اَوْ بَاضَ اَوْتَكَنَّسَ ظَبْيٌ فِيْ اَرْضِ رَجُلٍ فَهُوَ لِمَنْ اَخَذَهٗ.

اگر بچے نکالیں پرند یا انڈے دیں یا رہنے لگے ہرن کسی کی زمین میں تو وہ اسی کے ہیں جو ان کو پکڑ لے۔

عہ۔۔۔دار قطنی عن انس ابوداؤد ترمذی ابن ماجہ عن ابی سعید (فی معناہ) عبد الرزاق عن ابن عمر ابن ابی شیبہ عن عبد اللہ بن عمرو (فی معناہ) ۱۲۔ عہ۔۔۔ تقدم فی الدرایۃ والتولیۃ ۱۲

عہ۔۔۔ والاصل ان من خرج کلامہ تعنتاً فالقول لصاحبہ بالاتفاق وان خرج خصومۃ بان ینکر ما یضرہ مع اتفاقہما علی عقد واحد فالقول لمدعی الصحۃ عندہ وعندہما القول للمنکر سواء انکر الصحۃ اوغیرہا ۱۲ مجمع۔ عہ۔۔۔ ہکذا فی نسخۃ الزیلعی وفی نسخۃ العینی "مسائل متفرقۃ" وعبر عنہا فی الہدایۃ بمسائل منثورۃ والمعنی واحد ۲۱ بحر

توضیح اللغۃ: کلب کتا' فہد چیتا' سباع درندے' طیور جمع طیر' حبس روکنا' زیف کھوٹا' جس کو بیت المال نہ لیتا ہو تجار لے لیتے ہوں جید کھرا۔ افرخ الطیر من بیضہ۔ پرندنے انڈے سے بچہ نکال لیا۔ باض (ض) انڈا دیا' تکلنس۔ الظبی۔ ہرنی اپنے گھر میں داخل ہو گئی۔

تشریح الفقہ: قولہ صح الخ ہمارے یہاں کتے کی بیع صحیح ہے۔ معلم ہو یا غیر معلم' عقور یا غیر عقور ہو۔ البتہ ابو یوسف سے ایک روایت ہے کہ کلب عقور (کاٹ کھانے والا کتا) جو تعلیم کو قبول نہیں کرتا اس کی بیع جائز نہیں۔ قال فی المبسوط ھذا ھو الصحیح من المذھب امام شافعی اور امام احمد کے یہاں کتے کی بیع مطلقاً جائز نہیں" بعض موالک بھی اسی کے قائل ہیں لیکن امام مالک سے مشہور یہ ہے کہ بیع جائز ہے۔ عدم جواز کی دلیل حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ "زانیہ کی اجرت' کتے کی قیمت اور پچھنا لگانیوالے کی کمائی حرام ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ "آنحضرت ﷺ نے کتے کی بیع سے منع فرمایا ہے۔ اور شکاری کتے کا استثناء کیا ہے نیز امام صاحب نے مسند میں بسند جید حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ کہ آنحضرت ﷺ نے شکاری کتے کے ثمن کی اجازت دی ہے' سوال حدیث مذکور سے استدلال صحیح نہیں۔ اس واسطے کہ دعوی عام ہے اور دلیل خاص۔ کیونکہ حدیث سے صرف شکاری کتے کی بیع ثابت ہوئی۔ جواب شکاری کتے کے علاوہ دیگر کتے دلالۃً اسی کے ساتھ ملحق ہیں والجامع کو نہ منتفعاًبہ حراسۃً و اصطیاداً او غیر ذلک (تدبر) رہی حدیث نہی سو وہ ابتداء پر محمول ہے۔ کیونکہ ابتداء اسلام میں کتوں کے معاملہ میں جو سختی تھی وہ بعد میں اٹھا دی گئی تھی۔

قولہ والذمی الخ ذمی لوگ جملہ معاملات صرف' سلم' ربوا وغیرہ میں مسلمانوں کی طرح ہیں۔ کیونکہ وہ بھی معاملات کے مکلف اور مباشرت اسباب کے محتاج ہیں تو جو معاملات مسلمانوں کے لئے جائز ہیں وہ ان کے لئے بھی جائز ہیں۔ اور جو مسلمانوں کے لئے جائز نہیں وہ ان کے لئے بھی جائز نہیں البتہ خنزیر اور شراب اس سے مستثنیٰ ہے کہ ان کی خرید و فروخت ان کے لئے جائز ہے ہمارے لئے جائز نہیں۔ کیونکہ وہ شراب اور خنزیر کی مالیت کے معتقد ہیں و نحن امرنا بان نترکھم و مایعتقدون۔

قولہ ولو قال الخ بکر نے خالد سے کہا کہ تو اپنا غلام زید کے ہاتھ ایک ہزار کے عوض اس شرط پر فروخت کر دے کہ تیرے لئے ایک ہزار کے علاوہ ایک سو کا ضامن ہوں۔ خالد نے اس شرط کے ساتھ اپنا غلام فروخت کر دیا تو ایک ہزار کے عوض بیع صحیح ہوگی۔ اور ضمان باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ تو کھلی رشوت ہے۔ اور اگر بکر نے مائۃ کے بعد لفظ "من الثمن" اور بڑھا دیا تو اس صورت میں ایک سو روپیہ اصل عقد کے ساتھ لاحق ہو جائے گا۔ اب ایک ہزار زید پر لازم ہوں گے۔ اور ایک سو بکر پر امام زفر اور امام شافعی کا اس میں اختلاف ہے۔ وقد مر نظیر ھذہ فتذکر۔

قولہ وطئی الخ ایک شخص نے باندی خریدی اور قبضہ کرنے سے پہلے کسی کے ساتھ اس کی شادی کر دی اس سے اس کے شوہر نے وطی کر لی تو نکاح صحیح ہے۔ کیونکہ سبب ولایت یعنی ملک رقبہ بطریق کمال موجود ہے۔ اور شوہر کا وطی کر لینا مشتری کا قبضہ کر لینا ہے کیونکہ وطی کا حصول مشتری کے مسلط کرنے سے ہوا ہے۔ پس شوہر کا فعل مشتری کے فعل کے مانند ہو گیا لیکن صرف عقد نکاح سے مشتری قابض نہ ہوگا۔ کیونکہ مشتری کی جانب سے کوئی ایسا فعل صادر نہیں ہوا جو باندی کی ذات میں موجب نقص ہو فان التزویج تعیب حکمی۔

قولہ ومن اشتری الخ ایک شخص نے کوئی منقول شئی غلام خریدا اور غلام پر قبضہ کرنے اور ثمن ادا کرنے سے پہلے غائب ہو گیا بائع نے اس امر پر بینہ قائم کیا کہ میں نے فلاں کے ہاتھ غلام فروخت کیا تھا اس نے ثمن ادا نہیں کیا اور غائب ہو گیا۔ گویا وہ اپنے دین کے سلسلہ میں غلام فروخت کرانا چاہتا ہے۔ تو اگر مشتری غائب کی جگہ معلوم ہو کہ وہ فلاں جگہ ہے تو قاضی اس غلام کو بائع کے دین میں فروخت نہ کرے کیونکہ بائع مشتری کے پاس جا کر وصول کر سکتا ہے۔ اور اگر یہ معلوم نہ ہو کہ وہ کہاں ہے تو بائع کے دین میں غلام کو فروخت کر کے بائع کا مطالبہ پورا کر دیا جائے گا۔

عہ ...... لانہ اضاف المثقال الیہا علی السواء فیجب من کل واحد منہما خمس مائۃ مثقال لعدم الاولویۃ ۱۲۔ للعہ ...... لانہ مباح سبقت یدہ الیہ فکان اولی بہ ۱۲۔ بحر للعہ ...... ابن حبان' دارقطنی عن ابی ہریرۃ' ابو یعلی الموصلی' ابن حاتم عن السائب بن یزید' طبرانی' ابن عدی' عن عمر (فی معناہ) صحیحین عن ابن مسعود الانصاری (فی معناہ) ۱۲۔

قولہ وان قضی الخ ایک شخص کے دوسرے پر کھرے درہم واجب تھے اس نے کھوٹے ادا کئے۔ صاحب حق کو معلوم نہیں تھا اس نے خرچ کر ڈالے یا وہ ہلاک ہو گئے تو طرفین کے نزدیک اس کا حق ادا ہو گیا۔ اب وہ کھروں کا مطالبہ نہیں کر سکتا' امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اسی جیسے کھوٹے درہم دیکر کھرے لے سکتا ہے' بحر و نہر وغیرہ میں اسی کو ترجیح دی ہے۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

مَا يَبْطُلُ بِالشَّرْطِ الْفَاسِدِ وَلاَ يَصِحُّ تَعْلِيْقُهُ بِالشَّرْطِ الْفَاسِدِ اَلْبَيْعُ وَالْقِسْمَةُ وَالاِجَارَةُ وَالاِجَازَةُ وَالرَّجْعَةُ

جو باطل ہو جاتی ہیں شرط فاسد سے اور صحیح نہیں ان کی تعلیق شرط فاسد کے ساتھ وہ یہ ہیں بیع، قسمت، اجارہ، بیع فضولی کی اجازت، رجعت،

وَالصُّلْحُ عَنْ مَالٍ وَالاِبْرَاءُ عَنِ الدَّيْنِ وَعَزْلُ الْوَكِيْلِ وَالاِعْتِكَافُ وَالْمُزَارَعَةُ وَالْمُعَامَلَةُ والاِقْرَارُ وَالْوَقْفُ

صلح عن المال، قرض سے بری کرنا، وکیل کو معزول کرنا، اعتکاف، مزارعت، معاملہ، اقرار، وقف،

وَالتَّحْكِيْمُ وَمَالاَيَبْطُلُ بِالشَّرْطِ الْفَاسِدِ اَلْقَرْضُ وَالْهِبَةُ وَالصَّدَقَةُ وَالنِّكَاحُ والطَّلاَقُ وَالْخَلْعُ وَالْعِتْقُ والرَّهْنُ

اور پنچ مقرر کرنا اور جو شرط فاسد سے باطل نہیں ہوتیں وہ یہ ہیں قرض، ہبہ، صدقہ، نکاح، طلاق، خلع، عتق، رہن،

وَالاِيْصَاءُ وَالْوَصِيَّةُ وَالشَّرِكَةُ وَالْمُضَارَبَةُ وَالْقَضَاءُ وَالاِمَارَةُ وَالْكَفَالَةُ وَالْحَوَالَةُ وَالْوَكَالَةُ

وصی بنانا، وصیت کرنا، شرکت، مضاربت، قاضی کرنا، امیر بنانا، کفیل ہونا، حوالہ کرنا، وکالت کرنا،

وَالاِقَالَةُ وَالْكِتَابَةُ وَاِذْنُ الْعَبْدِ فِي التِّجَارَةِ وَدِعْوَةُ الْوَلَدِ وَالصُّلْحُ عَنْ دَمِ الْعَمْدِ وَالْجِرَاحَةِ

اقالہ کرنا، غلام کو مکاتب کرنا، غلام کو تجارت کی اجازت دینا، بچہ کا دعوی کرنا، دم عمد یا زخم سے صلح کرنا،

وَعَقْدُ الذِّمَّةِ وَتَعْلِيْقُ الرَّدِّ بِالْعَيْبِ اَوْ بِخِيَارِ الشَّرْطِ وَعَزْلُ الْقَاضِيْ.

جزیہ دینے کا معاملہ کرنا اور معلق کرنا مبیع کی واپسی کو عیب یا خیار شرط کے ساتھ اور قاضی کو معزول کرنا۔

وہ عقود جو شرط فاسد سے باطل ہو جاتے ہیں اور جو باطل نہیں ہوتے

تشریح الفقہ: قولہ ما یبطل الخ ما یبطل سے آخر باب تک جو تصرفات مذکور ہیں ان کے انضباط کے لئے دو قاعدے ہیں۔ ایک یہ کہ جو عقد مبادلہ مال بالمال ہو وہ شرط فاسد لگانے سے فاسد ہو جاتا ہے جیسے بیع وغیرہ اور جو مبادلہ مال بالمال نہ ہو وہ شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتا جیسے قرض وغیرہ۔ دوم یہ کہ جو تصرف تملیکات یا تعبیدات میں سے ہو اس کو شرط کیساتھ معلق کرنا باطل ہے۔ اور جو تصرف تملیکات یا تقییدات میں سے نہ ہو۔ بلکہ اسقاطات یا اطلاقات یا ولایات یا تحریضات میں سے ہو اس کو شرط کیساتھ معلق کرنا صحیح ہے۔ پھر جو اسقاطات والتزامات ایسے ہیں جن سے قسم کھائی جاتی ہے۔ جیسے طلاق اور حج تو ان کی تعلیق بالشرط علی الاطلاق صحیح ہے۔ خواہ شرط مناسب ہو یا غیر مناسب۔ لیکن اطلاقات' ولایات' تحریضات' ترغیبات کی تعلیق صرف مناسب شرطوں کیساتھ صحیح ہے غیر مناسب شرطوں کے ساتھ صحیح نہیں' اطلاقات جیسے تجارت کیلئے اجازت دینا ولایات جیسے قضاء و امارات' ترغیبات جیسے امام کا یوں کہنا کہ جو شخص فلاں کو مار یگا اس کو انعام دیا جائے گا سو جو تصرفات شرط فاسد سے باطل ہو جاتے ہیں وہ چودہ ہیں جو "البیع سے "التحکیم" تک مذکور ہیں اور جو تصرفات شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتے وہ ستائیس ہیں جو "القرض" سے آخر باب تک مذکور ہیں۔

قولہ البیع الخ فاذا باع عبدًا وشرط استخدامه' شهرًا اودارًا علیٰ ان یسكنها البائع شهرًا صار البیع فاسد' والقسمة بان كا ن للمیت دین علی الناس فاقتسمو االتركة من الدین والعین علی ان یكون الدین

لاحدو العين للباقيين فهي فاسدة والاجارة.بان آجر داره بشرط ان يهدى اليه والاجازة بان باع فضولي عبده فقال اجزته بشرط ان تهدى الى ' والرجعة بان قال لمطلقة الرجعية راجعتک على ان تقرضيني كذاوالصلح عن مال بان قال صالحتک على ان تسكنني في الدار سنةً والا براء عن الدين بان قال ابراتک عن ديني على ان تخدمني شهرًا وعزل الوكيل بان قال عزلتک على ا ن تهدى الى شيئاً ' والاعتكاف بان قال اعتكفت ان شفي الله مريضي والمزارعةبان قال زارعتک ارضي على ان تقرضني كذا والمعاملة وهي المساقاة بان قال ساقيتک شجرى اوكرمى على ان تقرضني كذا والاقرار بان قال لفلان على كذا ان اقرضني كذا والوقف بان قال وقفت دارى ان اخبرتني بقدوم زيد ' والتحكيم بان يقول المحكمان اذا اهل شهرًا وقالا لعبداو كافر اذا اعتقت اواسلمت فاحكم بيننا۔

قوله القرض الخ بان قال اقرضتک هذه المائة بشرط ان تخدمني شهرًا والهبة بان قال وهبتک هذه الجارية بشرط ان يكون حملهالي والصدقة بان قال تصدقت عليک على ان تخدمني جمعة والنكاح بان قال تزوجتک على ان لايكون لک مهروالطلاق بان قال طلقتک على ان لاتتزوجي غيرى والخلع بان قال خالعتک على ان يكون لي الخيار مدة كذاوالعتق بان قال اعتقتک على اني بالخيار والرهن بان قال رهنت عندک عبدى بشرط ان استخدمه والايصاء بان قال اوصيتک اليک على ان تتزوج ابنتي والوصية بان قال اوصيت لک بثلث مالي ان اجاز فلان والشركة بان قال شاركتک على ان تهديني كذاوالمقاربة بان قال ضاربتک في الف على النصف في الربح ان شاء فلان والقضاء بان قال الخليفة وليتک قضاء مكة على ان لاتعزل ابدًا والا مارة بان قال الخليفة وليتک امارة الشام على ان لاتركب والكفالة بان قال كفلت غريمک ان اقرضتني كذا.والحوالة بان قال احلتک على فلانٍ بشرط ان لا ترجع على عندالتوى والو كالة بان قال وكلتک ان ابراتني عمالک والاقالة بان قال اقلتک عن هذا البيع ان اقرضتني كذاوالكتابة بان قال المولى لعبده كاتبتک على الف بشرط ان لاتخرج من البلد واذن العبدفي التجارة.بان قال المولى لعبده اذنت لک في التجارة على ان تتجرالى شهراوسنة ودعوة الولد بان ادعى المولى نسب ولد بشرط ان لايرث منه اوان رضيت امرأته بذلک والصلح عن دم العمد بان صالح ولي المقتول عمدًا القاتل على شئي بشرط ان يقرضه او يهدى له شيئاً والجراحة بان صالح عنها بشرط اقراض شئي او اهدائه وعقدالذمه بان قال الامام لحربي يطلب عقدالذمة ضربت عليک الجزية ان شاء فلان وتعليق الرد بالعيب بان قال ان وجدت بالمبيع عيباً ارده عليک ان شاء فلان اوبخيار الشرط بان قال من له خيار الشرط في البيع اسقطت خيارى ان شاء فلان وعزل القاضي بان قال الخليفة للقاضي عزلتک عن القضاء ان شاء فلا ن۔١٢

کتاب الصرف

هُوَ بَيْعُ بَعْضِ الاَثْمَانِ بِبَعْضٍ فَلَوْ تَجَانَسَا شُرِطَ التَّمَاثُلُ وَالتَّقَابُضُ وَاِنْ اِخْتَلَفَا جَوْدَةً وَصِيَاغَةً

وہ بیچنا ہے ثمن کو دوسرے ثمن کے عوض سو اگر دونوں ایک جنس کے ہوں تو برابر ہونا اور قبضہ کا ہونا شرط ہے گو خوبی اور گڑھت میں جدا ہوں

وَاِلَّا شُرِطَ التَّقَابُضُ فَلَوْ بَاعَ الذَّهَبَ بِالْفِضَّةِ مُجَازَفَةً صَحَّ اِنْ تَقَابَضَا فِي الْمَجْلِسِ.

ورنہ صرف قبضہ شرط ہے سو اگر بیچا سونا چاندی کے عوض انکل سے تو صحیح ہے اگر قبضہ کرلیا دونوں نے مجلس میں

تشریح الفقہ: قولہ کتاب الخ کتاب الصرف کے بجائے ''باب الصرف'' عنوان بہتر تھا۔ کیونکہ صرف بیع کی اقسام میں سے ہے صرف لغت میں نقل ورد یعنی پھیرت اور واپس کرنے کو کہتے ہیں قال تعالیٰ ''ثم انصرفوا صرف الله قلوبهم'' اس عقد میں چونکہ بدلین کو ہاتھ در ہاتھ منتقل کرنا ضروری ہے۔ اس لئے اس کو صرف کہتے ہیں نیز لغت میں یہ لفظ فضل و زیادتی کے معنی میں بھی آیا ہے۔ چنانچہ صرف الحدیث کلام کی زیادتی اور تزیین و تحسین کو کہتے ہیں۔ ویقال له علی صرف' اس کو مجھ پر فضیلت ہے۔ حدیث میں ہے'' من انتمی الی غیر ابیه لایقبل الله منه صرفاً ولا عدلا'' جو شخص خود کو اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب کریگا حق تعالیٰ اس کا صرف اور عدل قبول نہ کریگا۔ اس میں صرف سے مراد نفل ہے۔ کیونکہ وہ فرض سے زائد ہے اور عدل سے مراد فرض ہے تو بیع صرف میں چونکہ شرط تقابض بدلین ایک زائد چیز ہے۔ غیر صرف میں یہ شرط نہیں پائی جاتی۔ اس لئے اس کو صرف کہتے ہیں۔ یا اس لئے کہ بیع صرف میں مقصود زیادتی ہی ہوتی ہے۔ کیونکہ بعینہ نقود سے انتفاع نہیں ہوتا۔ اصطلاح شرع میں اثمان یعنی چاندی اور سونے میں سے بعض کو بعض کے عوض فروخت کرنے کو بیع صرف کہتے ہیں۔ اثمان ثمن کی جمع ہے۔ ثمن سے مراد وہ ہے جس میں خلقۃً ثمنیت ہو جیسے چاندی اور سونا۔

فائدہ: مال کی چند قسمیں ہیں (۱) جو ہر حالت میں ثمن ہو خواہ اپنی جنس کے مقابلہ میں ہو یا غیر جنس کے مقابلہ میں ہو جیسے سونا چاندی (۲) جو ہر حال میں مبیع ہو جیسے غیر ذوات الامثال کپڑے، چوپائے، غلام وغیرہ (۳) جو من وجہ ثمن ہو اور من وجہ مبیع جیسے مکیل وموزون۔ کہ اگر یہ چیزیں عقد میں معین ہوں تو مبیع ہوتی ہیں۔ اور معین نہ ہوں اور کلمہ باء کیساتھ ہوں اور ان کے مقابلہ میں کوئی مبیع ہو تو ثمن ہوتی ہیں (۴) جو باعتبار اصل سامان ہوں اور اصطلاح ناس کے ذریعہ سے ثمن ہوں جیسے اسباب فان کان رائجاً کان ثمناً وان کان کاسدًا کان سلعةً۔

قولہ فلو تجانسا الخ اگر عقد صرف میں بدلین متجانس ہوں مثلاً سونے کی بیع سونے کے عوض اور چاندی کی چاندی کے عوض میں ہو تو مساوات بھی ضروری ہے اور قبل از افتراق مجلس قبضہ کرنا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ سونے کے عوض میں برابر سرابر ہاتھ در ہاتھ بیچو اگر عمدگی اور صنعت زرگری میں دونوں مختلف ہوں تب بھی کمی بیشی جائز نہیں کیونکہ آپ کا ارشاد ہے ''جيدها ورديهاسواء'' پس یہ جو عام معمول ہے کہ عمدہ چاندی بناری وغیرہ روپے دیکر خریدتے ہیں یا چھلا آرسی سادہ صنعت کاری کی وجہ سے بڑھا کر لیتے ہیں۔ یہ عین ربوا اور مطلقاً حرام ہے۔ اگر خریدنا ہی ہو تو جنس بدل کر یعنی چاندی کو اشرفیوں یا پیسوں سے خریدنا چاہئے۔ ہاں اگر جنس مختلف ہو مثلاً سونے کی بیع چاندی کے عوض ہو یا برعکس ہو تو کمی بیشی جائز ہے۔ بشرطیکہ افتراق مجلس سے پیشتر بدلین پر قبضہ ہو جائے۔ لقولہ علیہ السلام'' فاذا اختلفت هذه الاصناف فبيعوا كيف شئتم اذا كان يداً بيدٍ۔

عہ ... ائمہ ستہ الا البخاری ۱۲ عہ ... مسلم احمد وغیرہما ۱۲

وَلاَ یَصِحُّ التَّصَرُّفُ فِی ثَمَنِ الصَّرْفِ قَبْلَ قَبْضِہٖ فَلَوْ بَاعَ دِیْنَارًا بِدَرَاھِمَ وَاشْتَرٰی بِھَا ثَوْبًا فَسَدَ بَیْعُ الثَّوْبِ

اور صحیح نہیں تصرف کرنا عقد صرف کے ثمن میں قبضہ سے پیشتر پس اگر بیچی اشرفی دراہم کے عوض میں اور خرید لیا دراہم کے عوض میں کپڑا تو فاسد ہوگی

وَلَوْ بَاعَ اَمَۃً مَعَ طَوْقٍ قِیْمَۃُ کُلٍّ اَلْفٌ بِاَلْفَیْنِ وَنَقَدَ مِنَ الثَّمَنِ اَلْفًا فَھُوَ ثَمَنُ الطَّوْقِ

کپڑے کی بیع اور اگر بیچی باندی ہنسلی کے ساتھ دو ہزار میں اور ہر ایک کی قیمت ہزار ہے اور دیدیئے مشتری نے ثمن سے ایک ہزار تو وہ ہنسلی کے دام

وَاِنِ اشْتَرَاھَا بِاَلْفَیْنِ اَلْفٌ نَقْدٌ وَاَلْفٌ نَسِیْئَۃٌ فَالنَّقْدُ ثَمَنُ الطَّوْقِ وَاِنْ بَاعَ سَیْفًا حِلْیَتُہٗ خَمْسُوْنَ

ہوں گے اور اگر خرید اندکورہ باندی کو دو ہزار میں ایک ہزار نقد اور ایک ہزار ادھار تو نقد ہنسلی کا ثمن ہوگا اور اگر بیچی ایسی تلوار جس میں پچاس کا زیور ہے

بِمِائَۃٍ وَنَقَدَ خَمْسِیْنَ فَھُوَ حِصَّتُھَا وَاِنْ لَّمْ یُبَیِّنْ اَوْ قَالَ مِنْ ثَمَنِھِمَا وَلَوِ افْتَرَقَا بِلاَ قَبْضٍ

سو میں اور دیدیئے پچاس نقد تو وہ زیور کا حصہ ہوگا گو مشتری بیان نہ کرے یا یہ کہدے کہ دونوں کے ثمن سے ہے اور اگر جدا ہو جائیں قبضہ کے بغیر

صَحَّ فِی السَّیْفِ دُوْنَھَا اِنْ تَخَلَّصَ بِلاَ ضَرَرٍ وَاِلاَّ بَطَلاَ وَلَوْ بَاعَ اِنَاءَ فِضَّۃٍ وَقَبَضَ بَعْضَ ثَمَنِہٖ وَافْتَرَقَا

تو صحیح ہوگی بیع تلوار میں نہ کہ زیور میں اگر علیحدہ ہو سکتا ہو بلا نقص ورنہ دونوں کی بیع باطل ہوگی، اگر بیچا چاندی کا برتن اور قبضہ کیا کچھ ثمن پر اور جدا ہو گئے

صَحَّ فِیْمَا قَبَضَ وَالْاِنَاءُ مُشْتَرَکٌ بَیْنَھُمَا وَاِنِ اسْتُحِقَّ بَعْضُ الْاِنَاءِ اَخَذَ الْمُشْتَرِیْ مَابَقِیَ

تو صحیح ہوگی اتنے حصہ میں جتنے کے دام لئے ہیں اور برتن دونوں میں مشترک ہوگا اور اگر کچھ برتن کسی اور کا نکل آئے تو لے لے مشتری باقی کو

بِقِسْطِہٖ اَوْ رَدَّہٗ وَلَوْ بَاعَ قِطْعَۃَ نُقْرَۃٍ فَاسْتُحِقَّ بَعْضُھَا اَخَذَ مَابَقِیَ بِقِسْطِہٖ

اس کے حصہ کے مطابق ورنہ واپس کر دے اور اگر بیچا چاندی کا ٹکڑا اور اس کا کچھ حصہ دوسرے کا نکلا تو لے باقی کو اس کے حصہ کے مطابق

بِلاَ خِیَارٍ وَصَحَّ بَیْعُ دِرْھَمَیْنِ وَدِیْنَارٍ بِدِرْھَمٍ وَدِیْنَارَیْنِ وَکُرِّ بُرٍّ وَشَعِیْرٍ بِضِعْفِھِمَا.

بلا خیار اور صحیح ہے بیچنا دو درہم اور ایک دینار کو ایک درہم اور دو دیناروں کے عوض اور ایک ایک پلہ گیہوں اور جو کو ان کے دوچند کے عوض

احکام بیع صرف

توضیح اللغۃ: طوق ہنسلی، سیف تلوار، حلیۃ زیور، تخلص جدا ہو سکے، اناء برتن، نقرہ کچی چاندی، کر ایک خاص پیمانہ (دیکھوص ۶۴) شعیر جو۔

تشریح الفقہ: قولہ ولایصح التصرف الخ عقد صرف میں قبضہ کرنے سے پہلے ثمن میں تصرف کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ وجوب قبض بجہت حق اللہ ہے تو اگر کسی نے دینار کو دراہم کے عوض فروخت کیا اور ابھی ان پر قبضہ نہیں کیا تھا کہ ان سے کپڑا خرید لیا تو کپڑے کی بیع فاسد ہوگی وجہ یہ ہیکہ بیع میں مبیع کا ہونا ضروری ہے اور باب صرف میں بدلین میں سے کسی ایک کو عدم اولویت کی وجہ سے مبیع متعین نہیں کر سکتے۔ تو لامحالہ ہر ایک کو من وجہ ثمن اور من وجہ مبیع قرار دیں گے۔ اور مبیع کو قبضے سے پہلے فروخت کرنا جائز نہیں لہذا دراہم پر قبضہ کرنے سے پہلے کپڑے کی خرید جائز نہ ہوگی۔

قولہ ولو باع امۃ الخ زید نے ایک باندی جسکی قیمت ایک ہزار درہم ہے اور اس کے گلے میں ایک ہزار کا ہار ہے دو ہزار درہم کے عوض فروخت کی اور ایک ہزار نقد وصول کیے۔ یا باندی کو دو ہزار کے عوض اسطرح فروخت کیا کہ ایک ہزار نقد ہونگے اور ایک ہزار ادھار یا ایک تلوار جو پچاس درہم کے زیور سے آراستہ تھی اس کو ایک سو درہم کے عوض فروخت کیا اور پچاس درہم نقد وصول کیے تو ان تمام صورتوں میں موجود نقد وصول کیے ہیں وہ [illegible] کا بدل ہوگا کیونکہ ہار اور زیور میں عقد صرف [illegible] عقد صرف میں مجلس کے اندر قبضہ کرنا ضروری

ہے تو حتی الامکان عقد کو درست کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ اور اسکی صورت یہی ہے کہ نقد کو ہار اور زیور کا بدل قرار دیا جائے۔ پھر تلوار کی بیع کی صورت میں اگر متعاقدین قبل از تقابض جدا ہو گئے تو تلوار کی بیع صحیح رہے گی باشرطیکہ اسکا زیور بلا نقصان چھڑایا جا سکے اور زیور کی بیع باطل ہو جائے گی کیونکہ زیور کا حصہ قبل از افتراق واجب القبض ہے اور قبضہ پایا نہیں گیا تو زیور کی بیع باطل ہوگی اور اگر زیور بلا ضرر چھڑانا ممکن نہ ہو تو تلوار اور زیور دونوں کی بیع باطل ہوگی کیونکہ اب تسلیم متعذر ہے۔

قولہ ولو باع الخ ایک شخص نے چاندی یا سونے کا برتن فروخت کیا اور ثمن کا کچھ حصہ نقد وصول کر لیا کچھ باقی رہ گیا اور دونوں جدا ہو گئے تو ثمن کی جو مقدار نقد وصول کی ہے اتنی مقدار کے لحاظ بیع صحیح ہوگی اور اب وہ دونوں برتن میں شریک ہونگے وجہ یہ کہ پورا عقد صرف ہے تو جتنے حصے میں شرط پائی گئی اتنے میں ہی صحیح ہوگی اور چونکہ یہ فساد اصلی نہیں طاری ہے اسلئے پورے میں شائع نہ ہوگا' پھر اگر اس برتن میں کسی کا حق نکل آئے تو مشتری کو اختیار ہوگا چاہے باقی ماندہ کو اسکے عوض لے اور چاہے واپس کرے کیونکہ برتن میں شرکت عیب ہے۔

قولہ وصح بیع در همین الخ دو درہم اور ایک دینار کی بیع ایک درہم اور دو دیناروں کے عوض اسی طرح ایک کر گیہوں اور ایک کر جو کی بیع دو کر گیہوں اور دو کر جو کے عوض صحیح ہے کیونکہ ہمارے یہاں قاعدہ کلیہ ہے کہ اگر مختلف الجنس اموال ربویہ میں ایک جنس کو اسی کی جنس کا بدل ٹھہرانے میں عقد فاسد ہوتا ہو تو خلاف جنس کو بدل ٹھہرالیا جائے گا۔ تاکہ عقد فاسد ہونے سے بچ جائے۔ پس یہاں درہم بمقابلہ دینار اور دینار بمقابلہ درہم۔ اس طرح گیہوں بمقابلہ جو اور جو بمقابلہ گیہوں قرار پائے گا۔ اور بیع صحیح ہو جائیگی۔ کیونکہ اختلاف جنس کی صورت میں تساوی بدلین ضروری نہیں۔ امام زفر اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ عقد اصلاً جائز ہی نہیں کیونکہ خلاف جنس کی صورت میں عاقد کے تصرف کی تغییر لازم آتی ہے کیونکہ اس نے کل کو کل کے مقابلہ میں ڈالا ہے جس کا مقتضی یہ ہے کہ انقسام بطریق شیوع ہو نہ کہ بطریق تعیین۔ اور عاقد کے تصرف کو متغیر کرنا جائز نہیں۔ ورنہ اس کے تصرف کے خلاف ایک دوسرا تصرف ہو جائیگا۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ مقتضی عقد مطلق مقابلہ ہے جس میں مقابلہ جنس بالجنس مقابلہ جنس بخلاف الجنس' مقابلہ کل بالکل' مقابلہ فرد بالفرد سب کا احتمال ہے۔ اور مقابلہ فرد بالفرد میں اس کے عقد کی تصحیح ہے۔ تو اس پر محمول کیا جائے گا۔ رہا یہ سمجھنا کہ یہ تصرف آخر ہو گیا۔ سو یہ غلط فہمی ہے کیونکہ اس صورت میں اصل عقد کی تغییر نہیں صرف تغییر وصف ہے۔ جس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

وَاَحَدَ عَشَرَ دِرْهَمًا بِعَشَرَةِ دَرَاهِمَ وَدِيْنَارٍ وَدِرْهَمٍ صَحِيْحٍ وَدِرْهَمَيْنِ غَلَّتَيْنِ بِدِرْهَمَيْنِ صَحِيْحَيْنِ

اور گیارہ درہموں کو دس درہم اور ایک دینار کے عوض اور ایک کھرے اور دو کھوٹے درہموں کو دو کھرے اور ایک کھوٹے درہم کے عوض

وَدِرْهَمٍ غَلَّةٍ وَدِيْنَارٍ بِعَشَرَةٍ عَلَيْهِ اَوْ بِعَشَرَةٍ مُطْلَقَةٍ وَدَفَعَ الدِّيْنَارَ وَتَقَاصَّا الْعَشَرَةَ بِالْعَشَرَةِ

اور ایک دینار کو ان دس کے عوض جو بائع کے ذمہ قرض ہیں یا مطلق دس کے عوض اور دے بائع دینار مشتری کو اور مجرا کر لیں دس دس کے عوض

وَغَالِبُ الْفِضَّةِ وَالذَّهَبِ فِضَّةٌ وَذَهَبٌ حَتّٰى لَايَصِحُّ بَيْعُ الْخَالِصَةِ بِهِمَا وَلَا بَيْعُ بَعْضِهَا بِبَعْضٍ

اور جن میں چاندی سونا غالب ہو وہ چاندی سونا ہیں یہاں تک کہ بے میل کو میلدار کے عوض اسی طرح ان میں سے بعض کو بعض کے عوض بیچنا صحیح نہیں.

اِلَّا مُتَسَاوِيًا وَزْنًا وَلَايَصِحُّ الْاِسْتِقْرَاضُ بِهِمَا اِلَّا وَزْنًا وَغَالِبُ الْغِشِّ لَيْسَ فِيْ حُكْمِ الدَّرَاهِمِ وَالدَّنَانِيْرِ

مگر برابر وزن کر کے اور صحیح نہیں قرض لینا ان کے عوض مگر وزن سے اور جس میں کھوٹ غالب ہو وہ دراہم ودنانیر کے حکم میں نہیں

نقل عن زفر صحۃ بیع الثوب (بحر) قال فی الفتح وزاد اذا علی احدی الروایتین عنہ اہ، والنقود لا یتعین فی البیاعات فاما علی الروایۃ الاخری عنہ فیجب ۱۱، ۱۰ ابھیم کر بیع الثوب کقولنا اھ ۱۲۔

فَصَحَّ بَیْعُهَا بِجِنْسِهَا مُتَفَاضِلاً وَالتَّبَایُعُ وَالاِسْتِقْرَاضُ بِمَا یَرُوْجُ وَزْنًا اَوْ عَدَدًا اَوْ بِهِمَا وَلاَ یَتَعَیَّنُ

پس صحیح ہے اس کو اس کی جنس کے عوض میں بیچنا کمی بیشی کے ساتھ اور قرض لینا رواج کے موافق وزن یا عدد یا دونوں طرح اور معین نہ ہوں گے

بِالتَّعْیِیْنِ لِکَوْنِهِمَا اَثْمَانًا وَتَتَعَیَّنُ بِالتَّعْیِیْنِ اِنْ کَانَتْ لاَتَرُوْجُ

معین کرنے سے کیونکہ وہ از قبیل اثمان ہیں اور معین ہوجائیں گے اگر ان کا رواج نہ ہو

وَالْمُتَسَاوِیْ کَغَالِبِ الْفِضَّةِ فِی التَّبَایُعِ وَالاِسْتِقْرَاضِ وَفِی الصَّرْفِ کَغَالِبِ الْغِشِّ.

اور جن میں ملونی برابر ہو وہ ان کی طرح ہیں جن میں چاندی غالب ہو بیع کرنے اور قرض لینے میں اور عقد صرف میں ان کی طرح ہیں

وَلَوْ اِشْتَرٰی بِهٖ وَبِفُلُوْسٍ نَافِقَةٍ شَیْئًا وَکَسَدَ قَبْلَ دَفْعِهٖ بَطَلَ الْبَیْعُ

جن میں کھوٹ غالب ہو اگر خریدی ان کے عوض یا رائج پیسوں کے عوض کوئی چیز اور ان کا چلن نہ رہا دینے سے پہلے تو باطل ہوجائے گی

وَصَحَّ الْبَیْعُ بِالْفُلُوْسِ النَّافِقَةِ وَاِنْ لَمْ یُعَیَّنْ. وَبِالْکَاسِدَةِ لاَحَتّٰی یُعَیِّنَهَا

اور صحیح ہے بیع رائج پیسوں کے عوض گو معین نہ کئے ہوں اور بے چلن پیسوں کے عوض صحیح نہیں جب تک کہ ان کو معین نہ کردے

وَلَوْ کَسَدَتْ اَفْلُسُ الْقَرْضِ یَجِبُ رَدُّ مِثْلِهَا وَلَوْ اِشْتَرٰی شَیْئًا بِنِصْفِ دِرْهَمٍ فُلُوْسٍ صَحَّ

اگر رواج نہ رہے قرض کے پیسوں کا تو ویسے ہی واپس کرنے پڑیں گے اگر خریدی کوئی چیز نصف درہم کے پیسوں کے عوض تو صحیح ہے

وَلَوْ اَعْطٰی صَیْرَفِیًّا دِرْهَمًا وَقَالَ اَعْطِنِیْ بِهٖ نِصْفَ دِرْهَمٍ فُلُوْسًا وَنِصْفًا اِلاَّ حَبَّةً صَحَّ.

اگر دیا صراف کو ایک درہم اور کہا کہ دے مجھے اس کے بدلہ میں نصف درہم رتی بھرکم تو صحیح ہے۔

بیع صرف کے باقی احکام

توضیح اللغۃ: غلہ کھوٹا' استقراض' قرض لینا' غش کھوٹ' یروج رواج ہونا' فلوس وافلس جمع فلس پیسہ' صیر فی صراف' زرگر۔

تشریح الفقہ: **قولہ و دینار بعشرۃ الخ** خالد پر زید کے دس درہم قرض ہیں۔ اور خالد کے پاس ایک دینار ہے پس خالد نے زید کے مذکورہ دس دراہم کے عوض میں اپنا ایک دینار فروخت کر دیا تو یہ بیع صحیح ہے۔ اور نفس عقید کے ذریعہ مقاصہ ہوجائے گا۔ یعنی دین مذکور ثمن میں مجرا ہوکر عاقدین کا حساب برابر سرابر ہوجائے گا۔ اور اگر مدیون نے مطلق درہموں کے عوض بیع کی یعنی ان میں دین کی کوئی قید نہیں لگائی تو یہ بھی صحیح ہے۔ بشرطیکہ بائع نے مشتری کو دینار دیدیا ہو اور دونوں نے مقاصہ بھی کرلیا ہو۔ وجہ صحت یہ ہے کہ مقاصہ کر لینے کے بعد عقد اول فسخ ہوکر ایک دوسرا عقد دین کی طرف مضاف ہوکر منعقد ہوگیا تو اضافت الی الدین بطریق اقتضا ثابت ہوگئی۔ پس یہ ایسا ہوگیا جیسے اس نے یوں کہا ہو **بعت هذا الدینار منک بالعشرة اللتی لک علی۔**

---

(۱) قدم حکم ہذہ المسئلۃ مما قبلہا وانما ذکرہا لبیان ان الصرف الی خلاف الجنس لایتفاوت فی الجمیع او جزء واحد ۱۲ بحر۔

(۲) یعنی یجوز بیعہما لانہما جنس واحد فیعتبر التساوی فی القدر دون الوصف ۱۲ زیلعی۔

(۳) انما شرط المقاصۃ لان الواجب لہذا العقد ثمن یجب تعیینہ بالقبض والدین لیس بہذہ الصفۃ فلا تقع المقاصۃ بنفس البیع لعدم المجانسۃ فاذا تقاصا تضمن ذلک فسخ الاول ضافۃ الی الدین اذ لولا ذلک یکون استبدال الابدال الصرف ۱۲ کشف۔ (۴) اذ الحکم فی الشرع للغالب مع ان النقود لاتخلو عن قلیل غش عادۃ لانہا لاتنطبع الامع الغش ۱۲۔

(۵) اذ بہا العقد عندہما وفی جمیع البلدان عن محمد ۱۲ کشف۔ (۶) لانہا اثمان بالاصطلاح فلا حاجۃ الی التعیین ۱۲

قولہ وغالب الغش الخ اگر سونے چاندی میں' کھوٹ غالب ہو وہ دراہم ودنانیر کے حکم میں نہیں رہتے بلکہ سامان کے حکم میں ہوجاتے ہیں تو غالب الغش کو اس کو ہم جنس کے عوض' کمی بیشی کے ساتھ فروخت کیا۔ اور جو غالب الغش عام طور سے رائج ہو اس کے ذریعہ فروخت کرنا۔ قرض لینا سب جائز ہے۔ بطریق وزن ہو یا باعتبار شمار ہو یا دونوں کے لحاظ سے ہو۔ نیز اگر غالب الغش رائج ہو تو وہ متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس کی ثمنیت باصطلاح ناس ہے۔ تو جب تک اصطلاح قائم رہے گی اس وقت تک اس کی ثمنیت باطل نہ ہوگی۔ اور متعین کرنے سے متعین نہ ہوگا۔ ہاں اگر اس کا رواج نہ رہے تو متعین کرنے سے متعین ہوجائے گا۔ کیونکہ اصطلاح زائل ہوچکی۔

قولہ والمتساوی الخ اگر چاندی یا سونا اور کھوٹ برابر ہو تو وہ خرید وفروخت میں اور قرض لینے میں تو غالب الذہب اور غالب الفضہ کے حکم میں ہے کہ خرید وفروخت اور استقراض وزن کے ساتھ ہوگا اور بیع صرف میں وہ غالب الغش کے حکم میں ہے۔ کہ اگر اس کو اس کی جنس کے عوض کم وبیش فروخت کیا تو بشرط تقابض جائز ہے اور اگر خالص چاندی یا سونے کے عوض فروخت کیا جائے تب بھی جائز ہے۔ بشرطیکہ چاندی اور خالص سونا اس مقدار سے زائد ہو جو مغشوش میں ہے تا کہ خالص چاندی سونا مغشوش کی چاندی اور اس کے سونے کے مقابلہ میں ہوجائے اور زائد چاندی یا سونا کھوٹ کے مقابلہ میں ہوجائے۔

قولہ ولو اشتری الخ ایک شخص نے دراہم مغشوشہ یا کچھ پیسوں کے عوض کوئی چیز خریدی اور خرید کے وقت وہ دونوں رائج تھے مگر بائع کو دینے سے پہلے ان کا رواج جاتا رہا تو امام صاحب کے نزدیک بیع باطل ہوجائے گی۔ اور مشتری پر مبیع واپس کرنا لازم ہوگا اگر وہ موجود ہو ورنہ اس کی قیمت واجب ہوگی۔ صاحبین کے نزدیک بیع صحیح رہے گی۔ اور دراہم مغشوشہ یا ان پیسوں کی قیمت واجب ہوگی اور وجوب قیمت میں امام ابو یوسف کے نزدیک بیع کے دن کا اعتبار ہوگا۔ (وبہ یفتی کذا فی الذخیرۃ) اور امام محمد صاحب کے نزدیک اس دن کی قیمت کا اعتبار ہوگا جس دن کا رواج ختم ہوا ہے' صاحبین یہ کہتے ہیں کہ یہاں رواج ختم ہوجانے کی وجہ سے تسلیم ثمن متعذر ہے اور تعذر تسلیم موجب فساد بیع نہیں ہے۔ لہٰذا بیع صحیح رہے گی۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ رواج ختم ہوجانے سے ان کی ثمنیت ختم ہوگئی۔ کیونکہ ان کی ثمنیت اصطلاح ناس کی وجہ سے تھی پس بیع بلا ثمن رہی اور بیع بلا ثمن باطل ہے۔

قولہ ولو اشتری شیئاً الخ ایک شخص نے نصف درہم کے پیسوں سے کوئی چیز خریدی اور یہ بیان نہیں کیا کہ وہ پیسے کتنے ہیں تو خرید صحیح ہے اور خریدار پر اتنے پیسے واجب ہوں گے جتنے نصف درہم میں بیچے جاتے ہیں۔ امام زفر کے نزدیک خرید مذکور صحیح نہیں۔ کیونکہ فلوس عددی چیزوں میں سے ہیں تو بلا بیان عدد ثمن مجہول ہے۔ جواب یہ ہے کہ ثمن مجہول نہیں ہے اس واسطے کہ نصف درہم ذکر کرنے کے بعد پھر نصف کو موصوف بفلوس کرنے سے یہ معلوم ہوگیا کہ اس نے قول مذکور سے اتنے ہی پیسوں کا ارادہ کیا ہے۔ جتنے نصف درہم سے فروخت ہوتے ہیں اس لئے عدد فلوس ذکر کرنے کی ضرورت نہ رہی۔

قولہ ولو اعطی الخ ایک شخص نے صراف کو ایک درہم دیکر کہا کہ مجھکو اس کے عوض نصف درہم فلوس اور حبہ بھر کم نصف درہم دیدے تو عقد صحیح ہے۔ کیونکہ حبہ بھر کم درہم اس کے مثل کے مقابلہ میں ہوجائے گا۔ لیکن اگر اس نے لفظ نصف کو مکرر ذکر کر کے یوں کہا "اعطنی بنصفه فلوساً وبنصفه نصفاً الاحبة" تو امام صاحب کے نزدیک کل عقد فاسد ہوگا۔ کیونکہ اس صورت میں ربوا لازم آتا ہے۔ صاحبین کے نزدیک عقد فلوس جائز اور باقی فاسد ہوگا۔ اس اختلاف کی اصل یہ ہے کہ امام صاحب کے نزدیک ثمن کی تفسیر وتفصیل سے عقد واحد میں تکرر نہیں آتا اور صاحبین کے نزدیک عقد میں تکرر آجاتا ہے۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

آج کل کے لحاظ سے اس کی مثال یوں سمجھو کہ اس نے ایک روپیہ دیکر کہا کہ آٹھ آنے پیسے دے اور ایک رتی بھر کم اٹھنی دے۔ ۱۲

كتاب الكفالة

هِىَ ضَمُّ ذِمَّةٍ اِلٰى ذِمَّةٍ فِى الْمُطَالَبَةِ وَتَصِحُّ بِالنَّفْسِ وَاِنْ تَعَدَّدَتْ

وہ ملانا ہے ذمہ کو ذمہ کیساتھ مطالبہ میں اور صحیح ہے کفالت جان کی گو متعدد ہو۔

تشریح الفقہ : قولہ کتاب الخ وقوع ضمانت اکثر اوقات بیع ہی میں ہوتا ہے کیونکہ ضمانت یا ثمن کی ہوتی ہے یا مبیع کی۔ اس مناسبت سے بیوع کے آخر میں کفالہ کو لا رہا ہے۔ اور چونکہ ضمانت آخر کار بوقت رجوع معاوضہ ہوتی ہے اس لحاظ سے بیع صرف کے ساتھ بھی مناسب ہوئی۔ مگر عقد صرف ہر لحاظ سے بیع ہے بخلاف کفالہ کے کہ وہ بیع نہیں ہے اس لئے مصنف نے بیع صرف کو مقدم کیا ہے۔

قولہ هي الخ کفالہ اسم ہے یقال "كفلت بالمال و بالنفس كفلاً و كفولاً" میں نے اس کی یا اس کے مال کی ذمہ داری لیلی 'ابن القطاع نے نقل کیا ہے کہ یہ متعدی بنفسہ اور متعدی بحرف جار دونوں طرح مستعمل ہے۔ فيقال كفلته و كفلت به عنه اور عین کلمہ پر تینوں حرکتیں جائز ہیں۔ کفالت لغۃً بمعنی ضم ہے یعنی ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ ملانا قال تعالیٰ "و كفلها زكريا" اور شرعاً حق مطالبہ میں کفیل کے ذمہ کو اصیل کے ذمہ کی ساتھ ملانا۔ کفالت کہلاتا ہے خواہ مطالبہ ذات کا ہو یا دین کا ہو یا عین شئی کا ہو پس کفالت کی وجہ سے کفیل پر دین ثابت نہ ہوگا بلکہ صرف دین کا مطالبہ ثابت ہوگا۔ بعض حضرات اس کے قائل ہیں کہ ذمہ اصیل سے دین ساقط ہوئے بغیر ضامن پر ثابت ہو جاتا ہے۔ مگر یہ صحیح نہیں لانه يصير الدين الواحد دينين۔

فائدہ: آنے والے مسائل سے بیشتر چند اصطلاحی الفاظ ذہن نشین کر لینے چاہئیں۔ تاکہ مسائل کفالت سمجھنے میں دشواری نہ ہو۔ مدعی یعنی دائن (قرضخواہ) کو مکفول لہ کہتے ہیں اور مدعی علیہ یعنی مدیون (مقروض) کو مکفول عنہ اور اصیل۔ اور جس چیز کی ضمانت ہو (مال یا جان) اس کو مکفول بہ کہتے ہیں۔ اور جس پر کفالت سے مطالبہ لازم ہو اس کو کافل، کفیل، ضمین، صبیر، زعیم، حمیل اور قبیل کہتے ہیں۔

قولہ وتصح الخ کفالت کی دو قسمیں ہیں کفالت بالنفس اور کفالت بالمال۔ ہماری یہاں یہ دونوں قسمیں جائز ہیں۔ امام شافعی کفالت بالنفس کے قائل نہیں۔ کیونکہ کفالت کی وجہ سے تسلیم مکفول بہ لازم ہے۔ اور کفالت بالنفس میں کفیل اس پر قادر نہیں۔ کیونکہ اس کو مکفول بہ کی جان پر حق ولایت نہیں ہے۔ ہماری دلیل حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ کفیل ضامن ہے۔ یہ حدیث مطلق ہونے کی وجہ سے کفالت کی دونوں قسموں کی مشروعیت پر دال ہے۔ رہا یہ کہنا کہ کفیل بالنفس تسلیم مکفول بہ پر قادر نہیں سو یہ بے معنی ہے کیونکہ تسلیم کے بہت سے طریقے ہیں جن سے وہ اس کو حاضر کر سکتا ہے۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

---

(۱) ای الکفالۃ بان اخذ منہ کفیلا ثم کفیلا وکذا تجوز اذا تعددت النفوس المکفول بہا ایضا کما تجوز بالدیون الکثیرۃ ۱۲ از یلعی

ع۔۔۔۔ قال الماوردی غیر ان العرف جار بان الضمین مستعمل فی الاموال والحمیل فی الدیات والزعیم فی الاموال العظام والکفیل فی النفوس والصبیر فی الجمیع، قال ابوحیان فی صحیحہ والزعیم لغۃ اہل المدینۃ والحمیل لغۃ اہل مصر والکفیل لغۃ اہل العراق (کذا فی الروض شیخ الاسلام زکریا) ۱۲ منحۃ الخالق۔ ابوداؤد، ترمذی، احمد، طیالسی، الموصلی، دارقطنی، ابن ابی شیبہ عبدالرزاق عن ابی امامۃ طبرانی عن انس ۱۲

بِكَفَلْتُ بِنَفْسِهٖ وَبِمَا عُبِّرَ بِهٖ عَنِ الْبَدَنِ وَبِجُزْءٍ شَائِعٍ

یہ کہنے سے کہ میں کفیل ہوگیا اس کی ذات کا یا کوئی ایسا عضو ذکر کرے جس سے کل بدن کی تعبیر ہوتی ہے یا جزء شائع ذکر کرے

وَبِضَمِنْتُهٗ وَبِعَلَيَّ وَاِلَيَّ وَاَنَا زَعِيْمٌ بِهٖ وَقَبِيْلٌ بِهٖ لَا بِاَنَا ضَامِنٌ لِمَعْرِفَتِهٖ

یا کہے کہ میں اس کا ضامن ہولیا وہ میرے ذمہ پر ہے یا میری طرف ہے یا میں اس کا ذمہ دار ہوں یا اس کا طرف دار ہوں نہ یہ کہنے سے کہ میں اس

فَاِنْ شَرَطَ تَسْلِيْمَهٗ فِيْ وَقْتٍ بِعَيْنِهٖ اَحْضَرَهٗ فِيْهِ اِنْ طَلَبَهٗ فَاِنْ اَحْضَرَهٗ

کے پہچاننے کا ضامن ہوں اگر شرط کی ضامن نے مکفول عنہ کو ایک معین وقت میں حاضر کرنیکی تو اس میں حاضر کرے اگر اس کو حاضر کردے تو بہتر ہے

وَاِلَّا حَبَسَهُ الْحَاكِمُ فَاِنْ غَابَ اَمْهَلَهٗ مُدَّةَ ذِهَابِهٖ وَاِيَابِهٖ فَاِنْ مَضَتْ وَلَمْ يُحْضِرْهُ حَبَسَهٗ

ورنہ حاکم ضامن کو قید کرلے اور مکفول عنہ غائب ہو تو ضامن کو جانے آنے تک مہلت دے اگر مدت گذر جائے اور حاضر نہ کرپائے تو قید کرلے

وَاِنْ غَابَ وَلَمْ يُعْلَمْ مَكَانُهٗ لَايُطَالَبُ بِهٖ فَاِنْ سَلَّمَهٗ بِحَيْثُ يَقْدِرُ الْمَكْفُوْلُ لَهٗ اَنْ يُّخَاصِمَهٗ كَمِصْرٍ

اور اگر ایسا غائب ہو کہ اس کا ٹھکانا معلوم نہ ہو تو ضامن سے مؤاخذہ نہ ہوگا اگر حاضر کیا ایسی جگہ کہ مکفول لہ اس سے جھگڑ سکتا ہے جیسے شہر

بَرِئَ وَلَوْ شَرَطَ تَسْلِيْمَهٗ فِيْ مَجْلِسِ الْقَاضِيْ يُسَلِّمُهٗ ثَمَّهٗ وَتَبْطُلُ بِمَوْتِ الْمَطْلُوْبِ وَالْكَفِيْلِ لَا

تو ضامن بری ہوجائیگا اور اگر شرط کرلی قاضی کی مجلس میں حاضر کرنے کی تو وہیں حاضر کرے اور باطل ہوجاتی ہے کفالت مطلوب اور کفیل کے مرنے سے

الطَّالِبِ وَبَرِئَ بِدَفْعِهٖ اِلَيْهِ وَاِنْ لَمْ يَقُلْ اِذَا دَفَعْتُهٗ اِلَيْكَ فَاَنَا بَرِئٌ

نہ کہ طالب کی موت سے اور بری ہوجائیگا اس کے حوالہ کرنے سے گو یہ نہ کہا ہو کہ جب میں تیرے سپرد کردونگا تو بری ہوجاؤنگا

وَبِتَسْلِيْمِ الْمَطْلُوْبِ نَفْسَهٗ مِنْ كَفَالَتِهٖ وَبِتَسْلِيْمِ وَكِيْلِ الْكَفِيْلِ وَرَسُوْلِهٖ

اور مکفول عنہ کے خود حاضر ہونے سے اور کفیل کے وکیل اور اس کے قاصد کے سپرد کرنے سے

کفالت بالنفس اور اسکے احکام

توضیح اللغۃ: علی صیغہ التزام ہے الی بمعنی علی ہے زعیم بمعنی کفیل ہے امہلہ مہلت دے ایاب لوٹنا۔

تشریح الفقہ: **قولہ بکفلت الخ** کفالت بالنفس یہ کہہ دینے سے کہ "میں فلاں کے نفس (یعنی اس کی ذات) کا ضامن ہوا" صحیح ہوجاتی ہے اور اگر لفظ نفس کے بجائے کوئی ایسا لفظ ذکر کردیا جائے جس سے کل بدن کی تعبیر ہوتی ہے جیسے عنق رقبہ جسد بدن راس وجہ یا کوئی جز شائع ذکر کردیا جائے جیسے اس کا نصف ثلث ربع تو ان الفاظ سے بھی کفالت درست ہے۔ نیز ضمنتہ کہہ دینے سے بھی کفالت ہوجائے گی کیونکہ اس میں مقتضی کفالت کی تصریح ہے۔ اسی طرح لفظ علی کہ یہ صیغہ التزام ہے اور لفظ الی کہ یہاں علی کے معنی میں ہے۔ قال علیہ السلام "**ومن ترک کلا اوعیا لاً فالی**" اور لفظ زعیم کہ یہ بمعنی کفیل ہے **قال تعالی "وانا بہ زعیم"** ای کفیل لیکن اگر وہ یہ کہے کہ میں فلاں کی معرفت کا ضامن ہوں" تو اس سے کفالت صحیح نہ ہوگی کیونکہ اس میں صرف معرفت کا التزام ہے نہ کہ مطالبہ کا۔ امام ابو یوسف کے نزدیک اس سے بھی ضمانت ہوجائے گی۔ **لان اھل العرف یریدون بہ الکفالۃ۔**

(۱) لانہ لم یظہر بعدوا لحبس للمماطلۃ ۱۲ (۲) لانہ ظہر مطلہ د الحبس جزاء ۱۲ از یلعی (۳) لانہ اتی بما التزامہ ۱۲

عہ ...... صحیحین عن ابی ہریرہ ابوداؤد نسائی ابن ماجہ ابن حبان عن معدیکرب ابوداؤد ابن ماجہ ابن حبان عن جابر ۱۲

قولہ ولو شرط تسلیمہ الخ اگر مکفول عنہ کو قاضی کی مجلس میں حاضر کرنے کی شرط کر لی گئی تو کفیل اس کو وہیں حاضر کرے اگر بازار وغیرہ میں حاضر کیا تو بری الذمہ نہ ہوگا۔ یہ قول امام زفر کا ہے اور آج کل اسی پر فتوی ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے یہاں بازار تک حاضر کر دینے سے بھی کفیل بری ہو جائے گا۔

فَإِنْ قَالَ إِنْ لَمْ يُوَافِ بِهٖ غَدًا فَهُوَ ضَامِنٌ بِمَا عَلَيْهِ فَلَمْ يُوَافِ بِهٖ أَوْ مَاتَ الْمَطْلُوْبُ ضَمِنَ الْمَالَ

اگر کہے کہ جو میں حاضر نہ کروں تو میں اس کا ضامن ہوں جو اس پر ہے پھر حاضر نہ کرے یا مکفول عنہ مرجائے تو مال کا ضامن ہوگا

وَمَنْ إِدَّعیٰ عَلیٰ اٰخَرَ مِائَةَ دِيْنَارٍ فَقَالَ رَجُلٌ إِنْ لَمْ يُوَافِ بِهٖ غَدًا فَعَلَيْهِ الْمِائَةُ فَلَمْ يُوَافِ بِهٖ غَدًا فَعَلَيْهِ الْمِائَةُ

جس نے دعوی کیا دوسرے پر سو دینار کا اور کسی نے کہا کہ اگر میں اس کو کل نہ لا دوں تو مجھ پر سو ہیں پھر اس کو نہ پہنچائے تو اس پر سو ہوں گے

وَلاَ يُجْبَرُ عَلَى الْكَفَالَةِ بِالنَّفْسِ فِي حَدٍّ وَقَوَدٍ وَلاَ يُحْبَسُ فِيْهِمَا حَتّٰى يَشْهَدَ شَاهِدَانِ أَوْ عَدْلٌ

اور جبر نہیں کیا جائیگا کفالت بالنفس پر حد اور قصاص میں اور قید نہیں کیا جائیگا ان میں یہاں تک کہ گواہی دیں دو گواہ یا ایک عادل

وَبِالْمَالِ وَلَوْ مَجْهُوْلاً إِذَا كَانَ دَيْنًا صَحِيْحاً بِكَفَلْتُ عَنْهُ بِأَلْفٍ وَبِمَا لَكَ عَلَيْهِ وَبِمَا يُدْرِكُكَ فِي هٰذَا الْبَيْعِ

اور صحیح ہے کفالت مال کی گو مجہول ہو بشرطیکہ دین صحیح ہو یہ کہنے سے کہ کفیل ہوا میں اس کی طرف سے ہزار کا جو تیرا اس پر ہے یا جو تیرا نقصان ہو اس بیع میں

وَمَا بَايَعْتَ فُلاَنًا فَعَلَيَّ وَمَا ذَابَ لَكَ عَلَيْهِ فَعَلَيَّ وَمَا غَصَبَكَ فُلاَنٌ فَعَلَيَّ فَطَالَبَ الْكَفِيْلَ أَوِ الْمَدْيُوْنَ

یا جو تو نے فلاں سے بیع کی یا جو تیرا اسکے ذمہ ثابت ہو یا جو تجھ سے فلاں چھین لے وہ مجھ پر ہے پس طلب کرے مدعی کفیل سے یا قرض دار سے

إِلاَّ إِذَا شَرَطَ الْبَرَاءَةَ فَحِ تَكُوْنُ حَوَالَةً كَمَا أَنَّ الْحَوَالَةَ بِشَرْطِ أَنْ لاَ يَبْرَأَ بِهَا الْمُحِيْلُ كَفَالَةٌ

مگر یہ کہ شرط کر لے برائت کی کہ اس وقت یہ کفالت حوالہ ہو جاتی ہے جیسے حوالہ اس شرط سے کہ اس سے محیل بری نہ ہوگا کفالت ہو جاتی ہے

وَلَوْ طَالَبَ أَحَدَهُمَا لَهٗ أَنْ يُطَالِبَ الْاٰخَرَ وَيَصِحُّ تَعْلِيْقُ الْكَفَالَةِ بِشَرْطٍ مُلاَئِمٍ كَشَرْطِ وُجُوْبِ الْحَقِّ

اور اگر کسی ایک سے مطالبہ کیا تو دوسرے سے بھی کر سکتا ہے اور صحیح ہے معلق کرنا کفالہ کو مناسب شرط کیساتھ مثلاً وجوب حق کی شرط سے

كَأَنْ أُسْتُحِقَّ الْمَبِيْعُ أَوْ لاِمْكَانِ الْاِسْتِيْفَاءِ كَأَنْ قَدِمَ زَيْدٌ وَهُوَ مَكْفُوْلٌ عَنْهُ أَوْ لِتَعَذُّرِهٖ كَأَنْ غَابَ عَنِ الْمِصْرِ.

اگر مبیع کسی اور کی نکلے یا امکان استیفاء کی شرط جیسے اگر زید آ گیا اور زید ہی مکفول عنہ ہو یا تعذر حق کی شرط جیسے اگر وہ غائب ہو جائے شہر سے

کفالت بالمال اور اس کے احکام

توضیح اللغۃ: یواف، موافاۃ پورا کرنا، قود قصاص، ذاب ای ظہر و وجب، ملائم مناسب، استیفاء وصول کرنا۔

تشریح الفقہ: قولہ فان قال الخ ایک شخص نے کسی کی ذات کی ضمانت لی اور یہ کہا کہ اگر میں اس کو کل حاضر نہ کروں تو جو مال اس کے ذمہ ہے اس کا میں ضامن ہوں۔ پھر کفیل نے اس کو پورا نہیں کیا یعنی قدرت کے باوجود مکفول بالنفس کو حاضر نہیں کیا یا کل آنے سے پہلے مکفول بالنفس کا انتقال ہو گیا تو دونوں صورتوں میں کفیل مال کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ یہاں کفالت مال اور کفالت ذات دونوں ہیں اور ان

(۱) الدرک بفتحتین وسکون الراء اسم من ادرکت الشیٔ واصطلاحاً الرجوع بالثمن عند استحقاق المبیع ۱۲ عینی۔

دونوں میں کوئی منافاۃ نہیں۔ امام شافعی کے نزدیک یہاں کفالت بالمال صحیح نہیں۔ کیونکہ اس نے وجوب مال کے سبب (یعنی کفالت بالمال) کو ایک امر مشکوک کیساتھ معلق کیا ہے (وهو عدم الموافاة الى وقت كذا) پس یہ کفالت بیع کے مشابہ ہوگئی۔ اور بیع میں سبب وجوب مال کی تعلیق صحیح نہیں تو کفالت میں بھی صحیح نہ ہوگی۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ کفالت انتہاء کے اعتبار سے تو بیع کے مشابہ ہے اور ابتدائ کے لحاظ سے نذر کے مشابہ ہے بایں معنی کہ اس میں ایک غیر لازم چیز کا التزام ہے تو دونوں مشابہتوں کی رعایت ضروری ہے۔ مشابہت بیع کی رعایت تو یہ ہے کہ اس کی تعلیق شروط مطلقہ کے ساتھ صحیح نہیں اور مشابہت نذر کی رعایت یہ ہے کہ شرط متعارف کیساتھ تعلیق صحیح ہے اور عدم موافاۃ کیساتھ متعلق کرنا متعارف ہے۔ پس مکفول بالنفس کی موت سے تسلیم کے حق میں ضمانت باطل ہوگی نہ کہ مال کے حق میں۔ اس لئے دونوں صورتوں میں ضامن پر مال لازم ہوگا۔

قوله ولا يجبر الخ اگر مدعی قصاص مدعی حدقذف (وغیرہ) مدعاعلیہ سے کفیل لینا چاہے تو مدعی علیہ کو کفیل دینے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا' صاحبین کے نزدیک حدقذف' حدسرقہ اور قصاص کے دعوی میں مدعی علیہ پر جبر کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ قصاص خالص حقوق العباد میں سے ہے اور حدقذف گو حق اللہ ہے مگر اس میں حق عبد بھی ہے تو بذریعہ اخذ کفیل توثیق کی ضرورت ہے امام صاحب کی دلیل یہ حدیث ہے" **لا كفالة في حد** عـه " جس میں حقوق اللہ اور حقوق العباد کی کوئی تفصیل نہیں۔ نیز حدود ادنی درجہ کے شبہ سے بھی اٹھ جاتی ہیں۔ اس لئے ان کی توثیق کی ضرورت نہیں۔

قوله وبالمال الخ اس کا عطف " **وتصح بالنفس** " پر ہے۔ جو اول کتاب میں مذکور ہے۔ اور یہاں سے کفالت کی دوسری قسم یعنی کفالت بالمال کا بیان ہے۔ کہ کفالت بالمال بھی صحیح ہے۔ اگر چہ غیر معین اور مجہول مال کی کفالت ہو کیونکہ کفالت مبنی بر توسعات ہے۔ اس لئے اس میں جہالت کو بھی برداشت کرلیا جاتا ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ وہ مال دین صحیح ہو ورنہ کفالت صحیح نہ ہوگی؛ دین صحیح ہر وہ دین ہے جو ادا یا ابراء کے بغیر کسی طرح ساقط نہ ہو تو بدل کتابت کی کفالت صحیح نہیں کیونکہ یہ مکاتب کے عاجز ہوجانے سے ساقط ہوجاتا ہے۔ پس دین صحیح ہوا۔ امام صاحب کے یہاں بدل سعایت' بدل کتابت کے ساتھ ملحق ہے۔ کہ اس کی کفالت بھی صحیح نہیں۔

قوله فطالب الخ جب کفالت بالمال اپنی پوری شرطوں کیساتھ منعقد ہوجائے تو اب مکفول لہ کو اختیار ہے کفیل سے مال کا مطالبہ کرے اور چاہے اصیل (مقروض) سے اور چاہے تو دونوں سے بھی مطالبہ کرسکتا ہے اس واسطے کہ **كفاله ضم الذمة الى الذمه فى المطالبه** کا نام ہے اور اس ضم کا مقتضی یہ ہے کہ دین اصیل کے ذمہ باقی رہے نہ یہ کہ اس کے ذمہ سے ساقط ہوجائے پس مکفول لہ جس سے چاہے مطالبہ کرسکتا ہے۔ ہاں اگر اصیل نے اپنی براءت کی شرط کرلی ہو تو اس سے مطالبہ نہیں کرسکتا کیونکہ اب عقد کفالہ نہیں رہا حوالہ ہوگیا جیسے عدم براءت محیل کی شرط سے حوالہ کفالہ ہوجاتا ہے۔

قوله ويصح تعليق الخ کفالت بالمال کو ایسی شرطوں پر معلق کرنا کہ جو جو کفالت کے مناسب ہوں جائز ہے۔ جس کی تین صورتیں ہیں اول یہ کہ وہ شرط وجوب حق کا سبب ہو مثلاً کفیل یوں کہے کہ اگر مبیع غیر کی مستحق نکلے۔ یا امانت دار تیری امانت کا انکار کرے یا تیری کوئی چیز غصب کرے یا تجھ کو یا تیرے فرزند کو یا تیرے شکار کو قتل کرے تو مجھ پر اس کی قیمت یا دیت ہے اور مکفول لہ اس سے راضی ہوجائے تو تعلیق صحیح ہے۔ دوم یہ کہ امکان استیفاء کی شرط ہو یعنی ضامن کو اصیل سے حاصل کرنا ممکن ہو مثلاً اگر زید آئے تو جو دین اس پر ہے وہ مجھ پر ہے جبکہ زید مکفول عنہ ہو یا کفیل کا مضارب یا امانت دار یا اس کا غاصب ہو تو جو ضمانت اس کے آنے سے متعلق ہے وہ جائز ہے۔ سوم یہ کہ استیفاء دین کے تعذر کی شرط ہو مثلاً اگر زید شہر سے باہر ہو تو اس کا دین مجھ پر ہے یا تیرا جو دین فلاں پر ہے اگر وہ تلف ہو جائے یا وہ مرجائے یا تیرے دین کا وعدہ آئے اور وہ نہ دے یا چھ ماہ تک تیرا دین نہ دے تو میں ضامن ہوں ان سب صورتوں میں تعلیق مذکور صحیح ہے کیونکہ یہ سب شرطیں کفالت کے مناسب ہیں اور دراصل صحت کی دلیل یہ آیت ہے" **ولمن جاء به حمل بعير وانا به زعيم** " کہ اس میں کفالت کو شرط کیساتھ معلق کیا گیا ہے۔ اور وہ شرط وجوب حمل بعیر کا سبب ہے۔

عـه بیہقی [illegible] عدی عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده

وَلاَ تَصِحُّ بِنَحْوِ اِنْ هَبَّتِ الرِّيْحُ فَاِنْ جَعَلَ اَجَلاً تَصِحُّ الْكَفَالَةُ وَيَجِبُ الْمَالُ حَالاً

اور صحیح نہیں کفالت اس طرح کہ اگر ہوا چلے اور اگر ضمانت کی مدت قرار دیدی تو کفالت صحیح ہوگی اور مال واجب ہوگا فورا

فَاِنْ كَفَلَ بِمَالَهُ عَلَيْهِ فَبَرْهَنَ عَلَىٰ اَلْفٍ لَزِمَهُ وَاِلَّا صُدِّقَ الْكَفِيْلُ فِيْمَا اَقَرَّ

اگر کفیل ہوا اس کا جو مدعی کا ہے مدعیٰ علیہ پر پس مدعی گواہ لایا ہزار پر تو ہزار لازم ہوں گے ورنہ کفیل کی تصدیق کیجائیگی اس میں جس کا وہ اقرار کرے

بِحَلْفِهٖ وَلاَ يَنْفُذُ قَوْلُ الْمَطْلُوْبِ عَلَى الْكَفِيْلِ.

اس کی قسم کے ساتھ اور نافذ نہ ہوگا مطلوب کا کہنا کفیل پر

تشریح الفقہ: **قولہ ولا تصح الخ** اگر کفالت کی تعلیق کسی غیر مناسب شرط پر مثلاً یوں کہے کہ اگر ہوا چلی یا بارش بری تو میں ضامن ہوں تو یہ صحیح نہیں کیونکہ یہ مبنی بر خطر ہے یعنی اس کا وجود بالیقین معلوم نہیں تو ایسی شرط باطل ہوگی اور ضامن پر مال لازم نہ ہوگا۔ اور اگر ضامن مناسب شرط کو ضمانت کی مدت قرار دے مثلاً یوں کہے کہ میں ہوا چلنے یا بارش آنے تک ضامن ہوں تو ضمانت صحیح ہے۔ اس صورت میں مال فی الحال لازم ہوگا۔

قولہ فان کفل الخ زید پر کچھ قرض تھا خالد اس کا ضامن ہوگیا جو کچھ عمرو کے ذمہ ہے اس کا ضامن ہوں اب زید نے بینہ سے ایک ہزار درہم ثابت کئے تو خالد کو ایک ہزار دینے پڑیں گے کیونکہ جو چیز بینہ سے ثابت ہو وہ ایسی ہوتی ہے جیسے بذریعہ مشاہدہ ثابت ہو تو ایک ہزار کی ضمانت صحیح ہوئی لہٰذا ایک ہزار لازم ہوں گے۔ اور اگر زید کے پاس بینہ نہ ہو تو پھر کفیل کی تصدیق ہوگی۔ اس کی قسم کیساتھ کم کا اقرار کرے یا زائد کا۔ اور اگر مکفول عنہ کفیل کے اعتراف سے زائد کا اقرار کرلے تو زائد مقدار کفیل پر نافذ نہ ہوگی۔ کیونکہ جب اقرار دوسرے کے خلاف ہو تو بلا ولایت مقبول نہیں ہوتا اور مکفول عنہ کو کفیل پر کوئی ولایت نہیں لہٰذا اس کے حق میں مکفول عنہ کا اقرار مقبول نہ ہوگا۔

وَتَصِحُّ الْكَفَالَةُ بِاَمْرِ الْمَكْفُوْلِ عَنْهُ وَبِغَيْرِ اَمْرِهٖ فَاِنْ كَفَلَ بِاَمْرِهٖ رَجَعَ بِمَا اَدّٰى عَلَيْهِ وَاِنْ كَفَلَ بِغَيْرِ اَمْرِهٖ

صحیح ہے کفالت مکفول عنہ کے حکم سے بھی اور بلا حکم بھی پس اگر کفیل ہوا اس کے حکم سے تو لے لے اس سے جو ادا کرے اور اگر کفیل ہوا اس کے حکم

لَمْ يَرْجِعْ وَلاَ يُطَالِبُ الاَصِيْلَ بِالْمَالِ قَبْلَ اَنْ يُّؤَدِّيَ عَنْهُ فَاِنْ لُوْزِمَ لاَزَمَهُ

کے بغیر تو نہ لے اس سے، نہ تقاضا کرے اصیل سے مال کا اس کی طرف سے ادا کرنے سے پہلے پس اگر اس کا پیچھا کیا جائے تو وہ بھی اس کا پیچھا کرے،

وَبَرِئَ بِاَدَاءِ الاَصِيْلِ وَلَوْ اَبْرَأَ الاَصِيْلَ اَوْ اَخَّرَ عَنْهُ بَرِئَ الْكَفِيْلُ وَتَأَخَّرَ عَنْهُ

اور بری ہوجائیگا اصیل کے ادا کرنے سے اور اگر بری کردیا اصیل کو یا اس سے مؤخر کردیا تو بری ہوجائیگا کفیل۔ اور مؤخر ہوجائیگا اس سے

وَلاَ يَنْعَكِسُ وَلَوْ. صَالَحَ اَحَدُهُمَا رَبَّ الْمَالِ • عَنْ اَلْفٍ عَلَىٰ نِصْفِهٖ بَرِئَا.

اور اس کا عکس نہ ہوگا اگر صلح کرلی ان میں سے ایک نے رب المال کیساتھ ہزار کی طرف سے اس کے نصف پر تو دونوں بری ہوجائیں گے۔

---

(۱) یعنی لا یصح تعلیق الکفالۃ بہبوب الریح ونحوہ کنزول المطر فان علق بہ تصح الکفالۃ ویجب المال حالاً "قال الشراح المذکور فی المختصر مذکور فی الہدایۃ والکافی وہو سہو فان الحکم فیہ ان التعلیق لا یصح ولا یلزم المال لان الشرط غیر ملائم فصار کما لو علقہ بدخول الدار ونحوہ مما لیس بملائم ذکرہ قاضیخان وغیرہ ولو جعل الاجل فی الکفالۃ الی ہبوب الریح لا یصح التاجیل ویجب المال حالاً اھ قال ابن عابدین فی منحۃ الخالق "النسخۃ التی شرح علیہا الزیلعی بکذا" ولا یصح بنحو ان ہبت الریح وان جعلا اجلاً فتصح الکفالۃ ویجب المال ... وبہذا فی النہر فتحصل ان النسخ ثلاثۃ ہذہ والتی شرح علیہا المولف باسقاط "وان جعلا اجلاً" والذی عزاہ الی النسخ المعتمدۃ من الاقتصار علی قولہ" ولا تصح بنحو" ان ہبت الریح" اذا علمت ذلک فاعلم ان الاخیرۃ لا اشکال فیہا وکذا الاولی لان قولہ فتصح الکفالۃ اھ جواب قولہ وان جعلا اجلاً ویعلم منہ ان الکفالۃ لا تصح فی الاول ان کانت النسخۃ بالیاء المثناۃ التحتیۃ فی قولہ ولا یصح وان کانت بالفوقیۃ فہی نص فی ذلک واما الثانیۃ فاعتراض الزیلعی وارد علیہا اھ ۱۲ ۔۔۔ الزیلعی ۱۲ اھ ۔۔۔ صاحب البحر ۱۲۔

تشریح الفقہ: قولہ وتصح الخ مکفول عنہ کی اجازت اور بے اجازت دونوں طرح سے کفیل ہونا صحیح ہے پس اگر وہ اس کی اجازت سے کفیل ہوا ہے۔ تو جو کچھ کفالت کی وجہ سے دے وہ مکفول عنہ سے لے لے کیونکہ اس نے قرض اسی کے حکم سے ادا کیا ہے اور اگر بلا حکم کفیل ہوا تو اب اپنا دیا ہوا مکفول عنہ سے نہیں لے سکتا کیونکہ اس صورت میں اس کا دینا بطور احسان ہے اور احسان کرنے والا واپس نہیں لیا کرتا۔ (کفایہ)

قولہ ولو صالح الخ اصیل وکفیل میں سے کسی نے صاحب مال کے ساتھ ایک ہزار کی طرف سے پانچسو پر صلح کر لی تو وہ دونوں بری ہو جائیں گے۔ اگر اصیل نے صلح کی تو اس لئے کہ وہ صلح کی وجہ سے بری الذمہ ہو گیا اور اس کی براءت براءت کفیل کو مستلزم ہے۔ اور کفیل نے صلح کی تو اس لئے کہ اس نے صلح کو ایک ہزار دین کی طرف مضاف کیا ہے جو اصیل کے ذمہ ہیں تو وہ پانچسو سے بری ہو گیا۔ اور اس کی براءت موجب براءت کفیل ہے۔ پھر کفیل کے پانچسو اداء کرنے سے دونوں بری ہو جائیں گے۔ اور کفیل وہ پانچسو اصیل سے لے لیگا۔ (اگر اس کے حکم سے کفیل ہوا ہو ورنہ کچھ نہ لیگا۔

فائدہ: مسئلہ صلح میں چار صورتوں کا احتمال ہے۔ (۱) صلح میں اصیل وکفیل دونوں کی براءت مشروط ہو۔ (۲) فقط کفیل (۳) یا صرف اصیل کی براءت مشروط ہو (۴) براءت سے سکوت ہو علامہ طحطاوی فرماتے ہیں کہ مسئلہ میں آٹھ صورتوں کا احتمال ہے۔ چار باعتبار صلح اصیل اور چار باعتبار صلح کفیل۔ سو اگر دونوں کی یا صرف اصیل کی براءت مشروط ہو یا براءت سے سکوت ہو تو دونوں بری ہو جائیں گے۔ اور اگر صرف کفیل کی براءت مشروط ہو تو اس سے اصل دین ساقط نہ ہوگا۔ بلکہ ضمانت فسخ ہو جائے گی۔ اور پانچسو سے صرف کفیل ہی بری ہوگا۔

وَاِنْ قَالَ الطَّالِبُ لِلْكَفِيْلِ بَرِئْتَ اِلَيَّ مِنَ الْمَالِ رَجَعَ عَلَى الْمَطْلُوْبِ وَفِي بَرِئْتَ اَوْ اَبْرَأْتُكَ لاَ

اگر کہا طالب نے کفیل سے کہ تو بری ہے مجھ تک مال سے تو وہ رجوع کرلے مطلوب پر اگر برئت یا ابراتک کہا تو نہیں

وَبَطَلَ تَعْلِيْقُ الْبَرَاءَ ةِ مِنَ الْكَفَالَةِ بِالشَّرْطِ وَالْكَفَالَةُ بِحَدٍّ وَقَوَدٍ وَمَبِيْعٍ وَمَرْهُوْنٍ وَاَمَانَةٍ

باطل ہے کفالت سے بری ہونے کو شرط کیساتھ معلق کرنا اور کفالت حد قصاص مبیع گروی اور امانت کی

وَصَحَّ لَوْ ثَمَنًا وَمَغْصُوْبًا وَمَقْبُوْضاً عَلٰى سَوْمِ الشِّرَاءِ وَمَبِيْعًا فَاسِداً.

اور صحیح ہے اگر مکفول بہ ثمن یا مغصوب یا مقبوض علی سوم الشراء یا بیع فاسد کی مبیع ہو۔

تشریح الفقہ: قولہ وان قال الخ طالب (مکفول لہ) کفیل سے کہا "برئت الی" اور کفیل مکفول عنہ کے حکم سے ضامن ہوا تھا تو جتنے مال کی ضمانت ہوئی تھی اتنا مال وہ مکفول عنہ سے لے لیگا۔ کیونکہ کلمہ الیٰ انتہاء غایت کیلئے ہے۔ اور اس ترکیب میں منتہی صاحب دین ہے۔ اور منتہی کے لئے مبتدا کا ہونا ضروری ہے۔ اور یہاں مبتدا بجز کفیل کے اور نہیں تو گویا مکفول لہ "برئت الی" سے اس بات کا اقرار کر رہا ہے کہ تو نے مجھ کو مال دیدیا اور میں نے اس پر قبضہ کر لیا لہذا کفیل مکفول عنہ پر رجوع کریگا اور اگر مکفول لہ نے برئت یا ابراتک کہا تو اس صورت میں کفیل مکفول عنہ پر رجوع نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اس کلام سے صرف کفیل کی براءت کا اظہار ہے نہ کہ قبض مال کا اقرار۔

قولہ وبطل الخ کفالت سے بری کرنے کو کسی شرط مثلاً دخول دار یا مجئ غد پر معلق کرنا جائز نہیں کیونکہ براءت میں تملیک کے معنی ہوتے ہیں اور تملیکات تعلیق بالشرط کو قبول نہیں کرتیں پس کفالت صحیح ہوگی اور شرط باطل پھر فتح ومعراج وغیرہ میں گو بطلان کو شرط غیر ملائم کیساتھ مقید کیا ہے لیکن نہر وغیرہ میں ہے کہ زیلعی وغیرہ کے ظاہر کلام سے ترجیح اطلاق نکلتی ہے۔

---

(۱) ای الکفیل من جہۃ الطالب لازم ہو الاصیل حتی یخلصہ لانہ ہو الذی ادخلہ فی ہذہ العہدۃ ولحقہ ما لحقہ من جہتہ ۱۲

قولہ بحد الخ حد اور قصاص کی ضمانت باطل ہے کیونکہ یہ عقوبات ہیں اور عقوبات میں نیابت جاری نہیں ہوتی اور قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جس حق کا استیفاء کفیل سے ممکن نہ ہو ہر ایسے حق کی ضمانت صحیح نہیں جیسے حدود و قصاص۔

قولہ ومبیع الخ قبل القبض بائع کی طرف سے مبیع کا اسی طرح امانت اور شئی مرہون کا ضامن ہونا بھی صحیح نہیں کیونکہ یہ ضمانت اعیان ہے۔ اور ضمانت اعیان (شوافع کے نزدیک تو جائز ہی نہیں کیونکہ ان کے یہاں اصل یہ ہے کہ کفالت میں اصل دین کا التزام ہوتا ہے پس محل کفالت دین ہی ہوگا نہ کہ عین اور ہمارے نزدیک) گو جائز ہے مگر شرط یہ ہے کہ اعیان مضمون بنفسہا ہوں یعنی ہلاک ہونے کی صورت میں ان کی قیمت واجب ہوتی ہو پس قبضہ سے پہلے مبیع کی ضمانت صحیح نہیں کیونکہ وہ مضمون بالثمن ہے نہ کہ مضمون بالقیمۃ اسی طرح رہن کہ وہ مضمون بالدین ہے اور امانت مضمون ہی نہیں ہاں اگر مکفول بہ ثمن ہو یا مغصوب ہو یا مقبوض علی سوم الشراء ہو یا بیع فاسد کی مبیع ہو تو ان کی ضمانت صحیح ہے لکون الثمن دیناً صحیحاً مضموناً علی المشتری وما عداہ فمضمون بنفسہ علی الاصیل۔

وَحَمْلِ دَابَّةٍ مُعَيَّنَةٍ مُسْتَاجَرَةٍ وَخِدْمَةِ عَبْدٍ اُسْتُؤْجِرَ لِلْخِدْمَةِ وَبِلاَ قَبُوْلِ الطَّالِبِ

اور باطل ہے کفالت لادنے کی کرائے کے کسی خاص چوپائے پر اور غلام کی خدمت کی جو اجرت پر لیا گیا ہو خدمت کیلئے اور طالب کے قبول کئے بغیر

فِي مَجْلِسِ الْعَقْدِ اِلَّا اَنْ تَكَفَّلَ وَارِثُ الْمَرِيْضِ عَنْهُ وَعَنْ مَيِّتٍ مُفْلِسٍ وَبِالثَّمَنِ لِلْمُوَكِّلِ وَلِرَبِّ الْمَالِ

مجلس عقد میں مگر یہ کہ کفیل ہو مریض کا وارث مریض کی طرف سے یا مردہ مفلس کی طرف سے اور باطل ہے کفالت ثمن کی مؤکل اور رب المال کے

وَلِلشَّرِيْكِ اِذَا بِيْعَ عَبْدٌ صَفْقَةً وَبِالْعُهْدَةِ وَالْخَلاَصِ وَمَالِ الْكِتَابَةِ.

لئے اور شریک کیلئے جبکہ بیچا گیا ہو غلام ایک ہی عقد میں اور کفالت عہدہ کی اور چھڑانے کی اور مال کتابت کی۔

تشریح الفقہ: قولہ وحمل دابۃ الخ اگر کوئی معین سواری بار برداری کے لئے یا کوئی غلام خدمت کے لئے اجرت پر لیا ہو تو سواری کی بار برداری اور غلام کی خدمت گزاری کی ضمانت صحیح نہیں کیونکہ کفیل کو غیر کی سواری اور غلام پر قدرت نہیں تو وہ ان کی تسلیم سے عاجز ہے اور اگر کفیل اپنے پاس سے کوئی سواری یا غلام دے تو اس میں معقود علیہ کا تغیر لازم آتا ہے۔ کیونکہ معقود علیہ معین سواری اور معین غلام ہے۔

قولہ وبلا قبول الخ کفالت بالنفس ہو یا بالمال بہرصورت طالب یعنی مکفول لہ کا مجلس عقد میں قبول کرنا ضروری ہے۔ اگر اس نے مجلس عقد میں کفالت قبول نہ کی تو طرفین کے نزدیک صحیح نہیں۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ وہ مجلس عقد کے بعد اطلاع ہونے پر جائز رکھے تو صحیح ہے۔ ائمہ ثلاثہ بھی اسی کے قائل ہیں کیونکہ عقد کفالت ایک التزامی تصرف ہے تو اس میں ملتزم ہی مستقل ہوگا طرفین یہ فرماتے ہیں کہ عقد کفالت میں تملیک کے معنی ہوتے ہیں اس لئے اس کا قیام کفیل وطالب ہر دو کیساتھ ہوگا ہاں اگر کوئی مریض اپنے وارث سے کہے کہ تو میری طرف سے اس مال کا ضامن ہو جا جو مجھ پر دین ہے۔ اور وارث ارباب دیون کی عدم موجودگی میں ضامن ہو جائے تو یہ بالاتفاق صحیح ہے کیونکہ ضمانت درحقیقت وصیت ہے اور مریض طالب کا قائم مقام ہے جس میں طالب کا فائدہ ہے تو گویا وہ بذات خود موجود ہے۔

قولہ وعن میت الخ اگر کوئی شخص مفلسی کی حالت میں انتقال کر جائے اور اس پر کچھ قرض ہو اور اس کی طرف سے کوئی کفیل ہو جائے تو امام صاحب کے نزدیک کفالت صحیح نہیں۔ صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک صحیح ہے۔ کیونکہ حدیث میں ہے کہ ایک انصاری شخص کا جنازہ لایا گیا تو آپ نے دریافت فرمایا: اس کے ذمہ کسی کا قرض ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ ہاں یا رسول ﷺ دو درہم دینا ہیں آپ نے فرمایا اس کے جنازہ کی نماز تمہیں پڑھ لو۔ تو حضرت ابو قتادہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ وہ مجھ پر ہیں' امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ یہ دین بلا محل ہے۔ اور یہاں محل دین فوت ہو چکا تو یہ دین ساقط کی کفالت ہوئی اور دین ساقط کی کفالت جائز نہیں۔

قولہ وبالثمن الخ ایک شخص نے دوسرے کو کوئی شئی فروخت کرنے کے لئے وکیل بنایا۔ وکیل نے اس کو فروخت کردیا اور مشتری کیجانب سے مؤکل کیلئے ثمن کا ضامن ہوگیا یا مضارب نے کوئی سامان کسی کے ہاتھ فروخت کیا اور رب المال کے لئے ثمن کا ضامن ہوگیا تو ضمانت صحیح نہیں کیونکہ ثمن پر قبضہ کا حق وکیل اور مضارب کو ہے پس کفیل ہوجانے کی صورت میں دونوں اپنی ذات کے واسطے ضامن ٹھہرے اور یہ جائز نہیں۔ اسی طرح دین مشترک میں احد الشریکین کو دوسرے کے لئے ضامن ہونا صحیح نہیں مثلاً ایک غلام دو آدمیوں میں مشترک تھا دونوں نے اس کو بصفقہ واحدہ فروخت کرڈالا اور شریکین میں سے ایک دوسرے کے حصہ کا ضامن ہوگیا تو یہ صحیح نہیں اس واسطے کہ اگر یہ ضمانت شرکت کیساتھ جائز رکھی جائے تو شریک اپنی ذات کے لئے ضامن ہوگا کیونکہ جو کم وبیش ثمن مشتری یا ضامن ادا کریگا اس میں ضرور شریک کا حصہ ہوگا۔ اور اگر شریک کے حصہ میں ضمانت کو جائز رکھا جائے تو قبل القبض دین کی تقسیم لازم آتی ہے اور یہ دونوں چیزیں جائز نہیں۔

قولہ وبالعھدۃ الخ عہدہ کی ضمانت بھی صحیح نہیں جس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً کسی سے کوئی غلام خریدے اور مشتری کے لئے کوئی عہدہ کا ضامن ہوجائے۔ عدم صحت کی وجہ یہ ہے کہ لفظ عہدہ کی مراد میں اشتباہ ہے کیونکہ یہ لفظ اس وثیقہ کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے جو ملک بائع کا شاہد ہو اور عقد، حقوق عقد، درک اور خیار شرط کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے پس بسبب جہالت اس کی ضمانت صحیح نہیں۔

قولہ والخلاص الخ امام صاحبؒ کے نزدیک ضمان خلاص بھی صحیح نہیں کیونکہ ضمانت خلاص کا مطلب یہ ہے کہ ضامن ہر حال میں مبیع کو اس کے مستحق سے چھڑا کر مشتری کو دیدے خواہ کسی طریق سے ہو اور یہ اس کے بس کی بات نہیں لہٰذا ضمانت باطل ہوگی۔ صاحبین کے نزدیک ضمانت خلاص کا مطلب یہ ہے کہ اگر ضامن تسلیم مبیع پر قادر ہو تو تسلیم مبیع لازم ہے ورنہ اس کی قیمت لازم ہے۔ تو یہ ضمان ضمان درک کے ہم معنی ہونے کی وجہ سے ان کے یہاں صحیح ہے فالحاصل ان الخلاف راجع الی التفسیر۔

فَصلٌ: وَلَوْ اَعْطَی الْمَطْلُوْبُ الْکَفِیْلَ قَبْلَ اَنْ یُعطِیَ الْکَفِیْلُ الطَّالِبَ لاَ یَسْتَرِدُّ مِنْهُ وَمَارَبِحَ الْکَفِیْلُ فَهُوَ لَهٗ

(فصل) اگر دیدے مطلوب کفیل کو قبل اس کے کہ دے کفیل طالب کو تو واپس نہ لے اس سے اور جو نفع حاصل کرے کفیل تو وہ اسی کا ہے

وَنُدِبَ رَدُّهٗ عَلَی الْمَطْلُوْبِ لَوْ شَیْئًا یَتَعَیَّنُ.

اور مستحب ہے نفع کو واپس کرنا مطلوب پر اگر مال کوئی معین شئ ہو۔

کفالت کے متفرق مسائل

تشریح الفقہ: قولہ ولو اعطی الخ ایک شخص زید کی طرف سے اس کے حکم کے بموجب ایک ہزار کا کفیل ہوا اور ابھی اس نے طالب یعنی مکفول لہ کو بحکم کفالت ایک ہزار روپیہ نہیں دیا تھا کہ مطلوب یعنی مکفول عنہ (زید) نے روپیہ ادا کردیا تو اب زید کفیل سے وہ روپیہ نہیں لے سکتا اس واسطے کہ جب کفالت مکفول عنہ کے حکم سے ہو تو اس کی وجہ سے دو دین ثابت ہوتے ہیں ایک طالب (مکفول لہ) کا دوسرا کفیل کا مگر طالب کا دین فوری ہوتا ہے اور کفیل کا دین اس کی ادائیگی تک مؤخر ہوتا ہے جب وجود سبب کے بعد مطلوب نے ادائیگی دین میں عجلت کی تو ادائیگی ہوگئی۔ اور کفیل اس کا مالک ہوگیا پس مطلوب اس سے واپس نہیں لے سکتا۔ اب اگر کفیل کو اس مال سے کچھ نفع حاصل ہو تو وہ اسی کا ہوگا کیونکہ اسی کے مملوک مال سے حاصل ہوا ہے۔ لیکن کفیل کے لئے مستحب یہ ہے کہ اس کو واپس کردے۔ اگر وہ کوئی ایسی شئی ہو جو متعین ہوجاتی ہو جیسے گیہوں وغیرہ۔

---

(۱) لانہ دین غیر صحیح ۱۲۔ م ...... کفیل کوئی اجنبی ہو یا اس کا وارث ہو ۱۲۔ ع ...... والجواب عن الحدیث انہ یحتمل الاقرار عن کفالۃ سابقۃ والانشاء والوعد وحکایۃ الفعل لاعموم لہا ۱۲

وَلَوْ اَمرَ كَفِيْلَهٗ اَنْ يَتَعَيَّنَ عَلَيْهِ حَرِيْرًا فَفَعَلَ فَالشِّرَاءُ لِلْكَفِيْلِ وَالرِّبْحُ عَلَيْهِ وَمَنْ كَفَلَ عَنْ رَجُلٍ بِمَا ذَابَ لَهٗ

اگر حکم کیا اپنے کفیل کو اس کا کہ مجھ پر بیع عینہ کرلے اس نے ایسا ہی کیا تو خرید کفیل کے لئے ہوگی اور نفع اسی کے ذمہ ہوگا جو کفیل ہوا کسی کی طرف سے

عَلَيْهِ اَوْ بِمَا قُضِيَ لَهٗ عَلَيْهِ فَغَابَ الْمَطْلُوْبُ فَبَرْهَنَ الْمُدَّعِي عَلَى الْكَفِيْلِ اَنَّ لَهٗ عَلَى الْمَطْلُوْبِ اَلْفًا

اس کا جو اس کے ذمہ نکلے یا جس کا اس پر حکم کیا جائے اور مطلوب غائب ہوگیا پس بینہ قائم کیا مدعی نے کفیل پر اس کا کہ اس کے مطلوب پر ہزار ہیں

لَمْ تُقْبَلْ وَلَوْ بَرْهَنَ اَنَّ لَهٗ عَلٰى زَيْدٍ كَذَا وَاَنَّ هٰذَا كَفِيْلٌ عَنْهُ بِاَمْرِهٖ قُضِيَ بِهٖ عَلَيْهِمَا

تو قبول نہیں کیا جائیگا اور اس پر بینہ قائم کیا کہ میرے زید پر اتنے ہیں اور یہ اس کے حکم سے اس کا کفیل ہے تو حکم کیا جائیگا اس مال کا دونوں پر

وَلَوْ بِلاَ اَمْرٍ قُضِيَ عَلَى الْكَفِيْلِ فَقَطْ وَكَفَالَتُهٗ بِالدَّرْكِ تَسْلِيْمٌ وَشَهَادَتُهٗ وَخَتْمُهٗ لاَ وَمَنْ ضَمِنَ عَنْ اٰخَرَ

اور اگر بلا حکم ہو تو حکم کیا جائیگا صرف کفیل پر اور کفالت بالدرک اقبال ہے نہ کہ شہادت اور مہر زد کرنا جو ضامن ہوگیا دوسرے کی طرف سے

خَرَاجَهٗ اَوْ رَهَنَ بِهٖ اَوْ ضَمِنَ نَوَائِبَهٗ اَوْ قِسْمَتَهٗ صَحَّ وَمَنْ قَالَ لِاٰخَرَ

اس کے خراج کا یا کوئی چیز رہن رکھی خراج کے عوض میں یا ضامن ہوگیا اس کے حوادث کا یا تقسیم کرنے کا تو یہ صحیح ہے جس نے دوسرے سے کہا

ضَمِنْتُ لَكَ عَنْ فُلاَنٍ مِائَةً اِلٰى شَهْرٍ فَقَالَ هِيَ حَالَّةٌ فَالْقَوْلُ لِلضَّامِنِ وَمَنِ اشْتَرٰى اَمَةً وَكَفَلَ لَهٗ رَجُلٌ

کہ میں تیرے لئے ضامن ہوں فلاں کی طرف سے سو کا ایک ماہ تک اس نے کہا وہ تو فوری ہیں تو قول ضامن کا معتبر ہوگا جس نے باندی خریدی اور کوئی

بِالدَّرْكِ فَاسْتُحِقَّتْ لَمْ يَاْخُذِ الْمُشْتَرِيْ اَلْكَفِيْلَ حَتّٰى يَقْضِيَ لَهٗ بِالثَّمَنِ عَلَى الْبَائِعِ.

اس کے لئے درک کا کفیل ہوگیا اور باندی کسی اور کی نکلی تو مواخذہ نہ کرے مشتری کفیل سے یہاں تک کہ فیصلہ کیا جائے اس کے لئے ثمن کا بائع پر۔

تشریح الفقہ: **قولہ ولو امر الخ** اصیل (مدعی علیہ) نے اپنے کفیل سے کہا کہ تو بطریق بیع عینہ ایک کپڑا (مثلاً اطلس) قرض دیدے اور پھر اس کو فروخت کرکے میری طرف سے مکفول لہ کو دیدے۔ کفیل نے اس کے حکم کے بموجب ایسا ہی کیا تو یہ خرید کفیل ہی کیلئے ہوگی اور جو نفع اطلس کے بائع نے لیا ہے وہ کفیل کے ذمہ ہوگا۔ کیونکہ عاقد بیع وہی ہے۔ اصیل یعنی مدعی علیہ (مکفول عنہ) پر کچھ لازم نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ یا ضمانتِ نقصان ہے۔ یا توکیل مجہول اور یہ دونوں باطل ہیں۔

فائدہ: بیع العینہ کی صورت یہ ہے کہ دس روپے کی قیمت کا کپڑا منفعت حاصل کرنے کی غرض سے پندرہ روپے میں ادھار فروخت کرے اور مشتری اس کو دس روپے میں فروخت کرکے اپنی ضرورت رفع کرنے کے بعد اصل مالک کے پاس پندرہ روپے پہونچادے اس صورت سے وہ پانچ روپے کا نقصان اٹھائے گا۔ بعض حضرات نے اس کی یہ صورت ذکر کی ہے کہ ایک چیز گراں قیمت خرید کرا اپنے بائع کے علاوہ کسی اوپر کے ہاتھ ارزاں فروخت کرے۔ پھر بائع اول اس آدمی سے اس ثمن کے عوض لے لے جس کے عوض اس نے خریدی ہے۔ پس بائع اول اس شخص کو کمتر ثمن دے۔ اور وہ شخص مشتری مدیون کو دے۔ مثلاً زید نے دس روپے کی قیمت کا کپڑا خالد کے ہاتھ بیس روپے میں ادھار فروخت کیا اور خالد نے محمود کے ہاتھ دس روپے میں فروخت کردیا پھر محمود نے زید سے دس روپے میں خرید لیا اور اس کو دس روپے دیدیئے محمود نے وہی دس خالد کو دیئے۔ بعض حضرات نے اس کی اور بھی چند صورتیں ذکر کی ہیں بہرکیف بیع کا

(۱) لانہ لم یعترف بالدین لانہ لادین علیہ وانما اقر بمجرد المطالبۃ شہر فیکون القول قولہ ۱۲۔ (۲) لان بمجرد الاستحقاق لاینتقض البیع علی ظاہر الروایۃ مالم یقض لہ بالثمن علی البائع فلم یجب لہ علی الاصیل رد الثمن فلا یجب علی الکفیل (ہدایہ) وعن ابی یوسف وہو قول الائمۃ الثلاثۃ انہ یرجع بمجرد القضاء بالاستحقاق ۱۲ مجمع الانہر

یہ طریقہ سودخوروں کے ایجاد اور شریعت کی نظر میں نہایت مذموم ہے۔

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے "اذاتبایعتم بالعینة واتبعتم اذناب البقر ذللتم وظهر علیکم عدوکم" جب تم بطریق بیع عینہ خرید وفروخت کرو گے اور بیلوں کے پیچھے پڑ جاؤ گے (یعنی کھیتی باڑی میں مشغول ہو کر جہاد سے غافل ہو جاؤ گے) تو تم ذلیل وخوار ہو جاؤ گے۔ اور تمہارا دشمن تم پر غالب ہو جائے گا۔ امام محمد صاحب فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ بیع پہاڑوں سے بھی زیادہ گراں ہے امام ابو یوسف کے نزدیک یہ بیع مکروہ نہیں۔ کیونکہ اکثر صحابہ نے ایسا کیا ہے محقق کمال الدین نے جو تحقیق پیش کی ہے۔ اس سے دونوں قولوں میں توفیق ممکن ہے۔ من شاء فلیراجع۔

قوله ومن کفل الخ ایک شخص کسی کی طرف سے اس مال کا ضامن ہو گیا جو اس پر مکفول لہ کے لئے ثابت اور واجب ہو۔ یا اس مال کا ضامن ہوا جس کا قاضی اس پر حکم کرے پھر ضمانت کے بعد مطلوب (مکفول عنہ) غائب ہو گیا۔ اور مدعی نے کفیل پر گواہی سے ثابت کیا کہ مطلوب پر میرے ایک ہزار روپے ہیں۔ تو اس کی گواہی مقبول نہ ہوگی۔ جب تک کہ مطلوب غائب حاضر نہ ہو جائے۔ جب وہ آ جائے گا تب اس پر مال مذکور کا حکم کیا جائے گا۔ اور تبعیت مطلوب ضامن پر مال کی ادائیگی لازم ہوگی۔ وجہ یہ ہے کہ کفیل نے اس مال کا التزام کیا ہے جس کا قاضی مستقبل میں حکم کرے یا جو آئندہ زمانہ میں مطلوب پر ثابت اور واجب ہو تو یہ اس مال کی ضمانت ہوئی۔ جو مطلوب پر عقد کفالت کے بعد ثابت ہو اور مدعی کا دعویٰ مطلق ہے۔ کیونکہ اس میں وجوب مال بعد از کفالت سے کوئی تعرض نہیں۔ تو دعویٰ فاسد ہوا لہٰذا گواہی مسموع نہ ہوگی۔

قوله ولو برهن الخ اگر کسی نے قاضی کے یہاں بینہ سے یہ ثابت کیا کہ زید پر (جو غائب ہے) میرا اتنا مال ہے اور یہ شخص (جس کو اس نے قاضی کے یہاں حاضر کیا ہے) اس کے حکم سے اس کا کفیل ہے تو کفیل پر اور زید پر (جو غائب ہے) دونوں پر مال کا حکم کر دیا جائے گا اور اگر کفالت بلا امر ہو تو مال کا حکم صرف کفیل پر کیا جائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ یہاں مدعی کا بینہ مقبول ہوگا اس واسطے کہ یہاں مکفول بہ مطلق مال ہے اور دعویٰ بھی مطلق مال کا ہے تو دعویٰ صحیح ہونے کی وجہ سے بینہ مقبول ہوگا کیونکہ وہ صحت دعویٰ پر مبنی ہے بخلاف مسئلہ سابقہ کے کہ وہاں مکفول بہ مقید مال تھا۔ یعنی وہ مال جو کفیل پر کفالت کے بعد ثابت ہو اور دعویٰ مطلق تھا اس لئے بینہ مقبول تھا۔

قوله وکفالة الخ کفالت بالدرک یعنی استحقاق مبیع کی صورت میں ثمن کا ضامن ہو جانا اس بات کا اقرار ہے کہ مبیع بائع کی ملک ہے تو اگر اس کے بعد کفیل دعویٰ کرے کہ مبیع مذکور میری ملک ہے تو دعویٰ مسموع نہ ہوگا لیکن بیع نامہ میں گواہی لکھنا اور مہر زد کرنا ملک بائع کا اقرار نہیں کیونکہ اس میں وہ بات نہیں جو ملک بائع پر دلالت کرے۔ اس واسطے کہ بیع کبھی غیر مالک سے بھی صادر ہوتی ہے تو ہو سکتا ہے کہ اس نے گواہی اس لئے لکھی ہو تا کہ واقعہ یاد رہے اور اثبات بینہ میں کوشش کرے یا غور وفکر کر کے اگر مصلحت معلوم ہو تو بیع جائز رکھے۔

قوله ومن ضمن الخ دوسرے کی طرف سے خراج کا ضامن ہو جانا اور بواسطہ خراج رہن لینا صحیح ہے خواہ خراج موظف ہو۔ یا خراج مقاسمہ بعض حضرات نے خراج موظف کی تخصیص کی ہے۔ کیونکہ خراج موظف وہ دین ہے۔ جس کا مطالبہ بندوں کی طرف سے ہوتا ہے تو خراج موظف دیگر دیون کی طرح ایک مضمون دین ہوا۔ بخلاف خراج مقاسمہ کے کہ وہ مضمون نہیں ہے اور اعیان غیر مضمونہ کی کفالت جائز نہیں۔ خراج موظف وہ ہے جو کاشتکار کے ذمہ ہر سال ایک بار واجب ہوتا ہے۔ اسی طرح نوائب کی ضمانت صحیح ہے۔ نوائب نائبہ کی جمع ہے بمعنی مصیبت وحادثہ۔ یہاں وہ مال مراد ہے جو حاکم لوگوں پر مقرر کر دے۔ نہر الفائق میں ہے کہ نوائب کی دو قسمیں ہیں۔ واجبی اور غیر واجبی۔ نوائب واجبی جیسے مشترک نہر کا صاف کرانا۔ محلّہ کے چوکیدار کی اجرت۔ وہ مال جو بادشاہ لشکر اسلام کے سامان کیلئے یا مسلمان قیدیوں کو چھڑانے کیلئے معین کر دے۔ (جب کہ بیت المال خالی ہو) تو ایسے نوائب کی کفالت بالاتفاق جائز ہے۔ کیونکہ امور مذکورہ ہر مسلم مالدار پر واجب ہیں۔ نوائب غیر واجبی جیسے جبایات یعنی مظالم سلطانی جو لوگوں پر ناحق مقرر ہو گئے ہوں ان کی صحت کفالت میں مشائخ کا اختلاف

ہے۔ شیخ فخر الاسلام بزدوی مائل بصحت ہیں چنانچہ ایضاح الاصلاح میں صحت ہی پر فتوی ہے۔ نیز ضمانت قسمت یعنی نائبہ کے حصہ کی کفالت بھی صحیح ہے۔ قسمت مصدر ہے بمعنی مقسوم اور نائبہ سے مراد نائبہ موظفہ مرتبہ مراد ہے جو ہر ماہ یا سہ ماہی میں مقرر ہو بعض نے قسمت کی تفسیر یوں کی ہے کہ پہلے دونوں شریک قسمت کر لیں پھر ایک شریک دوسرے کو دخل نہ دے تو اس کی ضمانت صحیح ہے۔ بعض نے یوں تفسیر کی ہے کہ ایک شریک قسمت کی درخواست دے اور دوسرا شرکت نہ مانے تو اس کی ضمانت صحیح ہے۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

بَابُ كَفَالَةِ الرَّجُلَيْنِ وَالْعَبْدِ وَعَنْهُ

باب دو شخصوں کے اور غلام کے اور غلام کی طرف سے ضامن ہونے کے بیان میں

دَيْنٌ عَلَيْهِمَا وَكُلٌّ كَفَلَ عَنْ صَاحِبِهٖ فَمَا اَدَّاهُ اَحَدُهُمَا لَمْ يَرْجِعْ بِهٖ عَلٰى شَرِيْكِهٖ

قرض ہے دو آدمیوں پر اور ہر ایک کفیل ہو گیا دوسرے کی طرف سے تو جو کچھ ادا کرے ان میں سے ایک وہ اپنے شریک سے نہ لے

فَاِنْ زَادَ عَلَى النِّصْفِ رَجَعَ بِالزِّيَادَةِ وَاِنْ كَفَلَا عَنْ رَجُلٍ وَكَفَلَ كُلٌّ عَنْ صَاحِبِهٖ

پس جب آدھے سے زیادہ ہو جائے تو زائد لے لے اگر دو شخص ایک کی طرف سے کفیل ہوئے اور ہر ایک دوسرے کی طرف سے کفیل ہو گیا

فَمَا اَدّٰى رَجَعَ بِنِصْفِهٖ عَلٰى شَرِيْكِهٖ اَوْ بِالْكُلِّ عَلَى الْاَصِيْلِ وَاِنْ اَبْرَأَ الطَّالِبُ اَحَدَهُمَا اَخَذَ الْاٰخَرَ

تو جو کچھ ادا کرے اس کا آدھا اپنے شریک سے یا کل اصیل سے لے لے اور اگر بری کر دیا طالب نے کسی ایک کو تو مواخذہ کر سکتا ہے دوسرے سے

بِكُلِّهٖ وَلَوِ افْتَرَقَ الْمُفَاوِضَانِ وَعَلَيْهِمَا دَيْنٌ اَخَذَ الْغَرِيْمُ اَيًّا شَاءَ بِكُلِّ الدَّيْنِ وَلَا يَرْجِعُ حَتّٰى يُؤَدِّيَ

کل کا اگر جدا ہو گئے دو شریک مفاوضہ اور دونوں پر قرض ہے تو مواخذہ کرے قرض خواہ جس سے چاہے پورے قرض کا اور رجوع نہ کرے یہاں تک کہ

اَكْثَرَ مِنَ النِّصْفِ وَاِنْ كَاتَبَ عَبْدَيْهِ وَاحِدَةً وَكَفَلَ كُلٌّ عَنْ صَاحِبِهٖ فَمَا اَدّٰى اَحَدُهُمَا

ادا کرے نصف سے زائد اگر مکاتب کیا اپنے دو غلاموں کو ایک ہی بار اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کی طرف سے کفیل ہو گیا تو جو کچھ ان میں سے ایک

رَجَعَ بِنِصْفِهٖ وَلَوْ حَرَّرَ اَحَدَهُمَا اَخَذَ اَيًّا شَاءَ بِحِصَّةِ مَنْ لَمْ يَعْتِقْهُ

ادا کرے اس کا نصف لے لے اور اگر ان میں سے کسی ایک کو آزاد کر دیا تو وہ مواخذہ کرے جس سے چاہے اس کے حصہ کا جس کو آزاد نہیں کیا

فَاِنْ اَخَذَ الْمُعْتَقَ رَجَعَ بِنِصْفِهٖ وَ اِنْ اَخَذَ الْاٰخَرَ لَا وَ مَنْ ضَمِنَ عَنْ عَبْدٍ مَالًا

اب اگر وہ آزاد کردہ سے لے تو وہ اپنے ساتھی سے لے لے اور اگر دوسرے سے لے تو نہیں جو شخص ضامن ہو گیا غلام کی طرف سے ایسے مال کا

يُؤَاخَذُ بِهٖ بَعْدَ عِتْقِهٖ فَهُوَ حَالٌّ وَاِنْ لَمْ يُسَمِّهٖ وَلَوِ ادَّعٰى رَقَبَةَ الْعَبْدِ فَكَفَلَ بِهٖ

جس کا مواخذہ اس کی آزادی کے بعد ہونے والا ہے تو وہ فوری ہوگا گو غلام نے اسے معین نہ کیا ہو اگر غلام کی ذات کا دعوی کیا اور کوئی اس کا کفیل

رَجُلٌ فَمَاتَ الْعَبْدُ فَبَرْهَنَ الْمُدَّعِي اَنَّهٗ لَهٗ ضَمِنَ قِيْمَتَهٗ وَلَوِ ادَّعٰى عَلٰى عَبْدٍ مَالًا وَكَفَلَ بِنَفْسِهٖ رَجُلٌ

ہو گیا پھر غلام مر گیا مدعی نے ثابت کیا کہ وہ میرا تھا تو ضامن کو اس کی قیمت دینی پڑے گی اگر دعوی کیا غلام پر مال کا اور کفیل ہو گیا کوئی اس کی ذات کا

فَمَاتَ الْعَبْدُ بَرِئَ الْكَفِيْلُ وَلَوْ كَفَلَ عَبْدٌ عَنْ سَيِّدِهٖ بِاَمْرِهٖ فَعَتَقَ فَاَدَّاهُ

پھر غلام مر گیا تو کفیل بری ہو جائیگا اگر کفیل ہو گیا غلام اپنے آقا کی طرف سے اس کے حکم سے پھر وہ آزاد ہو گیا اور اس نے

اَوْ كَفَلَ سَيِّدُهٗ عَنْهُ وَاَدَّاهُ بَعْدَ عِتْقِهٖ لَمْ يَرْجِعْ وَاحِدٌ عَلَى الْاٰخَرِ.

مال ادا کیا یا کفیل ہوگیا غلام کا آقا اس کی طرف سے اور مالک نے اس کی آزادی کے بعد مال ادا کیا تو کوئی دوسرے پر رجوع نہیں کریگا۔

تشریح الفقہ: **قولہ دین علیھا الخ** ایک شخص کا دو آدمیوں پر دین ہے۔ جو صفت اور سبب کے لحاظ سے متحد ہے۔ مثلاً انہوں نے ایک غلام ایک ہزار میں خریدا اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کا ضامن ہوگیا تو ضمانت صحیح ہے۔ اب ان میں سے کوئی دین ادا کرے گا وہ دوسرے سے وصول نہ کرے گا تاوقتیکہ وہ نصف سے زائد ادا نہ کرلے پس نصف سے جتنا زائد ادا کریگا اتنا دوسرے شریک سے لے لیگا وجہ یہ ہے کہ شریکین میں سے ہر ایک نصف دین میں اصل ہے اور نصف آخر میں کفیل اور ان دونوں میں کوئی معارضہ نہیں کیونکہ جو بطریق اصالت ہے وہ دین ہے اور جو بطریق کفالت ہے وہ مطالبہ ہے پھر مطالبہ دین کا تابع ہے اس لئے نصف دین کی طرف سے اور زائد نصف کفالت کی طرف سے ادا ہوگا۔

قولہ و ان کفلا الخ ایک شخص پر کسی کا دین تھا اس کی طرف سے دو آدمی علیحدہ علیحدہ کل دین کے ضامن ہوگئے پھر ان کفیلوں میں سے ہر ایک دوسرے کا ضامن ہوگیا تو ان میں سے جو کفیل جتنا مال ادا کرے اس کا نصف اپنے ساتھی سے لے لے کیونکہ یہ ضمانت بلا شائبہ اصالت ہر اعتبار سے کفالت ہے کوئی ایک جہت راجح نہیں بخلاف مسئلہ سابقہ کے کہ اس میں اصالت جہت کفالت پر راجح ہے۔ اور چاہے کل ادا کردہ مال اصیل سے لے لے کیونکہ وہ اس کے حکم سے کل دین کا ضامن ہے۔ اور اگر طالب ان میں سے ایک کو بری کردے تو دوسرے سے کل دین کا مواخذہ کرے کیونکہ ان میں سے ہر ایک کل دین کا ضامن ہے تو ایک کی براءت سے دوسرے کی براءت نہ ہوئی۔

قولہ و ان کاتب الخ آقا نے اپنے دو غلاموں کو ایک ساتھ ایک ہزار کے عوض میں مکاتب کیا اور ہر غلام ایک دوسرے کا کفیل ہوگیا تو قیاس کی رو سے یہ کفالت صحیح نہیں کیونکہ مکاتب اور بدل کتابت کی علیحدہ علیحدہ کفالت صحیح نہیں تو بصورت اجماع بطریق اولیٰ صحیح نہ ہوگی۔ مکاتب کی کفالت تو اس لئے صحیح نہیں کہ کفالت تبرع و احسان ہے اور مکاتب تبرع کا مالک نہیں اور بدل کتابت کی کفالت اس لئے صحیح نہیں کہ کفالت دین کی صحیح ہوتی ہے اور بدل کتابت دین صحیح نہیں بہرکیف قیاس کے اعتبار سے کتابت مذکورہ صحیح نہیں ائمہ ثلاثہ بھی اسی کے قائل ہیں وجہ استحسان یہ ہے کہ عاقل بالغ کا تصرف بقدر امکان واجب التصحیح ہے اور یہاں تصحیح ممکن ہے بایں طور کہ وجوب کے حق میں ہر ایک کو اصیل قرار دیا جائے تو ان دونوں کی آزادی ہزار کی ادائیگی پر معلق ہوجائے گی اور ہر ایک کو دوسرے کے حق میں ایک ہزار کا کفیل مانا جائے پس جو کچھ ایک مکاتب ادا کرے گا اس کا نصف دوسرے سے لے لے گا۔ کیونکہ اب وہ دونوں اصالت اور کفالت میں برابر ہیں، اور اگر بدل کتابت کی ادائیگی سے پیشتر آقا ان میں سے کسی کو آزاد کردے تو آزادی واقع ہوجائے گی۔ اور آزاد کردہ غلام نصف بدل سے بری ہوجائے گا۔ کیونکہ اس نے جو مال کا التزام کیا تھا وہ اس لئے کیا تھا کہ اس کی آزادی کا ذریعہ بنے اور یہاں وہ ذریعہ نہیں بنا بلکہ اس کے بغیر آزادی حاصل ہوگئی۔ لہٰذا نصف بدل ساقط ہوجائے گا۔ اب آقا کے لئے نصف بدل باقی رہا یعنی اس غلام کا حصہ جس کو اس نے آزاد نہیں کیا تو اب وہ دونوں غلاموں میں سے جس سے چاہے مطالبہ کرے۔ آزاد غلام سے تو مطالبہ کا حق کفالت کی وجہ سے ہے اور غیر آزاد سے مطالبہ کا حق اصالت کی وجہ سے ہے۔ اب اگر وہ آزاد غلام سے مطالبہ کرتا ہے تو آزاد غلام دوسرے غلام پر رجوع کرلے گا کیونکہ اس نے اس کی طرف سے اسی کے حکم سے ادا کیا اور غیر آزاد سے مطالبہ کرتا ہے تو وہ رجوع نہیں کرسکتا۔ کیونکہ وہ خود اپنی طرف سے ادا کر رہا ہے۔

قولہ و من ضمن الخ ایک شخص غلام کی طرف سے ایسے مال کا ضامن ہوا جس کا مطالبہ غلام سے آزادی کے بعد ہونے والا ہے۔ مثلاً غلام نے کسی کے لئے کچھ مال کا اقرار کرلیا یا کسی سے کچھ مال قرض لے لیا۔ یا کسی نے اس کے پاس کوئی چیز بطور ودیعت رکھدی تھی اس نے اس کو ہلاک کردیا کہ ان سب صورتوں میں غلام سے مال کا مطالبہ اس کی آزادی کے بعد ہوتا ہے۔ اور ایسے مال کا کوئی ضامن

ہوگیا تو ضامن پر وہ مال فی الحال واجب ہوگا گو اس نے فی الحال ہونے کے تصریح نہ کی ہو۔ وجہ یہ ہے کہ مال تو غلام پر بھی فی الحال ہی واجب ہے۔ مگر اس کی تنگدستی کی وجہ سے فی الحال مطالبہ نہیں ہوتا۔ اور کفیل تنگدست نہیں ہے لہٰذا اس پر مال فی الحال لازم ہوگا۔

قوله ولو كفل عبد الخ غیر مدیون غلام کو اس کے آقا نے کفالت کا حکم کیا اور وہ آقا کی طرف سے کفیل ہوگیا۔ نیز آزاد ہو جانے کے بعد اس نے مال ادا کر دیا تو غلام میں گو کفالت کی لیاقت نہیں مگر غیر مدیون ہونے کی وجہ سے اس کی مالیت میں آقا کا حق ہے لہذا کفالت کے لئے صرف آقا کا حکم کافی ہے کفالت صحیح ہو جائے گی۔ اور اگر غلام کی طرف سے اس کا آقا کفیل ہوگیا اور غلام کی آزادی کے بعد آقا نے اس کی طرف سے مال ادا کر دیا تو یہ کفالت بھی صحیح ہے۔ مگر ان میں سے کوئی ایک دوسرے پر رجوع نہیں کر سکتا۔ کیونکہ موجب رجوع یعنی کفالت بالامر متحقق ہے اور مانع رجوع یعنی رقیت زائل ہو چکی۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ نہ آقا غلام پر دین کا مستحق ہے اور نہ غلام آقا پر۔ پس عقد کفالت ابتداءً غیر موجب رجوع ہوا۔ تو بعد میں موجب رجوع نہیں ہو سکتا۔　محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

كتاب الحوالة

قوله كتاب الخ کفالہ کے بعد حوالہ کو بیان کر رہا ہے۔ مناسبت یہ ہے کہ ان دونوں میں وثوق واعتماد کی خاطر اس دین کا التزام ہوتا ہے جو اصیل کے ذمہ واجب ہوتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ حوالہ اصیل کی براءت مقیدہ پر مشتمل ہوتا ہے اور کفالہ میں یہ چیز نہیں ہوتی پس کفالہ بمنزلہ مفرد ہوا اور حوالہ بمنزلہ مرکب۔ اور مفرد مرکب پر مقدم ہوتا ہی ہے۔

قوله الحوالة الخ حوالہ لغۃً بمعنی نقل وزوال ہے۔ **في المصباح" حوله تحويلاً وحول هو تحويلاً** ۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر دیا یا وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوگیا (یعنی لازم ومتعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے) بعض حضرات نے احالہ کا اسم مصدر کہا ہے۔ **في الصحاح " يقال احال عليه بدينه والا سم الحوالة**۔ یعنی اس نے اپنا قرض دوسرے کے حوالہ کر دیا' اصطلاحی تعریف آگے آ رہی ہے۔

هِيَ نَقْلُ الدَّيْنِ مِنْ ذِمَّةٍ اِلٰى ذِمَّةٍ وَتَصِحُّ فِي الدَّيْنِ لاَ فِي الْعَيْنِ بِرِضَا الْمُحْتَالِ وَالْمُحْتَالِ عَلَيْهِ

وہ منتقل کرنا ہے دین کو ایک ذمہ سے دوسرے کی طرف اور صحیح ہے دین میں نہ کہ عین میں محتال ومحتال علیہ کی رضا سے

وَبَرِئَ الْمُحِيْلُ بِالْقَبُوْلِ مِنَ الدَّيْنِ وَلَمْ يَرْجِعِ الْمُحْتَالُ عَلَى الْمُحِيْلِ اِلاَّ بِالتَّوِىْ وَهُوَ اَنْ يَجْحَدَ الْحَوَالَةَ

بری ہو جاتا ہے محیل قبول کرنے کے بعد قرض سے رجوع نہ کرے محتال محیل پر مگر ہلاکت حق کی صورت میں اور وہ یہ ہے کہ انکار کر دے حوالہ کا

وَيَحْلِفَ وَلاَ بَيِّنَةَ لَهٗ عَلَيْهِ اَوْ يَمُوْتَ مُفْلِسًا فَاِنْ طَالَبَ الْمُحْتَالُ عَلَيْهِ الْمُحِيْلَ بِمَا اَحَالَ

اور قسم کھا لے اور اس کے پاس بینہ بھی نہ ہو یا محتال علیہ مر جائے مفلس ہو کر پس اگر مطالبہ کیا محتال علیہ نے محیل سے اس مال کا جس کا حوالہ کیا تھا

فَقَالَ الْمُحِيْلُ اَحَلْتُ بِدَيْنٍ لِيْ عَلَيْكَ ضَمِنَ الْمُحِيْلُ مِثْلَ الدَّيْنِ وَاِنْ قَالَ الْمُحِيْلُ لِلْمُحْتَالِ

پس محیل نے کہا کہ میں نے اس دین کا حوالہ کیا تھا جو میرا تجھ پر تھا تو ضامن ہوگا محیل مثل دین کا اگر کہا محیل نے محتال سے

اَحَلْتُكَ لِتَقْبِضَهٗ لِيْ فَقَالَ الْمُحْتَالُ اَحَلْتَنِيْ بِدَيْنٍ لِيْ عَلَيْكَ فَالْقَوْلُ لِلْمُحِيْلِ

کہ میں نے اس لئے حوالہ کیا تھا تا کہ تو میرے لئے وصول کر لے محتال نے کہا کہ تو نے اس دین کا حوالہ کیا تھا جو میرا تجھ پر تھا تو قول محیل کا معتبر ہوگا

وَلَوْ اَحَالَ بِمَا لَهٗ عِنْدَ زَيْدٍ وَدِيْعَةٌ صَحَّتْ فَاِنْ هَلَكَتْ بَرِئَ وَكُرِهَ السَّفَاتِجُ.

اگر حوالہ کیا اس مال کا جو زید کے پاس امانت ہے تو صحیح ہے اب اگر وہ امانت ہلاک ہوگئی تو محتال علیہ بری ہوجائیگا اور مکروہ ہے سفاتج۔

توضیح اللغۃ: توی (س) ہلاکت مال (بالقصر وزان حصی ویمد) تجحد کرے، مفلس کنگال، سفاتج جمع سفتجہ۔

تشریح الفقہ: قولہ ھی نقل الخ اصطلاح شرع میں محیل کے ذمہ سے محتال علیہ کے ذمہ کی طرف دین منتقل کر دینے کو حوالہ کہتے ہیں جو شخص حوالہ کرے (یعنی مدیون) اس کو محیل جس کا دین ہو اس کو محتال محتال لہٗ محال محال لہٗ حویل۔ جو حوالہ قبول کرے اس کو محتال علیہ محال علیہ جس مال کا حوالہ کیا جائے اس کو محال بہ کہتے ہیں مثلاً خالد پر زید کے ہزار درہم قرض ہیں پس خالد نے اپنا قرض محمود پر حوالہ کر دیا اور محمود نے قبول کرلیا تو خالد کو محیل، زید کو محتال، محمود کو محتال علیہ اور ہزار درہم کو محال بہ کہیں گے۔

قولہ وتصح الخ حوالہ صرف دین کا صحیح ہے عین کا صحیح نہیں۔ صحت حوالہ دین کی دلیل حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ "مالدار کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔ اور جب تم میں سے کسی کو حوالہ کیا جائے مالدار پر تو چاہئے کہ حوالہ قبول کرے" اور عین کا حوالہ اس لئے صحیح نہیں کہ حوالہ نقل حکمی کا نام ہے۔ اور دین وصف حکمی ہے جو ثابت فی الذمہ ہوتا ہے تو نقل حکمی کا تحقق دین ہی میں ہوگا۔ نہ کہ عین میں کیونکہ عین نقل حسی کی محتاج ہے۔ پھر صحت حوالہ کے لئے بالاتفاق محتال اور محتال علیہ دونوں کی رضا شرط ہے۔ رضا محتال تو اس لئے کہ دین اس کا حق ہے اور حسن ادائیگی اور ٹال مٹول میں لوگوں کی عادتیں مختلف ہوتی ہیں۔ تو اس کی رضامندی ضروری ہے تاکہ اس کا نقصان لازم نہ آئے اور محتال علیہ کی رضامندی اس لئے شرط ہے کہ اس پر دین کی ادائیگی لازم ہوتی ہے اور لزوم بلا التزام نہیں ہوتا نیز تقاضے کے لحاظ سے لوگوں میں اختلاف ہوتا ہے کوئی نرمی سے مانگتا ہے کوئی سختی سے۔ اس لئے محتال علیہ کی رضا بھی ضروری ہے" رہا محیل سو بقول مختار اس کی رضا شرط نہیں کیونکہ التزام دین محتال علیہ کا اپنی ذات میں تصرف کرنا ہے جس میں محیل کا کوئی نقصان نہیں بلکہ اس کا فائدہ ہے۔ لہٰذا اس کی رضامندی ضروری نہیں۔

قولہ برئ المحیل الخ جب حوالہ اپنی تمام شرطوں کیساتھ تام ہوجائے تو محیل دین اور مطالبہ دین دونوں سے بری الذمہ ہوجاتا ہے بعض کے نزدیک مطالبہ سے بری ہوجاتا ہے دین سے بری نہیں ہوتا۔ امام زفر کے یہاں مطالبہ سے بھی بری نہیں ہوتا۔ وہ حوالہ کو کفالہ پر قیاس کرتے ہیں کیونکہ دونوں عقد توثق ہیں۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ احکام شرعیہ معانی لغویہ کے موافق ہوا کرتے ہیں۔ اور حوالہ لغۃً بمعنی نقل ہے تو جب دین محیل کے ذمہ سے منتقل ہوگیا تو اب اس کے ذمہ میں باقی رہنے کے کوئی معنی نہیں۔ بخلاف کفالہ کے اس میں دین ذمہ سے منتقل نہیں ہوتا۔ بلکہ ایک ذمہ کو دوسرے ذمہ کی طرف ملانا ہوتا ہے۔ بہرحال مختار یہی ہے کہ محیل بری الذمہ ہوجاتا ہے۔ پس محتال محیل پر رجوع نہیں کرسکتا۔ الا یہ کہ اس کا مال ہلاک ہوجائے کہ اس صورت میں رجوع کرسکتا ہے۔ کیونکہ محیل کا بری الذمہ ہونا سلامتی حق محتال کیساتھ مقید ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ براءت استیفا ہے نہ کہ براءت اسقاط۔ اور جب استیفاء حق متعذر ہوگیا۔ تو اصل مدیون پر رجوع ثابت ہوجائیگا۔ پھر ہلاکت مال احد الامرین سے ہوتی ہے۔ یا تو محتال علیہ عقد حوالہ کا انکار کردے اور قسم کھالے اور محیل ومحتال کے پاس بینہ نہ ہو یا محتال علیہ افلاس کی حالت میں مرجائے ان میں سے جو بھی صورت ہو بہرحال مال کو ہلاک تصور کیا جائے گا اور محتال کو محیل پر رجوع کا حق حاصل ہوگا۔

قولہ فان طالب الخ محتال علیہ نے محیل سے اس دین کے مماثل کا مطالبہ کیا جس کا محیل نے حوالہ کیا تھا اب محیل کہتا ہے کہ میں نے تو اس دین کا حوالہ کیا تھا جو میرا تجھ پر تھا۔ تو محیل کا قول مسموع نہ ہوگا بلکہ وہ محتال علیہ کو مثل دین کا ضمان دیگا۔ کیونکہ محیل دین کا مدعی ہے و محتال علیہ اس کا منکر ہے۔ اور قول منکر کا معتبر ہوتا ہے۔ رہا یہ شبہ کہ محتال علیہ کا حوالہ کو قبول کرنا یہ بتا رہا ہے کہ وہ محیل کا مدیون تھا۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ حوالہ قبول کرنے سے دین کا اقرار لازم نہیں آتا۔ کیونکہ حوالہ دین کے بغیر بھی صحیح ہے۔

قولہ وان قال الخ محیل سے کہا: میں نے فلاں پر تیرا حوالہ کیا تھا یعنی میں نے تجھکو دین وصول کرنے کے لئے وکیل بنایا تھا محتال

کہتا ہے نہیں بلکہ میرا جو دین تجھ پر تھا تو نے اس کا حوالہ کیا تھا تو یہاں محیل کا قول معتبر ہوگا کیونکہ محتال مدعی دین ہے اور محیل منکر صرف اتنی بات ہے کہ اس نے لفظ حوالہ کو وکالت کے لئے استعمال کیا ہے۔ جس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ کیونکہ لفظ حوالہ مجاز اً وکالت میں استعمال ہوتا ہے۔

قوله ولو احال الخ محیل نے اپنے اس مال کا حوالہ کیا جو مثلاً زید کے پاس ودیعت تھا یعنی محیل نے محتال علیہ سے کہا کہ زید کے پاس میری امانت ہے اس کو لیکر محتال کا قرض جو مجھ پر ہے ادا کردے تو حوالہ صحیح ہے اب اگر ودیعت ہلاک ہوجائے تو مودع (محتال علیہ) حوالہ سے بری ہوجائے گا۔ اور اپنے پاس سے مال نہیں دینا پڑے گا۔ بلکہ دین محیل پر عائد ہوجائے گا۔ کیونکہ حوالہ ودیعت کیساتھ مقید تھا۔ اور وہ ضائع ہو چکی۔

قوله وکره الخ سفاتج سفتجہ معرب سفتہ (بمعنی شئی محکم) کی جمع ہے اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص کسی شہر میں گیا اور وہاں اس نے کسی تاجر یا مہاجن کو کچھ مال بطور قرض دیدیا اور یہ شرط کرلی کہ تو مجھے اپنے فلاں آدمی کے نام ایک تحریر دیدے جو کسی دوسرے شہر میں ہے۔ تاکہ وہ اس سے روپیہ وصول کرلے اور اس طرح خطرہ راہ سے محفوظ ہوجائے۔ چونکہ اس صورت میں مقرض کو قرض سے فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ یعنی وہ خطرہ راہ سے مطمئن ہوجاتا ہے اور جس قرض سے فائدہ حاصل کیا جائے حدیث میں اس کی ممانعت ہے اس لئے یہ صورت مکروہ ہے۔

كتاب القضاء

اَهْلُهُ اَهْلُ الشَّهَادَةِ وَالْفَاسِقُ اَهْلٌ لِلْقَضَاءِ كَمَا هُوَ اَهْلٌ لِلشَّهَادَةِ اِلَّا اَنَّهُ لاَ يَنْبَغِيْ اَنْ يُقَلَّدَ

قابل قضا وہی ہے جو قابل شہادت ہے فاسق بھی قابل قضاء ہے جیسا کہ وہ قابل شہادت ہے مگر مناسب نہیں یہ کہ فاسق کو قاضی بنایا جائے

وَلَوْكَانَ الْقَاضِي عَدْلاً فَفَسَقَ بِاَخْذِ الرِّشْوَةِ لاَيَنْعَزِلُ وَيَسْتَحِقُّ الْعَزْلَ وَاِذَا اَخَذَ الْقَضَاءَ بِالرِّشْوَةِ

اگر قاضی عادل ہو پھر فاسق ہوجائے رشوت لینے کے سبب سے تو معزول نہ ہوگا ہاں مستحق عزل ہوجائیگا اگر حاصل کیا عہدۂ قضاء رشوت دے کر

لاَيَصِيْرُ قَاضِياً وَالْفَاسِقُ يُصْلِحُ مُفْتِياً وَقِيْلَ لاَ وَلاَ يَنْبَغِيْ اَنْ يَكُوْنَ الْقَاضِيْ فَظًّا غَلِيْظاً جَبَّاراً عَنِيْداً

تو قاضی نہ ہوگا فاسق مفتی ہوسکتا ہے اور کہا گیا ہے کہ نہیں اور مناسب نہیں یہ کہ ہو قاضی بدمزاج سنگدل سرکش دشمنی کرنے والا

وَيَنْبَغِيْ اَنْ يَكُوْنَ مَوْثُوْقاً بِهٖ فِيْ عَفَافِهٖ وَعَقْلِهٖ وَصَلاَحِهٖ وَفَهْمِهٖ بِالسُّنَّةِ وَالْاٰثَارِ وَوُجُوْهِ الْفِقْهِ.

بلکہ ہونا چاہئے قابل اعتماد پرہیز گاری، عقل، سمجھ، صلاح، حدیث دانی، صحابہ کے اقوال اور وجوہ فقہ کے عالم ہونے میں۔

توضیح اللغۃ: قضا فیصلہ کرنا، عدل، عادل، نیک صالح، عزل جدا ہونا۔

تشریح الفقہ: قوله کتاب الخ چونکہ قرض و دیون اور خرید و فروخت کے سلسلہ میں اکثر جھگڑے واقع ہوا کرتے ہیں جن کو شرعی قواعد کے مطابق دور کرنا ضروری ہے۔ اس لئے مصنف دیون اور بیوع کے احکام سے فراغت کے بعد قضا کے احکام بیان کررہا ہے۔ قضا علی زنۃ کساء مصدر ہے اور لغۃً مختلف معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ (۱) حکم کرنا، فیصلہ کرنا، یقال قضیت (ض) قضاء بین الخصمین۔ میں نے ان کے درمیان فیصلہ کردیا۔ (مصباح، صحاح، قال تعالیٰ وقضی ربک الاتعبدوا الاایاہ اھ (۲) فارغ ہونا تقول نضیت حاجتی۔ میں نے اپنی ضرورت پوری کرلی۔ اور فارغ ہوگیا۔ (۳) مرنا یقال قضی نحبہ فلاں مرگیا (۴) ادا کرنا تقول قضیت دینی۔ میں نے اپنا قرض ادا کردیا۔ (۵) پہنچانا قال تعالیٰ وقضینا الیہ ذلک الامر" ای انہیناہ الیہ وابلغناہ (٦) گزرنا

عہ ۔۔۔ اضاف الکتاب الی القضاء دول الادب نظرا الی انہ مقصود وبیان الادب متبوع ۱۲ مجمع عہ ۔۔۔ ابن راہویہ عن ابن عباس ۱۲

قال القراء فی قوله تعالیٰ'' ثم اقضوا الی ای امضوا الی (۷) مستحکم ومضبوط بنانا۔ قال تعالیٰ'' فقضا ھن سبع سموت'' قال ابو ذویب وعلیھا مسرودتان قضا ھما' داؤد اوضع السوابغ تبع 'اصطلاح شرع میں خصومات کے فیصلہ کو اور قطع منازعات کو قضا کہتے ہیں'' وقیل الحکم بن الناس بالحق 'قضا کے ارکان چھ ہیں (۱) حکم (۲) محکوم بہ (یعنی جس امر کا قاضی نے حکم دیا ہو) (۳) محکوم لہ (یعنی مدعی) (۴) محکوم علیہ (یعنی مدعا علیہ) (۵) حاکم (۶) طریق وقد نظمہا ابن الغرس۔

احکام کل قضیة حکمیة ست یلوح بعد ھاالتحقیق
حکم ومحکوم به وله محکوم علیه وحاکم وطریق

فائدہ: ایمان باللہ کے بعد قضا بالحق عظیم ترین عبادات میں سے ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے یوم من امام عادل افضل من عبادة ستة ستة' امام عادل کا ایک دن۔۔ ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے' علماء کرام نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص عہدہ قضا کے لئے متعین ہو اور کوئی دوسرا شخص اس کی اہلیت نہ رکھتا ہو تو اس پر قبول قضا فرض عین ہے اور اگر اس کے علاوہ اور لوگ بھی اہلیت قضا رکھتے ہوں تو فرض کفایہ ہے اور اگر اس کو ظلم کا اندیشہ ہو تو مکروہ تحریمی ہے۔ اگر ظلم کا ظن غالب ہو تو حرام ہے اور اگر ظلم کا اندیشہ نہ ہو اور انصاف کی نیت ہو تو مباح ہے۔

قوله و اهله الخ لائق قضا وہی ہے جو لائق شہادت ہے اور شہادت سے مراد اداء شہادت ہے نہ کہ تحمل شہادت کیونکہ رقیت وکفر کی حالت میں تحمل شہادت صحیح ہے حالانکہ غلام اور کافر قاضی نہیں ہو سکتا پھر'' اہلہ اہل الشہادۃ'' کا یہ مطلب نہیں ہے کہ قضا شہادت پر مبنی ہے یہاں تک کہ بناء قوی بر ضعیف لازم آئے بلکہ مطلب یہ ہے کہ قضا اور شہادت دونوں کا مرجع ایک ہی ہے۔ یعنی عاقل' بالغ' آزاد' مسلمان' عادل ہونا اور نابینا' محدود فی القذف' بہرا' گونگا نہ ہونا چونکہ اوصاف شہادت اوصاف قضا سے مشہور تر ہیں اس لئے اوصاف قضا کو اوصاف شہادت سے بیان کردیا وقد نظھا الحموی فقال۔

شروط القضاء تسع علیک بحفظها لتحرز سبقاً فی طلابک للعلا
بلوغ واسلام وعقل ومنطق فصیح به فصل الخصومة قد جلا
تو لیه حکماً دون سمع لدعوة وحریة سمع والا بصار قدتلا
وفقدان حد القذف قد شرطواله کما قال زین العابدین فی البحر مجملاً

قوله و الفاسق الخ جب یہ بات طے ہوگئی کہ جو لائق شہادت ہے۔ وہ لائق قضا بھی ہے تو فاسق شخص قضا کا اہل ہوگا کیونکہ وہ شہادت کا اہل ہے مگر فاسق کو قاضی بنانا زیبا نہیں۔ کیونکہ قضاء از قبیل امانت ہے اور فاسق امور دینیہ میں قلت مبالاۃ کی وجہ سے امانت داری کے لائق نہیں' اسلئے اس کو قاضی نہیں بنانا چاہئے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک قضا فاسق جائز ہی نہیں نوادرات میں ہمارے ائمہ ثلاثہ سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ فتوی اسی قول پر دینا چاہئے خصوصاً اس زمانہ میں لیکن نہر الفائق میں ہے کہ اگر اس کا اعتبار کیا جائے تو قضا کا دروازہ ہی بند ہو جائے گا خاص کر ہمارے زمانہ میں پس جو مصنف نے ذکر کیا ہے وہی اصح ہے جیسا کہ عمادیہ اور خلاصہ وغیرہ میں ہے۔

قوله ولو کان الخ اگر شروع میں قاضی عادل ہو اور پھر رشوت لینے یا دیگر گناہ کبیرہ کرنے کی وجہ سے فاسق ہو جائے تو وہ لائق معزولی ہو جاتا ہے یعنی بادشاہ پر اس کو برطرف کر دینا واجب ہے یہی صحیح ہے اور اسی پر فتوی ہے۔ (قہستانی عن الواقعات) بعض حضرات کے نزدیک معزول ہو جاتا ہے۔ کرمانی' ابن ملک اور ابن کمال نے اسی پر فتوی ذکر کیا ہے۔ اور اگر کسی نے رشوت دیکر عہدہ قضا حاصل کیا

ہوتو وہ قاضی نہ ہوگا لانہ صح انه علیه السلام لعن الراشی و المرتشی و الرائش۔

(فائدہ اولی): اگر کوئی قاضی رشوت لیکر فیصلہ کرے تو اس کا فیصلہ نافذ ہوگا یا نہیں؟ اس میں تین قول ہیں جن کو صاحب بحر نے فصول عمادی سے نقل کیا ہے۔(۱) جس مقدمہ میں رشوت لی ہے اس میں حکم نافذ ہوگا۔ دیگر مقدمات میں نافذ ہوگا یہ قول شمس الائمہ کا مختار ہے۔(۲) دونوں میں غیر نافذ ہے۔(۳) دونوں میں نافذ ہے۔ یہ بزدوی کا قول ہے۔ اور فتح القدیر میں اسی کو ترجیح دی ہے کیونکہ رشوت ستانی فسق ہے اور پہلے گزر چکا کہ فسق موجب عزل نہیں تو اس کی ولایت قائم رہی لہٰذا حکم نافذ ہوگا۔

(فائدہ ثانیہ): رشوت کی چار قسمیں ہیں۔(۱) جو لینے والے اور دینے والے دونوں پر حرام ہے جیسے تقلید قضاء اور امارت پر رشوت دینا۔(۲) جو قاضی کو حکم کے واسطے دے یہ بھی دونوں حرام ہے خواہ حکم حق ہو یا ناحق۔(۳) جو اس لئے دے کہ رشوت لینے والا سلطان اور حاکم کے پاس اس کا کام بنا دے خواہ وہ دفع ضرر ہو یا جلب منفعت یہ لینے والے پر حرام ہے دینے والے پر حرام نہیں۔(۴) جو مدفوع الیہ ظالم کے خوف سے دے خواہ جان کا خوف ہو یا مال کا یہ دینے والے پر حلال ہے اور لینے والے پر حرام۔ (غایۃ الاوطار)

قولہ و الفاسق یصلح الخ فاسق میں صلاحیت افتاء ہے یا نہیں؟

بعض کہتے ہیں کہ وہ مفتی ہو سکتا ہے کیونکہ فاسق اس خوف سے کہ کوئی اسکو خاطی نہ کہے صحیح مسئلہ بتانے کی کوشش کرتا ہے۔ مصنف نے اس قول کو مقدم کر کے اس کی قوت کی طرف اشارہ کیا ہے مگر صاحب درمختار نے اس کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ظاہر تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ فاسق سے فتویٰ لینا اور مسئلہ پوچھنا بالاتفاق حلال نہیں۔ ائمہ ثلاثہ کا بھی یہی قول ہے۔ اسی پر صاحب مجمع نے یقین ظاہر کیا ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ بہت سے متاخرین نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

وَالاِجْتِهَادُ شَرْطُ الاَوْلَوِيَّةِ وَالْمُفْتِيُ يَنْبَغِي اَنْ يَكُوْنَ هٰكَذَا وَ كُرِهَ التَّقَلُّدُ لِمَنْ خَافَ الْحِيفَ

اور مجتہد ہونا شرط ہے بہتر ہونے کی اور مفتی بھی ایسا ہی ہونا چاہئے اور مکروہ ہے عہدۂ قضاء قبول کرنا اس کے لئے جس کو ظلم کرنے کا اندیشہ ہو

وَاِنْ اَمِنَهُ لاَ وَلاَ يَسْاَلُهُ وَيَجُوْزُ تَقَلُّدُ الْقَضَاءِ مِنَ السُّلْطَانِ الْعَادِلِ وَالْجَائِرِ وَمِنْ اَهْلِ الْبَغْيِ فَاِنْ تَقَلَّدَ

اگر اس سے مامون ہو تو نہیں اور اس کا سوال نہ کرے اور جائز ہے عہدۂ قضاء لینا عادل اور ظالم بادشاہ سے اور باغیوں سے جب قاضی ہو جائے

يَسْاَلُ دِيْوَانَ قَاضٍ قَبْلَهُ وَهُوَ الْخَرَائِطُ الَّتِيْ فِيْهَا السِّجِلَّاتُ وَالْمَحَاضِرُ وَغَيْرُهُمَا وَيَنْظُرُ فِيْ حَالِ

تو طلب کرے پہلے قاضی کا دفتر اور وہ وہ بستے ہیں جن میں احکام کے رجسٹر اور دستاویزیں وغیرہ ہوتی ہیں اور دیکھے قیدیوں کی حالت پس جو حق

الْمَحْبُوْسِيْنَ فَمَنْ اَقَرَّ بِحَقٍّ اَوْ قَامَتْ عَلَيْهِ بَيِّنَةٌ اَلْزَمَهُ وَاِلاَّ نَادٰى عَلَيْهِ وَعَمِلَ فِي الْوَدَائِعِ وَغَلاَّتِ الْوَقْفِ

کا اقرار کرے یا اس پر بینہ قائم ہو جائے تو اس پر حق لازم کر دے ورنہ منادی پھروائے اور عمل کرے امانتوں میں اور وقف کی پیداواری میں

بِبَيِّنَةٍ اَوْ اِقْرَارٍ وَلَمْ يَعْمَلْ بِقَوْلِ الْمَعْزُوْلِ اِلاَّ اَنْ يُقِرَّ ذُوْالْيَدِ اَنَّهُ سَلَّمَهَا اِلَيْهِ فَيَقْبَلُ قَوْلَهُ فِيْهَا.

بینہ یا اقرار پر اور نہ عمل کرے معزول قاضی کی بات پر مگر یہ کہ اقرار کرے قابض کہ یہ اس کو قاضی معزول نے دیا ہے تو اس میں اس کا قول قبول کرے

احکام قضاء کا بیان

توضیح اللغۃ: حیف ظلم، جائر ظالم، خرائط جمع خریطہ بستہ، سجلات جمع سجل رجسٹر جس میں دعوے اور احکام وغیرہ لکھے جاتے ہیں، محاضر جمع محضر: دستاویز۔

تشریح الفقہ: قوله والاجتهاد الخ قاضی میں اہلیت اجتہاد کا ہونا بہتر ہے۔ضروری نہیں۔ظاہر الروایہ یہی ہے اور یہی صحیح ہے کیونکہ ابوداؤد میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت علی کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا حالانکہ آپ اس وقت حدیث السن تھے مرتبہ اجتہاد پر فائز نہ تھے۔ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اہلیت اجتہاد شرط جواز ہے۔ظاہر کلام قدوری سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے نیز امام محمد نے اصل میں ذکر کیا ہے کہ مقلد کا قاضی ہونا صحیح نہیں لکن الصحیح ماقد مناه۔

قوله ولا يساله الخ اپنی زبان سے عہدہ قضا کا سوال بلکہ اپنے دل سے اس کی خواہش بھی نہ کرے۔کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''جو شخص قضا کا سوال کرے گا اس کو اس کی ذات کے سپرد کیا جائے گا۔(یعنی اس کو من جانب اللہ توفیق خیر نہ ہوگی) اور جس پر جبر کیا جائے گا (یعنی اس کو زبردستی قاضی کیا جائے گا) اس پر فرشتہ نازل ہوگا جو اس کو صراط مستقیم پر قائم رکھے گا'' ولبعضهم نظماً۔

احذر من الواوات ار   بعة فهن من الحتوف
واو الولاية   والوكا   لة والوصاية والوقوف

قوله ويجوز الخ شاہ وقت کی جانب سے عہدہ قضاء قبول کرنا جائز ہے خواہ بادشاہ عادل ہو یا ظالم کیونکہ صحابہ کرام نے امیر معاویہ کی طرف سے عہدہ قضاء قبول کیا حالانکہ وہ باطل پر تھا اور حضرت علی حق پر تھے۔نیز علماء نے حجاج کے زمانہ میں عہدہ قضاء قبول کیا اور حجاج کے ظالم وجابر ہونے میں کوئی شک ہی نہیں فانه افسق اهل زمانه۔

قوله وعمل في الودائع الخ قاضی منصوب اموال ودیعت اور محاصل وقف میں گواہی یا قابض کے اقرار پر عمل کرے اور قاضی معزول کے قول پر عمل نہ کرے۔کیونکہ اب وہ رعایا کا ایک فرد ہو گیا ہے۔ہاں اگر قابض یہ اقرار کرے کہ قاضی معزول نے مجھ کو ودائع اور محاصل اوقات سپرد کئے ہیں تو اب ودائع اور محاصل وقف کے متعلق معزول قاضی کا قول مقبول ہوگا۔کیونکہ قابض کے اقرار سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ قاضی معزول کا قبضہ تھا۔   محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَيَقْضِي فِي الْمَسْجِدِ اَوْ دَارِهٖ وَيَرُدُّ هَدِيَّةً اِلَّا مِنْ قَرِيْبِهٖ اَوْ مِمَّنْ جَرَتْ عَادَتُهٗ بِذٰلِكَ وَدَعْوَةً خَاصَّةً

اور فیصلہ کرے مسجد میں یا اپنے گھر میں اور لوٹا دے ہدیہ مگر اپنے رشتہ دار کا یا اس کا جس کی عادت ہے ہدیہ دینے کی اور رد کر دے خصوصی دعوت کو

وَيَشْهَدُ الْجَنَازَةَ وَيَعُوْدُ الْمَرِيْضَ وَيُسَوِّيْ بَيْنَهُمَا . جُلُوْسًا وَاِقْبَالاً

اور آئے جنازہ کے لئے اور بیمار پرسی کرے اور برابری کرے مدعی اور مدعی علیہ کے درمیان بیٹھک اور متوجہ ہونے میں

وَلْيَتَّقِ عَنْ مُسَارَّةِ اَحَدِهِمَا وَاِشَارَتِهٖ وَتَلْقِيْنِ حُجَّتِهٖ وَضِيَافَتِهٖ وَالْمِزَاحِ وَتَلْقِيْنِ الشَّاهِدِ.

اور احتراز کرے کسی ایک سے سرگوشی اشارہ تلقین حجت قبول دعوت ہنسی اور تلقین شاہد سے

بقیہ احکام قضا

تشریح الفقہ: قوله ويقضي الخ قاضی مسجد میں یا اپنے گھر میں فیصلہ کرے اور لوگوں کو آنے کی عام اجازت دے امام شافعی کے نزدیک فیصلہ کیلئے مسجد میں بیٹھنا مکروہ ہے۔کیونکہ فیصلہ چاہنے کے لئے کسی کی تخصیص نہیں ہر شخص آئے گا مشرک بھی آئے گا جو بشہادت قرآن نجس ہے اور

ے ابوداؤد ترمذی ابن ماجہ احمد ابن راہویہ بزار حاکم عن انس ۱۲

حائضہ عورت بھی آئے گی جس کے لئے دخول مسجد جائز نہیں۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے معتکف میں خصومات کا فیصلہ فرماتے تھے چنانچہ روایت میں ہے کہ ابن ابی حدرد پر حضرت کعب بن مالک کا کچھ قرض تھا آپ نے مسجد میں تقاضا کیا اور دونوں کی آوازیں بلند ہوگئیں آنحضرت ﷺ آواز سن کر تشریف لائے اور حضرت کعب کو ہاتھ سے اشارہ کیا کہ کچھ قرض معاف کردے حضرت کعب نے منظور کرلیا تو آپ نے فرمایا قم فاقضه'' ابن تیمیہ نے منتقی میں کہا ہے کہ اس حدیث سے جواز حکم فی المسجد نکلتا ہے' اسی طرح خلفاء راشدین' تابعین' تبع تابعین وغیرہم فصل خصومات کے لئے مسجد میں بیٹھتے تھے۔ چنانچہ ممبر نبوی کے

پاس حضرت عمر کا لعان کرنا اور مروان کا فیصلہ کرنا ثابت ہے۔ اور حضرت شریح' شعبی' یحییٰ بن یعمر' ابن اشوع' ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم' سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف وغیرہم فیصلوں کیلئے مسجد میں بیٹھتے تھے۔ بہر کیف قضا چونکہ ایک اہم ترین عبادت ہے اس لئے نماز کی طرح یہ بھی مسجد میں بلاشبہ جائز ہے۔ رہا امام شافعی کا استدلال سو جواب یہ ہے کہ مشرک کی نجاست سے مراد ظاہری نجاست نہیں بلکہ نجاست باطنی (اعتقادی) مراد ہے۔ اور حائضہ عورت اپنے حیض سے باخبر کردیگی تو قاضی اس کے لئے مسجد کے دروازہ تک آجائے گا۔

تنبیہ: علامہ حموی نے کہا ہے کہ زمان سابق کے لحاظ سے فیصلہ کے لئے مسجد میں بیٹھنا صحیح تھا ہمارے زمانہ میں مناسب نہیں۔ کیونکہ اب لوگ کما حقہ مسجد کا احترام نہیں کرتے۔ اور مساجد میں وہ کام کرتے ہیں جو ہرگز زیبا نہیں حتیٰ کہ جنابت کی حالت میں داخل ہونے سے بھی احتراز نہیں کرتے۔

قوله ويرد هدية الخ قاضی ہدیے اور سوغات نہ لے واپس کردے ہاں اگر کوئی قرابتدار یا وہ شخص ہدیہ پیش کرے جس کی قبل از قضا ہدیہ دینے کی عادت تھی تو ان کے ہدایا قبول کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ ہدیہ بقدر عادت قدیمہ ہو اور ان میں خصومت نہ ہو ورنہ قبول نہ کرے۔ عدم قبول ہدیہ کی اصل دلیل وہ حدیث ہے جس میں آنحضرت ﷺ نے ایک عامل کے متعلق ارشاد فرمایا تھا'' **هلا جلس في بيت ابيه اوبيت امه فينظر ايهدى له ام لا**'' دعوت خاصہ کا بھی یہی حکم ہے۔ کہ قاضی اس میں شرکت نہ کرے' دعوت خاصہ وہ ہے' جس میں خاص طور سے قاضی کی خاطر داری ملحوظ ہو یعنی اگر صاحب دعوت کو یہ معلوم ہو جائے کہ قاضی نہیں آئے گا تو وہ دعوت نہ کرے۔ بعض کے نزدیک دعوت نکاح اور دعوت ختنہ کے علاوہ ہر دعوت خاصہ ہے۔ بعض کے نزدیک دس آدمیوں تک دعوت خاصہ ہے اور اس سے زیادہ دعوت عامہ۔

قوله ويسوى الخ قاضی کے لئے ضروری ہے کہ وہ خصمین مدعی اور مدعی علیہ کے درمیان بیٹھے۔ اور متوجہ ہونے میں مساوات برتے۔ اور سرگوشی' اشارہ' بلند آوازی' تلقین حجت اور ضیافت وغیرہ سے پرہیز کرے تا کہ کسی کی دل شکنی نہ ہو اور قاضی پر تہمت نہ لگے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب کوئی شخص مبتلا بالقضا ہو تو اسے چاہئے کہ مسلمانوں کے درمیان نشست' اشارہ اور نظر میں برابری رکھے اور احدالخصمین پر آواز بلند نہ کرے'' نیز طرفین کے نزدیک قاضی شاہد کو شہادت کی تلقین نہ کرے کیونکہ اس میں احدالخصمین کی اعانت ہے۔ امام ابو یوسف اور (ایک قول کے لحاظ سے) امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر شاہد پر ہیبت غالب ہو جس کی وجہ سے وہ شرائط شہادت اچھی طرح ادا نہ کر پائے۔ تو اس کی اعانت میں کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ محل تہمت نہ ہو کیونکہ اگر اس کو تلقین نہ کی جائے تو حق ضائع ہو جائے گا۔ بزازیہ اور قنیہ وغیرہ میں ہے کہ متعلقات قضا میں فتویٰ امام ابو یوسف کے قول پر ہے۔ جو بقول علامہ طحطاوی اکثری ہے نہ کہ کلی۔

ع...... لانها من حقوق المسلمين ۱۲۔ ع...... قال الله تعالى '' انما المشركون نجس ۱۲۔ لہ...... الجماعة الا البخاري عن كعب (وفي معناه روايات اخر) ۱۲۔ لہ...... والدليل عليه قوله عليه السلام لعمار '' تقتلك الفئة الباغية '' ولا خلاف انه كان مع علي وقتله اصحاب معاوية' قال امام الحرمين في كتاب الارشاد وعلي كان اماما حقا في ولاية ومقاتلوه بغاة' وحسن الظن بهم يقتضي ان يظن بهم قصد الخير ۱۲۔ تخریج زیلعی۔

ع...... جس نے یہ کہا تھا ہذا لکم وہذا لی'' ۱۲ ع...... بخاری عن ابی حمید ۱۲۔ لہ...... ابن راہویہ' طبرانی' دار قطنی عن ام سلمہ ۱۲

فَصْلٌ: وَاِذَا ثَبَتَ الْحَقُّ لِلْمُدَّعِي اَمَرَهُ بِدَفْعِ مَا عَلَيْهِ فَاِنْ اَبٰى حَبَسَهُ فِي الثَّمَنِ وَالْقَرْضِ وَالْمَهْرِ الْمُعَجَّلِ

(فصل) جب ثابت ہو جائے حق مدعی کا تو حکم کرے مدعا علیہ کو اس کے دیدینے کا اگر وہ انکار کرے تو اس کو قید کر لے ثمن قرض مہر معجّل اور اس کے

وَمَا الْتَزَمَهُ بِالْكَفَالَةِ لاَ فِي غَيْرِهٖ اِنْ ادَّعَى الْفَقْرَ اِلاَّ اَنْ يُثْبِتَ غَرِيْمُهُ غِنَاهُ

بارے میں جس کا اس نے التزام کیا ہو کفالت سے نہ کہ اس کے علاوہ میں اگر دعوی کرے فقر کا مگر یہ کہ ثابت کردے قرضخواہ اس کی مالداری

فَيَحْبِسُهُ بِمَا رَاٰى ثُمَّ يَسْاَلُ عَنْهُ فَاِنْ لَمْ يَظْهَرْ لَهُ مَالٌ خَلاَّهُ وَلَمْ يَحُلْ بَيْنَهُ وَبَيْنَ غُرَمَائِهٖ

پس قید کرے جس قدر مصلحت ہو پھر پوچھے اس کے متعلق اگر اس کا کوئی مال ظاہر ہو تو چھوڑ دے اور حائل نہ ہو اس کے اور اس کے قرضخواہوں کے

وَرَدُّ الْبَيِّنَةِ عَلٰى اَفْلاَسِهٖ قَبْلَ حَبْسِهٖ وَبَيِّنَةُ الْيَسَارِ اَحَقُّ وَاَبَّدَ حَبْسَ الْمُوْسِرِ

درمیان اور رد کردے بینہ جو اس کے افلاس پر ہو قید سے پہلے اور تونگری کا بینہ زیادہ قابل سماع ہے اور ہمیشہ قید رکھے مالدار کو

وَيَحْبِسُ الرَّجُلَ لِنَفْقَةِ زَوْجَتِهٖ لاَ فِي دَيْنِ وَلَدِهٖ اِلاَّ اِذَا اَبٰى مِنَ الاِنْفَاقِ عَلَيْهِ وَاللهُ اَعْلَمُ.

اور قید کرے مرد کو اس کی بیوی کے نفقہ کی بابت نہ کہ بیٹے کے دین کی بابت مگر اس وقت جبکہ وہ اس پر خرچ کرنے سے انکار کرے۔

جیل خانہ کے احکام

توضیح اللغۃ: غنا مالداری، خلاہ رہا کردے، لم تحل حائل نہ ہو، غرماء جمع غریم، قرض خواہ، افلاس غربت، یسار: مالداری، ابد تابید سے ہے۔ ہمیشہ کرنا، موسر مالدار، انفاق خرچ کرنا۔

تشریح الفقہ: **قولہ فصل الخ** اس فصل میں جیل خانہ کے احکام ہیں اور یہ احکام گو احکام قضا ہی سے متعلق ہیں مگر ان میں سے بہت سے احکام مخصوص بالحبس ہیں اس لئے مصنف ان کو علیحدہ فصل میں ذکر کر رہا ہے۔ حبس لغۃً منع کرنے اور روکنے کو کہتے ہیں جو حبسہ (ض) حبساً کا مصدر ہے۔ پھر اس کا اطلاق موضع حبس یعنی جیل خانہ پر ہونے لگا۔ وتجمع علی حبوس کفلس وفلوس۔ (مصباح) مشروعیت جس قرآن کریم سے ثابت ہے حق تعالی کا ارشاد ہے" اوینفو امن الارض "یا ان کو (یعنی ڈاکوؤں کو) زمین سے نکال دیا جائے۔ اس میں نفی ارض سے مراد حبس ہے۔ کیونکہ تمام روئے زمین سے نکالنا ممکن نہیں۔

فائدہ: آنحضرت ﷺ صدیق اکبر، عمر فاروق، عثمان غنی رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ میں کوئی مستقل جیل خانہ نہیں تھا بلکہ مسجد میں یا دہلیز میں محبوس کر دیا جاتا تھا (ایک قول یہ بھی ہے کہ عمر فاروق نے مکہ معظمہ میں ایک گھر چار ہزار درہم میں خرید کر جیل خانہ بنایا تھا) جب حضرت علی کا دور آیا تو آپ نے قید خانہ ایجاد کیا جو بانس سے بنایا گیا تھا اور نافع کے نام سے موسوم تھا مگر اس میں چور ایسا کرتے تھے کہ کونھل (نقب) لگایا اور قیدیوں کو نکال لے گئے تو حضرت علی نے مٹی کے ڈھیلوں سے ایک قید خانہ بنایا جس کا نام مخیس تھا یعنی موضع تذلیل یا ذلیل کرنے والا مکان وفیہ یقول

الا ترانی کیسا عکیسا   بنیت بعد نافع مخیسا

---

(۱) فی الفوائد الفقهیه لایحبس الاصل فی دین فرعه والمولی فی دین عبده الماذون غیر المدیون والعبدبدین مولاه والمولی بدین مکاتبه ان کان من جنس بدل الکتابة والمکاتب بدین الکتابة ' والصبی علی دین الاستهلاک والعاقلة فی دیته وارش اذاکان لهم عطاو فی البحر لایحبس المدیون اذا علم القاضی ان له مالا غائباً او محبوسا موسرا فصارت تسعاً ۱۲ بحر۔

قولہ واذا ثبت الخ جب مدعی کا حق ثابت ہو جائے تو قاضی مدعا علیہ کو قید کرنے میں شتابی نہ کرے بلکہ اس کو ادائیگی حق کا حکم کرے خواہ مدعی کا حق اس کے اقرار سے ثابت ہوا ہو یا بینہ سے۔ اب اگر مدعی علیہ ادائیگی حق سے انکار کرے اور مدعی کا حق وہ دین ہو جو مال کا عوض ہے یا کسی عقد کے ذریعہ لازم کرلیا ہے جیسے ثمن (گو بعوض منفعت ہو جیسے اجرت) قرض (گو کسی ذمی کا ہو) مہر معجل اور وہ دین جو اس کو عقد کفالت کی وجہ سے لازم ہوا ہو (گو کفالت بالدرک ہو یا ضامن کا ضامن ہوا گرچہ ضامن بکثرت ہوں) تو ان صورتوں میں قاضی مدعی علیہ کو قید کرے اور اگر وہ یہ کہے کہ میں محتاج ہوں تو اس کی بات نہ مانے کیونکہ دعوی فقیر و افلاس امور مذکورہ کے منافی ہے اس واسطے کہ جب اس کے پاس مال یعنی مبیع اور قرض آیا ہے ادائیگی دین پر قدرت ثابت ہو چکی نیز قبول مہر اور قبول کفالت پر اقدام اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ایفائے حق پر قادر ہے لہٰذا اس کا یہ کہنا کہ میں محتاج ہوں مسموع نہ ہوگا۔ اور اگر مدعی کا حق اشیاء اربعہ مذکورہ کے علاوہ ہو جس کی نو صورتیں ہیں (۱) مدعی کا حق بدل خلع (۲) بدل مغصوب ہو (۳) اس چیز کا بدل ہو جو اس نے تلف کر ڈالی (۴) بدل دم عمد (۵) بدل عتق نصیب شریک ہو (۶) ارش جنایت ہو (۷) قرابتدار کا نفقہ ہو (۸) بیوی کا نفقہ ہو (۹) مہر مؤجل ہو۔ اور ان امور میں مدعی علیہ اپنے افلاس کا دعوی کرے تو قاضی اس کو قید نہ کرے اس واسطے کہ ہر شخص کے حق میں اصل عسرت و ناداری ہے کیونکہ ہر شخص عدیم المال پیدا ہوا ہے۔ اور مدعی امر عارض یعنی مالداری کا دعوی کر رہا ہے۔ تو اس کا دعوی بلا شہادت مقبول نہ ہوگا۔ ہاں اگر مدعی اس کی تونگری ثابت کر دے تو قاضی اپنی صوابدید کے مطابق اس کو قید کرے اور لوگوں سے اس کے متعلق پوچھ گچھ کرے کہ آیا اس کے پاس کچھ مال ہے یا نہیں اگر مال ظاہر نہ ہو تو اس کو رہا کر دے کیونکہ اب وہ مالدار ہونے تک مہلت دیے جانے کا مستحق ہو چکا ہے۔ تو اب اس کو قید رکھنا ظلم ہے۔ پھر اگر رہائی کے بعد ارباب دیون اس کے ساتھ لگے رہنا چاہیں تو امام صاحب کے نزدیک قاضی ان کو منع نہ کرے۔ کیونکہ محبوس مفلس کو ایفائے حق پر قدرت کے حصول تک مہلت ہے اور حصول قدرت ہر وقت ممکن ہے اس لئے وہ اس کے پیچھے لگے رہیں تا کہ وہ کہیں مال چھپا نہ دے صاحبین اس کے خلاف ہیں۔

قولہ ورد البینۃ الخ اگر مدیون قید ہونے سے پہلے اپنے افلاس پر بینہ قائم کرے تو بینہ مقبول نہ ہوگا۔ ابو بکر اسکاف اور ماوراء النہر کے عام مشائخ نے اس کی تصحیح کی ہے (کمافی فی الھدایۃ والنھایۃ) کیونکہ یہ بینہ نفی غنا پر ہے تو بلا تائید مؤید مقبول نہ ہوگا بخلاف اس کے کہ وہ قید ہونے کے بعد بینہ قائم کرے۔ کہ اس صورت میں اس کا بینہ مؤید ہے کیونکہ کچھ مدت تک قید رہنے کے بعد یہ ظاہر ہو گیا کہ اگر اس کے پاس مال ہوتا تو وہ جیل خانہ کی سختیاں نہ اٹھاتا۔ امام محمد سے ایک روایت ہے کہ قبل از حبس بھی بینہ مقبول ہے۔ ابو بکر محمد بن فضل اسماعیل بن حماد بن ابی حنیفہ اور نصر بن یحیٰی وغیرہ کا فتوی اسی روایت پر ہے اور یہی امام شافعی اور امام احمد کا قول ہے۔

قولہ ویحبس الخ اگر شوہر بیوی کے نفقہ سے باز رہے اور نہ دے تو اس سلسلہ میں شوہر کو قید کیا جائے گا کیونکہ وہ امتناع کیوجہ سے ظالم ہے اور حبس ظلم کا بدلہ ہے لیکن اگر شوہر کے ذمہ بیوی کا گزشتہ نفقہ جمع ہو گیا تو اس کی وجہ سے قید نہیں کیا جائیگا۔ کیونکہ وہ وقت گزر جانے کی وجہ سے ساقط ہو جاتا ہے۔

قولہ لافی دین الخ باپ کو اس کی اولاد کے دین کے سلسلہ میں قید نہیں کیا جائے گا اس واسطے کہ حبس ایک قسم کی عقوبت ہے۔ اور جب والدین کو بموجب نص قرآنی اف کہنا بھی حرام ہے تو عقوبت حبس کے کب مستحق ہو سکتے ہیں۔ ہاں اگر باپ اولاد پر خرچ کرنے سے باز رہے تو قید کر دیا جائیگا کیونکہ عدم انفاق کی صورت میں بچوں کی ہلاکت کا اندیشہ ہے۔

محمد حنیف غفرلہ

باب کتاب القاضی الی القاضی وغیرہ

باب ایک قاضی کی جانب سے دوسرے قاضی وغیرہ کی جانب خط لکھنے کے بیان میں

وَيَكْتُبُ الْقَاضِي اِلَى الْقَاضِي فِي غَيْرِ حَدٍّ وَقَوَدٍ فَاِنْ شَهِدُوْا عَلٰى خَصْمٍ حَكَمَ بِالشَّهَادَةِ وَكَتَبَ بِحُكْمِهٖ

اور لکھ سکتا ہے قاضی دوسرے قاضی کے پاس حد اور قصاص کے علاوہ میں پس اگر گواہ گواہی دیں مقابل پر تو حکم کرے گواہی سے اور لکھ بھیجے اپنا حکم

وَهُوَ الْمَدْعُوّ سِجِلًّا وَاِلَّا لَمْ يَحْكُمْ وَكَتَبَ الشَّهَادَةَ لِيَحْكُمَ الْمَكْتُوْبُ اِلَيْهِ بِهَا وَهُوَ الْكِتَابُ الْحُكْمِيُّ

اسی کو سجل کہتے ہیں ورنہ حکم نہ کرے بلکہ گواہی لکھ بھیجے تاکہ حکم کرے مکتوب الیہ اس گواہی کے مطابق اسی کو کتاب حکمی کہتے ہیں

وَهُوَ نَقْلُ الشَّهَادَةِ فِي الْحَقِيْقَةِ وَقَرَأَ عَلَيْهِمْ وَخَتَمَ عِنْدَهُمْ وَسَلَّمَ اِلَيْهِمْ فَاِنْ وَصَلَ اِلَى الْمَكْتُوْبِ اِلَيْهِ

اور وہ درحقیقت نقل کرنا ہے گواہی کو اور پڑھے یہ خط گواہوں کے روبرو اور مہر لگا دے ان کے سامنے اور ان کو دیدے پس جب یہ خط پہنچے مکتوب الیہ

وَنَظَرَ اِلٰى خَتْمِهٖ وَلَمْ يَقْبَلْهُ بِلَاخَصْمٍ وَشُهُوْدٍ فَاِنْ شَهِدُوْا اَنَّهٗ كِتَابُ فُلَانٍ الْقَاضِي سَلَّمَهٗ

کے پاس تو دیکھے اس کی مہر کو اور نہ قبول کرے مقابل اور گواہوں کے حاضر ہوئے بغیر پس اگر وہ گواہی دیں کہ یہ فلاں قاضی کا خط ہے جو اس نے ہم

اِلَيْنَا فِي مَجْلِسِ حُكْمِهٖ وَقَرَأَهٗ عَلَيْنَا وَخَتَمَهٗ فَتَحَ الْقَاضِيْ وَقَرَأَهٗ عَلَى الْخَصْمِ وَاَلْزَمَهٗ مَافِيْهِ

کو اپنی کچہری میں دیا ہے اور ہمارے روبرو پڑھا ہے اور مہر زد کیا ہے تو قاضی اس کو کھول کر مقابل پر پڑھے اور جو اس میں ہو اس کو لازم کر دے

وَيَبْطُلُ الْكِتَابُ بِمَوْتِ الْكَاتِبِ وَعَزْلِهٖ وَبِمَوْتِ الْمَكْتُوْبِ اِلَيْهِ اِلَّا اِذَا كَتَبَ بَعْدَ اِسْمِهٖ

اور باطل ہو جاتا ہے خط کاتب کی موت اور اس کی معزولی سے اور مکتوب الیہ کی موت سے مگر یہ کہ لکھدیا ہو اس کے نام کے بعد

وَاِلٰى كُلِّ مَنْ يَّصِلُ اِلَيْهِ مِنْ قُضَاةِ الْمُسْلِمِيْنَ لَا بِمَوْتِ الْخَصْمِ وَتَقْضِي الْمَرْأَةُ فِيْ غَيْرِ حَدٍّ وَقَوَدٍ.

کہ مسلمانوں کے قاضیوں میں سے جس کے پاس یہ خط پہونچے نہ کہ مقابل کی موت سے اور فیصلہ کر سکتی ہے عورت حد اور قصاص کے علاوہ میں

تشریح الفقہ: قولہ یکتب الخ اعیان منقولہ اور ہر اس حق میں ایک قاضی دوسرے قاضی کے پاس خط لکھ سکتا ہے جس کسی شبہ کی وجہ سے ساقط نہ ہو جیسے دین، نکاح، طلاق، شفعہ، وکالت، وصیت، ایصاء، وراثت، موت، قتل، موجب مال، نسب، غصب، امانت، مضاربت، عاریت، زمین، کپڑا اور غلام باندی وغیرہ امام محمد سے یہی مروی ہے۔ اسی پر متاخرین فقہاء ہیں اور یہی ائمہ ثلاثہ کا قول ہے اور اسی پر فتویٰ ہے' سقوط بالشبہہ کی قید سے حد اور قصاص خارج ہو گئے کہ ان میں خط پر عمل کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ وہ حقوق ہیں جو شبہ کی وجہ سے ساقط ہو جاتے ہیں۔

قولہ فان شھد و االخ اگر شاہد لوگ خصم حاضر پر گواہی دیں تو قاضی بواسطہ شہادت حکم کر کے اپنے حکم کو قلمبند کر لے تاکہ طول مدت سے واقعہ بھول نہ جائے۔ محفوظ رہے۔ اس کتاب کو جس میں قاضی کا حکم مندرج ہوتا ہے اسلاف کی اصطلاح میں سجل حکمی کہتے ہیں اور اگر خصم حاضر نہ ہو تو قاضی اس پر حکم نہ کرے کیونکہ یہ قضا علی الغائب ہے جو جائز نہیں بلکہ وہ گواہی اس قاضی کے پاس لکھ بھیجے جس کی ولایت میں خصم موجود ہے۔ تاکہ مکتوب الیہ قاضی اس گواہی کے مطابق فیصلہ کرے' قاضی کاتب اس مکتوب کو ان گواہوں کے سامنے پڑھے جو اس کا خط دوسرے قاضی کے پاس لے جائے گا۔ (یا ان کو صرف مضمون سے مطلع کرے) اور مہر لگا کر ان کے حوالے کر دے۔ یہ

عہ ...... اخرہ عن الحبس لانہ لما کان لا یتحقق فی الوجود الا بقاضیین کان مرکبا بالنسبۃ الی ما قبلہ والبسیط قبل المرکب واعلم ان ہذا الباب لیس من کتاب القضاء لانہ انما نقل شہادۃ او نقل حکم وانما اوردہ فیہ لانہ من عمل القضاۃ ۱۲۔ عہ ...... لانہ وارثہ یقوم مقامہ ۱۲۔

سب چیزیں طرفین کے نزدیک ضروری ہیں امام ابو یوسف بھی پہلے اسی کے قائل تھے بعد میں آپ نے رجوع کرلیا اور فرمایا کہ صرف انکو اس بات پر گواہ کرلینا کافی ہے کہ یہ فلاں قاضی کا خط ہے۔ شمس الائمہ سرخسی نے لوگوں کی سہولت کی خاطر اسی کو اختیار کیا ہے۔ پھر جب یہ خط مکتوب الیہ قاضی کے پاس پہونچے تو قاضی اس خط کو خصم اور گواہوں کی عدم موجودگی میں نہ پڑھے۔ کیونکہ یہ اداء شہادت کے درجہ میں ہے اس لئے ان کا حاضر ہونا ضروری ہے۔ اور جب شاہد اس بات کی گواہی دے چکیں کہ یہ فلاں قاضی کا خط ہے اس نے ہم کو اپنی مجلس قضا میں دیا ہے اور ہم کو پڑھ کر سنایا ہے اور مہر بھی لگائی ہے تو اب مکتوب الیہ قاضی اس خط کو کھولکر خصم کے سامنے پڑھے اور جو کچھ اس میں ہو اس کو خصم پر لازم کردے۔

قولہ ویبطل الخ اگر مکتوب الیہ قاضی کے پاس خط پہنچے یا اس کے پڑھنے سے پہلے قاضی کاتب کا انتقال ہوجائے تو اس کا خط باطل ہوجاتا ہے۔ کیونکہ یہ شہادت برشہادت کے درجہ میں ہے۔ اور فروع کی ادائیگی شہادت سے قبل اگر اصل کا انتقال ہوجائے تو فروع کی شہادت باطل ہوجاتی ہے۔ اسی طرح یہاں اس کا خط باطل ہوجائے گا امام ابو یوسف اور ائمہ ثلاثہ کے یہاں قاضی کا خط کسی طرح باطل نہ ہوگا۔

قولہ وتقضی الخ حدود وقصاص کے علاوہ دیگر حقوق میں عورت قاضی ہوسکتی ہے۔ کیونکہ وہ عورت گو ناقص العقل ہے لیکن حدود وقصاص کے علاوہ دیگر حقوق میں شہادت کی اہل ہے اور یہ پہلے ثابت ہو چکا کہ جو اہل شہادت ہے وہ اہل قضا بھی ہے۔ البتہ عورت کو قاضی بنانیوالا گنہگار ہوگا کیونکہ بخاری کی حدیث ہے کہ اس قوم کا بھلا نہ ہو جس نے اپنا کاروبار عورت کے سپرد کردیا۔

وَلاَ يَسْتَخْلِفُ قَاضٍ اِلَّا اَنْ يُفَوَّضَ اِلَيْهِ ذٰلِكَ بِخِلاَفِ الْمَأمُوْرِ بِالْجُمُعَةِ وَاِذَا رُفِعَ اِلَيْهِ حُكْمُ قَاضٍ

اور قاضی کسی کو اپنا نائب نہ بنائے مگر یہ کہ اس کو اس کا اختیار دیا ہو بخلاف اس کے جو مامور ہو جمعہ کی امامت کا جب آئے اس کے پاس حکم

قَبْلَهٗ اَمْضَاهُ اِنْ لَمْ يُخَالِفِ الْكِتَابَ وَالسُّنَّةَ الْمَشْهُوْرَةَ وَالاِجْمَاعَ وَيَنْفُذُ الْقَضَاءُ بِشَهَادَةِ الزُّوْرِ فِي الْعُقُوْدِ

پہلے قاضی کا تو اس کو نافذ کردے اگر قرآن، حدیث مشہور اور اجماع کے خلاف نہ ہو اور نافذ ہوگا قاضی کا فیصلہ جھوٹی گواہی سے عقود وفسوخ میں

وَالْفُسُوْخِ ظَاهِرًا وَبَاطِنًا لاَ فِي الاَمْلاَكِ الْمُرْسَلَةِ وَلاَ يُقْضِيْ عَلٰى غَائِبٍ اِلَّا اَنْ يَحْضُرَ مَنْ يَقُوْمُ مَقَامَهٗ

ظاہرا بھی اور باطنا بھی نہ کہ املاک مرسلہ میں اور نہ فیصلہ کیا جائے غائب پر مگر یہ کہ حاضر ہو اس کا قائم مقام

كَالْوَكِيْلِ وَالْوَصِيِّ اَوْ يَكُوْنُ مَا يَدَّعِيْ عَلَى الْغَائِبِ سَبَبًا لِمَا يَدَّعِيْهِ عَلَى الْحَاضِرِ كَمَنْ ادَّعٰى عَيْنًا فِيْ يَدِ

جیسے وکیل اور وصی یا ہو وہ چیز جس کا دعویٰ کرتا ہے غائب پر سبب اس کا جس کا دعویٰ کرتا ہے حاضر پر جیسے دعویٰ کرے معین چیز کا جو غیر کے قبضہ میں

غَيْرِهٖ اَنَّهٗ اِشْتَرَاهُ مِنْ فُلاَنٍ الْغَائِبِ وَيُقْرِضُ الْقَاضِيْ مَالَ الْيَتِيْمِ وَيَكْتُبُ الصَّكَّ لاَ الْوَصِيُّ وَالاَبُ.

ہے کہ یہ چیز میں نے خریدی ہے فلاں غائب سے اور قرض دے سکتا ہے قاضی یتیم کا مال اور لکھ لے چک نہ کہ وصی اور باپ

توضیح اللغۃ: زور جھوٹ۔ املاک مرسلہ جن میں ملک کا کوئی معین سبب مذکور نہ ہو۔ صک معرب چک۔

تشریح الفقہ: قولہ ولا یستخلف الخ قاضی امور قضاء میں کسی دوسرے کو اپنا نائب نہ بنائے کیونکہ حاکم وقت نے اس کو قاضی بنایا ہے۔ اس کی اجازت نہیں دی کہ وہ اپنی طرف سے دوسروں کو قاضی بنائے۔ ہاں اگر حاکم کی طرف سے اجازت ہو مثلاً وہ یہ کہدے کہ تو جس کو چاہے نائب بنالے یا میں نے تجھے قاضی القضاۃ کردیا کہ اول صراحۃ اور دوم دلالۃً اجازت ہے تو اس صورت میں وہ نائب بنا سکتا ہے۔ بخلاف اس کے جو بادشاہ کی جانب سے اقامت جمعہ پر مامور ہو کہ وہ بہر صورت نائب بنا سکتا ہے کیونکہ جمعہ کا وقت معین ہے اور انسان کو عوارض پیش آتے رہتے ہیں تو اقامت جمعہ کی اجازت دینا نائب بنانے کی بھی اجازت ہے۔ ورنہ جمعہ ہی فوت ہوجائے گا۔

ع .... دما فی شرح الدرر من ان الخطیب لیس لہ الاستخلاف ابتداء الا باذن لا اصل لہ ۱۲

قولہ واذا رفع الخ جب قاضی کے پاس کسی دوسرے قاضی کے حکم کا مرافعہ ہو اور قاضی اول کا حکم کتاب وسنت اور اجماع کے موافق ہو تو قاضی ثانی اس کو نافذ کر دے بشرطیکہ وہ حکم مجتہد فیہ ہو یعنی اس میں مجتہدین کا اختلاف ہو۔ اور ہر قول مستند بالدلیل ہو اور قاضی جانتا ہو کہ اس میں مجتہدین کا اختلاف ہے اگر وہ اختلاف مجتہدین سے ناواقف ہو تو قضا جائز نہیں۔ پس قاضی ثانی اس کو نافذ نہ کرے۔

فائدہ: جب قاضی نے مجتہد فیہ امر کو مختلف جان کر حکم کر دیا تو وہ مجمع علیہ ہو گیا اور دوسرے قاضی پر اس کی تنفیذ واجب ہو گئی جب کہ قاضی نے اپنے مذہب کے موافق حکم کیا ہو اگر حکم مذہب کے خلاف ہو اور نسیانا ہوا ہو تو امام صاحب کے نزدیک قاضی ثانی اس کو بھی نافذ کر سکتا ہے۔ اور اگر عمداً ایسا کیا ہو تو اس میں تنفیذ وعدم تنفیذ دونوں روایتیں ہیں ظاہر ترروایت تنفیذ کی ہے صاحبین کے نزدیک عمد اور نسیان دونوں صورتوں میں نافذ نہیں کر سکتا۔ محیط ہدایہ شرح وقایہ فتح القدیر وغیرہ میں ہے کہ فتوی صاحبین کے قول پر ہے۔

قولہ وینفذ الخ اگر کوئی مدعی بواسطہ سبب معین کسی چیز کا دعوی کر کے جھوٹے گواہوں سے اس کو ثابت کر دے اور قاضی اس کے متعلق حلت یا حرمت کا فیصلہ کر دے تو امام صاحب کے نزدیک عقود (بیع وشراء نکاح واجارہ) اور فسوخ (فرقت وطلاق رد بالعیب واقالہ) میں قاضی کا فیصلہ ظاہراً اور باطناً ہر دو اعتبار سے نافذ ہو گا۔ صاحبین امام زفر اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک صرف ظاہراً نافذ ہو گا۔ نہ کہ باطناً فتوی اسی پر ہے۔ بخلاف املاک مرسلہ کے کہ ان میں قاضی کا فیصلہ بالاجماع صرف ظاہر میں نافذ ہوتا ہے۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ جھوٹی گواہی صرف ظاہر میں حجت ہوتی ہے۔ نہ کہ باطن میں تو فیصلہ بھی صرف ظاہر میں نافذ ہو گا۔ کیونکہ قضا کا نفاذ بقدر حجت ہوتا ہے امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ ایک شخص نے حضرت علی کے سامنے ایک عورت پر نکاح کا دعوی کیا اور اس کو جھوٹے گواہوں سے ثابت کر دیا۔ حضرت علی نے ان دونوں کے درمیان ثبوت نکاح کا فیصلہ فرما دیا اس پر عورت نے کہا: امیر المومنین اگر اس کے علاوہ کوئی چارہ ہی نہیں تو اس سے میرا نکاح کر دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ تیرے دونوں شاہدوں نے تیرا نکاح کر دیا۔ وجہ استدلال یہ ہے کہ یہاں شہود بلاشبہ کاذب تھے اور عورت طالب نکاح تھی اور مرد بھی راغب تھا اس کے باوجود آپ نے نکاح کی تجدید نہیں فرمائی معلوم ہوا کہ شہود زور سے فیصلہ نافذ ہو جاتا ہے۔ ورنہ آپ تجدید نکاح سے پہلو تہی نہ فرماتے۔ نیز قاضی کا فیصلہ قطع منازعت واطلاق تصرف کیلئے ہوتا ہے۔ جس کا نفاذ ظاہراً اور باطناً ہر دو اعتبار سے شریعت میں معہود ہے۔ چنانچہ زوجین کے درمیان تفریق باللعان باطناً نافذ ہوتی ہے۔ حالانکہ عدم طلاق اور کذب زوج کا احتمال موجود ہے۔ اسی طرح اگر متعاقدین باہم اختلاف کریں اور قسم کھالیں تو قاضی عقد کو فسخ کر سکتا ہے اور یہ فسخ باطناً بھی نافذ ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ بائع کے لئے امۃ مبیعہ کیساتھ وطی جائز ہوتی ہے۔ تو باقی عقود وفسوخ میں بھی قاضی کا فیصلہ نافذ ہو گا۔

تنبیہ: جھوٹے گواہوں کے ذریعہ قاضی کا فیصلہ کو مختلف فیہ ہے کہ امام صاحب کے نزدیک ظاہراً اور باطناً ہر دو اعتبار سے نافذ ہے۔ اور دیگر ائمہ کے نزدیک صرف ظاہراً نافذ ہوتا ہے۔ لیکن مدعی کے مرتکب کبیرہ اور لائق باز پرس ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں۔ سب کے نزدیک وہ گنہگار ہو گا۔ نیز امام صاحب گو نفاذ کے قائل ہیں لیکن نفاذ چند شرطوں کیساتھ مشروط ہے جن کو یاد رکھنا ضروری ہے۔ اول یہ کہ محل قابل قضا ہو تو اگر کسی نے کسی عورت پر اپنی منکوحہ ہونے کا دعوی کیا حالانکہ عورت کا شوہر موجود ہے یا وہ معتدہ یا مرتدہ ہے۔ یا مصاہرت یا رضاعت کے سبب سے مدعی کی محرم ہے تو قاضی کا فیصلہ نافذ نہ ہو گا نہ ظاہراً اور نہ باطناً۔ کیونکہ قضاء قاضی گویا عقد جدید کا انشا ہے اور یہاں محل قابل انشا نکاح نہیں ہے۔ دوم یہ کہ قاضی شہود کے کذب سے ناواقف ہو اگر وہ جانتا ہو کہ گواہ جھوٹے ہیں تو فیصلہ نافذ ہو گا۔ سوم یہ کہ فیصلہ املاک مرسلہ میں نہ ہو (املاک مرسلہ کی تشریح آگے آرہی ہے) چہارم یہ کہ مسئلہ تزوج میں بوقت قضا شاہد موجود ہوں (اکثر فقہا اسی کے قائل ہیں) اگر ان کی عدم موجودگی میں فیصلہ ہوا ہو تو نافذ نہ ہو گا۔

قولہ فی العقود الخ مثلاً مشتری نے ایک شخص پر دعوی کیا کہ اس نے اپنی باندی اتنی قیمت میں میرے ہاتھ فروخت کی ہے اور بائع نے اس کا انکار کیا اس پر مدعی نے جھوٹے گواہ قائم کر کے بیع ثابت کی۔ اور قاضی نے مشتری کے حق میں باندی کا فیصلہ کر دیا۔ تو امام

صاحب کے نزدیک فیصلہ ظاہراً اور باطناً نافذ ہے۔اور مشتری کے لئے باندی کیساتھ وطی حلال ہے۔اسی طرح ایک عورت نے اپنے شوہر پر تین طلاقوں کا دعوی کیا۔اور جھوٹے گواہوں سے دعوی ثابت کر دیا قاضی نے ان کے درمیان تفریق کا فیصلہ کر دیا۔اور عورت نے عدت کے بعد کسی دوسرے شوہر سے نکاح کرلیا تو امام صاحب کے نزدیک پہلے شوہر کیلئے اس عورت سے وطی حلال نہیں۔نہ ظاہراً اور نہ باطناً۔ اور شوہر ثانی کے لئے ہر طرح حلال ہے خواہ وہ حقیقت حال سے واقف ہو یا نہ ہو اسی پر باقی عقود وفسوخ کو قیاس کرلو۔

قولہ لافی الاملاک الخ املاک مرسلہ جن میں ملک کا کوئی معین سبب مذکور نہ ہوں ان میں قاضی کا فیصلہ بالاجماع صرف ظاہر میں نافذ ہوتا ہے۔اس واسطے کہ ملک کے مختلف اسباب ہو سکتے ہیں کبھی ملک شرا سے ثابت ہوتی ہے کبھی وراثت سے۔الی غیر ذلک تو یہاں بطریق اقتضاء اثبات سبب سابق علی القضاء ممکن نہیں۔بخلاف نکاح وغیرہ عقود کے کہ بطریق اقتضا قاضی پر مقدم ہو جاتے ہیں اس لئے ان میں قضا قاضی کی تصحیح ممکن ہے۔

قولہ ولو یقضی الخ احناف کے یہاں قضا بر غائب صحیح نہیں خواہ وہ اس کے حق میں مفید ہو یا مضر ہو۔ ہاں اگر اس کا کوئی نائب موجود ہو اس کی موجودگی میں قضا علی الغائب جائز ہے خواہ نائب حقیقی ہو جیسے اس کا وکیل، وصی اور متولی وقف یا نائب حکمی ہو اس کی بہت سی صورتیں ہیں جن میں سے انتیس صورتیں مجتبی میں مذکور ہیں ان میں سے ایک صورت یہ ہے کہ مدعی جو دعوی غائب پر کر رہا ہے وہ اس دعوی کا سبب ہو جو دعوی شخص حاضر پر ہے۔مثلاً زید کے قبضہ میں ایک مکان ہے کسی نے اس مکان کا دعوی کیا اور قابض پر گواہ قائم کئے کہ اس نے یعنی مدعی نے یہ مکان فلاں غائب سے خریدا ہے۔حاکم نے قابض حاضر کے خلاف فیصلہ کر دیا تو یہی فیصلہ شخص غائب پر بھی ہو جائے گا۔اب اگر وہ حکم کے بعد وہ غائب شخص آ کر بیع کا انکار کرے تو معتبر نہ ہوگا۔ائمہ ثلاثہ کے یہاں قضا علی الغائب جائز ہے۔اور دلیل یہ حدیث ہے ''البینة علی المدعی و الیمین علی من انکر'' اس حدیث میں حضور و عدم حضور کی کوئی قید نہیں۔پس حضور خصم کی شرط لگانا زیادتی بلا دلیل ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ نے حضرت علی کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تو ارشاد فرمایا تھا کہ احد الخصمین کیلئے حکم نہ کرنا جب تک کہ تو دوسرے کا کلام نہ سن لے معلوم ہوا کہ دوسرے کے کلام کا معلوم نہ ہونا مانع حکم ہے۔اور ظاہر ہے کہ جب خصم یا اس کا نائب غائب ہو تو اس کے کلام کا علم نہیں ہو سکتا اس لئے عدم موجودگی میں فیصلہ نہیں کیا جا سکتا' نیز شہادت پر عمل کرنا قطع منازعت کیلئے ہوتا ہے اور منازعت اس وقت ہوگی جب دوسرے کی طرف سے انکار ہو اور یہاں انکار نہیں پایا گیا۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

باب التحکیم

باب پنچ بنانیکے بیان میں

حَكَّمَا رَجُلاً لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمَا فَحَكَمَ بِبَيِّنَةٍ اَوْ اِقْرَارٍ اَوْ نُكُوْلٍ فِي غَيْرِ حَدٍّ وَقَوَدٍ وَدِيَةٍ عَلَى الْعَاقِلَةِ صَحَّ

دو آدمیوں نے پنچ بنایا ایک کو فیصلہ کے لئے پس اس نے فیصلہ کیا بینہ یا اقرار یا انکار سے حد اور قصاص اور عاقلہ پر دیت کے علاوہ میں تو یہ صحیح ہے

لَوْصَلُحَ الْمُحَكَّمُ قَاضِياً وَلِكُلٍّ مِنَ الْمُحَكِّمَيْنِ اَنْ يَرْجِعَ قَبْلَ حُكْمِهٖ فَاِنْ حَكَمَ لَزِمَهُمَا

اگر پنچ قاضی ہونے کے قابل ہو اور پنچ بنانے والوں میں سے ہر ایک رجوع کرسکتا ہے اس کے فیصلہ سے پیشتر اگر وہ فیصلہ کر چکا تو دونوں کو لازم

وَاَمْضٰى الْقَاضِيْ حُكْمَهٗ اِنْ وَافَقَ مَذْهَبَهٗ وَاِلَّا اَبْطَلَهٗ

ہوجائیگا اور نافذ کردے قاضی پنچ کا فیصلہ اگر اس کے مذہب کے موافق ہو ورنہ باطل کردے

وَبَطَلَ حُكْمُهٗ لِاَبَوَيْهِ وَوَلَدِهٖ وَزَوْجَتِهٖ كَحُكْمِ الْقَاضِيْ بِخِلَافِ حُكْمِهٖ عَلَيْهِمْ.

اور باطل ہوگا پنچ کا فیصلہ اپنے والدین اور زن وفرزند کے نفع کے لئے جیسے قاضی کا حکم بخلاف پنچ کے اس حکم کے جو ان کے لئے مضر ہو۔

تشریح الفقہ: **قولہ باب الخ** تحکیم فروعات قضا میں سے ہے اور حکم یعنی پنچ کا مرتبہ قاضی کے مرتبہ سے کم ہے کیونکہ قاضی کا حکم عام ہوتا ہے اور حکم کا حکم صرف اسی کیلئے ہوتا ہے جس نے اس کو پنچ تسلیم کیا ہے اس لئے مصنف تحکیم کو قضا کے بعد لا رہا ہے۔ تحکیم کی مشروعیت کتاب وسنت اور اجماع سب سے ثابت ہے قال تعالیٰ **فابعثوا حکماً من اھلہ وحکماً من اھلھا**" حدیث میں ہے کہ حضرت ابو شریح نے حضور اکرم ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ جب کسی چیز میں میری قوم کا اختلاف ہوتا ہے تو وہ میرے پاس آتے ہیں میں فیصلہ کر دیتا ہوں اور فریقین مجھ سے راضی ہو جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ خوب بات ہے یہ (نسائی) نیز جواز تحکیم پر صحابہ کا اجماع ہے چنانچہ روایت میں ہے کہ یہود حضرت سعد بن معاذ پر متفق ہوئے اور آپ نے بنو قریظہ کے درمیان فیصلہ کیا۔ اور اسی طرح حضرت عمر اور حضرت ابی بن کعب کے درمیان کچھ منازعت تھی ان حضرات نے حضرت زید بن ثابت کو حکم تسلیم کیا اور آپ نے فیصلہ کیا۔

قولہ ا لتحکیم الخ لغت میں تحکیم لوٹانے اور منع کرنے کو کہتے ہیں **ویقال ایضاً حکمتہ فی مالی اذا جعلت الیہ الحکیم فیہ**" میں نے فلاں شخص کو اپنے مال میں پنچ تسلیم کرلیا اور عرف میں تحکیم اس کو کہتے ہیں کہ متخاصمین کسی تیسرے شخص کو حاکم مقرر کرلیں جو ان دونوں کے درمیان حکم کرے۔ اس کا رکن لفظ تحکیم یا (مخاصم کا ہر وہ لفظ جو تحکیم پر دلالت کرے) اور محکم کا قبول کرنا ہے اور اس کی شرط یہ ہے کہ محکم عاقل ہو آزاد اور مسلمان ہونا شرط نہیں پس ذمیوں میں ذمی کا پنچ ہونا صحیح ہے اور یہ کہ محکم میں قضا کی لیاقت ہو یعنی وہ عاقل بالغ عادل مسلمان ہو نابینا بہرا محدود فی القذف نہ ہو۔

قولہ حکما رجلا الخ متخاصمین نے ایک شخص کو اپنے درمیان فیصلہ کیلئے پنچ مقرر کیا اور اس نے گواہی یا اقرار یا انکار کے ذریعہ ان میں فیصلہ کر دیا تو یہ صحیح ہے بشرطیکہ حد قصاص اور دیت علی العاقلہ کے سلسلہ میں نہ ہو اور قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ تحکیم ہر اس امر میں صحیح ہے جس کے کرنے کا متخاصمین کو اختیار ہو اور وہ بذریعہ صلح درست ہو جاتا ہو اور جو صلح سے جائز نہ ہوتا ہو اس میں تحکیم صحیح نہیں پس بتوع نکاح طلاق عتاق [illegible]ت کفالت شفعہ نفقہ اموال اور دیون میں تحکیم صحیح ہے اور حد زنا حد سرقہ حد قذف قصاص اور دیت علی العاقلہ میں تحکیم صحیح نہیں۔

ف... یعنی بھیجو ایک منصف مرد والوں میں سے اور ایک عورت والوں میں سے ۱۲

مَسَائِلُ شَتّٰی: لاَ یَتِدُ ذُوْ سِفْلٍ فِیْهِ وَلاَ یَنْقُبُ کُوَّةً بِلاَ رِضَی ذِی الْعِلْوِ زَائِغَةٌ مُسْتَطِیْلَةٌ یَتَشَعَّبُ عَنْهَا

(متفرق مسائل) میخ نہ گاڑے نیچے والا گھر میں اور نہ سوراخ کرے بالاخانہ والے کی رضا کے بغیر ایک لمبی گلی ہے جس سے ایک اور نکل رہی ہے

مِثْلُهَا غَیْرُ نَافِذَةٍ لاَیَفْتَحُ اَهْلُ الاُوْلٰی فِیْهِ بَابًا بِخِلاَفِ الْمُسْتَدِیْرَةِ اِدَّعٰی دَارًا فِی یَدِ رَجُلٍ

اسی جیسی مگر وہ آر پار نہیں ہے تو نہیں نکال سکتا پہلی گلی والا اس میں دروازہ بخلاف گول گلی کے دعویٰ کیا ایک گھر کا جو دوسرے کے پاس ہے کہ وہ

اَنَّهٗ وَهَبَهَا لَهٗ فِی وَقْتٍ کَذَا فَسُئِلَ الْبَیِّنَةَ فَقَالَ جَحَدَنِیْهَا فَاشْتَرَیْتُهَا وَبَرْهَنَ عَلَی الشِّرَاءِ

گھر اس نے اس کو ہبہ کر دیا تھا فلاں وقت اس سے بینہ طلب کیا گیا تو کہا اس نے ہبہ سے انکار کر دیا تھا پس میں نے اس کو خرید لیا اور بینہ لایا خرید پر

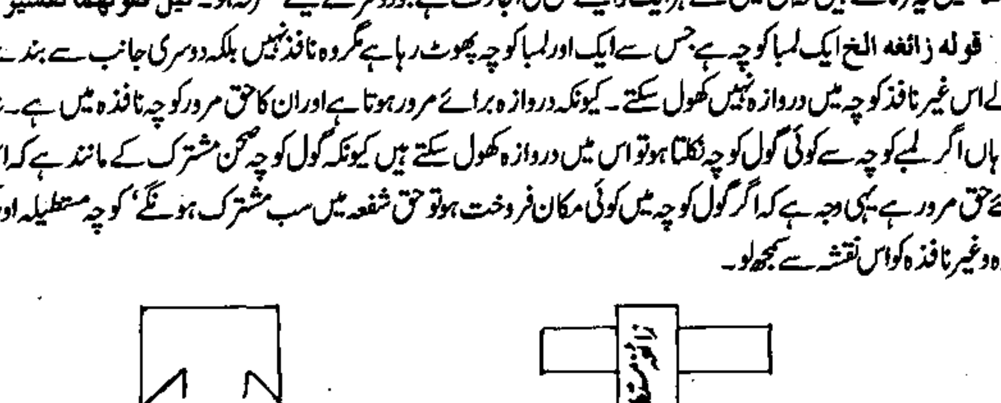
قَبْلَ الْوَقْتِ الَّذِیْ یَدَّعِی فِیْهِ الْهِبَةَ لاَ تُقْبَلُ وَبَعْدَهٗ تُقْبَلُ.

اس وقت سے پہلے جس میں ہبہ کا مدعی ہے تو قبول نہ ہوگا اور اگر اس کے بعد ہو تو قبول ہوگا۔

توضیح اللغۃ: شتّٰی جمع شتیت متفرق لایتد کیل نہ گاڑے کوہ طاق زائغہ کوچہ مستطیلۃ لمبا یتشعب بمعنی تفرع مستدیرۃ گول جحدنیہا اس نے مجھ سے اس کا انکار کر دیا تھا۔

تشریح الفقہ: قولہ لایتد الخ ایک مکان دو منزلہ ہے نیچے والا ایک شخص کا ہے اور اوپر والا دوسرے کا ہے تو امام صاحب کے نزدیک نیچے والا اوپر والے کی اجازت کے بغیر دیوار میں کھونٹی گاڑنے یا طاق کھودنے کا مجاز نہیں کیونکہ اس میں دوسرے کا کچھ نہ کچھ نقصان لازم آتا ہے صاحبین یہ فرماتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کو ایسے فعل کی اجازت ہے جو دوسرے کیلئے مضر نہ ہو۔ قیل فقولهما تفسیر لقوله۔

قولہ زائغہ الخ ایک لمبا کوچہ ہے جس سے ایک اور لمبا کوچہ پھوٹ رہا ہے مگر وہ نافذ نہیں بلکہ دوسری جانب سے بند ہے تو پہلے کوچہ والے اس غیر نافذ کوچہ میں دروازہ نہیں کھول سکتے۔ کیونکہ دروازہ برائے مرور ہوتا ہے اور ان کا حق مرور کوچہ نافذہ میں ہے۔ نہ کہ غیر نافذہ میں ہاں اگر لمبے کوچہ سے کوئی گول کوچہ نکلتا ہو تو اس میں دروازہ کھول سکتے ہیں کیونکہ گول کوچہ صحن مشترک کے مانند ہے کہ اس میں سب کیلئے حق مرور ہے یہی وجہ ہے کہ اگر گول کوچہ میں کوئی مکان فروخت ہو تو حق شفعہ میں سب مشترک ہونگے' کوچہ مستطیلہ اور کوچہ مستدیرہ نافذہ وغیر نافذہ کو اس نقشہ سے سمجھ لو۔



قولہ ادعی الخ زید نے عمرو پر ایک مکان کے متعلق دعویٰ کیا کہ عمرو نے مجھ کو یہ مکان ماہ رمضان میں ہبہ کر دیا تھا۔ زید سے اثبات ہبہ پر گواہی طلب کی گئی اس نے کہا کہ عمرو ہبہ کر کے منکر ہو گیا تھا اس لئے میں نے وہ مکان اس سے خرید لیا اور خریداری بینہ سے ثابت کر دی لیکن خریداری کا جو وقت اس نے ثابت کیا ہے وہ اس سے پہلے ہے جس میں ہبہ کا مدعی ہے مثلاً گواہوں نے کہا کہ شعبان میں خریدا ہے تو گواہی مقبول نہ ہوگی کیونکہ گواہی اور دعویٰ میں تناقض ہے ہاں اگر وہ خریداری وقت ہبہ کے بعد ثابت کرے تو مقبول ہوگی کیونکہ اب قول مدعی اور شہادت شہود میں تناقض نہیں تطبیق ممکن ہے۔

وَمَنْ قَالَ لِاٰخَرَ اِشْتَرَيْتَ مِنِّی هٰذِهِ الْاَمَةَ فَاَنْكَرَ لِلْبَائِعِ اَنْ يَطَأَهَا اِنْ تَرَكَ الْخُصُوْمَةَ وَمَنْ اَقَرَّ

جس نے کہا دوسرے سے کہ خریدی ہے تو نے مجھ سے یہ باندی اس نے انکار کیا تو بائع اس سے وطی کر سکتا ہے اگر وہ جھگڑا چھوڑ دے جس نے اقرار

بِقَبْضِ عَشَرَةٍ ثُمَّ ادَّعٰی اَنَّهَا زُيُوْفٌ صُدِّقَ مَعَ يَمِيْنِهٖ وَمَنْ قَالَ لِاٰخَرَ لَكَ عَلَیَّ اَلْفٌ فَرَدَّهٗ

کیا دس روپیہ لینے کا پھر دعویٰ کیا کہ وہ کھوٹے تھے تو تصدیق کی جائے گی اس کی قسم کیساتھ جس نے کہا دوسرے سے کہ تیرے مجھ پر ہزار ہیں اس نے رد

ثُمَّ صَدَّقَهٗ فَلَا شَیْءَ عَلَيْهِ وَمَنِ ادَّعٰی عَلٰی اٰخَرَ مَالًا فَقَالَ مَا كَانَ لَكَ عَلَیَّ شَیْءٌ قَطُّ فَبَرْهَنَ الْمُدَّعِیْ عَلَی الْاَلْفِ

کر دیا پھر اسکی تصدیق کی تو اس پر کچھ نہ ہوگا جس نے دعویٰ کیا دوسرے پر مال کا اس نے کہا کہ مجھ پر تیرا کبھی کچھ نہیں تھا پس مدعی گواہ لایا ہزار پر

وَهُوَ بَرْهَنَ عَلَی الْقَضَاءِ اَوِ الْاِبْرَاءِ قُبِلَ وَلَوْ زَادَ وَلَا اَعْرِفُكَ لَا

اور مدعا علیہ گواہ لایا ادائیگی پر یا بری کر دینے پر تو اس کے گواہ قبول کئے جائیں گے اور اگر یہ بھی کہہ دیا کہ میں تجھے پہچانتا ہی نہیں تو نہیں،

وَمَنِ ادَّعٰی عَلٰی اٰخَرَ اَنَّهٗ بَاعَهٗ اَمَتَهٗ فَقَالَ لَمْ اَبِعْهَا مِنْكَ قَطُّ فَبَرْهَنَ عَلَی الشِّرَاءِ فَوَجَدَ بِهَا

جس نے دعویٰ کیا دوسرے پر کہ اس نے بیچی ہے میرے ہاتھ اپنی باندی اس نے کہا میں نے تیرے ہاتھ نہیں بیچی پس وہ بینہ لایا خرید پر پھر پایا اس میں

عَيْبًا فَبَرْهَنَ الْبَائِعُ اَنَّهٗ بَرِیْءَ اِلَيْهِ مِنْ كُلِّ عَيْبٍ لَمْ تُقْبَلْ وَيَبْطُلُ الصَّكُّ بِاِنْ شَاءَ اللّٰهُ وَاِنْ مَاتَ ذِمِّیٌّ

کوئی عیب اور بینہ لایا بائع ہر عیب سے بری ہونے پر تو قبول نہ کیا جائیگا اور باطل ہو جاتی ہے چک ان شاء اللہ سے اگر مر گیا کوئی ذمی

فَقَالَتْ زَوْجَتُهٗ اَسْلَمْتُ بَعْدَ مَوْتِهٖ وَقَالَتِ الْوَرَثَةُ اَسْلَمْتِ قَبْلَ مَوْتِهٖ فَالْقَوْلُ لَهُمْ

پس کہا اس کی بیوی نے کہ میں مسلمان ہوگئی ہوں اس کی موت کے بعد اور ورثہ نے کہا کہ تو مسلمان ہوگئی تھی اس کی موت سے پہلے تو قول ورثہ کا

وَاِنْ قَالَ الْمُوْدَعُ هٰذَا ابْنُ مُوْدِعِیْ لَا وَارِثَ لَهٗ غَيْرُهٗ دَفَعَ الْمَالَ اِلَيْهِ وَاِنْ قَالَ لِاٰخَرَ هٰذَا ابْنُهٗ اَيْضًا

معتبر ہوگا اگر کہا مودع نے کہ یہ میرے مودع کا بیٹا ہے اس کا کوئی اور وارث نہیں تو دیدے مال اس کو اور اگر کہا کسی اور کے لئے کہ یہ بھی اس کا بیٹا

وَكَذَّبَهُ الْاَوَّلُ قُضِیَ لِلْاَوَّلِ مِيْرَاثٌ قُسِّمَ بَيْنَ الْغُرَمَاءِ لَا يُكَفَّلُ مِنْهُمْ وَلَا مِنْ وَارِثٍ.

ہے اور پہلے نے اس کی تکذیب کی تو فیصلہ اول ہی کے لئے ہوگا اگر کسی کی میراث تقسیم کی جائے اس کے قرضخواہوں کے درمیان تو ان سے کفیل نہ

لیا جائے　اور　نہ　وارث　سے

تشریح الفقہ: قولہ ومن قال الخ زید نے عمرو سے کہا کہ تو نے مجھ سے یہ باندی خریدی ہے۔ عمرو نے خریدنے کا انکار کیا تو بائع (زید) کیلئے اس باندی کیساتھ صحبت کرنا جائز ہے۔ بشرطیکہ بائع نے خصومت کو ترک کر دیا ہو اور ترک خصومت اس فعل سے مقارن ہو جو فسخ بیع سے راضی ہونے پر دال ہو جیسے باندی کو رکھ لینا اسکو اپنے گھر لے آنا وغیرہ۔ صحبت اس لئے جائز ہوئی کہ نکاح کے علاوہ باقی عقود کا انکار کرنا فسخ ہوتا ہے پس مشتری (عمرو) کے انکار سے بیع فسخ ہوگئی اور باندی بائع کی ملک میں داخل ہوگئی لہذا صحبت جائز ہے۔

قولہ ومن قال لاخر لک علی الخ زید نے عمرو کے لئے اقرار کیا اور کہا کہ تیرے مجھ پر ہزار درہم ہیں مقرلہ (عمرو) نے اس کا اقرار رد کر دیا یعنی یہ کہہ دیا کہ میرا تجھ پر کچھ نہیں اس کے بعد اس کی تصدیق کرتا ہے تو مقرلہ کے لئے کچھ نہ ہوگا کیونکہ اس کے رد کرنے سے مقر کا اقرار رد ہوگیا اور رد کر دینے کے بعد تصدیق کرنا مستقل دعویٰ ہے تو اس کے ثبوت کے لئے گواہی یا تصدیق خصم ضروری ہے مصنف نے الف یعنی مال کے اقرار کی قید اس لئے لگائی کہ رقیت طلاق اعتاق نسب اور ولاء کا اقرار کر دینے سے رد نہیں ہوتا اور تصدیق بعد الرد کی

قید اس لئے لگائی کہ اگر پہلے مقر کا اقرار قبول کر کے پھر رد کرے تو مردود نہ ہوگا۔

قولہ ومن ادعی علی آخر زید نے عمرو پر مال کا دعوی کیا عمرو نے کہا کہ تیرا مجھ پر کچھ بھی نہیں۔ مدعی (زید) نے بینہ سے ثابت کیا کہ میرا عمرو پر اتنا مال ہے ادھر مدعیٰ علیہ (عمرو) نے بینہ سے ثابت کر دیا کہ میں ادا کر چکا یا مدعی نے معاف کر دیا تھا تو مدعی علیہ (عمرو) کا بینہ مقبول ہوگا۔ امام زفر کے نزدیک مقبول نہ ہوگا کیونکہ ادائیگی وجوب کے بعد ہوتی ہے اور وہ وجوب کا انکار کر چکا۔ تو یہاں تناقض پیدا ہوگیا۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ یہاں گو ظاہراً تناقض ہے لیکن دفع تناقض ممکن ہے بایں احتمال کہ ہوسکتا ہے واقع میں مدعی کا مدعی علیہ پر کچھ نہ ہو اور مدعی علیہ نے جھگڑا مٹانے کیلئے ادا کر دیا ہو یا واقعۃً مدعی کا حق ہو اور مدعی نے دفع خصومت کے پیش نظر معاف کر دیا ہو ہاں اگر مدعی علیہ نے انکار کے بعد یہ بھی کہدیا ہو کہ میں تجھے جانتا بھی نہیں تو اب اس کا بینہ مقبول نہ ہوگا کیونکہ دو آدمیوں میں اخذ واعطاء قضاء واقتضاء معاملہ مصالحہ وغیرہ امور بلا معرفت نہیں ہوتے فتعذر التوفیق۔

قولہ انہ باعہ الخ زید نے عمرو پر دعوی کیا کہ اس نے (یعنی عمرو نے) اپنی باندی میرے ہاتھ فروخت کی ہے۔ مدعی علیہ (عمرو) نے کہا کہ میں نے نہیں بیچی اس پر مدعی (زید) نے خرید کو بینہ سے ثابت کر دیا اور باندی کو کسی عیب کی وجہ سے واپس کرنا چاہا اور مدعلی علیہ (عمرو) نے بینہ سے ثابت کیا کہ مشتری بائع سے اس کے ہر عیب کی براءت کر چکا ہے تو بائع (عمرو) کا بینہ مقبول نہ ہوگا کیونکہ اولاً اس نے بیع کا انکار کیا اور پھر اس کا مدعی ہوگیا کیونکہ وہ براءت عیب مبیع کا قائل ہوگیا اور براءت عیب مبیع بیع کے بغیر متصور نہیں فکان التناقض ظاھرًا۔

قولہ ویبطل الخ جس چک (مرقوم کاغذ) کے آخر میں انشاء اللہ لکھدیا جائے تو امام صاحب کے نزدیک اس کا کل مضمون باطل ہو جاتا ہے خواہ اس میں ایک شئی مرقوم ہو یا چند اشیا مرقوم ہوں کیونکہ وہ تمام شئی واحد کے مانند ہیں' صاحبین کے نزدیک صرف پچھلا مضمون باطل ہوگا جو انشاء اللہ سے متصل ہے۔ کیونکہ جملوں میں اصل استقلال ہے اور وثیقہ اعتماد کے لئے لکھا جاتا ہے تو اگر استثنا کل کی طرف راجع ہو تو کل کا بطلان لازم آتا ہے جو مقصود تحریر کے خلاف ہے اس لئے استثنا اسی کیطرف راجع ہوگا جو اس سے متصل ہے۔ صاحبین کا قول مبنی بر استحسان ہے جو امام صاحب کے قول پر راجح ہے۔ (کذا فی الفتح)۔

قولہ میراث الخ ایک شخص کا انتقال ہوا اور اس کا متروکہ مال ورثہ یا اس کے قرض خواہوں کے درمیان تقسیم کر دیا گیا تو ورثا اور اس کے قرض خواہوں سے اس بات پر کفیل نہیں لیا جائے گا کہ موجودہ ورثہ یا قرض خواہوں کے علاوہ میت کا کوئی اور وارث یا قرض خواہ نہیں ہے۔ صاحبین کے نزدیک کفیل لیا جائے گا کیونکہ ہوسکتا ہے کہ ترکہ میں کوئی اور وارث یا قرض خواہ نکل آئے۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ موجودہ ورثہ یا قرض خواہوں کا حق بالیقین ثابت ہو چکا ہے تو حق مرحوم کی وجہ سے تاخیر کی جائے گی علاوہ ازیں یہاں مکفول لہ مجھول ہے لہٰذا کفالت صحیح نہیں ہوسکتی۔ (فائدہ) اخذ وکیل میں اختلاف مذکور اس وقت ہے جب دین اور وراثت کا ثبوت بذریعہ شہادت ہو اور شاہدوں نے یہ نہ کہا ہو کہ ہم موجودہ ورثہ یا قرض خواہوں کے علاوہ میت کا کوئی اور وارث یا قرض خواہ نہیں جانتے اور اگر ارث و دین کا ثبوت اقرار سے ہو تو بالاتفاق کفیل لیا جائے گا اور اگر شہود یہ کہیں کہ ہم ان کے علاوہ میت کا کوئی اور وارث یا قرض خواہ نہیں جانتے تو بالاتفاق کفیل نہ لیا جائے گا۔

وَلَوْ ادَّعیٰ دَارًا اِرْثًا لِنَفْسِهٖ وَلِاَخٍ غَائِبٍ وَبَرْهَنَ عَلَيْهِ اَخَذَ نِصْفَ الْمُدَّعٰی فَقَطْ وَمَنْ قَالَ

اگر دعوی کیا گھر کا کہ یہ میراث ہے میرے لئے اور میرے بھائی کے لئے جو غائب ہے اور اس پر بینہ لے آیا تو لے لے مدعیٰ کا نصف، جس نے کہا

مَالِی اَوْ مَا اَمْلِکُ فَهُوَ لِلْمَسَاکِيْنِ صَدَقَةٌ فَهُوَ عَلیٰ مَالِ الزَّکٰوةِ وَلَوْ اَوْصیٰ بِثُلُثِ مَالِهٖ فَهُوَ عَلیٰ کُلِّ شَيْءٍ

کہ میرا مال یا جس کا میں مالک ہوں وہ مسکینوں پر صدقہ ہے تو یہ مال زکوۃ پر محمول ہوگا اور اگر وصیت کی اپنے تہائی مال کی تو یہ ہر چیز پر محمول ہوگا

وَمَنْ اَوصیٰ اِلَیْهِ وَلَمْ یَعْلَمْ بِالْوَصِیَّةِ فَهُوَ وَصِیٌّ بِخِلَافِ الْوَکِیْلِ وَمَنْ اَعْلَمَهٗ بِالْوَکَالَةِ صَحَّ تَصَرُّفُهٗ

جس کو وصی بنایا کسی نے اور وہ نہیں جانتا وصیت کو تو وہ وصی ہے بخلاف وکیل کے اگر کوئی خبر دے وکیل کو وکالت کی تو اس کا تصرف صحیح ہے

وَلاَ یَثْبُتُ عَزْلُهٗ اِلاَّ بِعَدْلٍ اَوْ مَسْتُوْرَیْنِ کَالاِخْبَارِ لِلسَّیِّدِ بِجِنَایَةِ عَبْدِهٖ وَلِلشَّفِیْعِ وَالْبِکْرِ

اور ثابت نہ ہوگا اس کا معزول ہونا مگر ایک عادل یا دو مستور الحال لوگوں کی خبر سے جیسے خبر دینا آقا کو غلام کی تقصیر کی اور شفیع کو اور کنواری لڑکی کو

وَالْمُسْلِمِ الَّذِیْ لَمْ یُهَاجِرْ وَلَوْ بَاعَ الْقَاضِیْ اَوْ اَمِیْنُهٗ عَبْدًا لِلْغُرَمَاءِ وَاَخَذَ الْمَالَ فَضَاعَ

اور اس مسلمان کو خبر دینا جس نے ہجرت نہیں کی اگر بیچدیا قاضی یا اس کے امین نے غلام قرض خواہوں کے لئے اور لے لیا مال پس وہ ضائع ہوگیا

وَاسْتُحِقَّ الْعَبْدُ لَمْ یَضْمَنْ وَرَجَعَ الْمُشْتَرِیْ عَلَی الْغُرَمَاءِ وَاِنْ اَمَرَالْقَاضِیْ الْوَصِیَّ بِبَیْعِهٖ لَهُمْ

اور غلام کسی اور کا نکل آیا تو ضامن نہ ہوگا اور رجوع کرے گا مشتری قرضخواہوں پر اور اگر حکم کیا قاضی نے وصی کو غلام بیچنے کا قرضخواہوں کے لئے

فَاسْتُحِقَّ اَوْ مَاتَ قَبْلَ الْقَبْضِ وَضَاعَ الْمَالُ رَجَعَ الْمُشْتَرِیْ عَلَی الْوَصِیِّ وَهُوَ عَلَی الْغُرَمَاءِ.

پھر وہ کسی اور کا نکلا یا مرگیا قبضہ سے پہلے اور ضائع ہوگیا مال تو رجوع کرے مشتری وصی پر اور وصی قرض خواہوں پر۔

تشریح الفقہ: **قولہ ولو ادعی الخ** ایک شخص نے اپنے اور اپنے بھائی کیلئے بطریق ارث ایک مکان کا دعوی کیا اور دعوی کو بینہ سے ثابت کردیا تو امام صاحب کے نزدیک موجودہ مدعی اپنا نصف حصہ لے لے اور باقی کو قابض کے پاس ضامن لئے بغیر چھوڑ دے خواہ قابض نے مدعی کے دعوی کا انکار کیا ہو یا نہ کیا ہو اس واسطے کہ موجودہ مدعی ارث میں غائب کیجانب سے خصم نہیں اور بلا خصم قاضی کو تعرض کرنا جائز نہیں لہٰذا مدعی اپنا حصہ لے ضمانت کی کوئی ضرورت نہیں، صاحبین فرماتے ہیں کہ اگر قابض نے مدعی کے دعوی کا انکار کردیا ہو تو باقی کو اس کے پاس نہ رکھے کیونکہ انکار کرنے سے اس کی خیانت ظاہر ہوگئی تو اب اس کے پاس رکھنا نقصان سے خالی نہیں۔

قولہ ومن قال الخ ایک شخص نے کہا کہ میرا مال یا جس چیز کا میں مالک ہوں وہ مساکین پر صدقہ ہے تو جس مال میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اس کی جنس پر محمول ہوگا۔ یعنی سائمہ جانور، سونا چاندی اور اسباب تجارت پس انہیں کا صدقہ واجب ہوگا نہ کہ ہر مال کا اور اگر اس نے ثلث مال کی وصیت کی تو وصیت ہر چیز پر واقع ہوگی۔ امام زفر فرماتے ہیں کہ پہلی صورت میں بھی ہر مملوک چیز کا صدقہ واجب ہوگا۔ اور قیاس بھی یہی چاہتا ہے کیونکہ لفظ مال تو عام ہے۔ وجہ استحسان یہ ہے کہ جس چیز میں حق تعالیٰ نے صدقہ واجب کیا ہے۔ بندہ کا ایجاب بھی اسی میں معتبر ہوگا اور مال زکوٰۃ وہی چیزیں ہیں جو اوپر مذکور ہوئیں بخلاف وصیت کے کہ وہ ہم جنس میراث ہے تو جیسے میراث ہر چیز میں جاری ہوتی ہے اسی طرح وصیت بھی ہر چیز میں جاری ہوگی۔

قولہ ومن اعلمہ الخ ایک شخص نے کسی کو اپنا وکیل بنایا اور وکیل کو اس کا علم نہیں پھر کسی نے وکیل کو بتادیا کہ فلاں شخص نے تجھ کو اپنا وکیل بنایا ہے تو وہ وکیل ہوجائے گا اور اس کے تصرفات صحیح ہوں گے خواہ مخبر عادل ہو یا غیر عادل، صغیر ہو یا کبیر بہر کیف مخبر کا صرف ممیز ہونا شرط ہے۔ اور کوئی چیز شرط نہیں۔ لیکن اگر مؤکل نے وکیل کو معزول کردیا ہو اور وکیل کو اس کا علم نہ ہو تو امام صاحب کے نزدیک ثبوت عزل

(۱) وجہ الفرق ان الوصیۃ خلافۃ فلا تتوقف علی العلم بخلاف الوکالۃ فانہا نیابۃ فلا بد من العلم ۱۲۔ (۲) یعنی لو اخبر فاسق السید بان عبدہ جنی خطاء فباع او اعتق لا یصیر مختار للفداء عندہ وعندہما یصیر ۱۲۔ مجمع الانہر۔ (۳) فاذا سکت بعد ما اخبر فاسق بالبیع لا یکون تارکا للشفعۃ عندہ وعندہما یکون ۱۲۔ مجمع الانہر۔ (۴) یعنی اذا اخبر فاسق البکر البالغ بالنکاح فسکتت لا تصیر راضیۃ بالنکاح عندہ خلافا لہما ۱۲۔ مجمع الانہر۔ (۵) ای من اسلم فی دار الحرب فاخبر بالشرائع لا یؤاخذ عندہ خلافا لہما (مجمع الانہر) قال شمس الائمۃ السرخسی والاصح عندی انہ یلزمہ القضاء ههنا لان من تخبرہ فہو رسول ﷺ ۱۲۔

کیلئے ایک عادل یا دو مستور العدالۃ آدمیوں کا خبر دینا شرط ہے اس کے بغیر اس کی معزولی ثابت نہ ہوگی۔ اسی طرح آقا کو اس کے غلام کی جنایت کی اور شفیع کو مشفوعہ مکان کی بیع کی اور باکرہ عورت کو عقد نکاح کی اور اس مسلمان کو احکام اسلام کی خبر دینا ہے جو ابھی دار الحرب سے ہجرت کر کے دار الاسلام نہیں آیا کہ تمام صورتوں میں ایک عادل کا یا دو مستور العدالۃ آدمیوں کا خبر دینا شرط ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک عزل ونصب دونوں میں دو عادلوں کا خبر دینا ضروری ہے۔ صاحبین کے نزدیک ان تمام مسائل میں مخبر کا صرف ممیز ہونا شرط ہے اور کوئی چیز شرط نہیں نہ عدد نہ عدالت کیونکہ یہ سب امور از قبیل معاملات ہیں اور معاملات میں شخص واحد کی خبر کافی ہے امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ امور مذکورہ میں من وجہ الزام بھی ہے اس لئے شہادت کے دو جزؤں میں سے ایک یعنی عدد بلا شرط عدالت یا عدالت بلا شرط عدد شرط ہے۔ الزام کی توضیح یہ ہے کہ بتقدیر تصرف وکیل پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اور بتقدیر عدم تصرف کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ اسی طرح شفیع کے سکوت سے حق شفعہ کا سقوط لازم آتا ہے اور بتقدیر طلب اس پر کوئی چیز لازم نہیں آتی۔ اور باکرہ کے سکوت سے نکاح لازم ہوجاتا ہے اور رد کرنے کی صورت میں نکاح لازم نہیں ہوتا۔ اسی طرح عتق وغیرہ تصرفات کے ذریعہ آقا پر فدیہ جنایت لازم آتا ہے۔ اور عدم تصرف کی صورت میں کچھ لازم نہیں آتا۔ پس جس صورت میں ہر اعتبار سے لزوم عائد ہوتا ہے اس میں عدد اور عدالت دونوں شرط ہیں۔ اور جہاں کچھ نہ لازم آتا ہو وہاں نہ عدد شرط ہوگا نہ عدالت۔ اور جہاں من وجہ الزام ہو اور من وجہ الزام نہ ہو وہاں شہادت کا ایک جزو شرط ہوگا یعنی عدالت شرط ہوگی یا عدد۔

قولہ ولو باع الخ ایک شخص کا انتقال ہوگیا جس پر ایک ہزار روپیہ قرض تھا اور اس کے ترکہ میں صرف ایک غلام ہے۔ اب قاضی یا اس کے امین نے ادائیگی دین کے سلسلہ میں غلام فروخت کر کے قیمت وصول کی اور وہ ان میں سے کسی کے پاس آ کر ہلاک ہوگئی اور غلام پر مشتری کے قبضہ کرنے سے پہلے وہ کسی اور کا ثابت ہوگیا تو قاضی اور اس کے امین پر ضمان نہ ہوگا کیونکہ قاضی کا امین قاضی کے قائم مقام ہے۔ اور قاضی بادشاہ کا قائم مقام ہے۔ اور ان دونوں پر تاوان نہیں ہوتا بلکہ ان سے قسم بھی نہیں لی جاتی تو قاضی کے امین پر بھی تاوان نہ ہوگا۔ وجہ یہ ہے کہ اگر ان لوگوں پر تاوان لازم ہو تو یہ لوگ امانت وقضا قبول کرنے سے باز رہیں گے اور رعایا کی مصلحتیں معطل ہوجائیں گی۔ اور جب قاضی اور اس کے امین پر ضمان نہ ہوا تو مشتری قرضخواہوں سے ثمن وصول کرے گا کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ جب عاقد کے ساتھ حقوق کا تعلق متعذر ہوجائے تو حقوق کا تعلق اس کے ساتھ ہوتا ہے جو عقد سے قریب تر ہو۔ اور اقرب الی العقد وہ ہوتا ہے جس کو عقد سے فائدہ حاصل ہو اور وہ یہاں قرضخواہ ہیں جن کے فائدے کے لئے غلام کو فروخت کیا گیا ہے۔

قولہ وان امر الخ اور اگر مسئلہ مذکورہ میں قاضی وصی کو غلام فروخت کرنے کا حکم کرے اور وہ فروخت کردے پھر قبل از قبض غلام مر جائے یا کسی دوسرے کا نکل آئے اور وصی کے پاس سے ثمن ضائع ہوجائے تو مشتری وصی سے وصول کرے گا۔ کیونکہ میت کیجانب سے نائب ہو کر عاقد وہی ہے۔ اور وصی قرض خواہوں سے وصول کریگا۔ کیونکہ جب کوئی شخص کسی کے فائدہ کیلئے کام کرے اور اس پر کوئی تاوان لازم آجائے تو وہ اسی سے وصول کرتا ہے جس کے فائدہ کے لئے اس نے کام کیا ہے۔

وَلَوْ قَالَ قَاضٍ عَدْلٌ عَالِمٌ قَضَيْتُ عَلٰى هٰذَا بِالرَّجْمِ اَوْ بِالْقَطْعِ اَوْ بِالضَّرْبِ فَافْعَلْهُ وَسِعَکَ فِعْلُهٗ

اگر کہا عادل قاضی نے کہ حکم کردیا میں نے اس پر سنگسار ہونے کا یا ہاتھ کاٹنے یا حد مارنے کا پس تو یہ کام کر تو گنجائش ہے تیرے لئے اس کے کرنے کی

وَاِنْ قَالَ قَاضٍ عُزِلَ لِرَجُلٍ اَخَذْتُ مِنْکَ اَلْفًا وَدَفَعْتُهٗ اِلٰی زَیْدٍ قَضَیْتُ بِهٖ عَلَیْکَ فَقَالَ الرَّجُلُ اَخَذْتَهٗ ظُلْمًا

اور اگر کہا معزول قاضی نے کسی سے کہ میں نے تجھ جو ہزار لئے تھے وہ زید کو دیدیئے جو میں نے تجھ پر ثابت کئے تھے اس نے کہا کہ تو نے ظلما لئے تھے

فَالْقَوْلُ	لِلْقَاضِیْ	وَکَذَا	لَوْقَالَ	قَضَیْتُ	بِقَطْعِ	یَدِکَ	فِی	حَقٍّ

تو قاضی کا قول معتبر ہوگا اسی طرح اگر کہا کہ حکم کیا تھا میں نے تیرے ہاتھ کاٹنے کا حق کے طور پر

اِذَا	کَانَ	اَلْمَقْطُوْعُ	یَدُہٗ	وَالْمَاخُوْذُ	مِنْہُ	اَلْمَالُ	مُقِرًّا	اَنَّہٗ	فَعَلَہٗ	وَھُوَ قَاضٍ۔

جبکہ مقطوع الیہ اور وہ شخص جس سے مال لیا گیا ہے اقرار کرے کہ اس نے یہ فعل قاضی ہونے کی حالت میں کیا ہے۔

تشریح الفقہ: قولہ ولو قال قاضی الخ قاضی نے زید سے کہا کہ میں نے فلاں زانی پر رجم کا یا فلاں چور پر قطع ید کا یا فلاں قاذف پر حد قذف کا حکم کر دیا سو تو اس کو سنگسار کر دے یا اس کا ہاتھ کاٹ دے یا اس کو کوڑے لگا دے تو شیخین کے نزدیک زید کیلئے امور مذکورہ کی گنجائش ہے۔ کیونکہ اطاعت اولی الامر آیت سے ثابت ہے۔ امام محمد صاحب اولاً اسی کے قائل تھے بعد میں آپ نے اس سے رجوع کر لیا۔ اور فرمایا کہ جب تک زید حجت ثبوت امور مذکورہ کا معائنہ نہ کرلے اس وقت تک اس کے لئے امور مذکورہ پر اقدام جائز نہیں امام ملک بھی یہی فرماتے ہیں اور امام شافعی کا بھی ایک قول یہی ہے لیکن امام محمد نے اس کے بعد پھر شیخین کے قول کی طرف رجوع کر لیا۔ قال صاحب البحر لکن رایت بعد ذلک فی شرح ادب القضاء للصدر الشھیدانہ صح رجوع محمد الی قول ابی حنیفہ وابی یوسف رواہ ھشام عنہ شیخ ابو منصور ماتریدی فرماتے ہیں کہ اگر قاضی مذکور عادل و عالم شخص ہو تو امتثال امر اور تعمیل حکم کی گنجائش ہے۔ علامہ اسبیجابی نے ذکر کیا ہے کہ امام صاحب کے یہاں حکم قاضی کے بموجب عمل کرنا اسی صورت میں ہے جب قاضی عادل اور عالم ہو کیونکہ جاہل و ظالم قاضی نہ لائق قضاء ہے اور نہ اس کا حکم لائق امتثال ہے تو گویا شیخ ابو منصور ماتریدی کا قول مذہب امام کی توضیح ہے۔ مصنف نے عدل عالم کی قید لگا کر اسی کو اختیار کیا ہے۔

قولہ وان قال قاضی الخ معزول قاضی نے عمرو سے کہا کہ میں نے تجھ سے ایک ہزار روپیہ لئے ہیں اور فلاں مقدمہ میں جو زید کے ہزار روپیہ میں نے تجھ پر ثابت کئے تھے وہ اس کو دیدیئے عمرو نے کہا نہیں بلکہ تو نے مجھ سے ہزار روپے ظلماً لئے ہیں یا قاضی نے کہا کہ میں نے تیرا ہاتھ حق کے مطابق کاٹا ہے زید نے کہا نہیں ظلماً کاٹا ہے تو دونوں صورتوں میں قاضی کا قول معتبر ہوگا خواہ عمرو یہ کہے کہ قطع ید اور اخذ مال بحالت قضا ہوا ہے یا یہ کہے کہ قبل از تقلید یا معزول ہونے کی بعد ہوا ہے و وجہہ ان الظاھر شاھد للقاضی اذھو لایقضی بالجور ظاھرًا۔

ع۔۔۔۔ای فعل ہذا الفعل (وہو الحکم بالمال فی المسئلۃ الاولی وبقطع الید فی الثانیہ) وہو قاضی فی ذلک الوقت وانما قیدہ بہ لان المقطوع یدہ والماخوذ مالہ لو زعم انہ فعل قبل التقلید او بعد العزل ففیہ اختلاف والاصح ان القول للقاضی لانہ اسند فعلہ الی حالۃ معہودۃ منافیۃ للضمان فصار کما اذا قال طلقت او اعتقت وانا مجنون وجنونہ معہود ۱۲۔ بحر الرائق بحذف۔

کتاب الشہادۃ

هِيَ	اِخْبَارٌ	عَنْ	مُشَاهَدَةٍ	وَعَيَانٍ	لَاعَنْ	تَخْمِيْنٍ	وَحِسْبَانٍ.
وہ	خبر دینا ہے		آنکھوں سے	دیکھ کر	نہ کہ	اٹکل	اور گمان سے

تشریح الفقہ: قولہ کتاب الخ قضا مقصود ہے اور شہادت اس کا وسیلہ ہے اور وسیلہ پر مقصود مقدم ہوتا ہے۔ اس لئے مصنف احکام قضا سے فراغت کے بعد احکام شہادت بیان کر رہا ہے۔ شہادۃ اصل مصدر ہے **یقال شهد** (س، ک) **شهادة عندالحاكم** اس نے حاکم کے روبرو گواہی دی یعنی قطعی اور یقینی خبر دی جس میں کسی قسم کا شک اور تردد نہیں۔ شریعت میں شہادت کسی حال کی خبر کو کہتے ہیں جو اٹکل اور گمان سے نہ ہو بلکہ چشم دید ہو، شہادت کی اصطلاحی تعریف یہ ہے۔ **هي اخبار صادق بلفظ الشهادة في مجلس القاضي لاثبات الحق۔** یعنی اثبات حق کیلئے قاضی کی مجلس میں لفظ شہادت کیساتھ سچی خبر دینے کو شہادت کہتے ہیں۔ تعریف میں اخبار بمنزل جنس ہے اور۔ صادق کی قید سے اخبار کاذبہ نکل گئیں اور لفظ شہادت کی قید سے معلوم ہوا کہ تعبیر بہ لفظ علم ویقین کافی نہیں، مجلس قاضی کی قید سے شاہد کی وہ خبر نکل گئی جو غیر مجلس قضا میں ہو کہ اس کا کوئی اعتبار نہیں اور اثبات حق کو قید سے بعض عرفیات کو مجلس قضا میں لفظ شہادۃ کے ساتھ تعبیر کرنا خارج ہو گیا۔

فائدہ: شہادۃ کی شرطیں دو طرح کی ہیں شرائط تحمل۔ شرائط اداء۔ شرائط تحمل تین ہیں (۱) شاہد ہونے کے وقت عقل کامل ہو۔ (۲) بصارت (۳) مشہود بہ کا اپنی آنکھوں سے معائنہ کیا ہو پس دیوانے غیر عاقل بچے اور اندھے کو گواہ ہونا صحیح نہیں۔ تحمل شہادت کیلئے بلوغ، آزادی اسلام اور عدالت شرط نہیں تو اگر گواہ ہونے کے وقت صغیر عاقل ہو یا کافر ہو یا فاسق ہو پھر بچہ بالغ آزاد یا کفر مسلمان یا فاسق صالح ہو جائے۔ اور پھر یہ لوگ قاضی کے سامنے گواہی دیں تو گواہی مقبول ہوگی، شرائط ادا چار طرح کی ہیں۔ اول وہ جو نفس شہادت سے متعلق ہیں۔ دوم وہ جو شاہد سے متعلق ہیں۔ سوم وہ جو مکان شہادت سے متعلق ہیں۔ چہارم وہ جو مشہود بہ سے متعلق ہیں جو چیزیں نفس شہادت سے متعلق ہیں وہ تین ہیں۔ (۱) لفظ شہادت (۲) عدد فی الشہادۃ (۳) اتفاق شاہدین۔ اور جو شرطیں شاہد سے متعلق ہے وہ گیارہ ہیں (۱) بلوغ (۲) آزادی (۳) بصر (۴) نطق (۵) سمع (۶) عدالت (۷) محدود فی القذف نہ ہونا (۸) اپنے لئے جلب منفعت کا نہ ہونا (۹) اپنی ذات سے دفع مضرت کا نہ ہونا (۱۰) شاہد کا خصم نہ ہونا (تو وصی کی یتیم کے لئے اور وکیل کی مؤکل کیلئے شہادت مقبول نہ ہوگی)۔ (۱۱) مشہود بہ کا بلا شک وتردد خوب یاد ہونا تو شاہد کو مقدمہ یاد ہوئے بغیر اپنے خط پر اعتماد کرنا امام صاحب کے نزدیک جائز نہیں۔ یہ کل شرطیں جمیع انواع شہادت کیلئے عام ہیں اور کچھ شرطیں بعض انواع شہادت کیساتھ خاص ہیں اور وہ یہ ہیں۔ (۱) اسلام۔ اگر مشہود علیہ مسلمان ہو (۲) ذکورۃ یعنی مرد ہونا۔ اگر گواہی حد اور قصاص میں ہو (۳) تقدیم دعوی۔ اگر گواہی حقوق العباد میں ہو۔ (۴) موافقت شہادت۔ جس میں توافق شرط ہے۔ (۵) قیام رائحہ۔ شرب خمر کی شہادت میں (۶) اصالت۔ حد اور قصاص کی شہادت میں (۷) تعذر حضور اصل۔ شہادت علی الشہادۃ میں۔ اور جو مکان شہادت سے متعلق ہے وہ صرف ایک شرط ہے یعنی مجلس قضا'' ان تمام شرطوں کو اس نقشہ سے معلوم کرو۔ (نقشہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیے)

عہ ...... والیہ الاشارۃ المصطفویۃ حیث قال اذا رایت مثل الشمس فاشهد والا فدع ۱۲

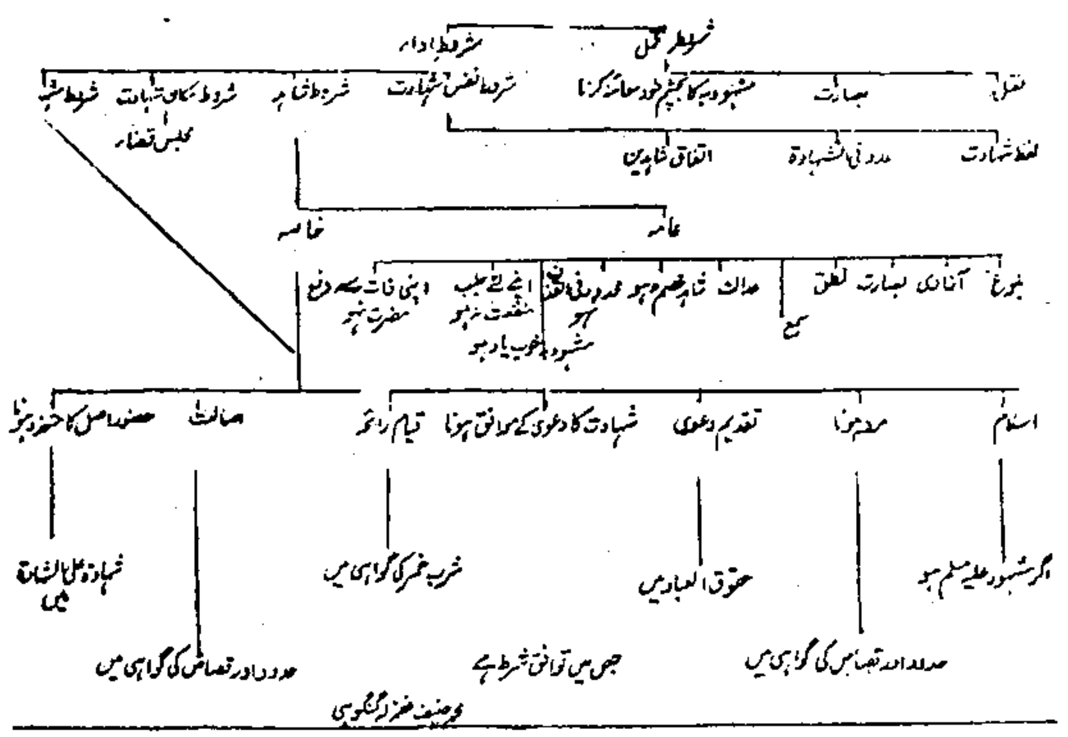
للعہ ...... الافیما یثبت بالتسامع ۱۲۔ للعہ ...... فلاتقبل شهادة الفرع لاصله والا صل لفرعه واحد الزوجين للآخر ۱۲۔ لمعہ ...... خلافالهما ۱۲۔ صہ ...... واماما يرجع الى المشهود به فقد علم من الشرائط الخاصة فالحاصل ان شرائطها خمسة وعشرون ۱۲

وَتَلْزَمُ بِطَلَبِ الْمُدَّعِي وَسَتْرُهَا فِي الْحُدُوْدِ اَحَبُّ وَيَقُوْلُ فِي السَّرِقَةِ اَخَذَ لاَسَرَقَ.

اور لازم ہوتی ہے مدعی کی طلب سے اور اس کو چھپانا حدود میں مستحب ہے اور کہے چوری کی گواہی میں کہ اس نے لیا ہے نہ یہ کہ چرایا ہے

تشریح الفقہ: قولہ وتلزم الخ افتراض ادائے شہادت مجمع علیہ ہے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے "ولایابی الشھداء اذامادعوا" وقال تعالیٰ ولا تکتموا الشھادۃ ومن یکتمھافانہ آثم قلبہ۔ سو اگر دو شاہدوں کے علاوہ تحمل اور ادائے شہادت کیلئے کوئی اور نہ ہو تو گواہی دینا فرض عین ہے اور اگر ان کے علاوہ کوئی اور ہو تو فرض کفایہ ہے۔ پھر اگر صاحب حق شاہد کی شہادت کو نہ جانتا ہو اور عدم شہادت کی صورت میں حق کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو شاہد پر بلا طلب صاحب حق اداء شہادت واجب ہے۔ اور اگر فوات حق کا اندیشہ نہ ہو اور صاحب حق شہادت کیلئے طلب کرے تب بھی اداء شہادت لازم ہے لیکن ابواب حدود میں شہادت کو چھپا رکھنا افضل ہے۔ کیونکہ حضور اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ ابوبکر صدیق، عمر فاروق، علی مرتضیٰ، حسن، ابو ہریرہ، ابو مسعود، ابو الدرداء، عمرو بن العاص، ابو واقد لیثی (رضوان اللہ علیہم اجمعین) سے دفع حدود کی تلقین کا مروی ہونا افضلیت ستر کی کھلی دلیل ہے سوال قرآن پاک میں تو کتمان شہادت سے نہی بطریق عموم ہے، جواب ابواب حدود میں کتمان شہادت کے متعلق جو احادیث وارد ہیں وہ تعدد متون کیوجہ سے حد شہرت کو پہونچی ہوئی ہیں جن سے عموم آیت کی تخصیص جائز ہے۔

شروط شہادت



عہ..... احیاء لحق المسروق منہ ومحافظۃ علی الستر ۱۲ – عہ..... بدانستہ اور انکار نہ کریں گواہ جس وقت بلائے جائیں ۱۲ لمعہ..... اور مت چھپاؤ گواہی کو اور جو شخص اسکو چھپائے تو بیشک گنہگار ہے دل اس کا ۱۲ لمعہ..... صحیحین عن ابی ہریرۃ ۱۲

وَشُرِطَ لِلزِّنَا اَرْبَعَةُ رِجَالٍ وَلِبَقِيَةِ الْحُدُوْدِ وَالْقِصَاصِ رَجُلَانِ وَلِلْوِلَادَةِ وَالْبَكَارَةِ

اور شرط ہے زنا کیلئے چار مرد اور باقی حدود و قصاص کے لئے دو مرد اور ولادت کے لئے اور کنواری ہونے کے لئے

وَعُيُوْبِ النِّسَاءِ فِيْمَا لَا يَطَّلِعُ عَلَيْهِ رَجُلٌ اِمْرَأَةٌ.

اور عورتوں کے ان عیوب کے لئے جس پر مرد مطلع نہیں ہوتے ایک عورت۔

عددشہادت کا بیان

تشریح الفقہ :قولہ و شرط الخ شہادت کے چار مرتبے ہیں اول شہادت برائے اثبات زنا اس کیلئے مردوں کا ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ آیت "واللاتی یا تین الفاحشۃ من نسائکم فاستشھدو اعلیھن اربعۃ منکم " میں چار کے عدد کی تصریح موجود ہے۔اور انکا مرد ہونا یہاں سے معلوم ہوا کہ لفظ اربعۃ تاء کیساتھ ہے اور عدد پر تاء اسی وقت داخل ہوتی ہے جب اسکا معدود مذکر ہو۔سوال آیت سے تو صرف یہ اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اس عدد پر عمل کرنا جائز ہے لیکن اس سے کم پر عمل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ آیت میں اسکی نفی نہیں اور احناف مفہوم کے قائل نہیں پھر چار سے کم کا عدم جواز کہاں سے ثابت ہوا۔جواب شرعی مقادیر یا تو زیادتی سے منع کرنے کیلئے ہوتی ہے یا کمی سے یا ان دونوں سے اور یہاں تقدیر زیادتی سے منع کرنے کیلئے ہے۔تو اگر کمی سے بھی منع کرنے کیلئے نہ ہو تو اس تقدیر کا کوئی فائدہ نہیں رہتا'سوال آیت مذکورہ اور آیت فاستشھدو اشھیدین' میں تعرض ہوگیا۔جواب یہ آیت مبیح ہے اور آیت مذکورہ مانعہ اور مبیح پر مانع مقدم ہوتا ہے سوال حضرت عطاء وحماد سے مروی ہے کہ اگر زنا کے متعلق تین مرد اور دو عورتیں گواہی دیں تو مقبول ہے۔جواب حضرت زہری سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم اور آپکے دونوں خلفاء سے یہ سنت جاری ہے کہ حدود میں عورتوں کی گواہی معتبر نہیں'شعبی نخعی'حسن'ضحاک سے بھی یہی مروی ہے کہ حدود میں عورتوں کی گواہی جائز نہیں'نیز حضرت علی کا ارشاد ہے کہ حدود اور دماء (یعنی قصاص) میں عورتوں کی گواہی جائز نہیں۔

قولہ و لبقیۃ الخ دوسرا مرتبہ شہادت برائے اثبات بقیہ حدود ہے یعنی حد قذف'حد سرقہ'اور برائے اثبات قصاص'واثبات اسلام کافر وردت مسلم ان کیلئے دو مردوں کی گواہی ضروری ہے لقولہ تعالیٰ و استشھدو اشھیدین من رجالکم'عورتوں کی گواہی اسمیں بھی جائز نہیں۔لما ذکر من حدیث الزھری۔سوال یہ آیت تو مداینات کے بارے میں ہے تو حدود قصاص میں یہ کیسے حجت ہو سکتی ہے۔ جواب عموم لفظ کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ خصوصیت سبب کا۔وقال الحسن البصری لا یقبل فی القتل کالزنا و الحجۃ علیہ ماذکرنا۔

قولہ و للولادۃ الخ تیسرا مرتبہ یہ ہیکہ شہادت برائے ولادت وبکارت واستہلال صبی اور عیوب نساء'ہے جن پر مردوں کو آگاہی نہیں ہوتی جیسے عورت کی شرمگاہ میں ہڈی یا گوشت کا ابھر آنا وغیرہ ان کیلئے دو عورتیں ہوں تو بہتر ہے ورنہ ایک آزاد مسلمان عورت کی گواہی بھی کافی ہے کیونکہ حضور صلعم کا ارشاد ہے کہ ان چیزوں میں عورتوں کی شہادت جائز ہے۔جن کی طرف مرد نظر نہیں کر سکتے۔ یہ روایت مرسل واجب العمل ہے وجہ استدلال یہ ہے کہ اس میں لفظ النساء "محلی بالف ولام ہے جس سے مراد جنس ہے جو قلیل وکثیر سب کو شامل ہے"۔اس سلسلہ میں امام احمد تو ہمارے ساتھ ہیں۔امام شافعی فرماتے ہیں کہ دو عورتیں ایک مرد کے برابر ہوتی ہیں۔اور حجت دو مردوں کی گواہی ہے نہ کہ ایک لہذا چار عورتیں ہونی چاہئیں۔یہی حضرت عطاؒ کا قول ہے امام مالک و امام ثوری فرماتے ہیں کہ جب مرد ہونے کا اعتبار ساقط ہوگیا تو عدد معتبر رہا۔لہذا دو عورتیں ہونی چاہئیں مگر روایت مذکورہ ان سب پر حجت ہے۔

تنبیہ: بچہ آواز کیلئے صرف ایک عورت کا شرط ہونا نماز کے حق میں تو مجمع علیہ ہیکہ اسکے جنازہ کی نماز پڑھی جائیگی۔لیکن میراث کے حق میں امام صاحب کے نزدیک ایک عورت کی گواہی کافی نہیں۔صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز ہے۔فتح القدیر میں ہیکہ یہی راجح ہے۔

اور جو کوئی بدکاری کرے تو تمہارے ۱۲ میں سے تو گواہ لاؤ ان پر چار مرد اپنوں میں سے ۱۲ واجاب الزیلعی بان عدم جواز الاقل بالاجماع ۱۲ ابن ابی شیبہ ۱۲ ابن ابی شیبہ ۱۲ عبد الرزاق ۱۲ ارواہ محمد فی المبسوط عن مجاہد وابن المسیب وعطاء وطاؤس ۱۲ اوروی عبد الرزاق عن ابن شہاب ان عمر بن الخطاب اجاز شہادۃ امرأۃ فی الاستہلال ۱۲

وَلِغَيْرِهَا رَجُلَانِ اَوْ رَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ وَلِلْكُلِّ لَفْظُ الشَّهَادَةِ وَالْعَدَالَةُ وَيَسْأَلُ عَنِ الْمَشْهُوْدِ

اور اس کے علاوہ میں دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں اور شرط ہے سب کے لئے لفظ شہادت اور عادل ہونا اور پوچھ گچھ کیجائے گواہوں کے متعلق

سِرًّا وَعَلَنًا فِي سَائِرِ الْحُقُوْقِ وَتَعْدِيْلُ الْخَصْمِ لَايَصِحُّ وَالْوَاحِدُ يَكْفِي لِلتَّزْكِيَةِ وَالرِّسَالَةِ وَالتَّرْجَمَةِ

پوشیدہ اور ظاہرہ جملہ حقوق میں اور صاحب خصومت کا عادل کہنا معتبر نہیں اور ایک شخص کافی ہے تزکیہ اور پیغام رسانی اور ترجمہ کے لئے

وَلَهُ اَنْ يَشْهَدَ بِمَا سَمِعَ اَوْ رَأَى كَالْبَيْعِ وَالْاِقْرَارِ وَحُكْمِ الْحَاكِمِ وَالْغَصْبِ وَالْقَتْلِ

اور گواہ گواہی دے سکتا ہے سنی ہوئی یا دیکھی ہوئی چیز کی جیسے بیع اقرار حکم حاکم غصب اور قتل

وَاِنْ لَمْ يُشْهَدْ عَلَيْهِ وَلَا يَشْهَدُ عَلٰى شَهَادَةِ غَيْرِهٖ مَالَمْ يُشْهَدْ عَلَيْهِ.

گو گواہ نہ کیا گیا ہو اور گواہی نہ دے دوسرے کی شہادت پر جب تک کہ اس پر اس کو گواہ نہ بنایا جائے۔

تشریح الفقہ: قوله و لغيرها الخ چوتھا مرتبہ شہادت امور مذکورہ کے علاوہ دیگر حقوق کے اثبات کے لئے ہے۔ خواہ حقوق مالیہ ہوں یا غیر مالیہ جیسے نکاح، رضاع، طلاق، عتاق، وصیت، رجعت، استہلال صبی (برائے ارث) وکالت، نسب اسمیں دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ضروری ہے لقوله تعد" فان لم يكونا رجلين فرجل و امراء تان" امام مالک اور امام شافعی کے یہاں مردوں کی گواہی اموال اور توابع اموال یعنی حقوق غیر مالیہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ توابع اموال جیسے اعارہ، اجارہ، کفالہ، اجل، شرط، خیار، شفعہ، قتل خطا، زخم موجب مال، فسخ عقود، امام احمد سے دو روایتیں ہیں۔ ایک امام شافعی کے مذہب کے موافق ہے۔ دوسری ہمارے مذہب کے موافق ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر و علی نے نکاح اور فرقت میں مردوں کے ساتھ عورتوں کی گواہی کو جائز رکھا ہے۔

قوله وللكل الخ شہادت کے مراتب اربعہ مذکورہ میں بالاتفاق کلمۂ اشهد بلفظ مضارع شرط ہے لفظ اعلم یا اتیقن کہنا کافی نہ ہوگا کیونکہ نصوص اشتراط لفظ شہادت پر ناطق ہیں قال تعالیٰ واشهد واذوى عدل منكم، واشهد واذا تبا يعتم، فاستشهدوا شهيدين من رجالكم، فاستشهدو اعليهن اربعة منكم ،واقيموا الشهادة لله ،وقال عليه السلام ـ اذا رايت مثل الشمس فاشهد، اسی طرح وجوب قبول شہادت کے لئے عدالت شاہد بھی شرط ہے لقوله تعالىٰ واشهد واذوى عدل منكم۔

قوله ويسال الخ صاحبین کے نزدیک قاضی پر شاہد کی عدالت اور فسق کے بارے میں پوشیدہ و علانیہ طور پر لوگوں سے پوچھ گچھ اور اس کے حالات دریافت کرنا واجب ہے اگر وہ اس کے حالات سے ناواقف ہو خواہ مدعی علیہ شاہد پر کوئی طعن کرے یا نہ کرے۔ امام شافعی اور امام احمد بھی اسی کے قائل ہیں اسی پر فتویٰ ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ اگر قاضی کو کسی قسم کا شک ہو تو حالات دریافت کرنا واجب ہے گو خصم خاموشی اختیار کرے اور طعن نہ کرے، امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ غیر حدود و قصاص میں قاضی بدون طعن مدعا علیہ شاہد کے متعلق پوچھ گچھ کے پیچھے نہ پڑے بلکہ ظاہری عدالت پر اکتفا کرے کیونکہ حضور صلعم کا ارشاد ہے۔ المسلمون عدول بعضهم على بعض الامحدود ا فی فر تہ ۔ علماء نے ذکر کیا ہے کہ امام صاحب اور صاحبین کا یہ اختلاف زمانہ کے اعتبار سے ہے۔ چنانچہ زیلعی نے کہا ہے کہ قرن رابع لوگوں کے حالات میں تغیر اور خیانت و کذب ظاہر ہو گیا تھا اسلئے صاحبین نے تزکیہ شہود کو مقدم جانا بخلاف امام صاحب کے کہ وہ قرن ثالث میں تھے جس کے متعلق خیر و صلاح کی گواہی حدیث مرفوع میں موجود ہے وہو قوله صلعم خير القرون قرنی الخ۔

(ع) ابن ابی شیبہ عن عمر بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ومثلہ عن عمر رواہ الدارقطنی ۱۲

قولہ سرا وعلنا الخ مخفی سوال کا طریقہ یہ ہے کہ قاضی ایک رقعہ جسکو مستورہ کہتے ہیں مزکی کے پاس بھیجے جسمیں شہود کے نام، نسب، حلیہ اور جس مسجد میں نماز پڑھتے ہوں وہ مرقوم ہو اسمیں مزکی شاہد کی عدالت اس طرح لکھے کہ وہ عادل اور جائز الشہادۃ ہے اور اگر عدالت یا فسق معلوم نہ ہو تو اخیر میں لکھدے کہ وہ مستور الحال ہے اور اگر اس کا فسق معلوم ہو تو اسکی تصریح نہ کرے خاموش رہے تاکہ مسلمان کا پردہ فاش نہ ہو اور اخیر میں لکھدے واللہ اعلم۔ علانیہ سوال کا طریقہ یہ ہے کہ قاضی شاہد اور مزکی دونوں کو یکجا جمع کر کے پوچھے کہ تو نے عادل اسی کو کہا ہے؟ ملتقط میں امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ تزکیہ علانیہ تزکیہ مخفیہ کے بعد ہی مقبول ہے۔

فائدہ: امام خصاف کی شرح ادب القاضی میں ہے کہ تزکیہ کے لئے آٹھ شرطیں ہیں (۱) گواہی عادل عالم قاضی کے پاس ہو (۲) شرکت یا سفر وغیرہ کے ذریعہ مزکی شاہد کو آزما چکا ہو (۳) مزکی کو شاہد کا پابند نماز یا باجماعت ہونا معلوم ہو (۴) شاہد لین دین کی خوش معاملگی میں مشہور و معروف ہو (۵) اداء امانت سے قاصر نہ ہو (۶) راست گو ہو (۷) کبائر سے مجتنب ہو (۸) صغائر پر مصر نہ ہو۔

قولہ وتعدیل الخ خصم مدعا علیہ کا شاہد کے متعلق یہ کہنا کہ وہ عادل ہے صحیح نہیں صاحبین سے ایک روایت ہے کہ صحیح ہے۔ یہی ائمہ ثلاثہ کا قول ہے۔ لیکن امام محمد کے نزدیک اس کے ساتھ ایک اور شخص کی تعدیل ضروری ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک مزکی کیلئے عدد شرط ہے) ظاہر الروایہ کی وجہ یہ ہے کہ مدعی اور اس کے شہود کے گمان میں مدعی علیہ انکار دعوی میں کاذب اور اپنے اصرار میں مبطل ہے۔ لہٰذا وہ معدل ہونے کی لیاقت نہیں رکھتا۔

قولہ والواحد الخ شیخین کے نزدیک تزکیہ مخفیہ کے لئے اور قاضی کی طرف سے مزکی کے پاس پیام رسانی کے لئے اور شہود کیطرف سے ترجمہ کیلئے ایک عادل شخص کافی ہے۔ امام محمد اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دو آدمیوں کا ہونا ضروری ہے کیونکہ تزکیہ میں شہادت کے معنی ہیں لہٰذا عدالت کی طرح عدد کا ہونا بھی ضروری ہے۔ شیخین فرماتے ہیں کہ تزکیہ شہادت کے معنی میں نہیں ہے بلکہ امور دینیہ میں سے ہے پس صرف عدالت شرط ہوگی۔ نہ کہ عدد یہی وجہ ہے کہ اس میں لفظ شہادت اور مجلس قضا کی شرط نہیں ہے۔ **وقد نظم ابن وهبان انه يكفى الواحد فى احد عشر موضعاً فقال۔**

ويقبل عدل واحد فى تقوم	وجرح تعديل وارش يقدر
وترجمه والمسلم هل هوجيد	وافلاس الارسال والعيب يظهر
وصوم على مامر او عند علة	وموت اذاللشاهدين يخبر

قولہ ولہ ان یشهد الخ شاہد جس چیز کی شہادت کا تحمل کرتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں اول وہ جس کا حکم بنفسہ ثابت ہوتا ہے یعنی بلا اشہاد صاحب حق جیسے بیع، اقرار، حکم حاکم، غصب، قتل۔ دوم وہ جس کا حکم بنفسہ ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس میں اشہاد کی ضرورت ہوتی جیسے شہادۃ علی الشہادۃ'' سو قسم اول میں شاہد صرف سنکر بھی گواہی دے سکتا ہے۔ اگر سننے سے ان چیزوں کا علم ہو جاتا ہو جیسے بیع، اقرار، حکم حاکم اور دیکھ کر بھی گواہی دے سکتا ہے اگر دیکھنے سے علم ہو جاتا ہو جیسے غصب اور قتل، لیکن قسم ثانی میں اس وقت تک گواہی دے سکتا جب تک کہ اس کو گواہ نہ بنایا جائے۔

عہ ... فانها لايثبت بها الحكم مالم يقل له الشاهد اشهد على شهادتى ۱۲۔ عہ ... لانها لاتصير حجة الابالنقل الى مجلس القاضى فلايملك غيره ان يجعل كلامه حجة بلاامره فلا بدمن التحميل ۱۲

وَلایَعمَلُ شَاهِدٌ وَقَاضٍ وَرَاوٍ بِالْخَطِّ اِنْ لَمْ يَتَذَكَّرُوْا وَلاَ يَشْهَدُ بِمَا لَمْ يُعَايِنْهُ اِلَّا النَّسَبُ وَالْمَوْتُ وَالنِّكَاحُ

اور عمل نہ کرے گواہ قاضی اور راوی نوشتہ پر اگر ان کو مقدمہ یاد نہ ہو اور نہ گواہی دے اس کی جس کو نہ دیکھا ہو سوائے نسب موت نکاح

وَالدُّخُوْلُ وَوِلایَةُ الْقَاضِي وَاَصْلُ الْوَقْفِ فَلَهُ اَنْ يَشْهَدَ بِهَا اِذَا اَخْبَرَهُ بِهَا مَنْ يَثِقُ بِهٖ وَمَنْ فِي يَدِهٖ شَيْءٌ سِوَى

دخول ولایت قاضی اور اصل وقف کے کہ ان میں گواہی دے سکتا ہے جبکہ اس کو خبر دی ہو کسی معتبر شخص نے اور جس کے ہاتھ میں کوئی چیز ہو غلام کے

الرَّقِيْقِ لَکَ اَنْ تَشْهَدَ اَنَّهٗ لَهٗ وَاِنْ فَسَّرَ لِلْقَاضِي اَنَّهٗ يَشْهَدُ بِالتَّسَامُعِ اَوْ بِمُعَايَنَةِ الْيَدِ لاَ تُقْبَلُ

علاوہ تو تو گواہی دے سکتا ہے کہ وہ اسی کی ہے اور اگر کہہ دیا قاضی سے صاف صاف کہ گواہی سن کر یا قبضہ دیکھ کر دے رہا ہوں تو مقبول نہ ہوگی

وَمَنْ شَهِدَ اَنَّهٗ حَضَرَ دَفْنَ فُلاَنٍ اَوْ صَلّٰى عَلىٰ جَنَازَتِهٖ فَهُوَ مُعَايَنَةٌ حَتّٰى لَوْفَسَّرَ لِلْقَاضِي قُبِلَ.

جس نے گواہی دی کہ میں فلاں کے دفن میں حاضر تھا یا اس کے جنازہ کی نماز پڑھی ہے تو یہ معائنہ کے برابر ہے یہاں تک کہ اگر قاضی کے روبرو اس کی تشریح کردی تب بھی مقبول ہوگی۔

تشریح الفقہ : قولہ ولا تعمل الخ شاہد' قاضی اور راوی حدیث کو اپنے نوشتہ پر عمل کرنا امام صاحب کے نزدیک جائز نہیں جب تک کہ واقعہ خوب اچھی طرح محفوظ نہ ہو۔ یعنی نہ شاہد اپنے نوشتہ کو دیکھ کر گواہی دے نہ قاضی حکم کرے اور نہ راوی روایت کرے۔ خلاصہ یہ ہے کہ امام صاحب نے جمیع امور میں تنگ روی اختیار کی ہے۔ اسی لئے آپ سے احادیث بہت کم مروی ہیں حالانکہ آپ کو بارہ سو محدثین سے سماع حدیث حاصل ہے۔ پس جب تک شاہد کو مال کی مقدار اور اس کی صفت یاد نہ ہو اس وقت تک گواہی دینا امام صاحب کے نزدیک جائز نہیں **(فالخلاف فیما اذا کان محفوظاً فی یدہ)** بعض حضرات نے ذکر کیا ہے کہ صاحبین کے یہاں علی الاطلاق جائز ہے۔ اور امام صاحب کے یہاں ناجائز۔ لیکن بحر وغیرہ میں ہے کہ امام محمد کے یہاں تینوں کے لئے عمل جائز ہے۔ اور امام ابو یوسف کے یہاں راوی اور قاضی کے لئے جائز ہے۔ اور شاہد کے لئے ناجائز۔ شمس الائمہ حلوانی فرماتے ہیں کہ فتویٰ امام محمد کے قول پر مناسب ہے۔ اجناس میں بھی ایسا ہے۔ اور بزازیہ میں بھی اسی پر جزم ویقین ظاہر کیا ہے۔ **وفی السراج وماقالہ ابو یوسف ھو المعول علیہ. وفی المنح وقولھما ھو الصحیح. وفی الحقائق وعلیہ الفتوی.**

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

قولہ ولایشھد الخ جس شخص نے کسی چیز کا معائنہ نہ کیا ہو یعنی جس چیز کا علم بذریعہ سماع حاصل نہ ہو اس کی گواہی دینا بالاجماع جائز نہیں مگر دو مسئلوں میں بلا معائنہ گواہی درست ہے۔ (۱) نسب تو جس شخص نے ایک جماعت سے (امام صاحب کے نزدیک) یا دو عادلوں سے (صاحبین کے نزدیک) سنا کہ زید (مثلاً) فلان کا بیٹا یا فلاں کا بھائی ہے تو وہ اس کی گواہی دے سکتا ہے۔ تاتارخانیہ میں محیط سے منقول ہے کہ اگر کوئی شخص باہر سے آ کر کسی شہر میں بس جائے اور وہاں ایک عرصہ تک رہے سہے تو وہاں والے اس کے نسب کی گواہی نہیں دے سکتے جب تک کہ اس کے شہر کے دو عادل آدمی خبر نہ دیں' امام خصاف نے اس کے لئے دو شرطیں ذکر کی ہیں ایک شہرت خبر دوسرے اس کا وہاں کم از کم ایک سال تک رہنا۔ **وروی عن ابی یوسف انہ قدرہ بستة اشھر۔** (۲) موت سو جس شخص نے قابل اعتماد لوگوں سے سنا کہ فلاں شخص مر گیا تو وہ اس کی موت کی گواہی دے سکتا ہے۔ (۳) نکاح جو شخص ایک جماعت سے (امام صاحب کے نزدیک) یا دو عادلوں سے (صاحبین کے نزدیک) سن چکا ہو کہ فلاں عورت فلاں شخص کی بیوی ہے تو وہ اس کی زوجیت کی گواہی دے سکتا ہے گو وہ عقد نکاح میں حاضر نہ ہو (۴) دخول تو اگر کوئی یہ سنے کہ فلاں شخص نے فلاں عورت کیساتھ نکاح کر کے صحبت کی ہے تو وہ اس کی گواہی دے سکتا ہے۔ (۵) ولایت قاضی۔ مثلاً زید نے کچھ لوگوں کی زبانی سنا کہ فلاں شخص فلاں شہر کا قاضی ہو گیا تو وہ اس کی شہادت دے سکتا ہے (بحر الرائق میں معراج سے منقول ہے کہ امیر قاضی کے مانند ہے تو شہادت امارت بھی جائز ہونی چاہیے (۶) اصل وقف۔

اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جس سے وقف کی صحت متعلق ہو اور جس پر وقف موقوف ہو سو اگر کسی نے یوں گواہی دی کہ یہ زمین فلاں شخص نے وقف کی ہے تو گواہی درست ہے۔ رہی یہ بات کہ بیان مصرف بھی شرط ہے یا نہیں؟ تو کافی میں مرغینانی سے اشتراط۔ مروی ہے۔ لیکن خزانہ میں ہے کہ بقول مختار بیان مصرف شرط نہیں۔ اگر وقف قائم ہو تو وہ فقرا کی طرف منصرف ہوگا۔ یہ چھ مسئلے کتاب میں مذکور ہیں باقی چار یہ ہیں۔ (۷) عتق شمس الائمہ سرخسی نے کہا ہے کہ عتق میں بذریعہ سماع شہادت بالا جماع مقبول ہے لیکن ان کے استاد حلوانی نے کہا ہے کہ اس میں اختلاف ثابت ہے اور امام ابو یوسف سے جواز منقول ہے گویا عتق میں معتمد قول عدم قبول ہے اور علامہ ابن عبد البر کی شرح وہبانیہ میں ہے کہ ہمارے یہاں باب عتق میں بذریعہ سماع شہادت دینا حلال نہیں امام شافعی کے یہاں حلال ہے (۸) ولاء اس میں امام ابو یوسف کے نزدیک شہادت جائز ہے اور امام محمد کا قول مضطرب ہے۔ اور ظاہر اامام صاحب کا قول معتمد ہے کیونکہ امام ابو یوسف کے قول کی تصحیح ثابت نہیں۔ (۹) مہر اس میں امام محمد سے دو روایتیں ہیں۔ اصح یہ ہے کہ قبول شہادت بالسماع میں مہر تابع نکاح ہے۔ بحر الرائق میں ظہیریہ بزازیہ اور خزانہ ہے اور۔ شرنبلالیہ میں خلاصہ سے یہی مذکور ہے۔ (۱۰) شرائط وقف۔ بحر الرائق میں فصول عمادیہ سے قول مختار یہ منقول ہے کہ شہرت کے ذریعہ شرائط وقف گواہی دینا مقبول نہیں لیکن مجتبی میں قول مختار یہ ہے کہ مقبول ہے۔ اسی پر صاحب معراج اور صاحب فتح القدیر نے اعتماد ظاہر کیا ہے۔ بہر کیف امور مذکورہ میں جب شاہد کو کوئی ایسا شخص خبر دے جس پر اس کو اعتماد ہو تو بطریق استحسان اس کی گواہی جائز ہے۔ کیونکہ ان امور میں سوائے خواص کے اور کوئی موجود نہیں ہوتا پس گواہی مقبول نہ ہونے کی صورت میں تعطل احکام اور بڑا حرج لازم آئے گا۔

قولہ ومن فی یدہ الخ ایک شخص کے قبضہ میں غلام اور باندی کے علاوہ کوئی اور چیز دیکھی پھر وہی چیز کسی دوسرے کے ہاتھ میں دیکھی اور پہلے شخص نے اس چیز کی ملکیت کا دعوی کیا تو زید کیلئے یہ گواہی دینا جائز ہے کہ یہ چیز مدعی کی مملوک ہے کیونکہ ثبوت ملک کی انتہائی دلیل قبضہ ہے بایں معنی کہ جمیع اسباب میں مرجع دلالت قبضہ ہے۔ لہذا اسی پر اکتفا ہوگا۔ امام ابو یوسف کے یہاں یہ شرط ہے کہ دیکھنے والے کا دل اس کی گواہی بھی دے کہ وہ چیز قابض کی مملوک ہے۔ مشائخ نے کہا ہے کہ امام محمد سے جو مطلق روایت ہے ممکن ہے کہ یہ اس اطلاق کی تفسیر ہو فیکون شرطاً علی الاتفاق۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ قبضہ کے ساتھ ساتھ قابض کا تصرف بھی ہونا چاہیے۔ ہمارے مشائخ میں امام خصاف بھی اسی کے قائل ہیں کیونکہ قبضہ دو طرح کا ہوتا ہے قبضہ ملک قبضہ امانت تو تصرف سے یہ معلوم ہو جائے گا کہ قابض کا قبضہ ملک ہے نہ کہ قبضہ امانت۔ جواب یہ ہے کہ اگر یہی بات ہے تو پھر تصرف کی بھی دو قسمیں ہیں تصرف بطریق اصالت اور تصرف بطریق نیابت جیسے وکالت اور مضاربت میں ہوتا ہے پس تصرف کی قید سے مقصد حاصل نہ ہوا اور بات پھر وہی اصل قبضہ پر آ گئی لہذا اسی کا اعتبار ہوگا' رہا غلام اور باندی کا حکم سو اس کی تشریح یہ ہے کہ اگر ان کی رقیت مشہور و معروف ہو تو دیکھنے والے کیلئے گواہی دینا جائز ہے اور اگر ان کی رقیت معروف نہ ہو اور وہ اتنے چھوٹے ہوں کہ اپنی رقیت یا حریت بیان نہ کر سکتے ہوں تب بھی یہی حکم ہے۔ اور اگر وہ اپنی حالت بیان کر سکتے ہوں خواہ وہ صغیر ہوں یا کبیر تو صرف قبضہ کی وجہ سے گواہی جائز نہیں اور ایک روایت جواز کی بھی ہے۔

قولہ وان فسر الخ گواہوں نے قاضی کے پاس گواہی دی اور ساتھ ساتھ یہ بھی تشریح کر دی کہ ہم لوگوں سے سن کر یا مدعی کے قبضہ میں دیکھ کر گواہی دے رہے ہیں تو ان کی گواہی مقبول نہ ہوگی کیونکہ انہوں نے خود ہی اقرار کر لیا کہ ہم نے علم حاصل ہوئے بغیر گواہی دی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ گواہی مطلق ہونی چاہیے۔ تفسیر کی ضرورت نہیں۔

عہ...... وذہب الفتوی علی قولہما (کذا فی العمادیہ) ۱۲۔ عہ...... ظاہر ما فی السراج انہ لابد من خبر ... فی الکل الا فی الموت وصحح عن الظہیر یہ ان الموت کغیرہ ویدل علیہ ما فی الخلاصۃ وفی فتح القدیر المختار الاکتفاء بالواحد فی الموت ۱۲

تنبیہ

تصریح بالسماع کی صورت میں شہادت کا مقبول نہ ہونا عام ہے۔ وقف وموت کا سلسلہ میں ہو یا کسی اور معاملہ میں کیونکہ کنز' زیلعی' عینی' وقایہ' نقایہ' مختار' اختیار' جملہ متون میں اطلاق ہے نہ کہ تقیید۔ ملا علی ترکمانی نے اسی پر فتوی دیا ہے۔ فتاوی خیریہ' فتاوی شیخ الاسلام علی آفندی' فتاوی قاضیخان میں اس کی تصریح موجود ہے۔ خانیہ کی عبادت ملاحظہ ہو 'اذا شهد' الشهو دبماتجوزبها لشهادة بالسماع وقالوا اشهد نا بذلك لانا سمعنامن الناس لاتقبل شهادتهم " پس ملا مسکین نے اپنی شرح میں موت اور وقف کا اور عمادی نے فصول میں وقف کا اور صاحب۔ خلاصہ نے موت کا جو استثناء کیا ہے۔ نیز صاحب درر نے جو عمادی کی پیروی کی ہے یہ صحیح نہیں کیونکہ عامۃ المتون جو اکثر ظاہر الروایہ کو لیتے ہیں اس کے خلاف ہیں نیز قاضیخاں بتصریح صاحب بحر فقیہ النفس ہے اس لئے عمادیہ وخلاصہ کے مقابلہ میں انکا قول زیادہ قابل اعتماد ہوگا علی ان ما فی المتون والشروح مقدم علی مافی الفتاوی وانما اکثرت النقل فی المسئله للاختلاف فیها فتبه۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

باب من تقبل شهادته ومن لا تقبل

باب گواہان مقبول و غیر مقبول کی شہادت کے بیان میں

وَلاَ تُقْبَلُ شَهَادَةُ الاَعْمیٰ وَالْمَمْلُوْکِ وَالصَّبِیِّ اِلَّا اَنْ یَّتَحَمَّلاَ فِی الرِّقِّ وَالصِّغَرِ وَاَدَّیَا بَعْدَ الْحُرِّیَّةِ وَالْبُلُوْغِ

اور نہیں قبول کیجائے گی گواہی اندھے اور غلام اور بچہ کی مگر یہ کہ تحمل کریں غلامی اور بچپنے میں اور ادا کریں آزادی اور بلوغ کے بعد

وَالْمَحْدُوْدِ فِی قَذْفٍ وَاِنْ تَابَ اِلَّا اَنْ یُحَدَّ الْکَافِرُ فِی قَذْفٍ ثُمَّ اَسْلَمَ وَالْوَلَدِ لاَبَوَیْهِ وَجَدَّیْهِ

اور جس کو حد قذف ماری گئی ہو مگر وہ توبہ کرلے مگر یہ کہ حد ماری جائے کافر کو قذف کی پھر وہ اسلام لے آئے اور بچہ کی والدین اور دادا دادی کے لئے

وَعَکْسِهٖ وَاَحَدِ الزَّوْجَیْنِ لِلاٰخَرِ وَالسَّیِّدِ لِعَبْدِهٖ وَمُکَاتَبِهٖ وَالشَّرِیْکِ لِشَرِیْکِهٖ

اور اس کے برعکس اور میاں بیوی میں سے کسی کی دوسرے کے لئے اور آقا کی اپنے غلام اور مکاتب کے لئے اور ایک شریک کی دوسرے شریک کیلئے

فِیْمَا هُوَ مِنْ شِرْکَتِهِمَا وَالْمُخَنَّثِ وَالنَّائِحَةِ وَالْمُغَنِّیَةِ وَالْعَدُوِّ اِنْ کَانَتْ عَدَاوَةً دُنْیَوِیَّةً.

اس چیز میں جو ان کی شرکت سے ہو اور ہیجڑے نوحہ گر گانے والی اور دشمن کی اگر ہو دشمنی دنیاوی

توضیح اللغۃ: رق غلامی، صغر بچپن، قذف تہمت، مخنث ہیجڑا، نائحہ مردے پر رونے والی، مغنیہ ڈومنی، عدو دشمن۔

تشریح الفقہ: قوله شهادة الاعمی الخ طرفین کے نزدیک اندھے کی شہادت مطلقاً غیر مقبول ہے۔ اور امام مالک کے نزدیک علی الاطلاق مقبول ہے۔ کیونکہ شہادت کا جواز ولایت اور عدالت کے اعتبار سے ہے۔ اور اندھا ہونا قادح ولایت وعدالت نہیں لہٰذا شہادت مقبول ہوگی یہی وجہ ہے کہ اندھے کی روایت مقبول ہے۔ امام زفر کے نزدیک ان چیزوں میں مقبول ہے جن میں تسامع جاری ہو یہ ایک روایت امام صاحب سے بھی ہے، امام ابو یوسف اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر وہ تحمل شہادت کے وقت بینا ہو تو شہادت مقبول ہے۔ وجہ قول طرفین یہ ہے کہ ادائیگی شہادت کے لئے مشہود لہ اور مشہود علیہ کے درمیان اشارہ کیساتھ تمیز کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور نابینا آدمی اشارہ سے امتیاز نہیں کرسکتا وہ تو صرف آواز سے امتیاز کرسکتا ہے تو بہت ممکن ہے کہ خصم اپنے فائدے کے موافق اس کو کچھ تلقین کردے کیونکہ ایک کی آواز دوسرے کی آواز سے مشابہ ہوجاتی ہے۔ اس لئے اس کی شہادت مقبول نہیں۔

قوله والمحدود الخ احناف کے یہاں محدود فی القذف کی شہادت بھی مقبول نہیں اگرچہ وہ اپنی دروغ گوئی ظاہر کرکے تائب ہوگیا ہو، ائمہ ثلاثہ کے یہاں توبہ کے بعد اس کی گواہی مقبول ہے۔ اور اصل اس سلسلہ میں یہ آیت ہے "**والذین یرمون المحصنت ثم لم یاتوا باربعة شهداء فاجلدوهم ثمانین جلدة ولا تقبلوا لهم شهادة ابدا واولئک هم الفسقون الا الذین تابوا** اھ

ع......وفی المنقول والجدود لا تقبل عندھما ایضا ۱۲ مجمع ع......رواہ ابوبکر الرازی الخصاف بسندہ عن عائشۃ ۱۲

(۱) لما فرغ من بیان ما تسمع فیہ الشہادۃ وما لا تسمع شرع فی بیان من تسمع منہ الشہادۃ ومن لا تسمع وقدم ذلک علی ہذا لانہ محال الشہادۃ والمحال شروط والشروط مقدمۃ علی المشروط کما فی العنایۃ لکن المشروط ہو الشہادۃ لا من تسمع منہ الشہادۃ تامل ۱۲ مجمع الانہر

(۲) ظاہرہ انہ اسلم بعد ما ضرب تمام الحد فلو اسلم بعد ما ضرب بعضہ فضرب الباقی بعد اسلامہ ففیہ ثلاث روایات فی ظاہر الروایۃ لا تبطل شہادۃ علی التابید فاذا تاب قبلت وفی روایۃ تبطل ان ضرب الاکثر بعد اسلامہ وفی روایۃ ولو سوطاً کذا فی السراج الوہاج ۱۲ بحر الرائق۔

(۳) لقولہ علیہ السلام لا تجوز شہادۃ الوالد لولدہ ولا المراۃ لزوجہا ولا الزوج لامرأتہ ولا العبد لسیدہ ولا السید لعبدہ ولا الشریک لشریکہ ولا الاجیر لمن استاجرہ ۱۲

(۴) وعند الشافعی تقبل لان الاملاک بینہما متمیزۃ والایدی متحیزۃ ولنا ما روینا ۱۲

اس آیت میں الاالذین تابوا کا استثنا کس سے ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ حضرت عمرؓ ابن عباسؓ مجاہد عطاء اور ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ استثنا ''لاتقبلوا'' اور ''اولئك هم الفسقون'' دونوں جملوں کیطرف راجع ہے۔ کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ جب استثنا ایسے جملوں کے بعد واقع ہو جن میں سے بعض بعض پر معطوف ہو تو استثنا کل کی طرف راجع ہوتا ہے۔ جیسے کوئی شخص یوں کہے ''امراتی طالق وعبدی حرو علی الحجة الاان ادخل الدار'' تو استثنا کل کی طرف راجع ہوگا۔ قاضی شریح ابراہیم نخعی سعید بن جبیر مکحول عبدالرحمٰن بن زید بن جابرؒ حسن بصری ابن سیرینؒ سعید بن المسیب اور احناف کے نزدیک استثنا صرف ''اولئک هم الفسقون'' کی طرف راجع ہے۔ مطلب یہ ہے کہ توبہ اور اصلاح حال کے بعد وہ اللہ کے نافرمان بندوں میں شمار نہ ہوگا۔ گو پچھلے قذف کی سزا میں مردود الشہادة پھر بھی رہے۔ جس طرح چوری اور دیگر جرائم میں توبہ کرنے سے عنداللہ فسق تو دفع ہو جاتا ہے لیکن دنیاوی سزا مرفوع نہیں ہوتی۔ اور گواہی کا مقبول نہ ہونا بھی ایک قسم کی سزا ہے۔ وقد قال ابن عباسؓ التوبة فيما بينه وبين الله فامانحن فلا نقبل شهادته' یہ تو اس صورت میں ہے کہ جب استثنا کو متصل مانا جائے اور معنی یہ ہوں'' اولئک الذین یرمون المحصنات محکوم علیهم بالفسق الاالتائبین '' لیکن ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ استثنا منقطع بمعنی لکن ہے کیونکہ تائبین جنس فاسقین سے نہیں ہیں فکان معناه لکن الذین تابوا فان الله یغفر ذنوبهم ویرحمهم اس صورت میں یہ مستقل کلام ہوا جس کا ماقبل سے کوئی تعلق نہیں۔ رہا قاعدہ مذکورہ سو اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو یہ تسلیم نہیں بلکہ قاعدہ یہ کہ جب استثنا جمل متعاطفہ کے بعد واقع ہو تو صرف اخیر کی طرف راجع ہوتا ہے۔ ہاں اگر رجوع الی الکل پر کوئی دلیل قائم ہو تو کل کی طرف راجع ہوتا ہے جیسے آیت محاربین میں'' لهم عذاب عظیم '' کی طرف راجع ہو تو اس کا کوئی فائدہ نہیں رہتا لان التوبة تسقطه مطلقاً' دوم یہ کہ جمل متقدمہ میں'' فاجلدوا'' بھی ہے اگر کل کی طرف راجع ہو تو لازم آئے گا کہ اس سے کوڑے بھی معاف ہو جائیں۔ حالانکہ بالاتفاق معاف نہیں ہوتے اور اگر یہ کہا جائے کہ فاجلدوا کے علاوہ باقی جملوں کی طرف راجع ہے تو ہم یہ کہتے ہیں کہ جو وجہ اس کی طرف راجع نہ ہونے کی ہے وہی باقی کی طرف راجع نہ ہونے کی ہے فما هوجوابکم فهو جوابنا پھر نظیر مذکور بھی بیجا ہے کیونکہ اس میں کل جمل متعاطفہ انشائیہ ہیں جس کی وجہ سے عطف مستحسن ہے۔ بخلاف آیت کے کہ اس میں'' اولئک هم الفسقون '' اسمیہ مستانفہ ہے اور اس سے پہلے امر و نہی ہے۔ فلم یحسن عطفها علیه۔

قوله الاان یحد الخ ہاں اگر کسی کافر پر حد قذف جاری ہوئی پھر وہ مسلمان ہو گیا تو اس کی گواہی مقبول ہوگی مثلاً ایک ذمی پر حد قذف جاری کیگئی تو اہل ذمہ پر اس کی شہادت جائز نہ رہی پھر جب وہ مسلمان ہو گیا تو اس کی شہادت اہل ذمہ اور اہل اسلام سب کے حق میں مقبول ہے۔ مصنف نے کافر کی قید لگائی اس واسطے کہ اگر غلام پر حد قذف جاری ہو پھر وہ آزاد ہو جائے تو اس کی شہادت مقبول نہ ہوگی۔ وجہ فرق یہ ہے کہ کافر فی الجملہ اہل شہادت ہے تو رد شہادت منجملہ تمامی حد سے ہوا اور اسلام سے دوسری قسم کی اہلیت شہادت پیدا ہوئی لہٰذا اس کی شہادت مقبول ہوگی بخلاف غلام کے کہ اس میں بحالت رقیت شہادت کی بالکل اہلیت نہیں تو رد شہادت حدوث شہادت پر موقوف ہوا اور جب اس میں عتق کے بعد شہادت کی اہلیت پیدا ہوئی تو اب رد شہادت منجملہ تمامی حد سے ہوا۔

قوله وللمخنث الخ جو مخنث افعال قبیحہ کا مرتکب ہو یعنی عورتوں کے بعد شہادت کی اہلیت پیدا ہوئی تو اب رد شہادت منجملہ تمامی حد سے ہو افعلی مشابہت تو یہ کہ محل لواطت ہو اور قولی مشابہت یہ کہ عورتوں کی طرح بناوٹ کیساتھ نرم کلامی اختیار کرے تو اس کی شہادت مقبول نہیں کیونکہ وہ فاسق ملعون ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''لعنت کرے مردوں میں سے مخنث پر اور عورتوں میں اسے اس پر جو مردوں کیساتھ مشابہت اختیار کرے۔ ہاں اگر پیدائشی طور پر اس کی زبان میں لوچ اور اعضا میں تلقین ہو اور مرتکب فواحش نہ ہو تو اس کی شہادت مقبول ہے کیونکہ یہ امر اختیاری نہیں ہے۔

ف...... جو لوگ عیب لگاتے ہیں پاکدامن عورتوں کو پھر نہ لائے چار مرد شاہد تو ماروان کو اسی کوڑے اور نہ مانو ان کی گواہی کبھی اور وہی لوگ ہیں نافرمان مگر جنہوں نے توبہ کر لی اھ ۱۲

قولہ والنائحہ الخ نوحہ گر عورت جو دوسروں کی مصیبت میں اجرت لیکر روئے اس کی شہادت مقبول نہیں نیز گانیوالی عورت کی شہادت بھی مقبول نہیں اگرچہ وہ اپنی وحشت دور کرنے کے لئے گائی ہو اور لہو ولعب اور جمع مال کے لئے گانا تو بالاتفاق حرام ہے **وقد نھی علیہ السلام عن الصوتین الا حمقین النائحۃ والمغنیہ۔**

قولہ والعدو الخ دنیاوی عداوت رکھنے والے دشمن کی گواہی بھی مقبول نہیں جیسے ولی مقتول کی گواہی قاتل پر اور مجروح کی جارح پر اور مقذوف کی قاذف پر۔ کیونکہ دنیاوی عداوت حرام اور موجب فسق ہے۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

وَمُدْمِنِ الشُّرْبِ عَلَى اللَّهْوِ وَمَنْ يَلْعَبُ بِالطُّيُوْرِ اَوْ يُغَنِّيْ لِلنَّاسِ اَوْ يَرْتَكِبُ مَايُوْجِبُ الْحَدَّ

اور ہمیشہ کھیل کے لئے شراب پینے والے کی اور اس کی جو کھیلتا ہو پرندوں سے یا گاتا ہو لوگوں کو سنانے کے لئے یا ارتکاب کرتا ہو موجب حد امور کا

اَوْ يَدْخُلُ الْحَمَّامَ بِلَا اِزَارٍ اَوْ يَاكُلُ الرِّبٰوا اَوْ يُقَامِرُ بِالنَّرْدِ وَالشَّطْرَنْجِ اَوْ تَفُوْتُهُ الصَّلٰوةُ بِسَبَبِهِمَا اَوْ يَبُوْلُ

یا داخل ہوتا ہو حمام میں بلا تہبند یا کھاتا ہو سود یا جوا کھیلتا ہو یا چوسر اور شطرنج سے یا فوت ہوتی ہو اس کی نماز ان کے سبب سے یا پیشاب کرتا ہو

اَوْ يَاكُلُ عَلَى الطَّرِيْقِ اَوْ يُظْهِرُ سَبَّ السَّلَفِ وَتُقْبَلُ لِاَخِيْهِ وَعَمِّهٖ وَاَبَوَيْهِ رِضَاعًا وَاُمِّ اِمْرَاَتِهٖ وَبِنْتِهَا وَزَوْجِ بِنْتِهٖ

یا کھاتا ہو راہ میں یا علانیہ برا کہتا ہو اسلاف کو اور قبول کی جائے گی اپنے بھائی چچا رضاعی ماں باپ ساس بی بی کی لڑکی داماد

وَامْرَاَةِ اِبْنِهٖ وَاَبِيْهِ وَاَهْلِ الْهَوٰى اِلَّا الْخَطَّابِيَّةِ وَالذِّمِّيِّ عَلٰى مِثْلِهٖ

بہو اور باپ کی بی بی کے لئے اور اہل ہوا کی مگر خطابیہ کی اور ذمی کی اسی جیسے پر

وَالْحَرْبِيِّ عَلٰى مِثْلِهٖ لَا عَلَى الذِّمِّيِّ وَمَنْ اَلَمَّ بِصَغِيْرَةٍ اِنِ اجْتَنَبَ الْكَبَائِرَ.

اور کافر حربی کی اسی جیسے پر نہ کہ ذمی پر اور اس کی جو صغیرہ گناہ کرتا ہو اگر کبائر سے بچتا ہو۔

توضیح اللغۃ: مدمن ہمیشگی کنندہ، حمام گرمابہ، ازار تہبند، یقامر قمار سے ہے۔ جوا کا کھیلنا، سب گالی، سلف پہلے بزرگ، خطابیہ روافض میں سے ایک گروہ ہے۔

تشریح الفقہ: قولہ ومدمن الشرب الخ ہمیشہ نشہ پینے والے کی شہادت بھی قبول نہیں خواہ نشہ شراب سے ہو یا غیر شراب سے۔ صاحب بحر وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ غیر خمر میں ادمان شرط ہے۔ کافی میں ہے کہ ادمان اس لئے شرط ہے کہ اس کا یہ فعل ظاہر ہو اور لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ وہ مرتکب حرام ہے کیونکہ جو شخص پوشیدہ طور پر شراب پیتا ہو۔ وہ عدالت سے خارج نہیں ہوتا اگرچہ بکثرت پیتا ہو عدالت اسی وقت ساقط ہوگی جب شرب ظاہر ہو۔ رہا شرب خمر کا حرام ہونا تو وہ اپنی جگہ پر ہے شرب کا ایک قطرہ پینے سے بھی مرتکب کبیرہ ہو جاتا ہے۔

قولہ ومن یلعب الخ جو شخص پرندوں سے کھیلتا ہو اس کی بھی شہادت مقبول نہیں جیسے کبوتر بازی، تیتر بازی وغیرہ کیونکہ یہ مورث غفلت ہے مگر یہ اس صورت میں ہے کہ جب کبوتر اڑانے کیواسطے کوٹھے پر چڑھتا ہو اور عورات نساء پر مطلع ہوتا ہو ورنہ صرف تفریح خاطر اور دفع وحشت کیلئے کبوتر وغیرہ پالنا اور گھروں میں رکھنا مباح ہے۔ نیز جو شخص گانا گاتا اور لوگوں کو راگ سناتا ہو اس کی گواہی بھی مقبول نہیں

عہ ابوداؤد عن ابن عباس ۱۲ منہ ...... ترمذی، ابن ابی شیبہ، ابن راہویہ، ابن حمید، طیالسی، بیہقی عن جابر، بزار، ابویعلی الموصلی، حاکم عن عبدالرحمن بن عوف ۱۲

(۱) لان کشف العورۃ حرام ورائی ابوحنیفہ رجلا فی الحمام بغیر ازار فقال۔ الا یا عباد اللہ خافوا الہکم: ولا تدخلوا الحمام معی بغیر ازر ۱۲۔ (۲) لان کل ذلک من الکبائر والملعب بالنرد مبطل للعدالۃ مطلقا للاجماع علی حرمتہ بخلاف الشطرنج لان للاجتہاد فیہ مساغا القول مالک والشافعی باباحتہ وھو مروی عن ابی یوسف واختارہا ابن الشحنۃ اذا کان لاحضار الذہن واختار ابوزید حلہ ۱۲۔

(۳) لانہ تارک للمروۃ فلم یمتنع عن مثل ذلک لا یمتنع عن الکذب ۱۲۔ (۴) لو قال کغیرہ او یظہر سب مسلم لکان اولیٰ لان العدالۃ تسقط بسب مسلم وان لم یکن من السلف لقولہ علیہ السلام سباب المسلم فسق وقتالہ کفر ۱۲۔

گو وہ اجرت نہ لیتا ہو (کذا فی الطحطاوی) اسی طرح جو شخص موجب حد امور (یعنی گناہ کبیرہ) کا مرتکب ہوتا ہو اس کی شہادت بھی مقبول نہیں، گناہ کبیرہ وہ ہے جس کے مرتکب پر قرآن و حدیث میں دوزخ یا عذاب شدید کی وعید وارد ہو یا اس کے مرتکب کو کافر کہا ہو جیسے تارک صلوۃ متعمدا یا شرع میں اس پر حد مشروع ہو جیسے زانی، سارق، قاطع

طریق، شارب خمر یا وہ فعل برائی میں امور مذکورہ کے برابر یا ان سے بڑھ کر ہو (القول الجمیل للمحدث الدھلوی) ابو طالب مکی نے "قوت القلوب" میں ذکر کیا ہے کہ میں نے ان احادیث کو جمع کیا جن میں کبائر کی تصریح ہے تو میں نے کبیرہ گناہ سترہ پائے۔ چار دل میں یعنی شرک، نیت، اصرار معصیت، رحمت الٰہی سے ناامیدی مکر الٰہی سے بےخوفی اور چار زبان میں یعنی شہادت زور، قذف محصن، یمین غموس، سحر اور تین پیٹ میں یعنی شرب خمر، اکل مال یتیم، اکل ربوا اور دو شرمگاہ میں یعنی زنا اور لواطت اور دو ہاتھ میں یعنی قتل ناحق اور چوری اور ایک پاؤں میں یعنی صف کفار سے فرار اور ایک سارے بدن میں یعنی عقوق والدین حق تعالیٰ ہم سب کو ان سے محفوظ رکھے۔ آمین۔ (غایۃ الاوطار)۔

قولہ واہل الھوی الخ ہمارے یہاں اہل ہوی کی شہادت علی الاطلاق مقبول ہے خواہ اہلسنت پر ہو یا انہیں میں سے بعض کی بعض پر ہو یا کفار پر ہو بشرطیکہ ان کا اعتقاد مفضی الی الکفر ہو۔ امام شافعی کے یہاں ان کی شہادت مقبول نہیں کیونکہ ان کا فسق نہایت شدید ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ ان کا فسق اعتقادی ہے نہ کہ فعلی اور فاسق اعتقادی متہم بالکذب نہیں بخلاف فاسق فعلی کے کہ وہ متہم بالکذب ہے اس لئے اس کی گواہی مقبول نہیں۔ پھر اہل ہوی سے کوئی خاص فرقہ مراد نہیں بلکہ جبریہ، مرجیہ، قدریہ، روافض، خوارج، اہل تشبیہ، اہل تعطیل وغیرہ سب فرق اہل ہوی ہیں کیونکہ جو بتاویل فاسد مخالف سنت ہو وہ اہل ہوی ہے۔ مغرب میں یہ ہے کہ جو لوگ اہل قبلہ ہوں یعنی اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہوں اور اہل سنت والجماعت کے طریق سے کجرو ہوں وہ اہل ہوی ہیں۔

قولہ الا الخطابیہ الخ خطابیہ ابو الخطاب محمد بن ذہب اجدح (یا محمد بن ابی زبیب اسدی اجدح) کی طرف نسبت ہے۔ یہ روافض ہی میں سے ایک جماعت ہے جو اپنے شیعوں اور ہر اس شخص کے حق میں شہادت کو جائز سمجھتے ہیں جو ان کے پاس قسم کھائے کہ میں حق پر ہوں ان کی شہادت متہم بالکذب ہونے کی وجہ سے مقبول نہیں۔

قولہ والذمی الخ ہمارے یہاں ذمیوں میں سے بعض کی شہادت بعض پر مقبول ہے گو شاہد و مشہود علیہ کا دین مختلف ہو جیسے یہود ونصاریٰ کیونکہ کل کفر ملت واحدہ ہے، امام مالک اور امام شافعی کے یہاں مقبول نہیں کیونکہ ذمی فاسق ہے قال تعالیٰ **والکافرون ھم الفسقون** پس اس کی خبر میں توقف واجب ہے۔ لقولہ تعالیٰ **ان جاء کم فاسق بنباء فتبینوا**، ہم یہ کہتے ہیں کہ ذمی میں اپنی ذات پر اور اپنی اولاد پر ولایت کی اہلیت ہے تو وہ اپنی جنس پر شہادت کا اہل ہوگا۔ رہا فسق سو وہ اعتقادی ہے۔ جو مانع شہادت نہیں۔ **وقد استدل صاحب الھدایہ بانہ علیہ السلام اجاز شھادۃ اھل الکتاب بعضھم علی بعض (رواہ ابن ماجہ عن جابر) وفیہ تامل۔**

اس نے کوفہ میں خروج کیا۔ عیسی بن موسی بن علی بن عبداللہ بن عباس سے لڑائی لڑی اور یہ دعوی کیا کہ علی مرتضیٰؓ خدائے اکبر ہیں اور جعفر صادق رب اصغر (نعوذ باللہ منہ) سو عیسی نے کوفہ کے محلہ کناسہ میں اس کو سولی دی اور قتل کر دیا ۱۲۔ فی الحاشیۃ الاعزازیہ ابی زینب وفی المنتقی ابی وھب منیظر ۱۲

وَالاَقْلَفِ وَالْخَصِيِّ وَوَلَدِ الزِّنَا وَالْخُنْثٰى وَالْعُمَّالِ وَالْمُعْتَقِ لِلْمُعْتِقِ وَلَوْ شَهِدَا اَنَّ اَبَاهُمَا اَوْصٰى اِلَيْهِ

اور غیر مختون اور آختہ اور حرامی اور خنثی اور عاملوں کی اور آزاد کردہ کی آزاد کنندہ کیلئے اگر گواہی دیں دو شخص کہ ہمارے باپ نے وصی کیا تھا فلاں کو

وَالْوَصِيُّ يَدَّعِي. جَازَ وَاِنْ اَنْكَرَ لاَ كَمَا لَوْشَهِدَا اَنَّ اَبَاهُمَا وَكَّلَهُ بِقَبْضِ دُيُوْنِهِ وَادَّعَى الْوَكِيْلُ

اور وصی بھی دعویٰ کرے تو جائز ہے اور انکار کرے تو نہیں جیسے اگر گواہی دیں کہ ہمارے باپ نے وکیل کیا تھا فلاں کو اپنا قرضہ لینے کا اور دعویٰ کرے

اَوْ اَنْكَرَ وَلاَيَسْمَعُ الْقَاضِيْ اَلشَّهَادَةَعَلٰى جَرْحٍ وَمَنْ شَهِدَ وَلَمْ يَبْرَحْ

وکیل یا انکار کرے اور نہ سنے قاضی شہادت طعن پر جس نے گواہی دی اور کچہری ہی میں رہا

حَتّٰى قَالَ اَوْهَمْتُ بَعْضَ شَهَادَتِيْ تُقْبَلُ لَوْعَدْلاً.

یہاں تک کہ کہا کہ میں نے بعض گواہی میں وہم کیا ہے تو یہ کہنا مقبول ہوگا اگر وہ عادل ہو۔

توضیح اللغۃ: اقلف غیر مختون، خصی آختہ۔ عمال جمع عامل خراج وجزیہ وغیرہ وصول کرنے والے، دیون جمع دین قرض، جرح اظہار فسق۔

تشریح الفقہ: **قولہ ولو شهد الخ** ایک شخص کا انتقال ہوا اور اس نے دولڑکے چھوڑے ان دونوں نے گواہی دی کہ ہمارے باپ نے فلاں شخص کو وصی بنایا ہے سو اگر وہ شخص مدعی وصایت ہو تو ان کی گواہی بطریق استحسان صحیح ہے۔ اور اگر وہ شخص قبول وصایت سے انکار کرے تو گواہی صحیح نہیں اور اگر وہ دونوں بجائے وصایت کے وکالت کی گواہی دیں تو بہر دو صورت گواہی صحیح نہیں خواہ وہ شخص مدعی ہو یا منکر، قیاس تو پہلی صورت میں بھی یہی ہے کہ گواہی صحیح نہ ہو کیونکہ یہ گواہی شاہدوں کے فائدے کیلئے ہے بایں معنی کہ نفع انہیں کی طرف لوٹنے والا ہے وجہ استحسان یہ ہے کہ قاضی کو غائب کیطرف سے وصی مقرر کرنے کی ولایت ہے۔ اب وہ اس کا محتاج ہے کہ وصی کے متعلق غور کرے کہ وہ اپنی امانت و دیانت داری کی وجہ سے صالح وصیت ہے یا نہیں اور میت کے دونوں لڑکوں نے گواہی دے کر اس کی تعدیل کر دی تو قاضی اس شہادت کے ذریعہ بار تعیین سے بچ گیا بخلاف وکالت کے کہ قاضی کو غائب کی طرف سے وکیل مقرر کرنے کا اختیار نہیں۔

قولہ ولا یسمع الخ جرح سے مراد جرح مجرد ہے یعنی اس فسق کا اظہار جو حق اللہ یا حق عبد کے اثبات سے خالی ہو۔ اور اس پر مشہود علیہ سے دفع خصومت مرتب نہ ہو تو جو گواہی جرح مجرد پر ہو وہ مقبول نہیں کیونکہ گواہی حکم کی وجہ سے مقبول ہوتی ہے تو مشہود بہ کا تحت الحکم داخل ہونا ضروری ہے اور فسق تحت الحکم داخل نہیں۔ کیونکہ حکم الزام ہوتا ہے اور قاضی کسی پر فسق لازم نہیں کر سکتا کیونکہ فاسق توبہ کر کے فسق کو دور کر سکتا ہے اس لئے قاضی جرح مجرد پر گواہی نہ سنے اور نہ اس کا حکم کرے **وعندالشافعي تسمع ويحكم به كذانقل عن الخصاف وهو رواية عن ابي يوسف۔**

قولہ ومن شهدا لخ ایک عادل شخص نے گواہی دی اور ہنوز مجلس قضاء سے جدا نہ ہو پایا تھا اور مجلس دراز بھی نہ ہونے پائی تھی نیز مدعی نے اس کی تکذیب بھی نہیں کی تھی کہ اس نے کہا کہ مجھ سے بعض شہادت میں خطا ہو گئی مثلاً اس نے ہزار کی گواہی دی پھر کہا کہ میں چوک گیا حقیقت میں پانچسو ہیں یا اسکے برعکس کہا تو گواہی بشرط عدالت مقبول ہے کیونکہ مجلس قضاء کے رعب سے کبھی ایسا ہو جاتا ہے۔

عی۔۔۔۔لان العدالةلاتخل بترك الختان لانه سنته عندنا اطلقه وقيده قاضيخان بان لايكون استخفافاً واعراضا ۱۲۔ عه۔۔۔۔ لان فسق الابوين لا يوجب فسق الولدخلافاًلمالك في الزنا ۱۲۔ عه۔۔۔۔ لانه رجل اوامراة وشهادة الجنسين مقبولةبالنص ۱۲۔ للعه۔۔۔۔ المراد به السلطان لان نفس العمل ليس بفسق الااذاكانو ااعواناً على الظلم ۱۲

باب الاختلاف فی الشهادة

باب شہادت کے اندر اختلاف کے بیان میں

اَلشَّهَادَةُ اِنْ وَافَقَتِ الدَّعْوٰى قُبِلَتْ وَاِلاَّ لَا اِدَّعٰى دَارًا اِرْثًا اَوْ شِرَاءً فَشَهِدَا بِمِلْكٍ مُطْلَقٍ لَغَتْ

شہادت اگر موافق ہو دعویٰ کے تو مقبول ہوگی ورنہ نہیں دعوی کیا گھر کا وراثت یا خرید کے سبب سے اور گواہوں نے گواہی دی ملک مطلق کی تو لغو ہوگی

وَبِعَكْسِهٖ لاَ وَيُعْتَبَرُ اِتِّفَاقُ الشَّاهِدَيْنِ لَفْظًا وَمَعْنًى فَاِنْ شَهِدَ اَحَدُهُمَا بِاَلْفٍ وَالاٰخَرُ بِاَلْفَيْنِ

اس کے برعکس ہو تو نہیں اور معتبر ہے گواہوں کا متفق ہونا لفظا بھی اور معنی بھی پس اگر گواہی دی ایک نے ہزار کی اور دوسرے نے دو ہزار کی

لَمْ تُقْبَلْ وَاِنْ شَهِدَ الاٰخَرُ بِاَلْفٍ وَخَمْسِمِائَةٍ وَالْمُدَّعِي يَدَّعِي ذٰلِكَ قُبِلَتْ عَلَى الاَلْفِ وَلَوْ شَهِدَا بِاَلْفٍ

تو مقبول نہ ہوگی اور اگر گواہی دی دوسرے نے ڈیڑھ ہزار کی اور مدعی اس کا دعوی کرے تو مقبول ہوگی ہزار پر اگر دونوں نے ہزار کی گواہی دی

وَقَالَ اَحَدُهُمَا قَضَاهُ مِنْهَا خَمْسَمِائَةٍ تُقْبَلُ بِاَلْفٍ وَلَمْ يُسْمَعْ اَنَّهٗ قَضَاهُ اِلاَّ اَنْ يَّشْهَدَ مَعَهٗ اٰخَرُ

اور ایک نے کہا کہ ان میں سے پانچ سو ادا کر دئے تو قبول ہوگی ہزار کی اور نہ سنا جائیگا یہ کہ ادا کر دیئے تھے مگر یہ کہ گواہی دے اس کے ساتھ دوسرا بھی

وَيَنْبَغِي اَنْ لاَ يَشْهَدَ حَتّٰى يُقِرَّ الْمُدَّعِي بِمَا قَبَضَ وَلَوْ شَهِدَا بِقَرْضِ اَلْفٍ وَشَهِدَ اَحَدُهُمَا اَنَّهٗ قَضَاهُ

اور چاہئے کہ نہ گواہی دے یہاں تک کہ اقرار کرے مدعی مقبوض کا دو نے گواہی دی ہزار کے قرض کی اور ایک نے ان میں سے گواہی دی کہ ادا کر چکا

جَازَتِ الشَّهَادَةُ عَلَى الْقَرْضِ وَلَوْ شَهِدَا بِاَنَّهٗ قَتَلَ زَيْدًا يَوْمَ النَّحْرِ بِمَكَّةَ وَاٰخَرَانِ اَنَّهٗ قَتَلَهٗ يَوْمَ النَّحْرِ بِمِصْرَ

تو جائز ہوگی شہادت قرض پر دو نے گواہی دی کہ فلاں نے قتل کیا ہے زید کو قربانی کے دن مکہ میں اور دو نے اس کی کہ قتل کیا ہے اسی دن مصر میں

رُدَّتَا فَاِنْ قُضِيَ بِاَحَدِهِمَا اَوَّلاً بَطَلَتِ الاُخْرٰى.

تو دونوں مردود ہوں گی اور اگر ایک پر حکم ہوگیا ہو پہلے تو دوسری باطل ہوگی۔

تشریح الفقہ: قوله باب الخ اختلاف شہادت کو اتفاق شہادت کے بعد لانا عین مقتضی طبع ہے کیونکہ اتفاق شہادت ہی اصل ہے اختلاف تو کسی امر عارض جہل و کذب وغیرہ کی وجہ سے ہوتا ہے اس باب کے مسائل چند اصول پر مبنی ہیں (۱) حقوق العباد میں شہادت بلا دعوی مقبول نہیں بخلاف حقوق اللہ کے کہ وہ دعوی پر موقوف نہیں۔ (۲) اگر شہادت مدعا سے زائد پر ہو تو باطل ہے اور مدعا سے کم پر ہو تو مقبول ہے۔ (۳) ملک مطلق جس میں سبب ملک یعنی خرید وارث وغیرہ مذکور نہ ہو وہ ملک مقید سے زیادہ سمجھی جائے گی۔ (۵) ایک شاہد کی گواہی دوسرے شاہد کی گواہی کیساتھ لفظا اور معنی ہر دو اعتبار سے موافق ہونی چاہئے۔ نیز معنی کے لحاظ سے شہادت دعوی کے بھی موافق ہونی چاہیے ورنہ شہادت مقبول نہ ہوگی مگر تیئیس صورتیں اس قاعدے سے مستثنی ہیں جو صاحب بحر نے ذکر کی ہیں۔ من شاء فليرا جع اليه۔

قله ادعیٰ الخ ایک شخص نے ملک مقید کا دعوی کیا مثلاً یوں کہا کہ جو مکان زید کے پاس ہے وہ میرا اور مجھے وراثت میں ملا ہے یا میں نے خریدا ہے اور گواہوں نے ملک مطلق کی گواہی دی یعنی ملک کا سبب بیان نہیں کیا تو گواہی مقبول نہ ہوگی کیونکہ شہادت دعوی سے زیادہ ہے اور اگر عکس ہو یعنی مدعی ملک مطلق کا دعوی کرے اور شاہد ملک مقید کی گواہی دیں تو مقبول ہوگی۔ کیونکہ اس صورت شہادت دعوی سے کمتر ہے۔

قوله ويعتبر الخ امام صاحب کے نزدیک تطابق شہادتین لفظا اور معنی ہر دو اعتبار سے ضروری ہے۔ اور تطابق بطریق وضع ہونا چاہئے نہ بطریق تضمن مگر صاحب بحر نے ذکر کیا ہے کہ بیالیس مسئلے اس سے مستثنی ہیں۔ اور شیخ صالح نے حاشیہ اشباہ میں تیرہ مسئلے اور بڑھائے ہیں تو کل پچپن مسئلے مستثنی ہیں تفصیل طلب ہو تو ادھر رجوع کیجئے۔ صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک صرف لفظی موافقت

کافی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کہ دونوں شاہدوں کے الفاظ افادہ معنیٰ میں برابر ہوں خواہ بعینہ وہی لفظ ہو یا اس کا مرادف ہو تو اگر ایک ہبہ کی گواہی دے اور دوسرا عطیہ کی تو گواہی مقبول ہوگی۔

قولہ فان شھدا لخ تطابق شہادتین پر متفرع ہے کہ دو شاہدوں میں سے ایک نے ہزار کی گواہی دی اور دوسرے نے دو ہزار کی تو امام صاحب کے نزدیک مقبول نہ ہوگی کیونکہ دونوں کے الفاظ مختلف ہیں اور اختلاف لفظی اختلاف معنوی پر دلالت کرتا ہے چنانچہ ایک ہزار نہیں بولتے۔ صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مقبول ہے کیونکہ دونوں شاہد ایک ہزار پر متفق ہیں اس لئے کہ دو ہزار ایک ہزار کو متضمن ہے اور ایک شاہد زیادتی میں منفرد ہے تو جس پر اتفاق ہے وہ ثابت ہوگا یعنی ایک ہزار۔ اور اگر ایک نے ایک ہزار کی گواہی دی اور دوسرے نے پندرہ سو کی اور مدعی نے پندرہ سو کا دعویٰ کیا تو بالاتفاق گواہی ایک ہزار پر مقبول ہوگی۔ کیونکہ دونوں شاہد ایک ہزار پر متفق ہیں لفظاً بھی اور معنیً بھی اس لئے کہ الف اور خمسمائۃ دو جملے ہیں جن میں سے ایک کا دوسرے پر عطف ہے **والعطف یقرر الاول۔**

قولہ قضاہ منھا الخ دو گواہوں نے ایک ہزار کی گواہی دی اور ایک نے یہ بھی کہہ دیا کہ پانچسو یہ وصول کر چکا ہے تو ہزار میں ان دونوں کی گواہی مقبول ہوگی کیونکہ اس پر ان دونوں کا اتفاق ہے اور ایک گواہ کا یہ کہنا مسموع نہ ہوگا کہ اس نے پانچسو وصول کر لیا ہے۔ کیونکہ یہ ایک مستقل گواہی ہے اور گواہ صرف ایک ہے اور ایک کی گواہی معتبر نہیں ہوتی۔ ہاں اگر دوسرا بھی اس کے موافق گواہی دی تو مقبول ہوگی۔

قولہ بانہ قتل زیدًا الخ چار گواہوں نے قتل کی گواہی دی اور مکان قتل میں اختلاف کیا مثلاً دو نے کہا کہ بقرعید کے دن مکہ میں قتل ہوا ہے اور دوسرے دو نے کہا کہ اسی دن کوفہ میں قتل ہوا ہے اور یہ سب گواہ حاکم کے روبرو حاضر ہوں تو حاکم ان دونوں گواہیوں کو مسترد کر دے کیونکہ ان میں سے ایک گواہی یقیناً کاذب ہے اس واسطے کہ شخص واحد دو مرتبہ (اور دو جگہ) قتل نہیں ہو سکتا اور ان میں سے کسی ایک کو ترجیح ہے نہیں لہٰذا دونوں ساقط ہوں گی۔ اور اگر ان میں سے ایک گواہی پہلے ہو گئی تھی جس کی بابت حاکم فیصلہ کر چکا تھا پھر دوسری گواہی دی گئی تو یہ دوسری گواہی مردود ہوگی۔ کیونکہ پہلی گواہی اتصال قضا کی وجہ سے راجح ہو گئی تو اب دوسری گواہی سے نہیں ٹوٹے گی۔

وَلَوْ شَهِدَا عَلٰى سَرِقَةِ بَقَرَةٍ وَاخْتَلَفَا فِي لَوْنِهَا قُطِعَ بِخِلَافِ الذُّكُوْرَةِ وَالْاُنُوْثَةِ وَالْغَصَبِ

اور اگر دو نے گواہی دی گائے کی چوری پر اور اختلاف کیا اس کے رنگ میں تو ہاتھ کاٹا جائیگا بخلاف نر اور مادہ ہونے کے اختلاف کے اور غصب کے

وَمَنْ شَهِدَ لِرَجُلٍ اَنَّهٗ اِشْتَرٰى عَبْدَ فُلَانٍ بِاَلْفٍ وَشَهِدَ الْاٰخَرُ بِاَلْفٍ وَخَمْسِ مِائَةٍ بَطَلَتِ الشَّهَادَةُ

ایک نے گواہی دی کسی کے لئے کہ اس نے خریدا ہے فلاں کا غلام ہزار میں اور گواہی دی دوسرے نے ڈیڑھ ہزار کی تو گواہی باطل ہوگی

وَكَذَا الْكِتَابَةُ وَالْخُلْعُ فَاَمَّا النِّكَاحُ فَيَصِحُّ بِاَلْفٍ مِلْكُ الْمُوَرِّثِ لَمْ يُقْضَ لِوَارِثِهٖ بِلَا جَرٍّ اِلَّا اَنْ يَشْهَدَا

اسی طرح کتابت اور خلع ہے لیکن نکاح صحیح ہو جائیگا ہزار پر مورث کی ملک کا فیصلہ نہیں کیا جائیگا اس کے وارث کے لئے جب تک یہ ثابت نہ ہو

بِمِلْكِهٖ اَوْ يَدِهٖ اَوْ يَدِ مُوْدِعِهٖ اَوْ مُسْتَعِيْرِهٖ وَقْتَ الْمَوْتِ

کہ وارث کی ملک میں آ گیا مگر یہ کہ گواہی دیں میت کی ملک یا اس کے قبضہ کی یا اس کے مودع یا مستعیر کے قبضہ کی موت کے وقت

وَلَوْ شَهِدَا بِيَدِ حَيٍّ مُذْ شَهْرٍ رُدَّتْ وَلَوْ اَقَرَّ الْمُدَّعٰى عَلَيْهِ بِذٰلِكَ اَوْ شَهِدَ شَاهِدَانِ اَنَّهٗ اَقَرَّ

اگر گواہی دیں زندہ کے قبضہ کی ایک مہینہ سے تو مردود ہوگی اور اگر اقرار کرے مدعا علیہ اس کا یا گواہی دیں دو گواہ اس کی کہ اس نے اقرار کیا ہے

اَنَّهٗ كَانَ فِي يَدِ الْمُدَّعِي دُفِعَ اِلَى الْمُدَّعِي.

کہ یہ مدعی کے قبضہ میں ہے تو دیدیا جائیگی وہ مدعی کو۔

تشریح الفقہ: قولہ علی سرقۃ الخ دو گواہوں نے گواہی دی کہ فلاں شخص نے گائے چرائی ہے اور اس کے رنگ میں دونوں نے اختلاف کیا مثلاً ایک نے سرخ رنگ بتایا اور دوسرے نے کالا تو سارق کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اور اگر اختلاف اس کے نر اور مادہ ہونے میں ہو مثلاً ایک کہے کہ گائے تھی اور دوسرا کہے کہ بیل تھا یا گواہی غصب پر ہو۔ اور ایک کہے کہ سفید گائے غصب کی ہے اور دوسرا کہے کہ کالی گائے غصب کی ہے تو سارق کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دونوں صورتوں میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا یعنی اختلاف رنگ میں ہو یا نر اور مادہ ہونے میں۔ اس واسطے کہ کالی گائے کا سرقہ علیحدہ ہے اور سرخ گائے کا علیحدہ پس ہر ایک فعل پر شہادت کا نصاب پورا نہیں ہے۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ رنگ کے اختلاف میں تطابق ممکن ہے کیونکہ چوری اکثر رات میں ہوتی ہے تو رنگت میں دھوکا ہوسکتا ہے بخلاف نر اور مادہ ہونے کے کہ یہ محل واحد میں جمع نہیں ہوسکتے۔

قولہ ومن شھد الرجل الخ ایک شخص نے گواہی دی کہ زید نے فلاں شخص سے غلام ایک ہزار میں خریدا ہے اور دوسرے نے گواہی دی کہ پندرہ سو میں خریدا ہے تو شہادت باطل ہے یہی حکم کتابت اور خلع کا ہے۔ مثلاً ایک نے گواہی دی کہ بدل کتابت ایک ہزار ہے اور دوسرے نے گواہی دی کہ پندرہ سو ہے تو یہ گواہی باطل ہوگی کیونکہ یہاں مقصود اثبات عقد کتابت یا اثبات عقد خلع ہے۔ اور عقد اختلاف بدل کی وجہ سے مختلف ہوتا ہے تو ہر ایک پر شہادت کا نصاب پورا نہیں ہو لہٰذا گواہی باطل ہے بخلاف نکاح کے کہ وہ ایک ہزار پر صحیح ہوجائے گا۔ کیونکہ نکاح میں مال تابع ہوتا ہے اور مقصود حلت و ملک ہوتی ہے اور اس میں گواہوں کا اختلاف نہیں بلکہ اختلاف تابع میں ہے تو اقل مال کا حکم کیا جائے گا۔ کیونکہ اقل پر دونوں گواہوں کا اتفاق ہے۔ صاحبین کے نزدیک نکاح بھی باطل ہوگا۔ وہ کہتے ہیں کہ یہاں بھی عقد میں اختلاف ہے لان المقصود من الجانبین السبب پس عقد نکاح عقد بیع کے مشابہ ہے۔

قولہ ملک المورث الخ وارث کیلئے اس وقت تک ملک مورث کا فیصلہ نہ ہوگا جب تک کہ جر میراث نہ ہو مثلاً زید کے پاس ایک چیز ہے وارث نے دعویٰ کیا کہ یہ میرے باپ کی میراث ہے اور دو گواہ قائم کر دیئے جنہوں نے گواہی دی کہ واقعی یہ چیز اس کے باپ کی تھی تو طرفین کے نزدیک صرف اتنی گواہی سے وارث کیلئے اس چیز کا حکم نہیں کیا جائیگا۔ بلکہ گواہوں کو یہ بھی ثابت کرنا پڑے گا کہ مورث کا انتقال ہوگیا اور مدعی کیلئے یہ چیز بطور میراث چھوڑی ہے الا یہ کہ گواہ یوں گواہی دیں کہ تادم مرگ مورث اس کا مالک رہا ہے۔ یا وہ چیز اس کے قبضہ میں یا اس کے تصرف میں رہی ہے۔ یا کسی ایسے شخص کا قبضہ یا تصرف ثابت کریں جو مورث کا قائم مقام ہو جیسے مستاجر یا مودع یا غاصب یا امانتدار کہ اس صورت میں جر میراث بیان کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ شہادت ملک یا شہادت قبض ہی کافی ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک بیان جر میراث لازم ہی نہیں۔ کیونکہ وارث اپنے مورث کا خلیفہ ہو کر مالک ہوتا ہے تو ملک مورث کی گواہی بعینہ ملک وارث کی گواہی ہے۔ طرفین یہ فرماتے ہیں کہ مال متروکہ میں وارث کیلئے ملک جدید پیدا ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص باندی کا وارث ہو تو استبراء رحم ضروری ہے اسی طرح اگر موروثہ شئی مورث فقیر پر صدقہ ہو تو وارث غنی کے لئے حلال ہوجاتی ہے اس لئے نقل مذکور (یعنی جر میراث) ضروری ہے تاکہ استصحاب حال مثبت نہ ٹھہرے۔

قولہ ولو شھد الخ اگر شاہدین نے زندہ شخص کے قبضہ یا اس کے تصرف کی گواہی دی تو مشہود بہ مجہول ہونے کی وجہ سے گواہی مقبول نہ ہوگی کیونکہ اس گواہی سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس کا قبضہ بطریق ملک تھا یا بطریق ودیعت یا بطریق اجارہ یا بطریق غصب تو اس شک کیوجہ سے قاضی اس چیز کا حکم نہیں کرسکتا۔ امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ اس صورت میں گواہی مقبول ہے کیونکہ ملک کی طرح قبضہ بھی مقصود ہوتا ہے تو اگر گواہ یہ گواہی دیں کہ وہ چیز مورث کی مملوک تھی تو گواہی مقبول ہوتی ہے تو شہادت قبض میں بھی مقبول ہوگی۔ اور اگر مدعا علیہ اس کا اقرار کرے کہ وہ چیز مدعی کے قبضہ میں تھی یا گواہ گواہی دیں کہ مدعا علیہ نے قبض مدعی کا اقرار کیا تھا تو اب وہ چیز مدعی کو دلا دی جائے گی کیونکہ اقرار کی صورت میں مقر بہ مجہول ہے اور مقر بہ کی جہالت مبطل اقرار نہیں ہوتی اور گواہی کی صورت میں مشہود بہ اقرار ہے جو معلوم ہے۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

باب الشهادة على الشهادة

باب گواہی پر گواہی دینے کے بیان میں

تُقْبَلُ فِيمَا لَايَسْقُطُ بِالشُّبْهَةِ اِنْ شَهِدَ رَجُلَانِ عَلىٰ شَهَادَةِ شَاهِدَيْنِ وَلَا تُقْبَلُ شَهَادَةُ وَاحِدٍ عَلىٰ شَهَادَةِ وَاحِدٍ

مقبول ہوگی ان میں جو ساقط نہیں ہوتے شبہ سے اگر گواہی دیں دو آدمی دو گواہوں کی گواہی پر اور مقبول نہ ہوگی ایک کی شہادت ایک کی شہادت پر

وَالْاِشْهَادُ اَنْ يَقُوْلَ اِشْهَدْ عَلىٰ شَهَادَتِي اَنِّي اَشْهَدُ اَنَّ فُلَانًا اَقَرَّ عِنْدِيْ بِكَذَا

اور گواہی پر گواہی یہ ہے کہ کہے اصل گواہ کہ گواہی دے میری گواہی پر کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ فلاں نے اقرار کیا ہے میرے سامنے اس بات کا

وَاَدَاءُ الْفَرْعِ اَنْ يَقُوْلَ اَشْهَدُ اَنَّ فُلَانًا اَقَرَّ عِنْدَهُ بِكَذَا

اور فرعی گواہ کہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ فلاں نے مجھے گواہ بنایا ہے اپنی اس گواہی پر کہ فلاں نے اقرار کیا ہے میرے سامنے اس بات کا

وَقَالَ لِي اِشْهَدْ عَلىٰ شَهَادَتِي بِذٰلِكَ وَلَا شَهَادَةَ لِلْفَرْعِ بِلَامَوْتِ اَصْلِهِ اَوْ مَرَضِهِ اَوْ سَفَرِهِ فَاِنْ عَدَّلَهُمُ

اور مجھ سے کہا ہے کہ گواہ رہ میری اس گواہی پر اور نہیں ہے گواہی فرع کی اصل گواہ کی موت یا اس کے مرض یا سفر کے بغیر پس اگر عادل بتائیں

الْفُرُوْعُ صَحَّ وَاِلَّا عُدِّلُوْا اَوْ تَبْطُلُ شَهَادَةُ الْفَرْعِ بِاِنْكَارِ الْاَصْلِ الشَّهَادَةَ وَلَوْ شَهِدَا

ان کو فرعی گواہ تو صحیح ہے ورنہ ان کی تعدیل کرائی جائیگی اور باطل ہو جاتی ہے فرع کی گواہی اصل گواہ کے انکار کرنے سے گواہی کا دو نے گواہی دی

عَلىٰ شَهَادَةِ رَجُلَيْنِ عَلىٰ فُلَانَةَ بِنْتِ فُلَانٍ اَلْفُلَانِيَّةِ بِاَلْفٍ وَقَالَا اَخْبَرَانَا اَنَّهُمَا يَعْرِفَانِهَا فَجَاءَ بِامْرَاَةٍ

دو کی گواہی پر فلاں بنت فلاں جو فلاں گھرانے کی ہے ایک ہزار کی اور دو نے کہا کہ انہوں نے ہم سے کہا ہے کہ ہم اس کو جانتے ہیں پس لایا مدعی

وَقَالَا لَمْ نَدْرِ اَهِيَ هٰذِهٖ اَمْ لَا قِيْلَ لِلْمُدَّعِي هَاتِ شَاهِدَيْنِ اَنَّهَا فُلَانَةُ

ایک عورت اور گواہوں نے کہا ہم نہیں جانتے کہ وہ یہ ہے یا نہیں تو کہا جائیگا مدعی سے کہ لا تو دو گواہ اس کے کہ وہ عورت وہی ہے

وَكَذَا كِتَابُ الْقَاضِي اِلَى الْقَاضِي وَلَوْ قَالَا فِيْهِمَا التَّمِيْمِيَّةُ لَمْ يَجُزْ

اسی طرح ایک قاضی کا خط ہے دوسرے قاضی کی طرف اور اگر ان صورتوں میں گواہوں نے تمیمیہ کہا تو کافی نہ ہوگا

حَتّٰى يَنْسِبَاهَا اِلٰى فَخِذِهَا وَلَوْ اَقَرَّ اَنَّهٗ شَهِدَ زُوْرًا يُشَهَّرُ وَلَا يُعَزَّرُ.

جبتک کہ ذکر نہ کریں خاص چھوٹے قبیلہ کو اگر گواہ نے اقرار کیا کہ میں نے جھوٹی گواہی دی ہے تو اس کی تشہیر کیجائے تعزیر نہ کیجائے۔

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ شہادت اصول کے بعد شہادت فروع بیان کر رہا ہے۔ وجہ مناسبت بالکل ظاہر ہے۔ پھر شہادت بر شہادت از روئے قیاس جائز نہیں کیونکہ شہادت بدنی عبادت ہے اور عبادات بدنیہ میں نیابت جاری نہیں ہوتی مگر فقہا نے اس کو بدلیل استحسان جائز رکھا ہے۔ کیونکہ بسا اوقات اصل شاہد موت یا سفر وغیرہ کی بنا پر اداء شہادت سے عاجز ہوتا ہے۔ اگر شہادت فروع جائز نہ ہوتو اکثر حقوق ضائع ہو جائیں گے اس لئے شہادت بر شہادت جائز ہے۔ گو بکثرت ہو یعنی فروع کی شہادت پر شہادت پھر ان کی فروع کی شہادت پر شہادت۔ و ہکذا۔ البتہ حدود و قصاص میں جائز نہیں کیونکہ اس میں بحیثیت بدلیت یا بحیثیت زیادۃ احتمال شبہ موجود ہے اور حدود

عہ..... لان جوازہا عند الحاجۃ وانما تمس عند عجز الاصل ۱۲۔ عہ..... ای الشرعی فی ظاہر الروایۃ وعلیہ الفتوی فلو کان الفرع بحیث لو حضر الاصل مجلس الحکم امکنہ المبیتوتۃ فی منزلہ عند اکثر المشائخ وہو قول الثلاثۃ تقبل وعلیہ الفتوی کما فی السراجیۃ والمضمرات قالوا الاول احسن والثانی ارفق وعند محمد انہ یجوز کیف ما کان ولو کان الاصل فی المصر ۱۲ مجمع الانہر

وقصاص ادنیٰ شبہ سے ساقط ہوجاتے ہیں۔ وعند الثلاثة تقبل فيهما ايضاً۔

قوله ان شهد رجلان الخ ہمارے یہاں دو شاہدوں کی شہادت پر دوسرے دو شاہدوں کی گواہی مقبول ہے۔ امام شافعی کے یہاں چار کا ہونا ضروری ہے کیونکہ فرع کے ہر دو شاہد اصل کے ایک شاہد کے قائم مقام ہیں۔ ہماری دلیل حضرت علی کا ارشاد ہے "لايجوز على شهادة الميت الا رجلان" [۱] "نیز حضرت شعبی سے مروی ہے لاتجوز شهادة الشاهد على الشاهد حتى يكونا اثنين [۲]"۔

قوله فان عدلهم الخ اگر شہود فرع نے شہود اصل کی تعدیل کی تو ان کی تعدیل قبول کی جائے گی کیونکہ وہ اہل تعدیل ہیں۔ اور اگر ان کی تعدیل نہ کریں تب بھی ان کی شہادت مقبول ہے لیکن اس صورت میں قاضی شہود اصل کے متعلق پوچھ گچھ کرے گا امام محمد کے نزدیک شہادت مقبول نہ ہوگی کیونکہ شہادت بلاعدالت مقبول نہیں ہوتی۔ اور جب انہوں نے تعدیل نہیں کی تو ان کی طرف سے شہادت نقل نہیں کی۔ امام ابو یوسف یہ فرماتے ہیں کہ شہود فرع پر صرف نقل شہادت واجب ہے نہ کہ تعدیل تعدل تو عدل کیصورت میں قاضی ان کے حالات دریافت کرے گا۔

قوله وتبطل الخ اگر اصل شہود نے شہادت سے انکار کردیا مثلاً یوں کہدیا کہ ہم اس حادثہ کے گواہ نہیں یا ہم نے ان کو گواہ نہیں بنایا اور یہ کہ کر مر گئے یا غائب ہوگئے پھر شہود فرع نے ان کی شہادت پر گواہی دی تو ان کی شہادت مقبول نہیں کیونکہ قبول شہادت کیلئے تحمیل شرط ہے اور وہ یہاں پائی نہیں گئی کیونکہ اصول اور فروع کی خبروں میں تعارض ہے۔ لیکن اگر شہود اصول سے شہود فروع کی شہادت کا سوال ہوا اور وہ خاموش رہیں یعنی نہ اقرار کریں نہ انکار تو فروع کی شہادت مقبول ہوگی (خلاصہ) گویا اس مسئلہ میں سکوت نطق کے مانند ہے۔

قوله ولو شهدا الخ زید اور عمرو نے دوسرے آدمیوں کی گواہی پر گواہی دی کہ فلاں عورت (مثلاً فاطمہ) جو فلاں شخص (مثلاً حامد) کی لڑکی ہے اور فلاں قوم والی ہے مثلاً مصریہ ہے اس پر ایک ہزار درہم لازم آتے ہیں اور فروع نے یہ بھی کہا کہ ہم کو شہود اصول نے بتایا کہ ہم اس عورت کو پہچانتے ہیں اس کے بعد مدعی (مقرلہ) نے ایک عورت کو حاضر کیا جس کے متعلق شہود فروع نے کہا کہ ہم نہیں جانتے کہ یہ عورت وہی ہے جو مدعا علیہا ہے یا کوئی اور ہے تو مدعی سے دو گواہ طلب کئے جائیں گے جن سے یہ ثابت ہو کہ یہ عورت وہی مدعا علیہا ہے۔ کیونکہ شہادت شاہدین سے تعریف بالنسبۃ تو ثابت ہو چکی مگر وہ یہ دعوی کررہا ہے کہ وہ نسبت اسی موجودہ عورت میں ثابت ہے۔ اب ہوسکتا ہے کہ وہ عورت وہی ہو یا کوئی اور ہو اس لئے گواہی سے اس کو ثابت کرنا پڑے گا۔ ایک قاضی کا خط جو دوسرے قاضی کے پاس جائے اس کا بھی یہی حکم ہے۔ کیونکہ وہ بھی شہادت پر شہادت کے معنی میں ہوتا ہے۔ اور اگر ان دونوں صورتوں میں شہود فروع عورت کا اوپر والا خاندان ذکر کریں مثلاً یہ کہیں کہ وہ تمیمیہ ہے تو یہ کافی نہ ہوگا بلکہ نیچے والے کسی خاص قبیلہ کو ذکر کرنا پڑے گا کیونکہ اوپر والا خاندان ذکر کرنے سے اچھی طرح پہچان نہیں ہوتی۔

قوله الى فخذها الخ صاحب ہدایہ نے فخذ (بکسر خاء) کی تفسیر قبیلہ خاصہ کیساتھ کی ہے اور زیلعی نے جد اعلیٰ کے ساتھ۔ زمخشری نے ذکر کیا ہے کہ عرب کے چھ طبقات ہیں شعب۔ بالفتح) قبیلہ عمارہ بطن فخذ فصیلہ سومضر ربیعہ حمیر اور مدحج شعب ہیں بایں معنی کہ ان سے قبائل منشعب ہوتے ہیں۔ اور کنانہ قبیلہ ہے اور قریش عمارہ اور قصی بطن اور ہاشم فخذ اور عباس فصیلہ۔

قوله ولو اقر الله الخ اگر کوئی شخص گواہی کے بعد اقرار کرلے کہ میں نے جھوٹی گواہی دی ہے تو امام صاحب کے نزدیک اس کو سزا نہیں دی جائے گی بلکہ اس کی تشہیر کی جائے گی وعليه الفتوى كمافي السراجيه جس کا طریقہ یہ ہے کہ اگر وہ شخص بازاری ہو تو بازار میں اور غیر بازاری ہو تو اس کی قوم میں اعلان کرایا جائے گا کہ یہ شخص شاہد زور ہے۔ لہٰذا تم اس سے خود بھی بچو اور دوسروں کو بھی بچاؤ۔ صاحبین اور امام شافعی کے نزدیک اس کو مار بھی لگائی جائے گی۔ اور قید بھی کیا جائے گا۔ کیونکہ حضرت عمر نے شاہد زور کے چالیس

---

[۱] عبدالرزاق ۱۲ [۲] ابن ابی شیبہ ۱۲ [۳] عبدالرزاق ۱۲

کوڑے لگائے تھے۔ اور اس کا منہ کالا کیا تھا۔ امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ قاضی شریح شاہد زور کی تشہیر ہی کیا کرتے تھے اور حضرت شریح صحابہ کے زمانہ میں قاضی تھے۔ آپ پر صحابہ میں سے کسی نے نکیر نہیں کی معلوم ہوا کہ صحابہ کے نزدیک تشہیر شاہد زور مجمع علیہ تھی۔ رہی حدیث عمر سو وہ سیاست پر محمول ہے۔ سراجیہ میں ہے کہ فتویٰ امام صاحب کے قول پر ہے۔ لیکن صاحب فتح القدیر نے صاحبین کے قول کو ترجیح دی ہے اور کہا ہے کہ یہی حق ہے بعض حضرات نے ذکر کیا ہے کہ اگر شاہد زور نے جھوٹی گواہی پر مصر ہو کر رجوع کیا ہو تو بالاجماع مار لگائی جائے گی اور اگر توبہ کر کے رجوع کیا ہو تو بالاتفاق تعزیر نہ ہوگی۔　　محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

باب الرجوع عن الشهادة

باب گواہی سے رجوع کرنے کے بیان میں

لَايَصِحُّ الرُّجُوْعُ عَنْهَا اِلَّا عِنْدَ قَاضٍ فَاِنْ رَجَعَا قَبْلَ حُكْمِهٖ لَمْ يَقْضِ وَبَعْدَهٗ لَمْ يَنْقُضْ وَضَمِنَا مَا اَتْلَفَاهُ

صحیح نہیں پھیرنا گواہی سے مگر قاضی کے روبرو سو اگر پھر گئے قاضی کے حکم سے پہلے تو قاضی حکم نہ کرے اور اس کے بعد حکم نہ ٹوٹیگا اور ضامن ہوں گے

الْمَشْهُوْدُ عَلَيْهِ اِذَا قَبَضَ الْمُدَّعِي الْمَالَ دَيْنًا اَوْ عَيْنًا فَاِنْ رَجَعَ اَحَدُهُمَا ضَمِنَ النِّصْفَ وَالْعِبْرَةُ لِمَنْ بَقِيَ

اس کے جو انہوں نے تلف کرایا ہو مشہود علیہ کا جبکہ قبضہ کر لیا ہو مدعی نے مال پر دین ہو یا عین اگر پھر گیا ایک تو ضامن ہوگا نصف کا اور اعتبار ان کا ہے

لَا لِمَنْ رَجَعَ فَاِنْ شَهِدَ ثَلٰثَةٌ وَرَجَعَ وَاحِدٌ لَمْ يَضْمَنْ وَاِنْ رَجَعَ اٰخَرُ ضَمِنَا النِّصْفَ

جو باقی رہیں نہ کہ ان کا جو پھر جائیں پس اگر گواہی دی تین نے اور پھر گیا ایک تو ضامن نہ ہوگا اور اگر پھر گیا دوسرا بھی تو ضامن ہوں گے دونوں

وَاِنْ شَهِدَ رَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ فَرَجَعَتْ اِمْرَأَةٌ ضَمِنَتِ الرُّبُعَ وَاِنْ رَجَعَتَا ضَمِنَتَا النِّصْفَ

نصف کے اور اگر گواہی دی ایک مرد اور دو عورتوں نے اور پھر گئی ایک عورت تو ضامن ہوگی ربع کی اور اگر دونوں پھر گئیں تو ضامن ہونگی نصف کی

وَاِنْ شَهِدَ رَجُلٌ وَعَشَرَةُ نِسْوَةٍ فَرَجَعَتْ ثَمَانٍ لَمْ يَضْمَنَّ وَاِنْ رَجَعَتْ اُخْرٰى ضَمِنَّ رُبُعَهٗ فَاِنْ رَجَعُوْا

اور اگر گواہی دی ایک مرد اور دس عورتوں نے اور پھر گئیں آٹھ تو ضامن نہ ہونگی اور اگر پھر گئی ایک اور تو ضامن ہونگی ربع کی اور اگر سب پھر گئے

فَالْغُرْمُ بِالْاَسْدَاسِ وَاِنْ شَهِدَ رَجُلَانِ عَلَيْهِ اَوْ عَلَيْهَا بِنِكَاحٍ بِقَدْرِ مَهْرِ مِثْلِهَا

تو تاوان اسداسا ہوگا اگر گواہی دی دو نے ایک مرد پر یا عورت پر نکاح کی بقدر اس کے مہر مثل کے

وَرَجَعَا لَمْ يَضْمَنَا وَاِنْ زَادَا عَلَيْهِ ضَمِنَاهَا.

اور دونوں پھر گئے تو ضامن نہ ہونگے اور اگر مہر مثل پر زائد کی گواہی دی تو ضامن ہونگے زیادتی کے

تشریح الفقہ: **قولہ یصح الرجوع الخ** شرط صحت رجوع مجلس قضاء ہے کیونکہ رجوع عن الشہادۃ فسخ شہادت ہے تو جس طرح شہادت کیلئے مجلس قضا ضروری ہے اسی طرح فسخ شہادت کے لئے بھی ضروری ہے اگر شاہدین قضاء قاضی سے پیشتر شہادت سے رجوع کر لیں تو گواہی ساقط الاعتبار ہوگی اور قاضی اس پر کوئی حکم نہ کرے گا۔

(۱) وجہ مناسبۃ لما سبق انہ یقتضی سبق وجود ہا وہو امر مشروع مرغوب فیہ دیانۃ ۱۲۔ (۲) لبقاء ثلثۃ ارباع الحق ببقاء رجل وامراۃ ۱۲۔ (۳) لبقاء نصف الحق ببقاء الرجل ۱۲۔
(۴) لبقاء النصاب ببقاء رجل [illegible] (۵) لانہ فی النصف بشہادۃ الرجل والربع بشہادۃ الباقیۃ فبقی ثلاثۃ الارباع ۱۲۔

اور جب قاضی کی طرف سے کوئی حکم نہ ہوا تو شاہدین پر کوئی تاوان نہ آئے گا۔ کیونکہ انہوں نے مدعی یا مدعا علیہ کی کوئی چیز تلف نہیں کی۔ اور اگر قضاء قاضی کے بعد رجوع کیا تو قاضی کا حکم فسخ ہو جائیگا۔ کیونکہ صدق پر دلالت کے لحاظ سے خبر ثانی خبر اول کے مانند ہے۔ اور خبر اول متصل بالقضا ہو چکی لہٰذا قاضی کا حکم فسخ نہ ہوگا بلکہ شاہدوں نے مشہود علیہ کا مال تلف کرایا ہے وہ اس کا ضمان دیں گے امام شافعی کے یہاں شہود ضمان نہیں۔ کیونکہ وہ تلف مال کے سبب ہیں اور قاضی مباشر ہے۔ اور مباشر کے ہوتے ہوئے سبب کا اعتبار نہیں ہوتا۔ جواب یہ ہے کہ یہاں قاضی مباشر پر ایجاب ضمان متعذر ہے۔ کیونکہ وہ تو حکم کرنے کی طرف مضطر ہے۔ اور شہود شہادت باطلہ سے اپنی ذات پر سبب ضمان کا اقرار کر چکے۔ لہٰذا تاوان انہیں پر آئے گا۔

قوله اذا قبض الخ کنز کی طرف وقایہ، درر، غرر، ملتقی الابحر، اصلاح، مواہب الرحمٰن اور جوہرہ میں بھی قبض سرخسی اور صاحب مجمع کے نزدیک یہی مختار ہے۔ کیونکہ اتلاف کا تحقق قبضہ ہی ہوتا ہے۔ لیکن تنویر، بحر، بزازیہ، خلاصہ اور خزانۃ المفتیین میں ہے کہ شہود کو تاوان دینا پڑیگا۔ خواہ مدعی نے مال پر قبضہ کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ بعض مشائخ کے نزدیک فتویٰ اسی پر ہے۔ صاحب خلاصہ نے کہا ہے کہ یہ امام صاحب کا مرجوع الیہ قول ہے اور صاحبین بھی اسی کے قائل ہیں بعض حضرات نے یہ تفصیل ذکر کی ہے کہ اگر مال عین ہو تو دونوں صورتوں میں تاوان دینا ہوگا۔ اور اگر مال دین ہو تو قبض کی صورت میں تاوان ہوگا۔ عدم قبض کی صورت میں نہ ہوگا قہستانی نے اسی تفصیل کو برقرار رکھا ہے۔ علامہ ابن العابدین نے منحۃ الخالق میں بنقول معتبرہ جو تحقیق پیش کی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ وجوب ضمان میں قبض مدعی کی قید معتبر ہے۔

قوله والعبرة الخ باب ضمان میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں ضمان میں باقی ماندگان کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ رجوع کنندگان کا۔ ائمہ ثلاثہ کے یہاں اس کا عکس ہے پس اگر شاہدین میں سے ایک نے رجوع کیا تو رجوع کرنے والے پر نصف مال کا تاوان ہوگا کیونکہ مردوں کی شہادت میں ہر شاہد کی شہادت سے نصف حجت قائم ہوتی ہے۔ اور جب ایک رجوع کر لیا تو نصف مال میں حجت باقی رہی پس رجوع کنندہ پر اس کا تاوان ہوگا جس میں حجت باقی نہیں رہی اور وہ نصف ہے اور اگر تین شاہدوں میں سے ایک نے رجوع کیا کہ اس پر تاوان نہ ہوگا کیونکہ دو شاہد باقی ہیں جن کی شہادت سے کل حق باقی ہے اور اگر دوسرے نے بھی رجوع کر لیا تو اب دونوں رجوع کنندگان نصف مال کے ضامن ہوں گے۔ کیونکہ ایک شاہد کے باقی رہنے سے نصف مال باقی ہے لہٰذا رجوع کرنے والے نصف کے ضامن ہوں گے۔

قوله فان رجعوا الخ ایک مرد اور دس عورتوں نے گواہی دی اور سب نے رجوع کر لیا تو امام صاحب کے نزدیک مرد پر مال کے چھٹے حصہ کا تاوان آئے گا اور باقی پانچ سدس عورتوں پر۔ صاحبین کے نزدیک نصف مال کا ضمان مرد پر ہوگا اور نصف عورتوں پر۔ کیونکہ عورتیں شہادت میں ایک مرد کے قائم مقام ہوتی ہیں گو بکثرت ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ مرد کے بغیر ان کی شہادت مقبول نہیں۔ وہ ایک مرد کی شہادت سے نصف مال ثابت ہوا تو نصف باقی ان کی شہادت سے ثابت ہوگا۔ لہٰذا ضمان بھی نصفا نصف ہوگا امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ دو عورتیں ایک مرد کے قائم مقام ہیں تو دس عورتیں پانچ مردوں کے قائم مقام ہوئیں۔ قال علیہ السلام" **عدلت شهادة اثنين منهن بشهادة رجل واحد**[عـ]" پس یہ ایسا ہو گیا جیسے چھ مرد گواہی دیکر پھر جائیں کہ ان میں سے ہر ایک پر مال کے چھٹے حصے کا تاوان ہوتا ہے۔

قوله وان شهدر جلان الخ پہلے ایک قاعدہ سمجھ لو قاعدہ یہ ہے کہا اگر مشہود بہ مال نہ ہو جیسے قصاص اور نکاح وغیرہ تو ہمارے نزدیک شہود ضامن نہیں ہوتے (خلافاً للشافعی) اور اگر مشہود بہ مال ہو اور رجوع شہود کی وجہ سے وہ تلف ہو جائے تو اگر اتلاف بعوض مماثل ہو تب بھی شہود ضمان نہیں ہوتا۔ کیونکہ اتلاف بمقابلہ عوض بمنزلہ عدم اتلاف ہوتا ہے اور اگر اتلاف بعوض غیر مماثل ہو تو بقدر عوض ضمان نہ ہوگا اس کے علاوہ میں ضمان ہوگا۔ اور اگر اتلاف بلا عوض ہو تو پورا تاوان دینا ہوگا۔ اب مسئلہ سمجھو ایک شخص نے عورت پر نکاح کا دعویٰ کیا اور اس پر گواہ بھی قائم کر دیئے حالانکہ وہ منکر ہے اور قاضی نے شہادت کیوجہ سے نکاح کا فیصلہ کر دیا پھر گواہوں نے گواہی سے رجوع کر لیا تو

عـــ بخاری عن ابی سعید مسلم عن ابن عمر وابی ہریرۃ وابی سعید حاکم عن ابن ـــ سود ۱۲

گواہوں پر ضمان نہ ہوگا خواہ مہر مسمی بقدر مہر مثل ہو یا کم وبیش کیونکہ گواہوں نے شہادت نکاح کے ذریعہ منافع بضع کو تلف کیا ہے اور منافع بضع عندالاتلاف متقوم نہیں ہوتے۔ کیونکہ تضمین مقتضی مماثلت ہے اور بضع اور مال میں کوئی مماثلت نہیں۔ اور اگر عورت نے مرد پر نکاح کا دعوی کیا پھر صورت مذکورہ پیش آئی تو اگر مہر مسمی مہر مثل کے برابر ہو یا اس سے کم ہو تب بھی شہود ضامن نہ ہوں گے۔ کیونکہ یہ اتلاف بمقابلہ عوض ہے بایں معنی کہ دخول فی الملک کی حالت میں بضع شئی متقوم ہے۔ اور اگر مہر مسمی مہر مثل سے زائد ہو تو شہود بقدر زیادت ضمان ہوگا جو وہ شوہر کو دیں گے۔ کیونکہ شہود نے زوج پر قدر زیادت کو بلاعوض تلف کیا ہے۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَلَمْ يَضْمَنَا فِي الْبَيْعِ اِلَّا مَانَقَصَ مِنْ قِيْمَةِ الْمَبِيْعِ وَفِي الطَّلَاقِ قَبْلَ الْوَطِئِ ضَمِنَا نِصْفَ الْمَهْرِ وَلَمْ يَضْمَنَا

اور ضامن نہ ہوں گے بیع میں مگر اس کے جو کم ہو مبیع کی قیمت سے اور طلاق قبل از وطی میں ضامن ہوں گے نصف مہر کے اور ضامن نہ ہوں گے

لَوْ بَعْدَ الْوَطِئِ وَفِي الْعِتْقِ ضَمِنَا الْقِيْمَةَ وَفِي الْقِصَاصِ ضَمِنَا الدِّيَةَ وَلَمْ يُقْتَصَّا وَاِنْ رَجَعَ شُهُوْدُ الْفَرْعِ

اگر وطی کے بعد ہو اور باب عتق میں ضامن ہوں گے قیمت کے اور قصاص میں دیت کے اور ان سے قصاص نہ لیا جائیگا اگر پھر گئے شہود فرع

ضَمِنُوْا لَا شُهُوْدُ الْاَصْلِ بِلَمْ نُشْهِدِ الْفُرُوْعَ عَلٰى شَهَادَتِنَا اَوْ اَشْهَدْنَاهُمْ وَغَلِطْنَا وَلَوْ رَجَعَ الْاُصُوْلُ

اور وہی ضامن ہوں گے نہ کہ شہود اصل یہ کہنے سے کہ ہم نے فروع کو گواہ نہیں بنایا اپنی شہادت پر یا گواہ تو بنایا مگر ہم نے غلطی کی اور اگر پھر گئے اصول

وَالْفُرُوْعُ ضَمِنَ الْفُرُوْعُ فَقَطْ وَلَا يُلْتَفَتُ اِلٰى قَوْلِ الْفُرُوْعِ كَذَبَ الْاُصُوْلُ اَوْ غَلِطُوْا

اور فروع دونوں تو صرف فروع ضامن ہوں گے اور التفات نہ کیا جائیگا فروع کے اس کہنے پر کہ اصول نے جھوٹ کہا یا انہوں نے غلطی کی

وَضَمِنَ الْمُزَكِّيْ بِالرُّجُوْعِ وَشُهُوْدُ الْيَمِيْنِ وَالزِّنٰى لَا شُهُوْدُ الْاِحْصَانِ وَالشَّرْطِ.

اور ضامن ہوگا مزکی پھر جانے سے اور ضامن ہوں گے شہود یمین اور شہود زنا نہ کہ شہود احصان اور شہود وقوع شرط۔

تشریح الفقہ: قولہ ولم یضمنا الخ اگر شہود بائع پر گواہی دیکر شہادت سے رجوع کرلیں تو جس قدر مبیع کی قیمت سے کم ہوگیا ہو اس کا ضمان دینا ہوگا مثلاً مشتری نے کہا کہ میں نے یہ غلام فلاں شخص سے ہزار درہم کے عوض میں لیا ہے اور یہ دو ہزار کا ہے اور گواہوں نے اس کی گواہی دیکر رجوع کرلیا تو گواہ بائع کو ہزار درہم دیں گے کیونکہ انہوں نے اس کے ہزار درہم تلف کیے ہیں اور اگر مشہود علیہ مشتری ہو تو جس قدر قیمت سے زائد ہو اس کا تاوان دینا ہوگا۔ مثلاً بائع نے دعوی کیا کہ مشتری نے یہ غلام ہزار درہم کے عوض میں لیا ہے اور اس پر ثمن ہے اور مشتری اس کا منکر ہے اور گواہوں نے گواہی دی کہ مشتری نے غلام دو ہزار میں لیا ہے حالانکہ وہ ایک ہزار کا ہے۔ اس کی بعد گواہوں نے شہادت سے رجوع کرلیا تو گواہ لوگ مشتری کو ایک ہزار درہم دیں گے کیونکہ انہوں نے مشتری کے ہزار درہم تلف کیے ہیں۔ فعلیٰ هذا لو قال المصنف' ولم یضمنا البیع والشراء الامانقص اوزاد لكان اولیٰ۔

قولہ وفی القصاص الخ قصاص کی صورت میں شہود پر دیت کا ضمان ہوگا۔ مثلاً شہود نے گواہی دی کہ خالد نے محمود کو عمداً قتل کیا ہے قاضی نے ان کی شہادت کیوجہ سے خالد کے قتل کا حکم دیدیا اور وہ مقتول ہوگیا پھر شہود گواہی سے پھر گئے تو ان پر دیت لازم ہوگی جو ان کے مال سے تین سال کے اندر وصول کی جائے گی اور ان سے قصاص نہیں لیا جائے گا امام شافعی کے یہاں قصاص لیا جائے گا کیونکہ وہ قتل کے سبب بنے ہیں تو باعتبار تسبب ان سے قتل پایا گیا۔ جواب یہ ہے کہ ان سے قتل نہیں پایا گیا نہ مباشرۃً نہ تسبباً۔ کیونکہ سبب تو وہ ہوتا ہے جو باعتبار غالب مفضی الی القتل ہو اور یہاں ایسا نہیں لان العفو مندوب قال تعالیٰ وان تعفوا اقرب للتقوی۔

قولہ وان رجع الخ اگر شہود فروع نے شہادت سے رجوع کرلیا تو وہ ضامن ہوں گے کیونکہ قاضی کی مجلس میں شہادت فرع ہی

سے صادر ہوئی ہے نہ کہ اصول سے اور انہیں کی شہادت پر قاضی کا حکم مبنی ہے لہٰذا تلف انہیں کی طرف مضاف ہوگا۔

قولہ لا شھود الاصل الخ اگر شہود اصل یہ کہیں کہ ہم نے شہود فرع کو اپنی شہادت پر شاہد نہیں بنایا تو نہ شہود اصل ضامن ہوں گے اور نہ شہود فرع، شہود اصل تو اسلئے ضامن نہ ہوں گے کہ ان کی طرف سے اتلاف نہیں ہے۔ اور شہود فرع اسلئے ضامن نہ ہوں گے کہ انہوں نے شہادت سے رجوع نہیں کیا، اور اگر شہود اصل یہ کہیں کہ ہم نے شہود فرع کو گواہ تو بنایا ہے لیکن ہم سے غلطی ہوئی ہے تو شیخین کے نزدیک اب بھی ضمان نہ ہوگا۔ امام محمد اور امام احمد کے نزدیک مشہود علیہ کو اختیار ہوگا چاہے اصول سے ضمان لے چاہے فروع سے۔ فروع سے تو اس لئے کہ قاضی کا حکم انہیں کی شہادت سے واقع ہوا ہے۔ کیونکہ قاضی نے انہیں کی شہادت کا معائنہ کیا ہے اور اصول سے اسلئے کہ شہود فروع نقل شہادت میں اصول کے نائب ہیں۔

قولہ وضمن المزکی الخ مزکی یعنی شہود کی عدالت ظاہر کرنے والا اگر تعدیل سے رجوع کرلے (جبکہ وہ جانتا تھا کہ شہود مثلاً غلام ہیں) تو امام صاحب کے نزدیک وہ ضامن ہوگا۔ صاحبین کے نزدیک ضامن نہ ہوگا کیونکہ اس نے شہود کی خوبی بیان کی ہے امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ حکم شاہد کی طرف مضاف ہے اور شہادت بلا عدالت حجت نہیں ہوتی اور عدالت بلا تزکیہ ثابت نہیں ہوتی تو مزکی کا تزکیہ حکم کے لئے علۃ العلۃ ہوا لہذا مزکی ضامن ہوگا، مگر یاد رہے کہ اختلاف مذکور اس وقت ہے جب مزکی جانتا ہو کہ شہود مثلاً غلام ہیں اور پھر ان کی تعدیل کرے۔ اور اگر مزکی یہ کہے کہ میں نے تزکیہ شہود میں غلطی کی ہے تو اس پر بالاتفاق ضمان نہیں ہے۔

قولہ وشھود الیمین الخ گواہوں نے گواہی دی کہ آقا نے اپنے غلام سے کہا کہ اگر تو گھر میں داخل ہو تو آزاد ہے۔ یا انہوں نے گواہی دی کہ شوہر نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر تو گھر میں داخل ہو تو تو مطلقہ ہے (حالانکہ بیوی سے قربت نہیں کی) پھر دوسرے دو شاہدوں نے وجود شرط یعنی دخول دار کی گواہی دی اور قاضی نے فیصلہ کر دیا۔ اس کے بعد فریقین نے شہادت سے رجوع کرلیا تو ضمان شہود یمین پر ہوگا نہ کہ شہود شرط پر۔ کیونکہ شہود یمین علت حکم کے شہود ہیں۔ اور تعلیق بالشرط مانع حکم تھی تو شرط پائے جانے کے وقت تلف اپنی علت کی طرف مضاف ہوگا۔ اسی طرح چار گواہوں نے زنا کی گواہی دی اور دوسرے گواہوں نے کہا کہ زانی محصن ہے۔ اس کے بعد تمام گواہوں نے شہادت سے رجوع کرلیا تو ضمان شہود زنا پر ہوگا نہ کہ شہود احصان پر۔ کیونکہ زنا علت ہے۔ اور احصان صرف علامت ہے نہ کہ شرط حقیقی۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

کتاب الوکالۃ

صَحَّ التَّوْكِيْلُ وَهُوَ اِقَامَةُ الْغَيْرِ مَقَامَ نَفْسِهٖ فِي التَّصَرُّفِ مِمَّنْ يَمْلِكُهٗ

صحیح ہے توکیل اور وہ قائم کرنا ہے دوسرے کو مقام میں اپنی ذات کے تصرف میں اس سے جو مالک ہو تصرف کا

اِذَا كَانَ الْوَكِيْلُ مِمَّنْ يَعْقِلُ الْعَقْدَ وَلَوْ صَبِيًّا اَوْ عَبْدًا مَحْجُوْراً.

جبکہ وکیل سمجھتا ہو عقد کو گو بچہ ہو یا عبد مجور ہو۔

تشریح الفقہ: قولہ کتاب الخ احکام وانواع اور توابع شہادت سے فراغت کے بعد احکام وکالت یہاں بیان کر رہا ہے۔ وجہ مناسبت یہ ہے کہ شاہد اور وکیل میں سے ہر ایک دوسرے کی تحصیل مراد میں سعی نہیں کرتا اور کوشاں رہتا ہے۔ شاہد مرادمدعی کی تحصیل میں اور وکیل مؤکل کی مراد میں۔ **وقیل لان کل واحد منهما صفة من صفات الله قال تعالیٰ ثم الله شهيد على مايفعلون. وقال تعالیٰ حسبنا الله ونعم الوكيل۔**

فائدہ: کتاب اللہ وسنت رسول اور اجماع سب سے جواز توکیل ثابت ہے۔ اصحاب کہف کی حکایت میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے "**فابعثوا احد کم بورقکم**" اس میں بطریق توکیل بھیجنا مراد ہے۔ اور شرائع سابقہ ہمارے لئے حجت ہیں جب تک اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے اس کا انکار یا اس کا نسخ ظاہر نہ ہو' حدیث میں ہے آنحضرت ﷺ نے حضرت حکیم بن حزام کو ایک دینا دیکر قربانی کا جانور خریدنے کے لئے بھیجا انہوں نے ایک دینار^عہ^ میں قربانی کا جانور خرید کر دو دینار میں فروخت کر دیا۔ اور پھر ایک دینار میں اور جانور خرید لیا اور ایک دینار اور ایک جانور لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے دینار صدقہ کر دیا۔ اور حضرت حکیم کے حق میں برکت کی دعا فرمائی۔ "**وقد صح ان النبی ﷺ وكل بالتزويج عمر بن ابی سلمه**"۔

قولہ **صح التوکیل الخ** وکول سے باب تفعیل ہے بمعنی وکیل بنانا **یقال وکلت(ص) وکلاً وکولاً الیه۔ الامر** میں نے فلاں پر اعتماد کر کے اپنا کام اس پر چھوڑ دیا۔ **وکیل بروزن فعیل** بمعنی **مفعول** ہے وہ شخص جس کو کام سپرد کیا جائے اور یہ بمعنی فاعل بھی آتا ہے۔ **قال تعالیٰ حسبنا الله ونعم الوكيل'** اصطلاح شرع میں توکیل کی تعریف یہ ہے۔ "**هوا قامة الغير مقام نفسه ترفهاً اوعجزاً فی تصرف جائز معلوم ممن یملکه**" یعنی عجز یا آسائش کی خاطر کسی دوسرے ایسے شخص کو جائز اور معلوم تصرف میں اپنا قائم مقام کر دینا جو تصرف کا مالک ہو' جائز کی قید سے بچہ کا اپنی بیوی کی طلاق یا اپنے غلام کی آزادی یا اپنے مال کے ہبہ کرنے میں دوسرے کو وکیل بنانا نکل گیا اور معلوم کی قید سے تصرف مجہول کو توکیل خارج ہوگئی جیسے مؤکل کا وکیل سے یہ کہنا کہ میں نے تجھ کو اپنے مال کا وکیل بنایا۔ بخلاف توکیل عام کے کہ اس میں تصرف فی الجملہ معلوم ہوتا ہے۔ ممن یملکہ کی قید سے توکیل مجنون اور توکیل صغیر عاقل نکل گئی کہ ان کا وکیل بنانا کسی طرح صحیح نہیں تصرف نافع ہو یا مضر۔

عہ۔۔۔۔ سو بھیجو اپنے ایک آدمی کو درہم لیکر ۱۲ اعہ۔۔۔۔ بوداؤد' ترمذی' عن حکیم بن حزام' ابوداؤد' ترمذی' ابن ماجہ' احمد عن عروہ البارقی (فی معناہ) ۱۲ اعہ۔۔۔۔ ابن راہویہ' ابویعلیٰ' ابن حبان' حاکم' نسائی' احمد' عن ام سلمہ ۱۲۔

بِكُلِّ مَايَعْقِدُهُ بِنَفْسِهٖ وَبِالْخُصُوْمَةِ فِي الْحُقُوْقِ بِرِضَاءِ الْخَصْمِ اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ الْمُوَكِّلُ مَرِيْضًا اَوْ غَائِبًا

ہر اس معاملہ میں جس کو مؤکل خود کرسکتا ہو اور جوابدہی کے لئے حقوق میں طرف ثانی کی رضامندی سے مگر یہ کہ ہو مؤکل بیمار یا غائب

مُدَّةَ السَّفَرِ اَوْ مُرِيْدًا لِلسَّفَرِ اَوْ مُخَدَّرَةً بِاِيْفَائِهَا وَاسْتِيْفَائِهَا اِلَّا فِي حَدٍّ وَقَوَدٍ اِنْ غَابَ الْمُوَكِّلُ

بقدر سفر یا ارادہ رکھتا ہو سفر کا یا ہو عورت پردہ نشین اور حقوق کی ادائیگی یا وصولیابی کیلئے مگر حد اور قصاص میں اگر غائب ہو مؤکل

وَالْحُقُوْقُ فِيْمَا يُضِيْفُهُ الْوَكِيْلُ اِلٰى نَفْسِهٖ كَالْبَيْعِ وَالْاِجَارَةِ وَالصُّلْحِ عَنْ اِقْرَارٍ تَتَعَلَّقُ بِالْوَكِيْلِ اِنْ لَمْ يَكُنْ

اور حقوق ان عقود کے جن کی نسبت کرتا ہے وکیل اپنی طرف جیسے بیع اجارہ اقرار سے صلح متعلق ہوتے ہیں وکیل سے اگر وہ مجور نہ ہو

مَحْجُوْرًا كَتَسْلِيْمِ الْمَبِيْعِ وَقَبْضِهٖ وَقَبْضِ الثَّمَنِ وَالرُّجُوْعِ عِنْدَ الْاِسْتِحْقَاقِ وَالْخُصُوْمَةِ فِي الْعَيْبِ

جیسے مبیع کو دینا اس پر قبضہ کرنا ثمن پر قبضہ کرنا بوقت استحقاق رجوع کرنا مبیع کے عیب میں جھگڑنا

وَالْمِلْكُ يَثْبُتُ لِلْمُوَكِّلِ اِبْتِدَاءً حَتّٰى لَايَعْتِقُ قَرِيْبُ الْوَكِيْلِ بِشِرَائِهٖ وَفِيْمَا يُضِيْفُهُ اِلَى الْمُوَكِّلِ

اور ملک ثابت ہوتی ہے مؤکل کے لئے ابتداء ہی یہاں تک کہ آزاد نہ ہوگا وکیل کا رشتہ دار اس کے خریدنے سے اور جن کی نسبت کرتا ہے مؤکل کی طرف

كَالنِّكَاحِ وَالْخُلْعِ وَالصُّلْحِ عَنْ دَمِ عَمْدٍ وَعَنْ اِنْكَارٍ يَتَعَلَّقُ بِالْمُوَكِّلِ فَلَا يُطَالَبُ وَكِيْلُهٗ بِالْمَهْرِ وَوَكِيْلُهَا

جیسے نکاح خلع دم عمد یا انکار سے صلح متعلق ہوتے ہیں مؤکل سے پس مطالبہ نہ ہوگا شوہر کے وکیل سے عورت کے حوالہ کرنے کا

بِتَسْلِيْمِهَا وَلِلْمُشْتَرِيْ مَنْعُ الْمُوَكِّلِ عَنِ الثَّمَنِ وَاِنْ دَفَعَ اِلَيْهِ صَحَّ وَلَايُطَالِبُهُ الْوَكِيْلُ ثَانِيًا.

اور خریدار روک سکتا ہے مؤکل سے ثمن اور اگر دیدے اس کو تو یہ بھی صحیح ہے اب مطالبہ نہ کرے اس سے وکیل دوبارہ۔

احکام وکالت کی تفصیل

توضیح اللغۃ: خصومۃ مراد جوابدہی، خصم مد مقابل، مخدرہ پردہ نشین، قود قصاص۔

تشریح الفقہ: **قوله بكل مايعقده الخ** ایک قاعدہ کلیہ ہے کہ ہر اس چیز کی توکیل صحیح ہے جس کو مؤکل بذات خود کرسکتا ہو تو توکیل بالخصومۃ بھی جائز ہوئی یعنی حقوق العباد میں خصومت کیلئے وکیل بنانا صحیح ہے۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے خصومات میں حضرت عقیل بن ابی طالب کو وکیل بنایا۔ اور جب حضرت عقیل عمر رسیدہ ہوگئے تو آپ نے حضرت عبداللہ بن جعفر طیار کو وکیل بنایا (بیہقی) مگر توکیل بالخصومۃ میں امام صاحب کے یہاں خصم کی رضامندی شرط ہے الا یہ کہ مؤکل ایسا بیمار ہو کہ اس کو حاکم کی مجلس میں چلکر آنا ممکن نہ ہو۔ یا وہ بقدر مدت سفر غائب ہو یا سفر کا ارادہ رکھتا ہو یا مؤکل کوئی پردہ نشین عورت ہو کہ اگر وہ کچہری میں حاضر ہو بھی جائے تب بھی حیاء و شرم کیوجہ سے اپنے حق کے متعلق گفتگو نہ کرسکے تو ان سب صورتوں میں خصم کی رضامندی شرط نہیں۔ صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک کسی حالت میں بھی خصم کی رضامندی شرط نہیں۔ مگر یہ اختلاف لزوم توکیل میں ہے نہ کہ جواز توکیل میں جیسا کہ صاحب عنایہ نے کہا ہے یعنی امام صاحب کے نزدیک گو بدون رضا خصم توکیل جائز ہے۔ مگر لازم نہیں (**كذافي الهدايه والظهيريه**) صاحبین یہ کہتے ہیں کہ وکیل بنانا اپنے خالص حق میں تصرف کرنا ہے تو غیر کی رضامندی پر موقوف ہونے کے کوئی معنی ہی نہیں، امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ جواب مخاصم پر واجب ہے۔ اور خصومت میں لوگوں کی عادتیں مختلف ہوتی ہیں تو اگر ہم لزوم توکیل کے قائل ہوجائیں تو خصم کا نقصان لازم آئے گا۔

---

(۱) لانه اجنبى عن العقد و حقوقه لمان الحقوق الى العاقد ۱۲ . (۲) لان نفس الثمن المقبوض حق المؤكل وقد وصل اليه ۱۲ هدايه.

قولہ وبایفائھا الخ جو حقوق مؤکل پر واجب الاداء ہوں ان کے ایفا میں اور جو حقوق مؤکل حاصل کرنے والا ہوان کے استیفا میں وکیل بنانا صحیح ہے اور مؤکل کی غیبو بت میں استیفاء حدود وقصاص کی بھی توکیل صحیح نہیں۔ کیونکہ حدود شبہات سے اٹھ جاتی ہیں۔ اور یہاں یہ شبہ موجود ہے کہ شاید اگر مؤکل حاضر ہوتا تو وہ معاف کر دیتا۔

قولہ والحقوق الخ وکیل جن حقوق کا مباشر ہوتا ہے وہ دو طرح کے ہیں ایک وہ جن میں وکیل ان کی نسبت اپنی طرف کرتا ہے جیسے بیع، اجارہ اور صلح عن الاقرار۔ دوسرے وہ جن میں وکیل ان کی نسبت مؤکل کی طرف کرتا ہے جیسے نکاح، خلع، صلح عن دم العمد اور صلح عن دم الانکار تو جن عقود کی نسبت وکیل اپنی طرف کرتا ہے ان میں حقوق عقد وکیل ہی کی طرف راجع ہوتے ہیں بشرطیکہ وکیل ممنوع التصرف نہ ہو جیسے صبی محجور اور عبد محجور پس تسلیم مبیع، قبض ثمن اور خصومت فی العیب وغیرہ جملہ حقوق کا مطالبہ وکیل ہی سے ہوگا اور جن عقود کی نسبت وکیل مؤکل کی طرف کرتا ہے ان میں حقوق عقد مؤکل کی طرف راجع ہوتے ہیں وکیل تو ان میں سفیر محض ہوتا ہے امام شافعی فرماتے ہیں کہ ہر عقد میں حقوق مؤکل ہی سے متعلق ہوتے ہیں کیونکہ حقوق حکم تصرف کے تابع ہیں اور حکم یعنی ملک کا تعلق مؤکل کیساتھ ہوتا ہے تو توابع حکم کا تعلق بھی اسی سے ہوگا۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ وکیل عاقد ہے حقیقۃً بھی اور حکماً بھی حقیقۃً تو اس لئے کہ عقد کا قیام اسی کے کلام سے ہوا ہے اور حکماً اس لئے کہ وہ مؤکل کی طرف عقد کی نسبت کرنے سے مستغنی ہے۔ پس حقوق کے سلسلہ میں وکیل اصل ٹھہرا لہذا حقوق اسی کی طرف راجع ہوں گے بخلاف عقد نکاح اور خلع وغیرہ کے کہ اس میں وکیل سفیر محض ہوتا ہے۔

قولہ والملک الخ یہ ایک وہم کا ازالہ ہے۔ وہم یہ ہوتا ہے کہ جب پہلی صورت میں حقوق وکیل کیلئے اصالۃً ثابت ہوئے تو اگر وکیل مؤکل کے لئے اپنے کسی قرابتدار کو خرید لے تو وہ آزاد ہونا چاہیے۔ اسی طرح اگر وکیل کی بیوی کسی کی باندی ہو اور وہ اس کو خرید لے تو نکاح فاسد ہو جانا چاہیے۔ ازالہ کی وجہ یہ ہے کہ یہ اس وقت لازم آتا جب وکیل کیلئے ابتداءً ثابت ہوتی حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ ملک ابتداءً ہی مؤکل کے لئے ثابت ہوتی ہے۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

باب الوکالۃ بالبیع والشراء

باب خرید وفروخت کے لئے وکیل کرنے کے بیان میں

أَمَرَهُ بِشِرَاءِ ثَوْبٍ هَرَوِيٍّ أَوْ فَرَسٍ أَوْ بَغْلٍ صَحَّ سَمّٰى ثَمَنًا أَوْلَا وَبِشِرَاءِ عَبْدٍ أَوْ دَارٍ صَحَّ إِنْ سَمّٰى ثَمَنًا

حکم کیا وکیل کو ہروی کپڑا یا گھوڑا یا خچر خریدنے کا تو صحیح ہے معین کیا ہو ثمن یا نہ اور اگر حکم کیا غلام یا مکان خریدنے کا تو صحیح ہے اگر معین کر دیا ہو ثمن

وَإِلَّا لَا وَبِشِرَاءِ ثَوْبٍ أَوْ دَابَّةٍ لَا وَإِنْ سَمّٰى ثَمَنًا وَبِشِرَاءِ طَعَامٍ يَقَعُ عَلَى الْبُرِّ وَدَقِيْقِهٖ

ورنہ نہیں اور اگر حکم کیا کپڑا یا سواری خریدنے کا تو صحیح نہیں گو ثمن معین کر دے اگر حکم کیا مطلق طعام خریدنے کا تو محمول ہوگا گیہوں اور اس کے آٹے پر

وَلِلْوَكِيْلِ الرَّدُّ بِالْعَيْبِ مَادَامَ الْمَبِيْعُ فِيْ يَدِهٖ فَلَوْ سَلَّمَهٗ إِلَى الْاٰمِرِ لَا يَرُدُّهٗ إِلَّا بِأَمْرِهٖ وَحَبْسُ الْمَبِيْعِ لِثَمَنٍ

اور وکیل واپس کر سکتا ہے عیب کی وجہ سے جبتک مبیع اس کے پاس ہو اگر مؤکل کو دیدی تو واپس نہیں کر سکتا مگر اس کے حکم سے اور روک سکتا ہے مبیع ثمن

دَفَعَهٗ مِنْ مَالِهٖ فَلَوْ هَلَكَ فِيْ يَدِهٖ قَبْلَ حَبْسِهٖ هَلَكَ مِنْ مَالِ الْمُوَكِّلِ وَلَمْ يَسْقُطِ الثَّمَنُ

کی وجہ سے جو دیا ہو اس نے اپنے مال سے پس اگر ہلاک ہو جائے اس کے پاس روکنے سے پہلے تو ہلاک ہوگی مؤکل کے مال سے اور ساقط نہ ہوگا

وَإِنْ بَعْدَ حَبْسِهٖ فَهُوَ كَالْمَبِيْعِ وَيُعْتَبَرُ مُفَارَقَةُ الْوَكِيْلِ فِي الصَّرْفِ وَالسَّلَمِ دُوْنَ الْمُوَكِّلِ.

ثمن اور اگر روکنے کے بعد ہو تو اس کا حکم مبیع کا سا ہے اور اعتبار کیا جائیگا وکیل کی جدائی کا صرف وسلم میں نہ کہ مؤکل کی جدائی کا۔

وفی شرح الطحاوی صح التوکیل باستیفاء التعزیر وعند الائمۃ الثلاثۃ یصح فی القود وان غاب الموکل الا فی روایۃ عن احمد وقول من الشافعی ۱۲۔

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ نفس وکالت اور اس کے کچھ احکام بیان کرنے کے بعد وکالت بیع وشرا بیان کررہا ہے۔ کیونکہ خرید وفروخت میں وکالت کا وقوع بیشتر ہوتا ہے۔ وکالت بیع وشرا کی صحت وعدم صحت کے سلسلہ میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ اگر وکالت عام ہو مثلاً مؤکل سے کہے کہ جو تجھ کو بہتر معلوم ہو اس کی خرید وفروخت کر یا وکالت معلوم ومتعین ہو جیسے حبشی، ترکی، ہندی یا سندھی غلام کی خرید کے لئے وکیل بنانا یا وکالت مجہول ہو لیکن جہالت یسیرہ ہو تو ان صورتوں میں وکالت صحیح ہوگی اور اگر جہالت فاحشہ ہو تو وکالت صحیح نہ ہوگی تو اگر مؤکل نے ہروی کپڑا یا گھوڑا یا خچر خریدنے کے لئے وکیل بنایا تو وکالت صحیح ہے خواہ وہ ثمن بیان کرے یا نہ کرے اس واسطے کہ یہاں صرف جہالت صفت ہے۔ اور وکالت میں جہالت یسیرہ کو برداشت کرلیا جاتا ہے۔ اور غلام یا مکان خریدنے کے لئے وکیل بنایا تو وکالت اس وقت صحیح ہوگی جب مؤکل نے ثمن معین کردیا ہو کیونکہ یہ جہالت متوسطہ ہے۔ جو تعیین ثمن سے ختم ہوسکتی ہے۔ صاحب ہدایہ نے دار کو جہالت فاحشہ میں شمار کیا ہے۔ کیونکہ گھر اختلاف اغراض، پڑوس، مرافق، محلات اور بلاد کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے پس امتثال متعذر ہے۔ صاحب بحر نے کہا ہے کہ یہ اس ملک پر محمول ہے جہاں گھروں میں اختلاف فاحش ہوتا ہو۔ اور مصنف کا کلام عدم اختلاف فاحش پر محمول ہے۔ اور اگر کپڑا یا چوپایہ خریدنے کے لئے وکیل بنایا تو جہالت فاحشہ کی وجہ سے وکالت صحیح نہ ہوگا۔ کیونکہ لفظ دابہ عرف میں گھوڑے گدھے اور خچر پر بولا جاتا ہے۔ تو یہ بہت سی اجناس کو شامل ہے۔ اسی طرح ثوب اطلس اور کساء وغیرہ ملبوسات کو شامل ہے۔ فتعذر الامتثال۔

قولہ وبشراء طعام الخ اگر مؤکل نے طعام کی خرید کے لئے وکیل بنایا تو قیاس کی رو سے وکالت باطل ہے۔ کیونکہ طعام کا اطلاق ہر مطعوم پر ہوتا ہے۔ تو اس میں جہالت فاحشہ ہے لیکن استحساناً صحیح ہے۔ اور گیہوں اور اس کے آٹے پر محمول ہے۔ کیونکہ عرف میں یہی مراد ہوتا ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے یہاں ہر اس مہیا کھانے پر محمول ہوگا جو بلا سالن کھایا جاسکے۔ جیسے پختہ یا بھنا ہوا گوشت وغیرہ۔ قال فی الذخیرۃ وعلیہ الفتویٰ کذافی النہایۃ۔

قولہ وحبس المبیع الخ اگر وکیل نے ثمن کی ادائیگی اپنے مال سے کی ہو تو ثمن وصول کرنے کیلئے مؤکل سے مبیع کو سکتا ہے امام زفر کے نزدیک وکیل کو ان کا حق نہیں کیونکہ وکیل کے قبضہ کرلینے سے مؤکل قابض ہوگیا تو گویا وکیل نے مؤکل کو مبیع سپرد کردی لہٰذا روکنے کا حق ساقط ہوگیا۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ وکیل مطالبہ ثمن میں بائع کی مانند ہے اور بائع کیلئے حبس مبیع کا حق ہے۔ تو وکیل کے لئے بھی ہوگا۔ کیونکہ وکیل کا قبضہ قبضہ مؤکل کے مانند ہے۔ اور وکیل نے مبیع کو نہیں روکا تو گویا مؤکل کے پاس ہلاک ہوئی لہٰذا مؤکل کے ذمہ سے ثمن ساقط نہ ہوگا۔ اور اگر روکنے کے بعد ہلاک ہوئی تو طرفین کے نزدیک اس کا حکم بیع کا سا ہے۔ یعنی مؤکل کے ذمہ ثمن ساقط ہوجائے گا کیونکہ وکیل بائع کے مانند ہے۔ تو اس کا روکنا استیفاء ثمن کے لئے ہوا۔ اور مبیع ہلاک ہوچکی تو جیسے بائع کے روکنے سے ثمن ساقط ہوجاتا ہے ایسے ہی وکیل کے روکنے سے ساقط ہوجائے گا۔ امام ابو یوسف کے نزدیک اس کا حکم رہن کا سا ہے۔ کہ اگر ثمن قیمت سے زائد ہو تو وکیل بقدر زائد مؤکل سے وصول کرے گا۔ وہ یہ فرماتے ہیں کہ روکنے سے پہلے مبیع مضمون نہیں تھی۔ بلکہ استیفاء ثمن کی خاطر روکنے کے بعد مضمون ہوتی ہے یہ بعینہ رہن کے مانند ہوگئی۔

قولہ ویعتبر الخ عقد صرف اور بیع سلم میں مفارقت مؤکل کا کوئی اعتبار نہیں بلکہ مفارقت وکیل کا اعتبار ہے خواہ مؤکل حاضر ہو یا غائب ہو کیونکہ عاقد تو وکیل ہی ہے نہ کہ مؤکل۔ تو اگر قبضہ کرنے سے پہلے وکیل صاحب عقد سے جدا ہوگیا تو عقد باطل ہوجائے گا۔ نہایہ، عینی، ابن ملک، درر البحار اور مستصفی وغیرہ میں ہے اگر مؤکل موجود ہو تو مفارقت وکیل کا اعتبار نہ ہوگا کیونکہ مؤکل اصیل ہے۔ اور وکیل نائب۔ تو اصیل کی موجودگی میں نائب کا اعتبار نہ ہونا ایک کھلی ہوئی بات ہے۔ مگر یہ قابل اعتماد نہیں۔ کیونکہ وکیل اصل عقد میں گو نائب ہے لیکن حقوق عقد میں وہ اصیل ہے۔ اس لئے مؤکل کے حاضر ہونے نہ ہونے کا کوئی اعتبار نہیں۔

(۱) یعنی من غیر امر الموکل لان الرد بالعیب من حقوق العقد وہی کلہا تتعلق بالوکیل دون الموکل فیستفد بہ ۱۲۔ زیلعی۔ (۲) لان حکم الوکالۃ قد انتہی بالتسلیم الیہ ۱۲

وَلَوْ وَكَّلَهُ بِشِرَاءِ عَشَرَةِ اَرْطَالِ لَحْمٍ بِدِرْهَمٍ فَاشْتَرٰى عِشْرِيْنَ رِطْلاً بِدِرْهَمٍ مِمَّا يُبَاعُ مِثْلُهُ عَشَرَةٌ بِدِرْهَمٍ

اگر وکیل کیا دس رطل گوشت خریدنے کیلئے ایک درہم میں اس نے خریدا بیس رطل گوشت ایک درہم میں ایسا کہ اس کے دس رطل فروخت ہوتے ہیں

لَزِمَ الْمُوَكِّلَ مِنْهُ عَشَرَةٌ بِنِصْفِ دِرْهَمٍ وَلَوْ وَكَّلَهُ بِشِرَاءِ شَيْءٍ بِعَيْنِهِ لَايَشْتَرِيْهِ لِنَفْسِهٖ

ایک درہم میں تو لازم ہوں گے مؤکل کو اسکے دس رطل نصف درہم میں اگر وکیل کیا کوئی خاص چیز خریدنے کے لئے تو نہ خریدے اس کو اپنے لئے

فَلَوْ اشْتَرَاهُ بِغَيْرِ النُّقُوْدِ اَوْ بِخِلَافِ مَاسَمّٰى لَهٗ مِنَ الثَّمَنِ وَقَعَ لِلْوَكِيْلِ وَاِنْ كَانَ بِغَيْرِ عَيْنِهٖ

پس اگر خریدا اس کو غیر نقود کے عوض یا اس ثمن کے خلاف جو معین کیا تھا مؤکل نے تو خرید وکیل کیلئے ہوگی اور اگر غیر معین چیز خریدنے کا وکیل ہو

فَالشِّرَاءُ لِلْوَكِيْلِ اِلَّا اَنْ يَنْوِيَ لِلْمُوَكِّلِ اَوْيَشْتَرِيَهٗ بِمَالِهٖ وَاِنْ قَالَ اشْتَرَيْتُ لِلْاٰمِرِ

تب بھی خرید وکیل کے لئے ہوگی مگر یہ کہ نیت کرے مؤکل کی یا خریدے مؤکل کے مال سے اگر کہے وکیل کہ میں نے مؤکل کیلئے خریدا ہے

وَقَالَ الْاٰمِرُ لِنَفْسِكَ فَالْقَوْلُ لِلْاٰمِرِ وَاِنْ كَانَ دَفَعَ اِلَيْهِ الثَّمَنَ فَلِلْمَامُوْرِ وَاِنْ قَالَ بِعْنِيْ هٰذَا لِفُلَانٍ

اور مؤکل کہے کہ تو نے اپنے لئے خریدا ہے تو قول مؤکل کا معتبر ہوگا اگر مؤکل اس کو ثمن دے چکا ہو تو وکیل کا قول معتبر ہوگا اگر کہا کہ بیچدے میرے

فَبَاعَهٗ ثُمَّ اَنْكَرَ الْاٰمِرُ اَخَذَهٗ فُلَانٌ اِلَّا اَنْ يَّقُوْلَ لَمْ اٰمُرْهُ بِهٖ

ہاتھ یہ فلاں کیلئے اس نے بیچدی پھر انکار کیا وکالت کا تو لے لے اس کو فلاں مگر یہ کہ کہے فلاں کہ میں نے اس کو حکم نہیں کیا تھا

اِلَّا اَنْ يُّسَلِّمَهُ الْمُشْتَرِيْ اِلَيْهِ وَاِنْ اَمَرَهٗ بِشِرَاءِ عَبْدَيْنِ عَيْنَيْنِ وَلَمْ يُسَمِّ ثَمَنًا فَاشْتَرٰى لَهٗ اَحَدَهُمَا صَحَّ

الا یہ کہ دے چکا ہو مشتری وہ اس کو اگر حکم کیا وکیل کو دو معین غلام خریدنے کا اور ثمن معین نہیں کیا پس وکیل نے اس کے لئے ایک خرید لیا تو صحیح ہے

وَبِشِرَائِهِمَا بِالْاَلْفِ وَقِيْمَتُهُمَا سَوَاءٌ فَاشْتَرٰى اَحَدَهُمَا بِنِصْفِهٖ اَوْ اَقَلَّ صَحَّ

اور اگر ان دونوں کو ایک ہزار میں خریدنے کیلئے کہا اور دونوں کی قیمت برابر ہے پھر ایک خریدا پانچ سو میں یا اس سے کم میں تب بھی صحیح ہے

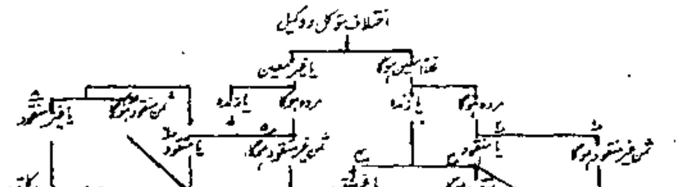
وَبِالْاَكْثَرِ لَا اِلَّا اَنْ يَّشْتَرِيَ الْبَاقِيَ بِمَا بَقِيَ قَبْلَ الْخُصُوْمَةِ.

لیکن اس سے زیادہ میں صحیح نہیں الا یہ کہ خریدے باقی باقی کے عوض جھگڑے سے پیشتر۔

تشریح الفقہ: **قولہ ولو وکلہ بشراء عشرۃ الخ** ایک شخص نے کسی کو ایک درہم میں دس رطل گوشت خریدنے کیلئے وکیل بنایا۔ وکیل نے ایک درہم میں بیس رطل گوشت ایسا ہی خرید لیا جس کے دس رطل ایک درہم میں آتے ہیں تو امام صاحب کے نزدیک مؤکل کو نصف درہم میں دس رطل گوشت لازم ہوگا' صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ایک درہم میں بیسوں رطل لازم ہوں گے۔ کیونکہ وکیل نے تو اس کا فائدہ ہی کیا ہے۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ وکیل ارتعال معینہ یعنی دس رطل خریدنے کا مامور ہے تو اس سے زائد کی خرید وکیل پر نافذ ہوگی۔

قولہ وان قال الخ شخص نے کسی کو غلام خریدنے کے لئے وکیل بنایا۔ وکیل نے غلام خرید لیا۔ اور غلام مر گیا تو اس کے بعد مؤکل اور وکیل کا باہم اختلاف ہوا۔ وکیل نے کہا میں نے غلام تیرے لئے خریدا تھا مؤکل نے کہا نہیں تو نے اپنے لئے خریدا تھا۔ تو اگر ثمن غیر منقود ہو یعنی مؤکل نے وکیل کو نہ دیا ہو تو مؤکل کا قول معتبر ہوگا۔ کیونکہ وکیل اس کی خبر دے رہا ہے۔ جس کے استیناف کا وہ مالک نہیں (کیونکہ غلام مر چکا اور وہ محل عقد نہیں رہا۔ لہٰذا وہ بطریق استیناف یہ نہیں کر سکتا کہ اولا اس نے اپنے لئے خریدا ہو۔ پھر عقد شراء کو مؤکل کے لئے کر دیا ہو) اور مؤکل اس کا منکر ہے۔ اور قول منکر ہی کا معتبر ہوتا ہے۔ اور اگر ثمن منقود ہو تو وکیل کا قول معتبر ہوگا۔ کیونکہ اس صورت میں وہ امین ہے۔ جو ذمہ امانت سے نکلنا چاہتا ہے۔ لہٰذا اس کا قول مقبول ہوگا۔

فائدہ: اس مسئلہ کی آٹھ صورتیں ہیں اور مصنف کی عبارت ان سے قاصر ہے۔ اس لئے ہم ذرا اس کی تفصیل کرتے ہیں۔ واللہ الموفق۔ مؤکل نے جس غلام کو خریدنے کے لئے وکیل بنایا ہے اسکی دو صورتیں ہیں۔ غلام معین ہوگا یا غیر معین۔ ان کی پھر دو صورتیں ہیں۔ بوقت اختلاف غلام مردہ ہوگا یا زندہ۔ ان میں سے ہر ایک کی پھر دو صورتیں ہیں ثمن منقود ہوگا یا غیر منقود۔ سو اگر غلام معین ہو اور مردہ ہو اور ثمن منقود ہو تو بالاجماع وکیل کا قول معتبر ہوگا اور ثمن غیر منقود ہو تو مؤکل کا قول معتبر ہوگا۔ اور غلام زندہ ہو تو بالاجماع وکیل کا قول معتبر ہوگا۔ ثمن منقود ہو یا غیر منقود اور اگر غلام زندہ ہو اور ثمن منقود ہو تو وکیل کا قول معتبر ہوگا۔ اور ثمن غیر منقود ہو تو امام صاحب کے نزدیک مؤکل کا قول معتبر ہوگا۔ کیونکہ اس صورت میں تہمت کا امکان ہے یعنی ہوسکتا ہے کہ وکیل نے اپنے لئے خریدا ہو۔ اور جب اس میں نقصان دیکھا تو مؤکل پر ڈال دیا۔ اور صاحبین کے نزدیک وکیل کا قول معتبر ہوگا۔ ان سب صورتوں کو اس نقشہ سے محفوظ کرلو۔ نقشہ مندرجہ ذیل ہے ملاحظہ فرمائیں۔



قولہ بعنی هذا الخ زید نے عمرو سے کہا کہ یہ غلام میرے ہاتھ بکر کیلئے فروخت کردے۔ عمرو نے فروخت کردیا۔ اب زید کہتا ہے کہ بکر نے مجھکو خریدنے کا حکم نہیں کیا تو بکر اس سے وہ غلام لے لیگا۔ کیونکہ زید کا عمرو سے یہ کہنا کہ غلام کو میرے ہاتھ بکر کیلئے فروخت کر اقرار توکیل ہے۔ پس اسکا انکار کرنا لغو ہوگا کیونکہ یہ انکار اقرار توکیل کیخلاف ہے ہاں اگر بکر یہ کہدے کہ میں نے خریدنے کا حکم نہیں کیا تو اب وہ نہیں لے سکتا۔ کیونکہ اس کے رد کرنے سے زید کا اقرار رد ہوگیا۔ لیکن اگر زید نے غلام کو بکر کے حوالے کردیا اور بکر نے لے لیا تو غلام بکر کا مملوک ہو جائے گا۔ گو ثمن کی ادائیگی نہ پائی جائے۔ کیونکہ بکر کے رد کرنے سے زید کا اقرار رد ہوگیا لیکن جب آپس میں لین دین ہوگیا تو انکے درمیان بطریق معاطاۃ عقد جدید منعقد ہوگیا۔ اور بیع بالتعاطی میں فی الفور ثمن کی ادائیگی ضروری نہیں کیونکہ عرف میں تراخی ثمن مروج ہے۔

قولہ وان امرہ الخ ایک شخص نے کسی کو دو معین غلام خریدنے کا حکم کیا اور ثمن کی تعیین نہیں کی۔ مامور نے ان میں سے ایک غلام اسکی قیمت کے مطابق یا قدرے زیادتی کے ساتھ خرید لیا تو بالاتفاق صحیح ہے۔ کیونکہ آمر کی جانب سے توکیل مطلق تھی اور اگر غبن فاحش کے ساتھ خریدا تو بالاتفاق صحیح نہیں کیونکہ توکیل بالشرا میں غبن فاحش کے ساتھ خریدنا بالاتفاق ناجائز ہے۔

قولہ وبشرائهما الخ اور اگر دو معین غلاموں کو ایک ہزار میں خریدنے کا حکم کیا اور دونوں غلاموں کی قیمت برابر ہے مثلاً پانچ سو اور مامور نے ان میں سے ایک کو پانچ سو یا پانچ سو میں سے کم خرید لیا۔ تو امام صاحب کے نزدیک خرید صحیح ہے۔ اور اگر پانچ سو سے زائد میں خریدا تو صحیح نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ آمر نے ایک ہزار کو ان دونوں کے مقابلہ میں رکھا ہے۔ پس ان دونوں کے درمیان نصفاً نصف تقسیم ہونگے۔ تو اس نے گویا ہر ایک کو پانچسو میں خریدنے کا حکم کیا ہے۔ اب اگر وہ پانچ سو میں خریدتا ہے تو یہ اسکے حکم کے موافق ہے۔ اور اگر کم میں خریدتا ہے تو گو اسکے حکم کے خلاف ہے۔ لیکن آمر کے حق میں مفید ہے۔ لہٰذا دونوں صورتوں میں خرید صحیح ہوگی۔ اور اگر پانچ سو سے زائد میں خریدتا ہے تو یہ اسکے لئے مضر ہے۔ اسلئے خرید جائز نہ ہوگی۔ الا یہ کہ وہ دوسرا غلام بھی قبل از خصومت باقی ماندہ رقم خرید لے کہ اس صورت میں بھی بالاتفاق خرید صحیح ہوگی مگر استحساناً۔ امام مالک اور شافعی کے نزدیک صحیح نہ ہوگی۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ آمر کا مقصد یہ تھا کہ دونوں غلام ایک ہزار میں مل جائیں سو یہ مقصد حاصل ہوگیا۔ فلا اعتبار المخالفة۔

وَبِشِرَاءِ هٰذَا بِدَيْنٍ عَلَيْهِ فَاشْتَرٰى صَحَّ وَلَوْ غَيْرُ عَيْنٍ نَفَذَ عَلَى الْمَامُوْرِ
اگر خاص چیز خریدنے کا حکم کیا اس دین کے عوض جو وکیل پر ہے اور اس نے خرید لی تو صحیح ہے اور اگر غیر معین ہو تو خرید وکیل پر نافذ ہوگی
وَبِشِرَاءِ اَمَةٍ بِاَلْفٍ دَفَعَ اِلَيْهِ فَاشْتَرٰى فَقَالَ اِشْتَرَيْتَهَا بِخَمْسِ مِائَةٍ وَقَالَ الْمَامُوْرُ بِاَلْفٍ
ہزار دیکر باندی خریدنے کیلئے کہا وکیل نے خرید لی اب مؤکل کہتا ہے کہ تونے پانچ سو میں خریدی ہے وکیل کہتا ہے کہ ہزار میں خریدی ہے
فَالْقَوْلُ لِلْمَامُوْرِ وَاِنْ لَمْ يَدْفَعْ فَلِلْاٰمِرِ وَبِشِرَاءِ هٰذَا وَلَمْ يُسَمِّ ثَمَنًا فَقَالَ الْمَامُوْرُ اِشْتَرَيْتُهُ بِاَلْفٍ
تو قول وکیل کا معتبر ہوگا اور اگر ہزار نہ دیئے ہوں تو مؤکل کا خاص چیز خریدنے کے لئے کہا اور ثمن معین نہیں کیا اب وکیل کہتا ہے کہ میں نے ہزار میں
وَصَدَّقَهُ بَائِعُهُ وَقَالَ الْاٰمِرُ بِنِصْفِهِ تَحَالَفَا وَبِشِرَاءِ نَفْسِ الْاٰمِرِ مِنْ سَيِّدِهٖ بِاَلْفٍ
خریدی ہے اور بائع نے اس کی تصدیق بھی کردی مؤکل کہتا ہے کہ پانچ سو میں خریدی ہے تو دونوں قسم کھائیں غلام نے کسی کو ہزار دیکر کہا کہ مجھ کو
وَدَفَعَ فَقَالَ لِسَيِّدِهٖ اِشْتَرَيْتُهُ لِنَفْسِهٖ فَبَاعَهُ عَلٰى هٰذَا عُتِقَ وَوَلَاؤُهُ لِسَيِّدِهٖ
میرے آقا سے خرید دے وکیل نے آقا سے کہا کہ میں اس کو اسی کیلئے خریدتا ہوں مالک نے اسی شرط پر بیچدیا تو غلام آزاد ہوجائیگا اور اس کی ولاء
وَاِنْ قَالَ الْوَكِيْلُ اِشْتَرَيْتُهُ فَالْعَبْدُ لِلْمُشْتَرِيْ وَالْاَلْفُ لِسَيِّدِهٖ وَعَلَى الْمُشْتَرِيْ اَلْفٌ مِثْلُهُ
اس کے آقا کو ملیگی اور اگر وکیل کہے کہ میں اس کو خریدتا ہوں تو غلام مشتری کا ہوگا اور ہزار اس کے آقا کے ہوں گے اور مشتری پر ہزار واجب
وَاِنْ قَالَ لِعَبْدٍ اِشْتَرِلِيْ نَفْسَكَ مِنْ مَوْلَاكَ فَقَالَ لِلْمَوْلٰى بِعْنِيْ نَفْسِيْ لِفُلَانٍ
ہوں گے اگر کہا غلام ہے کہ خرید لے تو خود کو میرے لئے اپنے آقا سے غلام نے آقا سے کہا کہ بیچدے مجھ کو فلاں کے لئے
فَفَعَلَ فَهُوَ لِلْاٰمِرِ وَاِنْ لَمْ يَقُلْ لِفُلَانٍ عَتَقَ.
اس نے بیچدیا تو غلام آمر کا ہوگا اور اگر وہ لفلان نہ کہے تو آزاد ہوجائے گا۔

تشریح الفقہ: قولہ وبشراء هذا الخ زید کا عمرو پر کچھ قرض تھا اس نے عمرو سے کہا کہ تو میرے قرض کے عوض اس غلام کو میرے لئے خرید لے عمرو نے خرید لیا تو خرید صحیح ہوگی۔ اور مؤکل (زید) پر نافذ ہوگی۔ اور اگر زید نے غلام کو معین نہیں کیا اور عمرو نے خرید لیا تو یہ خرید زید پر نافذ نہ ہوگی۔ بلکہ مامور (عمرو) پر نافذ ہوگی۔ یہاں تک کہ اگر غلام ہلاک ہوجائے تو ہلاکت کا نقصان مامور پر ہی پڑیگا یہ امام صاحب کے نزدیک ہے۔ صاحبین یہ فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں خرید آمر کیلئے لازم ہوگی۔ اس اختلاف کا اصل منشا یہ ہے کہ جب توکیل بالشراء کو دین کی طرف مضاف کیا جائے اور بائع یا مبیع متعین ہو تو یہ امام صاحب کے نزدیک صحیح ہے۔ اور اگر بائع یا مبیع متعین نہ ہو تو صحیح نہیں، صاحبین کے نزدیک بہر دو صورت صحیح ہے۔

قولہ وبشراء الخ ایک شخص نے دوسرے کو باندی خریدنے کے لئے ایک ہزار درہم دیے اس نے باندی خرید لی۔ اب آمر کہتا ہے کہ تو نے پانچسو میں خریدی ہے مامور کہتا ہے کہ ایک ہزار میں خریدی ہے تو مامور کا قول معتبر ہوگا۔ کیونکہ وہ امین ہے جو ذمہ امانت سے نکلنے کا مدعی ہے۔ اور آمر اس پر پانچسو کے ضمان کا دعویٰ کر رہا ہے۔ اور مامور منکر ہے۔ تو منکر کا قول معتبر ہوگا۔ مگر یہ اس وقت ہے جب کہ ہزار کی قیمت کی ہو اور اگر پانچسو کی قیمت کی ہو تو آمر کا قول معتبر ہوگا۔ اور اگر آمر نے مامور کو ایک ہزار درہم دیے ہوں اور پھر اختلاف ہو تو اگر باندی پانچسو کی قیمت کی ہو تو امر کا قول معتبر ہوگا۔ کیونکہ مامور نے آمر کی مخالفت کی ہے۔ اور اگر ایک ہزار کی قیمت کی ہو تو دونوں قسم کھائیں گے۔ اور قسم کھانے کے بعد عقد فسخ ہوجائیگا اور باندی مامور کو لازم ہوگی۔ ہذا التفصیل هو الاصح وان اطلقه المصنف۔

قولہ وبشراء ھذا الخ اگر کسی معین چیز کے خریدنے کا حکم کیا اور آمر نے ثمن کی تعیین نہیں کی پھر اختلاف ہوا۔ مامور نے کہا کہ میں نے ایک ہزار میں خریدی ہے آمر نے کہا کہ پانچسو میں خریدی ہے۔ اور بائع نے مامور کی تصدیق کردی تو بقول ابومنصور دونوں قسم کھائیں گے کیونکہ یہاں ثمن میں اختلاف ہے جو موجب تحالف ہے۔ فقیہہ ابوجعفر نے اس کی تصحیح کی ہے کہ بائع کی تصدیق کے بعد تحالف نہ ہوگا۔ ابومنصور کا قول اظہر ہے۔

قولہ نفس الامر الخ نے ایک شخص سے کہا کہ تو مجھ کو میرے لئے میرے آقا سے اتنے روپے میں خرید لے اور غلام نے اتنا روپیہ اس شخص کو دیدیا۔ اس نے آقا سے کہا میں نے اس غلام کو اسی کے لئے خرید لیا۔ آقا نے اس کو اسی طرح فروخت کردیا تو غلام مال مذکور کے عوض میں آزاد ہوجائے گا۔ کیونکہ غلام کو اسی کے ہاتھ فروخت کرنا درحقیقت اعتاق ہے۔ اور غلام کا اپنی ذات کو خریدنا قبول بالبدل ہے۔ لہٰذا غلام آزاد ہوجائیگا۔ اور ولاء آقا کو ملے گی۔ اب مامور سفیر محض ہوا۔ لہٰذا حقوق عقد اس کی طرف راجع نہ ہوں گے اور ایک ہزار کا مطالبہ غلام پر رہے گا نہ کہ وکیل پر۔ اور اگر وکیل نے صرف ''اشتریتہ'' کہا۔ لنفس العبد نہ کہا تو غلام مشتری کا مملوک ہوگا اور ایک ہزار جو مشتری نے غلام سے لیکر آقا کو دیے ہیں وہ اسی کے ہوں گے۔ کیونکہ وہ اس غلام کی کمائی ہے اور مشتری پر ثمن ایک ہزار درہم لازم ہوں گے۔ وجہ یہ ہے کہ لفظ ''اشتریت'' معاوضہ کے لئے حقیقت ہے نہ کہ اعتاق کیلئے۔ اور یہاں حقیقت پر عمل کرنا ممکن ہے۔ بخلاف اس اس صورت کے جو اوپر مذکور ہوئی کہ وہاں مجاز متعین ہے۔

قولہ وان قال لعبد الخ ایک شخص نے غلام سے کہا کہ مجھ سے (جو کسی دوسرے کا مملوک تھا) کہا کہ تو اپنی ذات کو اپنے آقا سے میرے لئے خرید لے۔ سو غلام نے اپنے آقا سے کہا کہ مجھ کو فلاں کے واسطے فروخت کردے' آقا نے فروخت کردیا تو غلام اس آمر کا مملوک ہوجائے گا۔ کیونکہ غلام اپنی ذات کی خرید میں دوسرے کی طرف سے وکیل ہوسکتا ہے۔ اور اگر غلام نے '' بعنی نفسی '' کے بعد لفلان نہ کہا تو یہ تصرف غلام پر نافذ ہوگا۔ اور وہ آزاد ہوجائے گا۔ محمد حنیف غفرلہٗ گنگوہی

فَصْلٌ: اَلْوَكِيْلُ بِالْبَيْعِ وَالشِّرَاءِ لَايَعْقِدُ مَعَ مَنْ تُرَدُّ شَهَادَتُهٗ لَهٗ وَصَحَّ بَيْعُهٗ بِمَا قَلَّ اَوْ كَثُرَ بِالْعَرَضِ

(فصل) وکیل خرید وفروخت کا معاملہ نہ کرے اس سے جس کے لئے اس کی گواہی مردود ہو اور صحیح ہے اس کا بیچنا کم وبیش اور سامان کے عوض

وَالنَّسِيْئَةِ وَيَتَقَيَّدُ شِرَاؤُهٗ بِمِثْلِ الْقِيْمَةِ وَزِيَادَةٍ يَتَغَابَنُ فِيْهَا وَهُوَ مَايَدْخُلُ تَحْتَ تَقْوِيْمِ الْمُقَوِّمِيْنَ

اور ادھار اور مقید ہے اس کی خرید برابر قیمت کے ساتھ اور اتنی زیادتی کے ساتھ جتنی ہوتی ہو اور وہ وہ ہے جو داخل ہو قیمت لگانے والوں کی تقویم

وَلَوْ وَكَّلَهٗ بِبَيْعِ عَبْدٍ فَبَاعَ نِصْفَهٗ صَحَّ وَفِي الشِّرَاءِ يَتَوَقَّفُ مَالَمْ يَشْتَرِ الْبَاقِيَ.

میں اگر وکیل کیا غلام بیچنے کے لئے اور اس نے نصف بیچ دیا تو صحیح ہے اور خرید کی صورت میں خرید موقوف ہوگی جب تک کہ نہ خریدے باقی کو۔

تشریح الفقہ: قولہ الوکیل الخ بیع وشرا صرف وسلم اور اجارہ وغیرہ میں وکیل ان لوگوں کے ساتھ معاملہ نہ کرے جن کی گواہی وکیل کے حق میں مردود ہے جیسے اس کے اصول وفروع' بیوی' آقا' غلام' مکاتب وغیرہ کیونکہ ان کے درمیان منافع متصل ہوتے ہیں تو تہمت کا امکان ہے۔ صاحبین کے نزدیک اپنے غلام اور مکاتب کے علاوہ اوروں کیساتھ معاملہ کرسکتا ہے۔ بشرطیکہ عقد مثل قیمت کیساتھ ہو۔

قولہ وصح بیعہ الخ امام صاحب کے نزدیک وکیل بالبیع کم وبیش قیمت کیساتھ (اگرچہ غبن فاحش ہو) اور ادھار (اگرچہ مدت غیر معلوم ہو) اور سامان کے عوض غرض ہر طرح فروخت کرسکتا ہے۔ کیونکہ توکیل مطلق ہے تو اپنے اطلاق پر جاری رہے گی۔ صاحبین کی نزدیک صحت بیع وکیل مثل قیمت اور نقود اور اجل متعارف کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ یہی متعارف ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے یہاں ادھار بیچنا جائز نہیں۔ بزازیہ میں ہے کہ فتوی صاحبین کے قول پر ہے۔ لیکن شیخ قاسم نے تصحیح قدوری میں امام صاحب کے قول کو ترجیح دی ہے۔ امام

نفسی کے نزدیک یہی قابل اعتماد ہے۔اور یہی امام محبوبی کے نزدیک پسندیدہ ہے۔صدر الشریعہ اور موصلی نے بھی اسی کی موافقت کی ہے۔

قولہ ویقید الخ وکیل بالشراء کی خرید مثل قیمت اور غبن یسیر کے ساتھ مقید ہے۔یعنی اگر اس نے اتنی قیمت میں خریدی جتنی قیمت میں وہ عام طور پر فروخت ہوتی ہے یا قدرے زیادتی کے ساتھ خریدی جو زیادتی قیمت لگانے والے واقف کار لوگوں کی تقویم میں داخل ہو تو خرید صحیح ہوگی ورنہ نہیں۔کیونکہ یہاں تہمت کا امکان ہے۔یعنی ممکن ہے کہ اس نے اپنے لئے خریدی ہو مگر جب اس نے دیکھا کہ اس میں خسارہ ہے تو مؤکل کے ذمہ ڈال دی۔

قولہ ولو وکلہ الخ ایک شخص نے غلام فروخت کرنے کیلئے کسی کو وکیل بنایا اور اس نے نصف غلام فروخت کر دیا تو امام صاحب کے نزدیک بیع صحیح ہے۔کیونکہ توکیل مطلق ہے۔اجتماع و افتراق کی کوئی قید نہیں' صاحبین اور ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ اگر اس نے خصومت سے پہلے نصف آخر کو بھی فروخت کر دیا تو بیع صحیح ہوگی ورنہ نہیں کیونکہ نصف غلام فروخت کرنے سے غلام مشترک ہوگیا۔اور شرکت ایسا عیب ہے جس سے قیمت کم ہو جاتی ہے لہٰذا اطلاق مراد نہ ہوگا۔اور اگر وکیل بالشراء ہو اور وہ نصف غلام خرید لے تو بالاتفاق خرید موقوف ہوگی۔اگر نصف آخر کو بھی خرید لیا تو خرید صحیح ہوگی ورنہ نہیں کیونکہ شرا کی صورت میں تہمت کا امکان ہے جس کی تشریح گزر چکی۔

وَلَوْ رَدَّ الْمُشْتَرِی الْمَبِیْعَ عَلَی الْوَکِیْلِ بِالْبَیْعِ بِبَیِّنَۃٍ اَوْ نُکُوْلٍ رَدَّہٗ عَلَی الْاٰمِرِ وَکَذَا بِاِقْرَارٍ فِیْمَا لَایَحْدُثُ

اگر لوٹا دے مشتری مبیع بیع کے وکیل پر عیب کی وجہ سے بینہ یا انکار کیساتھ تو لوٹا دے وکیل مؤکل پر اسی طرح ایسے عیب کے اقرار سے جو نو پید نہ ہو

وَاِنْ بَاعَ بِنَسِیْئَۃٍ فَقَالَ اَمَرْتُکَ بِنَقْدٍ وَقَالَ الْمَامُوْرُ اَطْلَقْتَ فَالْقَوْلُ لِلْاٰمِرِ وَفِی الْمُضَارَبَۃِ لِلْمُضَارِبِ

اگر وکیل ادھار بیچے اور مؤکل کہے کہ میں نے نقد کے لئے کہا تھا اور وکیل کہے کہ تو نے مطلق حکم کیا تھا تو مؤکل کا قول معتبر ہوگا اور مضاربت میں

وَلَوْ اَخَذَ الْوَکِیْلُ بِالثَّمَنِ رَهْنًا فَضَاعَ اَوْ کَفِیْلاً فَتَوٰی عَلَیْهِ لَمْ یَضْمَنْ

مضارب کا اگر وکیل ثمن کے عوض میں کوئی چیز گروی رکھ لے اور وہ ضائع ہو جائے یا کفیل لے لے اور وہ ہلاک ہو جائے تو ضامن نہ ہوگا

وَلاَ یَتَصَرَّفُ اَحَدُ الْوَکِیْلَیْنِ وَحْدَہٗ اِلاَّ فِی خُصُوْمَۃٍ وَطَلاَقٍ وَعِتَاقٍ بِلاَ بَدَلٍ وَرَدِّ وَدِیْعَۃٍ وَقَضَاءِ دَیْنٍ

تصرف نہ کرے دو میں سے ایک وکیل تنہا مگر جوابدہی بلا بدل طلاق وعتاق امانت کی واپسی اور قرض کی ادائیگی میں

وَلاَ یُوَکِّلُ وَکِیْلٌ اِلاَّ بِاِذْنٍ اَوْ بِاِعْمَلْ بِرَاْیِکَ فَاِنْ وَکَّلَ بِلاَ اِذْنِ الْمُوَکِّلِ

اور وکیل نہ کرے وکیل مگر اجازت سے یا یہ کہنے سے کہ اپنی رائے کے مطابق کر پس اگر مؤکل کی اجازت کے بغیر وکیل کیا

فَعَقَدَ بِحَضْرَتِہٖ اَوْ بَاعَ اَجْنَبِیٌّ فَاَجَازَ صَحَّ وَاِنْ زَوَّجَ عَبْدٌ اَوْ مُکَاتَبٌ اَوْ کَافِرٌ

اور اس نے اس کی موجودگی میں معاملہ کیا یا کسی اجنبی نے بیچا اور اس نے جائز رکھا تو صحیح ہے اگر نکاح کر دے غلام یا مکاتب یا کافر

صَغِیْرَتَہُ الْحُرَّۃَ الْمُسْلِمَۃَ اَوْ بَاعَ لَهَا اَوِ اشْتَرٰی لَمْ یَجُزْ.

اپنی چھوٹی آزاد مسلمان لڑکی کا یا اس کے لئے خرید وفروخت کرے تو جائز نہیں۔

توضیح اللغۃ: نکول انکار کرنا' نسیئۃ ادھار' توی ہلاک ہو جانا' ودیعت امانت' دین قرض۔

تشریح الفقہ: قولہ ولو رد الخ وکیل بالبیع نے کوئی چیز مثلاً غلام فروخت کیا اور مشتری نے عیب کی وجہ سے غلام وکیل کو واپس کر دیا۔اور واپسی مشتری کے بینہ قائم کرنے سے ہوئی۔یا وکیل پر قسم عائد ہوئی اور اس کے انکار سے واپسی ہوئی یا وکیل نے عیب کا اقرار

کرلیا اور اس کے اقرار سے واپسی ہوئی (بشرطیکہ عیب ایسا ہو جو اتنی مدت میں پیدا نہ ہوتا ہو) تو ان سب صورتوں میں وکیل اس غلام کو مؤکل پر واپس کریگا۔ کیونکہ بینہ حجت مطلقہ ہے۔ اور وکیل انکار کرنے پر مجبور ہے لہٰذا غلام آمر کو لازم ہوگا۔

قولہ وان باع الخ وکیل بالبیع نے کوئی چیز ادھار فروخت کی پھر آپس میں اختلاف ہوا۔ مؤکل نے کہا کہ میں نے نقد بیچنے کا حکم کیا تھا وکیل نے کہا نہیں بلکہ مطلق حکم کیا تھا تو اس صورت میں مؤکل کا قول معتبر ہوگا۔ اور اگر مضاربت کی صورت ہو اور اس میں اختلاف واقع ہو تو مضارب کا قول معتبر ہوگا۔ کیونکہ اصل یہ ہے کہ وکالت میں تخصیص ہوتی ہے۔ اور مضاربت میں تعمیم ہے اس لئے وکالت میں مؤکل کی تصدیق ہوگی۔ اور مضاربت میں مضارب کی۔

قولہ ولا یتصرف الخ ایک شخص نے ایسے معاملہ میں جس میں رائے کی ضرورت ہوتی ہے مثلاً بیع، خلع، مضاربت، قضا، تحکیم، تولیت اور وقف وغیرہ میں دو آدمیوں کو ایک ساتھ وکیل کیا تو ان کے لئے تنہا تنہا تصرف کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ دو آدمیوں کی رائے سے معاملہ میں جو خوبی اور قوت آتی ہے وہ ایک کی رائے سے حاصل نہیں ہوتی۔ اور مؤکل دو کی رائے سے راضی ہے نہ کہ ایک کی رائے سے۔ اسی لئے اس نے دو وکیل کئے ہیں۔ لہٰذا وہ دونوں ملکر تصرف کریں۔ تنہا کسی ایک کا تصرف مؤکل پر نافذ نہ ہوگا۔ مگر چند تصرفات اس سے مستثنیٰ ہیں (۱) خصومت اس میں تنہا ایک وکیل کا تصرف نافذ ہوگا۔ کیونکہ دونوں کا اجتماع متعذر ہے۔ اگر دونوں جوابدہی کریں گے تو مجلس قضا میں شور وشغب ہوگا۔ (۲) طلاق بلا عوض (۳) عتاق بلا بدل (۴) رد ودیعت (۵) قضاء دین (۶) تدبیر عبد ین (۸) رد عاریت (۸) رد مغصوب (۹) رد مبیع بیع فاسد (۱۰) تسلیم ہبہ۔ ان تصرفات میں بھی ایک وکیل کا تصرف نافذ ہوگا۔ کیونکہ ان میں رائے کی چنداں ضرورت نہیں ہوتی بلکہ صرف مؤکل کے کلام کی تعبیر ہوتی ہے۔ جس میں ایک کی اور دو کی عبارت برابر ہے۔

قولہ ولا یوکل الخ جس شخص کو کسی کام کیلئے وکیل بنایا گیا ہے وہ اس میں کسی دوسرے کو وکیل نہ بنائے کیونکہ مؤکل کی طرف سے اس کو تصرف کی اجازت ہے۔ نہ کہ توکیل کی۔ پھر لوگوں کی رائیں مختلف ہوتی ہیں۔ اور مؤکل اپنے وکیل کی رائے سے راضی ہے۔ نہ کہ غیر کی رائے سے۔ لہٰذا وکیل کسی دوسرے کو وکیل نہیں بنا سکتا۔ ہاں اگر مؤکل نے اسکی اجازت دیدی ہو یا معاملہ اس کی رائے پر چھوڑ دیا ہو۔ مثلاً یہ کہدیا ہو کہ تو اپنی صوابدید کے مطابق عمل کر تو اس صورت میں وہ دوسرے کو وکیل بنا سکتا ہے۔ اب اگر وکیل نے مؤکل کی اجازت کے بغیر دوسرے کو وکیل بنایا اور وکیل ثانی نے وکیل اول کی موجودگی میں معاملہ کیا یا کسی اجنبی نے بیع کی اور وکیل اول نے اس کی بیع کو جائز رکھا تو صحیح ہے کیونکہ مقصود تو وکیل اول کی رائے ہے اور وہ یہاں موجود ہے۔

قولہ وان زوج عبد الخ اگر غلام یا مکاتب یا کسی کافر نے اپنی چھوٹی آزاد مسلمان بچی کا نکاح کر دیا ان میں سے کسی نے اس کے لئے اس کے مال سے خرید وفروخت کی تو انکے یہ تصرفات جائز نہیں ہیں۔ اس واسطے کہ ان لوگوں کو اس کی ولایت نہیں ہے چنانچہ غلام بذات خود اپنا نکاح نہیں کرا سکتا۔ تو غیر کا کب کرا سکے گا۔ نیز مسلمان پر کافر کی کوئی ولایت ہی نہیں۔ اسی لئے مسلمان کی بابت اس کی شہادت مقبول نہیں ہوتی۔ رہا مکاتب سو وہ جب تک پورا بدل کتابت ادا نہ کرلے غلام ہی رہتا ہے۔

ای الوکیل لانہ اصیل فی الحقوق وقبض الثمن منہا والکفالۃ توثق بہ والارتہان وثیقۃ لجانب الاستیفاء فیملکہما ۱۲ ہدایہ

نہ ..... خلافاً لزفر والائمۃ الثلاثۃ ۱۲

باب الوکالة بالخصومة و القبض

باب جوابدہی یا وصولیابی کے لئے وکیل کرنے کے بیان میں

اَلْوَکِیْلُ بِالْخُصُوْمَةِ وَالتَّقَاضِی لَایَمْلِکُ الْقَبْضَ وَبِقَبْضِ الدَّیْنِ یَمْلِکُ الْخُصُوْمَةَ وَبِقَبْضِ الْعَیْنِ لَا

جوابدہی اور تقاضہ کا وکیل مالک نہیں ہوتا قبضہ کا اور قرض وصول کرنے کا وکیل مالک ہے خصومۃ کا نہ کہ خاص چیز وصول کرنے کا وکیل

فَلَوْ بَرْهَنَ ذُوْ الْیَدِ عَلٰی الْوَکِیْلِ بِالْقَبْضِ اَنَّ الْمُوَکِّلَ بَاعَهٗ وَقَفَ الاَمْرُ حَتّٰی یَحْضُرَ الْغَائِبُ

سو اگر بینہ قائم کیا قابض نے قبضہ کے وکیل پر کہ مؤکل نے میرے ہاتھ بیچ ڈالا تو حکم موقوف رہے گا غائب کے آنے تک

وَکَذٰلِکَ الْعِتَاقُ وَالطَّلَاقُ وَلَوْ اَقَرَّ الْوَکِیْلُ بِالْخُصُوْمَةِ عِنْدَ الْقَاضِی.

اسی طرح عتاق اور طلاق ہے اگر اقرار کرے وکیل بالخصومۃ قاضی کے روبرو تو صحیح ہے ورنہ نہیں۔

تشریح الفقہ: قولہ الوکیل الخ اگر کسی نے خصومت کیلئے یا دین کا تقاضہ (مطالبہ) کرنے کے لئے کسی کو وکیل بنایا تو امام زفر اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک وکیل قبضہ کرنے کا مالک نہ ہوگا۔ کیونکہ مؤکل صرف خصومت یا مطالبہ سے راضی ہے نہ کہ اس کے قبضہ سے۔ کیونکہ خصومت اور قبضہ دونوں علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں تو ایک سے راضی ہونا دوسری شئی سے راضی ہونے کو مستلزم نہیں۔ امام ابوحنیفہ اور صاحبین کے نزدیک خصومت اور تقاضہ کا وکیل قبضہ کا بھی وکیل ہے۔ کیونکہ جو شخص کسی چیز کا مالک ہوتا ہے وہ اسکے اتمام کا بھی مالک ہوتا ہے اور تمامیت خصومت قبضہ سے ہوتی ہے تو وہ اس کا مالک ہوگا۔ مگر فتوی امام زفر کے قول پر ہے۔ افتی به الصدر الشهید و کثیر من مشائخ بلخ و سمر قند و به اخذ الفقیه ابو اللیث۔

قولہ ولو اقر الوکیل الخ اگر وکیل بالخصومۃ قاضی کے پاس اپنے مؤکل کے خلاف حدود و قصاص کے علاوہ کسی اور چیز کا اقرار کرلے تو طرفین کے نزدیک اس کا اقرار صحیح ہے۔ اور اگر قاضی کے علاوہ کسی اور کے پاس اقرار کرلے تو صحیح نہیں امام ابو یوسف کے نزدیک دونوں صورتوں میں صحیح ہے۔ امام زفر اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دونوں صورتوں میں صحیح نہیں کیونکہ وکیل مامور بالخصومت ہے اور اقرار اس کی ضد ہے۔ کیونکہ خصومت منازعت ہے۔ اور اقرار مسالمت و مصالحت اور امر بالشئی شئی کی ضد کو شامل نہیں ہوتا۔ پس توکیل بالخصومت اقرار کو شامل نہ ہوگی۔ امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ وکیل مؤکل کا نائب ہے۔ اور مؤکل کا اقرار کرنا مجلس قضا کے ساتھ مخصوص نہیں تو اس کے نائب کا اقرار بھی مجلس قضا کے ساتھ مخصوص نہ ہوگا۔ طرفین کی دلیل یہ ہے کہ توکیل بالخصومۃ ہر اس جوابدہی کو شامل ہے جس کو خصومت کہا جاسکے۔ حقیقۃً ہو یا مجازاً اور مجلس قضا میں اقرار کرنا مجازاً خصومت ہے بخلاف غیر مجلس قضا کے کہ اس کو خصومت نہیں کہتے۔

وَبَطَلَ تَوْکِیْلُ الْکَفِیْلِ بِمَالٍ وَمَنْ اِدَّعٰی اَنَّهٗ وَکِیْلُ الْغَائِبِ فِی قَبْضِ دَیْنِهٖ فَصَدَّقَهُ الْغَرِیْمُ

اور باطل ہے کفیل بالمال کو وکیل کرنا جس نے دعویٰ کیا کہ میں وکیل ہوں غائب کا اس کا قرض وصول کرنے میں اور تصدیق کردی اس کی مقروض نے

اُمِرَ بِدَفْعِهٖ اِلَیْهِ فَاِنْ حَضَرَ الْغَائِبُ فَصَدَّقَهٗ وَاِلَّا دَفَعَ اِلَیْهِ الْغَرِیْمُ الدَّیْنَ ثَانِیًا وَرَجَعَ بِهٖ عَلٰی الْوَکِیْلِ لَوْ بَاقِیًا

تو حکم کیا جائیگا اس کو قرض ادا کرنے کا اب اگر غائب آکر تصدیق کردے تو بہتر ہے ورنہ مقروض دوبارہ ادا کرے اور لے لے وہ وکیل سے اگر باقی ہو

ع ...... ای لایملک الخصومۃ لانہ امین محض والقبض لیس ...... بمبادلۃ فاشبہ الرسول ۱۲ ہدایہ

عہ ...... عند الامام فلا فالہما دلا لائمۃ الثلاثۃ (وہو روایۃ عن الامام لان القبض غیر الخصومۃ فلم یکن الرضا بہ رضا بہا ۱۲ منہ۔

وَاِنْ ضَاعَ لاَ اِلاَّ اذا ضَمِنَهُ عِنْدَالدَّفْعِ اَوْ لَمْ يُصَدِّقْهُ عَلَى الْوَكَالَةِ وَدَفَعَهُ اِلَيْهِ عَلٰى اِدِّعَائِهٖ

اور اگر ضائع ہوگیا ہو تو نہیں مگر جبکہ ضامن بنالیا ہو اس کو دیتے وقت یا تصدیق نہ کی ہو اس کی وکالت پر اور دیدیا ہو مال اس کو صرف اس کے دعوی پر

وَلَوْ قَالَ اِنِّى وَكِيْلٌ بِقَبْضِ الْوَدِيْعَةِ فَصَدَّقَهُ الْمُوْدَعُ لَمْ يُؤْمَرْ بِالدَّفْعِ اِلَيْهِ وَكَذَا لَوِادَّعٰى الشِّرَاءَ

اگر کہا کہ میں امانت وصول کرنے کا وکیل ہوں اور مودع نے اس کی تصدیق کردی تو حکم نہ کیا جائیگا امانت دینے کا اسی طرح اگر دعوی کیا خریدنے کا

وَصَدَّقَهُ وَلَوْ اِدَّعٰى اَنَّ الْمُوْدِّعَ مَاتَ وَتَرَكَهَا مِيْرَاثًا لَهُ وَصَدَّقَهُ دَفَعَ اِلَيْهِ

اور تصدیق کردی مودع نے اگر دعوی کیا کہ یہ امانت مودع میرے لئے میراث چھوڑ مرا ہے اور مودع نے اس کی تصدیق کردی تو دیدے اس کو

فَاِنْ وَكَّلَهُ بِقَبْضِ مَالِهٖ فَادَّعَى الْغَرِيْمُ اَنَّ رَبَّ الْمَالِ اَخَذَهُ دَفَعَ الْمَالَ وَاتَّبَعَ رَبَّ الْمَالِ

اگر وکیل کیا اپنا مال وصول کرنے کے لئے اور دعویٰ کیا مقروض نے کہ صاحب مال لے چکا تو وکیل کو مال دے اور صاحب مال کا پیچھا کرے

وَاسْتَحْلَفَهُ وَاِنْ وَكَّلَهُ بِعَيْبٍ فِي اَمَةٍ فَادَّعَى الْبَائِعُ رِضَا الْمُشْتَرِيْ لَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ

اور اس سے قسم لے اگر وکیل کیا عیب کا جو باندی میں نکلا ہے پس دعوی کیا بائع نے مشتری کی رضامندی کا تو نہ لوٹائے اس پر

حَتّٰى يُحَلِّفَ الْمُشْتَرِيْ وَمَنْ دَفَعَ اِلٰى رَجُلٍ عَشَرَةً لِيُنْفِقَهَا عَلٰى اَهْلِهٖ

یہاں تک کہ قسم کھائے مشتری ایک شخص نے اپنے گھروالوں پر خرچ کرنے کے لئے کسی کو دس روپے دئے

فَاَنْفَقَ عَلَيْهِمْ عَشَرَةً مِنْ عِنْدِهٖ فَالْعَشَرَةُ بِالْعَشَرَةِ.

اس نے ان پر اپنے پاس سے خرچ کردیئے تو یہ دس دس کے مقابلہ میں ہوگئے۔

توضیح اللغۃ: غریم مقروض، ودیعۃ امانت، مودَع جس کے پاس امانت رکھی جائے۔ اتبع پیچھا کرے۔

قولہ وبطل الخ توکیل مصدر اپنے مفعول (کفیل) کی طرف مضاف ہے اور فاعل (طالب) مقدر ہے اور بمال میں باء کفیل کا صلہ ہے اور توکیل کا صلہ (بقبض الدین) مقدر ہے۔ ای توکیل الطالب الکفیل بقبض الدین الذی تکفل بہ باطل یعنی کفیل بالمال کو دین پر قبضہ کرنے کیلئے وکیل کرنا باطل ہے۔ صورت اس کی یہ ہے مثلاً زید کا عمرو پر دین ہے خالد اس کا کفیل ہوگیا۔ اب زید نے عمرو سے دین پر قبضہ کرنے کے لئے خالد ہی کو وکیل بنادیا تو یہ توکیل باطل ہے۔ کیونکہ وکیل وہ ہوتا ہے جو غیر کے لئے عمل کرے۔ اور یہاں اگر توکیل کو صحیح مانا جائے تو وکیل خود اپنے لئے عامل ٹھیرے گا یعنی وہ اپنے بری الذمہ ہونے کی سعی کرے گا تو رکن وکالت نہ پایا گیا لہٰذا توکیل صحیح نہ ہوگی۔

قولہ ومن ادعی الخ ایک شخص نے دعوی کیا کہ میں فلاں غائب کی طرف سے اس کا دین وصول کرنے کا وکیل ہوں اور جس شخص پر اس کا دین ہے اس کی اس تصدیق کردی تو مدیون کو حکم کیا جائے گا کہ وہ مدعی وکالت کو دین ادا کرے کیونکہ اس نے مدعی وکالت کی تصدیق کرکے خود ہی اقرار کرلیا۔ اب اگر وہ غائب شخص آکر مدعی کی تصدیق کرے اور کہے کہ میں نے اس کو وکیل بنایا تھا تب تو کوئی بات ہی نہیں اور اگر وہ تصدیق نہ کرے تو مدیون سے کہا جائے گا کہ اس کا دین دوبارہ ادا کر۔ کیونکہ جب غائب شخص نے قسم کھا کر یہ کہدیا کہ وہ

---

(۱) بان یقول الغریم لمدعی الوکالۃ نعم انت وکیلہ لکن لا آمن ان یجحد الوکالۃ ویاخذ منی ثانیا فہل انت کفیل عنہ بما یاخذہ منی ثانیا فیضمن المدعی ذلک الماخوذ (۲) ای اجماعا لانہ اقرار بمال الغیر بخلاف ما اذا صدق الوکیل بقبض الدین اذ الدیون تقضی بامثالہا۔ (۳) یعنی لو ادعی رجل شراء الودیعۃ وصدقہ المودع لم یومر بالدفع الیہ لان اقرارہ علی الغیر غیر مقبول۔ (۴) لان ملکہ قد زال بموتہ واتفقا انہ مال الوارث فیدفعہ الیہ ۱۲۔

میرا وکیل نہیں ہے۔ تو اس کو دَین دینا غلط ہوا لہٰذا دوبارہ دین ادا کرنا پڑے گا۔ اب جو دین مدیون نے مدعی وکالت کو دیا تھا اگر وہ اس کی پاس باقی ہو تو مدیون اس سے لے لے گا۔ کیونکہ ادائیگی دین کا مقصد تو یہ تھا کہ مدیون بری الذمہ ہو جائے اور یہ مقصد حاصل نہیں ہوا لہٰذا وہ اس سے واپس لے لے گا اور اگر وہ ضائع ہو چکا ہو تو مدیون مدعی پر رجوع نہیں کر سکتا۔ کیونکہ جب اس نے مدعی کی تصدیق کر کے دیا ہے تو یہ اس کا قصور ہے۔ ہاں اگر مدیون نے مدعی کو اتنے مال کا ضامن بنا دیا ہو جتنا مال اس مدیون سے دائن دوبارہ لے لے یا مدیون نے مدعی وکالت کی تصدیق کئے بغیر مال دیا ہو تو مدیون مدعی پر رجوع کر سکتا ہے۔

قولہ فان وکلہ الخ ایک شخص نے کسی کو مدیون سے اپنا مال وصول کرنے کے لئے وکیل بنایا۔ وکیل نے مدیون سے مال طلب کیا مدیون نے جواب دیا کہ صاحب مال مجھ سے مال لے چکا تو مدیون کو مال دینا پڑیگا۔ کیونکہ مدیون کے قول مذکور سے وکالت تو ثابت ہو چکی۔ رہا اس کا ادائیگی دین کا دعوی سو وہ محض اس کے کہنے سے ثابت نہیں ہو سکتا لہٰذا صاحب مال کے حق میں تاخیر میں نہیں کی جا سکتی ہاں مدیون صاحب مال کا پیچھا کرے اگر وہ انکار کرے تو اس سے قسم لے کہ تو مجھ سے لے چکا ہے۔

قولہ وان وکلہ الخ ایک شخص نے خرید کردہ باندی میں کوئی عیب پایا اور عیب کی وجہ سے لوٹانے کے لئے کسی کو وکیل بنایا وکیل باندی لوٹانے کے لئے بائع کے پاس آیا۔ بائع نے دعوی کیا کہ مشتری اس عیب سے راضی ہو چکا تھا تو جب تک مشتری قسم کھا کر یہ نہ کہے کہ میں عیب سے راضی نہیں تھا اس وقت تک وکیل باندی کو واپس نہ کرے اس واسطے کہ اگر یہاں باندی کی واپسی کا فیصلہ کیا جائے تو عقد فسخ ہوگا کیونکہ واپسی عیب کی وجہ سے ہے اور رد بالعیب فسخ عقد ہوتا ہے۔ اور قضا عقود و فسوخ صحت پر جاری ہے۔ کیونکہ امام صاحب کے یہاں قضا ظاہراً اور باطناً ہر دو اعتبار سے نافذ ہے۔ پس یہاں تدارک ناممکن ہے بخلاف مسئلہ دین کے (جو اوپر مذکور ہوا) کہ وہاں مقبوضہ وکیل واپس لینے کے ذریعہ تدارک ممکن ہے کیونکہ وہاں قضاء صرف ظاہراً نافذ ہے نہ کہ باطناً۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

باب عزل الوکیل

باب وکیل کو برطرف کرنے کے بیان میں

وَتَبْطُلُ الْوَكَالَةُ بِعَزْلِهٖ اِنْ عَلِمَ بِهٖ وَمَوْتِ اَحَدِهِمَا وَجُنُوْنِهٖ مُطْبَقًا

اور باطل ہو جاتی ہے وکالت مؤکل کے معزول کرنے سے اگر اس کو یہ معلوم ہو جائے اور کسی ایک کے مرنے سے اور دائمی جنون سے

وَلُحُوْقِهٖ مُرْتَدًّا وَافْتِرَاقِ الشَّرِيْكَيْنِ وَعَجْزِ مُوَكِّلِهٖ لَوْ مُكَاتَبًا

اور مرتد ہو کر دارالحرب چلے جانے سے اور دو شریکوں کے جدا ہونے سے اور مؤکل کے عجز سے اگر وہ مکاتب ہو

وَحَجْرِهٖ لَوْ مَاذُوْنًا وَتَصَرُّفِهٖ بِنَفْسِهٖ.

اور اس کے مجور ہونے سے اگر ماذون ہو اور مؤکل کے خود تصرف کرنے سے۔

تشریح الفقہ: قولہ وتبطل الخ مذکورہ ذیل امور سے وکیل وکالت سے معزول ہو جاتا ہے۔ (۱) مؤکل کے معزول کر دینے سے کیونکہ وکالت مؤکل کا حق ہے۔ تو جب چاہے اپنا حق باطل کر سکتا ہے مگر شرط یہ ہے کہ وکیل کو اس کا علم ہو جائے تاکہ اس کا نقصان نہ ہو۔ (۲) موت مؤکل سے (۳) موت وکیل سے (۴) مؤکل کے مجنون ہو جانے سے بشرطیکہ جنون مطبق یعنی دائمی ہو جنون مطبق کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں۔ درر میں سال بھر کے جنون کو مطبق کہا ہے۔ کیونکہ اس کی وجہ سے جمیع عبادات ساقط ہو جاتی ہیں۔ یہ امام محمد کا

عہ...... اخر العزل عن الوکالۃ لمانہ یقتضی سبق ثبوتہا وہو رفعہا فناسب ذکرہ آخرا ۱۲ الطحاوی عہ...... وعند الائمۃ الثلاثۃ ینعزل بلاعلم منہ الا فی قول عنہم ۱۲ منہ۔

قول ہے۔ صاحب بحر نے اسی کو صحیح مانا ہے۔ مضمرات، قہستانی اور باقانی میں مہینے بھر کے جنون کو مطبق مانا ہے۔ ہدایہ میں ہے کہ یہ امام ابو یوسف کے نزدیک ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ اتنے جنون سے رمضان کے روزے ساقط ہوجاتے ہیں۔ امام صاحب سے ابوبکر رازی کی روایت میں بھی یہی ہے۔ بلکہ قاضی خاں نے تو اسی کو امام صاحب کا قول قرار دیا ہے۔ اور یہ بھی کہا ہے کہ اسی پر فتوی ہے۔ امام ابو یوسف سے جنون مطبق میں ایک دن اور ایک رات کی بھی روایت ہے کیونکہ اس سے پنجگانہ نمازیں ساقط ہوجاتی ہیں (۶) وکیل کے دارالحرب چلے جانے سے (۷) مؤکل کے دارالحرب چلے جانے سے (امام صاحب کے نزدیک) (۸) احد الشریکین کے افتراق سے (۹) مؤکل کے عاجز ہوجانے سے (اگر وہ مکاتب ہو) اور اداء بدل کتابت سے عاجز ہوجائے (۱۰) مؤکل کے ممنوع التصرف ہوجانے سے (اگر وہ عبد ماذون فی التجارۃ ہو) وجہ یہ ہے کہ توکیل ایک غیر لازم تصرف ہے تو اس کے دوام کا بھی وہی حکم ہوگا جو اس ابتداء کا ہے لہذا مؤکل کی جانب سے امر بالتوکیل کا قائم رہنا ضروری ہے اور امر بالتوکیل عوارض مذکورہ کی وجہ سے باطل ہوجاتا ہے لہذا وکالت بھی باطل ہوجائیگی (۱۱) مؤکل کے بذات خود تصرف کرنے سے یعنی جس کام کے لئے اس کو وکیل بنایا تھا اگر وہ کام خود مؤکل کرلے اور وکیل کا تصرف ممکن نہ ہو تو وکیل وکالت سے معزول ہوجائیگا جیسے اعتاق، کتابت، تزویج شراء شئ معین، طلاق زوجہ، خلع وغیرہ تصرفات۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

کتاب الدعویٰ

هِيَ اِضَافَةُ الشَّيْءِ اِلٰى نَفْسِهٖ حَالَةَ الْمُنَازَعَةِ وَالْمُدَّعِي مَنْ اِذَا تَرَكَ تُرِكَ وَالْمُدَّعىٰ عَلَيْهِ بِخِلَافِهٖ

وہ منسوب کرنا ہے شئ کو اپنی طرف نازعت کے وقت اور مدعی وہ ہے کہ جب وہ جھگڑا چھوڑ دے تو چھوڑ دیا جائے اور مدعی علیہ اس کے خلاف ہے

وَلاَ يَصِحُّ الدَّعْوىٰ حَتّٰى يَذْكُرَ شَيْئًا عُلِمَ جِنْسُهٗ وَقَدْرُهٗ فَاِنْ كَانَ عَيْنًا فِي يَدِ الْمُدَّعىٰ عَلَيْهِ كُلِّفَ اِحْضَارُهَا

اور صحیح نہیں دعویٰ یہاں تک کہ ذکر کرے ایسی چیز جس کی جنس اور مقدار معلوم ہو پس اگر وہ معین شئ ہو مدعیٰ علیہ کے پاس تو مجبور کیا جائیگا حاضر کرنے پر

لِيُشِيْرَ اِلَيْهَا بِالدَّعْوىٰ وَكَذَا فِي الشَّهَادَةِ وَالاِسْتِحْلَافِ فَاِنْ تَعَذَّرَ ذَكَرَ قِيْمَتَهَا

تاکہ اشارہ کرے اس کی طرف دعوی کرتے وقت اسی طرح شہادت میں اور قسم لینے میں اگر حاضر کرنا دشوار ہو تو ذکر کرے اس کی قیمت

فَاِنْ اِدَّعٰى عِقَارًا ذَكَرَ حُدُوْدَهٗ وَكَفَتْ ثَلٰثَةٌ وَاَسْمَاءَ اَصْحَابِهَا

اگر دعوی کیا زمین کا تو ذکر کرے اس کی حدود اور کافی ہیں تین اور ان کے مالکوں کے نام

وَلاَ بُدَّ مِنْ ذِكْرِ الْجَدِّ اِنْ لَمْ يَكُنْ مَشْهُوْرًا وَاَنَّهٗ فِي يَدِهٖ.

اور ضروری ہے دادا کا ذکر اگر مشہور نہ ہو اور یہ کہ وہ شئ مدعا علیہ کے قبضہ میں ہے۔

تشریح الفقہ: قولہ کتاب الخ وکالت بالخصومۃ (جو وکالتوں کی مشہور ترین نوع ہے) دعوی کا سبب اور اسکی طرف داعی ہے اس لئے مصنف وکالت بالخصومۃ کے بعد دعوی کے احکام بیان کررہا ہے۔ لان المسبب یتلو السبب، دعوی بروزن فعلی ادعاء مصدر کا اسم ہے جس کی جمع دعاوی ہے جیسے فتوی کی جمع فتاوی۔ بعض نے واؤ کے فتح کو بہتر کہا ہے۔ اور بعض نے کسرہ کو اور بعض نے دونوں کو برابر کہا ہے۔ دعوی لغت میں وہ قول ہے جس سے آدمی دوسرے پر ایجاب حق کا ارادہ کرے۔ اصطلاح شرع میں بوقت خصومت کسی شئ کو اپنی طرف منسوب کرنا دعوی کہلاتا ہے۔ دعوی کرنے والے کو مدعی اور جس پر دعوی کیا جائے اس کو مدعی علیہ اور جس چیز کا دعوی کیا جائے اس کو مدعی کہتے ہیں۔

(۱)..... لان الاعلام باقصی ما یمکن شرط وذلک بالاشارۃ فی المنقول ۱۲ ہدایہ۔ (۲) لیصیر ا۔ ئی معلوما لان الشئ یعلم بقیمتہ انہا مثلہ معنی وعند ابی اللیث یشترط ذکر الذکورۃ والانوثۃ ایضا ۱۲ والمدعی بہ خطاء ۱۲ کافی

قولہ والمدعی الخ مدّعی اور مدعی علیہ کے درمیان فرق معلوم کر لینا نہایت ضروری ہے کیونکہ فہم مسائل دعوی اسی فرق کے سمجھنے پر مبنی ہے اس لئے مصنف ان دونوں کا فرق ظاہر کر رہا ہے کہ مدعی اس شخص کو کہتے ہیں کہ اگر وہ اپنا دعوی ترک کر دے اس لئے مصنف ان دونوں کا فرق ظاہر کر رہا ہے کہ مدعی اس شخص کو کہتے ہیں کہ اگر وہ اپنا دعوی ترک کر دے تو اس کو چھوڑ دیا جائے یعنی حاکم اس کو دعوی کرنے پر مجبور نہ کر سکے۔ اور مدعی علیہ وہ ہے جس کو ترک خصومت سے چھوڑا نہ جائے بلکہ خصومت پر مجبور کیا جائے، بقول ابوالمکارم وصاحب ہدایہ یہ ایک جامع مانع تعریف ہے جو بجائے خود صحیح ہے۔ بعض مشائخ نے فرق یوں ظاہر کیا ہے کہ مدعی وہ ہے جو بلا حجت مستحق نہ ہو۔

جیسے کوئی خارجی شخص کسی کے پاس کوئی چیز دیکھ کر یہ کہنے لگے کہ یہ میری ہے **فانہ لا یستحق الابحجۃ** اور مدعی علیہ وہ ہے جو بلا حجت صرف اپنے قول ہی سے مستحق ہو جیسے قابض کہ اگر وہ اپنی مقبوضہ شئی کے متعلق یہ کہے کہ یہ میری ہے تو وہ اسی کی ہوگی جبتک کوئی دوسرا شخص اپنا استحقاق ثابت نہ کرے۔ بعض نے کہا ہے کہ مدعی علیہ وہ ہے جو ظاہر کیساتھ تمسک کرے اور مدعی وہ ہے جو غیر ظاہر کیساتھ تمسک کرے۔ پھر صحت دعوی کے لئے مدعا کی جنس اور اس کی مقدار کا معلوم ہونا ضروری ہے۔ مثلاً یوں کہے کہ میرے فلاں شخص پر اتنے کیل گیہوں ہیں۔ کیونکہ دعوی کا مقصد یہ ہے کہ بواسطہ حجت خصم پر حکم کیا جائے اور مجہول مال کا حکم نہیں کیا جا سکتا۔

فائدہ: صحت دعوی کیلئے آٹھ شرطیں ہیں (۱) مدعا معلوم ہو (۲) مستحیل الوجود نہ ہو (۳) مدعی کی زبانی ہو (۴) مدعی اور مدعی علیہ عاقل ہوں (۵) مجلس قضا ہو (۶) مقابل حاضر ہو (۷) دعوی میں تناقض نہ ہو (۸) مدعی خصم پر ملزم ہو **وقد نظمها الحموی بقولہ۔**

ایا طا لبامنی شرائط دعوۃ	فتلک ثمان من نظامی لها حلا
فحضرۃ خصم وانتفاء تنا قض	ومجلس حکم با لعدالۃ سوملا
کذلک معلومیۃ المدعا بہ	وامکان العقل دام لک العلا
کذلک لسان المدعی من شروطها	و الزامہ خصمابہ النظم کملا

قولہ ادعی الخ اگر کوئی زمین کا دعوی کرے تو صحت دعوی کے لئے حدود بیان کرنا شرط ہے گو زمین مشہور ہو۔ (صاحبین کے نزدیک مشہور و معروف ہونے کی صورت میں تحدید شرط نہیں) کیونکہ مدعا میں اصل تو یہی ہے کہ وہ معلوم بالاشارہ ہو لیکن زمین کی طرف اشارہ کرنا متعذر ہے۔ کیونکہ زمین کو قاضی کی مجلس میں اٹھا کر لانا ناممکن ہے اس لئے تحدید کی طرف رجوع کیا جائیگا کیونکہ زمین تحدید سے معلوم ہو جاتی ہے۔ پھر طرفین کے نزدیک تین حدوں کو ذکر کر دینا کافی ہے۔ **لان للاکثر حکم الکل** امام ابو یوسف کے نزدیک صرف دو حدود کا ذکر کافی ہے۔ (**کذافی البحر معزیا الی الخانیۃ**) مگر امام زفر اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک حدود اربعہ ذکر کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر پوری تعریف نہیں ہوتی۔ نیز اصحاب حدود کے نام بھی ذکر کرنا ضروری ہے۔ اور اگر وہ غیر مشہور ہوں تو ان کے آباء واجداد کو ذکر کرے تاکہ پورا تعارف ہو سکے۔ اور یہ بھی ذکر کرے کہ زمین مدعی علیہ کے قبضہ میں ہے تاکہ وہ مخاصم قرار پا سکے اور یہ بھی ذکر کرے کہ میں اس کا مطالبہ کرتا ہوں۔ کیونکہ مطالبہ مدعی کا حق ہے جو اس کی طلب پر موقوف ہے۔

وقیل المدعی من لاحجۃ لہ والمدعی علیہ خلاف ہذا ولذا یقال لمسیلمۃ الکذاب مدعی النبوۃ ولایقال لرسولنا علیہ السلام ۱۲

وَلَایَثْبُتُ الْیَدُ فِی الْعِقَارِ بِتَصَادُقِهِمَا بَلْ بِبَیِّنَةٍ اَوْ عِلْمِ قَاضٍ بِخِلَافِ الْمَنْقُوْلِ وَاِنَّهٗ یُطَالِبُهٗ بِهٖ

اور ثابت نہ ہوگا قبضہ زمین میں باہمی تصادق سے بلکہ بینہ سے یا قاضی کے علم سے بخلاف منقول کے اور یہ کہ وہ اس کا طلب گار ہے

وَاِنْ کَانَ دَیْنًا ذَکَرَ وَصْفَهٗ وَاِنَّهٗ یُطَالِبُهٗ بِهٖ فَاِنْ صَحَّتِ الدَّعْوٰی سَاَلَ الْمُدَّعٰی عَلَیْهِ عَنْهَا

اور اگر وہ شئ دین ہو تو ذکر کرے اس کا وصف اور یہ کہ وہ اس کو چاہتا ہے جب دعوی صحیح ہوجائے تو جواب طلب کرے مدعی علیہ سے

فَاِنْ اَقَرَّ اَوْ اَنْکَرَ فَبَرْهَنَ الْمُدَّعِی قَضٰی عَلَیْهِ وَاِلَّا حَلَّفَ بِطَلَبِهٖ

اگر وہ اقرار کرلے یا انکار کرے اور مدعی بینہ قائم کردے تو حکم کردے اس پر ورنہ قسم لے اگر مدعی طلب کرے

وَلَایُرَدُّ یَمِیْنٌ عَلٰی مُدَّعٍ وَلَا بَیِّنَةَ لِذِی الْیَدِ فِی الْمِلْکِ الْمُطْلَقِ وَبَیِّنَةُ الْخَارِجِ اَحَقُّ.

اور نہیں آئیگی قسم مدعی پر اور بینہ معتبر نہیں قابض کا ملک مطلق میں اور غیر متصرف کا بینہ زیادہ قابل سماعت ہے۔

احکام دعوی کی تفصیل

تشریح الفقہ: قولہ ولا یثبت الخ زمین میں قبضہ کا ثبوت مدعی اور مدعی علیہ کے باہمی تصادق سے نہیں ہوتا بلکہ بینہ یا علم قاضی کا ہونا ضروری ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ متخاصمین نے پرایا مال لینے کے واسطے اپنے آپ کو مدعی اور مدعی علیہ بنایا ہو۔ بخلاف اشیاء منقولہ کے کہ ان میں تصادق متخاصمین مثبت قبض ہے **لان الید فیها معاینة فلاحاجة الی اشتراط الزیادة۔**

قولہ ولا یرد الخ قاعدہ ہے کہ اثبات مدعی پر مدعی کے لئے بینہ قائم کرنا ضروری ہے اگر بینہ نہ ہو تو مدعی علیہ سے قسم لے کر فیصلہ کردیا جائے گا اور اگر مدعی علیہ قسم کھانے سے انکار کرے تو مدعی پر قسم وارد نہ ہوگی۔ یعنی اس سے قسم نہیں لی جائے گی۔ بلکہ قاضی مدعی علیہ پر مدعی کا دعوی لازم کردے گا۔ اسی طرح اگر مدعی نے ایک گواہ پیش کیا۔ اور دوسرا گواہ پیش نہ کرسکا تو ہمارے یہاں مدعی سے قسم نہیں لی جائے گی' امام ثوری' اوزاعی' زہری' نخعی' شعبی' عطاء' حکم' ابن عیینہ' عمر بن عبدالعزیز' ابن شرمہ' یحی بن یحی' لیث بن سعد رحمہم اللہ سب اسی کے قائل ہیں' ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ اگر مدعی علیہ قسم سے انکار کردے تو مدعی پر قسم وارد ہوگی اگر وہ قسم کھالے تو فیصلہ کردیا جائے گا۔ نیز اگر مدعی دوسرا گواہ پیش کرنے سے عاجز ہو تو اس سے قسم لے لی جائے گی اور ایک شاہد اور قسم سے فیصلہ کردیا جائے گا۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ نے ایک شاہد اور (مدعی کی) قسم پر فیصلہ فرمایا ہے۔

ہماری دلیل حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ اگر لوگوں کو محض ان کے دعووں کی وجہ سے دیدیا جائے تو لوگ قوم کی جانوں اور مالوں پر دعوے کر بیٹھیں گے لیکن بینہ مدعی پر ہے اور قسم اس پر جو انکار کرے' وہ استدلال یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے متخاصمین میں تقسیم فرمائی ہے کہ بینہ مدعی پر ہے اور قسم منکر (مدعی علیہ) پر اگر مدعی سے قسم لی جائے تو شرکت لازم آئے گی یعنی مدعی اور مدعی علیہ دونوں قسم میں شریک ہوں گے اور شرکت منافی قسمت ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ "**الیمین علی من انکر**" میں الف لام استغراقی ہے کیونکہ لام تعریف استغراق پر محمول ہوتا ہے۔ اور تعریف حقیقت پر مقدم ہوتی ہے (جب کوئی معہود نہ ہو تو مطلب یہ ہوا کہ جمیع ایمان منکرین پر ہیں۔ اب اگر مدعی پر بھی یمین ہو تو اس نص کی مخالفت لازم آئے گی۔ رہا ائمہ ثلاثہ کا مستدل سو اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو حدیث ابن عباس معلوم بالانقطاع ہے۔ امام ترمذی نے علل کبیر میں ذکر کیا ہے کہ میں نے اس حدیث کے متعلق امام بخاری سے دریافت کیا آپ نے فرمایا کہ عمرو بن دینار نے

....

[illegible] ابوداؤد' نسائی' ابن ماجہ' دار قطنی' بیہقی عن ابن عباس' ابوداؤد' ترمذی' ابن ماجہ عن ابی ہریرۃ' احمد' ترمذی' ابن ماجہ' بیہقی' طحاوی عن جابر' ترمذی' طبرانی عن عبادہ' ابن ماجہ عن سرق'

یہ حدیث حضرت ابن عباس سے نہیں سنی۔ ابن القطان نے کہا ہے کہ گو امام مسلم نے اس حدیث کی تخریج کی ہے مگر اس میں دو جگہ انقطاع ہے۔ حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کے متعلق طحطاوی نے عینی سے نقل کیا ہے کہ یہ ربیعہ نے سہیل بن ابی صالح سے روایت کی ہے اور سہیل خود اس روایت کا منکر ہے تو حدیث قابل حجت نہ رہی۔ اور اس کے باقی طرق بھی ضعیف ہیں حضرت علی کی حدیث کے متعلق دار قطنی نے علل میں کہا ہے کہ جعفر صادق نے اس حدیث کو کبھی موصولاً ذکر کیا ہے اور کبھی مرسلاً اور امام ترمذی نے گو مرسل کی تصحیح ہے لیکن امام شافعی کے یہاں حدیث مرسل قابل احتجاج نہیں۔ یہی حال حضرت جابر کی روایت کا ہے۔ حضرت سرق کی روایت میں بھی انقطاع ہے۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں زہری سے مروی ہے کہ قضا بالشاہد والیمین بدعت ہے۔ اور اس پر سب سے پہلے امیر معاویہ نے عمل کیا ہے۔ ابراہیم نخعی اور شعبی سے بھی اس قسم کی روایت ہے۔ دوم یہ کہ اگر حدیث مذکور کی صحت تسلیم بھی کر لی جائے تو تب بھی یہ حدیث مفید عموم نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اس میں ایک خاص واقعہ ذکر ہے نص قولی نہیں۔ تو ہو سکتا ہے کہ یہ حکم اسی واقعہ یا اسی مدعی کے ساتھ خاص ہو جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت خزیمہ کی شہادت کو دو شہادتوں کے قائم مقام کیا ہے جو آپ ہی کے ساتھ خاص ہے۔ قال الامام فخر الدین قول الصحابی نھی النبی صلعم عن کذا او قضی بکذا لایفید العموم لان الحجۃ فی المحکی لافی الحکایۃ والمحکی قد یکون خاصاً

قولہ ولا بینۃ الخ ملک مطلق سے مراد وہ ہے جس کا سبب مذکور نہ ہو جیسے خرید یا میراث، اگر قابض نے ملک مطلق پر بینہ قائم کیا تو اس کا بینہ مقبول نہ ہوگا اور اگر قابض نے ملک مطلق کا دعویٰ کیا اور ایک دوسرے شخص نے بھی ملک مطلق کا دعویٰ کیا اور دونوں نے ملک مطلق پر بینہ قائم کیا تو اس دوسرے شخص کا بینہ قابل قبول ہوگا۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ قابض کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا کیونکہ اس کے بینہ کو قبضہ کی وجہ سے تقویت حاصل ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ اس دوسرے شخص کا بینہ زیادہ مثبت ہے اس واسطے کہ اس کے قبضہ نے جو مقدار ثابت کی ہے اس کو قابض کا بینہ ثابت نہیں کرتا ورنہ تحصیل حاصل لازم آئے گی۔ وجہ یہ ہے کہ قبضہ ملک مطلق کی دلیل ہے نہ کہ قدر زائد کے اثبات کی۔

وَقَضٰی لَهٗ اِنْ نَكَلَ مَرَّةً بِلاَ اَحْلِفُ اَوْ سَكَتَ وَعَرَضَ الْيَمِيْنَ ثَلٰثًا نُدُبًا وَلاَ يُسْتَحْلَفُ فِي نِكَاحٍ

حکم کر دے اس کے لئے اگر انکار کرے ایک بار کہکر کہ میں قسم نہیں کھاتا یا خاموش رہے اور کہے قسم کیلئے تین بار بطریق استحباب اور قسم نہ لی جائے

وَرَجْعَةٍ وَفَيْءٍ وَاسْتِيْلاَدٍ وَرِقٍّ وَنَسَبٍ وَوَلاَءٍ وَحَدٍّ وَلِعَانٍ قَالَ الْقَاضِي الاِمَامُ فَخْرُ الدِّيْنِ

نکاح میں، رجعت میں، ایلاء کے بعد رجعت میں، ام ولد کرنے میں، غلام ہونے میں، نسب میں، ولاء میں، حد میں اور لعان میں، کہا ہے امام فخر الدین

اَلْفَتْوٰى عَلٰى اَنَّهٗ يُسْتَحْلَفُ الْمُنْكِرُ فِي الاَشْيَاءِ السِّتَّةِ وَيُسْتَحْلَفُ السَّارِقُ فَاِنْ نَكَلَ ضَمِنَ وَلَمْ يُقْطَعْ

نے کہ فتویٰ اس پر ہے کہ قسم لی جائیگی منکر سے چھ چیزوں میں اور قسم لی جائے چور سے اگر انکار کرے تو ضامن ہوگا اور ہاتھ نہیں کٹیگا

وَالزَّوْجُ اِذَا ادَّعَتِ الْمَرْاَةُ طَلاَقًا قَبْلَ الْوَطْيِ فَاِنْ نَكَلَ ضَمِنَ نِصْفَ الْمَهْرِ وَجَاحِدُ الْقَوَدِ فَاِنْ نَكَلَ

اور شوہر سے جبکہ دعویٰ کرے بیوی طلاق قبل از وطی کا اگر انکار کرے تو ضامن ہوگا نصف مہر کا اور منکر قصاص سے اگر انکار کرے جان کے قصاص میں

فِي النَّفْسِ حُبِسَ حَتّٰى يُقِرَّ اَوْ يَحْلِفَ وَفِيْمَا دُوْنَهٗ يُقْتَصُّ وَلَوْ قَالَ الْمُدَّعِي لِيْ بَيِّنَةٌ حَاضِرَةٌ وَطَلَبَ الْيَمِيْنَ

تو قید کیا جائے یہاں تک کہ اقرار کرے یا قسم کھائے اور اسکے علاوہ میں قصاص لیا جائے اگر کہے مدعی کہ میرے گواہ حاضر ہیں اور طلب کرے قسم

لَمْ يُسْتَحْلَفْ وَقِيْلَ لِخَصْمِهٖ اَعْطِهٖ كَفِيْلاً بِنَفْسِكَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ فَاِنْ اَبٰى لاَزَمَهٗ اَىْ دَارَ مَعَهٗ

تو قسم نہیں دی جائیگی بلکہ مدعیٰ علیہ سے کہا جائیگا کہ اس کو کفیل دیدے اپنی جان کا تین دن تک اگر وہ انکار کرے تو مدعی اسکے ہمراہ رہے

صحیحین، بیہقی، عن ابن عباس، دار قطنی عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ وابی ہریرۃ واقدی (فی المغازی) عن بردہ بنت ابی تجرۃ ۱۲

حَيْثُ سَارَ وَلَوْ غَرِيْبًا لَازَمَهُ قَدْرَ مَجْلِسِ الْقَاضِي.

جہاں وہ جائے اور اگر وہ مسافر ہو تو اس کے ساتھ رہے صرف قاضی کی مجلس تک

توضیح اللغۃ: فیٔ بفتح فاء رجوع کرنا' رق غلامی' سارق چور' نکل انکار کرے' جاحد انکار کنندہ' قود قصاص' غریب مسافر۔

تشریح الفقہ: قولہ وقضی له الخ اگر مدعیٰ علیہ قسم کھانے سے انکار کردے ایک ہی بار قسم نہ کھانے سے قاضی اس پر فیصلہ کردے خواہ انکار حقیقتاً ہو مثلاً وہ صاف طور سے کہہ دے کہ میں قسم نہیں کھاتا یا حکماً ہو بایں طور کہ وہ قسم کھانے سے خاموشی اختیار کرے۔ لیکن بہتر یعنی مستحب یہ ہے کہ قاضی اس کو قسم کھانے کیلئے تین بار کہے۔ اگر پھر بھی قسم نہ کھائے تو قاضی فیصلہ کردے۔ ذکرہ الخصاف وصححه فی الهدایة۔

قولہ ویستحلف الخ مذکورہ ذیل امور میں امام صاحب کے نزدیک مدعیٰ علیہ پر قسم نہیں (۱) نکاح مثلاً زید مدعی نکاح ہو اور عورت منکر ہو یا برعکس ہو (۲) رجعت مثلاً عدت گذرنے کے بعد زید دعوی کرے کہ میں نے عدت کے اندر رجوع کرلیا تھا اور عورت اسکا انکار کرے یا برعکس ہو (۳) فیٔ مثلاً مدت ایلا گزرنے کے بعد زید نے دعوی کیا کہ میں نے مدت ایلا میں ایلا سے رجوع کرلیا تھا اور عورت اس کی منکر ہو یا اس کے برعکس ہو (۴) استیلاد مثلاً باندی نے آقا پر دعوی کیا کہ میں اسکی ام ولد ہو اور یہ بچہ اسی سے ہے اور آقا اس کا منکر ہے (۵) رق مثلاً زید نے ایک مجهول النسب پر دعوی کیا کہ یہ میرا غلام ہے اور وہ شخص منکر ہو (۶) نسب۔ مثلاً زید نے ایک شخص پر دعوی کیا کہ یہ میرا بیٹا ہے اور وہ شخص منکر ہے (۷) ولا۔ مثلاً زید نے کسی پر دعوی کیا کہ اس پر میرے ہے ولاء اعتاق ہے یا ولاء موالاۃ ہے اور وہ شخص منکر ہے (۸) حد۔ مثلاً زید نے دوسرے پر کسی موجب حد امر کا دعوی کیا اور مدعیٰ علیہ نے اس سے انکار کیا (۹) لعان مثلاً عورت نے شوہر پر دعوی کیا کہ اس نے مجھکو موجب لعان تہمت لگائی ہے اور شوہر اسکا منکر ہو ان تمام صورتوں میں امام صاحب کے نزدیک منکر یعنی مدعیٰ علیہ سے قسم نہیں لی جائے گی۔ کیونکہ فائدہ استحلاف قضاءً بالنکول ہے اور نکول بھی اقرار ہے۔ کیونکہ نکول اس کے کاذب ہونے پر دال ہے اور امور مذکورہ میں اقرار جاری ہے تو استحلاف بھی جاری ہوگا۔ نیز امور مذکورہ ایسے حقوق ہیں جو شبہ کے باوجود ثابت ہوجاتے ہیں لہذا ان میں استحلاف جاری ہوگا۔ جیسے اموال میں جاری ہوتا ہے بخلاف حدود کے وہ ادنی شبہ سے بھی اٹھ جاتی ہیں اسلئے ان میں استحلاف جاری نہ ہوگا۔ اور لعان حد ہی کے معنی میں ہے لہذا اس میں استحلاف جاری نہ ہوگا۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ یہاں نکول جائز نہیں (ورنہ مجلس قضا شرط نہ ہوتی) بلکہ ایک قسم کی اباحت ہے گویا مدعیٰ علیہ نے دفع خصومت کی خاطر اسکو مباح کردیا اور امور مذکورہ میں اباحت جاری نہیں ہوتی لہذا ان میں نکول کے ساتھ فیصلہ نہ ہوگا لیکن فتاوی قاضی خاں اور اختیار وغیرہ میں ہے کہ فتوی صاحبین کے قول پر ہے یعنی ساتویں امور میں قسم لی جائے گی۔ نہایہ میں ہے کہ متاخرین اسپر ہیں کہ اگر مدعی متعنت ہو تو قاضی صاحبین کا قول اختیار کرے اور مظلوم ہو تو امام صاحب کا قول اختیار کرے۔ واقرہ القهستانی والبر جندی۔

قولہ فی الاشیاء الستة الخ سوال ماقبل میں ۹ چیزیں مذکور ہیں پھر چھ کا کیا مطلب؟ جواب حد اور لعان تو مجمع علیہ ہے۔ یعنی ان میں بالاتفاق قسم نہیں تو اب سات باقی رہیں۔ ان سات میں سے استیلاد نسب کے ساتھ یا رق کے ساتھ ملحق ہے۔ کیونکہ اس میں یا نسب کا دعوی ہوتا ہے یا رقیت کا۔ پس مختلف چھ چیزیں رہیں۔

قولہ ویستحلف السارق الخ اگر چور چوری سے انکار کرے تو مال کے لئے اس سے قسم لی جائے گی اگر وہ قسم سے انکار کرے تو مال کا تاوان دیگا اور ہاتھ نہ کاٹا جائے گا اس واسطے کہ اس کے فعل سرقہ سے دو چیزیں متعلق ہیں۔ ایک مال کا تاوان دوسرے قطع ید۔ اور نکول ایک ایسی دلیل ہے جس میں شبہ موجود ہے تو اس سے مال ہی واجب ہوگا نہ کہ حد۔ اسی طرح عورت شوہر پر قبل از وطی طلاق دینے کا دعوی کرے تو شوہر سے قسم لی جائے گی اگر وہ انکار کرے تو اس پر نصف مہر واجب ہوگا کیونکہ طلاق میں بالاجماع قسم لی جاتی ہے۔

المصنف علی عدم الاستحلاف عنده فی هذه الاشیاء وفی الخانیة انه لا استحلاف فی احد وثلاثین خصلة بعضها مختلف فیه وبعضها متفق علیه وان شئت التفصیل فارجع الی البحر ۱۲ منه

قولہ و جاحد القود الخ جو شخص منکر قصاص ہو اس سے بھی بالاتفاق قسم لے جائیگی اگر وہ انکار کرے تو دیکھا جائے گا کہ دعوی قتل نفس کا ہے یا قطع اطراف وجراحات کا۔ اگر دعوی قتل نفس کا ہو تو مدعی علیہ کو قید کیا جائے گا۔ یہاں تک کہ وہ اقرار کرے یا قسم کھائے اور اگر دعوی قطع اطراف کا ہو تو صرف نکول ہی کی وجہ سے قصاص لیا جائے گا یہ حکم امام صاحب کے یہاں ہے صاحبین کے نزدیک دونوں صورتوں میں ارش یعنی دیت واجب ہوگی کیونکہ نکول ایک ایسی دلیل ہے جس میں شبہ موجود ہے تو اس سے قصاص ثابت نہ ہوگا بلکہ مال واجب ہوگا۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ اطراف (یعنی ہاتھ پاؤں وغیرہ) میں اموال کا سا طریقہ اختیار کیا جاتا ہے کیونکہ جس طرح مال آدمی کی حفاظت کے لئے ہے اسی طرح ہاتھ پاؤں بھی حفاظت نفس کے لئے ہیں۔ اور مال میں بذل واباحت جاری ہے تو اس میں بھی جاری ہوگی۔ اور نکول کیوجہ سے قصاص لیا جائے گا ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دونوں صورتوں میں مدعی سے قسم لی جائے گی کہ وہ اپنے دعوی میں سچا ہے اور قسم لینے کے بعد مدعی علیہ سے دونوں صورتوں میں قصاص لیا جائے گا۔

قولہ و لو قال المدعی الخ نے کسی چیز کا دعوی کیا اور یہ کہا کہ میرے گواہ شہر میں موجود ہیں۔ اور اس میں مدعی علیہ سے قسم طلب کی تو امام صاحب کے نزدیک مدعی علیہ سے قسم نہیں لے جائے گی صاحبین کے نزدیک قسم لے جائے گی۔ کیونکہ یمین مدعی کا حق ہے تو جب وہ طلب کرے قسم لی جائیگی۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ یمین مدعی کا حق اس وقت ہے جب وہ بینہ قائم کرنے سے عاجز ہو۔ اور یہاں اقامت بینہ کا امکان ہے۔ لہٰذا قسم نہیں لی جائے گی۔ (مگر یہ اختلاف اس وقت ہے جب گواہ شہر میں ہوں) اگر مجلس قضا میں ہوں تو بالاتفاق قسم نہیں لی جائے گی۔ اور اگر شہر سے تین منزل دور ہوں تو بالاتفاق قسم لی جائیگی۔ بلکہ اس سے تین روز کیلئے حاضر ضامن لیا جائیگا۔ تاکہ وہ کہیں بھاگ نہ جائے۔

پھر اگر وہ حاضر ضامن دینے سے انکار کرے تو اگر مدعی علیہ اس شہر کا باشندہ ہو مدت ضمانت یعنی تین روز تک خود مدعی یا اس کا امین مدعی علیہ کا پیچھا کرے تاکہ وہ کہیں غائب نہ ہو جائے اور اگر وہ مسافر ہو تو صرف کچہری برخاست ہونے تک ضمانت لی جائے گی۔ اور اگر وہ ضمانت سے سرتابی کرے تو مدعی علیہ ہی مدت تک اس کا پیچھا کرے گا۔ کیونکہ اس میں مدعی کے حق کی رعایت بھی ہے اور مدعی علیہ کا کوئی نقصان بھی نہیں۔ پھر اگر مدعی مدت مقررہ میں گواہ لے آیا تو بہتر ہے ورنہ قاضی مدعی علیہ سے قسم لے۔ یا اس کو چھوڑ دے۔ **وقول الامام والصحیح کمافی المضمرات وغیرھا۔**

وَالْیَمِیْنُ بِاللّٰہِ تَعَالیٰ لَابِطَلَاقٍ وَّعِتَاقٍ اِلَّا اِذَا اَلَحَّ الْخَصَمُ وَتَغَلَّظُ بِذِکْرِ اَوْصَافِہٖ لَابِزَمَانٍ وَّمَکَانٍ

اور قسم خدا کی معتبر ہے نہ کہ طلاق وعتاق کی مگر جبکہ اصرار کرے مدعی اور قسم کی تاکید کرے خدا کے اوصاف سے نہ کہ زمان ومکان سے

وَیُسْتَحْلَفُ الْیَھُوْدِیُّ بِاللّٰہِ الَّذِیْ اَنْزَلَ التَّوْرٰۃَ عَلیٰ مُوْسیٰ وَالنَّصْرَانِیُّ بِاللّٰہِ الَّذِیْ اَنْزَلَ الْاِنْجِیْلَ عَلیٰ عِیْسیٰ

اور قسم لی جائے یہودی سے اللہ کی جس نے نازل کی تورات حضرت موسیٰ پر، اور نصرانی سے اللہ کی جس نے نازل کی انجیل حضرت عیسیٰ پر

وَالْمَجُوْسِیُّ بِاللّٰہِ الَّذِیْ خَلَقَ النَّارَ وَالْوَثَنِیُّ بِاللّٰہِ وَلَا یُحَلَّفُوْنَ فِیْ بُیُوْتِ عِبَادَتِہِمْ

اور آتش پرست سے اللہ کی جس نے پیدا کی ہے آگ اور بت پرست سے اللہ کی اور قسم نہ لیجائے ان کے عبادت خانوں میں

وَیُحَلَّفُ عَلَی الْحَاصِلِ اَیْ بِاللّٰہِ مَا بَیْنَکُمَا بَیْعٌ قَائِمٌ وَنِکَاحٌ قَائِمٌ وَمَا یَجِبُ عَلَیْکَ رَدُّہٗ وَمَا ھِیَ بَائِنٌ مِنْکَ

اور قسم لی جائے حاصل دعوی پر یعنی بخدا نہیں ہے ہم دونوں میں بیع قائم اور نکاح قائم اور واجب نہیں مجھ پر اس کو لوٹانا اور نہیں ہے وہ جدا مجھ سے

ع۔۔۔ ھوالتصحیح کمافی الکافی وغیرہ وصحح فی الخلاصۃ ان اخذ الکفیل الی جلوس القاضی مجلسا آخر وقیل یفوض الی رای القاضی وھوالاشبہ ۱۲۔

الآن فِي دَعْوىٰ الْبَيْعِ وَالنِّكَاحِ وَالْغَصْبِ وَالطَّلَاقِ وَإِنْ اِدَّعىٰ شُفْعَةً بِالْجِوَارِ اَوْ نَفَقَةَ الْمَبْتُوتَةِ وَالْمُشْتَرِى

اس وقت بیع ونکاح اور غصب وطلاق کے دعویٰ میں اگر دعوی کیا شفعہ کا حق جوار کے سبب سے یا مطلقہ بائنہ کے نفقہ کا اور خریدار

اَوِ الزَّوْجُ لَايَرٰهَا يُحَلَّفُ عَلَى السَّبَبِ وَعَلَى الْعِلْمِ لَوْوَرَثَ عَبْدًا فَادَّعَاهُ اٰخَرُ وَعَلَى الْبَتَاتِ لَوْوُهِبَ لَهٗ

یا شوہر اس کا معتقد نہ ہو تو قسم لیجائے سبب دعوی پر اور علم پر اگر دارث ہوا ہو غلام کا اور دعوی کر دیا ہو کسی اور نے اور امر واقعی پر اگر اس کو ہبہ کیا گیا ہو

اَوْ اِشْتَرَاهُ وَلَوِافْتَدَى الْمُنْكِرُ بِيَمِيْنِهٖ اَوْصَالَحَهٗ مِنْهَا عَلىٰ شَيْءٍ صَحَّ وَلَمْ يُحَلَّفْ بَعْدَهٗ.

یا اس نے خریدا ہو اگر عوض دیدے منکر اپنی قسم کا یا صلح کرلے مدعی سے کسی چیز پر تو یہ صحیح ہے اس کے بعد قسم نہیں لی جائیگی

توضیح اللغۃ: الح اصرار کرے، مجوسی آتش پرست، وثنی بت پرست، بائن جدا، جوار پڑوس، مبتوتہ بائنہ، بتات جدائی۔

تشریح الفقہ: قوله واليمين بالله الخ اور قسم حق سبحانہ وتعالیٰ کے نام کی ہوتی ہے۔ کیونکہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص قسم کھانے والا ہو تو اسے چاہئے کہ اللہ کی قسم کھائے یا خاموش رہے۔ تو طلاق یا عتاق وغیرہ سے قسم نہ ہوگی اگرچہ مدعی اس پر اصرار کرے کیونکہ طلاق وعتاق کی قسم دینا حرام ہے (کذا فی الخانیہ) نیز اگر ماں باپ، پیغمبر وولی یا شہید اور کعبے وغیرہ کی قسم کھائے گا تو اس پر قسم کے احکام مرتب نہ ہوں گے۔ بلکہ اگر اللہ جل شانہ کا سا کسی اور کو بزرگ سمجھ کر قسم کھائے گا تو مشرک ہو جائیگا۔ کیونکہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے من حلف بغير الله فقد اشرك'' ہاں اگر اسمائے حسنیٰ رحمٰن، رحیم، قادر، ذوالجلال یا اس کی ایسی صفت کی قسم کھائے جس کی قسم کھائی جاتی ہے، جیسے عزت وجلال عظمت وقدرت وغیرہ تو وہ قسم معتبر ہوگی۔

قوله لا بزمان الخ مسلمان پر قسم میں زبان اور مکان سے شدید وتغلیظ مستحب نہیں ہے۔ تغلیظ زمان مثلاً رمضان میں یا شب قدر میں یا جمعہ کے دن یا عصر کے بعد قسم لینا، تغلیظ مکان مثلاً منبر نبوی ﷺ، حجر اسود، خانہ کعبہ یا مسجد میں قسم لینا اس واسطے کہ مقصد تو صرف اللہ کی قسم لینا ہے اور ان چیزوں کے ساتھ مقید کرنا نص پر زیادتی کرنا ہے۔ اسی لئے کافی اور زیلعی وغیرہ میں اس کو غیر مشروع کہا ہے۔ اور شامی نے محیط سے عدم جواز نقل کیا ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے یہاں اس کی اجازت ہے بلکہ مستحب ہے بشرطیکہ قسم لعان، قسامۃ اور مال عظیم کے متعلق ہو۔

قوله والمجوسي الخ اور آتش پرست سے آگ کی قسم نہ لی جائے کیونکہ غیر اللہ کی قسم لینا جائز نہیں بلکہ آگ کے خالق کی قسم لی جائے۔ اور بت پرست سے اللہ تعالیٰ کی قسم لی جائے کیونکہ وہ خدا کا اقرار کرتا ہے گو غیر خدا کی عبادت اور پوجا کرتا ہے۔ قال تعالیٰ'' ولئن سألتهم من خلق السموت والارض ليقولن الله'' اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمان اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو یہی کہیں گے کہ اللہ نے وعن الامام انه لايستحلف احدا الا بالله خالصاً۔

قوله ويحلف الخ قسم کھلانے کا دوالا قاعدہ یہ ہے کہ اگر دعوی ایسے سبب کا ہو جو مرتفع نہ ہو سکے جیسے عتق تو اس میں قسم سبب پر ہوگی۔ اور اگر دعوی ایسے سبب کا ہو جو مرتفع ہو سکتا ہو جیسے بیع فسخ سے مرتفع ہو جاتی ہے اور نکاح طلاق سے تو اس میں قسم حاصل پر ہوگی۔ (مگر جس صورت میں مدعی کا ضرر ہو تو اس میں قسم سبب پر ہوگی) پس دعوی بیع میں قاضی اس طرح قسم لے گا کہ خدا کی قسم تم دونوں میں اب تک بیع قائم نہیں۔ اور نکاح میں بایں طور کہ تم دونوں میں اب تک نکاح قائم نہیں اور غصب میں یوں کہ اب تک تجھ پر اس کا پھیر دینا واجب نہیں اور طلاق میں بایں صورت کہ اب تک وہ عورت تجھ سے بائن نہیں۔ یہ تفصیل طرفین کے نزدیک ہے امام ابو یوسف کے نزدیک ہر صورت میں قسم سبب پر لیجائے گی۔

قوله وان ادعى الخ یہ اس صورت کا بیان ہے جس میں حاصل پر قسم لینے سے مدعی کا نقصان ہو کہ اس صورت میں بالاجماع قسم

ع...... لان اليهودي يعتقد نبوة موسىٰ والنصراني نبوة عيسىٰ عليهما السلام فيغلظ بذكر المنزل على نبيهما ۱۲۔ ع...... صحیحین عن ابن عمر ۱۲

سبب پر ہوگی صورت اس کی یہ ہے کہ ایک شخص نے شافعی المسلک پر شفعہ جوار کا دعوی کیا یا مطلقہ بائنہ نے اپنے شافعی المسلک شوہر پر نفقہ کا دعوی کیا۔ اور شافعی مذہب میں شفعہ جوار ونفقہ مبتوتہ واجب نہیں۔ تو اگر یہاں مدعی علیہ سے حاصل پر قسم لیجائے کہ میرے اور شفعہ یا نفقہ واجب نہیں تو مدعی علیہ سچا ہوگا اور مدعی کا نقصان ہوگا اس لئے یہاں قسم سبب پر لی جائے گی مدعی علیہ یوں قسم کھائے گا کہ بخدا میں نے گھر نہیں خریدا یا میں نے اس کو طلاق بائن نہیں دی۔

قولہ ولو افتدی الخ قسم کا فدیہ دینا اور کچھ مال دیکر صلح کر لینا درست ہے کیونکہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے "مال دیکر اپنی آبرو بچاؤ" چنانچہ حضرت حذیفہ پر کسی معاملہ میں قسم آئی تو آپ نے مال دینا گوارا کیا اور قسم پر آمادہ نہ ہوئے نیز فدیہ یمین میں حضرت عثمان کا تین ہزار درہم دینا اور حضرت جبیر بن مطعم کا دس ہزار درہم دینا اور اشعث بن قیس کا ستر ہزار درہم دینا روایات سے ثابت ہے بہر کیف یمین کا فدیہ دینا اور صلح کر لینا درست ہے اس کے بعد منکر سے قسم نہیں لی جائے گی۔ کیونکہ مدعی نے مال لیکر اپنا حق ساقط کر دیا۔

باب التحالف

باب آپس میں قسم کھانے کے بیان میں

اِخْتَلَفَا فِي قَدْرِ الثَّمَنِ اَوِالْمَبِيْعِ قُضِيَ لِمَنْ بَرْهَنَ وَاِنْ بَرْهَنَا فَلِمُثْبِتِ الزِّيَادَةِ

اختلاف کیا بائع ومشتری نے ثمن یا مبیع کی مقدار میں تو فیصلہ ہوگا اس کے لئے جو بینہ لائے اور اگر دونوں کے لے آئے تو ثبت زیادہ کے لئے

وَاِنْ عَجَزَا وَلَمْ يَرْضَيَا بِدَعْوٰى اَحَدِهِمَا تَحَالَفَا وَبُدِئَ بِيَمِيْنِ الْمُشْتَرِيْ وَفَسَخَ الْقَاضِي

اور اگر دونوں عاجز ہو گئے اور راضی نہ ہوئے کسی ایک کے دعوے سے تو دونوں قسم کھائیں اور شروع کیا جائے مشتری کی قسم سے اور فسخ کر دے قاضی

بِطَلَبِ اَحَدِهِمَا وَمَنْ نَكَلَ لَزِمَهُ دَعْوَى الْاٰخَرِ وَاِنْ اِخْتَلَفَا فِي الْاَجَلِ اَوْ فِي شَرْطِ الْخِيَارِ اَوْ فِي قَبْضِ

کسی ایک کی طلب پر اور جو انکار کرے اس کو لازم ہو جائیگا دوسرے کا دعوی اگر اختلاف کریں مدت میں یا شرط خیار میں یا کچھ ثمن لے لینے میں

بَعْضِ الثَّمَنِ اَوْ بَعْدَ هَلَاكِ الْمَبِيْعِ اَوْبَعْضِهٖ اَوْ فِي بَدَلِ الْكِتَابَةِ اَوْ فِي رَأْسِ الْمَالِ بَعْدَ اِقَالَةِ السَّلَمِ لَمْ يَتَحَالَفَا

یا کل یا بعض ثمن ہلاک ہونے کے بعد یا بدل کتابت میں یا راس المال میں اقالہ سلم کے بعد تو قسم نہ کھائیں

وَالْقَوْلُ لِلْمُنْكِرِ مَعَ يَمِيْنِهٖ وَلَوْ اِخْتَلَفَا فِي مِقْدَارِ الثَّمَنِ بَعْدَ الْاِقَالَةِ تَحَالَفَا وَيَعُوْدُ الْبَيْعُ الْاَوَّلُ

اور قول منکر کا معتبر ہوگا اس کی قسم کے ساتھ اور اگر اختلاف کریں ثمن کی مقدار میں اقالہ کے بعد تو قسم کھائیں اور لوٹ آئیگی پہلی بیع

وَلَوْ اِخْتَلَفَا فِي الْمَهْرِ قُضِيَ لِمَنْ بَرْهَنَ وَاِنْ بَرْهَنَا فَلِلْمَرْأَةِ وَاِنْ عَجَزَا تَحَالَفَا

اگر میاں بیوی اختلاف کریں مہر میں تو فیصلہ ہوگا اس کے لئے جو بینہ لائے اگر دونوں لے آئے تو عورت کیلئے اور دونوں عاجز ہو گئے تو دونو

وَلَمْ يُفْسَخِ النِّكَاحُ بَلْ يُحَكَّمُ مَهْرُ الْمِثْلِ فَيُقْضٰى بِقَوْلِهٖ لَوْكَانَ كَمَا قَالَ اَوْ اَقَلَّ

قسم کھائیں اور فسخ نہ ہوگا نکاح بلکہ مہر مثل کو حکم مانا جائیگا پس شوہر کے قول پر فیصلہ ہوگا اگر مہر مثل اس کے قول کے موافق یا اس سے کم ہو

وَبِقَوْلِهَا لَوْكَانَ كَمَا قَالَتْ اَوْ اَكْثَرَ وَبِهٖ لَوْبَيْنَهُمَا.

اور عورت کے قول پر اگر اس کے قول کے موافق یا اس سے زیادہ ہو اور مہر مثل کا فیصلہ ہوگا اگر دونوں کے درمیان ہو

عہ۔۔۔۔احمد حاکم ترمذی ۱۲۔

احکام تحالف کی تفصیل

تشریح الفقہ : قولہ اختلفا الخ متبایعین نے ثمن کی مقدار میں اختلاف کیا مثلاً بائع نے کہا کہ ایک ہزار ہے مشتری نے کہا کہ پانچسو ہے یا مبیع کی مقدار میں اختلاف کیا مثلاً بائع نے دس رطل کہا اور مشتری نے پندرہ رطل تو جس کے پاس بینہ ہو اس کے حق میں فیصلہ ہوگا۔ کیونکہ صاحب بینہ نے اپنا دعوی بحث سے روشن کر دیا اور اگر دونوں بینہ قائم کر دیں تو جس کا بینہ مثبت زیادہ ہو وہی مقبول ہوگا۔ کیونکہ بینات اثبات کیلئے ہوتے ہیں اور زائد میں کوئی تعارض بھی نہیں اور اگر بینہ سے دونوں عاجز رہ جائیں اور کوئی دوسرے کے دعوے سے راضی نہ ہو تو دونوں قسم کھائیں گے۔ اور امام محمد کے نزدیک پہلے مشتری سے قسم لی جائے گی۔ امام ابو یوسف کا بھی آخری قول یہی ہے۔ اور یہی امام صاحب سے ایک روایت ہے اور یہی صحیح ہے۔ کیونکہ ثمن کا مطالبہ پہلے مشتری سے ہوتا ہے تو ہو وہی منکر ٹھیرا۔ امام ابو یوسف اولاً اس کے قائل تھے کہ پہلے بائع سے قسم لیجائے گی۔ کیونکہ حدیث میں ہے "اذا ختلف المتبایعان فالقول ماقاله البائع" اس میں خاص طور سے بائع کو ذکر کیا گیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ صرف بائع کے قول پر اکتفا ہو حالانکہ ایسا نہیں ہے تو تخصیص۔ بالذکر کا کم از کم فائدہ یہ ہوگا کہ اس کو قسم میں مقدم کیا جائے۔ جواب یہ ہے کہ اول تو بقول ابن الجوزی روایت کے جملہ طریق میں کلام ہے کیونکہ وہ سب مراسیل وضعاف ہیں اور اگر بقول صاحب تنقیح تسلیم کر لیا جائے کہ اس کی کچھ نہ کچھ اصل ہے تو تخصیص بائع کی وجہ یہ ہے کہ یمین مشتری میں تو کوئی اشکال ہی نہیں **لقوله علیه السلام" والیمین علی من انکر"** مگر یہ اس وقت ہے جب عین کی بیع دین کے عوض میں ہو تو ورنہ قاضی کو اختیار ہے جس سے چاہے پہلے قسم لے۔ اب ان میں سے جو شخص قسم سے انکار کرے گا تو قضاء قاضی سے اس پر دوسرے کا دعوی لازم ہو جائیگا۔ کیونکہ وہ انکار سے مقر ہو گیا اور اس کا دعوی دوسرے کے دعوے سے معارض نہ رہا۔

قولہ وان اختلفاالخ یہاں سے "لم یتحالفا" تک سات مسئلے ہیں جن کا حکم تحالف ہے (۱) متعاقدین نفس اجل میں اختلاف کریں مثلاً ایک کہے کہ مدت مقرر تھی اور دوسرا انکار کرے (۲) شرط خیار میں اختلاف کریں (۳) بعض ثمن پر قبضہ کرنے میں اختلاف کریں۔ ایک کہے تو اتنا وصول کر چکا دوسرا انکار کرے تو ہمارے نزدیک تینوں صورتوں میں تحالف نہ ہوگا بلکہ منکر کا قول اس کی قسم کے ساتھ معتبر ہوگا' امام احمد بھی اسی کے قائل ہیں۔ کیونکہ یہ اختلاف معقود علیہ ومعقود بہ کے علاوہ ہے۔ کیونکہ ان کے اختلاف سے قوام عقد مختل نہیں ہوتا اور حدیث "اذ اختلف المتبایعان والسلعة قائمة بعینها تحالفا" میں وجوب تحالف متبایعان پر معلق ہے۔ اور متبایعان بیع سے مشتق ہے۔ تو جوب تحالف اس چیز کے اختلاف سے ہوگا جس سے بیع کا قیام ہو۔ اور وہ مبیع وثمن ہے۔ اجل اور شرط خیار وغیرہ کو اس سے کوئی تعلق نہیں' امام زفر' امام شافعی' امام مالک کے نزدیک اختلاف اجل کی صورت میں تحالف ہے۔ کیونکہ مدت کے ہونے اور نہ ہونے سے ثمن میں کمی بیشی ہوتی ہے تو گویا وصف ثمن میں اختلاف ہوا۔ جواب یہ ہے کہ اجل وصف ثمن نہیں۔ کیونکہ ثمن بائع کا حق ہے۔ اور اجل مشتری کا حق ہے۔ اگر اجل ثمن کا وصف ہوتا تو استحقاق میں اپنی اصل کا تابع ہوتا۔

قولہ او بعد هلاک الخ ۴ اختلاف ہلاکت مبیع کے بعد ہو تو شیخین کے نزدیک تحالف نہ ہوگا بلکہ منکر کا قول اس کی قسم کیساتھ معتبر ہوگا۔ امام محمد' امام زفر' شافعی' امام مالک کے نزدیک دونوں قسم کھائیں گے۔ اور عقد فسخ ہو جائے گا۔ اور ہلاک شدہ مبیع کی قیمت واجب ہوگی (۵) بعض مبیع ہلاک ہونے کے بعد اختلاف ہو تو امام صاحب کے نزدیک تحالف نہ ہوگا۔ صاحبین' امام زفر' امام شافعی' امام مالک کے نزدیک تحالف ہوگا۔ کیونکہ متعاقدین میں سے ہر ایک غیر عقد کا مدعی ہے۔ اور دوسرا منکر ہے۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ تحالف بعد القبض خلاف قیاس ہے۔ اور روایت میں تحالف کیلئے مبیع کا ہو بہو ہونا شرط ہے تو مبیع ہلاک ہونے کی صورت میں یہ شرط مفقود ہوئی لہذا تحالف نہ ہوگا۔

ائمہ اربعہ' حاکم' احمد' دارمی' بزار' دار قطنی' بیہقی عن ابن مسعود بالفاظ مختلفہ ۱۲

قولہ اوفی بدل الخ بدل کتابت کی مقدار میں آقا اور غلام کا اختلاف ہو تو امام صاحب کے نزدیک تحالف نہ ہوگا بلکہ غلام کا قول اس کی قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔ صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تحالف ہوگا کیونکہ کتابت عقد معاوضہ ہے جو قابل فسخ ہے۔ پس کتابت بیع کے مشابہ ہوئی لہٰذا تحالف ہوگا۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ معاوضات میں تحالف حقوق لازمہ کا انکار کیوقت ہوتا ہے۔ اور مکاتب پر بدل کتابت لازم ہی نہیں۔ کیونکہ وہ اپنے آپ کو عاجز قرار دیکر اس کو ختم کرسکتا ہے۔ پس کتابت بیع کے معنی میں نہ ہوئی۔ لہٰذا تحالف نہ ہوگا۔ (کما قالہ سلم کے بعد راس المال کی مقدار میں اختلاف ہو تو تحالف نہ ہوگا بلکہ مسلم الیہ کا قول اس کی قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔

قولہ ولو اختلفا الخ اگر زوجین مقدار مہر (یا اس کی جنس) میں اختلاف کریں۔ مثلاً شوہر کہے کہ نکاح ایک ہزار پر ہوا تھا بیوی کہے کہ دو ہزار پر ہوا تھا تو جو اپنا مدعی بینہ سے ثابت کرے اسی کے حق میں فیصلہ ہوگا۔ عورت کا تو اس لئے بینہ مقبول ہوگا کہ وہ مدعی زیادہ ہے اور شوہر کا اس لئے کہ وہ زیادتی کا منکر ہے اس لحاظ سے اس پر قسم ہونی چاہئے۔ مگر چونکہ وہ صورۃً مدعی ہے۔ اور قبولیت بینہ کے لئے اتنا کافی ہے۔ اس لئے اس کا بینہ بھی مقبول ہوگا۔ اور اگر دونوں نے بینہ قائم کر دیا تو عورت کا بینہ مقبول نہ ہوگا۔ جبکہ اس کا مہر زوج کے حق میں شاہد ہو بایں طور کہ مہر مثل دعوی زوج کے مطابق ہو یا اس سے کم ہو کیونکہ عورت زیادتی ثابت کر رہی ہے۔ اور بینات اثبات کے لئے ہوتے ہیں، اور اگر مہر مثل زوجین میں سے کسی کا شاہد نہ ہو تو دونوں بینے ساقط الاعتبار ہوں گے۔ اور مہر مثل واجب ہوگا اور اگر دونوں کے پاس بینہ نہ ہو تو دونوں قسم کھائیں گے لیکن نکاح فسخ نہ ہوگا۔ کیونکہ ہر ایک کی قسم نے دوسرے کا دعوی باطل کر دیا۔ تو عقد نکاح بلا تسمیہ مہر باقی رہا۔ اور عدم تسمیہ مہر مفسد نکاح نہیں بخلاف بیع کے کہ اس میں عدم تسمیہ ثمن مفسد بیع ہے۔ جب نکاح باقی رہا تو مہر مثل کو حکم بنایا جائے گا اور شوہر کے قول پر حکم ہوگا اگر مہر مثل اس کے قول کے موافق ہو یا اس سے کم ہو اور عورت کے قول پر ہوگا اگر مہر مثل اس کے قول کے مطابق ہو یا اس سے زائد ہو اور اگر مہر مثل دعوی زوجین کے مابین ہو تو مہر مثل کا فیصلہ ہوگا۔

وَلَوْ اِخْتَلَفَا فِي الْاِجَارَةِ قَبْلَ الْاِسْتِيْفَاءِ تَحَالَفَا وَبَعْدَهُ لَا وَالْقَوْلُ لِلْمُسْتَاجِرِ وَالْبَعْضُ مُعْتَبَرٌ بِالْكُلِّ

اگر اختلاف کریں اجارہ میں نفع لینے سے پہلے تو دونوں قسم کھائیں اور اس کے بعد نہیں بلکہ قول مستاجر کا معتبر ہوگا اور بعض معتبر ہے کل سے

وَاِنْ اِخْتَلَفَا الزَّوْجَانِ فِي مَتَاعِ الْبَيْتِ فَالْقَوْلُ لِكُلٍّ مِنْهُمَا فِيْمَا صَلُحَ لَهٗ وَلَهٗ فِيْمَا صَلُحَ لَهُمَا

اگر اختلاف کریں میاں بیوی گھر کے اسباب میں تو قول ہر ایک کا معتبر ہوگا اس میں جو اس کے کار آمد ہو اور شوہر کا اس میں جو دونوں کے کار آمد ہو

فَاِنْ مَاتَ اَحَدُهُمَا فَلِلْحَيِّ وَلَوْ اَحَدُهُمَا مَمْلُوْكًا فَلِلْحُرِّ فِي الْحَيٰوةِ وَلِلْحَيِّ فِي الْمَوْتِ.

پس اگر مرجائے ان میں سے کوئی تو زندہ کے لئے ہوگا اور اگر کوئی ایک مملوک ہو تو آزاد کے لئے ہوگا زندگی میں اور زندہ کیلئے ہوگا موت کی صورت میں

تحالف کے باقی احکام

تشریح الفقہ: قولہ ولو اختلفا الخ اگر موجر و مستاجر تحصیل منفعت سے پہلے اجرت یا مدت اجارہ کی مقدار میں اختلاف کریں تو دونوں قسم کھائیں اور اجارہ کو ختم کریں کیونکہ عقد بیع میں تحالف قبل القبض قیاس کے موافق ہے۔ اور اجارہ قبل از قبض منفعت بیع قبل از قبض مبیع کی نظیر ہے۔ یعنی دونوں عقد معاوضہ ہیں اور قابل فسخ ہیں۔ لہٰذا تحالف کے بعد اجارہ فسخ ہو جائیگا۔ اور اگر تحصیل منفعت کے بعد اختلاف ہو تو تحالف نہ ہوگا بلکہ مستاجر کا قول اس کی قسم کیساتھ معتبر ہوگا۔ شیخین کے نزدیک تو عدم تحالف ظاہر ہے۔ کیونکہ ان کے یہاں معقود علیہ کا ہلاک ہو جانا تحالف سے مانع ہے۔ اور یہاں معقود علیہ یعنی منفعت عرض ہے۔ والعرض لایبقی زمانین۔ امام محمد کے نزدیک عدم تحالف کی وجہ یہ ہے کہ ان کے یہاں جو بیع کا ہلاک ہونا تحالف سے مانع نہیں ہے وہ اس لئے ہے کہ مبیع کی قیمت مبیع کے قائم

مقام ہوجاتی ہے۔ اور قیمت پر تحالف ہوتا ہے۔ اور اجارہ میں اگر تحالف جاری ہوتو لامحالہ عقد اجارہ فسخ ہوگا اور یہاں کوئی قیمت نہیں جو قائم مقام ہوسکے۔ کیونکہ بالذات منافع کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔ منافع کی قیمت تو عقد کے ذریعہ ہوتی ہے۔ اور جب فسخ کی وجہ سے عقد ختم ہوگیا تو قیمت بھی ختم ہوگئی پس مبیع ہر طرح سے ہلاک ہوگئی اور تحالف ممکن نہ رہا لہٰذا مستاجر کا قول معتبر ہوگا۔

قولہ والبعض الخ اگر اجرت میں موجر و مستاجر کا اختلاف کچھ منافع حاصل کرلینے کے بعد ہو تو دونوں قسم کھائیں گے اور باقی اجارہ فسخ کردیا جائے گا۔ اور ایام گزشتہ کے متعلق مستاجر کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔ کیونکہ عقد اجارہ بحسب حدوث منفعت دمبدم منعقد ہوتا ہے تو منفعت کا ہر جزو بالاستقلال معقود علیہ کے درجہ میں ہوا تو گویا۔ باقی منافع معقود بالعقد ہیں لہٰذا ان میں تحالف ہوگا بخلاف عقد بیع کے کہ اس میں مبیع کا ہر جزو معقود بالعقد نہیں ہوتا۔ بلکہ کل مبیع معقود بعقد واحد ہوتی ہے۔ تو جب بعض مبیع میں فسخ متعذر ہوگا تو کل مبیع میں متعذر ہوگا۔

قولہ وان اختلفا الخ اگر میاں بیوی گھریلو اسباب میں اختلاف کریں تو جو اسباب میاں کے کار آمد ہو اس میں اس کا قول معتبر ہوگا۔ جیسے پگڑی، تاج، قبا، ہتھیار، کمر بند، کتابیں، گھوڑا وغیرہ اور جو اسباب بیوی کے کار آمد ہو اس میں اس کا قول معتبر ہوگا۔ جیسے اوڑھنی، کرتی، زیور، کنگن، انگوٹھی (زنانی) پازیب وغیرہ اور جو اسباب دونوں کے کام کا ہو تو اس میں شوہر کا قول معتبر ہوگا۔ جیسے برتن، فرش، نقد، باندی، غلام، زمین، باغ وغیرہ کیونکہ بیوی اور جو کچھ بیوی کے ہاتھ میں ہے وہ سب شوہر کے تصرف سے ہے اور قول صاحب تصرف کا معتبر ہوتا ہے۔ اور اگر ان میں کوئی ایک مرجائے اور اس کی جگہ اس کا وارث دعوی کرے تو اس میں سات مجتہدوں کے سات قول ہیں (۱) امام صاحب کے نزدیک دونوں کی کار آمد چیز زندہ کو ملے گی۔ کیونکہ قبضہ زندہ کا ہے نہ کہ مردہ کا (۲) امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ جو چیز جہیز میں دی جاتی ہو وہ عورت کو ملے گی اور باقی شوہر کو اس کی قسم کے ساتھ۔ اس سلسلہ میں موت وحیات دونوں برابر ہیں (۳) امام محمد کے نزدیک جو چیز مرد کے کار آمد ہو وہ مرد کو دی جائے گی اور جو عورت کے کار آمد ہو وہ عورت کو دیجائیگی (۴) امام شافعی اور امام مالک کے یہاں کل اسباب برابر برابر دونوں کو ملے گا (۵) ابن ابی لیلیٰ کے نزدیک سب مال شوہر کا ہوگا (۶) حسن بصری کے نزدیک کل مال عورت کا ہوگا (۷) قاضی شریح کے نزدیک گھر عورت کا ہوگا۔ خانیہ اور خزانۃ الاکمل میں نو قول منقول ہیں۔

فَصْلٌ: قَالَ الْمُدَّعیٰ عَلَیْهِ هٰذَا الشَّیْءُ اَوْدَعَنِیْهِ اَوْ اٰجَرَنِیْهِ اَوْ اَعَارَنِیْهِ فُلَانٌ الْغَائِبُ اَوْ رَهَنَهُ

(فصل) کہا مدعیٰ علیہ نے کہ یہ چیز مجھے امانت دی اکرایہ پر یا عاریت پر دی ہے فلاں غائب نے یا میرے پاس رہن رکھی ہے

اَوْ غَصَبْتُهُ مِنْهُ وَبَرْهَنَ عَلَیْهِ دُفِعَتْ عَنْهُ خُصُوْمَةُ الْمُدَّعِیْ وَاِنْ قَالَ اِبْتَعْتُهُ مِنَ الْغَائِبِ

یا میں نے اس سے غصب کی ہے اور اس پر بینہ لے آیا تو دفع کردیا جائیگا اس سے مدعی کا جھگڑا اور اگر کہا کہ میں نے خریدی ہے غائب سے

اَوْ قَالَ الْمُدَّعِیْ غَصَبْتَهُ اَوْ سُرِقَ مِنِّیْ وَقَالَ ذُوالْیَدِ اَوْدَعَنِیْهِ فُلَانٌ وَبَرْهَنَ عَلَیْهِ لَا

یا کہا مدعی نے کہ تو نے غصب کی ہے یا میرے یہاں سے چوری کی گئی ہے اور قابض نے کہا کہ مجھے فلاں نے امانت دی ہے اور اس پر بینہ لایا تو نہیں

وَاِنْ قَالَ الْمُدَّعِیْ اِبْتَعْتُهُ مِنْ فُلَانٍ وَقَالَ ذُوالْیَدِ اَوْدَعَنِیْهِ فُلَانٌ ذٰلِکَ سَقَطَتِ الْخُصُوْمَةُ.

اگر کہا مدعی نے کہ میں نے خریدی ہے فلاں سے اور قابض نے کہا کہ یہ مجھے فلاں نے امانت دی ہے تو ساقط ہوجائیگی خصومت۔

ای لوکان احد الزوجین مملوکا واختلفا فی متاع البیت کان المتاع للحرفی حال حیوتہما وللحی منہما بعد موت احدہم لہما کان لان ید الحر اقوی لانہا ید ملک ولا کذلک ید المملوک واما اذا مات احدہما فلا ید للمیت فخلت ید الحی عن المعارض فکان للحی منہما ۱۲ از یلعی

دفع دعاوی کا بیان

تشریح الفقہ: **قولہ فصل الخ** یہ فصل اس بارے میں ہے کہ مدعی علیہ اپنے اوپر مدعی کا دعوی نہ آنے دے گویا اب تک انکا ذکر تھا جو خصم ہو سکتے ہیں اوراب ان کا ذکر ہے جو خصم نہیں ہوسکتے۔ جاننا چاہئے کہ جس طرح دعوی قبل از برہان مدعی صحیح ہے اسی طرہ بعداز برھان بھی صحیح ہے۔اور جس طرح بعداز حکم صحیح ہے اسی طرح قبل از حکم بھی صحیح ہے۔نیز جس طرح دفع الدفع صحیح ہے اسی طرح دفع دفع الدفع بھی صحیح ہے۔گو کثیر ہو۔

قولہ قال المدعی علیہ الخ مدعی علیہ نے مدعی کے جواب میں کہا کہ یہ شئی جو میرے قبضہ میں ہے اور تو اس کا دعوی کررہا ہے۔ یہ میرے پاس فلاں غائب (مثلاً زید نے بطور امانت رکھی ہے)۔یا بطور کرایہ یا بطور عاریت دی ہے۔یا اس نے بطور رہن رکھی ہے۔یا میں نے اس سے غصب کی ہے۔اوران امور کو اس نے بینہ سے ثابت کردیا اور متنازع فیہ شئی علی حالہ موجود ہے۔تو امام صاحب کے نزدیک مدعی علیہ سے مدعی کی خصومت دفع ہوجائے گی۔کیونکہ مدعی علیہ نے دو چیزیں ثابت کی ہیں ایک ملک غائب۔ دوسرے اپنے سے دفع خصومت تو اول ثابت نہ ہوگی۔کیونکہ اس میں کوئی مقابل نہیں ہے۔اور ثانی ثابت ہوجائے گی۔کیونکہ اس میں مدعی علیہ خصم ہے۔

فائدہ: یہ مسئلہ کتاب الدعوی کا مخمسہ ہے۔کیونکہ مدعی علیہ کے جواب کی پانچ صورتیں ہیں ۱: امانت ۲: اجارہ ۳: عاریت ۴: رہن ۵: غصب اوراس میں پانچ مذہب ہیں۔ ۱المذہب ابن شبرمہ کو خصومت دفع نہ ہوگی ۲المذہب ابن ابی لیلی۔ کہ خصومت دفع ہوجائے گی گو مدعی علیہ بینہ قائم نہ کرے ۳المذہب ابو یوسف۔ کہ اگر مدعی علیہ مرد صالح ہوتو خصومت دفع ہوجائے گی اور اگر حیلہ باز ومکر ساز ہوتو خصومت دفع نہ ہوگی۔ ۴المذہب امام محمد۔ کہ اگر گواہ لوگ شخص غائب کا نام ونسب بیان کریں صرف یہ کہیں کہ ہم روشناس ہیں تو خصومت دفع نہ ہوگی۔ ۵مذہب ابوحنیفہ۔ جو مسئلہ کی تشریح میں مذکور ہوچکا۔ **وفی الشرنبلالیہ. رأیت بخط العلامہ المقدسی عن البزازیہ ان تعویل الائمۃ علی قول محمد۔**

قولہ وان قال ابتعتہ الخ اگر مدعی نے کہا کہ میں نے یہ چیز فلاں غائب سے خریدی ہے یا مدعی نے دعوی کیا کہ میری یہ چیز تو نے غصب کی ہے یا میری یہ چیز چرائی گئی ہے۔اور مدعی علیہ نے کہا کہ میرے پاس یہ چیز فلاں غائب نے بطور امانت رکھی ہے۔اوراس پر اس نے بینہ قائم کردیا۔تو ان صورتوں میں شیخین کے نزدیک مدعی علیہ سے خصومت دفع نہ ہوگی۔کیونکہ مدعی علیہ نے خود اقرار کرلیا کہ میرا قبضہ قبضۂ خصومت ہے۔

قولہ وان قال المدعی الخ اگر مدعی نے دعوی کیا کہ میں نے یہ چیز جو مدعی علیہ کے قبضہ میں ہے زید سے خریدی ہے اور مدعی علیہ نے کہا کہ یہ چیز زید نے میرے پاس امانت رکھوائی ہے تو مدعی علیہ سے خصومت ساقط ہوجائے گی گو مدعی علیہ اپنے بیان پر بینہ قائم نہ کرے۔کیونکہ اس صورت میں مدعی نے اس کا اقرار کرلیا کہ مدعی علیہ کے پاس وہ چیز زید کی طرف سے پہونچی ہے۔تو مدعی علیہ کا قبضہ قبضۂ خصومت نہ ہوا۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

باب مایدعیہ الرجلان

باب ایک چیز پر دو شخصوں کے دعوٰی کرنے کے بیان میں

بَرْهَنَا عَلٰى مَافِي يَدِ اٰخَرَ قُضِيَ لَهُمَا وَعَلٰى نِكَاحِ اِمْرَأَةٍ سَقَطَا وَهِيَ لِمَنْ صَدَّقَتْهُ

بینہ لائے اس پر جو تیسرے کے قبضہ میں ہے تو فیصلہ دونوں کیلئے ہوگا اور عورت کے نکاح پر دونوں کے بینے ساقط ہونگے اور وہ اس کی ہوگی جس کی

اَوْ سَبَقَتْ بَيِّنَتُهُ وَعَلَى الشِّرَاءِ مِنْهُ لِكُلٍّ نِصْفُهُ بِبَدَلِهِ اِنْ شَاءَ وَبِاِبَاءِ اَحَدِهِمَا بَعْدَالْقَضَاءِ

تصدیق کرے یا جس کا بینہ سابق ہو اور تیسرے سے خریدنے پر ہر ایک کے لئے نصف ہوگا نصف قیمت کے عوض اگر چاہے اور قضاء کے بعد کسی

لَمْ يَاْخُذِ الْاٰخَرُ كُلَّهُ وَاِنْ اَرَّخَا فَلِلسَّابِقِ وَاِلَّا فَلِذِى الْقَبْضِ وَالشِّرَاءُ اَحَقُّ مِنَ الْهِبَةِ

ایک کے انکار سے نہ لے دوسرا کل چیز اور اگر تاریخ بیان کردی تو سابق کیلئے ہوگی ورنہ قابض کی ہوگی اور خرید زیادہ مقبول ہے ہبہ سے

وَالشِّرَاءُ وَالْمَهْرُ سَوَاءٌ وَالرَّهْنُ اَحَقُّ مِنَ الْهِبَةِ وَلَوْ بَرْهَنَ الْخَارِجَانِ عَلَى الْمِلْكِ وَالتَّارِيْخِ اَوْ عَلَى الشِّرَاءِ

اور خرید اور مہر برابر ہیں اور رہن مقبول تر ہے ہبہ سے بینہ لائے دو شخص خارج ملک اور تاریخ پر یا کسی سے خریدنے پر

مِنْ وَاحِدٍ فَالْاَسْبَقُ اَحَقُّ وَعَلَى الشِّرَاءِ مِنْ اٰخَرَ وَذَكَرَا تَارِيْخًا اِسْتَوَيَا.

تو سابق زیادہ حقدار ہے اور اگر بینہ لائے دوسرے سے خریدنے پر اور دونوں نے تاریخ بیان کردی تو دونوں برابر ہوں گے۔

تشریح الفقہ: قولہ برھنا الخ پہلے ایک قاعدہ سمجھ لو تاکہ مسائل سہولت کیساتھ سمجھ سکو۔ قاعدہ یہ ہے کہ جب مطلق کا دعوی ایسے دو شخصوں میں ہو جن میں سے ایک قابض ہو اور دوسرا غیر قابض (اسی کو خارج کہتے ہیں) تو ہمارے نزدیک غیر قابض (خارج) کی حجت مقدم ہوگی۔ امام احمد بھی اسی کے قائل ہیں۔ اور امام شافعی و امام مالک کے نزدیک قابض کی حجت مقدم ہوگی۔ پھر اگر ایک نے بینہ سے کوئی وقت بیان کردیا تب بھی طرفین کے نزدیک خارج ہی کا بینہ معتبر ہوگا۔ اور امام ابو یوسف کے نزدیک اس کا بینہ معتبر ہوگا جس نے وقت ثابت کیا ہے اب دو آدمیوں نے ایک چیز کا دعوی کیا اور وہ چیز کسی تیسرے کے پاس ہے اور دونوں نے گواہ قائم کردیئے تو ہمارے نزدیک وہ چیز دونوں میں نصفا نصف کردی جائیگی۔ امام شافعی کے نزدیک دونوں بینے ساقط الاعتبار ہوں گے۔ امام احمد کے نزدیک قرعہ اندازی ہوگی۔ یہ ایک قول امام شافعی کا بھی ہے۔ اس واسطے کہ وبالیقین دونوں میں سے ایک بینہ کاذب ہے۔ کیونکہ بوقت واحد کل شئی میں دو ملکوں کا جمع ہونا محال ہے اور بینہ صادقہ و بینہ کاذبہ کا امتیاز مشکل ہے۔ لہٰذا دونوں ساقط ہوں گے۔ یا پھر قرعہ اندازی ہوگی کیونکہ آنحضرت ﷺ نے اسی جیسے واقعہ میں میں قرعہ اندازی کی تھی اور فرمایا تھا کہ خدایا ان دونوں میں تو ہی فیصلہ کرنے والا ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں دو آدمیوں نے ایک اونٹ کے بارے میں جھگڑا کیا اور دونوں نے گواہ قائم کئے تو آنحضرت ﷺ نے ان دونوں میں آدھا آدھا تقسیم کردیا" رہی قرعہ اندازی سو یہ حکم ابتداء اسلام میں تھا پھر منسوخ ہوگیا۔ جیسا کہ امام طحاوی نے ثابت کیا ہے۔

قولہ وعلی نکاح الخ اور اگر دو آدمیوں نے ایک عورت کیساتھ نکاح پر گواہ قائم کئے تو دونوں ساقط الاعتبار ہونگے کیونکہ یہاں شرکت ممکن ہی نہیں بخلاف املاک کے کہ ان میں شرکت ممکن ہے اب عورت اسکی ہوگی جسکی وہ تصدیق کرے۔ بشرطیکہ دونوں گواہوں نے

ع لما فرغ من دعوی الواحد شرع فی دعوی الاثنین لان المثنی بعد الواحد ۱۲ ع..... طبرانی (فی الاوسط) ابوداؤد، (فی المراسیل) عبدالرزاق عن ابی ہریرۃ ۱۲
ابن ابی شیبہ عبدالرزاق بیہقی عن تمیم بن طرفۃ ابوداؤد احمد حاکم عن ابی موسیٰ ابن راہویہ ابن حبان عن ابی ہریرۃ طبرانی عن جابر بن سمرۃ ۱۲

تاریخ بیان نہ کی ہو۔اور اگر تاریخ بیان کردی تو جسکی تاریخ سابق ہوگی عورت اسکی ہوگی۔اور اگر گواہ قائم ہونے سے قبل عورت نے کسی کی منکوحہ ہونیکا اقرار کرلیا تو عورت اسی کی ہوگی۔پھر اگر دوسرے نے منکوحہ ہونے پر بینہ قائم کردیا تو عورت اسکو دلادی جائیگی کیونکہ بینہ اقرار سے قوی تر ہے۔الحاصل سبقت تاریخ سب پر رائج ہے پھر وطی پھر اقرار پھر صاحب تاریخ۔

قولہ وعلی الشراء الخ دو آدمیوں نے ایک چیز کا دعوی کیا کہ ہم نے فلاں سے خریدی ہے تو ہر ایک کو اختیار ہوگا چاہے نصف ثمن کے عوض آدمی لے لے چاہے چھوڑ دے۔لینے اور نہ لینے کا اختیار اسلئے ہے کہ صفقہ متفرق ہوگیا یعنی اس کے لئے وہ چیز پوری باقی رہی اور ہوسکتا ہے کہ اس کو پوری کی ضرورت ہو۔اور اگر قاضی کے فیصلہ کے بعد کسی ایک نے اپنا حصہ چھوڑ دیا۔تو اب دوسرا شخص وہ پوری چیز نہیں لے سکتا۔کیونکہ قضاء قاضی کے بعد بیع فسخ ہوچکی۔اور اگر دونوں کے گواہوں نے تاریخ یہاں کردی تو جس کی تاریخ مقدم ہوگی شئی اسی کو ملے گی۔اور اگر کسی ایک نے یا دونوں نے تاریخ بیان نہ کی تو شئی قابض کی ہوگی کیونکہ قابض کا قبضہ سبقت شراء پر دال ہے۔

قولہ والشراء احق الخ ایک شخص نے دعوی کیا کہ میں نے یہ چیز زید سے خریدی ہے۔دوسرے نے دعوی کیا کہ مجھ کو یہ چیز زید نے ہبہ کی ہے۔اور دونوں نے گواہ قائم کردیے لیکن کسی گواہ نے تاریخ بیان نہیں کی تو دعوی شراء دعوی ہبہ پر مقدم ہوگا۔کیونکہ شراء بنفسہ مثبت ملک ہے بخلاف ہبہ کے کہ وہ قبضہ پر موقوف ہے نیز شراء جانبین سے معاوضہ ہے اور ہبہ معاوضہ نہیں ہے' عمرو کے قبضہ میں ایک غلام ہے زید نے دعوی کیا کہ میں نے یہ غلام عمرو سے خریدا ہے اور ہندہ نے دعوی کیا کہ عمرو نے اس غلام کو میرا مہر مقرر کرکے مجھ سے نکاح کیا ہے۔اور دونوں نے بینہ قائم کردیا تو دونوں کے دعوے اور بینے برابر ہوں گے کیونکہ شراء اور تزوج دونوں عقود معاوضہ اور بنفسہ مثبت ملک ہیں تو قوت میں دونوں برابر ہوئے۔امام محمد کے نزدیک دعوی شراء اولی ہے۔

قولہ والرھن احق الخ ایک شخص نے رہن مع القبض کا دعوی کیا اور دوسرے نے ہبہ مع القبض کا تو دعوی رہن اولی ہوگا مگر استحساناً قیاس کی رو سے دعوی ہبہ اولی ہونا چاہیے۔کیونکہ ہبہ مثبت ملک ہے اور رہن مثبت ملک نہیں ہے۔وجہ استحسان یہ ہے کہ مقبوض بحکم رہن مضمون ہوتا ہے۔اور مقبوض بحکم ہبہ مضمون نہیں ہوتا۔اور عقد ضمان عقد تبرع سے قوی تر ہے۔لہٰذا دعوی رہن اولی ہوگا مگر یہ اس وقت ہے جب ہبہ بلاعوض کا دعوی ہو اور اگر دعوی ہبہ بشرط عوض ہو تو پھر دعوی ہبہ اولی ہوگا کیونکہ ہبہ بشرط العوض انتہاء بیع ہوتا ہے۔اور بیع رہن سے اولی ہے۔

قولہ ولو برھن الخارج الخ اگر دو شخص ملک مطلق مؤرخ پر بینہ قائم کریں یا دونوں ایک ہی بائع سے خرید مؤرخ پر بینہ قائم کریں تو جس کی تاریخ سابق ہو اس کا بینہ مقدم ہوگا کیونکہ اس نے یہ ثابت کردیا کہ اس کا پہلا مالک میں ہوں' اور اگر ان میں سے ایک نے دوسرے سے خریدنے پر بینہ قائم کیا۔مثلاً ایک نے زید سے خریدنے کا دعوی کیا اور دوسرے نے عمرو سے اور ہر ایک نے تاریخ بھی ثابت کردی تو دونوں برابر ہوں گے اور خریدی ہوئی چیز دونوں کے درمیان نصفا نصف ہوگی کیونکہ وہ دونوں اپنے اپنے بائع کیلئے ملک ثابت کررہے ہیں تو ایسا ہوگیا جیسے وہ دونوں بائع حاضر ہوں اور وہ دعوی کریں اور دونوں ایک تاریخ ذکر کریں۔

وَلَوْ بَرْهَنَ الْخَارِجُ عَلٰى مِلْكٍ مُؤَرَّخٍ وَتَارِيْخُ ذِى الْيَدِ اَسْبَقُ اَوْ بَرْهَنَا عَلَى النِّتَاجِ اَوْ سَبَبِ مِلْكٍ لَايَتَكَرَّرُ

اگر بینہ لایا شخص خارج ملک مؤرخ پر اور قابض کی تاریخ سابق ہے یا دونوں بینہ لائے کہ بچہ میرے جانور کا ہے یا ملک کے ایسے سبب پر جو مکرر نہیں

اَوِ الْخَارِجُ عَلَى الْمِلْكِ وَذُوالْيَدِ عَلَى الشِّرَاءِ مِنْهُ فَذُوا الْيَدِ اَحَقُّ مِنْهُ وَلَوْ بَرْهَنَ كُلٌّ عَلَى الشِّرَاءِ

ہوتا یا شخص خارج ملک پر بینہ لایا اور قابض اس سے خریدنے پر تو قابض زیادہ حقدار ہوگا اگر بینہ لایا ہر ایک خریدنے پر دوسرے سے

مِنَ الْاٰخَرِ وَلَا تَارِيْخَ سَقَطَا وَتُتْرَكُ الدَّارُ فِى يَدِ ذِى الْيَدِ وَلَا يُرَجَّحُ بِزِيَادَةِ عَدَدِ الشُّهُوْدِ

اور تاریخ نہ ہو تو دونوں ساقط ہوں گے اور چھوڑ دیا جائیگا گھر قابض کے قبضہ میں اور ترجیح نہ ہوگی گواہوں کی گنتی زیادہ ہونے سے

دَارٌ فِي يَدِ اٰخَرَ اِدَّعىٰ رَجُلٌ نِصْفَهَا وَاٰخَرُ كُلَّهَا وَبَرْهَنَا فَلِلاَوَّلِ رُبْعُهَا

گھر ہے دوسرے کے قبضہ میں دعویٰ کیا ایک نے اس کے نصف کا اور دوسرے نے کل کا اور بینہ لے آئے تو چوتھائی پہلے کے لئے ہوگا

وَالْبَاقِي لِلاٰخَرِ وَلَوْكَانَتْ فِي اَيْدِيْهِمَا فَهِيَ لِلثَّانِي.

اور باقی دوسرے کے لئے اور گھر دونوں کے قبضہ میں ہو تو گھر دوسرے کا ہوگا۔

تشریح الفقہ: قوله ولوبرهن الخارج الخ یہاں سے ''احق منہ'' تک تین مسئلے ہیں جن میں قابض کا بینہ مقدم ہوتا ہے (۱) شخص خارج اور قابض دونوں نے ملک مورخ پر بینہ قائم کیا۔ اور قابض کی تاریخ سابق ہے تو شیخین کے نزدیک قابض کا بینہ مقدم ہوگا۔ امام محمد سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ مگر یہ روایت مرجوع عنہ ہے۔ مرجوع الیہ روایت یہ ہے کہ قابض کا بینہ مقبول نہ ہوگا کیونکہ دونوں کے بینے ملک مطلق پر قائم ہیں اور انہوں نے جہت ملک سے کوئی تعرض نہیں کیا تو تقدم تاخر برابر ہوگا۔ شیخین کی دلیل یہ ہے کہ قابض کا مورخ بینہ معنیٰ دفع بینہ خارج کو متضمن ہے کیونکہ جب ایک وقت میں کسی کے لئے ملک ثابت ہوا تو اس وقت کے بعد دوسرے کے لئے ملک کا ثبوت اسی کی جانب سے حاصل کرنے کے ساتھ ہوسکتا ہے۔ اور دفع خصومت پر قابض کا بینہ مقبول ہوتا ہے لہٰذا قابض کا بینہ مقدم ہوگا۔ (۲) شخص خارج اور قابض دونوں نے ملک کے ایسے سبب پر بینہ قائم کیا جو مکرر واقع نہیں ہوتا ایک ہی بار ہوتا ہے جیسے نتاج یعنی کسی حیوان کے بچہ پیدا ہونا۔ روئی کے کپڑے کی بناوٹ، روئی کا سرا، دودھ دوہنا، پنیر بنانا، اون تراشنا وغیرہ کے یہ اسباب ایک ہی بار ہوتے ہیں۔ مکرر نہیں ہوتے۔ اب شخص خارج اور قابض دونوں نے بینہ سے یہ ثابت کیا کہ یہ بچہ میرے جانور کا ہے اور میری (یا میرے بائع یا میرے مورث کی) ملک میں پیدا ہوا ہے تو قابض کا بینہ معتبر ہوگا۔ کیونکہ روایت میں ہے کہ ایک شخص نے ایک اونٹنی کا دعویٰ کیا اور بینہ ثابت کیا کہ یہ میری ناقہ میرے یہاں جنی ہے قابض نے بھی اسی طرح بینہ سے ثابت کیا تو آنحضرت ﷺ نے اونٹنی قابض کو دیدی۔[عه] (۳) شخص خارج نے ملک مطلق پر بینہ قائم کیا اور قابض نے اس بات پر کہ میں نے شخص خارج سے خریدا ہے تو قابض کا بینہ معتبر ہوگا۔ کیونکہ شخص خارج اولیت ملک کو ثابت کررہا ہے۔ اور قابض اس سے ملک حاصل کرنے کو ثابت کررہا ہے اور ان دونوں میں کوئی منافات نہیں۔

قوله ولو برهن كل الخ اگر شخص خارج اور قابض میں سے ہر ایک نے دوسرے سے خریدنے پر بینہ قائم کیا یعنی شخص خارج نے ثابت کیا کہ میں نے یہ مکان قابض سے خریدا ہے اور قابض نے ثابت کیا کہ میں نے شخص خارج سے خریدا ہے تو شیخین کے نزدیک دونوں بینے ساقط الاعتبار ہونگے اور مکان قابض کو دیا جائے گا۔ امام محمد کے نزدیک دونوں بینے مقبول ہوں گے۔ اور مکان شخص خارج کو دیا جائیگا۔ کیونکہ بینوں پر اس طرح عمل ہوسکتا ہے کہ ممکن ہے قابض نے شخص خارج سے خرید کر پھر شخص خارج کے ہاتھ فروخت کردیا ہو اور قبضہ نہ کرایا ہو۔ شیخین کی دلیل یہ ہے کہ خرید پر اقدام کرنا دوسرے کی ملک کا اقرار کرنا ہے۔ تو گویا ہر شخص کا بینہ دوسرے کے اقرار پر قائم ہوا اور اس صورت میں تعذر جمع کی وجہ سے بالاجماع دونوں بینے ساقط الاعتبار ہوتے ہیں تو یہاں بھی ساقط الاعتبار ہوں گے۔

قوله ولا يرجح الخ اور کثرت شہود کی وجہ سے ترجیح نہیں دی جاسکتی مثلاً ایک کے دو گواہ ہوں اور دوسرے کے چار تو اقامت شہادت ماخوذہ میں یہ دونوں برابر ہوں گے (اسی طرح عدالت کی کمی بیشی کا بھی اعتبار نہ ہوگا خلافاً لمالک) وجہ یہ ہے کہ ہر دو شاہدوں کی شہادت علت تامہ ہے اور ترجیح کثرت علل سے نہیں ہوتی بلکہ قوت علل سے ہوتی ہے مثلاً ایک طرف دلیل متواتر ہو اور دوسری طرف آحاد تو متواتر کو ترجیح ہوگی۔ اور یہ نہ ہوگا کہ ایک طرف دو حدیثیں ہیں اور دوسری طرف ایک تو دو حدیثوں کو ترجیح ہو جائے اسی طرح ایک طرف دلیل مفسر ہو دوسری طرف مجمل تو مفسر کو مجمل پر ترجیح ہوگی وعلی هذا القياس۔

عه..... دار قطنی عن جابر بن عبداللہ ۱۲

قولہ دار الخ ایک مکان ایک شخص کے قبضہ میں ہے (اس کا دو آدمیوں نے دعوی کیا۔ ایک نے کل مکان کا اور دوسرے نے نصف کا اور دونوں نے بینہ قائم کردیا تو امام صاحب کے نزدیک بطریق منازعت مدعی کل کے لئے مکان کے تین ربعے ہوں گے۔ اور مدعی نصف کیلئے ایک ربع بطریق منازعت کا مطلب یہ ہے کہ جب مدعی نصف نے آدھے مکان کا دعوی کیا تو دوسرا آدھا مدعی کل کے لئے سالم رہا اور ایک نصف میں دونوں کی منازعت قائم رہی اور اس نصف کو دونوں میں نصفا نصف کردیا جائیگا۔ صاحبین کے نزدیک بطریق عول ومضاربت مکان اثلاثا تقسیم ہوگا۔ یعنی مدعی کل کے لئے دو ثلث اور مدعی نصف کیلئے ایک ثلث۔ کیونکہ مسئلہ میں کل اور نصف مجتمع ہیں تو مسئلہ دو سے ہوگا۔ کیونکہ نصف کا مخرج دو ہے۔ اور دو کا عدد تین کی طرف عول کرتا ہے تو دو سہم مدعی کل کے ہوئے اور ایک سہم مدعی نصف کا ہوا۔ اور اگر وہ مکان مدعیوں کے قبضہ میں ہوتو پورا مکان مدعی کل کیلئے ہوگا۔ نصف بطریق قضا اور نصف بلا قضا اس واسطے کہ جب مکان دونوں کے قبضہ میں ہے تو ہر ایک کے قبضہ میں نصف نصف مکان ہوتو جو نصف مدعی کل کے قبضہ میں ہے اس کا تو کوئی مدعی ہی نہیں لہٰذا وہ تو قضاء قاضی کے بغیر ہی اس کا ہے۔ اور جو نصف مدعی نصف کے قبضہ میں ہے اس کا مدعی کل کا مدعی ہے اور وہ شخص خارج ہے۔ اور یہ پہلے معلوم ہو چکا کہ شخص خارج کا بینہ معتبر ہوتا ہے نہ کہ قابض کا تو وہ نصف بھی قاضی اسی کو دلا دیگا۔

فائدہ : تقسیم کی چار قسمیں ہیں۔ اول وہ جس میں تقسیم بالاتفاق بطریق عول ہوتی ہے۔ اس کی آٹھ صورتیں ہیں ۱قسمت ۲میراث ۳دیون ۴وصیت ۵محابات ۶دراہم مرسلہ ۷سعایت ۸جنایت رقیق، دوم وہ جس میں قسمت بالاتفاق بطریق منازعت ہوتی ہے۔ اور وہ دو فضولیوں کے مسئلے میں ہوتی ہے۔ مثلاً ایک فضولی نے کسی کے ہاتھ غلام ہزار درہم میں فروخت کیا۔ اور دوسرے فضولی نے اسی غلام کا نصف دوسرے کے ہاتھ پانچسو میں فروخت کیا اور آقا نے دونوں بیعوں کو جائز رکھا تو دونوں خریداروں کو اختیار ہے اگر وہ لینا چاہیں تو مشتری کل تین ربع لے اور مشتری نصف ایک ربع، سوم وہ جس میں قسمت امام صاحب کے نزدیک بطریق منازعت ہوتی ہے۔ اور صاحبین کے نزدیک بطریق عول جیسا کہ مسئلہ کتاب میں اوپر مذکور ہوا (اس کے علاوہ دو مسئلے اور ہیں) چہارم وہ جس میں قسمت امام صاحب کے نزدیک بطریق عول ہوتی ہے۔ اور صاحبین کے نزدیک بطریق منازعت یہ پانچ مسئلوں میں جاری ہے۔ اگر ہر ایک کی تشریح مطلوب ہوتو مطولات زیلعی، عینی، بحر وغیرہ کی طرف رجوع کرو۔

وَلَوْ بَرْهَنَا عَلٰى نِتَاجِ دَابَّةٍ وَاَرَّخَا قُضِيَ لِمَنْ وَافَقَ سِنُّهَا تَارِيْخَهٗ وَاِنْ اَشْكَلَ ذٰلِكَ فَلَهُمَا

بینہ لائے ایک جانور کے بچہ پر اور دونوں نے تاریخ بیان کردی تو فیصلہ ہوگا اس کے لئے جس کی تاریخ کے موافق ہو بچہ کی عمر اگر یہ مشکل ہوتو دونوں

وَلَوْ بَرْهَنَ اَحَدُ الْخَارِجَيْنِ عَلَى الْغَصَبِ وَالْاٰخَرُ عَلَى الْوَدِيْعَةِ اِسْتَوَيَا وَالرَّاكِبُ وَاللَّابِسُ اَحَقُّ مِنْ اٰخِذِ

کے لئے ہے اگر بینہ لایا ایک شخص خارج غصب پر اور دوسرا ودیعت پر تو دونوں برابر ہونگے اور سوار اور پہننے والا زیادہ حقدار ہے لگام اور آستین

اللِّجَامِ وَالْكُمِّ وَصَاحِبُ الْحِمْلِ وَالْجِذْعِ وَالْاِتِّصَالِ اَحَقُّ مِنَ الْغَيْرِ ثَوْبٌ فِيْ يَدِهٖ وَطَرَفُهٗ فِيْ يَدِ اٰخَرَ

پکڑنے والے سے اور بوجھ والا اور کڑیوں والا اور اتصال والا حقدار ہے غیر سے کپڑا ہے ایک کے ہاتھ میں اور کنارہ ہے دوسرے کے ہاتھ میں

نُصِّفَ صَبِيٌّ يُعَبِّرُ عَنْ نَفْسِهٖ فَقَالَ اَنَا حُرٌّ فَالْقَوْلُ لَهٗ وَاِنْ قَالَ اَنَا عَبْدٌ لِفُلَانٍ اَوْ

تو نصفا نصف کردیا جائیگا بچہ نے جو اپنا حال کہہ سکتا ہے کہا کہ میں آزاد ہوں تو اسی کا قول معتبر ہوگا اور اگر کہا کہ میں غلام ہوں فلاں کا یا وہ اپنا حال

لَا يُعَبِّرُ عَنْ نَفْسِهٖ فَهُوَ عَبْدٌ لِمَنْ فِيْ يَدِهٖ عَشَرَةُ اَبْيَاتٍ مِنْ دَارٍ فِيْ يَدِهٖ وَبَيْتٌ فِيْ يَدِ اٰخَرَ

نہ کہہ سکتا ہو تو وہ غلام ہے اس کا جس کے قبضہ میں ہے دس کوٹھریاں مکان کی ایک کے قبضہ میں ہیں اور ایک کوٹھری دوسرے کے قبضہ میں ہے

فَالسَّاحَةُ نِصْفَانِ اِدَّعٰی کُلٌّ اَرْضًا اَنَّهَا فِی یَدِهٖ وَلَبَّنَ اَحَدُهُمَا فِیْهَا

توصحن نصفا نصف ہوگا ، ہرایک نے دعویٰ کیا زمین کا کہ میرے قبضہ میں ہے اور ایک نے اس میں اینٹیں بنائی تھیں

اَوْ بَنٰی اَوْ حَفَرَ فَهِیَ فِیْ یَدِهٖ کَمَا لَوْ بَرْهَنَ اَنَّهَا فِیْ یَدِهٖ.

یا مکان بنایا تھا یا گڑھا کھودا تھا تو زمین اسی کے قبضہ میں ہوگی جیسے اگر وہ بینہ لے آئے کہ میرے قبضہ میں ہے۔

توضیح اللغۃ: نتاج بچہ، دابۃ چوپایہ، سن عمر، ودیعۃ امانت، لابس پہننے والا، لجام لگام، کم آستین، حمل بوجھ، جذوع جمع جذع بمعنی کڑی، ابیات جمع بیت کوٹھری، دار گھر، بڑا مکان، ساحۃ صحن، لبن اینٹ پاتھی، بنی عمارت بنائی، حفر کنواں کھودلیا۔

تشریح الفقہ: **قولہ ولو برھنا الخ** دو آدمیوں نے ایک جانور کی بابت جھگڑا کیا اور دونوں نے اپنی اپنی ملک میں جانور کے جننے پر بینہ قائم کیا اور دونوں نے تاریخ بھی بیان کردی تو اس کی عمر جس کی تاریخ کے موافق ہو جانور اسی کو دلایا جائے گا کیونکہ ظاہر حال اسی کے حق میں شاہد ہے اور اگر ان کی بیان کردہ تاریخوں کے لحاظ سے اس کی عمر کا پتہ چلانا مشکل ہو تو جانور دونوں کا مشترک رہے گا **لان احد ھما لیس باولیٰ بھا من الآخر۔**

قولہ ولو برھن الخ ایک چیز زید کے قبضہ میں ہے عمرو نے اس کی بابت بینہ قائم کیا کہ قابض نے مجھ سے چھین لیا ہے اور بکر نے بینہ سے یہ ثابت کیا کہ میں نے یہ چیز قابض کو بطور امانت دی ہے۔ تو وہ دونوں اپنے اپنے دعویٰ میں برابر ہوں گے۔ اور وہ چیز کسی ایک کو نہ دلائی جائیگی۔ بلکہ ان میں نصفا نصف کردی جائے گی۔ **لان الودیعۃ تصیر غصباً بالجحود حتی یجب علیہ الضمان۔**

قولہ والراکب الخ زید ایک گھوڑے پر سوار ہے اور عمرو اس کی لگام پکڑے ہوئے ہے۔ یا زید کرتا پہنے ہوئے ہے اور عمرو اس کی آستین پکڑے ہوئے ہے۔ اور گھوڑے یا کرتے کی ملکیت میں دونوں کا جھگڑا ہوا۔ زید کہتا ہے کہ میرا ہے اور عمرو کہتا ہے کہ میرا ہے۔ تو گھوڑا یا کرتا زید ہی کا ہوگا۔ کیونکہ اس کا تصرف ظاہر تر ہے۔ **لان الرکوب واللبس یختص بالملک۔**

قولہ وصاحب الحمل الخ ایک لدے ہوئے اونٹ کی بابت یا ایسی دیوار کی بابت جھگڑا ہوا جس پر چھت کی کڑیاں ہیں یا ایسی دیوار کی بابت جھگڑا ہوا جو ایک کے گھر سے ملی ہوئی ہے۔ تو اونٹ اور دیوار کا حقدار بوجھ والا اور کڑیوں والا ہوگا۔ کیونکہ تصرف معتاد اسی کا تصرف ہے۔ جو اس کے مالک ہونے پر دال ہے۔

قولہ صبی الخ ایک شخص کے پاس ایک بچہ ہے جو سمجھ دار ہے۔ اپنا حال بیان کرسکتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں آزاد ہوں۔ اور صاحب ید اس کا منکر ہے۔ تو بچہ ہی کا قول معتبر ہوگا۔ **لانہ فی ید نفسہ** اگر بچہ یہ کہے ہیں کہ میں تو فلاں کا غلام ہوں اور صاحب ید یہ کہے کہ یہ میرا غلام ہے۔ تو بچہ صاحب ید کا ہی غلام ٹھہریگا۔ کیونکہ اس نے خود کو دوسرے کا غلام کہہ کر اپنی رقیت کا اقرار کرلیا جس سے اس کا اپنا قبضہ جاتا رہا۔ **فیظھر علیہ ید ذی الید۔** سوال رقیت کا اقرار باعث ضرر ہے۔ اور بچہ کے حق میں ان اقوال کا اعتبار نہیں ہوتا جو موجب ضرر ہوں۔ چنانچہ بچہ کا طلاق دینا، آزاد کرنا، ہبہ کرنا صحیح نہیں گو وہ عاقل ہو۔ پھر یہاں اس کا یہ اقرار کی وجہ کیسے صحیح ہو گیا؟ جواب یہاں رقیت کا ثبوت صاحب ید کے دعویٰ کی وجہ سے ہے نہ کہ بچہ کے اقرار کی وجہ سے۔ **فاندفع المعارض۔**

قولہ عشرۃ ابیات الخ ایک مکان میں گیارہ کمرے ہیں جن میں سے دس کمرے ایک شخص کے قبضہ میں ہیں اور ایک کمرہ دوسرے کے قبضہ میں ہے۔ اب اس مکان کے صحن میں دونوں کا جھگڑا ہو تو صحن دونوں کے درمیان نصفا نصف ہوگا۔ کیونکہ صحن کے جو فوائد ہیں (مثلاً گزرنا، سامان رکھنا وغیرہ) ان میں وہ دونوں برابر ہیں۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

المراد بالاتصال اتصال تربیع وتفسیر التربیع اذا کان الحائط من مدر او آجر ان یکون انصاف لبن الحائط المتنازع فیہ داخلۃ فی انصاف لبن غیر المتنازع فیہ وانصاف لبن غیر المتنازع فیہ داخلۃ فی المتنازع فیہ وان کان الحائط من خشب فالتربیع ان یکون ساجہ مرکبۃ فی الاخری واما اذا نقب فادخل لا یکون تربیعا ۱۲ کفایہ۔

باب دعوی النسب

باب دعوی نسب کے بیان میں

وَلَدَتْ مَبِيعَةٌ لاقَلَّ مِنْ مُدَّةِ الْحَمَلِ مُذْ بِيعَتْ فَادَّعَاهُ الْبَائِعُ فَهُوَ اِبْنُهُ وَهِيَ اُمُّ وَلَدِهِ

جنا ایک بکی ہوئی باندی نے مدت حمل سے کم میں جب سے بیچی گئی تھی اور دعویٰ کیا اس کا بائع نے تو وہ اس کا بیٹا اور باندی اس کی ام ولد ہوگی

وَيُفْسَخُ الْبَيْعُ وَيَرُدُّ الثَّمَنَ وَاِنْ اِدَّعَاهُ الْمُشْتَرِى مَعَهُ اَوْ بَعْدَهُ

اور بیع فسخ ہوجائیگی اور دام لوٹائیگا اگرچہ دعوی کرے مشتری بھی بائع کے ساتھ یا اس کے بعد

وَكَذَا اِنْ مَاتَتِ الاُمُّ بِخِلافِ مَوْتِ الْوَلَدِ وَعِتْقُهُمَا كَمَوْتِهِمَا.

اسی طرح اگر مرجائے ماں بخلاف بچہ کی موت کے، اور ان کا آزاد ہوجانا ان کے مرنے کے حکم میں ہے۔

تشریح الفقہ: قولہ ولدت الخ ایک شخص نے باندی فروخت کی اس نے وقت بیع سے چھ ماہ سے کم میں بچہ جنا اور بائع نے بچہ کا دعوی کیا تو وہ بچہ استحساناً بائع کا لڑکا ہوگا۔ اور باندی اس کی ام ولد ہوگی۔ امام زفر اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بائع کا دعوی باطل ہے۔ مقتضاء قیاس بھی یہی ہے۔ کیونکہ بائع کا باندی کو فروخت کرنا اس بات کا اقرار ہے کہ وہ اس کی ام ولد نہیں باندی ہے۔ پس اقرار سابق اور دعوی لاحق کے درمیان تناقض ہے۔ لہٰذا دعوی مسموع نہ ہوگا وجہ استحسان یہ ہے کہ قرار حمل ایک مخفی امر ہے۔ اس لئے تناقض کو نظر انداز کیا جائے گا اور ملک بائع میں قرار حمل اس بات کی دلیل ہے کہ بچہ کا ہے کیونکہ ولادت چھ ماہ سے کم ہے۔ اور جب بطریق مذکور بائع کا دعوی صحیح ہوا تو یہ اصل علوق کی طرف مستند ہوگا۔ معلوم ہوا کہ اس نے ام ولد کی بیع ں ہے۔ لہٰذا بیع فسخ ہوجائے گی۔ کیونکہ ام ولد کی بیع جائز نہیں۔ اور ثمن واپس کرنا ضروری ہوگا اور مشتری کے دعوی کا کوئی ا اعتبار نہ ہوگا۔ خواہ بائع کے دعوی کے ساتھ ہو یا اس کے دعوی کے بعد ہو کیونکہ بائع کا دعوی بہر حال سابق ہے۔

قولہ وکذا الخ اگر بچہ کی ماں (یعنی باندی) کا انتقال ہوگیا اور اس کے بعد بائع نے بچہ کا دعوی کیا اور بچہ چھ ماہ سے کم میں پیدا ہوا تب بھی نسب ثابت ہوجائے گا کیونکہ حریت میں اصل بچہ ہے۔ نہ کہ ماں یہی وجہ ہے کہ ماں بچہ کی طرف منسوب ہوتی ہے یقال ام الولد نیز باندی کو حریت بھی بچہ ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ لقولہ علیہ السلام" اعتقھا ولدھا" اور جب بچہ اصل ہوا تو بائع یعنی ماں کا فوت ہوجانا مضر نہ ہوگا۔ ہاں اگر بچہ کا انتقال ہوگیا اور پھر بائع نے دعوی کیا تو نسب ثابت نہ ہوگا کیونکہ اب بچہ ثبوت نسب سے مستغنی ہوگیا۔ اور لمۃ مبیعہ اور اس کے بچہ کی آزادی کا حکم ان کی موت کا سا ہے تو اگر مشتری نے ماں کو آزاد کیا بچہ کو آزاد نہیں کیا اور بائع نے دعوی کیا کہ وہ میرا بیٹا ہے تو دعوی صحیح ہوگا اور نسب ثابت ہوجائے گا۔ اور اگر اس نے بچہ کو آزاد کیا ماں کو آزاد نہیں کیا تو دعوی صحیح نہ ہوگا۔ بچہ کے حق میں تو اس لئے کہ صحت دعوی کی صورت میں اعتاق کا باطل ہونا لازم آتا ہے حالانکہ اعتاق بطلان کا احتمال نہیں رکھتا اور ماں کے حق میں اس لئے کہ جب اصل (یعنی بچہ) میں دعوی صحیح نہ ہوا تو تابع کے حق میں بطریق اولیٰ صحیح نہ ہوگا۔

عہ۔۔۔۔۔۔۔لما فرغ من بیان الاموال شرع فی بیان دعوی النسب لان الاول اکثر وقوعا فکان اہم ذکرا فقدمہ ۱۲

وَاِنْ وَلَدَتْ لاَکْثَرَ مِنْ سِتَّةِ اَشْهُرٍ رُدَّتْ دِعْوَةُ الْبَائِعِ اِلاَّ اَنْ يُصَدِّقَهُ الْمُشْتَرِیْ وَمَنْ اِدَّعٰی نَسَبَ اَحَدِ التَّوْأمَيْنِ

اور اگر جنے چھ ماہ سے زائد میں تو رد ہوجائیگا بائع کا دعوی مگر یہ کہ تصدیق کردے اس کی مشتری جس نے دعوی کیا جڑواں بچوں میں سے ایک کے

ثَبَتَ نَسَبُهُمَا مِنْهُ فَاِنْ بَاعَ اَحَدَهُمَا وَاَعْتَقَهُ الْمُشْتَرِیْ بَطَلَ عِتْقُ الْمُشْتَرِیْ

نسب کا تو دونوں کا نسب ثابت ہوجائیگا پس اگر ایک کو بیچدے اور مشتری اس کو آزاد کردے تو باطل ہوگا مشتری کا آزاد کرنا

صَبِیٌّ عِنْدَ رَجُلٍ فَقَالَ هُوَ اِبْنُ فُلاَنٍ ثُمَّ قَالَ هُوَ اِبْنِیْ لَمْ يَكُنْ اِبْنَهُ وَاِنْ جَحَدَ اَنْ يَّكُوْنَ اِبْنَهُ

بچہ ہے ایک کے پاس اس نے کہا کہ یہ فلاں کا بیٹا ہے پھر کہا کہ میرا بیٹا ہے تو اس کا بیٹا نہ ہوگا گو انکار کردے فلاں اپنا بیٹا ہونے کا

وَلَوْ كَانَ فِیْ يَدِ مُسْلِمٍ وَنَصْرَانِیٌّ فَقَالَ النَّصْرَانِیُّ هُوَ اِبْنِیْ وَقَالَ الْمُسْلِمُ عَبْدِیْ فَهُوَ حُرٌّ اِبْنُ النَّصْرَانِیِّ

اور اگر ایک مسلمان اور ایک نصرانی کے پاس ہو نصرانی کہے کہ یہ میرا بیٹا ہے اور مسلمان کہے کہ میرا غلام ہے تو وہ آزاد اور نصرانی کا بیٹا ہوگا

وَاِنْ كَانَ صَبِیٌّ فِیْ يَدِ زَوْجَيْنِ فَزَعَمَ اَنَّهُ اِبْنُهُ مِنْ غَيْرِهَا وَزَعَمَتْ اَنَّهُ اِبْنُهَا مِنْ غَيْرِهِ فَهُوَ اِبْنُهُمَا

اور اگر ہو بچہ زوجین کے پاس پس شوہر کہے کہ یہ میرا بیٹا ہے دوسری بیوی سے اور بیوی کہے کہ میرا بیٹا ہے دوسرے شوہر سے تو وہ دونوں کا بیٹا ہے

وَلَدَتْ مُشْتَرَاةٌ فَاسْتُحِقَّتْ غَرِمَ الاَبُ قِيْمَةَ الْوَلَدِ وَهُوَ حُرٌّ فَاِنْ مَاتَ الْوَلَدُ لَمْ يَضْمَنِ الاَبُ قِيْمَتَهُ

جنا خریدی ہوئی باندی نے پھر وہ کسی اور کی نکلی تو تاوان دیگا باپ بچہ کی قیمت کا اور بچہ آزاد ہوگا پس اگر مرجائے بچہ تو ضامن نہ ہوگا باپ اس کی

وَاِنْ تَرَکَ مَالاً وَاِنْ قُتِلَ الْوَلَدُ غَرِمَ الاَبُ قِيْمَتَهُ وَيَرْجِعُ بِالثَّمَنِ وَقِيْمَتُهُ عَلٰی بَائِعِهٖ لاَ بِالْعُقْرِ.

قیمت کا گو بچہ کچھ مال چھوڑے اور اگر مار دیا گیا بچہ تو تاوان دیگا باپ اس کی قیمت کا اور لے لے گا باندی کے دام اور بچہ کی قیمت بائع سے نہ کہ عقر۔

تشریح الفقہ: **قوله وان ولدت الخ** اگر باندی چھ ماہ سے زائد اور دو سال سے کم میں بچہ جنے اور بائع بچہ کا دعوی کرے تو دعوی مردود ہوگا الا یہ کہ مشتری اس کی تصدیق کردے کیونکہ یہاں یہ احتمال موجود ہے کہ علوق بائع کی ملک میں نہ ہوا ہو پس اس کی طرف سے حجت نہیں پائی گئی۔ لہٰذا مشتری کی تصدیق ضروری ہے۔ اور جب اس نے تصدیق کردی تو نسب ثابت ہوجائے گا اور بیع باطل ہوجائے گی اور بچہ آزاد ہوگا اور اس کی ماں بائع کی ام ولد ہوجائیگی خلافاً **لزفر والشافعی علی مامر۔**

قوله ومن ادعی الخ ایک شخص کے یہاں اس کی باندی سے توامین یعنی دو بچے ایک ہی بطن سے پیدا ہوئے۔ اور اس نے ان میں سے ایک کے نسب کا دعوی کیا تو دونوں کا نسب ثابت ہوجائے گا۔ کیونکہ وہ دونوں بچے ایک ہی نطفہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ پس جب ایک نسب ثابت ہوا تو دوسرے کا نسب ثابت ہونا ضروری ہے۔

قوله فان باع الخ ایک شخص کی باندی سے دو بچے توام اسی کے پاس پیدا ہوئے اور اس نے ان میں سے ایک کو فروخت کردیا اور خریدنے والے نے اس کو آزاد کردیا اس کے بعد شخص مذکور (بائع) نے اس بچہ کے نسب کا دعوی کیا جس کی بیع نہیں ہوئی اور وہ اسی کے پاس موجود ہے تو اس سے دونوں کا نسب ثابت ہوجائیگا۔ اور مشتری کا خریدنا اور آزاد کرنا باطل ہوگا۔ ثبوت نسب کی وجہ تو وہی ہے جو اوپر

---

(۱) فی الدر المختار ان من اسماء المهر العقر وفی استیلاد الجوهرة العقر فی الحرائر مهر المثل وفی الاماء عشر قیمة الامة ان کانت بکراً ونصف عشر قیمتها ان کانت ثیباً والظاهر انه یشترط عدم نقصان العشر او نصفه عن عشرة دراهم فان نقص وجب تکمیله الی العشرة لان المهر لا ینقص عن عشرة سواء کان مهر المثل او مسمی وقال فی الفیض وقیل فی الجواری ینظر الی مثل تلک الجاریة بکم تتزوج فیعتبر بذلک وهو المختار۔ لانه ینال بذلک شرف الحریة حالاً وشرف الاسلام مآلاً اذ دلائل الوحدة ظاهرة ۱۲ هدایه۔

۔ لان الظاهر ان الولد منهما لقیام ایدیهما او لقیام الفراش بینهما ثم کل واحد منهما یرید ابطال حق صاحبه فلا یصدق علیه ۱۲

مذکور ہوئی۔ اور مشتری کے عتق وشرا کے بطلان کی وجہ یہ ہے کہ جب دونوں کا نسب ثابت ہو گیا تو جس طرح وہ بچہ حرالاصل ہے جس کی بیع نہیں ہوئی۔ اسی طرح دوسرا بچہ بھی حرالاصل ہوگا۔ کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ دو بچے ایک نطفے سے پیدا ہوں اور انمیں سے ایک آزاد ہو دوسرا غلام۔ اور جب وہ حرالاصل ہوا تو عتق باطل ہو جائے گا کیونکہ حریت اصلی حریت عتق سے فائق تر ہے۔

قولہ صبی الخ ایک شخص کے پاس ایک بچہ ہے اس نے کہا کہ یہ بچہ فلاں غائب (مثلاً زید) کا بیٹا ہے پھر کہنے لگا کہ یہ تو میرا بیٹا ہے تو امام صاحب کے نزدیک وہ بچہ اس کا لڑکا نہیں ہوسکتا اگرچہ مقرلہ (زید) اس کے فرزند کا انکار کردے صاحبین فرماتے ہیں کہ اگر مقرلہ نے اس کا انکار کر دیا تو وہ بچہ اس کا بیٹا ہو جائے گا کیونکہ جب مقرلہ کے انکار سے مقر کا اقرار باطل ہو گیا تو اقرار کان لم یکن ہو گیا لہٰذا دعوی صحیح ہے۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ نسب ان چیزوں میں ہے جو ثابت ہونے کے بعد منقوض نہیں ہوتیں۔ اور ایسی چیزوں کا اقرار رد کرنے سے رد نہیں ہوتا۔ تو مقرلہ کے حق میں اقرار علیٰ حالہ باقی رہا لہٰذا اسکا اپنے حق میں دعوی کرنا باطل ہوگا۔

قولہ ولدت مشتراۃ الخ زید نے ایک باندی خریدی اس سے اس کے ایک بچہ ہوا اور زید نے اس کے نسب کا دعوی کیا پھر وہ باندی کسی دوسرے کی نکل آئی تو باپ (یعنی زید) بچہ کی قیمت کا تاوان دے گا اور قیمت میں خصومت کے دن کا اعتبار ہوگا اور بچہ آزاد ہوگا کیونکہ ولد المغرور ہے جو باجماع صحابہ اپنی قیمت سے آزاد ہوتا ہے مغرور اس شخص کو کہتے ہیں جو ملک یمین یا ملک نکاح کے اعتماد پر کسی عورت سے صحبت کرے اور اس سے بچہ ہو جائے پھر وہ عورت کسی اور کی نکل آئے۔

قولہ فان مات الخ صورت مذکورہ میں اگر قبل از خصومت بچہ کا انتقال ہو جائے تو اس کے باپ پر کوئی تاوان نہ ہوگا بلکہ وہ صرف باندی مستحق کے حوالے کرے گا اس واسطے کہ اگر اس بچہ کا کچھ ترکہ ہو تو اس کا وارث اس کا باپ ہوگا کیونکہ باپ کے حق میں وہ بچہ حرالاصل ہے۔

قولہ وان قتل الخ اور اگر اس بچہ کو کسی نے قتل کر دیا اور باپ نے اس کی قیمت کے بقدر اس کا خون بہا لے لیا تو جیسے اس کی زندگی میں باپ نے تاوان دیا تھا ایسے ہی اب بھی اس کا باپ مستحق کو بچہ کی قیمت کا تاوان دے گا اور وہ بچہ کی قیمت اور اس کی ماں یعنی باندی کا ثمن اپنے بائع سے وصول کرلے گا کیونکہ بچہ اس باندی کا جز ہے اور باندی مبیع ہے۔ اور بائع مبیع کی سلامتی کا ضامن ہوتا ہے۔ تو عدم سلامتی مبیع کی صورت میں مشتری بائع سے وصول کرنے کا حق دار ہوگا۔ لیکن باندی کا جو عقر (یعنی مہر مثل) مستحق کو دینا پڑا وہ نہیں لے سکتا۔ کیونکہ وہ منافع بضع حاصل کرنے کا بدل ہے۔ وعند الائمۃ الثلاثۃ یر جع بالعقر ایضاً۔

کتاب الاقرار

هُوَ اِخْبَارٌ عَنْ ثُبُوْتِ حَقِّ الْغَيْرِ عَلٰى نَفْسِهٖ اِذَا اَقَرَّ حُرٌّ مُكَلَّفٌ بِحَقٍّ صَحَّ وَلَوْ مَجْهُوْلاً كَشَيْءٍ وَحَقٍّ

وہ خبر دینا ہے غیر کے حق کے ثابت ہونے کی اپنے اوپر، جب اقرار کرے آزاد مکلّف کسی حق کا تو یہ صحیح ہے گو مجہول ہو جیسے شئی اور حق

وَيُجْبَرُ عَلٰى بَيَانِهٖ وَيُبَيِّنُ مَالَهٗ قِيْمَةٌ وَالْقَوْلُ لِلْمُقِرِّ مَعَ يَمِيْنِهٖ اِنْ اِدَّعَى الْمُقَرُّلَهٗ اَكْثَرَ مِنْهُ وَفِي مَالٍ لَمْ يُصَدَّقْ

اور مجبور کیا جائیگا بیان پر اور بیان کرے ایسے چیز جس کی کچھ قیمت ہو اور قول مقر کا ہوگا قسم کیساتھ اگر دعوی کرے مقرلہ زائد کا اور مال کے اقرار میں

فِي اَقَلَّ مِنْ دِرْهَمٍ وَمَالٌ عَظِيْمٌ نِصَابٌ وَاَمْوَالٌ عِظَامٌ ثَلٰثَةُ نُصُبٍ وَدَرَاهِمُ كَثِيْرَةٌ عَشَرَةٌ

تصدیق نہ ہوگی ایک درہم سے کم میں اور مال عظیم نصاب ہے اور اموال عظام کے اقرار میں تین نصاب لازم ہوں گے اور دراہم کثیرہ میں دس

وَدَرَاهِمُ ثَلٰثَةٌ كَذَا دِرْهَمًا دِرْهَمٌ كَذَا كَذَا اَحَدَ عَشَرَ كَذَا وَكَذَا اَحَدٌ وَّعِشْرُوْنَ.

اور دراہم میں تین، کذا درہما ایک درہم کا اقرار ہے اور کذا کذا گیارہ کا اور کذا وکذا اکیس کا۔

تشریح الفقہ: قولہ کتاب الخ کتاب الدعویٰ کے بعد کتاب الاقرار لا رہا ہے۔ وجہ مناسبت ہے کہ مدعی علیہ مدعی کے دعویٰ کا یا منکر ہوتا ہے۔ یا مقر اور اقرار حق قریب تر ہے۔ کیونکہ مدعی کا اپنے مدعی میں اور مقر کا اپنے اقرار میں صادق ہونا ہی غالب ہے۔ اس واسطے کہ عقلمند آدمی اپنی ذات پر جھوٹا اقرار نہیں کرتا جس کی وجہ سے اس کا یا اس کے مال کا ضرر ہو تو فی نفسہ جہت صدق راجح ہوئی اور اقرار حق قریب تر بحال مسلم اس لئے دعوی کے بعد اقرار کے احکام بیان کر رہا ہے۔

فائدہ: اقرار کا حجت ہونا کتاب اللہ وسنت رسول ﷺ اور اجماع امت سب سے ثابت ہے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ولیملل الذی علیہ الحق "چاہیئے کہ بتاتا رہے (اقرار کرے) وہ شخص جس پر حق (فرض) ہے۔ اگر اقرار حجت نہ ہوتا تو اس حکم کے کوئی معنی ہی نہ تھے" نیز احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت ماعزؓ پر ان کے اقرار زنا کی وجہ سے رجم کا حکم فرمایا۔ امت محمدیہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ اقرار مقر سے حدود وقصاص ثابت ہو جاتے ہیں تو مال بطریق اولیٰ ثابت ہوگا۔

قولہ ھو اخبار الخ اقرار لغۃً بمعنی اثبات ہے یقال قر الشئی اذا ثبت۔ اصطلاح شرع میں اقرار غیر شخص کے اس حق کے خبر دینے کو کہتے ہیں جو مقر پر لازم وثابت ہو۔ تعریف میں لفظ علیٰ سے (جو مفید ضرر ہے) معلوم ہوا کہ اگر اخبار حق اپنی ذات کے نفع کے لئے ہو تو وہ اقرار نہ ہوگا بلکہ دعوی کہلائے گا۔ اور نفسہ کی قید سے معلوم ہوا کہ اگر اخبار حق غیر کسی دوسرے شخص پر ہو تو وہ بھی اقرار نہ ہوگا بلکہ اس کو شہادت کہیں گے۔ جو اقرار کرے اس کو مقر اور جس کا حق اپنے اوپر ثابت کرے اسکو مقرلہ اور جس چیز کا اقرار کرے اس کو مقربہ کہتے ہیں۔

تنبیہ: اقرار نہ من کل الوجوہ اخبار ہے اور نہ من کل الوجوہ انشا بلکہ من وجہ اخبار ہے اور من وجہ انشا یعنی اقرار کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ غیر کے حق لازم کو ظاہر کرے نہ یہ کہ بالفعل اس کو ایجاد کرے جیسا کہ انشا عقود میں ہوتا ہے تو اگر کوئی شخص طلاق یا عتاق کا زبردستی اقرار کرے تو

ع ...... لان مادون من الکسور لا یطلق علیہ اسم المال عادۃ وھو المعتبر خلافا للائمۃ الثلاثۃ

۲ لان اقل الجمع ثلاثۃ فیعتبر ادنی الجمع اجماعا ۱۲

۳ لانہ اقل الجمع نصاب متیقنا بہ والزائد مشکوک فیہ ۱۲

۴ لان ھذہ المواضع محل للتعیین للدین ۱۲ مجمع۔

۱۱ اذا قال ذلک موصولا لانہ بیان باعتبار العرف مثلا خلافا للائمۃ الثلاثۃ ۱۲

اقرار صحیح نہیں کیونکہ دلیل کذب یعنی اکراہ موجود ہے اور اقرار اخبار ہے جس میں صدق وکذب کا احتمال ہے تو لفظ سے اس کے مدلول لفظی وضعی کا تخلف جائز ہے۔ اور اگر اقرار من کل الوجوہ انشا ہوتا تو تخلف صحیح نہ ہوتا کیونکہ انشا میں مدلول لفظی وضعی کا تخلف ممتنع ہے۔ نیز اگر مقرلہ مقر کا اقرار رد کرنے کے بعد قبول کرے تو صحیح نہیں اگر اقرار من کل الوجوہ اخبار ہوتا تو قبول کرنا صحیح ہوتا۔ درمختار وغیرہ اس میں پر اور بہت سے مسائل متفرع ہیں من شاء فلیر اجع الیہ۔

قولہ اذا اقر الخ جب کوئی آزاد عاقل بالغ شخص بیداری میں بخوشی یا عبد ماذون یا صبی ماذون یا کوئی نادان کسی حق کا اقرار کرے تو اس کا اقرار صحیح ہے اگرچہ حق مجہول کا اقرار کرے کیونکہ اقرار کیلئے مقربہ کا مجہول ہونا مضر نہیں۔ لیکن اس صورت میں اس حق کو ایسی چیز کے ساتھ بیان کرنا ضروری ہوگا جو قیمتی ہو گو کمتر ہو اگر وہ ایسی چیز بیان کرے جس کی کوئی قیمت نہیں ہوتی جیسے گیہوں کا ایک دانہ تو صحیح نہ ہوگا کیونکہ یہ تو اقرار سے رجوع کرنا ہے محیط میں ہے اگر مقر یہ کہے کہ میں نے حق سے حق اسلام کا ارادہ کیا ہے تو اس کی تصدیق نہ ہوگی۔

قولہ ومال عظیم الخ اگر مقر نے اقرار کیا کہ مجھ پر فلاں کا مال عظیم ہے تو نصاب زکوۃ یعنی دوسو درہم سے کم میں اس کی تصدیق نہ ہوگی۔ کیونکہ اس نے مال کو صفت عظیم کیساتھ مقید کیا ہے تو اس وصف کو لغو نہیں کیا جاسکتا۔ پھر شریعت میں نصاب زکوۃ مال عظیم ہے کہ شرع نے صاحب نصاب کو غنی قرار دیا ہے اور عرف میں بھی اس کو غنی سمجھتے ہیں لہٰذا اسی کا اعتبار ہوگا۔ یہی صحیح ہے (**کذا فی الاختیار**) امام صاحب سے ایک روایت ہے کہ نصاب سرقہ یعنی دس درہم سے کم میں تصدیق نہ ہوگی کیونکہ یہ بھی مال عظیم ہے۔ کہ اس کی وجہ سے محترم عضو (ہاتھ) کاٹا جاتا ہے۔

قولہ و دراھم کثیرۃ الخ اگر مقر نے یہ کہا کہ مجھ پر فلاں کے دراہم کثیرۃ (یا دنانیر کثیرہ یا ثیاب کثیرہ) ہیں تو امام صاحب کے نزدیک دس درہم (یا دس دینا یا دس کپڑے) لازم ہوں گے۔ صاحبین کے نزدیک نصاب زکوۃ سے کم میں تصدیق نہ ہوگی کیونکہ شریعت کی نظر میں مکثر (مالدار) صاحب نصاب ہی ہے۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ دس کا عدد جمع کثرت کے مصداق کا ادنیٰ مرتبہ ہے اور جمع قلت کا منتہی ہے۔ تو لفظ کے اعتبار سے یہی اکثر ٹھہرا **فانہ یقال عشرۃ دراھم ثم یقال احد عشر درھماً۔**

قولہ کذا درھماً الخ اگر مقر نے یہ کہا کہ **علی کذا درھماً** تو بقول معتمد ایک درہم لازم ہوگا۔ کیونکہ لفظ درہم عدد مبہم کی تفسیر ہے (لیکن اگر درہم کو لفظ کذا کے بعد مکسور ذکر کیا تو سو درہم لازم ہوں گے) اور اگر یہ کہا **کذا کذا درھماً** تو گیارہ درہم لازم ہونگے اور اگر حرف عطف کے ساتھ کذا کذا کہا تو اکیس درہم لازم ہوں گے۔ کیونکہ پہلی صورت میں اس نے دو عدد مبہم بلا حرف عطف ذکر کئے ہیں اور اس طرح کا اقل عدد مفسر احد عشر ہے۔ اور دوسری صورت میں حرف عطف کیساتھ ذکر کئے ہیں۔ جس کی ادنی نظیر احد وعشرون ہے **وعندالشافعی یلزمہ درھمان** (اور اگر لفظ کذا تین بار بلا حرف ذکر کیا تو وہی گیارہ درہم لازم ہوں گے۔ کیونکہ اس عدد مبہم کے مانند کوئی مفسر نہیں تو تیسرا لفظ کذا تکرار پر محمول ہوگا۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

وَلَوْ ثَلَّثَ بِالْوَاوِ يُزَادُ مِائَةٌ وَلَوْ رَبَّعَ زِيْدَ اَلْفٌ وَعَلَيَّ وَقِبَلِي اِقْرَارٌ بِدَيْنٍ وَعِنْدِي مَعِيَ فِي بَيْتِيْ فِي صُنْدُوْقِي

اگر تین بار کہا واؤ عطف کیساتھ تو زائد کئے جائیں گے سو اور چار بار میں ہزار، لفظ علی اور قبل استعمال کرنا اقرار ہے دین کا اور لفظ عندی معی فی بیتی

فِي كِيْسِي اَمَانَةٌ قَالَ لِي عَلَيْكَ اَلْفٌ فَقَالَ اِتَّزِنْهُ اَوْ اِنْتَقِدْهُ اَوْ اَجِّلْنِي بِهٖ

فی صندوقی فی کیسی اقرار ہے امانت کا، مدعی نے کہا میرے تجھ پر ہزار ہیں دوسرے نے کہا کہ ان کو تول لے یا پرکھ لے یا مجھے مہلت دے

اَوْ قَضَيْتُكَهٗ اَوْ اَحَلْتُكَ بِهٖ فَهُوَ اِقْرَارٌ وَبِلَا كِنَايَةٍ لَا وَاِنْ اَقَرَّ بِدَيْنٍ مُؤَجَّلٍ وَادَّعَى الْمُقَرُّلَهٗ اَنَّهٗ حَالٌّ

یا میں نے تجھ کو وہ ادا کر دیئے یا ان کا حوالہ کر دیا تو یہ اقرار ہے اور بلا کنایہ ہو تو نہیں اگر اقرار کیا دین مؤجل کا اور دعوی کیا مقرلہ نے کہ وہ فوری ہیں

لَزِمَهٗ حَالًا وَحُلِّفَ الْمُقَرُّ لَهٗ عَلَى الْاَجَلِ وَعَلَيَّ مِائَةٌ وَدِرْهَمٌ فَهِيَ دَرَاهِمُ وَمِائَةٌ وَثَوْبٌ يُفَسِّرُ الْمِائَةَ

تو فوری لازم ہوں گے اور قسم لیجائیگی مقرلہ سے مدت پر مقر نے کہا کہ مجھ پر سواور درہم ہے تو سب درہم ہی ہوں گے اور مائۃ وثوب میں پوچھا جائیگا

وَكَذَا مِائَةٌ وَثَوْبَانِ بِخِلَافِ مِائَةٍ وَثَلَاثَةِ اَثْوَابٍ اَقَرَّ بِتَمْرٍ فِي قَوْصَرَّةٍ لَزِمَاهُ

مائۃ کو اسی طرح مائۃ وثوبان ہے بخلاف اس کے کہ مجھ پر سو اور تین کپڑے ہیں اقرار کیا چھواروں کا ٹوکری میں تو دونوں لازم ہوں گے

وَبِدَابَّةٍ فِي اِصْطَبْلٍ لَزِمَتْهُ الدَّابَّةُ فَقَطْ وَبِخَاتَمٍ لَهُ الْحَلْقَةُ وَالْفَصُّ وَبِسَيْفٍ لَهُ النَّصْلُ وَالْجَفْنُ وَالْحَمَائِلُ

اقرار کیا گھوڑے کا طویلہ میں تو صرف گھوڑا ہی لازم ہوگا اور انگوٹھی کے اقرار میں چھلہ اور نگینہ اور تلوار کے اقرار میں پھل اور میان اور پرتلہ اور چھپرکھٹ

وَبِحَجَلَةٍ لَهُ الْعِيْدَانُ وَالْكِسْوَةُ وَبِثَوْبٍ فِي مِنْدِيْلٍ اَوْ فِي ثَوْبٍ لَزِمَاهُ

کے اقرار میں لکڑیاں اور پردے داخل ہیں، اقرار کیا کپڑے کا رومال میں یا کپڑے میں تو دونوں لازم ہوں گے، اگر اقرار کیا کپڑے کا دس میں

وَبِثَوْبٍ فِي عَشَرَةٍ لَهُ ثَوْبٌ وَبِخَمْسَةٍ فِي خَمْسَةٍ وَعَنَى بِهِ الضَّرْبَ خَمْسَةٌ وَعَشَرَةٌ اِنْ عَنَى مَعَ.

تو ایک کپڑا لازم ہوگا اقرار کیا پانچ کا پانچ میں اور نیت کی ضرب کی تو پانچ ہی لازم ہوں گے اور دس لازم ہونگے اگر نیت کی پانچ کیساتھ پانچ کی۔

توضیح اللغۃ: اتزن وزن کر لے' انتقد پرکھ لے' اجلنی مجھے مہلت دے' احلت میں نے حوالہ کر دیا' موجل' موخر' اجل مدت' اثواب جمع ثوب' قوصرۃ ٹوکری (جس میں کھجوریں رکھتے ہیں) اصطبل چوپاؤں کے رہنے کی جگہ طویلہ' خاتم انگوٹھی فص نگینہ، سیف تلوار' نصل لوہے والا حصہ' پھل' جفن میان' حمائل جمع حمالۃ پرتلہ' حجلۃ چھپرکھٹ' عیدان جمع عود لکڑی' کسوۃ پردے۔

تشریح الفقہ: قولہ ولو ثلث الخ اگر مقر نے لفظ کذ احرف عطف کیساتھ تین بار ذکر کر کے یوں کہا'' علی کذا و کذا و کذا درھما'' تو ایک سو ایکس درہم لازم ہوں گے۔ کیونکہ واؤ کے ساتھ تین عدد کی اقل تعبیر مائۃ واحد وعشرون ہے اور اگر چار بار کہا تو گیارہ سو ایکس لازم ہوں گے۔ اور پانچ بار میں گیارہ ہزار ایک سو ایکس۔ اور چھ بار میں ایک لاکھ گیارہ ہزار ایک سو ایکس اور سات بار میں گیارہ لاکھ گیارہ ہزار ایک سو ایکس لازم ہوں گے وھکذا یعتبر نظیرہ۔

قولہ قال لی علیک الخ ایک شخص نے زید سے کہا کہ میرے تجھ پر ایک ہزار ہیں۔ زید نے جواب میں کہا کہ ان کو وزن کر لے یا پرکھ لے یا مجھے انکی مہلت دے۔ یا میں تجھ کو وہ دے چکا ہوں یا میں ان کا فلاں پر حوالہ کر چکا ہوں تو ان سب صورتوں میں زید کی طرف سے اس شخص کے لئے ایک ہزار کا اقرار ہے۔ کیونکہ ان سب جملوں میں ہاء ضمیر انہیں ہزار کی طرف راجع ہے تو یہ اس کے کلام کا جواب یعنی اثبات ہوا نہ کہ انکار۔ یا کوئی جداگانہ کلام ہاں اگر زید نے بلاضمیر یوں کہا کہ اتزن' انتقد اھ تو کچھ لازم نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ جداگانہ کلام ہے نہ کہ اسکے کلام کا جواب اور قاعدہ کلیہ ہے کہ جو کلام جواب ہونے کی صلاحیت رکھتا ہو اور ابتداء کلام ہونے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو تو اس کو جواب ٹھہرایا جاتا ہے اور جو ابتداء کلام ہونے کی صلاحیت رکھتا ہو اور جواب ہونے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو یا دونوں صلاحیت نہ رکھتا ہو تو اس کو جداگانہ کلام ٹھہرایا جاتا ہے۔

(۱) قولہ وان اقر بدین الخ ایک شخص نے دین موجل کا اقرار کیا۔ اور مقرلہ نے دعوی کیا کہ دین موجل نہیں فوری ہے۔ تو مقر پر دین فوری لازم ہوگا اور مقرلہ سے اس بات پر قسم لی جائے گی کہ دین کی کوئی مدت نہیں تھی۔ کیونکہ مقر نے حق غیر کے اقرار کے ساتھ اپنے لئے حق تاجیل کا دعوی کیا ہے پس یہ ایسا ہو گیا جیسے کوئی دوسرے کے لئے غلام کا اقرار کرے اور ساتھ ساتھ یہ بھی دعوی کرے کہ میں نے

(۱) لان اسم الخاتم یشملہما وعلی ہذا القیاس السیف والحمائل ۱۲۔ (۲) لان المندیل ظرف وکذا الثوب لان الثوب یلف فی ثوب ۱۲۔

اس سے یہ غلام بطریق اجارہ لیا ہے کہ اس صورت میں مقر کی تصدیق نہیں ہوتی۔ تو یہاں بھی تصدیق نہ ہوگی۔ امام احمد کے نزدیک اور ایک قول کے لحاظ سے امام شافعی کے نزدیک دین مؤجل لازم ہوگا۔ اور مقر سے قسم لی جائے گی کہ دین مؤجل تھا۔

ولہ وعلی مائۃ ودرھم الخ مقر نے اقرار کیا کہ میرے ذمہ اس کے سو اور ایک درہم ہے۔ تو اس پر تمام درہم ہی لازم ہوں گے۔ یعنی ایک سو ایک۔ اور اگر اس نے یہ کہا کہ مجھ پر اس کا سو اور ایک کپڑا ہے تو اس سے سو کی تفسیر کرائی جائے گی کہ سو سے کیا مراد ہے؟ درہم مراد ہیں یا کپڑے۔ یہی حکم لہ علی مائۃ وثوبان کا ہے۔ مقتضاء قیاس تو علی مائۃ و درھم میں بھی یہی ہے۔ کہ مائۃ کی تفسیر کو مقر پر چھوڑا جائے' چنانچہ امام شافعی اسی کے قائل ہیں وجہ استحسان یہ ہے کہ عادۃً لفظ درہم مائۃ کا بیان ہوتا ہے۔ کیونکہ لوگ لفظ درہم کو دوبارہ بولنا ثقیل جانتے ہیں اور صرف ایک بار ذکر کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ اور یہ ان چیزوں میں ہوتا ہے جو کثیر الاستعمال ہوں اور کثرت استعمال کا تحقق اس وقت ہوتا ہے جب کثرت اسباب کی وجہ سے وجوب فی الذمہ بکثرت ہو جیسے دراہم ودنانیر' مکیل' موزون کو یہ سلم' قرض اور ثمن میں واجب فی الذمۃ ہوتے ہیں بخلاف ثیاب اور غیر مکیل وغیر موزون کے کہ ان کا وجوب اتنی کثرت سے نہیں ہوتا اس لئے ثیاب اور غیر مکیل وغیر موزون چیزوں میں مائۃ کی تفسیر مقر پر موقوف ہوگی۔ اور دراہم ودنانیر وغیرہ میں موقوف نہ ہوگی۔ اور اگر مقر نے کہا "**لہ علی مائۃ وثلثۃ اثواب**" تو سب کپڑے ہی لازم ہوں گے یعنی ایک سو تین کپڑے۔ امام شافعی کے یہاں تین کپڑے لازم ہونگے۔ اور مائۃ کی تفسیر کرائی جائے گی جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ یہاں مائۃ اور ثلاثہ دو عدد مبہم ہیں' دونوں کو تفسیر کی ضرورت ہے اور اس نے ثلاثہ کے بعد لفظ اثواب بلا حرف عطف ذکر کیا ہے تو یہ دونوں کی تفسیر ہوگئی **فکان کلھا ثیاباً**۔

قولہ اقر بتمر الخ ایک شخص نے اقرار کہ مجھ پر فلاں کے لئے کھجور ہے ٹوکری میں تو کھجور اور ٹوکری یعنی ظرف اور مظروف دونوں لازم ہوں گے۔ اور اگر یوں اقرار کیا کہ مجھ پر فلاں کا جانور ہے اصطبل میں تو صرف جانور لازم ہوگا۔ امام محمد کے نزدیک یہاں بھی دونوں لازم ہوں گے' اس سلسلہ میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جو چیز ظرف ہونے صلاحیت رکھتی ہو اور اس کو منتقل کرنا ممکن ہو تو ایسی چیز کے اقرار میں ظرف اور مظروف دونوں لازم ہوتے ہیں جیسے کھجور کا اقرار ٹوکری میں' غلہ کا اقرار گون میں' کپڑے کا اقرار رومال میں وغیرہ اور اگر منتقل کرنا ممکن نہ ہو جیسے اصطبل وغیرہ تو شیخین کے نزدیک صرف مظروف لازم ہوگا جیسے جانور وغیرہ۔ امام محمد کے نزدیک دونوں لازم ہوں گے۔ اور اگر وہ چیز ظرف ہونے کی صلاحیت نہ رکھتی ہو تو صرف پہلی چیز لازم ہوگی جیسے یوں کہے کہ مجھ پر ایک درہم ہے درہم میں تو صرف پہلا درہم لازم ہوگا۔

قولہ لہ ثوب الخ ایک شخص نے اقرار کیا کہ مجھ پر فلاں کا ایک کپڑا ہے دس کپڑوں میں تو امام ابو یوسف کے نزدیک صرف ایک کپڑا ہی لازم ہوگا۔ امام صاحب کا بھی یہی قول ہے۔ (کافی) امام محمد صاحب فرماتے ہیں کہ گیارہ کپڑے لازم ہوں گے۔ کیونکہ بعض عمدہ ترین اور بیش بہا کپڑے کئی کئی کپڑوں میں لپیٹے جاتے ہیں۔ تو لفظ فی کو ظرف پر محمول کرنا ممکن ہے' امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ لفظ فی وسط اور درمیان کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ **قال تعالٰی "فادخلی فی عبادی"** ای بین عبادی۔ پس ایک سے زائد میں شک پیدا ہو گیا لہٰذا ایک ہی لازم ہوگا۔

قولہ وبخمسۃ الخ ایک شخص نے اقرار کیا کہ مجھ پر فلاں کے پانچ ہیں پانچ میں تو صرف پانچ ہی لازم ہوں گے گو وہ ضرب وحساب کی نیت کرے۔ کیونکہ ہم کتاب الطلاق میں تفصیل کے ساتھ ذکر کر آئے ہیں کہ ضرب سے صرف اجزاء میں زیادتی ہوتی ہے۔ نہ کہ اصل مال میں' پس خمسۃ فی خمسۃ کا مطلب یہ ہوا کہ پانچوں میں سے ہر ایک کے پانچ پانچ جزء ہیں تو پانچ درہموں کے پچیس اجزاء ہوں گے۔ نہ یہ کہ پانچ درہموں کے پچیس درہم بن جائیں گے۔ حسن بن زیاد کے نزدیک پچیس لازم ہوں گے۔ (**کذافی الاصلاح**) اور امام زفر کے نزدیک دس لازم ہوں گے۔ ہمارے نزدیک بھی دس لازم ہوں گے۔ بشرطیکہ مقر نے لفظ فی مع کے معنی میں لیا ہو وھو ظاھر۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

لَهُ عَلَيَّ مِنْ دِرْهَمٍ اِلٰى عَشَرَةٍ اَوْمَا بَيْنَ دِرْهَمٍ اِلٰى عَشَرَةٍ لَهُ تِسْعَةٌ لَهُ مِنْ دَارِيْ بَيْنَ هٰذَا الْحَائِطِ

اس کے مجھ پر ایک درہم سے دس تک یا ایک درہم سے دس تک کے درمیان میں ہیں اس کے لئے نو ہوں گے اس کے لئے میرے گھر اس دیوار سے

اِلٰى هٰذَا الْحَائِطِ لَهُ مَا بَيْنَهُمَا فَقَطْ وَصَحَّ الْاِقْرَارُ بِالْحَمْلِ وَلِلْحَمْلِ اِنْ بَيَّنَ سَبَبًا صَالِحًا

اس دیوار تک ہے تو اس کے لئے دیواروں کے درمیان کا حصہ ہوگا صحیح ہے اقرار حمل کا اور حمل کے لئے اگر بیان کردے سبب صالح

وَاِلَّا لَا وَاِنْ اَقَرَّ بِشَرْطِ الْخِيَارِ لَزِمَهُ الْمَالُ وَبَطَلَ الشَّرْطُ.

ورنہ نہیں، اگر اقرار کرے شرط خیار کے ساتھ تو لازم ہوگا اس پر مال اور باطل ہوگی شرط۔

تشریح الفقہ: قولہ لہ علی الخ ایک شخص نے اقرار کیا کہ مجھ پر ایک سے دس تک یا مابین ایک کے دس تک ہے تو امام صاحب کے نزدیک تو لازم ہوں گے اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دس لازم ہوں گے۔ گویا ابتداً اور انتہاً دونوں حدیں محدود میں داخل ہوں گی۔ وہ یہ فرماتے ہیں کہ دونوں حدوں کا موجود ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ امر وجودی کیلئے معدوم شئی حد نہیں ہوسکتی۔ امام زفر کے نزدیک آٹھ لازم ہوں گے۔ تو ان کے یہاں دونوں حدیں محدود میں داخل نہ ہوں گے۔ وہ یہ فرماتے ہیں کہ بعض غایتیں مغیا میں داخل ہوتی ہیں اور بعض داخل نہیں ہوتیں۔ پس شک واقع ہوگیا لہٰذا شک کی وجہ سے حدیں محدود میں داخل نہ ہوں گے اور اگر مقر نے کہا کہ فلاں کے لئے میرے گھر میں سے اس دیوار سے اس دیوار تک ہے۔ تو بالاجماع مقر لہ کیلئے وہ حصہ ہوگا جو دونوں کے درمیان ہے کیونکہ اصل یہی ہے کہ حدود محدود میں داخل نہیں ہوتیں۔ اس لئے کہ حد اور محدود کے درمیان مغایرت ہوتی ہے لیکن پہلی صورت میں امام صاحب نے پہلی حد یعنی ابتداء کو اس لئے داخل مانا کہ مافوق الواحد یعنی دوسرے اور تیسرے کا وجود اول کے بغیر نہیں ہوسکتا۔

قولہ وصح الاقرار الخ اگر شخص کسی کے لئے حمل کا اقرار کرے تو اقرار بالاتفاق صحیح ہے (خواہ وہ باندی کا حمل ہو یا کسی جانور کا) اگر چہ مقر اس کا کوئی سبب بیان نہ کرے۔ کیونکہ اس اقرار کی وجہ صحیح ممکن ہے بایں طور کہ ہوسکتا ہے کہ کسی مرنے والے نے اس کی وصیت کی ہو اور اس کے ورثہ کو اقرار ہو کہ یہ حمل فلاں کیلئے ہے۔ لہٰذا اس کو جواز پر محمول کیا جائیگا۔ اور اگر کوئی شخص کسی حمل کے لئے اقرار کرے اور اس کا کوئی صحیح سبب (مثلاً ارث یا وصیت) بیان کردے تب تو اقرار صحیح ہوگا۔ اور اگر کوئی سبب بیان نہ کرے یا ایسا سبب بیان کرے جو غیر متصور ہو تو اقرار صحیح نہ ہوگا۔ یہ تفصیل امام ابو یوسف کے نزدیک ہے اور بقول بعض امام صاحب بھی اسی کے قائل ہیں اور امام شافعی کا بھی ایک قول یہی ہے۔ امام محمد کے نزدیک اقرار بہر صورت صحیح ہے انکے نزدیک مبہم ہونے کی صورت میں یا سبب غیر صالح بیان کرنے کی صورت میں کسی سبب صالح پر محمول کرلیا جائیگا۔ امام مالک اور احمد بھی یہی فرماتے ہیں اور امام شافعی کا اصح قول بھی یہی ہے۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

---

(۱) یتعلق بالاقرار للحمل لانه هو الذى يشرط فيه بيان السبب الصالح واما الاقرار بالحمل فجائز بالاجماع وان لم يبين السبب ۱۲ زيلعى. (۲) معناه انه اذا قال على لفلان الف درهم قرض او غصب او وديعة قائمة او مستهلكة على انه بالخيار ثلاثة ايام لزمه المال وبطل الشرط لان الاقرار حجة تلزمه على ما بينا من قبل وهو اخبار عن الكائن والا خبار لايقبل الخيار لان الخيار يتغير به صفة العقد و يتخير من له الخيار بين فسخه وامضائه والخبر لايتصور فيه ذلك ۱۲ زيلعى بتغير.

باب الا ستثناء و ما فی معناہ

باب استثناء وہم معنائے استثناء کے بیان میں

صَحَّ اِسْتِثْنَاءُ بَعْضِ مَا اَقَرَّ بِهٖ مُتَّصِلاً وَلَزِمَهُ الْبَاقِي لاَ اِسْتِثْنَاءُ الْكُلِّ وَصَحَّ اِسْتِثْنَاءُ الْكَيْلِيِّ وَالْوَزْنِيِّ

صحیح ہے استثناء بعض کا اس میں سے جس کا اقرار کیا ہے متصلا اور لازم ہوگا اس پر باقی نہ کہ کل کا استثناء اور صحیح ہے استثناء کیلی اور وزنی چیز کا

مِنَ الدَّرَاهِمِ لاَ غَيْرُهُمَا وَلَوْ وَصَلَ بِاِقْرَارِهٖ اِنْشَاءَ اللّٰهُ بَطَلَ اِقْرَارُهٗ.

دراہم سے نہ کہ اس کے علاوہ کا اگر ملادے اقرار کیساتھ انشاء اللہ تو باطل ہوجائیگا اس کا اقرار

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ بلامغیر موجب اقرار کے بیان سے فارغ ہوکر موجب اقرار مع مغیر کو شروع کر رہا ہے۔ چند چیزوں سے کچھ نکالنے کے بعد باقی ماندہ کے تکلم ہمارے یہاں استثناء کہتے ہیں۔ اس کی صحت کے لئے مستثنیٰ کا مستثنیٰ منہ کے بعد متصلاً مذکور ہونا شرط ہے۔ اگر کچھ وقفہ کے بعد ذکر کرے گا تو صحیح نہ ہوگا الا یہ کہ وقفہ کسی ضرورت کی وجہ سے ہو جیسے دم لینا' کھانسی کا آنا وغیرہ۔

قولہ صح الخ مقر نے جس کا اقرار کیا ہے اس میں سے بعض کا استثناء کرنا صحیح ہے بشرطیکہ متصلاً ہو خواہ استثناء کم کا ہو یا زائد کا ہو اب جو کچھ باقی رہے گا وہ مقر پر لازم ہوگا لیکن کل کا استثناء کرنا صحیح نہیں۔ فاسد ہے (جوہرہ) کیونکہ استثناء کے بعد کچھ نہ کچھ باقی رہنا ضروری ہے۔ فرا نحوی کے نزدیک اکثر کا استثناء صحیح نہیں۔ کیونکہ اہل عرب اس کا تکلم نہیں کرتے۔ امام زفر بھی اسی کے قائل ہیں لیکن اکثر علما کے نزدیک جائز ہے۔ اور دلیل جواز یہ آیت ہے۔ "قم اللیل الاقلیلاً نصفه او انقص منه قلیلاً اوزد علیه"۔

قولہ وصح الخ اگر کوئی شخص دراہم و دنانیر سے کیل یا وزنی یا غیر متفاوت عددی چیزوں کا استثناء کرے مثلاً یوں کہے "له علی مائة درهم الاقفیز بر او الادینارا اوالا مائة جوز تو شیخین کے نزدیک بطریق استحسان صحیح ہے۔ اور اگر ان چیزوں کے علاوہ کسی اور چیز کا استثناء کرے مثلاً یوں کہے له علی مائة درهم الاثوباً اوشاة او داراً' تو استثناء صحیح نہیں۔ امام زفر کے نزدیک دونوں صورتوں میں صحیح نہیں۔ مقتضائے قیاس بھی یہی ہے۔ امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک دونوں صورتوں میں صحیح ہے۔ امام محمد کی دلیل یہ ہے کہ استثناء اس کو کہتے ہیں کہ اگر وہ نہ ہو تو مستثنیٰ مستثنیٰ منہ میں داخل رہے اور یہ چیز خلاف جنس کی صورت میں ہو نہیں سکتی اس لئے دراہم و دنانیر سے ان کے غیر کا استثناء صحیح نہیں' امام شافعی فرماتے ہیں کہ ان سے کیلی چیز کا استثناء ہو یا غیر کیلی چیز کا بہر دو صورت مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ مالیت کے اعتبار سے متحد الجنس ہیں لہذا استثناء صحیح ہے۔ شیخین یہ فرماتے ہیں کہ کیلی' وزنی' معدود مذکور دراہم اور دنانیر گو صورۃً اجناس مختلفہ ہیں لیکن معنیً جنس واحد ہیں کیونکہ یہ سب ثمن ہو کر ثابت فی الذمہ ہوتے ہیں لہذا اس کا استثناء صحیح ہے بخلاف غیر کیلی یعنی ثوب' شاۃ' دار وغیرہ کے کہ ان کی مالیت معلوم نہیں کیونکہ یہ اشیاء فی نفسہ قیمت کے لحاظ سے متفاوت ہوتی ہیں تو ان کے استثناء سے مجہول کا استثناء معلوم سے لازم آئے گا اور یہ جائز نہیں۔

وَلَوْ اِسْتَثْنَى الْبِنَاءَ مِنَ الدَّارِ فَهُمَا لِلْمُقَرِّ لَهٗ وَاِنْ قَالَ بِنَاؤُهَا لِي وَالْعَرْصَةُ لَكَ فَكَمَا قَالَ

اگر استثناء کیا عمارت کا مکان سے تو دونوں مقرلہ کے ہوں گے اگر کہے اس کی عمارت میری ہے اور صحن تیرا تو یہ ایسا ہی ہے جیسا اس نے کہا

وَلَوْ قَالَ عَلَيَّ اَلْفٌ مِنْ ثَمَنِ عَبْدٍ لَمْ اَقْبِضْهُ فَاِنْ عَيَّنَ الْعَبْدَ وَسَلَّمَهٗ اِلَيْهِ لَزِمَهُ الْاَلْفُ

اگر کہا کہ مجھ پر ہزار ہیں غلام کے ثمن کے جو میں نے ابھی نہیں لیا پس اگر غلام معین کر دیا اور مقرلہ نے اس کے حوالہ کر دیا تو ہزار لازم ہونگے

عہ...... ہذا اذا کان الاستثناء بلفظ المستثنیٰ منہ بان یقول علی عشرة او یقول ہولاء احرار الا ہولاء واما اذا کان بخلاف لفظہ مثل ان یقول عبیدی احرار الا ہؤلاء او یقول نسائی طوالق "الا زینب وعمرة وفاطمة ولا نساء له غیر المستثنیٰ صح الاستثناء وان اتی علی الکل ۱۲

وَاِلَّا لاَ وَاِنْ لَمْ يُعَيِّنْ لَزِمَهُ الاَلْفُ كَقَوْلِهِ مِنْ ثَمَنِ خَمْرٍ اَوْ خِنْزِيْرٍ وَلَوْ قَالَ مِنْ ثَمَنِ مَتَاعٍ اَوْ اَقْرَضَنِي

ورنہ نہیں اور اگر معین نہ کیا تو ہزار لازم ہو گئے جیسے یوں کہے کہ شراب یا خنزیر کے ثمن کے ہیں اور اگر کہا کہ اسباب کے ثمن کے ہیں یا مجھے قرض دیئے تھے

وَهِيَ زُيُوْفٌ اَوْ بَنَهْرَجَةٌ لَزِمَهُ الْجِيَادُ بِخِلاَفِ الْغَصَبِ وَالْوَدِيْعَةِ وَلَوْ قَالَ اِلاَّ اَنَّهُ يَنْقُصُ كَذَا مُتَّصِلاً صُدِّقَ

مگر وہ کھوٹے یا غیر مروج تھے تو کھرے لازم ہوں گے بخلاف غصب اور ودیعت کے اگر کہا مگر اتنے کم ہیں متصلا تو تصدیق کی جائیگی ورنہ نہیں،

وَاِلَّا لاَ وَمَنْ اَقَرَّ بِغَصَبِ ثَوْبٍ وَجَاءَ بِمَعِيْبٍ صُدِّقَ وَاِنْ قَالَ اَخَذْتُ مِنْكَ اَلْفًا وَدِيْعَةً وَهَلَكَتْ

جس نے اقرار کیا کپڑا چھین لینے کا اور لایا عیب دار تو تصدیق کیجائیگی اگر کہے کہ میں نے تجھ سے ہزار امانۃ لئے تھے اور وہ ہلاک ہو گئے

وَقَالَ اَخَذْتَهَا غَصَبًا فَهُوَ ضَامِنٌ وَاِنْ قَالَ اَعْطَيْتَنِيْهَا وَدِيْعَةً وَقَالَ غَصَبْتَنِيْهَا

اور مقرلہ کہے کہ تو نے چھین لئے تھے تو وہ ضامن ہوگا اگر کہے کہ تو نے مجھے ہزار امانۃ دیئے تھے اور وہ کہے کہ تو نے غصب کئے تھے تو ضامن نہ ہوگا

وَاِنْ قَالَ هٰذَا كَانَ وَدِيْعَةً لِي عِنْدَكَ فَاَخَذْتُهُ فَقَالَ هُوَ لِي اَخَذَهُ

اگر کہے کہ یہ امانت تھی میری تیرے پاس سو میں نے لے لی اور وہ ہے کہ میری ہے تو لے سکتا ہے

وَاِنْ قَالَ اٰجَرْتُ بَعِيْرِيْ اَوْ ثَوْبِيْ هٰذَا فُلاَنًا فَرَكِبَهُ اَوْ لَبِسَهُ فَرَدَّهُ فَالْقَوْلُ لِلْمُقِرِّ

اگر کہا کہ کرایہ پر دیا تھا میں نے اپنا یہ اونٹ یا کپڑا فلاں کو پس وہ اس پر سوار ہوا یا اس نے پہنا اور مجھے لوٹا دیا تو قول مقر کا ہوگا

وَلَوْ قَالَ هٰذَا الاَلْفُ وَدِيْعَةٌ فُلاَنٍ لاَبَلْ وَدِيْعَةٌ لِفُلاَنٍ فَالاَلْفُ لِلاَوَّلِ وَعَلَى الْمُقِرِّ مِثْلُهُ لِلثَّانِي.

اگر کہے کہ یہ ہزار امانت ہے فلاں کی نہیں بلکہ امانت ہے فلاں کی تو ہزار اول کے لئے ہوں گے اور مقر پر اسی قدر ثانی کے لئے ہوں گے۔

تشریح الفقہ: قولہ ولو قال الخ زید نے اقرار کیا کہ مجھ پر فلاں کے ہزار درہم ہیں اس غلام کی قیمت کے جس پر میں نے ہنوز قبضہ نہیں کیا تو اس کی چند صورتیں ہیں (۱) مقر نے غلام کو معین کر دیا اور مقرلہ نے اس کی تصدیق کر کے غلام اس کے حوالہ کر دیا۔ یہ صورت کتاب میں مذکور ہے اس کا حکم یہ ہے کہ مقر پر ہزار درہم لازم ہوں گے۔ کیونکہ جو چیز مقر اور مقرلہ کے باہمی تصادق سے ثابت ہو وہ ایسی ہوتی ہے جیسے معاینۃً ثابت ہو (۲) مقرلہ نے مقر کے جواب میں کہا کہ غلام تو تیرا ہے میں نے یہ غلام تیرے ہاتھ نہیں بیچا بلکہ ایک اور غلام بیچا تھا جس کو میں تیرے حوالہ بھی کر چکا اس صورت میں بھی مقر پر مال لازم ہوگا کیونکہ وہ مال کا اقرار کر چکا اور غلام صحیح سالم موجود بھی ہے پس حصول مقصود یعنی سلامتی عبد کے بعد اختلاف سبب کا اعتبار نہ ہوگا۔ (۳) مقرلہ نے مقر سے کہا کہ یہ غلام تو میرا ہے میں نے تیرے ہاتھ فروخت ہی نہیں کیا۔ اس صورت میں مقر پر مال لازم نہ ہوگا کیونکہ اس نے جو مال کا اقرار کیا ہے وہ بعوض غلام کیا ہے تو غلام کے بغیر مال لازم نہ ہوگا۔ (۴) مقرلہ نے مقر سے کہا کہ یہ غلام میرا ہے میں نے اس کو تیرے ہاتھ فروخت نہیں کیا بلکہ ایک اور غلام فروخت کیا تھا۔ تو اس صورت میں دونوں قسم کھائیں گے۔ اور قسم کے بعد مال باطل ہو جائیگا۔ اور غلام جس کے قبضہ میں ہو اسی کا ہوگا۔ کیونکہ یہاں ان میں سے ہر ایک مدعی بھی ہے۔ اور منکر بھی ہے۔ مقر مقرلہ پر اس غلام کی تسلیم کا مدعی ہے۔ جس کو اس نے معین کیا ہے۔ اور مقرلہ اس کا منکر ہے۔ نیز مقرلہ مقر پر دوسرے غلام کی بیع کے عوض کا مدعی ہے۔ اور مقر اس کا منکر ہے لہٰذا دونوں قسم کھائیں گے۔ یہ چاروں صورتیں اس وقت ہیں جب مقر نے غلام کو معین کر دیا ہو۔ اور اگر معین نہ کیا ہو تو امام صاحب کے نزدیک مقر پر ہزار درہم لازم ہوں گے۔ اور اس کا یہ کہنا کہ میں نے ابھی اس پر قبضہ نہیں کیا مسموع نہ ہوگا۔ خواہ اس نے یہ متصلاً کہا ہو یا منفصلاً۔ کیونکہ اس کا یہ کہنا اقرار سے رجوع کرنا ہے۔ امام زفر اور حسن بن زیاد بھی اسی کے قائل ہیں۔

صاحبین اور ائمہ ثلاثہ یہ فرماتے ہیں کہ اگر اس نے متصلاً کہا تب تو اس کی تصدیق ہوگی اور مال لازم نہ ہوگا ورنہ تصدیق نہ ہوگی الا یہ

کہ مقرلہ سبب وجوب میں اس کی تصدیق کر دے کہ اس صورت میں بھی مقر کی تصدیق کیجائے گی۔ و وجهه انه بیان تغییر فیصح موصولاً لا مفصولاً۔

قوله کقوله الخ زید نے اقرار کیا کہ مجھ پر فلاں کے ایک ہزار درہم ہیں جو شراب یا خنزیر کی قیمت کے ہیں۔ تو امام صاحب کے نزدیک زید پر ہزار درہم لازم ہیں من ثمن خمر متصلاً کہے یا منفصلاً وجہ یہ ہے کہ من ثمن خمر کہنا اقرار سے رجوع کرنا ہے۔ کیونکہ خمر و خنزیر کا ثمن واجب نہیں۔ اور صدر کلام یعنی کلمہ علی وجوب پر دال ہے۔ تو یہ اقرار سے رجوع ہوا جو جائز نہیں۔ صاحبین اور ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ اگر اس نے یہ متصلاً کہا تو مال لازم نہ ہوگا۔ کیونکہ اس نے آخر کلام سے یہ بیان کر دیا کہ میرا مقصد ایجاب نہیں ہے اور یہ ایسا ہو گیا جیسے وہ له علی الف کے بعد انشاء اللہ کہہ دے۔ جواب یہ ہے کہ انشاء اللہ کہنا تعلیق ہے اور یہاں ابطال ہے۔

قوله ولو قال الخ ایک شخص نے اقرار کیا کہ مجھ پر فلاں کے ایک ہزار درہم سامان کی قیمت یا قرض کے ہیں مگر وہ کھوٹے یا غیر مروج تھے۔ تو امام صاحب کے نزدیک اس پر کھرے درہم لازم ہوں گے۔ اور اس کا یہ قول کہ کھوٹے یا غیر مروج تھے اصلاً مقبول نہ ہوگا منفصلاً کہے یا مفصلاً، صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اتصال کی صورت میں اس کی تصدیق ہوگی۔ کیونکہ لفظ دراہم میں کھرے اور کھوٹے سب کا احتمال ہے مگر بوقت اطلاق کھرے مراد ہوتے ہیں۔ اور جب اس نے وہی زیوف کہہ کر تصریح کر دی تو یہ بیان مغیر ہو گیا۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ یہ اقرار سے رجوع ہے۔ کیونکہ مطلق عقد صحیح سالم بدل چاہتا ہے۔ اور کھوٹا یا غیر مروج ہونا عیب ہے۔ اور عیب کا دعویٰ کرنا رجوع کرنا ہے۔

قوله بخلاف الغصب الخ ایک شخص نے اقرار کیا کہ میں نے فلاں کے ایک ہزار درہم غصب کئے ہیں یا اس نے مجھے بطور ودیعت دیے ہیں مگر وہ کھوٹے یا غیر مروج ہیں تو متصلاً کہے یا منفصلاً ہر طرح اس کی تصدیق ہوگی۔ اس واسطے کہ ودیعت اور غصب مقتضی سلامتی نہیں کیونکہ غاصب جو پاتا ہے چھین بھاگتا ہے اسی طرح مودع کو جو دیا جائے رکھ لیتا ہے۔

قوله وان قال الخ زید نے عمرو کے متعلق اقرار کیا کہ میں نے تجھ سے ایک ہزار درہم بطور ودیعت لئے سو وہ میرے پاس ہلاک ہو گئے۔ عمرو نے کہا نہیں بلکہ تو نے بطریق غصب لئے ہیں تو مقر ضامن ہوگا۔ یعنی زید کو ہزار درہم دینے پڑیں گے اور اگر زید نے عمرو سے یوں کہا کہ تو نے مجھے ایک ہزار درہم بطور ودیعت دیے تھے وہ میرے پاس ہلاک ہو گئے اور عمرو نے جواب میں کہا نہیں بلکہ تو نے مجھ سے غصب کئے ہیں تو اس صورت میں زید ضامن نہ ہوگا۔ وجہ فرق یہ ہے کہ پہلے مسئلے میں جب زید نے لینے کا اقرار کیا تو اس پر تاوان آیا اس کے بعد وہ موجب براءۃ (یعنی اذن بالاخذ) کا مدعی ہوا اور مقرلہ (عمرو) اس کا منکر ہے تو مقرلہ کا قول معتبر ہوگا۔ اور دوسرے مسئلے میں اس نے سبب ضمان یعنی اپنے لینے کا اقرار نہیں کیا بلکہ اس کے دینے کا اقرار کیا ہے اور دینا دوسرے کا فعل ہے جو موجب ضمان نہیں تو مقرلہ سبب ضمان کا مدعی ہوا اور مقر منکر تو مقر کا قول معتبر ہوگا اور وہ ضامن نہ ہوگا۔

قوله وان قال هذا الخ زید نے عمرو سے کہا کہ میری یہ چیز تیرے پاس ودیعت تھی سو میں نے تجھ سے لے لی۔ عمرو نے کہا کہ نہیں بلکہ وہ تو میری ہے تو مقرلہ (عمرو) وہ چیز مقر (زید) سے لے لے۔ کیونکہ زید نے اولاً عمرو کے قابض ہونے کا اقرار کیا ہے۔ اس کے بعد وہ اپنے استحقاق کا دعویٰ کر رہا ہے۔ اور مقرلہ اس کا منکر ہے تو مقرلہ (عمرو) کا قول معتبر ہوگا۔ اور اگر زید نے یوں کہا کہ میں نے اپنا یہ اونٹ یا کپڑا فلاں کو کرایہ پر دیا تھا اس نے کپڑا پہن کر یا اونٹ پر سوار ہو کر مجھے واپس کر دیا اور فلاں نے جواب میں کہا کہ یہ اونٹ یا کپڑا تو میرا ہے تو اس صورت میں امام صاحب کے نزدیک مقر کا قول معتبر ہوگا استحساناً۔ صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس کا قول معتبر ہوگا جس سے وہ اونٹ یا کپڑا لیا گیا ہے۔ اور قیاس بھی یہی چاہتا ہے۔ وجہ وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ اجارہ میں قبضہ استیفاء معقود علیہ یعنی حصول منافع کی ضرورت کے واسطے ہوتا ہے۔ تو قبضہ اسی ضرورت کی حد تک محدود رہے گا۔ اور اس کے ماوراء میں معدوم سمجھا جائے گا۔ پس اجارہ کا اقرار اس کی ملک کی دلیل نہیں ہو سکتی بخلاف ودیعت کے کہ اس میں قبضہ مقصود ہوتا ہے۔ فافترقا۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

باب اقراز المريض

باب بیمار کے اقرار کے بیان میں

دَيْنُ الصِّحَّةِ وَمَا لَزِمَهُ فِي مَرَضِهِ بِسَبَبٍ مَعْرُوْفٍ قُدِّمَ عَلٰى مَا اَقَرَّ بِهٖ فِي مَرَضِهٖ وَاُخِّرَ الْاِرْثُ عَنْهُ

دین صحت اور وہ جو لازم ہوا اس کو اس کے مرض میں سبب معروف سے مقدم ہوگا اس پر جس کا اقرار کیا ہو بیماری میں اور مؤخر ہوگی میراث اس سے

وَاِنْ اَقَرَّ الْمَرِيْضُ لِوَارِثِهٖ بَطَلَ اِلَّا اَنْ يُصَدِّقَهُ الْبَقِيَّةُ وَاِنْ اَقَرَّ لِاَجْنَبِيٍّ صَحَّ وَاِنْ اَحَاطَ بِمَالِهٖ

اگر اقرار کیا مریض نے اپنے وارث کے لئے تو باطل ہے مگر یہ کہ تصدیق کردیں اس کی باقی ورثاء اور اگر اجنبی کے لئے یہ تو صحیح ہے گو وہ گھیرے اس

وَاِنْ اَقَرَّ لِاَجْنَبِيٍّ ثُمَّ اَقَرَّ بِبُنُوَّتِهٖ ثَبَتَ نَسَبُهٗ وَبَطَلَ اِقْرَارُهٗ وَاِنْ اَقَرَّ لِاَجْنَبِيَّةٍ ثُمَّ نَكَحَهَا

کے مال کو اگر اقرار کیا اجنبی کے لئے پھر اقرار کیا اس کے بیٹے ہونے کا تو نسب ثابت ہوگا اور اقرار باطل اگر اقرار کیا اجنبیہ کے لئے پھر اس سے

صَحَّ بِخِلَافِ الْهِبَةِ وَالْوَصِيَّةِ وَاِنْ اَقَرَّ لِمَنْ طَلَّقَهَا ثَلَاثًا فِيْهِ فَلَهَا الْاَقَلُّ مِنَ الْاِرْثِ

نکاح کرلیا تو صحیح ہے بخلاف ہبہ اور وصیت کے اگر اقرار کیا اس کے لئے جس کو تین طلاقیں دے چکا بیماری میں تو اس کے لئے کمتر ہے میراث

وَ الدَّيْنِ وَاِنْ اَقَرَّ بِغُلَامٍ مَجْهُوْلٍ يُوْلَدُ مِثْلُهٗ لِمِثْلِهٖ اَنَّهٗ اِبْنُهٗ وَصَدَّقَهُ الْغُلَامُ ثَبَتَ نَسَبُهٗ

اور قرض سے اگر اقرار کیا ایسے مجہول النسب بچہ کا کہ اس جیسا اس کے پیدا ہوسکتا ہے کہ یہ میرا بیٹا ہے اور بچہ نے تصدیق کردی تو نسب ثابت ہوجائیگا

وَلَوْ مَرِيْضًا وَيُشَارِكُ الْوَرَثَةَ وَصَحَّ اِقْرَارُهٗ بِالْوَلَدِ وَالْوَالِدَيْنِ وَالزَّوْجَةِ وَالْمَوْلٰى.

گو مقر بیمار ہو اور شریک ہوگا وہ وارثوں کا صحیح ہے آدمی کا اقرار بچہ کا ماں باپ کا بیوی کا اور آقا کا۔

تشریح الفقہ: **قولہ باب الخ** تندرست لوگوں کے اقرار سے فراغت کے بعد اقرار مریض کے احکام بیان کررہا ہے۔ کیونکہ اول اصل ہے اور ثانی عارض وفرع اور فرع کا ذکر اصل کے بعد ہی مناسب ہے۔ پھر اقرار مریض کے بیشتر احکام ایسے ہیں جو مریض ہی کے ساتھ خاص ہیں اس لئے مصنف نے اس کے لئے مستقل باب قائم کیا ہے۔

قولہ دین الصحۃ الخ مریض پر جو دین اس کی تندرستی کے زمانہ کا ہو خواہ گواہوں کے ذریعہ سے معلوم ہو یا اقرار سے' وارث کا دین ہو یا کسی اجنبی کا' عین کا اقرار ہو یا دین کا بہر کیف حالت صحت کا دین مطلقاً اور جو دین اس پر مرض الموت میں اسباب معروفہ کیساتھ لازم ہوا ہو وہ دونوں ہمارے نزدیک اس دین پر مقدم ہونگے جس کا مریض نے اپنے مرض الموت میں اقرار کیا ہے پس اگر اس کا انتقال ہوگیا تو پہلے اس کے ترکہ سے دین صحت اور وہ دین ادا کریں گے جو مرض الموت میں اسباب معروفہ کیساتھ لازم ہوا ہے اس کی بعد جو کچھ مال بچے گا اس سے وہ دین ادا ہوگا جس کا اس نے مرض الموت میں اقرار کیا ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دین صحت اور دین مرض دونوں برابر ہیں۔ کیونکہ ان دونوں کا سبب (اقرار) برابر ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ بیشک اقرار دلیل ہے لیکن اس کا دلیل ہونا اس وقت معتبر ہوتا ہے جب دوسرے کا حق باطل نہ ہوتا ہو اور مریض کے اقرار میں دوسرے کا حق باطل ہوتا ہے۔ کیونکہ غرماء صحت کا حق اس کے مال کیساتھ وابستہ ہوچکا ہے۔ لہٰذا انکا حق مقدم ہے۔

ع......لان النسب مما یلزمہ خاصۃ فیصح اقرارہ بہ بشرط ان یولد مثلہ لمثلہ کیلا یکون کذبا فی الظاہر ۱۲

ع......ای صحت ہذہ الاقاریر کلہا لانہ اقر بما یلزمہ ولیس فیہ تحمیل النسب علی الغیر ۱۲ یعنی اگر کوئی شخص کسی کو اپنا بیٹا یا باپ یا ماں یا بی بی یا آزاد کردہ غلام بتائے تو صحیح ہے ۱۲

قولہ و اخر الخ اور دیون سہ گانہ میراث پر مقدم ہونے یعنی ورثہ میں میت کا ترکہ اس وقت تقسیم ہوگا جب ہر قسم کا دین ادا ہو چکے تاکہ میت پر آخرت کا مواخذہ باقی نہ رہے۔**وفیہ اثر ابن عمر قال اذا اقر الرجل فی مرضہ بدین لرجل غیر وارث فانہ جائز وان احاط ذلک بمالہ۔**

قولہ وان اقر المریض الخ اگر مریض اپنے وارث کیلئے کسی عین یا دین کا اقرار کرے تو اقرار صحیح نہیں۔امام شافعی کا اصح قول یہ ہے کہ اقرار صحیح ہے کیونکہ یہ ایک حق ثابت کا اظہار ہے۔تو جیسے اجنبی کیلئے اقرار صحیح ہے ایسے ہی وارث کیلئے بھی۔ ہماری دلیل حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ نہ وارث کیلئے وصیت ہے نہ دین کا اقرار نیز اس کے مال سے جمیع ورثہ کا حق وابستہ ہے۔اور کسی ایک کیلئے اقرار کرنے میں باقی ورثہ کا حق باطل ہوتا ہے۔لہٰذا جائز نہ ہوگا۔الا یہ کہ ورثہ اس کی تصدیق کر دیں۔کیونکہ اقرار کا معتبر نہ ہونا تو انہیں کے حق کیوجہ سے ہے اور جب انہوں نے اس کی تصدیق کر دی تو اقرار معتبر ہو گیا۔لہٰذا اقرار صحیح ہوگا۔رہا اجنبی کیلئے اقرار سو وہ اس لئے صحیح ہے کہ اس کو معاملات کی احتیاج ہے اور ورثہ کیساتھ معاملات کا وقوع بہتر کم ہوتا ہے۔زیادہ تر اجانب ہی کیساتھ ہوتا ہے۔اور اگر اجنبی کیلئے اس کا اقرار صحیح نہ مانا جائے تو لوگ اس سے معاملات نہ کریں گے اور اس کی ضروریات کا دروازہ بند ہو کر رہ جائے گا۔

قولہ وان اقر لاجنبی الخ مریض نے کسی اجنبی کیلئے اقرار کیا اور پھر اس کی فرزندی کا مدعی ہو گیا تو اس کا نسب ثابت ہو جائے گا اور اقرار باطل ہو جائے گا بشرط یہ کہ وہ اجنبی مجہول النسب ہو اور مقر کی تصدیق کرے۔اور تصدیق کرنے کی لیاقت رکھتا ہو۔ **خلافاً للشافعی فی الاصح ومالک اذا لم یتھم الخ** اور اگر مریض کسی اجنبیہ یہ عورت کیلئے اقرار کرنے کے بعد اس سے نکاح کر لے تو اقرار صحیح رہے گا۔امام زفر کے نزدیک صحیح نہ ہوگا۔ہمارے یہاں وجہ فرق یہ ہے کہ دعوی نسب وقت علوق (ابتداء پیدائش) کی طرف مسند ہوتا ہے۔تو اپنے بیٹے کیلئے اقرار ہوا اور یہ جائز نہیں۔بخلاف زوجیت کے کہ وہ وقت تزوج کی طرف مسند ہوتی ہے تو اقرار اجنبیہ کیلئے ہوا۔اور یہ صحیح ہے لیکن اگر اجنبیہ کیلئے وصیت کی یا کوئی چیز ہبہ کی پھر اس سے نکاح کر لیا تو وصیت اور ہبہ صحیح نہ ہوگا۔اور کیونکہ وصیت بعد الموت تملیک ہوتی ہے اور بعد الموت عورت اس کی وارث ہے لہٰذا وصیت جائز نہ ہوگی۔

قولہ وان اقر لمن طلقھا الخ اگر مرض الموت میں اپنی بیوی کو تین بار طلاق بائن دیدی پھر اس کے لئے اقرار کیا تو میراث اور اقرار میں سے جو کمتر ہو وہ عورت کو ملے گا۔کیونکہ یہاں زوجین اقرار میں متہم ہو سکتے ہیں بایں معنی کہ زمانہ عدت موجود ہے اور باب اقرار مسدود تو ممکن ہے اس نے میراث سے زیادہ دلانے کیلئے طلاق پر اقدام کیا ہو اور کمتر مقدار میں تہمت کا امکان نہیں لہٰذا کمتر مقدار ثابت ہوگی۔

فائدہ: طلاق بائن کی قید اس لئے لگائی کہ طلاق رجعی میں تو وہ اس کی زوجہ ہی رہتی ہے۔مگر حکم مذکور کیلئے یہ شرط ہے کہ مقر اثناء عدت میں مر گیا ہو اگر عدت کے بعد مرا تو اقرار صحیح ہوگا۔اور یہ بھی شرط ہے کہ شوہر نے عورت کی طلب پر طلاق دی ہو اگر طلاق بلا طلب ہو تو عورت کو میراث ملے گی اور اس کے لئے اقرار صحیح نہ ہوگا۔

وَاِقْرَارُهَا بِالْوَالِدَيْنِ وَالزَّوْجِ وَالْمَوْلٰى وَبِالْوَلَدِ اِنْ شَهِدَتْ قَابِلَةٌ اَوْ صَدَّقَهَا زَوْجُهَا وَلَا بُدَّ مِنْ تَصْدِيْقِ هٰؤُلَاءِ

اور صحیح ہے عورت کا اقرار کسی کے متعلق ماں یا باپ یا شوہر یا آقا یا بیٹا ہونے کا بشرطیکہ گواہی دے دائی یا تصدیق کرے اس کی اس کا شوہر اور ضروری ہے

وَصَحَّ التَّصْدِيْقُ بَعْدَ مَوْتِ الْمُقِرِّ اِلَّا تَصْدِيْقُ الزَّوْجِ بَعْدَ مَوْتِهَا وَاِنْ اَقَرَّ بِنَسَبِ نَحْوِ الْاَخِ وَالْعَمِّ

ان سب کی تصدیق اور صحیح ہے تصدیق کرنا مقر کی موت کے بعد مگر شوہر کی تصدیق زوجہ کی موت کے بعد اگر اقرار کیا بھائی یا چچا وغیرہ کے نسب کا

عہ......دارقطنی (مرسلا) ابو نعیم (فی تاریخہ) عن جابر (مسنداً) ۱۲ عہ...... واما الھبۃ فھی فی المرض وصیۃ ۱۲

لَمْ یَثْبُتْ وَاِنْ لَمْ یَکُنْ لَهٗ وَارِثٌ غَیْرُهٗ قَرِیْبٌ اَوْ بَعِیْدٌ وَرِثَهٗ وَاِنْ کَانَ لاَ وَمَنْ مَاتَ اَبُوْهُ فَاَقَرَّ بِاَخٍ

تو ثابت نہ ہوگا پس اگر نہ ہو اس کا کوئی اور وارث نہ قریبی نہ بعیدی تو وارث ہوگا اس کا اور اگر ہو تو نہیں جس کا مر گیا باپ اور وہ اقرار کرے بھائی کا

شَرِکَهٗ فِی الاِرْثِ وَلَمْ یَثْبُتْ نَسَبُهٗ وَاِنْ تَرَکَ اِبْنَیْنِ وَلَهٗ عَلٰی اٰخَرَ مِائَةٌ

تو شریک ہوگا اس کا وراثت میں اور نہ ثابت ہوگا اس کا نسب اگر چھوڑے دو بیٹے اور کسی پر اس کے سو ہیں

فَاَقَرَّ اَحَدُهُمَا بِقَبْضِ اَبِیْهِ خَمْسِیْنَ مِنْهَا فَلاَ شَیْئَ لِلْمُقِرِّ وَلِلْاٰخَرِ خَمْسُوْنَ

اور ان میں سے ایک اقرار کرے کہ باپ نے اس سے پچاس لے لئے تھے تو مقر کیلئے کچھ نہ ہوگا اور دوسرے کے لئے پچاس ہوں گے۔

تشریح الفقہ: قولہ ولا بد الخ صحت اقرار کیلئے اشخاص مذکورین کی تصدیق ضروری ہے۔ یعنی جب مرد نے اقرار کیا کہ یہ میرا بیٹا ہے یا یہ میرے والدین ہیں۔ یا یہ میری بیوی ہے تو ان لوگوں کی تصدیق ضروری ہے۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک اپنی ذات کے تصرف میں مستقل ہے۔ تو غیر کا اقرار ان کو لازم نہیں۔

قولہ وصح التصدیق الخ ایک شخص نے نسب کا یا نکاح کا اقرار کیا اور اس کا انتقال ہو گیا اس کے انتقال کے بعد مقر لہ نے اس کی تصدیق کی تو تصدیق صحیح ہوگی۔ کیونکہ نسب موت کے بعد تک باقی رہتا ہے۔ اسی طرح نکاح بھی عورت کے حق میں باقی رہتا ہے۔ کیونکہ اس پر عدت واجب ہوتی ہے جو نکاح کے آثار میں سے ہے یہی وجہ ہے کہ وہ عورت اپنے مردہ شوہر کو غسل دے سکتی ہے۔ لیکن اگر عورت نے زوجیت کا اقرار کیا اور اس کے مرنے کے بعد شوہر نے اس کی تصدیق کی تو امام صاحب کے نزدیک تصدیق صحیح نہ ہوگی، صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس صورت میں بھی تصدیق صحیح ہے اسواسطے کہ نسب کی طرح نکاح بھی موت سے باطل نہیں ہوتا باقی رہتا ہے۔ اسی لئے شوہر اسکا وارث ہوتا ہے۔ نیز اگر شوہر اسکے مرنے کے بعد نکاح پر بینہ قائم کرے تو بینہ مقبول ہوتا ہے اگر وراثت کے حق میں نکاح باقی نہ ہوتا تو بینہ مقبول نہ ہوتا۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ نکاح تو موت کیوجہ سے منقطع ہو چکا رہا حکم وراثت سو وہ تو موت کے بعد ثابت ہوتا ہے اور نکاح ان احکام کے حق میں منتہی ہو چکتا ہے جو قبل الموت ہوں۔

قولہ وان ترک الخ ایک شخص دو بیٹے چھوڑ کر مر گیا جسکے کسی دوسرے پر سو درہم تھے۔ اب بیٹوں میں سے ایک نے اقرار کیا کہ میرا باپ ان سو میں سے پچاس وصول کر چکا تھا تو یہ اقرار مقر فرزند کے حصہ کی طرف راجع ہوگا اور اسکو کچھ نہ ملے گا اور دوسرے فرزند کو پچاس درہم ملیں گے۔

(۱) ای وصح اقرار المرأۃ لھؤلاء باحد شرطین اشار الی الاول بقولہ ان شھدت والی الثانی بقولہ اوصدقھا ۱۲

(۲) لان فیہ حمل النسب علی الغیر فلا یجوز بدون البینۃ الا فی حق نفسہ ۱۲

(۳) لان النسب لم یثبت باقرارہ فلا یستحق المیراث مع الوارث ۱۲

(۴) لان اقرارہ تضمن شیأین حمل النسب علی الغیر ولا ولایۃ لہ علیہ فلا یثبت النسب والاشتراک فی المال ولہ فیہ والایۃ فیثبت ۱۲ ھدایہ

عہ.........بعد حلفہ انہ لا یعلم ان اباہ قبض شطر المأۃ ۱۲

کتاب الصلح

هُوَ عَقْدٌ يَرْفَعُ النِّزَاعَ وَهُوَ جَائِزٌ بِاِقْرَارٍ وَسُكُوْتٍ وَاِنْكَارٍ

وہ ایک عقد ہے جو دور کرے جھگڑا اور وہ جائز ہے اقرار اور سکوت اور انکار تینوں سے

تشریح الفقہ: قولہ کتاب الخ کتاب الاقرار کے بعد کتاب الصلح لا رہا ہے۔ وجہ مناسبت ظاہر ہے۔ کیونکہ مقر کا انکار باعث نزاع ہوتا ہے۔ اور نزاع مستدعی صلح، صلح لغۃً مصالحۃ مصدر کا اسم ہے جو صلاح ضد فساد سے مشتق ہے۔ شریعت میں صلح اس عقد کو کہتے ہیں جو رافع نزاع اور قاطع خصومت ہو یعنی جو عقد جھگڑے کو مٹا دے اس کو صلح کہتے ہیں۔ جس پر صلح واقع ہو اسکو مصالح عنہ کہتے ہیں۔ مثلاً زید نے خالد پر ایک مکان کا دعوی کیا خالد نے کہا کہ مجھ سے ایک سو درہم لے لے اور مکان کا دعوی چھوڑ دے تو سو درہم مصالح علیہ ہے اور مکان مصالح عنہ۔

قولہ و ہو جائز الخ صلح کی تین قسمیں ہیں صلح مع الاقرار، صلح مع الانکار، صلح مع السکوت۔ صلح کی تینوں قسمیں قرآن وحدیث کی روشنی میں جائز ہیں۔ امام مالک اور امام احمد بھی اسی کے قائل ہیں لیکن امام شافعی کے یہاں صرف پہلی قسم صحیح ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ مسلمانوں کے درمیان صلح جائز ہے مگر وہ صلح جو حرام کو حلال یا حلال کو حرام کرے،، وجہ استدلال یہ ہے کہ صلح مع الانکار اور صلح مع السکوت میں حرام کو حلال یا حرام کو حلال کرنا جس کی اس حدیث میں نفی کی گئی ہے موجود ہے۔ اسواسطے کہ اگر مدعی حق پر ہے تو اس کے لئے مدعا بہ کو قبل از صلح لینا حرام ہے۔ اور بعد از صلح حرام اور اگر وہ باطل پر ہے تو باطل دعوی کے ذریعہ قبل از صلح مال لینا حرام ہے اور بعد از صلح حلال۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ آیت "والصلح خیر،، اور آغاز حدیث مذکور "الصلح جائز بین المسلمین مطلق ہے جو صلح کی تینوں قسموں کو شامل ہے۔ رہا حدیث کا آخری ٹکڑا یعنی الا صلحا احل حراماً او حرم حلالاً" تو اسکا مطلب یہ ہے کہ جو صلح حرام لعینہ کی حلت کو مستلزم ہو جیسے شراب پر صلح کرنا یا حلال لعینہ کی حرمت کو مستلزم ہو جیسے عورت کا اس امر پر صلح کرنا کہ شوہر اس کی سوکن کے ساتھ صحبت نہ کریگا ایسی صلح جائز نہیں۔

فَاِنْ وَقَعَ عَنْ مَالٍ بِمَالٍ بِاِقْرَارٍ اُعْتُبِرَ بَيْعًا فَيَثْبُتُ فِيْهِ الشُّفْعَةُ وَالرَّدُّ بِالْعَيْبِ وَخِيَارُ الرُّؤْيَةِ وَالشَّرْطِ

پس اگر واقع ہو مال سے مال پر اقرار کے ساتھ تو اس کو بیع اعتبار کیا جائیگا کہ ثابت ہوگا اس میں شفعہ اور عیب کی وجہ سے واپس کرنا اور خیار رویت اور شرط

وَتُفْسِدُهُ جِهَالَةُ الْبَدَلِ لَاجِهَالَةُ الْمُصَالَحِ عَنْهُ وَاِنِ اسْتُحِقَّ بَعْضُ الْمُصَالَحِ عَنْهُ اَوْ كُلُّهُ رَجَعَ الْمُدَّعىٰ عَلَيْهِ

اور فاسد کر دیتا ہے اس کو بدل کا مجہول ہونا نہ کہ مصالح عنہ کا مجہول ہونا اگر کسی اور کا نکل آئے کچھ مصالح عنہ یا کل تو لے لے مدعی علیہ سے اتنا ہی عوض

بِحِصَّةِ ذٰلِكَ مِنَ الْعِوَضِ اَوْ بِكُلِّهٖ وَلَوِ اسْتُحِقَّ الْمُصَالَحُ عَلَيْهِ اَوْ بَعْضُهٗ رَجَعَ بِكُلِّ الْمُصَالَحِ عَنْهُ اَوْ بِبَعْضِهٖ

یا کل عوض اور اگر نکل آئے کسی اور کا کل مصالح علیہ یا اس کا کچھ تو لے لے کل مصالح عنہ یا اس کا کچھ حصہ

ع۔۔۔ابو دائود ' ابن حبان ' حاکم عن ابی ہریرۃ' تر مذی ' ابن ماجہ ' حاکم عن عمرو بن عوف ۱۲۔ عہ۔۔۔حملہ عن ہذالحق لان امام الحرام المطلق ما ہو حرام لعینہ والحلال المطلق ما ہو حلال لعینہ وما ذکرہ الشافعی غیر متحمل اذا الصلح مع الاقرار لایخلو عن ذلک فان الصلح یقع علی بعض الحق عادۃً فمازاد علی الماخوذ الی تمام الحق کا ن حلالا للمدعی اخذہ قبل الصلح وحرام بالصلح وکان حراماً علی المدعی علیہ منعہ قبل الصلح وقد حل بالقلح (نتائج الافکار) ولان الصلح عن انکار اوسکوت صلح بعد دعوی صحیحۃ فیقضی بجوازہ لان المدعی یا خلہ عوضاً عن حقہ فی زعمہ وہو مشروع والمدعیٰ علیہ ید فعہ لدفع الخصومۃ عن نفسہ وہوا یضاً مشروع لان المال خلق لصیانۃ الانفس عن المہالک والمفاسد ودفع الفرر امرجائز ۱۲ شرح نقایہ.

وَاِنْ وَقَعَ عَنْ مَالٍ بِمَنْفَعَةٍ اُعْتُبِرَ اِجَارَةً فَيُشْتَرطُ التَّوْقِيْتُ وَيَبْطُلُ بِمَوْتِ اَحَدِهِمَا

اور اگر واقع ہو صلح مال سے منفعت پر تو اعتبار کیا جائیگا اس کو اجارہ پس شرط ہوگی مدت کی تعیین اور باطل ہوجائیگی کسی ایک کے مرنے سے

وَالصُّلْحُ عَنْ سُكُوْتٍ وَاِنْكَارٍ فِدَاءٌ لِلْيَمِيْنِ فِي حَقِّ الْمُنْكِرِ وَمُعَاوَضَةٌ فِي حَقِّ الْمُدَّعِي فَلَاشُفْعَةَ اِنْ صَالَحَا

اور صلح سکوت سے یا انکار سے فدیہ ہے قسم کا منکر کے حق میں اور معاوضہ ہے مدعی کے حق میں پس شفعہ نہ ہوگا اگر صلح کی مکان سے سکوت یا انکار کے ساتھ

عَنْ دَارٍ بِهِمَا وَتَجِبُ لَوْصَالَحَا عَلٰى دَارٍ بِهِمَا وَلَوْ اسْتُحِقَّ الْمُتَنَازَعُ فِيْهِ رَجَعَ الْمُدَّعِي بِالْخُصُوْمَةِ وَرَدَّ

اور شفعہ ہوگا اگر صلح کی مکان پر انکار یا سکوت کیساتھ اگر کسی اور کی نکل آئی متنازع فیہ چیز تو جھگڑ سکتا ہے مدعی اور واپس کردے بدل

الْبَدَلَ وَلَوْبَعْضُهٗ فَبِقَدْرِهٖ وَلَوْ اسْتُحِقَّ الْمَصَالِحُ عَلَيْهِ اَوْ بَعْضُهٗ رَجَعَ اِلَى الدَّعْوٰى فِي كُلِّهٖ اَوْ بَعْضِهٖ

اور اگر کچھ کسی اور کی نکلے تو واپس کرے بدل اسی قدر اگر کسی اور کا نکلا کل مصالح علیہ یا کچھ تو کل دعوی کرے یا بعض

وَهَلَاكُ بَدَلِ الصُّلْحِ قَبْلَ التَّسْلِيْمِ كَاسْتِحْقَاقِهٖ فِي الْفَصْلَيْنِ.

اور ہلاک ہوجانا بدل صلح کا حوالے کرنے سے پہلے مستحق نکل آنے کے مانند ہے دونوں صورتوں میں۔

تفصیل احکام صلح

تشریح الفقہ: قولہ فان وقع الخ اگر صلح مال سے مال کے مقابلہ میں مدعی علیہ کے اقرار کیساتھ واقع ہو تو یہ صلح بیع کے حکم میں ہوگی کیونکہ اس میں معنی بیع یعنی متعاقدین کے حق میں مبادلہ مال بالمال موجود ہے لہٰذا اس میں بیع کے احکام جاری ہونگے تو اگر صلح ایک مکان کی دوسرے ثابت سے ہوئی تو دونوں گھروں میں حق شفعہ ثابت ہوگا اور اگر بدل صلح مثلاً غلام ہوں اور اس میں کوئی عیب پایا جائے تو اس کو واپس کردینا جائز ہوگا۔ نیز اگر بوقت صلح مصالح علیہ کو نہیں دیکھ سکا تو دیکھنے کے بعد پھیر سکتا ہے۔ اسی طرح اگر صلح میں کوئی ایک اپنے لئے تین دن تک خیار شرط لینا چاہے تو وہ اس کا حقدار ہوگا۔ نیز بدل صلح کا مجہول ہونا مبطل صلح ہوگا کیونکہ یہ ایسا ہے جیسے بیع میں ثمن مجہول ہو کہ وہ مبطل بیع ہے۔ ہاں مصالح عنہ کا مجہول ہونا قادح صلح نہیں۔ اس لئے کہ وہ مدعی علیہ کے ذمہ سے ساقط ہوجاتا ہے اور ساقط کی جہالت باعث نزاع نہیں۔

قولہ وان استحق الخ اگر صلح عن الاقرار میں مدعا یعنی مصالح عنہ کسی دوسرے کا نکل آئے تو مدعی اس کے حصہ کے بقدر عوض یعنی بدل صلح مدعا علیہ (مصالح) کو واپس کردے۔ اور اگر مصالح علیہ یعنی بدل صلح کسی دوسرے کا نکل آئے مدعی اسی کے بقدر مدعی علیہ سے واپس لے لے۔ کیونکہ صلح درحقیقت بیع کی طرف معاوضہ مطلقہ ہے۔ اور معاوضہ کا حکم یہی ہے کہ بوقت استحقاق رجوع بقدر مستحق ہوتا ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھو کہ زید نے ایک مکان کا دعوی کیا جو عمرو کے قبضہ میں ہے۔ اور عمرو نے اقرار کے بعد زید سے ایک سو درہم پر صلح کرلی پھر نصف مکان یا کل مکان کسی دوسرے کا نکل آیا تو عمرو زید سے پہلی صورت میں پچاس اور دوسری صورت میں ایک سو درہم واپس لے گا۔ اسی طرح اگر بدل صلح کہ دوسرے کا نکل آئے تو مدعی یعنی زید مدعی علیہ یعنی عمرو سے واپس لے لیگا۔

قولہ عن مال بمنفعۃ الخ اور اگر صلح عن المال بمقابلہ منفعت واقع ہو مثلاً زید نے عمرو پر کسی چیز کا دعوی کیا اور عمرو نے اس کا اقرار کرلیا۔ پھر عمرو نے زید کیساتھ اپنے گھر میں ایک سال تک رہنے یا اپنی سواری پر سوار ہونے یا اپنا کپڑا پہننے یا اپنے غلام سے خدمت حاصل کرنے یا اپنی زمین کاشت کرنے پر صلح کرلی تو اس کا حکم اجارہ کے مانند ہے کہ جیسے اجارہ میں استیفاء منفعت کی مدت مقرر کرنا شرط ہے

---

(۱) لانہ خلا العوض فی ہذا القدر عن غرض المدعی علیہ ۱۲۔ (۲) ای فی الصلح عن اقرار الصلح عن انکار وسکوت ففی صورۃ الاقرار اذا ہلک بدل الصلح یرجع المدعی المدعی علیہ بکل المصالح عنہ او ببعضہ و فی صورۃ السکوت والانکار یرجع بالدعوی فی کلہ او بعضہ ۱۲

اسی طرح اس میں بھی شرط ہے۔اور جیسے اجارہ احد المتعاقدین کی موت سے باطل ہو جاتا ہے۔ایسے ہی یہ بھی باطل ہو جائے گی۔

قولہ والصلح عن سکوت الخ اور اگر صلح مدعی علیہ کے سکوت یا اس کے انکار سے ہو تو یہ مدعی کے حق میں معاوضہ اور مدعی علیہ کے حق میں قطع نزاع اور قسم کا فدیہ ہوتا ہے مدعی کے حق میں معاوضہ اس لئے ہے کہ وہ بزعم خود اپنے حق کا عوض لیتا ہے۔اور مدعی علیہ کے حق میں یمین کا فدیہ ہونا اس لئے ہے کہ اگر صلح واقع نہ ہوتی تو مدعی علیہ پر قسم لازم آتی اور جھگڑا ہوتا۔پس مدعی علیہ کے انکار سے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ وہ بطریق صلح جو کچھ دے رہا ہے وہ جھگڑا مٹانے کے غرض سے دے رہا ہے۔

قولہ فلا شفعة الخ مدعی کے حق میں صلح مذکور کے معاوضہ ہونے اور مدعی علیہ کے حق میں فدیہ یمین ہونے پر متفرع ہے۔مسئلہ کی توضیح یہ ہے کہ ایک شخص نے دوسرے پر گھر کا دعوی کیا اور مدعی علیہ نے انکار کیا یا وہ خاموش رہا۔پھر اس نے کچھ دیکر گھر کے معاملہ میں صلح کر لی تو اس گھر میں شفعہ واجب نہ ہوگا۔کیونکہ مدعی علیہ اس کو اپنے اصل حق کی بنا پر لے رہا ہے۔نہ یہ کہ وہ اس سے خرید رہا ہے۔اور اگر مدعی نے مال کا دعوی کیا۔اور مدعیٰ علیہ نے ایک گھر دیکر صلح کر لی تو اس میں شفعہ واجب ہوگا کیونکہ مدعی اس کو اپنے مال کا عوض سمجھ کر لے رہا ہے تو یہ اس کے حق میں معاوضہ ہوا لہٰذا شفعہ واجب ہوگا۔

قولہ التنازع فیہ الخ مسئلہ یہ ہے کہ عمرو کے قبضہ میں ایک مکان ہے۔زید نے اس کا دعوی کیا کہ یہ میرا ہے۔عمرو نے اس کا انکار کیا یا وہ خاموش رہا۔پھر اس نے ایک سو درہم دیکر صلح کر لی اس کے بعد وہ مکان کسی اور کا نکل آیا۔تو زید نے عمرو سے جو ایک سو درہم لئے تھے وہ اس کو واپس کر کے مستحق سے خصومت کرے۔کیونکہ عمرو نے زید کو ایک سو درہم اس لئے دیے تھے تا کہ جھگڑا مٹ جائے اور اس کے پاس مصالح عنہ بلا خصومت باقی رہے۔اور جب وہ دوسرے کا مملوک نکل آیا تو اس کا مقصد حاصل نہ ہوا نیز یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ عمرو کیساتھ زید کی خصومت بیجا تھی لہٰذا وہ ایک سو درہم واپس لیگا اور زید مستحق سے جھگڑے گا۔کیونکہ اب وہ مدعیٰ علیہ کے قائم مقام ہے۔

قولہ ولو استحق الخ اور اگر مصالح علیہ یعنی بدل صلح میں کسی کا استحقاق ثابت ہو جائے تو مدعی اپنے دعوی کی طرف رجوع کر لے یعنی پھر سے دعوی دائر کرے۔اگر تمام بدل صلح دوسرے کا ثابت ہو تو کل مصالح عنہ کا دعوی کرے اور بعض کا ہو تو بعض کیونکہ مدعی نے جو اپنے دعوی کو ترک کیا ہے وہ اسلئے کیا ہے تا کہ اس کے قبضہ میں بدل صلح صحیح سالم آئے اور جب وہ دوسرے کا ٹھہرا تو وہ مبدل یعنی دعوی کی طرف رجوع کر لے گا۔

فَصْلٌ: اَلصُّلْحُ جَائِزٌ مِنْ دَعْوَى الْمَالِ وَالْمَنْفَعَةِ وَالْجِنَايَةِ بِخِلَافِ الْحَدِّ وَمِنَ النِّكَاحِ وَالرِّقِّ فَكَانَ خُلْعًا

(فصل) صلح جائز مال اور منفعت اور جنایت کے دعوے سے بخلاف حد کے اور نکاح اور غلام بنانے کے دعوے سے پس ہوگی یہ صلح خلع اور آزادی

وَعِتْقًا عَلٰى مَالٍ وَاِنْ قَتَلَ الْعَبْدُ الْمَاذُوْنُ رَجُلاً عَمَدًا لَمْ يَجُزْ صُلْحُهُ عَنْ نَفْسِهٖ وَاِنْ قَتَلَ عَبْدٌ لَهُ رَجُلاً عَمَدًا

مال پر اگر قتل کر دیا عبد ماذون نے کسی کو جان بوجھ کر تو جائز نہیں اس کا صلح کرنا اپنی طرف سے اور اگر قتل کر دے عبد ماذون کا غلام کسی کو عمدا تو اس کی

فَصَالَحَ عَنْهُ جَازَ وَلَوْ صَالَحَ عَنِ الْمَغْصُوْبِ الْمُتْلَفِ بِمَا زَادَ عَلٰى قِيْمَتِهٖ اَوْ عَلٰى عَرْضٍ صَحَّ وَلَوْ اَعْتَقَ مُوْسِرٌ

طرف سے صلح کر سکتا ہے اگر صلح کی چھینی ہوئی ہلاک شدہ شئ کی طرف سے اس کی قیمت سے زائد پر یا کسی سامان پر تو صحیح ہے اگر آزاد کیا مالدار

عَبْدًا مُشْتَرَكًا فَصَالَحَهُ الشَّرِيْكُ عَلٰى اَكْثَرَ مِنْ نِصْفِ قِيْمَتِهٖ لَا وَمَنْ وَكَّلَ رَجُلاً بِالصُّلْحِ عَنْهُ

شریک نے مشترک غلام اور صلح کی اس سے دوسرے شریک نے اس کی نصف قیمت سے زائد پر تو صحیح نہیں اگر وکیل کیا کسی کو صلح کرنے کا اپنی طرف سے

وکذا فی السکوت لانہ یحتمل الاقرار والانکار وعلی تقدیر الاقرار یکون عوضا وعلی تقدیر الانکار لا یکون فلا یثبت کونہ عوضا بالشک ۱۲

فَصَالَحَ لَمْ يَلْزَمِ الْوَكِيْلَ مَاصَالَحَ عَلَيْهِ مَالَمْ يَضْمَنْهُ بَلْ يَلْزَمُ الْمُوَكِّلَ

اور اس نے صلح کرلی تو لازم نہ ہوگا وکیل پر وہ جس پر صلح کی ہے جب تک کہ وہ اس کا ضامن نہ ہو بلکہ مؤکل پر لازم ہوگا

وَاِنْ صَالَحَ عَنْهُ بِلاَ اَمْرٍ صَحَّ اِنْ ضَمِنَ الْمَالَ اَوْ اَضَافَ اِلٰى مَالِهٖ

اور اگر صلح کرے اس کی طرف سے بلاحکم تو صحیح ہے اگر ضامن ہوجائے مال کا یا نسبت کرے اس کی اپنے مال کی طرف

اَوْ قَالَ عَلَيَّ اَلْفٌ وَسَلَّمَ وَاِلاَّ تَوَقَّفَ فَاِنْ اَجَازَهُ الْمُدَّعٰى عَلَيْهِ جَازَ وَاِلاَّ بَطَلَ

یا کہے کہ میں نے ہزار پر صلح کی اور ہزار دے بھی دیئے ورنہ موقوف ہوگی اگر مدعیٰ علیہ جائز رکھے تو جائز ہوگی ورنہ باطل۔

ان چیزوں کا بیان جن کی طرف سے صلح جائز ہے اور جن کی طرف سے جائز نہیں

توضیح اللغۃ: جنایۃ قصور۔ رق غلامی، عمداً اقصداً، مُتلف ہلاک شدہ، عرض سامان، موسر مالدار۔

تشریح الفقہ: **قوله فصل الخ** مقدمات وشرائط اور انواع صلح کے بعد ان چیزوں کو بیان کر رہا ہے جن کی طرف سے صلح جائز ہے اور جن کی طرف سے صلح جائز نہیں۔ اگر مدعی مال کا دعوی کرے تو دعوی مال کی طرف سے صلح کرنا جائز ہے کیونکہ یہ صلح بیع کے معنی ہے (**علی ماموفی اول کتاب الصلح**) تو جس چیز کی بیع جائز ہے اس کی جانب سے صلح بھی جائز ہوگی۔ نیز دعوی منفعت کی طرف سے بھی صلح کرسکتا ہے مثلاً زید نے دعوی کیا کہ فلاں شخص نے میرے لئے اس مکان میں ایک سال تک رہنے کی وصیت کی ہے۔ ورثہ نے اس کو کچھ مال دیکر صلح کرلی تو صلح جائز ہے کیونکہ عقد اجارہ کے ذریعہ سے منافع مملوک ہوجاتے ہیں تو صلح کے ذریعہ سے بھی مملوک ہوسکتے ہیں اسی طرح دعوی جنایت نفس (قتل) اور دعوی جنایت مادون النفس (قطع ید) کی طرف سے بھی صلح درست ہے۔ خواہ جنایت عمداً ہو یا خطا اور عمد کی صورت میں تو اس لئے درست ہے کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے" **فمن عفی له من اخیه شئی فاتباع بالمعروف واداء الیه باحسان** "حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت صلح کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اور خطا کی صورت میں اس لئے درست ہے کہ جنایت خطا کا موجب مال ہے۔ اور صلح عن المال بلا اشکال جائز ہے۔ اگر کسی نے غیر منکوحہ عورت پر نکاح کا دعوی کیا اور عورت نے کچھ مال دیکر صلح کرلی تو درست ہے۔ اب یہ صلح اس شخص کے حق میں خلع کے معنی میں ہوگی۔ (**لان اخذالمال عن ترک البضع خلع**) اور عورت کے حق میں قطع خصومت وفدیہ یمین ہوگی۔ ایک شخص نے دوسرے پر دعوی کیا کہ یہ میرا غلام ہے اور اس نے کچھ مال دیکر صلح کرلی تو صحیح ہے۔ اب یہ مدعی کے حق میں آزادی بعوض مال ٹھہرے گی۔

قوله وان قتل العبدالخ اگر عبد ماذون نے کسی شخص کو عمداً قتل کردیا تو اس کا اپنی جان بچانے کے لئے صلح کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ آقا نے اس کو تجارت کی اجازت دی ہے۔ اور صلح مذکور باب تجارت سے نہیں ہے لہٰذا وہ اپنی ذات میں تصرف نہیں کرسکتا۔ (لیکن اگر صلح کرلی تو قصاص ساقط ہوجائے گا اور بدل صلح کا مطالبہ اس کی آزادی کے بعد ہوگا) ہاں اگر عبد ماذون کا کوئی غلام کسی کو عمداً قتل کردے اور عبد ماذون اس کی طرف سے صلح کرلے تو جائز ہے کیونکہ اس غلام کا استخلاص اس کی خریداری کے مانند ہے۔ تو جیسے عبد ماذون کو غلام کا خریدنا جائز ہے ایسے ہی صلح کرکے اس کی جان بچانا بھی جائز ہوگا۔

قوله ولو صالح الخ ایک شخص نے دوسرے کا غلام جس کی قیمت ایک ہزار درہم تھی غصب کرلیا اور وہ غلام مرگیا اور ابھی قاضی نے اس کی قیمت دینے کا حکم نہیں کیا تھا کہ غاصب نے اس کے مالک کو دو ہزار درہم دیکر صلح کرلی تو امام صاحب کے نزدیک صلح جائز ہے۔ صاحبین فرماتے ہیں کہ اس کی قیمت سے زیادہ پر صلح کرنا جائز نہیں یعنی جو مقدار قیمت سے زائد ہوگی وہ باطل ہوگی۔ کیونکہ مالک کا

حق صرف اس کی قیمت میں ہے تو اس سے زائد لینا سود ہوگا۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ مالک کا حق ہلاک ہونے والے غلام میں باقی ہے۔ قیمت کی طرف جو اس کا حق منتقل ہوتا ہے وہ قضاء قاضی کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔ اور جب وہ قضا قاضی سے پیشتر زائد قیمت پر رضامند ہوگئے تو کل مال غلام کا عوض ہوگا۔ نہ کہ سود یہ تو اس وقت ہے جب غاصب نے دراہم پر صلح کر لی ہو اور اگر اس نے اسباب پر صلح کی تو بالاتفاق صلح جائز ہے۔ خواہ اسباب کی قیمت زائد ہو یا کم۔ کیونکہ اختلاف جنس کے وقت زیادتی کا ظہور نہیں ہوتا۔

قولہ ولو اعتق مو سر الخ ایک غلام میں دو شخص شریک تھے ان میں سے شریک تونگر نے اپنا حصہ آزاد کر دیا اور دوسرے شریک سے غلام کی نصف قیمت سے زائد پر صلح کر لی تو بالاتفاق صلح ناجائز اور زیادتی باطل ہوگی۔ صاحبین کے نزدیک تو وجہ بطلان وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی (یعنی زیادتی کا ربوا ہونا) امام صاحب کے نزدیک وجہ بطلان یہ ہے کہ عتق کی صورت میں قیمت شرعاً مقدر، منصوص علیہ ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے" من اعتق شقصاً من عبدمشترک بینه وبین شریکه قوم علیه نصیب شریکه" پس قیمت پر زیادتی جائز نہ ہوگی۔ بخلاف غصب کے کہ اس میں قیمت منصوص علیہ نہیں ہے۔ اس لئے غصب کی صورت میں زائد کی قیمت پر صلح جائز ہوگی۔

قولہ ومن و کل الخ ایک شخص نے قتل کی عمد کی طرف سے صلح کرنے کے لئے یا اس پر جس قدر دین کا دعویٰ ہے اس کے کسی حصہ پر صلح کرنے کیلئے دوسرے شخص کو وکیل بنایا تو بدل صلح موکل پر لازم ہوگا نہ کہ وکیل پر کیونکہ یہ صلح قاتل سے اسقاط قصاص ہے اور مدعی علیہ سے اسقاط بعض دین تو وکیل سفیر محض ٹھہرا نہ کہ عاقد لہٰذا حقوق موکل کی طرف راجع ہوں گے۔ ہاں اگر وکیل صلح کرتے وقت بدل صلح کا ضامن ہو جائے تو بدل صلح اسی پر لازم ہوگا لیکن توکیل کیوجہ سے نہیں بلکہ اس کے ضامن ہونے کی وجہ سے۔

قولہ وان صالح عنه الخ ایک فضولی شخص نے دوسرے کی طرف سے مصالحت کی تو اسکی چند صورتیں ہیں (۱) فضولی نے صلح کی اور بدل صلح کا ضامن ہوگیا (۲) بدل صلح کی نسبت اپنے مال کی طرف کی مثلاً یوں کہا کہ میں تجھ سے اپنے فلاں غلام پر صلح کرتا ہوں (۳) مال نقد کی طرف اشارہ کیا مثلاً یوں کہا کہ میں ان ہزار درھموں پر صلح کرتا ہوں (۴) نہ اپنے مال کی طرف نسبت کی اور نہ اشارہ کیا بلکہ مطلق رکھتے ہوئے یوں کہا کہ میں ہزار درہم پر صلح کرتا ہوں اور ہزار درہم اس کے حوالے کر دیئے (۵) کسی سامان مثلاً کپڑے پر صلح تو ان سب صورتوں میں صلح جائز ہے۔ کیونکہ مدعی علیہ کو جو چیز حاصل ہے وہ برأت ہے اور براءت کے حق میں مدعی علیہ اور اجنبی دونوں برابر ہے۔ تو اجنبی شخص اصیل بن سکتا ہے۔ لیکن اگر فضولی صرف یہ کہے کہ میں ہزار درہم پر صلح کرتا ہوں اور مال سپرد نہ کرے تو اس صورت میں صلح موقوف ہوگی۔ اگر مدعی علیہ صلح کو جائز رکھے تو جائز ہوگی ورنہ جائز نہ ہوگی۔ لان المصالح ههنا وهو الفضولي لاولاية له على المطلوب فلاينفذ تصرفه عليه۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

باب⁽¹⁾ الصلح فی الدین
باب دین سے صلح کرنے کے بیان میں

اَلصُّلْحُ عَمَّا اسْتُحِقَّ بِعَقْدِ الْمُدَايَنَةِ اَخْذٌ لِبَعْضِ حَقِّهٖ وَاِسْقَاطٌ لِلْبَاقِي لاَمُعَاوَضَةٌ فَلَوْ صَالَحَ عَنْ اَلْفٍ عَلٰى

صلح کرنا اس سے جو لازم ہو عقد داینت سے لینا ہے اپنا بعض حق اور ساقط کرنا ہے باقی معاوضہ نہیں ہے پس اگر صلح کی ہزار سے پانچ سو پر

نِصْفِهٖ اَوْ عَلٰى اَلْفٍ مُؤَجَّلٍ جَازَ وَعَلٰى دَنَانِيْرَ مُؤَجَّلَةٍ اَوْ عَنْ اَلْفٍ مُؤَجَّلٍ اَوْسُوْدٍ عَلٰى نِصْفٍ حَالٍ اَوْ بِيْضٍ

یا ہزار پر کچھ وعدہ کیساتھ تو جائز ہے اور وعدہ کیساتھ اشرفیوں پر یا وعدہ والے یا سیاہ ہزار درہموں سے فوری پانچ سو یا سفید درہموں پر صحیح نہیں

لاَ وَمَنْ لَهٗ عَلٰى اٰخَرَ اَلْفٌ فَقَالَ اَدِّ غَدًا نِصْفَهٗ عَلٰى اَنَّکَ بَرِیٌٔ مِنَ الْفَضْلِ فَفَعَلَ بَرِیَٔ وَاِلَّا لاَ

جس کے دوسرے پر ہزار ہوں اور وہ کہے کہ کل آدھے دیدے اس شرط پر کہ تو بری ہے باقی سے اور وہ ایسا ہی کرے تو بری ہو جائیگا ورنہ نہیں

وَمَنْ قَالَ لاٰخَرَ لاَ اُقِرُّ لَکَ بِمَا لِکَ حَتّٰى تُؤَخِّرَهٗ عَنِّیْ اَوْ تُحَطَّ فَفَعَلَ صَحَّ عَلَیْهِ.

کسی نے دوسرے سے کہا کہ میں تیرے مال کا اقرار نہ کرونگا یہاں تک کہ تو مجھے مہلت دیدے یا کم کرے اس نے ایسا ہی کیا تو صحیح ہے۔

تشریح الفقہ : قولہ الصلح الخ جس چیز پر صلح واقع ہو اور عقد مداینہ کے سبب سے واجب ہو تو اس صلح کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ مدعی نے اپنا کچھ حق وصول کر لیا اور کچھ ساقط کر دیا معاوضہ پر محمول نہ ہوگا تاکہ عوضین کی کمی بیشی سے سود نہ لازم آئے پس اگر کسی نے ایک ہزار درہم کی طرف سے پانچ سو درہم پر صلح کر لی۔ یا ہزار درہم بلا میعاد تھے اور ایک ہزار معیادی پر صلح کر لی۔ تو صلح جائز ہے۔ گویا اس نے پہلی صورت میں پانچ سو درہم ساقط کر دیے اور دوسری صورت میں فی الفور واجب ہونے کے ساقط کر دیا یعنی نفس حق کو مؤخر کر دیا۔ لیکن اگر غیر میعادی ہزار درہموں کی طرف سے ہزار دینار میعادی پر صلح کر لی یا ہزار میعادی درہموں کی طرف سے پانچ سو نقد درہموں پر صلح کی یا ہزار سیاہ درہموں کی طرف سے ہزار سفید درہموں پر صلح کی تو ان سب صورتوں میں صلح ناجائز ہے۔ پہلی صورت میں تو اس لئے کہ عقد مدانیت کے سبب سے دنانیر واجب نہیں۔ کیونکہ جو دراہم پانے والا ہے وہ دنانیر کا مستحق نہیں۔ پس تاجیل کو تاخیر پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔ معاوضہ پر محمول کیا جائے گا۔ اور جب معاوضہ ہوا تو یہ بیع صرف ہوئی اور بیع صرف میں دراہم و دنانیر کے عوض میں ادھار فروخت کرنا جائز نہیں۔ دوسری صورت میں اس لئے صحیح نہیں کہ اجل یعنی میعاد مدیون کا حق تھا جو نصف معجل اجل کا عوض ہوا اور اجل کا عوض لینا حرام ہے۔ تیسری صورت میں اس لئے صحیح نہیں کہ ہزار سیاہ درہموں کا معاوضہ پانچ سو درہم ہوئے زیادتی کیساتھ اور معاوضہ نقدین میں وصف کا اعتبار نہیں ہوتا لہٰذا سود لازم آیا اور سود حرام ہے

قولہ ومن له علی آخر الخ زید کے عمرو پر ہزار درہم تھے اس نے عمرو سے کہا کہ تو مجھے کل پانچ سو دیدے اس شرط پر کہ باقی پانچ سو سے تو بری ہو جائے گا۔ عمرو نے ایسا ہی کیا تو وہ پانچ سو سے بری ہو جائے گا اور اگر اس نے کل کے دن ادا نہ کیے تو طرفین کے نزدیک بری نہ ہوگا۔ امام ابو یوسف کے نزدیک اس صورت میں بھی بری ہو جائے گا۔ کیونکہ ابراء مطلق ہے تو وہ ادا کرے یا نہ کرے بہر صورت بری ہو جائے گا۔ طرفین یہ فرماتے ہیں کہ یہاں ابراء مطلق نہیں بلکہ شرط ادا کیساتھ مقید ہے۔ اس واسطے کہ کلمہ علیٰ گو معاوضہ کیلئے ہے لیکن معنی مقابلہ کی وجہ سے شرط کا بھی احتمال ہے۔ **فیحمل علیه عند تعذر الحمل علی المعاوضة.**　　　محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

---

۱)......لماذکر الصلح من عموم الدعاوی ذکر فی ہذا الباب حکم صلح الخاص من الدعوی وہو دعوی الدین لان الخصوص ابدا یکون بعد العموم ۱۲ نہایہ

عہ......عقد مداینہ جیسے ادھار فروخت کرنا یا قرض دینا ۱۲

فَصْلٌ: دَيْنٌ بَيْنَهُمَا صَالَحَ اَحَدُهُمَا عَنْ نَصِيْبِهٖ عَلٰى ثَوْبٍ لِشَرِيْكِهٖ اَنْ يَّتْبَعَ الْمَدْيُوْنَ بِنِصْفِهٖ

(فصل) قرض ہے دو کی شرکت کا صلح کرلی ان میں سے ایک نے اپنے حصہ سے کپڑے پر تو دوسرا شریک مطالبہ کرے مقروض سے نصف قرض کا

اَوْ يَاْخُذَ نِصْفَ الثَّوْبِ مِنْ شَرِيْكِهٖ اِلَّا اَنْ يَضْمَنَ رُبْعَ الدَّيْنِ وَلَوْ قَبَضَ نَصِيْبَهٗ شَرِكَهٗ فِيْهِ

یا لے لے نصف کپڑا اپنے شریک سے مگر یہ کہ ضامن ہو جائے شریک چوتھائی قرض کا اگر لے لیا کسی نے اپنا حصہ تو شریک ہوگا دوسرا اس میں

وَرَجَعَا بِالْبَاقِيْ عَلَى الْغَرِيْمِ وَلَوِ اشْتَرٰى بِنَصِيْبِهٖ شَيْئًا ضَمِنَهٗ رُبْعَ الدَّيْنِ

اور لے لیں گے باقی مقروض سے اگر خرید لی اپنے حصہ کے عوض کوئی چیز تو ضامن ہوگا دوسرے کے لئے چوتھائی قرض کا۔

دین مشترک کا بیان

تشریح الفقہ: قولہ ودین الخ دین مشترک اس کو کہتے ہیں جو سبب مقدر کے ذریعہ واجب ہو جیسے اس مبیع کا ثمن جس کی بیع بصفقۃ واحدہ ہوئی ہو یا وہ دین جو دو آدمیوں کا مورث ہو یا عین مستہلک مشترک کی قیمت ہو اس کا حکم یہ ہے کہ جب ایک شریک دین مشترک سے کچھ حصہ لے لے تو دوسرے شریک کو اختیار ہوتا ہے چاہے وہ اس وصول کردہ حصہ میں شریک ہو جائے اور چاہے اصل مدیون سے اپنے حصہ کا مطالبہ کرے۔ تو اگر ایک شریک نے اپنے حصہ کی طرف سے کسی کپڑے پر صلح کرلی تو دوسرے شریک کو اختیار ہوگا چاہے آدھا کپڑا لیلے چاہے اصلی مدیون سے اپنا حصہ طلب کرے لیکن اگر شریک مصالح اس کے لئے چوتھائی دین کا ضامن ہو جائے تو پھر دوسرے شریک کا کپڑا میں حق باقی نہ رہے گا۔ اور اگر شریکین میں سے کسی ایک نے اپنا حصہ دین سے وصول کرلیا۔ تو دوسرا شریک اس وصول کردہ دین میں شریک ہو جائے گا اور باقی ماندہ دین کا مطالبہ وہ دونوں شریک مدیون سے کریں گے۔ اور اگر ایک شریک نے اپنے حصہ کے عوض مدیون سے کوئی چیز خرید لی تو دوسرا شریک اس سے ربع دین کا تاوان لے چاہے اصل مدیون کا مطالبہ کرے کیونکہ اس کا حق مدیون کے ذمہ باقی ہے۔

وَبَطَلَ صُلْحُ اَحَدِ رَبَّيِ السَّلَمِ مِنْ نَصِيْبِهٖ عَلٰى مَادَفَعَ وَاِنْ اَخْرَجَتِ الْوَرَثَةُ اَحَدَهُمْ عَنْ عَرْضٍ اَوْ عَقَارٍ بِمَالٍ

باطل ہے صلح سلم والوں میں سے ایک کی اپنے حصے سے اس پر جو دیا ہو اس نے اگر نکال دیا ورثہ نے کسی وارث کو سامان یا زمین سے کچھ مال دیکر

اَوْ عَنْ ذَهَبٍ بِفِضَّةٍ اَوْ بِالْعَكْسِ صَحَّ قَلَّ اَوْ كَثُرَ وَعَنْ نَقْدَيْنِ وَغَيْرِهِمَا بِاَحَدِ النَّقْدَيْنِ لَا مَالَمْ يَكُنِ الْمُعْطٰى

یا سونے سے یا چاندی دیکر یا اس کے برعکس تو یہ صحیح ہے عوض کم ہو یا زائد اگر نکالا نقدین وغیرہ سے سونا یا چاندی دیکر تو صحیح نہیں جبتک کہ نہ ہو دیا ہوا

اَكْثَرَ مِنْ حَظِّهٖ مِنْهُ وَلَوْ فِي التَّرِكَةِ دَيْنٌ عَلَى النَّاسِ فَاَخْرَجُوْهُ لِيَكُوْنَ الدَّيْنُ لَهُمْ بَطَلَ

عوض زیادہ اس کے وراثت کے حصے سے اگر ترکہ میں قرض ہو لوگوں پر اور ورثہ کسی کو علیحدہ کردیں اس پر کہ قرض ہمارا رہا تو باطل ہے

وَاِنْ شَرَطُوْا اَنْ يُبْرِئَ الْغُرَمَاءَ مِنْهُ صَحَّ وَلَوْ عَلَى الْمَيِّتِ دَيْنٌ مُحِيْطٌ بَطَلَ الصُّلْحُ وَالْقِسْمَةُ.

اور اگر وہ شرط کرلیں کہ وہ بری کردیگا قرض داروں کو اپنے حصہ سے تو صحیح ہے اگر میت پر دین محیط ہو تو باطل ہوگی صلح اور تقسیم۔

تشریح الفقہ: قولہ وبطل الخ دو آدمیوں نے ملکر ایک کر گیہوں میں عقد سلم کیا اور ایک سو درہم راس المال طے پایا۔ اور ہر ایک نے اپنے اپنے حصہ کے پچاس پچاس درہم دیدیئے۔ اس کے بعد ایک رب السلم نے اپنے نصف کر کے بدلے میں پچاس درہم پر مسلم الیہ سے صلح کرلی اور وہ درہم لے لئے تو طرفین کے نزدیک یہ صلح جائز نہیں۔ امام ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے کیونکہ وہ اپنے خالص حق میں

تصرف کر رہا ہے۔ تو جیسے دیگر دیون میں صلح جائز ہے ایسے ہی یہاں بھی جائز ہوگی طرفین یہ فرماتے ہیں کہ اس صلح میں قبل از قبض دین کی تقسیم لازم آتی ہے۔ اور قسمت دین قبل از قبض باطل ہے۔ لہٰذا صلح جائز نہ ہوگی۔

قولہ و ان اخرجت الخ یہاں سے مسائل تخارج بیان کر رہا ہے تخارج کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ تمام ورثہ متفق ہو جائیں اور ایک وارث کو کچھ مال دیکر میراث سے نکال دیں تو اگر کسی کا انتقال ہو جائے اور وہ ترکہ میں کوئی سامان یا زمین چھوڑے اور ورثہ کسی وارث کو کچھ مال دیکر میراث سے خارج کر دیں تو تخارج صحیح ہے۔ خواہ وہ مال کم ہو جو ورثہ نے اس کو دیا ہے یا زائد ہو لیکن چاندی سونے کی صورت میں صحت تخارج کیلئے طرفین کا قبضہ کرنا ضروری ہے تاکہ سود لازم نہ آئے۔

قولہ و عن نقدین الخ اگر ترکہ میں سونا چاندی اور اسباب دونوں ہوں اور ورثہ وارث مذکور کو صرف سونا یا چاندی دیکر خارج کریں تو یہ تخارج صحیح نہ ہوگا جب تک کہ وہ چاندی یا سونا جو وارث کو دیا ہے اس مقدار سے زیادہ نہ ہو جو وارث کو اسی جنس کے حصے سے پہنچنے والا ہے۔ مثلاً وارث مذکور کو میراث سے دس درہم اور کچھ اسباب پہنچتا ہے تو صحت تخارج کیلئے ضروری ہے کہ دس درہم سے زائد صلح ہو تاکہ دس درہم دس کے عوض میں ہو جائیں اور زائد درہم اسباب کا عوض ہو جائیں ورنہ سود لازم آئے گا۔

قولہ و لو فی الترکۃ الخ اگر متوفی کے ترکہ میں لوگوں پر کچھ دیون ہوں اور ورثہ کسی وارث کو اس شرط پر خارج کر دیں کہ دیون باقی ورثہ کے لئے ہوں گے تو یہ تخارج صحیح نہیں۔ کیونکہ جب وارث خارج نے دیون کو باقی ورثہ کیلئے چھوڑ دیا تو گویا اس نے باقی ورثہ کو اپنے حصہ دیون کا مالک بنا دیا حالانکہ مدیون کے علاوہ کسی دوسرے کو دین کا مالک بنانا باطل ہے۔ اگر ورثہ اس بات کی شرط کر لیں کہ مصالح اپنے حصہ دین سے قرضداروں کو بری الذمہ کر دے اور اعیان ترکہ سے مال پر صلح کر لے تو درست ہوگا کیونکہ اس ابراء میں دین کا مالک اسی کو بنایا گیا ہے جس پر دین ہے اور یہ صحیح ہے تو اس کے حصہ کے بقدر مدیون سے دین ساقط ہو جائے گا۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

عہ۔۔۔۔ لان الورثۃ لا یملکون الترکۃ فی ہذہ الحالۃ لان الدین المستغرق یمنع من دخول الترکۃ فی ملک الوارث ۱۲

كتاب المضاربة

هِيَ	شِرْكَةٌ	بِمَالٍ	مِنْ	جَانِبٍ	وَعَمَلٍ	مِنْ	جَانِبٍ
وہ شرکت ہے	مال کیساتھ	ایک	جانب سے	اور	عمل کیساتھ	دوسری	جانب سے

تشریح الفقہ: **قوله كتاب الخ** مصالحت کے بعد مضاربت کے احکام بیان کر رہا ہے کیونکہ مضاربت مصالحت کے مانند ہے بایں حیثیت کہ اس میں بھی بدل ایک ہی جانب سے ہوتا ہے۔ مضاربۃ لغۃً ضرب فی الارض سے مفاعلۃ ہے بمعنی زمین پر پھرنا۔ اور گشت کرنا **قال تعالیٰ" وآخرون يضربون في الارض يبتغون من فضل الله "** اس عقد کو مضاربت اس لئے کہتے ہیں کہ مضاربت نفع حاصل کرنے کیلئے بیشتر زمین پر چلتا پھرتا ہے۔ اہل حجاز اس کو مقارضہ اور قراض بولتے ہیں۔ کیونکہ قرض بمعنی قطع ہے۔ اور صاحب مال اپنا کچھ مال کاٹ کر مضارب کو دیتا ہے۔

فائدہ: مضاربت کا جواز شریعت سے ثابت ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کی بعثت کے بعد لوگ یہ معاملہ کرتے رہے۔ اور آپ نے منع فرمایا نیز حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت ابن مسعود و دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی اس پر عمل پیرا رہے۔ اور کسی نے اس کا انکار نہیں کیا۔ علاوہ ازیں لوگوں کو اس کی ضرورت بھی ہے۔ کیونکہ بعض لوگ مالدار ہوتے ہیں لیکن خود کاروبار نہیں کر سکتے اور بعض اچھے خاصے بیوپاری ہوتے ہیں لیکن مال سے کورے ہوتے ہیں۔ پس عقد مضاربت کی مشروعیت ضروری ہے۔ تاکہ غبی اور زکی اور فقیر و غنی سب کی ضروریات پوری ہوسکیں۔

قوله هي شركة الخ اصطلاح شرع میں مضاربت اس عقد کو کہتے ہیں جس میں ایک کی جانب سے مال ہو اور دوسرے کی جانب سے عمل ہو اور نفع میں دونوں شریک ہوں، جس کی جانب سے مال ہو اس کو "رب المال" اور جس کی جانب سے عمل ہو اس کو مضارب اور جو مال دیا جائے اس کو مال مضاربت کہتے ہیں۔

وَالْمُضَارِبُ اَمِيْنٌ وَبِالتَّصَرُّفِ وَكِيْلٌ وَبِالرِّبْحِ شَرِيْكٌ وَبِالْفَسَادِ اَجِيْرٌ وَبِالْخِلَافِ غَاصِبٌ وَبِاشْتِرَاطِ

اور مضارب امین ہے اور تصرف کے بعد وکیل اور نفع کے بعد شریک اور مضاربت فاسد ہونے سے اجیر اور خلاف کرنے سے غاصب اور اپنے لئے

كُلِّ الرِّبْحِ لَهُ مُسْتَقْرِضٌ وَبِاشْتِرَاطِهِ لِرَبِّ الْمَالِ مُسْتَبْضِعٌ وَاِنَّمَا تَصِحُّ بِمَا تَصِحُّ

کل نفع کی شرط کر لینے سے قرض لینے والا ہے اور کل نفع کی شرط رب المال کے لئے کرنے سے سرمایہ لینے والا ہے صحیح ہے مضاربت اس میں

بِهِ الشِّرْكَةُ وَيَكُوْنُ الرِّبْحُ بَيْنَهُمَا مُشَاعًا فَاِنْ شَرَطَ لِاَحَدِهِمَا زِيَادَةَ عَشَرَةٍ

جس میں صحیح ہے شرکت اور ہوگا نفع ان کے درمیان مشاع پس اگر شرط کر لی کسی ایک کے لئے دس روپیہ زائد کی

فَلَهُ اَجْرُ مِثْلِهِ وَلَا يُجَاوَزُ عَنِ الْمَشْرُوْطِ.

تو مضارب کو محنت کی مزدوری ملے گی اور مشروط سے زیادہ نہ دیجائیگی

حیثیات مضارب

تشریح الفقہ: **قوله والمفارب امين الخ** مضارب جو مال لیتا ہے اس میں وہ قبل از تصرف امین ہوتا ہے کیونکہ وہ مالک کی اجازت سے

بلامبادلہ ووثیقہ مال پر قابض ہوتا ہے۔ پس اگر مال ہلاک ہوجائے تو مضارب پر تاوان نہ ہوگا۔ اور عمل کرنے کے بعد وکیل ہوتا ہے کیونکہ وہ رب المال کے حکم سے تصرف کرتا ہے۔ پس جو ذمہ داری (اس کو لاحق ہوگی وہ رب المال کو بھی لاحق ہوگی اور نفع حاصل ہونے کے بعد شریک ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنے عمل کے ذریعہ جزء مال کا مالک ہو چکا۔ اور جب کسی وجہ سے مضاربت فاسد ہوجائے تو اجیر کے درجہ میں ہوتا ہے کہ اس کو اس کی محنت کی مزدوری ملتی ہے۔ خواہ تجارت میں نفع ہو یا نہ ہو وبه قال الشافعي واحمد في رواية۔ اور اگر مضارب نے رب المال کے حکم کے خلاف کیا مثلاً اگر ایسی چیز کی خرید وفروخت کی جس سے رب المال نے منع کر دیا تھا تو وہ غاصب ہوگا۔ کیونکہ غیر کے مال میں تعدی پائی گئی۔ لہٰذا مضارب پر ضمان لازم ہوگا (وعن علي والحسن والزهري انه لاضمان كمافي الشمني) اور اگر مضارب کے لئے کل نفع مشروط ہو تو مستقرض ہوگا۔ گویا اس نے رب المال سے مال بطور قرض لے لیا۔ اور اگر نفع کی شرط رب المال کیلئے ہو تو مضارب مستبضع ہوگا۔ یعنی عقد مضاربت نہ رہے گا۔ عقد بضاعت ہوجائے گا اور مضارب رب المال کے حق میں محسن شمار ہوگا۔

قوله فان شرط الخ صحت مضاربت کے لئے نفع کا دونوں کے درمیان شائع اور عام ہونا مثلاً نصفا نصف یا تین تہائی ہونا شرط ہے۔ اب اگر مضارب نے یا رب المال نے اپنے لئے معین مقدار کی شرط کر لی یا دس درہم سے زائد کی شرط کر لی تو عقد فاسد ہوجائے گا اور مضارب کو اس کی محنت کی مزدوری ملے گی۔ لیکن جو مقدار مشروط تھی امام ابو یوسف کے نزدیک اس مقدار سے زائد مزدوری نہیں دی جائے گی اجارہ فاسدہ کا یہی حکم ہے کہ اس کی اجرت مقدار مشروط سے زیادہ نہیں ہوتی۔ امام محمد اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک پوری مزدوری دی جائی گی گو مشروط سے زائد ہو۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَكُلُّ شَرْطٍ يُوجِبُ جِهَالَةَ الرِّبْحِ يُفْسِدُهُ وَإِلَّا لَا وَيَبْطُلُ الشَّرْطُ كَشَرْطِ الْوَضِيعَةِ عَلَى الْمُضَارِبِ وَيَدْفَعُ

جو شرط نفع میں جہالت پیدا کرے وہ مفسد مضاربت ہے ورنہ مفسد نہیں بلکہ شرط باطل ہوجائے گی جیسے شرط کر لینا نقصان کی مضارب پر اور دیدے

الْمَالَ إِلَى الْمُضَارِبِ وَيَبِيعُ بِنَقْدٍ وَنَسِيئَةٍ وَيَشْتَرِي وَيُوَكِّلُ وَيُسَافِرُ وَيُبْضِعُ وَيُودِعُ وَلَا يُزَوِّجُ عَبْدًا وَلَا أَمَةً

مال مضارب کو اور مضارب بیچے نقد یا ادھار اور خریدے وکیل کرے سفر کرے سرمایہ دے امانت دے مگر نکاح نہ کرے غلام کا نہ باندی کا

وَلَا يُضَارِبُ إِلَّا بِإِذْنٍ أَوْ بِاعْمَلْ بِرَأْيِكَ وَلَمْ يَتَعَدَّ عَمَّا عَيَّنَهُ مِنْ بَلَدٍ وَسِلْعَةٍ وَوَقْتٍ

اور نہ مضاربت دے مگر اجازت سے یا یہ کہنے سے کہ اپنی رائے کے مطابق کر اور تجاوز نہ کرے اس سے جس کو معین کر دیا ہو شہر، سامان، وقت

أَوْ مُعَامِلٍ كَمَا فِي الشَّرِكَةِ وَلَمْ يَشْتَرِ مَنْ يَعْتِقُ عَلَى الْمَالِكِ أَوْ عَلَيْهِ إِنْ ظَهَرَ رِبْحٌ وَضَمِنَ إِنْ فَعَلَ

اور معاملہ والے سے جیسے شرکت میں تجاوز نہیں ہوتا اور نہ خریدے اس کو جو آزاد ہوجائے مالک پر یا مضارب پر اگر ظاہر ہوتا ہو نفع اور ضامن ہوگا

وَإِنْ لَمْ يَظْهَرْ رِبْحٌ صَحَّ فَإِنْ ظَهَرَ عَتَقَ حَظُّهُ وَلَمْ يَضْمَنْ لِرَبِّ الْمَالِ وَسَعَى الْمُعْتَقُ فِي قِيمَةِ نَصِيبِ رَبِّ

اگر اس نے ایسا کیا لیکن اگر ظاہر نہ ہو نفع تو صحیح ہے پھر اگر نفع ظاہر ہو تو آزاد ہوجائیگا اس کا حصہ اور ضامن نہ ہوگا صاحب مال کیلئے اور سعایت کریگا

الْمَالِ مَعَهُ أَلْفٌ بِالنِّصْفِ فَاشْتَرَى بِهِ أَمَةً قِيمَتُهَا أَلْفٌ

آزاد شدہ صاحب مال کے حصہ کی قیمت میں، مضارب بالنصف کے پاس ہزار ہیں اس نے ان سے باندی خریدی جس کی قیمت ہزار ہے

(۱) وہو الدراہم والدنانیر فقط ہما وعند محمد مثلہما الفلوس النافقۃ لان المضاربۃ عقد شرکۃ فی الربح فلا یصح الا بما یصح بہ الشرکۃ ۱۲

(۲) لان عدم شیوعہ بینہما بان سمیا لاحدہما دراہم او دنانیر یودی الی قطع الشرکۃ فیہ ۱۲

فَوَلَدَتْ وَلَدًا يُسَاوِیْ اَلْفًا فَادَّعَاهُ مُوْسِرًا فَبَلَغَتْ قِيْمَتُهُ اَلْفًا وَخَمْسَ مِائَةٍ

اس نے بچہ جنا جو ہزار کے برابر تھا پھر مضارب نے اس کا دعوی کیا تو نگری میں اور ہوگئی بچہ کی قیمت ڈیڑھ ہزار

سَعَى لِرَبِّ الْمَالِ فِي اَلْفٍ وَرُبْعِهٖ اَوْ اَعْتَقَهٗ فَاِنْ قَبَضَ الاَلْفَ ضَمِنَ الْمُدَّعِي.

تو کمائے بچہ رب المال کے لئے سوا ہزار یا آزاد کردے اس کو رب المال پس اگر لے لئے رب المال نے بچہ سے ہزار تو ضامن ہوگا مضارب

تفصیل احکام مضاربت

تشریح الفقہ: **قولہ وکل شرط الخ** اگر عقد مضاربت میں کوئی موجب جہالت نفع شرط لگائی گئی مثلاً رب المال نے مضارب سے بطریق تردید کہا کہ تیرے لئے نصف نفع ہے یا ثلث یا کوئی ایسی شرط لگائی گئی جو قاطع شرکت ہو مثلاً کسی ایک کیلئے معین دراہم کی شرط کرلینا تو ایسی شرطوں سے عقد مضاربت فاسد ہو جاتا ہے۔ کیونکہ مضاربت میں نفع معقود علیہ ہوتا ہے اور جہالت معقود علیہ مفسد عقد ہوتی ہے۔ اور اگر کوئی ایسی شرط لگائی گئی جو موجب جہالت نفع اور موجب قطع شرکت نہ ہو جیسے مضارب پر ٹوٹے اور نقصان کی شرط کرنا تو ایسی شرط سے عقد فاسد نہیں ہوتا' بلکہ خود وہ شرط باطل ہو جاتی ہے جیسے وکالت اور عقد ہبہ کہ یہ شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتے۔

قولہ ومبیع الخ یہاں سے ان امور کا بیان ہے جو مضارب کے لئے جائز ہیں سواگر عقد مضاربت کسی مکان وزمان اور تصرف خاص کیساتھ مقید ہو بلکہ مطلق ہو تو مضارب کیلئے وہ تمام امور جائز ہیں جو تجار کے یہاں معتاد ہوں جیسے ہاتھوں ہاتھ یا ادھار خرید و فروخت کرنا (ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بلا اجازت ادھار نہیں بیچ سکتا) وکیل بنانا' سفر کرنا' بطریق بضاعت مال دینا' کسی کے پاس مال ودیعت رکھنا' گروی لینا' گروی رکھنا' کرایہ پر دینا غیرہ کیونکہ یہ سب امور سوداگروں کے یہاں معتاد ہیں۔ اور تجارت کے سلسلہ میں ان کی ضرورت واقع ہوتی ہے۔ ہاں مال مضاربت سے خرید کردہ غلام یا باندی کا نکاح نہیں کراسکتا۔ کیونکہ تزوج ممالیک اعمال تجارت سے نہیں ہے۔ اور نہ کسی دوسرے کو مال مضاربت پر دے سکتا ہے۔ الا یہ کہ رب المال کی طرف سے اس کی اجازت ہو یا اس نے کہد یا ہو کہ اپنی رائے کے موافق کام کر' نیز اگر رب المال نے تجارت کے لئے کوئی خاص شہر یا کوئی خاص سامان یا کوئی خاص وقت یا کوئی خاص آدمی معین کردیا ہو جس کے ساتھ وہ معاملہ کرے تو مضارب کیلئے اس کے خلاف کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ مضارب جو مال میں تصرف کرنے کا مالک ہوتا ہے وہ رب المال کی تفویض سے ہوتا ہے۔ اور رب المال نے تفویض کو امور مذکورہ کیساتھ خاص کیا ہے جو فائدہ سے خالی نہیں کیونکہ تجارت اختلاف امکنہ وامتعہ اور اختلاف اوقات واشخاص کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہے۔ اس لئے مضارب کو اس کی تفویض کے خلاف کرنا جائز نہ ہوگا۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر رب المال نے ان چیزوں کی تعیین کردی تو مضاربت ہی صحیح نہ ہوگی۔

قولہ ولم یشتر الخ اگر کوئی غلام رب المال کا ذی رحم محرم ہو یا اس نے قسم کھائی ہو کہ اگر میں فلاں غلام خریدوں تو وہ آزاد ہے تو مضارب کے لئے ایسے غلام کو خریدنا جائز نہیں۔ کیونکہ عقد مضارب تحصیل منفعت کیلئے ہے اور تحصیل منفعت اسی وقت ہوسکتی ہے جب دو چار بار تصرف ہو۔ اور غلام مذکور کی خرید میں یہ چیز متصور نہیں۔ کیونکہ وہ رب المال کا حصہ آزاد ہو جائے گا (امام صاحب کے نزدیک) اور صاحب مال کا حصہ بگڑ جائے گا۔ کیونکہ امام صاحب کے نزدیک اس کی بیع جائز نہیں مگر یہ اسوقت ہے جب مال مضاربت میں نفع ظاہر ہو۔ اگر نفع ظاہر نہ ہو تو غلام مذکور کو مضاربت کیلئے خریدنا درست ہے۔ ظہور نفع سے مراد یہ ہے کہ غلام کی قیمت راس المال سے زیادہ ہو کیونکہ جب غلام کی قیمت راس المال کے برابر یا اس سے کم ہوگی تو اس غلام میں مضارب کی ملک ظاہر نہ ہوگی بلکہ غلام راس المال کیساتھ مشغول رہے گا تو اگر راس المال اولاً ایک ہزار ہو پھر دس ہزار ہو جائے اس کے بعد مضارب اس غلام کو خریدے جو اس پر آزاد ہو جائے اور

اس کی قیمت ایک ہزار یا اس سے کم ہو تو وہ اس پر آزاد نہ ہوگا۔

قولہ فان ظهر الخ یعنی جب وقت مضارب نے قرابتدار غلام خریدا تھا اس وقت تو اس کی قیمت راس المال کے برابر تھی مگر بعد میں اس کی قیمت بڑھ گئی تو بقدر حصہ مضاربت غلام آزاد ہو جائے گا کیونکہ وہ اپنے قرابتدار کا مالک ہو گیا لیکن مضارب پر رب المال کے حصہ کا ضمان نہ ہوگا کیونکہ ملک کے وقت غلام مضارب کی حرکت سے آزاد نہیں ہوا بلکہ بلا اختیار مضارب قیمت بڑھ جانے کی وجہ سے آزاد ہوا ہے۔پس غلام رب المال کے حصہ کی قیمت میں سعایت کرے گا۔ لانہ احتبست مالیتہ عندہ۔

قولہ معہ الف الخ مضارب کے پاس نصفا نصف منفعت پر ایک ہزار درہم تھے۔اس نے ان سے ایک ہزار درہم قیمت کی باندی خرید کر وطی کی جس سے ایک ہزار کی قیمت کا بچہ ہوا اور مضارب نے مالداری کی حالت میں اس بچہ کے نسب کا دعوی کیا پھر اس بچہ کی قیمت ڈیڑھ ہزار ہو گئی تو مضارب کا دعوی نسب نافذ ہوگا۔کیونکہ نفع ظاہر ہونے کی وجہ سے مضارب کی ملک پائی گئی اور جب مضارب کا دعوی نافذ ہوا تو وہ بچہ اس کا فرزند ہو گیا۔لہٰذا وہ بقدر حصہ مضارب آزاد ہو جائیگا اور مضارب پر رب المال کے حصہ کا ضمان نہ ہوگا کیونکہ یہ آزادی ملک ونسب کیوجہ سے ثابت ہوئی ہے جس میں مضارب کے فعل کو دخل نہیں۔ہاں رب المال کو اختیار ہوگا چاہے وہ اس بچہ سے ساڑھے بارہ سو درہم میں سعایت کرا لے یعنی ایک ہزار راس المال کی بابت اور اڑھائی سو نفع کی بابت اور چاہے اسے آزاد کر دے۔پھر جب رب المال لڑکے سے ہزار درہم وصول کر چکا تو وہ مضارب سے باندی کی قیمت کے پانچسو درہم وصول کر لے۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

فَاِنْ ضَارَبَ الْمُضَارِبُ بِلاَ اِذْنٍ لَمْ يَضْمَنْ مَالَمْ يَعْمَلِ الثَّانِي فَاِنْ دَفَعَ بِاِذْنٍ بِالثُّلُثِ وَقِيْلَ لَهُ

اگر مضارب نے مضاربت کیا بلا اجازت تو ضامن نہ ہوگا جب تک کہ عمل نہ کرے دوسرا پس اگر مال دیا اجازت سے تہائی نفع پر اور کہا گیا تھا اس سے

مَارَزَقَ اللّٰهُ فَبَيْنَنَا نِصْفَانِ فَلِلْمَالِكِ اَلنِّصْفُ وَلِلاَوَّلِ اَلسُّدُسُ وَلِلثَّانِي اَلثُّلُثُ

کہ جو کچھ خدا نفع دے وہ ہم میں نصفا نصف ہے تو مالک کے لئے نصف ہوگا اور مضارب اول کیلئے سدس اور مضارب ثانی کیلئے ثلث

وَلَوْ قِيْلَ لَهُ مَارَزَقَكَ اللّٰهُ فَبَيْنَنَا نِصْفَانِ فَلِلثَّانِي ثُلُثُهُ وَالْبَاقِي بَيْنَ الْمَالِكِ وَالاَوَّلِ

اور اگر کہا گیا ہو اس سے کہ جو نفع خدا تجھ کو دے وہ ہم میں نصف نصف ہے تو مضارب ثانی کیلئے تہائی ہوگا اور باقی مالک اور مضارب اول کے

نِصْفَانِ وَلَوْ قِيْلَ لَهُ مَارَبِحْتَ فَبَيْنَنَا نِصْفَانِ وَدَفَعَ بِالنِّصْفِ فَلِلثَّانِي اَلنِّصْفُ

درمیان آدھوں آدھ ہوگا اور اگر کہا گیا ہو کہ جو تو نفع پائے وہ ہم میں نصفا نصف ہے اور دیا اس نے نصف پر تو ثانی کیلئے نصف ہوگا

وَاسْتَوَيَا فِيْمَا بَقِيَ وَلَوْ قِيْلَ لَهُ مَارَزَقَ اللّٰهُ فَلِيْ نِصْفُهُ اَوْ مَاكَانَ مِنْ فَضْلٍ فَبَيْنَنَا نِصْفَانِ فَدَفَعَ بِالنِّصْفِ

اور باقی میں دونوں برابر ہوں گے اور اگر کہا گیا ہو کہ جو اللہ نفع دے اسکا نصف میرا ہے یا جو نفع ہو وہ ہم میں نصفا نصف ہے اور دیا اس نے نصف پر

فَلِلْمَالِكِ اَلنِّصْفُ وَلِلثَّانِي اَلنِّصْف.وَلاَ شَيْءَ لِلاَوَّلِ وَلَوْ شَرَطَ لِلثَّانِي ثُلُثَيْهِ ضَمِنَ الاَوَّلُ

تو مالک کیلئے نصف ہوگا اور ثانی کے لئے نصف اور کچھ نہ ہوگا مضارب اول کے لئے اگر شرط کر لی ثانی کے لئے دو تہائی کی تو ضامن ہوگا اول

لِلثَّانِي سُدُساً وَاِنْ شَرَطَ لِلْمَالِكِ ثُلُثَهُ وَلِعَبْدِهِ ثُلُثَهُ عَلٰى اَنْ يَعْمَلَ مَعَهُ

ثانی کے لئے چھٹے حصے کا اگر شرط کی مالک کے لئے تہائی کی اور اس کے غلام کیلئے تہائی کی اس شرط پر کہ وہ بھی کام کرے اس کے ساتھ

وَلِنَفْسِهِ ثُلُثَهُ صَحَّ وَتَبْطُلُ بِمَوْتِ اَحَدِهِمَا ـ اَوْ بِلُحُوْقِ الْمَالِكِ مُرْتَدًّا وَيَنْعَزِلُ بِعَزْلِهِ

اور اپنے لئے تہائی کی تو صحیح ہے باطل ہو جاتی ہے کسی ایک کے مرنے یا مالک کے دار الحرب چلے جانے سے مرتد ہو کر معزول ہو جاتا ہے اس کے علیحدہ

اِنْ	عَلِمَ	وَاِنْ	عَلِمَ	وَالْمَالُ	عُرُوْضٌ	بَاعَهَا	ثُمَّ	لَايَتَصَرَّفُ	فِي	ثَمَنِهَا.	

کر دینے سے اگر اس کو معلوم ہو جائے اگر معلوم ہوا اس حال میں کہ مال سامان ہے تو اس کو فروخت کر دے پھر اس کے ثمن میں تصرف نہ کرے۔

تشریح الفقہ: قولہ فان ضارب الخ مضارب نے رب المال کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے شخص کو مضاربت پر مال دیدیا تو مضارب اول پر صرف مال دینے سے ضمان عائد نہ ہوگا۔ جب تک کہ مضارب ثانی عمل تجارت نہ کرے خواہ مضارب ثانی کو نفع حاصل ہو یا نہ ہو ظاہر الراوایہ یہی ہے اور یہی صاحبین کا قول ہے (قیل وبہ یفتی) امام صاحب سے حسن کی روایت ہے کہ جب تک مضارب ثانی کو نفع حاصل نہ ہو اس وقت تک مضارب اول پر ضمان نہ آئے گا۔ امام زفر کے نزدیک صرف مال دینے ہی سے ضمان لازم ہو جائے گا۔ خواہ مضارب ثانی عمل کرے یا نہ کرے۔ یہ ایک روایت امام ابو یوسف سے بھی ہے اور ائمہ ثلاثہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ کیونکہ مضارب کو بطریق ودیعت مال دینے کا حق ہے نہ کہ بطریق مضاربت صاحبین یہ فرماتے ہیں کہ مضارب کا مال دینا درحقیقت ایداع ہے۔ مضاربت کے لئے تو وہ اس وقت ہوگا جب مضارب ثانی کی طرف سے عمل پایا جائے گا۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ دفع مال قبل از عمل ایداع ہے اور بعد از عمل ابضاع اور مضارب کیلئے دونوں طرح دینے کا حق ہے۔ پس نہ ایداع سے ضامن ہوگا اور نہ ابضاع سے بلکہ جب مضارب ثانی کو نفع حاصل ہوگا اس وقت ضامن ہوگا۔ کیونکہ اب مال میں مضارب ثانی کی شرکت ثابت ہوگئی۔

قولہ فان دفع الخ مضارب نے رب المال کی اجازت سے دوسرے شخص کو مضاربت بالثلث پر مال دیا جبکہ رب المال نے مضارب اول سے یہ طے کر لیا تھا کہ جو کچھ اللہ دے گا وہ ہمارے درمیان نصفا نصف ہوگا تو رب المال کو اس کی شرط کے بموجب کل نفع کا نصف ملے گا اور مضارب ثانی کو ایک ثلث کیونکہ مضارب اول نے اس کے لئے کل نفع کا ایک ثلث ہی مقرر کیا تھا۔ اب باقی رہا ایک سدس وہ مضارب اول کو ملے گا مثلاً مضارب ثانی کو چھ درہم کا نفع ہوا تو تین درہم رب المال کو ملیں گے اور دو مضارب ثانی کو اور ایک مضارب اول کو۔

قولہ وقیل الخ اور اگر رب المال نے بوقت مضاربت اول یہ کہا ہو کہ تجھ کو جو نفع ہوگا وہ ہمارے درمیان نصفا نصف ہوگا اور باقی مسئلہ علی حالہ ہو تو مضارب ثانی کو ایک ثلث ملے گا اور باقی دو ثلث مضارب اول اور رب المال کے درمیان نصف نصف تقسیم ہوں گے پس اس صورت میں تینوں کو دو دو درہم ملیں گے۔ کیونکہ یہاں رب المال نے اپنے لئے نفع کی اس مقدار کا نصف مقرر کیا ہے جو مضارب اول کو حاصل ہو اور وہ یہاں دو ثلث ہے۔ لہٰذا رب المال کو اس کا نصف یعنی ایک ثلث ملے گا بخلاف پہلے مسئلے کے کہ اس میں رب المال نے اپنے لئے کل نفع کا نصف مقرر کیا تھا۔

قولہ ولو قیل لہ ماربحت الخ اور اگر رب المال نے مضارب سے یہ کہا کہ تو جو نفع حاصل کرے وہ ہمارے درمیان نصفا نصف ہے اور مضارب اول نے مضارب ثانی کو مضاربت بالنصف پر مال دیا تو مضارب ثانی کو اس کی شرط کے بموجب نصف ملے گا اور باقی نصف میں رب المال اور مضارب اول دونوں برابر شریک ہوں گے یعنی ایک ربع رب المال کا ہوگا اور ایک ربع مضارب اول کا پس مضارب ثانی کو تین درہم ملیں گے اور رب المال اور مضارب اول کو ڈیڑھ ڈیڑھ۔ اور اگر رب المال نے مضارب اول سے یہ کہا ہو کہ جو کچھ اللہ دے گا اس کا نصف میرا ہے۔ اور مسئلہ علی حالہ ہو تو نصف نفع رب المال کا ہوگا اور نصف مضارب ثانی کا اور مضارب اول کو کچھ نہ ملے گا کیونکہ اس نے اپنا نصف نفع مضارب ثانی کو دیدیا اور اگر مضارب اول نے مضارب ثانی کے لئے نفع کے دو ثلث کی شرط کر لی تو مضارب اول مضارب ثانی کو نفع کا ایک سدس اپنے پاس سے دیگا۔ کیونکہ کل نفع کا نصف تو رب المال کا ہوا اور مضارب ثانی کل نفع کے دو ثلث کا مستحق ہے۔ تو اس کے حصہ میں جو سدس کی کمی واقع ہوئی وہ مضارب اول اپنے پاس سے پوری کریگا۔

(۱) لان اشتراطہ للعبد یکون اشتراطاً للمولی فکانہ شرط للمولی ثلثی الربح ۱۲ (۲) لانہ وکیل من جہۃ فیشترط العلم بعزلہ ۱۲
(۳) لان العزل انما لم یعمل ضرورۃ معرفۃ راس المال وقد اندفعت حیث صار نقداً فیعمل العزل ۱۲ ہدایہ۔

قولہ وتبطل الخ اگر رب المال یا مضارب مرجائے تو مضاربت باطل ہوجائے گی۔ کیونکہ مضارب کے عمل کے بعد مضاربت توکیل کے حکم میں ہوتی ہے۔ جیسا کہ ہم شروع باب میں ذکر کر چکے۔ اور وکالت مؤکل یا وکیل کے مرنے سے باطل ہوجاتی ہے تو مضاربت بھی باطل ہوجائے گی۔ نیز اگر رب المال (معاذ اللہ) مرتد ہوکر دارالحرب چلا جائے تب بھی مضاربت باطل ہوجائے گی۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَلَوْ افْتَرَقَا وَفِي الْمَالِ دُيُوْنٌ وَرِبْحٌ اُجْبِرَ عَلىٰ اِقْتِضَاءِ الدُّيُوْنِ وَاِلَّا لَايَلْزَمُهُ الْاِقْتِضَاءُ وَيُوَكِّلُ الْمَالِكَ

اگر جدا ہوگئے اور مال میں قرض بھی ہیں اور نفع بھی ہے تو مجبور کیا جائیگا قرضوں کے وصول کرنے پر ورنہ اس کو وصول کرنا لازم نہیں بلکہ وکیل کردے

عَلَيْهِ وَالسِّمْسَارُ يُجْبَرُ عَلَى التَّقَاضِي وَمَاهَلَكَ مِنْ مَالِ الْمُضَارَبَةِ فَمِنَ الرِّبْحِ فَاِنْ زَادَ الْهَالِكُ عَلَى الرِّبْحِ

مالک کو وصول کرنے کا اور دلال مجبور کیا جائیگا وصول کرنے پر اور جو ہلاک ہوجائے مال مضاربت سے تو وہ نفع سے ہوگا اگر نفع سے زیادہ ہلاک

لَمْ يَضْمَنِ الْمُضَارِبُ وَاِنْ قُسِّمَ الرِّبْحُ وَبَقِيَتِ الْمُضَارَبَةُ ثُمَّ هَلَكَ الْمَالُ اَوْ بَعْضُهُ تَرَادُّ الرِّبْحَ

ہوجائے تو ضامن نہ ہوگا مضارب، اور اگر تقسیم کرلیا گیا نفع اور باقی رہی مضاربت پھر ہلاک ہوگیا کل مال یا کچھ تو لوٹائیں نفع کو

لِيَاْخُذَ الْمَالِكُ رَاْسَ مَالِهٖ وَمَا فَضَلَ فَهُوَ بَيْنَهُمَا وَاِنْ نَقَصَ لَمْ يَضْمَنِ الْمُضَارِبُ

تاکہ لے لے مالک اپنا راس المال اور جو بچے وہ ان دونوں کے درمیان ہوگا اور اگر کم پڑجائے تو ضامن نہ ہوگا مضارب،

وَاِنْ قُسِّمَ الرِّبْحُ وَفُسِخَتْ ثُمَّ عَقَدَاهَا فَهَلَكَ الْمَالُ لَمْ يَتَرَادَّا الرِّبْحَ الْاَوَّلَ.

اور اگر تقسیم کرلیا گیا نفع اور فسخ کردیگئی مضاربت پھر از سر نو عقد مضاربت کیا اور مال ہلاک ہوگیا تو نہ لوٹائیں پہلا نفع۔

تشریح الفقہ: **قولہ ولو افترقا الخ** اگر رب المال اور مضارب دونوں فسخ عقد کے بعد جدا ہوجائیں اور مال مضاربت لوگوں پر قرض ہو اور مضارب کو تجارت میں نفع حاصل ہوا ہو تو مضارب کو قرضداروں سے قرض وصول کرنے پر مجبور کیا جائیگا۔ کیونکہ مضارب اجیر کی مانند ہے اور نفع اجرت کی مانند ہے لہٰذا اس کو اتمام عمل پر مجبور کیا جائے گا اور اگر اس کو نفع حاصل نہ ہوا تو مجبور نہیں کیا جائیگا کیونکہ اس صورت میں مضارب متبرع و محسن ہے۔ اور متبرع پر جبر نہیں ہوتا۔ بلکہ اس سے یہ کہا جائے گا کہ قرض وصول کرنے کیلئے رب المال کو وکیل بنادے تاکہ اس کا حق ضائع نہ ہو۔

قولہ وما ھلک الخ اگر مال مضاربت کا کچھ حصہ ہلاک ہوجائے تو اس کو نفع سے مجرا کیا جائے گا کیونکہ راس المال اصل ہے۔ اور نفع تابع اور ہلاکت کی طرف راجع کرنا بہتر ہے جیسے باب زکوٰۃ میں ہلاکت مقدار عفو کی طرف راجع ہوتی ہے۔ اور اگر اتنا مال ہلاک ہوجائے کہ نفع سے بڑھ جائے تو مضارب اس کا ضامن نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ امین ہے اور امین پر ضمان نہیں ہوتا۔

.....

عہ.....لانیعمل للناس باجرۃ عادۃ ۱۲ (۱) قال فی مجمع الانہرا السمسار بالکسر المتوسط والمشتری مبیع و یشتری للناس باجر من غیر ان یستاجر وکذافی ردالمحتار و فیہ فی موضع آخرلافرق بین السمسار والد لال وقد فسرھمافی القاموس المتوسط بین البائع والمشتری وفرق بینھما الفقہاء فالسمسار ھوالدال علیٰ مکان السلعۃ وصاحبھاوالدلال ھو المصاحب للسلعۃ غالباً افادہ سری الدین عن بعض المتاخرین انتھی و فی المغرب السمسار بکسر الاول المتوسط بین البائع والمشتری فارسیتمعربۃ عن اللیث والجمع السماسرۃ وفی الحدیث کنا ندعی السماسرۃ فسمانا النبی علیہ السلام التجار ومصدرھا السمسرۃ وھی ان یتوکل الرجل من الحاضر للبادیۃ فیبیع لھم مایجلبو نہ قال الازھری وقیل فی تفسیر قولہ علیہ السلام "لایبیع حاضرللبادلانہ یکون سمسار ۱۲ (۲) لان قسمۃ الربح لاتصح قبل استیفاء راس المال لا نہ ھو الاصل ۱۲ ھدایہ (۳) لان المضاربۃ الاولی قدانتھت بالفسخ وثبوت الثانیۃ بعقد جدید فھلاک المال فی الثانیۃ لایوجب انتقاض الاولی ۱۲۔

فَصلٌ: وَلاَ تَفْسُدُ الْمُضَارَبَةُ بِدَفْعِ الْمَالِ اِلَى الْمَالِكِ بُضَاعَةً فَاِنْ سَافَرَ فَطَعَامُهُ وَشَرَابُهُ وَكِسْوَتُهُ وَرُكُوبُهُ

(فصل) فاسد نہیں ہوتی مضاربت مال دیدینے سے مالک کو بطریق بضاعت اگر مضارب سفر کرے تو اس کا کھانا پینا اور پہننا اور سوار ہونا

فِي مَالِ الْمُضَارَبَةِ وَاِنْ عَمِلَ فِي الْمِصْرِ فَنَفَقَتُهُ فِي مَالِهِ كَالدَّوَاءِ فَاِنْ رَبِحَ اَخَذَ الْمَالِكُ مَا اَنْفَقَ

مال مضاربت سے ہوگا اور اگر کام کرے شہر میں تو اس کا خرچ اسی کے مال سے ہوگا جیسے دوا وغیرہ اگر نفع ہو تو لے مالک وہ جو اس نے خرچ

مِنْ رَأْسِ الْمَالِ فَاِنْ بَاعَ الْمَتَاعَ مُرَابَحَةً حَسِبَ مَااَنْفَقَ عَلَى الْمَتَاعِ لاَ عَلٰى نَفْسِهِ.

کیا ہے راس المال سے اگر بیچے سامان نفع پر تو حساب میں لگائے اس کو جو خرچ کیا ہے سامان پر نہ کہ اپنی ذات پر۔

مصارف مضارب کے احکام

تشریح الفقہ: قولہ ولا تفسد الخ اگر مضارب کل مال مضاربت یا بعض مال مضاربت رب المال کو بطور بضاعت دیدے تو ہمارے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس سے عقد مضاربت فاسد نہیں ہوتا۔ امام زفر کے نزدیک فاسد ہوجاتا ہے۔ کیونکہ رب المال اپنے مال میں بذات خود متصرف ہوا پس وہ اس میں وکیل نہیں ہوسکتا۔ تو گویا اس نے مضارب سے اپنا مال واپس لیا۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ مضارب اور مال کے درمیان تخلیہ تام ہو چکا۔ اور مضارب تصرف کا حقدار ہوگیا تو رب المال اس کی طرف سے وکیل ہوسکتا ہے اور بطریق بضاعت مال دینا توکیل ہی ہے۔

قولہ فان سافر الخ جب مضارب برائے تجارت سفر کرے۔ تو کھانا، پینا، لباس و پوشاک، سواری، چراغ کا تیل ایندھن، خادم، حمام، حلاق کی اجرت غرض اپنی تمام ضروریات مال مضاربت سے پوری کرے گا لیکن دستور کے مطابق فضول خرچی جائز نہ ہوگی۔ اور اگر مضارب اپنے شہر میں رہ کر کام کرے (خواہ وہ شہر اس کی جائے پیدائش ہو یا جائے اقامت) تو دوا دارو، علاج معالجہ کی طرح اس کا ذاتی خرچ بھی خود اسی کے مال سے ہوگا نہ کہ مال مضاربت سے پھر مضارب کو جو نفع حاصل ہوگا اس سے رب المال بقدر سفر خرچ مجرا کرلیگا۔ تا کہ راس المال پورا ہوجائے۔ اور جو باقی رہے وہ آپس میں تقسیم کرلیں۔

تنبیہ: یہاں سفر سے مراد سفر شرعی نہیں بلکہ جب مضارب شہر سے اتنی دور نکل جائے کہ رات میں اپنے گھر نہ آسکے تو اس کا حکم سفر کا سا ہے۔ اور اگر شب میں گھر آسکتا ہو تو اس کا حکم شہر کے بازاروں کا سا ہے۔

قولہ فان باغ الخ اگر مضارب مال مضاربت میں سے کوئی چیز مرابحۃً فروخت کرے تو کچھ اس چیز پر صرف ہے، جیسے بار برداری، دلال، دھوبی، رنگریز وغیرہ کی اجرت کا صرفہ تو اسکو اصل لاگت کیساتھ ملالے اور کہے کہ یہ چیز مجھے اتنے میں پڑی ہے۔ اور جو کچھ اس نے اپنی ذات پر صرف کیا ہے اس کو شامل نہ کرے۔ لان العرف جار بالحاق الاول دون الثانی۔

وَلَوْ قَصَّرَهُ اَوْ حَمَلَهُ بِمَالِهِ وَقِيْلَ لَهُ اِعْمَلْ بِرَايِكَ فَهُوَ مُتَطَوِّعٌ وَاِنْ صَبَغَهُ اَحْمَرَ

اگر کپڑا دھلوایا یا سامان لدوایا اپنے مال سے اور کہا گیا تھا اس سے کہ اپنی رائے کے مطابق کر تو وہ احسان کنندہ ہوگا اور اگر رنگا یا اس کو سرخ

فَهُوَ شَرِيْكٌ بِمَا زَادَ الصَّبْغُ فِيْهِ وَلاَ يَضْمَنُ مَعَهُ اَلْفٌ بِالنِّصْفِ فَاشْتَرٰى بِهِ بَزًّا

تو وہ شریک ہوگا اسی قدر کا جو بڑھ گئی ہے قیمت رنگنے سے اور ضامن نہ ہوگا مضارب بالنصف کے پاس ہزار ہیں اس نے اس سے کپڑا خرید کر

وَبَاعَهُ بِاَلْفَيْنِ وَاشْتَرٰى بِهِمَا عَبْدًا فَضَاعَا غَرِمَا اَلْفًا وَالْمَالِكُ اَلْفًا

دوہزار میں بیچا اور دوہزار سے غلام خریدا اور دوہزار ضائع ہوگئے تو مالک اور مضارب دونوں ایک ہزار دیں اور مالک ایک ہزار اور دے

وَرُبعِ العَبْدِ لِلْمُضَارِبِ وبَاقِيهِ عَلَى الْمُضَارِبَةِ وَرَأْسُ الْمَالِ الْفَانِ وَخَمْسَمِائَةٍ وَيُرَابِحُ عَلَى الْفَيْنِ

اب چوتھائی غلام مضارب کا ہوگا اور باقی مضاربت پر رہے گا اور راس المال اڑھائی ہزار ہوگا اور مرابحت کریگا دوہزار پر

وَاِنْ اِشْتَرٰی مِنَ الْمَالِكِ بِالْفٍ عَبْدًا اِشْتَرَاهُ بِنِصْفِهٖ رَابَحَ بِنِصْفِهٖ مَعَهُ اَلْفٌ بِالنِّصْفِ

اگر خریدا مالک سے ہزار میں غلام جو مالک نے پانچ سو میں خریدا تھا تو مرابحت کرے پانچ سو پر مضارب بالنصف کے پاس ہزار ہیں

فَاشْتَرٰی بِهٖ عَبْدًا قِيمَتُهُ اَلْفَانِ فَقَتَلَ رَجُلاً خَطَاءً فَثَلاثَةُ اَرْبَاعِ الْفِدَاءِ عَلَى الْمَالِكِ وَرُبُعُهُ عَلَى الْمُضَارِبِ

اس نے ان سے غلام خریدا جس کی قیمت دوہزار ہے غلام نے کسی کو نادانستہ مارڈالا تو تین چوتھائی فدیہ مالک پر ہوگا اور ایک چوتھائی مضارب پر

وَالْعَبْدُ يَخْدُمُ الْمَالِكَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ وَالْمُضَارِبَ يَوْماً مَعَهُ اَلْفٌ فَاشْتَرٰی بِهٖ عَبْدًا فَهَلَكَ الثَّمَنُ قَبْلَ النَّقْدِ

اور غلام خدمت کریگا مالک کی تین دن اور مضارب کی ایک دن مضارب کے پاس ہزار ہیں پس خریدا ان سے غلام اور ہلاک ہوگیا ثمن ادائیگی سے پہلے

دَفَعَ الْمَالِكُ اَلْفًا اٰخَرَ ثُمَّ وَثُمَّ وَرَأْسُ الْمَالِ جَمِيعُ مَادَفَعَ مَعَهُ اَلْفَانِ

تو دے مالک ایک ہزار اور اگر پھر ہلاک ہوجائے تو پھر دے اور راس المال وہ کل رقم ہوگی جو اس نے دی ہے مضارب کے پاس دوہزار ہیں

فَقَالَ دَفَعْتَ اِلَیَّ اَلْفًا وَرَبِحْتُ اَلْفًا وَقَالَ الْمَالِكُ دَفَعْتُ اَلْفَيْنِ فَالْقَوْلُ لِلْمُضَارِبِ.

وہ کہتا ہے کہ ایک ہزار تو نے دیئے تھے اور ایک ہزار کا مجھے نفع ہوا ہے مالک کہتا ہے کہ دوہزار دیئے تھے تو قول مضارب کا معتبر ہوگا۔

تشریح الفقہ: قولہ ولو قصرہ الخ رب المال نے مضارب سے کہا کہ تو اپنی صوابدید کے موافق کام کر۔ مضارب نے مال مضاربت سے کوئی سامان خریدا اور اس کا صرفہ اپنے پاس سے دیدیا مثلاً کپڑے کی دھلائی یا وزنی سامان کی ڈھلائی تو مضارب کا یہ سلوک اپنی طرف سے ہوگا اور یہ صرفہ رب المال کے ذمہ نہ ہوگا۔ اور اگر مضارب نے مال مضاربت سے سفید تھان خریدا اور اپنے پاس سے دام دیکر سرخ رنگالیا تو رنگ کی وجہ سے جو قیمت بڑھے گی۔ مضارب اس میں شریک ہوگا اور مالک کیلئے سفید تھان کی قیمت کا ذمہ دار نہ ہوگا۔ کیونکہ مالک نے اس کو اس کی صوابدید پر کام کرنے کی اجازت دیدی تھی۔

مَعَهُ اَلْفٌ فَقَالَ هُوَ مُضَارِبَةٌ بِالنِّصْفِ وَقَدْ رَبِحَ اَلْفًا وَقَالَ الْمَالِكُ بُضَاعَةٌ فَالْقَوْلُ لِلْمَالِكِ.

مضارب کے پاس ہزار ہیں وہ کہتا ہے کہ یہ مضاربت بالنصف کے ہیں اور ہزار کا نفع ہوا ہے مالک کہتا ہے کہ یہ سرمایہ تجارت کے ہیں تو قول مالک کا معتبر ہوگا

قولہ معہ الف بالنصف الخ منفعت کے مضارب نے مضاربت کے ایک ہزار درہم سے کپڑے کے تھان خرید کر دوہزار میں فروخت کئے پھر انہی دوہزار سے ایک غلام خریدلیا اور ابھی غلام کی قیمت نہیں دے پایا تھا کہ وہ ہزار درہم ہلاک ہوگئے۔ تو مضارب نصف نفع یعنی دوہزار کی چوتھائی (پانچ سو درہم) کا تاوان دیگا اور باقی یعنی دوہزار کی تین چوتھائی (ڈیڑھ ہزار) کا تاوان مالک پر ہوگا۔ اس واسطے کہ جب کپڑا فروخت کرنے کے بعد مال ایک ہزار سے دوہزار ہوگیا تو مال میں ایک ہزار کا نفع ظاہر ہوا اور وہ دونوں میں نصفا نصف ہوگیا تو مضارب کے پاس اس میں سے پانچ سو درہم پہنچے اس کے بعد جب دوہزار کا غلام خریدا تو وہ دونوں میں مشترک ہوگیا۔ یعنی چوتھائی غلام مضارب کا ہوا اور تین چوتھائیاں مالک کی ہوئیں۔ پھر ادائیگی ثمن سے قبل دوہزار ہلاک ہوگئے تو تاوان دونوں پر بقدر ملک ہوگا۔ پس ایک ربع یعنی پانچ سو درہم مضارب پر پڑیں گے۔ اور باقی ڈیڑھ ہزار مالک پر۔ اب چوتھائی غلام جو مضارب کا مملوک ہے وہ

مضاربت سے خارج ہوجائے گا۔اور باقی مضاربت پر رہے گا۔مضارب کا حصہ مضاربت سے اسلئے خارج ہوا کہ وہ مضمون ہے اور مال مضارب امانت ہے۔اوران دونوں میں منافات ہے لہذا مضارب کا حصہ خارج ہوجائے گا۔پھر راس المال اڑھائی ہزار ہوگا۔کیونکہ ایک ہزار تو رب المال نے اولاً دیے تھے جس سے مضارب نے کپڑا خریدا تھا اسکے بعد ڈیڑھ ہزار تاوان کے دیے تو کل راس المال اڑھائی ہزار ہوا لیکن اگر مضارب اس غلام کو بطور مرابحت فروخت کرنا چاہے تو وہ مرابحت دو ہزار ہی پر کرے یہ نہ کہے کہ مجھے اڑھائی ہزار میں پڑا ہے۔کیونکہ غلام دو ہزار ہی میں خریدا ہے۔

قولہ وان اشتری الخ مضارب نے رب المال سے ایک ہزار میں ایک غلام خریدا جو رب المال نے پانچسو میں خریدا تھا تو گو مضارب نے ایک ہزار میں خریدا ہے لیکن وہ مرابحت صرف پانچسو پر کرے۔کیونکہ مالک کا مضارب کے ہاتھ فروخت کرنا ایسا ہے جیسے اپنے ہاتھ فروخت کرنا کیونکہ مضارب اس کا وکیل ہے اسلئے اسکی بیع کا اعتبار نہ ہوگا۔

قولہ مع الف الخ نصف منفعت کے مضارب نے مضاربت کے ایک ہزار درہموں سے ایسا غلام خریدا جسکی قیمت دو ہزار ہے اور غلام نے کسی شخص کو خطأً قتل کرڈالا تو وجوب فدیہ بقدر ملک ہوگا یعنی ایک چوتھائی مضارب پر اور تین چوتھائیاں رب المال پر کیونکہ راس المال ایک ہزار تھا۔اور غلام فی الوقت دو ہزار کا ہے تو نصف نفع یعنی پانچسو درہم مضارب کے ٹھہرے اور ڈیڑھ ہزار رب المال کے تو فدیہ بھی اسی حساب سے واجب ہوگا۔اب غلام تین دن رب المال کی خدمت کرے گا اور ایک دن مضارب کی۔کیونکہ وہ مضاربت سے خارج ہو چکا۔مضارب کا حصہ تو اسلئے خارج ہوگیا کہ وہ مضمون ہے جیسا کہ پہلے مذکور ہو چکا۔اور رب المال کا حصہ اسلئے خارج ہوا کہ حکم قاضی بانقسام فداء انقسام عہد کو متضمن ہے۔اور قسمت کی وجہ سے مضاربت منتہی ہو جاتی ہے۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

کتاب الودیعة

الاِیْدَاعُ تَسْلِیْطُ الْغَیْرِ عَلٰی حِفْظِ مَالِهٖ وَالْوَدِیْعَةُ مَایُتْرَکُ عِنْدَ الاَمِیْنِ وَهِیَ اَمَانَةٌ فَلاَ یَضْمَنُ

ایداع مسلط کرنا ہے دوسرے کو اپنے مال کی حفاظت پر اور ودیعت وہ ہے جو چھوڑی جائے امین کے پاس اور وہ امانت ہوتی ہے پس ضامن نہ ہوگا

بِالْهَلاَکِ وَلِلْمُوْدَعِ اَنْ یَحْفَظَهَا بِنَفْسِهٖ بِعِیَالِهٖ فَاِنْ حَفِظَهَا بِغَیْرِهِمْ ضَمِنَ

ہلاک ہونے سے اور مودع کے لئے اختیار ہے کہ خود حفاظت کرے یا اپنے گھر والوں سے کرائے اگر اوروں سے کرائی تو ضامن ہوگا

اِلَّا اَنْ یَخَافَ الْحَرَقَ اَوِ الْغَرَقَ فَیُسَلِّمُهَا اِلٰی جَارِهٖ اَوْ فُلْکٍ اٰخَرَ فَاِنْ طَلَبَ رَبُّهَا فَحَبَسَهَا عَنْ رَبِّهَا قَادِرًا

مگر یہ کہ اندیشہ ہو جلنے یا غرق ہونے کا پس دیدے اپنے پڑوسی یا دوسرے کشتی والے کو اگر طلب کرے امانت اور روک لے دینے پر قادر ہوتے

عَلٰی تَسْلِیْمِهَا اَوْ خَلَطَهَا بِمَالِهٖ حَتّٰی لاَیَتَمَیَّزُ ضَمِنَهَا فَاِنْ اِخْتَلَطَ بِلاَ فِعْلِهٖ اِشْتَرَکَا وَلَوْ اَنْفَقَ

ہوئے یا ملالے اپنے مال کے ساتھ اس طرح کہ اس کی پہچان نہ رہے تو ضامن ہوگا اور اگر خود مل جائے تو دونوں شریک ہوں گے اگر کچھ امانت خرچ

بَعْضَهَا فَرَدَّ مِثْلَهٗ فَخَلَطَهٗ بِالْبَاقِیْ ضَمِنَ الْکُلَّ وَاِنْ تَعَدّٰی فِیْهَا ثُمَّ اَزَالَ التَّعَدِّیْ زَالَ الضَّمَانُ بِخِلاَفِ

کر لی اور اتنی ہی اور اس میں ملادی تو سب کا ضامن ہوگا اگر امانت میں کوئی تعدی کی پھر تعدی ختم کردی تو ضمان بھی ختم ہو جائیگا بخلاف مستعیر

الْمُسْتَعِیْرِ وَالْمُسْتَاجِرِ وَاِقْرَارِهٖ بَعْدَ جُحُوْدِهٖ وَلَهٗ اَنْ یُسَافِرَ بِهَا عِنْدَ عَدَمِ النَّهْیِ وَالْخَوْفِ.

اور مستاجر کے اور بخلاف اس کے اقرار کے انکار کے بعد اور مودع سفر میں لیجا سکتا ہے امانت کو ممانعت اور خوف نہ ہونے کے وقت۔

توضیح اللغۃ: ایداع دوسرے کو کوئی چیز سونپنا' مودَع: جسکے پاس ودیعت رکھی جائے' حرق جلنا' غرق پانی میں ڈوبنا۔ جار: پڑوسی' فلک کشتی' حبس روکے رکھا' خلط ملادیا۔ اختلط مل گئی' تعدی: زیادتی کی' جحود: انکار کرنا۔

تشریح الفقہ: قولہ کتاب الخ ایداع و مضاربت دونوں امانت ہونے میں مشترک ہیں اسلئے مضاربت کے بعد ودیعت کو لا رہا ہے۔ پھر ودیعت بلا تملیک شئی امانت ہوتی ہے۔ اور عاریت مع تملیک منافع بلا عوض امانت ہوتی ہے اور ہبہ محض تملیک عین بلا عوض کا نام ہے ۔ اور اجارہ میں عوض کے ساتھ منفعت کی تملیک ہوتی ہے ۔ اسلئے مصنف ودیعت کے بعد عاریت' ہبہ اور اجارہ کو اسی ترتیب کے ساتھ لا رہا ہے جسمیں ترقی من الادنیٰ الی الاعلیٰ ہے۔ ع..... فاول القطر غیث ثم ینسکب

فائدہ: حفظِ امانت موجب سعادتِ دارین ہے اور خیانت باعثِ شقاوتِ کونین' حضور اکرم صلعم کا ارشاد ہے "امانت داری مالداری لاتی ہے اور خیانت محتاجی و مفلسی۔

قولہ الایداع الخ ودیعت لغۃً ودع سے مشتق ہے مطلق ترک کو کہتے ہیں۔ قال علیہ الصلوۃ والسلام" لینتھین اقوام عن ودعھم الجماعات" ای عن ترکھا' اصطلاح شرع میں ایداع اسے کہتے ہیں کہ اپنے مال کی نگہبانی پر دوسرے کو قابو دیدیا جائے۔ جو چیز دوسرے کی نگہبانی میں چھوڑ دی جائے اسے ودیعت کہتے ہیں۔ اور جو نگہبانی میں چھوڑے اس کو مودع بالکسر اور جس کے پاس چھوڑی جائے اس کو مودع اور امین کہتے ہیں۔ مودع کے پاس مال ودیعت امانت ہوتا ہے۔ تو اگر وہ اس کی زیادتی کے بغیر اس کے پاس سے ہلاک ہوجائے تو اس پر کوئی تاوان نہ ہوگا۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ "عاریت لینے پر اور مودع پر جو خائن نہ ہوں تاوان نہیں ع۔

ع..... دارقطنی' بیہقی ۱۲

فائدہ: ودیعت اورامانت میں فرق یہ ہے کہ امانت عام ہےاورودیعت خاص ہے۔کیونکہ ودیعت میں غیر سے حفاظت کرانا قصداً مطلوب ہوتا ہے۔اورامانت کبھی بلاقصد بھی ہوتی ہے۔نیز ودیعت بذریعہ عقد ہوتی ہے۔امانت میں عقد ضروری نہیں۔پھر ودیعت میں اعادہ الی الوفاق سے ضمان لازم نہیں ہوتا۔بخلاف امانت کے کہ اس میں ضمان واجب ہوتا ہے۔

قولہ وللمودع الخ مودع مال امانت کی حفاظت خود کرے یا اپنے اہل وعیال سے کرائے بہرصورت جائز ہے امام شافعی کے نزدیک اہل وعیال کے پاس چھوڑنا جائز نہیں کیونکہ مالک نے وہ چیز صرف مودع کی حفاظت میں دی ہے۔جواب یہ ہے کہ امانت کی وجہ سے مودع نہ ہروقت گھر میں بیٹھ سکتا ہےاور نہ ہرجگہ ساتھ لئے پھر سکتا ہے۔لامحالہ وہ اپنے گھر والوں کے پاس چھوڑے گا۔

قولہ بعیالہ الخ عیال سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس کے ساتھ رہتے ہوں حقیقتاً یا حکماً یعنی خواہ نان ونفقہ میں شریک ہوں یا نہ ہوں مگر زوجہ اورولد صغیر میں مساکنت حقیقی ضروری نہیں۔پس جو اجنبی اس کے ساتھ رہتے ہوں یا اس کے پاس ودیعت رکھنے سے ضمان لازم نہ ہوگا۔

قولہ وان تعدی الخ اگر مودع نے ودیعت پر کسی قسم کی تعدی کی مثلاً ودیعت کوئی کپڑا تھا اس کو پہن لیا یا جانور تھا اس پر سوار ہوگیا یا غلام تھا اس سے خدمت لی اس کے بعد اس نے تعدی ختم کردی ضمان بھی ختم ہوجائیگا۔امام شافعی کے یہاں ضمان سے بری نہ ہوگا۔اس واسطے کہ جب مودع تعدی کی وجہ سے ضامن ہوگیا تو عقد ودیعت مرتفع ہوگیا۔کیونکہ ضمان اور امانت میں منافات ہے۔لہٰذا جب تک مالک کے پاس واپس نہ کرے بری نہ ہوگا۔ہم یہ کہتے ہیں کہ امر بالحفظ یعنی ایداع ابھی باقی ہے۔کیونکہ مودع کا قول احفظ ھذا المال مطلق ہے۔جو جمیع اوقات کو شامل ہے۔رہا ارتفاع حکم عقد یعنی عدم ضمان سو وہ اس لئے تھا کہ اس کی نقیض ثابت تھی اور جب نقیض مرتفع ہوگئی عقد پھر لوٹ آئے گا۔

قولہ بخلاف المستعیر الخ مستعیر اورمستاجر کے کہ اگر یہ تعدی زائل کردیں تب بھی ضمان سے بری الذمہ نہ ہونگے کیونکہ براءۃ ضمان کا مدار اس پر ہے کہ وہ شئی مالک کے قبضہ کی طرف واپس ہوجائے حقیقۃً ہو یا تقدیراً۔اوران دونوں کا قبضہ خود اپنا قبضہ ہے۔کیونکہ ان دونوں کا عمل اپنی ذاتی منفعت کے لئے ہوتا ہے۔بخلاف مودع کے کہ اس کا قبضہ مالک کے قبضہ کے مانند ہے۔

قولہ واقرارہ الخ اسی طرح اگر مودع نے اولاً ایداع کا انکار کیا اور مالک سے صاف کہہ دیا کہ تو نے میرے پاس ودیعت نہیں رکھی پھر ودیعت کا اقرار کرلیا تو اس صورت میں مودع بری نہ ہوگا بلکہ تاوان لازم ہوگا۔مگر چند شرطوں کے ساتھ (۱) انکار ودیعت مالک کے مطالبہ کے بعد ہو۔تو اگر مالک نے مودع سے ودیعت کا حال دریافت کیا کہ وہ کیسی ہے۔اور مودع نے ودیعت کا انکار کیا۔پھر وہ تلف ہوگئی تو تاوان نہ ہوگا (۲) مودع نے انکار کے زمانہ میں ودیعت کو اس کی جگہ سے منتقل کرلیا ہو۔اگر منتقل نہیں کیا اور وہ تلف ہوگئی تو تاوان نہ ہوگا۔(۳) انکار کے وقت کوئی ایسا شخص موجود نہ ہو جس سے ودیعت تلف کرڈالنے کا اندیشہ ہو اگر کوئی ایسا شخص موجود ہو تو انکار ودیعت سے تاوان لازم نہ ہوگا کیونکہ ایسے شخص کے سامنے انکار کرنا حفاظت ونگہبانی میں داخل ہے۔(۴) انکار کے بعد ودیعت کو حاضر نہ کیا ہو اگر اس نے ودیعت کو اس طرح حاضر کردیا کہ مالک اس کو لینے پر قادر تھا پھر مالک نے اس سے کہا کہ تو اس کو اپنے پاس ودیعت رہنے دے تو مودع پر تاوان باقی نہ رہیگا۔کیونکہ یہ ایداع جدید ہے۔(۵) ودیعت کا انکار مالک کے سامنے ہو۔اگر کسی اور کے سامنے انکار کیا تو تاوان نہ ہوگا۔کیونکہ انکار حفظ ودیعت میں داخل ہے۔

قولہ ولہ ان یسافر الخ مودع کے لئے ودیعت کو سفر میں لیجانا جائز ہے گو اس کے اٹھانے میں جانور یا اجرت حمال کی ضرورت ہو۔بشرطیکہ مالک نے منع نہ کیا ہو اور ودیعت کے ضائع ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔صاحبین کے نزدیک اگر بار برداری کی احتیاج ہو تو سفر میں لیجانا جائز نہیں۔امام شافعی کے نزدیک دونوں صورتوں میں لیجانا جائز نہیں کیونکہ انکے یہاں حفظ متعارف پر محمول ہے۔(وھو الحفظ فی الامصار) صاحبین یہ فرماتے ہیں کہ صورت مفروضہ میں اس پر بار برداری کی اجرت لازم ہے۔اور ظاہر یہی ہے کہ مودع اس سے

راضی نہ ہوگا۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ مودع کی جانب سے حفظ ودیعت کا امر مطلق ہے تو جیسے یہ زمانہ کے ساتھ مقید نہیں ایسے ہی کسی مکان کیساتھ بھی مقید نہ ہوگا۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَلَوْ اَوْدَعَا شَيْئًا لَمْ يَدْفَعِ الْمُوْدَعُ اِلَى اَحَدِهِمَا حَظَّهُ حَتّٰى يَحْضُرَ الْاٰخَرُ وَاِنْ اَوْدَعَ رَجُلٌ عِنْدَ رَجُلَيْنِ

دو آدمیوں نے ودیعت سونپی ایک چیز تو نہ دے مودع کسی ایک کو اس کا حصہ یہاں تک کہ حاضر ہو دوسرا اور اگر ودیعت سونپی ایک نے دو شخصوں کو

مِمَّا يُقْتَسَمُ اِقْتَسَمَاهُ وَحَفِظَ كُلٌّ نِصْفَهُ وَلَوْ دَفَعَ اِلَى الْاٰخَرِ ضَمِنَ بِخِلَافِ مَالَا يُقْسَمُ

ایسی چیز جو تقسیم ہو سکتی ہے تو دونوں تقسیم کر کے آدھی آدھی کی حفاظت کریں اگر دوسرے کو دیدی تو ضامن ہوگا بخلاف اس کے جو تقسیم نہ ہو سکے

وَلَوْ قَالَ لَهُ لَا تَدْفَعْ اِلٰى عِيَالِكَ اَوْ اِحْفَظْ فِي هٰذَا الْبَيْتِ فَدَفَعَهَا اِلٰى مَنْ لَابُدَّ لَهُ مِنْهُ اَوْ حَفِظَهَا فِي بَيْتٍ اٰخَرَ

اگر مودع سے کہا کہ اپنے گھر والوں کو نہ دینا یا اس کوٹھری میں حفاظت کرنا اس نے دیدی ایسے شخص کو جس کو دیئے بغیر چارہ نہیں یا حفاظت کی مکان کی

مِنَ الدَّارِ لَمْ يَضْمَنْ وَاِنْ كَانَ لَهُ مِنْهُ بُدٌّ اَوْ حَفِظَهَا فِي دَارٍ اُخْرٰى ضَمِنَ وَمُوْدَعُ الْغَاصِبِ ضَامِنٌ

کسی اور کوٹھری میں تو ضامن نہ ہوگا اور اگر اس کو دیئے بغیر چارہ ہو یا حفاظت کرے کسی اور مکان میں تو ضامن ہوگا غاصب کا امین ضامن ہے،

لَامُوْدَعُ الْمُوْدَعِ مَعَهُ اَلْفٌ اِدَّعٰى رَجُلَانِ كُلٌّ اَنَّهُ لَهُ اَوْدَعَهُ اِيَّاهُ

نہ کہ امین کا امین مودع کے پاس ہزار ہیں دو آدمیوں میں سے ہر ایک نے دعوی کیا کہ میرے ہیں میں نے سونپے ہیں

فَنَكَلَ لَهُمَا فَالْاَلْفُ لَهُمَا وَعَلَيْهِ اَلْفٌ اٰخَرُ بَيْنَهُمَا.

مودع نے دونوں کے لئے انکار کیا تو وہ ہزار ان دونوں کے ہوں گے اور مودع پر ایک ہزار اور لازم ہونگے جو انکے درمیان نصفا نصف ہوں گے۔

ودیعت کے باقی احکام

تشریح الفقہ: قولہ ولو اودعا الخ دو آدمیوں نے کوئی چیز مودع کے پاس ودیعت رکھی۔ پھر ایک شخص نے اپنا حصہ واپس کر دینے کا مطالبہ کیا تو اگر وہ چیز ذوات القیم میں سے ہے تو مودع کے لئے اس کا حصہ دینا بالاجماع جائز نہیں۔ تاوقتیکہ دوسرا شخص حاضر نہ ہو۔ اور اگر وہ چیز کیلی یا وزنی ہے تو صاحبین کے نزدیک جائز ہے۔ امام صاحب کے نزدیک جائز نہیں۔ صاحبین یہ فرماتے ہیں کہ اس نے جو کچھ مودع کو سپرد کیا تھا یعنی نصف حصہ وہ اس کا مطالبہ کر رہا ہے۔ لہٰذا اس کو دیدینا چاہیے۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ وہ صرف اپنا حصہ نہیں مانگ رہا بلکہ غائب کا حصہ بھی طلب کر رہا ہے۔ اس واسطے کہ وہ مفرز (تقسیم شدہ) کو طلب کر رہا ہے۔ حالانکہ اس کا حق مشاع میں ہے نہ کہ مفرز میں۔

قولہ ومودع الغاصب الخ ایک شخص نے کوئی چیز غصب کر کے کسی کے پاس ودیعت رکھدی اور وہ ضائع ہوگئی تو مودع ضامن ہوگا اور اگر ایک مودع نے کسی دوسرے کے پاس ودیعت رکھدی مثلاً زید نے خالد کے پاس ودیعت رکھی اور خالد نے محمود کے پاس۔ تو مودع المودع یعنی محمود ضامن نہ ہوگا۔ صاحبین کے نزدیک زید کو اختیار ہوگا چاہے مودع یعنی خالد ضمان لے اور چاہے مودع المودع یعنی محمود سے لے مودع سے لینے کا حق تو ظاہر ہے۔ مودع المودع سے اس لئے لے سکتا ہے کہ اس نے ودیعت پر ضمین کے ہاتھ سے قبضہ کیا ہے تو جیسے مودع غاصب ضامن ہوتا ہے ایسے ہی یہ بھی ضامن ہوگا۔ وجہ یہ ہے کہ زید خالد کے علاوہ دوسرے کی امانت داری سے راضی نہیں تو خالد کی طرف سے تو یہ تعدی ہوئی کہ اس نے.... محمود کے پاس ودیعت رکھی اور محمود کی جانب سے یہ تعدی ہوئی کہ اس نے

اس پر قبضہ کیا لہذا زید دونوں میں سے جس سے چاہے ضمان لے لے۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ مودع المودع (محمود) نے ضمین سے قبضہ نہیں کیا بلکہ امین کے ہاتھ سے قبضہ کیا ہے۔

اس واسطے کہ مودع اول صرف ودیعت حوالہ کرنے سے ضامن نہیں ہوتا۔ جب تک کہ وہ اس سے جدا نہ ہو تو قبل از مفارقت نہ مودع کی طرف سے تعدی ہے نہ مودع المودع کی طرف سے ہاں جب وہ جدا ہو جائے گا تب اسکی طرف سے تعدی پائی جائے گی کیونکہ اس نے حفظ ملتزم کو ترک کردیا تو مالک اس سے ترکِ حفظ کے سبب سے ضمان لے گا۔ بخلاف مودع المودع کے کہ اس کی جانب سے کوئی موجب ضمان فعل نہیں پایا گیا لہذا وہ ضامن نہ ہوگا۔

قولہ معہ الف الخ ایک شخص کے پاس ہزار درہم ہیں اس پر دو آدمیوں نے دعوی کیا اور ہر ایک نے کہا کہ یہ ہزار درہم میرے ہیں میں نے اس کے پاس ودیعت رکھے ہیں تو ان دونوں کیلئے اس شخص سے قسم لی جائے گی کیونکہ دونوں کے دعووں میں صداقت کا احتمال ہے۔ سو اگر وہ قسم کھالے تب ان کے لئے کچھ نہ ہوگا کیونکہ حجت نہیں پائی گئی۔ اور اگر وہ دونوں کیلئے قسم کھانے سے انکار کردے تو وہ ہزار درہم دونوں کے قرار پائیں گے اور اس پر ایک ہزار درہم اور واجب ہونگے جو دونوں مدعیوں کے درمیان نصفا نصف ہونگے کیونکہ اس کا قسم نہ کھانا دونوں دعووں کا اقرار ہوا لہذا دونوں کیلئے ایک ایک ہزار درہم لازم ہونگے اور اس نے کسی ایک کیلئے قسم کھائی تو وہ ہزار درہم اس مدعی کے ٹھہریں گے۔ جس کیلئے اس نے قسم کھائی ہے۔ **لوجود الحجة فی حقه دون الآخر۔**

ع......وصاحب الهداية جعلها من العرية بمعنى العطيه وفما قشته العينى ورده المطرزى وقيل هي في الاصل اسم موضع بلا نسبة كالدردى والكرسي وهي من التعاور وهو التناوب ۱۲

کتاب العاریۃ

وَهِیَ	تَمْلِیْکُ	الْمَنْفَعَةِ	بِلاَعِوَضٍ
وہ	مالک کرتا ہے	نفع کا	بلا عوض

تشریح الفقہ: قولہ کتاب الخ اس کی وجہ مناسبت ہم کتاب الودیعۃ کے ذیل میں بیان کر چکے۔ عاریہ یاء مشددہ کیساتھ ہے (اور تخفیف بھی جائز ہے) جوہری اور ابن اثیر وغیرہ نے کہا ہے کہ یہ عار کی طرف منسوب ہے کیونکہ دوسرے سے عاریۃً چیز مانگنا باعث عیب ہے مصباح وشرح نقایہ) صاحب مغرب نے عارۃ کی طرف منسوب مانا ہے جو اعارہ کا اسم ہے اور عار بھی عیب کی طرف منسوب ہونے کی تردید کی ہے وجہ تردید یہ ہے کہ عار یائی ہے اور عاریۃ واوی ہے۔ ائمہ لغت نے اس کی تصریح کی ہے۔ نہایہ میں ہے کہ یہی صحیح ہے۔ اس واسطے کہ آنحضرت ﷺ کا عاریۃ طلب کرنا حدیث سے ثابت ہے۔ اگر یہ چیز باعث عار ہوتی تو آپ ہرگز طلب نہ فرماتے۔ اصطلاح شرع میں بلاعوض تملیک منافع کو عاریت کہتے ہیں جو مالک بنائے اس کو معیر اور جس کو مالک بنایا جائے اس کو مستعیر اور جس چیز کی منفعت کا مالک بنایا ہے اس کو عاریت اور مستعار کہتے ہیں۔ تعریف میں بلاعوض کی قید سے اجارہ نکل گیا کہ اس میں گو منافع کی تملیک ہوتی ہے مگر بلاعوض نہیں ہوتی بالعوض ہوتی ہے۔

فائدہ: عاریت کی خوبی قرآن اور حدیث سے ثابت ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''ویمنعون الماعون'' اور مانگی نہیں دیتے برتنے کی چیز ماعون اس معمولی چیز کو کہتے ہیں جس کو عاریۃً دیدینے کا عام رواج ہو جیسے ڈول، رسی، ہانڈی، سوئی، کلہاڑی وغیرہ۔ آیت میں معمولی چیز مانگی نہ دینے والوں کی مذمت کی گئی ہے تو عاریت دینا محمود ٹھہرا۔ آنحضرت صلعم کا حضرت صفوان بن امیہ سے حنین کے دن زرہیں عاریت پر لینا اور حضرت ابوطلحہ سے انکا مندوب نامی گھوڑا بطور عاریت لینا حدیث سے ثابت ہے[ع]۔

وَتَصِحُّ بِاَعَرْتُکَ وَاَطْعَمْتُکَ اَرْضِی وَمَنَحْتُکَ ثَوْبِی وَحَمَلْتُکَ عَلیٰ دَابَّتِیْ وَاَخْدَمْتُکَ عَبْدِیْ

اور صحیح ہے ان الفاظ سے میں نے تجھ کو عاریت دی اپنی زمین کا اناج تجھ کو دیا اپنا کپڑا تجھ کو دیا سوار کیا تجھکو اپنی سواری پر تیری خدمت کو اپنا غلام دیا

وَدَارِیْ لَکَ سُکْنیٰ وَدَارِیْ لَکَ عُمْریٰ سُکْنیٰ وَیَرْجِعُ الْمُعِیْرُ مَتیٰ شَاءَ وَلَوْ هَلَکَتْ بِلاَ تَعَدٍّ

میرا گھر تیرے رہنے کے لئے ہے میرا گھر تیرے لئے عمر بھر رہنے کو ہے واپس لے سکتا ہے معیر جب چاہے اگر ہلاک ہو جائے بغیر تعدی کے

لَمْ یَضْمَنْ وَلاَ تُوْجَرُ وَلاَ تُرْهِنُ کَالْوَدِیْعَةِ فَاِنْ اٰجَرَ فَعَطِبَتْ ضَمِنَ وَیُعِیْرُ مَالاَیَخْتَلِفُ بِالْمُسْتَعْمِلِ

تو ضامن نہ ہوگا اور نہ کرایہ پر دیجائے اور نہ رہن رکھی جائے ودیعت کی طرح اگر کرایہ پر دی اور ہلاک ہوگئی تو ضامن ہوگا مانگی دے سکتا ہے وہ چیز

فَلَوْ قَیَّدَهَا بِوَقْتٍ اَوْ مَنْفَعَةٍ اَوْبِهِمَا لاَیُجَاوِزُ عَمَّا سَمَّاهُ

جو مختلف نہ ہو استعمال کرنے والے کے بدلنے سے اگر مقید کر دیا ہو مالک نے کسی وقت یا خاص نفع یا دونوں کیساتھ تو تجاوز نہ کرے اس کی تعیین سے

وَاِنْ اَطْلَقَ لَهُ اَنْ یَنْتَفِعَ اَیَّ نَوْعٍ فِی اَیِّ وَقْتٍ شَاءَ وَعَارِیَةُ الثَّمَنَیْنِ وَالْمَکِیْلِیِّ وَالْمَوْزُوْنِ وَالْمَعْدُوْدِ قَرْضٌ

اور اگر کوئی قید نہ ہو تو نفع لے سکتا ہے ہر قسم کا جس وقت چاہے اور عاریت سونے چاندی اور کیلی اور وزنی اور عددی چیزوں کی قرض ہے

ع ..... ابوداؤد، نسائی، احمد حاکم عن صفوان، حاکم، دارقطنی، بیہقی عن ابن عباس ۱۲ ع ..... صحیحین عن ابن عباس ۱۲

وَاِنْ اَعَارَ اَرْضًا لِلْبِنَاءِ اَوْ لِلْغَرْسِ صَحَّ وَلَهٗ اَنْ يَرْجِعَ وَيُكَلِّفُ قَلْعَهُمَا

اگر عاریت دی زمین مکان بنانے یا درخت لگانے کے لئے تو صحیح ہے اور وہ واپس لے سکتا ہے اور مجبور کر سکتا ہے ان کو اکھاڑنے پر

وَلَا يَضْمَنُ مَا نَقَصَ اِنْ لَمْ يُوَقِّتْ وَاِنْ وَقَّتَ وَرَجَعَ قَبْلَهٗ ضَمِنَ مَانَقَصَ بِالْقَلْعِ

اور ضامن نہ ہوگا نقصان کا اگر وقت معین کیا ہو اور اگر وقت معین کر کے اس سے پہلے لے تو ضامن ہوگا نقصان کا جو اکھاڑنے سے ہوا ہے

وَاِنْ اَعَارَهَا لِيَزْرَعَهَا لَاتُؤْخَذُ حَتّٰى يُحْصَدَ وَقَّتَ اَوْلَا وَمُؤْنَةُ الرَّدِّ عَلَى الْمُسْتَعِيْرِ وَالْمُوْدِعِ وَالْمُوْجِرِ

اگر کھیتی کیلئے عاریت دی تو نہ لے یہاں تک کہ کٹنے کا وقت آ جائے معین کیا ہو یا نہ کیا ہو اور واپسی کا خرچ مستعیر مودع موجر غاصب اور مرتہن

وَالْغَاصِبِ وَالْمُرْتَهِنِ وَاِنْ رَدَّ الْمُسْتَعِيْرُ الدَّابَّةَ اِلٰى اِصْطَبْلِ مَالِكِهَا اَوِ الْعَبْدَ اِلٰى دَارِ الْمَالِكِ بَرِئَ

پر ہے، اگر پہنچایا مستعیر نے جانور اس کے مالک کے اصطبل تک یا غلام اس کے مالک کے مکان تک تو وہ بری ہو جائیگا

بِخِلَافِ الْمَغْصُوْبِ وَالْوَدِيْعَةِ وَاِنْ رَدَّ الْمُسْتَعِيْرُ الدَّابَّةَ مَعَ عَبْدِهٖ اَوْ اَجِيْرِهٖ مُشَاهَرَةً اَوْ مَعَ عَبْدِ رَبِّ الدَّابَّةِ

بخلاف مغصوب اور ودیعت کے اگر پہنچایا مستعیر نے جانور اپنے غلام یا اپنے درماہہ دار نوکر یا جانور کے مالک کے غلام یا اس کے نوکر کے ہاتھ

اَوْ اَجِيْرِهٖ بَرِئَ بِخِلَافِ الْاَجْنَبِيِّ وَيَكْتُبُ الْمُعَارُ اَنَّكَ اَطْعَمْتَنِيْ اَرْضَكَ.

تو بری ہو جائیگا بخلاف اجنبی کے اور لکھ دے معار کہ تو نے مجھ کو اپنی زمین عاریت دی۔

احکام عاریت کی تفصیل

توضیح اللغۃ: معیر عاریت پر دینے والا، تعدّ زیادتی، عطبت ہلاک ہوگئی، غرس درخت لگانا، قطع اکھاڑنا، یحصد حصد الزرع کھیتی کا کٹنے کے زمانہ کو پہنچنا، مؤنۃ مراد صرفہ، اجیر مزدور، مشاہرۃ ماہانہ، معار مستعیر۔

تشریح الفقہ: قولہ وتصح الخ عاریت مذکورہ ذیل الفاظ سے صحیح ہو جاتی ہے۔ اعرتک۔ کیونکہ یہ لفظ عاریت کیلئے صریح اور حقیقت ہے۔ اطعمتک ارضی۔ یہ لفظ بھی صریح ہے۔ مگر مجازاً کیونکہ جب لفظ اطعام کی اضافت غیر ماکول العین کی طرف ہو تو اس سے مجازاً اس کی پیداوار مراد ہوتی ہے۔ منحتک ثوبی، حملتک علیٰ دابتی۔ کیونکہ منحت اور حملت میں سے ہر ایک تملیک منفعت اور تملیک عین کیلئے حقیقت ہے۔ تو نیت نہ ہونے کے وقت عاریت پر محمول ہوں گے کہ وہ متیقن ہے (مگر یہ اس وقت ہے جب ان سے ہبہ کی نیت نہ ہو) اخدمتک عبدی۔ کیونکہ یہ اجازت استخدام ہے۔ داری لک سکنیٰ۔ کیونکہ لفظ سکنیٰ منفعت میں محکم ہے تو "لک" کے لام کو تملیک منافع پر محمول کیا جائیگا لانہ محتملھا۔

قولہ ویرجع الخ معیر جب چاہے اپنی چیز واپس لے سکتا ہے۔ خواہ عاریت مطلقہ ہو یا مؤقتہ۔ کیونکہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ "المنحۃ مردودۃ والعاریۃ مؤداۃ" عــہ (یعنی وہ بکری یا گائے یا اونٹنی جو دودھ اپنے کیلئے عاریۃً دی گئی ہو) لوٹائی جائے گی اور عاریت واپس کی جائے گی۔

....

(۱) لان الاعارۃ دون الاجارۃ لانہا معاوضۃ بخلافہا والشئی لا یتضمن ماہو فوقہ ۱۲۔ (۲) لان منفعتہا معلومۃ ویجوز الانتفاع بہا شرعاً وایجارہا فکذا عارتہا ۱۲۔
(۳) لان العاریۃ غیر لازمۃ ۱۲۔ (۴) لان القلع غیر مستحق قبل الوقت ۱۲۔ (۵) لان المنفعۃ حصلت لہم ۱۲۔ (۶) ای استحساناً لانہ اتی بالتسلیم المتعارف خلافاً للائمۃ الثلاثہ وھو القیاس ۱۲۔ (۷) لان الواجب علی الغاصب نسخ فعلہ وذلک بالرد الی المالک دون غیرہ والودیعۃ لا یرضی المالک بردھا الی الدار والا لما اودعہا ایاہ ۱۲۔
عــہ ... ابوداؤد، ترمذی، ابن حبان، طبرانی عن ابی امامہ، بزار عن ابن عمر، ابن عدی عن ابن عباس، طبرانی عن انس ۱۲۔ عــہ ... ترمذی ۱۲

قولہ ولو ھلکت الخ اگر عاریت مستعیر کی زیادتی کے بغیر ضائع ہوجائے تو اس پر تاوان لازم نہ ہوگا' امام مالک' ثوری اور اوزاعی اسی کے قائل ہیں اور یہی حضرت علی' ابن مسعودؓ حسن' نخعی' شعبی' عمر بن عبدالعزیز (رحمہم اللہ) سے مروی ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر وہ استعمال معتاد سے ہلاک ہوئی تو ضامن نہ ہوگا ورنہ ضامن ہوگا' اختلاف کی اصل وجہ یہ ہے کہ ہمارے نزدیک عاریت امانت ہے مطلقاً نہ کہ بوقت استعمال جیسا کہ امام شافعی واحمد فرماتے ہیں اور یہی قول حضرت ابن عباسؓ ابو ہریرۃ' عطاء اور اسحٰق کا ہے ان کی دلیل یہ حدیث ہے" ادلا مانۃ الی من ائتمنک ولا تخن من خانک"

وقال علیه السلام " علی الید ما اخذت حتی تو دیه" ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر کا قول ہے" العاریة بمنزلة الودیعة لاضمان فیها الا ان یتعدی" اور حضرت علی سے مروی ہے "لیس علی صاحب العاریة ضمان" رہی مذکورہ بالا دونوں حدیثیں سوان کا مقتضی وجوب ردعین ہے۔ جس میں کوئی کلام نہیں۔ کلام تو ہلاک عین کے بعد ضمان قیمت کے وجوب میں ہے۔ واجیب بوجوہ اخر فارجع الی المطولات۔

قولہ ولاتو جرالخ عاریت کی چیز کو اجارہ پر نہیں دے سکتا۔ کیونکہ اجارہ معاوضہ ہونے کی بنا پر اس سے مافوق ہے اور شی اپنے مافوق کو متضمن نہیں ہوتی' صاحب وہبانیہ نے دس مسائل کو نظم کیا ہے جس میں مالک کی اجازت کے بغیر دوسرے کو مالک نہیں بنا سکتا قبضہ ہو یا نہ ہو۔

ومالک امر لایملکه بدو	ن امرو کیل مستعیر وموجر
رکو باولبسا فیهما ومضارب	ومرتهن ایضاً وقاض یومر
رمستودع مستبضع ومزارع	اذالم یکن من عنده البذر یبذر
وما للمساقی أن یساقی غیره	وان اذن المولی له لیس ینکر

قولہ ویعیر الخ جو چیزیں اختلاف مستعمل سے مختلف نہ ہوتی ہوں ایسی چیزیں مستعیر دوسرے کو عاریت پر دے سکتا ہے۔ امام شافعی کے یہاں اس کی اجازت نہیں کیونکہ انکے نزدیک اعارہ میں منافع کی اباحت ہوتی ہے۔ اور جس شخص کے لئے کوئی چیز مباح کیجائے وہ اس کو دوسرے کے لئے مباح کرنے کا مجاز نہیں۔ ہمارے نزدیک اعارہ میں منافع کی تملیک ہوتی ہے۔ جیسا کہ ہم شروع میں بیان کر چکے ہیں تو جب معیر نے مستعیر کو عاریت کے منافع کا مالک بنادیا تو وہ دوسرے کو مالک بنا سکتا ہے۔

فائدہ: البتہ اس میں اختلاف ہے کہ مستعیر دوسرے کو ودیعت دے سکتا ہے یا نہیں۔ ایک جماعت کے نزدیک جس میں امام کرخی بھی ہیں اس کی اجازت نہیں۔ باقلانی نے اسی کو اصح کہا ہے لیکن مشائخ عراق' ابواللیث' ابوبکر محمد بن الفضل اور برھان الائمہ وغیرہم کے نزدیک اس کی بھی اجازت ہے۔ ظہیریہ وسراجیہ میں ہے کہ اسی پر فتوی ہے۔

قولہ فلو قید ھا الخ عاریت کی چار قسمیں ہیں (۱) مطلقہ جس میں مدت اور انتفاع دونوں مذکور نہ ہوں اس کا یہ حکم ہے کہ مستعیر جس طرح چاہے اور جب تک چاہے فائدہ حاصل کرسکتا ہے (۲) مقیدہ۔ جس میں مدت مذکور ہو اور انتفاع مخصوص اس کا حکم یہ ہے کہ وقت معین سے تجاوز کرنا جائز نہیں (۳) جس میں مدت مذکور ہو اور انتفاع غیر مذکور (۴) اس کا عکس۔ انکا حکم یہ ہے کہ معیر کی تعیین سے تجاوز کرنا جائز نہیں۔

قولہ وعاریۃ الخ دراہم ودنانیر اور کیلی اور وزنی اور عددی متقارب اشیا کو عاریت پر دینا قرض کے حکم میں ہے کیونکہ اعارہ میں منافع کے تملیک ہوتی ہے۔ اور اشیا مذکورہ سے انتفاع بلا استہلاک عین ہو نہیں سکتا۔ اس لئے ان اشیا میں عاریت بمعنی قرض ہوگی مگر یہ اس وقت ہے جب اعارہ مطلق ہو۔ اور اگر اس کی جہت معین کردی ہو مثلاً یہ کہ میں دراہم اس لئے لے رہا ہوں تاکہ دوکان کی رونق بڑھے اور لوگ مجھے غنی سمجھ کر معاملات کرنے لگیں تو اس صورت میں عاریت قرض کے حکم میں نہ ہوگی۔

كتاب الهبه

هِيَ تَمْلِيْكُ الْعَيْنِ بِلَاعِوَضٍ وَتَصِحُّ بِاِيْجَابٍ كَوَهَبْتُ وَنَحَلْتُ وَاَطْعَمْتُكَ هٰذَا الطَّعَامَ وَجَعَلْتُهُ لَكَ

وہ مالک کرنا ہے شئ کا بلاعوض اور صحیح ہے ایجاب کے ساتھ جیسے میں نے ہبہ کیا دے ڈالا کھانے کے لئے دیا تجھے یہ کھانا، یہ تیرا ہی کر دیا،

وَاَعْمَرْتُكَ هٰذَا الشَّيْئَ وَحَمَلْتُكَ عَلٰى هٰذِهِ الدَّابَّةِ نَاوِيًا بِهِ الْهِبَةَ وَكَسَوْتُكَ هٰذَا الثَّوْبَ وَدَارِيْ لَكَ هِبَةً

عمر بھر کو دی تجھے یہ چیز یہ سواری تجھے دی سوار ہونے کے لئے نیت کرتے ہوئے اس سے ہبہ کی پہنا دیا تجھے یہ کپڑا میرا گھر تیرے لئے ہبہ ہے

تَسْكُنُهَا لَاهِبَةَ سُكْنٰى اَوْ سُكْنٰى هِبَةً وَقَبُوْلٍ وَقَبْضٍ فِي الْمَجْلِسِ بِلَا اِذْنِهٖ وَبَعْدَهٗ بِهٖ

اس میں رہیو نہ کہ اس سے کہ رہنے کو ہبہ ہے یا ہبہ کا رہنا اور قبول کرنے اور قبضہ کرنے کے ساتھ مجلس میں بلا حکم واہب اور مجلس کے بعد اس کے حکم سے

فِيْ مُحَوَّزٍ مَقْسُوْمٍ وَمُشَاعٍ لَايُقْسَمُ لَافِيْمَا قُسِمَ فَاِنْ قَسَمَهٗ وَسَلَّمَهٗ صَحَّ وَاِنْ وَهَبَ دَقِيْقًا فِيْ بُرٍّ

مقبوض ومقسوم میں اور مشترک میں جو تقسیم نہیں ہو سکتی نہ کہ تقسیم ہو جانے والی میں پس اگر تقسیم کر کے حوالے کر دی تو صحیح ہے اگر ہبہ کیا آٹا گیہوں میں

لَا وَاِنْ طَحَنَ وَسَلَّمَ وَكَذَا الدُّهْنُ فِي السِّمْسِمِ وَالسَّمْنُ فِي اللَّبَنِ وَمَلَكَ بِلَا قَبْضٍ جَدِيْدٍ لَوْ فِيْ

تو صحیح نہیں گو پیس کر حوالہ کرے اسی طرح تیل تل میں اور گھی دودھ میں اور مالک ہو جائیگا نئے قبضہ کے بغیر اگر ہو وہ موہوب لہ کے قبضہ میں

يَدِ الْمَوْهُوْبِ لَهٗ وَهِبَةُ الْاَبِ لِطِفْلِهٖ تَتِمُّ بِالْعَقْدِ وَاِنْ وَهَبَ لَهٗ اَجْنَبِيٌّ تَتِمُّ بِقَبْضِ وَلِيِّهٖ وَاُمِّهٖ

اور باپ کا ہبہ اپنے بچہ کے لئے تام ہو جاتا ہے عقد سے اور اگر ہبہ کیا بچہ کے لئے اجنبی نے تو تام ہو جائیگا اس کے ولی یا اسکی ماں

وَاَجْنَبِيٍّ لَوْ فِيْ حَجْرِهِمَا وَبِقَبْضِهٖ اِنْ عَقَلَ وَلَوْ وَهَبَ اِثْنَانِ دَارًا لِوَاحِدٍ صَحَّ

یا اجنبی کے قبضہ کرنے سے اگر وہ ان کی پرورش میں ہو اور بچہ کے قبضہ کرنے سے اگر وہ سمجھتا ہو اگر ہبہ کیا دو نے کوئی مکان ایک کے لئے تو صحیح ہے

لَاعَكْسُهٗ وَصَحَّ تَصَدُّقُ عَشَرَةٍ وَهِبَتُهَا لِفَقِيْرَيْنِ لَا لِغَنِيَّيْنِ.

نہ کہ اس کا عکس صحیح ہے صدقہ اور ہبہ کرنا دس روپیوں کو دو فقیروں پر نہ کہ دو مالداروں پر۔

توضیح اللغۃ: نحلت بمعنی اعطیت، کسوتک تجھے پہنا دیا، محوز مقبوض جو ملک غیر اور اس کے حقوق سے فارغ ہو۔ دقیق آٹا، بر گیہوں، طحن پیس دیا، دھن تیل، سمسم تل، سمن گھی، لبن دودھ، حجر گود، پرورش۔

تشریح الفقہ: قولہ کتاب الخ اس کی وجہ مناسبت ہم پہلے عرض کر چکے کہ عاریت میں بلاعوض منافع کی تملیک ہوتی ہے۔ اور ہبہ میں بلاعوض تملیک عین شئی مع منفعت ہوتی ہے. فالعارية کا لمفرد من الهبة، ہبہ اصل میں وهب یهب (ض) کا مصدر ہے۔ شروع سے واؤ کو حذف کر کے آخر میں ہاء تانیث زیادہ کر دی گئی جیسے وعد یعد سے عدة ہے لغت میں ہبہ اس کو کہتے ہیں کہ دوسرے کو ایسی چیز دی جائے جو اس کے لئے نافع ہو مال ہو یا غیر مال۔ قال اللہ تعالیٰ " فهب لي من لدنك وليا" یہ کبھی

عہ ...... لان تمامہ بالقبض وعندہ لاشیوع ۱۲ ہدایہ للعہ ...... لانہ فی قبض الاب فینوب عن قبض الھبہ ۱۲

(۱) وهذا استحسان والقياس ان لايجوز وهو قول الشافعي لانه تصرف في ملك الغير وجه الاستحسان ان القبض كالقبول في البته فيكون الايجاب منه تسليطاً على القبض كما الايجاب منه يكون تسليطاً على القبول ۱۲ مجمع (۲) لان الموهوب معدوم فانه انما يحدث بالعصر والطحن ولا معتبر بكونه موجوداً بالقوة لان عامة الممكنات كذلك فلاتسمىٰ موجودة ۱۲ عنايه.

متعدی باللام ہوتا ہے۔جیسے وھبتہ لہ اور کبھی بنفسہ جیسے وھبتکہ حکاہ ابو عمرو (قاموس) اور کبھی من کے ساتھ جیسے وہبتہ منک۔احادیث کثیرہ سے استعمال ثابت ہے جیسا کہ دقائق نووی میں ہے۔ فقول المطرزی انہ خطاء والتفتازانی انہ من عبارۃ الفقہاء ظن شرع میں ہبہ تملیک عین بلاعوض کو کہتے ہیں۔تملیک عین سے اباحت اور عاریت نکل گئی۔اور بلاعوض کی قید سے اجارہ اور بیع نکل گئی۔لیکن یہ تعریف وصیت پر صادق آتی ہے۔اس لئے ابن کمال نے تملیک حال کی قید اور زیادہ کی ہے۔ ہبہ کرنے والے کو واہب اور جس کو ہبہ کیا جائے اس کو موہوب لہ اور جو چیز ہبہ کی جائے اس کو موہوب کہتے ہیں۔

فائدہ: ہبہ کا جواز واستحباب حدیث سے ثابت ہے۔حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''ایک دوسرے کو ہدیہ دیا کرو تا کہ آپس میں محبت زیادہ ہو'' نیز آپ کا ارشاد ہے کہ ''آپس میں ہدیہ بھیجو کیونکہ ہدیہ کینہ کو دور کرتا ہے۔''

قولہ وتصح الخ جب واہب کی طرف سے وہبت، نحلت وغیرہ الفاظ سے ایجاب ہو اور موہوب لہ کی طرف سے قبول ہو تو یہ ہبہ منعقد ہو جاتا ہے۔کیونکہ ہبہ بھی ایک طرح کا عقد ہے۔اور عقد ایجاب وقبول سے منعقد ہو جاتا ہے اور جب موہوب لہ کی طرف سے مجلس میں قبضہ متحقق ہو جائے تو ہبہ تام ہو جاتا ہے۔کیونکہ ہبہ میں موہوب لہ کے لئے ملک ثابت ہوتی ہے۔اور ثبوت ملک کے لئے قبضہ کا ہونا ضروری ہے۔امام مالک کے نزدیک قبضہ سے پہلے بھی ملک ثابت ہو جاتی ہے وہ اس کو بیع پر قیاس کرتے ہیں کہ مشتری قبل از قبض مبیع کا مالک ہو جاتا ہے ہماری دلیل یہ اثر ہے'' لاتجوز الھبۃ حتی تقبض''۔

قولہ ھبۃً سکنی الخ ہبۃً سکنی اور سکنی ہبۃً میں لفظ ہبہ حال یا تمیز ہونے کی بنا پر منصوب ہے۔ لمافی **قولہ داری لک من الابہام** مطلب یہ ہے کہ اگر واہب یوں کہے داری لک ھبۃً سکنی یا یوں کہے داری لک سکنی ھبۃً تو اس سے ہبہ نہ ہوگا۔کیونکہ لفظ سکنی تملیک منفعت میں محکم ہے تو اس سے عاریت ہوگی نہ کہ ہبہ خواہ لفظ ہبہ کو مقدم ذکر کرے یا مؤخر۔ اور ضابطہ یہ ہے کہ اگر ایجاب کا لفظ تملیک رقبہ پر دال ہو تو ہبہ ہوگا۔اور تملیک منافع پر دال ہو تو عاریت اور اگر دونوں کا احتمال ہو تو نیت کا اعتبار ہوگا۔

قولہ فی محوز الخ جو چیزیں محتمل القسمۃ ہیں یعنی ان میں تقسیم ہونے کی صلاحیت ہے اور واہب ایسی چیز ہبہ کرنا چاہے تو اگر وہ محوز ہو یعنی ملک واہب اور اس کے حقوق سے فارغ ہو اور مقسوم ہو تو اس کا ہبہ درست ہے اور اگر محوز ومقسوم نہ ہو تو درست نہیں۔پس درخت پر لگے ہوئے پھلوں کا اور پشت غنم پر رہتے ہوئے اون کا اور زمین پر کھڑی ہوئی کھیتی کا ہبہ صحیح نہ ہوگا۔ لیکن جو چیزیں قیمت پذیر ہوں یعنی تقسیم کے بعد قابل انتفاع نہ رہیں تو خواہ ان سے انتفاع بالکل نہ ہو سکے جیسے عبد واحد اور دابہ واحدہ۔یا جو انتفاع قبل از تقسیم ہو سکتا تھا وہ فوت ہو جائے جیسے بیت صغیر، حمام صغیر وغیرہ ایسی چیزوں میں ہبہ مشاع یعنی ہبہ غیر مقسوم جائز ہے۔امام شافعی کے یہاں دونوں صورتوں میں ہبہ مشاع جائز ہے۔کیونکہ ہبہ عقد تملیک ہے تو بیوع کی طرح یہ بھی مشاع وغیر مشاع ہر دو میں جائز ہوگا۔ہم یہ کہتے ہیں کہ ''لایجوز الھبۃ حتی تقبض'' میں قبضہ منصوص علیہ ہے۔لہذا کمال قبضہ شرط ہوگا۔اور مشاع میں کمال قبضہ کی صلاحیت نہیں۔تو مشاع مایقسم کا ہبہ جائز نہ ہوگا۔

قولہ ولو وھب اثنان الخ اگر دو آدمی ایک گھر ایک آدمی کو ہبہ کریں تو یہ درست ہے۔کیونکہ دونوں نے پورا گھر موہوب لہ کے حوالے کیا ہے۔اور موہوب لہ نے پورے پر قبضہ کیا ہے۔تو شیوع نہ پایا گیا لہذا ہبہ صحیح ہے لیکن اس کا عکس صحیح نہیں یعنی اگر

عہ...... بخاری (فی الادب المفرد) نسائی (فی الکنی) ابویعلیٰ (فی المسند) بیہقی (فی شعب الایمان۔ابن عدی (فی الکامل) عن ابی ہریرۃ حاکم (فی معرفۃ علوم الحدیث) عن ابن عمر وابن القاسم (فی الترغیب والترہیب) عن ابن عمر طبرانی (فی الاوسط) عن عائشہ مالک (مرسلا) عن عطاء بن عبداللہ ۱۲ مد بزار عن انس ۱۲　　عبدالرزاق من قول ابراہیم النخعی ۱۲

ایک شخص اپنا گھر دو آدمیوں کو ہبہ کرے تو امام صاحب اور امام زفر کے نزدیک صحیح نہیں۔ صاحبین کے نزدیک صحیح ہے۔ کیونکہ تملیک متحد اور عقد واحد ہے تو شیوع نہ رہا۔ جیسے ایک چیز دو شخصوں کے پاس گروی رکھنا صحیح ہے۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ واہب نے ہر ایک کو نصف نصف گھر ہبہ کیا ہے۔ اور نصف غیر معین وغیر مقسوم ہے۔ پس متحمل القسمۃ میں شیوع پایا گیا۔ جو جوازِ ہبہ کے لئے مانع ہے بخلاف رہن کے کہ اس میں کل شئی ہر ایک کے دین کے بدلہ میں محبوس ہو گی اس لئے رہن صحیح ہے۔

قولہ وصح الخ اگر دس درہم دو فقیروں کیلئے ہبہ یا صدقہ کئے تو صحیح ہے۔ کیونکہ فقیر کو ہبہ کرنا درحقیقت صدقہ اور خیرات ہے۔ جس سے مقصود رضائے ذات باری تعالیٰ ہے۔ اور وہ ایک ذات ہے تو شیوع نہ ہوا۔ لیکن اگر دو مالداروں کی ہبہ یا صدقہ کئے تو صحیح نہیں۔ کیونکہ مالدار کو صدقہ کرنا درحقیقت ہبہ ہے۔ تو موہوب لہ دو شخص ہوئے اور شیوع ثابت ہو گیا۔ صاحبین کے نزدیک مالداروں کے لئے بھی صحیح ہے۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

باب الرجوع فی الھبة

باب ہبہ واپس لے لینے کے بیان میں

صَحَّ الرُّجُوْعُ فِيْهَا وَمَنَعَ الرُّجُوْعَ دَمْعٌ خَزَقَهُ فَالدَّالُ اَلزِّيَادَةُ الْمُتَّصِلَةُ

صحیح ہے رجوع کرنا ہبہ میں اور منع کرتا ہے رجوع سے (امور سبعہ میں سے کوئی چیز جن کی طرف) دمع خزقہ (سے اشارہ ہے) پس دال سے زیادتی

كَالْغَرْسِ وَالْبِنَاءِ وَالسِّمَنِ وَالْمِيْمُ .مَوْتُ اَحَدِ الْمُتَعَاقِدَيْنِ وَالْعَيْنُ اَلْعِوَضُ فَاِنْ قَالَ خُذْهُ

متصلہ مراد ہے جیسے درخت لگا لینا مکان بنانا جانور کا موٹا ہو جانا اور میم سے احد المتعاقدین کی موت اور عین سے عوض مراد ہے پس اگر کہے کہ لے لے

عِوَضَ هِبَتِكَ اَوْ بَدَلَهَا اَوْ بِمُقَابَلَتِهَا فَقَبَضَهُ الْوَاهِبُ سَقَطَ الرُّجُوْعُ وَصَحَّ عَنْ اَجْنَبِيٍّ وَاِنْ اسْتُحِقَّ

یہ عوض اپنے ہبہ کا یا اس کا بدل یا اس کے مقابلہ میں اور واہب لے لے تو ساقط ہو جائیگا حق رجوع اور صحیح ہے عوض دینا اجنبی سے اور اگر کسی اور کا نکلا

نِصْفُ الْهِبَةِ رَجَعَ بِنِصْفِ الْعِوَضِ وَبِعَكْسِهٖ لاَ حَتّٰى يَرُدَّ مَابَقِيَ وَلَوْ عَوَّضَ النِّصْفَ رَجَعَ بِمَا لَمْ يُعَوِّضْ

آدھا ہبہ تو لے لے آدھا عوض اور اس کے عکس میں نہیں یہاں تک کہ لوٹائے باقی اگر عوض دیا آدھے کا تو لے لے اتنا جتنے کا عوض نہیں دیا

وَالْخَاءُ خُرُوْجُ الْهِبَةِ مِنْ مِلْكِ الْمَوْهُوْبِ لَهٗ وَبِبَيْعِ نِصْفِهَا رَجَعَ فِيْ نِصْفٍ كَعَدَمِ بَيْعِ شَيْءٍ.

اور خاء سے مراد خارج ہو جانا ہے ہبہ کا موہوب لہ کی ملک سے اور آدھا بیچ دینے سے لے لے باقی آدھا جیسے بالکل نہ بیچنے کی صورت میں۔

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ ہبہ کا حکم یہ ہے کہ موہوب لہ کے لئے شئی موہوب میں ملک غیر لازم ثابت ہوتی ہے۔ تو واہب کیلئے رجوع کرنا اور شئی موہوب واپس لینا جائز ہوا لیکن کچھ موانع ایسے ہیں جن کی وجہ سے رجوع نہیں کر سکتا۔ اس باب میں ان موانع کی تفصیل ہے پھر عنوان میں ہبہ سے مراد موہوب ہے کیونکہ رجوع اعیان میں ہوتا ہے نہ کہ اقوال میں۔

قولہ صح الخ واہب کو ہبہ کرنے کے بعد اس سے رجوع کرنے اور موہوب شئی کو واپس لے لینے کا حق ہے۔ واپس لے سکتا ہے۔ امام شافعی کے یہاں رجوع کا حق نہیں سوائے باپ کے کہ اگر وہ اپنی اولاد کو کوئی چیز ہبہ کرے تو واپس لے سکتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ

ع...... نسائی ابن ماجہ عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سنن اربعہ، ابن حبان، حاکم، احمد، طبرانی، دارقطنی عن ابن عمر و ابن عباس (علی غیر لفظہ) ۱۲

عہ...... ابن ماجه ' دارقطنی ' ابن ابی شیبه عن ابی هریرة ' دارقطنی ' طبرانی ابن عباس ' حاکم ' دارقطنی ' بیهقی عن ابن عمر ۱۲

کا ارشاد ہے کہ " واہب ہبہ میں رجوع نہ کرے مگر باپ کہ وہ اس چیز میں رجوع کرسکتا ہے جو اپنی اولاد کو ہبہ کرے" ہماری دلیل حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ واہب شئی موہوب کا زیادہ حقدار ہے جب تک کہ وہ اس کا بدلہ نہ لے" امام شافعی کا مستدل سو اس کا مطلب یہ ہے کہ باپ کے علاوہ کسی اور کیلئے سزاوار نہیں۔

کہ وہ قاضی اور تراضی کے بغیر ہبہ میں رجوع کرے ہاں باپ عند الاحتیاج خود رجوع کرسکتا ہے۔ گویا ممانعت کراہت رجوع پر محمول ہے۔ اور اس سے بھی ہم متفق ہیں کہ رجوع کرنا مکروہ ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ ہبہ میں رجوع کرنے والا ایسا ہے جیسے کتا کہ وہ قے کرنے کے بعد پھر کھالیتا ہے۔

قولہ ومنع الخ ہبہ میں رجوع کرنے سے سات امور مانع ہوتے ہیں۔ مجموعہ "دمع خزقہ" کے حروف سے انہی موانع سبعہ کی طرف اشارہ ہے۔ جو شاعر کی اس شعر سے ماخوذ ہے۔

ومانع عن الرجوع فی الھبۃ   یا صاحبی حروف دمع خزقہ

مجموعہ کے معنی یہ ہیں کہ اس کو آنسو نے زخمی کرڈالا خزق بمعنی طعن ہے پس شاعر نے آنسو کو برچھی کیساتھ تشبیہ دی ہے۔

مانع رجوع امور سبعہ کی تفصیل

قولہ فالدال الخ اجمال سابق کی تفصیل ہے یعنی مجموعہ مذکورہ کے پہلے حرف دال سے نفس شئی موہوب میں زیادہ متصلہ کی طرف اشارہ ہے کہ اگر عین موہوب میں کوئی ایسی زیادتی متصل ہوگئی جس سے اس کی قیمت بڑھ گئی۔ مثلاً موہوب زمین تھی۔ موہوب لہ نے اس میں عمارت بنالی یا درخت لگادیے۔ یا موہوب لہ نے اس کو کھلا پلا کر فربہ کرلیا تو اس صورت میں واہب رجوع نہیں کرسکتا۔ اس لئے کہ وہ زیادتی کے بغیر رجوع کرنا چاہے تو یہ ممکن نہیں کیونکہ فربہی کو دور کرنا اس کے بس کی بات نہیں اور اگر زیادتی کے ساتھ رجوع کرنا چاہے تو یہ بھی نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ زیادتی عقد ہبہ میں داخل نہیں۔ اور میم احد المتعاقدین کی موت کی طرف اشارہ ہے کہ موت کی صورت میں بھی رجوع جائز نہیں۔ اس واسطے کہ اگر موہوب لہ مرگیا تو ملک اس کے ورثہ کی طرف منتقل ہوگئی تو جیسے اس کی زندگی میں انتقال ملک کے بعد رجوع جائز نہیں۔ اسی طرح مرنے کے بعد انتقال ملک کی صورت میں رجوع جائز نہ ہوگا۔ اور اگر واہب مرگیا تو اس کے ورثہ عقد ہبہ کے لحاظ سے اجنبی محض ہیں ؏۔ اور عین سے مراد عوض ہے جو ہبہ کہ بدلہ میں موہوب لہ واہب کو دے بشرطیکہ وہ اس کی اضافت ہبہ کی طرف کرے۔ مثلاً موہوب لہ واہب سے کہے کہ یہ چیز اپنے ہبہ کا عوض یا اسکا بدلہ یا اس کے مقابلہ میں لے لے اور واہب اس پر قبضہ کرلے تو حق رجوع ساقط ہو جائیگا۔ اسیطرح اگر کوئی اجنبی شخص موہوب لہ کی طرف سے واہب کے ہبہ کا عوض دیدے تب بھی حق رجوع ساقط ہوجاتا ہے۔ اور اگر عوض دینے کے بعد نصف موہوب کسی اور کا نکلا تو موہوب لہ اپنا نصف عوض واہب سے واپس لے سکتا ہے۔ لیکن اگر نصف عوض کسی اور کا نکلے تو واہب یہ نہیں کرسکتا کہ نصف موہوب واپس لے لے بلکہ جو نصف عوض اس کے پاس باقی ہے وہ موہوب لہ کو واپس کرکے اپنا کل موہوب واپس لے گا یا اسی نصف عوض پر قناعت کریگا' البتہ امام زفر کے نزدیک واہب کو بھی رجوع کا حق ہے۔ اور خا سے مراد موہوب کا موہوب لہ کی ملک سے خارج ہوجانا ہے مثلاً موہوب لہ اس کو فروخت کرڈالے یا کسی کو ہبہ کردے تو واہب رجوع نہیں کرسکتا اور موہوب لہ نے نصف موہوب کو فروخت کیا تو واہب نصف باقی میں رجوع کرسکتا ہے۔

؏۔۔۔۔الجماعۃ الا الترمذی عن ابن عباس ۱۲ عہ۔۔۔۔ وقد نظم مصنف التنویر مایسقط بالموت فقال' عہ۔۔۔۔

کفارۃ دیۃ خراج ورابع +ضمان لعتق ھکذا نفقات
کذاھبۃ حکم الجمیع سقوطھا +بموت لمان الجمیع صلات

وَالزَّاءُ اَلزَّوْجِيَّةُ فَلَوْ وَهَبَ ثُمَّ نَكَحَهَا رَجَعَ وَبِالْعَكْسِ لاَ وَالْقَافُ اَلْقَرَابَةُ

اور زاء سے مراد زوجیت ہے پس اگر ہبہ کیا پھر اس سے نکاح کرلیا تو رجوع کرسکتا ہے نہ کہ اس کے عکس میں اور قاف سے مراد قرابت ہے

فَلَوْ وَهَبَ لِذِیْ رِحْمٍ مُحْرَمٍ مِنْهُ لاَيَرْجِعُ فِيهَا وَالْهَاءُ اَلْهُلاكُ فَلَوْ ادَّعَاهُ صُدِّقَ وَاِنَّمَا يَصِحُّ الرُّجُوْعُ

پس اگر ہبہ کیا اپنے ذی رحم محرم کو تو رجوع نہیں کرسکتا اور ہاء سے مراد ہلاکت ہے پس اگر دعویٰ کرے ہلاکت کا تو تصدیق کیجائیگی اور رجوع آپس کی

بِتَرَاضِيهِمَا اَوْ بِحُكْمِ الْحَاكِمِ فَاِنْ تَلَفَتِ الْمَوْهُوْبَةُ وَاسْتَحَقَّهَا مُسْتَحِقٌّ وَضَمِنَ الْمَوْهُوْبُ لَهُ

رضامندی یا حاکم کے حکم ہی سے صحیح ہے پس اگر ہلاک ہوگئی موہوب شئی پھر اس کا مستحق نکل آیا اور اس نے موہوب لہ سے تاوان لیا

لَمْ يَرْجِعْ عَلَى الْوَاهِبِ بِمَا ضَمِنَ وَالْهِبَةُ بِشَرْطِ الْعِوَضِ هِبَةٌ اِبْتِدَاءً فَيُشْتَرطُ التَّقَابُضُ فِي الْعِوَضَيْنِ وَتَبْطُلُ

تو وہ واہب سے یہ تاوان نہیں لے سکتا اور ہبہ عوض کی شرط پر ہبہ ہوتا ہے ابتداء پس شرط ہوگا قبضہ کرنا دونوں عوضوں پر اور باطل ہوجائیگا شیوع سے

بِالشُّيُوْعِ بَيْعٌ اِنْتِهَاءً فَيُرَدُّ بِالْعَيْبِ وَخِيَارِ الرُّؤْيَةِ وَتُؤْخَذُ بِالشُّفْعَةِ.

اور بیع ہوتا ہے آخر کار پس واپس کیا جاسکتا ہے عیب اور خیار رویت کے سبب سے اور لیا جاسکتا ہے حق شفعہ سے۔

تشریح الفقہ: **قوله والزاء الخ** زا سے مراد بوقت ہبہ واہب وموہوب لہ کے درمیان علاقہ زوجیت کا ہونا ہے۔ تو اگر کسی نے اجنبیہ عورت کو کوئی چیز ہبہ کی پھر اس سے نکاح کرلیا تو رجوع کرسکتا ہے۔ کیونکہ ہبہ کے وقت زوجیت نہیں تھی اور اگر اپنی بیوی کو کوئی چیز ہبہ کی پھر اس کو جدا کردیا تو رجوع نہیں کرسکتا۔ قاف سے مراد قرابت محرمیت ہے۔ یعنی ایسی قرابت جس سے نکاح حرام ہوجائے۔ تو اگر اپنے کسی ذی رحم محرم کو کوئی چیز ہبہ کی تو اس میں رجوع نہیں کرسکتا۔ کیونکہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ "جب ہبہ ذی رحم محرم کے لئے ہو تو اس میں رجوع نہ کرے" ہا سے مراد شئی موہوب۔ یا اس کے منافع عامہ کا ہلاک ہوجانا ہے کہ ہلاک ہوجانے کی صورت میں بھی واہب رجوع نہیں کرسکتا۔ اور ہلاکت موہوب کے سلسلہ میں موہوب لہ کا قول معتبر ہوگا۔ یعنی اگر وہ یہ دعویٰ کرے کہ وہ ضائع ہوگئی تو اس کی تصدیق کی جائے گی۔

قوله والهبة بشرط العوض الخ ہمارے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ابتداء عقد کے اعتبار سے ہبہ ہوتا ہے۔ اور انتہا کے اعتبار سے بیع ہوتا ہے تو ہبہ ہونے کے لحاظ سے عوضین پر قبضہ کرنا شرط ہوگا۔ اور اگر موہوب متحمل القسمۃ شئی ہو اور مشاع ہو تو عوض باطل ہوگا' بیع ہونے کے لحاظ سے ہبہ خیار رویت اور خیار عیب کی بناء پر واپس کیا جائے گا اور اس میں شفیع کے لئے حق شفعہ بھی ثابت ہوگا' امام زفر اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ابتدا وانتہا ہر دو اعتبار سے بیع ہے۔ کیونکہ ہبہ میں بیع کے معنی ہوتے ہیں یعنی تملیک بالعوض۔ اور عقود میں معانی ہی کا اعتبار ہوتا ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ اس میں دونوں جہتیں ہیں۔ لفظ کے اعتبار سے ہبہ ہے اور معنی کے اعتبار سے بیع تو حتی الامکان دونوں جہتوں پر عمل کیا جائے گا۔

فَصْلٌ: وَمَنْ وَهَبَ اَمَةً اِلاَّ حَمْلَهَا اَوْ عَلىٰ اَنْ يَرُدَّهَا عَلَيْهِ اَوْ يُعْتِقَهَا اَوْ يَسْتَوْلِدَهَا اَوْ دَارًا عَلىٰ اَنْ يَرُدَّ عَلَيْهِ

(فصل) جس نے ہبہ کی باندی نہ کہ اس کا حمل یا اس شرط پر کہ واپس کردیگا اس کو یا آزاد کردیگا یا ام ولد کرلیگا یا مکان اس شرط پر کہ واپس کرلیگا

شَيْئًا مِنْهَا اَوْ يُعَوِّضَهُ شَيْئًا مِنْهَا صَحَّتِ الْهِبَةُ وَبَطَلَ الاِسْتِثْنَاءُ وَالشَّرْطُ وَمَنْ قَالَ لِمَدْيُوْنِهٖ اِذَا جَاءَ غَدٌ

اس کا کچھ حصہ یا عوض دیگا اس کے کچھ حصہ کا تو صحیح ہوگا ہبہ اور باطل ہوگا استثناء اور شرط جس نے کہا اپنے مقروض سے کہ جب کل ہو تو وہ قرض

فَھُوَ لَکَ اَوْ اَنْتَ بَرِیٌّ مِنْهُ اَوْ اِنْ اَدَّیْتَ اِلَیَّ نِصْفَهٗ فَلَکَ نِصْفُهٗ اَوْ اَنْتَ بَرِیٌّ مِنَ النِّصْفِ الْبَاقِی فَھُوَ بَاطِلٌ

تیرا ہے یا تو اس سے بری ہے یا کہا کہ اگر تو مجھ کو آدھا قرض دیدے تو باقی آدھا تیرا ہے یا تو بری ہے باقی آدھے سے تو یہ باطل ہے

وَصَحَّ الْعُمْرٰی لِلْمُعْمَرِ حَالَ حَیَاتِهٖ وَلِوَرَثَتِهٖ بَعْدَهٗ وَھِیَ اَنْ یَجْعَلَ دَارَهٗ لَهٗ عُمْرَهٗ

اور صحیح ہے عمریٰ معمر کے لئے اس کی زندگی تک اور اس کے ورثہ کے لئے اس کے بعد اور وہ یہ ہے کہ کردے اپنا گھر کسی کیلئے اس کی زندگی تک

فَاِذَا مَاتَ تُرَدُّ عَلَیْهِ لَا الرُّقْبٰی اَیْ اِنْ مُتُّ قَبْلَکَ فَھُوَ لَکَ وَالصَّدَقَةُ کَالْھِبَةِ

جب وہ مرجائے تو واپس کردیا جائے مالک کو صحیح نہیں رقبیٰ یعنی اگر میں تجھ سے پہلے مرجاؤں تو وہ تیرا ہے اور صدقہ ہبہ کی طرح ہے

لَا تَصِحُّ اِلَّا بِالْقَبْضِ وَلَا فِیْ مُشَاعٍ یَحْتَمِلُ الْقِسْمَةَ وَلَا رُجُوْعَ فِیْهَا.

کہ صحیح نہیں مگر قبضہ کے ساتھ اور صحیح نہیں مشترک میں جو قابل تقسیم ہو اور صحیح نہیں صدقہ میں رجوع کرنا۔

مسائل متفرقہ

تشریح الفقہ: قولہ ومن وھب امۃ الخ ومن وہب سے "وبطل الاستثناء والشرط" تک جو چھ مسئلے ہیں ان سب میں ہبہ صحیح ہے۔ اور پہلی صورت میں استثنا اور باقی صورتوں میں کل شرطیں باطل ہیں۔ کیونکہ یہ شرطیں فاسد ہیں اور ہبہ شروط فاسدہ سے باطل نہیں ہوتا۔

قولہ ومن قال لمدیونہ الخ ایک شخص نے اپنے مقروض سے کہا کہ جب کل ہو تو وہ قرض تیرا ہے۔ یا تو اس سے بری ہے یا کہا کہ اگر تو مجھ کو نصف قرض ادا کردے تو باقی نصف قرض تیرا ہے۔ یا تو اس سے بری ہے تو یہ چار صورتیں باطل ہیں۔ کیونکہ ابراء من وجہ تملیک ہے اور من وجہ اسقاط۔ اور مقروض کو دین ہبہ کرنا ابراء ہے پس اس نے ابراء دین کو صریح شرط پر معلق کیا۔ حالانکہ تعلیق بالشرط اسقاطات محضہ کے ساتھ خاص ہے جن میں قسم کھلائی جاتی ہے۔ جیسے طلاق، عتاق والابراء وان کان اسقاطاً من وجہ لکن لیس من جنس مایحلف بھا فلایصح تعلیقہ بالشرط۔

قولہ وصح العمریٰ الخ عمریٰ اعمار کا اسم ہے۔ یقال اعمرتہ الدار عمریٰ۔ میں نے اس کو مکان زندگی بھر رہنے کیلئے دیدیا جب وہ مرجائیگا تو واپس لے لونگا۔ اس طرح ہبہ کرنا صحیح ہے۔ اور واپسی کی شرط باطل ہے۔ پس مدت العمر وہ مکان معمرلہ (موہوب لہ) کے لئے ہوگا۔ اور اس کے مرنے کے بعد اس کے ورثہ کے لئے ہوگا۔ حضرت ابن عباس و ابن عمر اور امام احمد کا بھی یہی قول ہے۔ اور قول جدید میں امام شافعی بھی اسی کے قائل ہیں، حضرت علی، شریح، مجاہد، طاؤس اور ثوری سے بھی یہی مروی ہے، فقیہ لیث، امام مالک اور امام شافعی کا قول قدیم ہے کہ عمریٰ میں منافع کی تملیک ہوتی ہے نہ کہ تملیک عین، پس تادم حیات مکان معمرلہ کیلئے ہوگا۔ اور بعد مرگ اصل مالک کو واپس کردیا جائیگا۔ کیونکہ صحیح مسلم میں حضرت جابر سے مروی ہے کہ جس عمریٰ کو آنحضرت ﷺ نے جائز فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ معمر یوں کہے "ھی لک ولعقبک" اگر صرف اتنا کہا "ھی لک ماعشت" تو اس صورت میں مالک کو واپس کیا جائیگا۔ ابن الاعرابی سے منقول ہے کہ اس میں اہل عرب کا اختلاف نہیں۔ کہ عمریٰ اور رقبیٰ میں شئی اصل مالک کی مملوک ہوتی ہے اور منافع موہوب لہ کے لئے ہوتے ہیں (ہماری دلیل حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ "اپنا مال اپنے پاس روکو تباہ نہ کرو بیشک جس نے عمریٰ کیا

---

(۱) لان المقصود بہا الثواب وقد حصل بخلاف الہبۃ فلا رجوع فی الہبۃ للفقیر استحسانا لان المقصود بہا الثواب دون العوض اذ لو کان قصدہ العوض لاختار للہبۃ من یکون اقدر علی ادائہ ولما اختار الفقیر مع عجزہ عن ادائہ ۱۲

سو جیتے جی تک وہ اس کا ہے جس کو دیا گیا اور مرنے کے بعد اس کے وارثوں کا ہے۔'' نیز آپ کا ارشاد ہے کہ 'جو چیز بطور عمریٰ دی گئی وہ معمرلہ اور اس کے وارثوں کی ہے'' واما قول ابن الاعرابی فلا یضر لان الشارع نقلها الی تملیک الرقبة۔

قوله الاالرقبیٰ الخ رقبیٰ یہ ہے کہ مالک یوں کہے'' داری لک رقبیٰ''یعنی اگر میں تجھ سے پہلے مر جاؤں تو یہ گھر تیرا ہے اور اگر مجھ سے پہلے تو مرجائے تو میرا ہے۔ طرفین اور امام مالک کے نزدیک ہبہ کی یہ صورت جائز نہیں۔ کیونکہ اس میں ان میں سے ہر ایک دوسرے کی موت کا منتظر رہتا ہے۔ صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عمریٰ کو جائز رکھا ہے اور رقبیٰ کو رد کیا ہے۔ مگر یہ حدیث مل نہیں سکی'' ولعل الله یحدث بعد ذلک امر'' امام ابو یوسف امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک رقبیٰ جائز ہے۔ کیونکہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص عمریٰ کرے تو اس کا مالک زندگی اور موت میں معمر ہے۔ اور رقبیٰ نہ کرو جو شخص بطریق رقبیٰ دے تو وہی اس کا طریقہ ہے۔

عه..... مسلم عن جابر ۱۲۔ عه..... ابو داؤد' نسائی عن جابر ۱۲۔ عه..... ابو داؤد' نسائی ابن ماجه' احمد ابن حبان عن زید بن ثابت ۱۲۔

کتاب الاجارة

هِیَ	بَيْعُ	مَنْفَعَةٍ	مَعْلُوْمَةٍ	بِأَجْرٍ	مَعْلُوْمٍ	وَمَا	صَحَّ	ثَمَنًا	صَحَّ	أُجْرَةً

وہ بیچنا ہے معلوم نفع کو معلوم اجر کے عوض میں اور جس چیز کا ثمن ہونا صحیح ہے اس کا اجرت ہونا بھی صحیح ہے۔

تشریح الفقہ: قولہ کتاب الخ تملیک اعیان بلاعوض (ہبہ) کے احکام سے فراغت کے بعد تملیک منافع بالعوض (اجارہ) کے احکام بیان کررہا ہے اور اول کو اس لئے مقدم کیا ہے کہ اس میں تملیک اعیان ہوتی ہے اور ثانی میں تملیک منافع اور اعیان منافع پر مقدم ہوتی ہیں نیز اول میں عوض نہیں ہوتا اور ثانی میں عوض ہوتا ہے اور عدم وجود پر مقدم ہے۔

قولہ ھی الخ اجارہ لغۃً اجرۃ کا اسم ہے اس مزدوری کو کہتے ہیں جس کا استحقاق عمل خیر پر ہو۔ اسی لئے اس کے ذریعہ دعا دیجاتی ہے اور کہا جاتا ہے "اعظم اللہ اجرک" قہستانی میں ہے کہ اجارہ کو اصل میں اجر زید یاجر (بالضم) کا مصدر ہے۔ بمعنی اجیر ہونا۔ لیکن اس کا استعمال اکثر ایجار مصدر کے معنی میں ہوتا ہے۔ اور اسم فاعل اس معنی میں نہیں آتا۔ (کذافي الوضی) بعض اہل لغت کے نزدیک اجارہ فعالہ کے وزن پر مفاعلت سے ہے۔ ان کے نزدیک آجر فاعل کے وزن پر ہے۔ نہ کہ افعل کے وزن پر تو اسم فاعل مواجر آئے گا مگر صاحب اساس نے اس کی تغلیط کی ہے اور کہا ہے کہ اسم فاعل موجر ہے نہ کہ مواجر البتہ صاحب کشاف نے مقدمۃ الادب' میں آجرہ الدار کو باب افعال اور مفاعلۃ دونوں سے مانا ہے۔ اجارہ کی اصطلاحی تعریف یہ ہے" ھی بیع منفعۃ معلومۃ باجر معلوم" یعنی منفعت معلومہ کو عوض معلوم کے بدلے میں فروخت کرنا اجارہ کہلاتا ہے۔ خواہ عوض مالی ہو یا غیر مالی۔ غیر مالی جیسے منافع مثلاً مکان کی رہائش کو رکوب دابہ کے عوض فروخت کرنا' نیز عوض دین ہو جیسے مکیل وموزون اور عددی متقارب یا عین جیسے دواب وثیاب وغیرہ پس ہبہ' عاریت اور نکاح اس سے خارج ہو گئے۔ کیونکہ ان میں عوض کے ساتھ منافع کی استباحت ہوتی ہے نہ کہ ان کی تملیک۔

فائدہ: ازروئے قیاس اجارہ ناجائز معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اس میں معقود علیہ منفعت ہوتی ہے۔ جو بوقت عقد موجود نہیں ہوتی بلکہ اس کا وجود بعد میں ہوتا ہے اور آئندہ موجود ہونے والی شئی کی طرف تملیک کی اضافت صحیح نہیں۔ لیکن قرآن وحدیث اس کی صحت کے شاہد ہیں۔ قال تعالیٰ" علیٰ ان تاجرنی ثمانی حجج فان ارضعن لکم فاتو ھن اجورھن' لوشئت لاتخذت علیه اجرًا" حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ "مزدور کو اس کی مزدوری پسینہ خشک ہونے سے پہلے دیدو"
نیز آپ کا ارشاد ہے کہ 'جب تم میں سے کوئی کسی کو مزدوری پر لے تو چاہئے کہ اس کو اس کی مزدوری بتادے ان کے علاوہ اور بہت سی صحیح احادیث صحیحین وغیرہ میں موجود ہیں۔ جن سے اجارہ کی صحت اور اس کا جواز مفہوم ہوتا ہے۔

(۱) ان الاجرۃ ثمن المنفعہ فیعتبر بثمن المبیع (۲) ومالا یصلح ثمنا یصلح اجرۃ ایضا کالاعیان ۱۲

عہ ... ماجہ عن ابن عمر ابو یعلی الموصلی ابن عدی ابونعیم (فی الحلیۃ) عن ابی ہریرۃ ابوعبداللہ الترمذی الحکیم (فی نوادر الاصول) عن انس ابن زنجویہ (فی کتاب الاموال مرسلا عن یسار) طبرانی (فی الصغیر) عن جابر ۱۲

عہ ... عبدالرزاق محمد بن الحسن عن ابی ہریرۃ وابی سعید الخدری ابن راہویہ احمد ابوداؤد (فی مراسیلہ) عن الخدری (علی غیر لفظ) نسائی ابن ابی شیبہ عن الخدری (موقوفا) ۱۲

وَالْمَنفَعَةُ تُعْلَمُ بِبَيَانِ الْمُدَّةِ كَالسُّكْنٰى وَالزِّرَاعَةِ فَتَصِحُّ عَلٰى مُدَّةٍ مَعْلُوْمَةٍ اَىَّ مُدَّةٍ كَانَتْ وَلَمْ تُزَدْ

اور نفع معلوم ہوجاتا ہے مدت بیان کردینے سے جیسے رہائش اور کاشت پس صحیح ہے مدت معلومہ پر جو بھی مدت ہو اور زیادہ نہ کیجائیگی

فِى الاَوْقَافِ عَلٰى ثَلٰثِ سِنِيْنَ اَوْ بِالتَّسْمِيَةِ كَالاِسْتِيْجَارِ عَلٰى صَبْغِ الثَّوْبِ وَخِيَاطَتِهٖ اَوْ بِالاِشَارَةِ

مدت اوقاف میں تین سال سے یا عمل کی تصریح کردینے سے جیسے اجرت پر لینا کپڑے کی رنگائی اور اس کی سلائی کے لئے یا اشارہ کردینے سے

كَالاِسْتِيْجَارِ عَلٰى نَقْلِ هٰذَا الطَّعَامِ اِلٰى كَذَا وَالاُجْرَةُ لاَ تُمْلَكُ بِالْعَقْدِ بَلْ بِالتَّعْجِيْلِ اَوْ بِشَرْطِهٖ.

جیسے اجرت پر لینا اس غلہ کو فلاں جگہ پہنچانے کیلئے اور اجرت مملوک نہیں ہوتی نفس عقد سے بلکہ پیشگی دینے یا پیشگی دینے کی شرط کرنے

اَوْ بِالاِسْتِيْفَاءِ اَوْ بِالتَّمَكُّنِ مِنْهُ فَاِنْ غُصِبَ مِنْهُ سَقَطَ الاُجْرَةَ.

یا پورا نفع حاصل کرنے پر قادر ہوجانے سے پس اگر اس سے چیز چھین لی گئی تو اجرت ساقط ہوجائیگی۔

تشریح الفقہ: **قوله والمنفعة الخ** صحت اجارہ کے لئے مزدوری اور منفعت دونوں کا معلوم ہونا ضروری ہے۔ مزدوری کے معلوم ہونے میں تو کوئی خفا نہیں البتہ منفعت کے معلوم ہونے میں قدرے خفا ہے اس لئے اس کو بیان کرتا ہے۔ سو منفعت معلوم ہوجانے کے تین طریقے ہیں اول یہ کہ مدت بیان کردی جائے کہ بیان مدت سے مقدار منفعت کا معلوم ہوجانا ایک لازمی بات ہے۔ بشرطیکہ منفعت متفاوت نہ ہو مثلاً اجارہ دار میں بیان کردینا کہ اتنی مدت تک رہائش کی لئے ہے اور زمین کے اجارہ میں یہ بیان کردینا کہ اتنی مدت تک کاشت کے لئے ہے تو مدت کم ہو یا زائد جو بھی معین کی جائے اجارہ صحیح ہوجائیگا۔ لیکن اوقاف میں اجارہ طویلہ یعنی تین سال سے زائد تک جائز نہیں تاکہ مستاجر اپنی ملک کا دعویٰ نہ کر بیٹھے۔ **هو المختار للفتوى كمافي الهداية۔**

قوله او بالتسمية الخ دوم یہ کہ اس عمل کو بیان کردیا جائے جس کے لئے اجارہ مطلوب ہے۔ جیسے کپڑے کی رنگائی اور سلائی یا زرگری یا جانور کی سواری یا بار برداری وغیرہ کہ اس سے بھی منفعت معلوم ہوجاتی ہے۔ بشرطیکہ امور اس طرح بیان کردیے جائیں کہ بعد میں منازعت پیش نہ آئے۔ مثلاً رنگائی میں کپڑے کو اور اس کے رنگ کو بیان کردینا کہ سرخ مطلوب ہے یا زرد۔ اسی طرح سلائی میں دوخت کی قسم بیان کردینا و **علی هذا القياس** ۔ سوم یہ کہ اس کی طرف اشارہ کردیا جائے کہ یہ چیز فلاں جگہ لے جانی ہے کیونکہ جب اجیر نے اس چیز کو دیکھ لیا اور جگہ بھی سمجھ گیا تو منفعت معلوم ہوگئی لہٰذا عقد درست ہوجائیگا۔

قوله والاجرة الخ ہمارے یہاں نفس عقد کے ذریعہ اجرت کا استحقاق نہیں ہوتا (امام شافعی کے یہاں ہوجاتا ہے) کیونکہ حکم عقد وجود منفعت کے بعد ظاہر ہوتا ہے اور اجارہ میں بوقت عقد منفعت موجود نہیں ہوتی تو نفس عقد سے مستحق اجرت ہونے کے کوئی معنی ہی نہیں اس لئے اجرت امر آخر کیساتھ مقید ہوگی اور وہ چند امور میں سے کوئی ایک ہے۔ (۱) مستاجر از خود اجرت پیشگی دیدے تو اب اجرت واجب ہوجاتی ہے۔ بایں معنی کہ مستاجر واپس نہیں لے سکتا۔ (۲) اجرت پیشگی لینے کی شرط ہو اس سے بھی اجرت کا مستحق ہوجاتا ہے کیونکہ نفس عقد سے ثبوت ملک کا امتناع تحقق مساوات کیلئے تھا اور جب اس نے پیشگی دیدی یا پیشگی دینے کی شرط منظور کرلی تو مساوات جو اس کا حق تھا اس کو اس نے خود ہی باطل کردیا۔ (۳) استیفاء معقود علیہ یعنی مستاجر پوری منفعت حاصل کرچکے اس صورت میں اجرت کا استحقاق ہوجاتا ہے۔ کیونکہ اجارہ عقد معاوضہ ہے اور ان دونوں میں مساوات متحقق ہوچکی تو اجرت واجب ہوجائے گی۔ (۴) مستاجر پوری منفعت حاصل کرنے پر قادر ہوجائے کیونکہ کسی شیٔ پر تمکن بعینہ اس شیٔ کے قائم مقام ہوتا ہے تو گویا مستاجر نے پورا نفع حاصل کرلیا۔ پھر اگر مستاجر کے پاس سے وہ چیز غصب کرلی گئی تو اجرت ساقط ہوجائیگی۔ کیونکہ تمکن مذکور فوت ہوگیا۔

وَلِرَبِّ الدَّارِ وَالاَرْضِ طَلَبُ الاَجْرِ كُلَّ يَوْمٍ وَلِلْجَمَّالِ كُلَّ مَرْحَلَةٍ وَلِلْقَصَّارِ وَالْخَيَّاطِ بَعْدَ الْفَرَاغِ عَنْ عَمَلِهِ

گھر اور زمین والے کے لئے اجرت طلب کرنے کا حق ہے ہر دن اور اونٹ والے کے لئے ہر منزل پر اور دھوبی اور درزی کے لئے عمل سے فارغ

وَلِلْخَبَّازِ بَعْدَ اِخْرَاجِ الْخُبْزِ مِنَ التَّنُّوْرِ فَاِنْ اَخْرَجَهُ فَاحْتَرَقَ لَهُ الاَجْرُ وَلاَ ضِمَانَ

ہونے کے بعد اور نان پز کیلئے تنور سے روٹی نکالنے کے بعد پس اگر وہ روٹی نکالے اور وہ جل جائے تو اس کے لئے اجرت ہوگی اور تاوان نہ ہوگا

وَلِلطَّبَّاخِ بَعْدَ الْغَرْفِ وَلِلَّبَّانِ بعْدَ الاِقَامَةِ وَمَنْ لِعَمَلِهِ اَثَرٌ فِي الْعَيْنِ كَالصَّبَّاغِ وَالْقَصَّارِ

اور باورچی کیلئے سالن نکالنے کے بعد اور خشت ساز کیلئے اینٹیں کھڑی کرنے کے بعد جس کے عمل کا اثر ہو عین شئ میں جیسے رنگریز اور دھوبی

يَحْبِسُهَا لِلاَجْرِ فَاِنْ حَبَسَ فَضَاعَ فَلاَ ضِمَانَ وَلاَ اَجْرَ وَمَنْ لاَ اَثَرَ لِعَمَلِهِ

وہ روک سکتا ہے شئ کو مزدوری لینے کے لئے پس اگر اس نے روکی اور وہ ضائع ہوگئی تو تاوان نہ ہوگا اور اجرت بھی نہ ہوگی اور جس کے عمل کا اثر نہ ہو

كَالْجَمَّالِ وَالْمَلاَّحِ لاَيَحْبِسُ لِلاَجْرِ وَلاَ يَسْتَعْمِلُ غَيْرَهُ اِنْ شَرَطَ عَمَلَهُ بِنَفْسِهِ وَاِنْ اَطْلَقَ

جیسے اونٹ والا اور کشتی والا وہ نہیں روک سکتا مزدوری کے واسطے اور دوسرے سے نہ کرائے اگر شرط ہو اس کے خود کرنے کی اور عقد مطلق ہو

لَهُ اَنْ يَسْتَاجِرَ غَيْرَهُ وَاِنِ اسْتَاجَرَهُ لِيَجِئَ بِعِيَالِهِ وَمَاتَ بَعْضُهُمْ فَجَاءَ بِمَنْ بَقِيَ فَلَهُ اَجْرُهُ

تو مزدوری پر لے سکتا ہے دوسرے کو اگر اجرت پر لیا لانے کے لئے اپنے گھر والوں کو اور ان میں سے بعض مر گئے اور وہ باقیوں کو لے آیا تو اجرت

بِحِسَابِهِ وَلاَ اَجْرَ لِحَامِلِ الْكِتَابِ لِلْجَوَابِ اَوْ لِحَامِلِ الطَّعَامِ اِنْ رَدَّهُ لِلْمَوْتِ.

اسی حساب سے ہوگی اجرت نہیں برائے جواب خط لیجانے والے یا کھانا لیجانے والے کے لئے اگر لوٹایا ہو اس کو مکتوب الیہ کی موت کی وجہ سے۔

احکام اجارہ کی تفصیل

توضیح اللغۃ: جمال ساربان، مرحلہ منزل، قصار دھوبی، خیاط درزی، خباز نان پز، طباخ باورچی، غرف برتن میں سالن نکالنا، لبان خشت ساز، صباغ رنگریز، ملاح ناخدا۔

تشریح الفقہ: قولہ ولرب الدار الخ اگر عقد اجارہ میں تعجیل یا تاخیر کی قید نہ ہو تو موجر ہر روز مکان اور زمین کا کرایہ طلب کرسکتا ہے اسی طرح اونٹ والا ہر مرحلہ پر طلب اجرت کا حق دار ہے کیونکہ ہر روز کی رہائش اور ہر منزل کی مسافت طے کرنا داخل مقصود ہے۔ اور مستاجر اتنی منفعت حاصل کر چکا امام صاحب اولاً اس کے قائل تھے کہ انقضاء مدت وانتہاء سفر سے پیشتر مطالبہ کا حق نہیں۔ امام زفر اسی کے قائل ہیں لیکن دھوبی درزی 'نان پز' باورچی' خشت ساز' اجرت کا مطالبہ اس وقت کریں گے جب وہ عمل سے فارغ ہو جائیں یعنی دھوبی کپڑا دھو چکے درزی سی چکے نان پز تندور سے روٹی اور باورچی دیگ سے سالن پیالوں میں نکال چکے خشت ساز اینٹیں کھڑی کر چکے کیونکہ ان کا عمل عرفاً ان امور کے بعد ہی پورا ہوتا ہے۔ صاحبین کے نزدیک خشت ساز کیلئے تہ بتہ جما کر چٹہ لگانا بھی ضروری ہے۔ امام صاحب کے نزدیک یہ فعل زائد ہے۔

قولہ ومن لعملہ الخ جس اجیر کے کام کا اثر عین شئ میں موجود ہو جیسے رنگریز دھوبی وغیرہ ایسا اجیر مزدوری وصول کرنے کیلئے شئ کو روک سکتا ہے۔ کیونکہ معقود علیہ وہ وصف ہے جو کپڑے میں قائم ہے تو اجیر استیفاء بدل کے لئے روکنے کا حق دار ہوگا۔ اب اگر روکنے کے بعد وہ شئ ہلاک ہو جائے تو امام صاحب کے نزدیک مزدور پر تاوان نہ ہوگا۔ کیونکہ اس کی طرف سے کوئی تعدی نہیں پائی

گئی تو جیسے وہ شئی پہلے امانت تھی ایسے ہی باقی رہی لیکن اجیر کو اجرت نہ ملے گی۔ کیونکہ معقود علیہ قبل از تسلیم ہلاک ہو گیا' صاحبین کے نزدیک شئی روکنے سے پہلے مضمون تھی تو روکنے کے بعد بھی مضمون ہو گیا البتہ مالک کو اختیار ہوگا چاہے شئی کی اس قیمت کا تاوان لے جو عمل سے پہلے تھی اور اجرت نہ دے چاہے اس قیمت کا تاوان جو عمل کے بعد ہے اور مزدوری دے' اور جس اجیر کے کام کا اثر عین شئی میں نہ ہو جیسے ساربان' ناخدا وغیرہ ایسے اجیر کیلئے روکنے کا حق نہیں کیونکہ یہاں معقود علیہ نفس عمل ہے جو عین شئی کے ساتھ قائم نہیں اور اس کو روکنا غیر متصور ہے۔

قولہ بحسابہ الخ کیونکہ اس نے بعض معقود علیہ کو پورا کیا ہے تو اتنے ہی عوض کا مستحق ہوگا مگر یہ اس وقت ہے جب اجیر کو اہل وعیال کی عدد پہلے معلوم ہو کہ وہ دس یا پندرہ ہے ورنہ پوری اجرت ملے گی۔

قولہ ولا اجر الخ زید نے عمرو کو اجرت پر لیا تا کہ وہ اس کا خط بکر کے پاس لے جائے اور اس کا جواب لے کر آئے۔ عمرو بکر کے پاس پہنچا تو وہ مر چکا تھا اس لئے عمرو خط واپس لے آیا تو شیخین کے نزدیک عمرو کو کچھ اجرت نہ ملے گی۔ امام محمد کے نزدیک صرف جانے کی اجرت ملے گی اور اگر کسی کو کھانا پہنچانے کے لئے اجرت پر لیا اور مرسل الیہ کے فوت ہونے جانے کی وجہ سے اجیر کھانا واپس لے آیا۔ تو بالاتفاق اجرت نہ ملے گی۔ وجہ فرق یہ ہے کہ جس چیز کے جانے میں محنت ومشقت نہ ہو جیسے خط یا زبانی پیغام رسانی تو ایسی چیزوں میں امام محمد کے نزدیک معقود علیہ قطع مسافت ہوتا ہے اور وہ پایا گیا لہٰذا اجیر مستحق اجرت ہوگا۔ اور جس چیز کے لیجانے میں مشقت ہو جیسے طعام وغیرہ اس میں معقود علیہ مرسل الیہ تک اس چیز کو پہونچانا ہوتا ہے اور وہ پایا نہیں گیا۔ بخلاف شیخین کہ انکے نزدیک معقود علیہ دونوں صورتوں میں مرسل الیہ تک اس چیز کو پہنچانا ہے۔

باب مایجوز من الاجارة وما یکون خلافافیها

باب اجارہ کی ان قسموں کے بیان میں جو جائز ہیں اور جن میں اختلاف ہے۔

صَحَّ اِجَارَةُ الدُّوْرِ وَالْحَوَانِيْتِ بِلَابَيَانِ مَايَعْمَلُ فِيْهَا وَلَهُ اَنْ يَعْمَلَ فِيْهَا كُلَّ شَيْءٍ اِلَّا اَنَّهُ لَا يُسْكِنُ حَدَّادًا

صحیح ہے گھروں اور دکانوں کا اجارہ وہ کام بیان کئے بغیر جو ان میں کیا جائیگا اور کرایہ دار کر سکتا ہے ان میں ہر کام بجز اس کے کہ نہیں ٹھہرا سکتا لوہار کو

اَوْ قَصَّارًا اَوْ طَحَّانًا وَالْاَرَاضِي لِلزِّرَاعَةِ اِنْ بَيَّنَ مَايُزْرَعُ فِيْهَا اَوْ قَالَ عَلٰى اَنْ يَزْرَعَ

اور دھوبی کو اور آٹا پیسنے والے کو اور صحیح ہے زمین کا اجارہ کھیتی کیلئے اگر بیان کر دے اس چیز کو جس کی کھیتی کیجائیگی اس میں یا کہدے کہ بوئے

مَاشَاءَ لِلْبِنَاءِ وَلِلْغَرْسِ فَاِنْ مَضَتِ الْمُدَّةُ قَلَعَهُمَا وَسَلَّمَهَا فَارِغَةً اِلَّا اَنْ يَغْرَمَ الْمُوْجِرُ قِيْمَتَهٗ مَقْلُوْعًا

جو چاہے اور عمارت بنانے اور درخت لگانے کیلئے اگر گذر جائے مدت تو اکھیڑ لے ان کو اور دیدے زمین خالی مگر یہ کہ موجر اکھیڑی ہوئی کی قیمت

وَيَتَمَلَّكَهٗ اَوْ يَرْضٰى بِتَرْكِهٖ فَيَكُوْنُ الْبِنَاءُ وَالشَّجَرُ لِهٰذَا وَالْاَرْضُ لِهٰذَا۔

دے کر مالک ہونا چاہے یا راضی ہو اسکے رہنے دینے پر پس عمارت اور درخت اس کے ہوں اور زمین اس کی ہوگی۔

توضیح اللغۃ: دور جمع دار' حوانیت جمع حانوت دکان' حداد لوہار' طحان آٹا پیسنے والا' آراضی جمع ارض' غرس درخت لگانا۔

تشریح الفقہ: **قولہ صح الخ** مکان اور دوکان کا اجارہ صحیح ہے گو وہ کام بیان نہ کرے جو اس میں کیا جائے گا۔ مگر یہ استحساناً ہے از روئے

عہ الاثر هو الاجزاء القائمة بالمحل كالنشاد قيل هو مايعاين في محل العمل كالسكر في الفستق واختار الاكثرون الاول ۱۲

قیاس جائز نہیں۔ کیونکہ مکان دوکان میں مختلف کام ہو سکتے ہیں تو معقود علیہ مجہول ہوا۔ وجہ استحسان یہ ہے کہ ان میں عمل متعارف سکونت درہائش ہے جو اختلاف عامل سے مختلف نہیں ہوتی۔ اور عمل متعارف مشروط کے مانند ہے اس لئے اجارہ صحیح ہے۔ اب مستاجر جو کام چاہے کرسکتا ہے۔ کیونکہ عقد مطلق ہے' ہاں لوہار دھوبی وغیرہ کو نہیں ٹھہرا سکتا۔ کیونکہ ان کاموں سے عمارت کمزور ہو جاتی ہے۔

قولہ فان مضت الخ اگر عمارت بنانے یا درخت لگانے کے لئے زمین کرائے پر لے تو درست ہے اب مدت اجارہ تمام ہو جانے کے بعد مستاجر اپنی عمارت توڑ کر اور درخت اکھاڑ کر خالی زمین مالک کے حوالے کریگا۔ اور اگر مالک ٹوٹی ہوئی عمارت اور اکھڑے ہوئے درختوں کی قیمت دینے پر راضی ہو جائے تو یہ بھی ہو سکتا ہے۔ پس قیمت دینے کے بعد وہ عمارت اور درختوں کا مالک ہو جائیگا اور اگر مالک عمارت اور درختوں کو اپنی زمین پر رہنے دے تو یہ بھی جائز ہے۔ اس صورت میں زمین مالک کی رہیگی۔ اور عمارت اور درخت مستاجر کے رہیں گے۔ محمد حنیف غفرلہٗ گنگوہی۔

وَالرَّطْبَةُ كَالشَّجَرَةِ وَالزَّرْعُ يُتْرَكُ بِاَجْرِ الْمِثْلِ اِلٰى اَنْ يُدْرَكَ وَالدَّابَّةِ لِلرُّكُوْبِ

اور رطبہ کا حکم درخت کا سا ہے اور کھیتی رہنے دیجائیگی اجرت مثلی پر یہاں تک کہ پک جائے اور صحیح ہے چوپائے کا اجارہ سوار ہونے

وَالْحَمْلِ وَالثَّوْبِ لِلُّبْسِ فَاِنْ اَطْلَقَ اَرْكَبَ وَاَلْبَسَ مَنْ شَاءَ وَاِنْ قَيَّدَ بِرَاكِبٍ اَوْ

اور لادنے کے لئے اور کپڑے کا اجارہ پہننے کے لئے پس اگر مطلق رکھا ہو تو سوار کرے اور پہنائے جس کو چاہے اور اگر مقید کیا ہو کسی سوار

لاَ بِسٍ فَخَالَفَ ضَمِنَ وَمِثْلُهٗ مَا يَخْتَلِفُ بِالْمُسْتَعْمِلِ وَمَا لاَ يَخْتَلِفُ بِهٖ

یا پہننے والے کے ساتھ اور وہ خلاف کرے تو ضامن ہوگا اسی طرح وہ چیزیں ہیں جو مختلف ہو جاتی ہیں استعمال کنندہ سے اور جو مختلف نہیں ہوتیں

بَطَلَ تَقْيِيْدُهٗ كَمَا لَوْ شَرَطَ سُكْنٰى وَاحِدٍ لَهٗ اَنْ يُسْكِنَ غَيْرَهٗ وَاِنْ سَمّٰى نُوْعاً وَقَدْراً كَكُرِّ بُرٍّ

ان میں قید لگانا باطل ہے جیسے اگر شرط کرے کسی کے رہنے کی تو وہ ٹھہرا سکتا ہے دوسرے کو اور اگر معین کردی نوع اور مقدار مثلاً گیہوں کا ایک کر

لَهٗ حَمْلُ مِثْلِهٖ وَاَخَفَّ لاَ اَضَرَّ كَالْمِلْحِ وَاِنْ عَطَبَتْ بِالْاِرْدَافِ ضَمِنَ النِّصْفَ وَبِالزِّيَادَةِ عَلَى الْحَمْلِ

تو لادسکتا ہے اسی جیسی یا اس سے ہلکی چیز نہ کہ زیادہ نقصان دہ جیسے نمک اگر سواری ہلاک ہوگئی پیچھے بٹھا لینے سے تو ضامن ہوگا نصف کا اور معین بوجھ

الْمُسَمّٰى مَازَادَ وَبِالضَّرْبِ وَالْكَبْحِ وَنَزْعِ السَّرْجِ وَالْاِيْكَافِ وَالْاِسْرَاجِ بِمَا لاَتُسْرَجُ بِمِثْلِهٖ

سے زیادہ لادنے سے ضامن ہوگا زائد کا اور مارنے لگام کھینچنے زین اتارنے پالان باندھنے ایسی زین کسنے سے کہ اس جیسی زین نہیں کسی جاتی

وَسُلُوْكِ طَرِيْقٍ غَيْرَ مَاعَيَّنَهٗ وَتَفَاوَتَا وَحَمْلِهٖ فِي الْبَحْرِ الْكُلَّ وَاِنْ بَلَّغَ فَلَهُ الْاَجْرُ

اور معین کردہ راہ کے علاوہ میں چلنے سے جبکہ راہیں متفاوت ہوں اور دریا میں لادنے سے ضامن ہوگا کل کا اور اگر پہنچا دیا تو اجرت ملے گی

وَبِزَرْعِ رَطْبَةٍ وَاَذِنَ بِالْبُرِّ مَانَقَصَ وَلاَ اَجْرَ

اور رطبہ بونے سے جبکہ اجازت گیہوں کی ہو ضامن ہوگا زمین کے نقصان کا اور اجرت نہوگی

وَبِخِيَاطَةِ قَبَاءٍ وَاَمَرَ بِقَمِيْصٍ قِيْمَةَ ثَوْبِهٖ وَلَهٗ اَخْذُ الْقَبَاءِ وَدَفْعُ اَجْرِ مِثْلِهٖ.

اور قباء سینے سے جبکہ حکم قمیص کا ہو ضامن ہوگا کپڑے کی قیمت کا اور قباء لے سکتا ہے اس کی اجرت مثل دیکر۔

توضیح اللغۃ: قلع اکھاڑے، رطبۃ سپست (ایک قسم کا چارہ ہے) یدرک کھیتی پک جائے، سکنی رہائش، عطبت ہلاک ہوجائے، ارداف اپنے پیچھے دوسرے کو سوار کرنا، کبح لگام کھینچنا، سرج زین، اکاف پالان باندھنا، اسراج زین کسنا۔

تشریح الفقہ: قولہ والرطبۃ الخ ایک قسم کا نرم چارہ جس کو فارسی میں سپست کہتے ہیں یہ ایک دفعہ کا بویا ہوا بہت دنوں تک رہتا ہے کیونکہ اس کی جڑیں زمین میں عرصہ تک رہتی ہیں سو اس کا حکم درخت کا سا ہے۔ یعنی مستاجر کے لئے اس کو اکھاڑ کر خالی زمین مالک کے حوالے کرنا لازم ہے۔ اس واسطے کہ جب رطبہ کی کوئی انتہا نہ ہوئی اور وہ درخت کے مثل ہوگئی تو مدت اجارہ کے بعد اس کو اکھاڑنا ضروری ہے۔ بخلاف کھیتی کے کہ اگر مدت جارہ ختم ہوجائے اور کھیتی کرنے کا وقت نہ آئے تو مستاجر کو کھیتی کاٹنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ کٹنے کے وقت تک مہلت دیجائے گی۔ اور زمین والے کو اجرت مثل دلائی جائیگی۔

قولہ وان سمی الخ ایک شخص نے کوئی جانور کرائے پر لیا اور اس پر جو بوجھ لادے گا اس کی نوع اور مقدار بیان کردی مثلاً یہ کہ دو من گیہوں لادیگا۔ تو وہ اس پر گیہوں جیسی اور کوئی چیز مثلاً دو من جو لادسکتا ہے۔ اسی طرح جو اس سے ہلکی ہو جیسے تل وغیرہ وہ بھی دو من لادسکتا ہے لیکن جو چیز گیہوں سے زیادہ نقصان دہ ہو وہ نہیں لادسکتا جیسے لوہا اور نمک وغیرہ کیونکہ موجر اس سے راضی نہیں ہے۔

قولہ وبالضرب الخ اگر مستاجر مارنے یا لگام کھینچنے سے سواری ہلاک ہوگئی تو امام صاحب کے نزدیک مستاجر پر کل قیمت کا تاوان آئے گا۔ صاحبین اور ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ اگر اس نے ایسی مار ماری یا اس طرح لگام کھینچی جو دستور عرف کے خلاف ہے تو تاوان لازم ہوگا ورنہ نہیں۔ درمختار میں ہے کہ اسی پر فتوی ہے۔ اور غایۃ البیان میں تتمہ کے حوالے سے منقول ہے کہ امام صاحب نے بھی اسی کی طرف رجوع کرلیا۔

باب الاجارة الفاسدة

باب اجارۂ فاسدہ کے بیان میں

يُفسِدُ الاجَارَةَ الشَّرطُ وَلَهُ اجرُ مِثلِه لاَ يُجَاوِزُ بِهِ الْمُسَمّٰى

اجارہ کو فاسد کردیتا ہے شرط فاسد اور اس کے لئے ایسی اجرت مثل واجب ہوگا جو مسمّٰی سے تجاوز نہ کرے۔

تشریح الفقہ: قولہ یفسد الخ اجارہ چونکہ بمنزلہ بیع کے ہے اس لئے جن شرطوں سے بیع فاسد ہو جاتی ہے ان سے اجارہ بھی فاسد ہو جائے گا جیسے یہ شرط لگانا اگر مکان منہدم بھی ہو جائے تب بھی کرایہ ساقط نہ ہوگا۔ یا پن چکی کا پانی بند ہو جائے تب بھی اجرت لازم ہوگی۔ اسی طرح شئی ماجور یا اجرت یا مدت یا عمل کا مجہول ہونا وغیرہ ان سب چیزوں سے اجارہ فاسد ہو جائیگا۔ اور اجرت مثل واجب ہوگی۔ لیکن مسمّٰی سے زیادہ نہ دی جائے گی۔ امام زفر اور امام شافعی کے یہاں اجرت مثل دی جائے گی گو مسمّٰی سے زیادہ ہو۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ منافع فی نفسہ متقوم نہیں بلکہ عقد کی وجہ سے متقوم ہوتے ہیں۔ اور عقد میں خود متعاقدین نے اجر مسمّٰی پر اتفاق کر کے زیادتی کو ساقط کر دیا۔ اس لئے زائد مقدار ساقط الاعتبار ہوگی۔

فَاِنْ اٰجَرَ دَارًا كُلَّ شَهْرٍ بِدِرْهَمٍ صَحَّ فِيْ شَهْرٍ فَقَطْ اِلَّا اَنْ يُسَمِّيَ الْكُلَّ وَكُلُّ شَهْرٍ سَكَنَ سَاعَةً مِنْهُ صَحَّ فِيْهِ

پس اگر اجرت پر دیا گھر ہر ماہ ایک درہم پر تو صحیح ہوگا صرف ایک ماہ میں مگر یہ کہ بیان کر دے سب مہینے اور جس مہینے میں رہ جائے تھوڑی دیر صحیح ہو جائیگا

وَاِنِ اسْتَاجَرَهَا سَنَةً صَحَّ وَاِنْ لَمْ يُسَمِّ اَجْرَ كُلِّ شَهْرٍ وَابْتِدَاءُ الْمُدَّةِ وَقْتُ الْعَقْدِ فَاِنْ كَانَ حِيْنَ يُهَلُّ

اس میں بھی، اگر کرایہ پر لیا مکان سال بھر کے لئے تو صحیح ہے گو بیان نہ کرے ہر ماہ کا کرایہ اور مدت کی ابتداء عقد کے وقت سے ہوگی اگر عقد اس وقت ہو

يُعْتَبَرُ الْاَهِلَّةُ وَاِلَّا فَالْاَيَّامُ وَصَحَّ اَخْذُ اُجْرَةِ الْحَمَّامِ وَالْحَجَّامِ لَا اُجْرَةُ عَسْبِ التَّيْسِ وَالْاَذَانِ وَالْحَجِّ

جب چاند دیکھا گیا تو اعتبار کیا جائیگا چاندوں کا ورنہ دنوں کا اور صحیح ہے اجرت لینا حمام کی اور پچھنا لگانے کی نہ کہ اجرت مادہ پر نر ڈالنے کی اور اذان کی اور حج

وَالْاِمَامَةِ وَتَعْلِيْمِ الْقُرْاٰنِ وَالْفِقْهِ. وَالْفَتْوٰى الْيَوْمَ عَلٰى جَوَازِ الْاِسْتِيْجَارِ لِتَعْلِيْمِ الْقُرْاٰنِ وَلَا يَجُوْزُ عَلَى الْغِنَاءِ(۱)

کی اور امامت کی اور تعلیم القرآن اور تعلیم فقہ کی، اور فتویٰ آج کل تعلیم قرآن کی اجرت لینے کے جواز پر ہے، اور جائز نہیں اجرت لینا، گانے، نوحہ

وَالنَّوْحِ وَالْمَلَاهِيْ وَفَسَدَ اِجَارَةُ الْمُشَاعِ اِلَّا مِنَ الشَّرِيْكِ.

اور باجے بجانے پر اور فاسد ہے مشاع کا اجارہ مگر اپنے شریک سے

تفصیل احکام اجارۂ فاسدہ

توضیح اللغۃ: یہل، چاند دیکھا جانے، اہلۃ جمع ہلال چاند، حمام گرمابہ، غسل خانہ، حجامۃ پچھنا لگانا، عسب التیس نر کو مادہ پر ڈالنا۔

تشریح الفقہ: قولہ فان آجر الخ۔ ایک شخص نے ایک مکان ایک درہم ماہوار پر دیا۔ تو اجارہ صرف ایک ماہ میں صحیح ہوگا اور باقی مہینوں

(۱) [illegible]

میں فاسد کیونکہ جب کلمہ کل ایسی چیزوں پر داخل ہو جن کی انتہا نہ ہو تو اس کے عموم پر عمل متعذر رہونے کیوجہ سے فرد واحد کی طرف منصرف ہو جاتا ہے اور ایک مہینہ معلوم ہے تو اجارہ ایک ہی مہنے میں صحیح ہوگا۔ پھر جس مہینے کے شروع میں مستاجر تھوڑی دیر ٹھہرے گا اس میں بھی اجارہ صحیح ہو جائے گا۔ کیونکہ ٹھہرنے کی وجہ سے دونوں کی رضامندی پائی گئی ۔ہاں اگر وہ کل مہینے بیان کردے تو سب میں صحیح ہوگا۔ کیونکہ کل مدت معلوم ہوگئی اسی طرح اگر سال بھر کے لئے کرایہ پر لے اور سال بھر کا کرایہ ذکر کرے ہر مہینہ کا کرایہ ذکر نہ کرے تب بھی صحیح ہوگا۔ کیونکہ ہر ماہ کی قسط بیان کئے بغیر بھی مدت معلوم ہوگی۔

قولہ و ابتداء الخ مدت اجارہ کی ابتداء عقد اجارہ کے وقت سے ہوگی اگر چاند دیکھنے کے وقت اجارہ منعقد ہوا ہو تو ہر ماہ کا اعتبار چاند کے لحاظ سے ہوگا اور اگر اثناء ماہ میں ہوا ہو مثلاً دسویں یا بارہویں تاریخ میں تو ہر ماہ کا اعتبار دونوں کے لحاظ سے ہوگا یعنی ہر تیس روز کے بعد ایک مہینہ ہوا کریگا۔ یہ امام صاحب کے نزدیک ہے' امام ابو یوسف اور امام احمد سے ایک روایت اور امام شافعی کا ایک قول بھی یہی ہے۔ امام محمد کے نزدیک پہلا مہینہ دونوں سے پورا کیا جائے گا۔ اور باقی مہینہ چاندوں سے' امام ابو یوسف اور امام احمد سے دوسری روایت اور امام شافعی کا دوسرا قول یہی ہے۔ کیونکہ ایام کی طرف مراجعت بوجہ ضرورت ہے اور ضرورت صرف پہلے مہینہ میں ہے۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ جب پہلا مہینہ ایام سے پورا ہوگا تو دوسرے مہینہ کی ابتدا بھی ایام سے ہوگی' **وھکذا الی آخر السنۃ** ۔

قولہ وصح الخ تعامل ناس کیوجہ سے حمام کی اجرت لینا جائز ہے اور مدت کا مجہول ہونا ساقط الاعتبار ہے۔ کیونکہ اس پر اجماع مسلمین ہے۔ نیز حجام کی اجرت بھی اکثر علما کے نزدیک جائز ہے۔ البتہ امام احمد کے یہاں اس کی اجازت نہیں کیونکہ صحیح مسلم میں حضرت رافع بن خدیج سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حجام کی اجرت کو خبیث فرمایا ہے' ہماری دلیل یہ ہے کہ صحیحین میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے پچھنے لگوائے اور پچھنے لگوانے والے کو اس کی اجرت دی بخاری میں بھی یہی ہے اگر اس کی مزدوری حرام ہوتی تو آپ ﷺ نہ دیتے۔" رہی حدیث مسلم سو وہ یہاں تو منسوخ ہے یا کراہۃ تنزیہہ پر محمول ہے۔ جیسا کہ حضرت عثمان' ابو ہریرہ' حسن اور امام نخعی کراہت کے قائل ہیں۔

عدم جواز اجرت امامت واذان' تعلیم فقہ وتعلیم قرآن

قولہ لا اجرۃ الخ گابھن کرنے کیلئے نر کا مادہ پر چھوڑنے کی اجرت لینا جائز نہیں کیونکہ آنحضرت ﷺ نے اس سے منع فرمایا(۱)۔

قولہ والاذان الخ اذان' حج' امامت تذکیر وتدریس' تعلیم قرآن' تعلیم فقہ غرض ہر وہ طاعت جو مسلمان کے ساتھ مخصوص ہے اس پر اجرت لینا جائز نہیں۔ حضرت عطاء' ضحاک' زہری' حسن' ابن سیرین' طاؤس' نخعی' شعبی' سب کا یہی قول ہے۔ امام احمد سے بھی یہی منصوص ہے۔ امام مالک کے یہاں امامت پر اجرت لینا جائز ہے جب کہ اس کے ساتھ اذان بھی ہو۔ امام شافعی اور ایک روایت میں امام احمد کے نزدیک ہر اس طاعت پر اجرت لینا درست ہے جو اجیر پر متعین یعنی واجب عین ہو۔ کیونکہ روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک شخص کا نکاح تعلیم قرآن کے عوض میں کیا تھا۔ پس جب تعلیم قرآن باب نکاح میں عوض ہو سکتی ہے تو باب اجارہ میں بھی ہو سکتی ہے' نیز صحیحین میں حضرت ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ آپ نے ایک لدیغ پر سورۃ فاتحہ پڑھ کر دم کیا اور اس پر کچھ بکریاں لیں۔ اور حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا " **احبمتم اقتسمو اوا ضر بوالی معکم سھما** " ہماری دلیل حضرت عثمان ابن ابی العاص کی حدیث ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے میری قوم کا امام بنا دیجئے۔ آپ نے فرمایا' تو ان کا امام ہے لیکن موذن اس شخص کو بنانا جو اذان پر اجرت نہ لے" (۲) نیز حضور ﷺ کا ارشاد ہے

---

(۱)...... بخاری، ابو داؤد، ترمذی، نسائی عن ابن عمر، بزار عن ابی ہریرۃ ۱۲

(۲)...... سنن اربعہ' احمد' حاکم عن عثمان بن ابی العاص' بخاری عن مغیرہ بن شعبہ ۱۲

کہ قرآن پڑھاؤ اور اس کی روٹی نہ کھاؤ''[۱] حضرت عبادہ ابن الصامت فرماتے ہیں کہ میں نے اہل الصفہ میں سے چند لوگوں کو قرآن پڑھایا ان میں سے ایک شخص نے مجھے ہدیۃً ایک کمان دی۔ میں نے خیال کیا کہ یہ مال نہیں ہے۔ میں اس جہاد میں کام کرونگا۔ پھر اس کے متعلق آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا آپ نے فرمایا: اگر تو یہ چاہے کہ خداوند تعالیٰ تیری گردن میں آگ کا طوق ڈالے تو قبول کرلے'' [۲] اس کے علاوہ اور بہت سی احادیث ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ عبادات اور طاعات پر اجرت لینا جائز نہیں۔ رہا آنحضرت ﷺ کا تعلیم قرآن پر نکاح کرنا سو اس میں اس کی تصریح نہیں کہ تعلیم قرآن کو مہر بنایا گیا تھا۔ ممکن ہے کہ اس کے اکرام کی وجہ سے بلا مہر نکاح کیا ہو۔ جیسے آپ نے حضرت ابوطلحہ کی شادی حضرت ام سلیم کے ساتھ ان کے اسلام پر کی تھی۔ اور حضرت ابوسعید خدری کی حدیث کا جواب یہ ہے کہ جن لوگوں سے آپ نے اجرت لی تھی وہ کافر تھے اور کفار سے مال لینا جائز ہے نیز مہمان کا حق واجب ہے اور ان لوگوں نے ان کی مہمان داری نہیں کی تھی۔ جیسا کہ حدیث میں اس کی تصریح موجود ہے'' واللہ لقد استضفنا کم فلم یضیفونا '' علاوہ ازیں رقیہ (جھاڑ پھونک) قربت محضہ نہیں فجاز اخذ الاجرۃ علیھا۔

قولہ والفتوی الخ اصول وادلہ کے لحاظ سے گو طاعات پر اجرت لینا جائز نہیں جیسا کہ اوپر مذکور ہوا لیکن آج کل فتوی اسی پر ہے۔ کہ اذان، امامت، تعلیم قرآن، تعلیم فقہ وغیرہ پر اجرت لینا جائز ہے۔ کیونکہ متقدمین کے زمانہ میں اول تو ہر شخص کو بذات خود تحصیل دین کی طرف کامل رغبت تھی۔ دوم یہ کہ خلفاء وامراء کی جانب سے وظائف مقرر تھے۔ اور آجکل نہ وہ رغبات ہیں نہ عطیات۔ اگر اس کی اجازت نہ دی جائے تو حفظ قرآن کا سلسلہ منقطع اور تحصیل علم کا باب مسدود ہو جائے گا۔ اس لئے متاخرین مشائخ نے اخذ اجرت کو مستحسن قرار دیا ہے اور اسی پر فتوی ہے۔ (روضہ، ذخیرہ، نہایہ، تبیین)

قولہ وفسد الخ امام صاحب کے نزدیک مشاع یعنی مشترک چیز کا اجارہ صحیح نہیں خواہ محتمل القسمۃ اشیاء میں ہو جیسے سامان وغیرہ یا غیر محتمل القسمۃ میں ہو جیسے غلہ وغیرہ۔ ہاں اگر ایک ہی شریک ہو تو اس سے صحیح ہے۔ صاحبین کے نزدیک علی الاطلاق صحیح ہے۔ امام مالک اور امام شافعی بھی یہی فرماتے ہیں۔ کیونکہ اجارہ کا مدار منفعت پر ہے۔ اور مشاع میں منفعت ہوتی ہے۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ اجارہ کا مقصد عین شئی سے نفع حاصل کرنا ہوتا ہے۔ اور یہ مشاع میں غیر متصور ہے۔ کیونکہ تسلیم ممکن نہیں۔

وَصَحَّ اِسْتِجَارُ الظِّئْرِ بِاُجْرَةٍ مَعْلُوْمَةٍ وَبِطَعَامِهَا وَكِسْوَتِهَا وَلاَ يُمْنَعُ زَوْجُهَا مِنْ وَطْيِهَا فَاِنْ حَبَلَتْ اَوْ

اور صحیح ہے دایہ کو اجرت پر لینا اجر معلوم اور اس کی خوراک، پوشاک پر اور روکا نہ جائے گا اس کا شوہر اس کے ساتھ وطی کرنے سے پس اگر وہ حاملہ یا بیمار ہوگئی

مَرِضَتْ فَسَخَتْ وَعَلَيْهَا اِصْلاَحُ طَعَامِ الصَّبِيِّ فَاِنْ اَرْضَعَتْهُ بِلَبَنِ شَاةٍ فَلاَ اَجْرَ وَلَوْ دَفَعَ غَزْلاً لِيَنْسِجَهُ

تو اجارہ فسخ ہو جائے گا اور اس پر بچہ کی خوراک کا درست کرنا لازم ہے، پس اگر وہ بچہ کو بکری کا دودھ پلائے تو اجرت نہ ہوگی۔ اگر دیا سوت بننے کے لئے

بِنِصْفِهِ اَوْ اِسْتَاجَرَهُ لِيَحْمِلَ طَعَامَهُ بِقَفِيْزٍ مِنْهُ اَوْ لِيَخْبِزَلَهُ كَذَا الْيَوْمَ بِدِرْهَمٍ

اس کے نصف کے عوض یا اجرت پر لیا غلہ اٹھانے کے لئے ان میں سے ایک قفیز کے عوض یا روٹی پکانے کے لئے اتنے آٹے کی آج کے دن ایک درہم

لَمْ يَجُزْ وَاِنْ اِسْتَاجَرَ اَرْضاً عَلٰى اَنْ يُكْرِيَهَا وَيَزْرَعَهَا اَوْ يُسْقِيَهَا وَيَزْرَعَهَا صَحَّ فَاِنْ شَرَطَ اَنْ يُثْنِيَهَا اَوْ يُكْرِيَ

کے عوض تو جائز نہیں، اگر کرایہ پر لی زمین اس شرط پر کہ ہل جوتے گا اور کھیتی کریگا یا اس کو سینچے گا اور کھیتی کریگا تو صحیح ہے اور اگر شرط کی کہ دوبارہ ہل جوتے گا

---

(۱)...... احمد، ابن راھویہ، ابن ابی شیبہ، عبدالرزاق، ابویعلی الموصلی، طبرانی عن عبدالرحمن بن اشھل، بزار عن عبدالرحمن بن عوف، ابن عدی عن ابی ھریرۃ ۱۲ (۲)...... ابو داؤد، ابن ماجہ، حاکم عن عبادہ، ابن ماجہ، بیھقی عن ابی بن کعب ۱۲۔

اَنْهَارَهَا اَوْيَسْرِقُنَهَا اَوْ يَزْرَعَهَا بِزِرَاعَةِ اَرْضٍ اُخْرٰى لاَ كَاِجَارَةِ السُّكْنٰى بِالسُّكْنٰى

یا اس کی نالیاں کھودے گا یا اس میں کھاد ڈالیگا یا کھیتی کریگا اس میں دوسری زمین کی کھیتی کے عوض تو صحیح نہیں جیسے اجارہ رہائش کا رہائش کے عوض،

وَاِنْ اسْتَاجَرَهُ لِحَمَلِ طَعَامٍ بَيْنَهُمَا فَلاَ اَجْرَلَهُ كَرَاهِنٍ اِسْتَاجَرَ الرَّهْنَ مِنَ الْمُرْتَهِنِ فَاِنْ اِسْتَاجَرَ اَرْضاً

اگر اجرت پر لیا مشترک غلہ اٹھانے کے لئے تو اس کے لئے اجرت نہ ہوگی جیسے راہن جو کرایہ لے رہن کا مرتہن سے، اگر اجرت پر لی زمین

وَلَمْ يَذْكُرْ اَنَّهُ يَزْرَعُهَا اَوْ اَىَّ شَيْءٍ يَزْرَعُ فَزَرَعَهَا وَمَضَى الاَجَلُ فَلَهُ الْمُسَمّٰى وَاِنْ اِسْتَاجَرَ

اور یہ بیان نہیں کیا کہ اس میں کھیتی کرے گا یا کس چیز کی کھیتی کرے گا پس اس نے کھیتی کی اور مدت گزر گئی تو اس کے لئے مقررہ اجرت ہوگی، اگر اجرت پر

حِمَارًا اِلٰى مَكَّةَ وَلَمْ يُسَمِّ مَايَحْمِلُ فَحَمَلَ مَايَحْمِلُ النَّاسُ فَنَفَقَ لَمْ يُضْمَنْ

لیا گدھا مکہ تک اور وہ چیز بیان نہیں کی جو لادے گا پس اس نے لادی وہ چیز جو لوگ لادتے ہیں اور سواری ہلاک ہوگئی تو ضامن نہ ہوگا

وَاِنْ بَلَغَ مَكَّةَ فَلَهُ الْمُسَمّٰى فَاِنْ تَشَاحَا قَبْلَ الزَّرْعِ وَالْحَمْلِ نَقَضَتِ الاِجَارَةُ دَفْعاً لِلْفَسَادِ.

اور اگر پہنچا دی مکہ تک تو اس کے لئے مقررہ اجرت ہوگی اگر جھگڑا کریں کھیتی کرنے اور بوجھ لادنے سے پہلے تو ٹوٹ جائیگا اجارہ فساد دور کرنے کے لئے

اجارۂ فاسدہ کے باقی احکام

توضیح اللغۃ: ظئر دایہ، کسوۃ پوشاک، حبلت حاملہ ہوگئی، غزل سوت، نسج بننا، یکرب ہل جوتے، یسقی پانی دے، ثنی دوبارہ ہل جوتے یکری کھودے، یسرقن کھاد ڈالے، نفق ہلاک ہوجائے، تشاحا جھگڑا کریں۔

تشریح الفقہ: **قولہ وصح الخ** دودھ پلانے والی عورت (انا) کو اجر معلوم کیساتھ اجرت پر لینا جائز ہے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے "**فان ارضعن لکم فاتوھن اجورھن**" نیز عہد نبوی میں یہ دستور جاری تھا اور آپ نے اس پر کوئی نکیر نہیں فرمائی۔ اسیطرح انا کو اس کی خوارک پوشاک کے عوض اجرت پر لینا بھی جائز ہے۔ صاحبین اور امام شافعی کے یہاں جائز نہیں۔ مقتضائے قیاس بھی یہی ہے کیونکہ اجرت مجہول ہے۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ یہ جہالت موجب منازعت نہیں کیونکہ بچہ کی محبت وشفقت کی وجہ سے انا پر خوارک پوشاک میں کشائش کی عام عادت ہے، پھر مستاجر انا کے خاوند کو وطی کرنے سے نہیں روک سکتا کیونکہ وطی اس کا حق ہے۔ ہاں اپنے گھر میں وطی کرنے سے منع کر سکتا ہے کیونکہ یہ مستاجر کا حق ہے۔ اب اگر انا حاملہ ہوجائے یا بیمار ہوجائے تو اجارہ فسخ ہوجائے گا۔ کیونکہ مریضہ اور حاملہ عورت کا دودھ بچہ کے لئے مضر ہوتا ہے۔

قولہ ولو دفع الخ زید نے کسی کو کپڑا بننے کے لئے سوت دیا اور کہا کہ مزدوری میں آدھا کپڑا لے لینا۔ یا کسی کو غلہ کی ایک مخصوص مقدار اٹھانے کیلئے اجرت پر لیا اور اسی غلہ سے ایک قفیز مزدوری طے ہوئی تو ان دونوں صورتوں میں اجارہ فاسد ہے۔ کیونکہ یہاں اجرت وہ شئی ہے جو اجیر کے عمل سے پیدا ہوگی اور حدیث میں اس کی ممانعت ہے '**فانہ نہی عن عسب الفحل وعن قفیز الطحان**' اسی طرح اگر کسی نان بز کو اجرت پر لیا تاکہ وہ آج کے دن ایک درہم کے عوض میں اتنے آٹے کی روٹی پکا دے تو امام صاحب کے نزدیک یہ بھی فاسد ہے۔ صاحبین کے نزدیک صحیح ہے۔ کیونکہ معقود علیہ صرف عمل ہے اور ذکر وقت برائے تعجیل ہے۔ امام صاحب یہ فرماتے

---

(۱)...... لانہ ایجارو لیس بار ضاع ۱۲۔ (۲) لان العین امانۃ فی یدہ وان کانت الاجارۃ فاسدۃ ۱۲۔ (۳)...... لان الفساد کا ن لجھالۃ مایحمل فاذا حمل علیہ شیئاً تعین ذلک فانقلب صحیحاً ۱۲۔

ہیں کہ مستاجر نے عمل اور وقت دونوں کو جمع کر دیا۔ اب وقت کا مذکور ہونا تو یہ ثابت کرتا ہے کہ معقود علیہ منفعت ہے۔ اور عمل کا مذکور ہونا یہ بتاتا ہے۔ کہ معقود علیہ عمل ہے۔ پھر عمل کے معقود علیہ ہونے میں مستاجر کا نفع ہے۔ اور منفعت کے معقود علیہ ہونے میں اجیر کا نفع ہے تو یقیناً بعد میں منازعت پیش آئیگی۔

قولہ وان استاجر ارضاً الخ زید نے ایک زمین اس شرط پر ٹھیکہ میں لی کہ اس میں ہل جوتوں گا اور کھیتی کروں گا یا اس کو پانی دونگا اور کھیتی کرونگا تو یہ درست ہے کیونکہ کھیتی ہل جوتے اور سینچے بغیر نہیں ہو سکتی تو یہ شرط مقتضاء عقد کیخلاف نہ ہوئی لہٰذا اجارہ صحیح ہے۔ لیکن اگر یہی شرط کی کہ زمین پھرتے وقت پھر ہل جوتے یا مکرر ہل جوتے یا اس میں نالیاں کھودے یا کھاد ڈالے یا اس زمین کے عوض میں مجھے اپنی زمین زراعت کیلئے دے تو ان سب صورتوں میں اجارہ فاسد ہوگا۔ کیونکہ یہ شرطیں مقتضائے عقد کے خلاف ہیں۔ اسی طرح اگر اپنا گھر کرایہ پر دے اور اجرت یہ ہو کہ کرایہ دار اپنا گھر مجھے رہنے کیلئے دے تو یہ بھی درست نہیں۔ امام شافعی کے نزدیک درست ہے۔ کیونکہ ان کے یہاں منافع بمنزلہ اعیان کے ہوتے ہیں۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ یہاں جنس منافع میں اتحاد ہے **فیحرم النساء**۔

قولہ وان استاجرہ الخ کچھ غلہ دو آدمیوں کے درمیان مشترک تھا۔ ان میں سے ایک نے دوسرے کو غلہ اٹھانے کیلئے مزدوری پر لے لیا تو ہمارے نزدیک اس کو مزدوری نہ ملے گی۔ اسیطرح اگر زید نے اپنا گھر عمرو کے پاس رہن رکھدیا پھر اس سے کرایہ پر لے لیا تو یہ بھی صحیح نہیں۔ اور عمرو کو کرایہ نہ ملے گا۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اجارہ مذکورہ صحیح ہے۔ اس لئے ان کے یہاں اٹھانے والے کو مقررہ مزدوری ملے گی۔ وجہ یہ ہے کہ ان کے یہاں منفعت بمنزلہ عین کے ہے۔ اور عین مشاع کی بیع جائز ہے تو مشاع کا اجارہ بھی جائز ہوگا۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ احد الشریکین نے دوسرے کو ایسے عمل کیلئے اجرت پر لیا ہے۔ جس کا وجود غیر متمیز ہے۔ اس لئے کہ عمل فعل حسی ہے۔ جو امر شائع میں متصور نہیں ہو سکتا۔ پس تسلیم معقود علیہ غیر متصور ہوئی۔ لہٰذا اجرت واجب نہ ہوگی۔ بخلاف بیع کے کہ وہ تصرف حکمی (شرعی) ہے۔

قولہ فان استاجر الخ ایک شخص نے زمین اجارہ پر لی اور یہ بیان نہیں کیا کہ اس میں کھیتی کرے گا یا کچھ اور نیز گیہوں کی کھیتی کرے گا یا کسی اور چیز کی تو اجارہ فاسد ہے۔ (اگر موجر نے تعمیم نہ کی ورنہ جائز ہوگا۔) اس واسطے کہ زمین میں صرف کاشت ہی نہیں ہوتی۔ بلکہ درخت وغیرہ بھی لگائے جا سکتے ہیں۔ سامان کی حفاظت کے لئے بھی لیجا سکتی ہے۔ پھر کاشت بھی مختلف چیزوں کی ہو سکتی ہے تو معقود علیہ مجہول ہوا۔ لہٰذا اجارہ صحیح نہ ہوگا۔ ہاں اگر اس کے بعد مستاجر نے اس میں کاشت کی اور مدت بھی گزر گئی تو استحساناً اجارہ صحیح ہو جائے گا۔ لیکن امام زفر کے نزدیک اب بھی صحیح نہ ہوگا۔ اور قیاس بھی یہی ہے۔ کیونکہ وہ ابتداءً فاسد واقع ہے۔ تو منقلب بہ صحت نہ ہوگا۔ وجہ استحسان یہ ہے کہ عقد تمام ہونیسے پہلے جہالت معقود علیہ جاتی رہی۔ اسلئے منقلب بہ صحت ہو جائیگا **ومافی المنح ان عند محمد لایعود صحیحاً وھو القیاس مخالف لاکثر الکتب**۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

---

(۱)......بان قال الموجر ازرع فیھا البراو احمل علیہ برا وقال المستاجر بل ازرع فیھا رطبۃ او احمل علیہ حدیدا۲۱ ا۔

عہ......اگر وہ تمہارے لئے دودھ پلائیں تو تم ان کو ان کی اجرت دو ۱۲ ا عہ...... دارقطنی ' بیہقی ' ابویعلی عن الخدری ۱۲ ا۔

باب ضمان الاجیر

باب اجیر کے ضامن ہونیکے بیان میں

الاَجِيرُ الْمُشْتَرَكُ مَنْ يَّعْمَلُ لِغَيْرِ وَاحِدٍ وَلاَ يَسْتَحِقُّ الاَجْرَ حَتّٰى يَعْمَلَ كَالصَّبَّاغِ وَالْقَصَّارِ وَالْمَتَاعِ فِي يَدِهِ

اجیر مشترک وہ ہے جو کام کرے ہرایک کے لئے اور مستحق نہیں ہوتا اجرت کا یہاں تک کہ کام کردے جیسے رنگریز اور دھوبی اور سامان اس کے پاس

غَيْرُ مَضْمُوْنٍ بِالْهَلاَكِ وَمَا تَلَفَ بِعَمَلِهٖ كَتَخْرِيْقِ الثَّوْبِ مِنْ دَقِّهٖ وَزَلْقِ الْحَمَّالِ

مضمون نہیں ہوتا ہلاک ہونے سے اور جو تلف ہوجائے اس کے عمل سے جیسے پھٹ جانا کپڑے کا دھوبی کے کوٹنے سے اور پھسل جانا مزدور کا

وَانْقِطَاعِ حَبْلٍ يَشُدُّ بِهِ الْحَمَلَ وَغَرْقِ السَّفِيْنَةِ مِنْ مَدِّهٖ مَضْمُوْنٌ وَلاَ يَضْمَنُ بِهٖ بَنِي اٰدَمَ فَاِنْ اِنْكَسَرَ دَنٌّ

اور ٹوٹ جانا رسی کا جس میں بوجھ باندھا ہو اور ڈوب جانا کشتی کا ملاح کے کھینچنے سے مضمون ہے اور ضامن نہ ہوگا ملاح آدمی کا پس اگر ٹوٹ جائے مٹکا

فِي الطَّرِيْقِ ضَمِنَ الْحَمَّالُ قِيْمَتَهٗ فِيْ مَكَانِ حَمْلِهٖ وَلاَ اَجْرَ لَهٗ اَوْ فِيْ مَوْضِعِ اِنْكَسَرَ وَاَجْرُهٗ بِحِسَابِهٖ

راہ میں تو ضامن ہوگا مزدور اس قیمت کا جو اس کے اٹھانے کی جگہ میں تھی اور اس کے لئے مزدوری نہ ہوگی یا اس جگہ میں جہاں ٹوٹا ہے اور مزدوری اس کے

وَلاَ يُضْمَنُ حَجَّامٌ اَوْ بَزَّاغٌ اَوْ فَصَّادٌ اِنْ لَمْ يَتَعَدَّ الْمَوْضَعَ الْمُعْتَادَ وَالْخَاصُّ يَسْتَحِقُّ الاَجْرَ

حساب سے ہوگی اور ضامن نہ ہوگا حجام اور نشتر زن اور فصد کھولنے والا اگر تجاوز نہ کیا ہو موضع معتاد سے اور اجیر خاص مستحق ہوجاتا ہے مزدوری کا

بِتَسْلِيْمِ نَفْسِهٖ فِي الْمُدَّةِ وَاِنْ لَمْ يَعْمَلْ كَمَنْ اِسْتَوْجَرَ شَهْرًا لِلْخِدْمَةِ

خود کو پیش کردینے سے مدت میں گو ابھی کام نہ کیا ہو جیسے کسی کو نوکر رکھا ایک ماہ تک خدمت کیلئے

اَوْلِرَعْيِ الْغَنَمِ وَلاَ يَضْمَنُ مَا تَلَفَ فِيْ يَدِهٖ اَوْ عَمَلِهٖ.

یا بکریاں چرانے کیلئے اور ضامن نہ ہوگا اس کا جو تلف ہوجائے اس کے پاس یا اس کے عمل سے۔

توضیح اللغۃ: صبّاغ رنگریز، قصّار دھوبی، متاع سامان، تخریق پھاڑنا، دق کوٹنا، زلق پھسلنا، حمال بار بردار، حبل رسی، سفینہ کشتی، مد کھینچنا، دن مٹکا، حجام پچھنے لگانیوالا، بزاغ بیطار، نشتر لگانیوالا، فصاد فصد کھولنے والا۔

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ صحیح وفاسد انواع اجارہ بیان کرنیکے بعد مسائل ضمان بیان کررہا ہے جو منجملہ ان عوارض کے ہے جو عقد اجارہ مرتب ہوتے ہیں۔ اجیر بقول امام مطرزی فعیل کے وزن پر ہے بمعنی مفاعل جیسے جلیس اور ندیم اس کی دو قسمیں ہیں۔ اجیر مشترک اور اجیر خاص، اجیر مشترک وہ ہے جو عمل کے بعد مستحق اجرت ہو۔ خواہ چند شخصوں کا کام کرتا ہو جیسے درزی، رنگریز، دھوبی وغیرہ یا کسی ایک کا ہی کام کرتا ہو بلا تعیین وقت یا بتعیین وقت لیکن بلا تخصیص عمل مستاجر یہ چونکہ عام مخلوق کا کام کرسکتا ہے اس لئے اس کو اجیر مشترک کہتے ہیں۔ اجیر خاص کا دوسرا نام اجیر واحد ہے۔ اس کو کہتے ہیں جو ایک وقت معین تک صرف ایک مستاجر کا کام کرے۔ یہ اپنے آپ کو مدت عقد میں پیش کردینے سے یہ اجرت کا مستحق ہوجاتا ہے عمل کرے یا نہ کرے۔ دونوں کے احکام آگے آرہے ہیں۔

عہ......لان الواجب ضمان الآدمي وانه لايجب بالعقد بل بالجناية ۱۲ .

قولہ والمتاع الخ اجیر مشترک کے پاس جو مال ومتاع ہو اگر وہ بلا تعدی ہلاک ہو جائے تو امام صاحب، امام زفر وحسن بن زیاد کے نزدیک وہ ضامن نہ ہوگا۔ صاحبین اور امام مالک کے نزدیک اور ایک قول میں امام شافعی کے نزدیک ضامن ہوگا۔ الا یہ کہ شئی کسی ایسے سبب سے ہلاک ہو جس سے بچاؤ ممکن نہ ہو جیسی اس کا اپنی موت مرجانا یا آگ لگ جانا وغیرہ ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت علی صائغ اور صباغ (زرگر ورنگریز) سے ضمان لیتے تھے (بیہقی) امام صاحب فرماتے ہیں کہ اجیر مشترک کے پاس شئی امانت ہے کیونکہ اس کو متاجر کی اجازت سے قبضہ حاصل ہوا ہے۔ اور امانت میں ضمان نہیں ہوتا۔ **ویویدہ ما رواہ الدارقطنی ' لاضمان علی مؤتمن۔**

قولہ وما تلف الخ جو چیز اجیر مشترک کے عمل سے تلف ہو جائے وہ اس کا ضامن ہوگا جیسے دھوبی کے کوٹنے سے کپڑا پھٹ جائے یا مزدور کے پھسلنے یا جس رسی سے بوجھ بندھا ہوا تھا اس کے ٹوٹنے سے مال ضائع ہو جائے یا ملاح کے بے قاعدہ کھینچنے سے کشتی ڈوب جائے اور مال غرق ہو جائے تو ان سب صورتوں میں اجیر مشترک ضامن ہوگا۔ امام زفر اور امام شافعی کے نزدیک ضامن نہ ہوگا کیونکہ اس کا عمل مالک کی مطلق اجازت سے واقع ہوا ہے پس معیب وسلیم ہر دو کو شامل ہوگا۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ تحت الاذن وہی عمل داخل ہے جو تحت العقد داخل ہے۔ اور وہ عمل صالح ہے نہ کہ عمل مفسد لہٰذا اس کا عمل عمل صالح کیساتھ مقید ہوگا۔

قولہ فان انکسر الخ اگر اثناء راہ میں مزدور سے مٹکا ٹوٹ گیا تو مزدور ضامن ہوگا۔ اب مالک کو اختیار ہے چاہے مزدور سے اس قیمت کا تاوان لے جو قیمت مٹکا اٹھانے کی جگہ تھی اور مزدوری نہ دے اور چاہے وہاں کی قیمت لے جہاں مٹکا ٹوٹا ہے اور جتنا راستہ مزدور نے طے کیا ہے اس کے حساب سے اس کو مزدوری دے۔ نفس ضمان تو اس لئے ہے کہ مزدور اجیر مشترک ہے جس کے فعل سے مال ضائع ہوا ہے اور اختیار اسلئے ہے کہ یہاں دو جہتیں ہیں ایک یہ کہ مٹکا اثناء راہ میں ٹوٹا ہے اور بوجھ اٹھانا عمل واحد ہے اس لحاظ سے تعدی ابتداہی سے واقع ہوئی۔ دوسرے یہ کہ ابتداء بوجھ اٹھانا مالک کی اجازت سے عمل میں آیا ہے پس ابتداءً تعدی نہیں ہوئی بلکہ ٹوٹنے کے بعد ہوئی **فیمیل الی ای الوجھین شاء۔**

قولہ والخاص الخ اجیر خاص خود کو مدت عقد میں پیش کر دینے سے اجرت کا مستحق ہو جاتا ہے خواہ اس سے مالک نے کام لیا ہو یا نہ لیا ہو۔ جیسے وہ شخص جس کو ایک ماہ تک خدمت کیلئے یا بکریاں چرانے کے لئے نوکر رکھا ہو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اس کے پاس سے یا اس کے عمل سے شئی ہلاک ہو جائے تو ضامن نہ ہوگا۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

باب الاجرۃ علی احدالشرطین
باب کسی ایک شرط پر اجرت طے کرنیکے بیان میں

وَصَحَّ	تَرْدِيْدُ	الاَجْرِ	بِتَرْدِيْدِ	الْعَمَلِ	فِي	الثَّوْبِ	نَوْعاً	وَزَمَاناً	فِي الاَوَّلِ
صحیح ہے	اجرت کی	تردید	عمل کی تردید سے		کپڑے میں		نوع کے لحاظ سے	اور زمانہ کے اعتبار سے	اول میں

وَفِي الدُّكَّانِ	وَالْبَيْتِ	وَالدَّابَّةِ	مُسَافَةً	وَحَمْلاً.
اور دکان میں	اور گھر میں	اور سواری میں	مسافت	اور بوجھ کے اعتبار سے۔

تشریح الفقہ: قولہ وصح الخ عمل میں تردید کیساتھ اجرت کی تردید صحیح ہے مثلاً متاجر درزی سے کہے کہ اگر تو قبا فارسیوں کے طرز پر

عہ...... لما فرغ عن ذکر الاجارۃ علی شرط واحد ذکر فی ہذا الباب الاجارۃ علی ...... احد الشرطین لان الواحد قبل الاثنین ثم اعلم ان ہذہ العبارۃ لا توجد ص

سیئے تو اجرت ایک درہم ہوگی۔ اور رومیوں کے طرز پر سیئے تو اجرت دو درہم ہوگی۔ امام زفر اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک صحیح نہیں کیونکہ معقود علیہ فی الحال مجہول ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ اس نے دو مختلف اور صحیح عقدوں کے درمیان اختیار دیا ہے اور اجرت عمل سے واجب ہوتی ہے۔ تو عمل کے وقت اجرت متعین ہو جائے گی۔ اور جہالت جاتی رہے گی۔ پس وہ جیسی سیئے گا ویسی ہی اجرت پائے گا۔ اسی طرح تردید وقت سے بھی اجرت کی تردید صحیح ہے۔ جیسے مستاجر یوں کہے کہ اگر تو آج سی دے تو ایک درہم ملے گا اور کل سیئے گا تو نصف درہم ملے گا۔ اب اگر وہ آج ہی سی دے تو ایک درہم ملے گا اور کل سیئے تو امام صاحب کے نزدیک اجرت مثل ملے گی نہ کہ اجر مسمّی لیکن اجرت مثل نصف درہم سے زیادہ نہ دیجائے گی۔ صاحبین کے نزدیک دونوں شرطیں جائز ہیں۔ یعنی آج سیئے تو ایک درہم ملے گا اور کل سیئے تو نصف درہم۔ امام زفر اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دونوں شرطیں فاسد ہیں۔ کیونکہ خیاطہ شئی واحد ہے جس کے مقابلہ میں دو بدل بطریق بدلیت ذکر کئے گئے ہیں تو بدل مجہول ہوا۔ وجہ یہ ہے کہ ذکر یوم برائے تعجیل ہے اور ذکر غد برائے توسع ہر دن میں دو تسمیے جمع ہو گئے لہٰذا عقد باطل ہوگا۔ صاحبین یہ کہتے ہیں کہ ذکر یوم برائے توقیت ہے۔ اور ذکر غد برائے تعلیق پس ہر دن میں دو تسمیے جمع نہ ہوئے لہذا عقد صحیح نہ ہوگا۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ ذکر یوم کو توقیت پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔ ورنہ وقت اور عمل کے اجتماع کی وجہ سے عقد فاسد ہو جائیگا۔ پس کل کے دن میں دو تسمیے جمع ہوئے نہ کہ آج کے دن میں تو شرط اول صحیح ہوگی اور اجر مسمّی واجب ہوگا اور شرط ثانی فاسد ہوگی۔ اور اجرت مثلی واجب ہوگی۔

قولہ وفی الدکان الخ مکان وعامل، مسافت اور بوجھ میں تردید کرنے سے بھی اجرت کی تردید صحیح ہے۔ مثلاً یوں کہے کہ اگر اس دکان میں لوہار کو رکھے گا تو یہ کرایہ ہوگا اور عطار کو رکھیگا تو یہ ہوگا یا اس جانور کو کوفہ تک لے جائے گا تو یہ ہوگا اور واسط تک لے جائے گا تو یہ ہوگا اس پر گیہوں لا دے گا تو یہ اجرت ہوگی اور نمک لا دے گا تو یہ ہوگی۔ ان تردیدات میں سے جو چیز پائی جائے گی۔ امام صاحب کے نزدیک اسی کی اجرت واجب ہوگی وجہ وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی، صاحبین، امام زفر اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک عقد ہی جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ معقود علیہ ایک ہے اور اجرتیں دو ہیں اور مختلف ہیں۔

باب اجارة العبد

باب غلام کے اجارہ کے بیان میں

وَلاَ يُسَافِرُ بِعَبْدٍ اِسْتَاجَرَهُ لِلْخِدْمَةِ بِلاَشَرْطٍ وَلاَ يَاْخُذُ الْمُسْتَاجِرُ مِنْ عَبْدٍ مَحْجُوْرٍ اَجْراً دَفَعَهُ لِعَمَلِهٖ

سفر میں نہ لیجائے اس غلام کو جس کو نوکر رکھا ہو خدمت کیلئے شرط کئے بغیر نہ لے مستاجر ممنوع العمل غلام سے وہ مزدوری جو دی ہو اس کو اس کے کام پر

وَلاَ يَضْمَنُ غَاصِبُ الْعَبْدِ مَا اَكَلَ مِنْ اَجْرِهٖ وَلَوْوَجَدَهٗ رَبُّهٗ اَخَذَهٗ وَصَحَّ قَبْضُ الْعَبْدِ اَجْرَهٗ

ضامن نہ ہوگا غلام چھیننے والا اس کا جو کھا گیا غلام کی کمائی سے اور اگر پائے اس کا مالک تو لے لے اس سے صحیح ہے لے لینا غلام کا اپنی مزدوری

وَلَوْاٰجَرَ عَبْدَهٗ هٰذَيْنِ الشَّهْرَيْنِ شَهْراً بِاَرْبَعَةٍ وَشَهْراً بِخَمْسَةٍ صَحَّ وَالاَوَّلُ بِاَرْبَعَةٍ وَلَوِاخْتَلَفَا

اگر نوکر کیا اپنے غلام کو دو ماہ تک ایک ماہ چار روپے کے عوض اور ایک ماہ پانچ کے عوض تو صحیح ہے اور پہلا مہینہ چار کے عوض ہوگا اگر اختلاف کریں غلام کے

فِيْ اِبَاقِ الْعَبْدِ وَمَرَضِهٖ حُكِّمَ الْحَالُ وَالْقَوْلُ لِرَبِّ الثَّوْبِ فِي الْقَمِيْصِ

بھاگنے یا اس کے بیمار ہونے میں تو حکم بنایا جائیگا حال کو اور قول کپڑے کے مالک کا ہوگا قمیص

ص...... فی کثیر من النسخ المقبرة ولعلها من زیادة النساخین ۱۲۔ عه...... بخلاف الخیاطة الرومیة والفارسیة لان الاجر یجب بالعمل وعنده یرتفع الجهالة اما فی هذه المسائل یجب الاجر بالتخلیة والتسلیم فیبقی الجهالة ۱۲۔

وَالْقَبَاءِ وَالْحُمْرَةِ وَالصُّفْرَةِ وَالاَجْرِ وَعَدَمِهٖ.

اور قباء سینے اور سرخ یا زرد رنگنے میں اور اجرت کے ہونے اور نہ ہونے میں۔

تشریح الفقہ: قوله ولا يسافر الخ جس غلام کو خدمت کیلئے نوکر رکھا ہوا سکو اپنے ساتھ سفر میں نہیں لیجا سکتا۔ کیونکہ حضر کے لحاظ سے سفر میں مشقت زیادہ ہوتی ہے۔ پس مطلق عقد اسکو شامل نہ ہوگا ہاں اگر بوقت عقد اسکی شرط کر لی ہو تو اور بات ہے، جس غلام کو آقا کی طرف سے عمل کی اجازت نہ ہو اور وہ مزدوری پر لگ جائے اور عمل کے بعد مستاجر اسکو اجرت دے بعد میں معلوم ہو کہ وہ مجور ہے تو مستاجر مزدوری واپس نہیں لے سکتا۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک لے سکتا ہے قیاس بھی یہی ہے کیونکہ جب غلام مجور ہے تو عقد صحیح نہیں ہوا لہذا اجرت واجب نہ ہوگی۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ فساد اجارہ حق مولی کی رعایت کیوجہ سے ہے اور عمل کے بعد اسکے حق کی رعایت اسی میں ہیکہ اجارہ صحیح اور اجرت واجب ہو۔ زید نے عبد مجور کو غصب کیا۔ عبد مجور نے اپنے آپکو مزدوری پر لگا دیا اسکو جو مزدوری ملی وہ غاصب کھا گیا تو امام صاحب کے نزدیک غلام واپس کرتے وقت غاصب اس مزدوری کا ضامن نہ ہوگا۔ صاحبین کے نزدیک ضامن ہوگا۔ کیونکہ عبد مجور کا اجارہ استحساناً صحیح ہے۔ جیسا کہ ابھی مذکور ہوا تو اسکی مزدوری آقا کا مال ہے جو غاصب بلا اجازت کھا گیا، امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ ضمان مال محفوظ تلف کرنے سے واجب ہوتا ہے۔ اور غلام خود اپنی حفاظت نہیں کر سکتا تو اسکی کمائی کب محرز و محفوظ ہوگی۔

قوله ولو اختلفا الخ زید نے ایک ماہ کیلئے غلام اجرت پر لیا اور اختتام ماہ پر کہا کہ شروع میں بھاگ گیا یا بیمار ہو گیا تھا موجر (آقا) نے اسکا انکار کیا تو حال کو حکم بنایا جائیگا یعنی اگر بوقت منازعت غلام بھاگا ہوا ہو یا بیمار ہو تو مستاجر کا قول اسکی قسم کیساتھ معتبر ہوگا ورنہ موجر کا، مالک نے اجیر سے کہا کہ میں نے قبا کے لئے کہا تھا تو نے قمیص سی دی، یا میں نے زرد کیلئے کہا تھا تو نے سرخ رنگ دیا۔ اجیر کہتا ہے۔ کہ جیسا تو نے کہا تھا میں نے ویسا ہی کیا ہے۔ تو مالک کا قول معتبر ہوگا۔ کیونکہ اجیر کو عمل کی اجازت مالک کی جانب سے حاصل ہوئی ہے۔ اور مالک اسکی کیفیت سے زیادہ واقف ہے، اسی طرح مالک نے کہا کہ تو نے مجھے یہ کام مفت کر دیا ہے اجیر کہتا ہے کہ اجرت پر کیا ہے تو امام صاحب کے نزدیک مالک کا قول معتبر ہوگا۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اگر ان کے درمیان اجرت کیساتھ معاملہ ہوتا رہا ہو تو اجرت واجب ہوگی ورنہ نہیں، امام محمد فرماتے ہیں کہ اگر کاریگر اس پیشہ کی دکان کھولے ہوئے ہو اور اجرت پر کام کرنے میں مشہور ہو تو اسکا قول معتبر ہوگا ورنہ مالک کا (امام شافعی کے نزدیک کاریگر کا ہی قول معتبر ہوگا) درمختار میں فتوی امام صاحب کے قول پر ہے اور زیلعی، تبیین، تنویر وغیرہ میں امام محمد کے قول پر۔

باب فسخ الاجارة

باب اجارہ فسخ ہونیکے بیان میں

وَتُفْسَخُ بِالْعَيْبِ وَخَرَابِ الدَّارِ وَانْقِطَاعِ مَاءِ الضَّيْعَةِ وَالرَّحٰى وَتَنْفَسِخُ بِمَوْتِ اَحَدِ الْمُتَعَاقِدَيْنِ اِنْ عَقَدَهَا

اور فسخ کیا جاسکتا ہے عیب سے اور گھر ویران ہونے اور زمین اور پن چکی کے پانی بند ہونے سے اور فسخ ہو جاتا ہے کسی ایک کے مرجانے سے اگر عقد کیا ہو

لِنَفْسِهٖ وَاِنْ عَقَدَهَا لِغَيْرِهٖ لاَ كَالْوَكِيْلِ وَالْوَصِيِّ وَالْمُتَوَلِّي فِي الْوَقْفِ وَتُفْسَخُ بِخِيَارِ الشَّرْطِ وَالرُّؤْيَةِ

اپنی ذات کے لئے اور اگر غیر کیلئے کیا ہو تو نہیں جیسے وکیل اور وصی اور متولی وقف اور فسخ کیا جاسکتا ہے خیار شرط خیار رویت

عہ۔۔۔وهذه العبارة لا توجد ايضاً فى النسخ المعتمدة ۔۔۔ بالاجماع لانه المباشر للعقد و نحوه ابيه ۔۔۔ نفع محض ۱۲

وَبِالْعُذْرِ وَهُوَ عِجْزُ الْعَاقِدِ عَنِ الْمُضِيِّ فِيْ مُوْجَبِهٖ اِلَّا بِتَحَمُّلِ ضَرَرٍ زَائِدٍ لَمْ يَسْتَحِقَّ بِهٖ كَمَنْ اِسْتَاجَرَ رَجُلاً

اور عذر سے اور وہ عاجز ہو جانا ہے عاقد کا اجارہ کی تعمیل سے مگر ضرر زائد برداشت کرنے کے ساتھ جو اس پر لازم نہیں عقد سے جیسے اجرت پر لیا کسی کو

لِيَقْلَعَ ضِرْسَهٗ فَسَكَنَ الْوَجْعُ اَوْ لِيَطْبَخَ لَهٗ طَعَامَ الْوَلِيْمَةِ فَاخْتَلَعَتْ مِنْهُ اَوْ حَانُوْتاً لِيَتَّجِرَ فِيْهِ فَاَفْلَسَ

اپنی ڈاڑھ نکلوانے کے لئے پھر درد ختم ہو گیا یا ولیمہ کا کھانا پکانے کے لئے پس عورت نے اس سے خلع کر لیا یا دکان لی تجارت کے لئے پھر وہ مفلس ہو گیا

اَوْ اٰجَرَهٗ وَلَزِمَهٗ دَيْنٌ بِعَيَانٍ اَوْ بِبَيَانٍ اَوْ بِاِقْرَارٍ وَلَا مَالَ لَهٗ سِوَاهُ

یا کرایہ پر دی پھر اس پر قرض ہو گیا ظاہر میں یا اس کے بیان یا اقرار سے اور اس کے پاس مال نہیں سوائے دکان کے

اَوْ اِسْتَاجَرَ دَابَّةً لِلسَّفَرِ فَبَدَا لَهٗ مِنْهُ لَا لِلْمُكَارِيْ.

یا کرایہ پر لیا جانور سفر کیلئے پھر اس کو مانع سفر ضرورت پیش آ گئی نہ کہ کرایہ پر دینے والے کو۔

توضیح اللغۃ: ضیعہ زمین، رحی پن چکی، ضرس ڈاڑھ، وجع درد، حانوت دکان، مکاری کرایہ پر دینے والا۔

تشریح الفقہ: **قولہ باب الخ** فسخ عقد ثبوت عقد کے بعد ہی ہوتا ہے۔ اسلئے اب اسکو بیان کر رہا ہے۔ اجارہ چند امور سے فسخ ہو جاتا ہے (۱) کوئی ایسا عیب پیدا ہو جائے جس سے منفعت فوت ہو جائے۔ کیونکہ یہ ایسا ہے جیسے قبضہ سے پہلے مبیع فوت ہو جائے کہ بیع فسخ ہو جاتی ہے جیسے گھر کا ویران ہو جانا، پن چکی یا زمین زراعت کے پانی کا بند ہو جانا۔ (۲) احد المتعاقدین کا مرجانا جبکہ انہوں نے اجارہ اپنے لئے کیا ہو۔ اگر موجر مرجائے تو اجارہ اسلئے فسخ ہوگا کہ مرنے کے بعد شئی اسکے ورثہ کی ہو گئی۔ اب اگر مستاجر اس سے نفع حاصل کرتا ہے تو ملک غیر سے منتفع ہونا لازم آیا۔ اور یہ جائز نہیں۔ اور اگر مستاجر مرجائے تو اسلئے فسخ ہوگا کہ اس صورت میں ملک غیر سے اجرت کی ادئیگی لازم آتی ہے اور یہ بھی جائز نہیں۔ ہاں اگر اجارہ غیر کیلئے ہو مثلاً وکیل نے موکل کیلئے کیا تھا یا وصی نے یتیم کیلئے کیا تھا۔ یا عاقد متولی وقف تھا تو احد المتعاقدین کی موت سے اجارہ فسخ نہ ہوگا۔ کیونکہ اس صورت میں ملک غیر سے منتفع ہونا یا اجرت ادا کرنا لازم نہیں آتا۔ (۳) اگر موجر یا مستاجر کے لئے خیار شرط یا خیار رویت ہو تو وہ اسکی وجہ سے اجارہ فسخ کر سکتے ہیں۔ امام شافعی کے یہاں عقد اجارہ میں خیار شرط کا ہونا نیز بن دیکھی چیز کا اجارہ درست ہی نہیں۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ اجارہ ایک عقد معاوضہ ہے جسکے لئے مجلس میں قبضہ کا ہونا ضروری نہیں تو بیع کی طرح اس میں بھی خیار شرط صحیح ہوگا۔ نیز حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ "جو شخص بن دیکھی چیز خریدے تو دیکھنے کے بعد اسکو اختیار ہے" اور اجارہ خرید منافع کا نام ہے۔ تو اس میں بھی خیار رویت ثابت ہوگا۔

قولہ وبالعذر الخ (۴) عاقد کا اس طرح عاجز ہو جانا کہ اگر وہ اجارہ کو باقی رکھے تو اسکا ایسا نقصان لازم آئے جو اس پر عقد اجارہ سے لازم نہیں تھا مثلاً ایک شخص نے دانت اکھیڑنے کیلئے کسی کو اجرت پر لیا اور دانت اکھیڑنے سے پہلے درد جاتا رہا تو اجارہ فسخ ہو جائیگا۔ کیونکہ اجارہ باقی رکھنے میں صحیح سالم دانت کو اکھاڑنا پڑتا ہے جو مستاجر پر عقد اجارہ کی وجہ سے لازم نہیں تھا۔

قولہ لا للمکاری الخ اگر جانور کا کرایہ دینے والے کو کوئی ضرورت مانع سفر پیش آ گئی تو وہ اجارہ نہیں توڑ سکتا۔ کیونکہ وہ ایسا کر سکتا ہے کہ خود اپنے گھر رہے۔ اور جانور کیساتھ کسی اور مزدور یا اپنے غلام کو بھیجدے۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

....

اما اذا اراد نقض اجارتها وبيعها لانه لا نفقة له ولعياله فله ذلك كما في الكبرى ۱۲

مَسَائِلُ مُتَفَرِّقَةٌ : وَلَوْاَحْرَقَ حَصَائِدَ اَرْضٍ مُسْتَاجَرَةٍ اَوْ مُسْتَعَارَةٍ فَاحْتَرَقَ شَئٌ فِيْ اَرْضِ غَيْرِهٖ لَمْ يَضْمَنْ

(متفرق مسائل) اگر جلائی اجارہ یا عارت پر لی ہوئی زمین کی کھیتی پس جل گئی کوئی چیز دوسرے کی زمین میں تو ضامن نہ ہوگا

وَاِنْ اَقْعَدَ خَيَّاطٌ اَوْ صَبَّاغٌ فِيْ حَانُوْتِهٖ مَنْ عَلَيْهِ الْعَمَلُ بِالنِّصْفِ صَحَّ وَاِنْ اِسْتَاجَرَ جَمَلاً لِيَحْمِلَ عَلَيْهِ

اگر بٹھالے درزی یا رنگریز اپنی دکان میں اس کو جس پر کام کرنا ہوگا نصف کے عوض تو یہ صحیح ہے اگر اجرت پر لیا اونٹ تاکہ رکھے اس پر کجاوہ

مَحْمَلاً وَرَاكِبَيْنِ اِلٰى مَكَّةَ صَحَّ وَلَهُ الْحَمَلُ الْمُعْتَادُ وَرُؤْيَتُهٗ اَحَبُّ وَلِمِقْدَارِ زَادٍ

اور بٹھلائے دوسواریاں مکہ تک تو صحیح ہے اور اس کو مروج کجاوہ رکھنے کا حق ہے اور اس کو دیکھ لینا بہتر ہے اگر توشہ کی ایک خاص مقدار لادنے کیلئے لیا

فَاَكَلَ مِنْهُ رَدَّ عِوَضَهٗ وَتَصِحُّ الاِجَارَةُ وَفَسْخُهَا وَالْمُزَارَعَةُ وَالْمُعَامَلَةُ وَالْمُضَارَبَةُ وَالْوَكَالَةُ وَالْكَفَالَةُ

پھر اس میں سے کچھ کھالیا تو اتناہی اور رکھ سکتا ہے صحیح ہے اجارہ فسخ اجارہ مزارعت معاملہ مضاربت وکالت کفالت

وَالاِيْصَاءُ وَالْوَصِيَّةُ وَالْقَضَاءُ وَالاِمَارَةُ وَالطَّلَاقُ وَالْعِتْقُ وَالْوَقْفُ مُضَافاً

وصی بنانا وصیت کرنا قاضی کرنا امیر کرنا طلاق دینا آزاد کرنا اور وقف کرنا کسی وقت کی طرف منسوب کرکے

لاَالْبَيْعُ وَاِجَازَتُهٗ وَفَسْخُهٗ وَالْقِسْمَةُ وَالشَّرِكَةُ وَالْهِبَةُ وَالنِّكَاحُ وَالرَّجْعَةُ وَالصُّلْحُ عَنْ مَالٍ وَاِبْرَاءُ الدَّيْنِ.

نہ کہ بیع اجازت بیع فسخ بیع قسمت شرکت ہبہ نکاح رجعت مال سے صلح کرنا اور قرض سے بری کرنا۔

تشریح الفقہ : **قولہ ولہ احرق الخ** کسی نے اجارہ یا عاریت کی زمین میں زراعت کی ٹھونٹیاں جلائیں اور اسکی وجہ سے دوسرے کی زمین میں کوئی چیز جل گئی تو جلانے والا ضامن نہ ہوگا کیونکہ یہ ایسا ہے جیسے کوئی اپنی ملک میں کنواں کھودے اور اس میں کوئی ہلاک ہوجائے کہ کنویں والے پر تاوان نہیں ہوتا، شمس الائمہ سرخسی فرماتے ہیں کہ یہ اسوقت ہے جب جلاتے وقت ہوا تیز نہ ہو ورنہ جلانیوالے پر تاوان ہوگا۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ آگ ایک جگہ نہ ٹھہریگی۔

قولہ وان اقعد الخ ایک شخص نے کسی درزی یا رنگریز کو اپنی دکان پر بٹھایا تاکہ وہ لوگوں سے سینے یا رنگنے کا کام لیکر دکاندار کو دے اور معاملہ نصفا نصف اجرت پر طے کیا تو قیاس کی رو سے گو یہ ناجائز ہے کیونکہ جو چیز اسکے عمل سے حاصل ہوگی وہ مجہول ہے لیکن استحساناً صحیح ہے اور وجہ یہ ہے کہ یہ شرکت صنائع ہے جو جائز ہے۔ اسی طرح کسی نے کوفہ تک ایک اونٹ محمل۔ (کجاوہ) لادنے اور دو آدمی سوار ہونے کیلئے اجرت پر لیا تو یہ بھی قیاس کی رو سے جائز نہیں، چنانچہ امام شافعی اسی کے قائل ہیں۔ کیونکہ طول وعرض، ثقل وخفت ہر اعتبار سے معقود علیہ مجہول ہے مگر استحساناً صحیح ہے۔ کیونکہ یہ جہالت محمل معتاد پر محمول کرنیسے دور ہوسکتی ہے۔ زید نے توشہ کی ایک معین مقدار اٹھانے کیلئے اجرت پر لیا پھر راستہ میں کچھ توشہ کھالیا تو اتناہی توشہ اور بڑھا سکتا ہے کیونکہ وہ پورے راستہ میں معین مقدار اٹھانے کا حقدار ہے۔

كتاب المكاتب

اَلْكِتَابَةُ تَحْرِيْرُ الْمَمْلُوْكِ يَداً فِي الْحَالِ وَرَقَبَةً فِي الْمَالِ كَاتَبَ مَمْلُوْكَهُ وَلَوْ صَغِيْرًا يَعْقِلُ بِمَالٍ حَالٍّ

کتابت آزاد کرنا ہے غلام کو تصرف کی رو سے فوراً اور ذات کی رو سے باعتبار انجام مکاتب کیا اپنے غلام کو گو چھوٹا ہو مگر سمجھتا ہو مال کے عوض فوری

اَوْ مُؤَجَّلٍ اَوْ مُنَجَّمٍ وَقَبِلَ صَحَّ وَكَذَا اِنْ قَالَ جَعَلْتُ عَلَيْكَ اَلْفاً تُؤَدِّيْهِ نُجُوْماً اَوَّلُ النَّجْمِ كَذَا

یا مدت ٹھہرا کر یا قسطوں کیساتھ اور غلام نے قبول کر لیا تو صحیح ہے اسی طرح اگر مالک کہے کہ میں نے تیرے ذمہ ہزار رکئے ان کو تو قسط وار ادا کر دے پہلی قسط

اَوْ اٰخِرُهُ كَذَا فَاِذَا اَدَّيْتَهُ فَاَنْتَ حُرٌّ وَاِلَّا فَقِنٌّ فَيَخْرُجُ مِنْ يَدِهٖ دُوْنَ مِلْكِهٖ وَغَرِمَ اِنْ وَطِئَ

اتنی اور آخری اتنی پس جب تو ادا کر دے تو آزاد ہے ورنہ غلام تو نکل جائیگا غلام مالک کے تصرف سے نہ کہ اس کی ملک سے اور تاوان دیگا اگر وطی کرے

مُكَاتَبَتَهُ اَوْ جَنٰى عَلَيْهَا اَوْ عَلٰى وَلَدِهَا اَوْ اَتْلَفَ مَالَهَا وَاِنْ كَاتَبَهُ عَلٰى خَمْرٍ اَوْ خِنْزِيْرٍ اَوْ قِيْمَتِهٖ اَوْ عَيْنٍ لِغَيْرِهٖ

اپنی مکاتبہ باندی سے یا جنایت کرے اس پر یا اس کے بچہ پر یا تلف کرے اس کا مال اگر مکاتب کیا غلام کو شراب یا خنزیر یا غلام کی قیمت یا دوسرے کی چیز پر

اَوْ مِائَةٍ لِيَرُدَّ سَيِّدُهٗ وَصِيْفاً فَسَدَ فَاِنْ اَدَّى الْخَمْرَ عَتَقَ وَسَعٰى فِيْ قِيْمَتِهٖ

یا سو کے عوض اس شرط پر کہ دے اس کو مالک کوئی غلام تو کتابت فاسد ہو جائیگی پس اگر ادا کر دے شراب تو آزاد ہو جائیگا اور سعایت کریگا اپنی قیمت میں

وَلَمْ يُنْقَصْ مِنَ الْمُسَمّٰى وَزِيْدَ عَلَيْهِ وَصَحَّ لَوْ عَلٰى حَيَوَانٍ غَيْرِ مَوْصُوْفٍ اَوْ كَاتَبَ كَافِرٌ عَبْدَهُ الْكَافِرَ

اور کم نہ لیجائیگی مقرر مقدار سے اور زائد لیجائیگی اگر زائد ہو اور صحیح ہے اگر مکاتب کیا کسی غیر موصوف جانور پر یا مکاتب کیا کافر نے اپنے کافر غلام کو

عَلٰى خَمْرٍ وَاَيٌّ اَسْلَمَ فَلَهٗ قِيْمَةُ الْخَمْرِ وَعَتَقَ بِقَبْضِهَا.

شراب پر اور ان میں سے جو کوئی اسلام لے آئے تو مالک کو شراب کی قیمت ملیگی اور آزاد ہو جائیگا شراب لے لینے سے بھی۔

تشریح الفقہ: قولہ کتاب الخ عقد کتابت لانیکی مناسبت یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک ایسا عقد ہے جس سے غیر مال کے مقابلہ مال اسطرح حاصل کیا جاتا ہے کہ اسمیں ذکر عوض کے ساتھ اصالۃً ایجاب وقبول کی احتیاج ہوتی ہے۔ اور یہ جو بعض حضرات نے کہا ہے کہ کتابت کو عتاق کے بعد غلام کی ذات کو اپنی ملک سے بلاعوض نکالا جاتا ہے۔ اور کتابت میں یہ بات نہیں ہے۔ مکاتبت کا جواز کلام اللہ سے ثابت ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے "**فکاتبو ھم ان علمتم فیھم خیرا**" ان کو مکاتب کرو اگر تم میں بہتری جانو"۔

قولہ الکتابۃ الخ کتابت لغۃً کتب (ن) کا مصدر ہے بمعنی جمع کرنا چنانچہ لشکر کے ایک مجمع گروہ کو کتیبہ کہتے ہیں اور اسی سے کتاب ہے کہ وہ جامع ابواب وفصول ہوتی ہے۔ اصطلاح شرع میں غلام کو تصرف کے لحاظ سے بالفعل اور رقبہ کے اعتبار سے ادائیگی بدل کتابت کے بعد آزاد کرنے کو کتابت کہتے ہیں یعنی عقد کتابت کے بعد غلام تصرف کے اعتبار سے آزاد ہو جاتا ہے بایں معنی کہ اسکو اپنی کمائی میں تصرف کا اختیار حاصل ہو جاتا ہے۔ لیکن رقبہ اور ذات کے اعتبار سے ادائیگی بدل کتابت کے بعد آزاد ہوتا ہے۔ گویا ملک ید بالفعل حاصل ہوتی ہے اور ملک رقبہ باعتبار انجام لقولہ علیہ السلام "**المکاتب عبد ما بقی علیہ من کتابتہ درھم**"۔

عہ......وقال الشافعی: لابدمن تنجیم لانه عاجز عن التسلیم عہ...... فی زمان قلیل ولنااطلاق نص فکاتبوھم ۱۲ کشف

قوله وغرم الخ یہ یخرج یدہ اھ پر متفرع ہے یعنی جب مکاتب تصرف کے لحاظ سے ملک مولیٰ سے نکل گیا تو اب آقا اپنی مکاتبہ باندی سے وطی کریگا یا اسپر یا اسکے بچہ پر یا اسکے مال پر جنایت کریگا تو تاوان دینا ہوگا۔ یعنی جماع کی صورت میں عقر دیگا اور جنایت نفس کی صورت میں دیت اور جنایت مال کی صورت میں مثل مال یا اسکی قیمت۔

قوله وان کاتبه الخ کتابت صحیحہ کے بعد کتابت فاسدہ کا ذکر کر رہا ہے۔ کہتا ہے کہ اگر کسی مسلمان نے اپنے مسلمان غلام کو شراب یا خنزیر کے عوض مکاتب کیا تو یہ کتابت فاسد ہے کیونکہ شراب اور خنزیر مسلمان کے حق میں مال نہ ہونے کی وجہ سے بدل ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتے لہذا عقد فاسد ہوگا۔ اب اگر غلام شراب یا خنزیر ہی دیدے تو آزاد ہو جائیگا لیکن اپنی قیمت میں سعایت کریگا۔ کیونکہ یہاں فاسد عقد کیوجہ سے رد رقبہ واجب ہے مگر اسکے آزاد ہونے کیوجہ سے رد رقبہ متعذر ہے اسلئے قیمت واجب ہوگی جیسے بیع فاسد میں ہوتا ہے کہ اگر مشتری کے پاس سے مبیع ھلاک ہو جائے تو قیمت واجب ہوتی ہے لہذا قیمت ہی ادا کرنیسے آزاد ہوگا۔ لیکن ظاہر الروایہ وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا۔

قوله او قیمة الخ اگر آقا نے غلام کو اسکی قیمت کے عوض مکاتب کیا تو یہ بھی فاسد ہے کیونکہ غلام کی قیمت جنس ووصف، جودة ورداءة اور مقدار ہر اعتبار سے مجہول ہے۔ اسی طرح اگر کسی دوسرے کی معین چیز مثلاً گھوڑے یا غلام کے عوض مکاتب کیا تو یہ بھی فاسد ہے۔ کیونکہ غلام دوسرے کی چیز دینے سے قاصر ہے۔ اگر ایک سو دینار کے عوض اس شرط پر مکاتب کیا کہ آقا اسکو ایک (غیر معین) غلام واپس کریگا تو طرفین کے نزدیک یہ بھی فاسد ہے، امام ابو یوسف کے نزدیک صحیح ہے۔ کیونکہ عبد مطلق بدل کتابت ہونیکی صلاحیت رکھتا ہے تو یہاں درمیانی قسم کا غلام مراد ہوگا اور ایک سو دینار کو مکاتب اور درمیانی قسم کے غلام کی قیمت پر تقسیم کردیں گے۔ پس اوسط درجہ کے غلام کی قیمت کا حصہ ساقط ہو جائیگا اور باقی کے عوض وہ مکاتب ہو جائیگا۔ طرفین یہ فرماتے ہیں کہ عبد مطلق بدل کتابت ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے یہ تو ٹھیک ہے لیکن یہ وہیں ہوسکتا ہے جہاں استثنا کرنا صحیح ہو اور یہاں ایسا نہیں۔ کیونکہ دنانیر سے غلام کا استثنا صحیح نہیں۔ بلکہ استثنا اسکی قیمت ہی کا ہوسکتا ہے اور قیمت میں بدل کتابت ہونے کی صلاحیت نہیں تو مستثنیٰ میں بھی بدل ہونے کی صلاحیت نہ ہوگی۔

قوله وصح الخ اگر غلام کو کسی جانور کے عوض مکاتب کیا اور جانور کی صرف جنس بیان کی مثلاً یہ کہ گھوڑا یا اونٹ دینا ہوگا۔ نوع اور صفت بیان نہیں کی تو کتابت درست ہے۔ اب متوسط قسم کا جانور یا اسکی قیمت واجب ہوگی۔ امام شافعی کے نزدیک کتابت درست نہیں۔ قیاس بھی یہی ہے۔ کیونکہ کتابت عقد معاوضہ ہے تو بیع کے مشابہ ہوا اور بدل مجہول ہونے کی صورت میں بیع صحیح نہیں ہوتی تو کتابت بھی صحیح نہ ہوگی۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ کتابت میں دو جہتیں ہیں مبادلة المال بالمال بھی ہے بایں معنی کہ غلام آقا کے حق میں مال ہے اور مبادلة المال بغیر المال بھی ہے بایں معنی کہ غلام اپنی ذات کے حق میں مال نہیں ہے تو کتابت جواز و فساد کے درمیان واقع ہوئی تو جواز پر محمول کیا جائیگا۔ رہی جہالت سو اس سے کوئی نقصان نہیں۔ کیونکہ جنس بیان ہو جانے کے بعد جہالت فاحشہ نہیں ہے۔

---

(۲)......لانه عقد فاسد فیجب القیمة عند هلاک المبدل بالغة ما بلغت کما فی البیع الفاسد ۱۲ هدایه(۳)......وصح ایضاً لان الخمر مال متقوم فی حقهم کالعصیر فی حق المسلم ۱۲ زیلعی (۴) ......لان المسلم ممنوع عن تملیک الخمر وتملکها ۱۲ مجمع.

عه......ابو داؤد عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده، ابن عدی عن ام سلمه، مالک عن ابن عمر (موقوفاً) ابن ابی شیبه عن عمر، وابن عمرو وعلی و زید بن ثابت وعائشه (موقوفاً) ۱۲

عه......فما ذکر من التصرفات ثبوتاً ونفیاً ۱۲ .

باب مایجوز للمکاتب ان یفعله او لایفعله

باب مکاتب کے لئے جن افعال کا کرنا درست یا نادرست ہے ان کے بیان میں

لِلْمُكَاتَبِ اَلْبَيْعُ وَالشِّرَاءُ وَالسَّفَرُ وَاِنْ شَرَطَ اَنْ لَايَخْرُجَ مِنَ الْمِصْرِ وَتَزْوِيْجُ اَمَتِهٖ وَكِتَابَةُ عَبْدِهٖ

جائز ہے مکاتب کے لئے خرید و فروخت اور سفر گو مالک نے شرط کرلیا ہو نہ نکلنا شہر سے اور اپنی باندی کی شادی کرانا اور غلام کو مکاتب کرنا

وَالْوَلَاءُ لَهٗ اِنْ اَدّٰى بَعْدَ عِتْقِهٖ وَاِلَّا لِسَيِّدِهٖ لَاالتَّزَوُّجُ بِلَا اِذْنٍ وَالْهِبَةُ وَالتَّصَدُّقُ اِلَّا بِيَسِيْرٍ

اور ولاء اسی کے لئے ہوگی اگر ادا کرے وہ اس کی آزادی کے بعد ورنہ اس کے مالک کیلئے ہوگی نہ کہ شادی کرنا بلا اجازت اور ہبہ یا صدقہ کرنا مگر تھوڑی

وَالتَّكَفُّلُ وَالاِقْرَاضُ وَاِعْتَاقُ عَبْدِهٖ وَلَوْ بِمَالٍ وَبَيْعُ نَفْسِهٖ وَتَزْوِيْجُ عَبْدِهٖ وَالاَبُ وَالْوَصِيُّ فِيْ رَقِيْقِ الصَّغِيْرِ

مقدار کا اور کفیل ہونا اور قرض دینا اور اپنا غلام آزاد کرنا گو مال کے عوض میں ہو اور اپنی ذات کو بیچنا اور اپنے غلام کی شادی کرنا اور باپ اور وصی چھوٹے بچے

كَالْمُكَاتَبِ وَلَا يَمْلِكُ مُضَارِبٌ وَشَرِيْكٌ شَيْئاً مِنْهُ وَلَوِ اشْتَرٰى اَبَاهُ اَوْ اِبْنَهٗ

کے غلام کے حق میں مکاتب کی طرح ہیں اور امالک نہیں ہوتا مضارب اور شریک ان میں سے کسی چیز کا اگر خرید لے مکاتب اپنے باپ یا بیٹے کو

تَكَاتَبَ عَلَيْهِ وَلَوِ اشْتَرٰى اَخَاهُ وَنَحْوَهٗ لَا وَلَوِاشْتَرٰى اُمَّ وَلَدِهٖ مَعَهٗ لَمْ يَجُزْ بَيْعُهَا

تو مکاتب ہوجائیں گے اس پر اور اگر خرید لے بھائی وغیرہ کو تو نہیں اگر خریدی اپنی ام ولد بچہ کے ساتھ تو جائز نہیں اس کو بیچنا

وَاِنْ وُلِدَ لَهٗ مِنْ اَمَتِهٖ وَلَدٌ تَكَاتَبَ عَلَيْهِ وَكَسْبُهٗ لَهٗ

اگر بچہ ہو اس کی باندی کے تو بچہ مکاتب ہوجائیگا اس پر اور اس کی کمائی باپ کے لئے ہوگی۔

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ کتابت صحیحہ و کتابت فاسدہ ہر دو کے احکام سے فراغت کے بعد ان چیزوں کو بیان کر رہا ہے جو مکاتب کے لئے جائز یا ناجائز ہیں اس واسطے کہ جواز تصرف صحیح عقد پر موقوف ہے۔

قولہ للمکاتب الخ مکاتب کے لئے خرید و فروخت اور مسافرت درست ہے کیونکہ موجب کتابت یہ ہے کہ غلام تصرف کے لحاظ سے آزاد ہوجائے۔ اور یہ اس وقت ہوسکتا ہے جب وہ مستقل طور پر ایسے تصرف کا مالک ہو جس کے ذریعے اپنے مقصد تک پہونچ سکے یعنی بدل کتابت ادا کر کے آزاد ہوسکے۔ اور خرید و فروخت اور مسافرت اسی قبیل سے ہے لہذا یہ امور اس کے لئے جائز ہوں گے۔ یہاں تک کہ اگر آقا نے سفر نہ کرنے کی شرط کرلی تب بھی وہ سفر کرسکتا ہے۔ کیونکہ یہ مقتضاء عقد (یعنی بطریق استقلال مالکیت تصرف) کے خلاف ہے۔ نیز مکاتب اپنی باندی کی شادی بھی کراسکتا ہے۔ کیونکہ اس کے ذریعے سے اس کو مال (مہر) حاصل ہوگا۔ اسی طرح اپنے غلام کو مکاتب کرسکتا ہے کیونکہ اس کے ذریعے سے اس کو بدل کتابت حاصل ہوگا امام زفر اور امام شافعی کے یہاں اپنے غلام کو مکاتب نہیں کرسکتا۔ قیاس بھی یہی چاہتا ہے لان المال ھو العتق والعبد لیس من اھلہ پھر اگر مکاتب ثانی نے بدل کتابت مکاتب اول کی آزادی کے بعد ادا کیا۔ تو اسکی ولا مکاتب اول کو ملے گی کیونکہ عاقد وہی ہے اور آزادی کے بعد ولا کا اہل ہوگیا۔ اور اگر اسکی آزادی سے قبل ادا کیا یا دونوں نے ساتھ ساتھ ادا کیا تو ولا مکاتب اول کے آقا کو ملے گی۔

قولہ لا التزوج الخ مکاتب کو اپنا نکاح کرنا درست نہیں کیونکہ اس کو ان امور کی اجازت ہے جو اس کے مقصد یعنی بذریعہ ادائیگی

بدل کتابت حصول آزادی میں معین ہوں اور نکاح کر کے وہ ادائیگی مہر اور نان نفقہ کے چکر میں پڑ جائیگا، اسی طرح ہبہ کرنا، صدقہ، کسی کا کفیل ہونا، دوسرے کا قرض دینا بھی درست نہیں۔ کیونکہ یہ چیزیں از قبیل تبرعات ہیں اور وہ انکا اہل نہیں۔

قولہ واعتاق الخ مکاتب اپنے غلام کو آزاد نہیں کرسکتا گو آزادی بعوض مال ہو کیونکہ اعتاق کتابت سے مافوق ہے۔ نیز اپنے غلام کو اس کے ہاتھ فروخت کر بھی نہیں سکتا۔ کیونکہ یہ بظاہر گو بیع ہے لیکن درحقیقت اعتاق ہے۔ اور مکاتب کے لئے اعتاق کی اجازت نہیں، اسی طرح اپنے غلام کی شادی بھی نہیں کراسکتا۔ کیونکہ اس صورت میں غلام کی ذات کو مہر اور نان نفقہ میں پھانسکر اپنی مالیت کو ناقص کرنا ہے۔

قولہ ولو اشتری الخ اگر مکاتب نے اپنے اصول وفروع (باپ بیٹے وغیرہ) کو خرید لیا تو تبعاً وہ بھی کتابت میں داخل ہو جائیں گے۔ پس مکاتب آزاد ہوگا تو وہ بھی آزاد ہو جائیں گے ورنہ مکاتب کے ساتھ آقا کے غلام رہیں گے۔ وجہ یہ ہے کہ مکاتب اگر آزاد کرنیکا اہل نہیں تو کم ازکم مکاتب بنانے کا اہل تو ہے ہی تو حتی الامکان صلہ رحمی کی رعایت کی جائے گی۔ اور اگر بھائی بہن چچا وغیرہ کو خرید لیا تو وہ امام صاحب کے نزدیک کتابت میں داخل نہ ہونگے۔ صاحبین کے نزدیک وہ بھی مکاتب ہو جائیں گے۔ کیونکہ صلہ رحمی قرابت ولاٗ و قرابت غیر ولاٗ ہر دو کو شامل ہے۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ مکاتب کے لئے ملک حقیقی نہیں ہوتی بلکہ وہ صرف کسب وکمائی پر قادر ہوتا ہے۔ اور صرف کسب پر قادر ہونا قرابت ولاٗ کے لئے کافی ہے۔ قرابت غیر ولاٗ کے لئے کافی نہیں ہے۔

قولہ ولو اشتری ام ولدہ الخ اگر مکاتب نے اپنی ام ولد کو اسکے بچہ کیساتھ خرید لیا تو بچہ کتابت میں داخل ہو جائیگا۔ وجہ وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔ اور اب مکاتب ام ولد کو فروخت نہیں کرسکتا۔ کیونکہ وہ عدم جواز بیع میں تابع ولد ہے۔ قال علیہ الصلوۃ والسلام اعتقہا ولدہاٗ اگر مکاتب کی باندی سے کوئی بچہ ہوا اور مکاتب نے اس کے نسب کا دعویٰ کیا تو وہ بچہ کتابت میں داخل ہو جائیگا۔ اور بچہ کی کمائی مکاتب کی ہوگی۔ کیونکہ بچہ اسکے مملوک کے حکم میں ہے تو جیسے دعوی نسب سے پہلے اسکی کمائی مکاتب کیلئے ہے ایسے ہی دعوی نسب کے بعد بھی اسی کی ہوگی۔

وَلَوْ زَوَّجَ اَمَتَہٗ مِنْ عَبْدِہٖ فَکَاتَبَہُمَا فَوَلَدَتْ دَخَلَ فِیْ کِتَابَتِہَا وَکَسْبُہٗ لَہَا

اگر شادی کردی اپنی باندی کی اپنے غلام سے پھر دونوں کو مکاتب کردیا اور باندی کے بچہ ہوا تو بچہ ماں کی کتابت میں داخل ہو جائیگا اور بچہ کی کمائی ماں کے

مُکَاتَبٌ اَوْ مَاْذُوْنٌ نَکَحَ بِاِذْنٍ حُرَّۃً بِزَعْمِہَا فَوَلَدَتْ فَاسْتُحِقَّتْ

لئے ہوگی مکاتب یا ماذون غلام نے نکاح کرلیا اجازت سے کسی عورت کیساتھ جو خود کو آزاد کہتی تھی اور اس نے بچہ جنا پھر وہ کسی اور کی نکلی

فَوَلَدُہَا عَبْدٌ وَاِنْ وَطِیَٔ اَمَۃً بِشِرَاءٍ فَاسْتُحِقَّتْ اَوْ بِشِرَاءٍ فَاسِدٍ فَرُدَّتْ

تو اس کا بچہ غلام ٹھہریگا اگر وطی کی باندی سے بذریعہ خرید پھر وہ کسی اور کی نکلی یا بذریعہ خرید فاسد پس وہ واپس کردی گئی

فَالْعُقْرُ فِی الْمُکَاتَبَۃِ وَلَوْ بِنِکَاحٍ اُخِذَ بِہٖ مُذْ عَتَقَ.

تو عقر مکاتبت میں محسوب ہوگا اور اگر بذریعہ نکاح ہو تو لیاجائیگا آزادی کے بعد

تشریح الفقہ: قولہ ولو زوج الخ اگر آقا نے اپنی باندی کی شادی اپنے کسی غلام سے کردی پھر دونوں کو مکاتب کردیا۔ اس کے بعد ان سے بچہ ہوا تو بچہ ماں کی کتابت میں داخل ہوگا کیونکہ وہ آزادی اور غلامی میں ماں کا تابع ہے اور اس بچہ کی کمائی بھی ماں کو ملے گی۔ کیونکہ باپ کے مقابلہ میں وہی زیادہ مستحق ہے لانہ جزء منہا بحیث یقرض بالمقراض۔

عہ۔ تقدم فی الاستیلاد ۱۲

قولہ مکاتب الخ مکاتب نے یا کسی عبد ماذون نے اپنے آقا کی اجازت سے ایک عورت کیساتھ نکاح کرلیا جو اپنے آپکو آزاد کہتی تھی اور اس سے اولاد بھی ہوگئی بعد میں وہ عورت کسی کی مملوک نکلی تو اولاد بھی اس عورت کے مالک کی مملوک ہوجائیگی اور شیخین کے نزدیک مکاتب یا عبد ماذون اولاد کی قیمت دیکر نہیں لے سکتا۔ امام محمد کے نزدیک لے سکتا ہے کیونکہ مکاتب یا عبد ماذون فریب خوردہ ہے تو اسکی اولاد قیمت کیساتھ آزاد ہوجائیگی۔ شیخین یہ فرماتے ہیں کہ اولاد دو رقیقوں کے درمیان ہوئی ہے۔ یعنی باپ بھی مملوک ہے اور ماں بھی مملوک ہے تو اولاد بھی مملوک ہوگی۔

قولہ وان وطئی الخ مکاتب یا عبد ماذون نے ایک باندی خریدی اور یہ خیال کرتے ہوئے کہ جب میں نے خریدی ہے تو میری ہی ہے اس سے صحبت کرلی پھر باندی کسی اور کی نکلی۔ یا باندی بطریق شراء فاسد خرید کر اس سے وطی کرلی۔ پھر وہ فساد عقد کیوجہ سے مالک کو واپس کردی گئی تو دونوں صورتوں میں عقر فی الحال واجب ہوگا۔ آزادی تک مؤخر نہ ہوگا۔ اور اگر باندی کیساتھ نکاح کرکے وطی کی ہو تو عقر آزادی کے بعد دینا ہوگا۔ وجہ فرق یہ ہے کہ شرا کی صورت میں دین مولیٰ کے حق میں ظاہر ہو چکا۔ اسواسطے کہ تجارت اور توابع تجارت یعنی ضیافت وغیرہ سب تحت العقد داخل ہیں۔ اور عقر بھی توابع تجارت میں سے ہے۔ لہذا عقر فی الحال واجب ہوگا بخلاف نکاح کے کہ نکاح کی صورت میں دین مولیٰ کے حق میں ظاہر نہیں ہوا۔ کیونکہ نکاح از قبیل اکتساب نہیں ہے تو کتابت نکاح کو شامل نہ ہوئی لہذا عقر آزادی کے بعد دینا ہوگا۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

فَصْلٌ : وَلَدَتْ مُكَاتَبَةٌ مِنْ سَيِّدِهَا مَضَتْ عَلٰى كِتَابَتِهَا اَوْ عَجَزَتْ وَهِيَ اُمُّ وَلَدِهٖ وَاِنْ كَاتَبَ اُمَّ وَلَدِهٖ

(فصل) مکاتبہ باندی نے بچہ جنا اپنے آقا سے تو چاہے وہ اپنی کتابت پر رہے اور چاہے خود کو عاجز کرکے اسکی ام ولد رہے اگر مکاتب کیا اپنی ام ولد کو

اَوْ مُدَبَّرَهٗ صَحَّ وَعَتَقَتْ مُجَّانًا بِمَوْتِهٖ وَسَعَى الْمُدَبَّرُ فِيْ ثُلُثَيْ قِيْمَتِهٖ اَوْ كُلَّ الْبَدَلِ بِمَوْتِهٖ فَقِيْرًا

یا اپنے مدبر کو تو صحیح ہے اور آزاد ہوجائیگی مفت آقا کے مرنے سے اور سعایت کریگا مدبر اپنی قیمت کے دو ثلث میں یا کل بدل کتابت میں آقا کے مرنے

وَاِنْ دَبَّرَ مُكَاتَبَهٗ صَحَّ فَاِنْ عَجَزَ بَقِيَ مُدَبَّرًا وَاِلَّا سَعٰى فِيْ ثُلُثَيْ قِيْمَتِهٖ اَوْ ثُلُثَيِ الْبَدَلِ

سے فقیر ہو کر اگر مدبر کیا اپنے مکاتب کو تو صحیح ہے پس اگر اس نے خود کو عاجز کردیا تو مدبر رہیگا ورنہ سعایت کریگا اپنی قیمت یا بدل کتابت کے دو ثلث میں

بِمَوْتِهٖ مُعْسِرًا وَاِنْ اَعْتَقَ مُكَاتَبَهٗ عَتَقَ وَسَقَطَ الْبَدَلُ وَاِنْ كَاتَبَهٗ عَلٰى اَلْفٍ مُؤَجَّلٍ فَصَالَحَهٗ عَلٰى نِصْفٍ حَالٍّ

آقا کے تنگدست مرنے سے اگر آزاد کردیا اپنے مکاتب کو تو آزاد ہوجائیگا اور بدل ساقط ہوجائیگا اگر مکاتب کیا غلام کو ایک ہزار مؤجل پر پھر اس سے صلح کرلی

صَحَّ مَاتَ مَرِيْضٌ كَاتَبَ عَبْدَهٗ عَلٰى اَلْفَيْنِ اِلٰى سَنَةٍ وَقِيْمَتُهٗ اَلْفٌ

فوری یا پانچ سو پر تو یہ بھی صحیح ہے ایک بیمار مرگیا جس نے مکاتب کیا تھا اپنے غلام کو دو ہزار پر ایک سال کی مدت تک اور اس کی قیمت ایک ہزار ہے

وَلَمْ تُجِزِ الْوَرَثَةُ اَدّٰى ثُلُثَيِ الْبَدَلِ حَالًّا وَالْبَاقِيَ اِلٰى اَجَلِهٖ اَوْ رُدَّ رَقِيْقًا وَاِنْ كَاتَبَهٗ عَلٰى اَلْفٍ

اور جائز نہ رکھا ورثہ نے مدت کو تو ادا کرے بدل کے دو ثلث فی الحال اور باقی اس کی مدت تک یا لوٹا دیا جائیگا غلامی کی طرف اور اگر مکاتب کیا ایک ہزار پر

اِلٰى سَنَةٍ وَقِيْمَتُهٗ اَلْفَانِ وَلَمْ يُجِيْزُوْا اَدّٰى ثُلُثَيِ الْقِيْمَةِ حَالًّا اَوْ رُدَّ رَقِيْقًا.

ایک سال تک اور اس کی قیمت دو ہزار ہے اور ورثہ مدت کو روا نہیں رکھتے تو ادا کرے قیمت کے دو ثلث فی الحال ورنہ لوٹا دیا جائیگا غلامی کی طرف۔

مدبر اور ام ولد وغیرہ کی کتابت کا بیان

تشریح الفقہ: قولہ ولدت الخ آقا نے اپنی باندی کو مکاتب کیا اور اس سے بچہ پیدا ہوا تو باندی کو اختیار ہے چاہے عقد کتابت پر باقی رہے اور بدل کتابت ادا کر کے فی الحال آزاد ہو جائے اور چاہے اپنے آپ کا عاجز کر کے ام ولد رہے۔ اور آقا کے انتقال کے بعد آزاد ہو جائے کیونکہ اسکو دو جہتوں سے حق حریت حاصل ہو گیا۔ ایک کتابت کی جہت سے اور ایک ام ولد ہو جانے کی جہت سے پس اس کو دونوں کا اختیار ہوگا۔

قولہ وان کاتب الخ اگر آقا نے اپنی ام ولد یا مدبر یا مدبرہ کو مکاتب کر دیا تو کتابت صحیح ہے کیونکہ یہ لوگ گو آقا کی موت کے بعد آزاد ہونے والے ہیں تاہم اس سے پہلے آزاد ہونے کی بھی احتیاج ہے۔ پھر کتابت وتدبیر میں کوئی منافات بھی نہیں لہٰذا کتابت صحیح ہے۔ اب اگر بدل کتابت ادا کرنے سے پہلے آقا کا انتقال ہو جائے تو ام ولد مفت آزاد ہو جائے گی۔ کیونکہ اس کی آزادی آقا کی موت کے ساتھ متعلق ہو چکی تھی۔ اور مدبر کو اپنی آقا کی موت کے بعد (جبکہ اس نے مدبر کے علاوہ اور کوئی مال نہ چھوڑا ہو) اختیار ہوگا چاہے اپنی قیمت کے دوثلث میں سعایت کرے چاہے کل بدل میں۔ یہ اختیار امام صاحب کے نزدیک ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک ان میں سے جو کم ہو اس میں سعایت کریگا امام محمد کے نزدیک قیمت کے دوثلث اور بدل کتابت کے دوثلث میں سے جو کمتر ہو اس میں سعایت کرے گا تو یہاں دو چیزوں میں اختلاف ہوا۔ ایک یہ کہ اس کے لئے اختیار ہے یا نہیں دوسرے یہ کہ جس میں وہ سعایت کریگا اس کی مقدار کیا ہے؟ تو امام ابو یوسف مقدار میں تو امام صاحب کی ساتھ ہیں اور نفی اختیار میں امام محمد کے ساتھ۔ سو اختیار وعدم اختیار میں جو اختلاف ہے یہ دراصل اعتاق کے متجزی ہونے اور نہ ہونے پر متفرع ہے۔ امام صاحب کے نزدیک اعتاق متجزی ہے اور مدبر ندکور ایک ثلث کی آزادی کا مستحق ہو چکا۔ تو دوثلث رقیق رہے۔ ادھر اس کی حریت کی دو جہتیں ہیں یعنی بذریعہ تدبیر حریت معجلہ اور بذریعہ کتابت حریت مؤجلہ لہٰذا اس کو قیمت کے دوثلث اور بدل کتابت کے دوثلث میں اختیار ہوگا جس میں چاہے سعایت کرے اور صاحبین کے نزدیک اعتاق میں تجزی نہیں ہوتی تو بعض حصہ آزاد ہو جانے سے کل آزاد ہو جائیگا۔ اور اس پر بدل کتابت اور قیمت میں سے کوئی ایک واجب ہے اور یہ ظاہر ہے کہ وہ اقل ہی کو ترجیح دیگا۔ تو تخییر بے معنی ہے۔ رہا اختلاف مقدار سو امام محمد یہ کہتے ہیں کہ آقا نے بدل کتابت کو پوری ذات کے مقابلہ میں رکھا ہے۔ اور تدبیر کی وجہ سے غلام کا ایک ثلث آزاد ہو چکا تو لامحالہ بدل کا ایک ثلث ساقط ہوگا۔ پس وہ اپنی قیمت کے دوثلث سے کمتر میں سعایت کریگا۔ شیخین یہ فرماتے ہیں کہ جب بدل کتابت بظاہر گو کل کے مقابلہ میں ہے لیکن حقیقۃً دوثلث کے مقابلہ میں ہے ۔لان الظاهر انه لايلتزم البدل بمقابلة مايستحق حريته۔

قولہ وان کاتبه علىٰ الف الخ آقا نے مکاتب سے بدل کتابت کے دو ہزار درہم باقساط ٹھہرائے پھر اس کے عوض میں پانچسو نقد پر صلح کرلی تو یہ قیاس کے لحاظ سے جائز نہیں کیونکہ اس صورت میں مدت کا عوض لینا لازم آتا ہے حالانکہ مدت مال نہیں تو یہ سود ہوا لیکن استحسانا جائز ہے۔ اور وجہ یہ ہے کہ مدت گو فی نفسہ مال نہیں۔ لیکن غلام کے حق میں وہ مال ہی کے حکم میں ہے بایں معنی کہ وہ مدت کے بغیر بدل کتابت ادا کرنے پر قادر نہیں۔ اور بدل کتابت بھی صرف من وجہ مال ہے' من کل الوجوہ مال نہیں ہے ورنہ اس کی کفالت صحیح ہوتی۔ حالانکہ بدل کتابت کی کفالت صحیح نہیں پس اس لحاظ سے دونوں برابر ہوئے اور سود لازم نہ آیا۔

قولہ مات مریض الخ ایک بیمار نے اپنے غلام کو جس کی قیمت ایک ہزار تھی دو ہزار کے عوض ایک سال کی میعاد تک مکاتب کیا پھر وہ مر گیا اور اس نے اس کے علاوہ اور کوئی مال بھی نہیں چھوڑا ادھر اس کے ورثہ میعاد منظور نہیں کرتے بدل کتابت فی الحال لینا چاہتے ہیں تو شیخین کے نزدیک غلام مذکور بدل کتابت (دو ہزار درہم) کے دوثلث فی الحال ادا کرے اور باقی ثلث اپنی معیاد تک ادا کرتا رہے اور یہ نہ

کر سکے تو عقد کتابت ختم کر کے غلام ہو جائے۔ امام محمد کے نزدیک اپنی قیمت (ایک ہزار) کی دوثلث فی الحال ادا کرے اور باقی میعاد تک ادا کرتا رہے وہ یہ فرماتے ہیں کہ جب آقا کو اس بات کا حق ہے کہ وہ اس مقدار ہی کو چھوڑ دے جو اس کی قیمت سے زائد ہے۔ یعنی ایک ہزار تو وہ اس مقدار کو مؤخر کرنے کا بھی حقدار ہے لہٰذا غلام فی الحال اس کی قیمت کے دوثلث کی ادائیگی لازم ہوگی۔ شیخین فرماتے ہیں کہ یہاں بدل رقبہ پورے دو ہزار درہم ہیں اور ورثہ کا حق مبدل کیساتھ وابستہ ہے تو بدل کیساتھ بھی وابستہ ہوگا۔ اور تاجیل (مہلت دینا) معنی اسقاط ہے تو تاجیل کا اعتبار جمیع بدل سے ہوگا اور اگر غلام کی قیمت دو ہزار درہم ہوں اور آقا ایک ہزار کے عوض مکاتب کرے باقی مسئلہ علیٰ حالہ ہو تو اس صورت میں باتفاق ائمہ ثلاثہ اپنی قیمت کے دوثلث فی الحال ادا کرے یا غلامی اختیار کرے لا ن التبرع ههنافی القدر والتاخیر فاعتبر الثلث فیهما

حُرٌّ كَاتَبَ عَنْ عَبْدٍ بِاَلْفٍ وَاَدّٰى عَتَقَ فَاِنْ قَبِلَ الْعَبْدُ فَهُوَ مُكَاتَبٌ وَاِنْ كَاتَبَ الْحَاضِرَ وَالْغَائِبَ

آزاد نے مکاتب کرایا غلام کو ایک ہزار پر اور ادا بھی کر دے تو وہ آزاد ہو گیا اور اگر غلام قبول کرے تو مکاتب ہوگا اگر مکاتب کیا حاضر کو اور غائب کو

وَقَبِلَ الْحَاضِرُ صَحَّ وَاَيُّهُمَا اَدّٰى عَتَقَا وَلَا يَرْجِعُ عَلٰى صَاحِبِهٖ

اور حاضر نے قبول کرلیا تو صحیح ہے اب ان میں سے جو کوئی ادا کریگا تو دونوں آزاد ہوجائیں گے اور کوئی دوسرے پر رجوع نہیں کریگا

وَلَا يُؤْخَذُ الْغَائِبُ بِشَيْءٍ وَقَبُوْلُهٗ لَغْوٌ وَاِنْ كَاتَبَتِ الْاَمَةُ عَنْ نَفْسِهَا

اور مواخذہ نہ ہوگا غائب سے کسی چیز کا اور غائب کا قبول کرنا لغو ہے اگر عقد کتابت کرے باندی اپنی

وَعَنْ اِبْنَيْنِ صَغِيْرَيْنِ لَهَا صَحَّ وَاَيٌّ اَدّٰى لَمْ يَرْجِعْ.

اور اپنے دو چھوٹے بچوں کی طرف سے تو صحیح ہے اب جو کوئی ادا کریگا وہ دوسرے پر رجوع نہیں کرسکتا۔

تشریح الفقہ: قولہ حر کاتب الخ ایک آزاد شخص نے غلام کے آقا سے کہا کہ تو اس غلام کو ایک ہزار کے عوض میں مکاتب کردے آقا نے اس کے کہنے کے مطابق مکاتب کر دیا اور اس شخص نے ایک ہزار درہم ادا کر دیئے تو غلام آزاد ہو جائے گا۔ کیونکہ آزادی ایک ہزار کی ادائیگی پر معلق تھی اور وہ پائی گئی تو آزادی واقع ہو جائے گی اور اگر غلام کو اس عقد کی خبر پہونچی اور اس نے قبول کرلیا تو وہ مکاتب ہو جائے گا کیونکہ کتابت اس کی اجازت پر موقوف تھی۔ اور غلام کا قبول کر لینا اجازت ہی ہے لہٰذا وہ مکاتب ہو جائے گا۔

قولہ وان کاتب الحاضر الخ ایک شخص کے دو غلام ہیں جن میں سے ایک موجود ہے دوسرا غائب ہے جو غلام موجود ہے اس نے آقا سے کہا کہ مجھ کو اور فلاں غائب غلام کو ایک ہزار پر مکاتب کردے آقا نے مکاتب کر دیا اور موجودہ غلام نے قبول کرلیا تو غائب کی کتابت صحیح ہے۔ کیونکہ موجودہ غلام نے عقد کتابت کو اولاً اپنی طرف منسوب کر کے خود کو اصیل بنایا ہے۔ اور غائب کو اپنا تابع کیا ہے۔ اور اس طرح کی کتابت مشروع ہے۔ بہر کیف دونوں کی کتابت صحیح ہے اب ان میں سے جو کوئی بدل کتابت ادا کرے گا آقا کو لینا پڑے گا۔ اور وہ دونوں آزاد ہو جائیں گے۔ پھر غائب وحاضر میں سے کوئی ایک دوسرے پر رجوع نہیں کرسکتا کیونکہ اگر موجودہ غلام ادا کرتا ہے تو اس نے اپنے ذمہ سے سبکدوشی حاصل کی ہے۔ کیونکہ اصل عاقد وہی ہے اور اگر غائب ادا کرتا ہے تو وہ ادائیگی میں متبرع ہے۔

یعنی ایک ہزار تین سو تینتیس درہم اور ثلث یعنی چھ سو چھیاسٹھ اور دوثلث درہم ۱۲

باب کتابة العبد المشترک

باب مشترک غلام کی کتابت کے بیان میں

عَبْدٌ لَهُمَا اَذِنَ اَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ اَنْ يُكَاتِبَ حَظَّهُ بِاَلْفٍ وَيَقْبِضَ بَدَلَ الْكِتَابَةِ

ایک غلام ہے دو کا ان میں سے ایک نے اجازت دی دوسرے کو کہ وہ مکاتب کردے اپنا حصہ ایک ہزار میں اور لے لے بدل کتابت

فَكَاتَبَ وَقَبَضَ بَعْضَهُ فَعَجِزَ فَالْمَقْبُوْضُ لِلْقَابِضِ اَمَةٌ بَيْنَهُمَا كَاتَبَاهَا فَوَطِئَهَا اَحَدُهُمَا

اس نے مکاتب کر کے کچھ لے لیا پھر غلام عاجز ہوگیا تو جو لیا ہے وہ قابض کا ہے ایک باندی ہے دو کی دونوں نے اس کو مکاتب کیا پھر ایک نے وطی کی

فَوَلَدَتْ فَادَّعَاهُ ثُمَّ وَطِئَ الْاٰخَرُ فَوَلَدَتْ فَادَّعَاهُ فَعَجِزَتْ

اور اس نے بچہ جنا شریک نے اس کا دعوی کیا پھر دوسرے نے وطی کی اور اس نے بچہ جنا اور دوسرے نے اس کا دعوی کیا پھر باندی عاجز ہوگئی

فَهِيَ اُمُّ وَلَدٍ لِلْاَوَّلِ وَضَمِنَ لِشَرِيْكِهٖ نِصْفَ قِيْمَتِهَا وَنِصْفَ عُقْرِهَا وَضَمِنَ شَرِيْكُهٗ عُقْرَهَا

تو وہ اول کی ام ولد ہوگی اور ضامن ہوگا وہ شریک کیلئے اس کی نصف قیمت اور عقر کا اور ضامن ہوگا اس کا شریک باندی کے عقر

وَقِيْمَةَ الْوَلَدِ وَهُوَ اِبْنُهٗ وَاَيٌّ دَفَعَ الْعُقْرَ اِلَى الْمُكَاتَبَةِ صَحَّ.

اور بچہ کی قیمت کا اور بچہ اس کا بیٹا ہوگا اور جوکوئی دیگا عقر مکاتبہ کو تو صحیح ہوگا۔

قولہ باب الخ عدم اشتراک اصل ہے۔ اور اشتراک خلاف اصل۔ اور خلاف اصل کا ذکر اصل کے بعد ہی مناسب ہے۔ اس لئے یہاں عبد مشترک کی کتابت کے احکام بیان کررہا ہے۔ ایک غلام زید اور عمرو کے درمیان مشترک ہے زید نے عمرو سے کہا کہ میرے حصے کو ہزار درہم کے عوض مکاتب کر کے بدل کتابت وصول کرلے۔ عمرو نے ایسا ہی کیا اور غلام سے کچھ بدل کتابت وصول بھی کرلیا مگر باقی بدل کی ادائیگی سے غلام عاجز ہوگیا۔ تو عمرو نے جو بدل کتابت وصول کیا ہے وہ امام صاحب کے نزدیک اسی کا ہوگا صاحبین کے نزدیک غلام دونوں کے درمیان مکاتب ہوگا اور جو کچھ بدل ادا کیا وہ بھی دونوں کا ہوگا۔ یہ اختلاف بھی کتابت کے متجزی ہونے اور نہ ہونے پر متفرع ہے۔

قولہ امة بینهما الخ ایک باندی دو آدمیوں میں مشترک تھی اس کو دونوں نے مکاتب کردیا پھر ایک نے اس سے صحبت کی اور بچہ ہوا اور صحبت کنندہ نے بچہ کا دعوی کیا کہ یہ میرا ہے پھر دوسرے نے وطی کی اس سے بھی بچہ ہوا اور اس نے بھی بچہ کا دعوی کیا اور باندی بدل کتابت ادا کرنے سے عاجز ہوگئی تو باندی واطی اول کی ام ولد ہوگی۔ کیونکہ جب ان میں سے ایک بچہ نے کا دعوی کیا تو قیام ملک کی وجہ سے اس کا دعوی صحیح ہوا اور اس کا حصہ ام ولد ہوگیا اور جب دوسرے نے دعوی کیا تو اس کا دعوی بھی صحیح ہوا۔ کیونکہ ظاہراً اس کی بھی ملک قائم ہے۔ لیکن جب باندی بدل کتابت سے عاجز ہوگئی تو کتابت کان لم یکن ہوگئی اور کل باندی اول کی ام ولد ہوگئی کیونکہ ام ولد ہونا جو اول کے حصے تک محدود تھا وہ اسلئے تھا کہ مکاتب ایک ملک سے دوسری ملک کی طرف منتقل نہیں ہوتا اور جب وہ بدل کتابت سے عاجز ہوگئی تو کتابت ختم ہوگئی اور مانع زائل ہوگیا اب واطی اول واطی ثانی کو باندی کی نصف قیمت دیگا۔ کیونکہ وہ اس کے حصہ کا ملک ہوگیا اور باندی کا نصف مہر دیگا۔ کیونکہ اس نے مشترک باندی کیساتھ وطی کی ہے۔ اور واطی ثانی کل مہر دیگا۔ کیونکہ اس نے حقیقۃً دوسرے کی ام ولد کیساتھ وطی کی ہے اور دوسرے بچے کی قیمت دیگا اور وہ بچہ اسی کا ٹھہریگا۔ کیونکہ وہ فریب خوردہ ہے۔ اور فریب خوردہ کا بچہ ثابت النسب اور حر بالقیمۃ ہوتا ہے۔ یہ کل تفصیل امام صاحب کے یہاں سے صاحبین کے نزدیک باندی واطی اول کی ہوگی اور دوسرے شریک کی وطی سے نسب ثابت نہ ہوگا۔

وَاِنْ دَبَّرَ الثَّانِي وَلَمْ يَطَأْهَا فَعَجِزَتْ بَطَلَ التَّدْبِيْرُ وَهِيَ أُمُّ وَلَدٍ لِلْاَوَّلِ وَضَمِنَ لِشَرِيْكِهِ

اور اگر مدبر کیا باندی کو شریک ثانی نے اور اس سے وطی نہیں کی پھر وہ عاجز ہوگئی تو تدبیر باطل ہوگی اور باندی اول کی ام ولد ہوگی اور وہ ضامن ہوگا شریک

نِصْفَ قِيْمَتِهَا وَنِصْفَ عُقْرِهَا وَالْوَلَدُ لِلْاَوَّلِ وَاِنْ كَاتَبَاهَا فَحَرَّرَهَا اَحَدُهُمَا مُوْسِرًا

کیلئے باندی کی نصف قیمت اور اس کے نصف عقر کا اور بچہ اول کا ہوگا اور اگر دونوں نے مکاتب کیا پھر ایک نے آزاد کردیا مالدار ہونے کی حالت میں

فَعَجِزَتْ ضَمِنَ لِشَرِيْكِهِ نِصْفَ قِيْمَتِهَا وَرَجَعَ بِهِ عَلَيْهَا عَبْدٌ لَهُمَا دَبَّرَهُ اَحَدُهُمَا

پھر وہ عاجز ہوگئی تو ضامن ہوگا شریک کیلئے باندی کی نصف قیمت کا اور یہ نصف باندی سے لے لے گا غلام ہے دو کا ایک نے مدبر کیا

ثُمَّ حَرَّرَهُ الْآخَرُ مُوْسِرًا لِلْمُدَبِّرِ اَنْ يُضَمِّنَ الْمُعْتِقَ نِصْفَ قِيْمَتِهِ

پھر دوسرے نے آزاد کردیا مالدار ہونے کی حالت میں تو مدبر ضمان لے سکتا ہے معتق سے غلام کی نصف قیمت کا

وَاِنْ حَرَّرَهُ اَحَدُهُمَا ثُمَّ دَبَّرَهُ الْآخَرُ لَا يُضَمِّنُ الْمُعْتِقَ.

اور اگر ایک نے آزاد کیا پھر دوسرے نے مدبر کیا تو معتق سے ضمان نہیں لے سکتا۔

تشریح الفقہ: **قولہ وان دبر الخ** اور اگر ایک شریک نے وطی نہیں کی اور باندی کو مدبر کردیا پھر باندی بدل کتابت سے عاجز ہوگئی تو تدبیر باطل ہوجائے گی۔ کیونکہ باندی کے عجز سے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ واطئی اول شریک ثانی کے حصہ کا اسی وقت سے مالک ہوگیا تھا جب اس نے وطی کی تھی تو شریک ثانی کا مدبر کرنا غیر کی ملک میں ہوا حالانکہ تدبیر اپنی ملک میں ہوتی ہے۔ پس باندی اول کی ام ولد ہوگی۔ اور وہ شریک ثانی کیلئے باندی کی نصف قیمت اور نصف مہر کا ضامن ہوگا۔ نصف قیمت کا ضمان تو اس لئے ہے کہ وہ بذریعہ استیلاد نصف باندی کا مالک ہوا ہے اور نصف عقر اس لئے ہے کہ اس نے مشترک باندی سے وطی کی ہے۔

قولہ وان کاتبا ھا الخ اور اگر دونوں شریکوں نے باندی کو مکاتب کیا۔ پھر کسی ایک نے اس کو آزاد کردیا اور آزاد کنندہ مالدار ہے۔ پھر باندی کتابت سے عاجز ہوگئی تو امام صاحب کے نزدیک عتق قابل تجزی ہے۔ تو نصف حصہ کو آزاد کرنا صحیح ہوا۔ اور اس کی وجہ سے باندی کے عاجز ہونے سے دوسرے کے حصہ میں کوئی فساد نہیں آیا۔ لیکن جب وہ عاجز ہوگئی تو اب اس کے حصہ میں فساد ظاہر ہوگیا اور ایسی صورت میں شریک ثانی کے لئے تین اختیار ہیں جبکہ وہ مالدار ہو۔ ایک یہ کہ اپنے حصہ کو آزاد کردے۔ دوم یہ کہ مملوک سے سعایت کرالے۔ سوم یہ کہ معتق سے تاوان لے لے اور اس نے تاوان لینا اختیار کیا ہے۔ تو معتق تاوان لیکر باندی سے وصول کرلے گا۔

قولہ عبد لھما الخ ایک غلام دو آدمیوں میں مشترک تھا ان میں سے ایک نے اپنا حصہ مدبر کردیا۔ اس کے بعد دوسرے نے اپنا حصہ آزاد کردیا اور آزاد کنندہ مالدار ہے تو مدبر کرنے والے کو تین اختیار ہیں چاہے تو آزاد کنندہ سے مدبر کی نصف قیمت کا تاوان لے کیونکہ معتق کے آزاد کرنے سے اس کا حصہ فاسد ہوگیا۔ اور چاہے تو اپنا حصہ آزاد کردے اور چاہے غلام سے سعایت کرالے۔ اگر شریکین میں سے ایک نے پہلے آزاد کیا پھر دوسرے نے مدبر کیا تو اب مدبر کو صرف دو چیزوں کا اختیار ہوگا چاہے اپنا حصہ آزاد کردے چاہے غلام سے سعایت کرالے۔ معتق سے تاوان نہیں لے سکتا۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

باب موت المكاتب وعجزه و موت المولى

باب مکاتب کی موت اور اسکے عجز اور آقا کی موت کے بیان میں

مُكَاتَبٌ عَجزَ عَنْ نَجْمٍ وَلَهُ مَالٌ سَيَصِلُ لَمْ يُعَجِّزْهُ الْحَاكِمُ اِلٰى ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ وَاِلاَّ عَجَّزَهُ وَفَسَخَهَا

مکاتب عاجز ہوگیا قسط سے اور اس کو مال ملنے والا ہے تو اس کو عاجز نہ ٹھہرائے حاکم تین دن تک ورنہ عاجز قرار دیدے اور کتابت فسخ کردے

اَوْ سَيِّدُهُ بِرِضَاهُ وَعَادَ اَحْكَامُ الرِّقِّ وَمَافِي يَدِهٖ لِسَيِّدِهٖ وَاِنْ مَاتَ وَلَهُ مَالٌ

یا اس کا آقا اس کی رضامندی سے فسخ کردے اب لوٹ آئینگے غلامی کے احکام اور جو اس کے پاس ہو وہ آقا کا ہوگا اگر وہ مرگیا اور اس کا کچھ مال ہے

لَمْ تَفْسَخْ وَتُؤَدّٰى كِتَابَتَهٗ مِنْ مَالِهٖ وَحُكِمَ بِعِتْقِهٖ فِي اٰخِرِ حيٰوتِهٖ وَاِنْ تَرَكَ وَلَداً وُلِدَ فِيْ كِتَابَتِهٖ

تو کتابت فسخ نہ ہوگی بلکہ ادا کیجائیگی کتابت اس کے مال سے اور حکم کیا جائیگا اس کی آزادی کا آخر حیات میں اگر اس نے بچہ چھوڑا جو ایام کتابت میں

لاَوَفَاءَ سَعٰى كَاَبِيْهِ عَلٰى نُجُوْمِهٖ فَاِذَا اَدّٰى حُكِمَ بِعِتْقِهٖ وَعِتْقِ اَبِيْهِ قَبْلَ مَوْتِهٖ.

پیدا ہوا ہے اور وفاء نہیں تو بچہ کوشش کرے باپ کی طرح قسطوں کی ادائیگی میں جب وہ ادا کردے تو حکم کردیا جائیگا اس کی آزادی کا اور اس کے باپ کی آزادی کا اس کی موت سے پہلے۔

تشریح الفقہ: قولہ مکاتب الخ ایک شخص نے اپنے غلام کو بالاقساط بدل کتابت ادا کرنے پر مکاتب کردیا تھا وہ کسی قسط کی ادائیگی سے عاجز ہوگیا تو اگر اس کو کہیں سے مال ملنے کی امید ہو تو حاکم اس کے عجز کا فیصلہ نہ کرے بلکہ تین دن کی مہلت دے۔ اگر تین دن کے بعد بھی وہ ادا نہ کرپائے تو اس کے عجز کا حکم کردے۔ اور گر مال ملنے کی امید نہ ہو تو اسی وقت عجز کا حکم کرکے کتابت فسخ کردے۔ یہ تفصیل طرفین کے نزدیک ہے' امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ جب تک اس پر دو قسطیں نہ چڑھ جائیں۔ اس وقت تک عجز کا حکم نہ کرے امام احمد' ابن ابی لیلیٰ' ابن عیینہ' حسن بن حی بھی اسی کے قائل ہیں۔ دلیل حضرت علیؓ کا قول ہے کہ جب مکاتب پر دو قسطیں چڑھ جائیں تو وہ غلامی کی طرف آجائیگا۔ طرفین یہ فرماتے ہیں کہ سبب فسخ یعنی مکاتب کا عاجز ہونا متحقق ہوچکا اسلئے کہ جب وہ ایک قسط سے عاجز ہے تو دو قسطوں کی ادائیگی سے کہیں زیادہ عاجز ہوگا۔ بخلاف دو تین دن کے کہ اتنی مہلت تو لابدی ہے۔

قولہ وان مات الخ اگر مکاتب ادائیگی بدل کتابت سے قبل اتنا ترکہ چھوڑ کر مرجائے جس سے بدل کتابت ادا ہوسکے تو ہمارے یہاں عقد کتابت فسخ نہ ہوگا بلکہ اس کے ترکہ میں سے بدل کتابت ادا کرکے آخر حیات میں اس کی آزادی کا حکم کردیا جائے گا اور ترکہ سے جو مال باقی رہ جائے وہ اس کے وارثوں کو ملے گا' حضرت عطاء' طاؤس' حسن بصری' حسن بن حی' معبد' ابن سیرین' نخعی' شعبی' عمرو بن دینار' ثوری' راہویہ سب کا یہی قول ہے' امام شافعی فرماتے ہیں کہ عقد کتابت فسخ ہوجائیگا۔ اور مکاتب غلامی کی حالت میں دنیا سے جائیگا اور اس کا ترکہ آقا کو ملے گا۔ دلیل حضرت زید بن ثابت کا قول ہے' المكاتب عبد مابقی علیه درهم لایرث ولایورث'' اس کو بیہقی نے روایت کیا ہے' اور کہا ہے کہ ابن عمرؓ اور حضرت عائشہ کا بھی یہی قول ہے۔ اور یہی ایک روایت حضرت عمرؓ سے بھی ہے۔ ہماری دلیل حضرت علی اور حضرت ابن مسعود کا قول ہے جس کو بیہقی اور عبدالرزاق۔ نے روایت کیا ہے۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

وَلَوْ تَرَکَ وَلَداً مُشْتَرًى عَجَّلَ الْبَدَلَ حَالاً اَوْ رُدَّ رَقِيْقاً فَاِنْ اِشْتَرٰى اِبْنَهٗ فَمَاتَ وَتَرَکَ وَفَاءً وَرِثَهُ ابْنُهٗ

اگر خرید کردہ بچہ چھوڑا تو بچہ ادا کرے کل بدل کتابت فوراً ورنہ لوٹا دیا جائیگا غلامی کی طرف اگر خریدا اپنا بیٹا اور مر گیا وفا. چھوڑ کر تو وارث ہوگا اس کا بیٹا

وَکَذَا لَوْ کَانَ هُوَ وَابْنُهٗ مُکَاتِبَيْنِ کِتَابَةً وَاحِدَةً وَلَوْ تَرَکَ وَلَداً مِنْ حُرَّةٍ وَدَيْناً فِيْهِ وَفَاءٌ بِمُکَاتَبَتِهٖ فَجَنَى الْوَلَدُ

اسی طرح اگر ہو وہ اور اس کا بیٹا دونوں مکاتب ایک ہی عقد کتابت سے اگر بچہ چھوڑا آزاد عورت سے اور اتنا قرض جو کافی ہے بدل کتابت کو پھر قصور کیا بچہ نے

فَقُضِيَ بِهٖ عَلٰى عَاقِلَةِ الْاُمِّ لَمْ يَکُنْ ذٰلِکَ قَضَاءً بِعَجْزِ الْمُکَاتِبِ وَاِنِ اخْتَصَمَ مَوَالِي الْاُمِّ وَالْاَبِ فِي وَلَائِهٖ

جس کے تاوان کا فیصلہ کیا گیا ماں کے عاقلہ پر تو نہ ہوگا یہ فیصلہ مکاتب کے عجز کا اگر جھگڑیں ماں باپ کے آزاد کنندہ بچہ کی ولاء میں

فَقُضِيَ بِهٖ لِمَوَالِي الْاُمِّ فَهُوَ قَضَاءٌ بِالْعَجْزِ وَمَا اَدَّى الْمُکَاتَبُ مِنَ الصَّدَقَاتِ وَعَجَزَ طَابَ لِسَيِّدِهٖ

اور دلا دی جائے ولاء ماں کے آزاد کنندہ کو تو یہ فیصلہ ہوگا اس کے عجز کا جو کچھ ادا کیا مکاتب نے صدقات سے پھر عاجز ہو گیا تو وہ حلال ہے اس کے

وَاِنْ جَنٰى عَبْدٌ فَکَاتَبَهٗ سَيِّدُهٗ جَاهِلاً بِهَا فَعَجَزَ دَفَعَ

آقا کے لئے اگر قصور کیا غلام نے اور مکاتب کر دیا اس کو آقا نے قصور سے ناواقف ہونے کی حالت میں پھر وہ عاجز ہو گیا تو آقا غلام حوالے کر دے

اَوْ فَدٰى وَکَذَا اِنْ جَنٰى مُکَاتَبٌ وَلَمْ يُقْضَ بِهٖ فَعَجَزَ فَاِنْ قُضِيَ بِهٖ عَلَيْهِ فِي کِتَابَتِهٖ

یا اس کا تاوان دیدے اسی طرح اگر قصور کرے مکاتب اور ابھی تاوان کا حکم نہ کیا گیا ہو کہ وہ عاجز ہو جائے اور اگر حکم کر دیا گیا تاوان کا اس پر اس کی کتابت میں

فَعَجَزَ فَهُوَ دَيْنٌ بِيْعَ فِيْهِ وَاِنْ مَاتَ السَّيِّدُ لَمْ تَفْسَخِ الْکِتَابَةُ وَيُؤَدِّي الْمَالَ اِلٰى وَرَثَتِهٖ عَلٰى نُجُوْمِهٖ

پھر وہ عاجز ہو گیا تو یہ اسکے ذمہ قرض ہوگا کہ اس میں غلام بیچا جائیگا اگر آقا مر گیا تو کتابت فسخ نہوگی بلکہ وہ مال دے گا اس کے ورثہ کو قسطوں کے مطابق

وَاِنْ حَرَّرُوْهُ عَتَقَ مَجَّاناً وَاِنْ حَرَّرَ الْبَعْضُ لَمْ يَنْفُذْ عِتْقُهٗ.

اور اگر ورثہ نے اس کو آزاد کر دیا تو آزاد ہو جائیگا مفت اور اگر بعض نے آزاد کیا تو نافذ نہ ہوگا اس کا آزاد کرنا۔

تشریح الفقہ: **قوله ولو ترک الخ** مکاتب کا انتقال ہوا اور اس نے وہ اولاد چھوڑی جو کتابت کی حالت میں خریدی تھی۔ تو امام صاحب کے نزدیک اولاد سے کہا جائیگا کہ یا تو فوراً بدل کتابت ادا کرو ورنہ غلام ہو جاؤ، صاحبین کے یہاں ان کا حکم بھی اسی اولاد کا سا ہے جو کتابت کی حالت میں پیدا ہو یعنی وہ اپنے باپ کی قسطوں کے مطابق بدل کتابت ادا کرینگے امام صاحب کے نزدیک فرق کی وجہ یہ ہے کہ تاجیل اس وقت ثابت ہوتی ہے جب عقد میں اس کی شرط ہو اور اسی کے حق میں ثابت ہوتی ہے جو تحت العقد داخل ہو اور خرید کردہ اولاد تحت العقد داخل نہیں کیونکہ نہ تو ان کی طرف عقد کی اضافت ہے اور نہ ان تک حکم کی سرایت ہے بخلاف اس اولاد کے جو کتابت حالت میں پیدا ہوئی ہو کہ وہ بوقت کتابت مکاتب کے ساتھ متصل تھی اس لئے حکم عقد ان تک سرایت کر گیا اس لئے وہ اپنے باپ کی قسطوں کے مطابق ادا کریگی۔

قوله ولدا من حرة الخ ایک مکاتب آزاد عورت سے ایک بیٹا اور لوگوں پر اپنا اتنا قرض چھوڑ کر مر گیا جو بدل کتابت کے لئے کافی ہو سکتا ہے اور اس کے بیٹے نے کوئی جنایت کی جس کے تاوان کا فیصلہ قاضی نے اس کی ماں کے عاقلہ پر کر دیا۔ تو قاضی کے اس فیصلہ سے یہ ثابت نہ ہوگا کہ اس نے مکاتب کو ادائیگی بدل کتابت سے عاجز ٹھہرا دیا ہے کیونکہ مقتضاء کتابت یہی تھا کہ لڑکے کو موالی ام کیساتھ ملا دیں تا کہ باپ کی طرف سے بدل کتابت ادا ہونے پر باپ کے ساتھ لاحق ہو جائے۔ پس قاضی نے جو فیصلہ کیا ہے اس سے اس مقتضاء کی اور

تثبیت ہوگئی، ہاں اگر یہ لڑکا مر جائے اور موالی ام اور موالی اب اس کی ولا میں جھگڑا کریں موالی ام کہیں کہ اس کی ولا ہم کو ملنی چاہیے کیونکہ وہ غلامی کی حالت میں مرا ہے۔ اور موالی اب کہیں کہ ولا ہم کو ملنی چاہیے کیونکہ وہ آزاد ہو کر مرا ہے۔ اور قاضی اس بچہ کی ولاء موالی ام کو دلوادے تو اس سے مکاتب کا عاجز ہونا ثابت ہو جائیگا۔ کیونکہ موالی ام کو ولاء دلانا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا باپ (یعنی مکاتب) لڑکے کی ولا اپنے موالی کو پہونچانے کی قابلیت نہیں رکھتا اور یہ قابلیت نہ رکھنا آزاد نہ ہونے کے سبب سے ہوتا ہے۔ اور آزاد نہ ہونا بدل کتابت سے عاجز ہونے کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ اس لئے قاضی کے اس حکم سے اس کا عاجز ہونا ثابت ہو جائے گا۔

قولہ وما ادی الخ اگر مکاتب زکوٰۃ اور صدقہ وغیرہ کا مال لیکر بدل کتابت میں دے اور پھر باقی بدل کتابت کی ادائیگی سے عاجز ہو جائے تو آقا کے لئے وہ مال حلال ہے کیونکہ ملک بدل گئی یعنی مکاتب نے وہ مال بطور صدقہ لیا تھا اور آقا نے غلام آزاد کرنے کے عوض میں لیا ہے۔ حضرت بریرہؓ کے متعلق آنحضرت ﷺ کے ارشاد ''**ھو لھا صدقة ولنا ھدیة**'' میں اسی طرف اشارہ ہے۔

قولہ وان جنی الخ غلام نے کوئی جنایت کی آقا کو اس کی خبر نہیں تھی اس نے مکاتب کردیا پھر مکاتب اداءِ زر کتابت سے عاجز ہوگیا تو آقا کو اختیار ہے چاہے غلام اس شخص کے حوالے کردے جس کا اس نے قصور کیا ہے اور چاہے اس کے قصور کا تاوان دیدے، اسی طرح اگر مکاتب نے کوئی جنایت کی اور ابھی موجب جنایت کا حکم نہیں کیا گیا تھا کہ وہ اداء بدل کتابت سے عاجز ہوگیا تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ لیکن اگر اس پر تاوان دینے کا حکم ہوگیا ہو۔ پھر وہ بدل کتابت کی ادائیگی سے عاجز ہو جائے تو اب وہ تاوان اس کے ذمہ دین ہوگا۔ اور اس سلسلہ میں اس کو فروخت کردیا جائے گا **لانتقال الحق من الرقبة الی قیمته بالقضاء**۔

کتاب الولاء

قولہ کتاب الخ کتاب المکاتب کے بعد کتاب الولاء لا رہا ہے۔ اس واسطے کہ ولاء زوال ملک رقبہ کے آثار میں سے ہے۔ اور کتاب العتق کے بعد اس لئے نہیں لایا تاکہ ولا جملہ انواع عتق کے بعد واقع ہو **فان الکتابة من انواعه**۔ ولاء لغۃً ولی سے ہے بمعنی قرب ونزدیکی یقال " **ولی الشئی الشئی** " ایک شئی دوسری شئی کے ساتھ بلا فصل متصل ہوگئی' یا موالاۃ سے ہے جو ولایۃ سے مفاعلت ہے بمعنی نصرت ومحبت' اصطلاح شرح میں ولا اس میراث کو کہتے ہیں جو آزاد کردہ غلام سے یا عقد موالاۃ کیوجہ سے حاصل ہو اول کو ولاء عتاقہ اور ولاء نعمت کہتے ہیں اور دوسری قسم کو ولاء موالاۃ کہتے ہیں جس کا بیان آئندہ فصل میں آئے گا۔

اَلْوَلاَءُ لِمَنْ اَعْتَقَ وَلَوْ بِتَدْبِیْرٍ وَکِتَابَةٍ وَاسْتِیْلاَدٍ وَمِلْکِ قَرِیْبٍ وَشَرْطُ السَّائِبَةِ لَغْوٌ وَلَوْ اَعْتَقَ

ولاء اس کے لئے ہے جو آزاد کرے گو مدبر یا مکاتب یا ام ولد کرنے یا قریب کے مالک ہونے کے ذریعہ سے ہو اور ولاء نہ ملنے کی شرط لغو ہے اگر آزاد کی

حَامِلاً مِنْ زَوْجِهَا الْقِنِّ لاَ یَنْتَقِلُ وَلاَءُ الْحَمَلِ عَنْ مَوَالِی الاُمِّ اَبَداً فَاِنْ وَلَدَتْ بَعْدَ عِتْقِهَا

وہ باندی جو حاملہ ہے اپنے ایسے شوہر سے کہ وہ کسی کا غلام ہے تو منتقل نہ ہوگی بچہ کی ولاء ماں کے آزاد کنندہ سے کبھی اور اگر جنے وہ اپنی آزادی کے بعد

لِاَکْثَرَ مِنْ سِتَّةِ اَشْهُرٍ فَوَلاَ ؤُهٗ لِمَوْلَی الاُمِّ فَاِنْ عَتَقَ الْعَبْدُ جَرَّ وَلاَءَ اِبْنِهٖ اِلٰی مَوَالِیْهِ

چھ ماہ سے زیادہ میں تب بھی بچہ کی ولاء ماں کے آزاد کنندہ کے لئے ہوگی اور اگر آزاد ہوگیا غلام تو کھینچ لے گا وہ اپنے بچہ کی ولاء اپنے آزاد کنندگان

عه...... ای معتقه لان حرة الاصل لا ولاء لاحد علی ولدها ۱۲ طحطاوی

عه...... صحیحین عن عائشہؓ ۱۲۔

عَجَمِیٌّ تَزَوَّجَ مُعْتَقَةً فَوَلَدَتْ فَوَلَاءُ وَلَدِهَا لِمَوَالِیْهَا وَاِنْ کَانَ لَهٗ وَلَاءُ الْمُوَالَاةِ

کی طرف عجمی نے نکاح کیا آزاد کی ہوئی عورت سے اس نے بچہ جنا تو اس کے بچہ کی ولاء اس کے آزاد کنندگان کے لئے ہوگی گو عجمی نے کسی سے

وَالْمُعْتِقُ مُقَدَّمٌ عَلٰی ذَوِی الْاَرْحَامِ مُؤَخَّرٌ عَنِ الْعَصَبَةِ النَّسَبِیَّةِ فَاِنْ مَاتَ الْمَوْلٰی ثُمَّ مَاتَ الْمُعْتِقُ فَمِیْرَاثُهٗ

عقد موالاۃ کرلیا ہو آزاد کنندہ مقدم ہے ذوی الارحام پر اور مؤخر ہے نسبی عصبہ سے پس اگر مرگیا آزاد کنندہ پھر مرگیا آزاد کیا ہوا تو اس کی میراث

لِاَقْرَبِ عَصَبَةِ الْمَوْلٰی وَلَیْسَ لِلنِّسَاءِ مِنَ الْوَلَاءِ اِلَّا مَا اَعْتَقْنَ

آزاد کنندہ کے قریبی عصبہ کیلئے ہوگی اور نہیں ہے عورتوں کے لئے ولاء مگر اس کی جن کو انہوں نے آزاد کیا ہو

اَوْ اَعْتَقَ مَنْ اَعْتَقْنَ اَوْ کَاتَبْنَ اَوْ کَاتَبَ مَنْ کَاتَبْنَ.

یا ان کے آزاد کردہ نے آزاد کیا ہو یا اُکی جن کو انہوں نے مکاتب کیا ہے یا ان کے مکاتب کردہ نے مکاتب کیا ہو۔

احکام ولا کی تفصیل

تشریح الفقہ: قوله ولو لاء الخ اگر آزاد کردہ غلام مرجائے اور اپنا کوئی وارث نہ چھوڑے تو اس کا ترکہ آزاد کنندہ کو ملے گا۔ خواہ آزادی مدبر یا مکاتب یا ام ولد کرنے سے ہو یا قرابتدار کے مالک ہونے سے۔ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ" الولاء لمن اعتق" پس اگر کوئی شخص آزاد کرتے وقت یہ شرط کرلے کہ وہ آزاد کنندہ کو ولا نہ ملے گی تو یہ شرط باطل ہوگی کیونکہ نص مذکور کے خلاف ہے۔ سوال مدبر اور ام ولد اپنے آقا کی موت کے بعد آزاد ہوتے ہیں تو آقا کو انکی ولاٗ ملنے کی کونسی صورت ہے؟ جواب اس کی صورت یہ ہے کہ آقا مرتد ہوکر دارالحرب چلا گیا (والعیاذ باللہ) اور قاضی نے اس کی موت کا حکم کرکے اس کے مدبر اور اس کی ام ولد کی آزادی کا فیصلہ کردیا اس کے بعد آقا مسلمان ہوکر دارالحرب چلا آیا اور مدبر یا ام ولد مرگئی تو اسکی ولاٗ آقا کو ملے گی۔

قوله ولو اعتق الخ ایک شخص نے اپنی باندی کو آزاد کیا جس کا شوہر کسی کا غلام تھا اور وہ باندی اس سے حاملہ تھی سو آزادی کے بعد چھ ماہ سے کم میں اس کے بچہ ہوا تو اس بچہ کی ولاٗ اس کی ماں کے آقا کو ملے گی۔ اس کے باپ کے آقا کو نہ ملے گی۔ اس واسطے کہ جنین ماں کا جزء ہے اور ماں کے آقا نے بالقصد اس کے جمیع اجزاء پر عتق کو واقع کیا ہے تو بچہ کو آزاد کرنے والا بھی وہی ہوا لہٰذا اس کی ولاٗ باپ کے آقا کی طرف منتقل نہ ہوگی، اور اگر آزادی کے بعد چھ ماہ سے زیادہ میں بچہ ہوا تب بھی بچہ کی ولاٗ اس کی ماں کے آقا کو ملے گی بشرطیکہ اس کا باپ آزاد نہ ہوگیا ہو اور اگر آزاد ہوگیا ہو تو اب وہ بچہ کی ولاٗ اپنے موالی کی طرف کھینچ لے گا یعنی اگر بچہ مرجائے تو اس کی ولاٗ موالی اب کو ملے گی۔ وجہ یہ ہے کہ ولا بمنزلہ نسب کے ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ" ولاء قرابت ہے قرابت نسب کیطرح" اور نسب آبا کی طرف ہوتا ہے تو ولاٗ بھی آبا کی طرف ہوگی پہلی صورت میں جو نسبت موالی ام ولد کی طرف ہوگئی تھی وہ تو باپ کی عدم اہلیت کی وجہ سے تھی اور جب باپ میں آزادی کیوجہ سے اہلیت پیدا ہوگئی تو ولاٗ اس کی طرف لوٹ آئے گی۔

قوله عجمی الخ ایک حرالاصل عجمی نے ایک عورت سے شادی کی جو کسی آزاد کی ہوئی تھی (خواہ وہ عورت عجمیہ ہو یا عربیہ ہو نیز اس کا آزاد کرنیوالا کوئی عربی ہو یا عجمی ہو) اس سے کوئی اولاد ہوئی تو اولاد کی ولاٗ اس معتقہ عورت کے موالی کو ملے گی گو اس کے عجمی شوہر نے کسی سے عقد موالاۃ کرلیا ہو کیونکہ ترکہ پانے میں موالی عتاقہ موالی موالاۃ پر مقدم ہوتے ہیں۔ یہ حکم طرفین کے نزدیک ہے۔ امام ابو یوسف کے یہاں اس کی ولاٗ کا حکم اب کے باپ کا حکم ہے تو اس کی ولاء موالی اب کو ملے گی ائمہ ثلاثہ بھی اسی کے قائل ہیں کیونکہ ولاٗ بمنزلہ نسب کے ہے اور نسب آباء کی طرف ہوتا ہے۔ طرفین یہ فرماتے ہیں کہ ولاٗ عتاقہ قوی اور معتبر ہے۔ اور عجمیوں کے حق میں نسب ضعیف

ہے۔ کیونکہ انہوں نے اپنا نسب برباد کردیا ہے **والقوی لایعارضہ الضعیف**۔

قولہ والمعتق الخ باب ارث میں آزاد کرنیوالا ذوی الارحام پر مقدم ہوتا ہے اور عصبات نسبیہ سے مؤخر ہوتا ہے۔ پس اگر کسی نے غلام آزاد کیا اور غلام خالہ پھوپھی وغیرہ چھوڑ کر مر گیا تو اس کی میراث آزاد کنندہ کو ملے گی نہ کہ اس کی خالہ پھوپھی وغیرہ کو۔ اور اگر اس نے لڑکا بھائی یا کوئی اور عصبہ چھوڑا تو میراث لڑکے اور بھائی کو ملے گی نہ کہ معتق کو۔ ذوی الارحام پر معتق کے مقدم ہونے کی دلیل یہ ہے کہ جب ایک شخص نے غلام خرید کر آزاد کیا تو آنحضرت ﷺ نے اس سے ارشاد فرمایا تھا کہ "اگر وہ مرجائے اور کوئی عصبہ نہ چھوڑے تو اس کا مال تجھے ملے گا"۔ نیز حضرت زید بن ثابت سے مروی ہے کہ آپ میراث موالی عتاقہ کو دلاتے تھے نہ کہ ذوی الارحام کو۔

فَصْلٌ: اَسْلَمَ رَجُلٌ عَلٰی یَدِ رَجُلٍ وَوَالَاہُ عَلٰی اَنْ یَّرِثَہٗ وَیَعْقِلُ عَنْہُ اَوْ عَلٰی یَدِ غَیْرِہٖ

(فصل) اسلام لایا کوئی کسی کے ہاتھ پر اور اس سے موالاۃ کی کہ وہ اس کا وارث ہوگا اور اس کی طرف سے تاوان بھی دیگا یا کسی اور کے ہاتھ پر اسلام لایا

وَوَالَاہُ صَحَّ وَعَقْلُہٗ عَلٰی مَوْلَاہُ وَارِثُہٗ لَہٗ اِنْ لَّمْ یَکُنْ لَہٗ وَارِثٌ وَھُوَ اٰخِرُ ذَوِی الْاَرْحَامِ

اور اس سے موالاۃ کی تو صحیح ہے اب تاوان اس کے مولی پر ہوگا اور میراث بھی اسی کے لئے ہوگی اگر اس کا کوئی وارث نہ ہو اور وہ ذوی الارحام کے بعد ہے

وَلَہٗ اَنْ یَّنْتَقِلَ عَنْہُ اِلٰی غَیْرِہٖ بِمَحْضَرٍ مِنَ الْاٰخَرِ مَالَمْ یَعْقِلْ عَنْہُ

اور وہ اپنے مولی سے دوسرے کی طرف منتقل ہوسکتا ہے اس کی موجودگی میں جب تک کہ اس نے تاوان نہ دیا ہو اس کی طرف سے

وَلَیْسَ لِلْمُعْتَقِ اَنْ یُّوَالِیَ اَحَداً وَلَوْوَالَتْ اِمْرَأَۃٌ فَوَلَدَتْ تَبِعَھَا فِیْہِ.

آزاد کیا ہوا کسی سے موالاۃ نہیں کرسکتا اگر موالاۃ کی عورت نے پھر بچہ جنا تو بچہ عقد میں ماں کے تابع ہوگا۔

ولاء موالاۃ کا بیان

تشریح الفقہ: **قولہ فصل الخ** ولاء موالاۃ کو ولاء عتاقہ کی بعد لا رہا ہے اس واسطے کہ ولاء عتاقہ ولاء موالاۃ سے قوی تر ہے۔ کیونکہ اس کا ثبوت بالاجماع ہے بخلاف ولاء موالاۃ کے کہ اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ نیز ولاء عتاقہ ثبوت کے بعد فسخ نہیں ہوتی۔ بخلاف ولاء موالات کے کہ وہ قابل فسخ ہے۔

قولہ واسلم الخ ۔ ایک شخص دوسرے کے ہاتھ پر اسلام لایا اور نومسلم نے اس سے موالاۃ کی کہ میرے مرنے کے بعد وہ میرے کل مال کا وارث ہوگا اور اگر مجھ سے کچھ قصور ہوجائے تو اس کی طرف سے وہ دیت ادا کریگا یا کسی اور کے ہاتھ پر اسلام لایا اور دوسرے مسلم سے بھی موالاۃ کی تو ہمارے یہاں یہ عقد صحیح ہے۔ اس صورت میں اس نومسلم کے مرنے کے بعد وہ شخص اس کا وارث ہوگا۔ اگر اس کا

---

(۱) قیدہ بالاعجمی لان اباہ ان کان عربیاً یکون ولاءہ لموالی ابیہ اتفاقاً ۱۲۔

(۲) قال فی الهدایه " بهذا للفظ ورد الحدیث اه" اخرجه البیهقی عن علی وابن مسعودؓ وزید بن ثابتؓ (موقوفاً علیهم) وابن ابی شیبه عن الحسنؒ وعمرو ابن عبد العزیزؒ وابن سیرینؒ وابن المسیبؒ وعطاء والنخعیؒ (بنقص وزیادة) ۱۲۔

عہ...... المه سته عن عائشهؓ بخاری عن ابن عمرؓ مسلم عن ابی هریرة ۱۲۔

عہ...... ابن حبان' شافعی' حاکم' بیهقی' طبرانی عن ابن عمر' طبرانی' ابن عدی عن ابن اوفی' ابن عدی عن ابی هریرة ۱۲۔

عہ...... عقد موالاۃ کا بیان آگے آرہا ہے ۱۲۔

للعہ...... دارمی عبدالرزاق عن الحسن ۱۲۔

للعہ...... عبدالرزاق عنہ ۱۲۔

کوئی وارث نہ ہو اور درصورت جنایت اس کی طرف سے تاوان دیگا۔ امام مالک اور امام شافعی کے یہاں موالاۃ کوئی چیز نہیں۔ وہ یہ فرماتے ہیں کہ ارث کا تعلق از روئے نص قرابت یا زوجیت کے ساتھ ہے اور از روئے حدیث عتق کے ساتھ اور یہاں ان میں سے کوئی چیز نہیں پائی جاتی۔ لہٰذا موالاۃ کوئی چیز نہیں۔ ہماری دلیل حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "والذین عقدت ایمانکم فاتو ھم نصیبھم" یہ آیت عقد موالاۃ کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہے۔ نیز حدیث میں ہے کہ "آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ جو شخص دوسرے کے ہاتھ پر مسلمان ہو اس کا کیا طریقہ ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا؟ جس کے ہاتھ پر وہ مسلمان ہوا ہے وہ اس نو مسلم کا زیادہ حقدار ہے حیات اور ممات میں۔"

فائدہ: ولاء موالاۃ کے لئے تین شرطیں ہیں (۱) وہ شخص مجہول النسب ہو (۲) اس کے لئے ولاء عتاقہ نہ ہو اور نہ کسی کیساتھ ولاء موالاۃ ہو (۳) عجمی ہو عربی نہ ہو کیونکہ عربوں کے قبائل موجود ہیں تو ان کے ہوتے ہوئے دوسرا کیسے وارث ہو سکتا ہے۔

قولہ ان ینتقل الخ جب تک مولی الموالاۃ نے اس شخص کو (یا اس کے بچہ کی) طرف سے جنایت کا تاوان نہ دیا ہو۔ اس وقت تک وہ اس کو چھوڑ کر دوسرے کیساتھ موالاۃ کر سکتا ہے۔ کیونکہ عقد موالاۃ غیر لازم ہے جیسے وصیت غیر لازم ہے تو اس سے رجوع نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اب دوسرے کا حق وابستہ ہو چکا ہے۔

کتاب الاکراہ

هُوَ فِعْلٌ يَفْعَلُهُ الاِنْسَانُ بِغَيْرِهٖ فَيَزُوْلُ بِهِ الرِّضَا وَشَرْطُهٗ قُدْرَةُ الْمُكْرِهِ عَلٰى تَحْقِيْقِ

وہ ایک کام ہے جو آدمی دوسرے کے سبب سے کرتا ہے اور اس کی رضامندی جاتی رہتی ہے اور اس کی شرط مکرہ کا قادر ہونا ہے اس چیز کے کرنے پر

مَاهَدَّدَ بِهٖ سُلْطَانًا كَانَ اَوْ لِصًّا وَخَوْفُ الْمُكْرَهِ وُقُوْعَ مَاهَدَّدَ بِهٖ.

جس سے اس نے ڈرایا ہے وہ بادشاہ ہو یا چور ہو اور مکرہ کا ڈرنا ہے اس چیز کے وقوع سے جس سے اس نے ڈرایا ہے۔

تشریح الفقہ: قولہ کتاب الخ عقد موالاۃ کے ذریعہ مولی اعلیٰ کا حال حرمت سے حلت کی طرف متغیر ہوتا ہے بایں معنی کہ اگر موالاۃ نہ ہوتی تو مولی اسفل کا مال لینا حلال نہ ہوتا جب عقد موالاۃ ہو گیا تو اب اس کیلئے اسکا مال لینا حلال ہو گیا۔ بالکل یہی بات اکراہ میں ہے کہ اس میں مخاطب کا حال حرمت سے حلت کی طرح متغیر ہوتا ہے۔ یعنی اس کیلئے جس چیز کی مباشرت قبل از اکراہ حرام تھی وہ اکراہ کے بعد حلال ہو جاتی ہے اسلئے مصنف علام موالاۃ کے بعد کتاب الاکراہ لا رہا ہے۔

قولہ ھو فعل الخ اکراہ لغۃً کسی کو مجبور کرنے اور ناپسندیدہ امر پر اکسانے کو کہتے ہیں۔ اصطلاح فقہاء میں اکراہ وہ فعل ہے جو آدمی دوسرے کے سبب سے اس طرح کرے کہ اسکی اضامندی جاتی رہے۔ یا اسکا اختیار فاسد ہو جائے گویا اکراہ کی دو قسمیں ہیں ملجئی (اکراہ کامل) غیر ملجئی (اکراہ قاصر) اکراہ ملجئی وہ ہے جس میں مکرہ کو اپنی جان یا کسی عضو کے تلف ہونے کا اندیشہ ہو جیسے تہدید قتل یا تہدید قطع ید وغیرہ اس صورت میں مکرہ کی رضامندی فوت اور اختیار فاسد ہو جاتا ہے۔ اکراہ غیر ملجئی وہ ہے جس میں جان یا عضو کے تلف ہونے کا اندیشہ نہ ہو بلکہ صرف رضامندی فوت ہو جائے جیسے تہدید حبس اور تہدید ضرب وغیرہ کی صورت میں پس فوات رضا فساد اختیار سے عام ہے۔ کیونکہ مقابل رضا کراہت ہے اور مقابل اختیار جبر۔ اور حبس و ضرب کے اکراہ میں بلاشبہ کراہت موجود ہے تو رضا معدوم ہو گی لیکن اختیار مع وصف صحت موجود ہے۔ کیونکہ اختیار اس وقت فاسد ہوتا ہے جب جان یا کسی عضو کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو پس اکراہ غیر ملجئی انہی تصرفات میں موثر ہو گا جن میں رضا کی احتیاج ہوتی ہے جیسے بیع، اقرار، اجارہ وغیرہ اور اکراہ ملجئی جملہ تصرفات میں موثر ہو گا۔

عہ ...... جن سے تمہارا معاہدہ ہوا ہے ان کو ان کا حصہ دو ۱۲۔ عہ ...... سنن اربعہ، حاکم عن تمیم الداری، احمد، ابن ابی شیبہ، دارمی، ابو یعلی الموصلی، دار قطنی (منقطعا) بخاری (تعلیقا) ۔

فائدہ: اکراہ ملجی ہو یا غیر ملجی بہر دو صورت نہ اس سے مکرہ کی اہلیت باطل ہوتی ہے اور نہ اس سے خطاب وضع ہوتا ہے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ مکرہ کے افعال فرض وحظر واباحت ورخصت کے مابین متردد ہوتے ہیں نیز کبھی وہ گنہگار ہوتے ہیں اور کبھی مستحق اجر وثواب مثلاً اس پر قتل نفس، قطع طریق اور زنا وغیرہ حرام ہے تو وہ ان کی مباشرت سے گنہگار ہوگا اور باز رہے گا تو ثواب پائے گا۔ اسی طرح اس کے لئے اکل میتہ اور شرب خمر کی اباحت ہے اور اجراءِ کلمہ کفر کی رخصت ہے۔

قولہ وشرطہ الخ تحقق اکراہ کے لئے دو شرطیں ہیں (۱) مکرہ اس امر پر قادر ہو جس کا وہ خوف دلا رہا ہے خواہ شاہ وقت ہو یا چور ہو یا کوئی اور ہو۔ امام صاحب سے جو یہ ایک روایت ہے کہ اکراہ سوائے بادشاہ کے اور کوئی نہیں کر سکتا یہ ان کے زمانہ کے لحاظ سے ہے کہ اس زمانہ میں ایسی قدرت بادشاہ ہی کو ہوتی تھی۔ آج کل یہ بات نہیں۔ آج کل تو ہر مفسد سے اکراہ ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ صاحبین کا قول ہے اور اسی پر فتوی ہے (۲) مکرہ کو اس بات کا ظن غالب ہو کہ مکرہ جس امر کا خوف دلا رہا ہے۔ وہ اس کے ساتھ کر گزرے گا۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

فَلَوْ اُكْرِهَ عَلٰى بَيْعٍ اَوْ شِرَاءٍ اَوْ اِقْرَارٍ اَوْ اِجَارَةٍ بِقَتْلٍ اَوْ ضَرْبٍ شَدِيْدٍ اَوْ حَبْسٍ مَدِيْدٍ خُيِّرَ بَيْنَ اَنْ يُمْضِيَ الْبَيْعَ

سو اگر اکراہ کیا گیا خرید وفروخت یا اقرار کرنے یا اجارہ دینے پر قتل کرنے یا سخت مارنے یا قید دراز کی دھمکی کے ساتھ تو اختیار دیا جائیگا کہ بیع باقی رکھے

اَوْ يَفْسَخَهُ وَيَثْبُتُ بِهِ الْمِلْكُ عِنْدَالْقَبْضِ لِلْفَسَادِ وَقَبْضُ الثَّمَنِ طَوْعاً اِجَازَةٌ كَالتَّسْلِيْمِ طَائِعاً وَاِنْ هَلَكَ

یا اس کو فسخ کردے اور ثابت ہوگی ملک اس بیع سے قبضہ کے وقت فساد کی وجہ سے اور بخوشی ثمن لینا اجازت ہے جیسے بخوشی مبیع دیدینا اگر ہلاک ہوگئی مبیع

الْمَبِيْعُ فِي يَدِ الْمُشْتَرِىْ وَهُوَ غَيْرُمُكْرِهٍ وَالْبَائِعُ مُكْرَهٌ ضَمِنَ قِيْمَتَهُ لِلْبَائِعِ وَلِلْمُكْرَهِ اَنْ يُضَمِّنَ الْمُكْرِهَ

مشتری کے پاس درانحالیکہ وہ غیر مکرہ ہے تو وہ ضامن ہوگا اس کی قیمت کا بائع کے لئے اور مکرہ مکرہ سے بھی ضمان لے سکتا ہے

وَعَلٰى اَكْلِ لَحْمِ خِنْزِيْرٍ وَمَيْتَةٍ وَدَمٍ وَشُرْبِ خَمْرٍ بِحَبْسٍ اَوْضَرْبٍ اَوْ قَيْدٍ لَمْ يَحِلَّ وَحَلَّ بِقَتْلٍ وَقَطْعٍ

اگر اکراہ کیا گیا سور کا گوشت یا مردار کھانے یا خون یا شراب پینے پر قید وبند یا پٹنے کی دھمکی کے ساتھ تو ان کا تناول حلال نہیں اور حلال ہے قتل اور قطع عضو کی

وَاَثِمَ بِصَبْرِهٖ وَعَلٰى الْكُفْرِ وَاِتْلَافِ مَالِ الْمُسْلِمِ بِقَتْلٍ وَقَطْعٍ لَابِغَيْرِهِمَا

دھمکی سے بلکہ گنہگار ہوگا صبر کرنے سے اگر اکراہ کیا گیا کفر کرنے یا مسلمان کا مال ضائع کرنے پر قتل کرنے یا قطع عضو کی دھمکی سے نہ کہ اس کے علاوہ سے

يُرَخَّصُ وَيُثَابُ بِالصَّبْرِ وَلِلْمَالِكِ اَنْ يُّضَمِّنَ الْمُكْرِهَ وَعَلٰى قَتْلِ غَيْرِهٖ بِقَتْلٍ

تو اس کے لئے رخصت ہے اور ثواب دیا جائیگا صبر کرنے پر اور مالک ضمان لے سکتا ہے مکرہ سے اگر اکراہ کیا گیا دوسرے کو قتل کرنے پر قتل کی دھمکی سے

لَايُرَخَّصُ فَاِنْ قَتَلَهُ اَثِمَ وَيُقْتَصُّ الْمُكْرِهُ فَقَطْ وَعَلٰى اِعْتَاقٍ وَطَلَاقٍ فَفَعَلَ وَقَعَ

تو رخصت نہیں ہے اگر اس کو قتل کیا تو گنہگار ہوگا اور قصاص صرف مکرہ سے لیا جائیگا اگر اکراہ کیا گیا آزاد کرنے یا طلاق دینے پر اور اس نے کر لیا تو آزادی

وَرَجَعَ بِقِيْمَتِهٖ وَنِصْفِ مَهْرِهَا اِنْ لَمْ يَطَأْهَا وَعَلٰى الرِّدَّةِ لَمْ تَبِنْ زَوْجَتُهٗ.

اور طلاق واقع ہو جائیگی اب وہ اس سے نصف قیمت اور نصف مہر لے لیگا اگر اس سے وطی نہ کی ہو اگر اکراہ کیا گیا مرتد ہونے پر تو بائن نہ ہوگی اس کی بیوی

تفصیل احکام اکراہ

تشریح الفقہ :قولہ فلو اکرہ الخ ایک شخص کو بتہدید قتل یا بتخویف ضرب شدید یا حبس مدید کسی چیز کے فروخت کرنے یا خریدنے یا اقرار کرنے پر مجبور کیا گیا اور اس نے وہ چیز فروخت کردی یا خرید لی یا اس کا اقرار کرلیا تو زوال اکراہ کے بعد اس کو اختیار ہے چاہے ان عقود کو نافذ کرے اور چاہے فسخ کرڈالے۔اس کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں مکرہ کے تمام تصرفات قول کے لحاظ سے منعقد ہوتے ہیں اب جو عقود محتمل فسخ ہیں جیسے بیع اور اجارہ وغیرہ انکو وہ فسخ کرسکتا ہے۔اور جو عقود محتمل فسخ نہیں جیسے طلاق' نکاح' اعتاق' تدبیر' استیلا' نذر وغیرہ انکو فسخ نہیں کرسکتا بلکہ وہ لازم ہوجاتے ہیں۔ہاں ائمہ ثلاثہ کے یہاں لازم نہیں ہوتے۔

قولہ ویثبت الخ اگر کسی نے مکرہ ہونے کی حالت میں کوئی چیز فروخت کردی اور مشتری نے اس پر قبضہ کرلیا۔تو مشتری اس کا مالک ہوجائے گا' امام زفر اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مالک نہ ہوگا وہ یہ فرماتے ہیں کہ مکرہ کی بیع اجازت پر موقوف ہے۔اور بیع موقوف قبل از اجازت مفید ملک نہیں ہوتی۔ہم یہ کہتے ہیں کہ اکراہ کی وجہ سے ارکان بیع یعنی ایجاب وقبول معدوم نہیں ہوتے۔صرف شرط جواز یعنی رضا معدوم ہوتی ہے۔تو مکرہ کی بیع فاسد ہوئی اور بیع فاسد میں مشتری قبضہ کرلینے سے مبیع کا مالک ہوجاتا ہے۔

قولہ وان ھلک الخ بائع نے جبر کے ساتھ ایک شئی فروخت کی اور مشتری نے اس کو بلا جبر خریدا۔پھر وہ مشتری کے پاس ہلاک ہوگئی تو مشتری بائع کو اس کی قیمت کا تاوان دیگا کیونکہ مکرہ کی بیع فاسد ہے۔اور بیع فاسد میں بھی مبیع مشتری پر مضمون ہوتی ہے۔لیکن مکرہ کو یہ بھی اختیار ہے جس نے اس پر جبر کیا تھا اس سے قیمت کا تاوان لیلیے اس صورت میں مکرہ مشتری سے وصول کرلیگا۔

قولہ وعلی اکل الخ ایک شخص کو خنزیر یا مردار کا گوشت کھانے یا شراب یا خون پینے پر حبس وضرب اور قید وبند کا خوف دلا کر مجبور کیا گیا تو اس کیلئے ان چیزوں کا تناول درست نہیں۔اس واسطے کہ ان محرمات کے تناول کے اباحت بوقت ضرورت ہے۔اور ضرورت اسی وقت ہے کہ جب جان کا یا کسی عضو کی ہلاکت کا خوف ہو چنانچہ اگر کسی نے قتل نفس یا قطع عضو کا خوف دلا کر مجبور کیا تو اس صورت میں اس کیلئے تناول حلال ہے۔بلکہ اگر وہ نہ کھائے اور صبر کرتا ہوا جان دیدے تو گنہگار ہوگا۔امام ابو یوسف اور امام احمد سے ایک روایت اور امام شافعی کا قول یہ ہے کہ گنہگار نہ ہوگا۔کیونکہ اس وقت اس کیلئے کھانا رخصت ہے۔اور نہ کھانا عزیمت تو عزیمت کا پہلو اختیار کرنے سے گنہگار نہ ہونا چاہئے۔جواب یہ ہے کہ حکم حرمت سے حالت اضطرار مستثنی ہے۔حق تعالیٰ کا ارشاد ہے" **وقد فصل لکم ماحرم علیکم الاما اضطررتم الیہ**" اور حرام شئی سے جو چیز مستثنی ہے۔وہ حلال ہوگی۔اب اگر وہ حلال شئی کی تناول سے رک کر اپنی جان ہلاک کرتا ہے تو یقیناً گنہگار ہوگا۔

قولہ وعلی الکفر الخ اور اگر قتل نفس یا قطع عضو کی تخویف سے کسی کو کلمہ کفر پر مجبور کیا گیا تو اس کیلئے اپنی زبان سے کہہ دینے کی رخصت ہے بشرطیکہ اس کا قلب مطمئن بالایمان ہو۔قال تعالیٰ" **الامن اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان** " نیز روایت میں ہے کہ" حضرت عمار بن یاسر کو مشرکین نے پکڑلیا اور جب تک آپ نے ان کے بتوں کی بھلائی اور حضور ﷺ کی برائی نہ کی اس وقت تک انہوں نے آپ کو نہیں چھوڑا۔آپ نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر واقعہ بیان کیا۔آپ نے دریافت فرمایا: اس وقت تیرے قلب کی کیا کیفیت تھی؟ عرض کیا: یارسول اللہ! میرے دل میں ایمان مضبوط تھا۔آپ نے فرمایا: اگر مشرکین پھر ایسا کریں تو تو بھی ایسا ہی کرنا لیکن اگر وہ اس حالت میں صبر کرے اور اپنی زبان پر کلمہ کفر جاری نہ کرے تو مستحق اجر ہوگا۔اسی طرح اگر قتل نفس یا قطع عضو کی تہدید سے کسی مسلمان کا مال تلف کرنے پر مجبور کیا گیا تو اس کیلئے اس کی رخصت ہے۔اور اگر تلف نہ کرے بلکہ اذیت پر صبر کرے تو ثواب پائے گا اور صاحب مال اپنے مال کا تاوان مکرہ سے لے گا نہ کہ مکرہ سے۔

قوله وعلي قتل غيره الخ اور اگر قتل نفس یا قطع عضو کی تہدید سے کسی مسلمان کو قتل کرنے پر مجبور کیا گیا تو اس کو قتل کرنے کی رخصت نہیں اگر قتل کریگا تو گنہگار ہوگا۔ کیونکہ مسلمان کو کسی حالت میں بھی قتل کرنا جائز نہیں۔ بایں ہمہ اگر اس نے قتل کر ڈالا تو طرفین کے نزدیک قصاص صرف مکرہ پر ہوگا۔ امام زفر کے نزدیک مکرہ پر ہوگا۔ کیونکہ فعل قتل کا وجود اسی سے ہوا ہے حقیقۃً بھی اور حساً بھی۔ نیز شریعت نے اس قتل کے حکم کو بھی اسی پر برقرار رکھا ہے۔ چنانچہ وہ گنہگار ہوتا ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک قصاص نہ مکرہ پر ہوگا اور نہ مکرہ پر۔ کیونکہ حد من وجہ مکرہ کی جانب مضاف ہے بایں معنی کہ وہ مباشر قتل ہے اور من وجہ مکرہ کی جانب کیونکہ وہ حامل وباعث قتل ہے تو جانبین میں شبہ متمکن ہوتا گیا لہذا ان میں سے کسی پر قصاص نہ ہوگا بلکہ ان کے مال سے دیت دیجائیگی۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دونوں سے قصاص لیا جائیگا مکرہ سے اسلئے کہ وہ فاعل ومباشر ہے اور مکرہ سے اسلئے کہ وہ حامل وباعث ہے **ولهما ان المكره حامل فيقتص ولا يقتص القاتل لانه آلة له كالسيف**۔

قوله وعلي اعتاق الخ اگر بیوی کو طلاق دینے یا غلام آزاد کرنے پر مجبور کیا گیا اور اس نے طلاق دیدی یا غلام آزاد کر دیا تو ہمارے نزدیک یہ امور واقع ہو جائیں گے۔ امام شافعی کا اس میں اختلاف ہے جس کی تفصیل کتاب الطلاق میں گزر چکی ہے اب اعتاق کی صورت میں مکرہ مکرہ سے غلام کی قیمت لیگا کیونکہ اتلاف اسی کیطرف منسوب ہے۔ اور یہ ضمان چونکہ ضمان اتلاف ہے لہذا نصف قیمت لیگا مالدار ہو یا نادار اور طلاق کی صورت میں مہر مسمی کا نصف ملے گا اگر اس نے بیوی سے وطی نہ کی ہو۔ کیونکہ شوہر پر جو مہر واجب تھا وہ متحمل سقوط تھا بایں معنی کہ شاید فرقت عورت کی جانب سے واقع ہو جائے لیکن جب طلاق واقع ہوگئی تو مہر مؤکد ہو گیا پس اتلاف مال مکرہ کی جانب منسوب ہوگا اور مکرہ اس سے نصف مہر لینے کا حقدار ہوگا لیکن اگر وطی کر چکا ہو تو مکرہ سے کچھ نہیں لے سکتا کیونکہ اب مہر وطی کی وجہ سے مؤکد ہوا ہے۔

کتاب الحجر

هُوَ مَنْعٌ عَنِ التَّصَرُّفِ قَوْلاً لاَ فِعْلاً بِصِغَرٍ وَرِقٍّ وَجُنُوْنٍ فَلاَ يَصِحُّ تَصَرُّفُ صَبِيٍّ وَعَبْدٍ

وہ روکنا ہے قولی تصرف سے نہ کہ فعلی تصرف سے کم سنی یا غلامی یا دیوانہ پن کے باعث پس صحیح نہیں بچہ اور غلام کا تصرف

بِلاَ اِذْنِ وَلِيٍّ وَسَيِّدٍ وَلاَ تَصَرُّفُ الْمَجْنُوْنِ الْمَغْلُوْبِ بِحَالٍ وَمَنْ عَقَدَ مِنْهُمْ وَهُوَ يَعْقِلُهُ

ولی اور آقا کی اجازت کے بغیر اور نہ مجنون مغلوب کا تصرف کسی حال میں اور جو ان میں سے عقد کرے درانحالیکہ وہ اس کو سمجھتا ہو

يُجِيْزُهُ الْوَلِيُّ اَوْ يَفْسَخُهُ وَاِنْ اَتْلَفُوْا شَيْئًا ضَمِنُوْا.

تو ولی اس کو باقی رکھے یا فسخ کردے اور اگر یہ تلف کریں کوئی چیز تو ضامن ہوں گے۔

تشریح الفقہ: قولہ کتاب الخ کتاب الاکراہ کے بعد کتاب الحجر لا رہا ہے۔ اس واسطے کہ دونوں میں سلب اختیار ہوتا ہے مگر اکراہ حجر سے قوی تر ہے کیونکہ اکراہ میں سلب اختیار اس سے ہوتا ہے جس کے لئے اختیار صحیح اور کامل ولایت ہو لہذا اکراہ مستحق تقدیم ہے۔

قولہ هو منع الخ حجر (بالتثلیث) لغۃً مطلق روکنے اور منع کرنے کو کہتے ہیں اسی سے حجرا (بالکسر) عقل کو کہتے ہیں کیونکہ عقل انسان کو افعال قبیحہ کے ارتکاب سے روکتی ہے۔ اصطلاح میں حجر اس کو کہتے ہیں کہ کسی کو تصرف قولی سے روک دیا جائے نہ کہ تصرف فعلی سے تصرفات قولی جو زبان سے متعلق ہوتے ہیں جیسے بیع وشراء اور ہبہ وغیرہ، تصرفات فعلی جو افعال جوارح ہوتے ہیں جیسے قتل واتلاف مال وغیرہ تو حجر میں صرف تصرف قولی نافذ نہیں ہوتا چنانچہ اگر بچہ کسی کا مال تلف کرے گا تو ضمان واجب ہوگا۔

قولہ بصغر الخ اسباب حجر تین ہیں اول صغر سنی دوم رقیت ومملوکیت یعنی باندی یا غلام ہونا سوم جنون و دیوانگی۔ بچہ ناقص العقل ہوتا ہے۔ اور مجنون عدیم العقل یہ اپنے نفع اور نقصان کو نہیں پہنچانتے اس لئے شریعت میں ان کے تصرفات قولیہ غیر معتبر ہیں اور مملوک گو عاقل ہوتا ہے لیکن اس کے پاس جو کچھ ہوتا ہے وہ اسکے آقا کا ہوتا ہے تو آقا کے حق کی رعایت کے پیش نظر اسکا تصرف بھی غیر معتبر ہے سوال مصنف نے حجر کے صرف تین اسباب ذکر کئے ہیں جس کا مطلب یہ ہوا کہ بچہ اور غلام اور دیوانے کے علاوہ اور کوئی مجحور نہیں ہوتا۔ حالانکہ ایسا نہیں کیونکہ مفتی ماجن جو لوگوں کو باطل حیلے سکھاتا ہو اور طبیب جاہل جو لوگوں کو مضر اور مہلک دوا پلاتا ہو اور جانور کرایہ پر دینے والا جو مفلس ہو یہ سب بھی مجحور التصرف ہیں۔ جواب یہاں حصر اسباب حجر کے شرعی معنی کے اعتبار سے مقصود ہے اور مفتی ماجن، طبیب جاہل اور مکاری مفلس پر شرعی معنی صادق نہیں آتے لہذا حصر مذکور سے ان کا خارج ہو جانا مضر نہیں (تامل)

قولہ بحال الخ مجنون مغلوب یعنی وہ دیوانہ جو کسی وقت بھی ہوش میں نہ آتا ہو اس کا تصرف کسی حالت میں صحیح نہیں یہاں تک کہ اگر ولی اس کا تصرف جائز رکھے تب بھی صحیح نہیں کیونکہ وہ جنون کی وجہ سے تصرفات کا اہل نہیں ہے۔ اور اگر وہ کبھی دیوانہ ہوتا ہو اور کبھی ہوشیار تو اس کا حکم طفل ممیز کا سا ہے۔

تنبیہ: نہایۃ اور غایۃ البیان میں ہے کہ جو شخص گاہے ہوشیار اور گاہے دیوانہ ہو وہ طفل ممیز کی مانند ہے۔ اور زیلعی میں ہے کہ وہ عاقل کی مانند ہے شلبی محشی زیلعی نے دونوں قولوں میں تطبیق دیتے ہوئے کہا کہ اگر ہوشیاری کا وقت معین ہو اور وہ افاقہ کی حالت میں کوئی

عہ...... لان الردة تتعلق بالاعتقاد فلا يكفر به من غير تبدل الاعتقاد ١٢

عہ...... حاكم، بيهقي، ابونعيم (في الحليه) عبدالرزاق، ابن راهويه عن محمد بن عمار بن ياسرؓ ١٢

عقد کرے تو اس میں عاقل کی مانند نفاذ عقد کا حکم ہے۔اور اگر اس کی ہوشیاری کا کوئی وقت معین نہ ہو تو اس میں طفل صغیر کی مانند توقف کا حکم ہے۔پس زیلعی کا کلام شق اول پر محمول ہے اور نہایہ اور غایۃ البیان کا کلام شق ثانی پر (کذا فی الطحطاوی)۔

قولہ و من عقد الخ محجورین مذکورین میں سے جو شخص کوئی ایسا عقد کرے جو نفع اور ضرر کے درمیان دائر ہو اور وہ عقد کو سمجھتا ہو تو اس کے ولی کو اختیار ہے چاہے عقد کو نافذ کرے چاہے فسخ کردے **و عند الائمۃ الثلاثۃ لاتصح اجازتہ** ولی سے مراد قاضی، باپ، دادا وصی اور آقا ہے۔سوال منہم کی ضمیر صغیر اور غلام کی طرف راجع ہے نہ کہ مجنون و مغلوب کیطرف اس واسطے کہ مجنون، مغلوب میں تعقل مذکور نہیں ہوتا پس منہم بصورت جمع غلط ہے منہما ہونا چاہیے۔جواب مصنف کے قول "**المجنون المغلوب**" سے غیر مغلوب مفہوم ہو چکا۔جس کا حکم بچہ اور غلام کا سا ہے۔اس لئے جمع کے ساتھ تعبیر کرنا صحیح ہے۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَلاَ يَنْفُذُ اِقْرَارُ الصَّبِیِّ وَالْمَجْنُوْنِ وَيَنْفُذُ اِقْرَارُالْعَبْدِ فِی حَقِّهٖ لاَ فِی حَقِّ سَيِّدِهٖ فَلَوْ اَقَرَّ بِمَالٍ لَزِمَهٗ

اور نافذ نہ ہوگا بچہ اور دیوانے کا اقرار اور غلام کا اقرار نافذ ہوگا خود اس کے حق میں نہ کہ اس کے آقا کے حق میں پس اگر اس نے مال کا اقرار کیا

بَعْدَ الْحُرِّيَّةِ وَلَوْ اَقَرَّ بِحَدٍّ اَوْ قَوَدٍ لَزِمَهٗ فِی الْحَالِ لاَبِسَفَهٍ فَاِنْ بَلَغَ غَيْرَ رَشِيْدٍ

تو وہ اس پر لازم ہوگا آزادی کے بعد اور اگر حد یا قصاص کا اقرار کیا تو لازم ہو جائیگا اسی وقت نہ کہ بیوقوفی کے باعث پس اگر بالغ ہوا وہ بیوقوف

لَمْ يُدْفَعْ اِلَيْهِ مَالُهٗ حَتّٰی يَبْلُغَ خَمْساً وَّعِشْرِيْنَ سَنَةً وَنَفَذَ تَصَرُّفُهٗ قَبْلَهٗ وَيُدْفَعُ اِلَيْهِ مَالُهٗ اِذَا بَلَغَ الْمُدَّةَ

تو اس کو اس کا مال نہ دیا جائیگا یہاں تک کہ وہ پہونچ جائے پچیس برس کو اور نافذ ہوگا اس کا تصرف جو اس سے پہلا ہوا اور دیدیا جائیگا اس کا مال جب

مُفْسِدًا وَفِسْقٍ وَغَفْلَةٍ وَدَيْنٍ وَاِنْ طَلَبَ غُرَمَاؤُهٗ حُبِسَ لِيَبِيْعَ مَالَهٗ

وہ پچیس برس کو پہونچ جائے گو وہ مفسد ہو اور نہ بدکاری اور غفلت اور قرض کے باعث اگر اسکے قرضخواہ طلب کریں تو اس کو قید کیا جائے تاکہ وہ بیچدے اپنا

فِی دَيْنِهٖ فَلَوْ مَالُهٗ وَدَيْنُهٗ دَرَاهِمُ قُضِیَ بِلاَ اَمْرِهٖ وَلَوْ دَيْنُهٗ دَرَاهِمُ وَلَهٗ دَنَانِيْرُ

مال قرض کے سلسلہ میں سو اگر اس کا مال اور قرض دراہم ہوں تو اس کی اجازت کے بغیر ہی چکا دیا جائیگا اور اگر قرض دراہم ہوں اور اس کے پاس دنانیر ہوں

اَوْ بِالْعَكْسِ بِيْعَ فِی دَيْنِهٖ وَلَمْ يُبَعْ عَرَضُهٗ وَعِقَارُهٗ

یا برعکس ہو تو ان کو بیچدیا جائیگا اس کے قرض میں لیکن اس کا اسباب اور زمین نہیں بیچی جائیگی

وَاَفْلاَسٍ فَاِنْ اَفْلَسَ مُبْتَاعُ عَيْنٍ فَبَايِعُهٗ اُسْوَةٌ لِلْغُرَمَاءِ.

اور نہ مفلسی کے باعث پس اگر مفلس ہوگیا کسی چیز کا خریدار تو فروخت کنندہ اور قرض خواہوں کے برابر ہے۔

توضیح اللغۃ: سفہ خفت عقل، حماقت، قود قصاص، دین قرض، غرماء جمع غریم، قرضخواہ، عرض سامان، عقار زمین۔

تشریح الفقہ: قولہ لا بسفہ الخ امام صاحب کے نزدیک آزاد عاقل بالغ شخص پر اس کی سفاہت کے سبب سے حجر نہیں کیا جائے گا صاحبین اور امام شافعی کے نزدیک حجر کیا جائے گا۔امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ "حضور ﷺ کے سامنے حضرت حبان بن منقذ کا تذکرہ ہوا جو اکثر اوقات خرید و فرخت میں دھوکا کھاتے تھے تو آنحضرت ﷺ ارشاد فرمایا: کہ تو خرید کے بعد یہ کہہ دیا کر "لاخلابۃ" اس میں دھوکا نہیں۔صاحبین کی دلیل حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "**فان کان الذی علیہ الحق سفیھاً او ضعیفاً او لا یستطیع ان یمل ھو فلیملل ولیہ لید**"

بالعدل " اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سفیہ پر اس کے ولی کو ولایت حاصل ہے۔ درمختار میں ہے کہ فتوی صاحبین کے قول پر ہے۔

فائدہ:

سفہ لغۃً حماقت اور خفت عقل کو کہتے ہیں اور شریعت میں سفہ اور سفاہت سے مراد فضول خرچی ہے۔ جو عقل و شرع کے خلاف ہو تو اس کے سوا دیگر معاصی کا ارتکاب مثلاً شراب خوری، زنا کاری، سفاہت مصطلحہ میں داخل نہیں، علامہ حموی فرماتے ہیں کہ نفقہ میں اسراف یا بلا غرض خرچ کرنا سفیہ کی عادت ہے اسی طرح ایسی غرض میں خرچ کرنا جس کو دین دار عقلاء غرض شمار نہیں کرتے جیسے گویوں، کھیل تماشہ کرنے والوں کو پیسہ دینا اڑنے والے کبوتروں کو گراں قیمت پر خریدنا۔

قولہ فان بلغ الخ جو شخص بالغ ہونے کے بعد بھی اتنا ہوشیار نہ ہو کہ اپنا نفع نقصان پہچان سکے تو امام صاحب کے نزدیک اس کو اسکا مال نہ دیا جائے یہاں تک کے وہ پچیس برس کا ہو جائے اس کے بعد اس کو مال دیدیا جائے گا خواہ وہ مصلح ہو یا مفسد۔ صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مال نہ دیا جائے گا جب تک کہ آثار رشد ظاہر نہ ہو اگرچہ پوری عمر گزر جائے کیونکہ آیت **فان انستم منهم رشدًا فادفعوا اليهم اموالهم** " میں مال حوالے کرنا وجود رشد پر معلق ہے تو اس سے قبل مال دینا جائز نہ ہوگا امام صاحب کی دلیل یہ آیت ہے " **واتوا اليتمىٰ اموالهم** " اس میں ایتاء مال بعد البلوغ مراد ہے پس بالغ ہونے کے بعد مال اس کے حوالے کر دیا جائے گا رہی پچیس سال کی مدت سو وہ اس لئے ہے کہ حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ جب آدمی پچیس برس کا ہو جائے تو اس کی عقل انتہا کو پہونچ جاتی ہے۔ تنویر اور مجمع الانہر وغیرہ میں قاضی خاں سے منقول ہے کہ فتوی صاحبین کے قول پر ہے۔

قولہ وفسق الخ لاسفہ پر معطوف ہونے کی وجہ سے مجرور ہے مطلب یہ ہے کہ فاسق پر حجر نہیں خواہ اس کا فسق اصلی ہو یا طاری امام شافعی کے یہاں فاسق کو بطریق زجر و توبیخ تصرف سے روکا جائے گا۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ آیت " **فان انستم منهم رشدًا** " میں رشد سے مراد اصلاح فی المال ہے نہ کہ اصطلاح فی الدین اور رشدًا نکرہ قلیل و کثیر ہر دو کو شامل ہے پس **فادفعوا اليهم اموالهم** میں فاسق بھی داخل ہے اسلئے اس پر حجر نہ ہوگا، نیز شخص مغفل جو مصلح مال تو ہو لیکن تصرفات رابحہ کی شدبد نہ رکھتا ہو اس پر بھی حجر نہیں۔ امام شافعی اور صاحبین کے نزدیک سفیہ کی طرح وہ بھی محجور ہے وہ یہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت حبان بن منقذ پر حجر کا مطالبہ ہوا تو آپ نے اس پر نکیر نہیں فرمائی معلوم ہوا کہ اس پر بھی حجر ہے۔ جواب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت حبان پر حجر نہیں کیا بلکہ صرف یہ فرمایا کہ "لاخلابۃ" کہہ دیا کر۔ اگر شخص مغفل پر حجر مشروع ہوتا تو آپ ضرور روک دیتے۔

قولہ ودین الخ امام صاحب کے نزدیک مدیون پر حجر نہیں اگرچہ قرض خواہ لوگ اس کا مطالبہ کریں البتہ قاضی اس کو قید کرے گا تاکہ وہ ادائیگی قرض کے سلسلے میں اپنا مال بیچ ڈالے۔ اس واسطے مدیون پر دین کی ادائیگی واجب ہے۔ اور ٹال مٹول ظلم ہے تو دفع ظلم کے پیش نظر قاضی کیلئے لازم ہے کہ وہ مدیون کو قید کرے، پھر اگر مدیون کا مال اور اس کا دین دراہم یا دنانیر ہوں تو قاضی بلا امر مدیون دراہم و دنانیر سے قرض ادا کر دے اور اگر مال دراہم ہو اور دین و دنانیر یا اس کا عکس ہو تو ان کو فروخت کر کے قرض ادا کرے۔ اور اس کا مال اسباب و جائداد ہو تو اس کو فروخت نہ کرے۔ صاحبین اور ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ اگر قرض خواہ لوگ مقروض پر حجر طلب کریں تو اس پر حجر بھی کیا جا سکتا ہے۔ نیز اگر اس کا مال اسباب و جائداد ہو تو قاضی اس کو بھی فروخت کر سکتا ہے، اختیار، تنویر، تصحیح قدوری، بزازیہ، جوہرہ، قاضی خاں، ملتقی وغیرہ میں ہے کہ دونوں مسئلوں میں فتوی صاحبین کے قول پر ہے۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

---

(۱) لان العبد مبقى على اصل الحرية فى حقهما وهو ليس بمملوك من حيث انه آدمى وان كان مملوكاً من حيث انه مال ۱۲

عہ...... صحیحین عن ابن عمر ۱۲

عہ...... پھر اگر وہ شخص جس پر قرض ہے بے عقل ہے یا ضعیف ہے یا آپ نہیں بتلا سکتا تو بتلا دے کارگزار اس کا انصاف سے ۱۲

فَصلٌ فِیْ حَدِّ الْبُلُوْغِ :بُلُوْغُ الْغُلَامِ بِالاِحْتِلَامِ وَالاِحْبَالِ وَالاِنْزَالِ وَالِاَّ فَحَتّٰی یَتِمَّ ثَمَانِ عَشَرَ سَنَةً وَالْجَارِیَةُ

(فصل مدت بلوغ میں) لڑکے کا بالغ ہونا احتلام اور حاملہ کرنے اور انزال سے ہوتا ہے اگر یہ نہ ہو تو جب اٹھارہ سال پورے ہو جائیں اور لڑکی کا بالغ ہونا

بِالْحَیْضِ وَالاِحْتِلَامِ وَالْحَبَلِ وَاِلاَّ فَحَتّٰی یَتِمَّ سَبْعَ عَشَرَ سَنَةً وَیُفْتٰی بِالْبُلُوْغِ فِیْهِمَا بِخَمْسِ عَشَرَ سَنَةً

حیض اور احتلام اور حاملہ ہونے سے ہوتا ہے ورنہ جب سترہ سال پورے ہو جائیں اور فتویٰ دیا جاتا ہے دونوں کے بلوغ کا پندرہ سال کی عمر میں

وَاَدْنٰی الْمُدَّةِ فِیْ حَقِّهٖ اِثْنَتَا عَشَرَةَ سَنَةً وَفِیْ حَقِّهَا تِسْعُ سِنِیْنَ فَاِنْ رَاهَقَا وَقَالاَ

اور کمتر مدت لڑکے کے حق میں بارہ سال ہیں اور لڑکی کے حق میں نو سال پس اگر وہ قریب البلوغ ہوگئے

بَلَغْنَا صُدِّقَا وَاَحْكَامُهَا اَحْكَامُ الْبَالِغِیْنَ.

اور بولے کہ ہم بالغ ہوگئے تو انکی تصدیق کیجائیگی اور انکے احکام بالغوں جیسے ہوں گے۔

تشریح الفقہ: قولہ فصل الخ صغر سنی چونکہ اسباب حجر میں سے ایک سبب ہے جس کی ایک نہایت ہے تو اس کی انتہا بیان کرنا بھی ضروری ہے۔ اس فصل میں اسی کو بیان کر رہا ہے۔

قولہ بلوغ الغلام الخ بلوغ صغیر امور ثلاثہ میں سے کسی ایک سے ہوتا ہے (۱) احتلام یعنی خواب میں صحبت کرنا اور منی کا خارج ہونا (۲) احبال یعنی عورت کے ساتھ وطی کرنا اور اس کو حاملہ کر دینا (۳) انزال۔ ان تینوں میں اصل انزال ہے۔ کیونکہ احتلام بلا انزال غیر معتبر ہے۔ نیز عورت بلا انزال حاملہ نہیں ہوتی تو انزال اصل ٹھہرا۔ اور احبال و احتلام اس کی علامات ہوئیں۔ بلوغ صغیرہ بھی تین امور میں سے ایک ہوتا ہے۔ (۱) حیض (۲) احتلام (۳) حبل یعنی حاملہ ہو جانا اگر ان میں سے کوئی علامت نہ پائی جائے تو پھر عمر کا لحاظ ہوگا۔ یعنی جب لڑکا اٹھارہ سال کا اور لڑکی سترہ سال کی ہو جائے تو بالغ ہونے کا حکم لگا دیا جائیگا۔ دلیل یہ آیت ہے۔ ولا تقربو امال الیتیم الابالتی هی احسن حتی یبلغ اشدہ'' اس میں اشد سے مراد بعض کے نزدیک بائیس سال کی عمر ہے اور بعض کے نزدیک تیئس سال کی اور بعض کے نزدیک پچیس سال کی۔ حضرت ابن عباس سے اٹھارہ سال کی عمر منقول ہے۔ امام صاحب نے اسی کو لیا ہے کیونکہ اقل الاقوال ہے۔ پس احتیاط اسی میں ہے۔ البتہ لڑکی چونکہ جلد بالغ ہو جاتی ہے اس لئے اس کے حق میں ایک سال کم کر دیا گیا۔

قولہ ویفتی الخ درصورت عدم وجود علامات بلوغ صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک لڑکے اور لڑکی دونوں کے بلوغ کی مدت پندرہ سال ہے۔ یہ ایک روایت امام صاحب سے بھی ہے اور اسی پر فتوی ہے۔ وجہ فتوی عادت غالبہ ہے کہ اکثر اوقات اتنی مدت میں علامات بلوغ ظاہر ہو جاتی ہیں۔

قولہ وأدنی المدة الخ لڑکے کے حق میں کمتر مدت جس میں وہ بالغ ہو سکتا ہے۔ بارہ سال ہیں اور لڑکی کے حق میں نو سال پس اگر وہ اتنی مدت میں بلوغ کا دعوی کریں تو ان کا قول مسموع ہوگا اور انکے احکام بالغوں کے احکام ہونگے۔ شرح مجمع میں ہے کہ فقہا کا اس پر اتفاق ہے اگر پانچ سال یا اس سے کم کی لڑکی خون دیکھے تو وہ حیض نہیں ہے اور نو سال یا اس سے زیادہ کی لڑکی خون دیکھے تو حیض ہے۔ اور چھ، سات، آٹھ سال میں اختلاف ہے۔ کافی میں بعض حضرات سے منقول ہے کہ کمتر مدت گیارہ سال ہے۔ (طحاوی)

کتاب الماذون

اَلاِذْنُ فَکُّ الْحَجْرِ وَاِسْقَاطُ الْحَقِّ فَلاَ یَتَوَقَّتُ وَلاَ یَتَخَصَّصُ.

اذن روک کو دور کرنا اور حق کو ساقط کرنا ہے پس یہ نہ کسی وقت کیساتھ مؤقت ہوگا اور نہ کسی شئ کے ساتھ مختص۔

تشریح الفقہ: قولہ کتاب الخ کتاب الماذون کو کتاب الحجر کی بعداس لئے لا رہا ہے کہ اذن سبقت حجر کو چاہتی ہے یعنی مقتضاء اذن یہ ہے کہ جس تصرف سے پہلے روک دیا گیا تھا اب اس کی اجازت دیدی گئی۔

قولہ الاذن الخ اذن لغۃً بمعنی اعلام ہے یعنی اطلاع کرنا اور بتادینا' اکثر کتب فقہیہ میں یہی مذکور ہے۔ لیکن علامہ شمس الدین قاضی زادہ آفندی نے تکملہ فتح میں کہا ہے کہ لغت کی متداول کتابوں میں کہیں یہ مذکور نہیں کہ اذن لغۃً بمعنی اعلام ہے۔ بلکہ لغت کی کتابوں میں اذن بمعنی اباحت کیلئے جو اعادۃً اعلام لازم ہے یہ حضرات اس سے تعبیر کردیتے ہیں اور قرین قیاس وہ ہے جو شیخ الاسلام خواہر زادہ نے مبسوط میں ذکر کیا ہے۔ کہ اذن لغۃً ضد حجر ہے' حجر کے معنی منع کرنا اور روکنا ہے اور اذن کے معنی اس منع اور روکنے کو اٹھا دینا ہے۔

قولہ فک الحجر الخ اصطلاح شرح میں اذن فک حجر و اسقاط حق کو کہتے ہیں یعنی بچہ کمسنی کی وجہ سے اور غلام رقیت کی وجہ سے جو ممنوع التصرف تھا ان کو تصرف کی اجازت دیدینا۔ فک حجر سے اطلاق حجر مطلقاً مراد نہیں بلکہ صرف امور تجارت کا اطلاق مراد ہے۔ کیونکہ عبد ماذون کے لئے تبرع اعتاق اور تکفیر بالمال کی اجازت نہیں ہوتی۔ اسقاط حق میں حق سے مراد حق آقا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جب آقا نے اپنے غلام کو تجارت کی اجازت دیدی تو اس کے جس حق کی وجہ سے غلام ممنوع التصرف تھا اس نے اجازت دے کر اپنے اس حق کو ساقط کردیا۔ ہدایہ' عنایہ' کفایہ وغیرہ سب میں یہی مذکور ہے صاحب تنویر و صاحب اصلاح و ایضاح نے کہا ہے کہ حق سے مراد حق منع ہے نہ کہ صرف حق آقا۔ کیونکہ اس صورت میں اذن صرف غلام کو شامل ہوگا نہ کہ صغیر کو حالانکہ اذن غلام اور صغیر دونوں کو شامل ہے مگر علامہ آفندی نے تکملہ میں کئی وجوہ سے تردید کی ہے۔

قولہ ولا یتوقت الخ اذن کی تعریف مذکور ہمارے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ہے امام زفر' امام شافعی' امام احمد کے نزدیک اذن کا مطلب وکیل کرنا اور نائب بنانا ہے۔ پس اگر آقا نے اذن کو کسی معین وقت یا کسی خاص قسم کی تجارت کے ساتھ مقید کیا ان حضرات کے یہاں تقیید صحیح ہوگی۔ اور غلام اس کے خلاف نہ کرسکیگا۔ ہمارے یہاں صحیح نہ ہوگی۔ کیونکہ انفکاک حجر کے بعد غلام اپنی اہلیت کے سبب سے تصرف کرتا ہے۔ تو اذن اور تصرف نہ کسی وقت کے ساتھ مقید ہوگا اور کسی خاص قسم کی تجارت کے ساتھ مخصوص۔ محمد حنیف غفرلہٗ گنگوہی

وَیَثْبُتُ بِالسُّکُوْتِ اِنْ رَاٰی عَبْدَهٗ یَبِیْعُ وَیَشْتَرِیْ فَاِنْ اَذِنَ عَاماً لاَ بِشِرَاءِ شَیْءٍ بِعَیْنِهٖ یَبِیْعُ وَیَشْتَرِیْ

اور ثابت ہوجاتا ہے چپ رہنے سے اپنے غلام کو خرید و فروخت کرتے دیکھ کر پس اگر اذن عام دیا نہ کہ کسی خاص چیز کے خریدنے کا تو وہ خرید و فروخت کرے

وَیُوَکِّلُ بِهِمَا وَیُرْهِنُ وَیُرْتَهِنُ وَیَسْتَاجِرُ وَیُضَارِبُ وَیُوْجِرُ نَفْسَهٗ وَیُقِرُّ بِدَیْنٍ وَغَصَبٍ وَوَدِیْعَةٍ وَلاَ یَتَزَوَّجُ

وکیل کرے گروی رکھے رہن لے ٹھیکہ لے مضاربت کرے خود کو اجرت پردے قرض یا غصب یا امانت کا اقرار کرے لیکن اپنی شادی نہ کرے

وَلاَ یُزَوِّجُ مَمْلُوْکَهٗ وَلاَ یُکَاتِبُ وَلاَ یُعْتِقُ وَلاَیُقْرِضُ وَلاَ یَهِبُ وَیُهْدِیْ طَعَاماً یَسِیْرًا وَیُضِیْفُ مَنْ یُّطْعِمُهٗ

اور نہ اپنے مملوک کی شادی کرائے نہ مکاتب کرے نہ آزاد کرے نہ قرض دے نہ ہبہ کرے البتہ تھوڑا کھانا بطور تحفہ دے سکتا ہے اور اس کی دعوت کرسکتا ہے

وَيَحِطُّ مِنَ الثَّمَنِ بِعَيْبٍ وَدَيْنُهُ مُتَعَلِّقٌ بِرَقَبَتِهٖ يُبَاعُ بِهٖ اِنْ لَمْ يُفْدِهٗ سَيِّدُهٗ

جو اسے کھلائے اور دام کم کر سکتا ہے عیب کی وجہ سے اور اس کا قرض اس کی ذات سے متعلق ہوگا کہ اس کے عوض میں بیچ دیا جائیگا اگر نہ دے اس کی طرف

وَقُسِّمَ ثَمَنُهٗ بِالْحِصَصِ وَمَا بَقِيَ طُوْلِبَ بِهٖ بَعْدَ عِتْقِهٖ وَيَنْحَجِرُ بِحَجْرِهٖ

سے اس کا آقا اور تقسیم کیا جائیگا اس کا ثمن حصوں کے مطابق اور باقی کا مطالبہ اس کی آزادی کے بعد ہوگا اور وہ رک جاتا ہے اس کے روکنے سے

اِنْ عَلِمَ بِهٖ اَكْثَرُ اَهْلِ سُوْقِهٖ وَبِمَوْتِ سَيِّدِهٖ وَجُنُوْنِهٖ وَلُحُوْقِهٖ مُرْتَدًّا وَبِالْاِبَاقِ.

اگر جان لیں اکثر بازار والے اور آقا کے مرجانے دیوانہ ہوجانے مرتد ہوکر دارالحرب چلے جانے سے غلام کے بھاگ جانے سے

ماذون کے احکام کی تفصیل

تشریح الفقہ: قولہ ویثبت الخ تصرف کی اجازت جس طرح نطق صریح سے ثابت ہوتی ہے اسی طرح دلالت حال سے بھی ثابت ہوجاتی ہے مثلاً آقا نے اپنے غلام کو خرید و فروخت کرتے دیکھا اور خاموش رہا تو یہ اس کی طرف سے اجازت ہے غلام ماذون فی التجارۃ ہوجائیگا آقا کا مال بیچا ہو یا کسی اجنبی کا۔ بیع صحیح کی ہو یا بیع فاسد (ہدایہ، عنایہ، زیلعی، ملتقی، شرنبلالیہ) البتہ ائمہ ثلاثہ اور امام زفر کے یہاں سکوت مذکور سے اجازت ثابت نہیں ہوتی۔

قولہ فان اذن الخ اگر آقا نے غلام کو عام اجازت دی یا کسی معین چیز یا کسی خاص تجارت کے ساتھ مقید نہیں کیا مثلاً یوں کہا کہ میں نے تجھے تجارت کی اجازت دی تو غلام ہر قسم کی تجارت کا مجاز ہوگا۔ یعنی اس کے لئے خریدنا، فروخت کرنا، وکیل بنانا، رہن لینا، رہن رکھنا، اجرت پر لینا، مضاربت کرنا، دین یا غصب یا ودیعت کا اقرار کرنا غرض تمام تصرفات جائز ہیں کیونکہ اذن مطلق ہے جو جملہ انواع تجارت ولوازم تجارت کو شامل ہے۔ نیز ہمارے نزدیک وہ خود کو اجرت پر بھی دے سکتا ہے کیونکہ اجارہ بھی از قبیل تجارت ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس کی اجازت نہیں ہے اور اگر آقا نے کسی خاص نوع کی تجارت کی اجازت دی تب بھی ہمارے نزدیک وہ جمیع انواع تجارت کا مجاز ہوگا۔ امام زفر اور امام شافعی کے نزدیک صرف اسی نوع میں ماذون ہوگا جس کی اجازت دی ہے کیونکہ ان کے یہاں اذن اثابت وتوکیل ہے تو جس چیز کے ساتھ آقا نے خاص کیا ہے اسی کے ساتھ خاص ہوگا۔ ہمارے یہاں اذن فک حجر و اسقاط حق ہے جس کی تحقیق شروع میں گزر چکی لہٰذا اجازت کسی خاص نوع کے ساتھ مخصوص نہ ہوگی۔

قولہ و دینہ متعلق الخ عبد ماذون پر جو دین تجارت کے سبب سے واجب ہوا ہو جیسے بیع و شراء اور اجارہ و استیجار وغیرہ یا ایسے سبب سے واجب ہوا ہو جو تجارت کے معنی میں ہے جیسے ودیعت کا تاوان اور اس غصب اور امانت کا تاوان، جن کا ماذون انکار کر چکا ہو۔ اور وہ مہر جو استحقاق کے بعد خریدی ہوئی باندی کے ساتھ وطی کرنے سے واجب ہوا ہو ہر ایسا دین عبد ماذون کی ذات سے متعلق ہوگا اور اس کو ایسے دین کے سلسلے میں فروخت کر دیا جائیگا تا کہ قرض خواہ کا نقصان نہ ہو اور اس کا ثمن قرض خواہوں کے درمیان حصہ رسد تقسیم کر دیا جائیگا۔ ہاں اگر آقا نے اس کا دین ادا کر دیا ہو تو فروخت نہیں کیا جائے گا۔

قولہ وینحجر الخ اگر آقا نے عبد ماذون کو ممنوع التصرف قرار دے دیا تو غلام محجور ہوجائے گا۔ بشرطیکہ اس کو اور اکثر بازار والوں کو اس کا علم ہوگیا ہو تا کہ عبد ماذون کے ساتھ معاملہ کنندگان کا ضرر لازم نہ آئے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بازار والوں کو معلوم ہونا ضروری نہیں ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر علم حاصل کئے بغیر عبد ماذون کو محجور قرار دیا جائے تو وہ حجر کے بعد جو تصرف کرے گا اس کے دین کی ادائیگی آزادی کے بعد لازم ہوگی۔ گویا معاملہ کنندگان کا حق مؤخر ہوجائے گا جس میں ان کا نقصان ہے۔

قولہ وبموت الخ اگر عبد ماذون کا مالک مرجائے یا دائمی مجنون ہوجائے یا مرتد ہوکر دار الحرب چلا جائے تب بھی عبد ماذون محجور ہوجائے گا خواہ غلام کو ان امور کا علم ہوگیا ہو یا نہ ہو وجہ یہ ہے کہ اذن غیر لازم تصرف ہے۔ تو اس کی بقا کا بھی وہی حکم ہوگا جو ابتدا کا ہے تو جس طرح ابتداءً اہلیت اذن کا ہونا ضروری ہے اسی طرح بقاءً بھی اس کا ہونا ضروری ہوگا اور امور مذکورہ سے اہلیت اذن معدوم ہوگئی لہٰذا غلام محجور ہوجائے گا۔

قولہ وبالا باق الخ اگر عبد ماذون بھاگ جائے تو بھاگ جانیکی وجہ سے بھی وہ محجور ہوجائے گا خواہ بازار والوں کو اس کا علم ہو یا نہ ہو امام زفر اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک محجور نہ ہوگا۔ کیونکہ اباق ابتداء اذن کے منافی نہیں تو بقاء اذن کے بھی منافی نہ ہوگا اور وجہ یہ ہے کہ صحت اذن ملک مولی اور اس کی رائے کے اعتبار سے ہوتی ہے اور غلام کے بھاگنے سے ملک مولی اور اس کی رائے میں کوئی فتور نہیں آیا لہٰذا بھاگ جانے سے محجور نہ ہوگا۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ غلام کا بھاگ جانا دلالۃً حجر ہے۔ کیونکہ آقا اپنے سرکش اور نافرمان غلام کے تصرفات سے عادۃً راضی نہیں ہوتا۔ **والحجر ممایثبت بالدلالۃ۔**

وَالاِسْتِيْلَادِ لَا بِالتَّدْبِيْرِ وَضَمِنَ بِهِمَا قِيْمَتَهُمَا لِلْغُرَمَاءِ وَاِنْ اَقَرَّ بَعْدَ حَجْرِهٖ بِمَا

اور باندی کو ام ولد بنالینے سے نہ کہ مدبر کرنے سے اور ضامن ہوگا ان کی وجہ سے ان کی قیمت کا قرضخواہوں کے لئے اگر اقرار کیا حجر کے بعد اس مال کا

فِيْ يَدِهٖ صَحَّ وَلَمْ يَمْلِكْ سَيِّدُهٗ مَا فِيْ يَدِهٖ لَوْاَحَاطَ دَيْنُهٗ بِمَالِهٖ وَرَقَبَتِهٖ

جو اس کے پاس ہے تو صحیح ہے اور مالک نہ ہوگا اس کا آقا اس مال کا جو اس کے پاس ہے اگر محیط ہو اس کا قرض اس کے مال اور اس کی ذات کو پس باطل

فَيَبْطُلُ تَحْرِيْرُهٗ عَبْداً مِنْ كَسْبِهٖ وَاِنْ لَمْ يُحِطْ صَحَّ وَلَمْ يَصِحَّ بَيْعُهٗ مِنْ سَيِّدِهٖ اِلَّا بِمِثْلِ الْقِيْمَةِ

ہوگا آقا کا اس غلام کو آزاد کرنا جو عبد ماذون کی کمائی سے ہو اور اگر دین محیط نہ ہو تو صحیح ہے اور صحیح نہیں بیچنا عبد ماذون کا اپنے آقا کے ہاتھ مگر مثل قیمت

وَاِنْ بَاعَ سَيِّدُهٗ مِنْهُ بِمِثْلِ قِيْمَتِهٖ اَوْ اَقَلَّ صَحَّ وَبَطَلَ الثَّمَنُ لَوْ سَلَّمَ قَبْلَ قَبْضِهٖ

کیساتھ اور اگر بیچا آقا نے عبد ماذون کے ہاتھ مثل قیمت یا اس سے کم میں تو صحیح ہے اور باطل ہوجائیگا ثمن اگر حوالے کردی مبیع قبضہ سے پیشتر ہاں وہ روک

وَلَهٗ حَبْسُ الْمَبِيْعِ بِالثَّمَنِ وَصَحَّ اِعْتَاقُهٗ وَضَمِنَ قِيْمَتَهٗ لِغُرَمَائِهٖ وَطُوْلِبَ مَابَقِيَ بَعْدَ عِتْقِهٖ

سکتا ہے مبیع کو ثمن کی وجہ سے صحیح ہے عبد ماذون کو آزاد کرنا اور ضامن ہوگا اس کی قیمت کا قرضخواہوں کیلئے اور مطالبہ ہوگا باقی قرض کا اسکی آزادی کے بعد

فَاِنْ بَاعَهٗ سَيِّدُهٗ وَغَيَّبَهُ الْمُشْتَرِيْ ضَمَّنَ الْغُرَمَاءُ الْبَائِعَ قِيْمَتَهٗ فَاِنْ رُدَّ عَلَيْهِ بِعَيْبٍ

اگر بیچدیا عبد ماذون کو اس کے آقا نے اور مشتری نے اس کو غائب کردیا تو لے لیں قرضخواہ بائع سے اس کی قیمت پھر اگر وہ واپس کردیا گیا عیب کی وجہ سے

رَجَعَ بِقِيْمَتِهٖ وَحَقُّ الْغُرَمَاءِ فِي الْعَبْدِ اَوْ مُشْتَرِيْهِ اَوْ اَجَازُوْا الْبَيْعَ وَاَخَذُوْا الثَّمَنَ فَاِنْ بَاعَ سَيِّدُهٗ

تو واپس لے لیگا بائع اس کی قیمت اور قرضخواہوں کا حق غلام سے متعلق رہے گا یا مشتری سے لے لیں یا بیع کو جائز رکھیں اور ثمن لے لیں اگر بیچا اس کے

وَاَعْلَمَ بِالدَّيْنِ فَلِلْغُرَمَاءِ رَدُّ الْبَيْعِ فَاِنْ غَابَ الْبَائِعُ فَالْمُشْتَرِيْ لَيْسَ بِخَصْمٍ لَهُمْ وَمَنْ قَدِمَ مِصْرًا

آقا نے قرض جتا کر تو قرضخواہوں کو حق ہے بیع فسخ کردینے کا اور اگر غائب ہوگیا بائع تو مشتری مدعی علیہ نہ رہے گا قرضخواہوں کا ایک غلام شہر میں

عہ ......وعند الائمة الثلاثة لا ينفذ تصرف الصبي باذن وليه لقوله تعالیٰ ولاتؤتو االسفهاء اموالكم اه ولنا قوله تعالیٰ وابتلو االيتمى حتى اذابلغو االنكاح امر بالابتلاء و هوا لا متحان وذلك بالا ذن في التجارة ۱۲ .

وَقَالَ اَنَا عَبْدُ زَيْدٍ فَاشْتَرٰى وَبَاعَ لَزِمَهٗ كُلُّ شَيْءٍ مِنَ التِّجَارَةِ وَلاَ يُبَاعُ حَتّٰى يَحْضُرَ سَيِّدُهٗ

آ کر بولا کہ میں زید کا غلام ہوں پھر اس نے خرید وفروخت کی تو لازم ہو جائیگی اس پر ہر چیز تجارت کی مگر بیچا نہ جائیگا یہاں تک کہ اس کا مالک آ جائے

فَاِنْ حَضَرَ وَاَقَرَّ بِاِذْنِهٖ بِيْعَ وَاِلَّا لاَ وَاِنْ اَذِنَ لِلصَّبِيِّ وَالْمَعْتُوْهِ

اگر وہ آ کر اقرار کرلے اجازت دینے کا تو بیچدیا جائیگا ورنہ نہیں اگر اجازت دیدی بچہ یا کم عقلے کو

الَّذِيْ يَعْقِلُ الْبَيْعَ وَالشِّرَاءَ وَلِيُّهٗ فَهُوَ فِي الشِّرَاءِ وَالْبَيْعِ كَالْعَبْدِ الْمَاذُوْنِ.

جو خرید و فروخت کو سمجھتا ہو اس کے ولی نے تو وہ خرید وفروخت میں عبد ماذون کا سا ہے۔

تشریح الفقہ : قولہ والا ستیلا د الخ ایک باندی ماذونہ تھی آقا سے اس نے وطی کی اور اس سے بچہ ہوا آقا نے بچہ کا دعوی کیا تو باندی اسکی ام ولد ہوگئی۔ اب وہ استیلاد کیوجہ سے مجور التصرف ہو جائے گی مگر دلالۃً۔ امام زفر اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مجور نہ ہوگی۔ کیونکہ استیلاد ابتداء اذن کے منافی نہیں۔ کیونکہ آقا اپنی ام ولد کو تجارت کی اجازت دے سکتا ہے۔ تو بقاءً بطریق اولیٰ منافی نہ ہوگی ہم یہ کہتے ہیں کہ ام ولد عادۃً پردہ میں رہتی ہے۔ اور خرید وفروخت کے سلسلے میں مالک اس کے نکلنے اور لوگوں کے ساتھ اختلاط کرنے سے راضی نہیں ہوتا تو یہ اس کے مجور ہونے کی دلیل ہے۔ ہاں اگر استیلاد کے بعد اذن تجارت کی تصریح کردے تو حجر ثابت نہ ہوگا کیونکہ صراحت دلالت سے قوی تر ہے۔ اور اگر آقا نے ماذونہ باندی کو مدبر کردیا تو تدبیر سے حجر ثابت نہ ہوگا۔ کیونکہ مدبرہ کو پردہ میں رکھنے کی عادت نہیں ہے۔

قولہ وضمن بھا الخ ایک باندی ماذونہ ہے۔ اور اس پر اس کی قیمت کے برابر لوگوں کا دین ہے مالک نے اس کو ام ولد یا مدبر کردیا۔ تو مالک اس کی قیمت کا تاوان دیگا۔ کیونکہ قرض خواہوں کا حق باندی کی ذات سے متعلق ہو چکا۔ اور وہ اس کو فروخت کرا کر وصول کر سکتے تھے۔ اور جب مالک نے ام اولد یا مدبر کردیا تو استیفاء حق متعذر ہو گیا۔ کیونکہ ام ولد اور مدبرہ کی بیع درست نہیں پس مالک نے استیلاد اور تدبیر کے ذریعہ سے ان کا محل حق تلف کردیا لہٰذا قیمت کا ضامن ہوگا۔ لیکن اگر دین قیمت سے زیادہ ہو تو اس کا مطالبہ آزادی کے بعد ہوگا۔ وعند الائمۃ الثلاثہ لایضمن شیئاً۔

قولہ وان اقر الخ عبد ماذون نے مجور ہونیکے بعد اقرار کیا کہ میرے پاس جو کچھ ہے۔ یہ فلاں کی امانت ہے یا مغصوب ہے یا دین ہے تو امام صاحب کے نزدیک اسکا اقرار استحساناً صحیح ہے۔ پس وہ اپنے مقبوضہ مال سے دین وغیرہ ادا کریگا۔ صاحبین کے نزدیک اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اقرار صحیح نہیں۔ مقتضاء قیاس بھی یہی ہے۔ کیونکہ اقرار کا صحیح ہونا تجارت کی اجازت کی وجہ سے تھا اور وہ حجر کی وجہ سے زائل ہو چکی۔ نیز اپنی کمائی پر جو غلام کا قبضہ تھا وہ بھی حجر کی وجہ سے زائل ہو چکا کیونکہ مجور کا قبضہ معتبر نہیں ہوتا۔ پس اقرار صحیح نہ ہوگا۔ وجہ استحسان یہ ہے کہ صحت اقرار کا مدار حقیقت قبضہ پر ہے۔ اور اسکا قبضہ بہر صورت باقی ہے حقیقۃً بھی اور حکماً بھی لہٰذا اقرار صحیح ہے۔

قولہ ولم یملک الخ عبد ماذون کے ذمہ لوگوں کا اتنا قرض ہے کہ وہ اسکے مال اور اسکی ذات کو محیط ہے۔ تو ایسی صورت میں جو مال اسکے پاس ہو آقا اسکا مالک نہیں ہوتا۔ پس اگر عبد ماذون کی کمائی میں کوئی غلام ہو اور آقا اسکو آزاد کردے تو آزاد نہ ہوگا۔ وجہ یہ ہیکہ آقا اپنے تاجر غلام کی کمائی کا مالک بطریق خلافت اس وقت ہوتا ہے۔ جب وہ مال غلام کی ضرورت سے فارغ ہو اور جس مال کو دین محیط ہے وہ اسکی حاجت میں مشغول ہے۔ تو آقا اس مال میں خلیفہ نہ ہوگا۔ صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک آقا عبد ماذون کے مال کا مالک ہوتا ہے۔ تو اسکے آزاد کرنے سے غلام مذکور آزاد ہو جائے گا۔ اور آقا پر اسکی قیمت لازم ہوگی۔ اور اگر وہ مالدار ہو اور تنگ دست ہو تو ماذون کے قرضخواہ آزاد غلام سے تاوان لے سکتے ہیں وہ پھر آقا سے لے لے گا۔ اور اگر عبد ماذون کا دین اسکے مال اور اسکی ذات کو محیط نہ ہو تو آقا کا

ماذون کے غلام کو آزاد کرنا بالاجماع صحیح ہے۔

قولہ وصح اعتاقہ الخ آقا اپنے مدیون ماذون غلام کو آزاد کرا سکتا ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ اس میں آقا کی ملک باقی ہے۔(اختلاف تو اسکی کمائی میں ہے جبکہ دین اسکے مال اور اسکی ذات کو محیط ہو جسکی تفصیل اوپر گزر چکی) اب آزاد کرنے کی صورت میں آقا اسکے قرضخواہوں کو غلام کی قیمت کا تاوان دیگا۔ کیونکہ انکا حق اسکی ذات سے متعلق ہے۔ اور آقا نے اسکی ذات کو آزاد کر دیا۔ لہذا قیمت کا ضامن ہوگا اور اگر ادائیگی دین کے لئے قیمت کافی نہ ہو تو باقی دین کا مطالبہ غلام سے ہوگا۔

قولہ فان باعہ الخ آقا نے اپنے عبد ماذون کو فروخت کیا جس پر دین محیط تھا اور مشتری نے قبضہ کرنے کے بعد غلام کو غائب کر دیا تو قرض خواہوں کو تین اختیارات ہوں گے۔ اول یہ کہ وہ بائع سے اس کی قیمت کا تاوان لے کیونکہ اس کی طرف سے تعدی پائی گئی۔ کہ اس نے غلام فروخت کر کے ان کے حق کو تلف کر دیا۔ اب اگر قرض خواہوں نے بائع سے تاوان لے لیا اس کے بعد غلام عیب کی وجہ سے واپس کر دیا گیا تو بائع قرض خواہوں سے قیمت واپس لے لے گا کیونکہ فروخت کرنا جو بائع کے تاوان کا سبب تھا وہ زائل ہو گیا پس قرض خواہوں کا حق حسب سابق غلام مذکور ہی سے متعلق رہے گا۔ دوسرا اختیار یہ ہے کہ وہ مشتری مغیب سے تاوان لے۔ کیونکہ اس کی طرف سے بھی تعدی پائی گئی کہ اس نے غلام پر قبضہ کیا پھر اس کو غائب کر ڈالا تیسرا اختیار یہ ہے کہ اگر وہ چاہے تو بیع کو جائز رکھے اور غلام کا ثمن وصول کر لے۔

قولہ فان باع الخ آقا نے دین جتا کر عبد ماذون کی بیع کی اور مشتری کو دین کا اقرار ہے تو قرض خواہوں کو رد بیع میں اختیار ہے۔ اس واسطے کہ انکا حق غلام سے متعلق ہے کہ وہ چاہے غلام سے سعایت کرا لیں چاہے اس کی ذات سے وصول کر لیں۔ اور جب آقا نے اس کو فروخت کر دیا تو یہ چیز فوت ہوگی لہذا ان کو رد بیع میں اختیار ہے مگر یہ اس وقت ہے جب غلام کا ثمن قرضخواہوں کے پاس نہ پہونچا ہو ورنہ اختیار نہ ہوگا کیونکہ ان کا ثمن پر قبضہ کرنا بیع سے راضی ہونے کی دلیل ہے۔ پھر اگر بائع (آقا) عبد ماذون کو فروخت کر کے غائب ہو جائے اور مشتری اس پر قبضہ کر چکا ہو تو اور اس کے مدیون ہونے کا منکر ہو تو طرفین کے نزدیک مشتری اور قرض خواہوں کے درمیان مخاصمہ نہ ہوگا اور اگر وہ اس کے مدیون ہونے کا مقر ہو تو بے شک وہ خصم ہوگا۔ جیسا کے مذکور ہو چکا۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

كتاب الغصب

هُوَاِزَالَةُ الْيَدِ الْمُحِقَّةِ بِاِثْبَاتِ الْيَدِ الْمُبْطِلَةِ فَالاِسْتِخْدَامُ وَحَمْلُ الدَّابَّةِ غَصَبٌ لاَالْجُلُوْسُ عَلَى الْبِسَاطِ

وہ زائل کرنا ہے سچے قبضہ کو غلط قبضہ جمالینے کے ساتھ پس خدمت لینا اور سواری پر بوجھ لادنا غصب ہے نہ کہ فرش پر بیٹھنا

وَيَجِبُ رَدُّ عَيْنِهٖ فِي مَكَانِ غَصَبِهٖ اَوْ مِثْلِهٖ اِنْ هَلَكَ وَهُوَ مِثْلِيٌّ وَاِنْ اِنْصَرَمَ الْمِثْلُ

اور واجب ہے بعینہ اس شئ کو واپس کرنا غصب کی جگہ میں یا اس جیسی کو اگر وہ ہلاک ہوگئی ہو اور مثلی ہو اور اگر اس جیسی چیز کا ملنا بند ہوگیا ہو

فَقِيْمَتُهٗ يَوْمَ الْخُصُوْمَةِ وَمَا لاَ مِثْلَ لَهٗ فَقِيْمَتُهٗ يَوْمَ غَصَبِهٖ.

تو خصومت کے دن کی قیمت واجب ہے اور جس کا مثل نہیں ہے اس کی قیمت واجب ہے غصب کے دن کی۔

تشریح الفقہ: **قوله كتاب الغ** جس طرح نفاذ تصرف عبد ماذون اذن سے ہوتا ہے اسی طرح نفاذ تصرف غاصب بھی اذن سے ہوتا ہے فرق یہ ہے کہ نفاذ تصرف غاصب اذن لاحق سے ہوتا ہے اور نفاذ تصرف عبد ماذون اذن سابق سے ہوتا ہے اس لئے کتاب ماذون کے بعد کتاب الغصب لا رہا ہے۔ یا یہ کہا جائے کہ عبد ماذون دوسرے کے مال میں شرعی اجازت سے تصرف کرتا ہے اور غاصب بلا اجازت شرعی تو ان دونوں میں مناسبت مقابلہ ہے مگر مصنف نے کتاب ماذون کو مقدم کیا ہے اور کتاب الغصب کو مؤخر اس لئے کہ اول مشروع ہے اور ثانی غیر مشروع۔

قوله هو ازالة الخ غصب لغت میں کسی چیز کو زبردستی لے لینا ہے خواہ وہ چیز مال ہو یا غیر مال یا یقال **غصب زوجة فلان وخمر فلان**، اصطلاح شرع میں غصب کی تعریف یہ ہے کہ "**هو ازالة اليد المحقة باثبات اليد المبطلة**" غصب حق دار کا قبضہ دور کر دینا اور ناحق قبضہ کر لینا ہے مصنف نے یہی ذکر کیا ہے مگر یہ تعریف نہیں بالکل صرف حقیقت غصب کی طرف اشارہ ہے پوری تعریف یہ ہے "**هو ازالة اليد المحقة او تقصيره بفعل باثبات اليد المبطلة فى مال متقوم محترم قابل للنقل بلا اذن من له الاذن على سبيل المجاهرة**" یعنی غصب محقق قبضہ کو بے واسطہ فعل بطریق اعلانیہ مختار اذن کی اجازت کے بغیر زائل یا ناقص کر دینا ہے۔ ناحق قبضہ جمالینے کے ساتھ ایسے قیمتی اور محترم مال میں جو منتقل کیا جا سکتا ہو تعریف میں لفظ ازالہ عام ہے حقیقۃً ہو یا حکماً۔ حکماً کی مثال جیسے مودع کا قبل از نقل ودیعت کا انکار کر دینا کہ انکار سے پہلے مودع کا قبضہ ہوتا ہے اور جب مودع نے ودیعت کا انکار کر دیا تو مالک کا قبضہ حکماً زائل ہو گیا غصب میں چونکہ ازالہ ید کا اعتبار ہے اس لئے زوائد مغصوب مضمون نہ ہونگے کیونکہ ان میں ازالہ ید نہیں ہوتا (وسیأتی) اور تقصیر کی قید سے تعریف میں شمولیت آ گئی یعنی اگر کوئی شخص مستاجر یا مرتہن یا مودع سے مال چھین لے تو یہاں گو مال کے قبضہ کا ازالہ نہیں ہے کیونکہ غصب کے وقت وہ مال مالک کے قبضہ میں ہے ہی نہیں لیکن تقصیر قبضہ موجود ہے لہٰذا یہ صورت بھی غصب میں داخل ہے بفعل کی قید سے دوسرے کے بستر پر بیٹھنا خارج ہو گیا **فان الازالة موجودة فيه لكن لا بفعل فى العين** مال کی قید سے مردار اور آزاد شخص خارج ہو گیا۔ کہ ان میں غصب ثابت نہیں ہوتا کیونکہ یہ مال نہیں متقوم کی قید سے مسلمان کی شراب نکل گئی کیونکہ یہ مسلمان کے حق میں قیمتی اور مباح الاستعمال نہیں۔ محترم کی قید سے حربی کافر کا مال خارج ہو گیا کیونکہ اس کا مال محترم نہیں قابل للنقل سے غیر منقول چیزیں زمین وغیرہ نکل گئی۔ کہ ان میں شیخین کے نزدیک غصب ثابت نہیں ہوتا۔ بلا اذن من له الاذن کے ذریعہ ودیعت اور عاریت سے احتراز ہو گیا کیونکہ ان میں گو قابل نقل مال متقوم سے محقق قبضہ کا ازالہ ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ مالک کی اجازت سے ہوتا ہے اس لئے غصب میں داخل نہیں نیز یہ وقف کو بھی شامل ہے اس لئے کہ مال ، وقف گو کسی کا مملوک نہیں ہوتا لیکن اتلاف کی صورت میں لازم

ضمان ہوتا ہے۔ علی سبیل المجاہرۃ سے سرقہ نکل گیا کیونکہ سرقہ میں ازالہ ید خفیۃً ہوتا ہے اور غصب بطریق علانیہ۔

فائدہ: بعض حضرات کے یہاں غصب صرف ازالہ ید محققہ کا نام ہے تو اگر کسی کے ہاتھ میں موتی ہو اور کوئی ہاتھ مار کر دریا میں گرا دے تو تاوان لازم ہے حالانکہ اثبات ید نہیں ہے اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک صرف اثبات ید مبطلہ کا نام ہے۔ پس ان کے نزدیک زوائد مغصوب یعنی مغصوب باغ د پھل تلف کرنے سے تاوان لازم ہوگا کیونکہ اثبات ید موجود ہے۔ اور ہمارے یہاں تاوان نہ ہوگا کیونکہ ازالہ ید مفقود ہے۔

قولہ فالا ستحذام الخ غصب کی تعریف مذکور پر متفرع ہے یعنی چونکہ غصب کی حقیقت حق دار کا قبضہ دور کر دینا اور ناحق قبضہ کر لینا ہے۔ تو غیر کے غلام سے خدمت لینا اور غیر کے جانور پر بوجھ لادنا غصب ہوگا کیونکہ خدمت لینے والے اور بوجھ لادنے والے کا قبضہ تصرف ثابت ہے۔ جس کے لئے ازالہ ید مالک ضروری ہے۔ لیکن دوسرے کے بستر پر بیٹھنا غصب نہ ہوگا کیونکہ بستر بچھانا مالک کا فعل ہے اور استعمال میں اس کا اثر باقی ہے اور جس کے فعل کا اثر باقی ہو اس کا قبضہ باقی رہتا ہے تو ازالہ ید مالک نہ پایا گیا۔

قولہ ویجب رد عینہ الخ یہاں سے غصب کا حکم بیان کر رہا ہے غصب کا حکم یہ ہے کہ اگر شئی مغصوب بعینہ باقی ہو اس تو واپس کرنا ضروری ہے کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے **علی الید مااخذت حتی تودیٔ** ''نیز جہاں سے غاصب نے اسکو غصب کیا تھا وہیں واپس کرنا ضروری ہے کیونکہ امکنہ کے اختلاف سے قیمتیں مختلف ہوتی ہیں اگر شئی مغصوب ہلاک ہوگئی ہو اور وہ مثلی ہو یعنی کیلی یا وزنی ہو تو مثل مغصوب واپس کرنا ضروری ہے۔ لقولہ **قولہ تعالیٰ فمن اعتدی علیکم فاعتدو اعلیہ بمثل ما اعتدی** اور اگر اس کا مثل منقطع ہو گیا ہو یعنی وہ بازار میں نہ پایا جاتا ہو تو اس کی قیمت واجب ہے جس میں امام صاحب کے نزدیک خصومت کے دن کا اعتبار ہے۔ یعنی جس دن حاکم کا حکم ہوا ہو اس دن کی قیمت دینا واجب ہے امام ابو یوسف کے نزدیک غصب کے دن کی قیمت واجب ہے اور امام محمد کے نزدیک اس دن کی قیمت واجب ہے جس دن اس کا مثل منقطع ہوا ہے امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ جب اس کا مثل منقطع ہو گیا تو وہ شئی غیر مثلی اشیا کے ساتھ لاحق ہوگئی لہٰذا انعقاد سبب کے دن کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔ امام محمد کی دلیل یہ ہے کہ غاصب کے ذمہ اس کا مثل واجب ہے اور انقطاع کی وجہ سے وہ مثل قیمت کی طرف منتقل ہو جاتا ہے تو انقطاع کے دن کی قیمت معتبر ہوگی۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ مثل واجب کا قیمت کی طرف منتقل ہونا صرف انقطاع مثل کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ قضاء قاضی کیوجہ سے ہوتا ہے پس خصومت کے دن کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔ خزانہ میں امام صاحب کے قول کو اصح کہا ہے۔ اور شرح وقایہ میں امام ابو یوسف کے قول کو اعدل اور نہایہ میں اس کو مختار کہا ہے۔ اور ذخیرۃ الفتاوی میں امام محمد کے قول کو مفتی بہ کہا ہے۔ (طحطاوی)

فَاِنْ ادَّعیٰ ھلاکَہٗ حَبَسَہُ الْحَاکِمُ حَتّٰی یَعْلَمَ اَنَّہٗ لَوْبَقِیَ لَاَظْھَرَہٗ ثُمَّ قَضٰی عَلَیْہِ بِبَدَلِہٖ

اگر (غاصب) دعویٰ کرے اس کے ہلاک ہونے کا تو قید کر لے اس کو حاکم یہاں تک کہ معلوم ہو جائے کہ اگر باقی ہوتی تو ظاہر کر دیتا پھر اس کے بدل کا حکم کر دے

اَلْغَصْبُ فِیْمَا یَنْقُلُ فَاِنْ غَصَبَ عِقَارًا وَھَلَکَ فِیْ یَدِہٖ لَمْ یَضْمَنْہُ وَمَا نَقَصَ بِسُکْنَاہُ

غصب مال منقول میں ہوتا ہے سو اگر زمین غصب کی اور وہ اس کے پاس سے جاتی رہی تو ضامن نہ ہوگا اور جو ناقص ہو جائے اس کے رہنے

وَزِرَاعَتِہٖ ضَمِنَ النُّقْصَانَ کَمَا فِی النَّقْلِیِّ وَاِنْ اسْتَغَلَّہٗ تَصَدَّقَ بِالْغَلَّۃِ کَمَا لَوْ تَصَرَّفَ فِی الْمَغْصُوْبِ

یا کاشت کرنے سے تو ضامن ہوگا نقصان کا جیسے منقولی چیز میں ہوتا ہے اگر زمین سے غلہ حاصل کیا تو اس کو خیرات کر دے جیسا کہ اس نے مغصوب

عہ ...... سنن اربعہ، احمد، طبرانی، حاکم، ابن ابی شیبہ عن سمرہ ۱۲۔

وَالْوَدِيْعَةِ وَرِبح وَمَلَكَ بِلاَ حَلِّ اِنْتِفَاعِ قَبْلَ اَدَاءِ الضَّمَانِ بِشَيءٍ وَطَبْخٍ وَطَحْنٍ وَزَرْعٍ وَاتِّخَاذِ سَيْفٍ

اور واجب میں تصرف کر کے نفع حاصل کرلیا اور مالک ہوجاتا ہے بدون حلت انتفاع اداء ضمان سے پیشتر بھوننے پکانے پیسنے بونے تلوار بنانے

اَوْ اِنَاءٍ بِغَيْرِ الْحَجْرَيْنِ وَبِنَاءٍ عَلٰى سَاجَةٍ وَلَوْ ذَبَحَ شَاةً اَوْ خَرَقَ ثَوْباً فَاحِشاً

سونے چاندی کے علاوہ تانبے وغیرہ کا برتن بنانے سال کی لکڑی پر عمارت بنانے سے اگر غاصب نے بکری ذبح کر ڈالی یا کپڑا بہت سا پھاڑ ڈالا

ضَمِنَ الْقِيْمَةَ وَسَلِمَ الْمَغْصُوْبَ اِلَيْهِ اَوْ ضَمَّنَ النُّقْصَانَ وَفِي الْخَرْقِ الْيَسِيْرِ ضَمَّنَ نُقْصَانَهُ وَلَوْ غَرَسَ

تو مالک قیمت کا ضمان لے لے اور شئی مغصوب اس کو دیدے یا نقصان کا ضمان لے لے اور تھوڑی پھٹن میں ضمان لے نقصان کا اگر درخت لگائے

اَوْ بَنٰى فِيْ اَرْضِ الْغَيْرِ قُلِعَا وَرُدَّتْ وَاِنْ نَقَصَتِ الاَرْضُ بِالْقَلْعِ ضَمِنَ لَهُ

یا عمارت بنائی دوسرے کی زمین میں تو اکھاڑ کر زمین واپس کردی جائیگی اور اگر ناقص ہو جاتی ہو زمین اکھاڑنے سے تو ضامن ہوگا مالک غاصب کے لئے

الْبِنَاءَ وَالْغَرْسَ مَقْلُوْعاً فَيَكُوْنُ لَهُ وَاِنْ صَبَغَ اَوْ لَتَّ السَّوِيْقَ بِسَمْنٍ ضَمَّنَهُ قِيْمَةَ ثَوْبٍ اَبْيَضَ وَمِثْلَ السَّوِيْقِ

اکھڑی ہوئی عمارت اور درخت کی قیمت کا اگر کپڑا رنگ لیا یا ستو میں گھی ملالیا تو مالک ضمان لے لے غاصب سے سفید کپڑے یا نرے ستو کی قیمت کا

وَاَخَذَهُمَا وَغَرِمَ مَازَادَ الصَّبْغُ وَالسَّمْنُ.

یا کپڑا اور ستو خود لے لے اور جو رنگ اور گھی سے قیمت زیادہ ہوتی ہے وہ غاصب کو دیدے۔

تشریح الفقہ: قولہ والغصب الخ شیخین کے نزدیک غصب کا تحقق صرف اشیا منقولہ میں ہوتا ہے پس اگر زید نے کسی کی زمین پر قبضہ کرلیا اور وہ اس کے پاس کسی آفت سماویہ سے ہلاک ہوگئی مثلاً سیلاب کے غلبہ سے ڈوب گئی تو زید پر ضمان نہ ہوگا امام محمد کے نزدیک چونکہ غصب کا تحقق غیر منقول میں بھی ہوتا ہے اس لئے ان کے یہاں ضمان ہوگا۔ امام زفر اور ائمہ ثلاثہ بھی یہی فرماتے ہیں امام ابو یوسف کا بھی پہلا قول یہی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ جب زید نے دوسرے کی زمین لے کر قبضہ کرلیا تو لامحالہ مالک کا قبضہ زائل ہوگیا کیونکہ بحالت واحدہ ایک محل پر دو قبضوں کا جمع ہونا محال ہے۔ پس ازالہ ید محققہ اور اثبات ید مبطلہ پایا گیا لہٰذا ضامن ہوگا نیز حدیث میں ہے کہ "جو شخص کسی کی بالشت بھر زمین غصب کرے گا حق تعالیٰ قیامت کے روز اس کی گردن میں سات طبق زمین کا طوق ڈالیگا" شیخین یہ فرماتے ہیں کہ غصب کے لئے ازالہ ید محققہ اور اثبات ید مبطلہ کے ساتھ ساتھ عین مغصوب میں غاصب کا تصرف بھی ضروری ہے اور یہ چیز زمین میں متصور نہیں کیونکہ ازالہ ید مالک کی صورت یہی ہے کہ اس کو زمین سے نکال دیا جائے اور ظاہر ہے کہ نکالنا تصرف فی المالک ہے نہ کہ تصرف فی المغصوب رہی حدیث مذکور سو اس میں زمین پر لفظ غصب کا اطلاق مجازاً ہے جیسے حدیث "من باع حرا" میں بیع حر کے لئے لفظ بیع بولا گیا ہے والا لزم تحقق البیع فی الحر" بزازیہ میں شیخین کے قول کی تصریح ہے لیکن عینی شرح کنز، منح، فتاوی ظہیریہ وغیرہ میں ہے کہ باب وقف میں فتویٰ امام محمد کے قول پر ہے۔

قولہ وان استغلہ الخ اگر غاصب نے مغصوب سے کوئی منفعت حاصل کی مثلاً مغصوب غلام تھا غاصب نے اس کو مزدوری پر دے دیا اور استعمال کی وجہ سے اس میں نقص آ گیا تو نقصان کا ضمان دے اور ضمان کے بعد جو کچھ نفع باقی رہے اس کو خیرات کردے اسی طرح عین مغصوب یا ودیعت میں کوئی تصرف کیا مثلاً اس کو بیچ ڈالا اور اس میں نفع حاصل ہوا تو منفعت خیرات کردے (جب کہ مغصوب اور ودیعت ایسی شئی ہو جو اشارے سے متعین ہو جاتی ہو یعنی از قسم اسباب ہو) یہ طرفین کے نزدیک ہے امام ابو یوسف کے نزدیک تصدق

واجب نہیں وہ یہ فرماتے ہیں کہ غاصب کو جو نفع حاصل ہوا ہے وہ اس کے ضمان اور اس کی ملک میں حاصل ہوا ہے حصول فی الضمان تو ظاہر ہے۔ کیونکہ شئی مغصوب اس کے ضمان میں داخل ہوگئی اور حصول فی الملک اس لئے ہے کہ ادائیگی ضمان کے بعد مضمون مملوک ہوجاتی ہے اور ملک وقت غصب کی طرف منسوب ہوتی ہے۔ اور جب نفع اس کی ملک میں حاصل ہوا ہے تو تصدق واجب نہیں ہے طرفین یہ فرماتے ہیں کہ نفع گو اس کی ملک میں حاصل ہوا ہے لیکن اس کا حصول سبب خبیث یعنی غیر کی ملک میں تصرف کرنے سے ہوا ہے اور جو چیز سبب خبیث کے ذریعہ سے حاصل ہو اس کا راستہ یہی ہے کہ خیرات کردے۔

قولہ وملک بلا حل الخ غاصب نے کوئی چیز غصب کی اور اس کو اسطرح متغیر کردیا کہ اس کا نام اور اس کے اکثر مقاصد زائل ہوگئے۔ مثلاً مغصوب بکری تھی اس کو ذبح کرکے بھون لیا یا پکالیا۔ یا گیہوں تھے ان کو پیس لیا یا کھیت میں بیج ڈال دیا یا لوہا تھا اس کی تلوار بنائی یا پیتل تھی اس کا برتن بنالیا یا اس میں کوئی ایسا تصرف کیا جس کی وجہ سے وہ غاصب کی ملک کے ساتھ اس طرح مخلوط ہوگئی کہ اس کا جدا ہونا ممتنع ہوگیا۔ مثلاً مغصوب ساگون لکڑی کا لٹھا تھا غاصب نے اس پر عمارت بنالی تو ان سب صورتوں میں ہمارے نزدیک غاصب ان کا مالک ہوجائے گا۔ امام شافعی کے یہاں ان صورتوں میں اصل مالک کا حق منقطع نہیں ہوتا۔ یہ ایک روایت امام ابو یوسف سے بھی ہے۔ وہ یہ فرماتے ہیں کہ مغصوب بعینہ باقی ہے۔ لہٰذا اصل مالک کی ملک پر باقی رہے گی۔ رہا صفت کا پیدا ہوجانا سو وہ اصل کے تابع ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ غاصب نے مغصوب میں ایک ایسی قیمتی صنعت پیدا کردی جس کی وجہ سے مالک کا حق من وجہ ختم ہوگیا اور صنعت میں غاصب کا حق ثابت ہے تو اس کو اصل پر ترجیح دیجائے گی۔ کیونکہ اس کا حق من کل الوجوہ باقی ہے۔ بخلاف اصل مالک کے کہ اس کا حق من وجہ فوت ہوچکا۔ پھر ہمارے نزدیک غاصب کو مغصوب کا مالک ہوجائے گا۔ لیکن ادائیگی ضمان سے قبل اس کے لئے انتفاع حلال نہ ہوگا۔ حسن بن زیاد اور امام زفر کے نزدیک انتفاع حلال ہے۔ مقتضاء قیاس بھی یہی ہے۔ اور امام صاحب سے فقیہ ابو اللیث کی روایت بھی یہی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ غاصب کے لئے ملک مطلق ثابت ہوچکی لہٰذا انتفاع جائز ہوگا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک انصاری کے یہاں مدعو تھے۔ انہوں نے ایک بھنی ہوئی بکری پیش کی آپ نے ایک لقمہ لیا مگر وہ حلق سے نیچے نہیں اترا۔ آپ نے فرمایا: ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ بکری ناحق ذبح کی گئی ہے۔ انصاری نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ میرے بھائی کی تھی میں اس کو اس سے بہتر دے کر راضی کرلونگا۔ آپ نے فرمایا اس کو خیرات کردو" اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ غاصب مغصوب کا مالک ہوجاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ مالک کو راضی کئے بغیر انتفاع حلال نہیں۔

قولہ ولو ذبح شاۃ الخ غاصب نے کوئی ماکول اللحم جانور بکری وغیرہ غصب کی اور اس کو ذبح کرڈالا۔ یا کپڑا غصب کیا اور اس کو بخرق فاحش پھاڑ ڈالا تو مالک کو اختیار ہے چاہے شئی مغصوب غاصب پر چھوڑ دے اور اس کی قیمت لے لے اور چاہے اس کو خود رکھے اور غاصب سے بقدر نقصان تاوان لے لے۔ وجہ یہ ہے کہ بکری سے مختلف منافع حاصل ہوتے ہیں۔ مثلاً دودھ پینا، نسل بڑھانا، گوشت کھانا وغیرہ اور ذبح کے بعد کچھ منافع باقی ہیں کچھ فوت ہوگئے۔ اس لئے مالک کو دونوں اختیار ہوں گے۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

عہ...... صحیحین ۱۲

عہ...... محمد بن الحسن طبرانی عن عاصم بن کلیب ۱۲

فَصلٌ : لَوْغَيَّبَ الْمَغْصُوْبَ وَضَمِنَ قِيْمَتَهُ مَلَكَهُ وَالْقَوْلُ فِي الْقِيْمَةِ لِلْغَاصِبِ

(فصل) اگر چھپادی غاصب نے مغصوب چیز اور ضامن ہوگیا اس کی قیمت کا تو وہ اس کا مالک ہوجائیگا اور قول قیمت کے باب میں غاصب کا معتبر ہوگا

مع يَمِيْنِه وَالْبَيِّنَةُ لِلْمَالِكِ فَإِنْ ظَهَرَ وَقِيْمَتُهُ اَكْثَرُ وَقَدْ ضَمِنَهُ بِقَوْلِ الْمَالِكِ اَوْ بِبَيِّنَةٍ

اس کی قسم کے ساتھ اور بینہ مالک کا معتبر ہوگا پھر اگر وہ ظاہر ہوئی اور قیمت اس کی زیادہ ہے اور اس نے ضمان دیا ہے مالک کے قول یا بینہ

اَوْ بِنُكُوْلِ الْغَاصِبِ فَهُوَ لِلْغَاصِبِ وَلَا خِيَارَ لِلْمَالِكِ وَاِنْ ضَمِنَهُ بِيَمِيْنِ الْغَاصِبِ فَالْمَالِكُ يُمْضِي الضَّمَانَ

یا اپنے انکار قسم کی وجہ سے تو وہ چیز غاصب کی ہوگی اور مالک کو اختیار نہ ہوگا اور اگر اس نے اپنی قسم پر ضمان دیا تو مالک چاہے اسی ضمان پر رہے

اَوْ يَاْخُذُ الْمَغْصُوْبَ وَيَرُدُّ الْعِوَضَ وَاِنْ بَاعَ الْمَغْصُوْبَ فَضَمَّنَهُ الْمَالِكُ نَفَذَ بَيْعُهُ

اور چاہے مغصوب چیز لے لے اور عوض واپس کردے اگر غاصب نے مغصوب کو بیچ دیا اور مالک نے اس سے ضمان لے لیا تو اس کی بیع نافذ ہوگی

وَاِنْ حَرَّرَهُ ثُمَّ ضَمِنَهُ لَا وَزَوَائِدُ الْمَغْصُوْبِ اَمَانَةٌ فَيَضْمَنُ بِالتَّعَدِّي اَوْ بِالْمَنْعِ

اور اگر اس کو آزاد کردیا پھر مالک نے ضمان لیا تو آزادی صحیح نہ ہوگی مغصوب کی بڑھوتری امانت ہے پس ضامن ہوگا زیادتی کرنے یا روکنے پر

بَعْدَ طَلَبِ الْمَالِكِ وَمَا نَقَصَتْ بِالْوِلَادَةِ مَضْمُوْنٌ وَيُجْبَرُ بِوَلَدِهَا

مالک کی طلب کے بعد باندی کو ولادت کی وجہ سے جو نقصان پہونچے وہ مضمون ہے جس کو اس کے بچہ کے ذریعہ پورا کیا جائیگا

وَلَوْ زَنٰى بِمَغْصُوْبَةٍ فَرُدَّتْ فَمَاتَتْ بِالْوِلَادَةِ ضَمِنَ قِيْمَتَهَا.

مغصوبہ باندی کے ساتھ زنا کرکے واپس کیا اور وہ ولادت کی وجہ سے مرگئی تو اس کی قیمت کا ضامن ہوگا۔

غصب سے متعلق متفرق مسائل

تشریح الفقہ: قولہ ولو غیب الخ غاصب نے شئی مغصوب کو غائب کردیا اور مالک کو اس کی قیمت کا تاوان دیدیا تو ہمارے نزدیک غاصب اس کا مالک ہوجائے گا امام شافعی کے نزدیک مالک نہ ہوگا وہ یہ فرماتے ہیں کہ غصب ظلم محض ہے جو سبب ملک نہیں ہوتا۔ جیسے کوئی مدبر غلام کو غصب کرکے غائب کردے اور اس کی قیمت کا تاوان دیدے کہ وہ بالاتفاق مالک نہیں ہوتا۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ مالک شئی مغصوب کے بدل یعنی اس کی قیمت کا بطریق کمال مالک ہوچکا اور جو شخص بدل کا مالک ہوجاتا ہے تو مبدل اسکی ملک سے خارج ہوجاتا ہے اور صاحب بدل کی ملک میں داخل ہوجاتا ہے۔ تاکہ مالک بدل کا نقصان لازم نہ آئے۔ البتہ اس کے لئے یہ شرط ضروری ہے کہ مبدل میں ایک سے دوسری ملک کیطرف منتقل ہونے کی صلاحیت ہو۔ اور یہاں یہ شرط موجود ہے یعنی مبدل قابل نقل ہے۔ بخلاف مدبر کے کہ وہ قابل نقل نہیں ہے۔ فافترقا۔ اور اگر مالک اور غاصب کے درمیان قیمت میں اختلاف ہو تو غاصب کا قول قسم کے ساتھ مقبول ہوگا۔ کیونکہ مالک مدعی زیادۃ ہے اور غاصب منکر ہاں اگر مالک بینہ قائم کردے تو اس کا بینہ مقبول ہوگا۔ پھر اگر شئی مغصوب ظاہر ہوا اور اس کی قیمت اس مقدار سے زائد ہو جس کا غاصب نے تاوان دیا ہے۔ اور تاوان بھی مالک کے قول کے موافق یا اس کے بینہ کے مطابق یا اپنے انکار قسم کے سبب سے دیا ہے تو شئی مغصوب غاصب کی مملوک ہوگی اور مالک کو اس میں اختیار نہ ہوگا کیونکہ مالک اسی مقدار کا مدعی تھا اور اس پر راضی ہوچکا تھا۔ اور اگر غاصب نے اپنے قول کے موافق قسم کھاکر تاوان دیا ہو تو مالک کو اختیار ہوگا چاہے شئی مغصوب لیکر اس

کا ضمان واپس کردے اور چاہے اسی ضمان کو برقرار رکھے۔ لانہ لم یتم رضاہ بھذا المقدار حیث یدعی الزیادۃ۔

قولہ وان باع المغصوب الخ ایک شخص نے کوئی چیز مثلاً غلام غصب کیا اور اس کو بیچ ڈالا اس کے بعد مالک نے اس کا تاوان لیا تو غاصب کی بیع نافذ ہو جائے گی۔ اور اگر غاصب نے اسکو آزاد کیا پھر مالک نے تاوان لیا تو عتق نافذ نہ ہوگا۔ وجہ فرق یہ ہے کہ ملک غاصب ناقص ہوتی ہے۔ اور ملک ناقص نفاذ بیع کے لئے کافی ہوتی ہے۔ نفاذ عتق کیلئے کافی نہیں ہوتی۔

قولہ وما نقصت الخ ایک شخص نے کسی کی باندی غصب کی اور اس کے بچہ پیدا ہوا تو ولادت کی وجہ سے اس کی قیمت میں جو نقصان آئے گا اس کا تاوان غاصب پر ہوگا مگر یہ نقصان اس کے بچہ سے پورا کردیا جائے گا اگر اس کی قیمت نقصان کے برابر ہو اور اگر کم ہو تو قیمت کے برابر ضمان ساقط ہو جائے گا۔ مثلاً مغصوبہ باندی کی قیمت سو روپیہ تھی اور ولادت کے بعد ساٹھ روپے رہ گئی تو اگر اسکے بچہ کی قیمت چالیس روپیہ ہو تو جبر نقصان ہو جائے گا اور باندی معہ ولد مالک کو دیدی جائے گی۔ اور غاصب پر کچھ واجب نہ ہوگا۔ اور اگر بچہ کی قیمت پچیس روپیہ ہو تو چالیس میں سے پچیس وضع کردیئے جائیں گے اور غاصب پر پندرہ کا ضمان لازم آئے گا۔ لیکن قیمت سے جبر نقصان اس وقت ہوتا ہے جب بچہ زندہ پیدا ہو ورنہ غرہ (یعنی دیت) سے نقصان کو پورا کیا جائے گا۔

قولہ ولو زنی الخ غاصب نے مغصوبہ باندی کیساتھ زنا کیا اور اس کو حمل کی حالت میں واپس کیا۔ باندی مالک کے پاس آکر ولادت کے سبب سے ہلاک ہوگئی تو امام صاحب کے نزدیک غاصب پر باندی کی اس قیمت کا تاوان ہوگا جو حاملہ ہونے کے دن تھی۔ اس واسطے کہ جب غاصب نے باندی غصب کی تھی اس وقت اس میں تلف ہونے کا کوئی سبب نہیں تھا۔ اور جب اس نے واپس کی اس وقت اس میں سبب تلف یعنی حمل موجود ہے۔ تو واپسی صحیح نہ ہوئی۔ صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک قیمت کا ضامن نہ ہوگا۔ بلکہ نقصان حمل کا ضامن ہوگا۔ وہ یہ فرماتے ہیں کہ سبب تلف ولادت ہے۔ جس کا وجود مالک کے یہاں ہوا ہے۔ پس غاصب کی طرف سے باندی کی واپسی صحیح ہوئی۔ صرف اتنی بات ہے کہ غاصب نے اس کو معیوب کردیا لہذا عیب کا ضمان ہوگا۔ اور اگر غاصب نے حرہ مغصوبہ کے ساتھ زنا کرکے حمل کی حالت میں واپس کیا اور وہ ولادت کی وجہ سے مرگئی تو بالاتفاق ضامن نہ ہوگا۔ کیونکہ آزاد عورت مضمون بالغصب نہیں ہے۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

وَلاَ یَضْمِنُ الْحُرَّۃَ وَمَنَافِعَ الْغَصَبِ وَخَمرَ الْمُسْلِمِ اَوْ خِنْزِیْرِہٖ بِالاِتْلاَفِ وَضَمِنَ لَوْ کَانَ لِذِمِّیٍّ

اور ضامن نہ ہوگا آزاد عورت کا مغصوبہ چیز کے منافع کا مسلمان کی شراب اور اس کے خنزیر کا تلف کرنے سے اور اگر شراب اور خنزیر ذمی کا ہو

وَاِنْ غَصَبَ مِنْ مُسْلِمٍ خَمراً فَخَلَّلَ اَوْ جِلْدَ مَیْتَۃٍ فَدَبَغَ فَلِلْمَالِکِ اَخْذُھُمَا

تو ضامن ہوگا اگر غصب کی مسلمان کی شراب اور اس کا سرکہ بنالیا یا مردار کی کھال غصب کی اور اس کو دباغت دیدی تو مالک ان دونوں کو لیلے

وَرَدُّ مَازَادَ بِالدِّبَاغِ وَاِنْ اَتْلَفَھُمَا ضَمِنَ الْخَلَّ فَقَطْ وَمَنْ کَسَرَ مِعْزَفاً

اور جو دام دباغت سے بڑھے ہیں وہ دیدے اور اگر غاصب نے اس کو تلف کردیا تو صرف سرکہ کا ضمان لے گا جو شخص توڑدے گانے کے آلات یا

اَوْ اَرَاقَ سُکَراً اَوْ مُنَصَّفًا ضَمِنَ وَصَحَّ بَیْعُ ھٰذِہِ الاَشْیَاءِ

گرادے چھوارے کی شراب یا منصف شراب تو ضامن ہوگا اور صحیح ہے ان چیزوں کی بیع

وَمَنْ غَصَبَ اُمَّ وَلَدٍ اَوْ مُدَبَّرَۃً فَمَاتَتْ ضَمِنَ قِیْمَۃَ الْمُدَبَّرَۃِ لاَ اُمِّ وَلَدٍ.

جس نے غصب کی ام ولد یا مدبرہ باندی اور وہ مرگئی تو ضامن ہوگا مدبرہ کی قیمت کا نہ کہ ام ولد کی قیمت کا۔

تشریح الفقہ: **قولہ ومنافع الغصب الخ** ہمارے یہاں غاصب شئی مغصوب کے منافع کا ضامن نہیں ہوتا۔خواہ اس نے بالفعل حاصل کر لئے ہوں یا مغصوبہ شئی کو بیکار رکھ چھوڑا ہو۔امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک اجر مثل واجب ہوتا ہے۔امام مالک کے نزدیک تحصیل منافع کی صورت میں اجر مثل واجب ہوتا ہے۔اور تعطیل کی صورت میں کچھ واجب نہیں۔وہ یہ فرماتے ہیں کہ منافع مال متقوم ہے۔اور جس طرح عقود کے ذریعہ سے اعیان مضمون ہوتے ہیں اسی طرح منافع بھی مضمون ہوتے ہیں لہذا ضمان واجب ہوگا۔ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ وحضرت علیؓ نے ولد مغرور کی قیمت اور بچہ کی حریت اور مع عقر باندی کی واپسی کا حکم فرمایا تھا۔اور باندی کے منافع کی اجرت کا حکم نہیں فرمایا تھا۔اگر منافع کا ضمان واجب ہوتا تو سکوت نہ فرماتے۔

قولہ وخمرا لمسلم الخ ایک کافر کے پاس خنزیر تھا یا شراب تھی وہ مسلمان ہو گیا اور شراب وخنزیر اس کی ملک میں باقی رہے اور کوئی مسلمان یا ذمی انکو تلف کر دے تو متلف پر ضمان نہ ہوگا۔کیونکہ شراب وخنزیر مسلمان کے حق میں مال نہیں۔اور اگر خنزیر یا شراب کسی ذمی کی ہو اور کوئی انکو تلف کر دے تو ان کی قیمت کا تاوان دینا پڑے گا۔کیونکہ یہ چیزیں ذمی کے حق میں مال ہیں۔البتہ امام شافعی کے یہاں ضمان نہ ہوگا۔کیونکہ ان کے نزدیک یہ چیزیں ذمی کے حق میں بھی مال نہیں ہیں **لکونہ تابعاً فی الاحکام لنا**۔

قولہ وان غصب الخ غاصب نے مسلمان کی شراب غصب کی اور اس کو دھوپ میں رکھ کر سرکہ بنالیا تو مالک اس کو کچھ دیئے بغیر لے سکتا ہے۔اور اگر مردار کی کھال غصب کی اور اس کو ببول کی چھال وغیرہ سے دباغت دی تو مالک اس کو بھی لے سکتا ہے مگر اتنی قیمت دیکر جتنی دباغت دینے سے زیادہ ہوئی ہے۔وجہ فرق یہ ہے کہ شراب کو سرکہ بنانا اس کو پاک کر لینا ہے۔جیسے نجس کپڑے کو دھو لینا تو تخلیل سے مالیت ثابت نہ ہوئی اور اصل مالک کی ملک پر باقی رہی اس لئے کچھ دیئے بغیر اپنی چیز واپس لے لیگا۔بخلاف دباغت مذکورہ کے کہ اس کی وجہ سے کھال میں ایک قیمتی مال لگ گیا اس لئے اتنی مقدار واپس کرنی پڑے گی۔جتنی دباغت سے زیادہ ہو گئی ہے۔پھر اگر غاصب نے مذکورہ بالا شراب یا کھال واپس کرنے سے پہلے تلف کر دی تو امام صاحب کے نزدیک صرف سرکہ کا ضامن ہوگا۔کیونکہ وہ مال متقوم ہے اور ملک مالک پر باقی ہے صاحبین کے نزدیک کھال کا بھی ضامن ہوگا۔یعنی اس کی اس قیمت کا جو دبوغ ہونے کے بعد ہے) کیونکہ وہ بھی ملک مالک پر باقی ہے۔امام صاحب کے یہاں وجہ فرق یہ ہے کہ یہاں جو تقوم حاصل ہوا ہے وہ غاصب کی صنعت کیوجہ سے ہوا ہے بایں معنی کہ اس نے کھال میں ایک قیمتی مال استعمال کیا ہے تو کھال تقوم کے حق میں تابع ہوئی اور اصل یعنی صنعت غاصب غیر مضمون ہے تو تابع بھی غیر مضمون ہوگا۔

قولہ ومن کسر الخ اگر کوئی شخص کسی کے گانے بجانے کے آلات بربط، مزمار، دف، طبل، طنبور وغیرہ توڑ دے تو امام صاحب کے نزدیک وہ ضامن ہوگا۔صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ضامن نہ ہوگا۔کیونکہ یہ چیزیں معصیت کیلئے ہوتی ہیں اس لئے ان کا تقوم ساقط ہے۔نیز اس نے جو کچھ کیا ہے وہ منشاء شارع کے موافق کیا ہے۔ **قال علیہ الصلوٰۃ والسلام بعثت لکسر المزامیر وقتل الخنازیر** ''اس کیساتھ ساتھ اس نے توڑ کر امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا حق ادا کیا ہے۔**وما علی المحسنین من سبیل**'' امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ یہ چیزیں فی نفسہ قیمتی ہیں گو ان سے ناجائز فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔مگر غلط استعمال کرنے سے مالیت باطل نہیں ہوتی لہٰذا ضامن ہوگا۔ہدایہ، کافی، منح، درر، ملتقی، زیلعی، قہستانی، برجندی وغیرہ میں ہے کہ فتوی صاحبین کے قول پر ہے۔

قولہ ومن غصب الخ اگر کوئی شخص کسی کی ام ولد یا مدبر باندی غصب کرلے اور وہ اس کے یہاں مرجائے۔تو امام صاحب کے نزدیک مدبر باندی کی قیمت کا تاوان دینا ہوگا نہ کہ ام ولد کی قیمت کا۔صاحبین کے نزدیک دونوں کی قیمت کا تاوان دینا ہوگا۔کیونکہ مدبرہ باندی کی مالیت کا متقوم ہونا تو متفق علیہ ہے۔اور صاحبین کے نزدیک ام ولد کی مالیت بھی متقوم ہے۔**وقد ذکرناہ فی کتاب العتق**

یعنی لو اخذ ھا مکرہۃ فزنی بہا فرد ھا حاملاً فولدت وماتت لایضمن الغاصب دیتہا لان الحرۃ لاتکون مضمونۃ بالغصب لیبقی ضمان الغصب بعد فساد الرد و عندھما لا یضمن فی الامۃ ایضاً ای کالحرۃ بل یضمن نقصان الحبل وھو قول الائمۃ الثلاثۃ ۱۲ مجمع۔

كتاب الشفعة

هِيَ تَمَلُّكُ الْبُقْعَةِ جَبْرًا عَلَى الْمُشْتَرِيْ بِمَا قَامَ عَلَيْهِ.

وہ مالک ہوجانا ہے بقعہ کا زبردستی کرکے مشتری پر اتنے کے عوض میں جتنے میں مشتری کو پڑی ہے۔

تشریح الفقہ: قوله كتاب الخ شفعہ اور غصب دونوں میں امر مشترک دوسرے کی رضا کے بغیر اس کے مالک کا مالک ہوجانا ہے اس لئے مصنف غصب کے بعد شفعہ لا رہا ہے۔ شفعہ بروزن فعلۃ بمعنی مفعول ہے جو کان ہذا الشئی وتر افشفعہ سے ماخوذ ہے۔ امام مطرزی نے ذکر کیا ہے کہ لفظ شفعہ سے فعل مسموع نہیں البتہ فقہاء بولتے ہیں باع الشفيع الذار التی یشفع بها ای تو خذ بالشفعة۔ شفعہ لغت میں بمعنی ضم ہے۔ یعنی جفت کرنا اور ملانا چنانچہ شفعہ ضد وتر کو کہتے ہیں۔ اسی سے شفاعت رسول ﷺ ہے کہ شفاعت کے ذریعہ مذنبین فائزین کے ساتھ ملیں گے۔ شفیع چونکہ ماخوذ بالشفعہ کو اپنی ملک کے ساتھ ملاتا ہے۔ اس لئے اس کا نام شفعہ رکھا گیا ہے۔

قوله هی تملک الخ اصطلاح شرع میں شفعہ کی تعریف یہ ہے "هی تملک البقعة جبرًا علی المشتری بما قام علیه" یعنی مشتری پر زبردستی کرکے اس مالک کے عوض بقعہ کا مالک ہوجانا ہے۔ جس کے عوض میں وہ بقعہ مشتری کو اس کی خرید میں پڑا ہے۔ پس لفظ تملک بمنزلہ جنس ہے جو تملک عین وتملک منافع ہر دو کو شامل ہے۔ اور لفظ بقعہ فصل ہے۔ جس کے ذریعہ تملک منافع سے احتراز ہوگیا اور لفظ جبرًا کی قید سے بیع خارج ہوگئی کیونکہ وہ رضا کے ساتھ ہوتی ہے۔ اور مشتری کی قید کے ذریعہ ملک بلا عوض سے احتراز ہوگیا جیسے ہبہ (بلا عوض) میراث، صدقہ اور اس ملک سے احتراز ہوگیا جو بعوض غیر عین ہو جیسے مہر، اجارہ، خلع، صلح عن دم العمد کیونکہ ان تمام صورتوں میں شفعہ نہیں ہوتا۔" وعرفها الاتقانی بقوله الشفعة عبارة عن حق التملیک فی العقار لدفع ضرر الجوار قیل وهو اولیٰ واظهر۔

(فائدہ): حق شفعہ متعدد احادیث صحیحہ سے ثابت ہے جن میں سے دو ایک یہاں نقل کی جاتی ہیں (۱) حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ شفعہ ہر ایسی شرکت میں ہے جس میں بٹوارہ نہ ہوا ہو خواہ مکان میں ہو یا زمین میں عہ (۲) آپ نے ارشاد فرمایا کہ مکان کا پڑوسی مکان اور زمین کا زیادہ حقدار ہے عہ (۳) آپ کا ارشاد ہے کہ پڑوسی اپنے شفعہ کا زیادہ حقدار ہے اپنے پڑوسی کے شفعہ سے اس کا انتظار کیا جائے گا اگرچہ وہ غائب ہو جبکہ ان دونوں کا راستہ ایک ہو" (۴) آپ کا ارشاد ہے کہ پڑوسی اپنے سقب عہ کا زیادہ حقدار ہے۔"

وَتَجِبُ لِلْخَلِيْطِ فِي نَفْسِ الْمَبِيْعِ ثُمَّ لِلْخَلِيْطِ فِيْ حَقِّ الْمَبِيْعِ كَالشِّرْبِ وَالطَّرِيْقِ اِنْ كَانَ خَاصًّا ثُمَّ لِلْجَارِ

اور ثابت ہوتا ہے اس کے لئے جو شریک ہو نفس مبیع میں پھر جو شریک ہو حق مبیع میں جیسے گھاٹ اور راستہ اگر یہ خاص ہوں پھر ہمسایہ کے لئے

الْمُلَاصِقِ وَوَاضِعِ الْجُذُوْعِ عَلَى الْحَائِطِ وَالشَّرِيْكُ فِيْ خَشَبَةٍ عَلَى الْحَائِطِ جَارٌ.

جو متصل ہو اور دیوار پر کڑیاں رکھنے والا اور دیوار پر رکھی ہوئی ایک کڑی میں شرکت والا ہمسایہ ہے

اقسام شفیع وترتیب شفعہ

تشریح الفقہ: قوله وتجب الخ وجوب سے مراد ثبوت ہے۔ یعنی "حق شفعہ پہلے اس کیلئے ثابت ہوتا ہے جو نفس مبیع میں شریک ہو اگر

عہ…… مسلم، دار قطنی عن جابر ۱۲۔ عہ…… ابو داؤد، ترمذی، نسائی، احمد، طبرانی، ابن ابی شیبہ، ابن حبان، بزار، دار قطنی عن سمرہ ۱۲۔ عہ ائمہ اربعہ عن جابر بن عبداللہ ۱۲۔ فی معجم الطبرانی قیل لعمرو بن الشرید ما السقب؟ قال: الجوار وفی مسند ابی یعلی الموصلی قال الجار احق بسقبہ۔ یعنی شفعہ ۱۲۔ عہ…… بخاری عن ابی رافع ۱۲۔

وہ طلب گار نہ ہو تو پھر اس کے لئے جو حق مبیع میں شریک ہوا گر وہ بھی طلب نہ کرے تو پھر جار ملاصق کے لئے یعنی اس پڑوسی کیلئے جو مشفوعہ مکان سے متصل ہو مثلاً ایک مکان دو شریکوں میں مشترک تھا ایک شریک نے اس کو غیر کے ہاتھ فروخت کیا تو حق شفعہ اولاً شریک مکان کیلئے ہوگا اگر وہ نہ لے تو اس کا حق شفعہ ختم ہو جائے گا اور اگر اس مکان کے حقوق میں بھی کچھ لوگ شریک ہوں مثلاً اس مکان میں کسی وقت بٹوارہ ہوا تھا اور سب نے اپنا حصہ علیحدہ کر لیا تھا مگر راستہ میں یا شرب میں سب کی شرکت باقی ہے اور نفس مبیع کے شریک نے حق شفعہ چھوڑ دیا تو حق شفعہ شریک حق مبیع کیلئے ہوگا اگر وہ بھی چھوڑ دے تو حق شفعہ پڑوسی کو حاصل ہوگا الحاصل شریک عین و شریک منفعت اور پڑوسی سب کو حق شفعہ حاصل ہے مگر بترتیب مذکور امام ابوحنیفہ، شریح، شعبی، ابن سیرین، حکم، حماد، حسن، طاؤس، ثوری، ابن ابی لیلیٰ، ابن شبرمہ سب کا یہی مذہب ہے۔ اور شرح الوجیز شافعیہ میں ہے کہ ہمارے بعض اصحاب نے اسی پر فتوی دیا ہے۔ اور یہی مختار ہے۔ نفس ثبوت حق شفعہ پر دلالت کرنیوالی احادیث ہم پہلے ذکر کر چکے۔ ترتیب مذکور کی دلیل یہ حدیث ہے ”عن الشعبی قال قال رسول ﷺ الشفیع اولیٰ من الجار و الجار اولیٰ من الجنب“ اس میں لفظ شفیع شریک عین شریک منافع دونوں کو شامل ہے۔ اس حدیث کو ہشام بن مغیرہ نے حضرت شعبی سے روایت کیا ہے اور ابن معین نے ہشام بن مغیرہ کی توثیق کی ہے حضرت ابو حاتم فرماتے ہیں کہ انکی حدیث میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ پس یہ حدیث مرسل صحیح ہے اور مرسل حدیث اکثر اہل علم کے نزدیک حجت ہے۔ نیز حضرت شریح سے مروی ہے ”قال الخلیط احق من الشفیع والشفیع احق من الجار والجار ممن سواہ“ حضرت ابراہیم نخعی سے مروی ہے قال الشریک احق بالشفعہ فان لم یکن شریک فالجار و الخلیط احق من الشفیع و الشفیع احق ممن سواہ“ بالجملہ حدیث مرسل مع آثار مذکورہ دلیل منقول ہے کہ تینوں شفیعوں میں باہم ترتیب ہے۔ اور مقتضاء قیاس بھی یہی ہے کیونکہ سب حق شفعہ اتصال ملک ہے خواہ اتصال شرکت کے سبب سے ہو یا ہمسائیگی کی جہت سے ہو نیز شفعہ کی حکمت یہ ہے کہ آدمی اجنبی شخص کی ہمسائیگی سے تکلیف نہ پائے اور یہ حکمت تینوں شفیعوں کو شامل ہے۔ البتہ عین ملک میں شرکت سب سے قوی سبب ہے لہذا وہ سب سے مقدم ہے۔ پھر مبیع کے حقوق میں اتصال واشتراک اقوی ہے کیونکہ یہ بھی ایک قسم کی شرکت ہے۔ اس کے بعد لامحالہ جوار کے اتصال سے جو حق شفعہ ہے وہ سوم درجہ پر ہوگا۔

قولہ کا لشرب الخ شریک حق مبیع کیلئے شفعہ تو ہے لیکن اسوقت جب طریق خاص یا شرب خاص ہو، شرب خاص وہ ہے جس میں کشتیاں وغیرہ نہیں چلتیں بلکہ وہ مخصوص زمینوں میں پانی دینے کیلئے ہیں۔ پس جو لوگوں کی آراضی اس نہر سے سیراب ہوتی ہیں وہ اس شرب میں شریک ہیں اور جس نہر میں کشتیاں وغیرہ جاری ہوں وہ شرب عام ہے اور جن لوگوں کی کھیتیاں اس سے سیراب ہوتی ہیں ان کی شرکت شرکت عامہ ہے پس ان میں سے کسی کو حق شفعہ حاصل نہ ہوگا۔ خاص و عام شرب کی یہ تعریف طرفین کے نزدیک ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک شرب خاص وہ نہر ہے جس سے بہت سے بہت دو تین باغات سینچے جاتے ہوں اور اگر چار یا اس سے زیادہ سینچے جاتے ہوں تو وہ شرب عام ہے۔

قولہ ثم للجار الخ تیسرے درجہ کا شفیع جار ملاصق یعنی وہ پڑوسی ہے جو مشفوعہ مکان سے متصل ہو جس کی تحقیق اوپر گزر چکی۔ ائمہ ثلاثہ اوزاعی اور ابوثور کے نزدیک جوار کی وجہ سے حق شفعہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ نے شفعہ ہر اس زمین میں فرمایا ہے جو تقسیم نہ کی گئی ہو۔ اور جب حد بندی ہو گئی اور راستے پھیر دیئے گئے تو شفعہ نہیں ہے“ نیز حق شفعہ خلاف قیاس ہے کیونکہ اس میں غیر کے مال پر اس کی رضامندی کے بغیر ملکیت حاصل کرنا ہوتا ہے۔ اور خلاف قیاس چیز اپنے مورد تک رہتی ہے۔ اور شرعی مورد غیر منقول جائداد ہے جو ابھی تقسیم نہ ہوئی ہو۔ لہذا جوار کو اس پر قیاس نہیں کر سکتے۔ ہماری دلیل وہ متعدد احادیث ہیں جن میں شفعہ جوار کی طرف اشارہ ہی نہیں بلکہ صراحت موجود ہے مثلاً الجار احق بسقبہ وغیرہ۔ رہا امام شافعی وغیرہ کا مستدل سو اول تو اس میں علی الاطلاق شفعہ جوار کی نفی نہیں بلکہ

اس کا مطلب یہ ہے کہ بٹوارہ کے بعد اس کیلئے شفعہ شرکت نہیں ہے۔ دوم یہ کہ اس میں شفعہ کی نفی وجود امرین کے بعد ہے ایک صرف طرق دوم تحدید حد پس اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ صرف طرق سے پہلے شفعہ ہے۔ اور یہ معنی حضرت جابر کی حدیث ''الجار احق بشفعة ينتظر به ان كان غائباً اذا كان طريقهما واحد'' کے بالکل موافق ہیں۔ اور جس روایت میں ''انما الشفعة اه'' ہے اس میں ماعدا کی نفی مقصود نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ اعلیٰ شفعہ اسی میں منحصر ہے کہ شفیع کو شرکت عین حاصل ہو پھر شریک منافع ہے۔ پھر شریک جوار۔ جیسے آنحضرت ﷺ کی نسبت فرمایا گیا ''انما انت منذر'' (آپ صرف ڈرانے والے ہیں) حالانکہ آپ مومنوں کو بشارت دینے والے بھی ہیں۔ بہر کیف ہمارے استنباط پر تمام احادیث اپنی صراحت اور عموم پر رہتی ہیں اور کوئی ایک دوسرے کے خلاف نہیں رہتی پھر شفعہ کو خلاف قیاس کہنا بھی بے معنی ہے۔ اس واسطے کہ غیر مقسوم جائداد میں شفعہ کے حق سے شفیع کو ملا لینے کا حکم اسلئے ہے کہ دائمی طور پر حد ملی ہوئی ہونے سے ضرر نہ ہو جو مقتضاء قیاس کے عین مطابق ہے اور یہ چیز جوار کی صورت میں بھی موجود ہے یعنی جب پڑوسی سے ملک متصل ہو گئی تو جار کو ضرور ضرر پہونچے گا۔ اب دفع ضرر کی دو ہی صورتیں ہیں ایک یہ کہ جس طرح مشتری نے وہ مکان خریدا ہے اسی طرح پڑوسی کا مکان بھی خرید لے دوم یہ کہ پڑوسی کو حق حاصل ہو کہ وہ خریدے ہوئے حصہ کو لے لے لیکن چونکہ پڑوسی اصیل ہے اور مشتری دخیل اور شریعت نے اصیل کو ترجیح دی ہے لہٰذا اصیل ہی کو اس کا مستحق قرار دیا جائے گا۔ اگر مشتری پڑوسی کا مکان خریدنے کا مختار ہو تو جار کے حق میں یہ مزید ضرر ہوگا کہ وہ اپنے دادا کی جائداد و جائے سکونت سے نکالا گیا جو سراسر ظلم ہے اسلئے شریعت نے اس کو اختیار دیا ہے کہ وہ فروخت شدہ مکان کو حق شفعہ کیواسطے سے لے لے تاکہ وہ پڑوس کے ضرر سے مامون رہے۔

قوله وواضع الجذع الخ دیوار پر کڑیاں رکھنے والا یا مکان کی دیوار پر کڑیاں رکھنے میں شریک ہونیوالا شرکت کا شفیع نہیں ہوتا بلکہ شفیع جوار ہوتا ہے کیونکہ شفعہ شرکت تو غیر منقول میں ہوتا ہے اور کڑیاں منقول ہیں اور کڑیاں رکھنے سے مکان میں شریک نہیں ہو جاتا اس لئے اس کو شفعہ شرکت حاصل نہ ہوگا پس اگر کوئی شخص مکان میں راستے کا شریک ہو اور دوسرے شخص کی کڑیاں اس کی دیوار پر ہوں تو شریک راہ مقدم ہوگا۔

عَلٰى عَدَدِ الرُّؤُسِ بِالْبَيْعِ وَتَسْتَقِرُّ بِالْاِشْهَادِ وَتَمْلِكُ بِالْاَخْذِ بِالتَّرَاضِي اَوْ بِقَضَاءِ الْقَاضِيْ

شفیعوں کی گنتی کے موافق بیع ہونے پر اور مستحکم ہو جاتا ہے گواہ قائم کر لینے سے اور مبیع ملک میں آ جاتی ہے رضا سے یا قضاء قاضی سے

تشریح الفقہ : قوله على عدد الخ تجب للخليط سے متعلق ہے مطلب یہ ہے کہ اگر مساوی درجہ کے چند شفیع جمع ہوں تو ان سب کے درمیان شفعہ شمار افراد کے موافق ہوگا۔ اور اختلاف املاک کا اعتبار نہ ہوگا۔ امام شافعی کے یہاں مقدار املاک کے لحاظ سے ہوگا مثلاً ایک مکان تین آدمیوں میں اس طرح مشترک ہے کہ ایک کا نصف ہے دوسرے کا تہائی تیسرے کا چھٹا اور صاحب نصف نے اپنا حصہ فروخت کیا تو امام شافعی کے نزدیک مبیعہ حصہ میں اثلاث کا حکم ہوگا بقدر املاک یعنی دو تہائی ثلث والے کو ملے گا اور ایک سدس والے کو اور اگر صاحب سدس نے اپنا حصہ فروخت کیا تو اخماس کا حکم ہوگا یعنی تین نصف والے کو ملیں گے۔ اور دو ثلث والے کو اور اگر صاحب ثلث نے اپنا حصہ فروخت کیا تو ارباع کا حکم ہوگا۔ یعنی تین نصف والے کو ملیں گے اور ایک سدس والے کو۔ ہماری یہاں دونوں شریکوں میں برابر نصفا نصف کا حکم ہوگا۔ اور ملک کی کمی بیشی کا اعتبار نہ ہوگا۔ امام شافعی یہ فرماتے ہیں کہ شفعہ کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ ملکیت کے فوائد مکمل ہوں لہٰذا حق شفعہ ملکیت کی مقدار کے لحاظ سے ہوگا۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ سبب شفعہ ملکیت کا مبیع کے ساتھ متصل ہونا ہے خواہ قلیل ملکیت متصل ہو یا کثیر تو

عہ ...... عبدالرزاق ۱۲۔ عہ ...... ابن ابی شیبہ ۱۲۔ عہ ...... ابن ابی شیبہ ۱۲

عہ ...... بخاری عن جابر عن عبداللہ (مرفوعاً) نسائی، مالک عن ابی سلمہ (مرسلاً) ۱۲۔

مستحقین شفعہ خواہ بسبب شریک عین ہوں یا بسبب شرکت حق یا بسبب حق جوار سب ایک ہی جہت سے شفعہ کے مستحق ہیں تو استحقاق شفعہ میں سب برابر ہوں گے۔

قولہ بالبیع الخ باجارہ تجب سے متعلق ہے مطلب یہ ہے کہ شفعہ کا ثبوت عقد بیع کے بعد ہوتا ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ اس کا ثبوت بیع کے سبب سے ہوتا ہے۔ اس واسطے کہ حق شفعہ کا سبب عقد بیع نہیں بلکہ اتصال ملک ہے۔ رہا یہ سوال کہ عقد بیع سے پہلے سبب شفعہ یعنی اتصال رہنے کے باوجود حق شفعہ کیوں نہیں حاصل ہوا؟ سواس کا جواب یہ ہے کہ وجوب حق شفعہ کا سبب تو اتصال ملک ہی ہے لیکن اس حق کے لینے کا سبب عقد بیع ہے جس کی نظیر نماز اور زکوٰۃ وغیرہ ہے کہ ان کا وجوب تو امر باری عزاسمہٗ سے ہے لیکن وجوب ادا کا سبب وقت وحولان حول ہے۔ عقد بیع کے بعد حق شفعہ حاصل ہونے کی حکمت یہ ہے کہ وجوب شفعہ اسی وقت ہوتا ہے کہ جب مالک اپنی ملک سے بے رغبت ہو جائے اور دوسروں کی ملک میں جانے سے فتنہ وفساد رنج و آزار کا اندیشہ ہو اور مالک کی بے رغبتی پر ظاہراً کوئی دلیل نہیں بجز اس کے کہ خود اس کا فعل یعنی فروخت کرنا بے رغبتی کی دلیل ہو اس لئے جوں ہی وہ بیع کرے گا شفیع کو حق شفعہ حاصل ہوگا۔

قولہ وتستقر الخ ثبوت تو بیع کے بعد ہی ہو جاتا ہے مگر اس میں استقرار واستحکام اس وقت ہوتا ہے جب بیع کی خبر ملتے ہی بلا تاخیر اسی مجلس میں شفیع یہ کہکر طلب شفعہ پر لوگوں کو گواہ بنالے کہ تم لوگ گواہ رہو کہ میں نے اس مکان میں شفعہ طلب کیا ہے۔ اگر اسی مجلس میں شفعہ طلب نہ کیا تو شفعہ باطل ہو جائے گا کیونکہ جب بیع کی خبر ہونے پر اس کو بائع کی بے رغبتی ظاہر ہوگئی تو اس کو فوراً اپنی رغبت کا اظہار کرنا چاہئے۔ اور یہ رغبت طلب شفعہ پر گواہ بنا لینے سے ہی ظاہر ہوگی۔ نیز گواہ بنانا اس لئے بھی ضروری ہے کہ کسی وقت اس کو قاضی کے یہاں طلب شفعہ ثابت کرنے کی ضرورت ہوگی اور اس کے ثبوت میں شہادت کی ضرورت پیش آئے گی۔

باب طلب الشفعة و الخصومة فيها

باب شفعہ طلب کرنے اور اس میں خصوصیت کرنیکے بیان میں

فَاِنْ عَلِمَ الشَّفِيْعُ بِالْبَيْعِ اَشْهَدَ فِيْ مَجْلِسِهٖ عَلَى الطَّلَبِ ثُمَّ عَلَى الْبَائِعِ لَوْ فِيْ يَدِهٖ اَوْ عَلَى الْمُشْتَرِيْ

اگر علم ہو جائے شفیع کو فروختگی کا تو گواہ کرلے اسی مجلس میں طلب شفعہ پر پھر بائع پر اگر اس کے قبضہ میں ہو یا مشتری پر

اَوْ عِنْدَ الْعِقَارِ ثُمَّ لاَ تَسْقُطُ بِالتَّاخِيْرِ فَاِنْ طَلَبَ عِنْدَ الْقَاضِيْ سَاَلَ الْمُدَّعٰى عَلَيْهِ

یا زمین کے پاس اس کے بعد ساقط نہ ہوگا شفعہ تاخیر سے پس اگر طلب کرے قاضی کے پاس تو سوال کرے قاضی مدعیٰ علیہ سے

فَاِنْ اَقَرَّ بِمِلْكِ مَا يَشْفَعُ بِهٖ اَوْ نَكَلَ اَوْ بَرْهَنَ الشَّفِيْعُ

اگر وہ اقرار کرے اس زمین کی ملک کا جس کے باعث وہ شفعہ چاہتا ہے یا انکار کرنے یا شفیع بینہ قائم کردے

سَاَلَهٗ عَنِ الشِّرَاءِ فَاِنْ اَقَرَّبِهٖ اَوْ نَكَلَ اَوْ بَرْهَنَ الشَّفِيْعُ قَضٰى بِهَا.

تو پوچھے خرید کے متعلق اگر وہ اقرار کرے یا انکار کرے یا شفیع بینہ قائم کردے تو قاضی اس کا حکم کردے۔

تشریح الفقہ: **قولہ باب الخ** ثبوت شفعہ چونکہ طلب پر موقوف ہے اس لئے یہاں اس کی کیفیت اور تقسیم بیان کر رہا ہے۔ باب شفعہ میں شفیع کیلئے تین قسم کی طلب ضروری ہے۔ اول یہ کہ بیع کا علم ہوتے ہی اپنا شفعہ طلب کرے اس کو طلب مواثبہ کہتے ہیں۔ دوم یہ کہ طلب مواثبہ کے بعد بائع پہ گواہ قائم کرے اگر زمین اس کے قبضہ میں ہو۔ یا مشتری پر گواہ قائم کرے یا زمین کے پاس گواہ قائم کرے۔ اس

طلب کو طلب اشہاد۔ طلب تقریر اور طلب استحقاق کہتے ہیں۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ شفیع یوں کہے کہ یہ مکان فلاں نے خریدا ہے اور میں اس کا شفیع ہوں اور مجلس علم میں شفعہ طلب کر چکا ہوں اور اب میں اس کو طلب کرتا ہوں سوتم لوگ اس پر گواہ رہو۔ سوم یہ کہ ان دونوں طلبوں کے بعد قاضی کے پاس طلب کرے اس کو طلب تملیک طلب خصومت کہتے ہیں۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ شفیع یوں کہے کہ فلاں شخص نے مکان خریدا ہے۔ اور میں اس کا فلاں سبب سے شفیع ہوں لہٰذا آپ کو مجھ دلا دینے کا حکم کر دیجئے۔

قوله ثم لا تسقط الخ اگر تیسری طلب میں تاخیر ہو جائے تو امام صاحب کے نزدیک شفعہ باطل نہیں ہوتا یہ ایک روایت امام ابو یوسف سے بھی ہے۔ دوسری روایت ان سے یہ ہے کہ اگر قاضی کی کسی ایک مجلس میں بلا عذر طلب تملک کو ترک کر دے تو شفعہ باطل ہو جائے گا۔ وجہ یہ ہے کہ تاخیر کیصورت میں مشتری کا نقصان لازم آتا ہے۔ کیونکہ وہ اس خوف سے کہ کہیں شفیع شفعہ کا دعوی نہ کر بیٹھے۔ کوئی تصرف نہ کر سکے گا پس طلب شفعہ کو ایک ماہ سے کم تک محدود کیا جائے گا کیونکہ ایک ماہ سے کم کو مدت قلیلہ اور ایک ماہ سے زائد کو مدت بعیدہ شمار کیا جاتا ہے (**کمامر فی الایمان**) امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ شفیع کا حق طلب مواثبہ وطلب اشہاد کے بعد پورے طور سے ثابت ہو گیا اور حق ثابت ہو جانے کے بعد حقدار کے ساقط کئے بغیر ساقط نہیں ہوتا لہٰذا جب تک شفیع اس کو اپنی زبان سے ساقط نہ کرے اس وقت تک ساقط نہ ہوگا۔

وَلاَ يَلْزَمُ الشَّفِيْعَ اِحْضَارُ الثَّمَنِ وَقْتَ الدَّعْوىٰ بَلْ بَعْدَ الْقَضَاءِ وَخَاصَمَ الْبَائِعَ لَوْ فِي يَدِهٖ وَلاَ يَسْمَعُ الْبَيِّنَةَ

لازم نہیں شفیع پر ثمن پیش کرنا دعوی کے وقت بلکہ حکم قاضی کے بعد اور مخاصمت کرے بائع سے اگر ہو مبیع اس کے قبضہ میں اور نہ سنے قاضی بینہ

حَتّٰى يَحْضُرَ الْمُشْتَرِيْ فَيَفْسَخُ الْبَيْعَ بِمَشْهَدِهٖ وَالْعُهْدَةُ عَلَى الْبَائِعِ وَالْوَكِيْلُ بِالشِّرَاءِ خَصْمٌ لِلشَّفِيْعِ مَالَمْ

یہاں تک کہ آجائے مشتری پس فسخ کر دے بیع اس کی موجودگی میں اور ذمہ داری بائع پر ہے اور خرید کا وکیل مدعی علیہ ہے شفیع کا جب تک وہ مبیع

يُسَلِّمْ اِلَى الْمُؤَكِّلِ وَلِلشَّفِيْعِ خِيَارُ الرُّؤْيَةِ وَالْعَيْبِ وَاِنْ شَرَطَ الْمُشْتَرِيْ الْبَرَاءَةَ مِنْهُ وَاِنْ اخْتَلَفَ الشَّفِيْعُ

مؤکل کے سپرد نہ کرے شفیع کے لئے خیار رویت اور خیار عیب ہے گو شرط کر لی ہو مشتری نے عیب سے برائت کی اختلاف کریں شفیع و مشتری ثمن میں

وَالْمُشْتَرِيْ فِي الثَّمَنِ فَالْقَوْلُ لِلْمُشْتَرِيْ وَاِنْ بَرْهَنَا فَلِلشَّفِيْعِ وَاِنْ ادَّعىٰ الْمُشْتَرِيْ ثَمَناً وَادَّعىٰ بَائِعُهٗ اَقَلَّ مِنْهُ

تو قول مشتری کا معتبر ہوگا اور اگر دونوں بینہ قائم کریں تو شفیع کا بینہ مقبول ہوگا اگر مشتری کچھ ثمن بتائے اور بائع اس سے کم کا دعوی کرے

وَلَمْ يَقْبِضِ الثَّمَنَ اَخَذَهَا الشَّفِيْعُ بِمَا قَالَ الْبَائِعُ وَاِنْ قَبَضَ اَخَذَهَا بِمَا قَالَ الْمُشْتَرِيْ

اور ابھی ثمن پر قبضہ نہیں کیا تو لے لے اس کو شفیع اس قیمت میں جو بائع نے بتائی ہے اور اگر قبضہ کر چکا ہو تو لے اس قیمت میں جو بتائی ہے مشتری نے

وَحَطُّ الْبَعْضِ يَظْهَرُ فِي حَقِّ الشَّفِيْعِ لاَحَطُّ الْكُلِّ وَالزِّيَادَةِ وَاِنْ اشْتَرٰى دَارًا بِعَرْضٍ اَوْ بِعِقَارٍ اَخَذَهَا الشَّفِيْعُ

اور کچھ ثمن کم کرنا ظاہر ہوگا شفیع کے حق میں نہ کہ کل ثمن کم کرنا اور ثمن میں اضافہ کرنا اگر خریدا مکان سامان یا زمین کے عوض میں تو لے اس کو شفیع اس کی قیمت کے

بِقِيْمَتِهٖ وَبِمِثْلِهٖ لَوْ مِثْلِيًّا وَبِحَالٍ لَوْ مُؤَجَّلاً اَوْ يَصْبِرُ حَتّٰى يَمْضِيَ الْاَجَلُ فَيَاْخُذُهَا

عوض میں یا اس جیسی چیز کے عوض میں اگر وہ مثلی ہو اور فوری ثمن دیکر اگر میعادی ہو یا صبر کرے یہاں تک کہ مدت گذر جائے اس کے بعد لے لے۔

تشریح الفقہ: قوله ولا یلزم الخ ظاہر الروایہ میں دعوی شفعہ کے ساتھ ثمن پیش کرنا ضروری نہیں البتہ قضاء قاضی کے بعد پیش کرنا ضروری ہے۔ امام محمد سے روایت ہے کی جب تک شفیع ثمن حاضر نہ کرے اس وقت تک قاضی شفعہ کا حکم نہیں کرے گا۔ یہی ایک روایت

امام صاحب سے حسن بن زیاد کی ہے کیونکہ ممکن ہے کہ شفیع مفلس ہو پس اس صورت میں ثمن حاضر کرنے تک قاضی کو اپنا حکم شفعہ موقوف رکھنا پڑے گا۔ ظاہر الروایہ کی وجہ یہ ہے کہ قضاء قاضی سے پیشتر شفیع پر کوئی چیز واجب نہیں تو جس طرح ثمن کی ادائیگی ضروری نہیں اسی طرح قاضی کی عدالت میں ثمن لانا بھی ضروری نہیں۔

قوله وادعی الخ مشتری کے درمیان ثمن میں اختلاف ہو مشتری زیادہ بتائے اور بائع کم اور قیمت ابھی وصول نہیں کی تو شفیع کے حق میں بائع کا قول معتبر ہوگا کیونکہ اگر فی الواقع بائع کا قول صحیح ہے تو ظاہر ہے کہ اس پر بیع منعقد ہوئی اور اگر مشتری کا قول حق ہے تو یہ سمجھا جائے گا کہ بائع نے اپنی جانب سے قیمت کم کر دی اور یہ کمی کا حق دراصل مشتری کا ہے مگر چونکہ شفیع اس مکان کا مستحق ہو چکا ہے اس لئے یہ حق شفیع کو بھی حاصل ہوگا۔ بہر کیف حکم کا مدار بائع ہی کے قول پر ہوگا۔ اگر بائع نے ثمن پر قبضہ کر لیا پھر مقدار ثمن میں اختلاف ہوا تو اگر شفیع کے پاس گواہ ہوں تو قبول ہوں گے ورنہ مشتری سے قسم لے کر فیصلہ کر دیا جائے گا اور بائع کے قول کا کچھ اعتبار نہ ہوگا خواہ وہ ثمن کم بتائے یا زائد۔ اس واسطے کہ جب بائع ثمن وصول کر چکا تو بیع مکمل ہوگئی اور مشتری مبیع کا مالک ہو گیا اور بائع اجنبی محض ہو گیا۔ اور اختلاف صرف شفیع اور مشتری کے درمیان رہا۔ **وعند الائمة الثلاثة یا خذها بقول المشتری فیهما۔**

قوله وحط البعض الخ مشفوعہ مکان کا معاوضہ جو بذمہ شفیع عائد ہوتا ہے۔ اگر بیع تام ہو جانے کے بعد بائع مشتری کے ذمہ سے کچھ قیمت کم کر دے تو شفیع کو بھی یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ اسی کم قیمت پر مکان لے لے۔ لیکن اگر بائع پوری قیمت معاف کر دے تو یہ شفیع کے حق میں ساقط نہ ہوگی۔ وجہ یہ ہے کہ کل ثمن ساقط کرنا اصل عقد کیساتھ لاحق ہو سکتا ورنہ شفعہ ہی باطل ہو جائیگا۔ اس واسطے کہ کل ثمن ساقط کرنا دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو عقد بیع عقد ہبہ ہو جائے گا یا عقد بلا ثمن ہوگا۔ (جو فاسد ہے) اور ہبہ اور بیع فاسد دونوں میں حق شفعہ نہیں ہوتا۔ نیز اگر مشتری نے ثمن میں اضافہ کیا تو شفیع پر لازم نہ ہوگا۔ کیونکہ شفیع کو اسی ثمن پر لینے کا استحقاق حاصل ہو چکا جس پر عقد اول واقع ہوا ہے تو بعد میں مشتری وغیرہ کے فعل سے اس پر زیادتی لازم نہ ہوگی۔

قوله وان اشتری واذا الخ اگر مشفوعہ مکان کو اسباب یا زمین کے عوض میں خریدا گیا تو شفیع اس کی قیمت دے کر لے سکتا ہے۔ کیونکہ یہ چیزیں ذوات القیم میں سے ہیں۔ اور اگر مثلی اشیاء یعنی کیلی اور وزنی چیز کے عوض میں خریدا گیا تو شفیع اس کا مثل دے کر لے سکتا ہے۔ اور اگر مکان میعادی ثمن پر (ادھار) خریدا گیا ہو تو شفیع کو دو باتوں میں اختیار ہے چاہے فوراً ثمن دیکر لے لے چاہے مدت گزرنے کا انتظار کرے اور مدت گزرنے پر لے لے لیکن ادھار نہیں لے سکتا البتہ امام زفرؒ امام مالکؒ امام احمد کے نزدیک اس کا بھی اختیار ہے۔ امام شافعی کا بھی قول قدیم یہی ہے۔ وہ یہ فرماتے ہیں کہ جس طرح ثمن کا کھوٹا ہونا اس کا وصف ہے اسی طرح میعادی ہونا بھی ثمن کا ایک وصف ہے۔ پس ثمن جس وصف کیساتھ مقرر ہو اسی کے ساتھ لازم ہوگا۔

ہم یہ کہتے ہیں کہ میعادی ہونا وصف نہیں بلکہ اداء ثمن کا ایک طریقہ ہے۔ وجہ یہ ہے کہ میعاد کا ثبوت شرط کے بغیر نہیں ہوتا اور شفیع سے بائع یا مشتری کی کوئی شرط نہیں ہوئی۔ لہٰذا شفیع کے حق میں ادھار کی گنجائش نہ ہوگی۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

وَبِمِثْلِ الْخَمْرِ وَقِيمَةِ الْخِنْزِيرِ اِنْ كَانَ الشَّفِيعُ ذِمِّيًّا وَبِقِيمَتِهِمَا لَوْمُسْلِمًا وَبِالثَّمَنِ وَقِيمَةِ الْبِنَاءِ وَالْغَرْسِ

اور مثل خمر و قیمت خنزیر کے عوض میں لے اگر شفیع ذمی ہو اور ان دونوں کی قیمت کے عوض میں لے اگر وہ مسلمان ہو اور ثمن اور عمارت اور درخت کی

لَوْبَنَى الْمُشْتَرِىْ اَوْ غَرَسَ اَوْ كَلَّفَ الْمُشْتَرِىْ قَلْعَهُمَا وَاِنْ فَعَلَهُمَا الشَّفِيعُ فَاسْتُحِقَّتْ

قیمت دیکر لے اگر عمارت بنائی مشتری نے یا درخت لگا لیا یا مجبور کرے مشتری کو ان کے اکھاڑنے پر اور اگر ان کو شفیع نے کیا پھر زمین کسی اور کی نکلی

رَجَعَ بِالثَّمَنِ فَقَطْ وَبِكُلِّ الثَّمَنِ اِنْ خَرِبَتِ الدَّارُ اَوْ جَفَّ الشَّجَرُ وَبِحِصَّةِ الْعَرْصَةِ اِنْ نَقَضَ الْمُشْتَرِیُ الْبِنَاءَ

تو صرف ثمن واپس لے اور کل ثمن دیکر لے اگر خراب ہو گیا مکان یا خشک ہو گیا درخت اور میدان کی قیمت دیکر لے اگر مشتری نے توڑ دی ہو عمارت

وَالنَّقْضُ لَهُ وَبِثَمَرِهَا اِنْ ابْتَاعَ اَرْضًا وَنَخْلاً وَثَمَرًا اَوْ اَثْمَرَ فِي يَدِهٖ

اور ملبہ مشتری کا ہوگا اور پھلوں کے ساتھ لے اگر خریدی ہو زمین اور درخت معہ پھلوں کے یا پھل لگے ہوں مشتری کے پاس

وَاِنْ جَذَّهُ الْمُشْتَرِیُ سَقَطَ حِصَّةٌ مِنَ الثَّمَنِ.

اور اگر توڑ لے ان کو مشتری تو ساقط ہو جائیگا اتنا ہی حصہ ثمن کا۔

تصرفات مشتری کے احکام

تشریح الفقہ: قوله وبمثل الخمر الخ ایک ذمی نے دوسرے ذمی سے کوئی جائداد یا مکان شراب یا خنزیر کے عوض میں خریدا اور اتفاق سے اس کا شفیع بھی ذمی ہے تو وہ مثل شراب یا خنزیر کی قیمت دیکر لے سکتا ہے۔ کیونکہ شراب مثلی ہے اور خنزیر ذوات القیم میں سے ہے۔ اور اگر بائع و مشتری تو ذمی ہوں اور شفیع مسلمان ہو تو وہ خنزیر اور شراب دونوں کی قیمت دیکر لیگا۔ کیونکہ مسلمان کیلئے شراب کی تملیک اور تملک دونوں ممنوع ہیں۔

سوال خنزیر کی قیمت اس کی ذات کے قائم مقام ہوتی ہے تو مسلمان کیلئے تملیک قیمت خنزیر بھی حرام ہونی چاہئے چنانچہ حکم یہی ہے کہ اگر کوئی ذمی اپنی تجارت کے خنزیر لے کر عاشر کے پاس سے گزرے تو عاشر اس سے خنزیر کی قیمت سے بھی عشر نہیں لے سکتا کیونکہ خنزیر کی قیمت بھی خنزیر کے حکم میں ہے؟

جواب مسلمان پر خنزیر کی قیمت کا لین دین اس وقت حرام ہے جب خنزیر کا عوض بلا واسطہ ہو ورنہ حرام نہیں اور یہاں عوض بالواسطہ ہے نہ کہ بلا واسطہ۔ کیونکہ یہاں خنزیر کی قیمت اس مکان کا عوض ہے جس کے بدلے میں خنزیر تھا تو براہ راست خنزیر کا عوض نہ ہوا۔

قوله وبالثمن الخ اگر مشتری نے خرید کردہ زمین میں کوئی عمارت بنالی یا باغ وغیرہ لگالیا اس کے بعد حق شفعہ کا حکم ہو گیا تو طرفین کے نزدیک شفیع کو دو اختیار ہیں چاہے زمین اس کے ثمن اور عمارت وغیرہ کی قیمت کیساتھ لے لے چاہے زمین کے ثمن اور عمارت کی قیمت کے ساتھ لے اور چاہے بالکل چھوڑ دے۔ امام شافعی کے یہاں ان دو کے ساتھ تیسرا اختیار یہ بھی ہے کہ مشتری سے درخت اکھاڑنے کیلئے کہے اور جو نقصان ہو اس کا تاوان دیدے۔ امام ابو یوسف یہ فرماتے ہیں کہ مشتری کا تصرف حق بجانب ہے۔ کیونکہ اس نے اپنی خریدی ہوئی چیز میں تصرف کیا ہے۔ پس اس عمارت وغیرہ اکھاڑنے کا حکم دینا ایک قسم کا ظلم ہے۔ اس لئے اس کو اکھاڑنے کا حکم نہیں کیا جاسکتا۔ صرف یہی ہوسکتا ہے کہ یا تو شفیع اس کی قیمت دے کر لے لے یا بالکل چھوڑ دے۔ طرفین کی دلیل یہ ہے کہ گو مشتری نے اپنی خریدی ہوئی چیز میں تصرف کیا ہے۔ تاہم اس کے ساتھ شفیع کا حق وابستہ بلکہ پختہ ہو چکا ہے اس لئے اس کا تصرف توڑ دیا جائے گا اور شفیع کو مذکورہ بالا اختیارات ہوں گے۔

قوله وان فعلهما الخ شفیع کے حق میں کسی زمین کا فیصلہ ہوا اور اس نے زمین میں مکان بنالیا یا باغ لگالیا پھر کسی مدعی نے اپنی ملکیت ثابت کر کے بائع و مشتری کی بیع باطل کرا کر شفیع سے زمین لے لی اور عمارت وغیرہ اکھڑوا دی تو شفیع کو صرف ثمن واپس لینے کا اختیار ہوگا۔ عمارت وغیرہ کی قیمت نہیں لے سکتا۔ نہ بائع سے نہ مشتری سے۔ وجہ فرق یہ ہے کہ پہلے مسئلہ میں مشتری بائع کی جانب سے مسلط ہونے کی بنا کر دھوکے میں ہے۔ کہ اس میں جو چاہے تصرف کرے اور یہاں مشتری کی جانب سے شفیع کے حق میں کوئی دھوکہ نہیں۔

کیونکہ مشتری تو شفیع کو دینے پر مجبور ہے۔

قولہ وبکل الثمن الخ اگر مشفوعہ زمیں پر کوئی سماوی آفت آجائے مثلاً مکان تھا وہ گر گیا یا باغ تھا وہ خود بخود خشک ہو گیا تو اس صورت میں شفیع کو اختیار ہے چاہے کل ثمن دے کرلے چاہے بالکل چھوڑ دے۔ کیونکہ عمارت اور درخت وغیرہ سب زمیں کے تابع ہیں اس لئے ان چیزوں کے مقابلہ میں ثمن کی کوئی مقدار نہ ہوگی۔ بلکہ کل ثمن اصل زمین کا ہوگا۔ اور اگر مشتری نے مشفوعہ مکان کے کچھ حصے کو توڑ ڈالا تو شفیع سے اسی قدر قیمت ساقط ہو جائیگی۔ کیونکہ یہ اتلاف مشتری کے فعل سے ہوا ہے۔ اس لئے اب عمارت کے مقابلہ میں ثمن کا حصہ آئیگا۔

قولہ وبثمر ھا الخ اگر مشتری نے زمیں اور اس کے اندر کے درخت مع پھل پھول خریدے یعنی خریدتے وقت انکے لینے کی شرط کرلی یا درختوں پر پھل مشتری کے پاس آکر لگے تو از روئے قیاس شفیع کو پھل نہیں لینے چاہئیں کیونکہ پھل زمیں کے تابع نہیں ہیں لیکن استحساناً شفیع زمیں اور درخت مع پھلوں کے لیگا۔ وجہ استحسان یہ ہے کہ پھل خلقۃً متصل ہونے کی وجہ سے من وجہ تابع ہے۔ اور اگر پھل مشتری نے توڑ لیا تو شفیع اتنی ہی قیمت کم کردے۔ کیونکہ پھل بیع میں داخل ہوکر مقصود ہو گیا تو اس کے مقابلہ میں قیمت آئے گی۔

باب ماتجب فیہ الشفعۃ وما لاتجب

باب ان ان چیزوں میں جن میں شفعہ واجب ہوتا ہے اور جن میں نہیں ہوتا

اِنَّمَا تَجِبُ الشُّفْعَةُ فِی عِقَارٍ مُلِکَ بِعِوَضٍ هُوَ مَالٌ لاَ فِی عَرْضٍ وَفُلْکٍ وَبِنَاءٍ وَنَخْلٍ بِیْعَا بِلاَ عَرْصَةٍ

تحقق ہوتا ہے شفعہ اسی زمین میں جو بعوض مال مملوک ہو نہ کہ اسباب اور کشتی میں اور عمارت اور درخت میں جو بیچے گئے ہوں بلا زمین

وَدَارٍ جُعِلَتْ مَهْرًا اَوْ اُجْرَةً اَوْ بَدَلَ خُلْعٍ اَوْ بَدَلَ صُلْحٍ عَنْ دَمِ عَمَدٍ اَوْ عِوَضَ عِتْقٍ اَوْ وُهِبَتْ بِلاَعِوَضٍ

اور اس گھر میں جو ٹھہرایا گیا ہو مہر یا اجرت یا بدل خلع یا بدل صلح دم عمد کی طرف سے یا عوض آزادی کا یا ہبہ کیا گیا ہو بلا عوض مشروط

مَشْرُوْطٍ اَوْ بِیْعَتْ بِخِیَارِالْبَائِعِ اَوْ بِیْعَتْ فَاسِدًا مَالَمْ یَسْقُطْ حَقُّ الْفَسْخِ بِالْبِنَاءِ اَوْ قُسِّمَتْ بَیْنَ الشُّرَکَاءِ

یا بیچا گیا ہو بائع کے خیار کے ساتھ یا بیچا گیا ہو بطریق بیع فاسد جب تک کہ ساقط نہ ہو حق فسخ عمارت بنالینے سے یا تقسیم کیا گیا شرکاء میں

اَوْ سُلِّمَتْ شُفْعَتُهٗ ثُمَّ رُدَّتْ بِخِیَارِ رُؤْیَةٍ اَوْ شَرْطٍ اَوْ عَیْبٍ بِقَضَاءٍ

یا چھوڑ دیا گیا ہو اس کا شفعہ پھر واپس کیا گیا ہو خیار رویت یا خیار شرط کے ساتھ یا خیار عیب کے ساتھ بذریعہ قضاء

وَتَجِبُ لَوْ رُدَّتْ بِلاَ قَضَاءٍ اَوْ تَقَایَلاَ.

اور واجب ہوگا اگر واپس کیا گیا ہو بلا قضاء یا بحکم اقالہ

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ اجمالی طور پر وجوب شفعہ بیان کرنے کے بعد اس کی تفصیل ذکر کر رہا ہے کیونکہ تفصیل کا حق اجمال کے بعد ہی ہے۔ ہمارے یہاں بالقصد صرف اس عقار میں واجب ہوتا ہے جو بعوض مال مملوک ہو قابل تقسیم ہو یا نہ ہو جیسے پن چکی، حمام، کنواں، نہر، چھوٹا سا گھر (جو تقسیم کے بعد قابل انتفاع نہ رہے) امام شافعی کے یہاں غیر قابل تقسیم چیزوں میں شفعہ نہیں ہوتا کیونکہ ان کے نزدیک سبب شفعہ تقسیم کی مشقت وغیرہ سے بچاؤ ہے۔ تو غیر قابل تقسیم چیزوں میں اس سبب کے نہ پائے جانے کی وجہ سے شفعہ نہ رہیگا۔ امام

عہ ...... ابن راھویہ طحاوی عن ابن عباس ۱۲۔ عہ ...... طحاوی عن ابن عباس ۱۲

مالک سے بھی ایک روایت یہی ہے اور ایک روایت امام صاحب کے موافق ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ نصوص شفعہ مطلق ہیں مثلاً **الشریک شفیع والشفعة فی کل شی** ''اسی طرح قضي رسول ﷺ بالشفعة فی کل شئی'' ہم نے بالقصد کی قید اس لئے لگائی کہ شفعہ غیر قصد غیر عقار میں بھی ہوتا ہے۔ جیسے درخت میں گھر کے ساتھ نہر میں آراضی کے ساتھ' عوض کی قید سے ہبہ بلاعوض اور مال کی قید سے مہر خارج ہو گیا۔

قولہ فی عرض الخ اسباب اور کشتیوں میں شفعہ نہیں کیونکہ حدیث میں ہے ''**لا شفعة الافی ربع اوحائط**'' ربع سے مراد دار' صحن' منزل ہے۔ اور حائط سے مراد بستان' پس یہ حدیث امام مالک پر حجت ہے۔ جو کشتیوں میں شفعہ واجب کرتے ہیں اگر عمارت اور باغ زمین کے بغیر فروخت ہوں تو اس میں بھی شفعہ نہیں۔ کیونکہ صرف عمارت اور درخت کیلئے دوام وقرار نہیں تو یہ بھی منقولات میں سے ہوئے۔

قولہ ودار جعلت الخ جس مکان پر آدمی سے نکاح کرے یا عورت اس کو بدل خلع قرار دے یا اس پر کوئی دوسرا مکان کرایہ پر لے۔ یا اس پر قتل عمد سے صلح کرے یا کسی غلام کو آزاد کرے تو ایسے مکان میں شفعہ نہیں ہے۔ کیونکہ شفعہ مبادلہ مال بالمال میں ہوتا ہے۔ اور مذکورہ بالا اعواض مال نہیں تو ان میں شفعہ واجب کرنا خلاف مشروع وقلب موضوع ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ اعواض قیمتی مال ہیں۔ لہٰذا ان کی قیمت کے عوض میں مشفوعہ مکان لے سکتے ہیں۔ جواب یہ ہے کہ نکاح میں عورت کے منافع بضع کا متقوم ہونا اور دوسری چیزوں کا بعقد اجارہ متقوم ہونا برائے ضرورت ہے۔ تو شفعہ کے حق میں یہ تقوم ظاہر نہ ہوگا۔ اسی طرح خون اور غلام کی آزادی بھی متقوم نہیں۔ کیونکہ قیمت اس چیز کا نام ہے جو ایک خاص معنی مقصودی میں دوسری چیز کے قائم مقام ہو۔ اور یہ بات ان دونوں میں متحقق نہیں پس ان کو متقوم کہنا صحیح نہیں۔

قولہ اووھبت الخ کسی نے مکان ہبہ کیا اور اس کے عوض میں کوئی چیز شرط نہیں کی تو اس میں شفعہ نہ ہوگا۔ کیونکہ شفعہ صرف معاوضہ مالیہ میں ہوتا ہے۔ اور ہبہ بلاعوض تبرع واحسان ہے' اگر بائع خیار شرط کیساتھ مکان فروخت کرے۔ تو خیار ساقط ہونے تک شفعہ نہ ہوگا۔ کیونکہ بائع کا خیار زوال ملک سے مانع ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر مکان کی بیع فاسد ہو۔ تو جب تک حق فسخ ساقط نہ ہو اس وقت تک اس میں شفعہ نہ ہوگا۔ کیونکہ بیع فاسد قبل از قبض مشتری کے لئے مفید ملک نہیں ہوتی تو اس میں بائع کی ملک باقی رہی' نیز اگر مکان شریکوں میں تقسیم کیا گیا تو تقسیم کی وجہ سے شفعہ واجب نہ ہوگا۔ کیونکہ شفعہ مبادلہ مال بالمال کیوجہ سے ہوتا ہے۔ اور قسمت مبادلہ نہیں ہے۔

قولہ او سلمت الخ ایک مکان فروخت ہوا اور شفیع نے اپنا حق شفعہ چھوڑ دیا اس کے بعد وہ مکان خیار شرط یا خیار رویت کے سبب سے واپس کر دیا گیا یا خیار عیب کیوجہ سے واپس کیا گیا اور واپسی قاضی کے حکم سے ہوئی تو اس میں شفعہ نہ ہوگا۔ کیونکہ شفعہ بیع کے بعد ہوتا ہے۔ نہ کہ فسخ بیع کے بعد' ہاں اگر خیار عیب کیوجہ سے واپسی بلاقضاء قاضی ہو یا بحکم اقالہ ہو تو شفعہ واجب ہوگا کیونکہ عیب کی وجہ سے بلا قضاء قاضی واپس کرنا ابتداء بیع کے درجہ میں ہوتا ہے اور اقالہ شخص ثالث کے حق میں بیع ہوتا ہے[للعہ]۔

عہ...... بزار عن جابر ۱۲۔ سقوط حق فسخ کی صورت یہ ہے کہ مثلاً مشتری اس میں کوئی عمارت بنا لے ۱۲۔ للعہ...... وعند زفر والشافعی واحمد لاتجب فی ہذہ الصورۃ ایضاً ۱۲۔

باب ماتبطل به الشفعة

باب ان چیزوں میں جن سے شفعہ باطل ہو جاتا ہے

وَتَبْطُلُ بِتَرْکِ طَلَبِ الْمُوَاثَبَةِ اَوِ التَّقْرِیْرِ وَبِالصُّلْحِ مِنَ الشُّفْعَةِ عَلٰی عِوَضٍ وَعَلَیْهِ رَدُّهٗ

اور باطل ہو جاتا ہے طلب مواثبت وطلب تقریر ترک کرنے سے اور صلح کر لینے سے کسی عوض پر اور شفیع پر واجب ہے عوض واپس کرنا

وَبِمَوْتِ الشَّفِیْعِ لَا الْمُشْتَرِیْ وَبِبَیْعِ مَایَشْفَعُ بِهٖ قَبْلَ الْقَضَاءِ بِالشُّفْعَةِ

اور شفیع کے مرجانے سے نہ کہ مشتری کے مرنے سے اور اس چیز کے بیچ دینے سے جس کے باعث شفعہ کر رہا ہے حکم شفعہ ہونے سے پہلے

وَلَا شُفْعَةَ لِمَنْ بَاعَ اَوْ بِیْعَ لَهٗ اَوْ ضَمِنَ الدَّرْکَ عَنِ الْبَائِعِ وَمَنْ ابْتَاعَ اَوِ ابْتِیْعَ لَهٗ

اور شفعہ نہیں اس کیلئے جو بیچے یا بیچا جائے اس کے لئے یا ضامن ہو درک کا بائع کی طرف سے اور جو خریدے یا اسکے لئے خریدا جائے

فَلَهُ الشُّفْعَةُ وَاِنْ قِیْلَ لِلشَّفِیْعِ اِنَّهَا بِیْعَتْ بِاَلْفٍ فَسَلَّمَ ثُمَّ عُلِمَ اَنَّهَا بِیْعَتْ بِاَقَلَّ اَوْ بِبُرٍّ اَوْ شَعِیْرٍ

تو اس کے لئے شفعہ ہے اگر کہا گیا شفیع سے کہ مکان بیچا گیا ہے ہزار میں اس نے شفعہ چھوڑ دیا پھر معلوم ہوا کہ وہ بیچا گیا ہے کم میں یا گیہوں یا جو کے عوض

قِیْمَتُهٗ اَلْفٌ اَوْ اَکْثَرُ فَلَهُ الشُّفْعَةُ وَلَوْ بَانَ اَنَّهَا بِیْعَتْ بِدَنَانِیْرَ قِیْمَتُهَا اَلْفٌ فَلَا شُفْعَةَ وَاِنْ قِیْلَ لَهٗ اِنَّهٗ اِشْتَرٰی

جس کی قیمت ہزار یا اس سے زائد ہے تو اس کے لئے شفعہ ہے اور اگر ظاہر ہوا کہ وہ بیچا گیا ہے اشرفیوں میں جن کی قیمت ہزار ہے تو شفعہ نہیں

فُلَانٌ فَسَلَّمَ فَبَانَ اَنَّهٗ غَیْرُهٗ فَلَهُ الشُّفْعَةُ.

اگر کہا گیا شفیع سے کہ مکان فلاں نے خریدا ہے اس نے شفعہ چھوڑ دیا پھر ظاہر ہوا کہ مشتری غیر ہے تو اس کے لئے شفعہ ہے۔

تشریح الفقہ: **قولہ وتبطل الخ** اگر شفیع نے طلب مواثبہ اور طلب تقریر کو ترک کر دیا تو حق شفعہ باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ اعراض کی دلیل ہے۔ اگر شفیع نے مشتری سے کچھ عوض لیکر شفعہ کیطرف سے صلح کرلی تو حق شفعہ باطل ہو جائیگا اور عوض واپس کرنا پڑے گا کیونکہ شفعہ بلا ملک حق تملک کو کہتے ہیں تو اس کا عوض لینا صحیح نہیں' اگر شفیع شفعہ لینے سے پہلے مرجائے تو شفعہ باطل ہو جائے گا امام شافعی کے یہاں باطل نہیں ہوتا بلکہ موروث ہوتا ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ شفعہ تو محض حق تملک کا نام ہے۔ جو صاحب حق کے مرجانے کے بعد باقی نہیں رہتا۔ لہذا اس میں وارثت جاری نہیں ہو سکتی۔ لیکن مشتری کے مرنے سے شفعہ باطل نہیں ہوتا۔ کیونکہ مستحق شفعہ شفیع ہے تو اسی کی بقا معتبر ہوگی' جس زمین یا مکان کے سبب سے شفیع شفعہ پانے والا تھا اگر وہ اس کو ثبوت شفعہ کے حکم سے پہلے فروخت کردے تو شفعہ باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ تملک سے پہلے ہی سبب استحقاق یعنی اتصال بالملک زائل ہو گیا۔

قولہ ولا شفعہ الخ ایک مکان تین آدمیوں میں مشترک ہے ان میں سے ایک نے دوسرے کو اپنا حصہ فروخت کرنے کا وکیل بنایا وکیل نے فروخت کر دیا تو نفس مبیع میں شرکت کا حق شفعہ نہ وکیل کیلئے ہوگا نہ موکل کیلئے بلکہ شریک ثالث کیلئے ہوگا۔ وجہ یہ ہے کہ یہاں پہلا شخص بائع ہے ورد وسرا شخص مبیع لہ اور بائع شفعہ کے ذریعہ سے مکان لیکر اس عقد بیع کو توڑنا چاہتا ہے جو اس کی جانب سے تام ہو چکا۔ کیونکہ وہ شفعہ کے ذریعہ سے لے لینے کے بعد مشتری کہلائے گا نہ کہ بائع۔ حالانکہ وہ بائع تھا' اسی طرح اگر کوئی شخص بائع کی طرف سے درک کا ضامن ہو جائے اور وہی شفیع ہو تو اس کے لئے بھی حق شفعہ نہ ہوگا **لان البیع تم بضمانہ حیث لم یرض المشتری الا بضمانہ۔**

قولہ ومن ابتاع الخ ایک مکان تین آدمیوں میں مشترک ہے ان میں سے ایک نے دوسرے کو تیسرے حصہ خریدنے کیلئے وکیل بنایا تو وکیل اور مؤکل دونوں کے لئے حق شفعہ ہوگا اور شریک حق مبیع اور جار ملاصق پر مقدم ہوں گے۔ وجہ یہ ہے کہ شفعہ اظہار اعراض سے باطل ہوتا ہے۔ نہ کہ اظہار رغبت سے اور شراء کی صورت میں اظہار رغبت ہے نہ کہ اظہار اعراض **وفی البیع عکس ذلک**۔

قولہ وان قیل الخ شفیع سے کہا گیا کہ مکان ایک ہزار روپیہ میں فروخت ہوا ہے شفیع نے بیع کو برقرار رکھا یعنی شفعہ طلب نہیں کیا پھر معلوم ہوا کہ مکان اس سے کم میں یا اتنے گیہوں وغیرہ کے عوض میں فروخت ہوا ہے۔ جن کی قیمت ایک ہزار روپیہ یا اس سے زائد ہے تو اس صورت میں شفیع کے لئے حق شفعہ ہوگا' اور اگر یہ معلوم ہوا کہ اتنی اشرفیوں کے عوض میں فروخت ہوا ہے جن کی قیمت ایک ہزار روپیہ ہے۔ تو امام ابو یوسف کے نزدیک حق شفعہ نہ ہوگا۔ مگر استحسانا قیاس کی رو سے یہاں بھی حق شفعہ ہونا چاہئے۔ چنانچہ امام زفر کا قول یہی ہے کیونکہ جنس یہاں بھی مختلف ہے۔ حقیقۃً بھی اور حکماً بھی **حتی جاز التفاضل بینھما فی البیع**۔ وجہ فرق یہ ہے کہ پہلی صورت میں شفعہ طلب نہ کرنا کثرت ثمن یا تعذر جنس کی وجہ سے تھا بعد میں اس کے خلاف ظاہر ہوا تو وہ شفعہ کا حقدار ہوگا۔ کیونکہ اختلاف ثمن کی وجہ سے رغبت میں اختلاف ہوتا ہے۔ اور دوسری صورت میں اختلاف صرف درہم و دینار کا ہے۔ جس کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ ثمنیت میں دونوں جنسیں متحد ہیں۔

قولہ وان قیل لہ الخ شفیع سے کہا گیا کہ مکان فلاں شخص نے خریدا ہے۔ شفیع نے بیع تسلیم کرلی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ کسی اور نے خریدا ہے۔ تو شفیع کو شفعہ کا حق ہوگا۔ کیونکہ اخلاق و عادات کے لحاظ سے آدمی مختلف ہوتے ہیں بعضوں کی ہمسائیگی گوارا ہوتی ہے اور بعضوں کی ناگوار۔ تو ایک کے متعلق بیع تسلیم کرنا دوسرے کے متعلق بیع تسلیم کرنے کو مستلزم نہیں۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

وَاِنْ بَاعَهَا اِلَّا ذِرَاعاً فِیْ جَانِبِ الشَّفِیْعِ فَلَا شُفْعَةَ لَهٗ وَاِنْ ابْتَاعَ مِنْهَا سَهْماً بِثَمَنٍ ثُمَّ ابْتَاعَ بَقِیَّتَهَا فَالشُّفْعَةُ

اگر بیچا مکان مگر ایک گز شفیع کی جانب میں تو اس کے لئے شفعہ نہیں اگر خریدا کچھ مکان کسی ثمن کے عوض میں پھر خریدا باقی تو شفعہ پڑوسی کے لئے

لِلْجَارِ فِی السَّهْمِ الْاَوَّلِ فَقَطْ وَاِنْ ابْتَاعَهَا بِثَمَنٍ ثُمَّ دَفَعَ ثَوْباً عَنْهُ فَالشُّفْعَةُ بِالثَّمَنِ لَا الثَّوْبِ وَلَا یُکْرَهُ الْحِیْلَةُ

صرف پہلے حصہ میں ہوگا اگر خریدا مکان ثمن کے عوض میں پھر دیدیا اس کی طرف سے کپڑا تو شفعہ ثمن سے ہوگا نہ کہ کپڑے سے مکروہ نہیں حیلہ

لِاِسْقَاطِ الشُّفْعَةِ وَالزَّکٰوةِ وَاَخْذُ حَظِّ الْبُعْضِ بِتَعَدُّدِ الْمُشْتَرِیْ لَا بِتَعَدُّدِ الْبَائِعِ وَاِنْ اشْتَرٰی نِصْفَ دَارٍ غَیْرَ

شفعہ اور زکوۃ ساقط کرنے کے لئے اور لینا بعض کے حصہ کا تعدد مشتری سے ہے نہ کہ تعدد بائع سے اگر خریدا نصف مکان غیر مقسوم

مَقْسُوْمٍ اَخَذَ الشَّفِیْعُ حَظَّ الْمُشْتَرِیْ بِقِسْمَتِهٖ وَلِلْعَبْدِ الْمَاذُوْنِ الْمَدْیُوْنِ الْاَخْذُ بِالشُّفْعَةِ مِنْ سَیِّدِهٖ

تو لے شفیع مشتری کا حصہ اس کی تقسیم کے ساتھ عبد ماذون مقروض کے لئے حق ہے بذریعہ شفعہ لے لینے کا اپنے آقا سے

کَعَکْسِهٖ وَصَحَّ تَسْلِیْمُ الشُّفْعَةِ مِنَ الْاَبِ وَالْوَصِیِّ وَالْوَکِیْلِ۔

جیسے اس کا عکس اور صحیح ہے شفعہ سے دست بردار ہونا باپ اور وصی اور وکیل کا۔

تدابیر سقوط حق شفعہ کا بیان

تشریح الفقہ: **قولہ وان باعھا الخ** ایک شخص نے اپنی زمین یا مکان فروخت کیا اور جو حصہ شفیع کی جانب ہے اس میں سے گز بھر یا ہاتھ بھر یا بالشت بھر ٹکڑا فروخت نہیں کیا تو شفیع اس میں شفعہ کا دعوی نہیں کرسکتا (بشرطیکہ طول مستثنی شفیع کے تمام گھر سے ملاصق ہو) اس واسطے کہ شفعہ کا سبب مبیع کے ساتھ شفیع کی ملک کا متصل ہونا تھا۔ اور صورت مذکورہ میں اتصال ملک با لمبیع موجود نہیں۔

قولہ وان ابتاع منھا الخ مشتری نے اول مکان کا کچھ حصہ (مثلاً دسواں حصہ) ایک معین ثمن (مثلاً پانچسو روپیہ) دیکر خریدا اس کے بعد باقی مکان خرید لیا تو پڑوسی کا حق شفعہ صرف پہلے حصہ میں ہوگا اور باقی مکان مشتری کا ہوگا کیونکہ مشتری خرید اول سے بائع کا شریک ہوگیا اور شریک حق شفعہ میں ہمسایہ پر مقدم ہوتا ہے۔

قولہ وان ابتاعھا بثمن الخ ایک مکان کی قیمت سو روپیہ ہے۔ مشتری نے اس کو ہزار روپیہ میں خرید لیا تو پھر ثمن کے عوض میں بائع کو اس کی رضامندی کیساتھ کپڑے کا ایک تھان دیدیا تو شفیع اگر چاہے تو ہزار کے عوض میں لینا پڑے گا نہ کہ اس تھان کے عوض میں کیونکہ مکان کا عوض وہی ہزار درہم ہیں اور ہزار کے عوض میں تھان دینا دوسرا عقد ہے۔

قولہ ولا یکرہ الخ ایسی تدبیر کرنا جس سے شفیع مشفوع کو نہ لے سکے دو قسم پر ہے ایک حیلۂ اسقاط شفعہ اور ایک حیلہ دفع ثبوت شفعہ سو ثبوت شفعہ کے بعد اس کو ساقط کرنے کیلئے حیلہ کرنا صاحبین کے نزدیک مکروہ ہے۔ مثلاً مشتری نے ایک مکان خرید کر شفیع سے کہا کہ تو یہ مکان مجھ سے خرید لے اور یہ اس لئے کہا کہ اگر وہ خرید کا ارادہ کرے گا تو شفعہ باطل ہوجائے گا۔ کیونکہ خرید پر اقدام کرنا شفعہ سے اعراض کی دلیل ہے۔ تو یہ حیلہ اسقاط شفعہ بالاتفاق مکروہ ہے۔ دوسری صورت میں یعنی ایسا حیلہ کرنا جس سے شفعہ ثابت ہی نہ ہو امام محمد کے نزدیک یہ بھی مکروہ ہے۔ یہی امام شافعی کا قول ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک مکروہ نہیں اور باب شفعہ میں فتویٰ امام ابو یوسف کے قول پر ہے۔ سراجیہ میں ہے کہ حیلہ کا جواز اس وقت ہے جب ہمسایہ کو اس کی ضرورت نہ ہو۔ **واستحسنہ محشی الاشباہ** شرح وقایہ میں ہے کہ شفعہ کی مشروعیت دفع ضرر جوار کیلئے ہے۔ تو اگر مشتری ایسا شخص ہو کہ اس سے پڑوسیوں کو ضرر ہو تو اسقاط شفعہ کا حیلہ کرنا حلال نہیں۔ اور اگر مشتری نیک مرد ہو اور شفیع متعنت ہو جس کی ہمسائیگی ناپسند ہو تو حیلہ حلال ہے۔ منع زکوٰۃ کے حیلہ کی صورت یہ ہے کہ جس مال میں زکوٰۃ واجب ہو وہ سال گزرنے سے پہلے چھوٹے فرزند کو ہبہ کردے یا سال گزرنے سے پہلے اتنی مقدار خیرات کردے جس سے پورا نصاب باقی نہ رہے۔ امام محمد کے نزدیک یہ حیلہ مکروہ ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک مکروہ نہیں۔ فتویٰ امام محمد کے قول پر ہے۔ شرح وقایہ میں ہے کہ یہ حیلہ نہایت قبیح ہے کیونکہ اس میں بخل اختیار کرنا اور فقیروں کا رزق قطع کرنا ہے اور وعید عدم انفاق میں داخل ہونا ہے۔

قولہ واخذ حظ البعض الخ صورت مسئلہ یہ ہے کہ چند لوگوں نے ایک زمین خریدی اور فروخت کرنے والا ایک ہے تو خریداروں کے شمار کے موافق اخذ شفعہ ہوگا اور شفیع کے لئے جائز ہوگا کہ کسی ایک خریدار کا حصہ لے اور باقی چھوڑ دے۔ اور اگر فروخت کرنے والے چند لوگ ہوں اور خریدار ایک ہو تو اخذ شفعہ متعدد نہ ہوگا بلکہ شفیع یا تو پوری زمین لے گا یا پوری کو چھوڑ دیگا۔ وجہ فرق یہ ہے کہ اس صورت میں خریدار پر عقد کی تفریق لازم آتی ہے۔ بخلاف پہلی صورت کے کیونکہ اس میں شفیع ایک مشتری کے قائم مقام ہے۔

قولہ وان اشتری الخ ایک شخص نے غیر مقسوم مکان کا نصف حصہ خریدا پھر بائع سے تقسیم کرالیا تو شفیع دوبارہ تقسیم کرانے کا حقدار نہیں بلکہ مشتری سے وہ حصہ لے گا جو اس کو تقسیم سے حاصل ہوا ہے۔ خواہ تقسیم بطریق رضا ہو یا بذریعہ قضا۔ نیز وہ حصہ شفیع کی جانب میں پڑا ہو یا نہ پڑا ہو البتہ امام صاحب سے ایک روایت ہے کہ شفیع وہی حصہ لیگا جو اس کی جانب میں پڑا ہے مگر پہلی صورت روایت اصح ہے۔

کتاب القسمة

هِيَ جَمْعُ نَصِيْبٍ شَائِعٍ فِيْ مُعَيَّنٍ
وہ یکجا کردینا ہے اس حصہ کو جو شائع ہو معین چیز میں

تشریح الفقہ: قولہ کتاب الخ قسمت اور شفعہ دونوں حصہ شائعہ کے نتائج میں سے ہیں۔ کیونکہ شفعہ کا قوی ترین سبب شرکت ہے۔ اور شریکین میں سے ہر ایک یا تو بلا بقاء ملک دوسرے سے جدا ہوتا ہے تو وہ اپنا حصہ فروخت کرڈالتا ہے جس کے سبب سے شفعہ واجب ہوتا ہے یا اپنی ملک باقی رکھتے ہوئے دوسرے سے جدا ہوتا ہے تو وہ فروخت کئے بغیر اپنا حصہ لیتا ہے تو تقسیم کی ضرورت واقع ہوتی ہے۔ اس مناسبت سے شفعہ کے بعد قسمت کے مسائل ذکر کررہا ہے۔ **و قدم الشفعة لان بقاء ما كان على ماكان اصل۔**

قولہ ہی الخ لفظ قسمۃ (بالکسر) لغۃً بقول صاحب مغرب اقتسام سے اور بقول صاحب قاموس تقسیم سے عدا اسم ہے۔ جیسے قدوۃ اقتدا سے اور اسوۃ ائتساء سے اسم ہے۔ لغت میں تقسیم کرنے اور بانٹ لینے کو کہتے ہیں۔ اصطلاح شرع میں قسمت ایک شخص کے حصہ شائعہ کو ایک معین حصے میں جمع کرنے کو کہتے ہیں مثلاً ایک مکان تین شریکوں میں مشترک ہے تو ہر شخص کا حصہ بلا تعیین اس مکان کے ہر جزء میں شائع ہے۔ اور جب بذریعہ تقسیم اس کے تین حصے کردیئے گئے تو ہر شخص کا حصہ اس مکان کے خاص خاص اجزاء میں مجتمع ہوگیا اسی تعیین حق شائع کا نام قسمت ہے۔

وَتَشْتَمِلُ عَلَى الافْرَازِ وَالْمُبَادِلَةِ وَهُوَ الظَّاهِرُ فِي الْمِثْلِيِّ فَيَاْخُذُ حَظَّهُ حَالَ غَيْبَةِ صَاحِبِهٖ
اور مشتمل ہوتی ہے حصہ کے جدا کرنے پر اور مبادلہ پر اور افراز غالب ہوتا ہے مثلی چیزوں میں پس لے سکتا ہے اپنا حصہ دوسرے کی عدم موجودگی میں

وَهِيَ فِيْ غَيْرِهٖ فَلاَ يَاْخُذُ وَيُجْبَرُ فِي مُتَّحِدِ الْجِنْسِ عِنْدَ طَلَبِ اَحَدِ الشُّرَكَاءِ لاَفِيْ غَيْرِهٖ
اور مبادلہ غالب ہوتا ہے غیر مثلی میں پس نہیں لے سکتا اور جبر کیا جائیگا متحد الجنس میں ایک شریک کی طلب پر نہ کہ غیر متحد الجنس میں

وَنُدِبَ نَصْبُ قَاسِمٍ رِزْقُهُ مِنْ بَيْتِ الْمَالِ لِيَقْسِمَ بِلاَ اَجْرٍ وَاِلاَّ فَيُنْصَبُ قَاسِمٌ يَقْسِمُ بِاَجْرٍ بِعَدَدِ الرُّؤُسِ
مستحب ہے قاسم مقرر کرنا جس کا روزینہ بیت المال سے ہوتا کہ وہ تقسیم کرے بلا اجرت ورنہ مقرر کیا جائیگا قاسم جو تقسیم کریگا اجرت پر شریکوں کی شمار

وَيَجِبُ اَنْ يَكُوْنَ عَدْلاً اَمِيْنًا عَالِمًا بِالْقِسْمَةِ وَلاَ يَتَعَيَّنُ قَاسِمٌ وَاحِدٌ وَلاَ يَشْتَرِكُ الْقُسَّامُ
کے موافق اور ضروری ہے قاسم کا عادل امانت دار اور علم تقسیم سے واقف ہونا اور متعین نہ ہونا چاہئے ایک ہی قاسم اور شریک نہ ہونے پائیں قسمت

وَلاَ يُقْسَمُ الْعَقَارُ بَيْنَ الْوَرَثَةِ بِاِقْرَارِهِمْ حَتّٰى يُبَرْهِنُوْا عَلَى الْمَوْتِ وَعَدَدِ الْوَرَثَةِ
کرنے والے اور تقسیم نہ کیجائے زمین ورثہ کے درمیان صرف ان کے اقرار سے یہاں تک کہ وہ ثبوت پیش کریں موت پر اور ورثہ کی شمار پر

وَيُقْسَمُ فِي الْمَنْقُوْلِ وَالْعَقَارِ الْمُشْتَرٰى وَدَعْوَى الْمِلْكِ
اور تقسیم کیاجائے مال منقول اور خرید کردہ زمین اور ملک مطلق کے دعوے میں

وَلَوْ بَرْهَنَا اَنَّ الْعِقَارَ فِي اَيْدِيْهِمَا لَمْ يُقْسَمْ حَتّٰى يُبَرْهِنَا اَنَّهٗ لَهُمَا.
اگر دو شریک دعوی کریں کہ زمین ہمارے تصرف میں ہے تو تقسیم نہ کیجائے یہاں تک کہ وہ ثابت کردیں کہ زمین ان کی ملک ہے۔

احکام تقسیم کی تفصیل

تشریح الفقہ: قولہ وتشمل الخ لفظ قسمۃ علی الاطلاق (یعنی مثلی اور قیمتی دونوں میں) یعنی افراز اور معنی مبادلہ پر مشتمل ہوتا ہے۔ کیونکہ شریکین میں سے ہر ایک جو حصہ لیتا ہے اس کے اجزاء میں سے ہر جزء نصفین کو شامل ہوتا ہے۔ اب ان میں سے ایک نصف تو اسی شریک کا ہے تو اس کا حاصل کرنا افراز ہوا یعنی اس نے اپنا حق بعینہ پالیا اور دوسرا نصف اس کے شریک کا ہے اس کو لینا اس حصہ کا عوض ہوا جو اس کے حصہ میں سے شریک ثانی کے قبضہ میں ہے تو یہ مبادلہ ہوا لیکن مثلی اشیا (مکیل وموزون اور عددی متقارب) میں معنی افراز غالب ہوتے ہیں اور غیر مثلی (یعنی قیمتی) اشیا حیوانات اور اسباب وغیرہ میں معنی مبادلہ غالب ہوتے ہیں جسکی وجہ یہ ہیکہ مثلی اشیا کے ابعاض وافراد میں تفاوت نہیں ہوتا۔ اس واسطے کے گیہوں اور جو میں سے جو ایک شریک لیتا ہے وہ ظاہر وباطن ہر اعتبار سے اس کے مثل ہوتا ہے جو دوسرا شریک لیتا ہے بخلاف غیر مثلی اشیا کے کہ ان کے افراد میں تفاوت ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک گائے سو روپے کی ہوتی ہے تو دوسری دوسو کی، ایک گھوڑا پانچ سو روپے کا ہوتا ہے تو دوسرا ہزار کا پس یہاں کسی کے ایک حصہ کو عین حق قرار دینا ممکن نہیں۔

قولہ فیا خذ الخ مثلیات میں معنی افراز کے ظہور پر متفرع ہے یعنی جب یہ ثابت ہو گیا کہ مثلیات میں معنی افراز غالب ہوتے ہیں۔ اور غیر مثلیات میں معنی مبادلہ تو مثلیات میں ایک شریک اپنا حصہ دوسرے شریک کی عدم موجودگی میں لے سکتا ہے۔ کیونکہ مثلیات کے افراد میں کوئی تفاوت نہیں ہوتا بخلاف غیر مثلیات (ثیاب وعقار اور حیوان وغیرہ) کے کہ ان میں اپنا حصہ دوسرے کی عدم موجودگی میں نہیں لے سکتا کیونکہ افراد متفاوت ہوتے ہیں۔

قولہ ویجبر الخ ایک وہم کا ازالہ ہے۔ وہم یہ ہوتا ہے کہ بقول شما غیر مثلیات میں معنی مبادلہ غالب ہوتے ہیں اسکے باوجود متحد الجنس غیر مثلی اشیا میں قسمت پر جبر کیا جاتا ہے حالانکہ مبادلات میں جبر نہیں ہوتا پھر اسکی کیا وجہ؟ وجہ ازالہ یہ ہے کہ قسمت پر جبر کا ہونا معنی افراز کے اعتبار سے ہے کہ اس میں منفعت کی تکمیل ہے۔ اور متحد الجنس میں مقاصد متقارب ہوتے ہیں اس لئے اس پر جبر جائز ہے۔ تاکہ ضرر دور ہو جائے۔ کیونکہ طالب قسمت یہی چاہتا ہے کہ میرا انتفاع میرے حصہ کے ساتھ مخصوص ہو جائے اور میری ملک میں دوسرے کا تصرف نہ رہے۔

قولہ ولا یقسم العقار الخ کچھ لوگوں نے ایک زمین کے متعلق دعویٰ کیا کہ ہم کو زید کی طرف سے وراثت میں ملی ہے۔ اور انہوں نے اس زمین کو تقسیم کرانا چاہا تو امام صاحب کے نزدیک صرف انکے دعوی پر زمین تقسیم نہیں کی جائے گی جب تک کہ وہ گواہوں کے ذریعہ ثابت نہ کردیں کہ زید کا انتقال ہو چکا ہے اور ہم اتنے آدمی اس کے وارث ہیں، صاحبین اور امام شافعی کے نزدیک ورثہ کے اعتراف واقرار کے بعد زمین تقسیم کردی جائے گی۔ امام احمد کا بھی یہی قول ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر ورثہ مال منقول کی وراثت کا یا اس کے ملک مطلق کا یا اس کی خریداری کا دعوی کرے تو جیسے ان صورتوں میں بالاتفاق گواہوں کے ذریعہ مزید تحقیق کی ضرورت نہیں اسی طرح غیر منقول کے دعوی میں بھی اس کی ضرورت نہیں۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ تقسیم کرنا قضا علی المیت ہے اور اقرار حجت قاصرہ ہے۔ یعنی اس کی حجیت مقر تک محدود ہے۔ غیر مقر کے حق میں حجت نہیں لہذا بینہ کا ہونا ضروری ہے تاکہ انکا اقرار میت کے خلاف حجت ہو سکے۔ نیز زمین بذات خود محفوظ ہے اس لئے اس کی تقسیم کی ضرورت نہیں بخلاف منقول کے کہ وہ معرض تلف میں ہوتی ہے تو اس کو تقسیم کرنے میں اس کی حفاظت ہے۔ اور حقدار کو اس کا حق پہونچانا ہے۔ پھر قبضہ دلیل ملک ہے اور اقرار دلیل صدق۔ اور دوسرا کوئی منازع موجود نہیں اس لئے مال منقول کو تقسیم نہیں کیا جائے گا۔ جب تک کہ وہ بینہ سے ثابت نہ کردیں۔　　محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

---

(۱) لانها من جنس عمل القضاة من حيث انها يتم بها قطع المنازعة فاشبه رزق القاضى ۱۲ (۲) عند الامام وعند هما على قدر الانصبا وبه قال الشافعى واحمد واصبغ المالكى ۱۲ مجمع الانهر (۳) اى يمنعهم القاضى من الاشتراك كيلا يتضرر الناس لان الاجرة تغير بذلك غالبة لانهم اذا شتركوا يتواكلون وعند عدم الشركة يتبادرون اليها خشية الفوت فيرخص الاجر بسبب ذلك ۱۲ زيلعى (۴) هذه عبارة الجامع الصغير و ماتقدم رواية القدورى وكلاهما فى دعوى الملك المطلق و مثل هذا لايليق المختصر ۱۲ تكمله واجاب عن هذا بعض المتحققين بما لست احصله ۱۲ حاشيه.

وَلَوْ بَرْهَنَا عَلَى الْمَوْتِ وَعَدَدِالْوَرَثَةِ وَالدَّارُ فِي اَيْدِيْهِمَا وَمَعَهُمَا وَارِثٌ غَائِبٌ اَوْ صَبِيٌّ

اگر دو شریک گواہ لائیں موت پر اور ورثہ کی شمار پر اور مکان ان کے قبضہ میں ہو اور ان کے ساتھ ایک وارث ہو جو موجود نہ ہو یا بچہ ہو

قُسِمَ بِطَلَبِهِمَا وَنُصِبَ وَكِيْلٌ اَو وَصِيٌّ بِقَبْضِ نَصِيْبِهٖ وَلَوْ كَانُوْا مُشْتَرِيْنَ وَغَابَ اَحَدُهُمْ

تو تقسیم کردیا جائے انکی طلب پر اور مقرر کردیا جائے وکیل یا وصی جو قبضہ میں رکھے انکا حصہ اور اگر وہ خریدار ہوں اور ان میں سے ایک غائب ہو

اَوْ كَانَ الْعِقَارُ فِيْ يَدِ الْوَارِثِ الْغَائِبِ اَوِ الطِّفْلِ اَوْ حَضَرَ وَارِثٌ وَاحِدٌ لَمْ يُقْسَمْ وَقُسِمَ بِطَلَبِ اَحَدِهِمْ

یا زمین وارث غائب یا بچہ کے قبضہ میں ہو یا صرف ایک وارث حاضر ہو تو تقسیم نہیں کیا جائیگا اور تقسیم کردیا جائیگا ایک شریک کی طلب پر

لَوْ اِنْتَفَعَ كُلٌّ بِنَصِيْبِهٖ وَاِنْ تَضَرَّرَ الْكُلُّ لَمْ يُقْسَمْ اِلَّا بِرِضَائِهِمْ وَاِنِ انْتَفَعَ الْبَعْضُ وَتَضَرَّرَ الْبَعْضُ

اگر نفع اٹھا سکتا ہو ایک اپنے حصہ سے اور اگر سب کا نقصان ہو تو تقسیم نہ کیا جائیگا مگر سب کی رضا سے اور بعض منتفع ہوں اور بعض کا نقصان ہو

لِقِلَّةِ حَظِّهٖ قُسِمَ بِطَلَبِ ذِي الْكَثِيْرِ فَقَطْ وَيُقْسَمُ الْعُرُوْضُ مِنْ جِنْسٍ وَاحِدٍ

اس کا حصہ کم ہونے کی وجہ سے تو تقسیم کیا جائیگا زائد حصہ والے کی طلب پر اور تقسیم کیا جائیگا اسباب جو ایک جنس کا ہو

وَلاَ يُقْسَمُ الْجِنْسَانِ وَالْجَوَاهِرُ وَالرَّقِيْقُ وَالْحَمَّامُ وَالْبِيْرُ وَالرَّحٰى اِلَّا بِرِضَائِهِمْ

اور تقسیم نہیں کیا جائیگا وہ اسباب جو دو جنسوں کا ہو اور جواہر اور غلام اور حمام اور کنواں اور پن چکی مگر سب کی رضا سے

دُوْرٌ مُشْتَرَكَةٌ اَوْ دَارٌ وَضَيْعَةٌ اَوْ دَارٌ وَحَانُوْتٌ قُسِمَ كُلٌّ عَلٰحِدَةً

چند مشترک مکان ہیں یا مکان اور زمین ہے یا مکان اور دکان ہے تو تقسیم ہوگی ہر ایک کی جدا جدا۔

توضیح اللغۃ: حظ حصہ، عروض جمع عرض سامان، رقیق خالص غلام، حمام گرم آبہ، بیر کنواں، رحی پن چکی۔ دور جمع دار گھر، ضیعۃ زمین۔ حانوت دکان۔

تشریح الفقہ: قولہ ولو برھنا الخ دو شریکوں نے مورث کی موت پر اور ورثہ کی تعداد پر گواہ قائم کئے اور زمین انہی دو کے قبضہ میں ہے۔ اور وارثوں میں صبی صغیر حاضر ہے۔ یا ایک وارث کبیر غائب ہے اور ورثہ حاضرین نے تقسیم طلب کی تو ان کے درمیان زمین تقسیم کر دیجائیگی۔ اور وارث غائب و صبی صغیر کے لئے ایک وکیل یا وصی مقرر کردیا جائیگا جو ان کے حصہ پر قبضہ کریگا تا کہ انکی حق تلفی نہ ہو۔ مگر یہاں بھی امام صاحب کے نزدیک اصل میراث پر شہادت ضروری ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ یہ زمین ان کے باپ کی جانب سے انکی میراث ہے۔ صاحبین کے نزدیک ضروری نہیں۔

قولہ ولو کانوا الخ اور اگر شرکا خریدار ہوں یعنی انکی شرکت بطریق میراث نہ ہو بلکہ بذریعہ خرید ہو اور ان میں سے ایک شریک غائب ہو یا (صورت میراث ہی کی ہو جو اوپر مذکور ہوئی مگر) زمین وارث صغیر یا وارث غائب کے قبضہ میں ہو یا ورثہ میں سے صرف ایک وارث حاضر ہو تو ان تینوں صورتوں میں تقسیم نہ ہوگی۔ پہلی صورت میں تو اس لئے نہ ہوگی کہ جو ملک بذریعہ خرید ثابت ہوئی ہے وہ ملک جدید ہے۔ پس شریک حاضر غائب کی جانب سے خصم نہیں ہوسکتا۔ دوسری صورت میں تقسیم اس لئے نہ ہوگی کہ اس صورت میں قضا علی الغائب ہے اور قضا علی الغائب جائز نہیں۔ تیسری صورت میں تقسیم اسلئے نہ ہوگی کہ شخص واحد مخاصم اور مخاصم نہیں ہوسکتا۔ تو مقاسم اور مقاسم بھی نہیں ہوسکتا اور یہاں صرف ایک ہی وارث حاضر ہے۔

(جن صورتوں میں تقسیم ہوتی ہے اور جن میں نہیں ہوتی انکا بیان)

قولہ وقسم بطلب احد ھم الخ اگر مشترک چیز ایسی ہو کہ تقسیم کے بعد ہر شخص اپنے اپنے حصے سے فائدہ اٹھا سکتا ہے اور شرکاء میں سے کوئی ایک تقسیم طلب کرے تو تقسیم کردی جائیگی اور اگر ایسی چیز ہو کہ تقسیم کرنے سے سب کا نقصان ہوتا ہو جیسے پن چکی، کنواں حمام وغیرہ تو تقسیم نہیں کی جائیگی جب تک کہ سب راضی نہ ہوں۔ کیونکہ تقسیم کا مقصد یہ ہیکہ ہر شریک اپنی ملک خاص سے منتفع ہو اور یہاں تقسیم کی صورت میں یہ مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ لہذا تقسیم نہ کی جائیگی۔ اور اگر تقسیم کے بعد بعض منتفع ہو سکتے ہوں اور بعض کا نقصان لازم آتا ہو تو جس شریک کا حصہ زائد ہو اسکی طلب پر تقسیم کی جائیگی۔ یہ شمس الائمہ سرخسی اور امام خصاف نے ذکر کیا ہے۔ عنایہ، نہایہ، کفایہ، معراج الدرایہ اور عام متون میں یہی ہے۔ کافی اور ہدایہ میں ہے کہ یہی اصح ہے اور ذخیرہ میں ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے۔ امام جصاص نے اسکے برعکس ذکر کیا ہے یعنی یہ کہ کم والے کی طلب پر تقسیم کیجائے گی نہ کہ زائد والے کی طلب پر۔ اور حاکم شہید نے اپنی مختصر میں ذکر کیا ہے کہ صاحب قلیل وصاحب کثیر ہر ایک کی طلب پر تقسیم کردی جائے گی۔ خانیہ میں ہے کہ خواہر زادہ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ اور اسی پر فتویٰ ہے۔ **وفی المنح ینبغی ان یعول علی ماجزم بہ عامۃ اصحاب المتون والشروح لا نھا ھی الموضوعۃ لنقل المذھب۔**

قولہ ویقسم العروض الخ ایک مشترک اسباب ایک ہی جنس کا ہو مثلاً کیلی ہو یا وزنی ہو یا عددی متقارب ہو یا سونا چاندی ہو تو ایک شریک کے طلب کرنے سے قاضی تقسیم پر مجبور کر سکتا ہے۔ پس وہ تقسیم کر کے کچھ ایک کو دیدیگا اور کچھ دوسرے کو۔ کیونکہ یہاں دونوں کا مقصود برابر ہے۔ تو یہ تقسیم تقسیم تمیز ہوئی اس میں قاضی کو جبر کا اختیار ہوتا ہے۔ لیکن اگر اسباب مختلف الجنس ہوں تو قاضی باختیار خود تقسیم پر مجبور نہیں کر سکتا۔ کیونکہ یہاں اختلاف جنس کی وجہ سے اختلاط واتحاد نہیں ہے۔ تو یہ تقسیم تقسیم تمیز نہ ہوگی۔ بلکہ معاوضہ ہوگی۔ اور قاضی کو جبر کا اختیار وہیں ہوتا ہے۔ جہاں تقسیم بمعنی تمیز ہو اسلئے یہاں شرکا کی رضا پر اعتماد ہوگا نہ کہ قاضی کے جبر پر۔

قولہ دور مشترکۃ الخ کچھ لوگوں کے درمیان چند مکان مشترک ہیں یا ایک مکان اور ایک زمین مشترک ہے یا ایک مکان اور ایک دوکان مشترک ہے تو امام صاحب کے نزدیک ان میں سے ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ تقسیم کیا جائیگا۔ باہم متصل ہوں یا ایک شہر کے دو محلوں میں ہوں۔ صاحبین کے نزدیک علیحدہ علیحدہ تقسیم ضروری نہیں بلکہ اس طرح بھی کی جاسکتی ہے کہ ایک مکان ایک شریک لے لے۔ اور دوسرا مکان دوسرا شریک لے لے۔ اس واسطے کہ یہ چیزیں اسم وصورت اور رہائش کے لحاظ سے اجناس مختلفہ ہیں تو ان کا معاملہ قاضی کی رائے پر چھوڑا جائے گا۔ کہ شرکا کے حق میں جو صورت بہتر ہو اس پر عمل کرے۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ محلوں اور پڑوسیوں کے اچھے برے ہونے کے لحاظ سے اور مسجد اور پانی وغیرہ سے نزدیک اور دور ہونے کے اعتبار سے مکانوں کے مقاصد مختلف ہوتے ہیں جن میں برابری ناممکن ہے اس لئے ایک مکان میں ایک شریک کا حصہ آپس کی رضامندی کے بغیر نہیں کیا جاسکتا۔

وَيُصَوِّرُ الْقَاسِمُ مَايَقْسِمُهٗ وَيَعْدِلُهٗ وَيَذْرَعُهٗ وَيُقَوِّمُ الْبِنَاءَ وَيُفْرِزُ كُلَّ نَصِيْبٍ

اور نقشہ کھینچ لے قاسم اس کا جس کو تقسیم کرنا ہے اور حصے برابر کرے اور پیمائش کرے اور ملبے کی قیمت لگالے اور جدا کردے ہر ایک کا حصہ اس کے

بِطَرِيْقِهٖ وَشِرْبِهٖ وَيُلَقِّبُ الْاَنْصِبَاءَ بِالْاَوَّلِ وَالثَّانِيْ وَالثَّالِثِ وَيَكْتُبُ اَسَامِيْهِمْ وَيُقْرِعُ فَمَنْ خَرَجَ اِسْمُهٗ اَوَّلًا

راستہ اور پانی کے حق کے ساتھ اور نشان لگادے حصوں پر اول دوم سوم اور لکھدے شرکاء کے نام پھر قرعہ ڈالے پس جس کا نام نکلے پہلے

فَلَهُ السَّهْمُ الاَوَّلُ وَمَنْ خَرَجَ ثَانِيًا فَلَهُ الثَّانِي وَلاَ يُدْخِلُ فِي الْقِسْمَةِ الدَّرَاهِمَ اِلَّا بِرِضَائِهِمْ

اس کے لئے پہلا حصہ ہوگا اور جس کا نام دوسری بار نکلے اس کے لئے دوسرا حصہ ہوگا اور داخل نہ کرے تقسیم میں دراہم مگر ان کی رضا سے

فَاِنْ قُسِمَ وَلاَحَدِهِمْ مَسِيْلٌ اَوْ طَرِيْقٌ فِي مِلْكِ الاٰخَرِ لَمْ يُشْتَرَطْ فِي الْقِسْمَةِ

اگر مکان تقسیم ہو اور کسی کے پانی بہنے یا آنے جانے کا راستہ دوسرے کی ملک میں رہا حالانکہ بوقت تقسیم اس طرح نہیں ٹھہرا تھا

صُرِفَ عَنْهُ اِنْ اَمْكَنَ وَاِلَّا فُسِخَتِ الْقِسْمَةُ.

تو ہٹا دیا جائیگا ادھر سے اگر یہ ممکن ہو ورنہ تقسیم توڑ دیجائیگی

طریق تقسیم وکیفیت قسمت کا بیان

تشریح الفقہ: قولہ ویصور الخ یہاں سے تقسیم کا طریقہ بیان کر رہا ہے۔ تقسیم کا طریقہ یہ ہے کہ جب مکان یا زمین وغیرہ کو تقسیم کرنا چاہے تو قاسم ایک کاغذ پر اس کا نقشہ بنالے اور سہام قیمت پر برابر تقسیم کرے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ سب سے کمتر سہم کو دیکھے اور مقسوم کو اسی پر جاری کرے۔ مثلاً اگر اقل سہام ثلث ہو تو تقسیم بطریق اثلاث کرے اور سدس ہو تو بطریق اسداس۔ نیز گز سے اس کی پیائش کرے کیونکہ مساحت کی مقدار گز ہی سے معلوم ہوتی ہے۔ اور اگر کسی شریک کے حصہ میں عمارت واقع ہو تو اس کی قیمت لگائے۔ اور قیمت دوسرے شریک کو دیدے۔ اور ہر شریک کے حصہ کو اس کی آبچک اور اس کے راستے کے ساتھ جدا کردے۔ تاکہ کسی کا حصہ دوسرے کے حصہ سے متعلق نہ رہے۔ پھر ہر ایک کے حصہ کو بقدر ضرورت اول' ثانی' ثالث' رابع' خامس کے ساتھ موسوم کر کے گولیاں بنا کر قرعہ اندازی کرے۔ اور جس گولی پر جس کا نام نکلے وہ اس کو دیدے' جوہرہ میں ہے کہ قرعہ اندازی ضروری نہیں صرف تسلی کیلئے ہے تاکہ کسی کی جانبداری کا وہم نہ ہو۔

قولہ ولا یدخل الخ زمین اور مکان کی تقسیم میں آپس کی رضا کے بغیر دراہم داخل نہیں ہوتے۔ مثلاً ایک مکان چند شریکوں میں مشترک ہے۔ اور ایک جانب عمارت زیادہ ہے۔ شرکا نے تقسیم کا ارادہ کیا اب ایک شریک چاہتا ہے کہ عمارت کے عوض میں درہم دیدے۔ دوسرا شریک چاہتا ہے کہ اس کے عوض میں زمین دے تو صاحب عمارت سے درہم نہیں دلائے جائیں گے بلکہ زمین ہی دلائی جائے گی۔ الا یہ کہ زمین کا عوض متعذر ہو۔ وجہ یہ ہے کہ قسمت حقوق ملک میں سے ہے اور شرکاء کی شرکت مکان میں ہے نہ کہ دراہم میں لہٰذا دراہم تقسیم میں داخل نہ ہوں گے۔

قولہ فان قسم الخ ایک مشترک مکان کی تقسیم ہوئی اور ایک شریک کا نابدان اور راہ آمد ورفت دوسرے کی ملک میں واقع ہوئی حالانکہ تقسیم کے وقت اشتراک مسیل اور اشتراک طریق کی شرط نہیں تھی تو اس کا نابدان اور راہ آمد ورفت اس طرف سے ہٹا کر دوسری طرف پھرا دیں گے بشرطیکہ یہ ممکن ہو تاکہ اشتراک ختم ہو جائے۔ اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو پہلی تقسیم ختم کر کے دوبارہ تقسیم کی جائے گی۔ تاکہ کسی قسم کا خلجان باقی نہ رہے۔

سِفْلٌ لَهُ عِلْوٌ وَسِفْلٌ مُجَرَّدٌ وَعِلْوٌ مُجَرَّدٌ قُوِّمَ كُلٌّ عَلَيحِدَةٍ وَقُسِمَ بِالْقِيْمَةِ وَيُقْبَلُ شَهَادَةُ الْقَاسِمَيْنِ

نیچے والے مکان پر بالا خانہ ہے اور ایک صرف نیچے والا ہے اور ایک صرف بالا خانہ ہے تو ہر ایک کی علیحدہ قیمت لگا کر تقسیم ہوگی اور گواہی قبول ہوگی

اِنْ اِخْتَلَفُوْا وَلَوْ ادَّعٰى اَحَدُهُمْ اَنَّ مِنْ نَصِيْبِهٖ شَيْئًا فِيْ يَدِ صَاحِبِهٖ وَقَدْ اَقَرَّ بِالْاِسْتِيْفَاءِ
دو قاسموں کی اگر شرکاء اختلاف کریں اگر ایک شریک دعویٰ کرے کہ میرا کچھ حصہ دوسرے کے قبضے میں ہے حالانکہ وہ اقرار کر چکا تھا پورا حق پالینے کا

لَمْ يُصَدَّقْ اِلَّا بِبَيِّنَةٍ وَاِنْ قَالَ اِسْتَوْفَيْتُ وَاَخَذْتَ بَعْضَهٗ صُدِّقَ خَصْمُهٗ بِحَلْفِهٖ
تو اس کی تصدیق نہ ہوگی مگر بینہ کے ساتھ اور اگر یہ کہا کہ میں پورا لے چکا تھا مگر تو نے کچھ حصہ دبالیا تو تصدیق کی جائیگی اس کے مقابل کی قسم کے

وَاِنْ لَمْ يُقِرَّ بِالْاِسْتِيْفَاءِ وَادَّعٰى اَنَّ ذَا حَظُّهٗ وَلَمْ يُسَلَّمْ اِلَيَّ وَكَذَّبَهٗ شَرِيْكُهٗ تَحَالَفَا
ساتھ اور اگر پورا حق لینے کا اقرار نہیں کیا اور دعویٰ کیا کہ یہ میرا حصہ ہے جو مجھے نہیں دیا گیا اور شریک نے اسکی تکذیب کی تو دونوں قسم کھائیں گے

وَفُسِخَتِ الْقِسْمَةُ وَلَوْ ظَهَرَ غَبْنٌ فَاحِشٌ فِي الْقِسْمَةِ تُفْسَخُ وَلَوْ اِسْتُحِقَّ بَعْضٌ شَائِعٌ مِنْ حَظِّهٖ رَجَعَ بِقِسْطِهٖ
اور تقسیم توڑ دی جائیگی اگر ظاہر ہو بہت سا غبن تقسیم میں تو توڑ دی جائے گی اگر حقدار نکل آئے اس کے کچھ حصہ کا تو رجوع کرے اسی کے مطابق

فِيْ حَظِّ شَرِيْكِهٖ وَلَا تُفْسَخُ الْقِسْمَةُ وَلَوْ ظَهَرَ فِي التَّرِكَةِ دَيْنٌ رُدَّتْ.
شریک کے حصہ میں اور نہ توڑی جائے تقسیم اگر ظاہر ہو تو ترکہ میں قرضہ تو رد کردی جائے گی تقسیم۔

دومنزلہ مکانوں کی تقسیم کا بیان

تشریح الفقہ: **قولہ سفل الخ** نیچے اوپر کا ایک مکان دو آدمیوں میں مشترک ہے اور ایک نیچے والا دو میں مشترک ہے اور اوپر والا کسی اور کا ہے۔ اور ایک اوپر والا دو میں مشترک ہے۔ اور نیچے والا کسی اور کا ہے۔ تو امام محمد کے نزدیک ایسے مشترک مکانوں کی تقسیم علیحدہ علیحدہ قیمت لگا کر کی جائے گی۔ شیخین کے نزدیک تقسیم پیائش سے ہوگی۔ کیونکہ تقسیم میں اصل یہی ہے۔ نیز شرکا کی شرکت مذروع میں ہے نہ کہ قیمت میں۔ پھر امام صاحب کے نزدیک نیچے والے مکان کے ایک گز کے مقابلہ میں اوپر والے مکان کے دو گز ہوں گے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک ایک گز کے مقابلہ میں ایک ہی گز ہوگا۔ لیکن فتویٰ امام محمد کے قول پر ہے۔ کیونکہ نیچے والے مکان میں کنواں کھودنا، تہ خانہ اور اصطبل بنانا وغیرہ امور کی صلاحیت ہوتی ہے اوپر والے میں نہیں ہوتی پس دونوں مکان بمنزلہ دو جنسوں کے ہوئے۔ اس لئے شرکاء کے حصوں میں برابری قیمت ہی کے اعتبار سے ہوسکتی ہے۔

قولہ ویقبل الخ تقسیم ہو چکنے کے بعد کسی شریک نے کہا کہ مجھے میرا پورا حق وصول نہیں ہوا اور دو قاسموں نے گواہی دی کہ وہ اپنا پورا حق وصول کر چکا تو شیخین کے نزدیک ان کی گواہی مقبول ہوگی۔ گو انہوں نے اجرت لیکر تقسیم کی ہو امام محمد اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ان کی گواہی مقبول نہ ہوگی۔ امام ابو یوسف بھی اولاً اسی کے قائل تھے۔ کیونکہ ان کی یہ گواہی خود اپنے فعل پر ہے جس میں تہمت کا امکان ہے۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ ان کا فعل تقسیم کرنا ہے۔ اور گواہی استیفاء حق پر ہے جو دوسرے کا فعل ہے۔

قولہ لم یصدق الخ کسی شریک نے کہا کہ تقسیم میں غلطی ہوئی ہے اور میرا کچھ حصہ دوسرے حصہ کے قبضہ میں ہے۔ حالانکہ وہ پہلے اپنا حصہ وصول کر لینے کا اقرار کر چکا تھا تو بینہ کے بغیر اس کی تصدیق نہ ہوگی۔ کیونکہ وہ تمامیت قسمت کے بعد اس کے فسخ کا مدعی ہے فلا یصدق الا ببینۃ۔

قولہ وان لم یقر بالاستیفاء الخ اور اگر حصہ دار اپنا پورا حصہ لینے کا اقرار کرنے سے پہلے یہ کہے کہ میرا حصہ فلاں جگہ تک ہے اور وہاں تک میرے حصہ دار نے مجھے نہیں دیا۔ اور دوسرا حصہ دار اس کی تکذیب کرے تو اس صورت میں یہ دونوں قسم کھائیں گے اور قسمت فسخ

ہو جائیگی۔ کیونکہ مقدار ماحصل میں اختلاف ہونے کی وجہ سے عقد تام نہیں ہوا۔

قولہ ولو استحق الخ ایک مکان دو آدمیوں میں مشترک تھا دونوں نے تقسیم کرا کے اپنا اپنا حصہ لے لیا۔ اس کے بعد ایک شریک کا کچھ حصہ کسی دوسرے مستحق کا نکل آیا تو طرفین کے نزدیک اس کو اختیار ہے چاہے بقدر مستحق اپنے شریک سے لے لے چاہے باقی ماندہ کو واپس کر کے دوبارہ تقسیم کرا لے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک دوبارہ ہی تقسیم ہوگی کیونکہ اب تیسرا شریک نکل آیا اور وہ راضی نہیں۔ طرفین یہ فرماتے ہیں کہ کسی ایک شریک کے حصے میں سے جزء شائع کے مستحق نکل آنے سے معنی افراز معدوم نہیں ہوتے۔ اس لئے اسکو اختیار ہوگا۔

قولہ ولو ظہر الخ ورثہ نے میت کا ترکہ اپنے اپنے حصہ کے مطابق تقسیم کر لیا اس کے بعد مقسومہ ترکہ میں لوگوں کا دین ظاہر ہوا تو قسمت فسخ ہو جائے گی کیونکہ دین وراثت پر مقدم ہے۔ ہاں اگر ورثہ دین چکا دیں یا ارباب دیون ورثہ کو بری کر دیں تو قسمت فسخ نہ ہوگی۔ کیونکہ جو چیز قسمت سے مانع تھی وہ زائل ہوگئی۔

(تنبیہ): **ولو ظہر فی الترکۃ دین ردت**'' عبارت کنز الدقائق کے معتبر و معتمد نسخوں میں نہیں ہے۔

وَلَوْ تَهَايَنَا فِي سُكْنىٰ دَارٍ اَوْ دَارَيْنِ وَخِدْمَةِ عَبْدٍ اَوْ عَبْدَيْنِ اَوْ غِلَّةِ دَارٍ اَوْ دَارَيْنِ صَحَّ وَفِي غِلَّةِ عَبْدٍ

اگر باری مقرر کی ایک یا دو مکانوں کی رہائش میں یا ایک یا دو غلاموں کی خدمت میں یا ایک یا دو مکانوں کی آمدنی میں تو صحیح ہے اور ایک

اَوْ عَبْدَيْنِ اَوْ بَغْلٍ اَوْ بَغْلَيْنِ اَوْ رُكُوْبِ بَغْلٍ اَوْ بَغْلَيْنِ اَوْ ثَمْرَةِ شَجَرٍ اَوْ لَبَنِ غَنَمٍ لاَ.

یا دو غلاموں کی یا ایک یا دو خچروں کی آمدنی میں یا ایک یا دو خچروں کی سواری میں یا درخت کے پھل یا بکری کے دودھ میں صحیح نہیں۔

باری مقرر کر لینے کا بیان

تشریح الفقہ: قولہ تہایئا الخ تہایؤ ومہایاۃ ہیئت سے تفاعل ومفاعلت ہے۔ ہیئت لغت میں اس شخص کی ظاہری حالت کو کہتے ہیں جو کسی کام کیلئے تیار ہو۔ اصطلاح فقہا میں مہایاۃ قسمت منافع کو کہتے ہیں۔ یہ از روئے قیاس ناجائز ہے۔ کیونکہ اس میں منفعت کا تبادلہ اسی کے ہم جنس سے ہوتا ہے لیکن استحساناً جائز ہے۔ اور دلیل یہ آیت ہے ''**لها شرب ولكم شرب يوم معلوم**'' یہ حضرت صالح علیہ السلام کی ناقہ کی بارے میں ہے کہ ایک دن وہ پانی پیتی تھی اور ایک دن دوسرے مویشی۔ آنحضرت ﷺ نے غزوۂ بدر میں ہر تین صحابہ کو ایک ایک اونٹ عنایت فرمایا تھا اور صحابہ باری باری سوار ہوتے جاتے تھے۔

قولہ فی سکنی الخ مہایاۃ یا تو زمانہ کے اعتبار سے ہوگی یا جگہ کے لحاظ سے اور موضوع مسئلہ تین چیزیں ہیں تو پیش نظر مسئلہ کی چھ صورتیں ہوئیں۔ (۱) زید و عمرو ایک مشترک مکان میں رہنے کی باری مقرر کریں کہ ایک ماہ تک زید رہے گا اور ایک ماہ تک عمرو (۲) دو مشترک مکانوں میں باری مقرر کریں کہ ایک میں زید رہے گا دوسرے میں عمرو (۳) ایک مشترک غلام کی خدمت میں باری مقرر کریں کہ ایک روز زید کی خدمت کرے گا اور ایک روز عمرو کی (۴) دو مشترک غلاموں کی خدمت میں باری مقرر کریں کہ یہ غلام زید کی خدمت کرے گا اور یہ عمرو کی (۵) ایک مکان کی آمدنی میں باری مقرر کریں کہ ایک ماہ کی زید لے گا اور ایک ماہ کی عمرو (۶) دو مکانوں کی آمدنی میں باری مقرر کریں۔ یہ کل صورتیں استحساناً بالاتفاق صحیح ہیں۔

قولہ وفی غلۃ الخ زید و عمرو نے ایک غلام یا دو غلاموں کی اجرت میں ایک خچر یا دو خچروں کے کرایہ میں یا ایک خچر یا دو خچروں کی سواری میں یا ایک درخت کے پھل میں یا بکری کے دودھ میں باری مقرر کی تو یہ درست نہیں (۱) میں بالاتفاق کیونکہ باری

دو زمانوں میں ہوگی تو آمدنی میں کمی بیشی کا احتمال ہے بخلاف خدمت عبد کے کہ اس میں تسامح رائج ہے۔(۲) میں امام صاحب کے نزدیک کیونکہ جواز مہایاۃ برائے ضرورت ہے۔ اور اجرت میں اسکی ضرورت نہیں کیونکہ وہ تقسیم ہو سکتی ہے صاحبین کے نزدیک امکان مساوات کیوجہ سے جائز ہے۔(۳) میں بالاتفاق (۴) میں بالاختلاف اسی طرح (۵) میں بالاتفاق (۶) میں بالاختلاف اور (۷) و (۸) میں بالاتفاق۔ کیونکہ پھل اور دودھ کو تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ محمد حنیف غفرلہٗ گنگوہی۔

کتاب المزارعة

هِيَ عَقْدٌ عَلَى الزَّرْعِ بِبَعْضِ الْخَارِجِ وَتَصِحُّ بِشَرْطِ صِلاَحِيَّةِ الاَرْضِ لِلزِّرَاعَةِ وَاَهْلِيَّةِ الْعَاقِدَيْنِ وَبَيَانِ الْمُدَّةِ

وہ عقد ہے کاشت پر کچھ پیداوار کے عوض اور یہ صحیح ہے بشرطیکہ قابل ہو زمین کاشت کے اور اہل ہوں عاقدین اور بیان ہو مدت

وَرَبِّ الْبَذْرِ وَجِنْسِهٖ وَحَظِّ الاٰخَرِ وَالتَّخْلِيَةِ بَيْنَ الاَرْضِ وَالْعَامِلِ وَالشَّرْكَةِ فِي الْخَارِجِ وَاَنْ تَكُوْنَ الاَرْضُ

اور بیج والا اور کاشت کی جنس اور دوسرے کا حصہ اور تخلیہ ہو زمین اور عامل کے درمیان اور شرکت ہو پیداوار میں اور یہ کہ ہو زمین اور بیج ایک کا

وَالْبَذْرُ لِوَاحِدٍ وَالْبَقَرُ وَالْعَمَلُ لاٰخَرَ اَوْ يَكُوْنَ الاَرْضُ لِوَاحِدٍ وَالْبَاقِي لاٰخَرَ او يكون العمل من واحد والباقي لاٰخر.

اور بیل اور کام دوسرے کا یا ہو زمین ایک کی اور باقی دوسرے کا یا ہو کام ایک کا اور باقی دوسرے کا

تشریح الفقہ: قولہ کتاب الخ کھیت میں جو اناج وغیرہ پیدا ہوتا ہے۔ وہ کاشتکار اور زمین والے کے درمیان تقسیم کرنا ہے اس لئے کتاب القسمۃ کے بعد کتاب المزارعۃ لا رہا ہے۔ مزارعۃ لغۃً زرع سے مفاعلت ہے۔ بمعنی بونا۔ اس کو مخابرہ اور محاقلہ بھی کہتے ہیں۔ اہل عراق اس کو قراح بولتے ہیں۔ اصطلاح شرع میں مزارعۃ اس عقد کو کہتے ہیں جو پیدا ہونے والے اناج کی تہائی یا چوتھائی وغیرہ پر منعقد ہو۔ امام صاحب کے یہاں عقد مزارعت فاسد ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ نے مخابرہ سے منع فرمایا ہے۔ اور مخابرہ مزارعت ہی کو کہتے ہیں۔ صاحبین کے نزدیک جائز ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ نے خیبر کا نخلستان وہاں کے لوگوں کو بطریق معاملہ اور اس کی زمین بطور مزارعت عنایت فرمائی تھی۔'' اسی پر صحابہ اور تابعین کا عمل رہا جو آج تک مسلمانوں میں جاری ہے اور ایسی صورت میں خبر واحد اور قیاس متروک ہو جاتا ہے۔

قولہ بشرط الخ صاحبین کے یہاں صحت مزارعت کیلئے نو شرطیں ہیں (۱) زمین کاشت کے قابل ہو۔ شور اور ریگستان نہ ہو کیونکہ اس سے مزارعت کا مقصد حاصل نہیں ہوتا (۲) عاقدین (مالک ارض و مزارع) میں اہلیت ہو۔ یعنی آزاد عاقل بالغ ہوں (۳) مزارعت کی ایسی مدت کا بیان کرنا جو کاشتکاروں میں معروف ہو مثلاً ایک سال یا دو سال (۴) صاحب تخم کا مذکور ہونا۔ اس واسطے کہ اگر بیج مالک ارض کی طرف سے ہو تو عامل مزدور ٹھہریگا۔ اور اگر عامل کی طرف سے ہو تو زمین کرایہ پر ٹھہریگی اور دونوں کے احکام بھی مختلف ہیں تو بلا ذکر صاحب تخم معقود علیہ مجہول ہوگا۔ (۵) جنس تخم یعنی گیہوں، جو، جوار وغیرہ کو بیان کرنا (۶) جس کی طرف سے بیج نہیں ہے اس کا حصہ بیان کرنا کیونکہ حصہ عمل یا زمین کی اجرت ہے تو اس کا معین ہونا ضروری ہے (۷) زمین اور عامل کے درمیان تخلیہ کر دینا۔ اگر صاحب ارض کا یا دونوں کا عمل مشروط ہو تو عقد صحیح نہ ہوگا۔ (۸) پیداوار میں دونوں کا شریک ہونا۔ اگر ایک کیلئے غلہ شرط کر لیا گیا تو عقد صحیح نہ ہوگا (۹) مذکورہ ذیل تین صورتوں میں سے کسی ایک کا ہونا۔ زمین اور بیج ایک کا ہو اور بیل اور عمل دوسرے کا ہو، زمین ایک کی ہو اور باقی (بیج، بیل، عمل) دوسرے کا ہو۔ عمل ایک کا ہو اور باقی دوسرے کا ہو۔

فَاِنْ كَانَتِ الْاَرْضُ وَالْبَقَرُ لِوَاحِدٍ وَالْبَذْرُ وَالْعَمَلُ لِاٰخَرَ اَوْ كَانَ الْبَذْرُ لِاَحَدِهِمَا وَالْبَاقِيْ لِاٰخَرَ اَوْ كَانَ الْبَذْرُ

پس اگر ہو زمین اور بیل ایک کا اور بیج اور کام دوسرے کا یا بیج ایک کا اور باقی دوسرے کا یا ہو بیج اور بیل ایک کا

وَالْبَقَرُ لِوَاحِدٍ وَالْبَاقِيْ لِاٰخَرَ اَوْ شَرَطَا لِاَحَدِهِمَا قُفْزَانًا مُسَمَّاةً اَوْ عَلَى الْمَاذِيَانَاتِ وَالسَّوَاقِيْ

اور باقی دوسرے کا یا شرط کرلے ایک کے لئے چند معین پیمانے یا نالیوں اور گولوں کے قریب کی پیداوار

اَوْ اَنْ يَّرْفَعَ رَبُّ الْبَذْرِ بَذْرَهٗ اَوْ اَنْ يَّرْفَعَ الْخَرَاجَ وَالْبَاقِيْ بَيْنَهُمَا فَسَدَتْ فَيَكُوْنُ الْخَارِجُ لِرَبِّ الْبَذْرِ وَلِلْاٰخَرِ

یا یہ کہ لے لے بیج والا اپنا بیج یا مجرا ہوجائے خراج اور باقی دونوں میں مشترک رہے تو فاسد ہوگی پس پیداوار بیج والے کی ہوگی اور دوسرے کے لئے

اَجْرُ مِثْلِ عَمَلِهٖ اَوْ اَرْضِهٖ وَلَمْ يُزَدْ عَلٰى مَا شَرَطَا وَاِنْ صَحَّتْ فَالْخَارِجُ عَلَى الشَّرْطِ

اس کے عمل کی مزدوری یا زمین کی اجرت ہوگی اور زائد نہیں دیجائیگی اس مقدار سے جو طے کر چکے تھے اگر مزارعت صحیح ہو تو پیداوار شرط کے موافق ہوگی

فَاِنْ لَّمْ يَخْرُجْ شَيْءٌ فَلَاشَيْءَ لِلْعَامِلِ وَمَنْ اَبٰى عَنِ الْمُضِيِّ اُجْبِرَ اِلَّا رَبُّ الْبَذْرِ وَتَبْطُلُ

اور اگر کچھ نہ اُگے تو عامل کیلئے کچھ نہ ہوگا اور جو انکار کرے شرط کے بموجب کام کرنے سے تو اس کو مجبور کیا جائیگا مگر بیج والے کو اور باطل ہو جاتی ہے

بِمَوْتِ اَحَدِهِمَا فَاِنْ مَضَتِ الْمُدَّةُ وَالزَّرْعُ لَمْ يُدْرِكْ فَعَلَى الْمُزَارِعِ اَجْرُ مِثْلِ اَرْضِهٖ حَتّٰى يُدْرِكَ وَنَفَقَةُ

کسی کے مرنے سے اگر مدت گزر جائے اور کھیتی نہ پکی ہو تو کسان پر زمین کی اجرت ہوگی یہاں تک کہ کھیتی تیار ہو جائے اور کاشت کا صرفہ دونوں پر

الزَّرْعِ عَلَيْهِمَا بِقَدْرِ حُقُوْقِهِمَا كَاَجْرِ الْحَصَادِ وَالرِّفَاعِ وَالدِّيَاسَةِ وَالتَّذْرِيَةِ فَاِنْ شَرَطَاهُ عَلَى الْعَامِلِ فَسَدَتْ.

ہوگا ان کے حقوق کے موافق جیسے کاٹنے اٹھانے گاہنے اور سیلانے کی اجرت اگر شرط کرلیں کہ صرفہ کسان کے ذمہ ہوگا تو مزارعت فاسد ہو جائیگی۔

توضیح اللغۃ: بذر بیج، قفزان جمع قفیز آٹھ مکّ کا ایک پیمانہ، ماذیانات جمع ماذیان نہر کبیر، سواقی جمع ساقیہ نہر صغیر، خراج ٹیکس، ابی اباء انکار کرنا۔ حصاد کھیتی کاٹنا، رفاع کھیتی اٹھا کر کھلیان کی طرف لانا، دیاسۃ کھیتی گاہنا، تذریہ غلہ صاف کرنا۔

تشریح الفقہ: قولہ فان کانت الخ یہاں سے فسدت تک سات صورتیں ہیں (۱) زمین اور بیل ایک کا ہو اور بیج اور عمل دوسرے کا ہو (۲) بیج ایک کا ہو اور باقی دوسرے کا ہو (۳) بیج اور بیل ایک کا ہو اور زمین اور عمل دوسرے کا ہو (۴) متعاقدین میں سے کسی ایک کیلئے معین غلہ مشروط ہو (۵) پانی کی نالیوں اور گولوں کے قریب اگنے والی کھیتی کسی ایک کیلئے مشروط ہو (۶) بیج والا اپنا بیج لیکر باقی میں شریک رہے۔ (۷) پیداوار میں سے خراج مجرا کر کے باقی مشترک رہے۔ ان ساتوں صورتوں میں مزارعت فاسد ہے۔ پس پیداوار بیج والے کی ہوگی اور کام کرنیوالے کو دستور کے موافق اس کے عمل کی مزدوری ملے گی اور اگر زمین بھی اسی کی ہو تو زمین کا کرایہ بھی ملے گا۔ لیکن مزدوری اور کرایہ اس مقدار سے زائد نہیں دیا جائے گا جو آپس میں طے ہو چکا تھا۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

کتاب المساقاة

هِيَ مُعَاقَدَةُ دَفْعِ الاَشْجَارِ اِلَى مَنْ يَّعْمَلُ فِيْهَا عَلٰى اَنَّ الثَّمَرَ بَيْنَهُمَا وَهِيَ كَالْمُزَارِعَةِ وَتصِحُّ فِي النَّخل

وہ باہم عقد ہے درخت دینے کا اس کو جوان کی پرورش کرے اس شرط پر کہ پھل دونوں میں مشترک ہوں گے اور مزارعت کی طرح ہے اور صحیح ہے

وَالشَّجَرِ وَالْكَرَمِ وَالرِّطَابِ وَاُصُوْلِ الْبَاذِنْجَانِ فَاِنْ دَفَعَ نَخْلاً فِيْهِ ثَمْرَةٌ مُسَاقَاةٌ وَالثَّمْرَةُ تزِيْدُ

کھجور میں میوہ دار درخت میں انگور میں رطبہ گھاس میں بینگنوں کی جڑوں میں اگر دیا کھجور کا درخت جس میں پھل ہے مساقات پر اور پھل بڑھنے

بِالْعَمَلِ صَحَّتْ وَاِنْ اِنْتَهَتْ لاَ كَالْمُزَارَعَةِ وَاِذَا فَسَدَتْ فَلِلْعَامِلِ اَجْرُ مِثْلِهٖ

والے ہیں عمل سے تو صحیح ہے اور اگر ان کا بڑھنا پورا ہو گیا ہو تو صحیح نہیں جیسے مزارعت اگر مساقات فاسد ہو تو عامل کے لئے اس کے کام کے مطابق

وَتَبْطُلُ بِالْمَوْتِ وَ تَفْسُخُ بِالْعُذْرِ كَالْمُزَارَعَةِ

مزدوری ہوگی یہ عقد باطل ہو جاتا ہے کسی ایک کے مرنے سے اور فسخ ہو جاتا ہے عذر کی وجہ سے مزارعت کی طرح

بِاَنْ يَكُوْنَ الْعَامِلُ سَارِقًا اَوْ مرِيْضًا لاَ يَقْدِرُ عَلٰى الْعَمَلِ.

جیسے عامل کا چور ہونا یا اتنا بیمار ہونا کہ کام کرنے پر قادر نہ ہو۔

تشریح الفقہ: **قوله كتاب الخ** مزارعت و مساقات میں مناسبت یہ ہے کہ دونوں تحصیل منفعت کے شرعی عقد ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ مزارعت میں سینچائی وغیرہ کے ذریعہ کھیت کی خبر گیری ہوتی ہے اور مساقات میں درختوں کی اصلاح وغیرہ ہوتی ہے۔ پھر ترتیب کا حق تو یہ تھا کہ مساقاۃ کو مزارعت سے پیشتر لاتا کیونکہ فقہاء کی کثیر تعداد مساقات کے جواز کی قائل ہے۔ بخلاف مزارعت کے کہ اس کے جواز میں بہت سے فقہا کو کلام ہے۔ اسی وجہ سے امام طحاوی نے اپنی مختصر میں مساقات کو مقدم کیا ہے۔ مگر کثرت وقوع و کثرت مسائل مزارعت کیوجہ سے اس کے احکام کی معرفت کی زیادہ احتیاج ہے۔ اسی لئے مصنف نے مزارعت کو مقدم کر دیا۔

قوله هي الخ زیلعی، عینی، مسکین، درر وغیرہ میں ہے کہ مساقات لغۃً سقی سے مفاعلت ہے بمعنی سینچنا اور سیراب کرنا۔ لیکن نہایہ وغیرہ معلوم سے ہوتا ہے کہ مساقات کے لغوی اور شرعی معنی میں کوئی فرق نہیں۔ چنانچہ اہل مدینہ مساقات کو معاملہ کہتے ہیں۔ پس مساقات اس کو کہیں گے کہ کوئی شخص اپنا باغ دوسرے کو اس لئے دیدے کہ وہ درختوں کی پرورش ان کی اصلاح اور باغ کی دیکھ بھال کرتا رہے اور ان میں جو پھل لگیں وہ ان میں مشترک ہوں۔

قوله وهي كالمزارعة الخ حکم اور اختلاف کے اعتبار سے مساقات مزارعت کی طرح ہے۔ کہ امام صاحب کے نزدیک جائز نہیں صاحبین کے نزدیک جائز ہے نیز صحت مساقات کی شرطیں بھی وہی ہیں جو مزارعت کی ہیں۔ فرق صرف چار چیزوں میں ہے (۱) اگر متعاقدین میں سے کوئی اس سے باز رہے تو اس کو مساقات پر مجبور کیا جائیگا۔ بخلاف مزارعت کے کہ اس میں اگر صاحب تخم انکار کرے تو اس پر جبر نہیں۔ (۲) اگر مساقات کی مدت گزر جائے اور پھل خام ہوں تو مزارع کی طرح عامل بھی پھل پختہ ہونے تک باغ کی خبر گیری کرتا رہے گا۔ لیکن یہاں نہ زمین کا کرایہ ہوگا۔ اور نہ عامل کے عمل کی اجرت بخلاف مزارعت کے کہ اس میں یہ دونوں چیزیں واجب ہیں (۳) اگر باغ میں کسی کا استحقاق ثابت ہو جائے تو عامل اپنی اجرت مثل لے گا اور مزارعت کی صورت میں یہ کھیتی کی قیمت لے گا (۴) مساقات میں مدت کا بیان ہونا شرط نہیں اور مزارعت میں شرط ہے۔

قولہ وتصح الخ کھجور، انگور کی بیل، رطبہ اور بیگن کی جڑوں میں عقد مساقات صحیح ہے۔ امام شافعی کے قول جدید پر مساقات انگور اور کھجور کے ساتھ خاص ہے کیونکہ خلاف قیاس ہونے کے باوجود جواز مساقات حدیث خیبر کی وجہ سے ہے۔ اور حدیث خیبر میں انہی دو کا تذکرہ ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ حدیث "ان النبی ﷺ **عامل اهل خيبر بشطر مايخرج من تمر اوزرع**" مطلق ہے۔ لہذا اپنے اطلاق پر رہے گی۔

قولہ فان دفع الخ ایک شخص نے کھجور کا باغ مساقات پر دیا جس میں کچے پھل لگے ہوئے تھے جو عامل کی محنت سے اور بڑھنے والے ہیں تو مساقات صحیح ہے اور اگر پھل پک چکے ہوں اور ان کی بڑھوتری ختم ہو چکی ہو تو مساقات صحیح نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ عامل اپنے عمل کی وجہ سے مستحق ہوتا ہے اور جب پھل پک چکا تو اس کے عمل کو کوئی دخل نہیں رہا۔ پس اگر پکنے کے بعد بھی مساقات کا جائز رکھا جائے تو عامل کا بلا عمل مستحق ہونا لازم آئے گا **ولم يرد به الشرع**۔

قولہ وتفسخ الخ مزارعت کی طرح عقد مساقات بھی عذر کی وجہ سے فسخ ہو جاتا ہے کیونکہ یہ اجارہ کے معنی میں ہے جو عذر کی وجہ سے فسخ ہو جاتا ہے۔ اعذار فسخ جیسے عامل کا عاجز ہو جانا، بیمار ہونا، چور ہونا وغیرہ۔

عہ ۔۔۔ ایک نرم گھاس ہے جو خوید کی طرح جانوروں کو کھلاتے ہیں۔

كتاب الذبائح

هِيَ جَمْعُ ذَبِيْحَةٍ وَهِيَ اِسْمٌ لِمَا يُذْبَحُ وَالذَّبْحُ قَطْعُ الاَوْدَاجِ

وہ جمع ہے ذبیحہ کی اور وہ نام ہے اس کا جو ذبح کیا جائے اور ذبح رگیں کاٹنا ہے۔

تشریح الفقہ: قولہ کتاب الخ مزارعت اور ذبائح دونوں میں اتلاف فی الحال اور انتفاع فی المآل ہوتا ہے۔ یعنی جس طرح کاشتکار زمین میں بیج ڈال کر اپنا مال فنا کرتا ہے تاکہ بعد میں اس کی پیداوار سے فائدہ اٹھائے اسی طرح ذابح جانور کی روح ختم کر کے اپنا مال فنا کرتا ہے۔ تاکہ وہ اس کے گوشت سے نفع حاصل کرے۔ سوال یہ مناسبت تو کتاب المزارعۃ اور کتاب الذبائح میں ہوتی حالانکہ مناسبت کتاب المساقات کے ساتھ ہونی چاہے۔ جواب تقریباً جملہ شروط واحکام میں مساقات کا حکم مزارعۃ کا سا ہے جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا تو جو مناسبت مزارعۃ وذبائح میں ہے وہی مساقات وذبائح میں ہے۔

قولہ هي الخ ذبائح ذبیحۃ کی جمع ہے۔ ذبیحہ اور ذبح اصل مذبوح جانور کو کہتے ہیں لیکن مجازاً۔ (بطریق مایؤل) اس جانور کو بھی کہتے ہیں جو عنقریب ذبح کیا جائے گا۔ پس لفظ ذبیحہ وصفیت سے اسمیت کی طرف منقول ہے (قہستانی) ذبح بالفتح مصدر ہے بمعنی: ذبح کرنا شریعت میں قطع اوداج یعنی چار مخصوص رگیں (جن کی تشریح آگے آرہی ہے) کاٹ دینا ذبح کہلاتا ہے۔

وَحَلَّ ذَبِيْحَةُ مُسْلِمٍ وَكِتَابِيٍّ وَصَبِيٍّ وَامْرَأَةٍ وَاَخْرَسٍ وَاَقْلَفٍ لاَمَجُوْسِيٍّ وَوَثَنِيٍّ وَمُرْتَدٍّ وَمُحْرِمٍ وَتَارِكِ

اور حلال ہے مسلمان کتابی بچہ عورت گونگے غیر مختون کا ذبیحہ نہ کہ آتش پرست بت پرست مرتد محرم اور قصداً بسم اللہ ترک کرنے والے کا ذبیحہ

تَسْمِيَةٍ عَمَدًا وَحَلَّ لَوْنَاسِيًا وَكُرِهَ اَنْ يَذْكُرَ مَعَ اِسْمِ اللهِ غَيْرَهُ وَاَنْ يَقُوْلَ عِنْدَالذَّبْحِ

اور حلال ہے اگر بھول کر ہو مکروہ ہے یہ کہ لے اللہ کے نام کیساتھ دوسرے کا نام یا کہے ذبح کرتے وقت

اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ فُلاَنٍ وَاِنْ قَالَ قَبْلَ التَّسْمِيَةِ وَالاِضْجَاعِ جَازَ.

کہ اے اللہ قبول کر فلاں کی طرف سے اور اگر کہا لٹانے اور بسم اللہ کہنے سے پہلے تو جائز ہے۔

کس کا ذبیحہ حلال ہے اور کس کا حلال نہیں

تشریح الفقہ: قولہ وحل الخ مسلمان کا ذبیحہ حلال ہے مرد ہو یا عورت کیونکہ آیت "الا ماذکیتم" میں خطاب مسلمانوں کو ہے۔ اہل کتاب کا ذبیحہ بھی حلال ہے یا حربی، تغلبی ہو یا بشرطیکہ اس نے بوقت ذبح غیر اللہ کا نام نہ لیا ہو کیونکہ آیت و طعام الذين اوتوا الكتاب حل لكم میں طعام سے مراد ان کا ذبح کیا ہوا جانور ہے۔ ورنہ طعام غیر مذبوح میں تو مسلم وکافر کی کوئی تخصیص ہی نہیں قال البخاری قال ابن عباس ذبائحهم۔

قولہ لا مجوسی الخ آتش پرست کا ذبیحہ حلال نہیں کیونکہ روایت میں ہے، غير ناكحي نسائهم ولا آكلي ذبائحهم ،، بت پرست کا ذبیحہ بھی حلال نہیں۔ کیونکہ وہ ملت کا معتقد نہیں۔ نیز مرتد کا ذبیحہ بھی حلال نہیں۔ کیونکہ اسکا کوئی مذہب ہی نہیں۔ اگر محرم شکار ذبح کرے تو اس کا ذبیحہ بھی حلال نہیں کیونکہ ذکاۃ وذبح فعل مشروع ہے۔ اور احرام کی حالت میں محرم کا یہ فعل غیر مشروع ہے۔

قولہ وتارک تسمیۃ الخ جو شخص ذبح کرتے وقت خدا کا نام ترک کر دے اس کا ذبیحہ حلال نہیں اور اگر بھول کر ترک کر دے تو

حلال ہے، امام شافعی کے یہاں دونوں صورتوں میں حلال ہے۔ امام مالک کے یہاں دونوں صورتوں میں حرام ہے۔ امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلعم سے سوال کیا: یا رسول اللہ! ہم میں سے کوئی ذبح کرتا ہے اور اللہ کا نام بھول جاتا ہے، آپ نے فرمایا: اسم اللہ علی کل مسلم ،، نیز حدیث میں ہے کہ مسلمان کا ذبیحہ حلال ہے اللہ کا نام لے یا نہ لے، ہماری دلیل یہ ہے کہ ’’ آیت ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ و انہ لفسق ،، میں لاتاکلوا نہی مطلق ہے جس کا مقتضی تحریم ہے اور فسق سے مراد حرام ہے۔ نیز حضرت عدی بن حاتم کی روایت میں آپکا ارشاد ہے کہ اس کو مت کھا کیونکہ تو نے اپنے کتے پر اللہ کا نام لیا ہے نہ کے دوسرے کتے پر امام شافعی کے پہلے مستدل کا جواب یہ ہے کے اس کی سند مروان بن غفاری راوی بقول حافظ دار قطنی ضعیف ہے۔ اسی وجہ سے ابن القطان نے روایت کو معلول کہا ہے ابن عدی نے کامل امام احمد اور امام نسائی سے اس کی تضعیف نقل کی ہے۔ اور کہا ہے کہ عامۃ ما یرویہ لا یتابعہ الثقات علیہ اور دوسری حدیث میں ارسال کے ساتھ ساتھ صلت سدوسی مجہول الحال ہے جسکی کوئی راویت اس کے سوا معروف نہیں اور نہ کوئی روای ثوری یزید کے علاوہ اس سے روایت کرتا ہے۔ علاوہ ازیں عمداً متروک التسمیہ کی حلت کا قول خلاف اجماع ہے کیونکہ اس کی حرمت میں تو کسی کا اختلاف ہی نہیں اختلاف تو صرف ناسیاً متروک التسمیہ کی حلت میں ہے۔ حضرت ابن عمر کا مذہب یہ ہے کہ حرام ہے۔ اور حضرت ابن عباسؓ اور حضرت علیؓ کا مذہب یہ ہے کہ حلال ہے اسی لئے امام ابو یوسف اور دیگر مشائخ نے کہا ہے کہ عمداً متروک التسمیہ کے متعلق تو اجتہاد کی بھی گنجائش نہیں، امام مالک ظاہر الروایات پر عمل کرتے ہیں وقد حصل الجواب عنہ بماذ کرنا۔

وَالذَّبحُ بَينَ الحلَقِ وَاللَّبَّةِ وَالمَذبَحُ المَرِئُ وَالحلقُومُ وَالوَدجَان وَقَطعُ الثُّلُثِ كَافٍ وَلَو بِظُفرٍ وَقَرنٍ

اور ذبح کا مقام گلے اور سینہ کے اوپر کی ہڈی کے درمیان ہے اور مذبح مرء، حلقوم اور دو شہ رگیں ہیں اور تین کا کٹ جانا کافی ہے گو ناخن سینگ

وَ عَظمٍ وَ سِنٍّ مَنزُوعٍ وَلِيطَةٍ وَمَروَةٍ وَمَا اَنهَرَ الدَّمَ اِلَّا سِنًّا وَظُفرًا قَائِمَينِ

ہڈی دانت کے ذریعہ ہو جو اکھڑے ہوئے ہوں یا نرکل کے چھلکے یا تیز پتھر یا ایسی چیز سے ہو جو خون بہادے بجز دانت اور ناخن کے جو لگے ہوئے ہوں

وَنُدِبَ حَدُّ الشَّفرَةِ وَكُرِهَ النَّخعُ وَقَطعُ الرَّأسِ وَالذَّبحُ مِنَ القَفَا وَذَبحُ صَيدٍ

اور مستحب ہے چھری تیز کر لینا اور مکروہ ہے ہڈی کے گودے تک کاٹنا اور سر علیحدہ کرنا اور گدی کی طرف سے ذبح کرنا اور ذبح کیا جائے وہ شکار جو پل

اِستَانَسَ وَجُرِحَ نَعَمٌ تَوَحَّشَ اَو تَرَدّٰى فِي بِئرٍ وَسُنَّ نَحرُ الاِبِلِ وَذَبحُ البَقَرِ وَالغَنَمِ

گیا ہو اور زخم لگایا جائے وہ چوپایہ جو وحشی ہو جائے یا کنویں میں گر جائے اور مسنون ہے نحر اونٹ کیلئے اور ذبح گائے اور بکری کے لئے

وَكُرِهَ عَكسُهُ وَحَلَّ وَلَم يَتَذَكَّ جَنِينٌ بِذَكوةِ اُمِّهٖ.

اور مکروہ ہے اس کا عکس مگر حلال ہو جائیگا اور ذبح نہ ہوگا پیٹ کا بچہ اس کی ماں کے ذبح ہونے سے

توضیح اللغۃ: لبہ سینہ کے اوپر کی ہڈی، مری کھانے پینے کی راہ، حلقوم سانس آنے جانے کی راہ، ودجان دو شہ رگیں جو حلقوم اور مری کے چپ و راست میں واقع ہیں جن میں خون کا دوران رہتا ہے۔ ظفر ناخن، قرن سینگ، عظم ہڈی، سن دانت، منزوع اکھڑا ہوا لیطہ پوست نرکل، مروۃ تیز پتھر، انہر بہادے، حد تیز کرنا، شفرہ چھری، نخع گلے کی ہڈی کے گودے تک کاٹ دینا قفا گدی، نعم چوپایہ، نحر سینہ کے اوپر گردن کے نیچے نیزہ مارنا، جنین جو بچہ پیٹ میں ہو۔

عہ..... عبد الرزاق، ابن ابی شیبہ (مرسلا) ۱۲۔ عہ..... دار قطنی، طبرانی (فی مرالاوسط) عن ابی ہریرہ وفی روایۃ علی فم مسلم ۱۲۔
للعہ..... ابو داؤد عن الصلت (فی مراسلیہ) ۱۲۔ للعہ..... ائمہ ستہ عن عدی بن حاتم ۱۲

تشریح الفقہ : قولہ والذبیح الخ ذبح کی دو قسمیں ہیں ذبح اختیاری ذبح اضطراری کیلئے بدن کا کوئی حصہ معین نہیں بلکہ صرف زخم لگانا اور خون بہانا کافی ہے جس حصہ میں بھی ہو لیکن ذبح اختیاری کے لئے جگہ معین ہے یعنی حلق اور لبہ کا درمیانی حصہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے'' الاان الذکاۃ فی الحلق و اللبۃ'' ذبح کرتے وقت جو رگیں کاٹی جاتی ہیں وہ چار ہیں مری حلقوم ودجان یہ چار رگیں اس لئے متعین ہیں کہ شہ رگ کٹ جانے سے خون نکل جاتا ہے۔اور حلقوم ومری کٹ جانے سے جان جلدی نکل جاتی ہے۔امام شافعی کے یہاں حلقوم اور مری کا کٹ جانا کافی ہے۔ہماری دلیل یہ حدیث ہے''افر الاوداج بما شئت'' اس مین اوداج جمع ہے جس کا اقل عدد تین ہے تو یہ مری اور ودجین تینوں کو شامل ہوا اور ان کا قطع قطع حلقوم کے بغیر ناممکن ہے تو اقتضاء قطع حلقوم بھی ثابت ہوا۔

قولہ وقطع الثلاث الخ امام صاحب کے نزدیک عروق اربعہ میں سے لاعلی التعیین تین رگوں کا کٹ جانا حلت ذبیحہ کے لئے کافی ہے۔امام ابو یوسف بھی اولاً اسی کے قائل تھے بعد میں آپ نے رجوع کر لیا اور فرمایا کہ قطع حلقوم ومری اور قطع احد الودجین شرط ہے۔ امام محمد کے نزدیک عروق اربعہ میں سے ہر رگ کا اکثر حصہ کٹنا ضروری ہے۔یہ ایک روایت امام صاحب سے بھی ہے کہ کیونکہ عروق اربعہ میں سے ہر رگ اصل بنفسہ ہے۔اور ہر ایک کو کاٹنے کا حکم ہے۔امام ابو یوسف یہ فرماتے ہیں کہ قطع ودجین کا مقصد خون بہانا ہے۔تو ودجین میں سے ایک رگ دوسری رگ کے قائم مقام ہو سکتی ہے۔امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ اکثر کل کے قائم مقام ہوتا ہے۔اور عروق اربعہ میں سے لاعلی التعیین تین رگوں سے انہار دم حاصل ہو جاتا ہے۔لہٰذا تین کا کٹ جانا کافی ہے۔ وفبہ ان اکثر الشئی یقوم مقام کلہ لااکثر الاشیاء و بھذاتبین ان الاظہر قول محمد۔

قولہ ولو بظفر الخ اگر ناخن اور دانت اکھڑے ہوئے ہوں تو ہمارے نزدیک ان سے ذبح کرنا حلال ہے مگر مکروہ ہے۔امام شافعی کے نزدیک ان سے ذبح کیا ہوا جانور حلال نہیں۔کیونکہ حدیث میں ان کا استثنا موجود ہے۔ قال علیہ الصلوۃ والسلام کل ماافری الاوداج الاسنا او ظفرا'' بعض روایت میں ہے کہ یہ حبشیوں کی چھریاں ہیں یعنی وہ لوگ دانت اور ناخن سے ذبح کرتے ہیں ہماری دلیل حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے'' امرر الدم بما شئت'' اور حدیث مذکور ظفر غیر منزوع پر محمول ہے۔اور کراہت کی وجہ یہ ہے کہ اس میں جانور کو تکلیف دینا ہے جیسے کند چھری سے ذبح کرنا مکروہ ہے۔

قولہ وندب الخ جانور لٹانے سے پہلے چھری تیز کر لینا مستحب ہے۔ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ'' حق تعالیٰ نے ہر چیز پر احسان کرنا ضروری فرمایا ہے۔تو جب قتل کرو تو اچھی طرح قتل کرو اور جب ذبح کرو تو اچھی طرح ذبح کرو اور چاہئے کہ اپنی چھری تیز کر لے اور اپنے ذبیحہ کو آرام دے۔''

قولہ وکرہ النخع الخ نخع یعنی ذبح شدید بھی مکروہ ہے کیونکہ حضور ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔حدیث کے الفاظ ہیں'' نہی عن الذبیحۃ ان تفرس'' ابراہیم حربی نے''غریب الحدیث'' میں فرس کی تفسیر یوں کی ہے کہ جانور کو اس طرح ذبح کیا جائے کہ چھری نخاع تک پہونچ جائے۔نخاع حرام مغز کو کہتے ہیں جو گردن اور پیٹھ کی گریوں میں دنبالہ کی مانند واقع ہے۔ابن الاثیر نے نہایہ میں اس کی تفسیر یوں کی ہے کہ جانور ٹھنڈا ہونے سے پہلے اس کی گردن توڑ دی جائے۔بہر کیف یہ سب افعال مکروہ ہیں ان میں بلا فائدہ تعذیب ہے۔

قولہ ولم یتذک الخ بکری وغیرہ ذبح کی گئی اس کے پیٹ میں سے بچہ نکلا تو امام صاحب امام زفر اور حسن بن زیاد کے نزدیک بچہ ماں کا تابع ہو کر حلال نہ ہوگا بلکہ اس کو علیحدہ سے ذبح کیا جائے گا۔صاحبین اور ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ اگر اس کی خلقت پوری ہو چکی ہو تو ذبح کرنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ'' ذکاۃ الجنین ذکاۃ امہ'' نیز بچہ ماں کا جزو ہوتا ہے حقیقۃً بھی اور حکماً بھی۔حقیقۃً تو اس لئے کہ وہ اس کے ساتھ متصل ہوتا ہے اس کی غذا سے غذا پاتا ہے۔اسی کے سانس سے دم لیتا ہے اور حکماً اس لئے کہ ماں کی بیع میں بچہ داخل ہوتا ہے۔اور اس کے آزاد ہونے سے وہ بھی آزاد ہو جاتا ہے امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ بچہ کی زندگی مستقل

زندگی ہے۔ چنانچہ وہ ماں کے مرنے کے بعد بھی زندہ رہ سکتا ہے۔ نیز غرہ واجب ہونے میں بھی وہ مستقل ہے۔ اسی طرح اس کے لئے وصیت کی جاسکتی ہے۔ پھر وہ بھی ایک خون دار جانور ہے۔ اور ذبح کرنے کا مقصد خون ہی زائل کرنا ہے۔ اور یہ مقصد ماں کے ذبح ہوجانے کے بعد حاصل نہیں ہوتا' رہی حدیث سو وہ تشبیہ محمول ہے۔ یعنی ذکاۃ جنین ذکاۃ ام کی مانند ہے۔ وجہ یہ ہے کہ روایت میں لفظ ذکاۃ امہ مرفوع و منصوب دونوں طرح مروی ہے۔ بصورت نصب تو تشبیہ ہونے میں کوئی اشکال ہی نہیں۔ لیکن اگر مرفوع ہو تب بھی تشبیہ میں کوئی اشکال نہیں ہونا چاہئے۔ کیونکہ تشبیہ میں رفع نصف سے قوی تر ہے۔ قال الشاعر

وعيناک عينا ها وجيدک جيد ها سوی ان عظم الساق منک دقيق

فَصْلٌ فِيْمَا يَحِلُّ اَكْلُهُ وَمَا لاَ يَحِلُّ لاَ يُؤْكَلُ ذُوْنَابٍ وَمِخْلَبٍ مِنَ السَّبُعِ وَالطَّيْرِ وَحَلَّ غُرَابُ الزَّرْعِ لاَ الاَبْقَعُ

(فصل) ان میں جن کا کھانا حلال ہے اور جن کا حلال نہیں نہ کھایا جائے کچلی اور پنجہ والا درندوں اور پرندوں سے اور حلال ہے کھیتی کا کوا

الَّذِیْ يَاْكُلُ الْجِيَفَ وَالضَّبُعَ وَالضَّبُّ وَالزُّنْبُوْرُ وَالسُّلْحَفَاةُ وَالْحَشَرَاتُ وَالْحُمُرُ الاَهْلِيَّةُ وَالْبَغْلُ وَالْخَيْلُ وَحَلَّ الاَرْنَبُ.

نہ کہ چتکبرا جو مردار کھاتا ہے اور بجو گوہ بھڑ کچھوا زمین میں رہنے والے جانور یا پالتو گدھے خچر گھوڑے اور حلال ہے خرگوش

توضیح اللغۃ: ناب کچلی کے دانت' مخلب پنجہ' سبع درندہ' غراب کوا' ابقع چتکبرا' جیف جمع جیفہ مردار' ضبع بجو' ضب گوہ' زنبور بھڑ' سلحفاۃ کچھوا' حمر جمع حمار' ارنب خرگوش

تشریح الفقہ: قولہ لایو کل الخ کچلیوں والے درندے یعنی ٹیڑھے دانت والے جانور جو دانتوں سے شکار کر کے کھاتے ہیں اور پنجہ گیر پرندے جو اپنے چنگل سے شکار کرتے ہیں' ان کا کھانا جائز نہیں۔ کیونکہ حضور ﷺ نے ہر کچلیوں والے درندے اور ہر پنجہ والے پرندے سے منع فرمایا ہے' اور جو کوا دانہ کھاتا ہے ناپاکی نہیں کھاتا وہ حلال ہے۔ اور ابلق یعنی دیسی کوا جو مردار اور ناپاکی کھاتا ہے جس کی گردن کا رنگ پیروں کی بہ نسبت سفید ہوتا ہے اس کا کھانا حرام ہے۔ کیونکہ وہ حیوانات خبیثہ کے ساتھ ملحق ہے۔ اور عقعق کوا جو ناپاکی اور دانہ دونوں کھاتا ہے امام صاحب کے نزدیک وہ کھایا جاسکتا ہے۔ لیکن امام ابو یوسف سے اس کی کراہت مروی ہے کیونکہ اس کی اکثر غذا ناپاکی ہوتی ہے۔

فائدہ: عقعق بروزن قنفذ ابلق (سیاہ و سفید) پرندہ ہے جس کی آواز میں عین اور قاف معلوم ہوتا ہے۔ (قاموس) بعض لوگ اس کو مہوکھا کہتے ہیں' علامہ طحاوی نے حاشیہ مکی سے نقل کیا ہے کہ عقعق بروزن جعفر کبوتر کی مانند ایک پرندہ ہے' لمبی دم والا جس میں سفیدی اور سیاہی ہوتی ہے' یہ از قسم غراب ہے۔ اور اس سے بدشگونی لیتے ہیں۔) (انتہیٰ) امام ابو یوسف سے روایت ہے کہ میں نے امام صاحب سے عقعق کے متعلق پوچھا آپ نے فرمایا: اس کے کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں' میں نے کہا: وہ تو نجاست کھاتا ہے فرمایا: وہ نجاست کو دوسری چیز کے ساتھ ملا کر کھاتا ہے۔

عہ...... دارقطنی عن ابی ہریرہ' عبد الرزاق (موقوفا علی ابن عباس وعمر ولفظہ "الذکاۃ فی الحلق واللبۃ" ۱۲

عہ...... ابن ابی شیبہ عن رافع ۱۲۔ عہ...... ابوداؤد' نسائی' ابن ماجہ' احمد' طبرانی عن عدی ولفظ النسائی واحمد "انہر" ولفظ ابن حبان والحاکم "امر" ولفظ النسائی فی سننہ الکبریٰ "اہرق" ۱۲۔ عہ...... الجماعۃ الا البخاری عن شداد بن اوس ۱۲۔ للعہ...... طبرانی' ابن عدی عن ابن عباس ۱۲۔ عہ...... ابوداؤد' ترمذی' ابن ماجہ' ابن حبان' احمد' دارقطنی' احمد' دارقطنی عن الخدری' ابوداؤد' حاکم' دارقطنی' ابویعلیٰ' عن جابر' حاکم' دارقطنی عن ابی ہریرہ او ابن عمر وابی ایوب' دارقطنی' عن ابن مسعود وابن عباس' وعلی طبرانی عن کعب بن مالک' بزار' طبرانی' عن ابی امامہ وابی الدرداء ۱۲۔

عہ...... مسلم' ابوداؤد' بزار عن ابن عباس' ابوداؤد عن خالد بن الولید' احمد عن علی ۱۲۔

قوله والضبع الخ ہمارے نزدیک الضبع (بجو) کا کھانا حرام ہے۔ یہی سعید بن المسیب اور امام ثوری کا قول ہے ائمہ ثلاثہ کے یہاں حلال ہے۔ کیونکہ عبدالرحمٰن بن ابی عمار کہتے ہیں کہ میں نے حضرت جابرؓ سے ضبع کے متعلق سوال کیا: کیا وہ شکار ہے؟ فرمایا: ہاں' میں نے کہا: کھا سکتا ہوں؟ فرمایا: ہاں' میں نے کہا: آپ نے اس کے متعلق آنحضرت ﷺ سے کچھ سنا ہے؟ فرمایا: ہاں' ہماری دلیل مذکورہ بالا حدیث ہے جس میں ذی ناب درندوں کے کھانے سے منع کیا گیا ہے۔ اور ضبع بھی ذی ناب ہے۔ نیز حضرت خزیمہ بن جزء فرماتے ہیں کہ ''میں نے آنحضرت ﷺ سے بجو کھانے کے متعلق دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا: کیا کوئی بھلا آدمی بجو بھی کھاتا ہے' عبداللہ بن سعدی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سعید بن المسیب سے عرض کیا: میری قوم کے کچھ لوگ بجو بھی کھاتے ہیں' آپ نے فرمایا: اس کا کھانا حلال نہیں' آپ کے پاس ایک سفید ریش بزرگ تشریف فرما تھے انہوں نے کہا: عبداللہ! میں نے جو اس کے متعلق حضرت ابوالدرداءؓ سے سنا ہے۔ وہ تجھ کو بتاؤں؟ میں نے کہا: ضرور' فرمایا: **سمعت ابا الدرداء يقول : نهى رسول الله ﷺ عن اكل كل ذى خطفة ونهبة و مجثمة و كل ذى ناب من السباع**[عہ]'' رہا امام شافعی کا مستدل سو اس کو امام ابوداؤد نے بھی اصحاب سنن ہی کی سند سے روایت کیا ہے لیکن اس میں اکل کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔

قوله والضب الخ ہمارے یہاں گوہ بھی حلال نہیں۔ ائمہ ثلاثہ کے یہاں حلال ہے۔ کیونکہ حضرت خالد بن الولید فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ حضرت میمونہ کے یہاں حاضر ہوا ان کے پاس بھنی ہوئی گوہ تھی آپ نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا تو ایک عورت نے دوسری عورتوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا: تم نے جو کچھ پیش کیا ہے اس سے آنحضرت ﷺ کو آگاہ بھی کر دیا؟ تو عورتوں نے کہا: یارسول اللہ یہ گوہ ہے۔ آپ نے دست مبارک کھینچ لیا۔ میں نے کہا: یارسول اللہ! کیا گوہ حرام ہے؟ فرمایا نہیں۔ لیکن یہ ہم لوگوں کے یہاں نہیں ہوتی پس مجھے یہ ناپسند ہے۔ حضرت خالد فرماتے ہیں کہ میں کھاتا رہا اور آنحضرت ﷺ مجھے دیکھتے رہے منع نہیں فرمایا'' نیز حدیث میں ہے کہ حضرت ام حفید نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پنیر' گھی اور گوہ پیش کی۔ آپ نے گھی اور پنیر تناول فرمایا اور گوہ کو ناپسند کرتے ہوئے چھوڑ دیا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آپ کے دسترخوان پر گوہ کھائی گئی اگر حرام ہوتی تو نہ کھائی جاتی۔ ہماری دلیل ابوداؤد کی روایت ہے ''**ان رسول الله ﷺ نهى عن اكل لحم الضب**'' اور احادیث مذکورہ ابتداء اسلام پر محمول ہیں۔

قوله والحمر الاهلية الخ پالتو گدھا حرام ہے گو وہ وحشی ہو جائے اور گورخر حلال ہے گو وہ مانوس ہو جائے۔ اور وہ خچر بھی حرام ہے جو گدھی کے پیٹ سے ہو (اگر گھوڑی کے پیٹ سے ہو تو امام صاحب کے نزدیک مکروہ ہے' صاحبین کے نزدیک حلال) بشر مریسی کے یہاں گورخر کی طرح پالتو گدھا بھی حلال ہے۔ امام مالک سے بھی یہی منقول ہے۔ کیونکہ حضرت غالب بن ابجر کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں واقعہ قحط ذکر کرنے کے بعد عرض کیا یارسول اللہ! میرے پاس گھر والوں کو کھلانے کے لئے گدھوں کے علاوہ کچھ نہیں اور آپ ان کو حرام فرما چکے۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا: تو اپنے گھر والوں کو اپنے گدھے کھلا'' ہماری دلیل حضرت خالد بن ولید کی حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نے غزوۂ خیبر میں پالتو گدھوں اور گھوڑوں (کا گوشت کھانے) سے ممانعت فرمائی تھی' حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے خیبر کے دن متعہ سے اور پالتو گدھے کھانے سے منع فرمایا تھا' اور امام مالک کے مستدل کا جواب یہ ہے کہ اول تو اس روایت کی سند اور متن ہر دو میں سخت ترین اضطراب ہے۔ جس کی تفصیل معجم طبرانی' مصنف ابن ابی شیبہ' مصنف عبدالرزاق' مسند بزار وغیرہ سے معلوم ہو سکتی ہے۔ دوم یہ کہ میں جو اجازت ہے وہ ضرورت کی حالت میں ہے جس میں مردار بھی حلال ہو جاتا ہے۔

عہ...... ترمذی' نسائی' ابن ماجہ' ابن حبان' حاکم عن جابر ۱۲۔ عہ...... ترمذی' ابن ماجہ عن خزیمہ ۱۲۔ عہ...... احمد' ابن راہویہ' ابویعلی الموصلی ۱۲۔ عہ...... صحیحین عن خالد ۱۲
عہ...... صحیحین عن ابن عباس ۱۲۔ عہ...... ابوداؤد عن عبدالرحمٰن بن شبل ۱۲۔ للعہ...... ابوداؤد' طبرانی' ابن ابی شیبہ' عبدالرزاق' بزار عن غالب بن ابجر ۱۲
للعہ...... ابوداؤد' نسائی' ابن ماجہ' واقدی' احمد دار قطنی عن خالد ۱۲۔ للعہ...... صحیحین عن علی ۱۲۔ عہ...... صحیحین عن جابر ۱۲۔

قولہ والخیل الخ امام صاحب کے یہاں گھوڑے کا گوشت مکروہ تحریمی ہے حضرت ابن عباس کا بھی یہی قول ہے یہی امام مالک فرماتے ہیں، صاحبین، امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک حلال ہے۔ کیونکہ حدیث میں ہے آنحضرت ﷺ نے خیبر کے دن پالتو گدھوں سے منع فرمایا اور گھوڑوں کی اجازت دی، امام صاحب کا استدلال حضرت خالد کی حدیث سے ہے جو اوپر مذکور ہو چکی۔

تنبیہ: امام صاحب کے نزدیک گھوڑے کا گوشت مکروہ تحریمی ہے۔ جس کو صاحب محیط نے صحیح اور صاحب خلاصہ وصاحب ہدایہ نے اصح کہا ہے لیکن صاحب درر نے بقول فخر الاسلام وابوالمعین کراہت تنزیہہ کو اصح کہا ہے۔ مواہب وبرہان میں ہے کہ ظاہر الروایہ یہی ہے۔ تو درصورت کراہت تنزیہہ امام صاحب اور صاحبین کے درمیان کوئی اختلاف نہیں رہتا۔ کیونکہ صاحبین گو حلت کے قائل ہیں مگر ان کے یہاں بھی مکروہ تنزیہی ہے۔ اور کفایہ البیہقی میں ہے کہ امام ابوحنیفہ نے اپنی موت سے تین دن پہلے حرمت سے حلت کی طرف رجوع کر لیا تھا اور اسی پر فتویٰ ہے۔ **کذافی العمادیة۔**

وَذَبْحُ مَالَایُوْکَلُ یُطَهِّرُ لَحْمَهٗ وَجِلْدَهٗ اِلَّا الْاٰدَمِیَّ وَالْخِنْزِیْرِ وَلَا یُوْکَلُ مَائِیٌّ اِلَّا السَّمَکُ

اور ذبح کر لینا غیر ماکول کا پاک کر دیتا ہے اس کے گوشت اور چمڑے کو سوائے آدمی اور خنزیر کے اور نہ کھایا جائے دریائی جانور بجز مچھلی کے

غَیْرُ طَافٍ وَحَلَّ بِلَاذَکوٰةٍ کَالْجَرَادِ وَلَوْ ذَبَحَ شَاةً وَتَحَرَّکَتْ اَوْ خَرَجَ الدَّمُ حَلَّ وَاِلَّا لَا

جو نہ تیراتی ہو پانی پر اور حلال ہے بلا ذبح ٹڈی کی طرح اگر ذبح کی بکری اور اس نے حرکت کی یا خون نکلا تو حلال ہے ورنہ نہیں

اِنْ لَمْ یُدْرَ حَیٰوتُهٗ وَاِنْ عَلِمَ حَلَّ وَاِنْ لَمْ یَتَحَرَّکْ وَلَمْ یَخْرُجِ الدَّمُ.

اگر نہ معلوم ہو اس کی زندگی اور اگر معلوم ہو تو حلال ہے گو حرکت نہ کرے اور نہ خون نکلے۔

توضیح اللغۃ: سمک مچھلی، طاف مردہ مچھلی جو پانی کی سطح پر آ جائے، جراد ٹڈی۔

تشریح الفقہ: **قولہ وذبح الخ** جو جانور غیر ماکول اللحم ہیں ان کو ذبح کر لینے سے ان کا گوشت اور چمڑا پاک ہو جاتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ان کا چمڑا یا چربی وغیرہ رقیق وسیال چیزوں میں گر جائے تو وہ چیز ناپاک نہ ہوگی۔ امام شافعی کے یہاں ذبح کرنے سے گوشت اور چمڑا پاک نہیں ہوتا۔ وہ یہ فرماتے ہیں کہ ذبح کا اثر اباحت لحم میں اصل ہے اور طہارت لحم وطہارت جلد میں تابع ہے اور تابع اصل کے بغیر نہیں ہوتا۔ پس جب ذبح کرنے سے ان کے گوشت کی اباحت ثابت نہیں ہوتی تو گوشت اور چمڑے کی طہارت بھی ثابت نہ ہوگی۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ جس طرح دباغت دینے سے رطوبات نجسہ زائل ہو جاتی ہیں اسی طرح ذبح کرنے سے بھی زائل ہو جاتی ہیں۔ لہٰذا دباغت کی طرح ذبح کرنے سے بھی یہ چیزیں پاک ہو جائیں گی۔

قولہ ولا یو کل مائی الخ دریائی جانور جن کا رہنا سہنا، مرنا جینا، پانی میں ہو وہ سب حرام ہیں سوائے مچھلی کے کہ وہ حلال ہے۔ امام مالک اور ایک جماعت کے نزدیک دریائی جانور علی الاطلاق حلال ہیں۔ امام شافعی سے بھی اطلاق ہی مروی ہے۔ بعض حضرات نے دریائی خنزیر اور کتے اور انسان کا استثنا کیا ہے۔ امام مالک اور امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ آیت "**احل لکم صید البحر**" اور حدیث "**ھو الطھور ماء ہ والحل میتتہ**" مطلق ہے جس میں کسی مخصوص جانور کی تعیین نہیں۔ ہماری دلیل یہ آیت ہے "**ویحرم علیھم الخبائث**" مچھلی کے علاوہ دیگر جانوروں کو طبائع سلیمہ مکروہ جانتی ہیں اور ان سے گھناتی ہیں۔ نیز بہت سے دریائی جانوروں کی ممانعت حدیث سے ثابت ہے۔ چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن بن عثمان قرشی کی حدیث میں ہے کہ ایک طبیب نے دوا میں ڈالنے کے لئے مینڈک کے متعلق آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا تو آپ نے مینڈک مارنے سے منع فرما دیا" **قال المنذری فی حواشیه فیه دلیل علی تحریم اکل الضفدع**" رہی آیت مذکورہ سو وہ شکار کرنے پر محمول ہے اور حدیث مچھلی پر محمول ہے۔

قوله غیر طاف الخ جو مچھلی کسی آفت کے سبب مرگئی ہو وہ حلال ہے۔اور جو مچھلی بلا آفت اپنی موت مرکر پانی کی سطح پر آ گئی ہو اور اس کا پیٹ آسمان کی طرف ہو جس کو سمک طافی کہتے ہیں وہ حلال نہیں ابن ابی شیبہ وعبدالرزاق نے اپنے اپنے مصنف میں حضرت جابر بن عبداللہؓ حضرت علیؓ حضرت ابن عباسؓ ابن المسیب ابوالشعثاء نخعی طاؤس زہری رحمہم اللہ سے سمک طافی کا مکروہ ہونا روایت کیا ہے۔امام مالک اور امام شافعی کے یہاں حلال ہے حافظ دارقطنی نے حضرت ابوبکر وحضرت ابوایوب سے اباحت نقل کی ہے۔ہماری دلیل ہے حضرت جابر کی حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا جس مچھلی کو دریا پھینک دے اس کو کھا۔اور جو اس میں مرجائے اور پانی کی سطح پر آجائے اس کو مت کھا۔

(فائدہ اولی): اگر کسی دریائے پرندے نے مچھلی کو مارڈالا یا مچھلی پانی کے گڑھے میں مرگئی یا پانی میں کوئی دواڈالی گئی اور مچھلی اس کو کھا کر مرگئی تو ایسی مچھلی حلال ہے۔اور اگر پانی کی گرمی یا سردی کی وجہ سے مرگئی تو اس میں دو روایتیں ہیں۔ایک روایت حلال ہے اور ایک حرام ہے۔

(فائدہ ثانیہ): جریث بکسر جیم وتشدید را مکسورہ جو ڈھال کی طرح مدور اور سیاہ قسم کی مچھلی ہوتی ہے جس کو بعض اہل ہند سچکی بولتے ہیں اور مار ماہی جو سانپ جیسی ہوتی ہے جس کو اہل ہند بام کہتے ہیں یہ دونوں مچھلیاں حلال ہیں۔امام محمد سے جو یہ سے روایت ہے کہ جریث اور مار ماہی کے علاوہ باقی مچھلیاں حلال ہیں۔یہ قول ضعیف ہے،غایۃ البیان میں ہے۔کہ بعض روافض اور اہل کتاب جریث مچھلی کھانے کو حرام سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایک دیوث لوگوں کو اپنی بیوی کے پاس بلالاتا تھا اور وہ مسخ ہوکر جریث ہوگیا۔یہ قول بالکل باطل ہے۔کیونکہ جو مسخ ہوجائے وہ تین دن بعد مرجاتا ہے۔اور اس کی نسل باقی نہیں رہتی۔(غایۃ الاوطار)۔

قوله وحل بلاذ کا ۃ الخ مچھلی کی جتنی قسمیں ہیں وہ سب اور ٹڈی ذبح کئے بغیر حلال ہے۔کیونکہ حدیث میں ہے کہ"ہمارے لئے دو مردے حلال ہوئے مچھلی اور ٹڈی اور دو خون حلال ہوئے کلیجہ اور تلی"نیز طبرانی نے معجم میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت کی ہے"عن النبی ﷺ **قال کل دابۃ من دواب البر والبحر لیس لھادم ینعقد فلیس لھا ذکاۃ**"اسی طرح حافظ عبدالرزاق نے مصنف نے حضرت علی کا قول"**الحیتان والجراد ذکی کله**"اور حضرت عمر کا قول"**الحوت ذکی کله والجراد ذکی کله**"روایت کیا ہے۔پس امام مالک جو یہ فرماتے ہیں کہ ٹڈی کا سر توڑنا ضروری ہے احادیث وآثار مذکورہ ان پر حجت ہے۔

(تنبیہ): مچھلی اور ٹڈی کو ذبح کئے بغیر حلال ہے مگر دونوں میں فرق ہے۔اور وہ یہ کہ اگر ٹڈی اپنی موت مرجائے تب بھی ماکول ہے بخلاف مچھلی کے کہ وہ ماکول نہیں۔امام مالکؒ کے یہاں ٹڈی کا کسی سبب سے مرنا ضروری ہے۔امام احمد کا بھی ایک قول ہی ہے۔

(فائدہ اولیٰ): اونٹ اونٹنی گائے بیل بھینس بھیڑ بکری دنبہ کی طرح جو جانور درندے نہیں جیسے ہرن گورخر خرگوش نیل گائے اور جو پرندے چنگل سے شکار نہیں کرتے جیسے مرغ مرغی کبوتر بط غراب الزرع (جو صرف دانہ کھاتا ہے) ابابیل قمری سودانی زرزور فاختہ ٹڈی اور تمام چڑیاں حلال ہیں۔اور جو درندے دانتوں سے پھاڑ کر شکار کرکے کھاتے ہیں یا نیشدار ہیں جیسے شیر بھیڑیا تیندوا چیتا لومڑی بجو کتا بلی (جنگلی ہو یا پالتو) سنجاب سمور بندر جنگلی چوہا گوہ نیولا گیدڑ ہاتھی مور سانپ اور جن جانوروں میں خون نہیں ہوتا جیسے بھڑ مکھی مچھر پسو جوں چچڑی گبریلا بچھو اور پنجہ گیر پرندے جو شکار کرتے ہیں جیسے صقر باز گدھ عقاب شاہین بغاث چیل اور جو مردار کھاتے ہیں جیسے ابلق کوا سب حرام ہیں (قاضی خاں)

(فائدہ ثانیہ): مردار کی آٹھ چیزوں سے انتفاع درست ہے خواہ وہ ماکول جانوروں میں سے ہوں یا غیر ماکول میں سے سینگ کھر اون پٹھا روئیں بال پر ہڈی (طحاوی عن زواہر الجواہر)۔

عہ ...... ابوداؤد ترمذی نسائی (وقد تقدم فی الطہارۃ) ۱۲۔ عہ ...... ابوداؤد نسائی احمد ابن راہویہ ابوداؤد طیالسی حاکم بیہقی۔

عہ ابوداؤد ترمذی ابن ماجہ طحاوی (فی احکام القرآن) دارقطنی ابن عدی عن جابر (بعضہم موقوفا بعضہم مرفوعا بالفاظ مختلفۃ ۱۲۔ عہ ...... ابن ماجہ احمد شافعی بن حمید ابن حبان دارقطنی ابن عدی عن ابن عمر ۱۲۔

کتاب الاضحیۃ

تَجِبُ	عَلٰی	حُرٍّ	مُسْلِمٍ	مُقِیْمٍ	مُوْسِرٍ	عَنْ	نَفْسِهٖ	لَا	عَنْ	طِفْلِهٖ
واجب	ہے	آزاد	مسلمان	مقیم	مالدار	پر	اپنی طرف	سے	نہ کہ اس کے	لڑکے کی طرف سے
شَاةٌ	اَوْ	سُبْعُ	بُدْنَةٍ	فَجْرَ	یَوْمِ	النَّحْرِ	اِلٰی	اٰخِرِ	اَیَّامِهٖ.	
ایک بکری	یا	اونٹ یا گائے کا ساتواں حصہ		بقر عید کی صبح		سے	ایام نحر کے	آخر تک۔		

تشریح الفقہ: قولہ کتاب الخ کتاب الذبائح کے بعد کتاب الاضحیہ لا رہا ہے۔ کیونکہ ذبیحہ عام ہے اور اضحیہ خاص اور خاص عام کے بعد ہی ہوتا ہے۔ سوال اگر کون الخاص بعدا لعام سے مراد یہ ہو کہ خاص کا وجود عام کے بعد ہوتا ہے تو قطعاً غلط ہے۔ کیونکہ محققین کے نزدیک یہ بات طے شدہ ہے کہ عام کا وجود خاص ہی کے ضمن میں ہوتا ہے۔ اور اگر یہ مراد ہو کہ خاص کا تعقل تعقل عام کے بعد ہوتا ہے تو یہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ یہ اس وقت ہوتا ہے جب عام خاص کے لئے ذاتی ہو اور خاص معقول بالکنہہ ہو اور یہاں یہ بات نہیں۔ جواب امور وضعیہ اور امور اعتباریہ میں جس چیز کو شئی کے مفہوم میں داخل مان لیا جائے وہ اس شئی کے لئے ذاتی ہی ہوتی ہے اور جو امور اس شئی کے مفہوم میں داخل ہوں ان کے ساتھ اس شئی کا تصور تصور بالکنہہ ہوتا ہے۔ اور یہ چیز یہاں موجود ہے۔ کیونکہ معنی ذبح اضحیہ میں داخل ہیں لغۃً بھی اور شرعاً بھی پس تعقل اضحیہ تعقل معنی ذبح پر موقوف ہے۔ فیتم التقریب۔

قولہ الاضحیۃ الخ اضحیہ افعول کے وزن پر ہے اصل میں اضحویہ تھا۔ واؤ اور یاء جمع ہوئے اور یاء سابق بالسکون ہے اس لئے واؤ کو یاء کر کے یاء کا یاء میں ادغام ہو گیا اور حاء کو یاء کی مناسبت سے کسرہ دیدیا گیا۔ لفظ اضحیہ میں بقول امام اصمعی چار لغتیں ہیں اضحیہ عیشخ الادب صاحب نے حاشیہ میں چار اور ذکر کی ہیں۔ ضحیۃ (وتجمع علی ضحایا کہدیۃ وہدایا) اضحاۃ وجمعہ اضحیٰ کارطاۃ وارطیٰ فراء نے کہا ہے کہ اضحیٰ مذکر و مؤنث دونوں طرح آتا ہے۔ اضحیہ لغت میں بکری یا اس کے مثل جانور کو کہتے ہیں جو ایام اضحیٰ میں ذبح کیا جائے" یہ چونکہ وقت ضحیٰ یعنی دن چڑھے ذبح کیا جاتا ہے اسلئے اس کو اضحیہ کہتے ہیں۔ گویا یہ از قبیل تسمیہ شئی باسم وقتہ ہے' اصطلاح شرع میں اضحیہ اس مخصوص جانور کو کہتے ہیں جو بہ نیت قربت ایک خاص وقت میں ذبح کیا جائے۔ حیوان مخصوص سے مراد گائے' بیل' بھیڑ' بکری یا اونٹ ہے۔ اور وقت خاص سے مراد ایام نحر ہیں۔

قولہ تجب الخ امام ابو حنیفہؒ امام محمدؒ زفرؒ حسن بن زیاد اور ایک روایت میں امام ابو یوسف کے نزدیک قربانی واجب ہے۔ دوسری روایت میں سنت مؤکدہ ہے' امام طحاوی نے سنت ہونا صاحبین کا قول بتایا ہے۔ یہی امام شافعی اور امام احمد کا قول ہے۔ سنیت کی دلیل چند روایتیں ہیں۔ (۱) حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص ذی الحجہ کا چاند دیکھے اور قربانی کا ارادہ کرے تو وہ اپنے بال اور ناخن روکے رکھے" یعنی نہ کٹائے۔ وجہ استدلال یہ ہے کہ اس میں قربانی کرنا ارادہ پر معلق ہے اور تعلیق بالارادہ وجوب کے منافی ہے" (۲) آپ کا ارشاد ہے کہ تین چیزیں مجھ پر فرض ہیں اور تمہارے لئے نفل ہیں۔ وتر' قربانی' صلوٰۃ ضحیٰ" (۳) آپ کا ارشاد ہے کہ "قربانی کرو کیونکہ یہ تمہارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے"۔ (۴) حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ ایک ایک سال دو دو سال قربانی نہیں کرتے تھے۔ اگر واجب ہوتی تو ترک نہ کرتے"۔ وجوب کی دلیل بھی چند احادیث ہیں۔ (۱) حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص کشائش پائے اور قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ کے قریب بھی نہ آئے" ظاہر ہے کہ اس قسم کی وعید ترک واجب پر ہی ہوتی ہے۔ (۲) حضرت ابو بردہ بن نیاز نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے پاس جذعہ ہے۔ آپ نے فرمایا: اسی کو ذبح کر لے اور تیرے بعد کسی کی طرف سے جذعہ کافی نہ ہوگا'

و مثل هذا لا يستعمل الا في الوجوب"۔ (۳) آپ کا ارشاد ہے کہ "زکوۃ نے ہر صدقہ کو، رمضان کے روزے نے ہر روزے کو، غسل جنابت نے ہر غسل کو اور قربانی نے ہر ذبیحہ کو منسوخ کر دیا"۔

قولہ شاة الخ تجب کا فاعل یا اس کی ضمیر مرفوع سے بدل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بھیڑ بکری یا گائے اور اونٹ کی قربانی واجب ہے۔ بھیڑ بکری کی قربانی صرف ایک شخص کی طرف سے ہوگی۔ اور گائے اور اونٹ میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں۔ امام مالک کے یہاں گائے اور اونٹ ایک گھرانہ کی طرف سے ہو سکتے ہیں گو اس کے افراد سات سے زائد ہوں۔ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ "ہر گھر والے پر ہر سال قربانی اور عتیرہ ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ قیاس کے اعتبار سے تو اونٹ اور گائے کی قربانی بھی ایک ہی کی طرف سے ہونی چاہئے کیونکہ خونریزی قربت واحدہ ہے، جس میں تجزی نہیں مگر یہ چونکہ حدیث جابرؓ سے ثابت ہے اس لئے ہم نے قیاس کو ترک کر دیا۔ اور بھیڑ بکری میں کوئی نص موجود نہیں اس لئے بھیڑ بکری اصل قیاس پر باقی رہی۔ حدیث یہ ہے حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ "ہم آنحضرت ﷺ کے ساتھ گائے کی قربانی سات آدمیوں کی طرف سے اور اونٹ کی قربانی سات آدمیوں کی طرف سے کی" رہی حدیث مذکور سو وہ قیم اہل بیت پر محمول ہے۔ سوال حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ہم آنحضرت ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے قربانی کا وقت آ گیا تو ہم لوگ گائے میں سات آدمی اور اونٹ میں دس آدمی شریک ہوئے" پھر سات سے زیادہ کی طرف سے اونٹ کی قربانی نہ ہونے کے کیا معنی؟ جواب حافظ بیہقی نے سنن میں کہا ہے کہ حضرت سفیان سے جو یہ مروی ہے کہ اونٹ دس کی طرف سے کافی ہے یہ وہم ہے کیونکہ فریابی نے امام ثوری سے اور مالک بن انس، جریج، زہیر بن معاویہ وغیرہم نے بواسطہ ابو الزبیر اور حضرت عطا ابن ابی رباح نے حضرت جابرؓ سے یہی روایت کیا ہے کہ اونٹ کی قربانی بھی سات ہی کی طرف سے تھی، امام مسلم نے انہی کی روایت کو ترجیح دی ہے، نیز امام واقدی نے مغازی میں کہا ہے کہ سات کی طرف سے روایت کرنے والوں کی روایت ان لوگوں کی روایت کے مقابلہ میں اثبت ہے جو دس کی طرف سے روایت کرتے ہیں۔

قولہ فجر الخ تجب کا ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے یعنی قربانی کرنا واجب ہے۔ یوم نحر کی فجر سے ایام نحر کے آخری دن تک ایام نحر تین ہیں ۱۰، ۱۱، ۱۲ ذی الحجہ اور ایام تشریق بھی تین ہیں ۱۱، ۱۲، ۱۳ ذی الحجہ پس دسویں تاریخ یوم نحر ہے یوم تشریق نہیں اور تیرھویں تاریخ اس کے برعکس ہے اور گیارہویں اور بارہویں تاریخیں ایام نحر بھی ہیں اور ایام تشریق بھی ہیں۔ تو ہمارے نزدیک بارہویں تاریخ میں غروب آفتاب سے پہلے تک قربانی کی جا سکتی ہے۔ امام شافعی کے یہاں تیرھویں تاریخ میں بھی جائز ہے۔ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ایام تشریق کل کے کل ذبح کے دن ہیں، ہماری دلیل حضرت ابن عمر و حضرت علی کا اثر ہے "**الا ضحى يومان بعد يوم الاضحى**"۔

عه.... الجماعة الا البخاري عن ام سلمه ۱۲. عه.... والجواب عنه بان المراد بالا رادة ماهو ضد السهو لا التخيير فمعنى الحديث من اراد من قصد التضيحة على ان التعليق لاينافي الوجوب كقول من قال من اراد الصلوة فليتوضأ ۱۲

احمد، حاكم، دارقطني عن ابن عباس، والجواب ان الحديث عند احمد و الحاكم عن ابي جناب الكلبي وقد ضعفه النسائي والدارقطني وعنده عن جابر الجعفي وهو ايضاً ضعيف قال صاحب التنقيح وروى من طرق اخرى وهو ضعيف على كل حال ۱۲. للعه.... والجواب منه بان قوله في الحديث "ضحوا" امر فيفيد الوجوب وقوله" لانها سنة ابيكم " لاينفي الوجوب لان السنة هي الطريقة في الدين واجبة كانت اوغير واجبة ۱۲.

عه.... والجواب عنه بانهما كا نالا يضحيان في حالة الا عسار مخافة ان يراها الناس واجبة على المعسرين ۱۲

عه.... ابن ماجه، احمد، ابن ابي شيبه، ابن راهويه، ابويعلى الموصلي، دارقطني، حاكم عن ابي هريره ۱۲.

معه.... قال ابن الجوزي في " التحقيق" وهذا الحديث لايدل على الوجوب كمافي حديث " من اكل الثوم فلا يقربن مصلانا" ۱۲

له.... صحيحين عن ابي هريره ۱۲

لعه.... قال ابن الجوزي ومعناه " يجزعه في اقامة السنة" بدليل انه ورد في الحديث" فمن فعل ذلك اصاب سنتنا" ۱۲.

(۱) دارقطني، بيهقي (مرفوعا) عبدالرزاق (مرفوعا) ۱۲. (۲) ائمه اربعه، ابن ابي شيبه، ابو يعلى الموصلي، بزار، بيهقي، طبراني، عبدالرزاق عن مخنف بن سليم ۱۲. (۳) الجماعة لا البخاري عن جابر ۱۲. (۴) حاكم عن جابر، ترمذي، نسائي، احمد، ابن حبان عن ابن عباس ۱۲. (۵) احمد، ابن حبان، بزار، بيهقي (في المعرفة) دارقطني عن جبير بن مطعم، ابن عدي الحذري ۱۲. مالك عن ابن عمر ۱۲.

وَلاَ يَذْبَحُ مِصْرِىٌّ قَبْلَ الصَّلٰوةِ وَذَبَحَ غَيْرُهٗ وَيُضَحّٰى بِالْجَمَّاءِ وَالْخَصِىِّ وَالثَّوْلاَءِ لاَ بِالْعَمْيَاءِ وَالْعَوْرَاءِ

اور ذبح نہ کرے شہری نماز عید سے پہلے غیر شہری کرسکتا ہے قربانی کرسکتا ہے بے سینگ خصی اور دیوانہ کی نہ کہ اندھے کانے کمزور لنگڑے

وَالْعَجفَاءِ وَالْعَرْجَاءِ وَمَقْطُوْعِ اَكْثَرِ الاُذُنِ اَوِ الذَّنَبِ اَوِ السِّنِّ اَوِ الْعَيْنِ اَوِالاَلْيَةِ وَالاُضْحِيَّةُ مِنَ الاِبِلِ وَالْبَقَرِ

اکثر کان یا دم یا دانت یا آنکھ یا سرین کٹے ہوئے کی اور قربانی اونٹ گائے

وَالْغَنَمِ وَجَازَ الثَّنِىُّ مِنَ الْكُلِّ وَالْجَذَعُ مِنَ الضَّاْنِ وَاِنْ مَاتَ اَحَدُ السَّبْعَةِ وقَالَتِ الْوَرَثَةُ

اور بھیڑ بکری ہی کی ہوتی ہے اور جائز ہے دو دانت سب سے اور چھ ماہ کا پٹھا بھیڑ سے اگر مرگیا سات شریکوں میں سے ایک اور کہا ورثہ نے

اِذْبَحُوْهَا عَنْهُ وَعَنْكُمْ صَحَّ وَاِنْ كَانَ شَرِيْكُ السِّتَّةِ نَصْرَانِيًّا اَوْ مُرِيْدًا اللَّحْمَ لَمْ يَجُزْ عَنْ وَاحِدٍ مِنْهُمْ

کہ ذبح کرلو اس کو اس کی اور اپنی طرف سے تو صحیح ہے اور اگر ہو ساتواں شریک نصرانی یا صرف گوشت چاہنے والا تو جائز نہ ہوگی کسی کی طرف سے

وَيَاْكُلُ مِنْ لَحْمِ الاُضْحِيَّةِ وَيُوْكِلُ غَنِيًّا وَيَدَّخِرُ وَنُدِبَ اَنْ لاَيَنْقُصَ الصَّدَقَةَ مِنَ الثُّلُثِ وَيَتَصَدَّقُ بِجِلْدِهَا

اور کھاسکتا ہے قربانی کا گوشت اور کھلاسکتا ہے مالدار کو اور رکھ سکتا ہے اور مستحب ہے یہ کہ کم نہ کرے خیرات تہائی سے اور خیرات کردے اس کی کھال

اَوْ يَعْمَلَ مِنْهُ نَحْوَ جِرَابٍ وَغِرْبَالٍ وَنُدِبَ اَنْ يَّذْبَحَ بِيَدِهٖ اِنْ عَلِمَ ذٰلِكَ وَكُرِهَ ذَبْحُ الْكِتَابِىِّ

یا بنالے اس کا تھیلا یا چھلنی وغیرہ اور مستحب ہے یہ کہ ذبح کرے اپنے ہاتھ سے اگر ذبح کرنا جانتا ہو اور مکروہ ہے کتابی سے ذبح کرانا

وَلَوْ غَلَطاً وَذَبَحَ كُلٌّ اُضْحِيَّةَ صَاحِبِهٖ صَحَّ عَنْهُمَا وَلاَ يَضْمِنَانِ.

اگر دو شخص غلطی سے ایک دوسرے کی قربانی کو ذبح کردیں تو دونوں کی طرف سے ہوجائیگی اور کسی کو قیمت دینی نہ پڑیگی۔

تفصیل احکام اضحیہ

تشریح الفقہ: **قوله وجاز الثنی الخ** ثنی یعنی پنجسالہ اونٹ اور دو سالہ گائے، بیل، بھینس، اور یکسالہ بھیڑ بکری کی قربانی درست ہے کیونکہ آپ کا ارشاد ہے کہ "**لاتذبحوا الا مسنة الاان یعسر علی احد کم فلتذبحوا الجذعة من الضان**" البتہ دنبہ میں جذع یعنی چھ ماہ کا پٹھا بھی جائز ہے بشرطیکہ فربہ اور قد آور ہو کہ اگر سال بھر والوں میں چھوڑ دیا جائے تو دوسرے سے اس کی تمیز نہ ہوسکے۔ **لقوله یجوز الجذع من الضان اضحیة**"۔

قوله وان مات الخ سات شریکوں میں سے ایک کے انتقال پر ورثہ نے کہا کہ تم اپنی اور میت کی طرف سے اس کی قربانی کرلو تو قربانی درست ہوجائے گی۔ اور اگر ان میں سے کوئی نصرانی ہو یا صرف گوشت کھانے کا ارادہ رکھتا ہو تو کسی کی بھی قربانی نہ ہوگی۔ وجہ فرق یہ ہے کہ سب شریکوں کی نیت ادائیگی قربت کی ہونی چاہئے گو جہت قربت مختلف ہو مثلاً جزاء صید، ہدی احصار، کفارہ احرام، ہدی تطوع، دم متعہ، دم قرآن یا عقیقہ کی نیت ہو۔ اور پہلی صورت میں نیت قربت موجود ہے کیونکہ غیر کی طرف سے اضحیہ کا قربت ہونا حدیث سے ثابت ہے کہ آپ نے اپنی تمام امت کی جانب سے قربانی کی" دوسری صورت میں سب کی طرف سے نیت قربت نہیں پائی گئی کیونکہ نصرانی اس کا اہل نہیں ہے۔

عہ...... مسلم عن جابر ۱۲۔ عہ...... ابن ماجہ عن ہلال الاسلمی ۱۲

کتاب الکراھیۃ

اَلْمَکْرُوْہُ اِلَی الْحَرَامِ اَقْرَبُ وَنَصَّ مُحَمَّدٌ اَنَّ کُلَّ مَکْرُوْہٍ حَرَامٌ.

مکروہ چیز حرام کے قریب ہے اور تصریح کی ہے امام محمد نے کہ ہر مکروہ حرام ہے۔

تشریح الفقہ: قولہ کتاب الخ کتاب الضحیہ کے بعد کتاب الکراھیۃ لا رہا ہے۔ مناسبت ظاہر ہے اس واسطے کہ ان میں سے ہر ایک کی کوئی اصل وفرع خالی نہیں جس میں کراہت وارد نہ ہو چنانچہ ایام نحر کی راتوں میں قربانی کرنا مکروہ ہے دن میں مکروہ نہیں اسی طرح اضحیہ میں تصرف کرنا مثلاً اس کی اون کاٹنا اس کا دودھ دوہنا اس کی جگہ دوسرا جانور بدلنا وغیرہ امور مکروہ ہیں یہی حال کتاب الکراھیۃ کا ہے۔ پھر کتب فقہیہ میں اس کو مختلف عنوانات کے ساتھ معنون کیا گیا ہے امام محمد نے جامع صغیر میں اور امام طحاوی نے اپنی مختصر میں کتاب الکراھیۃ کے ساتھ موسوم کیا ہے۔ مصنف نے انہی کی پیروی کی ہے۔ اور امام محمد نے اصل میں استحسان کیساتھ موسوم کیا ہے۔ بہت سے مشائخ نے اس کی پیروی کی ہے۔ چنانچہ کافی مبسوط محیط ذخیرہ مغنی وغیرہ میں یہی عنوان ہے۔ امام کرخی نے اپنی مختصر کتاب الحظر والاباحۃ کے ساتھ موسوم کیا ہے۔ امام قدوری نے اپنی مختصر میں اور علامہ قاضی خاں نے اپنے فتاوی میں اسی کو اختیار کیا ہے تحفہ تتمہ ایضاح وغیرہ میں بھی یہی ہے ولکل وجھۃ۔

قولہ الکراھیۃ الخ کراھیۃ لغۃً مصدر ہے یقال کرہ الشئی کرھا وکراھیۃ۔ واکراھیۃ بمعنی ناپسند کرنا تو یہ محبت ورضا کی ضد ہے۔ قال تعالی "عسی ان تکرھوا شیئا وھو خیر لکم وعسی ان تحبوا شیئا وھو شر لکم" پس مکروہ لغۃً خلاف مندوب وخلاف محبوب کو کہیں گے۔ معتزلہ جو یہ کہتے ہیں کہ کراہت ارادہ کی ضد ہے۔ یہ غلط ہے کیونکہ حق تعالی کفر ومعاصی کو ناپسند فرماتے ہیں۔ حالانکہ کفر ومعاصی بھی ارادہ ومشیت ایزدی سے ہوتے ہیں۔ کراہت کے شرعی معنی کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

قولہ المکروہ الخ پہلے یہ معلوم کر لینا چاہئے کہ ادلہ شرعیہ چار قسم پر ہیں (۱) جس کا ثبوت اور دلالت مطلب دونوں قطعی اور یقینی ہوں جیسے آیات قرآنیہ اور احادیث متواترہ صریحہ جن میں کسی طرح تاویل کا احتمال نہ ہو۔ یہ دلیل مفید یقین ہوتی ہے اور اس سے فرض اعتقادی اور حرام ثابت ہوتا ہے۔ (۲) جس کا ثبوت قطعی ہو اور دلالت ظنی جیسے وہ آیات اور احادیث جن میں تاویل کا احتمال ہو یہ مفید ظن ہوتی ہے۔ اور اس سے فرض عملی ثابت ہوتا ہے۔ (۴) جس کا ثبوت اور دلالت دونوں ظنی ہوں۔ جیسے اخبار آحاد محتمل المعانی۔ یہ مفید سنیت واستحباب ہوتی ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ حرام وہ ہے جو بدلیل قطعی یقینی ممنوع ہو جیسے شرب خمر۔ اور مکروہ تحریمی وہ ہے جو بدلیل ظنی ممنوع ہو جیسے سوسمار کا کھانا اور شطرنج کھیلنا۔ اب امام محمد مکروہ تحریمی کو حرام کی ایک قسم مانتے ہیں حلال نہیں کہتے۔ کیونکہ اس کی حلت پر دلیل قاطع نہیں۔ چنانچہ جب وہ اپنی کتابوں میں کراہت بولتے ہیں تو اس سے حرام مراد لیتے ہیں لیکن مکروہ تحریمی کو حرام قطعی بھی نہیں کہتے۔ کیونکہ اس کی دلیل قطعی نہیں جو حرمت پر دلالت کرے۔ شیخین کے نزدیک مکروہ تحریمی حلال غیر قطعی میں داخل ہے۔ کیونکہ ان کے یہاں اس میں حلت وحرمت کے دلائل متعارض ہوتے ہیں لیکن جانب حرمت غالب ہوتی ہے۔ پس شیخین کے نزدیک مکروہ تحریمی نہ حرام ہے نہ از قسم حرام بلکہ قریب بحرام ہے۔ جواہر الفتاوی میں ہے کہ صحیح ومختار قول شیخین کا ہے۔ فلذا قدمہ المصنف۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

فَصْلٌ فِي الاَكْلِ وَالشُّرْبِ: كُرِهَ لَبَنُ الاَتَانِ وَالاَكلُ وَالشُّرْبُ وَالادِّهَانُ وَالتَّطَيُّبُ مِنْ اِنَاءِ ذَهَبٍ وَفِضَّةٍ

(فصل) کھانے پینے کی چیزوں میں مکروہ ہے گدھی کا دودھ اور کھانا پینا اور تیل لگانا اور خوشبو لگانا سونے چاندی کے برتن سے

لِلرَّجُلِ وَالْمَرْأَةِ لاَ مِنْ رُصَاصٍ وَزَجَاجٍ وَبِلُّوْرٍ وَعَقِيْقٍ وَحَلَّ الشُّرْبُ مِنْ اِنَاءٍ مُفَضَّضٍ وَالرُّكُوْبُ عَلٰى سُرُجٍ

مرد و عورت دونوں کے لئے نہ کہ رانگ اور کانچ اور بلور اور عقیق کے برتن سے اور حلال ہے پینا چاندی چڑھے برتن سے اور سونا چاندی چڑھی

مُفَضَّضٍ وَالْجُلُوْسُ عَلٰى كُرْسِيٍّ مُفَضَّضٍ وَيَتَّقِي مَوْضَعَ الْفِضَّةِ وَيُقْبَلُ قَوْلُ الْكَافِرِ فِي الْحِلِّ وَالْحُرْمَةِ

زین پر اور بیٹھنا چاندی چڑھی کرسی پر بشرطیکہ دور رہے چاندی کی جگہ سے اور قبول کیا جائیگا کافر کا قول حلت اور حرمت میں

وَالْمَمْلُوْكِ وَالصَّبِيِّ فِي الْهَدِيَّةِ وَالاِذْنِ وَالْفَاسِقِ فِي الْمُعَامَلاَتِ لاَ فِي الدِّيَانَاتِ

اور غلام اور بچہ کا قول ہدیہ میں اور اجازت میں اور فاسق کا قول معاملات میں نہ کہ دیانات میں

وَمَنْ دُعِيَ اِلٰى وَلِيْمَةٍ وثَمَّهُ لَعِبٌ وَغِنَاءٌ يَقْعُدُ وَيَأْكُلُ.

جو شخص مدعو ہو ولیمہ کے لئے اور وہاں راگ ورنگ ہو تو بیٹھ جائے اور کھالے

مکروہات خورد ونوش کا بیان

توضیح اللغۃ: لبن دودھ' اتان گدھیا' ادھان تیل لگانا' اناء برتن' رصاص رانگ' زجاج کانچ' مفضض جس پر چاندی چڑھی ہو' سرج زین' لعب کھیل' غناء گانا۔

تشریح الفقہ: **قولہ والا کل الخ** سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا پینا ان سے تیل اور خوشبو لگانا مرد اور عورت دونوں کے حق میں مکروہ ہے۔ حدیث میں ہے کہ جو شخص سونے چاندی کے برتن میں کھاتا پیتا ہے وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھرتا ہے۔ نیز حضرت حذیفہ نے اپنی پانی طلب کیا ایک مجوسی نے چاندی کے برتن میں پانی پیش کیا۔ آپ نے فرمایا: میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ حریر اور دیباج نہ پہنو اور سونے چاندی کے برتنوں میں پانی نہ پیو اور نہ ان کی رکابیوں میں کھاؤ۔ کیونکہ یہ برتن کافروں کے لئے ہیں دنیا میں اور تمہارے لئے ہیں آخرت میں' اور جب ان کے برتنوں میں کھانا پینا منع ہے تو ان سے تیل اور خوشبو لگانا بھی ممنوع ہوگا **لانہ فی معناہ**۔

قولہ وحل الشرب الخ منح الغفار میں مفضض کی تفسیر مزوق ہے اور شمنی میں مرصع اور قہستانی میں مزین بہر کیف جو برتن چاندی سے مزین و منقش اور مرصع ہو جس کو فارسی میں سیم کوب اور ہندی میں بدرار جڑاؤ کہتے ہیں اس میں پینا حلال ہے اسی طرح اس قسم کی زین اور کرسی بیٹھنا بھی حلال ہے بشرطیکہ منہ اور موضع جلوس چاندی کی جگہ سے علیحدہ رہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک یہ بھی مکروہ ہے۔ امام محمد سے دونوں روایتیں ہیں امام ابو یوسف یہ فرماتے ہیں کہ برتن کے کسی ایک جزء کو استعمال کرنے والا گویا کل کو استعمال کرنیوالا ہے۔ تو جیسے کل کا استعمال جائز نہیں ایسے ہی جزء کا بھی استعمال جائز نہ ہوگا' **ولابی حنیفۃ ان ذلک تابع ولا معتبر بالتوابع**۔

قولہ ویقبل الخ معاملات میں ایک شخص کا قول بالاجماع مقبول ہے خواہ وہ متقی ہو یا فاسق' آزاد ہو یا غلام' مرد ہو یا عورت مسلمان ہو یا کافر بشرطیکہ صدق خبر کا گمان غالب ہو لیکن دیانات میں مقبول نہیں۔ مصنف کے قول فی الحل والحرمۃ کا مطلب بھی یہی ہے۔ یعنی کافر کا قول اس حلت وحرمت میں جو بضمن معاملات ہو مقبول ہے۔ معاملات سے مراد وہ ہیں جو فیما بین الناس جاری رہتے ہیں جیسے بیع و شراء و وکالت و مضاربت' اذن و تجارت وغیرہ اور دیانات سے مراد وہ امور ہیں جو بین اللہ وبین العباد ہوتے ہیں جیسے عبادات' حلت و

حرمت وغیرہ پس اگر کوئی کافر یہ کہے کہ میں نے یہ گوشت یہودی یا نصرانی سے خریدا ہے تو اس کا کھانا حلال ہے۔اور اگر وہ یہ کہے کہ مجوسی سے خریدا ہے تو اس کا کھانا حرام ہے۔

قولہ ومن دعی الخ اگر کوئی شخص شادی کی دعوت میں بلایا جائے تو اسے چاہئے کہ دعوت قبول کرے اور داعی کے یہاں حاضر ہو کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''جس نے دعوت قبول نہ کی اس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی'' لیکن اس کے لئے چند شرطیں ہیں (۱) اس کے حاضر ہونے سے پہلے لہو ولعب نہ ہو ورنہ دعوت میں نہ جائے (۲) مدعو شخص پیشوا نہ ہو اگر وہ پیشوا ہو اور داعی کے یہاں راگ ورنگ ہو تو نہ جائے اور چلا گیا ہو تو واپس ہو جائے تاکہ دوسروں پر اس کا برا اثر نہ پڑے (۳) جہاں دستر خوان ہے وہاں لہو ولعب نہ ہو ورنہ دستر خوان پر نہ بیٹھے **لقولہ تعالیٰ'' فلا تقعد بعدالذکری مع القوم الظلمین''**۔

فَصْلٌ فِي اللُّبْسِ: حُرِمَ لِلرَّجُلِ لاَ لِلْمَرْأَةِ لُبْسُ الْحَرِيْرِ اِلاَّ قَدْرَ اَرْبَعَةِ اَصَابِعَ وَحَلَّ تَوَسُّدُهُ وَافْتِرَاشُهُ

(فصل) پہننے میں حرام ہے مرد کے لئے نہ کہ عورت کیلئے ریشمی کپڑا مگر بقدر چار انگشت اور حلال ہے ریشم کا تکیہ اور اس کا بچھونا

وَلُبْسُ مَاسُدَاهُ حَرِيْرٌ وَلَحْمَتُهُ قُطْنٌ اَوْ خَزٌّ وَعَكْسُهُ حَلَّ فِي الْحَرْبِ وَلاَ يَتَحَلَّى الرَّجُلُ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ

اور اس کپڑے کا پہننا جس کا تانا ریشم ہو اور بانا روئی یا اون کا ہو اور اس کا عکس حلال ہے لڑائی میں اور زینت حاصل نہ کرے مرد سونے اور چاندی سے

اِلاَّ بِالْخَاتَمِ وَالْمِنْطَقَةِ وَحِلْيَةِ السَّيْفِ مِنَ الْفِضَّةِ وَالاَفْضَلُ لِغَيْرِ السُّلْطَانِ وَالْقَاضِي تَرْكُ التَّخَتُّمِ.

مگر انگوٹھی پٹکے اور تلوار کے ساز سے جو چاندی کے ہوں اور افضل ہے بادشاہ اور قاضی کے علاوہ کے لئے انگوٹھی نہ پہننا

مکروہات لباس کا بیان

توضیح اللغۃ: لبس پہننا، حریر ریشم، توسد تکیہ لگانا، سدا تانا، لحمۃ بانا، قطن روئی، حرب لڑائی، تحلی تحلیاً۔ زینت حاصل کرنا، خاتم انگوٹھی، منطقہ پٹکا، حلیہ زیور، سیف تلوار، تختم انگوٹھی پہننا۔

تشریح الفقہ: قولہ حرم للرجل الخ حریر یعنی تانے بانے والا ریشمی کپڑا، اگلبدن، تافتہ، اطلس، کمخاب وغیرہ عورتوں کے لئے حلال ہے۔ مردوں کے لئے حرام خواہ وہ بدن سے متصل ہو یا منفصل۔ طحاوی نے شمس الائمہ حلوائی سے نقل کیا ہے کہ یہی صحیح ہے۔ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''دنیا میں حریر وہی پہنتا ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں'' اور عورتوں کیلئے اجازت اس حدیث سے ہے کہ آپ نے داہنے ہاتھ میں ریشمی کپڑا لیا اور بائیں ہاتھ میں سونا اور فرمایا کہ یہ دونوں میری امت کے مردوں پر حرام ہیں۔ نیز حدیث میں ہے کہ ''حریر اور سونا میری امت کے مردوں پر حرام ہے اور ان کی عورتوں کے لئے حلال ہے'' البتہ بقدر چار انگل حرام نہیں کیونکہ حدیث میں اس کا استثناء موجود ہے۔

قولہ وحل توسدہ الخ ریشمی کپڑے کا تکیہ بنانا اور اس کا فرش بچھانا حلال ہے۔ ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک حرام ہے مواہب میں ہے کہ یہی صحیح ہے لیکن شرنبلالیہ میں ہے کہ یہ تصحیح متون معتبرہ مشہورہ اور شروح کے خلاف ہے، فقیہ ابو اللیث نے امام ابو یوسف کو امام صاحب کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ یعنی ان کے نزدیک بھی حلال ہے چنانچہ جامع صغیر میں حرمت کا قول صرف امام محمد کا مذکور ہے، جو لوگ حرمت کے قائل ہیں ان کا استدلال روایت کے عموم سے ہے امام صاحب کی دلیل راشد کی روایت سے ہے کہ ''میں ابن عباس کے

ے ...... صحیحین عن ام سلمہ، دار قطنی عن ابن عمر ۱۲۔ عہ ...... ائمہ ستہ عن حذیفہ ۱۲۔

فرش پر مرفقہ حریر دیکھا ہے اور جس کپڑے کا تانا ریشمی ہو اور بانا کتان، السی کی چھال، روئی، خز یعنی دریائی جانوروں کی روم وغیرہ کا ہو تو اس کا پہننا حلال ہے' لڑائی کے مواقعہ پر بھی اور اس کے علاوہ بھی' وجہ یہ ہے کہ کپڑا بناوٹ سے ہوتا ہے اور بناوٹ بانے سے ہوتی ہے۔ تو کپڑے کی حقیقت میں بانا ہی معتبر ہوگا۔ نیز خز کا استعمال متعدد صحابہ سے ثابت ہے۔"

قولہ وعکسہ الخ ماقبل کا عکس یعنی وہ کپڑا جس کا تانا روئی وغیرہ کا ہو اور بانا ریشم کا وہ صرف جنگ کے موقعہ پر پہنا جاسکتا ہے بشرطیکہ گاڑھا ہو جس کے ذریعہ صدمات دشمن سے بچاؤ ہو اگر باریک ہو تو بالاتفاق حرام ہے۔ اور جس کا تانا بانا دونوں ریشم ہوں امام صاحب کے نزدیک اس کا استعمال جنگ کے موقعہ پر بھی حرام ہے' صاحبین' امام مالک' امام شافعی کے نزدیک حلال ہے کیونکہ اس سے دشمن پر ہیبت طاری ہوتی ہے۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ نصوص حرمت میں جنگ وغیرہ کی کوئی تعلیل نہیں۔

قولہ ولا یتحلی الخ مرد کے لئے سونے چاندی سے زینت حاصل کرنا کسی حال میں بھی جائز نہیں جیسا کہ پہلے ثابت کیا جاچکا البتہ انگوٹھی' پٹکے اور چاندی کی تلوار سے تزین جائز ہے بشرطیکہ بقصد تکبر نہ ہو۔ کیونکہ روایت میں ہے کہ "آنحضرت ﷺ نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی جس کا نگینہ حبشی تھا اور اس میں رسول اللہ کندہ تھا" نیز حدیث میں ہے کہ آپ کی تلوار کا قبضہ چاندی کا تھا۔"

وَحَرُمَ التَّخَتُّمُ بِالْحَجَرِ وَالْحَدِيْدِ وَالصُّفْرِ وَالذَّهَبِ وَحَلَّ مِسْمَارُ الذَّهَبِ يُجْعَلُ فِي حَجْرِ الْفَصِّ وَشَدُّ السِّنِّ

اور حرام ہے انگوٹھی پہننا پتھر اور لوہے اور پیتل اور سونے کی اور حلال ہے سونے کی کیل جو لگائی جائے نگینے کے سوراخ میں اور باندھنا دانت کو چاندی کے

بِالْفِضَّةِ لاَ بِالذَّهَبِ وَكُرِهَ اِلْبَاسُ ذَهَبٍ وَحَرِيْرٍ صَبِيًّا لاَ الْخِرْقَةُ لِوُضُوْءٍ وَمُخَاطٍ وَالرَّتَمُ

تار سے نہ کہ سونے سے اور مکروہ ہے سونا اور ریشم پہنانا بچہ کو نہ کہ رومال وضو کا پانی خشک کرنے یا ناک صاف کرنے کے لئے اور دھاگا بات یاد رکھنے کے لئے

توضیح اللغۃ: صفر پیتل' مسمار کیل' فص نگینہ' مخاط ریزش' رتم دھاگا جو کسی مقصد کے یاد رکھنے کیلئے انگلی پر لپیٹ لیا جائے۔

تشریح الفقہ: قولہ وحرم الخ چاندی کے علاوہ کسی اور چیز کی انگوٹھی پہننا حرام ہے۔ جیسے سونا' پتھر' لوہا' پیتل' رانگ' سیسہ وغیرہ علامہ سرخسی نے یشب اور عقیق کے جواز کی تصحیح کی ہے۔ یہ گفتگو انگوٹھی کے حلقہ کے بارے میں ہے۔ رہا نگینہ سو وہ بالاتفاق درست ہے۔ حرمت کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک شخص کے ہاتھ میں لوہے کی انگوٹھی دیکھی تو فرمایا "مالی اری علیک حلیۃ اھل النار" اور پیتل کی انگوٹھی دیکھ کر فرمایا: مالی اجد منک ریح الاصنام" ترمذی کی روایت میں ہے کہ پھر سونے کی انگوٹھی دیکھی تو فرمایا "مالی اری علیک حلیۃ اھل الجنۃ"۔

قولہ وشد السن الخ اپنے ہلتے دانت کو چاندی کے تار سے باندھنا جائز ہے۔ سونے کے تار سے جائز نہیں۔ امام محمد کے نزدیک دونوں سے جائز ہے۔ ائمہ ثلاثہ بھی یہی فرماتے ہیں' امام ابو یوسف سے دونوں روایتیں ہیں' امام محمد کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عرفجہ بن اسعد کنانی کی ناک پر ایک کاری ضرب لگ گئی تھی تو آپ نے چاندی کی ناک لگالی تھی اس میں بدبو پیدا ہوگئی تو آنحضرت ﷺ نے سونے کی

عہ ... صحیحین' نسائی عن عمر ۱۲۔ عہ ... ائمہ ستہ الا الترمذی' عن ابی ہریرہ' ابوداؤد' ابویعلی عن ابن عمر ۱۲۔

عہ ... ابوداؤد' نسائی' ابن ماجہ' احمد' ابن حبان عن علی' ابن راہویہ' بزار' ابن ابی شیبہ' طبرانی عن ابن عمر' بزار عن عمر و ابن عباس ۱۲۔ عہ ... ابن ابی شیبہ عن زید بن ارقم' طبرانی عن۔

عہ ... ابن ابی شیبہ عن زید بن ارقم' طبرانی عن واثلۃ ۱۲۔ للعہ ... مسلم عن عمر' الجماعۃ الا الترمذی عن ابن عثمان النہدی ۱۲۔ للعہ ... ابن سعد ۱۲۔ عہ ... بخاری (فی کتاب المفرد) عن عمران بن حصین' ابن ابی شیبہ' عبدالرزاق' بیہقی (فی شعب الایمان) عن انس ابن ابی شیبہ) طبرانی عن حسین بن علی' حاکم عن ابن عامر' عبدالرزاق' بیہقی عن سعد بن ابی وقاص و ابن عمر و جابر و ابی سعید و ابی ہریرہ و انس' طبرانی عن زید بن ثابت و ابن عباس و ابی قتادہ و ابی ہریرہ' ابن راہویہ عن سائب بن یزید' نسائی (فی الکنی) عن لبی بن لبا' ابن سعد عن عثمان بن عفان ۱۲۔ عہ ... ائمہ ستہ عن انس ۱۲۔ معہ ... ابوداؤد' ترمذی' نسائی عن انس ۱۲۔

ناک کی اجازت مرحمت فرمائی"۔ نیز دانت کو سونے کے تار سے باندھنے کی مرفوع روایات بھی ہیں اور آثار بھی ہیں' امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ سونے میں اصل حرمت ہے اور اباحت برائے ضرورت ہے اور ضرورت چاندی سے پوری ہوسکتی ہے پس سونا حرمت پر باقی رہے گا۔ والضرورة فيما روى لم تندفع فى الانف دونه حيث انتن۔

فَصْلٌ فِي النَّظَرِ وَاللَّمْسِ لاَ يَنْظُرُ اِلٰى غَيْرِ وَجْهِ الْحُرَّةِ وَكَفَّيْهَا وَلاَ يَنْظُرُ مَنِ اشْتَهٰى اِلٰى وَجْهِهَا اِلاَّ الْحَاكِمُ

(فصل) دیکھنے اور ہاتھ لگانے میں نہ دیکھے آزاد عورت کے چہرے اور ہتھیلیوں کے علاوہ کو اور نہ دیکھے وہ جس کو شہوت ہو اس کا چہرہ مگر حاکم

وَالشَّاهِدُ وَيَنْظُرُ الطَّبِيْبُ اِلٰى مَوْضَعِ مَرَضِهَا وَيَنْظُرُ الرَّجُلُ اِلَى الرَّجُلِ اِلاَّ الْعَوْرَةَ وَالْمَرْأَةُ لِلْمَرْأَةِ وَالرَّجُلِ

اور گواہ اور دیکھ سکتا ہے طبیب اسکی بیماری کی جگہ اور دیکھ سکتا ہے مرد دوسرے مرد کا بدن سوائے ستر کے اور عورت عورت و مرد کے حق میں

كَالرَّجُلِ لِلرَّجُلِ وَيَنْظُرُ الرَّجُلُ اِلٰى فَرْجِ اَمَتِهٖ وَزَوْجَتِهٖ وَوَجْهِ مَحْرَمَتِهٖ وَرَاْسِهَا وَصَدْرِهَا وَسَاقَيْهَا وَعَضُدَيْهَا

مثل مرد کے ہے مرد کے حق میں اور دیکھ سکتا ہے آدمی اپنی باندی اور بیوی کا مکان مخصوص اور اپنی محرم کا چہرہ اور سر اور سینہ اور پنڈلیاں اور بازو

لاَ اِلٰى ظَهْرِهَا وَبَطْنِهَا وَفَخِذِهَا وَيَمُسُّ مَا حَلَّ النَّظَرُ اِلَيْهِ وَاَمَةُ غَيْرِهٖ كَمَحْرَمَةٍ وَلَهٗ مَسُّ ذٰلِكَ

نہ کہ اس کی پیٹھ اور پیٹ اور ران اور چھو سکتا ہے وہ عضو جو دیکھ سکتا ہے اور غیر کی باندی مثل محرم کے ہے اور اس کے اعضاء کو چھو سکتا ہے

اِذَا اَرَادَ الشِّرَاءَ وَاِنْ اِشْتَهٰى وَلاَ تُعْرَضُ الاَمَةُ اِذَا بَلَغَتْ فِي اِزَارٍ وَاحِدٍ وَالْخَصِيُّ وَالْمَجْبُوْبُ وَالْمُخَنَّثُ

جب اس کو خریدنا چاہے گو شہوت ہو اور سامنے نہ آنے دی جائے باندی بالغ ہونے کے بعد صرف ایک تہبند میں اور خصی اور آلہ کٹا ہوا اور ہیجڑا

كَالْفَحْلِ وَعَبْدُهَا كَالاَجْنَبِيِّ وَيَعْزِلُ عَنْ اَمَتِهٖ بِلاَ اِذْنِهَا وَعَنْ زَوْجَتِهٖ بِاِذْنِهَا.

مثل مرد کے ہے اور عورت کا غلام مثل اجنبی کے ہے اور عزل کرسکتا ہے باندی سے بلا اجازت اور بیوی سے اجازت کے ساتھ

عورت کو دیکھنے اور چھونے کے احکام

تشریح الفقہ: قوله لاينظر الخ غیر محرم عورت کا کل بدن ستر ہے بجز چہرہ اور ہتھیلیوں کے کہ بوقت ضرورت ان کو دیکھنا جائز ہے۔ کیونکہ آیت "ولا يبدين زينتهن الاماظهر منها "میں الا ماظہر منہا کی تفسیر حضرت عائشہ سے الوجہ والکفان مروی ہے۔ حضرت ابن عباس سے الکحل والخاتم مروی ہے جس سے مراد موضع کحل و موضع خاتم ہے وهو الوجه و الكف۔

(فائدہ): اجنبیہ عورت کے قدمین ستر میں داخل ہیں یا نہیں اس میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ ہدایہ میں اور قاضیخاں کی شرح جامع صغیر میں تصریح ہے کہ قدم ستر نہیں محیط میں اسی کو اختیار کیا گیا ہے لیکن اقطع نے اور قاضیخاں نے اپنے فتاوی میں ان کے ستر ہونے کی تصریح کی ہے۔ اسبیجابی اور مرغینانی نے اسی کو پسند کیا ہے صاحب اختیار نے اس کی تصحیح کی ہے کہ اجنبیہ کے قدم نماز میں ستر نہیں اور خارج نماز ستر میں داخل ہیں' شرح منیہ میں علی الاطلاق ستر ہونے کو ترجیح دی ہے۔

عہ ...... ابوداؤد' ترمذی' نسائی' احمد' بزاز' ابویعلی' ابن حبان عن بریدہ ۱۲۔ عہ ...... ابوداؤد' ترمذی' نسائی' احمد' ابن حبان' طیالسی ۱۲۔ للعہ ...... طبرانی عن ابن عمر' ابن قانع (فی معجم الصحابہ) عن عبداللہ بن ابی ۱۲۔ للعہ ...... طبرانی عن انس احمد عن موسیٰ بن طلحہ' ابن سعد عن عبدالملک بن مروان ۱۲

عہ ...... بیہقی عن عائشہ ۱۲۔ عہ ...... طبری' بیہقی عن ابن عباس ۱۲۔

فَصْلٌ فِی الاِسْتِبْرَاءِ وَغَیْرِہٖ مَنْ مَلَکَ اَمَۃً حَرُمَ وَطْیُھَا وَلَمْسُھَا وَالنَّظْرُ اِلٰی فَرْجِھَا بِشَھْوَۃٍ

(فصل) استبراء رحم وغیرہ میں جو شخص مالک ہو جائے باندی کا تو حرام ہے اس سے وطی کرنا اور اس کو چھونا اور دیکھنا اس کی شرمگاہ کو شہوت کیساتھ

حَتّٰی تَسْتَبْرِئَ لَہٗ اَمَتَانِ اُخْتَانِ قَبَّلَھُمَا بِشَھْوَۃٍ حَرُمَ وَطْیُ وَاحِدَۃٍ مِنْھُمَا

یہاں تک کہ اس کو ایک حیض آ چکے ایک شخص کے پاس دو بہنیں اس کی باندیاں ہیں جن کا اس نے شہوت سے . لے لیا تو ان سے وطی

وَدَوَاعِیْہِ حَتّٰی یُحَرِّمَ فَرْجَ الاُخْرٰی بِمِلْکٍ اَوْ نِکَاحٍ اَوْ عِتْقٍ

اور لوازم وطی حرام ہے یہاں تک کہ کسی ایک کی شرمگاہ اپنے اوپر حرام کردے بذریعہ ملک یا بذریعہ نکاح یا بذریعہ عتق

وَکُرِہَ تَقْبِیْلُ الرَّجُلِ وَمُعَانَقَتُہٗ فِی اِزَارٍ وَاحِدٍ وَاِنْ کَانَ عَلَیْہِ قَمِیْصٌ جَازَ کَالْمُصَافَحَۃِ.

اور مکروہ ہے مرد کا بوسہ لینا اور معانقہ کرنا صرف ایک تہبند میں اور اگر اس پر قمیص بھی ہو تو جائز ہے جیسے ہاتھ ملانا

استبراء رحم وغیرہ کے احکام

تشریح الفقہ: قولہ فی الاستبراء الخ استبراء لغۃً مطلق براءت وصفائی طلب کرنے کو کہتے ہیں۔ اور اصطلاح میں ملک جاریہ کے بعد ایک حیض تک انتظار کرنے کو کہتے ہیں۔ تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ وہ حاملہ ہے یا نہیں۔ اگر حاملہ نہ ہو تو اسی وقت تصرف ہو سکتا ہے اور اگر حاملہ ... وضع حمل تک تصرف نہیں کر سکتا۔

قولہ من ملک الخ جو شخص باندی سے استمتاع کا مالک ہو تو جب تک اس کے رحم کی صفائی معلوم نہ ہو جائے اس وقت تک اس پر اس کے ساتھ وطی کرنا اسی طرح دواعی وطی یعنی بوس وکنار وغیرہ امور حرام ہیں خواہ اس کی ملک باندی خریدنے سے حاصل ہوئی ہو یا میراث میں پانے سے جہاد میں پکڑ لانے سے یا بعد القبض بیع کے فسخ ہو جانے سے یا ہبہ یا رجوع عن الھبہ یا خلع یا صلح یا صدقہ یا وصیت یا بعوض اجارہ یا کتابت یا عتق غلام سے نیز باندی باکرہ ہو یا صغیرہ، غلام یا عورت سے خریدی ہوئی ہو یا باندی کے محرم یا غیر نسبی یا صبی صغیر کے مال سے۔ اب اگر باندی ذوات الحیض میں سے ہے تو ایک حیض آنے تک انتظار کرے۔ اور اگر ذوات الاشہر میں سے ہو تو ایک ماہ گزرنے تک انتظار کرے وجوب استبراء رحم کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جنگ اوطاس کی گرفتار شدہ باندیوں کے حق میں ارشاد فرمایا تھا کہ حاملہ سے وضع حمل تک اور غیر حاملہ سے ایک بار حیض آنے تک جماع نہ کیا جائے عـہ"

قولہ لہ امتان الخ ایک شخص کے پاس دو باندیاں ہیں جو آپس میں بہنیں ہیں، اس نے ان کا بوسہ لے لیا تو وہ دونوں اس پر حرام ہو گئیں نہ ان میں سے کسی کے ساتھ وطی کر سکتا ہے اور نہ بوس وکنار جبتک کہ وہ ان میں سے کسی ایک کی شرمگاہ خود پر حرام نہ کردے بایں طور کہ ان میں سے کوئی فروخت کردے یا کسی کو ہبہ کردے یا کسی کیساتھ نکاح صحیح کردے۔ وجہ یہ ہے کہ جس طرح جمع بین الاختین بعقد نکاح بالاجماع ناجائز ہے۔ لقولہ تعالیٰ وان تجمعو ابین الاختین" اسی طرح جمع بین الاختین بملک یمین بھی جمہور صحابہ ... نزدیک ناجائز ہے اور دواعی وطی چونکہ بمنزلہ وطی کے ہیں اس لئے دواعی وطی میں بھی جمع بین الاختین جائز نہیں۔

عـہ ... ابوداؤد، حاکم، بیہقی (فی المعرفۃ) عن ابی سعید الخدری (مرفوعاً) ابن ابی شیبہ، عبدالرزاق (مرسلاً) ابوداؤد، ابن حبان عن رویفع بن ثابت، ابن ابی شیبہ عن علی، دار قطنی، عن ابن عباس (فی معناہ) ۱۲۔ عـہ ... مقصد یہ ہے کہ ایسی دو باندیاں ہیں جو نکاح میں ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتیں عام ازیں کہ وہ دونوں بہنیں ہوں یا بہنیں نہ ہوں۔ خالہ بھانجی یا پھوپھی بھتیجی ہوں ۱۲۔

قولہ و کرہ الخ ایک مرد کو دوسرے مرد کے ہاتھ منہ یا کسی عضو کا بوسہ لینا نیز عورت کا بوسہ لینا اسی طرح صرف تہبند میں معانقہ کرنا طرفین کے نزدیک مکروہ ہے۔ گو بلا شہوت ہو۔ امام ابو یوسف کے نزدیک بلا شہوت بوسہ لینے اور معانقہ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ کیونکہ حضرت جعفر بن ابی طالب سے آنحضرت ﷺ کا معانقہ کرنا اور دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دینا صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ طرفین کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے معانقہ (یعنی معانقہ) اور مکاعمہ (یعنی تقبیل) سے منع فرمایا ہے۔ نیز حدیث میں ہے کہ "ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم میں سے ایک دوسرے کے لئے جھکے؟ فرمایا: نہیں! اس نے عرض کیا: ایک دوسرے سے معانقہ کرے؟ فرمایا: نہیں! اس نے عرض کیا ایک دوسرے سے مصافحہ کرے؟ فرمایا: ہاں" مگر یہ اختلاف اس وقت ہے جب بدن پر کرتہ وغیرہ نہ ہو صرف تہبند ہو ورنہ بلا کراہت باجماع ائمہ ثلاثہ جائز ہے۔ صاحب ہدایہ نے اسی کو صحیح کہا ہے اور عام متون میں بھی یہی ہے۔

فَصْلٌ فِی الْبَیْعِ وَالاِحْتِکَارِ وَالاِجَارَۃِ وَغَیْرِھَا کُرِہَ بَیْعُ الْعَذِرَۃِ لاَ السِّرْقِیْنِ لَہٗ شِرَاءُ اَمَۃِ زَیْدٍ قَالَ بَکْرٌ

(فصل) بیع اور غلہ بھرنے اور اجارہ وغیرہ میں مکروہ ہے پاخانہ کی بیع نہ کہ گوبر کی جائز ہے زید کی باندی خریدنا جس کے متعلق بکر نے کہا

وَکَّلَنِیْ زَیْدٌ بِبَیْعِھَا وَکُرِہَ لِرَبِّ الدَّیْنِ اَخْذُ ثَمَنِ خَمْرٍ بَاعَھَا مُسْلِمٌ لاَ کَافِرٌ.

کہ زید نے مجھے اس کے بیچنے کا وکیل بنایا ہے مکروہ ہی قرض خواہ کے لئے اس شراب کا ثمن لینا جس کو مسلمان نے بیچا ہو اگر کافر نے بیچا ہو تو جائز ہے۔

تشریح الفقہ: قولہ کرہ الخ امام صاحب کے نزدیک خالص پاخانہ کی بیع مکروہ ہے۔ بلکہ برجندی نے خزانہ سے نقل کیا ہے کہ بیع باطل ہے اور اگر اس میں مٹی وغیرہ ملی ہو تو جائز ہے۔ لیکن زیلعی میں ہے کہ امام صاحب سے صحیح قول پر خالص پاخانہ سے بھی انتفاع جائز ہے۔ سرقین یعنی گوبر لید اور مینگنی کی بیع بھی جائز ہے۔ کیونکہ یہ کھیت میں ڈالنے کے کام میں آتی ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے یہاں جائز نہیں۔

قولہ و شراء الخ زید کی ایک باندی ہے بکر اس کو یہ کہہ کر فروخت کر رہا ہے کہ زید نے مجھ کو اس کے فروخت کرنے کا وکیل بنایا ہے تو باندی کو خرید لینا اور اس سے وطی کرنا جائز ہے۔ کیونکہ مخبر نے ایک معاملہ کی خبر دی ہے اور معاملات میں مخبر واحد کی خبر مقبول ہوتی ہے۔

قولہ و کرہ الخ ایک مسلمان کا دوسرا مسلمان پر کچھ قرض تھا۔ مقروض نے شراب فروخت کر کے ثمن وصول کیا اور اس سے قرض خواہ کا دین چکایا۔ تو قرض خواہ کیلئے اپنے قرض کے عوض اس ثمن کا لینا جائز نہیں اور اگر فروخت کنندہ کافر ہو تو جائز ہے۔ وجہ فرق یہ ہے کہ پہلی صورت میں بیع باطل ہے کیونکہ مسلمان کے حق میں شراب مال متقوم نہیں تو ثمن مشتری کی ملک پر باقی رہا اس لئے قرض خواہ بائع سے نہیں لے سکتا اور دوسری صورت میں بیع صحیح ہے۔ کیونکہ کافر کے حق میں شراب مال متقوم ہے لہٰذا بائع ثمن کا مالک ہو گیا۔ اس لئے قرضخواہ اس سے لے سکتا ہے۔

وَالاِحْتِکَارُ قُوْتِ الآدَمِیِّ وَالْبَھِیْمَۃِ فِیْ بَلَدٍ یَضُرُّ بِاَھْلِہٖ لاَ غَلَّۃُ ضَیْعَتِہٖ وَمَاجَلَبَہٗ مِنْ بَلَدٍ اٰخَرَ

مکروہ ہے آدمی اور چوپائے کی غذا کو روک رکھنا ایسے شہر میں جہاں لوگوں کو اس سے تکلیف ہو نہ کہ اپنی زمین کا غلہ اور وہ غلہ جو دوسرے شہر سے

وَلاَ یُسَعِّرُ السُّلْطَانُ اِلاَّ اَنْ یَّتَعَدّٰی اَرْبَابُ الطَّعَامِ عَنِ الْقِیْمَۃِ تَعَدِّیًا فَاحِشًا وَجَازَ بَیْعُ الْعَصِیْرِ مِنْ خَمَّارٍ

لایا ہو، نرخ مقرر نہ کرے حاکم مگر یہ کہ حد سے زیادہ گراں کر دیں غلہ فروش جائز ہے شیرہ بیچنا شراب بنانے والے کے ہاتھ

۱۔ حاکم عن ابن عمر (فی المستدرک) وعن جابر (فی الفضائل) بیہقی (فی دلائل النبوۃ) عن جابر طبرانی عن ابی جحیفہ دار قطنی ابن عدی بیہقی (فی شعب الایمان) عن عائشہ (رضی اللہ عنہما) ابوداؤد ابن ابی شیبہ طبرانی عن الشعبی بزار عن عبداللہ بن جعفر (مرسلا) ۱۲۔ منہ ... فی دیوان الادب کا مع امرأتہ ضاجعھا وکاعم المرأۃ قبلھا فی الفائق نہی عن المکاعمۃ ای ... الرجل الرجل ومضاجعۃ ایاہ لاستر بینہما "وہکذا فی المغرب للمطرزی وہکذا ذکرہ الازہری والجوہری ۱۲۔ للعینی ... ابن ابی شیبہ ابوداؤد نسائی ابن ماجہ احمد عن ابی ریحانۃ ۱۲۔ ترمذی بیہقی عن انس ۱۲۔

وَاِجَارَةُ بَيْتٍ لِيَتَّخِذَ فِيْهِ بَيْتَ نَارٍ وَبِيْعَةً اَوْ كَنِيْسَةً اَوْ يُبَاعُ فِيْهِ خَمْرٌ بِالسَّوَادِ وَحَمْلُ الْخَمْرِ لِذِمِّيٍّ بِاَجْرٍ

اور گھر کرایہ پر آتشکدہ یا بت کدہ یا کلیسہ مقرر کرنے کے لئے یا اس میں شراب بیچنے کے لئے نواح شہر میں اور ذمی کی شراب اٹھانا اجرت پر

وَبَيْعُ بِنَاءِ بُيُوْتِ مَكَّةَ وَاَرْضِهَا وَتَعْشِيْرُ الْمُصْحَفِ وَنُقَطُهُ وَتَحْلِيَتُهُ وَدُخُوْلِ ذِمِّيٍّ فِيْ مَسْجِدٍ

اور مکہ کے مکانوں کی عمارت اور زمین کو بیچنا اور قرآن کی پردس آیت پر نشان لگانا اور نقطے اور اعراب لگانا اور اس کو مزین کرنا اور ذمی کا مسجد میں

وَعِيَادَتُهُ وَخِصَاءُ الْبَهَائِمِ وَاِنْزَاءُ الْحُمُرِ عَلَى الْخَيْلِ وَقَبُوْلُ هَدِيَّةِ الْعَبْدِ التَّاجِرِ وَاِجَابَةُ دَعْوَتِهِ

داخل ہونا اور اس کی بیمار پرسی کرنا اور چوپاؤں کو بدھیا کرنا اور گدھوں کو گھوڑیوں پر ڈالنا اور تاجر غلام کا ہدیہ اور اس کی دعوت قبول کرنا

وَاِسْتِعَارَةُ دَابَّتِهِ وَكُرِهَ كِسْوَتُهُ الثَّوْبَ وَهَدِيَّتُهُ النَّقْدَيْنِ وَاِسْتِخْدَامُ الْخَصِيِّ.

اور اس کی سواری مانگ لینا مکروہ ہے تاجر غلام کا کپڑا پہنانا اور روپیہ ہدیہ کرنا اور خصی سے خدمت لینا

توضیح اللغۃ: احتکار مہنگا بیچنے کیلئے روکنا' قوت غذا' بہیمۃ چوپایہ' غلۃ اناج' ضیعۃ زمین' جلبہ (ن۔ض) جلباً۔ باہر سے لانا' یسعر تسعیراً بھاؤ مقرر کرنا' عصیر شیرہ' خمار شراب فروش' سواد شہر کے اردگرد کی آبادیوں' تحلیۃ مزین کرنا خصاء خصی کرنا' بہائم جمع بہیمۃ' انزاء نر کو مادین پر ڈالنا' حمر جمع حمار۔

تشریح الفقہ: قولہ واحتکار الخ یعنی آدمیوں کی غذا' گیہوں' جو' چاول وغیرہ اور چوپاؤں کی غذا بھوسہ اور خشک یا تر چارہ کو گرانی کے انتظار میں روکے رکھنا اور فروخت نہ کرنا' امام صاحب کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے جبکہ اہل شہر کو اس سے نقصان ہوتا ہو اسی پر فتوی ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ جالب (یعنی باہر سے غلہ خرید کر شہر میں فروخت کرنے کیلئے لانے والا) مرزوق ہے۔ (یعنی اس کی روزی میں برکت ہے) اور محتکر (یعنی گرانی کے انتظار میں غذا روکنے والا) ملعون ہے۔ پھر احتکار کا ثبوت چالیس روز یا اس سے زیادہ تک روکنے سے ہوتا ہے۔ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ "جس شخص نے چالیس رات تک غذا کو روکا تو وہ اللہ سے اور اللہ اس سے بری ہے" ہاں اگر اپنی زمین کا غلہ ہو یا دوسرے شہر سے لایا ہو تو اس کا روکنا احتکار میں داخل نہیں' امام محمد صاحب فرماتے ہیں کہ اگر وہ ایسی جگہ سے لایا ہے جہاں سے اہل شہر لاتے ہیں تو مکروہ ہے اور اگر دوسرے شہر سے لایا جہاں سے اہل شہر نہیں لاتے تو مکروہ نہیں۔

(تنبیہ): فقیہ ابواللیث نے شرح جامع صغیر میں کہا ہے کہ احتکار کی تین صورتیں ہیں۔ ایک درست دوسری مکروہ تیسری مختلف فیہ' مکروہ صورت یہ ہے کہ غلہ شہر میں خریدے اور نہ بیچے۔ اور اہل شہر کو اس سے تکلیف ہو' صحیح صورت یہ ہے کہ اپنی زمین کا غلہ ہو یا دوسرے شہر سے لایا ہوا ہو یا شہر ہی میں خریدا ہو لیکن اس کا روکنا لوگوں کیلئے تکلیف دہ نہ ہو' مختلف فیہ صورت یہ ہے کہ شہر سے متصل دیہات سے غلہ خریدے اور شہر میں لا کر روک لے تو یہ امام صاحب کے نزدیک درست ہے۔ امام محمد کے نزدیک مکروہ پس صاحب ہدایہ نے جو مجلوب کو امام ابو یوسف کے نزدیک مکروہ کہا ہے یہ غیر مسلم ہے۔ کیونکہ فقیہ ابواللیث نے اس کو متفق علیہ قسم میں داخل مانا ہے۔ نیز قدوری نے کتاب التقریب میں امام ابو یوسف کا قول روایت کیا ہے اگر غلہ نصف میل سے لائے تو وہ احتکار نہیں' پس دوسرے شہر سے لایا ہوا غلہ امام

---

(۱) لان المعصیۃ لاتقوم بعینہ بل بعد تسعیرہ ۱۲۔ (۲) لما صح انہ علیہ السلام عاد یہود یا مرض بجوارہ ۱۲۔ (۳) لانہ فیہ منفعۃ البہیمۃ والناس فان فیہ سمنہا وطیب لحمہا وقد ضحیٰ علیہ السلام بکبشین اخسیین موجورین ۱۲۔ (۴) لما صح انہ علیہ السلام رکب البغلۃ ولو کان ہذا الفعل حراما لما رکبہا ۱۲۔ (۵) لان ہذہ الامور من ضرورات التجارۃ وقد صح ان سلمان الفارسی اہدی الی النبی ﷺ ہدیۃ قبل ان یعتق فقبلہا وکان علیہ السلام یجیب دعوۃ المملوک ۱۲۔ (۶) لان الرغبۃ فی استخدامہ حث الناس علی ہذا الصنیع ۱۲۔ ع..... بخاری' حاکم' احمد ابن حبان عن انس ۱۲۔ ع..... صحیحین عن البراء بن عازب ۱۲۔

ابو یوسف کے نزدیک کیسے احتکار ہوسکتا ہے۔

قولہ ولا یسعر الخ نرخ مقرر نہ کرے۔ کیونکہ روایت میں ہے کہ لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! نرخ گراں ہوگیا۔ سو ہمارے لئے نرخ مقرر کردیجئے۔ آپ نے فرمایا: بالتحقیق اللہ ہی نرخ مقرر کرنے والا قابض و باسط اور رزاق ہے للعہ۔ یعنی اناج کی تنگی و کشائش اسی کی طرف سے ہے، ہاں اگر غلہ فروش قیمت میں حد سے زیادہ گرانی کرنے لگیں تو حاکم اہل رائے کے مشورہ سے نرخ مقرر کردے۔ امام مالک کے یہاں اس صورت میں حاکم پر نرخ مقرر کرنا واجب ہے۔

قولہ واجارۃ الخ دیہاتوں میں آتش خانہ یا کنشت یا کلیسا بنانے کے لئے مکان کرایہ پر دینا امام صاحب کے نزدیک درست ہے۔ صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مناسب نہیں کیونکہ یہ معصیت پر اعانت کرنا ہے، فخر الاسلام اور شمس الائمہ سرخسی نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ وقد قال تعالی "ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان" امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ عقد اجارہ مکان کی منفعت پر ہے، جس میں کوئی معصیت نہیں معصیت تو مستاجر کے فعل میں ہے اور وہ اس میں مختار ہے۔

قولہ وبیع بناء الخ مکہ معظمہ کی عمارت فروخت کرنا تو بالاجماع جائز ہے لیکن صاحبین کے نزدیک وہاں کی زمین کی بیع جائز ہے۔ امام صاحب سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ عینی شرح کنز میں ہے کہ اسی پر فتوی ہے، کیونکہ مکانات کی طرح زمین بھی وہاں کے لوگوں کی مملوک ہے آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے "وهل ترک لنا عقیل من ربع عہ" اس بات کی واضح دلیل ہے کہ وہاں کی آراضی بھی ایک ملک سے دوسری ملک کی طرف منتقل ہونے کے قابل ہے چنانچہ وہاں کے مکانات اور اس کی آراضی کی بیع وہاں کے باشندگان میں عام طور سے بلانکیر مشہور و معروف ہے۔ امام صاحب کی دلیل حضور ﷺ کا ارشاد ہے "مکة مناخ لایباع رباعها ولا یواجر بیوتها" عہ۔

قولہ و تعشیر الخ صاحب برہان نے ذکر کیا ہے۔ کہ اصل تو یہی ہے کہ تعشیر یعنی قرآن پاک کی ہر دس آیتوں پر علامت لگانا اور نقط یعنی اس کے اعراب کو کتابت میں ظاہر کرنا مکروہ ہے کیونکہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ "قرآن کو مجرد رکھو اور اس میں وہ چیز شامل نہ کرو جو قرآن میں داخل نہیں، لیکن متاخرین نے بغرض تسہیل اظہار اعراب کو مستحسن جانا ہے۔ کیونکہ عجم کے حق میں یہ چیز ضروری ہے۔

قولہ ودخول ذمی الخ امام صاحب کے نزدیک ذمیوں کا مساجد میں داخل ہونا جائز ہے۔ مسجد حرام ہو یا غیر مسجد حرام۔ امام مالک کے یہاں کسی مسجد میں بھی ذمی کا داخل ہونا ناجائز نہیں۔ امام محمد، امام شافعی، امام احمد کے یہاں مسجد حرام کے سوا دیگر مساجد میں اس کی اجازت ہے، عدم جواز کی دلیل یہ آیت ہے "انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامهم هذا" امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ "ماہ رمضان میں وفد ثقیف آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہوا آپ نے ان کو مسجد میں ٹھہرایا اور انکے لئے مسجد کے پچھلے حصہ میں قبہ لگایا۔ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ! یہ تو مشرک ہیں، آپ نے فرمایا: ان الارض لاتنجس انما ینجس ابن آدم" اور آیت کا جواب یہ ہے کہ لا یقربوا نہی تکوینی عہ ہے۔ نہ کہ نہی تکلیفی۔ پس مطلب یہ ہوا کہ حق تعالی مشرکین میں مسجد حرام کی نزدیکی پیدا نہ کریگا۔

عہ..... ابن ماجہ، ابن راهویه، دارمی، عبد بن حمید، ابو یعلی الموصلی، بیهقی (فی شعب الایمان) عن عمرؓ ۱۲۔ عہ..... احمد، ابن ابی شیبه، بزار، ابویعلی، حاکم، دارقطنی طبرانی (فی الحلیه) عن ابن عمر ۱۲۔ للعہ.....ابو دائود، ترمذی، ابن ماجه، دارمی، بزار، ابو یعلی، ابن حبان عن انس، طبرانی عن ابی حجیفه (فی الکبیر) و ابن عباس (فی الصغیر) والحذری (فی الواسطه) ۱۲۔

للعہ..... طحاوی عن اسامه بن زید ۱۲ حاکم، دارقطنی، ابن عدی، عقیلی عن عبدالله بن عمرو ۱۲۔ للعہ.....ابن ابی شیبه، عبدالرزاق، طبرانی، بیهقی عن ابن مسعود ۱۲۔ للعہ.....ابو دائود، احمد، طبرانی، عن عثمان بن ابی العاص (بزیادة ونقص) ۱۲

عہ..... تکوینی تکون کی طرف نسبت ہے۔ تکوین ماتریدیوں کے یہاں وہ صفت قدیمہ ہے جس کی طرف افعال کی صفات راجع ہوتی ہیں۔ تکوینی و تکلیفی میں فرق ہے کہ امر تکوینی سے امتثال عقلاً متخلف نہیں ہوتا اور امر تکلیفی سے ہوسکتا ہے۔ امر تکوینی کی مثال "ائتیا طوعاً او کرهاً" ہے اور امر تکلیفی کی مثال "اقیموا الصلوة" وغیرہ ہے ۱۲

وَالدُّعَاءُ بِمَعْقَدِ العِزِّ مِنْ عَرْشِکَ وَبِحَقِّ فُلَانٍ وَاللَّعْبُ بِالشَّطْرَنجِ وَالنَّرْدِ وَكُلُّ لَهْوٍ وَجَعْلُ الرَّايَةِ

اورعرش پر عزت بارے کے موضع انعقاد یا کسی کے حق کے طفیل سے دعاء مانگنا اور کھیلنا شطرنج اور نردشیر اور دیگر کھیلوں سے اور غلامی کا نشان ڈالنا

فِي عُنُقِ الْعَبْدِ وَحَلَّ قَيْدُهُ وَالْحُقْنَةُ وَرِزْقُ الْقَاضِي وَسَفَرُ الامَةِ وَاُمِّ الْوَلَدِ بِلامَحْرِمٍ وَشِرَاءُ مَالاَ بُدَّ لِلصَّغِيْرِ

غلام کے گلے میں اور حلال ہے غلام کو قید کرنا اور حقنہ کرنا اور قاضی کا روزینہ مقرر کرنا اور باندی اور ام ولد کا بلامحرم سفر کرنا اور بچہ کے لئے ضروری

مِنْهُ وَبَيْعُهُ لِلْعَمِّ وَالامِّ وَالْمُلْتَقِطِ لَوْ فِي حَجْرِهِمْ وَتُوجِرُهُ اُمُّهُ فَقَطْ.

چیزوں کا خریدنا اور فروخت کرنا چچا اور ماں اور پڑا ہوا بچہ پانے والے کے لئے اگر وہ ان کی پرورش میں ہو اور بچہ کو مزدوری پر دے سکتی ہے بچہ کی ماں

توضیح اللغۃ: نرد ایک کھیل ہے جو اردشیر بن بابک نے نکالا تھا اسی لئے اس کو نردشیر کہتے ہیں (قاموس) قہستانی میں ہے کہ یہ کھیل شاپور بن اردشیر کی موضوعات میں سے ہے۔ جو ملوک ساسانیہ میں سے ایک اور بادشاہ ہے۔ رایہ غلامی کا نشان جیسے لوہے کا طوق وغیرہ عنق گردن، حجر گود۔

تشریح الفقہ: قولہ والدعا الخ اس لفظ کیساتھ دعا کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ مقعد بتقدیم قاف برعین ذکر کرے دوم یہ کہ معقد بتقدیم عین ذکر کرے۔ دونوں صورتیں مکروہ ہیں۔ کیونکہ مقعد قعود سے مشتق ہے تو اس صورت میں تمکن عرش پر ثابت ہوا جو مجسمہ کا قول ہے اور سراسر باطل ہے۔ دوسری صورت اس لئے مکروہ ہے کہ عرش کو موضع عقد عزت کہنا وہم حدوث ہے۔ کیونکہ عرش قدیم نہیں حادث ہے۔ تو عزت متعلق بعرش بھی حادث ٹھہری۔ حالانکہ عزت رب العالمیں قدیم ہے۔ امام ابو یوسف سے روایت ہے کہ "آنحضرت ﷺ نے فرمایا: بارہ رکعت نماز ادا کر اس کے آخر میں ہے کہ یہ دعاء کر اللھم انی اسألک بمعاقدالعزمن عرشک" جواب یہ ہے کہ اول تو یہ روایت بقول ابن الجوزی بالکل موضوع ہے، ابن معین وابن حبان نے اس کی تکذیب کی ہے۔ دوسرے یہ کہ خبر واحد ہے۔ پس احتیاط باز رہنے ہی میں ہے۔

قولہ واللعب الخ اگر شطرنج کھیلنا جوئے کے طور پر ہے تب تو یہ میسر ہے جس کی حرمت نص قرآنی "انما الخمر والمیسر اہ" سے ثابت ہے۔ اور اگر جوئے کے طور پر نہیں ہے تو یہ لہو ولعب ہے جو ناجائز ہے۔ حدیث میں ہے کہ مسلمان کا ہر کھیل حرام ہے۔ سوائے تین کے۔ ایک بیوی سے ملاعبت کرنا دوم اپنے گھوڑی کو تعلیم دینا سوم بغرض سبقت تیر اندازی کرنا" امام شافعی اور امام ابو یوسف سے اباحت مروی ہے۔ بشرطیکہ قمار بازی اور دوام وہمیشگی کے طور پر نہ ہو اور اداء واجب مثلاً جمعہ و جماعات پنجگانہ میں خلل انداز نہ ہو۔ ورنہ سب کے نزدیک حرام ہے۔ نرد کھیلنا مکروہ تحریمی ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ "جو شخص نردشیر سے کھیلا اس نے اپنا ہاتھ سور کے خون میں رنگ لیا۔

---

(۱) لہ عبارتان بمعقدوبمقعد فالاولیٰ من العقد والثانیہ من العقود ۱۲. (۲) لانہ لاحق للمخلوق علی الخالق ۱۲. (۳) لانہ عقوبۃ الکفار فیحرم کا لاحراق بالنار ۱۲. (۴) فی الکافی قالو اھذافی زمانھم لغلبۃ اھل الصلاح فیہ وامافی زماننا فلا لغلبۃ اھل الفساد فیہ ومثلہ فی النھایہ معزیا الی شیخ الاسلام ۱۲. (۵) وقال الشافعی ومالک لایجوز شرا [illegible] الاباءو الحاکم ۱۲.

کتاب احیاء الموات

هِيَ اَرْضٌ تَعَذَّرَ زَرْعُهَا لِاِنْقِطَاعِ الْمَاءِ عَنْهُ اَوْ لِغَلَبَتِهٖ عَلَيْهِ غَيْرُ مَمْلُوْكَةٍ بَعِيْدَةٌ مِنَ الْعَامِرِ وَمَنْ اَحْيَاهُ

وہ زمین ہے جس کی کاشت دشوار ہو پانی کے نہ ہونے یا اس کے غلبہ کی وجہ سے اور وہ کسی کی مملوک نہ ہو اور آبادی سے دور ہو جو شخص ایسی زمین کو زندہ کر لے

بِاِذْنِ الْاِمَامِ مَلَكَهٗ وَاِنْ حَجَّرَ لَا وَلَا يَجُوْزُ اِحْيَاءُ مَاقَرُبَ مِنَ الْعَامِرِ.

امام کی اجازت سے تو وہ اس کا مالک ہو جائیگا اور اگر پتھروں کی مینڈھ باندھ دی تو مالک نہ ہوگا اور جائز نہیں زندہ کرنا اس زمین کا جو قریب ہو آبادی سے۔

تشریح الفقہ: قولہ کتاب الخ اس کتاب میں بھی بہت سے احکام مکروہ اور بہت سے غیر مکروہ ہیں اس مناسبت سے کتاب الکراھیۃ کے بعد لا رہا ہے۔

قولہ الموات الخ موات کغراب وسحاب لغت میں اس زمین کو کہتے ہیں جس کا کوئی مالک نہ ہو' فی الصحاح " الموات بالفتح مالا روح فیہ والموات ایضاً الارض التی لامالک لها من الا دمیین عہ'' احیاء حیات سے ہے اس کی دو قسمیں ہیں حاسہ نامیہ' حیات حاسہ جس سے حس وحرکت حاصل ہو' حیات نامیہ جس سے نشو ونما حاصل ہو۔ یہاں نامیہ مراد ہے یعنی زمین میں ایسی قوت کا آ جانا جس سے وہ قابل کاشت ہو جائے اصطلاح میں ارض موات وہ غیر مملوک زمین ہے جو آبادی سے دور ہو اور پانی کے غالب آ جانے یا منقطع ہو جانے کی وجہ سے اس میں کاشت کرنا دشوار ہو' امام محمد کے یہاں ارض موات ہونے کے لئے اہل قریہ کا منتفع نہ ہونا معتبر ہے خواہ زمین بستی سے دور ہو یا قریب ہو۔ ائمہ ثلاثہ کا بھی یہی قول ہے اور یہی ظاہر الروایہ ہے' فتاوی کبری قہستانی' برجندی وغیرہ میں ہے کہ اسی پر فتوی ہے۔

قولہ ومن اعیاہ الخ جو شخص مردہ زمین کو حاکم کی اجازت سے قابل زراعت بنا لے تو امام صاحب کے نزدیک وہ اس کا مالک ہو جائیگا۔ صاحبین کے نزدیک حکم حاکم کے بغیر ہی مالک ہو جاتا ہے۔ ائمہ ثلاثہ کا بھی یہی قول ہے، وہ یہ فرماتے ہیں کہ حدیث "من احیا ارضا میتة فهی له [عہ]"، میں اذن وعدم اذن کی کوئی قید نہیں۔ امام صاحب کی دلیل حضور صلعم کا ارشاد ہے "لیس للمرء الاما طابت به نفس امامه [للعہ]" اور اگر کسی نے ایسی زمین میں صرف پتھر وغیرہ کی مینڈھ باندھ دی تو اس سے وہ اس کا مالک نہ ہوگا۔

وَمَنْ حَفَرَ بِئْرًا فِيْ مَوَاتٍ فَلَهٗ حَرِيْمُهَا اَرْبَعُوْنَ ذِرَاعاً مِنْ كُلِّ جَانِبٍ وَحَرِيْمُ الْعَيْنِ خَمْسُ مِائَةٍ مِنْ كُلِّ

جو شخص کنواں کھودے ویران زمین میں اس کیلئے اس کا حریم ہے چالیس گز ہر جانب سے اور چشمہ کا حریم پانچ سو گز ہے ہر طرف سے

فَمَنْ حَفَرَ بِئْرًا فِيْ حَرِيْمِهَا مُنِعَ مِنْهُ وَلِلْقَنَاةِ حَرِيْمٌ بِقَدْرِ مَايُصْلِحُهٗ وَمَا عَدَلَ عَنْهُ الْفُرَاتُ

تو جو کنواں کھودے اس کے حریم میں اس کو روکا جائیگا اور برہے کا حریم اس قدر ہے جو اس کے مناسب ہو جس زمین سے ہٹ جائے فرات

وَلَمْ يَحْتَمِلْ عَوْدُهٗ اِلَيْهِ فَهُوَ مَوَاتٌ وَاِنْ اِحْتَمَلَ لَا وَلَا حَرِيْمَ لِلنَّهْرِ.

اور پھر آنے کا احتمال نہ ہو تو وہ موات ہے اور اگر اس کے آنے کا احتمال ہو تو موات نہیں اور نہر کا کچھ حریم نہیں۔

عہ... وشلہ فی القاموس ۱۲۔ عہ ...الا ان عند مالک لوتشا حا اہل العامر یعتبر الاذن والا لا ۱۲۔ للعہ ...... بخاری (بغیر لفظہ) ابو یعلی الموصلی' طیالسی' دار قطنی' ابن عدی عن عائشۃ' ابوداؤد' ترمذی' نسائی' بزار عن سعید بن زید' ترمذی' نسائی' ابن حبان' ابن ابی شیبہ عن جابر' طبرانی عن ابن عمرو فضالہ ومروان بن الحکم' ابن ابی شیبہ' بزار' طبرانی' ابن عدی عن عمرو بن عوف' طبرانی' ابن عدی عن ابن عباس ۱۲۔ للعہ ...... طبرانی عن معاذ ۱۲۔ سنن اربعہ عن عقبہ بن عامر' نسائی' ابن راہویہ' طبرانی' بزار عن جابر' حاکم عن ابی ہریرۃ' طبرانی' ابن حبان عن عمر ۱۲۔ عہ ...... مسلم عن بریدہ ۱۲۔

کنویں چشمے وغیرہ کے حریم کا بیان

توضیح اللغۃ: حفر حفر کھودنا' حریم اردگرد کی وسیع جگہ' عین چشمہ' قناۃ برہ۔

تشریح الفقہ: قولہ ومن حضر الخ ایک شخص نے غیر آباد میں باجازت حاکم (بالاتفاق) یا بلا اجازت حاکم (صاحبین کے نزدیک) کنواں کھودا تو اسکے اردگرد ہر جانب سے اس کا حریم چالیس گز ہے۔ کہ اتنے حصہ میں کوئی دوسرا شخص کنواں نہیں کھود سکتا۔ خواہ اس کا کنواں بیر عطن ہو یا بیر ناضح۔ صاحبین کے نزدیک بیر عطن کا حریم چالیس گز ہے اور بیر ناضح کا ساٹھ گز' چشمہ کا حریم بالاتفاق پانچسو گز ہے۔ امام مالک اور امام شافعی کے یہاں حریم کے سلسلہ میں عرف کا اعتبار ہے' صاحبین کی دلیل آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ چشمہ کا حریم پانچسو گز ہے اور بیر عطن کا چالیس گز اور بیر ناضح کا ساٹھ گز" امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ حدیث من حفر بیرًا فلہ مما حولھا اربعون ذراعاً عام ہے جس میں بیر عطن و بیر ناضح کی کوئی تفصیل نہیں و العمل علی العام المتفق اولیٰ عندہ من الخاص المختلف۔

قولہ ولا حریم الخ جو نہر دوسرے کی ملک میں واقع ہو امام صاحب کے نزدیک اس کا کوئی حریم نہیں۔ صاحبین کے نزدیک بقدر ضرورت حریم ہے یعنی اتنا کہ نہر کی مینڈھ پر چل سکے اور اگر نہر مٹی سے پٹ جائے تو اس کے اندر سے مٹی نکال کر مینڈھ پر ڈالی جا سکے۔ قہستانی میں تتمہ سے شرح مجمع میں محیط سے شرنبلالیہ میں اختیار سے منقول ہے کہ یہی صحیح ہے۔ وفی السراجیہ قال حسام الدین والصحیح انہ یستحق الحریم پھر امام محمد کے نزدیک مینڈھ کا اندازہ بقدر عرض نہر ہے (ہر طرف سے) اور امام ابو یوسف کے نزدیک بقدر نصف بطن نہر ہے قہستانی میں کرمانی سے اور برجندی میں نوازل سے منقل ہے کہ فتویٰ امام ابو یوسف کے قول پر ہے۔ وفی الکبری ایضاً ان الفتوی علی قول ابی یوسف ۔

تنبیہ: شرح مجمع میں کفایہ سے منقول ہے کہ امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف نہر کبیر میں ہے۔ جس کی مٹی صاف کرنے کی ہر وقت ضرورت نہیں ہوتی۔ اور اگر نہر صغیر ہو۔ جس کی مٹی صاف کرنے کی ہر وقت ضرورت ہو۔ تو اسکا حریم بالاتفاق ثابت ہے۔ قہستانی میں کرمانی سے منقول ہے کہ اختلاف نہر مملوک ہے جس کی مینڈھ درخت وغیرہ سے خالی ہو اور اسکے بازو میں صاحب نہر کے سوا کسی دوسرے کی زمین ہو کہ اس صورت میں صاحبین کے نزدیک مینڈھ صاحب نہر کے مملوک ہے اور امام صاحب کے نزدیک صاحب ارض کی مملوک ہے اور اگر مینڈھ خالی نہ ہو بلکہ اس میں صاحب نہر یا صاحب ارض کے درخت وغیرہ ہوں تو بالاتفاق درختوں کا مالک مینڈھ کا بھی مالک ہے (طحطاوی عن الدرر) عینی میں قاضی خاں سے منقول ہے کہ اگر مینڈھ زمین کے برابر نہ ہو اونچی ہو تو وہ صاحب نہر کی مملوک ہے کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ اس کی اونچائی نہر کی مٹی سے ہے۔

فَصْلٌ فِي الشُّرْبِ هُوَ نَصِيبُ الْمَاءِ الْاَنْهَارُ الْعِظَامُ كَدِجْلَةَ وَالْفُرَاتِ غَيْرُ مَمْلُوكَةٍ وَلِكُلٍّ اَنْ يَسْقِيَ اَرْضَهُ

(فصل گھاٹ کے بیان میں) شرب پانی کی باری ہے بڑی بڑی نہریں جیسے دجلہ اور فرات کسی کی مملوک نہیں ہر شخص اپنی زمین کو پانی دے سکتا ہے

بیر عطن وہ کنواں ہے جس سے پانی اونٹوں کو پلانے کے لئے بھرا جاتا ہے۔ اور ناضح وہ ہے جس سے پانی اونٹوں کے ذریعے کھیت سینچنے کے لئے بھرا اور نکالا جاتا ہے ۱۲۔

عہ ...... رواہ ابو یوسف فی الکتاب الخراج عن الزہری ۱۲۔

للعہ ...... ابن ماجہ، ابن راہویہ، طبرانی عن عبد اللہ بن مغفل، احمد عن ابی ہریرہ ۱۲۔

وَيَتَوَضَّأُ بِهِ وَيَشْرَبُهُ وَيَنْصِبُ الرَّحٰى عَلَيْهِ وَيَكْرِىْ مِنْهَا نَهْرًا اِلٰى اَرْضِهٖ اِنْ لَمْ يُضِرَّ بِالْعَامَّةِ وَفِى الْاَنْهَارِ

وضو کر سکتا ہے پی سکتا ہے پن چکی قائم کر سکتا ہے اور اس سے نہر کھود کر لا سکتا ہے اپنی زمین میں اگر لوگوں کا نقصان نہ ہو اور جو نہریں کسی کی ملک ہیں

الْمَمْلُوْكَةِ وَالْاٰبَارِ وَالْحِيَاضِ لِكُلٍّ شِرْبُهُ وَسَقْىُ دَابَّتِهٖ لَا اَرْضِهٖ وَاِنْ خِيْفَ تَخْرِيْبُ النَّهْرِ لِكَثْرَةِ الْبُقُوْرِ

اور کنوؤں اور حوضوں سے ہر شخص پی سکتا ہے اور جانوروں کو پلا سکتا ہے مگر زمین نہیں سینچ سکتا اور اگر خوف ہو نہر کے خراب ہونے کا بیلوں کی کثرت سے

يُمْنَعُ وَالْمُحْرَزُ فِى الْكُوْزِ وَالْجُبِّ لَا يَنْتَفِعُ بِهٖ اِلَّا اَنْ يَأْذَنَ صَاحِبُهُ وَكَرْىُ نَهْرٍ غَيْرِ مَمْلُوْكَةٍ مِنْ بَيْتِ الْمَالِ

تو منع کیا جائیگا اور جو محفوظ ہو مٹکے اور گڑھے میں اسے کام میں نہ لایا جائے مگر اس کے مالک کی اجازت سے اور غیر مملوک نہر کی صفائی بیت المال سے

فَاِنْ لَمْ يَكُنْ فِيْهِ شَيْءٌ يُجْبَرُ النَّاسُ عَلٰى كَرْيِهٖ وَكَرْىُ مَا هُوَ مَمْلُوْكٌ عَلٰى اَهْلِهٖ فَيُجْبَرُ الْاٰبِى عَلٰى كَرْيِهٖ.

ہوگی اور اگر اس میں کچھ نہ ہو تو مجبور کیا جائیگا لوگوں کو اس کی صفائی پر اور مملوک نہر کی صفائی اس کے مالک کے ذمہ ہے پس مجبور کیا جائیگا انکار کرنے والے کو اس کی صفائی پر۔

گھاٹ کے احکام

توضیح اللغۃ: شرب پانی کی باری، رحی پن چکی، یکری کری نہر کھودنا، ابار جمع بیر کنواں، حیاض جمع حوض۔ بقور بقر سے ہے کھودنا، پھاڑنا۔ محرز جمع کردہ شدہ، کوز آب محورہ، جب گڑھا۔ آبی انکار کنندہ

تشریح الفقہ: قولہ الانہار الخ بڑی بڑی نہریں (نہر بغداد) فرات (نہر کوفہ) نیل (دریائے مصر) گنگا جمنا (دریائے ہند) وغیرہ کسی کی مملوک نہیں تو آفتاب و مہتاب کی طرح ان سے بھی ہر شخص فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ مثلاً پانی پینا، وضو کرنا، مویشیوں کو سیراب کرنا، زمین سینچنا، پن چکی قائم کرنا وغیرہ کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا "جملہ مسلمان تین چیزوں میں شریک ہیں گھاس، پانی، آگ نیز بڑے دریا سے نہر کھود کر اپنی زمین سینچنے کیلئے آنا بھی جائز ہے۔ بشرطیکہ نہر کھودنے سے عام مخلوق کو نقصان نہ پہونچتا ہو اور اگر نہر کھودنے سے خلق کا ضرر ہو مثلاً پانی کے ریلے سے کنارہ ٹوٹ کر دیہات اور اراضی کے غرق ہونے کا اندیشہ ہو تو اس صورت میں نہر کھودنا درست نہ ہوگا کیونکہ دفع ضرر عوام ضروری ہے۔

وَمُؤْنَةُ كَرْىِ النَّهْرِ الْمُشْتَرَكِ عَلَيْهِمْ مِنْ اَعْلَاهُ فَاِنْ جَاوَزَ اَرْضَ رَجُلٍ بَرِئَ

اور مشترک نہر کی صفائی کا خرچ شریکوں پر ہے نہر کے اوپر کی جانب سے پس جب بڑھ جائے نہر کسی کی زمین سے تو وہ بری ہو جائیگا

وَلَا كَرْىَ عَلٰى اَهْلِ الشُّفَّةِ وَيَصِحُّ دَعْوَى الشِّرْبِ بِغَيْرِ اَرْضٍ نَهْرٍ بَيْنَ قَوْمٍ اِخْتَصَمُوْا فِى الشِّرْبِ فَهُوَ بَيْنَهُمْ

اور پانی پینے والوں پر صفائی لازم نہیں صحیح ہے پانی کی باری کا دعوی بلا زمین بھی ایک نہر چند لوگوں میں مشترک ہے انہوں نے پانی کی باری میں جھگڑا

(۱) لما فرغ من احیاء الموات ذکر ما یتعلق من مسائل الشرب لان احیاء الموات یحتاج الیہ ۱۲۔ مجمع (۲) قال العینی بضم الحاء المہملۃ وتشدید الباء الموحدۃ وہی الخابیۃ وفی الطائی بضم الجیم وہو الصبر تح وفی بعض النسخ بالحاء المہملۃ ۱۲۔

(۳) لانہ صار ملکالہ بالاحراز (۴) ای مال الخراج والجزیۃ لانہ لنوائب المسلمین لا بال الصدقات لانہ للفقراء ۱۲۔

۵۔ ابوداؤد، احمد، ابن ابی شیبہ عن رجل من الصحابۃ، ابن ماجہ عن ابن عساکر، طبرانی عن ابن عمر ۱۲

عَلٰی قَدْرِ اَرَاضِیْهِمْ وَلَیْسَ لِاَحَدِهِمْ اَنْ یَّشُقَّ مِنْهُ نَهْرًا اَوْ یَنْصِبَ عَلَیْهِ رَحیً اَوْ دَالِیَةً

کیا تو وہ ان کے درمیان ان کی اراضی کے بقدر ہوگی اور کسی شریک کو اختیار نہ ہوگا کہ اس میں سے نہر نکالے یا اس پر پن چکی قائم کرے یا رہٹ

اَوْ جِسْرًا اَوْ یُوَسِّعَ فَمَ النَّهْرِ اَوْ یَقْسِمَ بِالْاَیَّامِ وَقَدْ وَقَعَتِ الْقِسْمَةُ بِالْکِوٰی

لگائے یا پل باندھے یا نہر کا دہانہ چوڑا کرے یا پانی کی تقسیم دلوں کے اعتبار سے کرے جبکہ ہوچکی ہو تقسیم قلابوں کے اعتبار سے

اَوْ یَسُوْقَ شِرْبَهٗ اِلٰی اَرْضٍ لَهٗ اُخْرٰی لَیْسَ لَهَا فِیْهِ شِرْبٌ بِلاَ رِضَائِهِمْ وَیُوْرِثُ الشِّرْبَ

یا اپنی باری اپنی دوسری زمین میں لیجائے جس کے لئے اس نہر سے پانی کا حق نہیں ہے بلا رضا شرکاء وارث کو میراث میں پہنچتا ہے پانی دینے کا حق

وَیُوْصیٰ بِالاِنْتِفَاعِ بِعَیْنِهٖ وَلاَ یُبَاعُ وَلاَ یُوْهَبُ وَلَوْ مَلاَءَ اَرْضَهٗ مَاءً فَنَزَّتْ اَرْضُ جَارِهٖ اَوْ غَرِقَتْ لَمْ یَضْمَنْ.

اور وصیت کی جاسکتی ہے بعینہ اس سے نفع اٹھانے کی مگر بیچا نہیں جائیگا نہ ہبہ کیا جائیگا کسی نے اپنی زمین پانی سے بھری پس نقصان پہنچا اس کے ہمسایہ کی زمین کو یا وہ ڈوب گئی تو اس کا ضامن نہ ہوگا۔

گھاٹ کے باقی احکام

تشریح الفقہ: قولہ ومونۃ الخ امام صاحب کے نزدیک نہر مشترک کی صفائی کا صرفہ سب شریکوں پر نہر کی اوپر کی جانب سے ہے پس جب نہر ایک شریک کی زمین سے متجاوز ہوجائے تو وہ نہر کی صفائی کے خرچے سے بری ہوجائے گا، صاحبین کے نزدیک صرفہ سب شریکوں پر اول سے آخر تک بقدر حصص ہے۔ اس کو یوں سمجھ لو کہ اگر نہر میں دس شریک ہوں تو صرف بطریق اعشار ہوگا یعنی ہر شخص پر خرچ کا دسواں حصہ ہوگا اور جب صفائی ایک شریک کی زمین سے آگے بڑھ جائے تو باقی شرکا پر خرچ بطریق اتساع ہوگا وہکذا، صاحبین کے نزدیک اول سے آخر تک سب پر بطریق اعشار ہوگا۔ قاضی خاں میں ہے کہ فتویٰ امام صاحب کے قول پر ہے۔

قولہ ویصح الخ زمین کے بغیر باری کا دعویٰ استحساناً صحیح ہے کیونکہ باری امر مرغوب فیہ اور قابل انتفاع ہے اور یہ ممکن ہے کہ آدمی زمین کے بغیر بطریق میراث یا بطریق وصیت باری کا مالک ہوگیا ہو کیونکہ بعض اوقات زمین فروخت ہوجاتی ہے۔ باری فروخت نہیں ہوتی۔

قولہ نہر بین قوم الخ ایک نہر چند آدمیوں میں مشترک ہے انمیں باری کی کمی بیشی کے متعلق جھگڑا ہوا تو باری ان کی اراضی کے مطابق ہوگی۔ کیونکہ باری کا مقصد زمین سینچنا ہوتا ہے اور پانی کی ضرورت اختلاف اراضی کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے تو ہر شخص کا حق اس کی زمین کی ضرورت کے مطابق ہوگا۔

کوی بکسر کاف کوہ بفتح کاف کی جمع ہے بمعنی نقب یہاں مفاتح آب کشت زار مراد ہے۔ کبھی مفرد میں کاف کو مضموم بولتے ہیں اس وقت اس کی جمع کوی آتی ہے جیسے عروہ اور عری اس میں مد اور قصر دونوں جائز ہیں ۱۲

(۱)......لانہ مسبب ولیس بمتعد فیہ فلا یضمن وفی لقتمۃ اذا سقی غیر معتاد فتعدی ضمن وعلیہ الفتوی ۱۲ مجمع بحذف

كتاب الاشربة

تشریح الفقہ: قولہ کتاب الخ اشربہ اور شرب دونوں لفظ و معنی ہر دو حیثیت سے ایک ہی درخت کی دو شاخیں ہیں۔ کیونکہ اشربہ شراب کی جمع ہے۔ اور شراب و شرب دونوں معنی اصل اور حروف اصلی میں مشترک ہیں اس لئے شرب کے بعد کتاب الاشربہ لا رہا ہے۔ شراب لغت عرب میں اس رقیق سیال چیز کو کہتے ہیں جو پی جاسکے حرام ہو یا حلال جیسے پانی' رس' شربت وغیرہ اصطلاح شرع میں شراب وہ حرام مشروب ہے جو نشہ لائے اور مست و بیہوش کردے' چونکہ اس کتاب میں شرابوں کے احکام مذکور ہیں۔ جیسے کتاب الحدود میں احکام حدود اور کتاب البیوع میں احکام بیوع مذکور ہیں اس لحاظ سے اس کو کتاب الاشربہ کے ساتھ موسوم کردیا گیا۔ **وفی التلویح فی اوائل القسم الثانی ان اضافة الحل و الحرمة الی الاعیان کحرمة المیتة والخمر والا مهات ونحوذلک مجاز عند کثیر من المحققین من باب اطلاق اسم المحل علی الحال او هو مبنی علی حذف المضاف ای حرم اکل المیتة وشرب الخمر ونکاح الا مهات۔**

فائدہ: اصول اشربہ چار چیزیں ہیں' (۱) ثمار یعنی پھل جیسے انگور' کھجور' موبز یعنی خشک انگور جس کو اہل ہند منقی کہتے ہیں (۲) حبوب جیسے گیہوں' جو' جوار (۳) شیریں چیزیں جیسے شکر' شہد' گڑ وغیرہ (۴) البان جیسے اونٹ کا دودھ' گھوڑی کا دودھ' سو انگور سے پانچ چھ شرابیں بنتی ہیں یعنی خمر' باذق' منصف' مثلث' بختج (یعنی پختہ) اور منقی سے دو شرابیں بنتی ہیں' نقیع اور نبیذ۔ اور کھجور سے تین شرابیں بنتی ہیں سکر' فضیخ' نبیذ اور حبوب و فواکہ اور شہد وغیرہ سے ہوتی ہے گو اس کے نام متعدد ہیں۔ اشربہ انگوری کی تفصیل یہ ہے کہ جب انگور کا عرق نچوڑ لیا گیا تو اس کو عصیر کہتے ہیں جب تک کہ وہ شیریں رہے اور جب وہ جوش کھا کر جھاگ لانے لگے اور کڑوا ہو جائے تو اس کا نام خمر ہے اور جب وہ کھٹا ہو جائے تو وہ سرکہ انگوری ہے۔ اور اگر انگور کے عرق کو قدرے آگ پر پکایا گیا جس سے اس کا دو ثلث سے کمتر حصہ جل گیا اور وہ جوش کھا کر جھاگ لانے لگا تو اس کا نام باذق (بادہ) ہے بعض اس کو طلا بھی کہتے ہیں۔ اور اگر اتنا پکایا گیا کہ نصف جل گیا اور نصف باقی رہ گیا تو وہ منصف ہے اور اگر دو تہائی جل گیا تو اس کا نام مثلث ہے۔ اور اگر مثلث کو پانی ڈال کر پتلا کر کے پکایا گیا تو اس کا نام بختج یعنی پختہ ہے۔ جس کو یعقوبی' ابا یوسفی' جمہوری' حمیدی بھی کہتے ہیں۔ منقی سے نقیع اور نبیذ بناتے ہیں' نقیع کی صورت یہ ہے کہ منقی کو چند روز تک پانی میں تر رکھا جائے یہاں تک کہ پانی شیریں ہو جائے۔ اور اگر منقی کا پانی قدرے پکالیا جائے تو اس کو نبیذ کہتے ہیں۔ کھجور سے سکر' فضیخ اور نبیذ بناتے ہیں۔ سکر پختہ خرما کا کچا پانی ہوتا ہے اور فضیخ گدر کھجور کا کچا پانی اور نبیذ پختہ یا گدر کھجور کا پانی جو قدرے پکالیا جائے۔

(عینی اور قاضی خاں)۔

اَلشَّرَابُ مَا يُسْكِرُ وَالْمُحَرَّمُ مِنْهَا اَرْبَعَةٌ اَلْخَمرُ وَهِيَ النِّيُّ مِنْ مَاءِ الْعِنَبِ اِذَا غَلاَ وَاشْتَدَّ وَقَذَفَ بِالزَّبَدِ

شراب وہ ہے جو نشہ لائے حرام ان میں سے چار ہیں اول خمر اور وہ انگور کا کچا پانی ہے جب جوش مارے اور گاڑھا ہو جائے اور جھاگ پھینکے

وَحُرِّمَ قَلِيْلُهَا وَكَثِيْرُهَا وَالطِّلاَءُ وَهُوَ الْعَصِيْرُ اِنْ طُبِخَ حَتّٰى ذَهَبَ اَقَلَّ مِنْ ثُلُثَيْهِ

تو اس کا تھوڑا اور بہت سا حرام ہے دوم طلاء اور وہ شیرۂ انگور ہے جب پکا لیا جائے اتنا کہ دو تہائی سے کم جل جائے۔

حرام شرابوں کا بیان

توضیح اللغۃ: نی بکسر نون و تشدید یاء تحتانیہ کچا پانی' زبد رغوہ جس کو ہندی میں جھاگ اور پھینا کہتے ہیں۔

تشریح الفقہ : **قولہ والمحرم الخ** شرابوں میں سے چار قسم کی شرابیں حرام ہیں خمر' طلا' سکر' نقیع زبیب' خمر انگور کے کچے پانی کو کہتے ہیں جب وہ جوش کھا کر ابلنے لگے اور اشتداد پکڑ جائے اور جھاگ پھینکنے لگے۔ جوش سے مراد کامل جوش ہے۔ اس طرح نیچے کا پانی اوپر اور اوپر کا نیچے ہو جائے' اشتداد سے مراد جوش کی کثرت ہے جس سے مست کر دینے کی قوت حاصل ہو جائے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ہر نشہ آور چیز خمر ہے۔ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ'' **کل مسکر خمر**'' اسی طرح آپ کا ارشاد ہے کہ'' **الخمر من ھاتین الشجرتین النخلۃ والعنبۃ**'' نیز حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ'' **الخمر من ماخامر العقل للہ**'' یعنی خمر مخامرت سے ہے چونکہ یہ عقل کو چھپا دیتی ہے اس لئے اس کو خمر کہتے ہیں اور مخامرت ہر مسکر چیز میں پائی جاتی ہے۔ معلوم ہوا کہ خمر صرف انگور کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ جو کھجور' شہد' گیہوں' جو سے بنے اور نشہ آور ہو وہ بھی خمر ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ لفظ خمر باجماع اھل لغت معنی مذکور۔ النی من ماء العنب) کیلئے اسم خاص ہے۔ اسی لئے اس کا استعمال اسی معانی میں مشہور ہے۔ اس کے علاوہ دیگر معانی کیلئے دوسرے الفاظ استعمال ہوتے ہیں جیسے مثلث' طلا' باذق' منصف وغیرہ۔ نیز خمر کی حرمت قطعیہ ہے جو بالاجماع ثابت ہے۔ لہٰذا اسکی حرمت اس شئی کی جانب منصرف ہوگی جس میں حرمت قطعی اور یقینی ہو اور انگوری شراب کے علاوہ دیگر شرابوں میں یہ بات نہیں پائی جاتی کیونکہ وہ مجتہد فیہا ہیں چنانچہ طلا' ہمارے نزدیک حرام ہے۔ امام اوزاعی کے نزدیک مباح اسیطرح نقیع تمر ہمارے یہاں حرام ہے اور شریک بن عبداللہ کے یہاں مباح نیز نقیع زبیب جوش واشتداد کے بعد ہمارے یہاں حرام ہے' امام اوزاعی کے یہاں مباح اور خمر کو بایں معنی خمر کہنا کہ وہ عقل کو چھپا لیتی ہے اول تو ہمیں تسلیم نہیں کیونکہ یہ اتفاق اہل لغت کے خلاف ہے۔ چنانچہ امام لغت علامہ ابن الاعرابی فرماتے ہیں کہ خمر کو خمر اس لئے کہتے ہیں کہ وہ متخمر ہے یعنی اس میں شدت وقوت ہے جو دوسری شرابوں میں نہیں اور اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ خمر مخامرۃ العقل سے ہے اور ہر مسکر کو شامل ہے جیسا کہ قاموس کی عبارت'' **الخمر ماالسکرمن عصیر العنب او ھوعام والعموم اصح** '' اور حضرت عمر کے قول'' **الخمر ماخامر العقل** '' اور حدیث ابن عمر وابی ہریرہ وانسؓ سے معلوم ہوتا ہے جن میں خمر کا اطلاق انگوری شراب کے علاوہ دیگر مسکرات پر بھی موجود ہے۔ تو اس سے لفظ خمر کے اسم خاص ہونے کی نفی نہیں ہوتی۔ کیونکہ بعض الفاظ اصل معنی کے لحاظ سے عام ہوتے ہیں لیکن غلبہ استعمال کیوجہ سے خاص ہو جاتے ہیں۔ مثلاً لفظ نجم باعتبار اصل نجوم بمعنی ظہور سے مشتق ہے جو ہر ظاہر ہونیوالی چیز کو شامل ہے پھر ظاہر مخصوص (جنس کوکب) کیلئے اسم خاص ہو گیا۔ اس کے بعد غلبہ استعمال کی وجہ سے ستارہ خاص (ثریا) کا نام ہو گیا۔ اور یہ عربی ہی کے ساتھ نہیں بلکہ اس کی نظیر ہر زبان میں موجود ہیں۔ مثلاً تنزیب کے حقیقی معنی ہر اس چیز کے ہیں جو بدن کو زیب دے حالانکہ یہ ایک خاص کپڑے کا نام ہے' ہمارے اس دعوی کی تائید حضرت ابن عمر کی روایت'' **لقد حرمت الخمر وما بالمدینۃ منھا شئی**'' سے بھی ہوتی ہے۔ جس کے متعلق علامہ ابن جوزی جیسا شخص بھی'' تحقیق'' میں یہ کہنے پر مجبور ہے۔ **یعنی بہ ماء العنب**'' **فانہ مشھور باسم الخمر ولا یمنع ھذا ان یسمی غیرہ خمرا** '' رہا احادیث مذکورہ سے استدلال سو حدیث'' **کل مسکر خمر** '' کا جواب یہ ہے کہ یہ مجاز پر محمول ہے۔ یعنی خمر تو درحقیقت انگوری شراب ہی کو کہتے ہیں لیکن کبھی غیر خمر کو بھی بطریق مجاز خمر کہہ دیتے ہیں۔ اگر مجاز پر محمول نہ کیا جائے تو لازم آئے گا کہ بھنگ اور تاڑی وغیرہ بھی خمر ہو۔ کیونکہ مسکر کے افراد میں یہ بھی داخل ہیں۔ حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں۔ صاحب ہدایہ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اس حدیث میں امام جرح وتعدیل حضرت یحییٰ بن معین نے طعن کیا ہے۔ دیگر اصحاب کتب فقہیہ نے بھی انہی کی پیروی کی ہے بلکہ صاحب عنایہ نے تو موقوف سے یہاں تک نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ سے تین حدیثیں ثابت نہیں۔ ایک'' **لانکاح الا بولی وشاھدی عدل**'' **من مس ذکرہ فلیتو ضاء**'' سوم حدیث مذکورہ **کل مسکر خمر** '' مگر یہ جواب کچھ مناسب نہیں۔ کیونکہ علامہ عینی اور محدث کبیر علامہ جمال الدین زیلعی مخرج احادیث ہدایہ نے تصریح کی ہے کہ ہم نے حدیث کی کسی کتاب میں یہ طعن نہیں پایا'' اور طعن کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ امام مسلم نے اس کو صحیح میں روایت کیا ہے۔ روایت مع سند ملاحظہ ہو **قال الامام حدثنا ابو**

الربیع العتکی وابو کامل قال ناحماد بن زید قال نا ایوب عن نافع عن ابن عمر قال قال رسول اللہ ﷺ کل مسکر خمر اه'' پس حدیث صحیح ہے اور طعن غیر مسلم دوسری حدیث ''**الخمر من ھاتین الشجر تین**'' کا جواب یہ ہے کہ اس سے اطلاق خمر مراد نہیں بلکہ بیان حکم مقصود ہے جو منصب رسالت کے لائق ہے۔ کیونکہ آپ بیان احکام کیلئے تشریف لائے تھے نہ کہ بیان لغت کیلئے۔ تو مطلب یہ ہوا کہ جو شراب انگور کے درخت سے ہو وہ حرام ہے اور جو درخت خرما سے ہو وہ بھی حرام ہے۔ اس کی تائید حضرت عائشہؓ کی روایت سے ہوتی ہے۔ کہ آپ سے نبیذ کے متعلق دریافت کیا گیا آپ ﷺ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے خمر واس کے نام کی وجہ سے حرام نہیں کیا بلکہ اس کے انجام کی وجہ سے حرام کیا ہے۔ تو جس شراب کا انجام خمر کے مثل ہو یعنی مسکر ہو وہ خمر کی طرح حرام ہے'' معلوم ہوا کہ خمر تو انگوری شراب ہی کا نام ہے لیکن جو شراب مسکر ہو اس کا حکم خمر کی طرح ہے یعنی سب مسکرات خمر کے حکم میں داخل ہیں۔

قولہ وقذف الخ خمر کی تعریف مذکور امام صاحب کے نزدیک ہے' صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جھاگ لانا شرط نہیں بلکہ جوش کھانے اور گاڑھی ہو جانے سے ہی خمر کہا جائیگا۔ گو جھاگ نہ لائے' امام ابو حفص کبیر نے اسی کو لیا ہے' اور یہی ظاہر تر ہے۔ جیسا کہ شرنبلالیہ میں مواہب سے منقول ہے کیونکہ لذت مطربہ وقوت مسکرہ اشتداد ہی سے حاصل ہو جاتی ہے۔ اور یہی صفت ایقاع عداوت اور یاد الٰہی سے غافل کرنے میں مؤثر ہے تو جھاگ لانا وصف زائد ہوگا' امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ غلیان (جوش لانا) تو اشتداد کی ابتداء ہے۔ اور خمر جو تخمر بمعنی شدت سے ماخوذ ہے' اس میں کامل شدت سے مراد ہے تو ابتداء جوش کی حالت میں اس کو خمر نہ کہیں گے۔ بلکہ وہ جھاگ لانے لگیں گے تب خمر ہوگی۔ کیونکہ مکدر سے صافی کا امتیاز اسی سے ہوتا ہے نیز خمر سے جو شرعی احکام متعلق ہے جیسے اجراء حد' تکفیر مستحل' حرمت بیع وغیرہ وہ سب قطعی ہیں اس لئے احکام خمر کا مدار کمال اشتداد پر ہوگا۔

قولہ وحرم الخ جب کوئی حکم کسی نص سے ثابت ہو تو اس کیلئے علت تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ خود وہ نص ہی اس حکم کیلئے علت ہوتی ہے' ہاں اگر وہی حکم کسی فرعی مسئلہ میں قیاس سے ثابت کیا جائے تو فرع کیلئے علت کا ہونا ضروری ہے مثلاً اگر خمر پر قیاس کر کے تاڑی کا حکم نکالا جائے تو علت سکر ونشہ ہے پس اس فرعیہ کے لئے خمر میں علت سکر نکالی جائے گی رہی ذات خمر سو وہ نص کی وجہ سے حرام رہے گی اس کی حرمت کے لئے علت سکر کی ضرورت نہیں جب یہ بات ذہن نشین ہوگی تو اب سمجھو کہ خمر کی حرمت علت سکر کی وجہ سے نہیں ہے۔ بلکہ نص کی وجہ سے ہے گو اس میں نشہ موجود ہے۔ پس جس طرح کثیر مقدار میں شراب پینا حرام ہے اسی طرح شراب کا ایک قطرہ بھی حرام ہے گو نشہ نہ ہو۔ بعض لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ قلیل مقدار حرام نہیں کیونکہ وہ مسکر نہیں یہ محض نفس پرستی اور شیطانی دھوکا ہے۔

قولہ والطلاء الخ اشربہ محرمہ میں سے دوسری حرام شراب طلاءؒ ہے۔ جس کو باذق (بادہ) کہتے ہیں۔ (ہدایہ) اور وہ یہ ہے کہ انگور کے رس کو اتنا پکایا جائے کہ دو تہائی سے کم جل جائے۔ اور مسکر ہو جائے' امام اوزاعی کے یہاں یہ مباح ہے۔ بعض معتزلہ بھی یہی کہتے ہیں۔ کیونکہ طلاء ایک پاکیزہ شربت ہے خمر نہیں۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ طلاءؒ لذت دار سرور پیدا کرنے والی رقیق شراب ہے۔ اس لئے فاسق اور فاجر لوگ اس کو خوب پیتے ہیں تو اس کا پینا بھی حرام ہوگا۔ تاکہ فساد کا سد باب ہو۔

فائدہ: طلاءؒ کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ انگور کے رس کو اتنا پکایا جائے کہ دو تہائی جل جائے اور مسکر ہو جائے۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ طلاء درحقیقت یہی ہے' صاحب محیط وغیرہ نے اسی کو لیا ہے۔ یہ حرام نہیں کیونکہ صحابہ سے اس کا پینا ثابت ہے۔ (شرنبلالیہ)۔

عہ..... قطران کو کہتے ہیں جو خارشتی اونٹ پر ملا جاتا ہے۔ مثلث عنبی چونکہ غلظت قوام میں طلاءؒ کے مشابہ ہوتا ہے اس لئے فاروق اعظم نے اس کو طلاءؒ سے تعبیر کیا ۱۲۔

عہ..... مسلم' احمد' ابن حبان' عبد الرزاق' دار قطنی عن ابی عمر ۱۲۔ الجماعۃ الا البخاری عن ابی ہریرہ ۱۲۔ للعہ..... بخاری ۱۲۔

عہ..... بخاری ۱۲۔ علہ..... دار قطنی عن جعفر عن محمد ۱۲۔

عہ..... جھاگ پھینکنے کی شرط ہونے اور نہ ہونے میں وہی اختلاف ہے جو خمر میں مذکور ہو چکا۔ ۱۲۔

وَالسُّكْرُ وَهُوَالنِّيُّ مِنْ مَاءِ الرُّطَبِ وَنَقِيْعُ الزَّبِيْبِ وَهُوَ النِّيُّ مِنْ مَاءِ الزَّبِيْبِ وَالْكُلُّ حَرَامٌ إِذَا غلا وَاشتَدَ

سوم سکر اور وہ کچا پانی ہے تر چھوارے کا چہارم نقیع زبیب اور وہ کچا پانی ہے کشمش کا یہ سب حرام ہیں جب ابھن جائیں اور کڑی ہو جائیں

وَحُرْمَتُهَا دُوْنَ حُرْمَةِ الْخَمرِ فَلاَ يُكَفَّرُ مُسْتَحِلُّهَا بِخِلاَفِ الْخَمرِ.

مگر ان کی حرمت خمر سے کم ہے پس کافر نہ کہا جائیگا ان کے حلال جاننے والے کو بخلاف خمر کے۔

تشریح الفقہ: قوله والسکر الخ تیسری حرام شرب سکر (نقیع تمر) ہے یعنی پختہ تر کھجور کا کچا رس جو جوش کھانے کے بعد جھاگ لانے لگے اور مسکر ہو جائے۔ شریک بن عبداللہ کے نزدیک یہ مباح ہے کیونکہ حق تعالیٰ نے اس کو آیت" تتخذون منه سکر ا ورزقاحسناً میں بطریق امتنان ذکر فرمایا ہے۔ یعنی ہم نے تمہارے لئے درخت خرما وانگور پیدا کیے۔ جس سے تم سکر بناتے ہو اور بہترین رزق حاصل کرتے ہو۔ظاہر ہے کہ حرام چیز سے امتنان نہیں ہوتا ہم یہ کہتے ہیں کہ اس کی حرمت پر صحابہ کا اجماع ہے۔ اور روایت" الخمر من هاتين الشجر تين" سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ رہی آیت سو وہ ابتداء اسلام پر محمول ہے کہ شروع میں تمام شرابیں حلال تھیں بعد میں حرام ہوگئیں۔ امام شعبی و امام نخعی کا مذہب یہی ہے۔ ابن ابی شیبہ میں حضرت ابراہیم سے مروی ہے قال قال عبدالله السکر خمر، شیخ ابو منصور ماتریدی نے آیت کو ملامت پر محمول کرتے ہوئے یہ معنی کئے ہیں کہ" تم ان سے سکر شراب بناتے ہو اور رزق حسن کو چھوڑتے ہو؟ مگر یہ تاویل اس لئے صحیح نہیں کہ آیت مکی ہے اور شراب کی حرمت مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔ تو جو چیز ابھی حرام نہیں ہوئی اس پر کیسے ملامت کیجا سکتی ہے۔

قوله ونقیع الخ چوتھی حرام شراب نقیع زبیب ہے اور وہ یہ ہے کہ خشک انگور (کشمش) کو چند روز پانی میں بھگو کر اس کا کچا پانی لیا جائے اس کا پینا بھی حرام ہے بشرطیکہ (آگ پر پکائے بغیر) جوش کھائے اور گاڑھی ہو جائے۔ یہ تینوں شرابیں یعنی طلا، سکر، نقیع زبیب حرام ہیں۔ لیکن انکی حرمت حرمت خمر کے مقابلہ میں کم ہے۔ تو ان کے حلال جاننے والے کو کافر نہ کہا جائیگا۔ اور ان کے پینے والے کو حد نہ لگائی جائے گی۔ جب تک کہ نشہ نہ ہو اور ان کی بیع بھی جائز ہوگی اس واسطے کہ ان کی حرمت اجتہادی ہے۔ اور خمر کی حرمت قطعی ہے۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَالْحَلاَلُ مِنْهَا اَرْبَعَةٌ نَبِيْذُ التَّمرِ وَالزَّبِيْبِ اِنْ طُبِخَ اَدْنىٰ طَبْخَةٍ وَاِنِ اشْتَدَّ اِذَا شَرِبَ مَالاَ يَسْكُرُ

اور حلال ان میں سے چار ہیں اول نبیذ تمر و نبیذ زبیب اگر اسکو قدرے پکا لیا جائے اگرچہ گاڑھا ہو جائے جب پیئے اتنی کہ نشہ نہ لائے کھیل

بِلاَ لَهْوٍ وَطَرَبٍ وَالْخَلِيْطَانِ وَنَبِيْذُ الْعَسَلِ وَالتِّيْنِ وَالْبُرِّ وَالشَّعِيْرِ وَالذُّرَةِ طُبِخَ اَوْلاَ

اور مستی کے بغیر دوم خلیطان سوم شہد انجیر گیہوں جو جوار کی نبیذ پکائی جائے یا نہ پکائی جائے

مباح مشروبات کا بیان

توضیح اللغۃ: زبیب منقی، طبخہ پکانا، طرب مستی، خلیطان چھوارے اور منقی کا مخلوط پانی، عسل شہد، تین انجیر، بر گیہوں، شعیر جو۔ ذرہ جوار۔

تشریح الفقہ: قوله والحلال الخ چار قسم کی شرابیں حلال ہیں (۱) نبیذ تمر و نبیذ زبیب یعنی بھیگے ہوئے چھوارے اور منقی کا پانی جس کو قدرے

ع۔۔۔۔۔ فی المغرب السکر بفتحتين عصير الرطب اذا اشتد وفی الطلبۃ السکر بفتح السين والکاف ہو النی من ماء التمر، وفی دیوان الادب ہو خمر التمر ۱۳۔

پکالیا جائے۔ یہ شیخین کے نزدیک حلال ہے گو گاڑے ہو کر جوش سے جھاگ لے آئے بشرطیکہ لہو وطرب کی نیت سے نہ ہو بلکہ حصول تقویت کیلئے ہو اور اتنی مقدار پئے جس سے غالب اوقات نشہ نہ رہتا ہو امام محمد اور امام شافعی کے نزدیک بہرصورت حرام ہے کم ہو یا زیادہ۔ یہی اختلاف مثلث عنبی میں ہے جس کا بیان آگے آرہا ہے۔ ہم جانبین کی ادلہ وہیں ذکر کریں گے۔

قولہ والخلیطان الخ (۲) خلیطین یعنی چھوارے اور منقی کو جدا جدا تر کر کے دونوں کا پانی قدرے پکالیا جائے۔ اگرچہ وہ جوش کھا کر اشتد اد پکڑ جائے یہ بھی حلال ہے۔ کیونکہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ "ہم مٹھی بھر چھوارے اور مٹھی بھر حضور ﷺ کے لئے برتن میں رکھتے اور اس پر پانی ڈالتے تھے تو جو ہم علی الصباح تر رکھتے تھے اس کو آپ شام کے وقت نوش فرماتے تھے اور جو شام کو بھگور کھتے تھے اس کو آپ علی الصباح نوش فرماتے تھے" نیز حضرت ابن زیاد سے روایت ہے کہ میں نے ابن عمر کے یہاں افطار کی تو آپ نے مجھے ایک شربت پلایا قریب تھا کہ میں اپنے گھر نہ پہونچ سکوں' دوسرے روز میں حضرت ابن عمر سے وہ کیفیت بیان کی آپ نے فرمایا: میں نے عجوہ (تمر) اور خشک انگور کے سوا اور کوئی چیز نہیں پلائی' سوال آنحضرت ﷺ نے تو چھوارے' منقی اور گدر و پختہ کھجور ملا کر نبیذ بنانے سے منع فرمایا ہے" جواب جن احادیث میں خلیطین سے نہی وارد ہے وہ حالت قحط پر محمول ہیں۔ تا کہ دو نعمتوں کا اجتماع نہ ہو جبکہ اس کا پڑوسی محتاج ہے۔ اور اباحت خوشحالی پر محمول ہے۔ یہ توجیہ حضرت ابراہیم نخعی سے مروی ہے۔ سوال حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ میں ابن زیاد کو نہیں جانتا اور میں نے نہیں دیکھا کہ کسی نے اس کا نام بتایا ہے' جواب علامہ عینی نے کہا ہے کہ "یہ عبداللہ بن زیاد ہے" اور شیخ مرتضی حسینی نے کہا ہے کہ ظاہراً یہ محمد بن زیاد ہے جو شعبہ کے شیوخ میں سے ہے۔ اس نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی ہے اور یہ ابن سیرین کے ہمعصروں میں سے ہے" بہرکیف یہ شخص ثقہ ہے۔

قولہ ونبیذ العسل الخ (۳) شہد' انجیر' گیہوں' جو اور جوار کی نبیذ بھی شیخین کے نزدیک حلال ہے خواہ اس کو پکالیا گیا ہو یا نہ پکایا گیا ہو' ائمہ ثلاثہ' امام محمد' داؤد ظاہری کے نزدیک مطلقاً حرام ہے قلیل ہو یا کثیر' زیلعی' کفایہ' حموی' بزازیہ اور شرح وہبانیہ وغیرہ میں ہے کہ فتویٰ امام محمد کے قول پر ہے۔ مگر یہ اختلاف اسی وقت ہے جب قوت عبادت حاصل کرنے کی نیت سے پیتا ہو۔ ورنہ بالاتفاق حرام ہے۔

والمثلث العنبی

چہارم مثلث عنبی

مثلث عنبی کا تحقیقی بیان

قولہ والمثلث الخ (۴) مثلث عینی انگور کا وہ رس جس کو اتنا پکایا جائے کہ دو تہائی جل جائے اور ایک تہائی باقی رہ جائے شیخین کے نزدیک بشرط مذکور حلال ہے۔ ائمہ ثلاثہ اور امام محمد کے نزدیک حرام ہے کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ "کل مسکر حرام" [عہ] نیز حدیث میں ہے کہ "مااسکر کثیر فقلیلہ حرام" [عہ] شیخین کی دلیل چند احادیث ہیں (۱) حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ "میں تم کو چمڑے کے برتنوں کے علاوہ دیگر برتنوں (میں شراب بنا کر پینے) سے منع کرتا تھا سو تم ہر برتن میں پیو بجز اس کے کہ مسکر نہ پیو" (۲) آنحضرت ﷺ بیت اللہ شریف کا طواف کر رہے تھے اثناء طواف میں آپ کو پیاس لگی (آپ نے پانی طلب فرمایا) تو نبیذ پیش کی گئی" آپ نے ناپسند فرمائی" ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا یہ حرام ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں اچھا آب زمزم کا ایک ڈول لاؤ' پس آپ نے

عہ ابن ماجہ عن عائشہ ۱۲۔ عہ محمد فی کتاب الآثار ۱۲۔ عہ الجماعۃ عن جابر الجماعۃ الا الترمذی عن ابی قتادہ' مسلم عن ابی ... وابن عباس وابن عمر' خدری (بالفاظ مختلفہ) ۱۲۔ عہ محمد فی الآثار ۱۲۔

اس پر پانی چھینٹا دیکر نوش فرمائی“ (۳) ایک طویل حدیث کے آخر میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ ”حرام کی گئی خمر بذات خود اس کا قلیل و کثیر سب اور دیگر شرابوں سے حرام کیا گیا سکر“ (۴) نسائی میں روایت ہے کہ ”تم اپنے مشروب کو پکاؤ یہاں تک کہ شیطان کا حصہ جاتا رہے سو شیطان کے دو حصے ہیں اور تمہارا ایک حصہ ہے (۵) حضرت ابوموسیٰ اشعری فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے مجھے اور حضرت معاذ کو یمن بھیجا ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! وہاں دو مشروب ہیں جو گیہوں اور جو سے بنائے جاتے ہیں ایک کو مزر اور دوسرے کو تبع کہتے ہیں۔ تو ہم ان میں سے کونسا پئیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا: اشربا و لا تسکر اعہ“ (۶) حضرت سوید بن غفلہ فرماتے ہیں کہ ہم نے فاروق اعظم کا وہ مکتوب پڑھا جو آپ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری کو لکھا تھا اس میں یہ تھا کہ ”شام کا قافلہ طلاء ابل کی مانند سیاہ رنگ اور گاڑھا مشروب لایا میں نے ان سے پوچھا کہ تم اس کو کتنا پکاتے ہو؟ انہوں نے بتایا کہ ہم اس کے دو مثلث جلا ڈالتے ہیں سو اس کے دو اخبث ثلث جاتے رہے ایک ثلث بدبو کا اور ایک ثلث اشتداد کا دو سکر کا‘ سو اپنے آدمیوں کو حکم کرو کہ وہ اس کو پیا کریں۔ اس کے علاوہ اور بہت سی احادیث ہیں جن سے نبیذ کی حلت ثابت ہوتی ہے۔(۱)

---

(۱) منہا ماقال ابن عمر ” رأیت رجلاً جاء الی رسول اللہ ﷺ فدفع الیہ قد حافیہ نبیذ فوجدہ شدید افردہ علیہ فقال رجل من القوم : یارسول اللہ احرام ہو ؟ فعادفاخذ منہ القدح ثم دعا بماء فصبہ علیہ ثم رفعہ الی فیہ فقطب ثم دعا بماء آخر فصبہ علیہ ثم قال اذا اغتلت علیکم ہذہ الاوعیۃ فاکسروامتونہا بالماء“ ومنہا ماروی عن ابی بردۃ قال قال رسول اللہ ﷺ ” اشربو افی الظروف ولا تسکروا “ ومنہا ماروی عن ابن عباس قال ” مررسول اللہ ﷺ علی قوم بالمدینۃ فقالو ایارسول اللہ : ان عندنا شرابا لنافلا نسقیک منہ قال بلی فاتی بقعب او قدح فیہ نبیذ فلما اخذہ النبی ﷺ وقربہ الی فیہ قطب ثم دعاالذی جاء بہ فقال خذہ فاہرقہ فقال : یارسول اللہ اہذا شرابنا ان کان حراماً لم نشربہ فاخذہ ثم دعابماء فشنہ علیہ ثم شرب فقال اذاکان ہکذا فاصنعو ابہ ہکذا۔ ومنہا ماروی عن قیس بن حر قال سالت ابن عباس عن الحجر الاخضر والحجر الاحمر فقال ان اول من سال النبی ﷺ عن ذلک وفد عبدالقیس فقال لا تشربو افی الدباء ولا فی النقیرو اشربو افی الا سقیۃفقالوا: یا رسول اللہ! فان اشتدت فی الاسقیۃ فقال صبوا علیہ من الماء فقال لہم فی الثالثہ اوالرابعۃ فاہر یقوہ“ وذکر ابن قتیبۃ فی کتاب الاشربہ ان اللہ حرم علینا الخمر بالکتاب والمسکر بالسنۃ فکان فیہ فسحۃ اوبعضہ کالقلیل من الدیباج والحریر یکون فی الثوب والحریر محرم بالسنۃ کالتفریط فی صلوۃ الوترور کعتی الفجرو ہما سنتہ فلا نقول ان تارکہما کتارک الفرائض من الظہر و العصر وقد جعل اللہ فیما احل عوضا مما حرم فحرم الربواواحل البیع وحرم السفاح واحل النکاح وحرم الدیباج واحل الوشی وحرم الخمر واحل النبیذ غیر المسکر والسکرمنہ مااسکرک ورد صاحب العقد الفرید علی المحرمین واید قول المحلین للنبیذ فقال ینبغی ان یکون قلیل النبیذ الذی یسکر حلالا وکثیرہ حراماً وان الشربۃ الاخیرۃ ہی المحرمۃ ومثل الا ربعۃالا قداح التی یسکر منہا القدح الرابع مثل اربعۃ رجال اجتمعوا علی رجل فشجہ احد ہم موضحۃ ثم شجہ الثانی منقلۃ ثم شجہ الثالث مأ مومۃ ثم اقبل الرابع فاجہز علیہ فلا نقول ان الاول ہوا لقاتل والثانی والثالث وانما قتلہ الرابع الذی اجہزعلیہ وعلیہ القود‘ ولنعم ما قال الشاعر۔

من ذایحرم ماء المزن خالطہ فی جوف خابیۃ ماء العناقید
انی لاکرہ تشدید الرواۃ لنا فیہ ویعجبنی قول ابن مسعود

(تعلیق نصب الرایہ مختصراً)

عہ..... مسلم‘ احمد‘ ابن حبان‘ عبدالرزاق‘ دارقطنی‘ طحاوی عن ابن عمر‘ طحاوی‘ عن ابن عباس وابی موسی الاشری ۱۲۔ عہ..... نسائی‘ ابن ماجہ‘ طحاوی‘ عبدالرزاق عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ‘ ابوداؤد‘ ترمذی‘ ابن ماجہ‘ ابن حبان عن جابر‘ نسائی‘ ابن حبان‘ طحاوی عن سعد بن ابی وقاص‘ دارقطنی عن علی‘ ابوداؤد‘ ترمذی‘ ابن حبان‘ دارقطنی عن عائشہ‘ ابن راہویہ‘ طبرانی عن ابن عمر‘ طبرانی‘ دارقطنی عن خوات بن جبیر‘ طبرانی عن زید بن ثابت ۱۲۔ عہ..... الجماعۃ الا البخاری عن بریدہ ۱۲۔ للعہ..... نسائی عن ابن مسعود الانصاری ۱۲ اصہ..... عقیلی عن علی‘ طبرانی عن ابن عباس (مرفوعا) نسائی‘ بزار‘ طبرانی‘ دارقطنی عن ابن عباس (مرفوعا) ۱۲۔ عہ..... طحاوی عن ابی موسیٰ الاشعری ۱۲۔ (۱) نسائی عن سوید بن غفلہ ۱۲۔ (۲) نسائی عن ابن عمر ۱۲۔ (۳) نسائی‘ طحاوی عن ابن عمر ۱۲۔ عہ..... دارقطنی عن ابن عباس ۱۲۔ عہ..... طحاوی ۱۲۔

رہی احادیث حرمت سووہ حضرت جابر' سعد بن ابی وقاص' علی' عائشہ' عمر' ابن عمر' خوات بن جبیر' زید بن ثابت رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مروی ہیں۔ اوران حضرات میں سے ہرایک سے اس کے خلاف بھی مروی ہے جس کی تفصیل طحاوی میں موجود ہے۔ پس یہ تو ہو نہیں سکتا کہ آنکھیں بند کر کے تمام احادیث حلت کو ترک کر دیا جائے بلکہ تمام احادیث میں تطبیق دی جائے گی۔ اور وہ یوں کہ جن روایات میں حرمت وارد ہے وہ اس مقدار پر محمول ہیں جو نشہ آور ہو یعنی اتنی مقدار پینا حلال نہیں جس سے نشہ آ جائے جس پر حضرت ابن مسعودؓ کا قول '' **شهدنا التحريم و شهد نا التحليل وغبتم** '' شاہد عدل ہے۔

تنبیہ: یہ یاد رہنا چاہئے کہ شیخین گومثلث عنبی کی حلت کے قائل ہیں لیکن اول تو انکے یہاں یہ شرط ہے کہ پینا بطریق لہو وطرب نہ ہو بلکہ ہضم طعام' دوا' حق تعالیٰ کی طاعت پر قوت حاصل کرنا مقصود ہو ورنہ بالاتفاق حرام ہے۔ دوم یہ کہ فتویٰ امام محمد کے قول پر ہے کہ علی الاطلاق حرام ہے خواہ کسی نوع سے ہو نیز قلیل ہو یا کثیر' عینی نے شرح ہدایہ میں لکھا ہے کہ ابوحفص کبیر سے مثلث کا سوال ہوا' آپ نے جواب دیا کہ اس کا پینا حلال نہیں۔ سائل نے کہا کہ امام اعظم اور ابو یوسف کے خلاف کرتے ہو: فرمایا: وہ ہضم طعام کیلئے حلال کہتے تھے۔ اور ہمارے زمانہ میں لوگ لہو ولعب اور فسق وفجور کیلئے پیتے ہیں۔ خود امام ابو یوسف سے امالی میں روایت ہے کہ اگر مستی کے لئے مثلث پئے تو قلیل اور کثیر سب حرام ہے۔ وہاں بیٹھنا اور اس طرف چلنا بھی حرام ہے۔

وَحَلَّ الانْتِبَاذُ فِي الدُّبَّاءِ وَالْحَنْتَمِ وَالْمُزَفَّتِ وَالنَّقِيْرِ وَخَلُّ الْخَمْرِ سَوَاءٌ خُلِّلَتْ اَوْ تَخَلَّلَتْ

حلال ہے نبیذ بنانا تو نبے ٹھلیا اور لکڑی کے کھدے ہوئے برتن میں اور شراب کا سرکہ خواہ بنایا گیا ہو یا بن گیا ہو

وَكُرِهَ شُرْبُ دُرْدِيِّ الْخَمْرِ وَالامْتِشَاطُ بِهٖ وَلاَ يُحَدُّ شَارِبُهٗ بِلاَ سُكْرٍ.

اور مکروہ ہے شراب کی تلچھٹ پینا اور اس میں تر کر کے کنگھی کرنا اور حد نہیں لگائی جائیگی تلچھٹ پینے والے کو نشہ کے بغیر

تشریح الفقہ: قوله وحل الخ دباء (کدو کے برتن۔ حنتم (سبز ٹھلیا) نقیر (لکڑی کے کھدے ہوئے برتن) اور مزفت یعنی اس برتن میں نبیذ بنانا حلال ہے جس پر روغن قیر ملا ہو۔ بعض حضرات کے یہاں اس کی اجازت نہیں۔ کیونکہ حضرت علی' ابن عمر' سعید بن جبیر' ابن عباس' عائشہ' جابر' خدری' انس' عبداللہ بن ابی اوفی' عمران بن حصین' ابو ہریرہ اور سمرہ بن جندب رضوان اللہ علیہم اجمعین کی روایات ہیں ان کی ممانعت وارد ہے۔ جواب یہ ہے کہ یہ ممانعت حضور ﷺ کے ارشاد ہے ''**کنت نهيتكم عن الاشربة" الا فی ظروف الادم فاشربوا فی كل وعاء غيران لا تشربوا مسكراعه**'' سے منسوخ ہے۔ نیز امام محمد نے کتاب الآثار میں مرفوع روایت نقل کی ہے کہ میں نے تم کو زیارت قبور سے منع کیا تھا سو اب زیارت کیا کرو کیونکہ محمد ﷺ کو اپنی ماں کی زیارت کا حکم ہوا ہے۔ اور میں نے تم کو قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ رکھنے سے منع کیا تھا سو اب جتنے وقت تک چاہو رکھو۔ کیونکہ منع اس لئے کیا تھا کہ مالدار فقیر پر کشائش کرے یا دباء وحنتم اور مزفت میں نبیذ بنانے سے منع کیا تھا سو اب پیو ہر برتن میں کیونکہ برتن کسی چیز کو حلال اور حرام نہیں کرتا لیکن نشہ والی چیز نہ پیو' حضرت علی' ابن مسعود' ابن عمر' جابر' خدری' ابو بردہ بن نیار' عبداللہ بن مغفل' ابو ہریرہؓ کی روایات سے حرمت کا نسخ روز روشن کی طرح واضح ہے۔

---

(۱) انه فيه ... الخمر فكان حراما نجسا والا انتفاع بمثله حرام ۱۲۔ (۲) لان وجوب الحد للزجر والزجر انما يشرع فيما تميل الطباع اليه والا تميل الى شرب الدردى ۱۲۔ عہ ..... الجماعة الا البخاری عن بریدہ ۱۲۔ عہ ..... مسلم عن انس ۱۲۔ عہ ..... مسلم' طبرانی عن ابی طلحہ ۱۲۔ للعہ ..... طبرانی' دار قطنی ۱۲۔ صہ ..... احمد عن ابن عمر ۱۲۔ صہ ..... ابن سعد ۱۲۔ (۱) عہ ..... ابو یعلی الموصلی عن جابر ۱۲۔

قولہ و خل الخ ہمارے یہاں خمر کا سرکہ حلال ہے خواہ بذات خود سرکہ بن گئی ہو یا اس میں کوئی چیز ڈالنے سے سرکہ ہوئی ہے ائمہ ثلاثہ کے یہاں خمر کا سرکہ حلال نہیں اور اگر دھوپ کے ذریعہ ہو یا نمک وغیرہ ڈالنے سے ہو اگر خمر میں کوئی چیز ڈالکر سرکہ بنایا گیا تو امام شافعی کے یہاں وہ سرکہ حلال نہیں اور اگر دھوپ وغیرہ کی گرمی سے بن گیا تو اس میں دو قول ہیں ایک یہ کہ حلال ہے دوم یہ کہ حلال نہیں امام مالک اور امام احمد فرماتے ہیں۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ سے سوال کیا گیا: خمر کا سرکہ بنایا جائے؟ فرمایا: نہیں' نیز حضرت ابوطلحہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے اپنی پرورش کے یتیموں کے لئے خمر خریدی تھی اور اب اس کی حرمت نازل ہوگئی۔ تو کیا میں اس کو سرکہ بنالوں؟ فرمایا نہیں بلکہ اس کو بہادے' اگر سرکہ بنانا جائز ہوتا تو آپ بہانے کا حکم نہ فرماتے بالخصوص جبکہ وہ یتیموں کا مال تھا۔ جواب یہ ہے کہ یہ حکم بطور تشدد تھا کیونکہ ابتداً میں شراب کے متعلق تشدد ہی اختیار کیا گیا تھا۔ حالانکہ آپ نے مٹکوں کو توڑ دینے کا حکم فرمایا۔ اور مدینہ کے بازاروں میں آپ نے بدست خود شراب کے مشکیزے پھاڑ ڈالے۔ حالانکہ صرف خمر کو بہادینا کافی تھا۔ حضرت عمر نے تو ایک شراب فروش کا گھر ہی جلا ڈالا تھا" بہرکیف یہ سب بطریق تشدد ہی تھا بعد میں منسوخ ہوگیا۔ چنانچہ حضرت جابر کی روایت میں ہے کہ آپ نے یتیموں کو انکی خمر کے عوض میں مال عطا کیا۔

کتاب الصید

هُوَ الاصْطِيَادُ وَيحِلُّ بِالْكَلْبِ الْمُعَلَّمِ وَالْفَهْدِ وَالْبَازِيْ وَسَائِرِ الْجَوَارِحِ الْمُعَلَّمَةِ وَلاَ بُدَّ مِنَ التَّعْلِيمِ وَذَا

وہ شکار کرنا ہے اور حلال ہے تعلیم یافتہ کتے اور سکھائے ہوئے چیتے اور باز سب شکاری جانوروں سے اور ضروری ہے تعلیم اور یہ کھانا چھوڑنے سے ہے

بِتَرْكِ الاكْلِ ثَلاَ ثاً فِي الْكَلْبِ وَالرُّجُوْعِ اِذَا دَعَوْتَهُ فِي الْبَازِيْ وَمِنَ التَّسْمِيَةِ عِنْدَ الارْسَالِ وَمِنَ الْجَرْحِ

تین بار کتے کے حق میں اور بلانے پر واپس آجانے سے ہے باز میں اور بسم اللہ کہنا چھوڑتے وقت اور زخم لگادینا کسی جگہ۔ پس اگر کھانے لگے

فِي اَىِّ مَوْضَعٍ كَانَ فَاِنْ اَكَلَ مِنْهُ الْبَازِيْ اُكِلَ وَاِنْ اَكَلَ الْكَلْبُ اَوِ الْفَهْدُ لاَ وَاِنْ اَدْرَكَهُ حَيًّا ذَكَّاهُ.

اس سے باز تو شکار کھایا جاسکتا ہے اور اگر کھانے لگے کتا یا چیتا تو نہیں اگر شکاری شکار کو زندہ پائے تو اس کو ذبح کرے

تشریح الفقہ: قولہ کتاب الخ خمر و نبیذ اشربہ میں سے ہیں اور صید اطعمہ میں سے اور اشربہ و اطعمہ کی مناسبت ظاہر ہے۔ پھر جس طرح اشربہ باعث سرور و نشاط ہوتی ہیں اسی طرح شکار باعث فرح و انبساط ہوتا ہے اسلئے کتاب الاشربہ کے بعد کتاب الصید لا رہا ہے۔

(فائدہ) شکار کرنا حلال بھی ہے۔ اور حرام بھی۔ اگر شکار کنندہ محرم ہو تو حرام ہے۔ اور محرم نہ ہو تو دو حال سے خالی نہیں شکار حرم میں کرے گا یا غیر حرم میں اول حرام ہے اور ثانی حلال مگر پندرہ شرطوں کیساتھ (۱) شکاری کا مسلمان یا کتابی ہونا (۲) کتے یا باز کو چھوڑنا (۳) اس کے چھوڑنے میں غیر مسلم یا غیر کتابی کا شریک نہ ہونا (۴) تسمیہ کو عمداً ترک نہ کرنا (۵) چھوڑنے اور شکار پکڑنے کے درمیان دوسرے کام میں مشغول نہ ہونا (۶) شکاری جانور کا تعلیم یافتہ ہونا (۷) چھوڑنے کے طریقہ پر چلا جانا (۸) غیر معلم کا شریک نہ ہونا (۹) شکار کو زخم لگا کر قتل کرنا (۱۰) شکار کو نہ کھانا (۱۱) شکار کی خورش غیشد ار دانت اور چنگل سے نہ ہو (۱۲) حشرات ارض سے نہ ہو (۱۳) مچھلی کے علاوہ آبی جانور نہ ہو (۱۴) اپنے پروں یا پاؤں سے خود کو بچانے پر قادر ہو (۱۵) شکار کرنے سے شکار کا مرجانا (ذبح کرنے سے پہلے)۔

قولہ ھو الاصطیا د الخ صید لغۃً مصدر ہے یعنی اصطیاد بمعنی شکار کرنا۔ جیسے احتطاب لکڑیاں چننا اور مجازاً مفعول پر بھی بولا جاتا ہے جیسے صید الامیر ای مصیدہ قہستانی نے مطرزی سے نقل کیا ہے۔ کہ "صید ہر دو ممتنع وہ متوحش جانور ہے جس کو حیلہ کے بغیر پکڑنا ممکن نہ ہو" بس

یہ عام ہے ماکول ہو یا غیر ماکول قال قائلھم

صیدا لملوک ارانب وثعالب
واذا رکبت فصیدی الابطال

قولہ وذابترک الاکل الخ شکار حلال ہونے کیلئے شکاری جانور کا تعلیم یافتہ ہونا ضروری ہے۔اب اگر وہ کتا ہے تو اس کے معلم ہونے کی علامت یہ ہے کہ جب وہ تین بار شکار پکڑ چکے اور اس کی کھال' گوشت' ہڈی وغیرہ کچھ نہ کھائے تو وہ معلم ہے اور باز وغیرہ کے معلم ہونے کی علامت یہ ہے کہ جب اس کو بلایا جائے تو فوراً واپس آ جائے۔وجہ یہ ہے کہ کتے کی عادت لے بھاگنا اور غارتگری ہے اور باز وغیرہ کی عادت وحشت ہے۔پس جب دونوں نے اپنی عادت چھوڑ دی تو تعلیم یافتگی ثابت ہوگئی۔

وَاِنْ لَمْ يُذَكِّهُ اَوْ خَنِقَهُ الْكَلْبُ وَلَمْ يُجرِحهُ اَوْ شَارَكَهُ كَلْبٌ غَيْرُ مُعَلَّمٍ اَوْ كَلْبُ مَجُوْسِيٍّ اَوْ كَلْبٌ لَمْ يُذْكَرْ

اگر اس کو ذبح نہیں کیا یا اس کا گلا گھونٹ دیا کتے نے اور زخم نہیں لگایا یا شریک ہو گیا اس کے ساتھ غیر تعلیم یافتہ کتا مجوسی کا کتا یا ایسا کتا جس پر

اِسْمُ اللهِ عَلَيْهِ عَمَدًا حُرِمَ وَاِنْ اَرْسَلَ كَلْبَهُ فَزَجَرَهُ مَجُوْسِيٌّ فَانْزَجَرَ حَلَّ وَلَوْ اَرْسَلَهُ مَجُوْسِيٌّ

بسم اللہ نہیں کہی گئی تو شکار حرام ہے اگر چھوڑا اپنا کتا پھر للکارا اس کو مجوسی نے پس وہ تیز ہو گیا تو شکار حلال ہے اور اگر چھوڑا اس کو مجوسی نے

فَزَجَرَهُ مُسْلِمٌ فَانْزَجَرَ حُرِمَ وَاِنْ لَمْ يُرْسِلْهُ اَحَدٌ فَزَجَرَهُ مُسْلِمٌ فَانْزَجَرَ حَلَّ وَاِنْ رَمٰى

پھر للکارا اس کو مسلمان نے پس وہ تیز ہو گیا تو حرام ہے اور اگر اس کو کسی نے نہیں چھوڑا اور مسلمان نے للکارا پس وہ تیز ہو گیا تو حلال ہے تیر مارا

وَسَمّٰى وَجَرَحَ اَكَلَ وَاِنْ اَدْرَكَهُ حَيًّا ذَكَّاهُ وَاِنْ لَمْ يُذَكِّهُ حَرُمَ وَاِنْ وَقَعَ سَهْمٌ بِصَيْدٍ فَتَحَامَلَ وَغَابَ

اور بسم اللہ کہی اور زخمی کیا تو کھایا جائے اور اگر اس کو زندہ پائے تو ذبح کرے اگر ذبح نہ کیا تو حرام ہو گا اگر شکار کے تیر لگا اور وہ اٹھائے ہوئے

وَهُوَ فِي طَلَبِهٖ فَوَجَدَهُ مَيِّتًا حَلَّ وَاِنْ قَعَدَ عَنْ طَلَبِهٖ ثُمَّ اَصَابَهُ مَيِّتًا لَا وَاِنْ رَمٰى صَيْدًا

غائب ہو گیا شکاری ڈھونڈھتا رہا یہاں تک کہ اس کو مرا ہوا پایا تو حلال ہے اور اگر بیٹھ رہا اس کی طلب سے پھر مرا ہوا پایا تو نہیں اگر تیر مارا شکار کے

فَوَقَعَ فِي مَاءٍ اَوْ عَلٰى سَطْحٍ اَوْ جَبَلٍ ثُمَّ تَرَدّٰى مِنْهُ اِلَى الْاَرْضِ حَرُمَ وَاِنْ وَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِبْتِدَاءً حَلَّ

اور وہ گر گیا پانی میں یا چھت پر یا پہاڑ پر پھر گر گیا وہاں سے زمین پر تو وہ حرام ہے اور اگر گرا ہو زمین پر ابتداء ہی تو حلال ہے

وَمَا قَتَلَهُ الْمِعْرَاضُ بِعَرْضِهٖ اَوِ الْبُنْدُقَةُ حَرُمَ وَاِنْ رَمٰى صَيْدًا فَقَطَعَ عُضْوًا مِنْهُ اُكِلَ الصَّيْدُ

اور جس جانور کو ختم کر دای معراض تیر نے عرض کی جانب سے یا غلیلہ نے تو وہ حرام ہے اگر تیر مارا شکار کے اور جدا ہو گیا اس کا کوئی عضو تو کھایا جائے

لَا الْعُضْوُ وَاِنْ قَطَعَهُ اَثْلَاثًا وَالْاَكْثَرُ مِمَّا يَلِي الْعَجُزَ اُكِلَ كُلُّهُ وَحَرُمَ صَيْدُ الْمَجُوْسِيِّ وَالْوَثَنِيِّ وَالْمُرْتَدِّ

شکار نہ کہ عضو اور اگر جدا کر دیا تین تہائی اور اکثر حصہ دھڑ کی طرف ہے تو کھایا جائے کل شکار حرام ہے مجوسی بت پرست اور مرتد کا شکار

(۱)...... وعن الشافعی یحل بلا جرح وبہ قال الشافعی ۱۲۔(۲)......لان تعلمہ بالا جابۃ لا بترک اکلہ بالا جماع ۱۲۔(۳)......ای ذبحہ وجوبا بالقولہ علیہ السلام "وان امسک علیک فادرکتہ حیا فاذبحہ ۱۲۔

عہ...... بروزن محراب بلاپر کا تیر ہوتا ہے جس کے دونوں کنارے باریک اور درمیانی حصہ باریک ہوتا ہے۔یہ نشانہ پر عرض کی جانب سے لگتا ہے ۱۲۔

عہ......مٹی کا گول ڈھیلہ جس کو جلاہق کہتے ہیں (مغرب) ہندی میں اس کو غلولہ اور غلیلہ کہتے ہیں جس کو غلیل سے چلاتے ہیں۔۱۲

وَاِنْ رَمیٰ صَیْدًا فَلَمْ یُثْخِنْهُ فَرَمَاهُ اٰخَرُ فَقَتَلَهٗ فَهُوَ لِلثَّانِیْ وَحَلَّ وَاِنْ اَثْخَنَهٗ فَلِلْاَوَّلِ وَحَرُمَ

اگر تیر مارا شکار کے اور وہ سست نہ ہوا کہ دوسرے نے تیر مار کر قتل کر دیا تو شکار دوسرے کا ہوگا اور حلال ہوگا اور اگر سست کر چکا تھا تو اول کا ہوگا

وَضَمِنَ الثَّانِیْ لِلْاَوَّلِ قِیْمَتَهٗ غَیْرَ مَا نَقَصَتْ جَرَاحَتُهٗ

اور حرام ہوگا اور ضمان دیگا ثانی اول کو اس کی قیمت کا سوائے اس کے جو کم کردی ہے اس کے زخم نے

وَحَلَّ اصْطِیَادُ مَایُؤْکَلُ لَحْمُهٗ وَمَا لَا یُؤْکَلُ.

حلال ہے شکار کرنا اس کا جس کا گوشت کھایا جاتا ہے اور جس کا نہیں کھایا جاتا۔

تفصیل احکام صید

قولہ وان وقع سهم الخ۔ ایک شخص نے شکار پر تیر چلایا اور وہ اس کو اٹھائے ہوئے غائب ہوگیا شکاری اس کو تلاش کرتا رہا یہاں تک کہ اس نے اسکو پالیا مگر اس وقت وہ مردہ ہو چکا تھا تو اس کا کھانا حلال ہے کیونکہ حضور ﷺ نے حضرت ابوثعلبہ سے فرمایا تھا کہ جب تو نے تیر مارا اور شکار تجھ سے تین دن تک غائب رہا پھر تو نے اس کو پالیا تو اس کو کھا جب تک کہ وہ گندہ نہ ہوگیا ہو اور اگر وہ تلاش کرنے سے بیٹھ رہا تو حلال نہ ہوگا کیونکہ ممکن ہے شکار کی موت تیر سے نہ ہوئی ہو کسی اور سبب سے ہوئی ہو جیسا کہ روایت میں وارد ہے" **لعل هوام الارض قتلته**"۔

قولہ وان رمی صیداً الخ۔ ایک شخص نے شکار کے تیر مارا وہ پانی میں گر کر مر گیا تو وہ حرام ہے کیونکہ "حضور ﷺ نے حضرت عدی بن حاتم سے فرمایا تھا کہ اگر تیرا تیر پانی میں واقع ہو تو اس کو نہ کھا کیونکہ معلوم نہیں کہ اس کو تیرے تیر نے مارا ہے یا پانی نے" اسی طرح اگر چھت یا پہاڑ پر گرنے کے بعد زمین پر گرا تب بھی حرام ہے کیونکہ وہ متردّیہ ہے جس کی حرمت نص کتاب سے ثابت ہے، ہاں اگر وہ ابتداءً ہی زمین پر گرا ہو تو حلال ہے کیونکہ زمین پر گرنے سے تو احتراز ممکن ہی نہیں۔

قولہ وما قتله المعراض الخ۔ جس شکار کو معراض نے اپنے عرض کی جانب سے قتل کیا ہو یا غلیلہ نے قتل کیا ہو تو وہ حرام ہے کیونکہ وہ بوجھ اور گرانی کی وجہ سے مرا ہے نہ کہ زخم اور دھار دار چیز سے، فتاویٰ قاضیخان میں ہے کہ غلیلہ، پتھر، معراض، لاٹھی وغیرہ سے شکار حلال نہیں ہوتا گو وہ زخمی ہو گیا ہو کیونکہ یہ چیزیں شکار کو چیرتی پھاڑتی نہیں بلکہ اسکے اعضاء کو توڑتی ہیں ہاں اگر اس کو تیر کی مانند دراز اور نوکدار کر کے مارا ہو اور زخمی ہو گیا ہو تو حلال ہے۔

قولہ فقطع عضواً الخ۔ ایک شخص نے تیر مار کر شکار کا کوئی عضو قطع کر دیا اور وہ مر گیا تو شکار کھایا جائے عضو نہ کھایا جائے جبکہ وہ عضو ایسا ہو کہ اسکے بعد زندگی متصور ہو، امام شافعی کے نزدیک دونوں کھائے جاسکتے ہیں، وہ یہ فرماتے ہیں کہ یہ عضو ذکاۃ اضطراری سے جدا کیا گیا ہے تو ایسا ہو گیا جیسے ذبح اختیاری سے جانور کا سر جدا کر دیا جائے کہ سر اور جانور دونوں کا کھانا حلال ہے، ہماری دلیل حضور ﷺ کا ارشاد ہے "**ماقطع من البهيمة وهي حية فهو ميت**" یعنی چوپایہ کا عضو کاٹا گیا درانحالیکہ وہ زندہ ہے تو وہ عضو مردار ہے، وجہ استدلال یہ ہے کہ حدیث میں لفظ حیۃ مطلق ہے تو یہ زندہ حقیقی و حکمی دونوں کی طرف راجع ہوگا اور ظاہر ہے کہ جس وقت اس سے عضو قطع ہوا ہے اس وقت وہ حقیقۃً بھی زندہ ہے کیونکہ اس میں حیات موجود ہے اور حکماً بھی زندہ ہے کیونکہ اس زخم کے بعد اس کا سلامت رہنا متصور ہے۔

قولہ وان قطع اثلاثا الخ۔ اور اگر تیر انداز نے شکار کو تین تہائی قطع کر دیا اور اس کا اکثر بدن ڈھڈی اور دم کیساتھ رہا یعنی ایک تہائی

سر کی طرف اور دو تہائی دم کی طرف تو کل شکار حلال ہے کیونکہ اس صورت میں اسکی زندگی مذبوح کی زندگی سے زیادہ ممکن نہیں تو حدیث مذکور اس کو شامل نہ رہی کیونکہ اس صورت میں حکمی حیات صادق نہیں تو فی الحال اسکی ذکاۃ واقع ہوگئی اسلئے کل حلال ٹھہرا۔

قوله وان رمی صیداً الخ۔ ایک شخص نے شکار کے تیر مارا مگر اس کو کاری زخم نہیں لگا پھر دوسرے نے تیر مار کر قتل کر دیا تو شکار شخص ثانی کا ہوگا اور حلال ہوگا کیونکہ اس نے اس کو زخم لگا کر حیز امتناع سے خارج کر دیا، اور اگر پہلا شخص کاری زخم لگا چکا ہو جس کی وجہ سے شکار بھاگ نہ سکتا ہو اور اس میں اتنی حیات ہو جس سے وہ زخم کے بعد زندہ رہ سکے اور پھر دوسرا شخص تیر مار کر قتل کر دے تو شکار شخص اول کا ہوگا اور حرام ہوگا کیونکہ وہ کاری زخم لگانے کے بعد ذبح اختیاری پر قادر ہو گیا تھا اور اس نے ذبح کیا نہیں تو شکار حرام ہوگا، اور جب شکار شخص اول کا ہو چکا تو دوسرا شخص غیر کے مملوک شکار کو تلف کرنے والا ہوا لہذا اس پر شکار کی قیمت کا تاوان ہوگا مگر پہلے زخم کی وجہ سے جتنی قیمت کم ہوگئی ہے اتنی قیمت وضع کر دی جائے گی۔

کتاب الرھن

هُوَ حَبْسُ شَيْءٍ بِحَقٍّ يُمْكِنُ اِسْتِيْفَاؤُهُ مِنْهُ كَالدَّيْنِ وَلَزِمَ بِاِيْجَابٍ وَقَبُوْلٍ وَقَبْضِهٖ.

وہ بعوض حق ایسی چیز کو روک لینا ہے جس سے حق وصول کر لینا ممکن ہو جیسے قرض اور لازم ہو جاتا ہے ایجاب وقبول اور مرتہن کے قبضہ سے

تشریح الفقہ: **قوله کتاب الخ** جس طرح شکار کرنا تحصیل مال کا سبب ہے اسی طرح رہن بھی تحصیل مال کا سبب ہے۔ اس مناسبت سے کتاب الصید کے بعد کتاب الرہن لا رہا ہے۔ رہن کی مشروعیت قران وحدیث ہر دو سے ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے "**وان کنتم علی سفرٍ و لم تجدوا کاتباً فرهان مقبوضة**" حدیث میں ہے کہ "آنحضرت ﷺ نے ابوالشحم یہودی سے تین صاع جو خریدے اور اس کے عوض میں اپنی لوہے کی ایک زرہ رہن رکھی۔

قوله هو حبس الخ رہن لغۃً حبس شئی یعنی کسی چیز کو روک لینے کو کہتے ہیں خواہ وہ چیز مال ہو یا غیر مال ہو، شرع میں رہن کی تعریف یہ ہے "**هو حبس شئی (مالی ای جعل الشئی محبوسا) بحق یمکن استیفاء ہ منه (کلاًاو بعضا) کالدین (حقیقةً او حکما)**" یعنی رہن ایسی مالی چیز کو کسی حق کے عوض میں روک لینے کو کہتے ہیں جس سے حق وصول کر لینا ممکن ہو خواہ پورا حق وصول کر لینا ممکن ہو یا بعض حق جیسے مرہون سے دین کا وصول کر لینا خواہ دین حقیقۃً ہو یا حکماً، ہم نے تعریف میں حبس شئی کی تفسیر جعل الشئی محبوساً سے اسلئے کی تاکہ راہن حابس نہ ٹھہرے۔ کیونکہ حابس مرتہن ہے نہ کہ راہن، راہن تو شئی کو محبوس کرنیوالا ہے۔ پھر تعریف میں حبس مرتہن کا اس لئے اعتبار نہیں کہ گفتگو ارتہان میں نہیں ہے جو مرتہن کا فعل ہے بلکہ گفتگو اس رہن میں ہے جو راہن کا فعل ہے۔ امکان اخذ کی قید سے وہ چیز نکل گئی جو دیر پا نہ ہو جیسے برف وغیرہ بحق میں حق سے مراد دین ہے اس واسطے کہ مرہون شئی سے عین کا حاصل کرنا ممکن نہیں۔ مگر اس وقت جبکہ عین دین حکمی ہو جائے (جس کا بیان آگے آرہا ہے) کالدین میں کاف تمثیلی نہیں بلکہ کاف استقصاء ہے یعنی حق دین میں منحصر ہے تو دین کل حق ہے نہ کہ بعض حق۔ پھر دین سے مراد عام ہے حقیقۃً ہو یا حکماً۔ دین حقیقی وہ ظاہر وباطن ہر دو اعتبار سے یا صرف ظاہر کے اعتبار سے ذمہ پر واجب ہو جیسے اس غلام کا ثمن جو آزاد نکل آئے یا وہ سرکہ جو خمر ثابت ہو۔ دین حکمی جیسے وہ اعیان جن کا ضمان مثل یا قیمت سے ہوتا ہے جس کی تشریح آگے آرہی ہے۔

فائدہ: گروی رکھنے والے کو راہن کہتے ہیں اور جس کے پاس گروی رکھی جائے اس کو مرتہن کہتے ہیں اور جو چیز گروی رکھی جائے اس کو مرہون کہتے ہیں۔ مثلاً زید نے خالد سے سو درہم لئے اور اس کے عوض میں اپنا باغ گروی رکھدیا تو زید راہن ہے۔ اور خالد مرتہن اور باغ

مرہون۔

قوله ولزم الخ کنز کے بعض نسخوں میں یہی عبارت ہے جو پیش نظر نسخہ میں ہے یعنی **ولزم بایجاب وقبول وقبضه** "مگر یہ عبارت بقول علامہ زیلعی وصاحب تکملہ ملتی برسہو ہے اس واسطے کہ مذہب صحیح یہ ہے کہ رہن ایجاب وقبول سے منعقد تو ہوجاتا ہے لیکن لازم نہیں ہوتا لازم قبضہ کے بعد ہوتا ہے۔ پس تصحیح عبارت یوں ہے" **وينعقد بايجاب وقبول ويتم بقبضه**" یعنی عقد رہن ایجاب وقبول سے منعقد ہوجاتا ہے مثلاً راہن یوں کہے" **رهنتك هذا المال بدين لك علي**" اور مرتہن کہے "قبلت" تو عقد رہن منعقد ہوگیا اور جب راہن نے مرہون شئی مرتہن کے حوالے کردی اور مرتہن نے اس پر قبضہ کرلیا اس حالت میں کہ شئی مرہون مجتمع تھی نہ کہ متفرق۔ اور راہن کے حق کے ساتھ مشغول بھی نہیں تھی نیز وہ مقسوم تھی نہ کہ مشاع تو اب عقد رہن لازم ہوگیا۔

قوله بایجاب الخ عقد رہن قبض مرہون جواز رہن کے لئے شرط ہے یا لزوم رہن کیلئے؟ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے شیخ الاسلام خواہرزادہ وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ رکن رہن صرف ایجاب ہے اور قبض مرہون لزوم رہن کیلئے شرط ہے نہ کہ جواز کیلئے۔ گویا رہن تو قبضہ کے بغیر ہوجاتا ہے لیکن لازم نہیں ہوتا۔ لازم قبضہ کے بعد ہوتا ہے اور وجہ یہ ہے کہ عقد رہن ہبہ اور صدقہ کی طرح ایک عقد تبرع ہے اور عقد تبرع صرف متبرع کے ذریعہ سے صحیح ہوجاتا ہے اس لئے انعقاد رہن قبض مرہون پر موقوف نہ ہوگا لیکن یہ عام کتب کی روایت کے خلاف ہے۔ عام کتب فقہیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جواز رہن کیلئے قبض مرہون شرط ہے چنانچہ امام محمد فرماتے ہیں۔ **لايجوز الرهن الامقبوضاً** حاکم شہید نے کافی میں کہا ہے "**لايجوز الرهن غير مقبوض**" امام طحاوی نے بھی اپنی مختصر میں یہی کہا ہے۔ "**لايجوز الرهن الامقبوضاً مفرغاً محوزاً**" امام کرخی کی مختصر میں بھی یہی ہے۔ **قال ابو حنيفة و زفر وابو يوسف ومحمد والحسن بن زياد لايجوز الرهن الا مقبوضا**" صاحب مجتبی نے اسی کی تصحیح کی ہے۔ کہ قبض مرہون جواز رہن کے لئے شرط ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ رہن نفس عقد ہی سے لازم ہوجاتا ہے۔ اس واسطے کہ رہن جانبین سے مال کیساتھ خاص ہوتا ہے۔ تو یہ ایسا ہوگیا جیسے عقد بیع کو نفس ایجاب وقبول سے لازم آجاتا ہے۔ ہماری دلیل حق تعالیٰ کا ارشاد ہے" **وان كنتم علىٰ سفر ولم تجدوا كاتباً فرهان مقبوضة**" وجہ استدلال یہ ہے کہ اس میں لفظ رہان بقول صاحب ہدایہ وشیخ علاؤ الدین اسبیجابی شارح کافی مصدر ہے۔ جو مقرون بحرف الفاء ہے اور محل جزاء میں مصدر مقرون بحرف الفاء سے مراد امر ہوتا ہے۔ جیسے آیت "**فضرب الرقاب**" میں ضرب مصدر سے مراد امر ہے ای فاضربوها" اسی طرح آیت" **فتحرير رقبة مومنة**" میں تحریر سے مراد امر ہے ای **فليحرو** ۔ پس آیت مذکورہ میں بھی رہان مصدر سے مراد امر ہوگا ای **فارهنو اوار تهنوا**" مگر یہاں موجب امر یعنی وجوب ولزوم نفس رہن کے حق میں معمول بہ نہیں۔ کیونکہ مدیون پر رہن رکھنا بالاجماع واجب نہیں۔ تو لامحالہ موجب امر کو رہن کی شرط کیجانب منصرف کیا جائیگا۔ اور شرط رہن قبض مرہون ہے۔ سوال لغت کی کتب متداولہ مغرب، دیوان الادب، صحاح، قاموس وغیرہ میں تصریح ہے۔ کہ رہون اور رہن کی طرح رہان بھی رہن کی جمع ہے۔ نہ کہ مصدر جیسے نعال نعل کی اور جبال جبل کی جمع ہے۔ آیت میں مقبوضہ صفت کا تاء کیساتھ آنا بھی یہی بتاتا ہے۔ کہ رہان مصدر نہیں ہے جمع ہے پس آیت مذکورہ سے استدلال غلط ہے۔ جواب رہان باب مفاعلت کا مصدر ہے۔ جیسے قتال وضراب اور مقبوضہ موصوف محذوف کی صفت ہے۔ جس کو بتاویل سلعۃ یا بتاویل عین مؤنث لایا گیا ہے جیسے لفظ صوت کو بتاویل صیحہ مؤنث لے آتے ہیں ای **فرهان مرهونة مقبوضة**۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہاں مصدر مقرون بالفاء محذوف ہے۔ اور رہان اس کا قائم مقام ہے ای **فرهن رهان مقبوضة** جیسے آیت" **فعدة من ايام آخر**" کی تقدیر **فصوم عدة من ايام اخر** ہے۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

مُحَوَّزاً مُفَرَّغًا مُمَيَّزًا وَالتَّخْلِيَةُ فِيهِ وَفِي الْبَيْعِ قَبْضٌ

ع...... اگر تم سفر میں ہو اور نہ پاؤ لکھنے والا تو گرو قبضہ رکھنی چاہیے ۱۲۔ ع...... صحیحین عن عائشہ، بخاری عن انس، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ عن ابن عباس ۱۲۔

درانحالیکہ وہ چیز مجتمع ہو حق راہن سے خالی ہو اور مقسوم ہو اپنے تصرف سے خالی کر کے سامنے کر دینا باب رہن اور باب بیع میں مثل قبضہ کے ہے

وَلَهُ اَنْ يَرْجِعَ عَنِ الرَّهْنِ مَالَمْ يَقْبِضْهُ وَهُوَ مَضْمُوْنٌ بِاَقَلِّ مِنْ قِيْمَتِهٖ وَمِنَ الدَّيْنِ

اور راہن رجوع کر سکتا ہے رہن سے جبتک کہ مرتہن نے اس پر قبضہ نہ کیا ہو اور وہ مضمون ہوتی ہے قیمت اور دین سے کمتر کے بدلے میں

فَلَوْ هَلَكَ وَقِيْمَتُهٗ مِثْلُ دَيْنِهٖ صَارَ مُسْتَوْفِيًا دَيْنَهٗ وَاِنْ كَانَتْ اَكْثَرَ مِنْ دَيْنِهٖ فَالْفَضْلُ اَمَانَةٌ

سو اگر وہ چیز ہلاک ہوگئی اور اس کی قیمت دین کے برابر ہے تو مرتہن اپنا دین وصول کرنے والا ہوگیا اور اگر قیمت زائد ہو دین سے تو زیادتی امانت ہے

وَ بِقَدْرِ الدَّيْنِ صَارَ مُسْتَوْفِيًا وَاِنْ كَانَتْ اَقَلَّ صَارَ مُسْتَوْفِيًا بِقَدْرِهٖ وَرَجَعَ الْمُرْتَهِنُ بِالْفَضْلِ

اور وہ بقدر دین وصول کرنے والا ہوگیا اور اگر قیمت کم ہو تو بقدر قیمت وصول کرنے والا ہوگیا اب وہ باقی قرضہ راہن سے وصول کرلے

وَلَهُ اَنْ يُّطَالِبَ الرَّاهِنَ بِدَيْنِهٖ وَيَحْبِسَهٗ بِهٖ وَيُؤْمَرُ الْمُرْتَهِنُ بِاِحْضَارِ رَهْنِهٖ وَالرَّاهِنُ بِاَدَاءِ دَيْنِهٖ اَوَّلاً

اور مرتہن مطالبہ کر سکتا ہے راہن سے اپنے دین کا اور اس کی بابت قید کر سکتا ہے حکم کیا جائیگا مرتہن کو مرہون کے حاضر کرنے کا اور راہن کو اس کا دین

وَاِنْ كَانَ الرَّهْنُ فِيْ يَدِ الْمُرْتَهِنِ لاَ يُمَكِّنُهٗ مِنَ الْبَيْعِ حَتّٰى يَقْضِيَهِ الدَّيْنَ فَاِذَا قَضٰى سَلَّمَ الرَّهْنَ

ادا کرنے کا اگر مرہون شئی مرتہن کے پاس ہو تو وہ راہن کو بیچنے نہ دے یہاں تک کہ وہ اس کا قرض چکا دے جب وہ قرض چکا دے تو شئی مرہون

وَلاَ يَنْتَفِعُ الْمُرْتَهِنُ بِالرَّهْنِ اِسْتِخْدَامًا وَسُكْنٰى وَلُبْسًا وَاِجَارَةً وَاِعَارَةً وَيَحْفَظُهٗ بِنَفْسِهٖ

اس کے حوالہ کر دے فائدہ نہ اٹھائے مرتہن مرہون سے خدمت لینے رہنے پہننے مزدوری اور عاریت پر دینے کے طور سے اور حفاظت کرے مرہون کی

وَزَوْجَتِهٖ وَوَلَدِهٖ وَخَادِمِهٖ الَّذِيْ فِيْ عِيَالِهٖ وَضَمِنَ بِحِفْظِهٖ بِغَيْرِهِمْ

خود یا حفاظت کرائے اپنی بیوی اور اولاد اور اپنے اس خادم سے جو اس سے متعلق ہے اور ضامن ہوگا ان کے علاوہ کے ذریعہ حفاظت کرانے

وَبِاِيْدَاعِهٖ وَتَعَدِّيْهِ قِيْمَتَهٗ وَاُجْرَةُ بَيْتِ حِفْظِهٖ وَحَافِظِهٖ عَلَى الْمُرْتَهِنِ

اور بطور ودیعت دینے اور کسی طرح کی زیادتی کرنے سے اس کی قیمت کا اور مرہون کی حفاظت کے گھر کا کرایہ اور محافظ کی تنخواہ مرتہن کے ذمہ ہے

وَاُجْرَةُ رَاعِيْهِ وَنَفَقَةُ الرَّهْنِ وَالْخَرَاجُ عَلَى الرَّاهِنِ.

اور اس کے چرواہے کی اجرت اور کھانے پینے کا خرچہ اور خراج راہن کے ذمہ ہے۔

تفصیل احکام رہن

قولہ محوزاً الخ محوز، مفرغ، ممیز تینوں قیود احترازی ہیں، محوز کا مطلب یہ ہے کہ شئی مرہون مجتمع اور مضموم ہو متفرق نہ ہو تو درخت کے بغیر پھل کو اور زمین کے بغیر کھیتی کو رہن رکھنا صحیح نہ ہوگا، مفرغ سے مراد یہ ہے کہ شئی مرہون حق راہن کیساتھ مشغول نہ ہو تو پھل کے درخت کو اور کھیتی کے بغیر زمین کو اور متاع راہن کے بغیر گھر کو رہن رکھنا جائز نہ ہوگا۔ ممیز کے یہ معنی ہیں کہ مرہون مقسوم ہو مشاع نہ ہو اگرچہ شیوع حکمی ہو بایں طور کہ شئی مرہون باعتبار پیدائش غیر مرہون کے ساتھ متصل ہو۔ جیسے زمین، مرہون کا اتصال درخت کے ساتھ۔ امام مالک اور امام شافعی کے یہاں رہن مشاع جائز ہے۔

قولہ وھو مضمون الخ ہمارے یہاں شئی مرہون مضمون ہوتی ہے۔یعنی اگر شئی مرہون مرتہن کے پاس اس کی تعدی کے بغیر ہلاک ہوجائے تو اس کا تاوان دینا ہوگا لیکن تاوان اقل قیمت دین کا ہوگا۔یعنی دین اور قیمت مرہون میں سے جو کمتر ہو اس کا ضمان آئے گا پس اگر مرہون کی قیمت دین کے برابر ہو تو معاملہ برابر سرابر ہوگیا۔اور اگر مرہون کی قیمت دین سے زیادہ ہو تو جس قدر زائد ہے وہ امانت ہے کہ اگر اس کے پاس سے ہلاک ہوجائے تو اس کا ضمان نہ ہوگا۔اور اگر مرتہن تعدی سے ہلاک ہو تو ضمان ہوگا۔اور اگر مرہون کی قیمت دین سے کم ہو تو بقدر قیمت دین ساقط ہوجائے گا۔اور باقی دین مرتہن سے لے لیگا۔یہ کل تفصیل ہمارے یہاں ہے۔امام شافعی کے یہاں شئی مرہون مرتہن کے پاس امانت ہوتی ہے۔تو انکے یہاں مرہون کے ہلاک ہوجانے سے تاوان نہ آئے گا۔انکی دلیل حضور ﷺ کا ارشاد ہے "لایغلق الرھن ممن رھنہ لہ غنمہ وعلیہ غرمہ" جس کا مطلب ان کے نزدیک یہ ہے کہ مرہون شئی مضمون بالدین نہیں ہوتی۔ہماری دلیل حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔جس کا مطلب یہ ہے کہ جب مرہون شئی ہلاک ہوجانے کی بعد اس کی قیمت مشتبہ ہوجائے اور راہن مرتہن میں سے ہر ایک یہ کہے کہ مجھے معلوم نہیں کہ اس کی کتنی قیمت تھی تو مرتہن اس قدر دین کا تاوان دے جتنے میں وہ شئی رہن تھی۔نیز حدیث میں ہے کہ "ایک شخص نے کسی کے پاس گھوڑا رہن رکھا اور وہ اس کے پاس ہلاک ہوگیا۔تو آنحضرت ﷺ نے مرتہن سے ارشاد فرمایا" **ذھب حقک**" پھر رہن کے مضمون ہونے پر صحابہ کرامؓ کا اجماع بھی ہے۔گو کیفیت ضمان میں اختلاف ہے۔چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے مضمون بالقیمۃ ہونا مروی ہے۔اور حضرت ابن عمرؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ حضرت علی سے مضمون بالاقل ہونا مروی ہے اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مضمون بالدین ہونا مروی ہے۔

باب ما یجوز ارتھانہ والارتھان بہ وما لایجوز

باب ان چیزوں میں جن کا رہن رکھنا اور جن کے عوض میں رہن رکھنا جائز ہے اور جن میں جائز نہیں

لایصحّ رَھنُ المشاعِ وَالثمرۃِ [1] علی النخلِ دُونَھا وزرعِ الاَرضِ دُونھا ونخلٍ فِی ارضٍ دُونَھَا والحرّ [2]

صحیح نہیں رہن رکھنا غیر معیّن کا اور لگے ہوئے پھل کا درخت کے بغیر اور کھیتی کا زمین کے بغیر اور زمین میں کے درخت کا زمین کے بغیر اور آزاد

والمدبَّر وَالمکَاتَبِ وَاُمِّ الولدِ وَلَا بالاَمَانۃِ

مدبّر، مکاتب اور ام ولد کا اور نہ رہن رکھنا امانت کے عوض میں

تشریح الفقہ : قولہ لایصح الخ ہمارے یہاں مشاع یعنی غیر مقسوم کا رہن صحیح نہیں خواہ شیوع عقد رہن سے متصل ہو یا بعد میں طاری ہوا ہو نیز اپنے شریک کے پاس رہن رکھے یا کسی اجنبی کے پاس، شئی مشاع قسمت پذیر ہو یا نہ ہو۔امام شافعی کے یہاں رہن مشاع ان چیزوں میں جائز ہے جن کی بیع صحیح ہے امام مالک اور امام احمد کا بھی یہی قول ہے، جانبین کی ادلہ حکم رہن پر مبنی ہیں۔امام شافعی کے یہاں حکم رہن یہ ہے کہ شئی مرہون بیع کے لئے معین ہوتی ہے۔یعنی اگر راہن دین ادا نہ کر سکے تو مرتہن مرہون کو فروخت کر

[1] وجہ عدم صحۃ رھن ھذہ الثلاثۃ ان المرھون متصل بما لیس بمرھون خلقۃ و کان فی معنی الشائع و کذا عکس الثلاثۃ لان الاتصال یقوم بالطرفین و عن ابی حنیفۃ انہ یصح فی النخل ۱۲ کشف [2] وجہ عدم صحتہ رھن ھؤلا الاربعۃ ان حکم الرھن ثبوت یدالاستیفاء ولا یتحقق الاستیفاء من ھؤلاء لعدم المالیۃ فی الحر و قیام المانع فی الباقین ۱۲ کشف.

کے اپنا حق وصول کر لے گا، اور ظاہر ہے کہ شئی مشاع بھی ایک عین اور ذات ہے۔ جس کی فروختگی ممکن ہے تو شئی مشاع قابلِ حکم رہن ہوئی، لہٰذا عقد صحیح ہوگا۔ ہمارے یہاں رہن کا حکم یہ ہے کہ اس سے مرتہن کو ید استیفاء حق حاصل ہو جاتا ہے اور شئی مشاع میں ید استیفاء کا ثبوت متصور نہیں۔ اس لئے کہ ید کا ثبوت معین شئی میں ہوتا ہے۔ اور شئی مشاع غیر معین ہے۔ پس ید استیفاء کا ثبوت غیر مرہون میں ہوگا جس میں حکم رہن فوت ہو جاتا ہے اسلئے رہن مشاع کے جواز کی کوئی صورت نہیں ہو سکتی۔

فائدہ: رہن مشاع کو بعض نے باطل کہا ہے اور بعض نے فاسد لیکن صحیح یہ ہے کہ باطل نہیں فاسد ہے قبضہ کر لینے سے مرتہن پر اس کا ضمان لازم ہوگا۔ وجہ یہ ہے کہ انعقاد رہن کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ مال ہو اور اس کے مقابلہ میں بھی مضمون مال ہو اگر یہ شرط پائی جائے تو رہن صحیح منعقد ہوگا۔ اور اگر شرط مفقود ہو تو رہن فاسد منعقد ہوگا۔ اور جہاں رہن مال ہی نہ ہو مثلاً آزاد ہو یا خمر ہو یا اس کے مقابلہ میں مال مضمون نہ ہو تو رہن بالکل منعقد نہ ہوگا اسی کا نام رہن باطل ہے۔ قولہ ولا بالامانة الخ امانت، عاریت، مال مضاربت، ودیعت، مال شرکت کے بدلہ میں رہن رکھنا جائز نہیں۔ اس واسطے کہ رہن کا موجب مرتہن کے لئے ید استیفاء کا حاصل ہونا ہے۔ پس رہن کا قبضہ لازم الضمان ہوگا۔ تو ضمان ثابت کا ہونا ضروری ہے تاکہ قبضہ مضمون واقع ہو اور اس سے دین کا استیفاء ہو سکے اور امانت کے قبضہ میں ضمان نہیں ہوتا لہٰذا اس کے بدلہ میں رہن رکھنا صحیح نہیں۔

وَبِالدَّرْکِ وَبِالْمَبِیْعِ وَاِنَّمَا یَصِحُّ بِدَیْنٍ وَلَوْ مَوْعُوْدًا وَبِرَأْسِ مَالِ السَّلَمِ

اور نہ رہن بالدرک اور نہ رہن بعوض مبیع اور صحیح ہے دین کے عوض میں گو وہ موعود ہو اور سلم کے راس المال کے عوض میں

وَثَمَنِ الصَّرْفِ وَالْمُسْلَمِ فِیْهِ فَاِنْ هَلَکَ صَارَ مُسْتَوْفِیاً

اور بیع صرف میں قیمت کے عوض میں اور مسلم فیہ کی قیمت کے بدلے میں سو اگر مرہون ہلاک ہو جائے تو مرتہن اپنا حق لے چکا

وَلِلْاَبِ اَنْ یَّرْهَنَ بِدَیْنٍ عَلَیْهِ عَبْدًا لِطِفْلِهٖ وَصَحَّ رَهْنُ الْحَجَرَیْنِ وَالْمَکِیْلِ وَالْمَوْزُوْنِ.

باپ اپنے ذمہ کے قرض میں اپنے بچہ کے غلام کو رہن رکھ سکتا ہے اور صحیح ہے رہن رکھنا چاندی سونے اور کیلی اور وزنی چیزوں کو۔

تشریح الفقہ: قولہ وبالدرک الخ رہن بالدرک کی صورت یہ ہے کہ کسی نے کوئی چیز فروخت کر کے ثمن لے لیا اب مشتری کو یہ اندیشہ ہے کہ ممکن ہے مبیع بائع کے علاوہ کسی اور کی نکلے اس لئے اس نے قبل از استحقاق ثمن کے بدلے میں بائع سے کوئی چیز رہن رکھا لی تو یہ باطل ہے اگر مشتری کے پاس سے مرہون ضائع ہو جائے تو ضمان نہ ہوگا خواہ درک حاصل ہو یا نہ ہو۔ وجہ یہ ہے کہ رہن استیفاء حق کیلئے ہوتا ہے اور وجوب سے پہلے استیفاء ہوتا نہیں۔ اور وجوب کی اضافت آئندہ زمانہ کی طرف جائز نہیں اس لئے رہن بالدرک جائز نہ ہوگا۔

قولہ وبالمبیع الخ بائع نے مشتری کے ہاتھ کوئی چیز فروخت کی اور مبیع بائع کے پاس رہی اب بائع نے مشتری کے پاس مبیع کے بدلہ میں کوئی چیز رہن رکھی تو یہ رہن باطل ہے اس واسطے کہ رہن دین کے مقابلہ میں ہوتا ہے۔ اور مبیع بائع کے پاس دین نہیں بلکہ اگر مبیع تلف ہوگی تو مشتری کے ذمہ سے ثمن ساقط ہوگا اور وہ بائع کا حق ہے جس میں ضمان نہیں۔

قولہ وبراس الخ ہمارے یہاں سلم کے راس المال، ثمن صرف اور مسلم فیہ کے بدلہ میں رہن رکھنا صحیح ہے۔ امام زفر اور ائمہ ثلاثہ کے یہاں صحیح نہیں۔ وہ یہ فرماتے ہیں کہ رہن کا حکم استیفاء حق ہے اور ان چیزوں کے بدلے میں رہن رکھنا استیفاء نہیں استبدال ہے ہم یہ

کہتے ہیں کہ استبدال نہیں استیفاء ہی ہے۔ کیونکہ مالیت کی وجہ سے مجانست موجود ہے۔ اور رہن میں استیفاء حق مالیت ہی کے اعتبار سے ہوتا ہے **واما عین الرھن فھو امانة عندہ۔**

قولہ وللاب الخ باپ اپنے بیٹے کے غلام کو اس دین کے عوض میں رہن رکھ سکتا ہے جو دین باپ پر ثابت ہے اس واسطے کہ جب باپ کیلئے اس کے غلام کو ودیعت رکھنا جائز ہے۔ حالانکہ ودیعت امانت ہو کر بلا تاوان ہلاک ہوتی ہے تو رہن رکھنا بطریق اولی جائز ہوگا کیونکہ رہن مرتہن پر تاوان واجب ہو کر ہلاک ہوتا ہے پھر طرفین کے نزدیک وصی اس سلسلہ میں باپ کے حکم میں ہے یعنی وہ بھی چھوٹے بچے کے غلام کو رہن رکھ سکتا ہے۔ امام ابو یوسف اور امام زفر کے یہاں وصی کیلئے اس کی اجازت نہیں۔

قولہ وصح رھن الحجرین الخ چاندی ہونے اور کیلی ووزنی چیزوں کو رہن رکھنا صحیح ہے کیونکہ یہ اشیاء محل استیفاء دین ہیں۔ اور اب ان چیزوں کو انہی کی جنس کے عوض میں رہن رکھا گیا اور شئی مرہون ہلاک ہوگئی تو وہ وزن یا کیل کے لحاظ سے بمقابلہ مثل دین ہلاک ہوگی اور مقابلہ جنس کی صورت میں مرہون کے جید اور عمدہ ہونے کا کوئی اعتبار نہ ہوگا کیونکہ اموال ربویہ میں بوقت مقابلہ جنس وصف جودۃ ساقط الاعتبار ہوتا ہے صاحبین کے نزدیک ضمان بالقیمۃ ہوگا۔ اس کی تشریح یہ ہے کہ دین اور مرہون کی جنس متحد ہونے کی صورت میں امام صاحب کے نزدیک تاوان کیل اور وزن کے اعتبار سے ہوتا ہے صاحبین کے نزدیک وزن اور کیل کا اعتبار نہیں ہوتا بلکہ مرہون کی قیمت معتبر ہوتی ہے پس اگر دس درہم کے عوض میں دس درہم کے بقدر چاندی رہن رکھی اور وہ مرتہن کے پاس ہلاک ہوگئی تو اگر چاندی کی قیمت دس درہم ہے تب تو دین بالاتفاق ساقط ہو گیا اور اگر اس کی قیمت دس درہم سے کم ہو تو امام صاحب کے نزدیک دین ساقط ہوگا اور صاحبین کے نزدیک مرتہن پر خلاف جنس سے اس کی قیمت کا ضمان واجب ہوگا **وفی النھایہ والتبیین تفصیل فلیر اجعھما۔**

فَاِنْ رُهِنَتْ بِجِنْسِهَا هَلَكَتْ بِمِثْلِهَا مِنَ الدَّيْنِ وَلَا عِبْرَةَ بِالْجُوْدَةِ وَمَنْ بَاعَ عَبْدًا عَلٰى اَنْ يَّرْهَنَ الْمُشْتَرِیْ

اگر رہن رکھی گئی اسی کی جنس سے عوض میں جو مجرا ہوگی اسی قدر دین سے اور کھرے کھوٹے کا کوئی اعتبار نہیں جس نے بیچا غلام اس شرط پر کہ رہن رکھے

بِالثَّمَنِ شَيْئًا بِعَيْنِهٖ فَامْتَنَعَ لَمْ يُجْبَرْ وَلِلْبَائِعِ فَسْخُ الْبَيْعِ اِلَّا اَنْ يَّدْفَعَ الْمُشْتَرِیْ الثَّمَنَ حَالًا

مشتری ثمن کے بدلے میں ایک معین چیز اور وہ رک گیا تو اس کو مجبور نہیں کیا جائیگا ہاں بائع کو فسخ بیع کا اختیار ہے الا یہ کہ دیدے مشتری ثمن فی الفور

اَوْ قِيْمَةَ الرَّهْنِ رَهْنًا وَاِنْ قَالَ لِلْبَائِعِ اَمْسِکْ هٰذَا الثَّوْبَ حَتّٰى اُعْطِيَکَ الثَّمَنَ فَهُوَ رَهْنٌ وَلَوْ رَهَنَ عَبْدَيْنِ

یا رہن کی قیمت رہن کے اعتبار سے اگر کہا بائع سے کہ روکے رکھ یہ کپڑا جب تک کہ میں تجھ کو دام دوں تو وہ رہن ہوگا اگر رہن رکھا دو غلاموں کو

بِاَلْفٍ لَا يَاْخُذُ اَحَدَهُمَا بِقَضَاءِ حِصَّتِهٖ كَالْمَبِيْعِ وَلَوْ رَهَنَ عَيْنًا عِنْدَ رَجُلَيْنِ صَحَّ

ہزار کے عوض میں تو نہیں لے سکتا ان میں سے ایک کو اس کا حصہ ادا کر کے مسئلہ مبیع کی طرح اگر رہن رکھی معین چیز دو آدمیوں کے پاس تو صحیح ہے

وَالْمَضْمُوْنُ عَلٰى كُلٍّ حِصَّةُ دَيْنِهٖ فَاِنْ قَضٰى دَيْنَ اَحَدِهِمَا فَالْكُلُّ رَهْنٌ عِنْدَ الْاٰخَرِ وَبَطَلَ بَيِّنَةُ كُلٍّ مِّنْهُمَا عَلٰى

اور مضمون ہر ایک پر اس کے دین کا حصہ ہوگا پس اگر چکا دیا ایک کا قرضہ تو کل شئی رہن رہیگی دوسرے کے پاس باطل ہے بینہ دونوں میں سے

رَجُلٍ اَنَّهٗ رَهَنَهٗ عَبْدَهٗ وَقَبَضَهٗ

ہر ایک کا ایک شخص پر اس بارے میں کہ اس نے رہن رکھا تھا اس کے پاس اپنا غلام اور اس پر اس نے قبضہ کر لیا تھا

ع ..... تحقق القبض حکماً کما ھو الحکم فی باب الرہن عند الہلاک ۱۲۔ کشف

وَمَاتَ رَاهِنُهُ وَالْعَبْدُ فِي اَيْدِيْهِمَا فَرَهَنَ كُلٌّ عَلٰى مَا وَصَفْنَا كَانَ فِي يَدِ كُلِّ وَاحِدٍ نِصْفُهُ رَهْنًا بِحَقِّهٖ.

اور اگر مر جائے اس کا راہن اور غلام دونوں مرتہنوں کے قبضہ میں ہو اور ان میں سے ہر ایک حسب سابق بینہ قائم کرے تو غلام رہن ہوگا دونوں کے پاس آدھا آدھا دونوں کے حق کے عوض میں۔

تشریح الفقہ: قولہ ومن باع الخ ایک شخص نے غلام اس شرط پر فروخت کیا کہ مشتری اس کے ثمن کے عوض میں کوئی معین چیز رہن رکھے گا تو قیاس کی رو سے یہ بیع جائز نہیں کیونکہ یہ صفقہ درصفقہ ہے جو ممنوع ہے ہاں استحساناً جائز ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ یہ شرط عقد کے مناسب ہے کیونکہ عقد کفالہ کی طرح عقد رہن بھی برائے استیثاق ہوتا ہے۔ اب اگر وہ مشتری وہ چیز رہن نہ رکھے تو امام زفرؒ کے نزدیک اس کو ایفاء وعدہ پر مجبور کیا جائے گا کیونکہ جب عقد بیع میں رہن کی شرط لگائی جائے تو وہ منجملہ حقوق بیع کے ایک حق ہو جاتا ہے اس لئے اس کا پورا کرنا ضروری ہوگا۔ ہمارے نزدیک مشتری کو ایفاء وعدہ پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ اس واسطے کہ رہن راہن کی طرف سے عقد تبرع ہوتا ہے اور تبرعات میں جبر نہیں ہوتا' ہاں عدم وفا کی صورت میں بائع کو فسخ بیع کا اعتبار ہوگا۔ کیونکہ وہ شرط مذکور کے ساتھ راضی ہوا تھا تو مذکورہ شرط پائے جانے کی صورت میں اس کی رضا تمام نہیں ہوتی لہٰذا اس کو فسخ بیع کا اختیار ہوگا۔ الا یہ کہ مشتری ثمن نقد دیدے یا مرہون مشروط کی قیمت رہن رکھدے کہ اس صورت میں فسخ بیع کا اختیار نہ ہوگا کیونکہ مقصد یعنی استیفاء کا حق حاصل ہو چکا۔

قولہ وان قال للبائع الخ ایک شخص نے دس روپے میں کپڑا خریدا اور بائع سے کہا کہ جب تک میں تجھ کو اس کا ثمن دوں اس وقت تک اس کو اپنے پاس روکے رکھ۔ تو امام زفرؒ امام ابو یوسف اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک وہ کپڑا رہن نہ ہوگا بلکہ ودیعت ہوگا کیونکہ لفظ "امسک" میں رہن اور ایداع ہر دو کا احتمال ہے اور ایداع کا رتبہ کم ہے کہ اس میں ضمان واجب نہیں ہوتا تو ایداع پر محمول کیا جائے گا' ہمارے نزدیک صورت مذکورہ میں کپڑا رہن ہوگا کیونکہ مشتری نے ایسا لفظ بولا ہے جو مفید رہن ہے اور اعتبار معانی کا ہوتا ہے نہ کہ الفاظ کا پھر اس نے "حتی اعطیک الثمن" کہہ کر مدت بھی بیان کردی لہٰذا رہن پر محمول ہوگا۔

قولہ ولو رهن عینا الخ ایک شخص کے ذمہ دو آدمیوں کا دین تھا اس نے ان کے دین کے عوض میں کوئی چیز دونوں کے پاس رہن رکھ دی تو رہن صحیح ہے اور وہ چیز بتمامہ دونوں کے پاس مرہون ہوگی کیونکہ رہن بصفقہ واحدہ جمیع عین کی طرف مضاف ہے اور اس میں کوئی شیوع نہیں اور موجب رہن حبس بالدین ہے۔ جس میں تجزی نہیں اس لئے وہ چیز دونوں کے پاس محبوس ہوگی۔ اب اگر وہ چیز ہلاک ہو جائے تو ہر مرتہن پر اس کے دین کے حصہ کے بقدر ضمان ہوگا۔ کیونکہ استیفاء متجزی ہے تو بوقت ہلاکت ہر مرتہن اپنے حصہ۔ کا مستوفی ہو گیا لہٰذا شئی مرہون ہر ایک کے دین کے بقدر مضمون ہوگی۔ اور راہن نے ایک مرتہن کا دین ادا کر دیا تو کل مرہون شئی دوسرے کے پاس رہن ہوگی۔

قولہ وبطل الخ انہ کی ضمیر کا مرجع رجل ہے نہ کہ کل واحد اور رہنہ کی ضمیر مستتر کا مرجع رجل راہن ہے اور ضمیر ظاہر کا مرجع کل واحد ہے۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک غلام ایک شخص کے قبضہ میں ہے اس پر دو آدمیوں نے دعوی کیا اور ہر ایک نے یہ کہا کہ تو نے اپنا یہ غلام میرے پاس ایک ہزار میں رہن رکھا ہے۔ اور اس پر دونوں نے بینہ قائم کر دیا تو دونوں بینے ساقط الاعتبار ہونگے۔ اس واسطے کہ یہاں نہ تو دونوں کے لئے غلام کا فیصلہ ہو سکتا ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک کے پاس کل غلام کا آن واحد میں رہن ہونا محال ہے اور نہ کسی ایک کیلئے کل غلام کا فیصلہ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ایک بینہ کو دوسرے کے مقابلہ میں اولویت حاصل نہیں اور نہ یہ ہو سکتا ہے کہ نصا نصف رہن قرار دیا جائے۔ کیونکہ اس صورت میں شیوع لازم آتا ہے اور یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ ہاں دونوں نے ایک ساتھ رہن رکھا ہوگا کیونکہ تاریخ مجہول ہے اس لئے دونوں بینے ساقط ہوں گے کیونکہ عمل کی کوئی صورت ممکن نہیں اور اگر راہن انتقال ہو جائے اور غلام ان کے قبضہ میں ہو اور پھر وہ دونوں مذکورہ بالا دعوی کریں تو امام ابو یوسف کے نزدیک جس طرح راہن کی زندگی کی حالت میں شیوع کی وجہ سے راہن کا فیصلہ نہ تھا

اسی طرح اب بھی نہ ہوگا۔ طرفین کے نزدیک اس صورت میں استحساناً نصف غلام انہیں سے ہر ایک کے حق کے عوض میں رہن ہوگا۔ وجہ استحسان یہ ہے کہ عقد لذاتہ مقصود نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کے حکم کی وجہ سے مقصود ہوتا ہے۔ اور حکم رہن بحالت حیات حبس دائمی ہے اور شائع چیز اس حکم کے قابل نہیں۔ اور موت کے بعد رہن کا حکم یہ ہوتا ہے کہ مرہون کو فروخت کر کے اس کے ثمن سے حق کا استیفاء ہو اور شائع چیز اس حکم کے قابل ہے اس لئے موت کی صورت میں رہن صحیح ہو جائے گا۔

باب الرهن يوضع على يد عدل

باب مرہون چیز کو کسی معتبر آدمی کے پاس رکھنے کے بیان میں

وَضَعَا الرَّهْنَ عَلٰى يَدِ عَدْلٍ صَحَّ وَلاَ يَاْخُذُهٗ اَحَدُهُمَا مِنْهُ وَيَهْلِكُ فِي ضِمَانِ الْمُرْتَهِنِ فَاِنْ وَكَّلَ

رکھی دونوں نے مرہون چیز کسی معتبر آدمی کے پاس تو صحیح ہے اور نہ لے ان میں سے کوئی اس سے اور ہلاک ہوگی مرتہن کے ضمان میں اگر وکیل کر دیا

الْمُرْتَهِنَ اَوِ الْعَدْلَ اَوْ غَيْرَ هُمَا بِبَيْعِهٖ عِنْدَ حُلُوْلِ الدَّيْنِ صَحَّ فَاِنْ شُرِطَتْ

راہن نے مرتہن کو یا اس معتبر شخص کو یا کسی اور کو شئ مرہون کے فروخت کرنے کا قرضہ کی میعاد پوری ہونے پر تو صحیح ہے اور اگر شرط کر لی گئی وکالت

فِي عَقْدِ الرَّهْنِ لَمْ يَنْعَزِلْ بِعَزْلِهٖ وَبِمَوْتِ الرَّاهِنِ وَالْمُرْتَهِنِ وَلِلْوَكِيْلِ بَيْعُهٗ بِغَيْبَةِ وَرَثَتِهٖ

عقد رہن میں تو وکیل معزول نہ ہوگا راہن کے علیحدہ کرنے اور راہن اور مرتہن کے مرجانے سے اور وکیل کیلئے درست ہے مرہون کا بیچنا راہن کے

وَتَبْطُلُ بِمَوْتِ الْوَكِيْلِ وَلاَ يَبِيْعُهُ الْمُرْتَهِنُ اَوِ الرَّاهِنُ اِلاَّ بِرِضَاءِ الْاٰخَرِ فَاِنْ حَلَّ الْاَجَلُ

ورثہ کے پیٹھ پیچھے اور باطل ہو جائیگی وکیل کے مرجانے سے اور نہ بیچے مرہون کو مرتہن اور راہن مگر دوسرے کی رضامندی سے اگر مدت آجائے

وَغَابَ الرَّاهِنُ اُجْبِرَ الْوَكِيْلُ عَلٰى بَيْعِهٖ كَالْوَكِيْلِ بِالْخُصُوْمَةِ اِذَا غَابَ مُوَكِّلُهٗ اُجْبِرَ عَلَيْهَا

اور راہن موجود نہ ہو تو مجبور کیا جائیگا وکیل مرہون کے بیچنے پر جوابدہی کے وکیل کی طرح جب اس کا مؤکل غائب ہو کہ اس کو جوابدہی پر مجبور کیا جائیگا

وَاِنْ بَاعَهُ الْعَدْلُ وَاَوْفٰى مُرْتَهِنَهٗ ثَمَنَهٗ فَاسْتُحِقَّ الرَّهْنُ وَضَمِنَ فَالْعَدْلُ يُضَمِّنُ الرَّاهِنَ قِيْمَتَهٗ اَوِ الْمُرْتَهِنَ ثَمَنَهٗ

اگر معتبر شخص نے مرہون بیچکر مرتہن کو اس کا ثمن دیدیا پھر مرہون کسی اور کی نکلی اور معتبر نے تاوان دیا تو وہ لے لے راہن سے اس کی قیمت یا مرتہن سے

وَاِنْ مَاتَ الرَّهْنُ عِنْدَالْمُرْتَهِنِ فَاسْتُحِقَّ وَضَمِنَ الرَّاهِنُ قِيْمَتَهٗ مَاتَ بِالدَّيْنِ

اس کا ثمن اگر مر جائے مرہون مرتہن کے پاس اور وہ کسی اور کی نکلے اور تاوان دیدے راہن اس کی قیمت کا تو مرہون شئ دین کے عوض میں مرے گی

وَاِنْ ضَمَّنَ الْمُرْتَهِنَ رَجَعَ عَلَى الرَّاهِنِ بِالْقِيْمَةِ وَبِدَيْنِهٖ.

اور اگر مالک نے مرتہن سے ضمان لیا تو لے لے مرتہن راہن سے قیمت اور اپنا قرض۔

عہ...... لانہ الرہن محبوس بکل الدین فیکون محبوسا بکل جزء من اجزائہ ۱۲۔ ہدایہ۔ عہ العبد قید اتفاقی حتی لو لم یکن العبد فی ایدیہما وابثبت کل واحد فیہ الرہن والقبض کان الحکم کذلک ۱۲۔
(۱) لان یدہ فی حق المالیۃ ید المرتہن وہی المضمونۃ ۱۲۔ (۲) لان الراہن مالک فلہ ان یوکل من شاء من الاہل بیع مالہ معلقاً او منجزاً ۱۲ زیلعی۔ (۳) لانہا لما شرطت فی ضمن عقد الرہن صار وصفا من اوصافہ فیلزم بلزوم اصلہ ۱۲۔ (۴) کما کان لہ حال حیوتہ ان یبیعہ بغیر حضورہ ۱۲۔ (۵) لان الوکالۃ لا یجری فیہا الارث ولانہ رضی برایہ لا برای غیرہ ۱۲
۔ (۶) لانہ ملکہ باداء الضمان فصح الایفاء ۱۲ ہدایہ۔ (۷) لانہ مغرور من جہۃ الراہن ۱۲ ہدایہ۔ (۸) لانہ انتقض اقتضائہ فیعود کما کان ۱۲ ہدایہ۔

تشریح الفقہ : **قولہ باب الخ** راہن اور مرتہن کے احکام بیان کرنے کے بعد ان کے نائب کے احکام بیان کر رہا ہے۔ کیونکہ نائب کا حکم حکم اصل کے بعد ہی ہوتا ہے۔ یہاں عدل سے مراد وہ شخص ہے جس کے پاس مرہون رکھنے پر راہن اور مرتہن دونوں راضی ہو گئے صاحب نہایہ اور صاحب عنایہ وغیرہ نے ایک قید اور زائد کی ہے۔ اور وہ یہ کہ مدت آنے پر مرہون کی بیع سے راضی ہو گئے ہوں۔ مگر یہ قید لزومی نہیں بلکہ مبنی بر غالب ہے۔ یعنی عام طور سے لوگوں میں یہی دستور جاری ہے و **عن هذا قال الحاكم الشهيد في الكافي " ليس للعدل بيع الرهن مالم يسلط عليه لانه مامور بالحفظ فحسب۔**

قولہ وضعا الخ راہن اور مرتہن نے شئی مرہون کسی معتمد شخص کے پاس رکھدی تو ہمارے نزدیک رہن صحیح ہے۔ اب راہن یا مرتہن مرہون شئی کو اس معتمد شخص سے نہیں لے سکتا۔ کیونکہ مرہون کے ساتھ دونوں کے حق متعلق ہیں۔ راہ کا حق حفظ وامانت میں ہے۔ اور مرتہن کا حق استیفاء دین میں ہے۔ تو ایک دوسرے کے ابطال حق کا مالک نہ ہوگا۔ امام زفر اور ابن ابی لیلیٰ کے نزدیک رہن ہی صحیح نہیں کیونکہ شخص معتمد کا قبضہ گویا مالک ہی کا قبضہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بعد الہلاک بوقت استحقاق مالک پر رجوع کرتا ہے تو قبضہ معدوم ہوا لہٰذا رہن صحیح نہ ہوگا۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ حفاظت کے حق میں تو معتمد کا قبضہ مالک ہی کا قبضہ ہوتا ہے۔ لیکن مالیت کے حق میں اس کا قبضہ مرتہن کا قبضہ ہوتا ہے۔ **فنزلمنزلة الشخصين تحقيقاً لما قصداه من الرهن۔**

قولہ وان باعه العدل الخ راہن اور مرتہن نے شئی مرہون کسی معتمد شخص کے پاس رکھدی تھی۔ شخص معتمد نے وہ شئی فروخت کر کے اس کا ثمن مرتہن کو دیدیا اس کے بعد وہ شئی مرہون کسی اور کی نکل آئی۔ تو اب دو صورتیں ہیں یا تو شئی مرہون ہلاک ہوگئی ہوگی یا ہلاک نہیں ہوئی ہوگی موجود ہوگی۔ سو اگر مبیع (یعنی شئی مرہون) مشتری کے پاس سے ہلاک ہوگئی ہو تو مالک (مستحق) کو اختیار ہے چاہے وہ راہن سے ضمان لے کیونکہ وہ اس کے حق میں غاصب ہے کہ اس نے مالک کی اجازت کے بغیر پرایا مال رہن رکھدیا۔ اور چاہے شخص معتمد سے ضمان لے۔ کیونکہ اس نے فروختگی اور تسلیم ثمن کے ذریعہ سے تعدی کی ہے (ان دونوں صورتوں میں بیع نافذ ہوگی) پھر شخص معتمد کو بھی اختیار ہے۔ چاہے وہ راہن سے مبیع مرہون کی قیمت لے لے کیونکہ وہ اس کی طرف سے وکیل ہے۔ اور چاہے مرتہن سے اس کا ثمن لے لے۔ کیونکہ یہ بات ظاہر ہوگئی کہ مرتہن نے ثمن بلا حق لیا ہے۔ اور اگر مبیع مشتری کے پاس موجود ہو تو مالک (مستحق) اس کو مشتری سے لیگا کیونکہ اس نے اپنا مال بعینہ موجود پالیا۔ اور مشتری اس کا ثمن شخص معتمد سے لیگا۔ کیونکہ شخص معتمد ہی عاقد تھا تو حقوق عقد اسی سے متعلق ہوں گے۔ اب شخص معتمد کو اختیار ہے چاہے راہن سے اس کی قیمت لے لے۔ کیونکہ شخص معتمد کو اس ذمہ داری میں راہن ہی نے ڈالا ہے۔ تو اس سے نجات بھی وہی دلائے گا۔ اور چاہے مرتہن سے لے لے۔ اس واسطے کہ جب استحقاق کی وجہ سے بیع ٹوٹ چکی تو ثمن باطل ہوگیا۔ حالانکہ اس نے اس پر ثمن جان کر قبضہ کیا تھا۔ اور جب ثمن باطل ہوگیا تو مرتہن پر نقض قبض ضروری ہوگیا۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

باب التصرف في الرهن والجناية عليه وجنايته على غيره

باب مرھون میں تصرف کرنے اور اسمیں نقصان ڈالنے اور دوسروں پر مرہون کی جنایت کے بیان میں

تَوَقَّفَ بَيْعُ الرَّاهِنِ عَلٰى اِجَازَةِ مُرْتَهِنِهٖ اَوْ قَضَاءِ دَيْنِهٖ وَنَفَذَ عِتْقُهٗ وَطُوْلِبَ بِدَيْنِهٖ لَوْ حَالًّا

موقوف ہوگی راہن کی بیع مرتہن کی اجازت پر یا اس کے دین کی ادائیگی پر اور نافذ ہوگا اس کا آزاد کرنا اور مطالبہ کیا جائیگا اس کے قرض کا اگر فوری ہو

وَلَوْ مُؤَجَّلًا اُخِذَ مِنْهُ قِيْمَةُ الْعَبْدِ وَجُعِلَتْ رَهْنًا مَكَانَهٗ وَلَوْ مُعْسِرًا سَعَى الْعَبْدُ فِي الْاَقَلِّ مِنْ قِيْمَتِهٖ وَمِنَ الدَّيْنِ

اور اگر میعادی ہو تو اس سے غلام کی قیمت لیکر غلام کے عوض رہن رکھدی جائیگی اور اگر راھن نادار ہو تو سعایت کریگا غلام اپنی قیمت اور قرض سے کمتر میں

وَيَرْجِعُ بِهٖ عَلٰى سَيِّدِهٖ وَاِتْلَافُ الرَّاهِنِ كَاِعْتَاقِهٖ وَاِنْ اَتْلَفَهٗ اَجْنَبِيٌّ فَالْمُرْتَهِنُ يُضَمِّنُهٗ

اور پھر لے لیگا وہ اپنے آقا سے اور راھن کا مرہون کو تلف کرنا مثل اسکے آزاد کرنے کے ہے اور اگر اجنبی نے تلف کیا تو مرتہن اس سے قیمت کا

قِيْمَتَهٗ فَتَكُوْنُ رَهْنًا عِنْدَهٗ وَخَرَجَ مِنْ ضَمَانِهٖ بِاِعَارَتِهٖ مِنْ رَاهِنِهٖ

تاوان لے پس یہ قیمت اس کے پاس رہن رہیگی اور نکل جائیگی مرتہن کے ضمان سے راھن کو مانگی دینے پر

فَلَوْ هَلَكَ فِيْ يَدِ الرَّاهِنِ يَهْلِكُ مَجَّانًا وَبِرُجُوْعِهٖ عَادَ ضَمَانُهٗ.

کہ اگر وہ راھن کے پاس ہلاک ہو تو مفت میں جائیگی اور اگر وہ واپس دیدے تو ضمان لوٹ آئیگا۔

قولہ فوقف الخ اگر راہن مرتہن کی اجازت کے بغیر مرہون شئی فروخت کردے تو بیع موقوف رہے گی۔ اگر اس نے اجازت دیدی یا راہن نے مرتہن کا دین ادا کردیا تو نافذ ہوجائے گی۔ ورنہ مشتری کو اختیار ہوگا کہ رہن چھوٹنے تک صبر کرے یا قاضی کے پاس امر کا مرافعہ کرے تاکہ وہ بیع فسخ کردے۔ امام ابو یوسف سے ایک روایت ہے کہ بیع نافذ ہوجائے گی۔ کیونکہ راہن نے خاص اپنی ملک میں تصرف کیا ہے تو ایسا ہوگیا جیسے وہ عبد مرہون کو آزاد کردے کہ آزادی نافذ ہوتی ہے۔ لیکن صحیح وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا اور وہی ظاہر الروایہ ہے۔ وجہ یہ ہے کہ راہن نے گو اپنی ملک میں تصرف کیا ہے تاہم اس کے ساتھ مرتہن کا حق وابستہ ہے۔ اس لئے اس کی اجازت کے بغیر بیع نافذ نہ ہوگی۔

قولہ وخرج الخ اگر مرتہن نے شئی مرہون راہن کو بطور عاریت دیدی۔ تو وہ مرتہن کے ضمان سے خارج ہوگئی کیونکہ ید رہن موجب ضمان ہے۔ اور ید عاریت غیر موجب ضمان۔ اگر اعارہ کے بعد مرتہن پر ضمان واجب کیا جائے تو ید عاریت اور ید رہن دونوں میں جمع کرنا لازم آتا ہے۔ حالانکہ ان میں منافات ہے۔ پس اگر وہ شئی راہن کے پاس ہلاک ہوجائے تو مفت ہلاک ہوگی یعنی مرتہن کا کچھ دین ساقط نہ ہوگا۔ کیونکہ موجب ضمان قبض مرتفع ہوگیا۔ اور اگر مرتہن پھر مرہون شئی واپس لیکر اپنے قبضہ میں کرلے تو مرتہن پر ضمان ثابت ہوجائیگا۔ کیونکہ عقد رہن باقی ہے۔

محمد حنیف غفرلہٗ گنگوہی

وَلَوْ اَعَارَهٗ اَحَدُهُمَا اَجْنَبِيًّا بِاِذْنِ الْاٰخَرِ سَقَطَ الضَّمَانُ وَلِكُلٍّ اَنْ يَرُدَّهٗ رَهْنًا

اگر مانگی دی مرہون چیز ان میں سے کسی نے اجنبی کو دوسرے کی اجازت سے تو ساقط ہوجائیگا ضمان اور ہر ایک واپس لیکر رہن رکھ سکتا ہے

وَاِنْ اِسْتَعَارَ ثَوْبًا لِيَرْهِنَهُ صَحَّ وَلَوْ عَيَّنَ قَدْرًا اَوْ جِنْسًا اَوْ بَلَدًا فَخَالَفَ ضَمَّنَ الْمُعِيْرُ الْمُسْتَعِيْرَ

اگر مانگا کپڑا تا کہ اس کو رھن رکھے تو صحیح ہے اب اگر مالک نے مقدار اور جنس اور شہر کو معین کر دیا اور اس نے خلاف کیا تو تاوان لے معیر مستعیر سے

اَوِ الْمُرْتَهِنَ وَاِنْ وَافَقَ وَهَلَكَ عِنْدَ الْمُرْتَهِنِ صَارَ مُسْتَوْفِيًا وَوَجَبَ مِثْلُهُ لِلْمُعِيْرِ

یا مرتہن سے اور اگر اس نے اس کے موافق کیا اور کپڑا جاتا رہا مرتہن کے پاس سے تو مرتہن حق پانے والا ہو گیا اب واجب ہوگا اتنا ہی معیر کے لئے

عَلَى الْمُسْتَعِيْرِ وَلَوْ اِفْتَكَّهُ الْمُعِيْرُ لَايَمْتَنِعُ الْمُرْتَهِنُ اِنْ قَضَى دَيْنَهُ

مستعیر پر اور اگر چھڑائے کپڑا معیر تو کپڑا دینے سے نہ رکے مرتہن اگر چکا دیا ہو راھن نے اس کا قرض

وَجِنَايَةُ الرَّاهِنِ وَالْمُرْتَهِنِ عَلَى الرَّهْنِ مَضْمُوْنَةٌ وَجِنَايَتُهُ عَلَيْهِمَا وَعَلٰى مَالِهِمَا هَدَرٌ.

اور جنایت راھن کی اور مرتہن کی مرہون پر مضمون ہے اور جنایت مرہون کی ان پر اور ان کے مال پر معاف ہے۔

تشریح الفقہ: قولہ وان استعار الخ ایک شخص نے کوئی چیز مثلاً کپڑا راہن رکھنے کے لئے عاریت پر لے لیا تو یہ صحیح ہے۔ اب وہ جتنا چاہے اور جس طرح چاہے کپڑا راہن رکھے بشرطیکہ معیر نے کسی چیز کی قید نہ لگائی ہو اور اگر معیر نے رہن میں دین کی مقدار یا اس کی جنس کی یا مرتہن کی یا خاص شہر کی قید لگائی مثلاً یوں کہا کہ اتنے دین کے عوض میں رہن رکھنا یا فلاں جنس کے بدلے میں یا فلاں شخص کے پاس یا فلاں شہر میں رہن رکھنا تو اب مستعیر اس کے خلاف نہیں کر سکتا۔ اگر خلاف کیا تو مستعیر یا مرتہن سے ضمان لے سکتا ہے۔ کیونکہ دونوں نے تعدی کی ہے۔ مستعیر کی تعدی تو یہ ہے کہ اس نے معیر کی تقیید کے خلاف کیا اور مرتہن کی یہ ہے کہ اس نے پرائی چیز پر مالک کی اجازت کے بغیر قبضہ کیا اور اگر مستعیر نے معیر کی شرط کے مطابق کیا اور پھر مرتہن کے پاس سے مستعار شئی ہوگئی تو مرتہن اپنا دین پانے والا ہو گیا اگر اس کی قیمت دین کے برابر ہو اور کم ہو تو باقی راہن سے لے لیگا اب مستعیر یعنی راہن پر معیر کو دین کے برابر دینا واجب ہوگا۔ کیونکہ راہن کا جو دین ادا کرے گا وہ راہن سے وصول کریگا کیونکہ یہاں معیر متبرع نہیں ہے بلکہ وہ اپنی مملوک شئی چھڑانے کیلئے مضطر ہے۔ بخلاف اجنبی کے کہ وہ اداء دین میں متبرع ہوتا ہے۔

قولہ وجنایۃ الراھن الخ اگر راہن مرہون غلام کو قتل کر ڈالے یا اس کا کوئی عضو تلف کر دے تو راہن پر ضمان واجب ہوگا کیونکہ مرتہن کا حق محترم لازم ہے۔ اور اس کی ملک مالیت سے متعلق ہے۔ لہٰذا ضمان کے حق میں مالک کو اجنبی ٹھہرایا جائے گا' اسی طرح اگر مرتہن مرہون پر کوئی جنایت کرے تو اس پر بھی تاوان لازم ہوگا۔ کیونکہ اس نے غیر کی ملک کو تلف کیا ہے۔ اب اس نے جس قدر جنایت کی ہے اسی قدر دین ساقط ہو جائے گا۔ اور اگر مرہون غلام راہن پر یا مرتہن پر یا ان کے مال پر کوئی جنایت کرے تو اس کی جنایت سے کوئی چیز واجب نہیں ہوتی۔ بشرطیکہ جنایت موجب قصاص نہ ہو اگر موجب قصاص ہو تو قصاص لیا جائے گا۔ عہ

وَاِنْ رَهَنَ عَبْدًا يُسَاوِىْ اَلْفًا بِاَلْفٍ مُؤَجَّلٍ فَرَجَعَتْ قِيْمَتُهُ اِلٰى مِائَةٍ فَقَتَلَهُ رَجُلٌ وَغَرِمَ مِائَةً وَحَلَّ الْاَجَلُ

اور اگر رہن رکھا ہزار روپیہ کا غلام میعادی ہزار کے عوض میں اور اس کی قیمت سو روپیہ ہوگئی پھر اس کو کسی نے قتل کر دیا اور سو کا تاوان آیا ادھر مدت بھی آ گئی

فَالْمُرْتَهِنُ يَقْبِضُ الْمِائَةَ قَضَاءً مِنْ حَقِّهِ وَلَا يَرْجِعُ عَلَى الرَّاهِنِ بِشَيْءٍ وَلَوْ بَاعَهُ بِمِائَةٍ بِاَمْرِهِ

تو مرتہن قبضہ کریگا سو روپیہ پر اپنا حق وصول کرنے کی رو سے اور نہ لیگا راہن سے کچھ اور اگر بیچ دے اس کو مرتہن سو روپیہ میں راہن کی اجازت سے

عہ ...... خلافاً لہما فی المرتہن فان عندہما جنایۃ الرہن علی المرتہن معتبرۃ وہو مذہب الائمۃ الثلاثۃ ۱۲ مجمع الانہر۔

يَقْبِضُ الْمِائَةَ قَضَاءً مِنْ حَقِّهٖ وَرَجَعَ بِتِسْعِمِائَةٍ وَاِنْ قَتَلَهٗ عَبْدٌ قِيْمَتُهٗ مِائَةٌ فَدُفِعَ بِهٖ

تو قبضہ کرے سو پر حق لینے کی رو سے اور لے نوسو راہن سے اور اگر عبد مذکور کو سوروپیہ کی قیمت والا غلام مارڈالے اور قاتل غلام مقتول کے عوض میں

اِفْتَكَّهٗ بِكُلِّ الدَّيْنِ وَاِنْ مَاتَ الرَّاهِنُ بَاعَ وَصِيُّهُ الرَّهْنَ وَقَضَى الدَّيْنَ

دیدیا جائے تو راہن اس کو کل قرض کے عوض میں چھڑائے اگر راہن مرجائے تو اس کا وصی مرہون کو بیچکر قرض ادا کرے

فَاِنْ لَمْ يَكُنْ لَهٗ وَصِيٌّ نُصِبَ لَهٗ وَصِيٌّ وَاُمِرَ بِبَيْعِهٖ.

اور اگر اس کا کوئی وصی نہ ہو تو ایک وصی مقرر کیا جائیگا جس کو مرہون کے بیچنے کا حکم کیا جائیگا۔

تشریح الفقہ: قولہ وان رھن الخ زید کے ذمہ عمرو کے ایک ہزار روپے میعادی تھے۔ زید نے اس کے عوض عمرو کے پاس ایک ہزار کی قیمت کا غلام رہن رکھدیا اور غلام کی قیمت کم ہو کر ایکسو رہ گئی پھر کسی نے غلام کو قتل کر دیا اور ایک سوروپیہ کا تاوان دیدیا ادھر مرتہن کے دین کی مدت آپہونچی تو مرتہن قضاء حق کے سبب سے سوروپیہ لیگا اس کے علاوہ راہن سے اور کچھ نہیں لیگا اس واسطے کہ ہمارے یہاں نرخ کا نقصان موجب سقوط دین نہیں ہوتا پھر مرتہن کا قبضہ قبضہ استیفاء ہے تو وہ ابتداء رہن ہی سے پورا دین پانیوالا ٹھہرا اور اگر مرتہن نے غلام مذکور کو رہن کے حکم سے ایکسو میں بیچ ڈالا تو مرتہن سوروپیہ پر بطریق قضا حق قابض ہوگا۔ اور باقی نوسوروپیہ راہن سے لے لیگا کیونکہ مرتہن کا راہن کی اجازت سے فروخت کرنا راہن کا مرتہن سے مرہون کو واپس لیکر بذات خود فروخت کرنا ہے تو نوسوروپے راہن کے ذمہ لازم رہے اسلئے مرتہن باقی راہن سے وصول کر لیگا۔

قولہ وان قتلہ عبد الخ اگر ہزار روپے کی قیمت والے مرہون غلام کو کسی ایسے غلام نے قتل کر دیا جس کی قیمت ایک سوروپیہ ہے۔ اور عبد قاتل مقتول عالم کے بدلے میں دیدیا گیا تو شیخین کے نزدیک راہن مرہون غلام کو راہن سے سے مرتہن کا کل دین یعنی ہزار روپے دیکر چھڑائیگا۔ امام محمد کے نزدیک یہ بھی اختیار ہے کہ وہ مرتہن کو اس کے دین کے عوض میں عبد مدفوع دیدے امام زفر کے یہاں غلام ایک سو میں رہن رہے گا کیونکہ ید راہن ید استیفاء ہے جو ہلاکت کی وجہ سے مستقر ہو چکا ہے مگر چونکہ اس نے اپنا بدل بقدر عشر چھوڑا ہے اس لیے دین اسی قدر باقی رہیگا۔ ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ دوسرا غلام پہلے غلام کا قائم مقام ہے اور یہ پہلے ثابت ہو چکا کہ اگر پہلا غلام باقی ہوا اور اس کا نرخ کم ہو جائے تو دین کی کوئی مقدار ساقط نہیں ہوتی۔ تو جب عبد مدفوع اس کا قائم مقام ہو گیا تب بھی دین ساقط نہ ہوگا۔ امام محمد کے یہاں اختیار ملنے کی وجہ یہ ہے کہ مرہون غلام مرتہن کے ضمان میں رہتا ہوا متغیر ہوا ہے۔ لہٰذا راہن کو اختیار ہوگا۔

فَصْلٌ: رَهَنَ عَصِيْرًا قِيْمَتُهٗ عَشَرَةٌ بِعَشَرَةٍ فَتَخَمَّرَ ثُمَّ تَخَلَّلَ وَهُوَ يُسَاوِيْ عَشَرَةً فَهُوَ رَهْنٌ بِعَشَرَةٍ

(فصل) رہن رکھا شیرہ جس کی قیمت دس روپیہ ہے دس کے عوض میں وہ شراب بنکر سرکہ ہو گیا جو دس روپیہ کا ہے تو وہ رہن رہیگا دس میں

وَاِنْ رَهَنَ شَاةً قِيْمَتُهَا عَشَرَةٌ بِعَشَرَةٍ فَمَاتَتْ فَدُبِغَ جِلْدُهَا وَهُوَ يُسَاوِيْ دِرْهَمًا فَهُوَ رَهْنٌ بِدِرْهَمٍ

اگر رہن رکھی بکری دس روپیہ کی دس کے عوض میں وہ مرگئی اور اس کی کھال پکائی جو صرف ایک درہم کی ہے تو کھال رھن رہیگی ایک درہم کے عوض میں

وَنَمَاءُ الرَّهْنِ كَالْوَلَدِ وَالثَّمَرِ وَاللَّبَنِ وَالصُّوْفِ لِلرَّاهِنِ وَهُوَ رَهْنٌ مَعَ الْاَصْلِ وَيَهْلِكُ مَجَّانًا وَاِنْ بَقِيَ

رہن کی بڑھوتری جیسے بچہ پھل دودھ اون سب راہن کی ہوگی اور رہن رہیگی اصل کے ساتھ اور ہلاک ہوگی مفت اگر بڑھوتری بچ رہی

وَهَلَكَ الْاَصْلُ فُكَّ بِحَظِّهٖ فَيُقْسَمُ الدَّيْنُ عَلٰى قِيْمَتِهٖ يَوْمَ الْفِكَاكِ وَقِيْمَةِ الْاَصْلِ يَوْمَ الْقَبْضِ

اور اصل جاتی رہی تو چھڑا لیجائیگی اسکے حصہ کے موافق پس تقسیم کیا جائیگا دین اسکی قیمت پر جو چھڑانیکے دن ہے اور اصل کی قیمت پر جو قبضہ کے دن تھی

فَسَقَطَ مِنَ الدَّيْنِ حِصَّةُ الاَصْلِ وَفُكَّ النَّمَاءُ بِحِصَّتِهٖ وَيَصِحُّ الزِّيَادَةُ فِي الرَّهْنِ لاَ فِي الدَّيْنِ

پس ساقط ہوجائیگا دین سے اصل کا حصہ اور چھڑا لیجائیگی بڑھوتری اس کے حصہ کے عوض مرہون میں اضافہ جائز ہے نہ کہ قرض میں

وَاِنْ رَهَنَ عَبْدًا بِالْفٍ فَدَفَعَ عَبْدًا اٰخَرَ رَهْنًا مَكَانَ الاَوَّلِ وَقِيْمَةُ كُلٍّ اَلْفٌ فَالاَ وَّلُ رَهْنٌ حَتّٰى

اگر رہن رکھا غلام ہزار میں پھر دیا دوسرا غلام اسکی جگہ اور قیمت ہر ایک کی ہزار ہے تو پہلا ہی غلام رہن ہوگا یہاں تک کہ مرتہن اس کو

يَرُدَّهٗ اِلَى الرَّاهِنِ وَالْمُرْتَهِنُ فِي الاٰخَرِ اَمِيْنٌ حَتّٰى يَجْعَلَهٗ مَكَانَ الاَوَّلِ.

راھن کے سپرد کردے اور مرتہن دوسرے غلام کے حق میں امین ہوگا یہاں تک کہ وہ رھن کرلے اس کو پہلے کی جگہ۔

رہن سے متعلق متفرق مسائل

تشریح الفقہ: **قولہ رھن عصیرًا الخ** دس روپے کا شیرۂ انگور دس میں رہن رکھا وہ شراب بن کر سرکہ ہوگیا جو دس روپے کا ہے تو رہن باطل ہوجانا چاہئے کیونکہ شیرہ خمر ہوجانے کیوجہ سے متقوم مال نہیں رہا۔ مگر اس وجہ سے کہ خمر میں سرکہ ہوجانے کی صلاحیت ہے رہن باطل نہ ہوگا۔ بلکہ دس میں رہن رہے گا۔ اور اگر دس کے بکری دس میں رہن رکھی اور وہ ذبح کئے بغیر مرگئی اور اس کی کھال مٹی یا دھوپ کے ذریعہ بنا لی گئی جو ایک روپے کی ہے تو وہ ایک روپے میں رہن رہے گی اس واسطے کہ رہن ہلاکت مرہون سے ثابت ہوجاتا ہے اور جب بعض محل میں صلاحیت آ گئی تو اسی کے بقدر رہن کا حکم لوٹ آئے گا۔

قولہ وان بقی الخ اصل شئی جو مرہون تھی ہلاک ہوگئی اور بڑھوتری جو مرہون کی ذات سے برآمد ہوئی تھی جیسے پھل، دودھ، اون وغیرہ وہ باقی رہے گی تو اسکو بقدر حصہ دین چھڑایا جائے گا کیونکہ اب وہ تابع نہیں رہی بلکہ مقصود ہوگئی اور تابع جب مقصود جاتا ہے تو اس کے مقابلہ میں قیمت وغیرہ آ جاتی ہے اب چھڑانے کی شکل یہ ہوگی کہ بڑھوتری میں اس دن کی قیمت کا اعتبار ہوگا جس دن اس کو چھڑایا جا رہا ہے اور اصل میں اس دن کی قیمت کا لحاظ ہوگا جس دن اس پر قبضہ ہوا تھا مثلاً زید نے ایک بکری نو روپیہ میں رہن رکھی جس کی قیمت قبضہ کے دن دس روپیہ تھی اس کے ایک بچہ ہوا جس کی قیمت چھڑانے کے دن پانچ روپیہ ہے تو دونوں کی قیمت پندرہ روپے ہوئی۔ اب بکری مرگئی بچہ باقی رہ گیا تو دین کو ان دونوں کی قیمتوں پر اثلاثاً تقسیم کیا جائے گا۔ پس دین کے دو ثلث یعنی چھ روپے جو ماں کے دو حصے کے ہیں وہ ساقط ہوجائیں گے۔ اور دین کا ایک ثلث یعنی تین روپے راہن مرتہن کو دیکر بچہ چھڑا لے گا۔

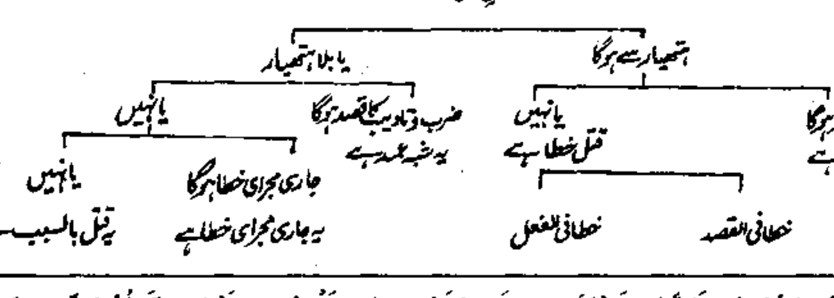
قولہ و یصح الخ راہن نے ایک کپڑا دس روپے میں رہن رکھا تھا اس کے بعد اس نے ایک اور کپڑا رہن رکھدیا تو یہ اضافہ درست ہے۔ اب دونوں کپڑے دس میں رہن رہیں گے۔ اور اگر کپڑا دس روپیہ میں رہن تھا راہن نے مرتہن سے پانچ روپیہ لیکر وہی کپڑا پندرہ میں رہن رکھدیا تو طرفین کے نزدیک یہ صحیح نہیں امام ابو یوسف کے نزدیک یہ بھی درست ہے۔ کیونکہ باب رہن میں دین ایسا ہوتا ہے جیسے باب بیع میں ثمن اور رہن مثمن کی طرح ہوتا ہے جس طرح باب بیع میں ثمن اور بیع ہر دو میں اضافہ کرنا صحیح ہے اسی طرح باب رہن میں بھی صحیح ہوگا، امام زفر اور امام شافعی کے نزدیک اضافہ جائز نہیں نہ رہن میں نہ دین میں۔ کیونکہ اضافہ سے شیوع لازم آتا ہے جو مفسد رہن ہے۔ طرفین کے یہاں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ زیادتی اصل عقد کیساتھ اسی وقت لاحق ہوسکتی ہے جب وہ معقود بہ (ثمن) میں ہو یا معقود علیہ (مبیع) میں ہو اور دین نہ معقود بہ ہے نہ معقود علیہ۔ لہٰذا دین میں اضافہ کرنا درست نہ ہوگا۔

قولہ یردہ الخ وجہ یہ ہے کہ پہلا غلام جو مرتہن کے ضمان میں داخل ہوا ہے وہ قبضہ اور دین کی وجہ سے ہوا ہے اور یہ دونوں باقی ہیں تو غلام اس کے ضمان سے خارج ہوگا۔ تاوقتیکہ مرتہن قبضہ کو نہ توڑ دے اور جب پہلا غلام اس کے ضمان میں باقی رہا تو دوسرا غلام اس کے ضمان میں داخل نہ ہوگا کیونکہ راہن و مرتہن صرف ایک غلام کے تحت الضمان ہونیسے راضی ہیں نہ کہ دونوں کے داخل ہونے سے۔

کتاب الجنایات

قولہ کتاب الخ مشروعیت رہن حفاظت مال کیلئے ہے اور حکم جنایت یعنی قصاص یا دیت اور کفارہ وحرمان ارث حفاظت نفس کیلئے ہے۔ اور مال بقاء نفس کا ایک وسیلہ ہے۔ اور وسائل مقاصد پر مقدم ہوتے ہیں اس لئے مصنف نے رہن کو مقدم کیا اور جنایات کو مؤخر جنایت لغت عرب میں برا کام کرنے کا نام ہے جو دراصل جنی علیہ شرا جنایۃ کا مصدر ہے۔ اور ہر امر قبیح کے لئے عام ہے۔ شریعت میں اس فعل حرام کا نام ہے جو مال یا جان پر واقع ہو تو اس میں چوری قتل غصب اور دیگر مالی و بدنی جرائم داخل ہیں لیکن اصطلاح فقہاء میں غصب اور سرقہ اس فعل حرام کیساتھ خاص ہے جو مال پر واقع ہو اور جنایت اس فعل ممنوع کے ساتھ جو جان اور اطراف یعنی ہاتھ پاؤں ناک کان اور آنکھ پر واقع ہو۔ اول کو قتل کہتے ہیں اور ثانی کو قطع وجراحت قتل وہ فعل ہے جو بندہ کی طرف مضاف اور زوال حیات کا سبب ہو اور زوال حیات بلا فعل عبد مسمی بموت ہے۔ (زیلعی وشمنی)۔

فائدہ: جس قتل سے احکام آئندہ متعلق ہیں وہ پانچ قسم پر ہے "قتل عمد قتل شبہ عمد قتل خطا قتل جاری مجرائے خطا قتل بالسبب" صاحب نہایہ نے ان پانچوں کو بطریق حصر یوں بیان کیا ہے کہ "جب انسان سے فعل قتل صادر ہو تو دو حال سے خالی نہیں۔ اس کا حصول ہتھیار سے ہوگا یا بلا ہتھیار شق اول پھر دو حال سے خالی نہیں اس سے قتل کرنا مقصود ہوگا یا نہیں اول قتل عمد ہے ثانی قتل خطا شق ثانی بھی دو حال سے خالی نہیں اس سے ضرب وتادیب کا قصد ہوگا یا نہیں۔ اول شبہ عمد ہے اور ثانی پھر دو حال سے خالی نہیں۔ جاری مجرای خطا ہوگا یا نہیں۔ اول قتل جاری مجرای خطا ہے اور ثانی قتل بالسبب" اس حصر میں گو قدرے قصور ہے تاہم مفید ضرور ہے چاہو تو چلتے چلتے ان اقسام کو نقشہ ذیل کی شکل میں ڈھال کر ذہن نشین کرلو۔



مُوْجَبُ الْقَتْلِ عَمَدًا وَهُوَ مَا تَعَمَّدَ ضَرْبَهٗ بِسِلَاحٍ وَنَحْوِهٖ فِي تَفْرِيْقِ الْاَجْزَاءِ كَالْمُحَدَّدِ مِنَ الْخَشَبِ

حکم قتل عمد کا اور وہ یہ ہے کہ مارے جان بوجھ کر ہتھیار سے یا ایسی چیز سے جو ہتھیار کی طرح ہو بدن کے اجزاء جدا کرنے میں جیسے دھار دار لکڑی

وَالْحَجَرِ وَاللِّيْطَةِ وَالنَّارِ الْاِثْمُ وَالْقَوَدُ عَيْنًا اِلَّا اَنْ يُّعْفٰى لَا الْكَفَّارَةُ

یا پتھر یا بانس کی کھپچی اور آگ گناہ ہے اور معین قصاص الا یہ کہ معاف کردیا جائے نہ کہ کفارہ۔

قتل عمد کا بیان

توضیح اللغۃ: سلاح ہتھیار محدد دھار دار خشب لکڑی لیطۃ پوست نرکل قود قصاص۔

تشریح الفقہ: قولہ موجب الخ قتل کی پہلی قسم قتل عمد ہے جس میں آدمی کو مار ڈالنا مقصود ہو ہتھیار سے ہو جیسے چھری اور تلوار وغیرہ یا کسی ایسی نوکدار یا باڑھ والی چیز سے ہو جو تفریق اجزاء میں ہتھیار کا کام کرتی ہو جیسے تیز نوکدار لکڑی پتھر اور بانس کا چھلکا سیسہ آگ وغیرہ اس قتل کا موجب گناہ ہے۔حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''ومن یقتل مو مناً متعمدًا فجزائوہ جھنم'' حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''جو شخص اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں تو اس کا خون حلال نہیں بجز تین کے ایک شادی شدہ زنا کار دوم جان کو (ناحق) قتل کرنے والا سوم اپنے دین کو چھوڑنے والا اور جماعت سے علیحدہ رہنے والا'' نیز آپ کا ارشاد ہے کہ ''دنیا کا زوال عند اللہ آسان تر ہے مسلمان آدمی کے قتل سے'' نیز حدیث میں ہے کہ ''اگر اہل زمین واہل آسمان کسی مؤمن کے خون میں شریک ہوں تو اللہ ان سب کو منہ کے بل آگ میں ڈال دے'' دوسرا موجب عین قصاص ہے بلا لزوم مال امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔دوسرا قول یہ ہے کہ قصاص متعین نہیں ہے بلکہ اولیاء مقتول قصاص اور خون بہا لینے میں مختار ہیں ہماری دلیل حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ''کتب علیکم القصاص فی القتلی'' اس میں قتل عمد مراد ہے۔کیونکہ قتل خطا میں دیت واجب ہے لقولہ تعالیٰ'' ومن قتل مومناً خطاء'' فتحریر رقبة مومنةٍ ودیة مسلمة الیٰ اھلہ'' نیز حضور ﷺ کا ارشاد ہے ''العمد القود'' یعنی قتل عمد کا موجب قصاص ہے علما نے تصریح کی ہے کہ یہ حدیث مشہور ہے۔اور جب خبر واحد مجمل آیت کیلئے مبین ہو سکتی ہے (جیسا کہ مقدار مسح راس میں مذکور ہے) تو حدیث مشہور بطریق اولیٰ ہوگی۔پس ظاہر آیت قصاص میں گو قتل عمد اور قتل خطا کی تخصیص نہیں لیکن یہ حدیث مشہور اس کے لئے مخصص ہے۔

قولہ لا الکفارة الخ ہمارے یہاں قتل عمد کا موجب کفارہ نہیں ہے۔امام شافعی کے یہاں ہے کیونکہ قتل خطا کی بہ نسبت اس میں کفارہ کی زیادت ضرورت ہے۔ہم یہ کہتے ہیں کہ قتل عمد خالص گناہ کبیرہ ہے۔اور کفارہ میں عبادت کے معنی ہیں تو قتل عمد مربوط بکفارہ نہیں ہو سکتا ولقولہ علیہ السلام '' خمس من الکبائر لا کفارة فیھن منھا قتل النفس بعمد''

وَشِبْهُهٗ وَهُوَ اَنْ يَتَعَمَّدَ ضَرْبَهٗ بِغَيْرِ مَاذُكِرَ الْاِثْمُ وَالْكَفَّارَةُ وَدِيَةٌ مُغَلَّظَةٌ عَلَى الْعَاقِلَةِ لَا الْقَوَدُ وَالْخَطَاءُ

اور شبہ عمد کا حکم اور وہ یہ ہے کہ قصداً مارے مذکورہ چیزوں کے سوا سے گناہ ہے اور کفارہ ہے اور دیت مغلظہ ہے قبیلہ پر نہ کہ قصاص،اور قتل خطاء کا حکم

وَهُوَ اَنْ يَّرْمِيَ شَخْصًا ظَنَّهٗ صَيْدًا اَوْ حَرْبِيًّا فَاِذَا هُوَ مُسْلِمٌ اَوْ غَرَضًا فَاَصَابَ اٰدَمِيًّا وَمَاجَرٰى مَجْرَاهُ

اور وہ یہ ہے کہ تیر مارے کسی کو شکار جان کر یا حربی سمجھ کر اور وہ مسلمان نکلے یا نشانہ پر مارے اور وہ آدمی کے لگ جائے اور جاری مجرای خطاء کا حکم

كَنَائِمٍ اِنْقَلَبَ عَلٰى رَجُلٍ فَقَتَلَهُ الْكَفَّارَةُ وَالدِّيَةُ عَلَى الْعَاقِلَةِ وَالْقَتْلُ بِسَبَبٍ كَحَافِرِ الْبِئْرِ وَوَاضِعِ الْحَجَرِ

جیسے ہونے والا کروٹ لے کسی پر اور اس کو مار ڈالے کفارہ ہے اور دیت ہے کنبے پر اور قتل بالسبب کا حکم جیسے کنواں کھودنے والا اور پتھر رکھنے والا

فِيْ غَيْرِ مِلْكِهٖ اَلدِّيَةُ عَلَى الْعَاقِلَةِ لَا الْكَفَّارَةُ وَالْكُلُّ يُوْجِبُ حِرْمَانَ الْاِرْثِ

دوسرے کی ملک میں دیت ہے قبیلہ پر نہ کہ کفارہ، یہ کل صورتیں واجب کرتی ہیں وراثت سے محرومی کو

اِلَّا هٰذَا وَشِبْهُ الْعَمْدِ فِي النَّفْسِ عَمْدٌ فِيْمَا سِوَاهَا.

مگر آخری صورت اور شبہ عمد جان مارنے میں عمد ہے اس کے ماسوا میں۔

عہ...... جو قتل کرے مؤمن کو جان کر اس کا بدلہ جہنم ہے ۱۲۔ عہ...... ائمہ ستہ عن ابن مسعود ۱۲۔ للعہ...... ترمذی نسائی ابن ابی شیبہ ابو یعلی الموصلی عن ابن ۱۲۔ للعہ...... ترمذی حاکم عن الخدری طبرانی عن ابی ہریرہ ۱۲۔ عہ...... تم پر قصاص لکھا گیا مقتولین میں ۱۲۔

او جو کوئی مار ڈالے تو مؤمن کو انجانی سے پس آزاد کرنا ہے ایک گردن مسلمان کا اور خونبہا اور سونپی ہوئی اس کے اہل کو ۱۲۔

(۱) ابن ابی شیبہ ابن راہویہ دار قطنی طبرانی عن ابن عباس ۱۲۔ (۲) کذا فی الھاشیۃ الاعزازیۃ ۱۲۔

قتل شبہ عمد، قتل خطا جاری مجرای خطا قتل بالسبب کا بیان

تشریح الفقہ: **قولہ وشبھہ الخ** قتل کی دوسری قسم شبہ عمد ہے اور وہ یہ ہے کہ کسی ایسی چیز سے قتل کیا جائے جو اجزاء بدن کی تفریق نہ کرے گو سنگ عظیم اور عصاء کبیر ہو اس میں معنی عمد بھی ہوتے ہیں بایں اعتبار کہ فاعل مارنے کا ارادہ کرتا ہے اور معنی خطا بھی ہوتے ہیں بایں لحاظ کہ اس میں فاعل آلہ قتل استعمال نہیں کرتا اس لئے اس کو قتل شبہ عمد کہتے ہیں، صاحبین اور امام شافعی کے یہاں سنگ عظیم وعصا کبیر سے مارنا قتل عمد میں داخل ہے۔ اور شبہ عمد ان کے یہاں یہ ہے کہ ایسی چیز سے مارنے کا ارادہ کرے جس سے عموماً قتل نہیں کیا جاتا۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ میں نہیں جانتا شبہ عمد کیا ہے۔ قتل تو دو ہی ہیں قتل عمد اور قتل خطا، امام صاحب کی دلیل حضور ﷺ کا ارشاد ہے **الا ان دیۃ الخطاء شبہ العمد ما کان بالسوط و العصاء مائۃ من الابل منھا اربعون فی بطونھا اولادھا۔**"

قولہ الاثم الخ شبہ عمد کا موجب گناہ اور کفارہ اور قاتل کی مددگار برادری پر دیت مغلظہ ہے یعنی سو اونٹ میں ۲۵ یکسالہ ہوں۔ ۲۵ دوسالہ ۲۵ سہ سالہ ۲۵ چہار سالہ یہ کل مقدار تین سال میں وصول کی جائے گی۔ **وسیاتی فی کتاب الدیات۔**

قولہ والخطاء الخ تیسری قسم قتل خطا ہے اس کی دو قسمیں ہیں خطافی القصد، خطافی الفعل، خطافی القصد یہ ہے کہ فاعل نے ایک شخص کے تیر مارا جس کو وہ شکاریا کافر حربی یا مرتد سمجھ رہا تھا مگر وہ مسلمان نکلا، خطافی الفعل یہ ہے کہ فاعل نے نشانہ پر تیر مارا اور وہ کسی آدمی کے لگ گیا چوتھی قسم جاری مجرای خطا ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک آدمی سو رہا تھا اس نے کروٹ لی اور کوئی دوسرا آدمی کروٹ میں آکر مر گیا یا کسی بلند جگہ پر سو رہا تھا کروٹ بدلنے میں اوپر سے گر گیا اور نیچے کوئی اور آدمی تھا وہ مر گیا اس قسم کے قتل کا موجب کفارہ ہے اور عاقلہ پر دیت۔ پانچویں قسم قتل بالسبب ہے مثلاً کسی نے حاکم کی اجازت کے بغیر غیر ملک میں کنواں کھودا۔ یا کوئی پتھر رکھدیا اور کوئی آدمی اس میں گر کر یا الجھ کر مر گیا تو اس کا موجب اس کا عاقلہ پر دیت کا واجب ہونا ہے کفارہ نہیں ہے۔

قولہ وللکل الخ قتل کی جمیع اقسام مذکورہ موجب حرمان میراث ہیں یعنی اگر کوئی شخص اپنے مورث کو قتل کر دے تو قاتل اس کی میراث نہ پائے گا بشرطیکہ قاتل عاقل بالغ ہو سوائے قتل بالسبب کے کہ اس میں قاتل مقتول کی میراث سے محروم نہیں ہوتا۔ وجہ یہ ہے کہ موجب حرمان مباشرت قتل ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ قاتل کا فعل مقتول کیساتھ متصل ہو اور یہ چیز قتل بالسبب میں نہیں پائی جاتی کیونکہ اس میں قاتل کا فعل زمین سے متصل ہے نہ کہ مقتول سے، امام شافعی کے یہاں قتل بالسبب تمام احکام مین قتل خطا کیساتھ ملحق ہے کیونکہ شریعت نے اس کو بھی قاتل مانا ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ اس سے حقیقت قتل معدوم ہے اور ضمان کے حق میں اس کو قاتل کیساتھ لاحق کیا گیا ہے وہ خلاف قیاس ہے۔ تو غیر ضمان کے حق میں اپنی اصل پر باقی رہے گا۔

ع......ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارقطنی، عن عبداللہ بن عمرو بن العاص، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، احمد، شافعی، ابن راہویہ، ابن ابی شیبہ، عبدالرزاق، طبرانی عن ابن عمر، ابن راہویہ، عن ابن عباس ۱۲

باب مایوجب القصاص وما لایوجب

باب موجب قصاص وغیر موجب قصاص امور کے بیان میں

یَجِبُ الْقِصَاصُ بِقَتْلِ کُلِّ مَحْقُوْنِ الدَّمِ عَلَی التَّأبِیْدِ عَمَدًا

واجب ہوتا ہے قصاص ہر ایسے شخص کو قصداً مارڈالنے سے جو ہمیشہ کے لئے محفوظ الدم ہے۔

تشریح الفقہ: قولہ یجب الخ اقسام قتل کے بیان سے فراغت کے بعد موجب قصاص وغیرہ موجب قصاص قتل کی تفصیل ذکر کررہا ہے جس کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ قصاص ہر دائمی محفوظ الدم کو عمداً قتل کرنیسے واجب ہوتا ہے۔ وجوب سے مراد ثبوت استیفاء ہے۔ پس یہ اعتراض وارد نہیں ہوسکتا کہ قصاص معاف کردینا نصاً مندوب ہے اور مندوب ہونا وجوب کے منافی ہے۔ محقون الدم کی قید سے مباح الدم نکل گیا جیسے زانی محصن، حربی کافر، اور پھر محقون الدم کا مطلب یہ ہے کہ وہ بطریق کمال محفوظ الدم ہو۔ تو اگر کوئی شخص دارالحرب میں اسلام لے آئے اور ہجرت سے قبل کوئی قتل کردے تو قاتل سے قصاص نہیں لیا جائیگا کیونکہ مقتول گو اسلام کی وجہ سے محفوظ الدم ہوگیا مگر اس میں کمال حقن نہیں ہے۔ سوال اگر قاتل کوئی ایسا شخص عمداً قتل کردے جو مقتول کے لحاظ سے اجنبی ہو یعنی اس کا وارث نہ ہو تو قاتل کے قاتل پر قصاص واجب ہے۔ حالانکہ قاتل محفوظ الدم نہیں ہے۔ جواب محفوظ الدم سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے قاتل کے لحاظ سے محفوظ الدم ہو اور قاتل اول گو اولیاء مقتول کے لحاظ سے غیر معصوم الدم ہے لیکن اجنبی شخص کے اعتبار سے وہ معصوم الدم ہے۔ لہٰذا قاتل اول کے بدلے میں اجنبی قاتل کو مارا جائے گا۔ تابید کی قید سے مستامن نکل گیا کیونکہ اس کا خون تا قیام دارالاسلام محفوظ ہے نہ کہ ہمیشہ کیلئے۔ سوال اگر کوئی مسلمان اپنے مسلمان فرزند کو عمداً قتل کردے تو باپ پر قصاص واجب نہیں۔ حالانکہ تعریف میں بھی وہ داخل ہے۔ جواب باپ پر قصاص کا واجب نہ ہونا عوارض میں سے ہے یعنی اصل میں تو یہاں بھی قصاص واجب تھا مگر ابوۃ جو قصاص کے ٹل جانے کا شبہ ہے اس کی وجہ سے قصاص منقلب بمال ہوگیا۔ اسی طرح عبد وقف کو عمداً قتل کرنے میں اصل کے اعتبار سے قصاص واجب ہے لیکن مراعات نفع وقف کیوجہ سے قصاص منقلب بدیت ہوگیا۔

وَیُقْتَلُ الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَبِالْعَبْدِ وَالْمُسْلِمُ بِالذِّمِّیِّ وَلاَ یُقْتَلاَنِ بِالْمُسْتَأْمِنِ وَالرَّجُلُ بِالْمَرْأۃِ

اور مارا جائیگا آزاد آزاد اور غلام کے عوض میں اور مسلمان ذمی کے عوض میں اور نہیں مارے جائیں گے مستامن کے عوض میں اور مرد عورت کے عوض میں

وَالْکَبِیْرُ بِالصَّغِیْرِ وَالصَّحِیْحُ بِالاَعْمٰی وَبِالزَّمِنِ وَبِنَاقِصِ الاَطْرَافِ وَبِالْمَجْنُوْنِ وَالْوَلَدُ بِالْوَالِدِ

اور بالغ نابالغ کے عوض میں اور تندرست اندھے اپاہج ناقص الاعضاء اور دیوانے کے عوض میں اور بچہ باپ کے عوض میں

وَلاَ یُقْتَلُ الرَّجُلُ بِالْوَلَدِ وَالاُمُّ وَالْجَدُّ وَالْجَدَّۃُ کَالاَبِ وَبِعَبْدِہٖ وَبِمُدَبَّرِہٖ

اور نہیں مارا جائیگا باپ بچہ کے عوض میں اور ماں دادا دادی نانا نانی مثل باپ کے ہیں اور مالک اپنے غلام مدبر

وَبِمُکَاتَبِہٖ وَبِعَبْدِ وَلَدِہٖ وَبِعَبْدٍ مَلَکَ بَعْضَہٗ وَاِنْ وَرِثَ قِصَاصًا عَلٰی اَبِیْہِ سَقَطَ.

مکاتب اپنے بیٹے کے غلام اور ایسے غلام کے عوض میں جس کے بعض کا مالک ہے اگر وارث ہوجائے قصاص کا اپنے باپ پر تو ساقط ہوجائیگا۔

تفصیل احکام قصاص

تشریح الفقہ: قولہ ویقتل الخ قاتل کو مقتول کے بدلے میں قتل کیا جائے گا' مقتول آزاد ہو یا غلام' مرد ہو یا عورت' ائمہ ثلاثہ کے یہاں آزاد غلام کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ قاتل پر اس کی قیمت کا تاوان ہوگا۔ کیونکہ آیت ''الحر بالحر و العبدو بالعبد'' میں مقابلہ حر بالحر و مقابلہ عبد بالعبد مقابلہ جنس بالجنس ہے۔ جس کا مقتضی یہ ہے کہ آزاد کو غلام کے بدلے میں نہ مارا جائے نیز بناء قصاص مساوات پر ہے اور آزاد و غلام میں کوئی مساوات نہیں کیونکہ آزاد مالک ہوتا ہے اور غلام مملوک اور مالکیت علامت قدرت ہے اور مملوکیت امارۃ عجز۔ ہماری دلیل نصوص کا اطلاق ہے۔ قال تعالیٰ النفس بالنفس'' جان کو جان کے بدلے میں قتل کیا جائے اس میں آزاد غلام کی کوئی قید نہیں تو یہ آیت ''الحر بالحر اھ کے لئے ناسخ ہے جیسا کہ جلال الدین سیوطی شافعی نے تفسیر درالمنثور میں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے۔ اسی طرح'' کتب علیکم القصاص فی القتلیٰ میں قتلیٰ (مقتول) عام ہے اور'' ومن قتل مظلوماً فقد جعلنا لولیہ سلطاناً'' میں من قتل بصیغہ تعمیم ہے۔ احادیث صحیحہ الاباحدی ثلاث الثیب الزانی والنفس بالنفس اھ اور '' العمد القود'' وغیرہ میں بھی عموم ہے۔ رہا ائمہ ثلاثہ کا مقابلہ مذکورہ سے استدلال سو وہ صحیح نہیں کیونکہ اس میں تخصیص ذکری ہے جو ماسوی کی نفی نہیں کرتی پس اس تخصیص سے غلام کے بدلے قتل آزاد کی نفی نہیں ہوتی۔ ورنہ لازم آئے گا کہ مرد کو عورت کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے کیونکہ آیت میں انثی کا مقابلہ انثی کے ساتھ ہے حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں' سوال اگر ماعدا کی نفی مقصود نہیں ہے پھر تخصیص بالذکر کا کیا فائدہ؟ جواب اس میں ان لوگوں پر رد منظور ہے جو مقتول کے بدلے میں غیر قاتل کا ارادہ رکھتے تھے چنانچہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ عرب کے دو قبیلے تھے بنو نضیر' بنو قریظہ' اور بنو نضیر کے لوگ اپنی فضیلت کے مدعی تھے جب ان کا کوئی آدمی قتل ہو جاتا تو کہتے کہ جب تک اپنی عورت کے بدلے ان کا مرد اور اپنے غلام کے بدلے ان کا آزاد نہ ماریں اس وقت تک ہم راضی نہ ہوں گے اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ آزاد کو آزاد' غلام کو غلام' عورت کو عورت کے بدلے میں مارا جائے اس سے بھی یہی معلوم ہوا کہ الحر اور العبد میں الف لام تعریف عہد کے لئے ہے نہ کہ تعریف جنس کیلئے اور مساوات کا مدار عصمت پر ہے۔ جس کا تحقق دین اور دارالاسلام کے ذریعہ ہوتا ہے اور اس میں آزاد اور غلام دونوں برابر ہیں۔

قولہ والمسلم الخ مسلمان کو ذمی کے بدلے میں مارا جائے گا امام شافعی اسکے خلاف ہیں ان کی دلیل یہ حدیث ہے'' لایقتل مؤمن بکافر'' ہماری دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو ذمی کے بدلے میں قتل کیا۔ اور فرمایا'' انا اکرم من وفی زمتہ عہ'' سوال اس حدیث کا مدار ابن البیلمانی پر ہے حافظ صالح بن محمد نے کہا ہے کہ اس کی حدیث منکر ہے۔ حافظ دار قطنی فرماتے ہیں کہ اس کی تو موصول روایت بھی قابل حجت نہیں تو مرسل کب حجت ہو سکتی ہے۔ جواب اول تو اصولی طور پر یہ بات طے شدہ ہے کہ طعن بالا رسال اور طعن مبہم مقبول نہیں۔ دوم یہ کہ ابن حبان وغیرہ نے اس کو ثقات تابعین میں ذکر کیا ہے۔ سوم یہ کہ مضمون حدیث حضرت علیؓ و حضرت عمرؓ کے آثار سے مؤید ہے۔ اس لئے بے سوچے سمجھے ضعیف کہہ دینے سے کام نہیں چلتا' رہا امام شافعی کا مستدل سو اس میں کافر سے مراد حربی کافر ہے کیونکہ حدیث میں اس پر'' ولا ذو عہد فی عہدہ'' کا عطف ہے۔ اور عطف مقتضی مغایرت ہوتا ہے تو معنی یہ ہوئے۔'' ولا یقتل ذو عہد بکافر'' اور ذمی کو ذمی کے بدلے میں قتل کرنا مجمع علیہ ہے۔ معلوم ہوا کہ کافر سے مراد حربی ہے۔

قولہ ولا یقتل الرجل الخ بچہ کے قتل میں باپ سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ'' ولد کے بدلے میں والد سے قصاص نہ لیا جائے'' امام مالک فرماتے ہیں کہ اگر باپ نے اپنے بچہ کو قصداً قتل کیا تو قصاص لیا جائے گا اور اگر بلا ارادہ قتل تلوار یا چھری وغیرہ پھینک ماری تو قصاص نہیں لیا جائے گا۔ مگر حدیث مذکور ان پر حجت ہے۔

(تنبیہ) : جواہر مالکیہ میں حضرت اشہب کا قول ہے کہ والد کو ولد کے بدلے کسی حالت میں بھی قتل نہیں کیا جائے گا اس شبہ کی وجہ سے کہ حدیث میں وارد ہے" انت ومالک لابیک"اس سے معلوم ہوا کہ امام مالک کے مذہب میں قصاص والد کی روایت معتمد نہیں ورنہ کتب مالکیہ میں علی العموم قصاص کی نفی مذکور نہ ہوتی (واللہ اعلم)۔

قولہ وان ورث الخ اگر بیٹا باپ پر قصاص کا وارث ہو جائے مثلاً باپ نے اپنے خسر کو قتل کر دیا اور اس کی بیٹی (جو قاتل کی زوجہ ہے) کے علاوہ اور کوئی اس کا وارث نہیں۔ اور وہ عورت بھی مرگئی تو اس عورت کا بیٹا جو قاتل کے نطفہ سے ہے اس قصاص کا وارث ہوا جو اس کے باپ پر واجب ہے۔ تو یہ قصاص ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ بیٹا باپ پر مستوجب عقوبت نہیں ہے۔

قولہ وانما یقتص الخ ہمارے یہاں قصاص صرف تلوار سے لیا جائیگا۔ گو قاتل نے مقتول کو تلوار کے علاوہ کسی اور ہتھیار سے قتل کیا ہو' امام شافعی کے یہاں قاتل کیساتھ وہی فعل کیا جائے گا جو اس نے مقتول کیساتھ کیا ہے بشرطیکہ وہ فعل مشروع ہو' امام مالک' امام احمد اور اصحاب ظاہر بھی یہی کہتے ہیں دلیل یہ آیت ہے" وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ماعوقبتم بہ" نیز حدیث میں ہے کہ" ایک یہودی نے انصاری عورت کا سر دو پتھروں کے درمیان رکھ کر کچل دیا تھا۔ تو آنحضرت ﷺ نے حکم فرمایا کہ یہودی کا سر بھی کچلا جائے" ہماری دلیل حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ قصاص نہیں مگر تلوار سے" رہی آیت سو اس میں مماثلت فی العدد مراد ہے نہ کہ مماثلت فی الفعل' دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ و حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ جب حضرت حمزہؓ کو مثلہ کر کے شہید کیا گیا تو آنحضرت ﷺ نے قسم کھا کر فرمایا کہ اگر میں قاتلین پر ظفریاب ہو گیا تو ان کے ستر آدمیوں کو مثلہ کرونگا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے صبر کیا اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کیا۔ مطلب یہ ہوا کہ ایک کے بدلے میں ستر کو مثلہ کرنا جائز نہیں بلکہ ایک کا بدلہ ایک ہی سے لیا جائے گا۔ اور یہودی کا سر کچلوانا بطریق سیاست تھا نہ کہ بطریق قصاص کیونکہ یہ مشہور فسادی شخص تھا۔

وَاِنَّمَا يُقْتَصُّ بِالسَّيْفِ مُكَاتَبٌ قُتِلَ عَمْدًا وَتَرَكَ وَفَاءً وَوَارِثُهُ سَيِّدُهُ فَقَطْ اَوْ لَمْ يَتْرُكْ وَفَاءً

اور قصاص تلوار ہی سے لیا جاتا ہے مکاتب قتل کر دیا گیا عمداً اور اس نے مال چھوڑا اور اس کا وارث صرف اس کا مالک ہے یا اس نے مال نہیں چھوڑا

وَلَهُ وَارِثٌ يُقْتَصُّ وَاِنْ تَرَكَ وَفَاءً وَوَارِثًا لَا وَاِنْ قُتِلَ عَبْدُ الرَّهْنِ لَا يُقْتَصُّ

مگر اس کا کوئی اور وارث ہے تو قصاص لیا جائیگا اور اگر چھوڑا مال بھی اور وارث بھی تو نہیں اگر قتل کر دیا گیا مرہون غلام تو قصاص نہیں لیا جائیگا

حَتّٰى يَجْتَمِعَ الرَّاهِنُ وَالْمُرْتَهِنُ وَلِلْاَبِ الْمَعْتُوْهِ اَلْقَوَدُ وَالصُّلْحُ لَا الْعَفْوُ بِقَتْلِ وَلِيِّهٖ

یہاں تک کہ جمع ہوں راہن اور مرتہن بے عقل آدمی کے باپ کے لئے قصاص ہے اور صلح نہ کہ معاف کرنا اس کے ولی کے قتل کرنے سے

وَالْقَاضِيْ كَالْاَبِ وَالْوَصِيُّ يُصَالِحُ فَقَطْ وَالصَّبِيُّ كَالْمَعْتُوْهِ وَلِلْكِبَارِ اَلْقَوَدُ قَبْلَ كِبَرِ الصِّغَارِ

اور قاضی باپ کی طرح ہے اور وصی صرف صلح کر سکتا ہے اور بچہ مثل بے عقل کے ہے اور بالغ ورثہ کے لئے قصاص ہے نابالغوں کے بالغ ہونے سے پہلے

عہ...... بخاری' ابو داؤد' نسائی عن علیؓ' ابو داؤد' ابن ماجہ عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ' بخاری (فی تاریخہ الکبیر' عن عائشہ ۱۲ دار قطنی' بیہقی' عن ابن عمر (مسنداً) ابو داؤد' عبدالرزاق' شافعی' دار قطنی عن عبدالرحمٰن بن البیلمانی' ابو داؤد عن عبداللہ بن عبدالعزیز بن صالح الحضرمی (مرسلاً) ۱۲۔ عہ...... ترمذی' ابن ماجہ' احمد' ابن حمید عن عمر' ترمذی' ابن ماجہ' بزار' حاکم' دار قطنی' بیہقی عن ابن عباس' ترمذی' دار قطنی عن سراقہ بن مالک (بالفاظ) ۱۲

عہ...... اور اگر بدلہ لو تم بدلہ برابر اس کے کہ ایذا دیے گئے ہو تم اس کیساتھ ۱۲۔ عہ...... صحیحین عن انس ۱۲۔ سہ...... ابن ماجہ' بزار' بیہقی' دار قطنی' ابن عدی عن ابی بکرہ (مرفوعاً) احمد' ابن ابی شیبہ عن الحسن' ابن ماجہ عن النعمان بن بشیر' طبرانی' دار قطنی' ابن عدی عن ابن مسعود' دار قطنی' ابن عدی عن ابی ہریرہ' دار قطنی عن علی ۱۲

وَاِنْ قَتَلَهٗ بِمَرٍّ يُقْتَصُّ اِنْ اَصَابَهُ الْحَدِيْدُ وَاِلَّا لَا كَالْخَنِقِ وَالتَّغْرِيْقِ. وَمَنْ جَرَحَ رَجُلاً عَمَدًا

اگر قتل کیا کسی کو کدال سے تو قصاص لیا جائیگا اگر لگی ہو اس کو دھار والی طرف ورنہ نہیں جیسے گلا دبانا اور ڈبا دینا جس نے زخمی کیا کسی کو جان کر

فَصَارَ ذَا فِرَاشٍ وَمَاتَ يُقْتَصُّ وَاِنْ مَاتَ بِفِعْلِ نَفْسِهٖ وَزَيْدٍ وَاَسَدٍ وَحَيَّةٍ ضَمِنَ زَيْدٌ ثُلُثَ الدِّيَةِ

وہ صاحب فراش رہا اور مرگیا تو قصاص لیا جائیگا اگر مرگیا اپنے فعل سے اور زید شیر اور سانپ کے فعل سے تو ضامن ہوگا زید تہائی دیت کا

وَمَنْ شَهَرَ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ سَيْفًا وَجَبَ قَتْلُهٗ وَلَا شَيْءَ بِقَتْلِهٖ وَمَنْ شَهَرَ عَلٰى رَجُلٍ سِلَاحًا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا

جو سونتے تلوار مسلمانوں پر تو اس کا مار ڈالنا واجب ہے اور کچھ نہیں اس کے مار ڈالنے سے جس نے سونتا کسی پر ہتھیار رات میں یا دن میں شہر میں

فِي الْمِصْرِ اَوْ غَيْرِهٖ اَوْ شَهَرَ عَلَيْهِ عَصًا لَيْلًا فِي مِصْرٍ اَوْ نَهَارًا فِي غَيْرِهٖ فَقَتَلَهُ الْمَشْهُوْرُ عَلَيْهِ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ.

یا غیر شہر میں یا اٹھائی گئی اس پر لاٹھی رات کو شہر میں یا دن کو غیر شہر میں اور مشہور علیہ نے اس کو مار ڈالا تو اس پر کچھ واجب نہیں۔

مسئلہ قتل مکاتب مع صور اربعہ ودیگر احکام قصاص)

توضیح اللغۃ: وفاء اتنا مال جس سے بدل کتابت ادا ہو سکے، معتوہ بے عقل، مر کدال، خنق گلا گھونٹنا، حیۃ سانپ۔

تشریح الفقہ: قولہ مکاتب الخ مسئلہ قتل مکاتب کی چار صورتیں ہیں (۱) مکاتب کو کسی نے عمداً قتل کیا اور وہ بدل کتابت اور آقا چھوڑ کر مرا (۲) اس نے آقا کے علاوہ کوئی اور وارث چھوڑا اور بدل کتابت نہیں چھوڑا (۳) آقا کے علاوہ نہ کوئی وارث چھوڑا اور نہ بدل کتابت (۴) بدل کتابت، وارث اور آقا سب چھوڑے۔ ان میں سے (۱) میں شیخین کے نزدیک قاتل سے قصاص لیا جائے گا۔ امام محمد کے نزدیک نہیں لیا جائے گا۔ وہ یہ فرماتے ہیں کہ یہاں سبب استحقاق مختلف ہے۔ اس واسطے کہ اگر مکاتب آزاد ہو کر مرا ہے۔ تب تو سبب استحقاق ولاء ہے اور اگر غلامی کی حالت میں مرا ہے تو ملک ہے پس اشتباہ حال کیوجہ سے آقا قصاص کا مستحق نہ ہوگا کیونکہ اختلاف سبب اختلاف مستحق کے حکم میں ہوتا ہے۔ شیخین فرماتے ہیں کہ بہر دو تقدیر مستحق قصاص بالیقین آقا ہی ہے۔ اور حکم بھی متحد و معلوم ہے۔ اس لئے اختلاف سبب مضر نہیں۔ کیونکہ سبب لذاتہٖ مقصود نہیں ہوتا بلکہ اس کے حکم کی وجہ سے مقصود ہوتا ہے۔ (۲) و (۳) میں آقا بالاتفاق مستحق قصاص ہے۔ کیونکہ جب مکاتب بدل کتابت چھوڑے بغیر مرگیا تو کتابت فسخ ہوگئی اور وہ غلامی کی حالت میں مرا لہٰذا اس کا آقا قصاص لیگا۔ (۴) میں بالاجماع قصاص نہیں۔ کیونکہ اس مکاتب کے آزاد یا غلام ہو کر مرنے میں صحابہ کا اختلاف ہے۔ حضرت علی وابن مسعود ہو تو ولی قصاص وارث ہوگا اور ثانی صورت ہو تو ولی قصاص آقا ہوگا۔ پس اس اشتباہ کی بنا پر ولی متعین نہ ہونے کیوجہ سے قصاص مرتفع ہوگیا۔

قولہ وان قتل الخ جبتک راہن و مرتہن دونوں موجود نہ ہوں اس وقت تک مرہون غلام کے قاتل سے قصاص نہیں لیا جائیگا کیونکہ مرتہن تو اس کا مالک نہیں جو قصاص کا مستحق ہو اور راہن بذات خود قصاص لے تو مرتہن کا حق باطل ہوتا ہے اسلئے دونوں کا موجود ہونا ضروری ہے تاکہ مرتہن کا حق اس کی رضامندی سے ساقط ہو امام محمد کے یہاں عبد مرہون کے بدلے میں قصاص نہیں ہی نہیں گو راہن و مرتہن دونوں موجود ہوں کذا فی الجوهرة وفی الشر نبلالیة عن الظهيرية انه اقرب الى الفقه۔

قولہ ولا ب للمعتوہ الخ بے عقل فرزند کے قرابتدار (یعنی اس کے اخیافی بھائی اور اس کی ماں اور بیٹے) کے قتل کے بدلے اس کے باپ کو تشفی صدر و تسکین دل کی خاطر قاتل سے قصاص لینا جائز ہے اور جب قصاص جائز ہے تو صلح بطریق اولیٰ جائز ہوگی کیونکہ یہ اس کے حق میں قصاص کی بہ نسبت نافع تر ہے۔ البتہ باپ کو معاف کر دینے کا اختیار نہیں کیونکہ اس میں اس کے حق کو باطل کرنا ہے۔

قولہ وللکبار الخ جب قصاص صغار و کبار اولیاء کے درمیان مشترک ہوتو امام صاحب کے نزدیک صغیر ورثہ کے جوان ہونے سے پہلے مقتول کے عاقل بالغ وارثوں کو قصاص لینے کا اختیار ہے خواہ ان کے لئے مال صغیر میں تصرف کی ولایت ہو یا نہ ہو امام مالک لیث بن سعد حماد بن سلیمان اور امام اوزاعی بھی یہی فرماتے ہیں کہ اور ایک روایت امام محمد سے بھی یہی ہے صاحبین اور امام شافعی یہ فرماتے ہیں کہ اگر ورثہ کبار مال صغیر میں تصرف کے ولی نہ ہوں تو جب تک صغیر وارث جوان نہ ہو جائیں اس وقت تک قصاص نہیں لیا جائے گا۔ اس واسطے کہ قصاص کبیر و صغیر میں مشترک ہے اور کبیر کو صغیر پر ولایت نہیں جو وہ اس کا حق حاصل کرے اور عدم تجزی کی بنا پر بعض حق کا استیفاء ممکن نہیں لہذا استیفاء حق بلوغ صغیر تک مؤخر کیا جائیگا امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ حضرت علی کے عوض میں ابن ملجم کو قتل کیا گیا آپ کے ورثہ میں جو صغیر وارث تھے مثلاً حضرت عباس کہ اس وقت ان کی عمر صرف چار سال کی تھی بالغ ہونے کا انتظار نہیں کیا گیا اور یہ صحابہ کرام کی موجودگی میں ہوا تو یہ بمنزلہ اجماع کے ہو گیا۔

قولہ وان قتلہ بمر الخ اگر مقتول کو کدال اور پھاوڑے سے قتل کیا اور اسکو لوہے کی باڑھ یا اسکی پیٹھ لگی تو بالاتفاق قاتل سے قصاص لیا جائیگا اور اگر دستہ چوبی سے قتل کیا تو امام صاحب کے نزدیک قصاص نہ ہوگا جیسے کوئی کسی کو ڈباوے یا کسی کا گلا گھونٹ کر مار دے صاحبین اور امام شافعی کے نزدیک قصاص ہوگا کیونکہ قتل تا حق موجود ہے۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ قصاص کا تعلق عمد محض کے ساتھ ہے اور وہ یہ ہے کہ آلہ جارحہ سے قتل کرے اور یہ چیز یہاں نہیں پائی گئی لہذا قصاص نہ ہوگا۔

قولہ وان مات الخ عمرو نے اپنے سر میں خود زخم لگا لیا اور زخم زید نے لگا دیا پھر شیر نے پھاڑ ڈالا اور سانپ نے بھی ڈس لیا تو زید پر ثلث دیت کا تاوان ہوگا کیونکہ شیر اور سانپ کا فعل جنس واحد ہے کہ نہ اس پر دنیا میں کچھ واجب ہے نہ آخرت میں اور زید کا فعل دونوں جہاں میں معتبر ہے اور خود عمرو کا فعل دنیا کے لحاظ سے باطل ہے اور آخرت کے اعتبار سے بالاتفاق گنہگار ہے تو یہاں تین قسم کی جنایتیں جمع ہو گئیں جن میں سے ایک معتبر ہے اور دو غیر معتبر لہذا زید پر تہائی دیت واجب ہوگی امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر زید کا فعل عمداً ہو تو اس پر قصاص واجب ہوگا۔ امام احمد کا بھی ایک قول یہی ہے۔

قولہ ولا شئی علیہ الخ اگر کوئی شخص کسی پر رات میں یا دن میں شہر میں یا جنگل میں ہتھیار اٹھائے یا رات کو شہر میں یا دن کو جنگل میں لاٹھی اٹھائے اور جس پر اس نے ہتھیار اٹھایا ہے وہ اس کو مار ڈالے تو اس پر نہ قصاص ہے نہ دیت کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ "جو شخص بارادہ قتل کسی مسلمان کیطرف لوہے (ہتھیار) سے اشارہ کرے اس کا قتل واجب ہے۔ نیز آپ کا ارشاد ہے کہ "جو شخص ہم پر تلوار سونتے وہ ہم میں سے نہیں ہے"۔

وَإِنْ شَهَرَ عَلَيْهِ عَصًا نَهَارًا فِي مِصْرٍ فَقَتَلَهُ الْمَشْهُورُ عَلَيْهِ قُتِلَ بِهِ وَإِنْ شَهَرَ الْمَجْنُونُ عَلَى غَيْرِهِ سِلَاحاً

اور اگر اٹھائی اس پر لاٹھی دن کو شہر میں پس مشہور علیہ نے اس کو مار ڈالا تو اس کے عوض میں قتل کیا جائیگا اگر کھینچا دیوانے نے کسی پر ہتھیار

فَقَتَلَهُ الْمَشْهُورُ عَلَيْهِ عَمْدًا تَجِبُ الدِّيَةُ وَعَلَى هٰذَا الصَّبِيُّ وَالدَّابَّةُ وَلَوْ ضَرَبَهُ الشَّاهِرُ فَانْصَرَفَ فَقَتَلَهُ الْآخَرُ

پس مشہور علیہ نے اس کو قتل کر دیا تو دیت واجب ہوگی اسی حکم پر ہے بچہ اور چوپایہ اگر مارا کسی کو تلوار کھینچنے والے نے اور چلا گیا پھر قتل کر دیا اس کو دوسرے نے

قُتِلَ الْقَاتِلُ وَمَنْ دَخَلَ عَلَيْهِ غَيْرُهُ لَيْلاً فَأَخْرَجَ السَّرِقَةَ فَاتَّبَعَهُ فَقَتَلَهُ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ.

تو قاتل کو قتل کیا جائیگا جس کے یہاں آیا کوئی رات میں اور نکالا اس نے چوری کا مال پس مالک نے اس کا پیچھا کیا اور مار ڈالا تو اس پر کچھ نہیں۔

احمد، حاکم عن عائشۃ ۔۱۲ مسلم عن سلمہ بن الاکوع ۱۲

باقی احکام قصاص

تشریح الفقہ : **قولہ وان شھر المجنون الخ** دیوانے یا چھوٹے بچہ نے کسی پر ہتھیار سونتا اور مشہور علیہ نے اس کا مار ڈالا یا کسی جانور نے حملہ کیا اور اس نے جانور کو مار ڈالا تو طرفین کے نزدیک مارنیوالے کے مال میں دیت واجب ہوگی اور جانور کی قیمت کا تاوان دینا ہوگا' امام مالکؒ' امام شافعیؒ اور اکثر اہل علم کے نزدیک ان سب صورتوں میں کچھ واجب نہیں' امام ابو یوسف سے ایک روایت ہے کہ صرف جانور کی قیمت کا تاوان ہوگا یہ حضرات کہتے ہیں کہ مارنیوالے نے دفع شر کے واسطے مارا ہے اس لئے کچھ واجب نہ ہوگا۔ طرفین یہ فرماتے ہیں کہ صغیر ومجنون اور جانور کا فعل حرمت کیساتھ متصف نہیں تو بغاوت ثابت نہ ہوئی پس اختیار صحیح نہ ہونے کے سبب سے ان کے خون کی عصمت ساقط نہ ہوگی یہی وجہ ہے کہ اگر مجنون اور صغیر کسی کو قتل کردے تو قصاص نہیں ہوتا اسی طرح اگر جانور کسی کا نقصان کردے تو اس پر تاوان نہیں ہوتا پھر جب ان کا خون معصوم ہوا تو قصاص واجب ہونا چاہئے۔ مگر دفع شر نے خون مباح کر دیا اس لئے قصاص نہ ہوگا دیت ہوگی۔

قولہ ومن دخل الخ کسی کے گھر میں رات کے وقت کوئی اجنبی آیا اور اس نے گھر میں سے چوری کا مال نکالا۔ صاحب خانہ نے اس کا پیچھا کیا اور اس کو مار ڈالا تو اس پر کچھ نہیں نہ قصاص نہ دیت کیونکہ حدیث میں ہے کہ "ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر کوئی شخص میرے پاس آئے اور میرا مال لینا چاہے (تو میں کیا کروں) آپ نے فرمایا: اس کو نصیحت کرو۔ اس نے کہا: اگر وہ نہ مانے؟ فرمایا: حاکم سے مدد مانگ اس نے کہا: اگر حاکم مجھ سے دور ہو؟ فرمایا: آس پاس کے مسلمانوں سے مدد چاہ۔ اس نے کہا: اگر میرے پاس کوئی نہ ہو؟ فرمایا: اپنے مال کے لئے مقاتلہ کر یہاں تک کہ تو اپنا مال بچائے یا شہداء میں سے ہوجائے۔"

---

(۱) لا مکان دفعه بالغوث نهارًا ۱۲ .(۲) لان الشاهر لما انصرف بعدا لضرب عاد معصوماً وا ند فع شره فاذا قتله بعد ذلک فقد قتل شخصاً معصوماً فيجب عليه القصاص ۱۲ . عه......نسائی ' ابن راهویه' ابن قانع(فی معجم الصحابة) ابراهيم الحربی (فی غريب الحديث) عن ابی قابو س المخارق ' بخاری (فی تاريخه الوسط) مسلم عن ابی هريرة (بالفاظ) ۱۲

باب القصاص فیما دون النفس

باب جان کے علاوہ کے قصاص کے بیان میں

يُقْتَصُّ بِقَطْعِ الْيَدِ مِنَ الْمَفْصَلِ وَاِنْ كَانَ يَدُ الْقَاطِعِ اَكْبَرُ وَكَذَا الرِّجْلُ وَمَارِنُ الاَنْفِ وَالاُذُنُ وَالْعَيْنُ

قصاص لیا جائیگا ہاتھ کو پہنچے سے کاٹ دینے میں گو کاٹنے والے کا ہاتھ بڑا ہو اسی طرح پاؤں ہے اور نتھنا اور کان اور آنکھ

اِنْ ذَهَبَ ضَوْؤُهَا وَهِيَ قَائِمَةٌ وَلَوْ قَلَعَهَا لاَ وَالسِّنُّ وَاِنْ تَفَاوَتَا وَكُلُّ شَجَّةٍ يَتَحَقَّقُ فِيْهَا الْمُمَاثَلَةُ

اگر جاتا رہے اس کا نور اور آنکھ قائم رہے اور اگر آنکھ نکال لی تو نہیں اور دانت گو متفاوت ہوں اور ہر وہ زخم جس میں مماثلت ہو سکتی ہو

وَلاَ قِصَاصَ فِي عَظْمٍ وَطَرَفَيْ رَجُلٍ وَامْرَأَةٍ وحُرٍّ وَعَبْدٍ وَعَبْدَيْنِ وَطَرَفُ الْمُسْلِمِ وَالْكَافِرِ سِيَّانِ

اور نہیں ہے قصاص ہڈی میں اور مرد وعورت آزاد وغلام اور دو غلاموں کے ہاتھ پاؤں میں اور مسلم وکافر کے اعضاء یکساں ہیں

وَقَطْعُ يَدٍ مِنْ نِصْفِ السَّاعِدِ وَجَائِفَةٍ بَرَأَ مِنْهَا وَلِسَانٍ وَذَكَرٍ اِلاَّ اَنْ تُقْطَعَ الْحَشَفَةُ وَخُيِّرَ

اور ہاتھ کاٹنے میں آدھے پہنچے سے اور پیٹ کے زخم میں جس سے اچھا ہو گیا ہو اور زبان اور عضو مخصوص میں الا یہ کہ کاٹ دی ہوسپاری اور اختیار

بَيْنَ الْقَوَدِ وَالاَرْشِ اِنْ كَانَ الْقَاطِعُ اَشَلَّ اَوْ نَاقِصَ الاَصَابِعِ اَوْ كَانَ رَاْسُ الشَّاجِّ اَكْبَرَ.

دیا جائیگا قصاص اور دیت میں اگر ہو کاٹنے والے کا ہاتھ سوکھا ہوا یا اسکی انگلیاں ناقص ہوں یا زخم لگانے والے کا سر بڑا ہو

تشریح الفقہ : **قولہ باب الخ** قصاص نفس کے احکام سے فراغت کے بعد قصاص مادون النفس (ہاتھ پاؤں کان ناک وغیرہ) کے احکام بیان کر رہا ہے کیونکہ جز حکم میں کل تابع ہوتا ہے قصاص مادون النفس کتاب وسنت اور اجماع سب سے ثابت ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "والجروح قصاص "ای ذو قصاص' وقال تعالیٰ والسن بالسن" حدیث میں ہے کہ ایک عورت نے جاریہ انصاریہ کا دانت توڑا تو آنحضرت ﷺ نے قصاص کا حکم فرمایا۔

قولہ یقتص الخ قصاص اطراف کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جہاں اعضا ظالم ومظلوم کے نقصان کی برابری ممکن ہو وہاں قصاص لیا جائے گا اور جہاں حفظ مماثلت ممکن نہیں وہاں قصاص نہ ہوگا تو اگر کسی نے دوسرے کا ہاتھ عمداً کہنی کے جوڑ سے کاٹ دیا تو کاٹنے والے کا ہاتھ بھی وہیں سے کاٹا جائے گا گو قاطع کا ہاتھ مقطوع کے ہاتھ سے بڑا ہو یعنی قصاص میں چھوٹے بڑے کا اعتبار نہیں۔ کیونکہ منفعت میں دونوں عضو یکساں ہیں اور اگر دوسرے کا نرمہ بینی یا پاؤں یا کان جوڑ سے کاٹ دیا تو اس کا بھی کاٹا جائے گا اسی طرح اگر دوسرے کی آنکھ پر مارا جس سے اس کی روشنی جاتی رہی لیکن آنکھ بیٹھی نہیں قائم ہے تو اس میں بھی قصاص ہوگا کیونکہ رعایت مماثلت ممکن ہے جس کی صورت یہ ہے کہ ضارب کے منہ پر بھیگی ہوئی روئی رکھ کر اس کی آنکھ کے مقابل گرم آئینہ رکھا جائے یہاں تک کہ اس کی روشنی زائل ہو جائے یہ حکم خلافت عثمانی میں علی مرتضیٰ کی تجویز سے بحضور صحابہ کرام ہوا تھا ہاں اگر آنکھ گوشہ چشم سے نکال ڈالی تو اس میں قصاص نہ ہوگا۔ کیونکہ اب رعایت مساوات متعذر رہے۔

---

(۱) لقول عمرؓ" انا لا نقید من العظام" ونحوہ عن الشعبی والحسن رواہ ابن ابی شیبہ ۱۲. (۲) ای لاقصاص عند نافی الطرف بین رجل وامرأۃ اہ خلافاً للثلاثۃ وابن ابی لیلیٰ فی جمیع ذلک الا فی الحر ۱۲. (۳) لعدم امکان المماثلۃ ۱۲. (۴) وعن ابی یوسف انہ اذاقطع من اصلہ یجب لانہ یمکن اعتبار المساواۃ ولنا انہ ینقبض وینبسط فلا یمکن اعتبار المساواۃ ۱۲.

قولہ وخیر الخ اگر قاطع ید لنجا ہو یا ناقص الاطراف ہو یا سرزخمی کرنے والے کا سرمشجوج کے سر سے بڑا ہو تو مشجوج کو اختیار ہے چاہے قصاص لے چاہے دیت اس واسطے کہ ان صورتوں میں استیفاء حق علی وجہ الکمال متعذر ہے حموی نے ولوالجی سے نقل کیا ہے کہ یہ اس وقت ہے جب قاطع ید بوقت قطع لنجا ہوا اور اگر بوقت قطع اس کا ہاتھ صحیح سالم ہوا اور قطع کے بعد لنجا ہو جائے تو مقطوع الید قصاص لے گا نہ کہ دیت، شیخ برہان الدین نے ذکر کیا ہے کہ اختیار مذکور اس وقت ہے جب لنجے ہاتھ سے نفع حاصل ہوتا ہو، اگر اس سے فائدہ حاصل نہ ہوتا ہو تو وہ محل قصاص نہیں لہذا مقطوع کے لئے بلا اختیار قصاص پوری دیت متعین ہوگی فتوی اسی پر ہے۔ **کذا فی المجتبی۔**

فَصْلٌ: وَاِنْ صُوْلِحَ عَلٰی مَالٍ وَجَبَ حَالًّا وَسَقَطَ الْقَوَدُ وَيُنَصَّفُ اِنْ اَمَرَ الْحُرُّ الْقَاتِلُ

(فصل) اگر صلح کر لی گئی مال پر تو واجب ہوگا مال اسی وقت اور ساقط ہو جائیگا قصاص اور آدھا آدھا لیا جائیگا اگر حکم کیا ہو آزاد قاتل

وَسَيِّدُ الْقَاتِلِ رَجُلًا بِالصُّلْحِ عَنْ دَمِهِمَا عَلٰی اَلْفٍ فَفَعَلَ

اور قاتل غلام کے مالک نے کسی کو صلح کرنے کا ان کے خون کی طرف سے ہزار پر اور اس نے صلح کرا دی ہو

فَاِنْ صَالَحَ اَحَدُ الْاَوْلِيَاءِ مِنْ حَظِّهٖ عَلٰی عِوَضٍ اَوْ عَفٰی فَلِمَنْ بَقِيَ حَظُّهٗ مِنَ الدِّيَةِ

اگر صلح کر لے کوئی وارث اپنے حصہ کی طرف سے مال پر یا اپنا حق معاف کر دے تو باقی ماندگان کو حصہ دیت ہی سے ملیگا۔

موجب قتل کی طرف سے صلح کر لینے کا بیان

تشریح الفقہ: **قولہ وینصف الخ** آزاد قاتل نے اور قاتل غلام کے آقا نے ایک شخص کو ہزار درہم پر اس خون کے بدلے میں صلح کرنے کا حکم کیا جس میں آزاد اور غلام دونوں شریک تھے شخص مامور نے دونوں کے مشترک خون سے ہزار درہم پر صلح کر لی تو ہزار درہم آزاد قاتل پر اور قاتل غلام کے آقا پر نصفا نصف ہوں گے اس واسطے کہ یہ ہزار درہم قصاص کا عوض ہے۔ اور قصاص دونوں پر واجب تھا تو قصاص کا بدل بھی دونوں پر برابر ہوگا۔

قولہ فان صالح الخ زید نے عمرو کو قتل کیا اور عمرو کے چند ورثہ ہیں جن میں سے بعض نے قصاص معاف کر دیا یا اپنے حصہ کی جانب سے کچھ مال پر صلح کر لی تو سب کا حق قصاص ساقط ہو جائے گا اور باقی ورثہ کا حق مال دیت کی طرف منتقل ہو جائے گا۔ اور اب جن ورثہ نے نہ قصاص معاف کیا اور نہ صلح کی وہ اپنا حصہ دیت سے پائے گے۔

وَيُقْتَلُ الْجَمْعُ بِالْفَرْدِ وَالْفَرْدُ بِالْجَمْعِ اِكْتِفَاءً فَاِنْ حَضَرَ وَاحِدٌ قُتِلَ لَهٗ

اور قتل کیجائیگی جماعت ایک کے بدلے اور ایک جماعت کے بدلے اکتفاء پس اگر آ وے ایک مقتول کے وارث تو قتل کیا جائیگا اس کے لئے

وَسَقَطَ حَقُّ الْبَاقِيْنَ كَمَوْتِ الْقَاتِلِ وَلَا يُقْطَعُ يَدُ رَجُلَيْنِ بِيَدٍ وَاحِدٍ وَضَمِنَا دِيَتَهَا

اور ساقط ہو جائیگا باقی ورثہ کا حق قاتل کے مر جانے کی طرح اور نہیں کاٹا جائیگا دو کا ہاتھ ایک کے ہاتھ کے بدلے بلکہ دونوں ہاتھ کی دیت کا تاوان

عبدالرزاق عن حکم بن عیینہ ۱۲

وَاِنْ قَطَعَ وَاحِدٌ يَمِيْنَيْ رَجُلَيْنِ فَلَهُمَا قَطْعُ يَمِيْنِهٖ وَنِصْفُ الدِّيَةِ فَاِنْ حَضَرَ وَاحِدٌ

دیکھئے اگر کسی نے دو آدمیوں کے داہنے ہاتھ کاٹ دیئے تو ان کے لئے اس کا ہاتھ کاٹنا اور آدھی دیت لینا ہے پس اگر ایک کی موجودگی میں

وَقُطِعَ يَدُهٗ فَلِلْاٰخَرِ عَلَيْهِ نِصْفُ الدِّيَةِ وَاِنْ اَقَرَّ عَبْدٌ بِقَتْلِ عَمَدٍ يُقْتَصُّ بِهٖ وَاِنْ رَمٰى رَجُلاً عَمَدًا

اس کا ہاتھ کاٹا گیا تو دوسرے کیلئے آدھی دیت ہے اگر اقرار کرلیا غلام نے قتل عمد کا تو قصاص لیا جائے گا اگر تیر مارا کسی کو قصدا

فَنَفَذَ السَّهْمُ مِنْهُ اِلَى اٰخَرَ يُقْتَصُّ لِلْاَوَّلِ وَلِلثَّانِيْ الدِّيَةُ.

اور تیر پار ہوکر دوسرے کے لگ گیا تو اول کے لئے قصاص لیاجائے گا اور ثانی کے لئے دیت۔

تشریح الفقہ: **قولہ ویقتل الخ** اگر کسی ایک شخص کو پوری جماعت نے مل کر قتل کیا اور ہر ایک نے مہلک زخم لگایا تو اس کے بدلہ میں پوری جماعت کو قتل کیا جائے گا ائمہ ثلاثہ اور اکثر اہل علم صحابہ کا یہی قول ہے ابن الزبیر اور زہری وغیرہ فرماتے ہیں کہ جماعت کو قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ سب پر دیت واجب ہوگی کیونکہ آیت ''النفس بالنفس'' کا مفہوم یہی ہے کہ ایک کے بدلہ میں ایک سے زائد کو قتل نہ کیا جائے نیز قصاص میں مساوات ضروری ہے اور ایک اور دس میں کوئی مساوات نہیں ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے ایک کے بدلہ میں پانچ یا سات آدمیوں کو قتل کیا اور فرمایا کہ اگر اہل صنعاء اس کے قتل پر متفق ہوتے اور مدد کرتے تو میں سب کو قتل کرتا۔

قولہ والفرد الخ اگر ایک شخص نے جماعت کو قتل کرڈالا تو پوری جماعت کے بدلہ میں اس کو قتل کیا جائے گا کیونکہ اس ایک کے قتل میں سب کی طرف سے کفایت ہوجاتی ہے امام شافعی فرماتے ہیں کہ قاتل جماعت اول مقتول کیلئے ہوگا اور باقیوں کے لئے مال واجب ہوگا اور اگر اول معلوم نہ ہو تو سب کیلئے قتل ہوگا اور دیات ان کے درمیان تقسیم ہوں گی پھر اگر مقتولین میں سے کسی ایک مقتول کے اولیاء حاضر ہوئے تو قاتل ان کیلئے قتل کیا جائے گا اور باقی مقتولین کے اولیاء کا حق قصاص ساقط ہوجائے گا جیسے قاتل کے اپنی موت مرجانے سے قصاص ساقط ہوجاتا ہے۔

قولہ ولا یقطع الخ دو آدمیوں نے ایک شخص کا ہاتھ کاٹ دیا بایں طور کہ دونوں نے چھری پکڑ کر اس کے ہاتھ پر چلائی اور اس کا ہاتھ کٹ گیا تو ہمارے نزدیک ان میں سے کسی پر بھی قصاص نہ ہوگا البتہ دونوں پر ہاتھ کی دیت کا تاوان ہوگا امام ثوری وزہری اور حسن وغیرہ بھی یہی فرماتے ہیں ائمہ ثلاثہ اسحاق وابوثور کے نزدیک دونوں کے ہاتھ کاٹے جائیں گے یہ حضرات اس کو قتل نفس پر قیاس کرتے ہیں کہ اگر ایک شخص کو چند آدمی قتل کردیں تو سب کو قتل کیا جاتا ہے پس اسطرح یہاں بھی دونوں سے قصاص لیا جائیگا ہم یہ کہتے ہیں کہ یہاں انمیں سے ہر ایک قاطع ہے کیونکہ قطع ید کا وقوع دونوں کی قوت سے ہوا ہے اور محل یعنی ہاتھ قسمت پذیر ہے، تو ہر ایک کی طرف بعض قطع مضاف ہوگا پس ایک ہاتھ اور دو ہاتھوں کے قطع میں مساوات نہیں ہوسکتی بخلاف قتل نفس کے کہ وہ ہر ایک کی طرف بطریق کمال مضاف ہے۔

فَصْلٌ: وَمَنْ قَطَعَ يَدَ رَجُلٍ ثُمَّ قَتَلَهٗ اَخَذَ بِالْاَمْرَيْنِ وَلَوْ عَمَدَيْنِ اَوْ خَطَائَيْنِ اَوْ مُخْتَلِفَيْنِ يَتَخَلَّلُ بَيْنَهُمَا بُرْءٌ

(فصل) کسی نے ایک کا ہاتھ کاٹا پھر اس کو مارڈالا، تو اس سے دونوں قصوروں کا مواخذہ ہوگا دانستہ ہوں یا خطاء ہوں یا مختلف ہوں ان کے درمیان

اَوْ لَا اِلَّا فِيْ خَطَائَيْنِ لَمْ يَتَخَلَّلْ بَيْنَهُمَا بُرْءٌ فَتَجِبُ دِيَةٌ وَاحِدَةٌ كَمَنْ ضَرَبَهٗ مِائَةَ سَوْطٍ

تندرستی ہوگئی ہو یا نہ ہوئی ہو مگر ان دو خطاؤں میں جنکے درمیان تندرستی نہ ہوئی ہو کہ اس میں ایک ہی دیت واجب ہوتی ہے جیسے کوئی کسی کے سو کوڑے

... مالک، محمد، ... شافعی، ابن ابی شیبہ، دارقطنی، عبدالرزاق ۱۲

فَبَرءَ مِنْ تِسْعِيْنَ وَمَاتَ مِنْ عَشَرَةٍ وَإِنْ عَفَى الْمَقْطُوْعُ عَنِ الْقَطْعِ فَمَاتَ ضَمِنَ الْقَاطِعُ الدِّيَةَ

مارے اور وہ نوے سے چنگا ہوجائے اور دس سے مرجائے اگر مقطوع نے فعل قطع معاف کردیا پھر مرگیا تو ضامن ہوگا قاطع دیت کا

وَلَوْ عَفَى عَنِ الْقَطْعِ وَمَا يَحْدُثُ عَنْهُ اَوْ عَنِ الْجِنَايَةِ لاَ فَالْخَطَاءُ مِنَ الثُّلُثِ وَالْعَمَدُ مِنْ كُلِّ الْمَالِ

اور اگر معاف کیا فعل قطع اور جو اس سے پیدا ہو یا تقصیر معاف کی تو نہیں پس خطاء کی صورت میں دیت ثلث سے معاف ہوگی اور عمد کی صورت میں کل

وَإِنْ قَطَعَتْ اِمْرَاَةٌ يَدَ رَجُلٍ عَمَدًا فَتَزَوَّجَهَا عَلَى يَدِهِ ثُمَّ مَاتَ فَلَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا وَالدِّيَةُ فِي مَالِهَا

مال سے اگر کاٹ دیا عورت نے مرد کا عورت عمداً مرد نے اس سے نکاح کرلیا اپنے ہاتھ پر پھر مرگیا تو عورت کو مہر مثل ملے گا اور دیت اسی کے مال

وَعَلَى عَاقِلَتِهَا لَوْ خَطَاءً وَإِنْ تَزَوَّجَهَا عَلَى الْيَدِ وَمَا يَحْدُثُ مِنْهَا اَوْ عَلَى الْجِنَايَةِ فَمَاتَ مِنْهُ فَلَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا

سے دیجا ئیگی اور دیت اسکی قوم پر ہوگی اگر خطاء کاٹا ہو اور اگر نکاح کیا ہو ہاتھ پر اور اس پر جو اس سے پیدا ہو یا تقصیر پر پھر وہ مرجائے تو عورت کو مہر

وَلاَ شَيْءَ عَلَيْهَا لَوْ عَمَدًا وَلَوْ خَطَاءً رُفِعَ عَنِ الْعَاقِلَةِ مَهْرُ مِثْلِهَا وَلَهُمْ ثُلُثُ مَاتَرَكَ وَصِيَّةً وَلَوْ قَطَعَ يَدَهُ

مثل ملیگا اور اس پر کچھ نہ ہوگا اگر عمداً ہو اور اگر خطاء ہو تو رفع ہو جائیگا عاقلہ سے اسکا مہر مثل اور ان کے لیئے میت کے ترکہ کا ثلث ہوگا بطور وصیت اگر کسی کا

فَاقْتُصَّ لَهُ فَمَاتَ الْاَوَّلُ قُتِلَ بِهِ وَإِنْ قَطَعَ يَدَالْقَاتِلِ وَعَفَى ضَمِنَ الْقَاطِعُ دِيَةَ الْيَدِ

ہاتھ کاٹا اور اس سے قصاص لے لیا گیا پھر اول مرگیا تو قاطع کو قتل کیا جائیگا اگر قاتل کا ہاتھ کاٹ ڈالا اور خون معاف کردیا تو قاطع ہاتھ کی دیت کا ضامن ہوگا

تعدد جنایات کا بیان

تشریح الفقہ: قولہ ومن قطع الخ ایک شخص نے اولاً کسی کا ہاتھ کاٹا پھر اسکو مار ڈالا تو اس سے دونوں فعلوں کا بدلہ لیا جائیگا دونوں فعل عمداً ہوں یا خطاً یا ایک عمداً ہو اور ایک خطاً، نیز دونوں فعلوں میں صحت واقع ہوگئی ہو یا نہ ہوئی ہو بہر کیف ان سب صورتوں میں بلا تداخل دونوں فعلوں کا مواخذہ ہوگا بجز ان دو خطاؤں کے جن کے درمیان صحت واقع نہ ہوئی ہو کہ وہ دونوں فعل متداخل ہو جائیں گے اور دونوں میں ایک ہی دیت واجب ہوگی جیسے کوئی کسی کو سو کوڑے مارے اور وہ نوے کوڑوں سے چنگا ہو جائے یعنی انکے زخم بھر جائیں اور نشانات مٹ جائیں اور دس کوڑوں کے صدمے سے مرجائے تو اس میں امام صاحب کے نزدیک ایک دیت واجب ہوتی ہے امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ اس صورت میں عادل شخص کا فیصلہ معتبر ہوگا اور امام محمد کے نزدیک طبیب کی اجرت اور دواؤں کی قیمت واجب ہوگی۔

قولہ وان عفی الخ زید کا عمرو نے عمداً ہاتھ کاٹ دیا اور زید نے فعل قطع کو معاف کردیا پھر زید قطع ید کے صدمے سے مرگیا تو امام صاحب کے نزدیک عمرو اپنے مال سے اسکی دیت کا ضمان دیگا صاحبین کے نزدیک عمرو پر ضمان نہ ہوگا کیونکہ فعل قطع کو معاف کرنا گویا نفس کو معاف کرنا ہے امام صاحب فرماتے ہیں کہ زید نے فعل قطع معاف کیا ہے اور قطع و قتل میں مغایرت ہے پس جب اسکی جان تک سرایت کر گیا تو معلوم ہوگیا کہ عمرو کا وہ فعل قتل تھا نہ کہ قطع تو یہاں ضمان قتل واجب ہونا چاہئے لیکن صورت عفو نے شبہ پیدا کردیا اس لئے استحساناً دیت واجب ہوگی اور فعل قطع اور جو اس سے پیدا ہو اسکو یا جنایت کو معاف کردیا تو بالاتفاق عمرو پر ضمان نہ ہوگا کیونکہ اس صورت میں اس امر کی صراحت ہے کہ اس نے نفس کو بھی معاف کردیا۔

قولہ فالخطاء الخ اگر ایک عورت نے ایک شخص کا ہاتھ کاٹ دیا اور اس نے اپنے ہاتھ کی دیت کے بدلہ میں اس سے نکاح کرلیا پھر سرایت قطع کی وجہ سے اس کا انتقال ہوگیا تو امام صاحب کے نزدیک اس عورت کا مہر مثل واجب ہے۔ اور ہاتھ کی دیت عورت کے مال

میں واجب ہے۔اگر اس نے عمداً کاٹا ہو تو وجہ یہ ہے کہ یہاں نکاح قصاص طرف پر ہوا ہے جو مال نہ ہونے کی وجہ سے مہر ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا تو ہاتھ کی دیت مہر ٹھہری کیونکہ عورت اور مرد کے اطراف میں قصاص نہیں ہوتا۔ پھر جب وہ شخص قطع ید کے صدمہ سے مرگیا تو یہ بات ظاہر ہوگئی کہ ہاتھ کی دیت واجب نہیں تھی۔ لہٰذا مہر مثل واجب ہوگا۔ اور عورت پر دیت اسلئے لازم آئی کہ عمد کی صورت میں ضمان فاعل پر ہوتا ہے نہ کہ عاقلہ پر ہاں اگر ہاتھ خطأً کاٹا ہو تو عاقلہ پر واجب ہوگی۔

قولہ و ان تزو جھا الخ اور اگر دست بریدہ شخص نے ہاتھ کاٹنے والی عورت سے قطع ید پر یا اس قتل پر نکاح کیا جو قطع ید سے پیدا ہو یا جنایت کے بدلے میں نکاح کیا پھر سرایت قطع ید کی وجہ سے مرگیا تو عورت کا مہر مثل واجب ہوگا۔ اور عورت پر کچھ نہ واجب ہوگا اگر اس نے عمداً کاٹا ہو کیونکہ جب اس نے قصاص کو مہر قرار دیا ہے جو اس کی صلاحیت نہیں رکھتا تو قصاص اصل سے ساقط ہوگیا اور اگر خطأً کاٹا ہو تو عورت کے عاقلہ سے اس کا مہر مثل مرتفع ہو جائے گا۔ اور باقی دیت عاقلہ کے لئے وصیت ہوگی۔ اسواسطے کہ جنایت خطأ میں نکاح دیت پر ٹھہرا اور دیت میں مہر ہونے کی صلاحیت ہے تو اگر مہر مثل دیت کے برابر ہو اور دیت کے علاوہ مقتول کا کوئی مال نہ ہو تو عورت کے عاقلہ پر کچھ واجب نہ ہوگا۔ کیونکہ نکاح کرنا حوائج اصلیہ میں سے ہے۔ اس لئے جمیع مال سے معتبر ہوگا۔ اور اگر مہر مثل دیت سے زیادہ ہوگا تو زائد مقدار واجب نہ ہوگی۔ کیونکہ عورت مہر مثل سے کم پر راضی ہوچکی اور اگر مہر مثل دیت سے زیادہ ہو تو زائد مقدار عاقلہ کے لئے وصیت ہوگی اور یہ درست بھی ہوگی کیونکہ وہ لوگ قاتل نہیں ہیں۔

قولہ ولو قطع یدہ الخ کسی نے ایک شخص کا ہاتھ کاٹ دیا اس سے اس کا بدلہ لے لیا گیا پھر مقطوع اول مقطوع ثانی سے پہلے مرگیا تو مقطوع ثانی کو مقطوع اول کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا۔ کیونکہ سرایت قطع کی وجہ سے یہ ظاہر ہوگیا کہ جنایت قتل عمد کی تھی اور مقتص لہ کا حق قصاص نفس تھا۔ **واستیفاء القطع لایوجب سقوط حقه فی القتل۔**

---

(۱)...... لان الثابت بالبینة کا لثابت معاینة وفی ذلک القصاص ولا یحتاج الشاهدان یقول مات من جراحته ۱۲۔

(۲)...... ای استحساناً والقیاس بطلان هذه الشهادة لان القتل یختلف باختلاف الآلة فجهل المشهود به وجه الاستحسان انهم شهدوا بقتل مطلق والمطلق لیس بمجمل فیجب اقل موجبه وهو الدیة ۱۲۔ کشف۔

باب الشهادة فی القتل

باب قتل کے متعلق گواہی دینے کے بیان میں

وَلاَ يُقِيدُ حَاضِرٌ بِحُجَّتِهِ اِذَا اَخُوهُ غَابَ عَنْ خُصُومَتِهِ فَاِنْ يَعُدْ لاَبُدَّ مِنْ اِعَادَتِهِ لِيَقْتُلاَ

قصاص نہیں لے سکتا حاضر اپنی حجت پر جبکہ اس کا بھائی غائب ہو خصومت سے پھر جب وہ لوٹے تو ضروری ہے بینہ کا اعادہ تاکہ وہ دونوں قصاص لیں

وَلَوْ خَطَاءً اَوْ دَيْنًا لاَ فَاِنْ اَثْبَتَ الْقَاتِلُ عَفْوَ الْغَائِبِ لَمْ يُقْتَلْ وَكَذَا لَوْ قُتِلَ عَبْدُهُمَا وَاَحَدُهُمَا

اور خطاء یا قرض کا دعوی ہو تو نہیں پھر اگر ثابت کیا قاتل نے غائب کا معاف کرنا تو قتل نہیں کیا جائیگا اسی طرح اگر مارا جائے انکا غلام اور ایک ان میں سے

غَائِبٌ وَاِنْ شَهِدَ وَلِيَّانِ لِعَفْوِ ثَالِثِهِمَا لَغَتْ فَاِنْ صَدَّقَهُمَا الْقَاتِلُ فَالدِّيَةُ لَهُمْ اَثْلاَثًا

غائب ہو اگر گواہی دی دو ولیوں نے تیسرے کے معاف کرنیکی تو لغو ہوگی پھر اگر سچا کہا ان کو قاتل نے تو دیت ان کے لئے تہائی تہائی ہوگی

وَاِنْ كَذَّبَهُمَا فَلاَ شَيْءَ لَهُمَا وَلِلاٰخَرِ ثُلُثُ الدِّيَةِ وَاِنْ شَهِدَا اَنَّهُ ضَرَبَهُ فَلَمْ يَزَلْ صَاحِبَ فِرَاشٍ

اور اگر ان کو جھوٹا بتایا تو ان کے لئے کچھ نہ ہوگا اور تیسرے کیلئے تہائی دیت ہوگی اگر دو نے گواہی دی کہ اس نے پیٹا تھا اس کو پس وہ صاحب فراش رہا

حَتّٰى مَاتَ يُقْتَصُّ وَاِنْ اِخْتَلَفَ شَاهِدَا الْقَتْلِ فِي الزَّمَانِ اَوِ الْمَكَانِ اَوْ فِيمَا بِهِ الْقَتْلُ اَوْ قَالَ اَحَدُهُمَا اِنَّهُ

یہاں تک کہ مر گیا تو قصاص لیا جائیگا اگر اختلاف کیا قتل کے دو گواہوں نے وقت میں یا جگہ میں یا آلہ قتل میں یا کہا ان میں سے ایک نے کہ

قَتَلَهُ بِعَصًا وَقَالَ الاٰخَرُ لَمْ اَدْرِ بِمَا ذَا قَتَلَهُ بَطَلَتْ وَاِنْ شَهِدَا اَنَّهُ قَتَلَهُ

قتل کیا ہے لاٹھی سے اور کہا دوسرے نے کہ مجھے معلوم نہیں کس چیز سے مارا ہے تو گواہی باطل ہوگی اگر دو نے گواہی دی کہ اس کو فلاں نے مارا ہے

وَقَالاَ لَمْ نَدْرِ بِمَاذَا قَتَلَهُ تَجِبُ الدِّيَةُ وَاِنْ اَقَرَّا اَنَّ كُلاًّ مِنْهُمَا قَتَلَهُ وَقَالَ الْوَلِيُّ قَتَلْتُمَاهُ

اور ہم نہیں جانتے کس چیز سے مارا ہے تو واجب ہوگی دیت اگر دو نے اقرار کیا کہ ہم میں سے ہر ایک نے قتل کیا ہے ولی نے کہا کہ تم دونوں نے

جَمِيعًا فَلَهُ قَتْلُهُمَا وَلَوْ كَانَ مَكَانَ الاِقْرَارِ شَهَادَةٌ لَغَتْ

ملکر قتل کیا ہے تو وہ ان دونوں کو قتل کرسکتا ہے اور اگر ہو اقرار کی جگہ گواہی تو لغو ہوگی۔

تشریح الفقہ: بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ تحقق قتل کے بعد بھی اس کا انکار کر دیا جاتا ہے اور ولی قصاص کو بینہ اور شہادت کے ذریعہ سے ثابت کرنے کی احتیاج ہوتی ہے۔ اس لئے یہاں شہادت فی القتل کو بیان کر رہا ہے۔ اور یہ چونکہ قتل ہی سے متعلق ہے اس لئے حکم قتل سے بعد لا رہا ہے لانہ لما تعلق بہ صار کالتابع لہ۔

قولہ ولا یقید الخ یہاں سے ''من اعادتہ'' تک پورا شعر اور ایک مصرعہ ہے جو مصنف نے برائے نشاط طبع و بغرض اختصار ذکر کر دیا ہے۔ یہاں جو مسئلہ مذکور ہے وہ دو اصولوں پر مبنی ہے پہلا صاحبین اور امام شافعی کے یہاں ورثہ کیلئے قصاص کا ثبوت بطریق وراثت ہوتا ہے یعنی ملک پہلے مورث کیلئے ثابت ہوتی ہے پھر مورث سے ورثہ کی طرف منتقل ہوتی ہے۔ امام صاحب کے یہاں اس کا ثبوت بطریق خلافت ہوتا ہے نہ کہ بطریق وراثت اس واسطے کہ مشروعیت قصاص تشفی صدر و مطالبہ خون کیلئے ہے اور میت اس کا اہل ہی نہیں جو وہ اس کا مالک ہو آیت ''فقد جعلنا لولیہ سلطانا'' کا مفہوم صریح بھی یہی ہے۔ کہ ثبوت قصاص بطریق خلافت ہے نہ کہ بطریق وراثت اور

یہاں خلافت کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے کا فعل قائم کرنے میں قائم مقام ہے گویا حقیقی خلافت مراد نہیں بلکہ مجازی یعنی مقابلہ وراثت مراد ہے۔ (۲) ورثہ جس چیز کے وارث بطریق وراثت ہوں اس میں ایک وارث باقی وارثوں کی طرف سے مخاصم اور خصومت میں ان کا قائم مقام ہوتا ہے۔ اور جس چیز کے وارث بطریق وارثت نہ ہو تو اس میں ایک وارث باقی وارثوں کی طرف سے مخاصم نہیں ہوتا۔ تو اگر ایک وارث سے متروکہ مال میں سے کسی چیز کا دعوی کریں اور گواہ لے آئے تو سب وارثوں کا حق ثابت ہو جائے گا باقی وارثوں کو تجدید دعوی کی ضرورت نہیں۔ جب یہ اصول معلوم ہو گئے تو اب مسئلہ سمجھو۔ مسئلہ یہ ہے کہ دو بھائی ہیں ایک حاضر دوسرا غائب حاضر نے دوسرے بھائی کی غیبت میں اپنے باپ کے قتل عمد پر مبینہ قائم کیا اور قاتل سے قصاص لینا چاہا تو حکم یہ ہے کہ جب تک غائب بھائی نہ آ جائے اس وقت تک حاکم بالاجماع قصاص نہیں لے سکتا۔ امام صاحب کے نزدیک تو اس لئے کہ ان کے یہاں وارث کیلئے ثبوت قصاص بطریق خلافت ہے۔ پس ایک وارث باقی وارثوں کا قائم مقام نہیں ہو سکتا۔ اور صاحبین کے نزدیک اس لئے کہ غائب بھائی کے قصاص معاف کرنے کا احتمال ہے۔ پھر اگر غائب بھائی آ جائے تو امام صاحب کے نزدیک بینہ کا اعادہ ضروری ہے۔ صاحبین کے نزدیک ضروری نہیں وجہ وہی ہے جو ہم نے اوپر بیان کی کہ انکے نزدیک ملک ورثہ بطریق وراثت ہے اور امام صاحب کے نزدیک بطریق خلافت۔

قولہ ولو خطا الخ اور اگر مذکورہ بالا مسئلہ میں قتل خطا یا دین کا دعوی ہو تو بالاتفاق اعادہ بینہ کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ قتل خطا اور دین کا موجب مال ہے۔ اور مال میں ثبوت ملک بطریق وراثت ہوتا ہے تو ایک وارث باقی وارثوں کا قائم مقام ہو گیا۔ اور اگر قاتل وارث غائب کے معاف کر دینے پر گواہ لے آئے تو قصاص ساقط ہو جائے گا۔ اور وارث حاضر مخاصم ٹھہرے گا۔ کیونکہ درصورت عفو وارث حاضر کا حق قصاص سے ساقط ہو گیا اور قصاص منقلب بمال ہو گیا اور یہ بلا اثبات عفو غائب ممکن نہیں لہذا وارث حاضر وارث غائب کی طرف سے مخاصم ٹھہرا اور جب اس پر حکم ہو گیا تو تبعاً غائب پر بھی ہو گیا۔

قولہ وکذا لو قتل الخ اگر دو مالکوں کا غلام عمداً یا خطاءً قتل ہو اور مالکوں میں سے ایک حاضر ہو اور دوسرا غائب تو اس کا بھی یہی حکم ہے کہ اگر مالک حاضر بینہ قائم کرے تو بلا اعادہ مالک غائب مقبول نہ ہو گا۔ اور اگر قاتل مالک غائب کے معاف کر دینے پر گواہ لائے تو مالک حاضر مخاصم ٹھہرے گا اور قصاص ساقط ہو جائیگا۔

قولہ وان شهد الخ ایک مقتول کے تین وارث ہیں ان میں سے دو نے تیسرے کے متعلق گواہی دی کہ اس نے اپنا حق قصاص معاف کر دیا تو ان کی گواہی باطل ہو گی اور یہ خود ان ہی کی طرف سے عفو قصاص ہو گا کیونکہ وہ اس گواہی سے اپنے لئے نفع کی راہ نکال رہے ہیں۔ بایں معنی کہ وہ قصاص کا منقلب بمال ہونا ثابت کر رہے ہیں۔ تو ان کا زعم صرف انہیں کے حق میں معتبر ہو گا۔ پھر اگر قاتل ان دونوں کی تصدیق کرے اور تیسرا وارث تکذیب کرے تو دیت ان تینوں ورثہ کے درمیان بطریق اثلاث ہو گی کیونکہ ان دونوں کی تصدیق کرنا دیت کے دو ثلث کا اقرار کرنا ہے۔ تو اس کا اقرار صحیح ہے۔ مگر وہ مشہود علیہ کے حق کے سقوط کا مدعی ہے اور مشہود علیہ اس کا منکر ہے تو اس میں اس کی تصدیق نہ ہو گی اور اگر قاتل نے ان کی تکذیب کی اور تیسرے وارث نے بھی تکذیب کی تو ان دونوں وارثوں کو کچھ نہیں ملے گا۔ کیونکہ انہوں نے گواہی دے کر اپنے حق قصاص کے بطلان کا اقرار کر لیا ہاں تیسرا وارث تہائی دیت پائے گا۔

قولہ وان اختلف الخ دو گواہوں نے قتل کی گواہی دی اور زمان قتل یا مکان قتل یا آلہ قتل میں اختلاف کیا مثلاً ایک نے کہا شوال میں قتل کیا ہے دوسرے نے کہا کہ ذیقعدہ میں قتل کیا ہے یا ایک نے کوفہ کو مقتل قرار دیا اور دوسرے نے شام کو یا ایک نے کہا لاٹھی سے مارا اور دوسرے نے کہا مجھے معلوم نہیں کس ہتھیار سے مارا ہے تو ان سب صورتوں میں شہادت باطل ہے۔ اس واسطے کہ قتل دو مرتبہ نہیں ہو سکتا۔ پس قتل کوفہ اور قتل شام جدا جدا قتل ہوئے۔ اور ہر ایک قتل پر صرف ایک گواہ ہے۔

قولہ وان اقرار الخ دو آدمیوں میں سے ایک نے اقرار کیا کہ فلاں کو میں نے قتل کیا ہے۔ ولی مقتول کہتا ہے کہ تم دونوں نے ملکر قتل کیا ہے تو ولی دونوں کو قتل کر سکتا ہے اور اگر دو آدمی گواہی دیں کہ اس کو فلاں نے قتل کیا ہے اور دوسرے دو گواہی دیں کہ فلاں نے قتل کیا ہے اور ولی کہے

کہ ان دونوں نے قتل کیا ہے تو ولی کیلئے ان کا قتل جائز نہ ہوگا۔ وجہ فرق یہ ہے کہ شہود کے متعلق ولی کا یہ کہنا کہ ان دونوں نے قتل کیا ہے ایک قسم کی تکذیب ہے۔ جو فسق شہود کو مستلزم ہے کیونکہ انہوں نے مباشرت قتل بحالت انفراد کی گواہی دی ہے۔ اور ولی نے یہ کہہ کر کہ ان دونوں نے مشترکہ طور پر قتل کیا ہے ان کی تکذیب کردی۔ اور گواہوں کا فاسق ہونا مبطل شہادت ہے بخلاف اقرار کے کہ مقر کا فسق اس کے اقرار کو باطل نہیں کرتا۔

باب[1] فی اعتبار حالۃ القتل
باب قتل کی حالت کے معتبر ہونے میں

اَلْمُعْتَبَرُ حَالَةُ الرَّمِي فَتَجِبُ الدِّيَةُ بِرِدَّةِ الْمَرْمِيِّ اِلَيْهِ قَبْلَ الْوُصُوْلِ لَابِاِسْلَامِهٖ وَ الْقِيْمَةُ

معتبر تیر اندازی کا وقت ہے تو واجب ہوگی دیت مرمی الیہ کے مرتد ہونے سے تیر لگنے سے قبل نہ کہ اس کے مسلمان ہونے سے اور قیمت

بِعِتْقِهٖ وَلَا يَضْمَنُ الرَّامِيْ بِرُجُوْعِ شَاهِدِ الرَّجْمِ بَعْدَ الرَّمِي وَحَلَّ الصَّيْدُ بِرِدَّةِ الرَّامِي

غلام کے آزاد ہونے سے اور ضامن نہ ہوگا پتھر پھینکنے والا شاہد رجم کے پھر جانے سے رمی کے بعد اور حلال ہوگا شکار تیر انداز کے مرتد ہوجانے سے

لَا بِاِسْلَامِهٖ وَوَجَبَ الْجَزَاءُ بِحِلِّهٖ لَا بِاِحْرَامِهٖ.

نہ کہ اس کے مسلمان ہوجانے سے اور واجب ہوگی جزاء حلال ہوجانے سے نہ کہ احرام باندھ لینے سے

تشریح الفقہ: **قولہ المعتبر الخ** شکار کے حلال و حرام ہونے اور دیت وضمان کے واجب ہونے اور نہ ہونے کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ امام صاحب کے نزدیک تیر اندازی کی حالت کا اعتبار ہے نہ کہ تیر لگنے کی حالت کا تو اگر کسی مسلمان کے تیر مارا اور مسلمان تیر لگنے سے پہلے مرتد ہوگیا تو امام صاحب کے نزدیک تیر انداز پر دیت واجب ہوگی صاحبین اور بقول علامہ کاکی ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس پر کچھ واجب نہ ہوگا کیونکہ تلف کا حصول محل غیر معصوم میں ہوا ہے اور اتلاف غیر معصوم رائیگاں ہوتا ہے۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ ضمان کا لزوم فعل کے سبب سے ہوتا ہے کیونکہ انسان کے بس میں صرف اس کا فعل ہی ہے اور وہ یہاں تیر مارنا ہے۔ رہا تیر کا لگ جانا سو وہ اس کے بس کی بات نہیں پس تیر اندازی کی حالت ہی سے قاتل ٹھہرا لہٰذا دیت واجب ہوگی۔ چنانچہ اگر کوئی کافر کو تیر مارے اور وہ تیر لگنے سے پہلے اسلام لے آئے تو صاحبین کے نزدیک بھی تیر انداز پر دیت واجب نہیں۔ کیونکہ تیر اندازی کی حالت میں اس کا خون مباح تھا نہ کہ معصوم۔ معلوم ہوا کہ تیر اندازی کی حالت ہی کا اعتبار ہے۔ اسی پر دوسرے مسائل کی تفریعات کو قیاس کرلو۔

قولہ والقیمۃ الخ ایک شخص نے غلام کو تیر مارا اور وہ تیر لگنے سے پہلے آزاد ہوگیا تو تیر انداز پر غلام کی قیمت واجب ہوگی نہ کہ دیت کیونکہ وہ تیر اندازی کی حالت میں غلام تھا۔ امام محمد کے نزدیک مرمی وغیرہ مرمی ہونے کی قیمتوں پر جو مقدار زائد ہو وہ واجب ہوگی مثلاً تیر اندازی سے پہلے اس کی قیمت ایک ہزار تھی اور تیر اندازی کے بعد آٹھ سو رہ گئی تو تیر انداز پر دو سو روپیہ واجب ہوگا۔ امام زفر کے نزدیک پوری دیت واجب ہوگی۔ (**و الفرق فی المطولات**)۔

قولہ ولا یضمن الرامی الخ ایک شخص کے متعلق گواہوں نے زنا کی گواہی دی حاکم نے اس کی سنگساری کا فیصلہ کردیا اس پر کسی نے پتھر مارا اور پتھر لگنے سے پہلے شہود رجم میں سے کسی نے اپنی شہادت سے رجوع کرلیا تو پتھر مارنے والے پر ضمان نہ ہوگا کیونکہ وہ شخص اس وقت مباح الدم تھا۔

عہ... قال الکاکی فی معراج الدرایہ وقال الشافعی واحمد یجب علیہ فی المرتد والحربی اذا اصابھما الرمیۃ بعد اسلامھما الدیۃ ۱۲

(۱) لماکانت الا حوال صفات لذو یھا ذکر ھابعد ذکر نفس القتل وما یتعلق بہ ۱۲ عنایہ

کتاب الدیات

دِيَةُ شِبْهِ الْعَمَدِ مِائَةٌ مِنَ الابِلِ اَرْبَاعًا مِنْ بِنْتِ مَخَاضٍ اِلٰی جَذْعَةٍ وَلاَ تَغْلِيْظَ اِلَّا فِی الابِلِ

دیت شبہ عمد کی سو اونٹ ہیں بطریق ارباع یکسالہ سے چہار سالہ تک اور تغلیظ نہیں مگر اونٹ میں

تشریح الفقہ: انسان ایک دوسرے کی جان پر زیادتی نہ کر سکے اس کے لئے شریعت میں دو چیزیں مشروع ہیں دیت' قصاص' مصنف کتاب الجنایات میں قصاص کو ذکر کر چکا تو اب جنایات کے دوسرے موجب یعنی دیت کو ذکر کر رہا ہے۔

قولہ الدیات الخ دیات دیۃ کی جمع ہے اور تاء واؤ کے عوض میں ہے کیونکہ یہ ودی سے مشتق ہے اس کی ترکیب معنی جری وخروج پر دال ہے چنانچہ وادی کو وادی اس لئے کہتے ہیں کہ اس سے پانی جاری ہوتا ہے۔ لغت میں دیۃ مصدر ہے **یقال ودی القاتل المقتول۔** قاتل نے مقتول کے ولی کو اس کی جان کا بدل یعنی مال دیدیا۔ اصطلاح شرع میں دیت اس مال کا نام ہے جو جان کا بدلہ ہو یہ نہیں کہ دیت مصدر ہے بمعنی مفعول جیسا کہ زیلعی نے کہا ہے کیونکہ دیت منقولات شرعیہ میں سے ہے۔ یعنی فقہا کے نزدیک مال پر دیۃ کا اطلاق حقیقت عرفیہ ہے پھر لغت کی کتب متداولہ اور فقہی عام شروح سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ لفظ دیۃ اس مال کے ساتھ خاص ہے جو جان کا بدلہ ہو۔ چنانچہ قاموس میں ہے کہ دیت بالکسر حق مقتول کو کہتے ہیں اس کی جمع دیات ہے۔ صحاح میں ہے **ودیۃ القتل ادیہ دیتہ. اذا اعطیت دیۃ**۔ کافی میں ہے کہ دیت وہ مال ہے جو جان کا بدلہ ہو اور عرش اس مال کا نام ہے جو جان کے علاوہ (یعنی عضو آدمی) کا بدلہ ہو۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ دیۃ آدمی یا عضو آدمی کے عوض کا نام ہے۔ جیسا کہ علامہ عینی نے "تعلیل میں محقق سعد اللہ آفرندی نے حاشیہ عنایہ میں اور صاحب غایۃ البیان نے ذکر کیا ہے۔ اس واسطے کہ روایت **فی النفس الدیۃ فی اللسان الدیۃ وفی المارن الدیۃ**[ع] میں دیت کا اطلاق مادون النفس کے عوض پر موجود ہے۔

قولہ دیۃ شبہ الخ شیخین کے نزدیک شبہ عمد کی دیت سو اونٹنیاں ہیں۔ بطریق ارباع یعنی ۲۵ بنت مخاض (یکسالہ) ۲۵ بنت لبون (دو سالہ) ۲۵ حقے (سہ سالہ) ۲۵ جذعہ (چہار سالہ) امام محمد' امام شافعی اور ایک روایت میں امام احمد کے نزدیک بطریق اثلاث ہیں یعنی تیس حقے تیس جذعے چالیس ثنیے (چھ سالہ) جو حاملہ ہوں کیونکہ حدیث میں ہے کہ دیۃ خطا شبہ عمد سو اونٹ ہیں جن میں چالیس حاملہ ہوں۔ شیخین کی دلیل یہ حدیث ہے کہ شبہ عمد میں پچیس حقے پچیس جذعے پچیس بنت لبون پچیس بنت مخاض ہیں۔

وَالْخَطَاءُ مِائَةٌ مِنَ الابِلِ اَخْمَاسًا اِبْنُ مَخَاضٍ وَبِنْتُ مَخَاضٍ وَبِنْتُ لَبُوْنٍ وَحِقَّةٌ وَجِذْعَةٌ اَوْ اَلْفُ دِيْنَارٍ

اور دیت خطاء سو اونٹ ہیں پانچ طرح کے یعنی یکسالہ نر یکسالہ مادہ، اور دوسالہ مادہ اور سہ سالہ اور چار سالہ یا ہزار دینار

اَوْعَشْرَةُ الافِ دِرْهَمٍ وَكَفَّارَتُهُمَا مَاذُكِرَ فِی النَّصِّ وَلاَ يَجُوْزُ الاِطْعَامُ وَالْجَنِيْنُ وَيَجُوْزُ الرَّضِيْعُ لَوْاَحَد اَبَوَيْهِ

یا دس ہزار درہم ہیں، اور ان کا کفارہ وہ ہے جو مذکور ہے قرآن میں اور جائز نہیں کھانا کھلانا اور بچہ جو شکم مادر میں ہو اور جائز ہے دودھ پیتا بچہ اگر اس کے

مُسْلِمًا وَدِيَةُ الْمَرْاَةِ عَلَی النِّصْفِ مِنْ دِيَةِ الرَّجُلِ فِی النَّفْسِ وَفِيْمَا دُوْنَهَا وَدِيَةُ الْمُسْلِمِ وَالذِّمِّیِّ سَوَاءٌ.

ماں باپ میں سے کوئی مسلمان ہو اور عورت کی دیت آدھی ہے مرد کی دیت سے جان میں بھی اور اعضاء میں بھی اور مسلمان اور ذمی کی دیت برابر ہے۔

ابوداؤد' نسائی' ابن ماجہ عن عبداللہ بن عمرو ۱۲۔ للعہ ..... ابوداؤد عن علقمہ والاسود عن ابن مسعود ۱۲

دیت خطا وغیرہ کے احکام

تشریح الفقہ: **قولہ والخطاء الخ** احناف اور امام احمد کے یہاں قتل خطا کی دیت سو اونٹ ہیں۔ بطریق اخماس یعنی بیس حقے بیس جذعے بیس بنت مخاض بیس بنت لبون اور بیس بنی مخاض (یکسالہ اونٹ) امام مالک لیث اور ربیعہ کے یہاں یکسالہ بیس اونٹوں کی جگہ دو سالہ بیس اونٹ ہیں ان کی دلیل حضرت سہل بن ابی حثمہ کی روایت ہے اور ہماری دلیل حضرت عبداللہ بن مسعود کی۔

قولہ اذا لف دینا ر الخ اور سونے سے قتل خطا کی دیت (ایک ہزار دینار ہیں اور چاندی سے دس ہزار دراہم امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک چاندی سے بارہ ہزار درہم ہیں کیونکہ عہد نبوی میں ہے کہ بنو عدی کا ایک شخص مقتول ہوا تو آپ نے اس کی دیت بارہ ہزار درہم قرار دی ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر نے چاندی سے دس ہزار درہم مقرر فرمائے تھے جس کی تصریح بیہقی میں موجود ہے علاوہ ازیں عہد نبوی میں وزن خمسہ وزن ستہ وزن عشرہ مختلف اوزان رائج تھے پس اگر دیت مذکورہ کو وزن خمسہ پر محمول کرلیا جائے اور روایت عمر کو وزن ستہ پر تو دونوں میں کوئی تعارض نہیں رہتا۔

قولہ ودیت المسلم الخ ہمارے یہاں ذمی کی دیت برابر ہے امام شافعی کے یہاں یہودی اور نصرانی کی دیت چار ہزار درہم ہے اور آتش پرست کی آٹھ سو۔

امام مالک کے یہاں یہودی اور نصرانی کی دیت چھ ہزار درہم ہے ان کی دلیل یہ حدیث ہے "**عقل الکافر نصف عقل المؤمن**" اور امام مالک کے یہاں مسلم کی دیت بارہ ہزار درہم ہیں تو نصف چھ ہزار درہم ہیں امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ہر مسلمان پر جو اہل کتاب کو قتل کرکے چار ہزار درہم مقرر فرمائے ہیں۔ نیز ابن المسیب نے حضرت عمر سے روایت کی ہے کہ آپ نے یہودی اور نصرانی کے بارے میں چار ہزار کا اور مجوسی کے بارے میں آٹھ سو کا فیصلہ کیا ہماری دلیل یہ حدیث ہے "**دیۃ کل ذی عهد فی عهده الف دنار** نیز عہد نبوی میں اور عہد خلفاء اربعہ میں مسلم، یہودی، نصرانی سب کی دیت برابر تھی۔ حضرت ابن عباس، ابن عمر، اسامہ بن زید، حضرت علیؓ سے بھی اس قسم کی روایت ہے حضرت نبی، حکم، حماد نخعی، ابن عتبہ اسماعیل بن محمد صالح، عطاء مجاہد، علقمہ، ثوری، عثمان البتی، حسن بن حیی، ابن شہاب زہری سب اسی کے قائل ہیں۔

عه...... ائمه سته۱۲ .عه......سنن اربعه' ابن ابی شیبه ' احمد' ابن راهویه' دارقطنی بیهقی ۱۲ .للعه......سنن اربعه ' دارقطنی عن ابن عباس۱۲ . للعه...... سنن اربعه' احمد ' ابن راهویه' نجار عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده (والفظ للترمذی) طبرانی عن ابن عمر ۱۲ . صه...... عبدالرزاق۱۲ .صه......شافعی ' بیهقی ' عبدالرزاق' ابن ابی شیبه۱۲ . ابو داؤد' (فی المراسیل)۱۲ . ابن عدی (فی الکامل)۱۲ .(۱) وهو الاعتاق والصوم علی الترتیب متتابعاً۱۲ . زیلعی.(۲) وعند الشافعی فی قول واحمد فی روایته یجب ان لم یقدر علی الصیام۱۲ .(۳) لانه مسلم تبعاً والظاهر سلامة اطراف علی ماعلیه الـ ۱۲ .زیلعی(۴) رواه البیهقی عن علی موقوفاً وعن.

فَصلٌ: فِی النَّفسِ وَالْمَارِنِ وَاللِّسَانِ وَالذَّکَرِ وَالْحَشْفَةِ وَالْعَقْلِ وَالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ وَالشَّمِّ وَالذَّوْقِ وَاللِّحْيَةِ

(فصل) جان میں ناک میں زبان میں اور تناسل میں سپاری میں عقل وسمع اور بینائی میں اور سونگھنے اور چکھنے کی قوت میں ڈاڑھی میں

اِنْ لَمْ تَنْبُتْ وَشَعْرِ الرَّأْسِ وَالْعَيْنَيْنِ وَالْيَدَيْنِ وَالشَّفَتَيْنِ وَالْحَاجِبَيْنِ وَالرِّجْلَيْنِ وَالاُذُنَيْنِ وَالاُنْثَيَيْنِ وَثَدْيَيِ

اگر نہ جمے، سر کے بالوں میں آنکھوں، ہاتھوں، ہونٹوں میں اور بھوؤں، پاؤں، کانوں، خصیوں، اور عورت کی پستانوں میں دیت ہے

الْمَرْأَةِ اَلدِّيَةُ وَفِي كُلِّ وَاحِدٍ مِنْ هٰذِهِ الاَشْيَاءِ نِصْفُ الدِّيَةِ وَفِي اَشْفَارِ الْعَيْنَيْنِ دِيَةٌ وَفِي اَحَدِهِمَا رُبْعُهَا

اور ہرایک میں ان اعضاء سے آدھی دیت ہے اور آنکھوں کی پلکوں میں پوری دیت ہے اور ایک پلک میں چوتھائی

وَفِي كُلِّ اِصْبَعٍ مِنْ اَصَابِعِ الْيَدَيْنِ وَالرِّجْلَيْنِ عُشْرُهَا وَمَا فِيهَا مَفَاصِلُ فَفِي اَحَدِهَا ثُلُثُ دِيَةِ اِصْبَعٍ

اور ہرانگلی میں ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں میں سے دیت کا دسواں حصہ ہے اور جن میں کئی گرہیں ہیں ان سے ایک میں انگلی کی دیت کی تہائی ہے

وَنِصْفُهَا لَوْ فِيهَا مَفْصَلاَنِ وَفِي كُلِّ سِنٍّ خَمْسٌ مِنَ الاِبِلِ اَوْ خَمْسُمِائَةِ دِرْهَمٍ

اور آدھی ہے اگر اس میں دوگرہیں ہیں اور ہر دانت میں پانچ اونٹ ہیں یا پانچ سو درہم ہیں

وَكُلُّ عُضْوٍ ذَهَبَ نَفْعُهُ فَفِيهِ دِيَةٌ كَيَدٍ شَلَّتْ وَعَيْنٍ ذَهَبَ ضُوْءُ هَا.

اور ہر وہ عضو جس کا نفع جاتا رہے اس میں دیت ہے جیسے ہاتھ سوکھ جائے اور آنکھ کی بینائی باقی رہے۔

اطراف یعنی اعضاء کی دیت کے احکام

تشریح الفقہ: قوله والمارن الخ ناک اور زبان اور آلہ تناسل کاٹ ڈالنے میں پوری دیت ہے حدیث میں ہے "فی الانف اذا قطع مار نه الدية" نیز حدیث میں ہے "وفی اللسان الدية كاملة" عہ اسی طرح آلہ تناسل کے متعلق ہے فی الذکر الدیۃ اور قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جب اعضا کی جنس منفعت یا آدمی کا حسن جمال علی وجہ الکمال زائل ہوجائے تو پوری دیت واجب ہوگی۔

قوله اللحية الخ اگر کوئی کسی کی ڈاڑھی یا سر کے بال اکھاڑ ڈالے اور پھر بال نہ جمے تو پوری دیت واجب ہے امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک ایک عادل کا فیصلہ ہے کیونکہ چیزیں زائد از ضرورت ہیں یہی وجہ ہے کہ سر کے بال منڈوا دیئے جاتے ہیں اور بعض لوگ ڈاڑھی بھی رفع کروا دیتے ہیں پس یہ ایسے ہیں جیسے سینہ اور پنڈلی کے بال ہم یہ کہتے ہیں کہ ڈاڑھی اپنے وقت پر باعث حسن جمال ہے جس کے ازالہ سے حسن جاتا رہتا ہے اسی طرح سر کے بال ہیں چنانچہ جن کے سر پر خلقتاً بال نہیں ہوتے وہ بے تکلف اپنے سر کو چھپائے رہتے ہیں اس لئے ان کے ازالہ میں دیت واجب ہوگی۔

قوله وفی کل واحد الخ انسان کے جو اعضا مفرد ہیں جیسے ناک، زبان آلہ تناسل ان میں پوری دیت ہے اور جو دو دو ہیں جیسے آنکھ کان بھوں ہاتھ پاؤں پستان خصیہ تو دونوں کے قطع میں پوری دیت ہے اور ایک قطع میں آدھی اور جو چار ہیں جیسے پلک تو چاروں کے قطع میں پوری دیت ہے اور ایک کے قطع میں چوتھائی اور جو دس ہیں جیسے ہاتھ پاؤں کی انگلیاں تو دسوں کے قطع میں پوری دیت ہے اور ایک کے قطع میں دسواں حصہ۔

عہ...... عبدالرزاق، ابن ابی شیبہ ۱۲۔ عہ...... ابن ابی شیبہ، ابن عدی، بیہقی (بالفاظ) ۱۲۔ صہ...... ابن ابی شیبہ، ابن عدی، بیہقی، ابوداؤد (فی مراسیلہ) ۱۲۔

(۱) كذافي الكتاب عمرو بن حزم على عن النبي ﷺ ۱۲. (۲) وعند مالك والشافعي حكومت عدل وقدمر الكلام فيه في اللحية ۱۲.

فَصْلٌ: فِي الشَّجَاجِ : فِي الْمُوْضِحَةِ نِصْفُ عَشْرِ الدِّيَةِ وَفِي الْهَاشِمَةِ عُشْرُهَا وَفِي الْمُنَقِّلَةِ عَشْرٌ وَنِصْفُ

(فصل زخموں میں) ہڈی کھولدینے والے زخم میں دیت کا بیسواں حصہ ہے اور توڑ دینے والے میں دسواں حصہ ہے اور سرکا دینوالے میں دسواں اور

عَشْرٍ وَفِي الأمَّةِ اَوِ الْجَائِفَةِ ثُلُثُهَا فَاِنْ نَفَذَتِ الْجَائِفَةُ فَثُلُثَاهَا وَفِي الْحَارِصَةِ

بیسواں حصہ ہے اور بھیجے اور پیٹ تک پہنچنے والے میں تہائی دیت ہے اگر جائفہ آرپار ہوجائے تو دو تہائی دیت ہے اور جس میں کھال چھل جائے،

وَالدَّامِعَةِ وَالدَّامِيَةِ وَالْبَاضِعَةِ وَالْمُتَلاَحِمَةِ وَالسِّمْحَاقِ حُكُوْمَةُ عَدْلٍ وَلاَ قِصَاصَ فِي غَيْرِ الْمُوْضِحَةِ

خون چھلکے، خون بہے، کھال کٹے، ہڈی کی جھلی کٹے، ان میں ایک عادل کا فیصلہ ہے اور نہیں ہے قصاص موضحہ کے علاوہ میں،

وَفِي اَصَابِعِ الْيَدِ نِصْفُ الدِّيَةِ وَلَوْمَعَ الْكَفِّ وَمَعَ نِصْفِ السَّاعِدِ نِصْفُ الدِّيَةِ وَحُكُوْمَةُ عَدْلٍ وَفِي قَطْعِ

ایک ہاتھ کی انگلیوں میں آدھی دیت ہے گو ہتھیلی کیساتھ ہو اور آدھے گٹے کے ساتھ آدھی دیت، اور ایک عادل کا فیصلہ ہے اور ہتھیلی کٹنے میں جبکہ

الْكَفِّ وَفِيْهَا اِصْبَعٌ اَوْ اِصْبَعَانِ عُشْرُهَا اَوْ خُمُسُهَا وَلاَ شَيْءَ فِي الْكَفِّ وَفِي الاِصْبَعِ الزَّائِدَةِ وَعَيْنِ الصَّبِيِّ

اس میں ایک انگلی یا دو انگلیاں ہوں دسواں یا پانچواں حصہ ہے اور ہتھیلی میں کچھ نہیں اور زائد انگلی میں اور بچہ کی آنکھ میں

وَذَكَرِهِ وَلِسَانِهِ اِنْ لَمْ يُعْلَمْ صِحَّتُهُ بِنَظَرٍ وَحَرْكَةٍ وَكَلاَمٍ حُكُوْمَةُ عَدْلٍ شَجَّ رَجُلاً فَذَهَبَ عَقْلُهُ اَوْ شَعْرُ رَاْسِهِ

اور اس کے عضو خاص اور زبان میں اگر انکی صحت معلوم نہ ہو دیکھنے، ہلنے اور بولنے سے ایک عادل کا فیصلہ ہے کسی کو زخمی کیا اسکی عقل جاتی رہی یا بال

دَخَلَ اَرْشُ الْمُوْضِحَةِ فِي الدِّيَةِ وَاِنْ ذَهَبَ سَمْعُهُ اَوْ بَصَرُهُ اَوْ كَلاَمُهُ لاَ وَاِنْ شَجَّهُ مُوْضِحَةً فَذَهَبَ عَيْنَاهُ

نہ جمے تو داخل ہوجائیگا موضحہ کا تاوان دیت میں اور اگر اس کی سماعت، یا بینائی یا گویائی جاتی رہی تو نہیں، کسی کو موضح زخم لگایا اس کی دونوں

اَوْ قَطَعَ اِصْبَعَهُ فَشَلَّتْ اُخْرٰى اَوِ الْمَفْصَلِ الاَعْلٰى فَشَلَّ مَابَقِيَ اَوْ كُلُّ الْيَدِ اَوْ كَسَرَ نِصْفَ سِنِّهِ فَاسْوَدَّ مَابَقِيَ

آنکھیں جاتی رہیں یا انگلی کاٹی پس دوسری بھی سوکھ گئی یا اوپر کی پور کاٹی پس باقی سوکھ گئی یا ہاتھ نکما ہوگیا، یا آدھا دانت توڑا پس باقی سیاہ پڑگیا

فَلاَ قَوَدَ وَاِنْ قَلَعَ سِنَّهُ فَنَبَتَ مَكَانَهَا اُخْرٰى سَقَطَ [1] لاَرْشُ وَاِنْ اُقِيْدَ فَنَبَتَ سِنُّ الاَوَّلِ يَجِبُ

وقصاص نہیں اگر کسی کا دانت اکھاڑا اور اس کی جگہ دوسرا نکل آیا تو تاوان ساقط ہوگیا اگر قصاص لے لیا گیا پھر پہلے کا دانت جم آیا تو تاوان واجب ہے

وَاِنْ شَجَّ رَجُلاً فَالْتَحَمَ وَلَمْ يَبْقَ لَهُ اَثَرٌ اَوْ ضَرَبَ فَجَرَحَ فَبَرَاَ وَذَهَبَ اَثَرُهُ فَلاَ اَرْشَ وَلاَ قَوَدَ بِجَرْحٍ حَتّٰى يَبْرَاَ

کسی کو زخمی کیا اور زخم بھر گیا نشان بھی باقی نہ رہا یا مار کر مجروح کیا وہ اچھا ہوگیا نشان نہ رہا تو تاوان نہیں ہے اور قصاص نہیں زخم کا یہاں تک کہ اچھا ہو۔

وَكُلُّ عَمَدٍ سَقَطَ قَوَدُهُ بِشُبْهَةٍ كَقَتْلِ الاَبِ اِبْنَهُ عَمَدًا فَدِيَتُهُ فِي مَالِ الْقَاتِلِ وَكَذَا مَاوَجَبَ صُلْحًا اَوْ اِعْتِرَافًا

جس قتل عمد کا قصاص ساقط ہوجائے شبہ سے جیسے باپ کا بیٹے کو قصداً قتل کرنا تو اس کی دیت قاتل کے مال میں ہوگی اسی طرح جو واجب ہو صلح یا اقرار سے

اَوْ لَمْ يَكُنْ نِصْفَ الْعُشْرِ وَعَمَدُ الصَّبِيِّ وَالْمَجْنُوْنِ خَطَاءٌ وَدِيَتُهُ عَلٰى عَاقِلَتِهٖ

یا کم ہو بیسویں حصے سے بچہ اور دیوانے کا عمد بھی خطاء ہی ہے اور اس کی دیت اس کے عاقلہ پر ہے

---

(۱) فصل احکام الشجاج بفصل علی حدة لکثرة مسائل الشجاج اسماء وحکما ۱۲۔ مجمع الانہر

وَلاَ تَكْفِيْرَ فِيْهِ وَلاَ حِرْمَانَ وَالْمَعْتُوْهُ كَالصَّبِي

اور اس میں نہ کفارہ ہے نہ میراث سے محرومی اور ناسمجھ کا حکم بچے کا سا ہے۔

زخموں کی دیت کے احکام

تشریح الفقہ: **قولہ فی الشجاج الخ** شجاج جمع شجہ لغۃً وہ زخم ہے جو چہرہ اور سر پر ہو۔ اور جو زخم اس کے علاوہ باقی بدن میں ہو اس کو جراحت کہتے ہیں۔ اس میں دیت نہیں صرف حکومت عدل ہے شجاج حسب استقراء دس ہے۔ (۱) حارصہ جس میں کھال چھل جائے جس کو ہندی میں کھر ونچ کہتے ہیں (۲) دامعہ جس میں آنسو کی مانند خون نمودار ہو جائے مگر بہے نہیں (۳) دامیہ جس میں خون بہہ جائے (۴) باضعہ جس میں کھال کٹ جائے (۵) متلاحمہ جس میں گوشت کٹ جائے (۶) سمحاق جس میں زخم اس باریک جھلی تک پہونچ جائے جو گوشت اور سر کی ہڈی کے درمیان ہے (۷) موضحہ جس میں ہڈی کھل جائے (۸) ہاشمہ جو ہڈی توڑ دے (۹) منقلہ جو ہڈی کو اسکی جگہ سے سرکا دے (۱۰) آمہ جو اس کھال تک پہنچ جائے جس کے اندر دماغ ہے ان میں سے سات میں دیت کا بیسواں حصہ ہے یعنی پانچ اونٹ یا پانچسو درہم (بشرطیکہ مجروح اصلع نہ ہو یعنی اسکے سر کے بال پیری کی وجہ سے نہ جھڑ گئے ہوں) اور آٹھ میں دسواں حصہ ہے یعنی دس اونٹ اور نو میں دسواں اور بیسواں حصہ ہے یعنی پندرہ اونٹ ہو دس میں تہائی دیت ہے روایات میں یہی حکم وارد ہے۔

قولہ او الجائفہ الخ زیلعی میں ہے کہ جائفہ وہ زخم ہے جو سر اور پیٹ میں ہو سراج میں ہے کہ وہ زخم ہے جو پیٹ یا پیٹھ یا سینہ کی طرف سے پیٹ کے اندر تک یا گردن کی طرف سے اس جگہ تک پہنچ جائے جہاں تک پانی جانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اس میں تہائی دیت ہے۔

قولہ فان نفذت الخ اگر جائفہ یعنی پیٹ کا زخم پیٹھ کی طرف سے پھوٹ نکلا اور آر پار ہو گیا تو دیت کی دو تہائیاں واجب ہیں کیونکہ اب دو جائفے ہو گئے ایک پیٹ کی جانب سے دوسرا پیٹھ کی جانب سے حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اسی کا فیصلہ فرمایا تھا۔

قولہ و الاقصاص الخ سات میں تو بالاتفاق قصاص ہے اور آٹھ، نو، دس میں بالاتفاق قصاص نہیں ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱ میں بھی امام صاحب سے عدم قصاص کی روایت ہے لیکن امام محمد نے اصل میں ذکر کیا ہے اور یہی ظاہر الروایۃ ہے کہ ان میں قصاص ہے ظاہر آیت والجروح قصاص بھی اسی کا موید ہے درر، مجتبیٰ، ابن الکمال، عینی اور کافی وغیرہ میں ہے کہ یہی صحیح ہے۔

قولہ ان لم یعلم صحتہ الخ اگر کوئی بچہ کی آنکھ پھوڑ دے یا اس کی زبان یا اس کا عضو تناسل کاٹ دے اور بچہ کے دیکھنے سے آنکھ کا حال اور بولنے سے زبان کا اور ہلنے سے ذکر کا حال معلوم نہ ہو کہ بچہ کے یہ اعضاء صحیح تھے یا نہیں؟ تو ایک عادل کا فیصلہ معتبر ہوگا کیونکہ ان اعضاء سے مقصود منفعت ہے اور جب ان کی بابت یہ معلوم نہیں کہ یہ قابل منفعت ہیں یا نہیں تو شک کیوجہ سے دیت نہ ہوگی (ہدایہ) اور اگر ان کی صحت کا حال معلوم ہو تو بچہ کا حال مثل بالغ کے اعضا کے ہوگا جن کا بیان اوپر گذر چکا ہے۔

قولہ شج رجلا الخ ایک شخص نے کسی کے زخم موضحہ لگا دیا اسکے صدمہ سے اس کی عقل یا سر کے بال جاتے رہے تو موضحہ کی دیت آدمی کی پوری دیت میں داخل جائے گی کیونکہ زوال عقل کیوجہ سے تمام اعضاء کی منفعت باطل ہو جاتی ہے تو گویا وہ مردہ ہو گیا اور اگر اس کی سماعت یا بصارت یا گویائی جاتی رہی تو موضحہ کی دیت پوری دیت میں داخل نہ ہوگی کیونکہ ان کی منفعت علیحدہ علیحدہ ہے تو یہ اعضاء مختلفہ کے مانند ہوتے ہیں اس لئے موضحہ کی دیت علیحدہ اور سماعت کی دیت علیحدہ واجب ہوگی۔

صہ..... عبد الرزاق عن زید بن ثابت، ابن ابی شیبہ عن مکحول، ابوداود، ترمذی، نسائی عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ۱۲
صہ..... عبد الرزاق، ابن ابی شیبہ، طبرانی، بیہقی ۱۲

قولہ وان قلع الخ ایک شخص نے کسی کا دانت اکھاڑ دیا اس کی جگہ دوسرا جم آیا تو امام صاحب کے نزدیک دانت کی دیت ساقط ہوجائے گی۔ صاحبین کے نزدیک ساقط نہ ہوگی کیونکہ جنایت تو موجب دیت واقع ہوچکی رہا دوسرے دانت کا جم آنا سو وہ حق تعالیٰ کیطرف سے ایک نعمت جدیدہ ہے امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ یہاں معنیٰ جنایت زائل ہوگئی کیونکہ وجوب دیت فساد منبت کیوجہ سے تھا اور جب دوسرا دانت جم گیا تو منبت فاسد نہ ہوا پس نہ اسکی منفعت فوت ہوئی اور نہ زینت ختم ہوئی۔

قولہ ولا قود الخ جب تک مجروح زخم سے اچھا نہ ہوجائے اس وقت تک زخم کا قصاص نہیں لیا جائے گا امام شافعی کے یہاں فی الفور لیا جائیگا اس لئے کہ جب موجب قصاص متحقق ہوچکا تو پھر تاخیر کس لئے ہم یہ کہتے ہیں کہ زخمی کے چنگا ہونے سے پہلے آپ نے قصاص لینے سے منع فرمایا[1] ہے نیز یہ بھی احتمال ہے کہ شاید زخم بگڑ جائے اور مجروح مرجائے تو اس صورت میں مدعا علیہ کو جان سے مارنا لازم ہوگا

قولہ وکل عمد سقط الخ ہر وہ قتل عمد جس میں کسی شبہ کی وجہ سے قصاص ساقط ہوجائے مثلاً باپ اپنے بیٹے کو قتل کردے یا دس آدمی ایک آدمی کو قتل کردیں جن میں سے ایک اس کا باپ ہو تو اس میں دیت قاتل کے مال میں ہوتی ہے جو تین سال میں ادا کی جائے گی۔ اور جو دیت صلح یا اقرار کرنے کے سبب سے واجب ہو وہ بھی قاتل ہی کے مال میں ہوتی ہے اور فی الفور ادا ہوتی ہے کیونکہ جو مال عقد کی وجہ سے واجب ہو اس میں اصل یہی ہے، کہ وہ فی الفور ہو، اور عاقد پر ہو اور اصل اس سلسلہ میں یہ حدیث ہے "**لا یعقل العاقلة عمداً ولا عبدا ولا صلحا ولا اعترافا**" (جوہرہ)

قولہ وعمد الصبی الخ اگر کوئی نابالغ بچہ یا دیوانہ کسی کو عمداً قتل کردے تو ان کا عمد بھی خطأ ہی شمار ہوگا۔ اور قصاص واجب نہ ہوگا۔ بلکہ ان کے کہنے پر دیت واجب ہوگی اور یہ میراث سے بھی محروم نہ ہوں گے کیونکہ میراث سے محروم ہونا ایک عقوبت ہے اور یہ دونوں قابل عقوبت نہیں۔

محمد حنیف غفرلہٗ گنگوہی

عہ..... طحاوی، بزار، دار قطنی عن جابر ۱۲

عہ..... روی ذلک عن ابن عباس مرفوعاً وموقوفاً ۱۲

باب فی الجنین
باب شکمی بچہ کے بیان میں

ضَرَبَ بَطْنَ اِمْرَأَةٍ فَاَلْقَتْ جَنِيْنًا مَيِّتاً تَجِبُ غُرَّةٌ وَهِيَ نِصْفُ عُشْرِالدِّيَةِ فَاِنْ اَلْقَتْهُ حَيًّا فَمَاتَ فَدِيَةٌ

مارا عورت کے پیٹ پر پس ڈالا اس نے بچہ مردہ تو واجب ہوگا غرہ اور وہ دیت کا بیسواں حصہ ہے اور اگر ڈالا اس کو زندہ پھر وہ مرگیا تو پوری دیت ہے

وَاِنْ اَلْقَتْ مَيِّتًا فَمَاتَتِ الاُمُّ فَدِيَةٌ وَغُرَّةٌ وَاِنْ مَاتَتْ فَاَلْقَتْ مَيِّتًا فَدِيَةٌ فَقَطْ وَمَا يَجِبُ فِيْهِ

اور اگر مردہ ڈالا پھر ماں مرگئی تو دیت بھی ہے اور غرہ بھی اور اگر ماں مرگئی پھر اس نے مردہ ڈالا تو صرف دیت ہے جس بچہ میں غرہ واجب ہوتا ہے

يُوْرَثُ عَنْهُ وَلاَ يَرِثُ الضَّارِبُ فَلَوْ ضَرَبَ بَطْنَ اِمْرَأَتِهِ فَاَلْقَتْ اِبْنَهُ مَيِّتًا فَعَلٰى عَاقِلَةِ الاَبِ غُرَّةٌ وَلاَيَرِثُ مِنْهَا

اس سے وراثت لیجائیگی مگر ضارب وارث نہ ہوگا اگر مارا اپنی بی بی کے پیٹ پر پس ڈالا اس کے لڑکے کو مردہ تو باپ کے عاقلہ پر غرہ ہے اور وارث نہ ہوگا

وَفِي جَنِيْنِ الاَمَةِ لَوْذَكَرًا نِصْفُ عُشْرِ قِيْمَتِهِ لَوْكَانَ حَيًّا وَعُشْرُ قِيْمَتِهِ لَوْاُنْثٰى

باپ اس کا اور باندی کے بچے میں اگر وہ مذکر ہو اس کی قیمت کا بیسواں حصہ ہے اگر زندہ ہو اور قیمت کا دسواں حصہ ہے اگر مؤنث ہو

فَاِنْ حَرَّرَهُ سَيِّدُهُ بَعْدَ ضَرْبِهِ فَاَلْقَتْهُ فَمَاتَ فَفِيْهِ قِيْمَتُهُ حَيًّا وَلاَ كَفَّارَةَ فِي الْجَنِيْنِ وَاِنْ شَرِبَتْ دَوَاءً

پھر اگر آزاد کردیا اس کو آقا نے مارنے کے بعد اور باندی نے حمل گرادیا اور وہ مرگیا تو زندہ ہونے کی قیمت ہوگی اور کفارہ نہیں جنین میں اگر عورت نے

لِتَطْرَحَهُ اَوْ عَالَجَتْ فَرْجَهَا حَتّٰى اَسْقَطَتْهُ ضَمِنَ عَاقِلَتُهَا الْغُرَّةَ اِنْ فَعَلَتْ بِلاَ اِذْنٍ.

دوا پی حمل گرانے کی یا کچھ رکھ لیا اپنی شرمگاہ میں یہاں تک کہ اسکو گرادیا تو ضامن ہوگا عورت کا کنبہ غرہ کا اگر اس نے بلا اجازت ایسا کیا ہو۔

توضیح اللغۃ: جنین بچہ جو ہنوز شکم مادر میں ہو، بطن پیٹ، القت القاء، ڈالنا غرہ عمدہ مال، عاقلہ کنبے قبیلے کے لوگ تطرحہ طرح ڈالنا۔

تشریح الفقہ: **قولہ باب الخ** انسان کے اجزاء حقیقیہ (اعضاء) کے احکام بیان میں کرنے کے بعد جز حکمی یعنی جنین کے احکام بیان کررہا ہے۔ **فان الجنین فی حکم الجزء من الام۔**

قولہ ضرب الخ ایک شخص نے کسی حاملہ عورت کے پیٹ پر مارا عورت نے ضرب کے صدمے سے پیٹ سے مردہ بچہ گرایا تو قاتل کے عاقلہ پر غرہ واجب ہوگا، غرہ اصل میں عمدہ مال کو کہتے ہیں جیسے گھوڑا اونٹ، غلام، باندی (مغرب) اصطلاح شرع میں غرہ بدل جنین کو کہتے ہیں کیونکہ اسمیں غلام کا دینا واجب ہے اور غلام کو غرہ کہتے ہیں نیز غرۃ الشہر اول ماہ کو کہتے ہیں اور یہ دیت جسکا نام غرہ ہے اول مقادیر دیات ہے پھر قیاس کی رو سے تو جنین ساقط میں کوئی چیز واجب نہیں ہونی چاہیئے کیونکہ اسکی حیات متیقن نہیں وجہ استحسان حضور اکرم ﷺ کا

(۱)......لانہ اتلف آدمیا خطاء، اوشبہ عمد فتجب فیہ الدیتہ کاملۃ ۱۲۔

(۲)...... لانہ علیہ السلام قضی فی ھذابالدیتہ والغرۃ رواہ الطبرانی فی معجمہ قالہ ملاعلی القاری ۱۲ کشف۔

(۳)...... لانہ بدل نفسہ فیرنہ ورثتہ ۱۲ ھدایۃ۔

(۴)...... لانہ قاتل بغیر حق مباشرۃ ولا میراث للقاتل ۱۲ ھدایہ۔

(۵)...... لانھا اتلفتہ متعدیۃ فیجب علیھا ضمانہ ۱۲۔

ارشاد ہے کہ مردہ بچہ میں غرہ یعنی غلام یا باندی یا پانچسو درہم ہیں ؏۔

قولہ وھی نصف الخ ہمارے یہاں غرہ کی مقدار مرد کی دیت کا بیسواں حصہ ہے اگر جنین مذکر ہو اور عورت کی دیت کا دسواں حصہ ہے اگر مؤنث ہو، مرد کی دیت کے دس ہزار درہم ہیں تو اسکا بیسواں حصہ پانچسو درہم ہوئے اور عورت کی دیت پانچ ہزار درہم ہیں تو اسکا بھی دسواں حصہ پانچسو درہم ہوئے، امام مالک اور امام شافعی کے یہاں چھ سو درہم ہیں۔ مگر حدیث مذکور ان پر حجت ہے پھر ہمارے یہاں غرہ قاتل کے عاقلہ پر ہوتا ہے امام مالک کے یہاں قاتل کے مال پر ہوتا ہے ہماری دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے غرہ قاتل کے عاقلہ پر قرار دیا ہے نیز ہمارے یہاں غرہ ایک سال کے اندر وصول کیا جائے گا امام شافعی کے یہاں تین سال میں وصول ہوگا لنا ماروی **عن محمد بن الحسن انه قال بلغنا ان رسول اللہ ﷺ جعله علی العاقله فی سنة**۔

قولہ فدیۃ فقط الخ اگر پہلے ماں مرگئی پھر اسنے مردہ بچہ گرایا تو صرف ماں کی دیت واجب ہوگی امام شافعی کے یہاں غرہ بھی واجب ہوگا کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ وہ ضرب کی وجہ سے مرا ہے، ہم یہ کہتے ہیں کہ ظاہراً اسکا مرنا موت جنین کا سبب ہے کیونکہ جنین کا سانس لینا ماں کے سانس لینے سے ہوتا ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ جنین صدمہ ضرب سے مرا ہو تو شک کی وجہ سے ضمان واجب نہ ہوگا۔

قولہ وفی جنین الامۃ الخ اگر باندی کا جنین مذکر ہو تو اسکی قیمت کا بیسواں حصہ واجب ہوگا اگر وہ زندہ ہو اور اگر مؤنث ہو تو اسکی قیمت کا دسواں حصہ واجب ہوگا، امام شافعی کے یہاں اسکی ماں کی قیمت کا دسواں حصہ واجب ہوگا، کیونکہ جنین من وجہ ماں کا جزء ہے اور اجزاء کے ضمان کی مقدار میں اصل ہی کو پیش نظر رکھا جاتا ہے، ہم یہ کہتے ہیں کہ یہاں مقدار واجب نفس جنین کا بدل ہے لہذا اسکا اندازہ اس کی ذات سے ہوگا۔

قولہ فان حررہ الخ کسی نے حاملہ باندی کے پیٹ پر مارا اسکے بعد مالک نے جنین کو آزاد کر دیا پھر باندی نے زندہ بچہ گرایا اور وہ مرگیا تو مالک کیلئے زندہ بچہ کی قیمت واجب ہوگی نہ کہ اسکی دیت کیونکہ اسکی موت ضرب سابق کے ذریعہ ہوئی ہے اور ضرب کا وقوع اسکی رقیت کی حالت میں ہوا ہے اور اعتبار وقوع ضرب کے وقت ہی کا ہوتا ہے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جنین کی دیت واجب ہوگی نہ کہ قیمت یہ قول ہمارے بعض مشائخ سے بھی مروی ہے جیسا کہ فخر الاسلام بزدوی نے شرح جامع صغیر میں نقل کیا ہے۔

قولہ ولا کفارۃ الخ ہمارے یہاں قتل جنین میں کفارہ واجب نہیں امام شافعی کے یہاں واجب ہے، وہ یہ فرماتے ہیں: کہ جنین من وجہ نفس ہے لہذا احتیاط اسی میں ہے کہ کفارہ واجب کیا جائے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ کفارہ میں ایک قسم کی عقوبت ہے جسکا ثبوت شرعاً نفس کاملہ میں ہے پس یہ غیر تک متعدی نہ ہوگا۔

(عہ......طبرانی فی معجمه) صحیحین عن ابی ھریرۃ (ولیس فیھما ذکر الخمس مائه، ۱۲۔ عہ......ابن ابی شیبه عن جابر، دار قطنی ترمذی، ابو دائود عن المغیرۃ بن شعبه ۱۲۔

باب مایحدث الرجل فی الطریق

باب جانب راہ کوئی نئی چیز بنانے کے بیان میں

مَنْ اَخْرَجَ اِلٰی طَرِیْقِ الْعَامَّةِ کَنِیْفًا اَوْ مِیْزَابًا اَوْ جُرْصُناً اَوْ دُکَّانًا فَلِکُلٍّ نَزْعُهٗ وَلَهٗ التَّصَرُّفُ فِی النَّافِذِ اِلَّا اِذَا

جس نے نکالا شارع عام کیجانب سنڈاس یا پرنالہ یا چھجایا دکان تو ہر شخص کو اس کے توڑنے کا حق ہے اس کو تصرف کا حق ہے کوچہ نافذہ میں الا یہ کہ

اَضَرَّ وَفِی غَیْرِهٖ لاَ یَتَصَرَّفُ اِلَّابِاِذْنِهِمْ فَاِنْ مَاتَ اَحَدٌ بِسُقُوْطِهَا فَدِیَّتُهٗ عَلٰی عَاقِلَتِهٖ کَمَا

مضر ہو اور غیر نافذہ میں تصرف نہ کرے مگر اہل کوچہ کی اجازت سے پس اگر مرگیا کوئی اس کے گرنے سے تو اس کی دیت اس کے کنبہ پر ہوگی جیسے

لَوْ حَفَرَ بِئْراً فِی طَرِیْقٍ اَوْ وَضَعَ حَجَرًا فَتَلَفَ بِهٖ اِنْسَانٌ وَلَوْ بَهِیْمَةٌ فَضِمَانُهَا فِی مَالِهٖ وَمَنْ جَعَلَ بَالُوْعَةً

کوئی کھودے کنواں راہ میں یا رکھ دے پس ہلاک ہو جائے اس سے کوئی آدمی اگر چوپایا ہو تو اس کا ضمان اسی کے مال میں ہوگا جس نے بنائی بدرو

فِی طَرِیْقٍ بِاَمْرِ سُلْطَانٍ اَوْ فِی مِلْکِهٖ اَوْ وَضَعَ خَشَبَةً فِیْهَا اَوْ قَنْطَرَةً بِلاَ اِذْنِ الاِمَامِ فَتَعَمَّدَ رَجُلٌ الْمُرُوْرَ عَلَیْهَا

راستے میں بادشاہ کی اجازت سے ی ااپنی ملک میں یا رکھدی لکڑی راہ میں یا پل بنایا بلا اجازت اور اس پر کوئی قصداً گذرا

لَمْ یَضْمَنْ وَمَنْ حَمَلَ شَیْئًا فِی الطَّرِیْقِ فَسَقَطَ عَلٰی اِنْسَانٍ ضَمِنَ وَلَوْکَانَ رِدَاءً قَدْ لَبِسَهٗ فَسَقَطَ لاَ

تو ضامن نہ ہوگا جس نے اٹھایا بوجھ راہ میں اور وہ گر پڑا کسی آدمی پر تو ضامن ہوگا اور اگر چادر تھی جو پہنے ہوئی تھا اور وہ گرگئی تو ضامن نہ ہوگا

مَسْجِدٌ لِعَشِیْرَةٍ فَعَلَّقَ رَجُلٌ مِنْهُمْ قِنْدِیْلاً اَوْ جَعَلَ فِیْهِ بَوَارِیَ اَوْ حَصَاةً فَعَطَبَ بِهٖ رَجُلٌ لَمْ یَضْمَنْ وَاِنْ کَانَ

مسجد ہے ایک قبیلہ کی اس میں کسی نے انہیں میں سے قندیل لٹکادی یا چٹائی یا کنکری بچھادی اس سے کوئی آدمی ہلاک ہوگیا تو ضامن نہ ہوگا اور اگر غیر محلہ کا

مِنْ غَیْرِهِمْ ضَمِنَ وَاِنْ جَلَسَ فِیْهِ رَجُلٌ مِنْهُمْ فَعَطَبَ بِهٖ اَحَدٌ ضَمِنَ اِنْ کَانَ فِی غَیْرِ الصَّلٰوةِ وَاِنْ فِیْهَا لاَ.

ہو تو ضامن ہوگا اگر بیٹھا مسجد میں اہل محلہ میں سے کوئی پس اسکی وجہ سے کوئی ہلاک ہوگیا تو ضامن ہوگا اگر نماز میں نہ ہو اور اگر نماز میں ہو تو ضامن نہ ہوگا۔

توضیح اللغۃ: کنیف بیت الخلاء، میزاب پرنالہ، جرصن چھجا، نافذ آر پار، حفر کھودنا، بہیمہ چوپایہ، بالوعہ روشن دان موری، بدرو، خشبہ لکڑی، قنطرہ پل، رداء چادر، عشیرہ قبیلہ، قندیل فانوس، بواری جمع بوریہ چٹائی، حصاۃ کنکری، عطب ہلاک ہوگیا۔

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ قتل بطریق مباشرت کے احکام سے فراغت کے بعد اس قتل کے احکام بیان کر رہا ہے جو بطریق تسبب ہو وقدم الاول لکونہ اصلاً۔

قولہ من اخرج الخ شارع عام میں پاخانہ، پرنالہ، چھجا اور دکان وغیرہ نکالنا درست ہے۔ بشرطیکہ اس سے لوگوں کو تکلیف نہ ہو اور کوئی منع بھی نہ کرے حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ **لا ضرر و لاضرار فی الاسلام** اور اگر وہ تکلیف دہ ہو تو اہل خصومت میں سے ہر شخص

---

(۱) لان الطریق التی لیست بنا فذة مملوکة لاهلها فهم فیها شرکاء فلا یملک التصرف الا باذنهم اضر بهم اولم یضر ۱۲. زیلعی بتغییر.

(۲) لان ان قتیة الاعمل ضمان المال ۱۲۔ زیلعی (۳)۔ لان حفر البالوعة باذن الامام اوفی ملکہ لیس بعدو وضع الخشبة والقنطرة بلا اذن الامام وان وجد التعدی منه فیهما [illegible] الواضع الی الواضع لان الواضع مسبب والمار مباشر فصار ہو صاحب علة فلا یعتبر التسبب معہ ۱۲۔ زیلعی (۴)۔۔۔۔الحاصل الدیة سواء تلف بالوقوع او بالعثرة بعد الوقوع لان حمل المتاع فی الطریق مباح لکنہ مقید بالسلامة ۱۲۔ زیلعی، عینی، طائی۔

اس کو ابتداء روک بھی سکتا ہے اور بن جانے کے بعد توڑنے کا مطالبہ بھی کر سکتا ہے اس واسطے کہ اہل خصومت میں سے ہر شخص کو اس میں مرور کا حق ہے **فکان له ذلک۔**

قوله جرصنا الخ جرصن (بضم جیم وصاد و سکون راء مہملہ و تخفیف نون) کی تفسیر میں اختلاف ہے بعض نے اس کے معنی بروج کے کئے ہیں اور بعض نے چھجے کے اور بعض نے کہا ہے کہ جرصن پیش طاق کا حوض ہے جو بھی ہو حکم سب کا ایک ہے۔ (طحطاوی مجمع)۔

قوله مسجد لعشیرة الخ اہل محلّہ کی ایک مسجد ہے اس میں اہل محلّہ میں سے کسی نے قندیل لٹکا دی یا چٹائی بچھا دی اور اس میں کوئی شخص الجھ کر مر گیا تو وہ شخص جس نے یہ کام کئے ہیں بالاتفاق ضامن نہ ہوگا اور اگر وہ شخص غیر محلّہ کا ہو تو امام صاحب کے نزدیک ضامن ہوگا صاحبین کے نزدیک ضامن نہ ہوگا وہ فرماتے ہیں کہ یہ سب امور از قبیل قربت ہیں جس کی ہر شخص کو اجازت ہے امام صاحب کے یہاں وجہ فرق یہ ہے کہ تدبیر مسجد کی ذمہ داری اہل محلّہ پر ہے نہ کہ غیروں پر اس لئے غیر شخص کو فعل مباح مقید بسلامت ہوگا' ایک شخص نماز کے لئے اپنی مسجد میں یا غیر محلّہ کی مسجد میں بیٹھا ہوا تھا' کوئی دوسرا شخص اس سے ٹکرا کر مر گیا تو جالس پر ضمان واجب نہ ہوگا اور اگر وہ نماز کے علاوہ اور کسی کام کیلئے بیٹھا ہو تو ضامن ہوگا' صاحبین کے نزدیک بہر دو صورت ضمان نہیں زیلعی میں حلوانی سے منقول ہے کہ اکثر مشائخ نے صاحبین کا قول لیا ہے اور اسی پر فتوی ہے' صدر الاسلام سے منقول ہے کہ صاحبین کا قول اظہر ہے عینی میں ہے کہ صاحبین کے قول کے موافق ائمہ ثلاثہ کا قول ہے اور اسے پر فتوی ہے وجہ یہ ہے کہ جلوس نماز کی ضروریات میں سے ہے اس لئے وہ نماز ہی کے ساتھ ملحق ہے۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

فَصْلٌ :فِي الْحَائِطِ الْمَائِلِ حَائِطٌ مَالَ اِلیٰ طَرِيْقِ الْعَامَّةِ ضَمِنَ رَبُّهُ مَاتَلَف بِه مِنْ نَفْسٍ اَوْ مَالٍ اِنْ طَالَبَ

(فصل جھکی ہوئی دیوار میں) ایک دیوار جھک گئی شارع عام کی طرف تو ضامن ہوگا مالک دیوار اس کا جو تلف ہو جان یا مال سے اگر مطالبہ کیا ہو

بِنَقْضِه مُسْلِمٌ اَوْ ذِمِّيٌّ وَلَمْ يَنْقُضْهُ فِي مُدَّةٍ يَقْدِرُ عَلٰى نَقْضِه وَاِنْ بَنَاه مَائِلاً اِبْتِدَاءً

اس کے توڑنے کا کسی مسلمان یا ذمی نے اور اس نے نہ توڑا ہو اتنی مدت میں جس میں وہ قادر تھا توڑنے پر اور اگر شروع سے جھکی ہوئی بنائی

ضَمِنَ مَاتَلَفَ بِسُقُوْطِه بِلاَ طَلَبٍ فَاِنْ مَالَ اِلیٰ دَارِ رَجُلٍ فَالطَّلَبُ اِلَى رَبِّهَا

تو ضامن ہوگا اس کا جو ہلاک ہو جائے اس کے گرنے سے بلا مطالبہ اگر جھکی کسی کے مکان کی طرف تو درخواست مالک مکان کے ذمہ ہے

فَاِنْ اَجَّلَهٗ اَوْ اَبْرَأَهٗ صَحَّ بِخِلاَفِ الطَّرِيْقِ حَائِطٌ بَيْنَ خَمْسَةٍ اَشْهَدَ عَلٰى اَحَدِهِمْ فَسَقَطَ عَلٰى رَجُلٍ ضَمِنَ

اگر وہ مہلت دے یا بری کرے تو صحیح ہے بخلاف راستے کے ایک دیوار پانچ آدمیوں کی ہے ان میں سے ایک پر گواہ کئے گئے دیوار کسی پر گر گئی تو وہ

خُمُسَ الدِّيَةِ دَارٌ بَيْنَ ثَلاَثَةٍ حَفَرَ اَحَدُهُمْ فِيْهَا بِئْرًا اَوْ بَنٰى حَائِطًا فَعَطِبَ بِه رَجُلٌ ضَمِنَ ثُلُثَي الدِّيَةِ

ضامن ہوگا خمس دیت کا ایک مکان تین کا ہے ایک نے اس میں کنواں کھودا یا دیوار بنائی پس اس سے کوئی ہلاک ہوگیا تو وہ ضامن ہوگا دو تہائی دیت کا

جھکی ہوئی دیوار کے احکام

تشریح الفقہ: **قوله فصل الخ** جو قتل مباشرت انسان یا اس کے تسبب سے تعلق رکھتا ہے اس کے احکام بیان کرنے کے بعد اس قتل کے

ء...... ابن ماجہ عن عبادہ بن الصامت' ابن ماجہ' عبدالرزاق' احمد' طبرانی' ابن ابی شیبہ' دارقطنی عن ابن عباس' حاکم' دارقطنی' مالک' شافعی عن ابی سعید الخدری' دارقطنی عن ابی ہریرۃ' ابو داؤد (فی المراسیل) عن ابی لبابہ' طبرانی عن ثعلبہ بن مالک و جابر' دارقطنی' طبرانی عن عائشہ ۱۲۔

احکام بیان کر رہا ہے، جو متعلق بالجماد ہے، جس میں انسان کے اختیار کو دخل نہیں۔

قولہ حائط الخ ایک دیوار شارع عام کیطرف جھک گئی اہل مطالبہ نے مالک سے اس کے توڑ ڈالنے کا مطالبہ کیا مگر اس نے نہیں توڑی حالانکہ اس کو اتنی مدت ملی کہ اگر وہ چاہتا تو توڑ سکتا تھا' دیوار گر گئی اور اس میں کوئی آدمی یا جانور دب کر مر گیا یا کسی کا مال تلف ہو گیا تو احناف' مالک' شریح' نخعی' ثوری اور شعبی کے نزدیک مالک دیوار ضامن ہوگا حضرت علیؓ سے بھی یہی مروی ہے مگر یہ مبنی بر استحسان ہے قیاس کی رو سے ضمان نہیں ہونا چاہئے جیسا کہ امام شافعی اور امام احمد فرماتے ہیں کیونکہ مالک دیوار کا کوئی قصور نہیں اس لئے کہ اصل بنا اس کی ملک میں واقع ہے اور دیوار کا جھکنا اس کا فعل نہیں وجہ استحسان یہ ہے کہ جب دیوار جھک گئی اس کے گر جانے کا خطرہ لاحق ہو چکا' گرانے کا مطالبہ بھی ہوا اس کو مہلت بھی ملی اس کے باوجود اس کا دیوار کو نہ گرانا تعدی نہیں تو اور کیا ہے؟

قولہ حائط بین خمسۃ الخ ایک دیوار پانچ شریکوں میں مشترک تھی وہ جھک گئی اور کسی ایک شریک سے اس کی اصلاح کیلئے کہا گیا اس نے درست نہیں کی اور وہ کسی پر گر گئی تو امام صاحب کے نزدیک صاحب دیوار کے عاقلہ پر دیت کا پانچواں حصہ ہوگا اور اگر ایک مکان تین شریکوں میں مشترک ہوا اور اس میں ایک کنواں کھودے یا دیوار بنائے اور اس کیوجہ سے کوئی مر جائے تو حافر و بانی پر دیت کی دو تہائیوں کا ضمان ہوگا صاحبین کے نزدیک دونوں مسئلوں میں دیت نصفا نصف ہوگی کیونکہ یہاں تلف دو قسم پر ہے ایک معتبر (جس شریک سے مطالبہ ہوا ہے اس کے حصے) میں اور ایک غیر معتبر (جس سے مطالبہ نہیں ہوا اس کے حصہ میں) اسی طرح حافر اپنی ملکیت کے اعتبار سے متعدی نہیں شریکین کی ملک کے اعتبار سے متعدی ہو تو تلف کی دو قسمیں ہیں لہٰذا دیت نصفا نصف منقسم ہو جائے گی امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ موت کی علت علت واحدہ ہے یعنی دیوار والے مسئلہ میں ثقل مہلک اور کنویں والے مسئلہ میں کنواں کا عمق لہٰذا کل شرکاء پر دیت بقدر املاک منقسم ہوگی۔

باب جناية البهيمة والجنايه عليها وغير ذالک

باب چوپائے کی جنایت اور چوپائے پر زیادتی وغیرہ کے بیان میں

ضَمِنَ الرَّاكِبُ مَا اَوْطَأَتْ دَابَّتُهُ بِيَدٍ اَوْ رِجْلٍ اَوْ رَأْسٍ اَوْ كَدَمَتْ اَوْ صَدَمَتْ اَوْ خَبَطَتْ لَامَانَفَحَتْ بِرِجْلٍ

ضامن ہوگا سوار اس کا جو روندے اس کی سواری اپنی ٹانگوں سے یا سر کی ٹکر سے یا کاٹ کھائے یا دھکے یا ٹاپ میں لے لے نہ اس کا جس کو وہ لات

اَوْ ذَنَبٍ اِلَّا اِذَا اَوْقَفَهَا فِي الطَّرِيْقِ فَاِنْ اَصَابَتْ بِيَدِهَا اَوْ رِجْلِهَا حَصَاةً اَوْ نَوَاةً اَوْ اَثَارَتْ غُبَاراً اَوْ حَجَرًا

ماردے مگر اس وقت جب اس نے کھڑا کردیا ہو اس کو راہ میں پس اگر اچھل گئی اس کی ٹانگوں سے کنکر یا گٹھلی یا اڑایا اس نے غبار، یا چھوٹا پتھر

صَغِيْرًا فَفَقَأَ عَيْنًا لَمْ يَضْمَنْ وَلَوْ كَبِيْرًا ضَمِنَ فَاِنْ رَاثَتْ اَوْ بَالَتْ فِي الطَّرِيْقِ لَمْ يَضْمَنْ مَنْ عَطِبَ بِهٖ

اور اس نے پھوڑ دی آنکھ تو ضامن نہ ہوگا اور اگر بڑا پتھر ہو تو ضامن ہوگا اگر اس نے لید کی یا پیشاب کیا راہ میں تو ضامن نہ ہوگا اس کا جو اس کی وجہ سے

وَاِنْ اَوْقَفَهَا لِذٰلِكَ وَاِنْ اَوْقَفَهَا لِغَيْرِهٖ ضَمِنَ وَمَا ضَمِنَهُ الرَّاكِبُ

تلف ہوجائے گو اسی لئے کھڑا کیا ہو اگر اور کام کیلئے کھڑا کیا تو ضامن ہوگا اور جس سے ضامن ہو سوار

ضَمِنَهُ السَّائِقُ وَالْقَائِدُ وَعَلَى الرَّاكِبِ اَلْكَفَّارَةُ لَا عَلَيْهِمَا.

تو ضامن ہوگا اس سے سائق اور قائد بھی مگر سوار پر کفارہ بھی ہے ان پر نہیں۔

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ نہایہ معراج الدرایہ وغیرہ میں اس باب کی وجہ مناسبت یہ ذکر کی ہے کہ جنایت انسان کے احکام سے فراغت کے بعد جنایت بہیمہ کے احکام اسلئے بیان کر رہا ہے کہ انسان از روئے رتبہ بہیمہ پر مقدم ہے للہٰذا ذکر امیں بھی مقدم ہونا چاہئے۔ اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ ابھی تو مصنف جنایت انسان سے فارغ ہی نہیں ہوا کیونکہ جنایت مملوک کا باب آگے آرہا ہے صاحب غایۃ البیان فرماتے ہیں کہ اس باب کا حق تو یہی تھا کہ جنایت مملوک کے بعد ہوتا مگر چونکہ بہیمہ معدوم العقل ومعدوم النطق ہونے کی حیثیت سے جمادات کیساتھ ملحق ہے اس لئے مصنف نے اس باب کو باب مایحدث الرجل فی الطریق کیساتھ لاحق کر دیا اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ اگر یہی بات تھی تو پھر اس کو ایک فصل میں لاناتھا۔ تامل۔

قولہ ضمن الراکب الخ جنایت بہیمہ کے ضمان و عدم ضمان کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جن امور میں احتراز ممکن ہے ان میں سلامتی کی شرط کیساتھ شخص کیلئے راہ چلنا مباح ہے اگر ایسے امور میں کسی کیطرف سے تعدی پائی گئی تو وہ ضامن ہوگا اور جن میں احتراز ممکن نہیں ان میں ضمان نہ ہوگا پس اگر کسی سوار کی سواری نے کسے کو روندڈالا یا کچل ڈالا یا سر سے تلف کر ڈالا یا منہ سے کاٹ کھایا یا بدن سے دھکا دیدیا تو ان صورتوں میں سوار ضامن ہوگا۔ کیونکہ ان امور سے احتراز ممکن ہے اور اگر سواری نے چلتے چلتے کسی کے ہاتھ یا لات یا دم ماردی تو ضامن نہ ہوگا کیونکہ چلنے کی حالت میں اس سے احتراز ممکن نہیں الا یہ کہ سوار نے جانور کو راہ میں کھڑا کیا ہو اور پھر یہ امور پیش آئے ہوں کہ اس صورت میں ضامن ہوگا کیونکہ ٹھہرانے کی صورت میں ان سے احتراز ممکن ہے۔

لانهماسببا بمبا شرتهما شرط التلف وهو تقريب الدابة الى مكان الجناية ۱۲ هدايه

وَلَوْ اِصْطَدَمَ فَارِسَانِ اَوْ مَاشِيَانِ فَمَاتَا ضَمِنَ عَاقِلَةُ كُلٍّ دِيَةَ الْاٰخَرِ وَلَوْسَاقَ دَابَّةً فَوَقَعَ السَّرْجُ عَلٰى رَجُلٍ

اگر ٹکرا جائیں دو سوار یا پیادے اور مرجائیں تو ضامن ہوگا ہر ایک کا عاقلہ دوسرے کی دیت کا اگر ہانکا جانور اور گرگئی زین کسی پر

فَقَتَلَهٗ ضَمِنَ وَاِنْ قَادَ قِطَارًا فَوَطِئَ بَعِيْرٌ اِنْسَانًا ضَمِنَ عَاقِلَةُ الْقَائِدِ الدِّيَةَ وَاِنْ كَانَ مَعَهٗ سَائِقٌ

اور اس کو مارڈالا تو ضامن ہوگا اگر آگے سے چلائی اونٹوں کی قطار اور اونٹ نے کسی کو روند دیا تو ضامن ہوگا اس کا عاقلہ دیت کا اور اگر پیچھے سے

فَعَلَيْهِمَا وَاِنْ رَبَطَ بَعِيْرًا عَلٰى قِطَارٍ رَجَعَ عَاقِلَةُ الْقَائِدِ مَاتَلَفَ عَلَى الرَّابِطِ

ہانکنے والا بھی ہو تو ان دونوں پر ہوگی اور اگر باندھ دیا تھا اونٹ قطار میں تو لے لیں قائد کے عاقلہ وہ تاوان باندھنے والے کے عاقلہ سے

وَمَنْ اَرْسَلَ بَهِيْمَةً وَكَانَ سَائِقَهَا فَاَصَابَتْ فِيْ فَوْرِهَا ضَمِنَ وَاِنْ اَرْسَلَ طَيْرًا اَوْ كَلْبًا وَلَمْ يَكُنْ سَائِقًا

اگر چھوڑ دیا جانور پیچھے سے ہانک کر اور اس نے نقصان کیا چھوٹتے ہی تو ضامن ہوگا اگر چھوڑا پرندہ یا کتا اور پیچھے سے نہیں سکارا

اَوْ اِنْفَلَتَتْ دَابَّتُهٗ فَاَصَابَتْ مَالاً اَوْ اٰدَمِيًّا لَيْلاً اَوْ نَهَارًا لاَ وَفِيْ فِقْاءِ عَيْنِ شَاةٍ لِقَصَّابٍ ضَمِنَ النُّقْصَانَ

یا نکل بھاگا جانور اور اس نے نقصان کر دیا مال یا جان کا رات میں یا دن میں تو ضامن نہ ہوگا قصائی کی بکری کی آنکھ پھوڑنے میں ضامن ہوگا

وَعَيْنِ بُدْنَةِ الْجَزَّارِ وَالْفَرَسِ وَالْحِمَارِ رُبْعَ الْقِيْمَةِ.

نقصان کا اور شترکش کی گائے اور اونٹ کی آنکھ پھوڑنے میں اور گھوڑے گدھے کی آنکھ پھوڑنے میں ضامن ہوگا چوتھائی قیمت کا۔

توضیح اللغۃ: اصطدم ایک دوسرے کی مزاحمت کرنا' فارسان شہسوار' ساق سوق جانور کو پیچھے سے ہانکنا' سرج زین' قاد قود چوپائے کو آگے سے کھینچنا' بعیر اونٹ' ربط باندھا' انفلت چھوٹ گیا' فقاء پھوڑنا' قصاب قصائی' جزار شترکش۔

تشریح الفقہ: قولہ ولو اصطدم الخ اگر دو سوار یا پیادہ پا باہم ٹکرا کر مرجائیں تو ہر ایک کے عاقلہ پر دوسرے کی نصف دیت ہوگی امام زفر اور امام شافعی کے یہاں ہر ایک کے عاقلہ پر دوسرے کی نصف دیت ہوگی کیونکہ ان میں سے ہر ایک اپنے اور اپنے صاحب کے فعل سے مرا ہو تو ان میں سے ہر ایک کا اپنا فعل رائیگاں ہوگا اور دوسرے کا معتبر ہم یہ کہتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کی موت دوسرے کی طرف مضاف ہے کیونکہ انکا اپنا فعل تو فی نفسہ مباح ہے حضرت علیؓ سے بھی یہی مروی ہے کہ آپ نے ہر ایک کے عاقلہ کو پوری دیت کا ضامن بنایا۔

قولہ وفی فقاء عین الخ اگر کسی نے قصاب کی بکری کی آنکھ پھوڑ دی تو بقدر نقصان ضمان لازم ہوگا کیونکہ قصاب کی بکری سے مقصود اس کا گوشت ہوتا ہے اور اگر شترکش کی گائے بیل اور اونٹ کی یا گھوڑے گدھے کی آنکھ پھوڑ دی تو چوتھائی قیمت کا تاوان لازم ہوگا امام شافعی کے یہاں ان کا حکم بھی بکری کی مانند ہے یعنی بقدر نقصان ضمان آئے گا ہماری دلیل یہ ہے آنحضرت ﷺ نے جانور کی آنکھ میں چوتھائی قیمت کا حکم فرمایا ہے حضرت عمر و حضرت علی سے بھی یہی مروی ہے۔

ے عبدالرزاق ابن ابی شیبہ ۱۲۔ ے طبرانی عقیلی عن زید بن ثابت ۱۲۔ ے عبدالرزاق

باب جنایه المملوک والجنایة علیه

باب تقصیر مملوک اوراسپر جنایت کے بیان میں

جِنَايَاتُ الْمَمْلُوْکِ لاتُوْجِبُ اِلَّا دَفْعًا وَاحِدًا لَوْمَحَلًّا لَهٗ وَاِلَّا قِيْمَةً وَاحِدَةً جَنٰى عَبْدُهٗ خَطَاءً

غلام کی جنایتیں واجب نہیں کرتیں مگر ایک بار غلام حوالے کرنا اگر وہ اس کا محل ہو ورنہ صرف ایک قیمت جنایت کی کسی کے غلام نے خطاء

دَفَعَهٗ بِالْجِنَايَةِ فَيَمْلِكُهٗ اَوْ فَدَاهُ بِاَرْشِهَا فَاِنْ فَدَاهُ فَجَنٰى فَهِيَ كَالاُوْلٰى.

تو دیدے اسکو جنایت کے بدلہ میں پس وہ اس کا مالک ہو جائیگا یا اسکے تاوان کا عوض دیدے پس اگر اس نے جنایت کی تو اس کا حکم پہلی جنایت کا سا ہے

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ مالک یعنی آزاد کی جنایت کے احکام کے بعد جنایت مملوک کے احکام بیان کر رہا ہے کیونکہ آزاد کے مقابلہ میں مملوک کا رتبہ کم ہے مگر اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ابھی تو احکام دیت سے فراغت ہی نہیں ہوئی کیونکہ غلام پر آزاد کی دیت اور آزاد پر غلام کی جنایت کے احکام باقی ہیں جن کا علم اسی باب سے ہوگا۔

قولہ جنایات الخ اگر غلام کی جنایت متعدد اشخاص پر کثیر ہوں تو اولیاء کو وہ غلام دفعۃً واحدہ دیدیا جائے گا اور وہ اس میں سے اپنا اپنا حصہ بقدر جنایات لیں گے بشرطیکہ غلام اس کا محل ہو یعنی اس کی حریت کے اسباب وتدبیر واستیلاد اور کتابت منعقد نہ ہو چکے ہوں ورنہ آقا کو صرف ایک قیمت دینی پڑے گی جس کو سب وارث بقدر حصص بانٹ لیں گے۔

قولہ جنی عبدہ الخ کسی کے غلام نے از راہ خطا کسی کو قتل کر دیا تو اس کے مالک کو اختیار ہے چاہے جنایت قتل کے بدلے میں مملوک دیدے اس صورت ولی جنایت اس کا مالک ہو جائے گا اور چاہے فی الحال اس کی دیت کا فدیہ دیدے امام شافعی کے یہاں مملوک کی جنایت اس کی گردن سے وابستہ ہوتی ہے پس اس سلسلے میں اس کو فروخت کر دیا جائے گا الا یہ کہ آقا اسکا تاوان دیدے اور یہ مسئلہ دراصل صحابہؓ کے درمیان بھی مختلف فیہ رہا ہے چنانچہ کافی وکفایہ اور معراج الدرایہ میں ہے کہ حضرت ابن عباس معاذ بن جبل اور ابوعبیدہ ابن الجراح سے ہمارے مذہب کیطرح منقول ہے اور حضرت عمر وحضرت علی سے امام شافعی کے مذہب کیطرح' امام شافعی فرماتے ہیں کہ موجب جنایت میں اصل یہ ہے کہ وہ متلف پر واجب ہو کیونکہ جانی درحقیقت وہی ہے مگر جانی کیطرف سے اس کے عاقلہ جنایت کے متحمل ہو جاتے ہیں اور غلام کا کوئی عاقلہ نہیں ہے لہٰذا جنایت اسکی گردن سے متعلق رہے گی ہم یہ کہتے ہیں کہ بحالت خطاء جنایت میں اصل یہ ہے کہ وہ جانی پر نہ پڑے کہ اس کی گردن ہی ٹوٹ جائے کیونکہ وہ خطاء کیوجہ سے معذور ہے بلکہ اس کے عاقلہ پر پڑنی چاہئے اور غلام کے حق میں آقا اس کا عاقلہ ہے کیونکہ عاقلہ میں اصل نصرت ہے اور غلام کی نصرت اس کے آقا ہی سے ہے لہٰذا جنایت اس کے آقا پر پڑے گی۔

فائدہ: ہمارے یہاں جنایت مملوک میں اصل واجب دفع مملوک ہے یا اس کا فدیہ؟ اس میں مشائخ کی عبارتیں مختلف ہیں صاحب تنویر وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ برقول صحیح اصل واجب دفع مملوک ہے صاحب ہدایہ نے اسکی تصریح کی ہے لیکن شرنبلالیہ میں سراج سے اور جوہرہ میں بزدوی سے اور اسرار میں بعض مشائخ سے منقول ہے کہ برقول صحیح اصل واجب فدیہ ہے، علامہ زیلعی کی تعلیل سے بھی یہی مستفاد ہوتا ہے، شارح مجمع ابن ملک نے امام صاحب کی طرف سے تعلیل میں بیان کیا ہے کہ ان میں سے ایک واجب ہے، محیط میں امام محمد نے مبسوط میں کہا ہے کہ جب غلام کسی پر موجب مال جنایت کرے تو اسکے آقا کو اختیار ہے چاہے غلام دے چاہے فدیہ۔

(۱)...... لانه لما ظهر عن الجناية بالفداء جعل كان لم تكن وهذا ابتداء جناية ۱۲ . هدايه

(۲)...... فالا ظهر ان يقال لما فرغ من بيان جناية الحر على الحر شرع في بيان جناية المملوک ۱۲ .

وَاِنْ جَنٰی جِنَایَتَیْنِ دَفَعَهٗ بِهِمَا اَوْ فَدَاهُ بِاَرْشِهِمَا فَاِنْ اَعْتَقَهٗ غَیْرَ عَالِمٍ بِالْجِنَایَةِ

اگر دو جنایتیں کیں تو دیدے غلام دونوں کے بدلہ میں یا عوض دیدے دونوں کے تاوان کا اگر آزاد کردیا اس کو جنایت سے ناواقف ہوتے ہوئے

ضَمِنَ الاَقَلَّ مِنْ قِیْمَتِهٖ وَمِنَ الاَرْشِ وَلَوْ عَالِمًا بِهَا لَزِمَهُ الاَرْشُ کَبَیْعِهٖ وَتَعْلِیْقِ عِتْقِهٖ بِقَتْلِ فُلاَنٍ

تو ضامن ہوگا کمتر کا اسکی قیمت اور تاوان سے اور اگر جنایت کا علم تھا تو لازم ہوگا اس کو تاوان جیسے اسکو فروخت کرنے اور اسکی آزادی کو فلاں کے قتل کرنے

وَرَمْیِهٖ وَشَجِّهٖ اِنْ فَعَلَ عَبْدٌ قَطَعَ یَدَحُرٍّ عَمَدًا وَدُفِعَ اِلَیْهِ فَحَرَّرَهٗ

یا اسکو تیر مارنے یا زخمی کرنے پر معلق کرنے میں ہوتا ہے اگر غلام اسکا مرتکب ہو غلام نے آزاد کا ہاتھ قصدا کاٹا اور وہ اسکو دیدیا گیا پس اس نے اس کو آزاد

فَمَاتَ مِنَ الْیَدِ فَالْعَبْدُ صُلْحٌ بِالْجِنَایَةِ وَاِنْ لَمْ یُحَرِّرْهُ رَدَّهٗ عَلٰی سَیِّدِهٖ وَیُقَادُ.

کردیا پھر آزاد شخص مرگیا ہاتھ کے زخم سے تو غلام صلح ٹھہر ا جنایت سے اگر آزاد نہ کیا ہو تو واپس کردے اس کے مالک کے پاس اب اس سے قصاص لیا جائیگا

تشریح الفقہ :قولہ فان اعتقہ الخ غلام نے کوئی جنایت کی آقا کو معلوم نہیں تھا اس نے آزاد کردیا تو قیمت اور دیت میں سے جو کم ہو آقا اسکا ضمان دیگا اور اگر جنایت سے واقف ہوتے ہوئے آزاد کیا یا اسکو فروخت کردیا یا اس سے کہا کہ اگر تو زید کو قتل کردے یا زخمی کردے تو تو آزاد ہے اور غلام نے ایسا کرلیا تو آقا پر دیت کا ضمان لازم ہوگا کیونکہ اسکی آزادی کو وجود جنایت پر معلق کرنا فدیہ کو اختیار کرنا ہے۔

قولہ عبد قطع الخ غلام نے کسی آزاد شخص کا قصداً ہاتھ کاٹ دیا مالک نے غلام اس آزاد شخص کو دے دیا اور اس نے اسکو آزاد کردیا پھر وہ قطع ید سے مرگیا تو مالک کا اس غلام کا دے ڈالنا اس تقصیر سے صلح قرار پائیگی اور مالک کے ذمہ آزاد کے قتل کا کوئی تاوان نہ ہوگا، اور اگر اس نے غلام کو آزاد نہیں کیا اور خود قطع ید کے صدمے سے مرگیا تو اس صورت میں غلام مالک کو واپس کیا جائیگا اور غلام سے قصاص لیا جائیگا کیونکہ جب اس نے اس کو آزاد نہیں کیا اور قطع ید جان تک سرایت کرگیا تو یہ بات ظاہر ہوگئی کہ ہاتھ کی دیت واجب نہیں تھی بلکہ قصاص واجب تھا لہذا قصاص لیا جائیگا۔

جَنٰی مَاذُوْنٌ مَدْیُوْنٌ خَطأً فَحَرَّرَهٗ سَیِّدُهٗ بِلاَ عِلْمٍ عَلَیْهِ قِیْمَةٌ لِرَبِّ الدَّیْنِ وَقِیْمَةٌ لِوَلِیِّ الْجِنَایَةِ مَاذُوْنَةٌ مَدْیُوْنَةٌ

جنایت کی عبد ماذون مقروض نے خطاء مالک نے اس کو آزاد کردیا لاعلمی میں تو مالک پر ایک قیمت ہوگی قرض خواہ کیلئے اگر ماذون مقروض باندی

وَلَدَتْ بِیْعَتْ مَعَ وَلَدِهَا لِلدَّیْنِ وَاِنْ جَنَتْ فَوَلَدَتْ لَمْ یُدْفَعِ الْوَلَدُ لَهٗ عَبْدٌ زَعَمَ رَجُلٌ

بچہ جنے تو بیچ دیا جائے گا اس کو بچہ کے ساتھ قرض کی بات، اور اگر اس نے قصور کیا پھر بچہ جنا تو بچہ نہیں دیا جائے گا کسی کا غلام ہے جس کے متعلق ایک

اَنَّ سَیِّدَهٗ حَرَّرَهٗ فَقَتَلَ وَلِیَّهٗ خَطَاءً لاَشَیْئَ لَهٗ عَلَیْهِ قَالَ مُعْتَقٌ لِرَجُلٍ

شخص نے اقرار کیا کہ آقا نے اس کو آزاد کردیا پس غلام نے اس کے ولی کو خطاء قتل کردیا تو مقر کیلئے اس پر کچھ نہ ہوگا کہا آزاد کردہ غلام نے کسی سے

قَتَلْتُ اَخَاکَ خَطَاءً وَاَنَا عَبْدٌ وَقَالَ بَعْدَ الْعِتْقِ فَالْقَوْلُ لِلْعَبْدِ وَاِنْ قَالَ لَهَا

کہ قتل کیا تھا میں نے تیرے بھائی کو خطاء غلامی کی حالت میں اس نے کہا کہ آزادی کے بعد قتل کیا ہے تو غلام کا قول معتبر ہوگا اور اگر باندی سے کہا

قَطَعْتُ یَدَکِ وَاَنْتِ اَمَتِی وَقَالَتْ بَعْدَ الْعِتْقِ فَالْقَوْلُ لَهَا وَکَذَا کُلُّ مَااَخَذَ مِنْهَا

کہ کاٹا تھا میں نے تیرا ہاتھ جبکہ تو میری باندی تھی باندی نے کہا آزادی کے بعد کاٹا ہے تو باندی کا قول معتبر ہوگا اسی طرح ہر اسی چیز میں جو لی ہو اس نے

إِلَّا الْجِمَاعُ وَالْغَلَّةُ عَبْدٌ مَحْجُوْرٌ اَمَرَ صَبِيًّا حُرًّا بِقَتْلِ رَجُلٍ فَقَتَلَهُ فَدِيَتُهُ عَلٰى عَاقِلَةِ الصَّبِيِّ وَكَذَا إِنْ اَمَرَ عَبْدًا

باندی سے بجز وطی اور کمائی کے، عبد مجور نے آزاد بچہ کو حکم کیا کسی کے قتل کا اس نے قتل کر دیا تو اس کی دیت بچہ کے عاقلہ پر ہوگی اسی طرح اگر غلام کو

عَبْدٌ قَتَلَ رَجُلَيْنِ عَمَدًا وَلِكُلٍّ وَلِيَّانِ فَعَفٰى اَحَدُ وَلِيَّيْ كُلٍّ مِّنْهُمَا دَفَعَ سَيِّدُهُ

اس کا حکم کیا ہو غلام نے دو آدمیوں کو قصداً مار ڈالا جن میں سے ہر ایک کے دو ولی ہیں پس ان میں سے ہر ایک نے معاف کر دیا تو دے مالک

نِصْفَهُ إِلَى الْاٰخَرِيْنَ اَوْ فَدَاهُ بِالدِّيَةِ فَإِنْ قَتَلَ اَحَدَهُمَا عَمَدًا وَالْاٰخَرَ خَطَاءً فَعَفٰى اَحَدُ وَلِيَّيِ الْعَمَدِ

آدھا غلام دوسرے دو کو یا چھڑا لے اس کو دیت دے کر اور اگر ان میں سے ایک کو قصداً قتل کیا اور دوسرے کو خطاءً اور عمد کے ایک ولی نے معاف کر دیا

فَدٰى بِالدِّيَةِ لِوَلِيَّيِ الْخَطَاءِ وَبِنِصْفِهَا لِاَحَدِ وَلِيَّيِ الْعَمَدِ اَوْ دَفَعَهُ اِلَيْهِمْ اَثْلَاثًا

تو چھڑا لے کل دیت دیکر خطاء کے دونوں ولیوں کو اور آدھی دیت دیکر عمد کے ایک ولی کو یا غلام کو اس کے حوالے کر دے تہائی تہائی

عَبْدُهُمَا قَتَلَ قَرِيْبَهُمَا فَعَفٰى اَحَدُهُمَا بَطَلَ الْكُلُّ.

دو کے غلام نے ان کے قرابت دار کو قتل کیا ان میں سے ایک نے معاف کر دیا تو سب ختم ہو گیا۔

تشریح الفقہ: **قولہ ماذونۃ الخ** اگر مدیونہ ماذونہ باندی کے بچہ پیدا ہوا تو دین کے سلسلہ میں باندی کو بچہ کے ساتھ فروخت کر دیا جائیگا (بشرطیکہ ولادت لحوق دین کے بعد ہو) اور اگر اس نے کوئی جنایت کی پھر بچہ ہوا تو بچہ ورثہ جنایت کو نہیں دیا جائیگا وجہ فرق یہ ہے کہ دین وصف حکمی ہے جو باندی کے ذمہ ہے اور اس کی گردن سے متعلق ہے اس لئے وہ بچہ تک سرایت کر جائے گا بخلاف جنایت کے کہ موجب جنایت باندی کے ذمہ نہیں ولی کے ذمہ ہے اسلئے وہ بچہ تک سرایت نہیں کریگا۔

قولہ قال المعتق الخ ایک آزاد شدہ غلام نے کسی سے کہا کہ میں نے غلامی کی حالت میں تیرے بھائی کو قتل کیا تھا اور وہ شخص کہتا ہے کہ تو نے آزاد ہو جانیکے بعد قتل کیا ہے تو غلام کا قول معتبر ہوگا کیونکہ وہ لزوم ضمان کا منکر ہے اور قول منکر ہی کا معتبر ہوتا ہے اور اگر آقا نے اپنی آزاد کردہ باندی سے کہا کہ میں نے تیرا ہاتھ اس وقت کاٹا تھا جب تو میری باندی تھی اور باندی کہے کہ میرے آزاد ہو جانیکے بعد کاٹا ہے تو باندی کا قول معتبر ہوگا کیونکہ آقا سبب ضمان یعنی قطع ید کیا اقرار کے بعد اس چیز کا دعوی کر رہا ہے جو اسکو ضمان سے بری الذمہ کر دے اسلئے اسکا قول معتبر نہ ہوگا۔

قولہ عبد قتل رجلین الخ ایک غلام نے ایسے دو آدمیوں کو عمداً قتل کیا جن کے دو وارث ہیں اور ان میں سے ایک ایک نے قصاص معاف کر دیا تو اس صورت میں مالک نصف غلام ان دونوں وارثوں کو دے جنھوں نے معاف نہیں کیا یا پوری دیت دیکر غلام کا فدیہ دیا اس واسطے کہ ہر مقتول کا ایک مستقل قصاص واجب تھا اور عفو کی وجہ سے قصاص منقلب بمال ہو گیا تو آقا پر بیس ہزار درہم واجب ہوئے جن میں سے دس ہزار درہم معاف کرنے والوں کے حصے کے ساقط ہو گئے اور جنھوں نے معاف نہیں کیا ان کے حصے کے دس ہزار درہم باقی ہیں پس اگر آقا فدیہ دینا چاہے تو دیت یعنی دس ہزار درہم دے گا۔

قولہ فان قتل احد هما الخ اور اگر مسئلہ مذکورہ میں غلام نے ایک کو عمداً قتل کیا اور دوسرے کو خطاءً اور قتل عمد کے وارثوں میں سے

(۱)......لانہ تلف حقین الدفع الی الاولیاء والبیع علی الغرماء وکل واحد منہما مضمون بکل القیمۃ حال الانفراد فکذا عند الاجتماع ۱۲ طحطاوی۔

(۲)......لانہ بزعمہ عتقہ اقرانہ لا یستحق العبد بل الدیۃ لکنہ لا یصدق علی العاقلۃ الا بحجۃ ۱۲ در مختار۔

ایک نے قصاص معاف کر دیا تو مالک قتل خطأ کے وارثوں کو پوری دیت کا فدیہ دیگا اور قتل عمد کے وارث نے معاف نہیں کیا اس کو نصف دیت کا فدیہ دیگا، اور اگر غلام دینا چاہے تو قتل خطأ کے دو وارثوں کو غلام دیدے اور بطریق عول تین تہا ذ بانٹ دے وجہ یہ ہے کہ خطا کے وارثوں کا حق پوری دیت یعنی دس ہزار درہم میں ہے اور عمد کے وارثوں کا حق قصاص میں ہے اور جب عمد کے ایک وارث نے معاف کر دیا تو دوسرے وارث کا حصہ مال ہو گیا یعنی پانچ ہزار درہم پس اگر مالک فدیہ دینا اختیار کرے تو دس ہزار خطا کے وارثوں کو دے اور پانچ ہزار عمد کے ایک وارث کو جس نے معاف نہیں کیا اور اگر مالک غلام دینا چاہے تو اس کی دو تہائیاں خطأ کے وارثوں کو دے اور ایک تہائی عمد کے وارث کو یہ تفصیل امام صاحبؒ کے یہاں ہے صاحبین کے یہاں بطریق منازعت چار حصے ہوں گے جن میں تین چوتھائیاں خطأ کے وارثوں کو ملیں گی، اور ایک چوتھائی عمد کے وارث کو۔

قولہ عبد ھما قتل الخ دو آدمیوں کے ایک مشترک غلام نے ان کے قرابت دار کو مار ڈالا اور ایک مالک نے قصاص معاف کر دیا تو امام صاحبؒ کے نزدیک کل قصاص باطل ہو جائیگا کیونکہ قصاص بوجہ عفو منقلب بمال ہو گیا اور غلام پر مستوجب دین نہیں ہوتا صاحبین یہ فرماتے ہیں کہ جس مالک نے قصاص معاف کیا ہے وہ اپنا آدھا حصہ دوسرے مالک کو دے یا چوتھائی دیت دیکر اس کا فدیہ دے بعض حضرات نے امام محمدؒ کو امام صاحب کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

فَصْلٌ : قُتِلَ عَبْدٌ خَطَاءً تَجِبُ قِيْمَتُهُ وَنَقَصَ عَشْرَةً لَوْكَانَتْ عَشْرَةَ الآفٍ اَوْ اَكْثَرَ وَفِى الاَمَةِ

(فصل) قتل کیا گیا غلام خطاء تو واجب ہوگی اس کی قیمت اور کم کئے جائیں گے دس درہم اگر ہو قیمت دس ہزار یا اس سے زیادہ اور باندی میں

عَشْرَةٌ مِنْ خَمْسَةِ الآفٍ وَفِى الْمَغْصُوْبِ تَجِبُ قِيْمَتُهٗ مَابَلَغَتْ وَمَا قُدِّرَ مِنْ دِيَّةِ الْحُرِّ قُدِّرَ

دس کم کئے جائیں گے پانچ ہزار سے اور مغصوب غلام میں واجب ہوگی اس کی قیمت جتنی بھی ہو جو مقدار مقرر ہے آزاد کی دیت سے وہی مقرر ہوگی

مِنْ قِيْمَتِهٖ فَفِىْ يَدِهٖ نِصْفُ قِيْمَتِهٖ قُطِعَ يَدُ عَبْدٍ فَحَرَّرَهٗ سَيِّدُهٗ فَمَاتَ مِنْهُ وَلَهٗ وَرَثَةٌ غَيْرُهٗ

غلام کی قیمت سے پس اس کے ہاتھ میں اس کی آدھی قیمت ہے غلام کا ہاتھ کاٹ دیا گیا اور مالک نے اس کو آزاد کر دیا پھر وہ مر گیا اور اس کے اور بھی

لَايُقْتَصُّ وَاِلَّا اُقْتُصَّ مِنْهُ قَالَ اَحَدُكُمَا حُرٌّ فَشُجَّا فَبَيَّنَ فِى اَحَدِهِمَا فَاَرْشُهُمَا

وارث ہیں تو قصاص نہیں لیا جائیگا کہا تم میں سے ایک آزاد ہے وہ زخمی کر دیے گئے پھر ان میں سے ایک میں آزادی کو بیان کیا تو ان کا تاوان

لِلسَّيِّدِ فَقَاءَ عَيْنَىْ عَبْدٍ دَفَعَ سَيِّدُهٗ عَبْدَهٗ وَاَخَذَ قِيْمَتَهٗ اَوْ اَمْسَكَهٗ وَلاَ يَاْخُذُ النُّقْصَانَ

مالک کیلئے ہوگا کسی نے غلام کی دونوں آنکھیں پھوڑ دی تو مالک اس کے حوالے کر دے اپنا غلام اور اسکی قیمت لیلے یا اسی کو رکھ لے اور نقصان نہ لے

جَنٰى مُدَبَّرٌ اَوْ اُمُّ وَلَدٍ ضَمِنَ السَّيِّدُ الاَقَلَّ مِنَ الْقِيْمَةِ وَمِنَ الاَرْشِ فَاِنْ دَفَعَ الْقِيْمَةَ بِقَضَاءٍ فَجَنٰى اُخْرٰى

جنایت کی مدبر نے یا ام ولد نے تو ضامن ہوگا مالک کمتر کا قیمت اور تاوان سے پس اگر دی اس نے قیمت قاضی کے حکم سے اور اس نے پھر جنایت

شَارَكَ الثَّانِى الاَوَّلَ وَلَوْ بِغَيْرِ قَضَاءٍ اَتْبَعَ السَّيِّدَ اَوْ وَلِىَّ الْجِنَايَةِ.

کی تو شریک ہوگا دوسرا پہلے کا اور اگر قاضی نے حکم کے بغیر دی تو پیچھا کرے دوسرا مالک کا یا پہلے نقصان والے کا۔

موجب قتل عبد کے احکام کی تفصیل

تشریح الفقہ: قولہ فصل الخ غیر پرمملوک کی جنایت کے احکام سے فراغت کے بعد خود مملوک پر جنایت کے بیان کر رہا ہے کیونکہ فاعل وجود مفعول پر مقدم ہوتا ہے تو ترتیب ذکری میں بھی اسی طرح ہونا چاہیئے۔

قولہ قتل عبد الخ اگر کوئی غلام یا باندی خطاءً قتل ہو جائے تو ان کی قیمت واجب ہوگی اب اگر غلام کی قیمت آزاد مرد کی دیت یعنی دس ہزار درہم کے برابر ہو اور باندی کی قیمت آزاد عورت کی دیت یعنی پانچ ہزار درہم کے برابر ہو تو مملوک کے رتبہ کا انحطاط ظاہر کریں گے تو ہر ایک کی دیت سے دس دس درہم کم کر دیئے جائیں گے یہ حکم طرفین کے نزدیک ہے، امام نخعی، شعبی اور ثوری اسی کے قائل ہیں یہی ایک روایت امام احمد سے ہے امام ابو یوسف کا بھی پہلا قول یہی ہے آخری قول یہ ہے کہ ان کی قیمت واجب ہوگی۔ جتنی بھی ہو۔ کیونکہ ضمان مالیت کا بدل ہے حضرت عمر و حضرت علی سے بھی یہی مروی ہے، ائمہ ثلاثہ، ابن یسرین، ابن المسیب، عمر بن عبد العزیز، زہری اسحاق، مکحول، حسن، ایاس بن معاویہ بھی اسی کے قائل ہیں، امام صاحب کی دلیل حضرت عبد اللہ بن مسعود کا قول ہے "**لا یبلغ بقیمۃ العبد دیۃ الحر وینقص منہ عشرۃ دراھم**"، نیز دیت کا وجوب آدمیت کے مقابلہ میں ہے، اور مملوک میں مالیت و آدمیت دونوں ہیں لیکن آدمیت کا رتبہ اعلیٰ ہے لہذا اسی کا اعتبار ہوگا۔

قولہ وما قدر الخ جو مقدار اعضاء حر کی دیت سے مقرر ہے وہی مملوک کی قیمت سے مقرر ہے تو مملوک کے ہاتھ میں اس کی نصف قیمت ہوگی لیکن اکثر کتب فقہیہ ہدایہ، خلاصہ، منتقی البحرین، اختیار، والوالجیہ، منتقی مجتبی وغیرہ میں ہے کہ پانچ درہم کم پانچ ہزار ہوگی اس سے زیادہ نہ ہوگی۔

قولہ :فقاء عینی الخ ایک شخص نے غلام کی دونوں آنکھیں پھوڑ دیں تو اسکے مالک کو اختیار ہے چاہے وہ غلام آنکھ پھوڑنیوالے کو دے دے اور اس سے پوری قیمت لے لے اور چاہے اسی غلام کو اپنے پاس رکھے اس صورت میں وہ اس سے بقدر نقصان قیمت نہیں لے سکتا صاحبین کے یہاں لے سکتا ہے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس سے غلام کی قیمت کا ضمان بھی لے اور غلام کا اندھا دھڑ اپنے پاس رکھے صاحبین یہ فرماتے ہیں کہ جنایت کے سلسلہ میں غلام مال کے درجہ میں ہوتا ہے تو جیسے دیگر اموال میں مالک کو دونوں چیزوں کا اختیار ہوتا ہے اسی طرح یہاں بھی ہوگا۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ غلام کی ذات میں گو مالیت کا اعتبار ہے مگر آدمیت کو تو رائگاں نہیں کیا جا سکتا اب آدمیت کے احکام میں سے تو یہ ہے کہ ضمان جزء فائت اور جزء قائم ہر دو پر منقسم نہ ہو بلکہ جزء فائت کذے مقابلہ میں ہو اور اسکے جثہ میں تملک نہ ہو، اور احکام مالیت سے یہ ہے کہ ضمان جزء فائت اور جزء قائم ہر دو پر منقسم ہو اور جثہ میں تملک ہو تو دونوں حیثیتوں پر عمل کیا جائیگا اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب وہ نقصان نہ لے۔

قولہ: جنی مدبر الخ اگر مدبر غلام یا ام ولد کوئی جنایت نہ کرے تو قیمت اور دیت میں سے جو کم ہو مالک اسکا تاوان دے امام شافعی کے یہاں مدبر غلام عبد محض کے درجہ میں ہوتا ہے اسلئے انکے یہاں اسکی جنایت اسی کی گردن سے متعلق ہوگی اور مالک کو اختیار ہوگا چاہے جنایت کے بدلے میں غلام دیدے اور چاہے اسکا فدیہ دیدے اب اگر وہ غلام دینا اختیار کرتا ہے تو جنایت کے عوض میں غلام کو فروخت کر دیا جائیگا اور اگر فدیہ دینا اختیار کرتا ہے تو امام شافعی کے دو قول ہیں ایک یہ کہ جنایت کے تاوان کی جو بھی مقدار ہو اسی کا

---

(۱)......لان ضمان الغصب یکون باعتبار المالیۃ لا باعتبار الآ دمیۃ ۱۲۔ مجمع (۲)......لاشتباہ من لہ الحق لان المعتبران کان وقت الجرح فالمستحق السید ۔ وان کان وقت الموت فذالک الوارث وحدہ، اومع السید ۱۲۔ طحطاوی مع تغیر (۳)......لان العتق غیر نازل فی المعین والشجۃ تصادف العین فبقیا مملوکین فی حق الشجۃ ۱۲۔ زیلعی۔

تاوان دیگا امام احمد سے بھی ایک روایت یہی ہے دوسرا قول یہ ہے کہ تاوان جنایت اور قیمت میں سے جو کم ہو وہ دیگا امام احمد سے دوسری روایت یہی ہے امام مالک فرماتے ہیں کہ مدبر کو اسکی جنایت کے سلسلہ میں فروخت نہیں کیا جاسکتا بلکہ مجنی علیہ اس سے بقدر جنایت خدمت لیتا رہے گا جب وہ خدمت لے چکے تو غلام پھر اپنے مالک کے پاس آ جائیگا اور حسب سابق مدبر رہیگا ہماری دلیل حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کا ارشاد ہے "جناية المدبر على مولاه" امام شعبی، نخعی، حسن اور عمر بن عبدالعزیز سے بھی یہی روایت ہے پھر اگر مالک نے قیمت قاضی کے حکم سے دی اسکے بعد مدبر یا ام ولد نے دوسری جنایت کی تو آقا پر کچھ واجب نہ ہوگا بلکہ مقتول ثانی کا وارث مقتول اول کے وارث کا شریک ہوگا کیونکہ مدبر کی کل جنایت میں صرف ایک ہی قیمت واجب ہوتی ہے اور وہ آقا دے چکا اور اگر مالک نے پہلی جنایت کے وارثوں کو قیمت بلا حکم قاضی دی ہو تو مقتول ثانی کا وارث چاہے اپنے حصے کیمطابق قیمت لینے کیلئے مالک کا پیچھا کرے اور مقتول اول کے وارث سے اتنا ہی واپس لے لے اور چاہے وارث اول کا پیچھا کرے یعنی اس سے نصف قیمت لے لے یہ تفصیل امام صاحب کے یہاں ہے صاحبین کے یہاں بلا قاضی (قضاء) قیمت دینے میں مالک پر کچھ واجب نہیں۔

عہ...... رواه القدوری فی شرح مختصر الکرخی وعبد الرزاق وابن شیبه عن النخعی والشعبی ۱۲. عہ...... ابن ابی شیبه ۱۲.

باب غصب العبد والمدبر والصبی والجنایة فی ذلک

باب غلام اور مدبر اور بچہ کے غصب کرنے اور اس اثنا میں اس سے قصور واقع ہونے کے بیان میں

قَطَعَ يَدَ عَبْدِهٖ فَغَصَبَهٗ رَجُلٌ وَمَاتَ مِنْهُ ضَمِنَ قِيْمَتَهٗ اَقْطَعَ وَاِنْ قَطَعَ يَدَهٗ فِي يَدِ الْغَاصِبِ

کسی نے غلام کا ہاتھ کاٹ ڈالا پھر کسی نے اس کو غصب کرلیا اور وہ مرگیا تو غاصب ضامن ہوگا ہاتھ کٹے غلام کی قیمت کا اور اگر ہاتھ کاٹا اس کا غاصب کے

فَمَاتَ مِنْهُ بَرِئَ غَصَبَ مَحْجُوْرٌ مِثْلَهٗ فَمَاتَ فِي يَدِهٖ ضَمِنَ مُدَبَّرٌ جَنٰى عِنْدَ غَاصِبِهٖ

یہاں پھر وہ مرگیا تو غاصب بری ہوگا غصب کیا عبد محجور نے اپنے جیسے کو اور وہ مرگیا اس کے پاس تو ضامن ہوگا مدبر نے جنایت کی اپنے غاصب کے

ثُمَّ عِنْدَ سَيِّدِهٖ ضَمِنَ قِيْمَتَهٗ لَهُمَا وَرَجَعَ بِنِصْفِ قِيْمَتِهٖ عَلَى الْغَاصِبِ وَدَفَعَ اِلَى الْاَوَّلِ

یہاں پھر اپنے مالک کے یہاں تو ضامن ہوگا اس کی قیمت کا دونوں کیلئے اور لیلے گا اس کی آدھی قیمت غاصب سے اور دیدے گا اول کو

ثُمَّ رَجَعَ بِهٖ عَلَى الْغَاصِبِ وَبِعَكْسِهٖ لَايَرْجِعُ بِهٖ ثَانِيًا وَالْقِنُّ كَالْمُدَبَّرِ غَيْرَ اَنَّ الْمَوْلٰى يَدْفَعُ الْعَبْدَ هُنَا

پھر آدھی ہی اور لے لے گا غاصب سے اور اس کے عکس میں نہیں لے گا اس سے دوبارہ اور غلام مثل مدبر کے ہے بجز اس کے کہ مالک حوالے کریگا غلام یہاں

وَثَمَّهٗ اَلْقِيْمَةَ مُدَبَّرٌ جَنٰى عِنْدَ غَاصِبِهٖ فَرَدَّهٗ فَغَصَبَهٗ فَجَنٰى عَلٰى سَيِّدِهٖ قِيْمَتُهٗ

اور وہاں قیمت مدبر نے جنایت کی اپنے غاصب کے پاس اس نے واپس کردیا اور پھر غصب کرلیا اس نے پھر جنایت کی تو مالک پر اسکی قیمت

لَهُمَا وَرَجَعَ بِقِيْمَتِهٖ عَلَى الْغَاصِبِ وَدَفَعَ نِصْفَهَا اِلَى الْاَوَّلِ وَرَجَعَ بِذٰلِكَ النِّصْفِ عَلَى الْغَاصِبِ

واجب ہوگی دونوں کیلئے اور لیلے گا اسکی قیمت غاصب سے اور دیگا آدھی قیمت اول کو اور یہ آدھی بھی لے لیگا غاصب سے

غَصَبَ صَبِيًّا حُرًّا فَمَاتَ فِي يَدِهٖ فَجَاَةً اَوْ بِحُمّٰى لَمْ يَضْمَنْ وَاِنْ مَاتَ بِصَاعِقَةٍ اَوْ نَهْشِ حَيَّةٍ

غصب کیا آزاد بچہ اور وہ مرگیا اسکے یہاں اچانک یا بخار سے تو ضامن نہ ہوگا اور اگر وہ مرگیا بجلی گرنے یا سانپ کے ڈسنے سے

فَدِيَتُهٗ عَلٰى عَاقِلَةِ الْغَاصِبِ كَصَبِيٍّ اُوْدِعَ عَبْدًا فَقَتَلَهٗ وَاِنْ اُوْدِعَ طَعَامًا فَاَكَلَهٗ لَمْ يَضْمَنْ.

تو اس کی دیت غاصب کے عاقلہ پر ہوگی اس بچہ کی طرح جس کو سپرد کیا گیا کوئی غلام اور اس نے اس کو قتل کردیا اور اگر کھانا سپرد کیا گیا اور وہ کھا گیا تو ضامن نہ ہوگا

تشریح الفقہ: قولہ: قطع ید عبدہ الخ کسی نے غلام کا ہاتھ کاٹ ڈالا اور اسکو کسی نے غصب کرلیا اور وہ سرایت زخم کیوجہ سے مرگیا تو غاصب ٹونڈے غلام کا تاوان دیگا اور اگر غلام غاصب کے قبضہ میں تھا اور اسکے پاس رہتے ہوئے کوئی اسکا ہاتھ کاٹے پھر غلام سرایت زخم کیوجہ سے مرگیا تو غاصب تاوان سے بری الذمہ ہوگا وجہ فرق یہ ہیکہ بیع کی طرح غصب بھی ملک کا سبب ہوتا ہے تو جنایت اور سرایت کے درمیان غصب کا حائل ہوجانا قاطع سرایت ہوا اور ٹونڈا غلام گویا غاصب کے پاس کسی آفت سماویہ کیوجہ سے ہلاک ہوا لہذا ٹونڈے غلام کی قیمت دیگا، اور دوسری صورت میں قاطع سرایت پایا نہیں گیا اسلئے غاصب بری الذمہ ہوگا۔

(۱)......لما ذکر جنایة العبد والمدبر ذکر فی هذا الباب جنایتهما مع غصبهمالان المفرد قبل المرکب ۱۲. شبلی

(۲)......لان المحجور علیه مواخذ بافعاله وهذا من افعاله ۱۲. زیلعی.

قوله مدبر جنی الخ ایک شخص نے مدبر غلام غصب کیا اس نے غاصب کے پاس رہتے ہوئے کسی کو قتل کیا غاصب نے غلام اسکے مالک کو واپس کر دیا غلام نے مالک کے یہاں بھی کسی کو قتل کر دیا تو مالک اسکی قیمت کا تاوان دونوں مقتولوں کے ورثہ کو نصفا نصف دے اور غاصب سے مدبر کی نصف قیمت لیکر جنایت اول کے وارث کو دے کیونکہ اسکا حق پوری قیمت میں تھا اسواسطے کہ جب اسکا آدمی مقتول ہوا تھا اس وقت اسکا کوئی مزاحم موجود نہیں تھا کمی جو ہوئی ہے وہ مقتول ثانی کی مزاحمت سے ہوئی ہے اور جب مالک کے ہاتھ میں غلام کا بدلہ غیر کے حق سے فارغ ہو کر آ گیا تو اسکو وارث اول لے لے گا تا کہ اسکا حق پورا ہو جائے، اب مالک غاصب سے نصف قیمت اور لیگا کیونکہ مالک سے جو یہ لیا گیا ہے اسکا سبب تو غاصب ہی کے یہاں متحقق ہوا تھا۔

قوله بعکسه الخ عکس کی صورت یہ ہے کہ مدبر نے پہلے اپنے مالک کے یہاں کسی کو قتل کیا اس کے بعد غاصب کے یہاں قتل کیا اس صورت میں مالک غاصب سے دوبارہ نصف قیمت اس لئے نہیں لے سکتا کہ پہلی جنایت خود اسے کے پاس واقع ہوئی ہے نہ کہ غاصب کے پاس۔

قوله علی سیده قیمته الخ صورت مسئلہ یہ ہے کہ عمرو نے بکر کا مدبر غلام غصب کیا اس نے عمرو کے یہاں زید پر جنایت کی پھر عمرو نے وہ مدبر بکر کو واپس کر کے دوبارہ چھین لیا اور اس مرتبہ اس نے خالد پر جنایت کی تو بکر پر مدبر مذکور کی قیمت واجب ہوگی جو وہ ولی خلیتین (زید اور خالد) کو دے گا اور وہ مدبر کی پوری قیمت عمرو سے وصول کرے گا' کیونکہ دونوں جنایتیں اسی کے یہاں وقوع میں آئی ہیں اب جو قیمت بکر نے عمرو سے لی ہے اس میں نصف قیمت ولی جنایت اول یعنی زید کو دے گا۔ کیونکہ کل قیمت کا مستحق ہے (علی مابینا سابقا) اور جو نصف قیمت اس نے زید کو دی ہے وہ پھر عمرو سے وصول کرے گا۔ کیونکہ اس نصف کا استحقاق بھی اسی سبب سے ہے جو غاصب کے یہاں واقع ہوا تھا **فیر جع به علیه**۔

قوله غصب صبیاً الخ ایک چھوٹا سا آزاد بچہ جو اپنا حال بیان نہیں کر سکتا۔ کسی نے غصب کر لیا (یعنی اس کے ولی کی اجازت کے بغیر کہیں لے گیا) اور وہ اچانک یا بخار کے سبب مر گیا تو غاصب ضامن نہ ہوگا۔ کیونکہ ناگہانی موت اور بخار کا آنا ہر مقام میں ممکن ہے' اور اگر وہ بجلی گرنے یا سانپ کے ڈسنے کی وجہ سے مر گیا تو غاصب کے عاقلہ پر بچہ کی دیت واجب ہوگی۔ مگر استحسانا قیاس کی رو سے دونوں صورتوں میں ضمان نہیں ہونا چاہئے۔ جیسا کہ امام زفر اور ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کیونکہ آزاد کے حق میں غصب متحقق ہی نہیں ہوتا۔ وجہ استحسان یہ ہے کہ یہاں ضمان غصب کیوجہ سے نہیں بلکہ اتلاف کی وجہ سے ہے کیونکہ بچہ کو ایسی بھیانک جگہ لے جانا جہاں درندے اور زہریلے جانور رہتے ہوں اتلاف بالتسبب ہے۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

باب القسامة

باب قسامت کے بیان میں

قَتِيْلٌ وُجِدَ فِي مَحَلَّةٍ لَمْ يُدْرَ قَاتِلُهُ حُلِّفَ خَمْسُوْنَ رَجُلاً مِنْهُمْ يَتَخَيَّرُهُمُ الْوَلِيُّ بِاللهِ مَا قَتَلْنَاهُ وَمَا عَلِمْنَا لَهُ

مقتول پایا گیا محلہ میں جس کا قاتل معلوم نہیں تو قسم لی جائے ان میں کے پچاس آدمیوں سے جن کو منتخب کرے مقتول کا ولی بخدا ہم نے نہ اسکو قتل کیا ہے

قَاتِلاً فَإِنْ حَلَفُوْا فَعَلٰى اَهْلِ الْمَحَلَّةِ الدِّيَةُ وَلاَ يُحَلَّفُ الْوَلِيُّ وَحُبِسَ الْاٰبِي حَتّٰى يُحَلِّفَ.

اور نہ ہم اسکے قاتل کو جانتے ہیں جب وہ قسم کھالیں تو اہل محلہ پر دیت ہوگی اور قسم نہ دی جائے ولی کو اور قید کیا جائے منکر کو یہاں تک کہ وہ قسم کھائے۔

تشریح الفقہ: قولہ القسامة الخ قسامہ لغۃً مصدر (یا اسم مصدر) ہے بمعنی قسم یعنی مطلق یمین وحلف خواہ ایک آدمی کھائے یا زیادہ اصطلاح شرح میں حق تعالیٰ کے نام کی قسم ہے جو بسبب مخصوص عدد (مخصوص کی جہت سے ایک مخصوص شخص پر بروجہ مخصوص کھائی جائے جس کا بیان آگے آ رہا ہے۔

قولہ قتیل الخ محلّہ میں ایک مقتول پایا گیا جس کا قاتل معلوم نہیں تو محلّہ کے پچاس آدمیوں سے قسم لی جائے گی جن کا انتخاب مقتول کا وارث کرے گا پس ان میں سے ہر شخص بصیغہ واحد یوں قسم کھائے گا کہ بخدا نہ میں نے اس کو قتل کیا ہے اور نہ اس کے قاتل کو جانتا ہوں جب وہ قسم کھا چکیں تو ان پر دیت کا حکم کر دیا جائے گا۔

قولہ ولا یحلف الولی الخ ہمارے یہاں قسم اہل محلّہ سے لیجائے گی ولی مقتول سے نہیں لی جائے گی امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر وہاں کسی قسم کا اشتباہ ہو مثلاً اہل محلہ مقتول سے ظاہری عداوت رکھتے ہوں یا کسی قتل کی علامت پائی جاتی ہو یا ظاہر حال مدعی کی صداقت کا شاہد ہو تو اولیاء مقتول سے پچاس بار قسم لیجائے گی کہ اس کو اہل محلہ نے قتل کیا ہے اس کے بعد مدعا علیہ پر دیت کا حکم کر دیا جائے گا امام مالک کے یہاں قصاص کا حکم کیا جائے گا اگر دعویٰ قتل عمد کا ہو امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اولیاء مقتول سے فرمایا تھا "فیقسم منکم خمسون انهم قتلوه"۔ ہماری دلیل حضور ﷺ کا ارشاد ہے "البينة على المدعى واليمين على المدعى عليه"۔

وَاِنْ لَمْ يَتِمَّ الْعَدَدُ كُرِّرَ الْحَلْفُ عَلَيْهِمْ لِيَتِمَّ خَمْسُوْنَ وَلاَ قَسَامَةَ عَلٰى صَبِيٍّ وَمَجْنُوْنٍ وَامْرَأَةٍ وَعَبْدٍ

اگر عدد پورا نہ ہو تو مکرر لیجائے گی قسم ان سے تاکہ پوری ہو جائیں پچاس اور نہیں ہے قسامت بچہ پر دیوانہ پر عورت پر غلام پر

وَلاَ قَسَامَةَ وَلاَدِيَةَ فِي مَيِّتٍ لاَ اَثَرَ بِهٖ اَوْ يَسِيْلُ دَمٌ مِنْ اَنْفِهٖ اَوْ فَمِهٖ اَوْ دُبُرِهٖ بِخِلاَفِ عَيْنِهٖ

اور نہیں ہے قسامت اور یہ دیت اس میت پر جس پر نہ ہو کوئی نشان یا بہتا ہو خون اسکی ناک یا منہ یا مقام براز سے بخلاف اسکے کہ بہتا ہو اسکی آنکھوں

وَاُذُنِهٖ قَتِيْلٌ عَلٰى دَابَّةٍ مَعَهَا سَائِقٌ اَوْ قَائِدٌ اَوْ رَاكِبٌ فَدِيَتُهٗ عَلٰى عَاقِلَتِهٖ

یا کانوں سے ایک مقتول ہے جانور پر لدا ہوا جسکے ساتھ آگے یا پیچھے سے ہانکنے والا یا کوئی سوار ہے تو اسکی دیت اسکے عاقلہ پر ہے

مَرَّتْ دَابَّةٌ عَلَيْهَا قَتِيْلٌ مِنْ بَيْنِ قَرْيَتَيْنِ فَعَلٰى اَقْرَبِ بِهِمَا

گذرا ایک جانور جس پر مقتول تھا دو بستیوں کے درمیان تو قسامت قریب والی بستی پر ہوگی

عہ.....ائمہ ستہ عن سہل بن ابی حثمہ ۱۲۔ عہ.....ترمذی، دار قطنی عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ۱۲۔

وَاِنْ وجِدَ فِي دَارِاِنْسَانٍ فَعَلَيْهِ الْقَسَامَةُ وَالدِّيَةُ عَلٰى عَاقِلَتِهٖ.

اور اگر پایا گیا کسی کے مکان میں تو اس پر قسامت ہوگی اور دیت اس کے عاقلہ پر ہوگی۔

تشریح الفقہ: **قوله وان لم يتم الخ** اہل محلّہ سے پچاس آدمیوں کی شمار پوری نہ ہوتو ان سے مکرر قسم لیجائے گی تاکہ پچاس قسمیں پوری ہو جائیں کیونکہ حضرت عمرؓ نے جب قسامت کا فیصلہ کیا تو انچاس قسمیں ہوئیں آپ نے انہیں میں سے ایک شخص سے مکرر قسم لی یہاں تک کہ پچاس پوری ہوگئیں' ابن ابی شیبہ نے حضرت شریح سے اور عبدالرزاق نے حضرت ابراہیم نخعی سے بھی یہی روایت کیا ہے کہ ان حضرات نے پچاس کا عدد پورا کرنے کیلئے مکرر قسم لی ہے۔

قوله ولا دية في ميت الخ اگر محلّہ میں کوئی ایسا مردہ پایا گیا جس کی ناک یا مقام براز یا منہ سے خون جاری ہوتو اس میں نہ قسامت ہے نہ دیت کیونکہ ممکن ہے وہ نکسیر یا بواسیر یا سوداوی قے کیوجہ سے مرا ہو ہاں اگر خون آنکھوں یا کانوں سے جاری ہوتو وہ مقتول سمجھا جائے گا کیونکہ ان جگہوں سے عادۃً بلا ضرب شدید خون جاری نہیں ہوتا۔

قوله مرت دابة الخ اگر کوئی مقتول دو گاؤں کے درمیان ملے تو قسامت اور دیت اس گاؤں پر ہوگی جس سے وہ زیادہ قریب ہو کیونکہ عہد نبوی میں اس طرح کا قصہ پیش آیا تو آپ نے دونوں گاؤں کی پیائش کرائی پیائش سے مردہ ایک گاؤں سے ایک بالشت قریب نکلا تو آپ ﷺ نے اسی گاؤں والوں پر قسامت کا فیصلہ فرمایا' اور اگر دونوں گاؤں برابر فاصلہ پر ہوں' تو دونوں پر لازم ہوگی' **ثم قيد الدابة اتفاقي فان الحكم كذلك اذا وجد طريحاً بينهما (در' طحطاوی' عینی)**۔

قوله وان وجد الخ اگر مقتول کسی کے گھر میں ملے تو گھر والے پر قسامت اور اس کے عاقلہ پر دیت ہوگی کیونکہ وہ گھر اس کے قبضہ میں ہے پس مالک دار کو اہل محلّہ سے ایسی نسبت ہے۔ جیسے اہل محلّہ کو اہل شہر سے' اور اہل شہر اہل محلّہ کے ساتھ قسامت میں نہیں ہوتے تو اہل محلّہ بھی مالک مکان کے ساتھ نہ ہوں گے۔

وَهِيَ عَلٰى اَهْلِ الْخِطَّةِ دُوْنَ السُّكَّانِ وَالْمُشْتَرِيْنَ فَاِنْ لَمْ يَبْقَ وَاحِدٌ مِنْهُمْ فَعَلَى الْمُشْتَرِيْنَ وَاِنْ وُجِدَ فِي دَارٍ

اور دیت زمینداروں پر ہے نہ کہ باشندوں اور خریداروں پر اگر ان میں کوئی باقی نہ ہو تو خریداروں پر ہے اگر پایا گیا ایسے مکان میں

مُشْتَرَكَةٍ عَلَى التَّفَاوُتِ فَهِيَ عَلَى الرُّؤُسِ وَاِنْ بِيْعَ وَلَمْ يُقْبَضْ فَعَلٰى عَاقِلَةِ الْبَائِعِ

جو مشترک ہے متفاوت طریقہ پر تو قسامت شمار کے مطابق ہوگی اگر مکان بیچا گیا اور قبضہ نہیں کیا گیا تو بائع کے عاقلہ پر ہوگی

وَفِي الْخِيَارِ عَلٰى ذِي الْيَدِ وَلَا يَعْقِلُ عَاقِلَةٌ حَتّٰى يَشْهَدَ الشُّهُوْدُ اَنَّهَا لِذِي الْيَدِ وَفِي الْفُلْكِ عَلٰى مَنْ فِيْهَا

اور بصورت خیار قابض پر' دیت نہ دیں گے عاقلہ یہاں تک کہ گواہ گواہی دیں کہ وہ قابض کا ہے اگر مقتول کشتی میں ہو تو ان پر ہوگی جو کشتی میں ہیں

مِنَ الرُّكَّابِ وَالْمَلَّاحِيْنَ وَفِي مَسْجِدِ مَحَلَّةٍ عَلٰى اَهْلِهَا وَفِي الْجَامِعِ وَالشَّارِعِ لَا قَسَامَةَ وَالدِّيَةُ عَلٰى بَيْتِ

یعنی سوار اور ناخدا اگر محلّہ کی مسجد میں ہو تو اہل محلّہ پر ہوگی اگر جامع مسجد یا شارع عام میں ہو تو قسامت نہیں اور دیت بیت المال پر ہوگی

عہ۔۔۔ ابن ابی شیبہ' عبدالرزاق ۱۲۔ عہ۔۔۔ طیالسی' ابن راہویہ' بزار' بیہقی' ابن عدی عن ابی سعید الخدری ۱۲۔

الْمَالِ وَيُهْدَرُ لَوْفِي بَرِيَّةٍ اَوْ وَسْطِ الْفُرَاتِ وَلَوْ مُحْتَبِسًا بِالشَّاطِي فَعَلٰى اَقْرَبِ الْقُرٰى وَدَعْوَى الْوَلِيِّ

خون رائیگاں ہوگا اگر مقتول جنگل میں یا دریا کے بیچ میں ہوا گر کنارے سے بندھا ہو تو قریب والی بستی پر ہوگی ولی کا دعویٰ کرنا کسی ایک پر

عَلٰى وَاحِدٍ مِنْ غَيْرِ اَهْلِ الْمَحَلَّةِ تُسْقِطُ الْقَسَامَةَ عَنْهُمْ وَعَلٰى مُعَيَّنٍ مِنْهُمْ لاَ وَاِنْ الْتَقٰى قَوْمٌ بِالسُّيُوْفِ

غیر محلہ والے سے ساقط کردیتا ہے قسامت اہل محلہ سے اور محلہ کے کسی ایک معین پر نہیں اگر بھڑی قوم تلواروں کے ساتھ

فَاَجْلَوْا عَنْ قَتِيْلٍ فَعَلٰى اَهْلِ الْمَحَلَّةِ اِلَّا اَنْ يَّدَّعِيَ الْوَلِيُّ اُولٰئِكَ اَوْ عَلٰى مُعَيَّنٍ مِنْهُمْ وَاِنْ قَالَ الْمُسْتَحْلَفُ

اور جدا ہوئی ایک مقتول چھوڑ کر تو قسامت اہل محلہ پر ہوگی الا یہ کہ دعویٰ کرے ولی بھڑنے والوں پر یا ان میں کسی معین پر، اگر کہا قسم والے نے

مِنْهُمْ قَتَلَهٗ زَيْدٌ حُلِّفَ بِاللّٰهِ مَاقَتَلْتُ وَلاَ عَرَفْتُ لَهٗ قَاتِلاً غَيْرَ زَيْدٍ

کہ اسکو زید نے قتل کیا ہے تو قسم دیجائے گی اس طرح بخدا میں نے قتل نہیں کیا اور نہ میں جانتا ہوں اسکا قاتل سوائے زید کے

وَبَطَلَ شَهَادَةُ بَعْضِ اَهْلِ الْمَحَلَّةِ عَلٰى قَتْلِ غَيْرِهِمْ اَوْ وَاحِدٍ مِنْهُمْ.

باطل ہے بعض اہل محلہ کی گواہی غیر محلہ والے کے قتل پر یا ان میں سے کسی ایک پر۔

تفصیل احکام قسامت

توضیح اللغۃ: اہل خطہ اصحاب املاک قدیمہ، سکان جمع ساکن باشندہ، فلک کشتی، رکاب جمع راکب سوار، ملاحین جمع ملاح ناخدا، شاطی کنارہ، قریٰ جمع قریہ بستی، سیوف جمع سیف تلوار، اجلوا عن کذا واضح کرنا، ظاہر کرنا۔

تشریح الفقہ: **قولہ علی اهل الخطه الخ** اہل خطہ سے مراد املاک قدیمہ کے لوگ ہیں جو اسے وقت سے زمین کے مالک ہوں جب سے امام نے شہر فتح کیا تھا اور غازیوں کے درمیان تقسیم کرکے ہر ایک کو اس کے حصہ کا کاغذ لکھ دیا تھا تا کہ ان کے حصے جدا جدا ہیں تو طرفین کے یہاں قسامت انہیں لوگوں پر ہوتی ہے وہاں کے باشندوں اور خریداروں پر نہیں ہوتی' امام ابو یوسف کے یہاں اس میں سب شریک ہوتے ہیں' اس واسطے کہ ولایت تدبیر منزل جس طرح ملک کے ذریعہ سے ہوتی ہے' اسے طرح رہائش کے ذریعہ سے بھی ہوتی ہے لہٰذا وہ سب شریک ہوں گے۔ **ولهما ان المالك هوا لمختص بنصرة البقعة دون السكان۔**

قولہ وان وجد الخ اگر مقتول ایسے مکان میں پایا گیا جو چند لوگوں کے درمیان مشترک ہے اور شرکاء میں سے بعض کا حصہ زائد ہے بعض کا کم تو دیت آدمیوں کی شمار پر ہوگی مثلاً ایک شریک کا آدھا حصہ ہے دوسرے کا دسواں تیسرے کا باقی تو دیت اور قسامت ان کے عاقلہ پر تین تہاؤ ہوگی اس واسطے کہ صاحب قلیل اور صاحب کثیر حفظ و تدبیر میں سب برابر ہیں۔

قولہ وان بیع الخ ایک مکان فروخت ہوا اور وہ ابھی مشتری کے قبضہ میں نہیں آیا تھا کہ اس میں ایک مقتول پایا گیا تو اس کی دیت بائع کے عاقلہ پر ہوگی' اور اگر مکان کی فروختگی کسی ایک کیلئے خیار کیساتھ ہوئی ہو تو امام صاحب کے نزدیک اس کے عاقلہ پر ہوگی جس کے قبضہ میں وہ مکان ہے (خواہ قابض بائع ہو یا مشتری) اور صاحبین کے نزدیک اس کے عاقلہ پر ہوگی جس کے لئے مکان کی ملکیت ثابت ہونے والی ہے۔ کیونکہ اس کو جو قاتل ٹھہرایا گیا ہے وہ حفاظت میں کوتاہی کرنے کی وجہ سے ٹھہرایا گیا ہے تو جس کیلئے ولایت حفظ ہوگی دیت اسی پر واجب ہوگی اور ولایت حفظ ملک سے مستفاد ہوتی ہے لہٰذا ملک ہے کا اعتبار ہوگا۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ حفاظت دراصل قبضہ سے ہوتی ہے یہاں تک کہ اگر قبضہ ہو اور ملک نہ ہو تو حفاظت ہو سکتی ہے لیکن ملک ہو اور قبضہ نہ ہو تو حفاظت نہیں ہوسکتی جب

یہ بات ہے تو قبضہ ہی کا اعتبار ہوگا نہ کہ ملک کا۔

قوله وبطل الخ ایک محلّہ میں کوئی مقتول پایا گیا اور ولی مقتول نے غیر محلّہ کے ایک معین شخص کا نام لیا کہ ہم میں سے فلاں شخص نے مارا ہے تو امام صاحب کے نزدیک یہ گواہی باطل ہوگی اور صاحبین کے نزدیک مقبول ہوگی' یہ حکم ایک متفق علیہ اصل پر مبنی ہے اور وہ یہ کہ جو شخص کسی حادثہ میں خصم ہو اور پھر خصم ہونے سے نکل جائے تو اس کی گواہی مقبول نہیں ہوتی نیز جس شخص کیلئے خصم ہونا عارض ہو پھر عرضیت ختم ہو جائے اور وہ اس حادثہ میں گواہی دی تو اس کی گواہی مقبول ہوتی ہے۔ پس پیش نظر مسئلہ میں صاحبین یہ فرماتے ہیں کہ اگر ولی مقتول اہل محلہ پر قتل کا دعوی کرتا ہے تو وہ خصم ہو سکتے تھے' لیکن غیر محلہ پر دعوی ہونے کی وجہ سے وہ اس عرضیت سے نکل گئے لہٰذا ان کی گواہی مقبول ہوگی جیسے وکیل بالخصومۃ کہ اگر اس کو خصومت کرنے سے پہلے معزول کر دیا جائے اور وہ اسے حادثہ کی بابت گواہی دے تو اس کی گواہی مقبول ہوتی ہے امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ اس حادثہ میں اہل محلّہ خصم ہو چکے ہیں کیونکہ مقتول انہیں میں پایا گیا ہے' اور جو شخص کسی حادثہ میں خصم ہو چکے اس کی گواہی مقبول نہیں ہوتی' **کالوکیل اذافی مجلس الحکم ثم عزله فشهده۔**

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔ فاضل دار العلوم دیوبند

کتاب المعاقل

هِيَ جَمْعُ مَعْقُلَةٍ وَهِيَ الدِّيَةُ كُلُّ دِيَةٍ وَجَبَتْ بِنَفْسِ الْقَتْلِ عَلَى الْعَاقِلَةِ وَهِيَ اَهْلُ الدِّيْوَانِ اِنْ كَانَ الْقَاتِلُ

وہ جمع ہے معقلہ کی بمعنی دیت ہر وہ دیت جو واجب ہو نفس قتل سے تو وہ عاقلہ پر ہوتی ہے اور وہ دفتر والے ہیں قاتل ان میں سے ہو

مِنْهُمْ وَتُؤْخَذُ مِنْ عَطَايَاهُمْ فِي ثَلٰثِ سِنِيْنَ فَاِنْ خَرَجَتِ الْعَطَايَا فِي اَكْثَرِ مِنْ ثَلٰثٍ اَوْ اَقَلَّ اُخِذَ مِنْهَا

اور لیجائیگی ان کے عطایا سے تین سال میں اور اگر وصول ہوں عطایا تین سال سے زائد میں یا کم میں تو لے لیجائیگی اس سے

وَمَنْ لَمْ يَكُنْ دِيْوَانِيًّا فَعَاقِلَتُهُ قَبِيْلَتُهُ تُقْسَمُ عَلَيْهِمْ فِي ثَلٰثِ سِنِيْنَ لَايُؤْخَذُ مِنْ كُلٍّ فِي كُلِّ سَنَةٍ اِلَّا دِرْهَمٌ

اور دفتر والوں میں سے نہ ہو تو اس کا عاقلہ اس کا قبیلہ ہے چھانٹ دیجائیگی ان پر تین سال میں نہیں لیا جائیگا ہر ایک سے ہر سال مگر ایک درہم

اَوْ دِرْهَمٌ وَثُلُثٌ فَلَمْ يُزَدْ عَلٰى كُلِّ وَاحِدٍ مِنْ كُلِّ الدِّيَةِ فِي ثَلٰثِ سِنِيْنَ عَلٰى اَرْبَعَةٍ فَاِنْ لَمْ يَتَّسِعِ الْقَبِيْلَةُ

یا ایک درہم اور تہائی درہم پس زیادہ نہ کیا جائیگا ہر ایک پر کل دیت سے تین سال میں چار درہموں پر اگر قبیلہ میں گنجائش نہ ہو

لِذٰلِكَ ضُمَّ اِلَيْهِمْ اَقْرَبُ الْقَبَائِلِ نَسَبًا عَلٰى تَرْتِيْبِ الْعَصَبَاتِ وَالْقَاتِلُ كَاَحَدِهِمْ وَعَاقِلَةُ الْمُعْتَقِ قَبِيْلَةُ مَوْلَاهُ

تو ملا لیا جائیگا ان کے ساتھ قریبی ناتے کا قبیلہ عصبات کی ترتیب پر اور قاتل بھی انکا ایک فرد شمار ہوگا آزاد کئے ہوئے کا عاقلہ اسکے مولیٰ کا قبیلہ ہے

وَيَعْقِلُ عَنْ مَوْلَى الْمُوَالَاةِ مَوْلَاهُ وَقَبِيْلَتُهُ وَلَا يَعْقِلُ عَاقِلَةٌ جِنَايَةَ الْعَبْدِ وَالْعَمْدِ وَمَالَزِمَ

اور دیت دے مولیٰ موالات کی طرف سے اس کا مولیٰ اور قبیلہ اور تاوان نہ دیگا عاقلہ غلام کی جنایت کا اور جان کر قصور کا اور اس کا جو لازم ہو

صُلْحًا اَوْ اِعْتِرَافًا اِلَّا اَنْ يُصَدِّقُوْهُ وَاِنْ جَنٰى حُرٌّ عَلٰى عَبْدٍ خَطَاءً فَهِيَ عَلٰى عَاقِلَتِهٖ.

صلح سے یا اقرار سے الا یہ کہ عاقلہ اس کی تصدیق کردیں اگر جنایت کی آزاد نے غلام پر خطاء تو تاوان اسکے عاقلہ پر ہوگا۔

تشریح الفقہ: **قولہ کتاب الخ** قتل خطا تو ابع قتل خطا کے احکام سے فارغ ہو کر ان لوگوں کو بیان کر رہا ہے جن پر دیت واجب ہوتی ہے۔ کیونکہ احکام دیات کے لئے عواقل کی معرفت بھی ضروری ہے (معراج الدرایہ)

قولہ ھی جمع الخ معقلۃ کی جمع ہے بمعنی دیت اس کا دوسرا نام عقل ہے کیونکہ عقل کے معنی روکنے اور باز رکھنے کے ہیں اور دیت چونکہ خونریزی سے باز رکھتی ہے اس لئے اسکو عقل کہتے ہیں۔ جب معاقل معقلۃ کی جمع ہوئی تو "کتاب المعاقل" عنوان غلط ہوا کیونکہ یہاں بیان دیات مقصود نہیں اسکے احکام تو کتاب الدیات میں بیان ہو چکے یہاں تو ان لوگوں کا بیان مقصود ہے جن پر دیت واجب ہوتی ہے جنکو عاقلہ کہتے ہیں اور جمع عواقل آتی ہے۔ پس عنوان "کتاب العواقل" ہونا چاہیئے جیسا کہ صاحب برھان وغیرہ نے اپنایا ہے۔ الا یہ کہ کلام بحذف المضاف ہو ای **کتاب اھل المعاقل**۔

---

(۱) لمالم یجد العینی فی نسخۃ شرحھا ھذا اللفظ قال" من عطا یاھم"بدل من قولہ منھم ۱۲۔ (۲) لان النصرۃ بھم وقف قال علیہ السلام مولی القوم منھم ۱۲۔ (۳) ....الحدیث ابن عباس موقوفا ومرفوعا لا تعقل العواقل عمدا ولا عبدا ولا صلحا ولا اعترافا ولا ما دون ارش الموضحۃ ۱۲۔ (۴)....لانہ ضمان الآدمی فتجب علی العاقلہ وقال الشافعی فی قول تجب علی القاتل لانہ بدل المال عندہ ۱۲۔

قولہ کل دیۃ الخ جو دیت نفس قتل کے باعث لازم ہو وہ قاتل کے عاقلہ پر واجب ہوتی ہے یعنی اہل دیوان پر اگر قاتل لشکری ہو، دیوان اس دفتر کو کہتے ہیں جس میں لشکر والوں کے اسماء اور روزینہ و ماہانہ وغیرہ لکھا جاتا ہے، امام شافعی کے یہاں دیت کنبہ والوں پر ہوتی ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں یہی دستور تھا' ہماری دلیل یہ ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے دیوان مقرر کیا تو صحابہ کرام کے مجمع عام میں اہل دیوان پر دیت معین کی اور کسی نے اسکا انکار نہیں کیا' نیز آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں نصرت اہل نسب سے تھی۔ اور تدوین دیوان کے بعد نصرت دیوان کے ساتھ وابستہ ہوگئی۔ اسلئے اہل دیوان عاقلہ ٹھہر گئے۔

قولہ بنفس القتل الخ اس قید سے وہ خونبہا نکل گیا جو از راہ صلح یا از راہ شبہ دیا جائے جیسے باپ اپنے بیٹے کو عمداً مار ڈالے کہ ان دونوں صورتوں میں خونبہا خاص قاتل کے مال میں ہوتا ہے نہ کہ عاقلہ پر۔

قولہ وتوخذ الخ دیت اہل دیوان کے عطایا وارزاق سے تین سال میں لیجائیگی۔ اور اگر عطایا اس سے کم وبیش مدت میں نکلیں تو تمام دیت اسی سے لے لیجائیگی۔ اور اگر قاتل لشکری نہ ہو تو عاقلہ اسکے قبیلہ کے لوگ ہونگے اور ان پر دیت تین سال پر تقسیم کر دیجائیگی بایں طور کہ ہر شخص سے سالانہ ایک درہم یا ایک اور تہائی درہم لیا جائے گا۔ اس طرح ہر شخص پر تین سال میں تین یا چار درہم پڑیں گے۔ امام مالک کے یہاں لینے کی کوئی مقدار معین نہیں۔ بلکہ عاقلہ کی استطاعت پر محمول ہے (وھو روایۃ عن احمد) امام شافعی کے یہاں مالدار سے نصف دینار اور متوسط درجہ کے لوگوں سے ربع دینار لیا جائیگا (وھو روایۃ عن احمد ایضاً) ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ ایک قسم کا صلہ ہے جو بطریق مساوات واجب ہوتا ہے تو اس میں غنی اور متوسط سب برابر ہونگے۔

قولہ فان لم یتسع الخ اگر اس قبیلہ کے لوگ اتنے نہ ہوں کہ ان پر مذکورہ بالا حساب کے مطابق دیت پڑ سکے بلکہ انکی تعداد کم ہو اور ان پر چار درہم سے زیادہ پڑتے ہوں تو ان میں عصبات کی ترتیب سے انکا رشتہ دار دوسرا قبیلہ ملا لیا جائیگا۔ یعنی اول بھائی پھر بھتیجے پھر چچے پھر انکے بیٹے۔

قولہ والقاتل کاحدھم الخ امام شافعی کے یہاں قاتل پر کچھ واجب نہیں کیونکہ وہ بوجہ خطا معذور ہے۔ ہمارے یہاں دیت میں وہ بھی شریک ہوگا کیونکہ جنایت تو اسی سے سرزد ہوئی ہے تو اسکا بوجھ دوسروں پر ڈالنا اور اسکو خارج کر دینا بے معنی ہے۔

عہ..... ابن ابی شیبہ عن ابن عباس ۱۲۔ عہ..... ابن ابی شیبہ ۱۲۔

کتاب الوصایا

اَلْوَصِیَّۃُ تَمْلِیْکٌ مُضَافٌ اِلٰی مَابَعْدَ الْمَوْتِ وَھِیَ مُسْتَحَبَّۃٌ

وصیت وہ تملیک ہے جو مضاف ہو مابعد الموت کی طرف اور وہ مستحب ہے

تشریح الفقہ: **قولہ کتاب الخ** دنیا میں انسان کا آخر حال موت ہے اس لئے آخر کتاب میں قبل از میراث کتاب الوصایا لانا عین مناسب ہے مگر اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اسکے بعد تو میراث سے پہلے کتاب الخنثی ہے۔ پھر کتاب الوصایا کو آخر کتاب میں کیسے کہا جاسکتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ یہاں آخر سے مراد آخر اضافی ہے نہ کہ آخر حقیقی (تامل)۔

قولہ الوصایا الخ وصایا وصیۃ کی جمع ہے جو وصیۃ کا اسم مصدر ہے۔ منہ قولہ تعالیٰ **"حین الوصیۃ اثنان"** اور موصی بہ یعنی جس چیز کی وصیت کیجائے اسکو بھی وصیت کہتے ہیں۔ ومنہ قولہ تعالیٰ **"من بعد وصیۃ توصون بھا"** اصطلاح شرع میں وصیۃ وہ تملیک ہے جو مابعد الموت کی طرف بطریق تبرع مضاف ہو خواہ تملیک عین شئی ہو یا تملیک دین ہو یا تملیک منافع ہو کیونکہ اس میں تملیک زوال مالکیت کے زمانہ کی طرف مضاف ہوتی ہے اس لئے قیاس تو یہی چاہتا ہے کہ یہ جائز نہ ہو مگر کتاب وسنت اسکے جواز کی شاہد ہے۔ قال تعالیٰ **"من بعد وصیۃ یوصی بھا" وفی الحدیث "ان اللہ تصدق علیکم بثلث اموالکم فی آخر اعمارکم زیادۃ لکم فی اعمالکم تضعو نھا حیث شئتم"** عـہ

(فائدۃ): وصیت کنندہ کو موصی کہتے ہیں اور جسکو وصیت کیجائے اسکو وصی اور موصیٰ الیہ اور جس کے لئے وصیت ہو اسکو موصیٰ لہ اور جس چیز کی وصیت کیجائے اسکو موصیٰ بہ مثلاً زید نے خالد سے کہا کہ میرے مرنیکے بعد یہ باغ محمود کو دیدینا تو زید موصی ہے اور خالد وصی اور محمود موصیٰ لہ اور باغ موصیٰ بہ۔

قولہ وھی مستحبۃ الخ وصیت کی چار قسمیں ہیں (۱) واجب جیسے ردو دائع اور دیون مجھولہ کی وصیت۔ (۲) مستحب جیسے کفارات اور فدیہ صوم وصلوۃ وغیرہ کی وصیت (۳) مباح جیسے اغنیاء اجانب اور اقارب کے لئے وصیت (۴) مکروہ جیسے اہل فسق ومعاصی کے لئے وصیت (طحطاوی) سوال آیت **"کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیرا الوصیۃ** اور حدیث **"لا یحل لرجل یؤمن باللہ والیوم الآخر اذا کان لہ مال یرید الوصیۃ فیہ ان یبیت لیلۃ او لیلتین الا ووصیتہ مکتوبۃ عند راسہ"** سے تو علی الاطلاق وصیت کا وجوب مفہوم ہوتا ہے۔ جواب یہ آیت آیۃ "یوصیکم اللہ فی اولادکم" سے منسوخ ہے۔ حضرت ابن عمر، عکرمہ، مجاہد، مالک، شافعی اور اکثر اہل تفسیر کا یہی مذہب ہے۔ اور حدیث نزول مواریث سے قبل پر یا مکارم اخلاق پر محمول ہے۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَلاَ تَصِحُّ بِمَازَادَ عَلَی الثُّلُثِ وَلاَ لِقَاتِلِہٖ وَوَارِثِہٖ اِنْ لَمْ تُجِزِ الْوَرَثَۃُ وَیُوصِی الْمُسْلِمُ لِلذِّمِّیِّ وَبِالْعَکْسِ

اور صحیح نہیں تہائی سے زیادہ کی اور نہ اپنے قاتل اور وارث کے لئے اگر اجازت نہ دیں ورثہ اور وصیت کرسکتا ہے مسلم ذمی کے لئے اور اس کا عکس

قَبُوْلُھَا بَعْدَ مَوْتِہٖ وَیَبْطُلُ رَدُّھَا وَقَبُوْلُھَا فِیْ حَیٰوتِہٖ وَنُدِبَ النُّقْصُ مِنَ الثُّلُثِ

اس کا قبول کرنا موصی کی موت کے بعد ہونا چاہئے اسکی زندگی میں رد کرنا اور قبول کرنا باطل ہے اور مستحب ہے تہائی سے کم وصیت کرنا

عـہ ابن ماجہ، بزار عن ابی ہریرہ، دارقطنی، طبرانی، ابن ابی شیبہ عن معاذ، احمد، بزار، طبرانی عن ابی الدرداء، ابن عدی، عقیلی عن ابی بکر، طبرانی عن خالد بن عبید ۱۲۔

وَمَلَکَ بِقَبُوْلِہٖ اِلَّا اَنْ یَمُوْتَ الْمُوْصٰی لَہٗ بَعْدَ مَوْتِ الْمُوْصِی قَبْلَ قَبُوْلِہٖ وَلاَ تَصِحُّ وَصِیَّۃُ الْمَدْیُوْنِ

اور مالک ہوجائیگا موصی لہ اسکے قبول کرنے سے مگر یہ کہ مرجائے موصی لہ موصی کی موت کے بعد قبول کرنے سے پہلے صحیح نہیں مقروض کی وصیت

اِنْ کَانَ دَیْنُہٗ مُحِیْطاً وَالصَّبِیِّ وَالْمُکَاتَبِ وَتَصِحُّ الْوَصِیَّۃُ لِلْحَمْلِ وَبِہٖ اِنْ وَلَدَتْ لاَقَلِّ مُدَّتِہٖ مِنْ وَقْتِ الْوَصِیَّۃِ

اگر اس کا دین محیط ہو اور بچہ کی اور مکاتب کی اور صحیح ہے وصیت حمل کے لئے اور حمل کی اگر جنے اقل مدت میں وصیت کے وقت سے

وَلاَ تَصِحُّ الْهِبَۃُ لَہٗ وَاِنْ اَوْصٰی بِاَمَۃٍ اِلَّا حَمْلُهَا صَحَّتِ الْوَصِیَّۃُ وَالْاِسْتِثْنَاءُ وَلَہُ الرُّجُوْعُ عَنِ الْوَصِیَّۃِ قَوْلاً

اور صحیح نہیں ہبہ حمل کے لئے اگر وصیت کی باندی کی بلا حمل تو صحیح ہے وصیت اور استثناء اور وہ رجوع کرسکتا ہے وصیت سے قولا بھی

وَفِعْلاً بِاَنْ بَاعَ اَوْ وَهَبَ اَوْ قَطَعَ الثَّوْبَ اَوْ ذَبَحَ الشَّاۃَ وَالْجُحُوْدُ لاَیَکُوْنُ رُجُوْعا

اور فعلا بھی بایں طور کہ بیچ دے یا ہبہ کردے یا کاٹ دے کپڑا یا ذبح کردے بکری اور انکار کرنا رجوع نہوگا۔

تفصیل احکام وصیت

تشریح الفقہ: **قولہ ولا تصح الخ** یہاں چار چیزیں قابل لحاظ ہیں (۱) تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کا عدم جواز (۲) قاتل موصی کیلئے وصیت کا عدم جواز (۳) وارث کے لئے وصیت کا عدم جواز (۴) ورثہ کی اجازت پر ان وصیتوں کا جواز اول کی دلیل حضرت سعد بن ابی وقاص کی حدیث ہے جو صحاح ستہ میں مروی ہے۔ حضرت سعد فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا: یارسول اللہ! میرا بہت سا مال ہے اور وارث صرف میری بیٹی ہے۔ تو میں اپنے تمام مال کی وصیت کرتا ہوں' آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں' میں نے عرض کیا: دو تہائی کی' فرمایا: نہیں' میں نے عرض کیا: نصف کی' فرمایا: نہیں' میں نے عرض کیا: تہائی کی' فرمایا: تہائی کی وصیت کر اور تہائی بھی بہت ہے۔ دوم میں قتل عام ہے عمداً ہو یا خطأً جبکہ بالمباشرہ ہو (**لان التسبب لایمنع الوصیۃ ولا الارث**) امام شافعی کے یہاں قاتل کیلئے وصیت صحیح ہے۔ کیونکہ وہ میت کے حق میں اجنبی محض ہے تو جیسے دیگر اجانب کیلئے صحیح ہے اسی طرح قاتل کے لئے بھی صحیح ہوگی۔ ہماری دلیل حضور ﷺ کا ارشاد ہے "**لیس لقاتل وصیۃ**" سوم کی دلیل یہ ہے "آنحضرت ﷺ نے خطبہ پڑھا پھر فرمایا: **ان اللہ اعطی کل ذی حق حقہ الا لا وصیۃ لوراث**" حق تعالیٰ نے ہر حقدار کا حق دیدیا (یعنی مقرر فرمادیا) سو اب وارث کیلئے وصیت نہیں' چہارم میں امام ابو یوسف کا اختلاف ہے وہ یہ فرماتے ہیں کہ اگر ورثا اجازت دیں تب بھی قاتل کیلئے وصیت جائز نہیں کیونکہ جنایت تو اب بھی باقی ہے۔ طرفین کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے "**لا وصیۃ لوارث الا ان یشاء الورثۃ**" نیز امتناع وصیت تو حق ورثہ ہی کی وجہ سے ہے۔ اور جب وہ خود ہی راضی ہیں تو جواز میں کوئی کلام نہیں ہونا چاہیے۔

قولہ وملک بقبولہ الخ وصیت قبول کرنے سے موصی لہٗ موصی بہ کا مالک ہوتا ہے مگر ایک مسئلہ میں قبول کئے بغیر بھی مالک ہوجاتا ہے۔ اور وہ یہ کہ موصی کے مرنے کے بعد وصیت قبول کرنے سے پہلے موصی لہ بھی مرجائے کہ اس صورت میں موصی بہ اس کے وارثوں کی ملک میں داخل ہوجاتی ہے مگر استحساناً' قیاس کی رو سے وصیت باطل ہونی چاہئے۔ کیونکہ غیر کے لئے ملک کا اثبات اس کے اختیار کے بغیر نہیں ہوتا۔ تو یہ ایسا ہوگیا جیسے مشتری عقد بیع کرنے کے بعد بیع قبول کرنے سے پہلے مرجائے۔ وجہ استحسان یہ ہے کہ موصی کی طرف سے اس کے مرجانے کے باعث وصیت پوری ہوچکی۔ جو اس طرف سے کسی طرح فسخ نہیں ہوسکتی اور اس میں توقف فقط موصی لہ کے حق کی وجہ سے تھا۔ جب وہ مرگیا تو یہ اس کی ملک میں آگئی جیسے اس بیع میں ہوتا ہے جس میں مشتری کیلئے خیار شرط ہو اور وہ بیع کو جائز رکھنے سے پہلے مرجائے۔ (ہدایہ)

قولہ والمکاتب الخ وصیت کی تین صورتیں ہیں باطل بالاجماع' جائز بالاجماع' مختلف فیہٗ باطل یہ ہے کہ مکاتب اپنے مال سے عین شئی کی وصیت کرے۔ وجہ بطلان اس کا حقیقۃً مالک نہ ہونا ہے۔ جائز یہ ہے کہ وہ وصیت کو آزادی کی طرف مضاف کر کے یوں کہے **اذا اعتقت فثلث مالی وصیۃ لفلان** وجہ جواز یہ ہے کہ اس کا عدم جواز حق مولیٰ کی وجہ سے تھا اور آزادی پر تعلیق کے بعد اس کا حق ختم ہوگیا۔ مختلف فیہ یہ ہے کہ وہ یہ کہے" **اوصیت مالی بثلث مالی لفلان**" پھر وہ آزاد ہوجائے تو یہ امام صاحب کے یہاں باطل صاحبین کے یہاں جائز ہے۔

قولہ للحمل الخ اگر مالک یہ کہے کہ میں اپنی اس باندی کے حمل کی لئے اتنے درہموں کی وصیت کرتا ہوں تو یہ جائز ہے۔ کیونکہ وصیت میں من وجہ استخلاف ہوتا ہے کہ موصی اپنے بعض مال میں موصیٰ لہ کو اپنا خلیفہ بناتا ہے۔ اور جنین ارث میں خلیفہ ہوسکتا ہے تو وصیت میں بھی ہوجائیگا۔ نیز اگر مالک یہ کہے کہ میں اس کے حمل کے لئے فلاں کے لئے وصیت کرتا ہوں تو یہ بھی درست ہے کیونکہ حمل میں وراثت جاری ہوتی ہے تو وصیت بھی جاری ہوگی۔ محمد حنیف غفرلہٗ گنگوہی۔

باب الوصیۃ بثلث المال ونحوہ
باب تہائی مال وغیرہ کی وصیت کے بیان میں

اَوْصٰی لِذَا بِثُلُثِ مَالِہٖ وَلِاٰخَرَ بِثُلُثِ مَالِہٖ وَلَمْ تَجُزِ الْوَرَثَۃُ فَثُلُثُہٗ لَهُمَا

وصیت کی اس کے لئے تہائی مال کی اور دوسرے کے لئے تہائی مال کی اور ورثہ نے جائز نہیں رکھی تو تہائی دونوں کیلئے ہوگا

وَاِنْ اَوْصٰی لِاٰخَرَ بِسُدُسِ مَالِہٖ فَالثُّلُثُ بَیْنَهُمَا اَثْلَاثًا وَاِنْ اَوْصٰی لِاَحَدِهِمَا بِجَمِیْعِ مَالِہٖ

اور اگر وصیت کی دوسرے کے لئے اپنے مال کے چھٹے حصہ کی تو تہائی مال ان دونوں میں بطریق اثلاث ہوگا اگر وصیت کی ایک کیلئے کل مال کی

وَلِاٰخَرَ بِثُلُثِ مَالِہٖ وَلَمْ تَجُزِ الْوَرَثَۃُ فَثُلُثُہٗ بَیْنَهُمَا نِصْفَانِ.

اور دوسرے کے لئے تہائی کی اور ورثہ نے جائز نہیں رکھی تو تہائی مال ان دونوں میں نصفا نصف ہوگا۔

تشریح الفقہ: قولہ فالثلث بینہما اثلاثا الخ ایک شخص نے زید کے لئے تہائی مال کی وصیت کی اور عمرو کے لئے مال کے چھٹے حصے کی وصیت کی تو تہائی مال دونوں کے درمیان تین تہاؤ ہوگا پس دو سہم زید کو ملیں گے اور ایک سہم عمرو کو۔

قولہ وان اوصیٰ الخ کسی نے زید کے لئے کل مال کی وصیت کی اور عمرو کے لئے تہائی کی اور وارث اس کی اجازت نہیں دیتے تو امام صاحب کے یہاں تہائی مال دونوں میں نصفا نصف ہوگا۔ اس واسطے کی جب تہائی سے زیادہ کی ورثہ نے اجازت نہیں دی تو وہ باطل ٹھہری۔ پس یہاں یوں قرار دیا جائے گا کہ گویا اس نے ہر ایک کے لئے تہائی مال کی وصیت کی ہے، صاحبین کے یہاں تہائی مال کے چار سہم کیے جائیں گے جس میں سے تین سہم کل کی وصیت والے کو دئے جائیں گے اور ایک سہم ثلث والے کو دیا جائے گا۔ یہ اختلاف ایک مختلف فیہ اصل پر مبنی ہے۔ جس کا بیان اگلے قول میں آرہا ہے۔

....

ا) لقولہ تعالیٰ" لاینہاکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبروھم اھ"١٢ (٢) لان الدین مقدم علی الوصیۃ بالاجماع ١٢ (٣) لانہ تبرع والصبی لیس من اہلہ وعند الشافعی تصح ١٢ (٤) لان من شرطہا القبول والقبض ولا یتصور ذلک من الجنین ١٢ . (٥) لانہ تبرع لم تیم ١٢ (٦) لان الرجوع الباتٌ فی الماضی نفی فی الحال والجحود نفی فیہما فلا یکون رجوعاً ١٢ .

وَلاَ يُضْرَبُ لِلْمُوْصٰى لَهُ بِاَكْثَرَ مِنَ الثُّلُثِ اِلاَّ فِى الْمُحَابَاتِ وَالسِّعَايَةِ وَالدَّرَاهِمِ الْمُرْسَلَةِ وَبِنَصِيْبِ ابْنِهٖ بَاطِلٌ

نہیں ٹھہرایا جاتا موصیٰ لہ کیلئے تہائی سے زیادہ حصہ مگر محابات میں اور سعایت میں اور دراہم مرسلہ میں اپنے بیٹے کے حصہ کی وصیت باطل ہے

وَبِمِثْلِ نَصِيْبِ ابْنِهٖ صَحَّ فَاِنْ كَانَ لَهٗ اِبْنَانِ فَلَهُ الثُّلُثُ وَبِسَهْمٍ اَوْ جُزْءٍ مِنْ مَالِهٖ فَالْبَيَانُ اِلَى الْوَرَثَةِ

اوراس کے حصہ کے مثل کی صحیح ہے پس اگراس کے دو بیٹے ہوں تو اسکو تہائی ملیگا اپنے مال کے سہام یا جزء کی وصیت میں بیان ورثہ پر محمول ہے

فَاِنْ قَالَ سُدُسُ مَالِيْ لِفُلاَنٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ ثُلُثُ مَالِيْ لَهٗ ثُلُثُ مَالِهٖ وَاِنْ قَالَ سُدُسُ مَالِيْ لِفُلاَنٍ

اگر کہا میرے مال کا چھٹا حصہ فلاں کے لئے ہے پھر کہا اسکے لئے تہائی مال ہے تو اسکے لئے تہائی ہوگا اگر کہا میرے مال کا چھٹا حصہ فلاں کیلئے ہے

ثُمَّ قَالَ لَهٗ سُدُسُ مَالِيْ لَهُ السُّدُسُ وَاِنْ اَوْصٰى بِثُلُثِ دَرَاهِمِهٖ اَوْ غَنَمِهٖ وَهَلَكَ ثُلُثَاهُ

پھر کہا اسکے لئے میرے مال کا چھٹا حصہ ہے تو اسکے لئے چھٹا حصہ ہوگا اگر وصیت کی تہائی دراہم یا تہائی بکریوں کی اور دوثلث ہلاک ہو گئے

لَهٗ مَابَقِيَ وَلَوْ رَقِيْقًا اَوْ ثِيَابًا اَوْ دُوْرًا لَهٗ ثُلُثُ مَابَقِيَ وَبِاَلْفٍ وَلَهٗ عَيْنٌ وَدَيْنٌ

تو اسکے لئے باقی ہوگا اور اگر غلام یا کپڑے یا مکان ہوں تو باقی کی تہائی ہوگی ہزار کی وصیت کی اور مال کچھ موجود ہے کچھ قرض

فَاِنْ خَرَجَ الاَلْفُ مِنْ ثُلُثِ الْعَيْنِ دُفِعَ اِلَيْهِ وَاِلاَّ فَثُلُثُ الْعَيْنِ وَكُلَّمَا خَرَجَ شَيْءٌ مِنَ الدَّيْنِ لَهٗ ثُلُثُهٗ

پس اگر ہزار مال موجود کی تہائی ہوتو وہ اس کو دیدیئے جائیں گے ورنہ موجود کی تہائی دیجائیگی اور جتنا وصول ہوتا رہیگا قرض اس کی تہائی دیتے جائیں گے

حَتّٰى يَسْتَوْفِيَ الاَلْفَ وَبِثُلُثِهٖ لِزَيْدٍ وَعَمْرٍو وَهُوَ مَيِّتٌ لِزَيْدٍ كُلُّهٗ

یہاں تک کہ وہ ہزار پورے لے لے وصیت کی تہائی کی زید کیلئے اور عمرو کیلئے اور عمرو مردہ ہے تو پوری تہائی زید کیلئے ہوگی

وَلَوْ قَالَ بَيْنَ زَيْدٍ وَعَمْرٍو وَعَمْرٌو مَيِّتٌ لِزَيْدٍ نِصْفُهٗ

اوراگر کہا کہ زید اور عمرو کے درمیان ہے اور عمرو مردہ ہے تو زید کیلئے آدھی تہائی ہوگی،

وَبِثُلُثِهٖ لَهٗ وَلاَمَالَ لَهٗ لَهٗ ثُلُثُ مَايَمْلِكُهٗ عِنْدَ مَوْتِهٖ

وصیت کی تہائی کی اور مال اس کا کچھ نہیں تو اسکے لئے اسکی تہائی ہوگی جس کا وہ مالک ہو اپنی موت کے وقت۔

تہائی مال کے احکام کی تفصیل

تشریح الفقہ: قولہ ولایضرب الخ ضرب سے مرادوہ ضرب ہے جو اہل حساب کے یہاں مصطلح ہے۔ یعنی اس عدد کا حاصل کرنا جس کی نسبت احد المضر وبین کے ساتھ ویسی ہی ہو۔ جیسے دوسروں کی نسبت ایک کے ساتھ ہے، مطلب یہ ہے کہ امام صاحب کے یہاں موصیٰ لہ کو ترکہ کی تہائی سے زیادہ حصہ نہیں ٹھہرایا جاتا مگر تین صورتوں میں اول محابات دوم سعایت سوم دراہم مرسلہ محابات لغت عرب میں بمعنی عطا ہے۔

(۱)......لان الثلث یتضمن السدس فید خل فیہ فلا یتناول اکثر من الثلث ۱۲ . (۲)......یعنی سدساً واحداًلان السدس ذکر معرفا بالا ضافۃ الی المال والمعرف اذا اعید معرفاً کان الثانی عین الاول ۱۲ . (۳)...... لان المیت لیس باھل فلا یزاحم الحی الذی ھو اھلھا ۱۲ . (۴)......لان کلمۃ بین توجب التنصیف فلا یتکامل ۱۲ .

یہاں اس سے مراد وہ بیع ہے جو ثمن معتدل سے کمتر ہو۔ محابات کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص کے دو غلام ہیں جن میں سے ایک کی قیمت تیس درہم ہے اور دوسرے کی ساٹھ اب اس نے وصیت کی کہ پہلا غلام زید کے ہاتھ دس درہم میں فروخت کیا جائے اور دوسرا غلام عمرو کے ہاتھ بیس میں اور ان دو غلاموں کے علاوہ اس کا کوئی اور مال ہے نہیں تو زید کے حق میں بیس درہم کی وصیت ہوئی اور عمرو کے حق میں چالیس کی۔ اس لئے کہ پہلا غلام تیس درہم کا ہے اور اس نے دس میں فروخت کرنے کی وصیت کی تو اس کا مطلب یہی ہوا کہ وہ اس کو بیس درہم دلانا چاہتا ہے تو ثلث مال دونوں موصی لہ کے درمیان تین تہاؤ ہوگا اور پہلا غلام زید کے ہاتھ بیس درہم میں فروخت کیا جائے گا اور دس درہم اس کے لئے وصیت ٹھہرے گی اور دوسرا غلام عمرو کے ہاتھ چالیس درہم میں فروخت ہوگا اور یہ بیس درہم اس کیلئے وصیت ٹھہرے گی۔ تو زید اور عمرو نے تہائی سے بقدر وصیت لیا اگر چہ ثلث وصیت سے زیادہ ہوگیا۔

قولہ والسعایة الخ سعایت کی صورت یہ ہے کہ موصی نے دو غلام آزاد کئے جن میں سے ایک کی قیمت تیس درہم ہے اور دوسرے کی ساٹھ اور ان دو غلاموں کے علاوہ اس کا کوئی مال نہیں تو اول کیلئے ثلث مال کی وصیت ہوئی اور دوسرے کیلئے دو ثلث کی تو وصیت کے سہام تین تہاؤ ہوں گے ایک سہم اول کا اور دو سہم ثانی کے تو ان میں ثلث مال بھی اسی طرح مقسوم ہوگا پس اول غلام کا ثلث آزاد ہوگا جو دس درہم ہے اب وہ بیس درہم میں سعایت کرے گا اور ثانی غلام کا ثلث آزاد ہوگا جو بیس درہم ہے اب وہ چالیس میں سعایت کرے گا تو ہر ایک موصی لہ نے بقدر وصیت ضرب کی اگر چہ ثلث پر زائد ہے۔

قولہ والدراھم المرسلة الخ دراہم مرسلہ سے مراد وہ دراہم ہیں جن میں ثلث یا نصف کی یا اس کے علاوہ کسی اور چیز کی قید نہ ہو اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے زید کے لئے تیس درہم کی وصیت کی اور عمرو کیلئے ساٹھ درہم کی اور اس کا کل مال نوے درہم ہے تو وصیت تہائی مال سے جاری ہوگی اور زید و عمرو کو ان کی وصیت کے موافق ترکہ کی تہائی میں سے دیا جائے گا۔

قولہ وبنصیب الخ ایک شخص نے زید کیلئے وصیت کی اور یوں کہا "**اوصیت له بنصیب ابنی**" میں نے اس کے لئے اپنے بیٹے کے حصہ کی وصیت کی تو یہ غیر مال کی وصیت ہونے کی وجہ سے باطل ہے کیونکہ بیٹے کا حصہ وہ ہے جو مرنے کے بعد ملے گا ہاں اگر وہ یوں کہے "**اوصیت له بمثل نصیب ابنی**" تو یہ صحیح ہے۔ کیونکہ مثل شئی مغایر شئی ہوتا ہے۔ اب اگر اس کے دو بیٹے ہوں تو موصی لہ کو تہائی مال ملے گا۔ بایں معنی کہ اس نے گویا موصی لہ کو تیسرا فرزند قرار دیا ہے۔

قولہ وبالف الخ ایک شخص نے ہزار درہم کی وصیت کی اور اس کا مال کچھ تو لوگوں پر دین ہے اور کچھ عین ہے تو اگر ہزار درہم عین کی تہائی سے نکلتا ہو تو اس کو وہی دیدیا جائے گا یعنی اگر اس کا متروکہ مال تین ہزار نقد ہے تو اسے نقد میں سے ایک ہزار درہم موصی لہ کو دیدیئے جائیں گے اور اگر نقد متروکہ میں سے ہزار درہم نہ نکلیں تو نقد کی تہائی پر دیدیجائے گی مثلاً نقد متروکہ تین سو درہم ہیں تو ایک سو درہم موصی لہ کو دیدیئے جائیں گے اور جتنا دین وصول ہوتا جائے گا اس کی تہائی اس کو ملتی رہے گی یہاں تک کہ اس کا ایک ہزار کا حق پورا ہوجائے۔

قولہ وبثلثه له الخ ایک شخص نے کسی کیلئے ثلث مال کی وصیت کی حالانکہ اس کے پاس کچھ بھی نہیں تو موصی لہ اس کا مال کا ثلث پائے جو موصی کی موت کے وقت موجود ہو خواہ اس نے وہ مال وصیت کے بعد کمایا ہو یا وصیت سے پہلے۔ وجہ یہ ہے کہ وصیت عہد تخلاف ہے جو بعد الموت کیطرف مضاف ہوتا ہے اور اس کا حکم موت کے بعد ہی ثابت ہوتا ہے تو موت ہی کے وقت مال کا موجود ہونا [illegible] ہوگا۔

وَبِثُلُثِهٖ لِاُمَّهَاتِ اَوْلَادِهٖ وَهُنَّ ثَلٰثٌ وَلِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ لَهُنَّ ثَلٰثَةٌ مِنْ خَمْسَةٍ وَسَهْمٌ لِلْفُقَرَاءِ

وصیت کی تہائی کی تین ام ولد کیلئے اور فقراء و مساکین کے لئے تو امہات اولاد کے لئے تین حصے ہوں گے پانچ میں سے اور ایک حصہ فقراء کیلئے

وَسَهْمٌ لِلْمَسَاكِيْنِ وَبِثُلُثِهٖ لِزَيْدٍ وَلِلْمَسَاكِيْنِ لِزَيْدٍ نِصْفُهٗ وَلَهُمْ نِصْفُهٗ وَبِمِائَةٍ لِرَجُلٍ

اور ایک حصہ مساکین کیلئے، تہائی کی وصیت کی زید کیلئے اور مساکین کیلئے تو آدھی زید کیلئے ہوگیا اور آدھی مساکین کیلئے وصیت کی سو کی ایک کیلئے

وَبِمِائَةٍ لِاٰخَرَ فَقَالَ لِاٰخَرَ اَشْرَكْتُكَ مَعَهُمَا لَهٗ ثُلُثُ كُلِّ مِائَةٍ وَبِاَرْبَعَةٍ

اور سو کی دوسرے کیلئے پھر دوسرے سے کہا کہ میں نے شریک کردیا تجھ کو انکا تو اس کے لئے ہر سو کی تہائی ہوگی وصیت کی چار سو کی ایک کیلئے

وَبِمِائَتَيْنِ لِاٰخَرَ فَقَالَ لِاٰخَرَ اَشْرَكْتُكَ مَعَهُمَا لَهٗ نِصْفُ مَا لِكُلٍّ مِنْهُمَا وَاِنْ قَالَ لِوَرَثَتِهٖ

اور دو سو کی دوسرے کے لئے پھر دوسرے سے کہا کہ میں نے شریک کردیا تجھ کو انکا تو اس کے لئے ہر ایک کے حصہ کا آدھا ہوگا ورثہ سے کہا

لِفُلَانٍ عَلَيَّ دَيْنٌ فَصَدِّقُوْهُ فَاِنَّهٗ يُصَدَّقُ اِلَى الثُّلُثِ فَاِنْ اَوْصٰى بِوَصَايَا عُزِلَ الثُّلُثُ لِاَصْحَابِ الْوَصَايَا

کہ فلاں کا مجھ پر قرض ہے تو اس کی تصدیق کرو تو تہائی تک تصدیق کیجائیگی پھر اگر کچھ وصیتیں کیں تو علیحدہ کرلی جائیگی تہائی وصیت والوں کے لئے

وَالثُّلُثَانِ لِلْوَرَثَةِ وَقِيْلَ لِكُلٍّ صَدِّقُوْهُ فِيْمَا شِئْتُمْ وَمَا بَقِيَ مِنَ الثُّلُثِ فَلِلْوَصَايَا

اور دو تہائیاں ورثہ کے لئے اور ہر ایک سے کہا جائیگا کہ جتنے میں چاہو تصدیق کرو اور جو بچے تہائی سے تو وہ وصیتوں کیلئے ہوگا

وَلِاَجْنَبِيٍّ وَوَارِثِهٖ لَهٗ نِصْفُ الْوَصِيَّةِ وَبَطَلَ وَصِيَّةُ الْوَارِثِ وَبِثِيَابٍ مُتَفَاوِتَةٍ لِثَلَاثَةٍ

وصیت کی اجنبی کے لئے اور اپنے وارث کیلئے تو اجنبی کو وصیت کا آدھا مال ملیگا اور وارث کی وصیت باطل ہوگی وصیت کی متفاوت کپڑوں کی تین کیلئے

فَضَاعَ ثَوْبٌ وَلَمْ يُدْرَ اَيٌّ وَالْوَارِثُ يَقُوْلُ لِكُلٍّ هَلَكَ حَقُّكَ بَطَلَتْ اِلَّا اَنْ يُسَلِّمُوْا

ایک کپڑا ضائع ہوگیا اور یہ معلوم نہیں کہ کونسا ضائع ہوا اور وارث ہر ایک سے کہتا ہے کہ تیرا حق ضائع ہوا ہے تو وصیت باطل ہوگی الا یہ کہ وہ دیدے

مَابَقِيَ فَلِذِي الْجَيِّدِ ثُلُثَاهُ وَلِذِي الرَّدِيِّ ثُلُثَاهُ وَلِذِي الْوَسَطِ ثُلُثُ كُلٍّ وَبِبَيْتٍ عُيِّنَ مِنْ دَارٍ

باقی ماندہ پس عمدہ والے کیلئے دو تہائیاں اور گھٹیا والے کیلئے اس کی دو تہائیاں ہونگی اور متوسط والے کے ہر ایک کی تہائی وصیت کی معین کوٹھری کی

مُشْتَرَكَةٍ وَقُسِّمَ وَوَقَعَ فِيْ حَظِّهٖ فَهُوَ لِلْمُوْصٰى لَهٗ وَاِلَّا مِثْلُ ذَرْعِهٖ وَالْاِقْرَارُ مِثْلُهَا

مشترک مکان سے اور تقسیم کے بعد واقع ہوئی اس کے حصہ میں تو وہ موصیٰ لہ کی ہوگی ورنہ اتنی زمین دیدیجائیگی اقرار بھی اسی کے مثل ہے

وَبِاَلْفٍ عَيَّنَ مِنْ مَالِ اٰخَرَ فَاَجَازَ رَبُّ الْمَالِ بَعْدَ مَوْتِ الْمُوْصِيْ وَدَفَعَهٗ صَحَّ

وصیت کی معین ہزار کی دوسرے کے مال سے اور جائز رکھی مالک مال نے موصی کی موت کے بعد اور ہزار دیدیئے تو صحیح ہے

وَلَهُ الْمَنْعُ بَعْدَ الْاِجَازَةِ وَصَحَّ اِقْرَارُ اَحَدِ الْاِبْنَيْنِ بَعْدَ الْقِسْمَةِ بِوَصِيَّةِ اَبِيْهِ فِيْ ثُلُثِ نَصِيْبِهٖ

اور اس کو اختیار ہے نہ دینے کا اجازت کے بعد صحیح ہے اقرار دو بیٹوں میں سے ایک کا تقسیم کے بعد اپنے باپ کی وصیت کا اپنے حصہ کی تہائی میں

وَبِاَمَةٍ فَوَلَدَتْ بَعْدَ مَوْتِهٖ وَخَرَجَا مِنْ ثُلُثِهٖ فَهُمَا لَهٗ وَاِلَّا اَخَذَ مِنْهَا

وصیت کی باندی کی اس نے جنا موصی کی موت کے بعد اور وہ دونوں تہائی مال میں تو موصیٰ لہ کے ہونگے ورنہ پہلے باندی سے لیگا

ثُمَّ مِنْهُ وَلِابْنِهِ الْكَافِرِ اَوِ الرَّقِيْقِ فِيْ مَرَضِهٖ فَاَسْلَمَ اَوْ اَعْتَقَ بَطَلَ كَهِبَتِهٖ وَاِقْرَارِهٖ

پھر بچہ سے وصیت کی اپنے کافر بیٹے یا غلام کیلئے مرض الموت میں وہ مسلمان ہوگیا یا آزاد ہوگیا تو باطل ہوگی جیسے اس کا ہبہ اور اقرار

وَالْمُقْعَدُ وَالْمَفْلُوْجُ وَالاَشَلُّ وَالْمَسْلُوْلُ اِنْ تَطَاوَلَ ذٰلِكَ فَلَمْ يُخَفْ مِنْهُ الْمَوْتُ فَهِبَتُهٗ مِنْ كُلِّ الْمَالِ وَاِلَّا فَمِنَ الثُّلُثِ.

اگر اپاہج فالج زدہ لنجے اور سل والے کی بیماری بڑھ جائے اور ان کے مرنے کا خوف نہ ہو تو ان کا ہبہ کل مال سے معتبر ہوگا ورنہ تہائی مال سے

تشریح الفقہ: **قولہ و بثلثہ لا مہات الخ** ایک شخص نے اپنی تین امہات اولاد کیلئے اور فقرا و مساکین کے لئے ثلث مال کی وصیت کی تو شیخین کے نزدیک پانچ سہام ہونگے تین سہام امہات اولاد کیلئے اور ایک سہم فقرا کیلئے اور ایک سہم مساکین کیلئے۔ امام محمد کے یہاں سات سہام ہوں گے۔ کیونکہ فقرا اور مساکین کا لفظ جمع ہے۔ اور اقل جمع دو ہیں۔ تو موصی لہ دو فقیر ہوئے دو مساکین اور تین امہات اولاد لہٰذا سات سہام سے تقسیم ہوگی۔ شیخین یہ فرماتے ہیں کہ فقرا اور مساکین پر الف لام جنس کا ہے اور الف لام جنسی جمعیت کو باطل کر دیتا ہے۔ تو ظاہر میں گو جمع کا صیغہ ہے لیکن حقیقت میں مفرد ہے۔

قولہ وبمائۃ لرجل الخ موصی نے زید کیلئے سو کی وصیت کی اور عمرو کے لئے بھی سو کی پھر تیسرے کیلئے کہا کہ میں نے تجھ کو ان دونوں کا شریک کر دیا تو تیسرے کیلئے ہر سو کی تہائی ہوگی کیونکہ یہاں زید و عمرو دونوں کا حصہ برابر ہے تو تینوں میں برابری ممکن ہے پس ہر ایک کو سو کی دو تہائیاں ملیں گی۔ اور اگر موصی نے زید کیلئے چار سو کی وصیت کی اور عمرو کیلئے دو سو کی پھر تیسرے کیلئے کہا کہ میں نے تجھے ان دونوں کا شریک کر دیا تو تیسرے کو ہر ایک کے حصہ سے نصف ملے گا کیونکہ یہاں دونوں کے حصے متفاوت ہیں تو تیسرے کی شرکت کو ان دونوں کیساتھ مساوات پر محمول کیا جائے گا تاکہ حتی الامکان اشتراک کے مفہوم پر عمل ہو جائے۔

قولہ و ثیاب الخ موصی نے تین آدمیوں کے لئے عمدہ اور متوسط اور ناقص تین کپڑوں کی وصیت کی یعنی ہر ایک کے لئے ایک ایک کپڑے کی پھر ان میں سے ایک کپڑا ضائع ہو گیا اور یہ معلوم نہیں کہ کونسا ضائع ہوا ہے اور موصی کا وارث ہر آدمی سے کہتا ہے کہ تیرا حق ضائع ہوا ہے وصیت باطل ہو جائے گی کیونکہ یہاں مستحق نہیں ہاں اگر موصی کے وارث باقی کپڑے دینے پر راضی ہوں تو وصیت صحیح ہو جائے گی پس عمدہ والے کیلئے عمدہ کپڑے کی دو تہائیاں ہونگی اور ناقص والے کیلئے ناقص کی دو تہائیاں اور متوسط کپڑے والے کیلئے دونوں کپڑوں کی ایک ایک تہائی۔ کیونکہ برابری کی انتہائی صورت یہی ہے۔

قولہ وببیت الخ ایک مکان دو آدمیوں میں مشترک تھا اور ان میں سے ایک نے ایک مکان کی ایک معینہ کوٹھری کی کسی کیلئے وصیت کی تو مکان تقسیم کیا جائیگا۔ اگر تقسیم میں وہ کوٹھری موصی کے حصہ میں واقع ہو جائے تب تو کوئی بات ہی نہیں وہ کوٹھری موصی لہٗ کی ہو جائے گی اور اگر موصی کے حصہ میں واقع نہ ہو تو گز سے ناپ کر اس کی کوٹھری کے برابر زمین دیدی جائے گی۔

قولہ وصح الخ دو بیٹوں میں سے ایک نے ترکہ تقسیم کے بعد اپنے باپ کے ثلث مال کی وصیت کا اقرار کیا تو اس کا یہ اقرار اسی کے حصہ کی تہائی میں صحیح ہوگا نہ کہ اس کے نصف حصہ میں اس واسطے کہ اس نے موصی لہ کیلئے تمام ترکہ میں ثلث شائع کا اقرار کیا ہے اور ترکہ دونوں کے پاس ہے تو وہ اس مال کی تہائی کا بھی مقر ہوا جو اس کے پاس ہے اور اس مال کی تہائی کا بھی مقر ہوا جو ان کے بھائی کے پاس ہے تو اس کا اقرار صرف اسی کے حق میں مقبول ہوگا نہ کہ اس کے بھائی کے حق میں۔

---

(۱) ...... عندہما دہذا عند محمد ثلثہ لزید وثلثاہ للمساکین لما بیناہ ۱۲۔ (۲) ...... لانہ اوصی بما یملک وبما لا یملک فصح فیما یملک وبطل فی الآخر ۱۲۔ (۳) ...... لانہ تبرع بمال الغیر فیتوقف علی اجازۃ صاحبہ فاذا اجاز کان منہ ہذا ابتداء تبرع فلہ ان یمتنع من التسلیم ۱۲۔

باب العتق فی المرض

باب مرض الموت میں آزاد کرنے کے بیان میں

تَحْرِيْرُهُ فِي مَرَضِ مَوْتِهِ وَمُحَابَاتُهُ وَهِبَتُهُ وَصِيَّةٌ وَلَمْ يَسْعَ اِنْ اُجِيْزَ فَاِنْ حَابَى

مریض کا آزاد کرنا مرض الموت میں اور کم قیمت پر بیچنا اور ہبہ کرنا وصیت کے حکم میں ہے اور سعایت نہ کریگا غلام اگر اجازت ہوگئی اگر محابات کی

فَحَرَّرَ فَهِيَ اَحَقُّ وَبِعَكْسِهِ اِسْتَوَيَا وَاِنْ اَوْصٰى بِاَنْ يُعْتَقَ عَنْهُ بِهٰذَا الْمِائَةِ عَبْدٌ

پھر آزاد کیا تو محابات مقدم ہے اور اس کے برعکس ہو تو برابر ہیں وصیت کی کہ آزاد کیا جائے میری طرف سے ان سو روپیوں میں غلام

فَهَلَكَ مِنْهَا دِرْهَمٌ لَمْ تَنْفُذْ بِخِلَافِ الْحَجِّ بِهٖ وَبِعِتْقِ عَبْدِهٖ فَمَاتَ فَجَنٰى

پس ضائع ہوگیا ان میں سے ایک درہم تو نافذ نہ ہوگی بخلاف وصیت حج کے وصیت کی اپنے غلام کی آزادی کی پھر مرگیا اور غلام نے جنایت کی

وَدُفِعَ بَطَلَتْ وَاِنْ فُدِىَ لَا وَبِثُلُثِهٖ لِزَيْدٍ وَتَرَكَ عَبْدًا فَادَّعٰى زَيْدٌ

جس کے بدلہ میں وہ دیدیا گیا تو باطل ہوجائیگی اور اگر فدیہ دیا گیا تو نہیں وصیت کی تہائی کی زید کیلئے اور چھوڑا ایک غلام پس دعوی کیا زید نے

عِتْقَهٗ فِي صِحَّتِهٖ وَالْوَارِثُ فِي مَرَضِهٖ فَالْقَوْلُ لِلْوَارِثِ وَلَا شَيْئَ لِزَيْدٍ اِلَّا اَنْ يَّفْضُلَ مِنْ ثُلُثِهٖ شَيْئٌ

اسکی آزادی کا صحت میں اور وارث نے اسکے مرض میں تو قول وارث کا معتبر ہوگا اور زید کیلئے کچھ نہ ہوگا الا یہ کہ بچ جائے تہائی میں سے

اَوْ يُبَرْهِنَ عَلٰى دَعْوَاهُ وَلَوِ ادَّعٰى رَجُلٌ دَيْنًا وَالْعَبْدُ عِتْقًا وَصَدَّقَهُمَا الْوَارِثُ سَعٰى

یا وہ بینہ قائم کرے اپنے دعوی پر اگر دعوی کیا کسی نے قرض کا اور غلام نے آزادی کا اور تصدیق کردی دونوں کی وارث نے تو سعایت کرے

فِي قِيْمَتِهٖ وَتُدْفَعُ اِلَى الْغَرِيْمِ وَبِحُقُوْقِ اللّٰهِ تَعَالٰى قُدِّمَتِ الْفَرَائِضُ وَاِنْ اَخَّرَهَا كَالْحَجِّ وَالزَّكٰوةِ

اپنی قیمت میں اور وہ دیدیجائے قرض خواہ کو حقوق اللہ کی اصیت میں مقدم کئے جائیں گے فرائض گو اس نے مؤخر ذکر کئے ہوں جیسے حج زکوۃ

وَالْكَفَّارَاتِ وَاِنْ تَسَاوَتْ فِي الْقُوَّةِ بُدِئَ بِمَا بَدَأَ بِهٖ وَبِحَجَّةِ الْاِسْلَامِ اَحَجُّوْا عَنْهُ رَجُلًا

اور کفارات اگر حقوق قوت میں برابر ہوں تو ابتداء ہوگی اس سے جس سے اس نے ابتداء کی ہے حج اسلام کی وصیت میں حج کرائیں اسکی طرف سے

مِنْ بَلَدِهٖ يَحُجُّ رَاكِبًا وَاِلَّا فَمِنْ حَيْثُ يَبْلُغُ وَمَنْ خَرَجَ مِنْ بَلَدِهٖ حَاجًّا فَمَاتَ فِي الطَّرِيْقِ

کسی کو اس کے شہر سے جو حج کرے سوار ہو کر ورنہ وہاں سے جہاں سے خرچ کافی ہو سکے نکلا اپنے شہر سے بارادۂ حج اور مرگیا راہ میں اور وصیت کی

وَاَوْصٰى بِاَنْ يُّحَجَّ عَنْهُ يُحَجُّ مِنْ بَلَدِهٖ وَالْحَاجُّ عَنْ غَيْرِهٖ مِثْلُهٗ.

کہ میری طرف سے حج کرایا جائے تو حج کرایا جائے اس کے شہر سے، دوسرے کی طرف سے حج کرنے والا بھی اسی کے مثل ہے۔

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ مرض الموت میں غلام آزاد کرنا وصیت ہی کے حکم میں ہے۔ اس لئے اس کو بھی کتاب الوصایا میں ذکر کر رہا ہے۔ اور صریح وصیت کے بعد اس لئے لا رہا ہے کہ صریح اصل ہے اور صریح کی تقدیم مستغنی عن البیان ہے بعض شراح نے جو اعتاق فی المرض کو انواع وصیت میں سے قرار دیا ہے یہ صحیح نہیں کیونکہ اعتاق مغایر وصیت ہے۔

قولہ تحریرہ الخ اگر کوئی شخص مرض الموت میں غلام آزاد کرے یا محابات کرے یا کوئی چیز ہبہ کرے تو یہ عقود حقیقت میں وصیت نہیں ہیں کیونکہ وصیت تو ایجاب بعد الموت کو کہتے ہیں۔ اور یہ عقود فی الحال منجز ہوتے ہیں مگر مرض الموت میں واقع ہونے کی وجہ سے ان کا حکم وصیت کا سا ہے۔ کہ ان کا اعتبار ثلث مال سے ہوگا۔ اور عتق کی صورت میں کہ اگر ورثہ کیطرف سے اجازت ہو جائے تو غلام اپنی استخلاص میں سعایت نہ کرے گا کیونکہ منع عتق حق ورثہ کی وجہ سے تھا جو اجازت کے بعد ساقط ہو گیا۔

قولہ فان حابی الخ مریض نے پہلے محابات کی یعنی دوسو کے غلام کو ایک سو میں فروخت کر دیا پھر ایک سو کے غلام کو آزاد کر دیا اور تہائی مال میں دونوں تصرفوں کی گنجائش نہیں تو ثلث مال محابات میں صرف ہوگا۔ اور اگر اس کا عکس ہو تو ثلث مال دونوں میں نصا نصف ہوگا۔ پس آزاد کردہ غلام کا نصف بلاشئی آزاد ہوگا۔ اور نصف قیمت میں سعایت کریگا اور صاحب محابات دوسرا غلام پچاس درہم دیکر خرید لے گا۔ صاحبین کے نزدیک دونوں صورتوں میں عتق مقدم ہوگا۔

قولہ وان اوصی الخ مریض نے وصیت کی کہ سو درہم کا غلام خرید کر میری طرف سے آزاد کیا جائے۔ پھر کچھ درہم ضائع ہو گئے تو وصیت نافذ نہ ہوگی۔ کیونکہ تفاوت قیمت عبد سے قربت متفاوت ہو جاتی ہے۔ بخلاف وصیت حج کے کہ اس کی وصیت باطل نہ ہوگی۔ صاحبین کے یہاں دونوں صورتوں میں وصیت باطل نہیں ہوتی۔

قولہ ویعتق عبدہ الخ مریض نے وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد فلاں غلام کو آزاد کر دینا مریض مر گیا اور غلام نے کوئی جنایت کی جس کے بدلہ میں وہ دیدیا گیا تو وصیت باطل ہو گئی۔ کیونکہ ولی جنایت کا حق موصی اور موصی لہ کے حق پر مقدم ہے لیکن اگر ورثہ نے غلام کا فدیہ دیدیا تو وصیت باطل نہ ہوگی اور ورثہ کا فدیہ دینا ان کے ذاتی مال سے ہوگا کیونکہ انہوں نے اس کا خود ہی التزام کیا ہے۔ لہٰذا وہ متبرع ٹھہرے۔

قولہ و بثلثہ لزید الخ ایک شخص نے زید کیلئے تہائی مال کی وصیت کی اور اس نے ایک غلام چھوڑا جس کے متعلق موصی لہ (زید) اور وارث میت دونوں کو اقرار ہے کہ مرنے والے نے اس کو آزاد کر دیا تھا لیکن آزادی کے وقت میں اختلاف ہے زید کہتا ہے کہ اس نے اپنی صحت میں آزاد کیا تھا (تا کہ آزادی تمام مال سے نافذ ہو) اور وارث کہتا ہے کہ مرض کی حالت میں آزاد کیا تھا۔ (تا کہ عتق مال سے نافذ ہو) تو وارث کا قول معتبر ہوگا کیونکہ زید مدعی استحقاق ہے اور وارث منکر پس زید کو کچھ نہ ملے گا۔ الا یہ کہ ثلث مال سے کچھ بچ جائے تو فاضل مقدار ملجائے گی مثلاً ثلث مال سو درہم ہے اور غلام کی قیمت اسی روپے ہے تو زید کو بیس درہم ملیں گے یا پھر زید بینہ سے اپنا دعوی ثابت کرے کہ عتق بحالت صحت ہوا ہے۔

قولہ ولو ادعی الخ ایک شخص نے میت پر کچھ قرض کا دعوی کیا اور اس کے غلام نے آزادی کا دعوی کیا اور میت کا مال سوائے غلام کے اور کچھ نہیں ادھر ورثہ نے دونوں کی تصدیق کردی تو غلام اپنی قیمت میں سعایت کریگا اور وہ قیمت قرض خواہ کو دیدی جائے گی صاحبین کے یہاں غلام آزاد ہو جائے گا اور سعایت بھی واجب نہ ہوگی وہ یہ فرماتے ہیں کہ یہاں دین اور عتق دونوں وارث کی تصدیق سے ایک ہی کلام میں ظاہر ہوئے ہیں تو گویا وہ دونوں ایک ساتھ واقع ہوئے اور عتق صحت موجب سعایت نہیں ہوتا۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ اقرار دین اقرار عتق سے قوی تر ہے اور ادنی کی وجہ سے اقوی مندفع نہیں ہوتا۔ تو یہاں اصل عتق ہی باطل ہو جانا چاہئے۔ مگر عتق چونکہ وقوع کے بعد محتمل نقض نہیں ہوتا اسلئے یہاں سعایت واجب کر کے معنیً منتقض ہوگا۔

قولہ ومن خرج الخ ایک شخص حج کے لئے نکلا اور راہ میں وصیت کر کے مر گیا کہ میری طرف سے حج کرایا جائے تو امام صاحب وزفر کے نزدیک اس کے شہر سے حج کرایا جائے گا' صاحبین اور امام شافعی واحمد کے نزدیک وہاں سے حج کرایا جائیگا جہاں تک وہ ہو نچ چکا تھا کیونکہ بہ نیت حج اس کا سفر قربت واقع ہو چکا اور اتنی مقدار قطع مسافت اس کے ذمہ سے ساقط ہو چکی **لقولہ تعالیٰ " ومن یخرج من بیتہ مهاجرا الی اللہ ورسولہ ثم یدرکہ الموت فقد وقع اجرہ علی اللہ"** امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ اس کا عمل موت کی وجہ سے باطل ہو گیا رہی آیت سو وہ احکام آخرت یعنی اجر وثواب سے متعلق ہے۔

باب الوصیة للاقارب وغیرهم

باب رشتہ داروں کے لئے وصیت کرنے کے بیان میں

جِیْرَانُهٗ مُلاَصِقُوْهُ وَاَصْهَارُهٗ كُلُّ ذِیْ رِحْمٍ محرمٍ مِنْ اِمْرَأتِهٖ وَاخْتَانُهٗ زَوْجُ كُلِّ ذَاتِ رِحْمٍ محرمٍ مِنْهُ

مؤصی کے پڑوسی وہ ہیں جو اس کے گھر سے متصل ہوں اور اصہار وہ ہیں جو اسکی بیوی کے رشتہ دار محرم ہوں اور داماد وہ ہیں جو اسکی محرم عورتوں کے شوہر ہوں

وَاَهْلُهٗ زَوْجَتُهٗ وآلُهٗ اَهْلُ بَيْتِهٖ وَجِنْسُهٗ اَهْلُ بَيْتِ اَبِيْهِ وَاِنْ اَوْصٰى لاَقَارِبِهٖ اَوْ لِذَوِی قَرَابَتِهٖ

اور اہل اس کی بیوی ہے اور آل اس کے گھر والے ہیں اور جنس اس کے باپ گھر والے ہیں اگر وصیت کی اپنے رشتہ داروں یا قرابت والوں

اَوْ لاَرْحَامِهٖ اَوْ لاَنْسَابِهٖ فَهِیَ لِلاَقْرَبِ فَالاَقْرَبُ مِنْ كُلِّ ذِیْ رِحْمٍ محرمٍ مِنْهُ وَلاَ يَدْخُلُ الْوَلَدَانِ

یا ذوی الارحام یا خاندان والوں کے لئے تو وصیت ہر اقر ب کے لئے ہوگی، اس کے ذی رحم محرم میں سے اور داخل نہ ہوں دو چچا اور دو ماموں

وَالْوَلَدُ وَالْوَارِثُ وَتَكُوْنُ لِلاِثْنَيْنِ فَصَاعِدًا فَاِنْ كَانَ لَهٗ عَمَّانِ وَخَالاَنِ فَهِیَ لِعَمَّيْهِ

باپ اور لڑکا اور وارث اور ہوگی وصیت دو کے لئے اور زیادہ کے لئے پس اگر ہوں دو چچا اور دو ماموں تو وصیت چچاؤں کیلئے ہوگی اور اگر

وَلَوْ عَمٌّ وَخَالاَنِ لَهُ النِّصْفُ وَلَهُمَا النِّصْفُ وَلَوْ عَمٌّ وَعَمَّةٌ اسْتَوَيَا

ایک چچا اور دو ماموں ہوں تو چچا کیلئے نصف ہوگا اور دو ماموں کیلئے نصف ہوگا اور اگر ایک چچا اور ایک پھوپھی ہو تو دونوں برابر ہوں گے

وَلِوَلَدِ فُلاَنٍ لِلذَّكَرِ وَالاُنْثٰى عَلٰى السَّوَاءِ وَلِوَرَثَةِ فُلاَنٍ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الاُنْثَيَيْنِ

فلاں کی اولاد کیلئے وصیت میں مرد عورت کیلئے برابر ہوگا اور فلاں کے ورثہ کے لئے وصیت ہو تو مرد کے لئے دو عورتوں کے برابر حصہ ہوگا۔

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ اس باب میں مخصوص لوگوں کیلئے وصیت کے احکام ہیں اور ابواب سابقہ میں احکام وصیت علی وجہ العموم ہیں والخصوص یتلو العموم۔

قولہ جیرانہ الخ ایک شخص نے اپنے پڑسیوں کے لئے وصیت کی تو امام صاحب اور امام زفر کے نزدیک اس وصیت میں وہ لوگ داخل ہوں گے جو اس کے گھر سے متصل ہوں صاحبین کے نزدیک وہ سب لوگ داخل ہوں گے جو اسکے محلّہ میں رہتے ہوں اور مسجد میں نماز پڑھتے ہوں۔ امام صاحب کا قول قیاس پر مبنی ہے۔ اور صاحبین کا قول مبنی بر استحسان ہے امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ جار مجاورۃ سے ہے اور مجاورت کے حقیقی معنی ملاصقت کے ہیں یہی وجہ ہے کہ شفعہ کا استحقاق اسی جوار سے ہوتا ہے۔ وجہ استحسان یہ ہے عرف میں ان سب کو جیران ہی کہا جاتا ہے۔ حدیث "لاصلوۃ لجار المسجد الافی المسجد" سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔ امام شافعی کے یہاں پڑوس چالیس گھر تک ہوتا ہے۔ (ہر طرف سے)

(۱) ... لان الجنس النسب و النسب للاباء لالاامهات ۱۲۔ (۲)..... تفصیل لمذهب ابی حنیفه بعداجماله حیث اجمل الاقرب لان ظاهره مساواة الخال والعم تساویهما درجة مع ان العم مقدم فبین ان الاقرب الاقوی مقدم علی الاقرب الا ضعف۱۲۔ کشف۔(۳)..... وقال بینهم ارباعا۱۲ (۴) لاستواء قرابتهما۱۲۔ (۵)..... لان اسم الولد یشملهما الکل ۱۲۔

قولہ واصہارہ الخ اگر کوئی شخص اپنی اصہار کیلئے وصیت کرے تو اس میں وہ لوگ داخل ہوں گے جو اسکی بیوی کے قرابتدار ہیں جیسے بیوی کے باپ دادے چچا ماموں بہنیں وغیرہ صہر کی یہ تفسیر امام محمد کی ہے۔ برہان وغیرہ میں اس پر یقین ظاہر کیا ہے اور شرنبلالیہ میں اسی کو ثابت رکھا ہے۔ علامہ انزازی فرماتے ہیں کہ لغت کے سلسلہ میں امام محمد کا قول حجت ہے۔ چنانچہ ابو عبیدہ نے ''غریب الحدیث'' میں آپ کے قول سے جابجا استشہاد کیا ہے۔ صحاح میں ہے ''الاصہار اهل بيت المرأة'' فخر الاسلام بزدوی نے شرح زیادات'' میں کہا ہے کہ مہر کا اطلاق کبھی ختن پر بھی ہوتا ہے۔ (ای بدلیل قولهم)۔

لكل ابى بنت اذا ما تر عرعت ثلاثة اصهار اذا عدد الصهر
فاولهم خدر ثانيهم امرؤ وثالثهم قبرو خير هم ابقر

لیکن غالب استعمال وہی ہے جو امام محمد نے ذکر کیا ہے قال حاتم بن غدی

ولو كنت صهرالابن مروان قربت ركابى الى المعروف والطعن الرحب
ولكننى صهر لآل محمد وخال بنى العباس والخال كا لاب
(سمى نفسه صهرا وكان اخالا مرأة
العباس)

روایت میں ہے کہ حضرت جویریہ بنت حارث حضرت ثابت بن قیس کے حصہ میں واقع ہوئیں انہوں نے انکو مکاتب کر دیا یہ اداء بدل کتابت کیلئے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں آپ نے ان سے عقد نکاح کر لیا جب اصحاب نے یہ سنا تو حضرت جویریہ کی برادری کے جو لوگ اصحاب کے حصہ میں آئے تھے انہوں نے ان سب کو آپ کے اکرام کی خاطر آزاد کر دیا اور کہا کہ یہ رسول ﷺ کے اصہار ہیں۔

تنبیہ: اس موقع پر صاحب ہدایہ نے جویریہ کے بجائے ''صفیہ'' ذکر کیا ہے یہ صحیح نہیں صحیح جویریہ ہے جس کی تصریح کتب حدیث میں موجود ہے۔

قولہ واهله زوجة الخ اہل سے مراد امام صاحب کے نزدیک انسان کی بیوی ہوتی ہے اور صاحبین کے یہاں مملوک کے علاوہ ''وأتونى باهلكم اجمعين'' میں بیوی کی تخصیص نہیں تعمیم ہے۔ جواب یہ ہے کہ پہلی آیت میں استثنا اور دوسری آیت میں اجمعین عدم کا قرینہ موجود ہے۔ امام صاحب کی دلیل یہ آیت ''فلما قضى موسى الاجل وسار باهله آنس من جانب الطور نارًا قال لاهله امكثوا'' وجہ استدلال یہ ہے کہ اس وقت حضرت موسیٰ کے ساتھ بیوی کے علاوہ دیگر اقرباء کا ہونا منقول نہیں۔ پس لفظ اہل سے مراد بیوی ہے۔ سوال اس سے استدلال صحیح نہیں کیونکہ ''امکثوا'' میں خطاب بصورت جمع ہے۔ معلوم ہوا کہ صرف بیوی مراد نہیں جواب خطاب بصورت جمع برائے تعظیم ہے۔ کیونکہ ہم پہلے بتا چکے کہ آپ کے ساتھ دیگر اقرباء کا ہونا منقول نہیں۔

باب الوصية بالخدمة والسكنىٰ والثمرة
باب خدمت ورہائش اور پھل کی وصیت کے بیان میں

وَتَصِحُّ الْوَصِيَّةُ بِخِدْمَةِ عَبْدِهٖ وَسُكْنٰى دَارِهٖ مُدَّةً مَعْلُوْمَةً وَاَبَدًا فَاِنْ خَرَجَ الْعَبْدُ مِنْ ثُلُثِهٖ سُلِّمَ اِلَيْهِ

صحیح ہے وصیت اپنے غلام کی خدمت کی اور اپنے گھر کی رہائش کی معین مدت تک اور ہمیشہ کیلئے پس اگر ہو غلام تہائی مال تو دیدیا جائیگا

لِيَخْدِمَهٗ وَاِلَّا خَدَمَ الْوَرَثَةَ يَوْمَيْنِ وَالْمُوْصٰى لَهٗ يَوْمًا وَبِمَوْتِهٖ يَعُوْدُ

تا کہ موصی لہ کی خدمت کرے ورنہ خدمت کرے ورثہ کی دو دون اور موصی لہ کی ایک دن اور موصی لہ کے مرنے سے لوٹ جائیگا غلام

اِلَى وَرَثَةِ الْمُوْصٰى وَلَوْ مَاتَ فِىْ حَيٰوةِ الْمُوْصِىْ بَطَلَتْ وَبِثَمَرَةِ بُسْتَانِهٖ فَمَاتَ وَفِيْهِ ثَمَرَةٌ

موصی کے ورثہ کی طرف اور اگر وہ مرگیا موصی کی زندگی میں تو وصیت باطل ہو جائیگی وصیت کی اپنے باغ کے پھل کی پس مرگیا اور باغ میں پھل ہے

لَهٗ هٰذِهِ الثَّمَرَةُ فَاِنْ زَادَ اَبَدًا لَهٗ هٰذِهٖ وَمَا يَسْتَقْبِلُ كَغَلَّةِ بُسْتَانِهٖ

تو موصی لہ کیلئے وہی پھل ہوگا اور اگر لفظ ابدا بڑھایا ہو تو وہ بھی ہوگا اور جو آئندہ پھل آئے وہ بھی ہوگا جیسے باغ کی آمدنی کی وصیت

وَبِصُوْفِ غَنَمِهٖ وَوَلَدِهَا وَلَبَنِهَا لَهُ الْمَوْجُوْدُ عِنْدَ مَوْتِهٖ قَالَ اَبَدًا اَوْ لَا.

اپنی بکری کی اون کی یا اس کے بچوں کی یا دودھ کی وصیت کی تو موصی لہ کیلئے وہ ہوگا جو موجود ہو موصی کی موت کے وقت ابداً کہے یا نہ کہے۔

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ وصایا اعیان سے فارغ ہو کر وصایا منافع کو شروع کر رہا ہے۔ کیونکہ اعیان اصل ہیں۔ اور منافع فرع۔

قولہ وتصح الخ خدمت عبد اور مکان میں رہائش وغیرہ کی وصیت کرنا صحیح ہے۔ اس واسطے کہ تملیک منافع بحالت حیات صحیح ہے بالعوض ہو یا بلا عوض تو بعد الممات بھی صحیح ہوگی جیسے تملیک اعیان صحیح ہے۔

قولہ فان خرج الخ کسے نے خدمت عبد یا رہائش مکان کی وصیت کی تو یہ صحیح ہے۔ اب اگر غلام اور مکان موصی کا ثلث مال ہو تو وہ موصی لہ کو دیدیا جائیگا اور اگر وہ ثلث مال نہ ہو تو مکان کو تین تہائی تقسیم کر کے ایک تہائی موصی لہ کو دیدیا جائے گا اور دو تہائیاں ورثہ کو۔ کیونکہ موصی لہ کا حق ثلث ہے۔ اور ورثہ کا حق دو ثلث میں اور غلام کی تقسیم ناممکن ہے اس لئے اس میں باری مقرر کر دیجائے گی۔ پس غلام ایک دن موصی لہ کی خدمت کرے گا اور دو دن ورثہ کی پھر اگر موصی لہ کی حیات میں مر جائے تو وصیت باطل ہو جائیگی۔ کیونکہ اس کا مستحق ہی ختم ہو گیا۔ اور چونکہ وصیت منافع میں ملک موصی زائل نہیں ہوتی اس لئے مستحق کی موت کے بعد غلام اور مکان کے مالک موصی کے وارث ہوں گے۔

قولہ کغلۃ بستانہ الخ ثمرہ اور غلہ کے مسئلہ میں وجہ فرق یہ ہے کہ عرف میں ثمرہ اس کو کہتے ہیں جو موجود ہو تو یہ بلا دلایت زائدہ معدوم کو شامل نہ ہوگا بخلاف غلہ کے کہ اس کا اطلاق دونوں پر ہوتا ہے یعنی اس پر بھی جو بالفعل موجود ہو اور اس پر بھی جو آئندہ پیدا ہو چنانچہ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص اپنے غلہ سے کھاتا ہے (یعنی اس کی آمدنی سے کھاتا ہے)۔

باب وصية الذمي

باب ذمی کی وصیت کے بیان میں

ذِمِّيٌّ جَعَلَ دَارَهُ بِيْعَةً اَوْ كَنِيْسَةً فِي صِحَّتِهٖ فَمَاتَ فَهِيَ مِيْرَاثٌ وَاِنْ اَوْصٰى بِذَاكَ لِقَوْمٍ مُسَمَّيْنَ فَهُوَ

ذمی نے بنادیا اپنا گھر بیعہ یا کنیسہ اپنی صحت کی حالت میں پھر مرگیا تو گھر میراث ہوگا اگر وصیت کی ان چیزوں کی مخصوص قوم کے لئے تو اس کا اعتبار

مِنَ الثُّلُثِ وبِدَارِهٖ كَنِيْسَةً لِقَوْمٍ غَيْرِ مُسَمَّيْنَ صَحَّتْ كَوَصِيَّةِ حَرْبِيٍّ مُسْتَامِنٍ بِكُلِّ مَالِهٖ لِمُسْلِمٍ اَوْ ذِمِّيٍّ.

تہائی سے ہوگا وصیت کی اپنے گھر کو کنیسہ بنانے کی غیر معین لوگوں کیلئے تو یہ صحیح ہے جیسے وصیت مستامن کافر کا اپنے کل مال کی کسی مسلمان یا ذمی کیلئے۔

تشریح الفقہ: **قولہ باب الخ** معاملات کے احکام میں کفار مسلمانوں کیساتھ بطریق طبع لاحق ہیں اسلئے متبوع (مسلمان کے احکام بیان کرنے کے بعد تابع کے احکام بیان کررہا ہے۔

قولہ ذمي جعل الخ ایک ذمی نے اپنی صحت میں اپنا مکان (معبد یہود) یا کنیسہ (معبد نصاری) بنادیا پھر مرگیا تو مکان اس کے وارثوں کے لئے میراث ہوگا امام صاحب کے نزدیک تو اسلئے کہ یہ وقف غیر مسجل کی مانند ہے۔ اور صاحبین کے نزدیک اس لئے کہ ان کا بنانا معصیت ہے۔ سوال ان کے حق میں بیعہ ایسا ہے جیسے مسلمانوں کے حق میں اور مسجد کی نہ بیع ہوتی ہے نہ اس میں وارثت چلتی ہے تو بیعہ بھی یہی ہونا چاہئے۔ جواب ایسا نہیں ہے کیونکہ وہ تو بیعہ میں رہتے سہتے اور مردوں کو دفناتے ہیں فی **لوكان المسجد كذلك يورث لانه لم يصر خالصاً لله۔**

قولہ وان اوصى الخ اگر ذمی نے وصیت کی کہ میرا گھر بیعہ یا کنیسہ بنادیا جائے اور یہ وصیت مخصوص لوگوں کیلئے کی تو یہ تہائی مال سے جائز ہوگی اور موصی لہم کیلئے تملیک قرار پائے گی۔ اور اگر وصیت غیر متعین لوگوں کیلئے ہو تو امام صاحب کے نزدیک یہ بھی صحیح ہے۔ صاحبین کے نزدیک صحیح نہیں کیونکہ یہ معصیت ہے جس کی وصیت جائز نہیں امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ یہ فی نفسہ گو معصیت ہے مگر ان کے اعتقاد میں قربت ہے۔ اور ہم ان کو ان کے اعتقاد پر چھوڑنے کے مامور ہیں۔

عہ...... دار قطنی، حاکم عن ابی ... قطنی ... جابر، ابن حبان عن عائشہ، بیہقی، ابن ابی شیبہ عن علی ۱۲ ... ابوداؤد، احمد، ابن راہویہ، بزار، ابن حبان، حاکم، ابن ہشام عن ...

باب الوصی
باب وصی کے بیان میں

اَوْصٰی اِلٰی رَجُلٍ فَقَبِلَ عِنْدَهٗ وَرَدَّ عِنْدَهٗ یَرْتَدُّ وَاِلَّا لَا وَبَیْعُهٗ تَرِکَتَهٗ کَقَبُوْلِہٖ

وصی کیا کسی کو اس نے منظور کرلیا اس کے سامنے اور اسی کے سامنے رد کردیا تو رد ہوجائیگا ورنہ نہیں وصی کا بیچنا موصی کا ترکہ وصایت قبول کرنا ہے

وَاِنْ مَاتَ فَقَالَ لَا اَقْبَلُ ثُمَّ قَبِلَ صَحَّ اِنْ لَمْ یُخْرِجْهُ قَاضٍ مُذْ قَالَ لَا اَقْبَلُ

موصی مرگیا وصی نے کہا مجھے منظور نہیں پھر قبول کرلیا تو صحیح ہے اگر برطرف نہ کیا ہو اس کو قاضی نے جب سے کہ اس نے لا اقبل کہا تھا۔

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ موصی لہ کے بیان سے فراغت کے بعد موصی الیہ یعنی وصی کے احکام بیان کررہا ہے۔ کیونکہ احکام وصایا اس کو بھی شامل ہیں، موصی لہ کے احکام پہلے اس لئے بیان کئے ہیں کہ ان کا وقوع بکثرت ہے۔ وصایا اوصی الی فلان۔ کا اسم ہے۔ بمعنی کسی کو اپنے بعد سربراہ کار کرنا تاکہ وہ وارثوں میں مال تقسیم کرے۔ جس کے ذمہ میت کا حق ہو اس سے وصول کرے، جو باتیں وہ کہہ مرے ان کی تعمیل کرے وغیرہ۔

فائدہ: وصایا کا معاملہ نہایت پرخطر اور کما حقہ اس کی انجام دہی بہت مشکل ہے۔ اس لئے جہاں تک ہوسکے اس سے بچنا چاہئے۔ امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ اس میں پہلی بار قدم رکھنا غلطی ہے اور دوبارہ داخل ہونا خیانت ہے اور سہ بارہ اختیار کرنا سرقہ ہے، حضرت حسن فرماتے ہیں کہ وصی کما حقہ عدل نہیں کرسکتا۔ گو وہ عمر بن الخطاب ہی کیوں نہ ہوں۔ ابو مطیع کا بیان ہے کہ میں نے اپنی بیس سالہ مدت قضاء میں کسی کو نہیں دیکھا کہ وہ اپنے بھائی کے مال سے عدل سے کام لیتا ہو۔

قولہ فقبل عندہ الخ ایک شخص نے دوسرے کو اپنا وصی کیا اس نے موصی کے سامنے وصی ہونا منظور کرلیا تو پھر اسی کے روبرو انکار کردیا تو اس انکار سے وصایت رد ہوجائیگی۔ اور اب وہ وصی نہ رہے گا۔ اور اگر اس کے پس پشت انکار کیا تو وصی ہونا رد نہ ہوگا۔

قولہ فقال لا اقبل الخ اگر موصی مرجائے اور وصی کہے کہ مجھے وصایت منظور نہیں پھر قبول کرلے تو یہ درست ہے بشرطیکہ قاضی نے اس کے انکار کی بنا پر اس کو وصی ہونے سے برطرف نہ کیا ہو۔ اس واسطے کہ اس کا صرف لا اقبل کہنا مبطل ایصا نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں میت کا نقصان ہے۔ اور ابقا ایصا میں موجود وصی کا نقصان ہے۔ وہ ثواب کے ذریعہ سے پورا ہوجاتا ہے۔ **فدفع الضرر الاول وھوا علی اولی۔**

وَاِلٰی عَبْدٍ وَکَافِرٍ وَفَاسِقٍ بَدَّلَ بِغَیْرِھِمْ وَاِلٰی عَبْدِہٖ وَوَرَثَتُهٗ صِغَارٌ صَحَّ وَاِلَّا لَا

اگر وصی کیا غلام کو یا کافر کو یا فاسق کو تو بدل دے قاضی ان کی جگہ دوسرے کو وصی کیا اپنے غلام کو اور اس کے ورثہ کم سن ہیں تو صحیح ہے ورنہ نہیں

وَمَنْ عَجَزَ عَنِ الْقِیَامِ بِھَا ضَمَّ غَیْرَهٗ اِلَیْهِ وَبَطَلَ فِعْلُ اَحَدِ الْوَصِیَّیْنِ فِیْ غَیْرِ التَّجْھِیْزِ وَشِرَاءِ الْکَفَنِ

جو عاجز ہو وصیت کی بجا آوری سے تو کردے قاضی اسکے ساتھ کسی اور کو باطل ہے دو میں سے ایک وصی کا فعل تجہیز و تکفین خرید کفن

لانہ لیس للموصی ولایۃ الزامہ التصرف ولا غرور فیہ لانہ یمکنہ ان ینصب غیرہ ۱۲۔ کشف۔

وَحَاجَةِ الصِّغَارِ وَالاتِّهَابِ لَهُمْ وَرَدِّ وَدِيْعَةِ عَيْنٍ وَقَضَاءِ دَيْنٍ وَتَنْفِيْذِ وَصِيَّةٍ مُعَيَّنَةٍ وَعِتْقِ عَبْدٍ عَيْنٍ

کم سن ورثہ کی ضروریات ان کے لئے ہبہ قبول کرنے معین امانت واپس کرنے قرض چکانے معین وصیت جاری کرنے معین غلام آزاد کرنے

وَالْخُصُوْمَةِ فِي حُقُوْقِ الْمَيِّتِ وَوَصِيٌّ الْوَصِيِّ وَصِيٌّ التَّرِكَتَيْنِ.

اور میت کے حقوق میں جوابدہی کرنے کے علاوہ میں وصی کا وصی دونوں ترکوں میں وصی ہوتا ہے۔

تشریح الفقہ: قولہ بدل الخ کسی نے دوسرے کے غلام کو یا کافر یا فاسق کو اپنا وصی کرلیا تو قاضی ان کو ہٹا کر ان کی جگہ دوسرا وصی مقرر کردے کیونکہ یہ وصایت باطل ہے۔ جیسا کہ کتاب سے مفہوم ہوتا ہے۔ قدوری کی عبارت۔ اخرجہم القاضی عن الوصیۃ'' سے معلوم ہوتا ہے کہ وصایت صحیح ہے لان الاخراج انما یکون بعد الدخول۔

قولہ صغار الخ اگر کسی کے ورثہ صغیر السن ہوں اور وہ اپنے غلام کو وصی کرلے تو یہ امام صاحب کے نزدیک درست ہے صاحبین کے نزدیک درست نہیں۔ مقتضاء قیاس بھی یہی ہے۔ کیونکہ رقیت منافی ولایت ہے۔ وجہ استحسان یہ ہے کہ اس کے غلام کو جو شفقت و ہمدردی ہے وہ کسی اور کو نہیں ہوسکتی۔

قولہ وبطل الخ اگر کوئی دو آدمیوں کو وصی کرے تو طرفین کے نزدیک ان میں سے ایک کو دوسرے کے موجود ہوئے بغیر تصرف کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ تفویض جس صفت کے ساتھ ہو اس کی رعایت ضروری ہے۔ اور یہاں تفویض شرط اجتماع کے ساتھ مشروط ہے کہ موصی دو کے فعل سے راضی ہے نہ کہ ایک فعل سے البتہ تجہیز و تکفین وغیرہ امور جو صاحب کتاب نے ذکر کئے ہیں ان میں دونوں کا اجتماع ضروری ہے کیونکہ ان میں دونوں کا اکٹھا ہونا مشکل بھی ہے۔ اور دونوں سے ایک حالت میں صحیح طور پر پورے بھی نہیں ہوسکتے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک ہر کام میں ان میں سے کسی ایک کا فعل ایسا ہی ہے جیسے دونوں نے کیا ہو۔

قولہ ووصیُ الوصی الخ زید نے عمرو کو وصی کیا تھا۔ عمرو نے مرتے دم بکر کو وصی کردیا تو بکر زید اور عمرو دونوں کا وصی ہوگا۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ وہ میت اول کے ترکہ کا وصی نہ ہوگا۔ کیونکہ میت نے اس کو تصرف کی تفویض کی ہے۔ نہ کہ ایصا کی' ہم یہ کہتے ہیں کہ وصی اس ولایت کیوجہ سے تصرف کرتا ہے جو اس کی طرف منتقل ہو کر آتی ہے۔ اور ولایت منتقلہ میں غیر کو اپنا قائم مقام کرسکتا ہے۔ جیسے باب نکاح میں ولایت جب باپ کی طرف سے دادا کی طرف منتقل ہوتی ہے تو باپ کی طرح دادا کیلئے بھی جائز ہے کہ وہ خود نکاح کرلے یا کسی سے کرادے۔

وَتَصِحُّ قِسْمَتُهُ عَنِ الْوَرَثَةِ مَعَ الْمُوْصىٰ لَهُ وَلَوْ عُكِسَ لاَ فَلَوْ قَاسَمَ الْوَرَثَةَ وَاَخَذَ نَصِيْبَ الْمُوْصىٰ لَهُ

صحیح ہے وصی کا تقسیم کرنا ورثہ کی طرف سے موصیٰ لہ کیساتھ اس کا عکس صحیح نہیں پس اگر تقسیم کرلیا وارثوں سے اور لے لیا موصیٰ لہ کا حصہ

فَضَاعَ رَجَعَ بِثُلُثِ مَابَقِيَ وَاِنْ اَوْصىٰ الْمَيِّتُ بِحَجَّةٍ فَقَاسَمَ الْوَرَثَةَ فَهَلَكَ مَافِي يَدِهِ

اور وہ ضائع ہوگیا تو لے لے باقی کی تہائی اگر وصیت کی میت نے حج کی اور وصی نے مال تقسیم کردیا ورثہ کو پھر ضائع ہوگیا وہ جو وصی کے پاس تھا

اَوْ دَفَعَ اِلىٰ مَنْ يَحُجُّ عَنْهُ فَضَاعَ فِي يَدِهِ حُجَّ عَنِ الْمَيِّتِ بِثُلُثِ مَابَقِيَ وَصَحَّ قِسْمَةُ الْقَاضِي

یا دیدیا وصی نے حج کرنے والے کو اور وہ اسکے پاس سے ضائع ہوگیا تو حج کرایا جائے میت کی طرف سے باقی کی تہائی سے، صحیح ہے قاضی کا تقسیم کرنا

وَاَخْذُهُ حَظَّ الْمُوْصىٰ لَهُ اِنْ غَابَ وَبَيْعُ الْوَصِيِّ عَبْدًا مِنَ التَّرِكَةِ بِغَيْبَةِ الْغُرَمَاءِ وَضَمِنَ الْوَصِيُّ اِنْ بَاعَ عَبْدًا

اور موصیٰ لہ کا حصہ اپنے پاس رکھ لینا اگر وہ غائب ہو صحیح ہے وصی کا بیچنا ترکہ کے غلام کو قرض خواہوں کی غیبت میں ضامن ہوگا وصی اگر بیچا اس نے

اَوْصٰی بِبَیْعِهٖ وَتَصَدُّقِ ثَمَنِهٖ اِنْ اِسْتَحَقَّ الْعَبْدُ بَعْدَ هلاکِ ثَمَنِهٖ عِنْدَهٗ

وہ غلام جس کو بیچ کر قیمت خیرات کرنے کی وصیت کی تھی اگر غلام کسی اور کا نکل آیا وصی کے پاس سے اس کی قیمت ہلاک ہوجانے کے بعد

وَیَرْجِعُ فِی تَرِکَةِ الْمَیِّتِ وَفِی مَالِ الطِّفْلِ اِنْ بَاعَ عَبْدَهٗ وَاسْتُحِقَّ وهلَکَ الثَّمَنُ فِی یدهٖ

پھر وہ لے لے میت کے ترکہ سے اور بچہ کے مال سے اگر بیچا اس نے اس کا غلام اور وہ کسی اور کا نکلا اور قیمت اس کے پاس سے ضائع ہوگئی

وَهُوَ عَلَی الْوَرَثَةِ فِی حِصَّتِهٖ وَصَحَّ اِحْتِیَالُهٗ بِمَالِهٖ لَوْ خَیْرًا لَهٗ وَبَیْعُهٗ وَشِرَاؤُهٗ

اور بچہ ورثہ سے لے اپنے حصے کے بقدر صحیح ہے وصی کے لئے مال صغیر کے حوالے کو قبول کرنا اگر وہ اسکے حق میں بہتر ہو اور اس کا بیچنا اور خریدنا

بِمَا یَتَغَابَنُ وَبَیْعُهٗ عَلَی الْکَبِیْرِ فِی غَیْرِالْعِقَارِ وَلاَ یَتَّجِرُ فِی مَالِهٖ

اتنے نقصان میں جتنا ہوجایا کرتا ہے اور وارث بالغ کی چیز بیچنا زمین کے علاوہ وصی تجارت نہ کرے موصی کے مال میں

وَوَصِیُّ الاَبِ اَحَقُّ بِمَالِ الطِّفْلِ مِنَ الْجَدِّ فَاِنْ لَمْ یُوْصِ الاَبُ فَالْجَدُّ کَالاَبِ.

باپ کا وصی بچہ کے مال کا زیادہ حقدار ہے دادا سے اگر باپ نے وصی نہ کیا ہو تو دادا باپ کے مانند ہے۔

تشریح الفقہ : قوله وتصح الخ موصی نے زید کو کچھ مال کی وصیت کی اور موصی کے وارث موجود نہیں تو وصی وارثوں کی طرف سے ان کا حصہ موصی لہ کے حصہ سے جدا کر سکتا ہے۔ اور اگر موصی لہ نہ ہو اور وارث ہوں تو موصی لہ کا حصہ ورثہ سے تقسیم نہیں کر سکتا۔

قوله وصح احتياله الخ اگر بچہ کا مال زید کے ذمہ ہو اور وہ عمرو پر حوالہ کرے تو وصی کیلئے اس حوالے کو قبول کرنا جائز ہے۔ بشرطیکہ یہ بچہ کے حق میں بہتر ہو مثلاً یہ کہ محتال علیہ مالدار ہو جس سے مال جلد مل جانے کی توقع ہو۔

قوله ووصی الاب الخ ہمارے یہاں بچہ کے مال میں تصرف کرنے کیلئے دادا کے بہ نسبت باپ کا وصی زیادہ حقدار ہے امام شافعی کے یہاں دادا احق ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ وصایت کی بنا پر باپ کی ولایت وصی کی طرف منتقل ہوجاتی ہے۔ تو معنوی طور پر گویا باپ ہی کی ولایت قائم ہے لہٰذا وہ مقدم ہوگی جیسے اگر خود باپ موجود ہو تو وہ دادا پر مقدم ہوتا ہے علاوہ ازیں دادا موجود ہوتے ہوئے باپ کا دوسرے کو وصی کرنا اسی پر دال ہے کہ اسکی اولاد کے حق میں دادا کی بہ نسبت وصی کا تصرف نافع تر ہے۔

فَصْلٌ فِی الشَّهَادَةِ: شَهِدَ الْوَصِیَّانِ بِاَنَّ الْمَیِّتَ اَوْصٰی اِلٰی زَیْدٍ مَعَهُمَا لَغَتْ اِلاَّ اَنْ یَدَّعِیَ زَیْدٌ

(فصل شہادت میں) گواہی دی دو وصیوں نے کہ میت نے وصی کیا تھا زید کو ہمارے ساتھ تو گواہی لغو ہے الا یہ کہ زید مدعی ہو

وَکَذَا الاِبْنَانِ وَکَذَا لَوْشَهِدَا لِوَارِثٍ صَغِیْرٍ بِمَالٍ اَوْ لِکَبِیْرٍ بِمَالِ الْمَیِّتِ

اسی طرح دو بیٹوں کی گواہی ہے اور اسی طرح ہے اگر گواہی دی انہوں نے کمسن وارث کیلئے مال کی یا بالغ کے لئے میت کے مال کی

وَلَوْ شَهِدَ رَجُلاَنِ لِرَجُلَیْنِ عَلٰی مَیِّتٍ بِدَیْنِ اَلْفٍ وَشَهِدَ الاٰخَرَانِ لِلاَوَّلَیْنِ بِمِثْلِهٖ تُقْبَلُ.

اگر گواہی دی دو نے دو آدمیوں کے لئے میت پر ایک ہزار کے قرض کی اور گواہی دی ان دو نے پہلے دو کے لئے ایک ہزار کی تو مقبول ہوگی

وَاِنْ کَانَتْ شَهَادَةُ کُلِّ فَرِیْقٍ بِوَصِیَّةِ اَلْفٍ لاَ.

اور اگر ہو گواہی ہر فریق کی ایک ہزار کی وصیت پر تو مقبول نہ ہوگی۔

شہادت وصی کا بیان

تشریح الفقہ: **قولہ شہد الوصیان الخ** دو وصیوں نے گواہی دی کہ میت نے ہمارے ساتھ زید کو بھی وصی کیا ہے تو یہ گواہی لغو ہے۔ کیونکہ وہ اپنے لئے مددگار ثابت کر رہے ہیں جس میں ان کا نفع ہے تو وہ متہم ہو سکتے ہیں' اسی طرح اگر میت کے دو بیٹے گواہی دیں کہ ہمارے باپ نے فلاں کو وصی کیا ہے۔ تو یہ بھی لغو ہے کیونکہ وہ بھی متروکہ مال کی حفاظت کیلئے نگہبان چاہتے ہیں جس میں انکا نفع ہے۔ مگر یہ اس وقت ہے جب وہ شخص منکر وصایت ہو جس کے متعلق وہ وصی ہونے کی گواہی دے رہے ہیں۔ اور اگر وہ وصی ہونے کا دعوی کریں تو دونوں مسئلوں میں شہادت مقبول ہوگی۔

قولہ و کذا لو شہدا الخ اسی طرح اگر دو وصی وارث صغیر کے مال کی گواہی دیں (خواہ صغیر کو وہ مال میراث سے ملا ہو یا ہبہ وغیرہ سے) یا وارث کبیر کیلئے میت کے مال کی گواہی دیں تو یہ بھی لغو ہے۔ کیونکہ وہ پہلی صورت میں اپنے لئے ولایت تصرف اور دوسری صورت میں ولایت حفظ کے مدعی ہیں جس میں وہ متہم ہو سکتے ہیں۔

قولہ ولو شہد رجلان الخ دو آدمیوں نے دوسرے دو آدمیوں کے گواہی دی کہ میت کے ذمہ انکا ایک ایک ہزار روپیہ قرض ہے اور یہی ان دونوں نے پہلے دو کیلئے دی تو طرفین کے نزدیک یہ دونوں گواہیاں صحیح ہیں کیونکہ دین واجب فی الذمہ ہوتا ہے جس میں مختلف حقوق واجب ہو سکتے ہیں ہاں اگر ان میں سے ہر فریق دوسرے کیلئے ایک ہزار کی وصیت کی گواہی دے تو یہ مقبول نہ ہوگی کیونکہ اس میں وہ متہم ہیں۔

(۱)۔۔۔ لانها تتعين بالتركه ... من غير تعلق بالذمة فتبتت الشركة في التركة ابتداءً بخلاف الدين لانه يتعلق بالذمة ابتداءً وبالتركة بعد الموت فافترقا ۱۲۔

كتاب الخنثىٰ

هُوَ مَنْ لَهُ ذَكَرٌ وَفَرْجٌ فَإِنْ بَالَ مِنَ الذَّكَرِ فَغُلَامٌ وَإِنْ بَالَ مِنَ الْفَرْجِ فَأُنْثَى

خنثیٰ وہ ہے جس کے ذکر اور فرج دونوں ہوں پس اگر وہ پیشاب کرے ذکر سے تو مرد ہے اور اگر پیشاب کرے فرج سے تو عورت ہے

وَإِنْ بَالَ مِنْهُمَا فَالْحُكْمُ لِلْأَسْبَقِ وَإِنِ اسْتَوَيَا فَمُشْكِلٌ وَلَا عِبْرَةَ بِالْكَثْرَةِ فَإِنْ بَلَغَ

اور اگر پیشاب کرے دونوں سے تو جس سے پہلے نکلے اس کا اعتبار ہے اور اگر برابر نکلے تو خنثیٰ مشکل ہے اور اعتبار نہیں کثرت کا پس اگر وہ بالغ ہو

وَخَرَجَتْ لَهُ لِحْيَةٌ أَوْ وَصَلَ إِلَى النِّسَاءِ فَرَجُلٌ وَإِنْ ظَهَرَ لَهُ ثَدْيٌ أَوْ لَبَنٌ أَوْ حَاضَ أَوْ حَبِلَ أَوْ أَمْكَنَ وَطْيُهُ

اور ڈاڑھی نکل آئے یا عورتوں سے صحبت کی تو مرد ہے اور اگر اس کی چھاتیاں ابھر آئیں یا دودھ اتر آیا یا حیض آیا یا حمل ٹھہر گیا یا اس سے وطی ممکن ہو

فَامْرَأَةٌ وَإِنْ لَمْ تَظْهَرْ عَلَامَةٌ أَوْ تَعَارَضَتْ فَمُشْكِلٌ فَيَقِفُ بَيْنَ صَفِّ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ

تو عورت ہے اور اگر کوئی علامت ظاہر نہ ہو یا دونوں ظاہر ہوں تو مشکل ہے پس وہ کھڑا ہو مردوں اور عورتوں کی صف کے درمیان

وَتُبْتَاعُ لَهُ أَمَةٌ لِتَخْتِنَهُ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ فَمِنْ بَيْتِ الْمَالِ ثُمَّ تُبَاعُ

اور خریدی جائے باندی اس کی ختنہ کرنے کے لئے اگر اس کا کچھ مال نہ ہو تو بیت المال سے خریدی جائے پھر بیچ دیجائے

وَلَهُ أَقَلُّ النَّصِيبَيْنِ فَلَوْ مَاتَ أَبُوهُ وَتَرَكَ ابْنًا لَهُ سَهْمَانِ وَلِلْخُنْثَى سَهْمٌ.

اور اس کے لئے دو حصوں میں سے کمتر ہے پس اگر مرگیا اس کا باپ ایک بیٹا چھوڑ کر تو بیٹے کیلئے دو سہم ہیں اور خنثیٰ کیلئے ایک سہم۔

تشریح الفقہ: قولہ کتاب الخ غالب الوجود (مرد و عورت) کے احکام کے بعد نادر الوجود (خنثیٰ) کے احکام بیان کررہا ہے۔ خنثیٰ خنث سے مشتق ہے۔ مغرب میں ہے کہ یہ ترکیب نرمی اور تکسر پر دال ہے۔ مخنث کے اعضا اور گفتگو میں لچک اور لوچ ہوتا ہے۔ اس لئے اس کو مخنث کہتے ہیں۔

قولہ ھو من لہ الخ مخنث وہ ہے جس کے ذکر اور فرج دونوں ہوں پس اگر وہ ذکر سے پیشاب کرتا ہو تو اس کو مذکر مانا جائے گا اور دوسری علامت شگاف پر محمول ہوگی۔ اور اگر فرج سے پیشاب کرتا ہو تو مؤنث مانا جائے گا اور دوسری علامت ثلول (مسہ) پر محمول ہوگی روایت میں ہے کہ "حضور ﷺ سے خنثیٰ کے متعلق دریافت کیا گیا: کیف یورث؟ آپ نے فرمایا: من حیث یبول" حضرت علی سے بھی اسی طرح مروی ہے اور اگر دونوں سے پیشاب کرتا ہوں تو جس سے پیشاب پہلے نکلے اسی کا اعتبار ہوگا کیونکہ یہ اسکے عضو اصلی ہونے کی دلیل ہے۔ اور اگر دونوں سے ایک ساتھ نکلتا ہو تو اس کا معاملہ مشکل ہے۔ صاحبین فرماتے ہیں کہ اس کے بعد کثرت بول کا اعتبار ہوگا کیونکہ کثرت خروج بھی اصالت عضو کی دلیل ہے۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ کثرت خروج کشادگی راہ کی دلیل ہے نہ کہ اصالت عضو کی۔

قولہ ولہ اقل الخ امام صاحب کے یہاں خنثیٰ کو میراث سے اقل النصیبین ملے گا یعنی دیکھا جائے گا کہ اگر ہم اس کو مرد فرض کریں تو کتنا ملتا ہے اور مؤنث فرض کریں تو کتنا ملتا ہے پس ان میں سے جو کم ہو وہ ملے گا اور اگر کسی ایک تقدیر پر وہ محروم ہوتا ہو تو کچھ نہ ملے گا تو اگر خنثیٰ کا باپ اس کے ساتھ ایک اور بیٹا چھوڑ کر مرجائے تو بیٹے کو دو سہم ملیں گے اور خنثیٰ کو ایک۔ صاحبین کے یہاں اس کو آدھا حصہ مذکر کا اور آدھا مؤنث کا ملے گا۔

---

(۱)...... لان ہذہ من علامات الذکران ۱۲۔ (۲)...... لان ہذہ من علامات النساء ۱۲۔ (۳)...... لان بیت المال اعد لنوائب المسلمین ۱۲۔

مَسَائِلُ شَتّٰی : اِیْمَاءُ الاَخْرَسِ وَکِتَابَتُهٗ کَالْبَیَانِ بِخِلاَفِ مُعْتَقِلِ اللِّسَانِ فِی وَصِیَّةٍ وَنِکَاحٍ وَطَلاَقٍ

(متفرق مسائل) گونگے کا اشارہ اور لکھنا زبانی بیان کے مثل ہے بخلاف اس کے جس کی زبان بند ہوگئی ہو وصیت میں نکاح وطلاق میں

وَبَیْعٍ وَشِرَاءٍ وَقَوَدٍ لاَ فِی حَدٍّ غَنَمٌ مَذْبُوحَةٌ وَمَیْتَةٌ فَاِنْ کَانَتِ الْمَذْبُوحَةُ اَکْثَرَ تَحَرّٰی وَاَکَلَ وَاِلاَّ لاَ

خرید وفروخت میں اور قصاص میں نہ کہ حد میں کچھ بکریاں مذبوح ہیں کچھ مردار پس اگر مذبوح زائد ہوں تو تحری کر کے کھالے ورنہ نہیں

لُفَّ ثَوْبٌ نَجِسٌ رَطْبٌ فِی ثَوْبٍ طَاهِرٍ یَابِسٍ فَظَهَرَ رُطُوبَتُهٗ عَلٰی ثَوْبٍ طَاهِرٍ لٰکِنْ لاَیَنْعَصِرُ لَوْ عُصِرَ

لپیٹا گیا ناپاک گیلا کپڑا خشک پاک کپڑے میں پس ظاہر ہوگئی اس کی تری پاک کپڑے پر لیکن وہ نہیں ٹپکتا نچوڑنے سے

لاَ یَنْجَسُ رَاْسُ شَاةٍ مُتَلَطِّخٍ بِالدَّمِ اُحْرِقَ وَزَالَ عَنْهُ الدَّمُ فَاتُّخِذَ مِنْهُ مَرِقَةٌ جَازَ وَالْحَرْقُ کَالْغُسْلِ

تو ناپاک نہ ہوگا بکری کا خون آلود سر جلادیا گیا اور اس سے خون جاتا رہا پھر اس کا شوربا تیار کیا گیا تو درست ہے اور جلانا مثل دھوڈالنے کے ہے

سُلْطَانٌ جَعَلَ الْخَرَاجَ لِرَبِّ الاَرْضِ جَازَ وَاِنْ جَعَلَ الْعُشْرَ لاَ وَلَوْ دَفَعَ الاَرَاضِی الْمَمْلُوْکَةَ اِلٰی قَوْمٍ

بادشاہ نے مقرر کردیا خراج زمیندار کے لئے تو جائز ہے اور اگر عشر مقرر کیا تو نہیں اگر دی مملوکہ اراضی کسی کو

لِیُعْطُوا الْخَرَاجَ جَازَ وَلَوْ نَوٰی قَضَاءَ رَمَضَانَ وَلَمْ یُعَیِّنِ الْیَوْمَ صَحَّ وَلَوْ عَنْ رَمَضَانَیْنِ

تاکہ وہ خراج ادا کریں تو جائز ہے اگر نیت کی قضاء رمضان کی اور دن معین نہیں کیا تو صحیح ہے گو دو رمضانوں کا ہو

کَقَضَاءِ الصَّلٰوةِ صَحَّ وَاِنْ لَمْ یَنْوِ اَوَّلَ صَلٰوةٍ اَوْ اٰخِرَ صَلٰوةٍ عَلَیْهِ.

جیسے نماز کی قضاء صحیح ہے گو نیت نہ کی ہو پہلی یا آخری نماز کی جو اس کے ذمہ ہے۔

تشریح الفقہ : **قوله مسائل شتی الخ** شتی شتیت کی جمع ہے بمعنی متفرق۔ ارباب قلم کی یہ عام عادت ہے کہ جو مسائل اپنے مواقع سے رہ جاتے ہیں ان کو بغرض تدارک آخر کتاب میں مسائل شتی، مسائل متفرقہ، مسائل منثورہ، مسائل لم تدخل فی الابواب اور فروع وغیرہ کے عنوان سے ذکر کردیتے ہیں یہاں بھی اسی قسم کے مسائل ہیں، اگر گونگا آدمی پلک یا ہاتھ وغیرہ سے اشارہ کرے تو نکاح وطلاق خرید وفروخت اور قصاص وغیرہ کے احکام میں زبانی تقریر کے مانند ہے بشرطیکہ حاکم اس کا اشارہ سمجھ جائے یا کوئی اشارہ فہم متقی سمجھادے بخلاف معتقل اللسان کے کہ اس کا اشارہ زبانی تقریر کے درجہ میں نہیں ہے۔ البتہ امام شافعی کے یہاں اسکا بھی یہی حکم ہے۔

قوله غنم الخ کچھ بکریاں مذبوح ہیں کچھ مردار۔ اگر مذبوح زائد ہوں تو تحری کر کے کھالے اور دونوں برابر ہوں یا مردار زائد ہوں تو نہ کھائے۔ کثرت کا اعتبار اس لئے ہے کہ افادہ اباحت میں غلبہ ضرورت کے قائم مقام ہوتا ہے، گیلا ناپاک کپڑا خشک کپڑے میں لپیٹا گیا اس کی رطوبت پاک کپڑے پر ظاہر ہوگئی اور ناپاک کپڑا تھا کہ اگر اس کو نچوڑتے تو نہ ٹپکتا تو پاک کپڑا ناپاک نہ ہوگا۔

قوله سلطان الخ بادشاہ نے زمین کا خراج زمین دار کیلئے مقرر کردیا تو یہ جائز ہے اور اگر عشر مقرر کیا تو جائز نہیں ہے۔ طرفین کے یہاں دونوں جائز نہیں کیونکہ خراج عام مسلمانوں کیلئے فئی ہے اور عشر زکوۃ ہے تو وہ فقیروں کا حق ہے امام ابویوسف فرماتے ہیں کہ خراج میں صاحب خراج کا حق ہے۔ لہٰذا وہ اس کے پاس چھوڑا جاسکتا ہے۔

---

(۱)......لان الحدود تندری بالشبہات ۱۲۔ (۲)......لان النار تاکل ما فیہ من النجاسۃ ۱۲۔ (۳)......ای اذا عجزوا عن زراعۃ الارض واداء الخراج ۱۲۔ (۴)...... ہذا قول لبعض المشائخ والاصح انہ یجوز فی رمضان واحد ولا یجوز فی رمضانین مالم یعین انہ صائم عن رمضان سنۃ کذا وکذا فی قضاء الصلوۃ ۱۲۔

اِبْتَلَعَ بُزَاقَ غَیْرِہٖ کَفَّرَ لَوْصَدِیْقَهٗ وَاِلاَّ لاَ قَتْلُ بَعْضِ الْحَاجِّ عُذْرٌ فِی تَرْکِ الْحَجِّ توزن من شدی

نگل گیا کسی کا تھوک تو کفارہ دے اگر اس کا محبوب ہو ورنہ نہیں مارا جانا بعض حاجیوں کا عذر ہے حج کے لئے نہ جانے میں تو میری عورت ہوگئی

فَقَالَتْ شدم لَمْ یَنْعَقِدِ النِّکَاحُ خویشتن را زن من گردانیدی فَقَالَتْ گردانیدم وَقَالَ پذیرفتم یَنْعَقِدُ

اس نے کہا ہوگئی تو نکاح منعقد نہ ہوگا، تو نے خود کو میری بیوی بنایا عورت نے کہا بنایا مرد نے کہا میں نے قبول کیا تو نکاح منعقد ہوگیا

دختر خویش را بہ پسر من ارزانی داشتی فَقَالَ داشتم لاَیَنْعَقِدُ مَنْعُهَا زَوْجَهَا عَنِ الدُّخُوْلِ عَلَیْهَا وَهُوَ یَسْکُنُ مَعَهَا

تو نے اپنی لڑکی میرے بیٹے کے لائق کردی اس نے کہا کردی تو نکاح نہ ہوگا عورت کا شوہر کو اپنے پاس آنے سے روکنا جبکہ وہ رہتا ہے اس کے ساتھ

فِی بَیْتِهَا نُشُوْزٌ وَلَوْ سَکَنَ فِیْ بَیْتِ الْغَصَبِ فَامْتَنَعَتْ مِنْهُ لاَ قَالَتْ لاَ اَسْکُنُ مَعَ اَمَتِکَ

اس کے گھر میں نافرمانی ہے اور اگر رہتا ہو غصب کے مکان میں پھر عورت رکے تو نافرمانی نہیں بیوی نے کہا میں نہیں رہتی تیری باندی کے ساتھ

وَاُرِیْدُ بَیْتًا عَلٰیحِدَۃً لَیْسَ لَهَا ذٰلِکَ قَالَتْ مرا طلاق دہ فَقَالَ دادہ گیر او کردہ گیر او دادہ باد او کردہ باد یَنْوِیْ

اور علیحدہ مکان چاہتی ہوں تو اس کو یہ حق نہیں بیوی نے کہا مجھے طلاق دے شوہر نے کہا دی ہوئی یا کی ہوئی سمجھ یا کہا ہوجیو تو نیت معلوم کی جائے گی

وَلَوْ قَالَ دادہ است او کردہ است یَقَعُ نَوٰی اَوْلاَ وَلَوْ قَالَ دادہ انگار او کردہ انگار لاَیَقَعُ وَاِنْ نَوٰی

اور اگر کہا کہ دی ہے یا کی ہے تو طلاق ہوجائیگی نیت کرے یا نہ کرے اگر کہا کہ دی ہوئی جان یا کی ہوئی فرض کر تو واقع نہ ہوگی گو نیت کرلے

وی مرانشاید تاقیامت او ہمہ عمر لاَیَقَعُ اِلاَّ بِالنِّیَّةِ حیلہ زناں کن اِقْرَارٌ بِالثَّلٰثِ حیلہ خویش کن لاَ

وہ مجھے نہیں چاہئے قیامت تک یا عمر بھر تو واقع نہ ہوگی مگر نیت سے تو عورتوں کا حیلہ کر یہ اقرار ہے تین طلاقوں کا اپنا حیلہ کر نہیں

کابین ترابخشیدم مرا ازجنگ باز دار اِنْ طَلَّقَهَا سَقَطَ الْمَهْرُ وَاِلاَّ لاَ قَالَ لِعَبْدِہٖ یَا مَالِکِی

میں نے مہر تجھے بخشا مجھ سے ہاتھ اٹھالے اگر اس نے طلاق دیدی تو مہر ساقط ہوجائیگا ورنہ نہیں، کہا اپنے غلام سے اے میرے مالک

وَلاَمَتِهٖ اَنَا عَبْدُکَ لاَ یَعْتِقُ بر من سوگندست کہ ایں کار نکنم اِقْرَارٌ بِالْیَمِیْنِ بِاللّٰهِ تَعَالٰی

یا باندی سے میں تیرا غلام ہوں تو آزاد نہ ہوں گے مجھ پر قسم ہے یہ کام نہ کرونگا اقرار ہے اللہ کی قسم کا

وَاِنْ قَالَ برمن سوگند است بطلاق لَزِمَهٗ ذٰلِکَ فَاِنْ قَالَ قُلْتُ ذٰلِکَ کِذْبًا لاَیُصَدَّقُ.

اور اگر کہا مجھ پر قسم ہے طلاق کی تو لازم ہوگی اس پر یہ پس اگر وہ کہے کہ میں نے جھوٹ کہا ہے تو تصدیق نہیں کیجائیگی۔

تشریح الفقہ: قولہ ابتلع الخ اگر کوئی روزہ دار کسی کا تھوک نگل جائے تو اگر وہ شخص روزہ دار کا محبوب ہو تب تو اس پر کفارہ بھی واجب ہوگا اور اگر وہ اس کا محبوب نہ ہو تو قضا واجب ہوگی وجہ یہ ہے کہ محبوب کے تھوک سے طبیعت کو نفرت نہیں ہوتی تو یہ ایسا ہوگیا جیسے روٹی وغیرہ مرغوب چیزیں۔ بخلاف غیر محبوب کے کہ اس کے تھوک سے نفرت ہوتی ہے۔

(۱)..... لان امن الطریق شرط الوجوب او شرط الاداء ولایحصل ذلک مع قتل البعض ۱۲ ۔ (۲)..... لانہ اخبار عن الوقوع مطاة ۱۲ ۔

قولہ توزن من شدی الخ کسی نے عورت سے کہا: توزن من شدی (تو میری بیوی ہوگئی؟) عورت نے کہا: شدم تو جب تک وہ شخص قبول کردم' نہ کہے نکاح نہ ہوگا۔ کیونکہ عورت کا قول "شدم" ایجاب ہے اور قائل کا قول "توزن من شدی" بطور استفہام ہے۔ **فمالم یوجد القبول لاینعقد۔**

قولہ دختر خویش را الخ کسی نے دوسرے سے کہا: دختر خویش را بہ پسر من ارزانی داشتی؟ یعنی تو نے اپنی لڑکی میری بیٹے کے لائق کی؟ اس نے کہا: داشتم یعنی کردی۔ علامہ بدرالدین عینی فرماتے ہیں کہ نکاح نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ کلام ایجاب قبول پر مشتمل نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر وہ اس کیبعد "قبول کردم" کہے تب بھی نکاح نہ ہوگا' لیکن مجمع الانہر میں ہے "**لاینعقد مالم یقل کردم**" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح بشرط قبول منعقد ہوجائے گا۔

قولہ منعھا زوجھا الخ اگر عورت نے اپنے شوہر کو اپنے پاس آنے سے منع کیا حالانکہ شوہر اس کے پاس ہی رہتا ہے۔ تو یہ نافرمانی میں داخل ہے۔ شوہر پر اس کا نان ونفقہ واجب نہ ہوگا کیونکہ اس کا خود کو روکنا بے جا ہے' اور اگر شوہر غصب کے مکان میں رہتا ہو اور عورت اس کے پاس آنے سے رکے تو یہ نافرمانی نہیں ہے' کیونکہ غصب کے مکان میں رہنا حرام ہے لہٰذا شوہر پر نان ونفقہ واجب ہوگا۔

قولہ ینوی الخ عورت نے شوہر سے کہا: طلاق دہ: یعنی طلاق دیدے' اس نے جواب میں کہا: دادہ گیر' کردہ گیر' دادہ باد' کردہ باد' تو اس کی نیت کا اعتبار ہوگا۔ اگر اس نے ان الفاظ سے طلاق کی نیت کی تو طلاق واقع ہوگی ورنہ نہیں **لانھامن الکنایا ت عندھم۔**

قولہ حیلہ زناں کن الخ شوہر نے بیوی سے کہا: حیلہ زناں کن یعنی عورتوں کا حیلہ کر' تو یہ تین طلاقوں کا اقرار ہے۔ کیونکہ لفظ مذکور فارسی زبان کو والوں کے یہاں طلاق سے کنایہ ہے بخلاف حیلہ خویش کن کے کہ یہ طلاق سے کنایہ نہیں ہے۔ لہٰذا یہ طلاقوں کا اقرار نہ ہوگا۔

قولہ کابین ترا الخ عورت نے شوہر سے کہا: کابین ترا بخشیدم مرا از جنگ باز دار' میں نے تجھ کو مہر بخشا مجھ سے ہاتھ اٹھالے اور شوہر نے اسی مجلس میں طلاق دیدی تو مہر ساقط ہوجائے گا۔ ورنہ نہیں۔ کیونکہ اس نے مہر کو طلاق کا عوض ٹھہرایا ہے۔ اور جب طلاق نہیں دی تو مہر ساقط نہ ہوگا۔

قولہ قال لعبدہ الخ مالک نے غلام سے کہا: اے میرے مالک' یا' باندی سے کہا: میں تیرا غلام ہوں' تو یہ آزاد نہ ہونگے کیونکہ یہ لفظ عتق کے لئے نہ صریح ہے نہ کنایہ' کسی نے کہا: مجھ پر قسم ہے یہ کام نہ کرونگا تو یہ یمین کا اقرار ہے اگر اس نے وہ کام کرلیا تو کفارہ یمین واجب ہوگا۔ اور اگر "برمن سوگندست بطلاق" کہا پھر وہ کام کرلیا تو طلاق واقع ہوجائے گی۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

وَلَوْقَالَ مراسوگندخانہ است کہ ایں کارنکنم فَھُوَ اِقْرَارٌ بِالْیَمِیْنِ بِالطَّلَاقِ قَالَ لِلْبَائِعِ بھا بازدہ فَقَالَ الْبَائِعُ بازیدہم

اگر کہا مجھے قسم ہے گھر کی کہ یہ کام نہ کرونگا تو یہ اقرار ہے طلاق کی قسم کا کہا بائع سے قیمت پھیردے بائع نے کہا پھیرتا ہوں

یَکُوْنُ فَسْخاً لِلْبَیْعِ اِنْ فَعَلْتُ کَذَا مَادُمْتُ بِبُخَارَا فَخَرَجَ مِنْھَا وَرَجَعَ وَفَعَلَ لاَ یَحْنَثُ بَاعَ اَتَانًا

تو یہ بیع کو فسخ کرنا ہوا اگر کروں ایسا جب تک کہ میں خارا میں ہوں پھر وہاں سے چلا گیا اور واپس آ کر کیا تو حانث نہ ہوگا گدھی فروخت کی

لَایَدْخُلُ جَحْشُھَا فِی الْبَیْعِ وَالْعَقَارُ الْمُتَنَازِعُ فِیْہِ لَایَخْرُجُ مِنْ یَدِ ذِی الْیَدِ مَالَمْ یُبَرْھِنِ الْمُدَّعِی عِقَارٌ

تو داخل نہ ہوگا اس کا بچہ بیع میں جھگڑے والی زمین نہ نکلے گی قابض کے قبضہ سے جب تک کہ بینہ قائم نہ کرے مدعی ایک زمین ہے

لاَ فِی وِلاَیَةِ الْقَاضِیْ لاَیَصِحُّ قَضَاؤُہٗ فِیْہِ اِذَا قَضٰی الْقَاضِیْ فِی حَادِثَةٍ بِبَیِّنَةٍ
جو قاضی کی ولایت میں نہیں ہے تو صحیح نہیں اس کا فیصلہ اس میں جب فیصلہ کیا قاضی نے کسی مقدمہ میں بینہ کے ساتھ
ثُمَّ قَالَ رَجَعْتُ عَنْ قَضَائِی اَوْ بَدَاَ لِی غَیْرُ ذٰلِکَ اَوْ وَقَعْتُ فِی تَلْبِیْسِ الشُّھُوْدِ اَوْ اَبْطَلْتُ حُکْمِیْ
پھر کہا کہ میں نے رجوع کر لیا اپنے فیصلہ سے یا میری رائے بدل گئی یا میں گواہوں کے دام میں پھنس گیا یا میں نے اپنا فیصلہ باطل کر دیا
وَنَحْوُذٰلِکَ لاَیُعْتَبَرُ وَالْقَضَاءُ مَاضٍ اِنْ کَانَ بَعْدَ دَعْوٰی صَحِیْحَةٍ وَشَھَادَةٍ مُسْتَقِیْمَةٍ
یا کچھ اور کہا تو اس کا اعتبار نہ ہوگا اور فیصلہ نافذ رہے گا اگر ہو صحیح دعوے اور ٹھیک ٹھیک گواہی کے بعد۔

تشریح الفقہ: قولہ مرا سو گند خانہ الخ اگر کسی نے کہا" مرا سو گند خانہ است اہ" مجھے گھر کی قسم ہے۔ تو یہ یمین طلاق کا اقرار ہوگا۔ کیونکہ قسم کا مدار عرف پر ہے اور اور عرف میں لفظ بیت یا خانہ بولکر بیوی سے کنایہ کرتے ہیں۔

قولہ عقار لافی ولایة الخ جو زمین قاضی کی ولایت میں نہ ہو اس کی بابت اس قاضی کا حکم صحیح ہے یا نہیں؟ کنز کی طرح ملتقی میں ہے کہ صحیح نہیں۔ لیکن صاحب تنویر نے کہا ہے کہ صحیح ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ ہم نے صاحب کنز کے قول پر سے اس لئے عدول کیا کہ بزازیہ اور خلاصہ میں مذکور ہے کہ صحیح قول یہ ہے کہ قاضی کا حکم محدود میں صحیح ہے اگرچہ عقار محدود اس قاضی کی حکومت میں نہ ہو۔

قولہ ببینة الخ لفظ بینہ کی تخصیص صرف اس لئے کی ہے کہ اس کے بعد ہے" او وقعت فی تلبیس الشھود" ورنہ اگر فیصلہ اقرار کی وجہ سے ہو تب بھی یہی حکم ہے۔ (طحطاوی)۔

خَبَاءَ قَوْمًا ثُمَّ سَأَلَ رَجُلاً عَنْ شَیْءٍ فَاَقَرَّ بِہٖ وَھُمْ یَرَوْنَہٗ وَیَسْمَعُوْنَ کَلاَمَہٗ
چھپا دیا کچھ لوگوں کو پھر سوال کیا ایک شخص سے کسی چیز کا اس نے اقرار کر لیا اور وہ لوگ اس کو دیکھ رہے ہیں اور اس کا کلام سن رہے ہیں
وَھُوَ لاَ یَرٰھُمْ جَازَتْ شَھَادَتُھُمْ وَاِنْ سَمِعُوْا کَلاَمَہٗ وَلَمْ یَرَوْہُ لا بَاعَ عِقَارًا
اور وہ ان کو نہیں دیکھ رہا تو ان کی شہادت جائز ہے اور اگر انہوں نے صرف کلام سنا اس کو دیکھا نہیں تو جائز نہیں زمین فروخت کی
وَبَعْضُ اَقَارِبِہٖ حَاضِرٌ یَعْلَمُ الْبَیْعَ ثُمَّ ادَّعٰی لاَ تُسْمَعُ وَھَبَتْ مَھْرَھَا لِزَوْجِھَا فَمَاتَتْ فَطَالَبَتْ وَرَثَتُھَا
کسی رشتہ دار کی موجودگی میں جس کو علم ہے بیع کا پھر اس نے دعویٰ کیا تو نہ سنا جائیگا ہبہ کیا اپنا مہر اپنے شوہر کو پھر مرگئی اس کے ورثہ نے شوہر سے
مَھْرَھَا مِنْہُ وَقَالُوْا کَانَتِ الْھِبَةُ فِی مَرَضِ مَوْتِھَا وَقَالَ فِی الصِّحَّةِ فَالْقَوْلُ لَہٗ اَقَرَّ بِدَیْنٍ اَوْ غَیْرِہٖ ثُمَّ قَالَ
مہر کا مطالبہ کیا اور کہا کہ ہبہ اس کے مرض الموت میں ہوا تھا شوہر نے کہا کہ صحت میں ہوا تھا تو شوہر کا قول معتبر ہوگا اقرار کیا قرض وغیرہ کا پھر بولا
کُنْتُ کَاذِبًا فِیْمَا اَقْرَرْتُ حُلِّفَ الْمُقَرُّلَہٗ مَاکَانَ کَاذِبًا فِیْمَا اَقَرَّ وَلَسْتُ بِمُبْطِلٍ فِیْمَا اَدَّعِیْہِ عَلَیْہِ الاِقْرَارُ
کہ میں اقرار میں جھوٹا تھا تو مقرلہ سے قسم لیجائیگی کہ وہ اقرار میں جھوٹا نہیں ہے اور میں باطل پر نہیں ہوں اس میں جس کا میں مدعی ہوں اقرار نہیں

(۱) ... لانہ ستر داد الثمن وردہ فسخ للعقد ۱۲۔

(۲) من ھھنا الی قولہ البیع " لم یوجد فی نسخة من النسخ ولا فی شرح من الشروح الافی نسخة والمراد ظاھر ۱۲۔

(۳) قال القاضی فی کل ذلک لتعلق حق الغیر بہ ۱۲۔

لَیْسَ بِسَبَبٍ لِلْمِلْکِ قَالَ لِاٰخَرَ وَکَّلْتُکَ بِبَیْعِ ھٰذَا فَسَکَتَ صَارَ وَکِیْلاً وَکَّلَھَا بِطَلَاقِھَا
بے سبب ملک کا کہا دوسرے سے کہ میں نے وکیل کیا تجھ کو اس کے بیچنے کا وہ خاموش رہا تو وہ وکیل ہو گیا بیوی کو اسی کی طلاق کا وکیل کیا

لَایَمْلِکُ عَزْلَھَا وَکَّلْتُکَ بِکَذَا عَلٰی اَنِّیْ مَتٰی عَزَلْتُکَ فَاَنْتَ وَکِیْلِیْ یَقُوْلُ فِیْ عَزْلِہٖ
تو اس کو معزول نہیں کر سکتا وکیل کیا میں نے تجھ کو اس شرط پر کہ جب میں تجھے معزول کروں تو تو میرا وکیل ہے تو کہے اس کو معزول کرنے کے لئے

عَزَلْتُکَ ثُمَّ عَزَلْتُکَ وَلَوْ قَالَ کُلَّمَا عَزَلْتُکَ فَاَنْتَ وَکِیْلِیْ یَقُوْلُ رَجَعْتُ عَنِ الْوَکَالَۃِ الْمُعَلَّقَۃِ
کہ میں نے تجھے معزول کیا پھر معزول کیا اور اگر کہا کہ جتنی دفعہ معزول کروں تو تو میرا وکیل ہے تو کہے کہ نے رجوع کیا مشروط وکالت سے

وَعَزَلْتُکَ عَنِ الْوَکَالَۃِ الْمُنْجَزَۃِ قَبْضُ بَدَلِ الصُّلْحِ شَرْطٌ اِنْ کَانَ دَیْنًا بِدَیْنٍ وَاِلَّا لَا اِدَّعٰی رَجُلٌ عَلٰی صَبِیٍّ
اور تجھے معزول کیا موجودہ وکالت سے بدل صلح پر قبضہ کرنا شرط ہے اگر صلح دین ہو دین کے عوض ورنہ نہیں دعویٰ کیا کسی نے بچہ پر

دَارًا فَصَالَحَہٗ اَبُوْہُ عَلٰی مَالِ الصَّبِیِّ .فَاِنْ کَانَ لِلْمُدَّعِیْ بَیِّنَۃٌ جَازَ اِنْ کَانَ بِمِثْلِ الْقِیْمَۃِ اَوْ اَکْثَرَ
مکان کا پس صلح کر لی اس سے اس کے باپ نے بچہ کے مال پر سو اگر مدعی کے پاس بینہ ہو تو جائز ہے اگر قیمت کے برابر ہو یا قدرے زائد ہو

مِمَّا یَتَغَابَنُ النَّاسُ فِیْہِ وَاِنْ لَمْ یَکُنْ لَہٗ بَیِّنَۃٌ اَوْ کَانَتْ غَیْرَ عَادِلَۃٍ لَا قَالَ لَابَیِّنَۃَ لِیْ فَبَرْھَنَ
کہ لوگ اتنے کا نقصان اٹھا لیتے ہوں اور اگر نہ ہو اس کے پاس بینہ یا ہو غیر قابل وثوق تو جائز نہیں کہا کہ میرے پاس بینہ نہیں پھر بینہ قائم کر دیا

اَوْ قَالَ لَاشَھَادَۃَ لِیْ فَشَھِدَ تُقْبَلُ لِلْاِمَامِ الَّذِیْ وَلَّاہُ الْخَلِیْفَۃُ
یا کہا کہ میرے پاس گواہ نہیں پھر گواہ لایا تو قبول کیا جائیگا حق ہے اس امام کے لئے جس کو والی بنایا ہو خلیفہ نے

اَنْ یَقْطَعَ اِنْسَاناً مِنْ طَرِیْقِ الْجَادَۃِ اِنْ لَمْ یُضِرَّ بِالْمَارَّۃِ.
یہ کہ دے ڈالے کسی کو قطعہ زمین شارع عام کے اگر مضر نہ ہو گذرنے والوں کے لئے۔

تشریح الفقہ : قولہ خبأ قوماً الخ ایک شخص نے کچھ لوگوں کے گھر میں کسی جگہ چھپا دیا پھر ایک آدمی سے کسی چیز کے متعلق پوچھا اس نے اقرار کر لیا اور وہ لوگ جو چھپے ہوئے ہیں اس مقر کو دیکھ رہے ہیں اور اس کا کلام سن رہے ہیں لیکن یہ مقر انکو نہیں دیکھ رہا تو اس مقر کے اقرار پر ان لوگوں کی گواہی جائز ہے۔ اور اگر انہوں نے صرف اس کا کلام سنا ہو دیکھا نہ ہو تو گواہی جائز نہیں کیونکہ آواز میں تشابہ ہو سکتا ہے۔

قولہ وھبت مھرھا الخ بیوی نے اپنا شوہر کو ہبہ کیا اور مر گئی اب اسکے وارث شوہر سے مہر کا مطالبہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مہر کا ہبہ مرض الموت میں ہوا ہے۔ شوہر کہتا ہے کہ تندرستی میں ہوا ہے تو شوہر کا قول معتبر ہوگا' قیاس کی رو سے ورثہ کا قول معتبر ہونا چاہئے۔ کیونکہ ہبہ امر حادث ہے اور حوادث میں اصل یہی ہے۔ کہ وہ اقرب اوقات کیطرف مضاف ہوں' وجہ استحسان یہ ہے کہ مہر میں ورثہ کا حق نہیں ہے زوجہ کا ہے اور ورثا اپنے فائدہ کیلئے اس کا دعوی کر رہے ہیں اور زوج منکر ہے تو زوج ہی کا قول معتبر ہوگا۔

قولہ اقر بدین الخ کسی نے قرض وغیرہ کا اقرار کیا پھر بولا کہ میں اقرار میں جھوٹا ہوں تو امام ابو یوسف کے نزدیک مقر لہٗ سے قسم لی جائی گی کہ مقر اقرار میں جھوٹا نہیں ہے۔ اور میں اس پر جس چیز کا دعوی کر رہا ہوں اس میں میں باطل پر نہیں ہوں طرفین کے یہاں قسم نہیں لی جائے گی۔ کیونکہ اقرار تو شرعاً حجت ملزمہ ہے اس کے ہوتے ہوئے قسم کی ضرورت نہیں۔ امام ابو یوسف کے قول کی وجہ یہ ہے کہ عام

دستور یہی ہے کہ جب قرض وغیرہ دیتے ہیں تو لکھا پڑھی ہو جاتی ہے۔ تو صرف اقرار دلیل نہیں بن سکتا۔

قولہ الاقرار لیس الخ اقرار کرنا ملک کا سبب نہیں ہوتا یعنی مقر پر مقرلہٗ کیلئے مثبت حق نہیں ہوتا۔ کیونکہ اقرار محض اخبار ہے۔ اور مثبت ملک انشاءات ہوتے ہیں جیسے بعتُ اشتریت وغیرہ سواگر کسی کیلئے کچھ مال کا اقرار کیا حالانکہ واقع میں اس کے ذمہ کچھ نہیں تو جس کیلئے اقرار کیا ہے اس کو فیما بینہ وبین اللہ اس مال کا لینا درست نہ ہوگا۔ ہاں اگر مقر اپنی خوشی سے دے تو لے سکتا ہے کیونکہ یہ از سرنو مالک کرنا ہے۔

قولہ یقول فی عزلہ الخ زید نے عمرو سے کہا کہ میں نے تجھ کو اس کام کا وکیل کیا اس شرط پر کہ جب میں تجھ کو وکالت سے معزول کروں تو تو میرا وکیل ہے' سواگر اس صورت میں زید عمرو کو معزول کرنا چاہے تو یوں کہے" عزلتک ثم عزلتک" دوسری دفعہ معزول کرنے کو کہنا اسلئے ہے کہ جو وکالت معزول کرنے پر معلق کی تھی اس سے بھی برطرف ہو جائے۔

قولہ ان کان دیناً بلدین الخ اگر صلح دین سے دین کے عوض میں ہو تو صلح جائز ہونے کیلئے یہ شرط ہے کہ جس دین پر صلح ہوئی ہے اس پر مجلس میں قبضہ ہو ورنہ صلح درست نہ ہوگی اور اگر صلح ایک اسباب یا دین سے دوسرے معین اسباب کے عوض میں ہو تو قبضہ کرنا شرط نہیں ہے' دین سے دین کے بدلے صلح کرنے کی صورت یہ ہے کہ مثلاً زید کے عمرو پر ہزار روپے آئے تھے عمرو نے انکار کر دیا پھر رجعت کے بعد دس اشرفیوں پر دس روز کے وعدے پر دونوں نے صلح کر لی تو اگر زید اسی مجلس میں دس اشرفیاں لے لے تو صلح درست ہوگی ورنہ نہیں۔

وَمَنْ صَادَرَهُ السُّلْطَانُ وَلَمْ يُعَيِّنْ بَيْعَ مَالِهٖ فَبَاعَ مَالَهٗ صَحَّ خَوَّفَهَا بِالضَّرْبِ حَتّٰى وَهَبَتْ مَهْرَهَا لَهٗ

ڈنڈ ڈالا کسی پر بادشاہ نے اور نہیں کہا مال بیچنے کے لئے اس نے بیچ ڈالا تو صحیح ہے ڈرایا بیوی کو مارسے یہاں تک کہ اس نے بخش دیا اپنا مہر اس کو

لَمْ تَصِحَّ اِنْ قَدَرَ عَلَى الضَّرْبِ وَاِنْ اَكْرَهَهَا عَلَى الْخُلْعِ وَقَعَ الطَّلَاقُ وَلَا يَسْقُطُ الْمَالُ وَلَوْ اَحَالَتْ

تو صحیح نہیں اگر وہ قادر ہو مارنے پر اگر زبردستی کی عورت پر خلع کرنے کے لئے تو واقع ہو جائیگی طلاق اور ساقط نہ ہوگا مال اگر اتار دیا عورت نے

اِنْسَانًا عَلَى الزَّوْجِ ثُمَّ وَهَبَتِ الْمَهْرَ لِلزَّوْجِ لَا تَصِحُّ اِتَّخَذَ بِئْرًا فِيْ مِلْكِهٖ اَوْ بَالُوْعَةً فَنَزَّ مِنْهَا حَائِطُ جَارِهٖ

کسی کا قرضہ شوہر پر پھر اس نے مہر بخش دیا شوہر کو تو صحیح نہیں بنایا کنواں اپنی ملک میں یا پاخانے کا کھتا پس تری پہونچی اس سے پڑوسی کی دیوار کو

وَطَلَبَ تَحْوِيْلَهٗ لَمْ يُجْبَرْ عَلَيْهِ فَاِنْ سَقَطَ الْحَائِطُ مِنْهُ لَمْ يَضْمَنْ عَمَّرَ دَارَ زَوْجَتِهٖ بِمَالِهٖ

اور ہٹانے کی درخواست کی تو اس پر جبر نہیں کیا جائیگا اور اگر دیوار گر پڑے تو وہ ضامن نہ ہوگا عمارت بنائی بیوی کے احاطہ میں اپنے مال سے

بِاِذْنِهَا فَالْعِمَارَةُ لَهَا وَالنَّفَقَةُ عَلَيْهَا وَلِنَفْسِهٖ بِلَا اِذْنِهَا فَلَهٗ وَلَهَا بِلَا اِذْنِهَا

اس کی اجازت پر تو عمارت بیوی کی ہوگی اور صرفہ اسی کے ذمہ ہوگا اگر اپنے لئے بنائی بلا اجازت تو شوہر کی ہوگی اگر بیوی کیلئے بنائی بلا اجازت

فَالْعِمَارَةُ لَهَا وَهُوَ مُتَطَوِّعٌ وَلَوْ اَخَذَ غَرِيْمَهٗ فَنَزَعَهٗ اِنْسَانٌ مِنْ يَدِهٖ لَمْ يَضْمَنْ فِيْ يَدِهٖ مَالُ اِنْسَانٍ

تو عمارت بیوی کی ہوگی اور وہ متبرع ہوگا پکڑ لیا اپنا قرض دار اور چھڑا دیا کسی نے اس کے ہاتھ سے تو ضامن نہ ہوگا ایک شخص کے ہاتھ میں کسی کا مال ہے

فَقَالَ لَهٗ سُلْطَانٌ اِدْفَعْ اِلَيَّ هٰذَا الْمَالَ وَاِلَّا اَقْطَعُ يَدَكَ اَوْ اَضْرِبُكَ خَمْسِيْنَ فَدَفَعَ لَمْ يَضْمَنْ وَضَعَ مَنْجَلاً

اس سے بادشاہ نے کہا کہ یہ مال مجھے دیدے ورنہ تیرا ہاتھ کاٹ دونگا یا پچاس کوڑے مارونگا اس نے دیدیا تو ضامن نہ ہوگا

فِي الصَّحْرَاءِ لِيَصِيْدَ بِهٖ حِمَارَ وَحْشٍ وَسَمّٰى عَلَيْهِ فَجَاءَ فِي الْيَوْمِ الثَّانِي وَوَجَدَ الْحِمَارَ مَجْرُوْحاً مَيِّتًا لَمْ يُؤْكَلْ

برچھی گاڑی جنگل میں گورخر کے شکار کے لئے اور اس پر بسم اللہ پڑھی پھر آیا دوسرے دن اور پایا گورخر کو زخمی مردہ تو نہ کھایا جائے۔

تشریح الفقہ: قولہ ومن صادر الخ جس شخص پر بادشاہ نے ڈنڈ ڈالا ہو اور یہ نہ کہا ہو کہ اپنا مال فروخت کر کے ادا کر اور وہ شخص اپنا مال بیچ کر تاوان ادا کرے تو اس کی بیع درست ہوگی کیونکہ وہ مکرہ نہیں ہے بلکہ اس نے اپنے اختیار سے فروخت کیا ہے' زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتا ہے کہ اس کو مال فروخت کرنے کی ضرورت پیش آ گئی اور صرف اتنی بات سے اکراہ ثابت نہیں ہوتا جیسے کوئی مدیون قرض کی وجہ سے محبوس ہو جائے اور وہ اپنا مال فروخت کرے کہ اس کی بیع درست ہے' ہاں اگر بادشاہ نے مال بیچنے کیلئے کہا ہو تو اس صورت میں بیع درست نہ ہوگی۔ کیونکہ اب بیع زبردستی سے ہوئی ہے۔

قولہ ولو احالت الخ ایک عورت کے ذمہ زید کا کچھ قرض ہے اس نے اپنے مہر میں وہ قرضہ شوہر پر اتار دیا پھر شوہر کو ہبہ کر دیا تو یہ ہبہ درست نہ ہوگا۔ کیونکہ اس سے محتال کا حق وابستہ ہو چکا ہے۔

كُرِهَ مِنَ الشَّاةِ الْحَيَا وَالْخُصْيَةُ وَالْغُدَّةُ وَالْمَثَانَةُ وَالْمَرَارَةُ وَالدَّمُ الْمَسْفُوْحُ وَالذَّكَرُ وَنُخَاعُ الصُّلْبِ

مکروہ ہیں بکری وغیرہ کی یہ چیزیں شرمگاہ، کپورے غدود پھکنا پتا جاری خون آلہ تناسل ریڑھ کی ہڈی کا گودا

لِلْقَاضِي اَنْ يُقْرِضَ مَالَ الْغَائِبِ وَالطِّفْلِ وَاللُّقَطَةِ صَبِيٌّ حَشْفَتُهٗ ظَاهِرَةٌ بِحَيْثُ لَوْرَاٰى اِنْسَانٌ ظَنَّهٗ مَخْتُوْنًا

اختیار ہے قاضی کو قرض دینے کا غائب اور بچہ کے مال کا اور پڑے پائے ہوئے مال کا بچہ کی سپاری اتنی کھلی ہوئی ہے کہ کوئی دیکھے تو مختون خیال کرے

وَلاَ يُقْطَعُ جِلْدُ ذَكَرِهٖ اِلَّا بِتَشْدِيْدٍ تُرِكَ كَشَيْخٍ اَسْلَمَ وَقَالَ اَهْلُ الْبَصِيْرَةِ

اور اس کی کھال نہیں کاٹی جا سکتی مگر شدید تکلیف کیساتھ تو یونہی چھوڑ دیا جائے جیسے وہ بوڑھا جو مسلمان ہو اور تجربہ کار لوگوں نے کہا

لاَيُطِيْقُ الْخِتَانَ وَوَقْتُهٗ سَبْعُ سِنِيْنَ وَالْمُسَابَقَةُ بِالْفُرُوْسِ وَالاِبِلِ وَالاَرْجُلِ وَالرَّمِي جَائِزَةٌ وَحُرِمَ

یہ ختنہ کی طاقت نہیں رکھتا ختنہ کا وقت ساتواں سال ہے باہم سبقت کرنا گھوڑے اونٹ پاؤں اور تیر اندازی سے جائز ہے اور حرام ہے

شَرْطُ الْجُعْلِ مِنَ الْجَانِبَيْنِ لاَمِنْ اَحَدِ الْجَانِبَيْنِ وَلاَ يُصَلّٰى عَلٰى غَيْرِ الاَنْبِيَاءِ وَالْمَلٰئِكَةِ اِلَّا بِطَرِيْقِ التَّبَعِ

مال کی شرط جانبین سے نہ کہ ایک جانب سے درود نہ بھیجے غیر انبیاء اور غیر ملائکہ پر مگر بالتبع

وَالاِعْطَاءُ بِاِسْمِ النَّيْرُوْزِ وَالْمِهْرَجَانِ لاَيَجُوْزُ وَلاَ بَاْسَ بِلُبْسِ الْقَلاَنِسِ وَنُدِبَ لُبْسُ السَّوَادِ

کسی کو کچھ دینا نوروز اور مہرگان کے نام سے جائز نہیں کوئی مضائقہ نہیں گوشہ دار ٹوپی پہننے میں مستحب ہے سیاہ کپڑا پہننا

وَاِرْسَالُ ذَنَبِ الْعِمَامَةِ بَيْنَ كَتِفَيْهِ اِلٰى وَسْطِ الظَّهْرِ وَلِلشَّابِّ الْعَالِمِ اَنْ يَّتَقَدَّمَ عَلَى الشَّيْخِ الْجَاهِلِ

اور لٹکانا عمامہ کا شملہ دونوں شانوں کے درمیان پشت کے درمیان تک جوان عالم کے لئے آگے بڑھنا بوڑھے جاہل سے جائز ہے

(۱)...... لانہ تعلق بہ حق المحتال ۱۲۔ (۲)...... لانہ تصرف فی خالص حقہ ۱۲۔ (۳)...... لان الشرط ان یذبحہ انسان اویجرحہ وبدون ذلک لایحل ۱۲۔

. وَلِحَافِظِ الْقُرْآنِ اَنْ يَخْتِمَ فِي اَرْبَعِيْنَ يَوماً.

حافظ قرآن کے لئے مناسب ہے کہ وہ ایک ختم کرلیا کرے چالیس روز میں۔

تشریح الفقہ: قوله كره الخ بھیڑ بکری وغیرہ کے مذکورہ ذیل اعضاء مکروہ ہیں فرج' خصیہ' غدود' مثانہ' پتہ' جاری خون' نازا' ریڑھ کی ہڈی کا گودا' خون رواں تو مطلقاً حرام ہے اور باقی مکروہ بکراہت تنزیہہ اور بعض کے نزدیک کراہت تحریمی ہے۔ کیونکہ اس میں حضرت مجاہد سے روایت موجود ہے۔ وقد نظمها بعضهم فقال

ذكر والا نثيان مشانة كذاك دم ثم المرارة والغدد

اس میں چھ چیزیں مذکور ہیں مگر ذکر سے مراد پیشاب گاہ ہے نر کی ہو یا مادین کی۔

قوله صبى الخ ایک لڑکے کی سپاری اسطرح نمودار ہے کہ ناظر اس کو مختون خیال کرتا ہے اور کھال کاٹنے میں تکلیف شدید ہوتی ہے تو اسکو اس حالت پر چھوڑ دیا جائے کیونکہ ختنہ کا مقصد انکشاف حشفہ ہے۔ اور وہ خود ہی نمودار ہے تو کاٹنے کی ضرورت نہیں۔

قوله ووقته الخ ختنہ کے وقت میں امام صاحب نے سکوت کیا ہے اور صاحبین سے بھی کوئی روایت نہیں ہے اس لئے اس میں مشائخ کا اختلاف ہے بعض نے سات برس بعض نے دس برس بعض نے بارہ اور بعض نے بلوغ سے پہلے تک کا زمانہ مانا ہے۔

کتاب الفرائض

قولہ کتاب الخ وصیت کا وقوع اکثر اوقات مرض موت میں ہوتا ہے جسکے بعد موت آجاتی ہے۔ اور میت کے ترکہ کی تقسیم کا مسئلہ چھڑ جاتا ہے اس لئے وصیت کے بعد کتاب الفرائض لا رہا ہے۔

قولہ الفرائض الخ فرائض فریضۃ کی جمع ہے جو فرض سے مشتق ہے۔ قال الازھری اذادخل فی الفریضۃ الھاء جعلت اسماء لامعنی (ای وصفاً) لفظ فرض لغت عرب میں مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً وجوب، حصہ، مقدار، قطع کرنا، مقرر کرنا وغیرہ، علم فرائض میں یہ سب معانی پائے جاتے ہیں اس لئے اس کو فرائض کہتے ہیں۔ اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ " ھی علم باصولِ من فقہ وحساب یعرف بھا حق الورثہ من الترکۃ" فرائض علم فقہ اور حساب کے ان قواعد کے جاننے کا نام ہے جن سے ہر ایک وارث کا حصہ ترکہ سے معلوم ہو جاتا ہے۔

فائدہ: احادیث میں علم فرائض کی بڑی فضیلت آئی ہے اور اس کے سیکھنے سکھانے کی بھی بہت تاکید ہے۔ جس سے علم کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: مسلمانو، علم فرائض ایسی توجہ اور محنت سے سیکھو جیسے قرآن مجید سیکھتے ہو" حضور ﷺ کا ارشاد ہے "تعلموا الفرائض وعلموھا الناس" علم فرائض خود بھی سیکھو اور دوسروں کو بھی سکھلاؤ۔ نیز آپ کا ارشاد ہے " تعلموا الفرائض فانھا نصف العلم" علم فرائض سیکھو کیونکہ یہ نصف علم ہے۔ آپ نے اس کو نصف علم فرمایا ہے۔ اس کی چند وجوہ ہیں (۱) انسان کی دو حالتیں ہیں حالت حیات، حالت ممات علم فرائض کے علاوہ دیگر علوم میں ان امور وواقعات کے احکام بیان ہوتے ہیں جو انسان کو اس کی زندگی میں پیش آتے ہیں۔ اور علم فرائض میں مابعد الموت کے احکام بیان ہوتے ہیں۔ اور ایک حال دو حال کے مجموعہ کا نصف ہے اس لحاظ سے فرائض نصف علم ہوا (۲) جن امور سے ملک ثابت ہوتی ہے ان کی دو قسمیں ہیں اختیاری جیسے کسی چیز کو خریدنا، ہبہ کرنا، اس کی وصیت کرنا وغیرہ، غیر اختیاری جیسے ارث کہ اس میں لینے اور دینے والے کا کوئی اختیار نہیں چارو چار چیز ایک ملک سے نکل کر دوسرے کی ملک میں داخل ہو جاتی ہے۔ فرائض میں غیر اختیاری سبب سے مالک ہونے کی بحث ہوتی ہے اور باقی علوم میں اسباب اختیاری سے ملک ثابت ہونے کی بحث ہوتی ہے اس لئے فرائض نصف علم ہوا (۳) احکام شرعیہ بعض تو صرف نص سے ثابت ہیں اور بعض نص اور غیر نص دونوں سے ثابت ہیں۔ فرائض کے جملہ مسائل نص سے ثابت ہیں۔ اور باقی مسائل جو دیگر علوم میں مذکور ہیں وہ نص اور غیر نص دونوں سے ثابت ہیں اس لحاظ سے فرائض نصف علم ہے۔ علماء نے اور بھی وجوہ ذکر کی ہیں من شاء فلیر اجع الی المطولات۔

تنبیہ: یہاں نص سے مراد وہ ہے جو اجماع کو بھی شامل ہے۔ اس واسطے کہ فرائض کے بعض مسائل اجماع سے ثابت ہیں چنانچہ جدہ کی وراثت حضرت عمرؓ کے اجتہاد سے ثابت ہے جس پر صحابہ کرام کا اجماع ہے۔　　محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

يَبْدَأُ مِنْ تَرِكَةِ الْمَيِّتِ بِتَجْهِيزِهِ ثُمَّ دَيْنِهِ ثُمَّ وَصِيَّتِهِ ثُمَّ يُقْسَمُ بَيْنَ وَرَثَتِهِ وَهُمْ ذُوْ

پہلے میت کے ترکہ سے اس کی تجہیز و تکفین کی جائیگی پھر اس کا قرض ادا کیا جائیگا پھر وصیت پوری کیجائیگی پھر ورثہ پر تقسیم کیا جائیگا اور وہ اصحاب فرض

فَرْضٍ اَیْ ذُوْ سَهْمٍ مُقَدَّرٍ فَلِلْاَبِ اَلسُّدُسُ مَعَ الْوَلَدِ اَوْ وَلَدِ الْاِبْنِ

یعنی مقرر حصوں والے ہیں پس باپ کے لئے چھٹا حصہ ہے بیٹے پوتے کے ساتھ

عہ۔۔۔۔ دارمی ۱۲۔ عہ۔۔۔۔ احمد، نسائی، حاکم عن عبداللہ بن مسعودؓ ۱۲۔ عہ۔۔۔۔ ابن ماجہ، دار قطنی، حاکم عن ابی ہریرہؓ ۱۲۔

تشریح الفقہ : قولہ یبدأ الخ مال میت سے پانچ حقوق وابستہ ہوتے ہیں جس کو بطریق حصر یوں سمجھو کہ ان حقوق میں یا تو میت کا بھی کوئی حصہ ہوگا یا نہ ہوگا۔ اول تجہیز ہے یعنی وہ کل سامان جس کا میت مرنے سے دفن ہونے تک محتاج ہو ثانی کی دو صورتیں ہیں۔ یا تو انکا ثبوت موت سے پہلے ہوگا یا موت کے بعد اول کی پھر دو قسمیں ہیں۔ متعلق بالذمہ ہوگا یا نہیں اول دین مطلق ہے اور ثانی متعلق بالعین اور اگر ان کا ثبوت موت کے بعد ہو تو وہ بھی دو قسم پر ہے۔ اول اختیاری جیسے وصیت دوم اضطراری جیسے میراث۔ سو اولاً میت کے ترکہ سے اس کی تجہیز و تکفین ہوگی اس کے بعد جو مال باقی رہے اس سے اس کا وہ قرض ادا کیا جائے گا جو شئی معین سے متعلق نہ ہو۔ پھر باقی ماندہ مال کی تہائی سے اس کی وصیتوں کو پورا کیا جائے گا اس کے بعد جو مال باقی رہے وہ ورثہ میں تقسیم کیا جائے گا۔

قولہ من ترکہ الخ ترکہ لغۃً بمعنی متروک ہے جیسے طلبہ بمعنی مطلوب اصطلاح میں ترکہ میت کا وہ چھوڑا ہوا مال ہے جس کے عین میں کسی غیر شخص کا حق متعلق نہ ہو مال کی قید سے اہل وعیال خارج ہو گئے اور عین ترکہ میں عدم تعلق حق غیر سے مرہون شئی نکل گئی کہ وہ ترکہ میں شمار نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس سے مرتہن کا حق متعلق ہوتا ہے۔ اسی طرح عبد جانی، عبد ماذون، مدیون وغیرہ بھی خارج ہو گیا۔

قولہ وھم ذو فرض الخ میت کے ورثہ تین قسم کے ہیں اصحاب فروض، عصبات، ذو رحم محرم، فروض فرض کی جمع ہے بمعنی حصہ، اصحاب فروض وہ ہیں جن کے حصے کتاب اللہ میں معین طور پر مذکور ہیں اور وہ چھ ہیں آدھا، چوتھائی، دو تہائی، ایک تہائی، چھٹا حصہ۔ ان حصوں کے مستحقین بارہ نفر ہیں۔ دس از جہت نسب جن میں سے تین مرد ہیں یعنی باپ، دادا، اخیافی بھائی اور سات عورتیں ہیں یعنی بیٹی، پوتی، حقیقی بہن، سوتیلی بہن، اخیافی بہن، ماں، دادی اور دو از جہت سبب جن میں سے ایک مرد ہے یعنی شوہر اور ایک عورت ہے یعنی بیوی۔

باپ کی میراث کا بیان

قولہ فللاب الخ (۱) باپ کی تین حالتیں ہیں فرض مطلق، فرض و تعصیب، تعصیب محض، فرض مطلق یعنی وہ حصہ جو قرآن میں مقرر ہے اور وہ چھٹا ہے جب بیٹے یا پوتے کے ساتھ ہو قال تعالیٰ ولا بویہ لکل واحد منھما السدس مما ترک ان کان لہ ولد فرض و تعصیب اس وقت ہے جب بیٹی یا پوتی کیساتھ ہو پس بیٹی یا پوتی کے ساتھ باپ کو اولاً چھٹا حصہ بطور فرض ملے گا۔ لما تلونا۔ اور بیٹی یا پوتی کا حصہ دینے کے بعد باقی مال بطریق تعصیب لقولہ علیہ السلام" الحقو االفرائض با ھلھا فما ابقت فلا ولی عصبۃ ذکر "تعصیب محض اس وقت ہے جب میت لاولد ہو یعنی نہ بیٹا ہو نہ بیٹی اور ورثہ میں باپ موجود ہو تو ذوی الفروض کے بعد باقی مال باپ لے لے گا قال تعالیٰ فان لم یکن لہ ولد وورثہ ابواہ فلامہ الثلاث" اس میں ماں کا حصہ بیان کر کے باقی ماں باپ کا قرار دیا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ باپ عصبہ ہے۔

وَالْجَدُّ كَالاَبِ اِنْ لَمْ يَتَخَلَّلْ فِي نِسْبَتِهِ اُمٌّ اِلاَّ فِي رَدِّهَا اِلٰى ثُلُثِ مَابَقِيَ وَحَجْبِ اُمِّ الاَبِ

اور دادا مثل باپ کے ہے اگر نہ آئے اس کی نسبت میں ماں مگر پھرا دینے میں اس کے حصہ کو باقی ماندہ کے ثلث کی طرف اور دادی کو محروم کرنے میں

فَيَحْجِبُ الاِخْوَةَ وَلِلاُمِّ اَلثُّلُثُ وَمَعَ الْوَلَدِ اَوْ وَلَدِ الاِبْنِ وَاِنْ سَفَلَ وَالاِثْنَيْنِ مِنَ الاِخْوَةِ وَالاَخَوَاتِ

پس محروم کریگا وہ بھائی بہنوں کو اور ماں کیلئے تہائی ہے اور اولاد اور اولاد کے ساتھ گو کتنے ہی نیچے کی ہو اور دو بھائی یا بہنوں کے ساتھ

عہ۔۔۔۔ اگر ایسا قرض چھوڑ کر مرا جو ترکہ کی شئی معین سے متعلق ہو تو وہ تجہیز و تکفین پر بھی مقدم ہوگا ۱۲۔ عہ۔۔۔۔ اور میت کے یہاں ماں باپ کو ہر ایک کیلئے دونوں سے چھٹا حصہ ہے مال سے جو چھوڑا اگر میت کے اولاد ہے ۱۲۔ عہ۔۔۔۔ اگر اس کے اولاد نہیں اور وارث ہیں اس کے ماں باپ تو اس کی ماں کا ہے تہائی ۱۲۔

لاَ اَوْلاَدَهُمْ اَلسُّدُسُ وَمَعَ الاَبِ وَاَحَدُ الزَّوْجَيْنِ ثُلُثُ الْبَاقِي بَعْدَ فَرْضِ اَحَدِهِمَا.

نہ کہ ان کی اولاد کے ساتھ چھٹا حصہ ہے اور باپ کے ساتھ اور شوہر یا بیوی کے ساتھ تہائی ہے اس کا جو باقی رہے ان کا حصہ دیکر۔

دادا کی میراث کا بیان

تشریح الفقہ: قولہ والجد الخ (۲) جد اس کی دو قسمیں ہیں، جد صحیح، جد فاسد۔ جد صحیح وہ ہے کہ میت کیطرف اس کی نسبت میں ماں نہ آئے اسی کو دادا کہتے ہیں اس کے متعلق یہ یاد رکھنا چاہئے کہ باپ کے ہوتے ہوئے دادا کو کچھ نہیں ملتا بالکل محروم ہوتا ہے۔ ہاں اگر باپ نہ ہو تو پھر دادا کے بھی وہی تین حالات ہیں جو باپ کے ہیں یعنی فرض مطلق، فرض وتعصیب، تعصیب محض۔

قولہ الافی ردھا الخ باپ کی عدم موجودگی میں باپ کا حکم دادا کا سا ہے۔ مگر دو مسئلوں میں اس کا حکم جدا ہے۔ اول یہ کہ اگر میت والدین اور احد الزوجین کو چھوڑے تو ماں کو احد الزوجین کے حصہ کے بعد ماقی کا ثلث ملتا ہے اور اگر بجائے باپ کے دادا ہو تو ماں کو کل مال کا ثلث ملے گا البتہ امام ابو یوسف کے نزدیک اس صورت میں بھی ماقی کا ثلث ملے گا۔ دوم یہ کہ باپ کے ساتھ دادی وارث نہیں ہوتی۔ اور دادا کے ساتھ وارث ہوتی ہے۔

فائدہ: سراجی میں ہے کہ چار مسئلوں میں دادا باپ کی مانند نہیں ہے اور صاحب اشباہ نے تیرہ مسئلے ذکر کئے ہیں۔ اور شیخ صالح نے حاشیہ اشباہ (زواہر الجواہر) میں فصولین سے ایک مسئلہ اور زائد نقل کیا ہے من شاء فلیر اجع۔

ماں کی میراث کا بیان

قولہ وللام الخ (۳) اس کی تین حالتیں ہیں۔ اول یہ کہ اگر بیٹا یا پوتا یا دو بھائی یا دو بہنیں نہ ہوں تو ماں کو کل ترکہ کا تہائی حصہ ملے گا۔ لقولہ تعالیٰ فان لم یکن له ولدو ورثه ابواه فلامه الثلث" دوم یہ کہ اگر مذکورہ بالا اشخاص میں سے کوئی ہو تو ماں کو چھٹا حصہ ملے گا۔ لقولہ تعالیٰ ولابویه لکل واحد منهما السدس ان کان له ولد" وقال تعالیٰ فان کان له اخوة فلامه السدس" سوم یہ کہ باپ اور احد الزوجین کے ساتھ ماں کو احد الزوجین کا حصہ دے دینے کے بعد باقی ماندہ کا ثلث ملے گا جس کی دو صورتیں ہیں (۱) عورت شوہر اور ماں باپ چھوڑ کر مرگئی تو ترکہ چھ سہام پر تقسیم ہوگا۔ نصف یعنی تین سہم شوہر کے ہوں گے اور باقی ماں کی تہائی یعنی ایک سہم ماں کا ہوگا اور دو سہم باپ کے (۲) ایک شخص ماں باپ اور بیوی چھوڑ کر مرگیا تو بارہ سہام پر تقسیم ہوگا۔ چوتھائی یعنی تین سہم بیوی کے اور باقی کی تہائی یعنی تین سہم ماں کے اور باقی چھ سہم باپ کے۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

وَلِلْجَدَّاتِ وَاِنْ كَثُرْنَ اَلسُّدُسُ اِنْ لَمْ يَتَخَلَّلْ جَدٌّ فَاسِدٌ فِي نِسْبَتِهَا اِلَى الْمَيِّتِ وَذَاتُ جِهَتَيْنِ كَذَاتِ جِهَةٍ

اور جدات کیلئے گو کتنی ہی ہوں چھٹا ہے اگر نہ آئے جد فاسد یعنی نانا اس کی نسبت میں میت کی طرف دو ناتے والی مثل ایک ناتے والی کے ہے

وَالْبُعْدٰى تَحْجَبُ بِالْقُرْبىٰ وَالْكُلُّ بِالاُمِّ وَلِلزَّوْجِ اَلنِّصْفُ وَمَعَ الْوَلَدِ اَوْ وَلَدِ الاِبْنِ وَاِنْ سَفِلَ

اور دور کے ناتے والی محروم ہوگی قریب والی سے اور سب محروم ہوں گی ماں سے اور شوہر کے لئے آدھا ہے اور اولاد اور اولاد کی اولاد کے ساتھ

اَلرُّبُعُ وَلِلزَّوْجَةِ اَلرُّبُعُ وَمَعَ الْوَلَدِ اَوْ وَلَدِ الاِبْنِ وَاِنْ سَفِلَ اَلثُّمُنُ.

گو کتنے ہی نیچے کی [illegible] ہے اور بیوی کیلئے چوتھائی ہے اور اولاد اور اولاد کی اولاد کے ساتھ گو کتنے ہی نیچے کی ہو [illegible]

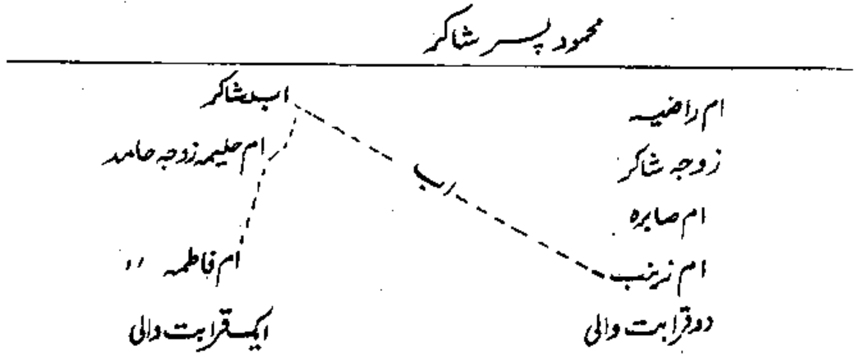
دادی کی میراث کا بیان

تشریح الفقہ: قولہ وللجدات الخ (۴) اکمل الدین نے شرح سراجیہ میں کہا ہے کہ ہر شخص کی دو جدہ ہوتی ہیں ایک ماں کی ماں اور دوسری باپ کی ماں اسی طرح اس کے والدین کی اور جمیع اصول کی۔ جدہ کی دو قسمیں ہیں صحیحہ فاسدہ۔ جدہ صحیحہ وہ ہے کہ میت کی طرف اس کی نسبت میں ایک باپ دو ماؤں کے درمیان واقع نہ ہو اور جدہ فاسدہ وہ ہے کہ دو ماؤں کے درمیان باپ واقع ہو۔ پھر جدہ سے صرف باپ کی ماں مراد نہیں بلکہ دادا کی ماں اور دادی کی ماں (یعنی باپ کی نانی) وغیرہ کی بھی شرعاً جدہ کہتے ہیں۔ یہاں جدہ سے مراد جدہ صحیحہ ہے کیونکہ ذوی الفروض میں سے یہی ہے۔ بخلاف جدہ فاسدہ کے کہ وہ ذوی الارحام میں سے ہے۔

قولہ وان کثرن الخ جدہ صحیحہ کی دو حالتیں ہیں (۱) چھٹا حصہ اگر چہ کتنی ہی ہوں اور کیسی ہی ہوں بشرطیکہ ثابتات ومتحاذیات ہوں ثابتات بمعنی صحیحات ہے اور متحاذیات بمعنی متساویات ومتقابلات یعنی جدہ صحیحہ خواہ دادی ہو یا نانی اگر ایک ہے تو چھٹا حصہ لیگی اور چند ہیں تو وہی چھٹا حصہ آپس میں تقسیم کرلیں گی۔ اور اگر جدہ صحیحہ نہ ہو یا ایک سے زیادہ ہونے کی صورت میں مساوی نہ ہوں تو چھٹا حصہ صرف جدہ صحیحہ واحدہ کو ملے گا۔

فائدہ: جدہ کا سدس حصہ تو اپنی جگہ پر ثابت ہے اور جدات کے سدس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عبادہ بن الصامت فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے دو جدات کے لئے سدس کا فیصلہ فرمایا، حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے فیصلہ میں حضرت محمد بن مسلمہ سے بھی یہی مروی ہے۔

قولہ وذات جھتین الخ جب میت کی جدہ جمع ہوں ایک جدہ ایک قرابت والی ہو جیسے باپ کی ماں کی ماں یعنی باپ کی نانی اور دوسری جدہ دو قرابت یا اس سے زیادہ والی ہو جیسے ماں کی نانی جو باپ کی دادی بھی ہو جس کی صورت یہ ہے۔



تو اس صورت میں امام محمد کے نزدیک ایک سدس کو باعتبار جہات قرابت دونوں جدات کے درمیان تین تہائی تقسیم کیا جائے گا یعنی ایک قرابت والی کو سدس کی ایک تہائی دی جائے گی اور دو قرابت والی کو سدس دو کی تہائیاں کیونکہ میراث کا استحقاق جہات قرابت کے اعتبار سے ہوتا ہے تو جس میں قرابت کی ایک جہت ہے اس کو ایک ملے گا۔ اور جس میں دو جہتیں ہیں اس کو دو حصے ملیں گے۔

شیخین، امام مالک اور امام شافعی کے یہاں سدس دونوں کے درمیان باعتبار ابدان نصفا نصف تقسیم ہوگا۔ صاحب کتاب نے اسی کو لیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ استحقاق میراث میں تعدد اس وقت ہوتا ہے جب تعدد جہت کے ساتھ نام بھی متعدد ہو۔ اور یہاں نام میں تعدد نہیں۔ بلکہ جس طرح ایک قرابت والی کو جدہ کہا جاتا ہے اسطرح دو قرابت والی کو بھی جدہ بولتے ہیں۔ علامہ طحاوی نے کہا ہے کہ فتویٰ شیخین کے قول پر ہے۔

تنبیہ: سراجیہ میں امام ابو یوسف کے ساتھ امام صاحب کو ذکر نہیں کیا' شریفیہ شرح سراجیہ میں امام سرخسی کا قول نقل کیا ہے کہ امام صاحب سے تعدد قرابت احدی الجدتین میں کوئی روایت نہیں ہے۔ لیکن حسن بن عبدالرحمن بن عبدالرزاق شاشی شافعی کے فرائض میں ہے کہ امام ابو حنیفہ' مالک' شافعی کا قول امام ابو یوسف کے قول کی مانند ہے۔

قولہ والبعدی الخ جدہ قریبہ ماں کی جہت سے ہو یا باپ کی جہت سے۔ بہر دو صورت جدہ بعیدہ کو محروم کر دیتی ہے۔ خواہ جدہ قریبہ وارث ہو یا نہ ہو جس کی چار صورتیں ہیں (۱) جدہ قریبہ مادری جدہ بعیدہ مادری کو محجوب کرتی ہے (۲) جدہ قریبہ مادری جدہ بعیدہ پدری کو محجوب کرتی ہے (۳) جدہ قریبہ پدری جدہ بعیدہ پدری کو محجوب کرتی ہے (۴) جدہ قریبہ پدری جدہ بعیدہ مادری کو محجوب کرتی ہے۔

قولہ والکل الخ جدہ کی یہ دوسری حالت ہے جدات پدری ہوں یا مادری یعنی دادیاں ہوں یا نانیاں یہ سب ماں کی موجودگی میں ساقط ہو جاتی ہیں۔

شوہر کی میراث کا بیان

قولہ وللزوج الخ (۵) شوہر اس کی دو حالتیں ہیں۔ ان کے علاوہ کوئی تیسری صورت نہیں اور نہ کوئی ایسی صورت ہے جس میں شوہر محروم ہو (۱) زوجہ کا انتقال ہوا اور بیٹا بیٹی' پوتا پوتی (اھ) کوئی نہیں چھوڑا تو شوہر کو زوجہ کے ترکہ کا نصف ملے گا۔ (۲) اگر زوجہ بیٹا بیٹی' پوتا پوتی (اھ) چھوڑ کر مرے تو شوہر کو کل ترکہ کا ربع ملے گا۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ" **ولکم نصف ما ترک ازواجکم ان لم یکن لھن ولد فان کان لھن ولد فلکم الربع مما ترکن**۔

تنبیہ: اوپر جو یہ کہا گیا کہ زوجہ کی اولاد ہو تو شوہر کو چوتھائی ملتا ہے اس کا یہ مطلب ہے نہیں کہ وہ اولاد اسی شوہر سے ہو بلکہ عام ہے اسی شوہر کی ہو یا اس سے پہلے شوہر کی ہو یا دونوں کی ہو بہر صورت ان کی موجودگی میں شوہر کو ربع ملے گا۔

بیوی کی میراث کا بیان

قولہ وللزوجۃ الخ (۶) زوجہ۔ جس طرح شوہر میراث سے محروم نہیں ہوتا اسی طرح بیوی بھی محروم نہیں رہ سکتی۔ اور جیسے شوہر کی میراث کے دو حال تھے اسی طرح بیوی کے بھی دو حال ہیں (۱) اگر شوہر کا بیٹا بیٹی' پوتا پوتی (اھ) نہ ہو تو بیوی کو شوہر کے کل ترکہ کا ربع ملے گا۔ (۲) اگر ان میں سے کوئی ہو تو ثمن یعنی ترکہ کا آٹھواں حصہ ملے گا۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے" **ولھن الربع مما ترکتم ان لم یکن لکم ولد فان کان لکم ولد فلھن الثمن مما ترکتم**" شوہر کے حالات میں جو تنبیہ کی گئی ہے وہ یہاں بھی ملحوظ رہنی چاہیے۔

وَلِلْبِنْتِ اَلنِّصْفُ وَلِلاَكْثَرِ اَلثُّلُثَانِ وَعَصَّبَهَا الاِبْنُ وَلَهُ مِثْلُ حَظِّهِمَا وَوَلَدُ الاِبْنِ كَوَلَدِهِ

بیٹی کے لئے آدھا ہے اور زیادہ کے لئے دو تہائی ہے اور عصبہ کر دیتا ہے ان کو بیٹا اور بیٹے کے لئے ان کا دونا حصہ ہے اور پوتا مثل بیٹے کے ہے

عِنْدَ عَدَمِهٖ وَيَحْجِبُ بِالاِبْنِ وَمَعَ الْبِنْتِ لاَقْرَبِ الذُّكُوْرِ الْبَاقِي وَلِلاِنَاثِ السُّدُسُ

اس کے نہ ہونے کے وقت اور محروم ہو جاتا ہے بیٹے سے اور بیٹی کیساتھ قریبی مذکر کے لئے باقی ہے اور پوتیوں کے لئے چھٹا ہے

تَكْمِلَةً لِلثُّلُثَيْنِ وَحُجِبْنَ بِبِنْتَيْنِ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ مَعَهُنَّ اَوْ اَسْفَلَ مِنْهُنَّ ذَكَرٌ فَيُعَصِّبُ مَنْ كَانَتْ بِحِذَائِهٖ

پورا کرنے کے لئے دو تہائی اور محروم ہو جاتی ہیں دو بیٹیوں سے مگر یہ کہ ہو ان کے ساتھ یا ان سے نیچے کوئی مذکر پس وہ عصبہ کر دیگا اس کو جو اس کے برابر

ع ...... اور تمہارا آدھا مال جو چھوڑ مریں تمہاری عورتیں اگر نہ ہو ان کے اولاد اور اگر ان کے اولاد ہے تو تمہارے واسطے چوتھائی ہے اس سے جو چھوڑ گئیں۔ اور عورتوں کیلئے چوتھائی ہے اس میں سے جو چھوڑ مرو تم اگر نہ ہو تمہارے اولاد اور اگر تمہارے اولاد ہے تو ان کیلئے آٹھواں حصہ ہے اس میں سے کہ جو کچھ تم نے چھوڑا۔

وَمَنْ كَانَتْ فَوْقَهُ مِمَّنْ لَمْ يَكُنْ ذَاتَ سَهْمٍ وَيَسْقُطُ مَنْ دُوْنَهُ وَالاَخَوَاتُ لأَبٍ وَاُمٍّ كَبَنَاتِ الصُّلْبِ عِنْدَ عَدَمِهِنَّ

میں ہواور جواس سے اوپر ہوان میں سے جوصاحب فرض نہیں اور ساقط ہونگی اس کے علاوہ حقیقی بہنیں بیٹیوں کے مثل ہیں ان کے نہ ہونے کے وقت

بیٹی کی میراث کا بیان

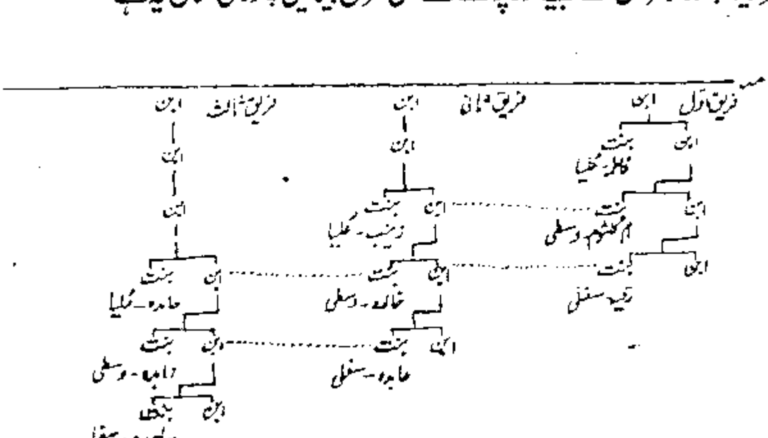
تشریح الفقہ: **قولہ وللبنت الخ** (۷) بیٹی۔ اس کی تین حالتیں ہیں (۱) صرف ایک بیٹی ہواور کوئی بیٹا نہ ہوتو اس کو نصف ترکہ ملے گا **لقولہ تعالیٰ وان کانت واحدہ فلھا النصف**" اور اگر کوئی وارث نہ ہوتو باقی نصف بھی اسی کو مل جاتا ہے (۲) دو یا دو سے زائد بیٹیاں ہوں تو ترکہ کی دو تہائیاں ملیں گی (۳) اگر بیٹیوں کے ساتھ میت کا بیٹا بھی ہوتو اس صورت میں بیٹی کا کوئی حصہ مقرر نہیں رہتا بلکہ وہ اپنے بھائی کے ساتھ ملکر عصبہ بالغیر ہوجاتی ہے۔ تو جس قدر بیٹے کو ملے گا اس کا نصف ہر بیٹی کو ملے گا ایک بیٹی ہو یا دو چار ہوں۔

قولہ وولد الابن الخ پوتے کا حکم بیٹے کا سا ہے اگر بیٹا موجود نہ ہو بیٹے کے ہوتے ہوئے اس کو کچھ نہیں ملتا۔ اور اگر پوتے کے ساتھ بیٹی ہوتو بیٹی کو آدھا ترکہ دے کر جو باقی رہے وہ پوتے کو ملے گا۔ کیونکہ وہ عصبہ ہے۔

پوتی کی میراث کا بیان

قولہ وللاناث الخ (۸) پوتیاں۔ انکی چھ حالتیں ہیں جن میں سے تین تو وہی ہیں جو بیٹیوں کی اوپر مذکور ہوئیں یعنی ایک کو نصف اور دو یا دو سے زیادہ کو دو تہائی اور پوتیوں کیساتھ انکا بھائی ہوتو تعصیب اور تین حالتیں پوتیوں کے ساتھ خاص ہیں (۱) اگر ایک صلبی بیٹی ہوتو پوتیوں کو چھٹا حصہ ملے گا تاکہ دو تہائیاں کامل ہوجائیں۔ اس واسطے کہ پوتی بھی گویا بیٹی ہی ہے تو دو تہائیاں جو بیٹیوں کا حق ہے وہ ان کو اس طرح ملے گا کہ آدھا بیٹی کو دیں گے۔ اور چھٹا حصہ پوتی کو تاکہ دونوں مل کر دو تہائی ہوجائے (۲) دو یا دو سے زیادہ بیٹیوں کے ساتھ پوتیاں محروم ہوتی ہیں لیکن اگر اس صورت میں پوتیوں کے ساتھ یا ان سے نیچے کوئی لڑکا ہوتو وہ اپنے ساتھ والیوں اور اوپر والیوں کو ذوی الفروض بیٹیوں کے علاوہ عصبہ کر دیتا ہے اور مرد کو عورت کے حصہ سے دونا مل جاتا ہے۔ اور جو اس سے نیچے ہوں انکو کچھ نہیں ملتا (۳) اگر میت کا بیٹا موجود ہوتو پوتیوں کو کچھ نہیں ملتا۔

قولہ الا ان یکون الخ اس کو سمجھنے کیلئے یوں فرض کرو کہ ایک شخص نے اپنا ایک بیٹا چھوڑا پھر اس کے بیٹے نے ایک ایک بیٹا اور ایک بیٹی چھوڑی پھر اس کے بیٹے نے ایک بیٹا اور ایک بیٹی چھوڑی اور میت نے ایک دوسرا بیٹا چھوڑا پھر اس کے بیٹے اور پوتے اسی طرح بیٹا بیٹی چھوڑی اور میت نے ایک تیسرا بیٹا چھوڑا پھر اس کے بیٹے اور پوتے نے اسی طرح بیٹا بیٹی چھوڑی مثال یہ ہے



تو یہاں فریق اول کی علیا (فاطمہ) میں اور میت میں صرف ایک واسطہ ہے اور اس کے برابر میں کوئی عورت نہیں تو وہ جد اعلیٰ کے ترکہ سے نصف لیگی۔ کیونکہ وہ بنت صلبی کی قائم مقام ہے۔ اور فریق اول کی وسطی (ام کلثوم) کے برابر فریق ثانی کی علیا (زینب) ہے اور دونوں ہمدرجہ ہیں کیونکہ انمیں اور میت میں دو دو واسطے ہیں تو ان دونوں کو سدس ملے گا کیونکہ فریق اول کی علیا (فاطمہ) نصف پا چکی تو ثلثین میں سے جو سدس باقی ہے وہ انکو مل جائے گا تاکہ دو تہائیاں پوری ہو جائیں۔ ان تین کے بعد اب جو چھ سفلیات ہیں انکے لئے کچھ نہ ہوگا الا یہ کہ سفلیات میں سے کسی کے ساتھ بھائی فریق اول کی سفلی کے ساتھ ہو تو فریق کی علیا (فاطمہ) نصف لے گی اور فریق اول کی وسطی (ام کلثوم) اور فریق ثانی کی علیا (زینب) سدس پائیں گی۔ اور باقی ثلث فریق اول کی سفلی (رقیہ) اور اس کے بھائی اور فریق ثانی کی وسطی (خالدہ) اور فریق ثالث کی علیا (حامدہ) میں للذکر مثل حظ الانثیین پانچ حصے ہو کر تقسیم ہوگا اور فریق ثانی کی سفلی (عابدہ) اور فریق ثالث کی وسطی (زاہدہ) اور سفلی (ساجدہ) ساقط ہونگی و علی هذا القیاس۔

حقیقی بہن کی میراث کا بیان

قوله وللاخوات لاب وام الخ (۹) حقیقی بہن انکی پانچ حالتیں ہیں (۱) ایک ہو تو نصف ملے گا لقوله تعالیٰ "وله اخت فلها النصف" (۲) دو یا اس سے زیادہ ہوں تو ثلث ملیں گے لقوله تعالیٰ فان کانتا اثنتین فلهما الثلثان" (۳) اگر ان کے ساتھ کوئی حقیقی بھائی ہو تو للذکر مثل حظ الانثیین ہوگا یعنی لڑکے کا حصہ لڑکی کے حصہ سے دونا ہوگا لقوله تعالیٰ وان کانوا اخوة رجالا و نساء فللذکر مثل حظ الانثیین" (۴) اگر بیٹیاں یا پوتیاں ہوں تو انکو بچا ہوا مال ملجائیگا۔ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ" بہنوں کو بیٹیوں کی موجودگی میں عصبہ قرار دو (۵) اگر میت کا باپ' دادا' بیٹا' پوتا (اھ) موجود ہو۔ تو امام صاحب کے یہاں بہنیں محروم ہونگی۔ صاحبین کے یہاں دادا کی موجودگی میں محروم نہیں ہوتیں لیکن فتویٰ امام صاحب کے قول پر ہے۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

وَلِاَبٍ كَبَنَاتِ الابنِ مَعَ الصُّلْبِيَّاتِ وَعَصَّبَهُنَّ اِخْوَتُهُنَّ وَالْبِنْتُ وَبِنْتُ الابنِ

اور علاتی مثل پوتیوں کے ہیں بیٹیوں کے ساتھ اور عصبہ کردیگا ان کو ان کا بھائی اور بیٹی اور پوتی

وَلِلْوَاحِدِ مِنْ وَلَدِ الاُمِّ اَلسُّدُسُ وَلِلاَكْثَرِ اَلثُّلُثُ ذَكَرُهُمْ كَاُنَاثِهِمْ

ایک اخیافی بھائی بہن کے لئے چھٹا حصہ ہے اور زیادہ کے لئے تہائی اور مذکر و مؤنث برابر ہیں

وَحُجِبْنَ بِالابْنِ وَابْنِهٖ وَاِنْ سَفِلَ وَبِالاَبِ وَالْجَدِّ وَالْبِنْتُ تَحْجِبُ وَلَدَ الاُمِّ فَقَطْ.

اور محروم ہونگے بیٹے اور پوتے سے گو نیچے کے ہوں اور باپ دادا سے اور بیٹی محروم کرتی ہے صرف اخیافی اولاد کو۔

علاتی (باپ شریک) بہن کی میراث کا بیان

تشریح الفقه: **قوله ولاب الخ** (۱۰) علاتی یعنی باپ شریک بہن۔ بہنوں کا حال پوتیوں کا سا ہے۔ یعنی جو حال پوتیوں کا بیٹیوں کے ساتھ ہے وہی علاتی بہنوں کا حقیقی بہنوں کے ساتھ ہے۔ کہ اگر حقیقی بہنیں نہ ہوں تو (۱) ایک علاتی بہن کے لئے نصف ہے۔ (۲) دو یا دو سے زیادہ کیلئے دو تہائی ہے (۳) ایک حقیقی بہن کیساتھ چھٹا حصہ ہے (۴) اگر دو یا دو سے زیادہ حقیقی بہنیں ہوں تو علاتی بہنیں محروم ہوتی ہیں (۵) چوتھی صورت میں اگر ان کے ساتھ علاتی بھائی ہو تو وہ ان کو عصبہ کر دیتا ہے۔ اور عصبہ کے ساتھ ان کو مرد کے حصہ سے آدھا ملتا ہے۔ (۶) بیٹیوں اور پوتیوں کے ساتھ علاتی بہنیں عصبہ ہو جاتی ہیں اور ذوی الفروض سے جو مال بچتا ہے وہ ان کو مل جاتا ہے۔ (۷) اگر میت کا باپ' دادا' بیٹا' پوتا (اھ) موجود ہو تو علاتی بہنیں محروم ہوتی ہیں۔

اخیافی (ماں شریک) بھائی بہن کی میراث کا بیان

قولہ وللواحد الخ (۱۱۔۱۲) اخیافی یعنی ماں شریک بھائی اور بہن کا' ان کا حال یہ ہے کہ اگر ایک ہو تو چھٹا حصہ ملتا ہے اور زیادہ ہو تو تہائی' ان میں مرد اور عورت کا حصہ برابر ہے۔ یہ نہیں کہ مرد کو عورت کے حصے سے دونا ملے اور بھائی بہن حقیقی ہوں یا علاتی یا اخیافی سب میت کے بیٹے پوتے (اھ) نرینہ اولاد کے ہوتے ہوئے اسی طرح میت کے باپ دادا کے ہوتے ہوئے محروم ہوتے ہیں اور حقیقی بیٹی اور پوتی صرف اخیافی بھائی بہن کو محروم کرتی ہے حقیقی اور علاتی کو محروم نہیں کرتی۔ یہاں تک بارہ ذوی الفروض کے احکام ختم ہو گئے۔

فائدہ: فروض مقررہ چھ ہیں نصف' ربع' ثمن' ثلثین' ثلث' سدس۔ ان میں سے نصف پانچ اصناف کا فرض ہے (۱) شوہر۔ جبکہ بیوی کا بیٹا بیٹی پوتا پوتی نہ ہو (۲) حقیقی بیٹی (۳) پوتی جبکہ حقیقی بیٹی نہ ہو (۴) حقیقی بہن (۵) سوتیلی بہن جبکہ حقیقی بہن نہ ہو' ربع دو اصناف کا حصہ ہے (۱) شوہر۔ جبکہ ولد یا ولد الابن ہو (۲) بیوی جبکہ ولد یا ولد الابن نہ ہو۔ اور ثمن صرف ایک صنف کا حصہ ہے یعنی بیوی کا جبکہ ولد یا ولد الابن ہو اور ثلثین چار اصناف کا فرض ہے (۱) دو یا دو سے زیادہ حقیقی بیٹیوں کا (۲) دو یا دو سے زیادہ پوتیوں کا جبکہ حقیقی بیٹی نہ ہو (۳) دو یا دو سے زیادہ حقیقی بہنوں کا (۴) دو یا دو سے زیادہ سوتیلی بہنوں کا جبکہ حقیقی بہنیں نہ ہوں اور ثلث دو صنف کا حصہ ہے (۱) ماں کا جبکہ میت کا ولد الابن نہ ہو اور نہ دو بھائی ہوں نہ دو بہنیں (۲) مادری اولاد نہ ہوں یا زیادہ مرد ہوں یا عورت۔ اور سدس سات اصناف کا حصہ ہے (۱) باپ کا جبکہ میت کا ولد الابن ہو (۲) اسی طرح جد صحیح کا جبکہ میت کا باپ نہ ہو (۳) ماں کا جبکہ میت کا ولد یا ولد الابن ہو یا دو بھائی یا دو بہنیں ہوں (۴) جدہ صحیحہ کا (۵) پوتی کا حقیقی بیٹی کیساتھ دو تہائی پورا کرنے کیلئے (۶) سوتیلی بہن کا حقیقی بہن کیساتھ (۷) مادری اولاد کا جبکہ ایک ہو مرد ہو یا عورت (غایۃ الاوطار)

وَعَصَبَةٌ اَیْ مَنْ اَخَذَ الْکُلَّ اِذَا انْفَرَدَ وَالْبَاقِی مَعَ ذِیْ سَهْمٍ وَالْاَحَقُّ اَلْاِبْنُ ثُمَّ اِبْنُهٗ وَاِنْ سَفِلَ

اور عصبہ ہے جو لے لے کل مال جبکہ اکیلا ہو اور باقی ماندہ مال جبکہ فرض والے کیساتھ ہو اور زیادہ حق دار بیٹا ہے پھر پوتا گو نیچے کا ہو

ثُمَّ الْاَبُ ثُمَّ اَبُ الْاَبِ وَاِنْ عَلَا ثُمَّ الْاَخُ لِاَبٍ وَاُمٍّ ثُمَّ الْاَخُ لِاَبٍ ثُمَّ اِبْنُ الْاَخِ لِاَبٍ وَاُمٍّ ثُمَّ اِبْنُ الْاَخِ لِاَبٍ

پھر باپ پھر دادا کتنے ہی اوپر کا ہو پھر حقیقی بھائی پھر علاتی بھائی پھر حقیقی بھائی کا بیٹا پھر علاتی بھائی کا بیٹا

ثُمَّ الْاَعْمَامُ ثُمَّ اَعْمَامُ الْاَبِ ثُمَّ اَعْمَامُ الْجَدِّ عَلَی التَّرْتِیْبِ ثُمَّ الْمُعْتِقُ ثُمَّ عَصَبَتُهٗ عَلَی التَّرْتِیْبِ

پھر چچے پھر باپ کے چچے پھر دادا کے چچے ترتیب وار پھر آزاد کنندہ پھر اس کے عصبات ترتیب وار

وَاللَّاتِیْ فَرْضُهُنَّ اَلنِّصْفُ وَالثُّلُثَانِ یَصِرْنَ عَصَبَةً بِاِخْوَتِهِنَّ لَاغَیْرُ.

اور جن عورتوں کا حصہ آدھا اور دو تہائی ہے وہ عصبہ ہو جاتی ہیں اپنے بھائیوں کے ساتھ نہ کہ ان کے علاوہ

عصبات کا بیان

تشریح الفقہ: قولہ و عصبۃ الخ شروع کتاب میں جو "ذو فرض" گزرا ہے اس پر معطوف ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے ای الورثۃ ذو فرض و عصبۃ اھ عصبہ عربی زبان میں پٹھے کو کہتے ہیں۔ شریعت میں عصبہ وہ شخص ہے جو گوشت پوست میں شریک ہو جس کے عیب

ھ دو تہائی پورا کرنے کیلئے خواہ علاتی بہن ایک ہو یا ایک سے زیادہ ہو ۱۲۔

دار ہونے سے خاندان میں عیب لگے۔ اس کی اولا دو قسمیں ہیں سببی نسبی۔ عصبہ سببی کو مولی عتاقہ کہتے ہیں عصبہ نسبی کی تین قسمیں ہیں۔ عصبہ بنفسہ جو بذات خود عصبہ ہو عصبہ بغیرہ جو اپنے عصبہ ہونے میں دوسرے عصبہ کا محتاج ہو۔ عصبہ مع غیرہ جو عصبہ ہونے میں دوسرے کا محتاج تو ہو مگر محتاج الیہ خود عصبہ نہ ہو۔ پھر خود عصبہ بنفسہ چار قسم کے ہیں۔ جزء میت جیسے بیٹا پوتا الخ اصل میت جیسے باپ دادا الخ میت کے باپ کا جزء جیسے بھائی، بھتیجا میت کے دادا کا جزء جیسے چچا اور اس کی اولاد انمیں جو سب سے زیادہ قرابت دار ہو وہ مقدم ہوتا ہے اس کیبعد اس سے فروتر ہو تو میت کا جزء اس کی اصل پر مقدم ہوگا یعنی بیٹا پھر پوتا الخ اس کے بعد اصل میت یعنی باپ مقدم ہوگا پھر دادا الخ ماذکرہ المصنف۔

قولہ ثم الاخ الخ حقیقی بھائیوں پر دادا کا مقدم ہونا امام صاحب کے نزدیک ہے۔ صاحبین، امام مالک، امام شافعی کے نزدیک حقیقی بھائی دادا پر مقدم ہے، فتوی کے لئے امام صاحب کا قول مختار ہے بعض حضرات نے صاحبین کے قول پر فتوی ذکر کیا ہے۔ مگر علامہ طحطاوی نے کہا ہے کہ امام صاحب ہی کا قول معتمد ہے۔

قولہ ثم العتق الخ سب سے آخری عصبہ سببیہ ہے یعنی معتق (آزادکنندہ) جو جمہور کے نزدیک ذوی الارحام پر مقدم ہوتا ہے جس کی تائید حاکم اور دارمی وغیرہ نے کی ہے۔ حضرت علی وزید بن ثابت بن کا بھی یہی قول ہے البتہ حضرت عبداللہ بن مسعو کے نزدیک معتق ذوی الارحام سے مؤخر ہے۔

قولہ واللاتی الخ جن عورتوں کا حصہ آدھا اور تہائی ہے جیسے بیٹیاں، پوتیاں، حقیقی اور علاتی بہنیں تو یہ اپنے بھائیوں کے ساتھ عصبہ ہو جاتی ہیں انکے سوا اور عورتیں اپنے بھائیوں کے ساتھ عصبہ نہیں ہوتیں۔

وَمَنْ يُدْلِي بِغَيْرِهٖ حُجِبَ بِهٖ سِوٰى وَلَدِ الْاُمِّ وَالْمَحْجُوْبُ يَحْجُبُ كَالْاَخَوَيْنِ اَوِ الْاُخْتَيْنِ

جو منسوب ہو غیر کے ذریعہ سے وہ محروم ہوتا ہے اس کے ہوتے ہوئے سوائے اخیافی اولاد کے جو محجوب ہو وہ محجوب کر سکتا ہے جیسے دو بھائی اور بہنیں

يَحْجُبَانِ الْاُمَّ اِلَى السُّدُسِ مَعَ الْاَبِ لَا الْمَحْرُوْمُ بِالرِّقِّ وَالْقَتْلِ مُبَاشَرَةً وَاِخْتِلَافِ الدِّيْنِ اَوِ الدَّارِ

کر دیتی ہیں ماں کا حصہ چھٹے کی طرف باپ کے ساتھ نہ کہ وہ جو محروم ہو غلام ہونے یا مباشرۃ قاتل ہونے یا اختلاف دین یا اختلاف دار کی وجہ سے

وَالْكَافِرُ يَرِثُ بِالنَّسَبِ وَالسَّبَبِ كَالْمُسْلِمِ وَلَوْ حَجَبَ اَحَدُهُمَا فَبِالْحَاجِبِ

اور کافر وارث ہوتا ہے جہت نسب وعلاقہ سبب سے مسلمان کی طرح اگر محجوب ہو ایک قرابت تو وارث ہوگا حاجب قرابت سے

لَا بِنِكَاحٍ مُحَرَّمٍ وَيَرِثُ وَلَدُ الزِّنَا وَاللِّعَانِ بِجِهَةِ الْاُمِّ فَقَطْ وَوُقِفَ لِلْحَمْلِ حَظُّ ابْنٍ

نہ کہ محرم کیساتھ نکاح کرنے سے اور وارث ہوگا حرامی اور ولد لعانی صرف ماں کی جہت سے اور رکھ دیا جائیگا حمل کے لئے ایک بیٹے کا حصہ

وَيَرِثُ اِنْ خَرَجَ اَكْثَرُهٗ فَمَاتَ لَا اَقَلُّهٗ وَلَا تَوَارُثَ بَيْنَ الْغَرْقٰى وَالْحَرْقٰى

اور وارث ہوگا اگر اکثر باہر ہوکر مرا ہو نہ کہ اقل کی صورت میں وراثت جاری نہ ہوگی ڈوب کر یا جل کر مرنے والوں میں

اِلَّا اِذَا عُلِمَ تَرْتِيْبُ الْمَوْتٰى وَذُوْ رَحِمٍ وَهُوَ قَرِيْبٌ لَيْسَ بِذِيْ سَهْمٍ وَعَصَبَةٍ.

الا یہ کہ معلوم ہو مرنے والوں کی ترتیب اور ذو رحم ہے اور وہ وہ رشتہ دار ہے جو نہ صاحب فرض ہو اور نہ عصبہ ہو۔

حجب کا بیان

تشریح الفقہ: قولہ ومن یدلی الخ یہاں سے حجب کے احکام بیان کر رہا ہے۔ حجب کے معنی روکنا اور باز رکھنا ہے۔ اس سے حاجب بمعنی دربان ہے اصطلاح اہل فرائض میں حجب کے یہ معنی ہیں کہ ایک وراث معین کو دوسرے وارث کیوجہ سے اس کے حصہ سے کم ملے یا کچھ نہ ملے حجب کی دو قسمیں ہیں۔ حجب نقصان اور وہ محروم ہونا ہے ایک حصہ سے دوسرے حصہ کیطرف۔ یہ پانچ اشخاص کیلئے ہوتا ہے یعنی شوہر بیوی ماں پوتی علاتی بہن۔ دوسری قسم حجب حرمان ہے اس میں دو قسم کے ورثہ ہیں۔ ایک وہ جو کسی حال میں محروم نہیں ہوتے اور وہ چھ ہیں۔ تین مرد یعنی بیٹا باپ شوہر اور تین عورتیں یعنی لڑکی ماں بیوی دوسری قسم کے ورثہ وہ ہیں جو ایک وقت میں وارث ہوتے ہیں اور کسی دوسری وقت میں محروم ہو جاتے ہیں۔ مصنف کے قول ''ومن یدلی'' کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کا ناتا میت کیساتھ کسی دوسرے کے ذریعہ سے ہو وہ اس کے ہوتے ہوئے کچھ نہیں پاتا جیسے پوتا اور دادا کہ انکا ناتا میت کیساتھ بیٹے یا باپ کے ذریعہ سے ہے تو بیٹے کے ہوتے ہوئے پوتا اور باپ کے ہوتے ہوئے دادا کچھ نہیں پائے گا مگر اخیافی بھائی بہن اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں کہ ان کا رشتہ ماں کے ذریعہ ہے اور ماں کے ہوتے ہوئے بھی محروم نہیں ہوتے اس واسطے کہ ماں خود ہی پورے ترکہ کی مستحق نہیں ہوتی۔

قولہ والمحجوب الخ جو شخص محجوب ہو یعنی کسی قریبی رشتہ دار کی بنا پر ترکہ سے محروم ہو وہ بالاتفاق دوسرے کو محجوب کر سکتا ہے مثلاً میت کا باپ ماں دو بھائی یا دو بہنیں ہیں تو باوجود یکہ باپ کے ہونے سے بھائی بہنوں کو کچھ نہیں ملتا لیکن وہ ماں کے حصے کو تہائی سے چھٹا کر دیتے ہیں اگر یہ نہ ہوتے تو ماں کو تہائی ملتا ان کی وجہ سے ماں کے حصہ میں نقصان آ گیا وہ خود محروم ہیں۔

قولہ لا المحروم الخ جو شخص میراث سے کلیۃً محروم ہو مثلاً میت کا بیٹا کسی کا غلام ہو یا میت کا قاتل ہو یا کافر ہو یا دار الحرب میں رہتا ہو تو وہ ہمارے نزدیک میت کے دیگر ورثہ بھائی بہن وغیرہ کو محروم نہیں کر سکتا عام صحابہ کرام کا یہی قول ہے لیکن حضرت عبداللہ بن مسعود کے نزدیک وہ دوسرے کے لئے حاجب ہو سکتا ہے مگر حجب نقصان کے ساتھ۔

قولہ ولو حجب الخ اگر کافر کی دو قرابتوں میں سے ایک محجوب ہو اور ایک حاجب تو وہ حاجب کی قرابت سے میراث پائیگا نہ کہ محجوب کی مثلاً کسی کافر نے اپنی لڑکی سے نکاح کر لیا اور اس سے لڑکا ہوا تو یہ لڑکا اس کافر سے دو قرابتیں رکھتا ہے ایک بیٹا ہونے کی اور ایک نواسا ہونے کی اور نواسا ہونیکی قرابت محجوب ہے اور بیٹا ہونے کی حاجب تو اس کافر کی میراث بیٹا ہونے کی جہت سے پائے گا نہ کہ نواسا ہونے کی جہت سے۔

ڈوب کر یا جلکر مرنیوالوں کی میراث کا بیان

قولہ ولا توارث الخ غرقی غریق کی جمع ہے ڈوبے ہوئے لوگ اور حرقی حریق کی جمع ہے جلے ہوئے لوگ جیسے قتلی قتیل کی جمع ہے۔ یہاں ایسے لوگوں کی میراث کا بیان ہے جو آپس میں رشتہ دار ہوں اور یہ معلوم نہ ہو کہ پہلے کون مرا ہے۔ سو ایسے لوگوں کی پانچ صورتیں ہیں (۱) ان میں سے پہلا مرنیوالا بالیقین معلوم ہو اس کا حکم ظاہر ہے کہ بعد والا پہلے کا وارث ہوگا (۲) پہلا مرنے والا شروع میں تو علی التعیین معلوم تھا۔ بعد میں شبہ پڑ گیا۔ اس کا حکم یہ ہے۔ کہ اس کی میراث موقوف رہے گی۔ جب تک شبہ زائل ہو کر یقین نہ ہو جائے۔ یا وارث باہم صلح نہ کر لیں (۳) پہلا مرنے والا بلا تعیین معلوم ہو (۴) سب کی موت ایک ساتھ واقع ہوئی ہو (۵) سبقت اور معیت کچھ معلوم نہ ہو پچھلی تین صورتوں میں ایک دوسرے کا وارث نہ ہوگا بلکہ ان کا مال ان کے زندہ ورثہ کے درمیان بقدر استحقاق تقسیم کر دیا جائیگا۔ احناف امام مالک امام شافعی اور عام صحابہ کرام کا یہی مذہب ہے۔ فرائض شریفی میں ہے کہ صدیق اکبر نے اہل یمامہ کے مقتولین میں یہی حکم کیا ہے یعنی مردوں کی میراث زندوں کو دلائی تھی اسی طرح جب عمواس میں لوگ وبا سے مرے تو حضرت عمر فاروقؓ نے یہی حکم فرمایا

تھا۔ نیز حضرت علی نے بھی صفین اور جمل کے مقتولین میں یہی کیا تھا۔ حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود سے ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔

ذوی الارحام کی میراث کا بیان

قولہ وذورحم الخ قول سابق "وعصبة" پر معطوف ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے یہاں سے ذوی الارحام کی وراثت کا بیان ہے اکثر صحابہ کرام حضرت علی، حضرت عمر، عبداللہ بن مسعود، ابوعبیدہ، معاذ، ابوالدرداء اور حضرت ابن عباس بروایت مشہورۃ توریث ذوی الارحام کے قائل ہیں ائمہ احناف اور امام احمد کا بھی یہی مذہب ہے۔ حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابن عباس (بروایت شاذہ) ان کی توریث کے قائل نہیں۔ وارث نہ ہونے کی صورت میں صرف مال بیت المال میں جمع کر دیا جائے گا، امام شافعی اور امام مالک بھی اسی کے قائل ہیں دلیل یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے آیت مواریث میں صرف ذوی الفروض اور عصبات کا حصہ بیان کیا ہے۔ جواب یہ ہے کہ آیت "**واولو الارحام بعضهم اولیٰ ببعض**" کی تفسیر "**اولی بمیراث بعضٍ عن غیرہ**" کی گئی ہے۔

قولہ وهو قریب الخ مغرب میں ہے کہ رحم دراصل عورت کے پیٹ کا وہ حصہ ہے جہاں بچہ رہتا ہے۔ پھر ان لوگوں کو ذوی الارحام کہنے لگے جو رحم سے پیدا ہوں اور ان سے رشتہ داری ہو، علامہ طحطاوی فرماتے ہیں کہ ذوی الارحام مطلقاً رشتہ داروں کو بھی کہتے ہیں خواہ ان سے کسی قسم کی رشتہ داری ہو، اصطلاح میں ذورحم ہر وہ رشتہ دار ہے جو نہ ذوی الفروض سے ہو اور نہ عصبہ ہو۔ اس میں چار قسم کے لوگ ہیں (۱) جو میت کی طرف منسوب ہوں جیسے نواسیاں، پوتیاں (۲) جن کی طرف میت منسوب ہو جیسے اجداد فاسد، جدات فاسدہ (۳) جو میت کے والدین میں سے کسی ایک کی طرف منسوب ہوں جیسے بہنوں کی اولاد، بھائیوں کی بیٹیاں، اخیافی بھائیوں کے بیٹے (۴) جو میت کے دادا، نانا، یا دادی یا نانی کی طرف منسوب ہوں جیسے پھوپھیاں، اخیافی چچا، ماموں، خالائیں پس یہ سب لوگ ذوی الارحام میں داخل ہیں۔

وَلَايَرِثُ مَعَ ذِیْ سَهْمٍ وَعَصَبَةٍ سِوٰی اَحَدِ الزَّوْجَيْنِ لِعَدَمِ الرَّدِّ عَلَيْهِمَا وَتَرْتِيْبُهُمْ

اور وارث نہیں ہوتا کسی صاحب فرض اور عصبہ کے ساتھ سوائے شوہر بی بی کے ساتھ کے ان پر رد نہ ہونے کی بنا پر اور ان کی ترتیب

كَتَرْتِيْبِ الْعَصَبَاتِ وَالتَّرْجِيْحُ بِقُرْبِ الدَّرَجَةِ ثُمَّ بِكَوْنِ الاَصْلِ وَارِثًا وَعِنْدَ اِخْتِلَافِ جِهَةِ الْقَرَابَةِ

عصبات کی ترتیب کے مثل ہے اور ترجیح درجہ کے قرب سے ہے پھر اصل کے وارث ہونے سے اور جہت قرابت کے اختلاف کے وقت

فَلِقَرَابَةِ الاَبِ ضِعْفُ قَرَابَةِ الاُمِّ وَاِنِ اتَّفَقَ الاُصُوْلُ فَالْقِسْمَةُ عَلَى الاَبْدَانِ

باپ کی قرابت والے کے لئے دونا ہے ماں کی قرابت والے سے اور اگر اصول ایک سے ہوں تو تقسیم شمار کے لحاظ سے ہوگی

وَاِلَّا فَالْعَدَدُ مِنْهُمْ وَالْوَصْفُ مِنْ بَطْنٍ اِخْتَلَفَ.

ورنہ عدد ان سے ہوگا اور وصف اس بطن سے جس میں اختلاف ہوا ہے۔

تشریح الفقہ: قولہ ولا یرث الخ ذورحم کسی صاحب فرض اور عصبہ کے ساتھ وارث نہیں ہوتا بجز شوہر اور بیوی کے کہ اگر ان کے ساتھ ہو تو باوجود یکہ یہ دونوں صاحب فرض ہیں مگر ان کے ساتھ وارث ہوتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ شوہر اور بیوی کو بچا ہوا مال دوبارہ نہیں دیا جاتا۔ بخلاف اور فرض والوں کے اگر انکے حصے سے کچھ مال بچتا ہے تو وہ انہیں حسب حصص دوبارہ دے دیا جاتا ہے۔

قولہ وترتیبهم الخ ذوی الارحام کی ترتیب ترتیب عصبات کے مثل ہے تو جزء میت بیٹیوں پوتیوں کی اولاد مقدم ہوگی دیگر اقسام

پر پھر اصل میت یعنی جد فاسد اور جدات فاسدہ پھر میت کے والدین کا جز یعنی عینی یا علاتی یا اخیافی بہن بھائیوں کی اولاد پھر جدین اور جدتین کی اولاد یعنی پھوپھی، تائی اور چچا کی لڑکیاں تو پھر باپ کے ماموں، خالہ وغیرہ۔

قولہ والترجیح الخ ذوی الارحام میں درجہ کے قریب سے ترجیح ہوتی ہے یعنی قریبی رشتہ دار کے ہوتے ہوئے دور والے کو نہیں ملتا۔ اور اگر قرب میں برابر ہوتو پھر یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس کی اصل وارث ہے کہ نہیں۔ اگر وارث ہوتو اس کو اس پر مقدم کرتے ہیں جس کی اصل وارث نہ ہو مثلاً اگر بھتیجے کی بیٹی اور ہمشیر زادی کا بیٹا وارث ہوتو مال برادر زادہ کی دختر کو ملے گا۔ کیونکہ اس کی اصل یعنی برادر زادہ عصبہ ہے۔ اور ہمشیر زادی کے پسر کو نہ ملے گا کیونکہ اس کی اصل یعنی ہمشیر زادی وارث نہیں ذو رحم ہے۔ (احسن)

قولہ وعند اختلاف الخ جب ذوی الارحام کی جہت قرابت میت سے مختلف ہوتو جس کی قرابت باپ کی طرف سے ہوگی اسکو دگنا ملے گا۔ اور جس کی قرابت ماں کی طرف سے ہوگی اس کو اکہرا حصہ ملے گا مثلاً میت نے اپنے باپ کا نانا، اور ماں کا دادا چھوڑا تو اول کو دو تہائی اور دوم کو ایک تہائی ملے گی۔ (احسن)

قولہ وان اتفق الخ اگر ذوی الارحام کی اصلیں ایک سی ہوں تو ترکہ کو ان کی شمار پر تقسیم کریں گے مثلاً ایک بہن کی اولاد ہو یا دو بہنوں کی اولاد ہو تو سب بھانجوں اور بھانجیوں کو شمار کر کے ترکہ برابر تقسیم کریں گے اگر سب مذکر ہو یا سب مؤنث ہوں۔ اور اگر کچھ مرد اور کچھ عورتیں ہوں تو عورتوں کے حصے کی بہ نسبت مرد کو دونا ملے گا۔ اور اگر ان کے اصول مذکر اور مؤنث ہونے کی صفت میں متفق نہ ہوں بلکہ بعض کی اصل مرد ہو اور بعض کی عورت تو جس بطن میں اختلاف ہوگا اس بطن کو اولاً للذکر مثل حظ الانثیین کے طریق پر تقسیم کیا جائے گا۔ پھر ایک کا حصہ اس کے فروع کو دیا جائے گا۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

وَالْفُرُوْضُ نِصْفٌ وَرُبُعٌ وَثُمُنٌ وَثُلُثَانِ وَثُلُثٌ وَسُدُسٌ وَمَخَارِجُهَا اِثْنَانِ لِلنِّصْفِ

اور فروض یہ ہیں آدھا چوتھائی آٹھواں دو تہائی ایک تہائی چھٹا اور ان کے مخارج دو کا عدد ہے آدھے کے لئے

اَرْبَعَةٌ وَثَمَانِيَةٌ وَثَلٰثَةٌ وَسِتَّةٌ لِسَمِيِّهَا وَاِثْنَا عَشَرَ وَاَرْبَعَةٌ وَّعِشْرُوْنَ بِالْاِخْتِلَاطِ.

اور چار اور آٹھ اور تین اور چھ کا عدد ہے اپنے اپنے ہمنام کیلئے اور بارہ اور چوبیس کا عدد ہے اختلاط کی صورت میں

مخارج فروض کا بیان

قولہ والفروض الخ یہاں سے مخارج فروض بیان کر رہا ہے جن کی تقسیم ترکات میں ضرورت پیش آتی ہے۔ مخرج اس عدد کو کہتے ہیں جس سے کوئی کسر یعنی حصہ جیسے نصف یا ثلث یا ربع صحیح نکل سکے اور اس سے کم ہو تو بغیر ٹوٹے نہ نکلے، اور اس حصے کو کسر کہتے ہیں۔ قرآن پاک میں جو فرض حصے مذکور ہیں دو طرح کے ہیں تین ایک قسم کے نصف، ربع، ثمن، اور تین دوسری قسم کے یعنی ثلثان، ثلث، سدس۔ ان کے مخارج کی تشریح یہ ہے کہ آدھے کیلئے مخرج دو کا عدد ہے اور چوتھائی کیلئے چار کا اور آٹھویں حصہ کیلئے آٹھ کا اور دو تہائی اور ایک تہائی کے لئے تین کا اور چھٹے حصے کیلئے چھ کا۔ تو جب مسائل میں ان فروض میں سے ایک ایک آئے تو مخرج اس کا ہمنام ہوگا مثلاً میت نے شوہر اور بیٹا چھوڑا تو شوہر کو بیٹے کی وجہ سے ربع ملے پس اس صورت میں فروض مذکورہ میں سے صرف ربع ہے لہٰذا مسئلہ چار سے ہوگا اور یہی چار اس کا مخرج کہلائے گا۔ صورت یہ ہے مسئلہ ۴ — زوج ۱ ابن ۳ اور جب ان فروض میں سے جب دو دو تین تین آئیں اور سب ایک ہی قسم کے ہوں تو ان کا مخرج وہی ہوگا جو ان میں چھوٹے عدد کا مخرج ہے مثلاً میت نے شوہر اور ایک لڑکی اور ایک چچا چھوڑا تو شوہر کو لڑکی کی وجہ سے ربع ملے گا اور لڑکی تنہا ہونے کی وجہ سے نصف لے گی تو یہاں نصف اور ربع جمع ہوئے جن میں چھوٹا عدد اربعہ ہے تو اسی کو مخرج بنایا

جائے گا صورت یہ ہے۔

مسئلہ ۴		
زوج	بنت	عم
	۲	۱

اور اگر میت نے بیوی اور ایک لڑکی اور ایک چچا چھوڑا تو زوجہ کو ایک لڑکی کی وجہ سے ثمن ملے گا اور لڑکی نصف لے گی تو یہاں نصف اور ثمن جمع ہوئے جن میں چھوٹا عدد ثمانیہ ہے تو اس کا مخرج آٹھ ہوگا۔ صورت یہ ہے

مسئلہ ۸		
زوجہ	بنت	عم
۱	۴	۳

اور اگر پہلی قسم میں سے صرف نصف دوسری قسم کے ایک یا دو یا تینوں کیساتھ مخلوط ہوا تو مسئلہ چھ سے ہوگا اور مخرج چھ کا عدد۔

قولہ واثنا عشر الخ اگر پہلی قسم سے ربع اور دوسری قسم کے ثلثان یا ثلث یا سدس یا تینوں کے ساتھ مخلوط ہو تو مخرج بارہ کا عدد ہوگا۔ مثلاً بیوی اور ماں اور ایک چچا چھوڑا تو زوجہ کا حصہ ربع ہے اور ماں کا ثلث تو ربع کے ساتھ مخلوط ہوا تو مسئلہ بارہ سے ہوگا اور بارہ اس کا مخرج کہلائے گا۔ صورت یہ ہے۔

مسئلہ ۱۲		
زوجہ	ام	عم
۳	۴	۵

اور اگر پہلی قسم سے ثمن دوسری قسم کے کسی فرض کیساتھ مخلوط ہو تو مخرج چوبیس کا عدد ہوگا۔ مثلاً میت نے بیوی اور دو لڑکیاں اور ایک چچا چھوڑا تو زوجہ کا حصہ ثمن ہے اور لڑکیوں کا ثلثان تو مسئلہ چوبیس سے ہوگا۔ صورت یہ ہے

مسئلہ ۲۴		
زوجہ	بنتان	عم
۳	۱۶	۵

وَتَعُوْلُ بِزِيَادَةٍ فَسِتَّةٌ اِلٰى عَشَرَةَ وِتْرًا وَشُفْعًا وَاثْنَا عَشَرَ اِلٰى سَبْعَةَ عَشَرَ وِتْرًا وَاَرْبَعَةٌ وَّعِشْرُوْنَ اِلٰى سَبْعَةٍ وَّعِشْرِيْنَ

اور عول ہوتا ہے مخارج میں پس چھ عول کرتا ہے دس تک طاق اور جفت اور بارہ سترہ تک بطریق طاق اور چوبیس ستائیس تک

عول کا بیان

تشریح الفقہ: قولہ وتعول الخ تعول عول سے ہے اور عول لغت میں جور و غلبہ، رفع و زیادت مختلف معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اصطلاح میں اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جب حصوں کے مخرج کا عدد کم ہے اور سہام زیادہ ہو جائیں تو مخرج میں کچھ اضافہ کر دیا جاتا ہے تاکہ سب حصے والوں کو ان کے سہام پہنچ جائیں۔ اس اضافہ کا نام عول ہے۔

فائدہ: مجموعہ مخارج سات ہیں ۲، ۳، ۴، ۶، ۸، ۱۲، ۲۴ حقیقت میں یہ کل نو تھے چھ تو فروض ستہ انفراد کی حالت میں اور تین اختلاط کی حالت میں مگر چونکہ ثلث اور ثلثان کا مخرج ایک ہی ہے اس لئے ایک عدد کم ہوگیا نیز نصف اور سدس کی اختلاط میں بھی مخرج ایک ہی ہے یعنی چھ اس لئے ایک اور کم ہوگیا۔ پس سات رہ گئے ان میں سے ۲، ۳، ۴، ۸ کا عول نہیں ہوتا۔ کیونکہ مسئلہ کی جتنی احتمالی صورتیں نکلتی ہیں وہ اپنے مخرج کے برابر ہوتی ہیں اور ۶، ۱۲، ۲۴ میں اکثر اوقات مخرج کم ہوتا ہے اور حق دار زیادہ اس لئے ان میں عول کی ضرورت ہوتی ہے۔ (تنویر بتہذیب)

قولہ فستۃ الخ چھ کا عول دس تک ہوتا ہے طاق بھی یعنی سات اور نو کی طرف اور جفت بھی یعنی آٹھ اور دس کی طرف۔ اس کی مثالیں یہ ہیں۔ (مثالیں ہیں)

مسئلہ ۶ سے ۷	
زوج	اختان لاب
۳	۴

مسئلہ ۶ سے ۸		
زوج	اختان لاب	ام
۳	۴	۱

مسئلہ ۶ سے ۹		
زوجہ	اختان لاب	اختان لام
۳	۴	۲

مسئلہ ۶ سے ۱۰			
زوج	اختان لاب	اختان لام	ام
۳	۴	۲	۱

قولہ واثنا عشر الخ بارہ کاعول سترہ تک ہوتا ہے مگر صرف طاق یعنی ۱۳، ۱۵، ۱۷، جفت کی طرف اس کاعول نہیں ہوتا۔ مثالیں یہ ہیں:

مسئلہ ۱۲ عـ۱۳

زوجہ	اختان عینیہ	ام
۳	۸	۲

مسئلہ ۱۲ عـ۱۵

زوجہ	اختان عینیہ	اختان لام
۳	۸	۴

مسئلہ ۱۲ عـ۱۷

زوجہ	اختان عینیہ	اختان لام	ام
۳	۸	۴	۲

قولہ واربعة وعشرون الخ چوبیس کاعول صرف ۲۷ کی طرف ہوتا ہے جیسا کہ مسئلہ منبریہ میں ہے جسکی مثال یہ ہے:

مسئلہ ۲۴ عـ۲۷

زوجہ	بنتان	اب	ام
۳	۱۶	۴	۴

مسئلہ ۲۴ عـ۳۱

زوجہ	ام	اختان لاب	اختان لام	ابن کافر = محروم
۳	۴	۱۶	۸	

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ چوبیس کاعول اکتیس تک کرتے ہیں مثال یہ ہے ابن کافر ہمارے نزدیک حاجب نہیں ہوتا اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے نزدیک حاجب بحجب نقصان ہوتا ہے اس لئے زوجہ کو چوتھائی کے بجائے آٹھواں حصہ دیا گیا اور ام کو چھٹا' عول کی بحث کا حاصل یہ نکلا کہ چھ کاعول چار مرتبہ ہوتا ہے اور بارہ کا تین مرتبہ اور چوبیس کا صرف ایک مرتبہ۔

فائدہ: مسئلہ منبریہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علیؓ کوفہ کی مسجد میں منبر پر خطبہ دینے کیلئے کھڑے ہوئے اسی وقت یہ مسئلہ دریافت کیا گیا آپ نے فوراً جواب دیا جس سے سائل اور سامعین حیران رہ گئے۔ (تنویر بتہذیب)

وَاِنْ اِنْكَسَرَ حَظُّ فَرِيْقٍ ضُرِبَ وَفْقُ الْعَدَدِ فِي الْفَرِيْضَةِ اِنْ وَافَقَ.

اگر ٹوٹ جائے کسی فریق کا حصہ تو ضرب دیجائیگی وفق رؤس کو اصل مسئلہ میں اگر توافق ہو۔

کسر پوری کرنے کی ترکیب

تشریح الفقہ: **قولہ وان انکسر الخ** یہاں سے مسائل تصحیح کا آغاز ہے دو عددوں میں چار نسبتوں میں سے کوئی ایک ہوا کرتی ہے۔ تماثل' تداخل' توافق' تباین۔ تماثل دو عددوں کے برابر ہونے کو کہتے ہیں جیسے چار چار یا دس دس۔ تداخل اس کو کہتے ہیں کہ دو عددوں میں سے بڑا عدد چھوٹے پر پورا تقسیم ہو جائے کہ کسر باقی نہ ہو۔ یا کہ ان میں چھوٹے عدد کو نکالتے جائیں تو دوبارہ یا اس سے زیادہ میں بڑا عدد فناء ہو جائے۔ مثلاً پچیس اور پانچ میں تداخل ہے کہ پچیس پانچ پر پورا تقسیم ہو جاتا ہے اور پانچ پانچ کم کرنے سے پچیس کا عدد پانچ مرتبہ میں فنا ہو جاتا ہے۔ توافق اس کو کہتے ہیں کہ دو عددوں میں توافق بالربع کہلاتا ہے اور ایک ربع کو ضرب کرنا پڑتا ہے۔ اور اگر تہائی میں موافق ہوں تو ایک کی تہائی کو ضرب کرتے ہیں۔ **وعلی ھذا القیاس**۔ تباین اس کو کہتے ہیں کہ ایک کہ عدد کے علاوہ کوئی تیسرا عدد بھی ان دونوں کو فناء نہ کرے جیسے نو اور دس ہے۔ ان نسبتوں کو معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ بڑے عدد کو چھوٹے عدد پر تقسیم کریں اگر پہلی تقسیم میں کچھ نہ رہے تو تداخل ہے اور باقی رہے تو باقی پر چھوٹے کو تقسیم کریں اسی طرح کرتے جائیں اگر کسی تقسیم میں کچھ نہ رہے تو دیکھیں گے کہ اس کا مقسوم علیہ کیا ہے اگر دو ہوں تو دونوں عددوں میں **توافق بالنصف ہو گا اور تین ہو تو افق بالثلث وعلی ھذا القیاس**' اور اگر پہلی تقسیم میں یا اور کسی تقسیم میں ایک عدد بچ رہے تو ان دونوں میں تباین ہوگا (احسن بتغیر)۔

قولہ حظ فریق الخ اگر ورثہ کے ہر فریق کے حصے ان پر بلا کسر تقسیم ہو جائیں تب تو ضرب کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ مثلاً میت نے والدین اور دو بیٹیاں چھوڑیں۔ تو والدین کو چھٹا چھٹا یعنی ایک ایک ملے گا۔ جو ان پر بلا کسر تقسیم ہو جاتا ہے اسی طرح دو بیٹیوں کو دو

تہائی یعنی چار ملیں گے۔اور چار بھی ان پر بلا کسر تقسیم ہوجاتا ہے تو ضرب کی ضرورت نہیں صورت یہ ہے۔

مسئلہ ۶

بنت	بنت	ام	اب
۲	۲	۱	۱

لیکن اگر برابر تقسیم نہ ہو تو ضرب کی ضرورت ہوگی ہم دیکھیں گے کہ کسر کسی ایک فریق پر ہے یا زائد پر اگر ایک ہی فریق پر ہو تو اس فریق کے سہام اور رؤس میں نسبت کو دیکھیں گے اگر توافق کی نسبت ہو تو وفق رؤس کو اصل مسئلہ میں ضرب دیں گے اور اگر مسئلہ میں عول ہو تو عول میں ضرب دیں گے مثلاً میت نے والدین اور دس لڑکیاں چھوڑی تو ماں باپ کو سدس سدس ملے گا اور لڑکیوں کو دو تہائی پس مسئلہ چھ سے ہوا کیونکہ سدس اور ثلثان جمع ہے اب ماں باپ پر تو ایک ایک برابر تقسیم ہے لیکن دس لڑکیوں پر چار منقسم نہیں ہوتے تو اس کا وفق نکالیں گے سو عدد رؤس یعنی دس اور عدد سہام یعنی چار میں توافق بالنصف ہے۔ کیونکہ دو چار کو دو مرتبہ اور دس کو پانچ مرتبہ فنا کر رہا ہے پس وفق رؤس یعنی پانچ کو اصل مسئلہ یعنی چھ میں ضرب دیں گے جس سے تیس حاصل ہونگے۔ پھر وفق رؤس (پانچ) کو سہام سے ضرب دے کر تقسیم کر دیں گے پس والدین کو پانچ پانچ ملیں گے اور دس لڑکیوں کو مجموعۃً بیس اور فرداً فرداً دو دو۔ صورت یہ ہے۔

مسئلہ ۶ تصح ۳۰　　　　وفق ۵

بنات ۱۰	ام	اب
۴/۲۰	۱/۵	۱/۵

عول کی مثال یہ ہے:

مسئلہ ۱۲ عول ۱۵ تصح ۴۵

بنات ۶	ام	اب	زوج
۸/۲۴	۲/۶	۲/۶	۳/۹

وَاِلَّا فَالْعَدَدُ فِي الْفَرِيْضَةِ فَالْمَبْلَغُ مَخْرَجٌ وَاِنْ تَعَدَّدَ الْكَسْرُ وَتَمَاثَلَ ضُرِبَ وَاحِدٌ فَاِنْ تَدَاخَلَ فَالْاَكْثَرُ

ورنہ کل عدد رؤس کو اصل مسئلہ میں پس حاصل ضرب مخرج ہوگا اور اگر کئی جگہ ہو کسر اور تماثل ہو تو ضرب دیجائیگی ایک کو اور اگر تداخل ہو تو بڑے عدد کو

وَاِنْ تَوَافَقَ فَالْوُفُقُ وَاِلَّا فَالْعَدَدُ فِي الْعَدَدِ ثُمَّ وَثُمَّ ثُمَ الْمَبْلَغُ فِي الْفَرِيْضَةِ وَعَوْلِهَا.

اور توافق ہو تو وفق عدد کو ورنہ عدد رؤس کو دوسرے عدد میں ضرب کرتے جائیں گے پھر حاصل ضرب کو اصل مسئلہ میں اور عول ہو تو عول میں ضرب دینگے

تشریح الفقہ: **قولہ والا فالعدد الخ** کسر تو ایک ہی فریق پر ہو لیکن عدد رؤس اور سہام میں توافق نہ ہو تباین ہو تو جس فریق کے سہام میں کسر ہے اس کے کل عدد رؤس کو اصل مسئلے میں ضرب دیں گے اور اگر اصل مسئلے میں عول ہو تو عول میں ضرب دیں گے مثلاً میت نے والدین اور پانچ لڑکیاں چھوڑی تو والدین کو چھٹا چھٹا یعنی ایک ایک اور پانچ لڑکیوں کو دو تہائی یعنی چار ملے اور لڑکیوں والے فریق کے سہام میں کسر ہے اور عدد سہام (چار) اور عدد رؤس (پانچ) میں تباین ہے۔ تو عدد رؤس یعنی پانچ کو اصل مسئلہ یعنی چھ سے ضرب دیں گے۔ صورت یہ ہے

مسئلہ ۶ تصح ۳۰

بنات ۵	ام	اب
۴/۲۰	۱/۵	۱/۵

عول کی مثال یہ ہے　　مسئلہ ۱۶ ۷ تصح ۳۵

اخوت لادم ۵	زوج
۴/۲۰	۳/۱۵

قولہ وان تعدد الکسر الخ اگر دو یا اس سے زیادہ فریقوں پر کسر ہو تو جس جس فریق پر کسر ہو تو ان کے عدد سہام اور عدد رؤس میں مثل سابق نسبت کا لحاظ کریں گے اگر ان میں تماثل ہو تو اعداد متماثلہ میں سے کسی ایک کو اصل مسئلہ میں ضرب دیدیں گے مسئلہ صحیح ہو جائیگا۔ مثلاً میت نے چھ لڑکیاں، تین جدات اور تین چچا چھوڑے تو یہاں سدس اور ثلثان جمع ہونے کیوجہ سے اصل مسئلہ چھ سے ہوا

جس میں ان کے سہام (چار) میں توافق بالنصف ہے پس نصف رؤس (تین) کو جو وقف رؤس ہے پھر محفوظ رکھا اور جدات کے سہام ورؤس میں اسی طرح ہوگا اسی طرح اعمام کے سہام ورؤس میں تباین ہے اسی لئے ہر ایک کے کل رؤس (تین) کو محفوظ رکھا اس کے بعد ان تمام اعداد محفوظہ میں نسبت تلاش کی۔ تو تماثل پایا تو ان میں سے کسی ایک (تین) کو اصل مسئلہ میں ضرب دینے سے اٹھارہ حاصل ہونگے اور اسی اٹھارہ سے سب کو تقسیم کیا جائے گا۔ صورت یہ ہے۔

مسئلہ ۶ تصح ۱۸

بنات ۶	جدات ۳	اعمام ۳
۴/۱۲	۱/۳	۱/۳

قولہ وان تداخل الخ اور اگر بعض اعداد کا بعض میں تداخل ہو تو سب سے بڑے عدد کو اصل مسئلہ میں ضرب دیں گے مسئلہ صحیح ہو جائے گا مثلاً میت نے چار بیویاں، تین جدات اور بارہ اعمام چھوڑے تو زوجات ربع کی حق دار ہیں اور جدات سدس کی پس ربع وسدس کے جمع ہونے کی وجہ سے اصل مسئلہ بارہ سے ہوا ربع (تین) زوجات کے ہوئے اور سدس (دو) جدات کے ہوئے اور باقی بطریق عصوبت اعمام کا ہوا۔ اب یہاں رؤس میں تداخل کی نسبت ہے کیونکہ ۳، ۴، ۱۲ میں ۴، ۱۲ سے یا تین سے تقسیم ہو جاتا ہے۔ تو سب سے بڑے عدد (بارہ) کو اصل مسئلہ (بارہ) سے ضرب دیں گے جس سے ۱۴۴ حاصل ہوں گے۔ پس اسی بارہ کو زوجات کے حق ربع (تین) سے ضرب دیں گے تو چاروں زوجات کو مجموعۃً ۳۶ اور فی کس نو ملیں گے اور تین جدات کے حق سدس (دو) کو بارہ سے ضرب دیں گے تو تینوں جدات کو مجموعۃً ۲۴ اور فی کس آٹھ ملیں گے اور بارہ اعمام کے حق عصوبت (سات) کو بارہ سے ضرب دیں گے۔ تو بارہ اعمام کو مجموعۃً ۸۴ اور فی کس سات ملیں گے۔ صورت یہ ہے:

مسئلہ ۱۲ تصح ۱۴۴

زوجات ۴	جدات ۳	اعمام ۱۲
۳/۳۶	۲/۲۴	۷/۸۴

قولہ وان توافق الخ اگر بعض اعداد کو بعض کیساتھ توافق کی نسبت ہو تو کسی ایک عدد کے وفق کو دوسرے کے تمام سے ضرب دیا جائے گا پھر حاصل ضرب کو تیسرے عدد کے وفق سے ضرب دیا جائے گا۔ بشرطیکہ حاصل ضرب کو تیسرے کے ساتھ توافق ہو۔ ورنہ حاصل ضرب کو اصل مسئلہ میں ضرب دیا جائے گا مسئلہ میت نے چار زوجات، اٹھارہ لڑکیاں، پندرہ دادیاں، اور چھ چچا چھوڑے تو اصل مسئلہ چوبیس سے ہوا چار زوجات کو ثمن (تین) ملے جن کے سہام ورؤس میں تباین ہے اس لئے ہم نے جمیع عدد رؤس (چار) کو محفوظ رکھا اور اٹھارہ لڑکیوں کو دو تہائی (سولہ) ملے جو ان پر برابر تقسیم نہیں ہوتے اور رؤس وسہام میں توافق بالنصف ہے لہٰذا عدد رؤس (نو) کو محفوظ رکھا اور پندرہ جدات کے لئے سدس (چار) ہیں اور رؤس سہام میں تباین ہے لہٰذا جمیع رؤس (پندرہ) کو محفوظ کیا اور چھ اعمام کے حصے باقی (ایک) ہے۔ ان کے رؤس اور سہام میں بھی تباین ہے لہٰذا جمیع عدد رؤس (پندرہ) کو محفوظ کیا اب کل عدد رؤس محفوظہ ۴، ۹، ۱۵، ۶ ہوئے۔ اور ہم نے ان میں نسبت تلاش کی ۴، ۶ میں توافق بالنصف نکلا اس لئے چار کے نصف دو کو چھ میں ضرب دیا تو حاصل ضرب بارہ ہوئے اور اب بارہ اور نو میں توافق بالثلث کی نسبت ہوئی تو بارہ کے ثلث چار کو نو سے ضرب دیا تو حاصل ضرب ۳۶ ہوئے اب ۳۶ اور ۱۵ میں بھی توافق بالثلث ہوا اس لئے چھتیس کے ثلث بارہ کو پندرہ سے ضرب دیا تو حاصل ضرب ۱۸۰ ہوئے پھر اس مجموعہ کو اصل مسئلہ ۲۴ سے ضرب دیا ۴۳۲۰ ہوا پس ۱۸۰ کو ہر ایک حصہ میں ضرب دینے سے چار زوجات کو مجموعۃً ۵۴۰ اور فرداً فرداً ۱۳۵ اور اٹھارہ لڑکیوں کو مجموعۃً ۲۸۸۰ اور فرداً فرداً ایک سو ساٹھ اور پندرہ جدات کو مجموعۃً سات سو بیس اور سولہ اعمام کو مجموعۃً ایک سو اسی اور فرداً فرداً تیس ملیں گے۔ صورت یہ ہے:

مسئلہ ۲۴ تصح ۴۳۲۰

زوجات ۴	بنات ۱۸	جدات ۱۵	اعمام ۶
۳/۵۴۰	۱۶/۲۸۸۰	۴/۷۲۰	۱/۱۸۰

قولہ والا فالعدد الخ اگر اعداد میں توافق نہ ہو تباین ہو تو کسی ایک عدد کو جمیع ثانی میں ضرب دیں گے اور اس کے حاصل ضرب کو جمیع ثالث میں پھر اس کے حاصل ضرب کو جمیع رابع میں وھکذا اس کے بعد جو کچھ جمع ہو اس کو اصل مسئلہ میں ضرب دیں گے اور عول ہو تو عول میں ضرب دیں گے مثلاً میت نے دو بیویاں چھ دادیاں' دس لڑکیاں اور سات چچا چھوڑے تو اصل مسئلہ چوبیس سے ہوا جس کا ثمن (تین) دو بیویوں کو ملا۔ اوران کے رؤس وسہام میں تباین ہے اس لئے کل عدد رؤس (دو) کو محفوظ رکھا اور سدس (چار) جدات کو ملا ان کے رؤس سہام میں توافق بالنصف ہے اس لئے نصف عدد روس (تین) کو محفوظ کیا اور دو تہائی (سولہ) دس لڑکیوں کو ملا۔ انمیں بھی توافق ہے اس لئے نصف عدد رؤس (پانچ) کو محفوظ کرلیا۔ اب کل ۲،۳،۵،۷ متباینہ اعداد ہو گئے۔ پس ہم نے دو کو تین سے ضرب دیا تو چھ ہوئے۔ پھر حاصل ضرب چھ کو پانچ سے ضرب دیا تو تیں ہوئے پھر تیس کو سات سے ضرب دیا تو دو سو دس ہوئے۔ اب اس مجموعہ کو اصل مسئلہ چوبیس میں ضرب دیا تو کل ۵۰۴۰ ہوئے اسی سے سب کو حصے ملیں گے بایں طور کہ حاصل ضرب دو سو دس کو ہر فریق کے حصہ میں ضرب دیا تو دو زوجات کو مجموعۃً چھ سو تیس اور فرداً فرداً تین سو پندرہ اور چھ جدات کو مجموعۃً ایک ہزار آٹھ سو چالیس اور فرداً فرداً چار سو دو ملے۔ اور دس بنات کو مجموعۃً تین ہزار تین سو ساٹھ اور فرداً فرداً تین سو چھتیس اور سات اعمام کو مجموعۃً دو سو دس اور فرداً فرداً تیس ملیں گے۔

صورت یہ ہے۔

مسئلہ ۲۴ تص ۵۰۴۰
م

زوجات ۲	جدات ۶	بنات ۱۰	اعمام ۷
۳ / ۶۳۰	۴ / ۸۴۰	۱۶ / ۳۳۶۰	۱ / ۲۱۰

وَمَا فَضَلَ يُرَدُّ عَلٰى ذَوِي الْفُرُوْضِ بِقَدْرِ سِهَامِهِمْ اِلَّا عَلَى الزَّوْجَيْنِ فَاِنْ كَانَ مَنْ يُرَدُّ عَلَيْهِ جِنْسًا وَاحِدًا

اور جو بچ جائے وہ لوٹایا جائیگا ذوی الفروض کو ان کے سہام کے مطابق سوائے زوجین کے پس اگر ہو من یرد علیہ واحد

فَالْمَسْئَلَةُ مِنْ رُؤُسِهِمْ كَبِنْتَيْنِ اَوْ اُخْتَيْنِ.

تو مسئلہ ان کی شمار کے موافق ہوگا جیسے دو بیٹیاں یا دو بہنیں۔

مسائل رد کی تفصیل

تشریح الفقہ: قولہ وما فضل الخ۔ یہاں سے مسائل رد بیان کر رہا ہے، رد عول کی ضد ہے کیونکہ عول میں سہام مخرج سے زیادہ ہوتے ہیں اور رد میں مخرج سہام سے زیادہ ہوتا ہے۔ رد کی اصطلاحی تعریف یہ ہے "**صرف الباقي من الفروض النسبيه بقدر حقوقهم عند عدم عصبته**"، یعنی تقسیم اول کے بعد نسبی ذوی الفروض سے بچے ہوئے مال کو ان ہی پر ان کے حصوں کے مطابق صرف کرنا رد کہلاتا ہے۔ اس میں نسبیہ کی قید احترازی ہے، پس جو ذوی الفروض نسبی نہ ہوں ان پر رد نہ ہوگا۔ اسی لئے زوجین پر رد نہیں ہوتا کیونکہ ان سے نسبی رشتہ نہیں ہے۔ اکثر صحابہ کرام کا یہی قول ہے اسی کو احناف نے لیا ہے، حضرت زید بن ثابت کے نزدیک ذوی الفروض پر کسی حال میں بھی رد نہیں ہوسکتا بلکہ فاضل مال بیت المال کا ہے، امام مالک، امام شافعی اور زہری وغیرہ کا بھی یہی قول ہے۔

قولہ الاعلی الزوجین الخ۔ متقدمین احناف کا قول تو وہی ہے جو جمہور صحابہ کا ہے کہ زوجین پر رد نہیں ہوتا لیکن متاخرین احناف اور بعض شوافع یہ فرماتے ہیں کہ جب بیت المال غیر منتظم ہو تو زوجین پر بھی بقدر حقوق رد ہوگا۔ بشرطیکہ دوسرے مستحقین نہ ہوں، رد المحتار میں مستصفی سے نقل کیا ہے کہ اس زمانہ میں فتویٰ جواز رد پر ہے۔ اشباہ میں بھی یہی ہے۔

قولہ فان کان الخ مسائل رد چار قسم پر ہیں۔ اول یہ کہ مسئلہ میں صرف وہی ایک جنس کے لوگ ہوں جن پر رد ہوتا ہے (اور من لا یرد

علیہ نہ ہوں) ... دوم یہ کہ مسئلہ میں صرف ایک جنس کے لوگ نہ ہوں بلکہ دو یا اس سے زیادہ جنسیں ہوں اور من لا یرد علیہ نہ ہو۔ سوم یہ کہ ایک جنس کے لوگ ہوں اور ان کے ساتھ من لا یرد علیہ بھی ہو۔ چہارم یہ کہ ایک جنس کے لوگ نہ ہوں بلکہ دو یا اس سے زیادہ جنسیں ہوں اور ان کے ساتھ من لا یرد بھی ہو۔

پہلی قسم کی تشریح یہ ہے کہ اگر مسئلہ میں صرف ایک ہی جنس کے لوگ ہوں اور من لا یرد علیہ نہ ہو تو اس صورت میں مسئلہ ان کے عدد رؤس کے مطابق ہوگا مثلاً میت نے دو لڑکیاں چھوڑیں تو اصل مسئلہ تین سے ہونا چاہئے کیونکہ بنتان کا حق ثلثین ہے لیکن اگر تین سے کیا جائے تو ایک بچتا ہے جو پھر انہی پر رد کیا جائیگا اس لئے مسئلہ ابتداء ہی دو سے کر کے نصفا نصف کر دیا جائیگا۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَاِلَّا فَمِنْ سِهَامِهِمْ فَمِنْ اِثْنَيْنِ لَوْسُدُسَانِ وَثَلٰثَةٍ لَوْثُلُثٌ وَسُدُسٌ وَاَرْبَعَةٍ لَوْ نِصْفٌ وَسُدُسٌ

ورنہ ان کے سہام کے موافق ہوگا پس دو سے ہوگا اگر دو سدس ہوں اور تین سے اگر تہائی اور چھٹا ہو اور چار سے اگر آدھا اور چھٹا ہو

وَخَمْسَةٍ لَوْثُلُثَانِ وَسُدُسٌ اَوْ نِصْفٌ وَسُدُسَانِ اَوْنِصْفٌ وَثُلُثٌ وَلَوْ مَعَ الاَوَّلِ مَنْ لاَيُرَدُّ عَلَيْهِ

اور پانچ سے اگر دو تہائی اور چھٹا یا آدھا اور دو چھٹے یا آدھا اور تہائی ہو اور اگر ہو اول کے ساتھ وہ جس پر رد نہیں ہوتا

اَعْطِ فَرْضَهُ مِنْ اَقَلِّ مَخَارِجِهٖ ثُمَّ اقْسِمِ الْبَاقِي عَلٰى مَنْ يُرَدُّ عَلَيْهِ كَزَوْجٍ وَثَلٰثِ بَنَاتٍ وَاِنْ لَمْ يَسْتَقِمْ

تو دیدے اس کا فرض اقل مخارج سے پھر تقسیم کردے باقی من یرد علیہ پر جیسے شوہر اور تین بیٹیاں اور اگر پورا نہ بٹے

فَاِنْ وَافَقَ رُؤُسَهُمْ فَاضْرِبْ وُفْقَ رُؤُسِهِمْ فِي مَخْرَجِ مَنْ لاَيُرَدُّ عَلَيْهِ كَزَوْجٍ وَسِتِّ بَنَاتٍ وَاِلَّا فَاضْرِبْ

تو پھر اگر ان کے رؤس میں توافق ہو تو ضرب دے وفق رؤس کو من لا یرد علیہ کے مخرج میں جیسے شوہر اور چھ بیٹیاں ورنہ ضرب دے

كُلَّ رُؤُسِهِمْ فِي مَخْرَجِ فَرْضِ مَنْ لاَيُرَدُّ عَلَيْهِ كَزَوْجٍ وَخَمْسِ بَنَاتٍ.

کل رؤس کو من لا یرد علیہ کے فرض کے مخرج میں جیسے شوہر اور پانچ بیٹیاں۔

تشریح الفقہ: قولہ والا الخ دوسری قسم کا بیان ہے کہ اگر مسئلہ میں صرف من یرد علیہ ہوں اور جنس واحد کے نہ ہوں دو یا اس سے زائد کے ہوں تو مسئلہ ان کے سہام سے ہوگا پس اگر مسئلہ میں دو سدس جمع ہوں تو مسئلہ دو سے ہوگا جیسے (مسئلہ ۲ — جدہ ۱، اخت لام ۱) اور ثلث اور سدس جمع ہوں تو تین سے ہوگا جیسے (مسئلہ ۳ — ولد ام ۱، ام ۱) اور اگر نصف اور سدس جمع ہوں تو چار سے ہوگا جیسے (مسئلہ ۴ — بنت ۳، ام ۱) اور اگر ثلثان وسدس، نصف وسدس، نصف وثلث جمع ہوں تو پانچ سے ہوگا جیسے (مسئلہ ۵ — بنت ۲، ام ۱) (مسئلہ ۵ — بنت ۳، بنت الابن ۱، ام ۱) (مسئلہ ۵ — حقیقی بہن ۳، ام ۱) یہ سب مسئلے اصل میں چھ سے تھے

قولہ ولو مع الاول الخ۔ تیسری قسم کا بیان ہے کہ اگر مسئلہ میں ایک جنس کے لوگ ہوں اور ان کے ساتھ من لا یرد علیہ بھی ہو تو من لا یرد علیہ کو اس کے اقل مخارج سے ضرب دیکر باقی مال من یرد علیہ پر تقسیم کر دیا جائیگا اگر برابر تقسیم ہو جاتا ہو جیسے (مسئلہ ۴ — زوج ۱، بنات ۳) اور اگر باقی مال من یرد علیہ پر برابر تقسیم نہ ہوتا ہو تو دیکھا جائیگا کہ عدد رؤس وعدد سہام میں توافق ہے یا نہیں۔ اگر توافق ہو تو وفق رؤس کو اصل میں ضرب دیں گے مثلاً میت نے زوج اور چھ لڑکیاں چھوڑیں تو زوج کا فرض اقل مخارج یعنی چار سے ایک دیا تو تین بچے جو چھ لڑکیوں پر برابر تقسیم نہیں ہوتے اس لئے چھ کے وفق یعنی ۲ کو اصل مسئلہ یعنی چار سے ضرب دیجائیگی حاصل ضرب آٹھ ہوں گے جس میں دو زوج کو ملیں گے اور چھ حصے چھ لڑکیوں کو، صورت یہ ہے (مسئلہ ۴ تصح ۸ — زوج ۱، بنات ۶ ۳، وفق ۲) اور اگر عدد رؤس وعدد سہام میں توافق نہ ہو تباین ہو تو کل رؤس کو من لا یرد علیہ کے فرض کے مخرج میں ضرب دیں گے مثلاً میت نے زوج اور پانچ لڑکیاں چھوڑیں تو زوج کو اقل

مخارج یعنی ۴ سے ایک دینے کے بعد تین بچے جو ۵ لڑکیوں پر تقسیم نہیں ہو سکتے اور تین اور ۵ میں تباین ہے اس لئے کل عدد روس (۵) کو اصل مسئلہ یعنی چار سے ضرب دیں گے حاصل ضرب بیس ہوگا تو زوج کو ۵ اور لڑکیوں کو مجموعہ (۱۵) اور فی کس تین تین ملینگے۔ صورت یہ ہے۔

مسئلہ ۴ تصح ۲۰

زوج	بنات ۵
۵	۱۵

وَلَوْ مَعَ الثَّانِي مَنْ لَايُرَدُّ عَلَيْهِ فَاقْسِمْ مَابَقِيَ مِنْ مَخْرَجِ فَرْضِ مَنْ لَايُرَدُّ عَلَيْهِ عَلٰى مَسْئَلَةِ مَنْ يُرَدُّ عَلَيْهِ
اور اگر ہو ثانی کے ساتھ من لا یرد علیہ تو تقسیم کر اس کو جو باقی رہے من لا یرد علیہ کے فرض کے مخرج سے من یرد علیہ کے مسئلہ پر
كَزَوْجَةٍ وَاَرْبَعِ جَدَّاتٍ وَسِتِّ اَخَوَاتٍ لِاُمٍّ وَاِنْ لَمْ يَسْتَقِمْ فَاضْرِبْ سِهَامَ مَنْ يُرَدُّ عَلَيْهِ
جیسے بیوی اور چار جدات اور چھ اخیافی بہنیں اور اگر پورا نہ بٹے تو ضرب دے من یرد علیہ کے سہام کو
فِيْ مَخْرَجِ فَرْضِ مَنْ لَايُرَدُّ عَلَيْهِ كَاَرْبَعِ زَوْجَاتٍ وَتِسْعِ بَنَاتٍ وَسِتِّ جَدَّاتٍ ثُمَّ اضْرِبْ سِهَامَ مَنْ لَايُرَدُّ عَلَيْهِ
من لا یرد علیہ کے فرض کے مخرج میں جیسے چار بیویاں اور نو بیٹیاں اور چھ جدات پھر ضرب دے من لا یرد علیہ کے سہام کو
فِيْ مَسْئَلَةِ مَنْ يُرَدُّ عَلَيْهِ وَسِهَامَ مَنْ يُرَدُّ عَلَيْهِ فِيْمَا بَقِيَ مِنْ مَخْرَجِ مَنْ لَايُرَدُّ عَلَيْهِ وَاِنِ انْكَسَرَ فَصَحِّحْ كَمَا مَرَّ
من یرد علیہ کے مسئلہ میں اور من یرد علیہ کے سہام کو اس میں جو باقی رہے من لا یرد علیہ کے مخرج سے اور اگر کسر واقع ہو تو تصحیح کر مثل سابق

تشریح الفقہ: قولہ ولو مع الثانی الخ۔ چوتھی قسم کا بیان ہے کہ اگر مسئلہ میں ایک جنس کے لوگ نہ ہوں اور ان کیساتھ من لا یردعلیہ بھی ہو تو اس صورت میں اس مال کو جو من لا یردعلیہ فرض کے مخرج سے باقی رہا ہے اس کو من یردعلیہ کے مسئلہ سے تقسیم کردو۔ مثلاً میت نے زوجہ، چار جدات اور چھ اخوات لام چھوڑیں تو زوجہ کو اس کا فرض (ربع اقل مخارج (۴) سے ایک دینے کے بعد تین بچے، اب ہم نے من لا یردعلیہ کو معدوم فرض کر کے من لا یردعلیہ یعنی دادیوں اور ماں شریک بہنوں کا مسئلہ علیحدہ کیا جو دو جنس کی ہیں تو دادیاں چھٹے حصے کی مستحق ہیں لہذا انہیں ایک دیا اور ماں شریک بہنیں ثلث کی مستحق ہیں اس لئے انہیں دو دیئے۔ پھر سب کے عدد روس و عدد سہام میں نسبت دیکھی تو چار دادیوں اور ان کے سہام (۱) میں تباین کی نسبت نکلی اس لئے ایک کو دوسرے سے ضرب دی اور حاصل ضرب یعنی بارہ کو اصل مسئلہ یعنی چار سے ضرب دی تو کل حاصل ضرب ۴۸ ہوئے۔ اسی سے سب کو تقسیم کیا جائیگا تو ایک بیوی کو بارہ اور چار دادیوں کو مجموعۂ بارہ اور فی کس تین اور چھ ماں شریک بہنوں کو مجموعۂ چوبیس اور فی کس ۴ ملیں گے صورت یہ ہے۔

مسئلہ ۴ تصح ۴۸

زوجہ	جدات ۴	اخوات لام ۶
۱ / ۱۲	۱ / ۱۲	۲ / ۲۴

قولہ وان لم یستقم الخ۔ اور اگر من لا یردعلیہ کے فرض کا مخرج من یردعلیہ کے مسئلہ پر مستقیم نہ ہو تو من یردعلیہ کے جمیع مسئلہ کو من لا یردعلیہ کے فرض کے مخرج سے ضرب دیدو پس حاصل ضرب فریقین کے فروض کا مخرج ہوگا۔ پھر من لا یردعلیہ کے سہام کو من لا یردعلیہ کے مسئلہ میں ضرب دو اور من لا یرد کے سہام کو من لا یردعلیہ کے مخرج سے بچے ہوئے عدد سے ضرب دو۔

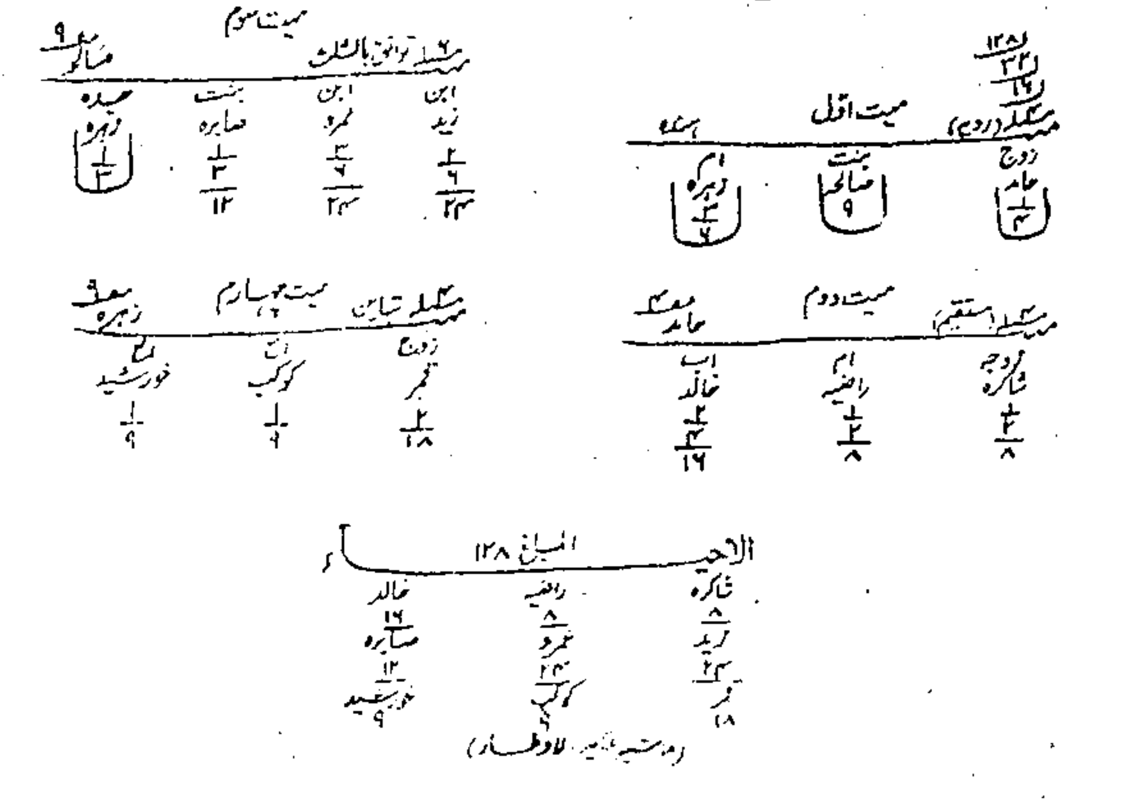
وَاِنْ مَاتَ الْبَعْضُ قَبْلَ الْقِسْمَةِ فَصَحِّحْ مَسْئَلَةَ الْمَيِّتِ الاَوَّلِ وَاَعْطِ سِهَامَ كُلِّ وَارِثٍ ثُمَّ صَحِّحْ
اگر مرجائے کوئی تقسیم سے پہلے تو تصحیح کر میت اول کے مسئلہ کو اور دے ہر وارث کا حصہ پھر تصحیح کر
مَسْئَلَةَ الْمَيِّتِ الثَّانِي فَانْظُرْ بَيْنَ مَافِي يَدِهٖ مِنَ التَّصْحِيْحِ الاَوَّلِ وَبَيْنَ التَّصْحِيْحِ الثَّانِي ثَلٰثَةَ اَحْوَالٍ
میت ثانی کا مسئلہ پس لحاظ کر تصحیح اول کے مافی الید میں اور تصحیح ثانی میں تین حالتوں کا
فَاِنْ اِسْتَقَامَ مَافِي يَدِهٖ مِنَ التَّصْحِيْحِ الاَوَّلِ عَلَى التَّصْحِيْحِ الثَّانِي فَلاَ ضَرْبَ وَصَحَّتَا مِنْ تَصْحِيْحِ الْمَيِّتِ الاَوَّلِ
پس اگر مستقیم ہو تصحیح اول کا مافی الید تصحیح ثانی پر تو ضرب کی ضرورت نہیں بلکہ صحیح ہوجائیں گے دونوں مسئلے میت اول کی تصحیح سے
وَاِنْ لَمْ يَسْتَقِمْ فَاِنْ كَانَ بَيْنَهُمَا مُوَافَقَةٌ فَاضْرِبْ وُفْقَ التَّصْحِيْحِ الثَّانِي فِي كُلِّ التَّصْحِيْحِ الاَوَّلِ
اور اگر مستقیم نہ ہو تو اگر ان میں موافقت ہو تو ضرب دے تصحیح ثانی کے وفق کو تصحیح اول کے کل میں
وَاِنْ كَانَ بَيْنَهُمَا مُبَايَنَةٌ فَاضْرِبْ كُلَّ التَّصْحِيْحِ الثَّانِيْ فِي التَّصْحِيْحِ الاَوَّلِ فَالْمَبْلَغُ مَخْرَجُ الْمَسْئَلَتَيْنِ
اور اگر ان میں مباینت ہو تو ضرب دے کل تصحیح ثانی کو تصحیح اول میں پس حاصل ضرب دونوں مسئلوں کا مخرج ہوگا
وَاضْرِبْ سِهَامَ وَرَثَةِ الْمَيِّتِ الاَوَّلِ فِي التَّصْحِيْحِ الثَّانِي اَوْ فِي وُفْقِهٖ
اور ضرب دے میت اول کے ورثہ کے سہام کو تصحیح ثانی میں یا اس کے وفق میں
وَسِهَامَ وَرَثَةِ الْمَيِّتِ الثَّانِيْ فِي نَصِيْبِ الْمَيِّتِ الثَّانِي اَوْ فِي وُفْقِهٖ.
اور میت ثانی کے ورثہ کے سہام کو میت ثانی کے نصیب میں یا اس کے وفق میں۔

مناسخہ

تشریح الفقہ : قولہ وان مات البعض الخ۔ یہاں سے مناسخہ کے احکام بیان کررہا ہے، مناسخہ نسخ سے ہے بمعنی نقل وتحویل، یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ ہنوز میت اول کا ترکہ ورثہ پر تقسیم نہ ہوا ہو کہ کوئی وارث مرجائے اور اس کے حصہ کا مال پچھلوں کی طرف منتقل ہوجائے ایسی صورت میں پہلے میت اول کے مسئلہ کی تصحیح کیجائیگی اور ہر وارث کے سہام دیدیئے جائیں گے پھر میت ثانی کے مسئلہ کی تصحیح کیجائیگی اور دونوں تصحیحوں کے مافی الید میں غور کریں گے کہ ان میں استقامت ہے یا توافق یا تباین۔ اگر تصحیح اول کا مافی الید تصحیح ثانی پر مستقیم ہو یعنی اسکے وارثوں پر بلا کسر مقسوم ہوجائے تب تو ضرب وغیرہ کی کوئی ضرورت ہی نہیں اور اگر مستقیم نہ ہو اور میت ثانی کے سہام میں اور اس کے مسئلہ میں توافق نہ ہو تباین ہو تو جمیع تصحیح ثانی کو جمیع تصحیح اول میں ضرب دیں گے پس جو حاصل ضرب ہو وہ دونوں مسئلوں کا مخرج ہوگا اس کے بعد میت اول کے سہام کو مضروب میں ضرب دیں گے یعنی بتقدیر مباینت تصحیح ثانی میں اور بتقدیر توافق تصحیح ثانی کے وفق میں ضرب دیں گے، اس طریق پر ہر وارث کا حصہ مبلغ مذکور سے نکل آئیگا، اس کی ایک جامع مثال جس میں احوال ثلثہ یعنی استقامت اور توافق اور تباین مجتمع ہوں یہ ہے کہ ایک عورت زوج اور بیٹی اور ماں چھوڑ کر مرگئی پھر زوج تقسیم ترکہ سے پیشتر ایک زوجہ اور والدین چھوڑ کر مرگیا پھر بیٹی دو بیٹے اور ایک بیٹی اور اس جدہ کو چھوڑ کر مرگئی جو میت اول کی ماں ہے پھر وہ جدہ، زوج اور دو بھائی چھوڑ کر مرگئی تو اس میں میت ثانی استقامت کی مثال ہے۔ اور میت ثالث توافق کی اور میت رابع تباین کی۔ اب ہم نے پہلے میت اول کا مسئلہ صحیح کیا اور ہر وارث کو اس کے

سہام دیئے پھر ثانی مسئلہ کی تصحیح کی اور میت ثانی اور اس کی تصحیح میں غور کیا تو مسئلہ اولی کی تصحیح نصف وربع اور سدس کے اجتماع کی وجہ سے بارہ سے ہوئی اور ردفرض کرنا پڑا، بایں طور کہ زوج کے تین سہم اور بنت کے چھ اور ماں کے دو ہوئے ایک سہم باقی رہا اس کو بیٹی اور ماں پر ان کے سہام کے مطابق رد کریں گے تو عمل رد کی ضرورت پڑی، سو اس مسئلہ میں من یرد علیہ کی دو جنسوں کے ساتھ من لا یرد علیہ جمع ہوا یعنی بنت اور ام کیساتھ زوج، تو زوج کا حصہ اقل مخارج یعنی ۴ سے دیا اور من لا یرد علیہ کا مسئلہ بھی چار ہے اس واسطے کہ اگر ربع سے قطع نظر کریں تو مسئلہ چھ سے ہے۔ نصف یعنی تین بنت کا فرض ہے اور سدس یعنی ایک ام کا ہے تو من یرد علیہ کا مسئلہ چار ہوا اور زوج کو دینے کے بعد تین باقی ہے وہ من یرد علیہ کے مسئلہ پر مستقیم نہیں تو من لا یرد علیہ کے فرض کے مخرج میں من یرد علیہ کے مسئلہ کو یعنی چار کو ضرب دینے کی ضرورت پڑی اور من لا یرد علیہ کے فرض کا مخرج بھی چار ہے تو چار کو چار میں ضرب دینے سے ۱۶ حاصل ہوئے۔ اب زوج کا حصہ چار میں سے ایک تھا جب اس کو مسئلہ من یرد علیہ یعنی چار میں ضرب دیا تو چار ہی ہوئے اور من یرد علیہ کا حصہ مخرج فرض کی باقی میں ضرب دیا تو ماں کا حصہ چار میں سے ایک تھا جب اسکو اس تین میں ضرب دیا تو جو مخرج سے باقی ہے تو تین ہی حاصل ہوئے اور بیٹی کا حصہ تین تھا جب اس کو تین میں ضرب دیا تو نو حاصل ہوئے پس اس تقسیم سے زوج کو چار سہم حاصل ہوئے اور ماں کو تین اور بیٹی کو نو، پھر ہم نے میت ثانی کے مسئلہ کی تصحیح کی یعنی زوج کی تو اس کی تصحیح چار سہم سے پائی، کیونکہ اس کی زوجہ کا ربع ہے اور اس کی ماں کا حصہ باقی مال کا تہائی ہے اور اسکے باپ کا حصہ دو تہائیاں ہیں اس کے بعد ہم نے زوج کے مافی الید سہام میں غور کیا تو چار سہام پائے جو اس کے ورثہ پر بلا کسر مستقیم ہیں ان میں سے ایک سہم زوجہ کا ہے اور ثلث باقی یعنی ایک سہم ماں کا اور دو ثلث یعنی دو سہم باپ کے تو اس تصحیح میں ضرب کی ضرورت نہیں پڑی اور پہلا مسئلہ اور دوسرا مسئلہ سولہ سے صحیح ہو گیا۔ پورے مسئلہ کی صورت یہ ہے۔ (غایۃ الاوطار، تہذیب)

مثال مناسخہ



وَيُعْرَفُ حَظُّ كُلِّ فَرِيْقٍ مِنَ التَّصْحِيْحِ بِضَرْبِ مَالِكُلٍّ مِنْ اَصْلِ الْمَسْئَلَةِ فِيْمَا ضَرَبْتَهُ

اور معلوم ہوجاتا ہے ہر فریق کا حصہ تصحیح سے اس کو ضرب دینے سے جو ہر ایک کے لئے ہے اصل مسئلہ سے اس میں جس میں ضرب دی ہے تو نے

فِيْ اَصْلِ الْمَسْئَلَةِ وَحَظُّ كُلِّ فَرْدٍ بِنِسْبَةِ سِهَامِ كُلِّ فَرِيْقٍ مِنْ اَصْلِ الْمَسْئَلَةِ اِلٰى عَدَدِ رُؤُسِهِمْ مُفْرَدًا

اس کو اصل مسئلہ میں اور ہر شخص کا حصہ نسبت قائم کرنے سے اصل مسئلہ سے ہر فریق کے حصہ کی ان کے عدد رؤس کے ساتھ تنہا

ثُمَّ يُعْطٰى بِمِثْلِ تِلْكَ النِّسْبَةِ مِنَ الْمَضْرُوْبِ بِكُلِّ فَرْدٍ.

پھر دیدیا جائے اسی نسبت کے بقدر مضروب سے ہر فرد کو۔

تصحیح میں سے ہر فریق کے حصہ کی شناخت کا طریقہ

تشریح الفقہ : قوله ويعرف الخ اگر یہ معلوم کرنا چاہیں کہ تصحیح میں سے ہر فریق کا کتنا حصہ ہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ عدد جو ہر فریق کو اصل مسئلہ سے ملا تھا اس کو اس عدد میں ضرب دیں جس کو اصل مسئلہ میں ضرب دیا گیا ہے۔ پس اس ضرب سے جو حاصل ہو وہی اس فریق کا حصہ ہوگا جیسے۔

مسئلہ ۲۴ تصح ۵۰۴۰

زوجات	جدات ٦	بنات ١٠	اعمام ٧
٣	٤	١٦	١
٦٣٠ فی ٣١٥	٨٤٠ فی ١٤٠	٣٣٦٠ فی ٣٦٠	٢١٠ فی ٣٠

اس میں زوجات، جدات وغیرہ جتنے حق دار ہیں سب فریق ہیں اور وہ بڑا عدد جو ۲۴ سے ضرب دینے کے بعد حاصل ہوا ہے یعنی ۵۰۴۰ عدد تصحیح ہے اور جس عدد سے ۲۴ کو ضرب دی ہے وہ مضروب ہے اور ۲۴ کو جتنے حصوں میں اولاً تقسیم کیا ہے وہ اصل مسئلہ ہے۔ اب اگر ہم یہ چاہیں کہ تصحیح (۵۰۴۰) سے ہر فریق مثلاً زوجات کو کتنا ملا ہے تو زوجہ کے حصے (۳) کو اسی عدد میں ضرب دیں گے جس کو اصل مسئلہ (۲۴) سے ضرب دیا ہے جس کو مضروب کہتے ہیں یعنی ۲۱۰۔

ضرب کی صورت یہ ہے ۲۱۰ $\frac{٣}{٦٣٠}$ پس حاصل ضرب یعنی ۶۳۰ کل زوجات کا حصہ ہے۔

تصحیح سے ہر فریق کے ہر فرد کا حصہ معلوم کرنے کا طریقہ

قوله وحظ کل فرد الخ۔ اگر یہ معلوم کرنا چاہیں کہ تصحیح میں سے ہر فریق کے ہر ہر فرد کو کتنا ملا ہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ اصل مسئلہ سے ہر فریق کے حصہ کی نسبت عدد رؤس کے ساتھ قائم کی جائے پھر اسی نسبت کے مثل مضروب سے اس فریق کے ہر ہر شخص کو حصہ دیدیا جائے۔ مثلاً مسئلہ مذکورہ میں زوجات کے رؤس و سہام میں تباین کی نسبت ہے تو عدد رؤس (۲) اور عدد سہام (۳) میں نسبت دیکھی معلوم ہوا کہ ان میں ڈیوڑھے کی نسبت ہے۔ اسی ڈیوڑھی نسبت کو مضروب (۲۱۰) میں ضرب دیں گے جس سے ۳۱۵ حاصل ہونگے پس یہی ۳۱۵ ہر زوجہ کا حصہ ہوگا۔ وعلی ہذا القیاس (تنویر بتغییر) محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَاِنْ اَرَدْتَ قِسْمَةَ التَّرْكَةِ بَيْنَ الْوَرَثَةِ اَوِ الْغُرَمَاءِ فَاضْرِبْ سِهَامَ كُلِّ وَارِثٍ مِنَ التَّصْحِيْحِ فِيْ كُلِّ التَّرْكَةِ

اور اگر تو چاہے ترکہ تقسیم کرنا ورثہ میں یا قرضخواہوں میں تو ضرب دیدے تصحیح سے ہر وارث کے سہام کو جمیع ترکہ میں

ثُمَّ اقْسِمِ الْمَبْلَغَ عَلَى التَّصْحِيْحِ وَمَنْ صَالَحَ مِنَ الْوَرَثَةِ فَاجْعَلْهُ كَاَنْ لَمْ يَكُنْ وَاقْسِمْ مَابَقِيَ عَلٰى سِهَامِ مَنْ بَقِيَ

پھر تقسیم کردے مبلغ کو تصحیح پر جس نے صلح کرلی ورثہ میں سے تو اس کو معدوم فرض کرکے تقسیم کر ماقبی کو باقی ورثہ کے سہام پر،

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ بِنِعْمَتِهٖ تَتِمُّ الصّٰلِحٰتُ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مُحَمَّدٍ

تمام تعریفیں خدا کے لئے ہیں جس کی نعمت سے انجام پاتے ہیں امور خیر اور درود وسلام ہو اس کے رسول محمد ﷺ پر

خَيْرِ خَلْقِهٖ وَاٰلِهٖ اَجْمَعِيْنَ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِيْنَ.

جو بہترین خلق ہیں اور آپ کی تمام آل پر جو پاک صاف ہیں۔

ورثہ پر تقسیم ترکہ کی ترکیب

تشریح الفقہ : قولہ وان اردت الخ۔ اگر میت کا ترکہ ورثہ میں تقسیم کرنا ہو تو تصحیح میں سے جتنا ایک وارث کو پہونچے اس کو کل ترکہ میں ضرب دینگے اور حاصل ضرب کو تصحیح پر تقسیم کرینگے پس جو خارج قسمت ہو وہ ترکہ میں سے وارث مذکور کا حصہ ہوگا۔ مثلاً میت نے ماں باپ اور دو لڑکیاں چھوڑیں اور کل ترکہ سات دینار ہے تو ماں کا حصہ جو ایک ہے اس کو جمیع ترکہ یعنی سات میں ضرب دینگے تو حاصل ضرب سات ہی ہوگا پھر سات کو اصل مسئلہ یعنی چھ سے تقسیم کرینگے تو حاصل قسمت $1\frac{1}{6}$ ہوا، یہی $1\frac{1}{6}$ کل ترکہ سے ماں کا حصہ ہوا۔

تخارج کا بیان

قولہ ومن صالح الخ۔ اگر کوئی وارث ترکہ میں سے کسی مقدار پر صلح کرلے تو اس کے سہام کو کان لم یکن کرکے باقی ترکہ باقی ورثہ کے سہام پر تقسیم کیا جائیگا۔ مثلاً ورثہ شوہر، ماں اور چچا ہیں اور شوہر نے کسی مقدار پر صلح کرلی تو باقی ترکہ ماں اور چچا کے درمیان تین حصوں پر تقسیم ہوگا ان دونوں کے سہام کے اندازہ کے مطابق، پس دو سہم ماں کے ہونگے اور ایک سہم چچا کا۔

سبحان ربک رب العزة عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمدللہ رب العالمین

قد وقع الفراغ من شرح المجلد الثانی ثانیا بعد ما سرق منه جزء والحمد للہ وحده

والصلوة علی من لا نبی بعده

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

۵/ذی الحجہ ۱۳۸۸ھ